تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر
تک ملّت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملّت

تالیف

جناب مُفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی
جناب مُفتی اِنتظام اللّٰہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ اوّل

نبی عربی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم
خلافتِ راشدہ
خلافتِ بنی اُمیّہ
خلافتِ ہسپانیہ

اِدارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ ملت

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلبا کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مُفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی ○ جناب مُفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ اوّل

① نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
② خلافتِ راشدہ
③ خلافت بنی اُمیّہ
④ خلافتِ ہسپانیہ

① نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
② خلافت راشدہ
③ خلافت بنی اُمیّہ
④ خلافت ہسپانیہ
⑤ خلافت عباسیہ: اول
⑥ خلافت عباسیہ: دوم
⑦ تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ
⑧ خلافت عثمانیہ
⑨ تاریخ صقلیہ
⑩ سلاطین ہند: اوّل
⑪ سلاطین ہند: دوم

ادارۂ اسلامیات ○ انار کلی لاہور

نام کتاب —— "تاریخ ملت" جلد ۱

اوّل طباعت —— فروری ۱۹۹۱ء بمطابق ۱۴۱۱ھ

باہتمام —— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر —— ادارۂ اسلامیات - لاہور ۲

طباعت ——

کتابت —— مُشتاق احمد، جلالپوری

قیمت

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

* —— دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۳۲۴۴۱۲، فیکس ۶۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

* —— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون —— ۷۲۴۴۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

* —— موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۲۷۲۲۳۰۱

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ - انارکلی، لاہور ۲

دارالاشاعت اُردو بازار کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، ڈاکخانہ دارالعلوم، کراچی ۱۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عرضِ ناشر

تاریخ نویسی انسانی عہد کی ابتدائی داستان گوئی سے دورِ حاضر کی اکتشافی تحقیقات تک آپہنچی ہے۔ صدہا صدیوں کی اس مسافت کو دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ نویسی کی تاریخ خود اصل تاریخ سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہے۔ تاریخ کے کتنے ہی مصنف ایسے ہیں جن کے محض نام اب اوراق کی زینت ہیں اور کتنے ہی مؤرخ خود تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئے۔

تاریخ نویسی کے اسی تسلسل میں ایک اہم واقعہ ظہورِ اسلام ہے۔ اسلام کا یہ احسان مؤرخین کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ اس نے تاریخ کو اس وقت ایک علم اور فن کی حیثیت دی جب اس کی وقعت دیومالائی داستانوں، تخیلاتی قصوں اور توہماتی کہانیوں سے زیادہ نہ تھی۔ علمِ حدیث کی سائنس نے جہانِ علم کے دوسرے گوشوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کو بھی منور کیا اور روایات میں اسناد شامل کر کے نہ صرف علمِ تاریخ کو مربوط و مستحکم کیا بلکہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز بھی آسان کر دی۔

مسلمانوں نے تاریخ بھی بنائی اور فنِ تاریخ بھی۔ اور ان دونوں کے ساتھ ساتھ مؤرخین کی فہرست میں ایسے جلیل القدر ناموں کا بھی اضافہ کیا جن کے بیان کردہ فلسفۂ تاریخ، اس کے اصول ضوابط اور اقوام و افراد کے عروج و زوال کے تجزیے گویا علمِ تاریخ کا قانون بن گئے۔ انہیں نصاب کے طور پر پڑھا اور پڑھایا جاتے لگا اور زمانہ صدیوں سے ان نظریات میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں کر سکا۔

ایک عمدہ تاریخ نویس کے اسلوب کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ قاری کو اپنے ہمراہ اس حیرت خانۂ ایام میں لے جاتا ہے جس کا نام ماضی ہے۔ زمان، مکان اور زبان کا بُعد اُن کے سیر تماشا میں حائل نہیں ہوتا۔ وہ کرداروں کو اپنی اچھائیوں، بُرائیوں سمیت اور پس و پیش منظر کو اپنی جزئیات کے ساتھ طلوع و غروب ہوتے دیکھتے ہیں۔ وہاں لمحے متحرک اور ساعتیں فعال ہیں۔ سیالِ وقت اُن کے سامنے پیمانۂ ایام میں لمحہ لمحہ ٹپکتا اور منجمد ہوتا رہتا ہے۔ واقعات اپنے تاریخی تسلسل کے ساتھ بتدریج اُبھرتے اور ڈوبتے چلے جاتے ہیں اور قاری تاریخ نویس کی انگلی تھامے تجسس کی راہیں بدلتے ہوئے گلیوں محلوں مکانوں، درباروں، لشکروں اور لشکریوں کے درمیان گھومتا پھرتا چلا جاتا ہے۔

ع ایک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں منظر روشن

زیرِ نظر کتاب "تاریخِ ملت" اسی اسلوبِ بیان کی ایک نمائندہ کتاب ہے۔ یوں تو تاریخِ اسلام پر بیشمار کُتب لکھی گئی ہیں لیکن وہ عموماً عباسی دورِ حکومت سے آگے کی تفصیل پیش نہیں کرتیں۔ یا پھر سرسری سے انداز میں باقی سنین کے اہم واقعات کا خلاصہ چند صفحات میں دیدیا گیا ہے۔ "تاریخِ ملت" کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ یکساں تفصیل کیساتھ تاریخ قبل از اسلام سے ہندوستان میں آخری تاجدارِ مغلیہ بہادر شاہ ظفر تک کے واقعات مستند حوالوں سے پیش کرتی ہے۔ یہ اور اسی طرح کی دیگر نمایاں خصوصیات درجِ ذیل ہیں :-

چند نمایاں اور منفرد خصوصیات

- تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مُغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک اسلام کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ - اڑھائی ہزار سے زائد صفحات پر -
- ہر حکمران کی سیرت، سوانح، کردار اور عہدِ سلطنت کے واقعات -
- اہم حکمرانوں کے نظامِ سلطنت اور ملک کی عمومی حالت کا سیر حاصل تجزیہ -
- سلطنتوں اور افراد کی کامیابیوں اور ناکامیوں کے اسباب -
- ہر عہدِ حکومت کے دلچسپ، نادر اور نایاب واقعات -
- ہر دور کے ممتاز علماء، فقہاء، محدثین، شعراء اور دیگر فنون کے ماہرین کا تعارف، کارنامے اور مختصر حالاتِ زندگی -
- مملکتوں کے نقشے، چارٹ اور بادشاہوں کے شجرہ ہائے نسب -
- مختلف ادوار میں علمی ترقی کا احوال اور ضمناً علوم و فنون کی تاریخ -
- مُستند اور معروف تاریخی کُتب کے مکمل حوالے طلباء اور اساتذہ کی نصابی ضروریات سے مطابقت -
- سلیس، سادہ، آسان اور عام فہم اندازِ بیان -
- ابواب کی تقسیم، ذیلی سُرخیاں، مکمل اور جامع فہرست، کسی موضوع کی تلاش انتہائی سہل -

یہ ہمارے لئے بہت بڑا شرف ہے کہ ہم "ندوۃ المصنفین" ہندوستان کی یہ شاہکار کتاب اپنے ادارہ سے قارئین اور اہلِ علم حضرات کے سامنے پہلے سے کہیں بہتر انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے مصنفین اور ناشرین کے لئے باعثِ اجر و برکت بنائے۔ آمین !

اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن

فہرست مضامین

جلد اوّل

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم

دیباچہ

(طبع اوّل)

اسلام کا ماضی اس قدر شاندار ہے کہ دُنیا کی کوئی ملت اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتی۔ تاریخ اسلام کے ایک ایک باب میں حق پرستی، جاں سپاری، صداقت شعاری، عدل گستری اور معارف پروری کی ہزاروں داستانیں پنہاں ہیں۔ مسلمان بچوں کو اگر بچپن ہی سے اپنے اسلاف کے ان زرّیں کارناموں سے واقف کرا دیا جائے تو وہ اپنے لئے اور مُلک وملت کے لئے بہت کچھ مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

بنابریں محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی نے یہ خدمت میرے سپرد کی کہ میں ہندوستان کے مُسلمان بچوں کے لئے تاریخ اسلام کا ایک مختصر نصاب مرتب کروں۔

ہر چند کہ میں اپنی ناقابلیت اور مصروفیت کے سبب اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے موزوں نہ تھا مگر تعمیلِ حکم اور تحصیلِ سعادت کے شوق میں اس بارِ گراں کو قبول کرلیا۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا حصّہ نبی عربی جو سیّد المرسلین رحمۃ للعٰلمین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃِ طیبہ پر مشتمل ہے ہدیۂ ناظرین ہے۔

اس حصّہ کی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:-

۱۔ سیرتِ طیبہ سے متعلق تمام اہم واقعات اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے بیان کردیئے گئے ہیں۔

۲۔ واقعات کے بیان میں تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر ربط و تسلسل کا دامن بھی کسی صورت ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا۔

۳ - جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی ہے وہاں واقعات کے اسباب وعلل سے بھی سہل انداز میں بحث کی گئی ہے۔

۴ - زبان آسان وسلیس لکھی گئی ہے اور بیان میں سادگی وشگفتگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۵ - تمام مضامین عربی کی بعض قدیم اور بیشتر جدید سیرت کی معتبر ومستند کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ سیرت کی جدید کتابوں میں سے یہ چار کتابیں تو اس تالیف کے لئے اساطینِ اربعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

نور الیقین[۱] فی سیرۃ سید المرسلین (للشیخ محمد الخضری بک)

دروس[۲] التاریخ الاسلامی (لمحی الدین الخیاط)

محمد[۳] رسول اللہ (لمحمد رضا)

حیات[۴] سید العرب (لحسین عبداللہ باسلامہ)

جہاں کہیں ضرورت سمجھی گئی ہے ماخذ کے حوالے بھی دیدیئے گئے ہیں۔

اُمید ہے کہ یہ حصہ مسلمان بچوں کے علاوہ ان بڑوں کے لئے بھی جو قلیل وقت میں سیرت طیبہ کی کثیر برکات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں، مفید ثابت ہوگا۔

زین العابدین کان اللہ لہٗ

قاضی منزل میرٹھ - ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ جمعۃ المبارک

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔

مقدّمہ

علم تاریخ تاریخ ایک ضروری اور مفید علم ہے اس سے ہم کو دُنیا کی تمام نئی اور پرانی قوموں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور ہم اُن کی ترقی اور تنزلی کے اسباب سے واقف ہو جاتے ہیں ۔ ہم جان جاتے ہیں کہ کس طرح ایک قوم عزت کے آسمان کا ستارہ بن کر چمکی اور دوسری قوم ذِلت کے میدان کی گرد بن کر منتشر ہو گئی ۔ اس طرح ہمارا تجربہ بڑھتا ہے ۔ ہماری معلومات میں زیادتی ہوتی ہے اور ہم اپنی اور اپنی قوم کی زندگی کو بہتر اور شاندار بنا سکتے ہیں ۔

تاریخ کی ابتداء انسان کی عادت ہے کہ جب اس کی زندگی میں کوئی بڑا اور خاص واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اسے ہمیشہ یاد رکھتا ہے بلکہ روزمرہ پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی اس سے نسبت دے کر یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں جو طوفان آیا وہ ایک بڑا واقعہ تھا اب لوگوں نے اُس واقعہ کی طرف نسبت دے کر کہنا شروع کیا کہ فلاں شخص طوفانِ نوح سے سو برس پہلے پیدا ہوا تھا یا فلاں لڑائی طوفانِ نوح سے پانچ سو برس بعد ہوئی تھی ۔ بس اِس طرح چھوٹے واقعات کو بڑے واقعات کی طرف نسبت دینے سے تاریخ کی بنیاد پڑ گئی اور آہستہ آہستہ بڑے ملکوں اور قوموں کی تاریخ تیار ہو گئی ۔

تاریخ کے بنیادی پتھر یوں تو دنیا میں بہت سے بڑے بڑے واقعات پیش آئے جن کی طرف نسبت دے کر دنیا کی قوموں نے اپنے حالات کو محفوظ رکھا مگر یہ تین واقعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن پر تاریخ کی بنیادیں اٹھیں۔ دنیا کی ابتداء۔ ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہجرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

معتبر تاریخ دنیا میں انسانی زندگی کی پوری تاریخ باوجود لگاتار اور انتھک کوششوں کے اب تک نہیں معلوم ہو سکی۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ اس کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے اور اس تھوڑے سے حصہ میں سے بھی تحریری صورت میں تقریباً تین ہزار سال کے واقعات ملتے ہیں۔

تاریخ کی قسمیں انسانی تاریخ کی دو قسمیں ہیں: تاریخ عام اور تاریخ خاص۔ تاریخ عام میں تمام دنیا کے انسانوں کے حالات بیان کئے جاتے ہیں اور تاریخ خاص میں کسی خاص قوم یا کسی خاص گروہ یا کسی خاص سلطنت کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخِ اسلام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں مذہب اسلام کی ابتداء انسان کی پیدائش کے ساتھ ہوئی۔ دنیا میں جس قدر پیغمبر آئے ان سب نے اپنی اُمت کو اسلام ہی کا پیغام سنایا۔ یہ ضرور ہے کہ خدا کا یہ پیغام دنیا کے ابتدائی زمانہ میں اس وقت کی ضرورتوں ہی کے مطابق تھا۔ جب دنیا نے ترقی کی منزل میں قدم رکھا اور اس کی ضرورتوں میں اضافہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پیغام کو مکمل صورت میں لے کر آئے۔ عام طور پر خدا کے اس مکمل پیغام کو ہی اسلام کہا جاتا ہے۔ اس لئے تاریخِ اسلام سے اس گروہ کی تاریخ مراد لی جاتی ہے جس نے خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس مکمل پیغام اسلام کو قبول کیا اور جو آج کل دنیا کے ہر حصہ میں تقریباً ستر کروڑ[1] کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔

---

[1] بلکہ اب نوے کروڑ تک پہنچ چکے ہیں۔

تاریخِ اسلام کی خصوصیّت

دنیا کی اکثر قوموں کی تاریخ، کہانیوں اور قصّوں کی صُورت میں ملتی ہے۔ مگر اسلام کی تاریخ میں یہ بات نہیں ہے۔ مسلمانوں نے شروع ہی سے اپنی تاریخ کو مستند طور پر لکھا ہے اور ہر بات کا حوالہ دے دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا کی تاریخ میں "تاریخِ اسلام" ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔

دُنیا کی ابتداء

دُنیا کی ابتداء کے متعلق تاریخ کے عالموں میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرّخین کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش سے صرف چار ہزار سال پہلے انسان پیدا ہُوئے۔ بعض کا بیان ہے کہ چھ ہزار سال پہلے اور بعض کا خیال ہے کہ لاکھوں سال پہلے۔ لیکن سچّی بات یہ ہے کہ دُنیا کی اس سب سے پرانی بات کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ سب مانتے ہیں کہ دنیا کی سب سے پرانی قومیں چینی، ہندوستانی اور مصری ہیں اور یہ دنیا میں آج سے چھ ہزار یا دس ہزار سال پہلے سے پائی جاتی ہیں[1]۔

انسان نے کس طرح ترقی کی

دُنیا کے ابتدائی زمانہ میں انسان بالکل انجان تھا۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعلیمات کی روشنی میں پہلے اُس نے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا سامان کیا۔ پھر کنبے اور خاندان بنائے پھر شہر بسائے اور سلطنتیں قائم کیں۔ اس طرح آہستہ آہستہ ترقی کر کے انسان موجودہ تہذیب کی بلند منزل پر پہنچ گیا۔

زبان

جب انسان اکٹھے زندگی بسر کرنے لگے تو اُنھیں اپنی کہنے اور دوسرے کی سُننے کے لئے بول چال کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ انھوں نے اس مطلب کے لئے کچھ الفاظ مقرر کر لئے۔ یہی زبان کی ابتدا ہے۔ جب تک انسان دنیا میں ایک جگہ رہے زبان بھی ایک رہی۔ لیکن جب آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مختلف قوموں

---

[1] دروس التاریخ

اور گروہوں میں بٹ گئے تو ان کی زبانیں بھی مختلف ہوگئیں۔

عرب

علمائے تاریخ نے نسلِ انسانی کو تین جنسوں میں تقسیم کیا ہے :۔

۱۔ جنسِ ابیض

یہ وہ قوم ہے جو ایران میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر ہندوستان مغربی ایشیا اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئی۔

۲۔ جنسِ اصفر

یہ وہ قوم ہے جو چین میں پیدا ہوئی۔ پھر وہاں سے نکل کر شمالی ایشیا اور جزائر ملاکا تک پہنچی۔

۳۔ جنسِ اسود

یہ وہ قوم ہے جو افریقہ اور آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔

نسلِ انسانی کی ان تین جنسوں کے میل ملاپ سے اور بہت سی درمیانی جنسیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ عرب اس درمیانی جنس سے ہیں جو جنسِ ابیض اور جنسِ اسود کے میل ملاپ سے پیدا ہوئی اور جسے "جنسِ اسمر" بھی کہا جاتا ہے[1]

ملکِ عرب عرب کا ملک ایک جزیرہ نما ہے جو بحرِ احمر، بحرِ ہند، خلیجِ عمان اور دریائے فرات سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ ایک جزیرہ معلوم ہوتا ہے لیکن خود ملک کی اندرونی حصہ میں پانی کی بڑی کمی ہے اور خشک پہاڑوں اور پہاڑیوں کی کثرت ہے۔

طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصے ہیں :۔

---

[1] دروس التاریخ ۱۲

تہامہ :- یہ وہ حصّہ ہے جو بحرِ قلزم کے کنارے سے جبلِ سرات تک پھیلا ہُوا ہے ۔

حجاز :- یہ جبل سرات کا کوہستانی سلسلہ ہے جو یمن سے شام تک پھیلا ہُوا ہے ۔

نجد :- یہ اس کوہستان کا مشرقی حصہ ہے جو یمن سے سماوہ، عروض اور عراق تک پھیلا ہُوا ہے ۔

یمن :- یہ وہ ٹکڑا ہے جو نجد کے جنوب سے بحرِ ہند کے ساحل تک، اور مشرق میں حضرموت، شحر اور عمان تک پھیلا ہُوا ہے ۔

عروض :- یہ وہ قطعہ ہے جس میں یمامہ، بحرین وغیرہ واقع ہیں ۔

آب و ہوا ملک عرب کے اکثر حصّوں کی آب و ہَوا گرم و خشک ہے۔ یہاں کے بلند حصّوں میں گرمیوں کے زمانہ میں رات معتدل ہوتی ہے۔ اور جاڑوں میں پانی جم جاتا ہے۔ مشرقی ہَوا یہاں سب سے بہتر سمجھی جاتی ہے جسے صبا کہتے ہیں ۔ یہاں کے بہت سے شاعروں نے صبا کی تعریف میں شعر لکھے ہیں ۔ بادِ سَموم اس کے بالکل برعکس ہے ۔ یہ جھُلسا دینے والی گرم ہَوا ہوتی ہے۔ یہاں کا سب سے اچھا موسم موسم ربیع ہے ۔ یہ موسم بارشوں کے بعد آتا ہے۔ اس موسم میں گھاس اُگ آتی ہے جس سے خشک زمینیں لہلہا اُٹھتی ہیں اور مویشیوں کے چارہ کا انتظام ہو جاتا ہے ۔

عرب اسلام سے پہلے

تمدنی حالت خشک مُلکوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہاں کے رہنے والے کسی ایک مقام پر مکان بنا کر نہیں رہتے بلکہ اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں چنانچہ ملک عرب کے لوگ بھی اپنے اور اپنے مویشیوں کے لئے گھاس اور پانی کی

تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ ان کی بسر اوقات زیادہ تر اُونٹوں اور بکریوں کی پرورش پر تھی۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کی گزر بسر صرف جانوروں کی پرورش پر ہو اُسے خوشحالی میسّر نہیں ہو سکتی اور جب خوشحالی نہ ہو تو امن و امان کہاں۔ اسی وجہ سے یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ایک قبیلہ دُوسرے قبیلہ پر حملہ کر کے اُس کے مویشی چھین لیتا تھا اور یوں لڑائی جھگڑوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ہاں کچھ لوگوں کا پیشہ تجارت بھی تھا۔ یہ لوگ سوداگری کا سامان لے کر یمن اور شام جایا کرتے تھے۔ مگر راستوں کی خرابی اور بدامنی کی وجہ سے اُن کی تجارت ترقی نہ کر سکی۔

مذہبی حالت

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے عرب والوں کی مذہبی حالت بھی ابتر تھی۔ کہنے کو تو وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیرو تھے۔ مگر سچ یہ ہے کہ انہیں حضرت ابراہیمؑ کے دین سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اکثر قبیلے بڑے پکے بُت پرست تھے۔ خدا کے پاک گھر کعبہ میں جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے نئے سرے سے بنایا تھا یہاں ۳۶۰ بُت رکھے ہُوئے تھے۔

سیاسی حالت

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں بٹے ہُوئے تھے اور ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے مگر اپنے قبیلہ میں انہیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سردار ان کے دادا عبدالمطلب تھے۔ اس کے علاوہ روم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں۔ مگر اُن کے رئیس روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے۔

اخلاقی حالت عرب والوں کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی چھڑ جاتی تھی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔ جُوا کھیلنے کا عام رواج تھا اور شراب پینے کو فخر کی بات سمجھتے تھے۔ بعض خاندانوں میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا بھی دستور تھا۔ ہاں بعض باتیں اُن میں اچھی بھی تھیں۔ یہ لوگ تلوار کے دھنی اور بات کے پکے ہوتے تھے۔ مہمان نوازی اور بخشش کا بھی اُن میں رواج تھا۔

عرب کے خاندان علمائے تاریخ نے عرب کے رہنے والوں کو جو حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی اولاد ہیں۔ تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے :۔

عرب بائدہ۔ عرب عاربہ۔ عرب مستعربہ۔

۱۔ **عربِ بائدہ** :۔ یہ عرب کے وہ پرانے باشندے ہیں جن کا اب نام و نشان نہیں رہا۔ ان میں عاد، ثمود، جدیس، طسم، عملاق، اُمیم، جُرہم اور جاسم شامل ہیں۔ اِن میں سے اکثر خدا کے عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔

۲۔ **عربِ عاربہ** :۔ یہ یمن اور اُس کے قرب و جوار کے باشندے ہیں اور بنو قحطان کہلاتے ہیں۔ بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں۔ بنو یعرب میں سے عبدِ شمس جو سباء کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبیلوں کا جدِ امجد (بڑا دادا) ہے۔ اسی نے یمن کا مشہور شہر "مآرب" بسایا تھا اور وہاں تین پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔ اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آ کر جمع ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔

یہ بند کچھ مُدّت بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا جس سے سارے مُلک میں بہت بڑا سیلاب آ گیا تھا۔ اس سیلاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور عرب کی کہانیوں اور شعروں میں بھی جا بجا موجود ہے۔ اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے اکثر خاندان دوسرے مختلف مقامات پر جا بسے تھے۔

۳۔ **عربِ مستعربہ** :۔ یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے ہیں اور حضرت

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان میں بہت سے قبیلے ہیں جن میں "ربیعہ" اور "مضر" مشہور ہیں۔ "مضر" ہی کی ایک شاخ "قریش" بھی ہے جس سے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ عرب مستعربہ کو "بنو عدنان" بھی کہتے ہیں [1]

قریش عرب کے تمام قبیلوں میں خاندانِ قریش کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ کعبہ جو تمام عرب کا دینی مرکز تھا اس کے متولی یہی قریش تھے اور مکہ معظمہ کی ریاست بھی انہی سے متعلق تھی۔ قبیلہ قریش کی بڑی بڑی شاخیں یہ تھیں :-

ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمح، سہم

مکہ معظمہ کے تمام ذمہ داری کے عہدے انہی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے ان عہدوں اور ان کے متعلقین کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ سدانہ یعنی کعبہ کی حفاظت اور اس کی خدمت۔ محافظ کعبہ ہی کے پاس کعبہ کی کنجی رہتی تھی اور وہی لوگوں کو اس کی زیارت کراتا تھا۔ یہ عہدہ بنی ہاشم کے خاندان میں تھا اور نبی عربیؐ کی پیدائش کے زمانے میں آپ کے دادا عبدالمطلب اس عہدے پر مقرر تھے۔

۲۔ سقایہ یعنی پانی کا انتظام۔ مکہ معظمہ میں پانی کی قلت تھی اور موسم حج میں ہزارہا زائرین کے جمع ہوجانے کی وجہ سے پانی کا خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ چمڑے کے حوض بنوا کر انہیں صحنِ کعبہ میں رکھ دیا جاتا تھا اور آس پاس کے پانی کے چشموں سے پانی منگوا کر انہیں بھر دیا جاتا تھا۔ جب تک چاہِ زمزم دوبارہ صاف نہ ہو گیا۔ یہ دستور جاری رہا۔ سقایہ کی خدمت بنی ہاشم سے متعلق تھی۔

۳۔ رفادہ زائرین کعبہ کی مہمانداری کے لئے قریش کے تمام خاندان ایک قسم کا چندہ ادا کرتے تھے۔ اس چندہ سے غریب زائرین کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہ خدمت پہلے بنی نوفل سے متعلق تھی۔ پھر بنی ہاشم کے حصہ میں آئی۔

---

[1] دروس التاریخ ۱۲

۴۔ عُقَاب :۔ یہ قریش کے قومی جھنڈے کا نام تھا۔ جب لڑائی کا زمانہ ہوتا تھا تو اسے نکالا جاتا تھا۔ اگر اتفاق رائے سے کوئی معزز شخص جھنڈا اُٹھانے کے لئے تجویز ہو گیا تب تو اُسے دیدیا جاتا تھا۔ ورنہ جھنڈے کا محافظ جو بنی اُمیّہ کے خاندان میں سے ہوتا تھا یہ خدمت انجام دیتا تھا۔

۵۔ نَدوَہ :۔ یہ مکّہ کی قومی اسمبلی تھی۔ قریش مشورہ کرنے کے لئے یہیں جمع ہوتے تھے۔ یہیں جنگ و صُلح اور دُوسرے بڑے بڑے معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ اور قریش کی شادیاں بھی یہیں ہوتی تھیں۔ "ندوہ" کا انتظام بنی عبدالدار سے متعلق تھا۔

۶۔ قِیَادَہ :۔ یعنی قافلہ کی راہنمائی جس شخص سے یہ منصب متعلق تھا وہ تجارت اور لڑائی کے سفروں میں قافلہ کی رہنمائی کرتا تھا۔ یہ منصب بنی امیہ کے پاس تھا اور ابتدائے اسلام میں حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ اس منصب پر مقرر تھے۔

۷۔ مَشورَہ :۔ جس شخص سے یہ منصب متعلق ہوتا تھا اس سے خاص معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ قریش کسی معاملہ کا آخری فیصلہ کرنے سے پہلے مشیر کی رائے ضرور حاصل کر لیتے تھے۔ یہ منصب بنی اسد سے متعلق تھا۔

۸۔ قُبّہ :۔ جب مکّہ والے لڑائی کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایک خیمہ نصب کیا جاتا۔ اس خیمہ میں لڑائی کا سامان جمع کر دیا جاتا تھا۔ یہ ذمہ داری بھی قریش کے کسی خاندان سے متعلق ہوتی تھی۔

۹۔ حکومَۃ :۔ یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔

۱۰۔ سفارَۃ :۔ یعنی ایلچی گری۔ جب کسی دشمن قبیلہ سے صلح کی بات چیت ہوتی تو کسی سمجھدار آدمی کو اس کام کے لئے مقرر کیا جاتا۔ ابتداء اسلام میں قریش کے آخری سفیر حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ "قریش" عرب کا سب سے زیادہ معزّز قبیلہ تھا۔

پھر قریش میں بھی بنی ہاشم کا خاندان سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ کیونکہ اکثر بڑے بڑے عہدے اُن ہی سے متعلق تھے[1]

عرب کے میلے

عرب میں میلوں کا بھی دستور تھا۔ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے میلوں کے لئے مخصوص تھے۔ ان میلوں میں تمام عرب کے لوگ جمع ہوتے تھے اس لئے ان چار مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی۔

ان میلوں میں سب سے بڑا میلہ "عکاظ" کا تھا جو مضافاتِ مکہ میں طائف کے قریب لگتا تھا۔ عرب کے تمام قبیلوں کے خیموں سے میدان پٹ جاتا تھا اور بیس دن تک خرید و فروخت مشاعروں اور جلسوں کی ہماہمی رہتی تھی۔ بڑے بڑے چوٹی کے شاعر یہاں آکر اپنا اپنا کمال دکھلاتے تھے اور اپنی محنت کی داد پاتے تھے۔ اس میلہ میں چونکہ تمام عرب کے قبیلے جمع ہوتے تھے اس لئے یہیں مختلف قبیلوں کے جھگڑوں کا بھی فیصلہ ہوتا تھا۔

واقعۂ فیل

اسلام سے پہلے کا ایک واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیان یمن کا رئیس ایک شخص ابرہہ نامی تھا۔ ابرہہ عیسائی مذہب کا ماننے والا تھا اور حبش کی عیسائی سلطنت کے ماتحت تھا۔ ابرہہ کو عیسائی مذہب کی اشاعت کا بڑا خیال تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے دارالسلطنت "صنعاء" میں ایک عالیشان گرجا تعمیر کرایا اور عرب والوں کو ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج اور طواف کرنے کی بجائے اس گرجا کا حج اور طواف کیا کریں۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح عرب کے لوگوں کو عیسائی بنا لیا جائے۔

عرب کے اکثر قبیلوں نے ابرہہ کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس سے وہ جل گیا اور اُس نے سوچا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر کے قصہ ہی پاک کر دے۔ چنانچہ وہ بہت

---

[1] دروس التاریخ۔ ۱۲

بڑے لشکر کے ساتھ جس میں تیرہ ہاتھی بھی تھے کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے چلا۔ ابرہہ کا لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو لشکر والوں نے مکہ والوں کا بہت سا سامان لوٹ لیا جس میں ہمارے نبی عربی کے دادا سردارِ مکہ حضرت عبدالمطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ عبدالمطلب لشکر گاہ میں ابرہہ کے پاس پہنچے۔ ابرہہ نے آن کی بڑی تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ اور پھر آنے کی وجہ پوچھی۔ عبدالمطلب نے کہا آپ کے سپاہی میرے دوسو اونٹ ہنکالائے انہیں واپس دلا دیجئے۔ ابرہہ نے کہا اے سردارِ مکہ مجھے تعجب ہے کہ تم نے اپنے اُونٹوں کے متعلق تو سوال کر دیا مگر کعبہ کے متعلق کچھ نہ کہا جسے میں گرانے آیا ہوں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا اے بادشاہ! میں تو اُونٹوں کا مالک ہوں۔ لہٰذا مجھے اُن کی فکر ہوئی جو "کعبہ" کا مالک ہے وہ اس کا انتظام کرلے گا۔ ابرہہ اس جواب کو سُن کر چپ ہو گیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دیا۔

ابرہہ کے پاس سے لوٹ کر حضرت عبدالمطلب کعبہ میں گئے اور اس کا حلقہ پکڑ کر اللہ تعالےٰ سے اس کی حفاظت کی دُعا مانگی اور پھر سب مکہ والوں کو لے کر آس پاس کی پہاڑیوں میں چھُپ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کی دُعا قبول فرمائی۔ جونہی ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ ہزارہا پرند فضا میں چھا گئے جن کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں۔ یہ کنکریاں انہوں نے ابرہہ کی فوج پر برسانی شروع کر دیں کنکریاں کیا تھیں خدا کا عذاب تھیں جس کے سر پر پڑیں اُسے زندہ نہ چھوڑا۔

ابرہہ کی ساری فوج تتر بتر ہو گئی۔ خود اُس کے ہاتھیوں نے اس کی فوج کو کُچل ڈالا۔ ابرہہ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر یمن پہنچا جہاں کچھ عرصہ بعد وہ مر گیا۔

مکہ والوں نے اس غیبی فتح کی بڑی خوشی منائی اور اُسے کسی آنے والے مبارک واقعہ کا نیک شگون قرار دیا۔

٭

ولادت باسعادت

واقعۂ فیل کے کچھ ہی عرصہ بعد اسی سال مکّہ کے مقدّس شہر اور قریش کے معزز خاندان میں اُن کے محترم سردار حضرت عبدالمطلب کے بیٹے حضرت عبداللہ کے گھر ہمارے تمہارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

آپؐ کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول "سنہ فیل" مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء یوم دوشنبہ ہے۔

آپ کی پیدائش اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا درمیانی حصہ ۵۷۱ سال ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کا موسیٰ علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۱۷۱۶ سال ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا درمیانی زمانہ ۵۴۵ سال ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور طوفانِ نوح کا درمیانی زمانہ ۱۰۸۱ سال ہے اور طوفانِ نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کا درمیانی زمانہ ۲۲۴۲ سال ہے۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السّلام سے کے درمیان ۶۱۵۵ سال کی مدّت ہوتی ہے۔

نسب نامہ والدِ محترم کی طرف سے آپؐ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن قریش بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان کے بعد سلسلۂ نسب مبارک کی کڑیوں میں مورخین کا اختلاف ہے۔

مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ کڑیاں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام سے جاملتی ہیں۔

والدۂ محترمہ کی طرف سے آپؐ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بن

آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب

کلاب کے بعد کی کڑیاں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکیں۔

یتیمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے دو مہینے پہلے ہی باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے تھے۔ آپؐ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ تجارت کے سلسلہ میں ملک شام کی طرف گئے تھے۔ راستہ میں بیمار ہو گئے اور مدینہ میں اپنی ننھیال قبیلہ بنی نجار میں اُتر گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ اُنھوں نے اپنے بعد پانچ اُونٹ اور ایک باندی ترکہ میں چھوڑی۔

رضاعت عرب کے شرفاء کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچّوں کو دیہات کی دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہاں کی صاف و تازہ ہوا میں اُن کی صحت بھی اچھی رہے اور اُن کے اخلاق بھی درست رہیں۔ چنانچہ اس دستور کے مطابق عبد المطلب نے اپنے پیارے پوتے کو قبیلہ بنو سعد کی ایک بی بی حضرت حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت حلیمہ نے آپؐ کو چار سال تک اپنے گھر کی رونق بنائے رکھا۔ اور اس زمانے میں ان کے گھر میں عجیب عجیب برکتوں کا ظہور ہوا۔

شقِ صدر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوتھے سال میں تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن آپؐ بستی کے پچھواڑے اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے۔ یکایک دو شخص سفید لباس پہنے ہوئے آپؐ کے سامنے آکھڑے ہوئے۔ انھوں نے آپؐ کو زمین پر لٹا دیا اور سینۂ مبارک چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی۔ پھر سینہ اسی طرح جوڑ دیا اور دونوں کاندھوں کے درمیان مہرِ نبوت لگا کر غائب ہو گئے۔

یہ عجیب واقعہ دیکھ کر آپؐ کے بھائی بھاگے ہوئے گھر گئے اور اپنے ماں باپ کو سارا قصّہ سنایا۔ دونوں میاں بیوی یہ قصّہ سُن کر ہانپتے کانپتے چراگاہ پہنچے۔ دیکھا تو حضورؐ کا رنگ فق پڑا ہوا ہے۔

اُنھوں نے فوراً سینہ سے لگا لیا اور پوچھنے لگے۔ لال کیا بات ہوئی خون زدہ کیوں ہو؟ حضورؐ نے بھی وہی قصّہ دُہرایا۔ حضرت حلیمہ اور اُن کے شوہر نے آپؐ کو تسلّی دی اور گھر لے آئے [۱]

لیکن اس واقعہ کے بعد حلیمہ فکر میں پڑ گئیں کہ اس دفعہ تو اللہ تعالیٰ نے خیر کر دی۔ پھر کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو کیا ہو گا۔ اس لئے اگرچہ دل نہ چاہتا تھا مگر مجبوراً حضورؐ کو لے کر مکّہ روانہ ہو گئیں اور حضرت آمنہ کی امانت ان کو واپس کر دی۔

یسیری

سرکارِ دو عالم کی عمر چھ سال کی تھی کہ آپؐ کی والدہ محترمہ آپؐ کو آپؐ کے والد ماجد کی ننھیال مدینہ منورہ لے گئیں۔ واپسی میں راستہ ہی میں بیمار ہوئیں اور مقام "ابواء" میں انتقال فرمایا۔ اب آپ کی پرورش کی سعادت آپ کی باندی اُمِّ ایمن کے حصّہ میں آئی اور سرپرستی کا فخر آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو حاصل رہا۔

عبدالمطلب اپنے ہونہار پوتے سے بڑی محبت کرتے تھے اور اکثر کہا کرتے۔ "میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے"

دادا کا انتقال

دو سال بعد آپؐ کے دادا عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی تھی۔ عبدالمطلب کے انتقال پر ان کے بیٹے اور حضورؐ کے چچا ابوطالب کے حصّہ میں یہ دولت آئی اور وہ آپؐ کی سرپرستی فرماتے رہے۔

ابوطالب بھی اپنے بھتیجے سے بڑی محبت کا برتاؤ کرتے تھے جہاں جاتے اپنے

---

[۱] حیات سیدالعرب ۱۲

ساتھ لے کر جاتے اور جب سوتے تو اپنے پہلو میں سُلاتے۔ غرض کسی وقت آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔

مگر انہوں نے آپؐ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ کیا۔ اس زمانے میں پڑھنے لکھنے کا کچھ ایسا دستور بھی نہ تھا۔ پھر خدا کو منظور بھی یہ تھا کہ وہ ایک اُمّی (غیر تعلیمیافتہ) کو دُنیا بھر کی قوموں کا اُستاد بنائے اور اپنی قدرت کا تماشا دکھلائے۔

شام کا سفر

حضورؐ کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو آپؐ نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام کا پہلا سفر کیا۔ جب قافلہ شہر بصریٰ پہنچا تو وہاں ایک عیسائی راہب بحیرا نے آپؐ کو دیکھا۔ بحیرا نے آپؐ میں نبوت کی علامتیں پا کر آپؐ کے چچا ابوطالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپؐ کو لے کر واپس لوٹ جائیں۔ کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہودی آپؐ کو قتل نہ کر دیں۔ چنانچہ ابوطالب آپؐ کو لے کر مکّہ واپس لوٹ آئے۔

حلف فضول

حضورؐ کی عمر پندرہ سال کی تھی کہ آپؐ کے دوسرے چچا حضرت زُبیر کی تحریک پر قریش کے قبیلوں نے ایک معاہدہ کیا کہ "اگر مکّہ میں کوئی مظلوم آئے تو وہ اپنا ہو یا غیر ہم اُس کی حمایت کریں گے"۔

حضور پُرنور نے بھی اس معاہدہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

شام کا دُوسرا سفر

پچیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر دوسری مرتبہ کیا۔ اس مرتبہ آپؐ مکّہ کی ایک ممتاز مالدار عورت حضرت خدیجہؓ کی طرف سے تجارت کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ بھی تھے۔

اس سفر میں آپؐ کی ملاقات پھر ایک راہب سے ہوئی جس کا نام "نسطورا" تھا بحیرا کی طرح نسطورا نے بھی آپؐ میں نبوت کی علامتیں دیکھیں اور آپؐ کی رسالت کی پیشین گوئی کی۔ آپؐ کو اس سفر میں بڑا نفع حاصل ہوا۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

تجارت میں حضورؐ کی شاندار کامیابی دیکھ کر اور میسرہ سے آپؐ کے عمدہ اخلاق وعادات

کا تذکرہ سُن کر حضرت خدیجہؓ سرکارؐ کی گرویدہ ہوگئیں۔ انھوں نے خود آپؐ کے پاس اپنی لونڈی بھیج کر آپؐ سے نکاح کی درخواست کی جسے آپؐ نے منظور فرمالیا اور حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کا پہلا نکاح ہوگیا۔

نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ بیوہ تھیں اور اُن کی عمر چالیس سال کی تھی اور حضورؐ کی عمر مبارک ۲۵ سال کی۔ حضرت خدیجہؓ آخری وقت تک حضورؐ کی وفادار اور اطاعت گزار بیوی رہیں اور آپؐ نے جب تک وہ زندہ رہیں دوسری شادی نہ کی۔

حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے تو بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ مگر چاروں صاحبزادیاں پروان چڑھیں اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی عظمت وجلال کو دیکھا۔ ان میں سے سب سے چھوٹی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں جن کی شادی آپؐ کے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ہوئی۔

ایک مدبرانہ فیصلہ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی کہ قریش نے خانہ کعبہ کی عمارت کو جو بہت پرانی ہوگئی تھی نئے سرے سے بنایا۔ عمارت تو خیر بن گئی۔ مگر جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ فخر اُسے حاصل ہو۔ آخر کار یہ طے ہُوا کہ کل جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرے۔

دوسرے دن سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے سرکارِ نامدارؐ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا جائے اور ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک ممتاز شخص اس کے کنارے کو تھامے اور اس طرح سب مِل جُل کر اس کو اٹھائیں۔

حضورؐ کے اس فیصلہ سے سب خوش ہوگئے۔ سب نے اتحاد واتفاق کے ساتھ اُسے مل جُل کر اُٹھایا اور جب وہ اپنی جگہ پہنچ گیا تو رسول اللہؐ نے اسے چادر میں سے اُٹھا کر اپنے مبارک ہاتھوں سے نصب کر دیا۔

قبل از نبوت آپؐ کی سیرت

سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کی پہلی منزل ہی اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف سے بھرپور تھی۔ آپؐ نے کبھی بے ہودہ کھیلوں میں حصہ نہیں لیا۔ مشرکوں کے میلوں میں قدم نہیں رکھا، نہ کبھی شراب مُنہ کو لگائی اور نہ بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت ہی چکھا۔

سچائی، ایمانداری، خوش معاملگی آپؐ کے کردار کی ایسی خوبیاں تھیں جنہیں دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے آپؐ اپنی قوم میں "امین" کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ اوصاف آپؐ میں خداداد تھے۔ آپؐ نے انہیں کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں کیا تھا۔ کیونکہ آپؐ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ آپؐ نے اُنہیں اپنی سوسائٹی سے سیکھا۔ کیونکہ جس سوسائٹی میں آپؐ پیدا ہوئے تھے اسے ان کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔

غارِ حرا

نبوت سے پہلے آپؐ میں تنہا پسندی کی عادت تھی جہاں تک ممکن ہوتا آپؐ دنیا اور اس کے جھگڑوں سے الگ تھلگ رہتے۔ مکّہ سے تین میل کے فاصلہ پر حرا ایک غار ہے۔ اکثر آپؐ وہاں تشریف لے جاتے اور غار کی تنہائی اور رات کی خاموشی میں دُنیا کی اصلیت اور اس کی بنانے والے کی عظمت اور غور فرمایا کرتے اور لمبی لمبی راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیتے۔

اپنی قوم کی بُری حالت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت کڑھتے اور سوچا کرتے کہ کس طرح انہیں برائی کی دلدلوں سے نکال کر نیکی کے سیدھے اور صاف راستہ پر ڈالا جائے۔

جوں جوں نبوت کا زمانہ قریب آتا گیا آپؐ کی یہ غور و فکر کی عادت ترقی ہی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ آپؐ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کی فکر میں غرق رہنے لگے۔

شرفِ نبوّت

جب سرکارِ نامدارؐ نے اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نبوت کا بلند مرتبہ بخشا۔ آپؐ ایک دن غارِ حراء میں خداوند تعالیٰ کی عبادت میں معروف تھے کہ حضرت جبریلِ امین آپؐ کے نام اللہ تعالیٰ کا پہلا پیغام لے کر تشریف لائے۔

وہ پیغام یہ تھا :-

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ	"اپنے اس رب کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا پڑھو اور جان لو) کہ تمہارا رب بڑا بزرگ ہے وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔"

سرکارِ نامدار اس عجیب و غریب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ لرزتے کانپتے گھر آئے اور لیٹ گئے۔ حضرت خدیجہؓ سے کہا مجھے چادر اوڑھا دو۔ اور پھر سارا واقعہ بیان کیا۔

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا آپؐ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کا بال بیکانہ ہونے دیگا۔ آپ ہراساں نہ ہوں۔

پھر حضرت خدیجہؓ "ورقہ بن نوفل" کے پاس گئیں۔ یہ اُن کے چچا زاد بھائی تھے اور بہت بوڑھے تھے۔ انہوں نے سب آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور مختلف دینوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے اُن سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اُنہوں نے کہا :

"اے خدیجہ! واللہ یہ فرشتہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا اور یہ اس وقت کے نبی ہیں۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ جب ان کی قوم انہیں دکھ دے گی اور وطن سے نکالے گی اور ان کی پوری پوری مدد کرتا۔

دعوتِ اسلام عرب والے اپنے عقیدہ کے پکے اور اپنے بتوں کے دیوانے تھے وہ آسانی سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے والے نہ تھے اس لئے انہیں سیدھے راستے پر لانے کے لئے بڑی ہوشیاری اور تدبیر سے کام لینے کی ضرورت تھی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خاموشی کے ساتھ اُن لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا جن کے دل پہلے سے نیکی کی طرف مائل تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے مَردوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو، بچوں میں حضرت علیؓ کو اور غلاموں میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد جب آہستہ آہستہ مسلمانوں کی تعداد کافی ہوگئی تو آپ کو کھلم کھلا اسلام کا پیغام سنانے کا حکم دیا گیا۔

مخالفت مکہ والوں نے جب اپنے خیالات اور رسم و رواج کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں سنیں تو وہ آپؐ کے سخت مخالف ہوگئے۔ اور طرح طرح سے آپؐ کو تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ آپؐ کو برا بھلا کہتے۔ آپؐ پر پتھر پھینکتے اور گندگی اچھالتے۔ مگر آپؐ نے ان تکلیفوں کی ذرا پرواہ نہ کی اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنے فرض کو انجام دیتے رہے۔

قرآن کا جادو جب ڈرانے دھمکانے سے کام چلتا نظر نہ آیا تو کفارِ مکہ نے لالچ دے کر کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ آپس میں مشورہ کرکے عتبہ بن ربیعہ کو جو اپنی قوم کا سردار تھا حضورؐ کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا:

"اے محمدؐ! تم نے اپنی قوم کو بڑی مصیبت میں ڈالا ہے۔ تم نے ان کی جماعت

کو پراگندہ کر دیا ہے ۔ ان کی عقلوں کو ناکارہ بنا دیا ہے ۔ ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہا ہے اور اُن کے دین کی مذمت کی ہے ۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

"اے ابوالولید ! تو پھر تمہارا کیا مقصد ہے ؟"

عتبہ نے کہا ۔

"اے محمدؐ ! تم نے جو ڈھونگ رچایا ہے اگر اس سے مقصد دولت حاصل کرنا ہے تو ہم تمہارے لئے روپیہ جمع کر دیں ۔ اگر عزت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں اور اگر تم پر کوئی آدپری اثر ہے تو ہم اس کا علاج کر دیں ۔"

آپؐ نے عتبہ کی اس بکواس کا کچھ جواب نہ دیا بلکہ سُورۂ سجدہ کی کچھ آیتیں سُنائیں ۔ قرآن کی یہ آیتیں سُن کر عُتبہ کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی اور اسی حالت کے ساتھ وہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا ۔ کفارِ مکّہ نے پوچھا ۔

"کیوں ابوالولید کیا بات ہوئی ؟"

عتبہ نے کہا ۔

"کچھ نہ پوچھو ! میں نے ایسا کلام سُنا ہے جو نہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت[1] ہے ۔ اے قوم قریش ! تم میری بات مانو اور اس شخص کے پیچھے نہ پڑو ۔ واللہ اس شخص کا یہ کلام بے اثر نہ ہو گا ۔"

کفارِ مکہ نے جب ولید کی زبان سے خلافِ امید یہ باتیں سُنیں تو یک زبان ہو کر کہنے لگے ابوالولید معلوم ہوتا ہے تم پر بھی جادو کر دیا ہے ۔

معجزۂ شق القمر

جب کفار کی یہ تدبیر بھی نہ چلی تو انہوں نے ایک اور چال کھیلی ۔ ایک دن بہت سے کافر جمع ہو کر آپؐ کے پاس پہنچے اور بولے اے محمدؐ ! تم اپنے آپ کو خدا کا سچا نبی بتاتے ہو ۔ اگر یہ سچ ہے تو ہمیں کوئی ایسی

---

[1] نجومیوں کے کلام کو کہانت کہتے ہیں ۔

بات دکھاؤ جس سے ہم تمہیں خدا کا سچا نبی ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور فوراً اُس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

یہ عظیم الشان معجزہ دیکھ کر بھی اُن کافروں کے دل کی آنکھیں نہ کھلیں اور یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ آج تو محمدؐ نے ہم سب پر جادو کر دیا۔

ہجرتِ حبشہ

ان تمام تدبیروں کے ناکام ہونے سے کافر اور زیادہ بھڑک اُٹھے اور اُنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اور زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے لیکن آپؐ سے اپنے ساتھیوں کی تکلیفیں نہ دیکھی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے جائیں جہاں کا حاکم ایک نیکدل عیسائی "نجاشی" تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق نبوت کے پانچویں سال دس مردوں اور پانچ عورتوں کا ایک مختصر قافلہ خدا کے راستے میں اپنا وطن اپنا گھر بار اور اپنا مال و متاع چھوڑ کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے نہایت آرام کے ساتھ ان لوگوں کو اپنے مُلک میں رکھا مگر چونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے تنہائی اور بیگانگی محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ تین مہینے ٹھہرنے کے بعد واپس مکہ آ گئے۔

دو سال بعد جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دوبارہ مسلمانوں کو حبشہ کی ہجرت کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ایک بڑا قافلہ روانہ ہوا جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں تھیں۔ ان کے علاوہ یمن کے بھی کچھ مسلمان جن میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے اُن کے ساتھ آکر مل گئے۔ اب کی مرتبہ ان کو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ تمام مسلمان ایک "خدائی کنبہ" بن کر نجاشی کی حمایت میں امن و اطمینان کے ساتھ اپنے مذہبی احکام کی تعمیل میں مصروف ہوگئے۔

ایک اور چال

مسلمانوں کو اپنے گھروں سے بے گھر کر کے بھی کفارِ مکہ کو صبر نہ آیا۔ اُنہیں جب یہ خبر ملی کہ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دے دی ہے اور وہ اُن کے ساتھ شرافت اور نیکی سے پیش آتا ہے اور اُن کے مذہب میں رخنہ اندازی نہیں کرتا تو اُنہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ انہوں نے بہت سے تحفے تحائف دے کر عمرو بن العاص اور عمارہ بن الولید کو وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں بھیجا۔

ان لوگوں نے تحفے تحائف پیش کرنے کے بعد نجاشی سے کہا "اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان لوگ آپ کے مُلک میں آبسے ہیں۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں انہوں نے اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ یہ لوگ دوسروں کو بھی اس نئے دین میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے مُلک میں پناہ نہ دیجئے بلکہ ہمارے حوالے کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ یہاں بھی فتنہ پھیلائیں۔

نجاشی نے کہا۔ میں جب تک ان لوگوں کو بُلا کر ان کا جواب نہ سُن لوں انہیں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا۔ پھر نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور ان سے وفد کے الزامات کا جواب دینے کے لئے کہا۔

مُسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے یہ تقریر کی:

"اے بادشاہ! ہم پہلے جہالت میں پھنسے ہُوئے تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے مُردار جانوروں کا گوشت کھاتے تھے۔ بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے

تھے۔ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتے تھے اور کمزوروں کو ستاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اُس نے ہمارے پاس اپنا ایک پیغمبر بھیجا۔

ہم اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کی شرافت، سچائی، ایمانداری اور پارسائی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس نے ہمیں تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو۔ بتوں کی پوجا نہ کرو۔ سچ بولو آپس میں میل ملاپ سے رہو، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ فساد نہ پھیلاؤ۔ بے حیائی اختیار نہ کرو۔ بدکلامی سے بچو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ صدقہ دو اور حج کرو۔ اے بادشاہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؐ کی اس تعلیم کو قبول کر لیا اور ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بس یہ ہمارا سارا قصور ہے"۔

نجاشی پر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا۔ اُس نے کہا کہ تمہارے نبی پر خدا کا جو پیغام اُترا ہے اُس میں سے کچھ سناؤ۔

حضرت جعفرؓ نے موقعہ کی مناسبت سے سورۂ مریم کا کچھ حصہ سنایا۔ قرآن کریم کی یہ سورت سُن کر نجاشی نے کہا "یہ کلام اور حضرت عیسیٰؑ کا کلام دونوں ایک ہی چراغ کی دو روشنیاں ہیں" اور مسلمان ہو گیا۔

اس نے قریش کے تمام تحفے تحائف واپس کر دیئے۔ قریش کا وفد ناکام و نادم واپس آیا اور مسلمان پہلے سے بھی زیادہ امن و چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے[1]

حضرت عمرؓ سے اسلام کی قوت

ادھر مکہ میں کافروں کی ہر قسم کی مخالفت اور ایذاء کے باوجود روز بروز اسلام ترقی پکڑتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت حمزہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) اور حضرت عمرؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

---

[1] دروس التاریخ و نور الیقین ۱۴

حضرت عمر بن الخطاب بہت بہادر اور بہت معزز آدمی سمجھے جاتے تھے۔ سرکار نامدار نے خدا سے دعا مانگی۔

"اے اللہ! عمرؓ بن خطاب یا ابوجہل میں سے کسی ایک کو اسلام کی توفیق بخش کر اسلام کو قوت دے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی یہ دعا قبول کی اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی طاقت بہت بڑھ گئی۔

اس وقت تک مسلمان خفیہ طور پر اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسلام لاتے ہی حضورؐ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اب ہم کعبہ میں نماز پڑھیں گے۔ کافر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کے کہنے پر مسلمانوں کو ساتھ لے کر پہلی مرتبہ کعبہ میں نماز باجماعت ادا کی۔

بائیکاٹ مکہ کے کافر اسلام کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ جس طرح ممکن ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ قریش کے تمام قبیلے جمع ہوئے۔ اور انہوں نے ایک معاہدہ کیا۔

"معاہدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ بنی ہاشم (رسول اللہ کے خاندان) سے کہا جائے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کر دیں۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کر دیا جائے۔ نہ کوئی اُن سے ملے جُلے نہ کوئی اُن سے بیاہ شادی کرے اور نہ کوئی ان کے ہاتھ خرید و فرخت کرے۔

یہ معاہدہ لکھ کر اطلاع عام کے لئے خانہ کعبہ کی دیوار میں لٹکا دیا گیا۔ بنی ہاشم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور سوائے ابولہب کے سارا خاندان شہر کو چھوڑ کر ایک پہاڑ کے درہ میں جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، جا بسا۔ یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال کا ہے۔

بنی ہاشم تین سال سے زیادہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس مدت میں انہیں بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ کھانے پینے کی اتنی تنگی تھی کہ کسی کسی دن

درختوں کے پتے چبا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔

آخرکار قریش کے چند لوگوں کو خود ہی اپنے ظلم کا احساس ہوا۔ ان میں سے چار آدمی کھڑے ہوئے اور باوجود دوسروں کی مخالفت کے انھوں نے اس عہد نامہ کو ختم کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔

رسول اکرمؐ کی پیش گوئی

خداوند جلّ وعلیٰ نے پہلے ہی اپنے پیارے رسولؐ کو خبر دی تھی کہ قریش کے معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی ہے اور اس میں سوائے اللہ کے نام کے کوئی لفظ باقی نہیں رہا اور اب بہت جلد اس دیمک کھائے ہوئے معاہدہ کو چاک کر دیا جائے گا۔ سرکار نے اپنے چچا ابوطالب کو یہ خوشخبری سنا دی تھی۔

چنانچہ یہ معاہدہ چاک کر دیا گیا اور جب مطعم بن عدی نے اسے چاک کرنے کے لئے اُتارا تو اس میں سوائے اللہ کے نام کے اور کوئی حرف باقی نہ رہا تھا۔

اب بنی ہاشم پھر مکہ میں آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اپنے فرض کو انجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

دو حادثے

نبوت کا دسواں سال تھا کہ سردار نامدارؐ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ انھوں نے اپنی قوم کے کہنے سننے کی شرم سے اسلام قبول نہ کیا تھا مگر وہ اپنی ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں کمر بستہ رہے۔ انھوں نے سارے خاندان، بلکہ تمام عرب سے دشمنی مول لی، مگر اپنے عزیز بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کی حمایت کی وجہ سے ان کے جیتے جی کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ حضورؐ کو کوئی سخت تکلیف پہنچاتے۔

چچا کے انتقال کے چند ہی روز بعد حضور پُرنور کی پہلی رفیقۂ زندگی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی خدا کو پیاری ہوئیں۔ یہ بڑی ہمدرد و غمگسار بیوی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ان کی وجہ سے بڑی ڈھارس تھی۔ ان دونوں واقعات کو حضور پُرنور نے بہت محسوس فرمایا اور آپؐ نے اس سال کا نام "غم کا سال" رکھا۔

طائف کا سفر

ابوطالب کے انتقال سے کافروں نے فائدہ اُٹھایا اور خدا کے پیارے نبی کو وہ اور زیادہ پریشان کرنے لگے۔ راستہ چلتے ہوئے آپ کے سرِ مبارک پر خاک بکھیرتے تھے۔ سجدہ کی حالت میں بکرے کی اوجھڑی کمر پر رکھ دیتے تھے اور بعض اوقات آپ کا دامن پکڑ پکڑ کر گھسیٹتے تھے اور کہتے تھے کیا تم ہی ہمارے بہت سے خداؤں کا ایک خدا بنانا چاہتے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے اور کہتے اے لوگو! کیا تم ایک خدا کے بندہ کو اس جُرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ خدا کو ایک سمجھتا ہے۔

جب حضور پُرنور نے دیکھا کہ مکہ میں کامیابی کی اُمید نہیں تو آپ نے طائف کا قصد کیا تاکہ وہاں خدا کے دین کی تبلیغ کریں۔ طائف میں ثقیف کے قبیلے آباد تھے جن سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دُور کی کچھ قرابت بھی تھی۔ ان قبیلوں کے سرداروں سے حضور نے ملاقات کی اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ان کم بختوں نے اللہ تعالیٰ کی اس دولت کو نہایت بے پروائی سے ٹھکرادیا اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اپنی قوم کے غنڈوں کو بہکا کر حضور پُرنور کے پیچھے لگا دیا۔ ان غنڈوں نے خدا کے پیارے نبی پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کے خادم زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ وہ اگرچہ پتھروں کی بوچھاڑ کو اپنے اوپر لینے کی کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی سرورِ کائنات کے قدم مبارک لہولہان ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستی سے نکل کر زخموں سے چُور، تھکن سے نڈھال ایک باغ کے قریب انگور کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ اس باغ کے مالک نے آپ پر ترس کھا کر انگوروں کا ایک خوشہ آپ کو بھیجا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اسے تناول فرمایا۔

آپ نے یہاں بیٹھ کر دُعا مانگی کہ :-

"اے اللہ! میں تجھ سے ہی اپنی کمزوری اور اپنی بے بسی کا شکوہ کرتا ہوں تُو کمزوروں کا مددگار ہے تُو مجھے کس کے بھروسہ پر چھوڑتا ہے اگر تو

مجھ سے راضی ہے تو مجھے کسی کی ناراضی کی پرواہ نہیں "
اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا۔
"اے خدا کے نبی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جس طرح آپؐ فرمائیں آپ کی ظالم قوم سے اس وحشیانہ حرکت کا بدلہ لوں "
حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا
"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ ناواقف ہیں "[1]

معراج

اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبیؐ کو اپنے دربار میں حضوری کی عزت بخشی۔ یہ وہ عزت ہے جو جیتے جی کسی پیغمبر کو میسر نہ ہوئی۔

آپؐ ایک رات حضرت اُمّ ہانیؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امینؑ حاضر ہوئے اور "غیبی دنیا" کے سفر کی آپؐ کو دعوت دی۔ حضرت جبرائیلؑ اپنے ساتھ ایک سواری "براق" لے کر آئے تھے۔ یہ سواری اس قدر تیز تھی کہ نگاہ کی تیزی اس کے آگے مات تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر پہلے بیت المقدس آئے۔ یہاں تمام دوسرے انبیاء کرام بھی موجود تھے۔ آپؐ اُن کے امام بنے اور سب نبیوں نے آپؐ کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کی۔

اس کے بعد آپؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور ہر ہر منزل پر اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے آپؐ کا استقبال کیا۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچے۔ اُس کے حُسن کا جلوہ دیکھا، اس کا کلام سُنا۔ اس کی قدرت کے عجائبات دیکھے اور یہ سب کچھ راتوں رات ہو گیا۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

صُبح کو جب آپؐ نے اس عجیب وغریب واقعہ کا ذکر کیا تو کافروں کو مذاق اُڑانے اور فقرے کسنے کا ایک اور موقعہ مل گیا۔ ابوجہل ہمیشہ مخالفت میں آگے آگے رہتا تھا۔ جونہی اس کے کانوں میں یہ بات پڑی مکّہ میں اِس سرے سے اُس سرے تک گھوم گیا۔ ہر شخص سے کہتا :-

"تم نے کچھ سُنا وہ صاحب جن کے پاس پہلے خدا کا پیام آتا تھا اب خدا سے بات بھی کر آئے ہیں"۔

کافروں میں سے جو کوئی یہ سُنتا وہ بھی ٹھٹّھا لگاتا۔

امتحان چند کافر جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے امتحان کے لئے حضورؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے وہاں کی کیفیت پُوچھنی شروع کی۔ آپؐ نے اُن کے سامنے سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ مگر چونکہ ان کا مقصد ہی شرارت تھا اس لئے اب وہ کہنے لگے :

"یہ بتائیے فلاں عمارت کی چھت میں کڑیاں کتنی ہیں اور فلاں دیوار میں طاق کس قدر ہیں"؟

ظاہر بات ہے کہ جو شخص کسی عمارت کو دیکھے وہ ایسی معمولی معمولی چیزوں کی طرف توجّہ نہیں کیا کرتا لیکن کافروں کو ذلیل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس حضورؐ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا اور آپؐ نے کافروں کے ایک ایک سوال کا صحیح جواب دیا۔ مگر وہ کم بخت اب بھی نہ مانے۔ کہنے لگے اچھا صاحب یہ تو بتائیے کہ ہمارا تجارتی قافلہ جو شام سے لوٹ رہا ہے وہ اس وقت کہاں ہے اور اس میں کتنے اونٹ ہیں اور ان پر کیا کیا سامان ہے؟

حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کو قافلہ کی بھی پوری کیفیت بتا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ فلاں دن سُورج نکلتے ہی مکہ میں داخل ہوگا اور سب سے آگے ایک خاکی رنگ کا اُونٹ ہوگا۔

کافر یہ کہہ کر چلے گئے کہ قافلہ کو آنے دیجئے پھر ہم آپؐ کے سچ جھوٹ کے

متعلق فیصلہ کریں گے ۔ مگر جب حضورؐ کی پیشگوئی کے مطابق اسی دن، اسی وقت اسی کیفیت سے قافلہ مکہ میں پہنچا اور قافلہ والوں نے آپؐ کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی تو وہ شرمندہ ہوکر کہنے لگے "محمدؐ تم تو جادوگر ہو۔"

صدیق انہی کافروں کی کہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی ملاقات ہوگئی سوچا کہ محمدؐ سے بدگمان کرنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ کہنے لگے ابوبکر خبر بھی ہے تمہارے دوست محمدؐ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے کل کی رات آسمانوں کی سیر کی ہے ۔ بھلا کوئی اس بات کی تصدیق کرسکتا ہے ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا ۔

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں تو ضرور صحیح فرماتے ہیں۔"

کافر بولے "میاں ایسی عجیب بات کی بھی تم تصدیق کرتے ہو۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "مَیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کررہا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ معلوم ہُوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کا لقب دیا۔ صدیق کے معنی ہیں تصدیق کرنے والا ۔[1]

یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۲۷ رجب دوشنبہ کی رات کا ہے ۔[2]

قبائل عرب میں تبلیغ

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش کی طرف سے ناامید ہوگئے تو آپؐ نے عرب کے دوسرے قبیلوں میں تبلیغ شروع کردی۔ حج کے موسم میں سارے عرب کے قبیلے مکہ آتے تھے۔ آپؐ ان قبیلوں میں جاتے اور اُنھیں اسلام کی طرف بُلاتے کوئی ایمان

---

[1] نور الیقین   [2] محمد رسول اللہ   ۱۲

لاتا اور کوئی نہ لاتا۔

مدینہ میں اشاعتِ اسلام

مدینہ میں "عرب عاربہ" کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے۔ ان کا اصلی وطن تو یمن تھا۔ مگر یمن کے مشہور سیلاب کے بعد یہ مدینہ چلے آئے تھے اور یہاں کے پرانے باشندوں کو جو یہودی تھے مغلوب کر کے یہ مدینہ میں بس گئے تھے۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں بھی چلتی رہتی تھی اور یہودیوں سے بھی لڑائی رہتی تھی۔ یہ مشرک تھے اور یہودی "اہلِ کتاب" تھے۔ یہودیوں کو "توریت" سے نبی عربی ؐ کے تشریف لانے کا حال معلوم ہو چکا تھا اس لئے وہ اکثر اوس و خزرج سے کہا کرتے کہ "اب نبی آخرالزمان کا زمانہ قریب آلگا ہے۔ ہم اُن کی مدد سے پھر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لینگے۔

ایک مرتبہ مدینہ کے قبیلہ خزرج کے کچھ آدمی حج کے لئے آئے۔ حسبِ معمول حضورؐ اُن کے پاس اسلام کا پیام لے کر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے سوچا کہ یہ وہی نبی آخرالزمان معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہودی ان پر ایمان لاکر ہم کو مغلوب کر دیں۔ چنانچہ ان میں سے چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔

ان لوگوں نے واپس آکر مدینہ میں تبلیغ اسلام شروع کی۔ چنانچہ اگلے سال بارہ [۱۲] آدمی خزرج اور اوس کے قبیلوں کے مدینہ سے مکہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کی درخواست پر حضورؐ نے حضرت مُصعب ابن عمیرؓ کو ان کے ساتھ کر دیا تاکہ اُنہیں قرآن کی تعلیم دیں۔ ان لوگوں کی تبلیغ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تعلیم کا یہ اثر ہُوا کہ کثرت کے ساتھ وہاں کے لوگ اسلام قبول کرنے لگے اور گھر گھر نبی آخرالزماںؐ کا چرچا ہو گیا۔

چنانچہ اگلے سال جو نبوت کا تیرہواں [۱۳] سال تھا مدینہ کے ۷۳ مَردوں اور عورتوں نے مقام "عقبہ" میں کفارِ مکہ سے پوشیدہ حضور پُرنور ؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضورؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ آپؐ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ حضرت عباسؓ نے ایک مختصر تقریر میں کہا:۔

"اے اہلِ مدینہ! محمدؐ اپنے کنبہ میں عزت اور حفاظت کے ساتھ ہیں ہم نے اب تک انہیں دشمنوں سے بچایا۔ اب تم انہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو تو اچھی طرح سمجھ لو۔ اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تم لے جا سکتے ہو ورنہ انہیں یہیں رہنے دو۔"

یہ سن کر براء بن معرور (سردارِ خزرج) کھڑے ہوئے اور انھوں نے جواب دیا "ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمارے دل میں کچھ بدی ہوتی تو ہم اُسے ضرور ظاہر کر دیتے لیکن ہم نے تو وفاداری اور سچائی پر قائم رہنے اور رسول اللہ پر اپنی جانیں قربان کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس کے بعد یک زبان ہو کر بولے "یا رسول اللہ! ہم سے آپؐ جو وعدہ لینا چاہتے ہیں شوق سے لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "میں تم سے اپنے اللہ کے لئے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور اپنے لئے یہ کہ تم اپنے گھر والوں کی طرح میری بھی حمایت کرو۔

یہ سن کر براء نے کہا "یا رسول اللہ! ہم اس کا وعدہ کرتے ہیں۔

ابوالہیثم ابن تیہان ایک دوسرے سردار نے کہا "یا رسولؐ اللہ! اس بیعت کے بعد دوسرے قبیلوں سے ہمارے معاہدے ٹوٹ جائیں گے۔ یہ تو نہ ہو گا کہ جب آپؐ کو غلبہ حاصل ہو جائے تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں"۔ یہ سن کر حضورؐ مسکرائے اور فرمایا۔

"نہیں اب میرا خون اور تمہارا خون ایک ہے۔"[1]

اس بیعت کے بعد جسے "بیعتِ عقبہ ثانیہ" کہتے ہیں سرکارِ نامدارؐ نے مرکزِ اسلام مکہ سے مدینہ منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں مسلمانوں کو مدینہ منورہ روانہ فرماتے رہے اور خود اپنی روانگی کے لئے حکم خداوندی کے منتظر رہے۔

---

[1] محمد رسول اللہ - ۱۲

ہجرتِ مدینہ

آخرکار وہ وقت آگیا کہ خدا کا پیارا نبی خدا کے پیغام کو مخلوق میں عام کرنے کے لئے اپنا وطن اپنا خاندان اور اپنا گھر بار چھوڑ کر نکل جائے۔ چنانچہ ایک رات جب کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ آپؐ خدا کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ آپؐ نے اپنے دو سب سے پرانے رفیقوں میں سے ایک (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو اپنے ساتھ لیا اور دوسرے رفیق (حضرت علیؓ) کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا دیا تاکہ کافروں کو حضورؐ کے تشریف لے جانے کی خبر بھی نہ ہو اور حضورؐ کے پاس جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں انہیں واپس بھی کر دیں۔

مکہ سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک "غارِ ثور" میں قیام فرمایا اور پھر آپؐ نے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیوں پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

صبح ہونے کے بعد جب کافروں کو جو رات بھر تلواریں لئے ہوئے حضورؐ کے مکان کے چاروں طرف ٹہلتے رہے تھے معلوم ہوا کہ آپؐ مکہ سے رخصت ہو گئے تو وہ اپنی ناکامی پر بہت جھنجھلائے۔ انہوں نے چاروں طرف سواروں کو دوڑایا کہ جہاں حضورؐ ملیں پکڑ لائیں اور آپؐ کو گرفتار کرنے والے کے لئے سو اونٹ کا انعام بھی مقرر کیا۔ مگر خدا کی تدبیر کے آگے ان کی کوئی تدبیر نہ چل سکی۔

خدا کی قدرت دیکھئے کہ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے پاؤں کے نشانوں کی مدد سے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے کہا بھی کہ شاید محمدؐ اس غار میں ہوں۔ لیکن دوسرے نے جواب دیا کہ محمدؐ اس غار میں نہیں ہو سکتے۔ اس کے منہ پر مکڑیوں نے جالا تن رکھا ہے اور کبوتروں کے گھونسلے بنے ہوئے ہیں۔"

جب کافر آپس میں یہ گفتگو کر رہے تھے تو حضرت ابوبکرؓ کو کچھ پریشانی ہوئی لیکن آپؐ نے بڑے اطمینان سے انہیں تسلی دی کہ فکر نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے"۔
چنانچہ خدا کی مدد شاملِ حال رہی اور کافر سر پر پہنچ کر بھی ناکام لوٹ گئے۔

"قباء" میں نزول

مدینہ والوں کو جب سے یہ خبر ملی تھی کہ خدا کا پیارا نبی محمدؐ عربی ان کی بستی کی رونق اور اُن کی آنکھوں کے نور میں اضافہ کرنے والا ہے تو خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ روزانہ کئی کئی میل تک بستی سے باہر نکل کر انتظار کرتے تھے کہ وہ نظر آئیں تو اپنی مشتاق نگاہیں پیروں تلے بچھائیں۔ مگر دن چڑھے تک انتظار کر کے واپس لوٹ آتے تھے۔
ایک دن حسبِ معمولی مدنی پروانوں کا ہجوم، شمعِ نبوت کی روشنی کا انتظار کر کے واپس لوٹ چکا تھا کہ ایک یہودی یکایک چیخ اُٹھا۔
"لوگو! تمہیں جن کا انتظار تھا وہ آ گئے"۔
یہ آواز سُنتے ہی ساری بستی میں خوشی کا طوفان لہریں مارنے لگا۔ نعرہ ہائے مسرت سے فضا گونج اٹھی اور لوگ بے تحاشہ مکہ کی سڑک کی طرف دوڑ پڑے۔
سرکارِ نامدار کو پہلے "قباء" میں جو مدینہ کے قریب ایک چھوٹی سے بستی ہے اُتارا گیا۔ یہاں آپؐ نے چار روز قیام فرمایا۔ حضرت علیؓ جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی یہیں آ ملے۔
سرکارِ نامدارؐ نے یہاں تاریخ اسلام میں سب سے پہلی مسجد کی بنیاد ڈالی اور یہیں مسلمانوں کے مجمع میں سب سے پہلے خطبہ دیا۔

مکہ کے "چاند" کا طلوع

۱۲ ربیع الاوّل، جمعہ مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء بھی مدینہ والوں کے لئے ایک یادگار کا دن تھا۔ سڑکوں اور بازاروں میں کھوے سے کھوا چھلتا تھا اور کوٹھے اور چھتیں عورتوں اور بچوں سے پٹی پڑی تھیں۔ یکایک مکّہ کا چاند، مدنی ستاروں کی جھرمٹ میں نمودار ہوا اور مدینہ کی فضا اس نغمہ سے گونج اٹھی۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

"وداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہو گیا ہے جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے"

مدنی پروانوں کے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ ہر شخص حضورؐ کی ناقہ کی مہار کو اپنے قبضہ میں کرنے کی کوشش کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح نبیؐ کی مہمانی کی دولت اس کے حصّہ میں آجائے۔

حضورؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

"اُونٹنی کی مہار چھوڑ دو اور اسے چلنے دو جہاں خدا کو مجھے اُتارنا ہے وہاں یہ اپنے آپ رُک جائے گی"

چنانچہ بنی مالک بن نجار کے محلّہ میں پہنچ کر اونٹنی خود بخود حضرت ایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی اور یہ سعادت اُن کو نصیب ہوئی۔

اپنے محلّہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اُترتے دیکھ کر بنی نجار کے بچے خوشی میں مست ہو گئے اور چند بچیوں نے وارفتگی کے عالم میں یہ شعر پڑھنا شروع کیا[۱]

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

"ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں آہا محمد کیسے اچھے ہمارے پڑوسی ہیں"

حضورؐ نے معصوم بچوں کے اس محبّت بھرے نغمے کو سُنا تو آپؐ فرمانے لگے "بچو! کیا تم مجھ سے محبّت کرتے ہو؟ بچوں نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! یہ جواب سُن کر حضورؐ نے فرمایا۔ خدا جانتا ہے کہ میرا دل بھی تمہاری محبّت سے لبریز ہے"[۱]

---

[۱] نور الیقین ۱۲

بھائی چارہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے کے بعد سرکارؐ نے ایک شخص کو مکہ بھیج کر اپنے سب گھر والوں کو بھی بلوا لیا اور جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے وہ بھی ایک ایک کر کے مدینہ میں آ گئے۔

مکہ سے آنے والے مسلمان چونکہ اسلام کی خاطر اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر بے سرو سامانی کی حالت میں آئے تھے اس لئے ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ سرکارِ نامدارؐ نے ہر مہاجر (مکہ سے ہجرت کرنے والے) کو ایک انصاری (مددگار مدینہ والے) کا بھائی بنا کر اس کے سپرد کر دیا۔ مدینہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اس رشتہ کو سگے رشتہ سے زیادہ سمجھا اور اپنی ہر چیز کے دو حصے کر کے ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیا اور دوسرا حصہ اپنے مہاجر بھائی کے لئے پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری بھائی کے دو بیویاں تھیں تو انہوں نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میں ایک بیوی کو طلاق دیئے دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجئے۔

مسجدِ نبویؐ اب تک مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد نہ تھی، مسلمان جہاں جگہ دیکھتے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضورؐ نے تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مسجد کی تعمیر شروع کرا دی۔ اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی بنائی گئیں، کھجور کی لکڑی کے ستون قائم کئے گئے اور کھجور کی پتوں اور شاخوں سے چھت پاٹی گئی۔ اس مسجد کا فرش بھی کچا تھا اور چھت بھی کچی تھی۔ اس لئے جب مینہ برستا تو ہر طرف کیچڑ ہو جاتی۔

مسجد کے ساتھ حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ کے لئے بھی حجرے بنائے۔ یہ حجرے بھی کچے تھے۔ اس مسجد کی تعمیر میں صحابہؓ نے مزدور بن کر کام کیا، خود سرورِ عالمؐ بھی ان کے ساتھ شریک تھے۔

نئے مخالفین مدینہ منورہ میں اور اُس کے آس پاس کی بستیوں میں بہت سے یہودی خاندان بھی آباد تھے۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان

کی عرب قبیلوں سے مخالفت رہتی تھی۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ اسلام کے قبول کرنے کے بعد مدینہ کے دونوں عرب قبیلے اوس اور خزرج مل جُل کر شیر وشکر ہو گئے ہیں اور مکّہ سے آنے والے مہاجرین سے ان کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے اور یہ طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو اُنہیں بڑا فکر پیدا ہوا اور وہ اسلام کی طاقت کو توڑنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

مدینہ میں ایک شخص عبداللہ بن اُبی تھا۔ یہ وہاں کا سب سے بڑا رئیس تھا۔ اور حضور ؐ کی تشریف آوری سے پہلے وہاں کی بادشاہت کا اُمیدوار تھا۔ مدینہ کے لوگوں میں اسلام کا عام میلان دیکھ کر ظاہر بیں تو یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا تھا مگر باطن میں سرکارِ نامدار ؐ کے اقتدار کو اپنی آرزوؤں کے لئے موت کا پیغام سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہ بھی اپنی جماعت کے ساتھ یہودیوں کا خفیہ طور پر مددگار بن گیا۔ اس طرح "کفارِ مکّہ" کی بجائے "مدینہ کے یہود اور منافقین کی ایک نئی جماعت مسلمانوں کی حریف پیدا ہو گئی۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تک ممکن ہوتا لڑائی جھگڑے سے بچنا پسند کرتے تھے اس لئے اس وقت آپؐ نے چند شرطوں پر یہودیوں سے ایک معاہدہ کر لیا۔

اس معاہدہ کی خاص خاص شرطیں یہ تھیں کہ کوئی فریق کسی دوسرے فریق کے مذہب اور جان ومال کو نقصان نہ پہنچائے گا۔ دُشمن کے حملہ کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرے گا اور اگر فریقین میں کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے گا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دونوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ معاہدہ اگرچہ دوستانہ تھا مگر اس میں مسلمانوں کی حاکمانہ حیثیت محفوظ تھی۔

جہاد

سرکارِ نامدار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک حکمت اور نصیحت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آپؐ کا مذاق اڑایا گیا۔ آپؐ کو دیوانہ اور جادوگر بتایا گیا۔ آپؐ پر نجاست پھینکی گئی۔ آپؐ کو زخمی کیا گیا۔ آپؐ کے قتل کی سازشیں کی گئیں۔ آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور آخرکار گھربار اور مال و دولت چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ سب ظلم آپؐ نے سہے اور صبر کیا۔

خیال یہ تھا کہ اب مکہ سے نکل جانے کے بعد تو مکہ کے کافر پیچھا چھوڑ دیں گے اور مسلمانوں کو اطمینان کے ساتھ اللہ کا نام لینے دیں گے۔ مگر ان بدبختوں نے خدا کے دین کی روشنی کو قبول کرنے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اُسے بُجھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ مکہ میں بیٹھ کر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کو مٹا دینے کی ساز باز شروع کر دی۔

کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کی ان سازشوں سے مسلمانوں کو ہر وقت مدینہ پر حملہ کا اندیشہ رہتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض بہادر مسلمان ساری ساری رات پہرہ دیتے گزار دیتے تھے۔

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ مسلمان اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کیلئے کافروں کا مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کا انہیں یقین دلایا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (پ۱۷ع۱۳)	"ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں لڑنے کا حکم دیا گیا کیونکہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ انکی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے صرف اس جرم میں کہ اپنا معبود خدا کو بتلاتے ہیں"

اسلامی شریعت میں اس قسم کی لڑائی کو "جہاد" کہتے ہیں اور یہ رہتی دنیا تک اُن پر فرض کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد مسلمانوں اور کافروں میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ بعض لڑائیوں میں خود سرکارِ دو عالم شریک ہوئے اور بعض میں کسی تجربہ کار صحابی کو اپنی جگہ امیر بنا کر بھیج دیا۔ جن لڑائیوں میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے اُنہیں غزوہ کہا جاتا ہے اور جن میں حضورؐ شریک نہ ہوئے اُنہیں سریہ کہا جاتا ہے۔ غزوات کی تعداد ۲۳ ہے اور سرایا کی ۴۳۔ ان تمام لڑائیوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی۔ صرف غزوۂ اُحد اور غزوۂ حنین دو لڑائیوں میں مسلمانوں کو کچھ نقصان ضرور پہنچا۔ غزوہ اُحد میں اس لئے کہ اُنھوں نے رسول اللہ کے حکم کی تعمیل میں غفلت برتی اور غزوۂ حنین میں اس لئے کہ اُنہیں اپنی طاقت پر گھمنڈ ہو گیا۔

اب ہم چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کو چھوڑ کر صرف چند خاص خاص اور بڑی بڑی لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

غزوۂ بدر کبریٰ

یہ لڑائی ۲ھ میں کفارِ مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ بات یہ ہوئی کہ مکہ والے ہر سال تجارت کا سامان لے کر ملک شام جایا کرتے تھے۔ اسی تجارت پر اُن کی جنگی طاقت کا دارومدار تھا۔ اس سال بھی اُن کا قافلہ ملک شام گیا تھا۔ جب قافلہ لوٹتے ہوئے مدینہ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں کی یہ رائے ہوئی کہ اس پر حملہ کیا جائے تاکہ کافروں کی طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہو جائے اور اُنہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۴ جاں نثار مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کے

مدینہ سے نکلے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی (جو قافلہ کے سردار تھے) مُسلمانوں کے اس ارادہ کی کسی طرح خبر ہو گئی۔ اُنھوں نے فوراً ایک سوار کو مکّہ دوڑایا اور خبر دی کہ مسلمان ان پر حملہ کرنے کے لئے نکل آئے ہیں فوراً مدد کو پہنچیں اور خود راستہ بدل کر اپنا قافلہ سمندر کے کنارے کنارے نکال لے گئے۔

مکّہ والے پہلے ہی سے مُسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ بس اپنے قافلہ کے واپس آنے کا انتظار تھا۔ انہیں جو یہ خبر ملی تو ایک ہزار آدمیوں کا لشکرِ جرار پورے سازوسامان سے آراستہ ہو کر نکل کھڑا ہُوا۔

صحابہؓ کا جوشِ ایمانی

جب سرورِ عالم کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ تو نکل گیا ہے اور ان کی زبردست فوج مقابلے کے لئے آ رہی ہے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آگے بڑھا جائے یا مدینہ لوٹ آیا جائے۔ بعض صحابہ کی رائے ہُوئی کہ چونکہ جنگ کے ارادہ سے نہیں نکلے ہیں اس لئے لوٹ جانا چاہیئے۔ آپؐ نے فرمایا:-

"اے لوگو! خدا نے مُجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ یا قافلہ ہمارے ہاتھ آئے گا اور یا ہمیں فتح نصیب ہوگی۔ چونکہ قافلہ نکل گیا ہے اس لئے فتح یقینی ہے"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کھڑے ہُوئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! خدا کی طرف سے جو حکم ہُوا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ خدا کی قسم ہم بنی اسرائیل کی قوم کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام سے کہہ دیا تھا:

"مُوسیٰ! تم اور تمہارا خدا جا کر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہُوئے ہیں"

یہ جواب سُن کر حضورؐ نے اُنہیں دعا دی اور انصار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"تم لوگ اپنی رائے ظاہر کرو"

بات یہ تھی کہ انصار سے جو معاہدہ ہُوا تھا اُس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ انصار اپنی بستی میں حضورؐ کی حفاظت کریں گے۔ نہ یہ کہ وہاں سے نکل کر دوسروں پر حملہ کرنے میں بھی مدد دیں گے۔ اس لئے انصار سے ان کا ارادہ معلوم کرنا ضروری تھا۔ حضرت

سعدؓ بن معاذؓ سردار اوس آگے بڑھے اور کہا "یا رسول اللہ! جب ہم آپؐ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کو خدا کا سچا نبی مان لیا۔ پھر خدا آپؐ کو جو حکم دے، کر گزریئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ قسم خدا کی اگر آپ سمندر میں کُودیں گے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ سمندر میں کُودیں گے"۔

انصار کے اس جواب سے حضورؐ کا چہرہ مبارک چمک اٹھا اور آپؐ بہت خوش ہُوئے[1]

مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ایک مقام بدر ہے۔ وہیں قریش کی فوج اُتری ہوئی تھی۔ سرکارِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف کوچ کا حکم فرمایا اور وہاں پہنچ کر ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔

مقابلہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو صبح کے وقت دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ ایک طرف ایک ہزار ساز و سامان سے آراستہ کافر تھے۔ اور دوسری طرف ۳۱۳ بے سروسامان مسلمان تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا اور پھر خدا سے دُعا مانگی:۔

"اے اللہ! یہ قریش کے کافر غرور میں مست ہو کر آئے ہیں، تیری نافرمانی کرتے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہیں جس مدد کا تُو نے وعدہ کیا ہے، اُسے پُورا کر"۔

اس کے بعد پہلے ہر فریق کی طرف سے ایک ایک آدمی لڑنے کے لئے نکلا اور پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی اور خدا کے وعدہ کے مطابق مسلمانوں کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔

اس لڑائی میں قریش کے تقریباً ستر سردار مارے گئے جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کی جماعت میں سے صرف

---

[1] نور الیقین ۱۲

بارہ شہید ہوئے۔

صحابہؓ کی مختلف شانیں

کافر قیدی جب مدینہ پہنچے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرامؓ سے ان کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں نے ہمیشہ آپ کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ آپؐ ان میں سے ہر ایک کو اس کے مسلمان رشتہ دار کے ہاتھ سے قتل کرائیں تاکہ ایک طرف یہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچیں اور دوسری طرف دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دل میں مشرکوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا" یا رسول اللہ! اب خدا نے آپؐ کو ان پر فتح دی ہے تو ان پر رحم ہی کیجئے اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے تاکہ ہماری ضرورتیں پوری ہوں اور ان کے لئے ہدایت حاصل کرنے کا موقع باقی رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا" اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے فرمایا" اے خدا جس نے میری پیروی کی وہ میری جماعت میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو اس کو بخشنے والا اور اس پر رحم کرنے والا ہے" اور اے عمر تمہاری مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے دُعا مانگی" اے اللہ! زمین پر کسی کافر کو باقی نہ چھوڑ" اور پھر حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا۔[1]

چنانچہ جو مالدار قیدی تھے ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو غریب قیدی تھے ان سے کہا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

---

[1] نور الیقین ۱۲

غزوۂ غطفان

یہ کوئی بڑا غزوہ نہیں ہے مگر اس میں ہمت و جرأت کا ایک سبق آموز واقعہ پیش آیا۔ اس لئے ہم اس کا ذکر کر رہے ہیں۔

۳ھ میں بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے ۴۵۰ افراد دعثور بن الحارث کے ماتحت اس ارادہ سے نکلے کہ مدینہ پر ڈاکہ ماریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کو مقابلہ پر آکر لڑنے کی ہمت نہ ہوئی اور بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ مسلمان لوٹ رہے تھے کہ راستہ میں بارش ہوگئی اور سب کے کپڑے بھیگ گئے اور جب بارش رکی تو سب نے اپنے اپنے کپڑے سکھانے کے لئے دھوپ میں پھیلا دیئے۔

سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک طرف جا کر کپڑے پھیلا دیئے اور ایک درخت کے سایہ میں تنہا آرام فرمانے لگے۔ دعثور کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا فلاں جگہ آرام فرما رہے ہیں۔ دبے پاؤں آکر تلوار کھینچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "اے محمدؐ! آج میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

حضورؐ کو ذرا بھی ہراس نہ ہوا اور نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"اللہ تعالیٰ!"

دعثور بڑا بہادر اور جری شخص تھا مگر حضورؐ کے اس جواب سے اس پر دہشت طاری ہوگئی اور وہ تھر تھر کانپنے لگا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

حضورؐ نے وہ تلوار اٹھالی اور فرمانے لگے۔

"دعثور! اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟"

دعثور نے کہا "کوئی نہیں" مگر حضورؐ نے اسے معاف کر دیا۔ آپؐ کے

اس برتاؤ کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

غزوۂ اُحد

بدر کی شکستِ فاش سے کفارِ مکہ کے گھروں میں کہرام مچ رہا تھا اور ان کے دِلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ چنانچہ ایک سال تک تیاریاں کرنے کے بعد وہ تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر اپنے عزیزوں کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نکلے۔

اس مرتبہ ان کے ساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں تاکہ مردوں کو لڑائی کے لئے میدان میں غیرت دلائیں اور کچھ شاعر بھی تھے تاکہ ان کے رشتہ داروں کے مرثیے سُنا سُنا کر ان کے جوش کو بھڑکائیں۔

یہ لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ مکہ سے نکل کر مدینہ منورہ کے قریب اُحد پہاڑ کی وادی میں ایک چشمہ کے کنارے اُترا۔

۱۴ شوال ۳ھ کو بعد نمازِ جمعہ سرکارِ نامدار ایک ہزار ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مگر تھوڑی دُور ساتھ جا کر عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا اور صرف سات سو جان نثار رسول اکرمؐ کے ساتھ رہ گئے۔

بچوں کا شوقِ جہاد مدینہ سے باہر آکر جب حضورؐ نے لشکرِ اسلام کا جائزہ لیا تو اس میں کچھ نوعمر بچے بھی تھے۔ حضورؐ نے ان کو ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور بہلا پھسلا کر واپسی پر آمادہ کرنے کی

---

۹ حیات سید العرب ج ۱۔

کوشش کی۔ مگر بچوں کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی طرح واپس جانے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ رافع بن خدیج سے جب آپ نے واپس جانے کے لئے کہا تو وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ بڑے معلوم ہوں اور حضورؐ سے کہا "یا رسول اللہ میں تو بڑا اچھا تیر انداز ہوں"۔ حضورؐ نے رافع کو شرکت کی اجازت دیدی۔

سمرہ بن جندب بھی رافع کے ہم عمر تھے لیکن وہ لڑائی میں شرکت سے روک دیئے گئے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ رافع کو اجازت مل گئی ہے تو بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! جب آپؐ نے رافع کو اجازت دی ہے تو مجھے بھی دیجئے، میں تو ان کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا "اچھا کشتی لڑو"۔ چنانچہ کشتی ہوئی اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اب حضورؐ نے سمرہ کو بھی اجازت دے دی۔[1]

جنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ پیچھے رکھ کر اپنی فوج کی صف بندی فرمائی۔ چونکہ پیچھے پہاڑ کے ایک درّہ سے دشمنوں کے حملے کا خوف تھا اس لئے عبداللہ بن جبیرؓ کی ماتحتی میں ۵۰ تیر اندازوں کی ایک جماعت درّہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دی اور انہیں ہدایت کر دی کہ خواہ ہم جیتیں یا ہاریں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

اس کے بعد دونوں طرف کی فوجیں آگے بڑھیں اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ کافر اگرچہ مسلمانوں سے کئی گنا تھے مگر مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکے اور اپنا ساز و سامان چھوڑ کر میدان سے بھاگ نکلے۔ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں تو وہ بھی درہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عبداللہ بن جبیرؓ نے اُنہیں روکنے کی کوشش بھی کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یاد دلائی۔ مگر انہوں نے کہا کہ سرکار کا

---

[1] نور الیقین ۱۲

یہ حکم تو لڑائی کے وقت کے لئے تھا اب لڑائی ختم ہو چکی ہم یہاں کھڑے ہو کر کیا کریں ؟ خود عبداللہ بن جبیرؓ اپنی جگہ سے نہ ٹلے اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہیں کھڑے رہے۔

فتح کے بعد شکست

خالد بن ولید (جو اس وقت کافروں کے ایک دستہ کے سردار تھے) نے جب دیکھا کہ مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہیں اور درّہ کا راستہ خالی ہے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے درّہ سے نکل کر مسلمانوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔ درّہ کے محافظ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور اُن کے چند ساتھیوں نے مقابلہ کیا مگر سب شہید ہو گئے۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ سے بدحواس ہو گئے اور گھبراہٹ میں آپس میں ہی ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ سرکار نامدارؐ شہید ہو گئے۔ اس خبر سے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور مسلمانوں کی فوج میں سخت ابتری پھیل گئی۔

مسلمان اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور سرکارِ نامدارؐ کے ساتھ چند فداکاروں کی جماعت رہ گئی۔ کافر موقعہ دیکھ کر آپ کی طرف بڑھے اور پے در پے حملے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر ساتھیوں نے آپؐ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور سپر بن کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ ایک ماہر تیرانداز تھے اُنھوں نے کافروں پر اس کثرت سے تیر برسائے کہ ترکش خالی کر دیئے۔ آپ تیر پھینکتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب تک میرا سینہ موجود ہے آپؐ پر کسی کافر کا تیر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ابودجانہؓ اپنی پشت کافروں کی طرف کر کے جھک کر کھڑے ہو گئے تاکہ جو تیر آئے وہ آپؐ کی پشت پر پڑے۔ اور حضورؐ تک نہ پہنچے۔

حضرت زیادہ بن حارثؓ بھی حضورؐ کی خدمت میں لڑ رہے تھے یہاں تک کہ

زخموں سے چُور ہو کر گر پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ۔ اور قدم مبارک پر ان کا سر رکھ لیا اور اسی حالت میں انہوں نے جان دیدی۔

حضرت طلحہؓ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کر رہے تھے۔ لڑائی کے بعد جب گنا گیا تو اُن کے جسم پر ستر سے زیادہ زخموں کے نشان تھے۔[۱]

ابوعامر راہب ایک کافر نے ایک گڑھا کھود کر اُسے ڈھک دیا تھا۔ رسول اللہ کا قدم مبارک اُس پر پڑا تو آپؐ اس میں گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ گرنے سے حضورؐ کے گھٹنے چھِل گئے تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ نے آپ کو اس میں سے نکالا۔ مگر جونہی آپؐ باہر نکلے ایک کافر نے آپؐ کے رُخِ انور پر پتھر مارا جس سے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور ایک دوسرے کافر نے آپؐ پر تلوار کے کئی وار کئے جس سے حضورؐ کی خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک میں گھُس گئے۔

بعض جان نثاروں نے خدا کے حبیبؐ کو خون میں شرابور دیکھا تو بے چین ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اب کس بات کا انتظار ہے؟ اب تو کافروں کے لئے بد دُعا کیجئے۔ مگر حضورؐ نے جواب دیا۔ مَیں مخلوق کو خدا کی رحمت سے دور کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ سرتا پا رحمت بن کر آیا ہوں اور پھر دُعا فرمائی کہ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔[۲]

اسی حالت میں کعب بن مالک انصاری کی نگاہ آپؐ پر جا پڑی تو انہوں نے چیخ کر کہا مسلمانو مژدہ ہو کہ سرکارِ دو عالمؐ زندہ ہیں۔

یہ خبر سُن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور ہر طرف سے رسول اللہ کی طرف دوڑ پڑے۔ رسول اللہؐ کچھ صحابہ کو اپنے ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے تاکہ سب مسلمانوں کو حضورؐ کے زندہ سلامت ہونے کا علم ہو جائے۔

---

[۱] نور الیقین ۱۴ [۲] محمد رسول اللہ۔ ۱۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر چڑھتے دیکھ کر دشمن بھی پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ مگر حضرت عمرؓ نے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک شخص ابی ابن خلف جوش میں چیخ کر کہنے لگا کہ میں آج محمد کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حضورؐ نے صحابہ سے کہا کہ اسے آنے دو۔ جب پاس آیا تو آپؐ نے اس کے ایک نیزہ مارا جس سے اُس کے کاری زخم لگا اور وہ مکّہ کو جاتے ہوئے راستہ میں ہی مر گیا۔ یہی وہ بدنصیب تھا جسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مارا ورنہ حضورؐ نے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارنا پسند نہ کیا۔

حضورِ پرنورؐ کی شہادت کی خبر مدینہ بھی پہنچ گئی تھی۔ اس لئے بہت سی عورتیں گھبرا کر گھروں سے نکل کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؓ بھی میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں۔ حضرت علیؓ نے پانی ڈالا اور انہوں نے حضورؐ کے چہرۂ مبارک سے خون دھو کر چٹائی کی راکھ زخم میں بھر دی۔

اس طرح یہ لڑائی جس میں مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح حاصل ہوئی تھی چند آدمیوں کی غفلت کی وجہ سے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی پورے طور سے تعمیل نہ کی اور اپنے افسر کے کہنے کو نہ مانا اور فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

اس لڑائی میں ۲۲ کافر مارے گئے اور ستر مسلمان شہید ہوئے جن میں سرکار کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ کی شہادت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا۔ ایک تو وہ آپؐ کے شفیق چچا تھے اور دوسرے کافروں نے آپ کی لاش کا بری طرح تیا پانچا کیا تھا۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے پہلے آپ کے ناک اور کان جسم سے جدا کئے اور پھر پیٹ چاک کر کے جگر چبا ڈالا۔

غزوۂ حمراء الاسد

مدینہ میں پہنچ کر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خیال ہُوا کہ کہیں مشرکین اپنی فتح کے جوش میں مدینہ پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے آپؐ نے صحابہؓ کو کوچ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم دیا۔ یہ زخمی شیر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کر کے بے تکلف راہِ خدا میں جان دینے کے لئے چل کھڑے ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مقام حمراء الاسد میں جا کر قیام کیا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خیال صحیح تھا۔ کفّار مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے لوٹ رہے تھے۔ ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمان کل کی شکست سے دل شکستہ اور زخمی بدن پڑے ہوں گے وہ ہمارا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ مگر جب انہیں معلوم ہُوا کہ وہ خود کافروں کا پیچھا کرنے کے لئے مدینہ سے نکل چکے ہیں تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ سیدھے مکّہ واپس چلے جائیں اور اپنی فتح کو شکست سے نہ بدلیں چنانچہ وہ مکّہ واپس چلے گئے۔

حضرت خبیبؓ اور اُن کے ساتھیوں کی قربانی

صفر ۴ھ کا واقعہ ہے کہ قبیلہ خزیمہ کے چند آدمی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہماری قوم کے کچھ آدمی مسلمان ہو گئے ہیں۔ آپ چند صحابیوں کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ انہیں قرآن سکھا دیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت انصاریؓ کو سردار بنا کر چند صحابی ان کے ساتھ کر دیئے۔

جب مقام رجیع میں پہنچے تو ان لوگوں نے صحابہؓ سے غداری کی اور سفیان بن خالد ہذلی (جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہو گیا تھا) کی قوم ہذیل کو خبر دے کر ان کے دو سو آدمی بلوا لئے۔

صحابہ کی جماعت کو جب معلوم ہُوا کہ ان کو پکڑنے کے لئے قبیلہ ہذیل کے آدمی آگئے ہیں

تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے اُن سے قسمیں کھا کر کہا کہ تم لوگ نیچے اُتر آؤ ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

مسلمانوں میں سے تین آدمی تو اُن کے دھوکہ میں آ گئے جنہیں اُنھوں نے پکڑ کر قید کر لیا اور باقی لڑ کر شہید ہو گئے۔

جو تین مسلمانوں کافروں کے ہاتھوں میں قید ہو گئے تھے اُن میں سے ایک نے تو راستہ ہی میں موقع پا کر مقابلہ کیا اور شہید کر دیئے گئے اور باقی دو حضرات خبیب اور حضرت زیدؓ کو کافروں نے مکہ لا کر قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔

حضرت خبیبؓ "ماویہ" نام ایک عورت کے گھر میں قید تھے۔ وہ کہتی ہے کہ جب خبیبؓ پچھلی رات کو قرآن مجید پڑھتے تو پاس پڑوس کی عورتیں جمع ہو جاتیں اور بے اختیار رونے لگتیں۔

رسول اللہ سے محبّت کی شان

کچھ عرصہ بعد جب اشہر حرم (وہ مہینے جن میں کشت و خون کو جائز نہیں سمجھا جاتا) گزر گئے تو حضرت خبیبؓ کو قتل کرنے کے لئے مکہ سے باہر ایک میدان میں لے گئے۔ شہادت سے پہلے اُنھوں نے کافروں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ نماز پڑھی اور کچھ دیر دُعا مانگی۔ پھر فرمانے لگے کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت کے ڈر سے دیر لگا رہا ہوں تو کچھ دیر اور دُعا مانگتا۔ یہ فرما کر آپ اُٹھے اور ہنسی خوشی سُولی پر چڑھ گئے۔

جب آپ شہید کئے جانے لگے تو چند کافروں نے کہا اے خبیبؓ اگر تم بچ جاؤ اور تمہاری جگہ محمدؐ قتل کئے جائیں تو کیا تم اسے پسند نہ کرو گے۔

حضرت خبیبؓ نے جواب دیا۔ لاحول ولا قوۃ! میں تو اپنے آقا و مولیٰ کے پاؤں میں کانٹا چبھنا اپنی گردن پر چھری چلنے سے زیادہ سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سُن کر سب کافر حیران رہ گئے اور ابو سفیان جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) یہ جواب سُن کر کہنے لگے۔ میں نے کسی شخص کے ساتھیوں کو

اس سے اتنا محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا محمدؐ کے ساتھیوں کو اُن سے محبت کرتے دیکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت خبیبؓ کو کافروں کے نعرہ ہائے مسرت کی گونج میں شہید کر دیا گیا۔ جس وقت آپ کی رُوح پرواز کر رہی تھی زبان پر یہ اشعار تھے۔

ترجمہ:۔ جب مَیں دینِ اسلام پر مَر رہا ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ مَیں راہ خدا میں کس پہلو پر گِرتا ہوں۔ اگر خدا چاہے تو وہ قطع کئے ہوئے ہر ہر عضو پر اپنی برکت نازل فرما سکتا ہے"

حضرت خبیبؓ کی طرح حضرت زیدؓ کو بھی شہید کر دیا گیا اور آپ سے بھی اسی قسم کے سوال و جواب ہوئے[1]

غزوۂ خندق

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے یہودی قبیلے مسلمانوں کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق اور اسلام کا عروج و ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتِ وقت سمجھ کر مدینہ آتے ہی اُن سے معاہدے کر لئے تھے مگر یہودی اپنے دل کے جلاپے سے مجبور تھے۔ معاہدے ہو جانے کے بعد بھی وہ چپکے چپکے سازشوں میں مصروف رہتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفتوں کا کوئی موقعہ چھوڑتے نہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا کر شہید کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کو آگاہ کر دیا اور آپؐ اس سازش کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئے۔

---

[1] محمد رسول اللہ۔ ۱۲

بنی نضیر کی اس حرکت کی سزا دینے کے لئے حضورؐ نے ان پر فوج کشی کی۔ یہودی قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب دو ہفتے گزر گئے تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں مدینہ چھوڑ کر نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور یہ لوگ کچھ خیبر میں جا بسے اور کچھ ملک شام میں آباد ہو گئے۔ جلاوطن ہونے کے بعد یہودیوں کے دل کی کسک اور بڑھ گئی اور انہوں نے طے کر لیا کہ مسلمانوں کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ ان کے چند سردار مکہ پہنچے اور کفارِ مکہ کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ کیا۔ پھر قبیلۂ غطفان کے پاس پہنچے اور انہیں بھی ساتھ ملایا۔ اور آخر میں قبیلۂ بنی قریظہ کے یہودی بھی جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا اُن کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح یہود اور مشرکین کے ۲۴ ہزار کا زبردست لشکر مدینہ پہ حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

مسلمان تعداد میں بہت کم تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسیؓ نے رائے دی کہ مدینہ کے نواح میں جس طرف سے دشمن کے حملے کا اندیشہ ہے اس طرف خندق کھود لی جائے اور مسلمان خندق کے اندر رہ کر جنگ کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پاتے ہی لشکرِ اسلام کے سب سپاہی پھاوڑے لے کر جُت گئے اور پانچ ہاتھ گہری خندق کھود لی گئی۔ پھر مدینہ سے نکل کر خندق سے ورے تین ہزار مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کر لیں۔

عرب والوں کے لئے خندق ایک نئی چیز تھی۔ کافروں کو مسلمانوں کی اس تدبیر پر بڑا تعجب ہوا۔ دست بدست لڑائی تو ہو نہ سکتی تھی اس لئے تیر اندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔

یہ مقابلہ پندرہ روز تک جاری رہا۔ کافروں نے کوشش کی کہ کسی طرح خندق کو پار کر کے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ ایک دن قریش کے چند جوشیلے نوجوان گھوڑے دوڑاتے ہوئے خندق کو پار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ مگر

ان میں سے ایک جو خندق کو پار کر گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ ایک خندق میں گر کر مر گیا اور باقی بھاگ گئے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے کافروں کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ ۲۴ ہزار کے لشکر کے لئے کھانے پینے کا انتظام آسان کام نہ تھا۔ ایک طرف کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا اور اُن کے جانور بھوک کے مرے جا رہے تھے دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے آندھیوں کے جھکڑ چلا دیئے جس سے اُن کے خیموں کی چوبیں اُکھڑی جاتی تھیں اور چولہوں پر ہانڈیاں اوندھی ہُوئی جاتی تھیں۔ اسی دوران میں غطفان کے ایک معزز سردار ؓ نعیم بن مسعود،، مسلمان ہو گئے اور اُن کی تدبیر سے کافروں کے جتھوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ ان ناموافق حالات سے مجبور ہو کر کافروں کی جماعتوں نے ناکام اپنے گھروں کا رُخ کیا اور خداوند تعالےٰ نے مُسلمانوں کو اس سخت آزمائش سے نجات دی۔ یہ واقعہ شوال ۵ھ کا ہے۔

بنی قریظہ کی بدعہدی کی سزا

اس لڑائی سے فارغ ہوتے ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فوراً بنی قریظہ کی بستی کی طرف کوچ کا حکم دیا۔ یوں تو یہ لوگ کئی مرتبہ عہد شکنی کر چکے تھے مگر غزوۂ خندق کے نازک موقع پر جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمن کے نرغہ میں تھے ان لوگوں نے دشمنوں کا ساتھ دے کر اپنا اعتبار بالکل کھو دیا تھا اور اب وہ کسی رعایت کے مستحق نہ تھے۔

لشکرِ اسلام نے ان کی بستی کا محاصرہ کر لیا اور یہ لوگ قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب ۲۵ دن اسی طرح گزر گئے اور بھوک کے مارے دم نکلنے لگا تو اُنھوں نے مجبوراً خود کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا اور درخواست کی کہ بنی نضیر کی طرح انہیں بھی کسی دوسرے مُلک میں چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ مگر سرکارِ دوعالم نے منظور نہ کیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ ان کے معاملہ کا فیصلہ سردارِ اوس حضرت سعد بن معاذ ؓ کے ہاتھ میں

دیدیا جائے۔ حضورؐ نے یہ منظور فرمالیا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اُن کے پرانے حلیف تھے۔ اُنھیں خیال تھا کہ سعد جہاں تک ممکن ہوگا ہمارے ساتھ رعایت مروت کریں گے اور پُرانے تعلقات کا خیال رکھیں گے۔ مگر صحابہ کرامؓ کی نگاہوں میں اسلام کے فائدہ کے مقابلہ میں تعلقات اور رشتہ داری کوئی چیز نہ تھی اس لئے انھوں نے فیصلہ دیا کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر جتنے مرد ہیں قتل کردیئے جائیں۔ چنانچہ سب بنی قریظہ موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔[۱]

حضرت صفیہؓ کی بہادری

جنگِ خندق کے زمانے میں ایک مسلمان خاتون کی ہمت اور بہادری کا واقعہ بھی ذکر کے قابل ہے۔

یہ خاتون ہمارے پیارے رسولؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ ہیں۔

واقعہ یہ ہُوا کہ جنگ کے زمانہ میں مسلمانوں کی عورتیں اور بچے حضرت حسان بن ثابتؓ (جو حضورؐ کے درباری شاعر تھے) کے قلعہ میں بھیج دیئے گئے تھے۔ ایک دن حضرت صفیہؓ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ کا چکر لگا رہا ہے اور کچھ تاؤ بھاؤ لے رہا ہے۔ قرینہ سے اُنھیں معلوم ہوگیا کہ یہ کوئی جاسوس ہے۔ حضرت حسانؓ سے کہنے لگیں:

حسان ذرا اس یہودی کو تو جاکر قتل کردو۔ حضرت حسانؓ زبان کے مجاہد تھے ہاتھ کے مجاہد نہ تھے۔ جواب دیا۔ صفیہ تم تو جانتی ہو کہ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ یہ جواب پاکر حضرت صفیہؓ ایک لاٹھی لے کر خود روانہ ہوگئیں اور پاس پہنچ کر اس زور سے یہودی کے سر پر رسید کی کہ اس کا بھیجا نکل گیا۔ واپس آکر حضرت حسان سے پھر کہا۔ حسان میں عورت ذات ہوں غیر مرد کا بدن نہیں چھُو سکتی ذرا اس کافر کے ہتھیار تو اُتار لاؤ۔ حضرت حسانؓ بولے۔ اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے ہتھیاروں کا کیا کرنا ہے؟ یہ جواب سُن کر حضرت صفیہؓ پھر گئیں اور اس یہودی کے ہتھیار اُتار لائیں اور اُس کا سر کاٹ کر یہودیوں کی طرف پھینک دیا۔[۲]

---

[۱] حیات سید العرب ۱۴ [۲] محمد رسول اللہ ۱۴

صُلح حُدیبیہ

ذی قعدہ سنہ ۶ ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ نبیوں کا خواب بھی ایک قسم کی وحی الٰہی ہوتی ہے اس لئے آپ نے اُسے غیبی اشارہ سمجھ کر عمرہ (زیارت خانہ کعبہ) کی تیاری شروع کر دی اور عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانی کے اونٹ لے کر پندرہ سو انصار و مہاجرین کی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب حدیبیہ میں جاکر اُترے۔

قریش کو جب حضورؐ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلے کی تیاری شروع کر دی اور بُدَیل بن ورقاء خزاعی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضورؐ نے اپنا مقصد بیان کر دیا۔ چنانچہ بُدَیل نے قریش سے آکر کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے ارادہ سے آئے ہیں جنگ کے ارادہ سے نہیں۔

قریش نے بُدیل کی بات پر بھروسہ نہ کیا اور دوبارہ احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو بھیجا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمان احرام کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور قربانی کی اُونٹنیاں بھی اُن کے ساتھ ہیں تو قریش سے جاکر سارا حال بیان کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ مسلمانوں کو روکنا مناسب نہیں ہے۔ یہ عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کیا غضب ہے کہ دُنیا بھر کے لوگ حج کر سکیں اور عبدالمطلب کی اولاد کو اس کی اجازت نہ دی جائے۔ مگر قریش نے حلیس کی بات بھی نہ مانی۔

تاجدارِ مدینہ کی عظمت

پھر اُنہوں نے عروہ بن مسعود سردار طائف کو حضورؐ کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کی طاقت کا بھی اندازہ لگائے اور اگر ممکن ہو تو کسی طرح اُنہیں واپسی پر رضامند کر دے۔ عروہؓ نے حضورؐ سے کہا کہ اے محمدؐ! تم ان لوگوں کو لے کر اپنی قوم کو مٹانے آئے ہو۔

قریش نے عہد کر لیا ہے کہ وہ تم کو زبردستی مکہ میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں گے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھی قریش کے حملہ کی تاب نہ لا کر تمہیں چھوڑ بھاگیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سن کر غصہ آ گیا اور ان کی اس سے جھڑپ ہو گئی۔

عُروہ نے واپس جا کر قریش سے کہا۔ اے قوم میں کسریٰ اور قیصر کے درباروں میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں مگر جو شان میں نے محمدؐ کی دیکھی ہے وہ کسی بادشاہ کی نہیں دیکھی۔ ان کے ساتھی ان کے وضو کے پانی کو بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے اور ادب کی وجہ سے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے اور اُن کے سامنے بلند آواز سے نہیں بولتے۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم ان سے نہ اُلجھو اور جس مقصد کے لئے آئے ہیں اسے پُورا کر لینے دو۔[1]

بیعتِ رضوان

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا تاکہ قریش کو رسول اللہ کے تشریف لانے کا مقصد بتا دیں اور انہیں عمرہ میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھیں۔ مگر قریش نہ مانے اور حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا۔

جب حضرت عثمانؓ واپس نہ آئے تو مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں بڑا جوش پھیل گیا۔ رسول پاکؐ نے فرمایا کہ اب ہم جنگ کئے بغیر نہ لوٹیں گے اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام سے جان کی قربانی کا وعدہ لیا۔ اس وعدہ کو "بیعتِ رضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس وعدہ پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا۔

صُلح

اس واقعہ کی خبر جب مکہ پہنچی تو قریش ڈر گئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ اور اُن کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا اور سہیل بن عمرو کو اپنی طرف سے صُلح کا

---

[1] محمدؐ رسول اللہ ۱۲

پیغام دے کر بھیجا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لڑائی کا پہلے ہی نہ تھا اس لئے مختصر گفتگو کے بعد ان شرطوں پر صلح ہو گئی ۔

۱۔ دس سال تک مسلمانوں اور قریش میں لڑائی نہ ہو گی ۔

۲۔ جو قبیلہ مسلمانوں سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے اور جو قریش سے معاہدہ کرنا چاہے اُن سے معاہدہ کرے ۔

۳۔ اگر قریش میں سے کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس کرنا ہو گا۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش کے پاس چلا جائے تو اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔

۴۔ اس سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ جائیں آئندہ سال آئیں مگر سوائے تلوار کے جو میان میں ہو گی کوئی ہتھیار نہ لائیں تین دن مکہ میں رہیں اور عمرہ کر کے واپس چلے جائیں ۔

ان شرطوں میں سے تیسری شرط مسلمانوں کو ناگوار گزری ۔ چنانچہ بعض صحابہ نے حضورؐ سے اس ناگواری کا اظہار بھی کیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو چھوڑ کر کافروں میں جا ملے گا اس کا دور ہو جانا ہی بہتر ہے اور جو انہیں چھوڑ کر ہمارے پاس آئے گا۔ اور ہم اُسے لوٹا دیں گے تو اللہ تعالےٰ اُس کے لئے چھٹکارے کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر ہی دے گا۔

اس صلح کے بعد مسلمانوں نے اپنے بال ترشوائے، احرام کے کپڑے اُتارے اور قربانیاں کیں اور مدینہ کو واپس ہو گئے ۔

فتح یا شکست یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسلمان اس صلح کی شرطوں کو پسند نہ کرتے تھے اور انہیں اپنی کمزوری سمجھتے تھے چنانچہ صلح نامہ کی تکمیل ہو جانے کے بعد بھی احرام کھولنے میں اس وقت تک تیار نہ ہوئے جب تک کہ خود حضورؐ نے اپنا احرام نہ کھول دیا ۔ مگر خداوند تعالےٰ نے اس صلح کو "فتح" کا نام دیا اور در اصل یہ صلح فتح ہی ثابت ہوئی ۔ اب تک کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے

اور اُن کے مذہب کو سمجھنے اور اُن کے اخلاق کو پرکھنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ اب جو صُلح ہوئی اور کافر مدینہ میں آزادانہ آنے جانے لگے تو انہیں یہ موقع ملا اور رُوہ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر خود بخود مسلمان ہونے لگے۔

دوسرے قریش کی طرف سے اطمینان اور راستوں میں امن ہو جانے کی وجہ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا۔ چنانچہ سرکارِ نامدار نے مختلف قسموں کے بادشاہوں اور سرداروں کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے جن میں سے کئی خوش نصیب بادشاہوں نے سرورِ عالم کی غلامی قبول کی اور اس طرح اسلام کی قوت وعظمت میں کافی اضافہ ہو گیا۔

بادشاہوں کے نام خطوط

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کا بلاوا دینے کا ارادہ فرمایا تو آپؐ نے اپنے نام مبارک کی ایک مُہر بنوائی۔ یہ مہر چاندی کی تھی۔ اور اس پر محمد رسول اللہ کُھدا ہُوا تھا۔ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبارت اس طرح تھی کہ نیچے کی سطر میں "محمد" درمیانی سطر میں رسول اور اوپر کی سطر میں "اللہ" حال ہی میں حضور پرنُور کا ایک فرمان ملا ہے اس سے حدیثوں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے[1]

جب آپؐ کسی بادشاہ کو خط بھیجتے تو یہ مُہر لگا دیا کرتے تھے۔

شہنشاہِ رُوم کے نام | حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی کے ہاتھ شہنشاہِ روم کے پاس دعوتِ اسلام کا خط بھیجا۔ شہنشاہ اس زمانے میں زیارت کے لئے بیت المقدس آیا ہُوا تھا۔ حضرت دحیہؓ نے وہیں اُس کو خط پہنچایا۔

---

[1] محمد رسول اللہ۔ ۱۲

اسی زمانہ میں قریش کا ایک گروہ ابوسفیان کی سرداری میں تجارت کے لئے ملک شام آیا ہُوا تھا۔ شہنشاہ نے ان لوگوں کو دربار میں بُلا کر حضورؐ کے متعلق ان سے کچھ سوالات کئے۔ ابوسفیان اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہ ہُوئے تھے مگر ان کے جوابات سے قیصر کو حضورؐ کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ اس نے بھرے دربار میں کہا مجھے یقین ہے کہ محمدؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ مجھے یہ تو معلوم تھا کہ خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوں گے۔ اے اہل عرب! اگر تمہارے یہ جوابات صحیح ہیں تو مَیں بتاتا ہوں کہ ان کا دین ترقی کرے گا اور وہ میرے قدموں کے نیچے کی زمین پر بھی قابض ہو جائیں گے۔ اگر مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو ضرور حاضر ہوتا۔

قیصر کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر اُس کے درباری مخالفانہ نعرے لگانے لگے اور وہ اس وقت خاموش ہو گیا۔

پھر جب وہ حمص پہنچا تو اس نے سردارانِ روم کو اپنے محل میں جمع کیا جب سب جمع ہو گئے تو دروازے بند کرا دیئے اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا:۔

"اے روم کے سردارو! اگر تم ہدایت اور کامیابی چاہتے ہو اور اپنی سلطنت کی پائیداری چاہتے ہو تو مَیں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم نبی عربی کا دین قبول کر لو"

قیصر کی زبان سے یہ لفظ سُن کر سردار جنگلی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگنے لگے لیکن دروازے پہلے ہی بند تھے اس لئے نکل نہ سکے۔

قیصر نے جب اپنے سرداروں کی نفرت کا یہ حال دیکھا تو اُسے سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہُوا اور اُس نے اپنی بات کو پلٹ دیا اور کہنے لگا۔

"اے سردارو! تم میری بات کو سچ سمجھنے لگے مَیں تو اپنے مذہب پر تمہاری پختگی کا امتحان کرتا تھا"[1]

---

[1] نور الیقین ۱۲

شہنشاہِ ایران کے نام عبداللہ بن حذافہ شہنشاہِ ایران کے پاس حضورؐ کا خط لے کر گئے۔ اس مغرور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پُرزے پُرزے کر دیا۔ جب حضور اکرمؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے اس کی سلطنت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے۔ آنحضرتؐ کا کہنا سچ ہوا۔ ایران کی یہ عظیم الشان سلطنت بہت جلد دُنیا کے نقشہ سے مٹ گئی۔

اس گستاخ نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ یمن میں اپنے گورنر باذان کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے پکڑ کر میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے اس مقصد کے لئے حضورؐ کے پاس دو آدمی بھیجے۔ جب یہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو آپؐ نے ان سے فرمایا۔ باذان سے کہدو کہ تمہارا شہنشاہ تو مارا گیا۔ باذان کے آدمی جواب لے کر لوٹ آئے۔ ادھر باذان کے پاس یہ آدمی پہنچے۔ ادھر نئے بادشاہ "شیرویہ" کا قاصد خط لے کر پہنچا جس کا مضمون یہ تھا :-

ہم نے اپنے باپ پرویز کو اس کے ظلموں کی وجہ سے قتل کر دیا ہے۔ اب تم اپنے مُلک میں میری بیعت لو اور جن صاحب کو میرے باپ نے حجاز سے بلوایا تھا ان سے تعرض نہ کرو۔

باذان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کُھلے مُعجزے کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا اور اس کی تمام قوم بھی مسلمان ہو گئی [1]

شاہ حبش کے نام حضور پُر نورؐ نے عمرو بن امیۃ الضمری کے ہاتھ نجاشی شاہِ حبش کے نام خط بھیجا۔ نجاشی کو مہاجرینِ حبش کے ذریعے پہلے ہی اسلام کی خوبیاں معلوم ہو چکی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کی تعظیم کے لئے وہ تخت سے نیچے اُتر آیا اور ادب سے لے کر آنکھوں سے لگایا اور مسلمان ہو گیا۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

اس نے اپنے بیٹے "ارہا بن اصحم" کو بھی حضورؐ کی خدمت میں ساٹھ آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور کہلا بھیجا یا رسول اللہ اگر میں حاضر ہو سکتا تو خود حاضر ہوتا۔

نجاشی کا جب انتقال ہوا تو خداوند تعالیٰ نے درمیانی پردے اٹھا دیئے اور سرکارِ نامدارؐ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی[1]

شاہِ مصر کے نام سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس شاہِ مصر کے پاس خط دے کر بھیجا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن آپ کے نامۂ مبارک کی بڑی تعظیم کی۔ اسے سینہ سے لگا کر ہاتھی دانت کی ڈبیا میں محفوظ کر دیا[2]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف بھیجے جن میں کئی باندیاں، غلام، چوپائے اور دوسری قیمتی اشیاء شامل تھیں۔ ان کے علاوہ ایک حکیم صاحب بھی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تحفے قبول فرمالئے مگر حکیم کو یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ ہم لوگ خوب بھوک لگنے پر کھاتے ہیں اور جب کچھ بھوک باقی رہتی ہے تو اٹھ جاتے ہیں اس لئے ہمیں حکیم صاحب کی ضرورت نہیں۔

مقوقس نے جو باندیاں بھیجی تھیں ان میں ماریہ قبطیہؓ بھی تھیں انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پسند فرمالیا اور انہی کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

دوسرے بادشاہوں کے نام ان کے علاوہ حضور پُرنورؐ نے امیر بصریٰ، امیر دمشق، شاہِ بحرین، شاہانِ عمان، شاہ یمامہ اور دوسرے بادشاہانِ عالم کے نام بھی دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض نے نہیں۔

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نامہ مبارک ایک فرانسیسی عالم کو مصر کے ایک گرجا میں دستیاب ہوا۔ چنانچہ اب قسطنطنیہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے (محمد ص ۲۳۸) ۱۲

جن بادشاہوں نے اسلام قبول کیا ان کے ملکوں میں تو اسلام پھیلا ہی مگر جن بادشاہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ان کے ملکوں میں بھی اسلام کا چرچا ضرور ہو گیا۔ اور دعوتی خطوط بھیجنے سے حضورؐ کا مقصد یہی تھا۔

غزوۂ خیبر

۷ھ میں صلح حدیبیہ سے فراغت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی۔ یہ وہی لوگ تھے جو غزوۂ خندق میں عرب کے قبیلوں کو مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف انہیں اُبھارتے رہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو صحابہؓ (۱۶۰۰) کی جماعت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ خیبر میں یہودیوں کے بہت سے قلعے تھے مسلمانوں نے ایک ایک کر کے سب قلعے فتح کر لئے۔ مسلمانوں سے مغلوب ہو کر، یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم آدھی پیداوار سالانہ بطور خراج دیا کریں گے۔ ہمیں یہاں رہنے دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کو منظور فرما لیا مگر یہ شرط ٹھہرا لی کہ جب ہم کہیں گے تمہیں یہاں سے چلا جانا ہو گا۔

اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہت بہادری دکھائی۔ آپ کا مقابلہ یہود کے مشہور بہادر مرحب سے ہوا۔ مرحب لڑائی کے تمام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر بڑے غرور کے ساتھ نکلا اور حضرت علیؓ پر نیزہ سے حملہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال چھوٹ کر دُور جا پڑی۔ پاس ہی ایک دروازہ پڑا تھا حضرت علیؓ نے فوراً اُسے اٹھا لیا اور اس پر مرحب کے حملوں کو روک کر اس زور سے اس پر تلوار کا وار کیا کہ پہلے اس کی ڈھال کو توڑا۔ پھر اس کے خود کو توڑ کر اس کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑا دیئے۔[1]

---

[1] محمدؐ رسول اللہ ۱۲

حضورؐ کی شانِ عفو اسی لڑائی میں مرحب کی بہن زینب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت بھیجا۔ رسولِ مقبول نے صرف ایک بوٹی کھا کر تھوک دی۔ لیکن ایک دوسرے صحابی بشرؓ بن براء جنہوں نے اسے کھا لیا تھا، انتقال کر گئے۔

زینب جب پکڑی ہوئی آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگی میں نے آپؐ کو آزمانے کے لئے یہ حرکت کی تھی کیونکہ میرا خیال تھا کہ اگر آپؐ نبی ہوں گے تو آپؐ کو اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ہم آپؐ سے چھٹکارا پا جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سُن کر اُسے معاف فرما دیا۔

تین سردارانِ مکہ کا قبولِ اسلام صُلح حدیبیہ کے بعد ہی مکہ کے تین بہادر اور معزز سردار جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کافروں کے لشکر کی سالاری کی خدمت انجام دیتے رہے تھے مسلمان ہوئے۔ یہ سردار خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن عاص اور عثمان بن ابی طلحہ ہیں۔ حضورؐ کو ان کے اسلام لانے سے بڑی خوشی ہوئی اور آپؐ نے حضرت خالد سے فرمایا۔ مجھے تمہاری دانائی سے یہی اُمید تھی کہ تم بھلائی قبول کر کے رہو گے۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا سے دُعا کیجئے کہ وہ میرے اُن لڑائیوں کے گناہ معاف کرے جن میں میں آپؐ کے خلاف لڑا ہوں۔ حضورؐ نے جواب دیا۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد پچھلے سب گُناہ معاف ہو جاتے ہیں[1]

عمرۂ قضاء ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے اگلے سال رسول اکرمؐ اپنے پچھلے سال کے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ کی قضا کے لئے نکلے۔

شرطِ صُلح کے مطابق مسلمانوں نے اپنے ہتھیار مکہ سے باہر ہی چھوڑ دیئے اور

---

[1] نور الیقین ۱۲

صرف ایک تلوار باندھ کر حرم میں داخل ہوئے۔ کافر اس دوران میں مکہ سے باہر نکل گئے۔
اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے خواب کو سچّا کر دکھایا۔

سریّہ موتہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں کے نام تبلیغ اسلام کے لئے جو خطوط بھیجے تھے ان میں ایک امیر بصریٰ شرجیل بن عمرو غسانی کے نام بھی تھا۔ اس ظالم نے حارث بن عمیر کو (جو خط لے کر گئے تھے) قتل کر ڈالا حضور ؐ نے حارث کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار صحابہ کا ایک لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرداری میں روانہ کیا۔ اس لشکر کو روانہ کرتے وقت آپؐ نے جو ہدایتیں فرمائیں وہ آج کل کے مہذب سپہ سالاروں کے لئے سبق حاصل کرنے کے قابل ہیں۔

- آپؐ نے فرمایا۔ ملک شام میں تم کچھ لوگوں کو گرجاؤں میں گوشہ نشین پاؤ گے تم اُن سے نہ اُلجھنا۔
- کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔
- کسی بچہ پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔
- کسی بوڑھے کو نہ ستانا۔
- کسی درخت کو نہ کاٹنا۔

جب لشکرِ اسلام ملکِ شام میں مقامِ "موتہ" میں پہنچا تو وہاں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ سردارِ لشکر حضرت زیدؓ شہید ہو گئے تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سردار بنائے گئے۔ حضرت جعفرؓ نے بڑی بہادری سے لڑتے لڑتے جب ان کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو بائیں ہاتھ میں اسلامی جھنڈا لے لیا۔ جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو جھنڈے کو گود میں لے لیا اور اسی حال میں شہادت پائی۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ سردار بنائے گئے لیکن انہوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر حضرت خالدؓ بن ولید اسلامی لشکر کے سردار منتخب کئے گئے۔ آپؐ نے اپنی جنگی تدابیر سے عیسائیوں کو شکست دی اور اسلامی لشکر کو کامیاب لوٹا لائے۔

لشکر کے واپس آنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول پاکؐ کو واقعہ

کی خبر دیدی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا۔

پہلے زیدؓ نے جھنڈا اُٹھایا اور شہید ہو گئے۔ پھر جعفرؓ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ابن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر "خدا کی ایک تلوار" نے جھنڈے کو بلند کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔[1] یہ واقعہ ۸ھ کا ہے۔

فتح مکّہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکّہ کے درمیان "حدیبیہ" کے مقام پر جو صلح ہوئی تھی وہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنی بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور جب انہوں نے خاص حرم میں پناہ لی تو وہاں بھی اُنہیں نہ چھوڑا اور بے دھڑک قتل کیا۔

"قبیلہ خزاعہ کے چند سردار حضور صلی اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت لے کر پہنچے۔ اور مسلمانوں سے قریش کی اس زیادتی کا بدلہ لینے کی درخواست کی۔ چنانچہ رسولِ کریمؐ دس ہزار کا لشکر لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

لشکرِ اسلام نے "مرالظہران" پر پہنچ کر قیام کیا۔ قریش کو خبر ملی کہ مسلمان اُن کے سر پر آ پہنچے ہیں تو ان کے سب سے بڑے سردار ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنگل انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور ساری فضا آگ کے شعلوں سے جگمگا رہی ہے وہ اس قدر تعداد میں مسلمانوں کو دیکھ کر سہم گئے اور ہکّے بکّے کھڑے رہ گئے۔

اسی حالت میں اسلامی لشکر کے پہرے داروں نے انہیں دیکھ لیا اور انہیں پکڑ کر

---

[1] نور الیقین ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی صورت دیکھتے ہی تلوار میان سے نکال لی اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ آج اس خدا کے دشمن کی گردن اڑا دوں۔ مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاف فرما دیا۔ رات بھر ابوسفیان حضرت عباسؓ کے خیمہ میں رہے۔ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے لہجہ میں پوچھا۔ ابوسفیان کیا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں اب بھی کچھ تامل ہے۔ ابوسفیان نے ندامت کے ساتھ گردن جھکا لی اور کہا نہیں یا رسول اللہ! آپؐ کے رحم و کرم کے قربان میں مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے[1]

مکہ میں داخلہ

آخرکار وہ وقت آ گیا کہ "فتح مبین" کا خداوندی وعدہ پورا ہوا۔ اللہ کا وہ رسول جو کافروں کے نرغہ سے نکل کر رات کی تاریکی میں ایک رفیق کے ساتھ مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا دس ہزار فدائیوں کے جھرمٹ میں فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ داخلہ کی شان یہ تھی کہ ہر ہر قبیلہ اپنے اپنے سردار کے پیچھے پیچھے اپنا اپنا جھنڈا اٹھائے چلا آ رہا تھا سب سے پیچھے انصار و مہاجرین کے گروہ میں شہنشاہِ مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ آپؐ اپنی سواری قصواء پر اپنے غلام حضرت زیدؓ بن ثابت کے ساتھ سوار تھے۔ آپؐ کی گردن ربّ العزت کی درگاہ میں جھکی ہوئی تھی اور آپؐ انکسار کے طور پر فرما رہے تھے:

اللّٰھم ان العیش عیش الآخرۃ -

"اے میرے اللہ آخرت کی زندگی ہی اصلی زندگی ہے"[2]

۲۰ رمضان ۸ھ کو جمعہ کے دن حضور پُرنور مکہ کے بالائی حصہ سے شہر میں

---

[1] نور الیقین ۱۲ [2] محمد رسول اللہ ۱۲

داخل ہوئے۔ آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے وہ مامون ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے وہ بھی مامون ہے اور جو اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اور مقابلہ نہ کرے وہ بھی مامون ہے۔ اسلامی لشکر کی یہ شان و شوکت دیکھ کر کفارِ مکہ پر رُعب چھا گیا۔ سوائے چند لوگوں کے جن کا خالد بن ولیدؓ سے مقابلہ ہُوا کوئی سامنے نہ آیا اور اس طرح مکہ نہایت امن و سکون کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

کعبہ کی صفائی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے خانہ کعبہ میں پہنچے اور حجرِ اسود کو بوسہ دے کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ لشکرِ اسلام نے بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور اس زور و شور سے کہ سارا مکہ گونج اُٹھا۔ مسلمانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ وہ لگاتار نعرے بلند کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس وقت تک نہ رُکے جب تک خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ روکا۔ اس کے بعد آپؐ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ کعبہ کے چاروں طرف ۳۶۰ بُت رکھے تھے۔ اس وقت آپؐ کے ہاتھوں میں ایک لکڑی تھی۔ آپؐ اس سے ایک ایک بُت کو گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "سچائی کا ظہور ہُوا اور باطل دُور ہُوا"۔

پھر آپؐ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں اُنہیں مٹوایا۔ جو بُت رکھے ہُوئے تھے انہیں نکلوایا اور دو رکعت نماز ادا کی۔

رحمتِ عالم کی شانِ رحمت ان امور سے فارغ ہو کر حضورؐ صحنِ کعبہ میں تشریف فرما ہُوئے اور صحابہ کرامؓ آپؐ کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ اس وقت کفارِ مکہ کے دل دھڑک رہے تھے اور قدم کانپ رہے تھے کہ دیکھئے آج ہمیں ہمارے کرتوتوں کی سزا ملتی ہے۔ آپؐ نے کفار کی جماعت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا :-

"اے قریش! آج تم مجھ سے کس قسم کے برتاؤ کی امید رکھتے ہو؟" انہوں

نے ایک زبان ہوکر کہا ہمیں آپ سے بھلے برتاؤ کی ہی اُمید ہے۔ آپؐ ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم وکرم کی یہ شان دیکھ کر کفار آپؐ کے قدموں میں گر پڑے اور قریب قریب تمام مکّہ والے اسی دن مسلمان ہو گئے۔ [۱]

کافروں میں سے ایک شخص جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا تو رعب سے اُس کے بدن پر لرزہ چھا گیا اور اس کے قدم ڈگمگانے لگے۔ سرورِ عالم نے درد بھرے لہجہ میں اس سے فرمایا۔ بھائی! ڈرو مت میں بھی قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔" [۲]

فتح مکّہ کے موقع پر اسلام لانے والوں میں سے یہ لوگ قابلِ ذکر ہیں:

ابوسفیان بن حرب۔ معاویہؓ بن ابوسفیان۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد قحافہ اور ابوسفیان بن الحارث۔

عہد کی پابندی

جب مکّہ فتح ہو گیا تو انصار میں سے بعض کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب حضورؐ اپنے وطن تشریف لے آئے ہیں اور آپؐ کے خاندان والے سب مسلمان ہو گئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اب حضورؐ ہمیں چھوڑ دیں اور یہیں قیام فرمالیں۔

انصار کے اس اندیشہ کی حضورؐ کو بھی کسی طرح خبر ہو گئی۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں میری طرف سے کچھ اندیشہ ہے۔ پہلے تو انصار نے چھپانے کی کوشش کی مگر جب آپؐ نے اصرار فرمایا تو انہوں نے کہہ دیا ہمیں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حضورؐ اب اپنے خاندان میں قیام نہ فرمالیں۔ حضورؐ نے فرمایا معاذ اللہ! کہیں یہ ہو سکتا ہے میری زندگی اور موت تم لوگوں کے ساتھ ہے۔ [۳]

---

[۱] نور الیقین ۱۲- [۲] دروس التاریخ ۱۲

[۳] حیات سید العرب ۱۲

غزوۂ حنین

مکّہ اور طائف کے درمیان بنی ثقیف اور ہوازن کے دو قبیلے آباد تھے۔ یہ بہت بہادر اور سرکش قبیلے تھے۔ جب اُنہیں "فتح مکّہ" کی خبر ملی تو بہت پریشان ہُوئے۔ اُنہوں نے سوچا کہ اب تک تو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی قوم قریش سے مقابلہ کی وجہ سے ہماری طرف رُخ کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ قریش سے فارغ ہو جانے کے بعد اب وہ ہماری خبر لیں گے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی اُن پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں قبیلے اپنی پوری تیاری کے ساتھ مُسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔

رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ابھی مکّہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ کو جب ان کے اس ارادہ سے اطلاع ملی تو بارہ ہزار کا لشکر لے کر آپؐ بھی ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہُوئے۔ اس لشکر میں دس ہزار انصار و مہاجرین تھے۔ دو ہزار فتح مکّہ کے نومسلم اور اَنشی کافر بھی تھے جو مالِ غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔

اس زبردست لشکر کی شان وشوکت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کو گھمنڈ پیدا ہُوا۔ اور اُن کی زبان سے بے اختیار نکل گیا کہ اس لڑائی میں ہم نہیں ہار سکتے۔

جب یہ لشکر دُشمن کے پڑاؤ کے پاس پہنچا تو حضورؐ نے صف بندی فرمائی۔ پھر ایک دستہ کو دُشمن کے مقابلے کے لئے آگے روانہ کیا۔ جونہی مسلمانوں کا یہ دستہ آگے بڑھا دشمن کی فوج کے سپاہیوں نے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپے بیٹھے تھے اُن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔

مُسلمانوں کا یہ دستہ اس خلافِ توقع تیر باری سے پریشان ہو گیا اور اس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ جب پچھلے دستوں نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا وہ بھی بھاگ کھڑے ہُوئے اور اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ آپؐ نے حضرت

عباسؓ سے جن کی آواز بلند تھی فرمایا، لوگوں کو پکارو۔ آپؐ نے پکارنا شروع کیا۔ اے جماعت انصار! اے بیعتِ رضوان والو! کہاں جا رہے ہو؟ اس آواز کو سنتے ہی مسلمانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے لوٹنا چاہا۔ مگر اس بھگدڑ میں اُن کے اُونٹ اُن کے روکے نہ رُکے۔ آخر وہ اپنی تلواریں سونت کر اُونٹوں کی پشت پر سے کُود پڑے اور دوبارہ جمع ہو کر دشمن پر اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بنی ثقیف اور ہوازن اپنی عورتوں اور بچوں اور بے شمار مالِ غنیمت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دوسرا موقع تھا کہ لشکرِ اسلام میں شکست کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں کے دل میں کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا تھا اور اُنھوں نے اپنی تعداد کے بھروسہ پر دشمن کی چالوں کی پروا نہ کی۔ دُوسرا سبب یہ تھا کہ لشکر میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کے راستے میں لڑنے کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ مالِ غنیمت حاصل کرنا اُن کا مقصد تھا۔ اس لئے اس لڑائی سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائی صرف اللہ کے لئے ہونی چاہیئے اور انہیں اس راستے میں صرف اللہ ہی کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

"حنین" میں شکست کھانے کے بعد دُشمن کے کچھ آدمی طائف کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ یہ لوگ بہت سا کھانے پینے کا سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو بیٹھے۔ مسلمان اٹھارہ دن تک اُنہیں گھیرے پڑے رہے۔ مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی رائے کے مطابق انہیں چھوڑ کر لوٹ آئے۔ کچھ مدت بعد یہ لوگ خود مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے۔

ہمیں رسول اللہ کافی ہیں

غزوۂ حنین میں کافر بے شمار مال و اسباب چھوڑ کر بھاگے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غنیمت کا سارا حصہ ان لوگوں میں تقسیم کیا جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے۔ انصار میں سے بعض لوگوں کو یہ امتیاز اچھا نہ معلوم

نہ ہُوا اور اُنہوں نے آپس میں کہا تعجب ہے کہ حضورؐ قریش کو تو مالِ غنیمت دے رہے ہیں اور ہمیں نہیں دیتے۔ حالانکہ ہماری تلواریں ابھی تک قریش کے خُون سے رنگین ہیں۔

کسی طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچ گئی۔ تو آپؐ نے انہیں الگ ایک جگہ جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور کہا:-

"اے انصار! مَیں یہ کیا سُن رہا ہوں؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم لوگ گمراہ تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اور تم لوگ تنگدست تھے خدا نے میری وجہ سے تمہیں آسودہ کیا۔ تم لوگ آپس میں دشمن تھے۔ خدا نے میرے ہاتھوں تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملایا۔ اب تم دُنیا کے تھوڑے سے مال کی خاطر دل میں مَیل لاتے ہو۔ اے انصار! تم لوگ تو اسلام پر ثابت قدم ہو چکے۔ یہ قریش نئے نئے مسلمان ہُوئے ہیں۔ مَیں نے ان کا دل رکھنے کے لئے انہیں مالِ غنیمت دیدیا ہے۔ اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ تو اُونٹ اور بکریاں اپنے ساتھ لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ۔ خدا کی قسم! مجھے تو تم سے اتنی محبت ہے کہ اگر مہاجر نہ ہوتا تو انصاری ہونا پسند کرتا اور اگر لوگ جدا جدا راستے اختیار کرتے تو مَیں انصار کا راستہ اختیار کرتا۔"

رسول اکرمؐ کی یہ تقریر سُن کر انصار بے اختیار رونے لگے اور اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور پھر آنسو پُونچھ کر کہنے لگے۔

"ہمیں مالِ غنیمت کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے اللہ کے رسول کافی ہیں۔"[۵]

---

[۵] نورالیقین ۱۲

مدینہ منورہ کو واپسی اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد مقام "جعرانہ" سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا۔ مکہ میں واپس تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا۔ پھر حضرت عتاب بن اُسید کو جن کی عمر اگرچہ صرف اٹھارہ سال کی تھی مگر نیکی اور پرہیزگاری میں خاص درجہ رکھتے تھے، وہاں کا امیر مقرر کر کے مدینہ منورہ کو لوٹ آئے۔

غزوۂ تبوک

سنہ ۹ھ کے درمیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ شام کا عیسائی بادشاہ جس سے مقام "موتہ" میں مسلمانوں کا مقابلہ ہو چکا تھا۔ قیصر روم کی امداد سے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔

یہ سال قحط کا تھا اور موسم بھی بہت گرم تھا اور پھر سفر بھی بہت دُور کا تھا لیکن اسلام کے فدائی حضورؐ کا حکم پاتے ہی تیار ہو گئے۔

عاشقانِ رسول کی مالی قربانیاں بہت سے مسلمان ایسے تھے جن کے پاس سفر کا سامان نہ تھا اس لئے چندہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور رسول کریمؐ نے مالدار صحابہؓ کو اس نیک کام میں حصہ لینے کی دعوت دی۔

حضرت عثمان غنیؓ نے دس ہزار دینار، تین سو اونٹ معہ ساز و سامان کے اور پچاس گھوڑے پیش کئے۔ جس وقت آپؓ نے یہ بھاری رقم حضورؐ کی گود میں لا کر ڈالی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو کر اُسے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمانؓ کا کوئی عمل اُنہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ پھر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا:-

"اے اللہ! عثمانؓ سے راضی ہو کہ میں اس سے راضی ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال و متاع جس کی قیمت چالیس ہزار درہم تھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ آپؐ نے پوچھا اے ابوبکر! تم نے اپنے بال بچوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ "اللہ اور رسولؐ ان کے لئے کافی ہیں"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوئے۔ اسی طرح دوسرے دولتمند صحابہ عبدالرحمن بن عوف، عباس وطلحہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں چندہ میں دیں۔ مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اس چندہ میں دل کھول کر حصّہ لیا۔ بہت سی بیبیوں نے اپنے زیور اُتار اُتار کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے[1]

جب اس طرح لشکر کا ساز و سامان درست ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابہ کا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ منافقین کی جماعت اس لشکر میں شریک نہیں ہوئی بلکہ اُنہوں نے دوسرے لوگوں کو بھی بہکانے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ اس گرمی میں مت جاؤ۔ خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی بھیجی کہ ان منافقوں سے کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔

رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ منورہ میں خاندان کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دیا اور اس سب سے بڑے اسلامی لشکر کا جھنڈا جو رسول کریمؐ کے ساتھ سب سے آخری لڑائی لڑنے کے لئے نکلا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا[2]

مقام تبوک (جو مدینہ سے ۱۴ منزل جانب دمشق ہے) میں پہنچ کر حضورؐ نے قیام فرمایا۔ مگر غسانی بادشاہ مقابلہ کے لئے نہ آیا اور لڑائی نہ ہوئی۔

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دس روز تک یہاں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں ایلہ (شام) کا حاکم یوحنا بن روبہ اور شام کے دوسرے شہروں جرباء، اذرح اور

---

[1] نور الیقین و محمد رسول اللہ۔ ۱۲ [2] نور الیقین ۱۲

میناکے روسا حاضر خدمت ہوئے اور جزیہ دینا قبول کر کے اسلام کی پناہ میں آگئے۔ حضور پُرنور کی طرف سے ان کو امان کا فرمان لکھ دیا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے آگے بڑھنے کے متعلق مشورہ کیا حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ! اگر خدا کا حکم ہے تب تو بے تامل بڑھتے چلیئے ورنہ آگے جانا مناسب نہیں۔ ہماری ہیبت عیسائی حکمرانوں کے دلوں پر چھا چکی ہے اور یہی ہمارا مقصد تھا۔ رسول اقدسؐ نے فرمایا کہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو میں تم لوگوں سے مشورہ نہ کرتا۔ اور پھر حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق فرما کر مدینہ کو روانگی کا حکم دیا۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی آخری لڑائی تھی۔

حج ابوبکرؓ ذی قعدہ ۹ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ فرمایا۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان حاجیوں کو اسلامی طریقہ کے مطابق حج کرنے کی تعلیم دی اور پھر مقام منیٰ میں عرب کے مشرکین کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ عام پڑھ کر سنایا۔ اس اعلان کا خلاصہ یہ ہے :۔

"جن مشرکوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے اس کی میعاد تک اُن کیساتھ اس معاہدہ کی پابندی کی جائے گی لیکن جن مشرکوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہے، یا معاہدہ تو تھا مگر انہوں نے غدّاری کر کے اسے توڑ دیا۔ ان کو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خدا اور رسول ان کی ذمہ داری سے بری ہیں۔"

پھر منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے ارادہ سے نہ آئے اور کوئی ننگا شخص جاہلیت کی رسم کے مطابق خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے۔

دشمن کے ساتھ برتاؤ اسی سال ذی قعدہ کے مہینہ میں عبداللہ بن اُبّی کا انتقال ہوگیا۔ واضح ہو کہ یہ شخص مدینہ کے منافقوں

کا سردار تھا اور ہمیشہ در پردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی شان دیکھو کہ آپؐ نے اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی اور قبرستان بھی تشریف لے گئے۔ بہت سے منافق آپؐ کا یہ اخلاق دیکھ کر سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ مگر پھر بعد میں خداوند تعالیٰ نے حضورؐ کو کافروں کی نماز پڑھنے اور ان کی قبر پر جانے کی ممانعت فرما دی [1]

تبلیغ کا طریقہ سنہ ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو تبلیغِ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا۔ چلتے وقت آپؐ نے انہیں ہدایت کی کہ دیکھو لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنا۔ سختی نہ برتنا۔ اُن کا دل لبھانا۔ انہیں نفرت نہ دلانا۔ تم ان لوگوں کے پاس پہنچو گے جو اہلِ کتاب ہیں تو دیکھو پہلے انہیں کلمہ پڑھنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسے منظور کرلیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں اُن پر فرض کی ہیں۔ اگر وہ اسے بھی تسلیم کرلیں تو اُن سے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکواۃ فرض کی ہے جو امیر آدمیوں سے لے کر غریب آدمیوں کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو زکوٰۃ میں ان کا اچھا اچھا مال چھانٹ کر نہ لینا۔ اور دیکھو مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کیونکہ جب اُس کے دل سے آہ نکلتی ہے تو اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا [2]

حجۃ الوداع

ذی قعدہ سنہ ھ میں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار جاں نثار آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا چنانچہ اس موقعہ پر آپؐ نے جو دو خطبے دیئے انہیں اُمت

---

[1] نور الیقین ۱۲ [2] حیات سید العرب ج۲

کے نام آپؐ کا آخری پیغام کہا جا سکتا ہے۔

آپؐ نے خدا کی تعریف کے بعد فرمایا :-

"لوگو! جو کچھ میں کہوں اُسے توجہ سے سُنو! شاید اگلے سال پھر یہ موقع نہ ملے دیکھو جس طرح تم اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی عزت کرتے ہو اسی طرح تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام دستور آج میں ملیامیٹ کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کی سُود کی رسم اب بند کی جاتی ہے اور پرانے خون کے حق اب ختم کئے جاتے ہیں۔"

لوگو! عورتیں تمہارے ہاتھوں میں بے بس ہیں۔ تم نے انہیں اللہ کو ضامن بنا کر حاصل کیا ہے۔ لہٰذا ان سے برتاؤ کرتے وقت اللہ سے ڈرنا ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا۔ دیکھو غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا جو خود کھاؤ وہی انہیں کھلانا اور جو خود پہنو وہی انہیں پہنانا اور اُن سے کوئی خطا ہو تو اسے معاف کرنا۔

لوگو! تم سب کا پالنے والا ایک ہے اور تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے ورنہ یوں عرب والے اور عجم والے سب برابر ہیں۔

دیکھو میرے بعد کافر بن کر ایک دُوسرے کو قتل نہ کرنے لگنا میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑے جاتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ کی کتاب اور اپنی سُنت، جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔"

ان کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بھی بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ آخر میں فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپؐ بیچ بیچ میں صحابہ سے پوچھتے جاتے تھے بتاؤ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اور جب صحابہ جواب دیتے تھے کہ ہاں یا رسول اللہ!

آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ تو آپؐ فرماتے تھے کہ "اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں تبلیغ کا حق ادا کر چکا۔

اسی موقع پر سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (پ ۶ ع ۵)

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا"

وفود کی آمد

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے صلح حدیبیہ کے بعد جب عرب کے مختلف قبیلوں کو ملنے جلنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کا موقع ملا تو عام طور پر ان میں اسلام قبول کرنے کا میلان پیدا ہو گیا۔ مگر پھر بھی چونکہ قریش ان کے دینی پیشوا تھے اس لئے وہ اس دین کی طرف اپنا قدم بڑھانے سے پہلے ان کی پیش قدمی کے منتظر تھے۔

"فتح مکہ" کے بعد جب قریش نے دین اسلام قبول کر لیا تو عرب کے دوسرے قبیلے بھی دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ چنانچہ ۹ھ اور ۱۰ھ میں حضورؐ کی خدمت میں عرب کے بہت سے قبیلوں کے وفد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ وفد زیادہ تر ۱۰ھ میں آئے اس لئے اس سال کو عام الوفود (وفدوں کا سال) کہا جاتا ہے۔ ان وفود میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ رسول کریمؐ کا طریقۂ تعلیم معلوم ہو جائے۔

وفدِ ثقیف غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد بنی ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مسجد نبویؐ کے قریب ان کے لئے خیمہ لگوا دیا تاکہ مسلمانوں کی عبادت کا طریقہ دیکھ سکیں۔ اور قرآن کریم کو سن سکیں۔

بنی ثقیف نے کچھ دن مدینہ میں رہنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ رسول اکرمؐ

نے عثمان بن ابی العاص کو ان کا امام مقرر کر دیا۔ یہ اگرچہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام کی تعلیم سے سب سے زیادہ واقف تھے۔ جتنے دن وفد مدینہ میں رہا انہوں نے اتنے ہی دن میں اپنی قوم سے چھپ چھپ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بہت سی قرآن کی سورتیں اور دین کے احکام سیکھ لئے تھے۔

وفدِ نجران نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جو سنہری کام کا ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیمتی اونی چادریں اور تصویر دار بچھونے تحفہ کے طور پر پیش کئے۔ آپؐ نے چادریں قبول کر لیں مگر بچھونے واپس فرما دیئے۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو مسجد نبویؐ ہی میں انہوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے اپنے طریقہ کے مطابق نماز پڑھی۔

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو آپ سے پہلے کے مسلمان ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں حائل ہیں۔ صلیب کی عبادت کرنا۔ سور کا گوشت کھانا اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا سمجھنا۔

اہلِ وفد نے کہا عیسیٰ کی طرح کوئی بن باپ کے پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ضرور ان کا باپ خدا ہے۔

اس پر وحی خداوندی کے مطابق آپؐ نے انہیں جواب دیا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو بھی تو بن باپ کے ہی پیدا کیا تھا۔ مگر یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے بلکہ جزیہ دینا منظور کر کے اسلام کی پناہ میں آ گئے۔

وفدِ ضمام رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنی مجلس میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ ضمام بن ثعلبہ جو بنی سعد بن بکر کا ایک سردار تھا اپنے اونٹ کو لئے ہوئے صحن مسجد میں داخل ہوا۔ آتے ہی کہا تم میں عبدالمطلب کا بیٹا

کون ہے؟ صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آپؐ کی طرف اشارہ کر کے کہا مجھے آپؐ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔ اگر سخت معلوم ہوں تو ناراض نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، جو تمہارا جی چاہے پوچھو۔ چنانچہ اس نے حضورؐ سے اسلام کی تعلیمات کے متعلق کچھ سوالات کئے جن کے قابلِ اطمینان جواب پا کر وہ خود بھی مسلمان ہو گیا اور اپنی ساری قوم کو بھی مسلمان بنا لیا۔

وفدِ عبد القیس قبیلۂ عبد القیس کا وطن بحرین تھا۔ یہ لوگ بڑا لمبا سفر کر کے آئے تھے۔ جونہی مسجدِ نبویؐ کے دروازہ پر پہنچے اور حضورؐ کا چہرۂ مبارک نظر آیا تو بے تابی کے عالم میں اپنے اپنے کجاوؤں سے کود کر حضورؐ کے قدم چوم لئے اور بڑے شوق سے اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اس قبیلہ میں چونکہ شراب کا بہت رواج تھا اس لئے آپؐ نے انہیں خاص طور پر شراب پینے سے منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے وطن کی آب و ہوا ایسی ہے کہ اگر ہم شراب نہ پئیں تو بیمار ہو جائیں اس لئے تھوڑی سی شراب پینے کی اجازت دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تھوڑی ہی پھر بہت ہو جائے گی اور مستی کی حالت میں بھائی بھائی کا خون بہانے لگے گا۔

وفدِ بنی حنیفہ بنی حنیفہ کا وفد بھی سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ اسی قبیلہ میں ایک شخص مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ اس نے کہا میں اس شرط پر مسلمان ہو سکتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے مسلمانوں کا خلیفہ مقرر فرمائیں۔ حضورؐ کے ہاتھ میں اس وقت ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا خلافت تو بڑی چیز ہے تم کو تو میں یہ شاخ بھی نہیں دوں گا۔

غرض مسیلمہ مسلمان نہ ہوا۔ وہ عزت کا بھوکا تھا اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ذلت کے ساتھ مارا گیا۔

وفدِ کندہ وفدِ کندہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے سردار اشعث بن قیس نے اپنے ہاتھ میں کوئی چیز چھپا

لی اور حضورؐ سے پوچھا۔ بتائیے میرے ہاتھ میں کیا ہے ؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! یہ تو کاہنوں کا کام ہے۔ مَیں کاہن نہیں ہوں میں تو خدا کا نبی ہوں اور اس کا سچا کلام لے کر آیا ہوں۔ پھر آپؐ نے انہیں کچھ قرآن مجید کی آیتیں سنائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے ان لوگوں سے پوچھا۔ بولو اسلام لاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا تو پھر ان ریشمی چادروں کو کیوں گلے میں ڈال رکھا ہے؟ وفد والوں نے فوراً اپنی چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمان ہو گئے۔

وفدِ تجیب قبیلہ تجیب کے تیرہ آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ زکوٰۃ کا مال بھی لے کر گئے تھے۔ حضورؐ نے ان کی خاطر مدارت کی اور ان کا مال اُن کو لوٹا کر کہا یہ اپنے ہی ہاں کے غریبوں کو دے دینا۔ وفد والوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے ہاں کے غریبوں کو تو دے چکے یہ تو ہم ہیں کے لئے لائے ہیں۔ ان کا یہ اصرار دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ عرب کے قبیلوں میں سے کوئی قبیلہ اُن جیسا مخیر نہیں آیا۔ حضورؐ نے فرمایا ہدایت خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کا دل ایمان کے لئے کھولنا چاہتا ہے کھول دیتا ہے۔

ان لوگوں نے بہت شوق سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور جب چلنے لگے تو آپؐ نے اُنہیں دوسرے وفدوں سے زیادہ تحفے تحائف دیئے۔ ان میں سے ایک لڑکا سامان کی حفاظت کے لئے رہ گیا تھا۔ حضورؐ نے اُسے بھی تحفہ دینے کے لئے بلایا۔ جب یہ لڑکا آیا تو کہنے لگا یا رسول اللہ! آپؐ نے اوروں کی حاجتیں تو پوری کر دیں میری حاجت بھی پوری کر دیجئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اللہ سے دُعا فرمائیے کہ وہ مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُس کے لئے دُعا

فرمائی اور جو کچھ دوسروں کو دیا تھا وہ بھی عطا فرمایا[1]۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کے مختلف قبیلوں کے جو وفد آتے۔ آپؐ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ ان کے ساتھ اخلاق اور محبت کے ساتھ پیش آتے۔ انہیں اسلام کی تعلیمات سے واقف کرتے اور جب وہ واپس جاتے تو انہیں تحفے دے کر رخصت کرتے۔ آپؐ کے اس برتاؤ سے عرب کے چپہ چپہ میں آپ کے عمدہ اخلاق کا ڈنکہ بج گیا اور اسلام کی روشنی سے بادشاہوں کے محل اور غریبوں کے جھونپڑے جگمگا اٹھے۔

وصال شریف

جب خدا کا پیغام عام ہو گیا اور نبوت اپنا کام انجام دے چکی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ رسول اقدسؐ نے خدا کے اس ارادے کا اظہار صحابہؓ کے مجمع میں ان لفظوں کے ساتھ فرمایا۔

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا کہ چاہے وہ دنیا کی بہار کو پسند کر لے یا خدا کے یہاں جو نعمت ہے اسے تو اس بندہ نے اللہ کے ہاں کی نعمت کو پسند کر لیا"

سرکارِ نامدارؐ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر صدقے یہ آپؐ کیا فرماتے ہیں؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس ذہانت اور محبت کو دیکھ کر آپؐ فرمانے لگے۔ اگر میں کسی انسان کو اپنا دوست بناتا تو وہ ابوبکرؓ ہوتے۔ لیکن پھر بھی ابوبکرؓ میرے بھائی ہیں۔ مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ لیکن ابوبکرؓ کی

---

[1] نور الیقین ۱۴

کھڑکی بند نہ کی جائے۔[1]

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق اشارہ موجود ہے۔

بیماری

۲۸ صفر ۱۱ھ کو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت میمونہ رضؓ کے گھر میں تھا۔ آپؐ کے سر میں درد ہوا جس نے بعد میں بخار کی صورت اختیار کرلی۔ جب مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے دوسری بیویوں سے بیماری کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضؓ کے گھر رہنے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں آکر بخار تیز ہوگیا اور اس قدر تیز ہوا کہ آپؐ نے فرمایا میرے بدن پر ٹھنڈا پانی بہاؤ تاکہ بخار کی تیزی کم ہو۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد تشریف لانے میں تکلیف ہونے لگی تو آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کئی بار عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوبکرؓ کمزور دل کے ہیں وہ رونے لگیں گے اور اُن کی آواز نہ نکل سکے گی۔ یہ خدمت کسی اور کے سپرد کیجئے۔ لیکن حضورؐ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ امامت کریں۔ چنانچہ آپؐ کی بجائے حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھانے لگے۔[2]

آخری خطبہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے زمانہ میں ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عباسؓ کا انصار کی ایک مجلس میں گزر ہوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا بھائیو! کیوں رو رہے ہو؟ انصار نے جواب دیا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آتی ہے۔ حضرت عباسؓ نے حضورؐ کو اس واقعہ کی خبر کی۔ آپؐ اپنے

---

[1] نور الیقین ۱۲ [2] حیات سید العرب ج ۲

جان نثاروں کی اس تکلیف سے بے قرار ہو گئے اور حضرت علیؓ اور فضل بن عباسؓ کے کاندھوں پر سہارا دے کر سر پر پٹی باندھے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ گئے۔ صحابہؓ کو جب معلوم ہوا کہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے ہیں تو دیوانوں کی طرح دوڑتے آئے اور پروانوں کی طرح نثار ہونے لگے۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند ٹکڑے یہ ہیں :-

"لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کی موت سے ڈر رہے ہو۔ کیا کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ ہمیشہ رہا ہے جو میں بھی تمہارے ساتھ ہمیشہ رہوں ؟ سن لو کہ اب میں اپنے اللہ سے ملنے والا ہوں اور کچھ عرصہ بعد تم بھی مجھ سے آملو گے۔ میں انصار کو مہاجرین سے اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور مہاجرین کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ آپس میں بھی اچھا برتاؤ کریں اور انصار کے ساتھ بھی اچھی طرح پیش آئیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تنگدستی کے باوجود اپنی ضرورتوں پر مہاجرین کی ضرورتوں کو مقدم رکھا۔

یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم سب مجھ سے بعد میں آملو گے۔ اب تم سے حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی۔ سن لو جو مجھ سے حوضِ کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اُسے چاہیئے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غیر مناسب موقعوں پر استعمال نہ کرے۔

اس تشفی اور نصیحت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس تشریف لے گئے [۱]

آخری دیدار سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض روز بروز بڑھتا رہا اور حضرت ابوبکرؓ اس دوران میں حضورؐ کی قائم مقامی فرماتے رہے۔

---

[۱] نور الیقین و محمد رسول اللہ ۱۲

۱۲ ربیع الاوّل یوم دوشنبہ کو فجر کے وقت مسجد نبویؐ میں نماز ہو رہی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت فرما رہے تھے کہ یکایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کا پردہ ہٹا اور سرکارِ نامدار کا نورانی چہرہ نمودار ہوا۔ آپؐ نے مسلمانوں کو جماعتی حیثیت سے حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں اپنا مذہبی فرض ادا کرتے دیکھا تو بے اختیار چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ کی لہریں دوڑ گئیں۔ ادھر صحابہؓ کی نگاہیں جو آقا و مولیٰ کے چہرہ پر پڑیں تو دل خوشی کے طوفان سے ڈگمگانے لگے اور قریب تھا کہ نمازیں توڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو چوم لیں کہ آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ سے منع فرمایا اور نماز کو جاری رکھنے کا حکم دیا اور پھر حجرے میں داخل ہو کر پردہ کھینچ لیا[1]

وصال اسی دن سہ پہر کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھی ہیں اور زبان مبارک پر اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اے اللہ! اے معزز رفیق) ہے سمجھ گئیں کہ رفیقِ اعلیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں نبوت کا سورج اپنی روشنی سے ہزاروں چاند ستاروں کو جگمگاتا چھوڑ کر دنیا کی ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک قمری حساب سے ۶۳ سال تین دن اور شمسی حساب سے ۶۱ سال ۸۴ دن کی ہوئی[2]

صحابہ کا ہراس حضور سرورِ کائنات کے وصال کی خبر بجلی کی طرح آن کی آن میں اِدھر سے اُدھر تک پھیل گئی مگر صحابہ کرامؓ کے دل میں آپؐ کی محبت اور عظمت اس درجہ تھی کہ وہ کسی طرح حضورؐ کی جدائی کا تصور دماغ میں لانے کے لئے تیار نہ تھے اور ان کا دل اس بات کو نہیں مانتا تھا کہ موت کا فرشتہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قابو پا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تو

---

[1] محمد رسول اللہ ۱۲

تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکر صدیق کو خدا تعالےٰ نے سمجھ اور برداشت کا مادہ سب سے زیادہ دیا تھا آپؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو مسجد میں تشریف لائے اور اعلان کیا:-

"لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔"

اور پھر اس کے بعد دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ	"اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے ایک رسول
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ	ہی تو ہیں جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ	گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو
وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ	جائیں تو تم اُلٹے پاؤں (اسلام سے) پھر جاؤ گے
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِى	اور جو شخص اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (پ۴ع۶)	وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اللہ جلد ہی
لہ	شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔"

دفن حضرت ابوبکرؓ کے اس اعلان کے بعد صحابہ کو کہیں حضورؐ کی وفات کا یقین آیا آپؐ کو غسل دے کر جنازہ مبارک حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حجرے میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ ایک ایک کر کے آتے رہے اور نماز ادا کر کے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ چہار شنبہ (بدھ کی رات) تک جاری رہا۔ جب سب صحابہ اپنے پیارے نبیؐ کا آخری دیدار کر چکے تو انبیاء کرام کے دستور کے مطابق اسی حجرہ میں آپؐ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ قبر شریف کچی ایک بالشت اونچی بنائی گئی۔

لہ حیات سید العرب ج ۲ ص ۱۲

حُلیۂ مبارک

حبیبِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کمالِ باطنی سے مزین تھے اسی طرح جمالِ ظاہری سے بھی آراستہ تھے۔

آپؐ کا چہرۂ مبارک سُرخ و سفید اور چمکیلا تھا۔ سیاہ نرگسی آنکھیں تھیں جن میں سُرخ ڈورے پڑے تھے۔ پلکیں باریک اور گھنی تھیں، ناک ستواں تھی، پیشانی چوڑی تھی۔ داڑھی گھنی تھی جس سے سینہ مبارک بھر جاتا تھا۔ سینہ کشادہ تھا۔ مونڈھے بھاری تھے۔ بازو، پُہنچے اور ٹانگیں پُر گوشت تھیں۔ ہتھیلیاں اور قدم چوڑے تھے۔ سینہ اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک ڈورا تھا۔ سر کے بال کسی قدر خم کھائے ہوئے تھے۔ دانت اولوں کی طرح چمکیلے تھے۔ گردن صراحی دار تھی۔ قد درمیانہ تھا۔ پھر بھی کسی کے ساتھ چلتے تو اس سے کچھ نکلتے ہوئے ہی معلوم ہوتے تھے۔ جسم گٹھا ہُوا تھا اور گوشت نرم۔

براء بن عازب کہتے ہیں کہ مَیں نے سُرخ حلہ میں کسی شخص کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت نہیں پایا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپؐ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جو آپؐ کو یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا اور جو آپؐ سے ملتا جلتا آپ کو محبوب بنا لیتا۔ جو آپؐ کا وصف بیان کرتا اُسے کہنا پڑتا کہ "آپؐ جیسا نہ کوئی آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد"۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے کافر آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کہہ اُٹھتے تھے کہ "جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہو سکتی"۔ [1]

اُمّت کی مائیں | سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی ضرورتوں کی وجہ سے

---

[1] نور الیقین بحوالہ شفاء قاضی عیاض ۱۲

عرب کے مختلف خاندانوں سے تعلقات پیدا کرنے کے لئے کئی شادیاں کیں۔ آپؐ کی محترم بیویوں کے (جو آپؐ کی اُمت کی مائیں ہیں) نام یہ ہیں :۔
حضرت خدیجہؓ بنت خویلد۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ۔ حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ۔ حضرت ام سلمہؓ بنت سہیل، حضرت زینبؓ بنت جحش۔ حضرت جویریہؓ بنت حارث۔ حضرت ام حبیبہؓ بنت ابی سفیان۔ حضرت صفیہ بنت حیی۔ حضرت میمونہ بنت الحارث۔

ان محترم بیویوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آپؐ کے نکاح میں آئیں اس وقت اُن کی عمر چالیس سال کی اور حضورؐ کی پچیس سال کی تھی۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔ پچیس سال کی رفاقت کے بعد جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپؐ نے دوسری شادیاں کیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر مبارک پچاس سال کی ہو چکی تھی۔

حضورؐ کی وفات کے وقت حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کے علاوہ باقی سب "اُمت کی مائیں" موجود تھیں۔ ان ماؤں سے اُمت کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوئیں۔ خاص کر حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر صدیقؓ کی بیان کی ہوئی حدیثوں سے تو کتب حدیث کے خزانے لبریز ہیں۔

اولادِ مبارک

سرکارِ مدار صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

۱۔ حضرت قاسمؓ ۲۔ حضرت عبداللہ ۳۔ حضرت ابراہیمؑ ۴۔ حضرت زینبؓ
۵۔ حضرت رقیہؓ ۶۔ حضرت فاطمہؓ ۷۔ حضرت کلثوم

سوائے حضرت ابراہیمؑ کے حضورؐ کی یہ تمام اولاد، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت ماریہؓ کو مصر کے بادشاہ مقوقس نے حضورؐ کے پاس ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا اور یہ حضورؐ کی "اُمِّ ولد" بن گئی تھیں۔

حضورؐ کے تینوں صاحبزادے بچپن ہی میں خدا کو پیارے ہوئے۔ البتہ سب صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور پروان چڑھیں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ جو ہجرت کے بعد مدینہ آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ کے گھر کی زینت بنیں اور حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے عقد میں آئیں۔ مگر حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی سے اولاد کا سلسلہ نہ چلا۔

حضرت فاطمہؓ کے دو صاحبزادے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دو صاحبزادیاں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ گلشنِ نبوت کے دونوں نونہالوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) سے بہت سے گل بوٹے کھلے اور سرکارِ نامدار کی جسمانی اولاد کا سلسلہ پھیلا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات وحیاھم باطیب التحیات وجمع المہاجرین والانصار فی ارفع الدرجات

اخلاق وعاداتِ سرورِ کائنات

آپ اپنی تعلیم کا خود مکمل عملی نمونہ تھے۔ مجمع عام میں جو کچھ فرماتے گھر کی تنہائی میں بھی اسی رنگ میں نظر آتے۔ اخلاق وعمل اور طہارت وپاکیزگی کا جو نکتہ دوسروں کو سکھاتے پہلے خود اس کا عملی نمونہ بن جاتے۔ انسان کی حالت کا بیوی سے زیادہ کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ لوگوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے؟ انھوں نے کہا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہی رسول کریمؐ کے اخلاق تھے۔ یعنی آپؐ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی اور آپؐ کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا۔ خود قرآن نے اس کی گواہی دی اور اعلان کیا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ۔ یعنی اے حضورؐ! آپ بے شبہ حسنِ اخلاق کے بڑے مرتبے

پر فائز ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت میں رہی تھیں۔ نبوت کے شروع کے دنوں میں آپ کو ان لفظوں سے تسلی دیتی تھیں " خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا۔ کیونکہ آپ صلۂ رحم کرتے ہیں۔ عزیزوں، رشتہ داروں کا حق ادا کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بے سہاروں اور غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو شروع نبوت سے آخر عمر تک کم و بیش ۲۳ سال خدمت اقدس میں رہے تھے اُن سے ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق سوال کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا " آپ نرم خو، خندہ جبیں، مہربان، رحمدل تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ کوئی بُرا کلمہ مُنہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے۔ عیب جو نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دُور کر دی تھیں۔ بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اُس میں پڑنا۔ دُوسروں کے متعلق بھی تین چیزوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ کسی کے اندر کے حالات کی ٹوہ اور تلاش میں نہیں رہتے تھے۔ کسی کے عیب نہیں نکالتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکلتا۔ کوئی باہر کا بے پڑھا لکھا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو تحمل فرماتے اور برداشت سے کام لیتے۔ دوسروں کے مُنہ سے اپنی تعریف سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔ جب تک بولنے والا خود چُپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت سچے، نہایت شیریں مزاج اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا اور بے تکلف ہو جاتا تھا۔"

جہاں تک ہو سکتا سب کی درخواست پوری کرتے۔ تمام عمر کسی کے سوال کرنے پر "نہیں" نہیں کہا۔ خود بھوکے رہتے اور دوسرے کو کھلاتے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی۔ ان کے پاس ولیمہ کا کچھ سامان نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ۔ حالانکہ گھر میں اُس آٹے کے علاوہ شام کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ دُنیا سے بے تعلقی اور فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ گھر میں نقد کی صورت میں جو کچھ ہوتا جب تک وہ سب خیرات نہ کر دیا جاتا اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے۔ ایک بار فدک کے رئیس نے چار اُونٹوں پر غلہ بھیجا اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا اور پھر بھی کچھ بچ رہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ رات مسجد میں گزاری۔ دوسرے دن جب معلوم ہُوا کہ بچا ہُوا غلہ تقسیم ہو چکا ہے تو گھر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی کا عام شہرہ تھا۔ آپؐ کے یہاں مسلمان اور غیر مسلمان سب ہی مہمان ہوتے۔ آپؐ سب کی مدارات کرتے اور بنفس نفیس سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمان آ گئے اور گھر میں جو کچھ موجود ہے وہ ان کو کھلا دیا گیا اور پورے گھر نے فاقہ کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپؐ کے یہاں ایک غیر مسلم مہمان ہُوا۔ آپؐ نے اُسے ایک بکری کا دودھ دیا وہ پورا دودھ پی گیا۔ آپؐ نے دوسری بکری منگائی۔ یہ اُس کا بھی دودھ پی گیا یہاں تک کہ سات بکریوں تک یہ سلسلہ قائم رہا جب تک اُس کا پیٹ نہیں بھر گیا آپؐ برابر دُودھ پلاتے رہے۔

راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے تھے۔ گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے۔ اگرچہ آپؐ کے بیشمار جاں نثار خادم موجود تھے۔ ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا۔ آپؐ گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟ جواب دیا کہ گھر کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دے لیتے تھے۔ جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے۔ خود ہی بکریوں کا دُودھ

دودھ لیتے تھے۔ اُونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ دونوں جہانوں کے سردار اپنے دستِ مبارک سے اونٹ کے بدن پر تیل مل رہے ہیں۔

مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپؐ نے بھی کام کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں امیر و غریب، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمانؓ و صُہیبؓ اور بلالؓ، کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے آپؐ کی بارگاہ میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں سے کم مرتبہ نہ تھے۔

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ حضرت اسامہؓ جن کو آپؐ بہت چاہتے تھے لوگوں نے اس عورت کے متعلق ان سے سفارش کرائی۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم حدودِ خداوندی میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپؐ نے مجمع سے فرمایا کہ تم سے پہلے کی قومیں اس لئے برباد ہوئیں کہ ان کا طریقہ یہ ہو گیا تھا جب کوئی بڑا آدمی جُرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور معمولی اور کم درجہ کا آدمی مجرم ہوتا تو سزا پاتا۔ خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اُسکے بھی ہاتھ کاٹے جاتے۔"

غزوۂ بدر میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا۔ بعض نیک دل انصار نے اس بناء پر کہ عباسؓ آپؐ سے قرابت رکھتے ہیں گذارش کی یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرِ فدیہ معاف کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ مَیں نے پورے دس برس خدمت اقدس میں گزارے مگر اتنی لمبی مُدت میں آپؐ نے مجھے نہ کبھی ڈانٹا نہ مارا۔ نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا۔ آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا۔

یہی حضرت انسؓ دوسری روایت میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آپہنچے۔ لوگ مقابلہ کے لئے تیار ہوئے لیکن سب سے پہلے جو شخص آگے بڑھ کر نکلا وہ خود حضورؐ تھے۔ آپؐ نے اس کا بھی انتظار نہیں فرمایا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تمام خطروں کے مواقع کا چکر لگایا اور واپس تشریف لا کر لوگوں کو تسکین دی کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں"۔

اس کے باوجود تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے قتل نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے انتقام اور بدلہ لیا۔

اُحد کے میدان میں جب آپؐ پر ہر طرف سے پتھروں، تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی آپ اپنی جگہ پر اُسی طرح کھڑے رہے۔ حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے تھے۔ لیکن حضورؐ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے۔ عام روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ لڑائی کے اکثر معرکوں میں وہاں ہوتے تھے جہاں کھڑا ہونا بڑے بڑے بہادر اپنی بہادری کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے۔ مگر ایسے خوفناک مقامات میں بھی آپؐ دشمن پر ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ اُحد میں جب سر مبارک زخمی اور دندانِ مبارک شہید ہُوا یہی فرماتے رہے۔

"خدایا! انہیں معاف کر اور سیدھا راستہ دکھا کہ یہ جانتے نہیں"

سالہا سال تک بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اُٹھانے کے بعد بھی مایوسی کا آپؐ کے اس پاس گزر نہیں ہُوا۔ مکہ میں جو مصیبتیں آپؐ کے جاں نثار ساتھی جھیل رہے تھے اُن سے گھبرا کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ ہم لوگوں کے لئے دُعا کیوں نہیں فرماتے۔ حضورؐ کا چہرۂ انور یہ سُن کر سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے بندگانِ خدا بھی گزرے ہیں جن کو آروں سے چیرا گیا۔ جن کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی گئیں لیکن یہ ایذائیں بھی اُن کو حق سے اور سچائی کے راستے سے پھیر نہ سکیں۔ خدا کی قسم! دینِ اسلام اپنے کمال کی انتہا کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے حضر موت تک سوار اس طرح بے کھٹکے چلا جائے گا کہ اس کو

خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔"

یہی ہوا اور آپ کا پرچم اقتدار سارے عرب پر لہرانے لگے۔ آپ کے مہربان چچا ابوطالب جنہوں نے آپ کے لئے اور آپ کی محبت کے لئے تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ جنہوں نے آپ کی خاطر فاقے اٹھائے تھے اور طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں بھی برداشت کی تھیں۔ قریش کے نہ ختم ہونے والے ظلموں سے تنگ آکر انہوں نے ایک دفعہ حضورؐ سے ہلکے اور مختصر لفظوں میں کہا جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ میں اٹھا نہ سکوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابوطالب تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہ اب جان چھڑکنے والے چچا کے پاؤں بھی لغزش کرنے لگے ہیں آبدیدہ ہو کر فرمایا چچا! خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اعلانِ حق سے باز نہ آؤں گا۔ خدایا اس کام کو پورا کرے گا یا میں خود اس پر قربان ہو جاؤں گا۔

آپ لین دین کے معاملے میں آئینے سے بھی زیادہ صاف تھے۔ فرماتے تھے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں۔ ایک بار آپ نے کسی سے اونٹ قرض لیا جب واپس کیا تو اس سے بہتر واپس کیا۔ ایک دفعہ کسی سے پیالہ بطور عاریت لیا۔ اتفاق سے وہ گم ہو گیا۔ آپ نے اس کا تاوان ادا فرمایا۔ ایسے ہی ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجوریں قرض لیں۔ چند دنوں کے بعد وہ شخص تقاضے کو آیا۔ آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں۔ انصاری نے جو کھجوریں دیں وہ اتنی عمدہ نہیں تھیں جیسی اس شخص نے دی تھیں۔ چنانچہ اس نے لینے سے انکار کیا۔ اس پر انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی دی ہوئی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو۔ بولا۔ ہاں! اللہ کا رسول بھی عدل نہیں کرے گا تو پھر کس سے توقع کی جائے۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سنیں تو آنکھوں سے آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے۔

ایفائے عہد اور وعدے کا پاس آپ کی ایسی خصوصیت تھیں کہ دشمن بھی

اس کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے۔

شہنشاہِ روم نے حضورؐ کی صداقت کو جانچنے کے لئے ابوسفیان سے جو بہت سے سوال کئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا۔" کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی کی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔

صفوان بن امیہ اسلام لانے سے پہلے دینِ حق کے بڑے سخت دشمنوں میں تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہُوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادے سے جدہ چلے گئے۔ ایک صحابی نے حاضرِ خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا۔ رسول اکرمؐ نے اپنا عمامۂ مبارک مرحمت فرمایا اور ارشاد ہُوا کہ یہ صفوان کے امان کی نشانی ہے۔ یہ صحابی عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور کہا تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے امان ہے۔ صفوان جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کیا آپؐ نے مجھے امان دی ہے؟ فرمایا ہاں! یہ درست ہے۔

صلح حدیبیہ کی بہت سی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکے سے جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ مکہ والوں کے طلب کرنے پر واپس کر دیا جائے گا۔ ٹھیک اس وقت کہ معاہدے کی شرطیں لکھی جا رہی تھیں ابوجندلؓ پابہ زنجیر مکہ والوں کی قید سے بھاگ کر آئے اور آپؐ سے فریاد کی۔ تمام مسلمان یہ منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ لیکن آپؐ نے صاف فرمادیا اے ابوجندل صبر کرو ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ جلد تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔

کافروں اور مسلمانوں کے ساتھ آپؐ کے حسنِ خلق اور اچھے برتاؤ کے بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ اسی صلح حدیبیہ کے زمانے میں ان کی ماں جو کہ مشرکہ تھیں مدینہ میں اُن کے پاس آئیں۔ اسماء کو خیال ہُوا کہ اہلِ شرک کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "ان کے ساتھ نیکی کرو۔"

ابوبصرہ غفاری کا بیان ہے کہ وہ بحالتِ کفر مدینہ میں حضورؐ کے مہمان ہوئے

رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے۔ لیکن آپؐ نے کچھ نہیں فرمایا۔ بجز میری اس حرکت کی وجہ سے تمام گھر بھوکا رہا۔

دنیا سے کامل بے رغبتی کے باوجود آپؐ خشک مزاج نہیں تھے اور آپؐ کو روکھا پن پسند نہ تھا۔ کبھی کبھی دلچسپی اور تفریح کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ کو پکارا تو فرمایا "او دو کان والے" ان لفظوں میں حضرت انسؓ کی اطاعت شعاری کی طرف بھی خاص اشارہ تھا۔ کیونکہ وہ ہر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر کان لگائے رکھتے تھے۔

انہی حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی ابو عمیر نے جو بہت کم عمر تھے ایک ممولا پال رکھا تھا۔ اتفاق سے وہ مر گیا۔ ابو عمیر کو اس کی موت کا بہت رنج ہوا۔ آپؐ نے اس بچہ کو غمزدہ دیکھ کر محبت کے پیارے انداز میں فرمایا ابو عمیر تمہارے ممولے نے یہ کیا کیا۔

ایک بار ایک بڑھیا خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئی اور عرض کیا حضورؐ میرے لئے دعا فرما دیجئے کہ مجھے بہشت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی۔ یہ سُن کر اُسے بہت ملال ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی۔ آپؐ نے حاضرین سے فرمایا اس سے کہدو کہ بڑھیاں جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔

آپؐ کی احتیاط کی یہ کیفیت تھی کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب کرتے۔ سامنے اس لئے کھڑے نہ ہوتے کہ کہیں نظر گھر کے اندر نہ پڑ جائے۔

بیماروں کی عیادت میں دوست، دشمن، مومن، کافر، مسلم، غیر مسلم کسی کی تخصیص نہیں تھی۔ صحیح روایتوں میں آیا ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں مبتلا ہوا تو آپؐ اُس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرمؐ بیمار کی مزاج پرسی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے تھے۔

ایک حبشی مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا وہ مر گیا تو لوگوں نے آپؐ کو اس کی خبر نہ کی۔ ایک روز آپؐ نے از خود اس کا حال دریافت فرمایا۔ حاضرین نے کہا وہ تو انتقال کر گیا۔ فرمایا تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔ لوگوں نے کچھ اس انداز سے جواب دیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ مرنے والا اس قابل نہیں تھا کہ آپؐ کو اس کے مرنے کی خبر کی جاتی۔ آپؐ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت فرمائی اور وہاں جا کر جنازے کی نماز پڑھی۔

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ عادتِ مبارک یہ تھی کہ سفر سے واپس تشریف لاتے تو راستے میں جو بچّے ملتے ان میں سے کسی کسی کو سواری پر اپنے ساتھ آگے پیچھے بٹھاتے۔ راستے میں بچے مل جاتے تو اُن کو خود سلام کرتے۔

خالد بن سعید کی چھوٹی بچی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پشت مبارک پر جو مہرِ نبوت اُبھری ہُوئی تھی اس سے کھیلنے لگی۔ خالد نے بچی کو ڈانٹا۔ حضورؐ نے روکا اور فرمایا کہ کھیلنے دو۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اکرم فرماتے تھے میں نماز اس ارادے سے شروع کرتا ہوں کہ دیر میں ختم کروں گا۔ دفعتہً صف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔

یہ محبت و شفقت مسلمان بچوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ مشرکوں کے بچوں پر بھی اسی طرح لطف و کرم فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں چند بچّے جھپٹ میں آکر مارے گئے۔ آپؐ کو اطلاع ہُوئی تو بہت آزردہ ہُوئے۔ ایک صاحب نے کہا یا رسولؐ اللہ! وہ تو مشرکین کے بچے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں خبردار بچّوں کو قتل نہ کرو۔ خبردار بچّوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان اللہ ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔"

صفائی، ستھرائی کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔"

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہُوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہُوا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم کو کچھ مقدور ہے کہنے لگا جی ہاں! ارشاد ہُوا۔ اللہ تعالیٰ نے نعمت دی ہے تو صُورت اور ظاہری انداز سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے۔

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ اپنے بالوں کو درست کرلے۔

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق و عادات کا یہ بیان جو تم نے ابھی پڑھا ہے اگرچہ آنحضرتؐ کے اخلاقی کمالات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہی چھوٹا سا بیان ہے۔ پھر بھی اس کتاب کی حیثیت اور اُس کے مضمونوں کی ترتیب کے اعتبار سے کچھ بڑھ گیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بچّوں اور بچیوں اور اس کتاب کے تمام پڑھنے والوں کو دونوں جہان کے سردار رسولِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پاک اور نکھری ہُوئی خصلتوں اور بلند اخلاق کے مطالعہ کا اچھی طرح موقع مل جائے اور وہ اپنی زندگی کے ہر شعبے کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبّت جس نے سمجھائے!
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دُعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اُس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہُوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اُس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دُکھ اُٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو اُمّت کے لئے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے
سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اُس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایہ
سلام اُس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایہ[1]
سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سُورج پلٹ آیا
سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کُفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اُس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو
سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا
سلام اُس پر سرِ شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

---

[1] بعض ضعیف روایات کے مطابق، ورنہ صحیح احادیث اس کی تصدیق نہیں کرتیں۔

سلام اُس پر بھلا سکتے نہیں جس کا کبھی احسان
سلام اُس پر مسلمانوں کو دی تلوار اور قرآن
سلام اُس پر کہ جس کا ن۔ لے کر اں کے شیدائی
اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوجِ دارائی
سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں
سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلماں کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا
سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سُنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے
درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے
درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اس پر تبسم جس کا گل کے مسکرانے میں
درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لے کر پھول کِھلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے
درود اُس پر کہ جس کا صدرِ محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضریٰ جسے کہئے
درود اُس پر شبِ معراج کا دولہا جسے کہئے
درود اُس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہئے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہئے
درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہئے
رسولِ مجتبےٰ کہئے محمد مصطفےٰ کہئے
وہ جس کو ہادیِ "دَعْ مَا کَدِرْ، خُذْ مَا صَفَا" کہئے

درود اُس پر کہ جو ماہم کی امیدوں کا ملجا ہے
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ
عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ٭

(ماہر القادری)
مدیر رسالہ فاران کراچی

جدول واقعاتِ مشہورہ سیرتِ نبویؐ

(ماخوذ از محمدؐ رسول اللہ مطبوعہ مصر)

واقعہ	تاریخ عیسوی	تاریخ ہجری
ولادت حضرت عبداللہ والد ماجد رسول اکرمؐ	۵۴۵ سنہ	
واقعہ فیل	۵۷۰ سنہ	
ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰ اگست ۵۷۰ سنہ	
ولادت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ	۵۷۳ سنہ	
وفات حضرت آمنہ والدہ ماجدہ رسول اقدسؐ	۵۷۶-۵۷۵ سنہ	
وفات حضرت عبدالمطلب	۵۷۸ سنہ	
ولادتِ حضرت عمر رضؓ	۵۸۱ سنہ	
ملکِ شام کا پہلا سفر	۵۸۲ سنہ	
حربِ فجار	۵۹۰-۵۸۰ سنہ	
ملکِ شام کا دوسرا سفر	۵۹۵ سنہ	
حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح	۵۹۵ سنہ	
ولادتِ حضرت علی رضؓ	۶۰۱-۶۰۰ سنہ	
تجدید بناء کعبہ	۶۰۵ سنہ	
آغازِ وحی	۶۱۰ سنہ	

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
	۶۰۰-۶۰۱ء	ولادتِ حضرت علی رضؓ
	۶۰۵ء	تجدید بناء کعبہ
	۶۱۷ء	مقاطعہ قریش
	۶۲۰ء	وفاتِ ابوطالب
	۶۲۰ء	وفاتِ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ
	۶۲۱ء	اسراء ومعراج
	۶۲۱ء	بیعتِ عقبۂ اولیٰ
	جون ۶۲۲ء	ہجرتِ مدینہ
ہجرت کے آٹھویں مہینے	۶۲۳ء	سریہ عبیدۃ بن الحارث
〃 〃 بارھویں 〃	جون ۶۲۳ء	غزوۂ ابواء
〃 〃 تیرھویں 〃	جولائی ۶۲۳ء	غزوۂ بواط
〃 〃 سولھویں 〃	اکتوبر ۶۲۳ء	غزوۂ عشیرہ
〃 〃 سترھویں 〃	نومبر ۶۲۳ء	سریہ عبداللہ بن جحش
〃 〃 انیسویں 〃	جنوری ۶۲۴ء	غزوۂ بدر کبریٰ
شوال ۲ھ	فروری ۶۲۴ء	غزوۂ بنی قینقاع
ذی الحجہ ۲ھ	اپریل ۶۲۴ء	غزوۂ سویق
جمادی الآخر ۳ھ	ستمبر ۶۲۴ء	سریہ زید بن حارثہ
شوال ۳ھ	جنوری ۶۲۵ء	غزوۂ اُحد
صفر ۴ھ	مئی ۶۲۵ء	واقعۂ رجیع
	〃	سریہ بیر معونہ
ربیع الاول ۴ھ	جون ۶۲۵ء	غزوۂ بنی نضیر
〃 ۵ھ	جولائی ۶۲۶ء	غزوۂ دومۃ الجندل

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
شعبان ۵ھ	دسمبر ۶۲۶ء	غزوۂ بنی المصطلق
شوال ۵ھ	فروری ۶۲۷ء	غزوۂ خندق
ذی قعدہ ۵ھ	اپریل ۶۲۷ء	غزوۂ بنی قریظہ
ربیع الاول ۶ھ	جون وجولائی ۶۲۷ء	غزوۂ بنی لحیان
"	جولائی ۶۲۷ء	غزوۂ ذی قِرد
ربیع الثانی ۶ھ	اگست ۶۲۷ء	سریہ الغمر
جمادی الاولیٰ ۶ھ	ستمبر ۶۲۷ء	سریہ زید بن حارثہ جانبِ عیص
جمادی الآخرہ ۶ھ	اکتوبر ۶۲۷ء	سریہ دوم زید بن حارثہ جانبِ جسمی
رمضان ۶ھ	دسمبر ۶۲۷ء	سریہ عبداللہ بن عتیک
شوال ۶ھ	جنوری ۶۲۸ء	سریہ عبداللہ بن رواحہ
ذی قعدہ ۶ھ	فروری ۶۲۸ء	صلح حدیبیہ
" ۷ھ	مئی ۶۲۸ء	شاہانِ روم وایران کو دعوتِ اسلام
جمادی الاولیٰ ۷ھ	اگست ۶۲۸ء	رسول اقدسؐ کا عقد حضرت ام حبیبہؓ سے
محرم ۷ھ	اگست ۶۲۸ء	غزوۂ خیبر
ذی قعدہ ۷ھ	فروری ۶۲۹ء	عمرۂ قضاء
جمادی الاولیٰ ۸ھ	ستمبر ۶۲۹ء	سریہ موتہ
جمادی الآخر ۸ھ	اکتوبر ۶۲۹ء	سریہ ذات السلاسل
رجب ۸ھ	نومبر ۶۲۹ء	سریہ الخبط
شعبان ۸ھ	دسمبر ۶۲۹ء	سریہ ابی قتادہ
رمضان ۸ھ	جنوری ۶۳۰ء	فتح مکہ
۱۰ شوال ۸ھ	فروری ۶۳۰ء	غزوۂ حنین
شوال ۸ھ	"	غزوۂ طائف

تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	واقعہ
ذی الحجہ ۸ھ	اپریل ۶۳۰ء	ولادت حضرت ابراہیم رضؓ
محرم ۹ھ	" "	سریّہ عیینہ بن حصین
ربیع الآخر ۹ھ	جولائی ۶۳۰ء	سریّہ علقمہ بن مجزز
" "	" "	سریّہ علیؓ بن ابی طالبؓ (جانب فلس)
رجب ۹ھ	اکتوبر ۶۳۰ء	غزوۂ تبوک
ذی الحجہ ۹ھ	مارچ ۶۳۱ء	حج ابوبکر صدیقؓ
ربیع الاول ۱۰ھ	جون ۶۳۱ء	سریّہ خالدؓ بن ولید
" "	" "	وفات حضرت ابراہیم رضؓ
رمضان ۱۰ھ	دسمبر ۶۳۱ء	روانگی حضرت علیؓ جانب یمن
ذی الحجہ ۱۰ھ	مارچ ۶۳۲ء	حجۃ الوداع
صفر ۱۱ھ	مئی ۶۳۲ء	تیاری جیش حضرت اسامہؓ برائے روانگی شام
ربیع الاول ۱۱ھ	۹ جون ۶۳۲ء	وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۲)

خلافتِ راشدہ

خلافتِ راشدہ

تاریخِ ملّت کا دُوسرا حصّہ جس میں عہدِ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات مستند قدیم و جدید عربی تاریخوں کی بُنیاد پر صحت و جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم وکاست مؤرخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ان ایمان پرور اور جرأت آفرین کارناموں کو خصوصیت کے ساتھ نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے جو تاریخِ اسلامی کی پیشانی کا نور ہیں اور جنہیں پڑھ کر آج بھی فرزندانِ قوم کے مُردہ وافسردہ دلوں میں زندگی و حرارتِ ایمانی کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ نونہالانِ ملت کے دماغوں کی اسلامی اصول پر تربیت کے لئے یہ کتاب بہترین ہے۔ کتاب کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید طرز کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ زبان شستہ و رفتہ استعمال کی گئی ہے اور طرزِ بیان دلچسپ و دل نشیں اختیار کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کے ساتھ ان واقعات کے اسباب و علل اور ان کے اثرات و نتائج سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔

یہ کتاب کالجوں اور سکولوں کے کورس میں داخل ہونے کے لائق ہے۔

کتاب کی ترتیب کے وقت اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایسی معتبر سلیس اور جامع کتاب کی اشاعت کے بعد بے تکلف کہا جا سکتا ہے کہ "خلافتِ راشدہ" کے رنگ کی کوئی کتاب ہمارے لٹریچر میں موجود نہیں تھی۔

طلب فرمائیے: اِدارۂ اِسلامیات انارکلی لاہور ۲

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ وَ خُلَفَائِہِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَہْدِیِّیْنَ ٭

"سلسلہ تاریخ ملت" کا دوسرا حصہ "خلافت راشدہ" نذرِ ناظرین ہے عہدِ خلافتِ راشدہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہے۔ نونہالانِ ملت جو شاہراہِ زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں اگر اس عہد کے واقعات کو مشعلِ راہ بنائیں تو بلاشبہ صلاحِ دنیوی و فلاحِ اُخروی کی منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس حصہ کی ترتیب میں کسی قدر تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ تمام واقعات قدیم و جدید معتبر و مستند تاریخی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور انہیں بے کم و کاست مؤرخانہ ذمہ داری کے ساتھ سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ بیانِ واقعات کے ساتھ، واقعات کے اسباب و علل اور ان کے اثرات و نتائج سے بھی جابجا تعرض کیا گیا ہے۔ تاکہ طلباء میں ذوقِ تحقیق اور وسعتِ نظر پیدا ہو۔ زبان سہل و سلیس اور طرزِ بیان دلچسپ و دلنشین اختیار کیا گیا ہے۔

یہ اپنی سی کوشش کا بیان ہے، جو بہرحال انسانی کوشش اور مجھ جیسے ہیچمدان انسان کی کوشش ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ کتاب کا معتدبہ حصہ اس طرح لکھا گیا کہ تسوید و کتابت کے مرحلے ساتھ ساتھ انجام پاتے رہے۔ بنابریں اگر یہ کوشش اربابِ فکر و نظر کی نظرِ معارف پرور میں قابلِ قبول نہ ٹھہرے تو عفو و درگزر کی التجا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ٭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

(مؤلف)

مآخذ خلافتِ راشدہ

"مؤلف" نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں کتب ذیل سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ بناء بریں مؤلف منت پذیری واحسان شناسی کے دلی اعتراف کے ساتھ ان کتابوں کے مصنفین کے لئے بارگاہِ رب العزت میں مغفرت و رحمت کی دعا کرتا ہے۔

۱۔ ترجمہ قرآن کریم :۔ از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن متوفی ۱۳۳۹ھ
۲۔ صحاح ستہ :۔ از امام بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی۔
۳۔ التاج الجامع للاصول :۔ از علامہ شیخ منصور علی ناصف مصری۔
۴۔ الاخبار الطوال :۔ از احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۱ھ
۵۔ فتوح البلدان :۔ از احمد بن یحییٰ البلاذری متوفی ۲۷۹ھ
۶۔ تاریخ الامم والملوک :۔ از ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ
۷۔ الکامل :۔ از ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ
۸۔ البدایۃ والنہایہ :۔ از حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
۹۔ اشہر مشاہیر اسلام :۔ از علامہ رفیق بک العظم
۱۰۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ :۔ از شیخ محمد خضری بک مصری۔
۱۱۔ اتمام الوفاء فی سیرت الخلفاء :۔ ایضاً
۱۲۔ الفاروق :۔ علامہ شبلی نعمانی متوفی ۱۳۳۲ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِيۡمِ ط

مقدّمہ

خلافت اسلام میں "خلافت" سے مراد وہ حکومتِ الٰہی ہے جو خدا کی مخلوق کی دُنیا و آخرت کی سعادت کی ذمہ دار ہو جو قانونِ الٰہی پر بنیاد پر قائم ہو۔ جو دُنیا کے چپہ چپہ سے ظلم و جور کے خس و خاشاک کو صاف کر دے اور عدل و انصاف کے لہکتے مہکتے پھُولوں سے اسے رشکِ جنت بنا دے۔

اس خداوندی حکومت کا رئیس خلیفہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ وہ زمین پر اللہ تعالےٰ کا نائب ہوتا ہے اور خلیفہ کے معنی یہی ہیں۔ قرآن کریم میں خلافتِ ارضی کو بہت بڑی نعمت بتایا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان نیکوکار اور فرمانبردار بندوں کو عطا کی جاتی رہی ہے جو اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ۔ (پ ع ۱۶)	"وہی پروردگار ہے جس نے تم کو زمین کی خلافت دی اور یاد کرو جب تم کو قومِ نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔"
یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِيۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ۔ (پ ۲۳ ع ۱۱)	"اے داؤد! ہم نے تم کو دُنیا کا خلیفہ بنایا۔"
وَلَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ ۔ (پ ۱۷)	"اور زبور میں ہم نے لکھ دیا کہ نصیحت کے بعد زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں کے ہاتھ آئے گی۔"

ہجرتِ مدینہ کے بعد ہی جب مسلمان ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ایک

طرف مکہ والے مدینہ آکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اپنے ہتھیار تیز کر رہے تھے دوسری طرف خود مدینہ کے یہود و منافقین مسلمانوں کو پھانسنے کے لئے نئے نئے جال بچھا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پریشانیوں کے ہجوم میں انہیں اطمینان دلایا تھا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ	"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	کئے خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں وہ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	زمین کی خلافت دیگا جس طرح اُس نے پچھلی
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	(نیک عمل) قوموں کو دی اور ان کے لئے اُن کے
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	خدا کا پسندیدہ دین مضبوط کر دیگا اور ان کے
مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ (پ ۱۸ ع ۱۳)	خوف کے دنوں کو امن کے زمانہ سے بدل دیگا۔"

چنانچہ یہ وعدۂ خداوندی بہت جلد پُورا ہوگیا۔ ہجرت کے دس سال بعد ہی مظلوم و مجبور بے سروسامان مسلمان سارے جزیرۃ العرب پر حکومت الٰہی کے جھنڈے گاڑ چکے تھے۔ ایک طرف وہ کسریٰ کی طاقت کو دھکا رہے تھے اور دوسری طرف قیصر کی قوت سے ٹکرا رہے تھے۔

اس نئے دور "خلافت اسلام" کے پہلے خلیفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے خلیفہ جنہیں اول خلیفہ رسول ہونے کا فخر حاصل ہُوا ابوبکر صدیق رضؓ۔

لیکن تاریخ اسلام میں چونکہ "خلیفہ" کا استعمال "خلیفہ رسول اللہ" کے معنی میں ہُوا ہے۔ اس لئے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہی شمار کئے جاتے ہیں۔

نصب خلافت

جمہور اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت کے لئے واجب ہے۔ لیکن وجوب کی صورت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ شرعاً واجب ہے۔ دلائل یہ ہیں :-

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة۔

"جو شخص دُنیا سے رُخصت ہُوا اور خلیفہ وقت کی بیعت کے حلقہ سے اس کی گردن خالی

ہوئی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرامؓ نے بالاتفاق خلیفہ کا مقرر کرنا ضروری سمجھا اور اس کام کو اس قدر اہم قرار دیا کہ آپؐ کی تدفین پر اس کو مقدم کیا۔

۳۔ شریعتِ اسلامیہ نے جو امور مسلمانوں پر واجب کئے ہیں مثلاً حدودِ شرعیہ کا اجرا وغیرہ بغیر خلیفہ کے پورے نہیں ہو سکتے اور یہ امر مسلّم ہے کہ واجب جن چیزوں پر موقوف ہے وہ بھی واجب ہوتی ہیں۔

دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ شرعاً نہیں بلکہ عقلاً واجب ہے۔ کیونکہ ہر جماعت کو ایک ایسی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے قانون کو عملی طور پر نافذ کرے۔ افرادِ اُمت کے جھگڑے چکائے اور ملک میں امن و امان کے قیام کی ذمہ دار ہو۔ اسی وجہ سے انسانی سوسائٹی کی مسلم ضروریات میں ایک صاحبِ اقتدار حاکم کی ضرورت داخل ہے۔

لیکن یہ دونوں رائیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور دونوں میں توفیق ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل اور شرع دونوں خلیفہ کے تقرر کی ضرورت پر متفق ہیں۔ عقل قوم کے نظم و ضبط کے لئے ایک حاکم با اختیار کی ضرورت کا تقاضا کرتی ہے اور شرع ملت کی پیشوائی کے لئے ایک ایسے اعلیٰ نمونہ کی طلب گار ہے جس کی طاقت کا سرچشمہ امت ہی کی طاقت ہو اس کا ذاتی جاہ و جلال نہ ہو۔

علامہ ابن خلدون نے "مقدمہ تاریخ" میں ایک تیسرے گروہ کا بھی ذکر کیا ہے جو نصبِ امام کو شرعاً یا عقلاً کسی طرح ضروری نہیں سمجھتا۔ معتزلہ میں سے "اصم" اور بعض خوارج اسی گروہ میں شامل ہیں۔ ان کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ "یہ تو ضروری ہے کہ امت میں قانونِ الٰہی کا رواج ہو لیکن جب یہ قانون دستور کی حیثیت اختیار کر لے اور ملک میں امن و امان ہو جائے تو کسی امام یا خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی۔"

اجماعِ اُمت اس گروہ کی رائے کے خلاف ہے۔ خلفائے راشدین کے بعد

خلفاء میں حکومت و ریاست کے اثرات سے جو اخلاقی کمزوریاں پیدا ہوگئیں ان سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے یہ مذہب اختیار کیا۔

الحاصل علماء کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کو اپنا خلیفہ یا امام مقرر کرنا ضروری ہے۔ جس سے اُمت کا شیرازہ مجتمع اور اس کی جماعتی حیثیت برقرار رہے اور وہ انتشارِ خیال و پراگندگیِ عمل کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح نہ مٹ جائے[1]

شروطِ خلافت دُنیا کے ہر ملک اور ہر قوم کے عقلاء یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کا بادشاہ اور قوم کا سردار ایسا ہونا چاہیئے جو عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو، بہادر ہو، عقلمند ہو، صاحبِ اثر و اقتدار ہو۔ اسلام نے ان شروط پر جو عقلاً ضروری ہیں حسبِ ذیل شروط کا اور اضافہ کیا ہے۔

مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ

۱۔ مسلمان ہو۔

۲۔ عالم ہو تاکہ قرآن کریم (جو حکومتِ اسلامی کا قانون ہے) کی دفعات کو سمجھ سکے اور سنتِ رسول اللہ کی روشنی میں اس کی تفصیلات کو حل کر سکے۔

۳۔ عادل ہو تاکہ ماتحت حکام کے لئے جن کا اس وصف سے موصوف ہونا ضروری ہے ایک بہترین نمونہ بن سکے۔

۴۔ قریشی (خاندان قریش کا فرد ہو)

پہلی تین شرطیں ایسی ہیں جن پر تمام علماءِ اُمت کا اتفاق ہے۔ لیکن چوتھی شرط میں اختلاف ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

الائمۃ من قریش — امام قریش میں سے ہوں

اور:۔

---

[1] السیاستہ الشرعیہ (عبدالوہاب خلاف)

قدموا قریشا ولا تقدموھا — قریش کو مقدم رکھو ان سے مقدم نہ ہو۔

(بیہقی و طبرانی)

یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری حدیثیں اشتراطِ قریشیت کی بنیادِ بحث ہیں۔ شرطِ قریشیت کے منکرین کہتے ہیں ۔

۱۔ خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مساواتِ انسانیت کا علمبردار بنا کر بھیجا اور آپؐ نے انسانوں کے بنائے ہوئے تمام جنسی و خاندانی امتیازات کو مٹا دیا۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ آپ خلافت کو قریش کے ساتھ مخصوص کر کے ان غیر اسلامی امتیازات کے نشانات باقی رکھتے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اسمعوا واطیعوا وان ولی علیکم عبد (حبشی) ذو زبیبۃ ۔ — "اگر ایک حقیر صورت حبشی غلام بھی تم پر حاکم بنا دیا جائے تو اس کی بھی بات سنو اور اطاعت کرو۔"

اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا ۔

لو کان سالم مولی حذیفۃ حیا لولیتہ ۔ — "اگر سالم حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں انہیں ولی عہد بناتا ۔"

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول اکرمؐ نے خلافت میں شرط قرشیت کا اعتبار ضروری سمجھا اور نہ حضرت عمرؓ نے ۔

۳۔ کائناتِ عالم کا ایک اٹل قانون ہے کہ دنیا ہمیشہ انقلابات کا گہوارہ رہی ہے اور رہے گی ۔

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۔ — "یہ (مختلف حالات پر مشتمل) اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں ادلتے بدلتے رہتے ہیں"

قریش بھی اس قانون کے ادارہ سے خارج نہ تھے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ شریعت ان کے ساتھ خلافت کی تخصیص کر کے ہر زمانہ میں خواہ وہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ یہ بار ان کی گردن پر رکھ دیتی۔

۴۔ پہلی حدیث کوئی حکم یا تشریع نہیں بلکہ ایک پیشین گوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے متعلق فرمائی اور دوسری حدیث سے خلافت کے مسئلہ کا تعلق واضح نہیں۔

امام اشاعرہ ابوبکر باقلانی اور علامہ ابن خلدون کی یہی رائے ہے۔ شرط قرشیت کے مؤیدین کہتے ہیں :۔

۱۔ بے شک اسلام مساواتِ انسانی کا علمبردار ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ تمام انسان تمام حیثیات سے برابر ہیں۔ ان میں مرتبہ اور درجہ کا کسی قسم کا کوئی فرق ہی نہیں۔ تمام انسانوں میں حقوقِ انسانیت کے اعتبار سے مساوات ہے۔ مثلاً اوامر و نواہی و حدود وغیرہ میں۔ لیکن اسلام ان میں اختلافِ اوصاف کے لحاظ سے اختلافِ مراتب کو تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً علماء کی غیر علماء پر اور مردوں کی عورتوں پر برتری نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا نسبی تعلق اُن کے لئے باعثِ فخر ہے۔ ان میں حمیت دینی کے ساتھ حمیت نسبی بھی موجود ہے اور یقیناً دینِ محمدی کی برتری ان کی اپنی برتری ہے۔ لہٰذا اگر خلافت ان کے سپرد ہو تو وہ نیابتِ رسول اللہ کے فرائض زیادہ بہتر طریقے پر انجام دے سکیں گے۔

۳۔ قرآن کریم قریش کے زبان میں نازل ہوا اکثر احکامِ اسلام قریش کی عادات کے مطابق ہیں لہٰذا وہ شریعتِ محمدیہ کے بہتر رمز شناس ہو سکتے ہیں اور اس پر عامل ہو کر دوسروں کے لئے زیادہ بہتر نمونہ بن سکتے ہیں۔

۴۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب خلافت کے مسئلہ میں اختلاف رائے ہوا اور انصار نے اپنی امارت کا استحقاق جتایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے موقع استدلال میں یہ حدیث پڑھی "الائمة من قریش" اور فرمانِ رسولؐ کے سامنے سب کی گردنیں جھک گئیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے بھی اس حدیث کو حکم کی حیثیت سے تسلیم کیا پیش گوئی قرار نہیں دیا۔

۵۔ شرطِ قرشیت دوسری شروط کے ساتھ معتبر ہے تنہا کافی نہیں۔ لہٰذا تلک الایام نداولہا بین الناس کے قانونِ الٰہی کے ماتحت کوئی مفسدہ لازم نہیں آتا۔

۶۔ عبدِ حبشی کی اطاعت کے متعلق جو حدیث ہے وہ "انتخابِ خلیفہ کے مسئلہ سے متعلق نہیں بلکہ یہ بتاتی ہے کہ اگر کوئی متغلب غیر مستحق خلافت پر قابض ہو جائے تو اس وقت طریقۂ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ سالم مولیٰ حذیفہ کے متعلق حضرت عمرؓ کا اثر چونکہ صرف قولِ صحابی کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے حجت نہیں ہو سکتا۔

اکثر علمائے متبحرین مثلاً قاضی عیاض، علامہ نووی، حافظ ابن حجر اور جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالےٰ نے شرطِ قرشیت کی تائید کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی بھی یہی رائے ہے[1]

حقیقت یہ ہے کہ شرطِ قرشیت شرطِ تحقق نہیں شرطِ احقیت ہے یعنی اگر ایسی صورت ہو کہ اُمت خلیفہ کا انتخاب "شوریٰ" کے ذریعہ کرے اور پھر جملہ شرائط میں قریشی اور غیر قرشی دونوں امیدوار برابر کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس وقت قرشی کو ترجیح دی جائے گی۔

مثال کے طور پر نماز کی امامت کو لے لیجئے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر دو شخص دیگر اوصاف میں برابر ہوں لیکن ایک نسبی اعتبار سے اشرف ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کو امام بنایا جائے گا۔ پھر جب امامتِ صغریٰ میں شرافتِ نسب کو معتبر سمجھا گیا ہے تو امامتِ کبریٰ میں اس کے اعتبار میں کیا حرج ہے۔ لیکن چونکہ شرطِ احقیت ہے شرطِ تحقق نہیں۔ اس لئے اگر نظر انداز بھی ہو جائے تو "انعقادِ خلافت" میں کوئی نقص پیدا نہ ہوگا جس طرح امامتِ صلوٰۃ میں اسے نظر انداز کر دینے سے صحتِ صلوٰۃ میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

اس صورت میں نہ "حدیث امامت قریش" کی تاویل و تخصیص کی ضرورت پیش

---

[1] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۳ مبحث خلافۃ و حجۃ اللہ البالغہ و مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۶

آتی ہے نہ ان روایات کی توجیہ کی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زید بن حارثہ رضؓ اور حضرت عمرؓ سے سالم مولی حذیفہؓ کی تجویز خلافت کے متعلق منقول ہیں۔

طریق انتخاب "خلافت" کی یہ شرطیں جس شخص میں جمع ہوں وہ اسی وقت خلیفہ ہو سکتا ہے جب عام مسلمان اُسے منتخب کریں یا مسلمانوں کے وہ نمائندے منتخب کریں جنہیں "اہل حل وعقد" کہا جاتا ہے۔ اہل حل وعقد سے مراد وہ امرائے سلطنت، سردارانِ لشکر اور علمائے اُمّت ہیں جو علم وعمل، فہم وتدبر اور دردِ ملّت کے اوصاف سے متصف ہوں اور مسلمان اپنے "مسائل عمومی" کی ذمہ داری اُن کے سپرد کر دیں۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر خلیفہ اپنے بعد کسی معین شخص یا چند اشخاص میں سے کسی ایک غیر معین کو نامزد کر دے تو وہ بھی خلیفہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے انتخابات کے موقع پر ہوا۔

مگر محققین ولایت عہد کی اس صورت کو تسلیم نہیں کرتے اور اس سلسلہ میں اُن کے دلائل یہ ہیں:۔

۱۔ قرآن کریم نے اجتماعی معاملات میں مسلمانوں کا طریقۂ کار یہ بتایا ہے:۔

امرھم شوریٰ بینھم "ان کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں"

مُسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی میں اہم ترین مسئلہ "انتخاب خلیفہ" ہی کا مسئلہ ہے۔ اگر اسی مسئلہ میں اس زریں اصول کو ترک کر دیا گیا تو پھر وہ کس کام آئیگا۔

۲۔ ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی ولی عہدی کی بیعت درحقیقت ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت ہے جو شرعًا باطل ہے۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت طلب کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا[1]:۔

---

[1] از افادات حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی۔

لا ابایع لامیرین (فتح الباری)   "میں ایک زمانہ میں دو امیروں کی بیعت نہ کروں گا۔"

۳۔ حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے انتخاب کو "نامزدگی" قرار دینا صحیح نہیں۔ بے شک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمت کو نشوونما کے ابتدائی زمانہ میں اختلافات کے جھگڑوں سے بچانے کے لئے مسئلہ خلافت کو اپنے آخری لمحاتِ زندگی میں طے کر لینا مناسب سمجھا۔ لیکن آپؓ نے اسے اپنی رائے سے طے نہیں کیا۔ بلکہ اکابر صحابہ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کی۔ جنہیں کچھ شبہات تھے ان کے شبہات دُور کئے۔ اور پھر عام استصواب کے لئے حضرت عمرؓ کا نام عامہ مسلمین کے سامنے پیش کیا۔ جب سب نے اسے منظور کر لیا تو آپ نے انہیں "ہونے والا خلیفہ" قرار دے کر بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ انتخاب کو کسی طرح نامزدگی نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کسی کو ولی عہد نامزد نہیں کیا۔ بلکہ چھ اکابر صحابہ کو (جو شروطِ خلافت کے بہترین جامع تھے) اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کے لئے نامزد کیا۔ یہ لوگ کون تھے؟ یہ مسلمانوں کی مرکزی جماعت کی حیثیت رکھتے تھے، یہ وہ لوگ تھے جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیم کو عملی جامہ کی ذمہ داری سپرد فرمائی تھی۔ یہ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (مہاجرین و انصار کے پہلے طبقہ کے لوگ) تھے جن کے متعلق قرآن کریم کا اعلان تھا کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ ان کا فیصلہ خدا کے ہاں پسندیدہ ہے اور خدا کا فیصلہ انہیں تسلیم۔

پھر قرآن جس جماعت کے فیصلہ کی پسندیدگی کا اعلان کر رہا ہو کیا مسلمانوں کو اس کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل و تذبذب ہو سکتا تھا؟ اور کیا اس کا فیصلہ مسلمانوں کی جماعت کا فیصلہ نہ تھا؟ اس کے علاوہ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب ان اصحابؓ نے اپنی اہم ذمہ داری تنہا "حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ" کو سپرد کر دی تو وہ تین راتوں بغیر پلک جھپکائے برابر مہاجرین و انصار کے مقتدر لوگوں سے مشورہ کرتے رہے۔ پھر اُمت کی عام رائے کے مطابق حضرت عثمانؓ کے انتخاب کا اعلان فرمایا۔

شیعہ نکتۂ نظر | خلافت و امامت کے متعلق شیعہ نکتۂ نظر مختلف ہے۔ جماعت امامیہ کا خیال یہ ہے کہ خلافت ان مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جنہیں اُمت کی رائے پر چھوڑ دیا جائے بلکہ یہ دین کا رکن اور مذہب کی بنیاد ہے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ وہ ایسے اہم مسئلہ کو وحی الٰہی کی روشنی میں طے کر کے جاتے۔ چنانچہ اُنھوں نے ایسا کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ و امام مقرر فرمایا اور انھوں نے اپنے بعد حضرت امام حسن رضؓ اور اُنھوں نے اپنے بعد حضرت امام حسین رضؓ کو۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے بارہ ائمہ کو اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نص کی تصریحات کے مطابق خلیفہ و امام ہوئے۔ امامیہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو غاصب قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے خدا و رسول کے احکام پر عمل نہ کیا اور حضرت علی رضؓ سے خلافت چھین لی۔

جماعت زیدیہ کہتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضؓ کی خلافت کی تعیین تو کی مگر یہ تعیین نام کے ساتھ نہیں تھی بلکہ صفات کے ساتھ تھی۔ صحابہ رضؓ ان صفات کو ان کے موقع اور محل پر منطبق کرنے سے قاصر رہے اور بجائے حضرت علی رضؓ کے دوسروں کو ان کی جگہ دیدی گئی۔ یہ حضرات شیخین کو بُرا نہیں کہتے لیکن حضرت علی رضؓ کو ان سے افضل مانتے ہیں اور افضل کو ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک شروط امامت وہی ہیں جو مذکور ہوئیں مگر قرشیت کی بجائے فاطمیت (حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کی اولاد میں ہونا) کی شرط لگاتے ہیں۔ اور خلافت کے ثبوت کے لئے خلیفہ و امام کا دعوے دار بن کر کھڑا ہونا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

ان کے علاوہ شیعوں کے اور بھی بہت سے گروہ ہیں جن کے مسئلہ خلافت میں مختلف خیالات ہیں[1]۔ جماعت شیعہ اپنے تمام اماموں کو نبیوں کی طرح معصوم سمجھتی ہے اور ان کا

---

[1] تفصیل کے لئے مقدمہ ابن خلدون کی فصل "مذاہب الشیعۃ فی حکم الامامۃ" اور دائرۃ المعارف لبستانی ج ۷، مبحث "خلیفہ" ملاحظہ ہو۔

عقیدہ ہے کہ ائمہ سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔

صُورتِ استیلاء شروط و طریق انتخاب کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ اس صورت میں قابلِ عمل ہے جب مسلمانوں میں ان کا شرعی نظام اپنی جمہوری روح کے ساتھ باقی ہو امت اپنے رئیس کے انتخاب میں آزاد ہو اور اُس کے سامنے یہ سوال آئے کہ وہ کسے اپنا "خلیفہ" منتخب کرے۔ لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ "شرعی نظام" خلفائے راشدین کے بعد باقی نہیں رہا۔ نظامِ شرعی کے درہم وبرہم ہو جانے کے بعد انعقاد خلافت کی کیا صورت ہے یہ ایک الگ موضوع ہے اور شریعتِ اسلام نے پوری توضیح کے ساتھ اس کی بھی تفصیل کر دی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب "اموی حکومت" قائم ہوئی تو صحابہ کرام کو اپنی راہِ عمل متعین کرنے میں ذرا بھی پریشانی لاحق نہ ہوئی۔

نظامِ شرعی کی برہمی کے بعد انعقادِ خلافت کی دو ہی شرطیں ہیں۔ قبضۂ کامل اور اسلام یعنی اگر کوئی مسلمان اپنی طاقت واقتدار کے زور سے منصب خلافت پہ قبضہ کرلے اور اس کی حکومت جم جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اُسے خلیفہ تسلیم کرلے اور تمام شرائطِ اطاعت بجا لائے۔ اب خواہ کوئی کتنا ہی احق و افضل کیوں نہ ہو اسے جائز نہیں کہ اس کی خلافت کا انکار کرے اور مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولے۔

اس حکم کی مصلحت صاف ظاہر ہے۔ اگر اب بھی تمام شروط کا اعتبار ضروری قرار دیا جائے تو ہر شخص جس کے ساتھ چار آدمی ہوں اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر بنا کر خلافت کا مدعی بن کھڑا ہو۔ پھر نظامِ شرعی تو ٹوٹ پھوٹ چکا۔ افضل اور مفضول مستحق اور غیر مستحق کا فیصلہ کون کرے؟ لازماً اس فیصلہ کے لئے زبانِ شمشیر ہی میدان میں آئے گی۔ فتنہ وفساد کی آگ بھڑکے گی خون کی ندیاں بہیں گے۔ ملک کا امن وامان تباہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کی جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال — عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس

بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
علی السمع والطاعۃ فی منشطنا
ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ
علینا وان لا ننازع الامر اھلہ
الا ان تروا کفرا بواحا عندکم فیہ
من اللّٰہ برھان (متفق علیہ)

بات پر رسولؐ اللہ کی بیعت کی کہ ہر حال
اور ہر صورت میں امام کی اطاعت کریں گے۔
حکومت کے معاملہ میں ہم اہلِ حکومت سے جھگڑا نہ
کرینگے۔ بجز اس صورت کے کہ ان سے کھلم کھلا
کفر ظاہر ہو اور تمہارے پاس اس معاملہ میں
کتاب اللہ کی دلیل موجود ہو۔"

عبدِ حبشی کی طاعت کے متعلق جو حدیث پہلے گزر چکی وہ ابھی اسی صورت سے تعلق رکھتی ہے۔ (فتح الباری ص ۱۳/۴)

یہ مسلط خلیفہ اور امیر اگر دینداری کے معمولی معیار پر بھی پورے نہ اتریں اور فسق وفجور کے مرتکب ہوں تب بھی اُن کا مقابلہ جائز نہیں۔ ہاں البتہ اُن کی بُری باتوں کو بُرا سمجھا جائے گا اور وہ اللہ تعالےٰ کی معصیت کا حکم دیں تو اس کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے گا۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم و
یحبونکم وتصلون علیھم ویصلون
علیکم وشرار ائمتکم الذین
تبغضونھم ویبغضونکم و
وتلعنونھم ویلعنونکم قال
قلنا یا رسول اللّٰہ افلا ننابذھم
عند ذالک قال لا ما اقاموا فیکم
الصلوٰۃ الا من ولی علیہ وال
فراٰہ یاتی شیئا من معصیۃ اللّٰہ
فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللّٰہ
ولا ینزعن یدا من طاعۃ (مسلم)

"تمہارے بہتر امام وہ ہیں جن سے تم محبت
کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں تم
ان کے لئے رحمت کی دُعا مانگتے ہو وہ تمہارے
لئے مانگتے ہیں اور بدتر امام وہ ہیں جنہیں تم
دشمن سمجھتے ہو اور وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہیں
تم اُن پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر۔ صحابہ
نے کہا یا رسول اللہ کیا ایسے حکام سے ہم نہ
لڑیں۔ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ تم میں
نماز قائم رکھیں اطاعت ہی کرو ہاں جو شخص
اپنے حاکم کی کوئی ناجائز بات دیکھے تو اسے
بُرا سمجھے لیکن اس کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔"

خلیفہ اور شوریٰ | اب یہاں ایک بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ خلیفہ یا امام جب مسلمانوں کی رائے سے منتخب ہو چکا تو اُسے معاملاتِ خلافت میں اہلِ حل وعقد سے مشورہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے تو ہر معاملہ میں ضروری ہے یا صرف مہمات امور میں؟ پھر رائے لینے کے بعد اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا خلیفہ آزاد ہے خواہ عمل کرے یا نہ کرے۔ اس بحث کی بُنیاد قرآن کریم کی یہ آیت ہے:-

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ -(پ ۴ ع ۸)

"اے نبی اس طرح کے معاملات میں (یعنی امن و جنگ کے معاملات میں) ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر جب ایسا ہو کہ تم نے کسی بات کا عزم کر لیا تو چاہیئے کہ خدا پر بھروسہ کر کے (اور جو کچھ ٹھان لیا ہے اُس پر کاربند ہو جاؤ"۔ (ترجمان القرآن)

اس آیت سے یہ بات تو صاف ہو جاتی ہے کہ خلیفہ کو اہلِ حل وعقد سے رائے لینا ضروری ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مشورہ کا حکم اسی لئے دیا کہ دوسرے اس معاملہ میں آپ کی پیروی کریں اور آپؐ کی اُمّت میں یہ سُنّت جاری ہو جائے اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مشاورت اہم معاملات میں ضروری ہے غیر اہم مسائل میں نہیں۔ کیونکہ یہ آیت خود جنگِ اُحد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اب تیسری بات رہ جاتی ہے کہ مشاورت کے بعد خلیفہ کو اہلِ شوریٰ کی رائے (خواہ وہ بالاغلبیت ہو یا بالاتفاق) پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اہلِ علم کی دو رائیں ہیں۔

(ا) خلیفہ اہم معاملات میں مشورہ لینے کے بعد بھی اہلِ حل وعقد کی رائے کا پابند نہیں اس کی حیثیت صرف مشورہ کی ہو گی جس کا قبول کرنا اور نہ کرنا خلیفہ کے اختیار میں ہو گا۔

(ب) خلیفہ اہلِ حل وعقد سے رائے لینے کے بعد اس کا پابند ہے اس سے گریز

اس کے لئے جائز نہیں۔

درحقیقت اس اختلاف کا مبنیٰ "عزم" کے معنیٰ کی تعیین ہے۔ قول اوّل کے قائلین عزم کے معنی ارادہ کی پختگی اور طبیعت کے اطمینان کے لیتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے مشورہ کرو۔ پھر مشورہ کے بعد کسی ایک بات کا جب طبیعت ٹھکے پختہ ارادہ کر لو۔ پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اُسے کر گزرو۔ بعض مفسرین کی تشریحات سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔

(۱) فاذا عزمت ای عقیب المشاورۃ علی شیء واطمأنت بہ نفسک فتوکل علی اللہ فی امضاء امرک علی ما ھو اصلح لک لا یعلمہ الا اللہ لا انت و لا من تشاور۔

(روح البیان ج ۲ ص ۱۱۶)

"یعنی مشورہ کے بعد جب تم کسی کام کا پختہ ارادہ کر لو اور تمہارا دل اس کام پر ٹھک جائے تو پھر اسے بہتر اور اصلح طریق پر انجام دینے میں اللہ پر بھروسہ کرو کیونکہ جو بات تمہارے حق میں بہتر ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے نہ تم جانتے ہو نہ تمہارے مشیر۔"

(۲) ای فاذا عقدت قلبک علی امر بعد الاستشارۃ فاجعل تفویضک فیہ الی اللہ تعالیٰ فانہ العالم بالاصلح لک والارشد لامرک لا یعلمہ من اشار علیک۔ وفی ھذہ الآیۃ دلیل علی المشاورۃ وتخمیر الرائے وتنقیحہ والفکر فیہ۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۹۹)

"یعنی مشورہ کے بعد جب تم اپنے دل کو کسی کام پر جما لو تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو کیونکہ جو کچھ تمہارے لئے بہتر ہے اور موزوں تر ہے اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے نہ کہ تمہارا مشیر۔ اس آیت میں دلیل ہے مشورہ کی ضرورت اور رائے کی پختگی وتنقیح اور اس میں غور وفکر کی ضرورت پر۔"

اس قول کے موئدین کے نزدیک خلیفہ کا مقصد مشورہ سے یہ ہونا چاہئے کہ بحث کے مختلف گوشے اُس کے سامنے کُھل جائیں اور پھر وہ یقین وطمانیت کے ساتھ کوئی راہِ عمل اختیار کر سکے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل میں بھی اس رائے کی تائیدات ملتی ہیں۔ بعض یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد کے ظہور کے وقت اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا۔ اکثر صحابہ کی رائے تھی کہ فی الحال مانعینِ زکوٰۃ سے تعرض نہ کیا جائے اور نرمی سے کام لے کر معاملہ کو سُلجھایا جائے۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی لیکن صدیق اکبرؓ نے اس رائے کو قبول کرنے سے سختی سے انکار فرمایا اور اس فتنہ کی آگ کو آبِ شمشیر سے دھویا۔

۲۔ اسی طرح جماعت سبائیہ کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کے لئے ۳۴ھ میں حضرت عثمان غنیؓ نے جو اہم مجلسِ شوریٰ منعقد کی اس میں تقریباً متفقہ رائے یہ تھی کہ فتنہ پردازوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار فرمادیا اور نرمی و درگزر کی پالیسی کو ترجیح دی۔

قول دوم کے قائلین کے نزدیک "عزم" شوریٰ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ بلکہ اسی شوریٰ کے "قصدِ نفاذ" کا نام عزم ہے۔ مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :۔

والعزم فی الاصل قصدُ امضاء عن علی قال سُئل صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورۃ اهل الرائے ثم اتباعهم۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۱۳۱)	"عزم حقیقت میں "ارادہ نفاذ" کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزم کے معنی پُوچھے گئے تو آپؐ نے جواب دیا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر اس پر کاربند ہونا۔"

محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیہواروی نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب میں اس مسلک کی تائید میں حسب ذیل دلائل جمع فرمائے ہیں جو ممدوح کے شکریہ کے ساتھ درج ذیل ہیں :-

۱۔ مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اُنھوں نے حضورؐ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! اگر کوئی بات قرآن وسنّت میں نہ پائیں تو پھر کیا کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ سمجھدار خدا پرستوں سے مشورہ کرو اور کسی ایک مخصوص شخص کی رائے کو جاری نہ کرو۔

۲۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :-

"اگر میں بغیر مشورہ کے کسی کو خلیفہ بناتا تو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ) کو بناتا۔ (مگر معلوم ہے کہ آپ نے ایسا نہ کیا)

۳۔ "طبقات ابن سعد" میں ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ جو بات ہم کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ اللہ میں نہ ملے تو ہم اس کے متعلق کیا کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس جانب اہل الرائے کی کثرت ہو اسی پر عمل کرو۔

۴۔ حافظ ابن حجر شرح بخاری میں " فاذا عزم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم مشورہ کے بعد اس کے موافق عزم فرمالیں تو پھر کسی کے لئے درست نہیں کہ آپ کو اس کے خلاف رائے دے۔

یہ دوسرا قول اسلام کی جمہوری روح سے زیادہ قریب ہے مگر واضح رہے کہ موجودہ نام نہاد جمہوری اداروں میں رائے شماری کا جو طریقہ رائج ہے جہاں "کنویسنگ" کے ذریعے رائے دہندگان پر ہر قسم کا اخلاقی و مادی اثر ڈالا جاتا ہے اور جہاں پارٹی کے لیڈروں کی آواز میں آواز ملانا خواہ وہ سراسر باطل ہی کیوں نہ ہو ضروری قرار دیا

جاتا ہے کسی طرح بھی اسلامی "شوریٰ" کے معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ اسلام نے اہل شوریٰ کے لئے کچھ آداب مقرر فرماتے ہیں جن کی پابندی شرطِ اوّلین ہے۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے :۔

۱ ۔ المستشار مؤتمن — "جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے اگر اس نے صحیح مشورہ نہ دیا تو امانت میں خیانت کی"۔

۲ ۔ من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ۔ (ابوداؤد) — "جس شخص نے اپنے بھائی کو دیدہ و دانستہ غلط مشورہ دیا اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی"۔

لہٰذا جو فیصلہ "اسلامی شوریٰ" کی اس بنیادی شرط سے علیحدہ ہو کر کیا جائے خواہ اہلِ شوریٰ کی کتنی ہی بڑی اکثریت اُس کی مؤید کیوں نہ ہو۔ شریعتِ اسلامیہ کے آئین کی رُو سے باطل ہے اور علمائے اسلام کے کسی گروہ کے نزدیک بھی قابلِ عمل نہیں ہے ۔

خلافتِ راشدہ

حکومت اسلامی اگر صحیح معنی میں حکومتِ الٰہی ہو، احکامِ اسلام کا اجراء، حدود شریعت کا نفاذ، اصولِ دین کی تبلیغ، علومِ شریعت کی اشاعت، فصل خصومات اور قیامِ امن و امان سُنّتِ رسول کے مطابق ہو۔ اس کا نظام "شوریٰ" کی بنیادوں پر قائم ہو اور اس کا رئیس ذاتِ نبوتؐ کی جامعیت رکھتا ہو۔ مسندِ درس پر وہ مجتہد مطلق ہو حلقۂ ارشاد میں ولی کامل ہو۔ مجلسِ قضاء میں قاضی عادل ہو اور میدانِ جنگ میں سالارِ جرار۔

غرض مذہب وسیاست کے تمام علمی وعملی کمالات میں وہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا صحیح جانشین ہو تو ایسی خلافت کو "خلافتِ راشدہ" یا "خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ" کہتے ہیں ۔

خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم) کے پیغمبرانہ طرزِ زندگی اور اُن کے دورِ خلافت کے شاندار کارناموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت آئینہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی خلافت کا زمانہ ہی خلافتِ راشدہ کا دَور تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے :۔

الخلافۃ بعدی ثلاثون عاماً ثم ملك بعد ذالك۔ "خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اس کے بعد حکومت"

اس حدیث میں "خلافت" سے خلافت کا درجہ کمال یعنی "خلافت راشدہ" ہی مراد ہے۔ خلافتِ راشدہ دراصل درجہ نبوت کا تتمہ و تکملہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔

کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (متفق علیہ) "بنی اسرائیل کی سیاست ان کے نبیوں سے متعلق تھی جب ایک نبی وفات پا جاتے تو دوسرے ان کے قائم مقام ہوتے حقیقت یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی تو نہ آئیگا البتہ "خلفاء" ہوں گے۔

اسی لئے سنتِ خلفاء راشدین کو سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُمت کے واسطے نمونۂ عمل قرار دیا گیا اور خلفاء راشدین کی پیروی کا حکم دیا گیا ۔

اکثر علمائے کرام نے اس حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون عاماً سے استدلال کرتے ہُوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ حضرات خلفاء اربعہ (یا خمسہ) رحمہم اللہ پر ختم ہو گیا لیکن فاضل جلیل علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اس رائے سے اختلاف کیا ہے ۔

آپ لکھتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ متواتر و مسلسل خلافت راشدہ کا دَور تیس سال رہے گا۔ اس کے بعد دورِ حکومت کے حائل ہوتے رہنے کے سبب یہ تواتر و تسلسل ٹوٹ جائے گا۔ لیکن پھر بھی خلفائے راشدین وقتاً فوقتاً ہوتے رہیں

گے۔ یہ مطلب نہیں کہ پھر وہ ہوں گے ہی نہیں ۔

علامہ ممدوح نے اس رائے کی تائید میں جابر بن سمرہؓ کی یہ حدیث جو صحاح میں مختلف طرق سے مروی ہے نقل کی ہے ۔

لا تزال ھذہ الامۃ مستقیما	"اس امت کی حکومت قائم و برقرار اور
امرھا ظاھرۃ علی عدوھا حتی	یہ اپنے دشمن پر کامیاب رہے گی تاآنکہ
یمضی اثنا عشرۃ خلیفۃ کلھم	اس میں بارہ خلیفہ ہو جائیں جو سب کے سب
من قریش ۔	قریش میں سے ہوں گے ۔"

اس حدیث کی نقل کے بعد تائید مزید کے لئے تورات کی یہ عبارت نقل کی ہے :۔

"خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ اسمٰعیل کی اولاد کو پروان چڑھائے گا اور ان میں سے بارہ سردار پیدا کرے گا ۔"

پھر اپنے جلیل القدر استاد علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے فرمایا ۔

"یہ سردار وہی خلفاء ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی حدیث میں بشارت دی گئی ہے اور یہ اُمت میں حسبِ ضرورت مختلف اوقات میں ظاہر ہوتے رہیں گے ۔"

واضح رہے کہ ان بارہ خلفاء سے شیعہ صاحبان کے بارہ ائمہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اُن میں سے بجز حضرات علیؓ و حسنؓ کے کوئی صاحبِ اقتدار و اختیار نہ ہو سکا۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴۹)

افضلیت حضرت ابوبکر صدیقؓ

قرآن کریم اور حدیث شریف میں "خلیفۂ رسول" کی شخصی تعیین کے متعلق تصریحات نہیں ملتیں ۔

امرھم شوریٰ بینھم ۔ مسلمانوں کے کام آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں

کے اصول کار کے مطابق شریعتِ اسلامی ان کے سب سے بڑے جماعتی کام انتخاب خلافت کی ذمہ داری بھی انہی کے سپرد کرنا چاہتی تھی تا کہ اچھے بُرے کے نتائج کا بوجھ انہی پر رہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ شروط و ہدایات کے ساتھ ان کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔

تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں جابجا ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے آپؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے استحقاقِ خلافت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ اپنی نیابت کی مسند پر اسی "یارِ غار" کو فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ بعض عملی اشارات حسبِ ذیل ہیں :-

۱۔ غزوۂ تبوک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں زمانہ کے لحاظ سے سب سے آخری، تیاری و سامان کے لحاظ سے سب سے بڑا اور حریف کی شوکت کے اعتبار سے سب سے اہم غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں لشکرِ اسلامی کا سب سے بڑا منصب "صاحب اللّواء" حضرت ابو بکرؓ ہی کو عطا ہُوا۔

۲۔ سنہ ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو ہی اپنا قائم مقام اور امیرِ حج مقرر فرما کر مکہ معظمہ بھیجا اور حکم دیا کہ منیٰ میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد خدا کے گھر میں اس کے باغیوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ہی کی زیرِ سیادت سورۂ برأت کی آیات جو اسی زمانے میں نازل ہوئی تھیں سُنانے کے لئے مامور فرمایا۔ چنانچہ یہ حج حجِ ابو بکرؓ کے نام سے ہی تاریخ میں مشہور ہے۔

۳۔ مرضِ وفات میں جماعتِ صحابہ کی امامت کے لئے حضرت ابو بکرؓ ہی کو ترجیح دی اور جب حضرت صدیقؓ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کو آگے بڑھا دیا اور ان کی آواز جو کافی بلند تھی حضورؐ کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ نہیں نہیں نہیں۔ ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) ہی نماز پڑھائیں جس قوم میں ابو بکرؓ موجود ہوں کسی اور کو امامت زیب نہیں دیتی۔" (ابو داؤد و ترمذی)

۴۔ مسجدِ نبوی کے گرد جن صحابہ کے مکانات تھے انہوں نے مسجد میں حاضری کی آسانی کے خیال سے اُن میں کھڑکیاں کھول رکھی تھیں۔ انہی کھڑکیوں کے راستہ مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ وفات کے قریب آپؐ نے حکم دیا کہ سب کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔ صرف ابوبکرؓ کی کھڑکی کھلی رہنے دی جائے۔[1] (بخاری و مسلم)

چند قولی اشارات یہ ہیں :۔

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا :۔ "شبِ معراج میں مَیں جس آسمان پر بھی پہنچا وہاں اپنا نام محمد رسول اللہ اور اس کے بعد ابوبکر صدیقؓ لکھا پایا۔ (اوسط طبرانی)

۲۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ تمام اگلے اور پچھلے اہلِ جنت کے جو ادھیڑ عمر کے دُنیا سے اُٹھے (اور طاعت اور عبادت کے لئے وقت پا سکے سردار ہوں گے) سوائے انبیاء اور مرسلین کے۔[2] (ترمذی)

۳۔ حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے دو وزیر آسمانی مخلوق میں سے اور دو زمینی مخلوق میں سے ہوتے ہیں، تو آسمانی مخلوق میں سے میرے دو وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمینی مخلوق میں سے ابوبکرؓ و عمرؓ۔ (ترمذی)

۴۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ تم میں مَیں کتنے دن اور ہوں لہٰذا میرے بعد ان دونوں کے حکم کی پیروی کرنا۔ یہ فرماتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی)

---

[1] شاید اس لئے کہ خلیفۂ رسول کو اپنے فرائض منصبی کے سلسلہ میں آنے جانے میں تکلیف نہ ہو۔

[2] ظاہر ہے کہ جو شخص جنت میں سب مسلمانوں کا پیشوا ہوگا وہ دُنیا میں بھی اُن کا امام ہونے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

۵۔ ایک سائلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آنحضرتؐ نے اُس سے فرمایا اگر پھر آنا ہو اور مجھے نہ پائے تو ابو بکرؓ کے پاس آنا[1]

(ازالۃ الخلفاء)

خود صحابہ کرام جو دربارِ نبوت کے ہر وقت کے حاضر باش تھے ان کی بھی یہی رائے تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے۔ پھر ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمانؓ کا درجہ قرار دیتے تھے۔ پھر تمام صحابہ کرام کو بلا ترجیح رہنے دیتے۔ ان میں سے کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ دیتے تھے۔

(بخاری و ابو داؤد و ترمذی)

طبرانی نے اس اثر پر اتنا اضافہ اور کیا ہے:

"کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ترتیب کو سنتے تھے اور انکار نہ فرماتے تھے۔ (التاج الجامع للاصول)

صحیح بخاری میں محمد بن حنفیہ کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی اسی مضمون کا منقول ہے۔

ترتیب خلفاء اربعہ

یہی نہیں بلکہ احادیث و آثار کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے انتخاب کے سلسلہ میں جو ترتیب ظہور میں آئی وہ منشاء نبوی کے مطابق تھی اور یقیناً صحابہ کرامؓ نے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت کے

---

[1] ظاہر ہے کہ بیت المال میں تصرف خلیفہ ہی کا کام ہے۔

نہیں جلیس تھے۔ انتخاب خلافت کے وقت مرتضیٰ مولیٰ ہی کو سب سے اولیٰ سمجھ کر اس ترتیب کو ملحوظ رکھا ہوگا۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ رات ایک مرد صالح کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملایا گیا ہے اور عمرؓ کو ابوبکرؓ کے ساتھ اور عثمانؓ کو عمرؓ کے ساتھ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ حضورؐ کی مجلس سے اٹھ گئے تو ہم نے آپس میں کہا کہ مردِ صالح تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے خلیفۂ اسلام ہوں گے۔

(ابوداؤد)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم لوگ ابوبکرؓ کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین، دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے۔ اگر عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو انہیں قوی و امین پاؤ گے کہ خدا کے معاملے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کریں گے۔ اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ گے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ (بالاتفاق) ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔

۳۔ حضرت سمرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا ایک ڈول آسمان سے لٹکایا گیا ہے۔ ابوبکرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر ضعف کے ساتھ پانی پیا۔ اس کے بعد عمرؓ آئے اور اس ڈول کے دونوں ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں۔ اس کے بعد عثمانؓ آئے اور اس کے ڈنڈے پکڑ کر اتنا پیا کہ کوکھیں پھول گئیں۔ اس کے بعد علیؓ آئے اور (پانی پینے کے لئے اس کے ڈنڈے پکڑے تو ڈول ہلا اور کچھ پانی اس میں سے ان کے اوپر گرا[1] (ابوداؤد)

---

[1] پانی کے ڈول سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ کسی کے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

۴۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بیان کیا یا رسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ گویا آسمان سے ایک ترازو اتری۔ اس ترازو میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ ابوبکرؓ سے بھاری نکلے۔ پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری نکلے۔ پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری نکلے۔ اس کے بعد ترازو اٹھالی گئی [۱] (ابوداؤد)

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت نازل ہو ابوبکرؓ پر انھوں نے اپنی بیٹی مجھے دی۔ مدینہ آنے کے لئے سواری کا انتظام کیا۔ غار میں میرے ساتھ رہے اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو عمرؓ پر کہ وہ حق بات کہتے ہیں اگرچہ کسی کو کڑوی معلوم ہو۔ اس حق گوئی کی وجہ سے ان کا کوئی ذیوی دوست نہ رہا۔ اللہ کی رحمت نازل ہو عثمانؓ پر کہ خدا کے فرشتے بھی اُن (کی حیاء) سے شرماتے ہیں۔ اللہ کی رحمت نازل ہو علیؓ پر، اے خدا حق کو ان کے ساتھ کر جدھر بھی وہ جائیں۔ (ترمذی)

۶۔ بنی مصطلق سے آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کے بعد مال زکوٰۃ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کریں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے، ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) ساتھ پانی پینے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی قلت مدت یا ظہور ارتداد کی طرف اشارہ ہے۔ ڈول کا پانی گر جانے سے حضرت علیؓ کے زمانہ میں خلافت میں تفرقہ پڑ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

[۱] ترازو کے اٹھ جانے سے غالباً مراد یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے بعد لوگ انتخاب خلافت کے معاملہ میں معیارِ فضیلت کو ملحوظ نہ رکھیں گے اور گروہ بندی اور طاقت پر دارو مدار رہ جائے گا۔

۷۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور پھر علی الترتیب حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو خطبہ کہنے کا حکم دیا۔[1]

۸۔ مسجد نبوی کی بناء رکھتے ہوئے ایک پتھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا اور پھر بہ ترتیب ایک ایک پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان غنی رضؓ سے رکھوایا۔[2]

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ۔

---

[1] مال زکوٰۃ کی وصولیابی اور خطبہ کا لوازم خلافت سے ہونا ظاہر ہے۔

[2] آخری تین حدیثیں ازالۃ الخلفاء حصّہ دوم صفحہ ۵۱، ۵۲۔ از حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ ہیں۔ شاہ صاحب نے اس مسئلہ سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث و آثار نقل فرمائے ہیں جنہیں بخوف طوالت کلام قلم انداز کیا جاتا ہے۔

عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

انتخابِ خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کے سامنے یہ تھا کہ وہ کس بزرگ کو آپؐ کا خلیفہ منتخب کریں؟ پھر یہ بھی ضروری تھا کہ اس کام کو جس قدر جلد ممکن ہو انجام دیں۔ ورنہ اندیشہ تھا کہ منافقوں کی سازش سے مسلمانوں کا اتحاد جو اُن کے مقدس دین کی بنیاد ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور اسلام کی شاندار عمارت جس کی تعمیر میں سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تئیس سال صرف ہوئے زمین پر آ رہے۔

اس زمانہ کے مسلمانوں کی دو تقسیمیں کی جا سکتی ہیں مہاجرین اور انصار۔

"مہاجرین" وہ مسلمان تھے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے وطن اپنے عزیزوں اور اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ اور "انصار" وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے جان و مال سے حضورؐ کی مدد کی اور اپنے وطن مدینہ منورہ میں بلا کر خدا کے دین کو پروان چڑھایا۔ سقیفہ بنی ساعدہ انصار کے سردار سعد بن عبادہؓ کی نشست گاہ تھی۔ رؤسائے انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور انتخابِ خلافت کے مسئلہ پر گفتگو ہونے لگی۔ پہلے سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے۔ آپ نے انصار کی خدمات کا تذکرہ کیا اور پھر کہا کہ "خلافتِ رسول" کے سب سے زیادہ مستحق ہم ہیں۔ چند انصار نے کہا آپؐ نے بالکل درست فرمایا۔ مجمع میں

سے ایک آواز آئی۔ اگر مہاجرین نہ مانیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے سبب اپنا حق جتائیں تو پھر کیا ہو؟ دوسرے صاحب نے جواب دیا۔ پھر ایک امیر ہمارے خاندان میں سے ہو اور دوسرا اُن کے خاندان سے۔

حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اس اجتماع کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لے آئے۔ حضرت عمرؓ کچھ کہنا چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں روک دیا اور خود بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ایک تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں آپ نے پہلے مہاجرین کی دینی قربانیوں کا تذکرہ کیا۔ پھر انصار کے جذبۂ ایثار کی دل کھول کر تعریف کی اور پھر فرمایا اگر فضائل و مناقب کو دیکھا جائے تو دونوں میں سے کوئی دوسرے سے کم نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

الائمۃ من قریش — امام قریش میں سے ہوں۔

لہٰذا اے جماعت انصار! خلفاء ہم میں سے ہوں اور وزراء تم میں سے اور یقین مانو کہ خلافت کے اہم کاموں میں تم سے مشورہ لیا جاتا رہے گا۔"

اب انصار کے قبیلہ خزرج میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اچھا اگر مہاجرین کو ہماری خلافت سے انکار ہے تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک اُن میں سے۔

یہ رائے ظاہر ہے کہ نہایت غلط تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی سختی سے اس کی مخالفت کی۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے انصار! تم نے ہی دینِ اسلام کو سب سے پہلے قوت پہنچائی۔ اب تم ہی اس کے ضعف کا سامان نہ کرو۔

یہ سُن کر انصار کے قبیلۂ خزرج ہی میں سے ایک دوسرے صاحب بشیر بن سعد کھڑے ہو گئے اور اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمانے لگے۔

"اے جماعتِ انصار! اگر ہم نے اسلام کی خدمات میں حصہ لیا تو اللہ تعالیٰ

کی رضا اور اُس کے رسول پاکؐ کی اطاعت کے لئے لیا۔ اس میں کسی پر احسان جتانے کا کیا موقع ہے؟ اور اس کے عوض متاعِ دُنیا کو طلب کرنا کہاں مناسب ہے؟ سنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاندانِ قریش میں سے تھے۔ قریش ان کی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ خدا کی قسم! اس منصب میں میں ان سے جھگڑنے کو بالکل مناسب نہیں سمجھتا۔ اللہ سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔"

جب انصار ہی میں سے ایک جماعت قریش کی حامی ہو گئی تو وہ خاموش ہو گئے۔ اب یہ بات تو طے ہو گئی تھی کہ قریش ہی میں سے کوئی خلیفہ ہو لیکن یہ مرحلہ باقی تھا کہ وہ کون ہو؟ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"بھائیو! عمرؓ بن خطاب اور ابوعبیدہ بن جراح میں سے کوئی ایک خلیفہ ہونا چاہیئے جسے مناسب سمجھو انتخاب کر لو۔"

یہ سُن کر یہ دونوں صاحبان کھڑے ہو گئے اور ایک زبان ہو کر بولے:۔

"اے صدیق! بھلا آپ کے ہوتے ہم ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ غارِ ثور کی تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہیں۔ رسول پاکؐ کی زندگی میں، نماز کی امامت میں آپ نے ان کی نیابت کی، حالانکہ دینِ اسلام میں سب سے اہم چیز نماز ہی ہے۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے خلافتِ رسولؐ کا آپ سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے۔ اپنا ہاتھ بڑھایئے کہ پہلے ہم ہی بیعت کریں۔"

لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ نے انکار کر دیا تو بات نئے سرے سے جھگڑے میں پڑ جائے گی۔ خود ہاتھ بڑھا کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد تمام مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔

یوں یہ اہم مسئلہ بخیر و خوبی طے ہوا اور مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔

بیعتِ عامّہ دوسرے روز مسجد نبویؐ میں بیعتِ عامہ ہُوئی جس میں تمام مسلمان شریک ہُوئے۔ بیعت سے فارغ ہو کر حضرت صدّیقؓ خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے منبر پر تشریف لائے اور خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا۔ حمد و ثناء کے بعد آپؓ نے ارشاد فرمایا :۔

"اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلطی کروں تو اصلاح کر دو۔ دیکھو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے جب تک کہ میں اُسے اس کا حق نہ دلا دوں۔ انشاء اللہ! اور تم میں جو شخص قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ انشاء اللہ۔ دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چھوڑ دیا اللہ نے اُسے ذلیل کر دیا ہے اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اُس میں مصیبت کو بھی پھیلا دیتا ہے۔ دیکھو جب تک میں خدا اور اُس کے رسُولؐ کی اطاعت کروں تم بھی میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم بھی میری اطاعت سے آزاد ہو۔"

یہ خُطبہ ایک "دستورالعمل" تھا جسے آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں پیشِ نظر رکھا۔

توقفِ علی مرتضیٰؓ حضرت علی مرتضیٰؓ اور اُن کے چند متعلقین نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کچھ دیر کی ابتداءً تو وہ اس لئے بیعت نہ کر سکے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت ہونے کی وجہ سے وہ آپؐ کی تجہیز و تکفین میں لگے رہے۔ اس کے بعد ایک دوسری رکاوٹ پیش آگئی۔

حضرت فاطمہ زہرؓا اور حضرت عباسؓ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی متروکہ جائداد

(مدینہ وخیبر) میں سے اپنا حصہ طلب کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انبیاء کی جائداد میں میراث نہیں چلتی۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سُنا ہے :-

لا نورث ما ترکنا صدقۃ — "ہم نبیوں کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ وقف ہوتا ہے"

حضرت بتولؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہ سُنی تھی، منافقین کی دراندازی سے دلوں میں فرق پڑ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چونکہ خاتونِ جنت کی دلداری کا بہت خیال تھا اس لئے انہوں نے چھ مہینے، جب تک وہ زندہ رہیں بیعت میں تاخیر کی۔

علاوہ ازیں بنو ہاشم کا یہ بھی خیال تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہونے کی حیثیت سے خلافت میں ان کا حق مقدم ہے خود حضرت علیؓ بھی ان کے ہم خیال تھے۔

لیکن چونکہ ان بزرگوں میں نفسانیت نہ تھی اس لئے پہلے تو بیماری کے زمانہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عذر خواہی کی اور پھر ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بُلایا اور فرمایا :-

"اے صدیقؓ! ہمیں آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے اور خدا نے آپ کو جو منصب خلافت عطا کیا ہے ہمیں اس پر حسد بھی نہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ ہم نبوت کے گھرانے کے آدمی ہونے کی حیثیت سے خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ آپ نے ہماری حق تلفی کی ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ پھر فرمایا :-

"خدا کی قسم مجھے اپنے رشتہ داروں کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار زیادہ عزیز ہیں۔"

اِس دوستانہ شکوہ شکایت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مسجدِ نبویؐ میں تشریف لا کر صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی [۱]

حالات قبل از خلافت

آپ کا نام عبداللہ ہے، ابوبکر کنیت ہے۔ صدیق اور عتیق لقب ہے۔ باپ کا نام عثمانؓ ہے اور ان کی کنیت ابو قحافہ ہے۔ ان کا نام سلمٰیؓ ہے اور اُمّ الخیر کنیت ہے۔ آپ قریش کی شاخ "بنی تمیم" سے ہیں اور چھٹی پُشت میں مُرّہ پر آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ سے جا ملتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔

اسلام سے پہلے ہی حسنِ اخلاق، دیانت و امانت اور خاندانی وجاہت میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ایک دولت مند تاجر تھے اور اپنی دولت سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں خون بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا۔ آپؓ "علم الانساب" کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بچپن سے ہی دوستی تھی۔ جب حضورؐ کا سینہ نبوت کے نور سے معمور کیا گیا تو سب سے پہلے آزاد مردوں میں اس روشنی کو آپ نے ہی قبول کیا۔ چنانچہ خود حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے :-

"میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور محسوس ہوئی مگر ابوبکرؓ ذرا نہ جھجکے"

پھر ایمان لانے کے بعد ایمان کی قوت کا یہ حال تھا کہ کسی صورت اس میں کمزوری پیدا ہونے کا امکان نہ تھا۔ معراج کی صبح کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے واقعات بیان کئے تو کافروں نے مذاق اُڑایا۔ راستہ میں

---

[۱] تاریخ الامم خضری ج ا۔

کہیں حضرت ابوبکرؓ بھی مل گئے۔ کافر کہنے لگے " ابوبکر! وہ تمہارے دوست جو خدا کی طرف سے وحی اُترنے کا دعویٰ کرتے تھے اب خدا سے ملاقات بھی کر آئے ہیں۔ کیا تم ان کی اس عجیب بات کو بھی مان لو گے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فوراً جواب دیا۔

" کیوں نہیں مَیں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کو مانتا ہوں "۔

اس شانِ ایمان پر دربارِ نبوت سے " صدیق کا لقب عطا ہوا۔

تبلیغ اسلام

اسلام کی تبلیغ میں آپ نے پیغمبر خدا کی رفاقت کا حق پوری پوری طرح ادا کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام آپ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور تبلیغِ اسلام کے متعلق رازدارانہ مشورے ہوتے۔ پھر حضورؐ جن قبیلوں جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ہمراہ ہوتے۔

خود حضرت ابوبکرؓ اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے۔ بہت سے جلیل القدر صحابی جن میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ آپ ہی کے تعلق اور اثر سے مشرف باسلام ہوئے۔ جب کفارِ مکہ کے غلاموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور کافروں نے اُنھیں اس جُرم میں دردناک تکلیفیں پہنچائیں تو حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنھوں نے اپنے روپے سے انھیں خرید خرید کر کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات دلائی۔

ہجرت حبشہ

کفارِ مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کئے اور مجبور ہو کر اُنھوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام " برک الغماد " میں پہنچے تو قارہ کے سردار " ابن الدغنہ " سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا۔ ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے کسی دوسرے ملک جا رہا ہوں جہاں آزادی کے

ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکوں۔" ابن الدغنہ نے کہا "ابوبکر! تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو، مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کی مہمانداری کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی ذمہ داری پر واپس لے چلوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ واپس چلے آئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ میری پناہ میں ہیں انہیں کوئی نہ ستائے۔

کافروں نے کہا ہم ابوبکرؓ سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے یہ کہہ دو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کر لیا کریں۔

کچھ دن تو حضرت ابوبکرؓ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر ان کی آزاد طبیعت اعلانِ حق پر اس پابندی کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغی فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لئے اللہ کی پناہ کافی ہے۔

ہجرتِ مدینہ

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس روشنی کو بجھانے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تو رسول اللہؐ نے خداوندی اشارہ کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔

دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں آپؐ نے اپنے رفیق و غمگسار کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "ہاں تیار ہو جاؤ۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو اسی دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔"

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامانِ سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا پٹکا کمر سے کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور "ذوالنطاقین" کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے۔ اور

حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غارِ ثور پر چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔

ان انتظامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو عزیز ترین اور قدیم ترین رفیقوں میں سے ایک (حضرت علیؓ) کو اپنے بستر پر لٹا کر اور دوسرے (حضرت ابو بکرؓ) کو اپنے ساتھ لیکر مکہ سے اندھیری رات میں چپکے سے باہر نکلے اور غارِ ثور پر جاکر پہلی منزل کی۔ جب کافروں کو معلوم ہوا کہ اُن کی سازش ناکامیاب رہی ہے تو جھنجھلا اُٹھے اور آپؐ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ حضورؐ نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابو بکر! غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:-

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ	"اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی)
اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اُسے
ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ	کافروں نے اس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ	جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے
اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پ ۱۰ ع ۱۲)	کہہ رہا تھا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یارِ غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور تاریخِ اسلام میں فتح صداقت اور غلبۂ حق کے باب کا آغاز ہوا۔

شرکت غزوات

ہجرت کے بعد جب کفار سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابو بکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جاں نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا اور اسلامی لشکر کے بعض

سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں۔ لیکن لشکرِ اسلام کا یہ بہادر جرنیل اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

غزوۂ تبوک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری غزوہ ہے۔ جب اس لڑائی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فدائیوں کو پکارا اور ان سے جان و مال کی قربانی طلب کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے "مرتبہ" کے مطابق اس میں حصہ لیا۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا لا کر اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا اے ابوبکرؓ تم نے کچھ بال بچوں کے لئے بھی چھوڑا تو نہایت بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ

"ان کے لئے اللہ اور رسول کافی ہیں"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات کے اس خاتمۃ الباب کی علمداری آپ ہی کے سپرد کی۔

حجِ ابوبکرؓ جب مکہ معظمہ کفر و شرک کی گندگی سے پاک ہو گیا تو اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ ہی کو اپنا قائم مقام اور امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سرداری میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سنایا۔ جس میں اسلام اور کفر کی حدود کو جدا جدا کر دیا گیا تھا۔

امامتِ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفرِ آخرت کی تیاری فرمانے لگے تو مسجدِ نبویؐ کی امامت کا بلند پایہ مرتبہ آپ ہی کے سپرد فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے کچھ پسند نہ کرتی تھیں اس لئے بہت اصرار کیا کہ یہ کام کسی اور کے سپرد کیا جائے مگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں اس سے بھی زیادہ گرانقدر منصب (خلافت) کی تمہید پیدا کرنی تھی اس لئے آپ نے اپنے اس فیصلہ میں ترمیم نہ فرمائی۔ دُنیا سے رخصت کے دن، نمازِ فجر کے وقت حضورؐ نے حجرہ شریفہ کا پردہ اُٹھایا۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امامت

میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ اپنا دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو بے اختیار مُسکرا دیئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔

ثبات و استقامت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر آپ کے جان نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت اپنے آقا و مولیٰ کی جدائی کے تصور کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ " اس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں تخفیف دیکھ کر مقام "سنخ"، تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ ہنگامہ دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ مگر جب وہ نہ مانے تو الگ اپنی تقریر شروع کر دی۔ صحابہؓ کا مجمع آپ کی آواز کی طرف ڈھل گیا۔ آپ نے فرمایا۔

" جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپؐ کا تو وصال ہو گیا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مریگا

پھر یہ آیت پڑھی :۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ (پ ۴ ع ۶)	" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے "

آپ کی اس تقریر نے جادو کا کام کیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔

واقعاتِ عہدِ خلافت

لشکرِ اسامہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے رومیوں سے "جنگ موتہ" کا انتقام لینے کے لئے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور اس لشکر کا سردار زید ابن حارثہؓ (جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں اکثر بڑے بڑے صحابہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اکرمؐ بیمار ہوگئے اور پھر آپؐ کی وفات ہوگئی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی وباء پھیل گئی نومسلم قبیلے جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی چمک پورے طور پر منعکس نہیں ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے مرتد ہونے لگے۔ یہ وقت اسلام کے لئے بڑا نازک تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لئے لشکرِ اسامہؓ کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا:-

"میں اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو"

پھر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ "اسامہؓ کی بجائے جو ایک نوعمر اور ناتجربہ کار شخص ہیں کسی اور کو سردار بنا دیجئے" آپ نے غصّہ ہو کر فرمایا۔

"جسے خدا کے رسولؐ نے سردار بنایا ہو مجھے اسے معزول کرنے کا کیا حق ہے؟"

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان دونوں مشوروں میں سے کسی مشورہ کو مان لیتے تو دوسروں کو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرتابی کے لئے ایک مثال مل جاتی۔

غرض حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور اُسے رخصت کرنے کے لئے خود کچھ دور تک تشریف لے گئے اس طرح کہ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ اے خلیفۃ الرسول! آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں بھی پیدل ہو جاؤں۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہو سکتی۔ کیا حرج ہے اگر میں خدا کے راستہ میں تھوڑی دُور تک اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

"لشکر اسامہ" میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور ان کا خلیفۃ المسلمین کے مشیر کی حیثیت سے مدینہ میں رہنا ضروری تھا اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ضرورت ظاہر کر کے "اسامہؓ" سے درخواست کی کہ وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اسامہ نے اجازت دے دی۔ یہ بھی حقیقت میں ذاتِ نبوت کی تعظیم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسامہ اس ذاتِ مقدس کی طرف سے مامور ہیں جن کا اقتدار میرے اقتدار سے بالا ہے۔ لہٰذا مجھے ان کے اختیارات میں دخل دینے کا حق نہیں۔

سنہری نصیحتیں

جب حضرت ابوبکرؓ سے اسامہ جدا ہونے لگے تو آپ نے انہیں بیش قرار نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

"دیکھو! خیانت نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ مال نہ چھپانا۔ کسی کے اعضاء کو نہ کاٹنا بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں کو نہ جلانا۔ پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا اور کھانے کی ضرورت کے سوا کسی بکری، گائے یا اونٹ کو نہ کاٹنا۔ تمہارا گزر ایک قوم پر ہو گا جو دنیا کو چھوڑ کر اپنی خانقاہوں میں بیٹھی ہو گی تم اس سے تعرض نہ کرنا۔"

یہ ایسی سنہری نصیحتیں ہیں جو بطورِ اصولِ جنگ تسلیم کر لی جائیں تو آج بھی دُنیا سے وحشت و درندگی کا بہت کچھ خاتمہ ہو سکتا ہے

لشکر اسامہ یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہُوا "شام" کے پاس قضاعہ کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد فتح و ظفر کے جھنڈے اُڑاتا ہُوا واپس آیا۔

شام کا یہ حملہ اسلام کے لئے بے حد مفید ثابت ہُوا۔ منافقین اور مرتدین کہنے لگے کہ مُسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ ورنہ وہ اتنی دُور اتنے قوی دشمن کے مقابلہ کے لئے اپنی فوج نہ بھیجتے۔ چنانچہ بہت سے مرتد قبیلے ڈر کر پھر اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتنۂ ارتداد

اسبابِ ارتداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب کے بعض حصّوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی بجھنے لگی۔ اس فتنہ کی وجوہ حسبِ ذیل تھیں:۔

١۔ اسلام سے پہلے عرب مختلف ٹکڑیوں میں بٹے ہُوئے تھے۔ اسلام نے ان ٹکڑیوں کو ملا کر ایک ملت بنا دیا۔ مگر چونکہ وہ برسہا برس سے اس کے عادی نہ تھے اس لئے اُنھوں نے اس "نظامِ ملی" کو اپنی آزادی کے لئے ایک زنجیر سمجھا اور اُسے توڑ کر نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔

٢۔ قرآن کریم نے حکومتِ اسلامی کے شعبۂ مالیات کے لئے "زکوٰۃ" کو بنیاد ٹھہرایا۔ زکوٰۃ اسلام کے اصول کے مطابق امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر صرف کی جاتی ہے اور اس کا مقصد قوم میں دولت کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ مگر اسے بھی ایک بار سمجھا گیا اور اس بار کو اُتار پھینکنے کی کوشش کی جانے لگی۔

۳۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی جو اُن کا دل پسند کھیل تھا اور زنا ایک مرغوب تفریح۔ اسلام کے قانون نے ان سب برائیوں پر کڑی بندشیں قائم کر دیں جو ان لوگوں پر گراں گزریں۔

یہ امراض ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے جو مرکز اسلام سے دور نجد یمن وغیرہ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت انہیں نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسلام کی شوکت کو دیکھ کر ان کی گردنیں ضرور خم ہو گئی تھیں۔ مگر دلوں میں خضوع کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی چنانچہ قرآن کریم نے خود ان لوگوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ (پ ۲۶ ع ۱۴)	"دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے رسول کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ خدا کے سچے نبی کی کامیابی کو دیکھ کر عرب میں بہت سے جھوٹے نبوت کے دعوے دار پیدا ہو گئے۔ ان کم بختوں نے سوچا کہ نبوت کا دعویٰ بھی دنیاوی ترقی کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے دل پہلے ہی مریض تھے وہ ان شیاطین کے جال میں بآسانی پھنس گئے۔

عزمِ صدیقی

اس فتنہ کی آگ کو بجھانے کے لئے عزمِ صدیقی ہی کی ضرورت تھی۔ جب آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا وقت بہت نازک ہے۔ جو لوگ صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے ہی انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

"خدا کی قسم! اگر کوئی ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی جو رسول اللہ کو دیا جاتا تھا انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔"

جوں ہی حضرت اسامہؓ واپس آئے آپ نے مدینہ میں انہیں اپنا قائم مقام بنا کر علیس

اور ذبیان کے قبیلوں کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ان قبائل نے شکست کھائی۔ اور ان کی چراگاہیں مسلمان مجاہدین کے گھوڑوں کے لئے وقف کردی گئیں۔

اس عرصہ میں لشکر اسامہ تازہ دم ہو چکا تھا۔ آپ اسے لے کر "ذوالقصہ" جو مدینہ سے نجد کی سمت ایک برید (۱۲ میل) کے فاصلہ پر ہے پہنچے۔ وہاں آپ نے کل اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستہ کا ایک الگ سردار مقرر کیا اور اسے ایک جھنڈا دیا۔ یہ گیارہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کئے گئے۔ ان گیارہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔

(۱) خالد بن ولید (۲) عکرمہ بن ابی جہل (۳) شرحبیل بن حسنہ
(۴) مہاجر بن ابی امیہ (۵) حذیفہ بن محصن (۶) عرفجہ بن ہرثمہ
(۷) سوید بن مقرن (۸) علاء بن الحضرمی (۹) طریفہ بن حاجز
(۱۰) عمرو بن عاص (۱۱) خالد بن سعید

مجاہدین کے ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عام پیغام بھیجا۔ اس پیغام میں انہیں فتنہ و فساد سے باز آنے اور اسلامی برادری میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں گے تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ پھر فوج کے سپہ سالاروں کے نام حسبِ ذیل ہدایت نامہ جاری فرمایا :-

"میں مجاہدینِ اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں۔ جو لوگ حلقۂ اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن تلوار اٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر حجت پوری کردیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کردیں یہاں تک کہ وہ کفر سے باز آجائیں۔ مرتدین جب دوبارہ داخلِ اسلام ہوجائیں تو اسلامی فوج کا سردار انہیں آگاہ کردے کہ

ان کے ذمّہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں؟ اور مسلمانوں پر اُن کے کیا کیا حقوق ہیں؟ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ادا کئے جائیں۔ امیرِ لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے خوب دیکھ بھال کر داخل ہو ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کیے ان کی دیکھ بھال رکھے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔"

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے تجربہ کار سرداروں کی رہنمائی میں حریفوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

طلیحہ کی توبہ

بنی اسد میں ایک شخص تھا طلیحہ، حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اُس کے دماغ میں نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنی اسد سب اس کے تابع ہو گئے۔ بنی اسد اور بنی طے کے درمیان معاہدہ دوستی تھا۔ لہٰذا انہوں نے بھی اپنے حلیف کا ساتھ دیا اور قبیلۂ غطفان کے بھی بہت سے لوگ ان کے شریک ہو گئے۔ طلیحہ نے اس عظیم الشان فوج کو لے کر نجد میں چشمہ "بزاخہ" پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالدؓ بن ولید طلیحہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی جو قبیلہ بنی طے کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اس زمانہ میں مدینہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے قبیلہ کو سمجھا بجھا کر اس فتنہ سے نکال لوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دیدی اور حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کے قبیلہ کے تمام آدمی طلیحہ سے علیحدہ ہو گئے اور پھر یہی کوشش انہوں نے قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور یہاں بھی انہیں کامیابی ہوئی۔

اب حضرت خالدؓ اپنی فوج کو لے کر چشمہ بزاخہ پر پہنچے اور طلیحہ کے لشکر سے

زبردست مقابلہ ہوا۔ جب طلیحہ کے لشکر پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو، بنو غطفان کا سردار عینیہ بن حصن فزاری جو طلیحہ کا مددگار تھا اس کے پاس آیا طلیحہ اس وقت چادر میں لپٹا اس طرح بیٹھا تھا گویا اس پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ عینیہ نے پوچھا کہئے "جبرائیل کوئی پیغام لائے"؟ طلیحہ بولا ہاں اور پھر ایک مقفٰی عبارت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ آخر میں جیت ہماری ہی ہو گی۔ عینیہ نے کہا اے فزارہ یہ شخص کذاب ہے اور پھر اپنے آدمیوں کو لے کر اس کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔

جب طلیحہ نے دیکھا کہ شکست لازمی ہے تو اپنے بیوی کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں کفر سے توبہ کر کے دوبارہ داخلِ اسلام ہوا۔ طلیحہ نے اس کے بعد فتوحاتِ عراق کے موقع پر بہت بہادری دکھائی اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

مالک بن نویرہ کا قتل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم میں پانچ امیر مقرر فرمائے تھے۔ جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو اُن میں سے بعض مرتد ہو گئے اور بعض اسلام پر قائم رہے۔ مرتد ہونے والوں میں "مالک بن نویرہ" بھی تھا اس نے زکوٰۃ روک لی اور قبیلہ کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ بنی تمیم میں ابھی خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ بنی تغلب کی ایک عورت "سجاح" ادھر سے گزری۔ یہ عورت پہلے نصرانی تھی۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد اس پر بھی نبوت کا جنون سوار ہوا اور عرب کے بہت سے اوباش اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلی تھی۔ راستہ میں جب بنی تمیم کی بستیوں پر گزر ہوا تو اس نے مالک بن نویرہ کے پاس پیغام دوستی بھیجا۔ مالک بن نویرہ نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ مدینہ پر حملہ سے پہلے بنی تمیم کے مسلمانوں پر حملہ کرے۔ سجاح نے ان مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مسلمان اس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے بھاگ گئے۔ سجاح اپنی فوج کو لیکر

مدینہ کی طرف بڑھنے لگے۔ جب وہ مقام "نباج" میں پہنچی تو وہاں بنی تمیم ہی کی ایک اور جماعت سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ان لوگوں نے اس کے کچھ آدمیوں کو قید کر لیا۔ آخر میں اس شرط پر صلح ہوگئی کہ سجاح ان کے آدمیوں کو چھوڑ دے اور وہ اس کے آدمیوں کو اور مدینہ کا ارادہ چھوڑ کر واپس چلی جائے۔ چنانچہ سجاح ناکام یمامہ کی طرف لوٹ گئی۔

اس دوران میں بنی تمیم کے مرتدین کو خدا نے ہدایت دی اور انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ مگر مالک بن نویرہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو لے کر مقام بطاح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالد بن ولیدؓ جب طلیحہ کے مقابلہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مالک بن نویرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مالک بن نویرہ نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔ خالد بن ولید نے اپنے آدمیوں کو بھیج کر مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرا لیا۔ آپ نے مالک بن نویرہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

بعض مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مالک بن نویرہ نے گرفتاری سے پہلے اپنی بستی میں اذان دلوادی تھی اس لئے خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کرا کر زیادتی کی ہے۔ خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ کا قصاص لینا چاہیئے۔ خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ مالک بن نویرہ نے قتل کے خوف سے اذان دلوائی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا کہ خالدؓ سے چونکہ واقعہ کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے اس لئے اُن سے قصاص نہیں لیا جاتا اور مالک بن نویرہ کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ آپؓ نے یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کی تلوار کو جسے اُس نے کافروں پر چمکایا ہے میں نیام پوش کرنے والا کون ہوں"۔

مسیلمہ کذّاب کا قتل

قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں ایک شخص "مسیلمہ بن ثمامہ" بھی تھا۔ مسیلمہ نے کہا میں اس شرط پر اسلام

لاؤں گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اسلام کے عوض کھجور کی یہ ٹہنی بھی مجھ سے مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے[۱]۔

اس طرح جب مسیلمہ مایوس ہو کر اپنے وطن یمامہ لوٹا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر سنی تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میں نبوت میں محمد کا شریک بنا دیا گیا ہوں۔ پھر اس نے حضورؐ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا :-

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام"

سلام علیک! میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں لہٰذا آدھی دنیا آپ کی ہے اور آدھی میری، لیکن مجھے آپ سے انصاف کی امید نہیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خط کا یہ جواب دیا :-

"محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام

سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد

فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ	"درحقیقت زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ	وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے اور
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (پ۹ ع ۵)	انجام کار کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کی ہے۔"

---

[۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں آپ کو اس کا بہت فکر ہوا۔ پھر خواب ہی میں آپ کو حکم دیا گیا کہ ان پر پھونک مارے۔ آپؐ نے پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اُڑ گئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ میرے بعد عرب میں دو جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایک اسود عنسی تھا اور دوسرا مسیلمہ۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور شرحبیل بن حسنہ کو ان کے پیچھے ان کی مدد کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ شرحبیل کا انتظار کریں۔ عکرمہ نے کامیابی کا سہرا تن تنہا اپنے سر باندھنے کے شوق میں شرحبیل کا انتظار کئے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب واقعہ کی خبر پہنچی تو بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو حکم دیا کہ وہ یمن کی طرف جاکر اہلِ مہرہ کا مقابلہ کریں۔ خالدؓ بن ولید اس وقت تک بنی تمیم کے مقابلہ سے فارغ ہو چکے تھے آپ نے انہیں مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور شرحبیل کو حکم دیا کہ وہ ان کا انتظار کریں۔

مسیلمہ کو جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ اپنی عظیم الشان فوج کو جو چالیس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں فوجوں میں سخت ہولناک لڑائی ہوئی۔ شروع میں مسلمانوں پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اور مسیلمہ کے آدمی خالدؓ بن ولید کے خیمہ تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سنبھل کر حملہ کیا اور دور تک مسیلمہ کے آدمیوں کو دھکیلتے چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خود مسیلمہ کو مبارزت کے لئے للکارا۔ وہ آیا مگر مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا۔ اس کی فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی اور بُری طرح شکست کھائی۔ مسیلمہ اپنے کچھ آدمیوں کو لے کر اپنے ایک باغ میں جس کا نام اُس نے "حدیقۃ الرحمٰن" رکھا تھا چھپ گیا اور باغ کے دروازے بند کرا دیئے۔ ایک بہادر انصاری حضرت براء بن مالک نے کہا مجھے باغ کے اندر پھینک دو۔ چنانچہ انہیں پھینک دیا گیا اور انہوں نے تن تنہا مسیلمہ کے پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ اب مسلمان اندر گھس گئے اور مسیلمہ کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ خود مسیلمہ بھی "خدا کی تلوار" سے نہ بچ سکا۔ مسیلمہ کے قتل کرنے والوں میں حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی بھی شریک تھے۔ گویا اس طرح اُنھوں نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔

مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم "بنی حنیفہ" نے مسلمانوں سے نرم شرائط پر

صلح کرلی۔ صلح کی تکمیل ہو چکی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام سپاہی قتل کر دیئے جائیں۔ مگر حضرت خالد چونکہ ان سے عہد نامہ کر چکے تھے لہٰذا اسی پر قائم رہے۔ پھر بعد میں بنی حنیفہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

اسود عنسی کا قتل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب "یمن" فتح ہوا تو آپ نے "باذانِ فارسی" کو (جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے عامل (حاکم) تھے اور اسلام لے آئے تھے) یمن کا عامل مقرر کر دیا۔ ان کا مرکز حکومت صنعاء تھا۔ جب باذان کا انتقال ہوا تو آپ نے یمن کی حکومت متعدد عاملوں میں تقسیم کر دی۔ ان عاملوں میں سے ایک باذان کا بیٹا "شہر" بھی تھا جو صنعاء کا عامل مقرر کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کچھ پہلے یمن میں ایک شخص اسود نے جس کا اصلی نام "عبہلہ" تھا اور قبیلہ "عنس" سے تعلق رکھتا تھا۔ نبوت کا دعویٰ کیا۔ قبیلہ مذحج کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور انہوں نے اسود کے ساتھ مل کر نجران پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے عاملِ نجران عمرو بن حزم کو نکال دیا۔ اب اسود اپنی قوم کے سات سو آدمیوں کو لے کر صنعاء پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں کے عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور یمن کے بہت سے ضعیف الایمان لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے ابناء (یمن کی ایرانی فوج جو مسلمان ہو گئی تھی) کے سرداروں اور ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو لکھا کہ اسود کو جس طرح ہو سکے قتل کر دیا جائے۔

اسود نے شہر بن باذان کو شہید کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی تھی شہر کی بیوی اسود سے سخت متنفر تھی اور وہ اس کے چنگل سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ فوج ابناء کے سرداروں "فیروز" اور "دانہ دیہ" نے اس کی مدد سے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا اور صبح ہوتے ہی اسود کے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان

دیدی۔ اذان کی آواز سنتے ہی ایک شور مچ گیا اور اسود کے آدمی شہر سے نکل بھاگے اور صنعاء اور عدن کے درمیان منتشر ہو گئے۔ اسود کے قتل سے یمن میں امن و امان برقرار ہو گیا۔ اسلامی عامل اپنے اپنے مرکزوں میں واپس لوٹ آئے۔

اس فتح کی خبر مدینہ میں جس صبح کو پہنچی اس سے پہلی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی۔ گویا یہ پہلی بشارت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ پہنچی۔ اسود کی شورش کا کل زمانہ صرف چار مہینے تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو قیس بن عبد یغوث مرتد ہو گیا اور اس نے اسود کے منتشر ساتھیوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ یہ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور ان کی مدد سے قیس نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور "ابناء" کے بال بچوں کو پکڑ کر انہیں جزیروں میں قید کر دیا۔ ابناء کے سردار فیروز کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے "بنی عقیل" اور "عک" سے مدد طلب کی۔ ان قبیلوں نے مدد دی اور ابناء کے بچوں کو قیس کے آدمیوں کے پنجہ سے نکال لیا اور پھر فیروز کے ساتھ مل کر قیس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں مہاجر بن ابی امیہ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اسود کے آدمیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا تھا اور عکرمہ بن ابی جہل جو عمان اور مہرہ کی مہم سے فارغ ہو گئے تھے اپنی اپنی فوجوں کو لے کر ابناء کی مدد کو آ پہنچے۔

اسلامی فوجوں نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور قیس اور عمرو بن معدی کرب زبیری (جو مرتد ہو کر اسود کا ساتھی بن گیا تھا) کو گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنے کرتوتوں پر ندامت ظاہر کی اور دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کی خطا معاف کر دی اور انہیں آزاد کر دیا۔

فتنہ بحرین

بحرین میں ربیعہ کے بہت سے قبائل عبد القیس اور بنو بکر وغیرہ آباد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اہلِ بحرین کا بھی ایک وفد حاضر ہوا تھا اور یہ اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی

کو ان کا عامل مقرر فرمایا تھا۔

جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہو گیا اور اہل بحرین مرتد ہو گئے۔ بنو بکر تو ارتداد پر اڑے رہے مگر عبد القیس اپنے سردار حضرت جارود بن معلی کی بدولت اس فتنہ سے نکل آئے۔

واقعہ یہ ہُوا کہ حضرت جارود نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا اے عبد القیس تم مسلمان ہونے کے بعد کیوں کافر ہو گئے۔

عبد القیس :۔ محمدؐ اگر نبی ہوتے تو وہ کیوں مرتے ؟ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ نبی نہیں تھے۔

جارود :۔ اچھا یہ تو بتاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کچھ نبی ہُوئے ہیں ؟

عبد القیس :۔ کیوں نہیں ، بہت

جارود :۔ پھر وہ کہاں گئے ؟

عبد القیس :۔ جانتے کہاں مر گئے۔

جارود :۔ بس تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اسی طرح وفات ہو گئی جس طرح اور خدا کے نبیوں کی ہُوئی۔ بھائیو! میں تو سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

عبد القیس :۔ پھر ہم بھی سب اقرار کرتے ہیں۔

عبد القیس کے اس طرح دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر بنو بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ کو پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابلہ کے لئے نکلا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حطم بن ضبیعہ کے ساتھ اور بھی بہت سے کفار اور مرتدین لگ لئے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن حضرمی کو حطم کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کے آدمیوں کو لے کر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔

حضرت علاء کی کرامت

حضرت علاء بن حضرمی جب ایک چٹیل بیابان میں سے گزر رہے تھے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب وہ بیابان کے درمیان پہنچے تو انہوں نے اپنی فوج کو آرام کے لئے اترنے کا حکم دیا۔ فوج کے آدمیوں نے اپنے اونٹوں کو کھول دیا اور خود بھی سو گئے۔ اُٹھے تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام اونٹ بھاگ گئے ہیں۔ سب لوگ بہت غمگین ہوئے اور کہنے لگے کہ اب دھوپ کی گرمی ہمیں ہلاک کئے بغیر نہ رہے گی۔

حضرت علاء نے انہیں تسلی دی اور کہا بھائیو! تم مسلمان ہو خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو۔ خدا کی قسم خدا تمہیں رسوا نہ کرے گا۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت علاء نے اللہ کی بارگاہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی۔ اس بیابان میں جہاں دور دور تک پانی کا گمان نہ تھا۔ ایک طرف کچھ چمک سی محسوس ہوئی۔ دیکھا تو واقعی پانی ہے۔ مسلمانوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا، نہائے اور ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ اُن کے اونٹ بھی اِدھر اُدھر سے آ آ کر جمع ہو گئے۔ مسلمانوں نے اُن کو بھی سیراب کر لیا[1]

غرض حضرت علاء بن حضرمی اپنی فوج کو لے کر حضرت جارود کی مدد کو پہنچے۔ حطم بھی اپنی جمعیت کو لے کر مقابلہ پر آیا اور دونوں فوجوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ مرتدین اور مسلمانوں نے اپنے اپنے کیمپ کے سامنے خندقیں کھود رکھی تھیں۔ دونوں طرف کے کچھ دستے روزانہ صبح کو مقابلہ کے لئے نکلتے اور شام کو اپنے پڑاؤ پر واپس آ جاتے۔ ایک رات مسلمانوں نے غنیم کی فوج میں شور و شغب کی آواز سنی۔ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ شراب کے نشہ میں چور ہو کر اودھم مچا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے فوراً حملہ کر دیا۔ جتنے قتل ہو سکے انہیں قتل کر دیا اور جو باقی بچے انہیں گرفتار کر لیا۔ خود سردار لشکر حطم بھی قتل ہو گیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۸

حطم کے ساتھیوں میں سے کچھ جزیرہ دارین (خلیج فارس میں بحرین کے قریب ایک جزیرہ ہے) میں جا چھپے۔ مسلمان سمندر میں گھس کر وہیں پہنچے اور انہیں قتل کیا۔[1]
ان کے علاوہ عمان کے بعض قبائل اور قبیلہ کندہ کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں کی ان سے بھی لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔

اسلام کا محسنِ اعظم

یہ فتنۂ ارتداد اور اُس کے انسداد کی مختصر روئداد ہے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو آندھیاں چلیں وہ ایسی خوف ناک تھیں کہ آفتابِ اسلام کی روشنی کے چھپ جانے میں کسر نہ رہی تھی۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عزمِ راسخ اور رائے ثاقب سے مطلع اسلام پھر بے غبار ہو گیا۔ درحقیقت رسول اللہ کے بعد اسلام کی حفاظت و اشاعت میں، حضرت ابوبکرؓ کا ہی مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے۔
ان واقعات سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی شان نہیں کہ وہ مخالفت کی شدت اور دشمنوں کی کثرت سے گھبرائے۔ مسلمان تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ہاں ایمان کی کمزوری کے سبب مغلوب ہو سکتے ہیں۔
خلافتِ صدیقی کے اس ابتدائی دور میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند تعالے نے اپنا وعدہ:-

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۶ صہ ۳۲۹ :-

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۔ (پ ۲٦ ع ۵)

"اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے ڈگمگاتے قدموں کو جما دے گا۔"

پورا فرمایا۔ کافروں اور مرتدوں کے سر اسلام کی عظمت کے سامنے جھک گئے اور اسلام کا جھنڈا پوری آن بان کے ساتھ لہرانے لگا۔

آغازِ فتوحات

اسلامی فتوحات کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی دو پڑوسی سلطنتوں فارس و روم کا کچھ حال لکھ دیا جائے کیونکہ یہی وہ دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کے کھنڈروں پر حکومتِ اسلامی کے قصرِ رفیع کی بنیادیں اٹھیں۔

فارس فارس یا ایران کی سلطنت بہت قدیم سلطنت تھی۔ یہ سب سے پرانی متمدن سلطنتوں میں شمار کی جاتی ہے کسی غیر قوم کو کبھی فارس پر حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ سکندر رومی دارا کو شکست دے کر کچھ مدت کے لئے ایران پر ضرور قابض ہوا مگر یہ قبضہ زیادہ عرصہ نہ رہ سکا۔

افغانستان اور عراق عرب بھی فارس کی سلطنت میں شامل تھے۔ یہاں کے حکمران کی حیثیت شہنشاہ کی تھی اور صوبوں کے امراء جو داخلی معاملات میں آزاد ہوتے تھے "بادشاہ" کہلاتے تھے شہنشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

فارس میں آخری زمانہ میں ساسانی خاندان حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کی بنیاد اردشیر بابکان نے ۲۲۶ء میں ڈالی تھی۔ ساسانی خاندان کا دارالسلطنت شہر "مدائن" تھا۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے مشرقی و مغربی کناروں پر آباد تھا۔ یہی وہ "قصرِ کسریٰ" تھا جو اپنے حسنِ تعمیر کے لحاظ سے عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے زمانہ میں ساسانی خاندان کا

مشہور عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں تختِ فارس پر متمکن تھا۔ کسریٰ نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز تخت نشین ہُوا۔ ہرمز کے بعد کسریٰ پرویز۔ پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شیرویہ نے ایک سال نو مہینے حکومت کی اور اس مختصر زمانہ میں اپنے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں دے کر مر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اُردشیر تخت پر بٹھایا گیا اور کمسن ہونے کی وجہ سے ایک امیر کو اس کا نائب السلطنت مقرر کیا گیا۔ مگر یہ انتظام ایک دوسرے امیر شہر براز کو پسند نہ آیا۔ شہر براز نے مدائن پر چڑھائی کر کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ شہر براز چونکہ شاہی خاندان سے نہ تھا اس لئے اُس کا یہ قبضہ دوسرے امیروں کو نہ بھایا۔ چنانچہ چالیس روز کی حکومت کے بعد وہ بھی قتل کر دیا گیا۔ اب کسریٰ پرویز کی بیٹی بوران دخت کے سر پر تاج رکھا گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ حیات کے آخر میں یہی فارس کی حکمران تھی۔ ایک سال چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد یہ بھی مر گئی۔ بوران دخت کے بعد کسریٰ پرویز کے چچازاد بھائی جوان شیر کو تخت نشین کیا گیا۔ مگر اسے بھی ایک مہینہ سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہُوا۔

اس کے بعد کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین کی گئی مگر اُسے ایک ایرانی سپہ سالار رستم نے اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر دیا اور اس کی جگہ اُردشیر بابکان کے خاندان میں سے ایک شخص کسریٰ بن مہر کو تخت نشین کیا۔ لیکن یہ بھی چند روز سے زیادہ حکومت نہ کر سکا اور آخر یزدگرد بن شہریار کو سلطنتِ فارس کا فرماں روا منتخب کیا گیا جو اس زنجیر کی آخری کڑی ثابت ہُوا۔ فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فارس کی عظیم الشان سلطنت اس کے ہاتھ سے نکل کر سلطنتِ اسلامیہ کا جزو بن گئی۔

روم سکندر یونانی کی عالمگیر سلطنت کے بعد جو دوسری عظیم الشان سلطنت یورپ میں قائم ہوئی وہ "رومی سلطنت" تھی۔ اس سلطنت کا صدر مقام

حکومت اٹلی کا موجودہ دارالسلطنت "شہر روما" تھا۔ رومی سلطنت کا ایک وہ عروج کا زمانہ تھا جب ہندوستان، ایران، چین اور ترکستان کو چھوڑ کر تمام دُنیا اس کے زیرِ نگین تھی۔ یہ "گریٹ رومن ایمپائر" کے نام سے یاد کی جاتی تھی اور سب جگہ اس کی تہذیب، تمدن اور قانون کا لوہا مانا جاتا تھا۔

لیکن کچھ عرصہ کے بعد ۳۹۵ء میں آپس کی خانہ جنگی کے سبب رومی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مشرقی روم اور مغربی روم، مغربی روم کا دارالسلطنت تو "شہر روما" ہی رہا اور مشرقی روم کا دارالسلطنت شہر قسطنطنیہ قرار پایا۔

مغربی رومی سلطنت پر یورپ اور روس کی وحشی قوموں نے بار بار حملے کئے اور آخر کار وہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ مگر مشرقی رومی سلطنت ان حملوں سے محفوظ رہی اور روز بروز ترقی کرتی رہی۔

مشرقی رومی سلطنت کے مقبوضات میں یورپ کے بڑے بڑے ملکوں کے علاوہ ایشیائے کوچک، شام اور مصر بھی شامل تھے۔ شام اور مصر میں بعض دیسی ریاستیں قائم تھیں۔ مگر یہ ریاستیں رومی سلطنت کی باجگزار تھیں اور سیاسی و مذہبی معاملات میں قیصر قسطنطنیہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتی تھیں۔

مشرقی رومی سلطنت کو یورپ میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب قبول کرنے کے بعد فرماں روایان قسطنطنیہ ہی نے یورپ اور ایشیا میں اس کی تبلیغ کی خدمات انجام دی تھیں اور پھر مرکز دینِ عیسوی "بیت المقدس" بھی انہیں کے زیرِ نگیں تھا۔ ان وجوہات سے یورپ اور ایشیا کی عیسائی دنیا قیصرِ قسطنطنیہ کو "محافظ دینِ عیسوی" تسلیم کرتی تھی اور اس کے ایک اشارہ پر ہزاروں تلواریں میان سے نکل آتی تھیں۔

آغازِ اسلام میں رومی سلطنت کا تاجدار "ہرقل" تھا۔ یہ پہلے "افریقہ" کا گورنر تھا۔ ۶۱۰ء میں اس نے قیصر "خوقا" کو قتل کر دیا اور خود تختِ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ قیصر ہرقل کی حکومت ۶۱۰ء سے ۶۴۱ء تک رہی۔ اسی کے زمانہ میں شام کا سرسبز شاداب

ملک سلطنت روم کے قبضہ سے نکل کر اسلامی جھنڈے کے نیچے آیا۔

ملک گیری کی ہوس اور آزاد قوموں کو غلام بنانے کا جذبہ کسریٰ و قیصر کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ عرصۂ دراز سے ایران و روم کی سلطنتوں میں مستقل نزاع کا سلسلہ جاری تھا اور عراق و شام کے علاقے اُن کے میدانِ جنگ تھے۔ ان لڑائیوں میں کبھی ایرانیوں کو غلبہ حاصل ہو جاتا تھا تو وہ بحرِ روم کے کناروں تک پہنچ جاتے تھے اور کبھی رومیوں کو فتح حاصل ہوتی تھی تو وہ دجلہ اور فرات کے ساحلوں تک آجاتے تھے۔

عہدِ اسلامی سے کچھ ہی پہلے کسریٰ نوشیرواں اور قیصر فوقا کی فوجوں میں ایک طویل جنگ ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں ایرانیوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ انھوں نے رومیوں کو "جزیرہ" سے نکال دیا اور "فینیقیا" اور فلسطین کو تہہ و بالا کرتے ہوئے ساحلِ باسفورس تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد ایرانیوں نے ہرقل کے زمانہ میں رومیوں پر دوبارہ حملہ کیا اور بیت المقدس کو تاخت و تاراج کر کے صلیب کی لکڑی چھین لائے اور بہت سے عیسائی تبرکات کو تلف کر دیا۔ پھر اس کے بعد ۶۱۶ء میں مصر پر چڑھائی کی اور سکندریہ کو فتح کر لیا۔

مشرکینِ عرب جو ایرانیوں کی طرح "بے کتاب" تھے ان کی فتح پر خوش ہوئے۔ اور مسلمان اہل کتاب کی شکست پر غمگین۔ لیکن وحی الٰہی نازل ہوئی کہ مسلمانوں کو غمگین نہ ہونا چاہیئے۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ	"قریب کی سرزمین میں (اس وقت)
وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ	رومی مغلوب ہو گئے ہیں لیکن وہ جلد چند
سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ	سال ہی میں غالب ہو جائیں گے۔ اس
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ	واقعہ سے پہلے اور بعد حکومت اللہ ہی کی ہے
مِنْۢ بَعْدُ ۭ (پ ۲۱ ع ۴)	وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔"

اس کے بعد مشرکین کا رد کرتے ہوئے جنھوں نے ایرانیوں کی فتح سے اپنی فتح پر دلیل قائم کی تھی پیشین گوئی فرمائی گئی۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ط (پ۲۱ ع۴)	اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد پر جو کافروں کے مقابلہ میں انہیں حاصل ہو گی خوش ہو رہے ہوں گے وہ جس کی مدد کرنا چاہتا ہے کرتا ہے وہی عزت والا اور رحمت والا ہے۔"

وحی الٰہی کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ دس سال بعد ۶۲۲ء میں ہرقل نے ایرانیوں پر زبردست حملے کئے اور مارچ ۶۲۴ء میں عین اس وقت جب مسلمان بدر کے میدان میں مشرکین عرب پر فتح کی خوشیاں منا رہے تھے۔ رومی ایرانیوں پر فتح کے شادیانے بجا رہے تھے۔

رومیوں کی اس فتح کے بعد ۶۲۸ء میں شیرویہ نے قیصر ہرقل سے صلح کر لی۔ تمام رومی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور صلیب کی لکڑی واپس کر دی۔ قیصر ہرقل اس عظیم الشان کامیابی پر بے حد خوش ہوا اور وہ سجدۂ شکر ادا کرنے کے لئے ۶۲۵ء میں بیت المقدس حاضر ہوا۔ یہیں اُسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تبلیغی خط ملا جس کا واقعہ حصہ اول میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے۔

فارس، روم اور مسلمان

ایرانی ہوں یا رومی، دونوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ عرب جیسی بہادر قوم سینکڑوں ٹولیوں میں بٹی رہے اور آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر اپنی قوت کو مضمحل کرتی رہے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا کی چوٹیوں سے ندائے حق بلند کی اور دنیا کو ایک "خدائی گھرانا" بننے اور اس گھرانے کے افراد کو آپس میں محبت و مساوات برتنے کی دعوت دی تو انھوں نے اس نئی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ انھوں نے سوچا کہ اگر یہ تحریک کامیاب ہو گئی تو عرب تو ہمارے اقتدار کے جوئے سے نکل ہی جائیں گے۔ دوسری محکوم قومیں اور خود ہمارے ملک کے عوام بھی جن کی چُسی ہوئی ہڈیوں پر ہم نے اپنی شہنشاہیت کی بنیادیں قائم کر رکھی ہیں، ہم سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ چنانچہ ۶ھ میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ پرویز کے نام دعوت

اسلام کا خط بھیجا تو اُس نے اُس کے پُرزے پُرزے کر دیئے اور اپنے یمن کے عامل باذان کو حکم دیا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اُسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ باذان نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل کے لئے دو آدمی مدینہ بھیجے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آدمیوں سے کہا "جاؤ تمہارا شہنشاہ جس نے میری گرفتاری کا حکم دیا تھا قتل ہو گیا۔ یاد رکھو میرے دین کا غلبہ وہاں تک پہنچے گا جہاں تک تمہارے شہنشاہ کی سلطنت ہے بلکہ جہاں تک کوئی اُونٹ یا گھوڑا پہنچ سکتا ہے"

باذان کے آدمی یہ جواب سن کر لوٹ آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا بالکل صحیح تھا۔ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا تھا اور باذان کو پیغام بھیجا تھا کہ میرے باپ نے حجاز سے جن صاحب کو طلب کیا تھا ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

اس کے بعد ایران میں اندرونی نزاعات زور پکڑ گئے اور کسی کو عرب کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔

اسی طرح اسی سال جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصرِ روم کو بیت المقدس میں دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تو امرائے سلطنت اور سردارانِ فوج نے سخت مخالفت کے ساتھ اس دعوت کو رد کر دیا اور جب سفرائے اسلام لوٹنے لگے تو شام کے عیسائیوں نے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔

شرجیل بن عمرو غسانی رومیوں کی طرف سے "بصریٰ" کا حاکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس تبلیغی خط بھیجا۔ اس ظالم نے نہ صرف دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپؐ کے قاصد "حارث بن عمیر" کو قتل کر ڈالا۔ ۸ھ میں "سریہ موتہ" اسی ظلم کا انتقام تھا جس میں دو لاکھ شامی اور رومی عیسائیوں سے تین ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور بہت سے اکابر صحابہؓ اسلام کی عزت پر قربان ہوئے۔

سنہ ۹ھ میں حاکمِ بصریٰ نے قیصرِ روم کی امداد سے مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاریاں کیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ عیسائیوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بنفس نفیس مقام تبوک میں پہنچ گئے تو ان کی ہمتیں پست پڑ گئیں اور انھوں نے اس وقت مقابلہ ملتوی کر دیا۔

ان واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اپنی ان پڑوسی عظیم الشان سلطنتوں سے ایک لمحہ کے لئے بھی مطمئن نہ تھے وہ جس وقت بھی اپنی آپس کی رقابتوں اور اپنے اندرونی جھگڑوں سے فرصت پاتیں مسلمانوں پر حملہ کر دیتیں۔ اسی لئے حفظِ ماتقدم کے طور پر وفات سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ بن زید کو شام پر حملہ کرنے کے لئے مامور فرمایا جس کی تعمیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام کاموں سے مقدم سمجھی اور اسی لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین اور جھوٹے نبیوں کے قلع قمع سے فارغ ہوتے ہی اسلامی فوجوں کا رُخ عراق اور شام کے میدانوں کی طرف پھیر دیا۔

مہماتِ عراق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتدا محرم سنہ ۱۲ھ میں خالدؓ بن ولید کو اسلامی فتوحات کا سنگِ بنیاد نصب کرنے کے لئے اس طرف روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ آپؓ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز ابلہ (خلیج فارس پر سلطنتِ ایران کا سرحدی مقام) سے کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمالی عراق کی طرف سے حملہ کریں اور ان کی مدد کے لئے عبدیغوث حمیری کو مقرر کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز شمالی عراق کے گاؤں مضیخ سے کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں سپہ سالاروں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ ان مہمات میں کسی مرتد ہونے والے کو ساتھ نہ لیں۔ آپ کو ان لوگوں پر کامل اعتماد

نہ تھا اور پھر آپ انہیں اُن کی نامناسب حرکت کی سزا بھی دینا چاہتے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سرحدِ عراق کے حاکم ہرمز کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے۔ اگر اس سے انکار ہے تو ذمی بن جاؤ اور جزیہ دینا منظور کرو ورنہ تمہیں اپنے ہی آپ کو ملامت کرنا پڑے گی کیونکہ میں تمہارے مقابلہ پر ایک ایسی قوم کو لایا ہوں جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے۔"

جنگ کاظمہ

ہرمز نے اس خط کو شہنشاہِ ایران کے پاس بھیج دیا اور اپنی فوجیں لے کر کاظمہ کی طرف بڑھا اور چشمہ پر قبضہ کر دیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مسلمانوں سے کہا "بھائیو! گھبراؤ مت فریقین میں سے جو بہادر ہوں گے وہی پانی پر قبضہ کریں گے۔"

جب دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں تو حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر "ہرمز" کو مبارزت کے لئے پکارا۔ ہرمز اپنے گھوڑے سے اتر کر مقابلہ کے لئے آیا حضرت خالدؓ نے اسے قتل کر دیا اور ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مثنیٰ بن حارثہ کو ایرانی فوج کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور دربارِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیجی۔

شہنشاہِ ایران اردشیر کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ایک دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج کا سردار قارن تھا۔ قارن نے ہرمز کے بچے کھچے آدمیوں کو ساتھ لیا اور بصرہ کے محل وقوع کے قریب مقام ثنی پر پڑاؤ ڈالا۔

جنگ ثنی

حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچے۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ قارن کو اپنی بہادری کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے ہرمز کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں میں سے کسی بہادر کو مبارزت کے لئے پکارا۔

اسلامی فوج میں سے ایک جوان نکلا اور اُسے قتل کر دیا۔ قارن کے قتل ہوتے ہی مُسلمانوں نے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے۔ بہت سے بھاگتے ہوئے نہر میں غرق ہو گئے اور کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار اتر گئے۔

شہنشاہِ ایران کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اُس نے ایک ایرانی بہادر اندرزگر کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج بھیجی اور پھر اس کے پیچھے ہی ایک دوسرے بہادر بہمن جادویہ کی سرداری میں ایک دوسری فوج روانہ کی۔ ان دونوں ایرانی سرداروں نے مقام ولجہ میں پڑاؤ ڈالا۔

جنگ ولجہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو جب ان فوجوں کے پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی آگے بڑھے اور مقابلہ پر پہنچ گئے۔ دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی اور آخر کار ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اندرزگر تو مارا گیا مگر بہمن جادویہ جان بچا کر نکل بھاگا۔ اس لڑائی میں قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں نے بھی ایرانیوں کی مدد کی اور وہ بھی بڑی تعداد میں مارے گئے۔

قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں کو اپنے آدمیوں کے قتل سے بہت جوش آیا۔ انھوں نے شہنشاہِ ایران کو پیغام بھیجا کہ ہم مسلمانوں سے لڑیں گے۔ ہماری مدد کی جائے۔ شہنشاہ نے بہمن جادویہ کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بکر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ مسلمانوں سے لڑے مگر بہمن جادویہ کو ہمت نہ ہوئی۔ اس نے اپنی بجائے ایک دوسرے سردار جابان کو بھیج دیا اور خود دارالسلطنت مدائن کا رخ کیا تاکہ شہنشاہ کو مسلمانوں کے خطرہ کی اہمیت سے صحیح طور پر آگاہ کرے اور آئندہ کے لئے مشورہ طلب کرے مگر شہنشاہ بیمار تھا اس لئے وہ وہیں ٹھہر گیا۔

جنگ الیس

جابان اپنی فوج اور بنی بکر کے آدمیوں کو لے کر انبار کے متصل پہنچا اور مقام الیس میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق حریف کے سرداروں میں سے کسی کو مبارزت کے لئے بُلایا۔ بنی بکر کا ایک سردار مقابلہ پر

آیا اور مارا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر عام حملہ کر دیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ایرانی بہت جم کر لڑے کیونکہ انہیں بہمن جادویہ کی کمک کی توقع تھی مگر ابھی سورج ڈھلنے نہ پایا تھا کہ ایرانی اور بکری جی چھوڑ بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے ہزاروں قتل ہوئے۔

یہ واقعہ صفر ۱۲ھ کا ہے۔

فتح حیرہ جنگ الیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کا رُخ کیا۔ حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا (جو سلطنت ایران کے باجگزار تھے) صدر مقام تھا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پہنچنے کے لئے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں کا رئیس بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے شہر کے مشہور محلات کا محاصرہ کر لیا اور حیرہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حیرہ کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان میں مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو اپنے سرداروں کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ عمرو بن عبدالمسیح نے حضرت خالدؓ کے پاس آکر صلح کی بات چیت کی اور ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ کی رقم دینی منظور کی۔ سردارانِ حیرہ نے قدیم دستور کے مطابق اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں قیمتی تحفے بھی پیش کئے۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان سب کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تحائف کو جزیہ میں ہی شمار کیا اور تحفہ کی حیثیت سے قبول نہ کیا۔

فتح حیرہ کے بعد ان تمام لڑائیوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کا یہ دستور رہا کہ وہ اسلامی اصولِ جنگ کے مطابق پہلے دعوتِ اسلام دیتے تھے۔ پھر جزیہ قبول کرنے کی پیش کش کرتے تھے۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار کر دیا جاتا تو آپ لڑائی کا حکم دیتے۔ یہ لڑائی بھی صرف فوج کے آدمیوں سے ہوتی۔ عام باشندوں سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا۔ جو لوگ جزیہ دینا

قبول کر لیتے مسلمان اُن کی حفاظت کے ذمہ دار بن جاتے اور وعدہ کرتے کہ اگر ان کی حفاظت نہ کرسکیں گے تو جزیہ کی رقم واپس کر دیں گے۔ جزیہ کی مقررہ رقم کے علاوہ کسی کو ذمیوں سے ایک پیسہ وصول کرنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ ایرانی حکام اپنے زمانہ حکومت میں تحفے وہدایا کے نام سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے رہتے تھے۔ مالِ غنیمت میں جو کچھ مسلمانوں کے ہاتھ آتا اسلامی دستور کے مطابق اُس کے پانچ حصے کئے جاتے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے اور پانچواں حصہ دربارِ خلافت میں روانہ کر دیا جاتا۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کے امن وامان کا بندوبست کیا۔ سرحدات پر نگران افسر مقرر کئے اور خراج وجزیہ کی وصولیابی کے لئے دیانت دار عاملوں کو بھیجا۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے علاقہ کے رؤسا نے بھی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ فلالیج سے ہرمز تک کے علاقہ کے چودھریوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس لاکھ درہم سالانہ کی رقم پر صلح کر لی۔

دو خط

ان مہمات سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے دو خط لکھے۔ ایک شہنشاہِ ایران کے نام اور دوسرا رؤساء ایران کے نام۔ پہلے خط کا مضمون یہ تھا:۔

"اما بعد! اللہ کا شکر ہے جس نے تمہارے نظام کو توڑ دیا۔ تمہارے مکر کو باطل کر دیا اور تمہاری جماعت کو منتشر کر دیا۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو تمہارے لئے بھی بُرا ہوتا۔ تم ہمارے اقتدار کو قبول کر لو۔ ہم تم سے اور تمہارے ملک سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور تمہیں چھوڑ کر کسی دوسری طرف چلے جائیں گے۔ ورنہ بالآخر یہ ہو کر رہے گا اور وہ قوم کر کے دکھائیگی جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے۔"

دوسرے خط کا مضمون یہ تھا :-

"امابعد! خدا کا شکر ہے جس نے تمہاری گرم مزاجی کو ٹھنڈا کر دیا تمہاری جماعت کو توڑ دیا۔ تمہاری عزت کو برباد اور تمہاری شوکت کو ملیامیٹ کر دیا۔ لہٰذا تم اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے ورنہ جزیہ ادا کرنا قبول کرو۔ اگر ان دونوں باتوں سے انکار ہے تو پھر میں ایسی قوم کو لے کر آ رہا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب کو"

جس وقت ایران میں حضرت خالدؓ کے یہ خط پہنچے ایرانی سخت اندرونی اختلاف میں مبتلا تھے۔ شہنشاہ اردشیر کا انتقال ہو چکا تھا اور شاہی خاندان میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جسے وہ اس کا جانشین بنا لیتے۔ ان خطوط کے مضمون سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنے اختلافات مٹائے اور بیگمات کے مشورہ سے ایک امیر فرخ زاد کو اس وقت تک کے لئے شہنشاہ تجویز کیا جب تک شاہی خاندان سے کوئی موزوں شخص نہ ملے۔

فتح انبار و عین التمر

حضرت خالد بن ولید نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں شیرزاد حاکم ساباط سے مقابلہ ہوا۔ شیرزاد نے اپنے گرد خندق کھود لی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کر کے خندق کو بھر دیا اور اُسے پار کر گئے۔ جب شیرزاد نے یہ مصیبت دیکھی تو مسلمانوں کی تجویز کردہ شرائط پر صلح کر لی۔

انبار کے بعد حضرت خالد عین التمر کی طرف بڑھے وہاں بہرام چوبین کا بیٹا بہرام ایک زبردست ایرانی لشکر لئے پڑا تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ایرانی ماتحت علاقوں کے عرب قبیلوں (نمر، تغلب وغیرہ) کی فوجیں بھی تھیں۔ بہرام نے اس خیال سے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے عربوں ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑھایا مگر حضرت خالدؓ نے ان کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ سردار کی گرفتاری

سے عرب قبیلے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی ایرانی لشکر میں بھی بھگدڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شکست خوردہ عرب فوج کو قتل کر دیا۔

فتح دومۃ الجندل "عین التمر" میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حضرت عیاض بن غنم کا خط ملا۔ عیاض نے انہیں اپنی مدد کے لئے دومۃ الجندل (شمالی عراق) میں بلایا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ حیات میں حضرت خالد کو دومۃ الجندل کی فتح کے لئے روانہ فرمایا تھا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر وہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر لیا اور حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپؐ نے اس کی جان بخشی فرمائی اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس کا علاقہ اسی کے سپرد کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکیدر اور اس کے شریک کار جودی نے عہد شکنی کی اور جزیہ ادا کرنا بند کر دیا۔ عیاض بن غنم اپنی مہمات کے سلسلے میں جب وہاں پہنچے تو نصارائے عرب کی بہت بڑی جماعت جودی کی ماتحتی میں ان کے مقابلہ کے لئے جمع ہو گئی۔ مجبوراً انہیں حضرت خالدؓ کو اپنی مدد کے لئے بلانا پڑا۔

حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر اکیدر تو کسی طرف نکل بھاگا مگر جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور عہد شکنی کی سزا میں قتل کر دیا۔

حیرہ کو واپسی دومۃ الجندل کی مہم سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ "حیرہ" لوٹ آئے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ عین التمر کا انتقام لینے کے لئے عربوں اور ایرانیوں کا ایک لشکر "حصید" و "خنافس" میں جمع ہے۔ آپ نے ان کے مقابلہ کے لئے دو دستے روانہ کئے جنہوں نے اس لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا۔

اس کے بعد حضرت خالدؓ نے "مضیح" کا قصد کیا۔ یہاں عربوں کی ایک جماعت

مقابلہ کے لئے جمع تھی۔ حضرت خالدؓ نے اسے بھی شکست دی۔ مصّیخ "ثنی" اور "بشر" پر معرکے ہوئے جن میں حضرت خالدؓ ہی غالب رہے۔

جنگ فراض

مقام فراض پر جو جنگ ہوئی وہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ایرانیوں، رومیوں اور عربوں کے عظیم الشان لشکر نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے جوش وخروش کے ساتھ نہر فرات کو عبور کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخرکار فتح نے مسلمانوں ہی کے قدم چومے۔

یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کا ہے۔

اس لڑائی سے فارغ ہوکر حضرت خالدؓ نے عاصم بن عمرو کو فوج کے ساتھ حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ میں ساقہ کے ساتھ پیچھے رہوں گا۔ لیکن آپ سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں حج سے فارغ ہوکر اس قدر جلد واپس لوٹے کہ ابھی ساقہ حیرہ نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ آپ ساقہ کے ساتھ شامل ہوکر حیرہ میں داخل ہوئے اور چند ساتھیوں کے علاوہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ آپ یہ طویل سفر کر آئے ہیں[1]۔

مہماتِ شام

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شامیوں اور رومیوں کے خطرہ کو ہٹانے کے لئے شام وفلسطین کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا انتظام کیا۔ آپ نے اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ کا مستقل سردار مقرر کیا اور اس کے حملہ آور ہونے کے لئے ایک علیحدہ سمت تجویز کی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حمص کی طرف، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین کی طرف، یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق کی طرف اور شرجیل بن حسنہ کو اُردن کی طرف روانہ کیا گیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۶ صفحہ ۳۵۲۔

سنہری نصیحتیں خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے کچھ دور تک پیدل تشریف لے گئے اور رخصت کرتے وقت سرداران لشکر کو بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ان نصیحتوں میں سے کچھ یہ ہیں :-

۱۔ ہر حال میں خدا سے ڈرنا وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔

۲۔ اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا۔

۳۔ جب انہیں نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا۔ کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصّہ دُوسرے کو بھلا دیتا ہے۔

۴۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ دوسرے خود بخود اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔

۵۔ جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزت کرنا۔

۶۔ اپنے بھید کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔

۷۔ ہمیشہ سچّی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔

۸۔ رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔

۹۔ لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا۔ کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔

۱۰۔ جھوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچّے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔

۱۱۔ سب سے ملو اخلاص کے ساتھ ملنا اور بزدلی اور خیانت سے بچنا۔

۱۲۔ تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دُنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں ان سے ہرگز نہ اُلجھنا اور اُنہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

اسلامی فوج کے چاروں سردار اپنی اپنی فوج کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جابیہ پر، یزید بنؓ ابی سفیان نے بلقاء پر، شرحبیل بنؓ حسنہ نے بصرہ پر اور عمرو بنؓ عاص نے عربہ پر پہنچ کر اپنا مورچہ قائم کر لیا۔ جب شامیوں اور رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان کے ملک کو گھیر لیا ہے تو بہت پریشان ہوئے اور اپنے شہنشاہ

ہرقل قیصرِ روم سے مدد مانگی۔

ہرقل کا مشورہ

ہرقل قیصرِ روم اس زمانے میں بیت المقدس میں ٹھہرا ہوا تھا اُس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور اُن سے کہا۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صُلح کر لی جائے۔ شام کا آدھا خراج مسلمانوں کو دے دینا اور آدھا اپنے لئے بچا لینا۔ اس سے بہتر ہے کہ شام کا سارا خراج مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے اور روم کے آدھے خراج سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں"

مگر اس کے سرداروں نے اس کی نصیحت قبول نہ کی اور لڑنے پر اصرار کیا۔ ہرقل بیت المقدس سے روانہ ہو کر حمص آیا اور یہاں اُس نے اپنی فوجیں جمع کیں۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی فوج چار حصّوں میں تقسیم ہے۔ اس نے بھی ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے الگ فوج اپنے چار سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کی۔ یہ فوج تعداد کے لحاظ سے کہیں زیادہ تھی۔

ہرقل کا بھائی تذارق ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن عاصؓ کے مقابلہ کے لئے جرجیر بن تودر ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ یزید کے مقابلہ کے لئے قیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلہ کے لئے اور دراقص ۴۰ ہزار فوج کے ساتھ شرجیل کے مقابلہ کے لئے روانہ ہُوا۔

متحدہ مقابلہ

جب مُسلمانوں کو معلوم ہُوا کہ ان کی فوج کے ہر حصّہ کے مقابلہ کے لئے اس سے کئی کئی گنا رومی فوج آ رہی ہے اور دشمن کی تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کو الگ الگ پیس ڈالا جائے تو اُنہوں نے عمروؓ بن عاص سے مشورہ طلب کیا۔

عمرو بن عاص نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب کو یکجا ہو جانا چاہیئے۔ اس صورت میں ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہو سکیں گے۔ سب نے عمرو بن عاص کے مشورہ کو پسند کیا اور دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ "مسلمان تعداد کی کمی کے سبب کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ البتہ اگر وہ گناہوں میں گھر گئے تو مغلوب ہو جائیں گے لہٰذا انہیں گناہوں سے بچنا چاہیئے۔"

ہرقل کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی فوج یکجا ہو گئی ہے تو اس نے بھی اپنی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومی فوج نے وادی یرموک کے کنارے مقام واقوصہ میں اپنا مورچہ جما لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق اسلامی فوجیں بھی رومی فوجوں کے سامنے آکر جمع ہو گئیں اور انہوں نے رومیوں کا راستہ روک لیا۔

صفر ۱۳ھ سے ربیع الثانی ۱۳ھ تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اور کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سیف اللہؓ کی آمد

رومیوں کی پوزیشن بھی مضبوط تھی کیونکہ ان کے سامنے دریا تھا اور پس پشت پہاڑ اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ لہٰذا مسلمانوں نے دربارِ خلافت میں درخواست کی کہ ان کو مدد بھیجی جائے۔ وہاں سے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم ہوا کہ وہ عراق کی مہم کو چھوڑ کر شام روانہ ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا اور دس ہزار فوج لے کر نہایت تیزی کے ساتھ یرموک کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگرچہ حضرت خالدؓ کو یرموک پہنچنے کی بہت جلدی تھی تاہم وہ راستہ میں اپنی تلوار کے جوہر برابر دکھاتے رہے۔ "ارک" پہنچے تو وہاں کے باشندوں نے صلح کر لی۔ پھر تدمر پہنچے تو اہلِ تدمر قلعہ نشین ہو گئے اور آخر کار صلح کر لی۔

پھر قریتین پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو مغلوب کیا۔ پھر مرج راہط آئے تو غستانیوں کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر غوطہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ پھر بصریٰ پہنچے تو وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا۔ اہلِ بصریٰ نے حضرت خالدؓ سے صلح کی درخواست کی۔ جسے آپؓ نے قبول فرما لیا۔ چنانچہ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اس طرح فتح کا پرچم اُڑاتے ہوئے ربیع الآخر میں حضرت خالدؓ یرموک

پہنچے۔ جیسے ہی اسلامی فوج کو حضرت خالدؓ کی مدد حاصل ہوئی رومی فوج کو بھی مزید کمک پہنچ گئی۔ ایک مشہور رومی سردار "باہان" اپنے ساتھ بہت سے مذہبی رہنماؤں کو لے کر رومی فوج سے آملا۔ اب اسلامی فوج کی کل تعداد ۳۶ ہزار ہوگئی اور رومی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار۔

جنگِ یرموک

حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ رومی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں اور پھر جنگی اصول کے مطابق اپنی فوجوں کو ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ مسلمان تعداد کے اعتبار سے ان سے کم ہیں اور پھر جتنے ہیں وہ بھی ایک جھنڈے تلے نہیں۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ لڑائی بہت طول کھینچے اور پھر بھی دشمن کو نقصان نہ پہنچایا جاسکے۔ اس لئے آپ نے اسلامی لشکر کے سرداروں کو جمع کر کے یہ تقریر فرمائی :-

"یہ لڑائی ایک عظیم الشان مذہبی لڑائی ہے۔ آج ہمیں فخر اور نافرمانی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور خالص اللہ کے لئے اپنی کوششیں صرف کر دینی چاہئیں۔ دیکھو دشمن تنظیم و ترتیب کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود ہے اور تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لئے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لئے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ایک امیر کی کمان میں دیدی جائے اور امارتِ فوج کو باری باری تقسیم کر لیا جائے۔ ایک دن ایک سردار امیر ہو اور دوسرے دن دوسرا۔ اگر یہ رائے پسند ہے تو آج مجھے امیر بن جانے دو۔"

اسلامی فوج کے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے کو پسند کیا اور انہیں امیرِ لشکر تسلیم کر لیا۔

اسلامی فوج کی تنظیم

رومی بڑی آن بان کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اسلامی فوج کو بھی اس طرح ترتیب دیا کہ پہلے کبھی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ آپ نے کل فوج کو ۴۰ دستوں پر تقسیم کیا

کچھ دستے قلب میں رکھے۔ ان کا سردار حضرت ابو عبیدہؓ کو مقرر کیا۔ کچھ دستے میمنہ پر رکھے ان کا سردار عمرو بن عاصؓ اور شرجیل بن حسنہ کو مقرر کیا۔ کچھ دستے میسرہ پر رکھے۔ ان کا سردار یزید بن ابی سفیان کو مقرر کیا۔ کچھ دستوں پر قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی وغیرہ کو سردار مقرر کیا۔ آپ نے ہر ہر دستے پر جس میں تقریباً ایک ایک ہزار سپاہی تھے الگ الگ افسر مقرر کئے۔

یہ افسر قلب، میمنہ و میسرہ کے سرداروں کے ماتحت تھے۔ ابو سفیان نقیب لشکر مقرر ہوئے۔ یہ ساری فوج میں پھر پھر کر تقریر کرتے تھے اور سپاہیوں کو جوش دلاتے تھے۔

کون زیادہ ہے؟

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو اسلامی فوج میں سے ایک شخص نے کہا "رومی کس قدر زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم"! حضرت خالدؓ نے سنا تو فرمایا۔ یوں کہو۔

"مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور رومی کس قدر کم۔"

اور پھر اس شخص سے کہا۔

"زیادتی اور کمی کوئی چیز نہیں فتح و شکست اصل چیز ہے۔"

آخر کار لڑائی چھڑی اور تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ حضرت خالدؓ خود قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور دشمن کی سوار فوج اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہو گئے۔ دشمن کے سوار مسلمانوں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ اب پیدل فوج رہ گئی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اپنے دستوں کو لے کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں نے محسوس کیا کہ گویا ان پر دیوار گر پڑی ہے۔ بھاگنے کا ارادہ کیا مگر جاتے کہاں پیچھے پہاڑ تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف پلٹے اور غرق ہو گئے۔

طبری کے بیان کے مطابق ان دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ تلوار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والوں کا شمار اس کے

علاوہ ہے مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے۔

موت کی بیعت

ابتداء میں جب رومی فوج نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو بعض اسلامی دستوں کے قدم اکھڑنے لگے تھے۔ مگر عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ نے اس وقت بڑی جانبازی کا ثبوت دیا۔ عکرمہ نے چلا کر کہا:-

"میں نے ہر میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی ہے بھلا میں آج پیٹھ دکھا سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ پر کون بیعتِ موت کرنے کے لئے تیار ہے؟"

حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو جانبازوں کی آواز پر میدان میں نکل آئے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے خیمہ کے سامنے اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کا منہ پھیر دیا۔

دوسرے دن صبح کو عکرمہؓ اور عمرو بن عکرمہؓ کو حضرت خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ یہ زخموں سے چُور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے ایک کا سر ران پر اور دوسرے کا اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے چہرے سے گرد صاف کرتے اور حلق میں پانی ٹپکاتے رہے۔ اسی حالت میں ان دونوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں۔ رحمہما اللہ تعالےٰ۔

اس لڑائی میں مسلمان عورتوں نے بھی اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ یہ لڑائی "جنگ یرموک" کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ اسلامی میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد شام میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور پھر وہ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

پیکرِ اخلاص

جنگِ یرموک ابھی جاری ہی تھی کہ مدینہ سے قاصد ایک خط لے کر آیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت عمرؓ ان کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ خط میں

یہ بھی لکھا تھا کہ نئے خلیفہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ عبیدہؓ بن الجراح کو سالار افواج اسلامیہ مقرر کیا ہے۔

یہ خط سب سے پہلے حضرت خالدؓ ہی کے ہاتھ میں پہنچا۔ اسے پڑھ کر وہ ذرا بھی بددل نہ ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ حضرت عبیدہؓ کو خبر دیدی کہ اب آپ میرے سردار ہیں اور میں آپ کا ماتحت اور اس خبر کو عام طور پر شہرت نہ دی کہ کہیں فوج میں بددلی اور ہراس نہ پھیل جائے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ "معزولی کی خبر سے آپ کے حملوں کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا"۔

آپ نے جواب دیا کہ:

"میں خدا کے لئے لڑ رہا تھا نہ کہ عمرؓ کے لئے"

حضرت ابوبکرؓ کی بیماری اور وفات

۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز تک برابر بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۲۱ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی شام کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا[1]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال تین مہینے دس روز ہوئی۔

وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفہ خلافت کی صورت میں وصول کیا ہے[2]۔ چنانچہ

---

[1] بعض مؤرخین نے تاریخ وفات ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ لکھی ہے۔

[2] خلافت کا بار اٹھانے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ایک کامیاب کاروبار کے مالک تھے مگر جب خلافت کی ذمہ داریاں عائد ہوئیں تو فکر معاش کے لئے وقت نہ مل سکا۔ صحابہ کرام نے مشورہ کر کے چھ ہزار درہم سالانہ (تقریباً ۱۲۸ گنی مصری) وظیفہ مقرر کر دیا (محاضرات الخضری ج ۱ ص ۲۹۳)

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ "جو کپڑا اس وقت میرے بدن پہ ہے اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔

"ابا جان یہ تو پرانا ہے۔" آپ نے جواب دیا "میرے لئے یہی پھٹا پرانا کافی ہے۔"

آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے چند دوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ بیت المال کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک دینار پایا گیا۔ جب بیت المال کے خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے اب تک خزانۂ خلافت میں کتنا روپیہ داخل ہوا ہوگا؟ تو اس نے جواب دیا دو لاکھ دینار۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ آئے فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق مال جمع رکھنا آپ پسند نہ فرماتے تھے۔

خلافتِ ابوبکرؓ پہ ایک نظر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک ہوشمند مدبر، تجربہ کار مفکر اور باہمت سپہ سالار تھے۔ آپ کی خلافت آپ کے اس خطبۂ خلافت کی عملی تفسیر تھی۔

"اے لوگو! جو شخص تم میں سب سے زیادہ کمزور ہے وہ میرے لئے سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ میں اُسے اس کا حق نہ دلا دوں اور جو شخص تم میں سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ لوگو! میں رسول اللہ کا پیرو ہوں خود کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں جب تک میں راہِ حق پہ رہوں میری مدد کرو اور جب اس راہ سے ہٹوں تو مجھے سیدھی راہ پہ ڈال دو۔"

فتنۂ ارتداد کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے میں آپ کے فکرِ روشن نے جو جو کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور ہیں۔ پھر ایرانی اور رومی

شہنشائیت کا تختہ اُلٹنے کے لئے جن کے مظالم سے دُنیا کراہ رہی تھی پہلے آپ نے ہی ہاتھ بڑھایا۔ قرآن کریم (جو دین اسلام کا بنیادی قانون ہے) کی سورتوں میں مصحف کی صورت میں جمع و ترتیب آپ ہی کا شاندار کارنامہ ہے۔

آپ کی انہی خصوصیات کی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ خدا کے نبیوں کے بعد تمام انسانوں میں آپ ہی افضل ہیں۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کاملۃً

خاندانِ ابوبکرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی شادیاں کیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے بنی عامر بن لوئی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماء پیدا ہوئیں۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ان ہی کے فرزند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں ام رومان بنت عامر سے کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہوئیں۔

اسلام کے بعد آپ نے خاندان خثعم میں اسماء بنت عمیس سے شادی کی۔ یہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ محمد پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

عمالِ ابوبکرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صرف جزیرۃ العرب پر باقاعدہ اسلامی حکومت تھی۔ آپ نے جزیرۃ العرب کو دس ولایتوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ہر ولایت پر آپ کے قائم مقام کی حیثیت سے ایک امیر مقرر تھا۔ انتظام ملکی کے علاوہ نماز کی امامت، مقدمات کی سماعت اور حدود و قصاص کا اجراء بھی اسی امیر سے متعلق ہوتا تھا۔ ولایات

اور ان کے امراء کی تفصیل یہ ہے :۔

ولایت	امیر
مکۂ معظمہ	عتاب بن اسید
طائف	عثمان بن ابی العاص
صنعاء	مہاجر بن ابی امیہ
حضرموت	زیاد بن لبید
خولان	یعلیٰ بن اُمیّہ
زبید	ابوموسیٰ اشعری
جند	معاذ بن جبل
جرش	عبداللہ بن ثور
بحرین	علاء بن حضرمی
نجران	جریر بن عبداللہ بجلی

عراق اور شام میں ابھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور وہاں کے نظم و نسق کی ذمہ داری بھی سالارانِ افواج ہی کے ہاتھ میں تھی ۔

عہدِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ کا انتخاب

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض میں زیادتی ہوئی اور آپ نے محسوس کیا کہ دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آگیا تو آپ کو خلافت کی فکر ہوئی۔ آپ نے سوچا کہ اگر خلافت کے مسئلہ کو طے نہ کر دیا گیا تو پھر مسلمانوں میں نزاع ہوگا اور ان کی طاقت بکھر جائیگی۔ آپ نے کافی غور و فکر کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا نام تجویز کیا اور پھر اپنی اس تجویز کو اکابر صحابہؓ کے سامنے پیش کیا۔ ان میں سے اکثر نے تو اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ لیکن بعض نے کہا کہ "یوں تو عمر بہترین شخص ہیں مگر ان کے مزاج میں ذرا سختی ہے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ "جب ان پر خلافت کا بوجھ پڑے گا تو یہ سختی خود بخود جاتی رہے گی"۔ آخر سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کیا۔

جب سب اکابر صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی ہو گئے تو حضرت عثمانؓ کو بلا کر آپ نے عہد نامۂ خلافت لکھوایا اور مجمع عام میں اسے سنانے کا حکم دیا۔ اس عہد نامے کا خلاصہ یہ ہے:۔

"یہ عہد نامہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفۂ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ آخرت کے وقت کا ہے۔ یہ وہ نازک وقت ہے جب کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور گناہ گار بھی خدا پر یقین رکھتا ہے۔ میں عمر بن خطاب کو تمہارا حاکم مقرر کرتا ہوں اور اس تقرر میں تمہاری بھلائی کو میں نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ اگر وہ حق پر قائم رہے اور عدل سے کام لیا تو مجھے

ان سے یہی اُمید ہے۔ لیکن اگر انہوں نے ظلم کیا اور راہِ حق سے ہٹ گئے تو مجھے غیب کا کیا علم۔ میرا ارادہ تو مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کا ہی ہے اور ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔"

اس کے بعد آپ ایک شخص کے سہارے سے بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"بھائیو! میں نے اپنے کسی رشتہ دار یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس شخص کو مقرر کیا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے۔ کیا تم اسے پسند کرتے ہو؟"

تمام حاضرین نے اس انتخاب کو پسند کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق کا اظہار کیا۔

اب آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بہت دیر تک نصیحتیں فرماتے رہے۔ ان نصیحتوں کو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کی کامیابی میں بہت کچھ دخل ہے۔

حالات قبلِ خلافت

آپ کا نام عمر ہے۔ ابوحفص کنیت ہے فاروق لقب ہے۔ والد کا نام خطاب ہے اور والدہ کا نام حنتمہ۔ آپ عدی بن کعب کی اولاد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ بن کعب کی۔ یوں آپ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسولؐ اللہ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان عرب میں بہت معزز سمجھا جاتا ہے۔ قریش کی سفارت اور ان کے باہمی جھگڑوں میں ثالثی کی خدمات اسی خاندان سے متعلق تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بارہ[۱۲] سال بعد

پیدا ہوئے۔ آپ نے سپہ گری اور فنِ تقریر میں مہارت حاصل کی اور ابھی جوانی کا آغاز ہی تھا کہ آپ کی جرأت و شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھ گئی۔ پھر آپ نے تجارت کے سلسلہ میں دور دور کے ملکوں کا سفر کیا تو دوربینی، وسیع النظری اور تجربہ کاری کے اوصاف بھی پیدا ہو گئے۔

قبولِ اسلام آپ کی عمر ستائیس سال کی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی وادیوں میں حق کی آواز بلند کی۔ حضرت عمرؓ کو یہ صدا بھلی نہ معلوم ہوئی۔ اور اسے دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ حضرت عمرؓ کی مخالفت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت تھی۔ آپ نے دعا فرمائی :۔

اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما عمر بن ھشام واما عمر بن الخطاب

اے اللہ! اسلام کو عمر بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ عزت دے "

ایک دن آپ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلے۔ راستہ میں ایک شخص ملے انہوں نے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا عمر خیر تو ہے کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں "

وہ شخص بولے۔

"میاں محمد کا فیصلہ تو بعد میں کرو گے پہلے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی محمدؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں "

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ پلٹے اور اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا۔ بہن قرآن مجید کی کوئی سورۃ پڑھ رہی تھیں۔ آہٹ پائی تو سورۃ کے اوراق چھپا لئے۔ مگر حضرت عمرؓ کے کانوں میں بھنک پہنچ چکی تھی۔ بہن اور بہنوئی دونوں کو اس قدر مارا کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہو کیا اب بھی بددینی سے باز نہ آؤ گے؟ بہن بولیں عمرؓ جو چاہے کر لو یہ نشہ تو چڑھ کر اترنے والا نہیں۔ حضرت عمرؓ کو ان کے

اس عزم ویقین پر حیرت ہوئی اور کہنے لگے اچھا ہمیں بھی تو کچھ اس کا مزہ چکھاؤ۔ بہن نے وہی سورت پڑھنی شروع کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کی قبولیت کا وقت آگیا تھا۔ حضرت عمرؓ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر بے اختیار چیخ اٹھے۔ اشھد ان لا اله الا الله واشھد ان محمد رسول الله ۔

کفر کی یہ بجلی جب اسلام کی تلوار بن گئی تو مکہ کے ضعیف مسلمانوں کو بڑی طاقت حاصل ہوئی۔ اب تک مسلمان چھپ چھپ کر اپنے دینی فرائض ادا کرتے تھے بلکہ اپنے اسلام کو بھی چھپاتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کافروں کو جمع کر کے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اب تو کعبہ میں نماز ادا کی جائیگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی دو صفوں کو لے کر جن میں سے ایک کے لیڈر حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔ کعبہ میں تشریف لائے اور نماز با جماعت ادا ہوئی[1]۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا :۔

ما زلنا اعزة منذ اسلم عمر[2]	جب سے عمرؓ نے اسلام قبول کیا ہم بالا دست ہو گئے۔

اعلانِ ہجرت

نبوت کے تیرھویں سال جب مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا۔ عام طور پر مسلمان کافروں کے شر سے بچنے کے لئے خاموشی کے ساتھ یہ سفر کر رہے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا۔ آپ نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اور پھر کافروں کے مجمع میں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ میں پہنچے۔ وہاں بڑے اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا کی۔ پھر بلند آواز کے ساتھ اعلان کیا :۔

---

[1] سیرت ابن ہشام و اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ صفحہ ۱۸۷ بحوالہ ابن سعد۔
[2] صحیح بخاری۔

"میں مدینہ جارہا ہوں جسے اپنی ماں کو اپنے غم میں رُلانا ہو وہ اس وادی کے پار مجھ سے مقابلہ کرے۔"

مگر کافروں میں سے کسی کو آپ سے مقابلہ کرنے کی ہمّت نہ ہوئی اور آپ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ گئے[1]

شرکتِ غزوات بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو لڑے۔ جنگِ بدر میں کافروں کے تقریباً ستّر آدمی مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہُوئے تو یہ سوال پیدا ہُوا کہ کافر قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فطرتاً رحمدل تھے، اُنھوں نے رائے دی کہ جزیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس رائے سے سختی کے ساتھ اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا ان کافروں کو جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے میں کسر نہیں چھوڑی قتل کر دینا چاہیئے قتل میں بھی انھوں نے یہ صورت تجویز کی کہ ہر شخص اپنے ہاتھ سے اپنے عزیز کو قتل کرے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شانِ کریمی کے سبب حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند آئی مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی حضرت عمرؓ کی رائے کو درست قرار دیا۔

جنگِ اُحد میں جب حکمِ رسول کی مخالفت کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور رسول اکرمؐ کافروں کے نرغہ میں پھنس گئے تو حضرت عمرؓ کے پائے ثبات کو ایک لمحہ کے لئے لغزش نہ ہوئی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فدائیوں کی ایک جماعت کے ساتھ پہاڑ کے درہ پر چڑھے اور خالدؓ بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) فوج کے ایک دستے کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ ہی آگے بڑھے اور چند ساتھیوں کے ساتھ کافروں کے دستہ کو پیچھے دھکیل دیا۔ ابوسفیان نے لڑائی ختم ہو جانے کے بعد

---

[1] محاضرات الخضری ج ۱ صفحہ ۲۹۷

چیخ کر کہا کیا محمدؐ زندہ ہیں؟ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو جواب دینے سے روک دیا۔ ابوسفیان نے کہا تو کیا ابوبکرؓ و عمرؓ زندہ ہیں۔ مگر اب بھی جواب نہ پایا تو چلا کر کہا ضرور محمد اور اُس کے دوست مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے اب نہ رہا گیا اور پکار کر کہا۔

"اے دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں۔"

پھر جب ابوسفیان نے "اُعلُ ہبل" کا نعرہ لگایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیا۔ اللہ اعلیٰ و اجل

جنگِ خندق میں جب کافروں اور یہودیوں کے سیلاب نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق تیار کرائی۔ آپ نے کچھ جانباز صحابہ کو خندق کی حفاظت کے لئے متعین کیا تاکہ اس سیلاب کو خندق کے پار نہ آنے دیں۔ ان جانبازوں میں ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ اپنے دستۂ فوج کے ساتھ کافروں کے حملوں کو روکتے رہے۔ ایک دن تو اس کام میں اس قدر مصروف رہے کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ آپ نے حضورؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! آج تو کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ اے عمر! میں نے بھی آج ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب شرائطِ صلح لکھی جانے لگیں تو اُن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دورانِ صلح میں اگر قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا جائے تو مسلمان اسے واپس بھیج دیں۔ لیکن مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش میں آجائے تو وہ اسے روک سکتے ہیں۔"

حضرت فاروقؓ اس شرط کو برداشت نہ کر سکے۔ آپ، رسول کریمؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو ایسی شرط قبول کر کے ہم اپنے مذہب کو کیوں ذلیل کریں؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ اے عمر! بیشک میں خدا کا سچا رسول ہوں لیکن جو کچھ کر رہا ہوں وہ بھی خدا کے حکم ہی سے کر رہا

ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو اگرچہ سراسر غیرتِ دینی کی بنا پر تھی مگر چونکہ اس کا انداز احترامِ نبوت کے خلاف تھا۔ اس لئے بعد میں آپ کو سخت ندامت ہوئی اور اس کا کفارہ ادا کیا۔

فتح مکہ کے بعد جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے اور کافروں کے لئے امن عام کا اعلان کیا تو لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقۂ امن وسلام میں داخل ہونے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو مردوں کی بیعت لی اور عورتوں کی بیعت کے لئے حضرت فاروق رضؓ کو اپنا قائم مقام تجویز کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ قیصرِ روم مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے تو مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا۔ ادھر تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے پاس پیٹ بھرنے کو بھی نہ تھا اور ادھر دُنیا کی ایک سب سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کا مرحلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالداروں سے اپیل کی کہ غریب مجاہدین کی امداد کریں۔

اس اپیل کے جواب میں حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنا نصف مال حضورؐ کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد رسول اکرمؐ مقام تبوک پہنچے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصرِ روم نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ چنانچہ چند روز ٹھہر کر اسلامی لشکر واپس آ گیا۔

عشقِ نبیؐ

سنہ ۱۱ھ میں جب آفتابِ نبوت ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوا اور حضورؐ کی خبرِ وفات مشہور ہوئی تو جان نثاروں کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ اس موقع پر یوں تو سب ہی متاثر تھے مگر حضرت عمر رضؓ کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ آپ تلوار نکال کر کھڑے ہو گئے اور اعلان کیا کہ جو شخص کہے گا کہ حضورؐ وفات پا گئے اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر جب حضرت ابوبکر رضؓ آئے اور انہوں نے نصِ قرآنی سے حضرت عمر رضؓ کے خیال کی تردید کی تب کہیں آپ نے اپنی تلوار نیام

میں داخل کی۔

صدیق اکبرؓ کی خلافت عہدِ صدیقی میں حضرت عمر فاروقؓ شروع ہی سے صدیق اکبرؓ کے مشیر و معین رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت کی گتھی آپ ہی کے دستِ تدبیر سے سلجھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو "لشکرِ اسامہ" کے ساتھ جانے سے روک لیا تھا تاکہ مہماتِ خلافت میں آپ کی امداد کریں۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے جس قدر اہم کام انجام دیئے سب حضرت فاروقؓ کے مشورہ اور امداد سے انجام دیئے۔ قانونِ اسلامی کی بنیاد قرآن کریم کی جمع و ترتیب آپ ہی کی رائے سے عمل میں آئی۔ "فصلِ مقدمات" جو خلافت کی ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری ہے آپ ہی سے متعلق رہی۔

واقعاتِ عہدِ خلافت

فتح عراق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خالدؓ بن ولید کو عراق سے شام بھیجا تو مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ان کے قائم مقام کی حیثیت سے "حیرہ" میں مقیم رہے۔ آدھی فوج حضرت خالد بن ولید اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور آدھی فوج مثنیٰ کے پاس تھی۔ اس فوج میں دربارِ ایران کی طرف سے ایک بہت بڑی فوج حیرہ کی طرف بھیجی گئی۔ اس فوج کا سردار ہرمز تھا۔ "بابل" کے قریب عربی اور ایرانی فوجوں میں خون ریز لڑائی ہوئی۔ لڑائی کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ مثنیٰ نے مدائن تک ایرانیوں کا تعاقب کیا اور پھر حیرہ واپس آگئے[1]

یہاں آکر انہیں معلوم ہوا کہ ایرانی پھر بڑے زور شور سے مسلمانوں پر حملے کی

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۱۷-۱۲

تیاریاں کر رہا ہے۔ مثنیٰ نے بشیر بن خصاصیہ کو اپنا قائم مقام کیا اور خود ایرانی حملہ کی اہمیت سے خلیفۂ اسلام کو واقف کرنے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

جس روز مثنیٰ بن حارثہ مدینہ پہنچے ہیں وہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زندگی کا آخری دن تھا۔ تاہم حضرت صدیقؓ نے مثنیٰ کو بلا کر تمام حالات سُنے اور پھر حضرت عمرؓ کو بُلا کر کہا:۔

"اے عمر! مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مَیں اب دُنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اگر مَیں مر جاؤں تو تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی امداد کے لئے مدینہ سے فوج روانہ کرو۔ دیکھو اس کام میں دیر نہ کرنا۔ یہ دین کی عزت وحرمت کا معاملہ ہے"۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کے معاملہ کی طرف توجہ کی۔ بیعتِ خلافت کے سلسلہ میں دور و دراز سے مسلمان آئے ہُوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے سامنے ایک تقریر میں مہم عراق کی اہمیت بیان کی اور انہیں اس میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ مدائن جو ایران کا دارالسلطنت تھا خود عراق میں واقع تھا۔ اس لئے عراق کا فتح کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ عام طور پر مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ خالدؓ بن ولید کی خدائی تلوار ہی ایرانیوں کا مُنہ پھیر سکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر مسلمان اُمراء لشکر خاموش رہے اور کسی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعوت قبول کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عمرؓ اس بات کے خلاف تھے کہ مسلمان کسی ایک شخصیت کو خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مہماتِ دینی کا مدار سمجھیں۔

اس لئے وہ برابر تقریریں فرماتے رہے۔ آخر کار "بنی ثقیف" کے مشہور سردار ابو عبید ثقفی جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے مہم عراق کی ذمہ داری قبول کی۔ ابو عبید ثقفی کے بعد اور بھی بہت سے سرداروں نے اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔ مگر چونکہ پہل ابو عبید ثقفی کی طرف سے ہوئی تھی اس لئے حضرت

عمرؓ نے انہی کو سپہ سالار مقرر کیا۔

حضرت عمرؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو فوراً عراق کی طرف روانہ کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ابو عبید ثقفی کی آمد کا انتظار کریں۔ آپ نے مثنیٰ کی درخواست پر فتنہ ارتداد سے توبہ کرنے والوں کو بھی شریکِ جہاد کرنے کی اجازت دیدی۔

رستم کی سالاری

مثنیٰ ابھی مدینہ ہی میں تھے کہ عراق کے حالات بڑی تیزی کے ساتھ بدل گئے۔ بات یہ ہوئی کہ ایرانیوں کی مسلسل شکستوں نے انہیں خوابِ غفلت سے چونکا دیا۔ تمام سرداروں اور امیروں نے آپس کے اختلافات دُور کر کے قومی خطرہ کا متحدہ مقابلہ کرنے کی تدبیر سوچی۔ کافی غور و فکر کے بعد بوران دخت کو تخت نشین کیا گیا اور مشہور سردار رستم کو جو اپنی عقل و تدبیر اور جرأت و ہمت میں شہرۂ آفاق تھا اس کا نائب السلطنت اور سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا۔ سب امیروں نے عہد کیا کہ وہ رستم کی اطاعت سے باہر نہ ہوں گے۔

رستم نے پہلا کام یہ کیا کہ عراق کے دیہات میں ہر طرف ہرکارے دوڑا دیئے۔ انہوں نے غیرتِ دینی اور حمیت قومی کا جوش دلا کر عراق کے چودھریوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور مثنیٰ کے آنے سے پہلے پہلے فرات کے ساحلی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

رستم نے دوسرا یہ کام کیا کہ نرسی اور جابان کی ماتحتی میں دو طاقتور فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیں۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی اور عراق کا جاگیردار تھا اور جابان بھی عراق کا ایک تعلقہ دار تھا۔ جابان اپنی فوجیں لے کر "نمارق" پہنچا اور نرسی نے "کسکر" میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جب مثنیٰ عراق پہنچے تو انہیں ان حالات کا علم ہوا۔ لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق وہ ابو عبید کی آمد کی انتظار ہی میں رُکے رہے۔

معرکۂ نمارق

ایک مہینہ کے بعد ابو عبید ثقفی اپنی جمعیت کے ساتھ عراق پہنچ گئے۔ اور کچھ دن سستا کر جابان کے مقابلہ کے لئے

بڑھے۔ نمارق پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ ایرانی جان توڑ کر لڑے لیکن آخرکار شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔

خود جاپان کو جو سردارِ لشکر تھا ایک مسلمان سپاہی نے گرفتار کر لیا۔ یہ سپاہی جاپان کو پہچانتا نہ تھا۔ جاپان نے اس سے کہا "تم میرا کیا کروگے۔ مَیں ایک بُوڑھا سپاہی ہوں۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو مَیں تمہیں معقول معاوضہ دے دوں گا۔"

مسلمان سپاہی نے منظور کر لیا۔ جاپان نے کہا اچھا اب اس معاملہ کی پختگی تمہارے سردار کے سامنے ہو جانی چاہیئے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ جاپان جب ابو عبیدؓ کے خیمہ میں لے جایا گیا تو وہاں پہچان لیا گیا۔ بعض مسلمانوں نے کہا کہ اس نے دھوکہ دے کر اپنی جان بچانے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ منسوخ قرار دیا جائے۔ مگر سردارِ لشکر ابو عبید ثقفی رضؓ نے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا جب ایک مسلمان نے امان دیدی تو ساری قوم کو اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اسلام میں وعدہ خلافی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

چنانچہ جاپان کو چھوڑ دیا گیا۔[1]

معرکۂ کسکر اس فتح کے بعد ابو عبید کسکر کی طرف روانہ ہُوئے جہاں نرسی چھاؤنی ڈالے پڑا تھا۔ جاپان کے بچے کھچے آدمی بھی نرسی کی فوج میں جا شامل ہُوئے تھے۔ مقام "سقاطیہ" میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ ایرانی بہت بہادری کے ساتھ لڑے مگر شکست کھائی اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔ ابو عبید رضی اللہ عنہ نے سقاطیہ میں قیام کیا اور چند دستے مختلف اطراف میں روانہ کیئے تاکہ ایرانی سپاہیوں نے جہاں پناہ لی ہو انہیں وہاں سے نکال دیں۔

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۰۰

اسلام کی مساوات اس فتح کا بہت اچھا اثر مرتب ہُوا۔ آس پاس کے علاقوں کے رئیس اظہارِ اطاعت کے لئے ابو عُبَیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہارِ خلوص کے لئے ابو عبیدؓ کے لئے عمدہ عمدہ کھانے بھی پکوا کر ساتھ لائے۔

ابو عبیدؓ نے پوچھا یہ کھانے ساری فوج کے لئے ہیں یا صرف میرے لئے؟ رئیسوں نے جواب دیا جلدی میں ساری فوج کے لئے انتظام مشکل تھا یہ صرف آپ کے لئے ہیں۔ ابو عبیدؓ نے کہا۔ جو گروہ خون بہانے میں ابو عبیدؓ کا شریک ہو کھانوں کا لطف اٹھانے میں وہ اس سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ ابو عبید وہی کھائے گا جو ایک معمولی سپاہی کھائے گا۔[1]

معرکہ مروحہ ان شکستوں کی خبر رستم کو پہنچی تو وہ تلملا اُٹھا۔ ایک مشہور ایرانی سردار بہمن جادویہ کے ماتحت ایک اور زبردست فوج اس نے مقابلہ کے لئے روانہ کی۔ اس فوج کو حصولِ برکت کے لئے درفش کا دیانی بھی عطا کیا گیا۔ درفش کاویانی ایران کا قدیم قومی جھنڈا تھا جو فریدوں کی یادگار چلا آتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر تبرک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

ابو عبیدؓ کو جب بہمن کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ مروحہ جو کوفہ کے محلِ وقوع کے قریب فرات کے کنارے پر ایک مقام ہے۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہُوا۔ دونوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ بہمن کا پیغام ابو عبیدؓ کے نام آیا کہ "تم دریا کو پار کر کے ہماری طرف آؤ گے یا ہم تمہاری طرف آئیں"۔ ابو عبیدؓ نے دوسرے سردارانِ فوج کی رائے کے خلاف بہادری کے جوش میں جواب دیا کہ "ہم ہی آئیں گے"۔

دریا پر کشتیوں کا پُل باندھا گیا اور مسلمان دریا پار کر کے بہمن کی فوج کے

---

[1] محاضرات ص ۳۰۱

مقابل جا پہنچے۔ یہاں کا میدان ناہموار تھا اور اسلامی فوج کو ترتیب کے ساتھ کھڑا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ادھر ایرانی فوج کے اگلے حصہ میں کوہ پیکر ہاتھی پرا جمائے کھڑے تھے جن کے گلے کے گھنٹے زور سے بج رہے تھے۔

ناعاقبت اندیشانہ جرأت عربی گھوڑے ان کالے دیوؤں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔ ابو عبیدؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔

"بہادرو پیدل ہو جاؤ اور ہودوں کی رسّیاں کاٹ کر سواروں کو نیچے گرادو۔"

سردار کی آواز پر تمام سوار گھوڑوں سے اُتر آئے اور سینکڑوں فیل نشینوں کو نیچے گرا کر قتل کر دیا۔ مگر بڑی مصیبت یہ تھی کہ خود ہاتھی جدھر کو پل پڑتے تھے صفیں کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ مسلمانوں نے نتیجہ سے بے پرواہ ہو کر ہاتھیوں سے گتھم گتھا شروع کر دی۔ ابو عبیدؓ نے "پیل سپید" پر جو ایک مست ہاتھی تھا حملہ کیا اور اُس کی سونڈ مستک سے علیحدہ کر دی۔ ہاتھی نے بڑھ کر اُنہیں پچھاڑ دیا۔ اور سینہ پر پاؤں رکھ کر ہڈیاں چُور چُور کر دیں۔ ابو عبیدؓ کی شہادت پر اُن کے بھائی حکم نے ہاتھی پر حملہ کیا اور وہ بھی شہید ہوئے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے اُن کے خاندان کے سات آدمی ہاتھی پر حملہ کر کے شہید ہوئے۔

اب اسلامی فوج میں مایوسی اور بددلی پھیلنے لگی۔ بنی ثقیف کے ایک نوجوان نے اس خیال سے کہ فوج میں بھاگڑ نہ پڑ جائے دریا کا پُل کاٹ دیا۔ اب جو مسلمان پیچھے کو ہٹتے ہوئے دریا پر پہنچے تو پُل ندارد تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا میں گرے اور غرق ہو گئے۔

مثنیٰ نے جو اب سالارِ فوج تھے یہ حالت دیکھی تو نئے سرے سے پُل بندھوانے کا انتظام کیا اور جب تک پُل بندھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے۔ پھر بھی جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار مسلمان باقی بچے۔ یہ واقعہ شعبان ۱۳ھ کا ہے۔ اس

واقعہ کو واقعہ جسر کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔[۱]

معرکۂ بویب اس شکست کی خبر جب حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ کو بڑا رنج ہوا۔ مثنیٰ کے پاس اب بہت تھوڑی فوج رہ گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عرب کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کی ماتحتی میں ان کے پاس امدادی دستے روانہ کئے۔ ان سرداروں میں بنی بجیلہ کے مشہور سردار جریر بن عبداللہ بجلی بھی شامل تھے۔ رستم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہران بن مہرویہ کو انتخاب کیا۔ یہ سردار عرب میں رہ چکا تھا اور عربوں کے طریقۂ جنگ سے خوب واقف تھا۔ مہران کی فوج میں بارہ ہزار سپاہی فوج خاصہ کے بھی شامل تھے جو دربار کی طرف سے خاص طور پر بھیجے گئے تھے۔ کوفہ کے قریب مقام "بویب" پر دونوں فوجیں خیمہ زن ہوئیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان دریائے فرات حائل تھا۔ مہران نے مثنیٰ سے پوچھا کہ "تم دریا کو پار کر کے آئیں یا تم آؤ گے؟" مثنیٰ کو "واقعہ جسر" کی غلطی یاد تھی انہوں نے کہلا بھیجا کہ "تم ہی آؤ۔"

ایرانی نہر کو پار کر کے بڑے کروفر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے۔ مسلمانوں نے بھی خالدیہ طریقہ کے مطابق صف آرائی کی۔

تغلب کا نوجوان اسلامی فوج میں قاعدہ تھا کہ سپہ سالار تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی تکبیر پر فوج ہتھیار سنبھال لیتی تھی اور دوسری تکبیر پر ہتھیار تول لیتی تھی اور تیسری تکبیر پر حملہ کر دیتی تھی۔ مثنیٰ نے دیکھا کہ کچھ لوگ دوسری ہی تکبیر پر صف سے آگے نکلے جا رہے ہیں۔ برہم ہو کر پوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟"

جواب ملا۔

"یہ وہ لوگ ہیں جو پچھلے معرکہ میں ثابت قدم نہ رہ سکے تھے۔ آج شہید

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۷، صفحہ ۲۸ ۔

ہو کر اپنے گناہ کا کفارہ کرنا چاہتے ہیں "۔

مثنیٰ نے کہا۔

"بھائیو! فضول اپنی جان نہ دو۔ جب حریف سے مقابلہ ہو تو اپنے دل کے حوصلے نکالو"۔

آخر لڑائی شروع ہوئی۔ یہ لڑائی سخت ہولناک تھی کیونکہ غنیم کی تعداد بہت زیادہ تھی لیکن مسلمان جم کر لڑے اور ایرانی فوج کے "قلب" کو بالکل برباد کر دیا۔ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے مہران کو دیکھ لیا تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی گردن سر سے جدا کر دی اور پھر چیخ کر کہا:

"میں ہوں تغلب کا نوجوان سالارِ عجم کا قاتل"۔

مہران کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں ابتری پھیل گئی۔ سپاہی بے تحاشا دریا کی طرف بھاگے۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر دریا کا پل کاٹ دیا اور بے شمار ایرانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی قتل ہوئے اور ایرانیوں کے دلوں میں عربوں کا رُعب بیٹھ گیا۔ اس لڑائی میں کئی عرب عیسائی قبیلے بھی بڑی بہادری کے ساتھ مسلمانوں کے دوش بدوش لڑے[1]۔

اس لڑائی سے فارغ ہو کر مثنیٰ نے مختلف اطراف میں فوجی دستے بھیجے۔ ان دستوں نے تمام عراق فتح کر لیا اور فرات کے مغرب میں ایرانیوں کا تسلط باقی نہیں رہا۔

یزدگرد کی تخت نشینی

مسلمانوں کی ان فتوحات کی خبریں مدائن پہنچیں تو ارکانِ سلطنت بہت پریشان ہوئے۔ سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ عورت کو تخت سے اُتار کر کسی مرد کو بٹھانا چاہیئے اور رستم و فیروز کے اختلافات دُور ہونے چاہئیں۔

چنانچہ بڑی تلاش کے بعد شہریار بن کسریٰ کی اولاد میں سے ایک شہزادہ کو

---

[1] محاضرات ج۱ صفحہ ۳۰۳

جس کا نام یزدگرد تھا تخت نشین کیا گیا اور رستم و فیروز نے عہد کیا کہ اب ہم یکجان ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے اور اپنے تمام اختلافات کو بھلا دیں گے۔

یزدگرد اکیس سال کا ایک پرجوش نوجوان تھا۔ اس نے اپنی فوجیں نئے سرے سے ترتیب دیں۔ سرحدی چوکیوں اور قلعوں کو مضبوط کیا۔ اس طرح ایرانی سلطنت میں نئی جان پڑ گئی اور عراق کے مفتوحہ علاقے پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

یہ خبریں حضرت عمرؓ کو پہنچیں تو انہوں نے مثنیٰ کو حکم بھیجا کہ ہر طرف سے سمٹ کر عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ۔ چنانچہ مثنیٰ مقام ذی قار میں آکر ٹھہر گئے۔

جنگِ قادسیہ حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں۔ عرب کے عاملوں کو حکم بھیجے کہ جہاں کہیں کوئی بہادر سردار، ہوشمند، مدبر، سحر بیان شاعر اور خطیب ہو دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ حضرت عمرؓ کا حکم پاتے ہی لوگ جوق در جوق دارالخلافہ کی طرف روانہ ہو پڑے اور مدینہ کے چاروں طرف فوجوں کا جنگل نظر آنے لگا۔

حضرت عمرؓ نے طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اکابر صحابہ کو فوج کے مختلف حصوں کا سردار مقرر کیا اور خود سپہ سالار بن کر مدینہ سے نکلے۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے صرار۔ وہاں پہنچ کر آپ نے قیام کیا اور اپنے جانے یا نہ جانے کے متعلق رائے لی۔ عام لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت عمرؓ خود تشریف لے چلیں مگر اہل الرائے صحابہ کو اس سے اختلاف تھا۔ انہوں نے عرض کیا۔ "یا امیر المومنین لڑائی میں فتح بھی ہو سکتی ہے اور شکست بھی۔ آپ کے ہوتے اگر فوج کو شکست ہو گئی تو پھر اسلام کے اقتدار کا خاتمہ ہی سمجھئے۔" حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور سعد بن ابی وقاص کو جو رسول اکرمؐ کے ماموں تھے اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا اور خود واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ [1]

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۰۶

سعد بن ابی وقاص کو اس عظیم الشان اسلامی فوج کو لے کر "زرود"[1] پہنچے اور حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق وہاں قیام کیا۔ یہاں انہیں خبر ملی کہ مثنیٰ جو مقام ذی قار میں ان کے انتظار میں مقیم تھے انتقال فرما گئے۔ مثنیٰ معرکہ مروحہ میں بُری طرح زخمی ہوئے تھے۔ اُن کے زخم روز بروز بگڑتے ہی گئے اور آخر کار راہی ملکِ بقا ہوئے۔

سعدؓ بن وقاص زرود سے چل کر شراف پہنچے اور قیام کیا۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ اپنی آٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان سے آملے اور مثنیٰ نے انتقال سے پہلے لڑائی کے متعلق جو مشورے دیئے تھے وہ ان سے بیان کئے۔

یہیں سعدؓ کے پاس حضرت عمرؓ کا فرمان آیا جس میں فوج کی ترتیب وتنظیم کے متعلق مفصل ہدایات درج تھیں۔ ان ہدایات کے مطابق پہلے سعدؓ نے تمام فوج کا شمار کرایا۔ کل فوج تیسؔ ہزار تھی۔ پھر اسے میمنہ، میسرہ، قلب، ساقہ، طلیعہ اور مجرّد[2] پر تقسیم کیا۔ اور ہر حصّہ کے علیحدہ علیحدہ افسر مقرر کئے۔ اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے امراء میں ستر وہ صحابہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ تین سو وہ جو بیعت الرضوان میں موجود تھے اور تین سو وہ جو فتح مکّہ میں شامل تھے۔

سعدؓ بن وقاص ابھی شراف ہی میں تھے کہ حضرت عمرؓ کا دوسرا فرمان آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ "قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالو اور اس طرح مورچے قائم کرو کہ سامنے عجم کی زمین ہو اور پشت پر عرب کے پہاڑ۔ تاکہ اگر فتح نصیب ہو تو آگے بڑھ سکو۔ اور اگر شکست ہو جائے تو پہاڑوں میں پناہ لے لو۔" مثنیٰ نے بھی اپنی وصیت میں یہی مشورہ دیا تھا۔

سعد شراف سے روانہ ہو کر قادسیہ پہنچے۔ قادسیہ کوفہ کے راستہ میں ۴۵ میل

---

[1] یہ مقام کوفہ کے قریب واقع ہے۔ [2] میمنہ فوج کا دایاں حصّہ، میسرہ بایاں حصّہ، قلب درمیانی حصّہ ساقہ پچھلا حصّہ، طلیعہ گشتی دستہ اور مجرد بے قاعدہ دستہ کہلاتا ہے۔

ادھر ایک سرسبز و شاداب مقام تھا۔ حضرت عمرؓ کے پاس سے برابر ہدایت کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں پہنچ کر پھر فرمان آیا کہ قادسیہ اور اس کے قرب و جوار کا مکمل نقشہ بنا کر بھیجو اور یہ بھی معلوم کر کے لکھو کہ ایرانیوں کی طرف سے کون سردار مقابلہ کے لئے مامور ہوا ہے اور اس نے کہاں مقام کیا ہے؟ سعدؓ نے قادسیہ کا مکمل نقشہ بنا کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا اور لکھ بھیجا کہ ایرانی سپہ سالار رستم خود مقابلہ کے لئے آرہا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہر گیا ہے۔

دربارِ ایران میں اسلامی سفارت

دربارِ خلافت سے فرمان آیا کہ لڑائی سے پہلے کسریٰ کے دربار میں چند معزز و فہیم مسلمانوں کو سفیر بنا کر بھیجو اور اسلامی قاعدہ کے مطابق پہلے شرائط صلح پیش کرو۔ سعدؓ نے چودہ سرداران قبائل کو انتخاب کر کے مدائن میں شہنشاہِ ایران کے دربار میں بھیجا۔ شہنشاہ ایران نے اسلامی سفارت کی آمد کی خبر سن کر اپنا دربار بڑی شان سے سجایا تھا۔ یہ سفیر یمنی چادریں کاندھوں پر ڈالے ہوئے، چمڑے کے موزے پاؤں میں پہنے ہوئے اور کوڑے ہاتھ میں لئے ہوئے اس بیباکانہ انداز سے دربار میں داخل ہوئے کہ درباری سہم گئے اور شہنشاہ اُن کی جرأت پر حیران رہ گیا۔

غرض ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ یزدگرد نے پوچھا۔

"یہ بتاؤ تم ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟"

نعمان بن مقرن جو رئیس وفد تھے آگے بڑھے اور حسب ذیل تقریر کی۔ آپؓ نے کہا۔

"اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی تھے، ہم جاہل تھے لیکن خدا نے ہم پر بڑا فضل فرمایا کہ ہماری ہدایت کے لئے ایک برگزیدہ رسول بھیجا۔ خدا کے اس مقدس رسول نے ہم کو راہِ حق دکھائی۔ اس نے نیکی کی طرف بلایا اور بدی سے بچایا اور وعدہ کیا کہ اگر ہم اسکی دعوت کو قبول کرلیں تو دنیا اور آخرت کی کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی۔"

ہم نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا تو اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس دعوت کو ان قوموں تک پہنچائیں جو ہمارے پڑوس میں آباد ہیں اور انہیں بتائیں

کہ یہی دعوت جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے تمام خوبیوں کی بنیاد ہے اور یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتی ہے۔

لہٰذا اے عمائدِ ایران ہم تمہیں اسی مقدس دین کی طرف بلاتے ہیں۔ اگر تم یہ بلاوا قبول کرتے ہو تو کیا کہنے ہمیں تم سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم کتاب اللہ تمہارے حوالے کر دیں گے۔ وہی تمہاری رہنمائی ہو گی اور اس کے احکام کی پیروی تمہارا فرض ہو گا۔ لیکن اگر تمہیں اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار ہے تو پھر تمہیں جزیہ ادا کر کے ہمارے اقتدار کو قبول کرنا پڑے گا اور وعدہ کرنا ہو گا کہ تمہاری سلطنت میں ظلم نہ ہو گا اور بدکاری سر نہ اٹھائے گی اور اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو پھر تلوار تمہارے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔"

یزدگرد تعجب کے ساتھ یہ تقریر سنتا رہا اور جب تقریر ختم ہوئی تو ارکانِ وفد کو خطاب کر کے کہا :-

"اے قوم عرب! ساری دنیا میں تم سے زیادہ بدبخت اور بدحال کوئی دوسری قوم نہ تھی۔ جب ہم ایک اونٹ ذبح کر کے تم فاقہ مستوں کی مہمانی کر دیا کرتے تھے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور و شر ٹھنڈا پڑ جاتا تھا اور جب تم کچھ ہاتھ پاؤں نکالتے تھے تو ہم سرحد کے سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے وہ تمہیں ٹھیک کر دیتے تھے۔ دیکھو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کے اس خبط کو اپنے دماغ سے نکال دو۔ ہاں اگر ضروریاتِ زندگی نے تمہیں اس اقدام پر مجبور کیا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ ہم تمہارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیں گے۔ تمہارے لئے لباس کا بھی انتظام کر دیں گے اور کوئی ایسا بادشاہ تمہارے لئے مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم برتاؤ کرے گا۔"

یزدگرد کی تقریر کا جواب دینے کے لئے حضرت مغیرہ بن زرارہ آگے بڑھے آپ نے فرمایا۔

"اے بادشاہ! بے شک ہم ایسے ہی بدبخت و بدحال تھے جیسا کہ تو نے بیان

کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم مُردار جانور کھاتے تھے۔ اُون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین ہمارا بستر۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب ہم میں خدا کا وہ برگزیدہ رسول مبعوث ہُوا جو حسب و نسب میں سب سے افضل تھا۔ شان و شوکت میں سب سے اعلیٰ تھا۔ اور اخلاقِ حسنہ میں بے نظیر، تو اس نے ہماری کایا پلٹ دی۔ اس کی معجزانہ تعلیم سے ہم ساری دُنیا کے رہنما بن گئے اور آج یہ حالت ہے کہ تم جیسے مغرور بادشاہ بھی ہماری عظمت و شوکت سے تھرّاتے ہیں۔

اے بادشاہ! اب زیادہ حیل و حجت فضول ہے۔ یا تو اس برگزیدہ رسول کی دعوت کو قبول کرو اور اس سعادتِ کبریٰ کے آگے سر جُھکا دے ورنہ جزیہ ادا کرنا منظور کر۔ اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو پھر تلوار کے فیصلہ کا انتظار کر۔

بادشاہ مغیرہ کی اس تقریر سے بہت برہم ہُوا اور جوش میں آکر کہا۔

"اگر سفراء کا قتل بین الاقوامی آداب کے خلاف نہ ہوتا تو تمہیں قتل کرا دیتا۔ خیر جاؤ میں تمہارے مقابلہ کے لئے رستم کو بھیجتا ہوں وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ پھر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور سفراء سے پوچھا تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ عاصم بن عمر نے کہا۔ میں یزدگرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا اس شخص کے سر پر رکھ دیا جائے۔ عاصم اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سعد بن وقاص کے پاس آئے اور کہا "فتح مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی"۔

رستم جو "ساباط" میں چھاؤنی ڈالے پڑا تھا ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھا اور قادسیہ پہنچ کر خیمہ زن ہُوا۔ وہ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر دربارِ ایران سے برابر لڑائی کے احکام آرہے تھے۔ پھر بھی وہ کئی مہینے ٹال مٹول سے کام لیتا رہا اور اس دوران میں فریقین کے سفراء ایک دوسرے کی فرودگاہ میں آتے رہے۔

آخری مرتبہ مغیرہ بن شعبہ سفیر بن کر رستم کی فرودگاہ میں گئے۔ رستم نے اسلامی

سفیر کو مرعوب کرنے کے لئے بڑی سج دھج سے اپنا خیمہ سجایا۔
حریر و دیبا کے بیش قیمت فرش زمین پر بچھائے گئے اور زرنگار پردے دیواروں پر لٹکائے گئے۔ بیچ دربار میں ایک سونے کے تخت پر جواہرات کا تاج سر پر رکھے رستم بڑی شان سے بیٹھا تھا۔ اِدھر اُدھر درباری سونے کے مرصع تاج اوڑھے اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بیٹھے تھے۔ خدام اور پہرہ دار دو رویہ پرے جمائے ادب کے ساتھ کھڑے تھے۔
مغیرہ گھوڑے سے اُتر کر سیدھے تخت کی طرف بڑھے اور بے باکانہ رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ مغیرہ کی اس جرأت پر تمام دربار حیران رہ گیا۔ پہرہ دار آگے بڑھے اور مغیرہ کو تخت سے اُتار دیا۔
مغیرہ نے کہا۔
"اے سردارانِ ایران! ہم تو تم کو عقلمند سمجھتے تھے لیکن تم تو بڑے بیوقوف نکلے۔ ہم مسلمان، بندوں کو خدا نہیں بناتے اور کمزور انسانوں پر طاقتور لوگوں کی آقائی کے قائل نہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ تمہارے ہاں بھی یہی دستور ہوگا۔ بہتر یہ تھا کہ تم ہمیں پہلے ہی بتا دیتے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتور کی پوجا کرتے ہیں اور انہیں دیوتا بنا کر اُونچی جگہ بٹھاتے ہیں۔ انسانی مساوات کا اصول تمہیں تسلیم نہیں۔ اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں ہرگز تمہارے دربار میں نہ آتا۔ خیر اب تو میں آ گیا لیکن تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ سلطنت قائم رہنے کے یہ ڈھنگ نہیں۔ زیردستوں کی بے قراری تمہارے اقتدار کی بساط اُلٹ دے گی۔"
مغیرہ کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر دربار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ نیچے کے طبقہ کے لوگوں نے کہا۔
"خدا کی قسم! اس عربی نے بات تو سچی کہی۔"
سردار بولے۔ اس شخص نے ہماری رعایا کو ہم سے بغاوت پر آمادہ کر دیا

ہے جو لوگ اس قوم کو حقیر سمجھتے ہیں وہ بڑے بیوقوف ہیں[1]۔

آغازِ جنگ اس گفتگو کے بعد پیام وسلام کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ محرم ۱۴ھ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آراء ہوئیں۔ ایرانی فوجیں بڑی شان سے تیرہ صفوں میں کھڑی تھیں، قلب، میمنہ اور میسرہ کے پیچھے ہاتھیوں کے پرے جمائے گئے تھے۔ خبر رسانی کے لئے قادسیہ سے مدائن تک کچھ کچھ فاصلہ پر قاصد بٹھا دیئے گئے تھے۔ اس طرح دم دم کی خبریں دربارِ شاہی میں پہنچتی رہتی تھیں اسلامی فوجیں بھی جنگی ترتیب کے ساتھ کھڑی کی گئی تھیں۔

سعد بن وقاص عرق النسا کی شکایت کے سبب خود میدان میں نہ تھے میدانِ جنگ کے قریب ایک قدیم محل تھا وہ اس کی چھت پر بیٹھے ہوئے ہدایات دے رہے تھے۔ خالد بن عرفطہ ان کی ہدایات کے مطابق فوج کی کمان کر رہے تھے۔ اسلامی فوج کے پیچھے خندق تھی اور ایرانی فوج کے پیچھے نہر عتیق اور میدانِ جنگ درمیان میں تھا۔

یومِ ارماث نماز ظہر سے فارغ ہو کر سپہ سالار افواجِ اسلامی سعد بن ابی وقاص نے تین تکبیریں کہیں۔ دونوں طرف سے نبرد آزما بہادر مبارزت کے لئے نکلے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ چوتھی تکبیر پر قاعدہ کے مطابق عام جنگ شروع ہو گئی۔ بنی بجیلہ کا رسالہ ہاتھیوں کی زد میں آ گیا۔ ان کے گھوڑے ہاتھیوں کی صورت دیکھ کر بدکنے لگے۔ مسلمانوں کے لئے یہ کالی بلا سب سے بڑی مصیبت تھی۔

سعدؓ بن وقاص نے بنی اسد کو حکم دیا کہ بنی بجیلہ کی مدد کریں۔ بنی اسد برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر پل پڑے۔ ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر بنی اسد پر سارا زور صرف کر دیا۔ سعد بن وقاص نے بنی تمیم سے کہا کہ تم ہی ہاتھیوں کی کچھ تدبیر کرو۔ بنی تمیم

---

[1] محاضرات صفحہ ۲۱۴ ج ۲

نے اس قدر تیر برسائے کہ تمام فیل نشین زمین پر آ رہے۔ لڑائی رات گئے تک جاری رہی۔ بنی اسد کے تقریباً پانچ سو جوان ہاتھیوں کے ریلے میں روندے گئے۔ اس دن ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ یہ دن "یوم الارماث" کہلاتا ہے۔

یومِ اغواث دوسرے دن پہلے شہیدوں کو دفن کرایا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالہ کیا گیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ملک شام سے امدادی فوج آ گئی۔ یہ فوج حضرت عمرؓ کے حسب حکم ابوعبیدہ بن الجراح نے بھیجی تھی۔ اس کی تعداد چھ ہزار تھی اور سپہ سالار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے۔ یہ فوج اس تدبیر سے آئی کہ جب ایک دستہ پہنچ جاتا تھا تب دوسرا نمودار ہوتا تھا۔ یوں تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔

"شام" کی فوجوں نے ایک اور تدبیر کی کہ اپنے اونٹوں پر جھولیں ڈال کر ان کو مہیب شکل کا بنا دیا۔ ان اونٹوں نے ایرانی فوج میں وہی مصیبت برپا کی جو ہاتھیوں نے اسلامی فوج میں کی تھی۔

اس دن لڑائی آدھی رات تک ہوتی رہی۔ قعقاع نے جو امدادی فوج کے ایک دستہ کے سردار تھے، مشہور ایرانی سردار بہمن کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ سیستان کا شہزادہ شہر براز اور بزرجمہر ہمدانی بھی قتل ہو گئے۔ اس دن مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ اسے "یوم اغواث" کہتے ہیں۔

ابو محجن ثقفی یومِ اغواث کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ ابو محجن ثقفی ایک مشہور شاعر اور بہادر آدمی تھے انہیں شراب نوشی کے جرم میں سعد بن وقاص نے قید کر دیا تھا۔ یہ قید خانہ کی کھڑکی سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور جوشِ شجاعت سے بے تاب ہو رہے تھے۔ سعد کی بیوی زہراء ادھر سے گزریں تو کہنے لگے خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بھی دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر کے اپنی حسرت نکال لوں۔ زندہ بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ زہراء نے انکار کیا تو پُر درد لہجہ میں یہ شعر پڑھنے لگے ؎

كفى حزناً ان تردى الخيل بالقنا	"میرے لئے یہ غم کافی ہے کہ سوار نیزے
واترك مشدوداً على وثاقيا	چلائیں اور میں زنجیروں میں بندھا ہوا
اذا قمت عنانى الحديد واغلقت	چھوڑ دیا جاؤں جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو
مصاريع من دونى تصم المناديا	زنجیر مجھے اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنیوالا پکارتے پکارتے تھک جائے۔"

زبراء کو ترس آیا اور پیروں کی بیڑیاں کاٹ دیں۔

ابو محجن آزاد ہوتے ہی بجلی کی طرح میدانِ جنگ میں پہنچے اور اس شان سے حملہ آور ہوئے کہ جدھر نکل جاتے تھے صفیں کی صفیں درہم و برہم کر دیتے تھے۔ سعد بن وقاص بھی حیران تھے کہ یہ کون بہادر ہے؟ دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز تو ابو محجن کا سا ہے مگر وہ تو قید خانہ میں قید ہے۔

شام کو جب لڑائی ختم ہوئی اور ابو محجن نے واپس آکر بیڑیاں پہن لیں تو سلمیٰ نے سارا واقعہ سعد سے بیان کیا۔ سعد نے اسی وقت انہیں رہا کر دیا اور کہنے لگے خدا کی قسم جو شخص یوں مسلمانوں پر نثار ہو میں اُسے قید نہیں دے سکتا۔" ابو محجن بولے "تو خدا کی قسم! میں بھی آج سے شراب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"[1]

یومِ عماس تیسرے دن پہلے شہداء کو دفن کیا گیا اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالہ کیا گیا اور پھر لڑائی شروع ہوئی۔ اس دن بھی ہاتھیوں کی مصیبت سامنے تھی۔ سعد نے دونوں مسلم ایرانیوں کو بُلا کر پوچھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے کہا ان کی آنکھیں اور سونڈیں بے کار کر دی جائیں۔ سعد نے قعقاع اور اُن کے ساتھیوں کو بُلا کر کہا یہ کام تم انجام دو۔ دو ہاتھی ابیض اور اجرب تمام ساتھیوں کے سردار تھے۔ قعقاع اور عاصم نے ایک ساتھ نیزوں سے ابیض کی آنکھوں کا نشانہ کیا۔ ہاتھی جھرجھری

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۴۴ ۔

لے کر پیچھے ہٹا تو قعقاع نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ سونڈ مستک سے علیحدہ ہو گئی۔ ربیل اور حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر نہر کی طرف بھاگا۔ دوسرے ہاتھی بھی سب اس کے پیچھے ہو لئے۔ ہاتھیوں کی اس بھگدڑ سے ایرانیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ رات بھر لڑائی جاری رہی۔ بجز گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھٹا کھٹ کے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس دن کو "یوم عماس" کہتے ہیں۔ اور اس رات کو لیلۃ الهریر۔

خاتمۂ جنگ صبح ہو گئی اور لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع، قیس، اشعث عمرو معدی کرب ابن ذی البردین وغیرہ سردارانِ قبائل نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا "بھائیو! جم کر ایک حملہ اور کرو۔ فتح تمہاری ہی ہے"۔ اس آواز پر مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے اور تلواریں کھینچ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ قیس، اشعث، عمرو معدی کرب وغیرہ سرداروں نے خوب خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ ابھی دوپہر نہ ڈھلی تھی کہ ایرانی فوج کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور مسلمانوں نے قلب پر حملہ کیا۔ چند مسلمان بہادر ایرانی سپہ سالار رستم کی طرف بڑھے۔

رستم تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ اس نے یہ حالت دیکھی تو تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا۔ جب زخموں سے چور چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ایک مسلمان سپاہی ہلال بن علقمہ نے اس کا پیچھا کیا اور قتل کر دیا۔ پھر اس کے تخت پر چڑھ کر پکارا "رب کعبہ کی قسم میں نے رستم کو قتل کر دیا ہے"۔

رستم کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کا پیچھا کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا اور درفش کاویانی پر قبضہ کر لیا۔ قادسیہ کا معرکہ ایرانی معرکوں میں اہم ترین معرکہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی قتل ہوئے اور آٹھ ہزار مسلمان شہید[1]

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۱۶

خلیفہ قاصد کی رکاب میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی لڑائی کا بڑا فکر تھا۔ ہر روز علی الصباح مدینہ کے باہر نکل کر آ بیٹھتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن حسب معمول منتظر بیٹھے تھے کہ ایک شتر سوار نمودار ہُوا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ اُس نے جواب دیا قادسیہ سے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ بندۂ خدا کچھ مجھے بھی تو بتاؤ وہاں کیا ہُوا؟ قاصد نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی" قاصد شہر کی طرف دوڑتا چلا جارہا تھا حضرت عمرؓ پیچھے پیچھے دوڑتے آرہے تھے اور اس سے فتح کے حالات پُوچھتے جارہے تھے۔ جب دونوں شہر میں داخل ہُوئے تو لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کے لقب سے مخاطب کرکے سلام کرنے شروع کئے۔ اب قاصد کو معلوم ہُوا کہ رکاب کے ساتھ دوڑنے والے خود خلیفۃ المسلمین ہیں۔ خوف کے مارے کانپ اُٹھا اور کہنے لگا "یا حضرت! آپ نے مجھے پہلے سے اپنا نام کیوں نہ بتادیا؟ آپ نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا "کچھ حرج نہیں تم حالات سنائے جاؤ" غرض اسی طرح گھر آئے۔ پھر ایک عام جلسہ کرکے سعد بن وقاص کا بشارت نامہ سنایا۔[1]

امنِ عام

کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے پاس سعدؓ کا دوسرا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ قادسیہ کے معرکہ میں جو لوگ لڑے تھے ان میں کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اُنہیں زبردستی لڑائی میں شریک کیا گیا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لڑائی کے زمانہ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اب وہ واپس آئے ہیں اور امن چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو بُلا کر رائے لی اور سارے ملک کو امن عام دینے کا حکم دیدیا گیا۔

پیش قدمی

سعد بن ابی وقاص فتح کے بعد دو مہینے تک قادسیہ ٹھہرے۔ جب ان کی فوجیں تازہ دم ہوگئیں تو دربارِ خلافت کے حکم کے مطابق مدائن

---

[1] اتمام الوفاء صفحہ ۸۶

کی فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے۔ زہرہ بن حویہ کی سرکردگی میں آپ نے کچھ فوج آگے روانہ کردی تھی۔ مقام برس میں زہرہ کا ہرمز سے مقابلہ ہُوا۔ ہرمز قادسیہ سے بھاگ کر یہاں فوجیں لئے پڑا تھا۔ زہرہ نے ہرمز کو شکست دی اور وہ بابل کی طرف بھاگ گیا۔ سعد اپنی فوج لئے ہُوئے فرات کو پار کرکے بابل پہنچے۔ یہاں بہت سے ایرانی سردار، فیروز، ہرمز، مہران اور مہرجان وغیرہ اپنی فوجیں لئے پڑے تھے لیکن مسلسل شکستوں سے کچھ ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے اور پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑے ہُوئے۔ فیروز نے نہاوند کا رُخ کیا۔ ہرمز نے اہواز کا راستہ لیا اور باقی مدائن چلے گئے۔ زہرہ نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور دیر اور کوثی کے درمیان ایک بڑی جمعیت کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر زہرہ کوثی[1] کی طرف بڑھے۔ یہاں ایک مشہور رئیس شہریار سے مقابلہ ہُوا۔ شہریار خود مبارزت کے لئے نکلا اور ایک عربی غلام نائل کے ہاتھ سے قتل ہُوا۔ کوثی سے چل کر زہرہ ساباط پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی۔ ساباط میں زہرہ سعد بن وقاص کی انتظار میں ٹھہر گئے۔ جب وہ آئے تو کل اسلامی فوج نے "بہرہ شیر" کا رُخ کیا۔

فتح بہرۂ شیر

بہرۂ شیر مدائن کے متعلقات میں شمار ہوتا تھا۔ اس بستی اور مدائن کے درمیان صرف دریائے دجلہ حائل تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ مدائن کی حفاظت کے لئے مقرر تھا۔ جو ہر روز صبح کو حلف اُٹھاتا تھا کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے سلطنت فارس کو کوئی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔"

یہاں سعد دو مہینے تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن محصورین نے قلعہ سے جوش و خروش کے ساتھ نکل کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار بھاگ نکلے اور دریا کو پار کرکے مدائن میں داخل ہو گئے۔ شہر والوں نے صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ بہرۂ شیر کے دوران قیام میں آس پاس کے زمینداروں نے سعد کے پاس فرمانبرداری کے پیغام بھیجے۔ سعد نے

---

[1] کوثی وہ مقام ہے جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید کیا تھا۔

انہیں قبول کیا اور معمولی جزیہ پر اُن سے صُلح کر لی۔

فتح مدائن بہرۂ شیر کی فتح کے بعد مدائن مسلمانوں کے سامنے تھا۔ کسریٰ کا قصر ابیض نگاہوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ اس قصر کے کنگرے دیکھتے ہی مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مژدۂ فتح یاد آ گیا۔ آپ نے فرمایا تھا:۔

عصیبۃ من المسلمین یفتتحون	وہ مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کے محل
البیت الابیض بیت کسریٰ [1]	قصر ابیض کو فتح کرے گی:۔

اس بشارت کے یاد آتے ہی مسلمانوں کے دل بادۂ مسرت سے لبریز ہو گئے ان کے بازوؤں میں شجاعت کی برقی لہریں دوڑ گئیں۔ ضرار ابن خطاب بے ساختہ پکار اُٹھے۔ اللہ اکبر! یہ قصر ابیض ہے جس کی فتح کا وعدہ اللہ اور اُس کے رسول نے کیا ہے۔ ضرار کی تکبیر کا جواب مسلمانوں نے تکبیر کے ساتھ دیا۔ اور ساری فضا ان نعروں سے گونج اٹھی۔

ایرانیوں نے بھاگتے ہوئے بہرۂ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ کے پُل توڑ پھوڑ دیئے تھے۔ مگر مسلمانوں کی ایمانی حرارت کے سامنے دجلہ کا پانی کیا تھا۔ سعد نے کہا وہ کون بہادر ہیں جو دریا کے پار جا کر ساحل پر قبضہ کر لیں۔ بنی تمیم کے سردار عاصم بن عمرو نے اپنے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور آن کی آن میں پار ہو گئے۔ ایرانی محافظ فوج نے جو مسلمانوں کو اس طرح آتے دیکھا تو خیال ہُوا کہ یہ آدمی نہیں ہو سکتے۔ بے ساختہ چیختے ہُوئے بھاگے۔

"دیواں آمدند دیواں آمدند"

جب یہ دستہ دریا کے پار پہنچ گیا اور مشرقی ساحل پر قبضہ کر لیا گیا تو سعد نے سب فوج کو حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر دریا میں گھوڑے ڈال دو۔ آگے آگے سعد بن وقاص اور سلمان فارسی تھے اور پیچھے پیچھے سارا اسلامی لشکر تھا۔ مسلمان

---

[1] رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ۔

سواروں کی رکابوں سے رکابیں ملی ہوئی تھیں اور وہ بحر ذخار میں اس طرح تیرتے چلے جارہے تھے جیسے بطیں تیرتی چلی جارہی ہوں۔ ان کی زبانوں پر دُعا تھی۔

نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ	"ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسہ
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ	کرتے ہیں ہمارے لئے کافی اور اچھا کارساز ہے
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ	گناہوں سے حفاظت اور نیکیوں کے حصول کی طاقت
الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝	اسی بزرگ و برتر ذات کی مدد سے ممکن ہے۔"

تعجب ہے کہ ساری فوج اس طرح دریا کے پار ہوگئی کہ ان کی ترتیب میں بھی فرق نہ آیا۔ ایک سوار البتہ گھوڑے کی پشت پر سے گر گیا لیکن قعقاع نے فوراً اپنے گھوڑے کی لگام دریا میں پھینک کر اُسے صحیح وسالم نکال لیا۔

قصرِ ابیض اسلامی فوج دریا کے پار پہنچی تو کوئی مزاحمت کرنے والا نہ تھا۔ یزدگرد شہنشاہ ایران دار السلطنت کو چھوڑ کر حلوان کی طرف فرار ہوگیا۔ اپنے اہل وعیال کو اس نے پہلے ہی یہاں بھیج دیا تھا۔ مسلمان بے روک ٹوک شہر[۱] داخل ہو گئے اور قصرِ ابیض پر اسلامی جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ سعد نے عالیشان محلات اور سرسبز وشاداب باغات پر نظر ڈالی تو بے اختیار پکار اُٹھے :-

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ	"کافر بہت سے باغ اور چشمے اور کھیت اور عمدہ
وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّ	مکانات اور آرام کا سامان چھوڑ گئے جس میں
نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝	وہ باتیں بنایا کرتے تھے یونہی ہونا تھا
كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا	اور یہ سب سامان ہم نے دوسری قوموں
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (پ ۲۵ ع ۱۵)	کو عطا کر دیا"

حضرت سعد نے شاہی محل میں نمازِ شکر ادا کی۔ پھر وہیں صفر سنہ ۱۶ھ کو جماعت سے نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔ بظاہر یہ بات تعجب کی ہے کہ انہوں نے قصرِ شاہی

---

[۱] ... ص ۹ والبدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۶۵۔

کی تصویروں کو جو انسانوں اور چوپایوں وغیرہ کی تھیں ان کے حال پر رہنے دیا۔[1]

دُنیا دین والوں کے قبضہ میں

قصرِ شاہی کے خزانوں میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اُسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

بے شمار زر وجواہرات کے علاوہ بہت سی نادر و نایاب تاریخی چیزیں تھیں۔ کئی مشہور فاتحین عالم کے شاہی ملبوسات اور اسلحہ تھے۔ نوشیرواں کا زرنگار تاج اور درباری پوشاک بھی۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس کے سینہ پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کی پالان تھی اور مہار میں بیش قیمت موتی پروئے ہوئے تھے۔ اس اُونٹنی کا سوار سر تا پا جواہرات سے مرصع تھا۔ ان سب سے عجیب ایوانِ شاہی کا ایک قالین تھا جو "بہار" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ سبزہ زمرد کا تھا، جدولیں پکھراج کی تھیں، درخت سونے چاندی کے تھے، پتے حریر کے تھے اور پھل جواہرات کے۔ جب موسم بہار گزر جاتا تھا تو شہنشاہ مصاحبین کے ساتھ اس قالین پر بیٹھ کر بادہ نوشی کرتا تھا اور بہار کا لُطف اٹھاتا تھا۔

سعد بن وقاص نے پانچواں حصہ نکال کر جس میں عجائب ونوادر بھی شامل تھے۔ باقی مال مسلمان سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ علاوہ قیمتی ساز و سامان کے ہر ہر سپاہی کے حصہ میں ۱۲ ہزار دینار آئے۔

مدینہ منورہ میں جب خمس پہنچا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانی شان وشکوہ کی نمائش کے بعد اسے مستحقین پر تقسیم کر دیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ بہار کو یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جائے۔ مگر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"اے امیر المومنین اسے بھی تقسیم کر دیجئے ورنہ دوسروں کو بے قاعدگی کے لئے بہانہ ہاتھ آجائے گا۔"

حضرت عمرؓ نے فوراً اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا۔[2]

---

[1] محاضرات صـ ۳۲۱ ⁂ [2] ایضاً صـ ۳۲۲ ۔

اس موقعہ پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسلمان سپاہیوں نے ان بیش قرار چیزوں کو جُوں کا توں اپنے امیر کے حوالے کر دیا کسی نے ناجائز طور پر ایک موتی بھی نہیں توڑا حضرت سعدؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے سپاہیوں کی اس دیانت کا اعتراف کیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح مدائن کے بعد مسلمان سپاہیوں نے مدائن میں اقامت اختیار کی حضرت عمرؓ کا ایک فرمان آیا جس کی رُو سے سعد بن وقاص عراق کے امامِ نماز اور سپہ سالار مقرر کئے گئے۔ نعمان بن عمر بن مقرن کو دجلہ سے سیراب ہونے والی زمین کا افسرِ خراج مقرر کیا گیا۔

معرکۂ جلولاء مدائن سے بھاگ کر ایرانی فوجیں جلولاء میں جمع ہو گئی تھیں۔ جلولاء وہ مقام تھا جہاں سے آذر بائجان، باب، جبال اور فارس کو راستے پھٹتے تھے۔ ایرانی سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہاں سے ہٹنے کے بعد ہم لوگ ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ یہاں آخری مرتبہ اور تقدیر آزمائی کر لیں۔ چنانچہ ایرانیوں نے جلولاء میں جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ یزدگرد نے بھی حلوان سے امدادی فوجیں بھیجیں۔ مہران رازی سپہ سالار تجویز ہُوا اور شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر اور اُس کے آگے کانٹوں کے جھاڑ لگا کر اسے محفوظ کر دیا گیا۔ سعدؓ بن وقاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق ہاشم بن عتبہ کو اس مہم پر روانہ کیا اور خود مدائن میں مقیم رہے۔

ہاشم صفر ۱۶ھ کو مدائن سے بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہُوئے اور جلولاء پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً خندق سے باہر نکل کر مقابلہ کرتے تھے اور پھر خندق کے اندر جا گھستے تھے۔ یہ صورت کئی مہینے جاری رہی اور آخر مسلمانوں نے ایک زبردست حملہ کیا اور خندق کو پار کر کے اندر گھس گئے اور ایسی ہولناک لڑائی ہوئی کہ لیلۃ الہریر کے سوا کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ایرانی بھی دل توڑ کر لڑے لیکن آخر کار بھاگ نکلے۔ ہاشم نے قعقاع کو تعاقب کا حکم دیا۔ چنانچہ

انہوں نے خانقین تک پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ شعبی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ ایرانی جان سے مارے گئے اور تین کروڑ کی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔

اس شکست کی خبر یزدگرد کو پہنچی تو وہ حلوان کو چھوڑ کر رے چلا گیا اور قعقاع نے آگے بڑھ کر حلوان پر قبضہ کر لیا۔

سعد بن وقاص نے اپنے کاتب زیاد کو فتح کی خوشخبری اور مالِ غنیمت کے خمس کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے نہایت فصاحت سے جنگ کے حالات مسلمانوں کو سنائے اور آئندہ سلسلۂ فتوحات جاری رکھنے کے متعلق مجاہدین کے شوق کو بھی ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ ان کی تقریر سے بہت خوش ہوئے اور ان کی فصاحت کی تعریف کی۔ زیاد نے کہا۔

"اے امیر المومنین! ہمارے بہادروں کے کارناموں نے ہماری زبانوں کو کھول دیا ہے۔"

دوسرے دن صبح کو صحنِ مسجد میں مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔ درہم و دینار کے علاوہ جواہرات کا انبار تھا۔ حضرت عمرؓ رونے لگے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ حضرت یہ رونے کا کیا موقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس قوم میں دولت آتی ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتا ہے اور رشک و حسد کے بعد رُعب و دبدبہ باقی نہیں رہتا[1]

معرکہ تکریت

مدائن میں حضرت سعد بن وقاص کو معلوم ہوا کہ "موصل" کے رومی اور عیسائی عرب قبیلے تکریت میں مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن معتم کی سرداری میں پانچ ہزار کی ایک جمعیت تکریت کی طرف روانہ کی گئی۔ نصاریٰ کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ شہر کے چاروں طرف خندق کھود کر محصور ہو بیٹھے۔ نصاریٰ موقع بہ موقع خندق سے نکل کر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۔

مقابلہ کرتے اور ہر مقابلہ میں ہزیمت اٹھاتے۔ اس طرح چوبیس مقابلے ہوئے اور نصاریٰ کی طاقت ٹوٹ گئی۔ رومیوں نے جب مقابلہ کی تاب نہ پائی تو دریا کے راستہ بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ بن معتم کو بھی ان کے اس ارادہ کی خبر ہو گئی۔ چنانچہ انہوں نے عرب عیسائیوں سے خفیہ خط و کتابت کر کے انہیں مشرف باسلام کر لیا اور یہ طے پایا کہ جب مسلمان رومیوں پر حملہ کریں اور وہ فرار ہونے کا قصد کریں تو انہیں ان کے یہ ساتھی بھاگنے نہ دیں بلکہ دریا کی طرف سے ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مسلمانوں نے باہر سے نعرۂ تکبیر لگا کر حملہ کیا تو اندر سے نومسلم عربوں نے صدائے تکبیر بلند کی اور رومیوں کا راستہ روک لیا۔ اس طرح تمام رومی تہ تیغ ہوئے اور کوئی بچ کر نہ نکل سکا۔ یہاں بھی بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

اس فتح کے بعد عبداللہ نے ایک دستہ نینوی اور موصل کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس دستہ میں تکریت کے عیسائی عرب بھی تھے۔ ان عربوں نے مسلمانوں سے پہلے پہنچ کر مشہور کر دیا کہ رومی تکریت میں فتح یاب ہوئے ہیں اور اب وہ یہاں پر آ رہے ہیں۔ اہلِ نینوی و موصل نے خوشی خوشی دروازے کھول دیئے اور مسلمان بلا مقابلہ دونوں شہروں پر قابض ہو گئے۔

سعد نے مدینہ سے ایک دستہ ضرار بن خطاب کی ماتحتی میں ماسبذان کی طرف روانہ کیا اور ایک دستہ عمر بن مالک کی ماتحتی میں قرقیسا اور ہیت کی طرف روانہ کیا۔ یہ علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔

ان فتوحات کے بعد تمام سوادِ عراق مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق کاشت کاروں کی زمینیں معمولی ٹیکس پر ان کے پاس برقرار رکھی گئیں۔ ذمیوں پر معمولی جزیہ لگایا گیا۔ ملک میں قیام امن و امان کا انتظام کیا گیا اور سرحدوں پر حفاظتی دستے مقرر کئے گئے۔

آبادی کوفہ و بصرہ

صفر ۱۶ھ سے محرم ۱۷ھ تک، مدائن عراق کی اسلامی فوجوں کا صدر مقام رہا۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا عربوں

کو ساز گار نہ آئی۔ ان کے جسم میں توانائی نہ آئی اور ان کے رنگ متغیر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو لکھا کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جو بری اور بحری دونوں حیثیتیں رکھتی ہو اور وہاں سے مدینہ تک بیچ میں کوئی دریا نہ پڑتا ہو۔ سعد نے سلمان اور حذیفہ کو اس کام پر مامور کیا۔ سلمان اور حذیفہ نے کوفہ کی زمین کو پسند کیا۔ یہاں کی زمین ریتیلی اور کنکریلی تھی۔ دریائے فرات یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا اور نعمان بن منذر کے مشہور محلات خورنق اور سدیر بھی اسی نواح میں واقع تھے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق پہلے گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے لیکن جب آگ لگنے کے واقعات پیش آئے تو پختہ عمارتیں تعمیر کی گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ابوالہیاج بن مالک اسدی نے کوفہ کا نقشہ بنایا۔ پہلے درمیان شہر میں ایک مربع چبوترے پر جامع مسجد تعمیر کی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ جامع مسجد کے آگے سنگِ مرمر کے ستونوں پر دو سو ہاتھ لمبا ایک برآمدہ قائم کیا گیا جس کی چھت رومی عمارتوں کی چھت کے طرز پر تھی۔ مسجد کے سامنے والی عراق کے لئے قصرِ حکومت تیار کیا گیا۔ مسجد اور قصرِ حکومت کے درمیان تہ خانہ کے طور پر دو سو گز طویل بیت المال کی عمارت بنائی گئی۔

مسجد اور قصرِ حکومت کے چاروں طرف کچھ فاصلہ چھوڑ کر مختلف قبائل کے لئے الگ الگ محلے بسائے گئے۔ ان محلوں میں ۴۰ ہزار کی آبادی کے لائق مکانات تعمیر کئے گئے اور ہر ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

شہر کی تمام سڑکیں جامع مسجد کے سامنے سے نکلتی تھیں۔ شاہراہیں ۴۰ گز چوڑی رکھی گئیں معمولی سڑکیں ۳۰ گز اور ۲۰ گز چوڑی اور گلیاں ۷ گز چوڑی۔ شہر کی تعمیر میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا کہ چوک اور سڑکیں اس کثرت سے ہوں کہ اہل عرب صحرا کی تازہ ہوا کے لطف سے محروم نہ رہیں۔

سعد بنؓ وقاص محرم ۱۷ھ (جنوری ۶۳۸ء) میں مدائن سے کوفہ منتقل ہو گئے۔

اس سے دو سال قبل حضرت عمرؓ کے حکم سے خلیج فارس کی بندرگاہ ایلہ کے قریب ایک

دوسرا شہر بصرہ کے نام سے بسایا گیا۔ یہاں کی زمین بھی ریتیلی اور کنکریلی تھی اور اس پاس پانی اور چارے کی افراط تھی۔ کوفہ کی طرح یہاں بھی جامع مسجد، قصر حکومت اور قید خانہ کی سرکاری عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ دجلہ سے بصرہ تک دس میل کے فاصلہ پر ایک نہر بھی کاٹ کر لائی گئی۔

پہلے بصرہ میں بھی گھاس پھونس کے مکانات بنائے گئے تھے لیکن بعد میں اینٹ اور مٹی کے بن گئے۔

کوفہ اور بصرہ کی آبادی کے بعد یہ دونوں شہر اسلامی فوج کے مرکز قرار پائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بالائی عراق جس کا صدر مقام کوفہ اور والی سعد بن وقاص تھے۔ اور زیریں عراق جس کا صدر مقام بصرہ تھا اور والی عتبہ بن غزوان۔ ایرانی فتوحات کے بعد، باب آذربائیجان، ہمدان، رے، اصفہان ماہ، موصل، قرقیسا، وغیرہ کا تعلق کوفہ سے قرار دیا گیا اور خراسان، سجستان، مکران، کرمان، فارس اور اہواز کا بصرہ سے۔

بحرین سے فارس پر حملہ علاء بن الحضرمی ایک بہادر اسلامی سردار تھے جو مرتدین کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے جب ایرانیوں کے مقابلہ میں سعد بن وقاص کے کارنامے سنے تو خیال آیا کہ اس میدان میں میں کیوں سعد سے پیچھے رہوں؟

یہ خیال آتے ہی دربار خلافت سے مشورہ کئے بغیر دریا کے راستہ بحرین سے ایک فوج فارس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دی۔ یہ فوج اصطخر پہنچی تو ایرانیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت ان کے اور ان کی کشتیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اسلامی فوج کے ایک افسر خلید بن منذر نے بڑی بہادری کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کر دیا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی کشتیاں ایرانیوں کے ہاتھ سے نہ چھڑا سکے۔ اب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ ایران کے بیچ میں تھوڑی

سی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کا ٹھہرا رہنا دور اندیشی کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے خشکی کے راستہ بصرہ لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ایرانیوں کی ایک فوج نے یہ راستہ بھی روک لیا اور مسلمان مقام "طاؤس" میں محصور ہو کر رہ گئے۔

حضرت عمرؓ کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے عتبہ بن غزوان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ ایک بھاری جمعیت فوراً محصورین کی مدد کو بھیجیں۔ عتبہ نے ۱۲ ہزار آدمیوں کو ابو سبرہ کی ماتحتی میں روانہ کیا۔ ابو سبرہ ساحل ساحل اس مقام پر پہنچے جہاں مسلمان محصور تھے اور اپنے بھائیوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑا لیا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علاء بن الحضرمی کی اس ناعاقبت اندیشانہ جرأت پر بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے انہیں بحرین کی امارت سے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ وہ سعد بن وقاص ہی کی ماتحتی میں کوفہ جا کر رہیں[1]

فتح اہواز[2]

اہواز کی حدود بصرہ کی حدود سے ملتی تھیں۔ یہاں ایران کا مشہور سردار ہرمزان جو شیرویہ کا ماموں تھا، مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً اسلامی علاقہ پر حملہ کرتا رہتا تھا۔ عتبہ بن غزوان امیر بصرہ نے اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا اور سعد بن وقاص امیر کوفہ سے مدد طلب کی۔ بصرہ کی فوج کا کوفہ کی امدادی فوج کی معیت میں ہرمزان سے مقابلہ ہوا۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور اہواز و مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔ مناذر اور نہر تیری پر اسلامی فوج کی چوکیاں قائم کی گئیں۔ کچھ دن بعد سرحد کی تعیین کے متعلق مسلمان افسروں اور ہرمزان میں اختلاف ہوا۔ ہرمزان نے صلح توڑ دی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کردوں سے مدد طلب کی۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے عتبہ، ہرمزان کے مقابلہ کے لئے نکلے جب سوق اہواز پر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۴ ۔

[2] اہواز اس صوبہ کا نام ہے جو بصرہ اور فارس کے درمیان ہے اس میں یہ شہر واقع ہیں :۔
سوق الاہواز، رامہرمز، ایذج، عسکر مکرم، تستر جندی سابور سوس، سرق، نہر تیری، مناذر ۔

مقابلہ ہُوا۔ ہرمزان شکست کھا کر رامہرمز کی طرف بھاگ گیا۔ اس طرح اہواز کا سارا علاقہ تستر تک اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گیا۔

ذِمیوں سے حسن سلوک

ہرمزان کی عہد شکنی سے حضرت عمرؓ کو خیال ہُوا کہ کہیں مُسلمان اہلِ ذمہ کے ساتھ زیادتی تو نہیں کرتے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے آپ نے کوفہ کے شرفاء کا ایک وفد طلب کیا۔ یہ وفد دس افراد پر مشتمل تھا جن میں احنف بن قیس بھی تھے۔ حضرت عمرؓ نے احنف سے کہا: میں تمہیں معتبر آدمی سمجھتا ہوں۔ سچ بتاؤ اہلِ ذِمہ پر کسی قسم کا ظلم تو نہیں ہوتا۔ احنف نے کہا نہیں ان کے ساتھ آپ کی خواہش کے مطابق برتاؤ کیا جاتا ہے۔ جب حضرت عمرؓ کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو آپ نے وفد کو تحفے دے کر واپس کر دیا۔ آپ نے عتبہ کو ایک خط بھی لکھا جس کا مفہوم یہ تھا:۔

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہو اور اس کی وجہ سے اہلِ ذِمّہ زیادتی کر بیٹھیں۔ تمہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفاءِ عہد کی وجہ سے دیا ہے۔ لہٰذا وفاءِ عہد کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حسن سلوک میں خدا کے حکموں پر چلو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تمہارا مددگار و ناصر ہو گا"۔[1]

فتح رامہرمز و تستر

شہنشاہ یزدگرد اب مرو میں مقیم تھا۔ یہاں سے اُس نے اہواز کے ایرانیوں کے پاس خفیہ خطوط بھیجے اور انہیں عربوں کی ماتحتی قبول کرنے پر غیرت دلائی۔ اِدھر فارس[2] کے سرداروں کو بھی جوش دلا کر انہیں عربوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اہواز میں جا بجا بغاوت پھوٹ پڑی اور اہلِ اہواز اور اہلِ فارس نے مِل جُل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں

---

[1] محاضرات خضری صفحہ ۳۴ [2] عہدِ خلافتِ راشدہ میں فارس اس علاقہ کا نام تھا جو اصفہان بحرِ فارس، کرمان اور عراق عرب کے درمیان واقع ہے۔ اس کا سب سے بڑا شہر شیراز ہے۔

شروع کردیں۔

حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے سعد بن وقاص امیر کوفہ اور ابوموسیٰ اشعری امیر بصرہ (یہ عتبہ بن غزوان کے بعد بصرہ کے امیر مقرر ہوئے تھے) کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقوں سے اہواز کی طرف فوجیں روانہ کر دیں۔ کوفہ سے نعمان بن مقرن ایک بڑی جمعیت لے کر نکلے اور رامہرمز پہنچ کر ہرمزان کا مقابلہ کیا۔ ہرمزان نے شکست کھائی اور تستر چلا گیا اور نعمان نے رامہرمز پر قبضہ کر لیا۔ اب نعمان تستر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچے تو بصرہ کی فوج بھی سہل بن عدی کی ماتحتی میں ان سے آملی۔ ہرمزان اسلامی فوجوں کی آمد کی خبر سن کر شہر بند ہو بیٹھا۔ ایرانی موقعہ دیکھ کر نکلتے تھے اور مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر کے شہر میں جا چھپتے تھے۔ اسی طرح ایک مہینہ کی مدت میں اسی جھڑپیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان غالب رہے اور بعض میں ایرانی۔

امدادِ غیبی ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک ایرانی اسلامی لشکر میں آیا۔ اس نے کہا اگر مجھے امن دیا جائے تو میں شہر میں داخل ہونے کا راستہ بتا سکتا ہوں۔ ابوسبرہ بن ابی ارہم جو کوفہ و بصرہ کی مشترکہ فوجوں کے افسرِ اعلیٰ تھے انہوں نے فوراً اس کی درخواست قبول کر لی۔ ایرانی ایک مسلمان سپاہی اشرس کو اپنے ساتھ لے کر ایک زمین دوز نہر کے راستہ شہر میں داخل ہو گیا۔ اشرس نے جب اچھی طرح شہر کی سیر کر لی اور موقع کے نشیب و فراز دیکھ لئے تو اسی راستہ سے وہ ایرانی اُسے واپس پہنچا گیا۔ اشرس نے واپس آکر اسلامی فوج کے سپہ سالار سے کہا۔ میں دو سو بہادروں کی مدد سے شہر فتح کر سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی دو سو نوجوان فوراً تلواریں لے کر اشرس کے ساتھ ہو لئے۔

اشرس اپنے ساتھیوں کو لے کر اسی خفیہ راستہ سے شہر میں داخل ہو گیا۔ اور پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ ادھر باہر سارا لشکر موقع کا منتظر کھڑا تھا، دروازے کھلتے ہی نعرۂ تکبیر لگاتا ہوا شہر میں داخل ہو گیا۔

ہرمزان کو اس بلاء ناگہانی کی خبر ہوئی تو اندر کو قلعہ کو بند کر لیا اور پھر قلعہ کے ایک برج پر چڑھ کر کہا۔

"میں اس شرط پر نیچے اتر سکتا ہوں کہ مجھے خلیفۃ المسلمین کے پاس پہنچا دیا جائے۔ وہ میرے متعلق جو فیصلہ کریں وہ مجھے منظور ہوگا"

ابوسبرہ نے ہرمزان کی اس شرط کو قبول کر لیا۔ ہرمزان نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

اس طرح جب تستر فتح ہو گیا تو ابوسبرہ نے مضافات میں متعدد دستے روانہ کئے۔ ان دستوں نے آس پاس کے سب شہر فتح کر لئے۔

اس معرکہ میں حضرت براء بن مالک اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابی شہید ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شاہِ اہواز مدینہ میں

ابوسبرہ نے ایک وفد کے ساتھ جس میں احنف بن قیس اور انس بن مالک شامل تھے، ہرمزان کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔

ہرمزان شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ حریر کی زرنگار قباء بدن پر تھی۔ مرصع تاج سر پر اور بڑے بڑے رؤساء اس کی رکاب میں تھے۔ اسلامی وفد ہرمزان کو لے کر مسجد نبوی میں پہنچا تو حضرت عمرؓ مسجد میں سو رہے تھے۔ سونے کی شان یہ تھی کہ فرشِ خاک کا بستر تھا اور ہاتھ میں چمڑے کا درہ تھا۔ ہرمزان نے پوچھا خلیفۃ المسلمین کہاں ہیں؟ لوگوں نے اشارے سے بتایا کہ "یہ ہیں"۔ ہرمزان نے تعجب سے پوچھا "ان کے نقیب اور چوبدار نہیں ہیں؟" لوگوں نے جواب دیا "عمرؓ کو ان کی ضرورت نہیں"۔ ہرمزان نے کہا "اس سادگی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ نہیں نبی ہیں"۔ لوگوں نے جواب دیا "نبی تو نہیں لیکن نبی کے جانشین اور اس کے سچے پیرو ضرور ہیں"۔

اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی۔ سر سے پیر تک ایک نظر ہرمزان پر

ڈالی اور فرمایا "میں آتشِ دوزخ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔"

اہلِ وفد نے عرض کیا یا امیرالمومنین! یہ شاہِ اہواز ہے اس سے گفتگو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا پہلے اس کے کپڑے اُتار دو پھر بات کروں گا۔ چنانچہ ہرمزان کی شاہانہ پوشاک اُتار کر اُسے سادہ کپڑے پہنا دیئے گئے۔ اب آپ نے ہرمزان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اے ہرمزان تُو نے عہد شکنی اور حکمِ خدا سے سرتابی کا انجام دیکھا؟" ہرمزان نے جواب دیا "اے عمر! زمانہ جاہلیت میں جب خدا نے ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ تو ہم تم پر غالب رہتے تھے۔ اب خدا تمہارے ساتھ ہے تو تم ہم پر غالب ہو۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "زمانہ جاہلیت میں تم اس لئے ہم پر غالب رہتے تھے کہ تم متحد تھے اور ہم متفرق۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہرمزان بتاؤ تم پے درپے عہد شکنی کیوں کرتے رہے؟" ہرمزان نے کہا "اے عمرؓ! پہلے مجھے پانی پلا دو۔" حضرت عمرؓ نے فوراً پانی منگوایا۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا "اے عمر مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس پانی کو پینے سے پہلے قتل نہ کر دیا جاؤں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہو گا۔" یہ سُنتے ہی ہرمزان نے اس پیالہ کو لوٹ دیا اور کہنے لگا کہ "اب تم مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میں نے اس پانی کو نہیں پیا۔" حضرت عمرؓ ہرمزان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس کے ہاتھ سے کئی جلیل القدر صحابی شہید ہوئے تھے۔ وہ اس کے اس حیلہ پر حیران رہ گئے۔ فرمانے لگے "خدا کی قسم ہرمزان تُو نے مجھے دھوکہ دیا لیکن میں مسلمان کے سوا کسی کے دھوکہ میں آنا نہیں چاہتا۔"

یہ سُن کر ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دیدی اور دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ ایران کی فتوحات کے سلسلہ میں اس سے مشورہ بھی فرمایا کرتے تھے[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۸۸ ۔

پیش قدمی کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کا بیحد خیال رہتا تھا۔ وفد ہرمزان سے بھی آپ نے یہی خیال کیا کہ یہ ذمی بار بار عہد شکنی کیوں کرتے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں مسلمان انہیں تکلیف دیتے ہوں؟ وفد نے کہا اے امیر المؤمنین مسلمان اہل ذمہ سے متعلق تمام حقوق ادا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر کیا بات ہے؟ احنف بن قیس بولے۔ اے امیر المؤمنین! بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیں عجم کے ملک میں داخل ہونے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ جو کچھ فتوحات ہوئی ہیں ان کی عہد شکنی اور ہنگامہ آرائی کے نتیجہ کے طور پر ہوئی ہیں۔ جب تک ان کا شہنشاہ ان کے سر پر موجود ہے برابر یہ ہنگامے جاری رہیں گے۔ وہ اپنی قوم کو مسلمانوں کی مخالفت پر اکساتا ہی رہے گا۔ آپ اجازت دیجئے کہ ہم اس فتنہ کے سر کو کچل دیں اور ان کے ملک میں پیش قدمی کر کے ان کی امیدوں کو ختم کر دیں۔ حضرت عمرؓ کو اس جواب سے اطمینان ہو گیا اور آپ نے احنف بن قیس کی پیشقدمی کی رائے سے اتفاق کیا۔

فتح نہاوند معرکہ جلولاء کے بعد یزدگرد رَے چلا گیا تھا لیکن جب رَے کے رئیس نے بے وفائی کی تو رَے سے نکلا۔ اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا اور مرو میں اقامت اختیار کی۔ یہاں اس نے ایک آتش کدہ تعمیر کرایا۔ اس میں آتش پارسی (جو ساتھ لایا تھا) رکھی۔ اور نئے سرے حکومت کے ساز و سامان آراستہ کئے اور مسلمانوں سے اپنا ملک واپس لینے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اسی دوران میں خوزستان کی فتح اور ہرمزان کی گرفتاری کی خبر ملی تو سخت طیش میں آیا اور مسلمانوں سے آخری ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

یزدگرد نے مرو سے تمام سلطنت کے رئیسوں اور تعلقہ داروں کے نام خطوط بھیجے اور انہیں اپنی مدد کے لئے آمادہ کیا۔ چنانچہ باب، سندھ، خراسان اور حلوان کے درمیانی علاقوں کے تمام امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اس کی مدد کو نکل کھڑے ہوئے۔ یزدگرد نے اس ٹڈی دل لشکر کو لے کر نہاوند میں چھاؤنی

ڈال دی۔ سعد بن وقاص نے حضرت عمرؓ کو ان واقعات کی خبر دی۔

حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کی رائے تھی کہ اس اہم موقعہ پر حضرت عمرؓ خود اسلامی فوجوں کی رہنمائی کریں لیکن حضرت علیؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور خلیفۃ المسلمین کا مرکز میں مقیم رہنا ضروری قرار دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ میں اس مہم پر اس شخص کو بھیجتا ہوں جو سب سے پہلے نوکِ سناں کو بوسہ دے گا اور وہ شخص نعمان بن مقرن مزنی ہے۔

سب نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند کیا۔ نعمان بن مقرن کسکر کے عامل خراج تھے، مگر آپ حکومت کی کرسی کی بجائے گھوڑے کی زین زیادہ پسند کرتے تھے۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھا تھا کہ کسکر میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی نبرد آزما نوجوان کسی محبوبۂ طناز کی آغوش میں ہو اور وہ اسے طرح طرح لبھاتی ہو۔ خدا کے لئے مجھے یہاں سے ہٹا کر میدانِ جنگ میں بھیج دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں نہاوند کی سالاری میں مامور فرما کر ان کی خواہش پوری کر دی[1]۔

نعمان بن مقرن کی روانگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایات کے مطابق نعمان بن مقرن تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ نہاوند کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مقدمہ پر اپنے بھائی نعیم بن مقرن کو، میمنہ اور میسرہ پر اپنے دوسرے بھائی سوید بن مقرن اور حذیفہ بن الیمان کو، مجردہ پر قعقاع کو اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مقرر کیا۔ ایرانیوں کی طرف میمنہ پر زردک اور میسرہ پر بہمن متعین ہوا۔

آخر مسلمان نعرۂ تکبیر لگا کر میدان میں نکلے۔ دو روز تک دونوں فریقوں میں

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۲۳۔

ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ تیسرے روز ایرانی مقابلہ چھوڑ کر محفوظ مقامات میں پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمان لڑائی کو طول دینا نہیں چاہتے تھے۔ مشورہ کے بعد یہ رائے ہوئی کہ قعقاع اپنے دستے کو لے کر ان کے محفوظ مقامات میں گھس جائیں اور جب وہ ان کے مقابلہ کو نکلیں تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے ہوئے اسلامی لشکر کے قریب آجائیں اور پھر سارا لشکر اُن پر حملہ کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قعقاع ایرانی فوج کو اپنے ساتھ لگا کر اسلامی فوج کے مقابل لے آئے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی اس قدر شدید تھی کہ سوائے لیلۃ الہریر کے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسلنے لگے۔ چنانچہ نعمان بن مقرن کے گھوڑے کا بھی پاؤں پھسلا اور زمین پر آرہے۔ نعیم بن مقرن نے فوراً ان کو ایک طرف چھپا دیا اور ان کی کلاہ اور قباء پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ فوج کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا سردار زخمی ہو گیا ہے۔

نعمان کی شہادت اور فتح

لڑائی کا ہنگامہ رات تک جاری رہا۔ اندھیرا پھیلتے ہی ایرانی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور راہِ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے پیچھا کیا اور ہزاروں کو بھاگتے ہوئے قتل کیا۔ ایرانیوں نے اپنی طرف بچاؤ کی غرض سے آگ کا الاؤ جلا رکھا تھا۔ جب بے تحاشا بھاگے تو سینکڑوں اس میں گر کر بھسم ہو گئے۔ غرض ڈیڑھ لاکھ ایرانیوں میں سے بہت تھوڑے اپنی جان سلامت لے جا سکے۔

اسلامی سپہ سالار نعمان بن مقرن کے زخم بہت کاری تھے۔ فتح کے بعد ایک شخص ان کے پاس گیا تو دم توڑ رہے تھے۔ آنکھیں کھول دیں اور پوچھنے لگے۔ لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس شخص نے کہا "مسلمانوں کی فتح ہو گئی"۔ آپ نے فرمایا "خدا کا ہزار شکر ہے فتح کی خبر عمرؓ کو بھیج دو"۔ یہ کہا اور جنت کو سدھارے۔

اس لڑائی میں بے شمار مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ حذیفہ نے جنہیں نعمان

بن مقرنِ نے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، مالِ غنیمت کو تقسیم کیا اور سائب بن اقرع کو خمس اور فتح کی بشارت دے کر مدینہ روانہ کیا۔

حضرت عمرؓ مدینہ سے باہر ہی قاصد کے انتظار میں موجود تھے۔ سائب کو دیکھتے ہی پوچھا "کہو کیا خبر ہے"؟ سائب نے کہا "اے امیر المومنین اللہ نے زبردست فتح دی مگر نعمان شہید ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے فتح پر خدا کا شکر ادا کیا مگر نعمان کی شہادت پر بڑی دیر تک روتے رہے[1]

اس لڑائی کے بعد ایرانیوں کا زور ٹوٹ گیا اسی لئے عربوں نے اس کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔ یہ واقعہ محرم ۱۹ھ میں پیش آیا۔

تسخیرِ ایران

حضرت عمرؓ کا ارادہ ایران کی عام تسخیر کا نہ تھا۔ اب تک کی فتوحات کا مقصد یہ تھا کہ عربی علاقوں کو غیر ملکی قوتوں سے واپس لے لیا جائے اور ان پر اپنی طاقت کی ایسی دھاک بٹھا دی جائے کہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کر سکیں۔ اس مقصد کے حاصل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ مزید طاقت آزمائی کے خواہشمند نہ تھے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور عجمیوں کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ ہم ان تک جا سکتے نہ وہ ہم تک پہنچ سکتے"۔

لیکن ایرانی چین سے بیٹھنے والے نہ تھے۔ آئے دن سازشوں، بغاوتوں اور چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ اہواز اور نہاوند کے معرکے ان کے اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھے۔

حضرت عمرؓ اب ان فتنوں کا سدِ باب کر دینا چاہتے تھے۔ اس کی صورت یہی

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۳۳۴۔

تھی کہ احنف بن قیس کی رائے کے مطابق ان فتنوں کا سر کچل دیا جائے۔ یعنی ایرانی شہنشاہیت کو ختم کر دیا جائے۔

معرکۂ نہاوند سے فراغت کے بعد آپ نے اس ارادہ پر عمل فرمانے کا فیصلہ فرمالیا۔ چنانچہ ۱۸ھ کے آغاز میں کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں سے ایران کے مختلف صوبوں کی فتح کے لئے مختلف سرداروں کی ماتحتی میں فوجیں روانہ ہوگئیں اور ۲۳ھ تک پانچ سال کے قلیل عرصہ میں سلطنتِ ایران کے اکثر مشرقی و مغربی علاقے اسلامی جھنڈے کے سایہ میں آگئے۔ ان فتوحات کی تفصیل درجِ ذیل ہے :-

فتح ہمذان مشہور ایرانی سردار فیروزان نہاوند سے ہمذان کی طرف بھاگا تھا۔ حذیفہ نے ایک دستہ اس کے تعاقب کے لئے روانہ کیا۔ اس دستہ نے ہمذان کے قریب اُسے گھیر کر قتل کر دیا۔ اہلِ ہمذان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ اہلِ ماہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی صلح کی درخواست کی۔ چنانچہ اُن کی درخواست بھی منظور کر لی گئی۔

حذیفہ اپنے لشکر کو لے کر لوٹ رہے تھے کہ انہیں خبر ملی ہمذان میں غدر ہو گیا۔ حذیفہ نے نعیم بن مقرن کو اس طرف روانہ کیا۔ نعیم نے ہمذان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے عاجز آکر پھر صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔

یہاں سے نعیم نے واج رود کا قصد کیا جہاں روم، دیلم، اہلِ آذربیجان اور اہلِ رے مجتمع ہو کر مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ واج رود میں شدید جنگ ہوئی اور آخر کفار نے شکست کھائی۔ نعیم نے حضرت عمرؓ کو جو کفار کی تیاریوں سے بہت فکر مند تھے فتح کی بشارت بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے نعیم کو لکھا کہ وہ رے (طہران کے جنوب مشرق میں ایک شہر ہے) پر حملہ کریں۔ نعیم جب شہر کے قریب پہنچے تو سیاوش جو شہر کا حاکم تھا اپنی فوجیں لے کر مقابلہ پر آیا اور سخت جنگ ہوئی۔ ابھی لڑائی جاری ہی تھی کہ ابوالفرخان شہر رے کا ایک رئیس نعیم سے آملا۔ ابوالفرخان نے نعیم سے کہا کہ آپ ایک دستہ میرے حوالہ کریں۔ میں خفیہ راستہ سے شہر میں داخل

ہو جاؤں گا۔ چنانچہ نعیم نے باہر سے حملہ کیا اور ابوالفرخان کے ساتھیوں نے اندر سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سیاوش بدحواس ہو کر بھاگا اور رے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ نعیم نے ابوالفرخان ہی کو رے کا والی مقرر کر دیا۔

فتح طبرستان

اس کے بعد نعیم نے اپنے بھائی سوید کو قومس (خراسان اور بلادِ جبل کے درمیان ایک شہر ہے) کی طرف روانہ کیا۔ اہلِ قومس کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور شہر بلا مقابلہ فتح ہو گیا۔ یہاں سے سوید نے جرجان کا رُخ کیا۔ حاکمِ جرجان نے صلح کی درخواست کی جو قبول کی گئی۔ یہیں پر حاکمِ طبرستان کی درخواستِ صلح پہنچی۔ حاکم طبرستان کی خواہش تھی کی اس سے یکمشت خراج کے طور پر کچھ رقم وصول کر لی جایا کرے اور پھر اس سے اور اس کے اہلِ ملک سے کوئی سروکار نہ رہے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی اور اس مضمون کا صلحنامہ لکھ کر دے دیا گیا۔

"حاکمِ طبرستان کو اس شرط پر امان دی جاتی ہے کہ وہ اہلِ طبرستان کو ہماری مخالفت سے باز رکھے اور ہمارے باغیوں کو پناہ نہ دے اور پانچ لاکھ درہم سالانہ ادا کرتا رہے۔ جب تک حاکمِ طبرستان اس شرط کو پورا کرتا رہے گا، ہمیں اس کے ملک سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔ البتہ ہم اس کے ملک میں اس کی اجازت سے داخل ہو سکیں گے۔ اسی طرح اہلِ طبرستان ہمارے ملک میں آ سکیں گے۔ اگر حاکمِ طبرستان نے ہمارے باغیوں کو پناہ دی یا ہمارے دشمنوں سے ساز باز کی تو پھر یہ عہد نامہ منسوخ سمجھا جائے گا۔"[1]

فتح اصفہان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عتبان امیر بصرہ کو حکم بھیجا کہ اصفہان کی طرف روانہ ہوں اور ابوموسیٰ اشعری کو ان کی مدد کا حکم دیا۔ عبداللہ اصفہان آئے تو وہاں اسبیذان سے مقابلہ ہوا۔ دونوں

---

[1] اتمام الوفاء صد ۱۰۹

فریقوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ آخر مسلمان فتح یاب ہوئے اور اسبیذان نے صلح کی درخواست کی۔ یہ درخواست قبول کر لی گئی۔

پھر عبداللہ جے کی طرف بڑھے جو اصفہان کا صدر مقام تھا۔ فاذوسقان امیر اصفہان خود مقابلہ کے لئے آیا اور عبداللہ کو مبارزت کے لئے طلب کیا۔ پہلے فاذوسقان نے وار کیا جسے عبداللہ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ خالی دیا۔ جب عبداللہ کی باری آئی تو فاذوسقان نے کہا میں آپ سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اس شرط پر صلح چاہتا ہوں کہ جو چاہے جزیہ دے کر رہے اور جو چاہے ملک چھوڑ کر چلا جائے۔ عبداللہ نے اس شرط کو قبول کر لیا اور صلح نامہ لکھ دیا۔

فتح آذربائیجان

بکیر بن عبداللہ اور عتبہ آذربائیجان[1] کی طرف روانہ ہوئے۔ دربارِ خلافت سے نعیم بن مقرن فاتح رے کو حکم پہنچا کہ وہ سماک بن خرشہ کو بھیج کر ان کی مدد کریں۔ جب بکیر، جرمیدان کے پہاڑوں پر پہنچے تو واج روذ کے منہزمین نے اسفندیار کی زیر سرکردگی ان کا مقابلہ کیا۔ یہ اسفندیار رستم مقتولِ قادسیہ کا بھائی تھا۔ مسلمانوں نے اسفندیار کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اسفندیار نے بکیر سے کہا تم امن پسند کرتے ہو یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا۔ امن پسند کرتے ہیں۔ اسفندیار بولا تو مجھے قتل نہ کرنا جب تک میں تم سے صلح نہ کروں گا اہلِ آذربیجان صلح نہ کریں گے۔

بکیر نے اسفندیار کی بات مان لی۔ اب بکیر کو نعیم کی مدد پہنچ گئی اور وہ آذربیجان کی طرف بڑھے۔ اہلِ آذربیجان نے اسفندیار کے کہنے سے جزیہ پر صلح کر لی۔ حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت بھیجی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ عتبہ بن فرقد آذربیجان کے والی ہوں اور بکیر آگے بڑھ کر لشکرِ باب کی مدد کریں۔

---

[1] آذربیجان بحر خزر (کیسپین) کے مغرب میں ہے۔ اس کا صدر مقام پہلے شہر مراغہ تھا اور آج کل تبریز ہے۔

فتح باب سراقہ بن عمرو باب کی طرف بڑھے جو ایران، آرمینیہ اور روس کی حدود واتصال پر ایک سرحدی شہر ہے۔ مقدمۃ الجیش پر عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ تھے۔ بکیر سراقہ سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر خیمہ زن ہو چکے تھے۔ باب کا رئیس شہر براز ایک ایرانی سردار تھا۔ وہ خود اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ جب آپ نے اس سلطنت ہی پر قبضہ کر لیا تو پھر میں آپ کی اطاعت سے باہر کیسے ہو سکتا ہوں؟ لیکن میری خواہش ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ اس کی بجائے فوجی خدمات قبول کی جائیں۔

جزیہ حقیقت میں فوجی خدمات ہی کا صلہ تھا۔ اسلامی سپہ سالار نے رئیس باب کی اس درخواست کو قبول کر لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس شرط کو منظور فرمایا۔

باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اپنی فوجیں آرمینیہ کے سرحدی پہاڑی علاقوں کی طرف بڑھائیں۔ بکیر بن عبداللہ موقان کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ تفلس[۱] کی طرف اور حذیفہ جبال اللان[۲] کی طرف۔ بکیر نے موقان کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد سراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔ عبدالرحمٰن حضرت عمرؓ کے حکم سے باب سے بلادِ خزر کی طرف بڑھے۔ شہر براز نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ عبدالرحمٰن بولے بلنجر (ملک خزر کے دارالسلطنت) پہنچ کر ترکوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔ شہر براز نے کہا ہم تو یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا لیکن میں

---

[۱] تفلس گرجستان کا صدر مقام ہے اور آج کل حدود روس میں شامل ہے

[۲] اللان آرمینیہ سے متصل بحیرہ خزر اور بحیرہ اسود کے درمیان کا علاقہ ہے۔ یہ بھی آجکل مملکتِ روس میں شامل ہے۔

اُن کے مُلک میں گھسے بغیر نہ مانوں گا۔ قسم ہے خدائے پاک کی میرے ساتھ وہ جماعت ہے کہ اگر اُسے امیر کا حکم ملے تو سدِ سکندری تک پہنچ جائے۔ شہر براز نے تعجب سے پوچھا۔ وہ کون جماعت ہے؟

عبدالرحمٰن نے جواب دیا وہ، وہ جماعت ہے جس نے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت پائی ہے اور خلوص کے ساتھ دینِ اسلام میں داخل ہوئی ہے۔ جاں سپاری و فداکاری کا یہ جذبہ ان میں اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دوسری قومیں ان پر غلبہ پاکر ان کی ذہنیت کو نہ بدل دیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن باب سے روانہ ہوکر بلنجر پہنچے۔ بلنجر کے ترکوں نے مسلمانوں کی اس ہمّت کو دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ انسان نہیں ہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ ترکوں نے مسلمانوں سے قطعاً تعرض نہ کیا اور سپہ سالارِ اسلامی کے سپید گھوڑے نے بلنجر سے آگے دو سو فرسخ پہنچ کر دم لیا۔[1] ان فتوحات کے بعد عبدالرحمٰنؓ "باب" کے والی مقرر ہوکر وہیں مقیم ہوگئے۔

فتح خراسان یزدگرد شہنشاہ ایران اپنے نئے دارالسلطنت "مروشاہجہاں" میں مقیم تھا اور مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ احنف بن قیس ۲۲ھ میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ پہلے ہرات فتح کیا اور پھر مروشاہجہاں کی طرف بڑھے۔ یزدگرد مروشاہجہاں کو چھوڑ کر مرورود چلا گیا۔ اور خاقانِ چین، بادشاہِ ترکستان اور بادشاہِ صغد سے مدد کی درخواست کی۔ احنف نے بڑھ کر مروشاہجہاں پر قبضہ کر لیا اور پھر مرورود کا رُخ کیا۔ یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچ کر مقیم ہُوا۔ احنف نے مرورود پر بھی قبضہ کر لیا۔ مرورود میں احنف کی مدد کے لئے کوفہ سے تازہ دم فوجیں آگئیں۔ احنف نے انہیں لے کر بلخ پر حملہ کر دیا۔ یزدگرد بہادری کے ساتھ لڑا مگر شکست کھا کر بھاگا اور دریائے

---

[1] اتمام الوفاء ص ۱۳ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۳۔

جیحون کو پار کر کے ترکستان کے علاقہ میں داخل ہو گیا۔

جب یزدگرد فرغانہ پہنچا تو شاہِ ترکستان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس کی امداد کے لئے فوجیں تیار کیں۔ یزدگرد شاہِ ترکستان کے ساتھ دریا پار کر کے پھر واپس آیا۔ وہ خود مرو شاہجہاں کی طرف بڑھا اور شاہِ ترکستان مرورود کی طرف روانہ ہوا۔ شاہِ ترکستان کو مرورود میں احنف کے مقابلہ میں ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اور وہ اپنی فوجوں کو لے کر ترکستان کی طرف لوٹ گیا۔ یزدگرد کو جب یہ خبر پہنچی تو اس کی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ جواہرات اور خزانہ جو کچھ ساتھ تھا لے کر ترکستان کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ سلطنت گئی سو گئی ملک کی دولت بھی ترکستان جا رہی ہے۔ اس کا سارا سازو سامان لوٹ کیا۔ یزدگرد لٹا کھسٹا شاہ فرغانہ کے پاس پہنچا اور حضرت عمرؓ کے آخر زمانہ تک وہیں مقیم رہا۔ امراء خراسان نے احنف بن قیس سے امان طلب کی اور جزیہ پران سے صلح کرلی۔ اہلِ خراسان اسلامی حکومت کے سایہ میں پہلے سے زیادہ امن و عافیت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

فتح فسا و دارابجرد

ساریہ بن زنیم کلابی، فسا اور دارابجرد کے شہروں پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے ایرانی باشندوں نے اپنے پڑوسی کردوں سے مدد طلب کی اور بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ لڑائی کے دوران میں ایک موقع پر ساریہ دشمنوں میں گھر گئے۔ اس وقت انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی کہ فرما رہے ہیں۔

یاساریۃ الجبل الجبل "اے ساریہ پہاڑ کی پناہ لو پہاڑ کی پناہ لو"

ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور پہاڑ کو پُشت پر رکھ کر جنگ کی اور کامیاب ہو گئے۔

فتح کے بعد ساریہ نے بشارتِ فتح اور خمس دے کر ایک قاصد کو مدینہ روانہ کیا۔ مدینہ والوں نے قاصد سے کہا فلاں روز فلاں وقت خلیفۃ المسلمین خطبہ

دے رہے تھے کہ یکایک چیخ پڑے۔ "یاسادیۃ الجبل الجبل" اور پھر فرمایا کہ "خدا کی بے شمار غیبی مخلوق ہے شاید کوئی آواز ساریہ تک پہنچا دے" کیا تم نے وہ آواز سُنی تھی۔ قاصد نے کہا اسی آواز پر تو ساریہ اپنی فوج کو ہٹا کر پہاڑ کے دامن میں لے گئے اور فتح پائی۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساریہ کو دارابجرد کا والی مقرر کیا اور وہ یہیں قیام پذیر ہو گئے۔

فتح کرمان سہیل بن عدی کرمان کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عتبان کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ کرمان میں ایرانیوں کے ایک لشکرِ عظیم سے مقابلہ ہوا۔ ڈمیں کرمان میدانِ جنگ میں قتل ہوا اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

فتح سجستان عاصم بن عمر سجستان (سیستان) کی طرف روانہ ہوئے۔ اہلِ سجستان نے آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے سجستان کے صدر مقام زرنج کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین نے تنگ آکر اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ تمام صحرائی علاقہ ان کے جانوروں کے لئے مخصوص رہے۔ مسلمانوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اور اس وعدہ کو اس سختی سے نبھایا کہ جب ادھر سے گزرتے تو بڑی جلدی سے نکل جاتے تھے کہ کہیں عہد شکنی نہ ہو جائے۔

فتح مکران حکم بن عمیر تغلبی مکران (سندھ اور نہر بلخ کا درمیانی علاقہ) کی طرف روانہ ہوئے۔ سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ فاتحین کرمان بھی ان کے ساتھ آ ملے۔ اسلامی لشکر فتح کے جھنڈے اُڑاتا ہوا نہر سندھ کے کنارے تک پہنچ گیا۔ یہاں اہلِ مکران مقابلہ کے لئے آئے اور راجہ سندھ نے بھی ان کی مدد کے لئے زبردست فوج بھیجی۔ بلوچیوں اور سندھیوں کی مشترکہ فوج کا

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۱۔

مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور شکست فاش کھا کر بھاگی۔ مسلمانوں نے مکران پر قبضہ کر لیا۔ حکم نے صحار عبدی کے ہاتھ بشارت نامہ اور خمس مدینہ روانہ کیا۔ حکم بلادِ ہند میں آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ فتوحات کی توسیع کے حق میں نہ تھے اس لئے انہیں پیش قدمی سے روک دیا۔[1]

فتوحاتِ شام و فلسطین

فتح دمشق

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں ہم نے لشکرِ اسلام کو وادئ یرموک میں فتح و ظفر کے جھنڈے اڑاتے چھوڑا تھا۔ جنگِ یرموک سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ سالارِ افواجِ اسلامیہ کو معلوم ہوا کہ شکست خوردہ رومی لشکر مقام فحل میں پہنچ کر رُکا ہے۔ دوسری طرف قیصرِ روم نے ایک لشکرِ عظیم مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے دمشق میں جمع کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کس طرف کا قصد کریں؟ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ایک دستۂ فوج فحل کی طرف بھیج دو جو منہزمینِ یرموک کو اُلجھائے رکھے اور خود دمشق کی طرف بڑھو کیونکہ وہ شام کا قلعہ اور دار السلطنت ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دستہ فحل کی طرف روانہ کیا جس نے پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک دستہ حمص اور دمشق کے درمیان متعین کیا اور ایک دستہ دمشق اور فلسطین کے درمیان متعین کیا تاکہ ان مقامات سے دمشق کو امداد نہ پہنچ سکے۔ باقی فوج کو لے کر حضرت ابو عبیدہؓ دمشق کی طرف بڑھے۔ دمشق میں رومی افواج کا سالار نسطار بن نسطوس تھا۔ اس نے جب مسلمانوں کی آمد کی خبر سُنی تو شہر بند ہو بیٹھا۔ اسلامی فوج نے دمشق کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ایک دروازہ پر حضرت ابو عبیدہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۳۳

تھے۔ دوسرے دروازہ پر عمروؓ بن عاص تھے۔ تیسرے دروازہ پر خالد بن ولیدؓ تھے، چوتھے دروازہ پر یزید بن ابی سفیانؓ۔ مسلمان ستر روز تک شہر کا محاصرہ کئے پڑے رہے اس دوران میں کبھی کبھی رومی فصیل پر چڑھ کر تیر باری کرتے تھے اور مسلمان بھی اس کا جواب دیتے تھے۔ مگر رومیوں کو یہ ہمت نہ ہوتی تھی کہ میدان میں آکر مسلمانوں کا مقابلہ کریں۔

خالدؓ کی جرأتِ مردانہ

خالد بن ولیدؓ رات کے وقت بہت کم سوتے تھے اور دشمن کے حالات کی پوری پوری خبر رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے شہر میں غیر معمولی شور و شغب کی آواز سنی۔ جاسوسوں کے ذریعہ تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ بطریق دمشق کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے اس کی خوشی میں قلعہ میں رقص و سرور کی محفلیں برپا ہیں اور رومی شراب پی پی کر بدمست ہو رہے ہیں۔

خالد بن ولیدؓ نے اس موقعہ سے فوراً فائدہ اٹھایا۔ چند جانباز ساتھیوں کو لے کر خندق کو پار کر کے فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ رسیوں کی سیڑھیاں بنائیں۔ ان کے کناروں پر پھندے لگائے اور ان پھندوں کو فصیل کے کنگروں میں اٹکا دیا۔ پھر ان رسی کی سیڑھیوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئے اور نیچے اتر کر پہرہ داروں کو قتل کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تکبیر کی آواز سنتے ہی خالد بن ولید کے دستہ کے باقی سپاہی دروازہ کے راستہ شہر میں داخل ہو گئے۔ رومی اس بلاء ناگہانی سے حیران رہ گئے۔ اور تو کچھ بن نہ پڑی شہر کا دوسرا دروازہ کھول کر حضرت ابو عبیدہؓ کی خدمت میں پہنچے اور صلح کی درخواست کی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کو خالد بن ولید کی کارگزاری کی خبر نہ تھی اسلامی آئینِ جنگ کے مطابق فوراً ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور وہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ مصالحانہ شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر کے وسط میں دونوں سرداروں کی آپس میں ملاقات

ہوئی تو انہیں رومیوں کی اس چالاکی کا علم ہوا۔

اب یہ بحث چھڑی کہ شہر کو بزورِ شمشیر مسخر قرار دیا جائے یا مصالحت کے ذریعہ مفتوح قرار دیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے تمام شہر کو مصالحانہ مفتوح قرار دیا۔ جو شرائط انہوں نے رومیوں سے طے کی تھیں وہی سارے شہر پر جاری کی گئیں۔ شرائط یہ تھیں کہ مفتوحین چاندی، سونے اور جائداد کا پانچواں حصہ ادا کریں اور فی کس ایک دینار اور فی جریب زمین ایک جریب گیہوں ادا کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد ان کا جان، مال، جائداد اور عبادت گاہیں محفوظ ہوں گی اور ان پر کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے گا۔[۱] دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ کو عمل میں آئی۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو فتح کی بشارت بھیجی۔ یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق کی نگرانی کے لئے چھوڑا گیا۔ انہوں نے وہاں مقیم ہو کر آس پاس کے شہر عبیدا، عرقہ، جبیل اور بیروت فتح کر لئے۔ یزید بن ابی سفیانؓ کے چھوٹے بھائی معاویہ بن ابی سفیان قیساریہ کی طرف بڑھے اور اسے فتح کر لیا۔

معرکہ فحل

دمشق کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ فحل کی طرف بڑھے۔ خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، ضرار بن الاسود اور شرحبیل بن حسنہ ان کے ساتھ تھے۔ رومیوں نے شہر کی حفاظت کے لئے یہ تدبیر کی تھی کہ اطرافِ شہر کی نہروں کے بند کاٹ دیئے تھے اور شہر کے چاروں طرف عالمِ آب نظر آتا تھا۔ اسلامی فوجوں نے شہر کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک رات رومی سردار سقلاء شب خون مارنے کے ارادہ سے باہر نکلا۔ شرحبیل بن حسنہ حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق رات کو جاگتے رہتے تھے اور ان کا دستۂ فوج بھی جنگی ترتیب کے مطابق مرتب رہتا تھا۔ رومی سردار سقلاء کا شرحبیل سے مقابلہ ہوا۔ نہایت سخت معرکہ پیش آیا۔ ساری رات ہولناک لڑائی ہوتی رہی اور اگلے دن بھی لڑائی جاری رہی۔ رات ہوتے

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۲۲ بحوالہ طبری

رومی سردار مارا گیا اور رومی شکست کھا کر بھاگے۔ مگر بھاگ کر [illegible] جاتے۔ پیچھے پہلے ہی پانی چھوڑ کر شہر کا راستہ بند کر چکے تھے۔ اسی ہزار قتل ہوئے اور بیشمار مالِ غنیمت چھوڑا۔

معرکہ مرج روم

[illegible] رت ابو عبیدہؓ نے ایک دستہ [illegible] ی
میں بیسان کی طرف روانہ کیا اور دوسرا طبریہ (صدر مقام [illegible]) کی طرف۔ دونوں مقامات دمشق کی شرائطِ صلح پر فتح ہو گئے۔

اب حضرت ابو عبیدہؓ خالد بن ولیدؓ کے ساتھ حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ جب "مرج روم" پر پہنچے تو رومیوں کے دو لشکروں سے مڈبھیڑ ہوئی جنہیں قیصرِ روم نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک لشکر کا سردار توذر تھا اور دوسرے کا شنس۔ ابو عبیدہؓ نے شنس کے مقابلہ میں اپنی صفیں آراستہ کیں اور خالد نے توذر کے۔ صبح کو جب مقابلہ کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ توذر دمشق کی طرف روانہ ہو گیا ہے تاکہ بے خبری میں یزید بن ابی سفیان کو جا گھیرے۔ خالد بن ولیدؓ فوراً اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ ادھر یزید بن ابی سفیانؓ کو بھی توذر کی روانگی کی خبر معلوم ہو گئی۔ وہ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ دمشق کے باہر دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ لڑائی کے دوران میں خالد بن ولید پہنچ گئے اور رومی لشکر پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ توذر کی فوج کا ایک آدمی بھی زندہ نہ بچا۔

ادھر مرج روم میں ابو عبیدہؓ کا شنس سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اسے شکست دی۔

فتح حمص

قیصرِ روم اس وقت حمص میں مقیم تھا۔ اسے جب توذر و شنس کی ہزیمت اور مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر پہنچی تو وہ حمص کو چھوڑ کر انطاکیہ چلا گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بعلبک کو فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محصورین ایک عرصہ تک ہرقل کی مدد کے انتظار میں تکلیفیں جھیلتے رہے جب انہیں

اس طرف سے مایوسی ہوگئی تو ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام بھیج کر دمشق کی شرائط پر صلح کر لی۔

حضرت ابو عبیدہ ... بن صامت کی نگرانی میں دیا اور خود آگے بڑھے۔ حماۃ شہر ... کے باشندوں نے دمشق کی شرائط پر صلح کر لی۔ اس کے بعد مسلمان لاذقیہ (مضافات حلب) کی طرف بڑھے۔ اہلِ لاذقیہ مقابلہ کے لئے نکلے اور شکست کھا کر شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر مسلمانوں سے امان طلب کی۔ اور واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے یہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

فتح قنسرین حضرت ابو عبیدہ نے خالد کو قنسرین کی فتح کے لئے بھیجا۔ مقام حاضر پر رومیوں کے ایک بڑے سردار "میناس" نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن خالدؓ نے اسے ... فاش دے دی۔ خالدؓ قنسرین پہنچے تو اہلِ قنسرین شہر بند ہو بیٹھے۔ خالد نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور اہلِ شہر سے کہلا بھیجا کہ شہر ... ہونے سے کوئی نتیجہ نہیں۔ اگر تم آسمان پر بھی چڑھ جاؤ تو ... ہمیں تم تک ... گا یا تمہیں ہمارے پاس اتار لائے گا۔

اہلِ قنسرین کو جب مسلمانوں کی اطاعت کے سوا چارہ ... شہر کے دروازے ... دیئے۔ اہلِ ... بھی دمشق کی شرائط پر صلح ہو گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ... خالد بن ولید کے ان کارناموں کی خبر پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا خالد بن ولیدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سپہ سالار بنا لیا ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحمتِ بیکراں نازل کرے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے کہ انہوں نے خالدؓ کو ان کے صحیح مرتبہ پر سرفراز کر دیا تھا۔ میں نے خالدؓ کو اس مرتبہ سے معزول کیا تو ان کی کسی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان ان کی شخصیت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور اسلامی فتوحات کو ان کی جنگی مہارت پر محمول نہ

کریں ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے عہدہ اور اختیارات میں اضافہ فرما دیا۔[1]

الوداع اے شام | قیصر روم "ہرقل" انطاکیہ میں مقیم تھا کہ اسے ان مسلسل شکستوں کی خبر پہنچی۔ وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہو گیا اور قسطنطنیہ کا عزم کیا۔

قیصر کا دستور تھا کہ جب وہ حج بیت المقدس سے فارغ ہو کر قسطنطنیہ واپس جاتا تو وہ ملک شام کی سرحد کو پار کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتا :-

"اے شام مسافر کا سلام قبول ہو۔ جس کا جی تجھ سے نہیں بھرا ہے اور جو پھر تیری طرف لوٹ کر آنے والا ہے"

لیکن اس مرتبہ جب وہ مقام شمشاط پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے بیت المقدس کی طرف رُخ کیا اور کہا :-

"اے شام رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں"

قیصر جب قسطنطنیہ پہنچ گیا تو وہاں ایک رومی مسلمانوں کی قید سے بھاگ کر آیا۔ قیصر نے اس رومی سے کہا۔ مجھے کچھ حالات مسلمانوں کے سناؤ۔ رومی نے کہا ۔

"اے بادشاہ وہ لوگ دن کو شہسوار ہیں اور رات کو عابد شب زندہ دار وہ اپنے مفتوحین کا مال کا قیمت ادا کئے استعمال نہیں کرتے اور جس ملک میں داخل ہوتے ہیں امن وسلامتی کی برکتیں اپنے ساتھ لاتے ہیں لیکن جو قوم ان کا مقابلہ کرے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دے"

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۶۰

قیصر نے کہا۔

"اگر مسلمان ایسے ہی ہیں تو وہ میرے قدموں تلے کی زمین بھی فتح کر لیں گے۔"[1]

فتح حلب

حضرت ابو عبیدہؓ حلب کی طرف بڑھے۔ اہلِ حلب قلعہ بند ہو بیٹھے۔ اسلامی فوجیں شہر کا محاصرہ کئے پڑی رہیں۔ جب اہلِ حلب نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صورت نہیں تو حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس پیغام صلح بھیجا اور اپنی جان، مال، اولاد، گرجوں اور قلعوں کے مامون و محفوظ رہنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا اور دمشق کی شرائط پر صلح کر لی گئی۔ یہاں بھی ایک مسجد تعمیر کی گئی۔

فتح انطاکیہ

فتح حلب کے بعد حضرت ابو عبیدہ انطاکیہ کی طرف بڑھے۔ انطاکیہ قیصرِ روم کا ایشیائی دار السلطنت تھا اور اپنی جغرافی حیثیت فوجی مرکزیت اور سیاسی اہمیت کے لحاظ سے خاص طور پر ممتاز تھا۔ قنسرین اور دوسرے مفتوحہ علاقوں کے عیسائی یہیں آ کر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ جب مسلمان انطاکیہ کے قریب پہنچے تو عیسائیوں کی ایک جماعت شہر سے نکل کر ان کے مقابلہ پر آئی مگر شکست کھا کر پھر شہر میں گھس گئے اور شہر کے دروازے بند کر لئے۔ اسلامی فوجوں نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ عرصہ محصور رہنے کے بعد آخر اہلِ انطاکیہ نے صلح کا پیغام بھیجا اور درخواست کی کہ ان میں سے جو لوگ شہر کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں انہیں جانے کی اجازت دی جائے اور جو رہنا چاہیں ان سے شرائطِ دمشق کے مطابق جزیہ لیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس درخواست کو قبول فرما لیا۔

فتح انطاکیہ کے بعد انطاکیہ کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۵۳۔

حکم سے یہاں ایک چھاؤنی قائم کی گئی۔

اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے معرہ مصرین کی طرف رُخ کیا اور اسے صلحاً فتح کر لیا۔ پھر آپ نے آس پاس کے علاقوں کی فتح کے لئے دستے روانہ کئے۔ چنانچہ تورس، تل عزاز، بنبج وغیرہ فتح ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ خود باس کی طرف روانہ ہوئے اور حبیب بن مسلمہ کو قاصرین کی طرف بھیجا اور یہ مقامات بھی صلحاً فتح ہو گئے۔ اس طرح اسلامی فوجوں نے شام کو مشرق میں حدودِ فرات تک اور شمال میں ایشیائے کوچک تک فتح کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے ہر ہر پرگنہ کے انتظام کے لئے عامل مقرر کیا اور اس کی حفاظت کے لئے دستہ فوج متعین کیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ خود فلسطین کی طرف لوٹ آئے۔ آپ نے میسرہ بن مسروق اور مالک بن حارث اشتر کی سرداری میں ایشیائے کوچک کی طرف ایک لشکر روانہ کیا۔ ان کا مقابلہ رومیوں اور عیسائی عربوں کی ایک جماعت سے ہوا جو شام سے بھاگ کر ہرقل کی فوج سے مل جانا چاہتے تھے (ہرقل اب ملک شام کو چھوڑ کر جا چکا تھا) مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر منتشر کر دیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے ایک دوسرا لشکر مرعش کی طرف بھیجا۔ اس لشکر کے سردار خالد بن ولید تھے۔ انہوں نے مرعش کو فتح کر لیا اور اس کے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تاکہ رومی یہاں پناہ گزین ہو کر پھر مسلمانوں پر حملہ کی تیاری نہ کر سکیں[1]۔

معرکہ اجنادین فتوحاتِ شام کی ترتیب قائم رکھنے کے لئے ہم تاریخی اعتبار سے آگے بڑھ گئے تھے۔ اب ہم پھر فلسطین کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۶۳

مرج روم اور بیسان کی فتوحات کے بعد قیصر روم نے اپنی ایک فوج مقام رملہ میں متعین کی۔ ایک فوج بیت المقدس میں جمع کی اور ایک بڑی جمعیت کو لے کر مقام اجنادین میں مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔

عمرو بن عاص جو اُردن میں مقیم تھے اپنی فوج کو لے کر اجنادین کی طرف بڑھے اور علقمہ بن کلیم فراسی اور مسروق علکی کو بیت المقدس کی طرف اور ابوایوب مالکی کو رملہ کی طرف بھیجا اور کل واقعات کی حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔

ارطبون اپنی چالاکی اور بہادری میں بہت مشہور تھا۔ ادھر عمروؓ بن عاص بھی کچھ اس سے کم نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"رومی ارطبون کے مقابلہ میں ہمارا عربی ارطبون آیا ہے۔ دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے"

عمروؓ بن عاص نے اجنادین پہنچ کر رومیوں کا محاصرہ کر لیا اور عرصہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ ایک دن عمروؓ بن عاص خود سفیر بن کر ارطبون کے قلعہ میں گئے۔ اور وہاں کے فوجی حالات سے واقفیت حاصل کی۔ واپس آکر آپ نے اپنی فوج کو حملہ کا حکم دیا۔ یرموک کی لڑائی کی طرح سخت لڑائی ہوئی۔ آخر کار ارطبون نے شکست کھائی اور بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ علقمہ بن کلیم فراسی نے جو بیت المقدس کے گرد گھیرا ڈالے پڑے تھے۔ ارطبون کو راستہ دیدیا اور وہ شہر میں داخل ہو گیا۔

اجنادین کی فتح کے بعد عمروؓ بن عاص نے غزہ، سبط، نابلس، لد، عمواس، جبرین، یافہ وغیرہ مقامات کو فتح کیا اور پھر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] مؤرخین تاریخ اسلام میں یرموک اور اجنادین کے واقعات کی ترتیب میں اور ان کی تاریخ کی تعیین میں سخت اختلافات ہیں۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ واقعہ یرموک فتح دمشق سے قبل ظہور پذیر ہوا اور واقعہ اجنادین فتح دمشق کے بعد۔ ابن جریر طبری

اس امر کی دلیل کہ معرکہ اجنادین اولی آخر سنہ ۱۲ھ یا ابتداء سنہ ۱۳ھ میں پیش آیا۔ بعض مؤرخین کی یہ روایت ہے :۔

(بقیہ حاشیہ صف سے آگے) کی یہی رائے ہے۔ جدید مؤرخین میں سے خضری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ واقعہ جنادین فتح دمشق سے پہلے ہُوا اور واقعہ یرموک فتح دمشق کے بعد۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اور ابن واضح نے تاریخ یعقوبی میں اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں اسی کو ترجیح دی ہے یہ اختلافات صرف عربی مورخین ہی میں نہیں ہیں بلکہ انگریزی اور فرانسیسی مورخین میں بھی ہیں جن کی تاریخوں کے ماخذ رومی روایات ہیں۔ چنانچہ مشہور انگریزی مورخ اڈورڈ گین نے اپنی "تاریخ سلطنت روم" میں اور فرانسیسی مؤرخ نویل ڈیفرجی نے اپنی "تاریخ بلاد عرب" میں مختلف راہیں اختیار کی ہیں

عہد حاضر کے مشہور مؤرخ رفیق بک مصری نے اپنی کتاب "اشہر مشاہیر الاسلام" میں ان اختلافات کی تفصیلات کا ذکر کرنے کے بعد حسب ذیل محاکمہ کیا ہے۔

ان روایاتِ مختلفہ پر غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فتوحاتِ شام کے سلسلہ میں تین واقعات ظہور پذیر ہوئے جو اسباب و حالات اور محلِ وقوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

۱۔ اجنادین اولیٰ جو سنہ ۱۲ھ کی انتہا یا سنہ ۱۳ھ کی ابتدا میں پیش آیا۔

۲۔ یرموک جو جمادی سنہ ۱۳ھ میں ظہور میں آیا۔

۳۔ اجنادین ثانیہ جو سنہ ۱۴ھ یا سنہ ۱۵ھ میں واقع ہُوا۔

ابن جریر طبری نے ان تینوں واقعات کو بیان کیا ہے لیکن اس نے اجنادین اولیٰ اور یرموک کے واقعات جن روایات سے بیان کئے ہیں ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یرموک مقدم تھا یا اجنادین اولیٰ یا یہ دونوں درحقیقت ایک ہی واقعہ ہیں۔ البتہ ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء فتوحاتِ شام میں اجنادین میں ایک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"حضرت ابوبکرؓ کو اجنادین میں رومیوں پر مسلمانوں کی فتح کی خبر دی گئی تو آپ کی زندگی کے آخری دن تھے"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱ سے آگے) جنگ ہوئی جس میں خالدؓ بن ولید شریک نہ تھے بلکہ یہ معرکہ یا رومیوں اور خالد بن سعید کے درمیان ہوا جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں ماہان یا باہان کے مقابلہ کے لئے اطرافِ شام میں بھیجا یا خالد بن سعید کے بعد آنے والے امیروں میں سے کسی کے ساتھ پیش آیا۔ جب خالد بن سعید اور ان کے ساتھیوں نے باہان کو شکست دے دی اور مسلمان امراء متعدد لشکروں کو لے کر شام کی مختلف حصوں میں پھیل گئے تو ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے تازہ دم اور کثیر التعداد فوجیں روانہ کیں۔ اب یہ سب امراء پیچھے لوٹ آئے اور مقام یرموک پر جمع ہو گئے اور حضرت ابوبکرؓ سے مدد طلب کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولید کو عراق سے شام بھیجا۔

خالدؓ بن ولید کی آمد پر یرموک میں مشہور معرکۂ کارزار گرم ہوا جس میں رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان امراء دمشق کی طرف بڑھے اور اُسے فتح کر لیا۔ پھر فحل کو فتح کیا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ حمص کی طرف بڑھے اور اُسے فتح کر لیا۔

ان تمام فتوحات کے بعد ہرقل نے نئی فوجیں فلسطین کی طرف بھیجیں جو مقام اجنادین میں آکر جمع ہوئیں اور یہاں اجنادین ثانیہ کا معرکہ پیش آیا جس میں عمروؓ بن عاص اور ایک روایت کے مطابق خود حضرت ابوعبیدہؓ نے شام سے لوٹ کر حصہ لیا اور مشہور رومی سردار ارطبون کو شکست دے کر بیت المقدس کی طرف بھگا دیا۔

واقعہ کی اصلی تفصیل یہ ہے، بلاذری اور یعقوبی کو غلط فہمی یہ ہوئی کہ انہوں نے اجنادین میں ایک ہی لڑائی سمجھی اور اجنادین ثانیہ کو واقعہ یرموک قرار دیا حالانکہ تاریخی ثبوت اس امر کے حق میں ہے کہ واقعہ یرموک اس مقام پر پیش آیا جہاں پہلی مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کے آخر عہد میں امرائے اسلام جمع ہوئے اور خالد بن ولید ان کی مدد کے لئے عراق سے شام پہنچے۔ چنانچہ یاقوت معجم البلدان میں لکھتا ہے:-

یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ واقعہ یرموک کے دوران ہی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا اور مسلمانوں کو معرکۂ جنگ ہی میں آپ کی وفات کی خبر ملی تھی۔
رہا اجنادین ثانیہ کا معرکہ تو وہ فتح حمص کے بعد ۱۵ھ میں پیش آیا جیسا کہ تفصیل کے ساتھ طبری نے اسے لکھا ہے اور بلاذری اور یعقوبی نے بھی تاریخ کی تعیین اور واقعات کی تفصیل میں اختلاف نہیں کیا۔ البتہ اجنادین ثانیہ کی بجائے اسے واقعہ یرموک قرار دیا ہے۔ (اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۴ تا ص ۲۴۴)
اس بحث کی نقل کے بعد اس پر ہم اتنا اور اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ ابن کثیر نے بھی اس سلسلہ میں جو روایات نقل کی ہیں ان سے بھی اسی رائے کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن کثیر کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حضرت خالد رضی اللہ عنہ عراق سے شام کو (درمیانی علاقے فتح کرتے ہوئے) پہنچے تو اس وقت تک اسلامی امراء مجتمع نہ ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت مرثد اور شرحبیل کو ساتھ لے کر عمرو بن عاص کی مدد کو پہنچے جو ارض عربہ میں گھرے ہوئے تھے۔ یہاں جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں واقعہ اجنادین پیش آیا۔ اس جنگ میں متعدد صحابہ کرام شہید ہوئے۔ آخر کار رومیوں کا سردار مارا گیا اور انہیں

"یرموک ایک وادی ہے اطراف شام میں غور کے کنارے جو پہلے نہر اردن میں گرتی ہے اور پھر بحیرہ منتنہ میں جا ملتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی تھی اور خالد بن ولید عراق کو چھوڑ کر مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے۔"
اس کے بعد یاقوت نے واقعۂ یرموک کی پوری تفصیل بیان کرنے کے بعد قعقاع بن عمرو کے وہ اشعار نقل کئے ہیں جن میں اس نے خالد کے ساتھ عراق سے یرموک کی طرف روانگی اور راستہ میں غسانیوں سے لڑائی اور بصریٰ کی فتح وغیرہ کا حال تصریح کے ساتھ لکھا ہے:-

شکست ہوئی۔ پھر آغاز جمادی الاولیٰ میں واقعہ یرموک ... یا۔

علامہ ابن کثیر کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اجنادین اولیٰ میں، رومیوں کے سردار قیقلان تھا جو میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اجنادین ثانیہ میں ارطبون۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۴ تا ۰)

اس سلسلہ میں اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کی تاریخ میں جو اختلاف ہے وہ بھی تاریخِ یرموک کی تعیین کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ حضرت خالدؓ کی معزولی کا واقعہ جنگِ یرموک کے دوران ہی میں پیش آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتح بیت المقدس

عمرو بن عاص نے بیت المقدس پہنچ کر اس کے چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ اسی دوران میں قنسرین و حلب وغیرہ کی فتوحات سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ بن ولید بھی بیت المقدس پہنچ گئے۔

اہلِ "قدس" نے جب دیکھا کہ سب بڑے بڑے اسلامی سردار بیت المقدس پہنچ گئے ہیں اور انہیں قیصر کی طرف سے مدد ملنے کا بھی امکان نہیں تو وہ مایوس ہو گئے۔ ارطبون بھی جو اجنادین سے شکست کھا کر بیت المقدس میں پناہ گزین ہو گیا تھا ایک رات خاموشی کے ساتھ مصر کی طرف فرار ہو گیا۔ اب اہلِ قدس نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیں۔ لیکن انہیں اس سلسلہ میں ایک پریشانی تھی۔

انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں نے جن شہروں کو فتح کیا ہے وہاں کے باشندوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ نہ ان کی جائدادوں اور عبادت گاہوں پر قبضہ کیا ہے۔ لیکن بیت المقدس مسلمانوں کے لئے بھی اسی طرح مقدس مقام تھا

جس طرح عیسائیوں کے نزدیک انبیاء سابقین کی بے شمار یادگاریں اور خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ معراج کی منزل اوّل مسجدِ اقصیٰ ہی تھی۔ اس لئے عیسائیوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان اس مقدس مقام کی عیسائی زیارت گاہوں کو ان کے ہاتھ سے چھین نہ لیں۔ لہٰذا اہلِ قدس نے اسلامی سرداروں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر خلیفۃ المسلمین خود تشریف لاکر عہدنامہ صلح لکھیں اور اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائیں تو ہم شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں۔

خلیفۂ اسلام کا پہلا سفرِ شام

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو عیسائیوں کی اس خواہش سے مطلع کیا اور لکھا کہ آپ کی تشریف آوری سے یہ مرحلہ بغیر کشت و خون کے انجام پا جائے گا۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ پر اپنا قائم مقام بنا کر بیت المقدس کے ارادہ سے نکلے۔ مقامِ جابیہ پر پہنچے تو لشکرِ اسلام کے امراء نے خلیفہ کا استقبال کیا۔ پہلے یزید پھر حضرت ابوعبیدہؓ اور پھر خالدؓ بن ولید حاضرِ خدمت ہوئے۔ ان سب امراء نے دیباج کی قبائیں زیبِ بدن کر رکھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے افسروں کی یہ شان دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ آپ نے چند کنکریاں زمین سے اٹھا کر اُن کی طرف پھینکیں اور پھر فرمایا۔

"تم لوگ دو ہی سال میں اس قدر بدل گئے؟ تم کیا لباس پہن کر میرے سامنے آرہے ہو؟ آج سے دو سو سال بعد بھی اگر تم ایسا کرتے تو میں تمہیں معزول کر دیتا"

ان امراء نے عرض کیا یا امیر المومنین یہ قبائیں ہم نے ہتھیاروں سے جسم کی حفاظت کے لئے استعمال کی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ بات ہے تو خیر![1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ صفحہ ۲۵۰۔

عہد نامہ صُلح یہیں اہلِ قدس کے نمائندے خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صُلح کی درخواست کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درخواست منظور کی اور حسبِ ذیل عہد نامہ اپنے دستخطوں سے لکھ کر ان کو عطا فرمایا۔

"اللہ کے بندہ عمر امیر المومنین کی طرف سے اہل ایلیا (بیت المقدس) کو یہ امان نامہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ ایلیا کی جان، مال، گرجوں، صلیبوں سب کو امان دی جاتی ہے۔ بیماروں اور تندرستوں اور سب مذہب کے لوگوں کو یہ امان شامل ہے۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ نہ اُن کے عبادت خانوں پر قبضہ کیا جائے گا نہ انہیں گرایا جائے گا۔ ان کے دینی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کی جائے گی اور یوں بھی کسی کو کوئی تکلیف نہ دی جائے گی۔ البتہ اُن کے پاس یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ اہل ایلیاء کا فرض ہے کہ وہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور متحارب رومیوں کو اپنے شہر سے خارج کر دیں۔ جو رومی شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے وطن سلامتی کے ساتھ پہنچ جائے۔ اگر اہل ایلیاء میں سے کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جا سکتا ہے لیکن اگر رومی بھی امن پسندانہ طور پر رہنا چاہیں تو انہیں بھی انہی شرائط کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ اس امان نامہ کی اللہ اور اس کا رسول اور آپ کے خلفاء اور جملہ مومنین ذمہ داری لیتے ہیں[1]"

بیت المقدس میں داخلہ اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد اہلِ قدس نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور حضرت عمرؓ

---

[1] اتمام الوفاء بحوالہ طبری ص۱۲۶۔

نے بیت المقدس کا قصد کیا۔

بیت المقدس کے سفر کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ترکی گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ سوار ہوئے تو گھوڑا اللیل کرنے لگا۔ حضرت عمرؓ اتر پڑے اور فرمانے لگے۔ کمبخت تو نے یہ غرور کی چال کہاں سے سیکھی؟ اور اپنے گھوڑے کو منگا کر اسی پر روانہ ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد کبھی آپ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔

حضرت عمرؓ رات کے وقت بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ میں حاضری دی اور محراب داؤد میں دو رکعت "تحیۃ المسجد" ادا کیں۔ پھر صبح کو اسی مقام پر جماعت کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔

آپ نے عیسائیوں کے مشہور گرجا کنیسہ قمامہ کی سیر کی۔ دوران سیر میں نماز کا وقت آگیا۔ بطریق نے جو آپ کے ساتھ تھا عرض کیا یہیں نماز پڑھ لیجئے۔ مگر آپ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور باہر نکل کر سیڑھیوں پر تنہا نماز ادا کی۔ آپ نے بطریق سے کہا "اگر میں یہاں نماز پڑھ لیتا تو میرے بعد مسلمان اس کنیسہ کو تم سے چھین لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز پڑھی تھی"۔

پھر آپ نے بطریق کو اس مضمون کی ایک تحریر بھی لکھ کر دیدی کہ گرجا کی سیڑھیوں پر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے اور نہ اذان دی جائے۔[۱]

مسجد عمرؓ کی تعمیر حضرت عمرؓ نے بطریق سے پوچھا: میں ایک مسجد بنانا چاہتا ہوں کون سی جگہ اس کے لئے موزوں ہوگی؟ بطریق نے کہا "صخرہ" پر بنا لیجئے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب سے کلام فرمایا تھا۔ عیسائیوں نے اس مقام کو یہودیوں کی مخالفت کے جوش میں مزبلہ بنا رکھا تھا اور ہر قسم کی نجاست وہاں لا کر ڈالی جاتی تھی۔ جیسا کہ یہودیوں نے مقام صلیب مسیح کو عیسائیوں کی عداوت میں مزبلہ بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس جگہ کو صاف کرنے

---

[۱] محاضرات خضری ج ۲ ص ۹

کا حکم دیا اور خود بھی اپنی قباء کے دامن میں بھر بھر کر مٹی ڈھونا شروع کر دی۔ اس منظر کو دیکھ کر "کعب احبار" نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ تمام مسلمانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ حضرت عمرؓ نے کعب سے پوچھا۔ یہ تکبیر کا کیا موقعہ تھا؟ کعب نے جواب دیا۔ یا امیرالمومنین جو کچھ آج آپ کر رہے ہیں۔ اس کی ایک اسرائیلی پیغمبر آج سے پانچ سو برس قبل خبر دے چکے ہیں اور وہ ہماری مذہبی کتابوں میں موجود ہے۔

جب ملبہ صاف ہو گیا تو آپ نے کعب سے پوچھا مسجد کا مصلّٰی کس طرف کو بنایا جائے۔ کعب نے کہا "صخرہ کی طرف بنائیے"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے کعب! تم میں سے ابھی تک یہودیت کی بُو نہیں گئی۔ جب تم نے صخرہ پر آکر اپنی جوتیاں اُتاری تھیں میں نے اسی وقت تمہارے اس جذبہ کو محسوس کر لیا تھا۔ کعب نے کہا یا امیرالمؤمنین میرا مقصد یہ تھا کہ میرے پاؤں اس مقام کو مس کر کے برکت حاصل کریں تعظیم مقصود نہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مصلّٰی قبلہ کی طرف بنایا جائے۔ یہ مسجد "مسجد عمرؓ" کے نام سے مشہور ہے۔[1]

بیت المقدس ہی کی شرائط پر "رملہ" بھی فتح ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے صوبہ فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصّہ کا صدر مقام بیت المقدس قرار دیا۔ اور وہاں کا حاکم علقمہ بن مجزز کو مقرر فرمایا اور دوسرے حصّہ کا رملہ اور وہاں کی حکومت علقمہ بن حکیم کے سپرد فرمائی۔ ان انتظامی امور کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۶ھ کا ہے۔

حمص پر رومیوں کا حملہ

مسلمانوں کی ان شاندار فتوحات سے رومیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور ہرقل کی وہ عظیم رومی شہنشاہیت کا مشرقی بازو ٹوٹ گیا۔ ہرقل شام و فلسطین کی طرف سے بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے پاس اہلِ جزیرہ کا پیغام پہنچا کہ اگر آپ مسلمانوں سے

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۵۲۔

آخری ٹکر لینے کی ہمت کریں تو ہم اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں۔

اہلِ جزیرہ کے اس پیغام نے ہرقل کے بجھے ہوئے دل میں پھر امید کی روشنی پیدا کر دی اور اس نے منتشر رومی طاقت کو جمع کر کے بحری راستہ سے جمعیت کثیر کے ساتھ حمص کی طرف کوچ کیا۔ اہلِ جزیرہ بھی تیس ہزار کی تعداد میں قیصر کی امداد کے لئے پہنچ گئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح خود حمص میں مقیم تھے۔ انہوں نے قنسرین سے حضرت خالدؓ بن ولید کو بلا لیا اور لڑائی کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مگر دوسرے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ دشمن کی تعداد بہت ہے جب تک ہمارے پاس مدد نہ پہنچ جائے۔ شہر بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے دوسری رائے کو ترجیح دی اور شہر بند ہو کر بیٹھے۔ رومی لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شام کے مختلف شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم تھیں۔ مگر اس موقعہ پر ان فوجوں کو ان مقامات سے ہٹانا خطرہ سے خالی نہ تھا اس لئے حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو حالات کی اطلاع دی اور دربارِ خلافت سے مدد چاہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو کوفہ میں حکم بھیجا کہ قعقاع بن عمرو کو ابو عبیدہ کی مدد کے لئے حمص بھیجو اور عیاض بن غنم کو دوسرے سردارانِ لشکر کے ساتھ اہلِ جزیرہ کی سرکوبی کے لئے جزیرہ روانہ کرو۔ پھر حضرت عمرؓ نے مناسب جمعیت کو ساتھ لے کر خود حمص کا ارادہ فرمایا۔ اہلِ جزیرہ کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر خود ان کے ملک میں گھس گیا ہے تو وہ رومیوں کو چھوڑ کر اپنے گھر کی خیر منانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر جب رومیوں کو خبر ملی کہ خلیفۃ المسلمین بنفسِ نفیس اپنے سپہ سالار کی مدد کے لئے آ رہے ہیں تو ان

کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اب حضرت ابو عبیدہؓ نے لشکرِ اسلام کے سامنے ایک پُرجوش تقریر کی اور اُنھیں شہر کے باہر نکل کر حملہ کا حکم دیا۔ لشکرِ اسلامی نے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ رومی فوج بدحواس ہو کر بھاگی اور پھر اُس کے قدم نہ رُک سکے۔

قعقاع خود ایک سو کی جمعیت کے ساتھ آگے بڑھ کر حضرت ابو عبیدہؓ سے آملے تھے۔ مگر ان کا لشکر فتح کے تین دن بعد حمص پہنچا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی مقام "سرغ" ہی پہنچے تھے کہ انہیں مسلمانوں کی فتح کی بشارت مل گئی۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔

فتح جزیرہ "جزیرہ" فرات اور دجلہ کے درمیانی علاقہ کے شمالی حصہ کا نام ہے اس کے دو شہر تکریت اور موصل تو پہلے ہی فتح ہو چکے تھے۔ ان کی فتوحات کا ذکر عراق کی فتوحات کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ حمص پر رومیوں کے حملہ میں جب اہلِ جزیرہ نے رومیوں کو مدد دی تو حضرت عمرؓ کے حکم سے سعد بن وقاص نے عیاض بن غنم کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ حمص میں رومیوں کی ہزیمت کے بعد حضرت عمرؓ نے عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں جزیرہ میں پھیلا دیں اور غیر مفتوحہ علاقوں کو بھی فتح کر لیں۔

عیاض بن غنم نے میسرہ بن مسروق، سعید بن عامر، صفوان بن معطل کو ساتھ لے کر جزیرہ پر فوج کشی کر دی۔ رقہ، رہا، نصیبین، حران، سمیاط، سنجار، قرقیسیاء، سروج، جسر، منبج، آمد اور دوسرے شہر معمولی مقابلوں کے بعد فتح کر لئے گئے۔ عیاض بن غنم فتح کا پھریرا اُڑاتے ہوئے مغرب میں بادیہ شام اور مشرق میں آرمینیہ و کردستان تک پہنچ گئے۔ پھر وہ درب سے گزر کر تبلیس پہنچے۔ وہاں سے خلاط اور وہاں سے عین حامضہ پہنچ کر دم لیا۔

جزیرہ کی فتح کے بعد جزیرہ کے عربی، نصرانی سرداروں کا وفد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ ہم سے جزیہ نہ لیا جائے کیونکہ ہم اسے ذلت سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر آپ ہم سے جزیہ وصول کرنے پر اصرار کریں گے تو ہم ملک چھوڑ کر رومیوں کے علاقہ میں چلے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم رومیوں کے ملک میں داخل ہوئے تو میں قیصر روم کو لکھ کر تمہیں گرفتار کر کے بلوا لوں گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ لوگ جزیہ سے دوگنی رقم ادا کریں اور اسے جزیہ نہ کہا جایا کرے۔ یہ واقعہ ۱۷ھ کا ہے۔

طاعون عمواس

۱۷ھ کے آخر یا ۱۸ھ کے آغاز میں شام، عراق اور مصر میں سخت طاعون پھیلا۔ حضرت عمرؓ کو جب خبر پہنچی تو آپ خود تدبیر و انتظام کے لئے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام سرغ میں پہنچے تو امراء لشکر استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ امراء نے وباء کی شدت کی خبر دی اور عرض کیا یا امیر المومنین آپ کا اس موقعہ پر تشریف لانا مناسب نہیں۔ آپ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے میں اختلاف ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کی رائے کو ترجیح دی۔ مگر حضرت ابوعبیدہ بن جراح مسئلہ تقدیر میں بہت سخت تھے فرمانے لگے :۔

"اے عمر! کیا تقدیرِ الٰہی سے بھاگتے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"ہاں تقدیرِ الٰہی سے تقدیرِ الٰہی کی طرف بھاگتا ہوں"

پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو الگ لے جا کر مسئلہ پر بحث کی۔ دوسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی آگئے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ :۔

"جب تم سنو کہ کسی شہر میں یہ وباء ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم کسی شہر میں ہو اور وہاں یہ وباء پھیل پڑے تو اس کے خوف سے نہ بھاگو"

حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو سن کر اپنی رائے کی صحت پر خدا کا شکر ادا کیا اور وہاں سے مدینہ واپس ہو گئے۔

مدینہ پہنچ کر جب حضرت عمرؓ کو وباء کی ہلاکت آفرینی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو خط لکھا کہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دن کے لئے مدینہ آجاؤ۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جواب دیا۔ میں دوسرے مسلمانوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ نہیں آسکتا۔ امیر المؤمنین کو مجھ سے جو کام ہے وہ مجھے معلوم ہے آپ اس شخص کی زندگی چاہتے ہیں جو زندہ رہنے والا نہیں۔ مجھے آپ تعمیلِ حکم سے معافی دیں۔

آخر خود حضرت ابو عبیدہؓ بیمار ہوئے۔ جب مرض میں زیادتی ہوئی تو مسلمانوں کو اعمالِ حسنہ کی وصیت فرمائی۔ حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور پھر رفیقِ اعلٰے سے جا ملے[۱]

عمرو بن عاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ بلا انہی بلاؤں میں سے ہے اور بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں۔ لہٰذا یہاں سے بھاگ چلنا چاہیئے۔ حضرت معاذؓ نے سُنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہ وباء بلاء نہیں ہے بلکہ رحمتِ خداوندی ہے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔

خطبہ کے بعد خیمہ میں پہنچے تو بیٹے کو بیمار پایا۔ فرمایا۔

يَا بُنَيَّ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔	اے بیٹا حق خدا ہی کی طرف سے ہے تو کسی شبہ میں نہ پڑنا"

بیٹے نے استقلال کے ساتھ جواب دیا۔

سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۔	انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے"

تھوڑی دیر بعد بیٹے نے انتقال کیا تو خود معاذؓ بیمار پڑ گئے اور بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

حضرت معاذؓ نے اپنے بعد عمرو بن عاص کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ عمرو بن عاص فوج کو لے کر پہاڑوں پر چلے گئے اور اسے جا بجا منتشر کر دیا۔ تب کہیں

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۳ ص ۶۱۸ بحوالہ ابن عساکر

اس وبا سے نجات ملی۔

حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کی اس تدبیر کو پسند کیا۔ اس وباء نے شام میں اسلامی طاقت کو بے حد نقصان پہنچایا۔ بیس ہزار جانباز جو نصف دُنیا کی فتح کے لئے کافی تھے رحمتِ خداوندی کی آغوش میں جا سوئے۔ ان میں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت معاذ بن جبل اور یزید بن ابی سفیان بڑے پایہ کی ہستیاں تھیں۔

رومی مسلمانوں کی اس مصیبت سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اگر انھوں نے مفتوحین کے دِلوں کو اپنی رواداری اور حسنِ انتظام سے فتح نہ کر لیا ہوتا۔

آخری سفرِ شام

جب وباء کا زور ختم ہو گیا تو شام کے انتظامات کو درست کر کے اور مرنے والوں کا سامان ان کے ورثاء میں تقسیم کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود شام کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایلیہ کے قریب پہنچے تو اپنا گھوڑا اپنے غلام کو دیدیا۔ اور خود اُس کے اُونٹ پر سوار ہو گئے۔ لوگ پوچھتے کہ امیرالمومنین کہاں ہیں؟ تو فرماتے "تمہارے آگے" اسی شان سے آپ ایلیہ میں داخل ہُوئے۔

شام پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے مرنے والے کا سامان اُن کے ورثاء میں تقسیم کیا۔ ملک میں چکر لگا کر وہاں کے انتظامات درست کئے۔ شام کی سرحدوں پر فوجی دستے متعین کئے اور یزید بن ابی سفیان کی جگہ ان کے بھائی معاویہ بن ابی سفیان کو دمشق کا عامل مقرر کیا۔

یہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی گئی کہ ایک دن حضرت بلال مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان دلوائیے۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی تو سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کو یاد کر کے رو پڑے اور اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں۔

قحطِ عظیم اگلے سال حجاز میں زبردست قحط پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر مصیبت زدوں کی امداد کا انتظام نہایت عمدہ طریقہ پر کیا۔ ممالک مفتوحہ سے کھانے پینے کا سامان بتعداد کثیر منگایا اور ضرورتمندوں کو تقسیم کیا۔ امیر شام نے چار سو اونٹ غلہ کے بھیجے۔ عمرو بن عاص نے جو اس وقت مصر کو فتح کر چکے تھے۔ اتنا بڑا قافلہ بھیجا جس کا ایک سرا مصر میں تھا تو دوسرا سرا مدینہ منورہ میں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی تھی کہ جب تک یہ قحط دور نہ ہو جائے گا وہ گھی اور شہد (جو دستر خوانِ خلافت کی بہترین غذائیں تھیں) استعمال نہ کریں گے۔ آپ روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیٹ میں گڑبڑ ہو گئی۔ ایک دن آپ کا غلام یہ حالت دیکھ کر بازار سے کچھ گھی اور شہد خرید لایا اور عرض کیا یا امیر المومنین! اپنی قسم کا کفارہ دے دیجئے اور اسے استعمال کر لیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ جب تک میں خود تکلیف نہ اٹھاؤں دوسروں کی تکالیف کا اندازہ کیسے کر سکتا ہوں؟ پھر آپ نے اس گھی اور شہد کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا۔[۱]

حقیقت یہ ہے کہ ان مصائب کی بارشوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی قابلیت کے جوہر نمایاں کر دیئے اور یہ بات ثابت کر دی کہ آپ ایک عظیم الشان فاتح ہی نہ تھے بلکہ بہترین مدبر و منتظم بھی تھے۔

فتح مصر

عمرو بن عاص مصر کی فتح کے بہت خواہشمند تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام صد ۲۷۱، صد ۳۶۲۔

مصر کی سیر کر چکے تھے۔ یہاں کی سرسبزی و شادابی، دولت و ثروت کے مناظر ان کی آنکھوں میں پھر رہے تھے اور اس کی فتح کا شوق اُن کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔

۱۸ھ میں طاعونِ عمواس کے بعد حضرت عمرؓ شام تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے مصر پر حملہ کی اجازت چاہی۔

اسلامی فوجیں اس زمانہ میں شام، جزیرہ اور فارس کے دور دراز علاقوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر طاعون عمواس سے اسلامی طاقت کو کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے تامل کیا۔ لیکن جب عمرو بن عاص برابر اصرار ہی کئے گئے تو آخر انہیں مصر پر حملہ کی اجازت دے دی اور چار ہزار سپاہی ان کے ساتھ کر دیئے۔ پھر بھی حضرت عمرؓ نے اپنی رائے میں تبدیلی کا حق اپنے لئے محفوظ رکھا اور فرما دیا کہ مصر کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے پہلے اگر میرا امتناعی حکم تمہیں پہنچ جائے تو بے تامل واپس ہو جانا۔

عمرو بن عاص ابھی مصر کی حدود میں نہ پہنچے تھے کہ انہیں حضرت عمرؓ کا امتناعی خط مل گیا۔ مگر وہ اس فتح کے اس قدر شوقین تھے کہ انہوں نے اس خط کو اس وقت تک کھول کر نہ دیکھا جب تک کہ وہ حدودِ مصر میں داخل نہ ہو گئے۔

"مصر" سیاسی اعتبار سے سلطنتِ روم کے ماتحت تھا۔ وہاں کا حاکم مقوقس جو قبطیوں کا دینی و دنیوی سردار تھا شہنشاہِ روم کا باجگزار تھا۔ مصر میں رومی مفاد کی حفاظت کے لئے قیصر کی طرف سے ایک رومی افسر بھی رہتا تھا اور اس افسر کے ماتحت قصر شمع اور اسکندریہ میں کثیر التعداد رومی فوج بھی رہتی تھی۔

ابتدائی فتوحات

مصر میں مسلمانوں کا رومیوں سے پہلا مقابلہ مقام فرماء میں ہوا۔ ایک مہینہ تک وہاں لڑائی جاری رہی۔ آخر کار رومیوں نے شکست کھائی اور مسلمان "قواصر" کی طرف بڑھے۔ یہاں معمولی مقابلہ کے بعد فتح حاصل ہوئی۔ پھر مسلمان "بلبیس" پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ بلبیس میں مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ مقیم تھیں۔ مقوقس نے اس کی شادی قسطنطین بن ہرقل

سے کردی تھی۔ اور یہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ رخصت ہو کر قیساریہ جا رہی تھی۔ مسلمانوں نے جب بلبیس کو فتح کیا تو ارمانوسہ بھی گرفتار ہو گئی۔ مگر عمرو بن عاص نے ارمانوسہ کو معہ اُس کے تمام سامانِ جہیز کے حفاظت کے ساتھ مقوقس کے پاس روانہ کر دیا۔ مقوقس کے دل میں عمرو بن عاص کے اس کریمانہ طرزِ عمل سے بڑی گنجائش پیدا ہو گئی [۱]

فتح قصرِ شمع بلبیس سے مسلمان بابِ لیون کی طرف بڑھے۔ مصر قدیم (فسطاط) کے محلِ وقوع پر نیل کے مشرقی کنارے پر یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اسی کا دوسرا نام قصرِ شمع ہے۔ اس کے مقابل میں نیل کے کنارے پر مصر کا قدیم دارالسلطنت "منف" تھا۔ قصرِ شمع میں رومی سپہ سالار "اعیرج" معہ اپنی فوج کے مقیم تھا اور "منف" مقوقس شاہِ مصر کا جائے قیام تھا۔

مسلمان عرصہ تک بابِ لیون کا محاصرہ کئے رہے مگر فتح کی صورت نظر نہ آئی۔ آخر عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے بارہ ہزار فوج اُن کی مدد کے لئے روانہ کی۔ اس فوج کے سرداروں میں حضرت زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد جیسے جانباز بھی شامل تھے۔ بقول حضرت عمرؓ ان چاروں میں سے ہر ایک ایک ایک ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔ اس مدد کے پہنچنے کے بعد مسلمانوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ عمرو بن عاص نے منجنیق لگا کر قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی۔

حضرت زبیرؓ بڑے جری آدمی تھے وہ سیڑھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ دوسرے مسلمان بھی ان کے بعد فصیل پر چڑھ گئے اور ان سب نے مل کر بلند آواز سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ رومیوں نے جب قلعہ کے بُرج میں سے تکبیر کی آواز سُنی تو بدحواس ہو گئے۔ اُنھوں نے پہلے ہی قلعہ کی پُشت پر

---

[۱] اشہر مشاہیر اسلام بحوالہ واقدی ج ۳ صفحہ ۵

دریائے نیل میں کشتیوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر جزیرۂ روضہ کی طرف فرار ہو گئے۔

بابِ لیون (قصر شمع) کی فتح کے بعد منف مقوقس کا پایۂ تخت مسلمانوں کی تلوار کی زد پر تھا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مقابلہ میں رومیوں کی ہزیمت اپنی آنکھ سے دیکھی تھی۔ پھر وہ اپنی بیٹی کی واپسی کی وجہ سے یوں بھی مسلمانوں کا مرہونِ منّت تھا۔ اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کے بعد عمرو بن عاص کے پاس مصالحت کے لئے سفیر روانہ کئے۔ عمرو بن عاص نے مقوقس کے سفیروں کو دُور دُور تک مقیم رکھا تاکہ وہ مسلمانوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں اور پھر مناسب جواب دے کر انہیں رخصت کر دیا۔

مقوقس کے سفراء جب اُس کے پاس واپس پہنچے تو اُس نے اُن سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے جواب دیا۔

"اے بادشاہ! مسلمان ایک ایسی قوم ہیں جنہیں موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے جنہیں تواضع تکبّر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دُنیا اور متاعِ دُنیا کا حریص نہیں۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے اور بغیر دسترخوان کے کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں۔ اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں تمیز نہیں ہوتی۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں خشوع و خضوع کے ساتھ خداوند قدوس کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں"۔

مقوقس نے جب مسلمانوں کے یہ اوصاف سُنے تو اس نے اپنی قوم سے کہا :-

"اے قوم! یہ جماعت اگر پہاڑوں سے بھی ٹکرائے گا تو انہیں بھی اپنی جگہ سے ہلا دے گی۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم اس سے پہلے کہ یہ ہم پر حملہ کریں ان سے صُلح کر لیں"۔

چنانچہ اس کے بعد مقوقس نے خود اسلامی سپہ سالار عمرو بن عاص سے ملاقات کی درخواست کی اور مسلمانوں اور قبطیوں میں ان شرائط پر صلح ہو گئی ۔

"ہر بالغ مرد کی طرف سے سالانہ دو دینار ادا کئے جائیں گے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اسلامی فوجیں دورانِ جنگ میں جس علاقہ سے گزریں گی قبطی ان کی مدد اور ان کے لئے رسد کا انتظام کریں گے۔ مسلمانوں کو قبطیوں کی زمین اور مال و دولت سے سروکار نہ ہوگا۔ مصر کے رومیوں کو حق ہوگا کہ خواہ وہ قبطیوں کی شرائط پر مصر میں رہنا قبول کریں یا اپنے ملک کو واپس لوٹ جائیں ۔" [1]

قیصر روم کو جب مقوقس کے اس معاہدہ کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہوا۔ اس نے مقوقس کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ فوراً اس معاہدہ کو منسوخ کر دے اور رومی افسروں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ لیکن مقوقس نے قیصر کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیحی مؤرخین کی تصریح کے مطابق مصر کے قبطی مشرقی کلیسا کے مظالم سے تنگ تھے اور وہ قیصر روم کی سیادت کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ مفتوحین کے دینی و معاشرتی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام و ایران کے میدانوں میں انہوں نے قیصر و کسریٰ کے اقتدار کی بساط اپنی تلوار کی نوکوں سے اُلٹ دی ہے اور مصر کی رومی طاقت ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی۔ ان حالات میں قدرتی طور پر ان کا ایک ہی فیصلہ ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ قیصر روم کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکیں اور مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا ۔

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۳ صفحہ ۵۸۱ - ۵۸۲ بحوالہ مقریزی ۔

دیگر فتوحات

اس کے بعد عمرو بن عاص نے عبداللہ بن حذافہ سہمی، خارجہ بن حذافہ عدوی، عمیر بن وہب جمحی اور عقبہ بن عامر جہنی کو مختلف اطراف میں روانہ کیا۔ ان علاقوں میں رومی دستوں نے جابجا مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ مگر قبطیوں نے شرائط صلح کے مطابق مسلمانوں کی پوری مدد کی۔ چنانچہ عین شمس، فیوم، اشمونین، اخیم، بشرودات، قریٰ صعید، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، شطا دقہلہ، بنا، بوصیر اور دوسرے مقامات معمولی مقابلہ کے بعد مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے۔

فتح اسکندریہ

ہم بتا چکے ہیں کہ اسکندریہ مصر میں رومی طاقت کا مرکز تھا اور چونکہ وہ ساحلِ بحر پر واقع ہے اس لئے وہاں بحری راستہ سے بآسانی رومیوں کو مدد پہنچ سکتی تھی۔ جب قیصر کو مسلمانوں کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو اس نے بہت بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اسکندریہ میں اُتار دی۔

عمرو بن عاص بھی اسلامی فوج کو لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اسکندریہ میں رومیوں کے متعدد مضبوط قلعے تھے۔ رومی ان میں مضبوطی کے ساتھ جمے بیٹھے رہے اور انہیں دریا کی طرف سے سامانِ رسد پہنچتا رہا۔ اس لئے عرصہ تک مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کافی انتظار کے باوجود جب اسکندریہ کی فتح کی خبر نہ پہنچی تو آپ نے فرمایا "معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ پر عمل کرنے میں کچھ مداہنت برتی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ حق کے مقابلہ میں باطل اتنی مدت ٹھہر سکے۔ پھر آپ نے عمرو بن عاص کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں آپ نے انہیں فتح میں اس قدر تاخیر پر تنبیہ کی اور لکھا۔

"مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال و اخلاق کو کتاب و سنّت کے بتائے ہوئے نمونہ پر قائم نہیں رکھا ہے اور حکم دیا کہ وہ سب مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں اس غلطی پر متنبہ کریں اور انہیں تیغ زنی، مصائب انگیزی،

اور نیک نیتی کی ترغیب دیں اور زبیرؓ، مقدادؓ، مسلمہؓ اور عبادہؓ کو آگے رکھ کر دشمنوں سے ایک فیصلہ کن ٹکر لیں"۔

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان پہنچا تو عمرو بن عاص نے اسے مسلمانوں کے مجمع میں پڑھ کر سُنایا اور ان کے حکم کی تعمیل کی۔ آخر چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد اسکندریہ فتح ہو گیا۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے اسکندریہ کی حفاظت کے لئے ایک فوج متعین کی۔ اور خود قصرِ شمع کی طرف لَوٹ آئے۔

قاصدِ فتح، مدینہ میں اسکندریہ کی فتح کی بشارت دے کر عمرو بن عاص نے معاویہ بن خدیج کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ معاویہ اپنی اونٹنی کو تیز دوڑاتے ہُوئے دوپہر کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ یہ دوپہر کا وقت ہے امیر المومنین آرام فرما رہے ہوں گے۔ اس وقت انہیں تکلیف دینا مناسب نہیں اور مسجدِ نبویؐ میں آکر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً حضرت عمرؓ کی لونڈی اِدھر آنکلی۔ اسے معلوم ہُوا کہ فتح اسکندریہ کی خبر لے کر آئے ہیں تو بھاگی ہوئی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی۔ حضرت عمرؓ نے فوراً بلوا بھیجا۔ فتح اسکندریہ کے حالات سُنے اور بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔

دستور کے مطابق حضرت عمرؓ نے اعلان کرایا کہ "الصلوٰۃ جامعۃ"، تمام مدینہ والے مسجدِ نبویؐ میں اُمنڈ آئے اور معاویہؓ کی زبانی فتح اسکندریہ کے حالات سُنے۔ اس کے بعد حضرت عمر معاویہؓ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لائے اور لونڈی کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ لونڈی نے روٹی اور روغنِ زیتون سامنے لا کر رکھا۔ کھانا کھاتے ہُوئے حضرت عمرؓ نے معاویہؓ سے پُوچھا۔ تم مسجدِ نبویؐ میں کیوں جا بیٹھے تھے؟ معاویہ نے کہا یا امیر المؤمنین! مَیں نے سمجھا کہ دوپہر کا وقت ہے آپ آرام فرما رہے ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"افسوس! تمہارا یہ خیال ہے؟ مَیں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا"۔

آبادیٔ فسطاط عمرو بن عاص جب "قصرِ شمع" میں لوٹ آئے تو حضرت عمرؓ کے مشورہ سے انھوں نے نیل کے مشرقی کنارے منف کے بالمقابل ایک شہر کی بنیاد ڈالی۔ اس شہر کا نام فسطاط رکھا گیا۔ فسطاط عربی میں خیمہ کو کہتے ہیں اور یہی وہ مقام تھا جہاں قصرِ شمع کے محاصرہ کے زمانے میں عمرو بن عاص کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ معاویہ بن خدیج، شریک بن سمی، عمرو بن قحزم اور حیویل بن ناشرہ کو شہر کی تخطیط اور محلوں کی تقسیم پر مامور کیا گیا۔ ہر ہر قبیلے کے لئے جدا جدا محلّے بسائے گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق شہر کے بیچوں بیچ ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد پچاس گز چوڑی اور پچاس گز لمبی تھی۔ اس کے تین دروازے تھے جن میں سے ایک دارالحکومت کے بالمقابل تھا۔

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں یہ مسجد ناکافی ثابت ہوئی اور اس میں توسیع کی گئی اس کے فرش کو پختہ کیا گیا اور چھت پر نقش و نگار بنائے گئے۔ اذان دینے کے لئے چار ماذنے بھی اضافہ ہوئے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اس میں مزید توسیع کی گئی۔ یہ مسجد عمرو بن عاص کی طرف منسوب ہو کر "جامع عمرو" کہلائی۔ مصر میں اس زمانے میں بھی رمضان کے آخر جمعہ کی نماز اسی مسجد میں ادا کی جاتی ہے۔

فسطاط مصر کی اسلامی حکومت کا صدر مقام قرار پایا اور اس شہر نے شان و شوکت کے اعتبار سے بڑی ترقی کی۔ جب بنی فاطمہ کے زمانے میں اس کے قریب قاہرہ کی بنا ڈالی گئی تو اس کی وہ حیثیت باقی نہ رہی۔

عروسۂ نیل عمرو بن عاص نے جب مصر کو فتح کیا تو وہاں قدیم ایام سے ایک دستور جاری تھا۔ ہر سال بونہ (قبطی مہینہ) کی بارہ تاریخ کو قبطی ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے تھے اور اس دن کو عید قرار دے کر بڑی خوشی مناتے تھے۔ دوسری بت پرست قوموں کی طرح وہ بھی دریائے نیل کو دیوتا مانتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر دریائے نیل کو لڑکی کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے تو

وہ ناراض ہو جائے گا اور پانی نہ دے گا۔

عمرو بن عاص کے پاس قبطیوں کا ایک وفد آیا۔ انہوں نے اس رسم پر عمل کرنے کی اجازت طلب کی۔ عمرو بن عاص نے اس "خونِ ناحق" کو جائز نہ رکھا اور قبطیوں سے کہہ دیا کہ "اسلام نے ان خرافات کو باطل کر دیا ہے"۔

کچھ ایسا اتفاق ہُوا کہ دریائے نیل نے پانی نہ دیا۔ اور اہلِ مصر کو زراعت میں مشکلات پیدا ہو گئیں حتیٰ کہ بعض قبیلوں نے جن کا دار و مدار ہی زراعت پر تھا ترکِ وطن کا ارادہ کر لیا۔ عمروؓ بن عاص نے تمام حالات حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجے اور ان سے ہدایت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاص کو جواب دیا کہ تم نے قبطیوں سے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ میں تمہیں ایک خط بھیجتا ہوں اسے دریائے نیل میں ڈال دینا۔ حضرت عمرؓ کے خط کا مضمون یہ تھا:۔

> "اللہ کے بندہ اور مسلمانوں کے امیر کی طرف سے نیل مصر کے نام۔ اما بعد اے نیل اگر تُو اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ بہہ۔ لیکن اگر تیری روانی کا سر رشتہ خداوند قہار کے ہاتھ میں ہے تو ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری کر دے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق یہ خط دریائے نیل میں ڈال دیا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ اس سال دریائے نیل میں اس قدر پانی آیا کہ اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا[1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۳ صفحہ ۶۰۹۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۰۔ افسوس کہ یہ مشرکانہ رسم تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ مصر میں پھر جاری ہو گئی ہے۔ علامہ رفیق بک کی تصریح کے ساتھ "یوم فتح خلیج" کے نام سے ہر سال ایک تہوار منایا جاتا ہے۔ اسی دن مٹی کی بنی ہوئی ایک گڑیا جسے عروسہ نیل "نیل کی دلہن" کہتے ہیں دریا میں ڈالی جاتی ہے اور بڑی خوشی منائی جاتی ہے۔ زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ خود توحید کے نام لیوا اس رسم میں شریک ہو کر کفر کے جھنڈے بلند کرتے ہیں۔

فتح برقہ

"مصر کی فتوحات اور انتظام سے فارغ ہونے کے بعد عمرو بن عاص برقہ" کی طرف بڑھے۔ برقہ، مصر اور طرابلس الغرب کے درمیان واقع ہے اور اس کا قدیم نام انطابلس ہے "بن غازی" اسی کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اہلِ برقہ نے جزیہ پر صلح کرلی۔ اس کے بعد عمرو بن عاص طرابلس الغرب کی طرف بڑھے۔ یہاں مقابلہ کی صورت پیش آئی اور آخر کار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

طرابلس پر قابض ہونے کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کو لکھا :۔

"ہم طرابلس پہنچ گئے ہیں۔ طرابلس اور افریقیہ (تونس) کے درمیان نو دن کا راستہ ہے۔ اگر امیر المومنین اجازت دیں تو اسے بھی فتح کرلیا جائے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی انہوں نے عقبہ بن نافع فہری کو برقہ کا والی مقرر کیا اور مصر کی طرف لوٹ آئے۔

یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے [۱]

شہادتِ عمر رضی اللہ عنہ

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک ایرانی غلام "ابو لؤلؤہ" رہتا تھا۔ ایک دن وہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے آقا نے مجھ پر بہت زیادہ محصول لگا رکھا ہے۔ آپ اسے کم کرا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا محصول ہے؟ ابو لؤلؤہ نے کہا دو درہم روزانہ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم پیشہ کیا کرتے ہو؟ ابو لؤلؤہ نے کہا "نجاری، نقاشی اور آہنگری" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو تمہارے لئے تو یہ کچھ زیادہ محصول نہیں ہے۔ غلام اس جواب سے ناراض ہوا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ اچھا سمجھوں گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے ایک غلام نے ڈانٹ دیا" اور یہ کہہ کر خاموش ہو رہے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت عمرؓ نماز کے لئے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔

---

[۱] اشہر مشاہیر اسلام ج ۲ ص ۳۴۸

ابولولوہ زہر آلود خنجر چھپائے پہلے ہی تاک میں کھڑا تھا۔ جوں ہی آپ نے تکبیر کہی اس نے شانہ اور ناف پر چھ وار کئے۔ آس پاس کے لوگ اُسے پکڑنے کے لئے بھاگے اس نے انہیں بھی زخمی کیا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ نجات کی کوئی صُورت نہیں تو اپنے بھی خنجر مار کر خودکشی کر لی ۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو نماز کی امامت کی ہدایت کی۔ انہوں نے جلدی جلدی نماز پوری کی۔ حضرت عمرؓ اس دوران میں زمین پر پڑے رہے۔ نماز سے فراغت کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے گھر لایا گیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ تو بتاؤ میرا قاتل کون ہے؟ جواب دیا گیا۔ ابولولوہ! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے خُون سے کسی مسلمان کے ہاتھ رنگین نہیں ہُوئے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاج کے لئے ایک طبیب کو جو انصار میں سے تھے بلایا گیا۔ اُنھوں نے آپ کو قوت کے لئے دُودھ پلایا۔ وہ دودھ جُوں کا توں زخم کی راہ باہر نکل آیا۔ یہ حال دیکھ کر طبیب نے کہا۔ اے امیرالمؤمنین اپنا قائم مقام منتخب فرما لیجئے (یعنی آخر وقت قریب ہے) یہ الفاظ سُن کر پاس کھڑے ہُوئے لوگ رونے لگے۔ آپ نے فرمایا جو رونا ہو وہ میرے پاس سے چلا جائے تم نے سُنا نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

"میّت کے اعزّہ کے رونے کے سبب میّت کو عذاب دیا جاتا ہے"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ دُنیا سے رخصت کا وقت قریب ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا۔

"بیٹا ام المؤمنین عائشہؓ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہنا کہ عمرؓ سلام کہتا ہے دیکھو امیرالمؤمنین نہ کہنا کیونکہ اب میں امیرالمؤمنین نہیں ہوں اور پھر عرض کرنا

---

[1] مناقب عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم ۔

"عمر چاہتا ہے کہ آپ کے حجرہ میں اس کے دو محترم رفیقوں کے برابر اُس کو جگہ دے دی جائے"

عبداللہ بن عمر پہنچے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی رو رہی تھیں انہوں نے حضرت عمرؓ کا پیغام پہنچایا تو بولیں۔

"میں اس جگہ کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی لیکن میں انہیں اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں"

عبداللہ بن عمر واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ۔ چنانچہ آپ کو سہارا لگا کر بٹھا دیا گیا۔ پھر آپ نے بیٹے سے پوچھا کہو کیا جواب لائے۔ عبداللہ نے کہا آپ کی خواہش پوری ہو گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ الحمد للہ! میری سب سے بڑی آرزو یہی تھی۔ پھر صاحب زادے سے فرمایا۔ دیکھو جب میرا جنازہ لے کر حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر پہنچو تو پھر سلام عرض کرنا اور کہنا کہ "عمرؓ اجازت چاہتا ہے" اگر اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ گورِ غریباں میں سپردِ خاک کر دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ عائشہ صدیقہ کی اجازت بطیب خاطر ہونی چاہیئے کسی اثر، تکلف اور مدارات کو اس میں دخل نہ ہو[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وفات کی قریب خوفِ الٰہی سے رونے لگے۔ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا یا امیر المؤمنین آپ کو بشارت ہو۔ جب رسول اکرمؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو وہ آپ سے راضی تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق دُنیا سے تشریف لے گئے تو وہ آپ سے راضی تھے اور اب آپ دُنیا سے سدھار رہے ہیں تو سب مسلمان آپ سے راضی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ واللہ! تم مجھے دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ قسم خدا کی میں پیش آنے والی منزل کے خطرات

---

[1] اسد الغابہ [2]

سے اس درجہ ڈر رہا ہوں کہ اگر مشرق و مغرب کے خزانے میرے پاس ہوں اور انہیں فدیہ میں دے کر جان چھڑا سکوں تو میں اس سودے کو ارزاں سمجھوں گا۔[1]

عالمِ نزع میں آپ نے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا۔ بیٹا میری پیشانی زمین سے لگا دو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ زمین پر سر رکھ کر فرمانے لگے۔ اے اللہ! مجھے اپنی مغفرت سے ڈھانپ لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو افسوس مجھ پر اور افسوس میری ماں پر جس کے بطن سے میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ؕ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات زخمی ہونے کے تیسرے دن، ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو بدھ کی رات میں واقع ہوئی اور دوسرے دن صبح کو دفن ہوئے۔ آپ کی عمر اپنے دونوں محترم رفقاء کی طرح ۶۳ سال کی ہوئی۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال چھ مہینے چار دن ہے۔

خاندانِ عمر فاروقؓ

قبل اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زینب بنت مظعون سے جو خاندان بنی جمح سے تھیں شادی کی۔ ان کے بطن سے عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر اور ام المومنین حفصہؓ پیدا ہوئیں۔ یہ بیوی مسلمان ہوئی تھیں۔ قبل اسلام ہی ملیکہ بنت جرول خزاعیہ اور قریبہ بنت ابی امیہ مخزومیہ سے شادی کی۔ لیکن ان دونوں کو اسلام نہ لانے کی وجہ سے طلاق دے دی۔ ملیکہ کے بطن سے عبیداللہ پیدا ہوئے۔ پھر مدینہ میں ام حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومیہ سے شادی کی۔ ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں۔ جمیلہ بنت قیس انصاریہ سے شادی کی۔ ان سے عاصم پیدا ہوئے ان کو بھی آپ نے طلاق دے دی تھی۔ ام کلثوم بنت علیؓ سے شادی کی! ان سے زید اور رقیہ عام پیدا ہوئے پیدا ہوئے۔ لہیہ یمنیہ سے شادی کی ان سے عبدالرحمٰن اصغر پیدا ہوئے پھر عاتکہ

---

[1] عقد الفرید۔

بنت زید سے شادی کی ۔جن صاحبزادوں سے سلسلۂ اولاد چلا وہ عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم ہیں ۔

عمّالِ عمرؓ | سنہ ۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی آپ کی طرف سے حسبِ ذیل عامل مقرر تھے :-

مکہ : نافع بن ابوالحارث خزاعی
طائف : سفیان بن عبداللہ ثقفی
کوفہ : مغیرہ بن شعبہ
بصرہ : ابوموسیٰ اشعری
مصر : عمرو بن عاص
دمشق : معاویہ بن ابی سفیان
حمس : عمیر بن سعد
بحرین : عثمان بن ابی عاص ۔

آپ کے کاتب زید بن ثابت اور معیقیب تھے ۔بیت المال کے نگران عبداللہ بن ارقم اور آپ کے حاجب آپ کے غلام یرفاء ۔

○

عہدِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ

وصیتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی سے مایوسی ہو گئی تو بعض صحابہ نے آپ سے عرض کیا۔ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد فرما دیں تو اچھا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اگر میں کسی کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کروں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ اور اگر کسی کو نامزد نہ کروں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ پھر فرمایا اگر آج ابو عبیدہ ابن جراح زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا قائم مقام تجویز کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اس وقت اُمت کے امین ہیں"۔

یا ابو حذیفہ کے غلام سالم زندہ ہوتے تو یہ ذمہ داری میں اُن کے سپرد کرتا۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "سالم عشقِ خداوندی کا پروانہ ہے"۔ کسی نے کہا اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دیجئے۔ وہ اپنی دینداری علم و فضل اور قدامتِ اسلام کے لحاظ سے ہر طرح موزوں ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔ خاندانِ خطاب میں سے ایک ہی شخص امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا حساب دینے کے لئے کافی ہے۔ اگر عمر رضی اللہ عنہ اس محاسبہ سے برابر سرابر بھی چھوٹ جائے تو وہ اسی کو غنیمت سمجھے"۔

صحابہ اس وقت تو خاموش ہو گئے۔ پھر دوسرے وقت اس بحث کو چھیڑا۔ آپ نے فرمایا زندگی بھر جو بار مجھ پر رہا میں مرنے کے بعد بھی اس کی

ذمہ داری قبول کرنا نہیں چاہتا۔ یہ چھ شخص ہیں جن کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعدؓ بن ابی وقاص، زبیر بن عوام اور طلحہ بن عبیداللہ۔ ان کو میں اختیار دیتا ہوں کہ جمع ہو کر اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو امیر چن لیں۔

پھر آپ نے مقداد بن اسود کو بلا کر فرمایا۔ جب میری تدفین سے فراغت ہو تو ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کرنا اور ان سے کہنا کہ اپنی جماعت میں سے تین دن کے اندر اندر کسی کو امیر مقرر کر لیں۔ اگر متفقہ طور پر فیصلہ نہ ہو سکے تو جس کی طرف کثرت رائے ہو وہ امیر منتخب ہو گا۔ اگر دونوں طرف رائیں برابر ہوں تو عبداللہؓ بن عمر کو حاکم بنایا جائے۔ لیکن انہیں خود خلیفہ بننے کا حق نہ ہوگا۔ اگر عبداللہ کو حاکم بنانا پسند نہ کریں تو جس طرف عبدالرحمٰن ہوں گے وہ رائے قابلِ قبول ہو گی۔ جو شخص اس جماعت کے فیصلہ سے اختلاف کرے اور اُمت میں نزاع پیدا کرنا چاہے اُس کی گردن اُڑا دینا

انتخابِ خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق مقداد نے اس "جماعتِ شوریٰ" کو مسور بن مخرمہ کے مکان میں جمع کیا۔ حضرت طلحہؓ چونکہ پہلے ہی سے باہر گئے ہوئے تھے اس لئے شریک نہ تھے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اگر یہ تین دن کے اندر آجائیں تو شریکِ مشورہ ہو جائیں ورنہ خیر۔

کچھ دیر تک آپس میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن نے کہا جو شخص خلافت سے دستبردار ہونا قبول کرے اُسے یہ حق ہو گا کہ وہ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلے۔ بتاؤ کون اس کے لئے تیار ہے؟ اس سوال کے جواب میں جب سب لوگ خاموش رہے تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا میں خود اس کے لئے تیار ہوں حضرت علیؓ کے سوا باقی سب نے کہا کہ ہم اپنا حقِ انتخاب تمہارے حوالہ کرتے ہیں تم جسے چاہو خلیفہ نامزد کر دو۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے

ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ انصاف کرو گے کسی عزیز کی پاسداری نہ کرو گے اور امت کی بہی خواہی کا خیال رکھو گے تو میں بھی تمہارے فیصلہ پر راضی ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن نے جواب دیا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی عزیز کو قرابت کی وجہ سے ترجیح نہ دوں گا اور مسلمانوں کی بہتری ہر حال میں ملحوظ رہے گی۔ اس فیصلہ کے کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا بار حضرت عبدالرحمٰن کی گردن پر آپڑا۔

حضرت عبدالرحمٰن کو اپنی اس اہم ذمہ داری کا پورا احساس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے تمام اکابر صحابہ، امراء لشکر اور حکام بلاد، مدینہ منورہ میں جمع تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن رات کی تاریکی میں چادر اوڑھ کر ایک ایک کے پاس جاتے اور اُس کی آزادانہ رائے حاصل کرتے۔ بجز بنی ہاشم کے جو حضرت علیؓ کے طرف دار تھے سب کی ایک ہی رائے تھی اور وہ یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا جائے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ اگر یہ منصب آپ کو نہ حاصل ہو سکے تو آپ کس کو اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ عثمانؓ کو۔ حضرت عثمانؓ سے یہی سوال کیا گیا تو آپ نے حضرت علیؓ کا نام لیا۔

آخر وہ تیسری رات آگئی جس کی صبح کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کو اپنے فیصلہ کا اعلان کرنا تھا۔ اس رات آپ نے یکے بعد دیگرے چاروں ارکانِ شوریٰ سے بڑی دیر تک گفتگو کی۔ آخر مؤذن کی اذان نے آپ کے سلسلۂ گفتگو کو منقطع کر لیا۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ ساری مسجد نئے خلیفہ کے نام کا اعلان سُننے کے لئے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن نے پہلے بہت دیر تک دُعا مانگی اور پھر کہا۔ لوگو! میں نے خلافت کے معاملہ میں خوب غور کر لیا ہے اور مختلف لوگوں سے مل کر اُن کی رائے معلوم کر لی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کسی کو میرے فیصلہ سے اختلاف نہ ہو گا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر کہا کہ عہد کرو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اُس کے

رسول کی سُنّت اور حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی سیرت پر عمل کرو گے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں اپنے علم اور طاقت کے مطابق ایسا ہی کروں گا۔ یہ عہد لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عبدالرحمٰن کے بیعت کرتے ہی لوگ چاروں طرف سے حضرت عثمانؓ پر ٹوٹ پڑے اور بیعت کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے بھی فوراً یا کچھ دیر بعد بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ کا ہے۔

حضرت طلحہ بیعتِ عثمانؓ کے بعد آئے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے کہا۔ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو اس بیعت کو باقی رکھیں اور چاہیں رد کر دیں۔ حضرت طلحہؓ نے پوچھا "کیا سب لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا "ہاں۔"

اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سب لوگوں کے فیصلہ سے مجھے بھی اتفاق ہے۔"[1]

حالاتِ قبلِ خلافت

آپ کا نام عثمان ہے۔ ابو عمر کنیت ہے، ذوالنورین لقب ہے۔ والد کا نام عفّان ہے اور والدہ کا نام اروی۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:-

عثمان بن عفّان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصی۔

اس طرح آپ کا سلسلہ پانچویں پُشت میں عبد مناف پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نانی بیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ یکے بعد دیگرے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] ابن جریر طبری ملخصاً والبدایہ والنہایہ۔

کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں اس لئے آپ ذوالنّورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا قریش کا قومی جھنڈا عقاب اسی خاندان کے قبضہ میں رہتا تھا۔ آپ کے پردادا اُمیہ بن عبد شمس قریش کے ممتاز سردار اور رئیس تھے۔ قریش کے کسی خاندان کو اگر بنی ہاشم کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہو سکتا تھا تو وہ بنی امیہ کا ہی خاندان تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ واقعۂ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو کپڑے کی تجارت اختیار کی۔ خدا نے اس پیشہ میں بڑی برکت دی۔ خوب کمایا اور خوب راہِ مولیٰ میں لٹایا۔ آپ کے جود و کرم اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے قریش میں آپ کو عزّت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ عورتیں جب اپنے بچّوں کو لوری دیتی تھیں تو کہتی تھیں۔

احبك والرحمٰن حب قریش عثمان[1]

"خدا کی قسم میں تجھ سے ایسی محبت کرتی ہوں جیسی قریش عثمانؓ سے کرتے ہیں"۔

قبولِ اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرف باسلام ہوتے ہی تبلیغ اسلام کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے مخلص دوستوں کو اس سعادت کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان دوستوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی تھے چنانچہ ان تینوں نے ایک ساتھ دعوتِ حق کو لبیک کہا اور سابقین اوّلین میں شمار ہوئے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے خاندانِ بنی ہاشم اور خاندانِ بنی اُمیّہ میں دنیوی جاہ و مرتبت کے سلسلہ میں چشمک تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی کامیابی سے بنی ہاشم کے اقتدار میں اضافہ ہوتا تھا۔

---

[1] ابن عساکر عن الشعبی

لیکن جب حضرت عثمانؓ کے سامنے دینِ اسلام پیش کیا گیا تو آپ نے بسر و چشم اسے قبول کیا اور مصالح دنیوی نے آپ کے ارادہ میں کوئی جھجک پیدا نہ کی۔

قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازا اور رسول کریمؐ کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ سے آپ کی شادی ہوئی۔

ہجرتِ حبشہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی دوسرے بلاکشانِ اسلام کی طرح کفارِ قریش کے مظالم کا شکار ہوئے۔

آپ کے چچا حکم بن عاص بن امیہ نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تک تم نئے دین کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمانؓ جب ان اذیتوں سے بے حد تنگ آ گئے تو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کو ساتھ لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ دین کو بچانے کے لئے اپنے گھر بار اور اعزہ و اقرباء کو چھوڑ کر نکل جانے والوں میں پہلے شخص تھے۔ رسول مقبولؐ نے ارشاد فرمایا :-

"خدا ان دونوں میاں بیوی کا نگہبان ہو۔ لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی"۔

پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

شرکتِ غزوات دوسرے فدا کارانِ اسلام کی طرح آپ نے بھی تمام غزوات میں شریک ہو کر دین کے لئے جان کی قربانی پیش کی۔ البتہ غزوۂ بدر میں آپ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کی شدید علالت کے وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری فرمائیں۔ حضرت رقیہؓ کا اسی زمانے میں انتقال ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "شرکاء بدر" میں

شمار کیا۔ سامانِ غنیمت میں سے بھی آپ کو حصّہ دیا اور اجرِ آخرت کی بھی بشارت دی۔ حضرت عثمانؓ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فرزندی کے فخر سے محروم ہونے کا بڑا غم تھا۔ رسول اکرمؐ نے جب آپ کو بے حد ملول دیکھا تو اپنی دوسری صاحبزادی حضرت امّ کلثوم سے آپ کی شادی کر دی۔ یہ وہ فخر ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا اور اسی وجہ سے آپؓ "ذوالنورین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۶ھ میں جب رسول اکرمؐ اپنے صحابہ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کے لئے روانہ ہوئے تو مقام حدیبیہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار قریش آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو کفار سے بات چیت کرنے کے لئے سفیر بنا کر بھیجا۔ کفار نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سخت جوش پیدا ہو گیا۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان کی قربانی کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر آپ نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت لی اور اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا قائم مقام قرار دیا۔

سنہ ۹ھ میں جب مدینہ منورہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونے والا ہے تو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دیا اور سامانِ جنگ کے لئے چندہ کی اپیل کی۔ حضرت عثمانؓ نے حضورؐ کی اس اپیل کا جواب جس شان کے ساتھ دیا وہ عہدِ نبوت کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ نے ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے اور ایک ہزار دینار کی تھیلیاں لا کر رسول اکرمؐ کی گود میں ڈال دیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ان دیناروں کو اُلٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:۔

[1] ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم "آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام انہیں نقصان نہ پہنچائیگا"

---

[1] ترمذی عن انسؓ۔

جود وکرم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جود وکرم کی بارشوں نے ہر موقعہ پر کشتِ ملت کی آبیاری کی۔ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین کو پانی کی بہم رسانی کی سخت دِقت تھی صرف بئر رومہ ہی ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا جو مسلمانوں کو پانی نہ لینے دیتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے اور اس کے عوض جنت کے چشمہ کا مالک ہو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں اُسے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

اسی طرح جب مسجد نبویؐ میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کوئی ہے جو ہماری مسجد میں توسیع کرے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ ستونوں کی مقدار زمین خرید لی اور مسجد نبویؐ کی توسیع ہو گئی [1]

حضرت عثمانؓ کی یہی شانِ کرم تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا اور وہ آپ کے گرویدہ تھے۔

دیگر فضائل حضرت عثمانؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ خاص اور کاتبِ وحی تھے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دس حواریوں میں سے تھے جنہیں آپ نے جنت کی بشارت دی۔ آپ ان چھ بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے "اہل شوریٰ" تجویز کیا اور خبر دی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش دُنیا سے رُخصت ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے بعض

---

[1] رواہ ابن عبدالبر

موقعوں پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بھی تجویز کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشیر خصوصی رہے اور خدماتِ خلافت میں دستِ راست بنے رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

واقعاتِ عہدِ خلافت

خُطبۂ خلافت بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ خُطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن اپنی نئی ذمہ داریوں کے احساس سے آپ اس درجہ متاثر تھے کہ کانپنے لگے۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا۔

"اے لوگو! کسی نئی سواری پر چڑھنا آسان کام نہیں۔ آج کے بعد تقریر کے لئے اور بہت سے مواقع ہیں، اگر زندہ رہا تو اور کسی دن خُطبہ دُونگا اور یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگ میدانِ تقریر کے شہسوار نہیں ہیں[1]"

حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ والیانِ صوبہ، امراء، فوج اور عُمالِ خراج کے نام فرمان جاری کئے۔ ان فرمانوں میں ہدایت کی گئی تھی کہ عدل وانصاف کے سر رشتہ کو نہ چھوڑا جائے۔ آمدنی اور خرچ میں امانت و دیانت سے کام لیا جائے۔ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی بدعہدی نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ سردارانِ اسلام کی حیثیت محافظ اور نگہبان کی ہے۔ وہ رعیت کے آقا و مولی نہیں ہیں۔

پہلا مقدمہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ اس سازش میں ابولُؤلُؤہ کے علاوہ

---

[1] طبقات ابن سعد و عقد الفرید۔

جفینہ اور ہرمزان بھی شریک تھے۔ ابولؤلؤہ نہاوند کا رہنے والا پارسی غلام تھا اور جفینہ حیرہ کا رہنے والا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی عظیم الشان فتوحات اور پارسی و نصرانی حکومتوں کی عبرت انگیز بربادی سے اُن کے دلوں میں بُغض و حسد کے انگارے دہک رہے تھے۔ فتح نہاوند کے بعد جب وہاں کے قیدی مدینہ پہنچے تو ابولؤلؤہ ایک ایک بچہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتا تھا اور رو رو کر کہتا تھا "عمر نے میرا کلیجہ کھا لیا ہے"

جس صُبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہُوئے اُس کی رات کو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا کہ ابولؤلؤہ، جفینہ اور ہرمزان آپس میں کانا پھوسی کر رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن کو دیکھ کر یہ تینوں گھبرائے اور الگ الگ ہو گئے۔ اس گھبراہٹ میں اُن میں سے کسی کے کپڑوں میں سے ایک خنجر نکل کر گرا جس کے دونوں طرف دھار تھی اور بیچ میں دستہ۔

عبیداللہ بن عمرؓ نے جب یہ واقعہ سُنا تو انہوں نے اس خنجر کو جس سے حضرت عمر شہید ہُوئے تھے منگا کر دیکھا خنجر بالکل اسی وضع کا تھا جو عبدالرحمٰن نے بیان کی تھی۔ عبیداللہ غُصّے میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور جفینہ اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔

عبیداللہ کو اس حرکت کے ارتکاب پر گرفتار کر لیا گیا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہُوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہرمزان اور جفینہ پر صرف عبدالرحمٰن کی شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا اس لئے عبیداللہ بن عمرؓ کو قصاص میں قتل کر دینا چاہیئے۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے کہا کل عمر شہید ہُوئے ہیں آج اُن کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمانؓ نے ہرمزان اور جفینہ کی دیت اپنے پاس سے ادا کر کے

اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مقتولین کے ورثاء نہ تھے اور خلیفہ کو ان کے معاملہ میں پورا اختیار حاصل تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا گیا۔

فتوحات

آذربائیجان و آرمینیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر عہد میں مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ سعد بن وقاص فاتح ایران ہی کو پھر کوفہ کا والی مقرر کر دیا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اس حکم کی تعمیل کی۔ لیکن دو سال بعد ۲۶ھ میں سعد بن وقاص پھر معزول کئے گئے۔

بات یہ ہوئی کہ سعد بن وقاص نے عبداللہ بن مسعود سے جو افسر خراج تھے کسی ضرورت سے کچھ رقم حاصل کی اور وہ اُسے وقت پر ادا نہ کر سکے۔ عبداللہ بن مسعود نے معاملہ دربارِ خلافت میں پہنچا دیا۔ چونکہ ایک بڑے افسر کے لئے یہ طرزِ عمل موزوں نہ تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر دیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔

رے، آذربائیجان اور آرمینیا کے ممالک کوفہ سے متعلق تھے یہیں سے ان ملکوں کی حفاظت اور مدافعت کے لئے فوجیں روانہ کی جاتی تھیں۔

سعد بن وقاص کے زمانہ میں عقبہ بن فرقد آذربائیجان کے عامل تھے۔ سعد کی معزولی پر وہ بھی معزول کئے گئے۔ آذربائیجان والوں نے اُن کے جاتے ہی عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ ولید بن عقبہ نے فوجی کارروائی کی اور اہلِ آذربائیجان نے پھر اطاعت قبول کی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سراقہ بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی اور حبیب بن مسلمہ فہری کے ساتھ آرمینیا اور قوقاز کے

علاقوں میں حملہ کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مشرقی آرمینیا کو فتح کرتے ہوئے بحرِ خزر کے کنارے کنارے باب تک پہنچ گئے تھے۔ باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اسلامی سرداروں کو آرمینیا کے دوسرے شہروں کو فتح کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ گرجستان کے علاقہ میں بڑھے اور اس کے صدر مقام تفلس کو فتح کر لیا۔ اسی دوران میں سُراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے باب کو صدر مقام بنا کر انتظامات درست کئے اور پھر فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے یہاں تک کہ دربند پہنچ گئے۔ پھر آپ تنگنائے دربند کو پار کر کے شمال کے نشیبی علاقوں میں پہنچے اور بلنجر سے دوسو میل آگے پہنچ کر دم لیا۔

عبدالرحمٰن باب میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ موقعہ بموقعہ وہاں سے بلادِ خزر میں حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہیں خاقانِ خزر سے مقابلہ کرتے ہوئے نہر ترک یا نہر بلنجر پر شہید ہو گئے۔

ابن جمانتہ باہلی، عبدالرحمٰن اور قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کی بہادری اور جاں فروشی پر ان الفاظ میں اظہارِ فخر کرتا ہے۔

وان لنا قبرين قبر بلنجر	"ہمارے خاندان کے دو مجاہدوں کی قبریں
وقبر بصين ستان يا له من	ہمارے لئے باعثِ فخر ہیں ایک قبر بلنجر میں
قبوز فذاك الذى بالصين	ہے اور ایک قبر چین میں ہے اس نے چین
عمت فتوحة وهذا	کے گوشہ گوشہ میں فتح کا عَلم لہرایا اور اس کی
باعلى الترك يسقى به	قبر کو ترکستان کے انتہائی علاقہ میں ابرِ رحمت
القطر۔	سیراب کرتا ہے۔"

عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد مسلمان بلادِ خزر میں نہ ٹھہر سکے اور تمام آرمینیا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔

۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سلمان بن ربیعہ (برادر عبدالرحمٰن بن ربیعہ) اور حبیب بن مسلمہ کو دوبارہ ان علاقوں کی فتوحات کے لئے روانہ

کیا۔ چنانچہ ان دونوں بہادروں نے آرمینیا اور قوقاز کے تمام علاقوں کو دوبارہ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں داخل کر لیا۔[1]

اُم عبداللہ کی جرأتِ مردانہ جس زمانہ میں حبیب بن مسلمہ آرمینیا کے علاقوں میں بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے اُن کی بیوی ام عبداللہ کلبیہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ ایک دن حبیب کو معلوم ہوا کہ آرمینیاقس کا بطریق "موریان" بڑے ساز و سامان کے ساتھ ان کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حبیب کے پاس فوج کم تھی اس لئے انھوں نے موریان پر شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ ام عبداللہ نے اپنے شوہر کو اسلحہ سے آراستہ ہوتے دیکھا تو پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ حبیب نے جواب دیا "موریان کے خیمہ کا یا جنت الفردوس کا"۔

حبیب جب موریان کی فوج کا قتلِ عام کرتے ہوئے موریان کے خیمہ پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی بیوی پہلے ہی سے اسلحہ کے زیور سے آراستہ ان کی مدد کے لئے وہاں موجود ہیں۔[2]

آرمینیا کی دوبارہ فتح کے بعد سلمان بن ربیعہ یہاں کے نگران قرار پائے اور "باب" میں اقامت اختیار کی۔

اناطولیہ و قبرص حضرت عثمانؓ کے عہد میں شام کا سارا ملک حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے ماتحت تھا۔ چونکہ شام کی سرحد بلادِ روم سے ملتی تھی اس لئے حضرت معاویہؓ کی رومیوں سے اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں حضرت معاویہ نے اناطولیہ پر حملہ کیا اور شہر عموریہ کو فتح کر لیا۔ شام سے عموریہ تک جس قدر قلعے تھے اُن پر قبضہ کر کے شام اور جزیرہ کے مسلمانوں کو ان میں آباد کیا۔ حضرت معاویہؓ اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۳ ص۲۰۲ بحوالہ ابن خلدون و دیگر جی [2] فتوح البلدان بلاذری ص۲۰۰۔

مگر انہیں خشکی کے راستہ مزید پیش قدمی کا موقع نہ ملا۔

اب انہوں نے اناطولیہ کے ساحلی علاقوں اور بحرِ روم کے جزیروں پر سمندر کے راستہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ بحری جنگ کے بہت شائق تھے انہوں نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں اُن سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے اسی قدر مخالف تھے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ جو لوگ خوشی سے اس حملہ میں شریک ہونا چاہیں انہی کو شریک کیا جائے کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ نے جہازوں کا ایک بیڑہ خود تیار کیا اور دوسرا بیڑہ عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر لے کر بڑھے۔ یہ دونوں بیڑے عبداللہ بن قیس حارثی کی رہنمائی میں بحرِ روم کے مشہور جزیرہ قبرص پر لنگر انداز ہوئے۔ اہلِ قبرص نے سخت مقابلہ کیا لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور ان شرائط پر صلح کر لی:۔

۱۔ اہلِ قبرص مسلمانوں کو سات ہزار دینار سالانہ ادا کریں گے اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی ادا کرتے رہیں گے۔

۲۔ مسلمانوں پر اہلِ قبرص کی حفاظت ضروری نہ ہوگی۔

۳۔ اہلِ قبرص دشمنوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں کو اطلاع دیں گے اور مسلمان اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت قبرص کو استعمال کر سکیں گے۔

اس طرح جزیرہ قبرص جو مصر و شام کی حفاظت کے لئے اہم مقام ہے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور بحرِ روم میں اسلامی فوجوں کا بحری مرکز قرار پایا[1] یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے۔

---

[1] محاضرات الخضری ج ۲ ص ۴۴۔

مصر و بلادِ مغرب[1]

حضرت عثمانؓ کے ابتداء عہد میں مصر کے گورنر، فاتح مصر عمرو بن عاص تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اُن سے مصر کے خراج میں اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ اُونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر بنا دیا۔

عمرو بن عاص کی معزولی کی خبر سُن کر ۲۵ھ میں اہلِ سکندریہ نے رُومیوں کے اشارہ سے بغاوت کی۔ حضرت عثمانؓ نے اہلِ مصر کے مشورہ سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے پھر عمرو بن عاص کو متعین کیا۔ اُنھوں نے بڑی دانائی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ عمرو بن عاص نے ان کے بیڑے کے بہت سے جہازوں پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کی فصیل کو منہدم کرا دیا۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح مصر سے طرابلس کی مہم پر روانہ کئے گئے اُنھوں نے طرابلس کے بہت سے شہروں پر جو رومیوں کے زیرِ اقتدار تھے قبضہ کر لیا اور پچیس لاکھ دینار پر صلح ہوئی۔

---

[1] بلادِ مغرب سے مؤرخینِ اسلام شمالی مغربی افریقہ مُراد لیتے ہیں۔ اس کے حدودِ اربعہ یہ ہیں:- مشرق میں مصر اور بحر احمر، مغرب میں بحر اوقیانوس شمال میں بحر ابیض متوسط اور آبنائے جبل الطارق اور جنوب میں صحرائے کبریٰ۔ آغازِ فتوحاتِ اسلامی میں بلادِ مغرب کی تین بڑی تقسیمیں کی جاتی تھی:

(۱) مغربِ ادنیٰ، اس میں طرابلس اور تونس شامل تھے اور اس کا صدر مقام قیروان تھا۔

(۲) مغربِ اوسط۔ یہ الجزائر کا نام تھا اور اس کا صدر مقام تلمان تھا۔

(۳) مغربِ اقصیٰ، اس کا اطلاق مراکش پر ہوتا تھا اور اس کے صدر مقام فاس اور مراکش تھے۔ آج کل یہ بہت سے حصوں میں منقسم ہے اور متعدد دولِ مغرب کا اس پر تسلط ہے۔

اس دوران میں عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن عاص دونوں کا مصر کے انتظامات میں ہاتھ رہا۔ حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ عمرو بن عاص افسر فوج رہیں اور عبداللہ افسر مال وخراج۔ لیکن عمرو بن عاص نے اُسے منظور نہ کیا اور مصر کا پورا انتظام عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ واقعہ ۲۶ھ کا ہے۔

عبداللہ بن ابی سرح نے اپنے عہدِ حکومت میں مصر کا خراج ۴۰ لاکھ بھیجا جو سابق کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن عاص سے کہا۔ دیکھا آخر اونٹنی نے دُودھ دیا۔ عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ ہاں دیا۔ مگر بچے بھوکے رہ گئے۔

۲۶ھ میں مصر کی ولایت کے مکمل اختیارات تفویض کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو بلادِ مغرب میں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

اس مہم میں اُن کی مدد کے لئے مدینہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو بن عاص، ابن جعفر، حسن، حسین، ابن زبیر بھی شامل تھے۔ "برقہ" سے عقبہ بن نافع بھی ان کے ساتھ اپنی جمعیت لے کر شریک ہو گئے۔ عبداللہ نے تمام طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور افریقیہ (تونس) کی طرف بڑھے۔ شہر یعقوبہ کے متصل، افریقیہ شمالیہ کا رومی گورنر جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ دونوں طرف کے بہادر بڑی جرأت کے ساتھ دادِ شجاعت دینے لگے۔ جرجیر نے اپنی فوج میں اعلان کرا دیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کا سر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا اور اس سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی۔

ابن ابی سرح نے عبدالرحمٰن بن زبیر کے مشورہ سے یہ اعلان کرا دیا کہ جو شخص جرجیر کا سر لائے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام دیا جائے گا۔ جرجیر کی بیٹی سے اس کی شادی کر دی جائے گی اور جرجیر کے مُلک کی حکومت بھی اُسے عطا کر دی جائے گی۔

آخر کار عبداللہ بن زبیر نے جرجیر کو قتل کر دیا اور لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔

اس فتح کے بعد بہادرانِ لشکرِ اسلام نے اپنی گھوڑوں کی ٹاپوں سے بلادِ مغرب کو روند ڈالا اور فارس اور مراکش کے ساحلی شہروں میں اسلامی جھنڈے جا گاڑے۔[1]

عبداللہ بن ابی سرح ان فتوحات کے بعد مصر لوٹ آئے اور افریقیہ پر وہیں کے سرداروں میں سے کسی کو والی مقرر کر دیا۔ طے یہ پایا کہ اہلِ افریقیہ جو خراج قیصر کو ادا کیا کرتے تھے اب مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔

۳۱ھ میں قسطنطین بن ہرقل قیصرِ روم نے ایک عظیم الشان بحری بیڑا جس میں پانچ سو جہاز تھے اسکندریہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ مسلمانوں کو جب اس بیڑے کی روانگی کی اطلاع ہوئی تو شام سے حضرت معاویہؓ اور مصر سے عبداللہ بن ابی سرح اپنے اپنے بیڑے لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بیچ سمندر میں اسلامی بیڑہ رومی بیڑے کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ فریقین کے جہاز ملا کر باندھ دیئے جائیں اور پھر مقابلہ ہو۔ اس طرح عربوں نے پہلی مرتبہ سمندر کی موجوں پر شمشیروں کی روانی کے ہوشربا مناظر دکھائے۔ مسلمان بہادروں نے اپنے حریفوں کے خون سے سمندر کی سطح کو رنگین کر دیا۔ بیشمار رومی قتل ہوئے اور کچھ نے بھاگ کر جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں پناہ لی۔ خود قیصر بھی زخموں سے چکنا چور صقلیہ پہنچا اور وہیں اہلِ صقلیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔

فارس، خراسان و طبرستان

فارس، خراسان اور سرحدِ سندھ کے علاقے ولایت بصرہ سے متعلق تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے۔ ۲۶ھ میں بصرہ کے بعض شورش پسندوں نے ان کی شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔

اسی سال اہلِ فارس نے بغاوت کی اور اپنے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کر دیا۔

---

[1] اشہر المشاہیر ج ۲ صفحہ ۷۱۵، ۷۱۶۔

ابنِ عامر خود فوج لے کر بڑھے۔ اصطخر پر ہولناک لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن عامر نے منجنیق سے سنگباری کر کے باغیوں کا کچومر نکال دیا اور اُنہیں عبرتناک سزا دی۔

۳۰ھ میں امیرِ کوفہ سعید بن عاص ایک فوجِ گراں لے کر جس میں حضرات حسنؓ و حسینؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیرؓ اور حذیفہ بن یمان بھی شریک تھے۔ طبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف سے عبداللہ بن عامر والئ بصرہ نے بھی طبرستان کا رُخ کیا۔ لیکن سعید بن عاص نے ان کے پہنچنے سے پہلے جرجان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔

ان فتوحات کے بعد بھی اہلِ جرجان و طبرستان جب کبھی موقع پاتے بغاوت برپا کر دیتے تھے۔ تاآنکہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں یزید بن مہلب نے یہاں مستقل امن و امان قائم کیا۔

۳۱ھ میں اہلِ خراسان کی بغاوت کی خبر پہنچی۔ ابن عامر بصرہ سے ایک فوجِ گراں لے کر مقابلہ کے لئے نکلے۔ مقدمۃ الجیش پر احنف بن قیس تھے۔ طبسین جو دو مضبوط قلعے تھے اور خراسان کا دروازہ سمجھے جاتے تھے فتح کئے پھر نیشاپور، طوس اور ہرات کو فتح کیا۔

ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان کی طرف روانہ کیا وہ مرو رود کی طرف بڑھے۔ وہاں مشرقی ترکستان کے بادشاہ نے بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن احنف بن قیس نے شکست فاش دی۔ پھر بلخ طخارستان کے صدر مقام کو فتح کیا۔ بلخ کی فتح کے بعد احنف نے خوارزم کا قصد کیا لیکن وہ اُسے فتح نہ کر سکے اور لوٹ آئے۔

قتلِ یزدگرد پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شاہِ ایران یزدگرد، ترکستان کے علاقہ میں چلا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی فوجی قوت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی تاہم اس کے دل میں اپنے گمشدہ اقتدار کو واپس لانے کی آرزو کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ اس آرزو کی تکمیل کے لئے اس نے یہ تدبیر سوچی تھی

کہ سرحدی اسلامی علاقوں میں بغاوتیں کراتا رہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں اکثر بغاوتیں اسی کے اشارہ پر ہوئیں۔

آخری تقدیر آزمائی کے لئے یزدگرد چین اور ترکستان کے بعض سرداروں کی مدد سے سیستان پر حملہ آور ہوا۔ اسلامی فوجوں نے اُسے شکستِ فاش دی۔ اس پریشانی کے عالم میں کسی جائے پناہ کی تلاش میں تھا کہ ترکستان کے ایک سردار نیزک خاں نے اُسے اپنے علاقہ میں آنے کی دعوت دی۔ مگر نیزک خاں کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح یزدگرد کو گرفتار کرلے اور اُسے مسلمانوں کے حوالے کرکے اپنی دوستی کا ثبوت بہم پہنچائے۔ یزدگرد کو بھی کسی طرح اس کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اُس نے وہاں سے بھاگ کر "نہر مرغاب" کے کنارے جو مرو دو میں بہتی ہے ایک پن چکی والے کے ہاں پناہ لی۔ پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس اور جواہرات کے لالچ میں اُسے قتل کردیا اور اُس کی لاش کو نہر مرغاب میں بہادیا۔

یہ واقعہ ۳۱ھ کا ہے۔ اس طرح دولتِ ساسانیہ کا جھنڈا جو ۴۲۹ سال تک بلادِ فارس پر بڑی شان کے ساتھ لہراتا رہا ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوگیا۔

"فتنۂ داخلیہ اور اُس کے اسباب و نتائج پر ایک نظر"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ایک رات کا ذکر ہے کہ سرکارِ نامدارؐ (کوئی خواب دیکھ کر) گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے۔ آپؐ فرما رہے تھے:۔

سبحان اللہ ماذا انزل اللہ	سبحان اللہ! اللہ نے کس قدر خزانے میری
من الخزائن وماذا انزل من	اُمت پر نازل فرمائے ہیں اور ان کے ساتھ
الفتن۔	ساتھ کیسے کیسے فِتنے اُترے ہیں۔

آخر وہ وقت آگیا کہ دُنیا اپنی رعنائی و فِتنہ سامانی کے ساتھ مسلمانوں میں داخل ہوئی اور اس تعالیٰ نے اُن کی وحدتِ ملّی کے شیرازہ کو بکھیر دیا۔

۱۔ حضرت عمرؓ کا دور فتوحاتِ اسلامی کا دَور تھا۔ مجاہدینِ اسلام فارس و شام و مصر کے میدانوں میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے۔ زخارفِ دُنیا سے کھیلنے کی اُنہیں فرصت نہ تھی۔ پھر حضرت عمرؓ کا دستورِ حکومت اور خود اُن کا عملی نمونہ اُنہیں دُنیا کو قدموں تلے روندنے کا حق تو دیتا تھا لیکن اُسے سینہ سے لگانے کی اجازت نہ تھی۔ عساکرِ اسلامیہ کو شام کے خوش منظر و جنت نظیر شہروں کے پاس قیام کی بھی ممانعت تھی اور امراءِ اسلام کو عجمی شان و شوکت سے احتراز کی سخت تاکید تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب میدانِ کارزار کی مصروفیتیں کچھ کم ہوئیں بڑے بڑے دشمن مغلوب ہو گئے تو مسلمانوں کو ممالکِ مفتوحہ کی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملا۔ لوگوں کو رئیسانہ طرزِ معیشت کی طرف رغبت ہوئی۔ خس پوش مکانات عالی شان محلات میں تبدیل ہونے لگے اور خوراک و پوشاک میں تکلفات برتے جانے لگے خود حضرت عثمانؓ بھی چونکہ رئیس ابن رئیس تھے اس لئے ملت کے اس نئے جذبہ کو اُبھرنے سے نہ روک سکے۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلامی طاقت کے مراکز فوجی ضرورتوں کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مصر بن گئے تھے۔ یہاں قریشی اور حجازی بہت کم تھے۔ عربوں میں سے زیادہ تر بنی بکر، عبدالقیس، ربیعہ، اَزد، کندہ، تیم اور قضاعہ وغیرہ قبائل کی آبادیاں تھیں جنہیں فیضِ نبوت سے براہِ راست مستفید ہونے کا موقعہ نہ ملا تھا اور خلافتِ الٰہی کے مقصدِ جلیل کو سمجھ نہ پائے تھے یا غیر عربی اقوام تھیں جو انہیں فاتحین کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئی تھیں اور اپنی قومی خصوصیات و ملکی امتیازات کے نقوش کو اپنے دماغ سے محو نہ کر سکی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ زمین جو خزانے مسلمانوں پر اُگل رہی تھی اس سے پورے طور پر فائدہ اٹھائیں۔ امارت و حکومت کی باگ ڈور بھی اُن کے ہاتھ میں ہو اور اگر اُن کے ہاتھ میں نہ ہو تو کم از کم

ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اُن کے ہاتھ میں ہوں۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اعیانِ مہاجرین قریش جو اپنی خاندانی عظمت و دینی جلالت کے لحاظ سے ملت میں اثر و اقتدار کے مالک تھے۔ مدینہ منورہ ہی میں مجتمع تھے۔ حضرت عمرؓ بطور "کابینہ" کے ان کے مشوروں سے بھی فائدہ اٹھاتے تھے اور اُن کے اثر و رسوخ سے اُن کی پشت پناہی بھی تھی۔ شعبی کہتے ہیں کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابرِ قریش کو مدینہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اُمتِ اسلامیہ کے لئے میں سب سے زیادہ اس بات کو مضر سمجھتا ہوں کہ اکابرِ قریش مختلف مقامات میں منتشر ہو جائیں۔ جب مہاجرینِ قریش میں سے کوئی کسی جہاد میں شرکت کی بھی خواہش کرتا تو آپ انکار کر دیتے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے غزوات کی شرکت ہی کافی ہے۔ تمہاری شرکتِ جہاد سے زیادہ مفید یہ ہے کہ نہ دُنیا تمہیں دیکھے اور نہ تم دُنیا کو دیکھو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس احتیاط کا نتیجہ یہ تھا کہ اکابرِ ملت یک دل و یک زبان تھے ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ لوگ مختلف دیار و امصار میں منتشر ہو گئے۔ طبری نے لکھا ہے:

"خلافتِ عثمانی کے پہلے سال ہی ساداتِ قریش نے مختلف شہروں میں بڑی بڑی جائدادیں پیدا کر لیں۔"

چونکہ ان کی حیثیت شاہی خاندان کے افراد کی تھی اور ان میں سے ہر فرد کسی وقت مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکتا تھا اس لئے خود غرض اور جاہ طلب لوگوں کا ان کے گرد مجمع رہنے لگا۔ چنانچہ بہت جلد اعیانِ قریش میں سے ہر ایک کے ہوا خواہوں کی ایک ایک جماعت منظم ہو گئی اور ہر جماعت اپنے سرگروہ کی خلافت و امارت کی تمنا کرنے لگی۔ یہ تمنائیں بعض اوقات زبانوں پر بھی آنے لگیں اور

سننے والے کے کانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگیں۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اعیانِ ملت کے آراء و افکار میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کے علاوہ مدینہ منورہ جو دار الخلافت تھا اسلامی اثر و اقتدار کا مرکز نہ رہا۔
۴۔ ماقبل اسلام قریش میں سے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے خاندان دنیوی جاہ و مرتبت میں ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس تعلیم اور طرزِ عمل سے اس جذبہ کو تقریباً معدوم کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ابو سفیان سردارِ مکہ کی غیر معمولی پاسداری بھی اسی مصلحت پر مبنی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں نہ اموی تھے اور نہ ہاشمی اس لئے خاندانی رقابت کے جذبہ کو ابھرنے کا موقع نہ ملا۔
حضرت عثمانؓ اموی تھے اور ان کے مقابل دوسرے بہترین امیدوار حضرت علیؓ ہاشمی، اس لئے پہلے انتخابِ خلافت کے موقع پر اس جذبۂ خفتہ کو کروٹ لینے کا موقع ملا۔ پھر جب حضرت عثمانؓ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور انھیں اپنا معتمد ہونے کی بنا پر ممالکِ مفتوحہ میں سے کئی ملکوں کی صوبہ داریوں پر سرفراز کیا تو غیر اموی خاندانوں نے اُسے اپنی حق تلفی تصور کیا اور رقابتِ خاندانی کا یہ جذبۂ خفتہ پورے طور پر بیدار ہو گیا۔
ان وجوہ و اسباب کی بنا پر جب زمین اچھی طرح تیار ہو گئی تو اعداءِ اسلام کی ایک جماعت نے (جو شوکتِ اسلام کے سامنے سرنگوں ہو کر بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی) اپنے عیار سردار عبداللہ بن سبا کی زیر سرکردگی کشتِ ملت میں اختلاف و افتراق کی تخم پاشی کی۔
حضرت عثمانؓ طبعاً نہایت نرم مزاج، بامروت اور رحم دل تھے۔ آپ کے ان جذبات سے ایک طرف آپ کے عزیزوں نے تحصیل مناصب میں غیر مناسب فائدہ اٹھایا، دوسری طرف آپ کے مخالفین نے اپنی شورش انگیزیوں میں کوئی مزاحمت نہ دیکھی۔ اس طرح اختلاف و افتراق کے اس بیج کو پھلنے پھولنے کے لئے

مناسب فضا میسر آگئی اور آخر کار شہادتِ عثمانی کی صورت میں وہ شجرِ زقوم پیدا ہوا جس نے ملتِ اسلامیہ کے ذوقِ صحیح کو برباد کر دیا۔ اس افسوس ناک اجمال کی تفصیل درجِ ذیل ہے :-

عبداللہ بن سباء

عبداللہ بن سباء یمن کا رہنے والا ایک چالاک اور عیار یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مدینہ آیا اور مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ یہاں کچھ عرصہ رہ کر اس نے مسلمانوں کی داخلی کمزوریوں سے واقفیت حاصل کی۔ پھر مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک "خفیہ پارٹی" قائم کرنے کی اسکیم مرتب کی۔ اس پارٹی کی دعوت و تبلیغ کی بنیاد محبتِ رسول اور الفتِ اہلِ بیت پر رکھی گئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ تعجب ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کے تو قائل ہیں لیکن محمدؐ رسول اللہ کے دوبارہ نزول کو نہیں مانتے۔

۲۔ ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے محمدؐ رسول اللہ کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ چونکہ حضرت محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں لہٰذا حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں۔

۳۔ بڑا ظلم ہے کہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی وصیت کی پرواہ نہ کی اور ان کے وصی کے ہوتے ہوئے خلافت دوسروں کے سپرد کر دی۔ غیر مستحق کو معزول کر کے مستحق (حضرت علیؓ) کو یہ حق دلوانا ضروری ہے [1]

اس "خفیہ پارٹی" کی شاخیں قائم کرنے کے لئے ابنِ سبا نے صوبہ جات کے تمام مرکزی شہروں میں دورہ کیا۔ حصولِ مقصد کے لئے موزوں ترین آدمیوں کو چھانٹ کر ان کو کام کرنے کی تدبیریں بتائیں اور خود مصر میں قیام کیا اور یہی اس کا "صدر مقام" تجویز کیا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷، صفحہ ۱۶۷

کام کرنے کے لئے جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا وہ یہ تھا :-

۱۔ بظاہر متقی اور پرہیزگار بن کر عوام پر اپنا اثر و اقتدار قائم کیا جائے۔

۲۔ خلیفۂ وقت (حضرت عثمان غنی) کے خلاف بہتان تراشے جائیں اور الزامات لگائے جائیں۔

۳۔ عمالِ حکومت کو پریشان کیا جائے انہیں نالائق، غیر متدین اور ظالم قرار دے کر صوبہ جات میں شورش پھیلائی جائے۔

۴۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں عمال کے فرضی مظالم کے خطوط بھیجے جائیں۔ مدینہ منورہ سے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور دوسرے اکابر صحابہ کے نام سے جعلی خطوط بھیجے جائیں جن میں اس تحریک سے ان اکابر کی وابستگی کا اظہار ہو۔

مختلف صوبوں میں اس اسکیم پر کس طرح عمل ہوا اس کی تفصیل کے لئے ہم ہر ہر مقام کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

بصرہ بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے آغازِ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے راہِ خدا میں پیدل چل کر جہاد کرنے کے فضائل بیان کئے۔ کُردوں کی بغاوت کے سلسلہ میں جب آپ جہاد کے لئے نکلے تو آپ ایک ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جن کے پاس سواریاں ہیں وہ انہیں استعمال نہ کریں۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ جن کے لئے سواریاں مہیا نہ ہو سکیں وہ بھی ازدیادِ ثواب کے شوق میں اس کارِ خیر سے محروم نہ رہیں لیکن شورش پسندوں نے اسے بہانہ بنا لیا۔ ایک وفد مدینہ منورہ شکایت لے کر پہنچا اور کہا کہ ہم ایسے والی کو پسند نہیں کرتے جس کا قول عمل کے مطابق نہ ہو۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو ان کی جگہ مقرر کیا۔

عبداللہ بن عامر ایک بہادر اور مدبر شخص تھے۔ مگر اُن کے خلاف یہ الزام لگایا گیا کہ یہ کم عمر اور حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار ہیں امیر المؤمنین نے انہیں بھیج کر

قبیلہ پروری کی ہے۔

ان کے زمانے میں ایک شخص حکیم بن جبلہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب اسلامی لشکر جہاد میں مشغول ہوتا تو اپنی جمعیت کو لے کر ذمیوں پر ٹوٹ پڑتا اور اُن کے مال و اسباب کو لُوٹ لیتا۔ علاوہ ازیں موقع ملتا تو مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہ چُوکتا۔ اہلِ بصرہ جب اس کے مظالم سے عاجز آ گئے تو عبداللہ بن عامر نے اسے اور اس کی جماعت کو بصرہ میں نظر بند کر دیا۔ عبداللہ بن سبا جب بصرہ میں آیا تو اس نے حکیم بن جبلہ ہی کو یہاں سبائی پارٹی کا سرگروہ مقرر کیا۔ حکیم نے اب اپنی سرگرمیوں کا رُخ اس پارٹی کے مقاصد کی تکمیل کی طرف پھیر دیا۔

کوفہ کوفہ اپنی فتنہ سامانی میں بصرہ سے بڑھا ہُوا تھا۔ اشتر نخعی، جندب، ابن ذی الحبکہ، صعصعہ، عمرو بن حمق وغیرہ یہاں کے شورش پسندوں کے سرگروہ تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق حضرت سعد بن وقاص کو یہاں کا والی مقرر کیا۔ سعد بن وقاص نے اپنی کسی ضرورت کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود سے جو افسرِ خراج تھے کچھ رقم قرض لی۔ سعد بن وقاص اس رقم کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ عبداللہ بن مسعود نے سختی سے تقاضا کیا۔ دراندازوں کی فتنہ انگیزی سے معاملہ نے طول کھینچا اور حضرت عثمانؓ تک شکایت پہنچی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سعد بن وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے زمانہ میں کوفہ کے چند نوجوانوں نے ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر چوری کی اور صاحبِ خانہ کو قتل کر دیا۔ یہ نوجوان علی الموقعہ پر گرفتار کر لئے گئے اور قصاص میں قتل کر دیئے گئے۔ ان مقتولین کے اعزہ و احباب ولید بن عقبہ سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

ولید رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں ابوزبید طائی

ایک نو مسلم نصرانی بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ ابوزید کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ شراب نوشی کرتا ہے۔ ولید کے مخالفین نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ بھی ابوزید کے ساتھ مل کر لطفِ بادہ نوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ مخالفین نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک وفد مدینہ منورہ روانہ ہوا جس میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہیں ولید نے انتظامی معاملد کے ماتحت ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ اس وفد نے دربارِ خلافت میں ولید پر بادہ نوشی کا الزام لگایا۔ دو شخصوں نے گواہی دی کہ ہم نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے فتویٰ کے مطابق ولید کو کوفہ سے بلا کر ان پر حد جاری کی اور انہیں ان کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔

ولید بن عقبہ کے بعد، سعید بن عاص کوفہ کے نئے والی مقرر ہوئے۔ یہ بھی رات کے وقت ایک مجلس منعقد کیا کرتے تھے جس میں ہر شخص کو شرکت کی اجازت تھی۔ ایک رات اس مجلس میں کسی نے کہا "طلحہ بن عبیداللہ بڑے سخی ہیں"۔

سعید بن عاص نے کہا "جس کے پاس نشاستج جیسا زرخیز علاقہ ہو اسے سخی ہونا چاہیئے۔ اگر میری جاگیر میں ایسا علاقہ ہوتا تو تم میری سخاوت کی بہار دیکھتے"۔ ایک نوجوان بولا "فرات کے کنارے کا علاقہ جو آلِ کسریٰ کی جاگیر تھا اسے آپ لے لیں"۔

یہ سن کر اشتر نخعی عمیر بن ضابی وغیرہ نے کہا "کم بخت تو ہماری جاگیر امیر کو دلوانا چاہتا ہے"۔ پھر یہ اس نوجوان پر ٹوٹ پڑے اور اسے بری طرح زدوکوب کیا۔ سعید بن عاص ان کی اس بدتمیزی پر سخت رنجیدہ ہوئے اور رات کی مجلس موقوف کر کے دروازہ پر دربان بٹھا دیئے۔

اب ان لوگوں کو بجز اس کی اور کوئی کام نہ رہا کہ جہاں جاتے سعید بن عاص کی برائی کرتے۔ کوفہ کے امن پسند لوگ جب ان کی حرکتوں سے عاجز آ گئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس درخواست بھیجی کہ ان فتنہ پردازوں سے ہمیں نجات دلائی جائے۔ حضرت سعید بن عاص کو لکھا کہ ان سب کو ملک شام میں حضرت معاویہؓ کے

پاس بھیج دو۔

جب یہ جماعت ملک شام میں پہنچی تو حضرت معاویہؓ نے ان کے ساتھ عزت کا برتاؤ کیا اور پند و نصیحت کے ذریعہ اصلاحِ حال کی کوشش کی۔ مگر اُن کے دماغ میں فتنہ سمایا ہُوا تھا، ایک نہ سُنی بلکہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ بدکلامی کی۔ حضرت معاویہؓ نے عاجز آکر حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کی اصلاح میری طاقت سے باہر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انہیں عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس حمص روانہ کر دو۔ عبدالرحمٰن نے انہیں سخت پکڑا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے مزاج درست کر دیئے۔ ان لوگوں نے اپنے افعال سے توبہ کی اور ندامت ظاہر کی۔ عبدالرحمٰن نے حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع بھیجی۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا۔ اگر ان کی اصلاح ہوگئی ہے تو انہیں ان کے وطن کوفہ واپس کر دو۔ کوفہ آکر یہ لوگ پھر اپنی سابقہ سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔

کوفہ میں عبداللہ بن سبا پہنچا تو اس کی نگاہِ انتخاب اسی شورش پسند جماعت پر پڑی تھی اور اس نے انہی کو اپنا ایجنٹ مقرر کیا تھا۔

شام

شام کے والی حضرت عمرؓ کے زمانہ سے حضرت معاویہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ ایک دُور اندیش، مدبر اور منتظم شخص تھے۔ اُنہوں نے اس قسم کے فِتنوں کو اپنے مُلک میں نہ اُبھرنے دیا۔ مگر یہاں ایک دوسری شورش پیدا کر دی گئی جس سے فِتنہ پردازوں کی خفیہ جماعت نے مفید کام لیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ ایک عابد و زاہد صحابی تھے۔ دنیا اور متاعِ دنیا سے انہیں نفرت تھی۔ خمس غنیمت کے متعلق اُن کی رائے یہ تھی کہ یہ ضرورت مند مسلمانوں کا حق ہے۔ امیر اسے بیت المال میں جمع کر رکھنے کا مجاز نہیں۔ حضرت معاویہؓ کا خیال یہ تھا کہ سلطنت کی بڑھتی ہوئی تمدنی ضروریات کے پیشِ نظر اُسے مفادِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے کے لئے روکا جا سکتا ہے۔ وہ اسے مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ اللہ کا مال کہتے تھے اور امیر کے لئے جو خلیفۃ اللہ ہے اس میں تصرف کا حق محفوظ سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن سبا جب شام آیا تو اس نے حضرت ابوذرؓ سے کہا "آپ نے دیکھا معاویہ بیت المال کے خزانہ کو اللہ کا مال کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اس میں کچھ حق ثابت نہ ہو سکے"۔

حضرت ابوذرؓ کے دل میں یہ بات اتر گئی۔ سیدھے حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ اور ان سے پوچھا "آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے نہایت نرمی سے جواب دیا "اے ابوذر! ہم سب خدا کے بندے ہیں اور ہمارا مال اسی کا مال ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں تمہیں ایسا نہ کہنا چاہیئے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ اللہ کا مال نہیں ہے لیکن خیر آئندہ مسلمانوں کا مال کہہ دیا کروں گا۔

عبداللہ بن سبا حضرت ابوذر داؓ کے پاس بھی پہنچا اور انہیں بھی بہکانے کی کوشش کی مگر وہ اس کی چال میں نہ آئے اور کہہ دیا کہ مجھے تو تُو یہودی معلوم ہوتا ہے۔ پھر وہ حضرت عبادہ بن صامت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں۔ وہ اُسے پکڑ کر حضرت معاویہؓ کے پاس لے گئے اور کہا یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذرؓ کو بھڑکا کر آپ کے پاس بھیجا تھا۔

اس کے بعد حضرت ابوذرؓ نے اس خیال کی اشاعت شروع کی کہ دولتمندوں کو ضرورت سے زیادہ دولت جمع کر کے رکھنے کا حق نہیں ہے اور دلیل میں یہ آیت پیش کی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	"جو لوگ سونا چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے ان
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دو۔
اَلِيْمٍ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ	جس دن آگ دہکائیں گے اس مال
نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ	پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے
وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا	اُن کے ماتھے، کروٹیں اور پیٹھیں (اور

مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۔ (پارہ ۱۰ آیت ۳۵)	ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے گاڑ رکھا تھا۔ اب اپنے گاڑنے کا مزہ چکھو"

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظریہ تھا کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے مراد زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس مال کا جمع کرنا ممنوع نہیں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس تحریک سے غرباء، امراء کے خلاف صف بستہ ہو گئے اور مسلمانوں کی جماعت میں امیری اور غریبی کے سوال پر ایک نیا اختلاف پیدا ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ نے تمام حالات کی اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجی۔ وہاں سے حکم آیا کہ حضرت ابوذرؓ کو پورے اکرام و احترام کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دو۔ مدینہ پہنچے تو حضرت ابوذرؓ نے وہاں بھی اسی خیال کی اشاعت شروع کی۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں بلا کر سمجھایا کہ" اے ابوذر! خدا اور رسولؐ کا جو حق مخلوق پر واجب ہے اس کا میں ان سے مطالبہ کروں گا اور مجھ پر ان کا جو حق ثابت ہے وہ میں ادا کروں گا لیکن میں کسی کو ترکِ دنیا پر مجبور نہیں کر سکتا"۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا" تو آپ مجھے مدینہ سے کہیں باہر بھیج دیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے ابوذر جب مدینہ کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو تم وہاں سے رخصت ہو جانا"۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام ربذہ میں ان کے قیام کا انتظام فرمایا۔ وہیں ان کے لئے ایک مسجد تعمیر کرا دی۔ کچھ اونٹ اور دو غلام ان کی معاش اور آرام کے انتظام کے لئے ان کے سپرد کر دیئے[1]۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام بحوالہ طبری ج ۴ صد ۲۸۴ و محاضرات خضری ج ۲ صد ۵۶

مصر مصر کے والی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح تھے۔ عمرو بن عاص کے مقابلہ میں اہلِ مصر ان کو پسند نہ کرتے تھے۔ پھر افریقہ پر حملوں اور قیصر قسطنطنیہ سے مقابلوں کی وجہ سے اُنھیں داخلی معاملات کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بھی نہ تھی۔ علاوہ ازیں مصر میں دو با اثر صحابی محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ یتیم تھے۔ خاندان کے دوسرے یتیموں کی طرح حضرت عثمانؓ ان کے بھی کفیل تھے۔ جب یہ بڑے ہوئے تو انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کسی جگہ کی ولایت کی خواہش کی۔ حضرت عثمانؓ نے اُنھیں اس منصب کے لئے موزوں نہ سمجھا اور انکار کر دیا۔ پھر وہ حضرت عثمانؓ سے اجازت لے کر مصر چلے آئے۔ محمد بن ابی بکر حضرت علیؓ کی آغوشِ تربیت میں پلے تھے۔ ان کی والدہ نے حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت علیؓ سے شادی کر لی تھی۔ ان پر کسی شخص کا کچھ مطالبہ واجب تھا۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے ساتھ کچھ رعایت نہ کی اور مطالبہ ادا کرا دیا۔ یہ اس بات پر حضرت عثمانؓ سے ناراض ہو گئے تھے۔

حالات کی اس سازگاری کی بنا پر عبداللہ بن سبا نے مصر کو اپنی تحریک کا مرکز قرار دینے کے لئے بہترین جگہ سمجھا تھا۔

عبداللہ بن سباء کا یہ خیال صحیح نکلا۔ بہت جلد یہاں اُس کے متبعین کی کافی تعداد ہو گئی اور اُس نے حضرت عثمانؓ کے ذاتی مخالفین سے مدد لے کر اپنی مقصد برآری میں پوری جدوجہد شروع کر دی۔ مصر میں عبداللہ بن سبا کی کامیابی کا اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۳۱ھ میں جب قیصرِ روم نے ایک زبردست بحری بیڑہ لے کر ساحلِ مصر پر چڑھائی کی اور عبداللہ بن ابی سرح اسلامی بیڑہ کی امیری کی حیثیت سے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے تو ان مخالفین نے اُس وقت بھی اپنی سرگرمیوں کو نہ چھوڑا۔ اس بحری سفر میں محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے علی الاعلان مجاہدین کو خلیفۂ وقت اور امیرِ مصر کے خلاف بھڑکایا اور اُن کے معائب بیان کئے۔ آخر مجبور ہو کر عبداللہ بن ابی سرح نے ان کو علیحدہ

قبطیوں کے جہاز میں سوار کرا دیا۔[1]

مصر سے ایک "مجوزہ نظام" کے ماتحت بصرہ، کوفہ، شام اور مدینہ منورہ میں عمال کے مظالم اور عوام کے مصائب پر مشتمل خطوط روانہ کئے گئے۔ پھر ان شہروں میں سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھی اسی قسم کے خطوط بھیجے گئے۔ جہاں جہاں یہ خطوط پہنچتے سبائی ایجنٹ ان کی خوب تشہیر کرتے اور عوام کو خلیفۂ وقت اور اُس کے عمال کے خلاف بھڑکاتے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ہر مقام کے لوگ یہ سمجھنے لگے کہ بس ہم ہی امن و عافیت میں ہیں اور ہمارے سوا سارا عالمِ اسلامی بنوامیہ کے مظالم سے نیم جاں ہے۔

عمال کی مجلس شوریٰ

مدینہ منورہ میں جب اس قسم کے خطوط کثرت کے ساتھ پہنچے تو یہاں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے خلاف حرف گیریاں ہونے لگیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں ایک ایسی باا ثر جماعت بھی موجود تھی جسے انتخابِ خلافت کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ سے اختلاف تھا۔ تاہم یہ اختلاف اختلافِ رائے کی حدود سے متجاوز نہ تھا۔ فتنہ پردازوں نے اس جماعت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی اور خلافت کے سبز باغ دکھلائے۔ لیکن اس باوقار جماعت نے مفسدین کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا۔ تاہم ان کی جدوجہد کا یہ اثر ضرور ہُوا کہ یہ جماعت بھی اس بدگمانی میں مُبتلا ہو گئی کہ صوبہ جات میں حضرت عثمانؓ کے عمال کی طرف سے عام بے چینی ہے اور ان کی طرف سے بھی اصلاحِ حال کا مطالبہ ہونے لگا۔

۳۴ھ میں حضرت عثمانؓ نے اصلاحِ حال کی کوشش کی اور ممالکِ اسلامیہ کے عمال کی مجلسِ شوریٰ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے تمام صوبوں کے ولاۃ کو حکم بھیجا کہ حج کے موقعہ پر مجھ سے آکر ملیں۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ، عبداللہ بن

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷

عامر، عبداللہ بن سعد اور سعید بن عاص جمع ہوئے۔ عمرو بن عاص بھی ان کے ساتھ شریکِ مشورہ کئے گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان حضرات سے اس فتنہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا۔ تمام عمال نے یک زباں ہو کر جواب دیا۔

"یہ سارا فتنہ چند مفسدین کی سازش کا نتیجہ ہے اور اس کا مقصد حکومت اور اس کے عمال کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"تو پھر اس فتنہ کا انسداد کیونکر ہو سکتا ہے؟"

اس کے جواب میں مختلف اصحاب نے مندرجہ ذیل رائیں ظاہر کیں:۔

سعید بن عاص نے کہا "جن مفسدین کے ہاتھوں میں اس فتنہ کی باگ ڈور ہے انہیں قتل کر دیا جائے"

عبداللہؓ بن سعد نے کہا "فتنہ پرداز مال وزر کے خواہشمند ہیں، سیم و زر کے لقمہ سے اُن کا منہ بند کر دیا جائے تو بہتر ہو"

عبداللہ بن عامر نے کہا "یہ سب بیکاری کے مشغلے ہیں۔ کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے تو یہ سب قصے ختم ہو جائیں"

حضرت معاویہؓ نے کہا۔ ہر صوبہ کا والی اپنے صوبہ کے امن و امان کا ذمہ لے اپنے صوبہ کو ہر قسم کی شورش سے پاک رکھنے کا ذمہ دار میں ہوں۔

عمرو بن عاص نے کہا۔ امیر المومنین آپ لوگوں کے ساتھ بے جا رعایت اور نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کیجئے۔ نرمی کے موقعہ پر نرمی برتئے اور سختی کے موقعہ پر سختی اختیار کیجئے"

الحاصل مجلسِ شوریٰ کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ مفسدین کے ساتھ سختی سے برتاؤ کیا جائے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس رائے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا :۔

"آپ صاحبان نے جو کچھ فرمایا وہ میں نے سن لیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ وہی فتنہ نہ ہو جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ اگر یہ وہی فتنہ ہے تو یہ برپا ہو کر رہے گا۔ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ نرمی اور درگذر کے ساتھ اس کے دروازے کو کھلنے سے روکوں میں اپنے عمل سے ثابت کروں گا کہ میں نے لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ برتنے میں کوتاہی نہیں کی اور کل خداوند قدوس کے دربار میں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس فتنہ کی چکی گھوم کر رہے گی۔ تاہم مبارک ہے عثمانؓ اگر وہ مرتے مر جائے اور اسے حرکت نہ دے۔"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو رخصت کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔
"اے امیر المومنین مجھے مدینہ منورہ کے لوگوں کے حالات بھی کچھ قابلِ اطمینان نہیں معلوم ہوتے۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میری شہ رگ بھی کٹ جائے تب بھی میں مدینہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ میں جوارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا۔ "تو مجھے اجازت دیجئے کہ شام سے ایک فوج آپ کی حفاظت کے لئے یہاں بھیج دوں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "مجھے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کو تکلیف دینی بھی منظور نہیں ہے۔" [1]

تحقیقاتی وفود بعض صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو مشورہ دیا کہ صوبہ جات میں تحقیقاتی وفود روانہ کئے جائیں جو اصل حالات کا پتہ لگائیں۔ چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہؓ بن زید کو بصرہ، عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور عمار بن یاسر

---

[1] محاضرات خضری ج ۲ ص ۵۵۔

کو مصر بھیجا گیا۔ ان سب حضرات نے واپس آکر بیان کیا کہ حالات حسبِ سابق ہیں اور کوئی بے چینی یا بدامنی نہیں ہے۔ البتہ عمار بن یاسر واپس نہ آئے۔ والیٔ مصر نے اطلاع دی کہ وہ مخالفین کے گروہ سے مل گئے ہیں جس کا سرغنہ عبداللہ بن سباء ہے۔

مفسدین کی مشاورت

قرار داد یہ تھی کہ مجلسِ شوریٰ کی شرکت کے لئے جب صوبوں کے والی اپنے اپنے صوبوں سے رخصت ہوں تو عام بغاوت کر دی جائے۔ مگر اس تجویز پر عمل نہ ہو سکا۔ البتہ اشتر نخعی مفسدین کی ایک جماعت لے کر کوفہ سے نکلا اور سعید بن عاص والیٔ کوفہ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اہلِ کوفہ کی خواہش کے مطابق حضرت ابوموسیٰ اشعری کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب عمال اپنے اپنے صوبوں میں واپس آ گئے تو پھر بغاوت کا موقع نہ رہا۔ اب انہوں نے آپس میں خط و کتابت کر کے طے کیا کہ ہر صوبہ سے منتخب انقلاب پسند مدینہ پہنچیں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور پھر آپس میں مشورہ کر کے آئندہ کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں۔ ظاہر یہ کیا جائے کہ ہم خلیفہ سے اپنی شکایات بیان کرنے اور ان سے اصلاحِ حال کی درخواست کرنے جا رہے ہیں۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق کوفہ، بصرہ اور مصر سے تین وفد روانہ ہوئے۔ اور مدینہ کے قریب پہنچ کر یک جا ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کو جب ان کے آنے کی حال معلوم ہوا تو انہوں نے دو ایسے آدمیوں کو جنہیں شورش پسند اپنا حامی سمجھتے ہیں ان کے پاس بھیجا۔ اہلِ وفود نے ان سے کہا "ہمارا مقصد یہ ہے کہ خلیفہ کے سامنے اپنی فرضی شکایات بیان کریں اور ان سے ان کے ازالہ کا مطالبہ کریں۔ ظاہر ہے کہ جب ان شکایات کی کوئی اصلیت ہی نہیں تو خلیفہ ان کا تدارک کیا کریں گے۔ اب ہم اپنے اپنے مقامات کو واپس جا کر یہ شہرت دیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے اصلاحِ احوال کا مطالبہ کیا۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر آئندہ حج کے زمانے میں اپنے ساتھ ایک جماعت کثیر لے کر حج کے بہانے مدینہ منورہ آئیں گے اور

خلیفہ کو بزور معزول کریں گے یا اُنہیں قتل کر دیں گے۔

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس آکر مفسدین کے ارادے بیان کیے۔ حضرت عثمانؓ نے بات کو ہنسی میں ٹال دیا۔

جب وفود مدینہ منورہ میں پہنچے تو بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ "آپ انہیں قتل کر کے فتنہ کا سر کچل دیجئے"۔ مگر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "میں دو ہی صورتوں میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ یا اس پر حدِ شرعی واجب ہو یا وہ مرتد ہو جائے۔ ان لوگوں کو میری طرف سے کچھ غلط فہمیاں ہیں میں اُن کے ازالہ کی کوشش کروں گا اور ان کی غلطیوں سے درگزر کر کے انہیں راہِ راست پر لانے کی سعی کروں گا"۔

آپ نے ارکانِ وفد اور مہاجرین و انصار کو جمع کر کے ایک جامع و مانع تقریر فرمائی جس میں مفسدین مخالفین کے ایک ایک الزام کا مدلّل جواب دیا۔

حضرت عثمانؓ کی تقریر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمد و نعت کے بعد فرمایا :-

۱۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے منیٰ میں دو رکعت کی بجائے چار رکعت نماز ادا کی حقیقت یہ ہے کہ مکہ معظمہ میں میرے اہل و عیال تھے اور میں نے وہاں پہنچ کر اقامت کی نیت کر لی تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کر لے اسے مقیم کی طرح پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے مخصوص چراگاہیں بنالی ہیں۔ خدا کی قسم میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص کر لی گئی تھیں۔ یہ چراگاہیں صدقہ کے جانوروں کے لئے مخصوص کی گئی ہیں۔ پھر کسی کو اُن سے نفع حاصل کرنے سے بھی منع نہیں کیا جاتا۔ بجز اس شخص کے جو رشوت دے کر اپنے حق سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہے۔ جہاں تک ان چراگاہوں سے میرے استفادہ کا تعلق ہے تو میرے پاس دو اُونٹوں کے سوا جنھیں میں سفر

حج میں استعمال کرتا ہوں کوئی جانور نہیں ہے۔ حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ خلافت سے پہلے سارے عرب میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس مویشی نہ تھے۔

۳۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن کئی مصاحف کی صورت میں تھا۔ میں نے ایک مصحف کو چھوڑ کر باقی کو تلف کر دیا۔ حالانکہ قرآن ایک ہی کتاب ہے جو ایک ہی ذات کی طرف سے نازل ہوئی ہے معتمد صحابہ کی جماعت موجود ہے جنہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر ہدایت قلمبند کیا ہے۔ میں نے ان ہی کے ضبط کئے ہوئے قرآن مجید کو جا بجا بھیجا ہے۔

۴۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ نے اسے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ رسول اکرمؐ نے ہی حکم کو مکہ سے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا اور رسولؐ اللہ نے ہی اس کو میری سفارش پر مدینہ آنے کی اجازت دے دی تھی۔ میں نے اپنے عہد میں صرف آپؐ کی اجازت کا نفاذ کیا ہے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے نوجوانوں کو عامل مقرر کر دیا ہے حالانکہ میں نے جن لوگوں کو مقرر کیا ہے ان کو جامع اوصاف بہادر اور لائق دیکھ کر مقرر کیا ہے۔ یہ اُن کے صوبوں کے آدمی ہیں۔ اُن کی کارکردگی سے یہ بھی انکار نہیں کر سکتے اور یہ اُن کے ہم وطن ہیں اُن کی اہلیت سے یہ بھی ناواقف نہیں۔ رہا نوجوان ہونا تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہؓ کو جوان سے بھی کم عمر تھے امیر مقرر فرمایا ہے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کا مالِ غنیمت انعام کے طور پر دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے انہیں مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ دیا تھا جس کی تعداد ایک لاکھ ہوتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخینؓ نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا کیا ہے لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اہل لشکر کو یہ ناگوار گزرا ہے تو میں نے عبداللہ سے یہ رقم واپس لیکر انہی میں تقسیم کر دی۔

۷۔ کہا جاتا ہے کہ میں اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرتا ہوں اور انہیں عطیات دیتا ہوں۔ اپنے اہلِ خاندان سے محبت کرنا بُری بات نہیں لیکن میری محبت نے کبھی مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کیا ہے۔ میں بیت المال سے صرف ان کے جائز حقوق ادا کرتا ہوں۔ باقی جو کچھ عطیات میں دیتا ہوں وہ اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ بیت المال کے مال کو میں اپنے یا اپنے عزیزوں کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اپنے عزیزوں کو گرانقدر عطیات دیا کرتا تھا حالانکہ اس وقت مجھے مال کی ضرورت تھی اور اب تو میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ گیا ہوں۔ مجھے زندگی کی توقع نہیں رہی کہ روپیہ کو بچا کر رکھنے کی خواہش ہو۔ میں نے کسی شہر پر خراج کا غیر ضروری بار نہیں ڈالا ہے کہ کسی کو اعتراض کی گنجائش ہو۔ پھر جس قدر جہاں سے آتا ہے وہیں کے مفاد پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ میرے پاس صرف خمس غنیمت جمع رہتا ہے جسے مسلمان مناسب موقعوں پر خرچ کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مال میں ایک پیسے کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس میں سے خود کچھ نہیں لیتا حتیٰ کہ اپنی معاش کا بار بھی بیت المال پر نہیں ڈالتا۔

۸۔ کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنے حاشیہ نشینوں کو قطعات زمین عطا کر دیئے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینوں میں سے فتوحات کے بعد مہاجرین و انصار کو ان کے حصے ملے تھے۔ تو ان میں سے جو لوگ وہاں رہ پڑے اُن کی زمینیں تو اُن کے اہلِ خاندان کے قبضہ میں ہیں لیکن جو لوگ واپس چلے آئے وہ اپنی زمینوں سے فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے۔ تاہم وہ زمینیں ان کی ملکیت تھیں میں نے اُن کی سہولت کے خیال سے ان کی دُور افتادہ زمینوں کو مقامی صاحبانِ جائداد کے ہاتھ فروخت کر دیا اور قیمت ان اراضی کے مالکوں کے حوالہ کر دی۔[1]

---

[1] محاضراتِ خضری ج ۲ صفحہ ۵۹، ۶۱۔

اس تفصیل کے ساتھ آپ نے مفسدین کے ایک ایک الزام کا مدلل و مسکت جواب دیا۔ آپ ہر جواب کی تقریر فرمانے کے بعد حاضرین سے پوچھتے " جو کچھ میں نے کہا کیا وہ صحیح ہے؟"

حاضرین یک زبان ہو کر جواب دیتے " بے شک آپ نے بجا و درست ارشاد فرمایا ہے "

ظاہر ہے کہ فسادِ نیت کی اصلاح دلائل و براہین سے نہیں ہو سکتی۔ وفود نے اپنے اپنے شہروں میں جا کر مشہور کیا کہ ہم نے مدینہ منورہ جا کر خلیفہ پر حجت تمام کر دی مگر وہ اصلاحِ حال کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مفسدین کی روانگی اب مفسدین نے آپس میں ... و پیام کر کے طے کیا کہ شوال کے مہینہ میں بصرہ، کوفہ اور مصر سے حج کے بہانے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوں اور وہاں پہنچ کر اپنے عزائم کو بزورِ شمشیر پورا کریں۔ چنانچہ ان تینوں مقامات سے ایک ایک ہزار کی جمعیت متفرق ٹولیوں میں روانہ ہوئی۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر اہلِ بصرہ مقام خشب میں ٹھہرے۔ اہلِ کوفہ مقامِ اعوص میں اور اہلِ مصر مقام ذی مروہ میں مقیم ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں تو یہ تینوں گروہ متفق ... لیکن آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے مسئلہ میں اختلاف رائے تھا۔ ابنِ سبا کے قیام مصر کی وجہ سے سب اہلِ مصر حضرت علیؓ کے حامی تھے۔ مگر اہلِ کوفہ کی اکثریت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اہلِ بصرہ کی اکثریت حضرت طلحہ کو پسند کرتی تھی۔

اہلِ مصر کا ایک وفد حضرت علیؓ کے پاس آیا اور اُن سے اپنی مدد کی خواہش اور قبولِ خلافت کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ذی خشب، ذی مروہ اور اعوص کے لشکر ملعون ہیں، سب دین دار مسلمانوں کو اس کا علم ہے۔ میں تمہارے ساتھ تعاون نہیں کر سکتا "

اہلِ بصرہ، حضرت طلحہ اور اہلِ کوفہ حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچے اور انہیں

بھی یہی جواب ملا۔

حضرت عثمانؓ کو جب مفسدین کے ارادوں کا علم ہُوا تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اُن سے رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ آپ اِن لوگوں کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیجئے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں نے آپ کو کئی مرتبہ بنو اُمیہ کی طرف داری سے منع کیا تھا مگر آپ مروان، معاویہ، ابن عامر ابن ابی سرح اور سعید بن عاص ہی کے اشاروں پر چلتے رہے۔ اب میں انہیں کیونکر واپس کروں؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں آئندہ آپ ہی کے مشورہ سے کام کیا کروں گا اور ان لوگوں کی بات نہ سنوں گا۔

حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اہل مصر کے پاس گئے اور انہیں اطمینان دلایا کہ عمال کے متعلق تمہاری شکایات میں دور کرادونگا اور انہیں مصر کی طرف واپس کر دیا۔

حضرت علیؓ اب حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ جو کچھ آپ نے مجھ سے فرمایا اس کا اعلان مسجد میں کر دیجئے تاکہ سب کو اس کی اطلاع ہو جائے اور بصرہ اور کوفہ کے لوگوں کو بھی ہنگامہ آرائی کا بہانہ نہ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک پُرزور خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوئی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ صاحبان میں سے جو اہل الرائے ہوں اُن سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے مناسب مشورہ دیں۔ خدا کی قسم اگر حقانیت کے ساتھ مجھ سے غلامانہ اطاعت کا مطالبہ کیا جائے تو مجھے اس سے انکار نہ ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مرضی کے مطابق کام کرونگا اور مروان وغیرہ کی بات نہ سنوں گا۔"

یہ فرما کر حضرت عثمانؓ رونے لگے اور سامعین بھی بے اختیار رو پڑے۔[1]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۹۵

مفسدین مدینہ میں اہلِ مدینہ سمجھے تھے کہ اب یہ جھگڑا ختم ہو گیا مگر اُن کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب یکایک مفسدین کے نعروں سے مدینہ کی گلیاں گونج اٹھیں۔ مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین کے گروہوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیر لیا اور انتقام کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت علی اہلِ مصر کے پاس آئے اور اُن سے پوچھا کہ تم لوگ تو مصر روانہ ہو گئے تھے لوٹ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہمیں راستہ میں ایک قاصد ملا جو تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جا رہا تھا۔ ہم نے اُس کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے ہمارے قتل کا فرمان نکلا جس پر خلیفہ کی مُہر ہے۔

حضرت علیؓ نے اہلِ بصرہ و کوفہ سے پوچھا کہ تم لوگ کیوں آئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کرنے آئے ہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا تم لوگوں کے راستے مختلف ہیں تم اپنے اپنے راستوں پر کافی فاصلہ طے کر چکے تھے پھر تمہیں آپس میں ملاقات کا موقع کیونکر ملا۔ مفسدین اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! یہ سب تمہاری سازش ہے۔ مفسدین نے کہا آپ جو چاہیں سمجھ لیں ہمیں عثمانؓ کو خلیفہ رکھنا منظور نہیں ہے۔ خدا نے ہمارے لئے اس شخص کا خون حلال کر دیا ہے۔ آپ بھی اس کام میں ہماری اعانت کیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ مفسدین نے کہا پھر آپ نے ہمیں خط لکھ کر کیوں بلایا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تمہیں کوئی خط نہیں لکھا۔ اس جواب پر مفسدین ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ معاملہ ان کے قابو سے باہر ہو گیا ہے اور مفسدین انہیں بھی اس گندگی میں ملوث کرنا چاہتے ہیں تو وہ مدینہ سے باہر مقام احجار الزیت میں تشریف لے گئے۔

مفسدین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان کو فرمان دکھا کر کہا کہ یہ خط ہمارے متعلق آپ نے لکھا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میں خدا کی قسم کھا کر

کہتا ہوں کہ مجھے اس کا علم تک نہیں۔ مفسدین نے کہا اگر آپ نے یہ خط لکھا ہے تو ظاہر ہے کہ آپ خلافت کے اہل نہیں اور اگر آپ کی طرف سے یہ خط لکھ دیا گیا ہے اور آپ کو اس کا علم نہیں تب بھی آپ خلافت کے لائق نہیں۔ کیونکہ جس خلیفہ کے علم کے بغیر اس کی طرف سے ایسے اہم فرمان مُہرِ خلافت کے ساتھ جاری کر دیئے جائیں وہ اس اہم ذمہ داری کے لائق نہیں ہو سکتا۔ مفسدین نے حضرت عثمانؓ سے مطالبہ کیا کہ آپ منصبِ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس مطالبہ کو ردّ کر دیا اور فرمایا۔

"میں اس عزت کی قمیص کو جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنا دی ہے اپنے ہاتھوں نہ اُتاروں گا"۔

محاصرہ مفسدین نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اُنھوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک قائم رہا اور بتدریج سخت تر ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آخری دنوں میں آپ پر پانی کی بھی بندش کر دی گئی۔

بلوائیوں نے شہر میں اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھا رہے گا اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا لیکن جو شخص باہر نکلے گا اس کا مقابلہ کیا جائے گا۔ مفسدین کی بدتمیزی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ نے کھانے کا کچھ سامان لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی تو اُنہیں بزور روک دیا گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر اکثر صحابہؓ اپنے گھروں میں خانہ نشین ہو گئے اور کچھ مدینہ کو چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ تاہم حضرت عثمانؓ کے مکان میں ان کی حفاظت کے لئے تقریباً سات سو کی جمعیت موجود تھی۔ اس جمعیت میں حضرات حسنؓ، حسینؓ، حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمدؓ اور حضرت زبیرؓ کے صاحبزادہ عبداللہ، حضرت ابو ہریرہؓ، سعید بن عاص، مروان وغیرہ شامل تھے۔ ان محافظین کی مفسدین سے کئی مرتبہ جھڑپیں ہوئیں۔ مروان تو اس قدر زخمی ہوا کہ زندگی کی توقع نہ رہی اور حضرت حسنؓ کے بھی کچھ زخم

آئے۔ مفسدین چاہتے تھے کہ کسی طرح بغیر مقابلہ کے حضرت عثمان رضؓ پر قابو پالیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر باقاعدہ مقابلہ ہُوا تو حضرات حسنؓ و حسینؓ کی وجہ سے بنو ہاشم میدان میں آجائیں گے۔

حالتِ محاصرہ ہی میں آپ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ اہلِ مکہ کو مدینہ کے حالات کا علم ہو جائے۔ علاوہ ازیں اسلامی صوبہ جات کے امراء کے پاس بھی آپ نے مفسدین کی ہنگامہ آرائی کی خبر بھیجی اور اُن سے مدد طلب کی۔

بے نظیر عزم و ثبات

جب محاصرے نے طول کھینچا اور مفسدین کی جفا کاریاں بڑھیں تو حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ مُسلمانوں کے امام ہیں۔ مفسدوں کی بد باطنی سے آج آپ کی جان خطرہ میں ہے۔ میں آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجئے۔ باہر نکل کر مفسدین کا مقابلہ کیجئے۔ آپ کے ساتھ جانثاروں کی معقول تعداد موجود ہے۔ پھر یوں بھی آپ حق پر ہیں۔ اور حق کی فتح کے لئے اہلِ مدینہ آپ کی مدد کریں گے یا صدر دروازہ کو چھوڑ کر کہ جسے مفسدین نے گھیر رکھا ہے کسی اور طرف دروازہ پھوڑ کر مکہ معظمہ تشریف لے جائیے۔ مفسدین میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ مکہ میں آپ پر دست درازی کر سکیں۔ یا پھر آپ ملک شام کی طرف کوچ کیجئے کہ وہاں معاویہ اور آپ کے دوسرے معاونین موجود ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا پہلی صورت تو مجھے اس لئے منظور نہیں کہ میں پہلا وہ خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو اپنی تلوار کو مُسلمانوں کے خون سے رنگین کرے۔ دوسری تجویز اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قریش میں سے ایک شخص مکہ معظمہ کی بے حرمتی کرے گا اور ساری دُنیا کے عذاب کا آدھا اُس کے حصہ میں آئے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ میں مکہ معظمہ کی بے حُرمتی کا سبب بنوں۔ تیسری راہ میں اس لئے اختیار نہیں کر سکتا کہ رسول اکرمؐ کے

دار الہجرت اور آپؐ کے جوار کی عزت کو میں کسی قیمت پر ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔[1]

شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی بنا پر یقین تھا کہ شہادت کی سعادت اُن کے لئے مقدر ہو چکی ہے۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبانی اُنھوں نے یہ سُنا تھا کہ جب اُمتِ محمدیہ میں ایک بار تلوار کھنچ جائے گی تو پھر وہ قیامت تک بے نیام رہے گی۔ لہٰذا ان کی خواہش تھی کہ اُمتِ محمدیہ کو اس اندرونی عذاب سے جب تک بچایا جا سکتا ہے بچانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ دورانِ محاصرہ میں کئی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے بالاخانہ پر چڑھ کر محاصرین کو پند و نصیحت کی اور تفصیل کے ساتھ اپنے فضائل و مناقب بیان کئے مگر ان سنگ دِلوں پر جن کے ایمان کی روشنی ماند پڑ چکی تھی کچھ اثر نہ ہوا۔

آخر جب باغیوں کو یقین ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اگر مزید انتظار کیا گیا تو حج کا موسم ختم ہو جانے کی وجہ سے بہت سے حاجی مدینہ منورہ میں آجائیں گے اور صوبہ جات سے بھی امدادی لشکر پہنچ جائیں گے تو اُنھوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چونکہ صدر دروازہ پر حضرات حسنینؓ اور عبداللہ بن زبیر اور محمد بن طلحہ وغیرہ بھی مدافعت کے لئے موجود تھے اور باغی ان سے مقابلہ مناسب نہ سمجھتے تھے اس لئے وہ دیوار پھاند کر آپ کے مکان میں گھس گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر جو اس جماعت میں پیش پیش تھے حضرت عثمانؓ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ بھتیجے اگر آج تمہارے باپ زندہ ہوتے تو انہیں تمہاری یہ حرکت پسند نہ آتی۔ محمد ابن ابی بکر شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ غافقی نے پیشانی مبارک پر لوہے کا ایک گرز مارا۔ جس سے آپ پہلو کے بل گر پڑے۔ سودان بن حمران نے تلوار کھینچ کر آپ پر

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص۸۰۱

وار کیا۔ لیکن وفادار بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے اُسے اپنے ہاتھ پر روکا اور اُن کی اُنگلیاں اُڑ کر الگ جا پڑیں۔ پھر عمرو بن حمق نے اپنی حماقت وضلالت کا ثبوت اس طرح دیا کہ ذی النورین کے سینۂ مبارک پر چڑھ بیٹھا اور آپ کے نو زخم لگائے۔ پھر کوئی شقی ازلی آگے بڑھا اور اس نے گردن مبارک کو جسم سے جُدا کر دیا۔ خونِ عثمانی کے قطرے جس آیت پر گرے وہ یہ تھی :۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ؕ "ان کے مقابلہ میں خدا تمہارے لئے کافی ہے اور وہی صاحبِ علم اور سُننے والا ہے"

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت وسیع تھا۔ یہ واقعۂ ہائلہ اس خاموشی اور عجلت کے ساتھ ہو گزرا کہ محافظین کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب علم ہُوا تو ہر شخص اپنی جگہ دم بخود رہ گیا کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ باغی اس قدر جرأت کر گزریں گے کہ مدینۃ الرسول میں خلیفۃ الرسول کے حلقوم پر چُھری پھیر دیں۔ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے بعض انتظامی امور میں مخاصمانہ اختلافات تھے وہ بھی مفسدین کی اس حرکت پر افسوس کرنے لگے۔

حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین کو جب یہ خبر پہنچی تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ بے اختیار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ زبان سے نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحب زادوں سے فرمایا۔ تم لوگوں کے یہاں ہوتے ہُوئے امیر المؤمنین کس طرح شہید ہو گئے۔ پھر حضرات حسنین کو سزا دی اور محمدؓ بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بُرا بھلا کہا۔

خلیفۃ المسلمین کے گلشنِ حیات کو تاراج کرنے کے بعد مفسدین نے کاشانۂ خلافت کو لُوٹا، پھر بیت المال پر ہاتھ صاف کیا۔ سارے مدینہ میں مفسدین کا راج تھا دلوں پر ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور زبانوں پر اُن کے خوف سے مُہر لگی ہوئی تھی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو جمعہ کے دن عصر کے وقت ہوئی۔ تین روز تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ چند لوگ حضرت علیؓ کے پاس گئے اُن کی سفارش

سے دفن کی اجازت ملی۔ مغرب اور عشاء کے درمیان جنازہ اُٹھایا گیا۔ سترہ آدمیوں نے مل کر نمازِ جنازہ پڑھی۔ حضرت جبیر بن مطعم یا حضرت زبیرؓ نے نمازِ جنازہ کی امامت کی۔ جنت البقیع کے قریب حش کوکب میں عروسِ خلافت کو رنگین کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔

افسوسناک نتائج قاتلینِ عثمانؓ کی تلوار نے مسلمانوں کی وحدتِ ملیہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔

(۱) عثمانی (۲) شیعۂ علی (۳) مرجئہ (۴) اہل الجماعہ۔

عثمانی اہلِ شام و اہلِ بصرہ قرار پائے۔ یہ حضرت عثمانؓ کو حق و انصاف پر سمجھتے تھے اور اُن کے قاتلین کو ظالم قرار دے کر ان سے قصاص لینا ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن اہلِ شام کہتے تھے کہ خلیفۂ مظلوم کے ولی حضرت معاویہؓ ہیں جو اُن کے قریبی عزیز ہیں لہٰذا ہمیں اُن کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر خلیفۂ مظلوم کا قصاص لینا چاہیئے۔ اہلِ بصرہ طلبِ قصاص کا مستحق حضرات طلحہؓ و زبیرؓ کو سمجھتے تھے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ کے مجوزہ اہلِ شوریٰ میں سے تھے۔ شیعۂ علی اہلِ کوفہ اور اُن کے ساتھی قرار پائے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمانؓ کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ قاتلینِ عثمان بھی انہی میں شامل تھے۔

مرجئہ وہ لوگ کہلائے جو مختلف بلاد و امصار میں مصروفِ جہاد تھے۔ انہوں نے کہا جب ہم مدینہ سے روانہ ہوئے تھے تو مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہ تھا۔ جب واپس آئے تو آپس میں تلوار چلتی دیکھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شیعۂ علی حقانیت پر ہیں یا شیعۂ عثمان۔ لہٰذا ہم نہ کسی پر لعنت بھیجتے ہیں اور نہ کسی کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے معاملہ کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ اہل السنت والجماعت کے نام سے وہ لوگ موسوم ہوئے جنہوں نے ہزارہا صحابہ کرام و تابعین عظام کے معتدل مسلک کو اختیار کیا۔

ان حضرات کا قول تھا کہ ہم حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے محبت رکھتے ہیں، کسی پر لعنت بھیجنا جائز نہیں سمجھتے۔ ان میں سے اگر کسی سے خطاء

مرزد ہوئی تو وہ خطاءِ اجتہادی تھی جو قابلِ مواخذہ نہیں[۱]۔

ظاہر ہے کہ ان افسوس ناک اختلافات کی بنیاد یہ وقتی سیاسی مسئلہ تھا کہ "حضرت عثمانؓ مستحق عزل ہیں یا نہیں" اور ان متخالف جماعتوں کی حیثیت ان سیاسی پارٹیوں کی تھی جن کا وجود ہر اس نظامِ حکومت میں ناگزیر ہے جس کی بنیاد شوریٰ اور ڈیموکریسی پر ہو۔ لیکن جن دشمنانِ اسلام کا ہاتھ پس پردہ کام کر رہا تھا۔ ان کا مقصد وحدتِ اسلامی کے قصرِ رفیع میں ایسے شگاف پیدا کرنا تھا جو کبھی بھرے نہ جاسکیں۔ ان دشمنانِ اسلام کی جدوجہد سے ہر پارٹی نے اپنے مخصوص نظریات کی تاویلات کتاب و سنت میں تلاش کرنا شروع کر دیں اور بعض گم کردہ راہ جماعتوں نے عقائد اسلامی میں ایسی تحریفات کیں جو اُن کے اعمال سے ہم آہنگ ہوسکیں۔

نتیجہ وہی ہُوا جو دشمنوں کا مُدعا تھا بہت جلد یہ "سیاسی پارٹیاں" مذہبی گروہوں کی صُورت میں تبدیل ہوگئیں۔ پھر یہ گروہ مزید فرقوں میں تقسیم ہُونے اور قباءِ وحدتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہوکر رہ گئی۔

ان اختلافات کا اس سے بھی زیادہ اندوہناک ثمرہ یہ ہُوا کہ منصبِ خلافت کا فیصلہ رائے عامہ کی بجائے زبانِ خنجر سے ہونے لگا۔ اسلامی نظامِ حکومت جس کا اساس "شوریٰ" تھی درہم وبرہم ہوگیا اور اسلامی نظامِ حکومت کے ساتھ اسلامی نظامِ زندگی بھی جو اسی کے سہارے قائم تھا تباہ وبرباد ہو گیا اس طرح رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں

تدور رحی الاسلام بخمس و	نظامِ اسلامی اپنے محور پر (کتاب وسنّت)
ثلاثین اوست و ثلاثین او سبع	پینتیس یا چھتیس یا سینتیس سال
و ثلاثین سنۃ۔[۲] (ابوداؤد)	گھومتا رہے گا"

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام ج ۴ ص ۸۱۶ بحوالہ ابن عساکر۔

[۲] اس مدت کو واقعۂ ہجرت سے جو تاریخ اسلامی کا مبداء ہے شمار کیا جائے تو ۳۵ سال حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ختم ہوتے ہیں چھتیسویں سال واقعۂ جمل اور سینتیسویں سال حادثۂ صفین پیش آیا۔

اذا وضع السیف فی امتی لم یرفع عنہا الی یوم القیامۃ۔ (رواہ الترمذی)
"جب میری اُمت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو پھر قیامت تک نہ اُٹھے گی۔"

خاندانِ عثمانؓ حضرت عثمان غنیؓ نے مکّہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے شادی کی۔ ایام بدر میں جب اُن کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت اُمِ کلثومؓ سے عقد کا شرف حاصل ہُوا۔ حضرت رقیہؓ کے بطن سے آپ کے صاحبزادے عبداللہ اکبر پیدا ہوئے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ حضرت اُم کلثوم کے بعد حسبِ ذیل نکاح کئے۔

فاختہ بنت غزوان :۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اصغر پیدا ہُوئے جو کم سنی ہی میں انتقال کر گئے۔

ام عمرو بنت جندب دوسی :۔ ان سے چار صاحبزادے عمرو، والد، ابان، عمر اور ایک صاحبزادی مریم پیدا ہُوئیں۔

فاطمہ بنت ولید مخزومیہ :۔ ان سے دو صاحبزادے ولید اور سعید اور ایک صاحبزادی ام سعید پیدا ہُوئیں۔

ام بنین بنت عینیہ فزاریہ :۔ ان سے عبدالملک پیدا ہُوئے جو کم سنی ہی میں فوت ہو گئے۔

رملہ بنت شیبہ :۔ ان سے تین صاحبزادیاں عائشہ، ام ابان اور ام عمرو پیدا ہوئیں۔

نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ :۔ ان سے ایک صاحبزادی مریم پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہو گئیں۔ شہادت کے وقت فاختہ، ام النبین، رملہ اور نائلہ موجود تھیں۔

عمالِ عثمانؓ ۳۵ھ میں جب حضرت عثمانؓ کی شہادت ہُوئی آپ کی طرف سے مختلف صوبوں میں حسبِ ذیل عمال مقرر تھے :۔

مکّہ :۔ عبداللہ بن حضرمی
طائف :۔ قاسم بن ربیعہ ثقفی
صنعاء :۔ یعلیٰ بن منیہ

جند :- عبداللہ بن ربیعہ

بصرہ :- عبداللہ بن عامر

شام :- معاویہؓ بن ابی سفیان

حمص :- عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید

قنسرین :- حبیب بن مسلمہ فہری

اردن :- ابوالاعور سلمی

فلسطین :- علقمہ بن حکیم کنانی

کوفہ :- ابوموسیٰ اشعری

قرقیسیا :- جریر بن عبداللہ

آذربیجان :- اشعث بن قیس کندی

حلوان :- عتیبہ بن نہاس

ماہ :- مالک بن حبیب

ہمدان :- نسیر

رے :- سعید بن قیس

اصفہان :- سائب بن اقرع -

مصر :- عبداللہ بن سعد -

ان صوبوں میں سے بڑے بڑے صوبے پانچ تھے۔ مصر، شام، قنسرین، بصرہ اور کوفہ، فوجی مراکز ہونے کی وجہ سے دوسرے صوبہ جات ان کے تابع تھے۔ مصر کے تابع کل افریقی مقبوضات تھے۔ شام کے ماتحت دمشق کے علاوہ حمص، اردن اور فلسطین تھے۔ قنسرین کے ماتحت کل آرمینیہ تھا۔ کوفہ اور بصرہ کے ماتحت کل مشرقی و مغربی فارس تھا۔ گویا ان صوبوں کے والیوں کی حیثیت گورنر جنرل کی تھی۔ جو ملحقہ چھوٹے صوبوں کے بھی حاکم اعلیٰ تصور کئے جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بیت المال کے نگران عقبہ بن عامر، اور قاضی زید بن ثابت تھے -

عہدِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

انتخابِ خلافت

شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ کی فضا فتنہ و فساد کے غبار سے تاریک تھی۔ آفاقی (مصر، کوفہ اور بصرہ کے مفسدین) دارالخلافہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اکابر صحابہ میں سے کچھ تو ملک کی فوجی و انتظامی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں سرحدات اور مختلف صوبجات میں منتشر تھے۔ کچھ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ میں مقیم تھے اور کچھ مدینہ منورہ میں فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھ کر مختلف اطراف میں نکل گئے تھے۔ تھوڑی سی تعداد مدینہ منورہ میں موجود تھی مگر آفاقیوں کے غلبہ و تسلط نے آزادیٔ فکر و عمل کا حق ان کے لئے محفوظ نہ رکھا تھا۔

شہادتِ حضرت عثمان غنی کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ غافقی (امیر مفسدینِ مصر) مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس دوران میں آفاقیوں نے حضرت علیؓ کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا اور ان سے اس منصب کو قبول کرنے کی درخواست کی۔

حضرت علیؓ نے پہلے تو انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اکابر صحابہ کی بھی یہی رائے ہے تو آپ نے اس بارِ گراں کی ذمہ داری کو قبول فرمالیا۔

سب سے پہلے مالک اشتر نے بیعت کی۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مجوزہ "ارباب شوریٰ" میں سے تھے اور ان کی طرف سے مخالفت کا احتمال تھا

اس لئے حضرت علیؓ نے اُنہیں بلوایا اور اُن سے کہا اگر آپ خلافت کے خواہش مند ہوں تو میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ دونوں نے انکار کیا۔ اب حضرت علیؓ نے کہا کہ اچھا تو پھر آپ صاحبان میرے ہاتھ پر بیعت کر لیجئے۔

یہ سُن کر حضرت طلحہؓ نے قدرے تامل کیا۔ اس پر مالک اشتر نے تلوار کھینچ لی اور کہا بیعت کرو ورنہ ابھی سر تن سے جُدا کر دوں گا۔ چنانچہ ان دونوں صاحبان نے بھی بیعت کر لی۔ سعد بن وقاص کو بھی بلایا گیا۔ انھوں نے کہا جب دوسرے لوگ بیعت کر لیں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ آپ میری طرف سے اطمینان رکھئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا انہیں جانے دو۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا گیا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ آپ اپنا کوئی ضامن دیجئے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا میں کوئی ضامن نہیں دے سکتا۔ اشتر پھر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔ انہیں میرے حوالہ کیجئے۔ میں ابھی ان کی گردن مارتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں ان کا ضامن ہوں۔ اکابر انصار میں سے بھی ایک بڑی جمعیت نے بیعت نہیں کی۔ کچھ نام یہ ہیں:۔ حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ۔ علاوہ ازیں قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن سلام اور مغیرہ بن شعبہ نے بھی بیعت سے انکار کیا۔ بہت سے لوگ بالخصوص بنی امیہ کے خاندان کے لوگ شام کی طرف فرار ہو گئے اور بیعت سے گریز کیا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ حضرت عثمانؓ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں بھی لیتے گئے۔ یہ دونوں چیزیں جب جامع دمشق میں منظرِ عام پر لائی گئیں تو ساٹھ ہزار حامیانِ عثمانؓ کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور ساری مسجد "انتقام انتقام" کے نعروں سے گونج اٹھی۔

حالات قبلِ خلافت

آپ کا نام علی ہے۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت ہے۔ حیدر لقب ہے۔ والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی ۔

آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہونے کا فخر حاصل تھا اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے ۔

حضرت علیؓ بعثتِ نبویؐ سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کثیر العیال شخص تھے۔ ان کی مدد کے خیال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا تھا ۔

قبولِ اسلام

حضرت علیؓ کی عمر کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلعتِ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ ایک دن حضرت علیؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی محترم شریکِ زندگی حضرت خدیجہ کبریٰ دربارِ خداوندی میں سربسجود ہیں ۔ جب یہ دونوں بزرگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے طفلانہ حیرت کے ساتھ پوچھا۔ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کر رہے تھے۔ ہم تمہیں بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں اور لات و عزیٰ کے سامنے سر جھکانے کی ممانعت کرتے ہیں ۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو میں نے اب تک نہیں سنی ۔ میں اپنے والد سے پوچھ کر آپ کو جواب دوں گا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علی ! ابھی کسی سے اس کا تذکرہ کرنے

کی ضرورت نہیں ۔ اگر تمہیں تامل ہے تو تم خود سوچ کر فیصلہ کر لو۔ حضرت علیؓ رات بھر غور و فکر کرتے رہے اور دوسرے دن صبح کو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

ہجرت

تیرہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دیا۔ مگر بہت کم وہ سعید روحیں تھیں جنہوں نے اس روشنی کو قبول کیا۔ قریش نے اس روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسے بجھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ ابوجہل کی رائے کے مطابق مختلف قبیلوں کے ممتاز جوان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے مامور ہوئے۔ خداوند قدوس نے اپنے نبی کو کافروں کے ارادے سے مطلع کیا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔

جس رات رسول اللہ مدینہ کو روانہ ہو رہے تھے۔ نوجوانانِ قریش ننگی تلواریں لے کر کاشانۂ نبوت کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے اور آپ کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر مبارک پر لٹایا اور سورۂ یٰسٓ کی آیت :-

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ ”ہم نے اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے وہ اب نہیں دیکھ سکتے“

کی تلاوت کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ نوجوانِ قریش یہی سمجھتے رہے کہ رسولؐ اللہ ہی بستر پر آرام فرما رہے ہیں اور منتظر رہے کہ جب نکلیں گے تو وار کریں گے۔

صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت علیؓ بستر پر سے اُٹھے تو کفار کو سخت حیرانی ہوئی۔ انہوں نے تعجب سے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ محمدؐ کہاں گئے؟ حضرت علیؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کفار سمجھ گئے کہ محمدؐ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے اور ان کا وار خالی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ دو تین روز مکہ میں مقیم رہے۔ رسول کریمؐ کے پاس جن لوگوں کی امانتیں تھیں وہ اُن کے سپرد کیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

شرفِ مصاہرت ہجرت کے دوسرے سال حضرت علیؓ کو رسول اللہ کی دامادی کا شرف حاصل ہُوا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حضورؐ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے بھی اُن کے لئے حضورؐ کو پیغام دیا تھا۔ مگر آپؐ نے عُمر کی مناسبت کا خیال فرماتے ہُوئے حضرت علیؓ کی درخواست کو منظور فرمایا۔ حضرت علیؓ کی ازدواجی زندگی اگرچہ فقیرانہ تھی مگر دولتِ محبّت و اخلاص سے خالی نہ تھی۔ جب تک حضرت فاطمہ زہرا زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔

شرکتِ غزوات حضرت علیؓ بجز غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہُوئے اور ذوالفقارِ حیدری کے جوہر دکھائے۔ ۲ھ میں میدانِ بدر میں جب کفر و اسلام کی پہلی معرکہ آرائی ہوئی تو عربی قاعدہ کے مطابق قریش کی صفوں میں سے تین بہادر مبارزہ کے لئے نکلے۔ جماعتِ اسلامی میں سے بھی تین انصاری ان کے مقابلہ کے لئے میدان میں آئے مگر قریش نے کہا کہ ہم انصار سے مقابلہ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ہمارا مقابلہ قریش ہی کے نوجوانوں سے ہوگا جو ہمارے ہم کفو ہیں۔ اس پر رسول اقدسؐ نے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف عتبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو تہ تیغ کیا۔ لیکن عبیدہؓ شیبہ کی تلوار سے زخمی ہُوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کو پہنچے اور ان کے حریف کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

۳ھ کو جنگِ اُحد ہوئی جس میں بعض مسلمانوں کی اجتہادی غلطی سے فتح، شکست میں بدل گئی۔ چونکہ اس لڑائی میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ سرکارِ نامدار

شہید ہو گئے ہیں اس لئے بڑے بڑے جاں باز مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔
مگر حضرت علیؓ ان فدائیوں میں سے تھے جو اس موقع پر بھی ثابت قدم رہے۔ ایک کافر ابو عامر نے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپ گر گئے۔ حضرت علیؓ نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت طلحہؓ نے آپ کو سہارا دے کر نکالا۔ اب صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ زندہ وسلامت ہیں۔ جاں نثار آپؐ کو ایک حلقہ میں لے کر پہاڑ پر لے گئے۔ اس لڑائی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لبِ مبارک اور رخسارِ پُر انوار زخمی ہو گئے تھے اور ایک دانت بھی شہید ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں بھر بھر کر پانی لائے اور حضرت فاطمہؓ نے زخم دھو کر اس کی مرہم پٹی کی۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کے سترہ زخم آئے۔

سنہ ۵ھ میں مدینہ منورہ کے ارد گرد بسنے والے یہودیوں کی سازش سے کفارِ قریش کے ایک لشکرِ عظیم نے مدینہ کو آگھیرا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کی حفاظت کے لئے خندق کھدوائی اور جا بجا بہادر صحابہ کو متعین کیا کہ وہ کافروں کو اندر گھسنے کا موقعہ نہ دیں۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ نے شمشیرِ حیدری کے جوہر دکھائے۔

غزوۂ خندق میں کامیابی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے فتنہ کی طرف توجہ کی جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے سب سے پہلے آپ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی۔ اس موقعہ پر علمِ اسلام حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا اور آپ ہی کو مقدمۃ الجیش کا افسر معین کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بنو قریظہ کی گڑھی کو گھیر کر اس پر قبضہ کر لیا اور صحنِ قلعہ میں نماز ادا کی۔

سنہ ۶ھ میں معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی مدد کے لئے جمع ہو رہے ہیں آپ نے حضرت علیؓ کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور یہ مہم بخیر و خوبی کامیاب ہوئی۔ سنہ ۷ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ منافقینِ مدینہ کی مدد سے مدینہ پر غارت گری کا ارادہ کر رہے

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سو میل کا فاصلہ طے فرما کر خیبر پہنچے۔ یہود خیبر نے یہاں بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنہیں فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان قلعوں میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جس میں یہودیوں کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ جب متعدد اکابر صحابہ قلعہ قموص کو فتح کرنے میں ناکام رہے تو آپؐ نے فرمایا۔

"میں کل اُس شخص کو عَلَم دُوں گا جو خدا و رسول کا محبوب ہے اور خدا و رسول اُس کے محبوب ہیں۔ خدا اس مہم کو اسی کے ہاتھ سر کرائے گا۔"

دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا اور آپ کو عَلَم عطا کیا۔ حضرت علیؓ نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مرحب اور اُس کے بھائی کو خاک و خون میں تڑپایا اور عَلَمِ اسلامی قلعہ پر لہرایا۔ ۸ھ میں فتح مکہ اور پھر غزوہ حنین میں بھی حضرت علیؓ پیش پیش تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر عَلَمِ اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور غزوہ حنین میں آپ ان ثابت قدم صحابہ میں تھے جن کی نوکِ شمشیر نے نقشۂ جنگ کو بگڑنے سے بچا لیا۔

۹ھ میں شام کے عیسائی بادشاہ کے حملہ کی خبر سُن کر آنحضرتؐ نے تبوک کا قصد فرمایا۔ چونکہ مدینہ پر غارت گری کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنے اہلِ بیت کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ کو مدینہ میں ہی روک دیا۔ منافقین نے حضرت علیؓ کو طعن دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس غزوہ میں شریک کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس پر حضور رسول اکرمؐ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا :-

"اے علی کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارون کا تھا۔"

اعلانِ برأت ۹ھ میں مسلمانوں کے اہتمام سے پہلا حج ہُوا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد

سورۂ برأت نازل ہوئی جس میں مشرکین سے مسلمانوں کے عہدناموں کی تنسیخ کا اعلان تھا۔ عرب کے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عزیز ہی ان کی طرف سے اس قسم کا اعلان سنا سکتا تھا۔ حضورؐ نے حضرت علی کو منتخب کیا اور اپنی اونٹنی قصواء پہ انہیں مکہ روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے حجرہ کے قریب سورۂ برأت کی آیات سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کعبہ کا قصد نہ کرے۔

دیگر فضائل

حضرت علیؓ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ایک رکن تھے اور درس گاہِ نبوت ہی میں ان کی تربیت ہوئی۔ اس لئے کمالاتِ علمی میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ رسول اکرمؐ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا — میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم علیؓ کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کاتبِ وحی اور منشیِ فرامین تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ حضورؐ نے یمن میں اشاعتِ اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے اس اہم فرض کو بڑی لیاقت اور ذہانت کے ساتھ انجام دیا۔ عہدِ خلفاءِ ثلاثہ میں بھی آپ کی بصیرتِ علمی نے بہت سے اُلجھے ہوئے احکام و قضایا کے سلجھانے میں مدد دی۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:۔

"ہم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں"

حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ حضرت عمرؓ کے مجوزہ اصحابِ شوریٰ میں بھی آپ شامل تھے۔ روانگی بیت المقدس کے وقت حضرت عمرؓ نے آپ کو اپنا قائم مقام بھی منتخب کیا تھا۔

واقعاتِ عہدِ خلافت

خطبۂ خلافت بیعت کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی خاص طور پر تلقین کی۔ آپ کے خُطبہ کے بعض جملے یہ ہیں :۔

"خداوند تعالٰے نے زمینِ حرم کو محترم قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاصِ محبت اور اتحاد و یگانگت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں بجز اس صورت کے کہ کوئی شرعی حق واجب ہو۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہُوئے خُدا سے ڈرو۔ قیامت کے دن تم سے اراضی اور مواشی کے معاملہ کے متعلق بھی باز پُرس کی جائے گی (انسانوں کا تو ذکر کیا ہے) اللہ عزّوجل کی اطاعت کرو۔ اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو۔ نیکی کو قبول کرو اور بدی سے پرہیز کرو۔"

مطالبۂ قصاص خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا :۔

"آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اب آپ کا پہلا کام حدودِ شرعیہ کا اجراء ہے لہٰذا قاتلینِ عثمان سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیجیئے۔ ہم نے اسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

"میں خونِ عثمان کو رائیگاں نہ جانے دوں گا لیکن ابھی اس کا موقعہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہُوئے ہیں،

مدینہ میں انہی کا زور ہے۔ امرِ خلافت بھی ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے۔ آپ تامل فرمائیں جب حالات سازگار ہوں گے میں یہ فرض ضرور انجام دوں گا۔"

حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر لوگوں میں مختلف خیالات کا اظہار کیا جانے لگا۔ بعض نے کہا حضرت علیؓ کی رائے صحیح ہے قصاص کے لئے ابھی انتظار کی ضرورت ہے۔ بعض نے کہا حضرت علیؓ قصاص سے گریز کر رہے ہیں۔ اگر وہ اس فرض کو انجام نہ دیں گے تو ہم خود انجام دے لیں گے۔ مفسدین نے سوچا کہ اگر حضرت علیؓ کو اطمینان کی فضاء میں سانس لینے کا موقع ملا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ لہٰذا کوشش کی جائے کہ ایسی فضا پیدا ہی نہ ہو۔

عزلِ عمال

حضرت علیؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ کے تمام عاملوں کو معزول کر دیا اور اُن کی جگہ نئے عامل نامزد کئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابن عباسؓ نے (جو حضرت علیؓ کے بہی خواہ اور اہل الرائے تھے) حضرت علیؓ کو ٹوکا اور کہا کہ آپ عاملوں کی معزولی میں عجلت نہ کریں۔ فی الحال آپ انہیں بیعت کے لئے لکھیں۔ جب وہ آپ کی بیعت کر لیں اور امرِ خلافت مستحکم ہو جائے تو آپ انہیں معزول کر سکتے ہیں۔ اگر آپ نے ابھی معزول کر دیا تو وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیں گے اور خونِ عثمانؓ کے مطالبہ کے بہانے سے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے اس معقول رائے کو رد کر دیا۔ مغیرہ بن شعبہ حضرت علیؓ سے ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلے آئے۔

حضرت علیؓ نے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا، عمارہ بن شہاب کو کوفہ کا، عبید اللہ بن عباس کو یمن کا، قیس بن سعد کو مصر کا اور سہل بن حنیف کو شام کا عامل مقرر کیا اور پروانہائے عمل دے کر متعلقہ صوبوں کی طرف روانہ کیا۔

سہل (شام کے نئے والی تبوک پہنچے تو اُنہیں امیر معاویہؓ کے سواروں نے روکا۔ سہل نے کہا میں شام کا امیر ہوں۔ سواروں نے جواب دیا۔ اگر تمہیں عثمانؓ نے بھیجا ہے تو خیر ورنہ بہتر یہی ہے کہ سیدھے واپس چلے جاؤ۔ سہل واپس مدینہ چلے آئے۔ قیس بن سعد مصر پہنچے تو وہاں تین جماعتیں ہوگئیں۔ ایک جماعت نے تو اُن کی امارت قبول کرلی۔ دوسری جماعت نے کہا اگر حضرت علیؓ نے قاتلین عثمان سے قصاص لیا تو ہم اُن کے ساتھ ہیں تیسری جماعت نے کہا اگر حضرت علی نے قاتلین عثمان سے جو ہمارے عزیز ہیں قصاص نہ لیا تو ہم اُن کے طرفدار ہیں۔ عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے تو یہاں بھی مصر کی طرح دو مختلف جماعتیں ہوگئیں۔ عمارہ بن شہاب کوفہ کے راستہ ہی میں تھے کہ انہیں طلیحہ بن خویلد اسدی ملے۔ انھوں نے عمارہ سے کہا اہلِ کوفہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے سِوا کسی کی امارت قبول نہ کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ مدینہ واپس چلے جاؤ ورنہ ابھی تمہارا سر تن سے جدا کردوں گا۔ عمارہ واپس ہو گئے۔

عبیداللہ بن عباس نے یمن پہنچ کر وہاں کی عنانِ امارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ سابق امیر یعلیٰ بیت المال کی ساری رقم لے کر اُن کے آنے سے پہلے ہی مکہ روانہ ہو چکے تھے۔

معاویہؓ کی طرف سے علیؓ کے نام

حضرت علی نے ایک خط معبد اسلمی کے ہاتھ ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام روانہ کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے خط کے جواب میں لکھا:۔

"اہلِ کوفہ نے میرے ہاتھ پر آپ کے لئے بیعت کرلی ہے آپ مطمئن رہیئے"

حضرت علیؓ نے حجاج بن غزیہ کے ہاتھ دوسرا خط امیر معاویہؓ کے نام شام روانہ کیا۔ اس میں لکھا تھا یا تو آپ بیعت کرلیجئے ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیے۔ امیر معاویہؓ نے بنی علبس کے ایک جرمی اور زبان دراز شخص کی معرفت حضرت علیؓ کو اُن کے خط کا جواب بھیجا۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے خط

کو کھولا تو اس میں صرف بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا تھا۔ باقی تمام خط خالی تھا۔ لفافہ پر لکھا تھا "معاویہ کی طرف سے علی کے نام" حضرت علی کے پاس اُس وقت بعض معززین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں اس مذاق پر سخت غصّہ آیا اور عبسی قاصد سے پُوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ عبسی نے بڑی دلیری کے ساتھ جواب دیا :۔

"حضرات مَیں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ اُن کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔ اُنھوں نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص کو نیزوں پر اُٹھا رکھا ہے اور قسم کھائی ہے کہ جب تک قاتلینِ عثمان سے انتقام نہ لے لیں گے اُن کی تلواریں بے نیام رہیں گی"۔

اس پر خالد بن زفر عبسی نے کھڑے ہو کر کہا ۔

"اے قاصدِ شام کیا تُو مہاجرین و انصار کو لشکرِ شام سے ڈرانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم! قمیصِ عثمان قمیصِ یوسف (علیہ السلام) نہیں، نہ معاویہ کا غم یعقوب (علیہ السلام) کا غم ہے۔ اگر شام میں اُن کا ماتم کرنے والے ہیں تو عراق میں اُن کی توہین کرنے والے بھی ہیں"۔ [1]

حضرت علی نے عبسی کی زبان سے اس الزام کو سُن کر کہا ۔

"اے اللہ! تُو خوب جانتا ہے کہ مَیں عثمان کے خون سے بری ہوں۔ واللہ قاتلینِ عثمان تو بچ کر نکل گئے"۔

عبسی قاصد جب شام کو واپس جانے لگا تو حامیانِ علی نے اسے مار ڈالنا چاہا۔ مگر اہلِ مدینہ میں سے اُس کے ہم قبیلہ لوگوں نے اُس کی جان بچائی ۔

حضرت معاویہؓ کے اس جواب سے حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ معاملہ آسانی

---

[1] الاخبار الطوال لابی حنیفہ احمد الدینوری ص ۱۴۲ ۔

سے طے ہونے والا نہیں، چنانچہ انہوں نے امیر معاویہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ امام حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو جنگ سے گریز کرنے اور خلافت سے دستبردار ہو جانے کا مشورہ دیا مگر حضرت علیؓ نے اُسے قبول نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ کی تیاری

جس زمانے میں حضرت عثمان غنیؓ شہید ہوئے ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ فریضۂ حج کی ادائیگی کے سلسلہ میں مکہ معظمہ میں تشریف رکھتی تھیں۔ حج سے فارغ ہو کر وہ مدینہ منورہ واپس آ رہی تھیں کہ راستہ میں اس حادثۂ جانکاہ کی خبر ملی۔ حضرت عائشہؓ مکہ لوٹ آئیں اور وہاں مجمع عام میں آپ نے ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"اے لوگو! مختلف مقامات کے اوباشوں نے مدینہ کے غلاموں کی مدد سے عثمان کو شہید کر دیا ہے اُن کی یہ حرکت بہت بڑا ظلم ہے ان مفسدین نے عثمان پر کچھ الزامات لگائے جب وہ انہیں ثابت نہ کر سکے تو اُنہوں نے غدر برپا کر دیا، جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اُسے بہایا اور بلدِ حرام میں بہایا اور شہرِ حرام (ماہ ذی الحجہ) میں بہایا۔ پھر جس مال کو ہاتھ لگانا اُنہیں حرام تھا اُسے لُوٹا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ایک دُنیا سے زیادہ محترم ہے۔"

مکہ کے عامل عبداللہ بن حضرمی یہ تقریر سُن کر بولے:-

"سب سے پہلے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کے معاملہ میں مَیں آپ کا مددگار ہوں۔"

عبداللہ بن عامر سابق والیٔ بصرہ اور یعلی بن منیہ سابق والیٔ یمن بھی مکہ معظمہ آ گئے اور حضرت عائشہؓ کی جماعت میں شریک ہو گئے۔ بنی امیہ کے کچھ لوگ مدینہ سے بھاگ کر مکّہ آ گئے۔ یہ سب بھی حضرت عائشہؓ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ان میں سعید بن عاص، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم بھی شامل تھے۔ حضرت زبیر و طلحہ بھی مدینہ سے مکّہ چلے آئے۔ اُن کی زبانی حضرت

عائشہ رضؓ کو مدینہ کے تازہ حالات معلوم ہوئے اور اُن کے عزمِ انتقام میں مزید پختگی پیدا ہوگئی۔ ان ہی حضرات نے حضرت عائشہ کو بصرہ جا کر مالی و فوجی مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مکہ معظمہ کے ڈیڑھ ہزار اشخاص اُن کے حکم کی تعمیل کے لئے کھڑے ہوگئے۔ ضروری تیاریوں کے بعد یہ لشکر بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستہ میں جن لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ام المومنین خلیفۂ مظلوم کے انتقام کے لئے جا رہی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوتے گئے۔ چنانچہ بہت جلد یہ تعداد تین ہزار ہوگئی۔

اُس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی مکہ ہی میں تھے۔ بعض لوگوں نے اُن سے بھی شرکت کی درخواست کی۔ مگر آپ نے منظور نہ کیا بلکہ اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ کو بھی روک لیا۔

حضرت عائشہ کی بصرہ روانگی

یہ لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو حضرت عائشہ نے عثمان بن حنیف کو جو حضرت علی کی طرف سے بصرہ کے والی تھے اپنی آمد کی اطلاع دی۔ عثمان بن حنیف نے عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی دو شخصوں کو حضرت عائشہ رضؓ کے پاس بھیجا کہ آنے کی غرض معلوم کریں۔ عمران اور ابوالاسود نے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوکر تکلیف فرمائی کی وجہ پوچھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:-

"میرا مقصد یہ ہے کہ مفسدین نے حرم نبوی میں عثمان کا خون بہا کر جو فساد پھیلایا ہے اُس سے مسلمانوں کو آگاہ اور اس فساد کی اصلاح کے متعلق جو اُن کی ذمہ داریاں ہیں اُن سے خبردار کروں"

پھر یہ دونوں قاصد حضرت طلحہ و زبیر کے پاس آئے اور اُن سے یہی سوال کیا انہوں نے جواب دیا کہ "ہم عثمان کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے نکلے ہیں"

قاصدوں نے پوچھا۔ کیا آپ دونوں صاحبان نے حضرت علیؓ کے ہاتھ

پر بیعت نہیں کرلی ہے ؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"لیکن ہم سے بزورِ شمشیر بیعت لی گئی ہے۔ پھر ہم اس بیعت کو بھی نہ توڑتے اگر علی قاتلینِ عثمان سے انتقام لیتے یا ہمیں اُن سے انتقام لینے دیتے۔"

اس گفتگو کے بعد یہ دونوں قاصد عثمان بن حنیف کے پاس گئے اور انہیں کل حالات سے مطلع کیا۔ عثمان بن حنیف نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ حضرت علی کی طرف سے مدد پہنچنے تک اپنی پوری قوت کے ساتھ مدافعت کریں گے۔ انہوں نے ایک جلسہ منعقد کیا تاکہ اہلِ بصرہ کو مقابلہ کے لئے آمادہ کریں۔ اس جلسہ میں قیس نامی ایک شخص نے تقریر کرتے ہُوئے کہا۔

"بھائیو! طلحہ و زبیر اور اُن کے ساتھی اگر مکہ معظمہ سے اپنی جان بچانے کے لئے بصرہ آئے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ مکہ میں تو کوئی جانوروں کو بھی نہیں ستاتا۔ اور اگر خونِ عثمان کا قصاص لینے کے لئے آئے ہیں تو ہم تو قاتلینِ عثمان ہیں نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا مقابلہ کر کے انہیں لوٹا دو۔"

یہ تقریر سُن کر اسود بن سریع کھڑا ہُوا اور اُس نے کہا۔

"ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہے، یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ قاتلینِ عثمان کے مقابلہ میں خواہ وہ ہمارے عزیز ہوں یا غیر ہمیں اپنا مددگار بنائیں۔"

جلسہ میں اس موافق و مخالف راویوں کے اظہار سے عثمان بن حنیف کو یہ اندازہ ہو گیا کہ بصرہ میں حضرت طلحہ و زبیر کے مددگار بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ بہرکیف عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ سے باہر نکلے اور مقام مربد کے بائیں جانب قیام کیا۔ ادھر حضرت عائشہؓ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں اور مربد کے دائیں جانب فروکش ہوئیں۔

مقابلہ اور مصالحت جب دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے تو حضرت عائشہ کے لشکر میں سے افسر میمنہ حضرت طلحہ اور افسر میسرہ حضرت زبیر نکلے اور اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے حضرت عثمان کے فضائل بیان کئے اور اُن کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے خود تقریر شروع کی۔ حضرت عثمانؓ کی بے گناہی اور مفسدین کے ظلم وستم کو بیان کیا اور اُن سے انتقام لینے کو ضروریاتِ دین میں سے قرار دیا۔ عائشہ صدیقہ کی تقریر کچھ ایسی مؤثر تھی کہ فریقِ مخالف کے آدھے نوجوان اُن سے آملے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سوچ کر کہ شاید پند ونصیحت سے کام چل جائے اپنے آدمیوں کو واپس بُلا لیا اور لڑائی کو روک دیا۔ لیکن حکیم بن جبلہ جو بصرہ میں عبداللہ بن سباء کا ایجنٹ تھا ایک دستہ فوج لے کر آگے بڑھے اور حضرت عائشہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ صرف مدافعت کی جائے۔ کچھ دیر تک لڑائی جاری رہی۔ آخر تاریکی شب نے تلواروں کی چمک پر پردہ ڈال دیا۔

دوسرے دن صبح کو حکیم بن جبلہ اور عثمان بن حنیف دونوں لڑنے کے لئے نکلے۔ دوسری طرف سے بھی مدافعت ہوئی۔ دن ڈھلتے عثمان نے اس شرط پر صُلح کر لی کہ "معلوم کیا جائے طلحہ و زبیر نے جبراً بیعت کی ہے یا رضامندی سے۔ اگر جبراً بیعت ثابت ہوئی تو عثمان بصرہ کو طلحہ و زبیر کے حوالہ کر دیں گے اور اگر رضامندی سے ثابت ہوئی تو یہ دونوں واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عائشہؓ کا بصرہ پر قبضہ کعب بن ثور قاضی بصرہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے مدینہ منورہ بھیجے گئے۔ انہوں نے مسجدِ نبوی میں جمعہ کے دن اہلِ مدینہ سے پوچھا کہ حضرات طلحہ و زبیر نے رضامندی سے بیعت کی ہے یا جبراً۔ اُسامہ بن زید نے جواب دیا۔ خدا کی قسم جبراً بیعت لی گئی ہے۔ سہل بن حنیف والئ مدینہ نے جو عثمان بن حنیف کے بھائی تھے اس جواب پر اُسامہ کے ساتھ سختی کا برتاؤ

لکھا۔ حضرت علیؓ کو بھی واقعہ کی اطلاع پہنچی۔ انہوں نے عثمان بن حنیف کو لکھا۔
"اگر زبیر و طلحہ پر جبر بھی کیا گیا ہے تو یہ جبر مسلمانوں کے لئے متحد کرنے کے لئے کیا گیا ہے نہ کہ متفرق کرنے کے لئے۔ اگر ان کا ارادہ بیعت توڑنے کا ہے تو اُن کا کوئی عذر نہ سنا جائے اور اگر اس کے علاوہ کچھ اور مقصد ہے تو گفتگو ہو سکتی ہے"۔

کعب بن ثور بصرہ پہنچے اور کل کیفیت بیان کی تو حضرت زبیر و طلحہ نے شرط صلح کے مطابق عثمان سے بصرہ چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا۔ عثمان بن حنیف کے پاس حضرت علی کا خط آ چکا تھا جس میں مقابلہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اس لئے اُنہوں نے شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا۔ اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ حضرت عائشہؓ اور عثمان بن حنیف کے لشکروں میں سخت جنگ ہوئی۔ عثمان نے ہزیمت کھائی اور گرفتار ہوئے۔ حکیم بن جبلہ اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا۔

بصرہ پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت طلحہ و زبیر نے حکم دیا کہ اہلِ بصرہ میں سے جو لوگ حضرت عثمانؓ کے ہنگامۂ قتل میں شریک تھے انہیں گرفتار کر کے لایا جائے۔ چنانچہ مختلف قبیلوں کے بہت سے آدمی گرفتار کر کے لائے گئے اور جب اُن پر جرم ثابت ہو گیا تو اُنہیں قتل کیا گیا۔ کچھ لوگ جنہیں بھاگنے کا موقعہ ملا بھاگ گئے۔ یہ واقعہ ۲۴ ربیع الآخر ۳۶ھ کا ہے۔

حضرت علیؓ کا سفرِ عراق

حضرت معاویہؓ کا خط موصول ہونے کے بعد حضرت علی اُن سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے کہ انہیں حضرت عائشہؓ کی روانگیٔ بصرہ کی خبریں ملیں۔ اب آپ نے شام کا قصد ملتوی کر کے عراق کا ارادہ کیا اور اہلِ مدینہ کو شرکت کی دعوت دی۔ اکابر صحابہ میں سے جو لوگ مدینہ منورہ میں موجود تھے اُن کے لئے یہ بات بہت سخت تھی کہ امیر المؤمنین حضرت علی اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ میں

معرکہ آرائی ہو اور مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ہی ٹکرائیں۔ چنانچہ متعدد انصار و مہاجرین بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت علی سے اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ حضرت سعد بن وقاص نے کہا۔

"اے امیر المومنین! مجھے تو صرف وہ تلوار چاہیئے جو مسلم اور کافر میں امتیاز کرے۔ اگر آپ مجھے ایسی تلوار دیتے ہیں تو میں آپ کی رفاقت کے لئے تیار ہوں ورنہ مجھے معذور سمجھئے"

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا "میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں جس بات کو میرا دل نہیں مانتا آپ مجھے اس پر مجبور نہ کیجئے"

محمد بن مسلمہ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک کافروں سے مقابلہ ہو میں اپنی تلوار کو کام میں لاؤں اور جب مقابلہ مسلمانوں سے ہو تو میں اُسے کوہ اُحد کی چٹان پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ چنانچہ کل میں اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر چکا"

اُسامہ بن زید نے کہا "اس کام میں مجھے شرکت سے باز رکھئے۔ میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ کسی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے سے جنگ نہ کروں"

اشتر نخعی کو جب ان صحابۂ کرام کی اس گفتگو کا علم ہوا تو اُس نے حضرت علی سے کہا، آپ ان لوگوں کو قید کیوں نہیں کر دیتے؟ حضرت علی نے فرمایا میں انہیں ان کی رائے کے خلاف مجبور نہیں کرنا چاہتا[1]

بہر حال حضرت علی اس خیال سے کہ عراق میں انہیں کافی مددگار مل سکتے ہیں اور وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہیں اپنی رائے پر قائم رہے اور آخر ربیع الاوّل ۳۶ھ میں اپنی جمعیت کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا اور اُس کی جماعت کے افراد بھی حضرت علی کے لشکر میں

---

[1] الاخبار الطوال صد ۱۴۲ و صد ۱۴۵

شامل تھے۔ حضرت علی کی تجویز یہ تھی کہ حضرت زبیر و طلحہ سے پہلے بصرہ میں داخل ہو جائیں۔ لیکن مقام ذی قار میں پہنچ کر آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت زبیر و طلحہ بصرہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ اب آپ نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔

اہلِ کوفہ سے استمداد دورانِ سفر بصرہ میں حضرت علی نے اہلِ کوفہ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کوفہ کے والی حضرت ابوموسیٰ اشعری تھے، وہ اس خانہ جنگی میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی نے پہلے محمد بن ابوبکر اور محمد بن جعفر کو کوفہ بھیجا۔ پھر مالک اشتر اور عبداللہ بن عباس کو روانہ کیا مگر حضرت ابوموسیٰ اور اُن کی وجہ سے اہلِ کوفہ شرکتِ جنگ کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں حضرت علی نے امام حسن اور عمار بن یاسر کو کوفہ روانہ کیا۔ یہ دونوں صاحبان جس وقت کوفہ پہنچے حضرت ابوموسیٰ جامع کوفہ میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے حسب ذیل تقریر فرما رہے تھے :-

"اے اہلِ کوفہ میری بات مانو۔ دیکھو یہ وہی فتنہ ہے جس کی رسول اللہ نے خبر دی تھی۔ اس فتنہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھائی بھائی بنایا ہے اور ہم پر ایک دوسرے کا خون اور مال حرام کر دیا ہے۔ تم اپنی تلواروں کو نیام میں داخل کر لو۔ اپنے نیزوں کی انیوں کو نکال پھینکو اور اپنی کمانوں کے تانتوں کو توڑ دو اور اپنے گھروں کے گوشوں میں بیٹھ رہو"

حضرت ابوموسیٰ کے بعد امام حسن اور عمار بن یاسر منبر پر آئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت، حضرت طلحہ و زبیر کی عہد شکنی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ضرورت تفصیل کے ساتھ بیان کی۔ حضرت امام حسن کی تقریر سُن کر مجمع میں دو گروہ ہو گئے۔ قعقاع بن عمر نے کہا۔

"اے اہلِ کوفہ ہمارے امیر ابوموسیٰ اشعری نے جو کچھ کہا وہ تو سچ ہے لیکن

نظامِ خلافت کا باقی رہنا بھی توضروری ہے۔ اگر یہ نظام نہ ہو تو ظالم سے انتقام اور مظلوم کی دستگیری ناممکن ہے۔ امیر المومنین حضرت علی خلیفہ منتخب کئے جاچکے ہیں۔ وہ تمہیں اصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں تمہیں اس دعوت کو دل وجان سے قبول کرنا چاہیئے۔

قعقاع کے بعد سیحان بن صوحان نے بھی جو کوفہ کی بااثر شخصیت تھے۔ اسی مضمون کی تقریر کی۔ ان تقریروں سے مجمع کا رنگ بدل گیا اور اہلِ کوفہ میں سے نو ہزار آدمی حضرت علی کی امداد کے لئے روانہ ہو گئے۔ اہلِ کوفہ مقامِ ذیقار میں حضرت علی کے لشکر میں آملے۔ حضرت علی نے اُن کی بہت تعریف کی اور فرمایا۔

"میرا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہلِ بصرہ باز آگئے تو سبحان اللہ اور اگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے تو ہم بھی ہم اُن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں گے اور ہر حالت میں فساد پر اصلاح کو ترجیح دیں گے"۔ [1]

مصالحت کی کوشش

حضرت علی نے قعقاع بن عمرو کو بصرہ روانہ کیا تاکہ اگر ممکن ہو تو گفت وشنید کے ذریعہ اختلافات دُور ہو جائیں۔ قعقاع ایک مدبر اور خوش بیان شخص تھے انہوں نے حضرت عائشہ اور حضرت زبیر وطلحہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

"آپ حضرات نے جو تکلیف فرمائی ہے اُس کا مقصد کیا ہے؟"

حضرت عائشہؓ اور اُن کے رفقاء نے فرمایا۔

"ہمارا مقصد اصلاح بین المسلمین اور عمل بالقرآن ہے"۔

قعقاع نے کہا "پھر اس کے لئے آپ نے کیا صورت تجویز کی ہے؟"

---

[1] اتمام الوفاء صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰۔ والاخبار الطوال صفحہ ۱۴۶ و ۱۴۷۔

ان بزرگوں نے جواب دیا "یہ کہ قاتلینِ عثمان کو قتل کیا جائے۔ اگر عثمان کا قصاص نہ لیا گیا تو ترکِ قرآن لازم آئے گا۔"

قعقاع نے کہا "قاتلینِ عثمان سے قصاص کا مطالبہ تو صحیح ہے مگر جب تک امرِ خلافت مستحکم نہ ہو جائے اور ملک میں امن و امان قائم نہ ہو جائے۔ یہ فرض انجام نہیں دیا جا سکتا۔ دیکھئے

آپ نے مفسدین بصرہ سے قصاص لیا تو حرقوص بن زہیر پر آپ کا قابو نہ چل سکا۔ آپ نے اُسے قتل کرنا چاہا تو چھ ہزار آدمی اُس کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور مجبوراً آپ کو اُسے چھوڑنا پڑا۔ جب آپ نے مصلحت وقت کے پیشِ نظر قاتلینِ عثمان میں سے ایک شخص کو چھوڑ دیا تو حضرت علی ہی پر کیا الزام ہے؟ اس فتنہ کا سدِ باب اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ صاحبان امیر المؤمنین کے زیرِ علَم جمع ہو جائیں اور ہمیں اور اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دونوں پس کر رہ جائیں۔ یہ معاملہ کسی ایک فرد یا ایک قبیلہ کا نہیں ہے بلکہ ساری اُمت کی صلاح و فساد کا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مقابلہ و مقاتلہ پر امن و عافیت کو ترجیح دیں گے۔"

قعقاع کی اس تقریر کا حضرت عائشہؓ اور اُن کے دونوں رفقاء پر بڑا اثر ہُوا اُنہوں نے کہا۔

"آپ کی تجویز تو نہایت معقول ہے۔ مگر کیا حضرت علی کی بھی یہی رائے ہے؟ اگر اُن کی بھی یہی رائے ہے اور وہ قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے لئے تیار ہیں تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے۔"

قعقاع حضرت علی کے پاس لوٹ کر گئے اور انہیں کل گفتگو سنائی۔ حضرت علی بہت خوش ہُوئے۔ قعقاع کے ساتھ اہلِ بصرہ میں سے کچھ آدمی حضرت علی کے لشکر میں آئے تاکہ وہ حضرت علی اور اہلِ کوفہ کے خیالات معلوم کریں کہ وہ درحقیقت مصالحت کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں؟ اُنہوں نے یہ خبریں سُنی تھیں کہ

حضرت علی بصرہ کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں اور بچوں کو غلام باندی بنالیں گے۔ اس قسم کی خبریں سبائی گروہ کے لوگوں نے اڑائی تھیں۔ اہلِ بصرہ کو خود حضرت علی نے اپنے پاس بلا کر ان خبروں کی تردید کی اور انہیں ہر طرح اطمینان دلایا۔ اہلِ کوفہ کو بھی انہوں نے صلح و آشتی پر مائل پایا۔ اس طرح اُمید کی جانے لگی کہ فتنہ و فساد کا غبار دب جائے گا اور مہر محبت و الفت کی کرنیں عالمِ اسلام کو پھر جگمگا دیں گی۔

فرقہ سبائیہ کی سازش

حضرت علی نے تکمیلِ مصالحت کے لئے بصرہ کی طرف روانگی کا قصد فرمایا۔ روانگی سے پہلے آپ نے ایک مصالحانہ تقریر فرمائی۔ اُس تقریر میں آپ نے جاہلیت کی شقاوت اور اسلام کی سعادت کا ذکر کیا جو اتحاد و یگانگت اور محبت و الفت کی صورت میں اُن کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد موجودہ فتنہ پر دلی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ فتنہ اُن معاندینِ اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر جلتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان پھر ذلت و نکبت کا شکار ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ کل ہم بصرہ کی طرف کوچ کریں گے۔ لیکن ہمارا یہ سفر جنگ و پیکار کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ اتحاد و اتفاق کے مقصد سے۔ لہٰذا وہ لوگ جو قتلِ عثمان میں کسی قسم کا حصہ لے چکے ہیں ہمارے ساتھ نہ چلیں۔

حضرت علی کی یہ تقریر سُننے کے بعد فرقہ سبائیہ کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ عبداللہ بن سبا اور اُس کے مشیروں نے ایک خُفیہ جلسہ منعقد کیا اور اس میں صورتِ حالات پر بحث ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا اب تک تو طلحہ و زبیر ہی قصاصِ عثمان کے خواہاں تھے۔ اب حضرت علی بھی ان کے ہم خیال معلوم ہوتے ہیں۔ اگر اُن کی آپس میں صُلح ہو گئی تو اُن کے صُلح نامہ پر ہمارے خون سے مہر لگے گی۔ ہمارا کیا دھرا سب بیکار ہو جائے گا اور ہماری سازش کی عمارت دھم سے زمین پر آ رہے گی۔ لہٰذا جس طرح ممکن ہو اس صُلح کو کامیاب نہ

ہونے دیا جائے۔

عبداللہ بن سبا نے کہا بہتر صورت یہ ہے کہ ہم لوگ حضرت علی کے لشکر کے ساتھ ساتھ لگے رہیں۔ اگر حضرت علی معترض ہوں تو کہہ دیں کہ ہم اس لئے آپ کے ساتھ ہیں کہ اگر مصالحت کی کوشش کامیاب نہ ہو تو فوراً آپ کی مدد کو پہنچ جائیں۔ حضرت علی کے لشکر کے قریب رہ کر ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح مصالحت نہ ہو اور جنگ چھڑ جائے۔

مصالحت کی ناکامی

دوسرے روز صبح کو حضرت علی اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت طلحہ و زبیر بھی اپنے لشکر کو لے کر بصرہ سے نکلے۔ تین روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے ٹھہرے رہے۔ اور مصالحت کی گفتگو جاری رہی۔ حضرت علی نے حضرت طلحہ و زبیر کو پیغام بھیجا کہ قعقاع کی زبانی جو گفتگو ہوئی ہے اگر آپ اُس پر قائم ہیں تو معاملات طے ہو جانے چاہئیں۔ حضرت طلحہ و زبیر نے جواب دیا۔ بے شک ہم اُس گفتگو پر قائم ہیں۔ اس کے بعد ادھر سے حضرت علی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ اور ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہو گئے کہ فریقین کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔

حضرت علی نے فرمایا "آپ صاحبان نے جو میرے مقابلہ کی تیاری کی ہے تو کیا وہ کسی حجت شرعی کی بنا پر ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی حجت ہے تو بیان کیجئے ورنہ مسلمانوں کے شیرازہ کو نہ بکھیریئے اور خدا سے ڈریئے۔ کیا میں آپ کا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا میرا خون آپ پر اور آپ کا خون مجھ پر حرام نہیں ہے؟"

حضرت طلحہ نے فرمایا "آپ نے حضرت عثمان کے خلاف شورش میں حصہ لیا ہے"

حضرت علی نے فرمایا "میں قاتلینِ عثمان پر لعنت بھیجتا ہوں" پھر فرمایا۔

"اے طلحہ کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کر چکے ہو؟"

حضرت طلحہ نے جواب دیا "بے شک مگر اس حالت میں کہ تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی"۔

اب حضرت علی حضرت زبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "تمہیں یاد ہے کہ ایک روز ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے اور رسول کریمؐ نے تم سے پوچھا اے زبیر! کیا تم کو علی سے محبت ہے؟ تم نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ! اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا "لیکن تم ایک دن علی سے ناحق جنگ کرو گے"۔

حضرت زبیر نے فرمایا "بے شک مجھے حضورؐ کا یہ ارشاد یاد آ گیا"۔

پھر حضرت زبیر نے دیکھا کہ حضرت عمار بن یاسر بھی حضرت علی کی فوج میں شامل ہیں تو انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ "عمار کو بھی باغی جماعت قتل کرے گی"۔

اب حضرت زبیر کو یقین ہو گیا کہ اس معاملہ میں اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے اور وہ اس عزم کے ساتھ لوٹ آئے کہ اس نزاع سے دست کش ہو جائیں گے۔

اب مصالحت کی تکمیل میں کوئی شک نہ رہا تھا۔ فریقین کے صلح پسند لوگوں کے دل مطمئن تھے کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرانے سے رک گئیں۔ مگر فرقہ سبائیہ کے فتنہ جو دماغ سازش کا جال کس رہے تھے۔ رات کو دونوں لشکر امن و اطمینان کی نیند سوئے مگر ابھی تاریکیٔ شب کا پردہ چاک نہ ہوا تھا کہ فرقہ سبائیہ نے حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی۔

حضرت زبیر و طلحہ نے اپنے خیموں سے نکل کر پوچھا "یہ شور و غل کیسا ہے؟" ان کے آدمیوں نے جواب دیا کہ "حضرت علی کے لشکریوں نے ہم پر شب خون مارا ہے"۔ حضرت زبیر و طلحہ نے کہا "افسوس علی مسلمانوں کا خون بہانے سے باز

نہ آئے۔ ہمیں پہلے ہی اُن کی طرف سے کھٹکا تھا۔"

ادھر حضرت علی نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ "یہ ہنگامہ کیوں ہے"؟ تو سبائیوں نے جواب دیا" طلحہ وزبیر کے ساتھیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔"

حضرت علی نے فرمایا:" افسوس طلحہ وزبیر مسلمانوں کا خون بہانے سے باز نہ آئے۔ مجھے پہلے ہی ان سے مصالحت کی توقع نہ تھی۔

جنگِ جمل

اب دونوں طرف سے شدید جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کی تلواریں اپنے بھائیوں کے گلے میں پیوست ہونے لگیں۔ کعب بن ثور قاضی بصرہ ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اگر آپ تکلیف فرمائیں تو شاید یہ خانہ جنگی رُک جائے۔ حضرت عائشہؓ اُونٹ پر سوار ہو کر خود میدانِ جنگ میں تشریف لے گئیں۔ احتیاط کی غرض سے آپ کے ہودج کو زرہوں سے ڈھک دیا گیا تھا۔

اہلِ بصرہ نے ام المؤمنین کا ہودج دیکھا تو وہ یہ سمجھ کر کہ ام المومنین خود لڑائی میں حصہ لینے تشریف لائی ہیں اور جوش وخروش سے لڑنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے کعب بن ثور سے کہا آپ مسلمانوں کو سمجھائیے کہ وہ لڑائی سے باز آئیں اور کتاب اللہ کے فیصلہ کو قبول کریں۔ کعب بن ثور یہ پیغام سُنانے آگے بڑھے تو ایک سبائی نے تاک کر تیر مارا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی سبائیوں نے حضرت عائشہ کے ہودج کو نشانہ بنا کر تیر اندازی شروع کر دی۔ اہلِ بصرہ نے جب حرم رسول اللہ کی حرمت کو خطرہ میں دیکھا تو ہودج کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بنی ضبہ، ازد اور بکر بن وائل بڑھ بڑھ کر اپنی جانیں نثار کرنے لگے۔ جو شخص اُونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا وہ زخمی ہو کر گرا تو دوسرے نے پکڑ لی۔ وہ شہید ہوا تو تیسرے نے پیش دستی کی۔ اس طرح ستر جانبازوں نے شمع بیتِ رسول پر پروانہ وار اپنی جانیں قربان کیں۔

حضرت علی نے سوچا کہ جب تک ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا اُونٹ کھڑا

رہے گا لڑائی ختم نہ ہو گی۔ آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے آکر اُونٹ کی پنڈلی پر تلوار ماری۔ اُونٹ زخم کھا کر سینہ کے بل گر گیا۔ اُونٹ کے گرتے ہی اہلِ جمل منتشر ہو گئے۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ کسی بھاگتے ہُوئے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی زخمی کو قتل نہ کیا جائے اور مالِ غنیمت کو نہ لوٹا جائے۔ پھر محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کو احتیاط اور حفاظت کے ساتھ آتار لو اور دیکھو کہ اُنہیں کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔

محمد بن ابی بکر، قعقاع بن عمرو اور زفر بن حارث کے ساتھ حضرت عائشہ رضؓ کے اُونٹ کی طرف گئے اور ہودج کو جو تیروں سے بندھا ہُوا تھا تسمے کاٹ کر اُونٹ کی پُشت سے علیحدہ کیا۔ پھر حضرت عائشہؓ کو پردے تان کر احتیاط اور آرام کے ساتھ آتارا۔ معلوم ہُوا کہ اللہ کے فضل سے وہ محفوظ رہیں صرف اُن کی کلائی پر تیر کی خراش آئی۔

اس کے بعد حضرت علی خود حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا۔ "اماں جان مزاج کیسے ہیں؟"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا "بخیر ہوں۔ خُدا تمہاری غلطی کو معاف فرمائے"۔

اس لڑائی میں دونوں طرف سے تقریباً دس ہزار مسلمان کام آئے۔ ان میں حضرت طلحہ، اُن کے صاحبزادے محمد بن طلحہ اور عبدالرحمٰن بن عتاب بھی شامل ہیں۔

حضرت علی سے گفتگو کے بعد حضرت زبیر نے لڑائی سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ آغازِ جنگ ہی میں میدانِ جنگ سے نکل آئے اور بصرہ سے اپنا سامان لے کر حجاز کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ مگر ابھی آپ وادی سباع ہی میں پہنچے تھے کہ ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ کو نماز پڑھتے ہُوئے شہید کر دیا۔ عمرو بن جرموز حضرت زبیرؓ کے ہتھیار لے کر خوشی خوشی حضرت علیؓ کے پاس آیا۔ حضرت علی نے حضرت زبیرؓ کی تلوار کو پہچان کر فرمایا "اس تلوار کے مالک نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کو دُور کیا ہے"

میں زبیر کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔"

ابن جرموز نے چیں بہ چیں ہو کر کہا "ہم تو تمہارے دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور تم ہمیں جہنم کی بشارت دیتے ہو۔"

لڑائی کے خاتمہ کے بعد حضرت علی نے میدانِ جنگ میں ایک چکر لگایا۔ اکابر صحابہ کو اس بے معنی خانہ جنگی کا شکار ہو کر خاک وخون میں لوٹتے دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے کعب بن ثور قاضیِ بصرہ کی لاش کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا "تم نے تو کہا تھا کہ مخالف صفوں میں صرف ناسمجھ لوگ ہیں"۔ پھر حضرت طلحہ کا جسدِ بے جان نظر آیا تو فرمایا "افسوس اے ابو محمد! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ واللہ مجھے یہ بات سخت ناگوار تھی کہ قریش کو بچھڑا ہوا دیکھوں"۔ پھر ان کی بہت تعریف کی۔

حضرت علیؓ نے فریقین کے شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی اور انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے اعلان کرا دیا کہ میدانِ جنگ میں جس کسی کا سامان یا ہتھیار رہ گئے ہوں وہ مسجدِ بصرہ میں آ کر لے جائے۔

اب حضرت علی بصرہ میں داخل ہوئے۔ جامع مسجد میں خطبہ دیا اور اہلِ بصرہ سے بیعت لی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو وہاں کا والی اور زیاد بن ابی سفیان کو عاملِ خراج مقرر کیا۔ بصرہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صفیہ بنت الحارث کے مکان میں مقیم ہوئیں۔ جب تکان دور ہو گئی تو حضرت علی نے اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر کے ساتھ انہیں مدینہ منورہ روانہ کیا۔ راستہ کے آرام کے خیال سے بصرہ کی چالیس شریف عورتیں اُن کے ساتھ کر دیں۔ رخصت کے وقت بہت سے آدمی حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:-

"میرے بچو! آپس میں ایک دوسرے کو برا نہ کہنا۔ واللہ میرے اور علی کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے علاوہ کوئی دشمنی نہ تھی۔ میں ہر

حالت میں انہیں بھلا آدمی سمجھتی ہوں"۔

حضرت علی نے فرمایا :۔

وہ ام المومنین نے صحیح فرمایا۔ میرے اور ان کے اختلافات کی یہی نوعیت ہے۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ کی محترم بیوی ہیں"۔

حضرت علی کئی میل تک مشایعت کے طور پر حضرت عائشہؓ کے ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو بھیجا۔ یہ واقعہ یکم رجب ۳۶ھ کا ہے[۵]۔

آویزش "صفین"

فریقین کی جنگی تیاریاں بصرہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد حضرت علی کوفہ تشریف لائے۔ یہاں آپ کا پُرجوش استقبال ہوا۔ چونکہ کوفہ میں آپ کے حامیوں کی کثرت تھی اس لئے آپ نے مدینہ منورہ کی بجائے اسی کو دارالخلافہ تجویز کیا۔

کوفہ میں قیام پذیر ہو کر آپ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تاہم اتمام حجت کے لئے جریر بن عبداللہ بجلی کو قاصد بنا کر حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیجا اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت معاویہ نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "پہلے قاتلینِ عثمان قتل کئے جائیں گے پھر سب مسلمان جمع ہو کر اپنی مرضی سے اپنا خلیفہ منتخب کریں گے"۔

اب حضرت علی اپنی فوج کو لے کر کوفہ سے نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ یہیں عبداللہ بن عباس بھی بصرہ سے اپنا لشکر لے کر ان سے آملے۔ نخیلہ میں حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر ملک شام

---

۵ الاخبار الطوال صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۰ و اتمام الوفاء صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۶ ۔

کی طرف کوچ کیا۔ آپ نخیلہ سے روانہ ہو کر جزیرہ کے راستہ رقہ پہنچے۔ پھر دریائے فرات کو عبور کر کے میدانِ صفین میں پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت معاویہؓ بھی آنے والے خطرہ سے غافل نہ تھے۔ ملک شام کی فوج بڑی منظم و مرتب اور فنونِ جنگ میں ماہر تھی۔ دنیا کی عظیم الشان طاقت "رومی سلطنت" سے وہ برابر ٹکر لیتی رہتی تھی۔ حضرت معاویہ مسلسل بیس سال سے اس فوج کے حاکم اعلیٰ اور شام کے والی تھے۔ آپ نے اپنے سیاسی تدبر اور حسنِ اخلاق سے اہلِ شام کو اس درجہ گرویدہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کے اشارہ پر جانیں قربان کرنے کے لئے تیار تھے۔ شہادتِ عثمانِ غنی کے بعد مختلف ممالک اسلامیہ سے بڑے بڑے اموی سردار آکر انہی کے پاس جمع ہو گئے تھے اس طرح اُن کی طاقت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ حضرت علی کے جنگِ جمل میں گِھر جانے کی وجہ سے اُنہیں جو مہلت ملی اُس سے بھی انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ جامع دمشق میں موقعہ بموقعہ حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش سے قاتلینِ عثمان کے خلاف جذبۂ نفرت کو ترقی دینے کی کوشش کی جاتی تھی۔

چنانچہ شامیوں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک وہ خونِ عثمان کا قصاص نہ لیں گے نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ ٹھنڈا پانی پئیں گے۔ حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر جو اپنے سیاسی تدبّر اور جنگی مہمات میں مشہور تھے اُنہیں بھی حضرت معاویہ اپنا حامی بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو وہ بھی اپنا لشکر لے کر میدان میں آ پہنچے۔ اس طرح عراقی اور شامی مسلمانوں کی طاقتیں میدانِ صفین میں آمنے سامنے صف آراء ہو گئیں۔

کوششِ صُلح

دو روز تک دونوں طرف خاموشی رہی۔ تیسرے دن نامہ و پیغام کا سلسلہ جاری رہا۔ پہلا وفد حضرت علی کی طرف سے حضرت معاویہ کے پاس بھیجا گیا۔ اس وفد میں بشیر بن عمرو انصاری، سعید بن

قیس ہمدانی اور شیث بن ربعی تمیمی شامل تھے۔ بشیر بن عمرو نے گفتگو شروع کی اور کہا۔
"اے معاویہ دُنیا ناپائیدار ہے تمہیں خدا کے سامنے جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اُمت میں تفریق پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کا خون خانہ جنگی میں نہ بہاؤ"

حضرت معاویہ نے کہا "آپ نے یہ وعظ اپنے دوست حضرت علی کو کیوں نہ سنایا؟"

بشیر نے جواب دیا "اُن کی حیثیت آپ سے مختلف ہے۔ حضرت علی اپنی ذاتی فضیلت، دینی عظمت اور اسلام میں سبقت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے لحاظ سے منصب خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ اُن کی بیعت کرلو اور دُنیا و آخرت میں سرخرو ہو"

حضرت معاویہ نے کہا "خونِ عثمان کا مطالبہ ہم چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم یہ ہم سے ہرگز نہ ہوگا۔ اب سعید نے گفتگو کرنی چاہی لیکن شیث نے بات کاٹ کر کہا۔

"اے معاویہ ہم تمہارا مطلب خوب سمجھتے ہیں تم نے خود حضرت عثمانؓ کی مدد سے گریز کر کے انہیں قتل کرایا ہے تاکہ تم خونِ عثمان کے مطالبہ کے بہانے منصب خلافت کے دعوے دار بنو۔ یاد رکھو تمہارا یہ طرزِ عمل تمہارے لئے کسی حالت میں مفید نہیں ہوسکتا۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کامیاب ہو گئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپیٹ سے نہیں بچ سکتے"

شیث کی یہ سخت گفتگو حضرت معاویہ کو ناگوار گزری۔ آپ نے فرمایا۔
"اے سخت مزاج گنوار! تو نے سراسر جھوٹ بولا ہے جا ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی"

یہ وفد ناکام لوٹ کر واپس آیا اور پہلے سے بھی زیادہ آپس میں تلخی پیدا ہوگئی۔

آغازِ جنگ اب لڑائی کے سوا چارہ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی سب سے پہلے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور قاتلینِ عثمان سے انتقام کے معاملہ کو ثانوی حیثیت دیتے تھے۔ اور حضرت معاویہؓ سب سے پہلے خونِ عثمان کا قصاص چاہتے تھے اور ان کے ولی ہونے کی حیثیت سے اس مطالبہ کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ تاہم چونکہ دونوں طرف مسلمان تھے اور جانتے تھے کہ آپس کی خانہ جنگی سے اسلام کی قوت کو سخت نقصان پہنچے گا اس لئے دلوں میں لڑائی کا جوش و خروش نہ تھا۔

لڑائی شروع ہوئی مگر اس کی صورت یہ تھی کہ فریقین میں سے ایک ایک بہادر میدان میں نکلتا اور دادِ شجاعت دیتا اور باقی لوگ تماشہ دیکھتے۔ بعد میں جب لڑائی نے سختی اختیار کی تو ایک ایک افسر اپنے اپنے دستہ کو لے کر نکلنے لگا۔ غرض اسی طرح ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہو گیا اور محرم ۳۷ھ کا ہلال افق پر چمکا۔

عارضی صُلح محرم کا چاند دیکھ کر حضرت علی اور حضرت معاویہ نے ایک مہینہ کے لئے عارضی صلح کر لی اور لڑائی بالکل بند ہو گئی۔

اس عارضی صُلح کے دوران میں پھر مستقل صلح کے لئے کوشش شروع ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طویل مُدت اس مقصد کی انجام دہی کے لئے مناسب ترین تھی۔ خصوصاً جب دونوں طرف اس کی خواہش بھی موجود تھی۔ لیکن "فرقۂ سبائیہ" بساطِ سیاست پر اپنی شاطرانہ چالیں چلنے میں اب بھی مصروف تھا۔ شیث بن ربعی جس نے پہلی گفتگو سے مصالحت کو ناکام بنایا تھا اس گروہ کا ایک ممتاز فرد تھا۔ اس نے آئندہ بھی اس قسم کی کوششوں کو پنپنے نہ دیا۔

عارضی صُلح کے دوران میں حضرت علی کی طرف سے جو وفد مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے روانہ ہُوا اس میں یزید بن قیس، زیاد بن حفصہ، عدی بن حاتم طائی کے علاوہ شیث بن ربعی بھی شامل تھا۔ امیرِ وفد کی حیثیت سے عدی بن حاتم نے گفتگو شروع کی اور کہا۔

"اے معاویہ ہم تمہارے پاس اتفاق واتحاد کی دعوت لے کر آئے ہیں اگر تم نے اُسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور اُن میں خون خرابہ نہ ہو گا۔ دیکھو حضرت علی تمہارے بھائی اور اُمت میں سب سے افضل ہیں۔ تم اور تمہاری جماعت کے سوا سب نے اُن کو خلیفہ تسلیم کر لیا ہے تم بھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس قضیہ کو ختم کرو۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ تمہیں بھی "اہل جمل" کی طرح مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"اے عدی افسوس! تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کرانے۔ خدا کی قسم! میں "ابن حرب" ہوں میں جنگ سے نہیں ڈرتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک ہو، تم سے بھی اُن کا قصاص لیا جائے گا۔"

یزید بن قیس اور زیاد بن حفصہ نے معاملہ کو بگڑتے دیکھا تو کہا۔

"اے معاویہ! ان باتوں کو چھوڑیئے جن سے کچھ نفع نہیں اور وہ بات کیجئے جس سے آپس کا جھگڑا مٹے اور مصالحت کی صورت پیدا ہو۔"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"مصالحت کی صورت یہ ہے کہ علی قاتلینِ عثمانؓ کو جو اُن کے لشکر میں شریک ہیں اور اُن کے یار و مددگار بنے ہوئے ہیں ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم پہلے انہیں قتل کریں گے پھر علی کی اطاعت کر لیں گے۔"

اب شبیث بن ربعی آگے بڑھا اور اُس نے کہا۔

"اے معاویہ کیا تم عمار بن یاسر جیسی باعظمت شخصیت کو بھی قتل کرنا چاہتے ہو؟"

حضرت معاویہ نے کہا۔

"کیوں عمار بن یاسر میں کیا خاص بات ہے؟ میں تو انہیں حضرت عثمانؓ کے غلام کے قصاص میں قتل کروں"

شیث نے کہا۔

"خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ گردنیں شانوں سے جدا نہ ہو جائیں اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے"

حضرت معاویہ نے کہا"

"اگر ایسا ہونا ہی ہے تو یہ تمہارے لئے پہلے ہوگا"

غرض شیث بن ربعی کی مداخلت سے یہ سفارت بھی پہلی سفارت کی طرح ناکام واپس گئی۔

آخری کوشش صلح

پھر حضرت معاویہؓ نے ایک وفد اپنی طرف سے حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اس وفد میں حبیب بن مسلمہ فہری، شرحبیل بن سمط، معن بن یزید اور اخنس بن شریق شامل تھے۔ حبیب بن مسلمہ فہری نے امیر وفد کی حیثیت سے کہا۔

"حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق تھے۔ کتاب و سنت کے عامل تھے اور احکامِ الٰہی کے پابند، تم نے اُن کی زندگی کو پسند نہ کیا اور اُن کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم اُن کے قتل سے بری ہو تو اُن کے قاتلین کو ہمارے حوالہ کر دو۔ ہم اُن سے خونِ عثمانؓ کا قصاص لے لیں گے، پھر مسلمان جمع ہو کر اتفاق رائے سے جسے چاہیں گے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے"

حضرت علیؓ نے بگڑ کر فرمایا:۔

"خوب تم اور مجھے معزول کرو۔ چھوٹا منہ بڑی بات! خاموش رہو تم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو"

حبیب نے کہا" تم مجھے اس حالت میں دیکھو گے جو تمہیں پسند نہیں"

حضرت علی نے فرمایا۔

"تم میرا بگاڑ ہی کیا سکتے ہو۔ جاؤ اپنے دل کی حسرت نکال لو۔"

شرجیل بن سمط نے کہا۔

"اگر میں کچھ کہوں گا تو وہی کہوں گا جو میرے ساتھی نے کہا۔ جو جواب آپ دے چکے ہیں کیا اس کے سوا آپ کے پاس کوئی اور جواب ہے؟"

حضرت علی نے فرمایا "ہاں!"

پھر ایک تقریر شروع کی۔ آپ نے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور اُمت کی ہدایت کا ذکر کیا۔ پھر خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے اپنے عہدِ خلافت کو بہتر طریقہ پر گزارا، و عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ اس لئے اگرچہ ہمیں ان سے خلافت کے معاملہ میں اہل بیت ہونے کی حیثیت سے اپنی حق تلفی کی شکایت تھی تاہم ہم نے اُن کو معاف کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے کام کئے جس سے لوگ ناراض ہو گئے اور انہوں نے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے بعد لوگ میرے پاس آئے۔ میں اُن کے معاملات سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ انہوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں منصبِ خلافت کو قبول کروں۔ میں نے اوّل انکار کیا۔ لیکن جب کہا گیا کہ اُمت کا شیرازہ اسی طرح بکھرنے سے بچ سکتا ہے۔ اور مسلمان میرے سوا کسی کی خلافت پر متفق نہیں ہو سکتے تو میں نے اُن کی درخواست کو قبول کر لیا۔ پہلے طلحہ و زبیر نے بیعت کرنے کے بعد میری مخالفت کی اور اب معاویہ علمِ اختلاف بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ نہ وہ سابقینِ اوّلین میں سے ہیں نہ انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت انجام دی ہے۔ وہ، اُن کے باپ اور ان کا خاندان ہمیشہ اللہ اور اُس کے رسول اور مسلمانوں کا دشمن رہا۔ وہ مجبور ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ تعجب ہے کہ تم اُن کا ساتھ دیتے ہو اور اہل بیتِ نبیؐ

کی مخالفت کرتے ہو۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی ہدایت کرتا ہوں"۔

شرجیل بن سمط نے کہا۔

"یہ تو فرما دیجئے کہ عثمانؓ مظلوم قتل کئے گئے"۔

حضرت علیؓ نے کہا۔

"نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم ہونے کی حیثیت میں قتل کئے گئے اور نہ یہ کہ ظالم ہونے کی حیثیت میں"۔

حضرت علیؓ کا یہ جواب سن کر اہلِ وفد اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ "جو شخص حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ہمارا اُس سے کچھ واسطہ نہیں"۔

اس طرح مصالحت کی یہ آخری کوشش بھی رائیگاں گئی۔[1]

فیصلہ کُن جنگ ماہِ محرم کی آخری تاریخ کو عارضی صُلح کی مدت پوری ہوتی تھی۔ ماہ صفر کا چاند دیکھتے ہی حضرت علیؓ نے اپنے منادی کے ذریعے اعلان کرا دیا کہ ہم نے اہلِ شام کو کافی مہلت دی کہ وہ سرکشی سے باز آجائیں اور حق کی طرف رجوع کریں۔ لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا۔ لہٰذا کل سے ان کا باقاعدہ مقابلہ کیا جائے گا۔ پھر آپ نے اپنے اہلِ لشکر کو ہدایت کی کہ "بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کیا جائے۔ زخمی کو ہلاک نہ کیا جائے کسی کے مال کو نہ لوٹا جائے اور عورتوں کی بے حرمتی نہ کی جائے۔

اس کے بعد آپ نے جنگی اصول کے مطابق اپنے لشکر کو مرتب کیا اور مختلف حصّوں میں اُسے تقسیم کر کے ہر حصّہ کے الگ الگ سردار مقرر کئے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے لشکر کے انتظامات درست کئے اور وہ بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔

---

[1] محاضرات خضری جلد ۲ صفحہ ۹۶، ۹۷۔

یکم صفر کو منگل کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ ایک ہفتہ تک لڑائی کی صورت یہ رہی کہ دونوں طرف سے ایک ایک سردار اپنے حصۂ فوج کو لے کر میدان میں نکلتا۔ سارے دن دادِ شجاعت دیتا اور شام کو واپس آجاتا۔ ان مقابلوں میں کبھی ایک فریق غالب آتا اور کبھی دوسرا۔ اس طرح لڑائی کسی فیصلہ کن مرحلہ پر نہ پہنچ سکی۔

۸ رصفر منگل کی رات کو حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں ایک پر جوش خطبہ دیا۔ اور عام مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ بنفس نفیس مقابلہ کے لئے نکلے اور دونوں لشکر اپنی پوری طاقت سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ سارے دن گھمسان کی جنگ رہی۔ رات کو دونوں فریق اپنی اپنی فرودگاہ کو واپس آئے لیکن فتح وشکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۹ رصفر بدھ کی صبح کو سورج کی کرنوں کے ساتھ ساتھ پھر تلواریں میان سے نکل آئیں۔ صبح سے شام تک ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ پہلے حضرت علیؓ کے لشکر میں شکست کی صورت پیدا ہوئی۔ لیکن حضرت علیؓ نے خود شمشیر زنی کے جوہر دکھائے اور اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھا کر لڑائی کے نقشہ کو بگڑنے سے بچالیا۔ پھر حضرت معاویہؓ کے لشکر پر آثارِ ہزیمت طاری ہوئے۔ اشتر نخعی اپنے ساتھیوں کے ساتھ حضرت معاویہ کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ مگر حضرت معاویہؓ کی رکابی فوج نے اپنی جان کی بازی لگا کر اُسے پیچھے دھکیلا۔

آخر اُسی حالت میں رات کی تاریکی چھاگئی مگر فریقین کے بہادروں کی تلواریں اسی طرح چمکتی رہیں۔ قادسیہ کی لیلۃ الہریر کی طرح ساری رات ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور بہادروں کے نعروں سے شورِ قیامت برپا رہا۔ سپیدۂ صبح کے چاک گریباں سے سورج نے منہ نکالا تو مسلمانوں کو بدستور دست وگریباں پایا۔ مسلسل چوبیس گھنٹے کی لڑائی کے بعد دونوں طرف تکان کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر لڑائی کا

آخری فیصلہ کئے بغیر کوئی میدانِ جنگ سے ٹلنے کے لئے تیار نہ تھا حضرت علیؓ کے لشکر کی تعداد نوّے ہزار تھی اور حضرت معاویہؓ کے لشکر کی اسّی ہزار۔ اس طرح دس ہزار کا فرق پہلے ہی تھا۔ رات کی لڑائی میں حضرت معاویہ کے لشکر کا زیادہ نقصان ہُوا۔ اس طرح ۱۰ صفر جمعرات کی صبح کو حضرت علی کی فوج کا پلہ نمایاں طور پر بھاری نظر آنے لگا۔

اشتر نے موقع دیکھ کر پوری طاقت کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے لشکر پر حملہ کیا۔ حضرت علیؓ مسلسل اُس کی مدد کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ کی فوج اپنے سے دوگنی طاقت کے اس زبردست ریلے کو نہ روک سکی۔ اور اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے یہ نزاکت دیکھ کر عمرو بن عاص سے مشورہ کیا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ یکایک اہل شام نے اپنے نیزوں پر قرآن مجید بلند کر کے پکارنا شروع کر دیا:۔

”یہ خدائے عزّوجل کی کتاب ہے اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہلِ شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔ اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا۔“

حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے۔ انہوں نے اعلان کیا:

”اے خدا کے بندو! لڑائی جاری رکھو اور دھوکہ میں نہ آؤ۔ فتح بہت قریب ہے میں معاویہؓ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہؓ ابن ابی سرح اور ابن ابی معیط کو بچپن سے جانتا ہوں۔ انہوں نے تمہیں دھوکہ دینے کے لئے یہ چال چلی ہے۔“

مگر حضرت علیؓ کی جماعت کی بہت بڑی اکثریت نے اُن کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اشعث بن قیس کندی، مسعر بن فدکی، ابن کواء اور دوسرے سرداران فوج نے جو فرقہ سبائیہ سے تعلق رکھتے تھے اور لڑائی کے فیصلہ کن

خاتمہ کو اپنی مصالح کے خلاف سمجھتے تھے کہا :-

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جائے اور ہم اس سے انکار کر دیں"

حضرت علی نے جب جنگ جاری رکھنے کے لئے زیادہ اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا۔

"یا تو آپ لڑائی کو بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے جو عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں"

حضرت علی نے اپنوں کے یہ تیور دیکھے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اشتر کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ لڑائی کو بند کر کے فوراً واپس آجاؤ اپنی ہی جماعت میں فتنہ پھیل گیا ہے۔

اشتر بادل نخواستہ واپس آیا اور لڑائی بند ہو گئی[1]

عہد نامہ تحکیم حضرت علی نے اشعث کو حضرت معاویہ کے پاس بھیج کر معلوم کیا کہ قرآن مجید کے فیصلہ کو قبول کرنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟

حضرت معاویہ نے جواب دیا "ہمارا مقصد یہ ہے کہ فریقین ایک ایک شخص کو پنچ نامزد کریں اور اُن سے عہد لے لیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اُسے ہم قبول کر لیں"

اہلِ عراق نے کہا "ہمیں یہ تجویز منظور ہے"

حضرت معاویہ نے اہلِ شام کی طرف سے عمرو بن عاص کو پنچ نامزد کیا اور کسی نے اس نامزدگی سے اختلاف نہ کیا۔ لیکن اہلِ عراق اس معاملہ میں بھی متفق

---

[1] محاضرات خضری جلد ۲ صفحہ ۹۹ -

نہ ہو سکے۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام تجویز کیا۔ حضرت علی نے فرمایا "مجھے ابو موسیٰ کی رائے پر اعتماد نہیں ہے تم عبداللہ بن عباس کو حکم بنا لو۔"

اہلِ عراق نے کہا "حکم غیر جانبدار ہونا چاہیئے عبداللہ بن عباس تو آپ کے عزیز ہیں۔"

حضرت علی نے فرمایا "اہلِ شام نے بھی تو کسی غیر جانبدار کو منتخب نہیں کیا ہے۔"

اہلِ عراق بولے "اس کے وہ ذمہ دار خود ہیں۔"

حضرت علی نے فرمایا "اچھا اشتر کو حکم بنا لو۔"

ان لوگوں نے کہا "خوب! یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی لگائی ہوئی ہے۔"

آخر جب حضرت علی نے دیکھا کہ اہلِ عراق ابو موسیٰ اشعری کے سوا کسی اور کو منظور نہیں کرتے تو فرمایا "جو تم چاہو کرو۔"

عمرو بن عاص حضرت علی کی فرودگاہ میں آئے اور حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا:-

"یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علی بن ابی طالب نے اہلِ کوفہ اور اُن کے ساتھیوں کی طرف سے، اور معاویہ بن ابی سفیان نے اہلِ شام اور اُن کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور کلام خدا کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کن ہوگی۔ وہ جس بات کا حکم دے گی اُس کی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اُس سے رُک جائیں گے۔ ابو موسیٰ، عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص حکم مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ

جامعہ غیر مختلف فیہا کی طرف رجوع کریں گے۔
علی اور معاویہ کی طرف سے دونوں حکموں کو اُن کی جان و مال کی حفاظت کا پُورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ اُن کے فیصلہ کو نافذ کرانے میں اُمت اُن کی مدد کرے گی۔ انہیں فیصلہ کرنے کے لئے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے۔ یہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔

اس عہد نامہ پر فریقین کی طرف سے متعدد ذمہ دار لوگوں کے دستخط ہوئے اور طے پایا کہ حکمین دومۃ الجندل میں آکر اپنے فیصلہ کا اعلان کریں۔ عہد نامہ پر ۱۲ صفر ۳۷ھ کی تاریخ ثبت کی گئی۔

اس عہد نامہ کی تکمیل کے بعد دونوں فریق نوّے ہزار جانبازوں کو میدان صفین میں ابدی نیند سوتا چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ میدان شہداء کی یہ وہ تعداد تھی جو تاریخ اسلام کے تمام محاربات کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔

ظہورِ خوارج عہد نامۂ صلح کی تکمیل ہو گئی تو اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اُسے سنانے پر مامور ہوئے۔ قبیلۂ عنزہ کے چار ہزار آدمی حضرت علی کے ساتھ تھے۔ اشعث نے جب اس قبیلہ میں عہد نامہ سنایا تو دو بھائیوں نے کھڑے ہو کر کہا۔

"خدا کے سوا کسی اور کا فیصلہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ کیا دین الٰہی کے فیصلہ کے ہوتے ہوئے تم انسانوں کو حکم بناتے ہو؟ اگر تم ایسا کرتے ہو تو بتاؤ ہمارے مقتولین کا کیا حشر ہوگا"

قبیلہ مراد، بنی راسب اور بنی تمیم نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا۔
محرز بن جنیس حضرت علی کے پاس آیا اور کہا۔
"اس فیصلہ سے رجوع کر لیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا انجام آپ کے

حق میں اچھا نہ ہوگا۔"

حضرت علی نے فرمایا "تم لوگوں نے اصرار کر کے تو مجھے اس فیصلہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا اور جب قبول کر لیا تو اُسے رد کرنے کے لئے کہتے ہو۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔"

غرض حضرت علی صفین سے واپس ہوئے تو اُن کی جماعت میں تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ ایک گروہ تحکیم کو پسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ مسلمانوں کا بکھرا ہُوا شیرازہ اس طرح مجتمع ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ اسے ناپسند کرتا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت کے معاملہ میں انسانوں کو حکم بنانا جائز نہیں۔ اس اختلاف کا اظہار زبانوں سے گزر کر نوکِ خنجر سے بھی ہونے لگا تھا۔ چنانچہ شام سے عراق تک برابر یہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔

جب حضرت علی کوفہ پہنچے تو بارہ ہزار آدمیوں کی جماعت جو تحکیم کے خلاف تھی کھلم کھلا اُن سے علیحدہ ہو گئی۔ اس جماعت نے شیث بن ربعی کو اپنا امیر اور عبداللہ بن کوا یشکری کو امامِ نماز منتخب کیا اور مقام حروراء میں قیام کیا۔ اس جماعت نے اپنے نظریہ کی توضیح اس طرح کی :-

"حکم صرف خدائے عزّ وجل کا مانا جا سکتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے۔ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں خطاکار ہیں۔ حضرت معاویہ اس لئے کہ انہوں نے حضرت علی کو جو خلیفہ برحق تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا اور حضرت علی اس لئے کہ انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ جو واجب القتل تھے مصالحت کی گفتگو کی۔ اور قرآن کے حکمِ صریح کو چھوڑ کر ان کے معاملہ میں انسانوں کا حَکم تسلیم کیا۔ ہم پہلے ان دونوں سے جنگ کریں گے اور فتح کے بعد، مشورہ سے ایسا نظام قائم کریں گے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔"

حضرت علی نے اس فتنہ کو دبانے کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس کو بھیجا۔ حضرت ابن عباس نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے ان سے مباحثہ شروع کر دیا۔

عبداللہ بن عباس نے کہا۔

"تمہیں انسانوں کو حکم مقرر کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ خداوند تعالیٰ نے میاں بیوی کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حَکَم بنانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے :-

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا۔ (پ ۵ ع ۳)

"اور اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک بیوی کے کنبہ میں سے مقرر کرو اگر دونوں پنچ چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دیگا۔"

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لئے حکم مقرر کئے جا سکتے ہیں تو اُمت کے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حکم بنانے میں کیا حرج ہے؟

خوارج نے جواب دیا۔

"میاں بیوی کے اختلاف پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کا اختیار دے دیا ہے۔ لیکن یہاں اپنی طرف سے زانی اور سارق کی طرح حکم قطعی بیان فرمایا ہے انسانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہ اور اُن کے اصحاب نے جماعتِ مسلمین سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خدا کا ایک ہی حکم تھا یا وہ توبہ کریں اور یا انہیں قتل کیا جائے۔ تم نے اُن سے صلح کی گفتگو کر کے خدا کے اُس حکم کو ٹھکرا دیا۔ لہٰذا تم بھی کافر اور وہ بھی کافر۔"

ابھی ان کا مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علی خود پہنچ گئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ یزید

بن قیس کا اُن پر اثر ہے۔ چنانچہ آپ یزید بن قیس ہی کے خیمہ میں اُترے۔ پہلے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر یزید بن قیس کو اصفہان اور رے کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد آپ اُن کی مجلس میں تشریف لے گئے اور پوچھا تمہارا دینی پیشواء کون ہے؟ خوارج نے ابن کواء کا نام لیا۔ آپ نے ابن کواء کو بُلا کر پوچھا۔

"تم لوگوں نے میری بیعت میں داخل ہونے کے بعد اس سے خروج کیوں کیا؟"

ابن کواء نے جواب دیا۔

"اس لئے کہ آپ نے اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کا حکم مانا۔"

حضرت علی نے فرمایا۔

"ہم نے دونوں ثالثوں سے عہد لے لیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اُسے قبول کر لیں گے ورنہ رد کر دیں گے۔"

ابن کواء نے پوچھا:-

"اچھا یہ بتائیے کیا خون کے معاملہ میں آپ انسانوں کے فیصلہ کو جائز سمجھتے ہیں؟"

حضرت علی نے جواب دیا۔

"میں نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا بلکہ قرآن کے فیصلہ کو قبول کیا ہے البتہ اس فیصلہ کا اعلان یہ دونوں ثالث کریں گے۔ قرآن تو ایک کتاب ہے وہ خود نہیں بول سکتا۔"

ابن کواء نے پوچھا:-

"پھر اس کام کے لئے چھ مہینے کی طویل مہلت کی کیا ضرورت تھی؟"

حضرت علی نے فرمایا "تاکہ عالم اور جاہل سب قرآن کے حکم کو سمجھ سکیں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس دوران میں مصالحت کے لئے فضا زیادہ سازگار ہو جائے۔"

اس طرح حضرت علی سمجھا بجھا کر خوارج کو کوفہ میں واپس لے آئے اور حکمین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے۔

نتیجہ تحکیم جب چھ مہینے کی مدت گزر گئی تو حسب قرارداد حضرت ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص دومۃ الجندل میں جمع ہوئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے سردار شریح بن ہانی اور امام حضرت عبداللہ بن عباس تھے۔ اسی طرح عمرو بن عاص کے ساتھ چار سو آدمیوں کی جماعت تھی جس کے افسر شرجیل بن صمہ تھے۔ ان کے علاوہ حضرت معاویہ کی درخواست پر بعض غیر جانبدار بزرگ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر ابوالجہم بن حذیفہ۔ عبدالرحمٰن بن یغوث، سعد بن وقاص وغیرہ بھی اصلاح امت کے نیک کام میں شرکت کے لئے تشریف لے آئے۔

دونوں ثالثوں نے مسئلہ زیر بحث پر گفتگو شروع کی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پہلے امت مسلمہ کے افسوس ناک اختلاف اور اس کے مہلک اثرات کا ذکر کیا اور اس کے بعد کہا۔

"اے عمرو! بہت جوتیوں میں دال بٹ چکی۔ اب کوئی ایسی تدبیر ہونی چاہیئے کہ مسلمان آپس میں گلے مل جائیں اور آپس کی نااتفاقی دور ہو۔"

عمرو بن عاص نے کہا "مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے۔" بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے کاتب اسے لکھتا جائے۔ کیونکہ جو بات تحریر میں آجاتی ہے اس میں بھول چوک نہیں ہوتی۔"

ابو موسیٰ اشعری نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کاتب کو بلوا لیا گیا۔ کاتب کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ وہی الفاظ قلمبند کرے جس پر فریقین متفق ہو جائیں۔ حضرت ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص نے کاتب سے کہا لکھو:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس پر ابو موسیٰ، عبداللہ بن قیس اور عمرو بن عاص باہم متفق ہوئے ہیں۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور نہ کوئی اس کا شریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں خدا نے انہیں ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کی حقانیت کے سبب اسے تمام ادیان پر غالب کر دیں اگرچہ مشرکین کو یہ ناگوار ہو۔"

عمرو بن عاص:۔ ہم دونوں اقرار کرتے ہیں کہ ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے تا زندگی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور اپنے فرائض کو صحیح طور پر انجام دیا۔"

ابو موسیٰ (کاتب سے) "بجا و درست ہے لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمر بھی رسول اللہ کے خلیفہ تھے انہوں نے بھی حضرت ابو بکرؓ کے طرزِ عمل کو برقرار رکھا۔

ابو موسیٰ :۔" یہ بھی صحیح ہے لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔" یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ عمرؓ کے بعد عثمانؓ مسلمانوں کے اتفاق اور صحابہ کے مشورے اور اُن کی رضامندی سے منصب خلافت پر فائز ہوئے اور وہ سچے اور پکے مسلمان تھے۔"

ابو موسیٰ :۔ یہ مسئلہ اس وقت زیرِ بحث نہیں ہے۔

عمرو بن عاص :۔ اگر آپ اُن کو مومن تسلیم نہیں کرتے تو پھر کیا وہ کافر تھے۔"

ابو موسیٰ :۔" اچھا لکھو۔"

عمرو بن عاص :۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا انہیں ظالم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا یا مظلوم ہونے کی حیثیت سے؟"

ابو موسیٰ :۔ اُنہیں مظلوم ہونے کی حیثیت سے ہی قتل کیا گیا۔

عمرو بن عاص :۔" جسے مظلوم ہونے کی حیثیت سے قتل کیا گیا ہو خدا نے

اُس کے ولی کو قاتلوں سے طلبِ قصاص کا حق دیا ہے۔

ابوموسیٰ :۔ ہاں دیا ہے۔"

عمرو بن عاص :۔ آپ جانتے ہیں کہ معاویہ ہی عثمان کے ولی اقرب ہیں"۔

ابوموسیٰ :۔"یہ بھی درست ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ تو اس صورت میں معاویہ کو حق ہے کہ وہ قاتلینِ عثمان کا مطالبہ کریں۔ وہ جو کوئی ہوں اور جہاں کہیں ہوں اور اس کام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں"۔

ابوموسیٰ :۔"یہ بھی ٹھیک ہے"۔

عمرو بن عاص :۔ (کاتب سے) یہ سب باتیں لکھ لو"۔

ابوموسیٰ :۔"اے عمرو! یہ نزاع اُمتِ مسلمہ کے لئے بڑی مصیبت ہے۔ کوئی ایسی تجویز سوچیں کہ اس مصیبت سے چھٹکارا ہو اور ملت کی بہبودی کی صورت پیدا ہو"۔

عمرو بن عاص :۔ ایسی کیا تجویز ہو سکتی ہے؟"

ابوموسیٰ :۔ مجھے یقین ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہ کو پسند نہ کریں گے اور اہلِ شام کبھی علی سے راضی نہ ہوں گے۔ لہٰذا دونوں کو اس منصب سے علیحدہ کر کے عبداللہ بن عمر کو خلیفہ بنایا جائے"۔

عمرو بن عاص :۔ کیا عبداللہ بن عمر اس منصب کو قبول کر لیں گے"۔

ابوموسیٰ :۔ اُمید تو ہے بشرطیکہ سب مسلمان بالاتفاق ان سے درخواست کریں"۔

عمرو بن عاص :۔ سعد بن وقاص کو کیوں نہ منتخب کیا جائے"۔

ابوموسیٰ :۔ وہ موزوں نہیں۔

اس کے بعد عمرو بن عاص نے اور متعدد بزرگوں کے نام لئے۔ لیکن ابوموسیٰ انکار کرتے رہے اور عبداللہ بن عمر کے علاوہ کسی اور کے لئے رضامند

نہ ہوئے۔ یہاں آکر گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا اور جو کچھ طے پایا تھا اُس پر فریقین کے دستخط ثبت ہو گئے۔

اس فیصلے کا خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کی معزولی میں تو دونوں کا اتفاق ہو گیا لیکن یہ طے نہ ہُوا کہ یہ منصب کس کے سپرد ہو۔ لہٰذا یہ کام اُمّتِ محمدیہ کی رائے عامہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جو کچھ تجویز قلمبند ہوئی تھی وہ مجمع عام میں پڑھ کر سُنادی گئی اور فریقین اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔ [۱]

---

[۱] یہ روایت "مسعودی" کی ہے۔ دوسرے مؤرخین کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کی یہ گفتگو قلمبند نہیں ہوئی اور دونوں گفت وشنید کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور اُمّت کو اختیار دیا جائے کہ نئے سرے سے جس کو چاہے خلیفہ منتخب کرے۔" دونوں حکم اس فیصلہ کا اعلان کرنے مجمع عام میں آئے۔ پہلے حضرت ابوموسیٰ نے اعلان کیا :-

"ہم حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کو معزول کرتے ہیں اور آئندہ خلیفہ کو منتخب کرنے کا حق امت کے سپرد کرتے ہیں۔"

پھر عمرو بن عاص آئے انھوں نے کہا :-

"جہاں تک حضرت علی کی معزولی کا تعلق ہے مجھے ابوموسیٰ کی رائے سے اتفاق ہے لیکن حضرت معاویہ کو میں معزول نہیں کرتا اُن کو اُن کے منصب پر قائم رکھتا ہوں۔"

عمرو بن عاص کے اس اعلان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی اور دونوں حکموں میں سخت کلامی ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بوجوہ ذیل ناقابلِ قبول ہے :-

(۱) "ثالثی نامہ" کی کتابت اور اس پر باقاعدہ شہادتوں کا ذکر سب مؤرخین نے کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ثالثی نامہ تو قیدِ تحریر میں لایا جائے اور اصل فیصلہ زبانی ہو۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ فیصلہ حضرت معاویہ کے حق میں مفید ثابت ہُوا۔ اس کی رو سے حضرت علی اور حضرت معاویہ ایک سطح پر آگئے۔ پھر چونکہ انہیں کل اہلِ شام کی تائید حاصل تھی اور انتخابِ خلافت کا معاملہ رائے عامہ کے سپرد ہُوا تھا۔ اس لئے انہیں منصبِ خلافت کی آرزو پوری کرنے کے لئے مناسب موقعہ ہاتھ آگیا۔ حضرت علی کے حق میں یہ فیصلہ مضر ہُوا۔ مدینۃ الرسول کی بیعت جو اُن کے لئے بڑی حجت تھی اس فیصلہ کی رو سے باطل ہوگئی اور آئندہ انتخاب میں کامیاب ہونے میں مزید مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اہلِ شام تو اُن کے مخالف تھے ہی اہلِ عراق کی امداد بھی تحکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے منقسم ہوگئی۔ خوارج جو فیصلۂ تحکیم کے اعلان سے پہلے دب گئے تھے پوری قوت کے ساتھ ابھرے اور اُن کے لئے مارِ آستین بن گئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) (۲) عمرو بن عاص کو اس عیاری اور دروغ بیانی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ صرف اپنی رائے کا اظہار تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف اسے منسوب نہ کیا حالانکہ طے شدہ شرائط کی رُو سے صرف متفقہ فیصلہ ہی قابلِ قبول ہو سکتا تھا۔ نہ ایک حکم کی تنہا رائے۔

(۳) اس روایت کے سلسلہ میں اعلان کے بعد حکمین کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا۔

انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث — "تمہاری مثال کتے کی طرح ہے لادو جب بھی ہانپتا ہے اور نہ لادو جب بھی۔"

عمرو بن عاص نے جواب دیا:

مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ — "تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔"

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ کسی صحابی اور خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر صحابی کی طرف ان کی نسبت کو دل گوارا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔

عمرو بن عاصؓ اپنی جماعت کے ساتھ شام پہنچے تو انہوں نے حضرت معاویہ کو خلافت کی مبارک باد دی۔ اہلِ شام نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں "خلیفۃ المسلمین" کے لقب سے پکارنا شروع کر دیا۔

حضرت علی کو جب اس فیصلہ کا علم ہوا تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ چونکہ دونوں ثالثوں نے کتاب وسنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی شرط کو پورا نہیں کیا اس لئے یہ ناقابلِ قبول ہے۔ آپ نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور ملک شام پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔

شورشِ خوارج حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ خوارج نے پھر سر اُٹھایا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت علی سے تحکیم کو رد کرنے کے لئے کہا تھا۔ مگر وہ نہ مانے۔ اب وہ حکمین کے فیصلہ کو کتاب وسنت کے خلاف بتا رہے ہیں اور جو بات ہم نے کہی تھی اُسے تسلیم کر رہے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ قبولِ تحکیم کے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو تب تو ہم اُن کا ساتھ دیں گے ورنہ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔

ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر منتخب کیا اور کوفہ سے نکل کر جسرِ نہروان میں مجتمع ہوئے۔ یہاں ان لوگوں نے بصرہ اور انبار اور مدائن سے بھی اپنے ہم خیال لوگوں کو بلایا اور اپنی جمعیت کو خوب منظم کر لیا۔ اب خوارج نے اپنے عقیدہ کی زبردستی تبلیغ شروع کر دی۔ ذمیوں سے وہ تعرض نہ کرتے اور کہتے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیئے۔ لیکن کسی مسلمان کو جو اُن کی رائے سے اتفاق نہ کرتا نہ بخشتے اور اُسے مرتد قرار دے کر قتل کر دیتے۔

عبداللہ بن خبابؓ ایک بزرگ اپنی حاملہ بیوی کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ان لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا یہ قرآن جو آپ کی گردن میں

لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ بن خباب نے کہا بھائی میں تو مسلمان ہوں اور پھر اپنا نام بتایا۔ خوارج نے کہا۔

ہمیں کوئی حدیث سنائیے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔

عبداللہ بن خباب نے کہا: میرے باپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔

وہ ایک ایسا فتنہ نمودار ہو گا جس میں آدمی کا دل مر جائے گا جیسا کہ اس کا بدن مر جاتا ہے۔ انسان رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اٹھے گا ایسے فتنہ میں مقتول ہونا، قاتل نہ ہونا"

خوارج نے پوچھا: حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے اُن کی تعریف کی۔ خوارج نے کہا۔ آپ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی عہد کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ نے اسے بھی بہتر بتایا۔ خوارج نے پوچھا: حضرت علی کے متعلق قبولِ تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ نے کہا۔ "علی تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اُس پر عمل کرنے والے ہیں"

خوارج نے کہا: "بس تم راہِ ہدایت سے دُور اور شخصیت پرستی میں گرفتار ہو"

پھر انہوں نے عبداللہ بن خباب کو نہر کے کنارے لے جا کر ذبح کر دیا۔ اور اُن کی حاملہ بیوی کا بھی پیٹ چاک کر کے شہید کر دیا۔

ان کی باطنی شقاوت کی تو یہ حالت تھی اب ظاہری ثقاہت بھی ملاحظہ ہو۔

ایک نصرانی سے انہوں نے کھجوروں کا معاملہ کرنا چاہا۔ نصرانی نے کہا۔ آپ لے لیجئے میں آپ سے قیمت نہ لوں گا۔ خارجی نے کہا ہم بغیر قیمت ادا کئے تمہاری کھجوروں کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ ایک خارجی نے ایک کھجور منہ میں رکھ لی تو سب چیخ اٹھے اور اُسے منہ میں سے نکلوا کر چھوڑا۔

اُن میں سے ایک شخص کے سامنے سے ایک سور گزرا۔ اُس شخص نے اُسے مار ڈالا۔ اس پر دوسرے خارجی اُسے لعنت ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ تُو خدا کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ وضع قطع یہ تھی کہ نیچے نیچے کُرتے پہنے ہُوئے تھے اور لمبی لمبی نمازوں کی وجہ سے ہاتھوں پر گھٹے پڑ گئے تھے اور گھٹنے اور کُہنیاں جھانویں کی طرح کُھردری ہو گئی تھیں [1]

جنگِ نہروان

حضرت علی ملک شام پر حملہ کرنے میں تاخیر پسند نہیں کرتے تھے، مگر جب خوارج کے ان مظالم کی خبریں پہنچیں تو ان کے ساتھیوں نے کہا یا امیر المومنین پہلے اس فتنہ کا سر کچل دیجئے ایسا نہ ہو کہ ہم ملک شام پر حملہ آور ہوں اور یہ ہمارے اہل وعیال کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ حضرت علی نے اس رائے سے اتفاق کیا اور اپنی جمعیت کو لے کر نہروان کی طرف کُوچ کیا۔

نہروان پہنچ کر حضرت علی نے خوارج سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر قیام کیا۔ آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابوایوب انصاری کو اُن کے پاس بھیجا تاکہ سمجھا بجھا کر اُنہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ مگر ان بزرگوں کی کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور خوارج اپنی رائے پر اڑے رہے۔

اب حضرت علی نے پیغام بھیجا :-

"تمہاری جماعت میں سے جن لوگوں نے خباب اور دوسرے مُسلمانوں کو شہید کیا ہے انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم صرف ان قاتلین کو اپنے بھائیوں کے قصاص میں قتل کر دیں گے اور فی الحال تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ کر شام کی مہم پر چلے جائیں گے۔ ممکن ہے ہماری واپسی تک خدا تمہارے دِلوں کو پھیر دے اور تم دوبارہ ہدایت قبول کر لو۔"

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۸۷ و اتمام الوفاء صفحہ ۲۳۹۔

مگر خوارج نے جواب دیا۔

"ہم سب نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور ہم سب تمہارے اور تمہارے ہم عقیدہ لوگوں کے خون کو مباح سمجھتے ہیں۔"

اب حضرت علی کے لئے سوائے لڑائی کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ آپ نے اپنی فوج کو اصولِ جنگ کے مطابق ترتیب دیا۔ مگر چونکہ آپ حتی الامکان خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لئے حضرت ابوایوب انصاری کو سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ لے گا یا میدانِ جنگ کو چھوڑ کر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا ہم اُس سے تعرض نہ کریں گے۔ یہ اعلان سُنکر خوارج کی جماعت میں سے فروہ بن نوفل پانسو آدمیوں کے ساتھ نکل آیا اور بندنجین کی راہ لی۔ کچھ لوگ کوفہ کی طرف نکل گئے اور کچھ حضرت علی کے لشکر میں آکر شامل ہو گئے۔ اب خوارج کے لشکر میں دو ہزار آٹھ سو آدمی رہ گئے۔

آخر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا خارجیوں کی مختصر جماعت بڑی بے جگری کے ساتھ لڑی۔ تمام بڑے بڑے سردار اور اکثر سپاہی شمشیر حیدری کا شکار ہوئے۔ جو باقی بچے وہ زخمی ہو کر گرفتار ہُوئے۔

ان لوگوں کی بہادری کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک خارجی سردار شریح بن ابی اوفیٰ کی ایک ٹانگ کٹ گئی تو وہ صرف ایک ٹانگ پر کھڑا ہو کر تلوار چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "نر اونٹ کھونٹے سے بندھا ہُوا بھی اپنی مادہ کی حفاظت کرتا ہے۔"

آخر کار قیس بن سعد نے اُس کا کام تمام کیا۔

لڑائی کے خاتمہ کے بعد حضرت علی نے زخمیوں کو جن کی تعداد چار سو تھی علاج کے لئے اُن کے اعزّہ کے سپرد کر دیا اور مقتولین کے گھوڑے اور ہتھیار اپنی فوج میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے علاوہ اُن کا دوسرا سامان اُن کے وارثوں کے حوالہ کر دیا۔

فتنۂ خریت

نہروان کی اس شکست کے بعد اگرچہ خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا تاہم وہ جا بجا فتنہ وفساد میں مصروف رہے اور حضرت علی کو اطمینان کا سانس نہ لینے دیا۔ خریت ابن راشد ناجی نے بنی ناجیہ کے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ" کی دعوت دینی شروع کی اور ملک کے مختلف حصوں میں قتل وغارت گری شروع کر دی۔

حضرت علی نے زیاد بن حفصہ کو اُس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقام مذار پر زیاد کا خریت سے مقابلہ ہُوا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی۔ رات کی تاریکی میں خریت اپنے بقیۃ السیف ہمراہیوں کو لے کر بھاگ نکلا۔ زیاد بصرہ لوٹ آیا اور حضرت علی کو حالات کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے معقل بن قیس کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ خریت کے تعاقب میں بھیجا۔ معقل نے خریت کو رامہرمز کی پہاڑیوں میں جا پکڑا۔ خریت قتل ہُوا اور اُس کے ساتھی کچھ قتل ہُوئے کچھ منتشر ہو گئے۔

خریت کے علاوہ دوسرے خارجی سرداروں نے بھی جا بجا فتنہ پردازی جاری رکھی اور حضرت علی کسی وقت بھی ان کی طرف سے مطمئن نہ ہو سکے۔

کوفیوں کا حملۂ شام سے گریز

معرکۂ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی نے اپنے لشکر کو شام کی طرف کُوچ کرنے کا حکم دیا۔ سردارانِ لشکر نے کہا۔ یا امیرالمومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں۔ ہماری تلواریں مُڑ گئی ہیں اور ہمارے نیزے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہمیں کوفہ جانے کی اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنا سامان درست کر سکیں۔ اور تازہ دم ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکیں۔ حضرت علی ان لوگوں کو لے کر واپس تشریف لے آئے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ اہلِ لشکر نخیلہ ہی میں لڑائی کی تیاریاں مکمل کر لیں اور شہر (کوفہ) میں نہ جائیں۔ مگر آپ کے حکم کو آپ کے ساتھیوں نے نہ مانا اور وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ یہاں تک

کہ بہت تھوڑی تعداد آپ کے ساتھ رہ گئی۔

حضرت علی نے یہ کیفیت دیکھی تو مجبور ہو کر آپ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ چند روز کے بعد آپ نے رؤسائے کوفہ کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ اب شام پر حملہ کے متعلق کیا ارادہ ہے؟ ان لوگوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بہانے تراشنے شروع کئے۔ حضرت علی نے اپنے پُرجوش خطبوں سے اُن کے دلوں کو گرمانے کی کوشش کی۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ مجبور ہو کر آپ نے شام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

واقعات مصر بیعتِ خلافت کے بعد آپ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کا والی مقرر کیا تھا۔ قیس بن سعد بن عبادہ ایک بااثر و مدبر شخصیت تھے۔ آپ نے حکمتِ عملی سے کام لے کر بہت جلد اکثر اہلِ مصر کو حضرت علی کی بیعت پر آمادہ کر لیا۔ صرف قصبۂ "خربتا" کے لوگوں نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کی سرکردگی میں توقف کیا۔ قیس بن سعد نے مصلحتِ وقت دیکھ کر ان لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ مَیں تم لوگوں سے تعرض نہ کروں گا بشرطیکہ تم امن و امان میں خلل انداز نہ ہو۔ اہلِ خربتا نے اس شرط کو قبول کیا۔

حضرت معاویہ، قیس بن سعد کی لیاقت و صلاحیت سے واقف تھے جب حضرت علی جنگِ جمل سے فارغ ہوئے اور صفین کی تیاریاں شروع کیں تو انہیں مصر کی طرف سے بہت فکر ہوئی۔ انہیں اندیشہ ہُوا کہ ایسا نہ ہو کہ عراق کی طرف سے حضرت علی حملہ کریں اور مصر کی طرف سے قیس حملہ کر دیں۔ اور وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جائیں۔ اس خطرہ کے انسداد کے لئے انہوں نے قیس بن سعد کو خطوط لکھ کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی مگر حضرت معاویہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی دوران میں حضرت علی نے قیس بن سعد کو لکھا کہ اہلِ خربتا سے بیعت

لی جائے ورنہ اُن سے جنگ کی جائے۔ قیس سمجھتے تھے کہ اس وقت اس بھِڑوں کے چھتہ کو چھیڑنا مناسب نہیں۔ انہوں نے حضرت علی کو جواب دیا۔

"اہلِ خربتا اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ آپ کے مخالف نہیں ہیں۔ اس وقت مناسب یہی ہے کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

حضرت علی کے پاس قیس کا یہ خط پہنچا تو اُن کے بعض مشیروں نے ان سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قیس معاویہ سے ساز باز رکھتے ہیں تب ہی تو وہ آپ کے مخالفین سے جنگ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔" حضرت معاویہ کو خبر پہنچی کہ قیس بن سعد کے متعلق دربارِ خلافت میں یہ شُبہ کیا جارہا ہے تو اُنھوں نے فوراً اُس سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے مشہور کرنا شروع کردیا کہ قیس ہمارے آدمی ہیں۔ اہلِ خربتا کے ساتھ اُن کا حسنِ سلوک ہمارے لئے قابلِ قدر ہے۔"

حضرت علی کے جاسوسوں نے یہ خبر اُن تک پہنچائی۔ حضرت علی نے قیس کو معزول کرکے اُن کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ جنگِ صفین سے پہلے کا ہے۔

محمد بن ابی بکر ایک نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھے۔ انہوں نے مصر پہنچ کر اہلِ خربتا سے جنگ شروع کر دی۔ جنگِ صفین کے زمانہ میں محمد بن ابی بکر اہلِ خربتا ہی سے اُلجھے رہے اور وہ حضرت علی کی کچھ مدد نہ کر سکے۔ جنگِ صفین سے فارغ ہو کر جب حضرت علی کوفہ واپس آئے تو انہوں نے محمد بن ابی بکر کے ہاتھ سے مصر کا انتظام واپس لینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ مالک بن اشتر نخعی کو جو اُن کے لشکر کے ایک پُرجوش اور بہادر افسر تھے مصر کی ولایت کا پروانہ لے کر روانہ کیا۔ اشتر نخعی ابھی مصر کے راستہ ہی میں تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ کے اشارے سے اشتر کو زہر

دے دیا گیا۔

ابن کثیر نے حضرت معاویہ کے اس اقدام کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ اشتر کو قاتلینِ عثمان کے زمرہ میں شریک ہونے کے سبب مباح الدم سمجھتے تھے۔ حضرت علی کو اشتر کے انتقال کا بہت افسوس ہوا۔ اب انہوں نے محمد بن ابی بکر ہی کو بدستور مصر کی ولایت پر برقرار رکھا اور انہیں لکھا :-

"میں نے تمہیں کسی ناراضگی کی بنا پر معزول نہیں کیا تھا بلکہ مصر کے حالات کی اصلاح مقصود تھی جس کے لئے اشتر اپنے تجربہ اور قابلیت کے لحاظ سے زیادہ موزوں تھے۔ اب جبکہ وہ دارِ آخرت کا سفر کر چکے ہیں تم اپنے فرائض کوشش اور تدبر کے ساتھ انجام دیتے رہو"

محمد بن ابی بکر کو مصر سے اپنی معزولی ناگوار گزری تھی لیکن اشتر کی اتفاقیہ موت اور حضرت علی کی اس تسلی و تشفی سے اُن کا اطمینان ہو گیا اور انہوں نے لکھ بھیجا کہ :-

"میں امیر المومنین کا تابع فرمان ہوں۔ ان کے دشمنوں کا مخالف اور دوستوں کا حامی مجھ سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا ۔"

یہ واقعہ حکمین کے فیصلہ سنانے سے پہلے کا ہے ۔

فیصلہ حکمین کے بعد جب حضرت معاویہ نے باقاعدہ اعلانِ حکومت کیا تو انہوں نے مصر پر قبضہ جمانے کی فکر کی۔ حضرت معاویہ نے اس مقصد کے حصول کے لئے پہلے "اہلِ خربتا" سے خط و کتابت کر کے اُن کی ہمت افزائی کی اور انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہاری مدد کے لئے جلد لشکرِ گراں بھیجنے والا ہوں ۔

اہلِ خربتا نے حضرت معاویہ کی اس پیش کش کو دلی مسرت کے ساتھ قبول کیا۔ اب حضرت معاویہ نے چھ ہزار کی جمعیت عمرو بن عاص فاتح مصر کی زیر سرکردگی مصر کی طرف روانہ کی۔ آپ نے عمرو بن عاص کو ہدایت کی کہ وہ حتی الامکان نرمی اور محبت سے کام لیں۔ پہلے مخالفین کو صلح و اتحاد کی دعوت دیں۔ اگر وہ

انکار کریں تو پھر اُنہی لوگوں سے جنگ کریں جو مقابلہ کے لئے میدان میں آئیں۔ دوسروں سے تعرض نہ کریں۔ اسی کے ساتھ حضرت معاویہ نے ایک خط محمد بن ابی بکر کے نام بھی بھیجا اور انہیں یقین دلایا کہ اگر وہ مقابلہ نہ کریں گے تو انہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت معاویہ کو سخت جواب دیا۔ پھر اُنہوں نے حضرت علی کو کل واقعات کی اطلاع دی اور اُن سے فوجی و مالی امداد کی درخواست کی۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ وہ صبر و شجاعت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں اور جلد امداد بھیجنے کا وعدہ کیا۔

عمرو بن عاص اپنی جمعیت کے ساتھ مصر میں داخل ہُوئے تو حسبِ قرارداد خربتا کے دس ہزار جنگ جُو عثمانی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح ان کی جمعیت سولہ ہزار ہو گئی۔

محمد بن ابی بکر نے دو ہزار کی ایک جمعیت کنانہ بن بشر کی زیرِ سرکردگی اہلِ شام کے مقابلہ کے لئے روانہ کی اور خود مزید جمعیت کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ کنانہ بن بشر نے بڑی بہادری اور جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ پہلے اہلِ شام کو شکست ہوئی لیکن اہل خربتا کی امداد نے اس شکست کو جلد فتح میں بدل دیا۔ کنانہ بن بشر میدانِ جنگ میں کام آئے ان کے ساتھی کچھ شہید ہُوئے اور کچھ نے راہِ فرار اختیار کی۔

محمد بن ابی بکر دو ہزار کی دوسری جمعیت کے ساتھ عمرو بن عاص کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے کہ انہیں کنانہ بن بشر کے قتل اور ہزیمت کی خبر پہنچی۔ اس خبر سے ان کے ساتھیوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہوئی کہ سب انہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہُوئے۔ محمد بن ابی بکر اب مایوس ہو گئے اور جان بچانے کے لئے ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ معاویہ بن حدیج ان کی تلاش میں نکلا۔ اور چند قبطیوں کی اطلاع پر انہیں زندہ گرفتار کر لیا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے جو لشکرِ شام میں شریک تھے عمرو بن عاص سے کہا کہ میرے بھائی محمد کو قتل نہ

کیا جائے ۔ عمرو بن عاص نے معاویہ بن حدیج کے پاس پیغام بھیجا کہ محمد بن ابی بکر کو میرے پاس بھیج دو اور انہیں قتل نہ کرو ۔ مگر معاویہ نے کہلا بھیجا کہ محمد قاتلینِ عثمان میں شامل ہیں ۔ میں انہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا ۔ چنانچہ معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو بڑی بے رحمی سے شہید کر دیا ۔

حضرت عائشہ صدیقہ کو اپنے بھائی محمد کی شہادت کی خبر پہنچی تو وہ بہت آزردہ ہوئیں ۔ انہوں نے عمرو بن عاص اور حضرت معاویہ کے حق میں بد دعا کی اور اپنے بھائی کے بچوں کو اپنی تحویل میں لے لیا[1]

اسی طرح ۳۸ھ میں مصر کا سرسبز شاداب ملک حضرت معاویہ کی حکومت میں شامل ہو گیا اور حضرت علی خوارج کی شورش اور اپنے رفقاء کی سردمہری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکے ۔ بڑی مشکل سے دو ہزار کی ایک جمعیت انہوں نے مالک بن کعب کی سرداری میں مصر کی طرف روانہ کی مگر ابھی مالک راستہ ہی میں تھے کہ انہیں محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر مل گئی اور وہ حضرت علی کی حسب ہدایت واپس چلے آئے ۔

شورشِ بصرہ

مصر کی فتح کے بعد امیر معاویہ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے بھیجا ۔

بصرہ میں جنگِ جمل کے زمانہ سے ایک جماعت حضرت علی کے مخالفین کی موجود تھی جن کی گردنیں تو ذوالفقارِ حیدری کے سامنے خم ہو چکی تھیں مگر دل حضرت معاویہ کے ساتھ تھے ۔ حضرت ابن عباس والئ بصرہ حضرت علی کی خدمت میں کوفہ گئے تھے اور زیاد بن ابی سفیان اُن کا قائم مقام تھا ۔ ابن حضرمی کے لئے یہ موقعہ سازگار تھا ۔ چنانچہ بصرہ پہنچ کر اُس نے بہت جلد قبیلہ بنو تمیم اور دوسرے حامیانِ معاویہ کو خونِ عثمان کے مطالبہ کے لئے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ صفحہ ۳۱۴

کھڑا کر دیا۔ زیاد اس شورش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس نے جان بچانے کے لئے ازد سے پناہ طلب کی اور حضرت علی کو اس نئی مصیبت کی اطلاع دی۔ حضرت علی نے اعین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کے فتنہ کو دبانے کے لئے بھیجا مگر ابن ضبیعہ کو دھوکہ سے قتل کر دیا گیا۔ اب حضرت علی نے جاریہ بن قدامہ تمیمی کو پچاس دوسرے آدمیوں کے ساتھ بصرہ بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم بنی تمیم کو سمجھا بجھا کر ابن حضرمی کے فتنہ سے بچائیں۔

جاریہ ابن قدامہ اس مہم میں کامیاب ہوئے۔ بنی تمیم نے ابن حضرمی کا ساتھ چھوڑ دیا اور ابن حضرمی نے اپنے ستر رفقاء کے ساتھ ایک مکان میں پناہ لی۔ جاریہ نے ابن حضرمی کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اول ان لوگوں کو ترغیب و ترہیب سے فتنہ انگیزی سے باز آنے کے لئے کہا لیکن جب باز نہ آئے تو مکان میں آگ لگا کر انہیں جلا ڈالا[1]

ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس سنگدلانہ سلوک سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوا۔ اب تک تو بصرہ ہی فتنہ و فساد کا مرکز تھا اب یہ آگ فارس اور کرمان تک پھیل گئی۔ ان لوگوں نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور اپنے عامل سہل بن حنیف کو نکال دیا۔ حضرت علی نے حضرت ابن عباس کے مشورہ سے زیاد بن ابی سفیان کو فارس اور کرمان کا والی بنا کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ زیاد نے آبِ خنجر سے آتشِ بغاوت کو سرد کیا اور دوبارہ امن و امان قائم کیا۔

امیر معاویہ کے جارحانہ حملے

حضرت معاویہ نے اس شورش عام سے فائدہ اٹھایا۔ ۳۹ھ کے آغاز میں جبکہ مقبوضاتِ خلافت میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے اور شیعانِ علیؓ

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۱۶

کے جوش و ولولے ٹھنڈے پڑ چکے تھے۔ حضرت معاویہ نے مختلف اطراف میں جارحانہ حملے شروع کر دیئے۔

نعمان بن بشیر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر کی طرف روانہ کیا۔ یہاں نعمان کا مقابلہ مالک بن کعب سے ہوا۔ مالک کے ساتھیوں پر شامیوں کا ایسا رُعب چھایا کہ سو آدمیوں کے سوا سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ مالک نے حضرت علی سے مدد طلب کی۔ حضرت علی نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک پر جوش خطبہ دیا مگر اہلِ کوفہ پر کچھ اثر نہ ہوا اور دربارِ خلافت سے مالک کو کچھ مدد نہ پہنچ سکی۔ تاہم مالک نے اپنے مختصر رفقاء کے ساتھ نعمان کا اُس وقت تک بہادرانہ مقابلہ کیا جب تک کہ مخنف بن سلیم اُن کی مدد کو نہ پہنچ گئے اور آخر کار نعمان کو شام واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

سفیان بن عوف کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ہیت کی طرف روانہ کیا۔ سفیان ہیت پہنچا تو یہاں میدان خالی پایا۔ سفیان نے انبار کا رُخ کیا۔ یہاں پانچ سو آدمی مقابلہ کے لئے موجود تھے تاہم بجز سو آدمیوں کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان سَو نے اُس وقت تک میدان نہ چھوڑا جب تک کہ اُن کا امیر اشرس قتل نہ کیا گیا۔ سفیان یہاں سے مال و اسباب اور خزانہ لُوٹ کر شام واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو ایک ہزار سات سو کی جمعیت کے ساتھ تیماء کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ نے اہلِ تیماء سے بجبر محاصل وصول کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت علی نے مسیب بن نجبہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ دونوں لشکروں میں سخت جنگ ہوئی آخر کار مسیب نے عبداللہ کو ایک قلعہ میں محصور کر کے اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ شام واپس چلا جائے۔

ضحاک بن قیس کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ اطراف بصرہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علی نے حجر بن عدی کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ

اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ دونوں لشکروں میں سارا دن لڑائی ہوتی رہی۔ رات ہوتے ضحاک نے شام کی راہ لی۔

امیر معاویہ کے ان حملوں سے اُن کی حدودِ مملکت میں تو اضافہ نہ ہوا تاہم یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ نظامِ خلافت اسلامیہ کی جڑیں ہل گئیں حضرت علی کے مقبوضات میں عام ابتری اور بدامنی پھیل گئی اور مرکزِ خلافت کا رُعب دلوں سے جاتا رہا۔

زمانۂ حج میں حضرت علی نے قثم بن عباس کو اپنی طرف سے امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ ادھر حضرت معاویہ نے یدید بن شجرہ رہاوی کو اپنی جانب سے امیر الحج نامزد کر کے روانہ کیا۔ دونوں میں کشمکش ہوئی اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ امارات حج کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح اقتدارِ خلافت کا یہ مظہر بھی حضرت علی کے ہاتھ سے نکل گیا۔

امیر معاویہ کا حجاز و یمن پر قبضہ

سنہ ۴۰ھ کے آغاز میں امیر معاویہ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا۔ بسر مدینہ پہنچا اور بلا مقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔ عامل مدینہ ابو ایوب مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر حضرت علی کے پاس کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اہلِ مدینہ سے جبراً بیعت لی اور جس نے چون وچرا کی اُن کے مکانات منہدم کر دیئے۔ بسر نے مسجد نبوی کے منبر پر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر کہا۔

"میرا شیخ (عثمان غنیؓ) آج کہاں ہے؟ کل وہ مدینہ ہی میں موجود تھا آج کہاں ہے؟ اے اہلِ مدینہ قسم ہے خدا کی اگر معاویہ مجھ سے عہد نہ لے چکے ہوتے تو مدینہ میں کسی بالغ کو زندہ نہ چھوڑتا۔"

مدینہ کے بعد بسر مکہ معظمہ پہنچا وہاں بھی بلا مقابلہ قبضہ کیا اور حضرت معاویہ کے لئے بیعت لی۔ مکہ سے بسر نے یمن کا قصد کیا۔ حضرت علی کی طرف سے یمن کے والی عبید اللہ بن عباسؓ تھے وہ صنعاء کو چھوڑ کر کوفہ چلے گئے۔ بسر نے اُن

کے دو کمسن بچوں کو قتل کر دیا۔ بسر نے یہاں اور بھی بہت سے حامیانِ علی کو قتل کیا۔ حضرت علی کو بسر کے ان مظالم کی اطلاع پہنچی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ جاریہ نجران پہنچے تو وہاں انہوں نے مددگارانِ عثمان کو تہ تیغ کیا اور اُن کے گھروں کو آگ لگا دی۔ بسر کو جاریہ کے آنے کی خبر پہنچی تو اُس نے شام کا راستہ لیا۔ جاریہ مکہ پہنچے اور وہاں حضرت علی کی بیعت کے لئے دعوت دی۔ اسی دوران میں امیرالمؤمنین حضرت علی کی شہادت واقع ہو گئی اور جاریہ کی مہم ناکام رہ گئی۔

ابن جریر کی روایت کے مطابق اس سال کے آخر میں حضرت معاویہ نے حضرت علی کو لکھا کہ امت میں بہت خونریزی ہو چکی اب کب تک مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہے گا۔ بہتر یہ ہے کہ فریقین اپنے اپنے مقبوضات پر اکتفا کریں اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہ ہو۔ حضرت علی نے حضرت معاویہ کی اس رائے سے اتفاق کیا اور دونوں بزرگوں میں صلح ہو گئی [۱]

شہادت حضرت علی رضی اللہ عنہ

واقعہ نہروان کے بعد تین خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم حمیری، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکر تمیمی، مکہ معظمہ میں ملے۔ یہ تینوں عالم اسلام کی خانہ جنگی اور بدنظمی کا ذکر کر کے دیر تک افسوس کرتے رہے۔ پھر انہوں نے مقتولینِ نہروان کی یاد میں آنسو بہائے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کی موت کے بعد زندگی میں ہمارے لئے کچھ لطف نہیں رہا۔ بہتر یہ ہے کہ ہم علی، معاویہ اور عمرو بن عاص کو ٹھکانے لگا دیں تاکہ ایک طرف عالمِ اسلام اس خون خرابہ سے نجات پائے اور دوسری طرف ہم اپنے بھائیوں کا انتقام لے لیں۔ آخر طے یہ پایا کہ عبدالرحمٰن حضرت علی کو، برک حضرت معاویہ کو اور عمرو، عمرو بن عاص کو شہید کرے۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۲۔

کی تاریخ اس کام کو انجام دینے کے لئے تجویز ہوئی ۔

حسب قرار داد ابن ملجم کوفہ آیا اور یہاں خاندان بنی رباب سے جو خارجی عقیدہ رکھتا تھا تعلقات پیدا کئے۔ اس خاندان میں ایک حسین و جمیل عورت تھی جس کا نام قطام تھا۔ ابن ملجم اس کا گرویدہ ہو گیا اور اُسے شادی کا پیغام دیا۔ قطام نے کہا مجھے تمہارا پیغام منظور ہے، مگر مہر وہ ہو گا جو میں تجویز کروں ۔ ابن ملجم نے کہا تم کیا مہر تجویز کرتی ہو ؟ قطام نے جواب دیا۔ تین ہزار درم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی کا سر۔ ابن ملجم نے کہا۔ مجھے بسروچشم منظور ہے۔ علی کے سر کے لئے تو میں کوفہ ہی آیا ہوں ۔ غرض ابن ملجم اور قطام کی شادی ہو گئی اور دونوں مل کر اس مقصد کی تکمیل کی تدبیریں کرنے لگے۔ ابن ملجم اور قطام ہی کی کوششوں سے شبیب بن بجدہ حروری اور وردان دو اور خارجی بھی اس سازش میں شریک ہو گئے۔

۱۷ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو تینوں جامع کوفہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ فجر کے وقت حضرت علی مسجد میں داخل ہوئے اور حسب معمول سونے والوں کو نماز کے لئے جگانا شروع کیا۔ شبیب کمین گاہ سے نکلا اور حضرت علی پر تلوار کا وار کیا۔ آپ محراب میں گر پڑے۔ اب ابن ملجم آگے بڑھا اور حضرت امیر کے سر مبارک پر دوسرا وار کیا۔ حضرت کی ڈاڑھی خون میں تر بتر ہو گئی۔ آپ نے پکار کر کہا میرے قاتل کو پکڑو۔ وردان اور شبیب دونوں بھاگ نکلے۔ لیکن ابن ملجم پکڑا گیا۔

حضرت علی کو آپ کے مکان پر لایا گیا اور ابن ملجم کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا :۔

"اگر میں مر گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر زندہ رہا تو خود جو سزا مناسب سمجھوں گا دیدوں گا۔"

جب امید حیات منقطع ہو گئی تو آپ نے اپنے صاحبزادوں کو بلایا اور انہیں

تقویٰ، حسنِ عمل اور خدمتِ دین کی وصیت فرمائی۔ کسی نے پوچھا "یا حضرت آپ کے بعد ہم حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں؟" آپ نے جواب دیا "نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ اس سے منع کرتا ہوں جیسا مناسب سمجھو کرنا"

آخر کار اسی دن رات کو آسمانِ رسالت کا یہ ستارہ درخشندہ غروب ہو گیا۔ رحلت کے وقت یہ آیہ کریمہ وردِ زبان تھی ۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝	"جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا اس کی جزا پائے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کریگا اس کی سزا پائے گا"

آپ کی عمر ۶۳ سال ہوئی اور تقریباً چار سال نو مہینے مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت امام حسنؓ نے پڑھائی اور ابن کثیر کی مرجح روایت کے مطابق دار الخلافہ کوفہ کے اندرونی حصے میں دفن کیا گیا[1]۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر کے وصال کے بعد حضرت حسن نے ابن ملجم کو بلایا۔ ابن ملجم نے کہا کہ میں علی کی طرح معاویہ کے قتل کا بھی عہد کر چکا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس فرض کو بھی ادا کر لوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ رہا تو ضرور حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ حضرت حسن نے ابن ملجم کی اس درخواست کو رد کر دیا اور عبداللہ بن جعفر کو قتل کا حکم دیا۔

ابن ملجم کو اپنے عقیدۂ باطل پر اس قدر یقین تھا کہ وہ قتل کے وقت سورۂ

---

[1] بعض شیعہ صاحبان کا خیال ہے کہ حضرت علی کی قبر نجف میں ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس خیال کو بے اصل قرار دیا ہے۔ پھر خطیب بغدادی کی روایت نقل کی ہے کہ نجف میں جو قبر حضرت علی کی طرف منسوب ہے وہ دراصل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علی کے مدفن کے مطابق اور بھی متعدد روایات نقل کی ہیں۔

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰) ۱۲ (مؤلف)

سورۂ اقراء کی تلاوت کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں اس وقت اپنی زبان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کرنا چاہتا۔

ابن ملجم کا دوسرا ساتھی برک بن عبداللہ دمشق پہنچا اور اس نے بھی اُسی دن، اُسی وقت، حضرت معاویہ پر جب کہ وہ نماز فجر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے حملہ کیا۔ حضرت معاویہ کے معمولی زخم آیا جو جلد اچھا ہو گیا۔ برک گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ نے اپنے لئے مسجد میں مقصورہ بنوا لیا اور ایک محافظ دستہ مقرر کیا جو نماز کے وقت اُن کی حفاظت کرتا تھا۔

ابن ملجم کا تیسرا ساتھی عمرو بن بکر مصر پہنچا اور اس نے بھی وقت معینہ پر اپنا عہد پورا کرنے کی کوشش کی حسنِ اتفاق سے اس روز عمرو بن عاص بیماری کی وجہ سے مسجد نہ آسکے اور ان کی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ نے امامت کی۔ عمرو بن بکر نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ عمرو بن بکر بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

خاندانِ علی مرتضیٰؓ

حضرت علی مرتضیٰؓ نے سب سے پہلے جگر گوشۂ رسول خاتونِ جنت، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ خاتونِ جنت کے بطن سے تین صاحبزادے حسن حسین، محسن اور دو صاحبزادیاں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔

خاتونِ جنت کے جنت کو سدھارنے کے بعد آپ نے متعدد شادیاں کیں اور اُن سے بکثرت اولاد پیدا ہوئی۔ تفصیل یہ ہے :-

۱۔ ام البنین بنت حزام۔ ان کے بطن سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے۔

۲۔ لیلیٰ بنت مسعود تمیمی :- ان سے عبیداللہ اور ابوبکر پیدا ہوئے۔

۳۔ اسماء بنت عمیس :- ان کے بطن سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

۴۔ صہباء بنت ربیعہ :- یہ ام ولد تھیں ان سے ایک صاحبزادہ عمر اور ایک

صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں۔

۵۔ امامہ بنت ابی العاص۔ یہ حضرت زینب بنت رسول اللہ کی صاحبزادی تھیں ان کے بطن سے محمد اوسط پیدا ہوئے۔

۶۔ خولہ بنت جعفر حنفیہ :۔ ان کے بطن سے محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے۔

۷۔ ام سعید بنت عروہ :۔ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

۸۔ محیاۃ بنت امرء القیس :۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو بچپن ہی میں فوت ہوگئیں۔

ان کے علاوہ کاشانۂ امارت میں متعدد لونڈیاں بھی تھیں جن کے بطن سے حسبِ ذیل صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

ابن جریر طبری کی روایت کے مطابق آپ کے چودہ صاحبزادے اور سترہ صاحبزادیاں تھیں اور واقدی کے قول کے مطابق آپؓ کے پانچ صاحبزادوں سے سلسلۂ نسل جاری رہا۔ اُن کے نام یہ ہیں :۔

حسنؓ۔ حسینؓ۔ محمدؒ بن حنفیہ۔ عباسؓ۔ عمرؓ (رضی اللہ عنہم)

عہدِ امام حسن رضی اللہ عنہ

انتخاب اور عزمِ مقابلہ حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد اہلِ کوفہ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔

حضرت معاویہ کو جب حضرت علی کی شہادت اور امام حسنؓ کی بیعت کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے اپنے لئے دوبارہ بیعت لی اور ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ کا رُخ کیا۔ امام حسن کو حضرت معاویہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو انھوں نے بھی چالیس ہزار کی لشکر کے ساتھ حضرت معاویہ کو روکنے کے لئے مدائن کی طرف کوچ کیا۔

امام حسن ساباط پہنچے تو آپ نے آرام کرنے کے لئے وہاں لشکر کو قیام کا حکم دیا۔ یہاں آپ نے اپنے لشکر کی حالت کا اندازہ لگایا تو آپ نے اس کی عجیب کیفیت پائی۔ وہ اپنی طبعی فتنہ جوئی کے سبب مصالحت کو پسند نہ کرتے تھے مگر اپنی پست ہمتی کی وجہ سے جنگ کے لئے بھی مستعد نہ تھے۔ پھر ان میں اختلاف رائے بھی موجود تھا۔ آپ نے یہ کیفیت دیکھکر انہیں جمع کیا اور حسبِ ذیل تقریر فرمائی:-

"لوگو! خدا کے فضل سے میرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ نہیں ہے۔ مجھے تمہاری بہتری بھی اپنی بہتری کی طرح عزیز ہے اس لئے میری مخلصانہ رائے یہ ہے کہ اتفاق بہرحال اختلاف سے

بہتر ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر لڑائی سے بیزار ہیں، لہذا میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اس کام پر مجبور کروں جسے تم دل سے پسند نہیں کرتے "

امام حسنؓ کی تقریر ختم ہوتے ہی مجمع میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ایک جماعت نے کہا حسن بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔ اسی شور و شغب میں ایک گروہ نے امام حسن پر حملہ کر دیا۔ آپ کے خیمہ کا سامان لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلے اور آپ کے کاندھے سے چادر تک کھینچ لی۔ امام حسنؓ کو اس بدتمیزی پر سخت غصہ آیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہوئے اور پکار کر کہا۔
" ربیعہ اور ہمدان کے قبیلے کہاں ہیں ؟"

امام حسنؓ کی پکار سنتے ہی یہ دونوں قبیلے دوڑ پڑے اور حملہ آوروں کو مار بھگایا[1]

اس واقعہ سے حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اہلِ کوفہ اپنی سرشت سے مجبور ہیں اور خلافت جیسی اہم ذمہ داری کا بار ان کی امداد کے بھروسہ پر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ساباط سے امام حسنؓ مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جراح بن قبیصہ خارجی نے آپ کے نیزہ مارا۔ آپ کو مدائن میں لایا گیا۔ یہاں آپ قصرِ ابیض میں فروکش ہوئے اور کچھ روز علاج کے بعد تندرست ہو گئے۔

امام حسنؓ نے قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بطور مقدمۃ الجیش کے آگے بھیج دیا تھا۔ قیس بن سعد انبار پہنچ کر ٹھہر گئے تھے حضرت معاویہ انبار پہنچے انہوں نے قیس کے لشکر کا محاصرہ کر لیا اور عبداللہ بن عامر کو پیغامِ صلح دے کر امام حسنؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔

---

[1] الاخبار الطوال ص ۲۱۸

صُلح امام حسنؓ کو عبداللہ بن عامر کی مدائن کی طرف پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ اپنے لشکر کو لے کر مدائن سے نکلے۔ عبداللہ بن عامر کی جمعیت امام حسن کے لشکر کے مقابل پہنچی تو عبداللہ بن عامر نے چیخ کر کہا ۔

"اے اہلِ عراق مَیں لڑنے کے ارادہ سے نہیں آیا ہوں بلکہ معاویہ کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ ابو محمد (حسن) کو میرا سلام پہنچا دو اور میری طرف سے عرض کرو کہ جماعت مسلمین کو جنگ کی ہلاکت سے بچائیں"۔

اہلِ عراق نے یہ پیغام سُنا تو اُنہوں نے لڑائی سے اجتناب کو پسند کیا۔ چنانچہ امام حسن اپنے لشکر کے ساتھ مدائن میں واپس چلے آئے۔ یہاں سے آپ نے عبداللہ بن عامر کو جواب بھیجا کہ "مَیں چند شرائط کے ساتھ حضرت معاویہ سے صُلح کرنے اور خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں"۔

عبداللہ بن عامر حضرت معاویہ کے پاس گئے اور اُنہیں مژدۂ صلح سُنایا۔ حضرت معاویہ بہت خوش ہُوئے۔ انہوں نے ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر و دستخط ثبت کر کے عبداللہ بن عامر کے حوالہ کیا اور کہا کہ "یہ حسن کو دے دو اور اُن سے کہہ دو کہ وہ جو شرائط پسند کریں اس پر لکھ دیں مجھے منظور ہیں"۔

امام حسنؓ نے یہ شرطیں لکھیں :-

۱۔ اہلِ عراق کو امنِ عام دیدیا جائے اور گذشتہ واقعات کے سلسلہ میں کسی کی گرفت نہ ہو۔

۲۔ اہواز کا خراج میرے نام لکھ دیا جائے۔

۳۔ میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

۴۔ عطیات اور صلات میں بنی ہاشم کا حق دوسروں سے فائق سمجھا جائے

عہدنامہ کی تکمیل کے بعد امام حسنؓ مدائن سے کوفہ واپس تشریف لے آئے حضرت معاویہ بھی انبار سے محاصرہ اُٹھا کر کوفہ آ گئے۔ جامع کوفہ میں حضرت معاویہ نے اہلِ عراق سے بیعت لی۔ پہلے حضرت امام نے بیعت کی، پھر دوسرے

اکابر و اصاغر نے۔ حضرت امام خلافت کے بارے سبکدوش ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور بقیہ زندگی جوار رسول اللہ میں گزاری۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ	"میرا یہ بیٹا" سید "ہے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ
ان یصلح بہ بین طائفتین	اُسے مسلمانوں کے دو بڑی جماعتوں میں صلح
عظیمتین من المسلمین۔	کا ذریعہ بنائے گا"

"یہ واقعہ ربیع الاوّل ۴۱ھ کا ہے چونکہ دس سال کی خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد اس سال مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہوا تھا اس لئے اس سال کا نام "عام الجماعت" رکھا گیا۔

اکثر مؤرخین نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے عہد کو نہایت مختصر ہونے کے سبب دورِ خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا۔ تاہم آپ کی بیعت کی نوعیت وہی تھی جو آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی۔ نیز فرمان نبوی الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ "خلافت راشدہ میرے بعد تیس سال رہے گی، کی رو سے آپ کا عہد زمانہ خلافت راشدہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے حضرت امام عالی مقام کے عہد صلح وسلام کا ذکر مناسب سمجھا۔

(رضی اللہ عنہ)

نظامِ خلافتِ راشدہ

مقامِ خلافت

خلافتِ راشدہ کے نظامِ حکومت کا مرکزی نقطہ خود خلیفہ کی ذات تھی۔ خلیفہ حکومتِ الٰہی کا رئیس ہونے کی حیثیت سے کتاب وسنت کا ترجمان اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین تھا۔ لیکن اپنی ذاتی حیثیت سے وہ اُمتِ مسلمہ کا ایک فرد تھا اور اُس میں اور کسی دوسرے مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔

مقام یرموک میں مسلمانوں اور رومیوں میں ایک فیصلہ کن معرکہ گرم ہے رومیوں کی ٹڈی دَل فوجوں کے مقابلے میں شام وعراق کی اسلامی فوجیں مجتمع ہو کر دادِ شجاعت دے رہی ہیں۔ خالد بن ولید ایک نئے طرز پر اسلامی فوجوں کو لڑا رہے ہیں۔ سپہ سالارِ اسلامی کی مہارتِ قیادت کی بدولت نقشۂ جنگ میں فتح وظفر کا رنگ بھر اجا رہا ہے۔ ہر شخص سیف اللہ کی روانی و برانی پر عش عش کر اُٹھتا ہے۔ یکایک خلیفۂ اسلام کا حکم پہنچتا ہے کہ خالد اپنے عہدہ سے معزول کئے جاتے ہیں۔ سپہ سالار دربارِ خلافت کے اس حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اُس کی پیشانی پر کوئی بل نہیں پڑتا اور اُس کی تلوار کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ ہے خلیفہ اسلام کی پہلی حیثیت۔

مسجدِ نبوی میں حضرت عمر تقریر فرما رہے ہیں کہ ایک شخص مجمع عام میں سے کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے :-

"اے عمر خاموش ہو جاؤ ہم تمہاری بات نہیں سنتے۔ جو مالِ غنیمت تقسیم ہوا ہے اُس میں سے سب کو ایک ایک چادر ملی ہے تمہارے

پاس دو چادریں کہاں سے آئیں کہ ایک کی قمیص بنالی ہے اور ایک اوڑھے ہوئے ہو"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "میرا بیٹا عبداللہ اس کا جواب دے گا۔ عبداللہ بن عمر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"امیر المومنین نے بھی ایک ہی چادر لی ہے دوسری چادر جس کی قمیص پہنے ہوئے ہیں میرے حصّہ کی ہے جو مَیں نے اپنے والد کو دے دی ہے"

یہ ہے خلیفۂ اسلام کی دوسری حیثیت۔

حقیقت یہ ہے کہ "خلیفہ راشد" کو جو کچھ امتیاز حاصل تھا وہ اس حیثیت سے حاصل تھا کہ وہ قانونِ شریعت کا ترجمان اور اس کا نفاذ کرنے والا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو یہ شبہ ہو جاتا کہ اس کا قدم قانونِ شریعت کے دائرہ سے باہر جا رہا ہے تو پھر اُس کی نگاہوں میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

عہدِ اسلام کے خلیفۂ اوّل نے خلافت کے بار کو سنبھالتے ہی امتیازاتِ خلافت کی حدود کو ان الفاظ میں ظاہر کر دیا تھا۔

ایہا الناس انما انا متبع ولست بمبتدع فاذا احسنت فاعینونی وان انا زغت فقومونی [1]	"اے لوگو! میں تو احکام شریعت کی پیروی کرنیوالا ہوں کوئی بات اپنی طرف سے ایجاد کرنیوالا نہیں، لہٰذا جب میں صحیح راستہ پر چلوں تو میری مدد کرو اور اگر اس سے انحراف کروں تو مجھے سیدھا کر دو"

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں ان ہی حدود کی عملی تفسیر ہیں۔

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام صفحہ ۱۱۹ بحوالہ تاریخ سیوطی۔

طرزِ حکومت ترکیب اور ساخت کے لحاظ سے آج کل حکومت کی دو بڑی تقسیمیں کی جاتی ہیں جمہوری اور شخصی، جمہوری حکومت یا ڈیموکریسی (DEMOCRACY) میں قانون سازی اور قانون کے نفاذ کے جملہ اختیارات عوام کو حاصل ہوتے ہیں۔ عوام کی منتخبہ "مجلس مقننہ" (CONSTITUENT ASSEMBLY) قانون بناتی ہے اور مجلسِ مقننہ کا صدر اپنے مشیروں کی ایک جماعت کابینہ (CABINET) کے ساتھ ملک کا نظم و نسق اُس قانون کے مطابق قائم کرتا ہے۔ شخصی حکومت یا امپریلزم (IMPERIALISM) میں حکومت کا تمام تر تعلق بادشاہ کی ذات سے ہوتا ہے، اُس کی زبان قانون ہوتی ہے اور اُس کی طاقت قوتِ نافذہ۔

سطورِ بالا میں خلیفہ کی حیثیت کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کا نظامِ حکومت نہ شخصی کہا جا سکتا ہے اور نہ جمہوری۔ اسلام کا قانونِ شریعت مدون و مرتب پہلے ہی موجود تھا۔ خلیفہ یا عوام کسی کو بھی اس میں ذرہ بھر تغیر و تبدل کا اختیار حاصل نہ تھا۔ البتہ جہاں تک قانونِ شریعت کے نفاذ کا تعلق ہے یہ خلیفہ کا فرضِ منصبی تھا۔ حکومت کے اس شعبہ میں وہ عوام کے سامنے جوابدہ تھا اور اُمت کا ہر فرد معمولی لغزش پر اُسے سرِ منبر ٹوک سکتا تھا۔

خلافتِ راشدہ کی خصوصیات خلافتِ راشدہ میں خاندانی حقوق اور وراثت کو دخل نہ تھا۔ زیادہ سے زیادہ "قرشیت" کی قید تھی۔ چاروں خلفائے راشدین تین مختلف خاندانوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ "بنی تیم" کے خاندان سے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ "بنی عدی" کے خاندان سے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ "بنی عبد مناف" کے خاندان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی و عملی کمالات کا پرتو ہی استحقاقِ خلافت کے لئے اصلی جوہر سمجھا

جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن عمران کمالات کے لحاظ سے بھی ہر طرح اپنے والد بزرگوار کی جانشینی کے لائق تھے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے صاف فرمادیا کہ :-

"خاندانِ خطاب میں سے ایک شخص ہی اس ذمہ داری کی جواب دہی کے لئے بہت کافی ہے۔"

حضرت علیؓ سے جب حضرت امام حسنؓ کی خلافت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے بھی اس اہم مسئلہ کو امتِ مسلمہ کی صوابدید ہی پر چھوڑ دیا۔

خلفائے راشدین کو قانونِ شریعت کے صحیح طور پر سمجھنے اور عملدرآمد میں مدد دینے کے لئے مجلسِ شوریٰ موجود ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کے ارکانِ شوریٰ میں عثمانؓ بن عفان، عباسؓ بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، علیؓ بن ابی طالب، معاذؓ بن جبل، ابی بن کعبؓ، زیدؓ بن ثابت اور عبداللہؓ بن عباس جیسے اکابر علم و عمل شامل تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طریقہ یہ تھا کہ خلیفہ مسئلہ زیرِ بحث کو ارکانِ شوریٰ کے سامنے پیش کرتا۔ ارکان شوریٰ اگر متفقہ طور پر کوئی فیصلہ کرتے تو خلیفہ اس پر عملدرآمد کرتا۔ اگر ارکانِ شوریٰ کی رائے میں اختلاف ہوتا تو اپنی رائے سے کسی ایک صورت کو ترجیح دیدیتا۔ کبھی کبھی معاملہ کے اہم ہونے کی صورت میں عامۃ المسلمین سے بھی رائے لی جاتی۔ لیکن اگر مجلسِ عام اور مجلسِ شوریٰ کی رایوں میں اختلاف ہوتا تو اہلِ شوریٰ کی رائے کو ترجیح حاصل ہوتی۔ جنگِ قادسیہ کی قیادت کے مسئلہ میں ایسا ہی ہوا۔ مقدمۂ کتاب میں اس موضوع پر ہم اصولی بحث کر چکے ہیں۔

خلفائے راشدین کی زندگی میں شاہانہ جاہ وحشم کو دخل نہ تھا۔ اُن کی غذا اُن کا لباس، اُن کا مکان اور ان کا ساز وسامان بالکل سادہ بلکہ فقیرانہ ہوتا تھا اُن کا رہن سہن اُمّت کے ایک عام فرد کی طرح تھا۔ امیر وفقیر کو ان کی مجلس

میں یکساں درجہ حاصل تھا اور معمولی سے معمولی کام خود انجام دینے میں اُنھیں مطلق عار نہ تھا۔

احنف بن قیس امرائے عرب کے ساتھ ایک دن حضرت عمرؓ کی ملاقات کو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المومنین دامن چڑھائے اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ احنف کو دیکھا تو کہا "آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اُونٹ بھاگ گیا ہے، تمھیں معلوم ہے کہ اس میں بہت سے غریبوں کا حق ہے۔" ایک شخص نے کہا "امیر المؤمنین آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا۔"

آپ نے فرمایا "مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔"

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے بعض سابق میں گذر چکے ہیں۔

خلفائے راشدین بیت المال کو قوم کی ملکیت سمجھتے تھے۔ بجز مقررہ گذارے کے اپنی ذات اور اپنے خاندان کے آرام و آسائش کے لئے وہ اُس میں سے ایک پائی بھی نہ لیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو تو اس قدر احتیاط ملحوظ تھی کہ وہ بیت المال میں کچھ جمع ہی نہ ہونے دیتے۔ جو کچھ آتا فوراً مستحقین پر صرف کر دیتے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد بیت المال کی تلاشی لی گئی تو صرف ایک درہم ملا۔

حضرت عمرؓ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو بیماری کی وجہ سے شہد درکار ہوا۔ کہیں اور نہ ملتا تھا بیت المال میں موجود تھا۔ آپ بیماری ہی کی حالت میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور عام مسلمانوں سے اُس کے استعمال کی اجازت طلب کی جب اجازت مل گئی تب اُسے ہاتھ لگایا۔

خلفائے راشدین اپنے آپ کو مسلمانوں کا مخدوم نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے۔ عام مسلمانوں کی ضروریات سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ دارالخلافہ میں خود ہی نمازوں کی امامت کرتے اور امارت حج کے فرائض بھی

خود ہی انجام دیتے۔ اس طرح انہیں عام مسلمانوں سے ملنے جلنے کا موقع ملتا اور ہر شخص اپنی ضرورت و شکایت اُن سے بیان کر سکتا۔

عام حکم تھا کہ جس کسی کو کسی افسر کے متعلق کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقعہ پر آکر بیان کرے۔ عمال کو بھی حکم تھا کہ وہ ان شکایتوں کی جواب دہی کے لئے موقعہ پر موجود رہیں۔ خلافت کی گرانبار ذمہ داریوں کے علاوہ خلق اللہ کی نفع رسانی کو وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ محتاجوں کی دستگیری، ضعیفوں کی خدمت گزاری، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی، بیماروں کی تیمارداری اور مسافروں کی پاسبانی اُن کے محبوب مشاغل تھے۔

نواحِ مدینہ میں ایک ضعیف و نابینا عورت رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ روزانہ علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جاکر اُس کی ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کام میں ان سے سبقت کر جاتا ہے۔ ایک روز اس کا کھوج لگانے کے لئے کچھ دیر پہلے آگئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس ضعیفہ کی خدمت کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر نکل رہے ہیں۔

متحیر ہو کر کہا:۔

"اے خلیفۂ رسول! خدا کی قسم کیا روز آپ ہی خدمت کر جاتے ہیں!"

اس قسم کے واقعات اگر کتب تاریخ سے جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں میں سمائیں۔

صیغۂ عدالت

خلیفہ کے فرائض میں سے اہم فرض اُمت کے نزاعات کا فیصلہ تھا۔ اس فرض کو انجام دینے کے لئے وہ اپنی طرف سے نائب مقرر کر سکتا تھا حضرت ابو بکرؓ کے عہد تک خلیفہ کی طرف سے یہ فرض عمال و ولاۃ ہی انجام دیتے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے عہد میں جب خلافتِ اسلامیہ کے حدود کی توسیع اور تمدنِ اسلامی کی ترویج ہوئی اور حکام و ولاۃ کے انتظامی مشاغل بڑھے تو صیغۂ عدالت کو صیغۂ انتظام سے علیحدہ کر دیا گیا۔

قضاۃ کے انتخاب میں بڑے غور و احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ صرف وہی لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے جو قانونِ اسلام (کتاب و سُنّت) کا بہترین علم رکھتے تھے اور اپنے علم کو بروئے کار لانے کے لئے تقویٰ اور عدل کے اوصاف سے بھی متصف ہوتے تھے۔ ابن جوزی نے مناقب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے قاضی دمشق سے پوچھا فصل خصومات میں آپ کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا۔

"میں پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر یہاں بھی کوئی صریح حکم نہیں پاتا تو امثال و نظائر میں غور و فکر کرتا ہوں اور اپنے معاصر علماء سے بھی اس مسئلہ میں مشورہ لیتا ہوں اور پھر فیصلہ کرتا ہوں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارا طریقہ درست ہے۔ اتنا اور کیا کرو کہ جب مجلسِ قضا میں بیٹھا کرو تو اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگا کرو:۔

اللھم انی اسئلک ان افتی بعلم و اقضی	"اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں علم کے ساتھ فتویٰ دوں اور علم کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کروں

بحکمۃ واسئلک العدل فی الغضب والرضاء۔ اور اے اللہ مجھے توفیق دے کہ میں رضامندی و ناراضی دونوں حالتوں میں حدودِ عدل سے تجاوز نہ کروں"

قضاۃ کے انتخاب میں ذکاوت وذہانت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ ایک قاضی نے حضرت عمرؓ سے کہا۔

"میں نے دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑ رہے ہیں اور دونوں کے ساتھ ستاروں کا ایک لشکر ہے"

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ پھر تم کس کے ساتھ ہوئے؟ قاضی نے کہا میں نے چاند کی طرفداری کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تم نے غلطی کی۔ قرآن کہتا ہے:۔

وجعلنا اللیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ اللیل وجعلنا اٰیۃ النھار مبصرۃ۔ اور اُسے معزول کر دیا[1]

یہ امر بھی ملحوظ رہتا تھا کہ قضاۃ حرص وطمع سے مغلوب یا اثر ورعب سے مرعوب نہ ہوں۔ اس لئے قضاۃ کی تنخواہیں بھی گراں قدر تجویز کی جاتی تھیں اور حتی الوسع دولت مند اور معزز اشخاص کا انتخاب کیا جاتا تھا حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام آپ نے جو فرمان لکھا اُس میں تصریح فرمائی کہ دولت مند رشوت کی طرف مائل نہ ہوگا اور معزز آدمی کسی سے مرعوب نہ ہو سکے گا۔

قضاۃ کو حکم تھا کہ وہ حتی الامکان فریقین میں آپس میں مصالحت کرا دیں۔ کنزالعمال میں آپ کی یہ ہدایت منقول ہے۔

"فریقین مقدمہ کو لوٹا دو کہ وہ آپس میں مصالحت کے ذریعہ معاملہ طے کر لیں کیونکہ عدالتی فیصلہ سے معاملہ تو طے ہو جاتا ہے مگر دل صاف نہیں ہوتے"[2]

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صہ ۴۳۶ بحوالہ مناقب ابن جوزی

[2] اشہر المشاہیر جلد ۲ صہ ۴۳۷ بحوالہ کنزالعمال۔

قضاۃ کو سخت تاکید تھی کہ وہ مدعی اور مدعا علیہ میں مساوات کو ملحوظ رکھیں۔ زید بن ثابتؓ کی عدالت میں جب حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ مدعا علیہ کی حیثیت سے آنا پڑا اور حضرت زید نے آپ کو تعظیم دینی چاہی تو آپ نے اُن سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

ہر بڑے شہر میں علماء و فقہاء کی ایک جماعت بھی موجود تھی جن سے قضاۃ مشکل مقدمات کے فیصل کرنے میں مشورہ لیتے تھے۔ اس کی ضرورت اس لئے اور بھی تھی کہ احادیث رسول اللہ، کتابوں کی صورت میں مدون نہیں ہوئی تھیں بلکہ اصحاب رسول اللہ کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ جب کوئی اہم مقدمہ پیش ہوتا تو قضاۃ علماء کی طرف رجوع کر کے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مقدمے کا فیصلہ کرتے۔ چونکہ بعض صحابہ کو جو حدیثیں معلوم تھیں وہ دوسروں کو نہ تھیں اس لئے بعض اوقات مختلف شہروں کے قضاۃ کے فیصلے مختلف ہو جاتے تھے۔

ان علماء کرام کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ قانونِ اسلام کی طرف عوام کی راہنمائی کریں اور بغیر کسی محنتانہ و شکرانہ کے عامۃ المسلمین کو آئینِ شریعت کی دفعات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ ان کے حلقہائے درس طالبانِ سنت سے بھرے رہتے تھے اور لوگ ہزاروں میلوں کے سفر طے کر کے اُن کے پاس پہنچتے تھے۔ چونکہ "تصفیۂ نزاعات" خلیفہ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا اس لئے فریقین مقدمہ کو انصاف کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔ طریقۂ انصاف بھی بہت سیدھا سادہ تھا۔ عام طور پر مسجدیں ہی عدالتوں کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں اور صاحب معاملہ بلا روک ٹوک حاکم تک پہنچ جاتا تھا۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے عدالتی کارروائی کا کوئی ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا، نہ فیصلہ کی کوئی تحریری نقل فریقین مقدمہ کو دی جاتی تھی اور نہ فیصلہ کے اجراء کے لئے کسی طاقت کا استعمال کیا جاتا تھا۔ فریقینِ مقدمہ کی حیثیت "طالبِ حق" کی

ہوتی تھی اور جب اُنہیں اپنے نزاع کے متعلق شریعت کا حکم معلوم ہو جاتا تھا تو وہ خود اس کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے [1]

صیغۂ دفاع

"جہاد" یعنی دینِ اسلام کی حفاظت و حمایت کے لئے دشمنوں سے لڑنا اسلام نے فرض قرار دیا ہے۔ مگر یہ فرض "فرض کفایہ" ہے یعنی "امیر" اُمت میں سے بقدرِ ضرورت سپاہیوں کو جبریہ طلب کر سکتا ہے۔ عہدِ نبوت اور عہدِ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں جب ضرورت پیش آتی تھی امیر، قوم کو شرکتِ جنگ کی دعوت دیتا تھا۔ جو مسلمان لڑائی میں شریک ہوتے تھے اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ مل جاتا تھا۔ پیدل کو ایک حصہ ملتا تھا اور سوار کو تین حصے۔ اس کے علاوہ حصوں کی تقسیم میں اور کوئی فرق ملحوظ نہیں ہوتا تھا۔

دفترِ فوج کا اجراء ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے مستقل دفتر قائم کیا۔ تمام عرب کو فوجی جماعت قرار دیا گیا اور نبی عربیؐ کے ہم قوم ہونے کے لحاظ سے دینِ اسلام کا دفاع ان کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ عربوں کے علاوہ غیر ملکی مسلمانوں کے لئے فوجی خدمات اختیاری قرار دی گئیں۔ تمام اہلِ لشکر کے نام باقاعدہ رجسٹروں میں درج ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور دینی خدمات کے لحاظ سے ان کی حسبِ ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۵ ہزار درہم سالانہ
ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۰ " "

---

[1] محاضراتِ خضری صفحہ ۱۳۵ جلد ۲ ۔

شرکائے جنگِ بدر اور حضرت حسنؓ و حسینؓ و ابوذرؓ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۵ ہزار درہم سالانہ
شرکائے صلح حدیبیہ	۴ ہزار درہم سالانہ
شرکائے حروب مرتدین	۳ ہزار درہم سالانہ
شرکائے جنگِ قادسیہ و یرموک	
قادسیہ و یرموک کے بعد کے مشہور معرکوں کے مجاہدین	ایک ہزار درہم سالانہ
روادف (مذکورہ بالا طبقوں کے بعد کے مجاہدین	۵۰۰ سے ۲۵۰ درہم سالانہ تک

عورتوں کی بھی باعتبار درجات ۵ سو سے دو سو درہم سالانہ تک اور بچوں کی سو درہم سالانہ تنخواہیں مقرر ہوئیں [1]

اس سلسلہ میں عربی اور عجمی کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ لحاظ تھا تو فقط خدماتِ اسلام کا۔ بلکہ بعض موقعوں پر تالیفِ قلوب کے خیال سے عجمیوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا گیا۔ جیسا کہ فتح تستر کے موقع پر سلمان فارسی اور اس کی قوم کے ساتھ یہ صورت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک قائم رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دربار میں تمام مجاہدین کی تنخواہیں برابر کر دیں۔

فوج کا یہ نظام اس قدر باقاعدہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نگرانی اس قدر سخت تھی کہ یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائے اور انہیں علم نہ ہو۔

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۲، ۱۶۳۔

طریقۂ جنگ اسلام سے پہلے عرب میں لڑائی "کرو فر" کے طریقہ پہ ہوتی تھی ۔اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک بہادر نکل کر بہادری کے جوہر دکھاتا تھا ۔ پھر دونوں طرف کی فوجیں بے ترتیب گتھم گتھا ہو جاتی تھیں ۔ بھاگتی تھیں پھر پلٹتی تھیں ۔ پھر بھاگتی تھیں ۔ پھر پلٹتی تھیں ۔

اسلام نے صف آرائی کے طریقہ کو پسند کیا ۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صف آرائی کی ابتداء ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی رائے سے وہ بہترین طریقہ جاری ہوا جسے "تعبیہ" کہتے ہیں اور یرموک اور قادسیہ کے میدانوں میں اسی طریقہ پر جنگ ہوئی ۔ طریق تعبیہ کے مطابق فوج حسب ذیل حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی ۔

طلیعہ : گشتی فوج
مقدمہ : فوج کا اگلا حصّہ
قلب : درمیانی حصّہ (جہاں سپہ سالار رہتا تھا)
میمنہ : قلب کے دائیں طرف کا حصہ
میسرہ : بائیں طرف کا حصّہ
ساقہ : پچھلا حصّہ
ردء : ساقہ کے پیچھے امدادی حصّہ
رائد : فوج کے لئے گھاس پانی تلاش کرنے والی جماعت
مجرد : بے قاعدہ فوج
رکبان : شتر سوار
فرسان : اسپ سوار
راجل : پیادہ   رماۃ : تیر انداز

یہ حصے مختلف دستوں پر تقسیم ہوتے تھے جنہیں "کردوس" کہا جاتا تھا۔ امراء فوج کی ترتیب یہ تھی۔ سب سے بڑا افسر امیر عام (کمانڈر انچیف) ہوتا تھا اس کے بعد اس کے نائب (ڈپٹی کمانڈر انچیف) کا درجہ تھا۔ اس کے بعد امراء میمنہ و میسرہ و قلب وغیرہ (ونگ کمانڈر) شمار ہوتے تھے۔ ان کے بعد اُن کے نائبوں (لیفٹننٹ کمانڈر) کا درجہ تھا۔ ان کے بعد امراء کرادیس (اسکوڈرن آفیسر) تھے اور ان کے بعد عرفاء اور امراء اعشار (لفٹننٹ)۔

امیر کردوس ایک ایک ہزار سپاہیوں کا افسر ہوتا تھا۔ امراء اعشار غالباً ایک ایک سو سپاہیوں کے افسر اور عرفاء اپنے اپنے قبیلوں کے مقدم۔ یعنی چودھری ہوتے تھے۔

ان کے علاوہ ہر فوج کے ساتھ افسر خزانہ، طبیب، قاضی، مبلغ، ترجمان اور کاتب بھی ہوتے تھے [1]

آلاتِ حرب

آلاتِ جنگ کے استعمال میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ترقی ہوئی۔ پہلے عرب صرف تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ذریعے لڑتے تھے۔ یہ سامان بھی کچھ زیادہ عمدہ نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی جنگ میں ایرانیوں نے مسلمانوں کے تیروں کو تکلوں سے تشبیہ دی۔ لیکن روم و فارس کی متمدن فوجوں سے ٹکر کے بعد مسلمانوں نے ان کے آلاتِ حرب کو بے تکلف استعمال کرنا شروع کر دیا۔

چنانچہ معرکۂ دمشق وغیرہ کے سلسلہ میں وہق (کمند) منجنیق، سلم (رسی کا زینہ) دبابہ (لکڑی کا ٹنک) وغیرہ کے استعمال کا ذکر آتا ہے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴۔ اخبار الیرموک والقادسیہ صہ ۳۲ و صہ ۸۱ ۔

جنگی مہارت عرب ہمیشہ سے ایک جنگی قوم تھی لیکن اُن کی ساری طاقت آپس کے خون خرابوں میں صرف ہوتی تھی۔ اسلام نے اُن کو دینی رشتہ میں جکڑ کر متحد کر دیا۔ پھر اُن کے سامنے ایک عظیم الشان مقصد رکھا جو عزت دنیوی کے ساتھ سعادتِ اخروی کا بھی حامل تھا۔ مسلمان جب اس مقصد کی تکمیل کے لئے عرب کی وادیوں سے نکلے تو انہیں خوش قسمتی سے "فاروق اعظم" جیسے تاریخ کے بہترین مدبر و فاتح کی رہنمائی حاصل تھی۔ نتیجہ وہی ہُوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ انہوں نے اپنے زمانے کی دو بہترین طاقتوں سے کامیاب ٹکرلی اور فنونِ جنگ میں ایسی مہارت و براعت کا ثبوت دیا کہ تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں چند امور خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ مسلمان جنگ کی ابتداء اپنے ملک کے اطراف سے کرتے تھے تاکہ اگر اُنہیں شکست ہو تو فوراً اپنے ملک میں داخل ہو جائیں اور دُشمن کو ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ ہو۔ پھر ابتدائی معرکوں میں وہ ایسی جُرأت اور بہادری کا ثبوت دیتے تھے کہ مخالفین کے دلوں میں اُن کا رعب قائم ہو جاتا تھا اور وہ مسلسل پسپا ہوتے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ یرموک اور قادسیہ کے معرکوں نے ہی شام و فارس کے ملکوں میں مسلمانوں کے کامیاب مستقبل کا فیصلہ کر دیا تھا۔

۲۔ جب دُشمن کے ملک میں اندرونی علاقوں میں گھُستے تھے تو اپنے لئے امدادی فوج کا انتظام کر لیتے تھے اور خطِ رجعت کو محفوظ رکھتے تھے دُشمن کو ایسا موقعہ نہ دیتے تھے کہ وہ پیچھے سے اُن کو آدبائے۔ چنانچہ معرکۂ یرموک میں یزید بن ابی سفیان کی امداد مسلمانوں کے لئے محفوظ تھی۔ اسی طرح علاء حضرمی کی امداد کے لئے جب اصطخر فوج بھیجی گئی تو بصرہ سے اہواز تک فوجی چوکیاں قائم کر دی گئیں۔

۳۔ جب کسی شہر کا محاصرہ کرتے تھے تو دشمن کے تمام ذرائع مواصلت کو منقطع کر دیتے تھے تاکہ اسے کسی دوسری جگہ سے امداد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ دمشق کی فتح کے موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے دس افسروں کو فحل اور دمشق کے درمیان مامور کیا۔ ذوالکلاع کو حمص اور دمشق کے درمیان اور علقمہ بن حکیم اور مسروق کو فلسطین اور دمشق کے درمیان متعین کیا۔ ان راستوں کو محفوظ کر کے وہ خالد بن ولید اور یزید بن ابی سفیان کے ساتھ آگے بڑھے اور دمشق پر قبضہ کر لیا۔

۴۔ جب اپنے مقبوضہ علاقے پر دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا تھا تو تمام قوت ایک جگہ جمع نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف مقامات پر خطوطِ دفاع قائم کرتے تھے جیسا کہ مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے عراق میں کیا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک فوجی چوکیاں قائم کر دیں اور اسلامی طاقت کو عرب سے عجم تک زنجیر کی کڑیوں کی طرح ملا دیا۔

۵۔ مناسب موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ چنانچہ فتح دمشق خالد بن ولید کی موقعہ شناسی ہی کی رہینِ منت تھی۔ اسی طرح دشمن پر غالب آنے کے لئے حیلہ و تدبیریں بھی کسر نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن عاص قاصد کا بھیس بدل کر ارطبون کے لشکر میں گھس گئے اور بہت کچھ کام کی باتیں معلوم کیں۔ اسی طرح فتح لاذقیہ کے موقعہ پر عبادہ بن صامت نے اپنی فوج کو خندقوں میں چھپا کر دشمن کو مغالطہ میں ڈال دیا۔

۶۔ دشمن کی حرکات وسکنات پر گہری نگاہ رکھتے تھے اور بوقتِ ضرورت تمام ممالکِ اسلامیہ کی فوجیں بیک وقت ایک مشین کے پرزوں کی طرح حرکت میں آجاتی تھیں۔ چنانچہ جب ہرقل نے جزیرہ کی طرف سے یکایک مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو ایک طرف سے شام کی فوجیں اور دوسری طرف سے عراق کی فوجیں آگے بڑھیں اور ہرقل کی

اسکیم کو ناکام کر دیا۔

۷۔ دشمن کے مقابلہ کے لئے متعدد محاذ قائم کر دیتے تھے تاکہ اُس کی طاقت منتشر ہو جائے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ مدد نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ جب ہرقل نے حمص پر حملہ کیا اور اہلِ جزیرہ سے مدد چاہی تو عراقی فوج نے فوراً جزیرہ پر حملہ کر کے اُنھیں ہرقل کی مدد سے روک دیا۔

۸۔ دشمن کی طاقتوں کو توڑ لیتے تھے اور دشمن کے ہی آدمیوں سے جاسوسی کا کام لے کر مفید معلومات حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ تکریت اور موصل کے معرکوں میں ایرانیوں کے مقابلے میں نصارائے عرب کو ساتھ ملا کر کامیابی حاصل کی گئی اور تستر کا شہر ایک ایرانی کی کارگزاری ہی سے فتح ہوا۔

صیغۂ مالیات

ایک ترقی یافتہ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نظامِ مالیات صحیح اصول پر مرتب ہو۔ عہدِ ابوبکر صدیق اور آغازِ عہدِ عمر فاروق میں آئینِ آمد و خرچ نہایت سادہ تھا۔ مسلمانوں سے جو رقم زکوٰۃ و صدقات کی مد میں وصول ہوتی تھی وہ اہلِ حاجت کو تقسیم کر دی جاتی تھی۔ خمس غنیمت اور فئی کی بھی اتنی بہتات نہ تھی کہ اس کی تقسیم کے لئے کوئی باقاعدہ نظام قائم کیا جاتا۔

جب مسلمانوں نے فارس و روم کے علاقے فتح کئے دولت و ثروت کی ریل پیل ہوئی اور اُسے مستحقین پر محض اپنی رائے سے تقسیم کرنا خلیفہ اور اس کی مجلسِ شوریٰ کی بس کی بات نہ رہی تو اُس کے لئے باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا اور بیت المال کو متمدن ملکوں کے اصول پر ترتیب دیا گیا۔

صورت یہ ہوئی کہ ۱۵ھ میں بحرین سے ۵ لاکھ کی کثیر رقم آئی۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ شوریٰ کو بلا کر مشورہ کیا کہ اسے کس طرح خرچ کیا جائے؟ حضرت علیؓ

نے فرمایا :-

"جو کچھ رقم آپ کے پاس جمع ہو وہ سال کے سال خرچ کر دی جایا کرے"۔

حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا :-

آمدنی کی کثرت ہے اگر پانے والوں کے نام ضبط نہ کئے گئے تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ کس نے لیا اور کس نے نہ لیا"

ولیدؒ بن ہشام نے کہا۔

"میں نے شاہانِ شام کے ہاں دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کام کے لئے دفتر قائم کر رکھے ہیں"

حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا۔ بیت المال کا محکمہ قائم کرنے کا حکم دیا اور عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جُبیر بن مطعم کو بُلا کر اس کی تدوین کا کام اُن کے سپرد کیا۔

بیت المال کا صدر دفتر مدینہ منورہ میں قائم ہُوا اور اس کے ماتحت صوبہ جات اسلامیہ کے صدر مقامات میں بیت المال کے دفاتر قائم کئے گئے۔ صوبائی دفاتر میں اہلِ ملک کی آسانی کے لئے ملکی زبانوں میں کام ہوتا تھا اور زیادہ تر پرانے اہل کار ہی اس کام کی انجام دہی کے لئے برقرار رکھے گئے تھے۔ مگر جب غیر مسلموں نے بددیانتی کی تو عبدالملک بن مروان نے ماتحت دفاتر بھی عربی زبان میں منتقل کرا دیئے [1]

تفصیل محاصل

خلافت راشدہ کے محاصل کی دو بڑی قسمیں کی جا سکتی ہیں :-

۱۔ وہ محاصل جو غیر مسلموں سے متعلق ہیں۔

۲۔ وہ محاصل جو مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۵۳ واشہر المشاہیر جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ -

جو محاصل غیر مسلموں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) خراج :- جن ملکوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے۔ وہاں کی تمام زمینیں اہلِ ملک ہی کے قبضہ میں رہنے دی گئیں۔ البتہ پیداوار کے لحاظ سے اُن پر نہایت قلیل مالگذاری مقرر کر دی گئی۔ مالگذاری کی شرح کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ عراق میں گیہوں پر فی جریب (پون بیگھ پختہ) دو درہم سالانہ (تقریباً ۸ ر) اور جَو پر اس سے نصف وصول کیا جاتا تھا۔

کھجور جو عراق کی خاص پیداوار تھی اور اس پر وہاں کی تجارت کا دارومدار تھا۔ اس پر کوئی مالگذاری نہ تھی۔

اس خفیف شرح مالگذاری کے باوجود عہد فاروقی میں صرف مُلک عراق کا خراج دس کروڑ درہم تھا۔ اس رقم میں اُن زمینوں کی آمدنی شامل نہیں ہے جو شاہی خاندان کی جاگیریں یا مفرور باغیوں کی جائدادیں تھیں اور جنہیں حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دے کر بیت المال کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ ان زمینوں کی آمدنی ستر لاکھ درہم علیحدہ تھی۔

اراضی خالصہ کی آمدنی رفاہِ عام کے کاموں پر خرچ ہوتی تھی اور کبھی کبھی ان ہی زمینوں میں سے اسلامی خدمات کے صلہ میں جاگیریں بھی دی جاتی تھیں [۱]

(۲) جزیہ :- جو مُلک مسلمانوں نے فتح کر لئے یا جنھوں نے "نظام اسلامی" سے اپنا الحاق قبول کر لیا۔ وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو "ذمی" کہتے تھے یعنی ان کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے ذمہ فرض ہو جاتی تھی۔ اس حفاظت کے معاوضہ میں مسلمان غیر مسلموں سے سالانہ ایک قلیل رقم "جزیہ" کے

---

[۱] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صہ ۳۱۹ بحوالہ کتاب الخراج و فتوح البلدان

نام سے وصول کیا کرتے تھے۔ جزیہ دینے والوں کی مالی حالت کے لحاظ سے تین شرحیں مقرر تھیں۔ ۴۸ درہم سالانہ، ۲۴ درہم سالانہ اور ۱۲ درہم سالانہ۔ جزیہ چونکہ فوجی خدمات کا معاوضہ تھا اس لئے:۔

۱۔ صرف اُن لوگوں سے وصول کیا جاتا تھا جن پر فوجی خدمات کی ذمہ داری عائد ہو سکتی تھی یعنی ۲۰ سال سے پچاس سال تک کی عمر کے مرد، بوڑھے، بچے عورتیں اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ نادادوں کو بھی جزیہ معاف تھا۔

۲۔ اگر کسی قوم نے جنگی خدمات کی ذمہ داری خود قبول کی تو اُس کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ فتح آرمینیہ کے موقع پر وہاں کے رئیس شہر یرانہ سے اسی قسم کا معاہدہ ہوا جو اپنی جگہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

۳۔ اگر مسلمان کسی وجہ سے حفاظتِ اہل ذمہ کی ذمہ داری پوری کرنے سے معذور ہو جاتے تھے تو جزیہ کی رقم بھی وصول نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب جنگی مصالح کی بنا پر مسلمانوں کو حمص سے ہٹنا پڑا تو وصول شدہ جزیہ واپس کر دیا گیا۔

(۴) **غنیمت** :۔ دورانِ جنگ میں مسلمانوں کو دشمنوں سے جو کچھ ہاتھ لگتا تھا وہ غنیمت کہلاتا تھا۔ اُس کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ تو بیت المال کا حق ہوتا تھا اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ جو محاصل مسلمانوں سے متعلق تھے اُن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ زکوٰۃ :۔ مسلمانوں کے مال، سامانِ تجارت اور مواشی کی ایک معین مقدار پر اُس کا چالیسواں حصہ بطور محاصل کے مقرر ہے جو سالانہ وصول کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۲۔ عُشر :۔ مسلمانوں کی زمینوں پر بجائے خراج کے پیداوار کا دسواں حصہ مقرر ہے۔ یہ عُشر ہر فصل پر لیا جاتا ہے خراج کی طرح سالانہ نہیں۔

۳۔ صدقات :۔ اس میں صدقۃ الفطر، قربانی اور کفارہ وغیرہ کی رقوم اور ملّی و

قومی ضرورتوں کے وقت عام چندوں کی رقوم شامل ہیں۔ ان کی تفصیل بھی کتب فقہ میں مذکور ہے۔

ان محاصل کے علاوہ محصول جنگی "عشور" بھی رائج تھا۔ مسلمان سوداگر جب اپنا مالِ تجارت دوسرے ملکوں میں لے جاتے تو وہاں ان سے جنگی وصول کی جاتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جو ملک مسلمانوں سے جس شرح سے چنگی وصول کرے، اُس کے باشندوں سے بھی اُسی شرح سے چنگی وصول کی جائے۔ یہ محصول سال بھر میں صرف ایک مرتبہ وصول کیا جاتا تھا اور دو سو درہم سے کم کے مال میں وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

وصولِ محاصل میں احتیاط

محاصل کی اس فہرست پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے اسلامی نظامِ حکومت میں مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں پر محاصل کا بار بہت کم ڈالا گیا۔ پھر اُس کی وصولیابی میں بھی بڑی احتیاط برتی جاتی کہ ذمیوں پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے۔

قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ جب عراق سے سالانہ خراج وصول ہو کر آتا تو حضرت عمرؓ اور بصرہ سے دس دس معززین کو شہادت میں طلب کرتے اُنھیں خدا کی قسم کھا کر اقرار کرنا پڑتا کہ خراج کی وصولیابی میں کسی مسلم اور غیر مسلم پر ظلم نہیں کیا گیا ہے اور جو کچھ وصول ہوا ہے وہ بخوشی خاطر وصول ہوا ہے۔

امام ابو الفرج ابن جوزی نے مناقبِ عمر میں لکھا ہے کہ عمر بن میمون کی حضرت عمرؓ سے اُن کی شہادت سے چند روز پہلے مُلاقات ہوئی۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت عمر، حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف سے متفکرانہ انداز میں فرمارہے ہیں :-

"تم نے عراق میں محاصل کی وصولیابی میں کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟

مجھے خوف ہے کہ تم نے مقررہ شرح سے زیادہ وصول نہ کرلیا ہو۔"
ان دونوں صاحبوں نے عرض کیا۔
"یا حضرت ایسا نہیں ہو سکتا۔"
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اگر زندگی بخیر رہی تو میں ایسا انتظام کر جاؤں گا کہ عراق کی کوئی بیوہ عورت کسی کی محتاج نہ رہے گی۔ اس واقعہ کے چار روز بعد حضرت عمرؓ شہید ہو گئے [1]

علوم و فنون

قرآن کریم تعلیماتِ اسلامیہ کا محور قرآن کریم ہے۔ بعد کے زمانوں میں اسی کی خدمت گزاری کے لئے مسلمانوں نے سینکڑوں علوم و فنون ایجاد کئے۔ اس لئے سب سے پہلی کتاب جو ضبطِ تحریر میں لائی گئی وہ یہی "کتاب اللہ" ہے۔

عہدِ رسالتؐ میں قرآن کریم کی آیات و سور مرتب ہو چکی تھیں۔ متعدد صحابۂ کرام کو پورا قرآن حفظ تھا اور صحابہ کی جماعتِ کثیر کو مختلف سورتیں یاد تھیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کی موجودگی میں قرآن کریم کا وِرد فرمایا کرتے تھے۔ سالِ ارتحال میں یہ ورد دو مرتبہ ہوا۔ آخری ورد کے موقعہ پر حضرت زید بن ثابت بھی موجود تھے۔ تاہم عہدِ نبویؐ میں پورا قرآن کریم ایک صحیفہ کی صورت میں قیدِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ علامہ قسطلانی نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں قرآن کی آیات میں نسخ ہوتا رہتا تھا اس لئے اسے ایک صحیفہ کی صورت میں مرتب کرنا مناسب نہ تھا۔ البتہ مختلف آیات و سور صحابہ کرام کے پاس کھجور کی شاخوں، ہڈیوں اور پتھروں کے ٹکڑوں پر لکھی

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ بحوالہ مناقب لابن جوزیؒ۔

ہوئی موجود تھیں۔

عہدِ صدیقی میں جنگِ یمامہ میں جب سات سو قراء صحابہ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا۔

"اگر حفاظ کی شہادت کا سلسلہ جاری رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ لہٰذا قرآن کریم کو ایک مصحف کی صورت میں لکھ لیا جائے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے معمولی تامل کے بعد اُن کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلا کر جو کاتب وحی اور عرضہ اخیرہ کے شاہد تھے یہ کام اُن کے سپرد کیا۔ حضرت زید بن ثابت نے اپنی یادداشت کی دیگر حفاظ صحابہ کی یادداشت سے تصدیق اور عہدِ نبوی کے نوشتوں سے توثیق فرمانے کے بعد کلام مجید کو ایک مصحف کی صورت میں قلمبند کیا۔

قرآن کریم کا یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کی تحویل میں آیا۔ ان کے انتقال کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ اس کی امین قرار پائیں۔

جمع قرآن کا اہم کام تو انجام پا گیا لیکن ابھی اس کے نسخوں کی اشاعت کا مرحلہ باقی تھا۔ یہ سعادت حضرت عثمانؓ کے حصے میں آئی۔ ابن عساکر اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے :-

سنہ ۳۰ھ میں آذر بیجان اور باب الابواب کی فتوحات کے سلسلہ میں مختلف ممالک اسلامیہ شام، مصر اور عراق کی فوجیں یکجا ہوئیں تو اُن میں عجیب اختلافِ قرأت نمودار ہُوا۔ اہلِ مصر کا لہجہ کچھ تھا اہلِ عراق کا کچھ اور اہلِ شام کا کچھ۔ لہجوں کے اختلاف سے قرآت میں بھی بیّن اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُن میں سے سب اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرآت کو غلط سمجھتے تھے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے یہ منظر دیکھا تو انہیں بڑی تشویش ہوئی۔ پہلے

انھوں نے اکابر صحابہ کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ پھر اُن کی رائے سے مدینہ منورہ جا کر سارا واقعہ حضرت عثمانؓ کو سُنایا اور فرمایا کہ اس امت کی خیریت منظور ہے تو اس مصیبت کا علاج کیجئے" حضرت عثمانؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ سب کی رائے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد کا لکھا ہوا قرآن مجید کا نسخہ حضرت حفصہؓ سے منگوایا گیا اور اُس کی آٹھ نقلیں کرا کر ایک ایک نقل مختلف ممالکِ اسلامیہ میں بھیج دی گئی۔

اس طرح حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں قرآن کریم کے مستند نسخے مختلف دیار و امصار میں اشاعت پا گئے اور یہ کتاب الٰہی وعدۂ خداوندی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے مطابق ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہو گئی ہے۔

صحیفۂ الٰہی کو ضبطِ تحریر میں لانے کے علاوہ خلفائے راشدین نے اُسے سینوں میں محفوظ کرنے کا بھی بڑا اہتمام کیا۔ تمام ممالکِ محروسہ میں قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور ابن جوزی کی تصریح کے مطابق حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے مؤذنوں، اماموں اور قرآن مجید کی تعلیم دینے والوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ یہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے اُن لوگوں کے بھی وظیفے مقرر کئے جو قرآن کی تعلیم حاصل کریں۔

اس تحریص و ترغیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ممالکِ اسلامیہ کی مسجدیں اور مکتب کلام الٰہی کی صداؤں سے گونج اُٹھے۔ صرف جامع دمشق میں جہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ درسِ قرآن کا کام انجام دیتے تھے سولہ سو طالب علم تھے۔

۵ل نہایۃ القول المفید للشیخ محمد مکی نصر ملخصاً از صفحہ ۱۸۵ تا ۱۹۱

حدیث شریف

قرآن کریم کے بعد حدیثِ رسول اللہ کا درجہ ہے جو قرآن کی تشریح کی حیثیت رکھتی ہے۔ عہدِ رسالتؐ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت سے اس لئے منع کیا تھا کہ قرآن کریم کی آیات سے جو اس زمانے میں نازل ہو رہی تھیں التباس نہ ہو جائے۔ صحیح روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا :-

"جس کسی نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہو وہ اُسے مٹا دے"

البتہ زبانی حدیث کی روایت کا حکم دیا اور فرمایا۔

"لیبلغ الشاھد الغائب"

عہدِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں جب قرآن کریم محفوظ ہوگیا تو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری و تقریری اشاعتِ عام ہوئی۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے سلسلہ میں صحابۂ کرام دُور دراز کے علاقوں پھیل گئے اور جہاں گئے علومِ نبوت کو بھی ساتھ لے کر گئے۔ چنانچہ شام، مصر اور عراق وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں حدیث کی درس گاہیں قائم ہوگئیں۔ نومسلموں نے جنہوں نے اسلام کی روشنی قبول کی مگر داعیِ اسلام کے جمالِ جہاں آرا سے محروم رہے اور نئی اسلامی نسلوں نے جو خیر القرون کے عہدِ خیر و برکت کے بعد پیدا ہوئے۔ بڑے ذوق و شوق کے بعد ان جواہر ایمانی سے اپنے دل کے دامنوں کو بھرنا شروع کیا۔

عہدِ خلافتِ راشدہ میں ذوقِ حدیث کا یہ حال تھا کہ لوگ ایک ایک حدیث کو سُننے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ :-

رحل جابر بن عبد اللہ مسیرۃ شھر الی عبد اللہ بن انیس فی حدیث واحد۔

"جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس سے صرف ایک حدیث سُننے کے لئے

ایک مہینہ کی مسافت (شام) کا سفر اختیار کیا "۔

اسی طرح ابو ایوب انصاری نے عقبہ بن عامر سے ایک حدیث سننے کے لئے ایک طویل سفر اختیار کیا۔ اور ایک دوسرے بزرگ نے ابو درداء سے ایک حدیث سننے کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر اختیار کیا اور ایک اور صحابی نے فضالہ بن عبید سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا۔ ابو العالیہ کی روایت سے قطیب (ایک تابعی) نے بیان کیا ہے کہ ہم اصحاب رسول اللہ کی روایت سے کوئی حدیث سنتے تھے مگر ہمیں اس وقت تک صبر نہ آتا تھا جب تک کہ ہم خود سفر کر کے ان صحابہ سے اس حدیث کو نہ سن لیتے۔

کتب حدیث کی بقید ابواب و فصول تدوین اگرچہ بہت بعد کا مرحلہ ہے تاہم اس عہد میں بھی بعض علماء صحابہ و تابعین نے اپنے حدیث کے ذخیرے صحیفوں کی صورت میں محفوظ کئے۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر کا نام قابل ذکر ہے[1]

فقہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے بعد فقہ کا نمبر ہے۔ عہد رسالت کے بعد پیش آنے والے حوادث کے متعلق فقہاء صحابہ نے جو احکام کتاب و سنت سے استنباط کئے وہ فقہ کہلاتے ہیں۔ گویا فقہ قانون اسلامی کے "بائی لاز" ہیں۔ خلفائے راشدین خود فقیہ تھے۔ بالخصوص حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی فقہی بصیرت تو معروف و مشہور ہے۔ ان کے علاوہ ان کے مشیران خصوصی بھی ائمہ فقہاء تھے۔ جب کوئی نیا مسئلہ زیر بحث آتا خلفائے راشدین اس جماعت سے مشورہ کر کے اس کا فیصلہ کرتے اور پھر اس کا اعلان عام کر دیا جاتا۔ خلفائے راشدین مختلف موقعوں پر جو خطبے ارشاد فرماتے تھے ان میں بھی مسائل ضروریہ کا بیان ہوتا۔ یہ خطبے چونکہ

---

[1] مفتاح السنۃ ص ۱۵

بڑے بڑے اجتماعات میں ہوتے تھے اس لئے ان مسائل کی خوب تشہیر ہو جاتی۔ پھر تعلیم فقہ کے لئے مقبوضات اسلامیہ کے مختلف شہروں میں فقہاء صحابہ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ، عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابو درداء کو شام اور حبان بن جبلہ کو مصر بھیجا۔ ان حضرات کے فیض سے ہزارہا تشنگانِ علم نے اپنی پیاس بجھائی اور کئی شہر فقہ اسلامی کے مرکز بن گئے۔

دیگر علوم اسلام سے پہلے عرب میں ادب و شعر کا ذوق عام تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس ذوق کو بھی اس کے صحیح مصرف پر استعمال کیا۔ فہم قرآن کے لئے ادب و عربیت کی تعلیم لازمی کر دی اور حکم دیا کہ جو لغتِ عرب کا عالم نہ ہو وہ قرآن نہ پڑھائے۔[1]

حضرت عثمانؓ اور زیدؓ بن ثابت نے قرآن و سنت کی روشنی میں "فرائض" کو ایک مستقل علم کی حیثیت سے مدون کیا۔

حضرت علیؓ نے علم نحو ایجاد کیا۔ ایک شخص کو قرآن کریم غلط پڑھتے دیکھ کر آپ کو خیال آیا کہ ایسا علم ایجاد کیا جائے جس سے اعراب کی غلطیوں سے بچا جا سکے۔ چنانچہ آپ نے ابو الاسود دوئلی کو اپنی زیر ہدایت اس علم کی تدوین پر مامور کیا۔ ان علوم و فنون کی ایجاد و اشاعت کے علاوہ ابتدائی تعلیم کے فروغ کی طرف بھی کافی توجہ کی گئی۔ اس کام کے لئے چونکہ کسی خاص علمی معیار کی معلمین کی ضرورت نہ تھی اس لئے نو مسلموں اور غیر مسلموں سے بھی یہ کام لیا گیا۔ چنانچہ فتح حیرہ کے بعد وہاں سے معلمین کی ایک جماعت کو بلایا گیا اور مدینہ منورہ میں انہیں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور کیا گیا۔[2]

⁂

---

[1] کنز العمال ج ۱ ص ۲۲۸ [2] محاضرات خضری جلد ۲ ص ۱۴۵

تعمیرات

عہدِ خلافتِ راشدہ میں فتوحات کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ان تعمیرات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی، ملکی و فوجی اور رفاہی۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے شہر فتح ہوئے وہاں جامع مسجدیں بھی تعمیر کی گئیں۔ صاحب روضۃ الاحباب نے اُن مسجدوں کی تعداد چار ہزار لکھی ہے۔ حرمین محترمین کو اسلام میں قطبین کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر حرم کی عمارت کافی نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے آس پاس کے مکانات خرید کر عمارت کی توسیع فرمائی۔ اسی طرح مسجد نبویؐ میں بھی توسیع فرمائی اور وہاں فرش اور روشنی کا بھی انتظام فرمایا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں مسجد نبویؐ کو نئے سرے سے تعمیر کیا اور چونا اور پتھر کی خوبصورت مستحکم اور وسیع عمارت تیار کرائی۔

(۲) فوجی ضروریات کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوفہ، بصرہ، فسطاط، جیزہ اور موصل جدید شہر آباد کئے گئے۔ ان میں سے بعض کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ جہاں جہاں چھاؤنیاں قائم کی گئیں وہاں قلعے اور بارکیں بنائی گئیں۔ صوبہ کے صدر مقامات میں دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) دیوان (سیکرٹریٹ) بیت المال اور قید خانہ کی مضبوط اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ حضرت علی کا عہدِ حکومت پُر آشوب زمانہ رہا ہے تاہم آپ کے عہد میں بھی متعدد قلعے تعمیر ہوئے ہیں جن میں اصطخر کا "حصن زیاد" قابل ذکر ہے۔

(۳) رفاہِ عام کی تعمیرات کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی۔ حضرت

عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں سڑکیں، نہریں، پُل، کنوئیں، چراگاہیں اور مہمان خانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کی نہروں میں نہر معقل نہر ابی موسیٰ، نہر سعد اور نہر امیر المومنین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ نہر امیر المومنین وہ عظیم الشان نہر تھی جس کے ذریعے دریائے نیل کو فسطاط کے مقام سے کاٹ کر بحرِ قلزم میں ملا دیا گیا تھا۔ یہ نہر ۶۹ میل لمبی تھی اور اس قدر وسیع تھی کہ بڑے بڑے جہاز آسانی سے گزر جاتے تھے۔ عہدِ عثمانؓ کا بند مہروز جس کے ذریعہ مدینہ کو خیبر کی طرف سے آنے والے سیلاب سے محفوظ کیا گیا اور عہدِ علی کا "جسر فرات" جو جنگی ضرورت کے سلسلہ میں تعمیر کیا گیا، بھی قابلِ ذکر کارنامے ہیں۔

متفرق انتظامات

سکہ اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی اور رومی سکے چلتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۸ھ میں اسلامی سکہ ڈھالا گیا۔ حضرت عمرؓ نے ایرانی درہم وزن کرائے تو ان میں سے بعض ۲۰ قیراط کے، بعض ۱۲ قیراط کے اور بعض دس قیراط کے نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں اوزان کا مجموعہ لے کر اس کا ثلث یعنی ۱۴ قیراط درہم کا وزن قرار دیا۔ اس طرح درہم درہم کا وزن سات مثقال ہو گیا۔ یہ درہم کسروی دراہم کے نمونے پر ڈھالے گئے۔ بعض کا نقش الحمد للہ، بعض کا لا الٰہ الا اللہ اور بعض کا محمد رسول اللہ قرار دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب دراہم ڈھالے گئے تو اُن پر اللہ اکبر کندہ کیا گیا۔ تحقیق یہ ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں صرف دراہم ڈھالے گئے دنانیر نہیں ڈھالے گئے۔ دینار بنو اُمیہ کے عہد میں عبدالملک بن مروان کے

زمانے میں ڈھالے گئے [۱]

ڈاک محکمہ ڈاک دارا شاہِ فارس کی ایجاد ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں یہ محکمہ ایران میں قائم ہوا۔ ایران کے بعد روم اور دوسرے متمدن ملکوں میں اس کا رواج ہوا۔

اسلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ محکمہ قائم کیا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے اسے قائم کیا مگر ان کا یہ خیال درست نہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے عہد کے واقعات میں جابجا "برید" کا ذکر آتا ہے۔

۱۸ھ میں جب شہنشاہِ روم نے مسلمانوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا تو حضرت ام کلثوم بنت علیؓ زوجۂ امیر المومنین عمرؓ نے ملکۂ روم کو کچھ تحائف بھیجے۔ ملکۂ روم نے بھی اپنی طرف سے تحائف بھیجے۔ اُن تحائف میں ایک قیمتی ہار بھی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی احتیاط پسند طبیعت کے اقتضاء سے اس ہار کو روک لیا اور مجلسِ شوریٰ میں معاملہ پیش کیا۔ اہلِ شوریٰ نے بالاتفاق کہا کہ ہار حضرت ام کلثوم کو دے دینا چاہیئے۔ مگر چونکہ معاملہ خلیفہ کے ذاتی فائدے سے متعلق تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔

ولکن الرسول رسول المسلمین والبرید بریدھم۔

"قاصد اور ڈاک توجن کے ذریعہ سے یہ ہار آیا مسلمانوں کی ہے"

پھر حکم دیا کہ ہار بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور ام کلثومؓ کو جو کچھ اُن کے ہدیہ پر خرچ آیا تھا دے دیا جائے [۲]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصر بن حجاج کو جرم عشق میں مدینہ

---

[۱] تاریخ الاسلام السیاسی جلد ۲ صفحہ ۲۷۵۔

[۲] تاریخ ابن جریر طبری۔

سے جلا وطن کر کے بصرہ بھیج دیا تو نصر بہت بے چین ہوئے۔ حضرت عمرؓ کا قاصد عامل بصرہ کے نام ڈاک لے کر آیا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اُس کے منادی نے اعلان کیا۔

الا ان برید المسلمین یرید ان یخرج فمن کانت لہ حاجۃ فلیکتب۔

"معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمانوں کی ڈاک اب جانے والی ہے جسے کوئی ضرورت ہو وہ خط لکھ دے۔"

چنانچہ نصر بن حجاج نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں اپنی داستانِ غم لکھ کر بھیجی [1]

اِن واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ڈاک کا محکمہ قائم تھا۔ اگرچہ اِس کا اوّلین فرض عمالِ حکومت کے مراسلات کو پہنچانا تھا۔ تاہم ڈاک کے روانہ ہونے سے پہلے عام اعلان کرا دیا جاتا تھا اور پبلک میں سے جو شخص اپنا خط بھیجنا چاہتا تھا بھجوا سکتا تھا۔ یہ محکمہ ایک خاص عامل کے ماتحت ہوتا تھا جسے "عامل البرید" کہا جاتا تھا۔

تاریخ

عرب میں اسلام سے پہلے بڑے بڑے واقعات سے سنہ کا کام لیتے تھے۔ پہلے کعب بن لوئی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر واقعۂ فیل سے سال کا شمار ہونے لگا۔ پھر عام الفجار کا رواج ہوا۔ آغاز عہدِ اسلام میں یہی طریقہ جاری رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب

---

[1] اشہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ صفحہ ۴۷۶ بحوالہ مناقب عمر لابن جوزی۔

دفاتر قائم ہوئے اور آمد و خرچ کے رجسٹر بنائے گئے تو اسلامی تاریخ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجلسِ شوریٰ طلب کی اور اس میں اس مسئلہ کو پیش کیا گیا۔ مختلف اصحاب نے مختلف رائے کا اظہار کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے واقعۂ ہجرت سے جو اسلام کے نیرِ عروج و اقبال کا مطلع ہے۔ اسلامی تاریخ شروع کرنے کی رائے دی۔ حضرت علیؓ کی رائے پسند کی گئی اور اسلامی تاریخ کا مبدأ واقعۂ ہجرت ہی کو قرار دیا گیا۔

علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام
مادامت الشمس تجری علی النظام

ختم شد

٣

خلافتِ بنو امیہ

امیر معاویہؓ بن ابی سفیان

۴۱ھ تا ۵۹ھ

حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ بانی خلافتِ امویہ، قبیلہ قریش کی شاخ بنی اُمیہ میں سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے :-

معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن اُمیہ بن عبدِ شمس بن عبدمناف۔

اس طرح عبدِ مناف پر پہنچ کر آپ کا نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

ہجرت سے پندرہ سال پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر ۲۳ سال کی عمر میں اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ساتھ جناب رسالتمآبؐ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔

امیر معاویہ پڑھے لکھے عقلمند نوجوان تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوہرِ قابل دیکھ کر کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا۔ اطرافِ ملک سے جو وفود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے ان کی مدارات بھی آپ ہی کے سپرد فرمائی۔

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب لشکرِ اسلام نے ملک شام پر یلغار کی تو اُن کے بڑے بھائی یزید بن ابی سفیان کی ماتحتی میں بھی ایک فوج دمشق کی طرف بھیجی گئی۔ امیر معاویہؓ کو اپنے بھائی کی امداد کے لئے اس فوج کے ایک دستہ کا افسر بنا دیا گیا۔ شام کے ساحلی شہروں صیدا، عرفہ، جبلیل اور بیروت کی فتوحات میں مقدمۃ الجیش کے افسر یہی تھے۔ قیساریہ کے معرکہ کا سہرا جسمیں اسی ہزار

رومی قتل ہوئے، آپ ہی کے سر رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کی کارگزاری سے خوش ہو کر انہیں ولایت اردن کا حاکم مقرر کر دیا۔ طاعون عمواس میں یزید بن ابی سفیان نے وفات پائی تو امیر معاویہ ان کی جگہ دمشق کے والی مقرر ہوئے۔ اردن کی ولایت بھی بدستور ان سے متعلق رہی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہ پورے ملک شام کے والی قرار پائے ماتحت عمال کا عزل و نصب انہی سے متعلق تھا۔

۳۵ھ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے امیر معاویہؓ کو شام کی ولایت سے معزول کر دیا۔ مگر امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ اور ان پر حضرت عثمان کی مدافعت سے پہلوتہی اور ان کے قاتلوں کی حمایت کا الزام لگایا۔ اہلِ شام نے قصاص عثمان کے مطالبہ پر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

میدانِ صفین میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی فوجوں میں لڑائی ہوئی اور آخر کار اس فیصلہ پر لڑائی ملتوی ہوئی کہ دونوں طرف سے دو حکم مقرر کئے جائیں اور وہ جو کچھ طے کر دیں اس پر دونوں فریق کاربند ہوں۔

فریقین کے حکم اس بات پر متفق ہوئے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور انتخابِ خلافت کا مسئلہ اُمت کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

اس فیصلہ کے بعد اہلِ شام نے امیر معاویہؓ کو اور اہلِ عراق نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ دونوں بزرگوں کے درمیان مسلسل جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ ایک خارجی کی تلوار سے شہید ہوئے۔ اور ۴۱ھ کے آغاز میں حضرتِ حسنؓ نے حقِ خلافت سے دستبردار ہو کر اپنے بے نظیر ایثار سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ کر دیا۔ یہ سال "عام الجماعۃ" کہلاتا ہے۔ اور اسی سال امیر معاویہ کی متفق علیہ خلافت کا دور شروع ہوتا ہے۔

فرق سیاسیہ جس وقت امیر معاویہؓ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت میدانِ سیاست میں تین سیاسی جماعتیں مصروفِ ترکتاز تھیں۔

(۱) حامیانِ بنی اُمیّہ :۔ یہ وہ لوگ تھے جو ابتداءً قصاصِ عثمان کا مطالبہ لیکر اُٹھے تھے۔ حضرت علیؓ کو شہادتِ عثمانؓ میں متہم قرار دے کر اُن کی خلافت کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ اُنھوں نے حضرت معاویۃؓ کو حضرت عثمانؓ کے جانشین کی حیثیت سے خلیفہ تسلیم کیا۔ یہ تمام اہلِ شام اور کچھ دوسرے شہروں کے رہنے والے تھے۔

(۲) شیعانِ علی :۔ یہ امامت کا حق اہلِ بیت نبی ہونے کی حیثیت سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص سمجھتے تھے۔ حضرت معاویۃؓ کو جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ لیکن حالات کی ناسازگاری سے مجبور ہو کر انہوں نے گردنِ اطاعت خم کر لی تھی۔ پھر حضرت معاویۃؓ نے اپنی کریمانہ طبیعت اور حلیمانہ طرزِ عمل سے ان کے دِلوں کو مسخر کرنے میں بھی کوتاہی نہ کی۔ یہ لوگ زیادہ تر اہلِ عجم واہلِ عراق اور اہلِ مصر تھے۔

(۳) خوارج :۔ یہ فرقہ جنگِ صفین کی پیداوار تھا۔ بنی اُمیہ اور شیعانِ علیؓ کو دین سے خارج اور واجب القتل سمجھتا تھا۔

یہ گروہ اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا مگر اپنے عقیدے کا سخت اور عمل پر نہایت ثابت قدم تھا۔ اس میں جب تک سکت رہی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور کسی مصلحت، خوف یا طمع کو پاس نہ پھٹکنے دیا۔ اُمت کے یہ بڑے سیاسی عنصر تھے جن سے امیر معاویۃؓ کو واسطہ پڑا۔ ایک بات ان سب میں مشترک تھی وہ یہ کہ سب بہادری اور ہمت کے اوصاف سے متصف تھے ایسی اُمت پر حکومت کرتے اور مُلک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے مدبرانہ سیاست درکار تھی۔ حضرت معاویۃؓ میں یہ جوہر بدرجۂ کمال موجود تھا۔ آپ اِن مختلف عناصر کے سرگروہوں کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آتے۔ جہاں تک ہو سکا اُن کی بُرائیوں کو برداشت کیا اور اُن کی زیادتیوں کو انگیز کیا۔ آپ کے علم اور رواداری کی مثال بادشاہوں

میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔

تاہم آپ کی مصالحانہ پالیسی خارجیوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ جماعت برابر ملک میں بدامنی پھیلاتی رہی اور اُس کی تلوار بُرّاں ملت کے نظام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مصروف رہی۔ اس لئے سب سے پہلے آپ کو ان ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

خوارج ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ فروہ بن نوفل اشجعی پانچ سو خوارج کو ساتھ لے کر شہرزور چلا گیا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ امام حسنؓ نے خلافت کو امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیا ہے تو اُس نے کہا اب تلوار کو بے نیام کرنے کا وقت آ گیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلے کے ارادہ سے مقامِ نخیلہ میں آکر ٹھہرا۔

امیر معاویہ نے اُس کے مقابلہ کے لئے شامیوں کی ایک جماعت بھیجی لیکن فروہ نے اُسے شکستِ فاش دی۔ امیر معاویہؓ نے اہلِ کوفہ سے کہا اگر میری طرف سے تم نے اُن کا مقابلہ نہ کیا تو میں تمہیں امن نہ دوں گا۔ اہلِ کوفہ فروہ کے مقابلہ کو نکلے۔ خوارج نے ان سے کہا "کیا معاویہ ہمارے اور تمہارے مشترک دشمن نہیں؟ تم انہیں تنہا ہمارا مقابلہ کرنے دو۔ اگر ہم نے انہیں شکست دیدی تو اُن کے پنجہ سے آزاد ہو لوگے اور اگر انہوں نے ہمیں شکست دی تو تم ہماری طرف سے بے فکر ہو جاؤ گے"۔

مگر اہلِ کوفہ نہ مانے انہوں نے خوارج کا مقابلہ کیا اور فروہ کو زندہ گرفتار کر کے کوفہ میں لے آئے۔ اب خوارج نے عبداللہ بن ابی الحوساء کو جو بنی طے کے قبیلہ کا تھا اپنا سردار بنا لیا۔ اہلِ کوفہ نے پھر مقابلہ کیا۔ ابوالحوساء بہادرانہ طریقے پر مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

یہ واقعہ ربیع الاوّل کا ہے۔

ابن ابی الحوساء کے قتل کے بعد خوارج پھر جمع ہوئے۔ انہوں نے

موثرہ بن وداع اسدی کو اپنا سردار منتخب کیا۔ موثرہ ایک سو پچاس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر مقام نخیلہ پہنچا۔ ابن ابی الحوساء کے بچے کھچے ساتھی جو کچھ زیادہ نہ تھے اس سے آملے۔

امیر معاویہؓ نے موثرہ کے باپ ابو موثرہ کو جو کوفہ میں رہتا تھا بلایا اور اس سے کہا کہ اپنے بیٹے کو سمجھاؤ۔ ابو موثرہ بیٹے کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانا۔ ابو موثرہ نے کہا میں تیرے بچے کو تیرے سامنے لاتا ہوں شاید اس کی صورت دیکھ کر تجھے رحم آئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے۔ موثرہ نے جواب دیا۔ مجھے کسی کافر (غیر خارجی) کے نیزہ کی انی پر کرد میں بدلتا اپنے بچے کو گود میں کھلانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ابو موثرہ لوٹ آئے اور امیر معاویہ سے اپنے بیٹے کی گفتگو نقل کی امیر معاویہؓ بولے۔ تمہارے بیٹے نے تو بڑی سرکشی پر کمر باندھی ہے۔ اب امیر معاویہؓ نے عبداللہ بن عوف احمر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ موثرہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ خود ابو موثرہ بھی اس فوج میں شامل تھے۔ لڑائی شروع ہوئی تو بیٹے کو مبارزت کے لئے بلایا۔ موثرہ نے کہا میرے علاوہ آپ کے مقابلہ کے لئے اور بہت ہیں۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ خوارج بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ موثرہ اور اُس کی فوج کے اکثر آدمی مارے گئے صرف پچاس آدمی زندہ بچے جنہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۴۱ھ کا ہے۔

امیر معاویہؓ کوفہ میں ہی تھے کہ شبیب بن بجرہ اُن کے پاس آیا اور کہا میں نے اور ابن ملجم نے مل کر حضرت علیؓ کو قتل کیا ہے۔ اور اُن سے انعام و اکرام کا خواستگار ہوا۔ امیر معاویہ فوراً گھر میں چلے آئے اور قبیلہ اشجع سے کہلا بھیجا کہ تم شبیب کو شہر سے نکال دو ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔

شبیب نے یہ شورہ پشتی اختیار کی کہ رات ہوتے ہی نکل کھڑا ہوتا اور

جو سامنے آتا اُسے قتل کر دیتا۔ آخر جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے انہوں نے خالد بن عرفطہ کی ماتحتی میں سواروں کا ایک دستہ اُس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ شبیب اور اُس کے ساتھی مارے گئے۔

غرض خوارج کی جماعتیں اسی طرح یکے بعد دیگرے ہنگامہ آرائی کرتی رہیں اور بلادِ عراق میں انہوں نے دہشت پھیلا دی۔ حضرت معاویہ نے سوچا کہ عراق میں امن و امان اور نظم و نسق قائم کرنے کے لئے با اثر اور صاحبِ تدبیر حکام کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے اُن کی نگاہِ انتخاب، زیاد بن سمیہ اور مغیرہ بن شعبہ پر پڑی۔ یہ دونوں حُسن تدبیر اور کمالِ سیاست میں مشہور تھے۔

زیاد بن ابیہ

زیاد بن ابیہ شیعانِ علیؓ میں سے تھا اور ان کی طرف سے فارس کا والی تھا۔ امیر معاویہ کو فارس میں اس کے استحکام اور اُس کی قوت و اثر کا حال معلوم تھا۔ مغیرہ بن شعبہ جو اس وقت کوفہ کے والی تھے جب اُن سے ملنے گئے تو امیر معاویہ نے اُن سے زیاد کی طرف سے اپنے خدشہ کا اظہار کیا۔ مغیرہ بن شعبہ نے زیاد کو ہموار کرنے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔

مغیرہ زیاد کے پاس گئے اور اُسے سمجھایا کہ امام حسنؓ کی دستبرداری کے بعد خلافت تو معاویہ کے ہاتھ میں آ ہی گئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اُن سے مصالحت کر لو۔ اس وقت وہ اس کے خواہشمند بھی ہیں اس لئے تمہاری من مانی شرائط پر یہ معاملہ طے ہو جائے گا۔ زیاد نے مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے مغیرہ کی واپسی کے بعد زیاد کو امن نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ زیاد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اس سے فارس کی آمد و خرچ کا حساب طلب کیا۔ زیاد نے جو کچھ حساب کتاب پیش کیا امیر معاویہ نے اس کی تصدیق کر دی۔

زیاد نے امیر معاویہؓ سے کوفہ میں رہنے کی اجازت مانگی۔ امیر معاویہ نے اجازت دے دی مگر مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ زیاد اور دوسرے شیعانِ علیؓ، حجر بن عدی، سلیمان بن مرد، شیث بن ربعی، ابن الکواء وغیرہ کی نگرانی رکھیں۔

یہ واقعہ سنہ ۴۲ھ کا ہے۔

سنہ ۴۴ھ میں امیر معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی تسلیم کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ زیاد کی ماں سمیہ، حرث بن کلاہ طبیب ثقفی کی باندی تھی۔ حرث کے صلب سے سمیہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے ابوبکرہ اور نفیع۔ پھر ابوسفیان نے سمیہ سے زمانۂ جاہلیت کے طرز پر (جو اصل میں زنا کی ایک صورت تھی) نکاح کر لیا اور اُن کے صلب سے زیاد پیدا ہوا۔ مگر زیاد کا ابوسفیان سے یہ تعلق مشہور نہ تھا اور وہ ابن ابیہ اپنے باپ کا بیٹا ہی کہلاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کوئی خدمت زیاد کے سپرد کی۔ زیاد نے اُسے باحسن وخوبی انجام دیا۔ جب واپس آیا تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک فصیح وبلیغ تقریر کی۔ حضرت عمرؓ اور مہاجرین وانصار جو اس موقع پر موجود تھے اس کی خوش بیانی سے محظوظ ہوئے۔ عمرو بن عاص نے کہا۔ اگر اس غلام کا باپ قریش میں سے ہوتا تو یہ اپنی لاٹھی سے سارے عرب کو ہنکا دیتا۔ ابوسفیان نے کہا میں جانتا ہوں کہ اس کا باپ کون ہے؟

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان نے خود اپنی زندگی میں کھل کر زیاد کو اپنا بیٹا تسلیم نہیں کیا۔

حضرت معاویہؓ نے زیاد کو خوش کرنے کے لئے بعض شہادتوں کی بنا پر جوان کے سامنے گزریں زیاد کو اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا تاہم امیر معاویہؓ کے اس فعل کو عامہ مسلمین کی تائید حاصل نہ ہوئی۔ دراصل حق استلحاق ابوسفیان کو تھا اور وہ بھی زمانۂ جاہلیت میں۔ امیر معاویہ اس حق کو استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ زیاد نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں ایک خط

بھیجا اور اس کے آغاز میں لکھا۔ "زیاد بن ابی سفیان کی جانب سے۔"
اسے توقع تھی کہ حضرت عائشہ اسے اسی نام سے خطاب کریں گی اور اس کے لئے ثبوت ہو جائے گا۔ مگر حضرت عائشہؓ نے اس کا جواب بھیجا تو لکھا۔
"سب مسلمانوں کی ماں عائشہؓ کی طرف سے زیاد بیٹے کے نام۔"[۹۵]
۴۵ھ میں حضرت معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ یہاں کی حالت سابق والی عبداللہ بن عامر کے زمانہ میں اور بھی بدتر ہو گئی تھی۔
وہ بہت نرم خو تھے اور کسی پر سختی کرنا پسند نہ کرتے تھے اور اہلِ بصرہ فطرتاً شورش پسند تھے بغیر سختی کے باز نہ آتے تھے۔
زیاد آخر ربیع الاول میں یہاں آیا تو فتنہ و فساد کی گرم بازاری دیکھی اس نے آتے ہی جامع کوفہ میں ایک پُرزور تقریر کی جو خطبۂ "تبراء" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس میں حمد و ثناء نہ تھی۔ اس تقریر کے بعض اجزاء یہ ہیں :-

"سخت جہالت اور تاریک گمراہی نے ہر چھوٹے بڑے کو گھیر رکھا ہے گویا تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں دیکھی اور اس میں اہلِ اطاعت کے لئے ثوابِ عظیم اور اہلِ معصیت کے لئے عذابِ الیم کا ذکر نہیں پڑھا۔ تم نے اسلام میں نئے دستور جاری کئے ہیں۔ کمزوروں پر ظلم ڈھایا جاتا ہے اور تم ان کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ دن دہاڑے ضعیف عورتوں کا مال لوٹا جاتا ہے اور تم ان کے کام کیوں نہیں آتے؟ کیا تم میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو رہزنی اور غارت گری سے روکیں۔ تم قرابت کا خیال کرتے ہو اور دین کی پرواہ نہیں کرتے۔
"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر حالات درست نہ ہوئے تو غلام کی بجائے آقا کو، مسافر کی جگہ مقیم کو، نافرمان کی جگہ فرمانبردار کو

---

[۹۵] تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۷

اور بیمار کی جگہ تندرست کو پکڑوں گا اور اُسے سزا دوں گا۔ جس شخص کے گھر میں نقب لگے گا میں خود اُس کا مال ادا کروں گا۔ اور جو شخص رات کو باہر پھرتا پایا جائے گا موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ صرف اتنی مدت کی مُہلت دی جاتی ہے کہ جانے والا کوفہ جائے اور لوٹ آئے۔ اس مدت کے بعد کوئی عُذر نہ سُنا جائے گا۔

میں کسی کی زبان سے جاہلیت کی صدائے بے ہنگام نہ سُنوں ورنہ اُس کی زبان تراش دوں گا۔ تم لوگوں نے نئے نئے جرائم ایجاد کئے ہیں ہم نے بھی اُن کی نئی نئی سزائیں تجویز کر لی ہیں۔ سُنو جس نے کسی کو غرق کیا اُسے غرق کر دیا جائے گا۔ جس نے کسی کو آگ میں جلایا اُسے بھی آگ میں جلا دیا جائے گا۔ جس نے کسی کے گھر میں نقب کیا اس کے دل میں شگاف کر دیا جائے گا۔ جس نے کسی کی قبر کو کھودا اُسے زندہ قبر میں دفن کر دیا جائے گا۔ تم اپنے ہاتھ اور زبان مجھ سے بچاؤ۔ میں اپنے ہاتھ اور زبان تم سے الگ رکھوں گا۔

میرے اور بعض قوموں کے درمیان کچھ عداوت تھی لیکن آج میں اُسے اپنے پیروں تلے روندتا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کوئی شخص میری دلی عداوت کی وجہ سے سِل کے مرض میں مُبتلا ہو گیا ہے تب بھی میں اُس کی پردہ دری نہ کروں گا۔ لیکن اگر وہ کُھلم کُھلا دشمنی کا اظہار کرے گا تو پھر میں اُسے نہ چھوڑوں گا۔ تم اپنے طریقۂ عمل کو درست کرو اور نیک روی اختیار کر کے خود اپنی مدد کرو۔ کچھ لوگ ہیں جو میرے آنے سے غمگین ہیں لیکن آخرکار وہ خوش ہو جائیں گے اور کچھ لوگ ہیں جو خوش ہو رہے ہیں لیکن آخرکار وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اے لوگو! ہم تمہارے حاکم اور تمہارے نگہبان ہیں تمہیں ہماری اطاعت و فرمانبرداری کرنی ہو گی اور ہمیں تمہارے ساتھ عدل و انصاف لازم ہے

لہٰذا ہماری خیر خواہی اختیار کر کے ہمارے انصاف کے مستحق بن جاؤ۔
خدا کی قسم! میں تم میں سے بہت کو اپنے ہاتھ سے بچھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں
لہٰذا ہر شخص کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ میرے ہاتھ سے نہ بچھڑے"۔ [1]

زیاد نے عبداللہ بن حصن کو کوتوال شہر مقرر کیا۔ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی جاتی۔ پھر زیاد کسی قاری کو حکم دیتا کہ وہ قرأت کے ساتھ سورۂ بقر یا اس کی مثل کوئی طویل سورۃ پڑھے۔ اس کے بعد اتنا انتظام کیا جاتا کہ آدمی کوفہ کے انتہائی حصہ تک جا سکے۔ پھر زیاد عبداللہ بن حصن کو گشت کا حکم دیتا۔ عبداللہ بن حصن گشت کے دوران میں جس آدمی کو گھر سے باہر دیکھتا اُسے قتل کر دیتا۔ ایک دن کوتوال نے ایک دیہاتی کو پکڑا اور اُسے زیاد کے سامنے حاضر کیا۔ زیاد نے اُس سے پوچھا کیا تُو نے منادی نہیں سُنی تھی؟ دیہاتی نے کہا نہیں! خدا کی قسم! میں تو اپنی بکریاں لے کر شہر میں آیا تھا۔ راستہ میں رات ہو گئی میں بکریوں کو لے کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا کہ رات گزار دوں، مجھے امیر کے حکم کی کچھ خبر نہیں۔

زیاد نے کہا تُو مجھے سچّا معلوم ہوتا ہے لیکن تیرے قتل میں اُمّت کی اصلاح ہے اور پھر اس بے گناہ کو قتل کرا دیا۔ زیاد کے اس ظالمانہ طرزِ عمل سے کوفہ میں خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ مفسد جماعت نے فتنہ و فساد سے توبہ کر لی۔ اور شہر میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ اب شہر کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز گر پڑتی تو دوسرا اُسے ہاتھ نہ لگاتا تھا جس کی چیز ہوتی وہی اُسے اٹھا کر لے جاتا۔ دکاندار اپنی دوکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیتے۔ اور اُن کا ذرّہ برابر نقصان نہ ہوتا۔

زیاد نے اس سختی کے ساتھ جہاں موقع دیکھا نرمی سے بھی کام لیا۔ عیینہ بن کبیش کو ایک خارجی سردار کی گرفتاری کا حکم دیا جو بنی سعد کے قبیلہ سے تعلق

---

[1] المختارات بحوالہ البیان والتبیین صـ۲۷ تا صـ۳۰ و تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۶۸۔

رکھتا تھا۔ بُجَینہ نے اُسے جا کر پکڑا۔ خارجی نے بُجَینہ سے وضو کر لینے کی اجازت چاہی۔ بُجینہ نے کہا اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم وضو کر کے واپس آ جاؤ گے۔ خارجی نے کہا میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بناتا ہوں۔ خارجی حسبِ وعدہ وضو کر کے حاضر ہو گیا۔ اور زیاد کی مجلس میں پیش کیا گیا۔ زیاد نے حمد و نعت کے بعد خلفائے ثلاثہ کی تعریف کی۔ پھر خارجی سے کہا۔ تم ہم سے بے تعلق رہے۔ ہمیں تمہارا یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ خارجی نے حمد و نعت اور شیخین کی تعریف کے بعد کہا۔ تمہیں اپنے قول و قرار پر پابند رہنا چاہیئے۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جو شخص ہم سے تعرض نہ کرے گا ہم اُس سے باز پرس نہ کریں گے۔ زیاد نے اپنی غلطی تسلیم کی اور خارجی کو خلعت اور بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا۔

اسی طرح زیاد کو ایک با اثر خارجی ابو الخیر کی طرف سے اندیشہ ہوا کہ زیاد نے اُسے بلا کر جندی سابور کا عامل مقرر کر دیا۔ چار ہزار درہم ماہوار اُس کا وظیفہ اور ایک لاکھ درہم سالانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ وہ خارجی کہا کرتا تھا کہ جماعت میں شامل رہنا ہی بہتر طریقہ ہے۔

ابو العباس مبرد کا قول ہے :-

"زیاد اس خارجی کو قتل کرتا جو میدان میں آ کر مخالفت کرتا جو در پردہ مخالف ہوتا اس سے تعرض نہ کرتا اور اُس وقت تک تلوار کو بے نیام نہ کرتا جب تک جرم ثابت نہ ہو جاتا۔

ولایت کوفہ سنہ۵۰ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ والئ کوفہ کا انتقال ہوا تو کوفہ کی ولایت بھی زیاد کے سپرد کر دی گئی۔ زیاد چھ مہینے بصرہ میں رہتا اور چھ مہینے کوفہ میں۔

زیاد پہلی مرتبہ بحیثیت والی کے کوفہ پہنچا تو اُس نے یہاں بھی جامع کوفہ میں ایک خطبہ دیا۔ کوفہ کے شورش پسندوں نے اپنی عادت کے مطابق اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے فوراً مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور خود مسجد کے

دروازے پر بیٹھ گیا اور حکم دیا کہ چار چار آدمی باہر نکلیں۔ جو شخص قسم کھا کر کنکریاں پھینکنے کا انکار کرتا اُسے چھوڑ دیا جاتا اور جو اس میں تامل کرتا اسے روک لیا جاتا۔ اس طرح تیس آدمی روک لئے گئے اور اُن کے ہاتھ اُسی وقت کاٹ دیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد زیاد نے مسجد میں اپنے لئے ایک مقصورہ بنوا لیا۔

قتل حُجر بن عدی

حُجر بن عدی کوفہ کے با اثر حامیانِ علی میں سے تھے جب امام حسنؓ نے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو سب سے پہلے یہی حضرت امام کے پاس پہنچے اور اُن کے اس طریقِ عمل سے سخت اختلاف کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا۔

"اے ابن رسول اللہ! میں آج کے دن سے پہلے مر جاتا تو بہتر تھا۔ آپ نے ہمیں انصاف کے ہاتھوں سے نکال کر ظلم کے پنجہ میں دیدیا ہے۔ ہمیں حق کو چھوڑنا پڑا ہے اور باطل کو قبول کرنے پر جس سے ہم بھاگتے تھے مجبور ہو گئے ہیں۔"

حضرت امام نے جواب دیا۔

"اے حُجر! میں نے اپنے اکثر ساتھیوں کو صُلح کا خواہشمند اور لڑائی سے متنفر پایا۔ میں نے پسند نہ کیا کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف مجبور کروں۔ میرے حامیوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ صُلح کر کے اُن کا خون نہ بکھرنے دوں۔"

یہاں سے مایوس ہو کر حُجر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُنہیں حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت امام حسینؓ نے بھی یہ فرما دیا "ہم بیعت کرنے کے بعد نہیں توڑ سکتے۔" حُجر مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے۔

مغیرہ بن شعبہ والئ کوفہ ایک نیک سیرت بزرگ تھے۔ تاہم حضرت معاویہؓ کے احکام کے مطابق وہ بھی حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لئے

دُعا کیا کرتے تھے۔ حُجر بن عدی اور اُس کے ساتھیوں سے یہ برداشت نہ ہوتا اور وہ بھی مجمع عام میں حضرت علیؓ کی تعریف اور حضرت عثمانؓ کی مذمت کرتے۔ مغیرہ بن شعبہ ان سے تعرض نہ کرتے بلکہ انعام واکرام سے اُن کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے۔

ایک دن مغیرہ بن شعبہ اپنے آخری زمانے میں خُطبہ دے رہے تھے کہ حُجر دورانِ خطبہ میں کھڑے ہوئے اور باآوازِ بلند کہا "اے شخص تو نے ہمارے وظیفے بند کر دیئے ہیں۔ تجھے اس کا حق نہ تھا تو ہمارے وظیفے جاری کر اور امیر المومنین کی بدگوئی کے شوق سے باز آ"

اس پر دو تہائی نمازی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے حُجر نے ٹھیک کہا۔ ہمارے وظیفے جاری کرو۔ مغیرہ بن شعبہ منبر سے اُتر آئے۔

مغیرہ بن شعبہ کا یہ طرزِ عمل اُن کے ساتھیوں کو پسند نہ آیا۔ انہوں نے ان سے کہا آپ نے حُجر بن عدی کو بڑا جری بنا دیا ہے۔ اس طرح حکومت کا دبدبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ امیر المومنین تک خبر پہنچے گی تو وہ بھی اسے ناپسند کریں گے۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا۔

"تم سمجھتے نہیں میں نے تو حُجر کو قتل کر دیا ہے۔ میری نرمی سے وہ حکومت کی مخالفت کے عادی ہو گئے ہیں۔ میرے بعد جو والی آئے گا اُس کے زمانہ میں بھی وہ یہی طرزِ عمل اختیار کریں گے وہ انہیں قتل کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ یہ میری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ میں اپنے ہاتھ اس شہر کے بزرگوں کے خون سے رنگین کر کے انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی نہیں بنانا چاہتا"

مغیرہ بن شعبہ کا یہ خیال درست تھا۔ ان کے بعد زیاد کوفہ کا والی مقرر ہُوا۔ وہ صرف چھ مہینے کوفہ میں رہتا تھا اور اس کی غیر حاضری کے زمانے میں عمرو بن حریث اس کی قائم مقامی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ ایک جمعہ کو عمرو بن حریث

خطبہ پڑھنے کھڑا ہوا تو حجر بن عدی نے اپنی عادت کے مطابق اس پر بھی کنکریاں پھینکیں۔ عمرو بن حریث منبر سے اُتر آیا اور قصر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اور واقعہ کی اطلاع بصرہ میں زیاد کو پہنچائی۔ اس نے یہ بھی اطلاع دی کہ حجر کے مکان پر شیعانِ علیؓ جمع ہوئے ہیں اور حضرت معاویہؓ پر لعن طعن کیا جاتا ہے۔

زیاد بصرہ سے کوفہ آیا اس نے جامع کوفہ میں ایک تقریر کی اور اہلِ کوفہ کو حکومت کی مخالفت کے انجام سے ڈرایا۔ پھر اُس نے حجر بن عدی کو طلب کیا۔ حجر نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ زیاد نے پولیس کے ذریعے انہیں طلب کیا۔ حجر کے ساتھیوں نے پولیس والوں کو گالیاں دیں۔ زیاد نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے پھر ایک تقریر کی اور کہا۔

> "تم لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے ایک ہاتھ سے سر پھوڑتے ہو اور دوسرے ہاتھ سے اس کی مرہم پٹی کرتے ہو۔ تمہارے جسم میرے ساتھ ہیں اور دل حجر کے ساتھ۔ یا تو تم سیدھے ہو جاؤ ورنہ تکلے کے سے بل نکال دوں گا۔"

اہلِ کوفہ اس تقریر سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے "معاذ اللہ! ہم آپ کی اطاعت سے کس طرح گردن موڑ سکتے ہیں"۔

زیاد نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے رشتہ داروں کو جو حجر کے ساتھ ہیں اُس کا ساتھ دینے سے روکے۔ اس طرح حجر بن عدی کے اکثر ساتھی اُن سے علیحدہ ہو گئے۔ اب زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے گنے چنے ساتھیوں کو جو تعداد میں تیرہ تھے گرفتار کرا کر قید کر دیا۔

پھر زیاد نے حجر کے خلاف کوفہ کے معززین کی شہادتیں جمع کیں۔ ان لوگوں نے شہادت دی کہ حجر اور اُن کے ساتھی خلیفہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ حکومت کے مخالف ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنے پاس ایک گروہ بھی جمع رکھتے ہیں۔ پھر ان شہادتوں کو حجر بن عدی اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ دربارِ خلافت میں

دمشق بھیج دیا گیا۔ زیاد نے حضرت معاویہؓ کو یہ بھی لکھا کہ یہ لوگ عراق میں فتنہ کی جڑ ہیں اگر انھیں قتل کر دیا گیا تو فتنہ کا قلع قمع ہو جائے گا۔

امیر معاویہؓ نے حجرؓ اور اُن کے سات ساتھیوں کو قتل کرا دیا اور چھ کو جنہوں نے اپنے طرزِ عمل کو بدلنے کا وعدہ کیا چھوڑ دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو جب حجر بن عدی کی گرفتاری اور دمشق کی طرف ان کی روانگی کی اطلاع ملی تو انھوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کے ذریعے اُن کے لئے سفارش نامہ بھیجا۔ مگر عبدالرحمٰن اس وقت دمشق پہنچے کہ حجر قتل ہو چکے تھے۔

حجر بن عدی کا قتل ایک افسوسناک واقعہ تھا۔ حضرت معاویہؓ کرنے کو تو کر گزرے مگر بعد میں اُن کو بھی پشیمانی ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کے سفیر عبدالرحمٰن نے اُن سے پوچھا اے معاویہ حجر کو قتل کرتے وقت تمہاری خاندانی بردباری کہاں چلی گئی تھی؟ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا "جب تم جیسے بُردبار لوگ مجھ سے علیحدہ ہو جائیں تو ابن سمیّہ کی ہر بات مجھے ماننی ہی پڑے گی"

حضرت معاویہؓ جب حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُنھوں نے اُن سے یہی سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا "مجھے کوئی سمجھدار مشیر میسر نہ آیا"۔[1]

مرگِ زیاد

سنہ ۵۳ھ میں زیاد کی موت واقع ہوئی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ زیاد نے حضرت معاویہؓ کو لکھا "میں نے عراق کو اپنے بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے میرا دایاں ہاتھ خالی ہے۔ اسے حجاز دے کر مشغول کر دیجئے"۔ حضرت معاویہؓ نے اس کے نام حکومتِ حجاز کا بھی پروانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۴ و
اخبار الطوال صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۶

لکھ دیا۔ اہلِ حجاز کو یہ خبر معلوم ہوئی تو بہت پریشان ہوئے۔ ان کا ایک وفد حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور فریاد کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قبلہ رُخ ہو کر دُعا مانگی۔

"اے اللہ! ہمیں زیاد کے شر سے محفوظ رکھ۔"

یہ دُعا قبول ہوئی اور زیاد کی دائیں ہاتھ کی انگلی میں طاعون کی گلٹی نکلی اور وہ مر گیا۔ جب اس کی موت کی خبر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ "جا اے ابن سمیّہ! نہ تو نے آخرت ہی پائی اور نہ دُنیا ہی تیرے لئے باقی رہی۔"[1]

مغیرہ بن شعبہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی سیاست نرم تھی۔ وہ صلح و آشتی کو پسند کرتے تھے۔ مخالفین کے پیچھے نہیں پڑتے تھے۔ لوگ ان سے آکر کہتے تھے فلاں شخص خارجی عقیدہ رکھتا ہے۔ فلاں شخص شیعی خیال کا ہے۔ آپ یہ فرما کر ٹال دیتے تھے "خدا کی حکمت ہی اس کی مقتضی ہے کہ اس کے بندوں کے خیالات میں اختلاف رہے۔ قیامت کے دن وہ ان کے اختلافات کا خود فیصلہ فرمائے گا۔"

لیکن خوارج کب چین سے بیٹھنے والے تھے۔ وہ امن و اطاعت کو گناہ سمجھتے تھے اور فساد و بغاوت کو ثواب۔ انہوں نے مستورد بن علقمہ کو اپنا سردار بنا کر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کوفہ میں حیان بن ظبیان کے مکان پر خفیہ مشورہ ہوا اور قرار پایا کہ خاص عید الفطر ۴۳ھ کے دن میدان میں نکلا جائے۔

مغیرہ بن شعبہ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی۔ پولیس نے حیان کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ مستورد اور اس کے کچھ ساتھی نکل بھاگے اور باقی گرفتار ہو گئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۹۵۔

مستورد نے کوفہ سے نکل کر پھر اپنے ساتھیوں کو مجتمع کیا اور مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک مؤثر تقریر کی اور خارجیوں کے فتنہ کی سرکوبی کے لئے اُن سے مدد چاہی۔ معقل بن قیس ریاحی نے کہا اے امیر ہر قبیلہ کا سردار اپنے اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لے۔ میں اپنے قبیلہ کی ذمہ داری لیتا ہوں۔

مغیرہ بن شعبہ نے اس رائے کو پسند کیا اور ہر قبیلہ کے سردار کو حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلہ کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے بچائے۔ تمام سردارانِ قبائل نے اس حکم کی اطاعت کی اور اللہ کا واسطہ دے کر اپنے اپنے قبیلے کو اس شورش سے باز رکھا۔

مستورد اس وقت قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص سلیم بن محدوج کے مکان میں پناہ گزین تھا۔ صعصعہ بن صوحان عبدی جو اس قبیلہ کا سردار تھا اپنے قبیلہ میں آیا۔ ایک پر زور تقریر میں انہیں اس فتنہ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ تمام قوم نے صعصعہ کی رائے کو قبول کیا اور خارجیوں سے الگ تھلگ رہنے کا اقرار کیا۔ مستورد کو جب صعصعہ کی کوششوں کا علم ہوا تو وہاں سے چلا گیا۔

مستورد نے پھر اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور تین سو کی جمعیت کو ساتھ لے کر سوراء سے صراۃ کی طرف مقابلہ کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

مغیرہ بن شعبہ کو جب اُن کے خروج کا حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے سردارانِ کوفہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ عدی بن حاتم نے کہا اے امیر! ہم سب ان سے بیزار ہیں اور آپ کے فرمانبردار، آپ جسے حکم دیں گے اُن کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے گا۔ معقل بن قیس نے کہا یوں تو سب اشرافِ کوفہ ہی آپ کے مطیع اور اُن ظالموں کے دشمن ہیں۔ لیکن میں سب سے پیش پیش ہوں۔ ان کے مقابلہ کے لئے مجھے بھیجئے۔

مغیرہ بن شعبہ نے تین ہزار شیعہ جماعت کے منتخب افراد معقل بن قیس کی

کمان میں مستورد کے مقابلہ کے لئے بھیجے۔ ابو رداغ لشکری تین سو ساتھیوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے گیا۔ ان دونوں جماعتوں میں مختلف مقامات پر متعدد معرکے ہوئے جن میں خارجی ہی غالب رہے۔ آخری معرکہ مقام دیلمیا پر نہایت سخت تھا۔ فریقین انتہائی شجاعت کے ساتھ لڑے۔ مستورد اور معقل دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئے۔ مستورد کا نیزہ معقل کے سینہ کے پار ہو گیا اور معقل کی تلوار نے مستورد کے سر کے پرخچے اُڑا دیئے۔ اس لڑائی میں پانچ آدمیوں کے سوا خارجیوں میں سے کوئی زندہ نہ بچا۔ اس طرح خوارج کی شورش کچھ عرصہ کے لئے دب گئی۔

مغیرہ بن شعبہ سات سال اور کچھ مہینے کوفہ کے والی رہے۔ ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور کوفہ بھی بصرہ کے ساتھ زیاد کی ولایت میں شامل کر دیا گیا۔

مغیرہ بن شعبہ، نرم خو، صلح جو اور باتدبیر والی تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں اہلِ کوفہ کا خون بہا کر انہیں سعید اور اپنی ذات کو شقی بنانا نہیں چاہتا۔ میں نکوکار کو جزائے نیک دوں گا۔ غلط کار سے درگزر کروں گا۔ سنجیدہ سخن کی تعریف کروں گا اور بے وقوف کو سمجھاؤں گا۔ حتیٰ کہ قضا کا ہاتھ میرے اور اُن کے درمیان جدائی ڈال دے۔ اہلِ کوفہ کو میرے بعد دوسرے سے سابقہ پڑے گا تو وہ مجھے یاد کیا کریں گے۔ کوفہ کے ایک شیخ نے اُن کے انتقال کے بعد کہا:-

"خدا کی قسم ہم نے انہیں آزمایا تو اُنہیں بہترین والی پایا۔ نیک کردار کے ثناخواں اور گناہ گار کو معاف کرنے والے تھے اور عذر خواہ کے عذر کو قبول کر لیتے تھے۔"

امام شعبی نے فرمایا ہے:-

"مغیرہ بن شعبہ کے بعد اُن جیسا کوئی والی نہ آیا وہ سلف صالح کا بقیہ تھے۔"

البتہ حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کے لئے دعائے رحمت اُن کا بھی معمول تھا۔ مگر اس زمانہ میں حامیانِ بنواُمیہ اور شیعانِ علی دونوں اس مرض میں مبتلا تھے۔ دونوں اپنے فریقِ مخالف کے اکابر کی عیب جوئی کو بُرا نہ سمجھتے۔

عبیداللہ بن زیاد زیاد کی موت کے بعد حضرت معاویہؓ نے عبیداللہ بن زیاد کی درخواست پر اُسے خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ۵۵ھ میں عبیداللہ بن عمر بن غیلان کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کی ولایت بھی دیدی گئی۔ زیاد کی موت کے بعد خوارج میں پھر حرکت پیدا ہوئی تھی عبیداللہ بن زیاد نے اپنے باپ سے بھی زیادہ سخت طرزِ عمل اختیار کیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ وہ گھوڑ دوڑ میں شریک تھا اور گھوڑے کا انتظار کر رہا تھا کہ عروہ بن ادیہ نے اُسے نصیحت کرنی شروع کی اور قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت کی۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝	کیا تم ہر اونچی جگہ پر بے ضرورت یادگار
وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ	بناتے اور محل تعمیر کرتے ہو گویا تم دُنیا میں
تَخْلُدُوْنَ وَاِذَا بَطَشْتُمْ	ہمیشہ رہو گے اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو
بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ (پ ۱۹ ع ۱۱)	اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو"

عروہ خارجی عقیدہ کا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے خیال کیا کہ اس کے پسِ پشت بڑی طاقت معلوم ہوتی ہے تب ہی تو اُس نے مجھ سے اس قدر جراٴت سے کے ساتھ کلام کیا ہے۔ عبیداللہ گھوڑ دوڑ کے میدان سے فوراً واپس ہو گیا اور عروہ کی گرفتاری کا حکم دیا۔ عروہ گرفتار ہو کر آیا تو اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ ابن زیاد نے پوچھا اب تمہارا کیا خیال ہے؟ عروہ نے جواب دیا۔ میرا خیال ہے کہ تم نے میری دُنیا اور اپنی عاقبت خراب کر لی ہے۔ ابن زیاد نے اُس کے قتل کا حکم دیا اور اُس کی بیٹی کو بھی قتل کرا دیا۔

اسی طرح بنی یربوع کے قبیلہ کی ایک عورت ابن زیاد کی برائی کیا کرتی تھی

ابن زیاد نے اسے طلب کیا۔ لوگوں نے اُسے روپوش ہو جانے کا مشورہ دیا۔ اُس عورت نے کہا میں اپنی جان بچا کر دوسروں کو مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتی ابن زیاد کے سامنے حاضر ہوئی تو اُس نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر قتل کرا دیا۔

پھر ابن زیاد نے خوارج کی عام گرفتاری کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ قید خانہ بھر گیا۔ عروہ بن ادیہ کا بھائی ابو بلال مرداس بھی گرفتار ہُوا۔ مرداس بڑا عبادت گزار شخص تھا۔ داروغہ قید خانہ نے اُسے اجازت دیدی تھی کہ رات کو اپنے گھر چلا جایا کرے اور صبح کو آجایا کرے۔ ابن زیاد کی مجلس میں ایک رات خوارج کے قتل کا مشورہ ہُوا۔ وہاں مرداس کا ایک دوست بھی موجود تھا۔ مرداس کے دوست نے اُسے خبر دے دی کہ تمہارے قتل کے احکام جاری ہو چکے ہیں۔ مگر مرداس حسبِ معمول قید خانہ چلا گیا۔ داروغہ نے مرداس سے پوچھا کیا تمہیں امیر کے ارادے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ مرداس نے کہا خبر تو ہو گئی تھی مگر میں نے اپنے محسن کو مصیبت میں پھنسانا پسند نہ کیا۔ داروغہ اس جواب سے بہت متاثر ہُوا اور اُس نے ابنِ زیاد سے سفارش کر کے اس کی جان بخشی کرا دی۔ مرداس اہواز کی طرف چلا گیا۔

اہواز میں مرداس نے یہ طریقہ اختیار کیا جب محاصلِ حکومت کا روپیہ بیت المال کو روانہ ہوتا تو اس میں سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے وظائف کی رقم چھین لیتا۔ باقی چھوڑ دیتا۔ ابن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لئے دو ہزار کا لشکر دے کر اسلم بن زرعہ کو بھیجا۔ مرداس نے اپنے چالیس آدمیوں سے دو ہزار کے لشکر کو شکستِ فاش دی[1]

الغرض ابنِ زیاد خوارج کی آتشِ فساد کو آبِ شمشیر سے بھی سرد نہ کر سکا۔

---

[1] ابن اثیر صفحہ ۲۰۲ جلد ۳ ۔

ولایتِ مصر مصر کے والی فاتح مصر اور مصر کے حالات کے نبض شناس عمرو بن عاص تھے۔ ۴۳ھ میں ان کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹے عبداللہ بن عمرو والی مقرر ہوئے۔ پھر اُن کو معزول کر دیا گیا اور دوسرے لوگ والی مقرر ہوئے۔

ولایتِ حجاز حجاز کی ولایت بنی اُمیہ کے لئے مخصوص تھی۔ مدینہ کا والی کبھی مروان بن حکم ہوتا اور کبھی سعید بن عاص۔ امیر معاویہ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نئے اموی کو والی بناتے تو پہلے اُسے طائف کی حکومت سپرد کرتے۔ اگر وہ کامیاب ثابت ہوتا تو وہ اسے مکہ کی حکومت بھی دیتے۔ پھر اگر وہ ان دونوں مقامات کی ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرتا تو مدینہ کی حکومت بھی اس کو عطا کر دیتے۔

مدینہ کے والی ہی امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں صرف دو مرتبہ حج کیا ہے ۴۴ھ میں پھر ۵۰ھ میں۔

فتوحات

امیر معاویہ کے عہد میں مشرقی سرحدوں پر بہت کم فتوحات ہوئیں۔ زیادہ تر بغاوتوں کو فرد کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ عبداللہ بن سوار عبدی نے جو سرحد سندھ پر متعین تھے دو مرتبہ قیقان پر حملہ کیا۔ دوسری مرتبہ اہلِ قیقان نے ترکوں کی مدد سے اُن کو قتل کر دیا۔

۴۴ھ میں مہلب بن ابی سفرہ نے سرحد سندھ پر حملہ کیا اور بنہ اور لاہور کو جو کابل اور مُلتان کے درمیان واقع ہیں فتح کیا۔ یہاں ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا۔ ایک مرتبہ انہیں بارہ ترک سواروں نے گھیر لیا۔ مہلب نے ان سب کو قتل کر دیا۔

اسی زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر شمال و مغرب کی طرف رہی۔ جہاں

عظیم الشان رومی حکومت مسلمانوں کو دعوتِ مقابلہ دیتی رہتی تھی۔ رومی بادشاہوں میں سے امیر معاویہ کے معاصر دو بادشاہ ہوئے قسطنطین ثانی بن ہرقل ثانی (از ۶۴۱ء تا ۶۶۸ء) اور قسطنطین الرابع بوغاناقس (از ۶۶۸ء تا ۶۸۹ء) ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں مصر و شام کی سرحدوں پر رومیوں اور مسلمانوں کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ حضرت امیر معاویہؓ نے سمندر اور خشکی میں اُن کے مقابلے کے لئے بہترین انتظامات کئے۔

سمندری مقابلہ کے لئے اُنھوں نے ایک زبردست جنگی بیڑہ تیار کیا۔ سترہ سو سامانِ جنگ سے مسلح جہاز ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان جہازوں کی تیاری کے لئے شام میں جہاز سازی کے کارخانے کھولے گئے اور لبنان کے پہاڑوں سے لکڑی حاصل کی جاتی تھی۔

امیر معاویہ کے اس جنگی بیڑے نے بحرِ روم کے سینہ کو چیر کر بار بار رومی طاقت کے مقابلہ میں اسلامی سطوت کا سر بلند کیا۔ جزیرۂ قبرص، بعض جزائرِ یونان اور جزیرۂ روڈرس مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئے۔ یہ جزیرے سمندری چھاؤنیوں کا کام دیتے تھے۔ رومی جہازوں کو اسلامی علاقوں کی طرف نہ بڑھنے دیتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے بحری فوج کی تنخواہ بھی بیش قرار مقرر کی تھی۔

خشکی میں مقابلہ کے لئے امیر معاویہ نے شواتی اور صوائف کے نام سے دو مستقل فوجیں تیار کی تھیں۔ شواتی وہ فوجیں تھیں جو موسم سرما میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلتی تھیں اور صوائف وہ جو موسمِ گرما میں مقابلہ کرتی تھیں۔ اس طرح لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور دشمن کو اسلامی سرحدوں کے پاس پھٹکنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

قسطنطنیہ پر حملہ ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ نے مشرقی رومی سلطنت کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے زبردست فوج بھیجی۔ سفیان بن عوف اس فوج کے سالار تھے۔ مقامِ فرقدونہ میں یہ فوج

بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی ساتھ جانے کا حکم دیا تھا مگر وہ بیماری کا بہانہ کر کے بیٹھ رہا تھا۔ جب اسے مجاہدین کی مصیبت کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنی بزمِ عشرت میں یہ شعر پڑھے۔

ما ان ابالی بما لاقت جموعھم	"مجھے کیا پرواہ اگر فرقدونہ میں لڑنیوالوں
بالفرقدونة من حمی ومن موم	کے جتھوں کو بخار اور چیچک کی مصیبت سے
اذا اتکأت علی الانماط مرتفعا	پالا پڑا ہے جبکہ میں دیر مران میں قالینوں
بدیر مران عندی ام کلثوم	پر تکیہ لگائے ام کلثوم (بیوی) کے ساتھ
	دادِ عشرت دے رہا ہوں"

امیر معاویہ کو بیٹے کی اس عشرت کوشی کی خبر پہنچی تو قسم کھا کر کہا کہ یزید کو بھی ارضِ روم میں جانا پڑے گا اور لشکرِ اسلام جن مصیبتوں میں مبتلا ہے ان میں حصہ بٹانا پڑے گا۔

چنانچہ امیر معاویہؓ کے حکم سے ایک دوسرا لشکر پہلے لشکر کی امداد کے لئے روانہ کیا گیا جس میں یزید کے علاوہ صحابہ کرام حضرت ابوایوبؓ انصاری، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ بھی شامل تھے۔ یہ دونوں لشکر خشکی کے راستہ سے ساحل باسفورس پر پہنچے۔ ان کے علاوہ ایک بحری بیڑہ جس کی کمان بسر بن ارطات کے ہاتھ میں تھی رود باردانیال کو عبور کرتا ہوا قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا۔

شہنشاہِ روم نے قسطنطنیہ کی حفاظت کے لئے بڑے انتظامات کئے تھے۔ "آتشِ یونانی" کے ذریعے مسلمانوں پر آگ برسائی جا رہی تھی۔ مسلمان کئی معرکوں میں بڑی جاں بازی کے ساتھ آگ اور خون کا کھیل کھیلے۔ عبدالعزیز بن زرارہ کلبی کا تو یہ حال تھا کہ شوقِ شہادت میں بار بار آگے بڑھتے تھے اور دشمنوں کی صفوں کو

لہ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۲

درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخر کار رومیوں نے گھیر لیا اور نیزوں سے اُن کا بدن چھلنی کر کے شہید کر دیا۔ تاہم مسلمان قسطنطنیہ کے بہترین محلِ وقوع اُس کی فصیل کی بلندی و مضبوطی اور دشمن کے اعلیٰ انتظاماتِ مدافعت کی وجہ سے اُسے فتح نہ کر سکے اور ناکام واپس آئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو آدمیوں اور جہازوں کا بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ دورانِ محاصرہ میں وفات پا گئے۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دیوارِ قسطنطنیہ کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ رومی اپنے عہدِ سلطنت میں آپ کی قبر پر حاضر ہو کر بارش وغیرہ کی دُعائیں مانگا کرتے تھے۔ جب ترکانِ عثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو آپ کی قبر پر ایک مقبرہ اور اس سے متعلق ایک شاندار مسجد بنوادی۔ خلفاء عثمانیہ کی تاجپوشی کی رسم اسی مسجد میں ادا کی جاتی تھی [1]

فتوحاتِ افریقہ

۴۷ھ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص والیٔ مصر و افریقہ دو سال کی ولایت کے بعد معزول ہوئے ان کی جگہ معاویہ بن خدیج کا تقرر ہُوا۔ پھر ۵۰ھ میں معاویہ بن خدیج کے ہاتھ سے افریقہ کی حکومت نکال لی گئی اور عقبہ بن نافع فہری کے سپرد کی گئی۔

عقبہ نے عمرو بن عاص کے زمانے میں افریقہ میں کارہائے نمایاں کئے تھے اور برقہ اور زویلہ میں مقیم تھے۔ افریقہ کے بربری بڑے بدعہد اور سرکش تھے جب کوئی امیر اُن پر فوج کشی کرتا تو اظہارِ اطاعت کرتے بلکہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے اور جب وہ لوٹ جاتا تو علمِ مخالفت بلند کرتے اور مرتد ہو جاتے۔ امیر معاویہ کے حکم سے عقبہ بن نافع فہری نے دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ افریقہ کے اندرونی علاقوں میں فوج کشی کی۔ باغیوں کو مطیع کیا اور ملک میں امن و امان قائم کیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ و محاضرات خضری جلد ۲ صـ ۱۲۶۔

اس مہم سے فارغ ہو کر انہوں نے سوچا کہ اس علاقے میں ایک اسلامی شہر بسانا چاہیئے جو اسلامی تربیت کا مرکز ہو اور خطرہ کے وقت مسلمانوں کے لئے جائے پناہ بن سکے۔ چنانچہ انہوں نے گھنے جنگل کو صاف کر کے شہر قیروان کی بنیاد ڈالی۔ یہاں ایک شاندار جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ یہ شہر پانچ سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا۔ قیروان کی آبادی سے مسلمانوں کو جمعیت خاطر نصیب ہوئی۔ انہوں نے اطمینان کے ساتھ بربریوں کا مقابلہ کیا اور بہادری کے ساتھ ان علاقوں میں بڑھتے چلے گئے۔ اس طرح اسلام کی طاقت مضبوط ہوگئی اور بربریوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔

۵۵ھ میں مصر اور افریقہ کی ولایت پر مسلمہ بن مخلد انصاری کا تقرر عمل میں آیا۔ انہوں نے اپنے غلام ابوالمہاجر کو افریقہ کا والی مقرر کیا۔ ابوالمہاجر نے افریقہ پہنچ کر عقبہ بن نافع کے ساتھ توہین آمیز برتاؤ کیا۔ عقبہ شام چلے آئے اور امیر معاویہ سے ابوالمہاجر کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ امیر معاویہؓ نے اُن کو دوبارہ افریقہ کی ولایت پر بھیجنے کا وعدہ کیا مگر اپنی زندگی میں وہ یہ وعدہ پورا نہ کر سکے۔

یزید کی ولی عہدی

مغیرہ بن شعبہ ایک مرتبہ دمشق گئے تو انہوں نے یزید کی بیعت کی تجویز پیش کی۔ صورت یہ ہوئی کہ دورانِ ملاقات میں انہوں نے یزید سے کہا۔

"اکابر صحابہ اور بزرگانِ اہلبیت دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب اُن کی اولاد رہ گئی ہے۔ تم نسبی بزرگی، حُسن رائے، علمِ سُنت اور مہارتِ سیاست میں کسی سے کم نہیں ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ امیرالمؤمنین کو تمہیں ولی عہد قرار دینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟"

یزید نے کہا۔ کیا یہ مہم آسانی سے سر ہو سکتی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے جواب دیا۔ بے شک۔

یزید نے اس گفتگو کا ذکر امیر معاویہؓ سے کیا۔ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کو طلب کیا اور کہا۔ یزید کیا کہتا ہے؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔

"حضرت عثمانؓ کے بعد مسلمانوں میں جو اختلاف و خونریزی ہوئی اس سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ لہٰذا یزید کی جو آپ کی جانشینی کی صلاحیت رکھتا ہے بیعت لے کر اسے اپنا جانشین بنا دیجئے۔ تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ مسلمانوں کے لئے پشت پناہ ثابت ہو اور خلافت میں فساد و خونریزی کا امکان نہ رہے۔"

امیر معاویہ نے کہا اس قسم کی تکمیل کی ذمہ داری کون لے گا؟ مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ کوفہ کی ذمہ داری تو میں لیتا ہوں۔ بصرہ کا معاملہ زیاد کے سپرد کیجئے۔ ان دو شہروں کے ہموار ہو جانے کے بعد کہیں اور مخالفت کی آواز بلند نہیں ہو سکتی۔ امیر معاویہ نے کہا اچھا تو تم اپنا کام شروع کرو۔ آئندہ جو مناسب ہو گا وہ کیا جائے گا۔

مغیرہ بن شعبہ کوفہ آئے تو انہوں نے حامیانِ بنی امیہ میں یزید کی ولی عہدی کی تحریک شروع کر دی۔ ان لوگوں نے اس تحریک سے اتفاق کا اظہار کیا اور کوفہ کے معززین کا ایک وفد موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق روانہ ہوا۔ اس وفد نے امیر معاویہ کے سامنے اپنی طرف سے یزید کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی اور اس کی صفتیں بیان کیں۔

امیر معاویہ نے کہا میں تمہارے مشورہ پر غور کروں گا۔ اس معاملے میں جلد بازی مناسب نہیں جو اللہ تعالےٰ کی مرضی ہو گی ہو رہے گا۔ اس وفد کے آنے سے امیر معاویہ کے ارادے میں قوت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے زیاد کو لکھا کہ وہ بھی اس معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے۔

زیاد نے اپنے مشیر عبید بن کعب نمیری کو بلایا اور کہا کہ امیرالمؤمنین کی یہ خواہش ہے کہ وہ یزید کو اپنا ولی عہد بنائیں۔ لیکن یہ اسلامی حکومت کا معاملہ اور دین کی ذمہ داری کا کام ہے اور یزید بے فکر اور غیر ذمہ دار نوجوان ہے۔ بجز سیر و شکار کے اسے کسی اور کام سے دلچسپی نہیں۔ لہٰذا میں

چاہتا ہوں کہ تم امیر المومنین سے مل کر اس کے یہ عیوب ان پر ظاہر کرو اور میری طرف سے ان سے کہہ دو کہ اس اہم کام میں ابھی جلدی نہ کریں۔

عبید بن کعب نے کہا۔ امیر المومنین کی رائے کی مخالفت اور ان سے ان کے بیٹے کی برائی مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں دمشق جا کر خود یزید سے ملوں۔ اور اس سے کہوں کہ تمہارے والد بزرگوار نے زیاد سے تمہاری ولی عہدی کی متعلق مشورہ طلب کیا ہے۔ زیاد کی رائے یہ ہے کہ جب تک تم اپنے عادات واطوار کو درست نہ کرو یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ موجودہ حالت میں مسلمان تمہاری مخالفت کریں گے۔ لیکن اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی تو پھر کسی کو اختلاف کی گنجائش نہ رہے گی۔ یوں امیر المومنین کی خیر خواہی اور اُمت کی سلامتی دونوں باتیں حاصل ہوں گی"۔

زیاد نے عبید بن کعب کی رائے کو بہت پسند کیا اور اُسے اس کام کو انجام دینے کے لئے دمشق روانہ کر دیا۔

عبید نے دمشق پہنچ کر یزید کو بہت کچھ نصیحتیں کیں اور اُس نے عبید کے کہنے سے بہت سی برائیاں چھوڑ دیں۔ عبید نے زیاد کی طرف سے امیر معاویہ کو یہ بھی پیغام دیا کہ ابھی وہ اس کام میں جلدی نہ کریں۔

زیاد کے انتقال کے بعد امیر معاویہ نے اپنے اس ارادہ کی تکمیل کا فیصلہ کر لیا۔ شام تو خود ان کا دارالحکومت تھا۔ بصرہ اور کوفہ کا معاملہ بھی کچھ مشکل نہ تھا۔ اصل مرحلہ حجاز کو ہموار کرنا تھا کہ اکابرِ ملت یہیں مقیم تھے اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں اہلِ حجاز ہی کی رائے سے خلافت کا انتخاب ہوتا رہا تھا۔

اکابرِ حجاز میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ علم و فضل اور دیانت و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ علاوہ ازیں اس منصب کے اہل ہوتے ہوئے انھوں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی تھی اس لئے امیر معاویہؓ نے ان کے ذریعے سے کام نکالنا چاہا۔ امیر معاویہؓ نے اس مقصد کے لئے ایک قاصد اُن کے پاس بھیجا۔ قاصد نے ایک لاکھ درہم

ان کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عطیہ شاہی سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس کے بعد جب قاصد حرف مقصد زبان پر لایا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "میرا دین اس قدر سستا نہیں ہے کہ ایک لاکھ درہم میں بک سکے" اور امیر معاویہؓ کی رقم واپس کر دی۔"

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے امیر مدینہ مروان بن حکم کو لکھا :-

"اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد اُمت میں پھر جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو اپنا جانشین بنا دوں۔ لیکن یہ کام میں بغیر اہل مدینہ کے مشورہ کے نہیں کرنا چاہتا۔ تم میرے اس خیال کو اہل مدینہ کے سامنے پیش کرو۔ اور جو کچھ وہ جواب دیں اس کی مجھے اطلاع دو۔"

مروان نے اکابر اہل مدینہ کو بلا کر انہیں امیر معاویہؓ کے ارادے کی اطلاع دی۔ چونکہ کسی خاص نام کی تعیین نہیں کی گئی اس لئے سب نے امیر معاویہؓ کے اس ارادے سے اتفاق کا اظہار کیا اور کہا۔

"ہمیں منظور ہے کہ امیر المؤمنین پوری سعی و کوشش سے ہمارے لئے اپنا جانشین منتخب کر دیں۔"

مروان نے اس جواب سے امیر معاویہؓ کو مطلع کر دیا۔

اس کے بعد مروان کے نام امیر معاویہؓ کا دوسرا خط آیا جس میں یزید کی ولیعہدی کی اطلاع دی گئی تھی۔ مروان نے پھر اہل مدینہ کو جمع کیا اور کہا۔

"امیر المؤمنین نے پوری جدّ و جُہد سے تمہارے لئے اپنا جانشین منتخب کر لیا ہے اور وہ جانشین یزید ہے۔"

یزید کا نام سنتے ہی مجمع میں برہمی پیدا ہو گئی۔ پہلے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کھڑے ہوئے اور کہا اے مروان نہ تو سچا ہے نہ معاویہ۔ تم دونوں کا ارادہ یہ ہے کہ

اُمتِ محمدیہ سے خلیفہ کے انتخاب کا حق سلب کر لیا جائے اور خلافت کو بھی قیصریت بنا دیا جائے کہ جب ایک قیصر مر جائے تو دوسرا قیصر اُس کا جانشین بن جائے۔ پھر حضرت حسین بن علی، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے بھی اختلاف کا اظہار کیا۔ مروان بن حکم نے تمام واقعات کی امیر معاویہؓ کو اطلاع دے دی۔

اب امیر معاویہ نے مختلف صوبوں کے والیوں کے نام احکام بھیجے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں یزید کے حق میں پراپیگنڈا کریں اور وہاں کے معززین کو وفد کی صورت میں دربارِ خلافت میں بھیجیں تاکہ ولی عہدی کے مسئلہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ چنانچہ مختلف صوبہ جات کے وفود دمشق پہنچے۔ مدینہ منورہ کے وفد میں محمد بن عمرو بن حزم اور بصرہ کے وفد میں احنف بن قیس شامل تھے۔ مسئلہ ولیعہدی پر جب دربارِ خلافت میں گفتگو چھڑی تو محمد بن عمرو نے کہا۔

"اے امیر المومنین ہر بادشاہ اپنی رعیت کی بہتری کے لئے ذمہ دار ہے۔ آپ غور کیجئے کہ اُمتِ محمدیہ کی عنانِ حکومت آپ کس کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں؟"

احنف بن قیس نے کہا :-

"اے امیر المومنین معاملہ پُر پیچ ہے۔ اگر ہم سچ بولتے ہیں تو آپ کا ڈر ہے اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو خدا کا خوف ہے۔ آپ خود یزید کے دن اور رات کے مشاغل اور اس کے خفیہ اور اعلانیہ افعال سے زیادہ واقف ہیں۔ اگر آپ اس معاملہ میں خدا اور اُمتِ محمدیہ کی رضامندی پاتے ہیں تو کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو آپ سفرِ آخرت کے وقت اُسے دنیا کا توشہ نہ دیجئے۔ بہرحال جو کچھ بھی آپ کریں ہم تو سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے حاضر ہیں"

یہ جواب سُن کر امیر معاویہؓ تو خاموش ہو گئے مگر ایک شامی سردار کھڑا

ہٹوا اور کہنے لگا :-

"یہ عراقی کیا کہہ رہے ہیں؟ ہم شامی تو معاویہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے بھی تیار ہیں اور اُن کے اشارہ پر میدانِ جنگ میں تلوار بلند کرنے کے لئے بھی حاضر ہیں۔"

امیر معاویہ یزید کی بیعت کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اُن کا طرزِ سیاست یہ تھا انعام و اکرام کی بارش سے اپنوں اور غیروں کے دلوں کو ہموار کر لیا کرتے تھے۔ اس طریقہ سے پہلے انھوں نے اہلِ شام اور اہلِ عراق کی بیعت لی۔ پھر ایک ہزار سوار لے کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

مدینہ منورہ کے اکابرِ ملت کے منہ زر و سیم کے ٹکڑوں سے بند نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی آمد کی خبر سُن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ان حضرات کی روانگی کے بعد امیر معاویہؓ نے اہلِ مدینہ کے سامنے ایک تقریر کی۔ اس تقریر میں پہلے یزید کی تعریف کی۔ پھر کہا۔

"کچھ لوگ ہیں جو یزید کی مخالفت سے باز نہیں آتے، میں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ اگر ان کا طرزِ عمل یہی رہا تو اُن کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں گی۔"

مدینہ منورہ سے امیر معاویہؓ مکہ روانہ ہوئے۔ ان چاروں بزرگوں کو جب ان کی آمد کی خبر ملی تو اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ امیر کی ملاقات کرنی چاہیئے، ممکن ہے مدینہ منورہ کی فضا دیکھ کر اُن کی رائے بدل گئی ہو۔ چنانچہ "بطن مر" میں انھوں نے امیر کا استقبال کیا۔ امیر معاویہؓ ان کے ساتھ عزت و اکرام سے پیش آئے اور انھیں شاہی سواریوں پر سوار کر کے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

امیر معاویہ جب تک مکہ میں رہے ان بزرگوں کے ساتھ ملاطفت کا برتاؤ کرتے رہے۔ جب روانگی کا وقت قریب آیا تو انھوں نے بیعت کا ذکر چھیڑا

اور حضرت عبد اللہ بن زبیر سے جنہیں ان بزرگوں نے اپنا نمائندہ قرار دیا تھا، حسب ذیل گفتگو ہوئی :۔

امیر معاویہ :۔ آپ صاحبان میرے طرزِ عمل سے واقف ہیں۔ میں آپ کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتا رہا ہوں اور آپ کی زیادتیوں کو بھی برداشت کرتا رہا ہوں۔ یزید آپ کا بھائی ہے آپ کا ابن عم ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ نام کے لئے اُسے خلیفہ بنا دیں اور سلطنت کے تمام کام اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ وہ آپ کے احکام کا تابع ہو کر رہے گا ؟ کیا اتنی بات بھی آپ کو منظور نہیں ہے ؟

عبداللہ بن زبیر :۔ ہم آپ کے سامنے تین تجویزیں پیش کرتے ہیں آپ ان میں سے کسی کو ایک کو قبول کر لیجئے ۔

امیر معاویہ :۔ فرمائیے وہ تجویزیں کیا ہیں ؟

عبداللہ بن زبیر :۔ سب سے بہتر تو یہ ہے کہ آپ سنّتِ رسول اللہؐ پر عمل کیجئے۔ آپ نے کسی کو اپنا خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ وفات کے بعد اُمّت نے اپنی صوابدید سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ کا جانشین منتخب کر لیا۔

امیر معاویہ :۔ لیکن اب ابوبکر صدیق جیسی ہستی کہاں ہے ؟

عبداللہ بن زبیر :۔ اگر یہ ممکن نہیں تو سنّتِ ابوبکر پر عمل کیجئے کہ انہوں نے اپنا جانشین اس شخص کو بنایا جو اُن کا رشتہ دار نہ تھا۔

(امیر معاویہ خاموش رہے)

عبداللہ بن زبیر :۔ اگر یہ بھی ممکن نہیں تو سُنّتِ عمر پر عمل کیجئے کہ انہوں نے حقِ انتخاب چھ اہل شوریٰ کے سپرد کر دیا جو اُن کے عزیز نہ تھے۔

امیر معاویہ :۔ ان تین صورتوں کے علاوہ کوئی اور بھی صورت ہو سکتی ہے ؟

عبداللہ بن زبیر :۔ جی نہیں ۔ کوئی چوتھی صورت ممکن نہیں ۔

امیر معاویہ :۔ اچھا تو اب میری بات سُن لیجئے۔ اب تک تو ایسا ہوتا رہا کہ میں

مجمع میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوتا تھا اور آپ میں سے کوئی کھڑا ہو کر مجھے جھٹلایا کرتا تھا۔ میں نے آپ کی اس زیادتی کو برداشت کر لیا تھا۔ مگر اب ایسا نہ ہو سکے گا۔ میں مجمع عام میں تقریر کروں گا اگر آپ صاحبان نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو میری تلوار درمیان میں حائل ہو جائے گی اور دوسرا لفظ زبان سے ادا نہ ہونے دے گی۔ لہٰذا آپ صاحبان اپنی جانوں پر رحم کیجئے۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ چاروں بزرگوں کو ساتھ لے کر مجمع عام میں آئے اور کہا۔ "یہ لوگ رؤسائے امت ہیں کوئی اہم معاملہ ان کے مشورہ کے خلاف طے نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے۔ آپ صاحبان بھی اللہ کا نام لے کر بیعت کر لیجئے۔

عام لوگ ان اکابر ہی کے رائے کے منتظر تھے۔ جب انہیں بتایا گیا کہ یہ حضرات بیعت کر چکے ہیں تو اہلِ مکہ نے بیعت کر لی۔ امیر معاویہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں اہلِ مدینہ کی بیعت لی۔ پھر مدینہ سے شام روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد امیر معاویہ نے بنی ہاشم کے ساتھ مدارات کا برتاؤ ترک کر دیا۔ عبداللہ بن عباس شام گئے اور انہوں نے اس کی شکایت کی۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ آپ کے ساتھیوں نے یزید کی بیعت نہیں کی اور آپ نے بھی انہیں نہیں سمجھایا۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ اے امیر آپ کو معلوم ہے اگر میں ساحلی علاقہ کی طرف نکل جاؤں اور آپ کی مخالفت میں لب کشائی کروں تو خود آپ کے رشتہ بیعت کا ایک تار بھی باقی نہ رہے۔

امیر معاویہ اس دھمکی سے مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے اے ابن العباسؓ! ناراض نہ ہو تمہارے عطیات جاری کر دیئے جائیں گے اور تمہیں شکایت کا موقع نہ دیا جائے گا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۱

وفاتِ معاویہ رضؓ | جمادی الاخریٰ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ مرض الموت میں مُبتلا ہُوئے اور بیماری سے قبل آپ نے ایک تقریر میں فرمایا :-

"میں ایک ایسی کھیتی ہوں جس کے کٹنے کا وقت قریب آگیا ہے مَیں نے اتنی مُدّت تم پر حکومت کی کہ مَیں تم سے اُکتا گیا اور تم مُجھ سے لیکن جو شخص میرا جانشین ہو گا وہ مجھ سے بہتر نہ ہو گا جس طرح مَیں اپنے پیش رو خلفاء سے بہتر نہ تھا۔ کہا گیا ہے جو شخص اللہ تعالےٰ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالےٰ اُس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اے اللہ! مَیں تیری ملاقات کو محبوب رکھتا ہوں تُو بھی میری مُلاقات کو پسند فرما اور اس مُلاقات میں میرے لئے برکت ودیعت فرما۔"

اس تقریر کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ بیمار ہو گئے۔ یزید اس زمانے میں دمشق میں موجود نہ تھا۔ جب آپ زندگی سے مایوس ہوئے تو ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ یزید کو حسبِ ذیل وصیّت پہنچا دیں:-

"بیٹا میں نے تمہارے راستے کے تمام کانٹے دُور کر دیئے ہیں تمہارے دشمنوں کو زیر کر دیا ہے اور عرب کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی۔ اور ایسا خزانہ جمع کر دیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے ان احسانات کا شکر یہ ہے کہ اہلِ حجاز پر نظرِ کرم رکھنا کہ وہ تمہاری اصل ہیں۔ جو حجازی تمہارے پاس آئے اُس کی خبر گیری کرتے رہنا۔ اہلِ عراق کا بھی خیال رکھنا۔ اگر وہ چاہیں کہ ہر روز اُن کے لئے نیا عامل مقرر کیا جائے تو ایسا کر دینا کیونکہ عاملوں کی ادل بدل اس سے سہل ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے مقابلہ میں میان سے باہر نکل آئیں۔ اہلِ شام سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ انھیں اپنا

رازدار بنانا۔ اگر کسی دشمن کا خطرہ ہو تو ان سے مدد لینا۔ لیکن جب دشمن کی مدافعت کر چکو تو انہیں اپنے شہروں کو واپس بھیج دینا کیونکہ دوسرے مقامات میں رہنے سہنے سے ان کے عادات و اخلاق بدل جانے کا اندیشہ ہے۔"

خلافت کے معاملہ میں چار قریشی ہی تمہارے حریف ہو سکتے ہیں حسین رضؓ بن علی، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ ابن عمر کو عبادت نے تھکا دیا ہے۔ جب دوسرے لوگ تمہاری بیعت کر لیں گے تو وہ بھی انکار نہ کریں گے۔ حسین بن علیؓ سادہ مزاج ہیں۔ اہلِ عراق انہیں تم سے بھڑا کر رہیں گے۔ اگر وہ تمہارے مقابلے میں آئیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو تم درگزر سے کام لینا کہ وہ قریبی عزیز ہیں۔ اُن کا ہم پر بڑا حق ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی توجہ عیش و آرام کی طرف ہے۔ جیسا وہ دوسروں کو کرتا دیکھیں گے خود بھی کریں گے۔ البتہ جو شخص شیر کی طرح گھات لگائے گا اور لومڑی کی چالیں کھیلے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ مقابلہ کرے اور تم کامیاب ہو جاؤ تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا لیکن قوم کو جہاں تک ممکن ہو عام خونریزی سے بچانا[1]

جب نزع کا وقت آیا تو کہا :-

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک کرتہ عنایت فرمایا تھا میں نے اُسے حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔ حضورؐ نے ایک دن ناخن ترشوائے تھے میں نے انہیں بھی ایک شیشی میں محفوظ کر لیا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳، ۲۔

تھا۔ جب مجھے کفناؤ تو حضورؐ کا عطا کردہ کرتہ مجھے پہنا دینا اور ناخن مبارک کو پیس کر میری آنکھوں اور منہ میں بھر دینا۔ کیا عجب ہے کہ خدا اُن کی برکت سے مجھ پر رحم کرے۔"[۱]

آخر یکم رجب ۶۰ھ (مطابق ۷ راپریل ۶۸۰ء) کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۵ سال تھی۔ آپ کی مستقل حکومت کی مدت انیس سال تین مہینے ستائیس روز ہوئی۔ آپ کے جنازہ کی نماز ضحاک بن قیس نے پڑھائی۔ یزید کو مرض میں زیادتی کی اطلاع بھیج دی گئی تھی لیکن وہ دفن کے بعد پہنچا اور نمازِ جنازہ قبر پر ادا کی۔

خاندانِ معاویہؓ

امیر معاویہؓ نے چار شادیاں کیں :-

(۱) میسون بنت بحدل :- اس کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔

(۲) فاختہ بنت قرظہ نوفلی :- اس کے بطن سے عبدالرحمٰن اور عبداللہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ عبدالرحمٰن بچپن ہی میں فوت ہوا۔

(۳) فاطمہ بنت عمارہ کلابیہ :- اسے آپ نے طلاق دیدی تھی۔

(۴) کتوہ بنت قرظہ :- غزوۂ قبرص میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھیں اور وہیں انتقال ہوا۔

سیرتِ معاویہؓ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قریش کے اس نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو منصبی حیثیت سے بنو ہاشم کے بعد سب سے زیادہ معزز سمجھا جاتا تھا۔ پھر ذاتی حیثیت سے آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ صحبت بھی حاصل کیا تھا۔ اس لئے اگرچہ آپ خلیفہ راشد نہ تھے تاہم ایک بہترین بادشاہ میں جو اوصاف ہو سکتے ہیں وہ آپ کی ذات

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳، ۴

میں موجود تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے تم قیصر و کسریٰ اور ان کے علم و دانش کی تعریف کرتے ہو حالانکہ خود تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں آپ کے یہ کمالات منصۂ شہود پر نہ آئے تھے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت عمرؓ کی یہ رائے بالکل صحیح تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگیوں میں خلافتِ راشدہ کی دل نواز و نظر افروز تصویر کا چوکھٹا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ تاہم آپ نے اپنے حُسن تدبّر سے اصل تصویر کو باقی رکھنے کی جو کوشش کی وہ ہر طرح قابل داد ہے۔

طرزِ سیاست

آپ کی حکومت رائے عامہ کی بنیادوں پر قائم نہ تھی اس لئے آپ کو اس کے قیام کے وقت بھی تلوار کو استعمال کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے حتی الوسع عفو و درگزر کے پہلو کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

خاندانِ بنی ہاشم کے ارکان آپ کے دربار میں آتے اور آپ کو کوری کوری سُناتے مگر آپ ہمیشہ ہنس کر ٹال دیتے اور ان کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص امیر معاویہ سے بہت سختی کے ساتھ پیش آیا۔ مصاحبین نے پوچھا۔

"کیا آپ اس کے ساتھ بھی نرمی کریں گے؟"

آپ نے جواب دیا۔

"میں کسی کی زبان کو نہ پکڑوں گا جب تک کہ وہ میری حکومت کے درمیان حائل نہ ہو" [1]

حضرت معاویہؓ نے اصولِ سیاست خود یہ بتایا ہے جہاں میرا کوڑا کام دیتا ہے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۔

وہاں تلوار کو کام میں نہیں لاتا۔ جہاں زبان کام دیتی ہے وہاں کوڑا کام میں نہیں لاتا۔ اگر میرے اور لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو تو اُسے قطع نہیں ہوتے دیتا۔ جب لوگ اُسے کھینچتے ہیں تو میں ڈھیل دیدیتا ہوں اور جب وہ ڈھیل دیتے ہیں تو میں کھینچ لیتا ہوں‘‘۔ [1]

اس میں شک نہیں کہ امیر معاویہؓ نے بعض ایسے عمال مقرر کئے جنہوں نے سفاکی و خون ریزی میں تامل نہ کیا۔ مگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن علاقوں میں ایسے عمال مقرر کئے گئے وہاں نظامِ حکومت کی بقاء اور ملک کے امن و امان کی بحالی اس اقدام کے بغیر مشکل تھی۔

طرزِ معیشت حضرت معاویہؓ نے دولت کے گہواروں میں آنکھ کھولی تھی۔ ۱۸ھ سے ۵۹ھ تک امارت و حکومت کی مسند کے صدر نشین رہے۔ شام کا سرسبز و شاداب اور متمدن ملک آپ کی قیام گاہ رہا۔ اس لئے آپ کی خوراک و پوشاک امیرانہ تھی اور آپ کا دربار شاہانہ شان و شوکت کا آئینہ خانہ۔ تاہم آپ غریبوں کی جھونپڑیوں کے حالات سے بے خبر نہ رہتے تھے اور ہر گدا و بے نوا کی آواز آپ تک بے روک ٹوک پہنچتی تھی۔

مسعودی نے آپ کے اوقات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

’’حضرت معاویہؓ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر ممالکِ محروسہ کی رپورٹیں سُنتے پھر قرآن کریم کی تلاوت کرتے پھر محل میں جاتے اور ضروری احکامات دیتے۔ پھر چار رکعت نماز ادا کر کے دربارِ خاص منعقد کرتے تھے۔ جہاں معتمدین اور وزراء موجود ہوتے۔ یہاں دن بھر کے ضروری امور کے متعلق مشورہ ہوتا۔ پھر آپ محل میں تشریف لے جاتے وہاں سے واپس آکر مسجد میں تشریف لاتے اور مقصورہ سے کمر لگا کر کرسی

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۸۳۔

پر بیٹھ جاتے۔ یہ دربارِ عام ہوتا جس میں ضعیف، دیہاتی، بچے اور عورتیں بے روک ٹوک آتے اور اپنی ضرورتیں اور تکلیفیں بیان کرتے، آپ سب کی دلدہی کرتے ضرورتیں اور تکلیفیں دُور کرتے ۔"

جب ان لوگوں سے فارغ ہو جاتے تو دربارِ خاص منعقد ہوتا جس میں معززین اور اشرافِ قوم شریک ہوتے۔ آپ فرماتے "صاحبان" آپ کو اشرافِ قوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو اس مجلسِ خصوصی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہے لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ جو لوگ یہاں حاضر نہیں ہیں ان کی ضرورتیں بیان کریں۔

اس کے بعد صبح کا کھانا کھاتے۔ اسی وقت سیکرٹری آپ کے سرہانے کھڑا ہو جاتا۔ باریاب ہونے والوں کو ایک ایک کرکے پیش آتا اور وہ جو کچھ تحریر لے کر آتے سیکرٹری اُسے پڑھ کر سُناتا۔ امیر کھانا کھاتے جاتے اور احکام لکھواتے جاتے۔ ہر باریاب ہونے والا جب تک حاضر رہتا کھانے میں شریک رہتا۔

اس کے بعد آپ محل میں داخل ہو جاتے اور ظہر کی نماز کے لئے برآمد ہوتے۔ نماز سے فارغ ہو کر دربارِ خاص منعقد کرتے۔ یہ دربار عصر تک جاری رہتا۔ اُمراء و وزراء مسائل ضروریہ پر گفتگو کرتے۔ اس کے بعد عصر کی نماز ادا کر کے محل میں تشریف لے جاتے۔ مغرب سے کچھ پہلے باہر آ کر تخت پر جلوہ افروز ہوتے۔ درباری اپنے اپنے رتبہ کے مطابق بیٹھ جاتے۔ رات کا کھانا لایا جاتا اس سے فارغ ہو کر مغرب کی نماز ادا کرتے۔ نماز کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے۔ پھر محل میں داخل ہو جاتے۔ عشاء کی نماز کے وقت باہر آتے۔ نماز ادا کرنے کے بعد دربارِ خاص منعقد ہوتا جس میں امراء، وزراء اور مصاحبین شریک ہوتے اور سلطنت کے بقیہ اہم امور کے متعلق گفتگو

ہوتی۔ یہ گفتگو ختم ہوتی تو علمی مباحث چھڑتے۔ عرب عجم اور دوسری قوموں کے بادشاہوں کے حالات، ان کی صلح و جنگ کے واقعات اپنی رعایا کے ساتھ برتاؤ اور ملکی سیاست کے تذکرے جاری رہتے۔ یہ علمی صحبت ایک تہائی رات گزرنے ختم ہوتی۔

پھر زنان خانہ میں آرام کرنے تشریف لے جاتے۔ دو تہائی رات گزری ہوتی کہ بیدار ہو جاتے۔ یہ مطالعہ کا وقت تھا۔ آپ کے سامنے "دفاتر" پیش ہوتے جن میں پرانے بادشاہوں کے حالات زندگی، ان کی لڑائیوں کے واقعات اور ان کی سیاسی تدابیر کے تذکرے درج ہوتے۔ یہ دفاتر آپ کو پڑھ پڑھ کے سنائے جاتے۔

یہ سلسلہ فجر تک جاری رہتا۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان ہوتی اور دوگانہ سحر ادا کرنے کے لئے آپ مسجد میں تشریف لے جاتے"۔ [1]

مسئلہ بیعت یزید

حضرت معاویہؓ پر جو سب سے بڑا الزام عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے جمہوری نظام حکومت کو توڑ کر شخصی حکومت کا طریقہ جاری کر دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے خلیفہ کے نصب و عزل کی ذمہ داری قوم کے اہل الرائے اصحاب کے سپرد کی تھی۔ خلافت راشدہ کے دور میں خلفائے ثلاثہ کا انتخاب اسی اصول پر ہوا۔ مگر ۳۵ھ کے نامسعود زمانے میں آفاقیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کا جو طوفان اٹھایا اس نے اس اصول کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دیں۔ قوم کے ذمہ دار اور اہل الرائے افراد کی برائیوں کے برخلاف شورش پسندوں کی ایک غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش جماعت نے خودساختہ

---

[1] مروج الذہب مسعودی۔

الزامات کی بُنیاد پر خلیفۂ وقت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا اور جب اُس نے اُس قمیص کو اتارنے سے انکار کیا جو خدا نے اُسے پہنائی تھی تو انہوں نے اُس کی گردن اُتار دی۔

لہٰذا جہاں تک اسلام کے نظامِ اجتماعی کی برہمی کا تعلق ہے اس کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر عائد نہیں ہوتی بلکہ قاتلینِ عثمان پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی کوششوں سے ممکن تھا کہ یہ شکستہ نظام پھر بندھ جاتا مگر جمل و صفین میں منافقین کی ریشہ دوانیوں سے یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

بہرحال اسلام کا پسندیدہ جمہوری نظام تو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو حضرت معاویہ اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے تلواروں کو آزاد چھوڑ دیتے یا اپنے منصب کے اثر و اقتدار سے کام لے کر کسی جانشین کو نامزد کر جاتے۔ حضرت معاویہؓ نے دوسری صورت پسند کی کہ وہ دو مصیبتوں میں آسان مصیبت تھی لیکن آپ نے اپنی جانشینی کے لئے جس شخصیت کو انتخاب کیا وہ واقعی اُس کے لئے موزوں نہ تھی اور یہ واقعہ ہے کہ خود امیر بھی اسے موزوں نہ سمجھتے تھے اور امیر تو علیحدہ رہے خود یزید بھی اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے اُسے ناممکن سمجھتا تھا چنانچہ جب سب سے پہلے یہ تجویز یزید کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے تعجب سے پوچھا:-

"کیا یہ ممکن العمل[1] ہے؟"

"زیاد بن ابیہ" سے زیادہ بنی اُمیّہ کا فدائی کون ہو سکتا ہے؟ تاہم جب اُس کے سامنے یہ تجویز آئی تو اُس نے اول تو اس سے اختلاف کیا۔ پھر عبید بن کعب کے سمجھانے سے یزید کو کہلا بھیجا کہ "جب تک تم ان حرکات کو نہ چھوڑو گے جن پر لوگ معترض ہوتے ہیں خلافت کا حصول ممکن نہیں" لیکن اصحابِ غرض ہر زمانے میں ہوتے ہیں جن کا مقصد بادشاہ کی جائز و ناجائز خوشنودی حاصل کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔ تجویز کے بعد اس کی تائید کا سلسلہ جاری ہوا۔ اطراف

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۸

سلطنت سے معززین کے وفود آنے شروع ہوئے جنہوں نے یزید کی ولی عہدی کی درخواست کی۔

حضرت معاویہؓ میں حضرت عمرؓ کی سی خشیت نہ تھی جنہوں نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ آلِ خطاب میں سے ایک شخص ہی خدا کے سامنے جوابدہی کے لئے کافی ہے" کچھ غرض مندوں کا اصرارِ پیہم، کچھ بیٹے کی محبت، کچھ یزید کی مصلحتِ وقت کو دیکھتے ہوئے اپنے حالات کی درستی کہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:-

فکفت عن کثیر مما کان یصنع[1] — اس نے اپنی بہت سی حرکات چھوڑ دی تھیں۔

آخر یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا گیا۔

تاہم امیر معاویہ نے انتقال کے وقت اپنی ذمہ داری کو فراموش نہیں کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے کو مشفقانہ انداز میں جو گراں قدر وصیتیں کیں اگر وہ اُن پر عمل کرتا تو اُمتِ محمدیہ تباہی کے غار میں نہ گرتی اور یزید کی پیشانی ابن رسول اللہ کے خون سے داغدار نہ ہوتی۔ واللہ یفعل ما یشاء۔

انتظاماتِ ملکی

امیر معاویہؓ کے زمانے میں مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہوا حضرت عثمانؓ کے زمانے سے باہمی خانہ جنگی کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ رُک گیا تھا۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں یہ سلسلہ پوری قوت کے ساتھ جاری ہو گیا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ ہی میں بحری فوج قائم کر دی تھی اور عبداللہ بن قیس حارثی کو اس کا افسر مقرر کیا تھا۔ اپنے عہدِ حکومت میں انہوں نے بحری فوج کو بہت ترقی دی۔ مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں بہت سے جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔ چنانچہ ایک ہزار سات سو جنگی جہاز رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ امیر البحر جنادہ بن ابی اُمیہ تھے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹

اس عظیم الشان بحری طاقت سے اُنہوں نے قبرص، روڈس اور بعض یونانی جزیرے فتح کیے اور قسطنطنیہ کے حملہ میں بھی کام لیا۔

ڈاک کا محکمہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اس کی تنظیم و توسیع کی اور تمام حدودِ سلطنت میں اس کا جال بچھا دیا۔

حضرت علیؓ کے ساتھ ساتھ جب امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آپ نے اپنی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ مقرر کئے اور مسجد میں علیحدہ مقصورہ تعمیر کرا لیا۔

دیوانِ خاتم کے نام سے آپ نے ایک محکمہ قائم کیا جو سرکاری فرمان جاری کیا جاتا تھا اس کی ایک نقل اس محکمہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی اور فرمان کو لفافہ میں بند کر کے اس پر سرکاری مُہر لگا دی جاتی تھی۔ اس طرح سرکاری خزانوں میں ردّ و بدل کا امکان نہ رہا۔

امیر معاویہؓ کے زمانے میں ملکِ شام کا دفترِ حکومت رومی زبان میں تھا۔ سرجون رومی جو ایک نصرانی تھا اس دفتر کا چیف سیکرٹری تھا۔ اس عہدہ کے علاوہ سرجون کو امیر معاویہؓ کی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کا فخر بھی حاصل تھا۔

امیر معاویہؓ کے عہد میں فضالہ بن عبید انصاری پھر ابوادریس خولانی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ پولیس کے افسرِ اعلیٰ قیس بن حمزہ ہمدانی اور پھر زمل بن عمرو عذری رہے۔ دیوانِ خاتم کا افسرِ اعلیٰ عبداللہ بن محصن حمیری تھا اور حرس (باڈی گارڈ) کا افسرِ اعلیٰ مختار تھے۔

یزید اوّل بن معاویہؓ

سنہ ۶۰ھ تا سنہ ۶۴ھ

یزید نام، معاویہ بن ابی سفیان والد کا نام، میسون بنت بحدل ماں کا نام۔ سنہ ۲۶ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پیدا ہُوا۔ حضرت معاویہ اس وقت پورے ملک شام کے امیر تھے اس لئے ناز و نعمت کی آغوش میں آنکھ کھولی اور دولت و حکومت کے گہواروں میں پرورش پائی۔ جوان ہُوا تو حسن سیمیں و بادۂ رنگین سے رشتہ جوڑا۔ شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہُوا اسمیں کمال حاصل کیا۔ سیر و شکار کا بھی بہت شوق تھا مگر میدانِ جہاد کی آبلہ پائی پسند نہ تھی۔

باپ نے اصلاح کی کوشش کی قسطنطنیہ کی مہم میں زبردستی بھیجا۔ دو مرتبہ امیر حج بھی مقرر کیا مگر تربیت طبیعت پر غالب نہ آسکی۔

خلافت حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد سنہ ۶۰ھ میں تخت نشین ہُوا۔ امیر معاویہ نے اپنی زندگی ہی میں اس کی ولی عہدی کی بیعت لے لی تھی۔ لیکن اکابر قریش و سردارانِ حجاز حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمان بن ابی بکرؓ نے بیعت نہیں کی تھی۔ اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حضرات اپنی فضیلت ذاتی و عظمت نسبی کے لحاظ سے اُمت میں بہت اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ ان کا اختلاف کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لہٰذا تخت نشین ہوتے ہی یزید کو سب سے پہلے ان کی فکر ہوئی۔ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان

اس زمانے میں مدینہ کا امیر تھا۔ یزید نے اُسے امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی اور ان بزرگوں سے بیعت لینے کی تاکید کی۔

ولید بن عتبہ نے اس مہم کو سر کرنے کے لئے مروان بن حکم سے جو مدینہ ہی میں موجود تھا مشورہ کیا۔ مروان نے کہا۔

"عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی تو فکر نہ کرو یہ تو حکومت کے طلب گار ہی نہیں۔ البتہ حسین بن علیؓ، عبداللہ بن زبیر کو اسی وقت بلاؤ اور یزید کی بیعت پر مجبور کرو۔ اگر نہ مانیں تو زندہ باہر نہ جانے دو۔ اگر امیر کی موت کی خبر مشہور ہو گئی اور ان لوگوں نے بیعت نہ کی تو یہ اپنے اپنے ہواخواہوں کو لے کر میدان میں آ جائیں گے اور مخالفت کا طوفان برپا ہو جائے گا۔"

امام حسینؓ و عبداللہ بن زبیرؓ کا بیعت سے انکار

ولید نے حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بلا بھیجا۔ یہ دونوں بزرگ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس غیر معمولی وقت کے بلاوے سے وہ معاملہ کی تہہ کو پہنچ گئے اور انہوں نے آپس میں کہا "ہو نہ ہو امیر کا انتقال ہو گیا ہے اور ہمیں بیعت کے لئے بلایا جا رہا ہے۔"

امام حسینؓ کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر ولید کے ہاں پہنچے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو باہر بٹھا دیا اور انہیں سمجھا دیا کہ کسی قسم کا شور و غل سنو تو فوراً اندر چلے آنا۔ ولید نے امام حسینؓ کو امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر دی۔ حضرت امام حسینؓ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور امیر کے لئے دعائے رحمت مانگی۔ اب ولید حرفِ مطلب زبان پر لایا اور بیعت کی دعوت دی۔ حضرت امامؓ نے فرمایا۔

"مجھ جیسا شخص خفیہ بیعت نہیں کر سکتا۔ آپ عام لوگوں کو اس مقصد کے لئے جمع کیجئے میں بھی اُن کے ساتھ آؤں گا جو سب کی رائے ہو گی وہی کیا جائے گا۔"

ولید بُری طبیعت کا آدمی نہ تھا۔ اُس نے کہا بہت اچھا تشریف لے جائیے۔ امام حسینؓ کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا۔ بڑے افسوس کی بات ہے تم چاہتے ہو کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کو قتل کروں۔ خدا کی قسم قیامت کے دن جس سے حسینؓ کے خون کا مطالبہ کیا جائے گا وہ بڑا گھاٹے میں رہے گا۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے ولید سے ایک دن کی مہلت مانگی مگر وہ راتوں رات مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مکہ کی راہ لی۔ ولید کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے آدمیوں کو تعاقب کے لئے بھیجا۔ عبداللہ بن زبیرؓ ایک غیر معروف راستہ سے گئے تھے۔ یہ لوگ ان کی گرد بھی نہ پا سکے اور ناکام واپس آ گئے۔

امام حسینؓ مکہ کو دوسری رات کو امام حسینؓ بھی اپنی بہنوں ام کلثومؓ اور زینبؓ اور اپنے بھتیجوں اور بھانجوں، ابوبکر، جعفر، عباس اور دوسرے اہل بیت کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ البتہ آپ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے مدینہ چھوڑ کر پسند نہ کیا اور رخصت ہوتے وقت یہ نصیحت کی :۔

"اے بھائی مجھے تم سے زیادہ عزیز اور محبوب دوسرا کون ہو سکتا ہے مجھے یزید کی بیعت سے انکار کے معاملہ میں تم سے اتفاق ہے تم اس کی بیعت نہ کرنا اور اپنے قاصدوں کو مختلف مقامات پر بھیج کر اپنی بیعت کی دعوت دینا۔ اگر اہل بلاد تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا اور اگر انکار کر دیں تو اس سے بھی تمہاری عزت و فضیلت میں کچھ کمی نہ آئے گی۔ مجھے ڈر یہ ہے کہ تم کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں دو جماعتیں ہو جائیں۔ ایک تمہاری حامی اور دوسری مخالف۔ پھر ان دونوں جماعتوں میں جنگ ہو اور تم سب سے پہلے مقابلہ کے لئے آؤ۔ نتیجہ یہ ہو کہ جو شخص ذاتی و نسبی حیثیت سے بہترین امت ہے بدترین طریقہ سے اس کا خون بہایا جائے اور اس کے اہل و عیال کو رسوا کیا جائے۔"

امام حسینؓ نے پوچھا۔ بھائی پھر میں کہاں جاؤں ؟

محمد بن حنفیہ نے جواب دیا کہ تم مکہ میں قیام کرو۔ اگر وہاں اطمینان نصیب ہو فبہا ورنہ ریگستانوں اور کوہستانوں میں نکل جانا اور ایک مقام سے دوسرے مقام کا سفر کرتے رہنا۔ یہاں تک کہ تم اندازہ کرسکو کہ ملک کے حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں اور کوئی دو ٹوک فیصلہ کرسکو۔ معاملہ کے ہر پہلو پر پہلے غور کرلینا بہتر ہوتا ہے۔ وقت نکل جانے کے بعد پچھتانے سے کچھ نہیں بنتا [1]

مکہ کے راستہ میں حضرت امام کو عبداللہ بن مطیع ملے۔ حالات معلوم کرنے کے بعد انھوں نے آپ سے عرض کیا :

"حضرت اگر آپ مکہ چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہیں تو کوفہ کا قصد ہرگز نہ فرمایئے گا۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے آپ کے والد کو وہیں شہید کیا گیا آپ کے بھائی پر وہیں قاتلانہ حملہ ہُوا اور اُنھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا بلکہ جہاں تک ہوسکے آپ حرم کو نہ چھوڑیئے گا۔ کیونکہ اہلِ حجاز آپ کے مقابلہ میں کسی کو ترجیح نہ دیں گے۔ وہاں بیٹھ کر آپ اپنے حامیوں کو اپنے گرد باسانی جمع کر سکتے ہیں [2]

ولید نے حضرت ابن عمرؓ کے پاس بھی یزید کی بیعت کے لئے پیغام بھیجا۔ آپ نے جواب دیا۔

"جب سب لوگ بیعت کرلیں گے میں بھی کرلوں گا"

آپ کی طرف سے ولید کو کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے آپ سے اصرار نہ کیا گیا۔

⁂

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷

[2] اخبار الطوال صفحہ ۲۳۰ ⁂

حادثہ شہادتِ عظمیٰ

اہلِ کوفہ کے دعوتی خطوط

حضرت امام نے مکہ پہنچ کر شعب ابن طالب میں قیام کیا۔ اہلِ مکہ اور دوسرے مقامات کے لوگ جو حج کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہیں جب حضرت کی آمد کا علم ہُوا تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ ہر وقت یہ لوگ آپ کو گھیرے رہتے اور آپ کی طرفداری و جانثاری کا دم بھرتے۔ عبداللہ بن زبیرؓ خانہ کعبہ کے ایک گوشہ میں مقیم تھے وہ تمام دن نماز و طواف میں گزارتے۔ کبھی کبھی امام حسینؓ کے پاس بھی آتے اور مشوروں میں شریک ہوتے۔

اہلِ کوفہ شروع ہی سے اہلِ بیت کی حمایت کے دعویدار تھے۔ انہی کی وجہ سے حضرت علیؓ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کا یہ دعویٰ کبھی امتحان کی کسوٹی پر پُورا نہ اُترا۔

جب حضرت معاویہؓ کے انتقال کی خبر اہلِ کوفہ کو معلوم ہُوئی تو اُن کو پھر پھر یری اُٹھی۔ سلیمان بن صرد خزاعی اُن کا سردار تھا اُس کے مکان پر ایک خفیہ اجتماع ہُوا اور اُس میں یہ طے ہُوا کہ امام حسینؓ کو کوفہ بلایا جائے اور اُن کے ہاتھ پر بیعت کر کے خلافت کو اہلِ بیت میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس تجویز کے مطابق عمائدِ کوفہ کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو خطوط حضرت امامؓ کو روانہ کئے گئے۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا :-

> خدا کا شکر ہے کہ آپ کا حریف موت کی نیند سو گیا ہے۔ اب ہم بغیر امام کے ہیں آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کی مدد سے ہم حق پر جمع ہو جائیں نعمان بشیر (امیر کوفہ) کے پیچھے نہ ہم جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں اور نہ عید کی۔ اور اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم اسے شام کی حدود میں دھکیل دیں گے۔" [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صہ۸ -

ان خطوط کے علاوہ متعدد رؤساءِ کوفہ نے امام حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوفہ چلنے کی درخواست کی۔

مسلم بن عقیل کی روانگی جب اصرار حد سے بڑھا تو حضرت امام نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو حالات کی جانچ کرنے کے لئے کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو یہ جواب لکھا:-

"مجھے تمہاری خواہش کا علم ہُوا میں تمہارے پاس اپنے بھائی اور معتمد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ خود کل حالات کی تحقیق کر کے مجھے خبر دیں گے۔ اگر مجھے معلوم ہُوا کہ کوفہ کے خواص اور عوام میری خلافت کے خواہش مند ہیں تو انشاء اللہ توقف نہ کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہیئے جو کتاب اللہ کا عامل اور عدل پرور اور دینِ حق کا فرماں بردار ہو۔" [۱]

مسلم بن عقیل مدینہ ہوتے ہُوئے کوفہ پہنچے اور مختار کے مکان پر اُترے۔ شیعانِ علی کا آپ کے پاس تانتا لگا رہتا۔ یہ گروہ در گروہ آتے مسلم اُنہیں حضرت امام حسینؓ کا خط سناتے۔ یہ رو رو کر عہد کرتے کہ امام حسینؓ کی حمایت میں کسر نہیں چھوڑیں گے اور اپنی جانیں اُن پر قربان کر دیں گے۔

نعمان بن بشیر اس وقت کوفہ کے امیر تھے۔ یہ نیک فطرت اور صلح جو حاکم تھے ان کو سب واقعات کی اطلاع پہنچ رہی تھی۔ انھوں نے صرف اتنا کیا کہ جامع مسجد میں تقریر کرتے ہُوئے کہا:-

"لوگو! فتنہ کی طرف نہ دوڑو۔ مسلمانوں میں اختلاف پیدا نہ کرو۔ اس میں جان کی ہلاکت اور مال کی بربادی ہے۔ میں تہمت اور بدگمانی کی بناء پر کسی سے مواخذہ نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ اگر تم نے کُھلم کُھلا مخالفت کا اظہار کیا تو پھر میں چشم پوشی نہ کروں گا۔"

حامیانِ بنی اُمیّہ میں سے ایک شخص نے نعمان کو ٹوک کر کہا۔ اے امیر آپ

کمزوری کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس طرح کام نہ چلے گا۔ مگر نعمان نے یہ جواب دیا۔
"اللہ کی فرماں برداری میں کمزور بننا مجھے اس کی نافرمانی میں طاقت ور بننے سے زیادہ پسند ہے۔"
اسی شخص نے یزید کو کل حالات کی اطلاع دی اور لکھا کہ اگر کوفہ میں اپنی حکومت قائم رکھنی ہے تو کسی سخت آدمی کو بھیجو۔ نعمان جیسے کمزور آدمی سے یہاں کا فتنہ نہ دبے گا۔

یزید نے سرجون رومی کے مشورہ سے عبیداللہ بن زیاد کو جو پہلے سے بصرہ کا والی تھا کوفہ کا بھی والی مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد کی آمد

عبیداللہ بن زیاد اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے کوفہ پہنچا۔
ابن زیاد کوفہ میں داخل ہوا تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے تھا۔ یہاں لوگ امام حسینؓ کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ وہ سمجھے کہ حضرت امام تشریف لے آئے ہیں۔ چنانچہ جس طرف سے گزرتا یہ آوازیں بلند ہوتیں۔
"مرحبا اے ابن رسول اللہ! خوش آمدید اے ابن رسول اللہ!"
ابن زیاد نے دوسرے دن جامع کوفہ میں یہ تقریر کی:۔
"مجھے امیر المؤمنین نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا ہے مجھے مظلوموں کے ساتھ انصاف اور فرمانبرداروں کے ساتھ احسان کرنے اور غداروں اور نافرمانوں کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا ہے میں اس حکم کو بجا لاؤں گا۔ دوستوں کے ساتھ میرا سلوک حقیقی بھائی جیسا ہو گا۔ مخالفوں کو لقمۂ شمشیر بنا دوں گا۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی جان پر رحم کرنا چاہیئے۔"
پھر اس نے حکم جاری کیا کہ تمام میر محلہ اپنے محلہ کے پردیسی، خارجی اور مشتبہ لوگوں کے نام میرے پاس بھیجیں۔ اگر کسی میر محلہ نے اس حکم کی تعمیل میں کوتاہی

کی اور اس محلہ میں کسی نے حکومت کی مخالفت میں سر اٹھایا تو میر محلہ کو اس کے مکان کے دروازہ پر پھانسی دیدی جائے گی اور تمام اہلِ محلہ کے روزینے بند کر کے انہیں قید کر دیا جائے گا۔

مسلم ہانی کے مکان میں مسلم بن عقیل کو جب عبید اللہ بن زیاد کی آمد اور اس کے اس انتظام کی خبر ہوئی تو آپ مختار کے گھر سے نکل کر ہانی بن عروہ مرادی کے مکان پر آئے اور قیام کی اجازت طلب کی۔ ہانی نے کہا آپ مجھے میری طاقت سے زیادہ تکلیف دے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ میرے مکان میں داخل ہو چکے ہیں اس لئے اب انکار نہیں کر سکتا۔ ہانی نے آپ کے لئے اپنے زنان خانہ میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔

ہانی کی گرفتاری شیعانِ حسینؓ نے اب ہانی کے مکان پر جمع ہونا شروع کیا۔ ابنِ زیاد کو جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ہوئی تو اس نے ہانی کو طلب کیا اور کہا۔

"ہانی! امیر المؤمنین کے خلاف تمہارے مکان پر کیا سازشیں ہو رہی ہیں تم نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے اور اُن کے لئے آدمیوں اور ہتھیاروں کا انتظار کر رہے ہو۔ پھر یہ بھی سمجھتے ہو کہ ان کارروائیوں کی مجھے خبر نہ ہو گی۔"

ہانی نے انکار کرنے سے کوئی نتیجہ نکلتے نہ دیکھا تو اقرار کر لیا کہ مسلم بن عقیل اس کے مکان پر مقیم ہیں۔ لیکن ذلت و عار کے خوف سے انہیں ابن زیاد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن زیاد نے ہانی پر سختی کی اور اپنے محل میں قید کر دیا۔

قصرِ امارت کا محاصرہ مسلم بن عقیل کو جب اپنے میزبان کے قید ہو جانے کی اطلاع ملی تو انہوں نے "یا منصور اُمت" کا نعرہ لگایا۔ مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر اس وقت تک اٹھارہ ہزار آدمی بیعت کر

چکے تھے۔ ان میں سے چار ہزار آس پاس کے مکانوں میں تھے۔ نعرہ سنتے ہی یہ سب باہر نکل آئے۔ مسلم بن عقیل نے انہیں لے کر قصرِ امارت کو گھیر لیا۔ دوسروں کو خبر ہوئی تو وہ بھی مسلم کی مدد کو نکل آئے۔ یہاں تک کہ جامع مسجد اور بازار شیعانِ حسینؓ سے بھر گئے۔

مسلم کی گرفتاری اور شہادت

ابن زیاد کے پاس اس وقت تیس آدمی پولیس کے، بیس معززینِ شہر اور اسکے اہلِ خاندان تھے۔ ابن زیاد نے معززینِ شہر سے کہا کہ آپ لوگ اپنے اپنے قبیلہ والوں پر اپنا اثر استعمال کریں اور انہیں مسلم کا ساتھ چھوڑ دینے کی ترغیب دیں۔ یہ لوگ باہر نکلے اور اپنے اپنے قبیلے والوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا اور پھر امان کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مسلم بن عقیل کے ساتھی اُن کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر الگ ہونے لگے یہاں تک کہ اُن کے ساتھ صرف تیس آدمی رہ گئے۔ مسلم نے یہ حال دیکھا تو پناہ لینے کے لئے کندہ کے محلہ کی طرف چلے۔ محلّہ تک پہنچتے پہنچتے بالکل تنہا رہ گئے۔ اندھیری رات تھی تھکن سے چور چور تھے۔ حیران تھے کہ کہاں سر چھپائیں۔ ایک بڑھیا عورت دروازہ پر کھڑی نظر آئی۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور اپنی داستانِ مصیبت سنائی۔ اس کو رحم آگیا اور اپنے گھر کی ایک کوٹھڑی میں چھپا لیا۔

ابن زیاد نے بعد عشاء جامع مسجد میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں پناہ دے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا اور جو انہیں گرفتار کرائے گا اُسے انعام دیا جائے گا۔ پھر اس نے پولیس کو کوفہ کے تمام مکانات کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ بڑھیا کے بیٹے نے جان کے خوف سے حکومت کے آدمیوں کو خبر دیدی۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو مسلم بن عقیل کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ابن اشعث نے مسلم بن عقیل کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ مسلم کو جب معلوم ہوا کہ دشمن سر پہ آگیا ہے تو مردانہ وار تلوار لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ حالانکہ یہ بے چارے تنہا تھے اور

مقابلہ میں ستر آدمی مگر بڑی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے اور کسی کو اپنے پاس پھٹکنے کا موقع نہ دیا۔

آخر محمد بن اشعث نے کہا۔ ہم آپ کو امان دیتے ہیں آپ بے خطر ہماری پناہ میں آجائیں۔ آپ ہمارے غیر نہیں ہیں۔

مُسلم زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے مجبور ہو کر اپنے آپ کو محمد بن اشعث کے حوالے کر دیا۔ راستہ میں آپ نے ابن اشعث سے کہا میرا خیال ہے کہ تم مجھے قتل سے نہ بچا سکو گے۔ لیکن میری ایک درخواست ہے اسے ضرور قبول کر لو۔ ابنِ اشعث نے پوچھا۔ وہ کیا؟

مسلم بن عقیل نے کہا:۔

"کسی شخص کو بھیج کر میرے حال کی اطلاع میرے بھائی حسینؓ کو کر دینا اور میری طرف سے ان کو کہہ دینا کہ وہ اہلِ کوفہ کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جن سے چھٹکارا پانے کی ان کے والد ہمیشہ آرزو کرتے رہے اور کہہ دینا کہ وہ اہل و عیال کو لے کر اپنے وطن کو لوٹ جائیں"۔[1]

محمد بن اشعث نے وعدہ کیا کہ وہ امام حسینؓ کو یہ پیغام پہنچا دے گا۔ چنانچہ اُس نے یہ وعدہ پُورا کیا۔

مسلم بن عقیل ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ ابن زیاد نے آپ کو بُرا بھلا کہا۔ آپ نے بھی سختی کے ساتھ جواب دیا۔ آخر ابن زیاد نے آپ کو شہید کرا دیا۔

مسلم بن عقیل کے بعد ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے قتل کا حکم دیا۔ محمد بن اشعث نے شہر میں ہانی کے اثر و اقتدار کے خیال سے اس کی جان بخشی کی کوشش کی۔ مگر ابن زیاد نہ مانا اور اسے بھی قتل کرا دیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں شہیدوں کے سر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۔

شکریہ ادا کیا اور لکھا :-

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؓ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تم پہرہ چوکی کا سختی کے ساتھ انتظام کرو۔ کسی کی طرف سے ذرا بھی بدگمانی ہو تو اُسے قید کر دو۔ البتہ جب تک کوئی تمہارے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھائے تم اُس کے مقابلہ میں تلوار نہ اٹھاؤ" [1]

امام حسینؓ کا عزمِ کوفہ اور ہمدردوں کی نصائح

مسلم بن عقیل جب کوفہ پہنچے اور اُن کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امام حسینؓ کی بیعت کر لی تو اُنہوں نے حضرت امام کو لکھا "آپ بے خطر تشریف لے آئیں۔ اہلِ عراق آپ کے حامی ہیں اور بنی اُمیہ سے بیزار"۔

اب آپ نے کوفہ کو روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپ کے ہمدردوں کو جب علم ہوا تو انہوں نے آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ عمر بن عبدالرحمٰن بن حرث نے کہا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق کا ارادہ فرما رہے ہیں حالانکہ وہاں کے حکام و امراء بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں اور وہاں کا خزانہ بھی اُن کے قبضہ میں ہے۔ عوام کا کچھ بھروسہ نہیں وہ بندۂ زر ہوتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جو لوگ آپ سے مدد کا وعدہ کر رہے ہیں وہی کل آپ کا مقابلہ کریں گے"۔

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا :-

"بھائی میں تمہاری بات مانوں یا نہ مانوں مگر تمہارے ناصح مخلص ہونے میں کلام نہیں"۔

عبداللہ بن عباس نے فرمایا :-

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵ -

"اے ابن عم یہ شہرت ہے کہ تم عراق کی طرف جا رہے ہو۔ خدا کے واسطے ایسا ارادہ نہ کرنا۔ کیا اہلِ عراق نے بنی اُمیّہ کے حکام کو نکال کر ملک پر قبضہ کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ضرور جاؤ۔ لیکن اگر حالات یہ ہیں کہ ان کے حکام برسرِ حکومت ہیں۔ خزانہ کی کنجیاں اُن کے ہاتھوں میں ہیں تو اہلِ کوفہ آپ کو اس لئے بلاتے ہیں کہ لڑائی کے شعلوں میں آپ کو دھکیل دیں اور خود الگ ہو جائیں۔ یہی انھوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ کیا۔"

آپ نے جواب دیا:۔

"میں استخارہ کروں گا۔"

دوسرے دن پھر عبداللہ بن عباسؓ آئے اور کہا اے ابن عمؓ آپ کوفہ کے پاس بھی نہ پھٹکیے۔ اہلِ کوفہ غدار ہیں۔ آپ مکّہ میں قیام فرما کر اپنی بیعت کی دعوت دیجئے۔ آپ اہلِ حجاز کے سردار ہیں۔ وہ آپ کی بات مانیں گے۔ اگر مکّہ سے جانا ہی ہے تو یمن جائیے وہ وسیع مُلک ہے وہاں حفاظت کے سامان ہیں اور آپ کے والد کے ہمدرد بھی موجود ہیں۔ وہاں قیام کر کے بلادِ اسلامیہ میں اپنی خلافت کا پیغام بھیجئے مجھے امید ہے کہ آپ کامیاب ہوں گے۔"

امام حسینؓ نے فرمایا:۔

"بھائی مجھے تمہارے مشفق ہونے میں شُبہ نہیں مگر میں نے تو عراق روانگی کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔

"اگر یہ فیصلہ اٹل ہے تو عورتوں اور بچّوں کو ساتھ نہ لے جائیے مجھے ڈر ہے کہ آپ کو حضرت عثمانؓ کی طرح عورتوں اور بچوں کے سامنے خاک و خون میں نہ تڑپایا جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی سمجھایا اور کہا۔

"آپ حرم میں قیام فرما کر اپنی خلافت کی دعوت دیجئے اور شیعانِ عراق

کو لکھئے کہ وہ یہاں آکر آپ کی مدد کریں۔ میں بھی آپ کی اعانت کے لئے حاضر ہوں۔ حرم یوں بھی عالم اسلام کا مرکز ہے۔ مختلف بلاد و امصار کے مسلمان یہاں آتے جاتے رہتے ہیں۔"

مگر امام حسینؓ نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے والد سے سُنا ہے کہ حرم کا ایک مینڈھا حرم کی حرمت کو زائل کرنے کا باعث ہوگا۔ میں وہ مینڈھا بننا نہیں چاہتا۔"[1]

امام حسینؓ کوفہ کو آخر آپ ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اہل و عیال، عزیزوں اور رفیقوں کے ساتھ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مقامِ صفاح پہنچے تو وہاں آپ کو فرزدق شاعر، عراق سے لوٹتا ہوا ملا۔ آپ نے اُس سے وہاں کے حالات پوچھے۔ فرزدق نے کہا۔

"اہلِ عراق کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی اُمیہ کے ساتھ ہیں اور فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے۔"

آپ نے فرمایا۔

"تم نے سچ کہا اگر خدا کا فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق ہوا تو خدا کا شکر ادا کریں گے اور اگر موت ہماری خواہش کے درمیان حائل ہوگئی تو مضائقہ نہیں کہ ہماری نیت بخیر ہے۔"

آگے چل کر آپ کو آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر ملے۔ انہوں نے آپ سے بڑی تاکید کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی درخواست کی اور کہا۔

"مجھے خوف ہے کہ اس راستہ میں آپ کی جان کا ضرر اور آپ کے خاندان کی بربادی نہ ہو۔"

اپنے ساتھ وہ عمرو بن سعید حاکمِ مدینہ سے ایک امان نامہ بھی لکھوا کر لائے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵، ۱۶ و اخبار الطوال۔

لائے تھے مگر امام حسینؓ نے اپنا ارادہ نہ بدلا اور سفر جاری رکھا۔
آپ مقامِ ثعلبیہ میں پہنچے تو وہاں آپ کو مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ سے بعض رفیقوں نے کہا۔ آپ کو خدا کی قسم ہے آپ لوٹ چلیں۔ کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن مسلم بن عقیل کے گھر والوں نے کہا ہم تو نہ لوٹیں گے، مسلم کا بدلہ لیں گے یا اپنی جانیں بھی قربان کر دیں گے۔ یہ سن کر امام حسینؓ نے فرمایا :-

"ان لوگوں کو چھوڑ کر زندگی میں مزہ نہیں ہے۔"

آپ مقامِ زبالہ میں پہنچے تو آپ کو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر ملی۔ امام حسینؓ نے عبداللہ بن س کو مسلم بن عقیل کے پاس خط دے کر بھیجا تھا۔ یہ جس وقت پہنچے مسلم قتل کئے جا چکے تھے۔ ابن زیاد نے ان کو بھی محل کی چھت سے گرا کر قتل کرا دیا۔
ان خبروں سے آپ کو کوفہ کے حالات کا بہت کچھ اندازہ ہو گیا۔ آپ نے ساتھیوں سے کہا۔

"کوفہ والوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے ان سے مدد کی توقع نہیں لہٰذا ہمارے جو ساتھی واپس ہونا چاہتے ہوں وہ بخوشی واپس ہو جائیں ہماری طرف سے انہیں پوری اجازت ہے۔"

یہ اعلان سن کر آپ کے اکثر رفقاء آپ کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ صرف آپ کے خاندان والے اور کچھ مخصوص جاں نثار ساتھ رہ گئے[1]

مزاحمت ابن زیاد کو امام حسینؓ کی روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ اس نے یزید کی ہدایت کے مطابق مدینہ سے عراق آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی اور حر بن یزید تمیمی کو ایک ہزار سوار دے کر امام حسینؓ کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۸

کھوج لگانے اور انہیں گھیرنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا۔

امام حسینؓ مقام "ذی حشم" پہنچے تو وہاں حر بن یزید تمیمی آپ کا کھوج لگاتا آپہنچا اور آپ کے لشکر کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ امام حسینؓ نے اپنے رفقاء کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو پانی پلاؤ اور ان کے گھوڑوں کو سیراب کرو۔ یہ دوپہر میں چلے آرہے ہیں۔

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو امام حسینؓ نے حُر سے پوچھا۔ آپ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھیں گے یا علیحدہ؟ حُر نے جواب دیا ساتھ ہی پڑھیں گے۔ چنانچہ دونوں لشکروں نے ایک ساتھ امام حسینؓ کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام حسینؓ نے حُر کے لشکریوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا:۔

"لوگو! میں تم لوگوں کے بلانے سے یہاں آیا ہوں۔ تم نے خطوں میں لکھا، قاصدوں سے کہلا کر بھیجا کہ یہاں آیئے اور ہماری امامت قبول کیجئے۔ اب بھی اگر تم اپنے قائم رہنے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے شہر میں چلوں اور اگر میرا آنا ناگوار ہو تو اپنے وطن کو لوٹ جاؤں"۔

حُر نے کہا۔

"یہ آپ خطوں اور قاصدوں کا کیا ذکر کر رہے ہیں ہمیں ان کا کچھ علم نہیں"۔

اس پر امام حسینؓ نے دو تھیلے نکلوا کر کوفیوں کے سامنے خطوں کا ڈھیر لگوا دیا۔ حُر نے کہا۔ خیر ہم نے یہ خط نہیں لکھے ہم تو اس کام پر مامور ہوئے ہیں کہ آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے سامنے کوفہ پہنچا دیں"۔

امام حسینؓ نے فرمایا۔

"یہ تو ناممکن ہے"۔

پھر اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔

حُر نے مزاحمت کی اور کہا میں آپ کو واپس نہ جانے دوں گا۔ لیکن آپ سے جنگ بھی نہ کروں گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کیجئے جو

عراق وحجاز دونوں کے درمیان ہو۔ مَیں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے۔ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے آپ کے مقابلہ میں صف آراء نہ ہونا پڑے۔

امام حسینؓ نے اس تجویز کو قبول کر لیا اور شمال کی طرف رُخ کر کے نینویٰ کے راستہ پر ہو لئے۔ حُر بھی اُن کے ساتھ ساتھ کچھ فاصلہ پر لگا رہا۔ عذیب الہجانات پہنچے تو وہاں طرماح بن عدی سے مُلاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا۔

"کوفہ میں آپ کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں ہو رہی ہیں مَیں نے اتنی بڑی فوج کبھی میدان میں مجتمع ہوتے نہیں دیکھی۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ بنی طے کے مشہور پہاڑ "اجا" پر تشریف لے چلیں۔ یہاں غسان وحمیر کے بادشاہوں کی بھی کبھی رسائی نہ ہو سکی۔ اگر آپ وہاں تشریف لے چلیں تو بنی طے کے بیس ہزار جانثاروں کا ذمہ دار مَیں ہوں جن کی تلواریں آپ کی حمایت میں بلند ہوں گی۔"

مگر امام حسینؓ نے شکریہ کے ساتھ اُن کی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا:-

"حُر سے جو میرا قول و اقرار ہو چکا ہے مَیں اُس کے خلاف نہ کروں گا۔"

نینویٰ پہنچے تو حُر کو ابن زیاد کا خط ملا جس میں لکھا تھا:-

"حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کو فوراً روک لو اور اُنہیں ایسی جگہ اُترنے پر مجبور کرو جہاں کوئی اوٹ اور پانی نہ ہو۔"

حُر نے یہ خط امام حسینؓ کو دکھا دیا۔ آپ نے فرمایا کچھ دُور آگے چلنے دو۔ پھر ہم اُتر جائیں گے۔ حُر راضی ہو گیا۔ جب آپ مقامِ کربلا میں پہنچے تو حُر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا اب مَیں آگے نہ بڑھنے دوں گا یہاں اُتر جائیے۔ فرات بھی یہاں سے قریب ہے۔ امام حسینؓ اور آپ کے ساتھی ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو میدانِ کربلا میں اُتر گئے۔

میدانِ کربلا میں قیام کربلا میں اُترنے کے دوسرے دن عمر بن سعد بن وقاص بھی اپنے چار ہزار سپاہیوں کو ساتھ لیکر آن پہنچا۔ عمر بن سعد بن وقاص کو ابنِ زیاد نے رے اور سرحد دیلم کا حاکم مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے علاقہ میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع پہنچی اور ابن زیاد نے اُسے اُن کی مدافعت کا حکم دیا۔

عمر بن سعد نے معافی چاہی۔ مگر ابن زیاد نے کہا اگر اس کی خدمت میں تامل ہے تو رے اور سرحد دیلم کی ولایت سے دستبردار ہو جاؤ۔ عمر بن سعد نے حکومت کے لالچ سے اس حکم کی تعمیل کو منظور کر لیا مگر وہ امام حسینؓ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے آخر وقت تک مفاہمت کی کوشش کی۔

عمر بن سعد نے امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر پوچھا۔ آپ کس غرض سے آئے ہیں؟"

امام حسینؓ نے جواب دیا" مجھے اہلِ کوفہ نے خط لکھے تھے کہ" ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپ تشریف لائیے کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں" میں اُن کی تحریر پر بھروسہ کر کے چل پڑا۔ بعد میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دی اور میرے ساتھ غداری کی۔ جب مجھے یہ معلوم ہُوا تو میں نے اپنے وطن کو واپس جانا چاہا۔ مگر حُر بن یزید نے مجھے واپسی کیلئے اجازت نہ دی۔ اب تم میرے قریبی رشتہ دار ہو مجھے چھوڑ دو کہ مدینہ میں واپس چلا جاؤں"۔

عمر نے یہ جواب سُن کر کہا" الحمد للہ! خدا کی قسم! میں تو خود چاہتا ہوں کہ حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ رنگین نہ ہوں"۔

پھر اس نے ابن زیاد کو امام حسینؓ کے ارادے سے مطلع کیا۔

ابن زیاد نے جواب دیا۔

"حسینؓ سے یزید کی بیعت لے لو۔ اس کے بعد ہم کسی بات پر غور

کریں گے۔ اگر بیعت نہ کریں تو اُن کا پانی بند کر دو ۔"

پانی کی بندش ۷ محرم کو عمر بن سعد نے فرات کا پانی امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر بند کر دیا اور دریا پر پانچ سو سواروں کا پہرہ بٹھا دیا۔ امام حسینؓ نے اپنے بہادر بھائی عباس بن علیؓ کو پانی لانیکا حکم دیا۔ یہ تیس سواروں اور بیس مشکیزہ برداروں کو اپنے ساتھ لے کر گئے اور زبردستی پانی لے آئے۔

تاکید جنگ عمر بن سعد امام حسینؓ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا اس کی دلی خواہش تھی کہ کوئی مصالحت کی صورت نکل آئے اور اس کی تلوار اہل بیتِ نبوی کے خون سے رنگین نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے وہ لڑائی کو ٹالتا رہا۔ اور حضرت امامؓ سے بار بار ملاقاتیں کیں۔

ایک رات حضرت امام اور عمر بن سعد دونوں لشکروں کے درمیان جمع ہوئے اور رات گئے تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت امام حسینؓ نے عمر بن سعد سے کہا :۔

"ہم دونوں اپنے اپنے لشکروں کو یہیں چھوڑ دیں اور یزید کے پاس چل کر زبانی معاملہ طے کر لیں ۔"

ابن سعد نے کہا :۔

"ابن زیاد میرے گھر کو کھدوا پھینکے گا ۔"

امام حسینؓ نے فرمایا :۔

"اچھا تو مجھے اپنے وطن واپس جانے دو یا کسی اور طرف نکل جانے دو، پھر حالات جو کچھ فیصلہ کریں ۔"

لیکن ابن سعد نے اس تجویز کو قبول کرنے سے بھی معذوری کا اظہار کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف قیاسات ہیں۔ ابن سعد سے حضرت امامؓ کی جو کچھ گفتگو ہوئی وہ رازدارانہ ہوئی۔ کوئی تیسرا شخص اس میں شریک نہ تھا۔ تاہم یہ واقعہ

ہے کہ ابنِ سعد نے ان مذاکرات کی روشنی میں قضیہ کے حل کی ایک درمیانی صورت کو پالیا اور اپنی رائے سے ابن زیاد کو مطلع کیا۔

ابن زیاد کو ابن سعد اور امام حسینؓ کی گفتگوؤں کی رپورٹیں پہنچ رہی تھیں۔ اس کو اندیشہ ہُوا کہ کہیں ابن سعد، امام حسینؓ سے نہ مل جائے اور بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ چنانچہ اُس نے شمر ذی الجوشن کے مشورہ سے ابن سعد کو لکھا۔

"میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم حسین کے مقابلہ سے جان بچاؤ یا اُنہیں غلط امیدیں دلاؤ یا لڑائی کو طول دو یا میرے سامنے اُن کے سفارشی بن کر آؤ۔ حسینؓ اگر بلا شرط اطاعت قبول کریں تو اُنہیں میرے پاس بھیج دو۔ اگر انکار کریں تو اُن سے جنگ کرو اور قتل کر دو۔ اگر تمہیں اس حکم کی تعمیل میں پس و پیش ہو تو میں شمر ذی الجوشن کو بھیج رہا ہوں تم فوج اس کے حوالہ کرو اور اپنے آپ کو معزول سمجھو۔"

ابن زیاد کی اس دھمکی کے بعد ابن سعد بادلِ نخواستہ اُٹھا اور لشکر کو لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ واقعہ ۹ محرم کی شام کا ہے۔

امام حسینؓ کو معلوم ہُوا تو آپ نے ایک رات کی مُہلت چاہی۔ ابن سعد نے مہلت دے دی۔ حضرت امام کو اب یقین ہو گیا تھا کہ راہِ حق میں ان کو اپنے سر کی قربانی پیش کرنی پڑے گی۔ دُشمن اُن کے خون سے اپنی پیاس بجھائے بغیر نہ مانیں گے۔ آپ نے اپنے تمام رفیقوں اور عزیزوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"میں نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور نیک ساتھی کہیں نہیں دیکھے اور اپنے اہلِ خاندان سے زیادہ صالح اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنے والے کسی کے عزیز نہیں پائے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔ کل کا دن میرے اور دشمنوں کے درمیان آخری فیصلہ کا ہے۔ انہیں صرف میری ضرورت ہے اس لئے میں تم سب کو بخوشی واپسی کی اجازت دیتا ہوں۔ میرے رفیق میرے اہلِ خاندان کو لے کر رات کے اندھیرے میں نکل جائیں اور اپنے

اپنے شہروں میں پہنچ کر بہتر زمانے کا انتظار کریں"۔

مگر آپ کے فدا کار ساتھیوں اور جانثار عزیزوں نے بیک زبان کہا۔

"ہم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ خدا ہمیں اُس دن کے لئے زندہ نہ رکھے"۔

یہ جواب سُن کر آپ خاموش ہو گئے۔ دیر تک نقشۂ جنگ کے متعلق ہدایات دیتے رہے اور اپنے اہل بیت کو وصیتیں کرتے رہے۔ آپ کی بہن زینب بنت علیؓ نے زیادہ بے چینی کا اظہار کیا تو فرمایا:-

"اے بہن صبر کرو۔ دیکھو اہلِ زمین اور اہلِ آسمان سب کے لئے فنا ہے، خدا کی ذات کے سوا کسی کو بقا نہیں۔ ہیں اور ہر مسلمان کو جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے اگر میں راہِ حق میں سرخرو ہوں تو تم میرے ماتم میں گریبان چاک نہ کرنا، چہرہ کو نہ نوچنا، وائے ویلا نہ کرنا"۔ [1]

ان انتظامات سے فارغ ہو کر آپ نے اپنی پیشانی بارگاہِ رب العزت میں میں جھکا دی اور تمام رات اپنے مولیٰ سے راز و نیاز میں معروف رہے۔ آپ کے ساتھی بھی رات بھر نماز، استغفار، تضرع اور دُعا میں مشغول رہے۔

صُبح شہادت آخر گریبانِ صُبح عاشورہ چاک ہُوا۔ آفتاب خونیں آنسوؤں کی لڑیاں بکھیرتا ہُوا طلوع ہُوا۔ حضرت امام حسینؓ نماز فجر سے فارغ ہو کر اپنے بہتّر جانثاروں کو ساتھ لے کر میدان میں آ گئے۔ میمنہ پر زہیر بن قین کو، میسرہ پر حبیب بن مطہر کو متعین فرمایا اور عباس بن علیؓ کو علم مرحمت ہُوا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ قرآن مجید منگا کر سامنے رکھا اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۔

ہر چند آپ کو یقین نہ تھا کہ کوئی کوشش کارگر ہوگی تاہم آپ نے اتمام حجت کے لئے کوفیوں کو مخاطب کر کے حسبِ ذیل تقریر فرمائی :-

"اے لوگو! ذرا ٹھہرو، میری بات سنو کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر دوں۔ اگر تم نے میری بات کو سنا اور میرے ساتھ انصاف کیا تو تم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں لیکن اگر تم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو تمہاری مرضی، معاملہ کا ہر پہلو تم پر واضح ہو جائے گا اور تمہیں اختیار ہوگا جو چاہو سو کرو۔ اور میرے ساتھ کوئی کسر نہ اٹھا رکھو۔ میرا مددگار میرا اللہ ہے"

حضرت امام اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ زنانہ خیمہ سے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ فرمانے لگے۔

"عبداللہ بن عباس نے سچ کہا تھا ہمیں عورتوں کو نہیں لانا چاہیئے تھا"

پھر آپ نے عباس بن علیؓ کو عورتوں کو خاموش کرنے کے لئے بھیجا جب وہ خاموش ہوگئیں تو آپ پھر سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:۔

"اے لوگو! ذرا سوچو کہ میں کون ہوں، پھر غور کرو کہ تمہارے لئے مجھے قتل کرنا اور میری بے حرمتی کرنا جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ نہیں۔ کیا میں اُن کے ابن عم علی مرتضیٰ کا فرزند نہیں۔ کیا سید الشہداء حمزہ میرے والد کے چچا نہ تھے۔ کیا جعفر شہید طیار میرے چچا نہ تھے؟ کیا ہم دونوں بھائیوں کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مشہور حدیث تم نے نہیں سُنی۔

اے حسن وحسین! تم جنت کے سردار ہو اور اہلِ سنت کی آنکھوں کی ٹھنڈک"

اگر میرے بیان پر اعتبار نہ ہو، حالانکہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابی ابھی زندہ ہیں ان سے

پوچھ لو، کیا اس کے بعد بھی تم میرا خون بہانے سے باز نہ آؤ گے۔ کیا تمہیں اس قولِ نبی کی صداقت میں شک ہے یا اس بات میں شک ہے کہ میں حسین فاطمہ زہرا کا بیٹا نہیں ہوں۔ اگر تمہیں دوسری بات میں شک ہے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں مشرق و مغرب میں میرے سوا کوئی نبی کا نواسہ اور فاطمہ کا لال نہ ملے گا۔

تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا میں نے تمہارے کسی آدمی کا خون بہایا ہے؟ کیا تم میں سے کسی کا مال غصب کر لیا ہے؟ کیا تمہارے کسی آدمی کو زخمی کر دیا ہے؟"

اس کے بعد آپ نے کچھ سرداران کوفہ کو نام بنام پکار کر کہا۔ کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط بھیج کر نہیں بلایا؟

ان لوگوں نے جواب دیا۔

"نہیں! ہم نے آپ کو نہیں بلایا۔"

آپ نے فرمایا۔

"تم نے ضرور بلایا۔ لیکن اگر اب تمہیں میری آمد ناپسند ہے تو مجھے اپنی پناہ کی جگہ واپس جانے دو۔"

ایک شخص نے کہا آپ میرے چچیرے بھائی (ابن زیاد) کا فیصلہ کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ یہ آپ کے لئے بہتر ہو گا۔

آپ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اپنا ہاتھ دشمنوں کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا اور غلاموں کی طرح اُن کی بندگی کا اقرار نہیں کر سکتا۔ میں ہر متکبر سے جس کا روزِ حساب پر ایمان نہیں ہے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔" [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۵، ۲۶۔

حُر بن یزید امام حسینؓ کے قدموں میں امام حسینؓ کی یہ تقریر کوفیوں پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ البتہ حُر بن یزید تمیمی آہستہ آہستہ گھوڑا بڑھاتا ہُوا آیا۔ جب قریب پہنچا تو ایک ایڑ مار کر لشکر اہلِ بیت میں شامل ہو گیا۔ اس نے امام حسینؓ سے کہا۔

"اے فرزندِ رسول اللہ! میں ہی وہ شخص ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کو روکا تھا۔ مگر مجھے خبر نہ تھی کہ میری قوم بدبختی کی اس حد تک جا سکے گی اور جنگ کے سوا کسی مناسب تجویز کو قبول نہ کرے گی۔ اب میں آپ کے قدموں میں حاضر ہوں اور جب تک جسم کا جان سے تعلق ہے آپ کا حق رفاقت ادا کروں گا۔ اللہ کے واسطے بتائیے کیا میرا یہ فعل میرے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو سکے گا؟"

حضرت امامؓ نے خوش ہو کر فرمایا:۔

"ضرور اے حُر دُنیا میں بھی تیرا نام حُر (آزاد) ہے۔ انشاء اللہ آخرت میں بھی تُو عذابِ دوزخ سے آزاد ہی رہے گا۔"

اب حُر نے اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا۔

"اے قوم! کیا یہ ممکن نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ تجویزوں میں سے کوئی تجویز قبول کر لو اور اُن کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کی لعنت سے بچ جاؤ۔"

عمر بن سعد نے کہا۔ "میں تو مصالحت کو پسند کرتا تھا مگر یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔"

اس کے بعد کوفیوں کی طرف سے ایک تیر پھینکا گیا اور جنگ شروع ہو گئی۔

شہادتِ حسینؓ پہلے مبارزت شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلتا اور اپنے حریف سے لڑتا۔ مگر اس طرح کوفیوں کو بہت نقصان ہُوا۔ عبداللہ بن عمیر کلبی، بریر بن خفیر، حُر بن یزید تمیمی اور نافع بن

بلال نے اپنے حریفوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر دشمن کی فوج میں سے عمر بن حجاج نے چیخ کر کہا :۔

"اے شہسوارو! تمہیں معلوم ہے کہ کس سے لڑ رہے ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لے کر نکلے ہیں۔ ان سے مبارزہ کسی طور ممکن نہیں۔ مجموعی طور پر حملہ کرو۔ یہ ہیں ہی کتنے۔ خدا کی قسم! اگر تم لوگ ان پر پتھر بھی برساؤ تو نہ بچیں۔"

اب عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مٹھی بھر جان نثاران اہلبیت نے ٹڈی دل کوفیوں کا منہ پھیر دیا۔ بہادران فوج حسینی جدھر نکل جاتے تھے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ مگر دونوں گروہوں کی تعداد میں کوئی نسبت نہ تھی۔ دوپہر کے ڈھلنے تک آپ کے تمام ساتھی پروانہ وار شمع بیت نبوت پر قربان ہو گئے۔

اب جوانان اہل بیت کی باری آئی۔ علی اکبر بن حسینؓ، عبداللہ بن مسلم بن عقیل، عدی بن عبداللہ بن جعفر، عبدالرحمٰن بن عقیل، محمد بن عقیل، قاسم بن حسین ابن علی، ابوبکر بن حسینؓ بن علیؓ، اپنی اپنی شمشیر آبدار کے جوہر دکھا کر نوجوانان جنت کے سردار پر نثار ہو گئے۔

آخر میں حضرت امام کے ساتھ اُن کے چار بھائیوں عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان کے سوا کوئی نہ رہا۔ جب تک سینہ میں دم رہا یہ ہر وار کو اپنے سینہ پہ لیتے رہے۔ آخر ایک ایک کر کے راہئ جنت ہوئے۔

اب حضرت امام حسینؓ تنہا تھے۔ زخموں سے چُور چُور تھے۔ پیاس سے بیتاب تھے۔ مگر آپ کی بہادری، جوش اور ہمت میں کوئی کمی نہ تھی۔ جس طرف بھی آپ کی تلوار چمکتی دشمنوں کے بادل چھٹتے چلے جاتے۔ آخر آپ نڈھال ہو کر زمین پر بیٹھ گئے اور بڑی دیر تک خاموش بیٹھے رہے۔ مگر دشمنوں کو اس زخمی شیر پر حملہ کرنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کے خون سے اپنی قسمت پر شقاوت کی

آخری مُہر لگانے سے ہر شخص گریز کرتا تھا۔

آخر شمر نے چیخ کر کہا۔

"اب کیا انتظار ہے؟ قتل کیوں نہیں کرتے؟"

حضرت امام نے اپنے خشک ہونٹوں کو پانی کا پیالہ لگایا تھا کہ حصین بن نمیر نے تاک کر ایک تیر مارا جو آپ کے حلقوم میں پیوست ہو گیا۔ آپ گرتے پڑتے فرات کی طرف چلے۔ لیکن دشمن چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ پر تلوار کے وار کئے۔ سنان بن انس نخعی نے نیزہ مار کر آپ کو زمین پر گرا دیا اور تلوار سے سرِ اقدس کو جدا کر دیا۔[1]

آپ کے جسم مبارک پر تینتیس ۳۳ زخم نیزہ کے اور تینتیس ۳۳ زخم تلوار کے تھے اور تیر کے زخم ان کے علاوہ تھے۔

آپ کی شہادت کے بعد ظالموں نے اہلِ بیت کے خیموں کی طرف رُخ کیا جو کچھ ساز و سامان تھا، سب لُوٹ لیا۔ یہاں تک کہ عورتوں کی چادریں تک کھینچ لیں۔ آپ کے صاحبزادے زین العابدین، علی اصغر بیماری کی حالت میں خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ شمر نے ان کو بھی شہید کرنا چاہا۔ مگر عمر بن سعد نے کہا عورتوں کے خیمہ میں نہ گھسو اور بچوں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

شہادتِ عُظمٰی کا یہ حادثۂ کبریٰ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو جمعہ کے دن پیش آیا۔

اگلے دن اہلِ غاضریہ نے نمازِ جنازہ ادا کر کے شہداء کی لاشوں کو اُسی میدان میں دفن کیا۔ حضرت سید الشہداء کا سرِ مبارک اور دوسرے شہداء کے سر چونکہ دُشمن اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اس لئے جسم بغیر سر کے سپردِ خاک ہوئے۔

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ شاملۃ کاملۃ

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶۔

اہلبیت کا قافلہ شام کو اس حادثۂ عظمیٰ کے بعد اہلِ بیت کا قافلہ ابنِ زیاد کے پاس کوفہ بھیجا گیا اور شہدائے کرام کے سر اس کے دربار میں پیش کئے گئے۔ ابنِ زیاد نے حضرت امام حسینؓ کے دندانِ مبارک کو ایک چھڑی سے کھٹکھٹایا۔ حضرت زید بن ارقم صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف رکھتے تھے۔ آپ اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے۔ فرمانے لگے:۔

"واللہ! میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے ان کی بے ادبی نہ کرو"

یہ فرما کر آپ بے اختیار رو پڑے۔ ابن زیاد نے کہا "اگر تم سٹھیا نہ گئے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا" حضرت زید بد دعا فرماتے ہوئے مجلس سے اُٹھ گئے۔

ابن زیاد نے اہلبیت کے اس قافلہ اور شہدائے کرام کے سروں کو شمر کے زیر نگرانی یزید کے پاس دمشق بھجوا دیا۔

یزید کے دربار میں جب امام حسینؓ کا سرِ مبارک رکھا گیا اور شمر نے ایک تقریر میں اپنی اور اپنے رفیقوں کی کارگزاری فخریہ بیان کی تو یزید نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"افسوس تم پر اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا خدا کی لعنت ابنِ مرجانہ پر، اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو خدا کی قسم! میں حسینؓ کو معاف کر دیتا۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے"۔[1]

ہند بنت عبداللہ بن عامر یزید کی بیوی، چادر کا گھونگٹ کر کے دربار میں نکل آئی اور کہنے لگی اے امیر المؤمنین! کیا یہ جگر گوشۂ رسولؐ، حسین بن فاطمہؓ کا سر ہے۔ یزید نے جواب دیا:۔

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۱۵۸۔

"ہاں! یہ حسینؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ کا سر ہے۔ تم اس پر ماتم کرو۔ خدا ابنِ زیاد کو قتل کرے اس نے جلد بازی سے کام لے کر ان کو قتل کر دیا۔" [1]

پھر یزید نے درباریوں کی طرف خطاب کر کے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا؟ حسینؓ نے کہا میرے باپ حضرت علی، یزید کے باپ سے بہتر ہیں۔ میری ماں سیدہ فاطمہ زہرا اس کی ماں سے بہتر ہیں۔ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نانا سے بہتر ہیں۔ اور میں خود اس سے بہتر ہوں اور خلافت کا زیادہ حق دار ہوں۔ جہاں تک باپ کا تعلق ہے میرے باپ اور ان کے باپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ خدا نے میرے باپ کے حق میں فیصلہ کیا۔ البتہ ان کی ماں فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے بہتر ہیں اور ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نانا سے بہتر ہیں۔ ہر شخص جو اللہ، یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسر نہیں قرار دے سکتا۔ البتہ انہوں نے معاملہ کو سمجھا نہیں اور قرآن کی اس آیت پر ان کی نظر نہیں گئی:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ" [2]

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یزید کے یہ الفاظ دل سے نکل رہے تھے یا زبان سے؟ اور اسکے یہ آنسو رنج و ندامت کے تھے یا ڈپلومیسی اور سیاست کے؟ کہ تاریخِ عالم میں دوسری قسم کے آنسوؤں کی مثالیں بھی بہت ملتی ہیں۔ برادرانِ یوسف بھی یہ آنسو بہا چکے ہیں وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ [3]۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۵ — [2] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۵

[3] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶

اہل بیت کی واپسئی وطن یزید نے خاندانِ نبوت کی عورتوں کو اپنی حرم سرا میں ٹھہرایا۔ چونکہ دونوں خاندانوں میں رشتہ داری تھی اس لئے خاندانِ یزید کی تمام عورتیں اُن کے پاس آئیں اور اُن کے رنج میں شریک ہوئیں اور شہداء کا ماتم کیا۔ یزید دونوں وقت امام زین العابدین علی بن حسین کو اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا تھا۔

چند روز خاطر و مدارت کے ساتھ ٹھہرانے کے بعد یزید نے اہل بیت کے قافلہ کو کچھ سامان دے کر ایک معتبر اور نیک آدمی کی نگرانی میں مدینہ منورہ روانہ کرا دیا۔

رخصت کرتے وقت یزید نے امام علی بن حسین سے کہا :-

"جو کچھ خدا کی مرضی تھی ہُوا اور میری منشاء کے خلاف ہُوا۔ اگر ملعون ابنِ زیاد کی جگہ میں ہوتا تو یہ صورت ہرگز پیش نہ آتی۔ حسینؓ میرے سامنے جو تجویز پیش کرتے اُسے قبول کر لیتا اور اُن کی جان کو ضائع نہ ہونے دیتا۔ صاحبزادے تمہیں جو ضرورت پیش آیا کرے مجھے لکھ دیا کرنا۔"[1]

سکینہ بنتِ حسینؓ یزید کے اس سلوک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔ چنانچہ آپ فرماتی تھیں :-

"میں نے منکرینِ خدا میں یزید بن معاویہ سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔"[2]

حسینؓ و یزید یہ حادثۂ فاجعہ تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نصف صدی بعد آپ ہی کے نام لیوا آپ کے اہلبیت کو انتہائی شقاوت کے ساتھ ذبح کر دیں۔ حقیقی فیصلہ تو وہ حاکمِ مطلق ہی کرے گا

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶ [2] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۳۵

جو دلوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے اور پھر کھلے ڈھکے سے واقف ہے۔ تاہم ایک مؤرخ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی دانست کے مطابق واقعات پر ایک نظر ڈالے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی اہم اقدام سے پہلے جس کا تعلق اسلام کے جماعتی مسائل سے ہو، یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ مصلحتِ اُمت اس کی متقاضی ہے یا نہیں؟ پھر یہ بھی غور کر لینا چاہیئے کہ اس کے لئے مناسب اسباب ظاہری بھی موجود ہیں یا نہیں؟ یہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ یزید ایک فاسق و فاجر شخص تھا اور اس سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ جیسے جامع فضائل بزرگوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی اس لئے اس کی خلافت اسلام کے بلند پایہ نصب العین کی تکمیل کے لئے کوئی ضمانت پیش نہیں کر سکتی تھی۔

بے شک اسلام کا نظام شوریٰ اس وقت معطل ہو چکا تھا۔ لیکن اس جسم نیم جان میں ابھی حرارت باقی تھی۔ حضرت امام نے اس ڈھانچہ پر دوبارہ روحِ حیات خائض کرنے کی کوشش کی۔

حسنِ اتفاق سے اس نظام کی برہمی کی صورت میں انعقادِ خلافت کی جو دوسری شرط تسلطِ کامل ہے، وہ بھی موجود نہ تھی۔

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں یزید کی بیعت کو اگر اصولاً جائز تسلیم کیا جائے اور حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول لا ابایع لامیرین فی زمان واحد نظرانداز بھی کر دیا جائے تو بھی اس بیعت کا تحقق خود محل نظر ہے۔

اسلام کے تین سیاسی مرکزوں میں سے شام تو دل و جان سے بنی اُمیہ کے ساتھ تھا۔ عراق کی بیعت کا یہ حال تھا کہ عراقی نمائندوں کی رائے عراقی اُمرا نے چاندی سونے کی ٹکلیوں کے ذریعہ خریدی تھی۔ عام اہلِ عراق اس کے ذمہ دار نہ تھے۔ خود امیر معاویہؓ اس سے بے خبر نہ تھے۔ چنانچہ جب عراق سے عراقی نمائندوں کا وفد دمشق پہنچا تو آپ نے امیر وفد سے پوچھا۔

بکم اشتری ابوک من ھولاء دینھم ۔ ” تمہارے والد نے ان لوگوں سے ان کا دین کس قیمت پر خریدا ؟“

تو اس نے جواب دیا :۔

باربعمائۃ دینار [۱] ” چار سو دینار میں ۔“

رہ گئے اہلِ حجاز ؛ اُن کی رائے مذکورہ بالا چاروں بزرگوں کی رائے کے تابع تھی اور جب فی الحقیقت ان بزرگوں نے یزید کی بیعت کی ہی نہ تھی تو عام اہلِ حجاز کی بیعت کے اعتبار کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد اہلِ حجاز دل وجان سے ان بزرگوں کے حامی تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بنی اُمیہ کا تسلط حجاز میں باوجود ” واقعہ حرہ “ جیسے خونین مناظر کی نمائش کے ، حضرت معاویہؓ کی وفات سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت تک قائم نہ ہو سکا ۔

اہلِ عراق نے بھی خطوط اور وفود کے ذریعے حضرت امام کو یقین دلایا کہ ان کا کوئی امام نہیں ہے اور وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے منتظر ہیں ۔

بہرکیف حضرت امام کا اس وقت اس مقصدِ جلیل (احیاء نظام خلافتِ راشدہ) کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا جہاں تک مصلحتِ اُمت کا تعلق ہے اس کے مطابق تھا ۔ اور اگر وہ خلافت کے خواہش مند بن کر کھڑے ہوئے تو یہ اُن کی خواہش بجا تھی ۔

ب ، رہا یہ مسئلہ اسباب ظاہری کی فراہمی کا ، بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرت امام کی اجتہادی غلطی تھی ۔ انہوں نے اپنی سرگرمی کا مرکز عراق کو بنانا تجویز کیا اور بار بار آزمانے کے بعد کہ عراق کے لوگ بزدل ، لالچی اور ناقابلِ اعتبار ہیں ، ان کی امداد کے بھروسہ پر حجاز کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۸ ۔

اگر حضرتِ امام اپنے بہی خواہوں اور ہمدردوں کی رائے کو مان لیتے اور قلب اسلام کو اپنی دعوت کا مرکز بناتے تو حالات کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ لیکن زبانِ قلم خاموش ہو جاتی ہے جب ابن اثیر کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے :-

حضرت امام جب اپنے دوستوں کی رائے کے خلاف مکہ معظمہ سے روانہ ہو لئے، تو اُن کے بھائی عبداللہ بن جعفر نے اُنہیں راستہ میں جالیا اور باصرار واپسی کی درخواست کی۔ حضرت امام نے اُنہیں بھی ٹالنا چاہا۔ مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو آپ نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا :-

"میں نے خواب میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے آپ نے مجھے ایک کام کر گزرنے کا حکم دیا ہے۔ میں اس کو ضرور کروں گا خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو"

عبداللہ بن جعفر نے پوچھا -

"وہ کیا کام ہے ؟"

آپ نے جواب دیا :-

"یہ نہ میں نے کسی کو بتایا ہے اور نہ بتاؤں گا جب تک اپنے رب کے دربار میں حاضر نہ ہو جاؤں" [1]

جب بات یہ تھی تو یہاں اسباب ظاہری کی فراہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اِس علمی بحث کو چھیڑنے کی ضرورت ہے کہ "خواب حجت شرعی ہے یا نہیں ؟" کہ یہ دُنیائے عشق و محبت ہے اور اس دُنیا کے آئین نرالے ہوتے ہیں۔

سہ
بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۷

واقعۂ حرّہ

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ عالمِ اسلام میں یزید کی اس حرکت پر نفرت کا اظہار کیا گیا اور حجاز میں مدینہ سے مکّہ تک مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکّہ معظمہ میں اس حادثہ کی خبر سُن کر مجمع عام میں ایک پُرجوش تقریر کی۔ آپ نے فرمایا :۔

"اہلِ عراق بڑے غدار اور فاجر ہیں انھوں نے امام حسینؓ کو بڑے بڑے وعدے کر کے بلایا۔ جب آپ تشریف لے گئے تو آپ کو گھیر لیا اور مجبور کیا کہ یا وہ غیر مشروط طور پر ابن زیاد کی اطاعت قبول کریں اور یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حسینؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنے ٹڈی دَل دشمنوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ اہلِ عراق کی یہ غداری و بدعہدی قابلِ عبرت ہے۔ لیکن جو خدا کو منظور تھا وہ ہُوا۔ کیا حسینؓ کی شہادت کے بعد ہم ان لوگوں کے قول و فعل کا اعتبار کر سکتے ہیں۔ واللہ دشمنوں نے اس شخص کو شہید کیا ہے جو دن کو روزہ رکھتا اور رات کو عبادت کرتا تھا، بزرگی اور دین میں ان سے کہیں بڑھ کر تھا اور خلافت کا اُن سے کہیں زیادہ حق دار تھا جو قرآن کی ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو خدا کے خوف سے رونے کے مقابلہ میں گانے بجانے کو روزوں کے مقابلہ میں شراب خواری کو، مجلس میں بیٹھ کر ذکر اللہ کے مقابلے میں شکاری کتوں کے ذکر کو پسند نہیں کرتا تھا"

آپ کی اس تقریر کے بعد لوگوں نے آپ سے کہا حسین بن علیؓ کے بعد اب آپ ہی کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ لہٰذا اپنی خلافت کی بیعت کھلم کھلا لیجئے۔ لیکن

آپ نے ابھی کھل کر میدان میں آنا مناسب نہ سمجھا اور خاموشی کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا۔

یزید کو عبداللہ بن زبیر کی طرف سے پہلے ہی کھٹکا تھا۔ اُسے جب اُن کی ان تیاریوں کی اطلاع پہنچی تو اُس نے کچھ آدمیوں کو نقرئی زنجیر دے کر اُن کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ وہاں کے حالات ایسے تھے کہ وہ گرفتار نہ ہو سکے۔

سنہ ۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والیٔ حجاز بنا کر بھیجا۔ عثمان نے اہلِ مدینہ کو ہموار کرنے کے لئے معززینِ مدینہ کا ایک وفد شام بھجوایا۔ اس وفد میں عبداللہ بن حنظلہ انصاری، عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور منذر بن زبیر وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ جب یزید کے دربار میں پہنچے تو وہاں اُنہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بڑی خاطر و مدارت کی گئی اور رخصت کے وقت گراں قدر نذرانے دیئے گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کو ایک لاکھ درہم اور اُن کے آٹھ بیٹوں کو دس دس ہزار درہم اور منذر بن زبیر کو ایک لاکھ درہم دیئے گئے۔

لیکن یزید کی یہ تدبیر بجائے مفید ہونے کے مضر ثابت ہوئی۔ یزید کی حرکات ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو اس کے مخالف ہو گئے اور مدینہ میں آکر بیان کیا :-

> "ہم اس شخص کے پاس سے آرہے ہیں جسے دین سے کچھ واسطہ نہیں۔ شراب نوشی، نغمہ و سرود، سیر و شکار اس کے دلچسپ مشاغل ہیں۔ آوارہ لوگوں کی صحبت اس کو عزیز ہے۔ ہم اس کی بیعت توڑتے ہیں اور اُس کی دی ہوئی رقم اس کے مقابلہ کی تیاریوں میں صرف کریں گے"۔

اب مدینہ میں یزید کے خلاف عام شورش بھڑک اُٹھی۔ اہلِ مدینہ نے عثمان بن محمد کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا والی مقرر کیا۔

یزید کو مدینہ کے امویوں نے کل حالات کی اطلاع دی۔ یزید اس مرتبہ نرمی کے ساتھ کام لینا چاہتا تھا اُس نے بشیر بن نعمان انصاری کو مدینہ بھیجا۔ بشیر بن نعمان نے اہلِ مدینہ کو سمجھایا کہ دُشمن قوی ہے تم اس کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت اختیار کی جائے۔ مگر نعمان کی بات کو کسی نے نہ سُنا۔

نعمان بن بشیر کی واپسی کے بعد اہلِ مدینہ نے تمام امویوں کو مروان بن الحکم کے گھر میں قید کر دیا۔ امویوں نے ایک شخص کو یزید کے پاس بھیجا جس نے اُسے کُل حالات کی اطلاع دی۔

یزید نے عمر بن سعید سابق والیٔ حجاز سے مدینہ جانے کے لئے کہا۔ مگر عمر نے جواب دیا۔

"اب مَیں قریش کے خون بہانے کے لئے وہاں نہ جاؤں گا۔"

پھر یزید نے عبید اللہ بن زیاد کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ پر لشکر کشی کرے۔ عبید اللہ بھی تیار نہ ہُوا اور کہا۔

"مَیں یزید کے لئے ابن رسول اللہ کے قتل اور حرمین شریفین کی بیحُرمتی دو بڑے گناہوں کو نہ ملاؤں گا۔"

آخر اس بدبختی کا قرعہ مسلم بن عقبہ مری کے نام نکلا۔ وہ بوڑھا اور بیمار تھا مگر اسی حالت میں بارہ ہزار لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔ اس لشکر کو علاوہ تنخواہ کے فی کس سو دینار انعام کا لالچ دیا گیا تھا۔

یزید نے چلتے وقت مسلم کو ہدایت کی کہ اہلِ مدینہ کو تین مرتبہ اطاعت کی دعوت دینا۔ اگر نہ مانیں تو لڑنا اور کامیابی کے بعد تین دن مدینہ کو لوٹنا۔ تین دن کے بعد ہاتھ روک لینا۔ علی بن حسین کو کوئی تکلیف نہ پہنچانا۔ ان کا خط میرے پاس آچکا ہے وہ اس ہنگامہ سے علیحدہ ہیں۔

مسلم بن عقبہ لشکرِ شام کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہُوا۔ اہلِ مدینہ کو معلوم

ہُوا تو انھوں نے محصور امویوں کے ساتھ سختی شروع کر دی اور انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر امویوں نے کہا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیجئے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی مخالفت میں مسلم کی کوئی مدد نہیں کریں گے اور نہ آپ کا کوئی راز اُن پر ظاہر کریں گے۔ اہلِ مدینہ نے عہد و پیمان لے کر اُنہیں چھوڑ دیا۔

ان لوگوں کی وادی القریٰ میں مسلم بن عقبہ سے ملاقات ہوئی۔ مسلم نے عمرو بن عثمان بن عفان کو بلا کر مدینہ کے حالات پُوچھے۔ عمرو بن عثمانؓ نے کہا۔

"مجھ سے وعدہ لے لیا گیا ہے مَیں آپ کو کوئی بات نہیں بتا سکتا"

مسلم نے بِگڑ کر کہا :-

"اگر تم حضرتِ عثمانؓ کے بیٹے نہ ہوتے تو مَیں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔"

پھر مسلم نے عبدالملک بن مروان کو بلایا۔ عبدالملک نے تمام حالات بتا کر کہا :-

"یہاں سے چل کر مقام ذی نخلہ میں قیام کرو اور وہاں کے چھوارے کھاؤ۔ دوسرے دن صبح کو مدینہ کو بائیں جانب چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤ۔ پھر گھوم کر حرّہ کی طرف سے، مشرق کی جانب سے تم مدینہ میں داخل ہو۔ اس طرح سورج کی تکلیف تم کو نہ پہنچے گی۔ بلکہ اہلِ مدینہ کو پہنچے گی اور جب سورج کی کرنیں تمہاری خودوں، زرہوں، اور تلواروں اور نیزوں پر پڑیں گی تو تمہارے دُشمنوں کی آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی"

مسلم نے عبدالملک کی رائے کو پسند کیا اور حرّہ کی طرف سے مدینہ کو گھیر لیا۔

یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے اہلِ مدینہ کو اطاعت کی دعوت اور تین دن کی مہلت دی۔ لیکن اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار شدید جنگ ہوئی۔

اہلِ مدینہ بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ اسلحہ سے آراستہ ہو کر میدان میں آئے تو اہلِ شام مرعوب ہو گئے اور لڑائی سے گریز کرنے لگے۔ مسلم نے انہیں بُرا بھلا کہا اور لڑائی پر اُکسایا تو لڑنے لگے۔ اہل مدینہ بڑی بہادری کے ساتھ دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ یکایک اُنہوں نے اپنی پُشت کی طرف سے تکبیروں کی آوازیں سُنیں معلوم ہُوا کہ بنی حارثہ نے اہلِ شام کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا ہے۔ یہ سُن کر اہلِ مدینہ کے پاؤں اُکھڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس بھگدڑ میں اُنہیں خندق کا بھی خیال نہ رہا۔ چنانچہ جو لوگ خندق میں گِر کر جاں بحق ہُوئے اُن کی تعداد مقتولین سے زیادہ تھی۔

اس فتح کے بعد مسلم نے مدینہ کے لوٹنے کا حکم دیا۔ تین دن تک قتل و خون اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر مسلم نے اعلان کیا کہ جو شخص اس شرط پر یزید کی بیعت کرے کہ اسے اس کی جان اور مال میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہوگا اُسے چھوڑ دیا جائے گا اور جو انکار کرے گا اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ اس اعلان پر سختی سے عمل کیا گیا اور جس نے ذرا بھی چُون و چرا کی اُسے تہ تیغ کر دیا گیا۔

یزید کی ہدایت کے مطابق مسلم نے امام زین العابدین علی بن حسین کو اس قسم کی بیعت پر مجبور نہیں کیا اور اُن کے ساتھ عزت سے پیش آیا۔

یہ افسوس ناک واقعہ جو یزید کی پیشانی کا دوسرا سیاہ داغ ہے ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ کو پیش آیا۔ اس حادثہ میں اکابر و اشرافِ قریش عبداللہ بن حنظلہ، فضل بن عباس بن ربیع، عبداللہ بن مطیع وغیرہ شہید ہُوئے۔

محاصرہ مکہ

نعمان بن بشیر جب اہلِ مدینہ کو سمجھانے کے لئے مدینہ آئے تو وہ یہاں سے فارغ ہو کر مکہ بھی گئے اور عبداللہ بن زبیرؓ کو یزید کی مخالفت سے باز رہنے کی نصیحت کی۔ مگر عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنا اور یزید کا موازنہ کرنے کے بعد نعمان سے پوچھا۔ کیا ان حالات میں بھی تم مجھے

یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے؟ نعمان نے جواب دیا۔ مجھے آپ کی فضیلت کا اعتراف ہے، نہ میں آپ کو اس قسم کا مشورہ دوں گا۔ نہ آئندہ کبھی اس مقصد کے لئے حاضر ہوں گا۔

مدینہ کا انقلاب عبداللہ بن زبیرؓ ہی کی دعوت کا نتیجہ تھا اس لئے یزید کے حکم کے مطابق مدینہ کی غارت گری سے فارغ ہو کر مسلم بن عقبہ نے مکہ کی راہ لی۔ مسلم بہت بوڑھا اور پرانا مریض تھا۔ مقام مشعل میں ہی پہنچا تھا کہ فرشتہ موت نے اس کا راستہ روک دیا۔ مرتے وقت اُس نے کہا۔

"اے اللہ! تیری وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اعتراف کے بعد میرا سب سے بہتر عمل جس پر مجھے ثواب آخرت کی توقع ہے اہلِ مدینہ کا قتلِ عام ہے۔"[۱]

مسلم نے حصین بن نمیر کو ایک قائم مقام مقرر کیا تھا۔ حصین بن نمیر نے ۲۶ محرم ۶۴ھ کو مکہ پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے پہلے مکہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ سخت جنگ ہوئی اور ان کے بھائی منذر بن زبیرؓ شہید ہوئے۔

آخر انہوں نے مکہ میں محصور ہو کر مدافعت کا فیصلہ کیا۔ وقتاً فوقتاً دونوں لشکروں میں معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ مگر مکہ فتح نہ ہوا۔ آخر حصین بن نمیر نے ۳ ربیع الاول ۶۴ھ کو منجنیقوں سے خانہ کعبہ پر سنگباری کی اور آتشبازی کی جس سے خانہ کعبہ کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا اور اُس کے پردے اور لکڑیاں جل گئیں۔[۲]

یہ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ ص ۴۹ [۲] ایضاً۔

فتوحات

فتوحات افریقیہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقبہ بن نافع سے امیر معاویہ رضی نے دوبارہ افریقہ کا والی مقرر کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر وہ اپنی زندگی میں اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے ۶۲ھ میں یزید نے اس وعدہ کو پورا کیا۔ عقبہ فوراً قیروان پہنچے اور وہاں کے امیر ابوالمہاجر کو قید کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر عقبہ کو ایک جگہ بیٹھنے میں لطف نہ آیا۔ اور انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا۔

"میں نے اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا ہے لہٰذا جب تک زندہ رہوں گا کفار سے جہاد کرتا رہوں گا"

پھر زہیر بن قیس بلوی کو قیروان پر اپنا قائم مقام بنا کر ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا۔

پہلے باغایہ پہنچے۔ وہاں رومیوں کے ایک لشکرِ جرار سے مقابلہ ہوا۔ سخت جنگ ہوئی۔ مگر آخرکار مسلمان کامیاب ہوئے اور بہت کچھ مال و متاع ان کے ہاتھ آیا۔ رومی شکست کھا کر شہر میں محصور ہو بیٹھے۔ عقبہ کچھ عرصہ محاصرہ کئے رہے مگر زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور علاقہ زاب کا رخ کیا۔ یہ علاقہ بہت وسیع تھا اور یہاں بہت سے شہر اور قصبے آباد تھے۔ عقبہ نے زاب کے سب سے بڑے شہر اربہ پہنچ کر مقام کیا۔ اربہ میں رومیوں اور نصرانیوں سے متعدد مقابلے ہوئے۔ مسلمان فتحیاب ہوئے اور دشمن کچھ قتل ہوئے اور کچھ پہاڑی علاقوں کی طرف نکل گئے۔

یہاں سے عقبہ تاہرت کی طرف بڑھے۔ وہاں کے رومیوں کو جب مسلمانوں کے حملہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے بربریوں کو بڑی تعداد میں اپنی مدد کے لئے

بُلا لیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو بڑی تشویش پیش آئی۔ لیکن آخر کار فائز و منصور ہوئے اور بہت کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

قاہرت سے عقبہ طنجہ پہنچے۔ یہ بحیرہ روم کے کنارے افریقہ کا آخری شہر تھا۔ یہاں کے حکمران یولیان نے اطاعت قبول کر لی اور مسلمانوں سے اچھی طرح پیش آیا۔ طنجہ سے عقبہ نے سوس ادنیٰ کا رُخ کیا۔ یہاں پر بربریوں سے مقابلہ ہُوا اور اُنہیں بے دریغ قتل کیا۔ بربری اِدھر اُدھر بھاگے۔ مگر مسلمانوں نے ہر جگہ اُنہیں گھیرا اور قتل کیا۔

سوس ادنیٰ سے فارغ ہو کر سوس اقصیٰ کا قصد کیا۔ یہاں بے شمار بربری مقابلے کے لئے جمع ہوئے۔ لیکن مسلمانوں نے اُنہیں شکستِ فاش دی اور خوب مالِ غنیمت حاصل کیا۔

عقبہ پے در پے فتوحات حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جب خشکی کی حد ختم ہو گئی اور بحرِ ظلمات کے کنارے پہنچے تو اُنہوں نے کہا۔

"اے میرے خدا اگر یہ بحرِ ذخار درمیان میں حائل نہ ہو جاتا تو تیرے راستہ میں جہاد کرتا ہُوا اسی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا۔"[1]

اب عقبہ بن نافع واپس لوٹے۔ ماء الفرس ہوتے ہوئے طبنہ آئے۔ عقبہ کی فتوحات کی اس قدر دھاک بیٹھ گئی تھی کہ جس مقام سے گزرتے رومی اور بربری اس مقام کو چھوڑ کر بھاگ جاتے۔ عقبہ نے اس کامیابی پر نازاں ہو کر اپنی فوج کو منتشر کر دیا اور ایک مختصر جمعیت کو ساتھ لے کر تہوذا پہنچے۔ وہاں کے رومیوں کو دعوت اسلام دی۔ رومیوں نے اس دعوت کو رد کر دیا۔ اور قلعہ بند ہو بیٹھے۔ پھر تہوذا کے رومیوں نے ایک ایسی چال چلی کہ عقبہ کی تمام فتوحات پر پانی پھر گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۴۳۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کسیلہ بن مکرم ایک با اثر بربری سردار تھا اور یہ ابوالمہاجر کے زمانۂ حکومت میں مسلمان ہوگیا تھا اور وہ اس سے عزت و محبت کا برتاؤ برتتے تھے۔ کسیلہ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے خود کو اس برتاؤ کا اہل ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

جب عقبہ بن نافع والی ہوکر آئے تو ابوالمہاجر نے ان سے کسیلہ کی سفارش کی اور اس کے مرتبہ کا لحاظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ عقبہ نے کسیلہ کو ابوالمہاجر کا آدمی سمجھ کر اُس سے اچھا برتاؤ نہ کیا اور ایک مرتبہ اُسے جانور ذبح کرنے پر مجبور کیا۔ کسیلہ کو یہ توہین بہت ناگوار گزری اور وہ مُرتد ہوگیا اور عقبہ سے انتقام لینے کے لئے موقع کی تاک میں رہا۔ مگر بظاہر اُس نے اس طرزِ عمل میں فرق نہ آنے دیا۔

تہوذا کے رومیوں کو اس ارادہ کی خبر تھی۔ عقبہ تہوذا کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کہ تہوذا کے رومیوں نے کسیلہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر عقبہ سے انتقام لینا چاہتے ہو تو فوراً اپنی جماعت کو لے کر چلے آؤ۔ عقبہ کے پاس اس وقت مٹھی بھر آدمی ہیں انہیں شکست دینا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ پھر ہم بھی تمہاری مدد کے لئے موجود ہیں۔

کسیلہ نے ایک لشکرِ جرار فراہم کرکے پیچھے سے مسلمانوں کو آگھیرا۔ یہ دو طرف سے گھرے ہوئے مٹھی بھر مسلمان بڑی بہادری کے ساتھ لڑے اور آخر ایک ایک کرکے شہید ہوئے۔

مقابلہ سے پہلے عقبہ بن نافع نے ابوالمہاجر کو آزاد کر دیا اور کہا کہ "آپ لوٹ جائیں اور مسلمانوں کی دیکھ بھال کریں۔"

مگر انہوں نے میدان سے واپس ہونا پسند نہ کیا اور عقبہ کے پہلو بہ پہلو لڑ کر جان دیدی۔

تہوذا کی اس شکست نے افریقیہ میں مسلمانوں کی اقتدار کی جڑیں اکھاڑ

دیں۔ زُہیر بن قیس بلوی نے قیروان میں مسلمانوں کو منظم ہو کر لڑنے کے لئے اُبھارا۔ مگر مسلمان کچھ ایسے شکستہ دل ہو چکے تھے کہ کوئی تیار نہ ہُوا۔

آخر زہیر قیروان چھوڑ کر برقہ چلے آئے اور کسیلہ نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ کسیلہ کا یہ قبضہ ۶۹ھ تک رہا۔

فتوحاتِ خراسان

۶۱ھ میں یزید نے مسلم بن زیاد کو خراسان و سجستان کا والی مقرر کیا اور عبید اللہ بن زیاد کو لکھا کہ چھ ہزار منتخب سوار اپنے بھائی مسلم کے حوالے کر دے۔ مسلم نے اس جمعیت کو لے کر جس میں عمران بن فضیل، مُہلب بن ابی صفرہ، طلحہ، بن عبید اللہ وغیرہ شامل تھے دریائے جیحون کو پار کیا۔

خوارزم کے قریب خراسان اور ترکستان کے سرداروں نے ایک شہر کو اپنا مرکز بنا رکھا تھا۔ موسم سرما میں جب مسلمان حکام مروہ شاہجہان چلے جاتے تو یہ سردار جمع ہو کر آپس میں مشورہ کرتے اور مسلمانوں کے مقابلے کی تدبیریں سوچتے۔ مسلم سے اجازت لے کر مہلب بن ابی صفرہ نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے سرداروں نے پانچ کروڑ کی قیمت کا سامان دیکھ کر مہلب سے صلح کر لی۔

اس کے بعد مسلم نے سمرقند اور خجند پر فوج کشی کی۔

فتوحاتِ سجستان

مسلم بن زیاد نے اپنے بھائی یزید بن زیاد کو سجستان کا والی مقرر کیا تھا۔ مگر اہلِ کابل نے بغاوت کی اور ابو عبیدہ بن زیاد کو قید کر لیا۔ یزید بن زیاد ایک فوج لے کر مقابلہ کے لئے گیا مگر شکست کھائی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مسلم کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے طلحہ بن عبد اللہ خزاعی کو بھیجا۔ طلحہ نے پانچ لاکھ درہم فدیہ دے کر ابو عبیدہ کو رہا کرایا۔

اس کے بعد طلحہ سجستان کے حاکم مقرر ہوئے۔ کامیابی کے ساتھ حکومت

کرنے کے بعد انتقال ہو گیا۔

مرگِ یزید ۱۴ ربیع الاوّل ۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۶۸۳ء کو یزید کی صبح زندگی کی شام ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر اڑتیس سال تھی تین سال آٹھ مہینے چودہ دن برسرِ حکومت رہا۔

اولادِ یزید یزید کا نکاح ام ہاشم بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہُوا۔ اس کے بطن سے دو لڑکے معاویہ اور خالد پیدا ہوئے۔

دوسرا نکاح ام کلثوم بنتِ عبداللہ بن عامر سے ہُوا اس کے بطن سے ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہُوا۔

ان کے علاوہ امہاتِ اولاد سے یزید کے یہ بیٹے ہوئے:۔

عبداللہ۔ اصغر۔ عمر۔ ابوبکر۔ عتبہ۔ حرب اور عبدالرحمٰن۔

معاویہ ثانی

سنہ ۶۴ھ

یزید کی موت کے بعد دمشق میں ربیع الاوّل سنہ ۶۴ھ میں اس کا بیٹا معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔

معاویہ اکیس سال کا نوجوان صالح تھا۔ یزید کے زمانہ میں جو اموی مسندِ حکومت خونِ اہلبیت سے داغدار ہو چکی تھی وہ اس پر متمکن ہونا پسند نہ کرتا تھا۔ پھر وہ کچھ بیمار بھی تھا۔ بیعت کے چالیس دن بعد وہ خلافت سے دستبردار ہو گیا اور مجمع عام میں یہ تقریر کی۔

"میں خلافت کا بار اُٹھانے کی طاقت نہیں پاتا۔ میں نے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ جیسا کوئی شخص اپنا جانشین بنا دوں، مگر ایسا کوئی مجھے نہ ملا۔ پھر میں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ کی طرح چند اہلِ شوریٰ کو نامزد کر دوں۔ مگر اس کے لئے بھی موزوں اشخاص مجھے نہ مل سکے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام جسے مناسب سمجھو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

اس تقریر کے بعد معاویہ خانہ نشین ہو گیا اور بیعت سے تین مہینے بعد انتقال کر گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۵۱۔

عبداللہ بن زبیر — مروان بن حکم

سنہ ۶۴ تا ۷۳ھ — سنہ ۶۴ء تا ۶۵ھ

حصین بن نمیر مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ دمشق سے یزید کی موت کی خبر آئی۔ یہ خبر پہلے عبداللہ بن زبیر کو معلوم ہوئی۔ انھوں نے اعلان کرایا:۔

"اے اہلِ شام کیوں لڑ رہے ہو؟ تمہارا سردار تو مر گیا۔"

اہلِ شام کو ابن زبیر کی بات کا یقین نہ آیا۔ مگر جب خود اُن کے خبر رساں نے انہیں یہ خبر پہنچائی تو حصین بن نمیر نے محاصرہ اٹھا لیا۔ حصین بن نمیر نے ابن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ میں آج کی تنہائی میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مقام البطح میں ملاقات ہوئی تو حصین نے کہا۔

"اب آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہیں ہے اور میرے ساتھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ شام چلیں۔ میرے ہمراہی شام کے شرفاء و معززین ہیں ان کی حمایت کے بعد کسی کو آپ سے اختلاف کی ہمت نہ ہوگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ آپ اپنے دشمنوں کو امن عام دیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو خونریزی ہو چکی ہے اُسے معاف کریں۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا۔

"اہلِ حرم کے خونوں کو معاف کرنا ناممکن ہے۔ واللہ میں ایک ایک حجازی کے قصاص میں دس دس شامیوں کو قتل کر کے بھی نہ مانوں گا۔"

حصین بن نمیر نے کہا۔

"میں تو آپ کو مدبر آدمی سمجھتا تھا مگر میرا خیال غلط نکلا۔ میں آپ سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہا ہوں اور آپ چیخ کر جواب دیتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی پیش کش کرتا ہوں اور آپ قتل و ہلاکت کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔"

یہ کہہ کر حصین بن نمیر اپنے لشکر میں چلا گیا اور مدینہ کے راستے شام کو روانہ ہو گیا۔

بعد میں عبداللہ بن زبیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ آپ نے راستہ میں حصین بن نمیر کو پیغام بھیجا۔

"میرا شام جانا تو ممکن نہیں ہے البتہ اگر تم لوگ یہیں میرے ہاتھ پر بیعت کر لو تو میں تمہیں امن دینے کے لئے تیار ہوں۔"

مگر حصین بن نمیر نے جواب دیا۔

"آپ کے شام تشریف لے جائے بغیر کام نہ چلے گا۔"[1]

یزید کے انتقال کے بعد حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ کی باقاعدہ حکومت قائم ہو گئی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبیداللہ بن زبیر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔ عبیداللہ نے بنی اُمیہ کے تمام افراد کو جن میں مروان بن حکم اور اُس کا بیٹا عبدالملک بھی تھا، مدینہ سے نکلوا دیا۔ یہ لوگ شام چلے گئے۔

مصر میں بھی عبداللہ بن زبیر کی خلافت تسلیم کی گئی۔ عبدالرحمٰن بن جحدم فہری مصر کے والی مقرر ہوئے۔ البتہ عراق و شام میں واقعات ذرا تفصیل طلب ہیں۔

عراق بصرہ میں ابن زیاد کو جب یزید کے انتقال کی خبر پہنچی تو اُس نے عام جلسہ میں یہ تقریر کی:-

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صہ۱۵

"اے اہلِ بصرہ! میں یہیں پیدا ہوا اور یہیں پلا بڑھا اور یہیں کا والی مقرر ہوا۔ جب یہاں کی ولایت پر میرا تقرر ہوا ہے تو فوجی دفتر میں تمہارے ستر ہزار جوانوں کے نام درج تھے لیکن آج ایک لاکھ جوانوں کے نام درج ہیں۔ اسی طرح انتظامی عہدوں پر تمہارے نوّے ہزار آدمی مقرر تھے۔ لیکن آج یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ تمہارے سب دشمنوں کو میں نے قید خانوں میں بند کر دیا ہے۔ اب کوئی ایسا نہیں جس سے تمہیں کھٹکا ہو۔

یزید کا انتقال ہو گیا ہے اور شام میں تخت نشینی کے متعلق جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تم قوت وطاقت اور دولت وثروت کے لحاظ سے دوسرے ملک کے لوگوں سے ممتاز ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی شخص کو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔ جسے تم انتخاب کرو گے میں بھی اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔

اہلِ شام نے کسی موزوں آدمی کو انتخاب کیا تو تمہیں اختیار ہو گا کہ تم بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لو یا اپنی خلافت جداگانہ قائم رکھو تمہیں دوسرے ملکوں کی مدد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہی تمہارے محتاج ہیں۔"

حاضرین نے کہا۔ آپ کی تجویز معقول ہے ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس منصب کے اہل نہیں پاتے۔ ہاتھ بڑھائیے کہ بیعت کریں۔

ابن زیاد نے تین مرتبہ انکار کیا۔ لیکن جب اُن کا اصرار بڑھا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی خلافت کی بیعت لے لی۔

مگر اہلِ عراق کی فطرت بدل نہ سکتی تھی۔ اِدھر وہ بیعت کر کے نکلے اور اُدھر انہوں نے دیواروں سے ہاتھ مل مل کر کہنا شروع کیا:۔

"کیا ابن مرجانہ سمجھتا ہے کہ ہم اراج کے زمانے میں بھی اور نراج کے

زمانے میں بھی اس کی اطاعت کریں گے۔"

اہلِ بصرہ سے بیعت لینے کے بعد ابن زیاد نے قاصد کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں جاکر کہا۔

"اہلِ بصرہ نے ابن زیاد کے ہاتھوں پر بیعت کرلی ہے تم بھی اس بیعت میں شامل ہوجاؤ۔"

مگر انھوں نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابن سمیّہ سے چھٹکارا ملا۔ اب ہم ہرگز اس کی بیعت نہ کریں گے۔"

پھر انھوں نے ابنِ زیاد کے قاصدوں کی سنگریزوں سے تواضع کی۔

اہلِ بصرہ کو جب اہلِ کوفہ کا حال معلوم ہُوا تو اُنھیں بھی جرأت ہوئی اور انھوں نے بھی کھُلّم کھلّا ابنِ زیاد کی بیعت سے انکار کرنا شروع کر دیا۔ ابن زیاد جس بات کو کہتا اُس کی مخالفت کی جاتی اور جو حکم دیتا اُس کی تعمیل سے انکار کر دیا جاتا۔ اسی دوران میں ایک شخص مسلمہ بن ذویب تمیمی نے عبداللہ بن زبیر کی دعوت دینی شروع کر دی۔ لوگ دھڑا دھڑ اُن کی بیعت کرنے لگے۔

ابنِ زیاد نے حالات کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی۔ مگر بات اس کے قابو سے باہر ہوچکی تھی۔ اب بصرہ میں ٹھہرنا اُس کے لئے خطرناک تھا۔ چنانچہ مُنہ پر نقاب ڈال کر راتوں رات نکل بھاگا اور بنی ازد کے سردار مسعود بن عمر کو ایک لاکھ رشوت دے کر چند روز اس کے ہاں قیام کیا۔ پھر وہاں سے شام چلا گیا۔ ابن زیاد کے بصرہ چھوڑنے کے بعد اہلِ بصرہ نے عارضی طور پر عبداللہ بن حرث عرف "ببہ" کو اپنا والی منتخب کیا اور عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا۔

اہلِ کوفہ نے بھی ابن زیاد کے مقرر کردہ والی کو نکال کر عامر بن مسعود کو عارضی طور پر والی مقرر کیا اور عبداللہ بن زبیر کو قبولِ بیعت کی اطلاع دی۔

عبداللہ بن زبیر نے ان دونوں شہروں میں اپنی طرف سے والی مقرر کر کے بھیج دیئے۔

شام ملک شام کا سیاسی مطلع نہایت غبار آلود تھا۔ شام میں بنو اُمیہ کی طاقت کا دارومدار دو بڑے قبیلوں بنو کلب اور بنو قیس پر تھا۔ بنو کلب میں یزید بن معاویہ کی ننھیال تھی۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے خلافت کو بنو امیہ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر بنو قیس، عبداللہ بن زبیر کے حامی ہو گئے تھے۔ پھر بنو کلب اور اُن کے ہم خیال بھی متفق الرائے نہ تھے۔ کچھ مَروان بن حکم کو پسند کرتے تھے اور کچھ عمر بن سعید بن عاص کا نام لیتے تھے۔

ضحاک بن قیس والی دمشق جو بنو قیس کے سردار تھے، عبداللہ بن زبیر کی دعوت دے رہے تھے۔ نعمان بن بشیر امیر حمص اور زفر بن حارث امیر قنسرین اُن کے مددگار تھے۔ حسان بن مالک کلبی والی فلسطین جو بنو کلب کا سردار تھا بنو اُمیہ کا سرگرم حامی تھا۔

یہ حالات تھے جس وقت مَروان بن حکم مدینہ منورہ سے شام پہنچا۔ شام کی جو بنو اُمیہ کا مرکزِ حکومت تھا یہ حالت دیکھ کر مروان بن حکم کا یہ ارادہ ہُوا کہ عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ مگر اسی زمانے میں عبید اللہ بن زیاد عراق سے شام پہنچ گیا۔ اُس نے مَروان بن حکم سے کہا کہ آپ قوم کے سردار ہیں آپ کو ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔

مروان بن حکم نے کہا اگر تمہاری یہی رائے ہے تو ابھی وقت باقی ہے۔ چنانچہ مَروان دمشق پہنچا اور اُس نے بنو اُمیہ کے اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو روکنے کی جدوجہد شروع کر دی۔

جامع دمشق میں ہنگامہ اُدھر حسان بن مالک نے جو بنی اُمیہ کی دعوت کے سلسلہ میں اُردن آیا ہُوا تھا، ضحاک بن قیس والی دمشق کے پاس ایک خط بھیجا جس میں بنی اُمیہ کی خوبیاں ان کے احسانات اور اُن کے

حقوق بیان کئے گئے تھے اور ابن زبیر کی مذمت کی گئی تھی اور انہیں باغی قرار دیا گیا تھا۔ اور ضحاک سے درخواست کی گئی کہ وہ اس خط کو جمعہ کی نماز کے بعد جامع دمشق میں پڑھ کر سنا دیں۔ ضحاک نے خط کو سنانے سے انکار کیا تو قاصد نے حسان کی ہدایت کے مطابق خود منبر پر چڑھ کر یہ خط مجمع عام میں سنایا۔

اس پر جامع دمشق میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ابن زبیر اور بنی اُمیہ کے حامی آپس میں دست و گریبان ہو گئے۔ خالد بن یزید کی مداخلت سے ہنگامہ رفع ہوا۔

ضحاک بن قیس نے بنی اُمیہ کے چند آدمیوں کو جو اس ہنگامہ میں پیش پیش تھے گرفتار کر لیا مگر ان لوگوں کے عزیز و اقارب زبردستی اُن کو چھڑا کر لے گئے۔

ضحاک بن قیس اس ہنگامہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ معاملہ اگر گفت و شنید کے ذریعے طے ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔

ضحاک نے اپنے اس خیال سے دمشق کے سردارانِ بنی اُمیہ کو آگاہ کیا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ مقامِ جابیہ میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے اور وہاں گفت و شنید کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کیا جائے۔

ضحاک بن قیس دمشق سے جابیہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے مگر اُن کے بعض مشیروں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہاں جانا بیکار ہے۔ آپ کو ابن زبیر کی حمایت کے لئے میدان میں آنا چاہیئے۔ ضحاک نے جابیہ کا ارادہ فسخ کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط میں مقیم ہو گئے۔

موتمر جابیہ اور مروان کا انتخاب

موتمر جابیہ میں حامیانِ ابنِ زبیر نے تو شرکت نہ کی۔ مگر بنی اُمیہ کے تمام بہی خواہ و مددگار وہاں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک مرکز پر جمع ہو کر اس زریں موقع سے فائدہ اُٹھانے کی پوری کوشش کی۔

چالیس روز تک یہ عظیم الشان موتمر جاری رہی اور گرما گرم تقریریں ہوتی رہیں۔ مالک بن ہبیرہ سکونی نے کہا "خالد بن یزید سے ہماری رشتہ داری کے تعلقات

ہیں۔ اس کے باپ نے ہمارے ساتھ جو احسانات کئے ہیں وہ سب کو معلوم ہیں خود خالد بھی ہمارے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ اس لئے ہم اسی کی بیعت کریں گے۔"

حصین بن نمیر نے کہا۔ کیا یہ مناسب ہے کہ ہمارے مخالف ہمارے سامنے ایک بوڑھے شخص کو پیش کریں اور ہم ایک بچہ کی طرف دعوت دیں۔ بہتر یہ ہے کہ مروان بن حکم کی بیعت کی جائے۔

آخر روح بن زنباع جذامی نے ایک فیصلہ کن تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مروان بن حکم کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔ اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید بن عاص کو خلیفہ نامزد کیا جائے۔"

یہ تجویز ایسی تھی کہ تمام مختلف الخیال عناصر کے لئے اطمینان بخش ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ۳ ر ذی قعدہ ۶۴ھ کو تمام بنو امیہ اور ان کے حامیوں نے مروان بن حکم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جنگِ مرج راہط

خلیفہ منتخب ہونے کے بعد مروان بن حکم اپنے حامیوں کو ساتھ لے کر مرج راہط کی طرف بڑھا۔ جہاں ابن زبیر کے داعی ضحاک بن قیس مقیم تھے۔ ضحاک نے حمص میں نعمان بن بشیر اور قنسرین میں زفر بن حارث کو لکھ کر مدد حاصل کر لی۔ دونوں جماعتوں میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ یہ لڑائی بیس۲۰ روز تک جاری رہی۔ آخر ابن زبیر کے حامیوں کو شکست ہوئی ضحاک بن قیس اور بنو قیس کے دوسرے بڑے بڑے سردار میدانِ جنگ میں کام آئے۔ یہ واقعہ محرم ۶۵ھ کا ہے۔

اس جنگ نے شام کا میدان مروان بن حکم کے لئے صاف کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کے بچے کھچے حامیوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ نعمان بن بشیر والئ حمص نے فرار ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر گرفتار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ زفر بن حارث والئ قنسرین قیسیا کی طرف نکل بھاگے۔

مروان کا مصر پر قبضہ

مرج راہط کی فتح کے بعد مروان نے شام میں اپنے والی مقرر کئے۔ اور پھر انتظامات درست کر کے خود مصر کا رُخ کیا۔

مصر پر عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن جحدم والی تھے۔ انھیں مروان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ مگر مروان بن حکم نے عمرو بن سعید کو کچھ فوج دے کر دوسری طرف سے مصر میں داخل کرا دیا۔ ابن جحدم نے مقابلہ فضول سمجھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور مصر بلا مقابلہ مروان کے قبضہ میں آ گیا۔

وفات مروان

مروان لطفِ حکومت سے لطف اندوز ہونے کے لئے زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہا۔ رمضان المبارک ۶۵ھ میں یکایک اُس کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے پہلے اُس نے خالد بن یزید اور عمرو بن سعید کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے دونوں بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یکے بعد دیگرے ولیعہد قرار دیا تھا اور لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لئے اس نے خالد کی ماں سے نکاح بھی کر لیا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ خالد بن یزید کو ولیعہدی سے علیحدہ کرنے کے بعد ایک دن بھرے دربار میں مروان نے اس کی توہین کی تھی۔ خالد نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے مروان کو سوتے ہوئے گلا گھونٹ کر مار دیا۔[1]

ترجمہ مروان

مروان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ مروان بن حکم بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبدشمس۔ ماں کا نام آمنہ بنت علقمہ بن صفوان تھا مروان ۲ھ میں پیدا ہوا۔ مروان کے والد حکم نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تھا۔ مگر درپردہ مسلمانوں کی جاسوسی کرتا رہا۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے اُسے طائف جلاوطن کر دیا۔

حکم، عہدِ نبویؐ اور عہدِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں طائف ہی میں رہا۔ مگر حضرت عثمانؓ کا وہ حقیقی چچا تھا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کی واپسی کی اجازت حاصل کر لی تھی اس لئے اپنے زمانے میں آپ نے اُسے مدینہ بُلا لیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد [illegible] صفحہ [illegible]

حضرت عثمانؓ نے مروان کو اپنا کاتب وسیکرٹری مقرر کیا تھا اور آپ کی مہر بھی اسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ مصری شورش پسندوں کے قتل کا حکم بھی اسی نے حضرت عثمانؓ کی مہر اس پر ثبت کر دی تھی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں وہ کئی مرتبہ مدینہ کا والی مقرر ہوا۔ حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے اور کبھی اعادہ نہ کرتے تھے[1] سب سے پہلے بنی امیہ میں اسی نے عید کی نماز میں خطبہ کو مقدم کیا۔

یزید کے مرنے کے بعد جب وہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچا تو عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے تیار تھا۔ مگر عبیداللہ بن زیاد نے اُسے روک دیا اور حصولِ خلافت کی کوشش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ اس نے کوشش کی اور کامیاب ہُوا۔ اس کا دائرۂ حکومت شام ومصر تک محدود رہا۔

عبدالملک بن مروان عبداللہ بن زبیرؓ

۶۵ھ ۸۶ھ ۶۴ھ ۷۳ھ

عبدالملک بن مروان بن حکم ۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوا۔ عبدالملک کی نشوونما مدینہ ہی میں ہوئی۔ اس لئے اس کو فضلاء مدینہ کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کا پورا موقعہ ملا اور اپنے زمانے کے اساطین علم میں اس کا شمار ہوا۔

شعبی کہتے تھے کہ "میں نے جس کسی سے بھی گفتگو کی اپنے آپ کو اس سے برتر پایا، بجز عبدالملک کے کہ اس سے جب کسی حدیث یا شعر پر گفتگو ہوئی تو اس نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷۵۔

میرے علم میں اضافہ کیا ۔"

ابوالزناد کہتے ہیں۔

"اس زمانہ میں فقہاءِ مدینہ چار شخص شمار ہوتے تھے۔ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذویب اور عبدالملک بن مروان[1]"

علم و فضل کے ساتھ ساتھ فہم و تدبر اور عزیمت و شجاعت کی دولت سے بھی مالا مال تھا جس زمانہ میں تاج شاہی سر پر رکھا گیا عالم اسلامی میں سخت اضطراب پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف عبداللہ بن زبیرؓ جیسی باا ثر شخصیت مقابلہ پر تھی۔ دوسری طرف شیعہ و خوارج کی اندرونی شورشیں تھیں۔ عبدالملک اپنے فہم و تدبر اور مستقل مزاجی و سخت گیری سے تمام مخالف طاقتوں پر غالب آیا اور بنو امیہ کی حکومت کی بنیادوں کی جو یزید کی موت کے بعد اکھڑ چکی تھیں از سر نو قائم کر دیا۔ اسی لئے عبدالملک کو حکومتِ امویہ کا بانی ثانی کہا جاتا ہے۔

توابین کا خروج

مروان نے اپنی موت سے پہلے عبیداللہ بن زیاد کو جزیرہ پر لشکر کشی اور قرقیسا میں زفر بن حارث کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ یہاں سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھے۔ مروان نے عبیداللہ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جس قدر علاقہ وہ فتح کرے گا اسی کی حکومت میں دے دیا جائے گا۔ ابن زیاد ابھی جزیرہ ہی میں تھا کہ مروان کی موت کی خبر پہنچی۔ اسی کے ساتھ اسے عبدالملک کا فرمان ملا کہ اسے مروان نے جس کام پر متعین کیا تھا اسے جاری رکھے۔ چنانچہ عبیداللہ بن زیاد جزیرۂ قرقیسا کے مہمات سے فارغ ہو کر عراق کی طرف بڑھا۔ عین اور زدہ میں اس کا مقابلہ "گروہِ توابین" سے ہوا۔

توابین کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کی حسرت ناک شہادت کے

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹۹

بعد کچھ اہلِ کوفہ کو حضرت امام کے ساتھ اپنی بے وفائی اور بد عہدی پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے طے کیا کہ اس گناہِ عظیم کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ قاتلینِ حسینؓ کو قتل کیا جائے یا اس کوشش میں اپنی جانوں کو قربان کیا جائے۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو منظم کیا اور سلیمان بن صرد خزاعی مشہور محبِ اہلِ بیت کو اپنی تحریک کا رہنما قرار دیا۔

عبداللہ بن یزید انصاری والیٔ کوفہ کو جب اس تحریک کا علم ہوا تو اُنھوں نے توابین سے تعرض نہ کیا بلکہ اُن کی ہمت افزائی کی اور کہا اگر تم قاتلِ حسین ابنِ زیاد کے مقابلہ کے لئے نکلو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔

حکومت کا ایماء پا کر ان لوگوں نے کھلم کھلا خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت دینی شروع کر دی اور دھڑا دھڑ ہتھیار خریدے جانے لگے۔

ربیع الآخر ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر پانچ ہزار توابین کوفہ سے نکل کر میدانِ نخیلہ میں جمع ہوئے۔ سلیمان بن صرد نے ایک پُرجوش تقریر میں کہا۔

"لوگو! جس شخص کو اللہ کی رضا اور روزِ قیامت کی بہتری مطلوب ہو تو ہمارے ساتھ چلے جسے دُنیا درکار ہو وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔"

ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ ہمارا مقصد صرف اپنے گناہ کی توبہ اور خونِ حسین کا انتقام ہے اور کچھ نہیں۔

عبداللہ بن سعد بن نفیل نے کہا "بھائیو! قاتلینِ حسینؓ کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے انہیں چھوڑ کر کسی اور طرف جانے کے کیا معنی؟ لوگوں نے کہا بات تو ٹھیک ہے مگر سلیمان بن صرد نے جواب دیا قاتلینِ حسینؓ کا سرگروہ عبیداللہ بن زیاد ہے پہلے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہیئے۔ اہلِ کوفہ سے بعد میں نمٹیں گے۔

الحاصل یہ لوگ نخیلہ سے شام کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ پہلے میدانِ کربلا میں حضرت امام کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ وہاں خوب گریہ و بکا کی اور

یہ دُعا مانگی :-

"اے اللہ! حسین شہید پر رحمت نازل فرما۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم اس کے دین اور اُس کے طریقہ پر ہیں۔ اس کے قاتلین کے دُشمن اور اُس کے محبتین کی دوست ہیں۔ اے اللہ! ہم نے جگر گوشۂ رسول سے بے وفائی کی تو ہمارے اس گناہ کو معاف کر دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔"

کربلا سے رخصت ہو کر یہ لوگ قرقیسیا پہنچے۔ وہاں زفر بن حارث کی مدد حاصل کر کے عین الوردہ کی طرف بڑھے۔ یہاں ابن زیاد کے ایک افسر شرحبیل بن کلاع سے مقابلہ ہُوا۔ توابین نے شرحبیل کے لشکر کو شکست دی۔ ابن زیاد نے پھر حصین بن نمیر کو دوسرا لشکر دے کر بھیجا۔ توابین نے اُسے بھی شکست دی۔ توابین بڑی بے جگری کے ساتھ لڑتے اور اپنے دُشمنوں کو شکست دیتے رہے، مگر ابن زیاد اُن کے مقابلہ کے لئے تازہ دم فوج بھیجتا رہا۔ آخر سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھی قتل ہُوئے اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے آئے۔

خروج مختار ثقفی اس زمانہ کی بدنظمی وطوائف الملوکی کو دیکھ کر ایک چالاک اور بلند ہمت شخص مختار بن عبید ثقفی کے سر میں بھی حکومت کا سودا سمایا۔ شہادتِ امام حسینؓ کے زمانہ میں ابن زیاد نے مختار کو قید کر دیا تھا۔ مگر عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش پر بعد میں اُسے رہا کر دیا۔ مگر کوفہ میں رہنے کی اُسے ممانعت کر دی۔ مختار کوفہ سے نکل کر حجاز چلا گیا اور مکہ معظمہ میں پہنچ کر عبداللہ بن زبیرؓ کی مجلس میں آمد و رفت شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر خفیہ طور پر اپنی بیعت لے رہے تھے۔ مختار نے ابن زبیر سے کہا میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ کوئی کام میرے مشورہ کے بغیر انجام نہ دیں اور جب کامیاب ہو جائیں تو مجھے کوئی اہم ترین خدمت سُپرد فرمائیں۔ ابن زبیرؓ نے کسی قدر تامل کے بعد اس کی یہ شرط قبول کر لی۔

مختار ابن زبیر کے پاس رہا اور حصین بن نمیر کی مکہ معظمہ کی لشکر کشی کے زمانہ میں اُن کی طرف سے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جب یزید بن معاویہ کا انتقال ہوگیا اور اہلِ حجاز و عراق و مصر نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت کرلی تو وہ ان کے پاس پانچ مہینے اور مقیم رہا۔ مگر وہ ابن زبیر کی طرف سے بددل ہوگیا کیونکہ ابنِ زبیر سے اُسے جو توقعات تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہ آئیں۔

عراق کا ملک ہمیشہ سے شورش و ہنگامہ کا آماجگاہ رہا ہے کسی انقلابی تحریک کے لئے اس سے موزوں تر کوئی اور علاقہ نہ تھا لہٰذا مختار کی نگاہیں اسی طرف اُٹھیں اور ہر آتے جاتے سے وہاں کے حالات کی کھود کرید کرتا رہا۔

ایک مرتبہ ہانی بن حجۃ الوداعی ابنِ زبیر کے پاس آیا تو حسب معمول مختار بھی اس سے ملا اور کوفہ کے حالات پوچھے۔ ہانی نے کہا۔ اہلِ کوفہ ابنِ زبیر کی اطاعت پر ثابت قدم ہیں مگر وہاں ایک بڑی جماعت ایسی بھی ہے کہ کوئی اُنہیں ایک نظام میں منسلک کردے تو ساری دُنیا کو اپنے جھنڈے تلے لاسکتا ہے۔"

مختار نے کہا "واللہ میں اُنہیں حق پر جمع کروں گا" اور اُنہیں لے کر حامیانِ باطل سے مقابلہ کروں گا اور ہر ظالم اور دشمنِ حق کو ہلاک کردوں گا۔

اب مختار نے کوفہ کی طرف کُوچ کیا۔ جب وہ کوفہ پہنچا تو وہاں "تحریک توابین" کا زور تھا اور "انتقام حسینؓ" کی آوازیں دلوں کو گرما رہی تھیں۔

مختار نے بھی یہی نعرہ بلند کیا۔ مگر وہ سلیمان بن صرد کی رہنمائی کو اپنے مقصد کے خلاف سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی گروہ بندی علیحدہ کرنی شروع کردی۔

اُس نے شیعانِ علی سے کہا۔

"وہ سلیمان ناتجربہ کار آدمی ہے وہ جنگ کے ڈھنگ سے واقف نہیں۔"

وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ خود بھی قتل ہو اور تمہیں بھی قتل کرائے۔ میں ایک طے شدہ سکیم کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے مہدی بن وصی

محمد بن حنفیہ نے اپنا وزیر اور تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ تمہاری مدد سے ملحدوں کو قتل کروں اور اہلبیت کے خون کا انتقام لوں"۔[1]

مختار نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جہاں موقعہ دیکھا اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے بھی پیش کیا اور کہا کہ جبریل اس کے پاس وحی لے کر آتے ہیں اور اُسے غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔[2]

چنانچہ سلیمان بن صرد کی جماعت سے علیحدہ مختار ثقفی کی ایک علیحدہ پارٹی بن گئی۔

سلیمان بن صرد کی روانگی کے بعد بعض لوگوں نے عبداللہ بن یزید خطمی اور ابراہیم بن محمد بن طلحہ سے کہا کہ مختار بہت خطرناک آدمی ہے اس کے ارادے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ چنانچہ عبداللہ بن یزید نے مختار کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

مختار کچھ عرصہ قید خانہ میں رہا مگر اُس نے پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سفارشی خط لکھوا کر اسی وعدہ پر رہائی حاصل کر لی کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت نہ کرے گا اور اگر وہ بدعہدی کرے تو اس کے سب غلام اور باندیاں آزاد ہو جائیں گی اور خانہ کعبہ پہنچ کر ایک ہزار اُونٹنیاں قربان کرنا پڑیں گی۔

مختار کا کوفہ پر قبضہ

مختار رہا ہوتے ہی پھر اپنے کام میں لگ گیا اور اس نے زور شور کے ساتھ حکومت کے خلاف بغاوت کی تحریک شروع کر دی اور اس کے حامیوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ مختار کی تحریک کو امام محمد بن حنفیہ کی تائید سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ کوفہ کے بعض شیعانِ علی نے مشورہ کیا کہ مختار نے یہ تحریک محمد بن حنفیہ کے نام پر شروع کر رکھی ہے ہمیں خود امام صاحب کے پاس

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۰ [2] مروج الذہب مسعودی برحاشیہ ابن اثیر ج ۶ ص ۱۵۶۔

جا کر اس معاملہ کی تحقیق کر لینی چاہیئے۔ عراق سے ایک وفد مدینہ منورہ پہنچ کر محمد بن حنفیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُنہیں تمام واقعات سنا کر اُن کی رائے معلوم کی۔

محمد بن حنفیہ نے اوّل اہل بیت کے مناقب بیان کئے پھر امام حسین کی حسرتناک شہادت کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا۔ تم لوگ مجھ سے ایک شخص کے متعلق پوچھتے ہو جو اہلبیت کے خون کا قصاص لینا چاہتا ہے تو بھائیو میری دلی آرزو یہ ہے کہ خدا ہمارے دشمنوں سے ان کے مظالم کا انتقام لے خواہ کسی شخص کے ذریعہ سے لے۔

اسی وفد کے جانے سے مختار کو بڑی تشویش ہو گئی تھی کہ دیکھئے محمد بن حنفیہؒ کیا جواب دیتے ہیں؟ کہیں ایسا نہ ہو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ لوگ واپس آئے۔ مختار نے گھبرا کر اُن سے پوچھا کہ کہو کیا معلوم ہوا؟ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ تم شک میں مُبتلا ہو گئے "

مگر جب اُنہوں نے امام صاحب کے جواب کو نقل کیا تو اُس نے بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فوراً ایک جلسہ منعقد کر کے کہا۔

"یہ لوگ امام مہدی کے پاس گئے تھے اُنہوں نے ان کو بتایا ہے کہ مَیں اُن کا وزیر، مددگار اور پیغامبر ہوں اور تمہیں حکم دیا ہے کہ بدعہدوں سے جنگ اور اہلِ بیت کے خون کے قصاص کے معاملہ میں تم میرا ساتھ دو"

اس دوران میں عبداللہ بن مطیع کوفہ کے نئے والی مقرر ہو کر آ گئے تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی مختار کی تحریک کو دبانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ مختار نے اب کُھل کر میدان میں آنے اور کوفہ پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعض مشیروں نے اُسے مشورہ دیا کہ اس قسم کے اقدام سے پہلے کوفہ کے با اثر رئیس اور اہل بیت کے محب ابراہیم بن الاشتر کی حمایت حاصل کرنی ضروری ہے۔ مختار نے محمد بن حنفیہؒ کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر ابراہیم کے سامنے

پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا :۔

"محمد مہدی کی طرف سے ابراہیم بن اشتر کے نام۔ اما بعد!
میں تمہارے پاس اپنا وزیر اور معتمد بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُسے حکم دیا ہے کہ وہ میرے دشمنوں سے جنگ کرے اور اہل بیت کے خون کا انتقام لے۔ جہاں تک ممکن ہو تم اُس کی مدد کرو۔ کوفہ سے شام تک جس قدر علاقہ تمہاری مدد سے فتح ہوگا تم اس کے حاکم بنائے دیئے جاؤ گے"۔

ابراہیم نے خط کا عنوان دیکھ کر کہا میرے پاس محمد بن حنفیہ کے خط آتے رہتے ہیں اُنہوں نے کبھی اپنے آپ کو مہدی نہیں لکھا۔ مختار نے کہا اب نیا زمانہ ہے اور نئے حالات ہیں"۔

ابراہیم کے چند ساتھیوں نے گواہی دی کہ یہ خط ہمارے سامنے امام محمد بن حنفیہ نے لکھا ہے۔ ابراہیم بن اشتر نے مختار کو تعظیم کے صدر میں بٹھایا۔ اور مختار کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

ابراہیم بن اشتر کی شمولیت سے مختار کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ ابراہیم اپنے مسلم ساتھیوں کی جماعتیں لے کر مختار سے ملنے جایا کرتے۔ ایک دن ابراہیم اپنے سو مسلح ساتھیوں کے ساتھ بازار کے بیچ میں سے گزر کر مختار کے پاس جا رہے تھے کہ کوتوال شہر ایاس بن مضارب نے انہیں راستہ میں روک لیا اور اُن سے امیر کوفہ عبداللہ بن مطیع کے پاس چلنے کے لئے کہا۔ ابراہیم بن اشتر نے ایاس سے راستہ چھوڑ دینے کے لئے کہا اور جب وہ نہ مانا تو اُسے قتل کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ کو مختار نے کوفہ میں علم بغاوت بلند کر دیا اور قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ عبداللہ بن مطیع نے جہاں تک ممکن ہو سکا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور کوفہ سے جان بچا کر نکل گیا۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار عراق کے دوسرے شہروں پر بھی قابض

ہو گیا اور وہاں اُس نے اپنے حاکم مقرر کئے۔ البتہ بصرہ ابن زبیر ہی کے ماتحت رہا۔

انتقام حسین رضؓ

کوفہ پر جب مختار کا تسلط ہو گیا تو اُس نے قاتلینِ حسین کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کیا۔ جو کسی طرح جان بچا کر بھاگ گیا اس کے مکان کو کھدوا کر پھینک دیا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن، عمر بن سعد عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بدی، حمل بن مالک محاربی، خولی، اصبحی، زیاد بن مالک ضبعی، عمران بن خالد تشیری، عبدالرحمٰن بن ابی خشارہ بجلی، عبداللہ بن قیس خولانی، عثمان بن خالد جہنی، بشیر بن شمیط قانصی وغیرہ کو قتل کرا دیا اور بعض کی لاشوں کو آگ میں جلا دیا۔ شمر ذی الجوشن کی لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا گیا۔

محمد بن حنفیہ قید میں

عبداللہ بن زبیرؓ عرصہ سے محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن عباسؓ پر بیعت کے لئے زور دے رہے تھے۔ مگر یہ دونوں بزرگ کہتے رہے کہ جب تک عالمِ اسلام آپ کی خلافت پر متفق نہ ہو جائے گا ہم بیعت نہ کریں گے۔

جب مختار کا کوفہ پر قبضہ ہو گیا تو اُس نے محمد بن حنفیہ سے باقاعدہ بیعتِ خلافت لینے کی اجازت طلب کی۔ اس سے پہلے مختار اسی قسم کی درخواست امام زین العابدین سے بھی کر چکا تھا۔ مگر آپ اس کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے تھے اس لئے آپ نے علی الاعلان مسجدِ نبویؐ میں اس کی قلعی کھولی اور اس کی محبت اہل بیت کی حقیقت ظاہر کی۔ اُدھر سے مایوس ہو کر جب مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا تو امام موصوف نے محمد بن حنفیہ کو بھی یہی رائے دی کہ وہ اس کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ وہ محض اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اہلبیت کا نام استعمال کرنا چاہتا ہے مگر محمد بن حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مشورہ سے ابن زبیر کے مقابلہ میں اس کی حمایت حاصل کرنے کے لئے اس کی درخواست کو منظور کر لیا۔[1]

[1] مسعودی بر حاشیہ ابن اثیر جلد ۶ صہ ۱۵۶

اب عبداللہ بن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ پر بیعت کے لئے سختی شروع کر دی اور جب وہ نہ مانے تو انہیں زمزم کی چہار دیواری میں قید کر دیا اور قتل کی دھمکی دی۔ محمد بن حنفیہ نے مختار کو اپنے حال سے مطلع کیا۔ مختار نے ایک فوج بھیج کر انہیں قید سے چھڑا لیا اور چار لاکھ کی رقم بھی ان کے اخراجات کے لئے بھیج دی۔

ابن زیاد کا قتل

ابن زیاد موصل میں مقیم تھا اور عراق کی پیش قدمی کا ارادہ کر رہا تھا۔ مختار نے کوفہ پر قابض ہوتے ہی یزید بن انس اسدی کی سپہ سالاری میں اس کے مقابلہ کے لئے ایک فوج بھیجی۔ ابن زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے یزید کو روکنے کے لئے ربیعہ بن مخارق اور عبداللہ بن حملہ کو تین تین ہزار کے دو لشکروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام باقلی میں مقابلہ ہوا۔ یزید بن انس نے شامیوں کو شکست فاش دی اور ان کے بہت سے آدمی مقتول ہوئے۔

مگر یزید بن انس سخت بیمار تھا۔ فتح کے فوراً بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا جانشین ورقاء بن عازب اسدی مقرر ہوا۔ ورقاء کو معلوم ہوا کہ ابن زیاد اسّی ہزار کا لشکر لے کر خود مقابلہ کے لئے آ رہا ہے۔ ورقاء نے مقابلہ مناسب نہ سمجھا اور واپس لوٹ آیا۔ مختار نے چند روز بعد ابراہیم بن اشتر کی سپہ سالاری میں ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج میں مختار کے بہترین اور آزمودہ کار افسر شامل تھا۔

ابن زیاد کو جب اس لشکر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی ایک زبردست فوج ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا۔ نہر خاذر پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شامی لشکر میں سے قبیلہ قیس کے آدمی ابراہیم بن اشتر سے مل گئے۔ ابن زیاد کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ اشتر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابن زیاد کے علاوہ دوسرا مشہور شامی سردار حصین بن نمیر بھی مقتول ہوا۔

ابراہیم بن اشتر نے ابن زیاد کا سر کاٹ کر جسم جلا دیا اور سر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابنِ زیاد اور دوسرے شامی افسروں کے سر قصرِ کوفہ کے ایک گوشہ میں پڑے ہُوئے تھے ایک پتلا سا سانپ آیا اُس نے ان سروں کے بیچ میں چکر لگایا اور پھر ابنِ زیاد کے منہ میں داخل ہو کر ناک میں سے اور ناک میں داخل ہو کر منہ میں سے نکل گیا [۱]

اس فتح کے بعد ابن اشتر جزیرہ کے والی ہو کر وہیں ٹھہر گئے۔ انہوں نے جزیرے کے دوسرے شہروں کے لئے اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے ۔

مختار کی عرب دشمنی مختار کے ساتھی زیادہ تر عجمی موالی تھے۔ اس کی تحریک عام طور پر انہی میں مقبول ہوئی تھی۔ کوفہ پر قابض ہونے کے بعد اُس نے ان کو اعزازات و مناصب پر سرفراز کیا اور انعام و اکرام سے نوازا۔ ان موالی نے اپنے آقاؤں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں عربوں کو قتلِ حسینؓ کا الزام رکھ کر قتل کرا دیا اور ان کا مال و دولت خود حاصل کر لیا۔ عربوں کو قدرتی طور پر مختار کا یہ طرزِ عمل سخت ناگوار گزرا۔ جب مختار نے ابنِ زیاد کے مقابلہ کے لئے پہلی مرتبہ فوج بھیجی تو عربوں نے اُس کے خلاف سخت بغاوت کی مگر ابن اشتر کی مدد سے یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔

اس کے بعد مختار نے عربوں کے خلاف سخت بغاوت کی روِیّہ اختیار کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ سینکڑوں اشرافِ کوفہ بھاگ بھاگ کر بصرہ چلے گئے۔ جہاں ابنِ زبیر کی حکومت تھی ۔

کرسئ علیؓ اس کے علاوہ مختار نے اپنی تحریک کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے کرسئ علی کا ڈھونگ رچایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے ایک بھانجے جعدہ بن ہبیرہ رہا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد مختار نے اُن کے بیٹے طفیل بن جعدہ سے کہا کہ تمہارے ہاں

---

[۱] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ بحوالہ جامع ترمذی

حضرت علیؓ کی ایک کرسی ہے وہ مجھے دے دو۔ جیدہ نے انکار کیا لیکن جب مختار نے بہت اصرار کرنا شروع کیا تو انہوں نے ایک روغن فروش پڑوسی کے ہاں سے ایک پرانی کرسی لا کر مختار کے حوالے کر دی۔ مختار نے اس کرسی پر ریشمی غلاف چڑھا کر اور ایک خوب صورت صندوق میں رکھ کر عام زیارت کے لئے جامع مسجد میں رکھا اور اعلان کیا کہ جس طرح خدا تعالےٰ نے بنی اسرائیل کے لئے تابوتِ سکینہ فتح و نصرت کی نشانی کے طور پر بھیجا تھا اسی طرح اس اُمت کے لئے یہ کرسی بھیجی ہے۔ ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے جو فوج گئی اُس کے ساتھ بھی برکت کے لئے ایک خچر پر لاد کر اور پردے ڈال کر یہ کرسی بھیجی گئی۔ جب میدانِ جنگ میں اہلِ کوفہ کو فتح ہوئی تو اُسے اس کرسی ہی کی کرامت قرار دیا گیا۔

سادہ لوح دماغ اس قسم کے ہتھکنڈوں کا بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کرسی کے متعلق عوام میں مشرکانہ عقیدے پھیل گئے اور اس کے گرد خانہ کعبہ کی طرح طواف ہونے لگا۔

صحیح العقیدہ مسلمان اس بدعقیدگی پر کڑھے اور اُنہوں نے مختار کی حرکتوں پر بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ اعشیٰ ہمدانی کہتے ہیں :-

شهدت عليكم انكم سبئية	وانى بكم يا شرطة الشرك عارف
فاقسم ما كرسيكم بسكينة	وان كان قد لفت عليه اللفائف
وان ليس كالتابوت فينا وان	شبام حواليه ونهد وخارف
وانى امرؤ احببت آل محمد	وتابعت وحيا ضمنته المصاحف

"میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سبائی مذہب کے ہو اور شرک کے پاسبانو! میں تم کو خوب جانتا ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی تابوتِ سکینہ نہیں خواہ اس پر تم کتنے ہی غلاف چڑھاؤ اور نہ یہ تابوت سکینہ کی مانند ہے خواہ شبام اور نہد اور خارف اس کے گرد چکر لگائیں۔ میں تو محبِّ آل محمد ہوں اور صرف

اس وحی کو مانتا ہوں جو کلام پاک میں محفوظ ہے[1]۔"

مصعب اور مختار کا مقابلہ کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو بصرہ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ انہوں نے جامع کوفہ میں قرآن کریم کی ان آیات کے ذریعہ اپنا پیغام اہل کوفہ کو پہنچایا:۔

طٰسٓمّٓ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَإِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ (پ ۲۰ ع ۴)	"یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی ہم آپ کو موسیٰ اور ہارون کا کچھ حقیقی احوال سناتے ہیں ان لوگوں کے اطمینان کے لئے جو ایمان لائے ہیں درحقیقت فرعون ملک میں چڑھ رہا تھا اور اس نے اہل ملک کو کئی فرقوں میں تقسیم کر دیا تھا اس نے ان میں ایک فرقہ کو کمزور کر دیا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا درحقیقت وہ فسادی تھا۔

یہ بنی امیہ اور آن کے غیر امویوں کے ساتھ مظالم کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ (پ ۲۰ ع ۴)	"ہم چاہتے تھے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے ملک میں اور بنائیں ان کو سردار اور ملک کا وارث اور جما دیں ان کو ملک میں"۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صـ ۱۰۱

یہ عبداللہ بن زبیرؓ اور اُن کی متوقع کامیابی کی طرف اشارہ تھا۔

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (پ ۲۰ ع ۴) "اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کے سامنے وہی خطرہ لائیں جس کا انہیں ڈر تھا"۔

یہ مختار ثقفی اور اُس کی ہزیمت کی طرف اشارہ تھا۔

پھر کہا اے اہلِ کوفہ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ تم اپنے امراء کے لئے لقب تجویز کرتے ہو تو سُن لو میں نے اپنا لقب جزار (قصائی) تجویز کیا ہے۔

اشرافِ کوفہ جو بصرہ میں آ کر جمع ہو گئے تھے اُنہوں نے مصعب پر زور دیا کہ مختار پر جلد حملہ کیا جائے۔ مصعب نے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو فارس کا عامل تھا بصرہ بُلا لیا اور اُس کو اور دوسرے سردارانِ کوفہ کو اپنے ساتھ مِلا کر کوفہ کی طرف بڑھے۔ مختار کو خبر ہوئی تو اُس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار کا لشکر دے کر مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ مقام مذار پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا مصعب فتح یاب ہُوئے اور مختار کے آدمیوں کا پیچھا کرتے ہُوئے کوفہ کے قریب پہنچ گئے۔

کوفہ میں مختار خود مقابلہ کے لئے نکلا۔ مگر اب وہاں کا رنگ بدل چُکا تھا جب مختار اور اُس کے ساتھی بازاروں میں گزرتے تو مکانوں کی چھتوں پر سے اُن پر تیر برسائے جاتے اور گندگی پھینکی جاتی۔ مختار مجبور ہو کر قلعہ بند ہو بیٹھا۔

مصعب نے محاصرہ کو سخت کر دیا۔ جب مختار کو مایوسی ہُوئی تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اس طرح بھُوکوں مرنے سے لڑتے ہُوئے مرجانا بہتر ہے"۔ مگر اس کے ساتھی اس کے لئے تیار نہ ہُوئے۔

آخر مختار اُنیس[۱۹] جان نثاروں کے ساتھ قصر کا دروازہ کھول کر نکلا اور مردانہ وار لڑتا ہُوا مارا گیا۔

جان کی بازی لگانے سے پہلے مختار نے اپنے ایک معتمد ساتھی سائب بن مالک اشعری کو بُلایا اور کہا "اے شیخ قصر سے نکلو کہ ہم دِین کے لئے نہیں بلکہ حبِّ دُنیا

کے لئے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کریں۔

سائب نے کہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اے ابواسحاق! لوگ تو یہ سمجھتے تھے کہ تم دین کی خاطر اس کام کے لئے کھڑے ہوئے ہو۔

مختار نے جواب دیا۔

"میری جان کی قسم نہیں، یہ سب طلبِ دنیا کے لئے تھا۔ میں نے دیکھا کہ شام عبدالملک کے قبضہ میں ہے۔ حجاز عبداللہ بن زبیر کے زیرِ حکومت ہے۔ عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے اور خراسان پر عبداللہ بن خازم حکمران ہے۔ میں ان میں سے کسی سے کم نہ تھا۔ میرے دل میں بھی حکومت کی آرزو نے چٹکیاں لیں۔ اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے میں نے انتقامِ حسین کو وسیلہ بنایا۔" [1]

مصعب بن زبیر نے مختار کا سر عبداللہ بن زبیر کے پاس مکّہ معظمہ بھیج دیا۔ اور اس کے ہاتھ کٹوا کر کوفہ کی جامع مسجد میں آویزاں کر دیئے۔ یہ واقعہ ۶۷ھ کا ہے۔

عبدالملک کا عراق پر حملہ

مختار کے خاتمہ کے بعد حجاز کے علاوہ عراق پھر عبداللہ بن زبیر کے قبضہ میں آگیا۔ اِدھر شام اور مصر عبدالملک کے قبضہ میں تھا۔ بعض لوگوں نے عبدالملک کو مشورہ دیا کہ عبداللہ بن زبیر سے مصالحت کر لو اور اپنے مقبوضہ ممالک پر قانع رہو۔ مگر عبدالملک نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور ایک بڑی جمعیت کے ساتھ عراق فوج کشی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مصعب بن زبیر بھی مقابلے کے لئے نکلے۔ دیر جاثلیق میں دونوں فوجوں نے آمنے سامنے پڑاؤ ڈال دیئے۔

عبدالملک عراقیوں کی باغیانہ فطرت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے

---

[1] اخبار الطوال صـ ۲۹۸۔

حکومت و دولت کا لالچ دے کر تقریباً تمام عراقی سرداروں کو عین میدانِ جنگ میں توڑ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر عبدالملک کے جال میں نہ پھنسے بلکہ انہوں نے عبدالملک کے خط کو پڑھنا کو پسند نہ کیا اور اسے سربمہر مصعب کے سامنے پیش کر دیا۔

ابراہیم نے مصعب سے کہا۔ اس قسم کے خطوط بھیج کر عبدالملک نے آپ کے تمام سرداروں کی وفاداری کو خرید لیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ ان سرداروں کو قصرِ ابیض میں قید کر دیں۔ مگر مصعب نے اس تجویز کو قبول کرنا مناسب نہ سمجھا اور افسوس کے ساتھ کہا۔

"خدا احنف بن قیس پر رحم کرے وہ مجھے اہلِ عراق کی غداری سے محفوظ رہنے کی نصیحت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اہلِ عراق فاحشہ عورتوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انہیں ہر روز ایک نیا خاوند درکار ہوتا ہے اسی طرح انہیں ہر روز ایک نئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے۔"

آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سابقہ قرارداد کے مطابق عین موقعۂ جنگ پر مصعب بن زبیر کے عراقی لشکر کے سرداروں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ البتہ ابراہیم بن اشتر نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دی۔

ابراہیم کے قتل کے بعد مصعب مایوس ہو گئے۔ سردارانِ عراق کی غداری نے میدانِ کربلا کا منظر ان کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا مگر انہوں نے بھی قافلہ سالارِ کربلا کی سنت پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ شعر پڑھا ؎

الا ان لی بالطف من آل ہاشم تاسّوا فسنوا للکرام التأسیا

عبدالملک بن مروان نے مصعب کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے آپ کو قتل کرنا منظور نہیں۔ میں آپ کو بلا شرط امان دیتا ہوں۔ مصعب نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت و عزیمت کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی۔

دیرِ جاثلیق کی فتح کے بعد عراق بھی عبدالملک کے قبضہ میں آ گیا اور اس نے کوفہ اور بصرہ میں اپنی طرف سے والی مقرر کیے۔

محاصرۂ مکہ عراق پر قابض ہونے کے بعد عبدالملک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے حجاز روانہ کیا۔ حجاج جمادی الاول ۷۲ھ میں طائف میں آکر خیمہ زن ہوا۔ حجاج یہاں سے تھوڑی تھوڑی فوج کو میدانِ عرفات میں بھیجتا رہا اور یہاں عبداللہ بن زبیر کی فوج سے مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر کوئی فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہوئی۔

اب حجاج نے عبدالملک کو خط لکھ کر حرم میں داخل ہونے اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کرنے کی اجازت طلب کی اور کچھ کمک بھی مانگی۔ عبدالملک نے اُسے حرم میں داخل ہونے کی اجازت دے دی اور طارق کو پانچ ہزار کے لشکر کے ساتھ مدد کے لئے بھیجا۔ حجاج نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا اور کوہِ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر سنگباری شروع کر دی۔ اسی دوران میں حج کا موسم آگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سفارش پر ایامِ حج کے لئے سنگباری موقوف رہی۔ ایامِ حج گزرتے ہی سنگباری پھر شروع کر دی گئی اور خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔

محاصرے نے طُول کھینچا اور مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی طاقت روز بروز کم ہونے لگی اور اُن کے ساتھی ایک ایک کر کے اُن سے علیحدہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اُن کے دو بیٹے بھی اُن کا ساتھ چھوڑ کر حجاج کی امان میں چلے گئے۔

یہ ناسازگار حالات دیکھ کر عبداللہ بن زبیرؓ مایوس ہو گئے۔ آپ اپنی والدۂ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"اماں جان! میرے تمام ساتھی حتیٰ کہ میرے اہل و عیال میرا ساتھ چھوڑ چکے ہیں جو تھوڑے بہت باقی ہیں وہ بھی زیادہ صبر نہیں کر سکتے۔ اس حالت میں فتح کی تو کوئی اُمید نہیں، البتہ میرے دشمن مجھے امان دینے کے

لئے آمادہ ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے ؟"

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

" بیٹا ! اگر تم سمجھتے ہو کہ تم حق پر تھے اور حق ہی کی تم نے دعوت دی تو تم بھی اپنے شہید ساتھیوں کی طرح حق کے لئے اپنی جان قربان کر دو اور اپنی باگ بنو اُمیّہ کے لونڈوں کے ہاتھ میں نہ دو۔ اور اگر تمہارا مقصد دُنیا کی طلب تھا تو افسوس تم پر کہ تم نے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا دیا۔ اگر تم یہ کہو کہ میں حق پر تو تھا مگر ساتھیوں کے ضعف کے سبب اب مقابلہ کی طاقت نہیں تو یہ شرفاء اور اہلِ دین کا شیوہ نہیں کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں۔ دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا نہیں۔ راہِ حق میں جان کو قربان کر دینا ہی بہتر ہے "

عبداللہ بن زبیر نے عرض کیا ۔

" امّاں جان ! مجھے موت کا تو ڈر نہیں۔ یہ ڈر ضرور ہے کہ میرے دُشمن قتل کے بعد میرا مثلہ کریں گے اور میری لاش کو پھانسی پر لٹکائیں گے "

حضرتِ اسماءؓ نے فرمایا :۔

" بیٹا ! بکری جب ذبح ہو گئی تو اُسے کھال کھینچنے سے تکلیف نہیں ہوتی جاؤ جو کچھ ارادہ ہو کر گزرو اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو "

عبداللہ بن زبیر نے اپنی والدۂ محترمہ کا سر چُوم کر عرض کیا :۔

" مجھے آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے۔ میں کبھی دُنیا کی طرف مائل نہیں ہُوا نہ میں نے دنیوی زندگی کو پسند کیا۔ میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی رائے کیا ہے۔ آپ نے میری بصیرت میں اضافہ کیا ہے۔ امّاں جان میرے قتل سے آپ غمگین نہ ہوں اور معاملہ خدا کے سپرد کر دیں "

حضرت اسماءؓ نے فرمایا :۔

"مجھے امید ہے کہ میں صبر و شکر کے ساتھ تمہارا صدمہ برداشت کر سکوں گی۔ جاؤ اللہ کا نام لے کر اپنا کام کرو۔"

اس کے بعد حضرت اسماء نے اپنے صاحبزادے کو دعائیں دیں اور رخصت کرنے کے لئے گلے سے لگایا۔ آپ کی ہاتھ عبداللہ کی زرہ پر پڑا تو فرمانے لگیں۔ بیٹا موت کے فدائی زرہ نہیں پہنا کرتے اسے اتار دو۔ عبداللہ بن زبیر نے زرہ اتار دی۔ اس کے بعد آستینیں چڑھا کر، کرتہ کو پاجامہ میں اڑس کر اپنے چند ساتھیوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ عبداللہ بن زبیرؓ جس طرف نکل جاتے تھے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے تھے۔ آخر سینکڑوں کو خاک و خون میں لٹا کر قبیلہ سکون کے ایک شخص کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

آپ کی شہادت پر اہلِ شام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "ان لوگوں کو دیکھو صحابہ کرامؓ نے تو ابنِ زبیر کی پیدائش کی مسرت میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے تھے اور یہ اُن کی موت کی خوشی میں تکبیر کے نعرے لگا رہے ہیں"

شہادت کے بعد حجاج نے آپ کا سر عبدالملک کے پاس شام بھیج دیا۔ اور جثہ مقامِ حجون میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ حضرت اسماء کا اُدھر سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا کیا اس شہسوار کے سواری سے اُترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔

عبدالملک کو خبر ہوئی تو اُس نے اس حرکت پر حجاج کو ملامت کی اور لاش کو حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مقامِ حجون میں آپ کی لاش کو دفن کر دیا گیا عبداللہ بن زبیر کی شہادت ۱۷ جمادی الاخریٰ ۷۳ھ کو ہوئی شہادت کے وقت آپکی عمر ۷۳ سال تھی آپ کی خلافت ۹ سال رہی۔ عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد میدانِ سیاست میں عبدالملک بن مروان کا کوئی حریف نہ رہا اور وہ تمام ممالکِ اسلامیہ کا بلا شرکتِ غیرے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

حجاج عراق میں عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی دو سال تک حجاز کا والی رہا۔ عراق کی شورش پسند

سرزمین ابھی تک فتنوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ ان فتنوں کی جڑیں اکھاڑنے کے لئے کسی سخت گیر حاکم کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو عراقین (بصرہ و کوفہ) کا والی بنا کر بھیجا گیا۔

حجاج صرف بارہ سواروں کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ سب سے پہلے وہ جامع مسجد میں پہنچا اور تقریر کی منادی کرادی۔ جب وہ خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھا تو اس نے سرخ ریشمی عمامہ کا ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ اہلِ کوفہ کے طرزِ عمل کا اندازہ کرنے کے لئے تھوڑی دیر وہ خاموش بیٹھا رہا۔ جب اہلِ کوفہ نے اپنی عادت کے مطابق اس پر سنگریزے برسانے چاہے تو اس نے ڈھاٹا کھول دیا اور حسبِ ذیل تقریر کی :-

"اے اہلِ کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے سر پکے پھلوں کی طرح جھڑنے والے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ عماموں اور داڑھیوں کے درمیان خون کی موجیں اٹھ رہی ہیں۔ واللہ! مجھے آسانی سے نہیں دبایا جاسکتا اور شور و شر سے نہیں ڈرایا جاسکتا۔ میں گرم و سرد زمانہ چشیدہ ہوں"

امیر المومنین عبدالملک نے اپنے ترکش کا سب سے زیادہ سخت اور کڑوا تیر تمہاری طرف پھینکا ہے تم نے فساد کو اپنا مسلک اور گمراہی کو اپنا اوڑھنا بچھانا بنالیا ہے۔ یاد رکھو میں تمہارے سب کس بل نکال دوں گا"

تمہاری حالت اس بستی والوں کی سی ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے کہ "وہاں ہر طرح امن و اطمینان کی فراوانی ہوگی۔ ہر قسم کی نعمتیں بکثرت ہر طرف سے چلی آتی تھیں مگر اس بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بھوک اور خوف کے عذاب مسلط کردیا۔ واللہ میں جو کچھ کہتا ہوں اسے کرکے دکھادیتا

ہوں۔ جو ارادہ کرتا ہوں اُسے پورا کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ تمہاری تنخواہیں تقسیم کر دی جائیں اور تم مہلب بن ابی صفرہ کے ساتھ خوارج کے مقابلہ کے لئے نکل جاؤ۔ اگر تنخواہ وصول کرنے کے تین روز بعد مجھے کوئی شخص کوفہ میں نظر آیا تو اس کی گردن اُڑا دوں گا۔"

اس تقریر کے بعد ساری مسجد میں سناٹا چھا گیا اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں وہ بلا قصد بکھر گئیں۔

اس کے بعد حجاج نے غلام کو عبدالملک کا فرمان سنانے کا حکم دیا۔ غلام نے پڑھنا شروع کیا "اما بعد، السلام علیکم" حجاج نے غلام کو روک دیا اور اہلِ کوفہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اسے مار کے یار دو! امیر المومنین! تمہیں سلام کہتے ہیں اور تم اس کا جواب تک نہیں دیتے۔ خدا کی قسم! میں تمہیں ادب سکھا کر رہوں گا۔" یہ کہہ کر غلام کو فرمان پڑھنے کا حکم دیا۔ اس مرتبہ مسجد میں کوئی ایسا نہ رہا جس نے سلام کا جواب نہ دیا ہو۔ پھر حجاج نے تنخواہیں تقسیم کرانا شروع کیں۔

ایک بوڑھا شخص عمیر بن خیالی جس کے بدن میں رعشہ تھا حجاج کے پاس آیا اور کہنے لگا اے امیر! میں ایک بوڑھا اور بیمار شخص ہوں میری بجائے میرے جوان بیٹے کو فوج میں بھرتی کر لیا جائے۔ حجاج نے منظور کر لیا۔ کسی شخص نے کہا آپ کو معلوم بھی ہے یہ کون ہے؟ قاتلینِ عثمان میں سے ہے اس نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اُن کی دو پسلیاں توڑی تھیں۔ حجاج نے یہ سن کر اُسے واپس بلایا اور کہا اے بوڑھے! تُو نے عثمانؓ کے قتل کے لئے اپنی جگہ کسی اور کو کیوں نہ بھیجا۔ پھر اُسے قتل کرا دیا۔

حجاج کے اس سخت طرزِ عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ کوفہ بلا توشہ لئے مہلب کے پاس روانہ ہو گئے اور کوفہ کے پل پر چلنے کے لئے راستہ نہ رہا۔

کوفہ سے فارغ ہو کر حجاج بصرہ پہنچا اور وہاں بھی اسی قسم کی تقریر کی۔ ایک شخص شریک بن عمرو یشکری اس کے پاس آیا اور کہا اے امیر مجھے فتق کی بیماری ہے۔ سابق امیر بشیر بن مروان نے مجھے فوجی خدمت سے معذور رکھا تھا۔ میری آپ سے بھی یہی درخواست ہے۔ حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہ سختی دیکھ کر اہلِ بصرہ بھی مہلب کی فوج میں شریک ہونے کے لئے روانہ ہونے لگے۔ کسی کو تامل کی جرأت نہ ہوئی۔ مہلب بن ابی صفرہ نے یہ حال دیکھ کر کہا "ہاں اب عراق میں ایک مرد آیا ہے۔

فتنہ ابن جارود

مہلب کی امداد کے لئے حجاج استقا باذ آیا۔ یہاں سے مہلب کی لشکر گاہ اٹھارہ فرسخ تھی۔ حجاج کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں رہ کر مہلب کی امداد کرتا رہے۔

یہاں کے دورانِ قیام میں ایک سخت فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا جس سے پیچھا چھڑانا حجاج کے لئے مشکل ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مصعب بن زبیر نے اپنے دورِ حکومت میں اہلِ لشکر کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا تھا۔ حجاج کے پیش رو اموی والی بشیر بن مروان نے بھی اس اضافہ کو برقرار رکھا تھا۔ حجاج نے اُسے منسوخ کرنے کے ارادہ کیا اور ایک دن تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ابن زبیر کے عہد میں وظائف میں جو اضافہ ہوا تھا میں اُسے منسوخ کرتا ہوں"

ایک با اثر شخص عبداللہ بن جارود نے فوراً کھڑے ہو کر کہا۔

"یہ ابنِ زبیر ہی کا اضافہ نہیں ہے بلکہ عبدالملک بن مروان نے بھی اُسے قبول کیا اور برقرار رکھا ہے"

حجاج کو یہ تردید سخت ناگوار گزری اور ابن جارود کو قتل کی دھمکی دی۔ اس وقت تو مصلحتاً دونوں خاموش رہے مگر موقعہ کے انتظار میں رہے۔ چونکہ فوج

کے مفاد کا معاملہ تھا اس لئے بہت سے سردار ابن جارود کے ہمنوا ہو گئے اور انہوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے حجاج کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

آخر ربیع الآخر ۷۶ھ میں ابن جارود ایک بڑی جمعیت کے ساتھ حجاج کے مقابلہ کو نکلا۔ ابتدائی معرکوں میں ابن جارود غالب رہا۔ حتیٰ کہ حجاج کا خیمۂ خاص لُوٹ لیا اور اُس کی دو بیبیوں کو قید کر لیا۔ مگر آخری معرکہ میں ابن جارود کے ایک تیر لگا جس سے اُس کی موت واقع ہو گئی۔ ابن جارود کے مرتے ہی اس کی فوج میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اُدھر حجاج نے مصلحتِ وقت پر نظر کرتے ہوئے امن عام کا اعلان کرا دیا۔ اس طرح حجاج نے ایک بڑی مصیبت سے نجات پائی۔

بغاوت رتبیل سجستان کے نواح میں ایک ترک فرماں روا رتبیل مسلمانوں کا باجگزار تھا لیکن مسلمانوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے کچھ عرصہ سے اُس کا رویہ یہ ہو گیا تھا کہ کبھی خراج دیتا اور کبھی نہ دیتا۔ ۷۸ھ میں حجاج نے عبیداللہ بن ابی بکرہ کو سجستان کا والی بنا کر بھیجا تو ایک سال تک رتبیل کا رویہ مصالحانہ رہا۔ اس کے بعد اُس نے خراج دینے سے انکار کیا تو حجاج نے عبیداللہ کو اس پر فوج کشی کا حکم دیا۔

عبیداللہ اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کی جمعیت کثیر کے ساتھ بلادِ رتبیل میں داخل ہُوا۔ اس کے تمام قلعوں کو منہدم کر دیا اور خزانوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ رتبیل پسپا ہوتا ہُوا جب دارالحکومت کے قریب پہنچا تو اُس نے ترکوں کو حکم دیا کہ وہ پلٹ کر مسلمانوں کی واپسی کے راستوں کو بند کر دیں۔ چنانچہ مسلمان بلادِ ترک میں محصور ہو گئے۔ اور انہوں نے مجبور ہو کر رتبیل کو ۷ لاکھ درہم دے کر جان بچائی۔

لیکن فوج کے ایک حصّہ نے ایک زیر دستانہ مصالحت کو پسند نہ کیا اور وہ شریح بن ہانی کی ماتحتی میں دشمن سے بہادری کے ساتھ جنگ کرتے ہُوئے شہید ہُوئے۔

حجاج کو مسلمانوں کی اس ہزیمت کی اطلاع ہوئی تو اُس نے عبدالملک کو

لکھ کر رتبیل کے مقابلہ کے لئے ایک لشکرِ عظیم بھیجنے کی اجازت حاصل کر لی۔

چنانچہ ۸۰ھ میں چالیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہی بہترین اسلحہ سے آراستہ ہو کر مشہور سپہ سالار عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کی سرکردگی میں عراق سے سجستان کی طرف روانہ ہوئے۔ سجستان پہنچ کر محمد بن اشعث نے اہلِ سجستان کو بھی اپنے ساتھ لیا اور اس لشکرِ عظیم کے ساتھ بلادِ رتبیل میں پیش قدمی شروع کر دی۔

رتبیل کو جب اس مصیبت کا احساس ہُوا تو بہت گھبرایا اور اطاعت کا وعدہ کیا لیکن عبدالرحمٰن نے اس کا اعتبار نہ کیا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ عبدالرحمٰن ایک کار آزمودہ افسر تھا جس شہر پر حملہ کرتا وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیتا اور اس کی مدد کے لئے کچھ جمعیت بھی چھوڑ دیتا۔ پہاڑ کی گھاٹیوں پر چوکیاں قائم کر دیتا اور ہر خطرناک جگہ فوجی دستے متعین کر دیتا۔ پھر اپنے اور مفتوحہ علاقوں کے درمیان سلسلۂ مواصلت بھی قائم رکھتا۔ اس انتظام کے ساتھ جب وہ رتبیل کا کافی علاقہ فتح کر چکا تو اُس نے پیش قدمی کو روک دیا اور کہا۔

"اس سال اتنی ہی فتوحات کافی ہیں۔ جب ہم مفتوحہ علاقوں کے انتظام پر قابو پا لیں گے اور ہمارے آدمی یہاں کے راستوں سے اچھی طرح واقف ہو جائیں گے اور اس دوران میں سستا بھی لیں گے۔ تو ہم آئندہ سال آگے بڑھیں گے"

اس نے حجاج کو بھی اپنے اس فیصلہ کی اطلاع دے دی۔

خروج ابن اشعث

حجاج اور عبدالرحمٰن کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ تھے۔ حجاج نے عبدالرحمٰن کو لکھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم صُلح کے خواہش مند ہو۔ رواداری اختیار کر کے آرام اُٹھانا چاہتے ہو۔ کمزور اور ذلیل دشمن سے جس نے مسلمانوں کے قابلِ فخر لشکر کے ساتھ دھوکہ کیا۔ نرمی برتنا چاہتے ہو مجھے اسی وقت

اطمینان ہو گا جب تم صرف میری ایک فوج سے اس دشمن کا کامیاب مقابلہ کرو گے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ تمہاری یہ رائے کسی بدنیتی پر مبنی ہے لیکن اس میں تمہارے ارادہ کی کمزوری کو ضرور دخل ہے۔ لہٰذا میں تمہیں جو حکم دے چکا ہوں اس کی تعمیل کرو، دشمن کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لو۔ تمام قلعوں کو منہدم کر دو۔ لڑنے والوں کو قتل کر دو اور ان کے اہل وعیال کو گرفتار کر لو۔"

اس کے بعد ہی دوسرا خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا :-

"اگر تم میرے حکم کی تعمیل کے لئے تیار نہیں ہو تو اپنے بھائی اسحٰق ابن محمد کے حق میں دستبردار ہو جاؤ۔"

ابن اشعث کے پاس جب یہ خطوط پہنچے تو وہ سمجھ گیا کہ حجاج کا مقصد اپنی پرانی دشمنی نکالنا ہے۔ اس نے اپنے اہلِ لشکر کو جمع کر کے کہا "لوگو! میں نے جنگ کے مؤخر کرنے کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے وہ آپ کی فلاح و بہبود کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کے اہل حل وعقد کی منظوری سے کیا۔ اب حجاج کا یہ حکم آیا ہے جو کچھ آپ کی رائے ہو وہ کیا جائے۔

یہ سُن کر سب نے بیک آواز کہا ہم اس خدا کے دشمن کی بات نہ مانیں گے۔ ابو طفیل عامر بن واثلہ صحابی نے فرمایا۔

"حجاج اس مثل پر عمل کر رہا ہے کہ "اپنے غلام کو لڑائی پر بھیجو۔ اگر مر گیا تو بھی تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر زندہ رہا تو بھی اُسے تمہاری ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ بس اپنے اعزاز و اکرام میں اضافہ مطلوب ہے۔"

اس کے بعد سب نے مشورہ کر کے حجّاج سے قطع تعلق کر لیا اور عبدالرحمان بن اشعث کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔

عبدالرحمٰن بن اشعث نے بیعتِ امارت لے لینے کے بعد رتبیل سے اس شرط پر مصالحت کر لی کہ اگر وہ کامیاب ہُوا تو رتبیل سے کبھی خراج نہ لے گا

اور اگر شکست کھائی تو رتبیل اس کی مدد کرے گا۔ ادھر سے مطمئن ہو کر ابنِ اشعث حجاج کے مقابلہ کے لئے عراق کی طرف روانہ ہو گیا۔

فارس پہنچ کر ابن اشعث کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ حجاج کو مقرر کرنے والے عبدالملک کی بیعت بھی فسخ کر دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہاں عبدالملک کی بیعت توڑ دینے کا اعلان ہوا اور ابنِ اشعث کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی گئی۔ حجاج کو یہ خبریں ملیں تو اُس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اس نے فوراً عبدالملک کو تمام حالات کی اطلاع دی اور اس نے فوجی مدد طلب کی اور خود کوفہ سے بصرہ چلا آیا۔ عبدالملک نے فوراً اپنے درپے حجاج کی مدد کے لئے جمعیتیں بھیجنی شروع کر دیں۔

جنگِ تستر حجاج شامی فوجیوں کو لے کر بصرہ سے نکلا اور تستر میں مقیم ہُوا۔ اس نے اپنے مقدمۃ الجیش کو وجیل کی طرف بڑھایا۔ عبدالرحمٰن کے ایک دستہ فوج سے اُس کی جنگ ہُوئی۔ حجاج کی فوج نے شکست کھائی اور اُس کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ حجاج بصرہ کی طرف لوٹا مگر عبدالرحمٰن نے اس کا تعاقب کیا۔ حجاج مقابلہ کی طاقت نہ پا کر بصرہ کو چھوڑ کر زاویہ چلا گیا۔ عبدالرحمٰن کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ اہلِ بصرہ پہلے ہی حجاج سے نالاں تھے۔ سب بخوشی عبدالرحمٰن کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور علماء و قراءِ بصرہ نے بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ آخر ذی الحجہ ۸۱ھ کا ہے۔

جنگِ زاویہ محرم ۸۲ھ میں مقام زاویہ میں حجاج اور عبدالرحمٰن کی فوجوں میں خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ ابتداء میں عبدالرحمٰن کی فوجوں کو غلبہ ہوتا رہا۔ ایک دن حجاج نے مایوس ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر کہا۔

"خدا مصعب بن زبیر کو جزائے خیر دے اُس نے مصیبت کے وقت فرار کے عار کو گوارا نہ کیا۔"

پھر اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اسی طرح وہ بھی جان دے گا مگر میدانِ جنگ

سے فرار نہ ہو گا۔

حجاج کی اس ہمت سے اس کے ساتھیوں کو تقویت ہوئی اور انہوں نے پوری طاقت سے عبدالرحمٰن کے میمنہ پر حملہ کر کے اُسے شکست دیدی۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور علماء و قراء کی بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی۔ اب بصرہ پر پھر حجاج کا قبضہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کوفہ میں داخل ہو کر وہاں کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کے بہت سے ساتھی بصرہ سے آکر کوفہ ہی میں مجتمع ہو گئے۔

جنگِ دیر جماجم | حجاج بصرہ سے نکل کر دیر قرہ میں مقیم ہوا۔ تازہ دم شامی فوجیں بھی یہاں اس کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ عبدالرحمٰن بن اشعث بھی دو لاکھ سپاہیوں کو لے کر کوفہ سے نکلا اور دیر جماجم میں آکر ٹھہرا۔ فریقین نے خندقیں کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ اور لڑائی کا ایک طویل سلسلہ جاری ہو گیا۔

عبدالملک ان طویل اور بے نتیجہ خانہ جنگیوں سے تنگ آ گیا۔ اس نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے کہا۔

"اہلِ عراق کی یہ شورش حجاج سے ناراضگی کی بنا پر ہے۔ اگر ہم اس کو معزول کر کے اہلِ عراق کو راضی کر سکیں تو یہ سودا مہنگا نہیں"۔

عبدالملک کے مشیروں نے اس کی رائے کی تائید کی۔ چنانچہ عبدالملک کی طرف سے شاہی کمیشن اس کے بھائی محمد بن مروان اور بیٹے عبداللہ بن عبدالملک کی سرکردگی میں عراق آیا۔ اور ان دونوں نے اہلِ عراق کو یہ شاہی پیغام بھیجا۔

"امیرالمومنین حجاج بن یوسف کو عراق کی حکومت سے معزول کرنے کے لئے تیار ہیں اور یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اہلِ عراق کے وہی حقوق ہوں گے جو اہلِ شام کے ہیں اور عبدالرحمٰن بن اشعث کو جس حِصّۂ ملک کی حکومت وہ چاہیں گے زندگی بھر کے لئے دیدی جائیگی۔

اگر آپ ان شرائط پر صلح کریں تو امیر المؤمنین محمد بن مروان کو عراق کا نیا امیر مقرر کرتے ہیں۔ اگر یہ شرائط منظور نہ ہوں تو پھر بدستور حجاج بن یوسف ہی عراق کا امیر رہے گا اور اسے اختیار ہے کہ جس طرح مناسب سمجھے اہلِ عراق سے سلٹے۔"

عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھیوں نے عبدالملک کی اس پیش کش کے متعلق آپس میں مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن کی رائے یہ تھی کہ اس پیش کش کو" جو آبرومندانہ صلح" کی حیثیت رکھتی ہے، قبول کر لیا جائے۔ مگر اُن کے ساتھی اُن کی رائے سے متفق نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا جب ہم اہلِ شام کو ہر طرح شکست دے سکتے ہیں تو صلح کیوں کریں۔ آخر یہ پیش کش رد کر دی گئی اور پھر جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۴ جمادی الاخریٰ ۸۳ھ کو آخری اور فیصلہ کن معرکہ آرائی ہوئی۔ دونوں طرف کی فوجوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ آخر ۱۰۳ روز کی مسلسل لڑائی کے بعد عبدالرحمٰن کی فوج نے شکستِ فاش کھائی اور میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ حجاج بن یوسف فاتحانہ کوفہ میں داخل ہوا اور اُس نے ان الفاظ میں مفتوحین سے بیعت لی "میں نے امیر المومنین سے بغاوت کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ میں اس کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ جس کسی نے ان الفاظ کی ادائیگی میں تامل کیا اُسے بے دریغ قتل کر دیا گیا۔[1]

شعبی اور اعشیٰ

ابن اشعث کی حمایت میں جن اہلِ علم و قلم نے تلوار اٹھائی اُن میں فقیہ عراق عامر شعبی بھی تھے۔ فتح کے بعد حجاج نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص قتیبہ بن مسلم کے پاس "رے" چلا جائے گا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔"

چنانچہ یہ بھی قتیبہ کے پاس چلے گئے تھے۔ حجاج نے قتیبہ کے پاس حکم بھیج

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵

کر شعبی کو طلب کر لیا۔

شعبی کہتے ہیں کہ جب وہ کوفہ پہنچے تو اُن کے دوستوں نے مشورہ دیا کہ جہاں تک ممکن ہو عذر معذرت سے کام لینا۔ مگر اُن کی جرأتِ عالمانہ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ جب حجاج کے دربار میں پیشی ہوئی اور جواب طلب کیا تو فرمایا :-

"اے امیر ہم نے آپ کے خلاف سرکشی کی۔ دوسروں کو سرکشی پر آمادہ کیا اور اس سلسلہ میں ہر قسم کی کوشش عمل میں لائے لیکن وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خدا نے آپ کو فتح عنایت فرمائی اور کامیابی عطا فرمائی۔ اب آپ ہم پر ظلم کریں تو ہم اُس کے مستحق ہیں اور اگر درگزر کریں تو یہ آپ کے حلم کا تقاضا ہے۔"

حجاج اُن کی صاف بیانی پر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔

"اے شعبی! تمہاری یہ صاف بیانی مجھے اس شخص کی معذرت سے زیادہ پسند ہے جس کی تلوار سے نو خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں اور وہ یہ کہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور مجھے کچھ خبر نہیں، جاؤ تم مامون ہو۔"

عربی کا شاعر شیریں بیان اعشیٰ ہمدانی بھی اس معرکہ میں ابنِ اشعث کے ساتھ تھا اور اپنی شعلہ بیانی سے اہلِ لشکر کے دل گرما رہا تھا۔ جب ابنِ اشعث سجستان سے عراق کی طرف روانہ ہوا تو اعشیٰ کا ایک قصیدہ زبان زد خاص و عام تھا اُس کا ایک شعر یہ تھا۔

کذابہا الماضی وکذاب ثانی   امکن ربی من ثقیف ھمدان

(بنو ثقیف میں دو کذاب ہوئے ہیں۔ کذاب سابق (مختار) اور کذاب ثانی حجاج۔ کاش مجھے خدا بنو ثقیف ہمدان سے بدلہ لینے کی قوت دے۔"

حجاج نے انہیں بھی طلب کر لیا اور کہا کہ اپنا ذرا قصیدہ تو سنائیے۔ اعشیٰ نے کہا اسے چھوڑیئے۔ میں اپنا تازہ کلام آپ کو سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر ایک طویل قصیدہ حجاج کی مدح میں سنانا شروع کیا جس کا مطلع یہ تھا :-

ابی اللہ الا ان یتمم نورہ ویطفی نور الفاسقین فتخمدا

"خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ نورِ حق کو مکمل کر دے اور فاسقوں کی روشنی کو بجھا دے کہ وہ ٹھنڈی ہو کر رہ جائے"

اعشیٰ کا یہ وجد آفریں قصیدہ سن کر تمام درباری عش عش کر اُٹھے مگر حجاج نے اُسے نہ بخشا اور قتل کرا دیا۔[1]

یہ ہے فرق ایک عالم اور شاعر کے کیریکٹر کا۔

ابن اشعث کی موت

معرکہ "دیر جماجم" میں ابن اشعث کی قوت ٹوٹ گئی۔ اس شکست کے بعد بصرہ پہنچ کر اُس نے منتشر طاقت کو مجتمع کر کے مقابلہ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر وہ مایوس ہو کر کرمان و سجستان و بست ہوتا ہوا اپنے حلیف رتبیل کے پاس اُس کے علاقہ میں چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر مرضِ سل میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نے رتبیل کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ ابن اشعث کا سر کاٹ کر اُس کے پاس بھیج دے گا تو وہ اس کا سات سال کا خراج معاف کر دے گا۔ رتبیل نے مرنے کے بعد اس کا سر کاٹ کر حجاج کو بھیج دیا اور سات سال کا خراج معاف کرا لیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رتبیل نے انعام کے لالچ میں زندہ ہی کا سر کاٹ کر بھیج دیا تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ ابنِ اشعث کو گرفتار کر کے بھیج دیا تھا مگر اس نے راستہ میں خودکشی کر لی۔ یہ واقعہ ۸۴ھ کا ہے۔[2]

خوارج

ابنِ زیاد نے کوفہ میں خوارج پر سختی کی تو خوارج نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مکہ معظمہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۸ تا ۱۹۰ [2] ایضاً ص ۱۹۲

جا کر عبداللہ بن زبیر کا رنگ دیکھنا چاہا۔ اگر ہم سے متفق الرائے ہوئے تو اُن کے ساتھ مل کر بنی اُمیہ کا مقابلہ کریں گے اور اگر اختلافات کا اظہار کیا تو انہیں مکہ معظمہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ خوارج مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یزید نے شامی فوجیں عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے روانہ کی تھیں۔

عبداللہ بن زبیر کو اس وقت فوجی مدد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے اس وقت عقائد کی بحث نہ چھیڑی اور خوارج سے بنی اُمیہ کے مقابلہ میں کام لیا۔

جب شام سے یزید کی موت کی خبر آئی اور شامی فوجیں محاصرہ اٹھا کر روانہ ہو گئیں تو خوارج نے آپس میں کہا، ہم نے ایسے شخص کی حمایت میں جنگ کی ہے جس کے عقیدے کا حال ہمیں معلوم نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نقطۂ نظر حضرت عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ کے متعلق معلوم کر لیا جائے۔

چنانچہ نافع بن ارزق اور عبیدہ بن بلال وغیرہ اپنی جماعت کے ساتھ عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئے اور اصحابِ ثلٰثہ کی برائیاں کر کے حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ عبداللہ بن زبیر نے اس وقت تو اُنہیں ٹال دیا اور دوسرے دن خوارج کی شرارت سے محفوظ رہنے کا انتظام کر کے ایک زبردست تقریر کی جس میں اصحابِ ثلٰثہ کے متعلق ایک ایک کے اعتراض کا کافی و شافی جواب دیا اور پھر فرمایا :-

"میں مجمع عام میں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں حضرت عثمانؓ کا دوست اور اُن کے دشمنوں کا دشمن ہوں۔"

خوارج یہ تقریر سُن کر ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ آخر ناکام و نامراد مکہ معظمہ سے رخصت ہوئے اور کچھ اہواز چلے گئے اور کچھ نے یمامہ کی راہ لی۔

اہواز جانے والی جماعت کا سردار نافع بن ارزق تھا۔ اُس نے اہواز پہنچ کر خلیفہ کے عامل کو نکال باہر کیا اور خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔ اب تک یہ فرقہ متحد تھا لیکن اہواز میں نافع کے طریقِ عمل کی وجہ سے ان میں عقیدہ و رائے

کا انحطاط رونما ہو گیا۔ نافع نے کہا۔

"تمام غیر خوارج کفار مکّہ کی طرح کافر ہیں۔ ہمیں ان کے بچوں کا قتل کرنا اور اُن کی امانتوں کو غصب کر لینا حلال ہے۔ ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں اور ان سے مناکحت و وراثت کے تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص ہمارے پاس آئے تو ہمیں اس کے عقیدے کی جانچ کر لینی چاہیئے۔ اگر ہمارا عقیدہ قبول کرے تو فبہا ورنہ تلوار سے اس کی تواضع کرنی چاہیئے۔ جو لوگ جنگ سے علیٰحدہ رہنا پسند کریں اور حق کی حمایت کے لئے تلوار لے کر میدان میں نہ آئیں وہ بھی کافر ہیں۔"

عبداللہ بن اباض نے کہا۔

"ہمارے دشمن مباح الدم ہونے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی طرح ہیں لیکن چونکہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے انہیں کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ کافر نعمت کہا جا سکتا ہے ان کے ساتھ مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھنا جائز ہے۔"

ابو بیہس ہیصم بن جابر ضبعی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ہمارے دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے دشمنوں کی طرح ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بظاہر مسلمان اور دربا طن منافق ہیں۔ اس لئے عنداللہ کافر ہونے کے باوجود ان سے مناکحت اور وراثت کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔

عبداللہ بن صفار نے خیال ظاہر کیا کہ جو لوگ ان ہنگاموں سے علیٰحدہ ہو کر گوشہ نشین ہو جائیں وہ مستحق مواخذہ نہیں۔

اس طرح خوارج کی جماعت چار فرقوں میں تقسیم ہو گئی (۱) ازرقیہ (۲) اباضیہ (۳) بیہسیہ (۴) صفریہ

ان چاروں فرقوں نے بھی آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر شروع کر دی۔

فتنۂ ازارقہ نافع بن ازرق چونکہ اپنے مسلک میں سب سے زیادہ سخت تھا اس لئے اہواز میں خوب کشت وخون کا بازار گرم کیا۔ پھر بصرہ کی طرف بڑھا اور بصرہ کے پل پر پہنچ گیا۔ عبداللہ بن حرث نے جو اس زمانے میں عبداللہ بن زبیر کی طرف سے امیر بصرہ تھے مسلم بن عبیس کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا مسلم بن عبیس نے نافع کو شکست دے کر دولاب کی طرف ہٹا دیا۔ یہاں فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جس میں نافع اور مسلم دونوں کام آئے۔ اہلِ بصرہ نے حجاج بن باب کو اور خوارج نے عبداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار مقرر کر کے پھر لڑائی شروع کر دی۔ مگر یہ دونوں بھی مقتول ہوئے۔

اب اہلِ بصرہ نے ربیع بن احرم کو اور خوارج نے عبیداللہ بن ماحوز کو اپنا سردار تجویز کیا اور لڑائی پھر چھڑ گئی۔ لڑائی جاری تھی اور فریقین تھک گئے تھے کہ خوارج کے ایک تازہ دم دستہ نے لڑائی میں شریک ہو کر اہلِ بصرہ کو شکست دیدی۔ اور ان کا امیر ربیع مارے گئے۔ اب خوارج نے پھر بصرہ کا رُخ کیا۔ اہلِ بصرہ میں اس خبر سے گھبراہٹ پھیل گئی۔ عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن حرث کو بصرہ سے معزول کر کے ان کی جگہ حرث بن ابی ربیعہ کو بھیجا[1]

حرث بن ابی ربیعہ نے بصرہ پہنچ کر اہلِ بصرہ سے مشورہ کیا تو احنف بن قیس اور دوسرے اہل الرائے نے بالاتفاق کہا کہ یہ کام مہلب بن ابی صفرہ کے سوا کسی کے بس کا نہیں۔

مہلب بن صفرہ خراسان کے والی ہو کر جا رہے تھے مگر انہوں نے اس شرط پر یہ خدمت منظور کر لی کہ جس علاقہ کو وہ فتح کریں وہ ان کی حکومت میں دے دیا جائے۔ جس قدر رقم کی انھیں ضرورت ہو بیت المال سے ادا کی جاتے اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے ماتحت افسر انتخاب کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۷۶

مہلب بن ابی صفرہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر خوارج کی طرف بڑھے اور انہیں بصرہ کے قریب سے دھکیلتے ہوئے اہواز تک لے گئے۔ یہاں ایک مقام سلی صبری پر پہنچ کر سخت لڑائی ہوئی جس میں ابتداءً خوارج کو فتح حاصل ہوئی مگر مہلب نے اپنی منتشر جماعت کو دوبارہ جمع کر کے خوارج کو شکست فاش دی۔ ان کا سردار عبیداللہ بن حوز قتل ہوا۔ اور بقیۃ السیف خوارج کرمان اور اصفہان کی طرف بھاگ گئے۔ مہلب برابر خوارج کے استیصال میں مصروف رہے۔ جب مصعب بن زبیر بصرہ کے والی مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے مہلب کو موصل کا والی مقرر کر کے بھیج دیا اور خوارج کے استیصال پر عمر بن عبیداللہ بن معمر کو مقرر کیا۔ اس وقت خوارج ارجان میں تھے اور ان کا سردار زبیر بن علی سلیلی تھا۔ عمر بن عبیداللہ نے خوارج کو شکست دے کر ارجان سے نکال دیا۔

خوارج اصفہان چلے گئے۔ اصفہان پہنچ کر انہوں نے پھر اپنی قوت کو مجتمع کیا اور سابور آ گئے۔ عمر بن عبیداللہ بھی اپنی جمعیت کو لے کر سابور پہنچ گیا۔ خوارج نے ایک رات عمر بن عبیداللہ کے لشکر پر شبخون مارا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر عمر بن عبیداللہ خوارج کی طرف بڑھے اور دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ خوارج کو شکست فاش ہوئی اور عمر بن عبیداللہ کا بیٹا عبیداللہ لڑائی میں کام آیا۔ خوارج پھر فارس میں گھس آئے۔ عمر بن عبیداللہ نے انہیں اصفہان کی طرف بھگا دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ پھر اہواز میں داخل ہو گئے۔ عمر بن عبیداللہ اس وقت اصطخر میں تھا۔

الغرض خوارج اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ قتل و غارت اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے ہوئے پھرتے رہے اور ان کی قوت کو پوری طرح سے نہ توڑا جا سکا۔

مصعب بن زبیر نے اہل الرائے کو جمع کر کے مشورہ کیا تو سب نے یہ رائے دی کہ مہلب بن ابی صفرہ ہی ان کا انسداد کر سکتا ہے۔ چنانچہ مہلب کو موصل سے واپس

بُلا کر دوبارہ خوارج کی سرکوبی پر مامور کیا گیا۔

اس وقت خوارج کا سردار قطری بن فجاءہ تھا۔ مہلب اس کے مقابلے کے لئے نکلے۔ قطری کرمان کی طرف بھاگ گیا۔ مہلب نے اہواز میں قیام کیا۔ خوارج پھر تیار ہو کر مقابلہ کے لئے آئے۔ مہلب نے انہیں رامہرمز کی طرف بھگا دیا۔

اسی زمانے میں مصعب بن زبیر شہید ہو گئے اور عراق پر عبدالملک بن مروان کا قبضہ ہو گیا۔ عبدالملک نے خالد بن عبداللہ بن اسید کو بصرہ کا والی مقرر کیا۔ خالد نے مہلب کو واپس بُلا کر اہواز کا حاکمِ خراج مقرر کیا اور اپنے بھائی عبدالعزیز بن عبداللہ کو خوارج کے مقابلے پر مامور کیا۔ لوگوں نے اُسے مشورہ دیا کہ خوارج کے مقابلے میں مہلب اور عمر بن عبیداللہ کا اہواز اور فارس کے محاذوں پر برقرار رہنا ضروری ہے مگر وہ نہ مانا۔ عبدالعزیز کا دارالجبرو پر خوارج سے مقابلہ ہوا۔ خوارج نے اُسے شکست دی۔ خالد نے عبدالملک کو شکست کی خبر دی تو عبدالملک نے اُسے سخت تنبیہ کی اور لکھا :-

"یہ سب کچھ اس لئے ہُوا ہے کہ تم نے مکّہ کے ایک اعرابی کو خوارج کے مقابلہ میں لشکر کشی پر مامور کیا اور مہلب جیسے جنگ جُو آزمودہ اور صاحبِ عقل و تدبیر شخص کو افسرِ خراج مقرر کر دیا۔ مہلب کو لکھو کہ وہ خوارج کے مقابلہ کے لئے اہواز جائے تم بھی اہلِ بصرہ کو ساتھ لیکر اہواز پہنچو۔ مَیں نے اپنے بھائی بشر کو کوفہ لکھ دیا ہے وہ بھی پانچ ہزار کے لشکر سے تمہاری مدد کرے گا اور دیکھو مہلب سے مشورہ کئے بغیر کوئی کام انجام نہ دو"

اس حکم کے مطابق مہلب خوارج کے مقابلے کے لئے اہواز کی طرف بڑھے بصرہ سے خالد بن عبداللہ اور کوفہ سے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث اُن کی مدد کے لئے پہنچ گئے۔

خوارج اس لشکرِ عظیم کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہُوئے

خالد نے داؤد بن قحذم کو ان کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور خود بصرہ واپس چلا گیا۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بھی "رے" چلے گئے اور مہلب اھواز میں مقیم ہو گئے۔ داؤد بن قحذم تعاقب کرتے ہوئے اتنی دُور نکل گئے کہ ان کے لشکروں کے گھوڑے ہلاک ہُوئے اور اُن کا تمام زادِ راہ ختم ہو گیا۔ آخر وہ پیادہ پا فاقہ کشی کی حالت میں اھوازہ واپس آئے۔

جس زمانے میں قطری اھواز میں برسر پیکار تھا بحرین میں ایک دُوسرا خارجی سردار ابو فدیک روانہ ہُوا۔ اُس نے بنجدہ میں عامر حنفی کو قتل کر کے بحرین پر قبضہ کر لیا۔ خالد بن عبداللہ نے ابو فدیک کے مقابلہ کے لئے اپنے بھائی امیر اُمیّہ بن عبداللہ کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ ابو فدیک نے اُمیّہ کو شکست دے دی۔ عبدالملک کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے ناراض ہو کر بصرہ سے خالد کو معزول کر دیا اور اپنے بھائی بشر بن مروان کو کوفہ کے ساتھ بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔

عراقین کی ولایت پر مامور کرنے کے بعد عبدالملک نے بشر کو لکھا کہ مہلب کو ازارقہ (خوارج) کے استیصال کے لئے بصرہ کے نامور اور بہادر شہسوار لیا کے ساتھ روانہ کر دو اور کوفہ کے بھی جنگ آزمودہ اور شجاع سپاہیوں کا ایک لشکر اُس کی مدد کے لئے روانہ کر دو تاکہ یہ دونوں لشکر خوارج کا تعاقب کر کے اُنھیں نیست و نابود کر دیں۔

بشر کو یہ بات ناگوار گزری کہ عبدالملک نے مہلب کو براہِ راست سالار لشکر مقرر کیا اور وہ اس سے جلنے لگا۔ عبدالملک کے حکم کی تعمیل میں بشر نے کوفہ اور بصرہ سے مہلب کی مدد کے لئے دو فوجیں روانہ کیں۔ مگر بصرہ سے ایسے آدمی چھانٹے جو میدانِ جنگ سے فرار ہو جائیں اور کوفہ کی فوج کے سردار عبدالرحمٰن بن مخنف سے کہہ دیا کہ تم مہلب کے حکم کی تعمیل نہ کرنا اور اُسے حقیر و ذلیل کرنے کی کوشش کرنا۔

رامہرمز پہنچ کر یہ دونوں خوارج کے آمنے سامنے مقیم ہو گئے۔ ابھی دس روز ہی گزرے تھے کہ بصرہ سے بشر بن مروان کے انتقال کی خبر آئی۔ اہلِ کوفہ و بصرہ کی بڑی تعداد اس خبر کو سنتے ہی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئی۔ بشر کے قائم مقام خالد بن عبداللہ نے ہر چند انہیں واپس بھیجنے کی کوشش کی اور اور عبدالملک کی سزا و عقوبت سے ڈرایا مگر کوئی نہ مانا۔

آخر حجاج بن یوسف ثقفی کوفہ اور بصرہ کی ولایت پر مامور ہو کر آیا اس نے پہلی ہی تقریر میں اُن کے حواس درست کر دیئے اور تین دن کے اندر اندر میدانِ جنگ کی طرف روانگی پر مجبور کر دیا۔ اس کی تفصیل حجاج کی امارتِ عراق کے بیان میں گزر چکی ہے۔

اہلِ کوفہ و بصرہ جب مہلب اور ابن مخنف کے پاس دوبارہ پہنچے تو ان دونوں سپہ سالاروں نے خوارج کو رامہرمز سے نکال دیا اور وہ سابور چلے گئے۔ مہلب اور ابنِ مخنف ان کے تعاقب میں سابور پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔ مہلب کا یہ دستور تھا کہ جب وہ خوارج کے مقابلہ میں نکلتے تو اپنے لشکر کے گرد خندق کھود لیتے۔ انہوں نے ابن مخنف کو بھی یہی رائے دی۔ مگر ابن مخنف نے اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج نے اُن کے لشکر پر شبخون مار کر شکست دیدی اور انہیں قتل کر دیا۔ مہلب سابور میں ایک سال تک مقیم رہے اور خوارج سے لڑتے رہے۔ پھر یومِ بستان کے معرکہ میں انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔

اس وقت کرمان پر خوارج کا قبضہ تھا اور فارس مہلب کے ہاتھ میں تھا۔ خوارج کے لئے بڑی دقت یہ تھی کہ فارس سے انہیں رسد وغیرہ کی کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ خوارج کرمان آکر مقیم ہو گئے۔ مہلب نے اپنی فوجوں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور کرمان کے ایک شہر جیرفت میں آکر ٹھہرے۔ یہاں کئی بار خوارج سے لڑائی ہوئی۔ آخر جب تمام فارس پر مہلب کا قبضہ ہو گیا تو حجاج نے یہاں اموی حکام کا تقرر کیا اور دارابجرد اور اصطخر کی آمدنی خوارج سے جنگ کے لئے وقف کر دی۔

خوارج سے معرکہ آرائی کا سلسلہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ حجاج نے براء ابن قبیصہ کو مہلب کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ خوارج کا زیادہ سخت مقابلہ ہونا چاہیئے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی عذر نہ قبول کیا جائے گا۔

مہلب نے حجاج کا پیغام پہنچتے ہی کل لشکر کو صف آرائی کا حکم دیا۔ مہلب کے سات بیٹے اپنے اپنے دستوں کو لے کر میدانِ جنگ کی طرف بڑھے۔ فوجیں فوجوں کے ساتھ بھڑیں اور ہتھیار ہتھیاروں کے ساتھ ٹکرائے۔ صبح سے دوپہر تک ہولناک لڑائی ہوتی رہی۔ دوپہر سے عصر تک فریقین نے آرام کیا۔ عصر کے بعد میدانِ جنگ گرم ہو گیا اور دونوں طرف کے بہادر دادِ شجاعت دینے لگے۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی دونوں فوجوں کے درمیان حائل ہو گئی۔

براء بن قبیصہ ایک بلند ٹیلہ پر بیٹھا ہوا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مہلب سے کہا میں نے تمہارے بیٹوں سے زیادہ جنگ آزمودہ اور تمہارے سپاہیوں سے زیادہ جری کسی کو نہیں دیکھا اور تمہارے حریفوں سے زیادہ ثابت قدم اور بہادر بھی کسی کو نہیں پایا۔ خدا کی قسم تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ مہلب نے براء کو انعام واکرام دے کر رخصت کیا۔ براء نے اپنی چشم دید شہادت سے مہلب کی معذوری حجاج کے سامنے بیان کر دی۔

اس کے بعد مہلب مسلسل اٹھارہ مہینے خوارج سے لڑتا رہا۔ مگر خوارج کا زور کسی طرح نہ ٹوٹتا تھا۔

اسی دوران میں خوارج کے لشکر میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔

قطری کے فوج کے ایک افسر مقعطر ضبی نے ایک دوسرے خارجی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دوسرا خارجی بھی اپنی جماعت کا معزز آدمی تھا۔ مقتول کے حامیوں نے قطری سے مقعطر کو قصاص میں قتل کرنے کا مطالبہ کیا۔ قطری نے کہا قاتل سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ عالم اور دین دار آدمی ہے میں اُسے قتل نہ کروں گا۔

اس بات پر ان میں جھگڑا بڑھا۔ ایک بڑے گروہ نے قطری کی بیعت توڑ کر عبد ربہ الکبیر کو اپنا سردار بنا لیا۔ قطری اور عبد ربہ الکبیر کے ساتھیوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اور خوارج آپس ہی میں ایک دوسرے سے گتھ گئے۔

حجاج بن یوسف کی رائے یہ تھی کہ اس وقت ان پر حملہ کر دیا جائے مگر مہلب نے کہا جب تک یہ خود ایک دوسرے کو ہلاک کر رہے ہیں ہمیں اپنی قوت خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ خوارج پورے ایک مہینے تک آپس میں گتھے رہے۔ آخر قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف چلا گیا اور کرمان پر عبد ربہ الکبیر قابض ہو گیا۔

مہلب نے اب عبد ربہ الکبیر پر فوج کشی کی اور اُسے جیرفت میں محصور کر دیا۔ خوارج نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مہلب نے انہیں راستہ دے دیا۔ مگر کچھ دور جا کر اُنہیں روک لیا۔ یہاں فریقین میں ہولناک لڑائی ہوئی۔ خوارج اس زور شور سے لڑے کہ مہلب نے اقرار کیا کہ اس سے پہلے اتنی سخت جنگ سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ لیکن آخر کار خوارج نے شکست کھائی اور اُن کی اکثر فوج میدانِ جنگ میں کھیت رہی۔ مہلب کو بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ خوارج کی عورتیں باندیاں بنا لی گئیں۔ کیونکہ خوارج بھی عام مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے۔

مہلب کی قدر افزائی

اس فتح عظیم کی خبر مہلب نے ایک قاصد کے ذریعہ حجاج کو بھیجی۔ حجاج نے قاصد سے مہلب کے بیٹوں کے اوصاف پوچھے تو اُس نے بلیغانہ انداز میں ہر ایک کی خصوصیات بیان کیں۔ حجاج نے کہا ان میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ قاصد نے جواب دیا:-

"یہ سب ایک جوڑی زرہ کی مانند ہیں جس کا کنارہ نہیں ملتا۔"

حجاج نے مہلب کو لکھا کہ جن لوگوں نے میدانِ جنگ میں عمدہ خدمات انجام دی ہیں ان کو ان کی خدمات کا صلہ دو۔ جو لوگ ان خدمات میں ممتاز رہے اُن

کو انعام و اکرام سے سرفراز کرو جسے لائق سمجھو کرمان کا حاکم اور فوج کا سپہ سالار مقرر کرو اور خود مجھ سے کوفہ آ کر ملو۔

مہلب نے اپنے بیٹے یزید بن مہلب کو کرمان کا حاکم مقرر کیا اور خود کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

مہلب کوفہ پہنچا تو حجاج نے اُس کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ دربار منعقد کر کے مہلب کو اپنے برابر تخت پر بٹھایا۔ مہلب کی تعریف و توصیف کی اور درباریوں سے کہا:۔

"اے اہلِ عراق! مہلب تمہارا آقا ہے اور تم اُس کے غلام ہو"

پھر لقیط بن تعمیر کا مشہور عقیدہ جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

وقلدوا امرکم للہ درکم رحب الذراع بامر الحرب مضطلعا

(خدا تمہارا بھلا کرے اُنھوں نے تمہارا سردار اُس شخص کو بنایا ہے جو بہادر اور فنِ جنگ کا ماہر ہے۔

سُن کر کہا۔ اے مہلب! تمہارے اوصاف اس قصیدہ کے مضمون کے مطابق ہیں[1]

قطری کا قتل

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ازارقہ کا پہلا سردار قطری اپنے ساتھیوں کو لے کر طبرستان کی طرف نکل گیا تھا۔ عبدربہ الکبیر کی ہلاکت کے بعد حجاج نے سفیان بن ابرو کو اسحاق بن محمد بن اشعث کے ساتھ ایک بڑی فوج دے کر قطری کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ سفیان نے طبرستان کے کسی درہ میں قطری کو جا گھیرا۔ قطری کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ تنہا اپنی جان بچانے کی کوشش میں سرگرداں تھا کہ گھوڑے سے گر کر کسی گھاٹی میں جا پڑا۔ اور زخمی ہو گیا۔ کچھ اہلِ کوفہ نے اُسے دیکھ لیا اور قتل کر دیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۱۷۱

قطری کے قتل کے بعد ابوسفیان نے اُس کے ساتھیوں کا تعاقب کر کے اُنہیں قصرِ قومس میں گھیر لیا۔ یہ لوگ جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو جان پر کھیل کر نکلے اور بہادری کے ساتھ لڑتے ہُوئے سب کے سب مقتول ہُوئے۔

یہ واقعہ ۷۷ھ کا ہے۔

قطری کے قتل سے خوارج کے فرقہ ازارقہ کی سرگرمیاں جو بیس سال سے ملک کی امن وامان کو برباد اور ملت کو عروج کی شاہراہ سے روکے ہُوئے تھیں ختم ہوگئیں۔

ہنگامۂ صالح وشبیب

ازارقہ کا فتنہ ابھی نہیں دبا تھا کہ جزیرے میں ایک نئی شورش شروع ہوگئی۔ صالح بن سرخ تیمی ایک عالم وزاہد شخص تھے جس کے شاگردوں اور معتقدوں کا سلسلہ موصل اور جزیرے کے علاقہ میں پھیلا ہُوا تھا۔ ایک دن صالح نے اپنی جماعت کو جمع کر کے کہا۔

"بنی اُمیہ کے مظالم روز بروز بڑھتے جارہے ہیں اور عدل اور انصاف مِٹتا جارہا ہے۔ حکامِ وقت نے جور وجفا پر کمر باندھ رکھی ہے۔ حق کا پاس اور خدا کا خوف اُنہیں نہیں رہا۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے اللہ کا نام لے کر باطل کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

ایک دوسرا خارجی سردار شبیب بن نعیم شیبانی بھی اسی زمانہ میں بنی اُمیّہ کے خلاف خروج کی تیاریاں کر رہا تھا اُسے جب صالح کے ارادہ کا علم ہُوا تو اُس نے اس کی جماعت میں شامل ہو کر کام کرنے کی درخواست کی۔

غرض صالح اور شبیب دونوں نے صفر ۷۶ھ میں ایک سو بیس رفقاء کے ساتھ مقام دارا میں بنی اُمیّہ کے خلاف علمِ مخالفت بلند کیا۔ محمد بن مروان حاکمِ جزیرہ نے عدی بن عدی کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ عدی نے پہلے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ صالح نے اُسے ردّ کر دیا۔ آخر دونوں کا مقابلہ ہُوا۔ عدی نے شکست کھائی اور اس کا سامانِ جنگ صالح کے ہاتھ آیا۔

محمد بن مروان نے خالد بن جزو و حارث بن جعونہ کی ماتحتی میں تین ہزار کا ایک

اور لشکر صالح کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مقام آبد میں فریقین میں سخت جنگ ہوئی صالح نے جب دیکھا کہ غنیم پر غالب آنا مشکل ہے تو وہ اپنے لشکر کو لے کر جزیرہ اور موصل کے علاقہ سے نکل گیا۔

حجاج بن یوسف ثقفی کو معلوم ہوا کہ یہ فتنہ اس کی حدود میں آگیا ہے تو اُس نے تین ہزار کا لشکر دے کر حارث بن عمیرہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مقام مدبج میں صالح نے نوّے ساتھیوں کے ساتھ اس لشکر کا مقابلہ کیا۔ صالح نے شکست کھائی اور مقتول ہوا۔

صالح کے قتل ہونے کے بعد اُس کے ساتھیوں نے شبیب کو اپنا امیر تجویز کیا۔ شبیب نے اچانک حارث کے لشکر پر چھاپہ مار کر اُسے قتل کر دیا۔ حارث کا لشکر ہزیمت کھا کر مدائن چلا گیا۔

اب شبیب نے اپنے مُٹھی بھر ساتھیوں کو لے کر جن کی تعداد دو سو سے زیادہ نہ تھی۔ عام تاخت وتاراج شروع کر دی۔ حجاج نے یکے بعد دیگرے ان کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجیں لیکن شبیب نے سب کو شکست دی۔

آخر شبیب کی جُرات یہاں تک بڑھ گئی کہ وہ لُوٹ مار کرتا ہُوا حجاج بن یوسف کے دارالامارت کوفہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ بے باکانہ قصرِ امارت کی طرف بڑھا اور اپنے گرز سے قصر کے دروازے پر ضربیں لگائیں۔ پھر جامع مسجد پہنچا۔ اور وہاں کچھ لوگوں کو قتل کیا۔ پھر شہر کے مختلف حصّوں میں کشت وخون کرتا ہُوا کوفہ سے نکل گیا۔

حجّاج نے پَے در پَے عراقی فوجوں کو شبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہوسکیں۔ شاہی فوجوں کے مقابلہ میں شبیب کی یہ کامیابیاں دیکھ کر عراق کے کچھ شورش پسند بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

کچھ دن بعد پھر شبیب نے آٹھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے ارادہ سے مدائن کا رُخ کیا۔ بابل مہروز کے زمیندار نے حجاج کو شبیب کی نقل وحرکت کی خبر دی۔ حجاج نے فوراً اہلِ کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا۔

"اے لوگو! تم اپنے مال دولت کی حفاظت اور ملک کی مدافعت کی خاطر لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ورنہ میں یہ کام ایک ایسی قوم کے سپرد کر دوں گا جو تم سے زیادہ صبر آزما اور اطاعت گزار ہو گی۔ وہ تمہارے دشمن سے مقابلہ کرے گی اور تمہارے حصہ کا مالِ غنیمت بھی حاصل کرے گی۔"

حجاج کی اس تقریر سے اہلِ کوفہ میں جوش پھیل گیا اور عراقیوں کی بہت بڑی تعداد نے شبیب سے جنگ کرنے کے لئے اپنے نام پیش کئے۔ لیکن حجاج نے عراقیوں پر بھروسہ نہ کیا اور عبدالملک کو کل حالات سے مطلع کر کے شامی فوج مدد کے لئے طلب کی۔ عبدالملک نے چھ ہزار منتخب شامی فوج سفیان بن ابرو کلبی اور حبیب بن عبدالرحمٰن کی زیرِ سرکردگی کوفہ کی حفاظت کے لئے روانہ کر دی۔ ابھی شامی فوج راستہ ہی میں تھی کہ حجاج نے پچاس ہزار عراقیوں کا لشکرِ عظیم عتاب بن ورقاء کی ماتحتی میں شبیب کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ حجاج نے رخصت کرتے وقت کہا۔

"اگر تم لوگوں نے پہلے کی طرح بزدلی کا اظہار کیا تو تمہیں ظالم حاکموں کے حوالہ کر دوں گا اور لشکرِ گراں سے پیس ڈالوں گا۔"

ساما یا کے قریب شبیب اور عتاب کا مقابلہ ہوا۔ عراقی بہادری کے ساتھ لڑے مگر خوارج کی جان کی بازی نے جلد ہی اُن کے پیر اکھاڑ دیئے۔

مقامِ حیرت ہے کہ ایک ہزار خارجیوں نے پچاس ہزار عراقیوں کو شکست دی۔ عتاب بن ورقہ اور اُس کا دوسرا سردار ساتھی زہر بن حویہ میدانِ جنگ میں مقتول ہوئے۔

اس دوران میں حجاج کے پاس شامی افواج پہنچ چکی تھی اور وہ عراقیوں کی امداد سے مستغنی ہو گیا تھا۔ اُس نے ایک تقریر میں اہلِ کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے اہلِ کوفہ جو شخص تمہارے ذریعے غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے خدا کرے وہ کبھی غالب نہ ہو اور جو تمہاری مدد سے کامیابی حاصل کرنا چاہے خدا

کرے وہ کبھی کامیاب نہ ہو۔ تم ہمارے سامنے سے دفع ہو جاؤ اور
کسی لڑائی میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ جاؤ حیرہ میں جا کر یہودیوں
اور نصرانیوں کے ساتھ بود و باش اختیار کرو۔"

شبیب سا باما سے سور آیا اور وہاں سے مقام حمام اعین میں آکر مقیم ہوا۔ حجاج نے حارث بن معاویہ ثقفی کو ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ جو عتاب کے لشکر میں شامل نہ تھے اُسے روکنے کے لئے روانہ کیا۔ شبیب نے حارث کو قتل کر دیا اور کوفہ کے کنارے آکر مقیم ہُوا۔

اس مرتبہ حجاج خود شامی افواج کو اپنے ساتھ لے کر کوفہ سے نکلا۔ دونوں طرف فوجیں صف آرا ہو چکیں تو حجاج نے شامیوں کا دل بڑھانے کے لئے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا۔

"اے اہلِ شام تم مطیع و فرمانبردار اور بہادر و جان نثار لوگ ہو۔
دیکھو ان ناپاک دشمنوں کا باطل تمہارے حق کو مغلوب نہ کر دے۔
اپنی آنکھیں بند کر لو گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ اور اپنے نیزوں کی
انیاں دشمنوں کی طرف بڑھا دو۔"

آخر مقابلہ شروع ہُوا۔ شامی پتھریلی زمین کے سنگریزوں کی طرح زمین سے چمٹ گئے اور خارجیوں کو نیزوں پہ لے لیا۔ خارجی بھی اپنی روائتی بہادری کے ساتھ لڑے سارا دن ہولناک لڑائی جاری رہی اور فریقین ایک دوسرے کی بہادری کا لوہا مان گئے۔

آخر خالد بن عتاب نے شبیب پر عقب سے حملہ کیا۔ اُس کے بھائی مصاد اور اُس کی بیوی غزالہ کو قتل کر دیا اور اُس کے خیمہ میں آگ لگا دی شبیب نے یہ حالت دیکھی تو اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ آیا۔ حجاج نے مقابلہ بند کر دیا اور شبیب کو موقع نکل جانے کا دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شبیب نے شکست کا مُنہ دیکھا۔ حجاج نے کہا "خدا کی قسم! آج سے پہلے کبھی شبیب کا

مقابلہ ہی نہیں کیا گیا۔

شبیب پہلے انبار گیا۔ پھر دریائے دجلہ کو عبور کر کے اھواز پہنچا۔ پھر فارس سے ہوتا ہوا کرمان آیا اور سستانے کے ارادہ سے مقیم ہو گیا۔ شبیب جہاں کہیں بھی پہنچا شامی فوجیں بھی اس کے تعاقب میں وہیں پہنچیں اور فریقین میں ہولناک معرکے ہوئے۔

شبیب آرام سے فارغ ہو کر کرمان سے لوٹا تو اھوانہ میں وجیل کے پل پہ سفیان بن ابرد سے اس کی آخری معرکہ آرائی ہوئی۔

دریا کے ایک کنارے پر سفیان شامی فوجوں کو لئے پڑا تھا اور دوسرے کنارے پر شبیب۔ شبیب اپنی عادت کے مطابق دریا کو پار کر کے اپنے حریف پر حملہ آور ہوا۔ دونوں فوجیں بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ سارے دن لڑتے رہیں۔ شام ہوتے خارجیوں نے شامیوں پر تلواروں اور نیزوں سے سخت حملہ کیا اور انہیں چور چور کر دیا۔ سفیان نے شامیوں کے قدم ڈگمگاتے دیکھے تو انہیں تیر بازی کا حکم دیا۔

خوارج نے پوری طاقت سے شامیوں پر حملہ کر دیا اور اُن کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔ شبیب چاہتا تھا کہ سفیان پر حملہ کر کے اُس کا کام تمام کر دے مگر تاریکی اس قدر چھا گئی تھی کہ ایک دوسرے کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے شبیب نے لڑائی کو ختم کر دیا اور رات گزارنے کے لئے اپنی قیام گاہ کو واپس ہوا۔

شبیب دریا کا پل عبور کر رہا تھا کہ ایک گھوڑی کو دیکھ کر اُس کا گھوڑا بدکا اور وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ گرتے وقت شبیب نے کہا لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اور جب وہ غوطہ کھا کر اُبھرا تو اس کی زبان سے نکلا۔ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔ اس طرح اس بہادر کی شمع حیات جس سے ہمیشہ گھر میں آگ لگتی رہی دریائے وجیل کے پانی کی لہروں میں گل ہو گئی۔

فتوحات

اگرچہ یہ زمانہ فتنہ و فساد کا تھا۔ باہمی اختلافات کی گھنگھور گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ تاہم جب کبھی موقعہ ملا مسلمانوں کی برق بار تلوار دشمنوں پر چمکی اور اُن کی حریص نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

مشرقی فتوحات

مہلب بن ابی صفرہ جب خوارج کا زور توڑ چکا تو حجاج نے اُسے خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۸۰ھ میں اُس نے نہر بلخ کو پار کیا اور کش میں جا کر مقیم ہوا۔ مہلب کے ساتھ پانچ ہزار فوج تھی اور اُس کے رفیق ابوالادہم زمانی کے ساتھ (جو ایک شجاع اور مدبر افسر تھا) تین ہزار فوج تھی۔

مہلب کش میں مقیم تھا کہ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی اس سے آ کر ملا۔ اُسے ختل سے لڑنے کی ترغیب دی۔ مہلب نے اپنے بیٹے یزید کو اس کے ساتھ کر دیا۔ یزید اور شاہِ ختل کا چچیرا بھائی برابر اپنی فوجیں ڈالے پڑے تھے کہ شاہِ ختل نے اپنے چچیرے بھائی پر شبخون مارا۔ یزید نے اپنے لشکر کو آگاہ کرنے کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ شاہِ ختل کا چچیرا بھائی سمجھا کہ مُسلمانوں نے اُس کے ساتھ بدعہدی کی اور اس پر حملہ کر دیا۔ اس افراتفری میں شاہِ ختل نے اپنے چچیرے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

یزید بن مہلب نے شاہِ ختل کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ نے مجبور ہو کر جزیہ پر مصالحت کر لی۔ یزید اپنے باپ مہلب کے پاس لوٹ گیا۔

مہلب نے اپنے دوسرے بیٹے حبیب کو شاہِ بخارا کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ شاہِ بخارا چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں میں کئی مرتبہ لڑائیاں ہوئیں مگر کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔ حبیب واپس لوٹ آیا۔

مہلب کش میں دو سال تک مقیم رہا۔ بعض مشیروں نے پیش قدمی کی رائے دی۔ مگر مہلب نے کہا جو فتوحات ہو چکی ہیں وہی کافی ہیں۔ اب اگر میں اپنی فوج کو صحیح سلامت لے کر مرو پہنچ جاؤں تو یہی غنیمت ہے۔ مہلب سے اہلِ کش نے فدیہ پر صلح کر لی۔

مہلب کش ہی میں مقیم تھا کہ اُسے اپنے بیٹے مغیرہ کی (جو مرو میں اس کا قائم مقام تھا) خبرِ وفات پہنچی۔ مہلب کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اُس نے اپنے دوسرے بیٹے یزید کو مرو کا عامل بنا کر روانہ کیا اور زرِ فدیہ وصول کرنے کے بعد خود بھی جلد ہی مرو کے ارادہ سے روانہ ہو گیا۔

وفاتِ مہلب مہلب ابھی مرو ہی میں پہنچا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنی اولاد کو جمع کر کے کہا میں اپنے بعد یزید کو خاندان کا سرپرست بناتا ہوں تم سب اس کی تابعداری کرنا۔ پھر اُس نے کچھ تیر منگائے اور انہیں رسّی سے باندھ دیا اور اپنی اولاد سے پوچھا کیا تم انہیں توڑ سکتے ہو؟ آلِ مہلب نے جواب دیا "نہیں" مہلب نے کہا اگر انہیں الگ الگ کر دیا جائے تو توڑ سکتے ہو؟ آلِ مہلب نے جواب دیا "ہاں توڑ سکتے ہیں"۔

مہلب نے کہا بس اتحاد و اختلاف میں یہی فرق ہے تم سب کو مِل جُل کر رہنا چاہیئے۔ پھر مہلب نے حسب ذیل وصیتیں کیں:-

"میں تمہیں خوفِ خدا اور صلۂ رحم کی وصیت کرتا ہوں اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال میں زیادتی ہوتی ہے اور قوت بڑھتی ہے۔ بے رحمی اور ظلم سے منع کرتا ہوں کہ اس کا نتیجہ آخرت میں دوزخ اور دنیا میں قلّت و ذلّت ہے۔ ایک دوسرے کی اطاعت و فرمانبرداری اور اتحاد و اتفاق کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ دیکھو جو کچھ کہو اس سے زیادہ کر دکھاؤ۔ زبان سے بات نکالتے وقت خوب

سوچ لو اور زبان کی لغزش کے نتائج سے ڈرو۔ کیونکہ آدمی کا قدم لڑکھڑائے تو وہ سنبھل سکتا ہے اور زبان لڑکھڑائے تو ہلاک ہو سکتا ہے۔
اپنے پاس آنے جانے والوں کے حقوق کا خیال رکھو۔ اُن کی صُبح وشام کی آمد و رفت تمہاری یاد دہانی کے لئے کافی ہے۔ سخاوت کو بخل پر ترجیح دو۔ بھلائی کو عزیز رکھو اور سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تم کسی عربی سے بھلائی کا وعدہ بھی کرو گے تو وہ تمہارے لئے اپنی جان قربان کر دے گا۔ لڑائی کے موقع پر تدبر اور چالاکی سے کام لو کیونکہ یہ بہادری سے زیادہ مفید ہے۔ جب لڑائی شروع ہوتی ہے تو تقدیرِ الٰہی ہی اس کا فیصلہ کرتی ہے۔ لیکن اگر تدبر سے کام لے اور کامیاب ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اپنا فرض صحیح طور پر انجام دیا اور کامیاب ہوا اور ناکام ہو تو کہا جاتا ہے کہ کوشش میں کسر نہیں چھوڑی۔ مگر تقدیر میں کامیابی نہ تھی۔ تم قرآن کریم کی تلاوت کو ضروری سمجھو۔ سنتِ رسول اللہ کی تعلیم حاصل کرو اور بزرگانِ دین کے طور طریقوں پر کاربند رہو۔ دیکھو اپنی مجلسوں میں فضول گفتگو نہ کیا کرو۔"

مہلب کی یہ وصیتیں ہر نوجوان کے لئے بہترین نصیحتیں ہیں جو زندگی کی کٹھن منزل میں مشعلِ راہ کا کام دے سکتی ہیں۔

ذی الحجہ ۸۲ھ میں مہلب نے انتقال کیا۔ عبدالملک نے اس کی وصیت کے مطابق اُس کے بیٹے یزید بن مہلب کو خراسان کا حاکم برقرار رکھا۔

یزید نے اپنے زمانۂ حکومت میں نیزک کے قلعہ بادغیس کو فتح کیا۔ یہ قلعہ نہایت مضبوط و مستحکم تھا۔ نیزک جب اس میں داخل ہوتا تو تعظیماً اس کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ یزید نے جب اس پر قبضہ کر لیا تو نیزک نے درخواست کی کہ اسے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل جانے کا موقع دیا جائے۔ یزید نے درخواست منظور کر لی اِس قلعہ میں قیمتی خزانے اور سامان کے ذخیرے تھے یہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔

آلِ مہلب کی معزولی

آلِ مہلب کے عظیم الشان کارناموں اور ان کے داد و دہش کی وجہ سے ان کا اثر و اقتدار روز بروز بڑھ رہا تھا۔ حجاج نے اس کو خطرے کی نظر سے دیکھا اور عبدالملک بن مروان سے کہا کہ یہ "خاندانِ زبیریہ" ہے۔ یزید کو خراسان جیسے ملک کی حکومت پر قبضہ رکھنا مصلحت نہیں ہے۔

مگر عبدالملک نے حجاج کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ جب حجاج نے یزید کی معزولی پر زیادہ زور دیا تو لکھا کہ یزید کو معزول کر کے اس کے بھائی مفضل کو خراسان کا حاکم مقرر کر دو۔

چنانچہ ۸۵ھ میں یزید ولایتِ خراسان سے معزول ہوا اور اس کا بھائی مفضل اس کا جانشین مقرر ہوا۔ یزید جب خراسان سے خوارزم کو فتح کرتا ہوا عراق لوٹا تو وہ جس شہر سے گزرتا تھا وہاں اس کے اعزاز میں راستہ میں پھولوں کا فرش بچھایا جاتا تھا[1]

مفضل نے اپنے زمانۂ حکومت میں بادغیس پر فوج کشی کی اور اسے فتح کیا۔ پھر اس نے اخرون اور شومان پر حملہ کیا۔ یہاں مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ مفضل بیت المال میں روپیہ جمع نہ کرتا تھا بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا اسے فوراً تقسیم کر دیا کرتا تھا۔

حجاج نے جب یزید کو معزول کر کے مفضل کو اس کا جانشین منتخب کیا تو یزید نے مفضل کو کہہ دیا تھا کہ حجاج نے میری مخالفت کے ڈر سے تمہیں میرا جانشین مقرر کیا ہے تم اپنا فرمانِ تقرر نقش بر آب سمجھو۔ یزید کی یہ رائے بالکل درست نکلی۔ ابھی مفضل کو حکومت کی مسند پر فائز ہوئے نو مہینے ہی گزرے تھے کہ اس کی معزولی کا فرمان آ گیا اور قتیبہ بن مسلم باہلی اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صد ۱۹۳

جلیل القدر فاتح کے کارنامے آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

افریقی فتوحات

یزید کے عہد کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ ۶۲ھ میں کسیلہ بن مکرم بربری نے عقبہ بن نافع کو شکست دیکر تمام شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ قیروان کی اسلامی نوآبادی بھی اس کے رحم و کرم پر تھی ۶۹ھ میں جب عبدالملک بن مروان کو ادھر توجہ کرنے کا موقع ملا تو اس نے زہیر بن قیس بلوی کو افریقہ کا والی مقرر کیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ قیروان پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔

زہیر بن قیس قیروان پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ کسیلہ قیروان چھوڑ کر ممش جا چکا ہے۔ زہیر نے تین دن شہر کے باہر آرام کیا۔ پھر کسیلہ کے دفتر میں روانہ ہو گئے۔ ممش کے قریب پہنچ کر مسلمانوں کا بربریوں سے مقابلہ ہوا کسیلہ کے ساتھ بربریوں کے علاوہ رومیوں کی بھی بہت بڑی جمعیت تھی۔ دونوں فوجوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ فریقین جان توڑ کر لڑے۔ آخر کامیابی نے مسلمانوں کے قدم چومے۔ کسیلہ اور اس کے ساتھ بڑے بڑے بربری اور رومی سردار میدانِ جنگ میں کام آئے۔

اس فتح کے بعد زہیر قیروان ہوتے ہوئے برقہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر رومیوں نے برقہ کو خالی پا کر جزیرہ صقلیہ سے بہت بڑی تعداد میں فوج لے کر برقہ پر حملہ کر دیا تھا۔ زہیر برقہ کے قریب پہنچے تو انہیں اس آفتِ ناگہانی کی خبر ہوئی۔ اگرچہ وہ جنگ کے ارادے سے نہ نکلے تھے لیکن اپنی مٹھی بھر جماعت کو لے کر مردانہ وار مقابلہ پر آ گئے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا۔ زہیر اور ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ رومیوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے قسطنطنیہ کا راستہ لیا۔

عبدالملک کو اس حادثہ کی خبر ہوئی تو اسے بڑا رنج ہوا مگر چونکہ وہ عبداللہ بن زبیر سے لڑائی میں مشغول تھا اس لئے کچھ نہ کر سکا۔

عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ۷۴ھ میں عبدالملک نے ایک عظیم الشان لشکر مرتب کیا اور حسان بن نعمان غسانی کو افریقہ کا والی بنا کر اُس کے لشکر کے ساتھ افریقہ روانہ کیا۔

حسان پہلے قیروان پہنچے اور وہاں سے تیاریوں کے بعد قرطاجنہ پر حملہ آور ہوئے۔ قرطاجنہ پر بادشاہ افریقہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ مسلمانوں کو اس سے مقابلہ کرنے کا ابھی تک اتفاق نہ ہوا تھا۔ مسلمان قرطاجنہ پہنچے تو وہاں رومیوں اور بربریوں کی بے شمار فوج کو مقابلہ کے لئے تیار پایا۔ فریقین میں خونریز جنگ ہوئی۔ آخر رومی اور بربری میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ سسلی کی طرف فرار ہو گئے اور کچھ نے اسپین کی راہ لی۔

حسان نے قرطاجنہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور برقہ پر رومیوں کی غارت گری کا پورا بدلہ لیا۔

حسان کو معلوم ہوا کہ کچھ رومی اور بربری "صطفورہ اور بنزرت" میں جمع ہو کر دوبارہ مقابلہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حسان نے فوراً اُن کو جا لیا اور شکست فاش دی۔ اس کے علاوہ حسان نے اور بھی جہاں کہیں رومیوں اور بربریوں کی طاقت پائی اُسے کچل دیا۔

حسان کی ان فتوحات سے مسلمانوں کا اٹھا ہوا اقتدار پھر افریقہ میں قائم ہو گیا۔ اب حسان کی فوج تھک گئی تھی۔ زخمیوں کی تعداد بھی کافی تھی اس لئے حسان قیروان لوٹ گئے۔

جب کچھ دن آرام کر کے فوج تازہ دم ہو گئی تو حسان نے معلوم کیا کہ افریقہ کے بادشاہوں میں سے کوئی طاقت ور بادشاہ تو باقی نہیں رہ گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ملکہ دامیہ جو کاہنہ کے نام سے مشہور ہے اور جبل اوراس میں حکمران ہے، اب افریقہ کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ کسیلہ کے قتل کے بعد تمام بربریوں نے اسی کو اپنا سردار تجویز کیا ہے۔ اگر اُسے قتل کر دیا گیا تو افریقہ میں امن وامان

ہو جائے گا۔

حسان مناسب جمعیت کے ساتھ کاہنہ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔ کاہنہ نے اس خیال سے کہ حسان قلعوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے باغایہ کے مضبوط قلعہ کو گرا دیا۔ لیکن حسان آگے بڑھتے چلے گئے اور نہر نینی پر ملکۂ کاہنہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز معرکہ کے بعد مسلمانوں نے شکست کھائی۔ کثیر تعداد مقتول ہوئی اور کچھ گرفتار ہوئے۔

اس شکست سے افریقہ کے اسلامی مقبوضات پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے اور حسان کو برقہ لوٹ آنا پڑا۔

عبدالملک اس زمانہ میں خوارج سے ہنگامہ آرا تھا اس لئے حسان کی مدد نہ کر سکا۔ ملکۂ کاہنہ پانچ سال تک افریقہ پر قابض رہی۔ مگر اس نے اہلِ افریقہ سے اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اس کے ظلم و ستم سے سب تنگ آ گئے۔

۷۴ھ میں جب حالات بہتر ہوئے عبدالملک نے کثیر تعداد میں فوج اور سامان حسان کے پاس بھیجا اور اُسے کاہنہ سے مقابلہ کرنے کے لئے افریقہ جانے کا حکم دیا۔

ملکۂ کاہنہ نے پہلی لڑائی میں جن لوگوں کو قید کر لیا تھا اُن میں ایک نوجوان خالد بن یزید قیسی بھی تھے۔ خالد بن یزید کو اُن کی بعض خوبیوں کی وجہ سے ملکۂ کاہنہ نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔

حسان نے فوج کشی سے پہلے ایک خط دریافتِ حالات کے لئے خفیہ طور پر خالد کے نام بھیجا۔ خالد نے جواب دیا کہ اس وقت بربری منتشر ہو چکے ہیں حملہ کے لئے اچھا موقع ہے۔ کاہنہ کو کسی طرح اس پیام و سلام کی خبر ہو گئی اس نے اس خیال سے کہ مسلمان "سیم و زر" اور مال و دولت کے لالچ میں بار بار افریقہ پر حملہ کرتے ہیں۔ افریقہ کے سب قلعوں کو برباد اور تمام ملک کو ویران کر دیا۔

ملکہ کی اس حرکت سے اُس کی تمام رعایا اُس کے خلاف ہو گئی۔ جب حسان

اپنی فوج لے کر افریقہ میں داخل ہوا تو بربریوں نے اُس کا خیر مقدم کیا اور ملکہ کے مقابلہ میں اس کا ساتھ دیا۔ حسان جب قابس، قفصہ، قسطیلیہ اور نفزادہ پر قبضہ کرتا ہوا دارالحکومت کے قریب پہنچا تو ملکہ کو اپنی شکست کا یقین ہو گیا اُس نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم خالد کے ساتھ اسلامی فوج کے سپہ سالار کے پاس جا کر اپنی جان بخشی کرا لو میں اب زندہ نہ بچ سکوں گی۔ چنانچہ اس کے دونوں بیٹوں نے اپنی جان بخشی کرالی اور حسان کے پاس ہی رہ گئے۔

آخر ملکہ کاہنہ اور حسان کی فوجوں میں سخت مقابلہ ہوا، مسلمان کامیاب ہوئے اور ملکہ کاہنہ گرفتار ہو کر قتل ہوئی۔

اس شکست کے بعد مسلمان پھر تمام افریقہ پر قابض ہو گئے اور اس سرزمین میں کوئی اُن کا حریف نہ رہا۔ حسان نے امن عام کا اعلان کر دیا۔ بارہ ہزار بربری بھی اسلامی فوج میں بھرتی ہوئے اور اُن کا سردار کاہنہ کے ان دونوں بیٹوں کو بنایا گیا۔

حسان اب قیروان سے واپس آ گئے اور عبدالملک کی موت تک وہیں مقیم رہے۔ اس دوران میں انہوں نے اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ کی اور بربریوں کی بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔[1]

شمالی فتوحات افریقہ کے میدانوں کے علاوہ شام کے ساحلی شہروں میں بھی مسلمانوں کی رومیوں سے معرکہ آرائیاں ہوئیں۔

۷۰ھ میں جب عبدالملک مصعب بن زبیر کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہا تھا، رومیوں نے یکایک شام کے ساحلی شہروں پر حملہ کر دیا۔ عبدالملک نے مصلحتِ وقت دیکھ کر رومیوں سے ایک ہزار دینار فی ہفتہ پر صلح کر لی۔ لیکن جیسے ہی اسے اندرونی شورشوں سے نجات ملی اس نے "شواتی" اور "صوائف" کی دوبارہ تنظیم کی اور بلادِ روم

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳ ملخصاً

پر فوج کشی شروع کر دی۔ پہلے قیساریہ میں عبدالملک نے رومیوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کر لی۔ پھر ۸۱ھ میں عبید اللہ ابن عبداللہ بن عبدالملک نے قالقیلا کو فتح کیا۔ پھر ۸۴ھ میں عبید اللہ نے مصیصہ کو فتح کیا۔ مصیصہ کی فتح کے بعد وہاں پہلی مرتبہ مسلمانوں کو آباد کیا گیا اور ایک قلعہ تعمیر کر کے تین سو سپاہیوں کو اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔

ولی عہدی مروان نے اپنے بعد ترتیب وار عبدالملک اور عبدالعزیز بن مروان کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ ۸۵ھ میں عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو جو اس زمانے میں مصر کے والی تھے معزول کر کے اپنے بیٹے ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ عبدالملک نے اس معاملہ میں قبیصہ بن ذویب سے جو اس کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا، مشورہ کیا تو اُس نے توقف کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن روح بن زنباع جذامی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ یہ کام بآسانی ہو سکتا ہے۔

ابھی عبدالملک عبدالعزیز کی تدبیریں ہی سوچ رہا تھا کہ عبدالعزیز کی موت کی خبر آ گئی۔

اب عبدالملک نے ترتیب وار اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو ولیعہد مقرر کیا اور حکام کو ان کی بیعت کرنے کے لئے لکھا۔

سب نے بیعت کر لی البتہ فقیہ مدینہ اور مشہور تابعی حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا:۔

"میں ایک خلیفہ کی زندگی میں دوسرے کی بیعت نہیں کر سکتا"

والئ مدینہ ہشام بن اسمٰعیل نے حضرت سعید بن مسیب کو مجبور کیا اور جب وہ نہ مانے تو انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور شہر میں تشہیر کرا کے قید کر دیا۔

عبدالملک کو خبر پہنچی تو اُس نے ہشام پر ملامت کی اور لکھا:۔

"سعید کا دل ہماری طرف سے صاف ہے مار پیٹ کی بجائے اُن کے ساتھ اپنائیت اور محبت کا سلوک کرنا چاہیئے"

وفات عبدالملک

وسط شوال ۸۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے دمشق میں انتقال کیا۔ جب اس کا وقت قریب آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں کو حسب ذیل وصیت کی :۔

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بہترین زیور اور سب سے محفوظ جائے پناہ ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں پر مہربانی کرنی چاہیئے اور چھوٹوں کو بڑوں کا حق پہچاننا چاہیئے۔ مسلمہ کا خیال رکھنا اور اُس کی رائے پر عمل کرنا کیونکہ وہ تمہارا قوتِ بازو ہے۔ حجاج کا احترام کرنا کہ اُس نے تمہارے لئے حکومت کا میدان صاف کر دیا ہے۔ ایک ماں کے نیک بیٹے بنے رہنا اور آپس میں محبت سے رہنا۔ شریفوں کی طرح لڑائی سے منہ نہ پھیرنا۔ کیونکہ موت اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔ نیکی کا منادبنا کیونکہ اس کا ثواب اور اُس کی یاد باقی رہتی ہے۔ بھلائی شریفوں ہی کے ساتھ کرنا۔ وہی اسے یاد رکھتے ہیں اور اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ خطا کاروں کی خطاؤں کو نگاہ میں رکھنا۔ اگر وہ معافی چاہیں تو معاف کر دینا اور اگر خطا پر اصرار کریں تو بدلہ لینا۔"

وفات کے وقت اُس کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ کُل مدتِ خلافت ۲۱ سال ڈیڑھ ماہ اور ابنِ زبیر کی شہادت کے بعد سے ۱۳ سال چار مہینے ہوئی۔ دمشق میں باب جابیہ کے باہر دفن کیا گیا۔

تدفین کے وقت اس کے بیٹے ہشام نے یہ شعر پڑھا ؎

فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنّہ بنیان قوم تھدّما

(قیس کا مرنا کسی ایک شخص کا مرنا نہیں ہے بلکہ یہ پوری قوم کی بنیاد کا گر جانا ہے۔)

ولید نے کہا لغو گفتگو نہ کرو بلکہ اوس بن حجر کا یہ شعر پڑھو ؎

اذا مقدم منا ذری حد نابہ تخمط منا ناب آخر مقدم

"جب ہمارے کسی سردار کے دانت کی تیزی کند ہو جاتی ہے تو دوسرے سردار کے دانت تیز ہو جاتے ہیں"۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کی زندگی کا اس قسم کے گرم جذبات سے ہی پتہ چلتا ہے۔

خاندانِ عبدالملک

عبدالملک نے آٹھ بیبیوں سے نکاح کئے۔ اُن کے نام مع اُن کی اولاد کی تفصیل کے درجِ ذیل ہیں :۔

(۱) ولادہ بنت عباس :۔ اس کے بطن سے ولید، سلیمان اور مروان اکبر پیدا ہوئے۔

(۲) عاتکہ بنت یزید بن معاویہ :۔ اس کے بطن سے یزید، مروان اصغر، معاویہ اور اُمّ کلثوم پیدا ہوئے۔

(۳) اُمّ ہشام بنت ہشام مخزومی :۔ اس سے ہشام پیدا ہوا۔

(۴) عائشہ بنتِ موسیٰ تیمی :۔ اس سے ابوبکر بکار پیدا ہوا۔

(۵) اُمّ ایوب بنت عمرو بن عثمانؓ :۔ اس سے حکم پیدا ہوا۔

(۶) اُمّ مغیرہ بنتِ مغیرہ بن خالد مخزومی :۔ اس سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

(۷) شقراء بنت مسلمہ طائی

(۸) اُمّ ابیہا بنتِ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

بیبیوں کے علاوہ امہاتِ اولاد سے چند بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں :۔

عبداللہ، مسلمہ، منذر، عنبسہ، محمد، سعید، خیر اور حجاج ❖

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صد ۱۹۹۔

سیرتِ عبدالملک

عبدالملک بن مروان، علم و فضل، فہم و تدبر، ہمت و جرأت اور شجاعت و بسالت کے اوصاف سے متصف تھا۔

سنہ ۶۵ھ میں جب وہ تختِ شام پر متمکن ہوا ہے عالمِ اسلامی پر اضطراب و اختلاف کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ مگر سنہ ۸۶ھ میں جب وہ دُنیا سے رخصت ہوا۔ امن و امان کے سُورج کی کرنیں حکومتِ اسلامیہ کے چپہ چپہ کو منور کر رہی تھیں۔

اس کے علم و فضل کے متعلق ابوالزناد اور شعبی کی رائیں پہلے بیان کی جا چکی ہیں اس کی جرأت و شجاعت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے:-

سنہ ۶۶ھ میں جب وہ مختار ثقفی کے جنگ کرنے کے لئے جا رہا تھا اُسے ایک رات متواتر چار حوصلہ شکن خبریں ملیں۔ پہلے کسی قاصد نے اطلاع دی کہ عبیداللہ بن زیاد مختار کے مقابلہ میں مارا گیا۔ پھر خبر آئی کہ اُس کا ایک نامور افسر عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ میں کام آیا اور مصعب بن زبیر اپنی فوجیں لے کر سرزمینِ فلسطین میں داخل ہو گئے۔ پھر کوئی مخبر خبر لایا کہ شہنشاہِ روم کا لشکر سرحدِ شام کے شہر مصیصہ میں داخل ہو چکا ہے۔ پھر کسی نے یہ مژدہ سنایا کہ دمشق کے بدمعاشوں نے شہر میں غدر مچا دیا۔ اور اعراب نے حمص اور بعلبک میں لوٹ مار شروع کر دی ہے"

مسعودی کا بیان ہے کہ عبدالملک ان خبروں کو سُن کر ذرا پریشان نہ ہوا بلکہ اُس رات وہ زیادہ خوش اور بشاش نظر آیا[1]

اس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سنہ ۷۱ھ میں جب اُس نے مصعب بن زبیر کے مقابلہ میں عراق جانے کا ارادہ کیا تو

---

[1] مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۱۳

اُس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا۔

بعض مشیروں نے کہا بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر جیسی با اثر طاقت سے نہ ٹکراؤ۔ تم اپنے مقبوضہ صوبوں پر قناعت کرو۔ اور عبداللہ بن زبیر کے لئے اُن کے مقبوضہ علاقے چھوڑ دو۔ لیکن عبدالملک نے حقارت کے ساتھ اس رائے کو ٹھکرا دیا۔ پھر بعض خیر خواہوں نے عرض کیا اگر جنگ کرنا ہی ہے تو کسی سپہ سالار کو بھیج دیا جائے اور امیر المؤمنین دارالحکومت میں رہ کر اس کی امداد کرتے رہیں۔ عبدالملک نے اس رائے کو بھی قبول نہ کیا اور کہا۔

"مصعب جیسے بہادر شخص کے مقابلہ کے لئے مجھ جیسے آزمودہ کار جنگجو کا میدان میں جانا ضروری ہے"

آخر کار جب وہ اس خطرناک مہم پر روانہ ہونے لگا تو اُس کی بیوی عاتکہ بنتِ یزید بے اختیار رونے لگی۔ اس کو روتے دیکھ کر اُس کی سہیلیاں بھی رونے لگیں۔ عبدالملک نے کثیر عزہ کے دو شعر پڑھے اور بلا پس و پیش میدانِ جنگ کو روانہ ہو گیا اور آخر کار کامیاب و بامراد واپس آیا۔[1]

تاریخ اس پر یہ نکتہ چینی کرتی ہے کہ اُس نے اپنے مخالفوں کے مقابلہ میں سخت گیری اور عہد شکنی کو روا رکھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کو امیر عراقین مقرر کیا جس نے ہزارہا انسانوں کو خاک و خون میں تڑپایا اور عمرو ابنِ سعید کو امان دے کر دھوکہ سے قتل کر دیا۔

مگر اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عبدالملک ایک سلطان تھا خلیفہ راشد نہ تھا۔ سلطنت کی قبا کا گناہ گاروں اور بے گناہوں کے خون سے رنگین ہونا ایک معمولی بات ہے۔ پھر عبدالملک کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ، وہ لوگ تھے جنہیں اپنی اغراضِ ذاتی کی تکمیل کے لئے اسلام کی مرکزیت کو پارہ پارہ کرنے میں کبھی باک نہ

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۵

ہُوا اور بادشاہوں کے تاج و تخت سے کھیلنا اُن کا مفید مشغلہ رہا۔ چنانچہ وہ خود کہا کرتے تھے کہ

"ہر زمانہ کے حکّام کا رویہ اُس زمانہ کی رعایا کے طرزِ عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ مجھے جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے اگر حضرت عمرؓ کو اُن سے واسطہ پڑتا تو وہ بھی یہی طرزِ عمل اختیار کرتے"۔

بہرکیف عبدالملک کا یہ بہت بڑا احسان ہے خواہ اُس کا اپنا مقصد یہ ہو یا نہ ہو کہ اس نے پھر ایک ایسی مضبوط اسلامی عربی حکومت کی بنیادیں استوار کر دیں۔ جو دشمنانِ اسلام کی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کی راہ میں حصار بن کر کھڑی ہو گئی اور جس کے زیرِ سایہ مدّت دراز تک اعلائے کلمۂ اسلام، علوم اسلامیہ کی اشاعت اور تمدّن اسلامی کی حفاظت و ترویج کی خدمات انجام دی جاتی رہیں۔

فتوحاتِ اسلامیہ کے علاوہ جن کا ذکر ہو چکا ہے خاص عبدالملک کے عہد میں جو دینی و تمدّنی کام انجام پائے۔ ان میں سے بعض قابلِ ذکر ہیں۔

تعمیرِ کعبہ بناءِ ابراہیمی کے ۲۶۷۵ سال بعد نبوّتِ محمدیہ سے پانچ سال قبل قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے اُسے دوبارہ تعمیر کیا تھا۔ اس تعمیر کے وقت سرمایہ کی کمی کی وجہ سے حجرِ اسماعیل کی طرف بنیادِ ابراہیمی سے چند ہاتھ چھوڑ کر دیوار اُٹھائی گئی۔ نیز دروازہ بھی قدِ آدم اونچا رکھا گیا تاکہ قریش کی بغیر اجازت اس میں کوئی داخل نہ ہو سکے۔

سنہ ۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلہ کے لئے حصین بن نمیر کو بھیجا تو اُس نے خانہ کعبہ پر سنگباری کرائی۔ اس سنگباری سے خانہ کعبہ کی دیواریں جُھک گئیں۔ نیز آگ لگ جانے کی وجہ سے غلافِ کعبہ اور عمارتِ کعبہ کا چوبی حصّہ بھی جل گیا۔

یزید کی موت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن زبیر کا حجاز میں پورا تسلط ہو گیا تو آپ نے ایرانی، مصری اور رومی کاریگروں کو بُلا کر خانہ کعبہ کو منہدم

کر کے دوبارہ اس کی تعمیر شروع کرائی۔ آپ کو اپنی خالہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی تھی کہ اگر قریش جدید الاسلام نہ ہوتے تو میں کعبہ کو بنیادِ ابراہیمی پر لے آتا اور حجرِ اسماعیل (کعبہ کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس میں داخل کر دیتا۔"

لہٰذا تعمیرِ جدید میں کعبہ کا چھوٹا ہوا حصہ بھی داخل کر لیا۔ اس کے علاوہ آپ نے زمین سے ملا کر آمنے سامنے دو دروازے قائم فرمائے۔ تاکہ زائرین ایک طرف سے آئیں اور دوسری طرف سے نکل جائیں اور عمارت کی بلندی میں بھی نو ہاتھ کا اضافہ کر دیا۔

۷۳ھ میں جب حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو گئے اور حجاج بن یوسف حجاز کا والی مقرر ہوا تو اس نے حجرِ اسماعیل کو پھر خانہ کعبہ سے خارج کر دیا۔ دروازہ جدیدہ کو تیغہ لگا کر بند کر دیا اور دروازہ قدیمہ کو اونچا کر دیا۔ یوں خانہ کعبہ پھر بناءِ قریش کے مطابق ہو گیا۔

خانہ کعبہ کی موجودہ عمارت وہی ہے۔ تینوں طرف بناءِ عبداللہ بن زبیر ہے اور شمالی جانب تعمیر حجاج بن یوسف ثقفی۔

اِسلامی دِینار کا اجراء

اسلام سے پہلے عرب میں ایرانی درہم اور رومی دینار چلتے تھے۔ ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ نے درہم ڈھلوائے۔ یہ درہم ایرانی درہم کے نمونے پر ڈھالے گئے لیکن اُن کا نقش اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ قرار دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اپنے عہد میں درہم ڈھلوائے۔ ۷۶ھ میں عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید بن معاویہ کے مشورہ سے دینار بھی ڈھلوائے۔

بات یہ ہوئی کہ عبدالملک کے پاس قیصرِ روم کے نام جو خطوط جاتے تھے اُن کی پیشانی پر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

کا ذکر ہوتا تھا۔ قیصرِ روم نے عبدالملک کو لکھا کہ یہ ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا ہے جسے میں نہیں پسند کرتا۔ اگر اسے بند نہ کیا گیا تو میں اپنے ہاں کے دیناروں پہ تمہارے نبی کی شان میں غیر مناسب الفاظ کندہ کرا کر بھیجوں گا۔

قیصرِ روم کی اس دھمکی کا جواب عبدالملک نے اس طرح دیا کہ رومی دیناروں کا داخلہ ممالکِ اسلامیہ میں بند کر دیا اور اسلامی دینار جاری کئے۔

حجاج بن یوسف کی نگرانی میں عراق میں اسلامی ٹکسال قائم کی گئی اور دوسروں کو سکہ ڈھالنے کی ممانعت کر دی گئی۔ چنانچہ سمیر نام ایک یہودی نے سکہ ڈھالا تو اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ سمیر نے دراہم و دنانیر کا وزن کرنے کے لئے کانٹا ایجاد کیا تاکہ اس کارگزاری پر حجاج کے عتاب سے بچ جائے مگر حجاج نے اُسے قتل کرا دیا۔

عبدالملک کی ٹکسال سے جو سکہ جاری ہوا اُس میں ایک رُخ پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور دوسرے رُخ پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نقش ہوتا تھا۔ دونوں رُخ حاشیہ پر ایک حلقہ بنا ہوتا تھا۔ ایک حلقہ میں تاریخ اور مقام درج ہوتا تھا اور دوسرے میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لکھا ہوتا تھا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ و تاریخ الامم الاسلامیہ ج ۲ صفحہ ۳۴

ولید اوّل بن عبدالملک

۸۶ھ تا ۹۶ھ

ولید عبدالملک بن مروان کا بڑا بیٹا تھا جو ولادہ بنت عباس بن جزء عبسی کے بطن سے ۵۰ھ میں پیدا ہوا۔ آغوشِ ناز و نعمت میں پلا بڑھا۔ اس لئے علم و فضل سے بے بہرہ رہا۔ مگر آئینِ جہانبانی اور اصولِ حکمرانی سے پورے طور پر واقف تھا مزاج میں سختی تھی۔

باپ کے دفن سے فارغ ہو کر سیدھا مسجد میں پہنچا اور خطبہ دیا۔ پہلے عبدالملک کی خوبیاں بیان کیں پھر کہا۔

"لوگو! تمہارے لئے حکومت کی اطاعت اور جماعت کے ساتھ اتحاد ضروری ہے۔ جو شخص جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ شیطان کا بھائی ہے۔ لوگو! جو شخص مخالفت کا اظہار کرے گا اُس کا سر توڑ دیا جائے گا" اور جو اُسے چھپائے گا وہ اسی مرض میں ہلاک ہو جائے گا"

ولید کا عہد دولتِ بنی اُمیہ کی پیشانی کا نُور ہے۔ عبدالملک حکومت کے راستہ کے تمام کانٹے صاف کر چکا تھا۔ خوارج کا فتنہ دب چکا تھا شیعہ اہلبیت کے جذبات سرد ہو چکے تھے۔ بنو اُمیہ کی رقیب طاقتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھیں اس لئے ولید کو اطمینان کے ساتھ داخلی انتظامات اور خارجی اقدامات کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ مِلا۔

خوش قسمتی سے اسے محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور مسلمہ ابن عبدالملک جیسے عظیم الشان فاتحین ہاتھ آ گئے جنہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے یورپ اور ایشیا کے میدانوں کو روند ڈالا۔

ان چاروں سپہ سالاروں کی فتوحات کی تفصیلات علیحدہ علیحدہ درج کی جاتی ہیں۔

فتوحات

محمد بن قاسم

ایران کی ساسانی حکومت اور سندھ کی بدھ حکومت میں جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں دوستانہ تعلقات تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں تو سندھی فوجیں بھی ایرانی فوجوں کے دوش بدوش مسلمانوں سے لڑیں۔ ساسانی حکومت کے خاتمہ کے بعد بہت سے ایرانی سرداروں نے سندھ میں بود و باش اختیار کی اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ ان کے علاوہ بعض عربی سردار بھی حکومتِ وقت سے باغی ہو کر سندھ میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔

ان وجوہ سے کرمان و مکران پر قابض ہونے کے بعد سے مسلمانوں اور سندھیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اندرونِ ملک میں گھس کر مسلمانوں کو سندھ پر قبضہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو ایک بیوہ مسلمان عورت کی مظلومانہ فریاد نے اِدھر متوجہ کیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ جزیرہ سراندیپ میں کچھ عربوں کا جو بغرض تجارت وہاں ٹھہرے ہوئے تھے انتقال ہو گیا۔ راجہ سراندیپ ایک نیک دل اور صلح پسند شخص تھا اور مسلمانوں سے تعلقات پیدا کرنے کا خواہاں تھا۔ اس نے حجاج

اور ولید بن عبدالملک کو خوش کرنے کے لئے ان عرب تاجروں کے اہل وعیال کو ایک جہاز میں سوار کرا کر عراق روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے قیمتی تحفے بھی ولید کے دربار میں پیش کرنے کے لئے روانہ کئے۔

جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو سندھ کے راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز پر حملہ کر کے تمام مال و متاع لوٹ لیا اور عرب عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ عرب عورتیں اور بچے جب اس طوفانِ بلا میں گھر سے تو ایک عورت کی زبان سے بے اختیار یہ فریاد نکلی :-

"اے حجاج ! ہماری مدد کر !"

حجاج کو جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی اور اس مظلوم عورت کی فریاد سنائی گئی تو اُس نے کہا۔

"میں ابھی مدد کو پہنچتا ہوں"

حجاج نے پہلے مصالحت سے کام نکالنا چاہا۔ داہر کو لکھا کہ آپ کے آدمیوں نے ہماری عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا ہے انہیں واپس کرا دو۔ مگر داہر شرّی آدمی تھا اُس نے جواب دیا۔ یہ سمندری قزّاقوں کا کام ہے میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔

اب فوج کشی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ حجاج نے عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سرحدِ سندھ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ عبداللہ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ دوسری بار حجّاج نے بدیل بن طہفہ بجلی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ بدیل میدانِ کارزار میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے۔

تیسری بار حجاج نے اپنے نوجوان بھائی محمد بن قاسم کو سرحدِ سندھ کا والی مقرر کیا اور چھ ہزار شامی فوج دے کر سندھ کی مہم پر مامور کیا۔

محمد بن قاسم پہلے مکران آیا اور ضروری انتظامات کے لئے وہاں کچھ دن ٹھہرا۔ قنزپور و پنجگور کی طرف بڑھا اور اُسے فتح کیا۔ پھر اسا بیل (ارمن بیلہ) کو

فتح کیا۔ پھر مضافات دیبل میں آکر مقیم ہُوا۔ محمد بن قاسم نے اپنے ہتھیار اور سامانِ رسد (جس میں سُوئی تاگہ تک موجود تھا) سمندر کے راستے روانہ کر دیئے تھے جس دن وہ پہنچا اُسی دن یہ اشیاء بھی پہنچ گئیں۔

فتح دیبل

محمد بن قاسم نے دیبل پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اپنی فوج کے آگے خندق کھودی اور بہادرانِ اسلام کی صفیں ترتیب کے ساتھ قائم کر دیں منجنیقیں بھی مناسب مقامات پر نصب کر دی گئیں۔ ان میں وہ عظیم الشان منجنیق بھی تھی جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے اور "عروس" کے نام سے مشہور تھی۔ مسلمان عرصہ تک دیبل کا محاصرہ کیئے پڑے رہے مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

دیبل ایک تیرتھ گاہ تھا۔ وسطِ شہر میں ایک بہت بڑے مندر میں بدھ کا بُت تھا۔ مندر کی شاندار عمارت پر ایک بہت اُونچا مینار بنا ہُوا تھا۔ مینار کے بُرج پر ایک بہت بڑا سُرخ جھنڈا نصب تھا۔ جب ہوا چلتی یہ جھنڈا سارے شہر پر لہراتا۔ ایک دن مسلمانوں نے تاک کر منجنیق سے نشانہ لگایا تو مندر کے مینار کی بُرجی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور وہ مقدّس سُرخ جھنڈا زمین پر آ رہا۔ اہلِ شہر نے اسے بدشگونی سمجھا اور اُن کی ہمتیں پست ہو گئیں۔

مُسلمانوں نے جوش و خروش کے ساتھ شہر پر حملہ کر دیا۔ کچھ نوجوان رسیّوں کی کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے اور شہر کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ راجہ داہر کا حاکم بھی موقع دیکھ کر بھاگ گیا۔

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ کفرستانِ ہند میں خدائے واحد کی یہ پہلی عبادت گاہ تھی۔

دیبل سے محمد بن قاسم بیرون کی طرف بڑھا۔ حاکمِ بیرون نے اپنے سفیر بھیج کر حجاج سے پہلے ہی مصالحت کر لی تھی۔ بیرون میں محمد بن قاسم مصالحانہ داخل ہُوا اور وہاں اس کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔

محمد بن قاسم آگے بڑھا اور شہر پر شہر فتح کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دریائے سندھ کے اس پار ایک دریا کو عبور کر کے سربیدس (شہری ویدس) پر حملہ آور ہوا۔ سربیدس کے راجہ نے خراج پر صلح کر لی۔ یہاں سے محمد بن قاسم سہبان کی طرف چلا اور اسے فتح کیا۔

اب محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کی طرف پیش قدمی کی۔ راستہ میں ایک دستہ سدوستان (سہسوان) کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ اہل سدوستان نے امان مانگی اور خراج پر صلح کر لی۔ دریائے سندھ پر پہنچ کر محمد بن قاسم نے دریا پر پل باندھا اور دریا کو پار کر کے راجہ راسل کی حدودِ سلطنت میں داخل ہوا۔

راجہ داہر دریائے سندھ کے کنارے، سندھ کے دوسرے راجاؤں کے ساتھ عظیم الشان لشکر لئے پڑا تھا۔ دریائے سندھ کو پار کرتے ہی محمد بن قاسم کا اپنے اصلی حریف سے مقابلہ ہوا۔ سندھی فوج کے آگے ہاتھی صف باندھے کھڑے تھے۔ خود راجہ داہر بھی درمیان میں ایک سفید ہاتھی پر سوار فوج کی کمان کر رہا تھا۔ دونوں فوجوں میں خونریز لڑائی ہوئی۔ آخر فتح کا سہرا محمد بن قاسم کے سر بندھا اور راجہ داہر میدانِ جنگ میں مقتول ہوا۔

راجہ داہر کا قاتل اس کارنامہ پر ان الفاظ میں اظہارِ فخر کرتا ہے ؎

الخیل تشھد یوم داھر والقنا	ومحمد بن القاسم بن محمد
انی فرجت الجمع غیر معرد	حتی علوت عظیمھم بمھند
فترکتہ تحت العجاج مجندلا	متعفر الخدین غیر موسد

"داہر سے لڑائی کے دن گھوڑے، نیزے اور محمد بن قاسم بن محمد اس امر کے گواہ تھے کہ میں بغیر پیچھے ہٹے میدان کو صاف کرتا ہوا بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اسے اس وقت چھوڑا جب وہ غبار کی چادر میں لیٹا پچھڑا تھا۔ اس کے دونوں رخسار خاک آلودہ تھے اور اس کے سرہانے کوئی تکیہ بھی نہ تھا۔"

داہر کے قتل کے بعد محمد بن قاسم کا سندھ کے شہروں پر قبضہ ہوتا چلا گیا پہلے وہ راور پہنچا۔ یہاں داہر کی ایک بہادر رانی مسلمانوں سے انتقام لینے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ محمد بن قاسم نے پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور سنگباری شروع کر دی۔ رانی کو جب شکست کا یقین ہو گیا تو وہ اپنی سہیلیوں اور باندیوں کے ساتھ ستی ہو گئی قلعہ کا قیمتی سامان بھی اس نے چتا کی آگ میں جلا دیا۔

یہاں سے محمد بن قاسم نے برہمنا بانو (برہمن آباد) کا قصد کیا۔

برہمن آباد میں داہر کی باقی ماندہ فوج داہر کے بیٹے جے سنگھ کی زیر ہدایت لڑائیوں کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ محمد بن قاسم نے اسے بزور شمشیر فتح کیا اور وہاں اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر دیا۔ جے سنگھ کسی طرف نکل گیا۔

برہمن آباد سے محمد بن قاسم رور اور بغرور کے ارادے سے نکلا۔ راستہ میں اہل سادندری ملے اور صلح کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے دعوت کھلانے کی شرط پر صلح کر لی۔ اہلِ سادندری نے مسلمانوں کی دعوت کی اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔

محمد بن قاسم بسمد پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے بھی اہلِ سادندری کی طرح صلح کر لی۔ آخر محمد بن قاسم رور پہنچا۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر واقع تھا یہاں مسلمان کئی مہینے تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ اہلِ شہر جب محاصرہ سے تنگ آ گئے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ ہم اس شرط پر صلح کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ہمیں امان دی جائے اور ہمارے بت خانہ کو مسمار نہ کیا جائے۔ محمد بن قاسم نے اس شرط کو قبول کر لیا اور مندر کو کنیسہ اور آتش کدہ کے حکم میں شمار کیا۔ محمد بن قاسم نے رور میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی۔

فتح ملتان

یہاں سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم نے سکہ کو فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ راجہ ملتان نے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور شہر بند ہو بیٹھا۔ مسلمان بہت عرصہ تک شہر کا

محاصرہ کئے رہے۔ آخر ایک ملتانی کے مشورہ سے انہوں نے وہ نہر بند کر دی جن سے اہلِ ملتان سیراب ہوتے تھے۔ مجبور ہو کر راجہ ملتان نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہوئے۔

ملتان بھی بدھ مت کی بہت بڑی تیرتھ گاہ تھی۔ یہاں کے مندر کی یاترا کے لئے دُور دُور سے یاتری آتے تھے اور بدھ کے بت پر بیش قرار چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ یہ سب دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ صرف سونے کی مقدار اتنی تھی کہ ایک مکان میں جو دس گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا تھا اُسے جمع کیا گیا تو وہ بھر گیا۔ اسی لئے عربوں میں ملتان "سونے کی کان" سے مشہور ہو گیا۔ حجاج نے حساب لگایا تو فتوحاتِ سندھ پر ساٹھ لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے اور صرف مالِ غنیمت کی آمدنی ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ہوتی تھی۔ اس نے کہا۔

"اس مہم میں ساٹھ لاکھ درہم کا فائدہ رہا اور ہم نے اپنا انتقام الگ لے لیا۔"

محمد بن قاسم ملتان ہی میں مقیم تھا کہ حجاج بن یوسف کی وفات کی خبر پہنچی۔ محمد بن قاسم رور اور بغرور کی طرف لوٹا جنہیں وہ فتح کر چکا تھا۔ یہاں سے اُس نے ایک لشکر سلیمان کی طرف بھیجا۔ اہلِ سلیمان نے اطاعت قبول کی۔ پھر اُس نے سرست کی طرف توجہ کی۔ یہاں کے باشندوں نے بھی اطاعت قبول کی۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا۔ یہاں کے راجہ دوہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور قتل ہوا۔

ان عظیم الشان فتوحات کے بعد جنہوں نے اسلام کی روشنی سے سندھ کے بیابانوں کو جگمگا دیا، ولید بن عبدالملک کا انتقال ہو گیا۔[1]

بقیہ واقعات سلیمان بن عبدالملک کے عہد کے حالات میں بیان ہوں گے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶ و فتوح البلدان صفحہ ۴۴۱

قتیبہ بن مسلم | ۸۶ھ میں حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم کو مفضل ابن مہلب کی جگہ خراسان کا والی مقرر کیا تھا۔ قتیبہ نے خراسان پہنچتے ہی جہاد کی اہمیت اور فضیلت پر ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ بہت سے راہِ خدا میں جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ قتیبہ ان مجاہدین کو ساتھ لے کر ترکستان کے فتنہ انگیز اور باغی سرداروں پر فوج کشی کے ارادے سے روانہ ہُوا۔ قتیبہ طالقان پہنچا تو بلخ کے سردار بھی اس سے آ ملے۔ جب قتیبہ نے دریائے جیحون کے پار قدم رکھا تو صغانیان کے بادشاہ نے تحائف و ہدایا کے ساتھ استقبال کیا اور سونے کی کُنجی اُس کی خدمت میں پیش کر کے اپنے ملک میں آنے کی دعوت دی۔ قتیبہ نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔

شاہِ صغانیان نے اپنے علاقہ کو قتیبہ ہی کی نگرانی میں دے دیا۔ کیونکہ اس کا پڑوسی شاہِ آخرون وشومان اس کو بہت پریشان کرتا تھا۔

یہاں سے قتیبہ نے آخرون اور شومان (طخارستان) کا قصد کیا۔ شاہِ آخرون وشومان کو جب اپنے حریف شاہ صغانیان کی اطاعت کا حال معلوم ہُوا تو اس نے بھی فدیہ پیش کر کے صُلح کر لی۔

اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور اپنے بھائی صالح کو مفتوحہ علاقہ کی نگرانی اور لشکر کی سالاری کے لئے چھوڑ آیا۔ صالح نے نصر بن سیار کی مدد سے کاشان اور فرغانہ کے شہر ادرشت بیغمر اور اخشیکت فتح کئے۔

۸۷ھ میں قتیبہ کے پاس نیزک (ایک تورانی امیر) آیا اور صلح کی درخواست کی۔ صورت یہ ہوئی کہ نیزک کے پاس کچھ مسلمان قید تھے۔ قتیبہ نے انہیں رہا کرنے کے لئے لکھا اور اُسے دھمکی دی۔ نیزک نے انہیں رہا کر دیا۔ قتیبہ نے اُسے لکھا اب اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو ہمارے پاس چلے آؤ ورنہ ہم تمہیں گرفتار کر لیں گے۔ نیزک نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ چنانچہ قتیبہ نے اس سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ بادغیس پر حملہ نہ کرے گا۔

اسی سال قتیبہ نے دریائے جیحون کو عبور کیا اور بخارا کے شہر بیکند پر جو جیحون کے کنارے واقع تھا حملہ آور ہوا۔ اہلِ بیکند نے صغد اور قرب و جوار کی دوسری قوموں سے مدد مانگی۔ چنانچہ بہت بڑی جماعت اُن کی مدد کے لئے آپہنچی اور مسلمانوں کو گھیر کر اُن کے راستے بند کر دیئے۔ دو مہینے تک یہ کیفیت رہی کہ نہ قتیبہ کا کوئی قاصد اسلامی علاقہ میں جا سکا اور نہ وہاں کا کوئی پیغامبر قتیبہ کے پاس پہنچ سکا۔ حجاج بھی اس صورتِ حال سے بہت پریشان ہوا۔ اس نے قتیبہ کی کامیابی کے لئے مسجدوں میں دُعائیں کرائیں۔

آخر محصور مسلمانوں نے ایک دن جان توڑ حملہ کیا۔ کافروں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ شہر کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور انہیں بے دریغ قتل اور قید کر دیا۔ پھر بھی کچھ لوگ شہر میں داخل ہو گئے اور دروازے بند کر لئے۔ قتیبہ نے حکم دیا کہ فصیل کو توڑا جائے۔ اہلِ بیکند کو جب یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں تو انہوں نے صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اور اپنی طرف سے وہاں ایک عامل مقرر کر کے لوٹ آیا۔

ابھی قتیبہ پانچ فرسخ ہی گیا تھا کہ معلوم ہوا کہ اہلِ بیکند نے بغاوت کی اور اپنے عامل کو قتل کرا دیا۔ قتیبہ فوراً واپس لوٹ آیا اور فصیلِ شہر کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔ اہلِ بیکند نے پھر صُلح کی درخواست کی مگر قتیبہ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور زبردستی شہر میں داخل ہو کر دشمن کے جوانوں کو چُن چُن کر قتل کیا۔ ایک کانا شخص جس نے اہلِ شہر کو بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ گرفتار ہو کر قتیبہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے کہا میں اپنی جان کے فدیہ میں پانچ ہزار ریشمی تھان جن کی قیمت دس لاکھ درہم ہے پیش کرتا ہوں۔ مگر قتیبہ نے کہا اب کوئی مسلمان تیرے دھوکہ میں نہ آئے گا اور اُسے قتل کرا دیا۔

بیکند میں مسلمانوں کو اسلحہ، سونے چاندی کے برتن اور دوسرا مالِ غنیمت اس قدر کثرت سے ہاتھ آیا کہ خراسان میں بھی ہاتھ نہ آیا تھا۔ اس کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا۔

۸۸ھ کے موسمِ بہار میں قتیبہ پھر مناسب تیاریوں کے ساتھ مرو سے روانہ ہُوا۔ نہر جیحون کو پار کر کے نوشکت پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے صُلح کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ یہاں سے قتیبہ، اشنہ پہنچا۔ یہاں کے باشندوں نے بھی صلح کی درخواست کی۔ قتیبہ نے اُن کی درخواست بھی منظور کی۔ ان مہمات سے فارغ ہو کر قتیبہ نے مرو کا ارادہ کیا۔

ادھر ترک، صغد اور اہلِ فرغانہ نے دو لاکھ کی تعداد میں جمع ہو کر شاہِ چین کے بھانجے کور بغابوں کی سالاری میں قتیبہ کے لشکر کے پچھلے حصّے (ساقہ) پر حملہ کر دیا۔ قتیبہ اسلامی لشکر کے ساتھ آگے نکل چکا تھا۔ امیر ساقہ عبدالرحمٰن بن مسلم نے اپنے بھائی قتیبہ کو اس حملہ کی اطلاع دی اور خود اپنی مختصر جمعیت کے ساتھ بڑی بہادری سے دشمن کے لشکرِ عظیم کا مقابلہ کیا۔ قتیبہ بھی خبر ملتے ہی لوٹ پڑا۔ آخر مسلمانوں نے ترک، صغد اور اہلِ فرغانہ کے متحدہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔

اس لڑائی میں رئیس باذغیس، نیزک نے مسلمانوں کی بڑی جان نثاری کے ساتھ حمایت کی۔

قتیبہ ترمذ کے راستہ سے مرو لوٹ آیا۔

فتح بخارا

۸۹ھ میں قتیبہ نے پھر بخارا کے قصد سے دریائے جیحون کو عبور کیا۔ خرقانہ سفلی پہنچا تو دشمنوں کی بہت بڑی جماعت سے مقابلہ ہُوا۔ قتیبہ نے اُن کو شکست دی اور بخارا کے قریب پہنچ گیا۔ شاہِ بخارا اور وان فدا کو قتیبہ کے حملہ کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے پوری تیاری کے ساتھ مقابلہ کیا قتیبہ بخارا کو فتح نہ کر سکا اور مرو واپس لوٹ آیا۔

حجاج کو اس ناکامی کی اطلاع پہنچی تو اس نے قتیبہ کو لکھا تم نے وان فدا کے مقابلہ میں جو کمزوری دکھائی ہے اس کی اللہ تعالےٰ سے معافی مانگو اور میرے مجوزہ نقشہ کے مطابق بخارا پہ دوبارہ حملہ کرو۔

چنانچہ قتیبہ ۹۰ھ میں دوبارہ بخارا کے قصد سے مرو سے روانہ ہُوا۔ شاہِ بخارا

نے اپنے پڑوسیوں صغد اور نیزک سے مدد مانگی۔ لیکن ابھی یہ مدد پہنچنے نہ پائی تھی کہ قتیبہ نے بخارا کا محاصرہ کر لیا۔

جب صغد اور ترک مدد کو آ گئے تو اہلِ بخارا کی ہمت قوی ہو گئی اور وہ بھی مقابلہ کے لئے نکلے۔ اس لڑائی میں دشمن ایسی بہادری سے لڑے کہ ایک مرتبہ وہ اسلامی فوج کے ایک حصّہ کو دھکیلتے ہوئے قلب لشکر میں پہنچ گئے۔ مسلمان عورتیں رونے لگیں اور انہوں نے اپنے مردوں کے گھوڑوں کو مار مار کر میدانِ جنگ کی طرف دھکیل دیا۔

عورتوں کے اس اقدام سے مردوں کو بڑی غیرت آئی انہوں نے پلٹ کر دشمن پر سخت حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ دشمن نے ایک اونچے ٹیلے پر پناہ لی۔ اس ٹیلہ اور مسلمانوں کے لشکر گاہ کے درمیان ایک نہر حائل تھی۔

قتیبہ نے للکار کر کہا۔

"کوئی ہے جو دشمن کو اس ٹیلہ سے ہٹا دے؟"

بنی تمیم کے دو سردار وکیع اور تمیم اپنے قبیلہ کے جوانوں کو لے کر مردانہ وار نہر پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن نے شکستِ فاش کھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ یوں بخارا آخر کار مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

اس لڑائی میں شاہ ترک خاقان اور اس کا بیٹا بھی زخمی ہوا۔ شاہِ صغد شاہِ بخارا کی اس شکست سے ایسا مرعوب ہوا کہ اس نے میدانِ جنگ ہی میں قتیبہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ قتیبہ نے جزیہ پر صلح کر لی۔ اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو لوٹ آیا اور حجاج کو فتح کی خوشخبری بھیجی۔[1]

نیزک کی بغاوت اور اس کا قتل

بادغیس کا رئیس نیزک اب تک قتیبہ کے ساتھ تھا اس نے مسلمانوں کے

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۷

روز افزوں کامیابیاں دیکھیں تو ڈرا اور قتیبہ سے اجازت لے کر طخارستان واپس آیا یہاں آکر اُس نے بلخ، مرو روز، طالقان، فاریاب، جوزجان اور کابل کے رئیسوں کو اپنے ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کیا۔

قتیبہ کو خبر ملی تو اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار فوج دے کر بروقان روانہ کیا اور وہاں اُسے ٹھہر کر انتظار کرنے کا حکم دیا۔ پھر جاڑوں کا زمانہ ختم ہوتے ہی مناسب تیاریوں کے ساتھ باغی سرداروں کی سرکوبی کے لئے خود روانہ ہُوا۔

پہلے طالقان پہنچا۔ یہاں ایک خونریز لڑائی کے بعد رئیس طالقان کو شکست دی۔ اہلِ طالقان کی بڑی تعداد مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری گئی۔ پھر قتیبہ فاریاب کی طرف بڑھا۔ وہاں کے حکمران نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر جوزجان کا رُخ کیا وہاں کا حکمران پہاڑوں کی طرف نکل گیا اور اہلِ شہر نے اطاعت قبول کی۔ پھر بلخ ہوتا ہُوا نیزک کی تلاش میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن سے حلم کی گھاٹی میں جا ملا۔ نیزک اسی گھاٹی میں چھپا ہُوا تھا۔

یہ گھاٹی بہت پُر پیچ اور دشوار گذار تھی۔ نیزک کو جب قتیبہ کی آمد کی خبر ملی تو اُس نے گھاٹی کے دہانہ پر کچھ آدمی متعین کر دیئے اور پشت پر ایک محفوظ قلعہ میں فوجی دستہ کو چھوڑ دیا اور خود بغلان کی طرف نکل گیا۔

اس گھاٹی میں داخلہ کی قتیبہ کو کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اور اس کے سوا نیزک تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ قتیبہ اسی کشمکش و پنج میں تھا کہ ایک پہاڑی نے قتیبہ کے پاس آکر وہ پوشیدہ راستہ بتا دیا جو گھاٹی کی پُشت پر جا کر قلعہ میں نکلتا تھا۔ قتیبہ نے ایک دستہ پہاڑی کے ساتھ کر دیا۔ ان لوگوں نے یکایک اہلِ قلعہ پر حملہ کر دیا۔ کچھ قتل ہُوئے اور کچھ بھاگ گئے۔

اب قتیبہ اپنی فوج کے ساتھ حلم کی گھاٹی میں داخل ہُوا اور سمنجان پہنچا یہاں کچھ دن ٹھہر کر نیزک کی تلاش میں آگے بڑھا۔ نیزک نے وادی فرغانہ کو عبور کر کے

اپنا سامان شاہِ کابل کے پاس بھیج دیا اور خود کرزن میں آکر پناہ گزین ہوا۔
قلعہ کرز بہت محفوظ تھا ایک راستہ کے سوا جس میں چوپائے داخل نہ ہو سکتے تھے کوئی راستہ وہاں تک پہنچنے کا نہ تھا۔ قتیبہ دو مہینے تک اس کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔
اس محاصرہ کے زمانے میں نیزک کی فوج میں چیچک کی بیماری پھیل گئی اور سامانِ خوراک کا بھی قحط پڑ گیا۔ دوسری طرف قتیبہ کو بھی موسمِ سرما کے قریب آ جانے کی وجہ سے پریشانی پیدا ہوئی۔
قتیبہ نے ایک شخص سلیم کو جس پر نیزک کو اعتماد تھا نیزک کے پاس بھیجا اور اس سے کہا کہ جس طرح ممکن ہو نیزک کو سمجھا بُجھا کر اس کے پاس لے آئے۔ سلیم نیزک کو جان بخشی کی امید دلا کر قتیبہ کے پاس لے آیا۔ قتیبہ نے نیزک اور اُس کے ساتھیوں کو قید کر دیا اور حجاج سے ان کے معاملہ میں مشورہ طلب کیا۔ نیزک نے مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کی تھی اور دوسرے حکمرانوں کو بھی اپنے ساتھ بغاوت پر آمادہ کیا تھا اس لئے حجاج نے اس کے قتل کا حکم دیا۔
چنانچہ نیزک اور اس کے سات سو ساتھی قتل کر دیئے گئے۔ البتہ جبغویہ جو طخارستان کا اصل حکمران اور نیزک کا آقا تھا اور اب نیزک کے ہاتھوں میں قید تھا آزاد کر دیا گیا۔
اس مہم سے فارغ ہو کر قتیبہ مرو کی طرف لوٹ گیا۔ یہ واقعہ ۹۱ھ کا ہے۔
۹۳ھ میں قتیبہ نے خوارزم شاہ سے صُلح کر لی۔ صورت یہ ہوئی کہ خوارزم شاہ ایک کمزور بادشاہ تھا۔ اس کا بھائی امورِ سلطنت پر حاوی ہو گیا تھا اور اُسے عضوِ معطل بنا دیا گیا تھا۔ خوارزم شاہ جب اپنے بھائی کی زیادتیوں سے تنگ آ گیا۔ تو اس نے قتیبہ کو لکھا اگر آپ مجھے میرے بھائی کے پنجۂ ظلم سے نجات دیں تو مَیں آپ کی اطاعت قبول کر لوں۔
قتیبہ مرو سے روانہ ہو کر ہزار سلب میں مقیم ہوا۔ خوارزم شاہ نے ایک وفد

قتیبہ کے پاس بھیج کر شرائطِ صلح کی تکمیل کر لی۔ قتیبہ نے اس کے بھائی خرزاد اور اس کے دوسرے مخالفین کو قید کر کے اس کے پاس بھیج دیا۔ خوارزم شاہ نے سب کو قتل کرا دیا اور ان کا مال و متاع قتیبہ کے پاس بطور نذرانہ بھیج دیا۔

فتح سمرقند خوارزم شاہ سے مصالحت کے بعد قتیبہ نے بعض مشیروں کی رائے سے سمرقند کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ پہلے قتیبہ نے خاموشی کے ساتھ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو سمرقند کی طرف روانہ کر دیا۔ پھر تین چار دن بعد اہلِ خوارزم و بخارا کو اپنے ساتھ لے کر خود بھی اپنے بھائی سے جا ملا۔

صغد (اہلِ سمرقند) نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو شہر بند ہو بیٹھے۔ مسلمان ایک مہینہ تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ جب صغد پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے پڑوسی حکمرانوں، بادشاہ شاش، خاقانِ چین اور حاکمِ فرغانہ وغیرہ کو لکھا کہ "آج ہم کل تمہاری باری ہے" یہ وقت ہے کہ تم جو ہماری مدد کر سکتے ہو کرو ورنہ عرب تمہارے قبضہ میں ایک جتبہ زمین نہ چھوڑیں گے۔

صغد کے پیغام پر ان بادشاہوں نے غور کیا۔ آپس میں مشورہ ہوا کہ عربوں کو کامیابی اس لئے ہو رہی ہے کہ ان کے مقابلہ پر معمولی لوگ جا رہے ہیں۔ جب تک معزز شہزادے اور بہادر شرفاءِ قوم میدان میں نہ آئیں گے دشمنوں کا زور نہ ٹوٹے گا۔ چنانچہ خاقان چین کے لڑکے کی زیرِ قیادت ایک زبردست فوج جس میں شہزادے اور امیر زادے بڑی تعداد میں شریک تھے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لئے بھیجی گئی۔

قتیبہ کو اس فوج کے آنے کی خبر ملی تو اس نے چھ سو بہادروں کا ایک دستہ صالح بن مسلم کی سرکردگی میں ان کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا۔ صالح نے اپنی جماعت کے تین حصے کئے۔ دو حصے دائیں بائیں گھاٹیوں میں چھپا دیئے اور ایک حصہ کو لے کر امدادی فوج کے راستہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔

آدھی رات گزرنے کے بعد دشمن کی فوج آئی اور مسلمانوں کو دیکھتے ہی حملہ کر دیا۔

مُسلمانوں نے سختی کے ساتھ اس کو روکا۔ تھوڑی دیر بعد بقیہ مسلمان بھی دائیں بائیں کی گھاٹیوں سے نکل کر عقاب کی طرح دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ دُشمنوں نے اگرچہ بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا مگر فتح نے آخر مُسلمانوں کے قدم چُومے۔ بڑی تعداد شہزادوں اور زمیں زادوں کی میدانِ جنگ میں کھیت رہی باقی فرار یا گرفتار ہوئے۔

امدادی فوج کی اس شکست فاش کی خبر صغد کو پہنچی تو اُن کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ادھر قتیبہ نے منجنیقیں نصب کر کے قلعہ پر سنگباری شروع کر دی جس سے اُس کا ایک حصّہ ٹوٹ گیا۔ بہادرانِ اسلام ڈھالوں کو اپنے چہرے کی آڑ بناتے ہُوئے قلعہ کی منہدم فصیل تک پہنچ گئے۔

اب بجز اطاعت کے صغد کے لئے چارہ نہ تھا۔ غوزک نے ان شرائط پر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا :-

(۱) اہلِ سمرقند ۲۲ لاکھ سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) تین دن تک مُسلمانوں کی دعوت کریں گے۔

(۳) بُت خانوں اور آتش کدوں پر مُسلمانوں کو اختیار حاصل ہوگا۔

(۴) مُسلمان مسجد تعمیر کر کے نماز ادا کیا کریں گے۔

چنانچہ مسلمان فاتحانہ شہر میں داخل ہُوئے۔ شرائط صلح کے مطابق قتیبہ نے بتوں کو جلانے کا حکم دیا۔ غوزک نے کہا میں تمہیں خیرخواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ انہیں نہ جلاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

قتیبہ نے کہا۔ اگر یہ خیال ہے تو مَیں انہیں اپنے ہاتھ سے نذرِ آتش کروں گا۔ چنانچہ بُتوں کو پگھلایا گیا تو اُن میں سے ۵۰ ہزار مثقال سونا نکلا۔ اپنے معبودوں کی اس بے چارگی کو دیکھ کر صغد (اہلِ سمرقند) کی تعداد کثیر اسی وقت مشرف باسلام ہوگئی۔

قتیبہ نے سمرقند میں مسجد تعمیر کی اور مجاہدین کے ساتھ نماز ادا کی اور خُطبہ دیا۔[۱]

---

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۴۱۹ وابن اثیر ج ۴ ص ۲۱۸۔

اس کامیابی کے بعد قتیبہ نے عبداللہ بن مسلم کو سمرقند کا حاکم مقرر کیا اور کچھ فوج اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر مرو لوٹ آیا۔

سنہ ۹۴ھ میں قتیبہ نے پھر دریائے جیحون کو پار کیا۔ بیس ہزار اہلِ بخارا و خوارزم کو شاش کی طرف روانہ کیا جنہوں نے اسے فتح کیا۔ خود فرغانہ کی طرف بڑھا۔ اہلِ خجندہ نے جمع ہو کر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ پھر قتیبہ کاشان پہنچا اور اسے بھی فتح کیا۔ ان فتوحات کے بعد مرو واپس آ گیا۔

چین پر حملہ اور خاقان سے صلح

سنہ ۹۶ھ میں قتیبہ نے چین پر حملہ کر کے خاقان چین کی فتنہ پردازیوں کے انسداد کا ارادہ کیا۔

مرو سے اس مرتبہ جو لشکر روانہ ہوا اس کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے۔ عورتوں اور بچوں کو سمرقند چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہاں اسلامی نو آبادی قائم کرنے کا ارادہ تھا اور مرد قتیبہ کے ساتھ فرغانہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ فرغانہ پہنچ کر قتیبہ نے وہاں سے کاشغر تک پہاڑی راستہ کو درست کرایا اور ایک تجربہ کار سردار کبیر کو کاشغر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کاشغر چین ہی کا ایک سرحدی شہر ہے۔ کبیر نے کاشغر کو فتح کیا اور پھر چین کے علاقے میں دور تک گھستا چلا گیا۔

خاقان چین مسلمانوں کی اس جرأت سے گھبرا گیا۔ اس نے قتیبہ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے پاس کسی معزز شخص کو بھیجو تاکہ میں اس سے تمہارے مقاصد اور مذہب کے متعلق معلومات حاصل کروں۔

قتیبہ نے میبرہ بن شمراج کلابی اور دوسرے چند عقلمند اور خوش بیان لوگوں کو امیرانہ شان و شکوہ کے ساتھ خاقانِ چین کے دربار میں بھیجا۔ یہ لوگ کئی روز تک وہاں رہے اور خاقانِ چین اور اس کے درباریوں کی ان سے بار بار ملاقاتیں ہوئیں۔ آخری ملاقات میں خاقان نے کہا۔

"تم عقلمند آدمی معلوم ہوتے ہو جاؤ اور اپنے سپہ سالار سے کہہ دو کہ واپس لوٹ جانے ہی میں خیر ہے۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا لشکر بہت تھوڑا ہے۔ میری فوج تمہیں کچل کر رکھ دے گی۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔

"اے شہنشاہ! اس لشکر کو کون تھوڑا کہہ سکتا ہے جس کا ایک سرا کوہستانِ چین میں ہو اور دوسرا مرغزارِ شام میں۔ رہی قتل کی دھمکی تو ہمارا اعتقاد ہے کہ موت اپنے وقت پر ہی آئے گی۔ لہٰذا اگر وہ میدانِ جنگ میں آئے تو اس سے بہتر کیا بات ہے؟"

خاقانِ چین وفدِ اسلامی کی اس جرأت سے مرعوب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ تمہارا سپہ سالار کن شرائط پر صلح کر سکتا ہے؟

ہبیرہ نے کہا۔ وہ قسم کھا چکا ہے کہ جب تک تمہاری زمین کو روند نہ ڈالے خاندانِ شاہی کے ارکان کے مُہریں نہ لگا دیں اور جزیہ وصول نہ کرلے واپس نہ ہوگا۔

خاقان نے کہا ہم تمہارے سردار کی قسم پوری کردیں گے۔ پھر اس نے سونے کے چند طشتوں میں مٹی، کچھ نقد و سامان اور چار شہزادے قتیبہ کے پاس روانہ کئے قتیبہ نے خاقان کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ مٹی کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ شہزادوں کے مہریں لگا کر واپس کر دیا اور نقد و سامان جزیہ کے طور پر قبول کر لیا۔[1]

اس کامیابی کے بعد قتیبہ مرو واپس لوٹ گیا۔ اس غزوہ کے آغاز میں ہی قتیبہ کو ولید بن عبدالملک کے انتقال کی خبر موصول ہو چکی تھی۔

موسیٰ بن نصیر ظلمت کدۂ یورپ کو شمعِ توحید سے روشن کرنے کا سہرا موسیٰ بن نصیر اور اس کے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کے سر ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں تمام

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۳۱۲

برِ اعظم افریقہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں موسیٰ بن نصیر افریقہ کے والی کی حیثیت سے قیروان میں مقیم تھا۔

برِ اعظم افریقہ کے سامنے یورپ کے جنوبی و مغربی حصہ میں ایک جزیرہ نما ہے جسے اسپین یا اندلس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سمندر کی دس میل چوڑی دھجی اُسے افریقہ سے جُدا کرتی ہے۔ اس مُلک کی زمین سرسبز و شاداب اور زرخیز، اس کی آب و ہوا معتدل اور اس کی کانیں قیمتی دھاتوں سے لبریز ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہمیشہ یہ نئے نئے فاتحین کے حملوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ پہلے اہلِ فونیشیا (کنعان) نے اپنے عروج کے زمانے میں اس پر تسلّط قائم کیا۔ پھر اہلِ قرطاجنہ نے کوسِ لمن الملک بجایا۔ پھر رومتہ الکبریٰ کی شہنشاہیت کا ایک حصّہ بنا۔ آخر میں جب گاتھ قوم رومی سلطنت کو تہ و بالا کرتی ہوئی آگے بڑھی تو اس نے ۴۱۴ء کے اندر اندلس میں اپنی حکومت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

یہ شہنشاہتیں قائم ہوتی رہیں اور مٹتی رہیں مگر سب فاتحین کا مقصد ایک ہی رہا اور وہ یہ کہ مفتوحین کو غلام بنا کر اس ملک کی دولت و ثروت پر قبضہ جمائیں اور رنگ رلیاں منائیں۔

ساتویں صدی عیسوی کے آخر میں جب گاتھ قوم کی حکومت پورے شباب پر تھی ملک کی اندرونی حالت ابتر تھی۔ ملک میں غلامی عام تھی۔ ان غلاموں کی حالت جانوروں سے بدتر تھی۔ یہ بغیر اپنے آقاؤں کی اجازت کے شادی بیاہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ غلام اپنا خون پسینہ ایک کر کے جو دولت حاصل کرتے تھے وہ ان کے آقاؤں کے عیش و عشرت میں کام آتی تھی۔ ملک کا متوسط طبقہ گراں قدر محصولوں کے بار سے دبا ہوا تھا۔ امراء و پادری بڑی بڑی زمینداریوں کے مالک تھے۔ اُمراء کے محل اور پادریوں کی خانقاہیں حسین عورتوں سے پری خانہ بنی ہوئی تھیں۔ ملک کی حکومت پر پادریوں کا بڑا اثر تھا۔ پادری بادشاہ کو بھی تختِ حکومت سے برطرف کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی اقلیت کی حالت ناقابلِ بیان تھی۔ سترہویں

کونسل کے ایک حکم کے مطابق اُن کی تمام جائدادیں ضبط کر لی گئیں تھیں اور ان کو بامشقت غلامی کی سزا دی گئی تھی ۔

سلطنت کی اصلاح کی صورت یہی تھی کہ بالا دست طبقہ کے اقتدار کو توڑ اجائے اور زیر دست طبقہ کی معاشرتی حالت درست کی جائے۔ مگر پادریوں کا اقتدار جو کہ انجیلِ مقدس کے احکام کی رُو سے قائم تھا اسے ہاتھ لگانا آسان کام نہ تھا۔ جس زمانے میں مسلمان مصر و شام کے میدانوں اور بحر روم کے ساحلوں پر رومی طاقت سے ٹکر لے رہے تھے۔ اندلس میں شاہ وٹیزا تختِ سلطنت پر متمکن تھا۔ مظلوم و مقہور رعایا "تنگ آمد بجنگ آمد" کے اصول کے مطابق ہر ملک میں ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ اندلس میں بھی زیر دست طبقہ کی سرد آہوں کا دھواں کبھی کبھی فتنہ و فساد کے شعلوں کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ ایک مدبر بادشاہ کے لئے یہ صورتِ حال کچھ پریشان کن نہ تھی۔ اب اسے ان عرب بہادروں کے نعرہ ہائے تکبیر کی آواز بھی سنائی دینے لگی جن کے شوقِ شہادت کو سمندر کی یہ مختصر لہر سرد نہ کر سکتی تھی۔

وٹیزا نے ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی مہم شروع کر دی مگر پادریوں کے اختیارات کو ہاتھ لگانا ایسا جُرم تھا جس کی سزا تخت و تاج سے دست برداری ہی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وٹیزا کو "یہود نوازی" کے جُرم میں تخت سے اتار دیا گیا اور اس کی بجائے ایک کار آزمودہ سپہ سالار رذریق (راڈرک) کو تخت نشین کیا گیا ۔ رذریق نے پادریوں کے اختیارات بحال کر دیئے اور مذہب کی حمایت اور اُمراء کی اعانت کے بھروسہ پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے دورِ حکومت کا آغاز کیا ۔

مراکش کے شمالی ساحل پر قلعہ سبتہ ایک صُلح نامہ کی رُو سے ایک یونانی سردار یولیان (کاونٹ جولین) کے قبضہ میں تھا۔ سبتہ تاریخی اعتبار سے سلطنتِ روم کا علاقہ تھا مگر جب رومی حکومت کا افریقہ سے خاتمہ ہو گیا تو اُس نے اپنے تعلقات اندلس کی عیسائی حکومت سے قائم کر لینا مصلحت سمجھا۔ چنانچہ یولیان کا

شمار سلطنتِ اندلس کے امراء میں ہونے لگا اور سابق شہنشاہ وٹیزا نے اپنی بیٹی کی شادی بھی اس کے ساتھ کر دی۔

قومِ گاتھ میں یہ دستور تھا کہ امراء اور سرداروں کی اولاد شاہی محل میں پرورش پاتی تھی۔ ظاہر تو کیا جاتا تھا کہ ان کو آدابِ شاہی کی تعلیم و ترتیب دینی مقصود ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ بطور یرغمال رہیں۔ چنانچہ یولیان کی نازک اندام و مہ جبین لڑکی فلورنڈا بھی قیصرِ شاہی کی زینت تھی۔ رذریق کے سر پر جو شیطان سوار ہوا تو اس نے حور پیکر فلورنڈا کے دامنِ عصمت کو داغدار کر دیا۔

لڑکی نے اپنے باپ کو اس مصیبت کی اطلاع دی اور لکھا کہ جس قدر جلد ہو سکے مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے چھڑاؤ۔

لڑکی کی آبرو ریزی کے ساتھ ساتھ یہ قدیم شاہی خاندان کے خون کی بھی ہتک تھی۔ یولیان کو یہ خبر ملی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ وہ فوراً اندلس روانہ ہو گیا اور رذریق کے دربار میں باریاب ہوا۔ اس نے بڑی عقلمندی سے اپنے غم و غصہ کو چھپایا اور اپنی بیوی کی سخت علالت کا بہانہ کر کے فلورنڈا کی واپسی کی درخواست کی۔ عذر ایسا تھا کہ رذریق کسی صورت انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے فلورنڈا کو باپ کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی اور رخصت کرتے وقت باپ بیٹی کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

رذریق نے یولیان سے رخصت کرتے وقت فرمائش کی کہ شکار کے لئے مجھے اعلیٰ قسم کے بازوؤں کی ضرورت ہے تم ضرور بھیجنا۔

یولیان نے جواب دیا۔

"میں آپ کے لئے ایسے باز لے کر آؤں گا جو آپ نے عمر بھر نہ دیکھے ہوں گے"

؎ مسلمانانِ اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) صفحہ ۹

یولیان دربار قیروان میں

سلبتہ پہنچتے ہی یولیان نے رذریق سے انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اشبیلہ کے اسقف کو ہمراہ لے کر افریقہ کے اسلامی دارالحکومت قیروان پہنچا اور وہاں والی افریقہ موسےٰ بن نصیر سے ملاقات کی۔ موسیٰ نے بڑے احترام کے ساتھ اپنے معزز مہمان کا استقبال کیا اور اس سے تکلیف کرنے کی وجہ پوچھی۔

یولیان نے اپنی داستانِ مصیبت موسیٰ کو سنائی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اندلس پر حملہ کر کے ایسے ظالم و وحشی بادشاہ کو تختِ سلطنت سے اُتار دے۔ اس نے ہسپانیہ کی بل کھاتی ندیوں، لہلہاتے سبزہ زاروں، انگوروں، زیتونوں، شاندار شہروں اور خوب صورت محلوں اور قدیم خاندان گاتھ کے زر و جواہر سے لبریز خزانوں کا تذکرہ بڑے دلفریب انداز میں کیا۔ اس نے کہا یہ وہ سرزمین ہے جہاں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ تمہیں صرف یہی کرنا پڑے گا کہ جاؤ اور ملک پر قبضہ کر لو۔

رہنمائی اور فوج کے لئے جہازوں کی فراہمی کی ذمہ داری بھی یولیان نے خود ہی قبول کی۔

موسیٰ اندلس پر قبضہ کرنے کے خواب پہلے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس امدادِ غیبی نے اس کی راہوارِ شوق پر تازیانہ کا کام کیا۔ تاہم وہ بہت محتاط و مدبر سپہ سالار تھا۔ اس نے خیال کیا کہ کہیں یہ دعوت کسی سازش کا نتیجہ نہ ہو۔

موسیٰ نے یولیان سے کہا کہ اتنی بڑی مہم کے لئے دربارِ خلافت سے منظوری حاصل کرنی ضروری ہے۔ لیکن فی الحال میں ایک مختصر جمعیت آپ کے ساتھ روانہ کرتا ہوں۔ آپ انہیں اپنے جہازوں میں ساحلِ اندلس پر پہنچا دیجئے تاکہ یہ چھیڑ چھاڑ شروع کر دیں۔ موسیٰ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمان خود اپنی آنکھوں سے دشمن کی طاقت کا اندازہ کر سکیں۔

چنانچہ موسیٰ نے اپنے ایک سردار طریف کو پانچ سو کی جمعیت کے ساتھ

یولیان کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ طریف یولیان کے جہازوں پر سوار ہو کر ۹۱ھ میں اندلس کی جنوبی راس کے کنارے بندرگاہ المخضرا (جزیرہ) پر اُترا اور مالِ غنیمت سے مالا مال واپس آیا۔ اس نے یولیان کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ اندلس پر قابض ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے۔

اس دوران میں دربارِ خلافت سے اجازت بھی آگئی۔ مگر خلیفہ ولید نے لکھا تھا کہ اسلامی فوج کی حفاظت پورے طور پر کی جائے اور فی الحال کوئی بڑی مہم نہ بھیجی جائے۔

طارق کی روانگی اندلس

موسیٰ نے اپنے پرجوش و بلند ہمت سپہ سالار ابنِ زیاد مراکشی کو جو طنجہ کا گورنر تھا اندلس پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ طارق بن زیاد اپنے نائب مغیث الرومی اور مددگار کا کاؤنٹ یولیان کو ساتھ لے کر سات ہزار کے لشکر کے ساتھ جس میں اکثر بربری اور کمتر عربی تھے۔ ساحلِ افریقہ سے روانہ ہُوا۔ لشکرِ اسلام کی کشتیاں سمندر کی موجوں کو چیرتی ہوئی جلد ہی اندلس کے دل کش و نظر فریب ساحل سے جا لگیں۔ اندلس کی وہ مشرقی ساحلی چٹان جسے سب سے پہلے مجاہدینِ اسلام کی قدم بوسی کا فخر حاصل ہُوا جبل الطارق کے نام سے موسوم ہوئی۔ اور معمولی تغیر کے ساتھ آج بھی جبرالٹر کہلاتی ہے۔

یہ واقعہ رجب ۹۲ھ کا ہے۔

طارق نے سب سے پہلا کام ساحلِ اندلس پر اُترتے ہی یہ کیا کہ جن کشتیوں میں اس کی فوج سوار ہو کر آئی تھی انہیں آگ لگا دی۔ اس طرح اسلامی فوج کے سامنے فتح یا شہادت کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہ رہا۔ اتفاقاً ذریق کا ایک مشہور سپہ سالار تدمیر نے (تھیوڈومر) زبردست فوج لئے ہوئے اسی نواح میں اترا ہُوا تھا۔ تدمیر نے خبر ملتے ہی نووارد حملہ آوروں پر حملہ کیا مگر شکست فاش کھائی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اس نے سخت پریشانی و حیرانی کے عالم

میں لذریق کو یہ اطلاع دی۔

"اے بادشاہ! ہمارے ملک پر ایسے آدمیوں نے حملہ کیا ہے کہ نہ میں اُن کا نام جانتا ہوں اور نہ وطن نہ اصل و نسل۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں سے آ گئے ہیں۔ آسمان سے گرے ہیں یا زمین سے نکل آئے ہیں۔"[1]

شاہ رذریق کو جس وقت یہ خبر وحشت اثر پہنچی وہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے مبلونہ کے نواح میں مقیم تھا وہ فوراً دارالسلطنت طلیطلہ آیا اور وہاں سے قرطبہ آ کر اطرافِ ملک سے فوجیں فراہم کرنی شروع کر دیں۔

طارق اس دوران میں برابر پیش قدمی کرتا رہا اور الجزائر اور شدونہ کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا وادیٔ لک میں پہنچ گیا۔ جلد ہی رذریق بھی ایک لاکھ کا لشکرِ جرّار ساتھ لے کر قرطبہ سے روانہ ہوا اور طارق کے بالمقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ رذریق کی ایک عظیم الشان تیاریوں کا حال سُن کر طارق نے اپنے سردار موسیٰ سے مزید فوجی امداد طلب کی تھی۔ چنانچہ موسیٰ نے پانچ ہزار کی جمعیت روانہ کر دی۔[1] اس طرح طارق بن زیاد کا کل لشکر بارہ ہزار ہو گیا تھا۔

آخرکار ۲۸ رمضان المبارک ۹۲ھ (جولائی ۷۱۱ء) کو شہر شدونہ کے پاس وادی لک کے کنارے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ سپہ سالارِ اسلام طارق بن زیاد نے مجاہدین اسلام کے مختصر گروہ کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے:-

"اے لوگو! میدانِ جنگ سے فرار کی کوئی صورت نہیں ہے، سمندر تمہارے پیچھے ہے اور دشمن تمہارے آگے۔ صداقت پر استقلال کے ساتھ جمے رہنے ہی میں کامیابی ہے تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے اس جزیرہ میں تمہاری کچھ حیثیت نہیں۔ اگر تم نے ذرا کم ہمتی سے کام لیا تو صفحۂ ہستی پر تمہارا نام بھی نظر نہ آئے گا۔ لیکن اگر تم نے

---

[1] اخبارالاندلس (ترجمہ ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ از ایس پی اسکاٹ) ج ا ص ۲۱

جُرأت و ہمت دکھائی تو اس مُلک کی دولت و ثروت تمہاری جُوتیوں کی خاک ہو گی۔ امیر المومنین نے تمہاری بہادری و جانبازی پر اعتماد کر کے تمہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور غلبۂ دینِ اسلام کے لئے اس جزیرہ میں بھیجا ہے، خداوند قدوس اس مقدس مہم میں جس کا ذکر رہتی دُنیا تک باقی رہے گا اور جسے عالمِ آخرت میں بھی بھلایا نہ جائے گا۔ تمہاری مدد کرے گا میدانِ جنگ میں میرا قدم تم سب سے آگے رہے گا۔ مَیں سردارِ قوم رزریق پر حملہ کروں گا۔ تم بھی میرے ساتھ دشمن پر پل پڑنا۔ اگر مَیں دشمن کو ہلاک کرنے سے پہلے راہِ خدا میں شہید ہو جاؤں تو کسی اور کو اپنا سردار بنا کر فتح و نصرت سے ہمکنار ہونا۔"

شاہ اندلس رزریق بڑی شان و شوکت کے ساتھ میدانِ جنگ میں آیا۔ وہ نہایت پُر تکلف ہاتھی دانت کی گاڑی میں سوار تھا جس میں چاندی کا کام ہو رہا تھا سفید رنگ کے خچر شاہی گاڑی کو کھینچ رہے تھے۔ بادشاہ کے سر کا سُنہری تاج نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا اور ملبوسِ شاہی کے جواہرات ستاروں کو شرما رہے تھے۔ قوم گاتھ کے شہزادے اور اندلس کے امراء و رؤساء اپنے لشکروں کے ساتھ جن کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی اس لڑائی میں شریک تھے۔ سب سے آخر میں کئی ہزار باربرداری کے جانوروں پر وہ سے لدے ہوئے تھے جن سے دشمن کے جنگی قیدیوں کو باندھنا تھا۔ دوسری طرف سروں پر سفید عمامے باندھے چمکدار زرہ بکتر پہنے، تلوار حمائل کئے اور نیزہ ہاتھ میں لئے بارہ ہزار جیالے مُسلمان تھے۔ ادھر فخر و ناز کے ساتھ گردنیں اکڑی ہوئی تھیں۔ ادھر عجز و انکسار کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزت میں سر جُھکے ہوئے تھے۔ ادھر اپنی زبردست عسکری طاقت پر اعتماد تھا۔ ادھر صرف اپنی قوتِ ایمانی پر بھروسہ تھا۔ وہ اپنے وطن کی سرزمین میں لڑ رہے تھے جہاں اُنہیں ہر وقت ہر قسم کی مدد مل سکتی تھی۔ یہ اپنے وطن سے دُور سمندر پار بے یار و مددگار تھے۔ ایک ہفتہ تک معمولی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخرہ شوال المکرم ۹۲ھ کی صُبح کو

فیصلہ کن معرکہ ہُوا۔ اندلسی عیسائی بڑی بہادری کے ساتھ لڑے مگر عربی اور بربری مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ مجاہدینِ اسلام کی تکبیروں نے تثلیث پرستوں کے دِلوں کو ہلادیا۔ پہلے وہ لوگ بھاگے جو زبردستی یا لالچ دے کر میدان میں لائے گئے تھے اور پھر عام بھگدڑ شروع ہوگئی۔ عیسائی اس قدر گھبراہٹ کے عالم میں بھاگے کہ انہیں یہ بھی خیال نہ رہا کہ پسِ پُشت دریا ہے۔ ہزاروں مفرورین مسلمانوں کی تلوار آبدار کا شکار ہُوئے اور ہزاروں دریا کی متلاطم موجوں کی نذر ہو گئے۔

شاہِ رزریق بھی بھاگتا ہُوا دریا میں ڈوب گیا اور اس کی لاش بہہ کر سمندر میں چلی گئی۔ اس کے مرصع جُوتے اور گھوڑا دوسرے دن دریا کے کنارے ملے۔ مگر اہلِ کلیسا اور عام عیسائی اس اعتقاد کے ساتھ کہ وہ سمندر کے کسی جزیرے میں ٹھہرا ہُوا ہے جہاں سے وہ اپنے زخموں سے اچھا ہو جانے کے بعد آئے گا اور کافروں کے مقابلہ میں عیسائیوں کا سردار بنے گا۔ رزریق کے واپس آنے کا انتظار صدیوں تک کرتے رہے[1]

اس لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا کہ اس کا اندازہ مشکل ہوا۔ مفرورین کے گھوڑے ہی اتنے تھے کہ ساری فوج کے لئے کافی ہو گئے۔

دراصل اس لڑائی نے تاریخ اندلس کا ورق اُلٹ دیا اور آٹھ دن کے ان مسلسل معرکوں نے آٹھ صدیوں کے لئے اندلس کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کر دیا۔

طارق بن زیاد نے ایک قاصد فتح کی خوشخبری سنانے کے لئے اپنے آقا موسیٰ ابن نصیر کے پاس قیروان بھیجا۔ موسیٰ نے بہ نظرِ احتیاط جس کی دربارِ خلافت کی طرف سے پوری تاکید کی گئی تھی، طارق کو لکھا کہ وہ ابھی پیش قدمی نہ کرے۔ وہ خود اس

---

[1] مسلمان اندلس (ترجمہ مورس ان سپین) صفحہ ۱۸

کی مدد کے لئے آرہا ہے۔

پیش قدمی وادیٔ لک کی فتح کے بعد کارآزمودہ طارق نے اپنے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا تھا۔ اسے معلوم ہوا کہ بقیۃ السیف اندلسی استجہ میں جمع ہوئے ہیں۔ وہ فوراً استجہ پہنچا۔ یہاں اندلسی بہت بہادری کے ساتھ لڑے مگر آخر کار شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ اس کے علاوہ طارق نے جنوبی صوبہ اندلسیہ کے دوسرے شہر بھی فتح کر لئے۔ طارق کو موسیٰ کا حکم نامہ ملا تو اس نے سردارانِ فوج سے مشورہ کیا۔ سب نے متفقہ یہی رائے دی کہ اس وقت پیش قدمی جاری رکھنا ضروری ہے۔ اندلسیوں کو ذرا اگر دم لینے کا موقع دیا گیا تو وہ اپنے پراگندہ شیرازہ کو مجتمع کر لیں گے اور مسلمانوں کا کام بہت دشوار ہو جائے گا۔ کاونٹ بولیان نے بھی اس رائے کی پُرزور تائید کی۔

چنانچہ طارق نے اپنی فوج ظفر موج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ سرداروں کی ماتحتی میں جزیرہ نما میں پھیلا دیا۔ طارق نے ان سرداروں کو حکم دیا کہ وہ صرف ان لوگوں سے لڑیں جو ہتھیار باندھے ہوئے ہیں۔ غیر مسلح لوگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں اور اندلس کی رعایا کے دینی و مذہبی خیالات کا احترام کریں۔

فتح قرطبہ طارق نے اپنے بہادر نائب مغیث الرومی کو سات سو سواروں کے ساتھ قرطبہ فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ حاکمِ قرطبہ جو شاہی خاندان کا ایک تجربہ کار سپہ سالار تھا، شہر بند ہو بیٹھا۔ خوش قسمتی سے مغیث کو ایک چرواہے نے وہ جگہ بتادی جہاں قلعہ کی دیوار ٹوٹی ہوئی تھی۔ اتفاقاً اسی رات سخت طوفانِ باد و باراں آیا اور خوب اولے برسے۔ مسلمانوں نے اس موقع سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ طوفان کے زور شور نے ان کی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کو دبا دیا

---

[۱] اخبار الاندلس (از ایس پی اسکاٹ) جلد ۱ صفحہ ۲۲۷

اور وہ خاموشی کے ساتھ فصیل کے شکستہ حصہ کے نیچے جا پہنچا۔ ایک منچلا نوجوان انجیر کے درخت پر چڑھ گیا۔ پھر اس نے اپنی لانبی دستار نیچے لٹکا کر اپنے ساتھیوں کو فصیل پر کھینچ لیا۔ طوفان سے بچنے کے لئے محافظ سپاہی کسی محفوظ مقام پر چلے گئے تھے۔ مسلمان نوجوان شہر میں داخل ہو گئے اور محافظین کو قتل کر کے شہر کا دروازہ اپنے ساتھیوں کے لئے کھول دیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔

حاکمِ قرطبہ شہر کو چھوڑ کر سینٹ جارج کے گرجا میں جا چھپا۔ یہ گرجا ایک مضبوط قلعہ تھا جس کے گرد ایک خندق بھی تھی۔ اس گرجا میں قریب ہی کے ایک پہاڑی چشمہ سے نیچے ہی نیچے ہو کر پانی پہنچتا تھا۔ مغیث نے چشمہ کی نالی کو بند کرا دیا۔ محصورین نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور اس شہر کا حاکم مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔

فتح کے بعد مسلمانوں نے قرطبہ میں یہودیوں کو آباد کیا۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔

فتح مرسیہ

ایک فوج زریق کے چالاک اور بہادر سپہ سالار تھوڈ میر (تدمیر) کے مقابلہ کے لئے مرسیہ بھیجی گئی۔ اس کا دارالسلطنت اریولیہ تھا جو ایک مضبوط اور مستحکم شہر تھا۔ تدمیر بہت عرصہ تک مرسیہ کے پہاڑی دروں میں لڑتا رہا۔ لیکن جب اس کی تمام فوج مسلمانوں کے مقابلہ میں کام آ گئی تو وہ اریولیہ میں قلعہ بند ہو بیٹھا اور اس نے بڑی ذہانت سے مسلمانوں کو دھوکہ دے دیا۔

اس نے اریولیہ کی عورتوں کو مردانہ لباس پہنایا اور انہیں خود اور نیزوں کے زیورات سے آراستہ کیا۔ ان کے سر کے بالوں کو دو طرفہ ٹھوڑیوں کے نیچے اس طرح لٹکا دیا گیا کہ وہ داڑھیاں معلوم ہوں۔ اس کے بعد ان قلعہ داروں کا پہرہ فصیل پر جما دیا گیا۔

جب مسلمان تعاقب کرتے ہوئے شہر کی فصیل کے نیچے پہنچے تو انہوں نے شہر کو محفوظ پایا۔ تدمیر اب صُلح کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر ایلچی کے لباس میں مسلمانوں کے لشکر میں آیا۔ اُس نے سپہ سالارِ لشکر سے کہا۔ شہر عرصہ دراز تک محاصرہ کو سنبھال سکتا ہے مگر ہمارے سردار کی خواہش یہ ہے کہ سپاہیوں کی جانیں بیکار ضائع نہ ہوں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ باشندگانِ شہر کو مع اسباب وسامان کے اس شہر سے نکل جانے دیجیئے اور صبح ہوتے بغیر لڑے اس پر قابض ہو جائیے۔

اسلامی سپہ سالار نے یہ شرائط منظور کر لیں اور صلحنامہ پر اپنی مُہر ثبت کر کے مصنوعی ایلچی کے حوالہ کیا۔ اب تدمیر نے کہا میں ہی اس شہر کا حاکم تدمیر ہوں۔ پھر قلم لے کر اپنے بھی دستخط کر دیئے۔

صبح کی پو پھٹتے ہی شہر کے پھاٹک کھول دیئے گئے مگر شہر میں سے بجز تدمیر اور اس کے خادم کے کوئی سپاہی نہ نکلا۔ غول کے غول بوڑھے مردوں اور عورتوں اور بچوں کے تھے جو اپنا ساز وسامان لے کر باہر نکل رہے تھے۔

مراکشی سپہ سالار نے تدمیر سے پوچھا۔ آپ کے مسلح سپاہی کہاں ہیں جو کل فصیلوں پر صف بستہ تھے؟ تدمیر نے کہا۔ وہ سپاہی یہ عورتیں ہیں جو غول در غول چلی جا رہی ہیں۔

مراکشی سپہ سالار تدمیر کی اس ذہانت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے تدمیر کو علاقہ مرسیہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور وہ صوبہ اسی ذہین افسر کے نام پر سالہا صوبہ تدمیر کہلاتا رہا [1]

اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد اسٹینلی لین یوں لکھتا ہے :-

"اس ابتدائی زمانہ میں بھی مراکشی مسلمان سچی بہادری کے اصول کو جانتے اور برتتے تھے۔ ان لوگوں نے اسی وقت وہ مستحقاق بہادر

---

[1] مسلمانانِ اندلس (ترجمہ مورس ان اسپین) صد ۲۱

ہونے کا حاصل کر لیا تھا جس نے بعد کی کئی صدیوں تک فتح مند اہلِ ہسپانیہ کو اس پر مجبور کیا کہ انہیں بہادرانِ غرناطہ اور شرفاد کے نام سے پکاریں ۔"

فتح طلیطلہ طارق خود دارالسلطنت اندلس طلیطلہ کی طرف بڑھا تھا۔ یہ شہر بہت بلندی پر واقع تھا اور دریائے ٹیگس اُسے گھیرے ہوئے تھا۔ اس کی فصیل اتنے بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی تھی کہ گویا چٹانیں لا کر رکھ دی ہیں۔ ان تمام قدرتی اور صنعتی تدابیر کے باوجود عیسائیوں پر مسلمانوں کا اس قدر رُعب غالب آگیا تھا کہ طارق کی آمد کی خبر سنتے ہی باشندگانِ شہر جبل شارات کے پار جلیقیہ یا استوریہ (لیسٹریاس) کو بھاگ گئے۔ فوجِ محافظ کے سپاہیوں نے ان بھاگتے ہوئے شہریوں کو جو قیمتی اشیاء کو لدے پھندے تھے خوب لوٹا۔ اہلِ کلیسا نے کلیساؤں کے قیمتی ذخائر کو محفوظ مقامات پر چھپا دیا۔ رئیس الاساقفہ اپنے رفقاء کے ساتھ گرجاؤں کی انتہائی بیش قیمت اشیاء کو ساتھ لے کر روم کی طرف بھاگ گیا اور بقول اسکاٹ اپنے پیچھے اپنے ماتحتوں کو چھوڑ گیا کہ کفار کے ہاتھ سے انعامِ شہادت حاصل کریں۔

مسلمان جب شہر کے قریب پہنچے تو انہیں کوئی مزاحمت کرنے والا نظر نہ آیا۔ مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا اور اپنے دستور العمل کے مطابق امن عام کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں نے شہر چھوڑ کر جانے کا ارادہ کیا انہیں اجازت دے دی گئی اور جنھوں نے شہر میں رہنے کا ارادہ کیا ان سے خفیف ٹیکس کی ادائیگی کی شرط پر کامل حفاظت کا وعدہ کیا۔

اگرچہ مفرورین بہت کچھ مال و دولت اپنے ساتھ لے گئے تھے تاہم جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ بے اندازہ تھا۔ شاہی محل کا ایک کمرہ ان خزانوں سے لبریز تھا جو سلطنت وزیگاتھ کے عروج کے زمانے میں دارالسلطنت میں جمع ہوئے تھے۔ سونے کی زنجیریں، ناتراشیدہ ہیرے، مرصع ہتھیار، قیمتی زرہ بکتر،

جواہر آلود کپڑے تو تھے ہی ان کے علاوہ شاہانِ گاتھ کے چوبیس تاج تھے جو ہر تاجدار کے مرنے کے بعد مُلکی رسم کے مطابق بطورِ یادگار بیت الملوک میں محفوظ کر دیئے گئے تھے۔

طارق نے شہر کو اسلامی فوج اور یہودی حلیفوں کے ہاتھ میں دیکر آگے کا رُخ کیا۔ کچھ ہی فاصلہ پر مسلمانوں نے چند عیسائی مفرورین کو گرفتار کیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاریخی میز لے جا رہے تھے۔ یہ میز خالص سونے کی تھی۔ اس کے گرد نیلم، یاقوت، موتی اور زبرجد کے جھالر لٹکے ہُوئے تھے۔ اس کے چار پائے تھے جو سرتاپا زمرد میں مغرق تھے۔ مشہور یہ تھا کہ یہ میز بیت المقدس کی لُوٹ میں ٹی ٹس کے ہاتھ لگی تھی اور اب طلیطلہ کے بڑے گرجا میں اس پر کتابِ مقدس رکھی جاتی تھی [۱]۔

طارق شمال مغربی سرحدی صوبہ جلیقیہ کے شہروں کو فتح کرتا ہُوا استرقہ تک گیا۔ وہاں سے ۹۳ھ میں سالماً غانماً طلیطلہ واپس آیا۔

موسیٰ کا ورودِ اندلس

طارق کی روانگی کے چودہ مہینے بعد والیٔ افریقہ موسیٰ ابنِ نصیر اندلس کی مہم میں بذاتِ خود حصّہ لینے کے لئے افریقہ سے روانہ ہُوا۔ اور رمضان المبارک ۹۳ھ میں ساحلِ اندلس پر لنگر انداز ہُوا۔ کاونٹ بولیان نے موسیٰ کا استقبال کیا اور مشورہ دیا کہ وہ طلیطلہ جانے کے لئے مغربی راستہ اختیار کرے تاکہ مغربی صوبوں کے اہم شہر فتح کر سکے۔

موسیٰ کو یہ معلوم ہُوا تو اُسے خوشی ہوئی کہ ابھی اپنے اشہبِ ہمّت کی جولانیاں دکھانے کے لئے اس کے پاس میدان باقی ہے اور اس نے بولیان کی رائے کو پسند کیا۔

---

[۱] اخبار الاندلس جلد ۱ صفحہ ۲۳۲، ۲۳۳۔

فتح قرمونہ موسیٰ نے پہلے ابن السلیم کو فتح کیا۔ وہاں سے یولیان کی سرکردگی میں ایک دستہ قرمونہ کی طرف بھیجا۔ اہلِ قرمونہ شہر بند ہو بیٹھے تھے۔ یولیان نے اپنے آپ کو اسلامی فوج کا شکست خوردہ ظاہر کرکے اہلِ قرمونہ سے پناہ طلب کی۔ اہلِ قرمونہ نے پناہ دیدی۔ جب رات ہوئی تو یولیان نے شہر کے دروازے کھول دیئے اور مسلمان فاتحین بلامقابلہ شہر میں داخل ہو گئے۔

فتح اشبیلیہ قرمونہ سے موسیٰ نے اشبیلیہ کا رُخ کیا۔ یہ اندلس کا دولت مند خوب صورت اور قدیم شہر تھا۔ ایک مہینہ تک مقابلہ کے بعد یہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اہلِ اشبیلیہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ موسیٰ نے وہاں یہودیوں کو آباد کیا۔

فتح ماردہ اشبیلیہ سے موسیٰ ماردہ (میریڈا) کی طرف بڑھے۔ یہ بھی بہت قدیم تاریخی شہر تھا۔ یہاں کی عظیم الشان عمارات، دولت مند بت کدے اور دل افروز تفرج گاہیں تمام اندلس میں مشہور تھیں۔ یہ ایک اہم دینی مرکز بھی تھا۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس کی حفاظت کے بہترین انتظامات کئے تھے۔

اہلِ ماردہ نے شہر بند ہو کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ روزانہ ان کا لشکر لڑنے کے لئے نکلتا اور شام کو واپس جاتا۔ جب یہ سلسلہ طویل ہوا تو موسیٰ نے جنگی حیلہ سے کام لیا۔ رات کے وقت پہاڑی دروں میں مسلمان سپاہی چھپا دیئے گئے۔ صبح کے وقت جیسے ہی عیسائی فوج شہر سے نکلی مسلمانوں نے دروں سے نکل کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اکثر عیسائی فوج کام آئی۔ باقی سپاہی بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور پھر نہ نکلے۔

شہر کی فصیل اور برج چونکہ بہت مضبوط تھے اس لئے مسلمانوں کو عرصہ تک شہر کے گرد پڑا رہنا پڑا۔ آخر موسیٰ نے ایک قلعہ شکن آلہ دبابہ بنایا۔ اس آلہ کو اس زمانے میں ٹینک کہا جا سکتا ہے۔ کچھ بہادر سپاہی دبابہ کے اندر بیٹھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اور دبابہ سے فصیل کو توڑ دیا۔ اہل شہر نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست

کی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

مارده میں بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ راڈرک کی بیگم ایجی لونا بھی یہیں مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ سپہ سالار اسلامی نے اُسے شاہانہ عزت کے ساتھ رکھا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز سے اس کی شادی کر دی۔

بغاوت اشبیلیہ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ اہلِ اشبیلیہ نے بغاوت کر دی ہے۔ اہلِ اشبیلیہ جو شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے واپس آگئے اور یہودیوں نے اُن سے تعاون کر کے اسلامی محافظ فوج کو قتل کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ادھر روانہ کیا۔ عبدالعزیز طوفان کی طرح اشبیلیہ پہنچا اور یہودی و عیسائی مفسدوں کو تہ تیغ کر کے شہر پر دوبارہ قبضہ کیا۔ اس کے بعد لعبلہ اور باجہ کی طرف رُخ کیا اور ان شہروں پر قبضہ کر کے پھر اشبیلیہ لوٹ آیا۔

موسیٰ اور طارق کی ملاقات مارده سے موسیٰ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوا۔ طارق نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ اپنے افسر بالادست کا استقبال کیا۔ جوں ہی طارق کی نظر موسیٰ پر پڑی تو اپنے گھوڑے سے اُتر آیا اور وظائفِ احترام بجا لایا۔ تاہم موسیٰ نے فوجی نظم و ضبط کو قائم رکھنے کے لئے بلا اجازت اندلس میں پیش قدمی کرنے پر طارق کو زجر و توبیخ کی۔ طارق نے وہ وجوہ بیان کیں جن کی بنا پر اسے فوراً پیش قدمی کرنا ضروری تھا۔ موسیٰ نے اس کے عذر کو قبول کر لیا۔[1]

بقیہ فتوحاتِ اندلس موسیٰ اور طارق دونوں نے طلیطلہ میں اندلس کے باقیماندہ علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ایک جامع اسکیم بنائی۔ جب تمام فوجی انتظامات مکمل ہو گئے تو طارق کو فوج کا سپہ سالارِ اعظم بنا کر شمالی اور شمالی و مشرقی اور شمالی و مغربی صوبوں کو فتح کرنے کے لئے روانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۹ بحوالہ ابن جریر طبری۔

کیا۔ روانگی کے وقت موسیٰ نے طارق کو مفید نصیحتیں کیں۔ بقول مسٹر اسکاٹ :۔

"غیر مصافی لوگوں سے تعرض کرنے سے منع کر دیا گیا۔ لوٹ مار کی ممانعت کر دی گئی اور صاف کہہ دیا گیا کہ جو کوئی اس کا مجرم ہو گا اس کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ رعایا کے مذہبی احساسات کا احترام کرنے کی تاکید کی گئی۔"

کچھ تو اندلسیوں کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی ہیبت اور کچھ اُن کے شریفانہ برتاؤ کا اثر، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس کا تمام علاقہ کوہِ البرنات تک جلد ہی مسلمانوں کے زیرِ علم آ گیا۔ طارق آگے آگے صلح ناموں کی بنیاد پر شہروں کو فتح کرتا جاتا تھا اور موسیٰ پیچھے پیچھے ان عہدناموں کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔

فتح یورپ کا ایک رنگین نقشہ

البرنات کی بلند چوٹیوں پر کھڑے ہو کر موسیٰ نے یورپ کے علاقوں پر ایک نظر دوڑائی اور اپنے فکرِ عالی کے قلم سے صفحۂ دماغ پر فتح یورپ کا ایک حسین و جمیل نقشہ کھینچا۔ اسکاٹ کے الفاظ میں نقشہ یہ تھا :۔

"خلافتِ حقہ کے وارثوں کے قدموں میں یورپ کے بہترین ملک کو لا ڈالیں۔ جناب پوپ اعظم کے مستقر میں گرجاؤں کے میناروں سے کلمۂ توحید کی آواز بلند ہو اور وہاں سے مشرق کی طرف رُخ کر کے عین بیزنطینی دارالسلطنت (قسطنطنیہ) میں شام کی فوج سے معانقہ کریں اور اتنی بڑی فتوحات کی ایک دوسرے کو باسفورس کے کنارے پر مبارک باد دیں۔"

موسیٰ نے اپنی شمشیرِ خوں بار سے اس نقشہ میں رنگ بھرنا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ البرنات کے اس پار اُتر کر فرانس کے چند سرحدی شہر فتح کر لئے۔ مگر دربارِ خلافت کے حکمِ امتناعی نے اس نقشہ کو پارہ پارہ کر دیا۔

موسیٰ کی اندلس سے واپسی

امیر المؤمنین ولید مرکزِ حکومت سے اس قدر دُور کے مُلکوں میں موسیٰ کی پیش قدمی کو خطرناک سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے ایک قاصد بھیج کر موسیٰ کو لڑائی بند کرنے اور دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ موسیٰ بادلِ نخواستہ اشبیلیہ آیا۔ یہاں کچھ دن ٹھہر کر سفر کے انتظامات کئے، پھر ۹۶ھ میں حکومت اندلس کی باگ ڈور اپنے بیٹے عبدالعزیز کے سپرد کر کے ملک شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

موسیٰ دربارِ خلافت میں پیش کرنے کے لئے بے شمار اموال و خزائن ساتھ لے کر چلا تھا۔ قطار در قطار اُونٹوں پر قیمتی اسلحہ، مرصع بجواہر کپڑے اور زیب و زینت کا سامان لدا ہُوا تھا۔ سونے چاندی اور جواہرات بمشکل تین گاڑیوں پر بار کئے گئے تھے۔ تیس ہزار کنیزیں اور ایک لاکھ غلام جلو میں تھے۔

فاتح اندلس کا یہ شاندار جلوس بادیہ نشینان افریقہ کی نگاہوں کو محوِ حیرت کرتا ہُوا جب سرحدِ شام پر پہنچا تو ولید بن عبدالملک بیمار تھا۔ سلیمان بن عبدالملک ولی عہد خلافت نے موسیٰ کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ "چونکہ امیر المؤمنین کے جانبر ہونے کی اُمید نہیں ہے لہٰذا وہ قدرے توقف کرے"۔

سلیمان کا مقصد یہ تھا کہ اس کی تخت نشینی کے جشن کی شان و شوکت فاتح اندلس کے پیش کردہ تحف و ہدایا سے دوبالا ہو جائے۔

موسیٰ نے ولیعہدِ خلافت کے حکم کی تعمیل ضروری نہ سمجھی بلکہ امیر المؤمنین ولید کے زندگی کے آخری لمحات کو خوشگوار بنانا مناسب تصور کیا۔

موسیٰ دمشق میں داخل ہُوا تو وہ نمازِ جمعہ کا وقت تھا۔ خلیفۃ المسلمین اپنی نوساختہ جامع بنی اُمیہ کے منبر پر خطبۂ جمعہ پڑھ رہا تھا۔ موسیٰ تیس اندلسی و افریقی شہزادوں کے جلو میں لئے ہُوئے جن کے سروں پر زرنگار تاج جگمگا رہے تھے جامع مسجد میں داخل ہُوا اور بارگاہِ خلافت میں سلامِ عقیدت گزارا۔ خلیفہ نے موسیٰ کو گلے لگا لیا اور اپنے ملبوسِ خاص سے سرفراز فرمایا۔

موسیٰ کے اشارے پر اسیر شہزادے منبر جامع مسجد کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ خلیفۂ وقت نے خطبہ میں ان عظیم الشان فتوحات مشرق و مغرب پر جو اس کے عہدِ حکومت میں ہوئیں خداوندِ قدوس کا شکر ادا کیا اور مزید کامیابی و کامرانی کے لئے طویل دُعا مانگی۔

نماز کے بعد موسیٰ نے افریقہ اور اندلس کا مالِ غنیمت ولید کے سامنے پیش کیا۔ ولید نے موسیٰ کو گراں بہا انعامات سے نوازا اور اس کے بیٹوں کے لئے گرانقدر وظیفے مقرر کئے۔[1]

مُسلمہ بن عبدالملک

ولید کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کا میدانِ ترکتاز شام اور ایشیائے کوچک کا سرحدی علاقہ رہا ہے۔ حضرت معاویہؓ کے مجوزہ طریقہ پر وہ ہر سال موسمِ سرما میں رومی علاقوں پر فوج کشی کرتا تھا اور دنیا کی سب سے بڑی مسیحی طاقت کے دل سے اقتدارِ اسلامی کا رُعب کم نہ ہونے دیتا تھا۔ ان حملوں میں ان کا قوتِ بازو عباس بن ولید بن عبدالملک ہوتا تھا۔

مسلمہ اور عباس نے مختلف سنوں میں حصن طوانہ، حصن بولق، حصن اخرم، حصن بولس، قمقم، حصن عموریہ اور ولید ہرقلہ اور قمونیہ فتح کئے۔[2]

ولی عہدی

عبدالملک نے اپنے بعد اپنے دو بیٹوں ولید اور سلیمان کے علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا اور اپنے باپ کی وصیت کو عبدالملک کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کے حق میں حتی منسوخ کر دیا تھا۔ ولید نے بھی اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے باپ کی تقلید کی کوشش کی اور اپنے بھائی سلیمان کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امراءِ

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۶ والبدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۳ و اخبار الاندلس صفحہ ۲۴۸

[2] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۱، ۲۰۴۔

حکومت نے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم کے سوا اس کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ تاہم وہ اپنے ارادہ پر جما رہا لہٰذا اس نے سلیمان کو کسی بہانے سے اس مقصد کی تکمیل کے لئے بلایا۔ سلیمان کو بھی حقیقت حال معلوم ہو گئی۔ اس نے بیماری کا عذر کر کے انکار کر دیا۔ ولید نے اب خود سلیمان کے پاس جا کر اُسے ولی عہدی سے دستبرداری پر مجبور کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ابھی اس کے انتظامات ہی میں مصروف تھا کہ موت کا طاقت ور ہاتھ اس کے اور اس کے عزائم کے درمیان حائل ہو گیا۔ ولید کے اس ناکام اقدام نے حجاج بن یوسف، قتیبہ بن مسلم وغیرہ اور سلیمان کے دلوں میں فرق ڈال دیا جس کے نتائج ان اُمراء اور اُن کی اولاد کے حق میں اچھے نہ ہوئے۔

وفاتِ حجاج شوال ۹۵ھ میں عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی امیر عراقین کی موت واقع ہوئی۔ موت کے وقت اس کی عمر صرف ۵۴ سال کی تھی۔

حجاج بن یوسف کے سخت گیر ہاتھوں نے بنی اُمیّہ کے ایوانِ عظمت کی تعمیر میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ بیس سال تک بصرہ و کوفہ اور ان سے متعلقہ ممالک کا وائسرائے رہا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں عراقین کو جو بنی اُمیّہ کے مخالفین کا مرکز تھا، عراقی شورش پسندوں کی فتنہ پردازیوں سے پاک و صاف کر دیا۔ مگر اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے جو ظلم ڈھائے انہیں کبھی قابلِ تعریف نہیں کہا جا سکتا۔

حجاج کے ظلم و ستم کو عذابِ الٰہی سمجھنا چاہیئے جو اہلِ عراق کی تاریخی بداعمالیوں کی بدولت اُن پر نازل ہُوا۔ حضرت حسن بصری رحؒ نے فرمایا: میں نے حضرت علیؓ کو منبر جامع کوفہ پر یہ دُعا مانگتے سُنا۔

"اے اللہ! میں نے ان لوگوں کو رازدار بنایا مگر انھوں نے میرے ساتھ خیانت کی۔ میں نے ان لوگوں کی خیر خواہی کی مگر انھوں نے

مجھے دھوکہ دیا۔ اے اللہ! ان پر بنی ثقیف کے کسی غلام کو مسلط کر دے جو اُن کے مالوں اور جانوں کا فیصلہ جاہلیت کے (ظالمانہ) طرز پر کرے۔"

پھر حسن بصری رضؓ نے فرمایا :-

"واللہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس ظالم کی جو صفات بیان کی تھیں وہ سب حجاج میں موجود ہیں۔" [1]

ان برائیوں کے ساتھ ساتھ اس میں کچھ خوبیاں بھی تھیں جن کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے۔ وہ بے مثال سپہ سالار تھا۔ تمام مشرقی فتوحات اگرچہ اس کے ماتحت افسروں کے ہاتھوں انجام پائیں۔ مگر اُن میں دماغ حجاج بن یوسف ہی کا کام کر رہا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان تو حجاج کے احسان کے بارے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ساحلِ ہندوستان پر سندھی ڈاکوؤں کے ہاتھوں جب مسلمان عورتوں اور بچوں کا قافلہ لُٹا اور ایک لڑکی نے اغث یا حجاج کی فریاد بلند کی تو حجاج نے بے ساختہ لبیک کہا۔

پھر بلا توقف فتح ہند کے لئے مسلسل مہمیں روانہ کیں۔ آخر میں اپنے چچیرے بھائی محمد بن قاسم کو بھیجا اور اس شان سے بھیجا کہ تمام لشکر کی تمام ضروریات حتیٰ کہ سُوئی تاگہ تک ساتھ تھا۔ پھر اس توجہ اور اہتمام کے ساتھ اس مہم کی نگرانی کی کہ ہر تیسرے روز تازہ ترین خبریں منگا کر ہدایات روانہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب محاصرہ طویل ہُوا تو حجاج نے لکھا کہ "منجنیق کو ایک زاویہ کم کر کے مشرق کی جانب نصب کر کے دیبل پر سنگباری کی جائے"۔ حجاج کے اس مشورہ پر عمل کیا گیا تو دیبل کے مرکزی مندر کا گنبد پاش پاش ہو گیا اور کفرستانِ ہند میں پہلی مرتبہ اسلام کا پرچم لہرایا۔ [2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۳

[2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۵ نم

حجاج کلام اللہ کا بڑا اچھا حافظ و قاری تھا۔ نو مسلموں کی ضرورت کا لحاظ کر کے اُس نے قرآن کریم پر سب سے پہلے اعراب لگوائے اور آیات و رکوع کی علامات قائم کیں۔ وہ عربی زبان کا شیریں بیان خطیب تھا۔ اس وصف میں اُسے حضرت حسنؒ بصری کا مماثل بتایا جاتا ہے۔

وفاتِ ولید وسطِ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ میں ولید بن عبدالملک نے دیر مروان میں وفات پائی۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور باب صغیر کے باہر دفن کیا گیا۔ اس کی عمر ۴۲ سال چھ مہینے ہوئی اور نو سال آٹھ مہینے تختِ خلافت پر متمکن رہا۔

اس نے انیسؔ بیٹے یادگار چھوڑے۔

سیرت ولید بن عبدالملک

ولید بن عبدالملک اگرچہ علم و فضل سے بے بہرہ تھا مگر سلیقۂ حکمرانی و جہانبانی میں ممتاز تھا۔ خوش قسمتی سے اس نے ایسا زمانہ پایا کہ ملک میں داخلی فتنے دب چکے تھے اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اس زرّیں موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی پوری توجہ اندرونی اصلاحات اور بیرونی فتوحات کی طرف مبذول کر دی۔

ولید نے رفاہِ عام کے بہت سے کام انجام دیئے۔ تمام ممالک محروسہ میں سڑکیں درست کرائیں میل نصب کرائے۔ نہریں اور کنوئیں کھدوائے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ شفاخانے اور محتاج خانے جاری کئے۔ ہر اپاہج کے لئے ایک خدمت گار اور ہر اندھے کے لئے ایک رہنما حکومت کے خرچ پر مقرر کیا۔ ضروریات زندگی کے نرخ پر بھی اس نے کنٹرول قائم کیا۔ اس کی عادت تھی کہ خود بازار میں نکل جاتا اور کسی سبزی فروش سے پوچھتا۔ یہ سبزی کا گٹھا کس قیمت کا ہے؟ وہ کہتا کہ ایک پیسہ کا! تو ولید کہتا کہ ایک پیسہ میں یہ کم ہے اس

میں اضافہ کرو۔" [1]

دینداری کی طرف بھی اس کا میلان تھا۔ باوجود اپنے کثیر مشاغل کے ہر تیسرے دن ایک قرآن مجید ختم کرتا تھا اور رمضان المبارک کے مہینے میں سترہ قرآن ختم کر لیتا تھا۔

تعلیم قرآن کریم کی طرف اُس نے خاص طور پر توجّہ کی۔ اسی زمانہ میں قرآن کریم پر اعراب لگائے گئے۔ اس نے قراء وحفاظ کے وظیفے مقرر کئے اور حفظِ قرآن مجید میں انعامات دیئے۔

اس کو تعمیرات سے خاص دلچسپی تھی۔ لیکن اس نے اپنے اس ذوق کو مساجد کی تعمیر میں صرف کیا۔ یوں تو اس نے بہت سی مسجدیں بنائیں مگر مدینہ منورہ کی مسجدِ نبوی اور دار الخلافہ کی جامع دمشق کی تعمیر میں جس دریا دلی اور فن کاری کا ثبوت دیا وہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا۔

۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عہدِ امارت مدینہ میں مسجدِ نبوی نئے سرے سے تعمیر ہوئی۔ امہات المؤمنین کے حجرے جو اس وقت تک اپنی اصلی حالت میں تھے اور دوسرے متصلہ مکانات مسجد میں شامل کر لئے گئے اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی حدودِ مسجد میں آ گئی۔

مسجد کی تعمیر کے لئے شام وروم سے ماہر کاریگر بلائے گئے۔ قیصر روم کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مسجد تعمیر ہو رہی ہے تو اس نے بھی ایک لاکھ مثقال سونا چالیس گھٹے مبنت کاری کا سامان اور بہت سے کاریگر بھیج کر ولید کی خوشنودی حاصل کی۔

مسجد کے صحن میں ایک فوارہ بھی بنایا گیا جس میں بیرونِ شہر سے نلوں کے ذریعے پانی لایا گیا تھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ

مسجد دمشق فن کاری کا ایک نادرہ کار نمونہ تھی۔ اس کا تمام فرش مرصّع تھا۔ دیواریں قدِ آدم سنگ رخام کی تھیں۔ اُس کے اوپر سونے کے ٹائل تھے جن میں جواہرات سے انگوری بیلیں بنائی گئی تھیں۔ اس سے اوپر مختلف الالوان کے جواہرات سے دنیا کے تمام مشہور شہروں کے نقشے بنائے گئے تھے۔ محراب پر کعبۂ مکرمہ کا نقشہ تھا

چھت سونے کی اینٹوں کی بنائی گئی تھی اور اس میں سونے کی زنجیروں میں بھی قندیلیں آویزاں تھیں "محراب صحابہ" میں ایک بہت بڑا جوہر تھا جو قندیلوں کے گل ہو جانے کے بعد بھی اپنی روشنی سے مسجد کو جگمگاتا رہتا تھا۔

اس مسجد کی تعمیر میں ہندوستان، ایران، افریقہ اور روم وغیرہ کے کاریگروں نے حصّہ لیا تھا اور دُنیا کے مختلف حصّوں سے سامانِ تعمیر فراہم کیا گیا تھا۔ بارہ ہزار مزدور روزانہ کام کرتے تھے اور آٹھ سال کی مدّت میں بن کر تیار ہوئی تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق اس کی تعمیر و تزئین میں ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار صرف ہوئے تھے[۱]۔ امام شافعیؒ نے اس کو دنیا کے پانچ عجائبات میں شمار کیا تھا۔

ولید کے زمانہ کی فتوحات حضرت عمر فاروقؓ کے عہد کے بعد تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم اور موسیٰ بن نصیر کے کارنامے تفصیل کے ساتھ ذکر کئے جا چکے ہیں۔ ان جلیل القدر فاتحین عظام کے زیرِ علم مجاہدینِ کرام کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے چین سے اسپین تک کے علاقہ کو روند ڈالا اور حالت یہ تھی کہ ؎

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۶۵

سلیمان بن عبدالملک

۹۶ھ تا ۹۹ھ

سلیمان عبدالملک بن مروان کا بیٹا اور ولید کا حقیقی بھائی تھا۔ مدینہ منورہ میں محلہ بنی جذیلہ میں ۵۴ھ میں پیدا ہوا تھا اور ملک شام میں اپنے باپ کے پاس تعلیم و تربیت پائی تھی۔ راوی حدیث بھی تھا۔ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق ولید کے بعد ۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ کو رملہ میں وارثِ تاج و تخت ہوا۔

سلیمان کی جبینِ حکومت کا دامن بعض نامور سپہ سالاروں کے شفق گوں خون سے رنگین ہے۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ولید نے اپنے باپ کی وصیت کے برخلاف سلیمان کو معزول کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانا چاہا۔ امرائے حکومت میں سے حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے اس کی اس رائے کی تائید کی۔ مگر دوسرے امراء کے اختلاف اور موت کی پیش دستی کے سبب یہ کام انجام نہ پا سکا۔

سلیمان طبعاً ان امراء سے ناراض تھا۔ یہ لوگ بھی اُن کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملت کو اپنے چند بہترین فرزندوں کا داغ سینہ پر لینا پڑا۔ حجاج کو اس بات کا بڑا ڈر رہتا تھا کہ ولید کا اس کی زندگی میں انتقال نہ ہو جائے مگر اُسے اس خطرہ سے دوچار نہ ہونا پڑا اور وہ خود ولید سے ایک سال قبل راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ مگر سلیمان نے حجاج کی بجائے اس کے نامور بھتیجے محمد بن قاسم سے انتقام لیا۔

محمد بن قاسم کا قتل | محمد بن قاسم اس زمانے میں فتوحاتِ سندھ کی تکمیل

میں مصروف تھا۔ سلیمان نے اُسے معزول کر کے یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ یزید نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے پابہ زنجیر کیا اور اُسے صالح بن عبدالرحمٰن کے پاس واسط (عراق) بھیج دیا۔ صالح کے بھائی آدم کو حجاج بن یوسف نے خارجیت کے جُرم میں قتل کیا تھا۔ صالح نے محمد بن قاسم اور اُس کے اہلِ خاندان کو سخت تکلیفیں دے کر قتل کر دیا۔

محمد بن قاسم نے اہلِ سندھ کے قلوب کو اپنے حسنِ سلوک سے فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کی مظلومانہ موت پر بقول ابنِ اثیر اُنھوں نے آنسو بہائے اور حسبِ بیان بلاذری اُنھوں نے اس کا بُت بنا کر اپنے مندر میں رکھا۔[1]

حمزہ بن بیض حنفی، محمد بن قاسم کا اس طرح ماتم کرتا ہے :۔

ان المروۃ والسماحۃ والندی	"بہادری، نرم دلی اور سخاوت محمد بن
لمحمد بن القاسم بن محمد	قاسم بن محمد ہی کے لئے مقدر ہو چکی تھی
ساس الجیوش لسبع عشرۃ حجۃ	سترہ سال کی عمر میں ہی اُس نے لشکروں
یا قرب ذالک سوددا	کی سالاری کی اس کی سرداری کس
من مولد۔	قدر کم عمر میں تھی"

قتیبہ بن مُسلم کا قتل قتیبہ بن مسلم حاکم خراسان، حجاج کا ساختہ پرواختہ تھا سلیمان کی ولیعہدی میں وہ بھی مزاحم ہوا تھا اسلئے اسکی تخت نشینی کے بعد اُسے فکر ہوا کہ کہیں سلیمان اس سے انتقام نہ لے چنانچہ اس نے پیش بندی کے طور پر اپنا ایک قاصد سلیمان کے پاس بھیجا اور اُسے سلیمان کے نام تین خط دیئے۔

پہلے خط میں اس نے سلیمان کو تخت نشینی کی مبارک باد دی تھی اور عبدالملک اور ولید سے اپنی وفاداری کا ذکر کیا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ وہ سلیمان کا بھی اسی طرح

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۳ وفتوح البلدان۔

حلقہ بگوش رہے گا اگر اُسے معزول نہ کرے۔

دوسرے خط میں اُس نے خراسان و ترکستان کے دلوں میں اپنے رُعب و دبدبہ کا حال لکھا تھا۔ پھر لکھا تھا کہ اگر اسے خراسان سے معزول کر کے اس کے حریف یزید بن مہلب کو اس کا جانشین بنایا گیا تو وہ خلیفہ کی بیعت توڑ دے گا۔

تیسرے خط میں سلیمان بن عبدالملک کی بیعت توڑنے کا اعلان تھا۔

یہ تینوں خط ایک ساتھ قاصد کو دیئے اور کہا کہ پہلے پہلا خط خلیفہ سلیمان کو دینا اگر وہ اسے پڑھ کر یزید بن مہلب کی طرف بڑھا دے تو پھر دوسرا خط دینا۔ اگر وہ اُسے پڑھ کر بھی یزید بن مہلب کے حوالے کر دے تو پھر تیسرا خط دینا۔

قتیبہ کا قاصد دربارِ خلافت میں حاضر ہُوا تو حسب توقع یزید بن مہلب وہاں موجود تھا۔ قاصد نے پہلا خط سلیمان کو دیا۔ سلیمان نے اُسے پڑھ کر یزید کے حوالے کر دیا۔ اب قاصد نے دُوسرا خط سلیمان کے حوالہ کیا۔ سُلیمان نے اُسے بھی پڑھ کر یزید کی طرف بڑھا دیا۔ اب قاصد نے قتیبہ کے ترکش کا آخری تیر نکالا اور سلیمان کی طرف بڑھایا۔ سلیمان اُسے پڑھ کر لال پیلا ہو گیا۔ تاہم اُس نے عاقبت اندیشی سے کام لیا۔ قاصد کو انعام و اکرام سے نوازا اور قتیبہ کی ولایتِ خراسان پر برقراری کا پروانہ دے کر اُسے رُخصت کیا۔ مگر افسوس قتیبہ کی جلد بازی نے بنا بنایا کام خراب کر دیا۔

قاصد کو روانہ کرنے کے بعد قتیبہ نے اس بدگمانی پر کہ سلیمان اُسے ضرور معزول کر دے گا، سلیمان کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اُسے اپنے ماتحت سرداروں سے بڑی توقعات تھیں مگر خلیفۂ وقت سے بغاوت کے معاملہ میں اُس کے سرداروں نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ بنی تمیم کے سردار وکیع کو اپنا سپہ سالار بنا کر وہ قتیبہ کے مقابلہ پر آ گئے اور ایک معرکہ میں اُسے قتل کر دیا۔

بہرکیف قتیبہ بن مسلم جیسا فاتحِ اسلام جس سے شاہانِ عجم و ترکستان لرزہ براندام تھے آپس کی بدگمانی اور مخالفت کی نذر ہُوا۔

ایک خراسانی نے اس کے قتل کی خبر سُن کر کہا۔

"خدا کی قسم! اگر قتیبہ جیسا فاتح ہم میں ہوتا اور مر جاتا تو ہم اُسے تابوت میں رکھتے اور دشمنوں کے مقابلہ کے وقت اس تابوت کی برکت سے فتح طلب کرتے۔" [1]

موسیٰ بن نصیر کی تعزیر سلیمان بن عبد الملک کے خنجر انتقام کا تیسرا شکار فاتح افریقہ و اندلس موسیٰ بن نصیر بنا۔

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سلیمان نے اسے خواہش کی تھی کہ وہ دار الخلافہ میں داخل ہونے کے لئے اس کے عہدِ حکومت کا انتظار کرے مگر موسیٰ نے اس کی اس خواہش کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھا تھا۔

سلیمان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد موسیٰ سے افریقہ کے خراج کی بقایا کا سختی کے ساتھ مطالبہ کیا۔ موسیٰ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اُس نے اُسے قید کر دیا اور اس پر گرانقدر تاوان عائد کیا۔ ۹۷ھ میں سلیمان نے حجِ بیت اللہ کیا تو موسیٰ بن نصیر اسیرانہ حیثیت سے اس کے ساتھ تھا۔ آخر مدینہ منورہ میں اسّی سال کی عمر میں اسلام کے اس فرزندِ سعید نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً کاملۃً شاملۃً۔

فتوحات

فتح قہستان و جرجان جرجان اور طبرستان کے علاقے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں سعید بن عاص کے ہاتھ پر فتح ہو چکے تھے مگر یہ ملک پہاڑی تھا اور یہاں کے رہنے والے سرکش اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ

[2] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۴۔

شورش پسند واقع ہوئے تھے۔ جلد ہی یہ لوگ باغی ہوگئے بلکہ اسلام کو بھی خیرباد کہہ دیا۔

سلیمان کے عہدِ حکومت میں جب یزید بن مہلب خراسان کی امارت پر مامور ہوا تو اس نے ادھر توجہ کی اور ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ جرجان کی طرف روانہ ہوا۔

پہلے قہستان کے علاقہ کا محاصرہ کیا۔ ترکوں نے سخت مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ بے شمار مال و دولت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر یزید جرجان پہنچا۔ شاہِ جرجان نے دیلم سے مدد مانگی۔ دیلم پوری طاقت کے ساتھ اہلِ جرجان کی مدد کے لئے آئے اور دونوں فوجوں میں سخت معرکہ ہوا۔ اسلامی لشکر کے ایک بہادر ابن ابی سبرہ نے بڑی جوانمردی کا ثبوت دیا۔ ایک دن کسی ترک سردار سے اُن کی مبارزت ہوئی۔ ترک نے اُن کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ اس کی تلوار اُن کے خود میں اُلجھ کر رہ گئی۔ انھوں نے اسی حالت میں پلٹ کر ترک پر جوابی حملہ کیا اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مبارزت سے فارغ ہو کر یہ اسلامی لشکر میں اس حال میں داخل ہوئے کہ اُن کی تلوار سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے اور خون کی تلوار ان کی کلاہِ افتخار کا طُرّہ بنی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر یزید بن مہلب کی زبان سے بے اختیار نکل گیا میں نے اس سے بہتر منظر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ کون بہادر ہے ؟

لوگوں نے بتایا" یہ ابن ابی سبرہ ہے "

یزید نے کہا " یہ بہترین شخص تھا اگر اسے شراب کی لت نہ ہوتی "

آخر اسی بہادر نے شاہِ دیلم کا سر تن سے جُدا کیا۔ شاہِ دیلم کے قتل سے غنیم کے پاؤں اُکھڑ گئے اور مجبوراً شاہِ جرجان کو بیش قرار فدیہ دے کر سعید بن عاص کے زمانہ کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔

اس غزوہ میں جو بیش قرار زر و جواہر مسلمانوں کے ہاتھ آیا اسی میں ایک

مرصع تاج بھی تھا۔ یزید بن مہلب کی خدمت میں جب وہ تاج پیش کیا گیا تو اُس نے کہا۔ کیا کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے یہ تاج دیا جائے اور وہ اسے نگاہ میں نہ لائے۔ لوگوں نے کہا "ایسا کون ہو سکتا ہے؟"

یزید نے ایک رضا کار محمد بن واسع کو بُلایا اور اُس کو یہ تاج بطور عطیہ کے پیش کیا۔ محمدؒ نے کہا۔

"مجھے اِس کی ضرورت نہیں"

یزید نے قسم کھا کر کہا تمہیں ضرور لینا ہو گا۔ محمد نے تاج لے لیا اور اپنے خیمہ کی راہ لی۔ راستہ میں اُسے ایک سائل مِلا اور اُس سے کچھ مانگا۔ محمد نے بے تکلف وہ تاج اُس کے حوالے کر دیا۔ آخر یزید کو یہ خبر ہوئی اور اُس نے مالِ کثیر دے کر اس سائل سے تاج واپس لے لیا۔ [۱]

قسطنطنیہ پر حملہ

سنہ ۹۸ھ میں سلیمان نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ ایک لاکھ بیس ہزار کا ایک لشکر خشکی کی راہ سے اور اسی تعداد کا دُوسرا لشکر سمندر کے راستہ سے قسطنطنیہ کی طرف بڑھا اور شہر کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اس عزم سے آئے تھے کہ وہ شہر کو فتح کئے بغیر واپس نہ جائیں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے قسطنطنیہ کے متصل ایک نیا شہر بسا دیا اور اپنی ضروریات کے لئے غلّہ اور ترکاری کے کھیت بو دیئے۔

رُومیوں نے جب مسلمانوں کے یہ حوصلے دیکھے تو اُنھوں نے صُلح کی پیش کش کی۔ مگر مسلمہ نے اس پیش کش کو رد کر دیا اور بنوکِ شمشیر شہر کے دروازے کھولنے کے عزم کا اعلان کیا۔

اب رومیوں نے ایک دوسری تدبیر کی سلطنتِ روم کا اندرونی نظام اِن

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۷۵، ۷۶

دنوں مختل ہو رہا تھا۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ بیس سال کے اندر اندر چھ قیصر تخت نشین ہو کر معزول ہو چکے تھے۔ انہیں کسی مدبر و منتظم بادشاہ کی ضرورت تھی جو اس وقت قوم کے بیڑے کو اسلامی حملہ کے طوفان سے صحیح و سلامت لے کر نکل جائے۔ ادھر مسلمہ کی فوج میں لیون عشی ایک بہادر اور چالاک سردار تھا جو اس مہم میں مشیر کار اور معتمد علیہ تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان نامہ و پیام بھی اسی کی معرفت ہوتا تھا۔ رومیوں نے اس سے خفیہ طور پر یہ معاہدہ کر لیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو ناکام لوٹا دے تو وہ اسے رومی بزنطینی حکومت کا فرمانروا تسلیم کر لیں گے۔

ایک مرتبہ جب لیون مسلمہ کے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ سے واپس آیا تو اس نے مسلمہ سے کہا۔

"رومی قسطنطنیہ کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں مگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ لشکر اسلامی محاصرہ اٹھا کر دور چلا جائے تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنا ساز و سامان لے کر شہر سے چلے جائیں۔ مسلمہ نے کسی قدر تامل کے بعد لیون کے اعتماد پر اس تجویز کو قبول کر لیا۔"

اسلامی فوجوں کے ہٹتے ہی رومیوں نے مسلمانوں کے خوراک کے تمام ذخائر کو راتوں رات شہر میں منتقل کر لیا اور فصیل بھی جہاں جہاں سے شکستہ ہو گئی تھی اسے درست کر لیا اور لیون کو اپنا سردار بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ پر نئے سرے سے صف آرا ہو گئے۔

ایک دوسری مصیبت مسلمانوں پر یہ نازل ہوئی کہ اس سال اس قدر سردی پڑی کہ عرب اسے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ تاہم مسلمانوں کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا اور وہ ان مصائب میں محصور ہو کر بھی دشمن سے جنگ کرتے رہے۔[1]

سلیمان جو اسلامی لشکر کی مدد کے لئے مرج وابق میں مقیم تھا اسی دوران میں

راہیٔ عدم ہُوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس کے جانشین منتخب ہوئے آپ نے مسلمہ کو واپسی کا حکم دیا۔ چنانچہ اسلامی لشکر جان و مال کے کثیر نقصانات اُٹھا کر ناکام واپس آ گیا۔

ولی عہدی سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد اپنے بیٹے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ مگر ایوب اس کی زندگی ہی میں مر گیا۔ جب سلیمان مرضِ موت میں مبتلا ہُوا تو اُس نے رجاء بن حیوۃ کے مشورے سے اپنے چچیرے بھائی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ولی عہد نامزد کیا۔ مگر اُسے معلوم تھا کہ ابن مروان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کو خوشی سے منظور نہ کریں گے اس لئے اس نے ولی عہدی کے متعلق اپنے وصیت نامہ کو سربمہر کر کے رجاء بن حیوۃ کے حوالہ کر دیا اور اُسے ہدایت کی کہ میرے خاندان کے افراد کو جمع کر کے جس شخص کا نام اس خط میں ہو اس کے نام کی بیعت لے لو۔ اس طرح بنی مروان نے نام سے آگاہ ہوئے بغیر خلیفہ کے نامزد کردہ شخص کی بیعت کر لی۔

وفاتِ سُلیمان ۱۰ صفر ۹۹ھ کو جمعہ کے دن سلیمان بن عبدالملک نے مرج وابق (مضافاتِ قنسرین) میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ بیعت کے وقت اُس کی عمر ۴۵ سال تھی۔ اور مدتِ خلافت دو سال آٹھ مہینے ہوئی۔

سیرتِ سلیمان

سلیمان بن عبدالملک اپنے اوصاف و خصائل کے لحاظ سے اکثر خلفائے بنی اُمیّہ سے ممتاز تھا۔ وہ فصیح و بلیغ تھا۔ دینداری، نیکی، حق پرستی اور اہلِ حق کی محبت کی طرف اُس کا میلان تھا۔ کتاب و سُنّت کا اتباع اور احکامِ شریعت کا اجراء اس کا مطمع نظر تھا۔

اس نے تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی قیدیوں کی رہائی کے احکام جاری کئے

یہاں تک کہ قید خانے خالی ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آیا اور ظالم وجابر حکام کو معزول کر دیا۔ اس کے ان کارناموں کی وجہ سے لوگ اُسے مفتاح الخیر (بھلائی کی کُنجی) کے نام سے یاد کرتے تھے۔[1]

اس نے احکام جاری کئے کہ نمازیں اوّل وقت میں ادا کی جایا کریں۔

"جامع دمشق کی بنیاد بھی ولید نے اس کی رائے سے ڈالی تھی۔ پھر اس نے اپنے عہد میں اس کی تکمیل کی۔

۹۷ھ میں وہ حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ اہلِ حرم کو داد و دہش سے نوازا صرف خاندانِ قریش میں چار ہزار وظیفے مقرر کئے۔

ایک مرتبہ اس نے اپنے لشکر گاہ میں کسی مغنی کی آواز سُنی۔ کہنے لگا جب مرد گاتا ہے تو عورت کو اس کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے اور بدکاری کی راہیں کُھلتی ہیں۔ پھر گانے والوں کو بُلایا اور حکم دیا کہ انہیں خصّی کر دیا جائے۔ اس کے بعد اُس نے تحقیق کی کہ غناء کا مرکز کہاں ہے؟ معلوم ہُوا کہ مدینہ منوّرہ ہے۔ اس نے وہاں کے عامل ابوبکر بن حزم کو حکم بھیجا کہ تمام مغنیوں کو خصّی کر دیا جائے۔[2]

اعلاء کلمۂ اسلام کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ اپنے بھائی مسلمہ کو قسطنطنیہ روانہ کر کے خود مرابق میں اس کی مدد کے لئے پڑا رہا اور اعلان کر دیا کہ جب تک قسطنطنیہ کو فتح نہ کرلے گا وہاں سے نہ لوٹے گا۔ چنانچہ اُس نے مرکزِ خلافت سے دُور مرج وابق ہی میں جانِ جانِ آفریں کے سپرد کی۔

مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے پاک باطن شخص کو زندگی میں اپنا وزیر اور اپنے مرنے کے بعد اپنا جانشین تجویز کیا۔ محمد بن سیرین نے فرمایا:-

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۰

"خدا سلیمان کو اپنی رحمت سے نوازے، اس کی خلافت کی ابتداء بھی خیر سے ہوئی اور انتہا بھی خیر پر، ابتداءً نمازوں کی بروقت ادائیگی کے اہتمام سے ہوئی اور انتہا حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ولیعہدی کے حکم پر"

قائدین ثلاثہ کا معاملہ مگر تعجب ہوتا ہے کہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کا دامن موسیٰ بن نصیر، محمد بن قاسم اور قتیبہ بن مسلم جیسے فاتحین اسلام کے ساتھ بے انصافیوں کے دھبوں سے داغدار ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان دھبوں کو جس قدر نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے حقیقتِ حال کے لحاظ سے وہ اس قدر نمایاں نہیں ہیں۔

قتیبہ بن مسلم کے قتل کا جہاں تک تعلق ہے سلیمان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ باوجود اس دھمکی کے جو آدابِ شاہی کے سراسر خلاف تھی اس نے قتیبہ کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لیا۔ مگر افسوس کہ قتیبہ کی جلد بازی اور بے اعتمادی نے اس کا کام تمام کیا۔ اب موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے فاتحین روپے پیسے کے خرچ میں محتاط نہیں ہوتے۔ حضرت خالد بن ولید پر بھی اس قسم کی گرفت کی گئی تھی لیکن ایک خلیفۂ عادل کسی کی اہم خدمات کے عوض اموالِ مسلمین پر احتساب کو نہیں چھوڑ سکتا۔

سلیمان نے موسیٰ سے افریقہ کے خراج کی بقایا کا مطالبہ کیا اور جب وہ اس مطالبہ کو پورا نہ کر سکا تو اسے نظربند کر دیا۔ بالکل قرینِ قیاس ہے کہ سلیمان کے اس برتاؤ میں اس کے مطابق الذکر جذبۂ انتقام کو بھی دخل ہو۔ لیکن اصولی اعتبار سے جو کچھ کیا گیا وہ اپنی جگہ صحیح تھا۔

یہ واضح رہے کہ عام مؤرخین نے سلیمان کے اس محاسبہ کی جو تفصیلات لکھی ہیں وہ مغربی مؤرخین کے معاندانہ بیانات پر مبنی ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے

جو مشہور محقق مؤرخ ہیں صرف اس قدر لکھا ہے :۔

"سلیمان موسیٰ سے ناراض تھا اس لئے اُس نے اُسے نظر بند کر دیا اور کثیر رقم کا اُس سے مطالبہ کیا۔ موسیٰ اسی نظر بندی کی حالت میں سفرِ حج میں سلیمان کے ساتھ تھا کہ اسی نے اسّی سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔" [1]

پھر موسیٰ اگرچہ نظر بند تھا تاہم وہ سلیمان کا معتمد علیہ تھا اور اہم امور میں وہ اس سے مشورے کرتا رہتا تھا سلیمان کا دورِ خلافت کا سب سے اہم کارنامہ غزوۂ قسطنطنیہ سراسر اسی کے مشوروں کا رہینِ منت تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

وذالک کلہ من مشورۃ موسیٰ بن نصیر حین قدم علیہ من بلاد المغرب [2]	"اور غزوۂ قسطنطنیہ کے یہ تمام انتظامات موسیٰ بن نصیر کے مشورہ سے جب وہ بلادِ مغرب سے واپس آیا تھا، عمل میں آئے۔"

مقامِ حیرت ہے کہ ایک طرف بقول ابن کثیر، سلیمان، موسیٰ کی رائے پر دو لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی جانوں کی بازی لگا دیتا ہے اور خود بھی مستقرِ خلافت سے دُور مرج دابق میں زندگی کے آخری لمحات پورے کرتا ہے اور دوسری طرف بقول مسٹر ایس پی سکاٹ موسیٰ کی اس کے دربار میں پوزیشن یہ ہے کہ :۔

"موسیٰ کی جائداد ضبط ہوتی ہے۔ دو لاکھ دینار جرمانہ کیا جاتا ہے پھر اُسے دھوپ میں پابہ زنجیر کھڑا کرنے کے بعد حکم دیا جاتا ہے کہ وہ دربارِ شاہی میں کبھی نہ پھٹکے۔ اس کے بعد وہ اپنے ایک غلام کو ساتھ لے کر اپنے وطن چلا جاتا ہے جہاں وہ بدوؤں سے بھیک مانگ کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی گمنامی میں ختم ہو

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۷۴۔ [2] ایضاً صہ ۱۷۹

جاتی ہے"[1]

اب محمد بن قاسم کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلیمان نے بنی عقیل (خاندانِ حجاج بن یوسف) کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔ اور مؤرخین نے اس کا سبب یہی لکھا ہے کہ حجاج بن یوسف نے چونکہ سلیمان کی ولی عہدی کے معاملہ میں اس کی مخالفت کی تھی اس لئے ایسا ہوا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر حجاج کی مخالفت کی بناء کیا تھی؟ یہ بات بالکل صاف ہے کہ سلیمان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی پارٹی کا آدمی تھا اور عمر بن عبدالعزیزؒ اور حجاج بن یوسف کے طرزِ سیاست میں بعد المشرقین تھا۔ حجاج کی رائے یہ تھی کہ عراقین میں آبِ شمشیر ہی فتنہ و فساد کی آگ فرو کر سکتی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خونِ مسلم کی اس ارزانی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ اختلاف صرف نظری ہی نہیں بلکہ عملی بھی تھا چنانچہ کئی مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حجاج میں ٹکر ہوئی۔

جب سلیمان کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آئی تو حجاج تو قیدِ حیات سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس کے اہلِ خاندان کو اس کے مظالم کا کفارہ ادا کرنا پڑا۔ سلیمان نے بنو عقیل کو جن میں محمد بن قاسم بھی تھا صالح بن عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا۔ صالح نے حجاج سے اپنی خاندانی کاوش کی بناء پر محمد بن قاسم کو تہ تیغ کر دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حجاج کے مظالم کتنے ہی ناحق کیوں نہ ہوں۔ محمد بن قاسم جیسے عادل نوجوان سے اُن کا انتقام کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۱ صفحہ ۱۴۹

حضرت عُمر بن عبدالعزیز

۹۹ھ تا ۱۰۱ھ

عمر، عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے صاحبزادہ تھے۔ والدہ ماجدہ اُمِّ عاصم، عاصم بن عمر بن خطاب کی صاحبزادی تھیں۔ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور دولت و حکومت کی آغوش میں پلے۔ بچپن ہی سے علم و تقویٰ کی طرف میلان تھا۔ تھوڑی ہی عمر میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ باپ نے طبیعت کا میلان دیکھ کر مدینہ منورہ کے مشہور محدّث صالح بن کیسان کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لئے بھیج دیا۔

زمانۂ طالب علمی میں ایک دن ان کی نماز باجماعت فوت ہو گئی۔ اُستاد نے جواب طلب کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا "انا میرے بال سنوار رہی تھی"۔

صالح نے عبدالعزیز کو جو اس زمانے میں مصر کے والی تھے واقعہ کی اطلاع دی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ عبدالعزیز نے فوراً ایک قاصد کو مصر سے روانہ کیا جس نے عمر بن عبدالعزیز سے کسی قسم کی گفتگو کے بغیر اُن کے بال مونڈ دیئے[1]

عبدالعزیز ایک مرتبہ حج کے لئے آئے تو مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی۔ صالح ابن کیسان سے پوچھا کہئے بچہ کا کیا حال ہے؟ صالح نے جواب دیا میں نے عمر سے زیادہ کسی بچہ کے دل کو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے لبریز نہیں پایا۔

صالح بن کیسان کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دوسرے صلحاءِ مدینہ سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت انس بن مالک، سائب بن یزید، یوسف بن عبداللہ بن سلام، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام و تابعین عظام

کے حلقہائے درس میں شریک ہوئے۔ فطری صلاحیت اور اکابرِ امت کی صحبت کا یہ نتیجہ ہوا کہ امام احمدؒ بن حنبل کا قول ہے :۔

"میں تابعین میں سے بجز عمر بن عبدالعزیز کے کسی کے قول کو حجت نہیں سمجھتا ۔"

طالب علمی ہی کے زمانے میں آپ کی ہمت بلند اور ارادے نیک تھے حکومتِ امویہ کو آپ خلافتِ راشدہ کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ داؤد بن ابی ہند کہتے ہیں کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیزؒ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوئے تو کسی نے کہا۔

"آپ کو دیکھو! آپ مدینہ میں کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کرنے آئے ہیں اور اور یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ سنتِ فاروقی کی پیروی کریں چہ خوش !"

داؤد کہتے ہیں خدا کی قسم! اس نوجوان نے جو ارادہ کیا تھا وہ پورا کر کے دکھایا۔

جوان ہوئے تو عبدالملک بن مروان کی بیٹی فاطمہ سے شادی ہوئی اور بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہوئے۔ تاہم مسندِ حکومت پر فائز ہو کر بھی دولتِ دین ہاتھ سے نہ دیا۔ ولید نے جب انہیں مدینہ منورہ کی گورنری پر مامور کیا تو اس سے شرط ٹھہرالی کہ وہ "دوسرے حکام کی طرح ظلم نہ کریں گے ۔"

بیعتِ خلافت

۱۰ر صفر ۹۹ھ کو سلیمان بن عبدالملک کا انتقال ہوا۔ سلیمان اگرچہ رجاء بن حیوۃ کے ذریعہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بیعت لے چکا تھا۔ لیکن رجاء کو یقین تھا کہ بنی امیہ آسانی سے عمرؒ کی خلافت کو منعقد نہ ہونے دیں گے۔ اس لئے سلیمان کے انتقال کی خبر کو رجاء نے مخفی رکھا۔ اور مرج وابق کی جامع مسجد میں خاندانِ حکومت کو جمع کر کے دوبارہ سلیمان کے نامزد کردہ شخص کی بیعت لی۔ جب سب نے دوبارہ بیعت کر لی تو رجاء نے آگے بڑھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بازوؤں کو پکڑا اور انہیں منبر کی طرف بڑھایا۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا اعلان ہوا تو اِنّا للہ کی دو صدائیں

بیک وقت مسجد میں گونجیں۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لئے اِنَّا للّٰہ پڑھی کہ خلافت کا بارِ گراں اُن کے کندھوں پر آپڑا تھا اور ہشام بن عبدالملک نے اس لئے کہ وہ متوقع تختِ حکومت سے محروم رہا تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آخر بادلِ نخواستہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسبِ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:۔

"برادرانِ ملت! نفسِ انسانی کی کمزوریوں سے مَیں بھی خالی نہیں ہوں مَیں بھی اپنے پہلو میں ایک حریص دل رکھتا ہوں۔ اس کا خاصّہ یہ ہے کہ جب وہ کسی ایک مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اس سے بالاتر مرتبے کے حصول کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ تختِ خلافت کے حصول کے بعد اب وہ اس سے بلند مرتبہ چیز کی فکر میں ہے اور وہ منزل جنّت ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ازراہِ کرم اس خواہش کی تکمیل میں میری مدد کریں۔"

مسجد سے باہر نکلے تو شاہی سواری آپ کے لئے پیش کی گئی اور بصورت جلوس آپ کو بیعتِ خلافت تک لے جانے کا ارادہ کیا گیا اور گھوڑوں اور خچروں کی قطاروں پر آپ کی نظر پڑی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ارکانِ حکومت نے جواب دیا "شاہی سواری" آپ نے فرمایا جی نہیں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ میرا گھوڑا ہی میرے لئے زیادہ موزوں ہے۔

آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اپنے خیمہ کا راستہ لیا۔ ارکانِ حکومت نے عرض کی حضرت منزلِ خلافت (شاہی کیمپ) میں تشریف لے چلئے۔ آپ نے فرمایا "نہیں وہاں سُلیمان کے اہل و عیال ہیں انہیں تکلیف ہوگی۔ مجھے میرا خیمہ کافی ہے۔" [۱]

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲ و البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۱۸۴

بیعت سے فراغت کے بعد گھر میں تشریف لائے تو بے حد مغموم تھے۔ غلام نے پوچھا۔ حضرت آپ اس قدر متفکر کیوں ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ میرا فکر بے جا نہیں۔ مشرق و مغرب میں اُمّتِ محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کے حقوق کی ادائیگی میرے ذمہ نہ ہو خواہ وہ طلب کرے یا نہ کرے۔

پھر بیوی (فاطمہ بنت عبدالملک) سے کہا۔ میرے طرزِ زندگی کے ساتھ اگر تم نباہ دیکھو تو میرے ساتھ رہو۔ ورنہ تمہیں اختیار ہے کہ اپنے میکے چلی جاؤ۔ نیک نفس بیوی یہ سُن کر رونے لگیں۔ پھر بولیں میں تمہاری شریکِ زندگی ہوں۔

اصلاحات حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نیک ارادوں کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اب ان کے پورا کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ مختلف صوبہ جات کے امراء کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرما کر انھیں اپنے عزائم سے آگاہ کیا۔

"اما بعد سلیمان اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا جسے اُس نے نعمتِ خلافت سے بہرہ اندوز کیا تھا۔ اب اس کا انتقال ہو گیا اور مَیں اس کا قائم مقام بنایا گیا ہوں۔ خدا نے جو ذمہ داری مجھ پر عائد کی ہے وہ بہت سخت ہے۔ اگر بیویاں جمع کرنا اور دولت سمیٹنا مجھے منظور ہوتا تو مجھ سے زیادہ کسی کے لئے اس کے وسائل مہیّا نہ تھے۔ لیکن میرا تو حال یہ ہے کہ مَیں خلافت کی ذمہ داری کے سلسلے میں سخت محاسبہ سے لرزاں ہوں۔ البتہ اگر اللہ نے رحم و درگزر سے کام لیا تو اُمید ہے کہ چھٹکارا ہو جائے"

اس کے علاوہ مختلف صوبجات کے امراء کو وہاں کے مخصوص حالات کے پیشِ نظر مخصوص احکام بھیجے۔ سلیمان بن ابی السری کے نام یہ حکم بھیجا۔

"تم مسافر خانے بنواؤ۔ جو مسلمان ادھر سے گزرے اُسے ایک دن اور ایک رات وہاں ٹھہراؤ۔ اس کی ضیافت اور اس کی سواری کے چارہ

کا انتظام مفت کرو۔ جو مسافر مریض ہو اُس کے لئے دو دن اور دو رات یہ انتظام ہو اور جو شخص پردیسی ہو اور اپنے وطن جانا چاہے اُسے حکومت کے خرچ پر گھر پہنچانے کا انتظام کرو۔"

عبدالحمید کے نام یہ حکم بھیجا۔

"گذشتہ زمانہ میں اہلِ کوفہ کو عمالِ سوء کے ہاتھوں سخت مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اُن کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا گیا ہے۔ دیکھو دین کی بُنیاد عدل و احسان پر ہے۔ تمہیں سب سے زیادہ اپنے نفس (کے محاسبہ) کا خیال رکھنا چاہیئے۔ تم اُسے گناہوں کے تھوڑے بوجھ سے بھی گراں بار نہ کرو۔ خراج کے معاملہ میں پوری احتیاط برتو۔ غیر آباد زمین سے آباد کے خراج کا مطالبہ نہ کرو۔ اس سے اسی قدر وصول کرو جو اُس کے لئے مناسب ہو۔ البتہ اُسے آباد کرنے کی فکر کرو۔ آباد زمین سے خراج وصول کرو اور اس میں بھی نرمی اور حسن تقاضا ملحوظ رہے۔ رعایا سے ٹکسال کے مصارف، نوروز اور مہرجان تہواروں کے ہدیے، قرآن کریم کی قیمت، پانی مہیا کرنے کا ٹیکس، مکانات کا کرایہ اور نکاحانہ وصول نہ کیا جائے۔ کوئی شخص کسی ملک کا بھی اگر مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ ہرگز نہ وصول کیا جائے۔"

امراء سے بازپرس

آپ نے صرف احکام کے اجراء ہی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ امراء و ولات کی کمزوریوں اور غلط کاریوں پر سختی سے احتساب کیا۔

یزید بن مہلب کے ذمہ بیت المال کے ایک گراں قدر مطالبہ تھا آپ نے یزید کو دارالخلافت میں طلب کر کے اس سے اس کی ادائیگی کا تقاضا کیا۔ یزید نے جواب میں کسی مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ جب یزید کو سلیمان کے زمانہ کی اس کی وہ تحریر دکھلائی گئی جس میں اُس نے ان رقوم کا اقرار کیا تھا تو

اُس نے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میرا اور سلیمان کا معاملہ واحد تھا۔ میں نے اپنے مخالفین کو مرعوب کرنے کے لئے اُسے لکھ دیا تھا ورنہ حقیقت میں میرے ذمہ کچھ نہیں ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے اس جواب کو قبول نہ کیا اور اُسے قید کر دیا۔ یزید کے بیٹے مخلد کو باپ کا حال معلوم ہوا تو دربارِ خلافت میں حاضر ہوا اور کہا۔

"یا امیر المؤمنین! اللہ نے اس اُمت پر آپ کو خلیفہ بنا کر بڑا احسان فرمایا ہے۔ پھر ہم ہی آپ کے لطف و کرم سے کیوں محروم رہیں؟ مناسب ہے کہ گھٹا بڑھا کر معاملہ طے کر لیا جائے۔"

حضرت عمرؒ نے فرمایا۔

"جب تک ایک ایک کوڑی وصول نہ کر لوں گا تمہارے والد کو نہ چھوڑونگا یہ معاملہ حقوقِ مسلمین کا ہے۔"

یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخر عہد تک مقید رہا۔ لیکن جب اُس نے سُنا کہ اُن کا وقتِ آخر ہے اور زمامِ خلافت یزید بن عبدالملک کے ہاتھ میں آنے والی ہے۔ جس سے خاندانِ حجاج سے بدسلوکی کی وجہ سے اس کی مخالفت ہے تو وہ قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا۔ اُس نے حضرت عمرؒ کو خط میں لکھا۔

"خدا کی قسم! اگر مجھے آپ کی زندگی کا یقین ہوتا تو میں کبھی حکم عدولی نہ کرتا۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کے بعد یزید خلیفہ ہوگا اور وہ میری تِکہ بوٹی کر ڈالے گا۔"

جراح بن عبداللہ حاکمِ خراسان کے متعلق آپ کے پاس شکایت پہنچی کہ وہ نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جزیہ کی ادائیگی سے بچنے

کے لئے مسلمان ہوتے ہیں نجاتِ اُخروی کی خاطر نہیں۔ آپ نے اُسے لکھا۔

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ مُبین کا داعی بنا کر بھیجا گیا تھا، ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں۔ جو شخص نماز ادا کرے تمہیں اس سے جزیہ وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

جراح نے اس حکم کی تعمیل شروع کر دی تو لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر بعض حاشیہ نشینوں نے پھر جراح کو بھڑکایا کہ ان لوگوں کی ختنہ کرا کر ان کے اخلاص کا امتحان کرنا چاہیئے۔ جراح نے حضرت عمرؒ سے رائے طلب کی۔ آپ نے جواب لکھا۔

"اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو داعئ اسلام بنا کر بھیجا تھا ختنہ کرنے والا بنا کر نہیں۔"

آخر کار حضرت عمرؒ نے جراح کو اس کے عہدہ سے معزول کر دیا۔[1]

یہی نہیں بلکہ اپنے عہد سے پہلے کے عمال و امراء کے متعلق شکایات کا بھی آپ نے منصفانہ تدارک کیا اور جن لوگوں کے حقوق ظالمانہ طور پر چھین لئے گئے تھے ان کو واپس دلائے۔ اس میں مسلم و ذمی کی کوئی تفریق نہ تھی۔

اہلِ سمرقند نے آپ کے پاس ایک وفد بھیج کر شکایت کی۔ قتیبہ بن مسلم نے سمرقند پر نامنصفانہ طور پر قبضہ کر لیا تھا لہٰذا ہمارے ساتھ انصاف کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے سلیمان بن ابی السری کو لکھا کہ اہلِ سمرقند قتیبہ بن مسلم کے قبضہ کو نامنصفانہ بتاتے ہیں۔ تم اس معاملہ کی تحقیق کے لئے ایک قاضی مقرر کرو جو شہادتوں پر غور کر کے ایمانداری کے ساتھ مقابلہ کا فیصلہ کرے۔ اگر فیصلہ اہلِ سمرقند کے حق میں ہو تو مسلمانوں کو شہر چھوڑ کر اپنی قدیم لشکر گاہ میں لوٹ آنا چاہیئے تاآنکہ نئے سرے سے معاملہ طے ہو۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صد ۱۸۸ وابن اثیر جلد ۵ صد ۱۹ ملخصاً۔

سلیمان نے حکم کی تعمیل کی اور جمیع بن حاضر قاضی کو معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر کیا۔ قاضی صاحب نے فیصلہ کیا کہ اہلِ سمرقند کی شکایت بجا ہے۔ لہٰذا مسلمان سمرقند پر سے قبضہ اٹھالیں اور باہر اپنی قدیم چھاؤنی میں چلے آئیں اور نئے سرے سے بزور شمشیر فتح حاصل کریں یا نیا صلح نامہ مرتب ہو۔

اہلِ سمرقند مسلمانوں کی اس انصاف پسندی سے بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صورتِ حال پر خوش ہیں۔ ہم ایسی عدل پرور قوم سے جھگڑا مول لینا پسند نہیں کرتے۔

فدک سے دستبرداری "فدک" خیبر کا ایک گاؤں تھا۔ فتح خیبر کے بعد جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "خالصہ" قرار دے لیا تھا۔ اس کی آمدنی کو آپ اہلِ بیت اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ نے باپ کا ورثہ ہونے کی حیثیت سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انکار فرمادیا اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"انبیاء کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی"

البتہ میں اُسے انہی مصارف میں صرف کرتا رہوں گا جن میں رسول اللہ صرف فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ فدک کی آمدنی انہی مصارف میں صرف ہوتی رہی حتیٰ کہ مروان بن حکم نے اُسے غاصبانہ طور پر اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک وہ بنی مروان کی جاگیر رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لی تو آپ نے بنی مروان کو جمع کر کے فدک کی صحیح حیثیت واضح کی۔ پھر

فرمایا کہ میں اسے بنی ہاشم کی تحویل میں تو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہد میں خود ایسا نہیں کیا۔ لیکن میں اُسے انہی مصارف کے لئے مخصوص کرتا ہوں جن میں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں صرف ہوتا رہا[1]

جاگیروں کی واپسی

آپ نے اپنے مولیٰ (غلام) مزاحم سے کہا مجھے سابقہ خلفاء نے کچھ جاگیریں دی ہیں لیکن نہ دینے والوں کو ان کے دینے کا حق تھا اور نہ لینے والے کو اُن کے لینے کا۔ میں اُن کو اُن کے حق داروں کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ مزاحم نے کہا اور اولاد کے لئے کیا بندوبست کیا ہے؟ اس پر آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا۔

"میں انہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں"

مزاحم نے اپنی خیر خواہی کے اظہار کے لئے صاحبزادہ (عمرؒ) سے اس گفتگو کا ذکر کیا اور کہا میں نے انہیں اس کام سے روک دیا ہے۔ صاحبزادے نے جو باپ کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے مزاحم سے کہا۔

"تم خلیفہ کے اچھے وزیر نہیں"

پھر باپ کے پاس پہنچے اور کہا مزاحم سے مجھے آپ کے اس ارادے کا علم ہوا ہے۔ پھر اسے پورا کرنے میں کیا تامل ہے؟

حضرت عمرؒ نے جواب دیا۔ شام کو یہ کام ہو جائے گا۔ صاحبزادہ نے کہا۔

"جلدی کیجئے آپ کو کیا خبر کہ شام تک آپ زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر زندگی رہی تو آپ اس نیک ارادہ پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہونہار بیٹے کی اس نصیحت کو سن کر بہت خوش ہوئے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۵۶ بحوالہ ابوداؤد، والتاج الجامع جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ بحوالہ ترمذی۔

[2] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۴

فوراً اس پر عمل کیا اور پھر فرمایا "اے اللہ! تیرا شکر ہے تو نے مجھے ایسی اولاد دی جو دینی کاموں میں میری مددگار ہے۔" [1]

سبِ علیؓ کا انسداد لیکن اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی اصلاح جو اُن کے نامۂ اعمال میں سنہری حروف سے ثبت ہے،

حضرت علیؓ کی شان میں بدگوئی کا انسداد ہے۔ عرصہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ خلفاء بنی اُمیّہ اور اُن کے عمال خطبوں میں حضرت علیؓ پر لعن وطعن کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے والد بزرگوار عبدالعزیز بھی مصر کے والی کی حیثیت سے اس تکلیف دہ فرض منصبی کو ادا کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن چونکہ دل زبان کا ہمنوا نہ تھا اس لئے اس موقع پر آپ کی آواز سٹ پٹا جاتی تھی۔ بیٹے نے باپ کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور ان سے اس کی وجہ پوچھی۔ امیر عبدالعزیزؒ نے کہا۔

"بیٹا جو لوگ ہمارے ساتھی ہیں اگر انہیں علیؓ کے فضائل معلوم ہو جائیں تو کوئی ہمارے ساتھ نہ رہے اور سب ان کی اولاد کے حامی بن جائیں۔"

پھر مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے جن کا حضرت عمر بن عبدالعزیز بڑا احترام کرتے تھے انہیں سمجھایا کہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ بدر و اصحابِ بیعتِ رضوان سے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا ہے۔ پھر کیا حضرت علیؓ ان میں شامل نہیں؟ اگر شامل ہیں اور یقیناً شامل ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مقابلہ میں تمہاری ناراضی کے کیا معنی؟

یہ بات حضرت عمرؒ کے دل میں گھر کر گئی۔ انہوں نے فرمایا میں اس ناروا حرکت سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر جب آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عمال کے نام حکم جاری فرمایا کہ خطبوں میں سے حضرت علیؓ پر لعن وطعن کو خارج کر دیا جائے اور اس کی بجائے یہ آیۂ کریمہ پڑھی جائے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۲۴ ۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَ
يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

حوادث خارجیہ و داخلیہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی توجہ حکومت کو وسیع کرنے کی طرف نہ تھی۔ آپ کی توجہ اس طرف تھی کہ اس کی داخلی کمزوریوں کو دُور کیا جائے اور اُسے امن وامان اور عدل و انصاف سے معمور کر دیا جائے۔ اس لئے آپ کے زمانے میں قابلِ ذکر فتوحات نہیں ہوئیں۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے جو عظیم الشان لشکر بھیجا تھا موسم کی ناسازگاری اور دشمن کی عیاری کے سبب وہ سخت مشکلات میں مُبتلا تھا۔ حضرت عمرؒ نے کثیر تعداد میں سامانِ خورد و نوش و حمل و نقل بھیج کر اُسے واپس بُلا لیا۔

۹۹ھ میں ترکوں نے آذربائیجان پر حملہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو بے گناہ قتل کر دیا۔ آپ نے حاتم بن نعمان باہلی کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ حاتم نے اُن میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور جو بچے اُنہیں گرفتار کر کے دارالخلافہ کو روانہ کر دیا۔

۱۰۰ھ میں آپ نے طرندہ کی اسلامی نوآبادی کو ملطیہ منتقل ہونے کا حکم دیا۔ طرندہ ملطیہ سے تین مراحل پر بلادِ روم میں واقع تھا۔ ۸۳ھ میں عبداللہ بن عبدالملک نے اسے فتح کیا اور وہاں مسلمانوں کی نوآبادی بسادی۔ جزیرہ سے ایک فوج مُسلمانوں کی حفاظت کے لئے وہاں آئی تھی لیکن برف باری کے زمانہ میں لوٹ جاتی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس انتظام کو ناکافی سمجھ کر مسلمانوں کو طرندہ کی بجائے ملطیہ میں آباد ہونے کا حکم دے دیا اور طرندہ کو اُجاڑ دیا۔

اسی سال خارجیوں کے فتنہ پرداز گروہ نے سر اُٹھایا اور عراق میں شورش

برپا کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے والئ کوفہ عبدالحمید کو حکم دیا کہ خارجیوں کو نرمی اور مہربانی کے ساتھ حق کو قبول کرنے اور فساد سے باز آنے پر آمادہ کیا جائے لیکن خارجی نہ مانے اور فساد پر اڑے رہے۔ مجبوراً عبدالحمید نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ بن عبدالملک کو جو جزیرہ میں متعین تھے عراق جاکر اس فتنہ کو دبانے کا حکم دیا۔ مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی اور خوارج کو شکست فاش دی۔

اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خوارج کے سردار بسطام کو لکھا:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میرے مقابلہ میں کیوں صف آراء ہوتے ہو۔ اگر حمیت دینی تمہیں مجبور کرتی ہے تو اس جذبہ میں مَیں تم سے کم نہیں ہوں۔ زبانی گفتگو کرکے کیوں نہ فیصلہ کر لیا جائے کہ حق و صداقت کس کے ساتھ ہے"

بسطام نے اپنے دو نمائندوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت عمرؒ نے ان کے ہر سوال کا کافی و شافی جواب دیا اور ان کے عقائد کا فساد اُن پر ظاہر کرکے مطمئن کر دیا۔ البتہ جب بسطام کے نمائندوں نے آپ سے پُوچھا کہ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کی ولی عہدی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا۔ "مَیں نے اُسے ولی عہد نہیں بنایا ہے"

بسطام کے نمائندوں نے کہا "اگر آپ اُسے اُمتِ محمدیہ کی امانت کا اہل نہیں سمجھتے تو اس کا اعلان کیوں نہیں فرما دیتے"

حضرت عمر اس مطالبہ کو سُن کر خاموش ہو گئے اور تین دن کی مُہلت مانگی۔ کہا جاتا ہے کہ بنی اُمیّہ کو خوف ہُوا کہ کہیں وہ حکومت سے اُن کے خاندان کو محروم نہ کر دیں۔ اُنہوں نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا اور تین دن

گزرنے سے پہلے ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔[1]

وفات ۲۵ رجب ۱۰۱ھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ایک روایت کے مطابق مرض طبعی سے اور دوسری روایت کے مطابق زہر کے اثر سے دیرسمعان میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

تکلیف زیادہ ہوئی تو کسی نے کہا حضرت کوئی دوا کر لیجئے۔ آپ نے جواب دیا۔ بھائی اگر مجھے یقین ہو کہ صرف اپنے کان کو چھو کر میں تندرست ہو سکتا ہوں تو اتنا بھی نہ کروں۔ اپنے پروردگار کے جوارِ رحمت سے زیادہ مجھے کیا چیز عزیز ہو سکتی ہے؟

آپ کی عمر ۳۹ یا ۴۰ سال ہوئی۔ دو سال پانچ مہینے چودہ دن مسندِ خلافت پر متمکن رہے۔

سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

حکومت وسلطنت، علم وفضل، زہد وقناعت، اور عبادت وریاضت کے حیرت ناک مناظر اگر آپ کو پہلو بہ پہلو دیکھنے ہوں تو سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مطالعہ کیجئے۔

آپ نے دولت وثروت کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ تعیش وتنعم کے گہوارہ میں پلے بڑھے۔ مگر آپ نے اپنے سینہ کو علومِ نبوت کا گنجینہ بنایا اور اپنے دامنِ دل کو دولتِ آخرت سے پُر کرنا پسند کیا۔

ہو سکتا تھا کہ آپ ابوذر غفاریؓ کی طرح دُنیا کو تین طلاقیں دے دیتے یا پھر ابراہیم بن ادہم کی طرح مسندِ حکومت کو ٹھکرا دیتے۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو تاریخ اسلام اس صفحۂ زرّین سے خالی ہوتی جو یورپ، افریقہ اور ایشیا تین برّاعظموں پر پھیلی

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صد ۱۸۷

ہوئی ایک مہذب و متمدن حکومت کے فرمانروا کو "خلیفہ راشد" کی صورت میں پیش کرتا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے۔

آپ کو حکومت غیر متوقع طور پر نہیں ملی۔ آپ نے اس کے لئے شروع ہی سے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا تھا اور سُنتِ نبوی اور سُنتِ خلفائے راشدین کی روشنی میں حکومتِ اسلامیہ کے رُخِ زیبا کو قیصریت وکسرائیت کے دھبوں سے پاک وصاف کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو آپ کے والد امیر عبدالعزیز نے آپ کو دمشق سے مصر اپنے دارالامارت لے جانا چاہا مگر آپ نے فرمایا۔

"اے باپ! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ مجھے مصر کی بجائے مدینہ منورہ حاضر ہونے کی اجازت دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں رہ کر علماء و فقہاء کی صحبت سے استفادہ کروں"۔ باپ نے اجازت دے دی۔

ذہانت وفطانت، شوق ومحنت اور ریاست کی اعانت نے مل کر آپ کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اگر آپ کے لئے تختِ حکومت مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو آپ مسندِ علم وفضل کے صدر نشین ہوتے۔

ابونصر مدینی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن سلیمان بن یسار کو عمر بن عبدالعزیز کی قیام گاہ سے نکلتے دیکھا تو اُن سے پوچھا۔ کیا آپ انہیں پڑھاتے ہیں؟ سلیمان نے جواب دیا ہاں! لیکن خدا کی قسم وہ تم سب سے زیادہ جانتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں

"ہم عمر بن عبدالعزیزؒ کو پڑھانے آئے مگر اُن سے پڑھ کر اُٹھے"۔

میمون بن مہران کا قول ہے۔

"عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے علمائے وقت کی حیثیت شاگردوں کی سی ہے"۔

لیث کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جو عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کے حلقہ ہائے درس میں بیٹھ چکا ہے کہ "ہم نے جس مسئلہ کی بھی تحقیق کی عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کے اصول وفروع پر سب سے زیادہ حاوی پایا۔

علم وفضل کی اس دولتِ بے پایاں کو آپ کس مقصد کے لئے جمع کر رہے تھے؟ داؤد بن ابی ہند کی سابق الذکر روایت سے تصریح ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سنتِ فاروقی کو زندہ کیا جائے اور خلافتِ راشدہ کے ٹوٹے ہوئے نظام کی دوبارہ شیرازہ بندی ہو۔

خلافتِ راشدہ کا سنگِ بنیاد "شوریٰ" ہے۔ یعنی احکامِ اسلام کے نفاذ کی ذمہ داری جس شخص سے متعلق ہو وہ جمہور کی رائے سے منتخب ہوا ہو۔ نصف صدی سے زیادہ مدت گزر گئی تھی کہ یہ بنیاد متزلزل ہو چکی تھی۔ ہر خلیفہ اپنے بعد حکومت کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ ولی عہد مقرر کر جاتا تھا۔ خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تقرر بھی اسی طرح ہوا تھا۔

آپ نے سب سے پہلے اس بنیاد کو درست کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اعلان کیا۔

"لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریاں سپرد کر دی گئی ہیں۔ میری اطاعت کا جو طوق جبر یہ تمہاری گردنوں میں ڈالا گیا ہے میں اسے خود اتارے دیتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو۔"

آپ کی اس تقریر پر ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔

"ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے خطبۂ خلافت میں اپنے نظامِ عمل کی وضاحت کی۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

قول بغیر عمل کے دلوں میں گھر نہیں کرتا اس لئے آپ نے اصلاحِ امت کے لئے اپنی ذات کو ایک نمونہ کے طور پر پیش کیا۔ اپنی چہیتی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کا جو بقول ایک شاعر کے ایک شہنشاہ کی بیٹی کئی شہنشاہوں کی بہن اور ایک شہنشاہ کی بیوی تھی، ایک ایک چھلا اتروا کر بیت المال میں داخل کرا دیا۔

فاطمہ کو اُن کے باپ عبدالملک نے ایک بیش قیمت ہیرا دیا تھا جو اُنہیں بہت عزیز تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُسے بھی نہ چھوڑا اور صاف کہہ دیا۔ یا ہیرا بیت المال میں داخل کر دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

عنان حکومت ہاتھ میں لینے سے پہلے ترفہ و تنعم میں کسی سے کم نہ تھے۔ جب مدینہ منورہ کی ولایت پر تقرر ہوا تو تیس اونٹوں پر آپ کا ذاتی سامان بار تھا بہتر سے بہتر قمیص پیش کی جاتی مگر فرماتے کہ اچھی ہے لیکن کھردری ہے۔ مگر جب خلیفہ کی حیثیت سے ملت کے سامنے آئے تو طرزِ زندگی ہی بدل گیا کملی کی قمیص زیب بدن ہوتی تھی، پھٹی جاتی تھی اور اس پر تھیگیاں لگتی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں جب قمیص بہت میلی ہو گئی تو مسلمہ بن عبدالملک نے بہن (فاطمہ) سے کہا۔ لوگ عیادت کو آتے ہیں دوسری صاف قمیص بدلوا دو۔ بہن خاموش ہو رہیں، جب دوبارہ بھائی نے کہا تو بولیں۔

"دوسری قمیص ہی نہیں ہے بدلواؤں کہاں سے؟"

مسور کی دال کھانے کے لئے تجویز کی تھی کہ اس سے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنسوؤں کی مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ تین بانس کی کھپچیاں اور اُن پر ایک مٹی کا ٹھیکرا، یہ آپ کا شمعدان تھا۔

آپ کی یہی سادگی تھی جس کی بنا پر ابو سلیمان درّانی نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ، اویس قرنیؒ خیر التابعین سے بھی زہد سے آگے ہیں اور وجہ یہ بتائی کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس دُنیا پوری آن بان کے ساتھ آئی اور انہوں نے اُسے ٹھکرا دیا مگر اویس قرنیؒ کو دُنیا سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔

اسی طرح مالک بن دینار سے منقول ہے آپ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں مالک زاہد ہے۔ مالک کا زہد کیا؟ زاہد عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں کہ دُنیا منہ کھولے ہوئے اُن کے سامنے آئی اور انہوں نے اُس سے منہ موڑ لیا۔

خشوع و خضوع اور رقت قلب کا یہ حال تھا کہ جب موت کا ذکر آتا تو آپ

کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھ دی:۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ ۔ ترجمہ:۔

"اور جب وہ ڈال دیئے جائینگے اس میں کسی تنگ جگہ ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے۔"

آپ اس قدر روئے کہ گھگھی بندھ گئی۔ آخر مجلس سے اُٹھ کر گھر چلے گئے۔

آپ کی بیوی فاطمہ کہتی ہیں کہ عشاء کی نماز پڑھ کر مصلّے پر بیٹھ جاتے اور روتے رہتے یہاں تک کہ آنکھ جھپک جاتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پھر رونے لگتے اور یہی سلسلہ صُبح تک رہتا۔ کثرتِ گریہ سے بعض اوقات آپ کے آنسوؤں میں سُرخی جھلکنے لگی۔ عبادت کے لئے ایک حجرہ مخصوص تھا وہاں ایک موٹی کملی اور ایک لوہے کا طوق رکھا تھا۔ جب اس میں داخل ہوتے کملی پہن لیتے اور طوق گردن میں ڈال لیتے۔ جب صُبح کو عبادت سے فارغ ہو کر نکلتے تو حُجرہ کو تالہ لگا دیتے۔ وصال کے بعد یزید نے اُسے اس خیال سے کھولا کہ شاید کچھ خزانہ محفوظ کیا ہو۔ مگر دیکھا تو ایک موٹی کملی اور طوق کے سِوا کچھ نہ تھا۔

اپنے بعد اپنے خاندان کی طرف توجّہ کی۔ بنی اُمیہ نے بہت سی املاک ناحق دبا رکھی تھیں۔ ان سے چھین کر اُن کے حق داروں کو واپس کیں۔ پھر عام منادی کرا دی کہ کسی کا حق کسی نے دبا رکھا ہو تو وہ مطالبہ پیش کرے۔ ایک ذمی نے عباس بن ولید کے خلاف دعویٰ کیا کہ اُس نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ شہزادہ عباس برابر بیٹھا ہُوا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سے جواب طلب کیا۔ شہزادہ نے کہا۔ امیرالمؤمنین ولید نے مجھے اُس کے متعلق فرمان لکھ دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اللہ کا فرمان ولید کے فرمان سے زیادہ ماننے کے قابل ہے اور حکم دیا کہ ذمی کی زمین واپس کر دی جائے۔

شاہی خاندان کے ارکان اس سلوک کے عادی کب تھے۔ مروان کی بیٹی فاطمہ زندہ تھی اور خاندان کی بڑی بُوڑھی سمجھی جاتی تھی۔ سب خلفاء اس کا احترام کرتے آئے تھے۔ بنو مروان جمع ہو کر اس کے پاس گئے اور اپنی سفارش کے

لئے حضرت عمرؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت نے اُسے تعظیم کے ساتھ اپنے برابر جگہ دی۔ فاطمہ نے ناراض ہو کر کہا۔

"اے عمرؒ! شاہی خاندان کے ارکان تمہاری حکومت کے زمانہ میں ذلیل ہو رہے ہیں۔ اُن کے املاک چھین چھین کر دوسروں کو دیئے جا رہے ہیں اُنہیں بُرا بھلا کہا جا رہا ہے اور تم کچھ نہیں کرتے۔"

حضرت عمرؒ نے جواب دیا۔

"اے پھوپھی! رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خدا نے دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے ایک ایسا چشمہ چھوڑا جس سے سب کو سیراب ہونے کا حق حاصل تھا۔ پھر ابو بکرؓ نے بھی اس چشمہ کو اسی حال میں چھوڑا اور عمرؓ نے بھی۔ لیکن بعد میں یزید، مروان، عبدالملک اور اس کے بیٹوں نے اپنے آپ کو اس سے سیراب کیا اور دوسروں کو اس سے محروم کر دیا۔ مَیں اسے اس کی اصلی حالت پر لانا چاہتا ہوں۔"

فاطمہ بنت مروان نے کہا۔ مَیں تمہارا مطلب سمجھ گئی۔ اگر تمہارا ارادہ بزرگانِ سلف کی تقلید کا ہے تو مَیں تمہیں منع نہیں کر سکتی۔ پھر واپس آ کر اپنے اہلِ خاندان سے کہا:۔

"یہ تو سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ نہ عمر فاروقؓ کے گھر کی بیٹی بیاہ کر لاتے نہ اُس کی اولاد میں فاروقی رنگ آتا۔"

امراء و حکام بادشاہ کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ امراء کے صحیح انتخابات اور اُن کی مکمل نگرانی کے بغیر کوئی بادشاہ ملک میں عادلانہ نظام قائم رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ولات و حکام کے نام بکثرت فرمان جاری کئے۔ ان فرمانوں میں عدل و انصاف کے قیام، اخلاق کی اصلاح تعلیم کی اشاعت، ذمیوں اور نومسلموں کے حقوق کی حفاظت، اسلام کی تبلیغ اور رفاہِ عام کے کاموں کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی اور جہاں سختی کی ضرورت سمجھی

گئی وہاں سختی بھی کی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی دنیا امن و امان کا گہوارہ بن گئی۔ گلشنِ اسلام میں نئے سرے سے بہار آئی اور لوگوں نے پھر ایک مرتبہ عہدِ نبوت کے نظر نواز مناظر اپنی آنکھ سے دیکھے۔ گھر گھر میں دینداری کا چرچا ہوا۔ ہزارہا ذمی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ راجاہانِ سندھ جو مرتد ہو گئے تھے دوبارہ آغوشِ اسلام میں واپس آئے۔ مگر

ے حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد — سیرِ گل خوش ندیدم و بہار آخر شد

وفات کی خبر سن کر شاہِ روم نے رو کر کہا۔

"اگر عیسیٰ مسیحؑ کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہوتے۔ میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے۔ میں اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے جلیل القدر علماءِ امت کی رائے ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلی صدی ہجری کے مجدد تھے اور امام شافعیؒ و سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ آپ پانچویں خلیفہ راشد تھے[1]

---

[1] یہ تمام واقعات البدایہ والنہایہ جلد ۹، الکامل لابن اثیر جلد ۵ اور مروج الذہب مسعودی سے ماخوذ ہیں۔

یزید بن عبدالملک

سنہ ۱۰۱ھ تا سنہ ۱۰۵ھ

یزید بن عبدالملک بن مروان سنہ ۶۵ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کی نامزدگی کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ جواں سال تھا اور پہلو میں جوان دل رکھتا تھا۔ بادہ و ساغر اور چنگ و رباب کا شغل جاری کیا اور دو کنیزوں حبابہ و سلامہ کو انیس و جلیس بنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی اصلاحات ختم کر دیں اور دربارِ اموی کا نظامِ قدیم پھر جاری کیا۔

آلِ مہلب کی بغاوت اور اُس کا استیصال

پہلے ذکر آچکا ہے کہ یزید بن مہلب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے آخری عہد میں یزید بن عبدالملک کے انتقام کے ڈر سے قید خانہ سے فرار ہو کر بصرہ کی طرف چلا گیا تھا۔ یزید نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عدی بن ارطاۃ والیٔ بصرہ کو یزید بن مہلب کے فرار کی اطلاع دی اور اُس کے خاندان کو نظر بند کرنے کا حکم بھیجا۔ عدی نے یزید بن مہلب کے تین بھائیوں افضل، حبیب اور مروان کو قید کر دیا۔

یزید بن مہلب کا خاندان عراق میں بہت بااثر تھا اس نے بہت جلد ایک لشکرِ گراں جمع کر لیا اور بصرہ پر حملہ آور ہوا۔ عدی بن ارطاۃ نے شکست کھائی اور بصرہ پر یزید بن مہلب کا قبضہ ہو گیا۔ دارالحکومت بصرہ پر قابض ہونے کے بعد یزید نے تمام عراق و خراسان و کرمان میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور اپنی طرف سے حاکم و والی

مقرر کئے۔ یزید بن عبدالملک کی بیعت فسخ کر دی اور مسلمانوں کو کتاب و سنت کے نام پر بنی اُمیّہ کے خلاف لڑنے کی دعوت دی اور کہا۔

"ان سے لڑنا ترک و دیلم سے لڑنے سے بھی زیادہ ثواب کا باعث ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ ابن اشعث کے فتنہ کا انجام دیکھ چکے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس بے نتیجہ خونریزی سے علیحدہ رہنے کی ہدایت کی اور فرمایا۔

"یہی یزید بن مہلب کل اہلِ عراق کی گردنیں کاٹ کاٹ کر بنو مروان کے پاس بھیجتا تھا اور اپنی قوم کو ہلاک کر کے ان کی خوشنودی کا طالب تھا۔ آج جب اُن سے بگڑ گئی تو میدان میں جھنڈا گاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اہلِ عراق سے کہنے لگا "میں ان سے لڑ رہا ہوں تم بھی ان سے لڑو۔ میں تمہیں سنتِ عمرین کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔ حالانکہ سنتِ عمرین تو یہ ہے کہ اسے بیڑیاں پہنا کر جیل میں بند کر دیا جائے۔"

یزید بن عبدالملک نے اپنے بہادر بھائی مسلمہ بن عبدالملک کو اسی ہزار فوج دے کر یزید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ یزید بن مہلب بھی ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ بصرہ سے نکل کر واسط آیا اور وہاں سے آگے بڑھ کر مسلمہ کے مقابلہ میں صف آراء ہوا۔ یزید کو اہلِ عراق پر بھروسہ نہ تھا۔ اس نے اس ٹڈی دل فوج پر نظر ڈالی اور کہا کاش اس لشکرِ عظیم کی بجائے میرے ساتھ میرے گنے چنے خراسانی رشتہ دار ہوتے"۔

آخر وہی ہوا جس کا یزید کو اندیشہ تھا۔ ابھی لڑائی شروع ہی ہوئی تھی کہ یزید کے لشکر میں یہ خبر پھیل گئی کہ دریا کا پُل جسے پار کر کے وہ آئے ہیں اُسے آگ لگا دی گئی ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی عراقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ یزید نے بہت کچھ روکنے کی کوشش کی مگر کوئی نہ رکا۔ یزید بن مہلب نے اپنے چند جانثاروں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جان دی۔ اس کے دو بھائی حبیب بن مہلب اور محمد بن مہلب بھی میدانِ جنگ میں مقتول ہوئے۔

اس شکست کے بعد یزید کا بھائی مفضل اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ واسط پہنچا۔ واسط میں یزید بن مہلب کا بیٹا معاویہ مقیم تھا۔ مفضل اور معاویہ دونوں نے اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ بصرہ کا قصد کیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے سامانِ سفر درست کیا اور یزید بن مہلب کی ہدایت کے مطابق قندابیل کے عازم ہوئے۔ کرمان تک کا سفر اس قافلہ نے کشتیوں کے ذریعہ طے کیا۔ وہاں سے خشکی کے راستے (قندابیل) سندھ پہنچا۔

قندابیل کا امیر وداع بن حمید، یزید بن مہلب کا پروردہ تھا۔ آلِ مہلب کو اس سے حسن سلوک کی توقع تھی۔ مگر جب وداع کو معلوم ہوا کہ مسلمہ کی طرف سے ہلال بن احوز تمیمی مفضل کے تعاقب میں چلا آرہا ہے تو اس نے آلِ مہلب کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔ قندابیل کے باہر آلِ مہلب کا ہلال بن احوذ کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ خاندانِ مہلب کے تمام مرد مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے قتل ہوئے۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر کے دمشق بھیج دیئے گئے۔ البتہ ابوعیینہ بن مہلب اور عثمان بن مفضل بچ کر زنبیل چلے گئے۔

اس طرح اس نامور خاندان کا جس نے اپنے قابلِ فخر کارناموں سے بنی اُمیہ کی عظمت میں چار چاند لگائے، ستارۂ اقبال غروب ہو گیا۔

جب مسلمہ بن عبدالملک یزید بن مہلب کے فتنہ کا قلع قمع کر چکا تو یزید بن عبدالملک نے اسے عراقین کا والی مقرر کر دیا۔ مسلمہ نے اپنے داماد سعید خذینہ کو حاکمِ خراسان مقرر کیا۔

صغد کی سرزنش سعید ظالم و عیش پرست آدمی تھا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اہلِ صغد نے خاقان اعظم کے امدادی لشکر سے ایک بہادر سردار کورصول کی رہنمائی میں قصرِ باہلی پر حملہ کر دیا۔ اس قصر میں بہت سے مسلمان آباد تھے جو محصور ہو کر رہ گئے۔ حاکمِ سمرقند عثمان بن عبداللہ نے مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر عارضی طور پر کورصول سے صلح کر لی اور آس پاس کے اسلامی حکام سے امداد طلب کی۔

ایک مسلمان سردار مسیب بن بشر ریاحی سات سو منتخب جنگجو سپاہیوں کو ساتھ

لے کر قصرِ باہلی کے محصور مسلمانوں کی امداد کے لئے پہنچ گیا۔ یہ وقت تھا کہ مسلمان یہ طے کر چکے تھے کہ اپنے اہل وعیال کو اپنے ہاتھوں ٹھکانے لگا کر ایک ایک کر کے کٹ مریں گے۔ مسیب بن بشر نے اہلِ قصر کو خفیہ طور پر اپنی آمد کی خبر دی اور کہا کہ وہ صبح تک اور صبر سے کام لیں۔

علی الصباح مسیب نے اپنے مٹھی بھر جانبازوں کو لے کر ترک محاصرین پر حملہ کر دیا۔ اندر سے محصور مسلمان بھی شمشیر بکف نکل آئے۔ سخت خون ریز جنگ ہوئی جس میں فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور ترک بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب مسیب نے مسلمانوں سے کہا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہماری طاقت کم ہے اور دشمن کا علاقہ نزدیک۔ اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو۔ مسلمان قصر کے ساز و سامان اور مالِ غنیمت کو ساتھ لے کر قصرِ باہلی سے نکل آئے۔ مسیب کی رائے بالکل درست ثابت ہوئی۔ دوسرے دن ترک اپنی طاقت کو مضبوط کر کے واپس آئے۔ مگر وہاں میدان خالی پایا۔ یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے۔

اسی سال مسلمہ بن عبدالملک کو عراقین کی امارت سے معزول کر دیا گیا۔ اور اس کی بجائے عمر بن ہبیرہ فزاری کو مقرر کیا گیا۔ عمر بن ہبیرہ نے سعید خذینہ کو خراسان کی حکومت سے معزول کر کے اس کی بجائے سعید حرشی کو مامور کیا۔

سعید حرشی بہادر سپہ سالاروں میں سے تھا۔ صغد و ترک کو اس کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بلادِ صغد کو چھوڑ کر چینی علاقہ کی طرف نکل گئے۔ سعید حرشی نے خنجدہ تک اُن کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت کثیر کو تہ تیغ کیا۔ بہت سے قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر کامیاب و کامران واپس آیا۔

۱۰۴ھ میں عمر بن ہبیرہ والئ عراقین سے اختلاف ہو جانے کی وجہ سے سعید حرشی حکومتِ خراسان سے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ مسلم بن سعید کلابی کا تقرر ہوا۔[۱]

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۲۲۲

خزر کی سرکوبی

اسی سال ثبیت نہرانی کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک لشکر خزر کی سرکوبی کے لئے آرمینیہ کی طرف بڑھا۔ خزر نے قبچاق و ارمن اور ترکوں کے دوسرے قبائل کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ مرج حجارہ میں ایک ہولناک معرکہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور دشمنوں نے ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ دمشق میں یہ خبر پہنچی تو یزید نے جراح بن عبداللہ حکمی کو آذربائیجان و آرمینیہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا اور اسے خزر کی گوشمالی کی ہدایت کی۔

جراح بن عبداللہ حکمی تازہ دم شامی فوج کے ساتھ ترکستان کی طرف بڑھا۔ پہلے بزرعہ پہنچ کر دم لیا۔ پھر نہر کو عبور کر کے باب الابواب پہنچا۔ خزر اسے خالی کر کے پہلے ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ جراح بلا مقابلہ اس پر قابض ہو گیا۔ جراح یہیں مقیم تھا کہ خزر اپنے شہزادہ کی رہنمائی میں ایک لشکر گراں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آئے۔ نہران کے کنارے سخت لڑائی ہوئی۔ مسلمان فتح یاب ہوئے اور ترک شکست کھا کر لوٹ گئے۔

جراح یہاں سے چل کر حصن حصین پہنچا۔ اہل قلعہ نے بغیر لڑے قلعہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا اور وہاں سے اپنا مال و اسباب لے کر نکل گئے۔ اس کے بعد جراح نے بلنجر کا رخ کیا۔ یہ ترکوں کا ایک مضبوط قلعہ تھا جہاں ان کی بڑی قوت مجتمع تھی۔ یہاں مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی۔ مگر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ مسلمانوں نے بہت دیر تک ترکوں کا تعاقب کیا۔ ان کی جمعیت عظیم کو تہ تیغ کیا اور آس پاس کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

پھر ۱۰۵ھ میں جراح نے بلنجر سے آگے بڑھ کر بلادِ لان پر حملہ کیا۔ بہت سے قلعے فتح کئے۔ ترکوں کی جمعیت عظیم کو قید کیا اور مالِ کثیر لے کر واپس لوٹا۔

جراح کی ان پے در پے کامیابیوں سے ترکوں پر اس کا رعب چھا گیا۔ اور ترکستانی علاقہ میں دوبارہ امن و امان قائم ہو گیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۴

ولی عہدی یزید کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے بعد اپنے بیٹے ولید کو جانشین بنائے لیکن اس کے مشیروں نے کہا کہ ولید ابھی کم سِن ہے اور خلافت کی ذمّہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یزید نے اپنے بعد ترتیب وار اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید بن یزید کو ولی عہد سلطنت نامزد کیا۔

وفاتِ یزید ۲۵ر شعبان ۱۰۵ھ کو یزید بن عبدالملک نے سِل کی بیماری میں بلقاء (مضافاتِ دمشق) میں انتقال کیا۔ اس کی عمر ۳۸ سال ہوئی اور چار سال ایک مہینہ تک تختِ حکومت پر متمکن ہُوا۔

ہشام بن عبدالملک

۱۰۵ھ تا ۱۲۵ھ

ہشام بن عبدالملک بن مروان ۷۲ھ میں عائشہ بنت ہشام کے بطن سے تولد ہوا۔ باپ نے اس کا نام منصور رکھا۔ کیونکہ اسی سال اُس نے مصعب بن زبیر کو قتل کیا تھا۔ ماں نے اپنے باپ کے نام پر اس کا نام ہشام تجویز کیا اور اسی نام سے مشہور ہوا۔

یزید کے انتقال کے وقت وہ رصافہ میں مقیم تھا۔ یہیں اُس کی تاجپوشی ہوئی اور عصاء و خاتم اس کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ پھر دمشق پہنچ کر اس نے بیعتِ عام کی۔
خلافت کی وقت اس کی عمر ۳۴ سال تھی۔ ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک تقریباً بیس سال وہ تختِ حکومت پر متمکن رہا۔ وہ حلیم، عفیف، مدبر اور حوصلہ مند بادشاہ تھا۔ اُس کے زمانہ میں بہت سے اندرونی حالات اور بیرونی مہمات پیش آئے مگر سب میں وہ کامیاب و کامران رہا۔ وہ بنی اُمیہ کے بہترین خلفاء میں شمار کیا جاتا ہے۔

مہماتِ عراق و خراسان

ہشام بن عبدالملک نے تخت نشین ہوتے ہی عراق کی امارت سے عمر بن ہبیرہ کو معزول کر دیا۔ اور اس کی جگہ خالد بن عبداللہ قسری کو مامور کیا۔

مسلم بن سعید

اس زمانہ میں مسلم بن سعید حاکم خراسان ترکوں سے برسرپیکار تھا۔ خالد قسری نے اُسے اپنا کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔
مسلم بن سعید فرغانہ پہنچا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ خاقان اپنا لشکر لئے اُس کے مقابلہ کے لئے آ رہا ہے۔ مسلم بن سعید اُسے روکنے کے لئے آگے بڑھا۔ مسلمانوں کی

ایک چھوٹی جماعت کی خاقان کے لشکر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ترکوں نے ان کو سخت نقصان پہنچایا اور کئی بہادر افسروں کو جن میں مسیب بن بشیر ریاحی بھی تھے، قتل کر دیا۔

اسلامی فوج کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو دشمنوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔ کیونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے مسلم بن سعید نے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور کترا کر نکل گئے۔ آٹھ روز تک برابر چلتے رہے۔ نویں دن ایک دریا پر پہنچے۔ دریا کے اس پار اہلِ فرغانہ اور شاش مجتمع تھے۔ مسلم بن سعید نے حکم دیا کہ تمام مسلمان اپنی تلواریں میان سے نکال لیں۔ آن کی آن میں تلواروں کا جنگل نظر آنے لگا۔

مسلمانوں نے دریا کو پار کیا اور دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔ ایک دن ٹھہرے تھے کہ معلوم ہوا خاقان کا بیٹا دو لاکھ ترکوں کے ساتھ تعاقب میں چلا آرہا ہے۔ مسلم بن سعید نے فوج کو رُک جانے کا حکم دیا۔ یہاں ترکوں اور مسلمانوں کا خون ریز مقابلہ ہوا۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے ترکوں کے ٹڈی دَل کا مُنہ پھیر دیا۔ ترک و صغد کے ممتاز افسر جن میں خاقان کا بیٹا بھی شامل تھا مقتول ہوئے۔

مسلمان اگرچہ مظفر و منصور ہوئے۔ مگر انہیں اس جنگ میں بھوک اور پیاس کی سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ مسلم بن سعید سالارِ فوج کے لئے جب ایک گلاس پانی لایا گیا تو اُسے دوسرے سپاہیوں نے چھین کر پی لیا۔ مسلم نے کہا۔ کچھ حرج نہیں یہ مجھ سے زیادہ پیاسے تھے۔

اب مسلمان بہت تھک گئے تھے اس لئے خجندہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ یہیں قاصد نے اطلاع دی کہ عبداللہ قسری نے مسلم بن سعید کو معزول کر کے اپنے بھائی اسد بن عبداللہ کو حاکمِ خراسان مقرر کیا ہے اور جدید والی خراسان اسد نے اسلامی فوج کا سپہ سالار عبدالرحمٰن بن نعیم کو مقرر کیا ہے۔ مسلم کو جب

یہ اطلاع ملی تو اُس کے چہرے پر بَل تک نہ آیا اور اُس نے بخوشی عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول کر لیا۔[1]

اسد بن عبداللہ

اسد بن عبداللہ ایک بہادر و دلیر افسر تھا۔ اس نے سنہ ۱۰۷ھ میں جبال ہرات میں غور پر فوج کشی کی۔ اہل غور نے اپنا سامان ایک گہرے غار میں چھپا دیا اور خود ہٹ گئے۔ اسد نے زنجیروں میں صندوق باندھ کر اپنے آدمیوں کو غار میں اُتارا اور تمام سامان نکلوا لیا۔

سنہ ۱۰۸ھ میں اسد نے پھر ختل و غور پر فوج کشی کی۔ مسلمانوں نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے۔ اور کامیاب واپس ہوئے۔

اسد میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اس میں قبائلی عصبیت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس نے قحطان کی طرفداری اور مضر کی مخالفت برملا شروع کر دی۔ اس نے نصر بن سیار، عبدالرحمٰن بن نعیم، سورہ بن حر، بختری بن ابی درہم جیسے سرداران مضر کے کوڑے لگوائے اور اُن کے سر منڈوا کر اپنے بھائی خالد کے پاس عراق بھیج دیا۔

سنہ ۱۰۶ھ میں بروقان میں قحطانی اور مضری قبائل میں ایک جنگ بھی ہو چکی تھی۔ اسد کے طرزِ عمل نے عصبیت کی آگ پر تیل کا کام دیا اور مسلمانوں میں جاہلیت کی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ہشام کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے خالد کو لکھا:-

"اپنے بھائی کو معزول کر کے اس کی جگہ اشرس بن عبداللہ کو حاکم خراسان مقرر کرو۔"

اشرس

اشرس سنہ ۱۰۹ھ میں خراسان آیا۔ وہ عالم فاضل اور متدین امیر تھا۔ اہلِ خراسان اس کی آمد سے بہت خوش ہوئے۔ اشرس نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۸

سمرقند اور ماوراءالنہر کے علاقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے ابوالصیدا ایک بزرگ کو مامور کیا۔ ابوالصیدا کی کوشش سے ترک جوق در جوق داخل اسلام ہونے لگے۔ ذمیوں کے قبولِ اسلام سے جزیہ کی رقم میں بہت کمی آگئی۔ عاملِ سمرقند ابن عمرطہ نے اشرس کو جزیہ کی کمی کی اطلاع دی۔ اشرس نے جواب میں لکھا۔

"جزیہ کی رقم مسلمانوں کی طاقت ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ذمی دین کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ جزیہ سے بچنے کی خاطر مسلمان ہو رہے ہیں۔ تم امتحان کرو جو ذمی ختنہ کرالے، فرائضِ اسلامی ادا کرے اور قرآن کی کوئی سورت بھی یاد کر لے اُسے چھوڑ دو باقی سب سے حسبِ دستور جزیہ لو۔"

نومسلم اشرس کے اس حکم سے برہم ہو گئے اور سات ہزار کی تعداد میں لڑنے کے لئے میدان میں آگئے۔ بہت سے نیک نہاد مسلمانوں نے بھی اُن کا ساتھ دیا جن میں ابوالصیدا بھی تھے۔ اشرس نے مجشر بن مزاحم کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مجشر نے ابوالصیدا اور دوسرے مسلمانوں کو جو نومسلموں کے حامی تھے دھوکہ سے گرفتار کر کے اشرس کے پاس بھیج دیا۔ پھر نومسلم ترکوں سے بزورِ شمشیر جزیہ وصول کیا۔ اور اُن کے سرداروں کی توہین کی۔

مجشر کے اس طرزِ عمل سے سمرقندی نومسلم مرتد ہو گئے۔ انہوں نے ترکوں سے مدد طلب کی اور مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گئے۔

صورتِ حال کی نزاکت کو دیکھ کر اشرس خود مقابلہ کے لئے نکلا۔ دریا کے پارہ آہل کے قریب اشرس کا صغد و ترک کے متحدہ لشکروں سے مقابلہ ہوا قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ لیکن آخر اشرس کی ہوشیاری سے اُنہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر اشرس آگے بڑھ کر بیکند پہنچا۔ یہاں ترکوں نے مسلمانوں کا پانی بند کر دیا۔ چنانچہ سات سو مسلمان پیاسے مر گئے۔ آخر مسلمانوں نے بڑی جدوجہد سے پانی

پر قبضہ کیا اور سیراب ہو کر دشمنوں کو اُن کے ٹھکانوں سے ہٹا دیا اور انہیں شکست دے دی۔

واقعہ کمرجہ ابھی یہ لڑائی جاری ہی تھی کہ خاقان نے اہلِ فرغانہ، افشینہ و نسف کو ساتھ لے کر خراسان کی اسلامی نوآبادی "کمرجہ" کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کمرجہ کے مسلمانوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے۔ خندق کا پُل توڑ دیا اور شہر بند ہو کر کفار کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ ترکوں نے شہر کے گرد کی خندق کو گیلی لکڑیوں سے پُر کر کے راستہ نکالنے کی کوشش کی مسلمانوں نے اندر سے خشک لکڑیاں ڈال کر اُن میں آگ لگا دی۔ ترکوں کی سات دن کی محنت ایک گھنٹہ میں ختم ہو گئی۔ ترکوں نے مسلمانوں کو ضدانے کے لئے ایک سو مسلمان قیدیوں کو شہر کی فصیل کے نیچے قتل کر دیا اور اُن کے سر کاٹ کر شہر میں پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے اتنی ہی تعداد میں ترک قیدیوں کے سر کاٹ کر باہر پھینک دیئے۔ غرض مُٹھی بھر مسلمان مرد، عورتیں اور بچے سربکف ہو کر دو مہینے تک ٹڈی دل دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔

خاقان کو دورانِ محاصرہ ہی میں اطلاع ملی کہ اسلامی فوجیں فرغانہ پہنچ گئی ہیں اس نے کمرجہ کے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ہماری عادت یہ نہیں ہے کہ جس شہر کا محاصرہ کریں اُسے بغیر فتح کئے چھوڑ دیں۔ البتہ ہم تمہارے ساتھ اتنی رعایت کر سکتے ہیں کہ تم شہر چھوڑ کر نکل جاؤ اور ہم تم سے تعرض نہ کریں"۔

مسلمانانِ کمرجہ نے جواب دیا۔

"ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو شہر ہمارے قبضہ میں ہو جیتے جی ہم اُسے اپنے ہاتھ سے دے دیں۔ آخر کار مسلمانوں اور ترکوں میں یہ معاہدہ طے پایا کہ مسلمان بھی کمرجہ کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں اور ترک بھی اپنی فوجیں لے کر ہٹ جائیں۔ چنانچہ فریقین نے ایک دوسرے سے ضمانت لی اور مسلمان کمرجہ چھوڑ کر دبوسیہ چلے گئے۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵۶

جنید بن عبدالرحمٰن ۱۱۱ھ میں ہشام نے اشرس بن عبداللہ کو معزول کر دیا۔ اور اُس کی جگہ جنید بن عبدالرحمٰن مری کو حاکم خراسان مقرر کیا۔ جنید مضری تھا۔ اس نے اپنے تمام ماتحت حکام مضری ہی مقرر کئے۔

واقعۂ شوب ۱۱۲ھ میں جنید طخارستان پر حملہ آور ہونے کے ارادہ سے نکلا۔ ترکوں کو یہ خبر پہنچی تو وہ ایک کثیر فوج کے ساتھ سمرقند کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے۔ عامل سمرقند سورہ بن حر نے جنید کو اطلاع دی اور لکھا کہ :-

"مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ دشمن کی اس جمعیت عظیم کا مقابلہ کرسکوں آپ فوراً میری مدد کے لئے پہنچئے۔"

جنید نے اپنے بارہ ہزار ساتھیوں کے ساتھ سمرقند پہنچ کر سورہ کی مدد کا ارادہ کیا۔ اس کے رفقاء نے سمجھایا کہ پہلے امراء خراسان میں سے کسی نے بھی پچاس ہزار سے کم فوج کے ساتھ کبھی دریائے جیحون کو عبور نہیں کیا ہے۔ آپ مزید کمک کا انتظار کیجئے مگر جنید نے کہا مجھے سورہ کی مدد کے لئے جلد سے جلد پہنچنا ضرور ہے۔

غرض جنید دریا کو پار کر کے "کس" میں مقیم ہوا اور ترکوں سے مقابلہ کی تیاری کی۔ پھر وہاں سے چل کر سمرقند کے قریب ایک گھاٹی میں خیمہ زن ہوا۔ خاقان کو خبر ہوئی تو وہ ترکوں کے مختلف قبائل کی جمعیت عظیم لے کر اندھیرے منہ مسلمانوں پر آپڑا۔ مسلمانوں نے باوجود قلت تعداد بڑی بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا اور ترکوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ لیکن دو دن کے سخت مقابلے کے بعد مسلمانوں نے کمزوری کے آثار پائے۔

جنید سمرقند میں جو قریب تھا۔ سورہ بن حر کو حالات کی اطلاع دی اور مدد طلب کی۔ سورہ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سمرقند سے نکل کھڑا ہوا۔ جب جنید اور سورہ کے درمیان ایک فرسخ فاصلہ رہ گیا تو ترک بیچ میں حائل ہو گئے اور دریا کے کنارے کے جھاڑ جھنکاڑ میں آگ لگا دی۔

سورہ نے ترکوں کو ہٹا کر جنید سے مل جانے کا عزم کیا مسلمانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ ترکوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لڑائی کے گرد و غبار کی وجہ سے آگ کے شعلے نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ مسلمان ترکوں کے تعاقب میں گئے تو بہت سے مسلمان اور ترک آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آگئے۔ اس افراتفری میں سورہ امیر سمرقند گھوڑے سے گر گیا اور اُس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

سورہ کے زخمی ہونے سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ترکوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی اکثر فوج کا صفایا کر دیا۔

اس حادثہ کی اطلاع سُن کر جنید نے سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ ابھی گھاٹی سے نکلے بھی نہ تھے کہ ترکوں کا لشکر نمودار ہوا۔ مسلمانوں نے فوراً مقابلہ کے لئے صفیں درست کر لیں۔ چونکہ مسلمان دشمن کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے جنید نے اعلان کر دیا۔

"اس معرکہ میں جو غلام کارہائے نمایاں انجام دے گا وہ آزاد ہے۔"

یہ سُن کر غلام اس بہادری سے لڑے کہ دشمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

جنید سمرقند پہنچا اور مصلحتِ وقت دیکھ کر مسلمانوں کے اہل و عیال کو مرو پہنچا دیا۔ جنید سمرقند ہی میں مقیم تھا کہ معلوم ہوا خاقان بخارا کے ارادہ سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ جنید بھی فوراً بخارا کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ پہاڑی اور بڑا پُرخطر تھا لیکن مسلمان پوری احتیاط اور انتظام کے ساتھ اس راستے کو طے کر گئے۔ کرمینیہ کے قریب خاقان اپنی فوج لئے نمودار ہوا۔ مگر مسلمانوں نے ترکوں کو شکست دیدی۔ جنید بخیر و خوبی بخارا میں داخل ہوا۔ اہلِ بخارا نے اس مدد پر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور ہر مسلمان سپاہی کو شکرانہ کے طور پر دس درہم نذر کئے۔[1]

عاصم بن عبداللہ

۱۱۶ھ میں ہشام بن عبدالملک نے جنید کو اس جرم میں معزول کر دیا کہ اس نے یزید بن مہلب کی لڑکی سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۶۳

شادی کر لی تھی اور اس کی بجائے عاصم بن عبداللہ ہلالی کو حاکم خراسان کر کے بھیجا۔ ہشام نے عاصم کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر وہ جنید پر قابو پالے تو اُسے زندہ نہ چھوڑے مگر جنید مرضِ استسقاء میں مُبتلا تھا۔ عاصم کے پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ عاصم نے جنید کے جانشین اور اس کے عمال کے ساتھ سخت برتاؤ کیا۔

بغاوت حارث بن سریج

اسی سال حارث بن سریج نے خراسان میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس نے سیاہ لباس کو اپنا شعار بنایا اور لوگوں کو کتاب اللہ و سُنّتِ رسول اللہ اور آزادی انتخاب خلیفہ کے نام پر بیعت کی دعوت دی۔ بہت سے مُسلمانوں نے اُس کا ساتھ دیا۔ حارث نے بلخ، جوزجان طالقان اور مرو روز پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہ خراسان کے صدر مقام مرو کی طرف بڑھا۔

عاصم نے مرو کے دروازوں پر اس کا مقابلہ کیا۔ حارث کو شکستِ فاش ہُوئی اور اُس کے بہت سے ساتھی بھاگتے ہُوئے دریا میں ڈُوب گئے۔ حارث جان بچا کر وادئ مرو سے نکل گیا۔ عاصم نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا۔

اس کے بعد عاصم نے ہشام بن عبدالملک کو لکھا۔

"خراسان کا امن و امان اس امر کا مقتضی ہے کہ اُسے ولایتِ عراق سے ملحق کر دیا جائے۔ اس صورت میں وقتِ ضرورت فوجی مدد پہنچنے میں آسانی ہو گی ورنہ مرکز سے دُور ہونے کی وجہ سے بغاوت و شورش جاری رہے گی۔"

اسد بن عبداللہ قسری

ہشام نے عاصم کی اس رائے کو پسند کیا اور خراسان کے صُوبہ کو ولایتِ عراق کے ماتحت کر دیا۔ مگر عاصم کو معزول کر کے خالد بن عبداللہ قسری والئ عراق کے بھائی عبداللہ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔

عاصم کو معزولی کی خبر پہنچی تو وہ بہت برافروختہ ہُوا۔ اُس نے حارث بن

سریج کے پاس پیغامبر بھیج کر اس شرط پر صلح کر لی کہ حارث خراسان کے جس پرگنہ میں چاہے اقامت اختیار کرے اور دونوں مل کر ہشام کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

عاصم کی اس مصالحت کو امراءِ لشکر نے پسند نہ کیا اور اُسے حارث سے لڑنے پر مجبور کیا۔ مجبوراً عاصم کو حارث کے مقابلہ میں آنا پڑا۔ حارث کو شکست ہوئی اور وہ مرو دوزہ کی طرف چلا گیا۔

اس دوران میں اسد خراسان پہنچ گیا۔ اُس نے عاصم کو گرفتار کر لیا اور اُس سے بیت المال کی ایک لاکھ درہم کے بقایا کا مطالبہ کیا۔ اسد نے جنید کے عمال کو بھی جنہیں عاصم نے گرفتار کر لیا تھا، رہا کر دیا۔

اسد ایک مدبر اور جنگ آزما سپہ سالار تھا۔ خراسان پہنچ کر اس نے ملک میں امن وامان قائم کرنے کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔

سنہ ۱۱۹ھ میں اسد نے ختل پر فوج کشی کی اور ان کے سب سے بڑے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ بہ تعداد کثیر مالِ غنیمت اور قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد اسد نے ختل کی وادیوں میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ ختل اپنے علاقہ کو چھوڑ کر چین کی طرف نکل گئے۔

خاقان کا قتل

اسی سال اسد کی جوزجان کے قریب خاقان سے مڈبھیڑ ہوئی خاقان کے ساتھ حارث بن سریج بھی تھا۔ اسد نے خاقان کو شکستِ فاش دی اور تین فرسخ تک اس کا تعاقب کیا۔ بے شمار ترک قتل ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ اسد بلخ میں اپنے مستقرِ حکومت میں واپس آ گیا اور خاقان اپنے علاقے میں چلا آیا۔ خاقان نے پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اس مقصد کے لئے پانچ ہزار خچر دن سے حارث بن سریج کی مدد کی۔ مگر اسی دوران میں اتفاقاً خاقان اور مشہور ترک سردار کورصول کے درمیان نرد کھیلتے ہوئے لڑائی ہو گئی۔ کورصول نے خاقان کا ہاتھ

توڑ دیا۔ خاقان نے قسم کھائی کہ وہ کورصول کو قتل کر کے رہے گا۔ کورصول کو خاقان کی اس قسم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے شبخون مار کر خاقان کو قتل کر دیا۔

خاقان کے قتل سے ترکوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ان کی طاقت ٹوٹ گئی اور اُن میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اسد نے ہشام کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو وہ بہت خوش ہوا اور اُس نے درگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ سنہ ۱۲۰ھ میں اسد نے بلخ میں وفات پائی۔

اسی سال ہشام بن عبدالملک نے خالد بن عبداللہ کو اُس کے مخالفوں کی ایک سازش کی بنا پر معزول کر دیا اور اس کی بجائے یوسف بن عمر نے عراق پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خالد اور اُس کے عمال کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔ یوسف نے نصر بن سیار کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔

نصر بن سیار

نصر بن سیار بھی ایک مدبر عادل اور شجاع افسر تھا اس نے آتے ہی مظالم کی تحقیقات کا انتظام کیا۔ معلوم ہوا کہ تیس ہزار مسلمان ایسے ہیں جن سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے اور اسّی ہزار غیر مسلم ایسے ہیں جن کا جزیہ معاف کر دیا گیا ہے۔ اس نے اس بدعنوانی کا ایک ہفتہ کے اندر اندر انسداد کر دیا۔ پھر اُس نے خراج کی بدنظمی کو دُور کیا۔ اندرونی اصلاحات سے فارغ ہو کر اُس نے ترکوں کے علاقوں پر پَے در پَے فوج کشی کی۔

کورصول کا قتل

سنہ ۱۲۰ھ میں جب نصر تیسری مرتبہ جہاد کے لئے شاش کی طرف نکلا تو اتفاقاً ترکوں کا سالارِ اعظم کورصول جو بہتر مرتبہ مسلمانوں کیساتھ جنگ کر چکا تھا ایک مسلمان کے ہاتھ میں قید ہو گیا۔ نصر نے اُسے قتل کرا کر دریا کے کنارے منظرِ عام پر لٹکا دیا۔

کورصول کے قتل سے ترکوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اس کے ماتم میں اپنے کان کاٹ لئے اور اپنے گھوڑوں کی دُم کے بال تراش دیئے اور اپنے گھروں کو آگ لگا کر نکل گئے۔

حارث بن سریج کی غدارانہ سرگرمیاں برابر جاری تھیں۔ اس معرکہ میں بھی وہ کورصول کے ساتھ تھا۔ یوسف بن عمر نے نصر کو لکھا کہ وہ اس کا تدارک کرے۔ نصر نے یحییٰ بن حصین کو حارث کے استیصال کے لئے شاش روانہ کیا۔ حارث ایک ترک سردار خرم کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ خرم جنگ میں قتل ہوا اور ترک میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس ہزیمت کے بعد فرماں روائے شاش نے نصر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ نصر نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ حارث کو شاش سے نکال دیا جائے۔ حارث شاش سے نکل کر فاریاب آیا اور آخر کئی سال بعد اپنی حرکات پر نادم ہو کر ۱۲۷ھ میں مسلمانوں سے آملا۔

شاش سے فارغ ہو کر نصر فرغانہ کی طرف بڑھا۔ والی فرغانہ نے نصر سے صلح کر لی اور اپنی ماں کو جو ایک مدبر عورت تھی، شرائط کی تکمیل کے لئے نصر کے پاس بھیجا۔

آرمینیہ و آذربائیجان

آرمینیہ و آذربائیجان کے علاقے بھی برسوں مسلمانوں اور ترکوں کا میدانِ جنگ بنے رہے۔ یہاں کا والی جراح بن عبداللہ حکمی تھا۔ جراح نے بلنجر تک فتوحات حاصل کیں۔ ۱۰۷ھ میں ہشام نے جراح کو معزول کر کے مسلمہ بن عبدالملک کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ مسلمہ نے حارث بن عمر طائی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ حارث نے ترکوں کے بہت سے شہر فتح کر لئے اور ان پر اپنی دھاک بٹھادی۔

۱۱۰ھ میں مسلمہ بنفس نفیس باب الدان سے ترکی علاقہ میں بڑھا۔ خاقان بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا۔ ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی اور خاقان نے فرار اختیار کیا۔

۱۱۱ھ میں ہشام نے مسلمہ کو معزول کر کے پھر جراح بن عبداللہ کو مامور کیا۔ جراح نے تفلس کی طرف سے بلادِ خزر پر حملہ کیا۔ مدینہ بیضاء مسلمانوں کے ہاتھوں مفتوح ہوا اور جراح سالم و غانم لوٹا۔

مسلمانوں کی واپسی کے بعد خزر نے مسلمانوں کے مقابلہ کی زور شور سے تیاری کی۔ علاقہ لان سے ترک بھی اُن کے ساتھ آملے۔ جراح نے آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ مرج و ابیل میں نہایت ہولناک جنگ ہوئی جس میں جراح بن عبداللہ حکمی کام آئے۔ جراح کے قتل سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ انہوں نے اسلامی علاقہ کی طرف رُخ کیا اور موصل کے قریب پہنچ گئے۔ ترکوں کا یہ اقدام مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک تھا۔

ہشام کو خبر ہوئی تو اُس نے سعید حرشی کو ترکوں کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور دُوسرے مسلمان افسروں کو اس کی مدد کا حکم دیا۔ سعید ترکوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ ارزن پہنچے تو وہاں جراح کے باقی ماندہ ہمراہی ان کے ساتھ ہوگئے۔ پھر خلاط پہنچے اور اُسے بزورِ شمشیر فتح کیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے اور بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کرتے ہوئے برزعہ پہنچ گئے۔

خاقان کا بیٹا اس وقت ورثان کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ حرشی نے ورثان کے محصور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ صبر و استقامت سے کام لیں۔ ہم جلد پہنچتے ہیں۔ خاقان کے بیٹے کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ محاصرہ اُٹھا کر چلا گیا حرشی نے بلا مقابلہ شہر پر قبضہ کر لیا۔

ورثان سے حرشی اردبیل آیا۔ وہاں سے باجروان پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہُوا کہ قریب ہی دس ہزار کی تعداد میں خزر کا لشکر خیمہ زن ہے اور اُن کے ساتھ پانچ ہزار مسلمان قیدی بھی ہیں۔ حرشی نے راتوں رات چل کر پو پھٹتے خزر کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ خزر اس مصیبتِ ناگہانی کی تاب نہ لا سکے۔ سب مقتول ہوئے اور مسلمان قیدیوں نے رہائی پائی۔

اس شکست کے بعد پھر خزر نے اپنی قوت مجتمع کی۔ حرشی بھی اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھا۔ برزند کے قریب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ سخت ہولناک جنگ ہوئی۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے قدم لڑکھڑا جائیں مگر خزر کے ساتھ جو

مسلمان قیدی تھے اُنہوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ مُسلمانوں کو جوش آیا اور پھر جو پلٹ کر حملہ کیا تو دشمنوں کو میدان سے بھگا کر چھوڑا۔ اس لڑائی میں مُسلمان قیدیوں کے علاوہ بہت کچھ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

اس کے بعد خزر نے اپنی منتشر قوت جمع کی اور اپنے شہزادہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ نہر بیلمان پر سخت جنگ ہُوئی۔ فریقین نے بڑی بہادری کے ساتھ جنگ لڑی آخر کار مُسلمانوں کو فتح حاصل ہُوئی۔ خزر کے بہت سے ساتھی مقتول ہُوئے۔ اور باقی دریا میں غرق ہو گئے۔

حرشی نے مالِ غنیمت کا خمس اور فتوحات کی اطلاع ہشام کو بھیجی۔ ہشام نے اظہارِ خوشنودی کیا۔

سنہ ۱۱۳ھ میں ہشام نے سعید حرشی کو واپس بلالیا اور اپنے بھائی مسلمہ ابن عبدالملک کو دوبارہ والی آرمینیہ و آذربائیجان مقرر کر کے بھیجا۔

مسلمہ نے آتے ہی خاقان کے علاقہ میں اسلامی فوجیں پھیلادیں۔ بہت سے شہر اور قلعے فتح کئے۔ بہت سے تُرک قید کئے اور ماوراء بلنجر کے تمام علاقے پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔

اسی دوران میں خاقان کا لڑکا مسلمانوں کے ہاتھ مارا گیا۔ خزر اور دُوسرے قبائل جوشِ انتقام میں متحد ہو کر مُسلمانوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گئے۔ اس وقت ترکوں کی تعداد بے اندازہ تھی۔ مسلمہ اس وقت بلنجر کو پار کر چکا تھا وہ تدبیر سے اپنی فوج کو خطرہ سے نکال کر بسرعت تمام باب الابواب لوٹ آیا۔

مسلمہ نے جو کچھ کیا وہ اگرچہ عین مصلحت تھا تاہم اسے اس کی کمزوری پر محمول کیا گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۴ھ میں ہشام نے مسلمہ کو واپس بُلالیا اور مروان بن محمد کو اس کی جگہ مقرر کیا۔

مروان بن محمد ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکرِ عظیم لے کر بلادِ خزر میں داخل ہُوا اور تمام علاقے کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک روند ڈالا۔ بہت سے

شہر فتح کئے، بہت سے قلعوں پر قبضہ کیا اور سریر، تومان، زرکیراں، حمزین ستعدان لکز اور شروان کے فرماں رواؤں سے طوعاً وکرہاً اطاعت کا وعدہ کیا اور خراج مقرر کیا۔

الغرض مروان بن محمد نے آرمینیہ و آذربیجان کے تمام علاقے میں اسلامی طاقت کی دھاک بٹھادی۔ بحر خرز کے کنارے کے تمام شہر مسلمانوں کے زیرنگیں ہو گئے اور ملک خزر ذلت کے ساتھ سرحدی علاقہ کی طرف بھاگ گیا۔[1]

ایشیائے کوچک

بلادِ اسلامیہ کی حدود شمالیہ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان برابر چھیڑ چھاڑ جاری رہتی تھی۔ چونکہ یہاں عظیم الشان رومی سلطنت سے مقابلہ کا معاملہ تھا اس لئے خلفاء کی توجہ اس طرف بہت تھی "شواتی" اور صوائف کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا اور ان فوجوں کے سالار اکثر نامور فوجی افسر اور خاندان شاہی کے ممتاز اراکین منتخب کئے جاتے تھے۔ مروان بن محمد، مسلمہ بن عبدالملک، معاویہ بن ہشام اور سلیمان بن ہشام نے اس نواح میں اسلامی جرأت و بسالت کے بے نظیر نمونے پیش کئے۔ قونیہ، خرشنہ، قیساریہ اور دوسرے بہت سے شہر اور قلعے رومیوں سے چھین کر اُن کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بٹھادی۔

ان کے علاوہ عبداللہ بطال اور عبدالوہاب بن بخت دو جاں باز افسروں نے اپنی جانبازی سے دشمنوں کو حیران کر دیا۔

عبداللہ بطال نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ اس کی بہادری کے افسانے اس علاقے میں زبان زد ہو گئے تھے۔ خود عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ رومی علاقے میں چپکے سے کسی گاؤں میں پہنچے تو وہاں دیکھا کہ ایک ماں اپنے بچّہ کو یہ کہہ کر رونے سے منع کر رہی ہے۔ بچّے اگر تو روتا رہا تو میں

---

[1] یہ تمام واقعات ابنِ اثیر کے مختلف ابواب سے ماخوذ ہیں۔

بطال کو بلا لوں گی۔ جب بچہ روتا ہی رہا تو ماں نے اُسے گہوارہ سے نکال کر کہا۔ "لے بطال اسے لے جا" بطال فوراً گھر میں داخل ہو گئے اور بچے کو گود میں لے لیا۔ ماں حیران رہ گئی۔

عبدالوہاب بن بخت ایک ممتاز تابعی مجاہد تھے۔ وہ رُومی معرکوں میں بطال کے ساتھ رہتے تھے۔ ۱۱۳ھ میں کسی لڑائی میں بطال کے ساتھیوں نے رُومیوں کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی اور بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عبدالوہاب اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر میدان میں پہنچ گئے۔ پھر چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔

"بہادرو اِدھر آؤ! جنت کا راستہ یہ ہے۔ افسوس کیا تم جنت کے راستہ سے مُنہ موڑتے ہو"

پھر بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔[۵]

ان دونوں کی بہادری کے متعلق اور بہت سے واقعات مشہور ہیں جن میں سے بعض مبالغہ آمیز ہیں۔

علاوہ ازیں حکومتِ اسلامیہ کے بحری بیڑے بھی بحری راستہ سے حدودِ روم میں حملہ کرتے رہتے تھے۔ ہشام کے زمانہ میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خدیج امیر البحر تھا اور عبداللہ بن عقبہ افواج بحریہ کا ایک ممتاز افسر۔

شہادتِ زید بن علی

بنو ہاشم امر خلافت میں بنو امیہ کے پرانے حریف تھے تاہم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں جو لرزہ انگیز سلوک ہوا اُس نے بنو ہاشم کو عرصہ تک مہر بلب رکھا۔ حضرتِ امام زین العابدین علی بن حسینؓ جنھوں نے غیروں کی جفا کاری اور اپنوں کی غداری کے ہوشربا مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے انھوں نے "تختِ خلافت" کا خیال بھی کبھی دل میں نہ آنے دیا۔ لیکن نئی نسل کے دل میں یہ جذبۂ خفتہ پھر بیدار

---

[۵] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۴-۳، ۳۲۱

ہوا اور حصولِ خلافت کی آرزو دل سے نکل کر کبھی کبھی زبانوں پر بھی آنے لگی۔

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں خانوادۂ نبوت کے ایک بزرگ حضرت زید بن علی بن حسینؓ بھی اسی قسم کی آرزو کا اظہار کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے ایک خاندانی وقف سے متعلق نزاع کے سلسلہ میں دمشق گئے۔ خلیفہ ہشام نے اُن سے ان کے درجہ کے مطابق سلوک نہ کیا۔ کچھ عرصہ تک تو اُس نے اُنہیں ملاقات کا موقع ہی نہ دیا۔ جب ملاقات کے لئے بلایا تو ایک بلند بالاخانہ پر طلب کیا۔ زید بن علی فربہ جسم کے آدمی تھے اُنہیں چڑھنے میں کافی تکلیف ہوئی۔ بہر کیف گفتگو شروع ہوئی۔ امام زید نے دورانِ گفتگو میں کسی بات پر قسم کھائی۔ ہشام نے کہا میں "تمہاری بات کی تصدیق نہیں کرتا۔"

امام زید نے فرمایا "اے ہشام (اس قدر مغرور نہ ہو) دنیوی عزت و ذلت خدائے تعالیٰ کی رضامندی و ناراضی کی دلیل نہیں ہے"

اس پر ہشام برافروختہ ہوا اور اُس نے کہا "اے زید مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم خلافت کی آرزو رکھتے ہو۔ حالانکہ تم ایک باندی کی اولاد ہو۔"

زید نے جواب دیا "حضرت اسمٰعیلؑ باندی کے بطن سے تھے اور اُن کے بھائی حضرتِ اسحاقؑ وغیرہ آزاد عورت کے بطن سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ان کے بھائیوں پر فضیلت دی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی اولاد میں پیدا کیا۔ اس سے زیادہ کسی شخص کی کیا عزت ہو سکتی ہے کہ اس کے نانا جناب رسول اللہ ہوں اور اس کے باپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔"

اس گفتگو کے بعد ہشام نے ان کو مجلس سے چلے جانے کا حکم دیا۔

زید بن علی شام سے کوفہ آئے۔ اہلِ کوفہ اپنی پرانی عادت کے مطابق خفیہ طور پر اُن سے ملتے اور اپنی امداد و حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر اُبھارتے۔ اُنھوں نے اپنے چچیرے بھائی ابوجعفر سے مشورہ کیا۔ ابوجعفر نے کہا۔

"اہلِ عراق کا ہرگز اعتبار نہ کیجئے اُنھوں نے ہمارے باپ اور دادا کو دھوکہ دیا۔

مگر زید آخر کوفیوں کے جال میں شکار ہو گئے۔ پندرہ ہزار کوفیوں نے خفیہ طور پر اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ایک تاریخ حکومت کے خلاف خروج کے لئے مقرر کی گئی۔

یوسف بن عمر والیٔ عراق کو وقت سے پہلے اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ اُس نے عاملِ کوفہ کو سختی سے شورش دبانے کے احکام بھیجے۔ مبایعینِ زید پر جب حکومت کی طرف سے سختی ہوئی تو اُنھوں نے امام سے ایک حیلہ سے علیحدگی اختیار کر لی۔

وہ امام زید کے پاس پہنچے اور اُن سے سوال کیا۔

"آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟"

امام زید نے کہا "اللہ اُنھیں اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے۔ مَیں نے اپنے بزرگوں کو اُن کے حق میں کلماتِ خیر کہتے سُنا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مَیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اہلِ بیتِ نبویؐ خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ ان بزرگوں نے اپنے آپ کو اہلِ بیت پر ترجیح دی۔ تاہم یہ کوئی کفر و اسلام کا معاملہ نہیں۔ اُنھوں نے اپنے عہد میں عدل سے کام لیا اور کتاب و سُنّت پر عمل کیا۔

کوفی بولے "پھر ہم بنو اُمیّہ سے کیوں لڑیں ان کی حالت بھی یہی ہے؟"

امام زید نے جواب دیا "ان کی صُورت ان سے مختلف ہے یہ اپنے نفس پر اور دُوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور مَیں کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ پر عمل کی دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں۔ تمھیں میری مدد کرنا بہتر ہے۔"

مگر یہ لوگ تو اپنے سر سے ٹالنا اُتارنے کے لئے آئے تھے یہ کہہ کر چل دیئے۔

"اگر آپ کے یہی خیالات ہیں تو ہم آپ سے بے تعلق ہیں۔"

آخر جس رات خروج کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ رات آگئی۔ کُل دو سو اٹھارہ آدمی امام زید کے ساتھ میدان میں نکلے۔

ادھر یوسف بن عمر خود جمعیتِ کثیر لے کر مقابلہ کے لئے آ گیا۔ زید کی مختصر سی جماعت نے جانبازی سے مقابلہ کیا۔ آخر ایک تیر امام کی پیشانی پر آ کر لگا اور اُس نے آپ کا کام تمام کر دیا۔

یوسف بن عمر نے آپ کی شہادت کے بعد آپ کی لاش کو قبر سے نکلوا کر سُولی پر آویزاں کیا[1]

دعوتِ عباسیہ

حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کے علاوہ بنو ہاشم کے دوسرے دو گھرانے بھی خلافت کے خواہشمند تھے۔ یہ گھرانے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر فاطمی فرزند، محمد بن حنفیہ اور حضرت عباس ابن ابی طالب کے گھرانے تھے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عبدالملک کے زمانے میں مختار ثقفی اور بعض شیعیانِ علیؓ نے حضرت امام زین العابدینؓ کے انکار کے بعد، محمد بن حنفیہ کو منصب امامت پر فائز کیا تھا۔ اگرچہ بعد میں محمد بن حنفیہ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ لیکن اُن کے حامی انہی کو امام تسلیم کرتے رہے۔ ان کے انتقال کے بعد اُن کے صاحبزادہ ابوہاشم عبداللہ کو ان کا جانشین تجویز کیا گیا۔

اگرچہ حضرت عباسؓ عمِ رسولؐ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ولی اقرب تھے، تاہم آپ نے اور آپ کے فرزندِ ارجمند حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کبھی خلافت کی آرزو نہیں کی۔ لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے علی بن عبداللہؓ بن عباسؓ کے دل میں یہ خواہش موجود تھی۔

یہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر حمیمہ نامی ایک گاؤں میں جو حکومت کی طرف سے اُن کو جاگیر میں دے دیا گیا تھا، رہتے سہتے تھے۔

سنہ ھ میں ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ، سلیمان بن عبدالملک سے

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۱ ۔

ملنے کے لئے دارالخلافہ دمشق گئے۔ سلیمان یوں تو اُن سے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔ مگر اُن کے علم و فضل اور اُن کی فصاحت و طلاقت کو دیکھ کر اُسے اُن کی طرف سے خطرہ پیدا ہُوا۔ اور جب دمشق کی حدود سے نکل گئے تو انہیں زہر دلوا دیا۔

ابو ہاشم اپنی حالت کو خطرناک دیکھ کر حمیمہ میں علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے ہاں اُتر گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہُوا۔ مرنے سے پہلے ابو ہاشم نے علی بن عبداللہ بن عباس کے بیٹے محمد کو اپنا جانشین بنا لیا اور اپنے حامیوں کو ان کی حمایت و نصرت کی وصیت کی۔

ابو ہاشم کی وصیت سے محمد بن علی کو بڑی مدد ملی۔ فرقہ کیسانیہ (حضرت محمد بن حنفیہ کے اتباع) نے جس کی تعداد عراق و خراسان میں بہت کافی تھی اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور امامت کا منصب اس طرح علویین سے عباسیین کے خاندان میں منتقل ہو گیا۔

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ایک مدبر و منتظم شخص تھے۔ اُنھوں نے تحریکِ امامت کا ایک نظام قائم کیا۔ کوفہ اور خراسان کو تحریک کا مرکز قرار دیا گیا۔ کوفہ اس لئے کہ وہ شیعیانِ علیؓ کا پرانا گہوارہ تھا اور خراسان اس لئے کہ شاہانِ عجم کے دستور کے مطابق وہاں کے لوگ خلافت میں وراثت کے اصول کو آسانی سے قبول کر سکتے تھے اور سلطنت سے محروم ہو جانے کے بعد ہر انقلاب کو اپنے لئے تقدیر آزمائی کا ایک موقع تصوّر کرتے تھے۔

کوفہ کا قائم بالامر محمد بن علی کا خانہ زاد غلام میسرہ مقرر کیا گیا اور خراسان کا ابو محمد صادق، محمد بن خنیس اور حیان عطار کو ابو محمد کا مددگار تجویز کیا گیا۔ ابو محمد نے بارہ کار آزمودہ داعیوں کو خراسان میں تحریک کا نقیب مقرر کیا اور ان فقہاء کی "مجلسِ خصوصی" کے ماتحت ستر داعیوں کی "مجلسِ عمومی" مقرر کی۔ محمد بن علی نے تحریک کو ہمہ گیر اور مؤثر بنانے کے لئے مناسب قواعد بنائے۔

اور وہ طریقِ کار تجویز کیا جس سے اُس کا راز افشا نہ ہونے پائے۔

غرض بنی اُمیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے یہ تحریک نہایت نظم وضبط کے ساتھ خُفیہ طور پر شروع ہوگئی۔ بنی عباس کے داعی تاجروں اور مبلغوں کا بھیس بدل کر تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے اور بنی اُمیہ کے مظالم اور بنو عباس کے حقوق کی تشہیر شروع کر دی۔

خوش قسمتی سے انہیں شروع میں حضرت عمر بن عبد العزیز جیسے نیک نہاد اور رحمدل خلیفہ کا زمانہ میسّر آگیا۔ آپ کے اوصاف سے انہوں نے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور آپ کے عہد میں اس تحریک نے بلا مزاحمت نشوونما پائی۔

یزید بن عبد الملک کے عہد میں امیر خراسان سعید خذینہ نے اس جماعت کے کچھ لوگوں کو مشتبہ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ مگر ان لوگوں نے کہا ہم تو تجارت پیشہ ہیں، ہم کو سیاست سے کیا تعلق؟ امیر نے کچھ معززین کی ضمانت پر ان کو رہا کر دیا۔

ہشام کے زمانہ میں بکیر بن ماہان اور دوسرے متموّل لوگوں کی شرکت سے اس تحریک کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ اسد بن عبداللہ قسری نے اپنے عہدِ امارت میں متعدد داعیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ مگر اس سختی سے کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ تحریک کے علمبرداروں میں قربانی کا جذبہ اُبھر گیا اور تحریک کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بکیر بن ماہان نے جو میسرہ کے مرنے کے بعد کوفہ کو قائم بالامر منتخب ہوگیا تھا، جب محمد بن علی کو ان قربانیوں کی اطلاع دی تو وہاں سے جواب آیا۔

"الحمد للہ کہ تمہاری دعوت اور تمہارے پیغام کی صداقت ظاہر ہوگئی ابھی یہ دعوتِ حق مزید قربانیوں کی طلب گار ہے"۔[1]

۱۲۵ھ میں امام محمد بن علی کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ امام ابراہیم نے بھی اس تحریک کو پوری قوت سے جاری رکھا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۔

ان کے عہد کے آغاز میں اس تحریک میں مشہور داعی ابو مسلم خراسانی شریک ہوا۔ ابو مسلم نے وقت کے مساعد حالات اور اپنی دماغی صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس خاموش تحریک کو ہنگامہ خیز انقلاب میں بدل دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

ولی عہدی یزید بن عبدالملک نے اپنے بعد ہشام بن عبدالملک اور اپنے بیٹے ولید کو علی الترتیب ولی عہد نامزد کیا تھا۔ ہشام نے ولید کو محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا۔ بعض امراء کی مخالفت کی وجہ سے ہشام کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ البتہ ہشام اور ولید کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ولید علاقہ اردن میں اپنی جاگیر میں چلا گیا اور ہشام کی موت تک وہیں مقیم رہا۔

وفاتِ ہشام ۶ ربیع الثانی ۱۲۵ھ کو ہشام بن عبدالملک نے رصافہ میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر تقریباً پچپن سال تھی۔ مدتِ خلافت کچھ کم بیس سال ہوئی۔

سیرتِ ہشام بن عبدالملک

ہشام بن عبدالملک بنی اُمیہ کے ان تین ممتاز ترین خلفاء میں سے تھا جنہوں نے اپنے تدبر و سیاست کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا ان تینوں میں سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے اموی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ دوسرا عبدالملک تھا جس نے اس کی گرتی ہوئی دیواروں کو دوبارہ تھام لیا۔ تیسرا یہ خود تھا جس نے اس کی عمارت کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہشام بن عبدالملک دوربین، کفایت شعار، تیز فہم اور باتدبیر بادشاہ تھا۔ سلطنت کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات اس کی نگاہ سے

مخفی نہ رہتے تھے۔ بردباری اور تحمل اس کی امتیازی خصوصیات تھیں[1]۔
خوش قسمتی سے اُسے بیس سال کا طویل زمانۂ حکومت میسر آیا۔ اس نے اپنی ان صفات سے کام لے کر حکومتِ امویہ کے آفتابِ اقبال کو نصف النہار تک پہنچا دیا۔
ہشام کی انتظامی قابلیت کے دشمن بھی قائل ہیں۔ عبداللہ بن علی عباسی کہتا ہے "میں نے بنی اُمیہ کے تمام خلفاء کے دفاتر کی جانچ پڑتال کی مگر ہشام کے دفاتر ملکی اور رعایا کے حق میں سب سے بہتر پائے"۔
وہ اپنے عمال کی پوری نگرانی رکھتا تھا۔ مدائنی کہتا ہے۔
"بنو اُمیہ کا کوئی خلیفہ ہشام سے زیادہ عمالِ حکومت اور دفاترِ حکومت کی نگرانی کرنے والا نہ تھا"۔
مالیات کے سلسلہ میں اس کی پالیسی بہت سخت تھی۔ مسرفانہ اخراجات کو وہ قطعاً روا، نہ رکھتا تھا بلکہ جائز اخراجات میں بھی جزرسی سے کام لیتا تھا اس تشدد کی وجہ سے لوگوں میں وہ بخیل مشہور ہوگیا تھا۔
اس کی اپنی معاشرت بھی بہت سادہ تھی۔ معمولی کپڑے پہنتا تھا اور معمولی غذا کھاتا تھا۔ عقال بن شبہ کہتے ہیں۔
"جب ہشام نے مجھے خراسان کی طرف بھیجنے کے لئے بلایا تو میں نے اُسے ایک سبز سوتی قبا میں ملبوس دیکھا۔ مجھے یاد آیا کہ ولی عہدی کے زمانے میں بھی میں نے اُسے یہی قبا پہنے دیکھا تھا"۔ ہشام میری نگاہوں کو تاڑ گیا اور کہنے لگا۔
"کیا بات ہے؟"
میں نے کہا ولی عہدی کے زمانہ میں میں نے آپ کو ایسی ہی قبا پہنے دیکھا تھا۔ یہ وہی تو نہیں ہے۔ ہشام نے قسم کھا کر کہا۔ یہ وہی قبا ہے۔ میرے پاس اس کے سوا اور کوئی قبا نہیں ہے[2]۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۱ [2] ابن اثیر جلد ۱ صفحہ ۹۶۔

اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی وہ بہت سادہ مزاج تھا۔ شاہانہ غرور و تمکنت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ اپنی غلطی کو وہ بے تامل تسلیم کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی معزز شخص کو گالی دے بیٹھا۔ اُس شخص نے بگڑ کر کہا۔ خلیفۂ وقت ہو کر آپ کو گالی دیتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ ہشام سخت شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا تم مجھ سے اس زیادتی کا بدلہ لے لو۔ معزز شخص نے کہا اس کے معنی یہ ہیں کہ میں بھی تم جیسا کمینہ ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا تو کچھ مال لے کر معاف کر دو۔ اس شخص نے یہ جواب دیا کہ یہ بھی میں نہیں کر سکتا۔ اس پر ہشام نے کہا تو خدا کے واسطے معاف کر دو۔ وہ شخص کہنے لگا یہ منظور ہے۔ میں خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے معاف کرتا ہوں۔ یہ سُن کر ہشام نے اپنی گردن جُھکا لی اور ندامت کے ساتھ کہا

"واللہ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو گی"۔[1]

عیش و عشرت سے اُسے لگاؤ نہ تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے اپنے باپ کو لکھا میرے محل میں سَو نازک بدن و خوش جمال کنیزیں ہیں مگر میں کسی سے متمتع نہیں ہوتا۔ اسی طرح رقص و سرود اور لہو و لعب سے اُسے نفرت تھی جس کسی کو اس میں مبتلا پاتا اُسے سخت سزا دیتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو اس جُرم میں اس کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ مے نوشی و عیش کوشی کا شغل رکھتا ہے۔ ہشام نے حکم دیا کہ اس کا طنبورہ اس کے سر پر توڑ دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہُوئی تو وہ شخص رونے لگا۔ ہشام نے کہا صبر سے کام لو۔ وہ شخص بولا کہ میں تکلیف کے سبب نہیں رو رہا۔ بلکہ اس بدذوقی پر رو رہا ہوں کہ اب بربط کو طنبورہ کہا جاتا ہے۔[2]

عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے بھی ہشام ایک سچّا اور پکّا مسلمان تھا۔ ایک دن نمازِ جمعہ میں اس نے اپنے کسی بیٹے کو غیر حاضر پایا تو اس سے باز پُرس کی شہزادے نے عذر کیا کہ میری سواری ناکارہ ہو گئی تھی۔ ہشام نے کہا۔ کیا پیدل نہیں آ سکتے تھے؟ پھر ایک

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۷ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۲

سال کے لئے سواری استعمال کرنے کی شہزادہ کو ممانعت کر دی[1]

رومی و ایرانی اقوام کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور مفتوح قوموں سے مسلمانوں کے ملنے جُلنے کے نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے عقائد میں پہلی سی سادگی اور پختگی رہنی مشکل تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ہشام کے زمانہ میں جعد بن درہم نے عقیدہ "خلقِ قرآن" کا اظہار کیا۔ ہشام نے امیرِ عراق خالد بن عبداللہ قسری کے ذریعے اُسے عین بقرعید کے دن قتل کرا دیا۔

اسی طرح غیلان بن یونس نے سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قدریہ خیالات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سمجھانے سے اُس نے توبہ کر لی تھی۔ ہشام کے زمانے میں اُس نے پھر اپنے خیالات کا اعادہ کیا ہشام نے اُسے بھی قتل کرا دیا[2]

ہشام کے زمانے میں بڑے بڑے حوادث پیش آئے۔ مگر مشرق اور مغرب میں اسلام کا جھنڈا ہمیشہ اُونچا رہا۔ ترکستان و آذر بائیجان میں ترک و تاتار کی کمر توڑ دی گئی۔ سندھ میں بغاوت ہوئی تو اُس کا سختی سے استیصال کیا گیا اور مسلمانوں کی نوآبادیاں قائم کر کے اُنہیں محفوظ کر دیا گیا۔ ایشیائے کوچک میں بہت سے قلعے مسلمانوں نے رُومیوں کے ہاتھ سے چھین لئے۔ شمالی افریقہ میں بربریوں نے سر اُٹھایا تو اُنہیں دبا دیا گیا۔ اندلس میں نظم و نسق کو درست کیا گیا اور وہاں سے کئی بار فرانس پر حملے کئے گئے۔

الغرض ہشام کا دَور ہر اعتبار سے کامیاب دَور کہا سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ اموی حکومت کے چراغِ سحری کی جس کا روغن آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ آخری لپک تھی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۳۵۲ [2] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۶

ولیدِ ثانی بن یزید بن عبد الملک

۱۲۵ھ تا ۱۲۶ھ

ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان، اپنے باپ یزید بن عبد الملک کی وصیت کے مطابق، ہشام کی وفات کے بعد ربیع الثانی ۱۲۵ھ میں اردن میں تخت نشین ہوا۔

ولید ایک عیش پسند اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اُسے نغمۂ شیریں اور بادۂ رنگین کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ ہشام نے پہلے تو اُسے درست کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اُسے ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا۔ ابھی یہ تجویز پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ ہشام نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ ہشام کے اس اقدام سے ولید اس سے کھٹک گیا۔ وہ دار الخلافہ چھوڑ کر اپنی جاگیر اردن میں ایک چشمہ کے کنارے جا بسا۔

ولید کو یہیں ہشام کی موت کی خبر ملی۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ عباس بن عبد الملک بن مروان کو حکم دیا کہ فوراً رصافہ جا کر ہشام کے اہل و عیال کو نظر بند اور اُس کے مال و منال پر قبضہ کر لے۔ البتہ اُس نے مسلمہ کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کے ساتھ متفق الرائے نہ تھا۔ عباس بن عبد الملک نے رصافہ پہنچ کر ولید کے احکام کی تعمیل کی۔

ولید نے ان ارکانِ دولت و امراءِ حکومت کو بھی نہ چھوڑا جو ولید کی برطرفی

کی کوشش میں ہشام کے مددگار تھے۔ ولید نے ان سے سخت انتقام لیا اور ان کی تحقیر و تذلیل میں کسر اٹھا نہ رکھی۔

ہشام کے دونوں ماموؤں محمد اور ابراہیم کو پابہ زنجیر کر کے دمشق طلب کیا وہاں اُن کے کوڑے لگائے گئے۔ پھر انہیں یوسف بن عمر والیٔ عراق کے پاس عراق بھیج دیا۔ یوسف نے اُنہیں سخت عذاب دے کر قتل کر دیا۔

سلیمان بن ہشام کو گرفتار کر کے اُس کے سو کوڑے لگائے گئے اور اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال مونڈھ کر اسے عمان کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ یزید بن ہشام کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ روح بن ولید اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی گئی۔ ولید کی اولاد میں سے بھی کئی ایک قید خانہ میں ڈال دیئے گئے۔

خالد بن عبداللہ قسری سابق والیٔ عراق یمنی قبائل کا ممتاز سردار تھا۔ ولید نے اُسے حکم بھیجا کہ اس کے بعد اس کے دونوں بیٹوں حکم اور عثمان کی ولی عہدی کی بیعت کرے۔ خالد نے انکار کیا تو ولید نے اُس کے عصبی دُشمن یوسف بن عمر ثقفی نزاری کے حوالے کر دیا۔ یوسف بن عمر نے اُسے برہنہ کر کے ایک چادر اوڑھا دی اور ہولناک عذاب دے کر قتل کر دیا۔[1]

خالد کے ساتھ اس سنگدلانہ برتاؤ سے اہلِ یمن اور قضاعہ میں سخت برہمی پھیل گئی حالانکہ یہی قبائل بنو امیہ کے دست و بازو تھے۔

یحییٰ بن زید کا خروج اور شہادت

۱۲۵ھ ہی میں یحییٰ بن زید کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ اپنے والد زید بن علی کی شہادت کے بعد خراسان چلے آئے تھے اور بلخ میں اپنے ایک متوسل حریش بن عمر کے ہاں مقیم تھے۔ یوسف ابن عمر والیٔ عراق نے حاکم خراسان نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کر لو۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۲

نصر نے حریش کو طلب کر کے یحییٰ کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ حریش نے لاعلمی ظاہر کی۔ مگر جب نصر نے سختی کی تو حریش کے بیٹے نے یحییٰ کا پتہ بتا دیا اور نصر نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ولید کو یحییٰ کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو اس نے نصر کو لکھا کہ یحییٰ کو گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ انہیں خراسان سے شام بھیج دو۔

نصر نے یحییٰ کو دو ہزار درہم دے کر انہیں شام روانہ ہونے کی ہدایت کی۔ یحییٰ شام کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ابھی وہ بیہق ہی پہنچے تھے کہ انہیں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ان کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ نیشاپور لوٹ گئے اور وہاں خروج کی تیاریاں شروع کر دیں۔

حاکم نیشاپور عمرو بن زرارہ نے نصر کو کل حالات سے مطلع کیا۔ نصر نے اسے مقابلہ کا حکم دیا۔ عمرو دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ یحییٰ کے مقابلے کے لئے نکلا۔ یحییٰ نے اپنے ستر ساتھیوں سے اسے شکست دیدی۔ عمرو بن زرارہ لڑائی میں کام آیا۔ نصر کو اس حادثہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے سالم بن احوذ کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا۔ جوزجان میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ سخت خوں ریز جنگ ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر یحییٰ کی پیشانی پر آ کر لگا۔ یحییٰ شہید ہوئے اور ان کی لاش جوزجان میں منظرِ عام پر لٹکا دی گئی [1]

یزید کی مخالفت

محولہ بالا واقعات کی وجہ سے عوام و خواص سب ولید سے بیزار ہو گئے۔ شاہی خاندان کے ارکان نے اس کے خلاف سازش شروع کر دی۔ یزید بن ولید نے جو اپنے اخلاق و اعمال کی وجہ سے نیک نام تھا۔ خلافت کے لئے منتخب کیا گیا۔ یمنی قبائل نے جن پر حکومت کی فوجی طاقت کا دار و مدار تھا اس کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کرنی شروع کر دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۹

مروان بن محمد بن مروان کو جو اس وقت آرمینیہ میں تھا ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے اس تجویز کو پسند نہ کیا۔ اس نے سعید بن عبدالملک کو لکھا لوگوں کو اس فتنہ کی آگ میں کودنے سے روکو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ہماری خانہ جنگی سے ہمارے دشمن فائدہ اٹھائیں گے اور حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی"۔[1]

سعید کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی اُس نے مروان کے اس خط کو عباس ابن ولید کے پاس بھیج دیا کہ وہ اپنے بھائی یزید بن ولید کو سمجھائے۔ عباس نے یزید کو بلا کر اُسے نشیب و فراز سمجھایا اور خانہ جنگی سے باز آنے کا مشورہ دیا۔ یزید کو اپنی کامیابی پر یقین تھا کہ عباس کے کہنے سے بظاہر تو اُس نے اس ارادہ سے باز آنے کا وعدہ کر لیا مگر اندرونی طور پر کام میں مصروف رہا۔

قتلِ ولید

جب یزید کی تیاریاں مکمل ہوگئیں تو اُس نے دارالخلافہ دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ولید اس وقت اغدف مضافاتِ عمان میں مقیم تھا۔ یزید نے عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ ولید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ولید کے پاس کوئی بڑی طاقت نہ تھی۔ مقابلہ کیا مگر جب مایوسی ہوگئی تو میدان کو چھوڑ کر اپنے محل میں آیا اور قرآن کھول کر بیٹھ گیا۔ اسی حالت میں قتل ہوا۔ ولید کا سر کاٹ کر یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ ۱۲۶ھ کا ہے۔ ولید کی خلافت کی مدت صرف ایک سال تین مہینے ہوئی۔

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۵ صفحہ ۹۹

یزید بن ولید بن عبدالملک
اور
ابراہیم بن ولید بن عبدالملک
سنہ ۱۲۶ھ تا سنہ ۱۲۷ھ

یزید بن ولید بن عبدالملک ابن مروان۔ اس کی ماں شاہ آفرید، فیروز بن یزدگرد شہنشاہ ایران کی بیٹی تھی۔ ولید کے قتل کے بعد آخر جمادی الاخر سنہ ۱۲۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ ولید نے اپنے عہد میں فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ یزید نے اس اضافہ کو منسوخ کر دیا۔ اس لئے "ناقص" کہلایا۔

یزید اگرچہ عابد و زاہد خلیفہ تھا مگر چونکہ اس نے ولید کو قتل کر کے خلافت حاصل کی تھی اور یمنیوں کی فوجی امداد سے حاصل کی تھی اس لئے ولید کے رشتہ داروں کے علاوہ مضری بھی جو یمنیوں کے حریف تھے اس کے خلاف صف آراء ہو گئے۔

اس طرح ولید کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد ایک طرف قصر شاہی میں مخالفت کے شرارے بھڑک اٹھے اور دوسری طرف ملک میں قبائلی عصبیت کا فتنہ خوابیدہ بیدار ہو گیا۔

شام کی شورش سب سے پہلے اہل حمص نے مخالفت کا اظہار کیا۔ انہوں نے ولید کی خلافت کو تسلیم ہی نہیں کیا۔ امیر حمص مروان بن عبداللہ ابن عبدالملک نے ان کی ہمنوائی کی۔

اہل حمص نے معاویہ بن یزید بن حصین کو اپنا سردار بنایا اور یزید کے مقابلہ کے لئے دمشق کی طرف روانہ ہوئے۔ یزید کو اطلاع ہوئی تو اس نے یعقوب بن ہانی اور دوسرے لوگوں کو اہل حمص کی فہمائش کے لئے بھیجا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ "مجھے خلافت کی خواہش نہیں ہے اگر تم مجھے ناپسند کرتے ہو تو

کسی اور کو شوریٰ کے ذریعہ خلیفہ منتخب کر لو ۔"

لیکن اہلِ حمص نے یزید کی اس پیش کش کو بھی رد کر دیا اور مقابلہ کے لئے آگے بڑھے ۔

یزید نے اُن کے مقابلہ کے لئے سلیمان بن ہشام کو بہت بڑی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ سلیمان دمشق سے چل کر حوارین میں مقیم ہوا ۔

مروان بن عبداللہ نے اہلِ حمص سے کہا کہ دمشق جانے کی بجائے حوارین پہنچ کر سلیمان کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اہلِ حمص نے اس رائے کو پسند نہ کیا اور مروان کو یزید سے سازباز رکھنے کا الزام لگا کر قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابو محمد سفیانی کو اپنا والی بنایا۔

اہلِ حمص دمشق کی طرف بڑھے تو سلیمان بھی ان کو روکنے کے لئے نکلا۔ مقام سلیمانیہ میں اس نے ان کو جا لیا۔ ادھر یزید نے عبدالعزیز بن حجاج کی سرکردگی میں ایک دوسرا لشکر روانہ کیا۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر اہلِ حمص کو شکست دے دی اور اُن کی بہت بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی ۔ اہلِ حمص نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی ۔

کچھ ہی عرصہ بعد اہلِ فلسطین نے بھی یزید کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا انھوں نے سعید بن عبدالملک عاملِ فلسطین کو نکال کر یزید بن سلیمان بن عبدالملک کو اپنا عامل مقرر کر لیا۔

اہلِ اُردن کو اہلِ فلسطین کی بغاوت کی خبر پہنچی تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یزید نے پہلے تو اہلِ فلسطین کے لیڈروں کو انعام و اکرام دے کر توڑ لیا جب اہلِ اُردن تنہا رہ گئے تو سلیمان بن ہشام کو ایک لشکرِ گراں دے کر اُن کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ سلیمان کے مقابلہ کی اہلِ اُردن تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر اپنے گھروں کی راہ لی ۔

عراق وخراسان کی شورش یہ تو ملکِ شام کے حالات تھے عراق وخراسان کی فضاء میں بھی فتنہ وفساد کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔

یزید نے یوسف بن عمر کو معزول کر کے منصور بن جمہور کو عراق کی ولایت پر مامور کیا، منصور نے عراق پہنچ کر یوسف کے زمانہ کے انتظامات کو بدلا اور اپنے بھائی کو خراسان کا حاکم بنا کر بھیجا۔ نصر بن سیار حاکم خراسان نے جو وہاں بہت ذی اثر تھا اپنے منصب سے دستبرداری سے انکار کر دیا۔

ابھی یہ قضیہ چل ہی رہا تھا کہ یزید نے منصور کو حکومت عراق سے معزول کر کے اس کی جگہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز کو بھیجا، عبداللہ بن عمر نے نصر کو حکومتِ خراسان پر بحال کر دیا۔

اسی دوران میں خراسان میں پھر قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ جاگ اُٹھا۔ حدیع بن علی ازدی کرمانی جو ایک یمنی سردار اور نصر بن سیار کا پرانا دوست تھا کسی بات پر نصر سے بگڑ بیٹھا۔ یمنی قبائل اُس کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اس پر نصری قبائل نصر کی مدد کے لئے تیار ہو گئے۔ نصر نے کسی بہانہ سے کرمانی کو قید کر دیا۔ کرمانی کے حامی اُسے قید خانے سے نکال لائے۔ کرمانی کے فرار کے بعد نصر نے اُسے منانے کی کوشش کی، مگر اُس نے نصر پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا اور نصر کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کرمانی نے ربیعہ اور یمن کے عہدِ جاہلیت کے پرانے معاہدے کی تجدید کر کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔

نصر اور کرمانی کے ان اختلافات نے عباسی داعیوں کے لئے خراسان میں مناسب فضا پیدا کر دی۔ اسی سال ابراہیم بن محمد نے جو اپنے والد کے انتقال کے بعد سلسلۂ عباسیہ کے امام مقرر ہوئے تھے ابو ہاشم بکیر بن ماہان کو وصیتوں اور ہدایتوں کے ساتھ خراسان بھیجا۔ اُس نے مرو پہنچ کر نقباء اور دعاۃ کو جمع کیا۔

محمد بن علی کے صاحبزادے نے محمد بن علی کے بعد بیعت لی اور فرمانِ امامت اُنھیں سُنایا۔

وابستگانِ تحریک نے جدید امام سے عقیدت کا اظہار کیا اور ایک معقول رقم اُن کی خدمت میں بطور نذر پیش کرنے کے لئے بگیر کو دی ۔[1]

وفاتِ یزید بنِ ولید

صرف پانچ مہینے بائیس روز تختِ حکومت پر متمکن رہنے کے بعد یزید بن ولید نے مرض طاعون میں ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶ھ کو وفات پائی ۔

ابراہیم کی جانشینی اور دستبرداری

یزید نے اپنے بعد اپنے بھائی ابراہیم بن ولید کو اور اس کے بعد عبدالعزیز بن حجاج بن عبدالملک کو ولی عہد نامزد کیا تھا۔ چنانچہ یزید کے انتقال کے بعد ابراہیم خلیفہ ہُوا۔

پہلے ذکر آچکا ہے کہ مروان بن محمد بن مروان والیٔ آرمینیہ ولید کے قتل کے سلسلہ میں یزید سے ناراض تھا۔ چنانچہ یزید کے آخری عہد میں اُس نے موقع دیکھ کر جزیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یزید نے مصلحتاً جزیرہ کو اس کی حکومت میں دے کر اس کی مخالفت کو دبا دیا تھا۔

یزید کے انتقال کے بعد مروان ابن محمد مرواں نے ابراہیم کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور اہلِ جزیرہ کی جمعیتِ کثیرہ ساتھ لے کر شام کی طرف روانہ کیا۔ قنسرین اور حمص پر قبضہ کرنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو عین الجر پر ابراہیم کے لشکر سے اُس کا مقابلہ ہُوا۔ مروان نے ابراہیم کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ولید کے دونوں لڑکوں حکم اور عثمان کو جو اس کی قید میں ہیں رہا کر دے تو وہ مقابلہ سے دست بردار ہو جائے گا۔ ابراہیم نے انکار کیا۔ دونوں فریقوں میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۴

خون ریز جنگ ہوئی۔

آخر ابراہیم کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور مروان فاتحانہ دمشق میں داخل ہوا۔

یہ واقعہ صفر ۱۲۷ھ کا ہے۔

مروان ولید کے دونوں بیٹوں میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی انہیں قتل کیا جا چکا تھا اس لئے وہ خود تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ ابراہیم بن ولید مروان کی آمد کی خبر سن کر دمشق سے بھاگ گیا تھا مگر مروان نے اسے امان دے کر واپس بلا لیا۔

چونکہ ابراہیم کا دورِ حکومت نہایت مختصر رہا اور پھر اس مختصر زمانے میں بھی اس کی خلافت کو متفقہ طور پر تسلیم نہ کیا گیا۔ اس لئے مؤرخین نے اسے مستقل خلیفہ تسلیم نہیں کیا ہے۔

مروان بن محمد بن مروان

۱۲۷ھ تا ۱۳۲ھ

مروان بن محمد بن مروان بن حکم اس کی ماں ایک کردی اُمّ ولد تھی۔ ۷۲ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ کے بعد جزیرہ آرمینیہ کا والی مقرر ہوا۔ ابراہیم کی شکست اور فرار کے بعد صفر ۱۲۷ھ میں دمشق میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔

مروان بہادر، جفاکش، معمر اور تجربہ کار بادشاہ تھا، مگر اُس نے زمانہ ایسا پایا کہ حکومتِ اموی کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور اس کی تمام صلاحیتیں اس کے منتشر اجزاء کو مجتمع کرنے میں ناکام ثابت ہوئیں۔

عبداللہ بن معاویہ کا خروج

اس کا تمام عہد، حوادث و اضطراب سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے کوفہ میں عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ایک ہاشمی بزرگ نے خروج کیا اور کوفیوں کی بڑی تعداد اُن کے ساتھ ہو گئی۔ اس زمانے میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز والیٔ عراق تھے۔ ان کے والد کی بزرگی کی وجہ سے لوگ اُن سے محبت کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے اثر و اقتدار سے کام لے کر عبداللہ بن معاویہ کی طاقت کو توڑ دیا۔ کوفی منتشر ہو گئے۔ عبداللہ بن معاویہ اپنی جان بخشی کرا کر عراقِ عجم کی طرف نکل گئے۔

شام کی بغاوتیں

مُلکِ شام میں جو حکومت کا گہوارہ تھا۔ جا بجا بغاوتیں رونما ہوئیں۔ پہلے حمص میں بغاوت ہوئی۔ مروان

بنفسِ نفیس وہاں پہنچا۔ خون ریز جنگ کے بعد اہلِ حمص کو مطیع کیا۔ باغیوں میں سے پانچ سو آدمیوں کو شہر کے اطراف میں سُولی پر لٹکایا اور شہر کی فصیل کا کچھ حصّہ مسمار کر دیا۔ مروان کو حمص ہی میں خبر پہنچی کہ اہلِ غوطہ نے مجتمع ہو کر دمشق پر حملہ کر دیا ہے۔ اس نے فوراً ابوالورد کی سرکردگی میں دس ہزار کی جمعیت اہلِ غوطہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کی۔ اہلِ دمشق شہر بند ہو بیٹھے تھے۔ شاہی فوج کے آنے کی خبر پہنچی تو وہ بھی دروازے کھول کر اندر سے نکل آئے۔ اہلِ غوطہ شکست کھا کر بھاگ گئے اور اُن کا سردار یزید بن خالد بن عبداللہ قسری گرفتار ہو کر قتل ہُوا۔ اسی دوران میں اہلِ فلسطین نے بغاوت کر دی اور ثابت بن نعیم کو اپنا سردار بنا کر طبریہ پر حملہ آور ہُوئے۔ مروان نے دمشق سے ابوالورد کو طبریہ جانے کا حکم دیا۔ ابوالورد کے طبریہ پہنچنے سے پہلے ہی اہلِ طبریہ دشمنوں کو شکست دے کر بھگا چکے تھے۔ ابوالورد نے ان کا تعاقب کر کے ان کے منتشر جتھوں کو شکست دی۔

سلیمان بن ہشام کی مخالفت

ابھی یہ بغاوتیں فرو نہ ہُوئی تھیں کہ دشمنوں نے ایک نیا فتنہ اٹھا کھڑا کیا۔ کچھ مفسدین سلیمان بن ہشام کے پاس گئے اور اُسے اہلِ شام کی حمایت کا یقین دلا کر دعوائے خلافت پر اُبھارا۔ سلیمان تیار ہو گیا اور ستر ہزار کی جمعیت اپنے گرد قنسرین میں جمع کر لی۔ مروان اس وقت قرقیسیا میں تھا مقابلہ کی تیاری کر کے قنسرین کی طرف روانہ ہُوا۔ مقام صناف میں دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہُوئی۔ سلیمان نے شکست کھائی اور اس کی فوج کی تیس ہزار آدمی قتل ہُوئے۔ سلیمان بھاگ کر حمص پہنچا۔ یہاں اس کے بقیۃ السیف ساتھی اُس سے آملے۔ مروان اس کے تعاقب میں حمص کی طرف روانہ ہُوا۔ ابھی مروان راستہ ہی میں تھا کہ سلیمان کے کچھ سرداروں نے اس پر شبخون مارا مگر مروان نے انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ سلیمان کو اس شکست کا علم ہُوا تو وہ حمص سے تدمر

چلا گیا، مروان نے آگے بڑھ کر حمص پر قبضہ کر لیا۔

خوارج عراق بنو اُمیہ کو اس طرح دست و گریباں دیکھ کر اُن کے پرانے حریفوں نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور وہ بھی میدان میں نمودار ہو گئے۔ خوارج ضحاک بن قیس شیبانی کے زیرِ عَلم منظم ہوئے اور کوفہ پر حملہ کر دیا۔ امیر کوفہ عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے ان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور کوفہ چھوڑ کر واسط چلے گئے۔ ضحاک بن قیس نے عبداللہ بن عمر کا تعاقب کیا اور واسط پہنچا۔ کئی مہینے کی جنگ کے بعد عبداللہ نے ضحاک سے مصالحت کر لی اور واسط پر بھی ضحاک کا قبضہ ہو گیا۔ اسی دوران میں سلیمان بن ہشام بھی مروان کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر ضحاک سے آملا۔

اب ضحاک کی قوت بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ اُس نے موصل کو بھی فتح کر لیا۔ مروان اس زمانہ میں حمص میں مقیم تھا اُسے ضحاک کی ان کامیابیوں کی خبر پہنچی تو اُس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن مروان کو جو والئ جزیرہ تھا حکم بھیجا کہ وہ جزیرہ میں ضحاک کو داخل ہونے سے روکے۔ عبداللہ بن مروان سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ ضحاک کو روکنے کے لئے نصیبین میں مقیم ہوا۔ ضحاک نے مروان کی آمد کی خبر سُن کر نصیبین کا محاصرہ اُٹھا لیا اور مروان کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ کفر توثا کے نواحی میں فریقین میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں ضحاک مقتول ہوا۔ خوارج نے سعید بن بہدل خیبری کو امیر منتخب کر کے پھر جنگ شروع کر دی۔ خیبری نے مروان کی فوج کے قلب پر حملہ کر کے اُسے شکست دے دی۔ مروان قلب کے دستہ کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر جب خیبری مروان کی خیمہ گاہ کی طرف بڑھا تو مروان کے خدمت گاروں نے اس کے ساتھیوں کی قلتِ تعداد دیکھ کر اُسے گھیر لیا اور قتل کر دیا۔ مروان کو لڑائی کا نقشہ بدل جانے کی خبر پہنچی تو وہ لوٹ آیا اور پھر نئے سرے سے صفیں درست کیں۔

خوارج نے خیبری کے قتل کے بعد شیبان بن عبدالعزیز لشکری کو اپنا سردار مقرر

کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ اُس کے ساتھیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے تو لڑائی ملتوی کر کے موصل چلا گیا۔ مروان بھی اُس کے تعاقب میں موصل پہنچا اور چھ مہینے تک اس سے جنگ کرتا رہا۔

اسی اثناء میں مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق سے خارجیوں کا اخراج کرنے کے لئے بھیجا۔ ابنِ ہبیرہ نے پہلے کوفہ اور پھر بصرہ سے خارجیوں کو نکالا۔ عراق سے مطمئن ہو کر ابنِ ہبیرہ نے عامر بن ضبارہ کو سات ہزار کی جمعیت کے ساتھ مروان کی مدد کے لئے جو شیبان کے مقابلہ میں صف آرا تھا موصل بھیجا۔

شیبان کو عامر بن ضبارہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اُس نے خود کو دو دشمنوں کے درمیان گھروانا مناسب نہ سمجھا اور موصل سے روانہ ہو گیا۔ مروان نے عامر کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ مقامِ جیرفت میں عامر نے شیبان کو جا لیا۔ دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ شیبان کو شکستِ فاش ہوئی وہ سجستان کی طرف نکل گیا۔ اور وہاں ۱۳۰ھ میں مر گیا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان تمام مراحل میں سلیمان بن ہشام برابر خوارج کے ساتھ رہا اور اُن کی ہر قسم کی مدد کرتا رہا۔ خوارج کی قوت ٹوٹ جانے کے بعد وہ مع اہل و عیال دریائی راستہ سے سندھ چلا آیا۔ انقلاب حکومت کے بعد اس نے بڑی آرزوؤں کے ساتھ سفاح کے دربار میں حاضر ہو کر اس کی دست بوسی کی۔ سفاح نے بھی اس کے ساتھ عزت و اکرام کا برتاؤ کیا۔ مگر عین اس موقعہ پر جب سفاح کی نظرِ عنایت اس پر مبذول تھی سفاح کے غلام سدیف نے چند اشتعال انگیز شعر پڑھے۔ سفاح کے سینے میں انتقام کی چنگاریاں بھڑک اُٹھیں اور اُس نے سلیمان کا سر قلم کرا دیا۔[1]

خوارج یمن و حجاز

جس زمانہ میں ضحاک اور اُس کے ساتھیوں نے عراق اور جزیرہ میں شورش برپا کر رکھی تھی۔ اسی زمانے میں ایک دوسرے خارجی سردار ابو حمزہ مختار بن عوف ازدی نے حجاز کو اپنی فتنہ انگیز

میں ایک ذوئیبہ سے خارجی سردار ابوحمزہ مختار بن عوف ازدی نے حجاز کو اپنی فتنہ انگیز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ابوحمزہ نے ۱۲۹ھ میں اپنے سات سو رفقاء کے ساتھ عین حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں خروج کیا۔ حجاج ان کے سیاہ جھنڈے اور نیزوں پر سیاہ بلند عمامے دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ عبدالواحد بن سلیمان والیٔ مکہ نے ابوحمزہ سے مراسلت کر کے یہ طے کیا کہ "ایامِ حج میں شورش برپا نہ ہوگی اور حجاج کو مناسکِ حج کی ادائیگی کا اطمینان سے موقع دیا جائے گا۔

حج سے فراغت کے بعد عبدالواحد بن سلیمان خاموشی کے ساتھ مکہ سے مدینہ چلا گیا اور ابوحمزہ نے بلا مزاحمت مکہ معظمہ پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر عبدالواحد نے اہلِ مدینہ کو خوارج کے فتنہ سے آگاہ کیا اور انہیں ان کے مقابلہ میں نکلنے کے لئے اُبھارا۔ چنانچہ اہلِ مدینہ عبدالعزیز بن عبداللہ کی سرکردگی میں خوارج کے مقابلہ کے لئے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ پر قابض ہونے کے بعد ابوحمزہ بھی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو پڑا۔

مقامِ قدید میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ خوارج نے اہلِ مدینہ کو پیغام بھیجا تھا کہ "انہیں اہلِ مدینہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ وہ صرف بنو اُمیہ کے مقابلہ کے لئے نکلے ہیں لہٰذا وہ درمیان سے ہٹ جائیں"

مگر اہلِ مدینہ نے مقابلہ پر اصرار کیا۔ اہلِ مدینہ عرصہ سے عافیت پسندانہ زندگی کے عادی ہو گئے تھے اور خوارج مردِ میدان تھے۔ اہلِ مدینہ نے بُری طرح شکست کھائی اور ہزاروں کی تعداد میں مقتول ہوئے۔ مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند نہ ہو رہی ہوں۔ اب ابوحمزہ مدینہ پہنچا اور ایک طویل خطبہ میں بنو اُمیہ کے معائب اور اپنی جماعت کے نیک عزائم بیان کئے۔ عبدالواحد مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر پہلے ہی شام کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ مدینہ پر قابض ہونے کے بعد ابوحمزہ بھی مروان کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوا۔ مروان کو خبر ہوئی تو اُس نے چار ہزار منتخب سواروں کو عبدالملک

بن محمد بن عطیہ کی ماتحتی میں ابو حمزہ کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ وادی القراء میں دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا۔ شامیوں نے خارجیوں کو شکستِ فاش دی۔ خود ابو حمزہ بھی مارا گیا۔ بقیۃ السیف خوارج نے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی مگر عبدالملک نے مدینہ پہنچ کر انہیں بھی قتل کیا۔

خوارج کے اس گروہ کا امیر عبداللہ بن یحیٰی (طالب حق) تھا جو صنعاء (یمن) میں مقیم تھا۔ ابو حمزہ اسی کا داعی تھا۔ مدینہ میں ایک ماہ قیام کر کے عبدالملک نے صنعاء کی راہ لی۔ عبداللہ بن یحیٰی کو عبدالملک کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابن یحیٰی قتل ہوا اور عبدالملک نے اس کا سر مروان کے پاس بھیج دیا۔[1]

خراسان میں فتنۂ عصبیت

حکومتِ امویہ کے مختلف صوبوں میں جس وقت یہ شورشیں برپا ہو رہی تھیں تو خراسان کی حالت سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ پہلے ذکر آچکا ہے کہ یہاں قبائلی عصبیت کا فتنۂ خوابیدہ بیدار ہو چکا تھا۔ امیر نصر بن سیار والیٔ خراسان مضری قبائل کا قائد تھا اور جدیع بن شبیب کرمانی یمنی قبائل کا رہنما۔ ان دونوں سرداروں کے زیرِ علم مضری اور یمانی ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں تھے۔ چونکہ زمانۂ جاہلیت کے قدیم معاہدۂ صلح کی تجدید ہو گئی تھی اس لئے قبائل ربیعہ بھی یمنی قبائل کے ساتھ تھے ان کا سردار شیبان بن سلمہ حروی تھا۔

ابو مسلم خراسانی

عین اس موقعہ پر ابو مسلم خراسانی ایک عجمی النسل اور پارسی نژاد نوجوان خراسان کی سیاست میں داخل ہوا۔ اس نے حالات کا رخ ہی بدل دیا۔ ابو مسلم قائم کوفہ بکیر بن ماہان کا غلام تھا۔ بکیر نے اسے جوہرِ قابل دیکھ کر عباسی تحریک کے اصول تلقین کئے۔ پھر اسے حمیمہ میں امام ابراہیم

---

[1] ابنِ اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۴۶

کی خدمت میں نذر گزرانا۔

۱۲۸ھ میں ابراہیم نے ابومسلم کو امیر جماعت خراسان بنا کر بھیجا اور اُسے یہ وصیت کی۔

"تم ہمارے گھر کے آدمی ہو۔ میری وصیت کو اچھی طرح یاد رکھو۔ یمن کے قبیلہ کا خیال رکھنا اور انہیں اپنے ساتھ ملائے رکھنا اور ان ہی کے ساتھ رہنا سہنا، تم اپنے مقصد میں ان کو ساتھ ملا کر ہی کامیاب ہو سکتے ہو۔ ربیعہ پر اعتماد نہ کرنا اور نصر کو تو قریبی دشمن سمجھنا۔ پھر تم جس کسی کو شکوک میں پاؤ اُس کو قتل کر دینا اور جب موقع آئے تو کسی عربی بولنے والے کو خواہ مصری ہو یا یمنی یا ربعی زندہ نہ چھوڑنا۔" [1]

ابومسلم نے خراسان آکر ایک سال تک حال کا جائزہ لیا اور اس دوران میں اپنا حلقۂ اثر بڑھایا۔ ۱۲۶ھ میں اُسے امام ابراہیم کی طرف سے دو جھنڈے "ظل اور سحاب" موصول ہوئے اور دعوتِ عباسیہ کے اظہار و اعلان کا حکم ملا۔

ظہورِ دعوتِ عباسیہ

۲۵ رشعبان ۱۲۹ھ کو جمعرات کے دن معینہ لائحہ عمل کے مطابق ابومسلم نے "یومِ آزادی" منایا۔ سفید نج میں تمام وابستگانِ تحریک سیاہ لباس پہن کر مجتمع ہوئے۔ تمام رات آگ روشن کی جاتی رہی اور ابومسلم نے ظل اور سحاب کو یہ آیت مبارک تلاوت کرتے ہوئے مجمع میں بلند کیا:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (الحج)

"ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں جنگ کا حکم دیا گیا کیونکہ اُن پر ظلم توڑا گیا اور اللہ تعالیٰ اُن کی مدد پر قادر ہے۔"

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۰

مختلف قبائل و بلاد کے عباسی جو اس تقریب میں شرکت کے لئے گروہ در گروہ جمع ہوئے تھے ساری رات نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے۔ "ظل" اور "سحاب" سے یہ فال لی گئی کہ جدید التاسیس حکومت عباسیہ بادل کی طرح ساری زمین کو محیط ہو جائے گی اور سایہ کی طرح ہر زمانے میں اس کا وجود باقی رہے گا۔

پھر اسی قریہ سفید نج کو حکومتِ عباسیہ کا عارضی مرکز مقرر کیا گیا۔ اس کے قلعہ اور فصیل کی مرمت کرا کر اُسے مضبوط کر لیا گیا [1]

ان تیاریوں کے بعد ابو مسلم نے نصر بن سیار کو ایک خط لکھا جس میں اُسے صرف "نصر" کہہ کر مخاطب کیا اور قرآن کی چند آیات اس میں درج کیں جن میں منکرینِ رسول کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا تھا۔

نصر نے اب ابو مسلم کی اہمیت محسوس کی اور ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا مگر ابو مسلم نے اسے شکست دے کر بھگا دیا۔ اس کامیابی کے بعد ابو مسلم کی طرف رجوعات بڑھ گئے اور لوگ جوق در جوق اس کی جماعت میں شریک ہونے لگے۔

اسی زمانے میں مرو کے قریب نصر اور کرمانی میں جنگ چھڑ گئی۔ ابو مسلم بھی اپنی جمعیت کو لے کر فریقین کے درمیان مقیم ہوا۔ پھر اس نے کرمانی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

نصر نے کرمانی کے پاس پیغام بھیجا کہ ابو مسلم کے دھوکہ میں نہ آؤ وہ سب عربوں کا دشمن ہے۔ بہتر ہو کہ ہم آپس میں صلح کر لیں۔ کرمانی نے اس پیغام کو قبول کر لیا۔ مگر جب کرمانی نصر سے صلح کرنے کے لئے اپنے لشکر سے نکلا تو نصر نے اُسے دھوکے سے قتل کرا دیا۔ کرمانی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا علی نصر کے مقابلہ کے لئے میدان میں آ گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۴۔

قبائلِ عربیہ کا اتحاد اور افتراق

اس دوران میں ابومسلم کی دعوت زور شور سے جاری تھی۔ مختلف بلادِ خراسان سے لوگ آتے تھے اور عباسی تحریک کے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔ اتفاقاً مرو سے ایک وفد اس کے پاس آیا اور اس نے مسائل فقہیہ کے متعلق ابومسلم سے کچھ سوالات کئے۔ ابومسلم نے کہا ان باتوں میں کیا رکھا ہے میرے ساتھ تحریک میں شریک ہو کر کرنے کا کام یہی ہے۔ وفد نے کہا تمہارے ساتھ شریک ہونے سے کیا فائدہ ؟ یہ دونوں امیر جب تک برسرِپیکار ہیں تمہارا کام چمک رہا ہے۔ ان دونوں میں اتحاد ہوتے ہی تمہارا خاتمہ ہے۔ ابومسلم کی زبان سے نکل گیا "میں ان دونوں کو ٹھکانے لگا دوں گا"

اہل وفد نے اس گفتگو کا ذکر نصر سے بھی کیا اور شیبان بن مسلمہ سردار ربیع سے بھی جو اب تک کرمانی کا معاون تھا۔ ابومسلم کے ان عزائم پر مطلع ہو کر یحییٰ بن نعیم شیبانی کی کوشش سے نصر، شیبان اور علی بن کرمانی نے آپس میں مصالحت کر لی۔

ابومسلم کا مرو پر قبضہ

ابومسلم کو عربی قبائل کے اتحاد کی خبر ملی تو اس کو اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا ہوا نظر آیا۔ اس نے علی بن کرمانی کو نصر سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے پر اکسایا۔ علی ابومسلم کے جال میں پھنس گیا اور عربی اقوام کے اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا۔[۱]

ابومسلم علی بن کرمانی کو ساتھ لے کر نصر بن سیار کے مقابلہ کے لئے اپنے جدید مرکز "ماخوان" سے مرو کی طرف بڑھا۔ نصر کو شکست ہوئی اور ابومسلم مرو پر قابض ہوگیا۔ نصر نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۳۰ھ کا ہے۔

مرو پر قبضہ کے بعد ابومسلم کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اب اُسے نہ ربیعہ کی مدد

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۷!

کی ضرورت رہ گئی تھی اور نہ یمن کی۔ چنانچہ جلد ہی اُس نے پہلے شیبان بن سلمہ حروری کو قتل کرا دیا اور پھر علی بن کرمانی سے درخواست کی کہ وہ اپنے خاص خاص سرداروں کے نام بتائے تاکہ اُنہیں حُسنِ خدمات کے صلے میں انعام و اکرام سے سرفراز کرے۔ علی نے نام بتا دیئے تو ابو مسلم نے علی کو اُسکے تمام معاونین کیسا تھ تہ تیغ کر دیا۔[1]

خراسان و عراق عجم کی تسخیر

ابو مسلم کے مرو پر قبضہ ہوتے ہی تمام خراسان جلد ہی اُس کے جھنڈے تلے آگیا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں کا انتظام کیا اور قحطبہ بن شبیب طائی کو عراق عجم کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ قحطبہ نے معمولی مزاحمتوں کے بعد رے، اصفہان اور نہاوند پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قحطبہ نے ابو عون عبدالملک کو شہر زور کی طرف بھیجا۔ مروان کی طرف سے وہاں عثمان بن سفیان متعین تھا۔ ابو عون نے عثمان کو شکست دے کر بھگا دیا اور بلادِ موصل میں قیام کیا۔ قحطبہ نے ابو عون کی مدد کے لئے مزید فوج بھیج دی اور اب اس کے پاس تیس ہزار کی جمعیت ہو گئی۔

مروان کی مجبوری

مروان ان واقعات سے بالکل بے خبر نہ تھا جس زمانہ میں نصر اور کرمانی کے درمیان جنگ چھڑی اور ابو مسلم اپنی جمعیت کو لے کر دونوں لشکروں کے درمیان مقیم ہُوا تو نصر نے ابو مسلم کے حالات سے مروان کو ان اشعار کے ذریعے اطلاع دی۔

اری بین الرماد ومیض نار	واخشی ان یکون لها ضرام
"مجھے راکھ میں چنگاریاں چمکتی نظر آتی ہیں	اور ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ بھڑک نہ اُٹھیں
فان النار بالعودین یذکی	وان الحرب مبدأها کلام
"آگ دو لکڑیوں سے سلگائی جاتی ہے	اور لڑائی کی ابتداء گفتگو سے ہو جاتی ہے
فقلت من التعجب لیت شعری	أأیقاظ امیة ام نیام
"میں نے تعجب سے کہا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ	بنو امیہ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں"

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۳۶ و الاخبار الطوال صفحہ ۳۴

لیکن مروان بُری طرح خوارج کی کش مکش میں مُبتلا تھا وہ کوئی مدد نہ کر سکا۔ اسی دوران میں ایک قاصد جو حمیمہ سے امام ابراہیم کا خط ابو مسلم کے پاس لے کر خراسان جارہا تھا کہ پکڑا گیا۔ اس خط میں لکھا تھا :۔

"ابو مسلم نصر اور کرمانی کی آویزش سے فوراً فائدہ اُٹھائے اور خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑے" [1]

مروان کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اُس نے امام ابراہیم کو قید کر دیا اور وہ اسی حالت میں میں انتقال کر گئے۔ امام ابراہیم نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو اپنا قائم مقام بنایا اور اُنہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے تمام خاندان کو لے کر کوفہ چلے جائیں۔ ابوالعباس سفاح نے اس ہدایت کی تعمیل کی اور وہ کوفہ میں مخفی طور پر اپنے داعی ابوسلمہ خلال کے ہاں آکر مقیم ہوئے۔

عراق پر قبضہ

عراق عجم پر قبضہ کرنے کے بعد قحطبہ ابو مسلم کے حکم سے عراقِ عرب کی طرف بڑھا مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا والی تھا۔ وہ اپنی جمعیت کے ساتھ قحطبہ کو روکنے کے لئے نکلا۔ دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ ابن ہبیرہ کو شکست ہوئی اور واسط کی طرف چلا گیا۔ خود قحطبہ بھی اس لڑائی میں گُم ہوگیا اور اس کا بیٹا حسن بن قحطبہ اُس کا جانشین تجویز کیا گیا۔

خلیفۂ عباسی کی تخت نشینی

اب کُوفہ پر عباسی عَلم لہرا رہا تھا۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ کو ابوالعباس عبداللہ بن علی سفاح کے ہاتھ پر بیعت خلافت لی گئی اور اُس نے جامع کوفہ میں خلافتِ عباسیہ کے پہلے تخت نشین کی حیثیت سے خُطبہ دیا۔

فیصلہ کُن جنگ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قحطبہ نے ابو عون کو بلادِ موصل میں رُکنے کا حکم دیا تھا۔ مروان بن محمد نے جب دیکھا کہ مصیبت سر پر آ ہی پہنچی ہے تو وہ بھی ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیتِ عظیم کے ساتھ

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۶ والاخبار الطوال صفحہ ۳۴۴

حلوان سے چل کر نہر زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

بیعتِ خلافت سے فراغت کے بعد ابوالعباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو ایک لشکرِ گراں دے کر مروان بن محمد کے استیصال کے لئے روانہ کیا۔ ابوعون پہلے ہی مروان کے مقابلہ میں صف آرا ہو چکا تھا۔

۲ رجمادی الآخری ۱۳۲ھ کو فریقین میں جنگ شروع ہوئی۔ مروان بن محمد کو شکست ہوئی۔ اموی بُری طرح عباسیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جتنے قتل ہوئے اُن سے زیادہ دریا میں ڈوب کر مرے۔

مروان کا فرار اور قتل اس لڑائی کے نتیجہ نے اموی حکومت کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ مروان بھاگ کر موصل آیا۔ موصل سے حران، قنسرین، حمص، دمشق، اُردن اور فلسطین ہوتا ہوا حدودِ مصر میں داخل ہوا۔ مروان جہاں جاتا تھا عباسی فوج اُس کے تعاقب میں وہاں پہنچ جاتی تھی اور اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیتی تھی۔ آخر مصر کے قریہ بوصیر کے ایک کنیسہ میں اُسے گھیر لیا گیا۔ مروان مردانہ وار مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا۔ یہ واقعہ ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے [1]۔

مروان کی عمر باسٹھ سال ہوئی اور مدت خلافت پانچ سال دس مہینے۔ مروان کے قتل سے حکومت اُمویہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۰

۴

خلافتِ ہسپانیہ

تعارف

تاریخ اسلام کے ایک مختصر اور جامع نصاب کی ترتیب کا مسئلہ شروع ہی سے کارکنانِ "ندوۃ المصنفین" کے پیشِ نظر تھا اور وہ اس کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ ادارے کے قیام کے چند ماہ بعد ہی یہ خدمت قاضی زین العابدین صاحب فاضل دیوبند (قاضی شہر میرٹھ) کے سپرد کی گئی۔ قاضی صاحب نے شوق، تن دہی اور خوش اسلوبی سے اس کام کی ابتداء کی اور ۳۹ء کے ختم پر اس سلسلہ کا حصہ اوّل "نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم" مرتب ہو گیا جسے محسنین و معاونینِ ادارہ کی خدمت میں ۴۰ء کی مطبوعات کے ذیل میں پیش کر دیا گیا۔ دوسرا حصہ "خلافتِ راشدہ" ۴۲ء کے شروع میں تیار ہوا۔ اس حصہ کا معیار، مضامین، زبان اور حجم کے اعتبار سے پہلے حصے سے کافی بلند تھا۔ تیسرا حصہ خلافت بنی امیہ بھی اسی معیار کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ یہ دونوں حصے علی الترتیب ۴۳-۴۲ء کی مطبوعات میں شامل کر کے ممبروں کو دیئے گئے اور بہت سے اسکولوں اور انٹرمیڈیٹ کالجوں میں انہیں داخل نصاب کر لیا گیا۔

۴۳ء کے بعد سے کچھ ایسے موانع پیش آتے رہے کہ قاضی صاحب موصوف ارادہ کے باوجود یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔

اور یہ مفید کام کئی سال تک نامکمل حالت میں یوں ہی پڑا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کو ملک آزاد ہوا تو دہلی کے آسمان کا رنگ ہی بدلنے لگا اور ۸ر ستمبر ۴۷ء کا آفتاب، آفتابِ محشر بن کر اُفقِ دہلی پر کچھ اس طرح طلوع ہوا کہ صحیح معنی میں قیامت برپا ہو گئی۔ ندوۃ المصنفین اور اُس کے ارادوں کی بساط الٹ کر رہ گئی اور اُس کی زندگی کا سارا نقشہ ہی منقلب ہو گیا۔

جنوری ۴۸ء میں جب کام کے بکھرے ہوئے سروں کو ازسرِ نو جوڑنا شروع کیا

تو دوسری اہم تالیفی ضرورتوں کے ساتھ "تاریخ ملت" کے اس ٹوٹے ہوئے سلسلہ کو مکمل کرنے کی ضرورت بھی سامنے آئی اور اس دفعہ یہ خدمت ملک کے مشہور مصنف جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی کو سونپی گئی مفتی صاحب اپنی زود نویسی اور کثرتِ تالیف کے لئے شہرتِ عام رکھتے ہیں اور جو کام کرتے ہیں محنت و انہماک سے کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس مشکل اور حد درجہ نازک وقت میں جناب مؤلف اس سلسلہ کو جلد سے جلد مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ مبارک اور مفید خدمت آپ ہی کے قلم سے انجام پذیر ہوگی اور جس کام کو ایک "قاضی" نے شروع کیا تھا وہ ایک "مفتی" کے ہاتھ سے پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

تاریخوں کی عام ترتیب کے مطابق خلافت بنی اُمیہ کے بعد "خلافت عباسیہ" آنی چاہیئے تھی لیکن فاضل مؤلف نے خلافتِ عباسیہ سے پہلے خلفائے بنی امیہ اندلس کا تذکرہ مناسب جانا کہ "تاریخِ ملت" کے حصہ سوم و چہارم کے بنو اُمیہ شام اور اندلس دونوں کی تاریخ پوری ہو جائے۔ یقین ہے قارئین اس جدت کو پسند کریں گے۔

اب خدا نے چاہا خلافتِ عباسیہ بغداد کے دونوں حصے بھی جلد ہی طباعت کے مرحلے سے گزر کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچیں گے اور بقیہ حصے بھی جلد جلد طبع ہوتے رہیں گے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین

۲۷ شوال ۶۸ھ بمطابق ۱۲ اگست ۴۹ء

مقدّمہ

سلاطینِ اندلس کی تاریخ لکھنے سے پہلے اُن کے اسلاف کی جہانبانی کے واقعات اور کارنامے اجمالاً ذکر کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ عموماً مؤرخین نے خلفائے بنی اُمیہ کے مثالب پر نظر زیادہ رکھی محاسن پر توجّہ کم کی۔

شاہانِ عالم کے مقابلہ میں خلفاء بنی امیہ کا درجہ بہت بلند نظر آتا ہے۔ مگر مورخین اسلام نے جب اُن کا مقابلہ کیا خلافتِ راشدہ کو سامنے رکھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلفائے بنی امیہ شہنشاہ تھے صحیح معنی میں خلفائے راشدین کے جانشین نہ تھے کیونکہ خلافتِ راشدہ حقیقی معنی میں "اسلامی حکومت" تھی۔ فاتحانہ سرگرمیوں کے ساتھ عدل و انصاف میں قیاصرۂ روم و شاہانِ عجم سے بڑھے ہُوئے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اُن کا سا طمطراق نہ تھا۔ بے حد اُن کی سادگی تھی، دامن بے جا تمدنی تکلفات سے پاک وصاف تھا۔ گو جائز حدود کے اندر شریعتِ اسلامیہ نے عیش و تنعم کی اجازت دی ہے۔ لیکن ہر وہ شے جو سادگی اور جُہد و عمل کے خلاف ہو وہ اسلامی روح کے منافی سمجھی گئی۔ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم صحیح نمونہ تھے۔ اُن کے دَور تک اسلام کی سادگی قائم رہی۔ باوجودیکہ اس عہد میں فتوحات کی کثرت سے اموال کی فراوانی بڑھی ہوئی تھی صحرائے عرب میں گنگا جمنی دریا بہنے لگے۔ ایران و روم کے خزانے کھنچ کھنچ کے مدینہ کی گلیوں میں آگئے مگر مسلمانوں کی سادگی میں کوئی فرق نہ آسکا۔ خلیفۃ المسلمین کے جسم مبارک پر پیوند لگا کُرتہ ہوتا اور غذا میں جَو کی روٹی جو روغن زیتون سے کھالی جاتی۔ دربار کے لئے کوئی قصر نہ تھا صرف مسجد تھی جہاں اصحابِ شوریٰ (جلیل القدر صحابہ) جمع ہوتے۔ اس جگہ سے مفتوحہ علاقہ کا کلی انتظام کیا جاتا۔ اس عہدِ خجستہ کے خاتمہ کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ شہنشاہی تھی۔ صرف بیعت کا طریقہ ضرور قائم رکھا گیا۔ امیر معاویہ حکومت بنی امیہ کے بانی مبانی تھے۔

خلفائے بنی امیہ میں خلافتِ راشدہ کی طرح اسلامی روح نہ تھی لیکن پھر بھی عربوں

کی جملہ خصوصیات کے منفرد حامل تھے بلکہ انہوں نے اس کے تحفظ کا کلی لحاظ رکھا۔ بقول علامہ ابن خلدون، ان میں عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی۔

بنی اُمیہ کا پایۂ تخت دمشق (شام) رُومیوں کا ملک تھا، مسلمان اس سے متاثر ہوتے مگر پھر بھی وہ بچے رہے۔ ان پر ان کے تمدن و تہذیب کا غلبہ نہ ہونے پایا بلکہ اپنا اثر ضرور ڈالا۔ البتہ بنی عباس عجمی تمدن سے اثر پذیر ہو گئے۔ بنی امیہ نے عربی خصوصیات و شعار کو بڑی حد تک برقرار رکھا۔

بنی امیہ کا نظامِ حکومت مخادعاتِ سیاسیہ سے بالکل ناآشنا تھا اور اس کی تمام تر بنیاد قوت، بسالت اور عربی شجاعت پر قائم رہی۔ گو دو ایک خلفائے بنی اُمیہ خلفائے راشدین کے قدم بقدم چلے۔ زیادہ حضرات نے راستہ غلط اور آئینِ اسلام کے خلاف اختیار کیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُموی دور میں فتوحات کو جس قدر وسعت ہوئی اسلام کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلافتِ راشدہ میں اگرچہ اسلام کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا تاہم مجاہدینِ کرام کا قدم حدودِ عرب دیارِ شام اور مصر و ایران سے آگے نہ بڑھ سکا تھا لیکن خلفائے بنی اُمیہ کے دور میں طرابلس، طنجہ، اندلس، چین، ہند، قسطنطنیہ، عراق، تونس، مراکش، خراسان، فارس، توران، طبرستان، جرجان، سجستان، افغانستان سبھی اسلام کے زیرِ نگین آ گئے اور بحر و بر پر اُن کا کوئی مدِمقابل نہ رہا تھا۔ اگر وہ آپس کی خانہ جنگی کا شکار نہ بنتے تو کیا عجب کہ تمام ربع مسکون پر مسلمان تسلط کر چکے ہوتے۔ بقول لیبان جس طرح عرب تھوڑے عرصہ میں ملک کے بڑے حصے پر متصرف ہو گئے اسی طرح علوم و فنون پر چھا گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سو برس کے اندر ہی اندر خلافتِ راشدہ اور خلفائے بنو اُمیہ کے دور میں تہذیب و تمدن، عدل و انصاف کے ساتھ علم و ہنر کی پرورش اور ترویج عرب قوم کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔

⁂

کثرتِ فتوحات

اوّلین خلفائے بنی اُمیّہ میں مُلکی فتوحات ہوئیں مگر ولید کا زمانہ خصوصیت رکھتا ہے۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ :-

"اُس نے اپنے زمانہ میں جہاد کو قائم کیا اور اُس کی خلافت میں بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں" [1]

یہ فتوحات ہشام تک وسعت اختیار کرتی رہیں۔ علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ :-

"ہشام نے عمدہ لباس، عمدہ فرش اور عمدہ آلاتِ حرب تیار کرائے، فوجی کام کے لئے سپاہی تیار کئے اور سرحد کو مضبوط کیا۔ [2]

بحری جنگ بحری جنگ کا آغاز عہدِ امیر معاویہ سے شروع ہو گیا تھا اس کو ہر زمانے میں خلفاء نے ترقی دی اور ساحلی قلعہ بندی کا انتظام کیا اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے۔

نظامِ حکومت

خلافتِ راشدہ میں خلفاء "مجلسِ شیوخ" سے انتظامی امور اور حکومت کے نظم و نسق میں امداد لیا کرتے۔

اس مجلس کے عناصر ترکیبی میں جلیل القدر صحابہ داعیانِ مدینہ و سردارانِ قبائل داخل تھے۔ مسجد نبوی میں اس مجلس کا اجلاس ہوتا تھا۔ خلیفہ اس مجلس کے مشورہ کے بغیر کسی امر کا قطعی فیصلہ نہ کرتا تھا۔ اسلام کا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ کے اتنی سالہ دور میں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۴ [2] مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۲۱

بڑی حد تک جمہوری رہا۔

خلافتِ راشدہ کے بعد زمامِ حکومت امیر معاویہؓ کے ہاتھ آئی۔ انہوں نے خلافت کو حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ پہلا نظامِ سیاسی بدل کر شخصی حکومت کی بنا ڈال دی۔ ان کے بعد کے لوگوں نے سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجے پر رکھ دیئے۔

شہری نظام | عہد بنی اُمیہ میں اسلامیہ سلطنت کا دائرۂ عمل وسیع ہو گیا تھا۔ اس لئے پانچ بڑے صوبے بنا دیئے گئے۔

۱۔ حجاز، یمن اور عرب وسطیٰ

۲۔ مصر، مصر کا مرتفع حصہ۔ مصر کا نشیبی علاقہ

۳۔ عراق عرب (بلاد بابل اور اشور قدیم) عراق عجم (بلاد فارس، عمان، بحرین کرمان، سجستان، کابل، خراسان، باد، ماوراء النہر اور سندھ پنجاب کے علاقے (ایک بڑا صوبہ قرار دیا گیا اور گورنر عراق کے ماتحت کیا گیا۔ جس کا کوفہ صدر مقام تھا۔

۴۔ بلاد الجزیرہ، ارمینیہ، آذربائیجان اور ایشیائے کوچک۔

۵۔ شمالی افریقہ۔ اس کے حدود مغربی مصر بلاد اندلس جزیرہ سسلی سردانیہ بلیارس کا صدر مقام قیروان تھا۔ گورنر افریقہ، طنجہ، بحر روم کے جزائر اور بلاد اندلس پر حاکم مقرر کرتا تھا جس کا دار الحکومت قرطبہ ہوتا تھا۔

فوج | بنی اُمیہ نے فوجی نظام کو کمال کی حد تک پہنچا دیا۔ عبد الملک نے جبری فوجی بھرتی کا قانون بنایا۔ اس کے عہد میں فوج میں عربی عنصر زیادہ تھا اور بلاد اندلس کی تسخیر کے بعد بربر قوم سے بھی خدمات لی گئیں۔

نظامِ پولیس | پولیس افسر کو صاحب شرطہ کہتے تھے۔ ہشام بن عبد الملک نے اس

لے مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۲۰۰

محکمہ کو بہت توسیع دی۔ ایک نیا محکمہ نظامِ احداث قائم کر کے اس محکمہ کو سپرد کر دیا۔

نظامِ مالیات مالیات کا صحیح نظام اور آمد و صرف میں توازن ریاست کا اہم عنصر ہے ابتدائی دور میں مالیات کا شعبہ (بیت المال) تھا۔ بیت المال کے اہم ذرائع آمدنی خراج، جزیہ، زکوٰۃ، فئی، مالِ غنیمت اور عشر تھے۔ خراج وصول کرنے کے لئے باقاعدہ افسر مقرر تھے۔ بنی امیہ نے خراج کا نظم و نسق اعلیٰ پیمانہ پر کیا تھا۔ عبدالملک خراج کے بددیانت افسروں کو برطرف کرنے کے بعد نہایت سختی سے ان کی ثروت کا جائزہ لیتا تھا۔

جزیہ جزیہ کی رقم ایک معین مقدار کا نام ہے جو ذمیوں سے حفظ جان و مال پر لی جاتی۔ خراج اور جزیہ میں فرق یہ تھا کہ خراج زمین سے لیا جاتا مسلمان ہونے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جزیہ جانوں کا ٹیکس تھا اسلام لانے پر معاف ہو جاتا۔ دولتمندوں سے ۴۸ درہم (بارہ روپیہ سالانہ) متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم (چھ روپیہ سالانہ) ادنیٰ طبقہ سے ۱۲ درہم (تین روپیہ)، غریبوں، بے بسوں (اپاہجوں)، مجنونوں اور مفردوں اور عورتوں، بچوں اور راہبوں سے نہ لیا جاتا۔ جزیہ وصول کرنے میں عدل و انصاف اور نرمی کا برتاؤ کیا جاتا۔

عشر سامان کا ۱/۱۰ حصہ ان غیر مسلم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو دارالحرب سے دارالاسلام میں تجارت کرنے آتے تھے، سال میں ایک دفعہ لیا جاتا۔

حقوق مساوی عمر بن عبدالعزیز نے عرب و عجم کے مسلمانوں کے معاشی، سیاسی اور تمدنی حقوق مساوی قرار دیئے تھے۔ عربوں کی طرح عجمی مسلمانوں کے وظائف بھی مقرر کئے تھے۔

دفاتر عہد بنی امیہ میں حکومت کا نظام چار بڑے بڑے محکموں میں تقسیم تھا۔ دیوان خراج۔ دیوان رسل و رسائل۔ غلہ اور دوسری پیداوار کے انتظام کا محکمہ دیوان خاتم۔

عربی زبان تمام ملکوں میں عربی زبان رائج تھی۔ عبدالملک نے تمام صیغوں کی

زبان عربی کردی [۱] ۔ حجاج بن یوسف کے دفتر میں صالح نامی تھا جس نے دفتر کو فارسی سے عربی میں منتقل کیا ورنہ فارسی یونانی میں دفاتر کے کام ہوتے تھے۔ عربی زبان قرار دینے سے سیاسی اور ادبی دونوں حیثیت سے اثر پڑا۔ مناصب پر عرب ممتاز ہوئے۔ ادبی اثر یہ پڑا کہ بہت سے فارسی اور رومی اصطلاحات معرب ہو گئے۔ گورنروں نے بھی اس پر عمل کیا۔

ملک شام میں ولید کے زمانے میں سلیمان بن سعید کاتب نے دفتر کو سریانی سے عربی میں منتقل کیا۔ مصر میں عہدِ ولید ۸۷ھ میں والیٔ مصر عبداللہ بن عبدالملک نے ابن یربوع فزاری حمصی سے قبطی سے دفتر عربی میں ترجمہ کرائے [۲] غرضیکہ اس طرح پر اسلامی حکومت کے کل دفتر عربی میں آ گئے۔

دربارِ شاہی عہدِ خلفائے راشدین میں مسجدیں جائے دربار تھیں۔ اجتماعی اور سیاسی اغراض کا یہی مرکز تھا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ سے بادشاہ کی شان و شوکت اور دربار کے جاہ و جلال کا آغاز ہوا۔ اس کے جانشینوں نے تمام درباری کروفر اور لوازمات اختیار کئے۔ بلاذری لکھتا ہے۔

> "عبدالملک پہلا خلیفہ تھا جس نے جاہ و جبروت کے تمام لوازم اختیار کئے [۳]
> خلیفہ تختِ شاہی پر جلوہ فرما ہوتا تھا۔ دائیں جانب امراء کی نشست
> ہوتی تھی اور بائیں جانب سلطنت اور شاہی محل کے ممتاز افراد بیٹھتے
> تھے۔ سامنے کھڑے ہو کر سلاطین کے سفراء، شعراء، اہلِ قلم اور فقہاء وغیرہ
> اپنی اپنی عرضداشتیں پیش کرتے تھے۔

حجابت خلفائے راشدین نے ملاقات کے لئے عام اجازت دے رکھی تھی۔ امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے دروازہ پر حاجب مقرر کئے [۴] حاجب اعلیٰ عہدہ دار ہوتا تھا۔ وہ خلیفہ اور ملاقاتی کا درمیانی واسطہ تھا۔ حاجب کے ذریعہ خلیفہ

---

[۱] ادب سلطانیہ صفحہ ۱۱۰ [۲] فہرست ابن ندیم [۳] فتوح البلدان از احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری (۲۰۹ھ)

تک استدعا پہنچائی جاتی تھی۔ عبدالملک نے حاجب مقرر کئے تو یہ ہدایت کر دی کہ مؤذن ڈاکیہ اور کھانے کے لئے بلانے والے کو بھی میرے پاس ہر وقت آنے کی اجازت ہے[1]۔

عبدالملک بن مروان نے اپنے بھائی عبدالعزیز گورنر مصر کو نصیحت کی تھی۔ دیکھو حاجب کے فرائض اپنے اہل ترین آدمی کے سپرد کرنا وہ تمہاری زبان اور دل و دماغ ہے اسے ہدایت کرنا وہ ملاقات کے خواہش کے مرتبہ پورے حالات اور ضروریات کی اہمیت سے پہلے آگاہ کرے۔ اس کے بعد اگر تم ضرورت سمجھو تو بلا لو ورنہ واپس کر دو[2]۔

محکمہ قضاۃ بنی امیہ کے زمانے میں قضاۃ کا عہدہ خلفائے راشدین کے عہد میں جیسا تھا وہی قائم رہا۔ پھر دارالخلافہ کے لئے قاضی کا انتخاب خود خلیفہ کرتے اور امراء منتخب کرتے یا دربارِ خلافت سے مقرر کر کے دوسرے علاقوں میں بھیج دیئے جاتے۔

انتظامِ ملک مفتوحہ ممالک میں پہلے سے بہت زیادہ رعایا کی فلاح و بہبود کا انتظام کیا گیا۔ تمدنی معاشرتی حالت درست کی۔ زراعت کا معقول انتظام اور رفاہِ عام کے متعلق ضروری خدمات انجام دیں۔ ملکوں کو ترقی کے راستہ پر لگایا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ذرائع آب پاشی کو نہایت ترقی دی۔ چنانچہ خلاصۃ الوفاء میں ہے۔

مدینہ شریف اور اس کے اطراف میں بہت سی نہریں جاری تھیں اور امیر معاویہؓ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔ ان کے عہد میں نہر کنظالہ، نہر ازرق اور نہر شہداء وغیرہ نہیں[3]۔

امیر نے پہاڑوں کی بعض گھاٹیوں کے گرد بند بندھوا کر ان کو بھی تالاب کی صورت میں بدل دیا جس میں پانی جمع ہوتا تھا اور اُن سے زراعت کی پیداوار کو جو ترقی ہوئی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ تلقہ الفخری فی آداب السلطانیہ صد ۱۱۵ (بحوالہ مسلمانوں کا نظم مملکت)

[3] وفاء الوفاء صد ۳۲۱۔

اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ان نہروں کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گندم کی پیداوار ہوئی۔[۱]

سلیمان بن عبدالملک نے مکہ میں آبِ شیریں کا ایک چشمہ جاری کرایا جس کا پانی سیسے کے نل کے ذریعے مسجد حرام تک پہنچایا جاتا تھا۔ پھر ایک فوارے کے ذریعہ سے ایک سنگی حوض میں گرتا تھا جو رکن اسود اور زمزم کے درمیان تیار کرایا گیا تھا۔

ہشام نے بھی مکہ معظمہ کے راستے میں متعدد حوض و تالاب تیار کرائے تھے

یزید نے بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوائی جس کا نام نہر عمر تھا۔

عمال بنی امیہ نے بھی نہریں بصرہ میں کثرت سے کھدوائیں جن کے نام فتوح البلدان میں تحریر ہیں۔

راستے ولید نے رفاہِ عام کے جہاں اور بہت سے کام کئے اس سلسلہ میں عرب سے سنگستانی مقام میں راستے ہموار کر دیئے اور جگہ جگہ پر کنوئیں کھدوائے۔[۲]

مہمان خانہ خلفائے بنی اُمیہ نے مہمان خانے تیار کرائے۔[۳]

شفاخانہ مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے کہ ولید پہلا شخص ہے جس نے مریضوں کے لئے شفاخانے بنائے۔

بیکسوں کی امداد ولید نے یتیموں، اپاہجوں اور گداگروں کے لئے وظائف جاری کئے۔ یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمین کا تقرر کیا۔ اندھوں کے لئے آدمی رکھے۔ اپاہجوں کو خدام دیئے جو اُن کی ضروریات کو پورا کرتے۔

علامہ ابوالفرج ولید ثانی کے لئے لکھتا ہے:۔

---

[۱] سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۷۶ [۲] ابن اثیر

[۳] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۴۸۔

"جب ولید بن یزید خلیفہ ہوا تو اس نے شام کے اپاہجوں اور اندھوں کے لئے وظائف مقرر کئے اور ہر ایک کو کپڑے عطا کرتا تھا۔"

تعمیرات امیر معاویہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اپنے عہد میں شاندار عمارتیں بنوائیں۔ یعقوبی لکھتا ہے :۔

"انہوں نے نہایت شاندار عمارتیں بنوائیں[۱]۔"

عبدالملک بن مروان علاوہ فاتح ہونے کے فنِ تعمیر کا مربی تھا۔ اس نے مدینہ کی مسجد اور یروشلم میں قبۃ الصخرہ اور ایک دوسری مسجد (مسجد الاقصیٰ) ۱۱۹ھ مطابق ۷۳۷ء سات سالہ خراج مصر کے صرف سے تعمیر کرائی۔ ان مساجد کی تعمیر کے لئے عبدالملک نے شاہ روم کو معماروں کے لئے لکھا[۲]۔ اس کے بیٹے خلیفہ ولید نے مسجد الاقصیٰ کو ترقی دی اور جامع مسجد دمشق پر آٹھ کروڑ ۴۰ لاکھ روپے صرف کئے اور مسجدِ نبوی کی توسیع و تعمیر کرائی۔ آدابِ سلطانیہ میں ہے :۔

"اس کو عمارات اور قلعہ وغیرہ بنانے کا نہایت ذوق تھا[۳]۔"

نئے شہر بسائے حجاج بن یوسف ثقفی کا سا ظالم و جابر اس نے عہد عبدالملک میں کوفہ اور بصرہ کے درمیان میں واسطہ شہر بسایا۔ سلیمان بن عبدالملک نے رملہ آباد کیا۔ محل کی تعمیر ہوئی۔ مسجدیں اور کنوئیں بنوائے اور تالاب کھدوائے۔

عقبہ بن نافع نے قیروان (افریقہ) آباد کیا۔ ایسے اور بھی شہر ہیں جو عہد بنی اُمیّہ کی یادگار ہے ہیں۔

انتظام ڈاک امیر معاویہ نے سب سے پہلے برید صیغہ قائم کیا۔ اس غرض سے مختلف مقامات پر تیز گھوڑے بارہ بارہ میل پر مقرر تھے جن کے ذریعہ سے خبر رسانی میں آسانیاں ہوگئیں۔

---

[۱] مختصر الاول صفحہ ۲۰۰ [۲] تمدن عرب صد ۱۴۳ [۳] آداب السلطانیہ صد ۱۱۴

دیوانِ خاتم حضرت امیر معاویہ نے خاص محکمہ قائم کیا۔ اس محکمہ سے فرمان صادر ہوتے۔ اس کی باضابطہ دفتر میں نقل رہتی فرمان پر مہر لگتی"۔ زیاد نے اس محکمہ کو بڑی ترقی دی[1] سرکاری کاغذات لکھنے کے لئے فصیح عرب اور موالی مخصوص کئے۔[2]

ٹکسال عبدالملک نے رومی سکوں کے بجائے ۶۹۵ء میں سونے کا دینار اپنے نام سے اور چاندی کا درہم جاری کئے۔ ٹکسال دمشق میں پہلے پہل قائم کی۔ دوسرے خلفاء عراق، واسط جزیرہ میں ٹکسالیں قائم کیں۔

ترقی صنعت و حرفت عبدالملک کے زمانہ میں کارخانہ پارچہ بافی قائم ہوگئے تھے۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں پارچہ بافی کی صنعت کو بہت بڑی ترقی ہوئی۔ چنانچہ مسعودی لکھتا ہے:-

"اور اس کے زمانہ میں یمن، کوفہ، سکندریہ میں رنگین اور عمدہ کپڑے بُنے گئے اور لوگوں نے ان کپڑوں کے جُبّے، چادریں، پاجامے، عمامے اور ٹوپیاں پہنیں"۔[3]

شاہی لباس عبدالملک کے زمانہ تک شاہی لباس روم سے بن کر آتا تھا۔ پھر مصر سے آنے لگا۔ لباس پر "اب ابن روح القدس" نقش و نگار کی شکل میں بنا ہوتا۔ عبدالملک کو اس کے معنی کا علم ہوا تو اس کو گراں گزرا اس نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان گورنر مصر کو لکھا کہ "اب ابن روح القدس" کی جگہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ نقش و نگار کی شکل میں بنایا جائے اور اپنے حدودِ خلافت میں مصری پارچے پہننے اور خریدنے کی ممانعت کر دی اور خلاف ورزی کی صورت میں سزائیں دی جانے لگیں۔ پارچہ بافی کے کارخانے قائم کئے جانے لگے بلکہ حکومت کی طرف سے ایک محکمہ دیوان طراز کے نام سے قائم کیا گیا۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ [2] مروج الذہب صفحہ ۶۱۱ [3] ایضاً

یہ دفتر شاہی پارچہ بافی ادران کے اسماء اور القاب کو خوشنما بننے کے لئے کارخانوں میں انتظام کرتا تھا اور اہلِ حرفہ کی تنخواہ کی تقسیم بھی اس دفتر سے متعلق تھی۔[1]

کارخانہ کاغذ سازی ۸۸ھ میں یوسف بن عمر نے مکہ معظمہ میں قطن (روئی) سے کاغذ بنانے کا کارخانہ قائم کیا تھا موسیٰ بن نصیر فاتح افریقہ نے مغرب کے علاقے میں کتاں وغیرہ سے کاغذ بنانے کا طریقہ مروج کیا۔ ریشم سے بھی کاغذ بنایا جاتا تھا۔ انھی ایام میں ایسے کاغذ تیار ہونے لگے تھے جس میں آدمی کو اپنا چہرہ تک نظر آسکتا تھا۔[1]

رعایا کی خوشحالی

مذہب حکومت اخلاق قانون غرض تمام اجتماعی چیزوں کا آخری نتیجہ صرف یہ ہے کہ دنیا فارغ البالی سے زندگی بسر کرے اور اس نتیجہ کے لحاظ سے عمر بن عبدالعزیز کا دورِ حکومت دنیا کے کل بادشاہوں سے زیادہ کامیاب رہا۔

بیہقی دلائل میں لکھتے ہیں :-

"عمر بن عبدالعزیز نے صرف اڑھائی برس خلافت کی لیکن اس مختصر زمانے میں یہ حالت ہو گئی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس بکثرت مال لے کر آتے تھے کہ فقراء کو دیدو لیکن ان کو اپنا مال واپس لے کر جانا پڑتا تھا۔"

طبقات ابن سعد میں محمد بن قیس سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ مستحقین پر صدقہ تقسیم کیا جائے لیکن میں نے دوسرے سال دیکھا کہ جو لوگ صدقہ قبول کرتے تھے وہ خود صدقہ دینے کے قابل ہو گئے۔

رعایا کی خبر گیری ولید خود رعایا کی خبر گیری رکھتا تھا ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ تھی۔ اشیاء کے نرخ کی نگرانی خود کرتا۔ ولید

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ۲۱۶ [2] دنیات الاسلاف للشہاب المرجانی ص ۳۳

خود بازاروں میں جاکر چیزوں کی قیمت طے کر کے ان کو مقرر کرتا[1]

علوم وفنون کی ترویج اشاعت

اسلامی علوم وفنون میں کوئی فن ایسا نہیں ہے جس کی ترتیب وتدوین تہذیب و پرداخت اور ترقی واشاعت میں خلفائے بنی اُمیہ کی مساعی کو دخل نہ ہو۔

قرآن مجید قرآن مجید پر اعراب بنی امیہ کے زمانے میں لگائے گئے۔ حجاج بن یوسف نے ابوالاسود دولی سے امتیازی نقاط اور تحریری عبارتوں کے ساتھ اعراب لگوا کر مروج کئے[2]

ابوالاسود الدولی قاضی الکوفة تابعی جلیل الذی نسب الیه علم النحو ویقال انه اوّل من تکلم فیه قال ابن خلکان وقیل انه توفی فی خلافة عمر بن عبدالعزیز[3]

حفظ قرآن حفظ قرآن کے طریقہ کو وسعت دیا۔ ولید لوگوں کو ہمیشہ حفظ قرآن کی ہدایت دیا تھا۔ حفاظ کو نیا ضابطہ صلے عطا کرتا اور جو لوگ قرآن حفظ نہیں کرتے تھے اُن کو سزا دیتا[4]

تفسیر بنوامیہ کے زمانے میں یہ فن مدفون ہوا اور انہیں کے زمانہ میں بڑے بڑے مفسرین پیدا ہوئے۔ تفسیر کی پہلی کتاب جو سعید ابن جبیر اسدی کوفی متوفی ۹۵ھ نے لکھی۔ وہ عبدالملک کے حکم سے لکھی گئی۔

تدوین حدیث علم حدیث کی تدوین وتالیف کا شرف بھی عہدِ بنو امیہ کو حاصل ہے۔ سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس کا تفسیر کے علاوہ مجموعہ حدیث بھی یادگار ہے[5]

---

[1] تاریخ اسلام حصہ اوّل [2] ابن خلکان تذکرہ حجاج [3] البدایة والنہایة الجزء الثانی من صہ ۳۱۲
[4] عقد الفرید اخبار ولید [5] میزان الاعتدال ذہبی [6] مسند داری باب من رخص فی کتاب العلم۔

امام ابوعمر بن العلاء عہد بنی امیہ میں تھے۔ بصرے میں قیام تھا۔ الیافعی نے لکھا ہے۔

کانت کتبہ التی کتب عن العرب الفصحاء قد ملأت بیتاً له الی السقف۔ (الیافعی جلد ۱ صـ ۳۲۵)	"ابوعمر بن العلاء نے فصحائے عرب کی جن چیزوں کو لکھ کر جمع کیا تھا ان کی کتابوں سے چھت تک کمرہ بھرا ہوا تھا۔

ابوقلابہ متوفی ۱۰۴ھ ان کے یہاں بھی علمی سرمایہ تھا۔ الذہبی کہتے ہیں :-

"ابوقلابہ کا جب انتقال ہوا تو وفات سے پہلے اپنی کتابوں کے متعلق انہوں نے وصیت کی تھی کہ ایوب سختیانی (ان کے شاگرد) کے سپرد کر دی جائیں۔ کتابیں جب ایوب کے پاس آئیں تو ایک اونٹ کا نصف بار تھیں" [۱]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا۔

"ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے مولیٰ کریب نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک بار شتر تھیں" [۲]

جب عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے ابوبکر بن محمد بن[۳] عمرو بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت آپ کو ملے تو اس کو لکھ لیجئے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں علم حدیث مٹ نہ جائے اور علماء فنا نہ ہو جائیں۔ اور آپس میں مجالست کرو تاکہ جو شخص نہیں جانتا وہ بھی جان لے۔ [۴]

امام شہاب زہری کو بھی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ باوجودیکہ شہاب زہری عبدالملک کے زمانہ سے احادیث کے جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اور اس کے کہنے سے ایک مجموعہ حدیث کا اس کے لڑکے کی تعلیم کے لئے تیار کر دیا تھا۔[۵] مغازی میں کتاب تالیف کی۔ علامہ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ الذہبی جلد ۱ صـ ۸۸ [۲] طبقات ابن سعد جلد ۵ صـ ۲۱۶ [۳] قاضی مدینہ منورہ کے تھے خاندان انصار سے تھے تابعی تھے۔ حدیث و خبر کے بڑے امام مانے جاتے تھے (تاریخ وتدوین حدیث از انتظام اللہ)

[۴] بخاری کتاب العلم کیف یقبض العلم [۵] تہذیب الاسماء جلد ۱ صـ ۹۱۔

ابن عبد البر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم محدث قاضی مدینہ کہتے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ عمر نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا[۱]۔

ابوبکر بن حزم نے رسول اللہ کی سنتیں جمع کر کے عمر بن عبدالعزیز کے پاس بھیجا۔ وہ انتقال کر چکے تھے[۲]۔

ابو قلابہ تابعی[۳] جن کا ذکر پیشتر آچکا ہے بشیر بن نہیک صنعانی[۴] خلاد بن معدان شامی کلاعی[۵]، اجابن حیاۃ فلسطینی تابعی[۶]، عبدالرحمان نبیرہ عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ تحریری سلیمان بن قیس[۷]۔ صالح بن کسان جامع سنن رسول[۸] وہب بن ہمنہ کامل الیمانی، صنعانی[۹]۔ خلاص بن عمرو النجری البصری متوفی ۱۱۵ھ۔ ان سب کے احادیث کے مجموعے تھے۔

ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف شہاب زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[۱۰]۔

(نوٹ) جابر بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی مذکور نے تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا۔

روایات ابی ہریرہ کا مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے تھا[۱۱]۔

اصولِ لغت عہدِ بنی اُمیہ میں اصولِ لغت کی تدوین ہوئی۔ ابو اسود دولی نے زیاد بن اُمیہ سے اجازت لے کر نحو کے قواعد وضع کئے۔ ان سے

---

[۱] زرقانی صفہ۱ سطر۹ و فتح الباری [۲] تذکرۃ الحفاظ ۸۰، [۳] مسند جلد ا صفہ ۸۴ [۴] تہذیب جلد ۶ صفہ ۲۱۳ [۵] تذکرۃ الحفاظ [۶] تذکرۃ الحفاظ صفہ ۱۹۵ [۷] ابن سعد صفہ ۱۹۵ [۸] مقدمہ کشف الظنون صفہ ۲۶ [۹] تہذیب جلد ۶ صفہ ۶۱۳ [۱۰] مسند امام ابن حنبل [۱۱] الفہرست ابن ندیم صفہ ۶۱ ۔

عتبہ بن مہران المیری نے اس کی تعلیم حاصل کی۔ اسی سلسلہ سے خلیل منسلک تھے[1]

تاریخ فن تاریخ کی تدوین و ترتیب عہد بنی اُمیہ میں ہوئی۔ سب سے پہلے انہی کے زمانے میں تاریخی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ ایک طرف تو فن سیر و مغازی کے بڑے بڑے علماء مثلاً وہب بن منبہ محمد بن مسلم الزہری موسیٰ بن عقبہ عوانہ جو اس فن کے متعلق کتابوں کی تدوین و تالیف میں مصروف تھے۔ دوسری طرف خلفائے بنو اُمیہ کو فن تاریخ کے ساتھ خود نہایت شغف تھا۔

علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ ہمیشہ عشاء کے بعد بیٹھ کر تاریخی واقعات سنتے۔ جب رات کا ثلث حصہ گذر جاتا تو سو جاتے۔ پھر اُٹھتے اور دوبارہ یہی مشغلہ شروع ہو جاتا۔ متعدد لڑکے تاریخی کتابیں لے کر آتے اور اُن کو پڑھ پڑھ کر سناتے۔ جب اس پر قناعت نہ ہوئی تو یمن سے ایک عالم کو جس کا نام عبید بن شریہ تھا بلایا اور اس سے بہت سے تاریخی واقعات سننے اور ان واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ان کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا جس کا نام اخبار الماضیین ہے[2] صحار العبدی نے امیر معاویہ کے لئے کتاب الامثال لکھی[3]

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں عامس عبید بن شریہ نے کتاب الامثال لکھی اور کتاب الملوک لکھی (فہرست ابن ندیم صد ۱۳۲) عاش عبید بن شریہ الیٰ ایام عبدالملک ولہ من الکتب کتاب الامثال کتاب الملوک اخبار الماضیین (ابن ندیم)

ہشام کے شوق و ایما سے عربی لٹریچر میں اور بھی مفید و تاریخی تصنیفات کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ جبلہ نے اس کے لئے ایران کی بعض تاریخی کتابوں کا ترجمہ فارسی سے عربی میں کیا۔ ہشام نے اور بھی مترجمین کے ذریعہ سے کتاب تاریخ الملوک الفرس کا ترجمہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صد ۳۸ [2] فہرست ابن ندیم صد ۱۳۲ [3] اصابہ و کشف الظنون و تذکرۃ الحفاظ (بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز صد ۱۸۲)

کرایا جس میں ایرانی سلطنت کے قوانین اور مشاہیر ایران کے حالات تھے[1]

عبدالملک ابن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری نے عہد بنی امیہ میں کتاب المغازی لکھی جس کو ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کیا۔

یونانی علوم کے ترجمے امیر معاویہ کا پوتا خالد بن یزید جس کی کنیت ابو ہاشم ہے اس کو حکومت سے لگاؤ نہ تھا۔ اس نے علوم دینی حاصل کرنے میں سعی بلیغ کی۔ اس کے شیخ الحدیث حضرت دحیہ تھے۔ حضرت رجا بن حیاۃ اور امام شہاب زہری جیسے جلیل القدر محدث اس کے شاگرد تھے۔ ابن ندیم الفہرست میں لکھتا ہے :۔

"خالد بن یزید بن معاویۃ کان خطیبا شاعرا حازما فارذا رائی ھو اوّل من ترجم لہ کتب الطب والنجوم وکتب الکیمیا"[2]

ابن خلکان لکھتا ہے :۔

خالد نے چند مصری علمائے طب کو بلا کر اپنے پاس رکھا۔ انہوں نے دمشق میں رہ کر علمی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان علماء میں ایک پادری مریانوس تھا جس نے خالد کو علم کیمیا کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لئے نقل کیں[3]۔

اس نے ایک معمل (لیبارٹری) قائم کی۔ علماء ملازم رکھے۔ آثار الباقیہ میں ہے :۔

"خالد نے معمل قائم کیا جہاں اپنے کیمیاوی تجربات کے نتائج معلوم کر کے چند رسائل میں محفوظ کر دیئے"

اس کو طب میں بھی دستگاہ کامل تھی۔ فن کیمسٹری کا بانی خالد کہا جاتا ہے محقق البیرونی خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم (فلسفی) قرار دیتا ہے[4]۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں ۔

---

[1] کتاب التنبیہ والاشراف صـ ۱۰۶ [2] المعارف صـ ۱۲۰ الفہرست، ۴۹۷ [3] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۱۶۸
[4] آثار الباقیہ صـ ۳۰۲

اوّل من یکلم فی علم الکیمیا و وضع فیھا الکتب و بین صفۃ الاکسیر والمیزان ونظر فی کتب الفلاسفۃ عن اھل اسلام خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان و اول من اشتھر ھذا العلم عنہ جابر بن حیان الصوفی من تلامذۃ خالد کما قیل[1]

خالد کا ۸۵ھ میں انتقال ہوا[2]

طِبّ یہ حقیقت ہے کہ یونانی علوم و فنون کے ترجمہ کی ابتداء بنی امیّہ ہی کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ چنانچہ ابن اثال نے امیر معاویہ کے لئے یونانی زبان سے طِب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا اور یہ پہلا ترجمہ تھا جو اسلام کے دورِ حکومت میں کیا گیا۔

مروان بن حکم کے زمانہ میں سرجویہ نے سریانی زبان سے عربی زبان میں ایک طب کی کتاب کا ترجمہ کیا۔ یہی کتاب تھی جس کو عمر بن عبدالعزیزؓ نے شام کے کتب خانہ میں پایا۔ اور ممالکِ محروسہ میں اُس کے مختلف نسخے تقسیم کئے[3]

ہشام کے زمانہ میں ایرانی تاریخ کے علاوہ بعض یونانی کتابوں کا ترجمہ بھی ہوا۔ چنانچہ ابو جبلہ نے ارسطو کے ان خطوط کا ترجمہ کیا جو اُس نے سکندر کو لکھے تھے۔ غرضیکہ دوسری السنہ سے عربی میں عہد بنی امیہ میں کثرت سے کتابیں منتقل ہونے لگیں تھیں۔

شعر و شاعری

عہدِ بنی اُمیہ میں عربی شاعری نے بھی فروغ پایا۔ ایامِ جاہلیت کے کلام میں جو خوبیاں تھیں وہ تھیں مگر اس عہد کے کلام میں بلند اور نازک تخیلات سے ایک عجیب قسم کی لطافت، لچک اور سلاست پیدا ہو گئی تھی۔ جریر،

---

[1] کشف الظنون صفحہ ۱۴۱۳ [2] کتاب الاغانی جلد ۱۶ صفحہ ۹۴

[3] مختصر الدول صفحہ ۱۹۲

فرزدق[1]، اخطل وغیرہ نے بنی امیہ کے درباروں میں تربیت پائی تھی۔

ادب کی کتابوں میں یہ تمام ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس جگہ تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ غرضیکہ بنی امیہ کا دورِ علمی شان دار ہے اور ان کے بعض علمی آثار آج بھی باقی ہیں۔

یہ تھی عہد بنی اُمیّہ کی علمی تمدنی ترقی جس کی طرف سے مؤرخین چشم پوشی کرتے رہے۔

---

[1] الفرزوق واسمه همام بن غالب بن صعصعة بن ناجية تميمی البصری طلق امرأته ثم ندم علی طلاقها فقال فلوانی ملکت یدی وقلبی۔ لکان علی للقدر الخیار۔

(البدایہ والنہایہ الجزء التاسع ص ۲۶۵)۔

عربوں کا تمدّن شام میں

موسیو لیبان لکھتا ہے :-

"خلفائے بنی اُمیّہ کے زمانہ میں شام کا تمدن ایک اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا عربوں نے اپنی رعایا کے ساتھ نہایت انصاف اور انسانیت سے برتاؤ کیا اور ان کو پوری آزادی مذہب کی دے رکھی تھی۔ اُن کے عہد میں کلیسہ مشرقی و مغربی دونوں کے رئیس اساقفہ کو اس قدر آرام ملا کہ انہیں اس وقت تک اپنی علوے حکومت میں ہرگز نصیب نہ ہُوا تھا۔ شام کے تمام بڑے شہر بیت المقدس۔ صیدون، دمشق، صور بہت ہی سرسبز ہو گئے اور حرفت اور فلاحت نے بے انتہا ترقی کی۔ فتح ہونے کے ساتھ ہی اس مُلک میں اعلیٰ درجہ کی ترقی شروع ہو گئی۔ عربوں کو علوم یونان و روم کا ایسا ہی جوش پیدا ہو گیا جیسا کہ انہیں لڑنے کا جوش تھا۔ ہر طرف مدارس کثرت سے قائم ہو گئے اور چند روز میں شاگرد استادوں کا مقابلہ کرنے لگے اور علوم و شاعری و صنعت میں ترقی نمایاں ہونے لگی اور دمشق جو اُن کا دار السلطنت تھا مرکزی شہر تجارت کا بن گیا۔ یہاں علمی اور حرفتی ترقی کی شہرت دُور دور تھی۔ طبی مدرسہ، قصور شاہی تمام عالم میں مشہور و معروف تھے"[1]

(از۔ انتظام اللہ شہابی)

***

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۱۴۹۔

تاریخ اندلس

اندلس جزیرہ نما ملک اندلس یورپ کے مغربی جنوبی حصے کی طرف واقع ہے اس کے اور ملک افریقہ کے درمیان صرف بارہ میل کا سمندر جو بحرِ ظلمات (بحر محیط) کو بحر متوسط سے ملاتا ہے جس کو آبنائے طارق کہتے ہیں، حائل ہے۔ اس ملک کے مشرق کی جانب بحر متوسط اور شمال کی طرف جبل البرتات (پیرا نیز) جو ملک فرانس کی سرحد اندلس سے جدا کرتا ہے اور بے آف بسکے واقع ہیں۔ غرب کی جانب ملک پرتگال اور بحرِ ظلمات اور جنوب کی طرف آبنائے طارق اور ملک افریقہ اس کے حدود کو ختم کرتے ہیں۔

قدیم تاریخ اندلس (اسپین) کے قدیم باشندے قوم سلیٹ سے تھے جن کا اصلی وطن فرانس تھا۔ ان کے بعد اور بھی اقوام مثل آئی بیری، فنیقی وغیرہ یہاں آئے اور رہ پڑے ۳۰۰ق م اہل روم اس پر حملہ آور ہوئے۔ دوسری مرتبہ کی جنگ میں، جو پیونک کے نام سے مشہور ہے قرطاجینوں کو شکست ہوئی۔ چنانچہ ۵۰۰ء تک اہلِ روما قابض رہے۔ پھر شمالی وحشی قوموں نے اندلس پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بعد ایک دوسری بُت پرست قوم گاتھ کو عروج حاصل ہوا۔ مگر دو سو برس سے زیادہ اُن کا اقتدار نہ رہا۔

گاتھ کے زمانہ میں اندلس کے باشندے نصف سے زیادہ غلامی کے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ ریاست چھوٹے بڑے جاگیرداروں میں بٹی ہوئی تھی اور زمیندار غلاموں سے کاشت کا کام مثل جانوروں کے لیا کرتے تھے۔ ذرا سی خطا یا عدول حکمی پر نہایت بے رحمی سے یہ لوگ قتل کر دیئے جاتے۔ ان کے مذہبی پیشوا بھی ایسے ہی تھے لاطینی عیسائیوں کا دور دورہ تھا۔ وٹیزا کو قوم نے تخت سے اتار کر لرزیق (راڈرک) کو اپنا بادشاہ بنایا۔ کچھ عرصہ تک متانت اور سنجیدگی سے کام لیا۔ آگے چل کر عیاش اور کاہل بن گیا اور امراء کی بہو بیٹیوں کو تاکنے لگا۔ گورنر سوطا کونٹ جولین کی لڑکی فلورنڈا

دارالسلطنت طلیطلہ میں بغرضِ تحصیلِ علم آئی ہوئی تھی اس کو جبراً اپنے تصرف میں لایا۔
اس کی خبر جولین کو لگی۔ چونکہ جولین خاندان ڈنیرا کا رکن اعظم تھا اس واقعہ سے اُس
نے بڑا اثر لیا اور یہی گورنر عربوں کو اندلس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث ہوا۔
شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر سے جولین ملا۔ انہوں نے خلیفہ ولید بن
عبدالملک کی منظوری سے کر جنرل طارق بن زیاد کو جولائی ۷۱۱ء ۹۲ھ میں عرب اور
بربریوں کی بیس ہزار فوج کے ساتھ ہسپانیہ روانہ کیا جس نے گاتھ فرمانروا راڈرک
کو دریائے باربیٹ کے دہانہ پر شکست دی۔ اس کے بعد آرکاڈینا۔ قرطبہ۔ ملاغہ
ایلوریرا اور ٹولیڈو (طلیطلہ) فتح ہو گئے۔
۷۱۵ء میں ولید نے شام میں موسیٰ بن نصیر کو طلب کیا۔ یہ طارق کو لے کر
معہ گاتھک شہزادوں اور مالِ غنیمت کے دمشق پہنچا۔ ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہوا۔
اس نے موسیٰ کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ آخر میں موسیٰ جلد ہی بحالتِ افلاس وفات پا گئے
اس جگہ خلفائے بنی امیہ کی طرف سے جو اندلس کے گورنر مامور ہوئے صرف اُن کے
نام لکھے دیتے ہیں تفصیلی حالات جلد سوم میں آ چکے ہیں۔

(۴) امرائے اندلس جو منجانب ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید، اور ہشام
مقرر ہوئے۔

نام والی	مدت حکومت	کیفیت
طارق ابن زیاد	شوال ۹۲ھ تا ۹۳ھ جمادی الاول	
موسیٰ بن نصیر	۹۳ھ تا ۹۵ھ	
عبدالعزیز بن موسیٰ	۹۵ھ تا ۹۷ھ	
ایوب بن حبیب اللخمی	۹۷ھ تا ۹۸ھ	
الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی	۹۸ھ تا ۱۰۰ھ	
اسمح بن مالک الخولانی	۱۰۰ھ تا ۱۰۲ھ	بغیر حکم خلیفہ منجانب فوج حاکم ہوا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالغافقی	سنہ ۱۰۲ تا سنہ ۱۰۳ھ	
عقبہ بن سحیم الکلبی	سنہ ۱۰۳ تا سنہ ۱۰۷ھ	
غدرہ بن عبداللہ الفہری	شعبان ۱۰۷ تا شوال ۱۰۷ھ	
یحییٰ بن سلمۃ الکلبی	سنہ ۱۰۳ تا سنہ ۱۰۷ھ	
عثمان بن ابی عبیدہ	شعبان سنہ ۱۰۷ تا شوال سنہ ۱۰۷ھ	
عثمان بن ابی نسع القنعمی	سنہ ۱۰۷ تا سنہ ۱۰۸ھ	
حذیفہ بن الاحوص القیسی	سنہ ۱۰۸ تا سنہ ۱۰۹ھ	
الہیثم بن عبداللہ الکلابی	سنہ ۱۰۹ تا سنہ ۱۱۰ھ	
محمد بن عبداللہ اشجعی	سنہ ۱۱۰ تا سنہ ۱۱۱ھ	
عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی	سنہ ۱۱۱ تا سنہ ۱۱۳ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۱۳ تا سنہ ۱۱۳ھ	چار ماہ
عقبہ بن الحجاج	سنہ ۱۱۳ تا سنہ ۱۱۴ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۱۴ تا سنہ ۱۱۶ھ	
عقبہ بن الحجاج	سنہ ۱۱۶ تا سنہ ۱۲۳ھ	
عبدالملک بن القطن الفہری	سنہ ۱۲۳ تا سنہ ۱۲۳ھ	دوبارہ حاکم مقرر ہوئے
بلج ابن بشر العیاض القشیری	سنہ ۱۲۳ تا سنہ ۱۲۴ھ	
ثعلبہ بن سلامۃ العاملی	سنہ ۱۲۴ تا سنہ ۱۲۵ھ	
ابوالعطاء بن ضرار الکلبی	سنہ ۱۲۵ تا سنہ ۱۲۷ھ	
ثوابہ بن سلامۃ الجزائلی	سنہ ۱۲۷ تا سنہ ۱۲۹ھ	
یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری	سنہ ۱۲۹ تا سنہ ۱۳۸ھ	یہ آخری حاکم منجانب ہشام مقرر ہوا۔

۴۶

رُوداد چھیالیس سال

سنہ ۹۲ تا سنہ ۱۳۸ ھجری

" طارق بن زیاد کی فتوحات سنہ ۹۲ھ سے آخری گورنرِ اندلس یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری تک اندلس میں حمیری، شامی اور عراقی عرب قبائل کثرت سے آکر آباد ہو گئے تھے اور افریقہ سے بھی بربری پہنچ گئے تھے۔ عرب، بربریوں کو حسد سے دیکھتے۔ ان ہر دو کی آپس میں اور شامی، عراقی، حمیری (یمنی) کی باہمی سیاسی مسابقت رہتی۔ اس سے خانہ جنگی کی نوبت پہنچ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس بدنظمی کا شکار ہو گیا۔ اس کے سوا احکام کا طریقہ بھی اچھا نہ تھا۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک گروہِ عظیم اس امر کے لئے مستعد ہو گیا کہ اسپین میں کوئی جدید حکومت قائم کی جائے۔

اس زمانے میں وہاں یہ شہرت اُڑ گئی کہ خلیفہ ہشام کا پوتا سفاح کے ہاتھ سے بچ کر افریقہ آ گیا ہے اور قبیلہ زناتہ کے یہاں مقیم ہے۔ الداخل کے پہنچنے پر میدان موافق تھا جلد برسرِ اقتدار ہو گیا اور نئی حکومت قائم ہو گئی "

امیر عبدالرحمٰن الداخل

امیر عبدالرحمٰن بن معاویہ بن خلیفہ ہشام اموی معاویہ نے ۲۱ برس کی عمر میں ۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ خلیفہ ہشام کے زیر سایہ عبدالرحمٰن کی پرورش و تعلیم ہوئی۔ خلیفہ کا یہ خیال تھا کہ عبدالرحمٰن کو ہی اپنا ولی عہد مقرر کرے۔ اس وجہ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور تربیت اس شہزادہ کو دی گئی[1] اپنے کنبہ میں عبدالرحمٰن بلند حوصلہ شہزادہ تھا۔

عبدالرحمٰن کی عمر دس برس کی تھی کہ ایک دن اپنے بھائیوں کے ساتھ رصافہ گیا رصافہ قنسرین کے علاقہ میں ایک بڑا عالی شان قصر تھا جہاں خلیفہ ہشام اکثر سکونت رکھا کرتے تھے۔ یہ بچے جب قصر کے دروازے کے پاس پہنچے تو ادھر سے مسلمہ برادر ہشام گھوڑے پر سوار آرہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر گھوڑے کو روکا اور پوچھا کہ یہ کس کے بچے ہیں ؟

جب معلوم ہوا کہ معاویہ مرحوم کے ہیں تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ کہہ کر کہ معاویہ کے یتیم ہیں" ملازم کو حکم دیا کہ دو دو بچوں کو قریب سے دکھاؤ۔ سب بچوں میں عبدالرحمٰن سب سے بھلا لگا۔ اُسے اپنے سامنے کاٹھی پر بٹھا کر بہت پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اسی وقت اتفاق سے خلیفہ ہشام محل سے نکلے۔ مسلمہ سے کہا یہ کس کے بچے کو لئے ہوئے گھوڑے پر ٹہلا رہے ہو۔ مسلمہ بولے آپ کے معاویہ مرحوم کا بچہ ہے۔ اور ہشام کی طرف جھکے اور کہا وہ امر اب عنقریب پیش آنے والا ہے جس کا ذکر از روئے نجوم میں کر چکا ہوں اور یہی بچہ وہ مرد نکلے گا جس کی نسبت

---

[1] خلافت اندلس صفحہ ۷۵۔

آپ کو مجھ سے خاص خاص باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔

خلیفہ ہشام نے پوچھا کیا واقعی تم کو اس کا یقین ہے؟ مسلمہ بولے میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس بچے کے چہرے اور گردن پر صاف صاف علامتیں اس بات کی موجود ہیں۔ مسلمہ بن عبدالملک علوم تری کا بڑا ماہر تھا۔ اس نے عبدالرحمٰن کے بشرہ کو دیکھ کر پیشین گوئی کر دی تھی کہ یہ عظیم المرتبت انسان ہوگا۔

خلیفہ ہشام کی نظریں التفات کی اس پر زیادہ رہنے لگیں[1]۔ ہشام بچوں کو جو چیزیں بھیجتا ان میں ہمیشہ عبدالرحمٰن کے لئے خاص اشیاء بھیجتا تھا۔"

ہشام کے بعد شیرازہ حکومتِ بنی امیہ بکھر گیا۔ جب مروان ابن محمد کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آئی تو رہی سہی قوت بھی ٹھکانے لگ گئی۔ ابوالعباس عبداللہ نے حکومت سے ٹکراؤ کا ارادہ کیا۔ اُدھر شام کی رعایا یزید اور مروان کے ظلم وستم سے عاجز اور بددل ہو گئی تھی۔ اہلِ کوفہ نے ادھر ابوالعباس کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی تھی اور سلطنت کا ان کو حق دار سمجھ لیا تھا۔ اہلِ کوفہ بغاوت کر بیٹھے۔ خلیفہ نے فوج بنی عباس کے مقابلہ کے لئے روانہ کی لیکن آخر کو فتح ونصرت بنی عباس کو ہی نصیب ہوئی۔

ابوالعباس مروان کی فوج کو متواتر شکستیں دیتا ہُوا دمشق میں داخل ہُوا۔ مروان مصر کو چلتا بنا۔ قبل اس کے کہ یہ مصر میں داخل ہو ابوالعباس کے بھائی صالح نے مروان کو شہر نصیر میں گرفتار کر لیا اور جمادی الثانی ۱۳۲ھ ۷۵۰ء میں یہ قتل کر دیا گیا۔ سلطنت بنی امیہ کا اس کے بعد خاتمہ ہو گیا اور اس کے بعد دورِ خلافت عباسیہ شروع ہُوا۔

اب خلیفہ اموی کے اہلِ خاندان کو تباہی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ عباس نے تاج وتخت حاصل کیا تو ممالک محروسہ میں حکم دیا کہ بنی امیہ کے خاندان کے ایک شخص زندہ نہ رہنے پائے۔ جہاں کہیں اس خاندان کا کوئی آدمی نظر آتا وہ نہایت بے رحمی سے قتل کیا جاتا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۵۷۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کسی ترکیب سے اپنے دشمنوں کی نگاہ سے بچ کر اپنی بی بی اور لڑکے کے ساتھ دریائے فرات کے قریب ایک خطرناک جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ مگر یہاں بھی بنی عباس کے جاسوس پہنچ گئے تو فرات میں کود پڑا اور دریا سے پار ہو گیا اور پھر افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔

عبدالرحمٰن افریقہ پہنچ کر اپنے غلام بدر اور سالم اور اپنی بہن ام الاسباغ سے ملا۔ مگر یہاں بھی فضا خراب تھی۔ والیٔ افریقہ عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری بنی عباس کا حامی اور بنی امیہ کا دشمن تھا۔ اس نے بھی ظلم وستم شروع کر دیئے ہمراہیوں کو لے کر بنی رستم کے پاس فروکش ہوا۔ یہ شخص قبیلۂ بربر کا تھا۔ عبدالرحمٰن نے یہاں مقیم ہو کر اندلس کے حالات کی جستجو کی۔ اس کے اہلِ خاندان سے اندلس میں علم برداری کے عہدہ پر مامور تھے۔ چنانچہ اپنے غلام بدر کے ہاتھ ابو عثمان عبیداللہ بن عثمان اور عبداللہ بن خالد کو خطوط روانہ کئے جن میں وہ احسانات درج تھے جو خلفائے بنی امیہ نے بنی عباس کے ساتھ کئے تھے۔ اس کے بعد اپنے حقوق سلطنت کا اظہار کیا اور ان سے دریافت کیا کہ وہ معاون ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جن امور پر اُن کی کامیابیاں منحصر ہیں ان کا تذکرہ بھی کیا اور یہ بھی یقین دلایا کہ آج کل اہلِ یمن اور بنی مضر میں نزاع پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں۔ اگر تم ہماری معاونت کرو گے تو ہم کامیاب ہو جائیں گے۔

ابو عثمان نے خط پڑھنے کے بعد مدد دینے کا وعدہ کر لیا اور امیر جمیل ابن حاتم سے بھی مشورہ کرنا چاہا۔ امیر یوسف اندلس کا خود مختار گورنر تھا۔ اس سے اور ابن حاتم سے کشیدگی تھی۔ ابو عثمان نے ابن حاتم سے اس واقعہ کا اظہار کیا۔ ابوالجوشن حاتم نے امیر یوسف کی شکایت کی اور کہا ہم تمہاری مدد کو موجود ہیں۔ شہزادہ عبدالرحمٰن کو یہاں آنے کا مشورہ دو میں اندلس میں داخل ہوتے ہی امیر یوسف کو اس امر پر آمادہ کر دوں گا کہ وہ عبدالرحمٰن کو شاہانہ استقبال سے شہر میں لائے اور اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے۔ اگر امیر اس پر راضی ہو گیا تو بغیر کشت وخون کے ہی تمہارا مطلب نکل

آئے گا اور اگر وہ راضی نہ ہُوا تو اسے عہدۂ حکومت سے جُدا کرکے تمہارے دوست کو خلیفہ بنا دیں گے۔

اس قرار داد کے بعد ابوالجوشن صوبہ طلیطلہ کو روانہ ہُوا۔ ابو عثمان اور عبداللہ ابن خالد شہر البیسرۃ آئے اور انہوں نے راہ میں یہ طے کیا کہ یمانیہ سے مل کر ہی معد سے باہمی چپقلش کرادی جائے۔ اس اثناء میں جمیل بن حاتم نے ان کو مطلع کیا کہ میری رائے اب وہ نہیں ہے مگر ابو عثمان نے ہمت نہ ہاری۔ اس کے ساتھ پانچ سو موالی جو بنی امیہ کے یہاں آباد تھے ان کو اپنا لیا۔ ان ہر دو نے یہ ارادہ مصمم کر لیا کہ انجام کچھ ہو عبدالرحمٰن کو اندلس میں بلانا ضروری ہے۔ یمانیہ اور بنی معد میں کچھ دن پہلے شقندہ پر جنگ ہو چکی تھی یمانیہ کو شکست ہُوئی اس بناء پر وہ بھی معد سے انتقام لینا چاہتے تھے۔

امیر یوسف گورنر اندلس اور جمیل شمالی علاقہ میں مصروف پیکار تھے اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر موالی بن امیہ نے اپنے آقا عبدالرحمٰن کو اندلس میں مدعو کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جہاز خرید کر ابو غالب تمام بن علقمہ کو گیارہ آدمیوں اور پانچ سو دینار کے ساتھ بدر کی ہمراہی میں افریقہ کو روانہ کر دیا۔

بدر کا عبدالرحمٰن انتظار کر رہا تھا قبیلۂ نفزہ سے علیحدہ ہو کر "بربر مغلیہ" میں چند روز سے جو بحر متوسط کے ساحل پر ہے قیام پذیر تھا۔

ایک دن عبدالرحمٰن بعد نماز عصر سمندر کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک جہاز کنارہ پر نظر آیا اور ایک شخص کُود کر جلد اس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ عبدالرحمٰن نے تیراک کو پہچان لیا کہ بدر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ وہ قریب آیا اس سے پوچھا کیا خبر لائے؟ اس نے کہا اچھی خبر لایا ہوں" اور کل حالات شہزادے کو سنا دیئے اور ان سرداروں کے نام بتائیے جو دل سے شہزادے کی نصرت پر آمادہ تھے اور کہا یہ جہاز آپ کو لینے کے لئے آیا ہے۔ ہمراہیوں کو شہزادے کے سامنے پیش کیا اور ان کے سردار کو کہا کہ ان کا نام ابو غالب تمام بن علقمہ ہے۔

نفح الطیب میں ہے:۔

"بدر نے (اپنے آقا کے پاس) پہنچ کر معاملہ کے مستحکم و استوار ہونے کی بشارت دی اور تمام بن علقمہ نے بڑھ کر (۳۱) کی تائید کی۔ عبدالرحمٰن نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ کہا تمام" عبدالرحمٰن نے پھر پوچھا کنیت؟ کہا ابو غالب۔ شہزادہ بولا۔ اللہ اکبر اب ہمارا تمام کام پورا ہو گیا اور ہم اللہ کے حول اور قوت سے غالب آئے۔"

اپنے ملنے والے بربریوں میں روپیہ تقسیم کیا گیا اور شہزادہ کو جہاز میں سوار کر کے اندلس روانہ ہوئے۔ جہاز کو رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے سجایا تھا۔ چند روزہ سفر کے بعد جہاز ساحل اندلس المنکب (بندر المنقاب) کی بندر گاہ میں خیریت سے پہنچ گیا۔ یہ غزہ ربیع الاوّل ۱۳۸ھ کا دن تھا۔

اندلس کے ساحل پر شہزادہ کا خیر مقدم شایان شان کیا گیا۔ ابو عثمان ابو خالد یوسف ابن بخت ابو عبیدہ، حسین ابن مالک کلبی اور دوسرے امرائے بنی امیہ لبِ دریا موجود تھے سب سے زیادہ عبید اللہ اور ابن خالد کو بیحد مسرت تھی۔

باغ الفلیتین میں جو عبداللہ بن خالد کا نزہت گاہ ارجزونہ اور البیرہ کے درمیان شہر لوشہ سے قریب واقع تھا۔ شہزادہ اقامت پذیر ہوا۔ کچھ دن بعد قلعہ طرش میں یہ سب لوگ آ گئے۔ شہزادہ کے تشریف لانے کی خبر دور دور پہنچ چکی تھی۔

امیر یوسف کو جو خبر لگی اُس نے کچھ تحفے روانہ کئے اور اپنے کنبہ میں شادی کا پیغام دیا۔ مگر ایک ناگوار واقعہ نے صورت پلٹ دی۔ یوسف نے امیر حاتم سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا وہیں چل کر شہزادہ سے دو دو ہاتھ کر کے فیصلہ کر لو۔ اُس نے کہا۔ پہلے قرطبہ میں فوج درست کی جائے پھر نبٹا جائے۔ چنانچہ طلیطلہ سے امیر یوسف قرطبہ روانہ ہوا۔ ادھر شہزادہ عبدالرحمٰن سات سو سواروں کے ہمراہ رتیہ آیا۔ یہاں کے لوگ معاونت پر آمادہ ہو گئے۔ حاکم شہر عیسیٰ ابن مسّادد نے بحلف اطاعت قبول کر لی۔ یہاں سے شدونہ اور مورود ہوتے ہوئے یہ لوگ اشبیلیہ میں داخل ہوئے۔ ان شہروں کے حاکم عتاب ابن علقمہ اور ابو الصباح ابن یحییٰ سردار اہل یمن بھی باظہار اطاعت

فرمانبرداری اپنی اپنی فوج کے ہمراہ شہزادہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ شہزادے نے تمام سرداروں سے مشورہ کیا۔ سب نے قرطبہ پر حملہ کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ قرطبہ پر یورش کر دی گئی۔ امیر یوسف مقابلہ کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ دونوں فوجیں وادی الکبیر کے متصل میدان مصارۃ میں نبرد آزما ہوئیں۔ مگر امیر یوسف کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ عبدالرحمٰن بن یوسف گرفتار ہُوا۔ ابن حاتم ابوالجوشن یوسف فہری بچ کر نکل گئے۔ ابوالصباح دغا پر آمادہ ہُوا مگر شہزادہ بہادر اور بلند اقبال تھا۔ ابوالصبا کی چلی نہیں۔ شہزادہ عبدالرحمٰن دارالسلطنت قرطبہ کی جانب روانہ ہُوا شہر میں داخل ہُوا اور اعلان کیا گیا کہ جو شخص اطاعت کرے گا اس کی خطا معاف ہے اور لوٹنے والوں کو روک دیا اور محل امیر یوسف میں داخل ہُوا۔

محل میں مستورات جس قدر تھیں ان کی حالت بھی خطرناک تھی۔ یمانیہ کے فوجی کچھ لحاظ نہ کرتے تھے۔ یوسف کی بیوی ام عثمان اور اس کی دو لڑکیوں نے عبدالرحمٰن سے امان چاہی۔ ام عثمان نے کہا یا بنئ عم ہمارے ساتھ ایسا ہی اچھا سلوک کرو جیسا اللہ تعالےٰ نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ عبدالرحمٰن نے جواب دیا یقینی آپ کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے"۔

اس وقت صاحب الصلوٰۃ کو حکم دیا جو موالی یوسف تھے ان کو بُلا کر تمام بیگمات کا سامان دلوایا اور اس کے بعد یہ اُن کے مہمان رہے۔ بغرضیکہ چند روز میں شہزادہ ہر دلعزیز ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس مُلک کے بڑے بڑے حاکموں نے بھی اطاعت قبول کر لی[1]۔

امیر یوسف اور ابی حاتم پھر مقابل آئے مگر شہزادہ نے ان کو رام کر لیا۔ اس کے بعد ۱۳۱ھ سے خلافت اندلس شروع ہوئی۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۹۶ جلد اوّل۔

تختِ حکومت پر اجلال

شہزادہ سلطان عبدالرحمٰن کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یوسف فہری ابن حاتم قرطبہ میں رہنے لگے۔ سلطان انصرامِ سلطنت اور استحکامِ مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں ایسا انتظام کیا کہ رعایا کو اطمینان ہو گیا۔ چند امراء بانی فساد کے سوا تمام ملک نے بطیبِ خاطر غاشیہ اطاعت عبدالرحمٰن کا اپنے دوش پر رکھا۔

امیر یوسف نے پھر بغاوت کی مگر امیر عبدالملک عمر بن مروان نے اس کی مزاج پرسی ایسی کی کہ طلیطلہ بھاگا۔ وہاں ابن عمر انصاری کے ہاتھوں اس کی شمع حیات ہی گل ہو گئی۔ سلطان بھی مربدہ معہ فوج کے امیر عبدالملک کی اعانت کے لئے گیا ہوا تھا۔ یوسف کے فرار کے بعد سلطان مربدہ میں داخل ہوا۔ یہاں خبر لگی کہ اس کی ملکہ سخت علیل ہے۔ چنانچہ عبدالملک کو صوبہ کا حاکم مقرر کر کے قرطبہ لوٹا۔ پہنچنے کے چوتھے روز اس بیگم سے فرزند وارث تخت و تاج پیدا ہوا۔ اس کا نام ہشام رکھا گیا۔

سلطان عبدالرحمٰن نے بخیال رفع فساد ابن حاتم اور یوسف کے لڑکوں ابوالاسود محمد الفہمی اور عبدالرحمٰن کو نظر بند کر دیا کچھ روز بعد ابن حاتم زیادہ شراب پینے کی وجہ سے مر گیا۔ چند ماہ بعد یوسف کے لڑکے نگران کو دھوکہ دے کر چلتے ہوئے عبدالرحمٰن گرفتار ہوا اور قتل ہوا۔ ابوالاسود ۱۶۹ھ تک سلطان کا مقابلہ کرتا رہا اور بالآخر اپنی موت سے مر گیا۔

خلیفہ ابوجعفر المنصور عباسی نے ۱۴۶ھ میں اندلس پر فوج کشی کی اور اپنے ایک امیر العلا ابن مغیث الیحصبی کو مع فوج کثیر اندلس روانہ کیا۔ اس امیر نے سرحد پر قدم رکھتے ہی شہر بیزا (بیحتہ) کو فتح کیا۔ سلطان کو خبر لگی وہ فوج جس قدر ممکن ہوئی

۱؎ عبرت نامہ اندلس۔

لے کر اشبیلہ پہنچا۔ مغیث تسخیر اشبیلہ کے لئے آچکا تھا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ مغیث مع اپنے افسران فوج کے گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے ان قیدیوں کے سر کاٹ کر دمشق اور مکہ بھیج دیئے۔ اس وقت خلیفہ ابو جعفر حج کی غرض سے مکہ آیا ہوا تھا۔ ایک روز صبح کو دربانوں نے خلیفہ کے خیمہ کے سامنے صندوق رکھا پایا تو خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ کھولا گیا تو اس میں خلیفہ کے سپہ سالار حاکم افریقہ کا سر تراشیدہ رکھا ہوا تھا اس امر کے مشاہدہ سے خلیفہ کو بے حد رنج ہوا۔

بغاوت اہلِ یمن

۱۵۱ھ میں یمنیوں نے بغاوت کر دی اور قرطبہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ سلطان نے عبدالملک بن عمر حاکم اشبیلہ کو حکم دیا کہ باغیوں کی سرکوبی کو روانہ ہو۔ عبدالملک نے اپنے بیٹے امیہ کو ہراولِ لشکر کر کے آگے جانے کا حکم دیا اور عقب میں خود روانہ ہوا۔

امیر امیہ باغی فوج کے پاس جلد پہنچ گیا۔ دیکھا فوجِ مخالف کی تعداد زیادہ ہے گھبرا کر پیچھے ہٹنا شروع کیا تاکہ باپ کی فوج سے ملحق ہو جائے۔ عبدالملک نے دیکھا بیٹا باغیوں کے سامنے سے بھاگ آیا۔ سخت غضب ناک ہوا اور امیہ سے کہا پست ہمت کیا میں نے اس روز کے لئے تجھ کو اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا تھا۔ اہلِ اندلس اور افریقہ یہ نہیں جانتے کہ ہم نے کس محنت و مشقت سے خون بہا دے کر جان عزیز کے عوض اس ملک کو خریدا۔

یہ کہہ کر بیٹے کو قتل کر دیا اور خود مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور ایک جگہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور افسرانِ فوج کو جمع کر کے یہ کہا کہ :۔

"کیا ہم مشرق سے اس ملک کی انتہا تک بغیر محنت و مشقت کے پہنچ گئے تھے اور کیا ہم ان سخت مشکلات کو فراموش کر گئے جو ہم کو اپنی کامرانی و فتوحات میں پہنی پڑی تھیں۔ کیا ہمارے جسم میں وہ گردش خون کی باقی نہیں رہی جس نے ہم کو ہمیشہ فتوحات اور اپنے ارادوں میں کامیاب کیا تھا۔ اپنی اپنی تلواروں کو غلاف سے نکالو اور مردانہ وار میدانِ

جنگ میں مرنا قبول کرو۔"

اس تقریر کے بعد ہی اہلِ یمن پر حملہ بول دیا۔ ہر دو طرف کے ۳۰ ہزار افراد قتل ہوئے۔ مگر کامیابی عبدالملک کو ہوئی۔ اتنے میں سلطان فوج لے کر پہنچا۔ اس خبر سے بیحد خوشی ہوئی اور زخمی عبدالملک سے مخاطب ہوا۔

"اے بھائی! میری یہ خوشی ہے کہ میں اپنے بیٹے ولی عہد ہشام کے ساتھ تیری بیٹی کی شادی کروں۔"

اس جنگ کے صلہ میں سلطان نے اپنے وفادار امیر کو وزیر اور مشیرِ سلطنت مقرر کیا اور دولتِ دنیا سے مالا مال کر دیا۔

اہلِ خاندان کی دشمنی سلطان نے اپنے خاندان کے افراد کو بنی عباس کے ظلم و ستم سے بچانے کے لئے اپنے پاس بلا لیا تھا مگر وہ ایسے کم ظرف نکلے کہ بنی عباس کے مقابل تو آئے نہیں سلطان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے درپے ہو گئے۔ سلطان کو سازش کا پتہ لگ گیا۔

عبدالسلام بن یزید بن ہشام اس کا بھانجہ عبداللہ بن معاویہ بن ہشام کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ ابو عثمان جس کو پہلی خدمت کے صلہ میں وزارت کا عہدہ عطا کیا تھا وہ بھی سازش میں شریک تھا۔ مگر بلحاظ حقوقِ خدمات اس کی جان بخشی کی۔ المغیرہ ابن الولید بن معاویہ اور تہریل بن حاتم بھی سازش کے رکن تھے ان کو کچھ دن بعد قتل کرا دیا۔ ایک عرب نے سفارش کی تو سلطان نے کہا۔

"کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جن کی جان و مال بچانے میں میں نے اپنی جان و مال کی پرواہ نہیں کی ایسے احسان فراموش بلکہ محسن کش نکلے کہ آخر کار میرے ہی مخالف اور دشمن بن گئے جب کہ یہ لوگ دشمنوں کی تلواروں کے خوف سے دربدر اور تباہ حال پھر رہے تھے۔ میں نے اُن کی ہر طرح اعانت اور مدد کی اور ان کے واسطے اس ملک میں آرام و آسائش کا سامان مہیا کر دیا۔ مقام شکر ہے کہ اللہ تعالےٰ

نے ان لوگوں کے حالات کو ظاہر کر دیا اور ہر ایک نے اپنی بدنیتی اور بداعمالی کی سزا پائی"۔ [1]

شام پر حملے کے ارادے

سنہ ۱۶۳ھ میں سلطان کا ارادہ ہوا کہ بنی عباس سے بھی اپنے خاندان کی تباہی کا بدلہ لے اور اپنے بیٹے شہزادہ سلیمان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے اندلس سے روانہ ہوا۔ دفعتہً سرقسطہ میں حسین الانصاری کی بغاوت کی خبر لگی۔ سلطان نے سفر ملتوی کیا۔ دیگر امرائے عرب حیات ابن صلابس حاکم اشبیلیہ، عبدالغفار بن حامد حاکم نبیلہ اور عمر حاکم بنیر امشتر کہ طاقت سے فوج کثیر کے ساتھ قرطبہ پر حملہ آور ہوئے مگر سلطان نے ان سب کو ایسی شکست دی کہ یہ لوگ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔

ان واقعات سے سلطان کو عرب پر جو بھروسہ تھا وہ جاتا رہا اور اس نے اہل بربر کو اندلس آنے کی ترغیب دی۔ چالیس ہزار فوج بربریوں کی بھرتی کر لی گئی۔ بربریوں کو بڑے بڑے عہدے بھی عطا کئے گئے۔

سلطان اندرونی بغاوت کے فرو کرنے میں لگا ہوا تھا۔ قرویلہ بن الفانز (الفانسو) عیسائی نے سرحدی قلعوں و شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ عیسائی لوگ تفاؔل اور قسطلہ پر قابض ہو گئے۔

ادھر چند امرائے عرب نے شارلیمن کو آمادہ کیا کہ وہ اندرونی بغاوت سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ شارلیمن (فرانس) نے بھی حملہ سرحد پر بول دیا۔ سلطان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ شارلیمن کو ناکام ہو کر واپس جانا پڑا۔

المقری کہتا ہے "شارلیمن نے اندلس پر حملہ کیا لیکن عربوں نے فرانسیسوں کو شکست دے کر اندلس سے خارج کر دیا"۔

---

[1] خلافت اندلس صفحہ ۶۶ ۔

پھر دوبارہ ۵۶ھ میں شارلیمین حملہ آور ہوا مگر کچھ سوچ کر سلطان کے پاس سفارت روانہ کی اور اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست اور صلح کی خواہش کی۔ سلطان نے شادی کو نامنظور کیا اور صلح پر آمادہ ہو گیا[1]

شارلیمین خود بدکار تھا اور اس کی لڑکیاں علانیہ عصمت فروشی کیا کرتیں۔ اس وجہ سے حرم سرا میں داخل نہ کی گئیں۔ (تاریخ ہسپانیہ)

خاتمۂ بغاوت سلطان نے اپنی حسنِ تدبیر سے چند سالوں میں بغاوت کا ایک حد تک خاتمہ کر دیا تھا۔ دو، چار امیر ایسے رہ گئے تھے جن سے خطرہ تھا مگر وہ ایسا انتظام کر چکا تھا کہ فتنہ اٹھتے ہی دبا دیا جائے۔

سیرت سلطان نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا اقربا تو کجا اگر رعایا میں سے کوئی مر جاتا تھا تو وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو سلطان جنازہ میں شریک ہوتا اور بذاتِ خود نماز جنازہ کی امامت کرتا تھا۔

۱۵۰ھ میں معاویہ بن صلح قرطبہ کے قاضی القضاۃ نے انتقال کیا، سلطان شریکِ میت تھا اور بذاتِ خود نماز جنازہ کی امامت کی[2]

اگر کوئی شخص بیمار ہوتا تو عیادت کو خود تشریف لے جاتا۔ غرضیکہ اپنی رعایا کی شادی اور غم میں برابر کا شریک تھا۔

نمازِ جمعہ نمازِ جمعہ خود پڑھاتا اور خطبہ بڑی فصیح عربی میں پڑھتا۔ اس کا خطبہ شجاعانہ جذبات کا برانگیختہ کر دینے والا ہوتا۔

دادرسی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شرکتِ میت واپس ہو رہا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک معمولی آدمی نے گھوڑے کی باگ کو پکڑ لیا اور کہا اے امیر! قاضی نے میرے حق میں ناانصافی کی ہے جس کی داد میں تجھ سے چاہتا ہوں۔ سلطان بولا

---

[1] ہسٹری آف دی سارا سینس ص ۱۸۲ از امیر علی۔

[2] عربس ان اسپین مصنف کونڈہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳۔

اگر تو سچا ہے تو میں تیرے حق میں انصاف کروں گا۔ چنانچہ وہیں کھڑے کھڑے قاضی کو بلا کر سختی سے ان سے کہا۔ قاضی صاحب اس شخص کا انصاف ہونا چاہیئے۔

خطابت سلطان کی تقریر نہایت شستہ اور دلآویز تھی۔

معاملہ فہمی عبدالرحمٰن نہایت سنجیدہ اور معاملہ فہم اور منتظم تھا کسی کام کے کرنے میں جلدی نہیں کرتا تھا اور جب کام کا قصد کر لیتا تو پھر اس کو بغیر ختم کئے ہرگز نہ ہٹتا تھا۔[1]

استقلال مستقل مزاج ایسا تھا کہ بڑی سے بڑی مصیبت کو ہنس کے ٹال دیتا۔ افریقہ کے دوران قیام میں پانچ برس گزرنے پر ہمت نہیں ہارا۔ ارادہ کر چکا تھا کہ اندلس کو زیرنگیں کرنا ہے۔ باوجودیکہ گورنر افریقہ حبیب نے ہشام کے دو لڑکوں کو قتل کرا دیا اور سلطان کے درپئے آزار تھا مگر اپنی کوشش میں یہ لگا رہا۔

لہو ولعب سے اجتناب سلطان تمام عمر کبھی لہو ولعب میں مبتلا نہ ہوا۔ اس سے بڑھ کر ضرورت سے زیادہ آرام کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ ہر وقت حکومت کے کاموں میں لگا رہتا۔

نظام حکومت سلطان حکومت کے معاملات میں زیادہ تر اپنی رائے پر بھروسہ کرتا تھا مگر مشکل معاملہ میں اپنے لائق اور خیر خواہ مشیروں کی رائے بھی ضرور لے لیا کرتا۔

سخاوت سلطان فیاض کمال درجہ کا تھا۔ اس کی سخاوت کی دور دور شہرت تھی خلق اور فیاضیاں عام طور پر ضرب المثل بن گئی تھیں جس وقت یوسف الفہری اور دوسرے مخالفوں پر کامیاب ہوا اور اطمینان سے سریر آرائے سلطنت

---

[1] خلافت اندلس ص۔

ہُوا تو ملک اندلس کے ہر صوبہ اور شہر سے حاکم اور رئیس اطاعت قبول کرنے قرطبہ آئے۔ ان کی تواضع و مدارات خوب کی اور ہر رئیس سے خلوت میں خلق سے پیش آیا اور اس قدر مال و دولت سے ان کو نوازا جو واپس ہوا وہ مطیع و فرمانبردار تھا۔

ایک واقعہ ایک روز ایک غریب عرب بنی قناصرین سے دربار میں آیا اور سلطان سے کہا:-

"یا سلطان خدائے تعالیٰ نے تجھ کو بادشاہ اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے کہ تو غریب اور یتیم اور بیواؤں کے حق میں انصاف اور مدد کرے"

سلطان نے کہا تمہاری ہی مدد ہوگی اور ہر ایسے شخص سے کہہ دو جو تمہارے مثل ہوں اُن کے لئے دربار کھلا ہے۔ وہ درخواست میرے سامنے پیش کریں تاکہ میں بذاتِ خود اُن کو ہر قسم کی مدد دوں اور اُن کو پریشانیوں سے نجات دوں۔ غرضیکہ اس عرب کو خوش و خرم روانہ کیا اور حکم دیا کہ ضرورت مند خود درخواست لے کر میرے سامنے فوراً پیش ہوا کریں۔

کھانے کے وقت کوئی اہلِ غرض آجاتا تو اس کو اپنے ساتھ شریکِ طعام کر لیتا پھر اس کی غرض خوش اسلوبی سے پوری کرتا۔

ہر دلعزیزی سلطان نے اپنے طریقۂ عمل سے ہر ایک کو گرویدہ کر لیا تھا۔ ایسے ہر دلعزیز بادشاہ کم گزرے ہیں۔

اہلِ خاندان کے لوگوں کو بُلا کر جاگیریں دیں۔ فوجی اور دیوانی خدمات عطا کئے اور ان کو انتظام سلطنت انصرام مملکت میں مشیر بنایا۔

خطبہ میں نام دس برس تک خطبہ میں سلطان ابوجعفر عباسی کا نام خود لیتا رہا۔ مگر عبدالملک بن عمر نے کہا۔ سلطان آپ کا نام خطبہ میں آنا چاہیئے۔ کیونکہ صحیح معنی میں آپ خود امیر المومنین ہیں۔ چنانچہ اس دن سے تمام اندلس میں عبدالرحمٰن کا نام خطبہ میں لیا جانے لگا۔

حاجب عبدالرحمٰن کے تمام بن علقمہ، یوسف بن بخت عبدالکریم ابن مہران عبدالرحمٰن بن مغیث ابن صید شا منصور خواجہ سرایہ حاجب تھے۔

مجلسِ شوریٰ سلطان نے ایک وزیر کے بجائے مجلس امراء مقرر کی ان کے مشورہ سے ضروری امورِ مملکت طے کرتا۔ ارکانِ مجلس شوریٰ میں ابوعثمان مشیر اوّل، عبداللہ بن خالد، ابوعبیدہ حاکم اشبیلہ، شہید ابنِ عیسیٰ تلابہ ابن عبید حاکم سرقسطہ، آثم ابن مسلم تھے۔

عہدۂ خطابت سلطان کے عہد میں ابوعثمان عبداللہ بن خالد، امیہ بن زید یکے بعد دیگرے عہدۂ خطابت پر مامور ہوئے۔ عہدۂ قضاۃ پر یحییٰ ابن زید، ابوعمر، معاویہ مقرر تھے۔

حُلیہ سلطان نہایت خوب صورت اور وجیہ تھا۔ رنگ بہت صاف، بال بھورے اُس کی صرف ایک آنکھ کام دیتی تھی قوتِ سامعہ سے بے بہرہ تھا۔

اولاد بیس بچے تھے گیارہ بیٹے اور نو بیٹیاں[1]

قاضی کے تقرر کا واقعہ سلطان نے قرطبہ کے قاضی کے لئے ندیموں سے مشورہ کیا۔ دونوں شہزادے سلیمان و ہشام بھی موجود تھے۔ انہوں نے کہا مصعب کو کیا جائے۔ ہر ایک نے اُن کا تقرر پسند کیا۔ مصعب جب آئے تو اُن سے کہا تو اُنھوں نے کہا "میں ضعیف ہوں قضاۃ کا کام سنبھال نہ سکوں گا"۔ بادشاہ کو یہ جواب گراں گزرا اور اُن سے کہا جائیے اور لعنت ہو ان پر جو آپ کو یہاں لائے[2] صرف یہ تھا غصہ کا اظہار ایک منصور عباسی تھا جس نے عہدۂ قضا کے پیچھے امام اعظم کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا۔

انتقال سلطان کا ۱۷۲ھ میں عہدِ خلیفہ ہارون رشید میں انتقال ہوا اور قرطبہ میں دفن ہوا۔

---

[1] خلافتِ اندلس صفحہ ۵، [2] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۳۲۰۔

عمارات

عبدالرحمٰن نے ملکِ اندلس میں عربی صنعت اور دست کاری کی بنیاد ڈالی۔ قرطبہ میں مشہور و معروف عمارات مسجد اور قصر باغ رصافہ کی تعمیر شروع کی جس کی تکمیل ہشام نے کی۔

سلطان نے اس ملک کی ایک سال کی آمدنی کا پانچواں حصہ (اسّی ہزار دینار طلائی) اس عمارت پر صرف کئے تھے۔ قصر کی چھت میں اس قدر سونا چڑھایا گیا تھا کہ اس کی چمک سے دیکھنے والی کی آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔

عبدالرحمٰن اس قصر میں رہتا تھا۔ قصر کا باغ بھی لاجواب تھا۔ میوہ دار درختوں میں اپنے وطن کی یادگار خرمہ کا درخت بھی لگایا تھا۔ عبدالرحمٰن نے بہت سی عمارتیں، مساجد اور حمام پُل قلعے ممالک محروسہ میں عامہ خلائق کے آرام و آسائش کے واسطے بنائے تھے۔

اس نے دورانِ حکومت میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ عرب اور بربریں تعلقات خوشگوار قائم کرا دیئے۔ اس دن سے ایک دوسرے کے معاون ہو گئے۔

امن یہ زمانہ امن و عافیت سے اہلِ اندلس پر گزر رہا تھا۔ تعلیم بھی عام کر دی تھی، ہر مسلم و غیر مسلم تک علم تحصیل کر سکتا تھا کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ دوسری اقوام کے ساتھ سلطان کے ایسے سلوک تھے جس نے اُن کے خیالات پر بڑا اثر کیا اور بہت سے عیسائی آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

غیور طبیعت بغاوت کے سلسلہ میں اپنے بھائی ولید کے لڑکے کو جو سلطان نے قتل کرا دیا تھا اس کا اس کو بڑا افسوس تھا۔ چنانچہ اپنے ملازم سے کہا تم اسی وقت ولید کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عذر خواہی کرو، پانچ ہزار دینار دے کر اُن سے کہنا آپ کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں کیونکہ میرا اس واقعہ سے صلۂ رحم ختم ہو گیا۔ بھائی اگر سامنے ہو گا میں آنکھ نہیں ملا سکوں گا

چنانچہ ولید افریقہ چلا گیا۔[1]

مسجدِ اعظم میریا کالیکٹ تاریخِ اسپین میں لکھتا ہے :-

"عبدالرحمٰن اپنے ہمراہ مشرق سے علم معماری اور مذاقِ عمارت کی عالی شان اور خوشنمائی کا لایا تھا اور یہ صرف نقشہ جات ہی کے بنانے میں واقف کار اور ہوشیار نہیں تھا بلکہ عمدہ معمار بھی تھا اور یہ مذکور ہے کہ مسجدِ اعظم کا ڈول (قرطبہ) کو اپنے ہاتھ سے بنانا شروع کیا تھا۔
اس مسجد کی تعمیر میں دو لاکھ سکہ طلائی سے زیادہ صرف کیا تھا اور وہ مسجد چھ سو فٹ طول اور اڑھائی سو فٹ عرض میں تھی اور شمال سے جنوب تک انیس محرابیں تھیں اور ایک سو ترانوے ستون سنگِ مرمر کے نہایت خوب صورت تھے اور انیس کلاں دروازے جانب جنوب کے پیتل کے ڈھلے ہوئے تھے۔ بیچ کے دروازے میں بالکل سونے کے پتر جڑے ہوئے تھے اور نو دروازے شرق اور نو دروازے غرب میں تھے۔ منارۂ مسجد کا دو سو چالیس فٹ بلند تھا اور تین سنہرے گولے مینار پر تھے اور گولوں پر بشکل انار مخروطی کلس طلائی تھا۔ روزانہ روشنی کے لئے چار ہزار چھ سو فتیل سوز روشن کئے جاتے۔ تیل کا خرچہ تین سو من سالانہ تھا۔ عنبر، عود اور لوبان خوشبو کے لئے جلتا رہتا اور امام کی جگہ سونے کا چراغ دان جلتا تھا۔ اس میں نہایت درجہ کارسازی اور عمدہ صناعی تھی"۔[2]

مدارس سلطان نے مساجد سے متعلق مدارس قائم کئے تھے۔ حکومت کی طرف سے گراں قدر رقم ان پر صرف ہوتی تھی اور ان مدارس کے لئے سلطان نے جاگیر وقف کر دی تھی۔ اساتذہ نامی گرامی عالم مقرر کئے۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صد ۳۲۳

قرطبہ کے مدارس میں طلباء کثرت سے تعلیم حاصل کرنے لگے تھے۔ یہ طلباء عمدہ لیاقت اور قابلیت رکھتے تھے۔ سلطان نے یہ حکم عام دے رکھا تھا کہ امراء کے لڑکے لڑکیاں نامی گرامی قضات کے درباروں میں بعد تعلیم کے حاضر ہوا کریں اور علم مجلسی حاصل کریں۔ جب ہوشمند ہوجائیں تو خلیفہ کے دربار شاہی میں شریک ہوں[1]۔

مہمان سرائے سلطان نے ہر مسجد کے قریب ایک مہمان سرائے تعمیر کرائی تھی۔ ان میں چند روز تک زائرین اور مسافر اور سیاح کی مہمانداری بھی ہوتی تھی اور جس کسی کو ان میں سے ضرورت ہوتی تھی اس کو نقد بھی بطور خیرات کے عطا ہوتا[2]۔

دیوان مسجد سے ہی ملحق "دیوان" تھا۔ یہاں امراء اور رؤسا آکر امورات ملکی پر مشورہ کیا کرتے۔

امام قاضی امامت بھی کرتا اور جمعہ کی نماز خود سلطان پڑھاتا تھا۔

سُلطان ہشام بن عبدالرحمٰن الداخل

ہشام سلطان الداخل کی تمام اولاد میں پیارا تھا اُس کی کنیت ابوالولید تھی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے حین حیات میں ولی عہد مقرر کیا تھا۔ اس کی ماں کا نام "حلیل خاتون" تھا جو ملکۂ دوراں تھی۔ سنہ ۱۴۰ھ میں پیدا ہوا بچپن ہی سے علماء اور اہل کمال کی صحبت میں رکھا گیا۔ ابتدائے عمر سے ہی خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ سے متصف تھا۔

---

[1] تاریخ اسپین صد ۲۴۰ [2] تاریخ اسپین صد ۲۵۹۔

سلطان نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم کا خاص طور سے انتظام کیا تھا۔ ہشام اور سلیمان دونوں کو حکم تھا کہ دار القضاۃ میں جا کر کام سیکھا کریں۔

اور جس وقت مجلسِ امراء کا انعقاد ہوتا تو شہزادے تا ختم مجلس وہاں موجود رہتے۔ شعراء علماء سلطان کی سالگرہ کے روز نظم و نثر سلطان کی تعریف میں لکھ کر شہزادوں کے سامنے پیش کرتے تھے اور جس کی نظم یا نثر سب سے عمدہ ہوتی تھی۔ اس کو انعام دیا جاتا[1]

تخت نشینی سلطان عبدالرحمٰن کی زندگی میں ہشام صوبہ مریدہ کا گورنر تھا۔ وہیں اس کو باپ کے انتقال کی خبر لگی۔ اعیانِ سلطنت کو جمع کر کے اپنی حکومت کا اعلان کیا اور عنانِ حکومت اسی وقت سے ہاتھ میں لی۔ رعایا نے بلا عذر عبدالرحمٰن کا جانشین تسلیم کیا۔ وہاں سے قرطبہ آکر تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ باپ کے عہد کے افسران کو برقرار رکھا۔ اہلِ خاندان کی توقیر و منزلت میں کمی نہ کی مگر شہزادے سلیمان نے اپنے دوسرے بھائی عبداللہ کو لے کر فوجِ کثیر کے ساتھ قرطبہ پر حملہ کیا اور سلطنت کا دعوےٰ کیا۔ سلطان ہشام خود مقابل آیا اور ہر دو بھائی شکست یاب ہوئے۔ سرحد پر اس باہمی جنگ و پیکار کی خبر پہنچی وہ بھی ہاتھ پیر مارنے لگے۔ سلطان خود فرانس کی طرف متوجہ ہوا اور شہر اربونیہ دوبارہ فتح کیا[2]

صوبہ جلیقیہ کے ماتحت عیسائی امراء نے عجز کے ساتھ ہشام سے صلح کی درخواست کی۔ سلطان نے بایں شرط قبول کیا کہ اربونیہ کی شکستہ دیواروں کے ملبہ کو ڈھو کر قرطبہ پہنچائیں جس کی تعمیل امراء نے کی۔

اس ملبہ سے مسجد باب الجنہ کے محاذی حصّہ کی تعمیر کی۔

اندفاع ۱۷۸ھ میں البہ اور ارض القلاع کے عیسائی باغی ہو گئے۔ سلطانی فوج نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ اس سال سلطان نے اپنے وزیر یوسف ابن بخت کو فوج کثیر کے ساتھ صوبہ جلیقیہ کے لئے روانہ کیا تاکہ ان کی شورش ختم کی

---

[1] عربس ان اسپین از کونڈ صفحہ ۲۱۳ جلد ۱ [2] المقری (وفی ایامہ فتحت اربونیہ)

جائے۔ یوسف نے رئیس صوبہ بربیوڈو کے مزاج صحیح کرائے اور وہ اس قدر پامال ہُوا کہ اپنا بڑا علاقہ چھوڑ گیا جو ممالک مفتوحہ میں شریک کیا گیا۔ البہ اور ارض القلاع کے عیسائی۔ پھر ۱۷۶ھ میں بغاوت کر بیٹھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے وزیر عبدالملک ابن عبدالواحد ابن مغیث کو جانا پڑا۔ عبدالملک نے گوشمالی اچھی طرح کر دی۔ واپس قرطبہ آکر معلوم ہُوا کہ اربونیہ اور جرندہ کے لوگ مائل بہ فساد ہیں۔ ہشام نے اس مہم کے لئے عبدالملک کو ہی روانہ کیا جس نے جا کر خودسر عیسائیوں کو صحیح الدماغ کر دیا۔

دربارِ ہشام دربار علماء وفضلاء اور بہادران و مدبرانِ وقت اور صاحبِ کمال لوگوں سے معمور رہتا۔ بعض درباری علماء اور فقہاء حج کی نیت سے مکہ معظمہ گئے۔ فرعون ابن العاس عسٰی ابن دینار سعید بن ابی ہند حجاج کا امیر تھا شام میں یہ حضرات امام مالک ابن انس سے فیضیاب ہُوئے اور وہاں سے آکر انہیں خیالات (مالکی عقائد) کی اندلس میں اشاعت کی۔

مخبر تمام ممالک محروسہ میں مخبر پھیلے ہُوئے تھے جن کے ذریعے سے سلطان ہشام کو عمال کی طرزِ حکومت کی خبر دم بدم پہنچتی رہتی تھی۔

العادل ہشام کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے اپنی محنت اور جفاکشی، عدل، وجود وسخا کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھا رعایا نے ہشام کو العادل کا خطاب دیا۔

مسلمانوں کا تمدنی اثر سلطان عبدالرحمٰن اور ہشام کے عہدِ حکومت میں اسپین کے اصلی باشندوں پر بھی بڑا اثر پڑا۔

میریا کالیکٹ کہتا ہے :۔

"جب خلفائے امیہ کی حکومت اسپین میں قرار پائی تو اسپین کے باشندوں کی اوضاع اور اخلاق درست ہُوئے۔ خاندانِ بنی امیہ اس ملک میں اپنے ہمراہ علوم اور فنون کا مذاق لائے اور زیب وزینت صرف مساجد اور عمارات کے واسطے مخصوص نہیں تھی بلکہ عام آدمیوں کے

مکانات میں بھی مثل محل کے آرام کی چیزیں ہوتی تھیں اور لوگ اپنے مکانات میں حوض اور فوارے اور باغات اور کتب خانے بہت کچھ صرف کر کے بناتے تھے اور جو بزم ضیافت عالی شان اور پُر رونق ہوتی تھی اُس کا اصل مقصد اور منشاء صرف تفریح ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ شاعری اور علم موسیقی کا مشغلہ ہوتا تھا اور گفتگو بھی علماء اور فضلاء میں ہوتی تھی اور نوعمر اطفال مختلف شہروں سے ملک اسپین کے مدارس شرقیہ اسلامیہ میں تعلیم پانے آتے تھے اور جب تعلیم پاکر واپس جاتے تھے تو اپنے ملک میں مدرسے جاری کرتے تھے اور مدارس شرقیہ اسلامیہ میں عربی میں علم فقہ اور فن شاعری اور علم ہیئت اور ہندسہ اور طب سکھایا جاتا۔

ہشام نے تعلیم کا افسر اعلیٰ سقاتوین سیلیما کو کیا تھا جو انڈالوشیا کا رہنے والا تھا جس نے قرطبہ میں علم تحصیل کر کے یہ فضل و کمال حاصل کیا۔

اس عالم نے مطابق رائے مشہور عالم و فاضل ایا نہ دمشقی اور آیاتِ احکامی کی تفسیر لکھی۔ یہ عالم ان ائمہ اربعہ سے پہلے گزرا ہے جن سے چار فرقے قائم ہُوئے[1]

تعمیرات

ہشام کو بھی مثل اپنے باپ کے عمارات سے دلچسپی تھی۔ مسجدِ اعظم کی تکمیل ہشام نے کرائی۔

قرطبہ میں ایک جدید پُل شاندار بنایا فارقد بن عین العدفی میر عمارت نے خلیفہ کے حکم سے ایک شاندار حوض تعمیر کیا تھا۔ یہ حوض عین الفارقد کے نام سے مشہور تھا۔

مدارس

مثل اپنے باپ کے مدارس عربی تعمیر کرائے اور ان کے مصارف کا خود کفیل تھا۔ علماء اور اطباء کی سرپرستی کرتا تھا۔ اطباء عموماً یہودی تھے۔ لاطینی زبان کے بجائے عربی کی ترویج مدِنظر رکھتا تھا۔ ہشام کو علمِ نجوم کا

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۵۸

شوق بہت تھا۔

باغات باغات سے سلطان ہشام کو دلچسپی تھی۔ بڑے بڑے باغات قرطبہ میں لگوائے۔ خود بھی پودے لگاتا اور میوہ کے درخت عرب سے منگا کر اپنے باغ میں لگائے [1]

شاعری ہشام علم و فضل کے ساتھ شعر و شاعری کا ذوق رکھتا تھا۔ شعراء کا قدر دان تھا۔

خود شعر اعلیٰ درجہ کے کہتا تھا اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا مطرب اپنے شوق سے گاتیں [2]

ہشام کو علمی ذوق اوائل عمر سے تھا ایک دن اپنے باپ کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اہلِ دربار حاضر تھے۔ سلطان نے یہ دو شعر پڑھے

وَتَعْرِفُ فِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ شَمَائِلًا ۔۔۔ وَمِنْ خَالِهِ اَوْ مِنْ يَزِيْدَ وَمِنْ حُجْرٍ

سَمَاحَةَ ذَا وَ بِرَّ ذَا وَ وَفَاءَ ذَا ۔۔۔ وَنَائِلِ ذَا اِذَا صَحَا وَ اِذَا سَكِرْ [3]

(ترجمہ:۔ اس کے باپ اور ماموں کی یا یزید کی و حجر کی شمائل سے تو اس کو معلوم کر سکتا ہے کہ وہ صاحبِ بخشش و نکوئی و صاحبِ وفا و صاحبِ جود ہے صحت و نشہ کی حالت میں۔")

سلطان نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کس کے شعر ہیں۔ ہشام نے فوراً کہا امرأ القیس کے ہیں اور آپ کی شان میں لکھا گیا ہے۔ سلطان بیٹے کی حاضر جوابی سے بہت خوش ہوا۔

معدلت گستری ہشام کی فیاضی اور معدلت گستری کی نظیروں سے تاریخ بھری ہوئی ہے اس نے اپنی بیدار مغزی اور دانش وری سے سلطنت کو ایسے مستحکم اصول پر قائم کیا کہ اگر ان کی پابندی اس کی جانشین کرتے تو اس وقت

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۴۳ [2] ایضاً ص ۲۴۲ [3] کتاب شعرا النصرانیہ الجزا الاول صفحہ ۲۰

یورپ کا مغربی کونہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا[1]

ولی عہد بیماری کی حالت میں ہشام نے ارکانِ سلطنت کو جمع کیا اور ان سے الحکم کے لئے قسم لی کہ اس کے ساتھ وفادار رہیں گے۔"

خلیفہ نے حالتِ نزع میں الحکم کو بلایا۔ اس کی عمر بائیس سال کی تھی نہایت حسین اور ذہین و طباع تھا۔ خلیفہ ہشام نے الحکم کو خطاب کیا :-

"اے میرے بیٹے! میری نصیحتیں اپنے دل میں رکھنا۔ تقاضائے محبت سے تم کو سُناتا ہوں ان باتوں کو گرہ میں باندھ لینا۔ بیٹا یہ خیال رکھو کہ سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جب وہ چاہتا ہے چھین لیتا ہے پس جب خداوند تعالیٰ اپنے عطایائے ربانی سے اختیار اور دبدبہ شاہی عطا فرمائے تو ہم کو اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس کی پاک مرضی کا پورا کرنا واجب ہے اور وہ اصلی غرض یہ ہے کہ ہم تمام مخلوقات کے ساتھ نیکی کریں اور خصوصًا اس کے ساتھ جن کو ہماری حفاظت میں تفویض کیا ہے۔ امیر اور غریب کے ساتھ برابر عدل کرو، ظلم روا مت رکھو اس لئے کہ ظلم دروازہ تباہی کا کھولتا ہے۔ اپنی رعایا اور نوکروں پر مہربان رہ، اس لئے کہ ہم سب ایک خالق کی مخلوق ہیں اور حکومت، ممالک اور احصار کی انہی اشخاص کے سپرد کر کہ جو صفات پسندیدہ رکھتے ہیں اور ایسے وزراء کو بے رحمی سے سزا دینا چاہیے جو بے فائدہ اور بے قاعدہ محصولات سے رعایا کو تنگ کریں اور نرمی اور مستقل مزاجی سے فوج پر حکومت کر اور جب لشکر کشی پر مجبور ہو تو ہمارا لشکر محافظِ مُلک ہو نہ کہ غارت گر ملک، اس لئے ہمیشہ فوج کے آدمیوں کا روزینہ ادا کرنے کا خیال رکھنا چاہیئے اور ان سے جو اقرار ہو وہ پورا ہو اور

---

[1] خلافتِ اندلس صفحہ ۸۰

رعایا کی رضا جوئی سے غافل مت ہو اس لئے کہ ان کی محبت سے حفاظت مُلک کی ہے اور ان کی ناراضگی میں ضرر ہے اور ضرور ان کی حقارت باعثِ زوالِ سلطنت ہے اور کاشت کاروں کی خبر گیری رکھنا چاہیئے جو ہماری روزی کے واسطے زمین سے غلّہ نکالتے ہیں اور ان کی زراعت اور باغات کا پامال ہونا روا نہ رکھنا چاہیئے۔

خلاصہ یہ کہ اپنا طریقہ ایسا رکھنا چاہیئے کہ رعایا دُعا گو رہے اور ہماری حفاظت کے سایہ میں بخوشی زندگی بسر کرے اور ہم بھی حلاوتِ زندگی کا مزہ آسودگی میں پاویں۔ پس اس طریقہ میں سلطنت اچھی رہتی ہے اور اگر تم اس پر عمل کرو گے جو میں نے بیان کیا ہے تو تم خوش حال رہو گے اور جو نامور روئے زمین کے بادشاہ ہیں ان کے مانند تم کو دبدبہ اور سطوت حاصل ہو گا۔

سیرت ہشام میں مذہبیت بہت تھی اپنے بزرگ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے طریقہ کا لحاظ بہت رکھتا تھا۔ نیک کاموں میں زیادہ مصروف رہتا۔ نہایت سیدھا سادا لباس پہن کر قرطبہ کے گلی کوچوں میں پھرا کرتا۔ غریبوں سے ملتا۔ بیماروں کی عیادت کو جاتا۔ مفلسوں کے گھر پہنچتا اور نہایت دردمندی سے ان کی تکلیفوں اور ضرورتوں کو معلوم کر کے ان کو رفع کرنے کی کوشش کرتا۔

اکثر ایسا ہُوا ہے کہ بارش ہو رہی ہے زیادہ رات گئے ہشام قصر امارت سے چپکے سے نکل گیا۔ کسی غریب بیمار کے لئے کھانا ساتھ لیتا گیا۔ اس کے گھر جا کر بیمار کے پاس تنہا بیٹھا اس کی تیمارداری کی اور صبح چلا آیا۔

عبادت گزاری ہشام اوقاتِ نماز کے نہایت پابند تھے۔ لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کی ہدایت کرتے اور جب اندھیری راتوں میں بارش کا طوفان ہوتا اور دیکھتے کہ نمازی باوجود موسم کی خرابی کے نماز کے لئے مسجد

مسجد میں وقت پر آگئے ہیں تو اُن کو انعام دیتے[1]

امام مالک بن انس سے بے حدِ حسن عقیدت تھی۔ چنانچہ مالکی عقائد کی ہشام کے عہد میں اندلس میں اشاعت ہونے لگی تھی۔ ادھر یحییٰ ابن یحییٰ بربر قبیلہ معمودہ کے نوجوان امام کے شاگرد تحصیلِ حدیث کے بعد قرطبہ آگئے تھے۔

حکومت ہشام نے سات سال آٹھ ماہ حکومت کی۔

وفات ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں ہشام نے انتقال کیا اور قرطبہ میں دفن ہوا۔ ہشام نے صرف چالیس سال عمر پائی۔ خلیفہ کے جنازے کے ساتھ خلائق کا نہایت ہجوم تھا۔

الحکم نے خود باپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بعد اس کے الحکم کے خلیفہ ہونے کی شہرت دی گئی اور خطبہ اس کے نام کا تمام مساجد میں پڑھا گیا[2]

سُلطان الحَکم

سلطان الحکم اپنے باپ سلطان ہشام کے بعد تختِ حکومت پر بیٹھا ذی علم تھا مگر تلون مزاجی بہت زیادہ تھی۔ باپ کے عہد کے عہدیدار قائم رکھے۔ وزارت کے عہدے پر اپنے استاد اور حاجب امیر عبدالکریم بن مغیث کو سرفراز کیا سلیمان اور عبداللہ نے الحکم کی حکومت کا تختہ اُلٹنا چاہا۔ ادھر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سرحدی عیسائی شورش پر آمادہ ہوگئے۔ الحکم نے وزیر کو گراں قدر فوج

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۳۶۸ جلد ا [2] خلافتِ اندلس۔

کے ساتھ سرحد بھیجا جہاں عبدالکریم نے فتنہ کو دبا دیا۔
فرانسیسیوں نے ۱۸۵ھ میں برشلونہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ عبدالکریم نے اُن کو مار بھگایا۔ ادھر الحکم نے ہر دو چچا کو اچھی طرح سے کچلا۔ سلیمان مر گیا۔ عبداللہ کو معافی دے دی گئی۔ اندرونی بغاوتوں میں فقہاء بھی کُود پڑے۔ حضرت یحییٰ ابن یحییٰ الیقسی شاگرد امام مالک نے الحکم کو حکومت سے بے دخل کرنا چاہا مگر سازش کا پتہ چل گیا۔ الحکم لہو ولعب میں مبتلا نہ تھا جو اس سازش کا شکار ہوتا۔ اس نے فقہاء کی گرفتاری کا حکم دیدیا کہ جو ہاتھ لگے جرم بغاوت میں سزاوار دار ہوئے۔ یحییٰ الیقسی روپوش ہو گئے۔ یہ قصہ ختم ہو گیا تو الحکم سرحد کی درستی اور حفاظت کی طرف مائل ہوا۔ قلعہ جات سرحد کو اور مستحکم کر دیا۔
۱۹۲ھ میں شاہِ فرانس کی سازش سے لذریق نے طرطوشہ کا محاصرہ کر لیا۔ الحکم خود روانے ہونے کو ہوا۔ پہلے اپنے بیٹے عبدالرحمن ثانی کو بھیجا۔ شہزادے نے لذریق کو پہلے حملہ میں شکست دے دی اور اپنی حدود سے باغی عیسائیوں کو نکال کر باہر کیا۔
اس واقعہ کے چار برس بعد ۱۹۶ھ میں الحکم نے جنگ کا عزم کیا اور وزیر عبدالکریم کو فرانسیسیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اس نے جلیقیہ پر بلا مزاحمت قبضہ کیا اور قرطبہ لوٹ آیا۔
اس زمانے میں اندلس میں قحطِ عظیم پڑا۔ سلطان کو خواب وخور حرام ہو گیا۔ اس نے بہت کچھ خزانے سے غرباء کی مدد کی اور رعایا کی خبر گیری میں دن رات ایک کر دیئے۔
عباس ابن ناصح الجزائری نے اس واقعہ پر یہ شعر کہے ؎

نَکِدَ الزَّمَانُ فَاَمنَتْ اَیَّامُہٗ ۔۔۔ مِنْ اَنْ یَکُوْنَ بِعَصْرِہٖ عُسْرٗا
خَلَعَ الزَّمَانُ بِاَزْمَۃٍ فَجَلَتْ لَہٗ ۔۔۔ تِلْکَ الْکَرِیْمَۃُ جُوْدُہُ الْغَمْرَا

(ترجمہ) زمانہ خراب ہو گیا تھا مگر اس کے ایام نے اس بات سے بچایا کہ اس کے عہد میں تنگی و پریشانی ہو مصیبتوں کی کثرت سے زمانہ تنگ ہو رہا تھا مگر اس کی

دریا دلی بخشش نے اس رنج کو دور کر دیا۔"

عدل گستری الحکم میں مثل اپنے باپ کے عدل گستری تھی اور اس بادشاہ کو ضد نہ تھی۔ اگر کوئی غلطی کرتا تو اعتراف بھی کر لیا کرتا۔ اتفاقیہ خلیفہ الحکم کے محل کی توسیع میں ایک غریب بیوہ کی جائداد آگئی۔ اس سے کہا بھی گیا کہ اس جائداد کو معقول داموں میں علیحدہ کر دے۔ مگر موروثی جائداد کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا۔ مگر میر عمارت نے زبردستی وہ زمین لے لی اور بنگلہ تعمیر ہو گیا۔ اس عورت نے قاضی کے روبرو استغاثہ پیش کیا۔ قاضی نے فرمایا کہ تو تامل کر میں انصاف سے کام لوں گا۔

جس روز خلیفہ الحکم پہلے پہل مکان اور باغ ملاحظہ کرنے گیا قاضی بھی خبر پا کر پہنچ گئے۔ ایک گدھا معہ خالی بورے کے ہمراہ لیا۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی صاحب نے کہا امیرالمومنین اس زمین کی مٹی مجھے چاہیئے اجازت ہو تو لے لوں۔ خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی۔ قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا اور خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھ کو اس بورے کو گدھے پر رکھنے میں حضور ذرا معاونت فرماویں۔

خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ بورا ہر دو اٹھانے لگے۔ مگر بھاری وزن تھا اٹھ نہ سکا۔ خلیفہ ہانپ گئے۔ قاضی نے کہا۔ سرکار! اس بوجھ کو تو آپ اٹھا نہ سکے تو انصاف کے دن (یوم قیامت) کو یہ جو زمین بڑھیا کی ضبط کر لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائیے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ بڑھیا دعوے ضرور کرے گی۔

شاہ الحکم آبدیدہ ہو گیا اور میر عمارت کو حکم دیا فوراً بڑھیا کی زمین اس کو واپس کر دو اور محل کا وہ حصہ جو ہے معہ ساز و سامان کے میں نے اس کو دیدیا۔ غرضیکہ بڑھیا مالا مال ہو گئی۔

واقعہ خلیفہ کی بہن الکنزہ تھی وہ اصفا چچا زاد بھائی کو منسوب تھی۔ اصفا کا جھگڑا الحکم سے ہو گیا۔ بہن نے آکر بھائی سے کہا

مجھ کو طلاق دلوا کر گھر بٹھاؤ گے " خلیفہ نے بہن کی بات کا اثر لے کر اصفا سے تعلقات قائم کر لئے۔

وزراء الحکم کے گرد و پیش جو مشیر اور ارکانِ سلطنت تھے وہ اپنے اپنے فن میں وحیدِ عصر تھے۔

علامہ اسحاق ابن المنذر، علامہ عباس ابن عبداللہ، عبدالکریم ابن مغیث، سعید ابن حسین۔

قاضی شہر قرطبہ کی قضات عمر ابن بشیر، بشیر ابن قطن، عبداللہ ابن موسیٰ اور حمید ابن محمد ابن یحییٰ۔ یہ حضرات علم فقہ کے اعیان سے تھے یکے بعد دیگرے عہدۂ قضاۃ پر مامور ہوئے۔

خطیب حجاج ابن العقیلی، قطلیس ابن سلیمان اور عطاف ابن یزید تھے۔

قاضی القضات ابن عمران کے انتقال کے بعد محمد ابن بشیر کو قاضی الجماعت کا عہدہ تجویز ہوا۔ محمد ابنِ بشیر کا باپ سعید ابن بشیر وہ مشہور واجب التعظیم عالم علم فقہ اور حدیث تھا جس کو سلطان عبدالرحمٰن اول نے اس عہدے کے لئے منتخب کیا تھا۔ اس کا انصاف صرف اندلس ہی میں نہیں بلکہ کل ممالکِ اسلام میں ضرب المثل ہو گیا تھا[1]

المقری نے نفح الطیب میں ابن بشیر کے ایک انصاف کا واقعہ لکھا ہے۔

" الحکم کے چچا سعید الخیر ابن عبدالرحمٰن الداخل نے ایک دعویٰ کیا اس کے مختار نے ایک دستاویز جائداد متنازعہ کی نسبت قاضی محمد بن بشیر کے سامنے پیش کی ۔ ۔ ۔

اس دستاویز پر مختلف لوگوں کی شہادت موجود تھی لیکن ان میں سے صرف

---

[1] خلافتِ اندلس صہ ۸۵۔

سلطان الحکم زندہ تھے باقی گواہ مر چکے تھے۔ فریقِ ثانی نے یہ عذر پیش کیا کہ جب تک دستخطوں کی تصدیق نہ ہو دستاویز منظور نہیں کی جا سکتی۔

قاضی نے الحکم کو حکم بھیجا وہ عدالت میں آیا اور اپنے دستخطوں کی شناخت کی سلطان الحکم میں جہاں نرمی تھی وہاں بعض وقت مجبوری درجہ سختی بھی برتتا تھا۔ مغربی غیر منصف مؤرخین اس سختی کو ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ طلیطلہ کے باشندے بلاوجہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔

طلیطلہ شاہان قوط کا ایک زمانہ تک دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ یہاں پر پادریوں کی ایک جماعت رہتی تھی جو عیسائیوں کو ورغلا کر حکومت سے بھڑوانے کی ترغیب دیا کرتی۔

طلیطلہ کے اردگرد علاقوں میں عرب امراء و بربر آباد تھے۔ خاص شہر میں عیسائی اور مولدین زیادہ آباد تھے۔

اہلِ طلیطلہ کی شورش کی خبر الحکم کے کانوں تک پہنچی۔ اُس نے عمروس بن یوسف جو ثقفہ کا باشندہ تھا اور علیسویت سے تائب ہو کر داخلِ اسلام ہوا تھا اُس کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اور اس کو کچھ ہدایتیں دیں۔ اس کے مطابق اُس نے غدارانِ حکومت کو لالچ دے کر اپنا کر لیا اور اُن سے کہا کہ جو یہاں حکومت کے فوجی دستے رہتے ہیں اُن کی وجہ سے ہی آئے دن بدمزگی رونما ہوتی ہے۔ لہٰذا شہر سے باہر اُن کے لئے مکانات بنوا دیئے جائیں۔ اس رائے کی سب نے تائید کی۔ جب عمارت تیار ہو گئی اس میں فوجی آباد کر دیئے گئے۔ الحکم کو اطلاع دی گئی۔ اس نے سرحد کے لئے فوج یکجا کر کے اپنے ولی عہد عبدالرحمٰن ثانی کی سرکردگی میں روانہ کی۔ یہ فوج طلیطلہ پہنچی تھی کہ سرحد کی شورش کرنے والے راہِ فرار اختیار کر گئے۔

شہزادہ طلیطلہ میں مقیم ہو گیا۔ عمائد اور رؤساء سامنے آئے۔ ظاہر تو اطاعت تھی مگر باطن میں کھوٹ تھی۔ شہزادے نے رنگ دیکھ کر سب کی ایک دن ضیافت کر دی۔ جب سب محل میں آ گئے اور غدارِ حکومت میں سے کوئی باقی نہ رہا ان کو ایک

ایک کر کے عمارت میں داخل کر لیا گیا اور وہاں کے گورنر نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ سب کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر ایک گڑھے میں ڈال کر پھونک دیا۔

اس واقعہ کا اثر اہلِ طلیطلہ پر یہ پڑا کہ خودسری بھول گئے۔ پادریوں نے یہ رنگ دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ اگر الحکم یہ صورت نہ کرتا اور جو آگ طلیطلہ میں سلگائی گئی تھی اگر وہ ختم نہ کی جاتی تو اس کے شعلے قصرِ عمارت کو بھی جلا دیتے۔ پھر آٹھ برس تک کوئی واقعہ نہیں ہُوا۔

اب کے قرطبہ کے لوگوں نے شورش مچانا شروع کر دی۔ شہر کے جنوبی حصہ میں جس کو ربض شقندہ کہتے ہیں وہاں چار ہزار فقیہ اور طلباء نومسلم عیسائی آباد تھے۔ یہ لوگ سب سے زیادہ شورہ پشت تھے۔ کوئی سرکاری آدمی اُن کے علاقہ سے گزرتا تو اس کو ذلیل کرتے حتیٰ کہ الحکم پر بھی آوازے کسے گئے۔

الحکم پہلے تو طرح دے گیا مگر امام یحییٰ بن یحییٰ فقیہ صاحب فضل و کمال ہوتے ہُوئے وہ بھی بغاوت میں حصہ لے رہے تھے۔ یہ حضرت طلیطلہ سے قرطبہ تشریف لے آئے تھے۔ ڈوزی لکھتا ہے:-

> "وہ وعظ اور خطبوں اور زیادہ تر اپنی شہرت و ناموری کے اثر سے سرکشی کی تحریک کو قوت دینے لگے بلکہ خود راہنما بن گئے" [۵]

حضرت یحییٰ کے ساتھ فقہاء کی بڑی جماعت تھی سب نے مل کر شہر میں آتشِ مخالفت بھڑکا دی۔ ایک دن محل کو ہزارہا آدمیوں نے گھیر لیا۔ الحکم دیکھ رہا تھا اس نے زنطو غلام سے کہا حرم سرا میں سے بیگم سے عطر لاؤ وہ عطر لایا تو تمام چہرے پر ملا اور اپنے عم زاد بھائی عبداللہ سے کہا کہ تم چند چیدہ شہسواروں کو ہمراہ لے کر بلوائیوں کے ہجوم سے نکل جاؤ اور ربض شقندہ کے گھروں میں آگ لگا دو۔ چنانچہ عبداللہ نے وہاں آگ لگا دی۔ بلوائیوں نے جونہی گھبرا کر بھاگے۔ الحکم نے فوج جو محل میں تھی

---

[۵] عبرت نامہ اندلس صـ ۳۷۹

اس کو حکم دیا کہ ان کی مدارات اچھی طرح کر دو۔ سامنے کے رُخ سے عبداللہ حملہ کرتا ہُوا بڑھا۔ عقب سے اَلحکم کی فوج نے خبر لی۔ ہزارہا بلوائیوں کا کھیت رہا۔ فقہائے کرام روپوش ہو گئے۔ کچھ گرفتار کئے گئے۔ پھر تو جو بقیہ باغی تھے وہ بال بچے لے کر افریقہ چلتے ہُوئے اور جہاں موقعہ ملا آباد ہو گئے۔ جب یہ فتنہ ختم ہو گیا تو فقہائے کرام کو بھی چھوڑ دیا اور اُن کی بے حد خاطر و مدارت کی [1] فقیہہ طالوت کو بھی اَلحکم نے بلا کر اُن کو بھی معاف کر دیا۔

۲۰۲ھ میں سلطان اَلحکم نے اپنے امراء اور ارکینِ سلطنت کو جمع کر کے کہا کہ :۔

"اب میری زندگی کے بہت تھوڑے روز باقی رہ گئے ہیں۔ میری خوشی ہے کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن ثانی کو اپنا ولی عہد مقرر کروں ۔ تم سب اُس کی اطاعت کو بجلت قبول کرو۔"

سب سے پہلے شہزادوں نے اور ان کے بعد حاجب اور قاضی القضاۃ اور دیگر ارکانِ سلطنت نے عبدالرحمٰن ثانی کے ہاتھ پر بوسہ دے کر اطاعت و فرماں برداری قبول کی۔ چونکہ ملک میں امن دامان تھا اس واقعہ سے عام طور پر خوشی اہلِ شہر نے منائی۔ سلطان نے بقیہ عمر آرام سے گزاری۔

وفات سلطان اَلحکم نے ۲۵ رذی الحجہ ۲۰۶ھ روز پنجشنبہ کو انتقال کیا۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۲۷۹ ۔

سُلطان عبدالرحمٰن ثانی

سُلطان الحکم کی وصیّت پر عبدالرحمٰن ثانی سریر آرائے خلافت ہُوا حکومت کو ہاتھ میں لیتے ہی سرحدی جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے جلیقیہ پر فوج کشی کی اور اس مُلک کا بڑا حصّہ اندلس میں شریک کر لیا۔

۲۰۸ھ میں امیر عبدالکریم ابن عبدالواحد کو معہ فوج "قسطلہ" اور "البہ" کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ امیر نے البہ کے قلعوں پر قبضہ کیا اور والی سے خراج دینے کا وعدہ لیا اور جو مسلمان قید تھے اُن کو آزاد کرا کر واپس آ گیا۔ اہلِ قسطلہ کی شورش کے رفع کرنے کے لئے عبداللہ البلنسی کو ۲۲۴ھ میں بھیجا اور جلیقیہ والوں کی سرکوبی کے لئے ابن موسیٰ روانہ کیا گیا۔ ان دونوں جرنیلوں نے سرحد اندلس سے باغی گروہ کو نکال باہر کیا۔

۲۲۶ھ میں عبدالرحمٰن ثانی نے موسیٰ کو فرانسیسیوں کی سرکوبی کو بھیجا۔ موسیٰ اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں سے موسیٰ بن نصیر نے فرانسیسیوں کو شکست دی تھی۔ چنانچہ اس موسیٰ نے بھی معرکہ کو جیتا۔ وہاں سے واپس آ کر سلطان کے مصاحب خوز بن موفق سے رد و کد ہو گئی۔ سُلطان نے خوز بن موفق کی طرف داری کی۔ موسیٰ بن موسیٰ ناراض ہو کر غرسیہ بادشاہ نبسلونہ سے ساز باز کر گیا۔ غرسیہ نے حملہ کر دیا۔ اس کے مقابلہ پر الحریث گیا جو دھوکے سے گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اپنے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن ثانی کو فوجِ کثیر دے کر روانہ کیا۔ اس نے شہر تطلیتہ (دیوڈلہ) کو گھیر لیا۔ موسیٰ عیسائی فوج کے ساتھ تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر موسیٰ نے عفو قصور کی استدعا کی شہزادہ محمد نے درخواست منظور کر لی اور پھر غرسیہ کی طرف متوجّہ ہُوا۔ شہزادہ نے ایسا حملہ کیا کہ عیسائی بہت سے مارے گئے۔ بادشاہ بھی کام آیا۔

اس فتح عظیم نے جو ۲۲۹ھ میں حاصل ہوئی تھی عربوں کو بے حد فائدہ پہنچا۔

سلطان نے غرسیہ کے بعد جلیقیہ کے بادشاہ کی گوشمالی کا ارادہ کیا مگر وہ پٹ کر بھاگ گیا۔ سرکاری فوج قرطبہ لوٹ آئی۔ مگران حملوں نے عرب کی طرف سے تمام سرحدی علاقہ کو خوف زدہ کر دیا۔ جتنے حکمران یورپ کے تھے وہ متوحش تھے۔ آخرش طوفیلس بادشاہ قسطنطنیہ نے دُوربینی سے کام لیا اور عبدالرحمٰن سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہے۔ خلیفہ المامون اور المعتصم کی طرف سے یونان پر فوج کشی ہوئی۔ طوفیلس نے اس معاملہ میں مدد چاہی۔ چنانچہ فوج اور روپیہ کی مدد سلطان نے دی۔ گمان یہ تھا کہ اس طرح شام پر کسی وقت قبضہ ہو سکے گا۔

سلطان نے اپنے وزیر یحییٰ الغزال کو معہ تحائف کے طوفلیس کے پاس بر بنائے دوستی روانہ کیا۔ طوفیلس نے نہایت اعزاز و اکرام سے یحییٰ کا خیر مقدم کیا۔ دعوت و مہمان نوازی میں بادشاہِ یونان نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ یحییٰ کامیاب ہو کر اندلس آیا سلطان مسرور ہوا۔

اس زمانہ میں مجوس (نارمنز) نے اندلس پر حملہ کیا۔ مگران کو جواب معقول دیا گیا وہ ایسے فرار ہوئے پھر پتہ نہ لگا کہاں گئے۔ اس واقعہ کے بعد سمندر کے کنارے کے حملوں کے خیال سے قلعہ مستحکم کئے گئے اندرونی و بیرونی شورش ختم ہو چکی تھی۔

اصلاحات

خلیفہ عبدالرحمٰن نے ملک کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا۔ تھوڑے عرصہ میں ملک آراستہ ہو گیا اور اس کی مالی حالت درست ہو گئی۔ بہ نسبت سلاطین سلف کے اس کے عہدِ حکومت میں اب ملک کے بیرونی حملوں اور خانہ جنگی کا امکان نہ رہا۔ امن و امان سے باشندے زندگی گزار رہے تھے جس سے اندلس کی آمدنی پہلے سے دوچند ہو گئی۔

جس وقت سلطان عبدالرحمٰن تخت نشین ہوا تھا چھ لاکھ دینار سرخ کی آمدنی تھی اس کے حُسنِ انتظام سے دس لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ یہود و نصاریٰ سے ان کی حیثیت کے موافق جزیہ وصول ہوتا تھا۔

مُسلمانوں پر ابتدءً جدید ٹیکس لگائے گئے۔ یہ رقم المستخلاص اور جبایہ کہلاتی

تھی۔ یہ محاصل سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار سالانہ ہوتے تھے۔ بقیہ رقم جزیہ وغیرہ کُل ملاکر دس لاکھ ہو جاتے تھے۔

تعمیر محلّات محلات اور باغات پر روپیہ کافی صَرف کیا گیا۔

واٹر ورکس اس عہد میں ایک ایسی یادگار قائم ہوئی جس سے عبدالرحمٰن کی روشن خیالی کا پتہ چلتا ہے۔ سلطان نے آب رسانی کا محکمہ قرطبہ میں جاری کیا اور پانی کے متعدد خزانے بنا کر نلوں کے ذریعہ شہر میں پانی پہنچایا۔

پُل و مساجد ملک بھر میں جہاں جہاں ضرورت تھی پُل بنوائے۔ سڑکیں نکلوائیں۔ مساجد تعمیر کرائیں اور قرطبہ کی مسجد کو اور وسیع کیا۔

جہاز ایک جنگی جہاز کا بیڑہ سلطان نے تیار کیا جو ساحلی علاقہ پر گشت کرتا تھا عبدالرحمٰن ثانی خود عالم تھا۔ علماء کی بڑی قدر کرتا تھا۔

امام یحییٰ ابن یحییٰ اللیثی شاگرد امام مالک ابن انس کو اپنا مشیر کار بنایا اور اُن کے صاحبزادے عیسیٰ بن یحییٰ کو قرطبہ کا قاضی القضاۃ کیا۔ اس عہد میں ابو مروان عبدالملک ابن حبیب تھا جو سلطان کے مشورے میں شریک رہتا تھا۔ یہ عقیل و دانا شخص تھا۔

واقعہ ایک دن سلطان نے علماء کے سامنے امام یحییٰ سے مخاطب ہو کر کہا مجھ سے یہ سخت سزا سرزد ہوئی ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا اس کا کفارہ کس طرح ممکن ہے؟ یحییٰ نے تمام علماء کے سامنے کہا دو ماہ روزے متواتر رکھو تو البتہ تمہاری بخشش کی صورت ہو سکتی ہے۔ حاضرین یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ جب علماء دربار سے اُٹھ آئے تو یحییٰ سے پوچھا۔ کیا امام مالک نے اس کفارہ کا بدل بھی کوئی بتایا یا نہیں۔ جواب دیا کہ معاوضہ ضرور ہے لیکن اگر میں سلطان کو اس سخت سزا کا معاوضہ بتا دیتا تو اس کو مکرر اس گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی۔ اس پابندِ شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہیئے کہ اُس نے امام یحییٰ کے حکم

کی پوری تعمیل کی۔

عبدالرحمٰن کی قدر دانی کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا تھا۔ اصحابِ ہنر و اہلِ سیف و اہلِ قلم سلطنت عباسیہ کو چھوڑ کر اندلس چلے آئے۔ ان میں علی بن نقی معروف بہ زریاب تھا جو فنِ موسیقی میں دور دور تک مشہور تھا۔ علاوہ اس کے علمِ نجوم اور ہیئت اور جغرافیہ و انشاء پردازی میں کامل دست گاہ رکھتا تھا۔ ایک ہزار غزلیں حفظ تھیں۔ نہایت مہذب و با اخلاق خلیفہ ہارون الرشید کی صحبت میں رہ چکا تھا سلطان نے اس کو اپنا ندیم بنایا اور بڑی قدر دانی کی۔

غرضیکہ عبدالرحمٰن ثانی کے تاج میں علم و فضل و کمال کے ایسے بے بہا جواہر جڑے ہوئے تھے جنکی آب و تاب پر شرق و غرب عش عش کرتا تھا ان ہی علماء کی فیضانِ صحبت کی بدولت اس کی شوکت اور دبدبہ نے دنیا کو اپنا مرعوب کر لیا تھا اور ہر بادشاہ اس سلطنت سے اتحاد اور دوستی بڑھانا باعث عزت و فخر تصور کرتا تھا۔

تاریخ ہسپانیہ میں میریا کالیکٹ لکھتا ہے۔

"عبدالرحمٰن دوم دانا اور مدبر اور نامی سپہ سالار تھا۔ اگرچہ شروع سلطنت میں ہنگامے اور فتور برپا رہے۔ لیکن اس کی رعایا دولت مند اور خوشحال تھی اور علوم کا شائق تھا اور فلسفہ اور فن شاعری کا زیادہ شوق رکھتا تھا اور جس وقت اُس کو معاملاتِ سلطنت سے فرصت ہوتی تھی تو علماء فضلاء اور شعراء کی صحبت میں اپنا وقت صرف کرتا تھا۔ فنِ موسیقی کا بھی شوق رکھتا تھا"[1]

اخلاق عبدالرحمٰن کا حلم اور فیاضی اس سے ثابت ہوتی ہے کہ جب اُس کی ایک کنیز حسینہ و جمیلہ نے اُس سے آزردہ ہو کر اپنا دروازہ بند کر لیا اور سلطان کو آنے سے روکا تو سلطان نے چاندی کی اینٹوں سے دروازہ بند

---

[1] خلافت اندلس صہ ۹۵۔

کرایا اور کہا جب ان اینٹوں کو خود گرا کر لے لے گی تب اُس کی سلطان صورت دیکھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

رواداری سلطان نے یہود و نصاریٰ کے محصولات کو معاف کر دیا اور خراج بھی ملک ملک کا آخر میں کم کر دیا۔ ہر قوم کے محتاجوں کو شاہی عمارت کے کام میں لگایا۔ نہر، حوض، تالاب بنوائے تاکہ آئندہ خشک سالی ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔"

دریا کے کنارے پر باغ عام باشندگانِ شہر کی تفریح کے لئے بنوائے۔ صرف قرطبہ ہی کو زیب و زینت نہیں دی بلکہ تمام سلطنت میں محتاجوں کو کام میں لگایا۔ مساجد، عام جلسوں کے مکانات، مدارس، شفاخانے اور حمام تعمیر کرائے۔

ولی عہدی ۸۵۰ء، ۲۲۶ھ کے موسم بہار میں اُس نے تمام حکامِ سلطنت کو جمع کیا اور محمد اپنے بیٹے اور صحیح وارث سلطنت کے ساتھ وفادار اور خیر خواہ رہنے کی قسم لی اور اس موقع پر خلیفہ نے تمام حکام کی نہایت تزک و احتشام سے دعوتیں کی تھیں اور زرہ اور جوشن اور قیمتی گھوڑے سرداروں کو بطور تحفہ دیئے تھے اور تمام دستہ محافظان کو نہایت رونق دار لباس پہنائے تھے اور محتاجوں نے بہت کچھ خیرات پائی تھی اور نہ صرف شہروں میں بلکہ دُور دراز شہروں اور دیہاتوں میں خیرات تقسیم کرائی گئی اور کوئی آدمی ایسا نہ ہوگا جس نے کہ انعام اور اکرام اور خیرات نہ پائی ہو اور خلیفہ کے ساتھ خوشی حاصل نہ کی ہو[۱]

دوزی لکھتا ہے :-

"سلاطینِ اسپین کے دربار کو جیسی رونق عبدالرحمٰن بن حکم کے زمانے میں ہُوئی ایسی کبھی پہلے نہ ہُوئی تھی۔ شان و شوکت میں خلفائے بغداد کی ہمسری کے خیال سے اُس نے بڑا خدم و حشم اپنے گرد جمع کر لیا تھا اور

---

[۱] تاریخ ہسپانیہ صفحہ ۲۸۷

قرطبہ کو بڑی زیب و زینت بخشی تھی"۔

فتنہ سلطان کے آخری زمانے میں یولوجیوس نے ایک فتنہ کھڑا کیا۔ عیسائیوں کو قاضی اور بادشاہ کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ آکر اسلام اور داعئ اسلام کے خلاف جو منہ میں آتا کہتے۔ مگر سلطان نے ٹھنڈے دل سے اس حماقت کا مقابلہ کیا۔

وفات سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے اکتیس سال تک حکومت کر کے ۲۳۸ھ ۸۵۲ء میں انتقال کیا۔

یہ نہایت نیک نیت، ہر دلعزیز اور بیدار مغز بادشاہ تھا اس کی عظیم الشان فتوحات سے رعایا اس کو المظفر کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ قیافہ شناس بے مثل تھا اور کہا کرتا کہ :-

"حکومت اور اعزاز کی خواہش ایسے لوگوں کو رہتی ہے کہ جن کو ان کی قدر نہیں۔ پس بادشاہ کو چاہیئے کہ اجزائے حکومت کے انتخاب میں از حد احتیاط اور دُور اندیشی سے کام لے اور کم ظرف سے اجتناب کرے"۔

سُلطان محمد اوّل

سلطان عبدالرحمن ثانی کے بعد ۲۳۸ھ میں اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔
بقول "لین پول" :-[1]

"یہ شخص مزاج کا سخت اور سنگدل اور خود بین تھا"

یہ فقرہ لین پول نے اس وجہ سے لکھا کہ سلطان محمد نے پادریوں کی مجنونانہ حرکت اور اسلام و داعی اسلام پر جو رکیک حملے وہ کرتے تھے اس نے باپ کی طرح چشم پوشی نہیں کی بلکہ اس نے اس فتنہ کو بقوت دبا دیا۔ کیونکہ پُرجوش خبطی عیسائیوں نے اسلام اور داعیٔ اسلام پر جو توہین کی بوچھاریں کی تھیں ان کا پُورا انتقام لیا۔ اُس نے گرجے جو فتنوں اور راہبوں کی خوش فعلیوں کے مرکز بن گئے تھے، گرادیئے۔ عیسائیوں کو اچھی طرح سے کچلا۔ یو پی جیلس جس نے ایک مسلمان لڑکی فلورا کا اغوا کیا تھا ۱۱ر مارچ ۸۵۹ئہ میں قتل کرادیا گیا۔

اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی اپنی حماقت پر شرمندہ ہوئے۔ شہادت کے ڈھونگ سے ان کو ایسی نفرت ہوئی کہ مذہب عیسویت کو چھوڑ بیٹھے۔ مگر اندلس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ ملک کا انتظام سلطان سے نہ سنبھل سکا۔ آخر صفر ۲۷۳ھ ۸۸۶ئہ میں فوت ہوگیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان المنذر ۸۸۶ئہ میں تخت نشین ہُوا۔ اس کے عہد میں پہلے سے زیادہ اندلس کی حالت خراب ہوگئی۔ امرائے عرب اور بربری رؤساء خودسر ہوگئے۔ سرحدی عیسائیوں نے آپس کی خانہ جنگی دیکھ کر سر اُٹھایا۔ ان کو سلطان المنذر کی نااہلیت سے سرحدی قلعے مل گئے۔ آخر ش ۸۸۸ئہ، ۲۷۵ھ میں المنذر قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلطان عبداللہ تخت نشین ہُوا۔

عبداللہ بن محمد کا زمانہ بھی اندلس کے لئے خیر و خوبی کا نہ تھا۔ وہ بذاتِ خود ایسا دنی الطبع بے رحم تھا کہ اُس کی مملکت کے کل فرقے اُس سے نفرت کرنے لگے۔ اور اُس کی حکومت کو بالائے طاق رکھ دینے پر یک دل و یک زبان ہو گئے۔ اس کو سلطنت کرتے ہُوئے تین سال بھی نہ ہُوئے تھے کہ اندلس کا بہت بڑا حصہ خود بخود خود مختار ہو گیا۔ اس کا بیٹا محمد اور اس کا بھائی قاسم بن عبداللہ باپ سے باغی ہو گئے۔ مگر مقابلہ پر گرفتار ہوئے اور قید کئے گئے۔ عرب امراء نے یہ رنگ دیکھ کر اپنی خود مختار ریاستیں قائم کر لیں۔

اشبیلہ قرطبہ کا ہولناک رقیب ہو گیا۔ لورقا مرسطہ حکومت قرطبہ سے الگ ہو گئے۔ بربری امراء نے بھی اطاعت کا جوا اُتار پھینکا۔ ہسپانیہ (اندلس) کے مغربی اضلاع مثل اسٹریمیڈرا اور پرتگال کے دکھن رخ کے ضلعے اب بربریوں کے خود مختارانہ قبضے میں تھے اور وہ خود بربری اندلس میں مختلف اہم عہدوں پر مامور تھے۔

اس سے بڑھ کر ذوالنون بن موسیٰ نے ایک برگر لٹیروں کا بنا رکھا تھا جو چاروں طرف لُوٹ مار اور غارت گری کر رہا تھا۔ ان سب سے بڑھ کر سرحدی ڈاکو ابن غصون نصرانی تھا جس نے غرناطہ کے کوہی علاقہ پر اپنی ریاست قائم کر لی تھی۔ سلطان عبداللہ نے بار بار اس پر حملے کئے اور ہر مرتبہ شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ آخرش ابن غصوں سے سلطان نے صلح کر لی۔

مرشیا پر ایک نومسلم خود مختار فرماں روا تھا اس نے اپنی رعایا پر عاقلانہ حکومت کی۔ رعایا اس سے خوش تھی وہ شاعرانہ دل و دماغ رکھتا تھا۔ اس نے فوج بھی بھرتی کی جس میں صرف پانچ ہزار سوار تھے۔

طلیطلہ بھی باغی ہو گیا تھا۔

اشبیلیہ کا عربی بادشاہ ابن الحجاج نے سلطان سے تعلقات اچھے قائم رکھے اور اُس نے اپنے غیر محدود اقتدار کو نہایت شریفانہ طور پر نبھایا اور کام میں لایا

اس نے حکومت قابل مدح کی۔ امن و امان کا بے خلش دور دورہ تھا۔ اس نے سلطان عبداللہ کے مقابلہ میں بہتر اپنی حکومت کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب سواری ابن الحجاج کی نکلتی پانچ سو سوار اس کے جلو میں ہوتے اور اس کی قبائے شاہی زربفت کی ہوتی تھی جس پر اس کا نام و خطاب سونے کے کلابتون سے منقش رہتا تھا۔ سمندر پار کے سلاطین اس کے پاس تحائف بھیجتے تھے۔

مصر سے ریشمی کپڑے آئے۔ مدینہ سے علماء اور بغداد سے مفتی اس کے دربار میں آجمع ہوئے۔ اس کے عہد میں ایک فاضلہ خاتون قمر نامی تھی حسن صورت و سیرت میں بے عدیل تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ شاعرہ تھی۔ بلاغتِ کلام اور دل سوز نظم میں شہرۂ آفاق تھی۔ ابن الحجاج کی تعریف میں کہتی ہے ؎

ما فی المغارب من کریم یرتجی الا حلیف الجود ابراهیم
انی حللت لدیه منزل نعمة کل المنازل ما عداه ذمیم

ترجمہ:۔

نیست در مغرب کریمے کز وے دارد چشمہا جز بابراہیم کو ہم عہد باشد باسخا
نزد او در منزل رحمت فروکش گشتہ ام غیر آں ہر منزلے زشت است و بیزار ازعیہا

غرضیکہ ابن الحجاج نے سلطان عبداللہ کے مقابلہ میں وہ کارہائے نمایاں کئے کہ قرطبہ سے شعراء اور علماء اس کے دربار کی جا کر زینت بنے۔

بایں ہمہ تہذیب و شائستگی کی یہ شعاعیں جو جھلک رہی تھیں اندلس کے صدر حکومت کے ضعف سے زیادہ دقیع معلوم نہ ہوتی تھیں۔ قرطبہ سرحدی خلفشار سے پریشان حالی کو پہنچ گیا تھا۔ سلطان کی کاہلی اور کمزوری حد کو پہنچ گئی۔ خزانہ خالی تھا۔ فوج کو تنخواہیں دیر میں ملتی تھیں کیونکہ اضلاع کے محاصل بند ہو چکے تھے۔ تجارت کو بھی فروغ نہ تھا۔

بالآخر سلطان ۱۵ اکتوبر ۹۱۲ء ۳۰۰ھ کو اڑسٹھ برس کی عمر میں چوبیس سال کی ناخوش و بے مزہ سلطنت کو خیر باد کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

سُلطان عَبدُالرحمٰن (ثالث)

عبدالرحمٰن ثالث بن محمد اموی

تخت نشینی جس دن سُلطان عبداللہ کو دفن کیا اسی روز عبدالرحمٰن سوم تخت نشین ہُوا۔ ان کی والدہ مریم نامی ایک امیر نصرانی خاندان کی صاحبزادی تھیں[1]۔ جس دن عبدالرحمٰن نے حکمرانی شروع کی اُس وقت اس کی عمر بائیس سال کی تھی۔

سلطان کی خصلت اور طبیعت نیک تھی اس کے ساتھ بڑا عالم اور فاضل تھا۔ اس کی دانائی بلحاظ عمر کے بہت زیادہ تھی۔ چہرہ سلطان کا باتمکنت اور شاندار تھا۔ موزوں قد اور گورا رنگ، خوب صورت نیلگوں آنکھ اور گفتار شیریں و نرم تھی۔ حلیم الطبع اور رحم دِل تھا۔

ان صفات کی وجہ سے اپنی رعایا کو اس قدر عزیز تھا کہ جس دن وہ تخت نشین ہُوا تمام سلطنت میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ہر ایک نے خوشی منائی۔

عبدالرحمٰن نے اولاً فوج کی تربیت شروع کی اور تمام ممالک محروسہ میں حکم بھیجا کہ جو شاہی حکم سے انحراف کرے گا وہ قتل کیا جائے گا۔ امراء اور عہدے دار جو باغی ہو گئے تھے وہ فوراً طلب کئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہر امیر اور صوبہ دار جو خود سر تھے رام ہو گئے تھے۔

سلطان نے فوج کی آراستگی کے ساتھ باڈی گارڈ مقرر کیا جس میں عیسائی اور مسلمان بھرتی کئے گئے۔

---

[1] تاریخ اسپین صـ ۳۴۹۔

فوج کشی سلطان نے فوج کی آراستگی کے بعد باغی علاقے کی طرف توجہ منعطف کی۔

اسٹینلی لین پول "مورس ان سپین" میں لکھتا ہے:-

"عبدالرحمٰن نے باغی علاقوں پر فوج کشیاں شروع کیں تو باغیوں کو اطاعت قبول کرنے پر آدھے سے زیادہ رضامند پایا۔ اس کے سپاہی اپنے بہادر نوجوان بادشاہ کو اپنے سروں پر دیکھ کر پھولے نہیں سماتے تھے"

غرضیکہ دکھلاوے کی مزاحمت کے بعد عبدالرحمٰن کے لئے دروازے کھول دیئے گئے یکے بعد دیگرے اندلس کے بڑے شہروں نے سلطان کو اپنی دیواروں کے اندر بلا لیا۔ اشبیلیہ کی طرف عبدالرحمٰن متوجہ ہوا۔ وہاں کے لوگ خود ہی قدموں پر آگرے اس کے بعد پچھم کے بربری سردار سر کئے گئے اور الغرب کا رئیس خود خراج دینے کو دوڑ آیا۔ اس کے بعد سلطان عبدالرحمٰن ضلع ریگیور کے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا اور اس کو حسن تدبیر سے قبضہ و تصرف میں لایا۔ اس کے بعد اس کے قدم آگے بڑھتے رہے۔ بو باسٹرو تک فوج اسلامی پہنچ گئی۔ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر اپنی فتوحات کا جائزہ لیا اور عظیم الشان فتح پر دو رکعت نماز خدائے قادر کے شکر کی ادا کی۔ اس کے بعد وہ مہربانی اور معافی کے کاموں کی طرف متوجہ ہوا۔ جب تک اس قلعہ میں رہا خلوص سے خدا کے لئے روزے رکھتا رہا۔

حاکم شیبہ نے بھی اس وقت آکر سلطان کی اطاعت قبول کی۔ اس کے بعد طلیطلہ پر بھی قبضہ جمایا۔ غرضیکہ ۹۳۰ء، ۳۱۸ھ میں اپنی پوری وسعت کو عبدالرحمٰن کی حکومت پہنچ گئی۔[۱]

سلطنت کے جتنے حصے باپ دادا نے کھوئے تھے اُن کو پھر سے حاصل کرنے میں اٹھارہ برس صرف کئے لیکن یہ کام پورا ہو گیا اور شاہی اقتدار مضبوطی کے ساتھ عربوں،

[۱] مورس ان سپین صفحہ ۸۵۔

بربریوں، اسپینوں، مسلمانوں، عیسائیوں پر یکساں قائم ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کسی فریق کو خاص فوقیت حاصل کرنے نہ دی۔

سلطان نے اندلس کی حالت کو سدھارنے کے بعد افریقہ کے علاقہ پر نظر ڈالی کیونکہ اس طرف بنی فاطمہ کا اقتدار دن بدن بڑھ رہا تھا اور خلفائے بنی فاطمہ کے ارادے تھے کہ اندلس پر بھی قبضہ جمائیں حتیٰ کہ سبتہ پر ان کا قبضہ تھا۔ سلطان نے نے فقہاء کی جماعت سے کام لیا۔ انھوں نے بربریوں میں اپنی تقریروں سے شیعہ سُنی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان نے فوج جو روانہ کی اس نے ساحل کے علاقہ کو تسخیر کر لیا اور سبتہ کا مستحکم بالشان قلعہ قبضہ میں لے لیا۔ اس کی آمدنی شاندار بیڑے بنوانے میں صرف کر دی گئی جس نے تھوڑے عرصہ میں بحرِ روم میں گشت کرنا شروع کر دیا اور ہر سرحد کے عیسائیوں نے شورش بپا کی۔ ان کی سرکوبی کے لئے افسر کو روانہ کیا۔ اس نے لیون کے بادشاہ پر حملہ کیا اور اس میں کام آیا۔ اس کا سر اُتار کر قلعہ پر لٹکا یا گیا۔

اس واقعہ سے سُلطان کو سخت طیش آیا۔ اُس نے ۹۲۰ء، ۳۰۸ھ میں فوجِ گراں ہمراہ لے کر سین اسٹون پر حملہ کیا اور اس کو تباہ کر دیا۔ اور آگے النوار کی طرف متوجہ ہوا، ویلڈ بجینکر کے درّے پر مقابلہ عیسائیوں سے ہوا جن کو شکست اٹھانا پڑی۔ مسلمانوں میں بربریت عود کر آئی کہ قلعہ میوز کے باشندوں کو تہ تیغ کر دیا۔ غرضیکہ اس کامیاب جنگ سے مظفر و منصور سلطان واپس قرطبہ ہُوا۔

۹۲۹ء، ۳۱۷ھ میں الناصر لدین اللہ خطاب سے سلطان سرفراز ہُوا۔ ۹۳۷ء میں سرقسطہ کو سر کیا تھا اور النوار پر دھاوا بولا تھا۔ اس ہیبت سے ملکہ نائبۃ السلطنۃ تھوڈا نے فوراً عبدالرحمٰن کے آگے سر اطاعت خم کیا۔ مگر ایمبرو ملکہ کی طاعت گزینی کا شریک نہ تھا اس نے بغاوت کر دی ۹۳۹ء، ۳۲۸ھ میں بمقام الخندق (الھندیگا) مسلمانوں سے مقابلہ کیا۔ یہاں پچاس ہزار مُسلمان کام آئے اور سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اہلِ قرطبہ نے اس واقعہ کا بڑا سوگ منایا۔ مگر پھر جو عبدالرحمٰن نے انتقام لیا

تو سرحدیوں کی خود سری کا خاتمہ کر دیا۔ جس کا یہ اثر قرب وجوار پر پڑا کہ بقول لین پول :۔

"اس کی خوشامد کرنے کو قسطنطنیہ کے شہنشاہ اور فرانس، جرمنی اور اطالیہ کے شاہوں کے سفیر حاضر ہوئے"[1]

نظام حکومت عبدالرحمٰن نے فتوحات حاصل کرنے کے لئے مختلف ذرائع آمدنی کے ایجاد کئے۔ چون لاکھ اسی ہزار دینار اصل مالگذاری داخل خزانۂ عامرہ ہونے لگے۔ علاوہ اس کے ۷ لاکھ ۶۵ ہزار دینار مختلف ذرائع سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام آمدنی مُلک کی ملک اور رعایا ہی پر خرچ کی جاتی تھی۔ علاوہ اس کے جو روپیہ کہ بطور خراج وجزیہ عیسائیوں اور یہودیوں سے وصول ہوتا تھا وہ خاص ذاتی خزانہ شاہی میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اس آمدنی کی کوئی تعداد معین نہ تھی نہ کوئی باضابطہ حساب اُس کا رکھا جاتا تھا۔ اس میں سے ایک ثلث فوج اور اعیان وملازمان سلطنت پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک ثلث خاص سلطان کی جیبِ خاص کے لئے مقرر تھا۔ باقی کل رقم عمارات اور پلوں اور مُلک کی سڑکوں پر خرچ کی جاتی تھی۔

اس کے زمانۂ حکومت میں شہر قرطبہ خوبصورتی اور خاص قسم کی آرائش میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ عبدالرحمٰن کو ہر طرح کی عمارت کا کمال شوق تھا جن کے آثار اس وقت تک اس زمانہ کی بے نظیر صنعت وحرفت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ قرطبہ کی مشہور مسجد اور قصر الزہرا وہ عمارتیں ہیں جو دنیا میں حُسن وخوب صورتی اور صنعت معماری میں بے مثل وبے عدیل ہیں۔

اس زمانہ جدید میں اگرچہ اہلِ یورپ ہر چیز میں معاذ اللہ خدائی کا دعوے کرتے ہیں تاہم ان عمارات کو عجوبۂ روزگار سمجھتے ہیں مسجد کی تعمیر فی الحقیقت عبدالرحمٰن اعظم کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی اور ہشام نے اس کو اختتام تک پہنچایا تھا۔ لیکن

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۹۸۔

ان کے بعد بھی ہر بادشاہ نے مسجد کے بڑھانے اور شاندار بنانے میں دولت کی پرواہ نہیں کی۔

اس مسجد کا طول شرق سے غرب تک قریب قریب پانچ سو فٹ کے تھا اور اس کی خوشنما محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ سنگِ مرمر کے ستونوں پر قائم تھیں جن پر سنہرا کام کیا ہُوا تھا۔ محراب اس مسجد کی سات سنگِ مرمر کے ستونوں پر قائم اور اس قدر بلند اور خوب صورت تھی کہ صرف اس کے دیکھنے کے لئے لوگ دور دور سے آتے تھے۔ محراب کے قریب ایک بلند ممبر خالص ہاتھی دانت اور چھتیس ہزار مختلف رنگ اور وضع کی لکڑی کے ٹکڑوں سے بنا اور ہر قسم کے جواہرات سے جُڑا ہُوا رکھا تھا۔ اس ممبر ہی کی قیمت ۳۵۰۷۰۵ دینار تھی اور سات برس میں تیار ہُوا تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث نے قدیم میناروں کو گرا کر ایک نیا مینار ایک سو آٹھ فٹ بلند تیار کرایا جس میں چڑھنے اُترنے کے دو زینے تھے اور ہر زینے میں ایک سو سات سیڑھیاں تھیں۔ اس مسجد میں دس ہزار جھاڑ روشنی کے چھوٹے بڑے جلا کرتے تھے۔ جن میں سے تین سب میں بڑے جھاڑ خالص چاندی کے اور باقی پیتل کے تھے۔ بڑے سے بڑے جھاڑ میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے اور ان تین چاندی کے جھاڑوں میں چھتیس سیر تیل جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم اور خدام اس مسجد پر متعین تھے جو بخور دان میں عود و عنبر جلاتے تھے۔

مسجد کے متعلق جو جدید تعمیر اس عہد میں کی گئی اس میں دو لاکھ اکسٹھ ہزار پانچ سو تیس دینار سرخ خرچ ہُوئے تھے۔

قصر زہرا

عبدالرحمٰن نے علاوہ مسجد مذکور کے قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے پرفضا دامن میں ایک رفیع الشان قصر تیار کیا اور اس کو اپنی محبوبہ کنیز الزہرا کے نام سے موسوم کیا۔

یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر نہیں بلکہ مدینۃ الزہرا کہتے تھے اور فی الحقیقت یہ ایک چھوٹا شہر تھا جس میں علاوہ شاہی مکانات اور متعدد باغات کے ہزاروں ملازمین اور فوج شاہی کے لئے علیحدہ عمارتیں تیار کی گئی تھیں۔ اس محل کی وسعت کا صرف اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے حدود کی دیواروں میں پندرہ ہزار بلند اور مشتین دروازے نصب تھے۔

جس وقت یہ قصر ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سُرخ کی لاگت سے تیار ہوا اور سُلطان مع الزہرا کے اس میں رونق افروز ہوا اور دونوں نے اس مرغزار کو جھروکوں سے دیکھا۔ سامنے قصرِ شاہی سنگِ مرمر کی عمارات اور بُرجوں اور میناروں سے آراستہ مثل موتی کے دکھائی دیتا تھا اور اس کی پُشت پر ایک کوہ سیاہ سر بفلک کشیدہ اپنا لُطف علیحدہ دے رہا تھا۔

الزہرا نے جس وقت اس بے نظیر سماں کو دیکھا قصر اور سیاہ پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یا امیرالمومنین! یہ قصر مثل ایک معشوقہ نازنین کے ہے جو بصد ناز و انداز اس حبشی کے پہلو میں متمکن ہے۔" عبدالرحمٰن نے یہ جملہ سُن کر حکم دیا کہ یہ پہاڑ اُسی وقت بیخ و بن سے کھود ڈالا جائے۔

یہ سُن کر اُمرائے دربار نے خلیفہ سے کہا کہ انسان کی کیا مجال کہ کوہ کو جنبش دے سکے۔ اس کا اس مقام سے علیحدہ کرنا اسی خالق حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے جس نے اس کو اور ہم کو پیدا کیا۔ اس تقریر سے عبدالرحمٰن بھی اپنے دِل میں قائل ہُوا اور یہ حکم دیا کہ اس کوہ کو فوراً صاف کر کے تہہ سے چوٹی تک درختہائے میوہ دار

مثل بادام اور انجیر وغیرہ کے نصب کئے جائیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور اس جلشی نے سبز پوشاک زیب بدن کی درختہائے میوہ دار نے اپنی خوشبو سے دشت کو معطر کر دیا۔ طول اس قصر کا تقریباً چار میل اور عرض قریب تین میل کے تھا۔ ۳۲۵ھ میں اُس کی تعمیر شروع ہُوئی تھی اور پچیس سال میں ختم ہوئی ۔ دس ہزار معمار اور مزدور اور قریب قریب چار ہزار اونٹ اور خچروں سے روزانہ اس کے بنانے میں کام لیا جاتا تھا۔ قصر چار ہزار تین سو سولہ بُرجوں اور ستونوں پر جو کئی اقسام کے پتھروں مثل سنگِ مرمر وغیرہ کے بنے ہوئے تھے، قائم تھا۔ ان ستونوں میں سے بعض ستون بادشاہان یورپ مثل فرانس اور قسطنطنیہ وغیرہ نے تحفتہً عبدالرحمٰن کو بھیجے تھے۔ باقی خاص اندلس سے فراہم ہُوئے تھے۔ کچھ سنگِ مرمر معمار عبداللہ اور حسن ابن محمد اور علی ابن جعفر کی نگرانی اور ذریعہ سے افریقہ سے بھی منگایا گیا تھا۔ ان ستونوں کو اندلس پہنچانے کی اُجرت دس دینار سُرخ فی ستون مقرر کی گئی تھی ۔

قصر میں دو فوارے نصب کئے گئے تھے ایک جو سب سے بڑا تھا بیجرس کا تھا اور اس پر اس قدر ملمع کیا گیا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا اور اس پر نہایت خوشنما انسانی صورتیں بنی ہوئی تھیں۔ احمد یونانی اور ربیع پادری اس فوارے کو قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ چھوٹا فوارہ سنگ سبز کا شام سے منگوایا گیا تھا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ خلیفہ نے اس کو قصر المونس میں نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ بارہ پرند اور چرند جانوروں کی صُورتیں مختلف جواہرات اور سونے سے بنی ہوئی اس میں لگائی گئی تھیں اور ہر جانور کے مُنہ اور چونچ میں سے پانی کا فوارہ جاری ہوتا تھا۔ اس فوارے میں کاریگر نے وہ دست کاری ظاہر کی تھی کہ جن اہلِ یورپ سیاحوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بیان کرتے ہیں کہ دیکھنا اور سُننا تو ایک طرف، خواب و خیال کو بھی مجال دخل نہ تھی ۔

قصر کا ایک اور حصّہ قصر الخلفاء بھی قابلِ دید تھا۔ اس کی چھت طلائی بے غش اور سنگِ مرمر سے جو ایسا صاف و شفاف تھا کہ دوسری طرف کی چیز مثل آئینہ کے نظر آتی تھی بنی ہوئی

اور باہر کی جانب سونے اور چاندی کے سفالوں سے سجی ہوئی تھی۔ اس کے وسط میں ایک خوبصورت مرصع فوارہ نصب تھا جس کے سر پر وہ مشہور موتی جڑا تھا جس کو شہنشاہ یونان نے بطور تحفہ کے عبدالرحمٰن الناصر کو بھیجا تھا۔

سوائے اس فوارے کے قصر کے درمیان میں ایک فوارہ نما طشت پارہ سے لبریز رکھا تھا اور اس کے دونوں جانب آٹھ دروازے فیل دنداں، آبنوس کے منڈھے ہوئے تھے جو جواہرات سے مرصع تھے جس وقت ان دروازوں میں سے آفتاب کی شعاعیں آتیں اور پارے کے حوض میں جنبش پیدا ہوتی تھی تو سارا کمرہ بجلی جیسی چمک سے بھر جاتا تھا اور اہلِ دربار اپنی چکا چوند لگی ہوئی آنکھوں کو چھپا لیتے تھے۔

اس قصر میں تیرہ ہزار سات سو پچاس خدام تھے اور ملکہ زہرا کی خدمت میں چھ ہزار تین سو چودہ تھیں۔ غلام وخواجہ سرا تین ہزار تین سو پچاس تھے۔ الزہرا کے تالاب (کیرۃ الزہرا) کی مچھلیوں کو روزانہ بارہ ہزار روٹیاں ڈالی جاتی تھیں۔ غرضیکہ یہ قصر کیا تھا ایک طلسمی کارخانہ تھا۔ قصر الزہرا کے علاوہ قصر المعشوق وقصر السرور قصر التاج قصر الدمشق، یہ ایسے محلات تھے جن کا ثانی روئے زمین پر نہ تھا۔

مقری لکھتا ہے :۔

"ومن قصورہ المبثورۃ وبساتینہ المعروفۃ الکامل والمجدد والحائر والروضۃ والزاہر والمعشوق والمبارک والرستق وقصر السرور والتاج والبدیع [1]"

قصر دمشق بنی امیہ کے پرانے وطن کی یاد تازہ رکھتا تھا۔ اس قصر کی چھتیں سنگ مرمر کے ستون پر قائم تھیں اور اس کے فرش پر پچیکاری کا کام تھا اور یہ اس قدر حسین تھا کہ ایک شاعر اس کی تعریف میں کہتا ہے :

کل قصر بعد الدمشق یذم ۔۔۔ فیہ طاب الجنبتی ولذا لمشم

---

[1] مقری جلد اوّل صفحہ ۲۱۶

منظر رائق و ماء نمیر — وترعٰے عاطر وقصر الشیم
بتُّ فیه واللیل والفجر عندی — عنبر اشهب ومسك رقم

ترجمہ :-

ہر قصر بجز دمشق زشت است — از میوہ وبوئے خوش بہشت است
منظر عجیب وآب صافی — خاکش خوشبو و قصر عالی!
از صبح و شبش بہ نزد دانا — باعنبر و مشک ہست مانا

سفرائے مغرب سرزمین اندلس سے ملحق خود مختار بادشاہوں نے سلطان عبدالرحمٰن کی خوشنودیٔ مزاج اور رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے سفر قرطبہ بھیجے۔ چنانچہ ۳۳۶ھ ۹۴۷ء میں قسطنطین شہنشاہ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف بذریعہ سفیر بھیجے۔ خلیفہ نے سفیر کا نہایت اعزاز واحترام کیا۔ شہر کثرت آئینہ بندی اور آرائش سے مثل دُلہن معلوم ہوتا تھا۔ نئے ساز وسامان واسلحہ سے آراستہ قصر اور دربار کی آراستگی کی تعریف نہیں ہوسکتی تھی۔ تخت پر خلیفہ رونق افروز، گرد وپیش شہزادے اور والیانِ مُلک اور ارکانِ سلطنت دست بستہ حاضر۔ جس وقت سفیر اور اس کے ساتھی سامنے پیش ہُوئے تو رُعب وداب شاہی اور دربان کی شان وشوکت دیکھ کر دنگ ہوگئے اور سر جھکائے تخت کے قریب آکر اپنے بادشاہ کا نامہ پیش کیا۔

عبدالرحمٰن نے علماءِ حاضر دربار کو حکم دیا کہ وہ اسلام کی شان وشوکت اور بزرگی اور خلفائے اندلس کی فتوحات بیان کریں۔ لیکن حاضرین دربار کے دلوں پر کچھ ایسا رعب چھایا ہُوا تھا کہ ان مشہور علماء میں یکے بعد دیگرے ہر شخص نے تقریر شروع کی لیکن دو چار لفظوں سے زیادہ نہ کہہ سکے۔

خلیفہ نے ولی عہد الحکم کے اتالیق ابوعلی القالی کی طرف اشارہ کیا یہ حال ہی میں عراق سے اندلس آیا تھا اور علم وفضل میں بے نظیر سمجھا جاتا تھا مگر اس کو بھی یارائے گویائی نہ ہُوا۔

یہ حالت دیکھ کر منذر ابن سعید اپنے مقام پر کھڑا ہُوا گو مثل علمائے دیگر کے اس کا

علم و فضل اس قدر مشہور نہ تھا۔ لیکن اس نے اس خوش اسلوبی اور نہایت شستہ تقریر میں خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور ایک ایسا پُرجوش برجستہ قصیدہ پڑھا کہ اہلِ دربار کی زبانوں پر تعریف جاری ہو گئی۔ خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کو اسی وقت قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز کیا۔

اس دربار کے بعد عبدالرحمٰن نے کئی روز تک سفیروں کی مہمانداری کی اور ہشام بن ہذیل کو اپنی جانب سے بصیغۂ سفارت یونانی سفیر کے ساتھ قسطنطنیہ روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی غرض سے ایک معاہدہ لکھوائے۔ ہشام دو سال کے بعد کامیاب واپس آیا۔ اُس کے بعد ذوتو بادشاہ سلاونزا اور شاہان المان اور فرانس نے یکے بعد دیگرے اپنے سفیر عبدالرحمٰن کے پاس بھیجے خلیفہ ان سب سے نہایت اخلاق و مروت کے ساتھ پیش آیا اور مناسب جوابات اور خلعت فاخرہ سے سرفراز فرما کر ان سب کو رخصت کیا۔

لین پول لکھتا ہے :۔

"عبدالرحمٰن کی سلطنت کا نصف دور بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ اُس نے سارے ممالک اسلامیہ میں اس سرے سے اُس سرے تک امن و امان و نیک عملی قائم کر دی۔ فرقوں کی حکومتیں دُور کیں اور اپنی رعایا کی ساری جماعتوں پر سلطان کا ہی اقتدار تھا اور ان کے قلوب پر سکّہ بیٹھ گیا تھا۔ دوسرے نصف میں اُس نے بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی سلطنت قائم کی اور اندلس کو صاحبِ عظمت اور مرفہ الحال بنا دیا۔ قرطبہ کبھی ایسا مالا مال اور خوشحال نہیں ہوا تھا جیسا کہ عہدِ عبدالرحمٰن ثالث میں ہوا۔"

غرضیکہ قرطبہ عہدِ سلطان عبدالرحمٰن میں معراجِ کمال پر پہنچ گیا تھا جہاں متعدد قصور، صفہ، مساجد، عدالت، شفاخانہ، دارالخیرات، پُل، فصیل، نہر، رصدگاہ، خانقاہ، رباط اور قلعے وغیرہ تعمیر تھے [1]

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۹۹ ۔

علمی ترقی شہر قرطبہ میں مدارسِ ثانیہ کی تعداد آٹھ سو کی تھی۔ سب سی بڑی جامعہ (یونیورسٹی) جامع مسجد اعظم تھی۔ یہی وہ جامعہ ہے جہاں سے حکیم ابن رشد، ابن سعد ادریسی، ابن بشکوال، ابن زہر، ابن طفیل، اسقوطیہ ابن حزم، ابن زیدون المنصور ابوالقاسم اوّلین موجد طیارہ اور ابن عمار جیسے باکمال و یگانۂ روزگار افراد نکلے۔

اس جامعہ میں فلسفہ، منطق، ریاضی، طبیعات، طب، قانون، فلکیات الہیات حدیث و فقہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ صرف مسلم طلباء ہی نہیں بلکہ فرانس، اطالیہ، جرمنی اور انگلستان کے طالب علم علماء عرب سے علوم تحصیل کرتے تھے۔ نصرانیت کے سب سے بڑے پیشوا اسلوسٹر پاپائے روم نے بھی اس جامعہ میں تعلیم پائی۔

قرطبہ میں جامعہ کے سوا خلفائے اندلس کا دربار خود ایک جداگانہ کالج تھا جہاں ہر وقت علماء مبصرین کے مناظرے و مباحثے ہوا کرتے تھے۔

دربارِ خلافت کے علاوہ ہر والی کا دیوان خانہ علماء و فقہاء اطباء و مہندسین شعراء و محققین کے گھر اور درس گاہ بنی ہوئی تھی۔

شہر کے ایک حلقہ میں ... تعلیم یافتہ، زاہدہ، عابدہ، خوشنویس خواتین ایسی رہتی تھیں جو خطِ کوفی میں کلام مجید لکھا کرتی تھیں۔

لین پول "مورس ان اسپین" میں لکھتا ہے :-

"سائنس (علوم) کی ہر شاخ کی قرطبہ میں تعلیم ہوتی تھی اور علم طب میں جتنی ترقی جالینوس کے زمانہ سے اس وقت تک کل صدیوں میں ہوئی تھی اس سے کہیں زیادہ اور عمدہ اضافہ یہاں کے حکماء و اطباء کی تحقیقاتوں اور تجربوں سے ہوا۔ ابوالقاسم جس کو اہل مغرب البوکیس کہتے ہیں ایک نامور سرجن تھا۔ ابن زبیر (ادن زور) بھی موجد علم جراحی تھا۔ ابن بیطار علم نباتات کا ماہر بھی یہیں کا تھا"[1]

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۱۰۳

نفح الطیب میں ہے :۔

" فنون میں اندلس بہت فائق تھا۔ قرطبہ میں ایک لاکھ تیس ہزار حریر باف تھے۔ علوم وفنون تہذیب میں مسلمانوں کا شہر قرطبہ فی الحقیقت ساری دُنیا کا سب سے زیادہ چمکیلا و پُر رونق تھا "

وادی الکبیر پر پُل تعمیر کیا گیا تھا۔ سترہ محرابیں اس پُل کی تھیں۔ سارا قرطبہ عالی شان، عمارتوں سے مامور تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ امراء و عہدے داروں کے ایک لاکھ سے زیادہ عوام کے مکان تھے۔ سات سو مسجدیں اور نو سو حمام تھے۔ ۸۰۴۵۵ دوکانات تھیں۔

شاہراہ | پتھر کی سڑکیں دونوں جانب راہرو کے لئے پٹریاں تھیں۔

روشنی | بقول علامہ ابوالولید اسمٰعیل مشقندی رات کو دس میل تک قرطبہ کے چراغوں کی روشنی میں مسافر جا سکتا تھا۔

آبادی | قرطبہ کی آبادی گیارہ لاکھ اور اندلس کی چھ کروڑ تھی۔

صفائی | قرطبہ میں بدر ونالیاں بکثرت تھیں۔

آب رسانی | جبل قرطبہ سے تین میل کے فاصلے سے تمام شہر میں جست کے نلوں کے ذریعے سے پانی لایا گیا تھا۔ امراء کے محلات میں سنگِ مرمر کے سقائے تھے۔ ٹوٹیاں سنہری اور روپہلی لگی تھیں۔ فوارے جا بجا نصب تھے۔ فصیل قرطبہ عبدالرحمٰن الداخل نے تعمیر کرائی تھی۔ دورِ فصیل کا ۱۴ میل کا تھا۔

دروازے | نو دروازے فصیل میں تھے۔ باب القنطرہ باب جزیرۃ الخضرا باب سرقسط۔ باب ابن عبدالجبار باب رومیہ، باب طلبیرہ، باب عامر القرشی باب بطلیوس باب العطار۔

حلقہ | شہر پانچ حلقوں میں منقسم تھا۔ ربض شقندہ، ربض الیہود، ربض مسجد ام مسلمہ۔

ل قصبہ المریہ میں ریشمین کپڑوں و قالینوں کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ میجورقہ میں کاسہ گری کے کارخانے تھے۔ شیشے کے ظروف وہاں بنتے تھے۔ پیتل اور لوہے کے ظروف المریہ میں بنتے تھے۔

ربض محلہ ربض رصافہ، ربض البیع، ربض الرقافین۔ ربض مسجد اُنقاد۔ ربض الروضتہ۔ ربض مسجد مسرور مشہور محلے تھے۔

قرطبہ سے بارہ بارہ دری سید یحییٰ ابن ابو یعقوب قصر المصحفی، قصر السرادق، باغ سدرہ تعمیر تھے۔

قاضی مُنذر مدینتہ الزہرا کی دلچسپی نے عبدالرحمٰن کو ایسا اُلجھائے رکھا کہ چند جمعہ کی نمازیں وہیں کی مسجد میں ادا کیں۔ ایک جمعہ کو جامع مسجد نماز پڑھنے کے لئے چلا۔ جامع اعظم میں قاضی المُنذر[1] نمازِ جمعہ پڑھاتے تھے۔ جب عبدالرحمٰن قاضی کے سامنے آئے تو خطبہ میں ایسی تہدید و تنبیہ کی کہ امیرالمؤمنین کا چہرہ شرم و ندامت سے سُرخ ہو گیا۔ اس کے بعد سے پھر نماز جمعہ سلطان نے کبھی ترک نہ کی۔

نماز استسقاء مدینتہ الزہرا کے میدان میں نماز استسقاء کے لئے خلیفہ عبدالرحمٰن گئے۔ اہلِ قرطبہ بھی لاکھوں پہنچے۔ امساک باراں سے ملک بے حال تھا۔ قاضی المنذر ایک بلند و بالا مقام پر مجمع کو دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے کہا۔ جلالت مآب تشریف لا رہے ہیں۔ قاضی نے بے رخی سے کہا یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے! وہ مدینۃ الزہرا میں آرام کریں۔ کسی ندیم نے یہ فقرہ الناصر سے جا لگایا۔ وہ سُن کر بے اختیار رونے لگا۔ عمامہ اُتار کر زمین پر ڈال دیا۔ برہنہ سر برہنہ پا باحال تباہ بارگاہ غفور الرحیم میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگا کہ الٰہی میرے گناہوں کی پاداش میں میری رعایا کو کیوں ستاتا ہے مجھ کو سزا ملے لیکن میری رعایا کی تکلیف دُور کر دے۔

الناصر کا حال روتے روتے بے حال ہو گیا۔ ڈاڑھی جو آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی اب سرخ بجری سے لت پت ہو گئی۔ المنذر نے اس کی الحاح و زاری سُن کر کہا کہ مسلمانو!

---

[1] القاضی المنذر البلوطی رحمہ اللہ القاضی قضاۃ الاندلس کان اماماً فصیحاً خطیباً شاعراً ادیباً کثیر الفضل جامعاً لصنوف من الخیر والتقویٰ والزہد و لہ مصنفات

البدایۃ والنہایہ للحافظ عماد الدین ابی الفداء دمشقی الجزء الثامن ص ۲۸۹۔

ذرا اور خضوع وخشوع سے دُعا مانگو باب رحمت کھلنے والا ہے۔ کیونکہ جب جبابرۂ دُنیا سے عجز و انکسار ظاہر ہوتا ہے تو جبارِ آسمان کو رحم آتا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ لوگ ابھی میدان میں جمع تھے کہ نزولِ بارانِ رحمت ہُوا اور لوگ بھیگتے ہُوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔

ملکہ مرجانہ

ملکہ مرجانہ والدہ ولی عہد الحکم مستنصر باللہ بڑی فاضلہ عورت تھی اور بڑی شاعرہ۔ ایک روز عبدالرحمٰن الناصر نے فصد لینے کے لئے طبیب کو طلب کیا۔ طبیب چاہتا تھا کہ نشتر لگائے۔ دفعتاً ایک مینا اُڑتی ہوئی آئی اور مکان کے اندر سونے کے گلدستہ پر جو قریب رکھا تھا بیٹھ گئی اور یہ شعر پڑھا ؎

أَيُّهَا الْفَاصِدُ رِفْقاً بِأَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَا
إِنَّمَا تَفْصِدُ عِرْقاً فِيْهِ مُحْيِ الْعَالَمِيْنَا

ترجمہ:۔ اے فصد کھولنے والے نرمی سے امیرالمومنین کی فصد کھولنا۔ اس لئے کہ جس رگ پر تو نشتر لگانا چاہتا ہے یہ رگ اُس کی ہے جو زندہ کرنے والا عالموں کا ہے"

سلطان پھڑک گیا۔ پُوچھا یہ کس کی مینا ہے؟ کوئی جواب دے کہ مینا نے کہا میں ملکہ مرجانہ کی مینا ہوں۔ الناصر بہت خوش ہُوا اور بطور تحفہ اپنی بی بی مرجانہ کو تیس ہزار دینار سُرخ دیئے۔

لہ خلافتِ اندلس صک۱۲۷۔

خلیفہ الحکم ثانی المستنصر باللہ

سلطان عبدالرحمٰن الناصر نے الحکم کی تعلیم و تربیت علامہ عثمان ساکن بلنسیہ سے دلائی۔ علامہ عثمان ساکن بلنسیہ درباری علماء سے تھا۔ یہ مصحفی کا باپ تھا۔ دیگر علماء دربار کی صحبت میں عالم شہزادگی میں عموماً الحکم وقت گزارا کرتے تھے ان کو زیادہ شوق کتب بینی کا تھا۔ لڑائی جھگڑے سے اُن کو نفرت تھی۔ ذہین طبع، خوش مذاق، متواضع علماء کا احترام کرنے والا اور طبیعت میں انصاف اور رواداری کوٹ کوٹ کر قدرت نے اس کے طبائع میں بھر دی تھی۔ غیر متعصب بادشاہ تھا جو مسلمانوں کے ساتھ کرتا وہی نصاریٰ و یہود کے ساتھ حسنِ سلوک روا رکھتا۔

تخت نشینی ۳۵۰ھ، ۹۶۱ء میں باپ کی جگہ تخت نشین ہوا اس نے عقلی علوم و فنون کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ مصر و بغداد سے ان علوم کی کتابیں منگوا منگوا کر اس کثرت سے جمع کیں کہ خلفائے عباسیہ کا دورِ حکومت اپنے علمی ساز و سامان کے ساتھ لوگوں کی نگاہ کے سامنے آ گیا۔ علامہ ابن صاعد اندلسی لکھتا ہے:-

"اس نے بغداد مصر اور اُن کے علاوہ دیارِ مشرق سے علوم قدیم و جدیدہ کی نہایت عمدہ کتابیں منگوائیں اور اُن کو اپنے باپ کی بقیہ زندگی کے زمانے میں پھر اُس کے بعد اپنے دورِ حکومت میں اس طرح جمع کیا جو خلفاءِ عباسیہ کے اس علمی سرمایہ کی ہمسری کرنے لگا جو انہوں نے ایک طویل زمانے میں جمع کیا تھا اور اُس کی یہ سرگرمی صرف اس لئے تھی کہ اس کو علم سے محبت تھی کسبِ کمالات میں نہایت بلند ہمت تھا اور ان سلاطین کے مشابہ بننا چاہتا تھا جو بادشاہ ہونے کے ساتھ حکیم بھی تھے۔ اس کا نتیجہ یہ

ہُوا کہ لوگوں نے اس کے زمانہ میں متقدمین کی کتابوں کے پڑھنے کی طرف نہایت شدت سے توجہ کی اور ان کے مذاہب کی تعلیم حاصل کی۔“ [1]

ڈوزی لکھتا ہے :-

”گو خلیفہ الحکم کے بزرگ بھی عالم و علم دوست اور کتابیں جمع کرنے کے شائق تھے لیکن الحکم کے برابر عالم و فاضل بادشاہ اسپین میں نہیں گزرا۔ نہ علوم و معارف میں کسی کو اتنی قدرت ہُوئی اور نہ کسی نے اتنی کتابیں جمع کیں۔ خلیفہ کے گماشتے قاہرہ، بغداد، دمشق اور اسکندریہ میں موجود رہتے۔ یہ لوگ کتابیں نقل کرتے یا ان کو مول لیتے تھے قطع نظر اس کے کہ کتاب پرانی ہے یا نئی جس قیمت پہ ملتی خرید لی جاتی۔ ان نادر خزانوں سے الحکم کا قصر معمور تھا۔ ہر طرف کاتب، خطاط اور جلد ساز بیٹھے کام کرتے تھے۔

المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں پچاس ورق تھے۔ ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہُوئے تھے۔ بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ بقول بعض کے چھ لاکھ تھی اور تمام کتابوں کو الحکم نے خود پڑھا تھا۔ ان میں سے اکثر پر حواشی الحکم نے نہایت محنت سے لکھے تھے [2] ادبیاتِ عرب یعنی فنِ رجال اخبار و انساب میں خلیفہ الحکم اپنا مثل نہ رکھتا تھا۔

ایران اور شام میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں، مشرق میں ابھی کوئی ان کو پڑھنے بھی نہ پاتا تھا کہ خلیفہ کو ان کی خبر لگ جاتی تھی۔ چنانچہ مؤرخ ابوالفرج اصفہانی عراق میں کتاب الاغانی جس میں عرب کے شعراء اور مغنیوں کے حالات لکھ رہا تھا اس کو الحکم نے ایک ہزار دینار سرخ اس درخواست کے ساتھ بھیجے کہ کتاب ختم ہوتے ہی اس کی نقل فوراً قرطبہ روانہ

---

[1] طبقات الامم ابن ساعد اندلسی [2] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۸۰

کی جائے ۔

علماء کے حق میں خواہ اسپین کے ہوں یا باہر کے مستنصر باللہ نہایت سخی تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کے دربار میں اہلِ علم کا مجمع رہتا تھا۔ خلافت پناہی نہ صرف علماء کو بلکہ فلسفیوں کو بھی اپنی پناہ میں لے لیتے تھے۔ تاکہ وہ متعصب لوگوں سے بے خوف ہو کر تحصیلِ علوم میں مصروف رہیں ''

ایسے معارف پرست اور علم دوست بادشاہ کے سایۂ عاطفت میں تمام علوم و فنون کو ترقی رہی۔ ابتدائی مدارس اچھے تھے اور بہت تھے۔ اسپین اسلامیہ میں ہر متنفس لکھنا پڑھنا جانتا تھا لیکن مسیحی یورپ میں سوائے بڑے درجہ کے لوگوں یا پادریوں کے سب ناخواندہ ہوتے تھے۔ نحو اور معنی کی تعلیم بھی مدارس میں عام تھی ۔

غریبوں کے خیال سے ستائیس مدرسے ایسے کھول دیئے کہ غریبوں کے بچے مفت تعلیم پائیں معلموں کی تنخواہ بادشاہ کے صرفِ خاص سے ملتی تھی۔ جامع مسجد قرطبہ میں جہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا ابوبکر بن معاویہ قرشی حدیث کا سبق دیتے تھے ۔

ابوعلی القالی بغدادی نے ایک بہت بڑی مستند کتاب زبانی لکھوا ڈالی نحو کی تعلیم ابن القوطیہ دیتے تھے ۔

اس دارالعلوم میں طلباء کی تعداد جو اُن علماء کے درس میں حاضر ہوتے تھے ہزار ہا تھی۔ اکثر طلباء فقہ پڑھتے تھے۔ کیونکہ اس علم کو پڑھ کر ان کو سلطنت میں عہدے ملتے تھے [1]

جنگیں خلیفہ مستنصر کی طبیعت کو جنگ سے لگاؤ نہیں تھا گو تھا بڑا بہادر، فن سپہ گری کا ماہر، سرحدی بادشاہ دس غرسیہ، فرڈ بنید وغیرہ نے سر

---

[1] مقری جلد اوّل صفحہ ۱۲۶ ۔

اُٹھایا تو ۹۶۲ء میں الحکم نے والیان صوبجات کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

اسی اثناء میں اردون چہارم لیون کے مسیحی امراء کو جو اس کے غم گسار تھے، ساتھ لے کر مدینہ سالم آیا اور غالب مولائے الحکم سے جو مدینہ سالم کا حاکم تھا التجا کی کہ خلیفہ کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ اس نے سلطان کو لکھا وہاں سے حکم آیا کہ اس کو یہیں بھیج دو۔ چنانچہ غالب نصرانی بادشاہ کو لے کر اپریل ۹۶۲ء ۳۵۱ھ میں قرطبہ آیا۔ راہ میں دربارِ خلافت کے افسران سوار مہمان کی پیشوائی کے لئے موجود تھے۔ اردون نے افسران سوار کی بڑی خوشامد کی کہ وہ بھی سفارش کریں۔ قرطبہ کے داخلہ کے وقت روضہ ناصر پر گیا اور سر سے ٹوپی اُتار لی۔ پھر قصر ناطور میں ٹھہرا۔ اردون پُرتکلف و آراستہ قصر میں قیام کرنے کے بعد اطلاع ملی کہ خلافت مآب قصر زہرہ میں اس کو شرفِ حضوری بخشیں گے۔

اردون نے دیبائے سپید کا لباس پہنا اور ایک رومی ٹوپی سر پر رکھی جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر اندلس اسلامیہ کے چند مسیحی امراء مثلاً قرطبہ کے عیسائیوں کا قاضی ولید بن خیزران اور طلیطلہ کا مطران عبید اللہ بن قاسم اس غرض سے اردون کے پاس آئے کہ دربار مستنصر میں حاضری سے پہلے وہاں کے قواعد اور آداب سے جن کی پابندی لازمی ہے، اردون کو آگاہ کر دیں۔

قصر ناطورہ سے قصر زہرا تک تمام راستے میں فوجوں کی صفیں دو طرفہ کھڑی تھیں جس کا اثر ان لوگوں پر یہ پڑا کہ خوف زدہ ہو کر نظر نیچی کر کے نشانِ صلیب ہاتھ کے اشارہ سے بنانے لگے۔

قصر زہرا کے پہلے دروازہ پر جب پہنچے تو سوائے اردون اور اس کے لیونی سرداروں کے سب لوگ گھوڑوں پر سے اُتر پڑے۔ باب السدہ پر لیونی سردار بھی پیدل ہو گئے۔ صرف اردون اور ابن طملس جس کی خدمت خلیفہ کے سامنے اردون کو پیش

کرنے کی تھی۔ گھوڑوں پر سوار رہے۔ صحن میں اس نشست کے پاس آ گئے جو اُن کے لئے مقرر تھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شانجہ کو طلب امداد کے لئے خلیفہ کے سامنے حاضر ہونے کا انتظار کرنا پڑا تھا۔

کسی قدر توقف کے بعد لیونی مہمانوں کو دربارِ خلافت میں حاضر ہونے کا حکم ہُوا۔ ایوان کے دروازے سے اردون نے ادب سے ٹوپی اور پھر ردا اُتار دی۔ اس کے بعد اُسے تخت کے قریب آنے کا اذن ہُوا۔

خلیفہ اس وقت مجلس شرقی میں سریر آرائے سلطنت تھے۔ ان کے بھائی بھتیجے، وزراء اور امراء اپنے اپنے مرتبہ پر چپ و راست بیٹھے تھے۔ انہی میں قاضی القضاۃ منذر بن سعید اور دیگر حکام اعلیٰ قدر اور فقہاء بھی تھے۔

اردون تخت خلافت کی طرف آہستہ آہستہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر تعظیم دیتا ہُوا تخت کے نزدیک پہنچا۔ خلافت پناہی نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اُس نے بوسہ دیا اور پیچھے قدموں ہٹا اور دیبا کی مطلا مذہب مسند پر بیٹھ گیا۔ یہی طریقہ ہمراہیوں کا تھا۔

اردون کا ترجمان، قاضی ولید بن خیزران پہلے سے دربار میں حاضر تھا۔ خلیفہ نے بخندہ پیشانی اردون سے خطاب کیا کہ تمہارا ہمارے حضور آنا باعثِ کامیابی ہُوا۔ ہمارے جود و سخا سے تمہاری امیدیں بر آئیں گی۔ تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے اچھے مشیر ہیں اور جتنا تم مانگو گے اس سے زیادہ پاؤ گے۔"

اردون یہ سُن کر بہت خوش ہُوا اور اُٹھ کر تخت کی سیڑھیوں کے غالیچہ کو چُوم کر کہنے لگا۔

"میں امیر المومنین کا غلام ہوں اپنا آقا اور مالک سمجھتا ہوں۔ حضور کے مراحم خسروانہ پر بھروسہ ہے۔"

اس کے بعد اس کا مُلک بخش دینے کا حکم خلیفہ نے دے دیا اور خلعتِ فاخرہ عنایت ہُوا۔

یہاں کے واقعات اس کے ابنِ عم شانجہ کو پہنچے وہ پریشان ہو گیا اور دربار

میں اپنے نمائندے بھیج کر عرضداشت پیش کی کہ جو حکم خلافتِ پناہی سے ملا ہے اس کو بسر وچشم منظور ہے۔

اسی طرح جلیقیہ کے رئیس اکبر کونٹ روڈریگو ولاسیکز نے اپنی ماں کو خلیفہ مستنصر کے دربار میں بھیجا۔

نفح الطیب میں ہے:۔

الحکم نے اس ملکہ کے استقبال کے لئے اپنے اہلِ دولت کو بھیجا اور اس سے ملاقات کے لئے ایک دن دربار کیا۔

یہ دن بھی یادگار تھا کونٹ روڈریگو (الرزیق) کی ماں کو کامیابی ہوئی اور اس کے بیٹے سے عہدنامہ صلح ہو گیا۔ ملکہ کو بہت سامال عطا ہوا اور وہ اس قدر تھا کہ اُس نے اپنے ہمراہیوں میں اُسے تقسیم کیا۔ خود اس کو بھی بہت سے تحائف دیئے گئے اور سواری کے لئے ایک بہت قیمتی خچر زریں زین ولگام کا جس پر دیبا کا زین پوش پڑا تھا دیا گیا۔"

سرحد کے جن عیسائی حکمرانوں نے سر اُٹھایا اس کا سر کچل دیا گیا۔ اردون مر گیا تو شانجہ نے فرولند، قومس تشتالیہ اور بادشاہ بزہ اور نوابان قیطلونیہ بوریل اور میر دن کو گانٹھ لیا اور نقضِ عہد کیا۔ الحکم نے توجہ کر کے ان کی سرکوبی کر دی۔ غالب سپہ سالار نے فرولند کو شکست دی۔ اس کے بعد عرسیہ کو بھی کچلا اور شہر قلہرہ کو فتح کر لیا غرضیکہ شانجہ بادشاہ لیون ۹۶۶ء، ۳۵۶ھ میں خلیفہ مستنصر باللہ سے امان کا خواستگار ہُوا۔ قیطلونیہ وغیرہ بھی خلیفہ کے قدموں میں آ گرے۔ ان کے سرحدی قلعے مسمار کر دیئے گئے۔

اب اندلس میں امن وامان تھا۔ علمی چہل پہل تھی۔ پندرہ سال حکمرانی کر کے اکتوبر ۹۷۶ء، ۳۶۹ھ میں الحکم نے انتقال کیا۔

مذہب الحکم نہایت پابندِ مذہب اور متشرع تھا۔ نمازِ جمعہ ہمیشہ مسجدِ قرطبہ میں اپنی رعایا کے ساتھ پڑھتا تھا۔

علماء اور حکام کو تاکید تھی کہ قلمرو میں کسی فرد سے کوئی فعل خلافِ شرع سرزد نہ ہونے پائے۔ شراب فروشوں اور مے نوشوں کو سخت سزا دیتا۔ کروڑہا روپیہ مدارس اور مساجد پر خرچ کرتا تھا۔

آثار حمام سرائیں اور آب دار خانے اور تجارت گاہیں تمام ممالک محروسہ میں بخرچ سرکاری قائم ہوئیں۔

اخلاق الحکم بڑے اونچے اخلاق کا انسان تھا رحم دل بے حد تھا۔ اکثر عدول حکمی سے چشم پوشی کرتا۔ علماء کا بڑا احترام کرتا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابراہیم فقیہہ مسجد ابو عثمان میں وعظ کہہ رہے تھے، ہزارہا علماء و طلباء فقیہہ کے وعظ میں تھے کہ سلطانی خواجہ سرا مسجد میں آیا اور فقیہ سے کہا۔ خلافت پناہ یاد فرماتے ہیں اور منتظر ہیں۔ فقیہہ نے کہا کہ میں امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرتا۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو میں خانۂ خدا میں اپنے معبود برحق کے کام میں مشغول ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر مل سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر فقیہ وعظ کہتے رہے۔

خواجہ سرا ڈرتے ڈرتے خلیفہ کے پاس حاضر ہوا اور جواب پہنچایا۔ اور پھر مسجد میں آکر ابراہیم سے کہا۔ امیر المؤمنین نے بعد سلام کے کہا ہے کہ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تم خدا کے کام میں بدل مصروف ہو۔ بعد ختم وعظ فقیہ کو دربار میں آنے کے لئے خواجہ سرا نے کہا۔ فقیہ بولا۔ خلیفہ سے کہنا میں کمزور بہت ہوں باب الصنع جو مسجد سے قریب ہے کھلوا دیجئے تو آؤں۔ وہ دروازہ کھلا تو ابراہیم گئے۔ خلیفہ بے حد اعزاز و اکرام سے پیش آیا۔

الحکم کا دربارِ علمی

الحکم علم و کمال کا والہ و شیدا اور علم و فن کا فریفتہ تھا۔ اہلِ کمال دور دور سے اس کی بیدار مغزی اور قدر دانی کی خبریں سن کر اندلس کی طرف کھنچے چلے آتے

تھے۔ قلیل عرصہ میں اُس کا دربار مشہور علمائے وقت اور کملائے عصر سے معمور ہوگیا۔

ابو علی القالی بغدادی صاحب الامالی کی یہ قدر تھی کہ الحکم اپنے پاس سے ایک دم جُدا نہ کرتا تھا۔

ابو بکر الازرق اپنے عہد کا نامور عالم تھا۔ ۳۴۲ھ ۹۵۳ء میں قاہرہ آیا۔ وہاں سے ۳۴۹ھ ۹۶۰ء میں قرطبہ پہنچا۔ الحکم کے دربار کا رکن بنا۔ ۵۶ سال کی عمر میں ۳۸۵ھ ۹۹۵ء میں انتقال کیا۔

ثقر البغدادی اپنے زمانہ کا نامور خوشنویس تھا۔ وطن سے قرطبہ آرہا۔ الحکم کے دربار کا خوشنویس ہوگیا القیاس ابن عمر الصیقلی۔ یوسف البلوطی مقابلی خوشنویس تھے۔ یہ بھی دربار الحکم سے وابستہ تھا۔

اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن ابن علی القرشی قاہرہ سے اندلس آیا۔ الحکم کے دربار سے متعلق ہوگیا۔

قاصح بن اصفی، احمد بن وہیم محمد بن عبدالسلام، زکریا ابن خطاب، ثابت ابن قاسم بھی دربار سے وابستہ تھے۔ ان کے اہتمام میں کتب خانہ الحکم تھا۔ الحکم کا سرکاری طبیب ابو عبداللہ محمد ابن عبدون العذری تھا۔

فقیہ ابو عبداللہ محمد ابن مفرج جنھوں نے علم و فقہ اور حدیث میں نام پایا ہے۔

شعراء ابن مغیث اور احمد ابن عبدالملک اور ابن ہشام القوی یوسف ابن ہارون ابوالولید یونس۔ احمد ابن سعید ابن ابراہیم الہمدانی شعرائے دربار سے تھے۔

مؤرخین محمد بن یوسف التاریخی جو الورق کے لقب سے مشہور ہے درباری مورخ تھا۔ اس نے خلیفہ الحکم کے حکم سے ایک صحیح تاریخ ملک افریقہ کی مع جغرافیہ کے لکھی۔ عیسیٰ بن محمد ابوالاصبغ اور ربیع ابن فرج اور یعیش ابن سعید ابن محمد ابن ابو عثمان اندلس کے نامی مؤرخ تھے۔ ان کی تصانیف الحکم کے کتب خانہ میں تھیں۔

سُلطان ہشام ثانی المؤید باللہ

الحکم نے مرنے سے پہلے ہشام کو ولی عہد قرار دیا۔ اس کی عمر گیارہ سال کی تھی اور اپنے معتبر حاجب ابوالحسن جعفر بن عثمان الملقب[1] بہ مصحفی کے سپرد کیا کہ تم اس کم عمر بادشاہ کے نگران رہنا۔

ہشام کی والدہ ملکہ عورہ (صبیح) نے حکم کے زمانہ میں انتظام مملکت میں دخل دینا شروع کر دیا تھا۔ جس وقت ہشام ثانی تخت نشین ہوا تو وہی ملکہ صاحب اقتدار بنی رہی آخر ابن ابی عامر مشہور المنصور نے ملکہ کی قوت کو توڑا اور ہشام کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ المنصور مصحفی کو ہٹا کر خود حاجب بن گیا۔ خلیفہ ہشام محل سرا کے ہو کے رہ گئے۔

---

[1] ابوالحسن جعفر بن عثمان الملقب بہ مصحفی علاقہ عثمان علاقہ بلنسیہ کے بربری عالم تھے۔ ابوالحسن نے باپ سے اور دیگر علماء قرطبہ سے تحصیل علم کی الحکم استاد زادہ سے انس رکھتے تھے اپنا معتمد خاص بنایا پھر شہر کی فوج محافظ کی خبر رسانی کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ بعد کو جزیرہ میورقہ کے حاکم ہوئے۔ آخر میں درجہ اوّل کی وزارت پر ممتاز کئے گئے۔ مگر وہ سیاست اور تدبر مملکت میں اعلیٰ قابلیت نہ رکھتا تھا۔ وزیر ہوتے ہی تمام اعلیٰ مناسب کو اپنے کنبہ کے افراد پر تقسیم کر دیا اور فضول خرچ زیادہ تھا یہی سبب اس کے زوال کا ہوا۔

ابن ابی عامر المنصور وزیر ہشام ثانی

المنصور کا باپ عامر عبداللہ دارالعلوم قرطبہ کا ذی علم فقیہ و محدث تھا جس کا سلسلہ نسب عبدالملک المعافری سے ملتا ہے جو طارق کے ساتھ اندلس آیا تھا۔ المنصور نے دارالعلوم میں علمی منازل طے کیے۔ طالب علمی کے زمانہ میں وہ حاجب بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا بلکہ اپنے ہم سبقوں سے ذکر کرتا تو وہ مذاق اڑاتے اور ان دوستوں سے کہتا کہ تم کو کون کون سے عہدے دوں؟ وہ ازراہ تفریح قاضی کوتوال وغیرہ عہدوں کے طلب گار ہوتے۔ المنصور نے وعدہ کر لیا۔

المنصور فارغ التحصیل ہو چکا تو اس نے پہلے پہل دربار کے ملازموں کے خطوط نویسی کی خدمات انجام دیں۔ تھوڑے عرصہ بعد مصحفی جو اعلیٰ حاجب تھا اس تک رسائی ہو گئی۔ اس نے اس ہونہار طالب علم کی بڑی قدر کی اور دربار سلطان میں اس کو خطوط نویسی کی خدمت سپرد کر دی' اس تعلق سے محلات سلطان تک پہنچ ہو گئی۔ ملکہ عروہ صبیح بھی اس کی حسن لیاقت کی قدر کرنے لگی۔ اس نے سلطانہ صبیح کو ایک مکان کا نقشہ چاندی کا نذر کیا۔ بلکہ ایک عمر رسیدہ خاتون تھی مگر بڑی تجربہ کار عورت تھی۔ اس نے نظام سلطنت کی حالت بگڑتے دیکھ کر المنصور کو نوازا تاکہ اس لائق نوجوان سے حکومت سنبھلی رہے۔

المنصور ایک عرصہ تک ولی عہد ہشام کا اتالیق بھی رہا تھا۔ المنصور کی اکتیس سال کی عمر تھی کہ اس نے اپنے اخلاق، سخاوت اور مصیبت زدوں کی دستگیری سے تمام قرطبہ کی رعایا کو گرویدہ بنا لیا اور ہشام کی تخت نشینی میں معاون ہوا۔ اس نے قضاۃ کا عہدہ خود سنبھالا اور مصحفی کی حکمت عملی میں شریک رہا۔

شمالی سرحدوں میں عیسائیوں نے شورش بپا کر دی۔ مصحفی حاجب سپاہی نہ تھا، وہ گھبرا گیا۔ المنصور باوجودیکہ قاضی اور محتسب کے عہدہ پر سرفراز تھا اور اس کے علمی مشاغل تھے۔ مگر وہ ان عربوں کی اولاد سے تھا جو طارق کی فوج کے افسر ہو کے آئے تھے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ خود امیر المجاہدین بن کر اس شورش کو دبائے گا۔ چنانچہ وہ فوج گراں لے کر لیون پر حملہ آور ہُوا اور کامیاب ہو کر باجگذار بنا کر لوٹا۔[۱]

مالِ غنیمت سے جو کچھ ہاتھ لگا وہ ساتھی سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ قرطبہ واپس آیا تو فتح مند سپہ سالار کی حیثیت میں تھا۔ اس فوج میں سپہ سالار غالب تھا جو سرحدی فوج کی کمان لئے ہُوئے تھا اس کو اس قدر نوازا کہ وہ المنصور کا غلام بن گیا۔ دوبارہ شمال کے عیسائیوں نے پھر ہاتھ پیر مارے تو غالب نے اُن کی اچھی طرح سے سرکوبی کر دی۔ اب منصور کا اثر تمام قرطبہ پر تھا۔ مصحفی کا لڑکا کوتوالِ شہر تھا وہ انتظام میں بیٹھا نکلا اس کو علیحدہ کر کے المنصور کوتوالِ شہر ہو گیا۔ چند عرصہ میں شہر امن و امان کا مرکز بن گیا تھا اور اہلِ قرطبہ منصور کے انتظامِ شہر سے اس کے متوالے بن گئے تھے۔ غالب اور مصحفی میں کچھ چپقلش رونما ہوئی تو اس نے غالب کی دُختر سے خود شادی کر لی اور مصحفی پر بیت المال کی خیانت کا الزام لگا کر المنصور نے اس کو گرفتار کر لیا۔ مقدمہ چلا، ثبوت کافی تھا، مصحفی سزایاب ہوا۔ اُس نے پانچ برس تک حاجب رہ کر مجلس میں وفات پائی۔

مصحفی کے علیحدہ ہوتے ہی جس ہم سبق سے کوتوال بنانے کا وعدہ کیا تھا اس کو اس عہدے پر سرفراز کیا اور خود حاجب بن گیا۔ اب عملاً سارے اسلامی اسپین کا المنصور حکمران تھا۔ اندلس کا انتظام خلیفہ کونسل کے مشورہ سے کیا کرتا تھا۔

المنصور نے ہشام کو محل نشین بنا دیا تھا۔ اور دگر جس قدر امراء تھے وہ المنصور کے اطاعت گزار تھے۔ تھوڑے عرصہ میں حکومت کے سیاہ و سپید کا خود مالک بن

---

[۱] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۵۶۔

گیا۔ فرمان و اعلان اس کے نام کے جاری ہوتے۔ منبروں پر ہشام کے ساتھ المنصور کے لئے بھی دُعائیں کی جاتی تھیں۔

محل کے غلاموں نے سازش کی کہ المنصور کو قتل کر دیا جائے۔ وقت پر منصور کو اطلاع مل گئی۔ اُس نے چن چن کے ان سازشیوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

اس سازش میں فقہائے قرطبہ نے بھی کچھ دلچسپی لی تھی۔ المنصور چونکہ اہلِ علم سے تھا اور علماء کی جماعت کا رکن بھی تھا اس نے ان کی جلالت شان کا لحاظ کرتے ہوئے بڑے بڑے مستند فقہاء کو بلوا کر ایک مجلس منعقد کی اور اُن سے کہا آپ جن فلسفہ کی کُتب کو زندقہ پھیلانے والی سمجھتے ہیں ان کی فہرست تیار کر کے مجھ کو دیں۔ کیونکہ مسلمانانِ اندلس کا ایک بہت بڑا طبقہ فلسفہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ چنانچہ فقہاء نے فہرست بنا کر پیش کر دی۔ منصور نے علیٰ رؤس الاشہاد ان کو جلا دیا۔ اس تدبیر سے تمام علماء منصور کے حامی ہو گئے اور ان کی غلط فہمیاں جاتی رہیں۔

المنصور اب قرطبہ میں سب سے بالادست بن چکا تھا اُس نے پوری توجہ فوج کی درستی پر مبذول کر دی۔ ہر فوجی سے مثل اولاد کے برتاؤ رکھتا۔

ایک مرتبہ منصور چھاؤنی میں بیٹھا ہُوا تھا کہ اس کے سپاہی حواس باختہ چلے آ رہے ہیں اور اُن کے عقب میں عیسائی آ رہے ہیں۔ فوراً منصور نے تخت سے اُتر کر خود سر سے اُتار پھینکا اور خاک پر بیٹھ گیا۔ سپاہی اپنے سالار کے مایوسانہ طرز و انداز کو سمجھ گئے اور فوراً اُلٹ پڑے اور ایسا دشمنوں پر حملہ کیا کہ ان کے کشتوں پر پشتے لگا دیئے اور لیون کی گلیوں میں گھس کر مارا۔

منصور نے پچاس جہاد کئے اور ہر ایک میں کامیاب و فاتح رہا۔ غالب بھی ایک جنگ میں وفات پا گیا۔

المنصور نے نصرانی بادشاہوں کو اپنے اخلاق اور انعام و اکرام سے ایسا رام کر لیا تھا کہ وہ فوج میں داخل ہو کر سرحدی عیسائیوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ ایک سرحدی جنگ میں المنصور اس فوج کو لے کر لیون تک جا گھسا اور اس کے قلعہ کو مسمار

کر دیا۔ آگے بڑھ کر برشلونہ پر قبضہ جمایا اور جلیقیہ کے دروں میں گھس کر سینٹیا گو ڈی ، کمپوسٹیلا کے شوکت دار گرجے کو جہاں نینن پادریوں کی ہوس رانی کا شکار ہوتی رہتی تھیں۔ نصرانیوں کے ہاتھوں خاک میں ملوا دیا۔ یہ زیارتوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ سینٹ جیمس کو جہاں نماز ہوتی تھی اس کو باقی رکھا جو راہب عبادت گزار تھے ان کو امان دی۔ آخر کار المنصور نے سرحد کی ریاستوں کو باجگذار بنا لیا۔ قشتالیہ۔ برشلونہ۔ النوار کو بھی اپنے قدموں سے پائمال کر دیا۔ النوار کے بادشاہ نے المنصور کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ یہاں سے فارغ ہو کر قرطبہ کی طرف واپس ہوا۔ راہ میں ایک مورچہ پر نصرانی قابض ہو گئے۔ منصور ٹھہر گیا اور سپاہیوں سے کہا اپنے لئے جھونپڑیاں ڈال لو اور قرب و جوار سے کاشتکاری کا سامان لاکر زراعت کا کاروبار پھیلاؤ۔ ایک عیسائی نے پوچھا تو نہایت اطمینان سے فوجی نے جواب دیا :-

"ہم آج کل گھر جانا مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ دوسری جنگ کے لئے ہم کو جلد آنا تھا اس لئے اپنی دل بستگی کا سامان کر لیا ہے۔" [1]

عیسائیوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے دائمی قبضہ کا سامان ہو رہا ہے تو سخت گھبرائے اور ہتھیار منصور کے سامنے ڈال دیئے اور مالِ غنیمت کی باربرداری کے لئے خچر بھی فراہم کر دیئے۔

المنصور کے زمانے میں علمی ترقی بھی ہوئی۔ لطف یہ کہ جنگ پر منصور جاتا تو شعراء اس کے جلو میں ہوتے۔ فتوحات کے موقعہ پر وہ قصائد کہتے اور وہیں صلہ و انعام پاتے۔

مذہبیت

المنصور عالم فاضل فقیہ ہونے کے ساتھ خدا پرست تھا۔ نصرانی حکمرانوں کی طرف سے عورتیں اس کے سامنے پیش کی جاتیں، آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ المقری کہتا ہے کلام پاک اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔

اس نے اپنی ۲۶ سالہ عہدِ حجابت میں تقریباً پچاس جہاد کئے، ہر جنگ سے

---

[1] مورس ان اسپین صفحہ ۱۲۳

واپس آکر اپنے کپڑوں کی خاک جھڑوا کر جمع کرتا جاتا تھا کہ بوقت تجہیز و تکفین یہ مٹی اس کے چہرے پر چھڑک دی جائے تاکہ شاید اس کی شرم میں خدا اس کی شفاعت کر دے۔ اس نے اپنے خاص آبائی کھیت کی رُوئی سے اپنی لڑکیوں سے سُوت کتوا کر کفن تیار کرایا تھا جو ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتا تھا۔

۳۹۲ھ، ۱۰۰۲ء میں اُس کا انتقال ہُوا۔ تمام اندلس میں صفِ ماتم بچھی۔ مدینہ سالم میں دفن ہُوا۔ اس کے مزار پر کُتبہ جو لگایا اس میں یہ عبارت کندہ تھی۔

آثَارُهُ تُنْبِيكَ عَنْ أَخْبَارِهِ ۔۔۔ حَتَّى كَأَنَّكَ بِالْعَيَانِ تَرَاهُ
تَاللهِ لَا يَأْتِي الزَّمَانُ بِمِثْلِهِ ۔۔۔ أَبَدًا وَلَا يَحْمِي الثُّغُورَ سِوَاهُ

(ترجمہ) اس کی نشانیاں تمہیں اس کی خبر بتائیں گی۔ اس جیسا زمانہ کبھی نہ رکھے گا۔ گویا تم اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو۔ اور نہ بچائیں گے رخنہ سوائے اس کے۔"

منصور کی زندگی کے چند واقعے

المنصور ۳۷۵ھ مئی ۹۸۵ء میں قیطلونیہ کی فتوحات کو جا رہا تھا۔ چالیس شاعر ساتھ تھے کہ فتح کے موقعہ پر قصیدے لکھ کر پڑھیں[1]

قرطبہ سے کوچ کر کے البیرہ، بیاسہ اور مورقہ کے شہروں سے گزرتے ہُوئے صوبہ فرسیہ میں آئے۔ یہاں المنصور ابن خطاب کے مہمان ہوئے۔ ابن خطاب کوئی سرکاری عہدہ نہ رکھتے تھے۔ لیکن وہ بہت بڑے زمیندار اور وسیع علاقوں کے مالک تھے اور ان علاقوں کی آمدنی کثیر تھی۔ یہ بنی اُمیّہ کے مولیٰ بھی تھے اور غالباً نسل فسیقوط سے بادشاہ تدمیر قوطی کی اولاد میں سے تھے۔ تدمیر صوبہ مرسیہ کا بادشاہ تھا جس نے

---

[1] ابن الخطیب۔

فتوحاتِ اسلامیہ کی شروع میں مسلمانوں سے اپنے حق میں عمدہ شرائط پر صُلح کی تھی اور ایک مُدت تک خود اور اُس کے بیٹے اتھانا جلد نے مرسیہ پر خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کی تھی۔

بہرکیف یہ جو کچھ بھی ہُوا ابن خطاب جس قدر دولت مند تھے اسی قدر حوصلہ سے المنصور کی خاطر و مدارات میں مصروف ہوئے۔ تیرہ دن تک المنصور اور جو امراء ان کے ہمرکاب تھے اور تمام اہلِ فوج وزیر سے لے کر معمولی سوار تک اُن کے مہمان رہے۔ منصور کے سامنے جو دسترخوان بچھتا تھا اُس پر دُنیا بھر کی نعمتیں ہوتی تھیں۔ انھوں نے اپنے باورچیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر وقت نئی نئی قسم کے کھانے دسترخوان پر ہوں۔ انھوں نے خاطر تواضع میں یہاں تک اہتمام کیا کہ منصور کے لئے ایک روز غسل کے پانی کی جگہ عرق گلاب رکھا گیا۔ المنصور خود نہایت تکلّف سے رہتے تھے مگر میزبان کی تواضع نے اُنھیں متحیر کر دیا۔ انھوں نے ابن خطاب کی بہت تعریف کی اور اظہارِ خوشنودی میں زمین کے محصول کا ایک حصّہ اُن کو معاف کر دیا اور صوبہ مرسیہ کے عمال کو جو خلافت کی طرف سے علاقہ کا انتظام کرتے تھے ہدایت کر دی کہ ابن خطاب کے ساتھ ہمیشہ بہت ادب اور تعظیم سے پیش آیا کریں اور ہر معاملے میں ان کی خوشی اور مرضی دریافت کر لیا کریں۔

پروفیسر رائس ہارٹ ڈوزی لکھتا ہے :-

"منصور نے سلطنت کو وہ شان و عظمت بخشی تھی جو پہلے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی[1] المنصور بڑے دل گردہ کا شخص تھا اور وہ قوم و ملک کا بہی خواہ تھا مگر پھر بھی اس کے خلاف ریشہ دوانیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حتیٰ کہ بعض امرائے عرب نے سلطانہ صبیح کو اُس کے خلاف بھڑکا دیا۔ سلطانہ صبیح والدہ ہشام بڑی لئیق اور عصمت مآب خاتون تھیں۔

---

[1] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۷۵

یہی المنصور کو اس کی لیاقت اور مذہبیت و پاک بازی کو دیکھ کر اس درجہ پر پہنچانے کا سبب بنی تھی مگر بہکانے میں آگئی۔ ہشام کو سلطانہ نے چاہا کہ زمامِ حکومت ہاتھ میں لے مگر وہ تو کنیزوں کے جھرمٹ میں زندگی بسر کرنا خود بہتر سمجھتے تھے مگر ماں کے سمجھانے سے کچھ رضامند ہوئے۔

سلطانہ نے مغرب اقصیٰ کے ایک حاکم زیری بن عطیہ کو بلا بھیجا۔ وہ آیا تو منصور نے بڑی خاطر کی۔ سلطانہ نے خفیہ اس سے مدد طلب کی اور حاجب کا عہدہ پیش کیا۔ وہ واپس گیا۔ اُس کے پیچھے سلطانہ نے خزانہ میں سے ۶۰ لاکھ اشرفیوں میں سے اتنی ہزار نکال کر کسی ترکیب سے اُس کے پاس روانہ کیں۔ مگر منصور کا انتظام معقول تھا اس کو پتہ لگ گیا اُس نے ہشام سے مل کر خزانہ کو ہٹا دیا۔ سلطانہ کو ناکامی ہوئی تو اُنہوں نے قسمت پر صبر کیا اور بقیہ عمر کا حصہ عبادت گذاری میں صرف کر دیا۔[1]

ملکہ صبیح کا انتقال ہوا تو ابن دراج قسطلی نے مرثیہ لکھا جس میں ملکہ کے محامد اور فضائل بیان کئے ہیں۔ منصور نے کبھی خلافِ شان ملکہ کے کوئی بات نہیں کی۔

واقعہ (۱) منصور سرحدی علاقہ کے نصاریٰ کی شورش کو دفع کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جب سرحد کے قریب فروکش ہوا تو ایک معتبر سوار کو درہ طلیارش کی طرف روانہ کیا کہ وہاں پہرہ دے اور جو پہلا آدمی درّے سے گزرے اس کو میرے سامنے لایا جائے۔

تمام رات برف باری اور بارش میں گزری۔ صبح لشکر گاہ سے ایک بڈھا آدمی گدھے پر سوار درّے کی سمت آرہا تھا۔ صورت لکڑہارے کی سی تھی۔ سوار نے اُس سے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ اُس نے کہا جنگل سے لکڑیاں کاٹنے۔ مگر سوار نے کہا تم منصور کے پاس تک چلو۔ چنانچہ اس کو زبردستی لے آئے۔ ادھر منصور رات بھر سویا نہ تھا۔ جب لکڑہارا سامنے لایا گیا تو منصور نے صقلبی غلاموں سے کہا اس

---

[1] عبرت نامہ اندلس ص ۱۸۰۔

بڈھے کی تلاشی لو۔ مگر بڈھے کے لباس میں کچھ نہ نکلا تو منصور نے حکم دیا کہ گدھے کا پالان دیکھو۔ اس کی تلاشی لی تو ایک خط نصرانیوں کی طرف سے بادشاہ لیون کے نام تھا جس میں لکھا تھا کہ اسلامی لشکر گاہ کا ایک رُخ کمزور ہے اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔

اس خط سے منصور کو سازش کا پتہ چل گیا۔ اس نے ان عیسائیوں اور اس بڈھے کو کیفر کردار کو پہنچایا۔ یہ تدبیر بہت مؤثر ہوئی۔ پھر کسی عیسائی کو سازش کی جرأت نہ ہوئی۔

واقعہ (۲) منصور کا ایک سفیر نبرہ کے عیسائی بادشاہ غرسیہ کے پاس گیا اُس نے بہت کچھ انعام و کرام دیا۔ وہ سفیر دورہ کرتا ہُوا اتفاق سے ایک گرجا میں گیا۔ وہاں ایک مسلمان ضعیفہ ملی جو بچپن سے عیسائیوں کی قید میں لونڈی کی حیثیت سے تھی اور گرجا میں رہتی تھی۔ سفیر سے کل حال بڑھیا نے کہا۔ جب وہ قرطبہ آیا۔ منصور سے عام حالات بیان کئے۔ جب منصور سُن چکا تو پوچھا کوئی ناگوار واقعہ تو نہیں گزرا۔ سفیر کو بڑھیا کا خیال آیا اور اُس نے پورا واقعہ سُنا دیا۔ منصور نے کہا۔ یہ واقعہ پہلے کہنا تھا۔ چنانچہ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ غرسیہ بادشاہ کانپ اُٹھا اور اُس نے خط لکھا کہ "مجھ سے کیا خطا ہوئی جو عتاب نازل ہو رہا ہے"۔

جو پیامبر شاہ غرسیہ کا خط لائے تھے اُن سے کہا "مجھ سے قسمیہ کہا گیا تھا کہ اب کوئی مسلمان مرد عورت میری قید میں نہیں ہے اور نہ رکھوں گا مگر گرجا میں مسلمان عورت قید ہے"۔

وہ پیامبر لوٹ گیا۔ شاہ غرسیہ نے اس بڑھیا کو اور دو عورتیں مزید تلاش کرا کر منصور کی خدمت میں بھیج دیں اور بقسم کہا کہ ان عورتوں کا مجھ کو مطلق علم نہ تھا اور مَیں نے اس گرجا کو مسمار کرا دیا جس میں بڑھیا کو قید رکھا تھا۔

ڈوزی لکھتا ہے کہ :-

"دشمن اس کے نام سے تھراتے تھے، فوج اس پر جان دیتی تھی۔ یہ المنصور

---

[۱] عبرت نامہ اندلس صفحہ ۱۹۴ ؛

ہی کی تربیت دی ہوئی قواعد دان فوج تھی جس نے اسپین کی سطوت و اقبال کو اس بلندی پر پہنچایا جو کبھی پہلے اس کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ یہ عروج اس کو خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا تھا۔

منصور کا صرف یہی ایک کارنامہ نہ تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے صرف ملک ہی کو نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کو بھی اپنا ممنونِ احسان کیا تھا۔ اہلِ ملک کی علمی و ذہنی قابلیتوں کی قدر کر کے ہمیشہ اُن کی عزت افزائی کی۔"

ابوالعلا صاعد بن الحسن ربعی بغدادی ادب و تاریخ کے بڑے عالم تھے ان کی منصور بڑی قدر کرتا تھا۔ صاعد اندلسی کا حافظہ غضب کا تھا۔ کوئی کتاب سرسری دیکھ لیتے اُس کے مضمون پر حاوی ہو جاتے۔ ابوعلی قالی بغدادی کی کتاب الامالی منصور نے صاعد کو دیکھنے کو دی۔ انہوں نے کہا ایسی تو میں بھی لکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ مدینۃ الزہرا کی جامع مسجد میں پہنچ کر منصور کے کاتبوں سے چند ضخیم جلدوں میں لکھوا دی جس کو علمائے معاصرین نے ذوق و شوق سے پڑھا۔ منصور نے بہت انعام دیا۔

ایک مرتبہ صاعد ان تھیلیوں سے جن میں منصور نے اکثر موقعوں پر صاعد کو انعام دیا تھا اس کا جبہ سلوا کر اور غلام کو پہنا کر منصور کے سامنے لائے۔ منصور نے کہا۔ صاعد یہ کیا ڈھونگ رچا لائے"

صاعد بولا۔ اس طرح آپ کے انعامات کی یاد تازہ رہتی ہے اس لئے آپ کو بھی دکھانے لایا۔

منصور سُن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا۔ صاعد واقعی خوب صورتی سے کسی کا شکر ادا کرنا تم کو خوب آتا ہے۔ میں بہت خوش ہوا اور بہت سے تحائف سے صاعد کو نوازا اور کافور غلام کو بھی لباس عطا کیا۔

قاضی ابن السری صدر مجلس تھے۔ فقیہ ابن المقواسی قاضی تھے ان کا طوطی بول رہا تھا۔

منصور کے متعلق مؤرخین کا فیصلہ ہے کہ وہ صادق العمل، فیاض، عادل تھا۔

ڈوزی لکھتا ہے :-

"منصور کا انصاف ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ عوام الناس میں سے ایک شخص منصور کے سامنے آیا اور کہا اے مظلوموں کے دادرس اس آدمی نے جو حضور کے پیچھے کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا۔ عدالت نے طلب کیا تو گیا نہیں"

منصور کے پیچھے صقلبی سپر بردار تھا جس پر منصور بہت مہربان تھا مگر فریادی سے تفصیل سُننے کے بعد منصور نے حکم دیا کہ قاضی عبدالرحمٰن ابن فوطیس سے جا کر کہو کہ اس معاملے کا فیصلہ کریں اور حق و انصاف ملحوظ رہے"

قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیا۔ مدعی منصور کے پاس آکر شکریہ ادا کرنے لگا۔ منصور نے کہا۔ شکریہ کی ضرورت نہیں تمہارا انصاف ہو گیا اور تم کو اطمینان ہو گیا۔ مگر مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا۔ کیونکہ مجھے اس نالائق صقلبی کو سزا دینی ہے جس نے باوجود اس کے کہ میرا ملازم تھا ایک ذلیل کام کرنے میں شرم نہ کی" [1]

عُلماء کی قدردانی

المنصور خود عالم اور فقیہ اور محدث کا بیٹا اہلِ علم کی قدر و منزلت و جلالت شان سے واقف تھا اس کی صحبت میں عبادہ ابن ہمیا صاحب تذکرۃ الشعراء اور حبیب الصقلبی صاحب الاستظہار والمغالبہ علی من انکر فضائل الصقالبہ۔ المغیرہ ابن خرم۔ ابوالولید۔ ابن الدباغ۔ یوسف ابن عبدالبار۔ یہ لوگ بڑے صاحب فضل و کمال اور مؤرخ صاحب تصنیف تھے۔

---

[1]

المنصور نے ابوعلی سعید ابن الحسن ابن علی اللغوی کو بغداد سے بلایا اُس کے بہت سے حاسد ہو گئے۔

ایک دن المنصور کے پاس ابوعلی سعید بیٹھا ہوا تھا۔ غیر موسمی گلاب کا پھول ایک شخص نے منصور کے سامنے پیش کیا۔ سعید نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

اَتَتکَ بُو عَامِرٍ وَرْدَۃٌ ۔۔۔ یُذَکِّرُکَ المِسْکَ اَنفَاسُھَا

کَعَذْرَاءَ اَبْصَرَھَا مُبْصِرٌ ۔۔۔ فَغَطَّتْ بِاَکمَامِھَا رَاسَھَا

(ترجمہ) جبکہ باغ میں ہوا آئی تو اُس نے ہم پر عطا کے ریزہائے مشک کو چھڑکا

ہمارا جام شراب اس پرندے کی مثل ہے کہ جس کی منقار میں دانۂ یاقوت ہو"

منصور ایسے نادر کلام کو سُن کر بے حد مسرور ہوا۔

تعمیرات

المنصور کو مکانات تعمیر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے وادی الکبیر کے پُل پر ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سُرخ صرف کئے۔ اس کے علاوہ اُس نے افریقہ اور اندلس میں بھی پُل بنوائے۔

عبدالملک ملقب بہ المظفر حاجب

منصور کے مرتے ہی اندلس میں تہلکہ مچ گیا۔ بربری امراء نے اور غلاموں خواجہ سراؤں نے سر اُٹھانا شروع کیا۔ سلطان ہشام کو محل سے باہر لانا چاہا مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آرام طلب ہو چکا تھا۔ منصور کے لڑکے کو حاجب مقرر کیا۔ یہ بھی لائق تھا۔ اس نے چھ برس تک باپ کے قدم بقدم چل کر سلطنت کی ہیئت اجتماعیہ کو سنبھالے رکھا۔ حریص قسمت آزماؤں، معاند فرماں رواؤں نے طوفان شروع کر دیا اور ہشام کو حرم کی خلوت سے جہاں تیس برس تک فرحناک نظر بند رہا، کھینچ لائے اور اس سے زبردستی حکومت کرائی مگر وہ مجبور و لاچار نظر آیا تو اُس کو معزول کر دیا۔

محمد ثانی مہدی کو ۳۹۹ھ ۱۰۰۸ء میں تخت نشین کیا۔ ایک سال بعد مستعین کو لا بٹھایا۔ کچھ دن بعد محمد ثانی کو پھر تخت پر لے آئے۔ پھر ہشام ثانی کو لا بٹھایا۔ پھر اس سے چند دن بعد بگڑ بیٹھے۔ سلیمان کو لے آئے۔ علی بن حمود نے ۴۰۶ھ میں عَلم حریت بلند کیا۔ سلیمان مقابل آیا۔ معرکہ میں کام آیا تو علی بن حمود نے قرطبہ پر قبضہ کیا مگر شہریوں نے کچھ عرصہ بعد مار ڈالا۔

اس کے بعد اس کا بھائی قاسم بن حمود تخت نشین ہوا۔ ایک سال بعد قتل کر دیا گیا۔ پھر اس کا برادر زادہ یحییٰ ۴۰۹ھ ۱۰۱۸ء میں تخت پر بیٹھا۔ تین سال بعد قتل ہوا تو اس کے بعد ۴۱۲ھ میں ہشام سوم بن سلیمان تخت قرطبہ پر بیٹھا۔

یہ زمانہ بائیس سال کا اندلس کے لئے بے حد کاہ کاری کا تھا۔ ہشام ثانی محل سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہیں عبادت گزاری میں زندگی ختم کی۔

المنصور کے دشمنوں نے اس کے بیٹے مظفر سے انتقام لیا۔ اس کے محلات کو

لوٹا اور تباہ کر دیا۔ یہ سب کارگزاری اہلِ قرطبہ کی تھی۔ اس کے بعد قصر الزہرا پر بلوائیوں نے ہاتھ صاف کیا۔ جامع مسجد میں جو پناہ گیر تھے وہاں بھی وہ بربریوں کے ظلم وستم کا شکار ہوئے۔ یہ زمانہ ۴۰۰ھ ۱۰۱۰ء کا تھا۔

اہلِ قرطبہ کی اس سرکشی اور بدحالی کا اثر یہ پڑا کہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصفِ اول میں کوئی بیس خود سر خاندان اتنے ہی شہروں یا اضلاع میں صاحبِ اقتدار بن گئے جن میں اشبیلیہ میں عبادئین، ملاغہ والجزیرہ میں حمود کا خاندان غرناطہ میں، زہیر کا سرقسطہ میں، بنی ہود کا طلیطلہ میں ذوالنون کا اور بلنسیہ مرسیہ والمریہ کے حکمراں اوروں سے زیادہ سربرآوردہ تھے۔ اس طوائف الملوکی کا اثر سرحد کے عیسائیوں پر بھی پڑا اور وہ بھی خود سر ہو گئے۔

الفانسو ششم نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے الجوریا، لیون اور قشتالیہ کی سلطنتوں کو باہم ملا کر اپنے ماتحت کر لیا تو ان امراء سے دست بگریبان ہو گیا۔ پہلے تو یہ امراء الفانسو سے اپنے رقیبوں کو کچلواتے رہے۔ جب اس کا اقتدار بڑھ گیا تو گھبرائے تو اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد نے شمالی افریقہ کے حاکم بربری جو مردانی کہلاتے تھے امداد کے لئے طلب کیا وہ الجزایا سینگل تک چھائے ہوئے تھے اور اندلس پر نگاہیں پڑ رہی تھیں فوراً سمندر کو عبور کر کے آ گئے۔ مردانی بادشاہ یوسف بن تاشقین تھا پہلے الجبرہ پر قبضہ کیا۔ پھر زلاقہ پہنچا اور ۴۷۹ھ اور ۱۰۸۶ء کو الفانسو سے جا کر مقابل ہوا۔ اس نے بہت فوج یکجا کر لی

نوٹ :۔ علی بن حمود سادات حسنیہ ادریسیہ سے تھا ادریس ابن عبداللہ ابن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن علی کرم اللہ وجہہ ادریس ۱۷۲ھ میں خلفائے بنی عباس کے ظلم وجور سے مغرب چلے آئے اور ملک کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کے بعد محمد بن ادریس حکمران رہے۔ عبداللہ بن عمر پھر علی بن عبداللہ، اس کے بعد احمد بن علی پھر یعقوب بن احمد، پھر حمود بن یعقوب اور اس کے بعد علی بن حمود ایک دو مرے کے بعد حکمراں رہے پھر علی بن حمود نے قرطبہ پر قبضہ جمایا۔

تھی۔ مگر یوسف نے گھیر کر ہزارہا عیسائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ الفانسو بمشکل پانچ سو سواروں کو لے کر بھاگا۔ قشتالیہ کے کئی ہزار عمدہ ترین اہلِ سیف اس خونخوار موت کے بازار میں کھیت رہے۔[۱] یوسف ابن تاشفین بانی خاندان المرابطہ حکمران مراکش ۱۰۸۶ء ۴۷۹ھ میں حسب وعدہ مراکش لوٹ گیا اور تین ہزار جرار آدمی اسپین میں حفاظت کے لئے چھوڑ گیا۔ صرف الجیراس پر اپنا قبضہ رکھا۔

۴۸۳ھ، ۱۰۹۰ء میں پھر عیسائیوں نے شورش مچائی۔ قلعہ آلیڈو کو چھوڑ کر گیڈرون کی طرف نکل کر حملہ کیا۔ اہلِ سوائل نے یوسف سے مدد طلب کی۔ وہ اندلس آیا۔ اہلِ کسٹائل کو رگیدا۔ اور اندلس کا آئے دن کا قصہ اس طرح طے کیا کہ خود ۴۸۳ھ، ۱۰۹۰ء میں غرناطہ میں داخل ہوا۔ مال و دولت پر قبضہ کیا۔ اسی طرح ظاریفا پر تسلط کیا۔ الفنسو نے اس قوت کے روکنے کے لئے الورفنیر کو بھیجا۔ وہ شکست یاب ہوا۔ تمام جنوبی اندلس پر یوسف کا قبضہ ہو گیا۔ البتہ صوبہ

نوٹ:۔ سلطنت مرابطین کی تاریخ یہ ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں دو آدمی یحییٰ بن ابراہیم اور عبداللہ بن یٰسین مکہ معظمہ میں علومِ اسلامیہ کی تحصیل کر کے افریقہ تبلیغِ اسلام کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ کوہ اطلس کی اقوام ان کی خدا پرستی کی گرویدہ ہو گئیں۔ یہاں ایک حکومت کی بنیاد قائم کی۔ یہ لوگ المرابطین کہلائے (باہم دوستی رکھنے والے) عبداللہ کا لقب امیر مشہور ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ابوبکر نامی قائم مقام ہوا۔ افریقہ کے فتح کرنے کے ارادے سے جنگل (کوہ اطلس) سے کوچ کیا۔ ان کے بنی عم یوسف بن تشقین شہر فاس اور مراکو کے بڑے حصۂ ملک پر قابض ہو گئے۔ ۱۰۷۳ء میں مرابطین کا اقتدار شمالی اور وسط افریقہ میں بھی تسلیم کر لیا گیا۔ اب یہ گروہ ایک شاہی حیثیت کا ہو گیا۔ مرابطین کا بادشاہ یا سپہ سالار یوسف بن تشقین تھا۔

---

[۱] مورس ان اسپین۔ صفحہ ۱۳۴۔

دیلنشیا سرکشی پر جمارہا۔ اب اندلس افریقہ کا باجگذار بن گیا۔

۵۰۱ھ، ۱۱۰۶ء میں مراکش میں یوسف نے انتقال کیا۔ اس کا بیٹا علی جانشین ہُوا۔ اُس نے ۵۰۲ھ ۱۱۰۸ء میں قسطلانی فوج کو جس کا بادشاہ الفنسو تھا اکلس کے قریب بڑی شکست دی اور الفنسو کے نابالغ بیٹے ڈون سانچو کو بذریعہ عہد نامہ اپنی اطاعت میں کر لیا۔ مگر ۵۱۲ھ، ۱۱۱۸ء میں شہر سارہ اگوزا مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا۔

۵۳۸ھ، ۱۱۴۳ء میں علی بن یوسف نے بھی قضا کی۔ اس جگہ اس کے بیٹے تشقین بن علی نے لی۔ مگر اس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ۵۳۹ھ ۱۱۴۵ء میں نصرانیوں نے الجیر اس پر قبضہ کیا۔ ۵۴۱ھ ۱۱۴۶ء میں بیوائل اور اتکا پر عیسائی متصرف ہو گئے۔

تشقین نے ۵۳۹ھ، ۱۱۴۵ء میں انتقال کیا۔ اس کا بیٹا ابو اسحاق جانشین ہُوا جو آخری بادشاہ تھا۔ عبد المومن مہدوی نے مراکش اور فاس پر قبضہ کیا۔ اسحاق مرابطی قتل ہُوا۔ عبد المومن نے لشکرِ جرار لے کر اندلس پر حملہ کرنا چاہا مگر موت نے اُس کی تمنا پوری نہ ہونے دی۔ ۱۱۶۳ء میں الفانسو ہشتم شاہ قسطلان پر ایک بڑی فوج لے کر ابو یعقوب یوسف بن عبد المومن حملہ آور ہُوا۔ سارا ملک تاخت و تاراج کر ڈالا۔ چند قلعوں پر قبضہ کر لیا اور چند محافظ چھوڑ کر افریقہ واپس آ گیا۔ پھر شورش کی خبر سُن کر دریائے شور سے عبور کر کے اسپین میں داخل ہوا۔ پرتگال میں سانتارم کے مقام پر معرکہ میں زخمی ہُوا اور ۵۸۰ھ ۱۱۸۴ء میں انتقال کیا۔ اس کا جانشین ابو یوسف یعقوب الملقب منصور ہُوا۔

لہ منصور الجزائر پر دریا کی راہ سے اُترا اور الارکوس پہ الفانسو سے ۵۹۲ھ، ۱۱۹۵ء میں مقابلہ کیا اور اس کو شکست دی اور بعد فتح کے تولیدو کا محاصرہ کیا۔ مگر وہ مسخر نہ ہو سکا مگر میڈرد اور گوادالاکنرا پر قبضہ کر لیا۔ ۵۹۶ھ ۱۱۹۹ء میں اس شجاع لائق نامور بادشاہ نے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلطنت میں فتور آگیا۔ چودہ برس حکمران رہ کر ۱۲۲۴ء کو قضا کر گیا اور اپنا کوئی وارث نہ چھوڑا۔

۶۲۱ھ، ۱۲۲۴ء میں ابوالمالک عبدالواحد قائم مقائم ہوا۔ مگر چند ماہ بعد ابومحمد ملقب بہ عادل اس سلطنت کا دعوے دار پیدا ہوا۔ ابوالملک سے معرکہ آرائی ہوئی اس میں یہ کام آیا۔ اب ابومحمد حاکم ہو گیا۔ ۶۲۵ھ، ۱۲۲۷ء میں یہ بھی قتل ہوا۔ اس کی جگہ ابوعلی المامون تخت نشین ہوا تو اس کے مقابل یحییٰ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس زمانہ میں ابن ہود پیدا ہو گیا۔ اس کے ساتھ ایک جماعت ہو گئی۔ اس نے اندلس کا بادشاہ اپنے کو قرار دے لیا۔ المامون ۶۳۰ھ، ۱۲۳۲ء میں مر گیا تو ابن ہود کے لئے میدان صاف تھا۔ ایوانِ حکومت کو خالی دیکھ کر اس پر قبضہ کیا اور اندلس کے بیشتر جنوبی حصہ پر حکومت کرنے لگا۔ المامون کے قائم مقام محمد نے اپنا اقتدار اسپین پر جمانا چاہا مگر تمام مساعی بے سود رہیں۔ اسپین کی حکومت چند حصوں میں تقسیم ہو گئی۔

ابن ہود ایک حصہ پر، اراکان کچھ حصۂ اندلس پر حاکم ہوا۔ محمد بن الاحمر صوبہ جینن اور غرناطہ کا بادشاہ تھا۔ جمعیت بن زید والنشیا کے اضلاع پر قابض ہوا۔ یہ تینوں بادشاہ ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو کر ضعیف ہوتے چلے

(بقیہ حاشیہ صد ۲۳ سے آگے) انتقال کیا۔

اس کے بعد محمد بن عبداللہ جس کا لقب ناصرلدین اللہ تھا، تخت نشین ہوا۔ کئی لاکھ کی فوج لے کر ۶۰۸ھ، ۱۲۱۱ء میں افریقہ سے روانہ ہوا اور آبنائے ہسپانیہ کو عبور کر کے لاس ناداس کے میدان میں پڑاؤ کیا۔ اس خبر سے نصرانیوں میں وحشت پھیل گئی۔ پوپ اعظم انوسنت نے تمام سلطنتوں کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ ناصرلدین اللہ سے مقابلہ کریں۔ چنانچہ کئی لاکھ فوج جمع ہوئی۔ مسلمانوں کا کشت وخون بہت ہوا۔ چند نفوس جان بچا سکے۔ سلطنتِ مہدویہ کا زوال ہوا۔ ۶۱۰ھ، ۱۲۱۳ء میں ناصرالدین مر گیا۔ یوسف دوم تخت پر بیٹھا۔ گیارہ برس کی عمر تھی۔ اس سے انتظامِ سلطنت نہ ہو سکا۔

گئے۔ اب ان مسلمان بادشاہوں کا یہ عالم ہوا کہ عیسائیوں نے حملہ کیا تو ان میں قوت باقی نہ تھی کہ ان کا حملہ روکتے۔ آخرکار یہ تینوں حکمران عیسائی بادشاہ سے مغلوب ہو گئے۔

قرطبہ کو جو دارالسلطنت اسپین کا تھا ۶۳۴ھ، ۱۲۳۶ء میں عیسائی حکمران نے لے لیا۔ دانشیا پر ۱۲۳۸ء میں عیسائی قابض ہو گئے۔ وینسیا ۶۴۲ھ، ۱۲۴۴ء میں مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا۔ ۶۴۴ھ، ۱۲۴۶ء میں تمام قلعے جو دریائے گوادل کو پر واقع تھے جن کا سلسلہ جیئن سے سویلی تک تھا عیسائی مملکت سے جا ملے سویلی میں برائے نام اسلامی حکمرانی رہ گئی تھی۔

غرضیکہ اب عام مسلمان سردار اور خود مختار صوبہ تباہ و برباد ہو چکے تھے صرف ایک نصر بن عمر بچ رہا تھا۔ اس کے قبضہ میں اندلس کا جنوبی حصہ یعنی صوبہ غرناطہ رہ گیا تھا جس کا رقبہ اس زمانہ میں پچاس ساٹھ ہزار میل مربع ہو گا۔

امرائے اندلس

نام	تاریخ خلافت	نام	تاریخ خلافت
عبدالرحمٰن الداخل	۱۳۸ھ لغایۃ ۱۷۲ھ	محمد ثانی	ربیع الاول ۴۰۰ھ
ہشام	۱۸۰ھ	سلیمان	شوال ۴۰۰ھ
الحکم	۲۰۶ھ	محمد ثانی مکرر	ذی الحجہ ۴۰۰ھ
عبدالرحمٰن ثانی	۲۳۸ھ	ہشام مکرر	۴۰۳ھ
محمد	۲۷۳ھ	سلیمان مکرر	۴۰۷ھ
المنذر	۳۰۰ھ	عبدالرحمٰن المرتضیٰ	۴۰۹ھ
عبداللہ		القاسم بن حمود	۴۱۰ھ
خلفائے اندلس		عبدالرحمٰن المستظہر	۴۱۳ھ
عبدالرحمٰن الناصر	۳۰۰ھ	القاسم بن حمود	۴۱۴ھ
الحکم ثانی	۳۶۶ھ	یحییٰ بن حمود	۴۱۲ھ
ہشام	۳۹۹ھ	القاسم بن حمود	۴۱۶ھ

ہشام ثالث	سنہ ۴۲۲ھ	(قرطبہ)	
علی بن حمود	سنہ ۴۰۷ھ تا سنہ ۴۰۸ھ	حسن (المستنصر باللہ)	سنہ ۴۳۴ھ
القاسم المامون	سنہ ۴۱۰ھ	بنجا صقلبی	
یحییٰ المعتصی	سنہ ۴۱۰ھ	ادریس (العلی باللہ)	سنہ ۴۳۴ھ تا سنہ ۴۳۸ھ
القاسم مکرر	سنہ ۴۱۴ھ	محمد (المہدی)	سنہ ۴۴۴ھ
عبدالرحمٰن خامس (بنی امیہ)		ادریس ثالث (الموافق)	سنہ ۴۴۶ھ
محمد ثالث	"	ادریس ثانی مکرر	سنہ ۴۴۶ھ
یحییٰ مکرر	سنہ ۴۱۷ھ	محمد ثانی	سنہ ۴۴۹ھ
مالقہ		اس کے بعد مالقہ سلطنت غرناطہ میں ختم ہوگئی۔	
ادریس از سنہ ۴۲۶ھ، سنہ ۴۳۱ھ		الجزیرہ	
المتامد باللہ		محمد بن القاسم بن حمود	سنہ ۴۳۱ھ تا سنہ ۴۴۰ھ
یحییٰ	ایک ماہ	القاسم بن محمد	

موحّدین

مغرب کے قبائل میں سے ایک فرد محمد بن عبداللہ بن تومرت تھا۔ جامع قرطبہ میں اُس نے معمولی ملازمت کر کے علومِ دینی کی تحصیل شروع کر دی، پھر بغداد کا سفر کیا اور مدرسہ نظامیہ کے متبحر صدر مدرس امام وقت حضرت محمد بن غزالیؒ کے درس میں شریک ہُوا۔ بعد فراغت مغرب میں واپس آیا اور امام غزالیؒ کے خیالات کی اشاعت شروع کی۔ پھر کوہِ اطلس کے قریب صحرا میں قیام کیا۔ اس کے مذہبی شغف سے بہت سے لوگ معتقد ہو گئے تومرت نے مہدیت کا دعویٰ کر دیا معتقدین میں ایک نوجوان عبدالمومن بھی تھا۔ اس نے تومرت کی بڑی خدمت کی اور اس کے

خیالات کی اشاعت میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

اس زمانے میں مرابطین کا اقتدار بڑھا ہوا تھا۔ جب تومرت اور عبدالمومن کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہوگئی تو انھوں نے حکومت مرابطین کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ بادشاہ مرابطین علی بن تشفین تھا۔

تومرت نے تمام مسلمانوں کو دعوت دی کہ یہی زمانہ آداب دینیہ کے پھر زندہ کرنے کا ہے اور میں مہدی ہوں اور فضائل اسلام اور عدل کو از سر نو پھیلانے کے لئے آیا ہوں۔ کثرت سے لوگ اس کی طرف کھینچنے لگے تو ترک مکانی کر کے سوس کے شہر تنمال کو جائے اقامت ٹھہرایا اور قلعہ تعمیر کیا۔ مجلس شوریٰ خواص کی قائم کی۔ جس میں انفوس جیسے دانشمند شاگرد شامل کئے۔ دوسری مجلس عام ستر آدمیوں کی قائم کی۔ مجلس خواص کا رکن رکین عبدالمومن تومرت کا شاگرد رشید تھا۔

بعض قبائل مرابطین سے عناد رکھتے تھے جن میں خطوط ہرجہ حدمیہ قبائل پیش پیش تھے۔ وہ سب تومرت کے جھنڈے تلے آجمع ہوئے۔ جب فدائی کثرت سے جمع ہوگئے تو ۵۰۶ھ، ۱۱۱۲ء میں مرابطین سے لڑائی شروع کر دی اور تین لڑائیوں میں ان پر فتح حاصل کی۔ ۵۱۷ھ، ۱۱۲۳ء میں شہر مراکش کا محاصرہ کر لیا جو مرابطین کا دارالسلطنت تھا مگر ناکامی سے تومرت کو ہٹنا پڑا۔ مگر عبدالمومن نے پھر ہمت سے کام لیا اور تمام نقصانات کی تلافی کر لی۔ تومرت نے عبدالمومن کو اپنا جانشین قرار دیا۔ ۵۲۵ھ، ۱۱۳۰ء میں تومرت انتقال کر گیا۔

عبدالمومن نے بار خلافت کو سنبھالا۔ یہ عالم بھی تھا اور سپہ سالار بھی۔ اس کی جبلت میں استقلال کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اپنے ساتھیوں جن کو موحدین کہا جاتا تھا ان کی دلجوئی اور خاطر و مدارت اس طرح کرتا تھا کہ ہر ایک اس کا گرویدہ ہوگیا۔
اب اس کی توجہ ملک گیری کی طرف منعطف ہوئی۔ تھوڑے عرصہ میں ایک ایسی مملکت پیدا کر لی جو مملکت مرابطین سے بدرجہا بڑھ کر تھی۔ جس قدر قبائل تنمال سے لے کر شہر فنالہ تک تھے وہ سب عبدالمومن کے تابع فرمان ہوگئے ۵۳۲ھ

۱۱۴۷ء میں بلاد فاس اور بلاد نزالہ کو بھی لے لیا۔ پھر تلمان اور شہر عران پر بھی قبضہ جمایا۔ اور اب اس کی نگاہ مراکش پر تھی۔ اس وقت تشفین بن علی سردار مرابطین تھا اس سے تلمان پر جنگ کی وہ شکست کھا گیا اور ۵۳۹ھ ۱۱۴۵ء میں مر گیا۔

عبدالمومن، قلعے جو سامنے آتے گئے فتح کرتا ہوا ساحلی قلعہ تک پہنچا۔ اس قلعہ کے لوگ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ عبدالمومن نے اس دریا میں نہایت مضبوط بند باندھا جس کی وجہ سے اس کا پانی بڑھنے اور چڑھنے لگا۔ پھر اس نے دفعتہً اس بند کو کھول دیا۔ اس ناگہانی سیلاب سے شہر پناہ گر پڑی اور شہر غارت ہو گیا۔ ان حوادث کے بعد ۵۴۱ھ، ۱۱۴۶ء میں مراکش پر بھی قبضہ کر لیا اور ۵۵۳ھ ۱۱۵۸ء تک شہر سلجلمش اور ان تمام کو اپنے زیرِ حکومت کر لیا جو عران تلمان کے مابین بلاد واقع تھے۔

عبدالمومن نے نارمنڈی کے نصرانیوں کی طرف توجہ کی۔ شہر صالہ سے کوچ کا حکم دیا۔ ایک طبل بجوایا جس کا عمق پندرہ گز کا تھا اور اس کی آواز نصف میل کے فاصلہ سے سنائی دیتی تھی تونس کی طرف روانہ ہوا۔

سفر میں اُسے چاروں طرف سے معزز سردارانِ قریش اور اکابر و مشائخ اپنے درمیان گھیرے ہوئے تھے وہ سب عمدہ گھوڑوں پر سوار تھے جن پر طلائی و نقرئی زین کسے ہوئے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے جن کے نیچے ہاتھی دانت کی پوریاں تھیں اور اُوپر بھالوں کے قریب بیرقیں اور مختلف رنگوں کی ڈوریاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے باجے والے تھے جن کے پاس قرنائیں اور جھانج وغیرہ آلاتِ طرب تھے۔

یہ لشکر صبح سے دوپہر تک چلتا باقی وقت آرام کرتا۔ اس لشکر کے چار حصے تھے۔ ہر ایک کا علم جداگانہ تھا اور ہر ایک کا زادِ راہ اور جملہ لوازمات ساتھ رہتے۔ آخر شش نارمنڈیوں سے مقابلہ کیا۔ پھر تونس، طرابلس، نکلس، مہدیہ، قابس قیروان فتح کر لئے اور ۵۷۶ھ، ۱۱۸۰ء میں جزیرہ سسلیا کے بادشاہ کو بھی زک دی۔

پھر جزائر بلیارہ تک ۵۸۱ھ، ۱۱۸۵ء میں موحدین نے اپنی حکومت کے دائرہ کو وسیع کر لیا۔ پھر اندلس کی طرف متوجہ ہوا۔ الجرف پر جو پہلے سے جو گورنر تھا وہ تومرت کا معتقد تھا اس نے اپنے ہم عقیدان برادران کو اندلس کے ممالک پر حملہ کی دعوت کو قبول کیا اور زبردست حملہ کیا۔ الجرف پر قبضہ کیا۔ ۵۴۲ھ، ۱۱۴۷ء سے ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء سے ۵۵۵ھ کو روک دیا۔

موحدین نے ۵۰۹ھ، ۱۱۱۵ء سے ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء میں المریۃ تسخیر کیا جو الفنس ہفتم کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ موحدین کا تیسرا حملہ ۵۵۱ھ، ۱۱۵۶ء سے ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء تک رہا۔ غرناطہ فتح ہو گیا۔ پھر شہر دلنسہ پر قبضہ جمایا۔ مگر اندلسی عربوں نے ان سے چھین لیا۔

عبدالمومن کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ اس کا نام یوسف تھا۔ ان موحدین نے اندلس کے سرحدی نصرانیوں کو بڑی بڑی شکستیں دیں۔ الفنس ثالث کے مقابلہ میں کامیابی پر بیس ہزار عیسائی گرفتار کئے۔ بقیہ حالات بیان کئے جا چکے ہیں۔

موحدین نے اندلس میں اس کی وہی قدیم رونق و عظمت از سر نو زندہ کر دی تھی جو اس ملک کو خلفائے بنی اُمیّہ کے عہد میں حاصل رہ چکی تھی۔ عبدالمومن، یوسف یعقوب تینوں حکمران تمام قومی عیدوں اور ایامِ مسرت میں جوشِ مسرت اور قومی شان و شکوہ اور زیب و زینت دکھانے کے بے حد شائق رہے۔ ان کے عہد میں ہر تہوار کمال رونق اور دھوم دھام سے ادا کیا جاتا تھا۔

یہ حکمران علوم فنون اور صنعت و حرفت کے بھی بڑے حامی تھے۔ ان کا عمل بالکل احکامِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق تھا۔ انہوں نے ترویج و توسیع علوم کے لئے عام مدارس قائم کئے اور نو عمروں کے لئے جداگانہ مدرسے بنائے تھے۔ یہ موحدین علمائے اسلام سے نہایت فیاضی کے ساتھ پیش آتے تھے[1]

---

[1] تاریخ عرب موسیو ص ۳۱۶

امیر یوسف نے اشبیلیہ میں قصر اور مساجد تعمیر کرائیں اور دریا پہ ایک بہت عمدہ پُل کشتیوں کا بنایا اور شہر فصیل بھی درست کرائی۔ دریائے وادی الکبیر میں بند باندھ کر ایک نہر نکالی جس سے تمام شہر میں بہت کثرت سے پانی جاری رہتا تھا۔

امیر یعقوب نے عمر قوص کی فتح پر وہاں شاندار مسجد تعمیر کی جس کا ارتفاع ۲۱۷ قدم تھا اور اس کی چوٹی پہ ایک آہنی کرہ (گنبد یا گولا) بنایا تھا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا سونے کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ یہ کرہ ایک ستون پر رکھا ہوا تھا اور فقط اس ستون کا وزن دس قنطار تھا۔

امیر یعقوب نے اپنی سلطنت کے ہر حصہ میں فقراء کے لئے تکئے، عام مریضوں کے لئے شفاخانے اور نیز خاص لوگوں کے لئے جو لڑائی میں زخمی ہوں علیحدہ شفاخانے تیار کئے تھے۔ اس نے بیابانوں میں کنوئیں کھدوائے اور مسافروں کے لئے مسافر خانے بنوائے تھے۔ قاضیوں اور دینی عالموں کو آسودہ حال بنایا۔

امیر یعقوب سنہ ۶۱۹ھ سنہ ۱۲۲۳ء میں انتقال کر گیا۔ اس کے خاندان سے محمد بن ہتود نے حکومت اندلس چھین لی۔

موحدین کا فرمانروا مامون نے تومرت کے مقرر کردہ قوانین سب باطل کر دیئے۔ اس سے سلطنتِ موحدین کو بڑا ضرر پہنچا۔ سنہ ۶۴۰ھ سنہ ۱۲۴۲ء میں والی تونس نے بغاوت کر دی۔ سنہ ۶۴۶ھ سنہ ۱۲۴۸ء میں بنوزیان نے تلمان اور الجزائر کے شہروں میں ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس کا دائرہ کچھ عرصہ میں فاس تک پھیل گیا۔

ابو یوسف بنی مرین سے بلاد مغرب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے علم بغاوت بلند کر کے فاس، طارہ اور مراکش موحدین سے چھین لئے اور سنہ ۶۴۸ھ سنہ ۱۲۵۰ء سے سنہ ۶۶۹ھ سنہ ۱۲۷۰ء تک ان سے لڑ کر غالب ہو گیا۔ مغرب کے بربری عرب اس کے مطیع ہو گئے۔

پھر ان لوگوں کے خاندان میں حکومت متوارث ہو گئی اور تونس میں بنوحفص تلمسان میں زبانیہ اور مراکش میں مرینیہ خاندان والے تیرہویں صدی عیسوی

سے سولھویں صدی عیسوی تک حکومت کرتے رہے ۔

عُلمائے قرطبہ

ابو عمر احمد بن محمد بن زید بن حبیب بن قدیر بن سالم قرطبی سلطان ہشام ابن الحکم کے آزاد کردہ غلام کا بیٹا تھا۔ علم حدیث و تاریخ کا مستند عالم تھا۔ ۲۳۲ھ ۸۴۶ء میں پیدا ہُوا اور ۳۲۹ھ ، ۹۴۰ء میں انتقال ہُوا۔ اس کی تصنیف عقد الفرید ہے۔ قرطبہ میں دفن ہُوا۔[1]

یحییٰ بن یحییٰ ابن کثیر اللیثی بربری الاصل تھا۔ زیاد بن عبدالرحمٰن عرف شیطون قرطبی سے موطا امام مالک سُنی اور یحییٰ بن نصر القیسی سے سند لی۔ ۲۸ سال کی عمر میں مدینہ پہنچ کر امام مالک کے درس میں شریک ہُوئے مکّہ گئے۔ سفیان ابن عیینہ سے اور مصر میں لیث بن عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن القسم سے احادیث کی سند لی[2] تلامذۂ امام مالک سے سندِ فقہ لی۔ اندلس واپس آئے۔ بقول ابوالولید ابن الفرضی یحییٰ تحصیلِ علم سے فارغ ہو کر آئے تو وہ علم و فضل اور عقل و دانش میں یگانہ روزگار اور نہایت متقی و پرہیزگار تھے۔

سلطان عبدالرحمٰن ثانی نے عہدۂ قاضی القضاۃ پیش کیا۔ تقویٰ کی وجہ سے قبول نہیں کیا۔ مالکی مذہب اندلس میں یحییٰ کی بدولت شائع ہُوا۔

۸ رجب ۲۳۴ھ ، ۸۴۸ء میں انتقال کیا۔ مقبرہ بنی عامر میں دفن ہُوئے۔[3]

ابن الفرضی ابوالولید عبداللہ بن محمد یوسف بن نصر الفرضی فقیہ و محدّث تھا۔ المختلف والموتلف مشتبہۃ النسبۃ تصنیف سے ہے ۳۸۲ھ میں حج کیا اور ۴۰۳ھ ، ۱۰۱۳ء میں قرطبہ میں قتل ہُوا[4] اس کا ذکر تفصیل سے علمائے

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۹۶ [3] الاعلام جلد ۳ صفحہ ۱۱۵۷

اندلس میں آگئے ہے۔

ابن زیدون ابوالولید احمد بن عبداللہ بن احمد بن زیدون المخزومی الاندلسی ۱۰۰۳ئہ ۳۹۴ھ میں پیدا ہوئے، وطن قرطبہ تھا۔ نثرونظم میں امام فن تھا۔ المعتضد رئیس اشبیلہ کا وزیر تھا۔ حکمرانی کی اعلیٰ قابلیت تھی۔ شاعر "بیعدیل" تھا۔ صاحب دیوان ہے ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ئہ میں انتقال ہوا[1]

ابوعمر یوسف ابن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عاصم الغری القرطبی ۳۶۸ھ میں پیدا ہوا۔ حافظ خلف ابن قاسم۔ عبدالوارث بن سفیان اور ابوسعید بن سفر محمد بن عبدالمومن، ابوعمر دباجی، ابوعمر الطلمنکی اور ابوالولید بن الفرضی وغیرہ سے قرطبہ میں روایت حدیث کی۔ ابوالقاسم السقطی المکی حافظ عبدالغنی بن سعید ابوذر ہری ابومحمد بن نحاس مصری سے احادیث تحریری لی ہیں۔ ابوعمر فقہ میں بھی متبحر عالم تھے۔ مؤطا امام مالک پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ۷۰ جلدیں الاستذکار لمذہب ائمہ الامصار فی ما تضمنہ الموطا من معانی الرائے والاثار (شرح موطا) کتاب الاستیعاب (اسماء صحابہ) الدرر فی اختصار المغازی والسیر۔ غرضیکہ بہت سی تصانیف ہیں۔

۲۹ر ماہ ربیع الآخر ۴۶۳ھ ۱۰۷۰ئہ شہر شاطبہ میں بروز جمعہ انتقال کیا۔ امام ابن حزم ظاہری قرطبہ میں ۳۰ر رمضان ۳۸۴ھ ۹۹۴ئہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث وفقہ کے مستند عالم تھے۔

ان کا مفصل ذکر راقم سطور نے علمائے حق میں لکھا ہے کچھ ذکر آگے آتا ہے کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل۔ الاجماع مراتب العلوم۔ تقریب نقطۃ العروس وغیرہ یادگار ہیں۔ ۲۷ر شعبان ۴۵۶ھ ۱۰۶۳ئہ کو انتقال ہوا۔

ابن جلجل ابوداؤد سلمان بن حسان جلیل القدر طبیب اندلس تھا تشریح

---

[1] ابن خلکان جلد ۱ صـ۵۳ ؛

اسمائے مفردات ایک کتاب خلیفہ ہشام کے نام سے معنون کی تھی جو ۳۷۲ھ، ۹۸۲ء میں لکھی گئی۔

ابو غالب التیانی کا ۴۴۲ھ میں اور ابو الولید الباجی کا جو کتاب المنتقیٰ اور احکام الفصول فی احکام الاصول اور بہت سی کتابوں کا مصنف ہے۔ ۴۷۴ھ میں انتقال ہوا [1]

ابن بشکول ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود الخزرجی انصاری قرطبی مصنف صلہ (تذکرہ علمائے اندلس) ۵۷۸ھ میں انتقال کیا۔

فیلسوف اندلس ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد ۵۱۴ھ، ۱۱۲۰ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا متبحر فقیہ حافظ بن محمد بن رزاق سے تحصیلِ علم کی اور بیرو ابن زہر سے طب حاصل کی۔ دنیائے اسلام میں یگانہ روزگار ہستی تھی تفصیلی حالات راقم کی تصنیف "فلاسفہ اسلام" میں دیکھیے [2]

المنصور سلطان قرطبہ اور خلیفہ الناصر ابن رشد کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک قرطبہ اور اشبیلیہ کا قاضی القضات رہا۔ ۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء میں انتقال ہوا۔

قرطبہ میں ہزار علماء تھے جن کے حالات عربی تصانیف میں محفوظ ہیں۔ ابو علی الغسانی، ابو علی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی الجیانی محدث و فقیہ تھے۔ مدت العمر مسجد قرطبہ میں درس حدیث میں لگے رہے ۴۹۷ھ ۱۱۰۳ء میں انتقال ہوا۔

تباہی کے اسباب

مرکزی حکومت قرطبہ کی تفصیل سامنے آچکی۔ مگر اس جگہ مختصراً وہ اسباب بیان

---

[1] وفیات الاعیان جلد ا صث ۲۱۸ [2] فلاسفہ اسلام از انتظام اللہ شہابی صث ۱۲۵

کرتے ہیں جو اس حکومت کی تباہی کا باعث ہوتے۔

بنی امیہ نے اندلس میں کئی سو برس حکومت کی اور جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔

خلفائے بنی اُمیّہ میں پہلی خانہ جنگی ہشام کے زمانہ میں اُس کے بھائی سلیمان اور عبداللہ نے ۱۸۱ھ، ۷۸۹ء میں کی۔ مگر ہشام کی قوت کے مقابلہ میں زیر ہوا لیکن وہ پھر ہشام کے بیٹے الحکم کے مقابلہ میں آیا۔ سلیمان مرگیا۔ عبداللہ کا عفو تقصیر ہوا۔ مگر الحکم کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی خلیفہ ہوا تو عبداللہ نے والنسیہ پر افریقہ کے بربر قوم کے افراد لے کر حملہ کر دیا۔ مگر کچھ سوچ کر عبدالرحمٰن سے صلح کر لی۔ تاہم یہ آگ خاندانی سلگتی رہی۔ پھر نمایاں صورت ۷۹۶ھ ۱۱۰۰ء تک جھگڑے کی نہ پیدا ہوئی۔

البتہ خلفائے اندلس نے عرب امراء اور دوسرے سرگروہوں کو سراہا اور ان کو ترقی کرنے کے مواقع دیئے اور انہوں نے جب خلفاء کو کمزور دیکھا اُٹھ کھڑے ہوتے۔ ان میں سب سے بڑھ کر کارمونہ اور بائطہ کے والی تھے۔

۳۵۹ھ، ۷۶۱ء میں علی بن مغیث نے حکومتِ اندلس کے خلاف چڑھائی کی تو یہ اس کے مددگار ہوئے۔

والی طرطوس وہ تھا جس نے مذکورالذکر اور سلیمان اس کے بھائی عبداللہ کی بغاوت میں حصہ لیا۔ سرا قسط مریدہ، طلیطلہ کے والیوں نے بھی موقعہ بہ موقعہ کشت و خون و ہنگامے میں حکومت کے خلاف کمی نہ کی۔ عمرو بن حسن اور کالب کی کارفرمائی کو زیادہ دخل رہا۔

عمرو بن حسن نے دستور رہزنی کا اختیار کر لیا تھا۔ مسلمان اور عیسائیوں کی سلطنت کے درمیان اپنی حکمرانی قائم کی تھی۔ ۲۴۹ھ، ۸۶۳ء سے ۲۵۲ھ، ۸۶۶ء تک صوبہ ارغون کے اکثر حصہ پر علمبردار بن گیا تھا اور اس نے بہت سے والیوں اور سرداروں سے سازباز کر رکھا تھا۔ اس کی سرکوبی کے لئے سلطان محمد اٹھا تو اندلس اور فرانس کے درمیان کوہستان برنیہ میں جاکر پناہ گیر ہوا اور شاہ نوارہ سے مل گیا اور پھر فوج لے کر

صوبہ ارغون پر قابض ہو گیا۔ ابرہ ندی تک اس کا تسلط تھا۔ ایبرکی جنگ میں کام آیا۔ مگر اس کا بیٹا کالب سلطان منذر کے مقابل آیا۔ طلیطلہ اور فونسہ نے اس کی معاونت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ۲۷۲ھ، ۸۸۶ء میں ان پر قابض ہو گیا اور خلفائے بنی امیہ کے جس قدر مخالف تھے ان کو ایک محاذ پر لے آیا۔ شہر طاقون سے لے کر منبع دریائے تاج تک تمام ملک کا مالک بن بیٹھا اور اس پر بس نہیں کیا۔ ایالت اورانموں اور قطالونیہ کے ایک حصّہ اور طرطوس سے شہر مرسیہ تک کے سواحل پر بھی قبضہ جمایا۔

یہ اندرونی خانہ جنگی خلفائے اندلس کی قوت کو کمزور کر رہی تھی۔ کالب کا دل مسلمانوں پر حملہ کرنے سے بھر گیا تو نصاریٰ جن کو حکومت کے خلاف اُبھارا تھا اُن کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ ۲۷۸ھ، ۸۹۱ء میں جنگِ زامورہ میں اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر مجبوری درجہ اس فتنہ کے دفعیہ کے لئے خلفائے امویہ اور بادشاہانِ مملکتِ لیون متفق ہو گئے۔ ۳۰۱ھ، ۹۱۳ء میں سلطان عبدالرحمٰن ثالث نے اس پر فتح پائی اور شرقی اندلس کا تمام ملک اس کے قبضہ سے چھڑا لیا۔ کالب کے ہاتھ میں بجز طلیطلہ اور ایالت اڈاموتن کے سوا کچھ نہ رہا۔ آخر ش ۳۱۰ھ، ۹۲۲ء میں وہ مر گیا۔

مریدہ والوں نے بھی کچھ فتنے ۲۱۲ھ، ۸۲۷ء اور ۳۱۴ھ، ۹۲۶ء میں اُٹھائے مگر جلد دب گئے۔ ان عرب امراء سے زیادہ بربریوں نے حکومت کے قصر کو ڈھانے کی سعی کی۔

عبدالرحمٰن اوّل نے بربریوں کو نوازا۔ انہوں نے مغربی زناتہ قبائل کے لوگ بلا کر اپنے حفیہ (باڈی گارڈ) مقرر کئے۔ پھر عبداللہ اور ۲۸۸ھ، ۹۰۰ء تک دیگر خلفاء ان کو نوازتے رہے۔ اس پر ان خلفاء نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ سے سلاوریہ قوم کے غلام منگوائے اور ان کو ہتھیار باندھنے اور ان کو استعمال میں لانے کے قواعد سکھائے اور اپنا باڈی گارڈ بنایا۔ جس سے یہ ضرور ہوا کہ کچھ عرصہ کے لئے خودسر عرب اور بربر دب گئے۔ ۱۳۸ھ، ۷۵۵ء سے لے کر ۳۹۹ھ، ۱۰۰۸ء تک

بالکل کوئی جھگڑا اُن سے سرزد نہ ہُوا۔ کچھ عرصہ بعد یہ غلام سیاسی کاموں میں بھی دخیل ہونے لگے۔ حکومت کے انحطاط پر اُنھوں نے بھی نمک حرامی کی جس سے حکومت امویہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔

اقتدارِ نصارے

بعض کوتاہ اندیش خلفائے اندلس اور امرائے عرب کی خانہ جنگی نے سرحدی نصرانی حکومتوں کو اپنی پائمال شدہ حالت سدھارنے کا موقعہ دیا۔ چنانچہ سرحدی ریاستوں نے یورپ میں اپنے نمائندے بھیج کر مسلمانوں کے فرضی ظلم کی داستانیں سنائیں جس سے تمام یورپ میں مسلمانوں سے لڑنے کا عام جوش پھیل گیا اور جوق در جوق ادھائے سرحد کی معاونت کے لئے نصرانی آنے لگے۔ ان میں ریمنڈ بوگونی اور ہنری بنیرنونی دو سرداروں نے ایسی جنگی خدمتیں اور کارہائے نمایاں کئے کہ شاہ الفنس نے اپنی بیٹی پرنسس اورا قہ ریمنڈ کو بیاہ دی اور دوسری لڑکی پرنسس طیرنیرہ ہنری کے حبالہ عقد میں دیدی۔ ہنری نے ریاست لوزیتانیا کا جس قدر ملک فتح کیا تھا وہ بھی شہزادی طیرنیرہ کے جہیز میں ہنری ہی کے حوالہ کیا۔

ریمنڈ کو کوئی ملک نہیں ملا مگر اسے یہ توقع تھی کہ قسطیلہ کی سلطنت اس کے حصہ میں آئے گی۔ چنانچہ شاہ الفنس کے بعد وہ قسطیلہ اور لیون کا بادشاہ ہو گیا۔ سنہ ۵۱۴ھ سنہ ۱۱۲۰ء میں نصاریٰ اسپین کی حکومت اندلس کے اس تمام حصہ ملک پر قائم تھی جو طیطلہ سے دریائے ربرہ تک ممتد ہوتا چلا گیا ہے۔

اس کے بعد ریاست اراکون کے فرمانروا الفنس نے شہر دانسہ پر چڑھائی کی اور افریقہ کے سلطان مرابطین کی طرف سے اس ملک میں جتنے گورنر تھے وہ سب کو شکست دی اور اندلس کے میدانی علاقوں کو فتح کر لیا۔ اس حملہ میں نواح غرناطہ کے بارہ ہزار مسلمان عرب بھی الفنس کے زیر علم سرفروشی کر رہے تھے جس کی وجہ ان کا مرابطین سے برسر عناد ہونا تھا۔ پھر سنہ ۵۱۹ھ سنہ ۱۱۲۵ء میں الفنس نے مملکت

مرسینہ پر حملہ کیا اور غرناطہ کے حوالی کو دل کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ وہ اس لڑائی میں مملکت غرناطہ وغیرہ کے بہت سے عربوں کو بھی اپنے ساتھ پکڑ لے گیا تھا جنہوں نے شہر سراغوسہ میں سکونت اختیار کر لی۔

الفنس کی یہ حرکت دیکھ کر مرابطین کے فرماں رواؤں نے اپنی سپاہ کو شدید حکم دے دیا کہ ممالکِ اسلامیہ کی حدود میں جس قدر نصرانی آباد ہیں انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ اور ان کے مجمعے متفرق کر دیئے جائیں۔

اس حکم کی پُورے طور پر تعمیل کی گئی۔ بلکہ اس پر اتنا اور اضافہ بھی ہُوا کہ جن نصرانیوں پر دشمن سے مراسلت کرنے کا شُبہ ہوا تھا ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی جائدادیں اور گھر بار فروخت کر کے بلادِ مغرب یعنی افریقہ میں منتقل ہو جائیں۔

یہ کارروائی الفنس ریمنڈ شاہ قسطیلہ ولیون کے جواب میں اثر ڈالنے کے لئے کی گئی تھی۔ مگر وہ اس سے کچھ بھی متاثر نہ ہُوا۔ بلکہ ۵۲۸ھ ؁۱۱۳۳ء میں پھر ایک سپاہ جرار کے ساتھ اندلس کے اسلامی ممالک پر حملہ آور ہُوا۔ اس حملہ میں اس نے اشبیلیہ اور قادس کے اطراف کو خوب تباہ و برباد کیا۔

الفنس ریمنڈ کچھ تو ان مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ نوارہ اور اراغون کے نصرانی بادشاہوں کے مابین ثالث بنایا گیا اور مناسب و مؤثر فیصلہ کیا تھا۔ امپر یعنی شہنشاہ کے لقب کا مستحق ہو گیا اور اب وہ امپراطور کہلانے لگا۔

اسی طرح اس کے ہم زلف ہنری نے بھی الجرف کی سمت بلاد اسلامیہ پر حملہ کیا۔ جا دا چوترا بجا۔ اقوزہ اور انوآنہ کے والیان تک متفق و متحد ہو کر ہنری کی مقاومت کے لئے آئے اور اس متفقہ لشکر نے دشمن کا مقابلہ کیا لیکن اوریقہ کی سنگستانی سرزمین کے نزدیک مسلمانوں کے اس متحدہ لشکر کو شکست ملی۔

اب ہنری کی قوت و شوکت بھی خوب مستحکم ہو گئی کیونکہ وہ ان منظم والیان ملک کے علاقہ کا حکمران ہو گیا تھا اور مسلمان اب کچھ حصہ ملک پر حکمران رہ گئے تھے۔

اشبیلہ

خلیج بسکی سے ۶۲ میل کے فاصلہ پر ساحل وادی الکبیر پر جبل اشرف کے دامن میں اشبیلہ آباد ہے۔ یہ شہر موسیٰ بن نصیر کے بعد اولین عامل عیسیٰ بن عبداللہ الطویل کی ماتحتی میں تھا۔ لیکن بعد میں عبدالعزیز بن موسیٰ گورنر مقرر ہوا جس نے لذریق کی نوعمر بیوہ اشلونہ سے عقد کر لیا تھا۔ بغاوت کے الزام میں خلیفہ اموی کے حکم سے گرجائے روفینیہ میں قتل کیا گیا۔

۵½ سال تک مسلمانوں کے زیر نگیں رہا۔ اولین فرماں روائے اشبیلہ قاضی ابوالقاسم محمد بن اسمٰعیل یمنی لخمی عبادی ساکن شام تھا۔ اس کے بعد المعتضد بیٹھا جس نے اپنے ولی عہد اسمٰعیل کو خود قتل کیا۔

۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء میں قاضی ابوالقاسم تھا ۴۳۴ھ/۱۰۴۲ء میں المعتضد حکمران رہا ۴۶۱ھ/۱۰۶۸ء لغایۃ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء المعتمد تھا۔ یہ عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ یورش نصاریٰ پر اس نے ہی یوسف بن تاشقین کو دعوتِ اندلس دی تھی، وہی اس پر قابض ہو گئے۔

مسلمانوں کے عہد میں بہت بارونق شہر تھا۔ روئی کی منڈی تھی پانچ ہزار کارخانے پانی کی طاقت سے چلتے تھے۔

ابن خلدون جیسے مؤرخ ابن عربی جیسے محدث ابن ہشیم اور ابن زیدون سے شاعر۔ زہری خطیب ابن زہر ابوبکر جیسے فلسفی یہاں پیدا ہوئے۔ یہاں بھی چند عمارتیں حکمرانوں نے بنوائیں مگر وہ جلد مسمار ہو گئیں۔

اشبیلہ کے حمام میں المعتضد نے ۶۰ سرداران بربر کو بلوا کر ابلوا ڈالا تھا۔ یہاں ایک قصر یوسف ابو یعقوب نے تعمیر کرایا تھا۔ اس نے ایک مسجد بھی تعمیر ۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء میں کی تھی۔ برج الذہب ۶۱۷ھ/۱۲۲۰ء میں سید ابوالعلا گورنر الموحدی نے ساحل وادی الکبیر پر قائم کیا تھا۔ نصرانیوں کے غلبہ پر دارالخیرات شفاخانے

مساجد وغیرہ ڈھا دیئے گئے اور مساجد کو گرجے کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا۔

علمائے اشبیلہ

ابو علی عمر بن عبداللہ الملقب بہ الشلوبینی بھی ازوے تھا۔ صرف و نحو کا عالم تھا۔ التوطیہ (صرف نحو) تصنیف سے ہے ۶۲۵ھ میں اشبیلہ میں وفات پائی [۱]

قاضی ابو مردان محمد بن احمد بن عبدالملک الباجی متوطن اشبیلہ ابوالعباس احمد بن محمد بن احمد متوطن اشبیلہ۔ ابوبکر ابن زہر الحفید طبیب و وزیر وقت تھا۔ امیر یوسف یعقوب المنصور اور عبداللہ محمد الناصر کے پاس رہا۔ آخر میں مراکش جا کر ۵۹۶ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن علی بن عبداللہ ابن الحاج اشبیلہ میں ۶۷۰ھ میں پیدا ہوا۔ علمائے عصر سے اکتسابِ علوم وفنون کیا۔ امیر نصیر نے اپنا وزیر ۷۰۹ھ میں بنایا۔ ابن الحاج کو کمسنی میں مختلف قسم کی چکیاں بنانے کا شوق تھا اس نے بزمانہ ابو یوسف یعقوب المنصور ایک بہت بڑا کارخانہ افریقہ میں قائم کیا تھا۔ آلاتِ حرب توپ وغیرہ ڈھلتی تھیں۔ یہی توپ کا موجد ہے۔ پہلے محمد ثانی امیر غرناطہ کا ملازم ہوا۔ پھر نصیر کا وزیر ہوا۔ ۷۳۰ھ میں انتقال کیا۔ [۲]

عبداللہ السلیمانی لسان الدین ابن خطیب فاضل جلیل تھا۔ امیر یوسف غرناطی کا وزیر رہا۔ اللمحۃ البدریہ فی تاریخ دولت النصریہ لکھی ۷۶۰ھ تک وہ بقید حیات تھا۔

○

طلیطلہ

یہ قدیم قوطی سلاطین کا دارالحکومت اور خاندان ذوالنون کا مستقر رہا ہے

---

[۱] ابن خلکان [۲] المقری و ابن الخطیب۔

دریائے تاجو کے کنارے ایک بلند مقام و دشوار گذار پہاڑ پر واقع ہے۔ دریائے تاجو پر ایک محراب کا پل مسلمانوں نے تعمیر کیا تھا۔

طلیطلہ کے داخلہ کے لئے باب الشمس اور باب المسکرہ جیسے پندرہ دروازے تعمیر کئے گئے مسجد باب المردان بنائی گئی۔ طلیطلہ بغاوت کا گھر ہر زمانہ میں رہا جیسا کہ پچھلے اوراق میں جس کی تفصیل آچکی ہے یہاں کے حکمرانوں میں المامون ابن ذوالنون نامور ہے۔ اس نے ایک عالی شان محل تعمیر کرایا تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے فلسفی اور امراء تھے

ابوالقاسم الزرقال مہندس و صناع نے ایک ایسا گھڑیال بنایا تھا جو پندرہ روز بڑھتا اور پندرہ روز گھٹتا تھا اور جس کے خطوط سے تاریخ اور وقت دریافت کیا جاتا تھا۔

خاندان ذوالنون طلیطلہ

اسماعیل سنہ ۴۲۷ھ م سنہ ۱۰۳۵ء

یحییٰ مامون سنہ ۴۲۹ھ م سنہ ۱۰۳۷ء

یحییٰ قادر سنہ ۴۳۹ھ م سنہ ۱۰۴۷ء

ممالک و قریہ اندلس

جزیرۃ الخضرا جبل الطارق کے پاس یہ چھوٹا سا شہر ہے جہاں سے طنجہ اور رباط کے لئے جہازی راستہ ہے مسلمانانِ مراکش نے ۹۰ھ میں تسخیر کیا تھا۔ یہاں کی نارنگیاں مشہور ہیں۔

طریفہ ساحل اندلس کا قصبہ ہے۔ طریف ابن ندعہ پہلے پہل یہاں آئے تھے۔ یہاں قلعہ تعمیر کیا تھا۔

قادس یہ شہر جزیرۃ القادس کہلاتا ہے۔ یہاں ایک مینار بنا ہے، میوہ کثرت سے ہوتا ہے ایسا ہی سریش ہے۔ یہی وادی بکر کا میدان ہے جہاں طارق کی فوج مقیم ہوئی تھی۔ اس شہر میں ابوالعباس پیدا ہوا تھا جس نے مقامات حریری کا حاشیہ لکھا۔ یہیں قاضی جمال الدین قاضی القضات دمشق پیدا ہوئے۔

طنطو اشبیلہ سے شمال رخ ۵۰ میل پر ہے۔ یہاں تانبا کے کان ہے، معدن طلاء بھی ہے۔

اطالفہ۔ طاشہ۔ قرمونہ۔ استیجہ۔ ولیہ۔ یہ سب اشبیلہ کے توابعات سے ہیں۔ شقندہ قرطبہ کے پل وادی الکبیر کے قریب ہے المدر یہاں جامع مسجد ہے۔ ماذدہ یہاں غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے ۹ میل پر میدان زلاقہ ہے۔ بطلیوس کا یہاں دارالعلوم تھا۔ علماء و فضلاء یہاں پیدا ہوئے۔ بلش۔ محراط۔ ایلہ۔ مدینہ سالم۔ الحامہ یہیں قلعہ ایوب ہے۔ شقوبیہ۔ طبیدہ میدر سے ۴۱ میل پر القلعۃ الانہار ہے۔ قرطبہ سے قریب قلعۃ الریاح ہے۔ یہیں واقعہ یوم عقاب پیش آیا۔ محمد الناصر موحدی کی فوج ۱۲۱۲ء میں نصرانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔

قلاہورہ دلکرلو قریہ سراقسطہ (مدینۃ البیضا) اس کی سنگ بنیاد حضرت

خلش بن عبدالصناعی تابعی نے رکھی۔ سلیمان عربی اسلامی پل، قصر الجفریہ مشہور ہیں۔ یہی بنی تجیب حکمراں رہے۔

منذر بن یحییٰ تجیبی	۴۱۰ھ	م ۱۰۱۹ء
یحییٰ منظفر	۴۱۴ھ	م ۱۰۲۳ء
منذر بن یحییٰ	۴۲۰ھ	م ۱۰۲۹ء

مراقسطہ سے ۱۴ میل پر وشقہ کی آبادی ہے۔ یہاں دارالعلوم تھا۔ بدروہ، طرکونہ، طرطوشہ، مربیطر، برشلونہ، بدلونہ، الجیرہ، القنت، اریولہ، شاطبہ، مرسیہ، مالقہ، طروش، مریہ بسطہ، الھرو، ادرقہ، البشرات، لوشہ، رندہ جبل مولائے حسن، الجام بشوریانہ، پادل، قریہ، ندویلہ، یہ تمام شہر و قریہ اندلس کے مشہور تھے۔

دبدہ لسطہ سے ۹ میل ہے۔ المعاون شلنکہ شہر موسیٰ نے فتح کیا تھا۔ مولدین کا آخری قافلہ ۱۰۱۹ھ، ۱۶۱۰ء میں یہیں سے خارج البلد کیا گیا۔ سمورہ مدینۃ الولید سے چھوٹا ہے۔ عبدالرحمٰن ناصر سے معرکہ یہیں نصرانیوں سے ہوا۔ اسے دافعۃ الخندق کہتے ہیں۔

استرقہ۔ مدینۃ الولید۔ سمنقس۔ رندے ابردن۔ سنت سیش۔ صوبہ البہ تبلبونہ۔

یہاں خلیفہ ہشام کے زمانہ میں عثمان ابن ابی ٹرنع گورنر تھا۔ یہ حبشی تھا۔ قمر طلعت دختر شہزادہ لودس نصرانی والی کوطالیہ کی عثمان سے بیاہی گئی۔ جب وہ قوم سے غداری کر کے شرمندہ ہوا تو خودکشی کر لی۔ یہ شہزادی دمشق جا کر سلیمان کی حرم بنی۔

غرناطہ

اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کی امرائے عرب بربر مولدین کی آپس کے فتنہ وفساد سے اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اکثر اسلامی ممالکِ اندلس پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگیا۔ غرناطہ بے یارومددگار رہ گیا۔ سلاطینِ قرطبہ کی طرف سے گورنر رہا کرتے تھے۔ طوائف الملوکی کے زمانے میں ارجونہ کا ایک یمنی الاصل چابک سوار توسن صبا رفتار پر جنوب اندلس میں نمودار ہوا۔ اس کی بہادری کو دیکھ کر اشبیلہ وغیرہ کے سپاہی اس کے ہمراہی میں ہو گئے۔ اس نے جس طرف کا رخ کیا زیروزبر کرتا ہوا جبل اسابقہ پر بنو نصر کا پرچم نصب کر دیا۔

اس بانی حکومت غرناطہ کا نام محمد الاحمر تھا اور یہ حضرت سعد ابن عبیدہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اولاد سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :-

"محمد بن یوسف ابن محمد احمد خمیس ابن احمر ابن قیس الخزرجی انصاری"

جس سال نصاریٰ کو میدانِ ارکہ میں شکست فاش ہوئی اس سال یہ بانی حکومت غرناطہ پیدا ہوا تھا۔

غریب گھرانے کا فرد تھا۔ ایک کھیت کی کاشت باپ کرتے تھے۔ مگر بچپن سے اس کو شہسواری اور نیزہ بازی کا شوق تھا۔ محمد ابن احمد نے قرطبہ اور اشبیلیہ ارجونہ وجیان کو زیروزبر کرتا ہوا سنہ ۶۳۶ھ سنہ ۱۲۳۸ء میں غرناطہ کو فتح کیا۔ اور باہزاراں جاہ وجلال شہر میں داخل ہوا۔

ابھی باب المنیطہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ شارع منشا کی مسجد سے آوازِ اذان بلند ہوئی۔ محمد ابن احمد فوراً گھوڑے سے اترا اور نماز مغرب باجماعت ادا کی۔ پھر القصر دیک الروح میں پہنچ کر نزول اجلال فرمایا۔

محمد الاحمر نے تھوڑے عرصہ میں غرناطہ کو عروس البلاد بنا دیا۔ دار المشورہ باب الشریعۃ قائم کیا۔

اس عرب نژاد بادشاہ نے قصر الزہرا کے مانند مدینۃ الحمرہ کی بنا ڈالی۔ ۱۲۴۸ء میں بیرونِ شہر غرناطہ جبل سابقہ الحمرا کی ایک مختصر سی سطح و مرتفع مقام پر ۶۰ بیگھہ زمین مدینۃ الحمرہ کی سنگ سرخ سے تعمیر شروع کی۔ دن رات مسلمان مہندسین کی ہفت صد سالہ محنت و کاوش کا خلاصہ یہ عمارت تعمیر ہوئی۔ ابھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی کہ محمد ابن احمد الغالب باللہ نے بعمر ۷۹ سال انتقال کیا۔ مسجد القلعہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور الحمرہ کے گوشہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ دار المشورہ مسجد سے ملحق تھا جہاں سلطانِ وقت علمائے دین متین کی صحبت میں بیٹھ کر فقہ و حدیث سنتا اور پیچیدہ مسائلِ شرعی پر مشورہ کرتا تھا۔

شہر غرناطہ دامن جبل سابقہ میں سواحل حدرّہ و شنیل پر آباد ہے فصیل میں ۱۰۳۰ برج اور ۷ پھاٹک تھے:۔

باب النبوت۔ باب البیرہ۔ باب المنیطہ۔ باب الرملہ۔ باب السلطان باب الجداد۔ باب الحارہ۔

محمد ابن احمد کے بعد محمد ثانی المعروف بہ فقیہ تخت پر بیٹھا۔ اس نے بھی شاندار حکمرانی کی۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے محمد ثالث مخلوع ابو الجیوش نصر۔ ابو الولید اسمٰعیل۔ محمد رابع۔ ابو الحجاج یوسف اول۔ محمد خامس الغنی باللہ اسمٰعیل سعید یوسف ثانی نے غرناطہ پر حکمرانی کی۔

الحمرا کی عمارت کئی بادشاہوں کے عہد میں تکمیل کو پہنچی۔ یہ تیرھویں صدی میں بننا شروع ہوئی اور چودھویں صدی میں اتمام کو پہنچی۔

اس محل سرا کو مجلا سنہری پھول پتیوں اور عربی جالی دار محرابوں سے جو اس وقت تک سب ملکوں کے صناعوں کو متحیر کرنے والی ہیں آراستہ کیا۔

صنعت کاری کا تناسب عمارت اور کمالات فنِ انجنیئری نے اس کو سرتاج اندلس بنا دیا۔ اس عمارت کے قریب خیابان الحمرہ اور نہر ہے۔ یہیں مقام بنی احمر ہیں۔

بروج | برج البارود، برج الفقراء تقاع ۵ ۸ فٹ بلند۔ برج الکتکوت (مرغی خانہ) تھا۔ برج السیف، برج القمارش ۸۴ فٹ بلند، برج المحراب برج النبات، برج الدمدمہ، برج القندیل، برج لجن، برج الاطفال، برج الابلیس اور برج الماء والحمرا کے لئے آب رسانی کا یہاں ذخیرہ تھا۔ برج ہفت منزل، برج القائد۔ برج طلسم۔ برج الفرق۔

الحمرا میں داخلہ کے لئے ڈیوڑھی (دارالبرکہ) ہے، صحن میں حوض ہے۔ طول صحن ۱۲۰ فٹ۔ عرض ۷۵ فٹ صدر محراب پر خوب صورت جالی دار کارنس ہے۔

مسجد الحمرا ۱۳۰۸ء میں محمد ثالث نے تعمیر کی تھی۔ اپنی خوب صورتی میں لاجواب ہے۔ اس مسجد میں یوسف حجاج جس نے الحمرا میں متعدد عمارات باب الشریعۃ باب الخمر۔ بیت الاختین۔ دیوانِ خاص۔ حوض حمام وغیرہ تعمیر کئے تھے۔ وہ ۱۳۵۴ء میں شہید ہوا۔

دیوانِ خاص | خوشنمائی ونزاکتِ نقش ونگار اور فنِ تعمیر سے تاج الحمرا کا گوہر شب چراغ ہے۔ منقش وشبک نیم قوسی محراب سڈول ستون جن پر سونا چڑھایا گیا تھا۔ یہ عمارت یوسف اوّل کی تعمیر ہے۔

دارالاساد | ۹۲ × ۵۲ فٹ ہے۔ صحن میں خوب صورت وشاندار فوارہ ہے جس کا پانی اچھل کر طشت میں گرتا تھا اور طشت سے پھر شیروں کے منہ کے ذریعہ خارج ہوتا تھا۔ یہ طشت شیروں کی پشت پر قائم کیا گیا ہے۔ صحن کے ہر چہار طرف نازک بارہ دری ہے۔ ستون خوب صورت اور لاجواب ہیں۔ چھت چوبی، محراب وکارنس پر پلاسٹر ہے۔ اس کے بعد ایوان بنی سراج کا ہے۔ دارالاسادہ سے ملی ہوئی شاہی بارہ دری ہے۔

مدینۃ الحمرا میں حرم سرا خوب صورت وسبک ہے۔ اس عمارت کو اہل مغرب دارالاختین کہتے ہیں جس میں جھروکہ عائشہ ہے۔

الحمرا سے ایک فرلانگ پر قبۃ المعارف باغ اور بنگلہ ہے۔ شہر غرناطہ کی

آبادی تین لاکھ تھی ۔ البازین ۔ انت قیرہ ۔ شہر خاص ۔ باب السلطان ۔ باب الرملہ ۔ بازار القادریہ ۔ یہ مشہور محلے و بازار غرناطہ کے تھے ۔ دوسری مشہور چیزیں دارالعلوم ۔ حمام الجوزہ ۔ باب التوابین ۔ مسجد المنظورہ ۔ مسجد تابعین ۔ مسجد وداع ۔ جسکے زیر سایہ ابو عبداللہ نے نصرانی تاجدار کو کلید الحمراء سپرد کر کے سلطنت سے خلع کیا ۔

تاریخ غرناطہ

محمد بن احمر نے غرناطہ پر شایانِ شان حکمرانی کی ۔ اس نے دست کاروں اور موجد پیشہ وروں کو نئی چیزیں بنانے اور دربار شاہی میں پیش کرنے پر صلے اور انعامات عطا کئے ۔

مملکتِ غرناطہ میں حریر (ریشم) کے کپڑے بُننے کا بہت رواج ہُوا اور نئی نئی وضع ایجاد ہوئیں ۔

علوم کی ترقی میں وہ خلفائے اندلس سے پیچھے نہیں رہا ۔ فلکیات ۔ طب ۔ ریاضی ۔ کیمیا ۔ نحو اور منطق میں جو ائمۂ فن تھے اُن کی سرپرستی کی ۔

غرناطہ میں حکومت کی طرف سے آئے دن مصنوعی جنگ ، تیراندازی ، نیزہ بازی ، بیلوں کی لڑائی ۔ گھوڑدوڑ وغیرہ ہوتی اور ان تماشوں میں اعیانِ مملکت اور عام رعایا شریک ہوتی [1]

اس کے زمانے میں غرناطہ عروس البلاد بن گیا تھا ۔

محمد بن احمر نے غرناطہ کی بہت مضبوط بنا ڈالی سنہ ۶۳۲ھ ، سنہ ۱۲۳۸ء سے سنہ ۷۵۳ھ ، سنہ ۱۳۵۲ء تک اس کا خاندان حکمران رہا ۔ جس نے سنہ ۶۳۶ھ ، سنہ ۱۲۳۸ء سے سنہ ۶۷۲ھ ، سنہ ۱۲۷۳ء تک رعب و جلال اور خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ حکمرانی کی ۔ اس کے بعد محمد ثانی اورنگ سلطنت پر جلوہ فرما ہُوا جس نے سنہ ۶۷۲ھ ، سنہ ۱۲۷۳ء سے سنہ ۷۰۲ھ ، سنہ ۱۳۰۲ء تک حکمرانی کی ۔

---

[1] تاریخ عرب از موسیو سیدیو فرانسیسی صفحہ ۳۴۳

غرناطہ سے ساز باز کر کے یوسف کو معزول کیا اور خود حکمران ہو گیا۔ ۸۴۹ھ، ۱۴۴۵ء تک اچھی طرح حکومت کرتا رہا۔ عثمان اسمٰعیل ثالث نے اس کے خلاف سازش کی جس میں عثمان کامیاب رہا اور محمد نہم کے نام سے ۸۵۸ھ، ۱۴۵۴ء میں تخت پر قابض ہو گیا۔ پھر اسمٰعیل اس کو زیر کر کے تختِ حکومت کو قبضہ میں لایا اور کچھ دنوں میں مر گیا تو اس کا بیٹا حسن تخت غرناطہ پر متمکن ہوا۔

اس نے اپنا نام محمد دہم اسمٰعیل رکھا۔ اس کے معاون نصرانی تھے۔ اکیس برس بادشاہت کی۔ ۸۶۵ھ، ۱۴۶۰ء میں عیسائیوں نے جبرالٹر جبل طارق اور ارکیڈونا پر قبضہ کر لیا اور تمام ممالک متوسط کو مغلوب کر لیا۔ غرناطہ کے اضلاع بھی نکل گئے تو عیسائی بادشاہ نے ایک عہد نامہ لکھوایا کہ مسلمان دس ہزار اشرفی سالانہ خراج دیں اور تابعدار رہیں۔ اس عہد نامہ کے تین برس بعد ۸۷۱ھ، ۱۴۶۶ء میں محمد دہم انتقال کر گیا۔

ابوالحسن شاہِ غرناطہ

ابوالحسن ملقب بہ علی اپنے باپ محمد دہم کے بجائے تخت غرناطہ پر بیٹھا۔ یہ جاہ و جلال کا بادشاہ تھا۔ اس کے زمانہ میں بڑا واقعہ فتح زاہرہ اور محاصرہ مالگا کا تھا اس زمانے میں ملکہ قسطیلہ، ایزبلہ کی شادی فرڈیننڈ بادشاہ نوار سے ہوئی۔ اب ہر دو زن و شوہر قسطیلہ نوار۔ ارغون تینوں مملکت کے بادشاہ تھے۔ ایزبلہ اور فرڈیننڈ نے دربار غرناطہ کو سفارت بھیجی اور سلطان حسن کو پیام دیا گیا کہ تمہارا باپ شاہ قسطیلہ کو خراج دیتا تھا تم بھی بدستور خراج ادا کرو اور جو واجب الادا ہے وہ بھی جلد ارسال کرو۔

سلطان ابوالحسن نے سفیروں سے کہا کہ تم لوگ واپس جا کر ہر دو فرماں رواؤں سے کہہ دو کہ غرناطہ کی ٹکسال میں اب سونا نہیں ڈھلتا بلکہ آبدار تلوار ڈھلتی ہے۔

سلطان ابوالحسن کا یہ جواب صرف زبانی نہ تھا بلکہ اُس نے ۸۸۶ھ میں شاہ قسطیلہ

پھر سلطان ثالث تخت نشین ہوا۔ جو ۷۰۳ھ، ۱۳۰۳ء سے ۷۰۹ھ، ۱۳۰۹ء تک فرماں رواں رہا۔

ان تینوں بادشاہوں میں سے دو نے بڑی خوبی کے ساتھ انتظام سلطنت قائم رکھا۔ تیسرے کے زمانے میں نصاریٰ ابوا عبوش نے اہلِ غرناطہ کو ملا کر محمد شاہ کو معزول کیا اور خود ۷۰۹ھ سے ۱۳۱۳ء تک سریر آرائے سلطنت رہا۔ اس لئے اس کے بھائی اسمٰعیل بن فرج نے اس کو تاج و تخت سے بے دخل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد رابع ۷۲۶ھ، ۱۳۲۵ء سے ۷۳۴ھ، ۱۳۳۳ء تک حکمران رہا۔ پھر اس کا بھائی یوسف اوّل ۱۳۳۳ء سے ۷۵۵ھ، ۱۳۵۴ء تک حکمرانی کرتا رہا۔ یہ ایک ذی حوصلہ اور صاحب عزم بادشاہ تھا۔ اس نے انتظامِ سلطنت کے گذشتہ اصول اور بہترین عادلانہ قوانین کی تجدید کی۔ نصاریٰ سے معرکہ رہا جس میں ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد محمد پنجم ابن یوسف ملقب بہ جاویش منصبِ سلطنت پر فائز ہوا۔

مگر اس کے خلاف اسمٰعیل ابن یوسف اور ابوسعید نے سازش کر کے اس کو معزول کر دیا۔ اور آپس میں حکومت کے لئے جھگڑے پڑے۔ شاہِ قسطیلہ نے ابوسعید کا خاتمہ کرا دیا اور محمد کو کمک دے کر کامیاب بنایا۔ ۷۶۵ھ، ۱۳۶۳ء سے ۷۹۳ھ ۱۳۹۰ء تک محمد پنجم حکمران رہا۔ اس کے بعد یوسف ثانی بادشاہ ہوا۔ پھر محمد ششم اورنگ نشینِ سلطنت ہوا۔ جس نے اپنے بھائی یوسف کو دائم الحبس کر دیا۔ جب محمد ششم مرض الموت میں گرفتار ہو کر مر گیا تو یوسف ثالث حکمران ہوا۔ پھر محمد ہفتم الملقب بہ الیسر ۸۲۷ھ، ۱۴۲۳ء سے ۸۴۲ھ، ۱۴۳۸ء تک بادشاہ رہا۔ یہ ظالم تھا رعایا ناخوش تھی، اس کو معزول کر کے اس کے رشتہ دار محمد الصغیر کو بادشاہ بنا لیا گیا جو ایک سال حکمران رہا۔ اس کو بھی معزول کر کے پھر محمد ہفتم کو بادشاہ کر دیا گیا۔ غرناطہ کی اندرونی بدنظمی سے فائدہ اُٹھا کر قسطیلہ کے بادشاہ نے حملہ کر دیا اور یوسف رابع کو سلطنت پر بٹھایا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد محمد ہفتم نے امرائے

کے قلعہ صخرہ پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ یہ مستحکم اور بلند وبالا قلعہ تھا۔ مگر سلطان نے ایک ہی شب میں اسے تسخیر کر لیا۔ اس کے بعد جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

۸۸۵ھ میں قلعہ الحمرا کو مسلمان فوجوں سے خالی پا کر شاہ کیٹیل فرڈیننڈ نے اس پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ ہزاروں مسلمان مرد و عورت اور بچے اس کے دندانِ آز کا شکار ہوئے۔ سلطان حسن کو اس کے مظالم اور درندگی کی اطلاع پہنچی اور یہ کہ شاہ کیٹیل بذاتِ خود ایک فوجِ گراں کو لے کر غرناطہ پر بڑھ رہا ہے جس نے اپنی عنانِ توجہ لوشہ کی طرف کر دی۔ شاہ کیٹسل نے سلطان حسن سے شکست کھائی۔ پھر تو مسلمان اس کی فوج کے مال و اسباب پر قابض ہو گئے۔

اِدھر عیسائیوں کے ساتھ جنگ جاری تھی اُدھر مسلمان خطرناک خانہ جنگی میں مُبتلا تھے۔ سلطان حسن کی ایک عیسائی کنیز تھی جس سے اُس کو بے حد انس تھا۔ اس جاریہ کے علاوہ سلطان کی ملکہ سلطان عبداللہ کی بیٹی تھی۔ بیوی اور جاریہ ہر دو سے اولاد تھی۔ بیوی کے بطن سے ابوعبداللہ اور یوسف تھے۔ لیکن سلطان کی توجہ جاریہ پر زیادہ تھی۔ اس بنا پر ابوعبداللہ اور یوسف دونوں کو خوف تھا کہ کہیں سلطان حسن تاج و تخت سے ہم کو محروم نہ کر دے اور جاریہ کی اولاد کو اپنا جانشین نہ بنا دے۔ اس اندیشہ سے اس وقت جبکہ سلطان مقام لوشہ میں شاہ کیٹسل سے نبرد آزما تھا ابوعبداللہ اور یوسف باپ کے خلاف عَلم بغاوت بلند کر بیٹھے اور غرناطہ کے ایک حصہ پر قابض ہو گئے۔

ادھر عیسائیوں کے ساتھ جنگ جاری تھی اس بغاوت کے فرو کرنے کی تدبیر چینے لگ گیا کہ عیسائیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر مالقہ پر حملہ کر دیا۔ مگر ان کو ناکامی ہوئی اور شاہ کیٹسل کے تجربہ کار سپہ سالاروں اور دس ہزار سپاہی سلطان کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔

ابوعبداللہ نے باپ کو پریشان کرنے کے لئے مالقہ پر حملہ کر دیا۔ باپ بیٹے ہر دو صف آرا ہوئے۔ ابوعبداللہ کو شکست ہوئی اور وہ غرناطہ بھاگ آیا۔ اس کے

بعد اس نے ۸۸۶ھ میں شہر یوشیہ پر چڑھائی کر دی۔ لوٹ مار میں لگ گیا۔ عیسائیوں نے گھیرا ڈال کر ابو عبداللہ کو گرفتار کر لیا اور شاہ قسطیلہ فرڈیڈینڈ کے سامنے لا کھڑا کیا۔

سلطان حسن کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ مالقہ سے غرناطہ آ گیا۔ لیکن اپنے بیٹوں کی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث امورِ سلطنت سے دل اچاٹ ہو گیا اور اس درجہ حکومت سے بیزار ہوا کہ اپنے بھائی عبداللہ الزاغل کے حق میں سلطنت سے دستبردار ہو گیا۔ ابھی الزاغل نے حکومت کو سنبھالا نہ تھا کہ ۸۹۰ھ میں عیسائیوں نے صوبہ مالقہ پر یورش کر دی اور سرحد کے چند قلعوں پر قابض ہو گئے۔

سلطان عبداللہ الزاغل نے ان عیسائیوں کی قوت کے ساتھ سرکوبی کر دی۔ فرڈینڈ نے ابو عبداللہ کو جو نظر بند تھا آزاد کیا اور الزاغل کے مقابلہ پر بھیجا۔ یہ شاہ کیٹسل کی امداد کے بھروسہ پر اور وعدہ وعید کر کے اپنے چچا سے لڑ بیٹھا۔

اس جنگ میں ابو عبداللہ کو جو علاقہ ہاتھ لگتا وہ معاہدہ کے مطابق فرڈینڈ کے حوالہ کرتا رہا۔ سلطان الزاغل اس صورت حال کو دیکھ کر غرناطہ سے مالقہ پر حملہ آور ہوا۔ یہاں فرڈینڈ مسلمانوں کو ذبح کر رہا تھا۔ ابو عبداللہ غرناطہ خالی دیکھ کر خود قابض ہو گیا۔

الزاغل اب غرناطہ لوٹا نہیں بلکہ وادیِ آش جا کر مقیم ہو گیا۔ شاہ کیٹسل قسطیلہ نے مالقہ کے بقیہ مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ ۸۹۲ھ اتارا اور جو بچے وہ لونڈی غلام بنا لئے گئے۔

فرڈینڈ دو برس بعد ۸۹۴ھ میں معاہدے کو بالائے طاق رکھ کر ابو عبداللہ پر حملہ آور ہوا یہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ صوبہ بسطہ فرڈینڈ کے حوالہ کر کے صلح نامہ کر لیا۔

شرط یہ تھی کہ مسلمانوں کے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا مگر فرڈینڈ نے صلح نامہ کی پابندی نہ کی اور مسلمانوں کے مال و اسباب پر قبضہ بھی کر لیا۔

اب شاہ کیٹسل نے سلطان الزاغل کو سبز باغ دکھائے۔ صوبہ ایلیریہ اور وادی آش اس سے لے کر اشبیلہ کے علاقے میں کچھ اراضی دے دی اور اب فرڈیننڈ نے ابوعبداللہ کو یہ پیغام بھیجا :۔

"جس طرح الزاغل نے ایلیریہ اور وادی آش خود اپنی رضامندی سے ہمارے سپرد کر دیئے تم بھی غرناطہ کا قلعہ الحمرا ہمارے حوالے کر دو۔ اس کے بدلے جتنی دولت طلب کرو گے وہ دے دی جائے گی اور اس کے علاوہ اندلس کا جو صوبہ کہو گے اس پر تمہاری حکومت قائم کر دی جائے گی۔"

ابوعبداللہ نے کہا میں تعمیل کو تیار ہوں مگر میری رعایا کسی طرح آمادہ نہیں ہے اور ابوعبداللہ نے کچھ عرصہ بعد اکثر عیسائیوں کے بعض قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

شاہ کیٹسل نے غرناطہ پر فوج کشی کر دی لیکن عین غرناطہ کی دیواروں کے سایہ میں مسلمانوں نے بڑی دادِ شجاعت دی کہ شاہ کیٹسل نے محاصرہ اٹھا لیا تو ابوعبداللہ نے آگے بڑھ کر البشرات کی پہاڑی پر قبضہ کر کے نصرانیوں کو تہ تیغ کیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت تمام جزیرہ نمائے اندلس میں صرف غرناطہ کے چھوٹے سے رقبہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔

یہ سب کچھ خانہ جنگی کی بدولت ہوا۔ الزاغل نے البشرات پر حملہ کر دیا عقب سے شاہ کیٹسل آکودا اور مسلمان قتل کئے گئے۔ جلاوطن ہوئے اور الزاغل سے کہا تم افریقہ جانا چاہو تو چلے جاؤ ہم انتظام کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ افریقہ روانہ ہو گیا اور تلمسان جا کر رہا اور وہیں انتقال کیا۔ اب صرف ابوعبداللہ کل اندلس میں ایک مسلم حکمران کی صورت میں رہ گیا تھا۔

۸۹۶ھ میں ازبلہ کی ترغیب سے فرڈیننڈ نے غرناطہ پر بڑے ساز و سامان سے حملہ کا ارادہ کیا اور غرناطہ کے سامنے خیمہ فگن ہو کر ایک شہر کی بنیاد بھی رکھ دی۔

یہ محاصرہ سات آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ موسم سرما کے آنے سے رسد اہلِ شہر کے

لئے بند ہو گئی۔ سلطان کے پاس صرف بیس ہزار فوج اور شاہ کیٹسل کے پاس ایک لاکھ عیسائی تھے۔

محاصرہ کی سختی سے تنگ آ کر مسلمان گھبرا گئے اور مشورہ سے افریقہ کے مسلمان بادشاہوں کو اور قسطنطنیہ کے بادشاہ بایزید ثانی کو اپنی معاونت کے لئے خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ :-

"صدیوں سے عیسائی ہم کو دباتے چلے آ رہے ہیں، اب ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے ہم کو ہر طرح کا نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ باوجودیکہ ہم نے بڑی سی بڑی قربانیاں دیں۔ اب مسلمان غلام بنا لئے گئے جن مشکلات اور مصائب میں ہم آج گرفتار ہیں ان کا آخری نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ مذہب اسلام کی ہستی اس ملک میں ختم ہو جائے گی اور کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا"

مسٹر اسکارٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"سلطان بایزید ثانی اپنے ہم مذہبوں کی یہ دردناک تحریر دیکھ کر ایسا اثر پذیر ہوا کہ اس نے دو فرانسکن راہبوں کو روم بھیجا اور پوپ کو یہ دھمکی دی کہ سلطنت ٹرکی میں تمام عیسائی آزادی خیال وافعال رکھتے ہیں۔ اگر مسلمانانِ اندلس پر یہی ظلم جاری رہا تو اس کا بدلہ وہ اپنی عیسائی رعایا سے لیں گے ورنہ فوراً اپنے رعب واقتدار کو کام میں لا کر اپنے کیتھولک غلاموں کو ان حرکتوں سے باز رکھیں جو وہ کر رہے ہیں"[1]

پوپ نے سلطان کے ایلچیوں کو اپنا خط دے کر فرڈیننڈ کے پاس بھیج دیا مگر اس نے زیادہ توجہ نہ دی۔ بایزید ثانی امیر مصر سے برسرپیکار تھا۔ فرڈیننڈ نے

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۶۹۱

اس سے مدد کا وعدہ کیا جس کی بنا پر اُسے مسلمانانِ اندلس سے ہمدردی جاتی رہی۔

اسکاٹ لکھتا ہے :-

"اسلام کے نام لیواؤں کو اپنے حال اور اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔"[1]

ابوعبداللہ نے قصر الحمراء میں مجلس مشاورت منعقد کی۔ تمام اکابر غرناطہ شریک ہوئے۔ غیرت مند چاہتے تھے بہادری سے مرا جائے مگر زیادہ وہ بزدل تھے جو یہ چاہتے تھے کہ حکومتِ اسلامی رہے یا نہ رہے اپنا مال اور جان محفوظ ہو جائے۔ چنانچہ وزیر ابوالقاسم عبدالملک کی معرفت شاہ کیٹیسل سے صلح کی باتیں ہونے لگیں جو شرائط کی گئیں وہ مسلمانوں کے تحفظ جان و مال کے لئے دکھاوے کے لئے اچھی تھیں۔ اس پر فرڈیننڈ اور ازبلا نے دستخط کئے۔ اس کے ساتھ ابوعبداللہ نے ایک عہدنامہ اور کیا کہ شاہ کیٹیسل غرناطہ کے معاوضہ میں ایک کروڑ چالیس لاکھ پانسو کی رقم اس وقت دے گا جب پہلے قلعہ الحمرا پر قبضہ ہو جائے اور یہ چاہے اندلس رہے یا افریقہ رخصت ہو جائے بحری سفر کے اخراجات بھی عطا کئے جائیں گے"

اس کے لئے صرف دو ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔

دو ماہ گزرنے کو ہوئے تو ابوعبداللہ نے پھر ایک دن عمائدین شہر کو جمع کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ سب کا مشورہ ہوا کہ فرڈیننڈ کو حکومت سپرد کر دی جائے۔ موسیٰ غسانی افسر فوج نے کہا کہ اس ذلت سے بہتر ہے کہ لڑ کر جان دے دی جائے۔ مگر کوئی رضامند نہ ہوا۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور نصرانیوں سے بھڑ گیا۔ زخمی ہو کر دریائے شنبل میں کود پڑا۔

شاہ ابوعبداللہ الزغیبہ نے ۲ جنوری ۱۴۹۲ء مطابق ۴ ربیع الاول ۸۹۰ھ بعد نمازِ فجر اپنے اہل و عیال کو الحمرا سے روانہ کر دیا۔ اور خود مع پچاس رفقاء اور خدام تین بجے سہ پہر کو باب الجدور سے نکل کر جہاں فرڈیننڈ اور ازبیلہ مع حشم و خدم

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۲۹۱

کھڑے تھے۔ ابو عبداللہ نے تعظیماً گھوڑے سے اُترنا چاہا۔ لیکن فرڈیننڈ نے منع کیا۔ صرف مصافحہ کر کے کنجی لے لی اور ملکہ ازابیل کو دے دی۔ ملکہ نے اپنے فرزند کو دی اس نے اپنے سپہ سالار توطیلہ کو تفویض کی۔

ولی عہد ابو عبداللہ یرغمال میں تھا آزاد ہُوا اس کو ساتھ لے کر جبل البشرات پر شاہ عبداللہ گیا اور سرزمین اندلس سے رخصت ہو گیا۔ ہلال غروب ہُوا اور صلیب بلند ہُوئی۔

ایک لاکھ عربی کُتب جلا کر نصرانیوں نے شہر میں چراغاں کیا۔ تمام دنیائے مسیحی میں جشن ہائے مسرت منائے گئے۔

کچھ دن بعد اسی نصرانی حکمران نے اہل غرناطہ کو حکم دیا "عیسائی بنو یا نکل جاؤ اور زبردستی بپتسمہ دیا گیا۔ مسلمان عورتوں کو مسجد میں بند کر کے بارود سے اڑا دیا۔ لاکھوں مسلمان جلا دیئے گئے۔ بہت سے افریقہ چلے گئے۔ ابو عبداللہ نے کچھ عرصہ فاس (افریقہ) میں قیام کیا۔

المقری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :-

"جس وقت میں فاس میں اپنی تاریخ لکھ رہا تھا ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء ابو عبداللہ کے پسماندگان کی گزر اوقات خیرات پر تھی۔ ۹۴۱ھ، ۱۵۳۴ء میں ابو عبداللہ فاس میں مر گیا۔

مسلمانانِ غرناطہ پر مظالم

سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس کی حکومت جو تقریباً آٹھ سو برس سے قائم تھی باہمی خانہ جنگیوں سے ختم ہو گئی۔ جس کے بعد سے مسلمانوں پر شاہ کیٹسل نے ظلم و سفا کی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔

۹۰۵ھ، ۱۴۹۹ء میں فرمانِ شاہی صادر ہُوا کہ "جو لوگ مذہبِ عیسوی قبول نہیں کرتے وہ اسپین سے نکل جائیں۔"

اس کا اثر یہ ہُوا کہ کمزور طبیعت کے مسلمان گرجوں میں آنے جانے لگے، ان

کے برخلاف جو مسلمان کٹر تھے کسی عنوان مذہب اسلام کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے ان پر طرح طرح کی سختیاں کی گئیں مسلمان بچوں کو جبراً بپتسمہ دیا گیا۔

۹۳۱ھ ۱۵۲۴ء میں دربارِ شاہی میں ان مظالم کی شکایت کی تو ان کا معاملہ محکمہ تفتیش مذہبی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس محکمہ کے فیصلہ کے مطابق ہزاروں مسلمان نذرِ آتش کر دیئے گئے۔

پھر اس محکمہ کے صدر لارڈ بشپ نے یہ تجویز کی کہ مسلمان مذہبی مراسم ادا نہیں کر سکتے۔ نہ اپنا لباس پہن سکتے ہیں نہ عربی بول سکتے ہیں اور نہ غسل کر سکتے ہیں اور مغربی رقص میں شریک ہونا لازمی ہے۔ عورتیں برقعہ استعمال نہیں کر سکتیں۔

موسیولیبان تمدن عرب میں لکھتا ہے :-

"اندلس کے غریب مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حالانکہ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے اقتدار اور حکومت کے زمانے میں عیسائیوں پر کبھی اس قسم کے ظلم نہیں کئے۔ اگر وہ ایسا کرنے پر آجاتے تو آج پورا جزیرہ نمائے اسپین عیسائیوں کے نام ونشان اور ان کے وجود سے یکسر خالی ہو جاتا۔"

پندرہویں صدی کے آخر میں اندلس کا لارڈ بشپ منیڈرا کے مرنے کے بعد فرانسسکو شمینس ڈی سینرو اس عہدہ پر مقرر ہوا۔ یہ بدکار انسان تھا۔ تمام نصرانی عمائد شہر کے گھرانوں کی لڑکیاں اس کے اردگرد رہتیں۔ مگر مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ایک طرف مساجد کو گرجا بنواتا۔ دوسری طرف مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر تلوار کے گھاٹ اتارتا تھا۔

اس کے بعد مسلمانوں کے علمی ذخائر کو تباہ کرنا شروع کیا۔ دس لاکھ کتابیں اندلس میں تھیں جو جگہ جگہ جلائی گئیں۔ علوم وفنون کے یہ بے بہا خزانے باب الرملہ کے چوک میں ڈھیر کئے گئے اور ان کو آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا۔

مسٹر ای پی اسکاٹ اس واقعہ کا یوں ذکر کرتا ہے :-

"اس وحشیانہ مذہبی جوشش سے جو نقصان دنیا کو پہنچا اس کا ادنیٰ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غالباً دنیا بھر کے ایسا قیمتی ذخیرہ علوم و فنون کا کہیں نہ ہوگا جس کو شمینس نے اس تاریخی چوک میں خاک و سیاہ کر دیا"[1]

اس بشپ نے کتابوں ہی پر بس نہیں کیا بلکہ وہیں مسلمانوں کو مجرم بنا کر زندہ آگ میں جلا دیا۔[2]

اور شاہ کیسٹل کی حکومت نے حکم دیا کہ دو سال کی مدت میں مسلمان اندلس سے بالکل چلے جائیں۔ چنانچہ مرکھپ کر تیس لاکھ بچے تھے جو افریقہ روانہ ہوئے تو راہ میں نصرانی درندوں نے ۳/۲ کو قتل کر دیا۔ آخر سترہویں صدی عیسوی کے شروع میں مسلمانوں کو اسپین سے بالکل دیس نکالا مل گیا اور کوئی متنفس باقی نہ رہا۔

اندلسی عربوں کا زمانہ

اور

علوم و فنون و سائنس

۱۴۳ھ، ۷۶۰ء سے ۸۵۴ھ، ۱۴۵۰ء

شاہان اندلس انواع علوم عقلیہ و نقلیہ سائنس و فلسفہ میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔

مسلمانوں کی تشنگی ملک گیری جس کو جوش مذہبی کی سرگرمی نے بھڑکا رکھا تھا انہیں ان ممالک پر قابض کرا کر رہی جو حدود مملکت و دولت و ثروت و زرخیزی میں قیاصرہ روم کے ممالک سے کم نہ تھے۔

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۳ صفحہ ۲۷۵ ؎

عالمِ روحانی وجسمانی میں جو ترقیات اہلِ عرب نے کیں ان کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

جس زمانہ میں کہ اندلس میں اسلامی سلطنت اپنے شباب پہ تھی ان دنوں جہالت عیب سمجھی جاتی تھی۔

بادشاہانِ اندلس نے مکاتب ومدارس اپنے قلمرو میں اس قدر کھول دیئے تھے جس کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی۔ قرطبہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں میں یورپ کے طالب علم تحصیلِ علم کے لئے آتے تھے۔

قرطبہ کے دارالعلوم نے بڑے بڑے فاضل پیدا کئے۔ ابن خطیب قرطبی جو یہیں کا تعلیم یافتہ تھا اس نے علم مابعد الطبیعہ تاریخ، طب وغیرہ پر گیارہ سو تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ابن حسن نے فلسفہ اور فقہ پر چار سو پچاس کتابیں لکھیں [1]

ایسے ایسے کثرت سے علماء اس دارالعلوم سے نکلے۔ خلفائے اندلس بڑے بڑے انعامات اہلِ علم حضرات کو دیتے بلکہ خود صاحبِ فضل وکمال بنتے۔

عبدالرحمٰن الداخل نجومی اور بلند پایہ شاعر تھا۔ ہشام اور الحکم بڑے عالم اور نقاد تھے۔ عبدالرحمٰن ثانی کے جوہر اور علم نے ان کی زندگی اور خصلتوں کو مشہورِ عالم کر رکھا تھا علوم فقہ فلسفہ طبیعہ کی قابلیت اور علم کی قدر دانی اور قدر افزائی کی وجہ سے وہ مشہور خلیفہ بغداد المامون کے مماثل سمجھے جاتے تھے۔ الحکم ثانی کی فضیلت و اکتساب علمی اپنے زمانے کا ایک عجوبہ تھا۔ قرطبہ کا کتب خانہ جس کی بیشتر کتابوں پر حاشئے اور شرحیں اس کی تحریر کردہ تھیں۔

امیر عبداللہ کی شہرت اس مرثیہ کی وجہ سے ہوئی جو انہوں نے اپنے خاندان کے مصائب پر لکھا۔

سلطان کا خوف اس کی ہجو گوئی کی وجہ سے رعایا کو بھی رہتا تھا۔ المقتدر شاہِ

---

[1] اخبار الاندلس جلد سوم صفحہ ۴۷۲ ؞

سرقسطہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ فلسفہ، ہندسہ اور ہئیت میں اُس کا علم اُس کے دربار کے تمام علماء سے زیادہ تھا۔

المظفر بادشاہ بطلیوس ایک انسائیکلو پیڈیا کا مصنّف تھا۔ المریلہ بلنسیہ اور اشبیلیہ کے بادشاہ اپنے علم وفضل اور قدردانی علم میں کچھ کم درجہ نہ رکھتے تھے۔ شاہانِ بنوعماد خصوصاً امیر معتمد اپنے اشعار کی خوبی ولطافت کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ خاندانِ موحدین کے بادشاہوں میں عبدالمومن وہ تھا جس کے دربار میں ابن طفیل ابن زہر اور ابن رشد جیسے حکماء تھے[1]

مذکورہ الذکر سلاطین کے زمانے میں ریاضی وہئیت میں بے نظیر ترقی ہوئی۔ تواریخ وفقہ کی ضخیم وحجیم کتابیں لکھی گئیں عظیم الشان کتب خانے امراء نے قائم کئے۔ اندلسی عربوں کی ادبی تصانیف عالمانہ اور ضخیم ہوتی تھیں۔

سلاطینِ اندلس کے عہد میں علوم وفنون کی بڑی ترقی ہوئی۔ اشبیلہ، قرطبہ، غرناطہ مرسیہ، طلیطہ میں عظیم الشان کتب خانے ومدارس تھے۔ ان میں علوم دینی کے ساتھ فنون ریاضیہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ سبتہ طنجہ میں بھی مدرسے موجود تھے۔ ان مدارس میں یہود اور نصرانی عالم بھی ملازم تھے۔ ان ہی مدارس کا کامیاب طالب علم مدرس ابوالحسن تھا۔

اس فاضل ریاضی داں نے تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں جزیرہ نمائے اندلس اور شمالی افریقہ کے ایک بہت بڑے حصہ کا سفر کیا اور قطب شمالی کی بلندی کو اکتالیس شہروں میں تکمیل کے ساتھ جا پہنچا۔ ان اکتالیس شہروں میں پہلا شہر افرانہ تھا جو بلادِ مغرب کے مغربی ساحل میں واقع ہے۔ آخری شہر قاہرہ تھا۔ اس تحقیق کے بعد اس نے اپنی کتاب البدایات والنہایات تالیف کی[2]

---

[1] اخبار الاندلس حصہ سوم صفحہ ۴۷۹۔

[2] تاریخ عرب موسیو سیدیو صد ۱۱ء۔ ایضاً صفحہ ۴۲۱ ؞

۴۹۳ھ ۱۰۹۹ء میں شہر سبتہ میں ادریسی پیدا ہوا۔ قرطبہ میں تعلیم پائی۔ جزیرہ سسلی کے علم دوست بادشاہ ادجیر کا ملازم ہوا اور اس کے لئے چاندی کی گول تختی تیار کی۔ اس پر عربی زبان میں تمام دنیا کا نقشہ کھودا اور ایک رسالہ فن جغرافیہ پر تالیف کیا۔[1]

علم نباتات علمائے اندلس نے بھی نباتات کے خواص پر توجہ کی۔ عبدالرحمٰن الداخل نے قصرِ خلافت کے پاس ہی نباتات کا ایک خاص باغ لگایا اور شام وغیرہ مشرقی ملکوں میں آدمی بھیجے اور نادر الوجود درختوں کے تخم منگائے اور اپنے باغ میں بو دیئے۔

موسیو سدیو تاریخ عرب میں لکھتا ہے :-

"عربوں نے علمِ زراعت کو انتہائے کمال تک ترقی دی۔ اُنہوں نے اسپین میں آب پاشی اور آب رسانی کے بالکل وہی آلات استعمال کئے تھے جیسے اس وقت یورپ میں مستعمل ہیں۔" (ص۲۱۲)

علمِ حیوانات عربوں نے علمِ حیوانات میں اکتشافات کئے تھے۔

فنِ طب اسپین کے دارالعلوم میں سب سے نامی طبیب ابوالقاسم خلف ابن عباس فنِ جراحی کا موجد ہے۔ ۵۰۰ھ میں انتقال کیا اور مبسوط کتاب التصریف لمن عجز عن التالیف لکھی۔

حکیم ابومروان عبدالملک بن زہر امیر یوسف تاشفین کے زمانے میں گزرا اس نے طبّی مفرد دواؤں میں کئی کئی ادویات کا اضافہ کیا۔

عبداللہ بن احمد بن علی البیطار اندلسی علم نباتات کا بہترین عالم اور زمرۂ اطباء میں اس خاص کام کا فردِ یگانہ ماہر تھا۔ اس نے مشرقی ممالک کی سیاحت کی اور جڑی بوٹیوں کا حال خود تحقیق کیا اور ایک جامع کتاب ادویات مفردہ پر لکھی

---

[1] تاریخ عرب موسیو سدیو ۲۰۸۔ ایضاً ص۲۱۲

اس کا نام ادویہ مفردہ ہے۔

ایجادات

اندلس کے حکماء نے رقاص سے چلنے والی گھڑی اور میزان کا اختراع کیا۔ دھوپ گھڑیاں۔ اصطرلاب۔ مقیاس انکسار الاشعہ مداری اور استدلال لیل ونہار کے دوائر مسجد کے میناروں پر رکھے گئے ہئیت میں بڑی ایجادیں کیں۔ ارضی وسماوی کرہ تانبے کے بنائے الذاغل ابن عبدالرحمان الزرقال[1] باشندہ طلیطہ نے مزولہ ایجاد کیا۔ علم الحیوانات پر کتابیں لکھیں۔

اندلس میں کثرت سے ریاضی دان اور فلکی عالم ہوئے۔ مسلمہ مجریطی مشہور منجم الذاغل کا ہم عصر تھا۔ اس نے التبانی اور ابن ابی طلحہ کی زیجون کو مختصر کیا۔ اس فلکی عالم نے تیس سال کے عرصہ میں کئی مشہور اور صحیح ارصاد کئے اور اس بارے میں (الذاغل) الزرقال فلکی نے اس کا تتبع کیا اور اس نے بلندی آفتاب کی حد مقرر کرنے کے لئے چار سو در رصدیں لکھیں اور حقیقی تقویم میں مبادرت اعتدالین کی حرکت معلوم کرنے کے واسطے کئی ارصاد کئے۔ اہلِ طلیطہ کو اس شخص کی ایجاد کردہ گھڑیاں بہت پسند تھیں۔

اس شخص نے کتب ازباج الطلیطلہ اور الاقوال الفرضیہ فی تباعد الشمس مرکز افلاک الکواکب السیارہ تالیف کیں۔ جابر بن افلح الشبلی اشبیلہ کا باشندہ اور فلکیات کا معتبر عالم تھا۔ ایک رسالہ تالیف سے ہے۔"

حکیم ابوالولید محمد بن رشد اندلسی اس نے مثلثات کرویہ کی مساحت کے بارے میں ایک فلکی موجز تالیف کیا ہے۔ اس کی ایک شرح مجسطی پکی ہے۔ اس نے جس دن فلکی حساب سے ستارہ عطارد کے مرور کا زمانہ معلوم کیا ہے اس دن اس کی نگاہ کو ایسا گمان ہوا کہ قرص آفتاب میں ایک خفیف سا سیاہ نشان موجود ہے یہ ۵۸۲ھ جو ۱۱۸۵ء میں مشہور ہو چکا تھا[2]

---

[1]

[2] تاریخ عرب صفحہ ۳۸۷

تعلیمِ نسواں

اندلس میں فرقہ اناث کو ہی عظمت حاصل نہیں ہوئی بلکہ خلفاء کے عہد کے درباریوں کی رشتہ دار عورتیں ترقی علم و ادب میں بھی مشہور تھیں۔ شہزادہ احمد کی بیٹی عائشہ کو نظم میں کمال حاصل تھا وہ فصیح و بلیغ خطیبہ تھی۔ خاندان موحدین کی شہزادی ولیدہ خوبی جمال شاعری اور علم بلاغت و بیان میں شہرت رکھتی تھی۔

دارالسلطنت کے مجالس ادبیہ و مذاکرہ علمیہ میں اندلس کے علماء خطیب جمع ہوتے۔ ان میں ولیدہ بھی شریک ہوتی۔ اشبیلہ کی عفیفہ اور صنفیہ شاعری میں صاحب کمال تھی۔

ام سعد مشہور محدثہ قرطبہ کی تھی۔ خاتون لبانہ علم ہندسہ کی بڑی ماہر تھی۔ الجبرا اور مساحت کے نہایت پیچیدہ سوالات وہ باتوں میں حل کر دیتی تھی۔ الطلح ثانی نے ان کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کیا تھا۔ زینب اور حمدا متوطن دارالحمہ زیاد کتب فروش کی بیٹیاں تھیں جو علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔

ابن عباد اپنی تصنیف تحفۃ القدیم میں لکھتا ہے۔

"باوجود حسن عصمت و دولت کے نامی علماء کی مجلس میں یہ شریک ہوتیں۔

حفصہ نے خوشنویسی میں کمال پیدا کیا تھا۔ العارضیہ معنی و بیان کی فاضلہ تھی۔"

مریم بنت یعقوب الانصاری اشبیلی شاعری وادب کی ماہر تھی۔

ام انشی قانون کا درس دیتی تھی۔

غرض کوئی فن ایسا نہ تھا جو خواتین اندلس سے بچا ہو۔

تاریخ شعبہ تاریخ و سیر میں اندلسی عربوں نے خوب خوب جوہر دکھائے۔ ابن اقطس بادشاہ بطلیوس نے ایک بیش قیمت کتاب اندلس کی سیاسی اور

ادبی حالت پر لکھی۔ ابن احمد الطیسی نے ایک کتاب تمام قبائل کی مکمل تاریخ میں لکھی۔
ابوالمنذر بلنسی اور ابن زید العربی القرطبی نے گھوڑوں کے نسب پر ایک کتاب
لکھی۔ ابن بطوطہ مشہور سیاح یہیں کا تھا۔ عبید البکری انوبی نے ایک مدلیف دارفن
جغرافیہ پر کتاب لکھی۔ ابن حسان نے اندلس کی دو تاریخیں لکھیں۔ ایک دس جلدوں
میں دوسری ساٹھ جلدوں میں، صرف اندلس کی تاریخ ایک ہزار سے زیادہ مورخین
نے لکھی [1]

شاعری

عربی شعر گو اندلس میں کثرت سے پیدا ہوئے۔ ابن حسن عباس بن احنف
غزل کی شیرینی و لطافت میں مشہور تھا۔ ابن خفاشہ باشندہ بلنسہ کا رجزیہ کلام اور
ابن ہانی متوفی ۳۶۳ھ، ۹۷۳ء اور سعید اشبیلوی کا رندانہ کلام بہت مقبول تھا۔
ابوعمر احمد بن محمد متوفی ۳۶۰ھ، ۹۷۰ء نے اندلس کے سنہ وار حادثات تاریخیہ کو
نظم کا لباس پہنایا۔

ابوبکر بن قزمان متوفی ۱۱۶۰ء نے سوقیانہ زجل کو ادب کے معیار تک بلند کیا۔
عبدالرحمٰن سوم کا درباری شاعر ابن عبدربہ متوفی ۹۴۰ء مصنف عقد الفرید تھا۔
عربی زجل اور موشح کے زیر اثر اسپین اور فرانس میں سوقیانہ شعر گوئی اور گیتوں کی
بڑی قدر ہونے لگی۔ رزمیہ فرانسیسی گیت مسلم اسپین اور عیسائی تصادم کا نتیجہ تھا۔
ابوسید احمد زیدون متوفی ۱۰۷۱ء اندلس کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اس کو شہزادی
دلاوہ سے عشق تھا۔ کچھ عرصہ قید رہا۔ یہاں پر معتضد العبادی کا وزیر اعظم اور
سپہ سالار فوج ذوالوزارتین کے لقب سے مقرر ہوا۔ شعر گوئی کے علاوہ نامہ
نویسی مثلاً خط متعلق ابن عبدوس میں بھی اس کو کمال حاصل تھا۔ ابن قزوین متوفی ۱۲۵۳ء

---

[1] تاریخ عرب سید یوص ۳،،

لکھتا ہے کہ شعرائے اندلس کے اثر سے جنوبی پرتگال میں ہل چلانے والے کسان بھی شعر گوئی کیا کرتے تھے۔

(۱) دیارِ اندلسیہ کے شاعر ادیب دادیب ابوالقاسم محمد بن ہانی اندی اندلسی ہمزیہ طویل قصیدہ میں خلیفہ معز لدین اللہ کی تعریف میں حسبِ ذیل شعر لکھتا ہے :-

۱۔ إِنَّ الْمَكَارِمَ كُنَّ سِرْبًا دَائِمًا ... حَتَّى كُنِسْنَ كَأَنَّهُنَّ ظِبَاءُ

۲۔ وَطَفِقْتُ أَسْأَلُ عَنْ أَغَرَّ مُحَجَّلٍ ... فَإِذَا الْأَنَامُ جِبِلَّةٌ دَهْمَاءُ

۳۔ حَتَّى دُفِعْتُ إِلَى الْمُعِزِّ خَلِيفَةً ... فَعَلِمْتُ أَنَّ الْمَطْلَبَ الْخُلَفَاءُ

(۲) دوسری جلد علامہ ادیب وزیر ابوعبداللہ بن زمرک غرناطی لسان الدین بن الخطیب اندلسی کے شاگرد ایک قصیدہ میں حضرت سردارِ دوعالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت شریف کے بیان اور تعریف میں حسبِ ذیل اشعار لکھتا ہے :-

۴۔ يَا مَلْجَأَ الْخَلْقِ الْمُشَفَّعَ فِيهِمْ ... يَا رَحْمَةَ الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ

۵۔ يَا أَيُّهَا الْمُرْتَضَى وَمُنْتَجَعَ الرِّضَى ... وَمُرَاعِيَ الْأَيْتَامِ وَالضُّعَفَاءِ

۶۔ أَشْكُو إِلَيْكَ وَأَنْتَ خَيْرُ مُؤَمَّلٍ ... دَاءَ الذُّنُوبِ وَفِي يَدَيْكَ دَوَائِي

ترجمہ:-

۱۔ بلاشبہ اخلاقِ عالیہ حسینوں کے جھمگھٹوں کی طرح ہر طرف چہل پہل کرتے نظر آتے تھے۔
مگر اب وہ اس طرح مخفی ہوگئے ہیں جس طرح خوب صورت ہرنوں کی ڈاریں ہوں۔

۲۔ گو عالم میں انسان بتھیرے ہیں جن میں میں برابر ایک پیکرِ اخلاق بزرگوار کی جستجو کرتا رہا۔

۳۔ یہاں تک کہ خلیفۂ وقت معز لدین اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرات خلفاء ہی اخلاقِ حسنہ کے مجسمہ ہیں۔

۴۔ اے مخلوق کی جائے پناہ اور اے ان کے مقبول سفارشی اور اے زندوں اور مُردوں کے لئے باعثِ رحمت!

۵۔ اے مریضوں کے غم خوار اور اے رضامندی کی جائے تلاش اور اے یتیموں اور کمزوروں کے غم گسار۔

۶۔ میں اپنے امراضِ گناہ کی شکایت آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں کیونکہ آپ بہترین اُمید گاہ ہیں۔ نیز میرا علاج آپ ہی کے دونوں مبارک ہاتھوں میں ہے۔"

فنونِ لطیفہ کی ترقی زریاب کا عبدالرحمٰن دوم کے زمانہ میں اسپین میں خیر مقدم کیا گیا تھا۔ اس نے مشروبات کے لئے فلزی پیالے استعمال کرنے کے بجائے شیشہ کا جام ایجاد کیا۔ موسیقی کو بھی اس کی وجہ سے عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد ابوالقاسم عباس ابن فرناس تاریخ وفات ۲۷۴ھ، ۸۸۸ء نے مشرقی موسیقی کو مغربی یورپ میں مروج کیا۔ پسند عام گردانا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں یہ پہلا شخص ہے جس نے اڑنے کی کوشش کی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے پر کے پکھوٹے لگا کر اور پروں کا لباس پہن کر ہوا میں دور تک اڑ سکا۔ لیکن اترتے وقت اس کے چوٹ آئی اس لئے کہ سنبھالنے کے لئے دُم نہیں لگائی گئی تھی۔

اس زمانہ میں جب کہ بغیر بیرونی میکانی طاقت کے ہوا کے بالائی نفوذ کی مدد سے پرواز کے مختلف طریقے رائج ہو چکے ہیں ابن فرناس کی پرواز کی تفصیل معلوم کرنا مفید ثابت ہوگا۔ اس مواد کی تلاش کی جانی چاہیئے۔ اس نے اپنی ذہانت طبع سے ایک پلانیٹریم بھی بنایا جس میں ستاروں کی حرکت اور رعد و برق کے کرشمے بھی بتانے جاتے تھے۔ دور الموحدین میں ابن سبعین نے تاریخ وفات ۶۹۶ھ، ۱۲۹۶ء فن موسیقی پر کتاب الادوار المنسوب تصنیف کی۔ بہت سے عربی یا عربی کے توسط سے مشرقی الفاظ یورپ کی زبانوں میں آلاتِ موسیقی وغیرہ کے لئے مستعمل ہیں۔ مثلاً PIANDERA پندیرہ تنبورہ ANAFAL انیفرا GIETAIRM ، HKAR قیتار، نقارہ SAMAJASO ، صنوج۔

REBEC رباب (ETC) فریڈرک دوم ہوہنسٹافن نے ابن سبعین اور مشرق میں کمال الدین بن یونس نے فلسفیانہ و حکیمانہ امور کے متعلق چند استفسارات کئے اور جواب آنے پر انعام بھی بھیجا۔ لیکن ابن سبعین نے انعام قبول نہیں کیا۔

علمائے اندلس مسلم اسپین کا سب سے جید عالم اور جدت پسند دماغ کا انسان علی بن حزم تھا۔ ۳۸۴ھ، ۹۹۴ء، ۴۵۶ھ، ۱۰۶۴ء جس کی کتابیں متعدد شعبہ جات علم و حکمت پر لکھی گئی تھیں۔ یہ خود اپنے آپ کو ایرانی النسل سمجھتے تھے۔ لیکن اہلِ یورپ کہتے ہیں کہ اس کا دادا ہسپانیہ کا عیسائی تھا جو مشرف باسلام ہوگیا۔ وہ بنی اُمیہ کے آخری ہسپانوی دَور کے شکستہ حال بادشاہوں عبدالرحمٰن المستظہر اور ہشام المعتمد کے دربار میں خدمتِ وزارت پر ممتاز تھا۔ بنی امیہ کا دَور ختم ہو جانے پر وہ گوشہ نشینی اختیار کر کے مطالعہ اور تصنیف میں مشغول رہا۔ ابن خلکان اور القفطی نے لکھا ہے کہ اس نے ۴۰۰ کتابیں ادب، مذہب، تاریخ اور حدیث پر لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور طوق الحمامہ عشقیہ مضامین کے اشعار کا مجموعہ ہے اور الفصل فی الملل والاہواء والنحل مختلف مذاہب کی تفہیم و تنقید ہے۔

القالی ۲۸۹ھ، ۹۰۱ء، ۳۵۶ھ، ۹۶۷ء جامعہ قرطبہ میں پروفیسر تھا۔ اس کا مقامِ پیدائش اہنستان ہے اور اس نے تعلیم بغداد میں پائی۔ اس کا سب سے قابل شاگرد محمد ابن الحسن الزبیدی ۳۱۶ھ، ۹۲۸ء، ۳۷۰ھ، ۹۸۰ء اشبیلیہ میں پیدا ہوا اور اس کو الحکم نے اپنے بیٹے ہشام کی تعلیم و تربیت کے لئے منتخب کیا۔ لسانیات کے ماہرین کے سوانح حیات کے مصنف علامہ جلال الدین السیوطی نے اپنی کتاب کی تالیف میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ عربی گرامر ہی کو پیشِ نظر رکھ کر یہودی مصنف نے عبرانی گرامر۔ ابوزکریا یحییٰ بن داؤد نے قرطبہ میں گیارہویں صدی میں عربی اصول پر عبرانی گرامر لکھی۔ اصطلاحات اور تعریفات بالکل عربی ہی کے ترجمے ہیں۔

ابوحیان ۶۵۴ھ، ۱۲۵۶ء، ۷۴۵ھ، ۱۳۴۴ء غرناطہ کا بربر النسل عالم متعدد

زبانوں پر حاوی تھا اور موشح کہتا تھا اس نے ایرانی اور ترکی گرامر لکھی اور کہا جاتا ہے کہ حبشی ELHUOP زبان پر بھی ایک نامکمل کتاب شروع کی۔

اسپین کے مؤرخین میں ابوبکر بن عمر بن اسقوطیہ قرطبہ میں پیدا ہوا اور وہیں سنہ ۳۶۷ھ، سنہ ۹۷۷ء میں فوت ہوا۔ اس کی تصنیف تاریخ افتتاح الاندلس میں عربوں کی فتوحات سے لے کر عبدالرحمٰن ثالث کے دور تک کے حالات مذکور ہیں۔

ابومروان حیان ابن خلف سنہ ۳۷۷ھ، سنہ ۹۸۷ء، سنہ ۴۶۹ھ، سنہ ۱۰۷۶ء نے پچاس کتابیں لکھیں جن میں سے المتین ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تصانیف میں سے صرف المقتبس فی تاریخ اندلس بچ رہی ہے۔

دور الموحدین پر سب سے بہتر تاریخ عبدالواحد المراکشی کی لکھی ہوئی ہے جو سنہ ۶۲۱ھ، سنہ ۱۲۲۴ء میں شائع ہوئی۔ المعجب فی تلخیص اخبار المغرب اس کا نام ہے۔

قرطبہ کا ابوالولید عبداللہ بن محمد ابن الفرضی تاریخ ولادت سنہ ۳۵۱ھ، سنہ ۹۶۲ء جامعہ مذکور میں معلم تھا۔ بعد کو قیروان ہوتا ہوا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا حج کیا۔ واپسی پر بلنسیہ کا قاضی مقرر ہوا اور قرطبہ کی لوٹ مار میں مقتول ہوا۔ اس کی نعش کئی دن بعد پہچانی گئی۔ الفرضی تاریخ علمائے اندلس کا مصنف تھا۔ اس کے بعد ابن بشکوال ابوالقاسم خلف بن عبدالملک سنہ ۴۹۴ھ، سنہ ۱۱۰۱ء، سنہ ۵۷۸ھ، سنہ ۱۱۸۳ء مقام ولادت قرطبہ نے اس کتاب کا ضمیمہ بلقب الاصلاح فی تاریخ ائمۃ الاندلس سنہ ۵۷۹ھ، سنہ ۱۱۳۳ء میں شائع کیا اور بعد ازاں ابوعبداللہ محمد بن الابار سنہ ۵۹۶ھ، سنہ ۱۱۹۹ء، سنہ ۶۵۹ھ، سنہ ۱۲۶۰ء بلنسی نے اصلاح کو لکھ کر مکمل کیا۔ اس نے الحلۃ السیر بھی لکھی۔

ابوجعفر احمد بن یحییٰ ملبنسی تاریخ وفات سنہ ۶۰۰ھ، سنہ ۱۲۰۳ء مرشیہ میں نشو و نما پایا اور بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس تصنیف کی تاریخ سائنس پر ابوالقاسم سعید بن احمد الطلیطلی نے جو ذوالنون حضرات کے عہد میں طلیطلہ کا قاضی تھا اور خود مؤرخ، ریاضی دان اور ماہر مشاہدات فلکی تھا۔ ایک کتاب طبقات الامم لکھی سنہ ۴۲۰ھ، سنہ ۱۰۲۹ء، سنہ ۴۶۳ھ

سنہ ء نصرانی درباروں کے سب سے بڑے اور مشہور مؤرخ ابن الخطیب اور ابن خلدون ہیں۔ علامہ عبداللطیف وہ فردِ وحید ہے جس نے مصر پر جو کتاب تصنیف کی اس میں نباتات کے متعلق بھی مفید معلومات پائی جاتی ہیں۔

ابوالعباس النباتی اشبیلی نے بارھویں صدی کے آغاز میں اسپین اور شمالی افریقہ اور عرب کے ساحل کا دورہ کر کے نباتات فراہم کئے۔ بحر قلزم کے کنارے اس نے متعدد نئے نباتات دریافت کئے اور اپنی کتاب الرحلہ میں اُن کے مفصّل حالات بیان کئے۔

فلسفہ اندلسی عربوں نے فلسفہ میں بڑی ترقی کی۔ اندلس میں بڑے بڑے فلسفی ہوئے۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ جو عام طور سے ابن ماجہ کے لقب سے مشہور ہیں، یہ علاوہ فلسفہ کے بے مثل طبیب ریاضی دان اور ہیئت میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ سنہ ۵۳۳ھ، سنہ ۱۱۳۸ء میں انتقال ہوا۔ ابن طفیل ابوبکر محمد بن عبدالملک مثل ابن ماجہ کے تھا۔ یہ وادیٔ آشیں میں پیدا ہوا۔ سنہ ۵۸۱ھ، سنہ ۱۱۸۵ء میں مراکش میں فوت ہوا۔ ابوبکر ابن زہر ساکن اشبیلہ متوفی سنہ ۵۹۶ھ، سنہ ۱۱۹۹ء اس کے معاصر ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد فیلسوف اسلام تھا۔ اشبیلہ اور قرطبہ کا قاضی رہا سنہ ۵۹۵ھ، سنہ ۱۱۹۸ء میں انتقال کیا۔ اس کے حالات مفصّل میری کتاب "فلاسفۂ اسلام" میں دیکھئے۔

اندلسی مشہور منجم البطروجی الزرقالی جابر بن فلاح متوفی سنہ ۵۴۰ھ، سنہ ۱۱۴۵ء یوسف المتوطن فتیلہ میں ہوا۔ سنہ ۴۷۴ھ، سنہ ۱۰۸۱ء، سنہ ۴۷۸ھ، سنہ ۱۰۸۵ء امیر سرغوسا ریاضی دان تھا۔ اس کی کتاب استکمال مشہور ہی اقلیدس اور المجسطی کے مانند ہے۔

قطب نما عربوں نے قطب نما ایجاد کیا جس سے بحری و بری سفروں میں کام لیتے تھے۔ نماز کے لئے سمتِ قبلہ کا اندازہ لگاتے تھے۔[1]

---

[1] تاریخ عرب صد ۶۶۷

کاغذ علاوہ ہتھیار اور دباغت کئے ہوئے چمڑے کے عربوں نے کاغذ ایجاد کیا۔[1]

توپ و بارود توپ اور بارود، ان دونوں چیزوں کے موجد عرب ہیں۔ اونوش یازدہم کی تاریخ میں ہے:۔

"شہر کے مسلمان بہت سی گرجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے بہت بڑے سبب کے برابر پھینکتے تھے۔ یہ گولے اس قدر دور جاتے تھے کہ بعض فوج کے اس پار جاتے تھے اور بعض فوج میں گرتے تھے۔"[2]

بری و بحری قوت بحری اور بری فوج کا اعلیٰ افسر خود خلیفہ تھا۔ ۱۳۲۰ھ میں غرناطہ کے تاجدار اسمٰعیل نے شہر بابطہ کا محاصرہ کیا تو بارود کا استعمال کیا۔ توپوں سے گولے پھینکے۔ ایک عہدہ فوج میں امیر المنجقین تھا۔ بحری افسر کو قائد الاساطیل کہتے تھے۔ قلعہ شکن آلات ایجاد کئے تھے۔ دبابہ سے قلعہ کو تباہ کر دیا جاتا تھا۔

ڈاک خانہ یہ بریدہ کا محکمہ دمشق کی تقلید تھی۔ مگر عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ نے کبوتروں سے نامہ رسائی کا کام لیا۔ عموماً اس سے فوج میں کام لیا جاتا تھا۔

عہدہ قضاۃ اس عہدہ پر بڑا فاضل اور جلیل القدر عالم مقرر کیا جاتا۔ یہ قاضی اپنے آپ کو صرف حکومت کی طرف سے منصب دار قاضی نہ سمجھتے بلکہ مخاصمین کے درمیان اپنے کو ایک حکم تصور کرتے تھے اور مخلوق کے ساتھ بجز شاذ و نادر مواقع کے ہمیشہ رفق و ملاطفت کیساتھ پیش آتے تھے۔[3]

صناع اندلس کے عرب اور لوگوں سے صناعی میں بہت ہی فائق تھے۔ معاون مطرقہ (لوہا چاندی وغیرہ) نکالیں اور دیگر معدنیات کی کانیں بھی دریافت کیں۔ پارہ کی کان نکالی۔ ملقابجادیکا مرسیہ کے پاس کانوں سے یاقوت نکالا کرتے۔ سواحل اندلس کے سمندر سے مرجان اور طراغونہ سے موتی نکالتے۔

۱؎ تمدن عرب ص۴۴۱ ۲؎ ایضاً ۳؎ تاریخ عرب ص۲۴۳

دباغت کا کام اعلیٰ درجہ کا جانتے تھے۔ روئی کتان اور سن کے کپڑے خوب بُنتے تھے۔ حریر اور پشمینہ بافی میں وہ انتہا درجہ کمال کو پہنچ گئے تھے۔

طلیطلہ کے نیزے تلوار، غرناطہ کا حریر، قرطبہ کی زین اور چمڑہ تونسیہ کی سبز باغات، دلنسیہ کے خوشبودار مصالحے اور شکر۔ علاوہ ازیں روغن زیتون، سرخ رنگ عنبر، خام معدنی پتھر بلور، گندھک، زعفران اور زنجبیل کی تجارت کرتے تھے۔ ان کے یہاں ہنڈیوں اوراق حوالہ کا رواج تھا۔[1]

اصولِ سیاست عربوں نے بغرض نظم ونسق جو اصول قائم کئے تھے وہ بہت ہی آسان اور صاف تھے۔ خلیفۂ وقت کل امور مذہبی مالی اور فوجی کا مالک تھا۔ کام ریاست کا چار محکموں (فینانس) امور خارجہ عدالت، فوج ہر محکمہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر اعظم کو حاجب کہتے تھے وزراء کے ماتحت کو خطیب الدولہ کہتے تھے۔ ایک عہدہ خطیب الرسائل کا تھا۔[2]

خطیب الزمام جس کے ذمہ نصاریٰ اور یہود کی جائداد کی حفاظت تھی صاحب الاشغال اس کے سپرد اخراجات کا حساب کتاب تھا۔ یہ سب میں ممتاز تھا۔ کوتوال کا عہدہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ ہوتا تھا۔ عدالت کا کام قاضی القضاۃ کے سپرد تھا۔ کوتوال کو صاحب الشرط اور شہر کے منتظم صاحب المدینہ اور صاحب اللیل کہلاتے تھے۔

ترقی تجارت اسپین اور ایشیا کے ممالک کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم تھا۔ اسپین کا ملک اپنے کارخانوں کی ساختہ اشیاء اور ارضی پیداوار نیشکر، چاول، روئی، زعفران، سونٹھ، عنبر، ادرق، پستہ، بادام، توت، حنا اور ثعلب اور معدنی حاصلات از قسم گندھک، پارہ، تانبا اور لوہے وغیرہ سے دیگر ملکوں کی پیداوار تبادلہ میں لیا کرتا تھا۔ اہلِ ایشیا پر اسپین کے بنے ہوئے خود او زرہیں، قرطبہ کے ساختہ فرش (چمڑے) کے طلیطلہ کی بنی ہوئی نیزوں کی انیان مرسیہ کی بانات غرناطہ اور المریلہ اور اشبیلہ کے

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۷۰ [2] خلافت اندلس حصہ سوم صفحہ ۱۹۰ ۔

بُنے ہوئے ریشمی کپڑے اور شہر الصیلہ کا بنا ہُوا کاغذ بڑے شوق سے خریدا جاتا تھا۔

اندلس میں شہر اشبیلہ کے عام اطراف میں زیتون کے کثرت سے درخت تھے۔ ان مواضع میں ایک لاکھ بڑے بڑے زیتون کے مزرعے یا روغن زیتون تیار کرنے کے کارخانے تھے۔

اندلس کے صوبہ طلیطلہ کے جنوبی ملکوں سے میوہ جات یوروپ بھیجے جاتے۔ اہل اسپین کے ملک کے شہروں ملاغہ قرطاجنہ برسلونا اور قادس کے بنے ہُوئے سامان غیر ممالک کو بغرض تجارت روانہ کیا کرتے[1]

تنعم وشان اسپین کے عرب حکمران تنعم اور شان نمائی میں اپنے معاصر خلفائے بنی عباس سے آگے بڑھ گئے۔ اس کا اثر افراد پر بھی تھا۔ غرناطہ کی خواتین پٹیاں زرکار کپڑے اور سنہری روپہلی گنگا جمنی کام کے طوق وغیرہ پہنا کرتی تھیں۔ یہ لباس حد درجہ حسین وخوشنما ہوتا تھا[2]

جہازرانی خلفائے اندلس نے بحری جنگوں کے لئے کافی قوت حاصل کرلی تھی۔ موسیو سیدیو لکھتا ہے :-

"نصاریٰ ان کے سامنے کچھ نہ تھے ان کے پاس بندر گاہائے قادس جزیرہ منقار، مریہ طوطوس اور طراغونہ، رطاجنہ، اشبیلہ میں جہاز سازی ہوتی تھی امراء نے علیحدہ جہاز بنا رکھے تھے جن میں تجارتی مال جاتا آتا رہتا تھا اور مشرق سے تجارتی اشیاء اندلس کو جاتی تھیں اور ان میں ایسے جہاز رعایا کے بھی تھے جو بحری رہزنی کے لئے بنائے جاتے تھے ان میں بیٹھ کر لوگ فرانس اٹلی کے سواحل پر چھاپے مارا کرتے تھے"

جنگی فنون اندلس کے عرب زرہیں بھی پہنتے تھے اور ان کے سرداروں نے نوجوانوں کو برچھیاں مارنے اور تلواریں چلانے کی تعلیم خاص طور پر دی تھی جن سے وہ نصاریٰ کے مقابلہ میں بہت کام لیتے تھے۔

---

[1] تاریخ عرب سدیو ص ۱۱۹۔ [2] تاریخ عرب صفحہ ۲۲۶۔

مذہبیت اندلس کے عربوں کی عقلوں پر دین کی سطوت بہت غالب تھی۔ قرآن پاک کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا صحیح شوق تھا۔ جو اکتساب فضائل اور اعمال صالحہ کی اہمیت کی ہدایت کرتا ہے۔

خلفاء مخلوق کو کاروبار میں مشغول رہنے کا شوق دلاتے۔ ظلم، تعدی وعدوان سے باز رکھتے اور لوگوں کو ایک دوسرے کی جائداد و املاک کے تحفظ کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

مردم شماری اندلس کے اسلامی دَور میں شہر طلیطلہ کی آبادی دو لاکھ نفوس کی تھی اور اشبیلیہ میں تین لاکھ آدمی آباد تھے۔ شہر قرطبہ کا دور چالیس میل کا تھا۔ شہر اشبیلیہ میں پارچہ بافی کے چھ ہزار کارخانے تھے۔ سلامنقہ کے صوبہ میں اس وقت ایک سو پچیس نہایت بارونق شہر و گاؤں تھے صوبہ لیعان میں چھ سو سے زیادہ شہر اور بستیاں ایسی تھیں جہاں ریشمی کپڑوں اور ریشم کی تجارت ہُوا کرتی تھی۔ یہ سیاح ادریسی کا بیان ہے جس نے اسپین کا جغرافیہ لکھا ہے[1]

اخلاق و عادات موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے۔ اندلس کے عرب علوم وفنون صنعت وحرفت اور اخلاق میں اہلِ فرہنگ سے بدرجہا لائق و فائق تھے۔ وہ ایسے کریم تھے کہ جان تک دینے سے دریغ نہ کرتے۔ مگر ان کا جان دینا وحشیانہ طور پر نہ تھا۔ وہ اپنی جان کی قدر و عزت کو خوب پہچانتے تھے۔ اُن کی بہادری اور جنگی سرگرمی نے آپ اپنی نگاہ میں نہایت وقیع وگراں قدر بنا دیا تھا۔ اس سے عزتِ نفس کا جذبہ ان میں نہایت شدت کے ساتھ تھا۔ قسطیلہ اور نوارہ کے فرنگی بادشاہوں کو اندلس کے عربوں کی صداقت کا بڑا یقین تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ لوگ اپنے مہمانوں کی بڑی خاطر تواضع اور اکرام کیا کرتے ہیں[2] مراعات عدل و انصاف میں نہایت شدت برتتے تھے۔ ان میں امیر غریب سب یکساں تھے کوئی شخص کیسا ہی معمولی کیوں نہ ہو وہ بڑے سے بڑے مناصب تک پہنچ سکتا تھا۔

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۷۴ [2] تاریخ عرب صفحہ ۲۷۲

رواداری خلفائے اندلس کے ساتھ سرحد کے نصرانیوں نے ہر زمانہ میں بغاوت کی۔ مسلمانوں کو لوٹا۔ عورتوں بچوں کو شبخون مار کر قتل کیا۔ مگر ان سلاطین نے جب ان ظالموں پر فتح پائی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور اندلس کے یہود و نصاریٰ کے لئے ترقی کے دروازے کھلے رکھے۔ اور ان کو اپنے دربار میں معزز عہدے عطا کئے۔ تعلیم گاہوں میں عیسائیوں کو داخل کیا۔ جب وہ لائق ہوئے ان کو مدرس کیا۔ بلکہ بعض مواقع پر پرنسپل تک کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ ان کی معابد گاہوں کی حفاظت کی اور جاگیریں عطا کیں۔ وہ گرجے جو سیاسی طور سے خطرناک تھے اور وہاں ننوں اور راہبوں کی غلط کاری اور سیاہ کاری کے اڈے بنائے گئے تھے ان کو البتہ ڈھادیا۔ لارڈ بشپ کا انتخاب سلاطینِ اندلس خود کیا کرتے تھے۔ طلیطلہ میں اسقف اعظم رہا کرتا تھا۔ مذکورہ اوراق سے شاہانِ اندلس اور علمائے اندلس کی سرگرمی، علم وفضل ظاہر ہے۔ موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے :-

"جب تمام یورپ جہالت کی تاریکی اور ظلمت میں تھا اُس وقت عربوں کی آنکھیں انوارِ علم کی چمک سے کھل چکی تھیں۔ ممالک اسپین، اشبیلیہ قرطبہ، غرناطہ، مرسیہ اور طلیطلہ میں بڑے بڑے کتب خانے اور مدرسے قائم ہوئے۔ ان مدارس میں علوم ریاضیہ پڑھائے جاتے اور ان مدرسوں سے بڑے بڑے کامل اور ماہر مدرس پیدا ہوئے جن کی شاگردی کا فخر علمائے یورپ کو ہے۔"

یورپ میں اسپین سے علوم و فنون کا ذخیرہ پہنچتے ہی وہاں علم وفضل کی گرم بازاری ہوگئی۔ اگر عربی تمدن اور علم و حکمت کے ہر شعبہ کی یورپ میں ... ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکے گی۔

تاریخ ملت جلد اول ختم ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد كان في قصصهم عبرة لأولي الألباب

القرآن الکریم

ترجمہ

یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخِ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

تک ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملّت

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی
جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ دوم

ِلافتِ عباسیہ: اوّل
ِلافتِ عباسیہ: دوم
تاریخِ مصر و مغرب اقصیٰ

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ ملّت

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی ○ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ دوم

⑤ خلافت عباسیہ: اول
⑥ خلافت عباسیہ: دوم
⑦ تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور

نام کتاب ـــــــــ تاریخ ملت (جلد دوم)
طباعت اوّل ـــــــــ مئی ۱۹۹۱ء
باہتمام ـــــــــ اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
ناشر ـــــــــ ادارۂ اسلامیات لاہور ۲
کتابت ـــــــــ مشتاق احمد جلالپوری
مطبع ـــــــــ
قیمت ـــــــــ

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

* ـــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲، ۷۳۲۳۴۱۲ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲
* ـــــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ـــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵
* ـــــ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۲۶۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور ۲ فون ۶۲۲۵۳
دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱
ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم۔ کورنگی کراچی ۱۴

فہرست مضامین

(جلد دوم)

۵

خلافتِ عباسیہ

(حصہ اوّل)

بنو عباسی خلفاء سفاح، منصور، مہدی، ہارون، امین، مامون، معتصم اور واثق کے سوانح حیات اور دورِ حکومت جامع و مستند حالات اور ان کے علمی، مذہبی اور تمدنی و اصلاحی کارناموں پر تبصرہ

ناشر

اِدارۂ اسلامیات - ۱۹۰ - انارکلی لاہور ۲

فون :- ۶۳۲۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ بنی عباس رض

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کے قبیلوں میں جاہ و جلال کے اعتبار سے قبیلۂ قریش سب سے زیادہ ممتاز تھا اور قریش کے خاندانوں میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دو برابر کے حریف تھے۔ تاہم مُلکی اقتدار میں بنو اُمیہ کو بنو ہاشم پر فوقیت حاصل تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورودِ مسعود نے نقشہ ہی پلٹ دیا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بنی اُمیہ کا ستارہ چمکا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اموی اور مروان بن حکم اموی کی مساعی و سیاست سے خلافتِ بنی اُمیہ عہدِ خلیفہ ہشام تک عظیم الشان درجہ تک پہنچ گئی۔

بنی ہاشم میں بنو فاطمہ علم و تقویٰ، جود و سخا اور احسان و شجاعت میں تمام اقران و اماثل پر برتری رکھتے تھے۔ انہوں نے خلافتِ راشدہ کے قدم بہ قدم چلنے والی حکومت قائم کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصدِ وحید اور نصب العین قرار دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ عمل میں آئے۔ مگر اہلِ کوفہ کی بدعہدی و غداری سے ان کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ پھر اُن کے پوتے امام زین العابدینؒ کے فرزندِ گرامی حضرت زیدؒ مدعیِ خلافت ہوئے اور کوفہ میں ایک جماعت نے اُن کی حمایت و نصرت کا علم بلند کیا۔ مگر یہ وہی لوگ تھے جن کے اجداد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ غداری کی تھی۔ حضرت زیدؒ کے دستِ مبارک پر پندرہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی

مگر جب وقت آیا تو دو سو اٹھارہ افراد اُن کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت زیدؓ نے اہلِ کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ پر عمل کی دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں تمہیں میری مدد کرنی چاہیئے۔"

یوسف بن عمر جمعیتِ کثیر لے کر مقابل آیا۔ حضرت زیدؒ کی مختصر سی جماعت نے انتہائی پامردی اور جان نثاری سے مقابلہ کیا۔ لڑائی کے دوران میں حضرت زیدؒ کی پیشانی پہ ایک پتھر لگا اور اس کا اثر اتنا مہلک ثابت ہوا کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ شہادت کے بعد دفن کئے گئے۔ مگر یوسف نے آپ کی لاش قبر سے نکلوا کر سُولی پر آویزاں کر دی۔[1]

لیکن یہ ظلم و ستم بنو فاطمہ کے ہمت و استقلال کو کمزور کرنے کی بجائے اور بڑھاتا رہا۔ ادھر علمائے حق بھی ان کی اعانت کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ بھی بنی امیہ کو منصبِ خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے اور آپ حضرت زید شہیدؒ کی نصرت کا فتویٰ دے چکے تھے۔

یزید بن عمرو بن ہبیرہ جو مروان الحمار کی طرف سے حاکم کوفہ تھا حضرت ابو حنیفہؒ کی رائے بابتِ خلافت اور ان کی جلالت و عظمت سے آگاہ تھا۔ اس نے حضرت امام اعظم سے انتقام لینے کا بہانہ تلاش کیا اور ایک موقع پا کر حضرت امام سے کہا۔

"میں آپ کو میر منشی اور افسر خزانہ بنانا چاہتا ہوں۔"

مگر حضرت امام نے انکار کر دیا۔ یزید نے حکم جاری کر دیا کہ ہر روز اُن کے دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ لیکن آپ اپنی رائے پہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۹۱

اٹل رہے۔ بالآخر مجبور ہو کر یزید نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

بنو فاطمہ کے دعوائے خلافت کے ساتھ ساتھ آلِ عباسؓ کو بھی خلافت سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اُن کے صاحبزادے علی کو بھی اس کا خیال نہ آیا۔ لیکن ان کے فرزند محمد کو ابو ہاشم کی تحریک کے باعث مسئلہ خلافت سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔[1]

اِمامت شیعانِ علیؓ نے امامت کا شاخسانہ کھڑا کر دیا تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اولاد میں پہلے حضرت امام زین العابدینؒ کو امام بنایا۔ پھر کچھ لوگوں نے حضرت زیدؒ کو اور بعض نے حضرت محمد باقرؒ کو منصبِ امامت پر فائز کیا۔ شیعوں نے حضرت امام زین العابدینؒ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا۔ مگر وہ زہد و تقویٰ کے پیکرِ مجسّم تھے اور ان کی غدّاریوں کا نقشہ کوفہ میں دیکھ چکے تھے اس لئے اُن کے جال میں نہ پھنسے۔ پھر ان لوگوں نے محمد بن حنیفیہ بن علی کرم اللہ وجہہ کو امام مقرر کیا۔ مختار ثقفی نے ان کی امامت سے اپنا اقتدار قائم کرنے میں بہت مدد لی۔ حضرت محمد بن حنیفیہؒ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن لُطف یہ ہے کہ شیعہ ان ہی کو اپنا امام تسلیم کرتے رہے۔

اُن کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہؓ جانشین ہوئے۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کے عُمّال ان کے درپے آزار ہوئے اور انہیں دمشق چھوڑنا پڑا۔ آخر دشمنوں نے انہیں زہر دے دیا۔ وفات کے وقت علی بن عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس حمیمہ میں مقیم تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ بنی ہاشم میں

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا فیکم النبوۃ والمملکۃ یعنی تم میں نبوت اور بادشاہت دونوں ہیں (رواہ ابو نعیم عن ابی ہریرۃ خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۱۸) بزار کے یہاں بھی یہی روایت منقول ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں عامری ضعیف ہے۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۔

خلافت کے لئے کوئی موزوں شخص نظر آیا۔ اس لئے انہوں نے اپنا جانشین محمد بن علی کو مقرر کیا۔

محمد بن حنیفیہ کے متبعین عراق و خراسان میں بہ کثرت تھے۔ چنانچہ ان سب نے بر بنائے وصیت محمد بن علی کو اپنا امام تسلیم کرتے ہوئے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح منصبِ امامت علویین سے عباسین کے خاندان میں منتقل ہو گیا۔

امام ابو ابراہیم محمد عباسی

نام و نسب نام محمد کنیت ابو ابراہیم بن علی سجاد بن عبداللہ بن عباس ابن عبدالمطلب بن ہاشم۔ محافظ کعبہ۔

خاندانی حالات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے "علی سجادؒ" اجلۂ تابعین میں سے تھے۔ ۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت خاندان رسالت میں ہوئی۔ علمِ حدیث اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔

طبقاتِ ابن سعد میں ہے:۔

کان ثقۃ قلیل الحدیث۔

"اہلحدیث کی اصطلاح میں آپ ثقہ تھے مگر حدیثیں کم مروی ہیں۔"

صاحبِ وفیات الاعیان کہتے ہیں:۔

علی بن عبداللہ کان سیداً شریفاً بلیغاً ھو اصغر اولاد ابیہ وکان اجمل القرلیش علی وجہ الارض واوسمھم واکثرھم صلوٰۃ وکان یدعی السجاد[1]

"امام علی بن عبداللہ سید شریف اور بلیغ تھے یہ حضرت ابن عباس کے چھوٹے صاحبزادے تھے روئے زمین پر قریش میں سب زیادہ حسین اور ان سے زیادہ خوبصورت تھے اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے اور لوگ ان کو سجاد کے لقب سے پکارتے تھے۔"

---

[1] ابن خلکان جلد ۳ صہ ۲۲۳

حضرت علی سجاد کا کام پہلے حرم میں تھا۔ آپ کی ملکیت میں پانچ سو درخت زیتون کے تھے۔ ہر درخت کے نیچے آپ نے دو رکعت نفل پڑھی۔ زہد و اتقاء کے پیکر مجسم تھے۔ پھر اموی حکومت کی سخت گیری سے مجبور ہو کر حمیمہ میں آکر قیام کیا۔ علویین کے ساتھ اُن پر بھی ظلم ہوئے۔ کوڑے لگائے گئے۔ مگر صبر سے کام لیا۔ آخر تک حمیمہ میں ہی گوشہ گیر رہے۔ ۱۱۹ھ ہجری میں وصال ہوا۔[1]

ابوابراہیم محمد کی سوانح حیات

ابوابراہیم ۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ "عالیہ خاتون" حضرت عباس کی پوتی تھیں تعلیم و تربیت ماں باپ کے آغوش میں پائی۔ علم حدیث اپنے باپ سے حاصل کیا۔ عالم متبحر تھے۔ علم تفسیر دادا سے ورثہ میں پایا۔

آپ شیعہ، عباسیہ، سبعیہ اور راوندیہ کے پانچویں امام تھے۔ اجلۂ تبع تابعین میں آپ کا شمار ہے۔

شرفائے عرب میں بہت حسین و جمیل، عالی دماغ، سیاستِ ملکی سے باخبر تھے اور علویوں اور بنو فاطمہ سے سیاست میں بڑھے ہوئے تھے۔

جانشینی

امام عبداللہ ابو ہاشم علوی نے ابوابراہیم کو اپنا جانشین کیا۔ آپ نے امامت پر فائز ہوتے ہی دعوتِ بنی عباس کا آغاز فرمایا اور مختلف مقامات پر اپنے دعاۃ روانہ کئے۔

عراق کی طرف میسرہ کو بھیجا، محمد بن خنیس، ابو عکرمۃ السراج جن کو ابو محمد صادق بھی کہتے ہیں۔ حیان العطاء جو ابراہیم بن سلمہ کے ماموں تھے، ان سب کو خراسان بھیجا۔

یہ زمانہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا تھا۔ ان کی طرف سے خراسان کا حاکم ان دنوں جراح بن عبداللہ حکمی تھا۔ امام نے دعاۃ کو روانہ کرتے وقت ان کو یہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۴ صفحہ ۳۳۳۔

ہدایت کی تھی ۔

" میری اور میرے اہل بیت کی طرف لوگوں کو ترغیب دو اور عام طور پر اس امر کی طرف متوجہ کرو کہ امام میں ہی ہوں اور جو تمہاری دعوت قبول کرلیں ان کے دستخط بھی لے لینا " [1]

چنانچہ دعاۃ نے خراسان پہنچتے ہی خفیہ طور سے ہزار ہا نفوس کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور امام کی بیعت کے ساتھ دستخط بھی لیتے گئے ۔ یہ دستخطی تحریر خفیہ طور سے عراق، امام کے غلام " میسرہ " کے پاس روانہ کی گئی ۔ اس نے یہ امام محمد بن علی کی خدمت میں بھیج دی ۔

ابو محمد صادق مصاحب امام نے خراسانیوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عام رجوع دیکھ کر امام محمد کو مشورہ دیا کہ جس قدر نقیب اب تک خراسان گئے ہیں وہ ناکافی ہیں بارہ نقیب اس علاقہ کے مختلف مقامات میں اور جانے چاہئیں ۔ چنانچہ امام محمد نے یہ رائے پسند کی اور بارہ نقیبوں کا تقرر عمل میں آیا ۔

سلیمان بن کثیر خزاعی، لاہز بن قریظہ تمیمی، قحطبہ بن شبیب طائی، موسیٰ ابن کعب تمیمی، خالد بن ابراہیم ابو داؤد (رکن قبیلہ بنی عمر بن شیبان) قاسم بن مجاشع تمیمی، عمران بن اسمٰعیل ابو النجم مولیٰ آل معیط، مالک ابن ہیثم خزاعی، طلحہ بن زریق خزاعی عمر بن اعین، ابو حمزہ مولا خزاعہ، شبل بن طہمان ابو علی الہروی، موسیٰ بن خلیفہ، عیسے بن اعین مولیٰ خزاعہ ۔ ان نقباء کے علاوہ ستر آدمی ان کی معاونت کے لئے مقرر کئے گئے ان کا کام یہ بھی تھا کہ امام کی طرف سے لوگوں سے بیعتِ امامت بھی لیں [2] ۔

۲۰۱ھ میں " میسرہ " نے عراق سے خراسان کو چند اور آدمی بھیجے اور ان کو دعوتِ آلِ محمد کی ہدایت کی ۔ اس زمانے میں خراسان کا حاکم سعید نامی تھا ۔ ایک تمیمی عمر بن بجیر بن ورقا سعدی نامی سعید کے پاس آیا اور اس نے یہ اطلاع دی کہ

---

[1] طبری جلد ۵ ص ۱۳۵ [2] ایضاً ص ۱۳۵

یہاں کچھ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں اور خفیہ خفیہ حکومت کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کر رہے ہیں۔ سعید نے پتہ لگا کر نقباء کو بلوا بھیجا۔ دریافتِ حال کرنے پر ان لوگوں نے کہا۔ ہم تاجر ہیں اور بغرض کاروبار یہاں آئے ہوئے ہوں اور آپ ہمارے اس امر کی تصدیق سردارانِ قبیلہ ربیعہ سے کر لیں۔ ان کی بھی طلبی ہوئی۔ چنانچہ ان سرداروں نے حاکم سے کہہ سُن کر ان حضرات کو چھڑوا دیا۔

مگر یہ حضرات کاہے کو خاموش بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے ہنگامی دورہ کرنا شروع کیا۔ قصبات و دیہات کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ ہزارہا خراسانی تھوڑے عرصہ میں ان کے ہمنوا بن گئے۔ غرض کہ دعوتِ بنی عباس کی تحریک دن بدن کامیاب ہو رہی تھی۔

ولادتِ ابوالعباس

یزید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ ۱۰۴ھ میں امام محمد کے مشکوئے معلی میں ابوالعباس عبداللہ پیدا ہوئے۔

چند دن کے بعد ابو محمد صادق مع چند دعاۃ خراسان سے کامیابی و کامرانی کے بعد امام کی زیارت کے لئے حمیمہ آیا اور امام کی قدم بوسی کو درِ دولت پر حاضر ہوا۔ امام محمد نومولود ابوالعباس کو کپڑے میں لپیٹ کر محل سرا سے باہر آئے اور ان دعاۃ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"واللہ یہی وہ شخص ہے جس پر تمہارا دعوتِ آلِ محمد کا کام پورا ہوگا اور یہی تمہارے دشمنوں سے انتقام لے گا"

حاضرین نے امام کے کلمات سُن کر عبداللہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور قسمیں کھا کر کہا۔ بے شک ہم کو یقین ہے کہ یہ امام زادہ دشمنانِ اہلِ بیت سے ضرور بدلہ لے گا۔[1]

---

[1] طبری جلد ۸ صفحہ ۱۷۸ [2] طبری جلد ۸ صفحہ ۱۷۸ [3] واقعہ ۱۰۴ھ
[4] طبری جلد ۸ صفحہ ۱۷۸

نقیبِ میسرہ کا انتقال ۱۰۵ھ میں نقیب میسرہ کا انتقال ہو گیا اور بُکیر بن ماہان کو جو امرائے عہد سے تھا ان کی جگہ دو "نقیب آلِ محمد" مقرر کیا گیا۔ یہ شخص عرصہ تک دولتِ بنی اُمیّہ کی طرف سے سندھ کا گورنر رہ چکا تھا۔ معزولی کے بعد کوفہ چلا آیا۔ یہاں ابو عکرمہ، مغیرہ، محمد بن خنیس سالم، ابو یحییٰ سے ملتا رہا۔

ان حضرات سے تعلقات قائم ہونے کے بعد دعوتِ بنی ہاشم کا بھی تذکرہ آ گیا۔ یہ بنی امیہ سے پہلے سے ہی ناخوش تھے۔ بطیبِ خاطر دعوتِ بنی ہاشم میں شریک ہو گیا اور امام محمد کی خدمت میں پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوا۔ امام نے اس کو "نقیبِ آلِ محمد" کا خطاب عطا فرمایا۔

بُکیر بن ماہان نے ۱۰۵ھ (عہد ہشام بن عبدالملک) میں ابو عکرمہ، ابو محمد صادق محمد بن خنیس عماری العبادی، ابن زیاد کو کوفہ سے خراسان بھیجا۔ امام اور بکیر خراسانیوں کے طبائع سے واقف تھے کہ وہ مصائبِ اہلِ بیت اور مظالمِ بنی اُمیّہ کی داستانیں دل سے سُنتے اور سر دُھنتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان نقباء کی تقریروں سے اثر پذیر ہو کر دعوتِ بنی عباس میں دل و جان سے شریک ہو گئے۔ ابو عکرمہ، محمد بن خنیس نے اپنی کثیر جماعت دیکھ کر کھلے بندوں دعوتِ بنی ہاشم کی تبلیغ شروع کی۔ علانیہ دعوت سے خراسان میں جگہ جگہ اس کے چرچے ہونے لگے۔ اس زمانہ میں اسد بن عبداللہ خزاعی حاکم تھا۔ اس کو بھی اطلاع ہوئی۔ وہ گھبرا گیا اور اُس نے اپنے پیادوں کو بھیج کر ان حضرات کو پکڑ کر بلایا اور ان سے سخت گفتگو کی۔ یہ لوگ محبت اہلِ بیت میں سرشار، بے باکی سے حق گوئی کو کام میں لائے۔

اسد نے بلا کسی کے مشورہ کے ان بزرگوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور لاشوں کو سُولی پر چڑھا دیا۔ حسنِ اتفاق سے عمار عبادی بچ نکلے۔ انہوں نے کوفہ پہنچ کر

---

[1] طبری جلد ۸ صفحہ ۱۸۸ ؂

"بکیر کو ان واقعات کی اطلاع دی۔ بکیر نے تمام تفصیلی حالات امام محمد کی خدمت میں لکھ بھیجے۔ امام نے فرمایا :۔

الحمد للہ الذی صدق دعوتکم ومقالتکم وقد بقیت منکم قتلی ستقتل "[1]	"تمام تعریف خدا کے لئے ہے جس نے تمہاری دعوت اور تمہارے قولوں کو سچا کر دیا ابھی تم میں اور لوگ باقی ہیں جو قتل کئے جائیں گے"

۱۰۸ھ "بکیر بن ماہان" نے عمار بن عبادی کی سرکردگی میں ایک جماعت پھر خراسان روانہ کی۔ حاکم خراسان کو خبر لگ گئی۔ اُس نے عمار کو بلایا اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دعوتِ بنی ہاشم کو اور ترقی ہونے لگی اور خراسانیوں میں بنی امیہ سے نفرت اور بنی عباس سے حسن عقیدت بڑھنے لگی۔ بکیر بن ماہان نے اس واقعہ کی بھی اطلاع امام محمد کو بھیج دی۔ امام نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا :۔

الحمد للہ الذی صدق دعوتکم ونجی شیعتکم۔[2]	"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہاری دعوت اور تمہارے قولوں کو سچا کر دیا اور تمہارے شیعوں کو نجات دی"

۱۰۹ھ میں امام محمد نے دعوتِ بنی عباس کی کامیابی دیکھتے ہوئے اپنے معتبر داعی زیاد کو خراسان بھیجا اور ہدایت کی کہ قبیلۂ یمن میں ٹھہرنا اور قبیلۂ مُضر کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔ قبیلۂ ابر میں غالب نامی ایک شخص ہے اس سے تعلقات نہ رکھنا۔ کیونکہ وہ آلِ ابی طالب کا طرفدار ہے۔ حرب بن عثمان، مولیٰ بن قیس بنی ثعلبہ بلخی بھی پہنچا۔ زیاد نے "مرو" میں قیام کیا۔ یحییٰ بن عقیل خزاعی، ابراہیم بن الخطاب عدری زیاد سے آکر ملے۔ زیاد نے ان میں سرگرمیٔ عمل کی روح پھونک دی۔ نقباء نے مضافاتِ خراسان میں جا کر آلِ عباس کی فضیلت

---

[1] طبری جلد ۸ صـ۱۸۰ [2] ابن اثیر جلد ۵ صـ۵۳

اور بنو مروان کے ظلم و تشدد کی حالت بیان کرنی شروع کی۔ لوگ جوق در جوق دعوتِ بنی عباس کے ہمنوا ہو گئے۔ ان کی مساعی کو دیکھ کر غالب بھی اُن سے آ کر ملا اور آلِ ابی طالب کے فضائل بیان کرنے لگا۔ مگر ان لوگوں نے توجہ سے نہ سُنا تو وہ کبیدہ خاطر ہو کر ان نقباء سے الگ ہو گیا۔ دولت بنی امیہ کی طرف سے حسن بن شیخ مالگذاری وصول کرنے "مرو" آیا۔ اس کو اس جماعت کے حالات معلوم ہوئے۔ اس نے اسد حاکم خراسان کو اطلاع کر دی کہ یہ دیکھ رہا ہوں کہ "مرو" میں ایک جماعت حکومت کے خلاف سرگرم سعی ہے۔

اسد نے زیاد کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ اپنے ہم خیالوں کو لے کر خراسان کے علاقہ سے نکل جاؤ۔ ورنہ تم کو بھی قتل کرا دیا جائے گا۔ یہ لوگ کچھ دن کے لئے وہاں سے چلے گئے اور شوقِ دعوت میں پھر لوٹ آئے اور وعظ و تلقین میں لگ گئے۔ حسن بن شیخ بنی امیہ کا وفادار تھا۔ اُس نے اسد کو اطلاع کر دی۔ اسد نے ان کو پھر بُلایا اور کہا کہ مَیں نے تم کو حکم دیا تھا کہ تم خراسان سے چلے جاؤ اور یہاں نہ ٹھہرو، تم پھر چلے آئے۔ زیاد نے جواب دیا مجھ سے آپ کو کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیئے مَیں حق کی تبلیغ و اشاعت کر رہا ہوں۔

اسد نے یہ سُنکر فوراً اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔ زیاد کے ساتھی ابو موسیٰ نے اس موقع پر کہا :-

فاقض ما انت قاضٍ ۔ "جو تمہارا جی چاہے حکم کرو۔"

اسد یہ سُن کر کہنے لگا تُو نے مجھے فرعون ٹھہرایا۔ ابو موسیٰ نے کہا مَیں نے کیا ٹھہرایا خدا نے ٹھہرایا۔ اسد نے غضب ناک ہو کر سب داعیوں کو قتل کرا دیا۔ ان کے ساتھیوں میں دو غلام تھے ان کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک نے اسد سے کہا۔ مجھ کو قتل کیوں نہیں کراتا؟ اسد نے اس کو سرِ راہ اونچی جگہ کھڑا کیا اور تلوار لے کر قتل کو آمادہ ہوا۔ غلام نے بلند آواز سے پڑھا :-

رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینًا و بمحمدٍ نبیًا ۔

یہ فقرہ ختم ہوا تھا کہ سر دھڑ سے جدا کر دیا گیا۔

دوسرا غلام کثیر خراسان آیا اور دعوتِ بنی عباس میں سرفروشانہ منہمک ہو گیا۔ دن بدن محبانِ آلِ عباس کی جماعت بڑھ رہی تھی۔ موت سے وہ لوگ گھبراتے نہ تھے۔ سنہ ۱۱۸ھ میں اسد بن عبداللہ نے اُن میں سے بہت سے حضرات کو قتل کیا۔ اکثر کی ناک کاٹی، بقیہ کو قید میں ڈالا۔ مگر نقبا کی ہمتیں پست نہ ہوئیں۔ بلکہ تمام مصیبتیں بخندان پیشانی جھیلتے اور دعوتِ بنی عباس میں سرمست رہتے۔

سلیمان بن کثیر، مالک بن ہیثم، موسیٰ بن کعب الاشہر بن قرنیطہ، خالد بن ابراہیم، طلحہ بن رزیق یہ نقباء آل محمد بھی گرفتار ہو گئے اور اسد کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے کہا۔ فاسقو! کیا اللہ نے نہیں فرمایا۔

"عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذو انتقام"

یہ سُن کر سلیمان بن کثیر نے کہا کچھ میں کہوں اُس نے کہا ضرور۔ سلیمان نے یہ شعر پڑھا ؎

لو بغیر الماء حلقی لہ شرق   کنت کالغصان بالماء اعتصاری

"اگر بغیر پانی کے میرے حلق میں اچھو لگے تو میری حالت ایسی ہو گی جیسے درخت کی ٹہنی کو پانی میں بھگو کر نچوڑوں"

اسد نے سلیمان کے شعر کا بہت اثر لیا اور مالک بن ہیثم سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا یہ لوگ رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ عبدالرحمٰن بن نعیم بولا۔ امیر یہ حضرات تمہارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو آزاد کر کے احسان کیجئے۔ اسد نے سب کو بری کر دیا۔

فتنۂ عمّار اس زمانہ میں بکیر بن ماہان "وزیر آلِ محمد" نے عمار بن یزید کو خراسان بھیجا اور شیعانِ بنی عباس کی قیادت اس کو عطا کی خراسانی وزیر آل محمد کے حکم پر عمار کے معین و مددگار ہو گئے۔ اُس نے ان

خراسانیوں کی خوش اعتقادی سے فائدہ اُٹھایا اور دعوتِ بنی عباس کے بجائے نیا مذہب جاری کیا۔ عورت وقفِ عام کی گئی۔ اس نے کہا روزہ، نماز، حج کچھ نہیں۔ روزہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ امام کا ذکر بحفاظت تمام کیا جائے اور اس کا اظہار نہ ہو نماز سے مراد یہ ہے کہ امام کی جانب قصد کرو۔

شیعانِ بنی عباس سے کہا کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں امام نے ہی مجھے اس کی تعلیم دی ہے۔ مگر اسد بن عبداللہ حاکمِ خراسان کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے پکڑوا کر بلوایا۔ مالک بن ہیثم، حریش بن مسلم اس کے تابع تھے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اسد نے عمار کی زبان کاٹ ڈالی اور آنکھوں میں نیل کی سلائی پھروا دی اور پھر ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا۔

امام محمد کو بھی عمار (خداش) کے حالات کا علم ہوا تو آپ نے اس سے بیزاری ظاہر کی اور خراسانیوں سے ان کی تلون مزاجی کی بنا پر خفا ہو گئے۔ اس پر خراسانیوں نے پشیمان ہو کر سلیمان بن کثیر کو اپنا نمائندہ کر کے امام کے پاس بھیجا۔ اس نے امام سے بے حد معذرت چاہی اور امام کا خوشنودی کا خط لے کر پھر خراسان کو لوٹ آیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"خداش مخالفِ اسلام تھا"

اس پر تمام لوگوں نے توبہ کی۔ سنہ ۱۲۴ھ میں بکیر بن ماہان کوفے آئے ہوئے تھے ان کو حکومت نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ کچھ عرصہ بعد چھوٹ گئے۔ یونس ابو عاصم، عیسیٰ بن معقل عجلی ان کے ساتھ تھے۔ ایک غلام (ابو مسلم) بھی ہمراہ تھا۔ بکیر بن ماہان نے عیسیٰ سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ اس نے کہا ہمارا غلام ہے۔ چار سو درہم میں بکیر نے اس غلام کو خرید لیا اور امام ابراہیم کے پاس روانہ کر دیا امام نے اُس کے بُشرہ سے اندازہ کر لیا کہ یہ غلام کام کے لائق ہے۔ چنانچہ اس کو

---

[1] ابو مسلم کے لئے مؤرخین لکھتے ہیں یہ بزرجمہر وزیر نوشیرواں کی اولاد سے تھا۔

تعلیم و تربیت کے لئے موسیٰ سراج کے پاس بھیج دیا اور اس کا نام ابومسلم رکھا سلیمان بن کثیر، مالک بن ہشیم، لاہز بن قریظہ، قحطبہ بن شبیب مکہ آئے اور امام محمد بن علی سے گفتگو کی۔ اثنائے گفتگو میں ابومسلم کا بھی ذکر آگیا۔ آپ نے فرمایا وہ آزاد ہے یا غلام؟ انہوں نے کہا عیسیٰ کہتا ہے کہ غلام ہے اور ابومسلم کہتا ہے میں آزاد ہوں۔ امام نے فرمایا کہ اس کو خرید کر آزاد کردو۔ سلیمان بن کثیر نے امام کی خدمت میں خمس کے دو لاکھ درہم اور تیس ہزار کے کپڑے پیش کئے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا۔ اگلے سال میں تم سے نہ مل سکوں گا۔ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو تمہارے امام ابراہیم ہیں جو میرے بڑے صاحبزادے ہیں۔ مجھے اُن پر اعتماد کلی ہے تم کو اُن کے ساتھ خیر کی وصیت کرتا ہوں اور میں نے اُن کو بھی تمہارے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کی ہے۔

اس کے بعد امام اپنے مستقر پر تشریف لے آئے۔ ۱۱ ماہ بعد ذی قعدہ ۱۲۵ھ کو وفات پائی۔ اُن کی اولاد میں امام ابراہیم، ابوالعباس عبداللہ، ابوجعفر منصور عیسیٰ عبدالصمد، صالح داؤد، اسمٰعیل تھے۔[1]

امام محمد علم و فضل اور تقویٰ و زہد کے ساتھ سیاسی آدمی بھی تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جو اپنے حسنِ لیاقت سے دعوتِ بنی عباس کو بڑے پیمانے پر بروئے کار لائے۔

امام ابراہیم عباسی

امام محمد کی طرح آپ بھی فضل و کمال میں یگانہ تھے۔

كان ابراهيم الامام خيرًا فاضلًا كريمًا[2] — "ابراہیم امام بہت نیک اور بڑے عالم اور سخی تھے۔"

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ۸۶ [2] کامل ابن اثیر جلد ۵ صـ۱۵۸

وقد كان ابراهيم هذا كريماً جواداً له فضائل وفواضل و
روى الحديث عن ابيه عن جده و ابي هاشم
عبد الله۔[1]

۱۲۶ھ میں آپ نے ابو ہاشم بکیر بن ماہان کو مع نشان ہائے خاصہ اور وصیت امام محمد بن علی عباسی خراسان روانہ کیا۔ یہ لوگ "مرو" پہنچے۔ یہاں شیعانِ عباس نے اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ایک مجلس منعقد کی جس میں امام محمد بن علی کی رسمِ تعزیت ادا کی گئی۔ اس کے بعد امام ابراہیم کا خط پڑھا گیا اور نشانِ خاصہ دکھائے گئے۔ ہر ایک نے اُس کو بوسہ دیا اور جوش و خروش کے ساتھ امام کی بیعت کی اور جو احکام امام نے لکھ کر دیئے تھے ان کی تعمیل کے لئے جان و مال سے تیار ہو گئے۔ خمس اور ہدایا امام کے لئے جمع کر رکھے تھے وہ بکیر بن ماہان کے سامنے پیش کئے۔ بکیر نے یہ سامان امام ابراہیم کے پاس بھیج دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ حضرت زیدؓ کے صاحبزادے نے ظہور کیا تھا۔ بنو امیہ نے خراسان میں اُن کو شہید کر دیا اور ولید بن یزید کے حکم سے اُن کی لاش کو سُولی پر لٹکایا گیا۔[2]

وفاتِ بُکیر بن ماہان امام ابراہیم کے باپ کے معین اور مددگار ہتبع بکیر بن ماہان ۱۲۷ھ میں سخت بیمار پڑ گئے۔ ان کو اپنی جانبری کی اُمید نہ رہی تو ایک عرضداشت امام کی خدمت میں ارسال کی۔ اور اُس میں لکھا کہ آپ پر تصدق ہو رہا ہوں اور اپنا جانشین ابوسلمہ حفص بن سلیمان کو کرتا ہوں۔ یہ حضور کی جملہ خدمات میری طرح انجام دیں گے۔

امام نے اس عرضی پر لکھ دیا :۔

"ابوسلمہ تمہاری جگہ مقرر کیا گیا اور اہلِ خراسان کو بھی اطلاع کر دی گئی"۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۴۰۔
[2] طبری جلد ۹ صفحہ ۱۹۸ ؛

ابو سلمہ خراسان پہنچا وہاں لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی اور خمس دہدایا امام کے لئے ابو سلمہ کو دیئے۔ اس نے امام کے پاس بھیج دیئے۔

۱۲۸ھ بزمانۂ مروان بن محمد اموی سلیمان ابن کثیر نے ابو سلمہ کو لکھا کہ تم امام ابراہیم کی خدمت میں ایک عرضی بھیجو اور استدعا کرو کہ حضور اپنے اہلِ بیت میں سے کسی صاحب کو خراسان بھیج دیں۔ چنانچہ اس نے امام کی خدمت میں عرضی بھیجی۔ امام نے اہلِ خاندان پر نظر ڈالی۔ پھر متبعین میں سے ہر ایک کو جانچا۔ ابو مسلم کے بُشرہ سے اندازہ کر لیا کہ یہ پارسی نژاد لڑکا دعوتِ بنی عباس کے لئے مفید ہوگا۔ چنانچہ اس کو اپنا اہلِ بیت قرار دے کر خراسان بھیج دیا۔

ابو مسلم | ابی الفدا ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں ابو مسلم کے متعلق لکھتے ہیں:-

قال ابو نعیم الاصبہانی فی تاریخ اصبہان کان اسمہ عبدالرحمٰن بن مسلم بن عثمان بن یسار بن سندوس ابن حوذون من ولد بزر جمہر وکان یکنی ابا اسحاق ونشأ بالکوفۃ وکان ابوہ اوصیٰ بہ الی عیسیٰ ابن موسیٰ السراج لحملہ الی الکوفہ۔ الخ [۱]

ابو مسلم نے خراسان میں آکر پہلے یہ کام کیا کہ جس قدر نقیب تھے ان کی کونسل بنائی جس کا رکن اعلیٰ سلیمان بن کثیر کو کیا اور زیادہ سے زیادہ دعاۃ بنی عباس کو خراسان کی اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہر چہار طرف لوگ آلِ عباس کے مطیع ہو گئے۔ اس کارگزاری کی خبر امام کو بھی ملی۔ انہوں نے ابو مسلم کو حکم بھیجا کہ ۱۲۹ھ میں حج کے موقع پر آؤ اور مجھ سے ملو۔ [۲]

ابو مسلم مع ستر نقیبوں کے روانہ ہُوا۔ پہلے خراسان سے کچھ فاصلہ پر "ابیورد"

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۶۷۔

[۲] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۹ ۔

میں قیام کیا۔ یہاں کے حاکم سے ملاقات کی۔ وہ بھی دعوتِ ہاشمیہ کا رکن بن گیا۔ یہاں سے "قاقبس" پہنچا اور فضل بن سلیمان سے ملا۔ اُس نے کہا کہ اُسید بن عبداللہ خزاعی، اجثم بن عبداللہ، غیلان بن فضالہ، غالب بن سعید، مہاجر بن عثمان قید کر دیئے گئے ہیں۔ ابومسلم نے عمال کو طرخان بھیجا کہ ان سب کو قید سے نکال لاؤ۔ وہ چھڑا لائے۔ اُس نے اُسید سے حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا کہ ازہر بن شعیب اور عبدالملک بن سعد امام کے پاس سے خط لائے تھے وہ میرے پاس رکھ گئے تھے۔ باہر سیر کو نکلے کہ گرفتار ہو گئے۔

ابومسلم نے کہا وہ خط کہاں ہے لاؤ۔ چنانچہ اُس نے پیش کیا۔ اس میں تحریر تھا کہ تم جہاں یہ خط پاؤ وہیں سے لوٹ جاؤ اور اب وقت آگیا ہے کہ دعوتِ بنی عباس کا اظہار علانیہ ہو اور سیاہ لباس اختیار کرنا۔ امام نے عَلَم بھی بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ قحطبہ کو مع خمس کے ہمارے پاس روانہ کر دو۔ ابومسلم امام کا حکم دیکھتے ہی خراسان لَوٹ گیا۔ قحطبہ کے پاس تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھے اُس نے یہ انتظام کیا کہ کچھ کا کپڑا خریدا، باقی چاندی اور سونا خرید کر ڈبوں میں بھرا اور خچر خریدے۔ ان پر لاد کر مثل تاجروں کے ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۹ھ کو امام کے پاس روانہ کیا۔ اکتالیس نفوس ساتھ تھے۔ ابومسلم "مرو" آیا اور وہ خط سلیمان بن کثیر کو دکھایا۔

سلیمان نے تمام شیعانِ بنی عباس کو جمع کیا۔ دور دور سے لوگ اس مجلس میں مجتمع ہوئے۔ ابومسلم کو سلیمان بن کثیر نے اپنے پہلو میں کھڑا کیا اور اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا "ابومسلم اہلِ بیت میں سے ہے اس کی اطاعت کرو۔ اس کی اطاعت عین آلِ عباس کی اطاعت ہے"

یہ سُن کر سب نے اطاعت کا اقرار کیا اور شیعانِ بنی عباس ابومسلم کے مطیع ہو گئے۔ ابومسلم ۹ شعبان ۱۲۹ھ کو مرو آیا۔ یہاں کا نقیب ابوداؤد تھا۔ اس کو اپنے ساتھ لیا۔ ابوالحکم عیسیٰ بن اعین کو یہاں کا نقیب مقرر کیا۔ آگے چلتے ہوئے

ابو داؤد کے ساتھ عمر بن اعین کو طخارستان اور اضلاع بلخ کی طرف اظہارِ دعوت کے لئے روانہ کیا اور کہا رمضان المبارک میں دعوتِ خفیہ کے بجائے علانیہ اس کا اظہار کیا جائے گا تیار رہنا۔ نصر بن تمیمی اور شریک بن غفی تمیمی کو "مرو" میں مقرر کیا۔ ابو عاصم عبدالرحمٰن بن سلیم کو طالقان بھیجا۔ ابوالجہیم بن العطیہ کو خوارزم بھیجا کہ علاء بن حرمیت کو جو وہاں نقیب مقرر تھے ان کو آگاہ کر دیں کہ ۲۵ رمضان کو اظہارِ دعوت ہوگا۔ اگر دشمن اہلِ بیت کی طرف سے کوئی حملہ یا مخالفت ہو تو قوت کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے۔

ابومسلم ان امور کے انتظام کے بعد سلیمان بن کثیر خزاعی کے پاس "قریہ سفید نج" پہنچا اور وہیں اقامت پذیر ہوگیا۔ تمام شیعانِ بنی عباس "اظہارِ دعوت" کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ یوم اظہارِ دعوت رمضان کی ۲۵ تاریخ سنہ ۱۲۹ھ بھی آگئی۔ ایک وسیع میدان میں ان داعیوں اور متبعین آل ہاشم کا عظیم الشان اجتماع کیا گیا۔ ابومسلم نے مجمع کے سامنے "الویۂ محمدی" جن کو امام ابراہیم نے اس کے پاس آج کے دن کے لئے بھیجے تھے۔ ایک کا نام "ظل" تھا جو چودہ ہاتھ کا تھا اور دوسرا عَلَم جس کو "سحاب" کہتے تھے، وہ تیرہ ہاتھ کا تھا۔ یہ دونوں عَلَم ابومسلم اٹھائے ہوئے تھا۔

ظل وسحاب | عقد ابومسلم اللواء الذی بعثہ الیہ الامام ویدعی ظل علی رمح طولہ اربعۃ عشر ذراعاً وعقد الرایۃ التی بعث بہا الامام ایضاً ویدعی السحاب علی رمح طولہ ثلاثۃ عشر ذراعاً وھما سوداء ان وھو یتلو قولہ تعالیٰ۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ [1]

"جو لوگ مظلوم ہیں ان کو اجازت ہے کہ وہ لڑیں ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا ہے اور بیشک خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔"

[1] البدایہ والنہایہ الجزالعاشر صفحہ ۳۰

یہ آیت ابومسلم کی زبان پر ورد تھی۔

سیاہ لباس بموجب حکم امام سب متبعین نے سیاہ لباس پہنا۔ شب میں چراغاں کیا اور جگہ جگہ آگ روشن کردی گئی تاکہ دور دور روشنی دیکھ کر خرقان وغیرہ کے شیعہ آکر شریکِ جلسہ ہوں۔

ابومسلم نے سحاب اور ظل کی طرف اشارہ کہہ کے کہا جس طرح "سحاب" یعنی بادل تمام زمین کو گھیر لیتا ہے اس طرح دعوت بنی عباس سب جگہ پہنچ جائے گی اور "ظل" سایہ کو کہتے ہیں تو زمین پر عباسی خلیفہ کا سایہ ہمیشہ رہے گا۔"

اب قرب وجوار سے لوگ جوق درجوق آنے لگے۔ اوّل اہلِ سقادم آئے جن کے سردار ابوالوضاح ہرمزی، عیسیٰ بن شبیل تھے۔ ان کے ساتھ نوسو پیدل اور چارسو سوار تھے اور اہلِ ہرمز سے سلیمان بن حسان اور ان کے بھائی یزدان بن حسان ہیثم بن یزید بن کیسان نصر بن معاویہ ابوخالد، حسن جروی محمد بن علوان آئے۔ اہلِ سقادم سے ابوالقاسم محرز بن ابراہیم جویانی آیا جس کی ماتحتی میں ایک ہزار تین سو پیدل اور سولہ سوار تھے۔

داعیانِ دعوتِ آلِ عباس سے جو گروہ آتا وہ بلند آواز سے تکبیر کہتا آتا۔ جو سنتا وہ تکبیر سے جواب دیتا۔ جب کافی اجتماع جلسہ میں ہوگیا تو ابومسلم نے جماعت کو حکم دیا "قریۂ سفید نج" کے قلعہ کو مخالفین کے مقابلہ کے لئے مضبوط کرلینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ لوگ اس انتظام میں لگ گئے۔ اتنے میں عیدالفطر آگئی تو سلیمان بن کثیر سے نمازِ عید پڑھوائی۔ مگر کچھ طریقے تبدیل تھے۔ اس کے بعد ابومسلم کی طرف سے عام دعوتِ طعام ہوئی جس میں ہر ادنیٰ واعلیٰ شریک تھا۔ اس جشن کا اثر بہت اچھا پڑا۔ روزانہ بعد نمازِ عصر قاسم بن مجاشع تمیمی فضائل بنی ہاشم اور معائب بنی امیہ بیان کیا کرتے۔

آغازِ جنگ ابومسلم نے محرز بن ابراہیم کی سرکردگی میں ایک فوج مرتب کی اور مقام "جبرنج" پر اس کو لگا دیا اور حکم دیا کہ خندق کھود کر

اس میں افرادِ لشکر کو روپوش رکھا جائے۔ اس طرف سے حاکمِ خراسان "نصر بن سیار" کی رسد آئے تو اُسے روک لیا جائے اور تصرف میں لایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی نصر سے خط و کتابت شروع کر دی۔ وہ ابومسلم کے خطوط پڑھ کر برافروختہ ہو گیا اور اپنے غلام "یزید" کی سرکردگی میں ایک لشکر عظیم اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ابومسلم کو خبر لگی تو اُس نے مالک بن ہیثم خزاعی کو معہ فوج کثیر کے بھیجا جس نے جاتے ہی نصر کی فوج کو شکست دی اور یزید کو معہ ساتھیوں کے گرفتار کر لیا۔ ابومسلم کے سامنے سب قیدی پیش ہوئے ان میں یزید کو آزاد کر دیا اور دیگر قیدیوں کے سر تن سے اُتروا کر نیزہ پر چڑھا کر ان کا گشت کرایا گیا۔ یزید نصر کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا کہ اے امیر! جن سے تُو مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔

"یہ لوگ وقت پر باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور خدا کا ذکر بکثرت کرتے ہیں اور لوگوں کو اطاعت اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاتے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے۔ میں اگر آپ کا غلام نہ ہوتا تو اُن کو چھوڑ کر نہ آتا[1]"

خراسان کی سیاسی حالت

ایران پر گو عربوں کا تسلط تھا مگر اُن میں بغاوت کے جراثیم موجود تھے جو بنی امیہ کے جبروت سے دبے رہے۔ ان میں جب کمزوری آئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ علویین کے مقابلہ میں بنی عباس ہوش منداور دُور بین تھے۔ اُنہوں نے دعوتِ بنی عباس کو عربی قبائل کے بجائے اہلِ خراسان میں پھیلایا حسنِ اتفاق سے خراسان میں یمنی اور مُضری قبائل میں مسلسل جنگ ہو رہی تھی۔ ایک کا

---

[1] طبری جلد ۸ صفحہ ۸۵ ؛

ایک دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہُوا تھا۔ اس زمانہ میں امام ابراہیم نے ایک خراسانی کو اہلِ خراسان پر سردار بنا کر بھیجا اور اس کو اپنا اہلِ بیت قرار دیا۔ ابومسلم اپنے قبیلہ کے حالات سے واقف تھا۔ اس نے دعوتِ بنی عباس کو تھوڑے ہی دنوں میں تمام خراسان میں پھیلا دیا۔

مسٹر اے ایچ پامر لکھتا ہے :۔

"ابومسلم بڑا عقلمند اور اولوالعزم بہادر سپاہی تھا"[1]

جب یہ تحریک عام ہوگئی تو اس نے حکومت سے ٹکر لینے کی ٹھانی چنانچہ نصر بن سیار کی فوج سے مقابلہ کیا اور فتح مند ہُوا۔ اُس نے مرو فتح کرنے کے لئے حازم بن خزیمہ کو بھیجا۔ حازم نے حاکم مرو پر حملہ کر کے اس کی فوج کو بھگا دیا۔ اور اس کو قتل کیا اور مرو پر قابض ہوگیا۔ نصر بن جنبی کو تسخیرِ ہرات کے لئے بھیج دیا۔ وہاں عیسیٰ بن عقیل حاکم تھا۔ نصر نے اس کو بھی نکال باہر کیا اور ہرات پر قبضہ جما لیا۔

ابن کرمانی و نصر بن سیار ادھر ابن کرمانی جو سردارِ قبیلۂ مضر تھا اس کی نصر سے جنگ چھڑ گئی تو ابن کرمانی کو ابومسلم نے گانٹھ لیا اور فوجی مدد دی۔ چنانچہ نصر کو شکست اُٹھانا پڑی۔

نصر اور خلیفہ مروان یہاں جو واقعات پیش آئے تھے نصر نے خلیفہ مروان کو اُن کی اطلاع دی اور عریضہ میں چند شعر لکھے اس میں یہ شعر بھی تھا۔

فقلت من التعجب لیت شعری ایقظان امیۃ ام نیام[2]

"میں نے تعجب سے کہا کہ کاش مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ بنی اُمیہ جاگتے ہیں یا سوتے"

مروان نے خط کا جواب صرف یہ دیا۔

---

[1] ہارون الرشید از مسٹر اے ایچ پامر ایم اے پروفیسر عربی یونیورسٹی آف کیمبرج انگلستان [2] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر ص ۳۲

ان الشاھد یری مالا یری الغائب "حاضر جو دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا"
مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ملک شام کے واقعات سے ہی فرصت نہیں خراسان کی کیا فکر کروں۔ نصر بن سیار یہ جواب سن کر سخت مایوس ہوا تو یزید بن عمرو بن ہبیرہ جو دولتِ مروانیہ کی طرف سے فارس کا حاکم تھا۔ اس کو معاونت کے لئے خط لکھا اس نے بھی مدد دینے سے انکار کر دیا۔

نصر کی موت اور ابو مسلم کا خراسان پر قبضہ

نصر نے موقع پا کر خراسان سے راہِ فرار اختیار کی، طوس پہنچا۔ پھر رے اور جرجان گیا۔ صعوبتِ سفر سے بیمار پڑا اور مر گیا۔ میدان خالی پا کر ابو مسلم نے خراسان پر قبضہ کر لیا۔

۱۳۰ھ میں امام ابراہیم نے قحطبہ بن شبیب کو ابو مسلم کے پاس خراسان بھیجا۔ قحطبہ خراسان پہنچا تو اس کو ابو مسلم نے مقدمۃ الشکر پر مقرر کیا اور دوسرے لشکر اس کی ماتحتی میں دیدیئے اور خالد بن عثمان کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔

خراسان کا انتظام

شہر خراسان کا کوتوال مالک بن ہیثم مقرر ہوا اور قضا کا عہدہ قاسم بن مجاشع کو دیا گیا۔ دیوان کامل بن مظفر بنایا گیا۔ بارہ نقیب جو امام کے مقرر کردہ تھے ان کی مجلسِ شوریٰ بنائی گئی۔ ان میں سلیمان بن کثیر ابو منصور کا مرتبہ فائق تھا۔ یہ لوگ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ابو مسلم تمام کام اُن کے مشورہ سے کرتا تھا اور ان کے چار چار ہزار روپیہ مقرر کر دیئے تھے۔ شہر کے انتظام کے بعد ابو مسلم نے قحطبہ کو جرجان طوس، عراق، عجم کی فتوحات کے لئے روانہ کیا۔

قحطبہ کے ساتھ اُسید بن عبداللہ خزاعی، خالد بن برمک ابو عون عبدالملک بن یزید موسیٰ بن کعب مرائی، حبیب بن زہیر، عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ازدی تھے۔ جب لشکر روانہ ہوا تو قحطبہ کے ہمراہیوں کے سامنے یہ تقریر کی۔
"اے اہلِ خراسان یہ شہر جن کو تم فتح کرتے جاتے ہو تمہارے باپ دادا

کے تھے اور وہ چونکہ عدل وانصاف کرتے تھے اس وجہ سے اپنے دشمنوں پر غالب رہتے تھے۔ مگر جب انھوں نے اپنی حالت بدلی اور ظلم کرنے لگے تو خدا اُن سے ناراض ہوا اور اُن سے بادشاہت چھین لی اور اس قوم کو جو بادیہ نشین اور سب میں کمزور تھی تم پر غالب کر دیا۔ اُس نے تمہاری عورتوں سے نکاح کئے۔ تمہاری اولاد کو غلام بنایا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر یہ قوم عدل وانصاف کرتی تھی مظلوم کی فریاد رسی کرتی تھی، اپنے عہد کو پورا کرتی تھی اس کے بعد اسی قوم نے یہ کیا کہ ظلم کرنے لگی اور احکام خداوندی کو بدل دیا اور جو نیک اور متقی لوگ تھے ان پر ظلم کیا خصوصاً عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی جب یہ حالت ہوئی تو تم کو ان پر مسلط کر دیا تاکہ تمہارے ذریعہ سے ان کا بدلہ لیا جائے اور تمہارے ذریعے وہ لوگ عذاب میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ تم توان ظلموں کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوئے ہو۔"

اور امام ابراہیم نے تم سے نہایت وثوق سے فرمایا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر تم جمعیت کے ساتھ ان لوگوں سے مقابلہ کرو گے تو ضرور خدا تمہاری مدد کرے گا اور تم ان ظالموں کو بھگا دو گے اور قتل کرو گے۔"[1]

اس کے بعد ہی ابومسلم کا خط قحطبہ کے پاس پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم اپنے دشمن کا پورے طور سے مقابلہ کرو خدا تمہارا مددگار ہے اور جب تم غالب ہو جاؤ تو ان لوگوں کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرنا۔"[2]

---

[1] طبری جلد ۹ ص۱۰۰ ۔ [2] ایضاً۔

جرجان قحطبہ نے ذی الحجہ ۱۳۰ھ میں جرجان کے قریب ایک قریہ پر حملہ کر دیا۔ میمنہ پر حسن بن قحطبہ اور میسرہ پر خالد بن برمک اور مقاتل بن حکیم تھے۔ مقابلہ پر حاکم بنانہ تھا جس کی دس ہزار فوج کام آئی۔ بنانہ قتل ہوا۔ اس کا سر ابومسلم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کامیابی کے بعد قحطبہ جرجان پر حملہ آور ہوا۔ وہاں کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور جرجان کی فتح اور اس پر قبضہ ہونے کی خبر یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو پہنچی تو اس نے عامر بن لیسار اور اپنے بیٹے داؤد کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ قحطبہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اصفہان کے قریب "جبی" کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ قحطبہ کے پاس بیس ہزار فوج تھی۔ عامر کے پاس ڈیڑھ لاکھ، قحطبہ نے اول قرآن شریف نیزوں پر قائم کئے اور آواز دی "اے اہل شام ہم تم کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے گالیاں بکیں۔ قحطبہ نے مقاتل بن مالک العکی ابوحفص مہلبی کو ہلہ بول دینے کا حکم دیا۔ معمولی جھڑپ پر اہل شام بھاگ نکلے۔ "داؤد" کے پیر اکھڑ گئے۔ عامر لڑتے لڑتے مارا گیا۔ سردار کے مرتے ہی لشکریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بہت کچھ سامان قحطبہ کے ہاتھ آیا۔[1] اس کامیابی کی خبر قحطبہ نے حسن کو بھیجی اور خود بھی آموجود ہوا۔

اس کے بعد نہاوند پر حملہ کر دیا گیا اور فتح پائی اور نصر بن سیار کے ساتھ جو خراسانی یہاں آ گئے تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ داؤد، یزید بن عمرو کے پاس شکست خوردہ پہنچا۔ اس نے عظیم الشان لشکر عراق سے جمع کیا۔ خلیفہ مروان کو ان حالات کی خبر ہوئی۔ اس نے فوج کو بڑھانا شروع کر دیا جس نے "دسے"، ہمدان شہرزور تک فتح کر لئے۔ اب باپ بیٹوں نے عراق کی طرف پیش قدمی کی۔

مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا امیر تھا۔ اس نے کوفہ

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۱ صد؟

سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر مقابلہ کیا۔ کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ اسی اثناء میں قحطبہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا حسن امیر الجیش مقرر ہوا۔

قحطبہ مرتے وقت یہ وصیت کر گیا کہ جب کوفہ میں پہنچو تو تمام معاملات کو وہاں کے قائم الامر ابوسلمہ خلال کے سپرد کر دینا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ وہ وزیر آل محمد ہے۔

یزید بن عمرو ابن ہبیرہ نے متعدد لڑائیوں کے بعد شکست کھائی اور واسطہ کی طرف چلا گیا۔ حسن فوج کے ساتھ محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ میں جاہ وجلال کے ساتھ داخل ہوا اور اپنے باپ قحطبہ کی وصیت کے مطابق امارت ابوسلمہ کے حوالے کر دی۔ ابوسلمہ نے حسن کو معہ دیگر روساتے عسکر کے "واسط" کیطرف یزید بن عمرو ابن ہبیرہ کے تعاقب میں بھیجا۔ مدائن کی جانب حمید ابن قحطبہ کو اور دیرقتی کی طرف مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک کو عین التمر اور بسام کو "اھواز" کی طرف فوجیں دے کر روانہ کیا۔

عراق اور خراسان کی یہ واقعات پیش آرہے تھے اور بنی امیہ شام میں خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس کے علاوہ دعوتِ بنی عباس سے بھی بے خبری تھی۔ ابومسلم تمام واقعات کی اطلاع امام ابراہیم کی خدمت میں بھیجتا رہتا تھا۔ وہاں سے احکام بھی آتے رہتے تھے۔ نصر بن سیار نے ابومسلم کی فتوحات اور ترقی کی خلیفہ مروان کو اطلاع کر دی تھی جس کا ذکر آچکا ہے۔

مروان کو اس وقت توسیعِ دعوتِ بنی عباس کا علم ہوا جبکہ ابومسلم کا خط امام کے نام قاصد لے جا رہا تھا۔ راہ میں قاصد پکڑا گیا۔ مروان نے قاصد سے کہا کہ اس کا جواب مجھ کو دکھانا یہ رقم دی جاتی ہے۔

افشائے راز امام ابراہیم کا خط ابومسلم کے عریضہ کے جواب میں تھا جو قاصد نے مروان الحمار کو دے دیا۔

"امام ابراہیم نے تحریر فرمایا تھا کہ ابومسلم تم کرمانی اور نصر سے ابھی تک فارغ نہیں ہوئے۔ تم ہماری دولت کے حصول کے لئے جان توڑ کوشش کرو اور نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے کام لو۔ اور موقع ہاتھ آئے تو خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑنا[1]"

خط پڑھ کر مروان کی آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی اور نصر بن سیار کی تحریر کی توثیق اب پورے طور سے ہوگئی۔ اس نے ولید بن معاویہ بن عبدالملک کو جو دمشق کا گورنر تھا ایک فرمان بھیجا کہ تم عامل بلقاء کو ہدایت کرو کہ موضع حمیمہ میں ابراہیم عباسی کو فوراً گرفتار کرے اور ان کو بہت ہوشیاری سے ہمارے پاس بھیج دے۔

امام کی گرفتاری

طبری میں ہے کہ ولید بن مروان کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ چنانچہ امام ابراہیم مسجد میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ عامل بلقاء نے آکر گھیر لیا اور نمازیوں سے پوچھا۔ تم میں ابراہیم کون ہے؟ لوگوں نے امام کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً آپ کو زیر حراست لے لیا گیا۔

جانشینی

امام شام کی طرف لے جائے گئے۔ ان کے ساتھ آل عباس میں سے جس قدر حمیمہ میں اقامت پذیر تھے ان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔ اب تم لوگ کوفے چلے جاؤ اور میں نے اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن امام محمد کو اپنا خلیفہ اور جانشین امامت کیا۔ تم سب کو ان کی اطاعت میری طرح کرنا واجب ہے[2] ابوالعباس کو گلے سے لگایا اور کچھ ہدایتیں کیں اور عامل بلقاء سے فرمایا۔ اب جہاں چاہو لے چلو۔

چنانچہ ابوالعباس امام سے رخصت ہو کر عبداللہ بن محمد، المنصور داؤد بن علی عیسٰی بن علی، صالح بن علی، اسماعیل بن علی، عبداللہ بن علی، عبدالصمد بن علی، یحیٰی بن محمد، عیسٰی بن موسیٰ بن محمد بن علی، عبدالوہاب بن ابراہیم، محمد بن ابراہیم،

---

[1] طبری جلد ۹ صـ ۱۳۳

موسیٰ بن داؤد بن علی یحییٰ بن جعفر بن تمام بن عباس ابن عبدالمطلب ہاشمی ودیگر اہلِ خاندان کو ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

امام ابراہیم کو مروان الحمار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے آپ کو حران کے قید خانہ میں بھجوایا[۱] قید خانہ میں شراحیل بن مسلم بن عبدالملک بھی قید تھے۔ امام سے اُن کے تعلقات بہت بڑھ گئے۔

شہادت ایک روز شراحیل کے آنے میں دیر ہوئی تو ایک شخص آیا اور اس نے امام سے کہا شراحیل نے یہ دودھ آپ کے لئے بھیجا ہے۔ امام نے دودھ اس سے لے کر پی لیا۔ اتنے میں شراحیل آ گئے۔ امام نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا۔ میں نے دُودھ نہیں بھیجا تھا۔ یہ آپ کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ چنانچہ دستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسی شب میں امام نے رحلت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۳۲ھ کا ہے۔

نقشۂ ابومسلم ابومسلم کو کوفہ میں امام کے شہید ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے اس واقعہ پر پردہ ڈالے رکھا۔ ابومسلم دل میں آلِ ابوطالب کا طرفدار تھا۔ آلِ عباس سے تقیہ کئے ہُوئے رہتا تھا۔

امام کی سیرت امام ابراہیمؒ نے پچاس سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اُن کی والدہ کا نام سلمیٰ تھا۔[۲]

امام عابد، زاہد، خلیق، ملنسار اور سخاوت میں شہرہ آفاق تھے۔ حکومت بنی عباس کی بنیاد ان ہی کے ہاتھوں پڑی۔ ان کی بساطِ سیاست کے مہرے ابوسلمہ ابومسلم خراسانی، خالد بن برمک، سلیمان بن کثیر سے لوگ تھے۔ ان سب نے امام کی ہدایت پر عمل کر کے حکومتِ بنی امیہ کا تختہ اُلٹ دیا۔ نقیبوں میں زیادہ ہوشیار بکیر بن ماہان تھا اور بنی عباس کا وفادار۔ ابومسلم خراسانی اور

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۸ [۲] ایضاً

ابوسلمہ موقع شناس تھا۔

مرثیہ ابراہیم بن علی بن سلمہ قرشی نے امام کا مرثیہ لکھا۔ امام کا مزار حران میں ہے۔

قد کنت احسبنی جلدا فضعضعنی
قبر بحران فیہ عصمۃ الدین
فیہ الامام وخیر الناس کلھم
بین الصفائح والاحجار والطین
فیہ الامام الذی عمت مصیبتہ
وعیلت کل ذی مال ومسکین
فلا عفا اللہ عن مروان مظلمتہ
لکن عفا اللہ عمن قال آمین

"میں خیال کرتا تھا کہ میں بہت چست و چالاک ہوں مگر مجھ کو اس قبر نے جو مقام حران میں ہے شکست کر دیا جس میں دین کی حفاظت کرنے والا مدفون ہے۔ اس قبر میں امام ہیں جو تمام انسانوں سے بہتر ہیں جو تختوں اور پتھروں اور مٹی کے نیچے ہیں۔ اس قبر میں وہ امام ہیں کہ ان کی مصیبت عام ہو گئی ہے اور آپ کی موت نے ہر مالدار اور مسکین کو یتیم کر دیا ہے۔ بس خدا معاف نہ کرے مروان کے اس ظلم کو لیکن خدا اس کو معاف کرے جس نے میری اس دعا پر آمین کہی"[1]

خلیفہ ابی العباس السفاح

ابو العباس عبداللہ السفاح بن امام محمد بن امام علی بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، والدہ ماجدہ قبیلہ بنی حارث سے تھیں جن کا اسم گرامی "ربطہ" تھا ۱۰۴ھ میں حمیمہ میں ولادت ہوئی۔ تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۔۔ و کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۶

نسب نامہ والدۂ سفاح ربطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمدان بن ربان بن قطن بن زیاد ابن حارث بن مالک بن ربیعہ حارثی [1]

عبدالمدان کے متعلق مورخین لکھتے ہیں ۔

هو من اشرف العالم واکبر الدنیا ۔ عبدالمدان شرفاءِ زمانہ اور بزرگ آدمیوں میں سے تھا ۔

تعلیم سفاح ۔ نے حدیث اپنے بھائی امام ابراہیم سے پڑھی اور اُن سے ان کے عم علی بن علی نے علم حدیث پڑھا ۔[2]

ابوالعباس عالم، محدث، فقیہ، قاری، سخی، دلیر، حسین وجمیل شخص تھا ۔

کان السفاح اسخی الناس سفاح بہت سخی آدمی تھا ۔

مصنف الفخری ابوالعباس کی مدح میں لکھتا ہے ۔

"کان کریما حلیما وقورا عاقلا کثیر الحیاء حسن الاخلاق "

سفاح امام ابراہیم کے دعوتِ بنی عباس میں مشیر تھا ۔ امام نے ان کو ہی اپنا جانشین بنایا تھا ۔ حمیمہ سے ابوالعباس معہ اہلِ خاندان کوفہ سے روانہ ہوئے ۔ امام ابراہیم گرفتار کر کے شام لے جائے گئے ۔ دومۃ الجندل پر داؤد بن علی اور موسیٰ بن داؤد عراق سے شراۃ جاتے ہوئے ابوالعباس سے ملاقی ہوئے تو داؤد نے پوچھا حضرت کہاں کا قصد ہے ؟

ابوالعباس نے کہا کوفہ کا اور تمام واقعہ جو گزرا تھا بیان کیا اور کہا ۔ انشاء اللہ میں کوفہ پر قبضہ کروں گا ۔ داؤد بن علی نے عرض کیا کوفہ نہ جائیے ۔ کیونکہ مروان بن محمد اموی حران میں مقیم ہے اور یزید بن عمرو بن ہبیرہ عراق میں فروکش ہے جو کوفہ سے قریب ہے ۔ اگر ان لوگوں کو حال معلوم ہو گیا تو وہ آپ کے

---

[1] المعارف لابن قتیبہ الدینوری صد ۱۶۳ [2] تاریخ الخلفاء صد ۱۰۰ ...

اہلِ خاندان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیں گے۔

ابو العباس نے کہا۔

من احب الحیٰوۃ ذل۔ بقول الاعشی	"جس نے زندگی کو دوست کہا ذلیل ہوا"
فما میتۃ ان متہا غیر عاجز	"میں اس موت کو موت نہیں سمجھتا جو
بعار اذا ما غالت النفس غولہا	بہادری کے ساتھ ہو اور نہ عار جس وقت جان خطرہ اور ہلاکت میں پڑے"

مطلب یہ ہے کہ شجاعت کے ساتھ مرنا مرنا نہیں ہے بلکہ اصل میں جس موت سے پناہ مانگی جاتی ہے وہ ذلّت کی موت ہے۔

یہ سُن کر داؤد نے اپنے بیٹے موسیٰ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ واللہ! تمہارے ابن عم نے سچ کہا لہٰذا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اگر زندہ رہیں تو عزت کے ساتھ زندہ رہیں اور اگر مریں تو عزت کے ساتھ مریں [1]

سفّاح کا ورود کوفہ میں

غرض کہ یہ جملہ حضرات آلِ عباس کوفہ پہنچے تو ابو مسلم وزیر آلِ محمد نے ان کو ولید بن سعد مولیٰ بنی ہاشم کے مکان پر ٹھہرایا جو کوفہ سے کچھ دُور تھا۔ ابو مسلم نے اہلِ کوفہ کو چالیس دن تک ابو العباس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور نہ امام ابراہیم کی شہادت کی خبر کی۔ ابو الجہم ابو سلمہ سے کبھی ابو العباس کے لئے پوچھتا کہ امام کا حال کیا ہے؟ تو وہ کہہ دیتا کہ ابھی امام کے ظہور کا وقت نہیں آیا ہے۔

سازش

ابو سلمہ کو آلِ عباس سے زیادہ آلِ ابی طالب سے لگاؤ تھا اس نے خفیہ طور سے خط لکھے اور حضرات ذیل کے نام روانہ کئے اور قاصد سے کہا پہلے امام جعفر صادق کے پاس جانا جب وہ انکار کر دیں تو عبد اللہ محض کے پاس پھر عمر بن علی سے جا کر ملنا۔ خط میں یہ لکھا تھا۔

---

[1] طبری جلد ۹ صـ ۱۳۵ (طبع حسینیہ مصر)

"آپ تشریف لائیں یہاں کوفہ میں سب لوگ آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں"

قاصد امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس خط کو ملاحظہ کر کے چراغ کی لو پر رکھ دیا اور قاصد سے فرمایا ابوسلمہ سے کہنا یہی جواب ہے۔ قاصد یہاں کا نقشہ دیکھ کر عبداللہ محض کے پاس گیا۔ عبداللہ اس خط کو لے کر امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں پہنچے اور خط دکھا کر عرض کیا کہ بیعتِ خلافت کے لئے ابومسلم مجھ کو بلاتا ہے اور ہمارے شیعانِ خراسان اس کے زیر اثر ہیں۔ امام نے فرمایا اے عبداللہ! آپ کے شیعہ کون لوگ ہیں؟ کیا آپ نے ہی ابومسلم مروزی کو خراسان میں اپنا نقیب مقرر کیا ہے؟ کیا آپ ہی نے اپنے شیعوں کو سیاہ لباس تجویز کیا ہے یا آپ ان میں سے کسی کو جانتے ہیں؟

عبداللہ نے جواب دیا کہ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ مگر اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ خلافت آلِ علی میں ہو۔ امام نے فرمایا جبکہ آپ کسی کو جانتے نہیں تو وہ آپ کے شیعہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ عبداللہ بولے آپ کے دل میں خلافت کی خواہش ہے۔ اس وجہ سے آپ پسند نہیں کرتے کہ یہ مرتبہ مجھے حاصل ہو۔

امام نے جواب دیا۔ مجھ سے خود خواہش کی گئی۔ پہلے میرے پاس ابوسلمہ کا خط آیا جس کو میں نے نذرِ آتش کیا۔ اس کے بعد قاصد تمہارے پاس پہنچا۔ تم سے تعلق خاطر ہے اس لئے صحیح مشورہ دے رہا ہوں۔ یہ دولت تو آلِ عباس کے لئے ہے آلِ ابوطالب کے لئے نہیں[1]۔

ابوجہیم کوفی امام ابوالعباس کی فکر میں تھا۔ اثنائے راہ میں ابوحمید سے ملا اس کو بھی امام کی آمد کا علم نہ تھا۔ عباسی خاندان کے غلام سے اتفاقیہ ابوحمید کی

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۵ صـ ۳۱۶

ملاقات ہوگئی تو اس سے ابوالعباس کے ورودِ کوفہ اور امام ابراہیم کے شہید ہونے کا واقعہ معلوم ہُوا ۔ اسی وقت غلام کے ساتھ ساتھ ابوحمید ابوالعباس کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ بطریق آدابِ خلافت ابوحمید نے سلام کیا اور امام کے ہاتھ پیر چُومے یہاں سے واپس ہوکر ابوجہیم اور ابراہیم بن سلمہ نے موسیٰ بن کعب سے اس کے گھر جاکر ملاقات کی اور امام ابوالعباس کی آمد کی اطلاع کی ۔ موسیٰ بن کعب نے دو سو دینار اپنے آدمی کے ہاتھ اسی وقت امام کے پاس بھیج دیئے اور دوسرے دن ابراہیم بن سلمہ اور متذکرہ بالا حضرات پھر موسیٰ بن کعب کے پاس پہنچے ۔ یہاں عبدالحمید ربعی، سلمہ بن محمد، عبداللہ طائی، اسحاق بن ابراہیم شراحیل، عبداللہ بن بسام جو جان نثارانِ آلِ عباس سے تھے بیٹھے ہُوئے تھے ۔ پھر باہمی مشورہ کے بعد امام ابوالعباس کے پاس حاضر ہوئے ۔ یہاں سے لوٹ کر لشکر میں آئے ۔ ابوسلمہ کو یہ خبر لگ گئی ۔ وہ گھبرا گیا اور امام کے پاس جانے لگا ۔ ابوالجہیم نے ابوالحمید کو اطلاع کر دی کہ اس کو تنہا جانے نہ دیا جائے اپنا کوئی آدمی ساتھ رہنا چاہیئے ۔ اگر وہ بیعت کرے تو اچھا ورنہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے ۔

ابوسلمہ ابوالعباس کے پاس پہنچا اور بطریق خلافت سلام کیا ۔ چاپلوسی کرتا رہا ۔ امام نے ابوسلمہ کو حکم دیا کہ تم اپنے لشکر میں جاؤ اور میری آمد کی ان لوگوں کو خبر کر دو ۔ ابوسلمہ خلال لشکر میں لَوٹا ۔ صبح ہی سے تمام فوج نے ہتھیار لگانے شروع کر دیئے اور امام ابوالعباس کی آمد اور استقبال کے لئے تیاری کی ۔ ابوالعباس پرورزن پر سوار ہوئے اور دیگر حضرات اہلِ بیت ہمراہ رکاب تھے ۔ یہ جلوس نہایت حرمت و شان سے دارالامارت کوفہ کو روانہ ہُوا ۔

تخت پر جلوس ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲ھ کو دارالامارت میں امام نے قدم رکھا ۔ یہ جمعہ کا دن تھا ۔ ابوالعباس نے تخت پہ جلوس فرمایا ۔ تمام فوج کی سلامی قبول کی ۔ تھوڑے عرصہ بعد جامع مسجد میں خدم و حشم کے ساتھ نماز کے لئے گئے ۔ نمازِ جمعہ خود پڑھائی ۔ پہلے نہایت خضوع و خشوع سے

خطبہ پڑھا۔ پھر نماز کے بعد ممبر پر جا کر یہ خطبہ دیا۔

خطبہ

ہر طرح کی ستائش اس کے لئے ہے جس نے اپنے لئے اسلام کو برگزیدہ کیا اور اس کو مکرم ومشرف اور معظم کیا اور ہمارے لئے اس کو منتخب فرمایا۔ پس اس کو ہماری ہی ذات سے حیاتِ دائمی دی اور ہم کو اس کا اہل اور معدن اور قلعہ بنایا۔ اور یہ ساری قوتیں ہماری اسی سے ہیں اور ہم کو اس کا محافظ و ناصر بنایا۔ پس ہم نے اپنی ذات پر تقویٰ کو واجب کر لیا اور اصل یہ ہے کہ اس نے ہم کو اس کا مستحق اور اہل بنایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت و عزیز داری سے مخصوص کیا ہے اور ہم کو ہمارے آبا سے پیدا کیا اور ہم کو آپ ہی کے شجرۃ النسب اور آپ ہی کے عمودِ نسل سے متفرع ومتشعب کیا۔ اور ان کو اللہ جل شانہٗ نے ہماری ہی ذاتوں سے ان امور پر غالب کیا جو ہم کو فساد میں ڈالے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے نفع رسانی پر حریص اور مومنین پر رؤف و رحیم تھے اور ہم کو اسلام اور اہلِ اسلام میں رفیع الشان کیا اور آپ ہی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے اہلِ اسلام پر ایک کتاب نازل فرمائی جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ منجملہ اس کے کہ اس نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بیت سے پلیدی دور کیا چاہتا ہے اور ان کو طاہر و اطہر بنائے گا۔“

پھر ارشاد فرماتا ہے ”جو مالِ غنیمت اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو دے اُس میں سے اللہ اور رسولؐ اور ان کے اعزہ و اقارب کے لئے ہے۔“

پھر ارشاد فرماتا ہے" اور تم لوگ جان رکھو کہ تم کو جو مالِ غنیمت حاصل ہو تو بلاشک اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول اور اُس کے قرابت والوں اور یتیموں کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری فضیلت سے مسلمانوں کو آگاہ فرمادیا اور اُن پر ہمارے حقوق اور محبت واجب کردی اور محض ہماری بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے مالِ غنیمت میں ہمارا حصہ مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا بزرگی و عظمت والا ہے۔ شامی گمراہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہمارے سوا اور کوئی ریاست و سیاست و خلافت کا مستحق نہیں ہے۔ پس ان کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور اے حاضرین اللہ تعالیٰ نے ہماری ذات سے گمراہی کے بعد آدمیوں کو ہدایت دی اور نابینائی کے بعد بینا کیا اور ہلاکت کے بعد بچایا اور ہماری ہی وجہ سے حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرمایا اور جو فساد ان میں پیدا ہو گیا تھا اس کی ہماری ذات سے اصلاح کردی اور ان کی عاداتِ رذیلہ کو دُور اور نقصانات کو پورا فرمادیا اور تفرقہ و اختلافات کو ایسا دفع کیا کہ دشمن کے بعد دنیا میں اہلِ جود و لطف و احسان رہیں گے اور آخرت میں بھائیوں کی طرح تختوں پر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت و شفقت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کو منکشف کردیا تھا۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آئی اور ان لوگوں کا کام شوریٰ سے ہوتا تھا تو وہ لوگ مواریث رحم پر حاوی ہو گئے اور اس میں انہوں نے انصاف سے کام لیا۔ ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ اور اس کو اس پر قائم رکھا جس کا جو حق تھا اس کو وہ دیا اور اس سے وہ خود ذاتاً منتفع نہ ہوئے۔ بعد ازاں بنو حرب (امیر معاویہؓ کی طرف اشارہ ہے) اور

بنو مروان کود پڑے اور ان لوگوں نے اس پر مطلق توجہ نہ کی اور اس کو اپنا موروثی مال سمجھ کے خوب تصرف کیا اور اس کے حاصل کرنے میں ظلم و جور اور نا انصافی سے بھی کام لیا اور لوگوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا جی اُکتا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں سے اس کا انتقام ان سے لیا اور ہمارے حقوق ہم پر لوٹا دیئے۔ اور ہماری وجہ سے ہمارے گروہ کی تلافیٔ مافات کردی اور ہماری امداد اور استحکام حکومت کا آپ خود متولی ہوگیا تاکہ ہماری ذات سے ان لوگوں پر اپنا احسان کرے جو دنیا میں ضعیف و ناتواں ہو رہے ہیں اور ہماری ہی ذات پر اس کو ختم کیا جیسا کہ ہم سے اس کی ابتدا کی تھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ تم پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ کیونکہ تمہاری بہتری کا زمانہ آگیا ہے اور نہ تم فتنہ و فساد میں پڑو گے۔ کیونکہ تمہارا مصلح و مدبر تم میں آگیا ہے اور اصل یہ ہے کہ ہم اہل بیت کو اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔

اے اہلِ کوفہ! تم لوگ ہماری محبت کے مقام اور ہماری مؤدت کے مکان ہو تم ہی ایک ایسے ہو کہ اس سے اس وقت تک نہ پھرے اور نہ ظالموں کا ظلم تم کو اس سے پھیر سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ پا لیا اور ہمارے ظلِ عاطفت اور سایۂ دولت میں آگئے۔ پس تم لوگ ہماری بدولت کل آدمیوں سے خوش نصیب اور ہمارے نزدیک سبھوں سے اکرم و افضل ہو۔ میں اس سلسلہ میں تمہارے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کرتا ہوں۔

"آگاہ ہو جاؤ کہ میں "سفاح" خونریز اور بڑے زور شور سے بدلا لینے والا ہوں"۔

سفاح اس قدر خطبہ دینے کے بعد چونکہ پہلے ہی سے مبتلائے تپ و درد تھا، شدتِ تکلیف سے بیٹھ گیا اور اس کا چچا داؤد بجائے اس کے ممبر پر چڑھ

کے خطبہ دینے لگا جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"جمیع ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمارے دشمن کو ہلاک کیا اور ہم کو ہماری میراث جو ہمارے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی مرحمت فرمائی۔ اے لوگو! اب دنیا کی تاریکیاں دفع ہوگئیں اور اُس کے پردے کُھل گئے۔ زمین و آسمان روشن ہو گئے۔ آفتاب و ماہتاب اپنے اپنے مطالع سے نکل آئے اور قوس کو اس کے بنانے والے نے لے لیا اور تیر جہاں سے نکلا تھا پھر وہیں لَوٹ آیا اور حق اپنے منبع میں تمہارے نبی کے اہل بیت میں واپس آیا جو تم پر مہربان و رحیم ہے۔

اے لوگو! واللہ ہم لوگ اس حکومت کے حاصل کرنے کو نہیں نکلے کہ ہماری ثروت و دولت بڑھے اور بڑی بڑی نہریں کھودیں اور محل بنائیں بلکہ اس وجہ سے ہم نے خروج کیا ہے کہ انھوں نے ہمارے حقوق چھین لئے ہیں اور ہمارے چچا کے لڑکوں کو ستایا ہے۔ ساتھ ہی تم پر بھی انھوں نے ظلم کیا اور ناعاقبت اندیشی سے تم پر حکومت کر رہے تھے اور ہم خاموشی کی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے، حالانکہ بنوامیہ کا یہ برتاؤ کہ تم لوگوں سے وہ کج اخلاقی سے پیش آتے اور تم کو ذلیل سمجھتے اور تمہارے مالِ غنیمت اور صدقات کو دبا لیتے تھے، ہم کو سخت ناگوار اور شاق گزرا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ذمّہ ہے کہ ہم تم میں وہی احکام جاری کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور تم بارے قضایا و خصومات میں کتاب اللہ پر عملدرآمد کریں گے اور کیا عام کیا خاص سبھوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا برتاؤ کریں گے۔ برے تباہ ہوئے بنی حرب بن امیہ و بنی مروان انھوں نے اپنی اس قلیل مدتِ خلافت میں مقاصدِ دُنیاوی کو مطالب اخروی پر مقدم کر دیا اور اس دارِ فانی کو دارِ باقی پر۔ پس وہ اُن امور کے مرتکب ہوئے

جن کا کرنا اُن کو مباح نہ تھا۔ انھوں نے خلق اللہ پر ظلم کیا۔ محرماتِ شرعی کو جائز رکھا، جرائم کو پھیلا دیا۔ اللہ کے بندوں اور ملک میں اپنی عادت اور طریقہ کے مطابق ظلم سے کام لیا۔ معاصی کی طلب میں نکلے اور گمراہی کے میدان میں اللہ کے استدراج اور اس کے انتقام سے بے خوف ہو کے جہالت سے دور پڑے۔ پس اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر شبا شب آگیا اور وہ سو ہی رہے تھے۔ صبح ہوئی تو اسی غم میں مبتلا تھے اور ان کی قوت منتشر ہوگئی تھی۔ دوری ہو رحمتِ الٰہی سے قومِ ظالمین کو۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو مروان کے پنجۂ غضب سے نکالا اس کو اس کا غرور دھوکے میں ڈالے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن کی سرکوبی کی طرف توجہ کی تاآنکہ خود مُنہ کے بَل گر پڑا۔ چونکہ اس دشمنِ خدا نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا اس وجہ سے اُس نے اپنے گروہ کو پکارا۔ اپنے شیطانی لشکر کو جمع کیا اور سواروں کو اِدھر اُدھر پھیلایا۔ لیکن اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں اللہ کے عذاب اور انتقام کو مجتمع پایا جس نے اس سے اس کے افعال ناشائستہ و حرکات ناپسندیدہ کا انتقام لیا اور برائی کا بار اسی کی گردن پر ڈال دیا۔ ہماری عزت اور ہمارے شرف کو زندہ کر کے ہمارے حق اور وراثت کو ہماری طرف واپس کر دیا۔ اے لوگو! امیرالمومنین، اللہ تعالیٰ ان کی بہت بڑی مدد کرے، بعد ادائے نماز پھر ممبر پر اس وجہ سے چڑھ گئے تھے کہ کلام جمعہ غیر جمعہ کے کلام سے مل جل نہ جائے اور انھوں نے اس کلام کو شدّتِ تپ و اعضا شکنی کی وجہ سے ناتمام چھوڑا۔ دُعا کرتے جاؤ کہ امیرالمومنین کو اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بجائے مروان دشمن رحمٰن خلیفۂ شیطان کے جس کے فعل قبیح اور کمینے تھے جس نے بعد اصلاح کے ملک میں دین بدل کر اور محرمات اسلام کو مباح

کر کے فساد برپا کیا تھا اب اس کو مقرر کیا جو جوان اور سرمہ لگائے ہوئے ہے اور ان اسلاف ابرار و اخیار کا پیرو ہے جنہوں نے فساد کے بعد ملک میں بذریعہ معالمِ ہدیٰ و مناہج تقویٰ اصلاح پھیلائی (اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی کل حاضرین دعا کرنے لگے۔

پھر داؤد نے کہا۔ اے اہلِ کوفہ! واللہ ہم لوگ ایک زمانۂ مدید سے مظلوم و مقہور اور اپنے حق سے محروم تھے تا آنکہ ہمارے خراسان کے شیعوں نے اس کو ہمارے لئے مباح کیا۔ پس ان کی وجہ سے ہمارے حقوق زندہ ہو گئے، ہمارے دلائل واضح ہو گئے اور ہماری دولت پاک ہو گئی اور انہی کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اس امر کو ظاہر کیا جس کے تم منتظر بھی نہ تھے، وہ کیا ہے کہ تم میں بنو ہاشم میں سے ایک خلیفہ مقرر کیا جس کی وجہ سے تمہارے چہرے روشن ہو گئے اور اہلِ شام پر تم کو غالب کیا اور تمہاری طرف حکومت کو منتقل کر دیا اور اسلام کو غالب بنایا اور تم پر ایسے امام کے مقرر کرنے سے احسان کیا جو عدالت کا بانی ہے اور اس کو خلعتِ حکومت عنایت فرمایا۔

پس تم لوگ جو وہ تمہیں دے شکریہ کے ساتھ قبول کرو اور ہماری اطاعت اپنے اوپر فرض سمجھو اور دیکھو تم ہی خود فریب نہ کرنا کیونکہ اصل کام تمہارا ہی ہے۔ ہر ایک خاندان والے کیلئے ایک منزل و مقام ہوتا ہے اور تم ہمارے ماوائے و مسکن ہو۔ آگاہ ہو جاؤ تمہارے اس ممبر پر بعد رسول اللہ کے کوئی خلیفہ سوائے امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور امیر المومنین عبداللہ بن محمد کے نہیں چڑھا (اس فقرہ کو کہنے کے وقت ہاتھ سے ابو العباس سفاح کی طرف اشارہ کیا) اور جان رکھو کہ یہ حکومت ہمارے ہی خاندان میں رہیگی تا آنکہ ہم اس کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سپرد کر دیں گے[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۰

خطبہ دینے کے بعد ابوالعباس ممبر سے اتر آئے۔ آگے آگے داؤد بن علی عباسی، پیچھے ابوالعباس اس صورت سے دارالامارت کوفہ میں آئے۔

بیعتِ خلافت

مسجد میں ابوجعفر عبداللہ منصور لوگوں سے سفاح کی بیعتِ خلافت لیتے رہے۔ عصر کا وقت ہو گیا نماز پڑھنے کے بعد پھر بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب رات ہو گئی منصور اٹھ گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قدر لوگوں نے بیعت کی کہ عبداللہ منصور بیعت لیتے لیتے تھک گئے تھے۔

خلیفہ ابوالعباس مقام اعین میں جہاں ابوسلمٰی کی ماتحتی میں لشکر پڑا تھا ملاحظہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ابوسلمہ کے پاس ٹھہرے۔ درمیان میں پردہ حائل کر دیا تھا دربان عبداللہ بن بسام تھا [1]

انتظامِ کوفہ

دارالامارہ کوفہ پر داؤد بن علی کو امیر مقرر کیا۔ عبداللہ بن علی کو شہر وز بھیجا جہاں ابوعون بن یزید بنو امیہ کا سپہ سالار تھا اور اپنے برادر زادہ عیسٰی بن موسٰی کو حسن بن قحطبہ کی مدد کے لئے روانہ کیا جو مدائن میں تھا اور ابو الیقظان عثمان بن عروہ بن محمد بن عمار بن یاسر کو بسام بن ابراہیم بن بسام کے پاس اہواز بھیجا اور سلمہ بن عمر عثمان کو مالک بن عوف کے پاس بھیجا۔

مدینہ ہاشمیہ میں قیام

خلیفہ ابوالعباس لشکر میں ایک مہینہ مقیم رہے اس کے بعد ایک دیہہ (ہاشمیہ) میں اقامت پذیر ہوئے۔

خلیفہ اموی سے مقابلہ

خلیفۂ اوّل بنی عباس ابوالعباس سفاح نے ایک لشکر مروان بن محمد اموی کے مقابلہ میں زیر سرکردگی عبداللہ بن علی عباس بھیجا۔ مروان الحمار کے پاس ایک لاکھ سپاہ کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۵۵

لشکر تھا اور بنو امیہ کا تمام خاندانِ شاہی اس موقعہ پر مروان کا شریک تھا۔ ابو عون[1] مقابل تھا۔ محمد بن علی اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ مقابلہ ہوا۔ نتیجہ میں مروان کو شکست ہوئی اور وہ تنہا "مصر" بھاگ گیا۔ چند روز بھاگتا پھرا۔ آخر ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲ھ ۷۵۰ء کو بوصیر (مصر) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا۔ (اس کے تفصیلی حالات تاریخِ ملت کے حصہ سوم میں تحریر ہو چکے ہیں۔ غرض کہ مروان کے قتل کے بعد ہی حکومت بنی امیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دمشق کی فتح مروان الحمار بھاگتا پھر رہا تھا کہ دمشق کا امیر العسکر عبداللہ بن علی عباس اور صالح بن علی، ابوعون، عبدالصمد یحییٰ بن صفوان عباس بن یزید، حمید بن قحطبہ، نے فوج گراں کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ ۵ رمضان ۱۳۲ھ کو دمشق پر قبضہ ہو گیا۔ ولید بن معاویہ لڑائی میں کام آیا۔

آلِ مروان سے سلوک مروان کے اہل وعیال کنیسہ میں مقیم تھے۔ عمر بن اسمٰعیل نے ان سب کو صالح بن علی بن عباس کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ لوگ صالح کے سامنے پیش ہوئے تو شاہِ مروان کی بڑی شہزادی آگے بڑھی اور کہا۔

"اے امیر المؤمنین کے عم مکرم ہم آپ کی بیٹیاں ہیں آپ کے بھائی کی بیٹیاں ہیں ہمارے اوپر رحم کرو۔ اگرچہ ہم نے تم پر ظلم کئے تھے مگر تم معاف کر دو۔"

صالح عباس نے کہا میں تم سب کو قتل کروں گا۔

"کیا تمہارے باپ نے امام ابراہیم کو قتل نہیں کیا۔ کیا ہشام بن عبدالملک نے زید بن علی بن حسین کو قتل نہیں کیا اور ان کی لاش کو کوفہ میں سُولی نہیں دی؟ کیا ولید بن یزید نے یحییٰ بن زید کو خراسان میں سُولی نہیں دی

---

[1] ابوعون کا نام خالد بن برمک تھا (تاج العروس شرح قاموس جلد ۷ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مصر۔

کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کرایا؟ کیا یزید بن معاویہ نے امام حسینؓ اور اہل بیت کو شہید نہیں کرایا اور کیا اس نے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدی نہیں بنایا۔ کیا امام حسینؓ کے سر کو تن سے جُدا کر کے شام نہ لے گئے؟ اب وہ کون سی بات ہے جس کے بعد میں تم کو زندہ رکھوں۔"

شہزادی نے جواب دیا۔

"اب ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں آپ تو رحمۃ اللعالمینؐ کے قرابت دار ہیں۔"

صالح نے کہا۔

"اگر یہ ہے تو ہم نے معاف کیا۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا نکاح اپنے بیٹے فضل سے کر دوں۔"

شہزادی نے کہا۔

"اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کیا عزت ہو سکتی ہے۔ مگر ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ ابھی ہم کو حران بھیج دیا جائے۔"

چنانچہ صالح نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے عزیز ہیں بعزت تمام حران پہنچا دیا جائے۔ [1]

چنانچہ یہ قافلہ بہ حرمت تمام حران پہنچا دیا گیا۔ بے رحمی کے ساتھ یہ رحم و کرم بھی بنی عباس کی صف میں داخل تھا۔

ابو مسلم کی فتوحات ابو مسلم خراسانی کی سعی سے سمرقند، طوس، رے، جرجان ہمدان، نہاوند وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔ اب تمام علاقہ پر جو دولتِ بنی امیہ کے قبضہ میں تھا ابو العباس سفاح کی حکمرانی تھی۔

---

[1] ابن اثیر جلدہ ۵ صـ ۱۶۲

وزارت اولاً سفاح نے حفص بن سلیمان ابو سلمہ الخلال وزیرِ آلِ محمد کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ ابو سلمہ صاحبِ فضل و کمال تھا اُس کی مساعیِ دعوت بنی عباس میں پیش پیش ہیں۔ ابو سلمہ نے خالد بن برمک ابو عون کو سفارش کر کے فوجی حلقہ سے مُلکی عہدہ پر منتقل کرایا۔ کچھ عرصہ بعد سفاح نے پہلی سازش کی بنا پر اور بعض واقعات بھی ایسے پیش آئے کہ ابو سلمہ کو قتل کرا دیا اور خالد کو وزیر مقرر کیا[1] خالد خاندانِ برامکہ سے تھا۔ خلافتِ عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔

واقعۂ قتل ابو سلمہ یہ بھی روایت ہے کہ سفاح ہاشمیہ کے قصر میں اقامت پذیر تھا مگر اُس کو ابو سلمہ سے دلی نفرت ہو چکی تھی۔ اس نے ابو مسلم خراسانی کو اس کی سرکشی کے حالات لکھ بھیجے اور مشورہ طلب کیا۔ ابو مسلم نے ابو سلمہ کے قتل کی رائے دے دی۔ داؤد بن علی نے کہا تم یہ فعل نہ کرو۔ یہ امر تمہارے لئے زیبا نہیں ہے۔ ابو مسلم کو لکھ بھیجو وہ خود انتظام کر دے گا۔

چنانچہ ابو مسلم نے مراد بن انس جبی کو بھیج دیا۔ ابو سلمہ قصرِ امارت سے رات کو مکان جا رہا تھا کہ اُس نے اس کو قتل کر دیا اور یہ شہرت دے دی کہ کسی خارجی نے قتل کر دیا ہے[2]

عُمّالِ سفاح سفاح نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے اپنے چچا داؤد[3] کو کوفہ و سواد پر مامور کیا۔ پھر ان کو حجاز، یمن اور یمامہ کا گورنر کر

---

[1] ابو سلمہ دولتِ عباسیہ کا پہلا وزیر تھا محلّہ خلالین کوفہ کا رہنے والا اُس نے ادعاتِ بنی عباس پر اپنی دولت صَرف کی۔ اس کا خُسر بکیر بن ماہان تھا الفخری ص ۱۳۷ (مطبوعہ مصر)

[2] کامل ابن اثیر ص ۱۴۹ جلد ۵ ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۴۱

[3] داؤد نے ۱۳۳ھ میں انتقال کیا تو یزید بن عبید اللہ بن عبد المدان حارثی کا ماموں اسکی جگہ پر گورنر ہوا۔

دیا۔ ان کے بجائے اپنے عم زاد برادر عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کو کوفہ پر مامور کیا۔ محمد بن یزید بن عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن کا عامل کیا گیا۔ سفیان بن عیینہ مہلبی بصرہ کا عامل تھا۔ مگر ایک سال بعد اپنے چچا سلیمان بن علی کو اس کے بجائے مقرر کر دیا اور بحرین اور عمان کے صوبہ بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے۔ سفاح نے اپنے دوسرے چچا اسمٰعیل بن علی کو اہواز اور تیسرے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا گورنر کیا۔ ابوعون عبدالملک بن یزید کو مصر اور ابومسلم کو خراسان کا گورنر کیا۔ عراق جزیرہ پر ابوجعفر کو مقرر کر دیا۔ فارس کے گورنر علیٰی بن علی عباس اور محمد بن صولی کو موصل پر متعین کیا۔ اہلِ موصل نے اُن سے انحراف کیا تو سفاح نے اپنے بھائی یحییٰ بن محمد بن علی کو ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ موصل بھیجا وہاں جا کر گیارہ ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ ان کے ورثا دآہ و بکا کرنے لگے تو یحییٰ نے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ تین دن تک قتل کا بازار گرم رہا۔ اس کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ چوتھے روز گورنر کا جلوس نکلا۔ ایک عورت نے یحییٰ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا۔

> "کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تم کو اس کی خبر نہیں پہنچی کہ مومنات و مسلمات سے زنگیوں نے جبراً نکاح کر لیا ہے۔"

یحییٰ سن کر خاموش ہو گیا۔ دوسرے دن زنگیوں کو بُلا کر قتل کرا دیا۔ اس خون ریزی کی خبر سفاح کو ہوئی۔ اُس نے اس کو معزول کر کے اسمٰعیل بن علی کو عاملِ موصل کیا [۲]

بنی اُمیّہ کا قتلِ عام بنو عباس نے حکومت حاصل کر کے بنو امیہ کے قتل پر کمر باندھی۔ بچے، بوڑھے ڈھونڈھ ڈھونڈ کے قتل

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۲۶ [۲] ایضاً

کئے جانے لگے۔ سفاح کے پاس سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اموی بیٹھا تھا۔ سدیف بن میمون آیا اور اس نے سفاح سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ؎

قد اتتك الوفود من عبد شمس	"تمہارے پاس بنو عبد شمس (امیہ) کے مہمان
مستعدين يوجعون المطيا	اپنی سواریوں پر آئے ہیں۔"
عنوة ايها الخليفة لا عن	"اے خلیفہ وہ دھوکے سے آئے ہیں طاعت
طاعته بل تخوفوا المشرفيا	کے خیال سے نہیں آئے بلکہ تلوار کے خوف سے۔"

سفاح نے اس شعر کا اثر لیا اور اسی وقت حکم دیا کہ سلیمان قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ سلیمان تیغ سفاح کا شکار ہوا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ بن علی مع اسی نوے نفوس بنی امیہ کے "نہر ابی فطرس" کے کنارے ایک دستر خوان پر بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا کہ شبل بن عبداللہ (غلام بنو ہاشم) آگیا۔ وہ بنو امیہ کو اس عزت و احترام سے دیکھ کر کہنے لگا ؎

لا تقيلن عبد شمس عثارا	"تم ہرگز بنو عبد شمس (امیہ) کے انتقام لینے
واقطعن كل رقلة وغراس	سے درگزر نہ کرنا، ان کے ہر درخت اور پودے کو کاٹ دو۔"

یہ سن کر عبداللہ بن علی کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ خدام کو حکم دیا ان مہمانوں کی خبر لو۔ یہ اس قدر پیٹے گئے کہ لیٹ گئے۔ ان پر "نطاع بچھا" کے دوبارہ دستر خوان پر کھانا چنا گیا۔ عبداللہ معہ ہمراہیوں کے کھانا کھانے لگا۔ غرضیکہ کھیل کھیلا کر سب کا خاتمہ ہو گیا۔ بصری میں سلیمان بن علی عباس نے گروہ بنی امیہ کو قتل کر کے لاشوں کو گذرگاہوں پر ڈلوا دیا جن کو مدتوں کتے کھاتے رہے۔

عبداللہ بن علی عباس نے خلفاء بنو امیہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ امیر معاویہ کی قبر میں ایک موہوم خط سا تھا۔ عبدالملک بن مروان کی کھوپڑی نکلی۔ ہشام بن عبدالملک کا لاشہ جوں کا توں نکلا۔ صرف ناک کی اونچائی جاتی رہی تھی۔ اس کی نعش پر کوڑے

لگوائے گئے۔ اس کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ پھر جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی [1]

داؤد بن علی عباس نے مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنی امیہ تھے سب کو خاک و خون میں ملایا۔ غرضیکہ اس عام خون ریزی سے بنو اُمیہ کا کوئی متنفس جانبر نہ ہوا سوائے شیر خوار بچوں کے یا جو اندلس چلے گئے تھے [2]

نقباء آلِ محمد کا قتل

ابو سلمہ کے قتل کے بعد ابو مسلم نے سلیمان بن کثیر جس کے حالات اور کارگزاری لکھی جا چکی ہے۔ اس کی بیخ کنی کی فکر شروع کر دی اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اسی طرح اور حضرات کی خبر لی گئی۔

تحریک رایات ابیض

دولتِ امویہ کے منقرض ہونے کے بعد بنی عباس کے مظالم سے ہوا خواہانِ بنی امیہ میں ان کی مخالفت کی لہر پیدا ہو گئی۔ "حبیب بن مرہ مری" جو مروان الحمار کا سپہ سالار تھا بلقاء میں مامور تھا اُس نے خلع خلافت بنی عباس کیا اور سفید کپڑے پہنے، سفید ہی رایات پھریرے اپنے قلعہ پر نصب کیے جو شعارِ عباسیہ کے خلاف تھے ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ سفاح کے خلاف عَلَم مخالفت بلند کر دیا۔ سفاح ان دنوں "حیرہ میں تھا اس کو اہل "بلقاء" پھر اہلِ قنسرین کی خبر لگی۔ عبداللہ بن علی نے ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو توڑ کے رکھ دیا۔ اہل "قنسرین" نے "دولتِ عباسیہ" کی اطاعت قبول کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ جزیرہ باغی ہو گئے اور انھوں نے بھی سفید رایات اپنے مکانات پر نصب کئے۔ مگر یہ بغاوت زیادہ نہیں بڑھی جلد ہی ختم ہو گئی [3]

الغرض سفاح کا عہد بنی اُمیہ کی ہستی کو مٹانے اور ہر طرف سے جو رخنے نظر

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صـ ۹۰ و کامل ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۶۱۔

[2] ابن خلدون جلد ۶ صـ ۲۲۳ [3] ایضاً

آئے اُن کو بند کرنے میں گزرا۔ خون ریزی اور سفاکی، بدعہدی اور پیمان شکنی کا مظاہرہ سفاح کے یہاں عام تھا۔ اکثر نقیب ختم کر دیئے گئے تھے۔ سفاح کا بھائی ابو جعفر منصور ابو مسلم کو بھی ٹھکانے لگانا چاہتا تھا اور بار بار سفاح سے اصرار کرتا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ مگر وہ راضی نہ تھا ڈرتا تھا کہ کہیں خراسانی جن کی بدولت یہ اعزاز ملا ہے اور حکومت بنی عباس قائم ہوئی ہے ابو مسلم کے قتل سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

سندھ سندھ پر منصور بن جمہور نے بنی اُمیہ کے آخری دور میں غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن مسلم نے مغلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کیا اس نے سندھ پر فوج کشی کی منصور نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر موسیٰ بن کعب بھیجا گیا۔ اس کے مقابلہ میں منصور شکست کھا کر ریگستانی علاقہ کی طرف بھاگ گیا اور وہیں مر گیا۔ سندھ پر قبضہ کے بعد موسیٰ نے منصورہ کو پورے طور سے آباد کیا اور ادگرد نئی فتوحات حاصل کیں [1]

محبانِ اہلِ بیت کی شورش بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد بنی عباس جنہوں نے اہلِ بیت کے نام پر عباسی دعوت کی بنیاد رکھی تھی اور کامیاب ہو کر خود تختِ خلافت پر متمکن ہو گئے۔ محبانِ اہلِ بیت کی توقع کے خلاف یہ عمل ظہور پذیر ہوا تو اُن میں سے شریک نے بخاریٰ میں عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ تیس ہزار آدمی اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن ابو مسلم نے اس کا خاتمہ کر دیا اور شورش دب گئی۔

خوارج اس کے بعد ایک خراسانی امیر بسیام بن ابراہیم نے حکومت سے بغاوت کی۔ سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بھیج کر اس کا بھی خاتمہ کرا دیا [2] پھر خازم کو خارجیوں کے مقابلہ کے لئے عمان اور جزیرہ کاوان بھیجا۔ وہاں خارجیوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ عمان اور بحرین ان کے مرکز تھے۔ غرضیکہ صحرائے عمان میں ہر دو مقابل

---

[1] فتوح البلدان صہ ۴۴۹ [2] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۶۸

ہو گئے۔ خونریز معرکہ کے بعد خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا اور خوارج کی بڑی تعداد اس معرکہ میں قتل ہو گئی اور وہ لوگ پسپا ہو گئے [1]

قیصرِ روم

انقلابِ حکومت سے قیصرِ روم بھی فائدہ اٹھانے کے درپے ہوا۔ اس نے ۱۳۲ھ میں ایشیائے کوچک کے سرحدی شہر کمنخ پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے ملطیہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا مگر شکست پا گئے رومی آگے بڑھے اور ملطیہ کو محصور کر لیا۔ کچھ عرصہ مقابلہ کر کے مسلمان جزیرہ چلے گئے۔ رومیوں نے شہر خالی پا کر ملطیہ کو برباد کر دیا جو مسلمان وہاں رہ گئے ان کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا [2] سفاح نے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کا انتظام کرایا [3]

فتوحات

سفاح نے تسلط کے بعد سرحدی علاقہ پر توجہ کی۔ شورشوں کے خاتمہ کے بعد ۱۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی۔ یہاں کا فرمانروا حبیش بن شبل تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور چین کی طرف چلتا ہوا۔ فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ابومسلم خراسانی نے زیاد بن صالح کو بھیج دیا۔ یہاں خاقانِ چین کی امداد سے فرغانہ اور چاچ پر کامیاب ہو گئے تھے۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ زیاد نے شکست دی ۱۳۴ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی۔ یہاں کا حکمران آفرید قتل ہوا۔ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ خالد نے آفرید کے بھائی طاران کو کش کا حاکم بنا دیا اور کامرانی کے بعد مستقر لوٹ گیا۔

ابومسلم اور المنصور

۱۳۶ھ میں ابومسلم نے ابوالعباس سے خواہش ظاہر کی کہ میں دربارِ خلافت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں اور حج کی اجازت چاہی۔ سفاح نے ابوجعفر منصور کو خط لکھا کہ تم بھی حج کے لئے مجھ سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۸ [2] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۶۸

[3] یعقوبی جلد ۲ صـ ۱۳۵

اجازت طلب کرو۔ چنانچہ ابوجعفر نے درخواست بھیج دی ان کو اجازت مل گئی اور حکومت کی طرف سے امیر الحج مقرر کئے گئے۔ ابومسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لئے آؤ لیکن امیر الحج منصور کو مقرر کر دیا ہے اس کے ساتھ حج کر سکتے ہو۔ ابومسلم نے اس کو منظور کر لیا۔ اور اپنے ندیموں سے کہا کہ منصور کو اس سال حج کرنا ضروری تھا[1]

ابومسلم ایک ہزار فوج کے ساتھ کروفر اور شان وشکوہ کے ساتھ سفاح کی خدمت میں آیا۔ اس کو بڑے تزک واحتشام سے دربار میں لایا گیا۔ پھر ہر دو کے قافلے حج کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ابومسلم نے اپنی شان وشوکت اور فیاضی کا اس قدر مظاہرہ کیا کہ منصور کو اس سے رشک وحسد ہو گیا[2]

دارالخلافہ سفاح نے کوفہ کے بجائے انبار اپنا دارالخلافہ بنایا تھا مگر وہ ایک شہر اور آباد کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ دارالخلافت ہو چنانچہ کوفہ کے نواح میں ایک مختصر آبادی کی بنیاد ڈالی اس کا نام "ہاشمیہ"[2] رکھا گیا[3]

امن وامان بنی امیہ کے کچھ افراد بچ رہے تھے وہ جان کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ عمر بن معاویہ بن سفیان اُموی اپنی جان سے تنگ آکر سلیمان بن علی عباسی کے پاس بصرہ آیا اور کہا مجھ کو قتل کر دو تاکہ روز روز کے خدشہ سے نجات پا جاؤں گا۔ سلیمان اس کی مظلومیت پر روئے اور سفاح کو لکھا۔

> کہ ہم نے بنی امیہ کو ان کی قطع رحمی کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ اب صلہ رحمی کا وقت آگیا ہے کیونکہ ہم اور وہ عبدمناف کی اولاد ہیں اور یکجدی ہیں امیرالمومنین اگر پسند کریں تو عام حکم دے دیں کہ کوئی شخص اب اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۷   [2] روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

[3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۲۹

خاندان کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ ہم کو خدا کا شکر کرنا لازم ہے کہ اُس نے ہم کو اپنے فضل وکرم سے نوازا۔"

سفاح نے اس خط کا بڑا اثر لیا اور فوراً حکم دے دیا اور تمام سلطنت میں عام اطلاع کردی گئی کہ بنو امیہ کو اب امان دی گئی۔ یہ پہلی امان تھی جو آلِ عباس نے آلِ اُمیہ کو دی۔

انتظامِ سلطنت سفاح نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی اس عمدگی سے سلطنت کا انتظام کیا کہ مشہور خلفائے بنی امیہ کے مانند تھا۔

آثارِ خیر سفاح نے کوفہ سے مکہ تک میل بنائے اور ہر میل پر منارہ اور مہمان سرائیں بنائیں تاکہ مسافروں کو آرام پہنچے۔

ولی عہدی ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بھائی منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی کی تقرری کا فرمان لکھا۔ اس عہد نامہ کو حریر کے پارچہ پر لکھوا کر پہلے اس پر اپنی مہر لگائی۔ پھر اپنے اہلِ خاندان کی مہریں لگوا کر عیسیٰ بن موسیٰ بن علی کے حوالہ کیا۔[1]

ابو مسلم کو یہ ولی عہدی کھٹکی اور اس کو خیال ہوا کہ بِلا میرے مشورہ کے سفاح نے کیوں ایسا کیا۔

سیرتِ سفاح سفاح باوقار، عاقل، مدبّر، اور حسنِ اخلاق سے آراستہ تھا۔ اس میں خوبیاں زیادہ تھیں برائیاں کم۔ یہ جہاں ظلم وستم میں شہرۂ آفاق ہے سخاوت اور داد دہش میں بھی بہت اونچا درجہ رکھتا ہے۔ صولی کہتے ہیں کہ سفاح نہایت سخی آدمی تھا۔ عبداللہ بن حسن نے ایک مرتبہ سفاح سے کہا کہ میں نے لاکھ درہم کا نام سُنا ہے مگر کبھی دیکھے نہیں۔ سفاح نے اسی وقت ایک لاکھ درہم منگا کر ان کے سامنے رکھوا دیئے اور کہا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۲ [2] الفخری صفحہ ۱۳۲

دیکھ لیجیئے جب وہ مکان گئے تو اُن کے پاس بھجوا دیئے۔ ایسے ہی علوئین کو رقوم دے کر سفاح نے اپنا لیا تھا۔

ایک واقعہ تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطیؒ ایک واقعہ لکھتے ہیں :۔
سعید بن مسلم باہلی کہتے ہیں کہ ایک روز مجلس بھری ہوئی تھی سفاح کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا اور بڑے بڑے آدمی اُس کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے کہ عبداللہ بن حسن ہاشمی تشریف لائے اور کہا امیرالمؤمنین جو کچھ قرآن شریف میں خدا نے ہمارا حق مقرر کیا ہے۔ وہ ہمیں عنایت کیجئے۔ سفاح نے کہا کہ آپ کے پردادا حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھ سے لاکھ درجہ بہتر تھے اور اُن جیسا کوئی عادل بادشاہ نہیں ہُوا۔ اُنہوں نے آپ کے دادا حسنؓ و حسینؓ جو آپ سے بدرجہا بہتر تھے بہت تھوڑا عطا فرمایا اس لئے مجھے بھی یہی واجب ہے کہ میں آپ کو بھی اتنا ہی دوں جتنا حسنؓ و حسینؓ کو ملا تھا۔ اگر اس سے زیادہ دوں تو آپ اس کے حقدار نہیں ہیں۔ عبداللہ بن حسن یہ سُن کر چُپ ہو گئے[۱]

انعام و اکرام خلیفہ ابوالعباس کی یہ عادت تھی کہ جس وقت کھانا کھانے بیٹھتے تھے اس وقت حاجب یا خواص لوگوں کی حاجتیں پیش کرتے تھے چونکہ یہ وقت تفریح کا ہوتا تھا فوراً اس کی حاجتیں پُوری ہو جایا کرتی تھیں اور جس قدر لوگ اس وقت ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتے ان کو انعام و اکرام بھی اُسی وقت دیا جاتا۔

سفاح کا قول تھا کہ جب ہم سلطنت کے مالک ہیں تو پھر ہمارے متوسلین ہمارے مال سے کیوں محروم رہیں۔

ایک روز ابوالعباس آئینہ دیکھ رہے تھے جب اپنے حسن و جمال کو دیکھا تو یہ دُعا مانگی :۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۱۸۰

"اے اللہ! میں وہ بات تو کہتا نہیں جو سلیمان بن عبدالملک نے کہی تھی کہ میں جوان بادشاہ ہوں۔ لیکن یہ عرض کرتا ہوں کہ خدایا میری عمر میں برکت عنایت فرما اور دراز کر اپنی تابعداری میں جو آفات سے محفوظ ہو"

اس دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ دو غلاموں کی بات چیت کی آواز کان میں آئی۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ میرے اور تیرے درمیان میں دو مہینے اور پانچ دن اور ہیں۔

یہ سُن کر سفاح کو فالِ بد معلوم ہوئی۔ زبان سے بے ساختہ نکلا۔

حسبی اللّٰہ ولا قوۃ الا باللّٰہ وعلیہ توکلت وبہ نستعین ط

اتفاق کی بات کہ اس واقعہ کے دو ماہ بعد سفاح مرضِ چیچک میں مبتلا ہوا۔ انتقال کے وقت عمر صرف ۳۶ سال کی تھی۔

وفات ابی الفدا لکھتے ہیں کہ مرتے وقت آخری کلمات سفاح کی زبان پر یہ تھے :-

الملک للّٰہ الحی القیوم ملک الملوک وجبار الجبابرۃ۔

ماہ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں انتقال کیا اور نمازِ جنازہ عیسیٰ بن علی عباسی نے پڑھائی ہے

ودفن فی قصر الامارۃ من الانبار

ترجمہ:۔ انبار کے قصر الامارت میں دفن کئے گئے۔ [1]

سفاح کی مدتِ خلافت چار برس نو ماہ رہی اور دائرۂ حکومت اقصاء مغرب تک تھا [2]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزالعاشر صہ ۶۱ مطبوعہ مصر [2] طبری جلد ۹ صہ ۱۵۴

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سفاح کے وقت میں حکومت میں تفرقہ پڑ گیا اور بڑا ملک اس حکومت سے اندلس وغیرہ کا نکل گیا۔

حلیہ دراز قد، سُرخ وسفید رنگ، اُونچی ناک، چہرہ بہت خوب صورت اور ڈاڑھی بہت خوب صورت تھی۔ بال گھونگر والے تھے [1]

علمی مذاق سفاح علمی ذوق کا حامل تھا۔ گو حکومت کا زمانہ اس کو بہت تھوڑا ملا۔ مگر فرصت کے وقت اُس کی صحبت میں اکابر علماء وشرفاء شریک ہُوا کرتے تھے۔ اس کے عہد کے اعیان واکابر علماء میں سے اشعث بن سوار۔ جعفر بن ابی ربیعہ وحصین ابن عبدالرحمٰن وربیعۃ الرائے زید بن اسلم۔ عبدالملک بن عمیر۔ عبداللہ بن ابی جعفر اور عطاء بن السائب وغیرہ تھے۔

تاریخ میں اس کا ایک شعر بھی نقل ہے جو اُس کے ورد زبان رہتا تھا ؎

والقیت ذلًا من مفارق هاشم
والبستها عزا واعلیتها قدرا

ترجمہ:۔ "مَیں نے ساداتِ بنی ہاشم کے سروں سے ذلّت کو دُور ڈالا
اور ان کو عزّت کا لباس پہنایا اور ان کے مراتب کو بلند کیا۔"

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۳

خلیفہ ابوجعفر عبداللہ منصور

خلیفہ منصور خلفائے عباسیہ میں علم وفضل کے ساتھ سیاست ملکی میں بھی بلند درجہ رکھتا تھا۔ مؤرخین متفق الرائے ہیں کہ حکومت عباسیہ کے بانی مبانی منصور اور سفاح تھے۔

ولادت منصور ۹۵ھ میں بزمانۂ خلافت ولید بن عبدالملک اموی پیدا ہوا۔ دامہ ام ولد اسمہا سلامہ۔[1]

والدہ منصور کی والدہ جناب سلامہ قوم بربریہ سے تھیں جو بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ امام محمد بن علی سجاد بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے یہ تیسرے صاحبزادے تھے۔

وکان اکبر من اخیہ ابی العباس السفاح۔[2]

تعلیم وتربیت منصور نے آنکھ کھولی تو خاندان میں علوم دینی کے لئے بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ باپ تابعین میں شمار کئے جاتے تھے جن کو علم حدیث وتفسیر ورثہ میں پہنچا تھا منصور نے ان سے استفادہ علمی کیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے:۔

"خلیفہ منصور نے بغرض تحصیلِ علم بڑے بڑے لمبے سفر کئے۔ جہاں کسی محدث کا پتہ لگا وہاں جاتا اور اُن سے علمِ حدیث حاصل کرتا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صد۱۲۱ [2] ایضاً

منصور نے اپنے باپ اور عطاء بن یسار سے حدیث روایت کی اور اس کے بیٹے مہدی نے اس سے روایت کی۔[1]

منصور بنو عباس میں از روئے ہیبت و شجاعت و حزم و رائے و جبروت سب سے بہتر تھا۔ کامل العقل، ادب و فقہ کا عالم اور نہایت فصیح و بلیغ پُر گو شخص تھا۔[2]

خلافت

منصور مکہ معظمہ سے روانہ ہونے والا تھا کہ سفاح نے انبار میں انتقال کیا۔ سفاح نے انتقال سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور ابوجعفر کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کا عہد نامہ لکھ دیا تھا۔

بیعتِ خلافت

اس وقت ابو جہیم بن عطیہ وزیر سلطنت تھا۔ عیسیٰ ابن موسیٰ نے ارکانِ سلطنت سے منصور کی بیعت لی اور اس حادثہ سے منصور کو مطلع کیا۔ ابوجعفر کو بھائی کے مرنے کا بہت صدمہ ہُوا۔ ابومسلم خراسانی بھی مکہ میں مقیم تھا اس کو بلا کر عیسیٰ کا خط دیا۔ ابومسلم خط کو دیکھتے ہی رو پڑا جب منصور کو اور ابومسلم کو قدرے سکون ہُوا تو منصور نے ابومسلم سے کہا۔ مجھے خاندان میں کسی اور کا اندیشہ نہیں ہے۔ البتہ عبداللہ بن علی عباسی کے شر سے خطرہ ہے۔ ابومسلم نے عرض کیا میں اُن کے لئے کافی ہوں۔ ان کے لشکر میں خراسانی زیادہ ہیں اور وہ میرے مطیع ہیں۔ اس فقرے کے سننے سے منصور کی باچھیں کھل گئیں۔ ابومسلم اور حاضرینِ مکہ نے منصور کی بیعت کی اور دونوں مراجعت کر کے سنہ ۱۳۱ھ میں کوفہ پہنچے۔ راہ میں اسحاق نے منصور سے کہا مجھ کو ابومسلم کی طرف سے خدشہ ہے۔ منصور نے کہا آپ کا خیال غلط ہے۔[3]

ورودِ انبار

منصور کوفہ سے پھر انبار آیا۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے شاہی خزانہ کی کنجیاں ان کی خدمات میں پیش کیں اور دیوان کا دفتر سپرد کیا۔ اب مستقل طور سے منصور تختِ خلافت پر متمکن ہو گیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۰ [2] ایضاً [3] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۲۹

خروجِ عبداللہ بن علی عباسی عبداللہ بن علی عساکر بنی عباس کا کمانڈر تھا۔ سفاح نے اس کو لشکر شام اور خراسان کے ساتھ صائفہ بھیجا تھا۔ یہاں سے وہ "دلوک" پہنچا تھا کہ اس کو سفاح کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابو حاتم طائی خفاف مرادزی اس کے موئد تھے۔ حمید بن حکیم بن قحطبہ، خراسان، شام اور جزیرہ کے نامور سرداروں نے اس کی بیعت کر لی تو یہ لشکر کو لے کر حران پہنچا۔ مقاتل ابن حکم کا محاصرہ کیا اور کچھ دن کے بعد قبضہ کر کے نصیبین آیا۔ منصور نے ابومسلم کو عبداللہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ یہ فوج لے کر عبداللہ کے مقابل پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے حسن بن قحطبہ بھی آگیا۔ دونوں نے اس کو گھیر لیا۔ عبداللہ کا لشکر شام کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ بھی چلتے بنے اور بصرہ اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس جا چھپے۔ ابومسلم نے نامۂ بشارتِ فتح منصور کی خدمت میں بھیجا۔

ابومسلم کی باغیانہ روش اب منصور کے لئے دو خدشے باقی تھے۔ ایک آلِ ابی طالب کی خفیہ سرگرمیاں، دوسرے ابومسلم کا غرور اور اس کی مشیخت۔ عبداللہ بن علی کو شکست دے کر اس کو خراسان پر حکمرانی کی لو لگی ہوئی تھی اور وہ کہا کرتا تھا کہ "میں ہی آلِ عباس کے عروج کا سبب ہوں" اور اپنے اعیان کے سامنے منصور کو برا بھلا بھی کہہ دیا کرتا تھا۔ یہ خبریں منصور کو خفیہ طور سے پہنچ جاتیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس نے امینہ بنت عبداللہ بن علی عباسی کو اپنے عقد کا پیام دیا اور اس سے بڑھ کر یہ شہرت دی کہ میں سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد سے ہوں۔ یہ اپنی غلامی کو بھول گیا منصور کا کوئی فرمان آتا تو مالک بن ہیثم اور ابومسلم اس کا مذاق اڑاتے[1]

دفتہ دفتہ منصور کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا کہ اس کے باپ دادا نے ابومسلم کو

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صد ۱۳۲

خاک سے پاک کیا۔ غلامی سے آزاد کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو "امیر آلِ محمد" کا خطاب دیا۔ بالآخر منصور نے تدبیرِ سیاست سے ابو مسلم کو حکم بھیجا کہ ہم نے مصر و شام کی حکومت تم کو دی، یہ خراسان سے بہتر ہے تم شام میں رہو اور مصر میں اپنی طرف سے جس کو مناسب سمجھو بھیج دو۔ اس صورت سے تم میرے نزدیک بھی رہو گے اور وقتاً فوقتاً دربارِ خلافت میں حاضر بھی ہوتے رہو گے۔

ابو مسلم کے پاس یہ حکم پہنچا تو اُسے بہت غصّہ آیا اور مصاحبوں سے کہنے لگا کہ شام و مصر کی حکومت تو مجھے اپنی مصلحت سے اب دی ہے اور خراسان تو میرا ہی فتح کیا ہوا ہے[1]

اس کی گفتگو کی خبر منصور کو پہنچی تو اس نے انبار سے مدائن جانے کا ارادہ کیا اور ابو مسلم کو حکم بھیجا کہ مدائن آکر مجھ سے فوراً ملو۔ اس وقت ابو مسلم زاب میں مقیم تھا منصور کا حکم پہنچا تو اُس نے یہ جواب دیا۔

"امیر المومنین کا اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا اور ہم کو آلِ ساسان سے روایت پہنچی ہے کہ جب بادشاہ کو دشمنوں سے اطمینان ہو جاتا ہے تو وزیروں کے لئے خوف کا زیادہ موقع ہوتا ہے اس لئے ہم لوگ آپ سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ باقی ہم ہر طرح آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے موجود ہیں۔ مگر آپ سے دُور رہنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ اس کو پسند فرمائیں تو آپ کے وفادار غلاموں میں سے ہوں اور اگر آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا اور اسی پر زور دیا کہ خود ہی حاضر ہوں تو میں اپنے عہدوں کو توڑتا ہوں اور آپ کی اطاعت سے باہر ہوتا ہوں کیونکہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے"۔[2]

---

[1] ابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ [2] ایضاً

اس خط کے بعد منصور نے لکھا ۔

"تم ایسے نہیں ہو۔ ایسے تو وہ ہوتے ہیں جو بہت سی خطائیں کرتے ہیں تم تو ہمیشہ ہمارے مطیع رہے ہو"

مگر ابو مسلم نے خطرہ محسوس کر کے احکامِ منصور کا خیال نہیں کیا اور حلوان چل دیا جو خراسان کے راستہ میں تھا۔ خلیفہ منصور مدائن پہنچ گئے تھے۔ اس وقت انہوں نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے اور تمام عمائد بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگ ابو مسلم کو خطوط لکھیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے بہت سے خطوط متواتر اس کے پاس پہنچے، جن کا مضمون یہ تھا :-

"ہم لوگ تمہارے شکر گزار ہیں اور تمہاری عظمت ہمارے قلوب میں ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اطاعت کرو اور ہم تم کو بغاوت سے منع کرتے ہیں اور تم کو فوراً دربارِ خلافت میں حاضر ہونا چاہیئے"

مگر ابو مسلم اپنی دھن میں لگا ہوا تھا اور خراسان پر نظر رکھ رہا تھا۔ اس کی جملہ حرکات کا علم منصور کو ہوتا رہتا تھا ۔

خلیفہ نے ابو حمید مروزی کو ایک خط لکھ کر دیا کہ تم ابو مسلم کے پاس لے کر جاؤ۔ اوّل بہت نرمی سے گفتگو کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ اگر تم نے امیر المومنین کی اطاعت کی تو تمہارا مرتبہ بہت بلند کیا جائے گا اور پھر کہنا کہ تم کو امیر المومنین کی خدمت میں جانا چاہیئے۔ اگر وہ انکار ہی کئے جائے تو کہنا کہ امیر المومنین نے یہ فرمایا ہے -

"میں حضرت عباس کی اولاد سے نہیں ہوں گا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو جاؤں گا اگر تجھ کو گرفتار نہ کر لوں چاہے تو دریا ہی میں گھس جائے یا آگ میں چلا جائے یہاں تک کہ میں تجھ کو قتل نہ کر دوں یا خود قتل نہ ہو جاؤں" [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۰

مگر یہ بات اس وقت کہنا جب ابومسلم کے یہاں آنے سے مایوس ہو جاؤ۔
غرضیکہ ابوحمید ابومسلم کے پاس حلوان پہنچا اور اس کو منصور کا خط دیا اور کہا۔
لوگوں نے ازراہِ حسد تمہاری طرف سے امیرالمؤمنین سے بعض باتیں ایسی جا لگائی ہیں جس کا اُن کو بہت خیال ہے۔ اگر تم خلیفہ کے پاس پہنچ جاؤ تو آپس کی شکر رنجی جاتی رہے۔ ابوحمید نے پھر کہا۔

"اے ابومسلم آپ "امیر آلِ محمد" ہیں اسی لقب سے آپ سے لوگ واقف ہیں اور خدا کے یہاں آپ کو اس کا اجر اس سے زیادہ ملے گا جتنا دُنیا میں ہے۔ آپ اپنے اجر و ثواب کو خراب نہ کریں اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔" [1]

ابومسلم نے کہا۔ حمید تیری یہ جُرأت ہوئی کہ مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابوحمید بولا :-

"امیر! آپ ہم کو انہی باتوں کی تو ہدایت کرتے تھے اور اطاعت اہلِ بیت نبیؐ کی طرف ہم کو بلاتے تھے خصوصاً آلِ عباس کے لئے اور آپ ہی نے ہم کو حکم دیا تھا کہ جو شخص آلِ عباس کے خلاف ہو اس کو قتل کر دو۔ آپ نے ہم کو مختلف زمینوں سے بلا کر جمع کیا اور ہم کو اہلِ بیت رسول کا مطیع بنایا اور آلِ رسولؐ کی اطاعت کے باعث معزز کیا۔ پس جبکہ ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہو گئے اور ہماری آرزوئیں پوری ہو گئیں۔ اب آپ فساد کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری ہوا اُکھڑ جائے اور پہلے آپ ہی نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ جو شخص ہمارا مخالف ہو اس کو فوراً قتل کر دو۔" [1]

ابوحمید کی تقریر ابومسلم غور سے سُن رہا تھا۔ جب ابوحمید خاموش ہُوا تو

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۶

ابو مسلم نے مالک بن ہیثم کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ نے سُنا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے؟ یہ اُس کا کلام نہیں ہو سکتا۔

مالک بن ہیثم نے کہا آپ اس کی بات نہ سُنیں اور اُس کے کہنے سے امیر المومنین کی طرف سے خوف زدہ نہ ہوں۔ مَیں قسم کھاتا ہوں کہ یہ اس کا کلام نہیں اور یاد رکھئے اس کے بعد آپ کو اور سختیاں جھیلنی ہوں گی۔ آپ اپنا کام کریں اور وہاں جانے کا قصد نہ کریں ورنہ امیر المؤمنین آپ کو قتل کر دیں گے ان کے دل میں آپ کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو گیا ہے۔

یہ سُن کر ابو مسلم نے حکم دیا کہ جلسہ برخاست کیا جائے۔ مصاحب یہ سُنکر چلے گئے اس کے بعد اس نے نیزک کے پاس خط اور امیر المؤمنین کا فرمان بھیجا۔ اور جانے کی بابت رائے طلب کی۔ اُس نے کہا آپ ہرگز نہ جائیں اور "خراسان" اور "رے" کے درمیان مقیم رہیں۔ رے میں آپ کا لشکر رہے گا اور کوئی مخالفت نہ کر سکے گا۔ اگر امیر المؤمنین کے خیالات صاف ہو گئے تو یہاں رہئیے اور صاف نہ ہوئے تو اپنے لشکر میں جا کر رہئیے اور خراسان آپ کے پیچھے ہے، آئندہ آپ کی رائے ہے[1]

یہ سُن کر ابو مسلم نے ابو حمید کو بلایا اور کہا کہ اب تم اپنے صاحب کے پاس جاؤ اور میری رائے نہیں ہے کہ مَیں وہاں جاؤں۔ ابو حمید نے کہا کیا آپ نے امیر المؤمنین کے حکم کے خلاف قصد کر لیا ہے۔ ابو مسلم بولا۔ ہاں۔ ابو حمید نے کہا۔ امیر آپ کو ایسا کرنا نہ چاہیئے۔ ابو مسلم نے کہا مَیں کبھی اُن کے پاس نہ جاؤں گا۔

ابو حمید جب مایوس ہو گیا تو اُس نے امیر المؤمنین کا آخری پیغام جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ابو مسلم کو پہنچا دیا۔ پھر تو ابو مسلم کی سِٹی گم ہو گئی سوچ میں پڑ گیا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۷۶

اور کہا۔ حمید تم جاؤ مگر یہ ضرور ہے میں منصور کی سیاست سے بہت ڈرتا ہوں۔
اسی وقت ابو داؤد نائب ابو مسلم کا خراسان سے خط آیا۔ اس نے لکھا تھا :-

"امیر آلِ محمد! ہم نے خدا کے خلفاء کی معصیت کے لئے خروج نہیں کیا اور نہ اہلِ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے لئے پس آپ اپنے امام کی مخالفت نہ کریں اور بغیر اُن کے حکم کے خراسان نہ آئیں"۔

صورت یہ کی گئی تھی کہ منصور نے ایک خط ابو داؤد کو خراسان لکھا تھا کہ تم کو خراسان کی حکومت دی گئی۔ جب تک زندہ ہو وہاں کے حاکم رہو۔ اس حکم کے بعد مذکورہ بالا خط ابو مسلم کو داؤد نے لکھا۔ خط کے پڑھتے ہی ابو مسلم کے ہوش جاتے رہے۔ خراسان پر نازتھا وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر بغاوت کرتا ہے تو داؤد کی فوج پیچھے سے اور آگے خلیفہ کی فوج گھیر کر ختم کر دے گی۔ اب اس کے لئے یہی راہ تھی کہ خلیفہ کی اطاعت قبول کرے۔ چنانچہ فوراً ابو حمید کو بلا بھیجا اور کہا کہ میں اس وقت خراسان کا قصد رکھتا تھا مگر ابو اسحاق کو امیر المؤمنین کی خدمت میں اپنی طرف سے بھیجتا ہوں تاکہ معلوم کروں کہ میری بابت کیا حکم ہے؟ کیونکہ مجھ کو ابو اسحاق پر اعتماد ہے۔

ابو اسحاق جب مدائن پہنچا تو تمام سادات بنی ہاشم نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ توقیر و منزلت سے پیش آئے۔ پھر یہ دربارِ منصور میں حاضر ہوا تو امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ ہم نے تم کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ جاؤ اور اپنے فرائض انجام دو۔

یہ سُن کر ابو اسحاق ابو مسلم کے پاس آیا اور اُس سے کہا امیر آلِ ہاشم! میں نے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو تمہارے خلاف ہو وہ تمہاری عزت ایسے ہی کرتے ہیں جیسی اپنی اور آپ بخوشی دلی امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو کچھ شکر رنجیاں امیر المؤمنین اور آپ میں ہوگئی ہیں دُور ہو جائیں گی۔

نیزک نے جو یہ سنا تو ابومسلم سے آکر کہا کیا آپ کا ارادہ دربار کی حاضری کا ہو ہی گیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ امیرالمؤمنین کی خدمت میں جائیں۔

ابومسلم نے کہا۔ ہاں

اس نے یہ شعر پڑھا ؎

ما للرجال مع القضاء محالة — "یعنی قضا سے چارہ نہیں انسان تہیری
ذھب القضاء بحیلة الاقوام — بچاؤ کی کوشش کرتا ہے۔

"امیر اگر تم جاتے ہی ہو تو میں ایک بات کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس وقت دربارِ خلافت میں پہنچو موقعہ پا کر فوراً امیرالمؤمنین کو قتل کر دینا۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لینا۔ کیونکہ ارکانِ دولت تم سے خلاف نہ ہوں گے۔"

ابومسلم نے اپنے حاضر ہونے کی اطلاع دربارِ خلافت کو کر دی اور ابونصر کو اپنے لشکر کا سردار مقرر کیا اور کہا کہ اگر میرا خط تمہارے پاس نصف مہر کا آئے تو سمجھ لینا کہ میرا خط ہے اور اگر سالم مہر میری ہو تو سمجھ لینا کہ وہ میرا نہیں ہے۔

قتل ابومسلم منصور کے پاس ابومسلم کا خط پہنچا کہ میں پہنچ رہا ہوں۔ ثم قال الخلیفة :- واللہ لئن ملأت عینی منه لاقتلنه [1]

ابومسلم اپنے لشکر کو "حلوان" میں بسرافسری مالک بن ہیثم ٹھہرا کر تین ہزار فوج کے ساتھ مدائن پہنچا۔

وزیر سلطنت ابوایوب کو ابومسلم کے اس کروفر کے داخلہ سے اندیشہ ہوا کہ کوئی گل نہ کھل جائے اور میرا منہ کالا ہو۔ اس نے ابومسلم کے مخصوص آدمی کو بلا کر کہا کہ تم ابومسلم سے اپنے لئے سفارش کرالو۔ امیرالمؤمنین ولایت کسکر کا انتظام

---

[1] خلیفہ نے کہا کہ جس وقت ابومسلم میرے سامنے آئے گا اس کو فوراً قتل کر دوں گا۔ (البدایة والنہایة)

کرنے کو ہیں۔ وہ ابومسلم کے پاس پہنچا اور منصور سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ ابومسلم نہال ہوگیا اور اس کا رنج وغم جاتا رہا[1]

دارالخلافہ کے قریب ابومسلم کے پہنچنے کی خبر مشہور ہوئی۔ سردارانِ بنوہاشم و اراکینِ سلطنت حسب الحکم منصور استقبال کو آئے۔ ابومسلم دربارِ خلافت میں حاضر ہوا اور امیرالمؤمنین کی دست بوسی کی اور آرام کرنے کی غرض سے اجازت چاہی۔ منصور نے مسکرا کر اجازت دی۔ وہ قیام گاہ پر چلا گیا۔ صبح ہوئی تو منصور نے اپنے حاجب عثمان بن نہیک کو مع چار سرداروں کے جن میں شبیب بن رواح اور ابوحنیفہ، حرب بن قیس بھی تھے بلوایا اور ان کو پس پردہ بلا کے یہ ہدایت کردی کہ جس وقت میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں تو پردہ سے نکل کر ابومسلم کو فوراً قتل کردینا[2]

ابومسلم دربار میں حاضر ہوا اس کے پاس عبداللہ ابن علی کی تلوار تھی۔ منصور نے وہ دیکھنے کے بہانے سے لے لی اور ابومسلم پر عتاب کی نظر ڈالی اور جو جو نافرمانیاں اس سے ہوئی تھیں ان کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا۔

"تو نے امینہ بنت عبداللہ بن علی کو نکاح کا پیام دیا تھا اور تو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ تو سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد سے ہے اللہ اکبر تو بڑے مرتبہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ نیز تیری یہ حالت تھی کہ تو نے امیرالمؤمنین ابوالعباس کو ایک مسئلہ پر تنبیہ کی تھی۔ ابومسلم نے پہلی بات کا تو جواب نہ دیا۔ اس بات کا یہ جواب دیا کہ امیرالمؤمنین کا جواب میرے پاس آگیا تو میں یہ سمجھا کہ امیرالمؤمنین اور اُن کے گھرانے والے معدنِ علم ہیں۔ غرض آخر میں اس نے کہا کہ اب آپ یہ کہتے ہیں مگر جب میں نے آپ کے لئے سلطنت کے تمام راستے صاف کر دیئے

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۳۹ [2] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۳۰

اور کیسے کیسے کام کئے۔ اس پر خلیفہ منصور نے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا ہماری ہی بدولت اور ہمارے ہی نام سے کیا۔ اگر ہم کسی عورت کو اس کام پر مقرر کرتے وہ بھی یہی کام کرتی اور اگر تو خود بغیر ہمارے ذریعے کے کرتا تو کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ تیری یہ حالت تھی کہ اول اپنا نام لکھتا تھا اس کے بعد ہمارا نام لکھتا تھا۔ یہاں تک غرور بڑھ گیا تھا اور پھر بغیر ہمارے حکم کے تو نے خراسان جانے کا قصد کیا۔ اس نے جواب دیا کہ خراسان جا کر آپ سے معذرت کر کے معافی مانگ لیتا۔ یہ سن کر منصور کو غصہ آ گیا اور دستک دی۔ عثمان بن نہیک نے نکل کر تلوار کا وار ابومسلم پر کیا۔ اس کے جسم پر کچھ خفیف اثر ہوا تو شبیب بن رواج نے حملہ کیا۔ ابومسلم نے امیر المومنین سے کہا مجھ کو آپ اپنے دشمن کے لئے باقی رکھئے۔

منصور نے جواب دیا تجھ سے بڑھ کر اور میرا کون دشمن ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۵ رشعبان ۱۳۷ھ کا ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ ابواسحاق کو ایک لاکھ درہم دیئے گئے۔ ابونصر کو گورنر موصل کر دیا۔ منصور کو قتل ابومسلم سے پورا اطمینان ہو گیا۔ اس نے تمام اعیانِ سلطنت کو مسجد میں جمع کر کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! تم لوگ اُنسِ طاعت سے وحشتِ معصیت کی طرف نہ جاؤ اور راہِ حق پر چلنے کے بعد باطل کی تاریکی میں نہ چلو"۔

بے شک ابومسلم کا آغاز خوبی کے ساتھ ہوا اور انجام برائی پر اس کو بہت کچھ عطا کیا گیا جس سے اس نے سب پر تفوق حاصل کیا اور اس کی بدباطنی اس کے حسن ظاہر پر غالب آگئی اور ہم اُس کی خبثِ باطنی اور فسادِ نیت سے ایسے آگاہ

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۲۴

ہو گئے ہیں کہ اگر اس کو اس بات کی کوئی نصیحت کرنے والا جان جاتا تو وہ قتل نہ کرتے اور اتنے دنوں چھوڑ رکھنے پر ہم کو ملامت کرتا۔ یاد رہے وہ برابر ہماری بیعت کو توڑتا اور ہمارے حق کی حقارت کرتا۔ تا آنکہ اس کی عقوبت حلال ہوگئی اور اس کا خون ہم کو مباح ہوگیا اور اس کے حقوق ہم کو جاری کرنے سے مانع ہوئے اور کیا خوب نابغہ ذبیانی نے کہا ہے :-

فمن اطاعك فانفعه بطاعته
كما اطاعك وادلله على الرشد
ومن عصاك فعاقبه معاقبة
تنهى الظلوم ولا تقعد على ضمد

"جو شخص تمہاری اطاعت کرے اس کو اسکی اطاعت کی وجہ سے جیسے اس نے اطاعت کی ہو نفع پہنچا دو اور اس کو رشد کی رہنمائی کرو اور جو شخص تمہاری نافرمانی کرے اس کو ایسی عقوبت کرو کہ جس سے ظالم تھرا اٹھے اور تم اس کی معیشت کی فکر نہ کرو۔"[1]

اس کے بعد منصور منبر سے اترا اور مصافحہ کر کے اعیانِ سلطنت کو رخصت کیا۔

حقیقتِ حال ابومسلم جیسے جری اور جنگ آزمودہ سپہ سالار کو جو سفاح و منصور کا دستِ راست اور قوتِ بازو تھا قتل کرا دینا بادی النظر میں منصور کے دامنِ شرف و عدالت پر یہ ایک نہایت بدنما داغ ہے مگر ابومسلم کے جو واقعاتِ خودسری اور اس کی غلط روش و اقدام کے معتبر تاریخوں سے اخذ کر کے پیش کئے گئے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ منصور اس کے اقدامِ قتل میں غالباً برسرِ حق تھا۔ اگر ابومسلم قتل نہ ہوتا تو اس کے ہاتھ سے منصور قتل ہوتا۔ اس کے علاوہ منصور کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا کہ اپنی حکومت جو بدقتِ تمام حاصل ہوئی تھی اس کو ابومسلم کے خار وجود سے پاک کر دیتا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی فرماں روائی اور جہاں بانی کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوتا۔

---

[1] تاریخ کامل لابن اثیر صفحہ ۱۷۹ جلد ۵ مطبوعہ مصر۔

اگر ابومسلم اپنے خوف ناک منصوبوں میں کامیاب ہو جاتا تو دولت عباسیہ کا استیصالِ کلی بھی غیر اغلب نہ تھا بلکہ خراسان میں ایک عجمی حکومت کی تشکیل نظر آتی۔

فتنۂ سنباد اہلِ خراسان کو ابومسلم کے قتل کی خبر ہوئی تو زیادہ لوگوں پر اُوس سی پڑ گئی۔ مگر ابومسلم کا ساتھی سنباد معروف بہ فیروزا سپہبد (مجوسی) نے ابومسلم کے خون کا معاوضہ طلب کرنے کے نام سے منصور کے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا۔ اہلِ جبال اس کے ساتھ ہو گئے "رے" اور "نیشاپور" پر اُس نے قبضہ جمایا۔ ابومسلم کے خزانہ پر متصرف ہوا اور اہلِ شہر کا مال لُوٹا۔ عورتوں کو پکڑ لے گیا اور اُن کو لونڈیاں بنا لیا۔ ظاہر یہ کرتا تھا کہ میں کعبہ کو منہدم کرنے جا رہا ہوں۔ منصور کو خبر لگی تو اُس نے اس کی سرکوبی پر جمہور بن مرار عجلی کو مامور کیا۔ اُس نے ہمدان کے نزدیک سنباد کو آلیا۔ اس کے ساتھ ہزار ہا آدمی مارے گئے۔ سنباد شکست کھا گیا اور طبرستان میں جا کر پناہ لی۔

عامل طبرستان کے ملازم نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے مال و اسباب کو عامل طبرستان ہضم کر گیا۔ منصورؒ نے اس کی سرکوبی کو ایک فوج اور روانہ کر دی۔ سنباد کا خزانہ جمہور نے بھی دارالخلافہ نہ بھیجا اور باغی ہو کر "رے" پر قابض ہو گیا۔ منصور نے اس کی خودسری ختم کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر محمد بن اشعث کے ساتھ بھیجا۔ جمہور یہ خبر پا کر "رے" سے اصفہان چلا گیا۔ یہاں محمد اور جمہور میں معرکہ رہا۔ جمہور کو شکست ہوئی اس نے آذربائیجان کا راستہ لیا۔ خود اسی کے ہمراہی نے قتل کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۸ھ کا ہے۔[1]

عبداللہ کی موت عبداللہ بن علی عباسی سلیمان کے پاس ہزیمت کھا کے گئے تھے منصور نے ۱۳۹ھ میں ان کو معزول کر کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۴۶ ؛؛

طلب کیا اور لکھا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی ساتھ لائیں اور عبداللہ کو امان دی گئی ان کو بھی لیتے آنا۔ یہ حضرات دربار میں پہنچے سلیمان اور عیسیٰ کو باتوں میں لگایا۔ عبداللہ کو قید کر دیا بقیہ ہمراہیوں کو مروادیا۔ عبداللہ ۱۴۹ھ تک قید رہے قید خانہ کی دیواروں میں نمک ڈلوایا جو کچھ عرصہ بعد گر گئیں اور عبداللہ آہنی دیواروں میں دب کے رہ گئے۔

عیسیٰ پر عتاب منصور نے ۱۴۷ھ میں حج کو جانے لگا تو عیسیٰ سے کہا عبداللہ بن علی کو قتل کر دینا۔ مگر منصور کے سکرٹیری یونس بن فردہ نے منع کر دیا۔ منصور حج سے واپس آیا اس نے عیسیٰ سے عبداللہ کو طلب کیا۔ اس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا منصور بولا۔ میں نے یہ حکم تم کو نہیں دیا تھا عیسیٰ کچھ جواب دینا چاہتا تھا کہ منصور نے اپنے اعمام سے مخاطب ہو کے کہا۔ اپنے بھائی کے عوض اس کو گرفتار کر لو۔ وہ گرفتار ہو گیا جب قتل گاہ پر لایا گیا تو اس نے کہا وہ زندہ ہیں منصور کے اعمام نے عیسیٰ کے قتل سے اعراض کیا مگر منصور نے عیسیٰ کو قید کر دیا[۱]

یہ وہی عیسیٰ بن موسیٰ ہے جس نے منصور کے لئے بیعتِ خلافت لی تھی اور منصور کے بعد از روئے عہد نامہ سفاح خلیفہ ہونے کو تھا منصور اپنے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا چاہتا تھا۔ یہ تمام واقعہ اسی بنا پر وقوع پذیر ہوا۔

ابوجعفر منصور عباسی کا حج منصور بحیثیت خلیفہ ۱۴۰ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے حیرہ سے احرام باندھا۔ حرمین شریفین میں بے شمار خیرات کی۔ سادات و اشراف کو گرانقدر عطیات عطا کئے۔ ہر شریف کو ایک ایک ہزار فلوری دینار دیئے۔ قریش کی عورتوں کو سونے چاندی کے ظروف اور قیمتی پوشاکیں مرحمت کیں۔ مدینہ میں تو کوئی

---

[۱] ابن خلدون صفحہ کتاب ثانی جلد ہفتم صد ۲۴۸

متنفس ایسا نہ بچا تھا جسے کچھ نہ کچھ نہ ملا ہو۔ اہلِ مدینہ کو اس قدر انعامات اب تک کسی خلیفہ نے نہیں دیئے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر منصور بیت المقدس گیا وہاں سے اپنے دارالسلطنت پہنچ گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

فتنۂ راوندیہ

خراسانی عموماً کمزور عقیدہ کے تھے "عمار" کا فتنہ اُٹھا تو وہ دعوتِ آلِ ہاشم کے متبع بنے۔ دعوتِ بنی عباس میں سرگرمی دکھائی۔ ابونصر مالک بن ہیثم کے ہمنوا ہو کر ایک نیا مذہب بنا کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ عموماً ابومسلم کے متبعین کہلائے جاتے اور تناسخ و حلول کے قائل تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ آدمؑ کی روح نے عثمان بن نہیک میں اور اللہ جل شانہٗ نے منصور میں اور جبرئیل نے ہیثم بن معاویہ میں حلول کیا ہے۔ ان کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جا رہا تھا کہ منصور کو اُن کے کفریات کی خبر ہوئی اس نے اُن کے دو سو آدمی گرفتار کرائے اور تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے معن بن زائدہ شیبانی کے ہاتھوں اس گروہ کے سرداروں کا خاتمہ ہوا۔

بغاوتِ خراسان

سفاح نے خراسان پر بعد بغاوت و ہلاکت بسام بن ابراہیم، ابوداؤد، خالد بن ابراہیم ذہلی کو مقرر کیا تھا۔ سنہ۱۴۰ھ میں بعض فوجیوں نے پھر بغاوت کر دی۔ داؤد کشاہن گیا ہوا تھا مکان کی چھت سے گر کر انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا عصام والی ہوا منصور نے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو امیرِ خراسان مقرر کیا۔ اس نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مجاشع ابن حریث انصاری، ابوالمغیرہ، خالد بن کثیر مولی بنو تمیم گورنر کوہستان اور حریش میں محمد ذہلی عم داؤد کو قتل کرا دیا اور ابوداؤد کے مقرر کردہ عمال پر سختی کرنے لگا۔ یہ شکایت خلیفہ کو پہنچی۔ اس نے ابوایوب وزیر کے مشورے سے ولی عہد مہدی کو فوجِ گراں کے ساتھ خودسروں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ شہزادہ "رے" میں مقیم ہوا۔ اُس نے حازم بن خزیمہ کو عبدالجبار کی

سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ہر دو میں مقابلہ ہوا۔ عبدالجبار میدانِ جنگ سے شکست کھا کر بھاگا۔ "مقطنہ" پہنچا۔ مجشر بن مزاحم اس کے پیچھے لگ گیا اور عبدالجبار کو گرفتار کر کے بالوں کا جُبّہ پہنا کر اُونٹ پر دُم کی طرف مُنہ کر کے سوار کرایا اور تمام شہر میں اس کا گشت کرایا گیا اور پھر منصور کی خدمت میں اسی حالتِ تباہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۴۹ھ کا ہے۔

واقعاتِ سندھ

عینیہ بن موسیٰ نے ۱۴۲ھ میں سندھ میں بغاوت کر دی۔ منصور خود بصرہ آیا اور عمر بن حفص بن ابی صفوۃ عتکی کو سندھ کا گورنر کر کے بھیجا۔ اُس نے پہنچتے ہی علینہ کو شکست دی اور سندھ پر قابض ہو گیا۔ حضرت نفس ذکیہ نے اپنے لڑکے عبداللہ بن الاشتر کو ابن حفص کے پاس اپنی دعوت کے لئے بھیجا اور ممالک میں بھی دُعات بھیجے۔ یہاں خفیہ طور سے دعوتِ آلِ ہاشم کا ابن حفص نے آغاز کر دیا۔ جب نفس ذکیہ قتل ہو گئے تو عبداللہ خوف زدہ ہوئے۔ ابن حفص نے ان کو ہندوستان کے راجہ کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے ان کو بڑی عزت سے ٹھہرایا۔ منصور کو اس کی خبر لگ گئی اس نے ابن حفص سے باز پُرس کی۔ اُس نے اپنے ایک وفادار کو بھیج دیا۔ اُس نے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ منصور نے اس کو قتل کرا دیا مگر اتہام سے ابن حفص پھر بھی نہ بچ سکا۔ منصور نے اس کا تبادلہ افریقہ کو کر دیا۔ سندھ پر گورنر ہشام بن عمر تغلبی کو کیا۔ ہشام سندھ پر پہنچا۔ اس کا بھائی سفیح ایک مہم پر جا رہا تھا کہ اتفاقی طور سے عبداللہ بن الاشتر کا سامنا ہو گیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ عبداللہ مارے گئے۔ اُن کے قتل کے بعد منصور نے ہشام کو مذکورالذکر راجہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہشام نے فوج کشی کر کے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۰۔

ہشام نے سندھ کے مختلف حصوں میں فوجیں روانہ کیں اور خود ملتان کی طرف بڑھا۔ حاکمِ ملتان سے مقابلہ ہوا، وہ شکست کھا گیا۔ شہر پر ہشام کا قبضہ ہو گیا۔[1] عیینہ بن موسیٰ کے زمانہ میں قندابیل پر عرب قابض ہو گئے تھے۔ ہشام نے آگے بڑھ کر گندہار کو بھی فتح کر لیا اور وہاں مسجد تعمیر کی۔ ہشام کا زمانہ سندھ کی فارغ البالی کا زمانہ ہے۔

اصبہند کا طبرستانیوں پر ظلم طبرستان میں ۱۴۲ھ میں اصبہند نے مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کئے۔ لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔ منصور نے ابوالخصیب کو لشکر دے کر بھیجا اُس نے طبرستان کو گھیر لیا۔ اصبہند نے عاجز ہو کر زہر کھا کر خودکشی کر لی جس سے یہ فتنہ ختم ہوا۔

دعوتِ آلِ ہاشم

دعوتِ آلِ ہاشم کے طفیل سے بنو عباس کو کامیابی ہوئی۔ پہلے آلِ عباس علویین کے ہم خاندان ہونے کی وجہ سے اُن کے ہمنوا تھے۔ مروان بن محمد اموی کی حکومت میں اضطراب پیدا ہوا۔ بنو ہاشم نے تمام ساداتِ بنی ہاشم کو جمع کیا اور خلیفہ مقرر کرنے کی بابت مشورہ کیا۔ اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن علی کو خلیفہ بنانا چاہیئے۔ زہد و اتقا میں ان کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ چنانچہ سب نے ایک شب میں بیعت کی۔ منصور نے بھی کی تھی۔[3] کچھ عرصہ بعد سفاح خلیفہ ہو گئے تو محمد نے اس کی بیعت نہیں کی۔ ۱۳۶ھ میں منصور حج کرنے گئے تو محمد اور اُن کے بھائی ابراہیم روپوش ہو گئے۔ جب منصور تخت

۱؎ یعقوبی جلد ۲ صـ ۴۴ ۲؎ فتوح البلدان بلاذری صـ ۴۴۹

۳؎ ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۸۸ ۴؎ ابن خلدون جلد ۳ صـ ۱۸۷

پر متمکن ہُوا تو اس کو ان بھائیوں کی طرف سے فکر تھی۔ یہ ہر دو حضرات خاموشی سے اپنی خلافت کی دعوت دے رہے تھے۔ عبداللہ عباسی اور ابو مسلم خراسانی کے خاتمہ کے بعد منصور ان دو بھائیوں کی طرف متوجہ ہُوا۔ آلِ ابی طالب میں سے حسن بن زید بن حسن بن علیؓ ابن ابی طالب پر منصور نے ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے ہر دو بھائیوں کا کچا چٹھا کہہ سُنایا۔

موسیٰ بن عبداللہ بن حسن کہا کرتے تھے۔

اللھم اطلب حسن بن زید بدمائنا۔ "اے اللہ! حسن بن زید سے ہمارے خونوں کا بدلہ لے"۔ [1]

یہ سُن کر منصور نے حج کے موقعہ پر عبداللہ بن حسن پر زور ڈالا کہ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ انہوں نے سلیمان بن علی عباسی سے مشورہ کیا اور کہا ہم میں آپ میں مصاہرت اور رحم دو رشتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو منصور کے پاس حاضر کردوں یا نہیں؟ سلیمان عباسی نے کہا یہی حال میرے ذریعے عبداللہ بن علی کا ہُوا۔ انجام تم دیکھ چکے ہو۔ جب منصور نے چچا کے ساتھ رعایت نہیں برتی تو دوسرے کے ساتھ کیا برتے گا۔ یہ سُن کر عبداللہ بن حسن نے سلیمان کی رائے پسند کی اور منصور کی باتوں پر نہ گئے۔ عبداللہ بن حسن کو یقینِ کُلّی تھا کہ میرے بیٹے محمد المہدی اور ابراہیم ضرور ایک دن خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

محمد المہدی جو نفس ذکیہ بھی کہلاتے تھے بصرہ گئے۔ منصور کو اس کا پتہ لگا وہ بھی پہنچا تو یہ عدن چلے گئے۔ وہاں سے سندھ گئے۔ پھر کوفہ آئے۔ کوفہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ زمانہ حج کا تھا۔ منصور بھی حج کرنے آیا مگر یہ لوگ کسی عنوان منصور سے نہ ملے۔ منصور نے زیاد عاملِ مدینہ سے کہا عبداللہ بن حسن اور محمد

---

[1] ابن اثیر جلدہ ص ۱۹۱ ؎

و ابراہیم کو کسی نہ کسی طرح حاضر کرو۔ اُس نے منصور سے کہا فکر نہ فرمائیے میں اس کا ضامن ہوں اور ان کو موقعہ سے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ آخر ش منصور انبار چلا گیا۔ محمد نفس ذکیہ جب مدینہ آئے تو زیاد نہایت الطاف و مرحمت سے اُن کے ساتھ پیش آیا اور اُن کے تقدس سے متاثر ہو کر کہا آپ کا جہاں جی چاہے جائیے۔ اس کی خبر منصور کو ہو گئی اُس نے زیاد بن عبداللہ حارثی کو معزول کر کے محمد بن خالد بن عبداللہ قسری کو مدینہ کا عامل کیا اور کہا جس قدر مال چاہو خرچ کرو مگر محمد المہدی کا پتہ ہر حالت میں لگانا۔ لیکن وہ بھی کوشش بسیار کے بعد پتہ نہ لگا سکا تو منصور نے اس کو بھی معزول کر دیا اور رباح بن عثمان مزنی کو بھیجا وہ ۱۴۴ھ میں مدینہ آیا اور محمد بن خالد عامل مدینہ کو قید کر دیا۔ پھر مہدی کی جستجو کرنے لگا مگر وہ مضافاتِ مدینہ میں قبائل میں رونق افروز تھے ان کی عبادت گزاری اور نیکی کی وجہ سے ہر شخص اُن کا متوالا تھا۔ ان کی اطلاع کسی دشمن کو نہ ہونے پاتی تھی۔

تقدس کے اعتبار سے محمد نفس ذکیہ کا مرتبہ امام جعفر صادق کے بعد اہل بیت نبویؐ میں بہت اُونچا تھا۔ ان تک رباح کی دسترس کسی عنوان نہ ہو سکی تو جھلا کر عبداللہ بن حسن کو دھمکی دی اور عتابِ شاہی سے ڈرایا۔ عبداللہ نے فرمایا۔

”واللہ! تُو آج ایسا قسی القلب ہو رہا ہے جیسا کہ قصاب بکری کے ذبح کرنے کے وقت ہو جاتا ہے۔“ [1]

رباح نے عبداللہ بن حسن بن علی حسن۔ ابراہیم جعفر پسران حسن بن حسن سلیمان، عبداللہ پسران داؤد بن حسن بن حسن، محمد۔ اسماعیل۔ اسحاق پسران ابراہیم بن حسن بن حسنؓ۔ عباس بن حسن بن حسنؓ موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسنؓ۔

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۲۵۰

علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی العابد اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان معروف بہ دیباج، یہ سب مقدس حضرات قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد ۱۴۴ھ میں منصور حج کو گیا۔ مکہ معظمہ میں یہ سب قید تھے۔ عبداللہ بن حسن نے ملنا چاہا، منصور نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ ادائے حج کے بعد منصور نے اولادِ حسن کو مع ان کے ساتھیوں کے عراق بھیج دینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ رباح نے اہلِ بیت رسالت کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کے بغیر کجاوہ اونٹوں پر سوار کرا کے عراق کی جانب روانہ کیا۔ امام جعفر صادق پردہ کی آڑ میں یہ سب حالات دیکھ رہے تھے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے[1]

دورانِ سفر میں محمد نفس ذکیہ اور امام ابراہیم بدوؤں کے لباس میں اپنے والد عبداللہ بن حسن سے آکے ملتے رہتے اور ظہور کی اجازت چاہتے تھے۔ جواب میں عبداللہ کہا کرتے تھے۔

"میرے نورِ نظر ابھی عجلت نہ کرو جب تک مناسب موقع ہاتھ نہ آئے۔ اگر ابوجعفر منصور تمہاری کریمانہ زندگی کا مخالف ہو تو تم لوگ بھی مخالفت میں اس سے باز نہ آنا۔"

غرضیکہ یہ قافلۂ اہلِ بیت کرام ربذہ پہنچا اور منصور کی خدمت میں محمد بن عبداللہ عثمانی جو عبداللہ بن حسن کے اخیافی بھائی تھے (ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت حسین تھیں) منصور نے ان سے سخت کلامی کی اور ان کو پچاس دُرّے لگوائے۔ کچھ دن بعد ابوعون عاملِ خراسان کی عرضداشت منصور کے پاس آئی اس میں لکھا تھا کہ اہلِ خراسان میں سازشیں ہو رہی ہیں اور محمد بن عبداللہ عثمانی کی آمد کا انتظار ہے۔ منصور نے محمد بن عبداللہ کو قتل کرا دیا اور ان کا سر خراسان

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم جلد ثانی ص ۲۵۹

میں بھیج دیا اور کچھ آدمی ساتھ کئے کہ وہ اہلِ خراسان میں قسم کھا کر کہیں :-

"یہ سر محمد بن عبداللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔" [1]

منصور زندہ سے کوفہ پہنچا اور بنو حسن (آلِ رسول) کو قصر ابن ہبیرہ میں قید کر دیا۔ ان میں سے پہلے محمد بن ابراہیم بن حسن شہید کئے گئے۔ عبداللہ بن حسن علی بن حسن نے قیدِ ہستی میں ہستی سے آزادی حاصل کی۔ غرضیکہ یہ سب ساداتِ کرام منصور کے ظلم وجور کے شکار ہوئے۔

ظہور ان مظالم کو سُن کر محمد نفس ذکیہ کو تابِ ضبط نہ رہی۔ یکم رجب ۱۴۵ھ کو وہ ۲۵ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے۔ وہاں کے لوگوں نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ امیرِ مدینہ رباح نے مقابلہ کرنا چاہا مگر اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ امام محمد نفسِ ذکیہ کا مدینہ پر بالکل قبضہ ہو گیا۔ مجمع عام میں امام نے ارشاد فرمایا :-

"حاضرین! ہمارا اور اس ظالم منصور کا جو معاملہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں (یعنی وہ مجھ سے مکہ میں بیعت کر چکا ہے) اس نے اپنے قصر کا سبز گنبد کعبہ کی تحقیر کے لئے بنایا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ فرعون نے بھی اسی قسم کی سرکشی کی تھی جس کی وجہ سے اُس پر عذابِ الٰہی آیا تھا۔ اے اللہ! تُو اس کو بھی برباد کر دے۔ دینِ اسلام کی حفاظت کے اصلی حقدار مہاجرینِ اوّلین کے بیٹے اور فرزندانِ انصار ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مدینہ کو اس خیال سے اپنا مرکز نہیں بنایا ہے کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتا ہوں

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ششم ص ۲۶۰ ؛

میں تو یہاں اس وقت آیا ہوں جبکہ دنیائے اسلام کے ہر مقام کے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہے۔"

اہلِ مدینہ حضرت نفسِ ذکیہ کے ساتھ جان نثاری کے لئے تیار ہو گئے منصور نے اہلِ بیت کے اوپر جو مظالم کئے تھے ان کی وجہ سے ہر ایک منصور سے بیزار تھا اہلِ مدینہ نے امام مالک سے نفسِ ذکیہ کی امامت کے بارے میں استفتا کیا۔

"ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا طوق پڑا ہوا ہے ہم کو کیا کرنا چاہیئے"۔ امام مالک نے جواب دیا۔

"تم لوگوں نے باکراہ و جبر بیعت کی تھی اور مُکرَہ و مجبور پر یمین نہیں ہے۔"

اس سے لوگوں کے خیال بدل گئے اور بطیبِ خاطر محمد نفسِ ذکیہ کے اعوان و انصار میں شامل ہو گئے۔ مدینہ منورہ کے انتظام کے بعد نفسِ ذکیہ مکہ گئے وہاں کے رؤسا نے بھی ان کی تائید کی۔ منصور کو ظہورِ امام کی خبر لگی اس کو خوف دامنگیر ہو گیا۔ عبداللہ بن علی سے جو قید میں تھے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوفہ کی ناکہ بندی کر دو اور سالم بن قتیبہ کو "رے" سے بلا کر شامی فوج کے ساتھ مدینہ روانہ کرو۔ منصور نے قطعِ حجت کے لئے یہ خط محمد نفسِ ذکیہ کو بھیجا۔

منصور کا خط نفسِ ذکیہ کے نام

اللہ کے بندے عبداللہ امیرالمومنین کی طرف سے محمد بن عبداللہ کے پاس یہ تحریر بھیجی جاتی ہے۔ بے شک جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا اُن کو سُولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو مُلک سے نکال دیا جائے۔ یہ دُنیا میں اُن کی سزا ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ مگر وہ لوگ جو اس سے پہلے

توبہ کرلیں کہ تم ان پر غالب آؤ۔ پس جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان میں خدا کا مضبوط عہد اور ذمہ داری ہے کہ میں تم کو اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائیوں کو اور تمہارے گھر والوں کو امان دیتا ہوں۔ اگر تم نے توبہ کی جن لوگوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے، ان کی جان و مال کو امان ہے اور میں تم سے جو خونریزی ہوئی ہو یا تم نے کسی کا مال لیا ہو اس سے درگزر کروں گا اور تمہارے لئے ایک لاکھ درہم مقرر کرتا ہوں اور جو ضرورت ہو گی اس کو پورا کروں گا اور جس شہر میں تم رہنا پسند کرو اس میں رہو اور نیز جس قدر تمہارے عزیز زیر حراست ہیں ان کو میں رہا کردوں گا اور میں نے اس کو بھی امان دی جس نے تمہارا ساتھ دیا ہو اور تمہارے پاس آیا ہو اور بیعت کی ہو یا کسی کام میں مشورہ دیا ہو۔ اس سے بھی کسی قسم کا مواخذہ نہ کیا جائے گا اگر تم اپنا اطمینان چاہتے ہو تو جس کو چاہو میرے پاس بھیج کر مجھ سے امان اور عہد و اقرار پر وثوق کرلو۔ والسلام [1]

نفس ذکیہ کا جواب

خدا کے بندے مہدی محمد بن عبداللہ امیرالمومنین کی طرف سے یہ خط عبداللہ ابن محمد کے نام ہے طٰسٓمّٓ یہ نشانیاں کھلی ہوئی کتاب کی ہیں۔ مومنین کے لئے موسیٰ و فرعون کا سچا قصہ ہم بیان کرتے ہیں بے شک فرعون ایک ملک کا بادشاہ تھا جس نے وہاں کے کئی جتھے کردیئے تھے۔ ایک گروہ کو ذلیل و خوار کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۹ و ناسخ التواریخ جلد ۵ صفحہ ۳۲۳ و طبری جلد ۹ صفحہ ۲۱۰

کو ذبح کرتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا، وہ بڑا مفسد تھا اور ہم
یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ کمزور ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو سردار اور
ملک کا وارث بنائیں اور ان کو حکومت مرحمت فرمائیں اور ہم فرعون
اور ہامان اور اس کے تمام لشکر کو انہی کے ہاتھوں سے وہ بات جس
سے وہ ڈرتے تھے دکھلا دیں گے"۔ (آیات قرآن مجید) میں بھی تمہارے
لئے امان پیش کرتا ہوں جس طرح تم نے ہمارے لئے پیش کی ہے
کیونکہ یہ واقعی ہمارا حق ہے اور ہمارے ہی وسیلہ سے تم اس کے
مدعی بنے ہو اور ہمارے شیعوں کو ساتھ لے کر تم حکومت لینے کے لئے
نکلے ہو اور ہماری ہی فضیلت کے باعث تم کو بھی کچھ فضیلت مل گئی
ہے (دیکھو) ہمارے باپ حضرت علی وصی رسول اللہ اور امام اُمت
تھے۔ پھر تم اُن کے بیٹے کے ہوتے ہوئے کس طرح ان کے وارث
ہو سکتے ہو۔ تم خوب واقف ہو مجھ جیسے شخص نے جو نسبًا و حسبًا
شریف ہے اب تک اس حکومت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہم لوگ
لعنت کی ہوئی اور مردود کی ہوئی اور طلاق دی ہوئی عورتوں کی
اولاد سے نہیں ہیں۔ تمام سادات بنی ہاشم میں سے حضور سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ قرابت اور سابقیتِ اسلام جیسی مجھ کو
حاصل ہے کسی کو نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں فاطمہ بنت
عمرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدہ تھیں ان کی اولاد میں ہیں اور
زمانۂ اسلام میں آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ کی نسل سے ہیں نہ کہ تم۔ بیشک
خدا نے تم سے ہم کو برگزیدہ کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے حضور سرورِ عالم
صلی اللہ علیہ وسلم جیسا باپ منتخب فرمایا اور پھر حضرت علیؓ جو سب سے
پہلے ایمان لائے اور بیبیوں میں سے حضرت خدیجہ طاہرہ کی نسل سے
ہم کو پیدا کیا جو سب سے پہلی بی بی ہیں جنہوں نے نماز پڑھی تھی اور

ان کی صاحبزادیوں میں سے حضرت فاطمہ جو تمام عورتوں کی جنت میں سردار ہوں گی اور ان کے صاحبزادے جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئے اور وہ تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ان کی اولاد میں ہم ہیں اور ہم کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہاشم نے دو، بار ہم کو جنا اور عبدالمطلب نے بھی دو بار ہم کو جنا اور بذریعہ سبطینِ مکرمین دو بار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنا۔ میں تمام ساداتِ بنی ہاشم میں نسبًا بہتر ہوں میرے باپ مشاہیرِ بنی ہاشم میں سے ہیں۔ مجھ میں کسی عجمی کا میل نہیں ہے اور نہ مجھ میں امہاتِ اولاد کا نزاع ہے۔ ہمیشہ میرے ماں باپ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ممتاز رہے ہیں یہاں تک کہ اہلِ نار میں سے بہترین کو میرے باپ ہونے کے لئے منتخب کیا۔ پس میں اہلِ اسلام میں اس شخص کا فرزند ہوں جس کا مرتبہ تمام جنتیوں میں ارفع و اعلیٰ ہے اور میں اس شخص کا فرزند ہوں جس پر عذاب کم ہوگا یعنی ابوطالب و علی ابن طالب۔

غرض تمام بہترین کا جو بہتر ہے میں اس کا فرزند ہوں اور تمام بڑوں میں جو بہتر ہے میں اس کا پوتا ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان میں خدا کا واسطہ ہے۔ اگر تم نے میری اطاعت قبول کر لی اور میرا کہنا مان لیا تو میں تم کو اور تمہارے جان و مال کو امان دے دوں گا اور تمہاری لغزشوں سے درگذر کروں گا۔ ہاں البتہ اگر تم خدا کے حدود میں سے کسی حدود کے مرتکب ہوئے ہو گے یا کسی مسلمان کا حق تم پر ہو گا یا کسی معاہدے میں خلاف عمل تم نے کیا ہو گا تو تم خود واقف ہو۔ ویسے ہی تم پر حد قائم کی جائے گی۔ میں ان باتوں میں سے کسی کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احکامِ شرع سے مجبوری ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ میں تم سے ہر طرح سے زیادہ خلافت کا

مستحق ہوں اور عہد کا پورا کرنے والا۔ کیونکہ تم نے مجھ سے پہلے چند آدمیوں کو امان دی اور قول دیئے مگر تم پورا نہ کر سکے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ کو کون سی امان دیتے ہو۔ ابن ہبیرہ کی امان یا اپنے عم بزرگوار عبداللہ بن علی کی امان یا ابو مسلم خراسانی کی امان" والسلام

ناسخ التواریخ میں ہے کہ جب یہ جواب امیر المؤمنین ابو جعفر کے پاس پہنچا ہے تو آپ نے ابوایوب کو دکھلایا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس کا جواب لکھوں۔ ابو جعفر نے کہا نہیں ہم خود جواب دیں گے۔ کیونکہ ہم تمام سادات پر انہوں نے فخر کیا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم خود ہی جواب دیں۔ چنانچہ فوراً ہی قلم برداشتہ یہ جواب دیا۔

جواب الجواب

منجانب منصور عباسی

یہ خط امیر المؤمنین سید عبداللہ بن امام محمد عباسی ہاشمی کی طرف سے سید محمد ابن عبداللہ حسنی ہاشمی کے نام ہے مجھ کو تمہاری باتیں معلوم ہوئیں اور میں نے تمہاری تحریر پڑھی۔ تمہارے فخر کا بہت بڑا دارومدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے جاہل اور بازاری لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ کلام پاک سے واقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدائے پاک نے عورتوں کو مثل اعمام اور آباء یا عصبہ وولیوں کے حقوق نہیں دیئے اور اپنی کتاب میں چچا کو باپ قرار دیا ہے اور قریب ترین ماں پر مقدم فرمایا ہے اور اگر خداوندی دربارہ میں عورتوں کے قرابت کی وجہ سے قدر و منزلت ہوتی تو حضرت آمنہ کو سب سے زیادہ مرتبہ ملتا اور سب سے زیادہ بزرگی حاصل ہوتی اور سب سے پہلے قیامت کے دن وہی جنت میں داخل کی جاتیں مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کی پسند پر ہے وہ اپنی مخلوق کے گذشتہ حالات سے واقف ہے، جس کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے

اور تم جو فاطمہ جناب ابو طالب کی والدہ پر فخر کرتے ہو تم نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان کی اولاد میں سے کوئی مرد اور عورت ایک بھی اسلام سے مشرف نہیں ہوا۔ اگر اس قرابت کی بنا پر کچھ فضیلت ہوتی تو جناب عبداللہ والد ماجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا اور آخرت کے فضائل حاصل ہو جاتے۔ یہ سب خدا کے ہاتھ میں ہے اپنے دین کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:-

"بے شک تم ہدایت نہیں دے سکتے اس شخص کو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ لیکن خدا جس شخص کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی ہدایت والوں کا جاننے والا ہے"

دیکھو اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اس وقت آپؐ کے چار چچا موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ "تم اپنے قریب ترین عزیزوں کو انذار کرو"۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی حضورؐ نے اپنے اعمام کو انذار کیا اور اُن کے سامنے اسلام پیش کیا۔ یہ سُن کر دو صاحبوں نے اسلام قبول کیا جن میں ایک ہمارے باپ تھے اور دو صاحبوں نے انکار کیا جن میں ایک تمہارے باپ تھے۔ اس انکار کے ساتھ ہی خدا نے تمام رشتے منقطع کر دیئے اور ان دونوں سے خویش کے تعلقات اور معاہدے اور میراث سب منقطع کر دیئے (چنانچہ) ابو طالب کے انتقال کے بعد ان کا ورثہ حضرت علیؓ اور حضرت جعفر کو نہیں لینے دیا بلکہ عقیل و طالب کو دیا گیا کیونکہ اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے اور یہ جو تم خیال کرتے ہو کہ تم ان کی اولاد ہو جن کو دوزخ کا عذاب کم ہو گا اور تمام بدترین میں جو نیک تھے تم اُن کی اولاد ہونے میں فخر سمجھتے ہو تو خوب خیال کر لو کہ خدا کی نافرمانی میں چھوٹا ہونا یا اُس کے عذاب میں خفت ہونا یا آسانی ہونا نہیں ہے۔ اور نہ اشرار کو اخیار میں سے کہہ سکتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو جب وہ خدا پر ایمان لایا ہے یہ نہ چاہیئے کہ وہ اہل نار پر فخر کرے۔ قریب ہے کہ تم جاؤ گے اور جانو گے اور

قریب ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کئے وہ جانیں گے کہ کس کروٹ پر الٹے پلٹے جائیں گے اور دوسرا فخر جو تم نے کیا ہے کہ تم فاطمہ جناب علی مرتضیٰ کی والدہ کی اولاد میں ہو اور ہاشم نے تم کو دوبارہ پیدا کیا ہے اور حضورؐ سرورِ عالم نے تم کو دو بار پیدا کیا ہے یعنی ان سے تمہارے دوہرے رشتے ہیں ان پر تم فخر کرتے ہو حالانکہ حضور سرورِ عالم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کو جناب ہاشم سے اکہرا رشتہ ہے اور علی ہذا جناب عبدالمطلب سے اگر یہ کوئی فضیلت ہوئی تو حضور کو حاصل ہوتی۔

کیا تم اس وجہ سے حضورؐ پر فخر حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمام نے یہ خیال کیا ہے کہ تم تمام سادات بنی ہاشم میں نسبًا افضل ہو اور نجیب الطرفین ہو اور تم میں کسی عجمی کا میل نہیں ہے اور نہ کسی جاریہ کا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم حد سے گزر گئے کہ تمام ہاشمیوں کو اپنے آپ کو افضل کہتے ہو۔ دیکھو نہایت شرم کی بات ہے کل خدا کو کیا جواب دو گے۔ تم بالکل آپے سے باہر ہو گئے اور اسی ذات پر فخر کرنے لگے کہ جو بحیثیت ذاتی فضیلت اور بحیثیت پدری فضیلت اور بحیثیت فضیلت دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے وہ کون ہے وہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود حضور سرورِ عالمؐ۔ کیا تم اپنے آپ کو ان سے افضل خیال کرتے ہو۔ دیکھو جناب علی مرتضیٰ کی اولاد میں جس قدر اہلِ فضل اور امام ہوئے وہ سب اُمہات کی اولاد ہیں۔ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم میں حضرت امام زین العابدین سے بڑھ کر کوئی نہیں پیدا ہوا وہ جاریہ کی اولاد میں سے ہیں اور وہ تمہارے دادا حسن مثنیٰ سے بہتر ہیں اور آپ کے بعد جناب امام محمد باقر ہوئے ان کی دادی ام ولد ہیں وہ تمہارے باپ سے ہر طرح افضل تھے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادق ان کی دادی بھی ام ولد تھیں وہ تم سے ہر طرح افضل ہیں تمہاری فضیلت کا اُن کے مقابلہ میں کسی نے اقرار نہیں کیا۔ پھر تم اپنے منہ آپ ہی اپنی فضیلت پر بے جا فخر کرتے ہو اور

تم اس خیال میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں"۔

تمہارے اس خیال کو اللہ نے ہی مردود کر دیا۔ باقی تم حضورؐ کی بیٹی کے بیٹے ہو، یہ بے شک قرابت قریبہ ہے۔ لیکن بیٹی کی اولاد وارث نہیں ہوتی اور نہ اس کو ولایت و امامت حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر تم اس رشتہ سے کس طرح حضورؐ کے وارث ہو سکتے ہو اور کس طرح امام ہو سکتے ہو۔ اور تم تو کیا تمہارے جد امجد جناب علی علیہ السلام نے ہر پہلو سے اس کی کوشش کی اور حضرت سیدہ کو اس دعوت کے لئے باہر لائے اور ان کی بیماری کی اطلاع نہیں کی اور خفیہ طریقے سے ان کو دفن کیا۔ باوجود ان باتوں کے لوگوں نے ان کو منتخب نہیں کیا اور شیخین کو امام بنایا اور انہی کی فضیلت کو تسلیم کیا۔

اور یہ مسئلہ تم جانتے ہو اور یہ ایسی سنت ہے کہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے اور یہ سب مسلمانوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ نانا اور ماموں اور خالہ کو وراثت نہیں پہنچتی۔ پھر تم کو ننھیال کی وراثت کیسے پہنچ سکتی ہے اور یہ جو تم فخر کرتے ہو کہ تم حضرت علی مرتضیٰؓ کی اولاد میں ہو جو سابقین اور اولین میں تھے۔ اچھا بتاؤ کہ ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کیوں دوسرے شخص کو امامت پر مقرر کیا اور ان کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر لوگ یکے بعد دیگرے امام بناتے رہے ان کو کسی نے امام نہ بنایا اور جب یہ امرِ خلافت چھ آدمیوں میں منحصر ہوا تو سب نے ان کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کو امام بنا دیا اور اس کے متعلق کوئی حق ان کا نہیں سمجھا گیا اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ پر ان کو فوقیت نہ دی۔ آخر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو لوگوں نے اس خون کی تہمت ان پر لگائی اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان سے جنگ کی اور حضرت سعد بن وقاص نے ان سے بیعت نہیں کی اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے

اور بعد میں امیر معاویۃؓ سے بیعت کر لی۔ پھر انھوں نے ہر طرح خلافت کی کوشش کی اور بہتیری لڑائیاں لڑیں یہاں تک کہ خود اُن کے اصحاب میں تفرقہ پڑ گیا اور جب حکم مقرر کئے تو خود اُن کے شیعوں نے اُن کی امامت میں شک کیا۔ کیونکہ امام برحق پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ پھر کیوں انھوں نے اس پر معاہدہ کر لیا اور کیوں اقرار کر لیا۔ آخر جو حکم مقرر ہوئے تھے ان دونوں نے ان کو خلافت سے علیحدہ کر دیا۔ پھر آپ کے بعد امام حسنؓ خلیفہ ہوئے انھوں نے امیر معاویۃؓ سے بیعت کر لی اور کچھ دراہم اور کپڑوں پر اکتفا کر کے خلافت کو چھوڑ کر ملکِ حجاز تشریف لے گئے اور سب شیعوں کو امیر معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور خلافت کو جو اُن کے اہل نہیں تھے سپرد کر دی اور بلا استحقاق مال لے لیا۔

پس اگر تمہارا اس میں کچھ حق تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے۔ بعد ازاں تمہارے عمِ بزرگوار حضرت امام حسینؓ نے ظہور فرمایا اور ابن مرجانہ کا مقابلہ کیا اور تمام لوگ ابن مرجانہ کی طرف سے ان کے مقابلہ کے لئے آ گئے اور ان کو شہید کر دیا اور آپ کا سر مبارک یزید کے پاس لے گئے۔ بعد ازاں تم لوگ ہمیشہ بنی اُمیہ پر خروج کرتے رہے اور وہ لوگ تم کو شہید کرتے رہے اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سُولیاں دیتے رہے اور آگ میں جلاتے رہے اور تم کو شہر بدر کرتے رہے یہاں تک کہ یحییٰ بن زید بن حسین خراسان میں شہید کئے گئے اور خاندان کے بہت لوگ کام آئے۔ تمہاری لڑکیوں اور بیبیوں کو برہنہ اونٹوں پر مثل قیدیوں کے بٹھا کر ملک شام لے گئے۔ ان مصائب میں تم لوگ مُبتلا تھے، یہاں تک کہ ہم بنی عباس ظاہر ہوئے اور ہم نے تمہارے خونوں کا بدلہ لیا اور ہم نے ان کی زمین کا تم کو مالک کر دیا۔ اور ہم نے تمہارے بزرگوں کے خصوصاً حضرت علیؓ مرتضیٰ کے فضائل بیان کئے۔

پس اس کو تم حجت پکڑتے ہو اور تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے جو اُن کی فضیلت بیان کی ہے تو کیا ہم نے اُن کو حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت

جعفرؓ پر فضیلت دے دی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ خود اُن کے بزرگ تھے اور یہ لوگ دنیا سے صحیح سلامت گزر گئے اور حضرت علیؓ ان جنگوں میں پڑے جن میں مسلمانوں کی خون ریزی ہوئی۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ زمانۂ جاہلیت میں "سقایہ" اور "زمزم" کے متولی حضرت عباس تھے نہ کہ ابوطالب، حضرت عمرؓ کی عدالت میں تمہارے باپ نے اس کا مقدمہ بھی پیش کیا لیکن فیصلہ ہمارے حق میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی اُس وقت اُن کے اعمام میں سے سوائے عباس کے اور کوئی زندہ نہ تھا اس لئے کل اولاد عبدالمطلب میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وہی ہیں۔

پھر بنی ہاشم میں سے بہت سے لوگ خلافت حاصل کرنے کے لئے اُٹھے لیکن بنی عباس ہی نے اس کو حاصل کیا لہٰذا قدیم استحقاق اور جدید کامیابی حضرت عباس اور ان کی اولاد ہی کے حصہ میں آئی۔

بدر کی لڑائی میں تمہارے چچا ابوطالب اور عقیل کی وجہ سے مجبوراً حضرت عباس کو ہی آنا پڑا اور وہ دونوں بھوکے مرجاتے یا عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے۔ ہمارے ہی باپ کی بدولت اس ننگ و عار سے بچے، نیز آغاز اسلام میں قحط کے زمانے میں حضرت عباس ہی نے ابوطالب کی مدد کی۔ تمہارے چچا عقیل کا فدیہ بھی بدر میں انہوں نے ہی ادا کیا۔

الغرض جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہمارے احسانات تمہارے اوپر ہیں۔ ہمارے باپ نے تمہارے باپ پر احسان کئے اور ہم نے تمہارے اوپر اور جن رتبوں پر تم خود اپنے آپ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ان پر ہم نے تم کو پہنچایا اور جو انتقام تم خود نہیں لے سکتے تھے وہ ہم نے لے لئے۔" والسلام [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۰۱ و ناسخ التواریخ جلد ۵ ص ۳۲۵

قیامِ حکمرانی

ہر دو کی اس خط و کتابت کے بعد جس میں سوائے فخر و مباہات اور اظہارِ عیوب کے اور کچھ نہ تھا۔ ایک اقتدار جیا رہا تھا دوسرے نے اُس کی قوت سے کے توڑنے کے اسباب پیدا کئے۔ حضرت نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی جانب سے عثمان بن محمد کو عہدۂ قضاء پر، عبدالعزیز مخزومی کو اسلحہ خانہ پر، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے عثمان بن عبید اللہ کو محکمۂ پولیس کی افسری پر مامور فرمایا۔

مدینہ منورہ کے انتظام سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں کے رؤسائے شہر میں عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے ابوسلم بن عبید اللہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پوتے حبیب بن ثابت اور چند دیگر اعیان کے سوا کسی نے اُن کی رفاقت سے تخلف نہ کیا۔ محمد نے اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر کو بھی بیعت لینے کے لئے طلب کیا۔ وہ معمر بزرگ تھے اُنھوں نے کہلا بھیجا۔

"اے برادر زادہ! میں تمہاری بیعت نہیں کر سکتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بے نیل و مرام نہنگِ اجل کا شکار ہو جاؤ گے"۔

بنو معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے محمد مہدی نفسِ ذکیہ کی بیعت کر لی آپ نے ان کو مکہ معظمہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

قاسم بن اسحاق کو یمن کی حکومت عطا کی اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام کی گورنری پر متعین کیا۔ غرضیکہ تھوڑے سے عرصہ میں حضرت نفسِ ذکیہ نے اپنی خلافت کا ڈول ڈال لیا۔ منصور کو یہ خبریں لگ رہی تھیں۔ وہ فکرمند ہو گیا۔

عساکرِ منصور کی روانگی

منصور نے اپنے برادر زادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو محمد نفسِ ذکیہ کے مقابلہ کے لئے فوج جرار کے ساتھ جس میں چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل تھے۔ عیسیٰ کے عقب میں محمد بن قحطبہ

---

[1] مسعودی جلد ۶ صد ۱۹۱

کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مدد کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ روانگی کے وقت منصور نے ہدایت کی کہ اگر تم محمد المہدی کو مغلوب و منہزم کر لو تو اپنی تلوار کو نیام میں کر کے اُسے پناہ دینا اور اگر روپوش ہو جائے تو مدینہ منورہ کے ارباب حل وعقد کو گرفتار کر لینا۔ کیونکہ وہ محمد کی نقل وحرکت اور اُس کے دُوسرے حالات سے بخوبی واقف ہیں اور آلِ ابو طالب میں سے جو کوئی اگر تم سے ملاقات کرے اس کا نام میرے پاس لکھ بھیجنا اور کوئی مُلاقات سے احتراز کرے تو اس کا مال واسباب ضبط کر لینا۔[1]

عیسیٰ ۱۲ ر رمضان ۱۴۵ھ کو جرف میں اُترا اور اطرافِ مدینہ میں فوج پھیلادی اس کی خبریں اہلِ مدینہ کو پہنچیں۔

رزم وپیکار

چنانچہ محمد مہدی ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ بہت سے لوگ اہلِ مدینہ رنگ دیکھ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ غرضیکہ ہر دو کی جنگی صفوف میدان میں جم گئیں۔ ابوغلمش نفسِ ذکیہؒ کی طرف سے نکلے۔ عیسیٰ کی طرف سے اسد کا بھائی نکلا جو مقابلہ میں کام آیا۔ پھر دوسرا شخص نکلا۔ اس کا بھی ابوغلمش نے کام تمام کر دیا اور جوشِ مردانگی میں آ کر کہنے لگا۔ "انا ابن الفاروق" حضرت نفسِ ذکیہؒ نے بھی اس معرکہ میں خوب دادِ مردانگی دی۔ آخرش ہر دو فوجیں برسرِ پیکار ہوگئیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ایک شخص نے نفسِ ذکیہؒ کو پیچھے سے نیزہ مارا۔ آپ صدمۂ زخم سے نیچے کی طرف جھکے۔ حمید بن قحطبہ" ملقب آلِ رسول"، نے سینہ پر ایک بھالا مارا جس سے اُن کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کا سر کاٹ لیا گیا اور خلیفہ منصور کے پاس بھیج دیا۔ بشارت نامہ فتح لے کر جانے والا ایک فاطمی قاسم بن زید ابن زید بن امام حسن مثنیٰ بن امیر المؤمنین علی مرتضیٰ تھا۔ حضرت نفسِ ذکیہ محمد مہدی کے ساتھ مشاہیر بنو ہاشم

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۴ ؎۲ ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۰۲

میں سے محمد کا بھائی موسیٰ بن عبداللہ، امام محمد باقر کے پوتے حمزہ بن عبداللہ امام زید شہید بن امام زین العابدین کے دو بیٹے حسین اور علی شامل تھے۔[1]

اس واقعہ سے عالمِ اسلام میں کہرام مچ گیا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو نفس زکیہ کی مرگ پر سوگوار نہ ہوا۔

امام مالک بن انس پر ظلم و جور منصور نے اپنے عم زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی کو تجدیدِ بیعت کے لئے مدینہ منورہ بھیجا۔ جعفر نے اہلِ مدینہ پر ظلم و ستم سے دل کی بھڑاس نکالی۔ ایک شخص نے اس سے امام مالک کے فتویٰ کا ذکر کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ مالک کو سخت ذلت کے ساتھ دارالامارہ میں حاضر کیا جائے

سرکاری پیادوں نے امام کی رفعتِ شان کو بالائے طاق رکھ کر دارالامارہ میں لا حاضر کیا۔ جعفر نے آپ کو ستر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ کوڑوں کی ضرب سے جسمِ اطہر مجروح ہو گیا۔ آپ افتاں و خیزاں اپنے کاشانۂ زہد میں پہنچے اور درد ضرب سے مہینوں کے لئے صاحبِ فراش ہو گئے۔ منصور کو اس ظالمانہ واقعہ کی خبر لگی اس کو قلق ہوا اور اُس نے جعفر کو معزول کر دیا۔ امام کو لکھا کہ آپ از راہِ کرم دارالخلافہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ نے عذرات لکھ بھیجے۔ خلیفہ نے امام کو اطلاع دی کہ چند ماہ بعد میں خود حج کے لئے آرہا ہوں اور آپ سے ملوں گا۔

امام مالک موسمِ حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور خلیفہ سے منیٰ میں ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت اکرام سے پیش آیا اور مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے الفاظ جو منصور کے منہ سے نکلے یہ تھے :-

"میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ جعفر نے جو حرکت کی وہ نہ میرے حکم سے کی اور نہ مجھے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ ؛

اس کا علم تھا بلکہ اس حادثہ نے میرے دل کو بہت بری طرح سے ٹھیس لگائی۔"

امام نے فرمایا۔

"امیر المومنین میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھنے کی خاطر اور نیز آپ کا عزیز و یگانہ ہونے کی وجہ سے معاف کیا"۔

منصور نے حضرت امام کے استرضائے خاطر کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا[1] اور کہا کہ میں مہدی ولی عہد کو آپ کی خدمت میں تحصیلِ حدیث کے لئے بھیج دوں گا اس نے امام کی خدمت میں زرِ نقد پیش کیا اور بکمال احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

ابراہیم بن عبداللہ حسنی کا ظہور

ابراہیم آغاز ۱۴۵ھ میں اپنے بھائی محمد نفس ذکیہ کے ظہور سے کچھ پہلے بغداد وغیرہ سے ہوتے ہوئے وارد بصرہ ہوئے۔ یحییٰ بن زیاد نے انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا۔ ان کی جانب رجوعات کثرت سے ہونے لگی۔ ابراہیم نے لوگوں سے اپنے بھائی نفسِ ذکیہ کی بیعت لینی شروع کی۔ مبائعین کی تعداد چار ہزار ہو گی۔ نفسِ ذکیہ نے اپنے ظہور کے متعلق ابراہیم سے کہہ دیا تھا کہ جب اظہارِ دعوتِ خلافت کا کروں تو تم بھی بصرہ سے خروج کرنا۔

چنانچہ یکم رمضان ۱۴۵ھ کو ابراہیم نے ظہورِ نفسِ ذکیہ کا اعلانِ عام کیا۔ جامع مسجد میں نمازِ صبح ادا کی۔ پھر دارالامارہ پہنچے۔ عاملِ منصور سفیان بن معاویہ نامی کو قید کر کے مجلس میں بھیج دیا اور جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی عباسی چھ سو کی جمعیت سے سفیان کی معاونت کے لئے آئے ان کو ہوا خواہانِ ابراہیم نے پسپا کر دیا۔ اس کے بعد بصرہ پر ابراہیم کی حکمرانی شروع ہو گئی۔ انہوں نے بصرہ کے خزانوں سے بیس لاکھ درہم قبضہ میں کئے اور اپنے تابع مغیرہ کو مع فوج کے

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸

اہواز بھیجا جہاں منصور کی طرف سے محمد بن حصین نے چار ہزار جمعیت سے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ مغیرہ اہواز پر قابض ہو گیا۔ اہلِ بصرہ میں مرہ عیسیٰ، عبدالواحد ابن زیاد، عمرو بن سلمہ عمائدِ بصرہ ابراہیم کے معین و مددگار تھے۔ ابراہیم نے عمرو بن شداد کو فارس کی ترکتاز کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اسمٰعیل و عبداللہ عاملانِ فارس یلغار دیکھ کر دارالبجرد میں قلعہ بند ہو گئے۔ عمرو نے فارس اور اطرافِ فارس پر اپنی فتح اور کامرانی کا پھریرہ اڑایا۔ ہارون بن شمس عجلی کو سترہ ہزار فوج کے ساتھ واسط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

امام ابراہیم نے ایک مہینہ کی مدت میں خلافتِ بنی عباس کا بہت بڑا علاقہ قبضہ میں کر لیا کہ یکایک نفسِ ذکیہ کے قتل کی خبر آئی۔ ابراہیم نے عیدالفطر کے دن نماز کے بعد لوگوں کو اس جگر شگاف واقع سے مطلع کیا[1]۔ فوج اور عامۃ المسلمین کے جذبات منصور کے خلاف اور زیادہ برانگیختہ ہو گئے۔ عید کے دوسرے روز ابراہیم نے فوج کو مرتب و منظم کیا۔

امام ابراہیم شجاعت و اولوالعزمی کے ساتھ بڑے عالم متجر اور مقتدائے انام تھے۔ ان کے دعوائے خلافت کے ساتھ ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اعانت

امام اعظمؒ سفاح اور منصور کی سفاکیاں خود دیکھ رہے تھے اور ان کو اطلاعات پہنچ رہی تھیں اس لئے آپ نے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ عباسی فرمانروا منصبِ خلافت کے لئے شایاں نہیں۔ زید شہید کی عون و نصرت کا سِرّاً فتویٰ بھی دے چکے تھے۔ ابراہیم کی خبر پہنچی تو آپ نے ان کی تائید کی[2] جس کا اثر یہ ہوا کہ ابراہیم کے جھنڈے تلے کم و بیش ایک لاکھ آدمی جان سپاری و جاں نثاری کے لئے تیار ہو گئے۔

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۵ ص ۲۳۸

خلیفہ منصور کو ابراہیم کی غیر معمولی کامیابی کا علم ہُوا تو اُس کے حواس جاتے رہے۔ اُس نے مدینہ سے عیسیٰ کو، مسلم بن قتیبہ کو "رے" سے اور سالم کو ابراہیم کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اپنے بیٹے مہدی کو بھی بھیجا۔ خود پچاس دن تک مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و دُعا میں مصروف رہا۔ اس مدت میں لباس تک نہ بدلا[1]۔ غرضیکہ چاروں طرف سے ابراہیم کے مقابلہ میں لشکر پہنچ گئے اور ابراہیم گھر گئے۔ انہوں نے دادِ شجاعت دی اور بہادری کا مظاہرہ دکھایا۔ مگر وقت پر "محبانِ اہلِ بیت" ساکنانِ کوفہ نے ان کا بھی ساتھ چھوڑا۔ آخرش ابراہیم لڑتے ہُوئے تیر سے زخمی ہُوئے، گھوڑے سے گر پڑے۔ ان کا سر اُتار کر عیسیٰ عباسی کے روبرو لایا گیا۔ پھر وہ سر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۴۸ سال کی تھی[2]۔ منصور نے ابراہیم کا سر دیکھا تو اشک بار ہو گیا اور کہنے لگا۔ واللہ! میں اس قضیہ کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا لیکن بدنصیبی سے ہم اور تم مُبتلا ہو گئے[3]۔

اس کے بعد عام دربار منعقد کیا گیا۔ کارگذاروں کو انعام و اکرام دیئے گئے نفسِ ذکیہ اور ابراہیم نے اپنے چند روزہ عروج میں کمال شجاعت و اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ دونوں بھائی نہایت شجاع قوی بازو اور فنِ حرب کے ماہر تھے۔ گو اُن کا ظہور شہابِ ثاقب کا حکم رکھتا تھا جو چمکا اور چمک کر غائب ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر دو بزرگ جملہ محاسنِ اخلاق کے پیکرِ مجسم تھے۔ ان کے مقابلہ میں منصور کے اندر کچھ خامیاں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ جیسی جلیل القدر ائمۂ اسلام ان ہر دو بھائیوں کے معاون تھے اور انہوں نے ان کی تائید و نصرت کا فتویٰ دیا تھا۔ کیونکہ یہ ہر دو ائمہ ایسی خلافت کے متمنی

---

[1] ابوالفداء جلد ۲ صـ ۲۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ صـ ۱۹۴۔

[3] ابن خلدون جلد ۳ صـ ۱۹۶

تھے جو منہاجِ نبوت پر قائم ہوتی جس کا نمونہ خلافتِ راشدہ تھی۔ امام مالکؒ کے ساتھ جو کچھ عمل ہوا وہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ امام اعظمؒ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

برادرانِ نفسِ ذکیہ کا قتل و قید ہونا

نفسِ ذکیہ اور ابراہیم کے دوسرے بھائی دعوتِ خلافتِ نفسِ ذکیہ کے سلسلہ سے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ علی بن محمد مصر میں، عبداللہ بن محمد خراسان میں اور سندھ میں، حسن بن محمد یمن میں، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں، یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان میں، ادریس بن عبداللہ مغرب میں منصور نے ان میں سے بعضوں کو گرفتار کر کے قید اور بعضوں کو قتل کرا دیا۔[1]

ادریس نے مغرب میں حکومتِ ادریسیہ کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر ہم "خلافتِ ہسپانیہ" میں کر چکے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ

امام اعظمؒ کے علوم رتبہ سے منصور خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ آپ قصرِ شریعت کے زبردست ستون ہیں۔ کیونکہ خود منصور بلند پایہ عالم تھا۔ مگر امام سے اس کو خلش ضرور تھی۔ ۱۴۶ھ میں منصور نے امام اعظم کو جن کے علم و اجتہاد اور تقویٰ و ورع کی شہرت اطرافِ عالم میں تھی، قاضی القضاۃ بنانا تجویز کیا۔ چنانچہ طلبی پر آپ دار الخلافہ آئے۔ آپ سے منصبِ قضا قبول کرنے کے لئے کہا گیا لیکن آپ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ منصور نے قسم کھا کر کہا۔

"آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔"

امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ "میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔"

امام صاحب کی اس جرأت پر سارا دربار محوِ حیرت رہ گیا۔ ربیع بن یونس

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۶ صہ ۱۹۳

حاجب دربار نے آپ سے کہا نہایت افسوس ہے کہ آپ امیرالمؤمنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ امیرالمؤمنین کے لئے قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔

خلیفہ نے آپ کے قید کئے جانے کا حکم دیا [۱]

ابن خلدون کا بیان ہے :-

"امام کے لئے منصور نے یہ سزا تجویز کی کہ وہ (بغداد) کی تعمیر کے سلسلہ میں اینٹوں اور چونے وغیرہ کا اہتمام کریں"۔ [۲]

قیام مجلس ہی میں تھا کہ کچھ دن بعد قید خانہ سے طلب کر کے قبول منصب کے لئے دوبارہ بلاکر سختی کی۔ آپ نے حسب سابق انکار کیا۔ آپ کو مکرر قید خانہ بھیج دیا گیا۔ پھر طلب کئے گئے اور تیس ہزار درہم دینا چاہے۔ آپ نے رقم لینے سے انکار کیا۔ آپ کو پھر زندانِ بلا میں محبوس کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ علم وعرفان کا یہ نیّرِ اعظم سجن ہی میں رحمتِ الٰہی کے شفق میں غروب ہو گیا [۳]

بغداد کی بنا و تاسیس

بغداد کی جگہ کا انتخاب منصور کی فطری ذہانت کا نتیجہ تھا۔ دجلہ و فرات اس کے قریب تھے جس کی وجہ سے بصرہ، واسط، شام، مصر، آذربائیجان، دیارِ بکر اور ہندوستان سے بآسانی تجارت ہو سکتی تھی۔

اس جگہ کی آب و ہوا نہایت معتدل تھی۔ ملکی مصلحتوں کی بنا پر بھی یہ جگہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں لاجواب تھی۔

منصور نے یہاں کی کل اراضی خرید لی۔ اس کے بعد تعمیرِ بغداد کے لئے شام،

---

[۱] تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۳۶۵ [۲] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۱۹۶
[۳] تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۳۶۴ وفیات الاعیان جلد ۲ صہ ۱۶۳

موصل، کوفہ، واسطہ، بصرہ وغیرہ سے مشہور صناع اور کاریگر بلائے گئے[1]۔

علماء میں امام ابو حنیفہ، حجاج بن ارطاۃ اور دیگر فقہا، و مہندس وغیرہ مدعو کئے گئے۔ خالد برمکی، ابراہیم فزاری و علی بن عیسیٰ منجمین نے زائچہ دیکھا۔

۱۴۵ھ میں خلیفہ منصور نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ کہتے ہوئے سنگ بنیاد رکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْاَرْضُ ـــــ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

شہر بغداد کی بنیاد مدور ڈالی گئی۔ شہر پناہ کے عین وسط میں ایک اور دائرہ دیوار کا قائم کیا تھا۔ اس کے وسط میں ایوان شاہی تعمیر کئے گئے۔ شہر پناہ کے چار دروازے رکھے گئے۔ ہر دروازے کے درمیان میں ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اسی طرح اندر کے حلقہ کے چار دروازے تھے۔ ہر دروازے پر لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک نصب کئے گئے۔ جامع مسجد محل کے قریب بنائی گئی۔ منصور نے شہر کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا۔ ہر محلہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس حمام تھا۔ دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں مسجدوں تک پہنچائی تھیں اور نہروں پر ایک سو پچیس پل تھے۔ نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں رکھی جاتیں۔ کل عمارت پر چار کروڑ آٹھ لاکھ تین درہم صرف ہوئے تھے۔

ابن اثیر میں ہے کہ سڑکیں چالیس چالیس ہاتھ چوڑی تھیں۔ پچاس ہزار کاریگر اور مزدور کام میں لگے ہوئے تھے[2]۔

بغداد، دجلہ کے مغربی جانب تھا۔ ولی عہد کے لئے ۱۵۱ھ میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک اور شہر "رصافہ" کے نام سے آباد کیا[3]۔

ایوانِ شاہی کے علاوہ قصر الخلد، قصر الذہب، قبۃ الخضرا، جامع مسجد اور بے نظیر

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی صـ ۲۳۳ [2] مروج الذہب مسعودی و معجم البلدان جلد ۲ صـ ۲۳۳

[3] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۲۲۲

عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ سنہ ۱۴۱ھ میں تعمیر کا کام ختم ہوا اور بجائے بغداد کے مدینۃ الاسلام نام رکھا گیا۔

خوارج کی شوریدہ سری بنو امیہ کے زوال کے ساتھ خوارج کی ایسی ہوا بگڑی کہ تا زمانِ ظہورِ دولتِ عباسیہ کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۳۷ھ میں ملبد شیبانی خارجی نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ حمید بن قحطبہ عاملِ جزیرہ سرکوبی کو پہنچا۔ وہ شکست یاب ہوا تو حازم بن خزیمہ نے مقابل ہو کر اس کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ سنہ ۱۳۸ھ میں حسام ہمدانی نے موصل میں سر اُٹھایا۔ عساکر عباسی نے اس کی بھی ایسی سرکوبی کی کہ بقیۃ السیف نے خلیفہ کی بارگاہ میں آکر عفو و بخشش چاہی۔

قیصرِ روم کی یورش آخری خلفائے بنو مروان کے دورِ حکومت سے لے کر عباسیوں کے ابتدائی سنین خلافت تک قلمرو اسلامی خانہ جنگیوں کا آماجگاہ تھا۔ اغیار نے موقعہ دیکھ کر ہاتھ پیر نکالے۔ سنہ ۱۳۲ھ میں سفاح کی تخت نشینی کے دوسرے سال قیصر قسطنطین (شاہ روم) نے قلعہ کمخ اور ملطیہ پر چڑھائی کر دی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کو مسمار کر دیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

اس کے بعد قیصر روم نے سنہ ۱۳۷ھ میں آگے قدم بڑھائے۔ خلیفہ نے عباس بن محمد کو گورنر جزیرہ انطاکیہ کو رومیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ صالح اور عیسیٰ بھی گئے۔ عباس نہایت بہادری سے لڑا اور قیصرِ روم کو مار بھگایا۔ سنہ ۱۳۶ھ میں عباس نے ملطیہ کو دوبارہ تعمیر و آباد کیا اور ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ قیصر کی حربی قوت توڑنے کے لئے عباس نے رومیوں پر حملے کئے اور اکثر بلادِ رومیہ کو تہ و بالا کر کے واپس آیا۔ اسی سال جعفر بن حنظلہ مہرانی نے بھی رومیوں کی سرکوبی کی۔ سنہ ۱۴۹ھ میں زفر بن عاصم نے بلادِ روم پر فوج کشی کی۔ آخر سنہ ۱۵۵ھ میں قیصر نے خلیفہ منصور سے مصالحت کی درخواست کی۔ بالآخر ایک معاہدہ ہوا جس کی رُو سے قیصر نے خلیفہ کو

ہر سال ایک رقم خطیر ادا کرنے کا اقرار کر کے نجات پائی۔[1]

مدعیٔ نبوت کی فتنہ انگیزی ۱۵۰ھ میں اطرافِ خراسان سے استاد سیس نمودار ہوا۔ اس نے دعوائے نبوت کر کے بادغیش اور سجستانیوں کو اپنا متبع کر لیا۔ تین ہزار جنگ آور اس کے آس پاس آ کر جمع ہو گئے۔ گورنر "مرورذ" نے سرکوبی کرنی چاہی مگر وہ استاذ کی قوت کی تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ منصور نے حازم بن خزیمہ کو استاذ کی گوشمالی کو بھیجا۔ اُس نے آتے ہی اپنی عسکری طاقت سے ان کی فوجی سرگرمی کا خاتمہ ہی کر دیا۔ وہ "سیس" کی جانب فرار ہو گیا۔ اس کے پس ماندہ گرفتار ہوئے اور اُس کے ہزاروں ساتھی مارے گئے۔ اس طرح یہ فتنہ اسطور سے بالکل ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے خلیفہ نے تمام خرخشوں سے نجات پا کر پورے اطمینانِ خاطر کے ساتھ اپنی عنانِ توجہ دینی خدمات اور علمی مہمات کی طرف لگا دی۔

ولی عہد شاہزادہ مہدی کو ولی عہد قرار دیا اور عیسٰی کو مہدی کا ولیعہد مقرر کیا۔[2]

منصور کی وفات منصور نے بائیس سال پرشکوہ سلطنت و فرمانروائی کی۔ ۱۵۸ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ ولی عہد کو چلتے ہوئے کچھ وصیتیں کیں۔ کوفہ پہنچے۔ حج عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں پر نشان لگا کر اُن کو آگے روانہ کیا۔ کوفہ سے دو منزل پر درد اُٹھا۔ بیر معونہ پہنچے۔ ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

منصور کا نظامِ مملکت

مروانیوں میں عبدالملک جس پایہ کا فرمانروا تھا اُس کے ہی مانند منصور عباسی

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۸۲ و ابن خلدون جلد ۳ صہ ۲۰۳

بھی تھا۔ عبدالملک نے جس طرح دولتِ اُمویہ کی بُنیادیں مضبوط کیں اسی طرح حکومتِ بنی عباس کو مستحکم کرنے والا منصور تھا۔

منصور کا عہد فتوحاتِ ملکی میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی عمر کا بڑا حصہ خانہ جنگی میں گزرا۔ اس کے سوا کچھ حصہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ چنانچہ سفاح اور منصور کے عہد میں اندلس اور افریقہ کا کچھ حصہ دولتِ عباسیہ سے جُدا ہو گیا۔

دولتِ مروانیہ کے بانی مبانی امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظامِ سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس کی جگہ موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی گئی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ منصور کے چچا داؤد بن علی نے سفاح کی پہلی تقریر کے بعد جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا۔

"ہم ذمہ خدا اور رسولؐ اور حضرت عباسؓ کا دیتے ہیں کہ سنت رسول اللہ پر عمل کریں گے" [۱]

مگر نہ تو سفاح نے اس پر عمل کیا اور نہ منصور نے بلکہ منصور نے نظامِ حکومت آلِ ساسان کے دستورِ حکومت کے مطابق قائم کیا۔ ابومسلم خراسانی کی کارفرمائی کو اس میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد خالد برمکی کی۔ کیونکہ سفاح اور منصور نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و اقتدار بڑھا دیا تھا۔ اس سے قدرتی طور پر حکومت کے نظم و نسق پر ایرانی نظریئے کارفرما تھے۔

عباسی خلیفہ منصور کا یہ خیال تھا کہ ان کو فرمانروائی کا حق خدا کی جانب سے عطا ہوا ہے قوم کا عطا کردہ نہیں ہے۔ منصور نے ایک موقعہ پر کہا تھا۔

"مَیں دنیا میں خدا کی طرف سے فرمانروا ہوں"

یہ نظریۂ حکومت خلافتِ راشدہ کے نظریہ سے مختلف تھا۔ خلفائے راشدین کا

---

[۱] طبری جلد ۹ صد ۱۲۵

نظریہ یہ تھا کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے۔[1]

منصور نے ساسانی فرمانرواؤں کے جاہ و جبروت کے لوازمات کی بنیاد اپنے عہد میں ڈال دی تھی جس کی تکمیل ان کے پوتے پر پوتوں نے کی۔

منصور خود مختارانہ حکمران تھا مگر بنی امیہ کی تقلید میں حاجب کے تقرر کے علاوہ ایک نئے عہدہ کا اضافہ کیا جو ساسانی دستورِ حکومت کے مطابق تھا۔ عباسیوں کا پہلا وزیر "ابوسلمہ خلال" تھا جو "وزیر آلِ محمدؐ" کے نام سے معروف و مشہور تھا اس کے بعد ابوجہم مقرر ہوا۔ یہ دولتِ عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔ ابوجہم کے بعد سفاح نے خالد بن برمک کو اس منصبِ جلیل پر فائز کیا

منصور نے خالد کے بعد ابوایوب ماریانی کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر مامور کیا۔ پھر ربیع بن یونس کا انتخاب عمل میں آیا۔

ربیع، سنجیدہ کار، بیدار مغز، صاحبِ فہم و فراست سیاستدان حکومت کا اہل، پاکیزہ سیرت، نیک کردار، شریف فطرت، ریاضی کا ماہر اور سلاطین کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔

منصور کی خود اعتمادی نے اگرچہ وزارت کی اہمیت کا خاتمہ کر دیا تھا اس کے باوجود منصور ہمیشہ مہماتِ مملکت میں وزراء سے مشورہ ضرور لیا کرتا۔ گو اس کی شاہانہ ہیبت اور استبداد کے سامنے وزراء کی کوئی حقیقت نہ تھی اور نہ وہ ہمیشہ اس سے تھرتھراتے رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ منصور کے وزراء کے چہروں پر اطمینان اور خوشی کے احساسات کبھی کسی نے نہیں دیکھے۔[2]

دارالخلافہ منصور نے حکومت کا محور و مرکز بغداد کو قرار دیا تھا وہ یہیں سے تمام مملکت پر فرماں روائی کرتا تھا۔ عہدِ اموی کے گورنر حجاج بن یوسف اور زیاد بن ربیعہ کی طرح منصور کے گورنر

---

[1] مسلمانوں کا نظامِ مملکت ص...

نظریہ یہ تھا کہ قوم نے انھیں فرمانروائی کا حق دیا ہے[1]
مگر وہ سب اُس کی مرضی کے تابع تھے جہاں چاہتا ان کو بھیج دیتا اور جہاں سے چاہتا ہٹا دیتا۔ ہر گورنر پر اس کی ہیبت طاری تھی۔ گورنروں کے اختیارات و فرائض فوج کی قیادت، عدالت اور نماز میں امامت تک محدود تھے۔ اگرچہ گورنری کا عہدہ سب سے بڑا تھا۔ اس کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ وہ اپنے صوبہ میں عدالت، مالیات، فوج، پولیس کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور امامت نماز اس کا اہم فریضہ تھا۔ دیگر منصب افسر مالیات، افسر برید اور قاضی تھے۔ پہلے پہل قاضی القضاۃ کا عہدہ منصور نے قائم کیا جس پر امام ابوحنیفہ کو مقرر کرنا چاہا۔

ملکی نظام منصور نے جس وقت عنانِ خلافت ہاتھ میں لی اس وقت تک صُوبوں کے حکام کی وہی قدیم عادت جاری تھی کہ اپنے صوبوں پر اُن کا پُورا پورا حاکمانہ تصرف تھا۔ قوتِ عسکریہ اور خزانۂ مملکت کو جس طرح چاہتے اپنی مرضی کے مطابق کام میں لاتے تھے۔ قدیم سے قاعدہ بھی تھا کہ جو خراج وصول ہو کر خزانوں میں آتا اُسے گورنر اپنی رائے سے صوبوں کی ضروریات میں اور مصالح ملکی کے دیگر کاموں میں لاتے تھے۔ اگر اس میں کچھ بچتا اور صوبوں کے اخراجات سے زائد رہتا تو خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔ منصور نے اس طریقہ کو بالکل موقوف کر دیا۔ اس نے اپنا اصولِ حکومت یہ ٹھہرایا کہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد حکام کا تبادلہ کیا کرتا اور جو لوگ وسیع اور با اثر خاندان والے تھے انہیں امورِ سلطنت سے ہی خارج کر دیتا تھا[1]
اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بیت المال میں اڑتالیس کروڑ روپیہ محاصل کا آنے لگا[2]

انتخابِ قاضی قاضی کا تقرر خلیفہ کی مرضی پر تھا اور ایسا قاضی مقرر کیا جاتا تھا جو اُن کے اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش

---

[1] تاریخ عرب ہیسیو صفحہ ۱۸۲ [2] ایضاً۔

کہتا رہے۔ امام اعظمؒ نے اسی بنا پر قاضی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ منصور نے محمد بن عبدالرحمٰن کو قاضی مقرر کیا۔ امام صاحب نے اس کے فیصلوں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ انھوں نے منصور سے شکایت کی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خلافت مآب کی طرف سے امام صاحب کو حکم زبان بندی کا آگیا اور فتویٰ لکھنے کی بھی ممانعت کر دی گئی [۱]
یہی وجہ تھی کہ جو محتاط علماء تھے وہ قضاء کے منصب سے بچتے تھے مگر آخر میں منصور کی پالیسی بدل گئی تھی۔ اب وہ ایسے قاضی کا انتخاب کرتا تھا جو عدل و انصاف میں کسی کی رو رعایت نہ کرے۔ چنانچہ قاضی محمد بن عمران طلحی کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس نے منصور کے خلاف فیصلہ کیا جس پر منصور نے قاضی کو دس ہزار اشرفیاں عطا کیں اور کہا :۔ [۲]

"جزاك الله عن دينك احسن الجزاء"

فوجی تنظیم منصور کو جنگی مسائل سے خاص دلچسپی لیتا تھا "عرض جیش" فوج کی ٹریننگ کا ایک جزو خیال کیا جاتا تھا۔ منصور کو فوج سے بڑی دلچسپی تھی۔ خود جنگی لباس میں تخت پر بیٹھتا۔ فوجوں کا معائنہ کرتا۔ اس کے زمانے میں فوج کے تین حصے تھے۔ شمالی عربوں کی فوج (مضر) جنوبی عربوں کی فوج (یمنی) اور خراسانیوں کی فوج [۳] یہ اس قدر فوج جمع ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ اُن کے اجتماع کو دیکھ کر منصور گھبرا گیا۔ حضرت ابن عباس کا پوتا قثم بن عباس منصور سے ملنے آیا۔ قثم سارے عباسیوں میں بڑا دانا اور زیرک مشہور تھا اور ہر شخص اُس کا احترام کرتا تھا۔ منصور اس کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ تم نے فوجیوں کا نرغہ دیکھا۔ اگر یہ لوگ کبھی باہم متفق ہو گئے تو ان کے سامنے میرا کوئی زور نہ چلے گا اور خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ قثم نے کہا اس کا

---

[۱] التمدن الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ [۲] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۰ ..
[۳] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۳۴ ..

انتظام ہو جائے گا اور اپنے گھر واپس جا کر اپنے غلام سے کچھ کہا سُنا۔ تھوڑے عرصہ بعد قثم خچر پر قصرِ شاہی میں واپس پہنچا۔ غلام درباریوں میں کھڑا تھا اُس نے لپک کر قثم کے خچر کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا کہ جناب سرورِ عالمؐ اور حضرت عباسؓ اور امیر المومنین ابو جعفر کے حقوق کی قسم! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اہلِ یمن افضل ہیں یا بنی مضر (قریش اور دوسرے بنو اسمٰعیل) قثم بہت غصہ ہوا اور بلند آواز سے کہا لگام چھوڑ۔ مگر اُس نے شنوائی نہ کی اور اسی طرح قسمیں دلاتا رہا۔ اور اپنے سوال کا اعادہ کرتا رہا۔ قثم نے غلام پر دو، چار چابکیں بھی رسید کیں۔ مگر غلام نے خچر کا دہانہ نہ چھوڑا۔ آخر قثم نے بدرجۂ مجبوری جواب دیا کہ بنو مضر زیادہ اشرف ہیں ان میں خیر البشر پیدا ہوئے ہیں۔ کتاب الٰہی انہی کی زبان میں نازل ہوئی، بیت اللہ اُن کی نگرانی میں ہے اور خلیفۃ اللہ بھی اسی قوم کا چشم و چراغ ہے۔ یہ جواب سُن کر غلام چلا گیا۔ مگر یمنی ارکانِ سلطنت میں اس گفتگو سے ناگواری سی پھیل گئی۔ ایک نے اُن میں سے اپنے غلام سے کہا۔ تم قثم کے خچر کو جا کر پکڑ لو اور یمنیوں کے متعلق دریافت کرو۔ وہ قثم کی طرف لپکا تو مضری بگڑ کھڑے ہوئے کہ ایک غلام اور ہمارے معزز ترین شخص کے ساتھ گستاخی کرتا ہے۔ اب یمنی اور مضری دونوں جماعتوں میں ہنگامہ مچ گیا۔ قثم اپنا خچر بڑھا کے منصور سے جا ملا اور کہا لیجئے مبارک ہو میں نے آپ کے لشکر میں پھوٹ ڈال دی۔ اس وقت سے عسکرِ خلافت میں تین جماعتیں بن گئیں اور ایک کا ایک دشمن بن گیا۔[۱]

دفاتر سرکاری دفاتر کا پہلا انتظام منصور نے قائم رکھا اور حسبِ ضرورت اس میں کچھ اضافہ کر دیا۔ دیوانِ خراج، دیوانِ دیت، دیوانِ زمام، دیوانِ فوج، دیوانِ موالی و غلام، محکمہ برید، محکمۂ زمام نفقات، دیوان رسائل، محکمۂ تحقیقات مظالم، محکمۂ جاسوسی، محکمۂ پولیس، محکمۂ عطایا و وظائف، ان کے علاوہ ایک مستقل محکمہ

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۲۲۳ -

غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کا تھا۔ اس کا افسر "کاتب جہاز" کہلاتا تھا۔[1]

محکمۂ جاسوسی منصور نے اس محکمہ کو بڑی وسعت دی تھی۔ یہ خدمت مرد و عورت ہر دو انجام دیتے تھے۔ جاسوس تاجروں، طبیبوں وغیرہ کے بھیس میں ہمسایہ ملکوں میں جاتے رہتے اور اپنی حکومت کو وہاں کے سیاسی حالات و دیگر واقعات کی اطلاع بھیجتے۔ اس سے بڑھ کر منصور کا ایک ایک جاسوس ہر گورنر کے پاس رہتا جو اس کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا رہتا جیسا کہ ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کی گفتگو جو اپنے ہم مجلس یا مشیروں سے ہوتی وہ خلیفہ تک بہت جلد پہنچ جاتی تھی۔

محکمۂ برید اس محکمہ پر منصور کی زیادہ توجہ تھی۔ ڈاک کے انتظام میں پہلے کے مقابلے میں بہت کچھ اصلاح و ترقی دی۔ منصور کا قول تھا:۔

"حکومت کے عناصر ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں ان کا انتخاب بہت غور سے کرنا چاہیئے:۔

۱۔ قاضی :۔ جو نہایت بے باک اور نڈر ہو جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے۔

۲۔ پولیس کا افسر :۔ جس میں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو۔

۳۔ خراج کا افسر :۔ جو نہایت دیانت دار ہو، ظلم و جور سے اس کو طبعی نفرت ہو۔

۴۔ ڈاک کا افسر :۔ (یہ لفظ منصور نے تین بار سبابہ انگشت کو دانتوں کے نیچے دبا کر کہا تھا) جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے اور اپنی طرف سے کوئی کتر بیونت نہ کرے۔"[2]

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صہ ۲۲۰ [2] طبری جلد ۹ صہ ۲۹۶

بیدار مغزی منصور نہایت بیدار مغز فرمانروا تھا وہ اپنے گورنروں اور وزراء کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا۔

محکمۂ ڈاک کے افسر نے ایک دفعہ اسے اطلاع دی کہ حضرموت کا گورنر شکار کو کثرت سے جاتا ہے اور اس کا یہی مشغلہ شب و روز کا ہے۔

منصور نے گورنر حضرموت کو لکھا :-

"کمبخت یہ ساز و سامان وحشی جانوروں پر صرف کرنے کے لئے نہیں ہے تیر و کمان کے مصارف مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں صرف کرنے کے لئے ہیں اور تو ان کو جنگلی جانوروں پر صرف کر رہا ہے"

ماھذا العدة التی اعددتھا للنکایۃ فی الوحش

یعنی یہ تو نے کیا عادت اختیار کی ہے کہ جانوروں کو تکلیف دیتا ہے ہم نے تجھ کو مسلمانوں کی خدمت کے لئے مقرر کیا تھا نہ کہ جانوروں کو تکلیف دینے کے لئے"

"تو فلاں ابن فلاں کو اپنی گورنری کا چارج دے دے خدا تجھے اور تیرے خاندان کو برباد کرے" [1]

منصور ڈاک کے افسروں سے جاسوسی کا کام بھی لیتا تھا۔ یہ افسر حکومت کے نظم و نسق کے لئے اس کے دست و بازو ثابت ہوتے تھے۔ اسی طرح وہ پوری سلطنت کے گورنروں، قاضیوں، خراج کے افسروں اور دوسرے محکموں کے افسروں کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔

نرخوں کی نگرانی ڈاک کا افسروں کا یہ بھی فرض تھا کہ گندم، غلہ، چمڑے اور خورد و نوش کی اشیاء کے بھاؤ کے بارے میں اطلاع دیتے رہیں اور اس کی نگرانی بھی رکھیں کہ حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ قیمت پر خرید و فروخت تو نہیں ہو رہی ہے۔

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ ٭

خبروں کا انتظام دن میں دو مرتبہ تمام سلطنت کی خبریں منصور کو پہنچائی جاتیں۔ مغرب کی نماز کے بعد دن بھر کے واقعات کی اطلاع اور صبح کی نماز کے بعد رات بھر کی تمام اہم خبروں سے مطلع ہوتا۔ تمام مخبر افسر ڈاک کے ذریعہ خبریں بھیجا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ منصور تمام سلطنت کے حالات سے واقف رہتا تھا اور قاضیوں کے ظلم و جور، حکومت کے حدود میں نرخوں کے اتار چڑھاؤ کسی بات سے بے خبر نہ رہتا تھا۔[1]

نظامِ جاگیرداری منصور نے اپنے چند خاص ارکانِ حکومت کو جاگیردار بنایا تھا۔ یہ اُن کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف اور صلہ تھا۔ یہ جاگیریں نہایت سرعت کے ساتھ آبادی سے معمور ہو گئیں تھیں اور ریاست کی فلاح و بہبود پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔[2]

نظامِ مالیات بنی امیہ نے جو نظامِ مالیات قائم کیا تھا وہ برقرار رکھا گیا۔ اور اس میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

ترقیٔ زراعت منصور کو زراعت کی ترقی پر زیادہ توجہ تھی ۱۳۶ھ تک لگان پیمائشی طریقہ سے وصول کیا جاتا رہا منصور نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ گندم اور جَو کی پیداوار کے لئے بٹوارہ کا طریقہ نافذ کر دیا اور میوہ کے باغات کے لئے پیمائش کا قدیم دستور جاری رہا۔[3]

اصولِ حکمرانی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کو جو مرنے سے پہلے وصیت کی تھی اس میں یہ چند فقرے اصولِ حکمرانی کے لُبِّ لُباب سے ہیں :-

"ابو عبداللہ (کنیت مہدی) بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقویٰ سے، رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تابعداری سے، شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے، بادشاہ کے اقتدار اور اس کی تابعداری کو دوام جب ہی ہوتا ہے کہ

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص ۲۵۸ [2] ایضاً ص ۲۷۱ [3] ایضاً ص ۲۷۷

خزانہ بھرپور ہو، احتیاط جب ہی ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خبریں بادشاہ کو پہنچتی رہیں، وہی شخص معاف کرنے پر قدرت رکھے گا جو عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ سب آدمیوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں پر ظلم کرے۔ اپنے دوستوں کے کاموں سے عبرت حاصل کرتے رہو۔

کسی کام کی استواری کا خیال مت کرو جب تک کہ غور نہ کر لو کیونکہ سمجھدار کا فکر کرنا اُس کا آئینہ ہوتا ہے ایسا کرنے سے تمہیں اس کے اچھے بُرے کا علم ہو جائے گا"۔ [1]

معمولات

ابو جعفر منصور کا معمول تھا کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھتا۔ بعدازاں دربارِ خلافت میں رونق افروز ہوتا اور امورِ سلطنت کو انجام دیتا۔ مالگذاری کا دفتر دیکھتا، حکام کی تبدیلی، راستوں کی حفاظت، رعایا کی آسائش اور تعلیم کا انتظام کرتا۔ اس کے بعد قیلولہ کرتا۔ بعدازاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتا۔ جب عصر کا وقت آتا تو نماز کے بعد خاص اجلاس کرتا جس میں ساداتِ بنی ہاشم کے معاملات طے کرتا۔ اس کے بعد نماز مغرب باجماعت پڑھ کر کھانا کھاتا۔ جب عشاء کا وقت آتا تو نماز باجماعت پڑھ کر ڈاک دیکھتا اور اطراف وجوانب سے خطوط اور عرضیاں جو آتیں ان کا جواب دیتا۔ اس کے بعد سمارہ سے گفتگو کرتا اور مشورے لیتا۔ جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو آرام کرتا، پھر تہجد کے لئے اُٹھتا۔ نمازِ فجر تک عبادت میں مشغول رہتا۔ نمازِ فجر مسجد میں آ کر خود پڑھاتا پھر بدستور دربار میں آتا [2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۹ [2] طبری جلد ۹ صـ ۲۹۹ ☆

منصور کا علم و فضل اور اُس کے عہد کی علمی ترقی

منصور عباسی گراں پایہ فاضل تھا۔ امام مالکؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا :-

"منصور نے میرے ساتھ علمائے اوّلین اور سلف صالحین سے متعلق گفتگو شروع کی تو میں نے اُسے سب سے زیادہ ذی علم پایا۔ فقہ اور دوسرے علوم پر باہم مذاکرہ ہُوا تو یہ تمام متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل کا بہت بڑا عالم ثابت ہُوا۔ تمام روایتیں اُسے ازبر تھیں مرویات پوری طرح یاد تھے۔"

خلیفہ منصور کو حدیثِ نبویؐ کے ساتھ جس درجے شغف و شیفتگی تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شہزادہ مہدی ولی عہدِ سلطنت کو علمِ حدیث کی تحصیل کے لئے بغداد سے امام مالکؒ کے پاس مدینہ منورہ روانہ کیا۔ مہدی نے حضرت امام موصوف سے کتاب مؤطا پڑھی اور جب اس کی تحصیل سے فراغت پائی تو چار ہزار دینار استاد علام کی خدمت میں نذر کئے۔ مہدی نے اس رقم کے علاوہ امام مالکؒ کے فرزندِ گرامی کو بھی ایک ہزار دینار دے کر حقِ خدمت گزاری ادا کیا[1]

حدیث نبوی کی مزاولت و انہماک منصور کی زندگی کا اہم اور محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن مہمات خلافت اس شوق کو پورا نہ ہونے دیتے تھے۔ محمد بن سلام کا بیان ہے کہ ایک شخص نے منصور سے دریافت کیا، واہب العطایا نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں امیرالمومنین کو عطا فرمائی ہیں۔ کیا آپ کی کوئی ایسی آرزو بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا ہاں صرف ایک تمنّا باقی ہے جو

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبۃ جلد ۲ صد ۱۳۶ -

آج تک پوری نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے ارد گرد بیٹھے ہوں" دوسرے دن جب منصور کے ندیم اور وزراء قلمدان اور دستاویزیں لیکر منصور کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت یہ مستفسر بھی موجود تھا۔ کہنے لگا امیرالمومنین لیجئے آپ کی یہ تمنا بھی بر آئی۔ خلیفہ نے کہا۔ یہ وہ لوگ نہیں جن نفوس قدسیہ کے شرف قدوم کی مجھے دلی تمنا ہے اُن کے کپڑے میلے، پیر پھٹے ہوئے بال بڑھے رہتے ہیں۔ وہ نادر روزگار اور شہرۂ آفاق ہوتے ہیں۔ روایت حدیث اُن کا مشغلہ ہے"۔[1]

کتب احادیث و فقہ کی تدوین

ابو جعفر منصور کا عہد خلافت اسلامی علوم کی تدوین کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ۱۴۳ھ میں علمائے اسلام نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تدوین و تالیف کا مبارک کام شروع کیا۔ چنانچہ ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج متوفی ۱۵۰ھ نے مکہ معظمہ میں امام مالک بن انسؒ نے مدینہ منورہ میں، امام اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی الفقیہؒ متوفی ۱۵۷ھ نے شام میں، ابن ابی عروبہؒ متوفی ۱۵۳ھ نے یمن میں حماد بن سلمہؒ وغیرہ نے بصرہ میں، معمرؒ نے یمن میں اور سفیان ثوریؒ متوفی ۱۶۱ھ نے کوفہ میں حدیث و تفسیر کی کتابیں لکھیں۔ محمد ابن اسحاق بن یسارؒ متوفی ۱۵۰ھ نے کتب سیر و مغازی لکھیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے دلائل کے ساتھ فقہ کو ترتیب دیا اور عقائد پر تصنیفیں کیں۔

لہ من الکتب کتاب الفقہ الاکبر کتاب رسالتہ الی البستی کتاب العالم والمتعلم۔[2]

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ [2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۲۸۵

دیں۔ ان کتابوں کی نقول نے علمائے اسلام کو علومِ عقلیہ کی طرف زیادہ متوجّہ کر دیا۔ چونکہ خلیفہ نے علوم وفنون کی ترویج واشاعت کو اپنی توجّہ کا مرکز بنالیا تھا اس لئے اقطاعِ ارض کے علماء وحکماء بأمیدِ قدردانی بغداد کا سفر اختیار کرنے لگے [۱] سیوطی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے منصور ہی نے سریانی اور دوسری زبانوں سے کلیلہ ودمنہ اور اقلیدس وغیرہ علمی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ گو خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بھی کچھ کتابوں کے ترجمے کئے گئے تھے مگر ان کی اشاعت زیادہ نہیں ہوئی۔

تراجم جن علماء نے منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

[۲] جورجیس بن جبریل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا۔

بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔ [۳]

عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ ودمنہ کا فارسی سے عربی میں منصور کی فرمائش پر ترجمہ کیا تھا۔ کلیلہ ودمنہ راجہ دابشلیم ہندوستانی راجہ کے لئے ہندی حکیم نے لکھی تھی۔ نوشیروانِ عادل کو اس کی خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے حکیم برزویہ کو پانچ لاکھ دینار دے کر ہندوستان بھیجا کہ وہ کلیلہ ودمنہ کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کرلائے۔ چنانچہ اس تقریب سے یہ کتاب ہندوستان سے ایران پہنچی۔ ابن مقفع منصور کا کاتب تھا اس نے اس کتاب کے علاوہ منطق میں بھی کتابیں ترجمہ کیں۔ فرفوریوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا نہایت سہل عبارت میں ترجمہ کیا۔ ایک رسالہ ادب وسیاست اور اطاعتِ سلطان پر بھی لکھا ہے۔ ابن خلکان اس کو زندیق لکھتے ہیں۔ سفیق حاکم بصرہ نے ۱۴۲ھ میں اس کو قتل کر دیا۔ [۴]

---

[۱] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ا صد ۱۲۳ و ۲۰۴ [۲] کشف الظنون جلد ۲ صد ۳۷

[۳] ایضاً [۴] ضاجتہ الطرب فی تقدمات العرب صد ۵۲۴

دیں۔ ان کتابوں کی نقول نے علمائے اسلام کو علومِ عقلیہ کی طرف زیادہ متوجّہ کر دیا۔ چونکہ خلیفہ نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کو اپنی توجّہ کا مرکز بنا لیا تھا اس لئے اقطاعِ ارض کے علماء و حکماء بامیدِ قدردانی بغداد کا سفر اختیار کرنے لگے[1] سیوطی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے منصور ہی نے سریانی اور دوسری زبانوں سے کلیلہ و دمنہ اور اقلیدس وغیرہ علمی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ گو خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بھی کچھ کتابوں کے ترجمے کئے گئے تھے مگر ان کی اشاعت زیادہ نہیں ہوئی۔

تراجم جن علماء نے منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جورجیس بن جبریل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا۔[2]

بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔[3]

عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ و دمنہ کا فارسی سے عربی میں منصور کی فرمائش پر ترجمہ کیا تھا۔ کلیلہ و دمنہ رائے دابشلیم ہندوستانی راجہ کے لئے ہندی حکیم نے لکھی تھی۔ نوشیروانِ عادل کو اس کی خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے حکیم برزویہ کو پانچ لاکھ دینار دے کر ہندوستان بھیجا کہ وہ کلیلہ و دمنہ کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کر لائے۔ چنانچہ اس تقریب سے یہ کتاب ہندوستان سے ایران پہنچی۔ ابن مقفع منصور کا کاتب تھا اس نے اس کتاب کے علاوہ منطق میں بھی کتابیں ترجمہ کیں۔ فرفلوس صوری کی کتاب ایسا غوجی کا نہایت سہل عبارت میں ترجمہ کیا۔ ایک رسالہ ادب و سیاست اور اطاعتِ سلطان پر بھی لکھا ہے۔ ابن خلکان اس کو زندیق لکھتے ہیں۔ سفیق حاکم بصرہ نے ۱۴۲ھ میں اس کو قتل کر دیا۔[4]

---

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ و ۲۰۴   [2] کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۷

[3] ایضاً   [4] ضاحیۃ الطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۵۴۲

کتبِ فلسفہ، طب و اخلاق کے ترجموں کے علاوہ عہدِ منصور میں علم ریاضی کو بھی بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان پنڈت منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سُن کر بغداد وارد ہوا۔ اس نے خلیفہ کی خدمت میں ایک نہایت عمدہ زیچ پیش کی۔ یہ زیچ اُس نے ایک عمدہ تصنیف سے جو ہندوستان کے ایک مہاراجہ موسوم بہ بیگر کی طرف منسوب ہے، خلاصہ کیا تھا محمد بن ابراہیم فرازی نے منصور کے حکم سے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس سے ایک کتاب مرتب کی۔ جو ریاضی دانوں میں "سند ہند" کے نام سے مشہور ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ تک اعمالِ کواکب میں اس زیچ پر عمل کیا جاتا تھا۔

جن حکماء نے منصور کے لئے یونانی، سریانی اور فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ان میں سے کچھ لوگوں کا ذکر آچکا ہے باقی طبقات الاطباء اور کشف الظنون سے اس جگہ صرف نام درج کئے جاتے ہیں۔

"فرات بن شحناثا۔ عیسیٰ بن ماسر جیس۔ البطریق یہ سب عیسائی تھے۔
فضل بن نوبخت۔ اسمٰعیل بن ابوسہل بن نوبخت یہ مجوسی عالم تھے۔
سنسکرت کی کتب کے مصنف پاکھر، راجہ، سکہ، داہر، مکر، انکل، جبہر، امدی جاری مانک، سالی، نوکسل، ردسا، رائے بکل براہم کی تصانیف کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔
عبدالمسیح ابن عبداللہ الحمصی مشہور بابن ناعمہ وسلام الابرش وعبداللہ اہوازی کے اہتمام سے یونانی اور فارسی کتب کے ترجمہ ہوئے۔
جرجیس جندی سابور کے شفاخانے کا مہتمم تھا۔ ۱۴۸ھ میں منصور کے علاج کے لئے بغداد آیا۔ اس نے ایک قرابادین مرتب کی جو شفاخانوں کے لئے تھی[۲]
غرضیکہ منصور نے صدہا کتابوں کے ترجمے کرائے۔ ایرانیوں کی مفصل تاریخ

---

[۱] کشف الظنون جلد ۲ صد ۹ [۲] طبقات الاطباء جلد اول صد ۱۲۳

بکبکیں کا ترجمہ عربی میں اس کے لئے کیا گیا۔

منصور ایک طرف محدث تھا، دوسری طرف بلند پایہ ادیب اور شاعر۔
ولہ ذوق فی الشعر ینقد الشعر ویعرف المنحول المسروق
"اس کو شاعری میں کمال حاصل تھا۔ اکثر اشعار کی تنقید کرتا تھا۔ مسروق و غیر مسروق کو پہچانتا تھا"

قدردانی

منصور ایک دن دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ تمام عمائد بنی ہاشم وارکانِ سلطنت بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو دلامہ شاعر دربار آیا وہ بھی ایک طرف بیٹھ گیا منصور کی نظر اس طرف اٹھ گئی۔ ابو دلامہ کی طبیعت میں آیا کہ فی البدیہ قصیدہ کہہ سنائے۔ چنانچہ وہ کھڑا ہوگیا اور خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

لوکان یقعد فوق الشمس من کرم	قوم لقیل اقعدوا یا آل عباس[1]
ثم ارتقوا فی شعاع الشمس کلکم	الی السماء فانتم اطہر الناس
وقدموا القائم المنصور راسکم	فالعین والانف والاذن فی الراس

"اگر کوئی قوم سورج سے اوپر بوجہ کرم و بخشش بیٹھ سکتی ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اے آل عباس! تم بیٹھنے کے قابل ہو۔ پھر تم سب کے سب آفتابی شعاع میں آسمان تک بلند ہو جاؤ کیونکہ تم پاک لوگ ہو۔ مقدم رکھو تم امام قائم منصور کو جو تمہارا سر ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں اور ناک اور کان سر میں نہیں یعنی سب اعضاء سر کے تابع اور ایسے ہی سب لوگوں کو امیر المؤمنین کا تابع ہونا چاہیئے"

منصور یہ اشعار سن کر جھوم گیا اور ابو دلامہ کو دس ہزار درہم سے نوازا۔
یہ تاریخی حقیقت ہے کہ منصور نے عربی زبان میں دیگر السنہ کے علوم کے ترجمے کثرت سے کرائے اور جملہ علوم و فنون سے اپنی زبان کو مالا مال کیا۔

---

[1] کتاب الادب واللغۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۵

ادب اللغۃ العربیہ میں ہے۔

دکان للمنصور دفاتر علم ھو شدید الحرص علیھا حتی اوصی ابنہ المھدی عندہ ذاتہ۔

"منصور کے پاس علم کے دفتر تھے اور وہ ان کی حفاظت و ترقی کے بارے میں بے حد حریص تھا یہاں تک کہ اپنے بیٹے مہدی کو اپنی وفات کے وقت ان کی حفاظت کی بابت خصوصیت سے وصیت کی۔"

علمِ انشاء کی ایجاد منصور کے عہد میں عبدالحمید بن یحیٰی بن سعد کاتب تھا۔ یہ مروان بن حکم کی مجلس کا رکن رہ چکا تھا۔ فن انشاء پردازی میں استاد مانا جاتا تھا۔

اسی نے اس فن کو گویا ایجاد کیا اور ترقی دی یہاں تک کہ ضرب المثل ہو گیا۔ یہ قتل کر دیا گیا۔[1]

سیرت

منصور ہیبت، شجاعت، اصابتِ رائے اور متانتِ عقل میں تمام بنوعباس پر فائق تھا۔ ذہن و جودتِ طبع میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ لہو و لعب کے پاس تک نہ پھٹکتا تھا۔[2]

زہد و ورع منصور کو حکمرانی و جہانبانی کے ساتھ دینداری میں اس قدر انہماک تھا کہ فارغ اوقات میں جب دیکھئے ذکر و تسبیح اور علمِ حدیث کی مزاولت میں مصروف نظر آتا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ کبائر و منکرات سے متنفر، علماء معاصر سے علمی صحبتیں رہتی تھیں۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بہت سے نفلی حج ادا کئے۔ حصولِ خلافت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۸ھ میں مسجد حرام کی توسیع کی۔[3]

---

[1] مناجیۃ الطرب فی تقدمات العرب ص۱۵۵ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص۱۸ [3] ایضاً ص۱۱

خلافت سے بذاتِ خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُس کے واقعات سے ظاہر ہے کہ سلطنت و بادشاہی سے اُس نے جو کام لیا وہ مسلمانوں کی خدمت کاربرآری اور عام نفع رسانی تھی اور باوجودیکہ منصور کا عہدِ حکومت شاہانہ ناز و نعمت کا اوجِ شباب تھا۔ مگر اس کے اندر زہد و قناعت کے وہی انداز موجود تھے جو اس کے اسلاف کرام کا جوہر تھے۔ منصور کے زہد و اتقاء کا تمام تر اقبال مندیوں کے باوجود یہ عالم تھا کہ ساری عمر فقر و فاقہ سے بسر کی اور حظوظِ نفسانیہ سے مجتنب رہا۔ کسی نے امام جعفر صادق سے بیان کیا کہ خلیفہ منصور ہروی جُبّہ پہنتا ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگے رہتے ہیں۔ امام الائمہ نے یہ سُن کر فرمایا:۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اُسے بادشاہت عطا کرنے کے باوجود فقر و فاقہ کی معیشت نصیب کی"

مؤرخ ابن خلدون ابو جعفر منصور کے ورع و تقویٰ کی تعریف میں لکھتا ہے:۔

"وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بیت المال سے نئے کپڑے بنوانے سے بھی احتراز کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے عیال کے کپڑوں میں پیوند لگوانے کے متعلق درزی سے مشورہ کرتا تھا اتنے میں شہزادہ مہدی وہاں آ پہنچا۔ مہدی رقعہ دوزی میں کسرِ شان سمجھ کر کہنے لگا۔ امیر المومنین اس سال گھر والوں کے کپڑے میں اپنی تنخواہ سے بنوا دیتا ہوں، آپ پرانے کپڑوں کو رہنے دیجئے۔ منصور نے اس تجویز کو تو منظور کر لیا لیکن اموال مسلمین سے اپنے اہل و عیال کے لئے نئے کپڑے بنوانے منظور نہ کئے"

انصاف پسندی منصور اعدائے حکومت کے حق میں نہایت قہار واقع ہوا تھا لیکن اس کے خصائل حمیدہ میں خاص بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص صفائی پیش کر کے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دیتا تھا تو اس کا عذر قبول کر لیتا تھا۔ "زہیر بن قرکی" عامل ہمدان نے ابو نصر مالک بن ہیثم کو گرفتار کر کے اُسے ایک غلط فہمی کی بنا پر سہل کر دیا تھا۔ ابو نصر اپنی مخلصی کے بعد دارالخلافہ

پہنچا۔ خلیفہ اس کو اس بات پر ملامت کرنے لگا کہ اس نے ابو مسلم کو خراسان جانے کا کیوں مشورہ دیا۔ ابو نصر عرض پیرا ہُوا۔ امیرالمومنین واقعی ابو مسلم نے مجھ سے صلاح لی تھی اور مَیں نے اُسے نیک مشورہ دیا تھا اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب کوئی اس سے صلاح پوچھے تو اس کو نیک نیتی کے ساتھ ایسی صحیح رائے دے جو اس کے حال و مآل کے لئے بہتر ہو۔ اگر امیرالمومنین بھی کسی امر میں مجھ سے مشورہ کریں تو مَیں نیک اور خیر خواہانہ مشورہ سے دریغ نہ کروں گا۔ گو میرا مشورہ امیرالمؤمنین کے اغراض اور مفاد کے خلاف تھا لیکن اُس شخص کے لئے تو سُود مند تھا جس نے میری رائے دریافت کی تھی۔

منصور نے یہ سُن کر نہ صرف اُس کی جرم بخشی کر دی بلکہ اس کو بدرجہ کمالِ عواطفِ خسروی سے ممتاز فرمایا اور اس کے خلوصِ نیت پر اتنا خوش ہُوا کہ اس کو ولایتِ موصل کا گورنر بنا کے بھیج دیا۔ حالانکہ یہ ابو نصر وہی شخص تھا جس کے لئے اس سے پیشتر والیِ ہمدان کے نام قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا۔[1]

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے منصور کے دربار میں بیان کیا کہ خلیفہ ہشام اموی نے فلاں جنگ میں نہایت تدبیر و سیاست سے کام لیا تھا منصور کو اس رزم کے واقعات معلوم کرنے کا اشتیاق ہُوا۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ رصافہ میں ایک ضعیف العمر آدمی رہتا ہے جو ہشام کا رفیق کار رہ چکا ہے منصور نے اس کو بُلا بھیجا اور اس سے پوچھا کیا تم ہشام کی مصاحبت میں رہ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا اچھا بتاؤ فلاں سال جو معرکہ ہُوا تھا اُس میں ہشام نے کس تدبیر اور حکمتِ عملی سے کام لیا تھا؟ اس شخص نے واقعات جنگ کی تشریح ایسے اندازِ بیان میں شروع کی جو منصور پر شاق گزرا۔ وہ کہنے لگا "خلیفہ ہشام اموی نے خدا اس پر ہزار ہزار رحمتیں

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۴۔

نازل کرے یوں کیا۔ ہشام نے خدا اُس کی قبر کو منور کرے یہ تدبیر کی۔ ہشام نے حق تعالیٰ اس سے راضی ہو یہ کیا "۔

یہ شخص واقعات کی تفصیل بیان کرتا جاتا تھا اور ساتھ ہی ہشام کو دعائے مغفرت سے یاد کر رہا تھا۔ منصور کو اس کا یہ طرزِ بیان ناگوار ہُوا۔ آخر ضبط نہ کر سکا اور ڈانٹ کر کہا اے دشمنِ خدا دُور ہو، میری بساط پہ، میرے سامنے، میرے دشمن کے حق میں رحمتِ رضوانِ الٰہی کی دعائیں کرتا ہے۔ بوڑھا وہاں سے واپس آنے لگا لیکن جاتے وقت یہ کہتا گیا۔

"امیر المؤمنین! مَیں آپ کے دشمن کا اس درجہ احسان مند ہوں کہ مجھے غسّال بھی بعد از مرگ اس سے سبکبار نہیں کر سکتا "۔

منصور نے یہ سُن کر حکم دیا کہ اس کو واپس بلاؤ۔ جب وہ دوبارہ حاضر ہُوا تو کہنے لگا۔ امیر المومنین آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جس شخص کا مرہونِ منت ہوں کیا اسے نیکی سے یاد کرنا میرا فرض نہیں ہے۔ خلیفہ معاً متنبہ ہُوا اور کہنے لگا "بے شک فرض ہے اور تمہارے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک شریف الطبع، احسان شناس اور کریم النفس انسان ہو "۔

اس کے بعد منصور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب وہ جانے لگا تو اس کے لئے انعام کا حکم دیا۔ جب وہ چلا گیا تو خلیفہ اس کی تعریف کر کے کہنے لگا کہ کاش مجھے بھی ایسے مخلص و وفادار مصاحب مل سکتے [1]۔

معدلت گستری

منصور کی یہ دلی آرزو تھی کہ اس کے ممالک محروسہ امن و امان کا گہوارہ بن جائیں اور حکومت کا مقرر کردہ قاضی پیکرِ عدل اور مجسمۂ انصاف ہو، کسی پر ظلم نہ ہو سکے۔ ظالم کی رعایت نہ کی جائے اس مقصد کی تکمیل کے لیئے اس نے ۱۴۶ھ میں امام ابو حنیفہ کو بغداد طلب کیا لیکن

---

[1] مروج الذہب مسعودی، ترجمہ ابو جعفر منصور۔

آپ نے منصب قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گو بغداد امام ابوحنیفہؒ کی عدل گستری سے محروم رہا اور منصور کے دل میں اس کا ارمان ہی رہ گیا لیکن پھر بھی خوش نصیبی سے قلمرو بغداد میں ایسے ایسے عدل پرور قضاۃ موجود تھے جو عدل وانصاف میں خلیفہ تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ نمیر مدنی کا بیان ہے کہ جن دنوں منصور مدینہ منورہ آیا، محمد بن عمران طلحی وہاں کے قاضی تھے اور میں ان کا محرر تھا۔ چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں خلیفہ پر نالش کر دی۔ قاضی محمد نے مجھے حکم دیا کہ امیر المؤمنین منصور کے نام حاضری عدالت کا حکم جاری کر دو تاکہ مدعیوں کی دادرسی کی جائے۔ میں نے خلیفہ کو سمن بھیجنے سے معذرت چاہی۔ مگر قاضی صاحب نے اس پر اپنی مہر لگائی اور مجھ سے فرمایا کہ اس حکم کو امیر المؤمنین کے پاس خود لے جاؤ۔ چنانچہ میں روانہ ہوا۔

جب منصور کے پاس حاضر ہو کر یہ حکم دکھایا تو معاً دربار میں کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ میں عدالت میں طلب ہوا ہوں۔ تم میں سے کوئی شخص میرے ساتھ نہ آئے۔ پس خلیفہ اور میں دارالقضاۃ میں پہنچے۔ قاضی صاحب تعظیم کے لئے نہ اٹھے بلکہ اپنے چغہ کو اچھی طرح پھیلا دیا اور بڑے استقلال کیساتھ بیٹھے رہے۔ پھر مدعی کو بلایا اور ثبوت لے کر خلیفہ کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔ جب قاضی صاحب حکم سنا چکے تو منصور کہنے لگا۔ خدا تمہیں اس انصاف پسندی کا اجر دے اور خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار انعام دیئے[1]

ایک مرتبہ منصور نے سوار بن عبداللہ قاضی بصرہ کو لکھا کہ آپ کی عدالت میں ایک فوجی سردار اور سوداگر کے مابین جو مقدمہ چل رہا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس مقدمہ کا فیصلہ سردار کے حق میں کریں۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اس شہادت سے جو میرے سامنے پیش ہوئی ثابت ہوتا ہے کہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۰۔

اس نزاع کا سچی سوداگر فیصلہ ہونا چاہیئے اور زمین شہادت کے خلاف ہرگز فیصلہ نہیں کرسکتا۔ منصور نے لکھا قاضی صاحب آپ کو یہ مقدمہ فوجی افسر کے حق میں فیصل کرنا پڑے گا۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھا واللہ! میں از روئے انصاف اس کا فیصلہ سچی تاجر کروں گا۔ جب یہ جواب خلیفہ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا! الحمدللہ! میں نے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا اور میرے قاضی مقدمات کا فیصلہ حق وانصاف کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

عفو وضبط وتحمل | یہ سچ ہے کہ منصور نے اخذ وبطش کی تلوار ہر وقت بے نیام کر رکھی تھی اور عفو ودرگزر کا نام تک نہیں جانتا تھا۔ لیکن اس کی یہ عادت صرف خطرناک باغیوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ ورنہ جن مجرموں کے جرم کی نوعیت باغیانہ قسم کی نہ ہوتی ان سے برابر درگزر کرتا تھا۔ مبارک بن فضالہ کا بیان ہے کہ ہم منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں ایک مجرم جو واجب القتل تھا حاضر کیا گیا۔ میں نے کہا امیرالمومنین! میں نے امام حسنؒ سے سنا ہے کہ سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"قیامت کے دن ندا کی جائے گی کہ جن لوگوں کا خدا کے ذمے پر کوئی اجر ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوگا بجز اس کے جس نے کسی کی جرم بخشی کی ہوگی"۔

یہ سن کر خلیفہ نے اسے رہا کر دیا۔

"ایک شخص سزایابی کے لئے منصور کے سامنے لایا گیا اور عرض پیرا ہوا امیرالمؤمنین! عدل کا اقتضاء تو واقعی یہ ہے کہ آپ مجھ سے قہر وانتقام کا سلوک کریں۔ لیکن رحم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ شیوۂ رحم وکرم اختیار کریں"۔

یہ سن کر منصور نے اسے معاف کر دیا۔

ضبط وتحمل | منصور ضبط وتحمل کا پہاڑ تھا۔ بیسیوں مرتبہ لوگوں نے اس کے منہ پر گالیاں دیں اور بدگوئی کا شیوہ اختیار کیا لیکن کبھی

نہیں دیکھا گیا کہ اُس نے کسی کو اس جرم کی سزا دی ہو۔ حالانکہ بہت سے بادشاہ بدگوئی اور دشنام دہی کی پاداش میں زبان گُدی سے نکلوا دیا کرتے تھے یا مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈلوا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ابن ابی حنویب نے منصور سے کہا کہ تم بنی آدم میں سب سے زیادہ شریر اور بدترین انسان ہو۔ منصور یہ سُن کر خاموش رہ گیا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔ ایک دفعہ منصور نے عبدالرحمٰن ابن زیاد افریقی سے دریافت کیا کہ تم بنو امیہ کے مقابلہ میں میری خلافت کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا "جتنا جور و ظلم تمہارے عہد میں ہے اتنا تو شاید بنو مروان کے عہد میں بھی نہ تھا۔ منصور نے کہا کیا کروں مجھے اچھے مصاحب نہیں ملتے جو عدل و انصاف پر کاربند رہوں اُس نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہے کہ بادشاہ نیک ہو تو اسے نیک مصاحب ملتے ہیں اور فاجر ہو تو اس کے پاس فاجر ہی آتے ہیں"۔ منصور یہ سُن کر خاموش ہو گیا اور اس سے باز پُرس نہ کی۔

اسی طرح منصور کو شام میں کوئی بدوی ملا۔ منصور اس سے کہنے لگا شکر کرو کہ خدا نے تمہیں محض اس بنا بر طاعون سے محفوظ رکھا ہے کہ تم اہلِ بیت نبوت کے زیرِ حکومت ہو۔ اس نے جواب دیا۔ اگر ہم تمہاری بدولت طاعون سے محفوظ ہیں تو ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہم پر طاعون کو مسلط کر دے کیونکہ تمہاری حکومت اور طاعون ہمارے لئے یکساں ہیں۔

سخت گیری

غداروں اور حکومت کے باغیوں کے حق میں منصور سے بڑھ کر سخت گیر اور تیغ براں خلفائے بنی عباس میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ اس کے جذباتِ دامیال میں انتقامی جذبہ سب سے بڑھا ہُوا تھا اور اُس کے خصائصِ زندگی میں قتل و قمع کی خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ بادی النظر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ منصور نے مسلمان اور خصوصًا عالمِ دین ہو کر اپنے اخوانِ مذہب کی خون ریزی کیونکہ جائز رکھی لیکن

اصل یہ ہے کہ چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور خلافتِ منصوری کے ابتدائی دس سال تک خلافت کا رُعب و اقتدار اچھی طرح قائم نہ ہُوا تھا اس لئے جا بجا بغاوتیں اُٹھیں اور منصور کو ان کے فرو کرنے کے لئے تشدد اختیار کرنا پڑا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اگر وہ سخت گیری سے کام نہ لیتا تو اپنا اقتدار ہرگز قائم نہ کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ منصور کے چچا عبدالصمد بن علی کے دل میں بھی منصور کی سخت گیری پر اعتراض پیدا ہُوا تھا۔ اُس نے خلیفہ سے کہا۔ آپ نے تعزیر اور گوشمالی پر ایسی کمر باندھی ہے کہ کسی کو گمان نہیں ہوتا کہ آپ معاف کرنا بھی جانتے ہیں۔"

منصور نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک بنو مروان کا خون خشک نہیں ہُوا۔ آلِ ابو طالب کی تلواریں بے نیام ہیں۔ خلفائے عباسیہ کا رُعب لوگوں کے دلوں میں جاگزین نہیں ہُوا اور ہیبت و رُعب کا سکہ اس وقت تک دلوں پر نہیں بیٹھ سکتا جب تک میں لفظِ عفو کے معنی نہ بھول جاؤں اور سراپا عقوبت و تعذیب نہ بن جاؤں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عناصرِ فساد کا قلع قمع ضرور تھا لیکن یہ بھی غلط نہیں ہے کہ منصور نے ان فتنوں کے فرو کرنے میں حدِ اعتدال سے اس درجہ تجاوز کیا کہ وہ سخت گیری میں ضرب المثل ہو گیا۔ جن دنوں منصور نے عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ کو اپنے فرزند گرامی نفس زکیہ کے حاضر کرنے پر مجبور کیا۔ عبداللہ نے اس کے متعلق منصور کے چچا سلیمان بن علی سے مشورہ کیا۔ سلیمان نے کہا کہ منصور کے مزاج میں بڑی سخت گیری ہے اور اگر وہ عفو و بخشش کے نام سے آشنا ہوتا تو اپنے حقیقی چچا عبداللہ بن علی کو ضرور معاف کر دیتا۔

یہ سُن کر عبداللہ بن حسن متنبہ ہو گئے اور اس دن سے اپنے لختِ جگر کے اخفاء میں سعی بلیغ کرنے لگے۔ شروع میں تو عامہ مسلمین مروانیوں کے زوال اور عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے پر بہت خوش تھے۔ لیکن جب سفاح اور

منصور کی سفاکیاں دیکھیں تو اموی حکومت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آگیا اور لوگ بنو امیہ کے بعد آلِ عباس کی طرف سے بھی افسردہ ہو کر خلافتِ سادات کی تمنا کرنے لگے۔ ان دنوں منصور کی روز افزوں سخت گیری آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ لوگ اس سے روز بہ روز افروختہ ہوتے گئے۔ فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی فعل ناپسند ہوتا ہے تو اس کے ہنر بھی عیب دکھائی دیتے ہیں اور اس کے انتساب کی ہر چیز مکروہ و قابلِ نفرت ہو جاتی ہے۔ نفرت و استکراہ کا اثر ہے کہ بعض مورخوں نے منصور کے اخلاق و عادات کی تصویر کشی میں سخت رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس تصویر کے خد و خال سے یہ معلوم کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ کیا یہ وہی خلیفہ ہارون الرشید کا دادا اور عباسی خلفاء کا مورثِ اعلیٰ ہے جس نے قاضی محمد طلحہ کو اس بنا پر دس ہزار دینار انعام دیئے تھے کہ اس نے از راہِ انصاف ایک مقدمہ کا فیصلہ خلیفہ کے خلاف کیا تھا جو بیت المال کا ایک حبہ بھی اپنی تن آسانی پر خرچ نہ کرتا تھا۔ جو صوم و صلوٰۃ اور دوسرے اوامر کا سخت پابند اور بہت بڑا عالمِ شریعت تھا جس نے فریضۂ حج کے بعد بہت سے نفلی حج کئے مسجدیں بنوائیں۔ جہاد کیا۔ زرِ فدیہ ادا کر کے ہزارہا مسلمانوں کو نصاریٰ کی قید سے چھڑایا اور مختلف حیثیتوں سے خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔

جو غیر محتاط مؤرخ ہر قسم کے رطب و یابس لکھنے کے عادی ہیں انہوں نے منصور کے تذکرے میں بھی اسی روش کو اختیار کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق اس قدر متضاد بیانات جمع کر دیئے ہیں کہ روایت کے ایک پہلو کو متعین کر دیا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جو جو باتیں اس جلیل القدر خلیفہ کی شانِ عدالت کے خلاف بیان کی گئی ہیں وہ سب یا ان کا بیشتر حصہ بہتان طرازی یا مبالغہ آرائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر باغیوں، مخالفوں اور ان کے معاونین کے دار و گیر سے

قطع نظر کر لیا جائے تو ابو جعفر منصور کا دامن عدالت ظلم وجور کے داغ سے بہت کم آلودہ نظر آتا ہے ۔

جزرسی منصور بڑا فیاض اور کرم گستر شہنشاہ تھا لیکن اسراف و تبذیر سے بچتا تھا اور ایک پائی بھی بے جا خرچ نہ کرتا تھا ۔ چونکہ غیر مستحقین عموماً اس کی شاہانہ داد و دہش سے محروم رہتے تھے ۔ انھوں نے اسے بخل سے متہم کر کے ابوالدوانیق (دمڑیوں کا باپ) کے نام سے مشہور کر رکھا تھا ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اس لئے پڑا کہ وہ اپنے عمال سے دمڑی دمڑی کا حساب لیا کرتا تھا[1] چنانچہ جب بغداد کی تعمیر ختم ہوئی تو تعمیرات کے افسروں سے حساب لیا گیا جو کچھ جس کے پاس باقی نکلا اس نے بیت المال میں داخل کر دیا ۔ ابن صلت کے پاس پندرہ درہم قریباً پونے چار روپے تحویل میں باقی رہے تھے ۔ اس نے یہ رقم ادا نہ کی اس لئے اس کو قید کر دیا ۔ اور جب تک اس نے یہ درہم ادا نہ کر دیئے رہا نہ کیا[2]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور اعلیٰ درجہ کا منتظم، صاحب تدبیر اور پابندِ اصول حکمراں تھا ۔ اس کی قلمرو میں اس قسم کا اندھیر کھاتہ نہ تھا کہ کسی سرکاری عہدہ دار کو سرکاری روپیہ میں تغلب اور دست اندازی کا موقع ملتا ۔ اس کا دل و دماغ ملک کے کلی اور جزئی امور پر حاوی تھا ۔ حدودِ مملکت کی کوئی چیز اس کی نظر احتساب سے اوجھل نہ تھی ۔

ایک مرتبہ منصور نے عرفہ کے دن خطبہ دیا جس میں کہا مسلمانوں خدائے قدوس نے مجھے اپنی زمین پر اس لئے بادشاہ بنایا ہے تاکہ زر و مال کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کروں اور حکمِ شریعت کے بغیر کسی کو عطیات نہ دوں ۔ رب العزت نے مجھے بمنزلہ اپنے قفل کے بنایا ہے ۔ وہ جب چاہتا ہے عطیات کے لئے

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۳۱۸ [2] ایضاً ۔

کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے بند رکھتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ رب العالمین کی طرف مائل ہو جاؤ۔ آج بڑا امبارک دن ہے۔ دعا کرو کہ رب ذو والمنن مجھے نیکی اور احسان کی توفیق بخشے اور عدل کے ساتھ میرے ہاتھ سے تم کو عطیات دلوائے۔ وہی سمیع و مجیب ہے۔"

صولی کہتے ہیں کہ اس خطبہ کی وجہ یہ تھی کو لوگوں نے اسے بخل سے متہم کیا تھا۔ چنانچہ اسی خطبہ کے آخر میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ :-

"لوگ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین لوگوں پر مال خرچ نہیں کرتا یہ درست ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے کردگار نے اسراف سے منع کیا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ منصور داد و دہش میں کسی دوسرے فیاض بادشاہ سے کم نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ بعض دوسرے تاجداروں کی طرح روپیہ کو بے موقع نہیں اڑاتا تھا۔ لوگوں نے اسے بخیل مشہور کر دیا۔

مسعودی لکھتے ہیں :-

"منصور دیتے وقت مال جزیل اور زر خطیر عطا کرتا تھا لیکن اس کی بخشش و عطا ضائع اور بیکار نہیں ہوتی تھی۔"

زہد و قناعت اس کے بخل سے مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زہد و قناعت کی عادت اسے زر و مال سے خود متمتع ہونے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ایک دن اس کی لونڈی نے دیکھا کہ خلیفہ ایسی قمیص پہنے ہوئے ہے کہ اس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ لونڈی کہنے لگی عجائب روزگار دیکھو کہ امیرالمومنین کے بدن پر قمیص تک ثابت نہیں۔ منصور نے یہ سنکر لونڈی سے کہا۔ شاید تو نے ابن ہرمتہ کا وہ شعر نہیں سنا ؎

قد یدرک الشرف الفتیٰ بردائہ   خلق و جیب قمیصہ مرقوع

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک نوجوان کو شرف اور بزرگی حاصل ہو جاتی ہے

حالانکہ اس کی چادر پرانی ہوتی ہے اور اس کی قمیص کے گریبان میں پیوند ہوتے ہیں۔[1]
کسی شخص نے منصور کی پھٹی ہوئی قمیص دیکھ کر کہا۔ خدا کی قدرت ہے کہ اس نے خلیفہ کو بادشاہت کے باوجود افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

مسلم حادی نے ان الفاظ کو نظم کا لباس پہنایا اور ان اشعار کو گانے لگا۔ منصور نے یہ گیت سن پائے اور بجائے سزا دینے کے الٹا اس کا ممنون ہوا اور اس پر مسرت و شادمانی کا اتنا غلبہ ہوا کہ قریب تھا کہ خوشی کے مارے گھوڑے سے رگر پڑے۔ لیکن مسخرہ پن کا کمال دیکھو کہ شاعر کو نصف درہم (دونی) انعام دینے کا حکم دیا۔ مسلم عرض پیرا ہوا " امیر المومنین! آپ مجھے اس گیت پر ایک دونی انعام دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہشام اموی کو گانا سنایا تھا تو اس نے مجھے دس ہزار درہم عطا کئے تھے۔"

منصور نے کہا بجا ہے۔ لیکن اس نے یہ رقم بیت المال سے نہ دی ہوگی۔ منصور کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ کسی والئ ملک کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بیت المال کا روپیہ جو قوم کی امانت ہوتی ہے بے دریغ خرچ کرے اور اسراف و تبذیر کا شیوہ اختیار کرے۔

عطا و بخشش کفایت شعاری کا خوگر ہونے کے باوجود منصور کا سحاب کرم ابرِ نیساں بن کر اٹھتا اور صاحبانِ کمال اور اہلِ حاجات کا دامن درہم و دینار سے بھر دیتا تھا۔ اس نے قاضی مدینہ کو اس انصاف پژوہی کی قدر دانی میں دس ہزار دینار تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی رقم خطیر انعام دی تھی۔ اُس نے خلیفہ کے مقابلہ میں شتربانوں کے حق میں فیصلہ صادر کر کے اسلامی معدلت شعاری کی روشن مثال قائم کر دی۔ جس سال مکہ معظمہ میں منصور کی امام مالکؒ سے ملاقات ہوئی خلیفہ نے آپ کو ایک ہزار دینار اور ایک شاہانہ خلعت عطا کیا اور

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۲۔

اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ کے فرزند کو بھی ایک ہزار دینار دے کر قدر دانی اہلِ کمال کا ثبوت دیا۔

ابودُلامہ شاعر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے خلیفہ کو اس کو اطلاع دی اور ساتھ ہی چند شعر بھی لکھ بھیجے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص آفتاب سے بھی بلند مقام پر بیٹھ سکتا ہے تو اے آل عباس تم اس کے مستحق ہو اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ تم شعاعِ شمس سے بھی زیادہ پھیلو اور ترقی کرو اور آسمان پر جا کر فروکش ہو کیونکہ تم سب سے زیادہ صاحبِ کرم ہو۔ اس کے بعد خود حریم خلافت میں حاضر ہو کر باریاب ہوا اور ایک خالی تھیلی خلیفہ کے سامنے ڈال دی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابودلامہ کہنے لگے۔ امیرالمومنین مجھے جو کچھ عطا کرنا ہے اس میں دیدیجئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ تھیلی درہموں سے بھر دی جائے۔ چنانچہ اس میں دو ہزار درہم آئے جو ابودلامہ کو دے دیئے گئے۔

اس کی کرم گستری کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے دس چچوں عبداللہ و عبدالصمد، اسماعیل، عیسیٰ داؤد، صالح، سلیمان، اسحاق، محمد اور یحییٰ (پسران علی) کو دس لاکھ درہم عطا کئے تھے۔

عیسیٰ بن نہیک کے غلام زید کا بیان ہے کہ میرے آقا کی وفات کے بعد منصور نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا کہ تمہارا مالک ورثاء کے لئے کتنا مال چھوڑ گیا ہے؟ میں نے کہا جس قدر زر و مال چھوڑا تھا اس کی بیوی نے ادائے قرض اور دوسری ضروریات پر اٹھا دیا۔ پوچھنے لگا اس کی کتنی لڑکیاں ہیں؟ میں نے کہا چھ۔ خلیفہ تھوڑی دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ کل صبح آکر ذرا مہدی سے مل لینا۔ میں نے دوسرے دن شہزادہ مہدی سے ملاقات کی تو اس نے مجھے ایک لاکھ اسی ہزار درہم عطا کئے اور صرف اسی بدل و عطا پر اکتفا نہ کیا بلکہ چھوٹی لڑکیوں کے لئے تیس تیس ہزار درہم الگ عطا فرمائے۔

منصور کی ایک شانِ فیاضی یہ تھی کہ وہ ان حاملینِ شریعت اور علمائے راسخین کو

جنہیں دین کی خدمت انہماک اسباب معیشت سے فارغ رکھتے تھی ۔ بہت گراں بہا مالی امداد دے کر پشت پناہی کرتا تھا ۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ امام مالکؒ اور ابن سمعان کے پاس پانچ پانچ ہزار دینار کی تھیلیاں بھیجی تھیں اور دونوں حضرات نے اس پیش کش کو قبول کر لیا تھا ۔[1]

لہو لعب سے نفرت

احماد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المؤمنین منصور کے پاس حاضر ہوا اتنے میں باجہ بجنے کی آواز آئی ۔ منصور نے مجھ سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے ؟ میں باہر گیا اور دیکھا ایک غلام طنبورہ بجا رہا ہے اور لڑکیاں اس کے گرد تماشہ دیکھ رہی ہیں ۔ میں نے آکر اطلاع دی ۔ پوچھا طنبورہ کیا ہوتا ہے ؟ میں نے اس کا حال بیان کیا ۔ کہا تم نے کہاں دیکھا ؟ میں نے کہا خراسان میں ۔ خلیفہ باہر آگئے ۔ لڑکیاں تو بھاگ گئیں ۔ پھر حکم دیا کہ یہ طنبورہ اس کے سر پر مارو اور نکال دو ۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ نکال دیا گیا ۔[2]

سلامتِ طبع

منصور کے سلیم الطبع ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعل و عمل پر کسی کی زبان سے نکتہ چینی سن کر چیں بجبیں نہیں ہوتا تھا ۔ بلکہ اگر بات حق ہوتی تو اسے فوراً قبول کر لیتا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ افریقہ کا ایک قاضی دربارِ خلافت میں حاضر ہوا جو طالب علمی میں منصور کا ساتھی رہ چکا تھا ۔ منصور نے اس سے پوچھا ۔

> ”تم کو میری حکومت اور بنو امیہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گزرتے ہوئے آئے ہو ان میں نظم و نسق کا کیا حال ہے ؟“

قاضی نے جواب دیا ۔ اے امیر المؤمنین ! میں نے اعمالِ بد اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے ۔ پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس ظلم و جور کا سبب آپ کا ان علاقوں سے

---

[1] طبری جلد ۹ ص ۳۰۸ [2] ایضاً ص ۳۰۹ ۔

دور ہوتا ہے۔ لیکن میں جتنا قریب آتا گیا معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا منصور نے یہ سن کر اپنی گردن جھکائی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟ قاضی نے جواب دیا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے لوگ بادشاہِ وقت کے تابع ہوتے ہیں۔ بادشاہ اگر نیک ہو گا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر بد ہوگا تو رعایا بھی نیک نہیں ہوسکتی [1]

سادگی منصور کے حالات پڑھنے کے بعد اس کی جلالتِ شان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس پایہ کا انسان تھا عظیم الشان شہنشاہ اور باجبروت حکمران ہوتے ہوئے بھی اپنے اسلاف کی سادہ زندگی کو جزوِ زندگی بنائے ہوئے تھا۔

محمد بن سلیمان عباسی ایک روز بغرضِ عیادت امیرالمؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے منصور خاص محل میں تھا دیکھا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے عرض میں سال کی لکڑی رکھی ہوئی ہے اور پردہ لٹکا ہوا ہے جیسے مسجدوں میں ہوتا ہے۔ ابن سلیمان کہتا ہے میں کمرہ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاف زمین پر نہ کوئی فرش ہے نہ کچھ پہننے کے کپڑے ہیں۔ منصور رونق افروز ہے میں نے عرض کیا بس یہ سامان ہے۔ فرمایا ہاں۔ ایک لحاف و چادر [2] کے سوا خلیفہ کے بستر میں کچھ نہ تھا یہ تھا عظیم المرتبت بادشاہ کے رہنے سہنے کا کمرہ اور وہ تھی اس کی زندگی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

عہدِ منصور کے جلیل القدر علماء

امام زُفَر بن ہُذَیل بن قیس العنبری سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے

---

[1] مسلمانوں کا عروج و زوال مطبوعہ ندوۃ المصنفین مؤلفہ سعید احمد ایم اے ص ۱۱۴۔

[2] طبری جلد ۹ صفحہ ۳۰۵۔

شاگرد تھے فقیہ بے عدیل اور محدث تھے۔ امام اعظمؒ نے ان کے متعلق فرمایا۔
"ہذا زفر امام من ائمۃ المسلمین"
۱۵۸ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔
مسعر بن کدام کوفی طبقۂ کبارِ اتباع میں سے ہیں۔ نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ آپ سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری کے استاد ہیں۔ آپ کی جلالت قدر و حفظ و اتقان متفق علیہ ہے۔ امام اعظم سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔
عبید اللہ مصغر بن عمر بن حفص بن عاصم بن امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ابوعثمان کنیت ہے۔ مدنی "من اجلۃ الثقاۃ" ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔[1]
ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ شعبہ و ابن عیینہ و ابو مسلم و ابن معین امیر المومنین فی الحدیث سے خطاب کیا کرتے تھے۔ فقہ و حدیث و زہد میں مشہور و معروف تھے۔ ۱۶۱ھ میں انتقال کیا۔
(تہذیب الکمال)
الزہری محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ، بن شہاب بن عبد اللہ ابن الحارث بن زہرۃ قرشی مدنی ان کے حالات اور علمی خدمات کا ذکر منصور کے حالات میں آچکا ہے۔ رمضان ۱۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ شام کے قریہ شغبدا میں دفن ہوئے۔
(تہذیب الاسماء واللغات)
ابن اخیہ اسمٰعیل بن محمد بن سعد ابو محمد المدنی ۱۲۴ھ میں انتقال کیا۔
(تقریب التہذیب)
حماد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری ابو اسماعیل کوفی فقیہ، ان کو مرجیہ سے متہم کیا جاتا تھا۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب)
اسمٰعیل بن عیاش عنبی حمصی، علمائے اعلام سے تھے۔ ۱۸۲ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب)۔

محمد بن المنکدر ابن عبید اللہ بن الهدیر التیمی مدنی ثقہ فاضل ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ (تقریب)

ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام الاسدی مدنی امام مالکؒ امام اعظم شعبہ جیسے حضرات نے ان سے سماعت حدیث کی۔ ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ (اسعاف المبطا برجال الموطا۔)

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری ابو سعید المدنی مدینہ کے قاضی تھے۔ ثقات میں شمار ہے۔ کثیر الحدیث حجہ ۱۴۳ھ میں وفات ہوئی۔ (الاسعاف)

ابراہیم الصائغ بن میمون المروزی فقیہ محدث شاگرد امام اعظم بپیشہ زرگری تھا۔ ابو مسلم خراسانی کو منکرات شرعیہ سے سختی سے منع کیا کرتے۔ آخر اس نے ۱۳۱ھ میں مرو میں شہید کرا دیا۔ (مقدمہ فتاوی ہندیہ)

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کوفی فقیہ محدث امام اعظم اور امام ابو یوسف سے فقہ حاصل کی شیخین نے ان سے تخریج کی۔ ۱۶۰ھ میں وصال ہوا۔

خلیفہ ابو عبداللہ محمد مہدی

محمد مہدی بن ابو جعفر منصور عباسی۔ ان کی والدہ اروی خاندان حمیری سے تھیں۔ مہدی ۱۲۶ھ میں مقام ایدج میں پیدا ہوا۔ والدہ کا نام ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ تھا۔

تعلیم و تربیت مہدی نے باپ کے سایہ میں نشوونما پائی۔ دربار کے اکابر علماء کی نگرانی میں علوم مروجہ حاصل کئے۔ حدیث کی سماعت اپنے باپ اور مبارک بن فضلہ جیسے عالم متبحر سے کی[1] اور اس سے یحییٰ بن حمزہ،

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۱۳۳۔ جلد ۶۔

جعفر بن سلیمان صبیعی محمد بن عبداللہ رقاشی اور ابوسفیان سعید بن یحییٰ حمیری نے روایت کی۔

منصور نے خالد بن برمک کو مہدی کا اتالیق مقرر کیا اور ہدایت کر دی کہ رزم ہو یا بزم، خالد ہر جگہ مہدی کے ساتھ رہے۔ مہدی کو امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ بھیجا جہاں سے اُس نے سندِ حدیث لی۔ واپسی کے بعد منصور نے رے اور طبرستان کی حکومت مہدی کے سپرد کر دی اور خالد کو ساتھ کر دیا[1]

دارالحکومت پہنچ کر مہدی عیش وطرب میں پڑ گیا۔ مگر خالد نے اس کی طبیعت کو حکمرانی کی طرف پھیر دیا۔

سوانح ۱۵ سال کی عمر (۱۴۱ھ) میں منصور نے مہدی کو خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کے فرو کرنے کے لئے امیر الجیش بنا کر بھیجا۔ اس نے اس مہم کو سر کیا۔ پھر طبرستان میں جہاد کیا۔ ۱۴۴ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی۔

شادی ربطہ بنت سفاح کے ساتھ منصور نے مہدی کی شادی کر دی۔ مہدی کی طبیعت میں اوائل عمر سے سخاوت کی طرف میلان تھا اور بڑے داد دہش کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک دفعہ ایک شاعر آیا اُس نے ایک قصیدہ مہدی کی شان میں پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ھو المہدی الا ان فیہ ـــــــ "وہ مہدی ہیں اور خوب صورتی میں پورے
مشابہۃ صورۃ القمر المنیر ـــــــ چاند کے مشابہ ہیں۔"[2]

مہدی نے شاعر کو بیس ہزار درہم عطا کئے۔ منصور کو خبر لگی تو اُس نے شاعر کو بلایا اور قصیدہ سنا اور کہا صرف چار ہزار درہم لو بقیہ واپس کر دو اور مہدی کو تنبیہ کی اور یہ تحریر کیا کہ جب کوئی شاعر سال بھر تک تمہارے درِ دولت پہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۵ و سبائک الذہب صفحہ ۸۵ [2] طبری جلد ۹ صفحہ ۳۰۰۔

حاضر ہیئے تو چار ہزار درہم اس کو دیدیا کرو ورنہ یہ کہ ایک قصیدہ پر بیس ہزار دیدو۔

بیعت خلافت منصور کی وفات مکہ کے قریب ہوئی جو عمائد سلطنت ساتھ تھے ان سے ربیع کاتب نے اور اہل مکہ سے عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان نے بیعت کی۔ مہدی منصور کی وفات کے بعد بارہویں ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو تخت خلافت پر بغداد میں متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔

نظم مملکت عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی مہدی نے جملہ سیاسی قیدیوں کو آزاد کر دیا اور جائدادیں واگذاشت کر دیں۔ اور ان کو انعام واکرام سے نوازا۔[1]

منصور دولت بنی عباس کو تمام خرشوں سے پاک صاف کر گیا تھا۔ ملک فارغ البالی اور خوشحالی کی طرف دن بدن بڑھ رہا تھا۔ مہدی نے اپنی توجہ زیادہ تر اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ اس کا عہد ولید اموی کے مشابہ تھا۔

رفاہِ عام کے کام مہدی نے مکہ معظمہ کے راستے درست کرائے۔ قافلوں کے لئے جابجا سرائیں بنوائیں۔ جو سرائیں شکستہ تھیں ان کو درست کرایا۔ ہر ہر منزل پر کنوئیں کھدوائے۔ قافلوں کے جانوروں کے لئے کنوؤں کے حوض بنوائے۔ خانہ کعبہ کی عمارت کی توسیع کرائی[2] چاروں طرف رواق تعمیر کرائے اور ان میں سنگ رخام کے ستون لگوائے[3] اسی زمانے میں مسجد نبویؐ کی عمارت میں ترمیم و توسیع کی۔[4]

جذامیوں کی اعانت جذامیوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیئے۔ اور ان کے لئے حکم تھا کہ وہ گذرگاہوں پر نہ پھریں۔

محکمۂ برید بغداد مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور یمن کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔[5]

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صـ ۴۶۵ [2] تاریخ مکہ ازرقی جلد اول صـ ۱۷۵ [3] دول اسلام ذہبی جلد ۱ صـ ۸۲

[4] خلاصۃ الوفاء صـ ۱۴۳ [5] تاریخ الخلفاء صـ ۲۷۲

بیدار مغزی مہدی کی طبیعت اگرچہ عیش و عشرت کی طرف راغب تھی۔ مگر اس نے حکومت کے فرائض میں کبھی غفلت نہیں کی۔ اپنے والد منصور کی طرح حکومت کی تمام جزئیات پر نگاہ رکھتا تھا[1] جنگوں میں شرکت کرتا تھا اور اس کی عیش پرستی نظامِ حکومت میں کبھی خلل انداز نہ ہوئی۔[2]

محکمۂ حساب مہدی نے ایک نیا عہدہ محتسب کا قائم کیا تھا جس کے متعلق شہر کا انتظام اور ہر قسم کی نگرانی اور قیامِ امن کا کام تھا۔ وہ سپاہیوں کو ہمراہ لے کر وقتاً فوقتاً بازاروں میں گشت کرتا رہتا جو اوامر و احکام دیوان ضابطیہ سے جاری ہوتے ان کی تعمیل کراتا۔ سوداگروں کے اوزان اور پیمانوں کو جانچنا پڑتا تھا۔ اگر کہیں دھوکہ پاتا تو مجرم کو فوراً اس کی دکان کے ہی روبرو سزا دیتا۔[3]

وقف مساجد اور مدارس کے لئے محکمۂ وقف قائم کیا۔ مہدی کو زمانہ سکون کا ملا تھا۔ اس نے اپنی مملکت کی ترقی و رفاہیت کی جانب زیادہ توجہ دی۔ بادشاہ کی نظرِ التفات دیکھ کر علماء و امراء بھی امورِ نافعہ کی طرف لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کی قوم تمدن میں بہت جلد اس درجۂ عالیہ تک پہنچ گئی کہ تجارت، صنعت اور علوم و فنون ادبیہ میں ہمسایہ قوموں سے آگے نکل گئی۔

خلیفہ کے خلاف دعویٰ

ایک دن مہدی عباسی عدالت میں تھا۔ ضرورت مندوں کی مختلف درخواستیں گزر رہی تھیں۔ اس پر غور کر کے آپ احکام صادر کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور سلام کر کے بولا۔ امیر المومنین اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو یا ایک نے دوسرے کا حق چھینا ہو تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لا سکتا اور اپنے درد کی

---

[1] الفخری صفحہ ۱۶۲ [2] تاریخ الخلفاء

[3] تاریخ عرب موسیو سدلیو، فرانسیسی صفحہ ۱۹۔

دوا پاسکتا ہے۔ لیکن جسے خود امیر المؤمنین پر دعویٰ کرنا ہو وہ کہاں جائے اور کیا کرے مجھے آپ کے خلاف استغاثہ کرنا ہے۔ بتائیے آج پیش کروں یا کل؟ قیامت کے دن مالک یوم الدین کی عدالت میں جہاں کسی قسم کی طرفداری یا ناطرفداری کی سازش نہ ہوگی۔ مہدی نے جواب دیا۔ اگرچہ تمام دنیوی حاکموں کا سر ہمارے حکم کے سامنے خم ہے۔ مگر شریعت کے حضور میں ہم بھی سر جھکاتے ہیں لہٰذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا اور تم اپنا انصاف اس دنیا میں پاسکو گے۔

یہ کہہ کر امیر المؤمنین مسندِ خلافت سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس شخص کو ہمراہ لئے ہوئے قاضی کی عدالت میں پہنچے اور اس کے پاس بیٹھ کر بولے اپنا دعویٰ پیش کرو۔ اس شخص نے قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کیا۔ امیر المؤمنین نے جواب دہی کی۔ اس پر قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی جو اس شخص نے پیش کی۔ قاضی نے معائنہ کر کے اس پر حکم لکھا جو مہدی کے خلاف اور مدعی کے حق میں تھا۔ خلیفہ نے قاضی کے سامنے سر جھکا دیا اور مدعی کا مطالبہ پورا کر دیا۔[1]

قیدیوں کے عیال کی خبر گیری

مہدی کے عہدِ خلافت میں قیدیوں کے عیال کی گذر اوقات کا انتظام حکومت کے ذمہ تھا۔

مسجد حرام کی توسیع

مسجد حرام کے ارد گرد مکانات خرید کر اس کو بڑھوایا اور اپنے نام کا کتبہ لگوایا۔ ولید اموی کے نام کا جو کتبہ عمارت پر لگا ہوا تھا اس کو مٹوا دیا اور پرانے غلافوں کو اتروا کر اس کی دیوار پر مشک و عنبر خوشبو کے لئے ملوایا اور قباطی خز اور دیبا کے تین غلاف چڑھائے۔[2]

اہل مکہ کے ساتھ سلوک

مکہ مدینہ کے جملہ حقوق بحال کئے۔ اولادِ رسول کی جائدادیں جو عہدِ منصور میں قرق کر لی گئی تھیں

---

[1] جامع الحکایات صـ۱۳ [2] تاریخ مکہ ازرقی صـ۱۷۶۔

وہ بحال کر دی گئیں۔ پانچ سو جوان انصارِ مدینہ سے منتخب کر کے لشکرِ حضور میں رکھے۔ حرمین کے باشندوں میں کئی کروڑ نقد اور ڈیڑھ لاکھ پارچہ تقسیم کئے۔[1] علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ حرمین کے بسنے والوں کی اتنی خدمت کسی خلیفہ نے نہ کی تھی۔ مدرسے، محتاج خانے، پاگل خانہ، شفا خانہ، بنوائے۔ نہروں کو ترقی دی۔

فتنۂ زنادقہ مرو کے ایک گاؤں میں ایک شخص مقنع خراسانی نمودار ہوا۔ اس کا نام حکیم بن عطا تھا۔ ایک چشم تھا اور بدہیئت سونے کا چہرہ منہ پر چڑھائے رکھتا تھا۔ اس نے چند اجزاء کو مثل پارے وغیرہ کے ملا کر شعبدہ کے طور پر ماہ نخشب بنایا تھا۔[2] یہ چاند دو مہینے تک ہر رات کو ایک کنوئیں سے جو کوہِ سیام کے نیچے واقع تھا نکلتا تھا اور بارہ میل تک اس کا لمعہ نور پہنچتا تھا۔ یہ کنواں نخشب شہر کے متصل علاقہ ماوراء النہر میں واقع تھا۔ مقنع خراسانی اس شعبدوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے لگا۔ یہ شخص تناسخِ ارواح کا قائل تھا۔ پھر دعوئے الوہیت کر بیٹھا۔ کہتا تھا خدا نے پہلے آدمؑ میں حلول کیا، پھر نوحؑ میں، اسی طرح مختلف انسانوں کے قلوب میں منتقل ہوتا ہوا ابومسلم خراسانی کے بعد اس میں جلوہ گر ہوا ہے۔[3]

ماوراء النہر کے علاقہ کے لوگ کثرت سے اُس کے معتقد ہو گئے اور اس کے مستقر کی سمت سجدہ کرنے لگے۔ اس فتنہ کی خبر مہدی کو ہوئی تو اُس نے معاذ بن مسلم کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقنع نے کش کے قلعہ میں پناہ لی۔ آخر میں جب عساکرِ عباسی کی یلغار سے بچنے کی صورت نہ دیکھی تو زہر کھا کر مر گیا اور اپنے اہلِ خاندان کو بھی زہر دے دیا۔ اس کے بہت سے ساتھی تلوار کے گھاٹ اُترے اور بقیہ تائب ہو گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۶۱ھ کا ہے۔[4]

---

[1] دول الاسلام جلد اوّل صفحہ ۸۳ [2] الفخری صفحہ ۱۶۱ [3] ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۹

[4] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۲۰۷ و ابن اثیر جلد ۶

بغاوت یوسف البرم خراسان میں ۱۶۲ھ میں یوسف بن ابراہیم المعروف بہ برم نے بغاوت کی۔ یزید بن مزید شیبانی نے یوسف کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور دارالخلافہ بھیج دیا۔ یہاں باغیوں کے سر قلم کر دیئے گئے[1] اور اس طرح بغاوت کا فتنہ ختم ہوا۔

عبدالسلام بن ہاشم لشکری نے جزیرہ میں بغاوت کی۔ شبیب بن قنسرین کے ہاتھوں یہ بغاوت ختم ہوئی۔ ایسے ہی مصر میں فتنہ اٹھا۔ حاکم موسیٰ بن مصعب نے باغیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مہدی نے فضل بن صالح کو بھیجا اس نے مصر میں امن وامان قائم کر دیا[2]۔

جنگیں مہدی کے زمانہ میں عام امن وسکون تھا۔ اس کا معاصر شارلمین بادشاہ فرانس تھا۔ اس نے اندلس پر حملہ کرنے کے لئے خلافت بغداد کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ رومیوں سے البتہ جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ ۱۶۳ھ میں مہدی نے عظیم الشان فوج سے ان کا مقابلہ کیا اور بہت سے مقاموں کو فتح کیا۔ قلعہ سمالا پر ۳۸ دن محاصرہ رکھا اور اس پر قبضہ کیا[3]۔ پھر دارالخلافہ واپس آیا۔ مہدی نے اپنے عہد میں اتنی فوج کشیاں کیں کہ بنو امیہ کے بعد اس کی مثال نہیں ملتی۔ گرمائی فوجیں رومی ممالک پر ہر سال حملہ آور ہوتی تھیں۔ مہدی کے چچا نے ادہرہ فتح کیا[4]۔ میخائیل رومی دس ہزار فوج سے نکلا جس کو حسن بن قحطبہ نے آ لیا اور اس کو ناکام جانا پڑا۔ ۱۶۵ھ میں مہدی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھیجا۔ یہاں ملکہ ایرینی حکمران تھی اس نے ہارون سے نوے ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ واپسی میں ہارون کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل میں اس نے اسلامی فوج کے لئے بازار لگوائے اور راہنما ساتھ کئے تاکہ وہ آرام سے گزر جائے۔

---

[1] یعقوبی ۴۸۲ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ [3] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۱۳۔
[4] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۹۔

رومیوں نے ایک سال رقم ادا نہ کی تو سلیمان بن علی والیِ جزیرہ نے خلیفہ مہدی کے حکم سے روم پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست دی اور تمام مالِ غنیمت قبضہ میں کر لیا۔

ہند پر حملہ ہندوستان میں دریائے سندھ تک اسلامی قبضہ تھا۔ مہدی نے ۱۵۹ھ میں عبدالملک بن شہاب کو دس ہزار فوج کے ساتھ بحری راستے سے بھیجا۔ اُس نے شہر باربد کا محاصرہ کر لیا اور تین دن میں اس کو فتح کر لیا مگر وہاں کی آب و ہوا اس نہ آئی اس لئے لوٹ آئے [۱]

حکمرانوں سے معاہدے سرحدی علاقوں کے غیر مسلم حکمران اکثر حکومت کے باغیوں سے ساز باز کر لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات حکومت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس وجہ سے مہدی نے ۱۶۴ھ میں اپنے ماتحت باجگزاروں اور سرحدی حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجے اور اُن سے صُلح و مفاہمت کر لی جس سے خطرہ کا سدِ باب ہو گیا۔ اس سلسلہ میں کابل، طبرستان، صغد، طخارستان بامیان، فرغانہ، اثروسنہ، سجستان، ترک، تبت، سندھ، فغور چین اور بعض راجگانِ ہند نے مہدی سے اطاعت کے معاہدے کر لئے [۲]

وزارت مہدی کا پہلا وزیر ابو عبداللہ معاویہ بن یسار تھا۔ یہ علوم ادبیہ کا ماہر اور بے نظیر انشا پرداز تھا۔ پہلے مہدی کا میر منشی رہا منصور ہمیشہ مہدی کو معاویہ کے مشورہ پر عمل کرنے کی ہدایت کرتا رہتا تھا [۳] چنانچہ مہدی نے موقع پا کر اس کو وزیرِ اعظم کر دیا۔ اس نے تمام دفاتر کی تنظیم کی اور ازسرِ نو ان کو ترتیب دیا۔ خراج میں یہ ترمیم کی کہ نقد لگان کی جگہ پیداوار کے ایک حصہ کی تحصیل کا دستور مقرر کیا۔ اس نے اصولِ خراج پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ ربیع حاجب کو ابو عبداللہ نے منہ نہ لگایا۔ وہ اُس کے دَرپے تخریب ہُوا۔ زندیقوں سے مہدی کو عنادِ قلبی تھا۔ ربیع نے مہدی سے کہا ابو عبداللہ کا لڑکا ملحد ہے۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صہ ۱۶ [۲] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ [۳] الفخری صہ ۱۶۳۔

مہدی نے اس سے قرآن سنا اس نے غلط پڑھا اس پر اس کے قتل کا حکم دے دیا اور ابو عبداللہ کو ۱۶۱ھ میں معزول کر دیا جس کے صدمہ سے وہ ۱۷۰ھ میں مر گیا۔[1] اور یعقوب بن داؤد جو ادب میں یکتائے روزگار تھا اور زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا اس کو وزیر بنا لیا۔ اس نے زیدیہ کے فتنہ سے حکومت کو بچا لیا۔ بڑے بڑے عہدے ان کو دیئے اس نے رئیس زیدیہ اسحاق بن فضل کو ابھارا جس کی مہدی کو خبر ہو گئی۔ چنانچہ اس کا مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور اس کو مع گھر والوں کے قید کر دیا[2] یعقوب کے بعد فیض بن صالح نیشاپوری وزیر ہوا جو مہدی کی وفات تک اپنے منصب پر رہا۔ یہ بھی ادب میں کامل تھا۔ مگر متکبر تھا۔ جود و کرم میں عدیم النظیر تھا۔ فیض مہدی کی وفات تک وزیر رہا۔ اس نے ۱۷۳ھ میں وفات پائی[3]

سیرتِ مہدی مہدی شرم و حیا کا پیکرِ مجسم تھا۔ اس کے سامنے سیاسی مجرم لایا جاتا تو کہہ سن کر چھوڑ دیتا۔ ایک دن نماز میں یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اگر تم کو بادشاہت ملے تو کچھ عجب نہیں کہ دنیا میں تم فساد پھیلاؤ اور باہمی رشتوں کو توڑ دو"

اس زمانے میں موسیٰ بن جعفر بن علی اس کے قید خانہ میں تھے ان کو بلوا کر یہ آیت سنائی اور کہا مجھے ڈر ہے کہ اس کا مصداق کہیں میں نہ ہوں۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم کو چھوڑ دوں۔ شرط یہ ہے کہ تم عہد کرو میرے خلاف بغاوت نہ کرو گے۔ انہوں نے وعدہ کیا اور رہا کر دیئے گئے۔

مہدی حلیم الطبع، فیاض، فصیح اللسان، عابد اور سنتِ رسولؐ کا متبع تھا۔ خلفائے بنی امیہ کے وقت میں جو مقصورے بنائے گئے تھے اس نے تڑوا ڈالے

---

[1] الفخری صـ ۱۹۶ [2] یعقوب کو ہارون نے آزاد کیا اور مکہ میں ۱۸۶ھ میں فوت ہوا

[3] الفخری صفحہ ۱۶۹۔

ممبروں کو جو اُونچے تھے نیچے کرا دیئے، جتنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اتنے ہی رکھے۔ مہدی کا غلام ابوعون بیمار پڑا۔ مہدی اُسے خود دیکھنے گیا۔ اُس نے کہا جو وصیت ہو مجھ سے کہو پوری کر دُوں گا۔ اس نے کہا آپ مجھ سے خفا ہیں راضی ہو جائیے۔ مہدی نے کہا تم شیخین کو بُرا کہتے ہو اس لئے خفا ہوں توبہ کرو میں راضی ہوں گا۔ اُس نے کہا پہلے آپ لوگ اپنا حق کہتے تھے اور ہم آپ کی حمایت میں اُن کو غاصب کہتے تھے۔ اگر اب کوئی بات نئی ہو گئی ہے تو وہ فرمائیے ہم اس کے مطابق عمل کریں۔

حج مہدی نے جس شان و شوکت سے سفرِ حج کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ساٹھ لاکھ دینار خیرات میں صرف کئے [1]

فتنۂ وضع حدیث مہدی کے زمانہ میں دس محدث آئے ان میں مرج بن فضالہ اور غیاث بن ابراہیم بھی تھے۔ غیاث کو معلوم تھا کہ مہدی کو کبوتروں کا شوق ہے۔ مہدی نے غیاث سے کہا۔ آپ کوئی حدیث بیان کیجئے وہ کہنے لگا۔

"ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سبقت صرف گھوڑوں میں مناسب ہے یا تیر اندازی میں یا پرندوں کے رکھنے میں"

مہدی کو اس جھوٹے خوشامدی محدث پر غصہ آیا مگر خاموش ہو گیا اور اس کو دس ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تم جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہو۔ اس کے جانے کے بعد حکم دیا کہ چونکہ اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر کے مجھے لہو ولعب کی طرف اور زیادہ مائل کرنا چاہا اس لئے کبوتر خانہ کو منہدم کرا دیا اور اس کا نگران وقوف کر دیا اور تمام کبوتر ذبح کرا دیئے [2]

تبع تابعین کی تعداد جس قدر کم ہوتی جا رہی تھی اسی قدر اُن کی طرف عام التفات

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۹۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۹۔

بڑھتا جا رہا تھا۔ سوا سو برس میں نئی نئی اقوام اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ نومسلموں میں اسلام کا نیا جوش تھا۔ فاتح قوم میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہ تھی کہ علوم دینی میں تبحر کا درجہ حاصل کریں۔ اس ذوق و شوق کا نتیجہ تھا کہ ممالکِ اسلامیہ میں گھر گھر کثرت سے حدیث و روایت کا چرچا ہونے لگا۔ صدہا درس گاہیں کھل گئیں، احادیث کے مجموعے کثرت سے مرتب ہو گئے۔ لیکن جس قدر حدیثوں کی اشاعت کو وسعت حاصل ہوئی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا گیا۔

اربابِ روایت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ ان میں مختلف خیال، عادات، مختلف عقائد اور مختلف قوموں یہود، نصاریٰ، مجوس میں سے لوگ شامل ہو گئے۔ اہلِ بدعت (شیعہ خوارج، قدریہ جبریہ) جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ یہود نے اپنے یہاں کی خرافات جو اسرائیلیات کے نام سے ہے ان کو احادیث کی صورت میں ڈھال دیا۔ مجوس نے عرب فاتحین کے عناد اور کینہ پروری سے ثقہ مسلمان کی صورت بن کر حدیث میں بہت کچھ اپنا عقیدہ شامل کر دیا۔

مہدی کا زمانہ تمام عالمِ اسلامی میں سکون کا زمانہ رہا۔ اہلِ فساد بے فکری سے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ گو جھوٹی حدیثیں بنانے کا فتنہ منصور کے زمانے میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں ابن العوجا ایک شخص تھا جس کا نام عبدالکریم تھا۔ ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے کہ محمد بن سلیمان بن علی گورنر کوفہ کو اس کے چال چلن کی نسبت شبہ پیدا ہوا۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ حدیث وضع کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کو فوراً گرفتار کیا اور حوالات بھیج دیا گیا۔ یہ خلیفہ منصور کا مقرب امیر عرب معن بن زاہدہ شیبانی کا قریبی عزیز تھا مگر محمد بن سلیمان نے اس کی پرواہ نہ کی۔ لوگوں نے سفارش کی خلیفہ ناخوش ہوئے اور ابن سلیمان کو گورنری سے معزول کر دیا۔ اس کو ایک لاکھ کا لالچ دیا گیا کہ عبدالکریم قتل نہ ہو۔ مگر ابن سلیمان نے عبدالکریم کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اِدھر منصور نے حکم امتناعی ابن سلیمان کے پاس بھیجا۔ ایلچی جو آیا اُس کے سامنے ابن سلیمان نے

ابن ابی العوجا کا سر ڈال دیا کہ یہ حدیث گھڑنے والے کا سر ہے۔

جس وقت ابن ابی العوجا قتل ہونے لگا تو کہنے لگا۔ تم مجھے قتل کرتے ہو تو کرو مگر خدا کی قسم! میں نے چار ہزار حدیثیں بنائی ہیں جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا چکا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے روزے میں تم کو افطار کرایا ہے اور افطار کے دن روزہ رکھوایا ہے[1]

ابن عدی نے جعفر بن سلیمان سے ایک سند بیان کر کے کہا کہ میں نے خلیفہ مہدی عباسی سے سنا وہ کہتا تھا کہ ایک زندیق نے مجھ سے اقرار کیا ہے کہ میں نے چار سو حدیثیں بنائی ہیں جو عام لوگوں میں پھیل گئی ہیں۔

"ملا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر ص ۲۲۴ میں لکھا ہے کہ صرف شیعوں نے ایک لاکھ حدیث (جس میں زیادہ تر) حضرت علیؓ اور اہلِ بیت کی فضیلت سے گھڑی ہیں"۔

گو دعوت بنی عباس کے داعی سب سے زیادہ شیعانِ علی تھے اور ان کی ہی سعئ بلیغ جھوٹی حدیثوں کی اشاعت پر ہے مگر مہدی نے ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جو زندیق ملتا اُس کو تلوار کے گھاٹ اُتارتا۔ اُس کی اس سخت گیری سے اس فتنہ میں بھی کمی ہونے لگی اور جھوٹی حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرنے لگے۔

منصور کے زمانے میں جو سرمایۂ حدیث جمع ہوا تھا اور وہ مہدی کے سپرد ہوا تھا، مہدی نے اس کی اشاعت کا انتظام کیا۔ حدیث سے اُس کو دلی شغف تھا۔ خود اس سے متعدد احادیث مروی ہیں[2]

اہلِ علم کی مہدی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس سے متعلق جو علماء تھے وہ بڑے

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۶ و ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳ (ذکر حوادث ۱۵۵ھ)

[2] تاریخ الخلفاء ص ۱۵۱۔

پائے کے عالم تھے۔ علامہ قاضی شریک کو ہادی اور ہارون کی اتالیقی پر مقرر کیا تھا۔
قاضی شریک یگانۂ روزگار فاضل تھے۔
حمدان اصفہانی قاضی شریک کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں شریک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مہدی کا لڑکا آیا اور اس نے کھڑے کھڑے کوئی حدیث پوچھی لیکن شریک نے کچھ التفات نہ کیا۔ اس نے پھر پوچھا اور کچھ جواب نہ پایا۔ شہزادے نے کہا کہ آپ شہزادوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ شریک نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک علم کی قدر شہزادوں کی بہ نسبت زیادہ ہے اور وہ اس کو ضائع نہیں کر سکتے یہ سن کر مہدی کا بیٹا دو زانو ہو کر بیٹھا۔ شریک نے کہا کہ ہاں یوں علمی باتیں پوچھی جاتی ہیں[1]

تصنیف و تالیف کا سلسلہ منصور نے جو محکمۂ تراجم قائم کیا تھا مہدی نے اس کو اور ترقی دی بلکہ اس کے زمانے میں ترجمہ و تصنیف کے کاموں کے علاوہ ایک خاص کام یہ انجام پایا کہ اُس نے علماء کو حکم دیا کہ وہ ملحدوں کے رد میں کتابیں لکھیں اور ان کے اعتراضات اور گمراہ کن خیالات کی تردید کریں[2]

علم الکلام مہدی کے عہد میں علم الکلام کی بنیاد پڑی[3]

مہدی کی علمی حیثیت علمی اعتبار سے مہدی کوئی امتیازی درجہ نہ رکھتا تھا لیکن اہل علم خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ دینی علوم سے تو واقف تھا ہی پر شعر و شاعری سے بھی اس کو دل لگاؤ تھا خود بھی شعر کہتا تھا۔
علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔

ولی عہدی مہدی نے بھی منصور کی طرح عیسیٰ بن موسیٰ پر سختیاں کیں بعد میں اس کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا۔ پھر

---

[1] و [2] طبقات الاطباء جلد ا صفحہ ۲۰۵ [3] ایضاً

اپنے بیٹوں موسیٰ، ہادی اور ہارون الرشید کو ولی عہد بنایا۔

وفات سنہ ۱۶۹ھ میں جرجان کی طرف شکار کھیلنے گیا وہاں زخمی ہو گیا بیمار پڑا "ماسندان" میں پہنچ کر ۲۲ محرم کو انتقال کیا۔ مدتِ خلافت دس سال ڈیڑھ ماہ ہے۔

اولاد بطن خیزران سے موسیٰ، ہارون، دو بیٹے اور ابانوقہ ایک دختر اور ریطہ بنت ابو العباس سے علی و عبید اللہ، دو بیٹے اور ایک کنیز سے عباسہ اور بحتریہ بنت الاجہندہ سے عالیہ، منصورا، سلیمہ تین لڑکیاں اور ایک کنیز سے یعقوب اور اسحاق اور ایک سے ابراہیم تھے لیکن بانوقہ نے بچپن میں انتقال کیا۔ باقی رہی عباسہ اس کی شادی خلیفہ ہارون الرشید نے اول محمد بن سلیمان بن علی عباسی سے اور جب اس شہزادہ کا انتقال ہو گیا تو ابراہیم بن صالح بن علی سے اس کا دوسرا نکاح کر دیا۔[1]

ملکۂ دوران خیزران !

خیزران بربریہ خاتون تھی بچپن میں بُردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی۔ جب مہدی کے سامنے یہ خاتون لائی گئی اس نے اس کو ایک لاکھ درہم میں خرید لیا۔ یہ لحاظ حسن و جمال اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ نہایت عقیل اور ذی علم خاتون تھی ابتدائے عمر میں کنیزی کا ٹیکہ قسمت میں لکھا تھا۔ مگر اللہ نے اس پر کرم کیا مہدی کی منظورِ نظر ہو گئی۔ اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ امام اوزاعی سے اُس نے علم حاصل کیا۔ دینیات، شعر اور ادب پر درک تھا امورِ ملکی میں مہدی کو مشورہ دیتی تھی۔ ہادی اور ہارون کے ابتدائی عہدِ خلافت میں کُل سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی۔ فیاضی میں ضرب المثل تھی۔ دروازے پر ہر وقت عام سائلوں کا

---

[1] کتاب المعارف مسلم بن قتیبہ ص ۱۳۰۔

مجمع رہتا تھا۔ ۱۷۱ھ میں حج کو گئی تو عربوں کو اپنی فیاضی سے مالا مال کر دیا۔
۱۲ر جمادی الثانی مطابق ۲۶ر اکتوبر ۷۸۹ء کو انتقال کیا۔ مقابر قریش میں دفن کی گئی۔

اتہام شہزادی عباسہ پر شیعی مؤرخین نے جعفر کے ساتھ عقد کا ایک نیا قصہ کھڑا کر دیا۔ طبری نے جس سے روایت کی ہے احمد ادر زہیریہ معتزلہ (نیم شیعہ) تھے۔ کذب و افتراء اُن کی گھٹی میں تھا ہزاروں حدیثیں جنہوں نے گھڑ لیں اُن کے لئے یہ واقعہ گھڑ لینا کیا مشکل تھا۔ متاخرین مؤرخین میں سے خاوند شاہ مصنف روضۃ الصفا مزے لے لے کر قصہ کو کہتا ہے لہٰذا اس بحث میں پڑنا بے کار ہے۔ غور و انصاف کی نظر سے یہ دیکھئے کہ کہاں خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی بہن شہزادی عباسہ اور کہاں ایک عجمی غلام جعفر مجوسی النسل، دونوں کے مرتبہ اور شان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جعفر کا دادا خالد جس کو بعض مؤرخین کہتے ہیں جعفر بلخی (برمک اصفر) کی جورو فتح بلخ پر صالح بن مسلم کے ہاتھ آئی انہوں نے عبداللہ بن مسلم کو دے دی۔ اس کے بطن سے خالد تھا وہ عورت جعفر کے پاس واپس چلی گئی وہاں اس کی پرورش ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب [۲]

علمائے عہد

شعبہ ابن ابی ذہب۔ حضرت سفیان ثوری۔ حضرت ابراہیم بن ادھم زاہد۔ داؤد طائی زاہد۔ بشار بن برد۔ حماد بن سلمہ۔ ابراہیم بن طہمان۔ خلیل ابن احمد صاحب العروض [۳]

۴

---

[۱] موضوعات کبیر ملا علی قاری [۲] البرامکہ صد ۱۳ [۳] تاریخ الخلفاء صد ۱۵۲۔

خلیفہ الہادی ابو محمد موسیٰ

الہادی محمد مہدی بن ابو جعفر منصور عباسی، ہادی کی والدہ کا نام خیزران تھا۔ یہ خاتون خلیفہ مہدی کی مملوکہ کنیز تھی۔ اس کے ہی شکم سے ہارون اعظم اور ہادی پیدا ہوئے ہادی رَے میں ۱۴۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔

مہدی نے خیزران کے ساتھ ۱۵۹ھ میں نکاح کیا تھا اور مہدی کے دل میں خیزران کی حسن لیاقت کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آخر ش یہ مہدی کی ملکہ بنی۔ یہ خاتون بڑی عقیل و دانا تھی اور سیاستِ ملکی سے دل چسپی لیتی تھی۔ مہدی اکثر ملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

تعلیم و تربیت مہدی نے ہادی کو قاضی شریک کی نگرانی میں تعلیم دلوائی۔ استعداد معقول تھی مگر اپنے بھائی ہارون کے مقابلے میں علمی اعتبار سے یہ کچھ نہ تھا۔

ولی عہدی ہادی سولہ برس کی عمر میں ولی عہد بنایا گیا۔

بیعتِ خلافت ہادی، مہدی کی زندگی میں فوج لے کر جرجان کی طرف گیا ہوا تھا وہیں مہدی کی وفات کی خبر پہنچی۔ یحییٰ ابن خالد برمکی اور ہارون الرشید ماسبندان میں مہدی کے ساتھ تھے۔ وہیں ان دونوں نے ہادی کے لئے ارکانِ سلطنت سے بیعت لی اور مہر عصا اور رداء خلافت مع تعزیت نامہ اور تہنیت کے ہادی کے پاس جرجان بھیج دیئے۔ ہادی وہاں سے بغداد واپس آ کر صفر ۱۶۹ھ میں مسندِ خلافت پر بیٹھا اور عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ ربیع کو منصبِ وزارت پر سرفراز کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی۔

زندیقیوں کا اِستیصال

ہادی نے پہلا کام یہ کیا کہ جو زندیق سامنے آیا اس کو تلوار کے گھاٹ اتارا[1]۔ یعقوب بن فضل قید میں تھا باپ کی وصیت پر اس کو گھاٹ کنارے لگایا۔ اس کے عہد میں پیروانِ مانی کا فتنہ اُٹھا۔ یہ لوگ نور اور ظلمت دو خداؤں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے جو شخص بھی ملا وہ ختم کر دیا گیا۔

حسین بن علی کا ظہور

۱۶۹ھ میں حسین بن علی بن حسن المثلث نے مدینہ میں امامت کا اعلان کیا۔ کوفیوں نے سنا تو بخوشی اس کی دلی تائید کی۔ حسین نے اہلِ مدینہ سے اپنی بیعت لی۔ خزانہ پر قبضہ جمایا۔ عمر بن عبدالعزیز جو عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب کے پوتے تھے ان کی مزاحمت سے عاجز رہے۔ بیعت کے بعد گیارہ روز مدینہ میں قیام کیا۔ پھر حج کو روانہ ہو گئے۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو اس سال امیر الحج مقرر کیا اور حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ مقام ذی طویٰ میں محمد بن سلیمان نے اپنا لشکر مرتب کیا۔ مکہ معظمہ پہنچا تو اور بھی ہوا خواہ دولتِ عباسیہ اس کے ساتھ آ ملے۔ یوم الترویہ کو صف آرائی کی نوبت آئی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد حسین مع ہمراہیوں کے میدانِ مصاف سے ہٹ گئے۔ بہت سے آدمی معرکہ میں کام آئے۔

خاتمہ جنگ کے بعد محمد بن سلیمان مکہ معظمہ سے رخصت ہوا۔ ذی طویٰ پہنچا تھا کہ ایک شخص نے حسین کا سر لا کر پیش کیا۔ اس جنگ میں اکثر عمائد آلِ ابی طالب کام آئے۔ ادریس بن عبداللہ بن حسن بلادِ مغرب فاس چلے گئے۔ وہاں جا کر مضافات طنجہ میں ظہور کیا اور ان کے بیٹے ادریس نے حکومت ادریسیہ قائم کی[2]۔ اس کے حالات "خلافتِ ہسپانیہ" میں لکھ چکا ہوں۔ یحییٰ بن عبداللہ جو نفس ذکیہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۱۵۷۔

[2] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۸۸ و خلافتِ ہسپانیہ (از انتظام اللہ شہابی)۔

کے بھائی تھے۔ اس معرکہ سے بچ کر نکلے اور بلادِ دیلم پہنچ کر علمِ مخالفت بلند کیا۔[1]

مسعودی کا بیان ہے کہ ہادی کے سامنے جب حسین کا سر پیش کیا گیا۔ وہ رونے لگا اور سر لانے والے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی ترک یا دیلم کا سر لائے ہو یہ عترتِ رسول کا ہے۔ اس کا کمترین بدلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی صلہ لانے والے کو نہ دیا جائے۔[2]

حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت

علویوں کا ہنگامہ کچھ ٹھنڈا پڑا تھا کہ حمزہ خارجی نے جزیرہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہاں کے حاکم منصور بن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی۔ موصل کے علاقہ میں ہر دو میں مقابلہ ہوا۔ حمزہ کامیاب رہا۔ منصور کی فوج شکست کھا گئی۔ حمزہ نے تمام سامان پر قبضہ کیا۔ منصور بن زیاد کے دو آدمی حمزہ کے ساتھ لگ گئے۔ موقع پا کر دھوکے سے اس کو قتل کر دیا۔[3] اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی۔

رومیوں سے معرکہ

ہادی کے زمانے میں رومیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے حدیثہ پر حملہ کر کے قبضہ جمایا۔ تھوڑے دنوں بعد سنہ ۱۶۹ھ میں معیوف بن یحییٰ نے ان کی ایسی سرکوبی کی کہ حدیثہ سے بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے پیچھے معیوف بڑھتا چلا گیا اور رومی علاقے آشنہ تک قبضہ کیا۔[4]

سیرت

ہادی آزاد مزاج، عشرت پسند، لہو ولعب میں زیادہ مصروف رہتا۔[5] نہایت قوی اور بہادر تھا۔ خوش رو، طویل القامت، دو زرہیں پہنے ہوئے گھوڑے پر کود کر سوار ہو جاتا۔ فیاض اور خوش طبع تھا۔ مزاج میں غیرت بہت تھی۔ نبیذ جس کو فقہائے عراق نے جائز کر رکھا تھا اس کا

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۵۰ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ [3] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳۱

[4] ایضاً [5] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۰ ۔

غل رکھتا۔ گانے سے بھی دل چسپی تھی۔

نظامِ مملکت امورِ سلطنت میں وہ انہماک کے ساتھ مشغول رہتا تھا۔ ربیع حاجب کو حکم دیا کہ میرے پاس صاحب حاجت جب کبھی آئے اس کو نہ روکا جائے۔ کیونکہ امیر کا پسِ پردہ بیٹھنا حکومت اور رعایا دونوں کے لئے مضر ہے۔

رعایا نوازی ہادی رعایا کی بھی خبر گیری میں مہدی کے نقشِ قدم پر تھا۔ اس نے ربیع کو یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ میرے سامنے کوئی معاملہ غلط پیش نہ ہو ورنہ رعایا اور حکمران دونوں کے لئے ضرر رساں ہے[۱] سب سے پہلے سوار اسی کی رکاب میں برہنہ شمشیر لے کر چلتے تھے۔ آلاتِ حراب کی فراوانی تھی۔ سوا ہادی کے کسی خلیفہ نے مابین جرجان و بغداد ڈاک نہیں ہٹائی۔[۲]

اقتدار ملکۂ خیزران ہادی کے آغازِ حکمرانی میں حکومت کی نگران ملکہ خیزران تھی۔ اس کو یہ بات بہت کھٹکی۔ ایک دن ماں کو سختی سے منع کیا کہ امراء آپ سے مشورہ کرنے نہ آئیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

شعر و شاعری ہادی فصیح و بلیغ اور ادیب تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ذیل کے اشعار جبکہ ہارون نے اس کے لڑکے جعفر کی بیعت سے انکار کیا تھا کہے تھے جو مشہور ہیں

نصحت لهارون فرد نصیحتی	"میں نے ہارون کو نصیحت کی مگر اس نے قبول نہ کیا
وکل امرء لا یقبل النصح نادم	اور جو نصیحت نہیں قبول کرتا وہ نادم ہوتا ہے۔
وادعوه للامر المؤلف بیننا	میں ایسی باتیں کہتا ہوں جو ارتباط کا سبب ہیں اور
فیبعد عنه وهو فی ذالك ظالم	وہ اس سے دور بھاگتا ہے اور اس بارہ میں وہ ظالم ہے
ولولا انتظاری منه یوما الی غدٍ	اگر مجھے امروز فردا کا انتظار نہ ہوتا تو چار ناچار میری
لعاد الی ما قلته وهو راغم[۳]	بات اس کو ماننا ہی پڑتی۔"

---

[۱] ... ۱۰۱ ص۵۸۵ [۲] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۰، ۱۹۴ [۳] ایضاً ص۱۹۴۔

صلہ گستری ہادی ایک دن دربار میں بیٹھا تھا۔ مروان بن ابوحفصہ نے ایک قصیدہ جو ہادی کی تعریف میں تھا اس کے سامنے پیش کیا جس وقت حفصہ اس شعر پر پہنچا ؎

تشابہ یوما باسہ و نوالہ ۔۔۔ "میں نے ایک دن اسکی بہادری اور اس کی بخشش کی
فما احد یدری لا یھما المفضل ۔۔۔ تشبیہ دی تو کوئی نہ کہہ سکا کہ کس کو ترجیح دیجائے"

ہادی نے سن کر کہا تو انعام لینے میں کس بات کو ترجیح دیتا ہے۔ تیس ہزار فورًا وصول پا لینے کو یا ایک لاکھ کے لئے خزانہ سے حکم پانے اور پھر وصول کرتے پھرنے کو، مروان نے کہا تیس ہزار فوری اور ایک لاکھ خزانے سے وصول کرنے کو؟ خلیفہ نے ہنس کر کہا اچھا تجھ کو دونوں رقمیں فورًا مل جائیں گی چنانچہ اس کو اسی وقت ایک لاکھ تیس ہزار دیدیئے گئے۔

اوصاف ہادی تمام اوصافِ جہانبانی سے متصف تھا۔ خانگی صحبتوں میں بے تکلف، مگر دربار میں آتے ہی اس میں تغیر پیدا ہو جاتا اور ایک جری، سخت گیر اور عزم و ہمت کا حکمراں نظر آنے لگتا۔

ابن طقطقی لکھتا ہے :-

"ہادی بیدار مغز، غیور، فیاض، بہادر، مجتمع الحواس فرمانروا تھا۔"[1]

فیاضی فیاضی میں اپنے باپ کے مثل تھا۔ طبری اور خطیب نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات اپنی تاریخوں میں درج کیئے ہیں۔

ملحدوں کا دشمن ملحدوں اور زندیقوں کا سخت دشمن اور بانی مذہب کے مٹانے میں اس کی سعیِ بلیغ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عقیدت و محبت تھی۔ ایک مرتبہ

---

[1] الفخری ص ۱۷۱ [2] طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۸۔

ابوالخطاب سعدی شاعر مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا جب یہ شعر سُنا ؎

یا خیر من عقدت کفاہ حجزتہ | "اے تمام دنیا کے لوگوں میں بہترین آدمی اور تمام ان
وخیر من قلدتہا امرہا مضر | لوگوں میں بہتر جو مالک حکم ہوئے ہیں اور قبیلۂ مضر
| نے عنانِ حکومت ان کو سونپی ہے"

تو ہادی نے فوراً ٹوکا کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی استثنا نہ تھا۔ ابوالخطاب سمجھ گیا اور برجستہ یہ شعر اس طرح پڑھا ؎

الا النبی رسول اللہ ان لہ | "مگر سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ تمام
فضلاً وانت بذاک المفضل تفتخر[1] | بہتری اُن پر ختم ہو گئی ہے اور تجھے آپ کی
| امت میں ہونے کا فخر ہے"

ہادی نے کہا کہ ہاں تُو نے صحیح کہا اور بہت اچھا کہا۔ پھر اس کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

ہادی کی حریفانہ مساعی مہدی اواخر عمر میں ہارون سے زیادہ محبت کرنے لگا تھا۔ اس وجہ سے ہادی کو ہارون سے عناد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنے باپ کی وصیت کے خلاف ہارون کو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کرنا چاہا۔ یزید بن مزید، علی بن عیسیٰ اور عبداللہ بن ملک ہادی کی رائے کے مؤید تھے۔ البتہ یحییٰ بن خالد برمکی جو ہارون کا مدار المہام تھا وہ ہادی کے خیالات کی اصلاح کرتا۔ مگر یزید وغیرہ اکساتے رہتے۔

ادھر ہادی ہارون کے پیچھے پڑ گیا کہ وہ جعفر کے حق میں خلافت کی ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے۔ یحییٰ بن خالد نے ہارون سے کہا کہ تم شکار کی اجازت لے کر دارالخلافہ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اس بنا پر ہادی نے یحییٰ کو قید کر دیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۵ مصر

ہادی کی موت اس واقعہ کے بعد ہادی بلادِ موصل کی طرف چلا گیا۔ اتفاق وقت سے بیمار پڑا اور لوٹ آیا اور اسی حالت میں ہارون کو ہرثمہ کے ہاتھوں ختم کرانا چاہا۔ خیزران کو پتہ چل گیا۔ وہ بد دعا کرنے لگی۔ پچھلی رات کو جاگا تو شدت سے کھانسی آئی۔ گلے میں پھندا پڑ گیا اور دم فنا ہو گیا[1]۔ خیزران نے ہرثمہ کو بلا کر کہا کہ ہادی چل بسا تم یحییٰ کو قید سے رہا کر دو۔ وہ فوراً ہارون کو مطلع کرے۔ چنانچہ یحییٰ جیل سے سیدھا ہارون کی خوابگاہ میں گیا وہ سو رہا تھا اس کو جگا کر مژدۂ خلافت سنایا۔ ہارون ہادی کے بالیں پر گیا۔ اُس کو مُردہ پایا۔ تجہیز و تکفین کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیا۔

ہادی نے نو اولادیں چھوڑیں۔

جعفر۔ عباسؓ۔ عبداللہؓ۔ اسحاقؓ۔ اسمٰعیلؓ۔ سلیمانؓ۔ موسیٰؓ۔ اور دو لڑکیاں اُمِ غنی و اُمِ عباسؓ۔

ہادی کی وفات کا دن ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ تھا۔ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ یہ واقعہ عیسیٰ آباد میں ہوا۔ اس کی خلافت ایک سال دو مہینے بائیس دن رہی[2]۔

❦

---

[1] ابن خلدون جلد ششم کتاب ثانی صفحہ ۲۵۵۔

[2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۱ و البدایۃ والنہایۃ جزء عاشر صفحہ ۱۶۰۔

شہنشاہِ اعظم ابوجعفر ہارون الرشید

نام و نسب ہارون رشید ابن خلیفہ مہدی محمد بن خلیفہ منصور عبداللہ بن امام محمد عباسی ہاشمی ۔

ولادت آخری ذی الحجہ ۱۴۵ھ، ۷۶۳ء میں بمقام "رے" یہ نامور خلیفہ پیدا ہوا۔ ان دنوں مہدی یہاں کا والی تھا۔ والدہ کا نام "خیزران" ام ولد تھی جو اپنے وقت کی ملکۂ دوران تھی ۔

تعلیم و تربیت ہارون الرشید کا دادا خلیفہ منصور زندہ تھا اس وجہ سے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر فن کے مجتہدین جُدا جُدا ہارون کو پڑھاتے تھے۔ اتالیق یحییٰ بن خالد برمکی تھا۔ رشید کو علمی ذوق و شوق بچپن سے تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے باپ دادا اور شیخ الحدیث مبارک بن فضالہ سے حدیث کی روایت کی۔ اور اس سے مامون الرشید[1] وغیرہ نے کی۔

علامہ سیوطیؒ نے قاضی فاضل سے ایک جگہ نقل کیا ہے کہ آج تک کسی بادشاہ نے حصولِ علم کے لئے سوائے خلیفہ ہارون الرشید کے سفر اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ یہی خلیفہ ہے جو امام مالک کی خدمت میں مؤطا پڑھنے کے لئے حاضر ہوا۔ ہارون کو علم الحدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ صرف و نحو، لغت، ادب اور تمام فنون میں جو عربیت کے عناصر میں سے ہیں درک حاصل کیا۔ اس کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی۔" اغانی، عقد الفرید وغیرہ علم و ادب کی کتابیں اس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۸ ۔

فصیح وبلیغ خطبات اور حکیمانہ اقوال اور دلکش اشعار سے مالا مال ہیں۔

شاعری فنِ شاعری میں اس کو کامل دستگاہ تھی۔ فصاحت وبلاغت کے متعلق وہ شعرا کی غلطیاں بتادیا کرتا تھا مگر خود شعر بہت کم کہتا تھا۔

ولی عہدی مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہادی کے بعد رشید تاج وتخت کا مالک ہوگا۔

ہارون الرشید کی خلافت

چنانچہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۷۸۶ء میں بڑی دھوم دھام سے بمقام عیسیٰ آباد ۲۲ برس کی عمر میں) ہارون الرشید تختِ خلافت پر جلوس فرما ہوا[1] اس رات کا یہ واقعہ بھی عجیب ہے کہ ایک خلیفہ نے وفات پائی۔ دوسرا مسندِ خلافت پر بیٹھا اور تیسرا وارثِ تاج وتخت (مامون الرشید) [2] پیدا ہوا۔ اور اسی شب میں عزیمہ بن خازم نے جعفر بن ہادی کو گرفتار کیا۔

جعفر جواس باختہ ہوکر خوابِ غفلت سے چونک پڑا۔ تب عزیمہ نے کہا کہ اگر تم علی رؤس الاشہاد اپنی خلافت سے باز دعویٰ داخل کرکے ہارون الرشید کی خلافت کو تسلیم نہ کروگے تو علی الصبح قتل کر دیئے جاؤ گے۔ چنانچہ تلوار کے ڈر اور جان کے خوف سے جعفر نے دعویٰ خلافت سے ہاتھ اٹھایا اور صبح کو مجمع عام میں ہارون سے بیعت کی جن لوگوں نے پیشتر ہادی کے دباؤ سے جعفر کی بیعت کی تھی انہوں نے بھی سبکدوشی حاصل کی اور بلا شرکت غیرے ہارون الرشید عباسی دنیائے اسلام کے مستقل خلیفہ قرار پائے۔ چنانچہ خلیفہ نے عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر کل سفید وسیاہ کا مالک

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزالعاشر ص ۱۶۰ [2] تاریخ بغداد ص ۶۔

یحییٰ برمکی کو کر دیا۔ یہ اس کی کارگزاریوں کا صلہ تھا جو حصولِ خلافت کے لئے بمقابلہ ہادی کے کی گئی تھیں۔

خلیفہ ہارون بلا مشورہ اپنی والدہ خیزران اور یحییٰ برمکی کے کوئی کام امورِ سلطنت کا انجام نہ دیتے۔ اس سال کے تاریخی واقعات میں امین الرشید و مامون الرشید کی ولادت اور افریقہ مدینہ منورہ کے والیوں کی تبدیلی کے سوا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ یعنی یزید بن حاتم مہلبی کے فوت ہو جانے کے سبب افریقہ میں اس کا بیٹا داؤد مقرر کیا گیا اور مدینہ کا والی عمرو بن عبدالعزیز العمری معزول کیا گیا اور بجائے اس کے اسحاق بن سلیمان عباسی مقرر ہوا۔

۱۷۱ھ/۷۸۶ء سے ۱۷۴ھ/۷۹۰ء تک خراسان، موصل، سندھ کے حکام کا انتظاماً تبادلہ کیا گیا جس میں سوائے معمولی نظم و نسق کے اور کوئی بات نہ تھی۔ البتہ ۱۷۶ھ/۷۹۲ء میں عبداللہ بن الحسن علوی کے خروج کی وجہ سے بعض والیوں کے خیالات بھی بگڑ چلے تھے۔ اس لئے ہارون الرشید نے تمام صوبوں پر ایک خاص نظر ڈالی اور جس کی نسبت شبہ ہوا وہ علیحدہ کر دیا گیا۔ چنانچہ موسیٰ بن عیسیٰ والی مصر کی نسبت دارالخلافہ میں یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ وہ خلیفہ کا دشمن ہے اور انقلابِ حکومت پسند کرتا ہے۔ اس لئے غصہ ہو کر خلیفہ نے یہ قسم کھائی کہ بجائے موسیٰ کے مصر کی حکومت ایسے شخص کو دوں گا جو نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ درجے کا ہو گا اور وزیر برمکی کو حکم دیا کہ اس خدمت کے لئے کوئی شخص تجویز کیا جائے۔ چنانچہ وزیر السلطنت نے عمرو بن مہران کو پیش کیا۔ یہ شخص نہایت بدشکل اور عجیب الخلقت تھا اور اس کی آنکھیں بھینگی (احول) تھیں، شکل و صورت کے ساتھ لباس بھی نئے رنگ ڈھنگ کا پہنتا تھا۔ جس قسم کا امیدوار خلیفہ کو منظور تھا چونکہ یہ شخص ٹھیک ویسا ہی تھا اس لئے عطاءِ سند کے لئے دربارِ عام میں بلایا گیا۔ جب خلیفہ نے حکومت مصر کا مژدہ سنایا تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ وہ جس وقت میں مصر کے انتظام سے فارغ ہو جاؤں تو واپسی کے لئے

دربارِ خلافت سے اجازت کی ضرورت نہ رہے بلکہ جب میرا دل چاہے چلا آؤں"۔
خلیفہ نے یہ شرط منظور کر لی اور قاعدے کے موافق اس کو رخصت کر دیا۔

کامل ابن الاثیر کی روایت ہے کہ جب یہ حضرت دار الامارت مصر میں پہنچے۔ اس وقت موسیٰ کا دربار لگا ہوا تھا۔ اربابِ حاجت عرض و معروض میں مصروف تھے جب رخصت ہو گئے تو اخیر میں اُن کی باری آئی موسیٰ نے سائل سمجھ کر پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا کہ مصر کی حکومت۔ موسیٰ حیران رہ گیا وہ کبھی سائل کو دیکھتا تھا اور کبھی اس کی درخواست پر غور کرتا تھا کہ عمرو بن مہران نے امیر المومنین کا دستخطی مہری پروانہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ موسیٰ نے مضمون پڑھ کر پوچھا کہ "جناب ابو حفص (خدا اُن کو زندہ رکھے) تشریف لاتے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابو حفص میری کنیت ہے۔ لیکن موسیٰ کو باوجود ملاحظۂ پروانہ کے ابو حفص کی بات کا یقین نہ آیا اور اسی حیرانی میں سرنگوں تھا۔ آخر مجبوراً یہ فقرہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا :

لعن اللہ فرعون حیث قَالَ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ ۔

"یعنی فرعون پر خدا کی لعنت ہو وہ اسی ملک مصر کے غرور پر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کیا میں مصر کا مالک نہیں ہوں"۔

مصر کے انتظام کے بعد ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء سے ۱۸۱ھ تک افریقہ اور خراسان کے والیوں کے تبادلے ہوتے رہے اور ۱۸۲ھ سے ہارون الرشید کے انتقال تک بہت زیادہ ردّ و بدل نہیں ہوا۔ تمام سلطنت کے مشہور صوبوں کے گورنروں کی فہرست ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

والیان صوبہ جات

مکہ معظمہ	عباس بن محمد سلیمان بن جعفر۔ موسیٰ بن عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد قثمی۔ عبداللہ بن محمد عمرانی۔ عبیداللہ بن محمد عباس ۔علی بن موسیٰ۔

عثمانی، فضل بن عباس، احمد بن اسمٰعیل۔

مدینہ منوّرہ	اسحاق بن علی۔عبدالملک بن صالح۔محمد بن عبداللہ۔موسیٰ بن عیسیٰ ابراہیم بن محمد۔محمد بن ابراہیم۔عبداللہ بن مصعف بکار بن عبداللہ مصعب۔محمد بن علی ذہب بن منبہ۔
کوفہ	موسیٰ بن عیسیٰ۔محمد بن ابراہیم۔یعقوب بن ابوجعفر عباس بن عیسیٰ۔اسحاق بن الصباح الکندی جعفر بن ابوجعفر۔
بصرہ	محمد بن سلیمان۔سلیمان بن جعفر۔عیسیٰ بن جعفر۔حزیمہ بن خازم۔جریر بن یزید جعفر بن سلیمان۔جعفر بن جعفر۔عبدالصمد بن علی۔مالک بن الخزاعی اسحاق بن سلیمان۔سلیمان بن جعفر۔اسحاق بن عیسیٰ۔
خراسان	ابوالفضل بن سلیمان طوسی۔جعفر بن محمد الاشعث۔عباس بن جعفر۔عنظریف بن عطاب سلیمان بن راشد۔علی الخراج حمزہ بن مالک۔فضل بن یحییٰ برمکی۔منصور بن یزید جعفر بن یحییٰ برمکی۔
افریقہ	روح بن حاتم مہلبی۔یزید بن حاتم۔داؤد بن یزید فضل بن روح۔ہرثمہ ابن عین۔محمد مقاتل بن حکم۔ابراہیم بن اغلب۔عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب[1]۔
سندھ	اسحاق بن سلمان فارس۔ محمد بن سلمان بن علی۔

امین و مامون کی ولی عہدی

امین الرشید کی ولی عہدی زبیدہ خاتون اور فضل برمکی اور عیسیٰ بن جعفر (امین کا ماموں) کی کوششوں سے ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں ہو چکی تھی۔لیکن چونکہ امین کی

---

[1] ابن خلدون ص۲۰۳ جلد ہفتم کتاب ثانی ۔[2] ایضاً۔

طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی۔ اس لئے ہارون الرشید ہر موقع پر مامون کو ترجیح دیتا تھا اور اس کا میلانِ طبع یہی تھا کہ وہی خلافت کا مستقل مالک ہو اس لئے بمقام رقہ بماہ محرم یوم پنجشنبہ ۱۸۳ھ مطابق ۲۲ فروری ۷۹۹ء مامون کی ولی عہدی پر لوگوں سے بیعت لی اور اس کو صوبۂ خراسان و ہمدان کا والی مقرر کر دیا۔ تاہم عمائد بنی ہاشم اور ارکانِ فوج کے خوف سے جو امین کے طرفدار تھے ۱۸۶ھ، ۸۰۲ء میں ہارون الرشید نے بمقام مکہ معظمہ دونوں شہزادوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے اور خانہ کعبہ کے اندر جا کر خاص طور پر فہمائش کی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ اس تقسیم کی رو سے جو ممالک مامون الرشید کو ملے ان میں کرمان شاہ، نہاوند، قم، کاشان، اصفہان، فارس، کرمان، رے، قومس، طبرستان، خراسان، زابل، کابل، ہندوستان، ماوراء النہر اور ترکستان داخل تھے۔

امین کو بغداد، واسط، بصرہ، کوفہ، شامات، سوادِ عراق، موصل، جزیرۂ حجاز، مصر اور مغرب کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی اور دستاویزات بعد تکملہ کے حرم کعبہ میں آویزاں کر دی گئیں۔ اس کے بعد ۱۸۶ھ، ۸۰۲ء میں اپنے تیسرے بیٹے قاسم (موتمن) کو جزیرہ تعوزہ عواصم کی حکومت دی اور مامون الرشید کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق ثابت نہ ہو تو وہ اس کو معزول کر سکتا ہے۔ لیکن چوتھے بیٹے معتصم کو خلافت سے اس بنیاد پر محروم رکھا کہ وہ جاہل ہے۔ مگر یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ زوالِ سلطنتِ عباسیہ تک معتصم کی اولاد میں خلافت و سلطنت باقی رہی۔ ہارون الرشید نے بنظر رفع خانہ جنگی اپنے بیٹوں میں سلطنت کو تقسیم کر دیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ یہی تقسیم گویا خانہ جنگی کی بنیاد تھی جیسا کہ ہارون الرشید کے انتقال کے بعد واقعات پیش آئے۔

ملکی بغاوتیں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ عمال کی بدعنوانیوں سے رعایا کی ناراضی کا ثمرہ یا سادات کرام

(علویین) کی ادعائے خلافت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ منصور عباسی کے زمانے میں محمد بن عبداللہ بن حسن نے جو سیدنا امام حسنؓ کے پرپوتے تھے، علمائے مدینہ کے فتویٰ کے موافق خروج کیا تھا اور بہت خون ریزی کے بعد وہ شہید ہوئے تھے اور اُن کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ اس زمانے سے روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۷۶ھ میں جب اُن کی طرف رجوعات زیادہ ہو گئی تھی تو انھوں نے دیلم میں ظہور کیا اور بہ شان و شکوہ سے خلیفہ کے مقابلہ کو اُٹھے لیکن فضل برمکی کی حکمت عملی نے فوراً اس ہنگامہ کو دبا دیا۔ یحییٰ ہارون کے پاس چلے آئے اور معاہدہ لکھا گیا۔ اس کے بعد سادات نے پھر کبھی سر نہیں اُٹھایا۔

فتنۂ خوارج البتہ اسی سال دمشق (شام) میں فساد کی زبردست آگ مشتعل ہوئی جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آ گئے۔

اس فتنہ کا بانی ابوالہذام تھا جس کا اصلی نام مامون عمارہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہُوا کہ خلیفہ کے ایک عامل نے سجستان میں اس کے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اس نے وہاں تو کچھ نہیں کیا لیکن شام میں آ کر جمعیت بہم پہنچائی اور پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کو اُٹھا۔ آخر اس درجہ سخت لڑائیاں ہوئیں کہ کتنے ہی قبائلِ عرب فنا ہو گئے اور یہ فساد اس وقت تک نہیں مٹا جب تک ابوالہذام ۱۸۲ھ، ۷۹۸ء میں مر نہیں گیا۔

اس کے بعد موصل، مصر، ماوراء النہر وغیرہ میں عمّال کی جانب سے جو بغاوتیں ہوئیں وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب جھگڑے بہت جلد رفع کر دیئے اور تھے بھی ایسے معمولی کہ جن کا کوئی اثر سلطنت پر نہیں پڑا۔

فتوحات خلیفہ ہارون الرشید ان اولوالعزم خلفاء میں سے ہے جس کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں تلوار تھی۔ لیکن قلم کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے اگر ہم ممالکِ مفتوحہ کی طولانی فہرست نہ لکھ سکیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ تاہم ۲۳ برس کی حکومت میں باوجود سادات اور

عُمّال کی فتنہ پردازیوں کے فتوحات میں ہارون مہدی سے کم نہیں ہے۔ جنگ و جہاد کا شوق اس خلیفہ میں پیدائشی تھا۔ چنانچہ شہزادگی کے زمانے میں بماہ جمادی الثانی ۱۶۵ھ میں دس ہزار کی جمعیت سے روم پر فوج کشی کی اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ وہاں اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک گھوڑا ادرہم (چار آنہ) کو بِک گیا اور ملکہ ایرینی نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج تسلیم کر کے صُلح کر لی۔ اس لڑائی میں ۵۴ ہزار رومی قتل ہوئے۔ یہ جب تخت نشین ہُوا تو قلعہ صفصاف قلعہ صقلیہ (سسلی) قلعہ قلقونیہ اور شہر دلسہ فتح کیا۔ یونان پر کئی مرتبہ حملہ آور ہُوا اور آخراس کو باجگذار بنا لیا۔ قبرص فتح کیا۔ پھر اس کو منہدم کر کے آگ لگا دی اور سولہ ہزار آدمی گرفتار کر لایا۔ غرضیکہ ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولتِ عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔

ہارون الرشید کے کل فوجی کارنامے تفصیل سے دکھانا تو مشکل ہے لیکن اہلِ روما کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ مختصراً لکھے جاتے ہیں جن میں ہارون خود سپہ سالار بن کر گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۷ھ، ۸۱۲ء کا واقعہ ہے کہ جب ایرینی فرمانروائے روم نے سرکشی کی تو قاسم کی ماتحتی میں روم پر فوج کشی ہوئی اور شہزادے نے قلعہ مستان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت ملکہ نے تابِ مقابلہ نہ دیکھ کر ادائے خراج پر صلح کر لی۔ لیکن اس کی معزولی کے چند مہینے بعد نقفور (نیکیفورس یا نائسفورس) تخت نشین ہُوا تو اُس نے ادائے خراج سے انکار کیا اور ارکانِ سلطنت کے مشورے سے ہارون الرشید کو یہ خط لکھا کہ

"ملکہ سابق نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی، اب میں تخت نشین ہُوا ہوں اس لئے لکھتا ہوں کہ جس قدر خراج اب تک سلطنت روم سے وصول کیا ہے وہ فوراً واپس کر دو ورنہ بذریعہ تلوار فیصلہ کیا جائے گا۔"

نقفور کی گستاخانہ تحریر پڑھتے ہی ہارون الرشید آپے سے باہر ہو گیا اور اس

کا چہرہ غصہ سے آگ ہو گیا۔ امراء اور وزراء کے حواس جاتے رہے۔ کسی میں آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی چہ جائیکہ کوئی گفتگو کر سکتا۔ اس لئے خط کی پشت پر خود ہی اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے۔

من ھارون امیرالمومنین الی نقفور کلب الروم قد قرأت کتابك یا ابن الکافرة والجواب ماتراہ دون ما تسمعه۔

(یعنی یہ خط امیرالمومنین ہارون رشید کی طرف سے نقفور (سگِ رومی) کے نام ہے۔ اے کافر کی اولاد میں نے تیرا خط پڑھا اس کا جواب تو نہ سُنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھ لے گا۔"

ہارون نے اسی وقت فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس تیزی سے اس پر جا پڑا کہ "نقفور" حیرت زدہ رہ گیا۔ جب پائے تخت "ہرقلی" تباہ ہو گیا اور رومی فوج بہت کچھ تلوار کے گھاٹ اُتر چکی تب نقفور نے معافی مانگی اور شرائطِ سابق پر صلح کر لی۔ ہارون کے بغداد لوٹنے پر نقفور نے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہ خبر بغداد پہنچی تو عبداللہ بن یوسف اور ابوالعتاہیہ نے چند شعروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور ہارون کے سامنے پیش کئے۔ ہارون نے اس مرتبہ ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج سے (رضا کار اس کے علاوہ تھے) دارالسلطنت پر حملہ بول دیا۔ ایشیائے کوچک فوج کی یلغار سے پائمال ہو گیا۔ ابراہیم بن جبریل نے یہ شئتہ میں حملہ کیا "مینسی فور" مقابلہ پر آیا اور شکست کھائی۔ اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ سرحدِ روم کے مشہور قلعے فتح ہو گئے۔

داؤد بن عیسیٰ اور شرجیل بن معن اور یزید بن مخلد حمید بن معیوف نے حصن صقالیہ، دلسہ صفاف مغلونیہ، سواحلِ شام وغیرہ پر دادِ شجاعت دی۔ رومیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور ستر ہزار رومی قید کئے گئے۔ خود ہارون الرشید طوانہ کی طرف روانہ ہوا۔ "مینسی فور" گھبرا گیا اور جزیہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ تو نیا ناطولیہ بھی

قبضہ وتصرف میں آیا۔[1]

ہارون نے سواحلِ شام پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ قلعے بنوائے اور طرطوس عین زربہ اور مارونیہ بسایا اور مصیصہ کو از سرِ نو مستحکم کیا۔ وہاں مسلمان آباد کئے اور دلبہ کے خطرناک لوگوں کو جلاوطن کیا۔[2]

وقائع

سنہ ۱۷۰ھ میں ہارون تختِ خلافت پر بیٹھا۔

سنہ ۱۷۱ھ میں عزل ونصب عمال

سنہ ۱۷۳ھ میں شہر دلبہ امیر عبدالرحمٰن بن صالح کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔

سنہ ۱۸۰ھ میں سخت زلزلہ آیا جس سے اسکندریہ کے منارے گر پڑے۔

سنہ ۱۸۱ھ میں قلعہ صفصاف خود امیر المومنین کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔

سنہ ۱۸۳ھ میں ملک ارمینہ میں غدر ہوگیا جہاں مسلمان ایک لاکھ قتل ہُوئے۔

سنہ ۱۸۹ھ میں اہلِ روم نے مسلمانوں کو اپنے علاقہ سے نکالا۔

سنہ ۱۹۰ھ میں ہرقلعہ (اس کا ذکر آچکا ہے) فتح ہُوا۔ یزید بن محمد نے قونیہ فتح کیا اور حمید بن معیوف قبرص پہنچا اس کو تباہ کیا اور سولہ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر لایا۔

وُسعتِ سلطنت

ہارون الرشید کی وسعتِ سلطنت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وہ جس ملک کا فرمانروا تھا اُس کی حدیں ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوائے اندلس کے اور کل اسلامی دُنیا ہارون کی تابع فرمان تھی۔ یورپ

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۴۲ [2] فتوح البلدان صـ ۱۷۱۔

جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں حکومتیں سلطنت عباسیہ کی باجگزار تھیں ۔

خراج کل ملک کا سالانہ خراج سات ہزار پانچ سو قنطار تھا۔ ایک قنطار ۸۰۰ دینار اور ایک دینار پانچ روپے یعنی آجکل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے تھا۔ بادی النظر میں یہ خراج روپے میں ایک پائی کے برابر نہیں معلوم ہوتا اور نہ اس خراج سے وسعت سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس وقت خراج کے اصول بالکل اسلامی تھے اور جن مدات کی آمدنی سے آج شاہوں کے خزانے پر ہیں اس وقت ان کا نام ونشان بھی نہ تھا ۔

عسکری قوت فوج کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کے تھی۔ گو یہ تعداد کم معلوم ہوتی ہے مگر انتظام سلطنت کے واسطے کافی تھی۔ کیونکہ اس عہد کا ہر مسلمان پیدائشی سپاہی تھا اور ضرورت کے وقت تمام ملک اُمنڈ آتا تھا جن کو صرف سواری اور ہتھیار حکومت سے دیئے جاتے تھے۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپے اور پیادہ کے دس روپے ہوتے تھے۔ افسروں کی تنخواہ بھی کچھ زیادہ نہ تھی اور سپہ سالاری کا کام جنگ کے وقت قسمت یا صوبے کے افسر وزیر اعظم، قاضی القضاۃ اور خلیفہ کے بیٹے کر لیا کرتے تھے ۔

"ہارون کے زمانہ میں وزراء نے بھی امیر العسکر کے فرائض انجام دیئے یحییٰ برمکی اور فضل برمکی کے واقعات بیشتر آچکے ہیں ۔"

فوجیوں سے سلوک امیر العسکر فوج کے ساتھ نہایت رواداری اور محبت کا سلوک کرتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی فوجی مفتوحہ ممالک کے کسی فرد سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے۔ اگر کسی شخص سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس کو سخت سزا دیتا۔

فوجیوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت تھی اور جنرل ان کی اخلاقی زندگی سنوارنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا۔

"سپاہی کے لئے یہ طے تھا کہ چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے علیحدہ نہیں رہ سکتا، اس کو رخصت مل جاتی تا کہ وہ اپنے بال بچوں میں جا کر رہے" [1]

جزیہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے فرمانروا جزیہ وصول کرنے میں عام طور پر عدل وانصاف اور نرمی کا برتاؤ روا رکھتے تھے۔ ہارون کے زمانہ میں اور بھی نرمی برتی جانے لگی۔ چنانچہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسف نے ہارون رشید کو خط میں لکھا تھا۔

"آپ کا فرض ہے کہ ذمیوں سے رواداری برتیں۔ یہ ابن عم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ ان کی ضرورتوں سے بے خبر نہ رہتے ان پر جبر وجور اور زیادتی نہ ہونے پاتے۔ جزیہ کے علاوہ ان کا مال نہ لیا جائے۔" [2]

تحفظ حقوق ذمی ہارون نے ذمیوں کے حقوق کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا۔ [3]

بغداد

"عروس البلاد"

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد عروس البلاد بن گیا تھا۔ ۱۲ میل طولاً اور ۳ میل عرضاً مسلسل آبادی تھی۔ دس لاکھ مردم شماری تھی۔ تیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام تھے۔ شاہی محلات جو منصور ومہدی کے زمانہ میں بنائے

---

[1] سراسپین از جسٹس امیر علی [2] کتاب الخراج صہ ۱۳۷ [3] سراسپین صہ ۱۵۱۔

گئے تھے۔ ہارون نے ان کو اور زیادہ وسعت دی۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کا محل شاہی محل سے بھی بلند پایہ تھا جس میں دو کروڑ درہم صرف ہوئے[۱]۔

امرائے بنی عباس کے بھی محلات اپنی شان و شوکت میں کم پایہ نہ تھے۔ صنعت و حرفت کی ترقی معراج کمال پر تھی۔ صدہا مدارس و مکاتب تھے۔ غرضیکہ دارالخلافہ کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھی بھی گئی ہیں۔

وزارتِ عظمیٰ ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو قلمدانِ وزارت دے کر کل سلطنتِ اسلامیہ کے سیاہ و سفید کا مالک بنایا تھا۔ مہر خلافت بلکہ اپنی مہر خاص بھی اس کے حوالے کر دی تھی[۲]۔ یحییٰ علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھا مگر شیعیت سے لگاؤ رکھتا تھا[۳]۔ حکومت کا تمام نظم و نسق یحییٰ کے اشارہ چشم و ابرو سے چلتا تھا۔ ہارون نے یحییٰ کی خدمت کا یہ صلہ دیا مگر مجوس زادہ[۴] نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ امرائے عرب کو ہٹا کر بڑے بڑے عہدوں پر اپنے اعزا مقرر کر دیئے اور خزانہ کا روپیہ داد و دہش میں صرف کرنے لگا۔ شعراء کے دل و دماغ دولت سے خرید لئے جنہوں نے تعریف و توصیف کے پل باندھے۔ یحییٰ کا نائب فضل بن یحییٰ کو کر دیا۔ یہ ہارون کا رضاعی

---

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۶۷۳ [۲] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر [۳] تاریخ بغداد جلد الرابع عشر صفحہ ۱۲۹

[۴] یحییٰ کا باپ خالد برمکی کے بزرگ آتش کدہ نو بہار کے پجاری تھے۔ عہدِ خلافت حضرت عثمان غنیؓ ۳۱ھ میں خراسان فتح ہوا۔ آتش کدہ ویران ہوا پجاری و متولی بھی در بدر پھرنے لگے ۸۶ھ میں عہدِ ولید اموی میں قتیبہ بن مسلم نے خراسان کے مواضعات پر پھر فوج کشی کی۔ مالِ غنیمت میں لونڈیاں آئیں۔ ایک عورت برمک تھی وہ عبداللہ بن مسلم برادر قتیبہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۸۷ پر ملاحظہ ہو)

بھائی تھا ذی علم ذی لیاقت۔

ہارون الرشید کی منشاء سے یحییٰ برمکی کا بیٹا جعفر جو بے بدل ادیب اور انشا پرداز اور علوم و فنون کا جامع تھا۔ عہدۂ وزارت پر فائز ہوا۔ یہ باپ سے زیادہ ہوشیار و چالاک تھا۔ تھوڑے عرصہ میں حکومت کی تمام مشنری پر چھا گیا۔ ہر شعبہ پر اس کا کامل دخل ہو گیا۔ اس کے عہد میں ہارون کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ معمولی رقم بھی براہِ راست خزانہ سے نہیں طلب کر سکتا تھا۔ یحییٰ اور فضل و جعفر کی بدولت حکومت کے تمام شعبوں پر خاندانِ برامکہ کے افراد قابض تھے۔ ملک پر ان کی ہیبت اور عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ امید و بیم کے مرکز تھے۔ ان کے سامنے خلیفہ کو کوئی پوچھتا نہ تھا۔ حتیٰ کہ سلاطین و امراء کے پاس سے آئے ہوئے ہدایا سیدھے برامکہ کے پاس پہنچتے تھے اور خلیفہ کو عموماً خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ برامکہ نے شیعوں اور اپنے عزیز و اقارب کے گھر مال و دولت سے بھر دیئے تھے[۱]۔ شاہی خاندان اس قدر گر گیا تھا کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے بابِ وزارت کا راستہ لیتا تھا۔

عبدالملک بن صالح عباس نے جعفر بن یحییٰ سے درخواست کی کہ ہارون سے میری تین حاجتیں پوری کرا دیجئے۔ دس لاکھ درہم دلا دیجئے میں قرضہ ادا کر دوں گا۔ میرے بیٹے کو کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرا دیجئے۔ اس سے میری حیثیت بڑھ جائیگی۔ خلیفہ کی صاحب زادی سے میرے بیٹے کا رشتہ کرا دیجئے۔ جعفر نے جواب دیا۔ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶ سے آگے) کے حصہ میں آئی۔ پھر اہل مرو سے صلح ہوئی۔ یہ لونڈیاں واپس ہوئیں۔ عبداللہ کی کنیز حمل سے تھی۔ یہ عورت جعفر برمکی کے ہاتھ لگی۔ خالد اس کا بیٹا مشہور ہوا۔ خالد جوان ہو کر دعوتِ بنی عباس میں شامل ہو گیا۔ بعد کو سفاح نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ مہدی کے زمانہ میں موصل کا گورنر رہا۔ سنہ ۱۶۳ھ میں فوت ہوا۔

(ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۰۲)

۱؎ مسلمانوں کا نظامِ مملکت صفحہ ۵۳۔

رقم ابھی تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔ تمہارے بیٹے کو میں مصر کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔

امیرالمومنین کی فلاں صاحبزادی کا اتنے اتنے مہر کے بدلے تمہارے بیٹے کا نکاح کرتا ہوں[1]

عبدالملک جب گھر آیا تو دیکھا مطلوبہ رقم پہنچ چکی ہے۔ جعفر کے قابو میں ہارون مثل کٹ پتلی کے تھا۔ صبح جعفر نے ہارون الرشید سے گورنری کا پروانہ اور نکاح کی منظوری بھی لے لی۔

اس ایک ہی واقعہ سے جعفر کے اثر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ سلطنت پر تو چھایا ہوا تھا ہارون اور اس کے خاندان کے پرائیویٹ معاملات پر بھی اس کا بے پایاں اثر تھا۔ یہاں تک کہ ہارون کی اولاد کی شادی اور بیاہ کرنے کا بھی مجاز تھا۔ جعفر حکومت کی دولت بے غل وغش خرچ کرتا تھا۔ اپنے محل کی تعمیر میں دو کروڑ درہم خرچ کئے۔ ہارون الرشید نے خزانے کی جانچ شروع کی تو معلوم ہوا کہ برامکہ نے خزانہ خالی کر دیا ہے[2]

ہارون کو جعفر سے بے حد انس تھا اور اس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ بلکہ جعفر پر اس کو کامل بھروسہ تھا۔ ہارون سا مذہبی شخص جعفر جیسے عیاش کی صحبت میں رنگین وعیاش مزاج ہو گیا۔ جعفر کا عالم یہ تھا کہ بقول ابن خلکان ہر جمعہ کو ایک باکرہ کنیز جعفر کے پاس خلوت میں بھیجی جاتی تھی[3]

محفلِ عیش وطرب

مصنف اعلام الناس نے لکھا ہے:۔

"خلیفہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں کے بعد شب کو عیش وطرب کے جلسوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ باوجودیکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا تاہم اس کی یہ مجلس رندانہ ہوتی تھی۔ پری پیکر

---

[1] الفخری صـ ۱۱۸ [2] ابرامکہ صـ ۲۴ [3] اعلام الناس وابن خلکان صـ ۱۳۲۔

نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا۔ بے تکلف احباب جمع ہوتے اور نبیذ کا دور چلتا"[1]

بعض مؤرخین نے ہارون پر مے نوشی کا الزام تراشا ہے۔ مگر علامہ ابن خلدون نے انکار کیا ہے لیکن نبیذ کا پینا ان کو بھی تسلیم[2] ہے۔

غرضیکہ جعفر کے واقعاتِ عیش پرستی ایک طرف اور اس پر طرہ یہ کہ ان برامکہ نے امام موسیٰ کاظم کو زہر دلوایا[3]۔ ادھر جعفر وغیرہ عام طور پر زندیق مشہور ہی تھے[4]۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ان کے خلاف آتشِ مخالفت پھیل گئی۔ خاندانِ شاہی علیحدہ ان کی حرکتوں سے بدظن تھا۔ علماء بھی اُن کے طور طریق اور بے دینی سے ناراض تھے۔ چنانچہ علامہ ابوالربیع محمد بن لیث نے جو عہدِ رشید میں ایک باوقار عالم تھے خلیفہ کو ایک طولانی خط میں لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"امیر المومنین قیامت کے دن تُو خدا کو کیا جواب دے گا کہ تُو نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے، جو کام اہلِ اسلام کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کیا ہے"

خط کا مضمون پڑھ کر برامکہ کے عقائد کی طرف سے ہارون مشتبہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ فضل بن ربیع کو ان کا اقتدار ناگوار تھا اس نے برامکہ کے خلاف ہارون کو اور بھڑکایا۔[5]

اس کے علاوہ وزارت، کتابت، حجابت اور سپہ سالاری کے تمام

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۵ جلد ۶ [2] نبیذ کھجور کی تاڑی رنگین طبع بجائے شراب کے استعمال کرتے تھے۔ علماءِ کرام نے اس کی حلت کا فتویٰ دے دیا تھا [3] کتاب زہر الربیع جلد اول صفحہ ۲۲ مطبوعہ بمبئی [4] البرامکہ صفحہ ۲۴۸ [5] ایضاً۔

عہدوں پر یحییٰ برمکی کی اولاد ممتاز تھی۔ چنانچہ پچیس شخص برامکہ کے حکمران تھے[1]
مختصر یہ کہ عہدِ ہارون میں برامکہ سیف وقلم دونوں کے مالک تھے اور دولتِ عباسیہ کے جانثار ذلت سے خارج کر دیئے گئے تھے۔

نوٹ:۔ جعفر کو فلسفہ سے زیادہ رغبت تھی۔ اس فلسفہ پسندی نے اس کو اور یحییٰ کو زندقہ سے منسوب کر دیا تھا چنانچہ اصمعی کا یہ قول مشہور ہے:۔

"جس کی مجلس میں شرک کا مذکور چلتا ہے تو برمکیوں کا چہرہ چمک اُٹھتا ہے لیکن اُن کے سامنے کوئی آیت پڑھی جائے تو وہ مزدک کی حکایتیں بیان کرنے لگتے ہیں"[2]

مصنف حیوٰۃ الحیوان لکھتا ہے:۔

"جب ہارون الرشید نے دارالسلطنت سے نکل کر مُلک کا دورہ شروع کیا تو جس جگہ اور جس باغ میں اُس کے ڈیرے کھڑے ہوتے وہاں معلوم ہوتا کہ یہ برامکہ کی جاگیر ہے۔ ان صداؤں نے ہارون کے کان بدمزہ کر دیئے تھے۔"

اسمٰعیل بن یحییٰ ہاشمی امرائے دربار سے تھا اُس نے جعفر اور ہارون کی باہمی کشیدگی سے متاثر ہو کر پہلے خلیفہ سے جعفر کی تعریف وتوصیف کی پھر جعفر کے پاس آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ نے جعفر کو خراسان کا والی مقرر کر کے چند روز کے لئے معزول کر دیا تھا اور اب نہروان کی حکومت سپرد کی تھی جعفر کا سامان سفر درست ہو رہا تھا۔ اسمٰعیل لکھتا ہے کہ میں نے عرض کیا میرے سردار آپ ایسے شہر جا رہے ہیں جس کے اطراف نہایت وسیع ہیں اور خیر وبرکت کی جگہ ہے اگر آپ بعض جاگیریں امیرالمومنین کی اولاد کے نام منتقل کر دیں تو ترقی دولت کا باعث ہو سکتا ہے۔ جب اسمٰعیل کہہ چکا تو جعفر نے اسمٰعیل کی طرف غضبناک

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۱۱ الفخری صفحہ ۱۹۱ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۳۰۔

ہو کر دیکھا اور کہا کہ اسے اسمٰعیل تمہارے ابن عم ہارون الرشید میرے ہی طفیل
میں روٹی کھاتے ہیں اور سلطنتِ عباسیہ کا قیام میری ہی ذات سے ہُوا ہے۔
مَیں نے خزانہ کو دولت سے پُر کر دیا ہے، اس پر بھی صبر نہیں آتا۔ اب ان
چیزوں پر تاک لگائی ہے جس کو مَیں نے اپنی اولاد کے لئے ذخیرہ کیا ہے۔
وہ میرے بعد اُن کے کام آتے۔ خدا کی قسم! اگر کوئی شئے مجھ سے ہارون نے
طلب کی تو اس پر جلد وبال نازل ہوگا[1]

ہارون کا مخبر غلام جو جعفر کے پاس رہتا تھا، اس واقعہ کی اس نے اپنے آقا
کو خبر کر دی۔ اس بیان کے بعد جعفر اس کا مستحق تھا کہ وہ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچے
ہارون کی دور بین نظر نے برامکہ کے اس جاہ و جلال سے مستقبل میں خطرہ محسوس
کیا اور اس اندیشہ سے اس کی نظریں بدل گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جعفر
کو ٹھکانہ لگایا گیا۔ یحییٰ اور فضل جیل میں ٹھونس دیئے گئے۔ ان میں سے یحییٰ اور فضل
ہارون کی زندگی ہی میں جیل کی نذر ہوئے۔ بقیہ لوگ سڑا کئے[2]۔ تمام برامکہ کی
جاگیریں، مال و اسباب و ذریہ نقد بحقِ حکومت ضبط کر لیا گیا۔ اس اثاثہ سے تین کروڑ
چھہتر ہزار دینار وصول ہوئے[3]۔ منجملہ اس کے ایک کروڑ تئیس لاکھ کی رقم صرف آمدنی
جاگیرات کی وصول کر کے خزانۂ شاہی میں داخل کی گئی۔

---

[1] اعلام الناس صفحہ ۱۵۳ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۵۰ ۔ عقد الفرید

[3] جعفر برمکی قاضی ابو یوسف کا شاگرد تھا۔ بیت الحکمۃ کے قیام کے بعد حکماء کی صحبتوں میں
فلسفیانہ خیالات کا حامی ہو گیا۔ فصاحت و بلاغت، ادب و انشاء میں اس کو اتنا کمال حاصل تھا
کہ ایک ایک رات میں ہزار ہزار توقیعات لکھ ڈالتا تھا[4]۔ اپنی ذہانت طباعی اور خوش مزاجی سے
ہارون کے مزاج میں بہت کچھ رسوخ پا لیا تھا۔ آخر میں اپنے آقا کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ آخر ش
حکومت کے شکنجہ میں کس دیا گیا۔

---

[4] ابن خلکان صفحہ ۱۳۔

شعرا جو برامکہ کے پروردہ تھے انہوں نے جعفر کے قتل پر دردناک مرثیئے لکھے۔ خود خلیفہ کو بھی صدمہ تھا کہ اس کی رنگین صحبتیں ختم ہوگئیں اور عیش وعشرت کا دروازہ بند ہو گیا۔

جعفر کے بعد صحیح معنی میں ہارون رشید حکمراں ہوا۔ مگر اس کی مسرتیں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔

وفات برامکہ کی تباہی کے بعد رافع بن لیث کی طرف سے خراسان میں شورش بپا ہوئی۔ ہارون نے امین کو بغداد میں قائم مقام کیا اور مامون کو ساتھ لیا اور خود وہاں کے فتنہ کو دبانے کے لئے روانہ ہوا۔ طبیعت پہلے سے کچھ ناساز تھی جرجان پہنچ کر زیادہ خراب ہو گئی۔ وہاں سے طوس واپس آیا۔ علاج معالجہ کیا گیا کچھ افاقہ نہ ہوا۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اپنی قبر کھدوائی اور اس میں کلام مجید پڑھوایا۔ آخر شب بروز شنبہ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں طوس کے غربت کدہ میں انتقال کیا۔ عمر صرف ۴۷ سال کی تھی۔ ۲۳ سال خلافت کے فرائض انجام دیئے[۲]

اثاثہ

ہارون الرشید نے دو کروڑ دینار، اسباب وجواہر ونقرہ، گھوڑے، کروڑوں دینار کی مالیت کے بیت المال میں چھوڑے۔

اولاد ہارون کے چار بیٹیاں اور بارہ بیٹے تھے۔
محمد امین (بطن زبیدہ خاتون) علی (بطن امۃ العزیز) موسیٰ، ہادی، عبداللہ المامون، قاسم موتمن، محمد معتصم، صالح، محمد ابو علیلی محمد ابو یعقوب، محمد ابو العباس، محمد ابو سلمان، محمد ابو علی، محمد ابو احمد۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۱ [۲] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۰۔

مرثیہ

ہارون الرشید کی وفات پر صدہا شعراء نے مرثیئے لکھے۔ اس جگہ ابوالشیص شاعر کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

غربت فی الشرق شمس	مشرق میں آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کے
فلها العینان تدمع	لئے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔
ما رأینا قط شمسا	کسی نے آفتاب کو اسی سمت میں غروب ہوتے
غربت من حیث تطلع[1]	دیکھا ہوگا جہاں سے وہ نکلا تھا۔

سیرت ہارون الرشید میں وہ تمام خصائل مجتمع تھے جو ایک پاک باز اور دین دار بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

"ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں۔"

علم وہنر، تدبیر، دانائی، فہم وفراست، عزم وثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند حوصلگی میں خلفائے بنی عباس میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم وہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اس کی قدردانی اور صلہ گستری نے اہل کمال دور دور سے اس کے دربار میں جمع کر دیئے تھے عظیم القدر شہنشاہ ہونے کے باوجود تکلف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبریل اور بختیشوع عیسائی اطبا کا جو اعزاز دربار میں تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی طرح منکہ ہندی فلسفی کی قدردانی کا جواب نہیں ملتا۔ اس کے دربار علمی میں یہودی، پارسی، عیسائی، ہندو علماء وحکماء سب ہی شریک

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر صفحہ ۲۲۳۔

ہوتے اور یہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتا۔

مذہب | مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم، فرائضِ شرعیہ کا بڑا پابند تھا۔ خطیب تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں:۔

"وحکی بعض اصحابہ انہ کان یصلی فی کل یوم مائۃ رکعۃ الی ان فارق الدنیا"[1]

غرضیکہ ہارون علاوہ فرائض کے سو رکعتیں روزانہ پڑھتا تھا[2]۔ سوائے بیماری کے کبھی نماز قضا نہیں کی۔ اگر ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال خانہ کعبہ کی زیارت کو جاتا۔ تیئس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا۔ ۱۸۶ھ میں مکہ معظمہ سے عرفات تک پاپیادہ گیا[3]۔

حج کے موقع پر علماء و فقہاء کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی[4] اور جس سال اتفاق نہ ہوتا تو اپنی طرف سے تین سو حجاج کا ایک قافلہ روانہ کرتا اور نقد و جنس ساتھ کر دیتا۔ خود حج میں بڑی آہ و زاری سے دعائیں مانگتا۔ جہاد کا شوق اور شہادت کا ولولہ بہت تھا۔ خطیب و طبری کا بیان ہے کہ ہارون محرماتِ شریعت کی عظمت کرتا تھا۔

خیرات و مبرات | ہارون الرشید کی سخاوت کی دھوم تھی۔ خیرات علانیہ اور خفیہ دونوں طرح پر جاری تھی۔ ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا۔ منصور سے زیادہ سخی تھا چنانچہ سفیان بن عینیہ کو اس نے ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اسحاق موصلی کو دو لاکھ دینے کے لئے حکم دیا۔ مروان بن حفصہ کو ایک قصیدے کے صلہ میں پانچ ہزار دینار دیئے۔

[1] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۶ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۶۔

---

[3] تاریخ الخلفاء و الفخری صفحہ ۱۷۵ [4] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۔

بزرگانِ دین سے عقیدت ہارون الرشید بزرگانِ دین سے بھی خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتا اور وہ جو نصیحت فرماتے تھے اس کو رغبت کے کانوں سے سُنتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ لوگ ہارون کو ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ محبوب ہے[1]

ہارون اور سفیان ثوری ہارون اور سفیان ثوریؒ میں بچپن سے دوستی تھی۔ جب یہ خلیفہ ہُوا تو سفیان ثوری سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن سفیان نے پروانہ کی۔ آخر ہارون نے ان کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا :۔

"از ہارون الرشید بنام برادرم سفیان !

برادرم تم کو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا ہے اور میرے تمہارے سے جو تعلقات تھے بدستور قائم ہیں۔ تمام میرے احباب میری خلافت کی مبارک باد دینے کو میرے پاس آئے اور مَیں نے ان کو گراں بہا صِلے دیئے۔ افسوس ہے آپ اب تک نہ آئے، مَیں خود حاضر ہوتا لیکن یہ امر شانِ خلافت کے خلاف تھا"

جواب

"از بندۂ ضعیف سفیان بنام ہارون فریفتۂ دولت !

تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کو بے موقع اور بے جا دگراں بہا صلے دے کر خرچ کیا۔ اس پر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۵۔

بھی تم کو تسلی نہ ہوئی اور چاہتے ہو کہ قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں۔ ہارون تجھ کو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ تُو تخت پر اجلاس کرتا ہے۔ حریر کا لباس پہنتا ہے، تیرے دروازے پر چوکی پہرہ رہتا ہے۔ ترے عُمّال خود تو شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں۔ خود زنا کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ ان جرائم پر پہلے تجھ کو اور تیرے عمال کو سزا ملنی چاہیئے پھر اوروں کو۔ ہارون وہ دن بھی آئے گا کہ تُو قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ تیری مُشکیں بندھی ہوں گی۔ تیرے ظالم عُمّال تیرے پیچھے ہوں گے اور تُو سب کا پیشوا بن کر سب کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ میں نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اب کبھی خط نہ لکھنا "

(سفیان ثوری)

ہارون الرشید اعظم نے یہ خط پڑھا، بے اختیار چیخ اُٹھا اور دیر تک روتا رہا۔ مرہ بن سماک واعظ ایک مرتبہ ہارون کے پاس گئے۔ ہارون نے اس کی بے انتہا تعظیم کی۔ مرہ نے اپنی مدارات دیکھ کر کہا باوجود بادشاہت کے آپ کی تواضع آپ کے شرف سے بھی زیادہ ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید اور ابن سماک

ایک دن ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ ہارون الرشید کے پاس گئے۔ خلیفہ کو پیاس لگی، پانی مانگا، پینے کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔ امیر المومنین ذرا ٹھہر جائیے۔ یہ پہلے یہ بتائیے کہ اگر پانی آپ کو نہ ملے تو شدتِ پیاس میں آپ پانی کا ایک پیالہ کس قیمت تک خرید سکیں گے۔ ہارون الرشید نے کہا۔ نصف سلطنت دے کر لے لوں گا۔ ابن سماک نے کہا آپ پی لیجئے۔ جب وہ پی چکا تو پھر کہا۔

اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رہ جائے اور نہ نکلے تو اس کے نکلوانے کے عوض آپ کیا خرچ کریں گے؟ خلیفہ نے کہا باقی تمام سلطنت دے دوں گا۔
ابن سماک نے کہا بس یہ سمجھ لیجیئے کہ آپ کا تمام مُلک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے پیشاب کی قیمت رکھتا ہے۔ پس اس پر کبھی تکبّر نہ کیجیئے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں سے یکساں سلوک کیجئے۔

رِقّتِ قلب

ایک مرتبہ حضرت فُضَیل نے ہارون سے مخاطب ہو کر کہا۔
"اے حسین چہرے والے تُو اس اُمت کا ذمہ دار ہے تجھ ہی سے اس کی باز پرس ہو گی۔"
یہ نصیحت سُن کر ہارون زار و قطار رونے لگا۔ منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانے میں تین آدمی رقیق القلب تھے، خشیتِ الٰہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے تھے۔ فُضَیل بن عیاض۔ ابو عبدالرحمٰن زاہد اور ہارون الرشید[1]۔
عبداللہ قواریری لکھتے ہیں۔ ایک دن ہارون نے فُضَیل بن عیاض سے وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ کے معنی پوچھے۔ فضیل نے کہا کہ قیامت کے روز تمام دنیاوی وسائل منقطع ہو جائیں گے۔ خلیفہ یہ سُن کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا[2]۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک مرتبہ ابن سماک سے نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔
"ہارون خدا سے ڈر کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدائے تعالےٰ کے روبرو جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۳ [2] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۱۴
[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۰۔

سے ایک مقام اختیار کرنا پڑے گا جس کے علاوہ تیسرا مقام نہیں ہے
یہ مقام جنت، دوزخ ہیں۔ یہ سن کر ہارون اتنا رویا کہ ڈاڑھی آنسوؤں
سے تر ہو گئی فضیل بن حاجب پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہارون کا یہ حال دیکھ
کر کہا سبحان اللہ امیر المومنین کے جنت میں جانے میں بھی کوئی شبہ ہو
سکتا ہے۔ آپ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اس کے بندوں کے ساتھ
عدل کرتے ہیں۔ اس کے صلہ میں انشا اللہ ضرور مستحق جنت ہوں گے"
ابن سماک نے ہارون کو مخاطب ہو کے کہا۔
"امیر المومنین اس دن فضیل تیرے ساتھ نہ ہو گا اس لئے خدا سے
ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ"
یہ سن کر ہارون پھر زار زار رو دیا۔ سماک اٹھ کر چلے گئے۔[1]

رسول اللہ سے عشق

ہارون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔ جب کبھی آپ کا نام مبارک اس کے سامنے کوئی لیتا تو بے قرار ہو جاتا اور صلی اللہ علیہ وسلم علی سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث ہارون کے سامنے بیان کی۔ درباریوں میں سے ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا۔ ہارون جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور اس وقت تلوار طلب کی۔ لیکن ابو معاویہ نے سمجھا بجھا کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا کیا۔[2]

خلقِ قرآن

ہارون الرشید کو اسلام کی بے حرمتی کبھی گوارا نہ تھی وہ دین میں رخنہ ڈالنے والے کاموں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ جب اُسے اطلاع ملی کہ بشر المریسی خلقِ قرآن کا قائل ہے تو کہنے لگا اگر وہ قابو میں

---

[1] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۴ [2] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۷

آجائے تو اُس کی گردن مار دوں۔[1]

علماء کی قدر دانی ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے خلیفہ کے ساتھ کھانا کھایا (ابو معاویہ نابینا تھے) کسی شخص نے معمول کے موافق میرے ہاتھ دُھلائے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ محض اکرام علم کے لئے خود میں نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں۔[2]

شجاعت و تہوّر ہارون شجاع تھا اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا۔ بلکہ اکثر فوج کے آگے رہتا۔ اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔

اخلاقی حالت ہارون کی اخلاقی حالت نہایت بلند تھی۔ حیا و مروت میں فائق تھا مگر دشمن اور زندیق کے لئے اس کا جوشِ غضب بڑھ جاتا تھا۔ اپنے دادا منصور کے قدم بقدم تھا۔ لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے انعام دیتا۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ایک شب میں ہارون نے قاضی ابو یوسف کو بُلایا اور ایک ضروری مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے بتا دیا۔ ہارون خوش ہو گیا اور ایک لاکھ درہم عطا کر دینے کا حکم دیا۔

قاضی صاحب نے فرمایا یہ درہم مجھے صبح سے پہلے پہلے مل جانے چاہئیں۔

ہارون نے حکم دیا فوراً ادا کیئے جائیں۔

ایک مصاحب بولا حضور خزانچی اپنے گھر میں ہے اور خزانہ کا دروازہ بند ہے قاضی صاحب نے فرمایا کہ دروازے تو اس وقت بھی بند تھے جب میں بُلایا گیا تھا۔ یہ سُن کر فوراً خزانہ کھلوا دیا گیا اور ایک لاکھ درہم قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کیئے گئے۔[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً صہ ۱۵۵ [3] ایضاً صہ ۱۵۸۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک دن امیر المؤمنین ہارون الرشید دور سے اپنے فرزندوں محمد امین اور مامون الرشید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں بھائی اپنے مکتب میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اُٹھے اور باہر جانے لگے۔ امین اور مامون نے لپک کر استاد کے جوتے اُٹھائے اور ان کے قریب رکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر ہارون کو تعجب ہوا۔ ایک خادم سے پوچھا بتاؤ وہ کون شخص ہے جس کے خدمت گار دُنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں؟ اُس نے کہا آپ۔ ہارون نے کہا نہیں، کسائی ہے جس کے علم و فضل کی وجہ سے محمد امین و مامون اس کی خدمت کرتے ہیں۔ جب کسائی نے یہ واقعہ سُنا تو کہا امیر المومنین اگر آپ اپنے دونوں فرزندوں سمیت میری خدمت کرتے تب بھی تھوڑی تھی۔ کیونکہ فضل و کمال کی زندگی زندگی ہوتی ہے۔ اور دولت و اقبال ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اس لئے اعتبار کے قابل چیز فضل و کمال ہے نہ کہ دولت و اقبال۔

ہارون الرشید نے یہ قول بہت پسند کیا اور کسائی کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا۔[1]

امین و مامون

ایک مرتبہ زبیدہ نے ہارون الرشید سے شکوہ کیا۔ آپ مامون کو امین سے زیادہ چاہتے اور ہر بات میں اُس کا خیال زیادہ رکھتے ہیں۔ ہارون نے اس وقت دو سمجھ دار خادموں کو بلایا اور کہا کہ تم امین اور مامون کی تعریف کے بعد کہنا کہ آپ جب مسندِ خلافت پر بیٹھیں گے ہم پر کیا انعام و اکرام ہوں گے چنانچہ ایک خادم امین کے پاس گیا۔ اس نے تو خلافت کا ذکر سُنتے ہی کہا تجھ

---

[1] جوامع الحکایات و لوامع الروایات محمد عوفی (فارسی)

کو مصاحب بناؤں گا اور جو ماموں کے پاس گیا تو ماموں نے کہا بدبخت میرے باپ کا بُرا چاہتا ہے اور دوات کھینچ کر اُس کے رسید کی۔ ہر دو نے بجنسہٖ حالت بیان کی۔ اس پر ہارون نے زبیدہ سے کہا دیکھا تم نے امین متمنی خلافت ہے۔ ماموں کو میری زندگی کی تمنا ہے۔ زبیدہ بہت شرمندہ ہوئی۔

تأدُّب | ہارون الرشید کی مجلس میں ظریف شعراء شریک ہوتے مگر یہ کبھی مذہب کے خلاف تمسخر کو گوارا نہیں کرتا۔

ابن ابی مریم جو دربارِ ہادی کا ایک مسخرہ تھا اس پر ایک مرتبہ سخت ناراض ہُوا جبکہ اُس نے نماز میں ہنسنا چاہا۔

ابونواس جو دربار کا ملک الشعراء تھا ایک دن شراب پی کر ہارون کے سامنے آ گیا۔ ہارون سخت خفا ہُوا اور اس کو جیل خانہ بھیج دیا۔

ابن عساکر کا بیان ہے کہ ہارون کے سامنے ایک زندیق گرفتار کر کے لایا گیا۔ ہارون نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ وہ پوچھنے لگا آپ مجھے کس گناہ میں قتل کراتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرے فتنہ سے لوگ امن میں ہو جائیں گے۔ اس نے کہا کہ اُن ایک ہزار احادیث کا آپ کیا انتظام کریں گے جو میں نے وضع کر کے مُلک میں پھیلادی ہیں حالانکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ ہارون بولا اے دشمنِ خدا تُو کس خیال میں ہے ابواسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک جیسے نقاد موجود ہیں، وہ ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دیں گے[1] اس کے بعد زندیق کو ٹھکانہ لگا دیا گیا۔

بیت الحکمت

شاہان اسلام میں ہارون الرشید بلند پایہ شخصیت کا مالک تھا علم و فضل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۹

میں بھی یگانۂ روزگار تھا۔ اس کے داداکے ذریعے بغداد اہلِ فضل وکمال کا مرجع و ماوا بنا ہُوا تھا۔ رشید نے علم و فضل اور شاہانہ گھرانہ میں آنکھ کھولی۔ دادا اور باپ فاضلِ جلیل تھے۔ ہارون بھی آباو اجداد کے قدم بقدم چلا۔ دادا نے جو علمی بساط بچھائی تھی ہارون اُس کی توسیع میں لگ گیا۔ اس کے اتالیق اور وزیر یحییٰ بن خالد جو خود فاضل تھا اُسی کے مشورہ سے بیت الحکمت کی بنا ڈالی۔ مشاہیر علماء نزدیک و دُور کے شریک ہُوئے۔ مسلمان، عیسائی، یہود، پارسی، ہنود، فضلائے روزگار اراکینِ بیت الحکمت تھے۔

ابو حیان و مسلم بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔

محمد بن لیث، قاضی ابو یوسف عبداللہ بن علی، عبداللہ بن بلال اہوازی، سہل بن نوبخت بختیشوع جبریل فلاسفہ ہنود کنکہ صنجہل شناق (سنگھ) جو رو سے حضرات فضل و کمال بیت الحکمت سے منسلک تھے۔ کتاب المنشو، کتاب سسرو قراباذین، کنکہ، کتاب محمد بن اللہت، کتاب العطر، کتاب الجوامع، تصنیف (قاضی ابو یوسف) ترجمہ مجسطی۔

(ابو حیان) کتاب السموم۔ کتاب مبرک کلیلہ دمنہ (عبداللہ ابن ہلال اہوازی) اس کی نظم سہل بن نوبخت نے کی۔ کتاب بدان، سسندصحشان کتاب تفسیر اسماء الغفاار (نباتات) اسالکرا الجامع کتاب نوفشل کتاب سکر للہند کتاب رائے الہند۔ اس کے علاوہ بیت الحکمۃ کی طرف سے بہت سی کتابیں شائع ہوئیں جس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے فہرست ابن ندیم اور کشف الظنون موجود ہیں۔

کتب خانہ منصور نے مہدی کے سپرد اپنا علمی سرمایہ کیا تھا۔ ہارون نے اس کو ترقی دی۔ عربی، یونانی، قبطی، کالڈی، ہندی، فارسی، عربی زبان کا بڑا سرمایہ ہارون کے کتب خانہ میں جمع ہو گیا تھا۔ اس کو زیادہ ترقی دینے میں یحییٰ بن خالد برمکی کی مساعی کو بڑا دخل ہے اس کا ذاتی

کتب خانہ بڑے پیمانہ پر تھا۔

ہارون الرشید کے عہد میں ایک طرف علوم دینی کی اشاعت وترویج ہوئی۔ دوسری طرف بیت الحکمت نے اہلِ علم کو علومِ فلسفہ سے مانوس کر دیا تھا۔ چونکہ ہارون الرشید صاحبِ علم اور اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں شعراء ادباء فقہاء اور محدثین کا مجمع رہتا۔

کسائی جیسا نحوی، اصمعی اور عباس بن احنف جیسے ادباء ابونواس، ابوالعتاہیہ فراسیبویہ جیسے شعراء ہم جلیس وہم نشین تھے۔ ہارون کے عہد میں خلیل بن احمد بن عمرو فراہدی نے کتاب العین لغت میں پہلے پہل لکھی۔ وکتاب العین فی اللغۃ ابتداء ہ[1]

علمِ لغت ہارون کا ایک معلم ابوعلبید نامی تھا، اسحٰق بن ابراہیم موصلی نے اصمعی کو دربار سے نکلوا کر اس کو مقرر کیا۔ اس نے لغت میں پہلی کتاب لکھی[2]

علمِ متن لغت ابوعلی محمد بن ستیز بن احمد نحوی لغوی المعروف بہ قطرب شاگرد سیبویہ (جو کہ علم نحو میں بصریوں کا مقتدا تھا) گزرا ہے اس کی دیگر تصانیف کے علاوہ متن لغت بھی ہے۔

علمِ عروض خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فراہیدی، اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اس کا ذکر آچکا ہے۔ اس نے علم العروض پر ایک کتاب ترتیب دی۔ اس کے علاوہ اس کا ایک رسالہ علمِ قافیہ پر ہے۔

صلہ گستری

مؤرخ صوفی نے کتاب الاوراق میں لکھا ہے کہ جب ہارون الرشید تخت نشین

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزالعاشر صہ۱۶۱ [2] مناجتہ المطرب فی تقدمات العرب صہ۳۵

ہُوا اور وزارت پر یحییٰ بن خالد کو ممتاز کیا تو ابراہیم موصلی نے تہنیت میں
یہ اشعار پڑھے ؎

الم تر أن الشمس کانت مریضة — "تم نے نہیں دیکھا آفتاب بیمار تھا جب ہارون
فلما اتی ہارون اشرق نورہا — آیا تو اس کی روشنی چمک اٹھی دنیا نے اس کی
تلبست الدنیا جمالا بملکه — سلطنت سے خوب صورتی کا لباس پہن لیا
فہارون والیہا و یحییٰ وزیرہا — کیونکہ اب ہارون بادشاہ ہے اور یحییٰ
(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲) — اس کا وزیر ہے۔

ہارون موصلی سے بہت خوش ہُوا اور ایک لاکھ درہم کا صلہ دیا۔ یحییٰ نے
پچاس ہزار درہم مرحمت کئے۔

خلافتِ عباسیہ میں ہارون الرشید اپنے آباؤ اجداد سے شان و شوکت
اور عظمت و جلال میں بڑھ کر تھا۔

حافظ ذہبی کا قول ہے کہ جیسے اربابِ کمال ہارون کو میسّر ہوئے وہ دُوسرے
خلیفہ کو میسّر نہیں ہُوئے۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ (یحییٰ و فضل و جعفر) عہدہ قضاۃ
پر امام ابو یوسف شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی
حاجبوں میں فضل بن الربیع مغنیوں میں ابراہیم موصلی اور ملکۂ زبیدہ عباسی۔
غرضیکہ ہارون کا عہد علمی ترقی کے اعتبار سے "الدور الذہبی" کا سزاوار ہے
اس دَور میں علوم و فنون کی جو خدمت انجام پائی وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

بغداد کے رہنے والوں پر علمی چہل پہل کا بڑا اثر پڑا۔ مدارس میں کثرت سے
طلبا زیرِ درس تھے۔ خاندان شاہی علمی گھرانہ تھا ہی مگر ہارون کا بھائی ابراہیم بن
مہدی امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے :-

ابراهيم اول نابغ بنغ من بني العباس ثم من اولاد الخلفاء له توسل وصنعت۔ — "بنی عباس بلکہ خلفاء کی اولاد میں ابراہیم پہلا شخص ہے جو علم و فن اور شعر و ادب میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا"

خطیب بغدادی لکھتے ہیں :۔

"ابراہیم بڑا فاضل اور ادب میں وسیع النظر تھا۔ خلفاء کی اولاد میں اس سے اچھا شاعر اور اس سے زیادہ فصیح دیکھنے میں نہیں آیا"

آغانی میں ہے :۔

"ابراہیم عاقل، فاضل، فہیم، ادیب شاعر اور اہل عرب کے اشعار اور ان کے تاریخی واقعات کا راوی خطیب اور فصیح شخص تھا" [1]

شعر و شاعری ہارون کے زمانے میں خود ہارون کی شعر و سخن سے دلچسپی دوسرے وزرائے برامکہ کی صلہ گستری اور ذوق سخن نے بغداد شعر و شاعری کا مرکز بن گیا تھا۔ اس دور میں شاعری نے حسن معانی، تنوعِ مضامین اور جدتِ تشبیہ کے لحاظ سے بڑی ترقی کی۔ ابونواس، عتابی، ابوالہول، حمیری، محمد بن مناذر، سیف بن ابراہیم، دعبل بن علی الخزاعی اور رقاشی وغیرہ صدہا شعراء تھے۔

موسیقی دوسرے تمدنی فنون کے ساتھ ہارون کے عہد میں فنِ موسیقی کو بھی بڑا عروج ہوا۔ ہارون الرشید کی قدر دانی اور زرپاشی نے اس کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ آغانی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ابراہیم موصلی، اسحاق موصلی، ابوذکار الکلوذانی (نابینا) اس عہد کے صاحبِ کمال مغنّی تھے۔

عہدِ ہارون الرشید میں نظمِ مملکت

ہارون دورِ عروج میں ملکی نظام وہی تھا جو منصور عباسی قائم کر گیا تھا۔ اور جس کو استبدادی یا شہنشاہی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ہارون محکموں کے افسروں

---

[1] کتاب الاغانی جلد ۹ صـ۴۶ ۔

اور خاندانِ شاہی کے ممتاز افراد اور مخصوص علماء سے غیر سرکاری حیثیت سے اہم معاملات میں مشورہ لے لیا کرتا مگر تمام قوت کا سرچشمہ ہارون نے بھی اپنی ہی ذات کو بنائے رکھا۔ وزراء اس کے دایاں بازو تھے۔ ابتدائی زمانے میں برمکی وزراء کا اقتدار ہارون نے روا رکھا۔ ان کے اقتدار کو ختم کر کے مملکت کے نظم ونسق پر حاوی ہوگیا تھا۔

محکمہ جات

دفاتر منصور اور مہدی کے زمانہ میں جو سرکاری دفاتر تھے وہ برقرار رہے۔ چنانچہ دیوان عزیز اس دیوان کا نگران جملہ محکموں کے افسر اس کے ماتحت تھے۔ اولین عہد میں وزیرِ سلطنت ہی مختارِ اعلیٰ تھا۔ بعد کو ہارون نے وزیر کے اختیارات کم کر دیئے۔

ہارون کے عہد میں ایک محکمہ کو زیادہ ترقی ہوئی۔ اس محکمہ کے متعلق نہریں جاری کرنا پل کی تعمیر، آب پاشی کی دوسری آسانیاں مہیا کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں اس محکمہ کی ترقی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ آمدنی میں اضافہ ہو۔ امام ابو یوسف قاضی القضاۃ کو اس سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اُن کے مشورے بہت سودمند ثابت ہوئے۔ امام نے دجلہ وفرات کے پانی کے کھاری پن کو دُور کرنے کے لئے بھی سعی کی۔ کیونکہ کھاری پانی کاشت کے لئے مضر تھا۔

صوبہ ثغور ہارون نے ثغور کو ایک مستقل صوبہ بنا دیا اور وہاں ایک خاص فوجی نظام قائم کیا۔ قلعے تعمیر کئے۔ حفاظت کے لئے ایک مستقل فوج رکھی اور فوجیوں کو تنخواہ باقاعدہ دی جاتی اور ان کو اجازت تھی کہ زمینوں کو آباد کریں اور ان میں کاشت کریں۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ علاقہ خوشحال ہوگیا[1] اس میں

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۲۳۶ ۔

طرطوس اذنہ مرعش شہر ہے۔

ترقی زراعت ہارون کے زمانہ میں زراعت کو بھی بے حد ترقی ہوئی۔ چنانچہ اس کے عہد میں ریاست کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین درہم ۴½ ملین دینار تھی۔[1]

لگان ہارون کے زمانہ میں لگان کی نقد آمدنی قریباً ۴۲ لاکھ ملین دینار تھی۔ اس میں خام اشیاء اور دوسری "فتوحات" داخل نہیں تھیں جن کی قیمت کم و بیش ۵ لاکھ درہم اور دس لاکھ درہم ہوتی تھی۔[2]

رعایا کی خبر گیری شاہانِ عالم میں فاروقِ اعظم کے بعد ہارون الرشید رعایا کی خبر گیری کے سلسلہ میں سب سے سبقت لے گیا تھا اس کا دستور تھا کہ تبدیلِ لباس کر کے بغداد کے گلی کوچوں میں رات بھر پھرا کرتا تھا اور اپنی رعایا کے حالات دریافت کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ وزیر جعفر اور مسعود غلام ہوا کرتے۔ اعلام الناس میں اس سلسلہ کے بہت سے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

عہد ہارون الرشید کے علماء

امام مالک بن انس، امام لیث بن سعد، امام ابو یوسف، قاسم بن معن مسلم بن خالد الربعی، نوح الجامع، حافظ ابو عوانۃ الشکری، ابراہیم بن سعد الزہری، ابو اسحاق الفزاری، ابراہیم بن ابو یحییٰ، اسد الکوفی، اسمٰعیل بن عیاش بشر بن مفضل، جریر بن عبد الحمید، زیاد البکائی، سلیم المقری صاحبِ حمزہ، سیبویہ امام العربیہ ضیغم زاہد، عبد اللہ العمری زاہد، عبد اللہ بن ادریس الکوفی، عبد العزیز بن ابی حازم، دراوردی، کسائی شیخ النحو، محمد بن حسن، علی بن مسہر،

---

[1] سراسین صـ ۲۲۶ [2] مقدمہ ابن خلدون صـ ۲۴۳

عنجار، عیسیٰ بن سبیعی، فُضَیل بن عیاض صوفی، ابن سماک صوفی، معافی بن عمران موصلی معتمد بن سلمان، مفضل بن فضالہ قاضی مصر، امام موسیٰ کاظم، موسیٰ بن ابیعہ ابوالحکم مصری، نعمان بن عبدالسلام الاصفہانی، ہشیم و یحییٰ ابن ابوزید، یزید بن ذریع، یونس بن حبیب نحوی یعقوب بن عبدالرحمٰن قاری مدینہ، عبدالرحمٰن بن قاسم ابوبکر بن عیاش المقری، یوسف بن ماجشون [1]

چند مشاہیر کے مختصر حالات

امام محمد بن الحسن بن الفرقد الشیبانی، امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد آپ فقہ، حدیث و لغت میں امام ہیں۔ ابوعبید نے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ ماہر قرآنِ الٰہی میں کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ جامع علوم اور کثیر التصانیف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنس بن سعد بن عتبہ انصاری ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ ابن ابی یعلی اور امام اعظم سے حاصل کی۔ بغداد کے قاضی القضاۃ رہے۔ حدیث میں بھی ان کا پایہ بلند ہے۔ ۱۸۲ھ میں وصال فرمایا۔

یحییٰ بن سعید القطان امام حدیث ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظم ابی حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ ۱۹۸ھ میں انتقال فرمایا۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی جامع فقہ و حدیث ہیں۔ ابن حجر نے لکھا ہے علی بن المدینی نے کہا کہ کوفہ میں بعد امام ثوری کے آپ سے زیادہ کوئی محدث نہ تھا۔ ۱۸۴ھ میں وفات ہوئی۔ (تاریخ خطیب)

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۸۔

حفص بن غیاث بن طلق الحنفی، ابوعمر کوفی فقیہ، محدث۔ ثقہ ۔ زاہد متقی، محدث، ہشام بن عروہ بن عاصم سے اخذ حدیث کیا۔ ان سے احمد یحییٰ بن معین اور القطان وغیرہ نے سماعت حدیث کی ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔

حکم بن عبداللہ بن سلمۃ البلخی، ابومطیع ۔ علامہ کبیر ہیں فقہ اکبر امام اعظم سے روایت کی ہے۔ عبداللہ بن مبارک آپ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔

سفیان بن عیینہ محدث ثقہ حافظ، فقیہ، ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر امام مالک وسفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم جاتا رہتا۔ یکم رجب ۱۹۸ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

عبداللہ بن المبارک بن الواضح الحنظلی المروزی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کی صحبت میں رہے۔ غیر معمولی ثروت و رسوخ کے مالک تھے۔ جامع فضائل تھے۔ آفتاب حدیث سمجھے جاتے تھے۔ ۱۸۱ھ میں وصال ہوا۔ موضع ہیت میں دفن ہوئے۔

علی بن ظبیان کوفی، قاضی القضاۃ رہے۔ فقیہ، محدث، عارف باورع تھے حسن خلق میں ممتاز تھے۔ ہمیشہ بوریے پر بیٹھ کر اجلاس کیا کرتے۔ ابن ماجہ نے اُن سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

حکمائے ہنود

منسکہ فن طب کا ماہر فیلسوف اور حکیم تھا۔ علماء و حکمائے ہند کے علوم پر اس کی نظر وسیع تھی۔ سنسکرت اور فارسی دونوں کا ادیب و ماہر تھا۔ ہندوستان سے عراق پہنچا وہاں سے دربار ہارونی کی علمی قدردانی کا شہرہ سن کر بغداد آیا اور اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی سے ملا جو سادات عرب کا ممتاز فرد تھا۔ اس

کے ذریعہ ہارون تک پہنچا۔ ہارون نے اس کو بیت الحکمت سے منسلک کر دیا
منسکہ نے جن سنسکرت کتب کا فارسی و عربی میں ترجمہ کیا وہ حسب ذیل ہیں۔
سشرت (فن طب) یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کا ترجمہ کرایا اور تمام شفاخانوں میں
جو یہ قرابادین کے استعمال کے لئے بھیجا۔[1]
کتاب سموم، سامیکا، اسماء عقاقیر الہند عربی فارسی میں ترجمے کئے۔ اس کی
تصانیف یہ ہیں۔ کتاب السموداری الاعمار، کتاب اسرار المو الید۔ کتاب القرانات
الکبیر، کتاب القرانات الصغیر، کتاب فی الفوا ہم، کتاب فی احداث العالم والدور
فی القرآن ہے[2]
حکیم جنجھل ہندی، کتاب اسرار المسائل اور موالید الکبیر اس کی مشہور
تصانیف ہیں۔
حکیم جودر، ہندوستان کے علماء وفضلاء میں ممتاز اور فاضل شخص تھا۔
علم طب میں مہارت رکھتا تھا۔ علوم حکمیہ پر اس کی نظر محیط تھی کتاب المو الید
یادگار کتاب ہے[3]
شاناق یہ بھی نامور طبیب ہے فلسفہ وحکمت میں اچھی طبیعت پائی تھی۔
علوم نجوم میں امام وقت تھا۔ خوش بیان، زبان آور اور علم مجلس کا ماہر
راجگان ہند کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہا۔
کتاب السمومات للہند، کتاب البیطرہ، کتاب فی علم النجوم کتاب ممتحل الجواہر
کتاب فی امر تدبیر الحرب اس کی یادگار ہیں۔
صالح بن بہلہ، ہندوستانی حکماء میں ویدک معالجات کا بہت بڑا ماہر تھا۔
اس نے خلیفہ کے چچا زاد بھائی ابراہیم بن صالحہ کا معالجہ کیا تھا۔

---

[1] اسلامی حکومتیں اور شفاخانے صفحہ ۷ [2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۷۰
[3] البرامکہ صفحہ ۱۲۹۔

ابوسہل بن نوبخت ایک مجوسی تھا جو خلیفہ منصور کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ ابوسہل علم نجوم کا ماہر اور منصور کا ندیم خاص تھا۔ فارسی علم وحکمت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا[1] پھر ہارون کے بیت الحکمت سے منسلک ہو گیا۔

خلیفہ محمد امین ابوعبداللہ

نام محمد امین ابن ہارون الرشید امین کی والدہ ماجدہ ملکۂ سیدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی۔ امین کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی۔ اس کی رگوں میں ماں باپ کی طرف سے خالص ہاشمی خون تھا۔

تعلیم و تربیت امین کی تعلیم پر کسائی، نحوی اور یزیدی مقرر ہوئے۔ یزیدی نے برجستہ گوئی اور حسنِ تقریر کی تعلیم دی۔ فقہائے کرام سے فقہ حاصل کیا اور ہارون الرشید کے ساتھ امام مالک کے درسِ حدیث میں بھی حاضری دی۔ ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس کا اتالیق مقرر کیا تھا۔

امین نہایت ذکی الطبع، فصیح، خوش تقریر، پاکیزہ رو، حور شمائل تھا۔ نحو، ادب، فقہ میں بھی نہایت مہارت حاصل کی۔ مگر ملکۂ زبیدہ کے لاڈ پیار سے عیش طلب اور راحت پسند ہو گیا تھا اور عالمِ شہزادگی میں بہت فضول خرچی کیا کرتا تھا۔

وقائع ہارون نے ۱۷۵ھ میں ولایت عہد کا فرمان لکھا۔ جب ہارون خراسان روانہ ہوا تو ۱۹۲ھ میں امین کو بغداد میں اپنا قائم مقام کیا اور طوس پہنچ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

---

[1] تاریخ الخطباء صفحہ ۶۵۴۔

ہمراہی امرائے سلطنت وعسکر شاہی نے امین کی خلافت کی بیعت کی۔
بغداد میں خبر پہنچی تو یہاں بیعتِ عام لی گئی۔ شہزادہ صالح بن ہارون الرشید نے تہنیتِ خلافت کے ساتھ خاتمِ خلافت عصا و چادرِ نبوی رجاء کے ساتھ بھائی کو بھیجا۔[1] فضل بن ربیع کا دربار پر اثر تھا۔ وہ ہارون کی وفات کے وقت اس کے ہمراہ تھا۔ ہارون نے اس کو ہدایت کی تھی کہ مال، خزانہ، اسلحہ مامون کو دیئے جائیں۔ مگر فضل لے کر چلتا ہوا اور تمام چیزیں امین کے سپرد کر دیں۔ امین، فضل سے بے حد خوش ہوا۔ فضل بن ربیع نے امین کو یہ پٹی پڑھائی کہ مامون اور موتمن دونوں کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد کر دیا جائے۔

امین پہلے تو رضامند نہ ہوا مگر ملکہ زبیدہ کا بھی دباؤ پڑا۔ آخر راضی ہو گیا اور موتمن کو ولایت سے معزول کر کے بغداد طلب کیا۔ پھر عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کو مامون کے پاس بھیجا وہاں ناکامی رہی۔ عباس مامون سے گٹھ گیا اور واپس آ کر یہاں کے حالات سے مامون کو باخبر کرتا رہا۔ سلیمان بن منصور امین کے باپ اور ماں کا چچا تھا وہ فوج شاہی پر اقتدار رکھتا تھا۔

موسیٰ کی ولی عہدی امین نے مامون کے انکار کے باوجود موسیٰ کو ولیعہد بنا دیا۔ تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیئے گئے کہ خطبہ میں موتمن و مامون کے نام کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے۔ سیدہ زبیدہ خزانہ لے کر بغداد تشریف لائیں۔ انبار تک امین پیشوائی کو گیا۔

خانہ جنگی فضل بن ربیع نے مامون کے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار فوج تیار کی۔ علی بن عیسیٰ بن ماہان کو جبل نہاوند، ہمدان، قم، اصفہان کی ولایت کا فرمان دے کر اس لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ ادھر مامون کو یہاں کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۷۰۔

حالات معلوم ہوئے۔ تحفہ تحائف بھائی کو روانہ کئے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے باپ کے سپہ سالاروں عبداللہ بن مالک، یحییٰ بن معاذ، شبیب بن حمید بن قحطبہ اور علاء مولیٰ ہارون کو جو ہمرکاب تھے ایک جلسہ میں مجتمع کیا۔ علاء اس کا حاجب، عباس بن مسیب بن زہیر افسر اعلیٰ پولیس ایوب بن ابی سمیر کاتب (سیکرٹری) تھا۔ عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح اور ذوالریاستین فضل بن سہل مجوسی نومسلم مخصوص و معزز معتمدین میں سے تھے۔ ان سے مشورہ کیا گیا اور یہ بات طے ہوئی کہ ایک وفد فضل کے پاس سامان کے لئے بھیجا جائے۔ چنانچہ فضل بن ربیع کے پاس وفد بھیجا جو راہ سے ناکام آیا۔ پھر فضل بن سہیل نے مامون سے کہا۔ آپ اپنے ننھیال میں ہیں، آپ کی بیعت کا طوق ان کی گردنوں میں ہے۔ صبر و استقلال سے کام لیجئے خلافت کا ذمہ میرا ہے۔ مامون نے کہا انشاء اللہ تمہارے کہنے پر عمل کروں گا اور اس کا انصرام اب تمہارے سپرد کرتا ہوں[1] اس کے بعد مامون نے فوجی تیاری شروع کر دی۔

امین نے "قاسم المؤتمن" کو حکومت جزیرہ سے معزول کیا مگر قنسرین اور عواصم کو گورنری پر بدستور قائم رکھا۔ جزیرہ پر خزیمہ بن حازم کو مامور کیا مکہ معظمہ پر عامل داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد اور حمص کی گورنری پر اسحاق بن سلیمان تھا۔ اس کے بجائے عبداللہ بن سعید قریشی کو کیا اس نے ظلم ڈھائے تو اس کو معزول کر کے ابراہیم بن عباس کو حمص کی سند گورنری مرحمت کی۔

ادھر مامون نے لشکر گراں اپنے غلام طاہر بن حسین کی قیادت میں مرو سے رے کی طرف روانہ کیا اور خراسان کی ناکہ بندی کرا دی اور مخبر چھوڑ دیئے۔ علی بن عیسیٰ چالیس ہزار فوج سے خراسان کی طرف بڑھا۔ اہل خراسان اس سے بیزار تھے۔ ایک زمانے میں یہاں کا گورنر رہ چکا تھا۔ بڑے ظلم کئے تھے۔ خراسانی اس کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۹۴۔

دشمن تھے۔ طاہر کے ساتھ مل گئے۔ رتے پر طاہر اور علی کا مقابلہ ہوا۔ علی بن عیسیٰ کے تیر لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فوج نے راہِ فرار اختیار کی۔ بقیہ لوگوں نے امان طلب کی۔ طاہر نے رتے سے مامون کے پاس مرو فتحیابی کی اطلاع بھیجی۔ فضل بن سہل نے طاہر کی معاونت کے لئے اور فوجیں روانہ کیں۔

فضل بن ربیع کو شکست کی خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن جبلہ انبادی کو بیس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔

ہمدان کے متصل معرکہ پیش آیا۔ عبدالرحمٰن شکست کھا کر قلعہ بند ہوا اور مجبوراً طاہر سے امان کا طالب ہوا۔ یہ خبر فضل بن ربیع کو پہنچی تو خوف زدہ ہو گیا۔ مگر ہمت کر کے احمد بن فرید کو بیس ہزار فوج کے ساتھ طاہر کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی زیر سرکردگی بیس ہزار فوج احمد کی کمک کے لئے اور روانہ کی۔ ہر دو فوجیں حلوان کے متصل خانقین میں کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہوئیں۔ طاہر کے جاسوس ہر دو میں گھل مل گئے اور باہمی پھوٹ ڈلوا دی۔

آخرش طاہر سے بلا مقابلہ کے فوجیں بغداد لوٹ گئیں۔ مامون نے طاہر کو حکم دیا کہ اہواز کی طرف بڑھے اور اس جگہ حلوان بن ہرثمہ بن اعین کو متعین کیا تاکہ بغداد کو دو طرف سے گھیرا جائے۔ طاہر نے عامل اہواز محمد بن یزید کو صف آرا ہو کر شکست دی اور اہواز پر قبضہ کیا اور فارس سے لے کر یمامہ اور بحرین تک اپنے عمال مقرر کر کے واسط کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قبضہ جمایا۔

طاہر نے واسط سے ۱۹۶ھ میں کوفہ ایک دستہ فوج روانہ کی۔ یہاں کے امیر عباس بن موسیٰ ہادی تھے۔ وہ یہ رنگ دیکھ کر امین کی بیعت فسخ کر کے مامون کی خلافت کے مؤید ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی منصور بن مہدی امیر بصرہ بھی طاہر کا ہمنوا ہو گیا۔ مطلب ابن عبداللہ بن مالک گورنر موصل نے بھی مامون

کی اطاعت کی [1]

طاہر نے ان سبھوں کو بحال رکھا اور حرث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو قصر ابن ہُبیرہ کی طرف روانگی کا حکم دیا اور خود جرجرایا میں خیمہ زن ہو گیا۔

امین کو ان حالات کا علم ہُوا تو محمد بن سلیمان اور محمد بن حماد بربری کو قصر روانہ کیا۔ یہاں داؤد اور حرث سے معرکہ ہُوا۔ محمد بن سلیمان کو شکست ہوئی اور اس نے بغداد کی راہ لی فضل بن موسیٰ کو امین نے کوفہ بھیجا۔ یہاں محمد بن علاء طاہر کی طرف سے مقرر تھا۔ مقابلہ ہُوا فضل کو پسپا ہو کر بغداد لوٹنا پڑا۔ طاہر کامرانی کے ساتھ مدائن پہنچا اور اس پر قابض ہو کر صرصر پر جا اُترا اور وہیں پُل بنوایا۔

حجاز میں مامون کی بیعت

مامون کی فتوحات کی شہرت عام ہو رہی تھی حرمین پر بھی اس کا اثر پڑا۔ وہاں کا عامل داؤد تھا اُس نے اہلِ مکہ کو جمع کیا۔ اعیانِ عرب مجتمع ہو گئے اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ اُس نے کہا۔

> "امین وہ ہے جس نے حرمتِ حرم کا خیال نہ کیا۔ جن معاہدوں کو ہارون نے مامون اور امین سے لکھوا کر صحنِ کعبہ میں تصدیق کرائی اور ان کو خانہ کعبہ میں رکھا۔ امین نے ان کو منگوا کر چاک کیا اور آگ میں جلا دیا"

ساری مجلس کانپ گئی اور منبر سے اپنی ٹوپی اُتار کر پھینک دی کہ اس طرح مَیں امین کو خاک پر ٹپکتا ہوں۔ غرضیکہ تمام اعیانِ مکہ نے مامون کی غائبانہ بیعت کی۔ مامون کو یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ یہاں کے واقعہ کا اثر اہلِ یمن پر بھی پڑا۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ مصر

امین کا اقتدار صرف بغداد پر رہ گیا تھا۔ امین نے ۱۹۶ھ میں علی بن محمد کو ہرثمہ کے مقابلہ پر بھیجا وہاں علی گرفتار ہو گیا۔ امین نے خزانہ کا منہ کھول دیا مگر یہ تدبیر بھی بے کار رہی۔ طاہر بے روک ٹوک بڑھ رہا تھا۔ باب الانبار پہنچ کر ایک باغ میں ٹھہرا۔

بغداد میں یہ واقعات رونما ہوئے کہ عبدالملک بن صالح کو جس کو ہارون قید میں چھوڑ گیا تھا اُسے رہا کر کے امین نے یہ خواہش کی کہ تم اپنی فوجوں کو فراہم کر کے میری مدد کرو۔ چنانچہ عبدالملک نے فوجوں کو جمع کیا۔ اس وقت شامیوں اور خراسانیوں میں جو اُن کی فوج میں تھے قومی عصبیت پر باہمی جھگڑا پڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اہلِ شام اپنے ملک واپس چلے گئے۔

عجمی فوج کا سرغنہ حسین بن علی بن عیسٰی تھا۔ وہ اپنے بقیہ ساتھیوں کو لے کر بغداد آیا اور اا رجب ۱۹۶ھ کو امین کو معزول کر دیا اور مامون کی خلافت کا اعلان کر کے قصرِ خلافت میں جا کر امین کو نظر بند کر دیا۔

رئیس بغداد محمد بن ابی خالد نے اہلِ بغداد سے کہا حسین ہمارا امیر کیسے بن گیا اور اس کو خلیفہ کے معزول کرنے کا اختیار کس نے دیا اور اس کے ساتھی اسد حربی نے امین کو قید سے چھڑا کر تختِ خلافت پر بٹھلایا اور حسین کو گرفتار کر لیا۔ آخر کو امین نے معاف کر دیا۔ یہ فرار ہونا چاہتا تھا قتل کر دیا گیا۔ دار الخلافہ میں یہ شورش تھی، طاہر انبار آ چکا تھا۔ ہرثمہ نے آ کر دوسری طرف بغداد کو گھیر لیا۔ ہرثمہ نہر بین پر متعین ہُوا۔ طاہر نے عبداللہ بن وضاح کو شماسیہ کی طرف اور مسیب بن زہیر کو قصر کلواذی کی جانب مقرر کیا اور ہر سمت منجنیق اور قلعہ شکن آلات نصب کرائے۔ چاروں طرف سے بغداد پر سنگباری کر دی گئی۔ ایک برس تک بغداد پر حملہ رہا۔ امین کا عالی شان قصر جو تقریباً دو کروڑ کے صرف سے بنا تھا کھنڈر بن کے رہ گیا۔ اہلِ شہر پر جو مصیبتیں آئیں اُن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ امین کے دربار کے رکن خزیمہ نے طاہر سے میل کر لیا۔ طاہر ۲۲ محرم

سنہ ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہُوا اور دجلہ پر علم نصب کر کے اعلان کیا کہ امین معزول کر دیا گیا۔ شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا۔

اہلِ شہر شدتِ محاصرے سے تنگ آ گئے تھے۔ امین نے تمام آرائشی ساز و سامان سونے چاندی کے برتن، جواہرات بیچ کر فوج کے مصارف میں لگا دیئے۔ اپنی امداد کے لئے جیل کے قیدی اور اوباشوں کو جمع کیا۔ وہ لوگ طاہر کی فوج سے خوب لڑے اور انہوں نے لوٹ کھسوٹ بھی جاری رکھی۔ امین نے یہ رنگ دیکھ کر ہرثمہ سے اپنی جان کی امان طلب کی۔ اس نے کہلا بھیجا میں آپ کی جان کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ میرے پاس آ جائیے۔ امین کے مصاحبوں نے طاہر کو خبر کر دی اس نے دجلہ پر اپنے آدمی بھیج دیئے۔

قتلِ امین امین الرشید اپنے درباریوں کے مشورہ سے محل سے رخصت ہُوا اپنے بچوں کو گلے سے لگایا اور ان کو خدا کو سپرد کر کے ہرثمہ کے پاس روانہ ہُوا۔ ہرثمہ قصرِ خلافت کے قریب کشتی میں بیٹھ کر گیا۔ امین جس وقت قصر سے نکل کر کشتی میں سوار ہُوا طاہر کے آدمیوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ کشتی الٹ گئی[1] ہرثمہ کو اس کے ساتھیوں نے نکالا اور امین کو طاہر کے آدمی پکڑ لے گئے اور قید کر دیا۔ پھر وہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۵ محرم سنہ ۱۹۸ھ کا ہے۔

طاہر نے مامون الرشید کو فتح نامہ لکھا اور امین کا سر روانہ کیا اور بغداد کی پوری تفصیل سے مطلع کیا۔ نیز وہ وجوہ بھی لکھے جن کی بنا پر امین کا قتل ناگزیر تھا۔

طاہر جمعہ کو بغداد میں داخل ہُوا نماز خود پڑھائی[2] خطبہ میں اہلِ بغداد کو امانِ عام دی فضل بن ربیع روپوش ہو گیا۔

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۷۹۔

سیرتِ امین امین موزوں اندام کشیدہ قامت نہایت خوبرو اور قوی تن تھا کسائی سے فنِ نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح وبلیغ اور سخن سنج تھا۔ بچپن سے شعرگوئی کا ذوق تھا۔ علم دوست تھا، فیاض تھا اسی کے ساتھ چونکہ صاحبِ کمال اور پایہ شناس اور سخن سنج تھا۔ ہزاروں اہلِ فن اس کے خوان کرم سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ان خوبیوں کے ہوتے ہوئے عیش وعشرت کا دلدادہ تھا۔ لہوولعب اور نبیذ سے ذوق وشوق رکھتا تھا۔ اطرافِ ملک کے اوباش اُس کے ارد گرد جمع ہوگئے تھے۔ ان کی بڑی بڑی تنخواہیں تھیں۔ فضل برمکی کی صحبت سے عجمی مشاغل سے دلی لگاؤ تھا۔ کثرت سے لونڈیاں اور خواجہ سرا اپنی خدمت میں رکھتا۔ خزانہ اور جواہران کے لئے وقف تھے۔

واعطائه الاموال والجواهر وامره باحضار الملاهی والمغنين من سائر البلاد [1]

امین نے اپنے لئے نئے نئے قصور اور محلات تعمیر کرائے، جابجا طرح طرح کے جانور اور پرندمنگائے۔ ہاتھی، شیر، گھوڑے، عقاب اور سانپ کی صورت کی کشتیاں بنوائیں۔ ان پر سوار ہوکر دجلہ میں تفریح کرتا تھا۔

ان مشاغل میں خلافت کا کام بالکل چھوڑ دیا تھا۔ دربار میں نہیں آتا تھا۔ سیاہ وسفید کا مالک فضل بن ربیع تھا۔

امین کی مدتِ خلافت چار برس سات مہینے اٹھارہ دن رہی۔ ۲۷ سال کی عمر میں قتل ہوا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

"امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ امین کو محض اس وجہ سے بخش دے گا کہ اس نے اسمٰعیل بن علیشہ سے نہایت سخت

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۲۔

الفاظ میں کہا تھا کہ کم بخت تو ہی قرآن شریف کو مخلوق بتلاتا ہے"[1]

حسب ذیل علما نے اس کے زمانہ میں وفات پائی

اسماعیل بن علیہ، شفیق بلخی زاہد، ابومعاویہ الضریر، سدوسی مورخ، عبداللہ بن کثیر مقری ابونواس شاعر، عبداللہ بن وہب شاگرد امام مالک ورش مقری دکیع اور دیگر حضرات[2]

محدثین وفقہاء حمزہ بن حبیب زیات کوفی قرأ سبعہ سے تھے محدث، صدوق زاہد، پرہیز گار۔ تھے امام مسلم نے ان سے تخریج کی ہے۔ ۱۵۸ھ میں انتقال کیا۔

حماد ابن ابی حنفیہ زاہد، عابد، پرہیز گار، محدث فقیہ تھے بعد قاسم بن معن کے کوفہ کے قاضی ہوئے۔ ۱۷۶ھ میں انتقال کیا۔

حفص بن عبدالرحمٰن البلخی معروف نیشاپوری، محدث فقیہ تھے۔ نسائی نے ان سے روایت کی ہے۔ بغداد کے قاضی رہے۔ ۱۹۹ھ میں انتقال ہوا۔

حماد بن دلیل قاضی مدائن ابوداؤد نے سنن میں آپ سے تخریج کی ہے۔

خالد بن سلمان امام اہل بلخ سے تھے صاحب فتوے نے ۱۹۹ھ میں بعمر ۸۴ سال وفات پائی۔

داؤد بن نصیر الطائی ابوسلیمان بیس برس امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے۔ محدث فقیہ کامل تھے۔ ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کوفی فقیہ، محدث، ثقہ، متولد ۱۰۰ھ کوفہ میں امام ابوحنیفہ وابویوسف سے فقہ وحدیث حاصل کی۔ ان سے وکیع وابن مہدی نے حاصل کی۔ امام بخاری ومسلم نے ان سے تخریج کی۔ ۱۶۰ھ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۰ [2] ایضاً

میں فوت ہوئے۔

اسد بن عمرو بن عامر بجلی از اولاد جریر بن عبداللہ البجلی صحابی فقیہ و محدث امام اعظم کے شاگرد تھے۔ خلیفہ ہارون نے اپنی لڑکی ان کو بیاہی تھی۔ واسط اور بغداد کے قاضی رہے۔ وفات ۱۸۸ھ میں ہوئی۔

زُہیر بن معاویہ بن خدیج کوفی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ محدث و فقیہ تھے۔ اصحاب الصحاح نے اُن سے استفادہ کیا۔ ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔

ابو بشر، عمرو بن عثمان بن قنبر الملقب بہ سیبویہ متقدمین و متاخرین میں اس کے برابر کوئی نحو کا عالم نہیں گزرا علمی طور پر سب سے پہلے اس نے نحو کے اصول وضع کئے۔ بعمر ۴۰ سال ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ و بغیہ للسیوطی صفحہ ۳۶۶)

شریک بن عبداللہ کوفی، اصحاب امام اعظم میں داخل ہیں۔ یہ واسط کے قاضی رہے۔ عالم، زاہد، عابد، عادل اور اہل ہوا و بدعت پہ سخت گیری کرنے والے تھے۔ ۱۷۷ھ میں وفات پائی۔

شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن القرشی الدمشقی، ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں ہیں۔ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔

عمرو بن میمون بن بحر بن سعد بن اماخ بلخی محدث فقیہ تھے۔ بغداد میں قاضی رہے ۱۷۱ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالکریم بن محمد جرجانی فقیہ و محدث تھے۔ ترمذی نے ان سے تخریج کی۔ ۱۸۱ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن ابراہیم الفزاری (ابن المقفع[1] کا دوست تھا) جس نے منصور کے

---

[1] ابن المقفع اصل میں مجوسی تھا۔ پھر مسلمان ہوگیا تھا۔ اصلی نام روزبہ ابن داذیہ تھا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کا باپ حجاج بن یوسف کے زمانے میں عراق اور فارس کے ٹیکس وصول کرنے

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۲۱ پہ ملاحظہ ہو)

زمانہ میں السند ہند (سدہانت[1]) زیج ہندو پنڈتوں کی معاونت سے ترجمہ کیا تھا مہدی کے عہد میں انتقال کیا۔ فزاری نے سدہانت کے عربی ترجمہ سے کواکب میں ایک رسالہ مرتب کیا تھا[2] اس کے لڑکے محمد نے اس پر حاشیہ چڑھایا۔ عہدِ ابن میں فوت ہوا۔

○

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ ۲۲۰ سے آگے) :-

پر مامور تھا۔ کسی سے بجبر بچھتر روپے وصول کرنے کی پاداش میں اس کو سخت سزا دی گئی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ ٹیڑھا ہوگیا تھا لہٰذا اس کو المقفع کہنے لگے۔ ۱۲۵ھ میں مقفع قتل کیا گیا ہم اس کا کچھ حال عہدِ منصور میں بھی لکھ چکے ہیں۔

[1] سدہانت اصل نام برہم اسپھتی سدہانت (علم ہئیت کی صحیح کتاب منسوب بہ برہم) ہے اس کو ۱۵۶ھ میں ہندوستان کے ایک بڑے ریاضی دان نے منصور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اس کتاب کا مصنف برہم گپت نامی پنڈت تھا جس نے تیس برس کی محنت میں یہ کتاب تیار کی تھی۔

(البیرونی ص ۱۳۲)

[2] تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۔

خلیفہ عبداللہ المامون عباسی

نام ونسب عبداللہ المامون ابن ہارون الرشید بن المہدی بن المنصور عباسی کنیت ابوجعفر اس کی والدہ مراجل" خاتون" تھی۔

وامہ ام ولد یقال لہا مراجل الباذغیسیہ [1]

ولادت خلیفہ عبداللہ مامون الرشید کی ولادت ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۷۰ھ کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت ہارون الرشید نے مامون کو پانچ برس کی عمر میں کسائی نحوی اور یزیدی اصمعی اور عباس بن احنف کے سپرد کر دیا۔

ان سے ہی کلام مجید پڑھا۔ ادبائے مذکور کی تعلیم سے تھوڑے ہی عرصے میں ادب سے گہرا لگاؤ پیدا ہوگیا۔ حدیث اپنے والد اور ہشیم عباد بن عوام یوسف بن قحطبہ ہاشم بن بشیر ابومعاویہ العزیز اسمٰعیل بن علیہ حجاج بن محمد الموَر سے سُنی اور اپنے والد کے ساتھ امام مالک کے درس میں بھی حاضری دی۔

فقہ معاصر فقہاء سے حاصل کیا۔ آگے چل کر فلسفہ اور علوم الاوائل میں توغل پیدا ہوا۔ ہارون نے "محکمۂ کتب علمیہ" کے ترجمہ کا قائم کیا تھا جس میں ہندو، پارسی عیسائی، یہود ہر مذہب وملت کے لوگ تھے۔ ان کی نشست وبرخاست مامون کے پاس بھی ہُوا کرتی تھی۔ ان سے علوم عقلیہ کی تحصیل میں بڑی مدد ملی۔ مامون کا اتالیق جوجعفر برمکی تھا اس کی صحبت سے شیعیت کا رنگ چڑھا تفضیلی خیالات رکھتا تھا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ الجز العاشر صفحہ ۲۷۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۵۔

ولی عہدی ہارون کی دلی منشاء مامون کو اپنا جانشین کرنے کی تھی مگر اپنی ملکہ زبیدہ کے خوف سے "امین" کو ولی عہد کیا اور ملک کو "امین" و "مامون" میں تقسیم کر دیا۔ امین اور مامون سے معاہدہ لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھوا دیا۔ جب ہارون فوت ہُوا "امین" تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اس کے بعد تمام واقعات امین کے حالات میں آ چکے ہیں۔ امین کے قتل کے بعد مامون کو کامل حکمرانی کا موقع ملا۔

اہلِ بغداد نے مامون کی بیعت ۲۶ محرم ۱۹۸ھ میں امین کے قتل کے بعد کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔

خلافت مامون نے گو عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہُوا کہ خلافت بھی درحقیقت فضل کے پنجۂ اختیار میں تھی۔

فضل مامون پر چھا رہا تھا "طاہر" جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ اس کے تمام ممالک مفتوحہ الجبال، فارس، اہوانہ، بصرہ، کوفہ، یمن، وغیرہ کی حکومت فضل نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو دیدی۔ طاہر کو نصیر بن سیار جو امین کا ہوا خواہ تھا اور جس نے شام میں بغاوت کی تھی اس کے مقابلہ پر مامور کیا۔

حسن بغداد میں داخل ہُوا اور شہر و صوبوں پر اپنی طرف سے عُمّال و نائب مقرر کئے۔ مُلک میں وہی رنگ آنے لگا جو برامکہ کے عہد میں تھا۔ وہ بھی مجوس النسل تھے اور فضل اور حسن بھی مجوس زادے تھے۔

استیصالِ برامکہ کے بعد عرب برسرِ اقتدار آئے تھے مگر عجمیوں کے دوبارہ با اقتدار ہونے پر ان میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔

بنو ہاشم اور افسرانِ فوج دولتِ عباسیہ سے بے دل ہونے لگے مامون کو فضل نے پردے میں بٹھا دیا حتیٰ کہ خاندانِ شاہی کے لوگ بھی باریاب نہ

ہونے پاتے تھے۔

ملکی انتظام پر فضل قابض تھا اور تمام عہدوں پر عجمی ممتاز کئے جا رہے تھے اس کا اثر یہ ہوا کہ اطرافِ ملک میں بغاوت پھیلنے لگی۔

ابن طبا طبا کا ظہور علوئین نے موجودہ ملک کی برہمی سے فائدہ اٹھانا چاہا سادات کرام میں سے ابو عبداللہ محمد جو طبا طبا کے لقب سے مشہور تھے انہوں نے خلافت کے حصول کے لئے "لوائے آل محمد" بلند کیا۔ ان کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لئے کافی تھا۔ ملکی نظم و نسق کے لئے طبا طبا جیسے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ایک شخص ابوالسرایا جو پہلے گدھے چراتا اور اُن پر مال لاد کر مزدوری کیا کرتا تھا مگر تھا شجاع بہت جلد اُس نے اپنی حالت سنبھال لی اور ہرثمہ کی فوج کا ایک رکن بن گیا یہاں سے نکالا گیا تو "عین التمر" وقوقا میں جا کر پیشۂ غارت گری اختیار کر لیا۔ "طبا طبا" رقہ میں تشریف لے گئے تو ابوالسرایا نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور معاون بن گیا۔ ابوالسرایا کی شرکت سے طبا طبا کی پولٹیکل طاقت بڑھ گئی۔ جتنے ڈاکو اور جرائم پیشہ ابوالسرایا کے ہمراہ تھے وہ "لوائے آلِ محمد" کے زیر سایہ آ گئے۔ ابوالسرایا نے طبا طبا سے کہا آپ دریا کی راہ سے کوفہ چلئے میں "خشکی کی راہ سے آتا ہوں"۔ کوفہ پہنچ کر اس نے قصر کو لوٹا۔ یہ شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال و خزانہ اُس کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد اس نے شہر پر قبضہ کیا اور محمد طبا طبا کی امامت کا عام اعلان کیا۔ اور سلیمان بن ابی جعفر عامل کوفہ کو نکال باہر کیا۔

۱۹۹ھ میں حسن بن سہل نے زہیر بن مسیب کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی۔ ابوالسرایا نے جان توڑ مقابلہ کر کے اس کو شکست دے دی اور اس کا سارا ساز و سامان قبضہ میں کر لیا۔ اس فتح کے بعد ہی ابن طبا طبا یکایک وصال فرما گئے۔ ابوالسرایا نے ان کی جگہ پر محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسینؓ کو جو

کم سن تھے امام بنایا۔ حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد بن خالد مرو رودی کی ماتحتی میں پھر چار ہزار فوج بھیجی۔ ابوالسرایا مقابل آیا اور حکومت کی فوج کام آئی۔

علوی جا بجا پھیل گئے، بصرہ پر زید بن حضرت موسیٰ کاظم عامل مقرر ہوئے حسین بن الحسن مکہ معظمہ کے حاکم قرار دیئے گئے اور ابراہیم بن موسیٰ یمن کے عامل قرار پائے۔ ابوالسرایا کا اقتدار کوفہ کے باہر دور دور تک قائم ہوگیا۔ اس نے ٹکسائل بھی قائم کی[1] عمال ابوالسرایا نے بصرہ میں عباسیوں کے مکان جلا دیئے۔ مکہ میں قیامت برپا کر دی۔ مکہ معظمہ کا خزانہ حسین بن الحسن نے لوٹ لیا۔ یمن میں سفاکانہ قتل عام ہوا۔ بقول علامہ شبلی علوئیں اور آل فاطمہ کا (چند روزہ) وہ دور ہوا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم قصاب کہلائے گئے[2]

ان واقعات کی وجہ سے حسن بن سہل نے بدرجۂ مجبوری ہرثمہ کو مطلع کیا وہ خراسان جاتے ہوئے رکا اور فوج لے کر مدائن آیا۔ وہاں سے عامل ابوالسرایا کو نکال باہر کیا۔ پھر ہرثمہ کوفہ کی جانب بڑھا۔ قصر ابن ہبیرہ کے متصل ابوالسرایا سے دو دو ہاتھ کئے۔ وہ شکست کھا کر علوئین کو لے کر قادسیہ چلا گیا۔ ہرثمہ نے کوفہ پر قبضہ کیا اور یہاں کا انتظام کر کے ابوالسرایا کا تعاقب کیا۔ ابوالسرایا کو حسن بن موہانی نے گھیر لیا۔ حسن کے مقابلہ پر زخمی ہوا۔ جلولا مقام پر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا[3]

ابوالسرایا کے بعد تمام عمال بنی فاطمہ پکڑے گئے اور مامون الرشید کے سامنے لائے گئے۔ مگر اس نے ان حضرات کی عظمت ونسب کا پاس کر کے ان کو آزاد کر دیا۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۰ [2] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۹۸ تا ۹۹ [3] المامون صفحہ ۴۶۔

واقعہ قتلِ ہرثمہ علوئین کی شورشیں ختم ہوگئیں۔ مگر عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کے دار الخلافہ ہونے سے اور فضل و حسن کے اقتدار سے ناراض تھا۔ ہرثمہ اس عرب جماعت کا رکنِ رکین تھا وہ علوئین کی شورشیں ختم کرنے کے بعد مامون کو واقعات سے آگاہ کرنے کے لئے خراسان روانہ ہوا فضل نے مامون سے حکم بھجوایا کہ ہرثمہ تم شام و حجاز کی گورنری جاکر سنبھالو۔ تمہیں ابھی خراسان آنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہرثمہ مامون کی خدمت میں پہنچنا چاہتا تھا اس لئے آگے بڑھتا چلا گیا۔

فضل نے یہ رنگ دیکھ کر مامون الرشید کے کان بھرنے شروع کئے کہ تمام ملک کی شورشیں ہرثمہ کی کرائی ہوئی تھیں اور اب اس قدر خودسر ہوچکا ہے کہ آپ کے فرمان کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔ ۲۰۰ھ میں ہرثمہ "مرو" پہنچا اور نقارہ بجاتا ہوا مامون کے دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے اس کی عرضداشت پر توجہ نہ دی۔ دربار سے نکلوا دیا اور قید کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ فضل نے مجلس میں ہرثمہ کو مروا ڈالا[1]

ہرثمہ کے واقعۂ قتل نے تمام ملک میں طلاطم مچا دیا۔ اہلِ بغداد نے مامون کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ مامون کے عمال و حکام برطرف کردیئے گئے۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنایا گیا۔ تمام بغداد نے اس کی اطاعت قبول کی۔ حسن بن سہل مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ ان دنوں وہ واسط میں مقیم تھا۔ محمد بن ابی خالد اس کے مقابلہ کے لئے ۲۰۱ھ میں گیا اور حسن کی افواج کو بُری طرح شکست دی اور آگے بڑھ کر "دیرالعاقول" میں زبیر بن المسیب عامل حسن کو جالیا اور گرفتار کرکے بغداد بھیج دیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح پائی۔ حسن عظیم الشان فوج جمع کرکے باپ بیٹوں سے نبرد آزما ہوا۔

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم۔

ابی خالد کو منہ کی کھانا پڑی۔ بغداد لوٹا، زخمی ہو چکا تھا انتقال کر گیا۔ محمد کے فرزند عیسیٰ نے باپ کی فوج کی کمان سنبھالی۔ تمام بغداد نے اس کی سرداری قبول کی۔ حسن کی فوج سے عیسیٰ اور اس کے بھائی زنبیل کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ عیسیٰ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر اہلِ بغداد کو فضل اور حسن سے نفرت تھی۔ حکومت سے عناد نہ تھا۔

امام علی رضا کی ولی عہدی

بغداد میں یہ واقعات گزر رہے تھے۔ مامون فضل کے قبضہ میں تھا اس تک ملک کی خبریں پہنچنا بند تھیں۔ مامون کو اہلِ بیت کرام سے نہایت محبت تھی اس نے امام ہشتم علی رضا رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی ام حبیب منسوب[1] کی اور اپنا ولی عہد قرار دیا۔ حضرت امام زہد و تقدس کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایانِ شان تھا۔ ۲۰۰ھ میں مامون نے اپنے تمام عباسی خاندان کو خراسان مدعو کیا۔ ۳۳ ہزار مرد و زن جمع ہوئے۔ مامون نے سب کا بڑی عزت سے خیر مقدم کیا۔ ایک سال یہ لوگ حریم خلافت کے مہمان رہے۔ مامون نے سب پر نظر ڈالی، امام صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا فرد ولی عہدی کے لئے نہ جچا۔ ۲۰۱ھ میں اعیانِ بنی عباس کو دربار میں مدعو کیا اور امام علی رضا کی بیعتِ خلافت لی اور تمام ممالک میں ان کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا[2] اور سیاہ لباس کے بجائے سبز لباس اختیار کیا گیا۔ اس واقعہ نے بغداد میں قیامت انگیز ہلچل ڈال دی اور مامون الرشید سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انہوں نے مامون کے چچا ابراہیم بن المہدی کی بیعت کر لی[3] اور اپنا لقب المبارک اختیار کیا۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۴ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۴۔
[3] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۴۔

خلافتِ ابراہیم عباسی ابراہیم نے ابو البطاد سعید کو کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں قبضہ جمایا۔ حسن بن سہل واسط میں تھا۔ ابراہیم کے معاون اس کو بے دخل کرنے چلے۔ حسن قلعہ بند ہو گیا۔ ابراہیم نے عیسیٰ کو مقابلہ کے لئے بھیجا حسن اور عیسیٰ میں بڑی جنگ ہوئی جس میں عیسیٰ کو شکست اٹھانا پڑی۔ امام علی رضا نے مامون الرشید کو واقعاتِ شورش سے آگاہ کیا۔ فضل کی فتنہ پردازی کھول کے رکھ دی اور فرمایا ہرثمہ کو اس نے ہی قتل کرایا تھا اور "طاہر" جو تمہاری خلافت کا بانی ہے اس کو بھی ملک کے ایک کونہ میں ڈال دیا۔ مامون گھبرا گیا اور عراق کی روانگی کا انتظام کیا۔ فضل کو اس کا پتہ لگا اور جن لوگوں نے امام کے قول کی تصدیق کی تھی ان کو سزائیں دیں بالآخر مامون نے فضل کو قتل کرا کے اس کے فتنہ سے گلو خلاصی کرائی اور قاتلوں کو بھی مروا ڈالا[1]

اس کے بعد حسن کو وزیر اعظم بنایا اور اس کی لڑکی بوران سے عقد کر لیا۔ مگر حسن کو بھائی کے قتل کا ایسا صدمہ ہوا کہ پاگل ہو گیا۔ اس لئے اس کے بجائے احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ مامون طوس تک پہنچا تھا کہ امام علی رضا کا آخری صفر ۲۰۳ھ کو یکایک انتقال ہو گیا[2]

امام علی رضا کی وفات کا مامون الرشید کو بے حد صدمہ ہوا۔ تین دن ان کی قبر پر مجاور بنا رہا۔ امام کی وفات سے اہلِ بغداد کی کل شکایات جاتی رہیں ابراہیم مدائن میں مقیم تھا۔ ابراہیم کا افسرِ فوج عیسیٰ بن محمد حسن سے گٹھ گیا اور ابراہیم کا بھائی منصور بن مہدی اور علی بن ہشام سب مامون کے طرفدار بن گئے۔ عباس جو عیسیٰ کا خلیفہ تھا اس نے بغداد میں ابراہیم کے خلاف ایسی پُرجوش تقریریں کیں کہ تمام بغداد مخالف ہو گیا۔ ادھر ۲۰۳ھ میں حمید بن عبدالحمید نے ابراہیم سے جنگ کے قصد سے بغداد کا ارادہ کیا۔ قریب پہنچا تو اہلِ بغداد نے

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۰۷ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۲۔

سردار حمید کو لکھا کہ آپ بغداد آیئے اہم حوالگی کے لئے تیار ہیں۔ حمید نہرِ صرصر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ عباس اور تمام افسرانِ فوج اس کے استقبال کو گئے۔ یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام "باسریہ" میں مامون کا خطبہ پڑھا جائے اور ابراہیم کو معزول کر دیا جائے۔ چنانچہ تاریخ معینہ پر حمید "باسریہ" میں داخل ہوا۔ عیسٰی ابراہیم کی قید میں تھا، اس کو قید سے رہائی دے کر حکم دیا کہ حمید کے مقابلہ پر جائے۔ اس نے ایک سازشی حملہ کیا اور گرفتار ہو گیا۔ آخرش ابراہیم باقی ماندہ فوج سے حمید کے مقابل آیا اور ناکام رہا۔ آخری ذی قعدہ ۲۰۳ھ جو معرکہ ہوا اس میں ایسی شکست ہوئی کہ ابراہیم تبدیلِ لباس کر کے روپوش ہو گیا۔ ابراہیم کی خلافت صرف ایک برس اور گیارہ مہینے رہی۔

عام حالات اور سوانح

ابراہیم عباسی، سات برس کا تھا کہ اس کے باپ مہدی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ماں شکلہ کی تربیت اور خود اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے اسے علم و فن سے دلی تعلق تھا۔ ابن ندیم لکھتا ہے:-

"عباسی خلفاء کی اولاد میں ابراہیم پہلا شخص ہے جو علم و فن اور شعر و ادب میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا۔"

خطیب بغدادی کے لفظ یہ ہیں:-

کان وافر الفضل غزیر الادب — "بڑا فاضل اور ادب میں وسیع النظر تھا۔"

اسحٰق موصلی کا قول ہے کہ عباس عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ بن عباس کے بعد ابراہیم عباسی جیسا فاضل جلیل پیدا نہیں ہوا۔[1]

شعر و شاعری کے علاوہ فنِ موسیقی میں بھی یدِطولیٰ رکھتا تھا[2] اور اس کے ساتھ فنِ طب میں بھی درک تھا۔ جبریل بن بختیشوع سے اس کا ربط و ضبط تھا

---

[1] کتاب الاغانی جلد ۹ صفحہ ۴۶ [2] عیون الانبا جلد ا صفحہ ۱۳۱۔

جس سے اس فن میں مہارت پیدا ہو گئی [۱] ابن خلکان نے حسب ذیل کتابیں اس کی یادگار سے تحریر کی ہیں۔

کتاب ادب ابراہیم، کتاب الطب، کتاب الغناء۔ اس کے عربی دیوان، کتاب الطبیخ دیوان کو ابن ندیم نے دیکھا ہے جو چار ہزار کا مجموعہ تھا [۲]

ہارون الرشید کے زمانے میں علمی مشاغل میں لگا رہا۔ مامون نے دمشق کی امارت اس کے سپرد کی [۳] ایک غلطی کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا۔ پھر کچھ دن بغداد پر حکمران ہو گیا [۴] اس کے کچھ حالات ہارون کے ذکر میں گزر چکے۔

ابراہیم بدہیئت اور بدوضع تھا مگر سیرت نہایت نرم خو، فیاض اور کشادہ دست تھا۔ اغانی میں اس کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

مامون کا داخلۂ بغداد

مامون "طوس" سے روانہ ہو کر جرجان پہنچا۔ وہاں ایک ماہ مقیم رہا۔ زمانۂ قیام میں رجاء بن ابی الضحاک کو جرجان اور ماوراء النہر کی سپہ سالاری عطا کی۔ پھر جرجان سے نہروان وارد ہوا۔ یہاں مامون کے اعزہ و اقارب اور ہوا خواہان دولت عباسیہ و سپہ سالاران لشکر اور رؤساء و عمائدین سلطنت استقبال کے لئے آئے "طاہر" بھی رقہ سے آیا۔ مامون نے آٹھ روز قیام کر کے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ ۱۵ صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہنچا "رصافہ" میں قیام پذیر ہوا۔ تمام شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رصافہ سے نکل کر اپنے شاہی محل میں جو کنارہ دجلہ پر تھا اقامت پذیر ہوا۔ فتنہ و فساد کی آگ فرو ہو چکی تھی۔ ایک روز طاہر مامون کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ مامون نے کہا۔ طاہر جو تمنا ہو اس کو ظاہر کرو میں اس کو ضرور پورا کروں گا۔ طاہر نے عرض کیا [۵]

"امیر المؤمنین مجھ کو دربار خلافت میں سیاہ لباس پہن کر آنے کا حکم دیجئے"

---

[۱] فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۶۸ [۲] ایضاً [۳] تاریخ ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ [۴] ایضاً

جنرل طاہر بن حسین

فضل بن سہل وزیر نے طاہر کو مامون سے الگ کر رکھا تھا۔ اس کے قتل کے بعد مامون الرشید کی توجہ "طاہر" پر مبذول ہوئی تو تمام مشرقی ممالکِ محروسہ (خراسان سے لیکر سندھ تک کا اس کو گورنر جنرل مقرر کر دیا۔ اس میں احمد بن ابی خالد کی کارفرمائی کو زیادہ دخل تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۰۵ھ کا ہے۔

مامون نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اس کے بعد سے اعیانِ سلطنت کا لباس سبز کے بجائے سیاہ ہو گیا۔[1] اہل بغداد اور کل ارکینِ دولت مامون کے اطاعت گزار و فرمانبردار بن گئے۔

فضل بن ربیع روپوش تھا۔ اس افواہ پر کہ وہ مر گیا اس کا مال و متاع ضبط کر لیا گیا۔ ایک دن وہ دفعتاً طالبِ امن کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ مامون کو خبر ہوئی اُس نے کہا جب وہ دوسری دُنیا سے دوبارہ لوٹا ہے تو ہارون بھی اس کے ساتھ ہو گا اور باپ کی یادگار کی حیثیت سے اس کو امان دی اور اُس کا مال و متاع بھی واپس کر دیا۔

طاہر نے خراسان جا کر معقول انتظام کیا مگر دو سال بعد باغی ہو گیا۔ مامون کا نام خطبہ سے نکال دیا۔ مامون نے ابن ابی خالد سے تقرری کے وقت کہا تھا طاہر ضرور بغاوت کرے گا۔ مگر ابی خالد نے اس کا ذمہ لیا تھا۔ مامون نے ابی خالد سے کہا طاہر کو فوراً حاضر کرو۔ چنانچہ چند دن بعد اس کی موت کی خبر آ گئی[2] جس سے احمد بن ابی خالد کی جان بچی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷۔

[2] طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق بن ماہان رزیق حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا جو طلحۃ الطلحات خزاعی کے لقب سے مشہور تھے غلام تھا۔ مسلم بن زیاد بن ربیعہ نے اپنی ولایت کے زمانے میں اس کو سیستان کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا مصعب بنی عباس کے نقیب سلیمان بن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۲۳۲ پر ملاحظہ ہو)

طاہر کے بعد اس کا بیٹا گورنر ہُوا۔ یہ نیم خود مختار حکومت خراسان میں بن گئی جو دولتِ عباسیہ کے ماتحت پہلی حکومت طاہریہ تھی۔ یہ حکومت ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک قائم رہی اور آخر یعقوب صفار کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بغاوت زط

جاٹ (زط) خلیج فارس کے سواحل پر آباد تھی۔ امین اور مامون کی باہمی جنگ کے زمانہ میں ان لوگوں نے بصرہ کے راستہ پر قبضہ کر لیا تھا اور راہ گیروں کو لوٹتے تھے۔ مامون نے ۲۰۵ھ میں بغداد سے عیسٰی بن یزید جلودی کو ایک فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کو بھیجا۔ زط تابِ مقابلہ نہ لا سکے اور ادھر ادھر بھاگ گئے۔

نصر بن سیار

امین الرشید کا حامی نصر بن سیار عقیلی تھا اس نے بھی کسوم میں عَلَم بغاوت بلند کیا۔ مامون دوسری مہموں میں مشغول تھا۔ اب فرصت ملی تو عبداللہ بن طاہر کو رقہ سے مصر تک کا والی بنا کر نصر کے مقابلہ پر مامور کیا۔ طاہر زندہ تھا۔ اس موقعہ پر اس نے اصولِ سیاست و جہانبانی کے متعلق ایک مفصل دستور العمل لکھ کر عبداللہ کو دیا جو جامعیت کے اعتبار سے عدیم المثال تھا۔ طبری اور ابن اثیر نے اس کو پورا نقل کیا ہے۔

مامون نے اس خط کی نقلیں تمام ممالک محروسہ کے عمال کے پاس بھجوا دیں عبداللہ دستور العمل لے کر روانہ ہُوا۔ ۲۰۹ھ میں نصر کو گھیر کر چند شرائط پر اُسے

(بقیہ حاشیہ صلا ۲۳۱ سے آگے) کثیر کا کاتب تھا۔ آخر میں ہرات کا امیر ہو گیا۔ پھر مرو کے قریب مقام بوشنج میں سکونت پذیر ہو گیا وہیں ۱۵۹ھ میں طاہر پیدا ہُوا اُس نے علم و ادب علماءِ عصر سے حاصل کیا۔ طاہر تنومند اور بہادر تھا۔ مامون جب مرو میں قیام پذیر تھا تو اس کے دربار سے منسلک ہو گیا۔[۱]

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صلا ۱۲۲ ۔

[۲] اخبار واصلین از مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی صلا ۱۰۲ ۔

سے امان لینے پر مجبور کر دیا اور پھر اس کو مامون کی خدمت میں بھیج دیا اور اس کا قلعہ مسمار کر دیا گیا [۱]

بغاوتِ افریقہ مامون کو بغداد میں کچھ سکون ملا تھا کہ افریقہ میں بغاوت رونما ہوگئی۔ یہ دولتِ اغالبیہ کی کارفرمائی تھی۔ اس دولت کا بانی ابراہیم بن اغلب تھا۔ ہارون نے اپنی خلافت اور مراقش کی ادریسی سلطنت کے درمیان ایک سرحدی ریاست قائم کر کے ۱۸۴ھ میں ابراہیم مذکور کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ اس زمانے میں تونس اور الجزائر میں سخت شورش تھی۔ ابراہیم نے اس کو فرو کیا اور صوبہ افریقہ کو چالیس ہزار دینار ٹھیکہ پر لے کر وہاں کا مستقل حکمران بن گیا۔ صرف خطبہ میں خلیفۂ وقت کا نام آتا تھا۔ یہ دولت ۲۹۶ھ تک ابراہیم کے خاندان میں رہی۔ عہدِ مامون میں یہاں عبداللہ بن ابراہیم حکمران تھا۔ اس کے بعد ۲۰۱ھ سے ۲۲۳ھ تک اس کا بھائی زیادت اللہ رہا جس نے رومیوں سے جزیرہ صقلیہ حاصل کیا۔ خلفاءِ بنی عباس کے ہاتھ سے اندلس نکلا۔ پھر مراقش، یمن کی ولایت اور ولایتِ افریقہ بھی نکل گئی۔

عبدالرحمٰن بن احمد علوی مامون الرشید نے علویین کے ساتھ ہر موقعہ پر جا و بے جا مراعات ملحوظ رکھیں مگر ان میں حصولِ خلافت کا جذبہ تھا۔ ناکامیوں کے بعد بھی یہ حضرات سر بکف نکل کھڑے ہوتے تھے۔ ۲۰۷ھ میں عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی نے یمن میں اہلِ بیت کی دعوت شروع کی۔ یمنی عباسی عُمّال کی سخت گیری سے نالاں

---

[۱] نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقے کا رہنے والا تھا۔ امین الرشید کا جان نثار دوست تھا۔ امین کے قتل کے بعد ۱۹۹ھ میں جزیرہ کے تمام اضلاع پر قابض ہوگیا۔ مگر عبداللہ نے اس کی قوت توڑ دی اور زیر کر لیا۔

تھے۔ اس وجہ سے بہت سے یمنی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو گئے۔

مامون الرشید کو خبر ہوئی تو دینار بن عبداللہ کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور امان نامہ لکھ کر دے دیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے۔ چنانچہ امان نامہ کا اچھا اثر پڑا اور وہ مامون کے پاس چلے آئے مگر مامون علویوں سے بددل ہو گیا اور ان کا داخلہ دربار میں بند کر دیا۔[1]

ابن عائشہ اور ابراہیم بن مہدی پر فتح یابی

مامون بغداد میں رونق افروز ہوا تو ابراہیم بن مہدی اطراف بغداد میں روپوش ہو گیا۔ مگر اس کے حامی شد و مد سے ان کی بیعت پر اڑے رہے۔ ان میں ابراہیم بن محمد بن عبدالوہاب بن ابراہیم، امام معروف بن ابن عائشہ ابراہیم بن اغلب افریقی، مالک بن شاہین بھی تھے۔ ان کی منشا تھی کہ ابراہیم برسر اقتدار آجائے۔ اس سازش کا مامون کو علم ہو گیا۔ اس نے ۲۱۰ھ میں معاونین عائشہ کو گرفتار کرایا۔ ان کے مددگار بھی حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ عائشہ کے سوا مامون الرشید نے سب کو قتل کرا دیا۔ عائشہ ہاشمی تھا اس کو سُولی دے دی گئی۔[2]

اسی سنہ میں ابراہیم بن مہدی بھی عورت کے لباس میں گرفتار کر لئے گئے اور مامون الرشید کے سامنے پیش کئے گئے۔ ابراہیم نے تمام قصوروں کا اعتراف کیا اور برادرزادہ سے معافی چاہی۔ مامون الرشید نے اپنے چچا کو معاف کر دیا۔

بغاوتِ مصر و اسکندریہ

مصر کا والی سری بن محمد بن حکم تھا۔ ۲۰۵ھ میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عبیداللہ جانشین ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلافت مآب کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ [2] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۱۲۔

انہی دنوں اندلس سے ایک گروہ اسکندریہ میں اُترا جس کو حکم بن ہشام نے اطرافِ قرطبہ سے ممالکِ مشرقیہ کی جانب جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ لوگ اسکندریہ پر حملہ آور ہُوئے اور قابض ہو گئے۔ ابوحفص عمر بلوطی ان کا امیر بنا۔ عبداللہ بن طاہر، نصر بن شیشا کی سرکوبی کے بعد مصر آیا اور عبداللہ بن سری سے مقابلہ ہُوا۔ اس کو شکست ہوئی اور ابن طاہر سے طالب امان ہُوا۔ یہاں سے عبداللہ بن طاہر سنہ ۲۱۱ھ میں اسکندریہ پر حملہ آور ہُوا۔ ابوحفص کے ساتھی اسکندریہ چھوڑ کر جزیرۂ اقریطش چلے گئے اور اس طرح یہ کل علاقہ رام ہو گیا۔[1]

موصل

سنہ ۲۱۱ھ کا بڑا واقعہ سید بن انس کا قتل اور زریق جو ارمینا اور آذربائیجان کا گورنر تھا اس کی بغاوت تھی۔ چنانچہ س [illegible] انس جو موصل کا نائب حاکم تھا، زریق نے اپنے ایک سردار کی سرکردگی میں چالیس ہزار فوج اس کے مقابلہ میں روانہ کی۔ ہر دو دادِ شجاعت دیتے ہوئے کام آئے۔ مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ طوسی نے زریق کو آدبوچا۔ وہ طالبِ امان ہُوا۔ طوسی نے زریق کی اولاد سے شریفانہ سلوک کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مخالف رام ہو گئے اور اس علاقہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔

بابک خرمی

ایران کی سرزمین بوالعجبیوں کا گہوارہ ہر زمانے میں رہی ہے، ایرانیوں کی خوش عقیدگی سے چالاک اور فتنہ گر ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے۔ نوشیروان کے باپ قباد کے عہد میں مزدک نے اباحی مذہب جاری کیا۔ زر، زمین، زن سب کے لئے وقفِ عام تھی۔ ہزارہا ایرانی مزدک کے ہمنوا ہو گئے۔ نوشیرواں نے جملہ مزدکیوں کو زندہ دفن کرا دیا۔ مگر اس کی تعلیم باقی رہی۔ ایک عرصہ کے بعد ایک مجوسی جاویدان پسر شرک نے کچھ ترمیم کے ساتھ مزدکی خیالات پر نیا مذہب قائم کیا۔ یہ زمانہ ہارون کا تھا۔ فارس کے شمال

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صـ۲۱۱   [2] سیاست نامہ نظام الملک طوسی۔

میں آذربائیجان اور اران کے درمیان قصبۂ "بد" کا جاویدان رئیس تھا۔ اطراف کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

بابک خرمی "استاق خمیذ" کے متصل ایک گاؤں بلال آباد کا رہنے والا تھا وہ جاویدان کی شہرت سُن کر اس کے پاس گیا اور اس کا شاگرد ہو گیا۔ جاویدان اس کا بہت لحاظ رکھتا تھا۔ جب وہ مرا تو اس کی بیوی نے یہ شہرت دے دی کہ مرتے وقت جاویدان کہہ گیا ہے کہ "میری روح اس جسم کو چھوڑ کر بابک کے جسم میں داخل ہو جائے گی۔" لہٰذا میرے بعد اُس کی اطاعت کی جائے۔

جماعت نے بابک کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیا اور جاویدان کی بیوی اس کے حبالۂ عقد میں آ گئی۔ بابک نے اوّلاً لوٹ مار شروع کی۔ مسافروں کے لئے راستے بند ہو گئے۔ مامون نے سُنا تو سنہ ۲۰۱ھ میں یحییٰ بن معاذ کو بابک کی سرکوبی کی مہم پر متعین کیا لیکن یحییٰ تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور ناکام لوٹا۔

پھر سنہ ۲۰۶ھ میں عیسیٰ بن محمد بن خالد کو ذرینیہ اور آذربائیجان کا والی بنا کر بھیجا۔ بابک سے عیسیٰ نے بھی شکست کھائی۔ سنہ ۲۰۹ھ میں احمد بن خبید اسکانی فوج لے کر گیا گرفتار ہُوا۔ مامون نے محمد بن حمید طوسی کو فوجِ گراں کے ساتھ بھیجا۔ بابک چونکہ کوہستانی علاقہ میں تھا طوسی گھر گیا اور مارا گیا۔[1] پھر کہیں معتصم کے عہد میں افشین کے ہاتھوں بابی تحریک کا خاتمہ ہُوا۔

فتوحاتِ ملکی

مامون الرشید کا پورا عہد دیکھا جائے تو اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے فرد کرنے میں گزرا۔ مگر اس کے ساتھ ہی باپ دادا سے بڑھ کر فتوحات بھی اس کو حاصل ہوئیں۔ سنہ ۲۰۱ھ ۹۰۷ء میں مامون الرشید کی اکثر فوجیں بغداد کا محاصرہ

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۳۰۔

کئے ہوئے تھیں تاہم ممالکِ مشرقیہ میں اس کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ کابل کے فتح کرنے کو فوجیں روانہ کیں۔ والی کابل مقابل کی ہمت نہ پاکر اسلام لے آیا۔ اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی متمنی ہوا کہ کابل و قندھار دار الخلافت خراسان کے اضلاع میں شامل کر لئے جائیں۔ سندھ پر موسیٰ بن یحییٰ برمکی گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے قریب کے اضلاع فتح کر لئے۔

فضل بن ہامان نے سندان پر قبضہ کیا۔ فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کئے اور مید ہند پر چڑھائی کی اور قامری فتح کیا۔ اسی زمانہ میں بحکم مامون الرشید ذوالریاستین کشمیر و تبت کی طرف بڑھا "بوخان دراور" پر قبضہ جمایا۔ بلاد ترک بھی اس کے زیرِ تصرف آ گئے۔ غاداب شاعر اطراز جھفویہ خزانجی، فرغانہ پر اسلامی پھریرے لہرانے لگے۔ اشروسنہ کا حاکم کاؤس اسلام لے آیا۔ احمد ابن ابی خالد نے اشروسنہ کو قبضہ میں کیا اور کاوس کو ملک عطا کیا۔ شاہِ تبت بھی داخلِ اسلام ہو گیا۔

۲۰۱ھ میں عبداللہ بن خرداذبہ گورنرِ طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی۔ بعض قلعے فتح کر لئے۔ ابوحفص اندلسی نے جزیرہ کریٹ فتح کیا۔ ۲۱۲ھ جزیرہ صقلیہ کے کچھ حصہ پر بھی اسلامی پھریرہ لہرانے لگا۔

روم پر حملے

۲۱۵ھ میں خود مامون ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ روم نے چند معمولی شرائط کے ساتھ صلح چاہی لیکن مامون نے یہ شرطیں قبول نہیں کیں۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ قلعہ ماجدۃ کے لوگ خود اطاعت گزار ہو گئے۔ اشناس (غلام مامون) نے قلعہ سندس فتح کیا۔ عجیف و جعفر نے قلعہ سادبر قبضہ کیا۔ ان کامیابیوں کے بعد مامون ۲۱۶ھ میں دمشق لوٹا۔ میدان خالی پاکر بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پر یلغار بول دی۔ نہایت بے رحمی سے دو ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ مامون کو خبر ملی تو غصہ سے بے تاب ہو گیا اور روم پر حملہ بول دیا۔

خود ہر" قلعہ" کا محاصرہ کیا۔ شہزادہ عباس اور بھائی معتصم کو روم کے علاقے کو تاراج کرنے کی اجازت دی۔ شہزادہ معتصم نے تین قلعے فتح کئے۔ عباس ابن مامون الرشید قلعہ انطیغو کو قبضہ میں لے آیا اور شاہِ روم پہ جا پڑا اور اس کو شکست دے کر کامرانی سے واپس ہُوا۔ حدودِ روم کے قریب طوانہ قصبہ کو اسلامی شہر کی صورت میں عباس کی نگرانی میں تعمیر کا حکم دیا اور مسلمانوں سے اس کو آباد کیا۔ اس کی چار کوس کی شہر پناہ تھی جس کے چاروں سمت دروازے تھے[1]

وفات مامون بعد فتوحات ارض روم سے دار الخلافہ واپس ہو رہا تھا۔ دریائے بدندون پر قیام کیا۔ تفریحاً دریا کی سیر کو گیا۔ پانی میں پیر لٹکا دیئے۔ اس حالت میں سرکاری ہرکارہ پہنچا اور عراق کی تازہ کھجوریں پیش کیں۔ مامون الرشید نے معہ مصاحبوں کے وہ کھجوریں کھائیں اور ان پہ پانی پیا۔ یہاں سے اُٹھتے اُٹھتے سب مصاحب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی طبیب بختیشوع اور ابن ماسویہ ہمرکاب تھے، مامون کا علاج کرنے لگے مگر معمولی بخار نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم ساتھ تھے[2]

مامون الرشید نے زندگی سے مایوسی کے بعد فقہاء اور قضاۃ کے روبرو معتصم کو ولی عہد نامزد کر کے ضروری وصیتیں کیں۔ وصیت کے بعض اجزاء یہ ہیں:۔

"میری حالت سے سبق لو، خلقِ قرآن کے مسئلہ میں میرا طریقہ اختیار کرو۔ جب تم پہ خلافت کی ذمہ داری آئے تو اس سے اس طرح عہدہ برآ ہو جس طرح خدا کا ایک طالب اور اس کے عذاب سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ اس کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ آنا۔ رعایا کے معاملات سے کبھی غافل نہ رہنا۔ اپنی خواہشات اور مفاد کے مقابلہ میں ہمیشہ رعایا کے مفاد اور اصلاح و فلاح کو مقدم رکھنا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم صفحہ ۱۲۵۔ [2] ایضاً

زبردستوں سے زیردستوں کو حق دلانا"

اس کے بعد اس کی حالت بگڑ گئی۔ دمِ آخر ندماء نے کلمۂ شہادت کی تلقین کی۔ ابن ماسویہ طبیب نے روکا کہ اس وقت ان میں "مانی" اور خدا میں امتیاز کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ سُن کر مامون نے آنکھیں کھول دیں اور ابن ماسویہ کو پکڑنے کا قصد کیا مگر طاقت جواب دے چکی تھی۔ کچھ بولنا چاہا لیکن زبان نے یاری نہ دی۔ بمشکل اتنا کہا "یا من لا یموت ارحم من یموت"
اے وہ جسے کبھی موت نہ آئے گی اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے"۔
یہ کہہ کر جمادی الثانی ۲۱۸ھ میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ لاش طرطوس لے جا کر دفن کی گئی۔ وفات کے وقت مامون کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ بیس سال پانچ ماہ خلافت کے فرائض انجام دیئے [۱]

نظمِ مملکت

وُسعتِ سلطنت مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدودِ ہند اور تاتار سے بحرِ اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ ہسپانیہ کے سوا اس کی حکومت سے علیحدہ نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہِ روم گو خود سر فرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔

خراج عہدِ ہارون میں پورے ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپے سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صد ۱۲۶، ۱۲۷ و ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۲۶، تاریخ الخلفاء صد ۲۰۸ و فوات الوفیات جلد اول صد ۲۳۹ [۲] المامون صفحہ ۹۱۔

اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا[1]۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں مامون کے سرکاری کاغذات سے خراج کا جو نقشہ تیار کیا تھا ہم اس جگہ اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں ۔

ممالک | سواد، کسکر، اضلاع دجلہ، حلوان، اھواز، فارس، کرمان، مکران، سندھ سیستان، خراسان، جرجان، قومس، رے، طبرستان، درمان و نہاوند، ہمدان، بصرہ و کوفہ درمیانی اضلاع امیدان شہرزور موصل، آذربائیجان، جزیرہ مع اضلاع فرات، ارمینہ، قنسرین، دمشق، اردن، فلسطین مصر، برقہ، افریقہ، یمن، حجاز[2]

ان سب ممالک سے خراج ۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم خزانۂ مامون میں داخل ہوتا تھا ۔ مامون نے خراج و زکوٰۃ و جزیہ کا جس کو آج کل لگان اور ٹیکس کہہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا ۔

مامون کے عہد میں ٹیکس وصول کرنے میں بے جا سختی نہ تھی۔ اکثر مقامات پر اس نے ٹیکس معاف بھی کر دیئے۔ زکوٰۃ، جزیہ، عُشر وصول کرنے والوں کی بھی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ منصور اور ہارون کے عہد سے بڑھ کر مالیات کا نظام عہدِ مامون میں تھا ۔

صیغۂ مالیات وزارتِ عظمیٰ کے سپرد تھا۔ مامون الرشید نے کڑی شرط لگا دی تھی۔ وزارتِ عظمیٰ کے منصب کے لئے ضروری تھا کہ وزیر نیک اطوار ہو۔ پاکیزہ عادت رکھتا ہو۔ انتہائی مہذب ہو، نہایت تجربہ کار ہو۔ اسرار چھپانے کا ظرف رکھتا ہو

فوجی نظام

فوجی نظامی | یہ فوج وہ کہلاتی تھی جن کا نام و حُلیہ دفتر العسکر میں قلمبند تھا۔ اس

---

[1] المامون صد ۹۱ [2] مقدمہ ابن خلدون فصل دوم صفحہ ۱۸ ۔

کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپے اور پیادے کی دس روپیہ تھی۔ امیر العسکر (کمانڈر) کی تنخواہ زیادہ نہ تھی مگر حکومت فتوحات کے موقعہ پر انعامات دیا کرتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن طاہر سردارِ فوج کو پانچ لاکھ درہم انعام ملے تھے۔

وزیر اعظم ذوالریاستین کی تنخواہ تیس لاکھ درہم ماہوار تھی مگر کبھی یہ بھی امیر العسکر کا عہدہ اختیار کرتا۔

قاضی یحییٰ ابن اکثم جو قاضی القضاۃ تھے متعدد بار فوج کے افسرِ اعلےٰ بنائے گئے۔

فوج متطوعہ رضا کار (والنٹیئر) یہ اس قسم کی فوج تھی جو وقت پر جس قدر ضرورت ہوتی فراہم کر لی جاتی۔ خصوصاً جہاد کی پُر زور صدا گونجنے کی وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتے تھے اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کا اسلحہ جنگ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے [۱]

محکمۂ خبر رسانی خبر رسانی اور پرچہ نگاری کا محکمہ ہارون کے زمانے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر صیغہ کے علیحدہ علیحدہ خفیہ نویس اور پرچہ نگار مقرر کئے گئے۔ مامون اس کے ذریعہ ملک کے معمولی سے معمولی واقعہ سے باخبر رہتا تھا۔ مامون کی وسعتِ اطلاع کے بہت سے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں [۲]

دربار بنی عباس پر تقریباً سو برس سے شہنشاہی کا چھتر سایہ افگن تھا۔ اُن کا دربار بھی پُر وقار و پُر عظمت ہوتا تھا۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریرِ خلافت کے آگے تقریباً تیس ہاتھ

---

[۱] المامون صفحہ ۹۹ [۲] ابن خلکان۔

کے فاصلہ پر ایک مخلف پردہ پڑا ہوتا تھا اور درباری اُس سے ذرا فاصلہ پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ خلیفۂ وقت پردے کی آڑ میں بیٹھ کر تمام احکام صادر کرتا تھا۔"

مہدی نے اس طریقہ کو ختم کیا مگر پھر بھی بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔ لیکن مامون نے اس میں بھی کمی کر دی۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"مامون کا دربار ہو رہا تھا اس کو ایک بار چھینک آئی۔ درباریوں میں سے کسی نے سنتِ نبویؐ کے طریقہ پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے حاضرین سے سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آدابِ شاہی مانع تھا۔ مامون نے کہا میں اُن بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو دعا سے عار رکھتے ہیں۔" [1]

وزارتِ عظمیٰ

فضل بن سہل | مامون الرشید کا پہلا وزیر اعظم فضل بن سہل تھا۔ ذی علم اور ذی لیاقت، تلوار اور قلم دونوں اس کے تابع فرمان تھے۔ فضل علم نجوم کا بڑا ماہر تھا اور امورِ مملکت میں اس سے بڑی مدد لیا کرتا تھا۔ بڑا فصیح و بلیغ، مُدبر، سیاست دان اور آدابِ سلاطین سے واقف، حلم، فیاضی اور سیاسی چالوں میں کوئی ہمسر نہ رکھتا تھا۔ مامون کی خلافت اس کی حسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے مگر اس نے خود سری پر کمر باندھی اور مامون الرشید کو شاہِ شطرنج بنا دیا۔ لیکن مامون نے کچھ عرصہ توجہ نہ کی۔ اس کا احترام کیا اور اس کو "ذوالریاستین" کا خطاب دیا۔ بالآخر مامون کی خلافت خطرے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۸۔

ہیں پڑ گئی تو ۲۰۱ھ میں قتل کرا دیا۔

فضل سلاطینِ فارس کی نسل سے تھا۔ سہل اسلام لایا۔ جعفر برمکی نے فضل کو مامون کی خدمت پر مامور کیا[1] فضل جعفر کے بعد بنی عباس کا دوسرا وزیر تھا جس کی شان وشوکت کی مثال کم ملتی ہے۔ قتل کے وقت بقول طبری عمر چھیاسٹھ سال کی تھی۔ فضل میں خود پرستی کا عیب تھا۔ بڑے بڑے مشہور شعراء صریع الغوانی، ابراہیم موصلی، ابو محمد جو فنِ انشاء کا ترقی دینے والا تھا۔ فضل کے دربار سے منسلک تھے[2]

حسن بن سہل فضل کا بھائی حسن بہت سے اوصاف اور خصوصیات کا مالک تھا بلکہ فیاضی میں فضل سے بھی آگے تھا۔ فضل کے قتل کے بعد مامون الرشید نے دلدہی کے لئے اُس کو وزیر کر دیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کر لی۔ حسن وزارت سے پہلے طاہر کے مفتوحہ ممالک کا والی تھا۔ گو اس کو وزارت ملی مگر بھائی کا صدمہ کھا گیا۔ اس کے حواس جاتے رہے اسی حالت میں بمقام سرخس ۲۳۶ھ میں فوت ہو گیا۔

احمد بن ابی خالد احمد بن ابی خالد الاحول جو حسن کے جنون کے زمانہ میں وزارت پر سرفراز کیا گیا تھا۔ نہایت عاقل وفرزانہ امورِ جہانبانی کا ماہر، فصیح وبلیغ اور بہترین انشاء پرداز تھا جس کا ایک عرصہ تک کاتب رہا تھا۔ ۲۱۲ھ میں فوت ہوا۔[3]

احمد بن یوسف ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف بن قثم کو قلمدانِ وزارت سپرد ہوا۔ یہ فضل وکمال میں یگانہ اور ادب وشعر میں ممتاز تھا۔ جہان بانی اور آدابِ سلطانی میں پوری بصیرت رکھتا تھا مگر مامون سے گستاخی سے پیش آیا۔ اس نے اس کو سزا دی۔ یہ اس صدمہ میں مر گیا[4]

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۱۳ [2] الفخری صفحہ ۲۰۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶ [4] ایضاً صفحہ ۲۰۸۔

ثابت بن یحییٰ | یہ یاقین دان تھا مگر سخت تند مزاج، کچھ عرصہ تک وزیر رہا۔

ابو عبداللہ محمد بن یزداد ابن سُوَید | یہ مامون کا آخری وزیر تھا۔ خراسان کا رہنے والا تھا۔ اس کے آباؤ و اجداد مجوسی تھے۔ سوید اسلام لایا، ثابت کے بعد مامون الرشید نے اس کو وزیر بنا دیا اور جملہ امورِ مملکت اس کے سپرد کر دیئے۔ مامون کا انتقال اسی کی وزارت کے زمانے میں ہوا۔ ابن سوید بے عدیل کاتب تھا۔

کاتب | مامون الرشید نے کاتب کا مرتبہ ہم رتبۂ وزیر کر دیا تھا۔ اس عہدے پر عمرو بن سعدہ المتوفی ۲۱۵ھ تھا۔ کاتب تمام فرامین، احکام، توقیعات، سلطنت ہائے غیر کے معاہدے اپنی طرز خاص میں لکھتا تھا۔ درخواستیں بادشاہ کے حضور گزارتا۔ بادشاہ کی ہدایت پر مختصر بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ مامون الرشید کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف تھا جو فن بلاغت میں مسلم الثبوت استاد تھا۔

قاضی | فصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام مفلسوں کی خبر گیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی تزویج اس قسم کے کام قاضی کے سپرد تھے۔

قاضی القضاۃ | ممالک محروسہ میں قضا کا جو بہت بڑا محکمہ تھا اس کا صدر مقام بغداد تھا۔ افسر صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب کیا جاتا۔ اس بلند منصب پر قاضی یحییٰ بن اکثم اور ان کے بعد قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی فائز کئے گئے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم حکومت کی عظمت کے ساتھ پیشوائے مذہب بھی تھے۔ ان کی جلالتِ شان کے لئے یہ کافی ہے کہ امام بخاریؒ و امام ترمذی جیسے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد ہیں [1]

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۱۴ ۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں :-

"قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پولیٹیکل لیاقت نے ان کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ دفترِ وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی وزارت سے گزرتے تب سندِ قبول پاتے۔" [1]

قاضی احمد بن ابی داؤد، اس کا نام الفرج اور وعمی الایادی المعتزلی۔ اس کا باپ تاجر تھا اس بنا پر شام و کوفہ بغرض تجارت جاتا، احمد کو بھی جانا پڑا۔ عراق میں ہیاج بن العلاء السلمی جو واصل ابن عطا کا شاگرد تھا اس کی صحبت میں رہا فاخذ عنه الاعتزال [2] اس سے اعتزال کی تعلیم پائی۔ خلقِ قرآن کا عقیدہ بشر المرسی سے لیا۔ بشر نے جہم بن صفوان اور اس نے جعد بن درہم سے، ایک عرصہ تک قاضی یحییٰ بن اکثم کی خدمت میں رہا۔ اسی کی وجہ سے دربار مامونی تک رسائی ہوئی۔ فتنۂ خلقِ قرآن اسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ مامون کو اس نے ہی گمراہ کیا تھا، مگر فاضل تھا، سخاوت میں بعد البرامکہ کے دوسرا اس کا مثل نہ تھا۔

وکان موصوفاً بالجود والسخاء وحسن الخلق ووفور الادب [3]

اس نے محدثین پر بڑے بڑے ظلم تڑوائے معتصم نے قاضی القضاۃ کر دیا تھا۔ واثق کے عہد تک رہا اس کے اعمال کی سزا اسے دنیا میں مل گئی۔ فالج میں مبتلا رہ کر ۲۴۱ھ میں انتقال کیا۔ [4]

معدل معدل کا محکمہ دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا اس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے

---

[1] المامون صد ۱۴۴ [2] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر صد ۳۱۹ وابن خلکان [3] ابن اثیر جلد ۷ صد ۲۶

[4] المامون صد ۱۵۰ وابن خلکان جلد ۱ صد ۲۴۔

تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ دستاویزوں کی رجسٹری اسی محکمہ میں ہوتی تھی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اس لئے نہایت مشہور، راست باز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

محکمہ احتساب یہ محکمہ بڑے پیمانہ پر تھا، محتسب بازاروں یا مجمع عام میں کوئی امر خلافِ شرع دیکھتا تو بہ جبر روک دیتا۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ کوئی نہ لاد سکے کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہو سکیں۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں۔ ان کے مالکوں سے کہہ کر گروا دینا۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں ان کو سزا دینا۔ کوئی باٹ اور پیمانہ وزن سے کم نہ رکھ سکے۔ محتسب کے ساتھ سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا۔

رعایا کی خبر گیری فضل بن سہل سے چھٹکارا حاصل کر کے مامون خود رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف لگ گیا تھا۔ خراسان سے بغداد آیا۔ راستہ میں جن شہروں اور قریوں سے گزرا وہاں کے حالات معلوم کئے اور وہاں کے باشندوں کی بہتری اور فلاح کی تدبیریں کیں [۱]

بغداد آنے کے بعد دمشق اور مصر وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔ دمشق کے دورے میں غیر اقوام سے خلفائے سلف نے معاہدے کئے تھے ان کی جانچ پڑتال کی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معاہدہ اس کے سامنے لایا گیا۔ اس کو آنکھوں سے لگایا اور اس کو برقرار رکھا [۲]

بعض علاقوں کے محاصل پر نظر ثانی کر کے ان کو گھٹایا۔ چنانچہ "رے" کے خراج میں تخفیف کی۔

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۰ [۲] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۵۔

مامون الرشید اپنے ایک ایک عزیز اور متعلقین کے اندرونی اور خانگی نیز عام رعایا کے معمولی سے معمولی حالات سے باخبر رہتا تھا۔ یہ غیر ممکن تھا کہ ان کے معاملات میں اس کو کوئی کسی قسم کا فریب دے سکے۔

قیام عدل مامون الرشید عدل گستری میں نوشیرواں سے بھی گویا سبقت لے گیا تھا۔ ظلم و جور کے انسداد میں بڑا اہتمام کرتا تھا۔

ایک دفعہ ابن فضل طوسی کو لکھا کہ تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا لیکن رعایا پر ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔

عمرو بن سعدہ کو لکھا۔ اپنی دولت کو عدل سے آباد کرو کہ ظلم اس کو ڈھا دینے والا ہے [1]

ایک مرتبہ ایک غریب بڑھیا نے مامون کے حضور میں اس کے لڑکے عباس پر استغاثہ دائر کیا کہ شہزادہ عباس نے اس کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ عباس عدالت میں موجود تھا۔ مامون نے اس کو اپنے پاس سے اٹھوا کر بڑھیا کے پاس کھڑا کر دیا۔ دونوں کے بیان کے لئے شہزادہ فرطِ ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا اور بڑھیا بلند آواز سے بیان دے رہی تھی۔ وزیر دولت احمد بن ابی خالد نے بڑھیا کو روکا کہ امیر المومنین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے۔ مامون نے منع کیا اور کہا جس طرح کہتی ہے کہنے دو، حق نے اس کی آواز بلند کر دی ہے اور عباس کو گونگا کر دیا ہے۔ دونوں کے بیانات سننے کے بعد مامون نے بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا۔ موکل کو لکھو کہ بڑھیا کی جائداد واپس کرا دی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی [2] یہ تھا مامون الرشید کا عدل و انصاف۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے مامون پر بیس ہزار کا دعویٰ کر دیا۔ مامون کے نام قاضی

---

[1] عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ [2] ایضاً صہ ۹۔

کا حکم آیا کہ حاضرِ عدالت ہو۔ مامون عدالتِ قاضی میں پہنچا تو خدام نے خلیفہ کی عظمت کا خیال کر کے قالین بچھایا۔ قاضی القضاۃ نے ان کو روک دیا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہیں کسی کے ساتھ امتیاز برتا نہیں جا سکتا۔ مامون نے خوش دلی سے عدالت میں بیان دیا بلکہ بعد میں قاضی کے حق پرستی کے صلہ میں اس کی تنخواہ بڑھا دی[1]

مامون عمال کے ظلم و زیادتی کی پوری نگرانی رکھتا تھا اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزائیں دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آ گیا۔ مامون کو اس واقعہ کی خبر لگ گئی۔ اس نے فوراً اس شخص کو طلب کر کے پوچھا تم کو عمر کا عدل یاد آیا؟ اس نے کہا ہاں! مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعایا عمرؓ کی رعایا جیسی ہوتی تو میں اُن سے زیادہ عدل کر کے دکھاتا اور اس آدمی کو انعام دے کر رخصت کیا اور سپاہی کو نوکری سے برخاست کر دیا۔

مامون الرشید کہا کرتا تھا کہ بغاوت ہمیشہ عُمّال کی زیادتیوں سے پیدا ہُوا کرتی ہے۔ اس کے دربار میں اہلِ کوفہ کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے عامل کی سختیوں کی شکایت کی۔ مامون نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو ہمارا عامل نہایت عادل ہے۔ وہ لوگ بولے بے شک ہم جھوٹے ہیں اور امیر المؤمنین آپ سچے ہیں۔ لیکن اس کے عدل کے لئے ہمارا شہر ہی کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ اس کو کسی اور شہر میں بھیج دیجئے تاکہ وہ بھی اس کے عدل و انصاف سے ویسا ہی فائدہ اُٹھائے جیسا ہمارا شہر اٹھا چکا ہے۔ مامون نے لاجواب ہو کر ان سے کہا تم لوگ جاؤ۔ میں نے اس عامل کو معزول کر دیا[2]

---

[1] المستطرف جلد اول صـ۱۱۱ [2] عقد الفرید [3] تاریخ الخلفاء صـ۳۳۲۔

ہشام ایک جگہ کا عامل تھا اس کو لکھا جب تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تمہارا شاکی موجود ہو گا میرے دربار میں تمہاری رسائی نہ ہو گی۔

سیرت و اخلاق

مامون الرشید تدبیر و سیاست، عقل و دانش، فہم و فراست، عدل و انصاف، شجاعت و شہامت، فیاضی، دریا دلی، حلم، عفو، سادگی، تواضع اور مدارات۔ غرضیکہ جملہ اوصاف سے متصف تھا۔

مامون کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ سادگی جزو طبیعت تھی۔ اگر محفل مناظرہ میں کوئی سخت کلامی کر بیٹھتا تو خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرتا۔ جب اس کی رائے کسی معاملے میں غلطی کرنے لگتی اور ارکانِ دولت میں سے کسی نے اس کو آگاہ کر دیا تو وہ اس سے باز رہتا تھا۔ اگر ملزم نے اپنا الزام رد کر دیا تو اس کا اعتراف کر لیتا۔ چنانچہ ۱۹۹ھ میں عبداللہ بن زیاد کے کچھ اخلاف مامون کے دربار میں حاضر کئے گئے جن میں سے ایک عبداللہ بن زیاد کا پوتا محمد نامی تھا۔ امویوں اور عباسیوں کی چشمک اب تک برابر چلی جاتی تھی۔ خلیفہ نے اس کے اور اس کے ساتھ دوسرے قیدیوں کے حسب و نسب کی نسبت کچھ استفسارات کئے اور بالآخر حکم دیا کہ محمد بن زیاد اور اس کے ایک ساتھی کو قتل کیا جائے۔ قتل کا حکم سُن کر ابن زیاد خلیفہ کی طرف مخاطب ہُوا اور کہنے لگا کہ امیرالمومنین ہم تو سُنتے تھے کہ آپ بڑے حلیم اور بُردبار ہیں اور بلا وجہ و جرم کسی کا خون اپنی گردن پر نہیں لیتے۔ لیکن اس وقت معلوم ہُوا کہ ہم سے جو کچھ آپ کے ان اوصاف کی نسبت کہا گیا تھا از سرتا پا دروغ تھا۔ اگر آپ ہماری بداعمالیوں کی پاداش میں ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے آج تک کوئی بات ایسی نہیں کی جس کا اتنا بڑا سنگین خمیازہ ہمیں کھینچنا پڑے۔ نہ ہم نے آپ کے خلاف اظہارِ تمرد و بغاوت کیا ہے۔ نہ حکومت کے خلاف کوئی خفیہ ریشہ دوانی

کی ہے نہ قوم کے مشوروں سے ہم نے علیحدگی اختیار کی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسا جرم ہے جس کی سزا ہمیں دی جارہی ہے۔ اگر آپ ہم سے ان بدسلوکیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں جو امویوں نے عباسیوں کے ساتھ اپنے زمانہ میں روا رکھی ہیں تو پہلے قرآن مجید کی اس صاف وصریح آیت پر غور کیجئے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔ "کوئی شخص کسی دوسرے (کے گناہوں کا) بوجھ اپنے سر پر نہ اُٹھائے گا۔"

قرآن مجید کی نصِ صریح کے ارشاد نے مامون کو شرمندہ کر دیا۔ اُس نے اس کے سامنے سرِ عجز جھکا دیا اور اپنی خطا کا اعتراف کر لیا بلکہ ابن زیاد کی اس صاف گوئی کو بہت سراہا اور ابوالعباس فضل بن سہل ذوالریاستین کو ایما کیا کہ ابن زیاد اور اس کے تمام رفقاء کو شاہی مہمان کے طور پر رکھا جائے اور ان کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

حلم وعفو خلفاءِ عباسیہ میں حلم وعفو میں مامون الرشید بے نظیر تھا۔ درگزر کرنے میں اس کو ایسی لذت حاصل ہوتی تھی کہ اکثر خطاؤں کے بخشنے کے بعد درگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرتا۔

ایک مجرم سے مامون نے کہا واللہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

مجرم نے کہا کہ آپ تحمّل کو کام میں لائیے۔ نرمی کرنا بھی نصف عفو ہے۔

مامون نے کہا کہ اب تو میں حلف کر چکا۔

اس نے کہا۔ امیر المؤمنین اگر آپ خدا کے سامنے بحیثیت حانث کے پیش ہوں اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ بحیثیت خونی کے خدا کے حضور میں آئیں

یہ سُن کر مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا۔[1]

فضل بن ربیع مامون کا کھلا ہوا دشمن تھا جس نے امین کو ورغلا کر مامون

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۲ ۔

سے بھڑا دیا۔ مگر جب مامون الرشید کے سامنے آیا تو اس کو اپنے باپ کا مصاحب تصور کر کے عفو تقصیر کر دیا۔ فضل سے بڑھ کر کارنامہ ابراہیم بن مہدی عباسی کا تھا جس نے موقع پا کر تختِ بغداد پر قبضہ جما لیا۔ جب گرفتار ہو کر اپنے برادر زادہ مامون کے سامنے لایا گیا تو معذرت کی کہ اگر آپ مواخذہ کریں تو حق بجانب ہیں اور اگر معاف کریں تو مہربانی ہے۔ مامون الرشید نے اس دشمن کے مقابلہ میں جو خلافت چھین رہا تھا عفو سے کام لیا اور کہا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا[1] اور مراعات ملحوظ رکھیں۔

عبداللہ بن بوّاب جو مامون الرشید کا درباری تھا اس کا بیان ہے کہ بعض اوقات مامون کے حلم پر ہم مصاحبوں کو غصہ آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ مامون دجلہ کے کنارے رونق افروز تھے۔ سامنے قنات کھینچی ہوئی تھی کہ ایک فلّاح اِدھر سے گزرا اور یہ اہتمام دیکھ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ مامون اپنے بھائی امین کو قتل کرا کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہ خیال ہوا کہ مامون کو غصہ آئے گا اور اس کی گرفتاری کا حکم دے گا مگر یہ سن کر مامون الرشید مسکرایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا تم لوگ کوئی ایسی ترکیب بتا سکتے ہو کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں[2]

ایسے ہی امین کے درباری شاعر حسین بن ضحاک نے دردناک مرثیہ لکھا تھا اس میں مامون کو ظالم قرار دیا تھا۔ جب مامون برسرِ اقتدار ہوا حسین کو دربار میں آنے کی ممانعت کر دی۔ پھر چند دن بعد بلا کر مرثیہ کا ذکر کیا۔ شاعر بولا امین کے قتل کے اثر میں سب کچھ کہہ گیا تھا آپ مواخذہ کریں تو آپ کا حق ہے اور بخش دیں تو آپ کی فیاضی۔ یہ سن کر مامون کی آنکھوں میں آنسو

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۳   [2] تاریخ خطیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ و تاریخ الخلفاء صـ ۲۲۲

[3] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۱۳۳ ۔

پھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے[1]۔ مامون الرشید کو عفو میں بہت زیادہ مزہ ملتا تھا۔

کہا کرتا تھا کہ مجھے عفو میں اتنی لذت ملتی ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی امید نہیں۔ اگر لوگوں کو میرے عفو کا اندازہ ہو جائے تو وہ جرائم کو میرے تقرب کا ذریعہ بنا لیں۔ مامون آرزو کرتا تھا کاش مجرم میرے عفو سے واقف ہو جاتے تاکہ اُن کے دلوں سے مواخذہ کا خوف دور ہو جاتا اور وہ سکون کی مسرت سے لطف اندوز ہوتے۔

تواضع و خاکساری مامون اپنے خواص اور حاشیہ نشینوں کے ساتھ ملنساری اور خاکساری سے پیش آتا تھا اس میں تمکنت بالکل نہ تھی ملنے والے تو الگ رہے خادم کے ساتھ بھی مساویانہ سلوک کرتا حتّٰی کہ ان کی راحت میں خلل تک نہ آنے دیتا تھا۔ قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم کا بیان ہے:۔

"میں نے مامون سے زیادہ شریف الطبع انسان نہیں دیکھا۔ ایک شب مجھ کو حریم خلافت میں سونے کا اتفاق ہُوا۔ آدھی رات بیتے ہوئے کچھ عرصہ گزرا، میری آنکھ کھُل گئی تشنگی کا غلبہ تھا، پانی پینے اُٹھا مامون کی نظر مجھ پر یکایک پڑ گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ قاضی صاحب! کیا بات ہے؟ سوتے کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا امیر المومنین مجھے پیاس معلوم ہوئی ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے بستر پر بیٹھیے۔ پھر خود جا کر آبدار خانہ سے پانی لا کر مجھ کو دیا۔ میں نے عرض کیا۔ امیر المومنین خادم یا خادمہ کو اُٹھا لیا ہوتا۔ فرمایا سب سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو میں خود پانی آبدار خانہ جا کر پی لیتا۔ مامون

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۳۔

نے فرمایا۔ انسان کے لئے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہے"۔[1]

سخاوت مامون فیاضی اور سخاوت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ شعراء اور اہلِ فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا اس کا معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدے کے صلہ میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دینار دے دیئے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے اور پچاس ہزار دینار اسی وقت اُس کو دلا دیئے گئے۔[2]

مامون الرشید کی سخاوت کے واقعات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ تفصیل کے لئے تاریخ خطیب بغدادی اور عقد الفرید وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

بوران کے ساتھ شادی

بوران حسن بن سہل کی نورِ نظر تھی۔ مامون نے حسن کی دل دہی کی بنا پر اس سے شادی کی۔ جس میں فیاضی اور اولوالعزمی کا جوہر زیادہ نمایاں تھا جس کا بوران کی شادی میں پورا مظاہرہ کیا گیا۔ تقریبِ شادی فم صلح میں کی گئی اس میں مامون کا سارا خدم وحشم، فوج اور جملہ عمائد ملک شریک تھے۔ ۱۹ دن تک حسن کے دولت کدہ پر برات مقیم رہی۔ حسن نے بڑی اولوالعزمی سے بارات کی تواضع و مدارات کی۔ شادی کے دن رقعوں پر نقدی، جائداد، غلام اور ہر قسم کا نقد و جنس اور ساز و سامان لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر مامون پر سے نچھاور کی گئیں جن کو جو گولی ملی فوراً اس کی مرقومہ چیز اس کے حوالے کی گئی۔ ان گولیوں کے علاوہ طلائی اور نقرئی سکے براتیوں پر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳ و تاریخ خطیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸ [2] اغانی ترجمہ محمد بن وہب۔

لٹائے گئے۔ مامون الرشید کے بیٹھنے کے لئے خالص سونے کا فرش تھا جیسے ہی اُس نے اس پر قدم رکھا اوپر سے سُچے موتی نچھاور کئے گئے اور جب پہلی مرتبہ مامون بوران سے ملا تو بوران کی دادی نے دولھا دولہن کے اوپر سے ایک ہزار بیش قیمت اور بڑے موتی نچھاور کئے۔[1]

نظامی گنجوی نے لکھا ہے کہ مامون نے اس موقعہ پر اپنی جیب میں سے کبوتر کے انڈے کے برابر موتی نکال کر بوران پر سے نچھاور کئے۔ ایک موتی ایک اقلیم کی آمدنی سے خرید کردہ تھا۔[2]

عام مورخین اس شادی کے اخراجات کا اندازہ پانچ کروڑ کرتے ہیں۔[3]

عیش و عشرت مامون آغازِ خلافت میں بیس ماہ تک نغمہ و سرور سے محترز رہا پھر کچھ شوق ہوا۔ گاہے گاہے گانا سن لیا کرتا آخر میں البتہ رنگین صحبتیں رہتی تھیں۔ نبیذ کا دور چلتا، گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہوتیں۔ ساز چھڑتا، رنگین طبع احباب جمع رہتے مگر عیش و عشرت میں اپنے فرائض کو کبھی نہیں بھولا۔

فنِ موسیقی کی ترقی مامون الرشید کے دربار میں مغنیوں کا بڑا گروہ موجود تھا جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق فنِ موسیقی کو معراج کمال تک پہنچا دیا، جن میں مخارق علویہ، عمرو بن بانتہ، عقید یحییٰ مکی، ہوثن، زلزل زرزور اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں لیکن اسحاق موصلی کو کوئی نہ پہنچا۔ اسحاق[4] کا باپ ابراہیم موسیقی کا مشہور ماہر اور استاد تھا۔ اسحاق کو دربار میں فقہاء کا

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۹۳ [2] پنج مقالہ نظامی گنجوی [3] مقدمہ ابن خلدون ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۹۲، الفخری صفحہ ۲۲۳

[4] اسحاق بن ابراہیم، ابراہیم مامون الرشید کے دربار کا مغنی تھا اسکو دس ہزار درہم ماہوار ملتا تھا۔ اسحاق فن لوب انساب، روایات فقہ اور نحو میں مجتہدانہ کمال رکھتا تھا قراء سے قرآن مجید پڑھا، حدیث ہشیم سے، اصمعی والو عبیدہ سے ادب سیکھا۔ زلزل سے ایک لاکھ درہم دیکر عود بجانا سیکھا۔

لباس پہن کر آنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ مامون کے ندیموں میں سے تھا۔ اُس نے ایک دن مامون سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ میں داخل ہونے کی اجازت ہو؟ مامون مسکرایا اور کہا اسحاق یہ نہیں ہوسکتا لیکن تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ لاکھ درہم اس کے گھر پہنچا دیئے جائیں [1]

مامون الرشید کو افسوس رہا کہ اسحاق منصب قضاء کے قابل تھا لیکن قوال ہونے کی وجہ سے اس بلند درجہ تک پہنچایا نہیں جا سکا۔

راسخ الاعتقادی مامون الرشید اعلیٰ درجے کا فلسفی تھا مگر اس کے ساتھ مذہبی عقیدے میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا اور فرائض اور اعمال کا سخت پابند۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کو سچی ارادت اور والہانہ عقیدت تھی۔ شام کا سفر درپیش ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ایک بطریق نے دکھایا تو اس کو آنکھوں سے لگایا اور جوشِ محبت میں چند مرتبہ اور نامۂ مبارک کو آنکھوں سے لگایا۔ آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مامون کو سرورِ عالم صلعم سے عاشقانہ وارفتگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ بیت کرام سے دلی تعلق رکھتا تھا اور فدک کو اہلِ بیت سے متعلق کر دیا تھا۔ بے شک اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پرجوش عقیدت تھی۔ اس بنا پر خاندانِ نبوت سے دلی خلوص رکھتا اور ان سے مراعات روا رکھتا تھا۔ خود مامون نے ایک موقعہ پر بیان کیا ہے۔

"ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانِ خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

---

[1] المامون صفحہ ۱۴۰۔

جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ، عبید کو یمن، معبد کو مکہ، قثم کو بحرین کی حکومت دی اور آلِ عباس میں کوئی باقی نہ رہا جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ فرض باقی چلا آتا ہے جس کو اب میں نے ادا کیا ہے[1]"۔

اعتزال مامون کی طبیعت آخر میں اعتزال کی طرف مائل ہو گئی تھی جعفر برمکی جو مامون الرشید کا اتالیق تھا، اس کا مصاحب و ندیم حکیم النظام بغدادی معتزلی تھا جو یونانی فلسفہ کا بڑا عالم تھا اُس نے ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔ علم الکلام کے اکثر مسائل اس کے اختراع کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ نظام کے خیالات کا اثر مامون پر بھی پڑے بغیر نہ رہ سکا جس کا ظہور آخر زندگی میں فتنۂ خلق قرآن کی صورت میں رونما ہوا۔ قاضی ابی داؤد معتزلی نے مامون کے خیالات کو اور پختہ کر دیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مامون کا علمی ذوق وشوق

مامون الرشید نے نظم مملکت میں جہاں بیدار مغزی کا ثبوت دیا وہاں علمی شغف میں بھی علمائے معاصرین میں ایک گونہ امتیازی درجہ رکھتا تھا عباسی خلفاء میں فی الحقیقت یہ گل سر سبد تھا۔ اس کے علمی ذوق نے اس کے عہد کو علمی حیثیت سے دورِ زرّین بنا دیا تھا۔ علمی ترقیوں کی تفصیل کے لئے "عصر المامون" اور "المامون" علمی دنیا میں موجود ہیں۔ اس جگہ مامون کا ذاتی علم وفضل اور مختصر علمی ترقی کا ذکر کافی ہو گا۔

مامون الرشید طالب علمی کے زمانے سے ہی ذکی، ذہین اور طبّاع تھا فضلائے عہد کی صحبت نے اس کی فطری صلاحیتوں کو اور اجاگر کر دیا جس سے اہلِ علم کی

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳۔

کی صفِ اوّل میں شمار ہونے لگا۔

علومِ دینی کے علاوہ مامون کی شعر و ادب پر ناقدانہ نگاہ تھی۔ ایک دن مامون کے پاس بغداد کا مشہور شاعر و ادیب اصمعی بیٹھا تھا تو شعر و شاعری کا ذکر چھڑ گیا۔ مامون الرشید نے اصمعی سے یہ شعر پڑھ کر ؎

ما کنت الا کلحم میت　　دعا الی اکلہ اضطرار

پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ اصمعی بولا ابن عیینہ النہلبی کا۔ مامون نے کہا شعر میں بلند خیالی ہے مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی مامون الرشید کی وسعتِ نظر پر حیران رہ گیا۔[1]

علامہ سیوطیؒ اپنی تاریخ میں یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے سفر میں جانے کا ارادہ کیا اور لشکر کو ایک ہفتہ کے بعد چلنے پر تیار رہنے کا حکم دیا۔ لیکن ہفتہ بھر گزر جانے کے بعد سفر پر روانہ ہوا اور نہ کوئی اور حکم دیا۔ لوگ پریشان تھے۔ فوجی افسروں نے مامون الرشید سے جاکر عرض کیا شہزادہ صاحب آپ ہی ہماری مشکل کو حل کیجئے۔ مامون نے یہ نظم لکھ کر ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کی ؎

یا خیر من دبت المطی بہ	"اے وہ شخص جس کے ساتھ چلنے والے چلتے
ومن تقدی بسرجہ الفرس	ہیں اور جسکے گھوڑے پر ہر وقت زین کسا رہتا
ھل غایۃ فی المسیر نعرفہا	ہے کاش ہمیں سفر میں جانیکی وجہ معلوم ہوتی یا
ام امرنا فی المسیر ملتبس	یہ معلوم ہو جاتا کہ سفر میں ابھی دیر ہے
ما علم ھذا الا الی ملک	اسکا علم سوائے اس بادشاہ کے اور کسی کو نہیں ہے
من نورہ فی الظلام نقتبس	کہ جسکے نور سے ظلمات میں اقتباس نور کرتی ہے"!

ہارون الرشید نے یہ قطعہ پڑھا۔ بہت خوش ہوا۔ اس کو اب تک معلوم نہ تھا کہ

[1] مرآۃ الجنان یافعی۔

مامون شعر کہتا ہے۔ اس نے کہا بیٹا تمہیں شاعری کیا کرنی ہے۔ شعراء حقیر لوگوں کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور جلیل القدر لوگوں کو زمین پر گرا دیتے ہیں۔

عمارہ بن عقیل کہتے ہیں کہ مجھ سے مشہور شاعر ابن حفصہ نے کہا کہ کبھی تم نے بھی اس کا خیال ہے کہ مامون پوری طرح شعر کی قدر نہیں کرتا۔ میں نے کہا میرے نزدیک تو اس سے بہتر شعر سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ واللہ اکثر میں نے شعر سنائے ہیں اور مامون سن کر اچھل پڑا ہے۔ ابن حفصہ بولا کہ میں نے یہ شعر مامون کی شان میں کہہ کر اسے سنایا۔ اس نے کچھ بھی اثر نہ لیا۔ عمارہ بولے۔ وہ شعر کون سا ہے؟ حفصہ نے کہا یہ ہے ؎

اضحی امام الھدیٰ المامون مشتغلا
بالدین والناس فی الدنیا مشاغیل

"امام ہدیٰ مامون دین میں مشغول ہے اور لوگ دنیا کے اشغال میں پھنسے ہوئے ہیں"

عمارہ نے شعر سن کر کہا کہ اس شعر کا مامون پر کیا خاک اثر ہوتا۔ ابن حفصہ تم نے تو مامون کو ایک بڑھیا بنا دیا جو اپنے مصلّٰی پر بیٹھی ہوئی تسبیح ہلا رہی ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ اگر مامون الرشید ہی دین میں اس درجہ مشغول ہو جائے تو انتظامِ ملک کون کرے۔ ابن حفصہ تم نے وہی مضمون کیوں ادا نہ کیا جو تمہارے چچا نے ولید کی شان میں کہا تھا ؎

فلا ھو فی الدنیا مضیع نصیبہ
ولا عرض الدنیا عن الدین شاغلہ[1]

"وہ اپنا دنیوی حصہ بھی نہیں ضائع ہونے دیتا اور نہ دنیاوی اشغال اس کو دینی اشغال سے باز رکھتے ہیں"

یہ تھی مامون الرشید کی شاعرانہ اور سخن سنجانہ زندگی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۰ والبدایہ والنہایہ الجزء العاشر صفحہ ۲۷۶۔

فقہ و حدیث پر نظر

شعر و ادب میں مامون الرشید کا جو پایہ تھا وہ تو تھا ہی، فقہ و حدیث میں بھی اس کی نظر وسیع تھی اور وہ مسائلِ دینی میں اہلِ فن کی طرح نکتہ آفرینیاں کیا کرتا تھا۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک روز مامون الرشید دربارِ عام میں علماء کے ساتھ بیٹھا ہُوا تھا۔ ایک عورت نے آکر شکایت کی کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے لیکن لوگ مجھ کو ایک دینار دے کر ٹالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے حصّے میں صرف اسی قدر آتا ہے۔

مامون الرشید نے تھوڑی دیر غور کرکے کہا وہ سچ کہتے ہیں تیرے حصّے میں اتنا ہی آتا ہے۔ علماء نے کہا امیرالمومنین یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے کہا کہ متوفی نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں دو تہائی ($\frac{2}{3}$) یعنی چار سو دینار ان کو ملیں گے اور والدہ کو چھٹا ($\frac{1}{6}$) حصہ یعنی سو دینار اور بیوی کو آٹھواں ($\frac{1}{8}$) حصہ یعنی پچھتر دینار اور بارہ[۱۲] بھائیوں کو فی کس دو دو دینار اور اس عورت کو ایک دینار۔ علمائے دربار مامون کی فرائض دانی پر عش عش کرنے لگے[۱]۔

ایک بار مامون کے دربار میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں محدّث ہوں اور اس فن میں ساری زندگی گزار دی ہے۔ مامون نے اس سے مخاطب ہو کے کہا۔ تم کو فلاں مسئلہ کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ وہ ایک بھی نہ بتا سکا تو مامون الرشید نے خود اس کے متعلق بیسیوں روایتیں سنا دیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا۔ پھر اس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا وہ اس کا بھی کوئی جواب نہ دے سکا تو مامون الرشید نے اس مسئلہ کے متعلق بھی متعدد حدیثیں بیان کیں اور پھر درباریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگ تین دن حدیث پڑھتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ ہم ہی محدّث ہیں۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۹ [۲] ایضاً۔

مامون کا حافظہ ہارون الرشید حج کرنے کے بعد کوفہ گیا اور وہاں کے محدثین کو بلا بھیجا۔ تمام حضرات آ گئے۔ مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس محدث نے آنے سے انکار کر دیا۔ ہارون الرشید نے امین اور مامون کو ہر دو علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا۔ ابنِ ادریس نے امین کو مخاطب کر کے سو حدیثیں پڑھ دیں۔ مامون الرشید خاموش سنتا رہا۔ جب ابن ادریس حدیثیں سنا چکے اور خاموش ہوئے تو مامون نے کہا کہ اگر اجازت دیں تو میں ان احادیث کا اعادہ کر دوں۔ اور پھر تمام حدیثیں من وعن بیان کر دیں۔ ابن ادریس مامون کی قوتِ حافظہ دیکھ کر حیران رہ گئے [۱]

مامون سے کثیر التعداد احادیث مروی ہیں۔ بیہقی، حاکم، ابن عساکر اور خطیب نے مامون کی روایات بیان کی ہیں جو تاریخ الخلفاء وغیرہ میں منقول ہوئی ہیں۔ مامون کے بیٹے فضل، یحییٰ بن اکثم، جعفر بن ابوعثمان الطیالسی، امیر عبداللہ بن طاہر، احمد بن الحارث شیعی دعبل الخزاعی اور دیگر لوگوں نے اس سے روایت کی۔

علامہ شبلی نے المامون میں لکھا ہے :-

"اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہو گئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گزرا جو فضل وکمال کے اعتبار سے مامون کی شانِ یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اس کو خلفاء وسلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری، ایام العرب، ادب، فقہ، فلسفہ کون سی بزم ہے جہاں فخر وشرف کے ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا ہو۔" [۲]

قاضی یحییٰ بن اکثم جو خود عظیم المرتبت عالم تھے، مامون الرشید کے متعلق کہتے ہیں :-

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۰ [۲] المامون صفحہ ۱۲۰ -

"امیر المومنین طب میں، جالینوس نجوم میں، ہرمس، فقہ میں علی رضؓ بن ابی طالب سخاوت میں حاتم طائی، سچائی میں ابوذر، کرم میں کعب بن امامہ اور ایفائے عہد میں سموئل بن عادیا ہیں۔" [1]

ادبیت مامون نے شاعری میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرِ فن اس کی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدماء اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطع اس کے نوکِ زبان پر تھے اور اس باب میں اس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔

نثر مامون الرشید کے خطوط اس عہد کے عربی نثر کا بہترین نمونہ ہیں جو العقد الفرید میں موجود ہیں۔

خوش بیانی مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی و مامون سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔

مامون کے خطبات میں اس کی شستہ بیانی اور زورِ طبیعت کی شہادت ملتی ہے۔ کتاب العقد الفرید لابن عبدربہ میں یہ خطبات منقول ہیں۔

علوم عقلیہ سے شغف مامون الرشید اسلامی علوم کو حدِ کمال تک حاصل کر چکا تو فلسفہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا۔

بیت الحکمت کے لئے جو کتب فلسفہ کی ترجمہ ہوئی تھی وہ مطالعہ میں رہیں مگر وہ ناکافی تھیں۔ اس زمانہ میں "ارسطو کو خواب میں دیکھا" [2] مامون یوں بھی فلسفہ پڑھا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت نے آگ پر روغن کا کام دیا۔ اس نے قیصرِ روم کو خط لکھا۔ ارسطو کی جس قدر تصانیف ملیں وہ دار الخلافہ بھیج دی جائیں۔ چنانچہ قیصر نے پانچ اونٹوں پر لدوا کر فلسفہ کی کتب مامون کی خدمت میں بھیج دیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۹ [2] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۹ -

بَیتُ الحِکمت

ہارون الرشید کے بَیتُ الحکمت میں روم سے آئی ہوئی کتابیں داخل کی گئیں۔ ان میں بقراط، ارسطاطالیس، اقلیدس جالینوس اور بطلیموس وغیرہ شامل تھیں۔ فیلسوف عرب یعقوب بن اسحاق کندی کو مامون نے ان کتب میں سے فلسفۂ ارسطو پر جو کتابیں تھیں ان کے ترجمہ پر مامور کیا۔ اور وہ "بیت الحکمت" کے مہتمم قرار دیئے گئے۔ حجاج بن المطر، یوحنا وابن البطریق وسلما صاحب بیت الحکمت کو روم روانہ کیا کہ وہ فلسفہ کی کتابیں اپنی پسند کی انتخاب کر کے لائیں[1] اور ترجمہ کریں۔ ارمینیہ، مصر، شام، سیپرس وغیرہ مقامات پر لاکھوں روپیہ دے کر قاصد بھیجے فلسفی قسطا بن لوقا کو روم سے بلا کر بَیت الحکمت میں ترجمہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم وفنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی[2]

مترجمین بیت الحکمت | حجاج بن یوسف کوفی، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوحسان سلمان، حنین بن اسحاق، سہل بن ہارون ابوجعفر یحییٰ بن عدی محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسن بن شاکر، احمد بن شاکر، علی بن العباس بن احمد جوہری، یعقوب کندی، یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق، محمد بن شاکر، یحییٰ بن ابی منصور وغیرہ، ارباب فضل وکمال مامون الرشید کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔ اکثر کی تنخواہیں اڑھائی اڑھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں[3]

اس جماعت میں سب سے بڑی شخصیت یعقوب کندی کی تھی جو ارسطو کا

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۹ [2] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۱ -
[3] المامون صفحہ ۳۳۱ -

ہم پایہ سمجھا جاتا تھا۔

فہرست ابن ندیم میں ہے۔

"ابویوسف یعقوب بن اسحاق ابن الصباح الکندی، نسب ملوک کندہ تک پہنچتا ہے ویسمیٰ فیلسوف العرب وکتبہ فی علوم مختلفہ مثل المنطق والفلسفہ والہندسہ والحساب والارثماطیقی، والموسیقی والنجوم وغیرہ ذلک (الفہرست ص۳۵۷)

یہ دوسو بیاسی کتابوں کا مترجم ومصنف اور مؤلف تھا[1] بصرہ میں پیدا ہوا۔ حدوثِ عالم کے بارے میں مذہب افلاطون کا پیرو تھا۔ ۲۵۲ھ میں انتقال کیا۔

حنین بن اسحاق یہ نامور مترجم تھا۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی جو لغاتِ عرب کا پہلا مُدوّن اور فنِ عروض کا موجد ہے۔ اس نے جالینوس کی (۲۱) کتابوں کا نہایت فصیح ترجمہ کیا۔

حنین بن اسحاق العبادی ویکنی ابا زید والعباد نصاری الحیرہ وکان فاضلا فی صناعۃ الطب فصیحا باللغۃ الیونانیۃ والسریانیۃ والعربیۃ، دار البلاد فی جمیع الکتب القدیمۃ[2]

حنین کا نامور فرزند اسحاق اور اس کا بھانجہ حبش الاعسم ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی۔ ارسطو کی اکثر تصانیف اسحاق نے ترجمہ کیں۔ حنین نے متوکل کے عہد میں وفات[3] پائی۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

قسطا بن لوقا بعلبکی یہ بھی نہایت نامور فلسفی تھا۔ اس نے بیت الحکمت کے لئے کثیر التعداد کتابوں کے ترجمے کئے۔ صاحب تصنیف ہے[4]

ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی[5] اس نے مامون کی فرمائش پر علم جبر ومقابلہ پر کتاب لکھی۔ اس کو جبر ومقابلہ اور ریاضیاتی تشریح کے بانیوں میں شمار کرنا قرینِ

---

[1] طبقات الاطباء [2] الفہرست صفحہ ۴۰۹ [3] طبقات الاطباء [4] ایضاً

[5] الفہرست صفحہ ۴۱۰۔

انصاف ہے۔ اس نے دو درجی (ریاضیاتی) مساوات کے ہندسی حل بھی شکلوں کے ساتھ دیئے ہیں۔ مثلاً لا۲۰ + ۱۰لا = ۳۹ کی اصل (۳+۳ و -۱۳) ترسیمی طریقہ سے بتائی گئی ہیں۔ اس کی ہئیت الافلاک اور علم المثلثات سے متعلق تیار کردہ جدولیں بھی ہیں۔ ان جدولوں میں زاویہ کی جیبی و مماسی تفاعل شامل ہیں بطلیموس کے جغرافیہ کی اصل کتاب اور نقشوں کی اس نے تصحیح کی اور عربی میں "صورۃ الارض" کے نام سے اس کو شائع کیا۔

خوارزمی نے ۲۲۹ھ / ۸۵۰ء میں انتقال کیا۔

بنو موسیٰ محمد و احمد و حسن مامون کے ندیم تھے۔ فنونِ حکمت کے ماہر اور دولت مند جنہوں نے اپنی دولت یونانی مخطوطات کی فراہمی اور ان کے عربی ترجمہ کرنے میں صرف کی۔ وہ خود بھی ریاضی دان اور ہیئت الافلاک کے عالم تھے۔ انہوں نے جن قابل مترجموں کو یونانی علم و حکمت عربی میں نقل کرنے کے لئے مامور کیا۔ ان میں حنین بن اسحاق اور ثابت بن قرہ سب زیادہ مشہور تھے خود بھی ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔

ابو جعفر محمد کی کتاب المیزان، کتاب القرسطون، کتاب مساحت الکرہ، تثلیث زاویہ (دی ہوئی دو مقادیر کے مابین دو اوسط متناسبوں کی تعیین کی) ابو جعفر محمد نے ۲۵۱ھ / ۸۷۲ء میں انتقال کیا۔ ان تینوں بھائیوں سے مامون الرشید نے کرۂ ارض کی پیمائش کرائی۔ اس کے لئے سنجار کا میدان تجویز ہوا۔ دو مہمیں مامون نے بھیجیں۔ دوسری پلمائر کے میدان گئی۔ ان پیمائشوں کا نتیجہ کرۂ ارض کے عرض بلد کی قیمت ۵۶ ۲/۳ عربی میل برآمد ہوا جو انگریزی میل کی رقموں میں ۶۹،۰۵ میل ہے (خط استواء کے قریب اس کی صحیح قیمت ۶۸،۷ میل ہے۔

مامون الرشید نے زمین کا نقشہ بھی بنوایا تھا جس کو المسعودی نے دیکھا تھا۔

ریاضی و ہیئت دان

الحجاج ابن یوسف، بن مطر، اقلیدس کے اٹیلس کا سب سے پہلا مترجم تھا اس نے المجسطی کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ علی بن عباس ابن سعید الجوہری نے اقلیدس کی کتاب کی شرح کی ہے۔ ابوسعید انصر بر الجرجانی نے ہندسی مسائل پر کتاب لکھی اور ایک دوسری کتاب میں نصف النہار کی ترسیم کی۔

سہل الطبری یا ربان الطبری، یہودی منجم و طبیب تھا اس نے بھی المجسطی کا ترجمہ کیا۔ حبش الحاسب احمد ابن عبداللہ مروزی، مروہ کا رہنے والا تھا۔ سو برس کی عمر پائی ۸۶۰ھ میں انتقال کیا۔

کسوف شمس سے متعلق حبش نے سب سے پہلے ارتفاعِ جرم سماوی (خاص اس صورت میں ارتفاعِ شمس) کے تعینِ وقت کا طریقہ بیان کیا۔ حبش نے ہی ظلِ عالیہ مماس (ٹنجنٹ) کا تصور پیش کیا۔ سب سے پیشتر مماسوں کی جدولیں تیار کیں۔ اس کا بیٹا ابوجعفر مشہور منجم اور آلاتِ ہیئت کا صناع تھا۔

ابوطیب سند ابن علی یہودی النسل تھا مگر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ریاضی و ہیئت کی جدولیں تیار کیں اور اشیاء کی کثافتِ اضافی پر بھی کام کیا۔ ۸۶۴ھ میں فوت ہوا۔ مامون کا صدر منجم تھا۔

علی بن عیسیٰ الاصطرلابی بغداد اور دمشق میں رہتا تھا۔ ۸۳۳ھ میں بقیدِ حیات تھا۔ منجم اور آلاتِ تنجیم و سائنس کا مشہور صناع تھا۔ مامون نے اس سے درجہ عرض بلد کی پیمائش کرائی تھی۔ بنوموسیٰ کے ساتھ یہ بھی تھا۔ اصطرلاب پر سب سے پہلے لکھنے والوں میں سے ہے۔

یحییٰ بن ابی منصور مجوسی نسل سے تھا۔ قریب ۸۳۱ھ میں فوت ہوا۔ حلب میں دفن کیا گیا۔ اس کے مشاہداتِ فلکی بغداد میں عمل میں آئے۔ اس نے عربی میں ہیئت الافلاک پر کئی کتابیں لکھیں۔ اس کا پوتا ہارون بن علی تھا جس نے تنقید کے ساتھ مامون الرشید کے تیار کرائے ہوئے جدولِ تالیف اور مشاہداتِ

فلکی بیں عمر بتا دی ۔

خالد بن عبدالملک المروزی مامون الرشید کے زمرۂ حکماء میں تھا۔ ۸۳۲ء میں دمشق میں آفتاب پر جو مشاہدات کئے گئے تھے ان میں یہ بھی شریک تھا۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن کثیر الفرغانی اس عہد کا بڑا منجم تھا۔ اس کی کتاب "حرکات اسماء و جوامع علم النجوم" مشہور ہے۔

خالد استقبال اعتدالین کی نسبت بطلیموس کا نظریہ تسلیم کرتا تھا اور اس کی لکھی ہوئی قیمت کو بھی صحیح تصور کرتا تھا۔ لیکن سمجھتا تھا کہ اس استقبال کا اثر نہ صرف ستاروں کے مقامات پر پڑتا ہے بلکہ ستاروں کے فاصلے پر بھی، اس نے قطر بھی دریافت کئے۔ ۸۶۱ء میں فسطاط کے مقام پر جو حصہ دریائے نیل کا بہتا ہے وہاں آب پیما اپنی نگرانی میں تیار کرایا۔ اس کی ایک کتاب ہیئت پر بھی ہے۔

ابوحفص عمر بن الفرخان الطبری، یہ علم ہیئت اور فن تعمیر کا بہت بڑا عالم تھا۔ مامون کے حکم سے فارسی سے عربی میں ترجمے کئے اور علوم تنجیم و نجوم کے مضامین پر مقالے لکھے۔ نجوم کے علاوہ فلسفہ کی بھی بعض کتابیں مامون کے حکم سے لکھیں۔

ابومعشر جعفر بن محمد ابن عمر البلخی ۲۷۲ھ مطابق ۸۸۶ء میں بعمر سو سال واسط میں انتقال کیا۔ کتاب الطائع، کتاب المدخل الی علم احکام النجوم وغیرہ یادگار ہیں۔ صناجۃ الطرب فی تقدمات الغرب[1] میں ہے:۔

"ابوجعفر جعفر بن محمد عمر بلخی مشہور منجم ہے۔ مدخل، زیچ، الوف القرانات الدول والملل کتاب الملاحم، اقالیم، کتاب اصلاح وغیرہ تصانیف سے ہیں مستعین عباسی نے ایک امر کو قبل از وقوع بیان کر دینے پر اتنے کوڑے پٹوائے کہ اسی میں ۲۷۲ھ میں ابومعشر کا دم نکل گیا۔"

---

[1] الفہرست صفحہ ۲۲۴ و ابن خلکان جلد ا صـ ۱۱۲ و طبقات الاطباء صفحہ ۹۷ ۔

جغرافیہ تاریخ میں عربی کتابیں لکھی جا چکی تھیں مگر جغرافیہ میں مامون الرشید کے زمانے میں مارینوس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا گیا۔ مارینوس بطلیموس سے کچھ پہلے گزرا ہے۔

مسعودی نے مامون کے عہد کے عربی جغرافیہ نگاروں کی تصانیف کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"میں نے بہت سی کتابوں میں اقالیم کے لئے نقشے مختلف رنگوں میں دیکھے ہیں۔ اس موضوع پر جو بہترین کتاب میری نظر سے گزری ہے وہ مارینوس کا جغرافیہ ہے اور مامون الرشید کے عہد کے بہت سے ارباب فضل و کمال نے اس نقشہ کی تکمیل میں حصہ لیا تھا۔ اس نقشے میں دنیا، اس کے افلاک، اس کے سیاروں، براعظم اور سمندر، آباد علاقے اور ویرانے، مختلف اقوام کے ممالک اور شہر دکھائے گئے ہیں"[1]

ثابت بن قرہ نے (۲۱۱ - ۲۸۸) بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا۔

رصد خانہ مامون نے شماسیہ میں رصد خانہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ عظیم الشان رصد خانہ ۲۱۴ھ میں قائم ہوا۔ جس کے منتظم یحییٰ بن ابی المنصور، خالد بن عبدالملک مروزی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری تھے۔ اس میں نہایت بیش بہا آلاتِ رصدیہ تیار کئے گئے تھے جن سے آفتاب کی مسافت کی مقدار اس کے مرکزوں کا اخراج، اوج کے مواضع اور دیگر سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے تھے۔

دوسری رصدگاہ تومار (پالمیرا) میں قائم کی۔ منجموں نے میل، طریق شمس کی قیمت ۲۳ درجہ ۲۳ دقیقے دریافت کئے۔ سیاروں کی حرکتوں کی جدولیں تیار کیں۔ مامون کے لئے منجم ابوجعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے زیچ مرتب کی۔ منجم حبش نے تین زیچیں

---

[1] مروج الذہب جلد ا صفحہ ۱۸۳ [2] کشف الظنون ذکر رصد۔

تیار کیں جو مامونی زیچیں کہلاتی ہیں۔

غرضیکہ صدہا بلکہ ہزارہا کتابوں کے ترجمے مامون الرشید کے لئے تھوڑے ہی عرصہ میں کئے گئے۔ مامون کے زمانے میں کتب خانہ بیت الحکمت ہزارہا بیش بہا کتب کا خزینہ بن گیا۔

مامون کو خود بھی تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ چنانچہ کتاب جواب ملک البرغر مناقب خلفاء اعلام النبوۃ تین کتابیں تالیف کیں[1]۔

علمی دربار

۲۰۶ھ میں مامون بغداد پہنچا تو قاضی یحیٰی بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلاء میں سے بیس شخص منتخب کئے جائیں جو علمی مجلس میں شریک ہوا کریں۔

فرامین بھیج کر ہر جگہ سے ادیب، فقیہ، شاعر، متکلم اور حکیم طلب کئے گئے اور اُن کی معقول تنخواہیں مقرر کی گئیں[2]۔

مامون کا دربارِ علمی سہ شنبہ کو جما کرتا۔ اس میں خصوصیت سے مناظرہ ہوتا تھا۔ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب ملت کے علماء اور ماہرینِ فن دربار میں حاضر ہوتے۔ پہلے دسترخوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے مزین ہوتا بچھایا جاتا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب وضو کرتے۔ عود لوبان کی انگیٹھیاں لائی جاتیں اور لباس معطر کئے جاتے۔ پھر دارالمناظرہ میں مامون کے زانو بہ زانو علماء بے تکلف بیٹھتے اور آزادانہ گفتگو شروع ہوتی۔ دوپہر تک یہ علمی مجلس قائم رہتی۔ زوالِ آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا اور سب لوگ کھا پی کر رخصت ہو جاتے[3]۔

اہلِ علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی وہ اہلِ کمال کا عموماً احترام کرتا تھا اور اس کی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے عام تھیں۔

---

[1] المامون صفحہ ۱۱۸ [2] ایضاً [3] فہرست ابن ندیم [4] مروج الذہب مسعودی۔

اس کے عہد کے علماء میں بعض کمزور تھے اور بعض نڈر، مامون کا اتالیق جعفر برمکی تھا وہ مذہباً شیعہ تھا مگر عموماً تقیہ کئے رہتا۔ اس کی صحبت نے مامون کو شیعیت پر کچھ مائل کر دیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے :-

"بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی کو شیخین سے افضل مانتا تھا۔" [1]

جعفر برمکی کو کثرت سے کنیزیں رکھنے کا شوق تھا۔ اس نے مامون کو بھی اس کا چسکا ڈال دیا اور وہ متعہ کے جواز کا قائل ہو گیا۔ اس نے اس کی عام منادی کرا دی۔ اہلِ سنت پر یہ امر شاق گزرا۔ درباریوں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو آمادہ کیا کہ وہ متعہ کے بارے میں مامون الرشید سے گفتگو کریں۔ چنانچہ قاضی یحییٰ دوسرے دن دربار میں پہنچے۔ اس وقت مامون برہمی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ابوبکرؓ کے زمانے میں دو متعہ تھے میں ان کو روکتا ہوں"

نقل کر کے کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی رسول اللہ اور ابوبکر کے زمانہ میں اجازت تھی اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟

قاضی صاحب بیٹھ گئے ان کا چہرہ متغیر تھا۔ مامون نے پوچھا یحییٰ آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے؟ انھوں نے کہا امیر المومنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ یحییٰ نے کہا زنا کی حلت کا اعلان۔ مامون نے تعجب سے پوچھا۔ زنا؟ یحییٰ نے کہا کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کلامِ الٰہی کی یہ آیت "اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" تمتع صرف دو طرح کی عورتوں سے جائز ہے بیوی سے یا لونڈی سے"، پڑھکر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۲ ۔

پوچھا کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے؟ مامون بولا نہیں۔ یحییٰ نے پوچھا۔ تو پھر کیا وہ بیوی ہے؟ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے اور یہ اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں؟ مامون نے کہا نہیں۔ یحییٰ نے کہا جب ممتوعہ ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے تو پھر یہ قرآن کے مقررکردہ حدود سے باہر ہے۔ اس استدلال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت یحییٰ نے سنائی کہ :۔

"مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں متعہ کی حرمت کی جس کی پہلے آپ نے اجازت دی تھی منادی کردوں"

اس گفتگو کے بعد مامون نے اپنے فعل سے استغفار کیا اور متعہ کی حرمت کی منادی کرادی[1]

ہمعصر علماء و شعراء و اُدباء

فقہاء ومحدثین سفیان بن عُیینہ یحییٰ بن معین، امام شافعی، محمد بن سعد کاتب واقدی، یحییٰ بن سعید القطان، یونس بن بُکیر راوی مغازی، ابو مطیع بلخی شاگردِ امام ابوحنیفہ زاہد معروف کرخی، ابن علیہ، اسحاق بن فرات قاضی مصر، حسن بن زیاد الشولوی شاگردِ امام ابوحنیفہ، اسحاق بن بشر مصنفِ کتاب المبتدا، ابو عمر الشیبانی لغوی، حماد بن اسامۃ الحافظ اشہب شاگردِ امام مالک، زید بن حباب دروح بن عبادہ، ابوداود الطیالسی، غازی بن قیس ابوسلمان الدرانی، قتیبہ بن مہران شاگردِ امام مالک، امام واقدی، ابوحسان زیادی، محمد بن نوح العجلی، علی بن نوح العجلی، علی بن مقاتل، یہ حضرات مذہبی علوم کے ستون تھے۔ ان کے حالات مشہور ومعروف ہیں[2]

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰ [2] ان کے حالات ابن خلکان میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

شعراء صریع الغوانی، ابراہیم صولی، ابومحمد، اصمعی بصری، ابوحفصہ ابوعبیدہ متوفی ۲۰۹ھ ابوعمر الشیبانی ایسے شعراء کثرت سے تھے جن میں سے ہر ایک ملک الشعراء کہلانے کا مستحق تھا۔

ادباء فرا نحوی متوفی ۲۰۷ھ نضر بن شمیل، یزیدی لغوی متوفی ۲۰۲ھ کلثوم تعالی ابن الاعرابی متوفی ۲۳۱ھ ثعلب نحوی، اخفش نحوی متوفی ۲۰۶ھ قُطرب نحوی متوفی ۲۰۶ھ۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے فنِ ادب وعربیت کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ ان کے حالات تفصیل سے تاریخ ابن خلکان میں درج ہیں۔ اصمعی کی ۳۵ تصانیف ہیں ۲۱۶ھ میں انتقال کیا۔ (ابن خلکان)

بعض دیگر مشاہیر

عیسیٰ بن یوسف کوفی محدث ثقہ فقیہ جیّد تھے۔ حدیث اعمش اور امام مالک سے سُنی اور فقہ امامِ اعظم سے حاصل کی۔ مامون نے ان کو تکریمِ حدیث کے دس ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجے انہوں نے واپس کر دیئے۔ پھر دوچند بھیجے وہ بھی واپس کر دیئے اور فرمایا یہ خاک بمقابلہ حدیث رسول اللہ کے لائق قبول نہیں۔ پینتالیس جہاد اور پینتالیس حج کئے۔ امام بخاری ومسلم نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

حسن بن زیاد کوفی امامِ اعظم سے تلمذ ہے۔ ایک عرصہ تک قاضی رہے۔ وفات ۲۰۴ھ میں ہُوئی۔

موسیٰ بن سلمان جوزجانی، کنیت ابوسلیمان ہے فقیہ ومحدث تھے۔ امام محمد سے فقہ حاصل کی۔ حدیث امام ابویوسف وابن المبارک سے سماعت کی۔ زہد وعبادت کی وجہ سے عہدۂ قضا سے انکار کیا ۲۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

عصام بن یوسف بلخی، فقہ امام ابویوسف سے حاصل کی ۲۱۰ھ میں وفات پائی۔

حسین بن حفص فقیہ و محدث امام ابو یوسف کے شاگرد، مسلم و ابن ماجہ نے اُن سے روایت کی ہے۔ اصفہان کے قاضی تھے سخی، زاہد۔ ۲۱۰ھ میں وصال ہوا۔

ابراہیم بن رستم مروزی شاگردِ امام محمد کو عہدۂ قضا مل رہا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ نیشاپور میں انتقال کیا۔

معلیٰ بن منصور الرازی، فقیہ، حافظِ حدیث، فقہ میں امام ابو یوسف و امام محمد کے اصحاب میں سے ہیں۔ حدیث امام مالک، لیث، ابن عیینہ سے سماعت کی۔ ان سے ابن المدینی و ابن ابی شیبہ و امام بخاری نے استفادہ کیا۔ ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

ضحاک بن مخلد بن مسلم العصری، ابو عاصم کنیت تھی۔ امام اعظم سے شرفِ تلمذ ہے۔ اصحابِ صحاح ستہ نے اُن سے تخریج کی۔ ۲۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

اسماعیل بن حماد بن امام ابی حنیفہ کوفی فقہ حماد اور حسن بن زیاد سے پڑھی تھی، فقیہ، عابد، زاہد، صالح متدین۔ ۲۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

بشر بن ابی الازہر نیشاپوری کوفہ کے مشہور فقہاء میں سے ہیں۔ ثقہ، محدث، امام ابو یوسف سے فقہ اور ابن المبارک سے حدیث حاصل کی۔ ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ جامع فقہ قدریہ و مرجیہ پر رسائل یادگار ہیں۔

خلف بن ایوب بلخی امام محمد و زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ، محدث، عابد و زاہد صالح تھے۔ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہے۔ ان سے طریقِ زہد حاصل کیا۔ ۲۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ امام زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ محدث، ثقہ فقیہ جید تھے۔ ائمہ صحاح ستہ نے اُن سے استفادہ کیا۔ عسکرِ بغداد و بصرے کے قاضی رہے۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن الجراح کوفی، فقیہ، محدث، امام ابو یوسف کے شاگرد تھے

۲۱۷ھ میں انتقال ہوا۔

ابو منذر ہشام ابن ابی نصر محمد بن سائب بن بشر بن عمرو کلبی نسابہ کوفی علم انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی کتاب جمہرہ علم نسب میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔

مامون الرشید کے لئے کتاب فرید انساب برمکی اور الملوکی جعفر برمکی کی خاطر تصنیف کی۔ کثیر التعداد کتب کا مصنف ہے۔ ۲۰۴ھ ۸۱۹ء میں انتقال ہوا[1]

مسئلہ خلق قرآن اور مامون

خلق قرآن کا مسئلہ سب سے پہلے ہشام اموی کے زمانے میں جعد بن درہم نے پیش کیا تھا۔ لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے خالد قشری گورنر عراق کے پاس بھیج دیا۔ ہشام نے جعد کے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ خالد نے اُسے قید کر دیا قتل نہیں کیا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خالد کو ملامت کی۔ اور پھر قتل کی تاکید کی۔ خالد نے اُسے قید خانہ سے نکالا۔ جب عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ چکا تو اُس نے اپنے خطبہ میں کہا۔

"لوگو! اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور قربانی کرو اللہ تعالےٰ اسے قبول کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج جعد بن درہم[2] کی قربانی کروں اس لئے وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے گفتگو نہیں کی اور نہ ابراہیم خلیل اللہ کو اپنا دوست بنایا۔ توبہ توبہ جعد کتنی بڑی بات کہتا

---

[1] فاجۃ الطرب فی تقدمات العرب صہ ۶۶۔

[2] جعد بن درہم نے خلق قرآن کا عقیدہ ابان بن سمعان سے اور ابان نے طالوت سے اخذ کیا تھا اور طالوت نے یہ عقیدہ اپنے داماد لبید بن الاعصم یہودی سے لیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا۔ طالوت نے سب سے پہلے اس مسئلہ پر کتاب لکھی وہ خود زندیق تھا اور اس نے زندقہ کی اشاعت کی۔

ہے، پھر وہ ممبر سے اترا اور جعد کو ذبح کر دیا۔"

خلقِ قرآن کی بدعت کا آغاز عہدِ اموی میں ہو گیا تھا۔ چونکہ فضا موافق نہ ملی اس کی اشاعت نہ ہوئی۔

منصور کے زمانے میں علومِ عقلیہ کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔ ہادی کے عہد میں متکلمین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو عقائدِ دین پر عقلی اصول کے ساتھ بحث کرتا رہتا۔ یہ لوگ چند ایسے نتائج پر پہنچ گئے تھے جو علماءِ دین کے مسلمہ عقائد سے مختلف تھے۔ اس لئے جمہور علمائے اسلام نے اس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی پہلے پہل بصرہ سے منصور کے عہد میں یہ بدعت شروع ہوئی۔ واصل بن عطا، غزال اور عمرو بن عبیدہ جو منصور کے ندیم تھے وہ مخترع تھے ان کے تابع بہت سے لوگ ہو گئے۔ ان کے بعد ابُو ہذیل علاف، ابراہیم بن سیام نظام "بشر بن غیاث مرسی"، عمرو بن بحر، جاحظ اور ثمامہ ابن اشرس وغیرہ رأس المتکلمین اور رؤساءِ اعتزال کا دَور آیا۔ یہ عہد مامون کا تھا۔ اہلِ سُنّت سے جن مسائل میں متکلمین کا اختلاف تھا۔ ان میں ذیل کے دو نہایت اہم مسئلے تھے۔

(۱) مسئلہ خلقِ افعال۔ متکلمین کہتے تھے کہ بندوں کے جس قدر افعال ہیں ان کے خالق وہ خود ہیں۔ اس سبب سے وہ اُن کے اوپر جزا و سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

اہلِ سُنّت کہتے تھے کہ افعال کا بندوں سے بجز اس کے اور کچھ تعلق نہیں کہ ان کے توسط سے وہ صادر ہوتے ہیں۔ اصلی خالق ان کا اللہ تعالیٰ عزّ اِسمُہٗ ہے۔

دوسرا (۲) مسئلہ صفات کا تھا۔ معتزلہ ذاتِ الٰہی کو صفات سے منزہ و مُبرا مانتے تھے۔ یہ کہ قدرت، ارادہ، سمع، بصر، حیات اور کلام وغیرہ جو صفاتِ الٰہی ہیں بذاتِ خود قائم نہیں ہیں ورنہ قدماء کا تعدّد لازم آ جائے گا۔"

اللہ تعالیٰ اپنی عین ذات کے لحاظ سے قادر، سمیع اور بصیر وغیرہ ہے۔

اہلِ سنت صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے بلکہ قائم بالذات کہتے تھے اس

سے یہ اختلاف پیدا ہوا کہ قرآن مجید جو کلامِ الٰہی ہے حادث ہے یا قدیم۔ جمہور علمائے اسلام اس کو کلام کے صفتِ الٰہی ہونے کی وجہ سے قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے، لیکن معتزلہ کا قول تھا کہ ان حروف اور اصوات کو اللہ تعالےٰ ایک حادث جسم میں جس کو نبی کہتے ہیں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی اُن کے نزدیک وحی کی حقیقت تھی۔"

مسئلہ خلقِ قرآن معتزلہ اور علمائے اہل سنت کے درمیان زیر مناظرہ تھا۔ اصحابِ حدیث کے غلبہ کی وجہ سے متکلمین علانیہ اس خیال کی اشاعت نہیں کر سکتے تھے۔

مامون کے علمی دربار میں علمائے معتزلہ بھی شریک ہوتے۔ مجالسِ مناظرہ منعقد ہوتیں ان کے دل بڑھنے لگے۔ مامون الرشید پر بھی ان کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔

مامون، یحییٰ بن مبارک زیدی کا شاگرد تھا جو معتزلی کہے جاتے تھے۔ ثمامہ بن اشرف کے مامون سے گہرے تعلقات تھے اور ثمامہ مذہبِ اعتزال میں مسلکِ ثمامی کا بانی تھا۔ مامون الرشید اُسے اتنا پسند کرتا تھا کہ دو بار اس نے قلمدانِ وزارت اس کو پیش کیا۔ اس کے علاوہ نظام و جاحظ کی صحبت۔ غرضیکہ مامون کی طبیعت کا رُجحان اعتزال کی طرف پوری طرح ہوگیا۔ چنانچہ اس نے مسئلہ خلقِ قرآن کو زیادہ اہمیت دی۔

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں مسئلہ خلقِ قرآن کے فتنہ کی تفصیل لکھی ہے ہم اس کو بجنسہٖ یہاں نقل کرتے ہیں :۔

> در ۲۱۲ھ میں مامون نے اس عقیدہ کا اعلان کیا اور اسحاق بن ابراہیم خزاعی (طاہر بن حسین کے چچیرے بھائی) نائب السلطنت بغداد کی معرفت علمائے بغداد کو ایک خط لکھا کہ امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ خاص لوگوں سے لے کر عوام تک کو دین کی کچھ خبر نہیں ہے اور لوگ ضلالت میں گرفتار ہیں اور خدا کو اس کے قدر کے موافق نہیں جانتے اور اُس کی

کنہ و حقیقت تک نہیں پہنچتے ، نہ خالق و مخلوق کے تعلق کو سمجھتے ہیں یہ خیال ہے کہ قرآن شریف قدیم ہے اور خدا کا پیدا کردہ یا اختراع کردہ نہیں ہے حالانکہ خود خدا نے فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ہم نے قرآن کو عربی بنایا۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو خدا نے بنایا ہے وہ مخلوق ہے جیسا کہ فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور بنایا اندھیرے اور روشنی کو اور فرمایا :

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ (پ ۱۶ ع ۱۴) "اور ہم ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ان چیزوں کا بیان کرتا ہے جو بعد میں پیدا ہوئیں اس کی آیتیں محکم ہوئیں اور ان کی تفصیل خود خدا نے فرمائی۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کا خالق ہے اور مُبدِع، جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے اہلِ حق ہیں اور جو اس کے خلاف ہیں وہ اہلِ باطل ہیں اور اس بطلان و کفر پر جمے ہوئے ہیں اور جہان کو بھی دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جو لوگ راہِ راست سے رو گرداں ہو کر جھوٹوں میں مل گئے اور ان کی موافقت میں غیر خدا سے ڈرتے ہیں۔ انھوں نے حق کو بالکل چھوڑ رکھا ہے اور سوائے خدائے واحد کے اپنے من مانے خدا کے بندے ہیں اور یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ انہیں علمِ دین سے کوئی واسطہ و تعلق نہیں ہے، جاہل ہیں اور جاہلوں کے مقتداء شیطان اُن کی زبانوں سے کلام کرتا ہے، خدا کے دشمن ہیں۔ اس کے صدق پر تہمت لگاتے ہیں اور اس کی شہادت سے طرح دیتے ہیں۔ جس شخص نے سچائی سے آنکھیں بند کر لیں ان کو ایمان و توحید سے کوئی حصہ ملنے والا نہیں ہے سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے جو خدا اور اس کی وحی پر جھوٹ باندھے، اس کا خیال اور اندازہ جھوٹا ہے اور وہ خدا کی معرفت کو نہیں پہنچ سکتا

پس ایسے تمام لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سب کو ہمارا یہ خط پڑھ کر سنا دیا جائے اور ان کا امتحان کیا جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ خلق و حدوثِ قرآن کے متعلق اُن کا کیا اعتقاد ہے ؟ اور ان سے کہہ دیا جائے کہ جو شخص اپنے دین پر قائم نہیں ہے اس کی ہم حفاظت اپنے ذمہ نہیں لیتے۔ اگر وہ خلقِ قرآن کے قائل ہو جائیں تو خیر ورنہ ان سے کہا جائے کہ قرآن شریف سے اپنے اعتقاد کا ثبوت دکھلاؤ۔ جو شخص خلقِ قرآن کا مُقِر نہ ہو اُس کی شہادت قبول نہ کی جائے اور اُن کے نام ہم کو لکھ کر بھیج دیئے جائیں اور اپنے ماتحت قاضیوں کو بھی یہی حکم دیدو اور تاکید کر دو۔"

محمد بن سعد کاتب، یحییٰ بن معین ، ابو خیثمہ، ابو مسلم یزید بن ہارون، اسمٰعیل بن داؤد، اسمٰعیل بن ابو مسعود احمد بن دورقی کو بلوا بھیجا۔ یہ لوگ آئے اور ان کا خلقِ قرآن کے مسئلہ میں امتحان کیا اور جب تک ان بزرگوں نے قرآن شریف کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کر لیا ان کو رقہ سے بغداد نہ آنے دیا۔ پہلے تو ان سب نے اس مسئلہ میں توقف کیا مگر آخر تقیہ کر کے قائل ہو کر جان بچائی۔

مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ فقہاء و مشائخ حدیث کو بلا کر مطلع کر دو کہ مفصلہ بالا علماء نے خلقِ قرآن کو مان لیا ہے۔ اسحاق نے حکم شاہی کی تعمیل کی۔ آخرش بعض لوگوں نے مان لیا۔ مگر اکثر نے نہ مانا۔ یحییٰ بن معین نے بعد میں فرمایا کہ ہم نے بھی خلقِ قرآن کو محض تلوار کے خوف سے مانا ہے۔ مامون نے اسی پر بس نہیں کیا ہے پھر اسحاق بن ابراہیم کو حکم بھیجا کہ جو لوگ خلقِ قرآن کے منکر ہیں ان کو طلب کرو اور ان سے دریافت کرو۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل، بشر بن ولید کندی ابو حسان الزیادی، علی بن ابو مقاتل فضل بن غانم، عبید اللہ بن عمر قواریری، علی بن جعد، سجادہ بن ہشیم ذیال بن ہثیم، قتیبہ بن سعید، سعدونیہ الوسطی، اسحاق بن ابو اسرائیل، ابن ہرس، ابن علیہ الاکبر، محمد بن نوح

العجلی، یحییٰ بن عبدالرحمٰن عمری، ابونصر تمار، ابوالعمر القطیعی، محمد بن حاتم بن میمون پکڑ کر بلائے گئے اور ان سب حضرات کو مامون کا خط سنایا گیا۔ سب نے سرگوشیاں کیں۔ اشارے دکنایہ کے بعد مسئلہ کا اقرار کیا نہ انکار۔ آخر اسحاق نے بشر بن ولید سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو امیر المومنین کا یہ عقیدہ مدت سے معلوم ہے۔ اسحاق نے کہا کہ اب تو امیر المومنین نے تجدید کی ہے اور ان کے گرامی نامہ کی تعمیل لازمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ اسحاق نے کہا کہ میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ بتلائیے کہ آپ اس کو مخلوق مانتے ہیں یا نہیں؟

انہوں نے کہا کہ جو کچھ میں کہہ چکا ہوں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا اور میں تو امیر المومنین سے عہد کر چکا ہوں کہ اس مسئلہ میں کلام نہ کروں گا۔ پھر اسحاق نے علی بن ابومقاتل سے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ وہ بولے کہ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف کلامِ خدا ہے اور اگر امیر المومنین کچھ اور کہیں تو ہم اسے سننے اور ماننے کو تیار نہیں۔ ابوحسّان نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔ پھر امام احمد بن حنبل سے پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ قرآن شریف کلامِ خدا ہے۔ اسحاق نے کہا کہ وہ مخلوق ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا۔

ابن بکار الاکبر نے کہا کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف بنایا گیا ہے اور محدث ہے کیونکہ اس پر نص وارد ہے۔ اسحاق نے کہا کہ جو چیز بنائی جائے وہ مخلوق ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر اسحاق نے پوچھا کہ تو پھر قرآن شریف مخلوق ہے وہ بولے میں یہ نہیں کہتا۔

غرض ان سب علماء کے بیانات تحریر کر لئے گئے اور خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیئے۔

مامون اُن کو پڑھ کر برافروختہ ہو گیا اور اسی وقت اس کا جواب لکھا کہ اسحاق

تمہاری تحریر ہماری نظر سے گزری اور ان لوگوں کے جوابات معلوم ہوئے جو خود کو اہلِ قبلہ کہتے ہیں اور درحقیقت نہیں ہیں۔ جو لوگ قرآن کو مخلوق نہیں مانتے ان کو فتوے و روایتِ حدیث و درسِ قرآن سے منع کر دیا جائے۔

بشر نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ بولا ہے۔ امیر المومنین اور اس کے درمیان میں کوئی عہد نہیں ہوا۔ ہمارا اعتقاد و اخلاص کہ قرآن شریف مخلوق ہے سب کو معلوم ہے۔ ان سب علماء کو پھر طلب کرو اور ان سے پھر پوچھو۔ اگر وہ اپنے عقیدہ سے توبہ کریں تو اس کا اعلان کر دو۔ اگر وہ اپنے عقیدہ پر اصرار کریں تو اُن کو قتل کر دو اور ان کے سر ہمارے پاس بھیج دو۔ ابراہیم بن مہدی کا بھی امتحان کرو اگر وہ خلقِ قرآن کو مان جائیں تو خیر ورنہ ان کی بھی گردن مار دو۔ علی بن مقاتل سے کہنا کہ کیا تم نے امیر المومنین سے نہیں کہا کہ تم نے حلال اور اس کے ساتھ حرام بھی کھایا ہے۔ ذیال سے کہنا کہ تم نے کھانے میں چوری کی ہے۔ احمد بن یزید ابو العوام اور ان کا یہ قول کہ اس سے بہتر جواب اعتقادِ قرآن میں وہ نہیں دے سکتے معلوم ہوا۔ ان سے کہہ دو کہ تم گو عمر میں بوڑھے ہو مگر عقل میں بچے اور جاہل ہو۔ جب آدمی پڑھ لکھ جاتا ہے تو اس کو ٹھیک جواب دینا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو تلوار اُن کا علاج ہے۔ (امام) احمد بن حنبل کو کہہ دو کہ امیر المومنین کو تمہارا بیان معلوم ہوا ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا۔ ان کا جواب ان کے جہل اور آفت پر دلالت کرتا ہے۔ فضل بن غانم سے کہہ دو کہ جو کچھ مصر میں ان سے واقع ہوا اُس سے نہیں ڈرتے ہو۔ یعنی قاضی ہونے کی حالت میں تم نے ایک سال میں اس قدر مال کما لیا۔ زیادی سے کہہ دو کہ تم بالکل جاہل ہو۔ ایک چیز کا دعوے کرتے ہو اور پھر اس کا انکار کرتے ہو۔ ابو نصر التمار سے کہہ دو کہ تمہاری کم عقلی اور بخیلی کا امیر المومنین کو پہلے ہی علم تھا۔ ابن نوح اور ابن حاتم سے کہہ دو کہ سود کھاتے کھاتے تم میں سے قبولِ توحید کا مادہ جاتا رہا ہے۔ اگر امیر المومنین تم سے سود کھانے کے جُرم میں جنگ کریں تو جائز ہے۔ قرآن شریف میں تمہارے

ہی جیسے لوگوں کی نسبت وعید نازل ہوئی ہے۔ جو شخص سود لیتا ہے وہ مشرک بھی ضرور ہو گا اور عیسائیوں کا پس خوردہ کھانے والا تو ضرور ہی سمجھا جائے گا۔ ابن شجاع سے کہہ دو کہ تم وہ مال کھا چکے ہو کہ جو تمہیں کھانا جائز نہ تھا۔ ایسے آدمی کی عقل اگر نہ جاتی رہے تو تعجب ہے۔ سعدونیہ واسطی سے کہہ دو کہ جس شخص نے جھوٹی حدیثیں بنائیں اور ریاست کی حرص رکھی اس کا انجام اچھا نہ ہو گا۔ سجادہ سے کہہ دو کہ جو شخص علی بن یحییٰ وغیرہ کی امانتیں کھا گیا اس کو توحید سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قواریری سے کہہ دو کہ تمہارے حالات یہاں تک کہ رشوت کا لینا بھی ہم کو معلوم ہے، تمہارے مذہب اور طریقوں اور عقل و دین کی بھی ہمیں خبر ہے۔ یحییٰ عمری اگر اولادِ عمر بن خطاب سے ہوں تو ان کا جواب معروف ہے۔

محمد بن حسن بن علی بن عاصم اگر سلف کا مقتدی ہے تو وہ پرانی روایتوں سے ایک قدم بھی تجاوز نہ کرے گا اس صورت میں ان کی حیثیت ایک بچے سے بڑھ کر نہیں ہے کہ جس کو تعلیم کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ امیر المومنین نے حصولِ قرآن شریف میں ان کی محنت دیکھ کر ان کے ساتھ ابو مسہر کی معرفت بڑی نیکی کی تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ تردد میں پڑے رہے۔ آخر امیر المؤمنین نے تلوار سے دھمکا کر ان سے اقرار لیا۔ مگر معلوم ہوا وہ اقرار جھوٹا تھا۔ اگر وہ اپنے اقرار پر قائم رہیں تو اس کا اعلان کرا دو۔ نیز جن لوگوں کا ہم نے نام لیا ہے اگر وہ اپنے شرک سے باز نہ آئیں تو بشر بن مہدی کے سوا سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دو۔

کہتے ہیں کہ یہ حکم سُن کر امام احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح، قواریری کے علاوہ سب نے خلقِ قرآن کا اقرار کر لیا۔ اسحاق نے ان چاروں کو گرفتار کر لیا اور قید خانہ میں پھر ان سے ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ سجادہ اور قواریری نے ڈر کر مان لیا۔ مگر امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے کسی طرح اقرار نہ کیا۔ ان دونوں کو پابہ زنجیر طرطوس کی طرف روانہ کر دیا۔ لیکن ابھی یہ پہنچنے بھی نہ

پائے تھے کہ مامون کو معلوم ہوا کہ اس گروہ میں جس جس نے اقرار کیا ہے محض جان کے خوف سے کیا ہے۔ اس پر اس نے سخت اظہارِ ناراضگی کیا اور تمام علماء کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے اور خلیفہ کے پاس روانہ کئے گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی کارسازی دیکھو کہ یہ ابھی رقہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ راستہ میں ہی مامون کے مرنے کی خبر پہنچ گئی اور اللہ تعالےٰ نے ان کی مشکلات آسان کر دیں ۔[1]

دراصل ابن ابی داؤد رئیس معتزلہ نے مامون کو اس مسئلہ میں سخت گیر کر دیا تھا۔ ائمہ حدیث اور علمائے امت مصیبت اور آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے ۔ ایک ایک علمی مسئلہ کو دینی عقیدہ قرار دے کر مامون نے اپنی قوت وسطوت کے زور سے جبرًا لوگوں سے تسلیم کرانا چاہا اور بعض ان ائمہ اور پیشوایانِ دین سے مخاطب ہوا جن کے سامنے مامون کی علمی استعداد صفر کے درجہ میں تھی ۔

مامون کی آخری زندگی فلسفہ اور اعتزال کے نذر ہوگئی۔ مرتے وقت معتصم سے وصیّت کر گیا کہ اس مسئلہ کو جبرًا منوایا جائے ۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۷ ۔

خلیفہ المعتصم باللہ عباسی

خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بروایت ذہبی معتصم ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں اُم ولد مولدات کوفہ سے تھی اس کا نام "مارِدہ" تھا۔

تعلیم و تربیت ہارون الرشید معتصم کو بہت چاہتا تھا۔ ایک تعلیم یافتہ غلام ہر وقت معتصم کے ساتھ رہتا جو اُسے پڑھاتا رہتا۔ جب وہ غلام مر گیا تو ہارون نے کہا محمد اب تو تمہارا غلام بھی مر گیا اب بتلاؤ۔ معتصم نے کہا ہاں قبلہ وہ مر گیا اور کتاب کی بلا سے میں چھوٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا بہت لکھ سکتا تھا اور کچھ کچھ پڑھ بھی سکتا تھا[1]۔

معتصم بڑا قوی اور شجاع اور صاحبِ معلومات تھا اس کو فنونِ حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ شجاعت اور تہور اس کی جبلت میں داخل تھا۔

مامون کے زمانے میں شام اور مصر کا والی رہا۔ شجاعت کی وجہ سے مامون اس کی بہت قدر کرتا تھا۔

مامون نے اپنے بیٹے عباس کو خلافت سے محروم کر کے اپنے بھائی معتصم کو ولی عہد مقرر کیا۔

خلافت مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ رجب ۲۱۸ھ، ۸۳۳ء کو طرطوس میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ لشکریوں نے بیعت کے وقت شور و غل مچایا کہ عباس بن مامون سریرِ خلافت پر متمکن کیا جائے۔ معتصم

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۲۔

نے عباس کو دربارِ خلافت میں طلب کیا۔ عباس نے حاضر ہو کر بطیبِ خاطر معتصم سے بیعت کر لی۔ اس طرح یہ شور و غوغا فرو ہو گیا۔

انہدامِ طوانہ تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے معتصم نے یہ کیا کہ طوانہ کو جسے مامون نے آباد کر دیا تھا منہدم کرا کے ان لوگوں کو جو بسائے گئے تھے ان کے گھروں کو واپس کیا اور جس قدر ذخائر و اسلحہ وہاں جمع کئے گئے تھے ان سب کو اپنے ساتھ لایا اور جو لایا نہ جا سکا وہ جلا دیا گیا[1] یہ شعبان ۲۱۸ھ کا بغداد میں رونق افروز ہوا۔

علویوں کا دعویٰ مامون کے عہد میں اہلِ بیت نے دعویٰ خلافت کیا۔ مگر اس تحریک کا بھی وہی حشر ہوا جیسا کہ بیشتر ہوتا رہا تھا۔ معتصم کے عہد میں اہلِ بیتِ کرام میں محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی زین العابدین بن حسین علیہ السلام تھے۔ محمد بن قاسم مدینہ منورہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ عابد، زاہد نیک سیرت مشہور تھے۔ شیعہ امامیہ کے امام نہم محمد جواد کا ۲۵ سال کی عمر میں ۲۲۰ھ میں وصال ہوا ان کے نکاح میں مامون کی بیٹی ام الفضل تھی وہ بیوہ ہو جانے کے بعد اپنے چچا معتصم کے یہاں آ گئی۔

امام جواد کے بیٹے ابو الحسن علی ہادی کی عمر اس وقت سات سال کی تھی ان کو شیعوں نے اپنا امام قرار دیا۔

محمد بن قاسم مذکور کو زیدیہ جماعت نے اپنا امام بنایا۔ ایک فتنہ پرور خراسانی مدینہ آیا اور وہ محمد بن قاسم کے پاس رہنے لگا۔ اس نے یہ خیال ان کے ذہن میں مستحکم کر دیا کہ "آپ ہی مستحقِ امامت ہیں"۔[2]

جو لوگ خراسان سے حج کرنے آئے اُن کو امام کے پاس لا کر اُن سے بیعت کرائی۔ پھر تو کچھ عرصہ میں معتقدین کی کثرت ہو گئی اور خراسانی امام محمد کو لے کر

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۲۶ [2] ایضاً ص ۱۲۷

"جوزجان چلا گیا اور مصلحتاً کچھ روز دونوں روپوش رہے۔ جب رؤساء و امراء بھی بیعت میں شریک ہو گئے تو اس نے امام محمد بن قاسم کو ظہور کرنے کی رائے دی اور لوگوں کو علانیہ" رضا من آل محمد" کی دعوت دینے لگا۔ عبداللہ بن طاہر نے اس طوفان کے روکنے کی طرف توجہ کی۔ اطرافِ طالقان میں متعدد لڑائیاں ہوئیں اور ہر لڑائی میں امام محمد بن قاسم کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ آخر امام میدان سے ہٹ گئے اور نساء پہنچے۔ وہاں کے عامل نے گرفتار کر کے ان کو عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے معتصم کے یہاں روانہ کیا۔ معتصم نے ۲۱۹ھ میں ان کو قید خانہ سامرا میں رکھا۔ عید کے موقعہ پر قید خانے سے نکل کر ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا سراغ ہی نہ لگا۔

زیدیہ کی جماعت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ وہ ہی امام مہدی ہیں کہ زندہ غائب ہو گئے۔ جب ظلم وستم سے دنیا بھر جائے گی اس وقت ظاہر ہوں گے۔ ان کے غائب ہوتے ہی ہمراہی منتشر ہو گئے۔

بابک خرّمی کا انجام

مامون نے مرتے وقت معتصم کو وصیت کی تھی کہ خرّمیوں سے غفلت نہ کرنا ورنہ ان کا فتنہ خطرناک ہے۔ معتصم نے اپنے سب سے بڑے ترکی سپہ سالار" افشین"، کو بابک کی مہم پر متعین کرنا چاہا اس کی روانگی سے پہلے ابوسعید محمد بن یوسف کو" اردبیل" بھیجا تا کہ وہ منہدمہ قلعے جو خرّمی کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے اُن کی مرمت کرائے۔ اس نے" زنجان" سے" اردبیل" تک کل قلعوں کو درست کرایا اور ان قلعوں کو سامانِ حرب و غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط اور مستحکم کیا۔ اس درمیان میں بابک اور اُس کے سردار عصمت نے متعدد حملے کئے۔ ابوسعید نے ان کو شکست پر شکست دی۔

برید کا بہترین انتظام کیا گیا۔ اُردبیل سے دارالخلافہ تک چار یوم میں خط

لہ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱۔

پہنچتا تھا۔ امیر العسکر "افشین حیدر بن کادس"، کو معتصم نے جبال کی گورنری مرحمت کر کے جنگ بابک پر روانہ کیا۔ افشین نے میدانِ کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد رسانی کا انتظام کیا۔ راستوں کو خطرات سے پاک وصاف کرنے کی غرض سے چوکیاں بٹھائیں تجربہ کار سپہ سالاروں کو پٹرول پر متعین کیا جو شب و روز اردبیل سے اس کے لشکرگاہ تک گشت کیا کرتے اور چاروں طرف جاسوس بھیج دیئے۔

افشین اور بابک میں عرصہ تک معرکے رہے۔ معتصم نے بغا الکبیر کو معہ کثیر التعداد فوج اور مال اسباب کے افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک کو خبر ہوئی تو وہ شب خون مارنے کے خیال میں چلا۔ افشین کو اس کی خبر ہوگئی اس نے اپنے حسن تدبیر سے بغا الکبیر کو نکال لیا مگر ہیثم نامی سپہ سالار سے بابک کا مقابلہ ہوگیا۔ ہیثم کو مقابلہ میں ناکامی ہوئی مگر افشین نے بابک کے عقب سے حملہ بول دیا۔ بابک کی تمام فوج اس معرکہ میں کام آئی۔ بابک کمال بے سروسامانی سے معہ معدودے چند آدمیوں کے بھاگ کر "موقان" پہنچا۔ وہاں بقیہ لشکر کو طلب کر کے مقام "بد" میں آیا۔

ربیع الاول ۲۲۲ھ میں افشین نے بابک کے مرکز قصبۂ "بد"، پر تاخت کی۔ ادھر معتصم نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان لشکر معہ تیس لاکھ درہم مصارف فوج کے لئے روانہ کئے۔ فریقین میں سخت خونریز جنگ ہوئی۔ آخر میں افشین اور جعفر خیاط کی فوج غالب آکر "بد"، میں داخل ہوگئی۔ محلات میں آگ لگادی گئی۔ بابک جان لے کر بھاگا۔ ابوالسفاح نے تعاقب کیا۔ اس کی ماں اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار ہوگئے۔ بابک جبال ارمینہ میں جا چھپا۔ افشین کے جاسوس اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ سہل بن ساباط نے بابک کو دیکھ لیا اور اس کی تعظیم و توقیر کی اور اپنے قلعہ میں لاکر رکھا اور افشین کو اطلاع دیدی۔ چنانچہ دوسرے دن بابک کو شکار کے بہانے جنگل میں لاکر افشین کے سپہ سالاروں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔ بابک افشین کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے قید خانہ میں اس کو

بھیج دیا۔ اس حسنِ خدمت کے صلہ میں معاویہ بن سہل کو ایک ہزار درہم اور سہل کو ایک لاکھ درہم اور ایک پیٹی جواہر نگار مرحمت کی۔ معتصم کے حضور میں افشین نے تمام رو داد بھیجی۔ خلیفہ نے افشین کو سامرہ طلب کیا۔ افشین شوال ۲۲۲ھ کو "برزند" سے سامرہ روانہ ہُوا۔ ہر منزل پر خلیفہ کے حکم سے افشین کی کمال عزت افزائی کی جاتی۔ اور ایک قاصد خاص خلیفہ کا معہ خلعتِ فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑے کے افشین سے ملتا۔ جس وقت افشین سامرہ کے قریب پہنچا ولی عہد بہادر شہزادہ واثق باللہ معہ سرداران و ارا کین سلطنت کے استقبال کو آئے اور کمال توقیر سے "قصرِ مطیرہ" میں افشین کو ٹھہرایا۔ اور اسی قصر میں بابک کو زیر حراست رکھا۔

خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس کو قیمتی خلعت پہنائی گئی۔ بیس لاکھ درہم بطور صلے مرحمت فرمائے گئے اور دس لاکھ درہم اس کے لشکر میں تقسیم کئے گئے۔ اس کے بعد صفر ۲۲۳ھ میں دربار میں معتصم نے بابک کو طلب کیا اور اُس سے کہا ظالم تُو نے بیس برس میں ایک لاکھ پچپن ہزار آدمیوں کو قتل کیا اور ہمارے سپہ سالاروں یحییٰ بن معاذ، عیسیٰ بن محمد بن ابی خالد احمد بن جنید۔ زریق بن علی بن صدقہ محمد بن حمید طوسی اور ابراہیم بن لیث کے ساتھ کیا کیا سلوک کیے۔ اس کے بدلہ میں حکم دیا گیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ بابک کا سر خراسان بھیجا گیا اور لاشہ کو سامرہ میں صلیب پر چڑھایا۔ بابک کے پنجۂ ظلم سے ساٹھ ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور ان کے بچے چھوڑ ائے گئے۔ بابک کے تمام خاندان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا[1] اور اس کے بھائی عبداللہ کو بغداد میں سُولی پر چڑھایا گیا[2] آرمینیہ اور آذربائیجان میں بابکیوں کی شورش سے بدنظمی پھیل گئی تھی۔ سہل بن سنباط نے سر اٹھایا اور ران پر قبضہ کیا۔ محمد بن سلیمان ازدی نے بقوت اس کی مزاج پرسی کر دی۔ ابن سنباط راہِ راست پر آگیا اور

---

[1] تاریخ ابن خلدون صفحہ ۱۳۰ تا ۱۴۲ کتاب ثانی جلد ہفتم۔ [2] یعقوبی جلد ۳ صفحہ ۵۷۰۔

معذرت خواہ ہو کر مطیع ہو گیا۔

ورثان بن محمد بن عبداللہ نے آرمینیہ میں بغاوت برپا کی۔ سپہ سالار افشین نے منکجو کو اس کے استیصال کے لئے بھیجا لیکن علی بن یحییٰ ارمنی نے خلیفہ سے کہہ سنکر ورثان کا قصور معاف کرا دیا اور آرمینیہ کی حکومت محمد بن خالد کو عطا ہوئی۔ مگر یہ ملکی انتظام میں قاصر رہا تو حمدویہ بن علی کا تقرر عمل میں آیا جس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں آتے ہی آرمینیہ میں امن و امان قائم کر دیا۔

"مازیار" والی طبرستان عباسی حکومت کا باجگذار تھا اور خراج حاکم خراسان کو ادا کیا کرتا۔ مگر عبداللہ بن طاہر اور مازیار بن قارن سے باہمی کشیدگی چند وجوہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ معتصم اس سے خود خراج وصول کر کے عبداللہ کو بھجوا دیا کرتا۔ رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ عبداللہ کا جادو چل گیا اور معتصم "مازیار" سے بگڑ بیٹھا۔

افشین کو عبداللہ سے خلش تھی اور افشین کا دلی منشا یہ تھا کہ خراسان کی ولایت سے عبداللہ بن طاہر کو نکال کر خراسان اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے۔ افشین نے مازیار کو گانٹھا اور عبداللہ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ چنانچہ مازیار نے علمِ بغاوت بلند کر دیا اور دو مہینے کے اندر علاقہ کا ایک سال کا خراج وصول کر لیا۔ آمل، ساریہ، ملبس کے باشندوں کو ہرمز آباد منتقل کر کے یہاں مقابلہ کے لئے تین میل لمبی ایک شہر پناہ تعمیر کرائی اور ایک بڑی خندق کھدوائی۔ یہ تیاریاں دیکھ کر اہلِ جرجان نے شہر خالی کر دیا۔

معتصم اور عبداللہ کو مازیار کی حرکتوں کی خبر پہنچ رہی تھی چنانچہ ہر وقت اپنی فوجیں اس کی سرکوبی کے لئے بھیجی گئیں۔ مازیار ہر طرف سے گھر گیا اور نو تعمیر شہر میں مقابلہ کے بعد روپوش ہو گیا۔ اس کے بھائی فوہیار نے اس کو امان دلانے کے بہانہ اس کو گرفتار کرا دیا۔ مازیار معتصم کے پاس روانہ کیا گیا۔ معتصم نے اُسے کوڑوں سے پٹوایا جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی

نو ہیار کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اس طرح طبرستان کا پورا علاقہ نئے سرے سے دولتِ عباسیہ کے زیرِ نگین آگیا۔

منکجور باغی کا انجام افشین کا ایک عزیز منکجور تھا۔ افشین نے اس کو آذر بائیجان کا حاکم بنا دیا تھا۔ بابک خرمی کا جمع کیا ہُوا خزانہ اُس کے ہاتھ لگا۔ معتصم کے جاسوس نے اطلاع دی۔ معتصم نے منکجور سے دریافت کیا وہ خزانہ کا انکار کر گیا اور جاسوس کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ آردبیل کے باشندوں نے روکا بھی تو اُن سے بگڑ بیٹھا۔ معتصم کو اس کی بھی اطلاع ہو گئی۔ اس نے افشین کو منکجور کی معزولی کا حکم بھیج دیا۔ یہ آسانی سے جگہ نہ چھوڑنا چاہتا تھا اس لئے افشین نے فوج سرکاری اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ منکجور مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ آذربائیجان میں قلعہ بند ہو گیا۔ کچھ مدت کے بعد ان کے ساتھیوں نے اس کو گرفتار کر کے افسر فوج کے حوالے کیا۔ افسر نے منکجور کو معتصم کے پاس سامرہ بھیج دیا۔ یہاں وہ قید کر دیا گیا۔ منکجور کی بغاوت کی وجہ سے معتصم افشین سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور اس کے ساتھ جو مراعات روا رکھتا تھا یک قلم موقوف کر دی گئیں۔

جعفر بن فہر بن حسن کی بغاوت ابھی منکجور باغی کا فتنہ ختم ہُوا تھا کہ ۲۲۵ھ میں علاقہ موصل کا ایک کُرد جعفر حکومتِ بنی عباس سے باغی ہو گیا۔ بہت سے کرد اور فتنہ پسند عوام اس کے معاون ہو گئے۔ معتصم نے عبداللہ بن سید بن انس کو جعفر کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور اُس کو ہی موصل کے علاقہ کا گورنر بنا دیا۔ جعفر اس وقت "ماتعیش" میں تھا۔ عبداللہ نے اس کو یہاں سے نکالا۔ جعفر نے دشوار راہ کا راستہ لیا۔ عبداللہ بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ موقعہ پا کر جعفر پلٹا، سخت مقابلہ رہا۔ عبداللہ کو منہ کی کھانی پڑی شکست کھا گیا اور بڑا حصہ اس کی فوج کا اس جگہ کام آیا۔ عبداللہ کی شکست کے بعد

لہ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۴

معتصم نے یہ مہم ایتاخ ترکی سپہ سالار کے سپرد کی۔ اُس نے آتے ہی جعفر کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ جعفر قتل ہُوا اور اس کے جرگہ کے تمام لوگ منتشر ہو گئے [1]

بغاوت مبرقع

۲۲۷ھ میں فلسطین میں ابوحرب الملقب بہ مبرقع برقع پوش نے بغاوت کی۔ اس کا سبب یہ ہُوا کہ ایک عباسی افسر فوج نے مبرقع کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں قیام کرنا چاہا۔ اس کی بیوی نے منع کیا۔ فوجی نے اس کو کوڑوں سے پیٹا اور چلا گیا۔ مبرقع جب گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اس سے گزرا ہُوا واقعہ کہہ دیا۔ مبرقع غصہ میں اُلٹے پَیر لوٹا اور ڈھونڈ کر عباسی افسر کو قتل کر دیا۔ پھر حکومت کے خوف سے "اردن" کے پہاڑ میں روپوش ہو گیا اور گرفتاری کے خوف سے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھا۔

مبرقع کی نقاب پوشی اور عزلت نشینی سے عوام اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور عقیدت مند کثرت سے اس کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور معتصم کے خلاف زہر اُگلتا رہتا۔ ادھر یہ مشہور کر دیا کہ مَیں اموی خاندان سے ہوں اس لئے دنیا میں آیا ہوں کہ ان غاصبوں سے خلافت چھینوں۔

لوگ کثرت سے اُس کے ہمنوا ہو گئے اور چند یمنی روساء بھی اس کے حلقۂ عقیدت میں آ گئے۔ عموماً اس کے پیرو اُسے "سفیانی" کہا کرتے تھے۔ ان دنوں نزادی اور یمانی کا عربوں میں جھگڑا چل رہا تھا۔ ایک جماعت یمنی مبرقع کے ساتھ مل گئی۔ اس گروہ کا سردار "مبہس" نامی شخص تھا۔ مبرقع کے ساتھی فلاح اور کاشت کار زیادہ تھے۔

معتصم باللہ کو اس فتنہ کی خبر لگی تو اس نے سپہ سالار رجا بن ایوب حضاری کو ایک ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ مبرقع کی گوشمالی بخوبی کر دی جائے۔ اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۷ اور ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم۔

نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو مبرقع کے جھنڈے کے نیچے ایک عالم جمع تھا جس کی تعداد ایک لاکھ آدمیوں سے کم نہ ہو گی۔ یہ رنگ دیکھ کر رجا نے مبرقع کے لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ زراعت و کاشت کاری کا موسم آیا تو مبرقع کے معین اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ ادھر معتصم چل بسا۔ واثق سریر خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے رجا کو حکم بھیجا کہ دمشق میں نیا فتنہ اٹھا ہے پہلے اس کو ختم کر کے پھر مبرقع کی خبر لو۔ چنانچہ دمشق سے لوٹ کر رجا نے مبرقع کو گھیر کر مار لیا۔ اس کے ساتھی کھیت رہے۔ مبرقع معہ ابن بہیس کے پا بزنجیر خلیفہ کے سامنے سامرہ بھیج دیا گیا اور وہاں ۲۲۷ھ میں اپنی سزا کو پہنچا۔[1]

فتوحات

فتح عموریہ عموریہ (اموریم) ایشیائے کوچک میں رومیوں کا بڑا مرکز تھا[2] شہنشاہ روم ان دنوں تھوفلن توفیل بن منجائیل تھا۔ ۲۲۳ھ میں جب بابک خرمی عساکرِ اسلامی کی زد میں آ گیا تو اس نے اپنے بچنے کی صورت یہ پیدا کی کہ توفیل کو لکھا معتصم نے اپنی پوری قوت سے اپنے سپہ سالار خیاط جعفر بن دینار اور طباخ، ایتاخ۔ افشین کو میرے مقابلہ پر بھیجا ہے معتصم کے پاس دارالخلافہ میں اب کم فوج رہ گئی ہے۔ دارالخلافہ خالی ہے اس پر حملہ بول دو۔ ادھر سے تم آؤ ادھر میں ان کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔[2]

توفیل بابک کے چکمہ میں آ گیا ایک لاکھ رومی لشکر معہ خرمیوں کی جماعت کے زبطرہ (کپینے ڈوشیا) پر حملہ آور ہوا۔ اس نے یہاں کے مسلمان مردوں کو قتل کیا۔ بچے اور عورتیں گرفتار کر لئے گئے۔ ملیطہ وغیرہ کے قلعے لوٹے، جلائے اور

---

[1] کتاب المختار جوہری ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۷۔ [2] معجم البلدان جلد ۶ صہ ۲۲۷

[2] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۴۳۔

تباہ کیئے جو مسلمان بچے رہے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ گرفتار عورتوں میں سے ایک ہاشمی خاتون بھی تھی اس نے فریاد کی۔

"وامعتصماہ اسے معتصم میری مدد کر"۔[۱]

توفیل کے وحشیانہ مظالم، مسلمانوں کی دردناک حالت اور ہاشمی خاتون کی فریاد معتصم کے گوش گذار ہوئی وہ دربار میں تخت پر بیٹھا تھا وہیں سے بیٹھے بیٹھے لبیک میں پہنچا اور فوراً تخت سے اتر کر کوچ کی منادی کرادی اور فوجوں کو جمع کر کے خود معمولی زادِ راہ لے کر دربارِ عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق، شعبہ بن سہل اور ان کے ساتھ ۳۲۸ دوسرے ارکانِ سلطنت کو طلب کر کے ان کے روبرو وصیت کی۔

"میری جاگیر کا ایک ثلث میرے اولاد کو اور ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے اور تیسرا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہو"۔

وصیت کرنے کے بعد جمادی الثانی کو دجلہ کی مغربی سمت افواج کا پڑاؤ کیا اور عجیف بن عنبہ، عمرو الفرغانی اور دوسرے فوجی افسران کو "زبطرہ" کے مظلوموں کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ یہ اس وقت زبطرہ پہنچے کہ رومی لوٹ مار کر کے لوٹ چکے تھے۔ عجیف وغیرہ کے پہنچنے پر مسلمان جو وہاں سے چلے گئے تھے وہ لوگ پھر واپس آکر آباد ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد زبطرہ میں امن وسکون قائم ہو گیا۔[۲] اس اثناء میں عساکر اسلامی کو بمقابلہ بابک خرمی فتح یابی حاصل ہو گئی۔ معتصم نے اپنے مصاحبین اور ندیموں سے دریافت کیا۔

"رومیوں کے نزدیک کون شہر عمدہ اور مہتم بالشان ہے"۔

عرض کیا گیا عموریہ، معتصم نے یہ سنتے ہی تیاری کا حکم صادر کر دیا اور کمال تیزی اور عجلت سے اس قدر ساز وسامان جنگ اور آلاتِ حرب مہیا کیئے کہ اس سے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۲ [۲] ایضاً

پیشتر کسی جہاد میں مہیا نہیں کئے گئے تھے۔ مقدمۃ الجیش پر سپہ سالار اشناس کو اور اس کے بعد محمد بن ابراہیم بن مصعب کو میمنہ پر سپہ سالار ایتاخ کو، میسرہ پر جعفر بن دینار خیاط کو اور قلب میں عجیف بن عتبہ کو مامور کر کے کوچ کر دیا۔ بلاد روم میں جب عسکر اسلامی داخل ہوا تہلکہ پڑ گیا۔ مقام سلوقیہ میں پہنچ کے "نہرسن" پر ڈیرے ڈال دیئے گئے۔ یہ مقام طرطوس سے ایک یوم کی مسافت پر واقع تھا۔

معتصم نے "نہرسن" پر پہنچنے کے دوسرے دن امیر العسکر افشین کو سرحد حرث سے سروج کی طرف روانہ کیا اور اشناس کو یہ ہدایت کر کے کہ "صفصات" میں پہنچ کے لشکر ہمایوں کے آنے کا انتظار کرے۔ اپنی فوج کو حدود طرطوس کی جانب بڑھنے کا حکم دیا[1] اور ایک دن مقرر کر کے سب کو ایک مقام پر جمع ہونے کا حکم دے دیا[2]

شاہ روم توفیل کو جس وقت معتصم کی آمد کی خبر ہوئی اس وقت وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا اور ایک مناسب مقام پر اپنی افواج ٹھہرائیں۔ چنانچہ جیسے ہی توفیل کو افشین کی پیش قدمی کی خبر ملی اپنے عزیز کو لشکر گاہ میں چھوڑ کر خود اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

آرمینیہ کے اطراف میں دونوں کا سامنا ہوا اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ عسکر اسلامی کا پورا پیدل دستہ کام آ گیا۔ افشین چند گھنٹوں کے بعد پھر سنبھلا اور آگے بڑھا اور اس زور شور سے رومیوں پر حملہ آور ہوا کہ ان کی فوجیں تاب مقابلہ نہ لا سکیں۔ اور درہم برہم ہو گئیں۔ اس ابتری میں خود توفیل اپنی فوج کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اس لئے اس کے لشکر گاہ کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ جب یہ ہنگامہ فرد ہوا اور توفیل جو بچ گیا تھا اپنی فوج میں واپس آیا اور اسے منتشر دیکھا تو محافظ

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۲۵ [2] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۶۔

فوجی افسران پر سخت برہم ہُوا اور اُن کے سر قلم کرا دیئے اور اپنے تمام فوجی مرکزوں میں لکھ بھیجا کہ جو لوگ لوٹ گئے ہیں اُن کو کوڑوں سے پیٹ کر ایک مقام پر جہاں سے وہ دوبارہ بڑھنے والا تھا جمع کیا جائے اور ایک شخص کو انگورہ کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ یہاں کے باشندے عسکر اسلامی کے حملہ کے خوف سے انگورہ سے نکل بھاگے تھے۔ توفیل کو اس کی اطلاع دی گئی۔ توفیل نے یہ رنگ دیکھ کر انگورہ کے بجائے عموریہ کی حفاظت کا سامان کیا اور معتصم کے مقدمۃ الجیش پر چھاپہ مارنے کے لئے آگے بڑھا۔

معتصم کے جاسوس توفیل کی فوج کے ساتھ لگے ہوئے تھے، انہوں نے اس کی اطلاع خلیفہ کو دی۔ معتصم نے فوراً مقدمۃ الجیش کے افسر اشناس کو ہدایت کی کہ تم وہیں توقف کرو جہاں ہو۔ میں تم سے وہیں جلد ملتا ہوں اور اس درمیان میں رومیوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا لو۔ چنانچہ اشناس نے یہ خدمت عمرو فرغانی کے سپرد کی۔ تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ توفیل مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کی تاک میں نکلا تھا۔ لیکن جب اس کو آرمینیہ کی سمت اسلامی فوجوں کے بڑھنے کی خبر ملی تو وہ ادھر چلا گیا۔ اس اطلاع کے بعد معتصم نے افشین کو خط کے ذریعے راستے میں ٹھہر جانے کا حکم دیا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا اس لئے اس تک خط نہ پہنچ سکا۔ ادھر اشناس اور اس کے عقب سے معتصم دونوں آگے بڑھے۔ انقرہ کے قریب اشناس نے رومیوں کی ایک جماعت کو دیکھا اور اُن پر حملہ کر دیا ان کو گرفتار کر لیا اور قتل کرا دیا۔ ان میں ایک بوڑھا بھی تھا۔ اس نے کہا اگر تم میری جان بخشی کر دو تو انگورہ کی مفرور جماعت کا جس کے پاس خورد و نوش کا بہت سا سامان ہے پتہ دے سکتا ہوں"۔

اشناس نے منظور کر لیا اور مالک بن کرد کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس بوڑھے نے پہاڑوں پہاڑوں مالک کو لے جا کر اس جماعت کے سر پر کھڑا کر دیا۔ مالک نے ان کو گھیر لیا اور کل ساز و سامان پر قبضہ جما لیا اور بوڑھے کو انعام دے کر

رخصت کیا۔ افشین اور توفیل کی جنگ کے زخمی اس جماعت میں شریک ہو گئے تھے ان سے توفیل کی شکست کا حال معلوم ہُوا۔ اس کے بعد افشین کے ہرکارہ نے مفصل حالات اور فتح کا مژدہ سنایا۔ افشین انگورہ پہنچ گیا۔ یہاں فوج کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ میمنہ پر افشین اور میسرہ پر اشناس کا تقرر ہُوا۔ قلب کی قیادت خود معتصم نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور تینوں ایک دوسرے سے دُو دُو فرسخ کا فاصلہ دے کر تاخت و تاراج کرتے ہُوئے عموریہ پہنچے۔ یہاں ایک مسلمان جو رومیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور عیسائی بنا لیا گیا تھا وہ رُومیوں کے قبضے سے نکل کر اپنے بھائیوں میں آملا اور اُس نے بتایا کہ شہر پناہ میں ایک مقام پر سوراخ ہے جو باہر سے چھپا دیا گیا ہے لیکن اندر سے کھول ہے معتصم نے اس مقام کے سامنے اپنا خیمہ نصب کر کے منجنیق سے سنگباری کے ذریعے سوراخ توڑ دیا۔

عموریہ کے بطریق باطیس نے توفیل کو اطلاع دی کہ شہر پناہ میں سوراخ ہو چکا ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ کسی شب کو نکل کر مسلمانوں پر چھاپہ مارتا ہُوا آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا معتصم نے اسی وقت شہر پناہ پر سنگ باری کر کے اس کو ایک مقام سے توڑ دیا۔ عموریہ اور عسکرِ اسلامی کے درمیان صرف خندق حائل تھی۔ معتصم نے کھالوں کے بورے بنا کر اور اس میں مٹی بھر کر اس کو پٹوا دیا اور مسلمان سنگبار آلات کے ساتھ شہر پناہ تک پہنچ گئے اور پھاٹک کے پاس دیوار توڑنا شروع کر دی۔ دوسری طرف افشین اور اشناس باری باری سے دو دن تک پوری قوت کے ساتھ حملہ کرتے رہے۔ تیسرے دن معتصم خود میدان میں آیا اور صبح سے شام تک نہایت گھمسان کا رَن پڑا۔ شام ہوتے ہوتے ہزار ہا رومی مارے گئے، ہزار ہا زخمی ہوئے۔ شہر پناہ کے اس حصہ کے محافظ بطریق (وبداد) نے دو سالئے روم سے اپنی حالتِ زار بیان کر کے امداد طلب کی لیکن اس میں اس کو سخت مایوسی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر معتصم سے جان بخشی کا طالب ہونا پڑا۔ اس نے امان دے دی۔ بطریق مذکور معتصم

کے پاس چلا آیا۔ ابھی ان دونوں کو گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ عبدالوہاب بن علی کی سرکردگی میں مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ بطریق نے یہ رنگ دیکھا تو خوفزدہ ہُوا۔ معتصم نے اس کو اطمینان دلایا کہ تمہاری جان و مال محفوظ ہے اور تمہارے مطالبات پورے کئے جائیں گے۔

مسلمانوں کے عموریہ میں داخل ہو جانے کے بعد رومی کلیسائے اعظم کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگے اس لئے مسلمانوں نے مجبوراً اس میں آگ لگادی۔ اس آڑ کے خاتمہ پر مسلمانوں کا قبضہ عموریہ پر مکمل ہو گیا۔ صرف باطیس بطریق ایک برج میں جما رہا۔ معتصم نے اسے بھی امان دیدی اور عموریہ پر کامل قبضہ کر لیا۔ امن پسند عمائد اور معززین کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ فوجیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے قتل کر دیا گیا ان کی تعداد تیس ہزار تھی[۱]۔ فتح عموریہ میں مالِ غنیمت اس کثرت سے ہاتھ آیا کہ پانچ یوم تک برابر نیلام ہوتا رہا۔ اس کے بعد جو بچ گیا وہ پھونک دیا گیا۔ فوجیوں نے لوٹ مار کرنا چاہی معتصم نے روک دیا۔ اس کے بعد عموریہ کے جنگی استحکامات منہدم کر دیئے گئے[۲]۔

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ معتصم عموریہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ منجموں نے حکم لگایا تھا کہ طالع نحس ہے اس موقع پر فتح نہ ہوگی۔ مگر وہاں اُلٹی فتح و ظفر ہوئی۔ ابو تمام شاعر نے قصیدہ لکھا جس میں منجموں کی خوب خبر لی اور اُن کا مذاق اڑایا گیا[۳]۔

عباس بن مامون کی بغاوت اور اسکی موت

عموریہ فتح کرنے کے بعد معتصم نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں کہ بغداد میں نیا فتنہ کھڑا ہُوا۔ معتصم افشین کو عجیف بن عنبہ پر ہمیشہ فضیلت

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳ [۲] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳

[۳] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳۔

دیا کرتا تھا۔ جب وقت عجیف کو زبطرہ کی طرف روانہ کیا اس کو خرچ و اخراجات کی آزادی نہ دی جیسا کہ افشین کو خود مختار کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ معتصم عجیف کے افعال پر نکتہ چینی بھی کیا کرتا۔ عجیف کو اس بنا پر معتصم سے ایک گونہ عناد ہو گیا اور بدعہدی و غداری کی ہوا دماغ میں سما گئی۔ اس نے عباس بن مامون سے ملاقات کی اور باتوں باتوں میں کہنے لگا۔

"آپ نے مامون کی وفات پر بڑی غلطی کی ناحق خاموشی اختیار فرمائی۔ آپ مستحق خلافت ہیں۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کرتے تو لوگ آپ ہی کی بیعت کرتے۔"

عباس بن مامون نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آئندہ اس غلطی کے دفعیہ کا اقرار کیا اور عجیف کی اتفاق رائے سے اپنے رازداروں میں سے ایک شخص سمرقندی نامی کو جو عبداللہ بن وضاح کا قرابت دار تھا اس امر پر مقرر کیا کہ امراء و روساء لشکر کو در پردہ معتصم سے بدظن اور عباس بن مامون کی طرف مائل کیا کرے۔ تھوڑے دنوں میں سپہ سالارانِ لشکر اور مقربین بارگاہِ خلافت کا ایک گروہ عمر فرغانی احمد بن خلیل اور حرث وغیرہ عباس کی جانب مائل ہو گیا اور اس کی خلافت کی بیعت کر لی۔ اس کے علاوہ عباس نے قیصرِ روم سے خط و کتابت کر کے اپنے چچا کے خلاف سازباز کرنی چاہی[1]

معتصم کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو وہ قسطنطنیہ پر حملہ کا خیال چھوڑ کر بغداد واپس آ گیا اور عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا مال و متاع جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار اشرفی تھی ضبط کر کے فوج میں تقسیم کر دیا۔ عباس قید میں بھوکوں مر گیا۔ یعقوبی کی روایت ہے کہ افشین نے عباس کو ہلاک کرا دیا[2] نصیبیس پہنچ کر معتصم نے عمر فرغانی کو زندہ دفن کرا دیا اور موصل پہنچا تو عجیف کو اسی طرح

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ کتاب ثانی ص ۱۵۲ [2] مسعودی جلد ۱ ص ۱۳۲ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۱۔

مارا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ سپہ سالاروں کو جنہوں نے عباس بن مامون کی بیعت کی تھی قتل کر ڈالا۔[1]

اولادِ مامون سے سلوک معتصم جب سامرا میں داخل ہوا تو مامون کی بقیہ اولاد کو گرفتار کرا کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب وہیں مر کھپ گئے۔[1]

عروجِ اتراک ہارون اور مامون کے عہد میں عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں کو بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ معتصم نے ترکی غلاموں کو سر چڑھایا۔ حکومت کے شکوہ و تجمل کے لئے ہزارہا سمرقندی فرغانوی ترک خرید کر لئے گئے۔ انہوں نے فتوحاتِ ملکی میں بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے۔ ان کے لئے ہی سامرا کی تعمیر از سرِ نو ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:۔

تعمیرِ سامرا

معتصم نے اپنے عہدِ خلافت میں مصر کے ایک گروہ کو مجتمع کر کے مطاربہ کے نام سے موسوم کیا تھا اور سمرقند، اشروسنہ اور فرغانہ سے ایک گروہ کو منتخب کر کے فرغانہ کا لقب دیا تھا۔[2] یہ لوگ خرید کردہ تھے مگر ان کے لباس کا اہتمام خاص تھا۔ ریشم پہنتے تھے۔ زریں طوق اُن کے گلے میں رہتا تھا۔ یہ لوگ تہذیب و تمدن سے نا آشنائے محض تھے اور اس پر طرّہ یہ کہ وحشی خصلت بھی تھے اس لئے بغداد میں ان کے ہجوم سے اہلِ شہر کو بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں۔ شرابیں پی کر بے تحاشا گھوڑے کداتے پھرتے۔ عورتیں، بوڑھے، بچے کچل جاتے تھے، یہ لوگ پرواہ نہ کرتے تھے۔ اہلِ بغداد نے معتصم سے فریاد کی۔ اُس نے ترکوں کی آبادی کے لئے بغداد کے قریب ایک مستقل شہر سامرا آباد کیا اور خود بھی وہیں قیام پذیر ہوا۔[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً [3] ایضاً

سامرا کی بنا تو ہارون الرشید نے ڈالی تھی۔ اتفاقِ وقت سے تعمیر تکمیل کو نہ پہنچی تھی فصیلیں اور شہر کی دیواریں مسمار و خراب ہوگئی تھیں معتصم اپنے بیٹے واثق کو بغداد میں اپنا جانشین بنا کے قاطون آیا اور دوبارہ اس کی تعمیر کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ ۲۲۰ھ میں سلسلۂ تعمیر تکمیل کو پہنچا کر اس کو سُرّ من رائے کے نام سے موسوم کیا جو آگے چل کر سامرا بن گیا۔

معتصم کا دار الحکومت[1] یہی تھا۔ یہ تھوڑے عرصے میں مثل بغداد کے ہوگیا۔ اس میں بڑے عالی شان محلات تعمیر کئے گئے تھے۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔

"معتصم نے اپنا قصر میدان میں بنایا اور تعمیر کے بعد وہاں دربار کیا۔ لوگ سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ اسحاق موصلی نے اس موقعہ پر اپنا ایک بے نظیر قصیدہ پڑھا جو آج تک مشہور چلا آتا ہے مگر شروع قصیدہ میں اس نے لکھا تھا۔

یَا دَارُ غَیَّرَکِ الْبِلٰی وَمَحَاکِ ۔ یَالَیْتَ شِعْرِیْ بِالَّذِیْ اَبْلَاکِ

اے مکان تجھ کو بلا اور مصیبت بدل ڈالے گی کاش تو پرانا ہی ہو جاتا۔"

معتصم نے اس شعر کو بدشگون سمجھا اور اس کو منہدم کرا دیا۔[2]

نظامِ مملکت

مامون کے زمانے میں جو مملکت کا نظام قائم ہو چکا تھا معتصم نے اس کو قائم رکھا۔ البتہ اس نے فوج کے نظام کو بڑی ترقی دی جس سے عظیم الشان فتوحات حاصل کرنے کا موقع ملا چنانچہ اُس نے بادشاہانِ آذربائیجان، طبرستان، سیستان، اشیاصح، فرغانہ، طخارستان، صفہ اور ملکِ کابل کے حکمرانوں کو قید کیا۔ مغیرہ بن محمد کہتے ہیں کہ

---

[1] ابن خلدون جلد۳ کتاب ثانی صفحہ ۱۲۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۴

جتنے بادشاہ معتصم کے دروازے پر جمع ہوئے کبھی کسی بادشاہ کے وقت میں جمع نہ ہوئے تھے۔[1]

فوج کا نظم

معتصم نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی یہ محسوس کیا کہ مملکت کی حفاظت کے لئے زبردست فوج کی ضرورت ہے اس مقصد کے لئے اس نے ہزار ترک فوج میں داخل کئے۔ ترکوں سے اسے انس زیادہ اس وجہ سے بھی تھا کہ اس کی ماں ترک کی تھی۔

معتصم حسنِ صورت، حسنِ کمال، شجاعت اور اسلام کے شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بے حد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت انہی کے سپرد کی۔ انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے، بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔ انعام و اکرام کی اُن پر بارش کر دی۔ عربوں اور ایرانیوں دونوں پر ترکوں کو ہر بات میں ترجیح دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں اور ایرانیوں کے جنرلوں کی غیرت کو ٹھیس لگی اور وہ حسد سے جلنے لگے۔ عرب اور عربوں کے جنرل خاص طور پر ترکوں سے بے زار تھے اور ترکوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔ عباس کا دعوائے خلافت جس کا تفصیلی ذکر آچکا ہے ان عربوں ہی کی سازش کا کرشمہ تھا مگر عربوں کے لئے بجائے فائدے کے الٹا نقصان یہ ہوا کہ معتصم کو عرب جرنیلوں سے نفرت ہوگئی اور ان کو فوج سے نکالنا شروع کر لیا۔

دیوانِ عطا کی فہرست سے ان عربوں کے نام خارج کر دیئے گئے اور ترکوں پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہوگیا اور ان کی تعداد بڑھا کر ستر ہزار تک پہنچا دی گئی۔ مگر ترکوں کا ظرف اس کا متحمل نہ ہو سکا ان کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ ترک جرنیلوں نے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۲   [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹۔

جو طریقہ اختیار کیا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ آخر کچھ عرصہ بعد خود معتصم کو اپنے لئے ان ترکوں سے خطرہ نظر آنے لگا۔

اگر معتصم بھی اس وقت سیاسی تدبر سے کام لیتا تو عرب جرنیلوں کی امداد سے خلافت کے اقتدار کو بچا سکتا تھا مگر اس کی لا اُبالی طبیعت نے ان کی طرف سے سہل انگاری برتی اور یہ تخریبی عناصر ترقی کرتے رہے۔

ایک واقعہ ترک جنرل اس قدر صاحبِ اقتدار تھے کہ بڑے بڑے عرب امراء کو ذرا سے قصور پر ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ سپہ سالارِ اعظم افشین نے ایک عربی امیر ابو دلف قاسم بن عیسیٰ عجلی پر ازراہِ عداوت خون کا الزام قائم کر کے چاہا کہ اس کو قصاص میں قتل کرا دے۔ قاضی ابن ابی داؤد عرب تھے لے دے کے معتصم پر ان کا اثر و اقتدار باقی تھا ان کو خبر لگی، وہ افشین کے یہاں پہنچے دیکھا کہ جلاد تلوار لئے ہوئے ابو دلف کو قتل کیا چاہتا ہے آگے بڑھ کر افشین سے کہا کہ مجھ کو امیر المؤمنین نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ابو دلف کو قتل نہ کرو بلکہ میرے سپرد کر دو۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کے کہا تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے امیر المومنین کا حکم ایسے وقت جبکہ ابو دلف صحیح و سالم موجود ہے پہنچا دیا۔ سب نے کہا ہم شاہد ہیں۔ اس کے بعد وہ معتصم کے پاس گیا سارا ماجرا کہہ گزارا۔

معتصم نے قاضی صاحب کی اس کارروائی کو پسند کیا۔ آدمی بھیج کر ابو دلف کو بلایا اور اس کو رہا کر کے انعام بخشا۔ پھر افشین کو طلب کیا اور سختی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ بلا اجازتِ خلیفہ کے تم خود کس قانون سے قصاص لینے کا حق رکھتے ہو۔

محاصل عہدِ مامونی کی آمدنی کو اس زمانے کے کاغذات سے نقل کر کے علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ثبت کر دیا ہے جس کا خلاصہ ہم مامون کے احوال میں لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح معتصم کے عہد کے کل مالیہ کو قدامہ بن جعفر نے کتاب الخراج میں تفصیل وار لکھا ہے۔ مامون اور معتصم کے زمانے بالکل متصل تھے۔ اس سے مالیات میں زیادہ کمی بیشی نہیں ہے۔

میزان آمدنی کی وہی ہے جو مامون کے عہد میں تھی۔

زراعت کی ترقی معتصم کو زراعت سے بہت دلچسپی تھی اور اس کے علاوہ زمین کی آبادکاری کا بھی بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس نے وزیر ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو افتادہ زمین ایسی دیکھو کہ اس سال اس پر دس روپیہ صرف کر دو تو آئندہ سال میں اس سے گیارہ روپے وصول ہوں ایسے خرچ کے لئے مجھ سے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ معتصم کے عہد میں بکثرت افتادہ زمینیں آباد ہوئیں اور بنجر زمینیں قابلِ کاشت ہوگئیں۔ معتصم کہتا تھا۔

"زمین کی آبادی میں بہت سے فوائد ہیں اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے، خراج بڑھتا ہے ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے مویشیوں کے لئے چارہ مہیا ہوتا ہے نرخ ارزاں ہوتا ہے کسب معاش کے ذریعے بڑھتے ہیں، معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔"[1]

علمی ترقی معتصم اپنے اسلاف کے برعکس علم و فن سے لگاؤ نہ رکھتا تھا۔ مامون کے عہد میں جو لوگ علمی تحقیق و تدقیق میں لگے ہوئے تھے وہی علم کی ترقی میں کوشاں تھے۔ معتصم کو ان سے نہ کوئی تعلق تھا اور نہ وہ اس کی توجہ کے محتاج تھے۔

معتصم کے معاصر علماء

یحییٰ بن یحییٰ التیمی، سعید بن کثیر بن عفیر سنید، محمد بن سلام بیکندی، نہندی قالون المقری، خلاد المقری، آدم بن ایاس، عفان قعنبی، عبدان المروزی عبداللہ بن صالح، کاتب لیث سلیمان بن حرب، علی بن محمد مدائنی، ابوعبید القاسم

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۷ صفحہ ۴۔

بن سلام، قرہ بن جبیب، عازم ومحمد بن عیسیٰ الطباع الحافظ، اصبغ بن فرج فقیہ،
سعدویہ الواسطی ابو عمر الجرمی نحوی [1]

شعر گوئی معتصم کو علمی شوق میں صرف شعر گوئی سے کچھ لگاؤ تھا۔ اشعار موزوں کر لیا کرتا تھا محمد بن عمر رومی کا بیان ہے کہ معتصم کا ایک غلام عجیب نامی تھا جو حقیقت میں اسم بامسمیٰ تھا اور اپنی نظیر نہ رکھتا تھا معتصم کو وہ بہت محبوب تھا اس کی تعریف میں اس نے کچھ اشعار کہے تھے، ایک روز مجھے بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے بھائیوں سے کم لکھا پڑھا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین (ہارون الرشید) کو مجھ سے بہت ہی محبت تھی اور مجھے کھیل کود سے رغبت تھی۔ میں نے کسی کی ایک نہ سُنی، میں نے چند اشعار "عجیب" کی تعریف میں لکھے ہیں ان کو سُن کر سچ بتاؤ کہ وہ اچھے ہیں کہ نہیں اگر اچھے نہ ہوں تو میں اُن کو پوشیدہ کر رکھوں۔ میں نے وہ اشعار سُن کر تختِ خلافت کی قسم کھا کر کہا کہ یہ اشعار ان خلفاء سے اچھے ہیں جو شاعر نہ تھے معتصم یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوا اور مجھے پچاس ہزار درہم عطا کئے [1]

سخاوت معتصم اپنے اسلاف کی طرح سخی تھا۔ لیتا دیتا بہت تھا۔ شعراء کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

باورچی خانہ کے اخراجات معتصم کا دسترخوان نہایت وسیع تھا صرف باورچی خانے کے مصارف ایک ہزار اشرفی روزانہ تھے [2]

وزرائے عظام

فضل بن مروان معتصم کا پہلا وزیر فضل بن مروان بن ماسرخس تھا۔ نااہل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳ [2] ایضاً صہ ۲۳۳ [3] ایضاً صہ ۲۳۳ -

اور اخلاقی حیثیت سے بھی پست۔ یہ شخص مذہبًا عیسائی تھا معتصم کی شہزادگی میں اس کے کاتب یحییٰ جرمقانی کے دفتر میں آ کر ملازم ہوا۔ حساب کتاب کا ماہر اور خوشنویس تھا اس لئے یحییٰ کے بعد معتصم نے اس کو سر دفتر کر دیا۔

طرطوس میں جب خلافت کی بیعت لی گئی تو فضل نے جو ان دنوں بغداد میں کارپرداز تھا۔ اہلِ بغداد سے اس کے لئے بیعت لی اور سلطنت کا انتظام سنبھالا معتصم بغداد آیا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر اس کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا اور تمام ملکی معاملات اس کے سپرد کر دیئے۔ مگر فضل نے معتصم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اب اس کی روش مستبدانہ ہو گئی معتصم کے احکام کی بھی اس کو پرواہ نہ تھی بلکہ بعض اوقات معتصم اپنے اخراجات کے لئے اس سے مال طلب کرتا وہ نامنظور کر دیتا تھا"۔ معتصم تک فضل کی سخت گیری کی شکایات پہنچنے لگیں تو اس نے فضل کے استبداد کو روکنے کے لئے دو وزیر اور مقرر کئے۔

(۱) احمد بن عمار کو اخراجات کا دفتر سپرد کیا۔

(۲) نصر بن منصور کو خراج کا محکمہ تفویض کیا۔

فضل کو یہ ناگوار گزرا اور ان دونوں کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ جھگڑے نے طول کھینچا معتصم نے حساب کی جانچ کرائی تو فضل کے ذمہ بیشمار رقم برآمد ہوئی۔ اس غبن کی وجہ سے اس سے دس لاکھ دینار نقد وصول کئے اور اس کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا اور موصل کے ایک گاؤں "سن" میں اس کو قید کر دیا گیا۔

احمد بن عمار فضل کے بعد احمد کو منصب وزارت سپرد ہوا اس نے نہایت معمولی درجہ سے ترقی کی تھی۔ شروع میں آٹا پیسنے کا پیشہ کرتا تھا اس پیشہ کے ذریعہ اس نے بصرہ میں بڑی جائیداد پیدا کی۔ پھر بغداد آیا فضل نے اپنے زمانۂ وزارت میں اس کی امانت کی تعریف کی تھی۔ اس لئے معتصم نے اس کو وزیر بنا دیا مگر یہ علم اور تدبر و سیاست ہر چیز میں کورا تھا۔ ایک مرتبہ معتصم کے پاس کسی عامل کا خط آیا جس میں کلا کا لفظ تھا۔ معتصم نے احمد سے کلا کی تشریح

پوچھی یہ نہ بتا سکا۔

معتصم نے کہا خلیفہ جاہل اور وزیر عامی "وزیرے چنیں شہریارے چناں "

پھر معتصم نے اپنے مصاحب محمد بن عبدالملک الزیات سے استفسار کیا۔ اس نے "کلا" کے تمام مدارج بتائے کہ شروع میں جب سبزہ اُگتا ہے تو اس کو بقل کہتے ہیں۔ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے کلا کہتے ہیں۔ اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو حشیش کہتے ہیں معتصم ابن عبدالملک کی قابلیت سے بہت خوش ہوا اور اس کو منشی کے عہدہ پر مامور کیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا[1]

محمد بن عبدالملک الزیّات

احمد بن عمار کم لیاقتی کی وجہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ابن زیات مامور ہوا۔

محمد بن عبدالملک الزیات کا دادا آبان ایک پہاڑی قریہ وسکریہ کا باشندہ تھا وہ زیتون کا تیل بغداد لے جا کر بیچا کرتا تھا اس لئے زیات کہلاتا تھا۔ لیکن محمد کی تعلیم و تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ ادب و شاعری، تاریخ، آداب، جہانبانی قوانینِ ملوک، فہم و فراست اور عقل و فرزانگی، غرضیکہ جملہ اوصاف میں یگانہ تھا۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ محمد بن زیات ادبائے عصر اور فضلائے وقت سے تھا۔ وہ بہت بڑا ادیب، فاضل، بلیغ اور نحو و لغت کا زبردست عالم تھا۔ علمائے عصر نحوی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے۔ علّامہ ابوعثمان مازنی جب بغداد آتے اور ان کی مجلس میں نحو کے مسائل چھڑتے تو جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا ابوعثمان مباحثہ کرنے والوں کو الزیات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور ان کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

شاعری میں بھی اُس کا پایہ بلند تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ بڑا مغرور متکبّر اور ظالم تھا، سزا دینے کے لئے تنور بنوایا تھا جس کے اندر ہر طرف کیلیں لگی ہوئی تھیں جب

[1] الفخری صفحہ ۲۱۲

کو سزا دینا مقصود ہوتا اس کے اندر بٹھا دیا جاتا ذرا حرکت کی اور کیلیں جسم میں چبھنے لگیں۔ آخر میں اس تنور کی نذر خود ہُوا۔

قاضی القضاۃ احمد بن داؤد قاضی احمد بن داؤد معتزلی کو معتصم نے تمام قلمرو کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ قاضی صاحب کے حالات مامون کے تذکرہ میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

امرائے عسکر

سپہ سالار افشین افشین کا نام حیدر بن کاؤس تھا۔ کاؤس اشروسنہ کا بادشاہ تھا۔ افشین یہیں پیدا ہُوا اور بغداد میں زیر سایہ عاطفت معتصم نشوونما پائی۔ خلیفہ کی نظروں میں اس کی بڑی عزت و توقیر تھی جن دنوں یہ بابک کا محاصرہ کئے ہوئے تھا جو مال و اسباب اس کے ہاتھ آیا اشروسنہ بھیج دیا۔ آرمینہ سے جو تحائف آئے وہ دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے اپنے وطن بھیج دیئے۔ عبداللہ بن طاہر والی خراسان نے جس کے تعلقات افشین سے خراب تھے معتصم کو اس کی اطلاع دی۔ افشین نے انتقام میں عبداللہ کو خراسان سے ہٹانے کے لئے مازیار والی طبرستان کو بھڑکایا جس کا ذکر اُوپر آ چکا ہے، معتصم کو افشین کی سازش کا پتہ چل گیا[1] اور وہ اس سے بدظن ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر افشین کی بے دینی تھی۔ وہ باطن میں اپنے آبائی مذہب پر قائم تھا اور اس کے قتل کے بعد اس کے یہاں سے وہ بُت برآمد ہوئے جن کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ عباسی حکومت کے خلاف مازیار کو بھڑکایا۔ غرضیکہ ان تمام اسباب کی بنا پر معتصم کا رویہ اس کے ساتھ بالکل بدل گیا[2]

افشین کو بھی محسوس ہونے لگا وہ اس فکر میں تھا کہ آرمینہ بھاگ جائے اور

---

[1] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۴ [2] مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸۔

خزر کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے پر آمادہ کرے لیکن افشین کو فرار ہونے کا موقع نہ مل سکا تو اس نے معتصم اور دیگر افسران کی دعوت کی اور اس میں زہر دینے کا انتظام کیا۔ یہ منصوبہ پورا نہ ہوا تھا کہ راز فاش ہو گیا اور معتصم نے افشین کو بلا کر قید کر دیا[1] اور پھر ایتاخ کے مکان میں لے جانے کا حکم دیا۔ خدامِ دولت افشین کو ایتاخ کے یہاں لے گئے۔ معتصم کے حکم سے افشین کو شعبان ۲۲۶ھ میں قتل کیا گیا اور باب عامہ پر سولی پر لٹکا دیا۔ جب کل آیندہ روندگان دیکھ چکے تو لاشہ کو صلیب سے اتار کر جلا دیا گیا[2]

ایتاخ ایتاخ بلاد خزر کا باشندہ تھا اور سلامِ ابرش کا غلام تھا۔ یہ باورچی تھا ۱۹۹ھ میں معتصم نے اس کو خرید لیا اور اسحاق بن ابراہیم کا مددگار مقرر کر دیا۔ ایتاخ پر معتصم کو بہت اعتماد تھا۔ جب کسی کو قتل یا قید کرنا چاہتا تو ایتاخ کے حوالے کیا جاتا۔ روم کے حملہ میں فوج کا امیر اسی کو بنایا۔ معتصم کے عہد تک اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ واثق کے عہد میں مختارِ کل ہو گیا۔ متوکل کے ابتدائی زمانے ۲۳۵ھ میں قتل کیا گیا۔

اشناس یہ بھی معتصم کا زر خرید غلام تھا جنگِ عموریہ میں اس کی بہادری کا ذکر آ چکا ہے۔ معتصم اس کا بڑا قدردان تھا۔ ۲۲۵ھ میں اپنے سامنے دربار میں زرین کرسی پر بٹھا کر اس کو تاج پہنایا۔ اس کی دختر اترنجہ کی شادی افشین کے بیٹے حسن کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے کی۔ واثق بھی اس کی قدر کرتا تھا۔ ۲۳۰ھ میں انتقال کر گیا۔

عجیف بن عنبسہ وصیف۔ بغا کبیر الموسی مشہور امرائے فوج سے تھے۔ یہ سب ترک تھے مگر اس میں بیشتر نمک حرام نکلے۔ ایک بار معتصم نے اسحاق بن ابراہیم سے کہا کہ میں نے چار شخصوں کی تربیت کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کام کا نہ نکلا۔ افشین کا جو حال

---

[1] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۶ [2] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۶۹ [3] آنے جانے والے۔

ہُوا وہ ظاہر ہے۔ اشناس سُست ہے اور ایتاخ بے کار۔ وصیف کسی رخنہ کو بند نہیں کر سکتا۔

اسحاق نے کہا امیر المومنین یہ لوگ نہ کسی معزز خاندان کے ہیں نہ قبیلہ کے جوان کو اپنے باپ دادا کے ننگ و ناموس کا خیال ہو ان کی مثال ان شاخوں کی ہے جو بے اصل ہوتی ہیں اور شاذو نادر ہی برگ و بار لاتی ہیں۔

حکومت بنی عباس پر جو زوال آیا وہ ان ترکوں کی وجہ سے آیا۔ اس کی ساری ذمہ داری معتصم پر ہے جس نے بے سمجھے بوجھے خلافت کے مستقبل کو امرائے عرب کے ہاتھوں سے نکال کر غلاموں کے سپرد کر دیا جو صرف عارضی اور دنیاوی فائدہ کے خواہاں تھے نہ ان کو قومی ناموس کا خیال تھا۔ نہ بقائے خلافت کی فکر تھی نہ یہ اصولِ اسلام سے واقف تھے۔

ولی عہدی معتصم نے ولی عہد اپنے بیٹے ہارون کو بنایا۔

وفات یکم محرم ۲۲۷ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرض الموت میں یہ آیت پڑھا کرتا۔

حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔

نزع کے وقت کہتا تھا کہ تمام حیلے جاتے رہے اب کوئی حیلہ باقی نہیں رہا۔
حالتِ نزع میں کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں میں سے نکال لے چلو اور کہتا۔

"الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ میں تجھ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ڈرتا تھا تجھ سے امید رکھتا تھا اپنے آپ سے ناامید تھا"

نزع کے وقت معتصم کے ورد یہ شعر تھا ؎

قرب الحمام واعجل یا غلام — واطرح السرج علیه واللجام
اعلم الاتراك انی خائفٌ — لجة الموت فمن شاء اقام

"وہ مرغابی قریب آگئی ہے اے غلام دوڑو اور اس پر زین کس اور لگام لگا ترکوں سے

کہہ دو کہ میں تو موت کے گہرے پانی میں اترنے والا ہوں تم میں سے جس کا جی چاہے

رہے یا جائے“

آخر ش ۱۱ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں انتقال کیا۔[1]

اقوال معتصم کا قول تھا کہ جب طمع کو فتح ہو جاتی ہے تو عقل باطل ہو جاتی ہے جو شخص اپنے مال کے ساتھ طالبِ حق ہوا اس نے حق کو ضرور پا لیا۔

سیرت واخلاق

اوصاف معتصم دل و جسم دونوں کا قوی اور بڑا بہادر اور عظمت و شان اور ہیبت و جبروت کا خلیفہ تھا۔

کان المعتصم من اعظم الخلفاء و اھیبھم۔

قوت و شجاعت ۔علامہ سیوطی لکھتے ہیں :۔

”معتصم بڑا قوی اور شجاع اور صاحبِ معلومات تھا مگر پڑھا لکھا نہ تھا معتصم کی قوت غیر معمولی تھی، توانا سے توانا آدمی کا بازو دبا دیتا تھا تو ہڈیاں چیخ جاتی تھیں“

ابن ابو داؤد کا بیان ہے کہ معتصم اکثر اپنا بازو میری طرف پھیلا کر کہتا کہ اس میں زور سے کاٹو۔ پھر کہتا کہ مجھے کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ میں پھر کاٹتا اور اثر نہ ہوتا تھا کیفیت یہ تھی کہ اس پر تو نیزے کا بھی اثر نہ ہوتا تھا چہ جائیکہ دانت کا۔[2]

اس کے علاوہ اس میں طاقت و قوت اس قدر تھی کہ ایک ہزار رطل (۵ من) کا بار اُٹھا کر چل لیتا تھا۔ نفطویہ کہتے ہیں کہ معتصم بڑا سخت گیر آدمی تھا۔ ان فطری اسباب کی بنا پر اس کو بزم کی بجائے رزم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ بڑی مہمات کو خود سر کرتا، اس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳ [2] ایضاً صہ ۲۳۲

کو صرف دو چیزوں کا شوق تھا۔ حکومت کی شان و شکوہ اور میدانِ کارزار کے مناظر دولت انہی چیزوں میں بہاتا تھا۔

فصاحت و بلاغت معتصم معمولی لکھا پڑھا تھا مگر اس کی معلومات بہت وسیع تھی۔ اس نے ہارون اور مامون کے عہد کے فصحاء و بلغاء کی صحبت اٹھائی تھی۔ ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ جب معتصم کلام کرتا تھا تو تمام بلاغت ختم کر دیتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی معتصم کو حکومت و دبدبہ و شکوہ سے بے انتہا شغف تھا لیکن اس کی پرائیویٹ زندگی میں بہت سادگی اور بے تکلفی تھی۔ اس کا خلق غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا تھا۔

حُسنِ خلق معتصم میں شجاعت اور ہمت و قوت اگرچہ بہت تھی مگر اس کا حسنِ خلق ہر چیز سے بڑھا ہوا تھا اور اس میں استقلال کا مادہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

نااہلوں کی تربیت ایک دن معتصم عباسی نے احمد ابی داؤد سے کہا کہ میرا بھائی مامون جس اہل کار کو بڑھاتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کے لائق ثابت کر کے دکھاتا تھا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے نہ صرف مخلوق کو فائدہ پہنچتا تھا بلکہ حکومت کا کام بھی خوب چلتا تھا۔

طاہر الحسنین عبداللہ طاہر اور احمد ابی خالد کیسے معقول اور قابل اشخاص گزرے ہیں، برخلاف اس کے مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس سے حکومت کے کاروبار میں مدد مل سکے۔

قاضی احمد ابی داؤد نے جواب دیا۔ امیرالمومنین بات یہ ہے کہ مامون جڑ کا خیال رکھتا تھا اور آپ شاخ پر نظر رکھتے ہیں۔ شاخ کو کتنا ہی پانی دیجئے پھل پھول نہیں دے سکتی۔ نااہلوں کو ترقی دینا شور زمین میں بیج بونا ہے۔

معتصم اور لکڑہارا ایک مرتبہ امیرالمومنین معتصم اپنے عہدِ خلافت میں شکار کو

گیا۔ جاڑے اور بارش کا زور تھا سامنے ایک بوڑھا لکڑ ہارا خچر پر لکڑیاں لادے نظر آیا۔ راستے میں نالہ پڑا وہ عبور کرنا چاہتا تھا کہ نالہ میں گر گیا اور بوجھ کی وجہ سے اُٹھ نہ سکا۔ اتنے میں معتصم آگیا اس نے غلاموں سے کہا۔ انھوں نے زور لگایا مگر ناکام رہے۔ خود گھوڑے سے اُترا اور خچر اور گھوڑے کو باہر نکالا وہ اپنی راہ چلا گیا یہ اپنی راہ لگ گئے۔

معتصم خلفاء بنو عباس کا آٹھواں تاجدار اور عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا آٹھواں ممبر اور رشید کی اولاد میں آٹھواں شخص تھا۔ آٹھ برس اور آٹھ مہینے حکومت کی۔ آٹھ لڑکے، آٹھ لڑکیاں چھوڑیں۔ آٹھ فتوحات حاصل کیں، آٹھ محل سرائے بنوائیں۔ آٹھ دشمنوں بابک، باطش، مازیار، افشین، عجیف، قارن، قائدِ رافضہ اور رئیسِ زنادقہ کو تہ تیغ کیا۔ آٹھ لاکھ دینار سرخ، اسی قدر درہم سفید، آٹھ ہزار گھوڑے، آٹھ ہزار غلام اور آٹھ ہزار لونڈیاں متروکہ چھوڑ گیا۔[۱]

حُلیہ | رنگ سفید سُرخی مائل، داڑھی گھنی، متوسط القامت تھا۔

فتنۂ خلقِ قرآن | مامون مرتے وقت معتصم کو وصیت کر گیا تھا کہ خلقِ قرآن کا عقیدہ بہ جبر علماء سے منوائے۔ چنانچہ جب وہ اس طرف متوجہ ہُوا تو اس کے سامنے ایک ذات ایسی تھی جو اپنے اندر مرکزیت کی ساری شان رکھتی تھی، وہ ذات حضرت امام احمد بن حنبل کی تھی اس لئے معتصم عباسی کی ساری شاہی قوت بھی انہی کی تعذیب کے لئے سمٹ کر آگئی۔ اس نے جس قدر مبالغہ آپ سے اس مسئلہ کے منوانے میں کیا آپ نے اسی قدر سختی سے اس کا انکار کر دیا۔ اس پر آپ قید کر دیئے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں آپ کے پاؤں میں ڈال دی گئیں جن سے ہلنا دشوار ہوتا تھا۔ اس پر یہ حکم کہ اسی حالت میں خود ہی اونٹ پر سوار ہوں کوئی دوسرا سہارا نہ دے، طرطوس تک اسی طرح پہنچائے گئے۔ راہ میں

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۱۵ [۲] الوفیات جلد ۲ صفحہ ۲۷۰

متعدد قید خانوں میں قید کئے جاتے رہے۔ کبھی اصطبل میں رکھے جاتے اور کبھی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے جاتے اور یہ بھی ہوتا رہا کہ بار بار مناظرے ہوتے رہے جس میں ہمیشہ فریق مخالف کو ہی خاموش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے خاص طور پر دو آدمیوں کو مناظرہ کرنے کی غرض سے بھیجا۔ ان کا آپ نے اور بھی بُرا حال کیا۔ آپ نے اُن سے کہا خدائے تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ انہوں نے کہا غیر مخلوق؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس قول سے تم کافر ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ کیا کہتے ہو، یہ تو بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں یہی بادشاہ کے بھیجے ہوئے کافر ہو گئے۔ آخر معتصم نے حکم دیا کہ امام صاحب اُس کے سامنے لائے جائیں۔ اسحاق حاکم بغداد نے بہت سمجھایا کہ آپ اگر اقرار نہ کریں گے تو بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ ہر روز آپ کو کوڑے لگوائیں جائیں گے یہاں تک کہ آپ خلق قرآن کا اقرار کر لیں یا پھر اسی عذاب میں مبتلا رہ کر مر جائیں۔ آپ نے فرمایا میں جو حق ہے وہ ہر حال میں کہتا رہوں گا۔ آخر کار حاکم بغداد نے آپ کو معتصم کے پاس بھیج دیا۔

رات بھر آپ قید میں رہے صبح کو بادشاہ نے اپنے سامنے بلایا۔ چار بیڑیوں کو سنبھال کر چلنا مشکل تھا اور کوئی چیز نہ تھی جس سے ان کو باندھا جاتا۔ آپ نے پائجامہ سے ازار بند نکال کر ان کو اکٹھا کیا اور پائجامہ کو گرہ دے لی اس حال میں افتاں و خیزاں بادشاہ کے روبرو پہنچے خلق کا ہجوم تھا جس میں معتزلہ کے علماء اور سردار ہی کثرت سے تھے۔ بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ بیڑیوں کی مشقت سے تھوڑی دیر دم لے کر آپ نے خود ہی بادشاہ سے پوچھا۔ خدا تعالیٰ بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے؟ معتصم باللہ نے کہا لا الٰہ الا اللہ کی طرف۔ امام نے کہا تو میں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ معتصم نے کہا اگر تمہیں پہلے بادشاہ کی قید میں نہ پاتا تو ہر گز تعرض نہ کرتا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن اسحاق کی طرف دیکھ کر کہا کیوں میں نے نہیں کہا تھا کہ ان پر سختی نہ کی جائے اُس نے کہا یا امیر المؤمنین در حقیقت ان کی تعذیب مسلمانوں

کی آسانی کا سبب ہے معتصم بولا۔ اچھا مناظرہ کرو۔

عبدالرحمٰن نے کہا قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ آپ نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ اس جواب سے عبدالرحمٰن بن اسحاق لاجواب ہو چکا تو ہر طرف سے دلائل اور اعتراضات ہونے لگے اور آپ سب کو جواب دیتے گئے یہاں تک کہ سب ساقط ہو گئے۔ تیسرے روز ایک نہایت عظیم الشان دربار منعقد کیا گیا جس میں ایک طرف مسلح فوج اور دوسری طرف جلاد کوڑے لئے ہوئے کھڑے تھے۔ اس وقت آپ قید خانے سے لائے گئے معتصم کے کہنے سے خاص خاص لوگوں نے آپ سے پھر مناظرہ شروع کیا۔ مگر ان کا بھی وہی انجام ہوا جو اُن کے پیشرووں کا ہو چکا تھا۔ بادشاہ معاملہ کے اس قدر طول کھنچنے سے گھبرایا۔ ادھر ابی داؤد سر گروہ معتزلہ بادشاہ کو شہ دے رہا تھا کہ اس بدعتی کو قتل کیجئے میری گردن پر خون رہے گا۔

معتصم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اُس نے غصہ ہو کر آواز دی کہ اس کو کھینچو اور لباس اُتار کر کوڑے لگاؤ۔ پھر حالتِ غضب میں اپنے مقام سے اٹھ کر کرسی پر آ بیٹھا اور کوڑے والوں کے کوڑے دیکھ کر دوسرے کوڑے لانے کو کہا۔ جب دوسرے کوڑے پسند آ گئے تو جلادوں کو حکم دیا کہ اس کو خوب زور سے مارو۔ ایک شخص آگے بڑھا اور پوری قوت سے دو کوڑے مار کر ہٹ گیا۔ پھر دوسرا جلاد آیا اور اس نے بھی دو کوڑے اسی طرح مارے۔ اسی طرح نوبت بہ نوبت کوڑے مارنے والوں نے اپنی پوری طاقت سے دُو دُو کوڑے مارے۔ جب اُنیس کوڑے امام کے لگ چکے تو معتصم کو شاید کچھ رحم آ گیا اور آپ کے پاس آ کر کہنے لگا۔

"اے احمد خدا کی قسم! میں تم پر اپنے بیٹے سے زیادہ شفقت رکھتا ہوں اگر تم خلقِ قرآن کا اقرار کر لو تو خدا کی قسم اپنے ہاتھوں سے تمہارے پاؤں کی بیڑیاں کھول دوں! کہو کیا کہتے ہو؟"

آپ نے اس وقت بھی یہی کہا۔ اے معتصم! خدا کی کتاب یا رسول کی حدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے تو میں اقرار کرلوں "۔

آپ سے علمائے معتزلہ مناظرہ کرنے لگے۔ جب لاجواب ہوئے تو قتل کا مشورہ دیا۔ ابی داؤد نے غصہ دلانے کے لئے کہا امیر المومنین آپ روزہ سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے دھوپ میں کھڑے ہیں اس کو قتل کر ڈالئے اس کا خون میری گردن پر ہے۔ بادشاہ سے کچھ نہ بن پڑا کرسی پر جا بیٹھا اور جلادوں کو زیادہ سختی سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

حضرت امام پر پہلا کوڑا پڑا تو کہا بسم اللہ، دوسرے کوڑے پر لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ، تیسرے کوڑے پر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور چوتھے کوڑے پر لن یُّصیبنا الاّ ما کتب اللہ لنا۔ اسی طرح ہر کوڑے پر موقع موقع کی آیت تلاوت کرتے تھے جب تک ہوش رہا ہر ضرب پر معتصم کی خطا کو معاف کرتے رہے۔ کسی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ قیامت کے دن کہا جائے کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد اور اہل بیت کا دعویدار ہے۔

یہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا جب کہ آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے۔ روزے پر روزے رکھتے تھے اس پر پیٹھ زخموں سے چُور چُور ہو چکی تھی۔ بار بار غش آجاتا تھا۔ ایک شخص نے ستو پیش کئے۔ آپ نے فرمایا روزے سے ہوں۔ مگر جب نماز کا وقت آیا اسی حالت میں نماز ادا کی۔ کہنے والے نے کہا۔ آپ نے نماز پڑھی حالانکہ جسم سے خون جاری ہے۔ آپ نے جواب دیا ہاں حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

فضیل بن عیاض کہتے ہیں۔ امام ۲۸ ماہ قید رہے اس عرصہ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس قدر تازیانے پڑتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تلوار سے بھی چرکے لگائے جاتے [illegible] ڈال کر پاؤں سے روندے

جاتے تھے۔ اس آزمائش کے زمانے میں ابوالہشیم عیار نے عجب طرح پر آپ کی ڈھارس بندھائی۔ یہ امام موصوف کے پاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا" احمد میں ابوالہشیم چور ہوں مجھ پہ اٹھارہ ہزار تازیانے پڑے تاکہ چور ہونے کا اقرار کرلوں مگر میں نے اقرار نہیں کیا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ برسرِ حق نہیں ہوں۔ لہٰذا تم تازیانے کی گرمی سے بچتے رہنا۔ کیونکہ تم حق پر ہو۔ امام فرماتے ہیں کہ جب مار سے درد محسوس ہوتا تھا تو اس چور کی بات یاد آجاتی تھی۔

حافظ ابن جوزی محمد بن اسمٰعیل سے نقل کرتے ہیں۔ احمد بن حنبل کو ۸۰ کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کے مارے جاتے تو چیخ اٹھتا۔ واثق بن معتصم کا انتقال ہوا اور متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے حضرت امام کی مصیبتیں دور کیں اور آپ کو بلا کر تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور ممالک اسلامیہ میں ایذا دہی اٹھا دینے اور سنت کا اظہار کرنے اور قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے متعلق فرمان جاری کئے۔ اس تاریخ سے فرقہ معتزلہ کا گروہ ٹھنڈا پڑا۔

۲۴۱ھ میں بعمر ۷۷ سال امام عالی مقام نے انتقال فرمایا۔ آپ کے جنازے کی نماز میں اس کثرت سے لوگ شریک ہوئے کہ مردوں کا شمار آٹھ لاکھ اور عورتوں کا ساٹھ ہزار تک پہنچ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے جنازے کی جگہ جگہ نماز پڑھی گئی اور پچیس لاکھ آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ آپ کی وفات کا عجیب اثر تھا۔ قلوب اس درجہ متاثر تھے کہ اسی دن ۲۰ ہزار یہودی و نصرانی اور آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ فتنۂ خلقِ قرآن کے بقیہ حالات واثق باللہ کے عہد میں آگے آتے ہیں۔

دیگر مشاہیر

علی بن معبد بنِ شداد الرقی، امام احمد کے طبقہ میں سے فقیہ، محدث، حنفی تھے۔ ۲۱۸ھ میں وفات ہوئی۔

احمد بن حفص المعروف بابی حفص الکبیر بخاری، فقہ و حدیث میں تلمیذ امام محمدؒ ہیں، زاہدوں میں شمار ہے ۔

شداد بن حکیم بلخی، امام زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ، محدث، احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی کے استاد تھے۔ بلخ کی قضا پیش کی گئی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ ۲۳۰ھ میں وفات پائی ۔

عیسیٰ بن ابان بن صدقہ، قاضی ابن موسیٰ حافظ الحدیث، فقیہ جید تھے۔ فقہ امام محمد سے، حدیث اسماعیل بن جعفر سے حاصل کی ۔ ۲۲۱ھ میں انتقال ہوا۔

نعیم بن حماد بن معاویہ مروزی، محدث، فقیہ، عارف، فرائض کے بڑے ماہر ابن معین اور امام بخاری کے شیخ ہیں ۔ مصر میں تھے جب قرآن کے مخلوق ہونے کا قول وہاں مشہور ہوا۔ آپ نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا تو وہاں سے نکالے گئے اور آخر قید میں ۲۲۹ھ میں وفات پائی ۔

فرخ مولیٰ امام ابویوسف، فقیہ، جید و محدث، فقہ امام ابویوسف سے حاصل کی ۔ ۲۳۰ھ میں وفات پائی ۔

اسمٰعیل بن ابی سعید الجرجانی امام محمد کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ و محدث ہیں ۔ حدیث یحییٰ القطان و ابن عیینہ سے بھی سنی ۔ وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی ۔

علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی، امام ابویوسف کے اصحاب میں سے ہیں۔ حافظ الحدیث ہیں ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے ۔ ۲۳۲ھ میں انتقال کیا ۔

نصر بن زیاد نیشاپوری، فقیہ، محدث امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ثابت قدم تھے۔ فقہ امام محمد سے اور حدیث ابن المبارک سے حاصل کی ۔ ۲۲۳ھ میں انتقال فرمایا ۔

خلیفہ ہارون الواثق باللہ

نام ونسب | الواثق باللہ ہارون ابوجعفر بن اسحاق محمد معتصم بن ہارون الرشید۔

ولادت | قراطیس کے شکم سے ۱۸۶ھ میں مکہ کے راستہ میں پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت | معتصم نے بغداد کے مشہور معلم ہارون بن زیاد سے واثق کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ رجحانِ طبع علم کی طرف تھا۔ تھوڑے عرصہ میں واثق نے عربی علم وادب میں ید طولیٰ حاصل کر لیا اور ہزارہا اشعار شعرائے عرب کے یاد کر لئے۔ کم عمری میں ہی شعر کہنے لگے۔ چنانچہ واثق ادیب کامل اور شاعر شیریں مقال تھا[1]

صولی کہتے ہیں کہ واثق مامون کو اپنے ادب اور فضیلت کی وجہ سے حقیر سمجھا کرتا تھا اور مامون کا یہ عالم تھا کہ واثق کی قدر کیا کرتا اور اس کو اپنے بیٹے پر فضیلت دیتا تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

"واثق اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑا عالم تھا اور ایسا ہی شاعر بھی"

خلافت | معتصم کی وفات کے دن یوم پنج شنبہ ۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو سامرا میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی اور لقب واثق باللہ رکھا گیا۔ دوسرے دن صبح کو اسحاق بن ابراہیم نے بغداد میں افسرانِ فوج اور عمائدِ بغداد سے بیعت لی اور ۹ ربیع الاول کو اورنگ خلافت پر متمکن ہو گیا۔

تخت وتاج | تخت وتاج کے لئے جو اوصاف وجۂ آرائش ہوتے ہیں وہ سب اس کی ذات میں جمع تھے اور اس نے مسند افروزِ خلافت ہوتے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۷۔

ہی وہ کام کئے کہ رعایا کے دل میں اس کی طرف سے بڑی بڑی شاندار امیدیں پیدا ہوگئیں۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ واثق کا عہدِ میمنت مہد فراغی و فراخی کا ایک طویل و مدید دور ہوگا۔ وہ بلند و بالا اور وجیہہ و شکیل تھا۔ چہرے سے وقار و تمکنت کے ساتھ لطف بھی مترشح ہوتا تھا۔ جاہ وجلال اور طمطراق و احتشام میں واثق اپنے اسلاف پر سبقت لے گیا تھا۔

ترکوں پر نظرِ عنایت

واثق نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے خادم ترکوں پر نوازش و اکرام کی بارش شروع کردی۔ حتیٰ کہ دو ترک غلام اس کے منظورِ نظر ہوگئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے:-

"واثق کو دو غلاموں سے بہت محبت تھی اور وہ باری باری اس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ واثق نے ان دونوں کے متعلق ان اشعار میں اپنی کیفیت بیان کی ہے۔

قلبی قسیم بین نفسین	"میرا دل دو شخصوں میں منقسم ہے بھلا کبھی
افمن رای روحا بجسمین	کسی نے ایک روح کو دو جسموں میں دیکھا ہے
یغضب ذا ان جاد ذا بالرضی	اگر ایک مجھ پر عنایت کرتا ہے تو دوسرا ناخوش
فالقلب مشغول بشجوین[۱]	ہوتا ہے میرا دل دو مصیبتوں میں گرفتار رہے۔"

نائب سلطنت کا عہدہ

اشناس ترک معتصم کا بڑا منہ لگا ہوا تھا۔ خود واثق بھی اس پر بیحد مہربان ہوگیا اور اس کو جواہرات کے ہار پہنائے اور سر پر جواہرات کا تاج رکھ کر نائب السلطنت بنایا۔ واثق پہلا خلیفہ ہے جس نے نیابتِ سلطانی کا عہدہ قائم کیا۔[۲]

قیسیوں کی بغاوت

واثق کی تخت نشینی کے ساتھ ہی قیسیہ نے دمشق میں فتنہ و

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۹ [۲] ایضاً صہ ۲۳۸۔

فساد کی آگ لگادی۔ واثق کو معلوم ہوا تو اس نے رجاء بن ایوب فزاری کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ رجاء نے پہلے زبانی پیام کے ذریعے مطیع بنانے کی سعی کی۔ جب اہلِ فساد باز نہ آئے تو تلوار سے کام لیا۔ پندرہ سو شورش پسند اس ہنگامہ میں کام آئے پھر تو فتنہ کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

اشناس کا دَور دورہ ہنگامہ دمشق کے فرو ہونے کے بعد اشناس کا وہ دور دورہ تھا کہ تمام ممالک محروسہ اسلامیہ کے سیاہ وسفید کا مختار ہو گیا تھا۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ ایک شب واثق کے یہاں مصاحبین اور نُدمَاء کا دربار لگا ہوا تھا۔ بعض مصاحب اگلے حکمرانوں کے قصے بیان کرتے ہوئے وزرائے برامکہ کا تفصیلی ذکر کر بیٹھے۔ ان کی فیاضی، اولوالعزمی اور دولت مندی اور ہارون الرشید پر ان کے متولّی ہو جانے اور کل امورِ سلطنت پر قابض ومتصرف ہونے کے حالات بیان ہوتے رہے۔ واثق نے توجہ سے یہ حالات سُنے۔ اگلے دن ایک گشتی فرمان ہر چہار طرف روانہ کر دیئے اور اشناس کے آوردوں کو گرفتار کر کے بہ جبر وتعدی مال واسباب وصول کرنے لگا۔ احمد بن اسرائیل سے اَسّی ہزار دینار مار پیٹ کے وصول کئے۔ سلمان بن ذہب سے (یہ ایتاخ کا سیکرٹری تھا) چار لاکھ، حسن بن وہب سے چودہ ہزار، ابراہیم بن رباح اور اس کے سیکرٹری سے ایک لاکھ اور ابو الورد سے ایک لاکھ چالیس ہزار وصول کئے۔[1] اس واقعہ سے تمام ترک امراء میں ہلچل پڑ گئی۔ اپنی منصبی فرائض دیانت سے ادا کرنے لگے اور رشوت ستانی کا بازار سرد پڑ گیا۔

گورنروں کا تقرر یمن پر ایتاخ ترکی معتصم کے عہد میں گورنر رہ چکا تھا۔ واثق نے بھی اپنی جانب سے ایتاخ کو ہی یمن کی گورنری مرحمت

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۰۲

کی اور اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ مدینہ منورہ پر ۲۲۱ھ میں محمد بن صالح بن عباسی کو متعین کیا اور مکہ معظمہ کی خدمت محمد بن داؤد کے سپرد کی۔

۲۳۰ھ میں عبداللہ بن طاہر والی خراسان، کرمان، طبرستان اور رے کے انتقال کر جانے پر بارگاہِ خلافت کے حکم کے مطابق اس کے بیٹے طاہر ابن عبداللہ کو صوبجات مذکورہ کی سند گورنری مرحمت کی گئی[1]

اعرابِ حجاز کی شورش

اہلِ عرب جب ملکی اور فوجی مناصب سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ ان سے امارت جاتی رہی۔ غربت اور جہالت ان میں عود کر آئی۔ بدویت کا رنگ ڈھنگ ان میں پیدا ہو گیا تو تاخت و تاراج اور غارت گری ان کا مشغلہ بن گیا۔ اعرابِ حجاز میں قیس عیلان کا سب سے قوی قبیلہ بنی سلیم کا تھا جو مدینہ کے متصل حرۃ بنی سلیم میں سکونت رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے مدینہ کے قرب و جوار پر دستِ تعدی دراز کیا اور لوٹ مار کرنے لگا۔ اس قبیلہ کے افراد جس بازار میں نکل جاتے ظلم و ستم روا رکھتے[2] ان کا ادنیٰ ظلم یہ تھا کہ سوداگران سے جو مال خریدتے وہ اپنے مقرر کردہ نرخ پر خریدتے۔

جمادی الثانی ۲۳۰ھ میں بنی سلیم کے رئیس عزیزہ بن قطاب نے بنی کنانہ اور باہلہ پر حملہ کیا اور ان کے بہت سے آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

دارالخلافہ سامرا میں یہ خبریں پہنچیں تو واثق باللہ نے حماد بن جریر طبری کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت پر متعین کیا۔ امیر مدینہ محمد بن صالح نے حماد بن جریر کو عزیزہ بن قطاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقامِ رویثیہ پر ہر دو سے مقابلہ ہوا۔ حماد نے شکست کھائی اور جان بھی گنوائی۔ بنی سلیم نے مدینہ پر بھی حملے شروع کر دیئے۔ واثق کو یہاں کے حالات کی اطلاع پہنچی اس نے تجربہ کار سپہ سالار ابی موسیٰ بغا الکبیر ترکی کو ترکی، ایرانی اور مغاربہ فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقدمہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۰۳ [2] البدایہ النہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲

لشکر پر "طردوش" ترکی تھا۔ اس نے پہلے ہی حملہ میں بنی سلیم کے پچاس آدمی قتل کئے اور پچاس گرفتار کر لئے۔ جب بغا الکبیر حرّہ بنی سلیم میں پہنچا تو اس نے اس قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ان میں سے ایک ہزار آدمی جو شر و فساد میں حصہ لیتے رہتے تھے گرفتار کر لئے اور ذی قعدہ ۲۳۰ھ میں ان کو مدینہ میں لا کر یزید بن معاویہ کے گھر میں بند کر دیا اور خود حج کو روانہ ہو گیا۔ حج سے واپسی پر قبیلہ بنی ہلال کے تین سو آدمیوں کو جو رہزنی کرتے تھے گرفتار کر لایا اور بنی سلیم کے ساتھ قید کر دیا۔

اس اثنا میں بنی مرہ نے بھی شورش کر رکھی تھی بغا الکبیر ان کی سرکوبی کو روانہ ہُوا تو یہاں قیدیوں نے نقب لگائی اور نکل بھاگنا چاہا۔ اہلِ شہر کو خبر لگ گئی۔ انھوں نے ان کو گھیر لیا۔ باہمی تلوار چلی تیرہ[۱۳] سو سے زیادہ قتل ہُوئے۔ بغا الکبیر آیا تو اُس نے افسوس کیا۔ پھر بنی مرہ اور بنی فزارہ جو فدک پر قابض ہو گئے تھے ان کے پاس بغا نے ایک فزاری رئیس کو بھیجا کہ ان کو امان دے کر یہاں لاؤ۔ اس نے شاہی فوج کی سطوت سے ڈرایا۔ وہ لوگ ڈر کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ چند اشخاص حاضر ہُوئے۔

بغا نے بنی اشجع اور غطفان کو بھی امان دی۔ پھر بنی کلاب کو جمع کیا۔ تین ہزار نفوس مجتمع ہُوئے۔ ان میں سے تیرہ سو اشخاص کو جو اہلِ فساد سے تھے گرفتار کیا اور مدینہ میں لا کر قید کیا مگر بنی اشجع اور غطفان یہ حالات دیکھتے ہُوئے بھی قتل و غارت گیری سے باز نہ آئے۔

بغاوت بنو نمیر

۲۳۲ھ میں واثق نے بغا الکبیر کو حکم بھیجا کہ بنی نمیر بلادِ یمامہ میں قتل و غارت گری کر رہے ہیں ان کی سرکوبی کو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس طرف گیا اور بنی نمیر کی مزاج پرسی اچھی طرح کر دی۔ پھر تمیم کی بستی مراۃ کی طرف آیا مگر ان لوگوں نے دھوکے سے ترکی فوج کو گھیر لیا۔ بغا کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اسی اثنا میں سو ترکوں کا ایک دستہ بنی نمیر کے مقابلہ سے

واپس آیا تھا۔ انہوں نے بنی تمیم کو گھیر لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے بقیہ امان کے طالب ہوئے۔ بغا نے سب کو گرفتار کرا کر کوڑوں کی مار دی۔ غرضیکہ مدینہ کے قرب و جوار میں جس قدر فتنے اٹھے تھے وہ بقوت دبا دیئے گئے۔ بغا قیدیوں کو لے کر بصرہ پہنچا اور مدینہ کے عامل محمد بن صالح کو لکھا کہ بنی فرازہ مرہ، ثعلبیہ کے جس قدر قیدی ہوں سب کو لے کر سامرا پہنچو۔ چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ غرضیکہ قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ بغا الکبیر نے کر دیا[1]۔

محدث احمد بن نصر کا خروج

۲۳۱ھ میں احمد بن نصر نے احتجاجاً حکومت پر خروج کیا۔ احمد مالک بن ہشیم خزاعی نقیب دولت عباسیہ کے پوتے اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

> "احمد بن نصر کا شمار محدثین میں تھا اس کی نشست و برخاست اصحاب حدیث کی صحبت میں اکثر رہا کرتی تھی"[2]

حماد بن زید، سفیان بن عیینہ اور ہاشم بن بشر اور امام مالک سے سماع حدیث کیا تھا۔ یحییٰ بن معین جیسے محدث ان کے تلمیذ تھے[3]

> وکان احمد بن نصر ھذا من اکابر العلماء العاملین القائمین بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر[4]

ابن حصین، ابن دورقی اور ابوزہیر وغیرہم نے احمد بن نصر کو واثق کے عقائد کے خلاف بھڑکا دیا۔ یہ حق گو عالم واثق کے خیالات کی اپنے وعظ میں دھجیاں اڑانے لگے اور غصے میں آ کر خنزیر و کافر سے خطاب کرنے لگتے۔ عوام الناس میں اس کی شہرت ہوگئی۔ وہ جوق در جوق احمد بن نصر کی نصرت پر تھے۔

---

[1] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۱۷۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۷۷ [3] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۰۵
[4] ایضاً [5] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۱۷۷ ۔

واثق باللہ خلقِ قرآن اور رویتِ باری کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا ہم خیال و ہم عقیدہ تھا۔ محدثین اس عقیدے کے خلاف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ احمد بن نصر واثق کو بُرا بھلا کہا کرتے۔ لوگوں نے عتاب سلطانی کا خوف دلایا مگر یہ لوگ بجائے خوف کھانے کے علانیہ حق گوئی سے کام لینے لگے۔ ابوہارون السراج اور ابوطالب نے ابونصر کی دعوت پر امر بالمعروف والنہی عن المنکر شروع کر دی جسے عوام نے قبول کیا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر ہزارہا نفوس نے احمد بن نصر کی بیعت بھی کر لی۔ ابوہارون اس تحریک کا داعی اول تھا۔ روپیہ پیسہ سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ یہ تحریک بہت جلد پھلی پھولی۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ ایک مقررہ شب کو بغداد کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں بیک وقت حکومت کے خلاف کھڑا ہو جانا چاہیئے اور دولت بنی عباس کا تختہ الٹ دیا جائے۔ پہلے ہی سے معتصم اور واثق کی سخت گیریوں اور عمل خلافِ سنت سے عوام الناس میں برہمی پیدا ہو گئی تھی۔

مسئلہ خلقِ قرآن کے پیچھے جو جو مظالم معتصم نے روا رکھے اور علماء کی تذلیل کی اِس کا نتیجہ یہ ہونا ہی چاہیئے تھا کہ حکومت کے خلاف لوگوں میں جذبۂ منافرت ہو۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ احمد بن نصر کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ابوطالب نے ان کی فوجی تشکیل کی۔ انعامات اور اسلحہ دیئے۔ شب پنجشنبہ ۳ شعبان ۲۳۱ھ کو بغرض دعوتِ خروج عہد کیا گیا۔ بنی اشرس کے دو آدمی جو احمد کے متبع تھے موعودہ شب سے ایک شب پہلے نبیذ کے نشہ میں اُنہوں نے طبل بجانا شروع کر دیا۔ اسحاق بن ابراہیم افسر پولیس اس وقت بغداد میں موجود نہ تھا۔ اس کا بھائی محمد بن ابراہیم اس کا قائم مقام تھا تو اس نے نقارہ کی آواز سُنی گھبرا گیا۔ ایک آدمی کو دریافت حال کی غرض سے روانہ کیا۔ کوئی شخص نظر نہ پڑا۔ اتفاقیہ ایک اعور (بھنگا) عیسیٰ نامی حمام میں مل گیا اس نے بنی اشرس، احمد بن نصر، ابوہارون اور طالب کی تحریک کا راز فاش کر دیا اور ان کے قیام کا بھی پتہ

دے دیا۔ محمد بن ابراہیم نے اسی وقت ایک دستہ فوج احمد بن نصر وغیرہ کی گرفت کو بھیج دیا۔ سب لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ محمد بن ابراہیم نے ان لوگوں کو سامرا بھیج دیا۔ واثق کے روبرو دربارِ عام میں یہ حضرات صدق و صفا پیش کئے گئے۔ اس جلسہ میں قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھا۔ خلیفہ واثق نے احمد بن نصر سے بغاوت اور خروج کی وجہ دریافت نہ کی خلقِ قرآن کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ احمد بن نصر نے عرض کیا "وہ کلامِ الٰہی ہے"۔

پھر واثق نے اللہ تعالیٰ کی رویت کا مسئلہ دریافت کیا۔ احمد نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی رویت اخبارِ صحیحہ سے ثابت ہے اور میں امیر المومنین آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ آپ قرآن مجید اور حدیث شریف کی مخالفت نہ کیجئے"۔ خلیفہ واثق نے علماء کی طرف دیکھا اور احمد بن نصر کی بابت دریافت کیا۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق قاضی جانب غربی بغداد نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"امیر المومنین کو اس شخص کا خون مباح ہے"

قاضی ابن ابی داؤد بولا۔

"یہ شخص کافر ہو گیا اس کو توبہ کی ہدایت کی جائے"

واثق نے صمصامہ (یہ عمر بن معدی کرب زبیدی کی تلوار تھی) منگوائی اور اس کو نیام سے کھینچا۔ احمد بن نصر نے کلمہ پڑھتے ہوئے گردن جھکالی اور خلیفہ واثق نے ایک تلوار کندھے پر ماری دوسری سر پر رسید کی۔ اس تلوار نے پیٹ کو ناف سے سینہ تک چاک کر دیا۔ اس کے بعد سیما الاسقی نے اس حق گو عالم کا سر تن سے اتار کر بغداد بھیج دیا جو جسر بغداد پر آویزاں کر دیا گیا اور لاشہ کو بغداد کے دروازہ پر صلیب پر چڑھا دیا[1]

مختلف واقعات ۲۳۱ھ کے خاتمہ کے دور پر خلیفہ نے سعید بن مسلم بن قتیبہ

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۰۷ اور طبری جلد ۱۱ صد ۲۲۳۔

کو صفور اور عواصم کی سند گورنری مرحمت فرمائی اور ہدایت کی کہ عیسائی قیدیوں کو بعوض مسلمان قیدیوں کے والی روم کو دے کر مصالحت کر دو۔ مگر ساتھ ہی اس کے مسلمان قیدیوں سے قرآن کے مخلوق ہونے اور رویت باری کا مسئلہ دریافت کرتے جانا۔ جو شخص خلق قرآن کا قائل اور رویت اللہ کا مؤید ہو اس کا معاوضہ دے کے عیسائیوں کی قید سے چھڑا لینا اور ایک دینار علاوہ زادِ سفر کے بطور انعام مرحمت کرنا اور جو شخص خلقِ قرآن کا منکر اور رویت اللہ کا قائل نہ ہو نہ اس کے معاوضہ میں کسی عیسائی قیدی کو رہا کرنا اور نہ اس کی رہائی کی فکر کرنا۔ چنانچہ رومی اور مسلمان اپنے اپنے قیدیوں کو لئے ہوئے نہر لامس پر آئے جو طرطوس سے ایک منزل پر تھی مسلمانوں نے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دیا اور عیسائیوں نے مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ تعداد میں چار ہزار چونسٹھ مرد آٹھ سو لڑکے اور ایک سو عورتیں اہلِ ذمہ تھے۔[1]

جہاد احمد بن سعید بن مسلم اس سے فارغ ہو کر ایام سرما کے آتے ہی ایک لشکر مرتب کر کے سرحدی بلاد پر جہاد کرنے چلا۔ اثنائے راہ میں روم کے بطریق نے منع بھی کیا کہ یہ موقع نہیں ہے مگر احمد بن سعید نے اس کے کہنے پر التفات نہ کی آخر برف اور کثرتِ بارش سے بے حد نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور بے نیل و مرام دارالخلافہ واپس آیا۔ واثق نے احمد بن سعید کو اس ناعاقبت اندیشی پر نصیحت و فضیحت کے بعد معزول کر دیا اور اس کے بجائے نصر بن حمزہ خزاعی کو متعین کیا۔[2]

ارمینہ میں خلفشار ارمینہ کے قرب و جوار میں عرب اور بطارقہ نے بغاوت کر دی۔ واثق نے خالد بن یزید بن مزید کو فوج دے کر بھیجا باغی گھبرا گئے اور تحائف لے کر خالد کے پاس آئے اور اظہارِ اطاعت کیا۔ مگر اسحاق بن اسماعیل باغی رہا۔ خالد اس کی سرکوبی کو بڑھا کہ یکایک مر گیا۔ اس کی ہمراہی فوج منتشر ہو گئی۔ واثق نے خالد کے لڑکے کو اس کے والد کے بجائے افسر

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صـ۱۷۹ [2] ایضاً [3] ایضاً

افسر مقرر کر کے بھیجا اس نے نظام کو تو نصیبین روانہ کیا۔ پھر احمد بن خالد نے باغیوں کی پوری سرزنش کی اور انھیں قتل کر کے ان کے مکانات میں آگ لگادی اور رضا دیہ اور اسحاق کو بالکل شکست دے کر اس علاقہ کو معقول انتظام کر کے دارالخلافہ لوٹ گیا[1]

خوارج کا فتنہ ۲۳۱ھ میں دیار ربیعہ کے خوارج نے سر اٹھایا۔ عالم بن ابی مسلم نے ان کے سرغنہ محمد بن عبداللہ کو گرفتار کر کے سامرا بھیجا جہاں وہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچا۔

اصفہان کے کرد اصفہان اور فارس کے کردوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ سپہ سالار وصیف ترکی نے اس شورش کو بقوت دبا دیا اور پانچ سو کرد گرفتار کئے جس میں سے زیادہ تر نو عمر غلام تھے۔

فتوحات واثق کے عہد میں سسلی میں اہم فتوحات ہوئیں ۲۲۸ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر حملہ کیا اور سسلی کے بندرگاہ پر فوجیں اتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیں اور خود "ناپل" کی طرف بڑھا۔ یہاں کے باشندے طالب امان ہوئے۔ پھر شہر "مکان"، کو ایک سال میں فتح کر لیا۔

۲۲۹ھ میں ابو العباس اغلب بن فضل "شرۃ" تک بڑھتا چلا گیا۔ "اہل شرہ" نے روکنا چاہا۔ لیکن انھوں نے بڑی شکست فاش کھائی۔ ان کے دس ہزار رومی کام آئے۔ مقابلہ میں ادھر مسلمان تین شہید ہوئے۔ ۲۳۲ھ میں فضل بن جعفر نے سیلنی کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ اسی سنہ میں انکبردہ کے شہر طارنت میں مسلمان آباد کئے گئے۔

وزارت

محمد بن عبدالملک بن زیات ہی واثق کا وزیر رہا۔ پہلے واثق زیات سے خفا تھا مگر اس کی تحریر واثق کو پسند آئی اس لئے راضی ہو گیا اور دوسرے کاتبوں کو اس کے اسلوب تحریر کی تقلید کی ہدایت کی[1]

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۶۔

رفاہِ عام واثق باللہ نے اپنے عہد میں بہت سے ایسے کام کئے جن سے رعایا کو بہت فائدہ پہنچا۔ خلفاء ماسبق کے زمانے میں جہازوں سے بحری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے حکومت کو بڑی خطیر آمدنی ہوتی تھی لیکن واثق نے اس ٹیکس کو بند کر دیا[1]

خیرات و مبرات واثق کی طبیعت میں سخاوت کا مادہ تھا اس کی فیاضی اور داد و دہش نے اہلِ مکہ و مدینہ کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ جب اس کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ مدینہ کی عورتیں ہر شب اس کی یاد میں بقیع میں جا کر روتی تھیں[2]

علویوں سے سلوک واثق نے علویوں کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔ وہ ان کے رتبہ کے مطابق ان کا اعزاز و احترام مرعی رکھتا تھا اور حسنِ سلوک سے پیش آتا تھا۔

خلق و تواضع خلق و تواضع واثق کی ممتاز خصوصیت تھی۔ بڑوں کا غیر معمولی احترام کرتا۔ احمد بن حمدون کہتے ہیں ایک مرتبہ ہارون بن زیاد واثق کا معلم تھا، واثق سے ملنے آیا۔ واثق نے ان کی انتہا درجہ تعظیم و تکریم کی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں جن کی آپ اس درجہ تکریم کرتے ہیں۔ واثق کہنے لگا کہ سب سے پہلے انہوں نے میری زبان ذکرِ خدا کے ساتھ کھولی تھی اور رحمتِ الٰہی سے مجھے قریب کیا تھا۔

حمدون کہتے ہیں کہ خلفاء میں کوئی شخص واثق سے بڑھ کر حلیم اور تکلیفوں پر صبر کرنے والا نہ تھا اور بعض اوقات ان صفات کے بالکل برعکس بھی کر بیٹھتا تھا۔

قدردانی و صلہ گستری واثق کو شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ ایک دن دربار میں شعراء جمع تھے۔ ایک کنیز نے اخطل کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صد ۱۱ [2] ابو الفداء جلد ۲ صد ۳۶ [3] تاریخ الخلفاء صد ۲۳۰۔

شعر گایا ہے

وشادن مربح بالکاس نادمنی — "ایک آہو برہ ہے جو مجھے شراب پلاتا ہے
بذی بالحصور ولا فیھا بسوار — جس میں نہ وہ بخیلی کرتا ہے نہ سوار (جھوٹا) چھوڑتا ہے"

واثق نے شعراء کو مخاطب کر کے سوار کے معنی پوچھے۔ کوئی صحیح نہ بتلا سکا۔ ابن الاعرابی نے بسند شعرائے عرب معنی بیان کر دیئے۔ واثق بہت خوش ہوا اور بیس ہزار درہم اس کو عطا کئے۔ ابو محلم کو ایک موقعہ پر ایک لاکھ دینار انعام میں عطا کئے۔

علمی مجلس ایک دن واثق کی مجلس میں حسین بن ضحاک اور مخارق کی بحث چھڑ گئی۔ ایک ابو نواس شاعر کو ترجیح دیتا تھا۔ دوسرا ابوالعتاہیہ کو، واثق نے کہا کچھ شرط کر دو۔ چنانچہ دو سو دینار شرط مقرر ہوئی۔ واثق نے دریافت کیا کہ کوئی عالم حاضر ہے۔ معلوم ہوا ابو محلم موجود ہیں ان سے یہ معاملہ رجوع کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ابو نواس بہت بڑا شاعر ہے اور تمام اصنافِ سخن پر قادر ہے۔ چنانچہ اسی فیصلہ پر دو سو دینار حسین بن ضحاک کو دیدیئے گئے[1]

فنِ موسیقی سے لگاؤ شعر و شاعری کے ساتھ واثق کو فنِ موسیقی سے بھی دلی لگاؤ تھا۔ صولی کہتے ہیں خلفاء میں راگ راگنی کا سب سے زیادہ عالم واثق ہوا ہے۔ واثق نے بہت سی سُریں ایجاد کیں۔ عود بجانے میں اور اشعار و اخبار میں وہ سب سے بڑا استاد مانا جاتا تھا۔

واثق کو کھانے پینے کا بھی بڑا شوق تھا۔

یزید المہلی کا بیان ہے کہ واثق بڑا پُرخور تھا۔

ابن فہم کہتے ہیں کہ واثق کے چاندی کے چار خوان تھے جن کو بیس آدمی اٹھا کر لاتے تھے۔ ہر خوان میں کٹورے کاسے کے اور آبخورے چاندی ہی کے تھے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۸۔

شرعی احکام کا احترام ایک دن کا واقعہ ہے کہ قاضی ابی داؤد واثق کے کھانے کے وقت آ گئے۔ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر قاضی صاحب نے واثق سے کہا چاندی کے برتنوں میں کھانا منع ہے۔ واثق نے سنتے ہی خدام کو حکم دیا کہ سب چیزیں توڑ کر چاندی بیت المال میں داخل کر دیجائے[1]۔

آزاد خیالی مامون کے معتزلی مسلک نے اس کے اہلِ خاندان کو مسائل تقلید کے بجائے آزادانہ رائے کا حامی بنا دیا تھا۔

اس کے دربار میں مختلف علوم و فنون کے علماء کی دلچسپ صحبتیں ہوتی تھیں ان مجلسوں اور صحبتوں کا تفصیلی حال مسعودی نے لکھا ہے۔

مسئلہ خلق قرآن

معتصم کی طرح واثق بھی خلقِ قرآن اور رویتِ باری کے مسئلہ میں تشدد رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے محدّث احمد نصر کو خود قتل کیا۔ یوسف بن یحیٰی فقیہ شافعی کو جیل بھیجا۔ نعیم بن حماد کو سزا دی اور اپنی پوری قوت و جبروت کو خلقِ قرآن کے مسئلہ کے منوانے میں صرف کرتا۔ مگر اہلِ حق صاف گوئی سے باز نہیں آتے تھے اور اُس کے مظالم سہتے تھے۔

قاضی ابی داؤد کا زوال حضرت ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد الازدی ابو داؤد اور نسائی کے استاد بھی دیگر علماء کے ساتھ گرفتار کر کے سامرا لائے گئے اور قاضی ابی داؤد کے سامنے پیش ہوئے۔ ابو عبدالرحمٰن نے قاضی سے پوچھا کہ جو رائے تمہاری ہے اور جس کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو اُس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو آپ نے لوگوں کو اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ بلایا۔ ابن ابی داؤد نے کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۸۔

کو اس کا علم تھا۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ تم کیوں کرتے ہو؟ جو کام آپ نے ناجائز سمجھا اس کو تم نے کیسے جائز قرار دیا۔ کہتے ہیں یہ جواب سن کر لوگ حیران رہ گئے اور واثق ہنس پڑا اور اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے محل سرا میں چلا گیا اور لیٹ رہا۔ بار بار کہتا تھا کہ جس بات کو رسول اللہؐ نے ناجائز قرار دیا اسے ہم جائز سمجھ رہے ہیں۔ جس معاملہ میں آپؐ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابو عبدالرحمٰن کو تین سو دینار نذر کئے اور ان کو باحترام ان کے وطن واپس کیا۔ اس دن سے واثق ابی داؤد سے ناخوش ہو گیا[1]

خطیب بغدادی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق نے اپنی موت سے پہلے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا اور امام احمد بن حنبل کو قید سے اس نے ہی رہا کیا تھا[2]

وفات ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو واثق استسقاء میں مبتلا ہوا۔ اطباء نے گرم تنور میں بٹھا کر بھاپ دلائی جس سے افاقہ ہوا۔ دوسرے دن تنور کو زیادہ گرم کرا دیا۔ اس کے اثر سے بخار چڑھا۔ یہی موت کا پیغام تھا۔ وفات کے وقت ۳۲ سال کی عمر تھی۔ مدتِ خلافت ۵ سال نو ماہ ہے۔ موت کے قریب یہ اشعار بار بار پڑھتا تھا ؎

الموت فیہ جمیع الخلق مشترک	"موت میں تمام خلقت مشترک ہے نہ اس سے کوئی
لا سوقۃ منھم یبقی ولا ملک	بازاری بچنے پاتا ہے نہ بادشاہ نہ فقیروں کو دنیا
ما ضر اھل قلیل فی تفاقرھم	چھوڑنے میں افلاس مانع آتا ہے نہ بادشاہوں کے
ولیس یغنی عن الملاک ما ملکوا[3]	ملک ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔"

حلیہ نہایت خوش منظر اور سڈول جسم، رنگ سرخ و سپید، بائیں آنکھ میں پھلی تھی۔[4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۲ [2] ایضاً [3] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰ [4] ایضاً و الفخری صفحہ ۲۱۴

آثارِ واثق

واثق کو تعمیرات سے بھی بہت شوق تھا۔ سامرا میں اپنے ذوق سے چند محل تعمیر کرائے تھے۔ قصر الحزی جو اس کے باپ نے ابلق گھوڑوں والی پہاڑی پہ تعمیر کیا تھا جہاں سے پورے شہر سامرا کا نظارہ طائر نگاہ کے سامنے آجاتا تھا۔ اس کے علاوہ قصر مائدۃ لا زوال قصر قوت القلوب، قصر سرور العیون، قصر النفحات، قصر فردوس عیش، واثق کے اپنی مرضی کے تعمیر کردہ تھے۔ اس کے زمانہ میں سامرا فخر البلاد بنا ہُوا تھا۔

بیمارستان واثق کے دادا ہارون نے جس طرح بغداد میں بیمارستان قائم کیا تھا اس نے سامرا میں اس کی تعمیر کرائی اور حکیم سیموبہ کو اس کا نگران مقرر کیا۔

علمی ترقی

واثق نے ترویج علم کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی مگر بغداد کی علمی چہل پہل روز افزوں تھی۔ صدہا درس گاہیں تھیں۔ حدیث کے حلقے قائم تھے۔ اس کے علاوہ واثق کے عہد کے علماء بڑے پایہ کے تھے۔ امام احمد بن حنبل کی جلالتِ شان سے کون انکار کر سکتا ہے باوجودیکہ امام کو حکومت نے سخت تکالیف دیں۔ قید میں رکھا کوڑے مارے گئے۔ مگر امام جمع نشر و اشاعتِ حدیث میں لگے ہُوئے تھے۔

احادیث کے مجموعے چنانچہ امام نے دو لاکھ احادیث میں سے تیس ہزار کا مجموعہ مرتب کیا جو مسند کے نام سے مشہور ہے آپ نے اس کی صحت کی خاطر ستر ہزار جھوٹی حدیثیں یاد کر رکھی تھیں اور مسندِ ابو داؤد طیالسی (۲۰۴) مسندِ اسد بن موسیٰ الاموی ، مسندِ نعیم بن حماد خزاعی (۲۸۸ھ) مسندِ عبد بن حمید (۲۴۲) حدیث کے مجموعے تیار ہوئے جن میں اسحاق بن راہویہ کا مجموعۂ حدیث زیادہ مشہور ہے۔

مصنفِ عبدالرزاق (۲۱۱) سننِ سعید بن منصور (۲۲۵) بھی قابلِ ذکر ہیں۔

فتنۂ وضع حدیث

منصور عباسی سے پہلے سے وضّاعِ حدیث اپنی فتنہ پردازی میں سعی بلیغ کر رہے تھے۔ مگر ہادی کے زمانے میں ان زندیقوں کو اپنے کئے کی بہت کچھ سزا ملی۔ مامون کے عہد میں علوم عقلیہ کی گرم بازاری نے حکومت کو زندیقوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا معتصم اور واثق کے عہد میں ایک تو اعتزال کی گرما گرمی تھی۔ پھر محدثین پر یہ مسئلہ خلق قرآن کی بدولت زجر و توبیخ حکومت کی طرف سے ہو رہی تھی اس لیئے حدیث گھڑنے والوں کو کافی فرصت ملی۔ چنانچہ معتصم اور واثق کے عہد میں واضعینِ حدیث کثرت سے پیدا ہو گئے۔

ایک دن امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین مسجد رصافہ میں نماز پڑھ رہے تھے ان کے سامنے ایک واعظ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مجھ کو حدیث پہنچی ہے۔ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے اور ان دونوں کو عبدالرزاق سے اور اس کو معمر سے اور معمر کو انس سے، حضرت انس نے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو اللہ تعالےٰ اس کے ہر ایک کلمہ سے ایک جانور پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے الخ

اس قصّہ کو قریب بیس ورقوں کے بیان کیا۔ امام احمد بن حنبل نے یحییٰ بن معین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیا تم نے یہ حدیث ان سے بیان کی ہے؟"

انہوں نے کہا۔ خدا کی قسم! میں نے اس واعظ کو دیکھا تک نہیں چہ جائیکہ اس کو حدیث سُناتا۔ اتنے میں وہ قصّہ گو حاضرین سے خیرات لیتا ہوا ان دونوں تک آیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا تُو نے یہ حدیث کس سے لی ہے؟ اور ہمارے نام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں۔ تُو نے ہم پر افترا کیا ہے۔ اُس نے کہا مَیں نے سُنا تھا ابن معین احمق ہے لیکن اب یقین ہو گیا۔ کیا اس نام کے اور نہیں ہو سکتے۔ میں نے ۱۷ احمد بن حنبل اور ابن معین سے یہ روایت لکھی ہے۔

یہ کہہ کر ٹھٹھا لگاتا ہوا مسجد سے چلتا ہوا۔ یہ دونوں بزرگ منہ دیکھتے رہ گئے۔

کسی نے ابوعصمہ سے پوچھا کہ مالک کی روایت عکرمہ سے اور عکرمہ کی انس وابن عباس سے قرآن کی سورتوں کے فضائل میں تم نے کہاں سے پائیں۔ ابوعصمہ نے کہا میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی تاریخ کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے بہ نظر ثواب میں نے ان حدیثوں کو بنایا ہے۔

ابوعصمہ، نوح ابن مریم المروزی، محمد بن عکاشہ کرمانی، احمد بن عبداللہ جوئباری، ابن تمیم فریابی وغیرہ بہ نظر ثواب حدیثیں بناتے تھے۔ سہل بن عبداللہ التستری کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے دس ہزار حدیثیں بنائی تھیں[1] جو بعض کتب احادیث میں شامل ہیں۔

اس عہد میں ائمہ فن کو یہ خیال دامنگیر تھا کہ ان تمام مجموعوں سے نہایت صحیح و مستند روایتیں التقاط کر کے مثل مؤطا کے جمع کر دی جائیں۔

ایک دفعہ امام اسحاق بن راہویہ کا حلقۂ درس جما ہوا تھا۔ امام محمد اسماعیل بخاری بھی حاضرِ درس تھے۔ امام ابن راہویہ نے تمام تلامذہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کاش تم میں سے کوئی صحیح حدیثوں کا ذخیرہ جمع کر دیتا۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام کے اس قول نے میرے دل میں نہایت گہرا اثر کیا اور میں اس پر آمادہ ہوا کہ استاد کی تمنا کو پورا کروں۔ چنانچہ سولہ سال کی مدت میں جامع صحیح مرتب کی اور امام علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہم کے آگے اس جامع صحیح کو پیش کیا۔ سب نے اسے اچھا بتایا۔ اور اس کی صحت کی گواہی دی[2]

مؤطا منصور کے زمانے میں مرتب ہوئی۔ بخاری شریف واثق کے

---

[1] تحذیر المسلمین صفحہ ۴ مطبوعہ مدراس ۱۳۰۴ھ [2] مقدمہ فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی۔

عہد میں تکمیل کو پہنچی۔

اسماء الرجال کی پہلی تصنیف

یحییٰ بن معین فنِ اسماء الرجال کے بڑے امام ہیں۔ وہ جرح و تعدیل میں کسی شخص کے رتبہ و حیثیت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ سلاطین و قضاۃ سے لے کر مقتداؤں اور پیشواؤں تک کے اخلاق و اعمال کی سراغ رسانی کر کے نکتہ چینی کرتے تھے۔ ان کے مذموم اوصاف تک کو افشاء کر دیتے اور اظہارِ حق میں کسی لومۃ لائم اور ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہر قسم کی طعن و تشنیع کو حدیث کی محبت و حفاظت میں خلوصِ نیت کو مدِ نظر رکھ کر گوارا کیا کرتے۔ ان کے استاد یحییٰ بن سعید القطان نے اسماء الرجال پر پہلی کتاب لکھی[1] اس کے بعد دوسرے مجموعے تیار ہوئے۔

علومِ عقلیہ

مامون کے زمانے سے واثق کے عہد تک علومِ عقلیہ کی بے حد ترقی ہوئی۔ معتصم کے عہد میں بیت الحکمت کا کام جاری رہا۔ واثق کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ اس نے از سرِ نو اس کو ترقی دی۔ بڑے بڑے مترجم بیت الحکمت میں ملازم رکھے۔ خود فلسفہ سے ذوق رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں فلسفی شریک ہوا کرتے۔ واثق ان سے مباحثہ کرتا[2] یوحنا بن ماسویہ کو ندیم بنایا اور ان کو دولت سے مالا مال کیا[3]

ایک موقعہ پر تین لاکھ درہم عطا کئے مگر متکلمین کی زیادہ پذیرائی تھی بالخصوص

---

[1] دیباچہ میزان الاعتدال ذہبی [2] مروج الذہب ذکر خلافت واثق باللہ

[3] طبقات الاطباء تذکرۂ یوحنا بن ماسویہ

معتزلہ کی۔ البتہ اس کے عہد میں بنو موسیٰ بن شاکر کی رصدگاہ جو بغداد میں سنہ ۹۵۰ء میں قائم ہوئی تھی، سنہ ۹۶۰ء تک اس میں مشاہداتِ فلکی کا کام منجمین کرتے رہے۔

المسالک والممالک واثق کے عہد میں ابن خردادیہ (امام ابوالقاسم عبداللہ محمد بن خردادیہ) جغرافیہ نویس تھا۔ یہ زردشتی نومسلم کی اولاد سے تھا وہ صوبہ جبال میں محکمہ برید واحتساب کا افسر اعلیٰ تھا۔ سنہ ۲۳۰ھ میں اس نے المسالک والممالک فنِ جغرافیہ میں لکھی۔

حکیم سلیمویہ ابن ہندا المامون اور المعتصم کے زمانوں کا نسطوری طبیب تھا۔ معتصم کا طبیبِ خاص رہا۔ واثق کی اس پر نظرِ عنایت تھی۔ اُس نے ہی حُنین کو جالینوس کی تصنیف میں مدد دی تھی۔ اواخر سنہ ۸۴۰ء میں انتقال کیا۔

مؤرخین واثق کے عہد میں ابو محمد عبدالملک ابن ہشام ابن ایوب الحمیاری البصری بہت بڑا مورخ تھا۔ اس کی عمر کا آخری زمانہ فسطاط میں گزرا ہیں سنہ ۲۱۸ھ، سنہ ۸۳۳ء میں انتقال ہُوا۔ مصنف سیرت الرسول ہے۔ (جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے اور سیرت کی نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔)

محمد بن سماعہ بن عبداللہ کوفی فقیہ، محدث، سنہ ۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔ نوادر ابن سماعہ اور ادب القاضی تصنیفی یادگار ہیں۔

حاتم بن اسماعیل الاصم بلخی صاحب مقامات تھے سنہ ۲۳۷ھ میں وصال ہُوا۔

بشر بن الولید بن خالد کندی، امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے ہیں۔ محدث صالح وعابد سنہ ۲۳۸ھ میں وصال ہُوا۔

داؤد بن رشید خوارزمی، امام محمد کے اصحاب سے ہیں۔ فقیہ و محدث ہیں۔

۲۳۹ھ میں وفات پائی [1]

دیگر ہم عصر علماء

احمد بن یونس، اسمٰعیل بن عمرو البجلی وسعید بن منصور صاحب السنن و محمد بن الصباح الدولابی صاحب سنن ابوالولید الطیالسی، خلف بن ہشام البزار (مشاہیر القراء) عبداللہ بن محمد السندی، نعیم بن حماد الخزاعی (اکابر جہمیہ سے تھا۔)

علی بن جعد الجوہری، محمد بن سعد کاتب الواقدی، مصنف کتاب الطبقات نسعید بن محمد الجرمی احمد بن نصر الخزاعی، امیہ بن بسطام، کامل بن طلحہ، محمد بن سلام الجمعی، یحیٰی بن بکیر راوی المؤطا عن امام مالک محمد بن الہذیل بن عبداللہ بن مکحول معروف العلاف متکلم متوفی ۲۳۵ھ۔

(ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۸)

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۸۔

خلافتِ بنی عباس

حصہ دوم

جس میں اٹھائیس عباسی حکمرانوں متوکل سے لے کر مستعصم تک کے تمام تاریخی حالات ایک خاص اسلوب سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسی کے ساتھ سلاطینِ بویہ، سلاجقہ زنگی، ایوبی، علویین اور باطنیہ وغیرہ کی تاریخ کا جامع خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی لاہور

خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر

نام ونسب متوکل علی اللہ جعفر بن معتصم بن ہارون الرشید۔ ان کی والدہ کا نام "شجاع"، خوارزمی تھا جو ام ولد تھی۔ شوال ۲۰۶ھ میں متوکل کی ولادت مقام فہم الصلح میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت متوکل، واثق کا ہم سبق رہا مگر واثق کی سی لیاقت نہ تھی۔ مذہب میں تقلید کا حامی تھا۔

خلافت واثق نے کسی کو ولی عہد نہیں کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی، امیر ایتاخ، امیر عمر بن فرج اور ابوالزیات وغیرہ قصر خلافت میں مجتمع ہوئے اور محمد بن واثق باللہ کو جو ایک نوعمر لڑکا تھا تخت خلافت پر بٹھلانے کی غرض سے سیاہ لباس وزیرہ پہنائی۔ اتفاق سے بوجہ کم عمری لباس بڑا اور وہ چھوٹا نکلا۔ امیر وصیف نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ہو جو ایسے کم عمر صاحبزادے کو سریر خلافت پر متمکن کیا چاہتے ہو"

حاضرین یہ سن کر چپ کنے سے ہو گئے۔ مستحقین خلافت کی بابت رائیں قائم کر کے جعفر بن معتصم پر متفق الرائے ہوئے۔ جب جعفر حریم خلافت سے باہر آئے تو قاضی احمد بن داؤد نے فوراً اُن کو لباس فاخرہ پہنایا۔ عمامہ باندھا۔ دست بوسی کر کے کہا۔

"السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

سب اراکین سلطنت نے بیعت کی اور المتوکل علی اللہ کا لقب دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کا ہے۔ اس وقت متوکل کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ خلیفہ

متوکل نے بیعت لینے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دفن کرنے کا حکم دیا۔ بعدازاں شاہی لشکر کو آٹھ ماہ کی تنخواہ مرحمت فرمائی۔

نظمِ اعمال غانم بن محمد طوسی کو حکومتِ موصل پر بحال رکھا۔ ابن عباس محمد بن صولی کو دیوان نفقات سے معزول کیا اور اپنے بیٹے منتصر کو حرمین، یمن اور طائف کی حکومت عنایت کی[1]

احیاءِ سنت متوکل نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنا میلانِ طبع احیاءِ سنت کی طرف ظاہر کیا۔ مسئلہ خلق قرآن کی پابندی اُٹھا دی گئی بلکہ محدثین کی دلجوئی اور اُن کی ہر قسم کی معاونت کی ۲۳۴ھ میں تمام محدثین کو سامرہ مدعو کیا۔ اور جب مجتمع ہو گئے تو اُن کی تواضع و مدارت اُن کے شایانِ شان کی۔ انعام واکرام سے بھی نوازا اور حکم دیا کہ "صفات" و "رؤیتِ الٰہی" کے متعلق محدثین اپنے وعظوں اور مجلسوں میں بیان کیا کریں۔ چنانچہ ابوبکر بن ابی شیبہ محدث کو جامع رصافہ میں اور ان کے بھائی عثمان کو جامع منصور میں اشاعتِ حدیث پر مقرر کیا[2]۔ ان بزرگوں کے وعظ میں روزانہ تیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ رعایا پر اس عمل کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ متوکل کے حق میں دعائیں ہونے لگیں۔

مدح متوکل

از

ابوبکر بن الخبازہ

وبعد فإن السنة اليوم أصبحت	معززة حتى كأن لم تذلل
تصول وتسطو إذ أقيم منارها	وحط منار الإفك والزور من عل
وولى أخو الإبداع في الدين هاربا	إلى النار يهوي مدبرا غير مقبل
شفى الله منهم بالخليفة جعفر	خليفته ذي السنة المتوكل[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ کتاب ثانی صد ۱۸۱ [2] ضحی الاسلام جز ثالث صد ۱۹۸ [3] ایضاً

ہلاکت ابن زیات

واثق اپنی زندگی میں متوکل سے بے حد ناخوش تھا تو وزیر محمد بن عبدالملک بن زیات بھی متوکل سے برگشتہ رہتا تھا۔ دیگر امراء بھی منحرف تھے۔ البتہ قاضی احمد بن داؤد معتزلی متوکل کا خیر خواہ تھا اور وہ واثق کے سامنے کلمۂ خیر اکثر کہہ دیا کرتا۔

چنانچہ، صفر ۲۳۳ھ میں خلیفہ نے ابن زیات اور اس کے تمام خاندان کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا اور کل جائداد اس کی بحق سرکار ضبط کی گئی۔ قید میں ابن زیات کو ڈال کر اکتالیس دن سخت عذاب دیئے اور تنور میں بند کر دیا جہاں یہ گُھٹ کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد عمر بن فرج کاتب اور اس کے بھائی جس نے تنخواہ کے کاغذ ایک موقعہ پر متوکل کی مسجد کے صحن میں پھینک دیئے تھے اس کو بھی پکڑوا بلوایا ۲،۴۰۰۰ دینار ۱۵۰۰۰ درہم ان سے وصول کئے اور اس کی املاک بھی ضبط کی گئی۔ آخر میں ایک کروڑ درہم لے کر متوکل نے اہواز کی جاگیر واگذاشت کر دی اور قید سے رہا کر دیا۔

ابن بعیث کی بغاوت

آذربائیجان کا رئیس محمد بن بعیث بن جلیس باغی ہو کر ۲۳۴ھ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مگر متوکل نے ترکیب سے سامرا بلا کر اُس کو قید کر دیا۔ بغا شرابی کی سفارش پر چھوٹا تو "مرند" کے قلعہ کو مستحکم کر کے حکومت سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ ربیعہ اور دوسرے قبیلہ کے لوگ اس کے شریک ہو گئے۔ یہاں کا ان دنوں حاکم محمد بن حاتم تھا وہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے بجائے حمدویہ بن علی بن فضل مقرر ہوا اس نے قلعہ کو گھیر لیا۔ مگر اس کی فوج سے قلعہ تسخیر نہ ہو سکا تو بغا شرابی دو ہزار سوار اور کثیر پیادوں کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔

اِدھر امیر عیسیٰ بن شیخ نے خفیہ طور پر ابن بعیث کے ساتھیوں کو جان بخشی کا پیام بھیجا۔ وہ سب اس سے علیحدہ ہو گئے تو ابن بعیث بلا مددگار کے تنہا رہ گیا تو راہ فرار اختیار کی مگر راستہ میں گرفتار ہوا اور سامرا لا کر قید کر دیا

گیا۔ وہیں عمر طبعی پاکر مر گیا۔[1]

فتنہ محمود بن فرج نیشا پوری ۲۳۵ھ میں محمود نے سامرا میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اُس نے کہا کہ میں ذوالقرنین ہوں اور خود ساختہ کتاب بھی پیش کی کہ یہ الہامی ہے اس کو گرفتار کر لیا۔ ۲۷ آدمی اُس پر ایمان لانے والے پائے گئے جو پکڑ لئے گئے۔ محمود متوکل کے سامنے حاضر کیا گیا اور اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اُس کے پیروؤں کو جیل میں بند کرا دیا گیا۔

بطارقہ ارمینیہ کی شورش آرمینیہ اور آذربائیجان کی ولایت پر بغا شرابی مامور کیا گیا۔ اُس نے ابوسعید محمد مروزی کو اپنا نائب مقرر کر کے وہاں بھیجا۔ شوال ۲۳۶ھ میں وہ فوت ہو گیا تو اُس کے بیٹے یوسف کو نیابت ملی۔

آرمینیہ کے بطریق اعظم بقراط بن اشوط نے بغاوت کر دی تو یوسف نے اس کو گرفتار کر کے متوکل کے حضور سامرا بھیج دیا۔ اس کی وجہ سے تمام بطارقہ برہم ہو گئے۔ انہوں نے باشندوں کو اُبھار کر یوسف کے مقابل لا کھڑا کر دیا۔ یوسف ان دنوں شہر "طرون" میں مقیم تھا۔ آرمینیوں نے طرون کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے نکل کر بلوائیوں کا مقابلہ کیا جس میں معہ ساتھیوں کے کام آیا۔ متوکل کو خبر لگی تو اس نے بغا شرابی کو بھیجا۔ اُس نے جزیرہ کی طرف سے پہنچ کر پہلے "ارزن" کا محاصرہ کیا۔ وہاں کا امیر موسیٰ بن زرارہ تھا جس نے یوسف کے قتل میں آرمینیوں کا ساتھ دیا تھا اس کو بغا نے گرفتار کرا کے سامرہ بھیج دیا اور خود امیر بغا خوثیہ کی طرف بڑھا۔ جس کے دامن میں باغی مجتمع تھے۔ بغا نے ان پر حملہ بول دیا۔ بیس ہزار آرمینی مارے گئے اور بیشمار قید ہوئے۔ اس فتح یابی کے بعد بغا آرمینیہ سے گزرتا ہوا دبیل اور تفلیس

---

[1] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۲۷۴۔

تک گیا۔ وہاں کا حاکم اسحٰق بن آسمٰعیل تھا۔ اس کو بھی مقابلہ میں زیر کیا اور قتل کر دیا۔ پھر بغاصفاریہ گیا وہاں شکست اٹھانی پڑی۔ اہل صفاریہ نے روم، خزر اور صقالبہ کی مدد حاصل کی تھی۔ فوج گراں مقابلہ کے لئے جمع ہوگئی تو متوکل کو خبر دی گئی۔ اس نے خالد بن یزید شیبانی کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس کے آنے سے یہ سب لوگ منتشر ہو گئے۔ خالد نے دوبارہ امان کی تجدید کر دی۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا[1]

دولت یعفریہ

صنعاء پر عہد معتصم میں جعفر بن سلیمان عامل مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اپنا نائب عبدالرحیم بن ابراہیم کو مقرر کر کے صنعاء بھیج دیا۔ اس نے صنعاء کا انتظام اچھا کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یعفر صنعاء کے انتظام میں لگ گیا۔ باشندے اس کے گرویدہ ہو گئے تو اس نے ۲۴۷ھ میں خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔ یہ ریاست ۳۸۷ھ تک یعفر کے خاندان میں رہی۔ محمد بن یعفر، عبدالقادر بن احمد بن یعفر، ابراہیم بن محمد، سعد بن ابراہیم، محمد بن ابراہیم، عبداللہ بن قحطان صنعاء کے حکمران رہے۔

یعقوب بن لیث صفاری ۲۳۷ھ میں سبنت کے باشندے صالح بن نصر نے سجستان پر قبضہ جمایا۔ یعقوب بن لیث صفاری جو پہلے سے حکومت عباسیہ سے منحرف ہو چکا تھا اس کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن امیر طاہر بن عبداللہ بن طاہر والئی خراسان نے صالح کی گوشمالی کر دی اور سجستان کو واپس کر لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد موقعہ پاکر امیر درہم بن حسین نے بلا مزاحمت سجستان پر قبضہ کیا۔ اس کے ساتھ یعقوب بھی ہو گیا۔ درہم میں فوجی لیاقت نہ تھی۔ یعقوب نے اس کی فوج کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جب درہم کے ہمراہیوں

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹۔

نے اپنے سردار کی کمزوری دیکھی وہ یعقوب کے ہمنوا ہوگئے اور اس کو اپنا سردار بنالیا۔ درہم ان سے جدا ہوگیا۔ امیر یعقوب نے سجستان کا بہت اچھا انتظام کیا اور فوجی قوت کو بہت بڑی ترقی دی اور چند دنوں میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس کے بھروسہ پر اس نے سجستان میں اپنی مستقل حکومت قائم کرلی جو صفاریہ حکومت کے نام سے تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس دولت کا تفصیلی حال آگے آتا ہے۔

رومیوں کا حملہ مصر پر

رومیوں نے ۲۳۸ھ میں تین سو جنگی کشتیوں میں فوج بھر کر دمیاط کی طرف سے مصر پر حملہ کیا۔ امیر مصر فسطاط میں مقیم تھا وہاں دربار ہورہا تھا۔ تمام بحری محافظ شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ دمیاط پر رومی بلا مقابلہ قابض ہوگئے شہر کو لوٹ لیا۔ جامع مسجد میں آگ لگا دی۔ باشندوں میں سے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کو پکڑلے گئے ابھی کشتیاں روانہ نہیں ہوئی تھیں کہ ایک مسلمان امیر یسیر بن اکشف جو اس وقت قید میں تھا۔ بیڑیاں توڑ کر قید خانہ سے نکل آیا۔ بہت سے راہگیر اُس کے ساتھ ہوگئے۔ اس نے رومیوں پر حملہ بول دیا۔ اُن کی اچھی خاصی جماعت تہ تیغ کردی۔ تاب مقابلہ نہ لاکر رومی بھاگ کر اشتوم تینس پہنچے۔ یہاں پر بھی لوٹ مچائی اور آہنی پھاٹک اُٹھا کر چلتے بنے[1] اس واقعہ کے بعد متوکل نے دمیاط میں قلعے تعمیر کرائے[2] اور سرحد کی حفاظت کا معقول انتظام کیا۔

اہلِ حمص کی بغاوت

۲۴۰ھ میں اہلِ حمص نے بغاوت کردی۔ یہاں کا حاکم ابوالمغیث موسیٰ ابن ابراہیم تھا۔ اس کو حمص سے بے دخل کردیا۔ متوکل کو اطلاع پہنچی۔ اس نے محمد بن عبدویہ کو حمص کا حاکم مقرر کرکے ان کے ساتھ عتاب بن عتاب کو باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے حمص جاکر باغیوں کی سرکوبی کرکے اُن کی طبیعت میں سکون پیدا کردیا۔ مگر کچھ دن

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۲ [2] کتاب الولاۃ صفحہ ۲۰۱

نہ گزرے کہ ان میں پھر بغاوت کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا تو محمد بن عبدویہ نے ان کے سربرآوردہ اشخاص کو گرفتار کر کے پابجولاں سامرہ بھجوا دیا۔ اور جب ابن عبدویہ حمص میں امن وامان کر کے دارالخلافہ واپس آیا تو ان سب کو کوڑوں سے اتنا پٹوایا کہ وہ ڈھیر ہو گئے۔ پھر ان کی لاشوں کو سُولی پر لٹکا دیا اور حمص کے جس قدر فتنہ پرور لوگ تھے اسی طرح سے ان کا خاتمہ کرا دیا گیا [1]

مُسلمان قیدیوں کا تبادلہ ۲۴۱ھ میں روم کی ملکہ تدورہ تھی وہ بڑی ظالمہ عورت تھی۔ اس کے قبضہ میں بارہ ہزار مسلمان قید تھے۔ اس نے بہت سوں کو عیسائی کر لیا۔ بڑی تعداد قتل کی گئی جو بچے متوکل کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ ضرورت سمجھے تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے۔ چنانچہ متوکل نے شنیف خادم اور جعفر بن عبدالواحد قاضی القضاۃ بغداد کو روم بھیج کر مسلمانوں کو چھڑا منگایا۔ بارہ ہزار میں سے صرف ۷۸۵ مرد اور ۱۲۵ عورتیں باقی بچی ہوئی تھیں [2] ایک سو سے زیادہ ذمی عیسائی بھی رومیوں کے قید خانے میں تھے۔ قاضی صاحب نے فدیہ دے کر ان کی بھی گلو خلاصی کرائی اور آزاد کر دیا۔ جہاں چاہیں رہیں۔

مصر پر بجاۃ کی یورش شرقاً وغرباً دریائے نیل اور بحر احمر اور شمالاً وجنوباً مصر وحبشہ کے درمیان ایک قوم آباد تھی جن کو "بجاۃ" کہتے تھے۔ وحشی اور کافرانہ ان کی زندگی تھی۔ ان کے علاقہ میں چاندی وسونے وجواہرات کی کانیں کثرت سے تھیں۔ اوّلین صدی میں مسلمانوں نے ان کو جنگلی سمجھ کر نظرانداز کیا [3]۔ دوسری صدی میں عبیدہ ابن حجاب نے ان سے معاہدہ کیا۔ پھر مامون الرشید کے زمانے میں عہدنامہ کی تجدید ہوئی اور وہاں ربیعہ اور جہینہ قبائل آباد ہو گئے۔ یہ لوگ سو مثقال سونا سالانہ مصر کو دیا کرتے تھے۔ متوکل کے عہد میں انھوں نے بند کر دیا اور جو مسلمان سونے وجواہرات کی کانوں میں کان کنی کرتے تھے

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۴ [2] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد اوّل صفحہ ۷۸۶۔

ان کو قتل کر دیا جو بچ رہے وہ بھاگ گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ ۲۴۱ھ میں بجاۃ نے مصر پر تاخت کی۔ متوکل کو ان کی خودسری نے برافروختہ کر دیا۔ اس نے محمد بن عبداللہ قمی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا اور عنبسہ بن اسحاق ضبئی کو لکھا کہ قمی کو فوج و ساز و سامان سے مدد دے۔ قمی بیس ہزار رضا کاروں کے ساتھ طویل سفر کے بعد بے آب و گیاہ میدان کو طے کر کے بجاۃ پہنچا اور رسد کا سامان جہاز سے قلزم کی راہ سے روانہ کیا۔ یہاں کا فرمانروا علی بابا تھا اس سے سخت مقابلہ ہُوا مگر قمی کو یہ سوجھی کہ گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں باندھکر میدانِ مصاف میں پہنچا جائے۔ دشمن کے فوجی شتر سوار ہوتے ہیں اور شتر گھنٹی کی آواز سے بدکتے ہیں۔ چنانچہ اس تدبیر سے فوجِ علی بابا کو شکست ہوئی۔ علی بابا قمی کی امان میں آگیا اور چار سال کا واجب الادا خمس چار سو مثقال سالانہ کے حساب سے ادا کیا۔ اپنے لڑکے نعین کو قائم مقام کر کے قمی کے ساتھ آستانۂ خلافت پر حاضر ہُوا۔ متوکل نے علی بابا کی اطاعت کیشی کے صلہ میں خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور اپنے ملک جانے کی اجازت مرحمت کی۔[1]

فتوحات

عہدِ متوکل میں رومیوں سے اکثر معرکے رہے۔ اس کے علاوہ صقلیہ میں بھی فتوحات حاصل ہوئیں۔ گو صقلیہ میں مسلمانوں کی نوآبادی قائم ہو چکی تھی بلرام اُن کا مرکز تھا۔

۲۳۴ھ میں رغوس کے باشندوں نے مسلمانوں سے صُلح کر کے شہر اُن کے حوالہ کر دیا۔ استحکامات منہدم کر دیئے گئے۔ سامان مسلمان ہٹا لے گئے۔ ۲۳۵ھ میں ایک رومی دستہ نے قصریانہ پر حملہ کیا۔ یہاں کے مسلمان بلاوجہ قتل کئے گئے۔[2]

عباس بن فضل کے مجاہدانہ کارنامے

صقلیہ کا حاکم محمد بن عبداللہ بن اغلب تھا۔ اس کے انتقال کے بعد مسلمانانِ

---

[1] طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۲۹ [2] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۔

صقلیہ نے عباس بن فضل بن یعقوب سے جری اور بہادر کو اپنا امیر بنا لیا اور محمد بن اغلب والیٔ افریقہ سے اس کی منظوری بھی حاصل کر لی۔ عباس میں مجاہدانہ اسپرٹ تھی۔ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چچا رباح کو قلعہ ابی ثور کی طرف بھیجا اور خود رضا کاروں کو لے کر مسلم شہداء کے انتقام لینے کے لئے قصریانہ کی طرف بڑھا۔ اور تاخت وتاراج کر کے واپس آیا۔ البتہ رباح نے رومیوں سے بدلہ لے لیا۔ ہزارہا رومی رباح کے مقابلہ پر کھیت رہے۔

۲۳۸ھ میں عباس ایک بڑی جمعیت لے کر نکلا۔ قصریانہ، قطانہ، سرقوسہ، نوطس اور رغوس پر تاخت کرتا ہوا تبیرہ پہنچا۔ وہاں کے باشندے پانچ ماہ محصور رہ کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ عباس نے محاصرہ اٹھا لیا۔ پھر ۲۴۰ھ میں چند رومی قلعوں کو تاخت کیا۔ ۲۴۲ھ میں پھر قصریانہ پر فوج کشی کی۔ باشندے مقابل آئے اور شکست کھا گئے۔ عباس نے فراغت پا کر سرقوسہ اور طبرین وغیرہ پر حملہ بول دیا۔ یہاں تاخت کرتا ہوا قصر حدید کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ قلعہ نے مجبور ہو کر ۱۵ ہزار دینار پر صلح کرنا چاہی عباس نے رد کر دی۔ دو سو آدمی کی گلوخلاصی شرط ٹھہری۔ چنانچہ دو سو آدمی اہلِ قلعہ کے چھوڑ کر قصرِ حدید پر قبضہ کیا۔ تمام باشندے غلام بنا کر فروخت کر دیئے اور قلعہ کو مسمار کر دیا مگر عباس کا جذبۂ انتقام اس پر بھی کم نہ ہوا۔[1]

فتح قصریانہ صقلیہ کا پایۂ تخت سرقوسہ تھا مسلمانوں کے حملے کے بعد رومیوں نے قصریانہ کو دارالسلطنت بنایا۔ عباس نے اس کو فتح کرنے کے لئے ایک بحری مہم بھیجی تھی۔ رومیوں کے جہاز چالیس تھے۔ مقابلہ ہوا آخرش اُن کے دس جہاز گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد خود عباس نے حملہ کیا۔ شوال ۲۴۴ھ میں صقلیہ کے پایۂ تخت قصریانہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی دن ایک مسجد کی بناء ڈالی گئی۔ اگلے جمعہ کو اس میں پہلا خطبہ پڑھا۔ اس فتح میں بے شمار دولت ہاتھ لگی۔ اس واقعہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰۔

کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ روم نے مقابلہ کے لئے تین سو جہاز کا بیڑا مع جرار لشکر کے بطریق کی قیادت میں صقلیہ روانہ کیا۔ وہ سیدھا سرقوسہ پہنچا۔ مجاہد اعظم عباس نے اسے بھی شکست فاش دی اور سو جہاز رومی بیڑے کے گرفتار کئے اور رومی بے شمار قتل ہوئے۔ توسطر، ابلا، قلعہ عبدالمومن، قلعہ بلوط، قلعہ ابی ثور کے ساکنین میں انتقامی جوش بڑھ گیا اور یہ حکومت سے باغی ہو گئے۔

عباس نے پہلے ان کی سرکوبی کی۔ پھر قلعہ عبدالمومن اور ابلا طنوا کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں یہ خبر ملی کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر آ رہا ہے۔ عباس اپنی فوج کو لے کر چفلودی پر اس کا مقابلہ ہوا۔ پہلے معرکہ میں مخالف لشکر شکست کھا گیا۔ عباس کامیابی سے قصریانہ لوٹا اور اس کی درستی کرائی۔ جنگی استحکامات درست کئے، فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اس سے فارغ ہو کر ۲۴۷ھ میں سرقوسہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس پر تاخت کرتا ہوا قرقنہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں تین یوم بیمار رہ کر یہ مجاہد اعظم سفرِ آخرت کر گیا۔ رومیوں نے از راہ دشمنی قبر سے لاش نکال کر جلا ڈالی[1]

عباس کی مجاہدانہ سرگرمی کے علاوہ علی بن یحییٰ ارمنی نے ۲۲۵ھ میں رومیوں کے علاقہ پر فوج کشی کر رکھی تھی۔ نواح "سمیاط" کے رومی سرحدی مقامات پر حملہ آور ہوئے اور دس ہزار مسلمان پکڑ کر لے گئے۔ قرشاش اور عمر بن الاقطع نے اُن کا تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ لگے[2]

متوکل نے رومیوں کی سرگرمی دیکھ کر ۲۴۵ھ میں بغا کبیر کو سرحد پر مامور کیا۔ جس نے ضلع فتح کر کے اہلِ ارضِ روم کو پوری طرح پائمال کیا لیکن رومیوں نے دوبارہ سمیاط پر حملہ کر کے صدہا مسلمانوں کو شہید کیا۔ علی بن یحییٰ ارمنی نے گرمائی فوجوں کے ساتھ کرکرہ پر حملہ کیا۔ رومی بطریق پکڑا گیا اور متوکل کے پاس بھیج دیا۔ شاہ روم نے ایک مسلمان سے اُس کا تبادلہ کرا لیا۔ پھر ۲۴۶ھ میں یحییٰ نکلا اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۷۷

رومیوں پر حملہ بول دیا۔ چار ہزار رومی گرفتار کئے۔ ادھر یہ کامیابی تھی دوسری طرف مجاہد کبیر فضل بن قارن نے بیس جہازوں کے ساتھ بحری حملہ کر کے انطاکیہ کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ فتوحات کے اعتبار سے متوکل کا عہد کامیاب رہا۔[1]

سندھ ۲۳۵ھ میں سندھ میں ہارون ابن ابی خالد والی بنا کر بھیجا گیا۔ یہاں پر عمر بن عبدالعزیز ہباری کا اثر زیادہ تھا۔ ہارون پانچ برس تک ملکی شورش دباتا رہا۔ آخرش اس میں قتل ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کے پایۂ تخت منصورہ پر قبضہ کر لیا اور ایک درخواست متوکل کو بھیجی۔ اس نے صوبہ سندھ کی حکومت کی سند اس کو بھیج دی۔ ابن العزیز نے اپنی حکومت کی بناڈال دی۔

ولی عہدی کا مسئلہ متوکل نے اپنے تینوں بیٹوں کو ۲۰ رذی الحجہ ۲۳۵ھ میں ولی عہد بنایا اور کل ممالک زیر نگین کو ان پر تقسیم کر دیا۔

منتصر کو :۔ افریقہ، مصر، شام، جزیرہ، عرب، عراقین، موصل، حضرموت، اہواز، اصفہان، سندھ، مکران وغیرہ کا علاقہ ملا۔

معتز کو :۔ خراسان، طبرستان، رے، ارمینیہ، آذربائیجان۔ فارس اور ۲۴۰ھ میں کل ممالک محروسہ کے خزانوں کی تحویلداری کا عہدہ بھی اس کو ہی دیا گیا۔ بلکہ معتز کے نام کے ٹکسالوں میں درہم و دینار مضروب کئے جانے لگے۔

مؤید کو :۔ کوبند، دمشق، حمص، اردن، فلسطین دیا گیا۔

اس کے بعد ہر ایک اپنے اپنے حدودِ مملکت کا خود مختار حکمران قرار دیدیا گیا۔ عہد نامے میں لکھا گیا کہ خلیفہ ہو جانے پر منتصر، معتز اور مؤید کے کاموں اور اموراتِ ملکی میں دخیل نہ ہو۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ،، ۲ [2] طبری و ابن اثیر۔

عہد نامہ کی ایک ایک نقل اُن کو دے دی گئی اور ایک نقل خلافت کے دفتر میں محفوظ رکھی گئی۔

علوئین بنی اُمیہ کے زمانے میں امام زید نے دعوائے خلافت کیا تھا۔ پھر اُن کے صاحبزادے حضرت یحییٰ اُٹھے۔ متوکل کے عہد میں اُن کے پوتے یحییٰ بن عمر نے "نوائے آلِ محمد" بلند کی۔ مگر حکومت بنی عباس کے قبضہ میں جلد آ گئے۔ گرفتار ہو کر دربار میں لائے گئے۔ عمر بن فرج کاتب نے اس مقدس ہستی کو کوڑوں کی مار دی اور بغداد کی جیل میں ٹھونس دیا۔

متوکل کو علوئین سے دلی عناد تھا جس شخص سے متعلق اس کو خبر ملی کہ علوئیہ میں سے کسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا خون اور مال سب حلال تھیں۔ آخر میں ناصبی خیالات ہو گئے تھے۔ اپنی مجلس میں حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کے متعلق اچھے لفظ نہیں کہتا تھا۔ حتیٰ کہ ۲۳۶ھ میں امام حسینؓ کا مقبرہ منہدم کرا دیا۔[1] روضہ سے ملحق ساری عمارتیں گرادیں ان پر کاشت ہوئی۔ زائرین کا آنا جانا بند کر دیا گیا[2] وجہ یہ تھی کہ شیعوں نے مزار امام حسینؓ کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ اصلی مزار قائم تھا۔ البتہ قبہ منہدم کرا دیا گیا تھا۔

امام علی ہادی بن محمد جواد ملقب عسکری، سامرہ میں تشریف رکھتے تھے اور اُن کی نگرانی بھی رہتی۔ متوکل کو خبر لگی کہ امام کے پاس شیعہ کثرت سے آتے ہیں اور آدمی و اسلحہ فراہم کئے جا رہے ہیں۔ متوکل نے ان کی خانہ تلاشی کے لئے رات کو سپاہی بھیجے۔ امام موصوف ایک گلیمی قمیص پہنے اور ایک اُونی رومال سر پر باندھے ہوئے تلاوتِ قرآن اور دُعا میں مصروف تھے۔ اُن کے گھر میں کوئی چیز نہ نکلی یہاں تک کہ بستر بھی بجز فرش ریگ کے نہ تھا۔ اس حالت میں آپ کو متوکل کے پاس لایا گیا اُس نے اپنے قریب بٹھلایا تعظیم و تکریم سے پیش

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۱ [2] ایضاً صـ ۲۴۲

آیا اور امام صاحب سے حکمت اور نصیحت کی باتیں سُنیں۔ پھر قرض ادا کرنے سے چار ہزار درہم ان کو نذر کئے اور اعزاز و اکرام سے رخصت کیا[1]

متوکل کا واقعۂ قتل متوکل ترکوں سے اس قدر بیزار ہو گیا تھا پہلے تو امیر اتراک ایتاخ کو ٹھکانہ لگایا۔ اس کے بعد امیر وصیف اور امیر بغا ہر دو امراء کو قتل کرنا چاہا۔ مگر متوکل کا داؤ چلا نہیں۔ ان دونوں کا متوکل پر داؤ چل گیا۔

ترکی امراء سمجھ گئے تھے کہ ہماری قوت و اقتدار کو متوکل توڑنا چاہتا ہے ایتاخ کو قتل کر چکا ہم میں سے ایک ایک کو ختم کرانا چاہتا ہے

متوکل کا وزیر عبید اللہ بن خاقان اور ندیم خاص فتح بن خاقان یہ دونوں منتصر سے بُغض رکھتے تھے اور متمنی تھے کہ یہ خلیفہ نہ ہو بلکہ معتز خلیفہ ہو اور منتصر کے خلاف کان بھرا کرتے۔ متوکل کو بھی معتز سے ہمدردی زیادہ بڑھ گئی۔ اور ارادہ کر لیا تھا کہ منتصر کو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے۔

منتصر نے باپ کی اس روش سے زیادہ اثر لیا اور ترکوں سے سازباز کرنے لگا اور ادھر متوکل فتح بن خاقان کے مشورہ سے منتصر بغا وصیف کو ٹھکانا لگانا چاہتا تھا اور اس خیال کا اظہار محفلِ نبیذ میں متوکل بغا شرابی سے کر گیا۔ اس نے باغر ترکی کو جو متوکل کا پاسبان تھا اپنا ہمراز بنا کر ۴ر شوال ۲۴۷ھ کو رات کے وقت دس سپاہیوں کو ساتھ لے کر قصرِ خلافت میں گیا۔ وہاں متوکل اور فتح بن خاقان نبیذ پی رہے تھے۔ محفل جم رہی تھی۔ چنانچہ متوکل اور فتح کا کام تمام کر دیا گیا۔ منتصر نے شہرت دے دی کہ فتح نے متوکل کو قتل کیا۔ اس پر اس کا بھی خاتمہ کرا دیا گیا[2]

سیرت متوکل خلیق و متواضع بہت تھا بلکہ سخاوت و داد دہش میں اپنے

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۲۰۰ [2] ایضاً ص۲۰۱ -

اسلاف کا نمونہ تھا۔

مذہب متوکل کو امام شافعیؒ سے بڑی عقیدت تھی اور اُن کے مسلک کا حامی تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ کاش میں اُن کے زمانہ میں ہوتا تو اُن کو دیکھتا اور اُن سے علم حاصل کرتا [1]

علامہ سیوطی نے اس کو ناصبی لکھا ہے۔ یہ خطاب دشمنی علوئین کی بنا پر دیا گیا۔

صلحاء سے عقیدت حضرت ذوالنون مصری سے متوکل کو بڑی عقیدت تھی۔ مصر سے اُن کو بلایا اور اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں کیں۔ اس کے بعد سے جب ملاقات ہوتی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔

عیش و عشرت متوکل بھی مثل دیگر خلفائے بنی عباس کے عشرت پسند تھا۔ مگر اس قدر نہ تھا جس قدر کہ شیعہ مؤرخین نے اس کے اوپر اتہام لگائے ہیں۔ مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ متوکل شراب پیتا تھا اور چار ہزار کنیزوں سے خلوت کی اور تفنن طبع کے لئے اس کے دربار میں مسخرہ شریک کئے جاتے۔ علامہ سیوطی بھی کنیزوں کا افسانہ لکھ گئے ہیں [2]۔

متوکل جائز حدود کے اندر عیش و طرب کا دلدادہ ضرور تھا اور اس کے عہد میں عیش و طرب کے اتنے سامان جمع ہو گئے تھے کہ اس کا زمانہ عہدِ سرور کہا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص احیاء سنت کا داعی ہو وہ شراب کیسے پی سکتا ہے؟ یہ افتراء شیعہ مؤرخین کی ہے البتہ نبیذ کا وہ عادی تھا جو بعض علماء عراق کے نزدیک جائز ہے۔ خطیب اور طبری وغیرہ نے اس کی مے نوشی کا تذکرہ نہیں کیا۔ اہلِ بیت کے ساتھ اس کا طرزِ عمل ناپسندیدہ تھا اس لئے شیعہ مورخین نے محرماتِ شرعیہ بھی اس کی جانب منسوب کر کے زعمِ باطل میں ثواب حاصل کیا ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۴ [2] ایضاً

سخاوت متوکل نہایت سخی واقع ہوا تھا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ متوکل نے شعراء کو جس قدر انعام دیا ہے کسی خلیفہ نے نہیں دیا چنانچہ مروان ابن ابوالجنوب نے ایک شعر پڑھا ؎

ترجمہ :۔ اپنے ہاتھ کو جود سے روک لے کیونکہ میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں یا مجھ پر کوئی سختی نہ پڑے "

یہ شعر سُن کر متوکل نے کہا کہ اس وقت ہاتھ نہ روکوں گا کہ میرا جود و سخا تجھے غرق نہ کردے۔ چنانچہ ایک قصیدے کے صلہ میں اسے ایک لاکھ دس ہزار درہم اور پچاس کپڑے انعام دیئے[1]

فیاضی میں اعتدال بخل اور اسراف میں متوکل معتدل تھا۔ یہ رائے مسعودی کی ہے مگر سیوطی کہتے ہیں کہ ان کی داد و دہش عام تھی۔ شعراء کو بہت صلہ گستری سے نوازتا تھا[2]

واقعہ ابوعبادہ بحتری عربی کے مشہور شاعر نے متوکل کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ختم کے بعد ایک درباری ابوالفنس اٹھا اور اُس نے ابوعبادہ کی نقل کی۔ متوکل بہت ہنسا اور خوش ہو کر دس ہزار درہم انعام دیئے۔

فتح بن خاقان نے کہا امیر المومنین! مسخرے کو حضور نے دس ہزار درہم دیئے۔ ابوعبادہ نے کیا قصور کیا کہ وہ محروم رہا جاتا ہے۔ متوکل نے کہا اُس کو بھی دس ہزار درہم دے دو۔

متوکل کے دربار میں مامون، واثق کا سا رعب و داب نہ تھا۔ شعراء اُس کے سامنے ہزل گوئی کرتے اور متوکل محظوظ ہوا کرتا۔ اُس کا یہ اثر پڑا کہ امراء کی محفلیں بھی ہنسی مذاق کی صحبتیں بن گئی تھیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۲ [2] مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱۔

نظمِ مملکت

نظمِ حکومت متوکل کا معتصم اور واثق کے مانند تھا۔ جو دستورِ حکومت منصور کا تھا وہ برقرار نہ تھا۔ متوکل کے عہد میں وزارت میں ابتری پھیلی۔ گورنروں کے گھڑی گھڑی کے تبادلہ نے نظم میں گڑبڑ پیدا کردی۔

عمال کی تفصیل سنہ ۲۳۲ھ میں متوکل نے بلادِ فارس پر محمد بن ابراہیم بن مصعب کو مقرر کیا۔ ان دنوں موصل کا حاکم خاتم بن بن حمید طوسی تھا۔

متوکل کے اوائل زمانۂ خلافت میں محمد بن عبداللہ بن الزیات قلمدانِ وزارت کا مالک تھا اور دیوانِ خراج (محکمہ مال یا بورڈ آف ریونیو) کا یحییٰ بن خاقان خراسانی (ازد کا غلام) افسرِ اعلیٰ تھا۔ اس زمانہ میں فضل بن مروان معزول کیا گیا اور بجائے اس کے دیوانِ نفقات پر ابراہیم بن محمد بن ختول مامور ہوا۔ سنہ ۲۲۳ھ میں محمد عیسیٰ کو معزول کرکے منتصر کو گورنر کیا۔ جیسا کہ پیشتر لکھا جاچکا ہے ایتاخ حج کو گیا تو حجابت پر وصیف خادم کو مامور کیا [1]

پولیس اسحاق بن ابراہیم بن حسین بن مصعب کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ابراہیم کو بغداد پولیس افسری کے عہدہ پر مامور کیا۔

وزارت سنہ ۲۳۳ھ میں ابن زیات کے بعد احمد بن خالد میر منشی وزیر اعظم ہوا تھا وہ معزول ہوا۔ اس پر محمد بن فضل جرجرائی ہوا۔

سنہ ۲۳۶ھ میں عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان عہدۂ سیکرٹری سے وزارت پر سرفراز کیا گیا جو متوکل کے آخر عہد تک رہا۔

قاضی القضاۃ سنہ ۲۳۹ھ میں قاضی احمد بن ابی داؤد کو عہدۂ قضاۃ سے معزول

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔

کیا گیا[1] اور اس کی جاگیر ضبطی میں آئی اور اس کے لڑکے ابوالولید سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم وصول کئے اور قاضی یحییٰ بن اکثم کو قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا۔ پیر ابوالولید مذکور کو صیغۂ فوجداری کے اختیار دیئے۔ بعد چندے اس کو معزول کر کے ابوالربیع محمد بن یعقوب کو مامور کیا۔ آخر میں اس کو علیحدہ کر کے یہ صیغہ یحییٰ کو دیدیا گیا۔

۲۳۷ھ میں قاضی یحییٰ پر بھی عتاب نازل ہوا۔ ۷۵ ہزار دینار اور ۴ ہزار جریب زمین جو بصرہ میں ان کی تھی وہ ضبط کی گئی اور ان کو معزول کر کے ان کی بجائے جعفر ابن عبدالواحد بن جعفر بن سلیمان بن علی کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کیا۔

نظام مالیات معتصم اور واثق کے زمانے میں مالیات پر خالص اثر پڑا متوکل نے اس طرف زیادہ توجہ کی۔ عمال پر جرمانے کئے اور جلد جلد عامل بدلے۔ قلمرو عباسیہ میں مصر کی حالت زیادہ خراب تھی تو احمد بن مدبر کو مصر کا افسر خراج مقرر کر کے متوکل نے بھیجا۔ اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کر دیئے۔ بلادِ مصر کی اراضی کا ٹیکس دو جنسوں میں تقسیم کر دیا۔ خراجی۔ ہلالی

خراجی میں غلہ، کھجور، انگور کی بیل اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار پر ٹیکس لگائے۔

"ہلالی" گھاس، مچھلی وغیرہ پر ٹیکس تھا۔

یہ ٹیکس علم وفن کی ترقی، آب پاشی کی سہولتوں کے لئے اور دیگر مفادِ عامہ کے تعمیری کاموں کے نام سے عائد کئے گئے[2]

جزیہ کی آمدنی دارالخلافہ روانہ کر دی جاتی۔ باقی رقم مصر کے اخراجات میں صرف ہوتی۔

رعایا سے سلوک متوکل کو رعایا کا بڑا خیال تھا اور ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگلے خلفاء رعایا پر اس لئے سختیاں کیا

---

[1] قاضی ۲۴۰ھ میں فوت ہوا [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۹۵۔

کرتے تھے کہ وہ اس سختی کے خوف سے ان کے مطیع رہیں اور میں نرمی کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں، میرے پاس آئیں اور میری اطاعت کریں۔[1]

عدل متوکل کے عدل وانصاف کی بڑی شہرت تھی۔ مسعودی کہتا ہے:۔

"عدل وانصاف کے لحاظ سے بھی متوکل کا زمانہ ممتاز شمار کیا جاتا ہے"۔[2]

رواداری غیر مسلموں کے ساتھ بے حد رواداری کا برتاؤ کرتا تھا مگر عیسائی اپنی خبث باطنی سے شرارت کیا کرتے۔ رومی حکومت سے سازباز رکھتے۔ مسلمانوں کا لباس اور معاشرت اختیار کئے رہتے۔ مسلمان اُن کے دھوکے میں آکر اپنے دل کا حال کہہ گزرتے۔ رومیوں کے خلاف جہاد کی تیاری ہوتی عیسائی ان کو خبر کر دیتے۔ اس بنا پر شناخت کے لئے عیسائیوں کے لباس وضع وقطع و مذہبی مراسم پر چند قیود متوکل نے لگادیئے۔ اس کا نتیجہ بے حد مفید ثابت ہوا۔[3]

یہی وجہ تھی کہ آخر میں ذمیوں سے سخت نفرت ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ اُس نے یہ حکم نافذ کیا کہ اسلامی مکاتب میں اُن کے بچے داخل نہ کئے جائیں اور نہ کوئی مسلمان اُن کو تعلیم دے۔

مُلک کی آسُودہ حالی متوکل کا دور عباسی حکومت کا دورِ زریں کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں رعایا فارغ البال تھی۔ عیش وتنعم کے سامانوں کی فراوانی، تمدنی نفاستیں اور نزاکتیں معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھیں۔ مسعود لکھتا ہے۔

"متوکل کا زمانہ اپنی بھلائیوں، خوبیوں، سرسبزی وشادابی وفارغ البالی اور رفاہیت عیش وعشرت کے لحاظ سے عہدِ سرور تھا سارے خواص و

---

[1] تاریخ خطیب جلد ۷ صفحہ ۱۶۶ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ [3] ابن اثیر۔

عوام خوش وخرم تھے "

رشوت ستانی متوکل کے اولین عہد میں البتہ رشوت کا بازار گرم تھا۔ مگر متوکل نے بڑے بڑے عہدیداروں کو سخت سزائیں دیں اور گرانقدر جرمانے وصول کیے جس سے رشوت ستانی کا دروازہ بند ہو گیا۔

رفاہِ عام اس کے زمانہ میں راستے پرامن تھے۔ تمام اشیاء کی ارزانی تھی۔ اہلِ حرفہ، تاجر خوشحال تھے۔ آئے دن متوکل محلات وغیرہ بنواتا رہتا، جس سے غرباء کو فائدہ پہنچتا رہتا۔

متوکل نے ایک ارب درہم ہارونی "قصر جعفری" کی تعمیر میں خرچ کیے[1]۔

خزانہ متوکل نے صلہ گستری، داد دہش میں کروڑہا روپیہ صرف کیا مگر پھر بھی بقول مسعودی ۴ لاکھ دینار اور ستر لاکھ درہم اپنے بعد خزانہ میں چھوڑ گیا[2]۔

تنزل کا آغاز متوکل کے زمانہ میں گو فتوحات کا دائرہ بہت وسیع رہا، حکومت کی شان وشوکت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رعایا خوش حال، ظاہری دبدبہ بھی قائم تھا۔ لیکن اندرونی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ترکوں کے غلبہ سے حکومت کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ اقتدار اتراک سے عربوں کی عصبیت ختم ہو گئی تھی۔ امارت اُن کی جاتی رہی۔ فوجی خدمات سے ان کو علیحدہ کر دیا گیا تھا جس سے مجاہدانہ اور فاتحانہ سپرٹ اُن کی ختم ہو گئی۔ اس کے علاوہ خود خلیفہ اُن کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا تھا۔ خلیفہ معتصم کی غلطی کا نتیجہ خاندانِ بنی عباس بھگت رہا تھا۔

فوج معتصم اور اس کے بعد واثق کے عہد میں فوج میں ترکی عنصر غالب تھا۔ عرب اور عجمیوں سے زیادہ حکومت میں اُن کی پوچھ تھی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُجڈ لوگ حکومت پر چھا گئے اور اُن کا استبداد بہت بڑھ گیا۔ وزراء تو وزراء

---

[1] مروج الذہب جلد، صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶ [2] ایضاً

خلیفہ کو ترک خطرہ میں نہ لاتے۔ متوکل خود اُن سے تنگ آگیا۔ آخرش اُس نے یہ طے کیا کہ ان کے سر برآوردہ لوگوں کو جس درجہ سے اُٹھے بھتے وہیں لے جا بٹھائے۔ چنانچہ ترکی امیر ایتاخ جو سپہ سالار اور حاجب تھا اور سامرہ کا سب سے بڑا امیر، اس کے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ انھوں نے اس کو حج پر جانے کے لئے آمادہ کر دیا۔ ایتاخ نے متوکل سے اجازت طلب کی۔ یہاں سے معہ خلعتِ فاخرہ ان کو رخصتی ملی۔ متوکل نے بغداد کے شحنہ اسحاق بن ابراہیم مصعبی کو خفیہ اطلاع بھیج دی کہ تم ایتاخ سے نبٹ لینا۔ چنانچہ حج سے لَوٹ کر ایتاخ کوفہ آیا۔ اسحاق پیشوائی کو پہنچا۔ اُدھر متوکل کی طرف سے استقبال کے لئے معتمد معہ خلعت اور تحائف کے کوفہ آیا۔ غرضیکہ کوفہ سے بغداد ایتاخ کو لے کر محل خزیمہ میں اسحاق داخل ہُوا۔ اندرونِ محل ایتاخ کو گرفتار کر لیا اور سلیمان بن وہب اور قدامہ بن زیاد اور اس کے دونوں بیٹے منصور و مظفر جیل میں بند کر دیئے گئے۔ ایتاخ کو وہ تکالیف دی گئیں کہ ۲۳۵ھ کو قید ہی میں گھٹ کر مر گیا[1]

سامرہ دارالخلافہ سامرہ سے متوکل بے زار ہو گیا تھا۔ دمشق گیا تو یہاں فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ آخرش سامرہ پھر لَوٹ آیا۔

جعفریہ کی تعمیر متوکل کو تعمیرات اور شہر آباد کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے ۲۴۵ھ میں سامرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ملخوزہ قصبہ کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اس کی تعمیر میں بیس لاکھ دینار صرف کئے گئے۔ اپنے لئے خاص طور سے ایک بلند محل متوکل نے تعمیر کرایا اس کا نام "قصرِ لولو" رکھا۔ دو لاکھ دینار اس کی تعمیر میں صرف میں آئے۔ پانچ میل کے فاصلہ سے ایک نہر لانی چاہی۔ خلیفہ کی توجہ دیکھ کر امراء نے بھی اپنے مکانات وہاں بنوائے جس سے کچھ عرصہ بعد دوسرا سامرہ جعفریہ بن گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۶۔

تعمیرِ محل کی داستان | مذکور الذکر سامرہ میں ۲۴۵ھ میں متوکل محل بنوا رہا تھا جس کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی تو نجاح بن سلمہ منشی نے بیس امراء کے نام کی فہرست مرتب کی جس میں وزیر اعظم بھی تھا اور اس کا بھائی موسیٰ بن عبدالملک اور اس کا نائب اور حسن بن مخلد وغیرہ تھے اور عرض کی کہ اُن کو میرے سپرد کر دیجئے میں رقم وصول کر کے پیش کر دوں گا۔ وزیر اعظم کو خبر لگی وہ متوکل کے پاس گیا اور کہا۔ امیر نجاح مخصوص امرائے دولت کو آپ سے بدظن کرنا چاہتا ہے اور جو صُورت وہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس سے عام خلفشار ہو گا۔ وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا اور امیر موسیٰ اور امیر حسن کو بلا کر اُن سے کہا خلیفہ تیار ہے کہ کل وہ تم کو نجاح کے سپرد کر دے وہ مال کی ضبطی کے ساتھ تم کو ایسی سزائیں دے گا کہ تم ہلاکت کے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ لہٰذا تم اس وقت امیرالمومنین کو کہہ بھیجو کہ ہم محل کی تعمیر کے لئے بیس لاکھ دینار دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ نجاح ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ ان دونوں نے تحریریں لکھ دیں۔ اس کو لے کر وزیر اعظم خلیفہ کے پاس پہنچا۔ اُس نے منظور کر کے نجاح کو اُن کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس کے بیٹے سے چودہ ہزار دینار نقد وصول کئے اور اس کی کل جائداد ضبط کی۔

نجاح کا کاتب خاص اسحاق بن سعد تھا اس نے متوکل کی شہزادگی کے زمانے میں ایک بار اُس کی تنخواہ کے اجراء میں پچاس دینار رشوت میں لئے تھے متوکل نے حکم دیا کہ اس سے ہر ایک دینار کے عوض میں ایک ہزار دینار وصول کرو۔ وہ مطالبہ ادا نہ کر سکا۔ قید کر دیا۔ مجبور ہو کر اس نے ۱۴۰۰۰ دینار ادا کئے تو قید سے رہائی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد نجاح مر گیا[1]

خلقِ قرآن | بدعت خلقِ قرآن اور رؤیت باری کے مسئلہ نے مامون کے عہد

---

[1] تلخیص ابن اثیر و ابن خلدون جلد ۷

سے لے کر متوکل کے عہد تک بڑا فتنہ اٹھا رکھا تھا۔ متوکل نے ان بحثوں کو بقوت روک دیا۔

"وجاء المتوکل فاعلن ۲۳۴ھ ابطال القول بخلق قرآن وہدر من آثار ہذہ المسائل"

اور محدثینِ کرام کی پذیرائی کی۔ اس کے ساتھ ہی معتزلہ گروہ کی سرکوبی کی۔[1]

قاضی ابراہیم بن محمد تیمی کہتے تھے :-

دو تین خلفاء نے کارنامے دکھائے۔ ابوبکر صدیق رضؓ نے ارتداد کے فتنہ کا انسداد کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے بنی امیہ کے مظالم کا تدارک کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا۔"[2]

علمی ترقی متوکل کا علمی حیثیت سے اپنے اسلافِ کرام کے مقابلے میں کوئی خاص پایہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے بڑے کام کئے۔ علمی گھرانے کا فرد ہونے کے اعتبار سے احادیثِ نبوی سے ذوق اور شعر وسخن کا شوق تھا۔ اس سے متعدد احادیث مروی ہیں جن کو علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔ متوکل کا بڑا کارنامہ احادیثِ رسولؐ کی اشاعت اور معتزلیوں وقدریوں و دیگر فرقِ باطلہ کی فتنہ انگیزیوں کا سدِ باب ہے۔

ذکرِ احیاءِ سُنّت میں لکھا جا چکا ہے "محدث ابوبکر بن ابی شیبہ کو بُلا کر سامرا میں اشاعتِ حدیث پر مامور کیا اور دوسرے محدثین کرام کو سامرا طلب کرکے انعامات سے نوازا۔[3]

گو قلمرو بنی عباس میں متوکل سے پہلے سے درسِ حدیث کے حلقے قائم تھے جیسے امام ابویعقوب اسحاق بن ابی الحسن یا ابن راہویہ[4] جو فضل بن عیاض اور ابن وکیع کے شاگرد تھے، ان کا حلقہ تھا۔ جہاں سے امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث مستفید

---

[1] ضحی الاسلام لاحمد امین مصری جز ثالث صہ ۱۹۸ [2] تاریخ خطیب جلد ۷ صہ ۱۷۰

[3] تاریخ الخلفاء ۲۴۰ [4] راہویہ نے ۷۷ برس عمر، سال ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ تہذیب الکمال

ہو کر نکلے اور اُن سے نوّے ہزار نے الجامع الصحیح سُنی۔ اس میں دس ہزار حدیثیں ہیں۔ بقول خود امام بخاریؒ کے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ ان شیوخ کی تعداد جن سے صحیح میں حدیثیں لی گئیں دو سو نواسی ہیں۔

امام کے جلیل القدر شاگرد امام مسلم بن الحجاج ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ انھوں نے امام بخاری سے اور ان کی کتاب سے احادیث روایت کی۔

دارقطنی کا بیان ہے کہ:۔

"اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم کچھ نہ کر سکتے۔ انھوں نے یہ کیا ہے کہ امام بخاری کی کتاب سامنے رکھ کر حدیثیں لکھنا شروع کر دیں کہیں کہیں اپنی طرف سے زیادتی بھی کی"

حاکم ابو عبد اللہ نے "مسلم" کی یہ تعریف کی ہے:۔

"ماتحت ادیم السما کتاب اصح من کتاب مسلم ابن الحجاج"

مگر ایک عربی شاعر نے محاکمہ خُوب کیا ہے:۔

۱۔ تنازع قوم فی بخاری ومسلم! لدیّ وقالوا ای ذین یقدم

۲۔ فقلت لقد فاق البخاری صحۃ کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلم

متوکل کے عہد میں امام ابوداؤد بن اشعث الازدی السجستانی اور امام ابوعیسٰی بن سورہ بن موسٰی بن ضحاک سلمہ، ترمذی نے اپنے مجموعے تیار کیے۔ ان کے بعد سننِ ابن ماجہ، مسندِ حارث (۲۸۲ھ) مسندِ بزار (۲۹۲ھ) مسندِ دارمی (۲۵۵ھ) کتب حدیث شائع ہوئیں۔

اشاعتِ علومِ دینی ان دنوں بغداد حدیث کی اشاعت کا مرکز بن گیا تھا۔ امام بخاری کے شاگرد فربری سے بھی نوّے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کی[1] متوکل کے عہد میں محدثین نے اشاعتِ حدیث

---

[1] مقدمہ فتح الباری للامام ابن الحجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صفحہ ۵۔

میں خوب خوب سرگرمی دکھائی۔

احمد بن جعفر راوی ہیں کہ جب امام مسلم بغداد آئے تو نامی مقام پر انہوں نے حدیث کا املا کیا۔ سات مستملی کھڑے ہوئے جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریرِ حدیث میں معروف تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کس قدر آدمی اس میدان میں فراہم تھے۔ میدان مذکور کی پیمائش کی گئی اور دواتیں گنی گئیں، کچھ اوپر چالیس ہزار دواتیں ہوئیں۔ جو لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ تھوڑے عرصہ میں بغداد کا پایۂ علم حدیث کی اشاعت میں فائق تھا۔ مسلم بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فنِ حدیث حاصل کیا۔ اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں دجلہ کے پل سے اُتر کر نہیں گیا۔ بغداد میں آٹھ سو اساتذۂ حدیث ایسے تھے جو شیخ کے لقب سے ملقب تھے[1]

---

[1] امام سلیمان بن حرب محدث کا واقعہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں قصرِ خلافت کے ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تاکہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں۔ اس مجلس میں مامون اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا مامون اپنی قلم سے لکھتا جاتا۔ جب کُل حاضرینِ درس کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس اندازاً میں آئے۔ معتصم کے زمانہ میں امام عاصم ابن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھے تھے۔ ان کے مستملی ہارون نے کھڑے ہونے کے لئے ایک ثمردار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم نے ایک بار ایک اپنا معتمد اس مجلس کے شمار کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا۔ معتمد نے ارشادِ خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار پر حاضرین کی تعداد پہنچی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ محدثین کرام پر حکومت کی طرف سے سخت گیری تھی۔ معتزلہ ان محدثین کو ہر عنوان پریشان کرتے تھے۔"

علومِ عقلیہ کی ترقی متوکل کے عہد میں علوم عقلیہ کی ترویج واشاعت عام تھی۔ موسیٰ بن شاکر کے لڑکوں نے جو رصدگاہ بنائی تھی اس کو متوکل کے زمانہ میں النظیری اور محمد بن علیٰ ابوعبداللہ نے بے حد ترقی دی۔ اور علم ہئیت کے بعض مسائل پر عالمانہ روشنی ڈالی۔ آفتاب اور دیگر ستاروں کی گردش کے متعلق حیرت انگیز معلومات اور تحقیقات بہم پہنچائی۔ ابوالحسن نے دُوربین ایجاد کی تھی اس کی ان ہئیت دانوں نے اور اصلاح کی۔

ماوراءالنہری ابوالعباس احمد الفرغانی متوکل کے عہد کا ممتاز ہیئت دان تھا جس نے متوکل کے لئے فطاس میں ایک نیل پیما تیار کیا تھا۔ اس کی ایک بے نظیر تصنیف کتاب المدخل الی ہئیۃ الافلاک ہے۔

حکیم ابوزید حنین بن اسحاق عبادی یونانی زبان کا عالم شاگردِ خلیل بن احمد، یہ وہی فلسفی اور طبیب ہے جو پہلے بنوموسیٰ بن شاکر کے یہاں ۵۰۰ پونڈ مشاہرہ پاتا تھا۔ پھر مامون کے یہاں اس کے ہر ترجمہ کی ہوئی کتاب کا معاوضہ دربار شاہی سے کتاب کے برابر وزن سونا پاتا تھا۔ متوکل نے ۲۴۰ھ میں اپنا طبیب خاص مقرر کیا[1] ۲۳ صفر ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ (طبقات الاطباء ص۵ و اخبار الحکماء قفطی جلد ۱ ص۱۹۹۔

علی بن سہل ابان الطبری مصنف فردوس الحکمت (۲۳۵ھ) عیسائی متوکل کے دورِ خلافت میں مشرف باسلام ہوا اور ایک عرصہ تک خلیفہ کا معالج رہا۔

علم تاریخ علامہ بلاذری نے اس عہد میں اپنی کتاب فتوح البلدان مرتب کی۔ علامہ نے ۲۷۹ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں طبقات ابن سعد کا مصنف گزرا۔ ابن سعد نے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

جغرافیہ ابن خورداذبہ متوفی ۳۰۰ھ/۹۱۲ء نے ۲۳۲ھ میں سلسلہ رسائل مسالک وممالک جغرافیہ میں کتاب لکھی۔ اس سے ابن الفقیہ اور ابن حوقل نے اپنی تصانیف میں بڑا کام لیا ہے۔

---

[1] ابن خلکان۔

حیاتیات ابوعثمان عمرو ابن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ ساکن بصرہ متوکل کا ہم عصر تھا۔ کتاب الحیوان تصنیف کی جس میں جانوروں کے کشمکش حیات پر بحث کی ہے۔ اس نے جانوروں کے براز خشک سے کشید کر کے امونیا بنایا۔ کتاب الامصار، البیان والتبیین، کتاب الامثال وغیرہ تصانیف ہیں۔

کُتب خانہ متوکل کو زیادہ کتابوں کا شوق نہ تھا۔ البتہ شاہی کتب خانہ جو مامون کے عہد میں قائم ہوا تھا اس کو تلف ہونے نہیں دیا۔ البتہ ابن ابی الحریش جلد ساز مامونی کے ہاتھ کی بنی ہوئی کتابوں کی بہت حفاظت اس کو منظور تھی۔

فتح بن خاقان وزیر متوکل نے عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا اور اس کا مہتمم علی بن یحییٰ منجم تھا۔ اس زمانے میں یہ کتب خانہ بے نظیر کہلاتا تھا۔ بغداد اور سامرہ کے علماء اور امراء کے کتب خانے بھی تھے مگر فتح بن خاقان نے محمد بن عبدالملک وزیر واثق باللہ جو کتابوں کی نقل و کتابت و ترجمہ میں دس ہزار روپے ماہوار خرچ کیا کرتا تھا۔ اس سے بہت زیادہ فتح بن خاقان اپنے کتبخانہ پر صرف کرتا تھا۔

بیت الحکمت متوکل نے بھی ترجمہ کے کام اور تصنیف و تالیف کے شعبہ پر بے حد توجہ کی۔ اپنے طبیب حسین بن اسحاق کو بیت الحکمت کا افسر مقرر کیا اور بہت سے زبان دان اور فصیح و بلیغ مترجم اس کی ماتحتی میں دیئے یہ مترجمین ترجمہ کرتے اور حنین ان کی اصلاح کی غرض سے دیکھتا اور درست کرتا۔ متوکل نے حنین کی بے انتہا قدردانی کی۔ ایوانات شاہی میں سے تین محل اس کی رہائش کے لئے خالی کر دیئے اور ان کو ہر قسم کے آرائشی سامان سے سجوا کر شاہی کتب خانہ بھی وہیں رکھوا دیا۔ پندرہ ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی تھی[1]

---

[1] رسائل شبلی صفحہ ۲۵۳۔

علمائے معاصرین ابوثور، ابراہیم بن منذر خرامی، اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن ندیم موصلی مفتی ازوح مغری، زہیر بن حرب، سمتون سلیمان الشاذکوفی، ابومسعود العسکری، ابوجعفر نفیلی، دیک شاعر، عبدالملک بن جبیب امام مالکیہ، عبدالعزیز بن محی شاگردِ امامِ شافعی، عبیداللہ بن عمرو قواری، علی بن المدینی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، یحیٰی بن معین، یحیٰی بن بکیر، یحیٰی بن یحیٰی، یوسف الازرق المقری، بشر بن الولید الکندی المالکی، جعفر بن حرب بن مکابر المعتزلہ، ابن کلاب المتکلم، حارث محاسبی، حرملہ شاگردِ امامِ شافعی، ابن سکیت، احمد بن منیع ابوتراب الخشینی، ابوعمر الدردی المقری، وعبل شاعر، ابوعثمان المازنی نحوی۔[1]

محدث و فقہاء ابراہیم بن یوسف بن میمون بن فداہو بلخی شیخ اکمل محدث فقیہ امام ابویوسف کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ والیٔ بلخ آپ کی منزلت کرتا تھا۔ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یحیٰی بن اکثم مروزی فقیہ و محدث، حدیث امام محمد وانس المبارک وسفیان سے سنی ۲۴۳ھ میں انتقال ہوا۔

ہلال بن یحیٰی بن مسلم فقیہ و محدث زفر سے فقہ حاصل کی اور ابوعوانہ سے حدیث سُنی۔

۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

خالد بن یوسف بن خالد السمتی فقیہ، محدث۔ ۲۴۵ھ میں وصال ہوا۔

اسحاق بن بہلول فقیہ، حافظ، محدث، شاگرد حسن بن زیاد۔ ۲۵۲ھ میں انتقال ہوا۔

(مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۷۔

ملوک طاہریہ

طاہر[1] بن حسین قاتل خلیفہ امین خراسان پر دولتِ طاہریہ کا بانی ہے جس کا تفصیلی حال پہلے آچکا ہے۔ طاہر کے بعد طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ، محمد بن طاہر بن عبداللہ پے درپے یہ پانچ والی خلفاء کے حکم سے مقرر ہوئے۔ یہ حکمران برابر مطیع خلفاء کے تھے۔ محمد بن طاہر کو حسن بن زید علوی سے بہت تکلیف پہنچی۔ آخر میں یعقوب بن لیث بانی دولتِ صفاریہ سے مقابلہ ہوا اور ملوک طاہریہ کا اس پر خاتمہ ہوگیا۔

دولتِ طاہرہ میں جہاں تہور و شجاعت و مردانگی کے جوہر تھے وہاں علم سے بھی لگاؤ تھا۔ خراسان میں جہاں بدعت کا زور تھا وہاں اشاعتِ حدیث کا بھی بڑا انتظام تھا۔

"ابن رافع قشری حافظِ حدیث نے اپنے مکان پر حدیث کا درس شروع کیا۔ طلباء کے علاوہ خراسان کے امیر نامور طاہر کی اولاد بھی معہ خدم و حشم حاضرِ درس ہوتی۔ شیخ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو بات کرنے یا مسکرانے کی مجال نہ تھی[2]"

دولتِ طاہریہ کے زمانہ میں کثرت سے خراسان میں درس گاہیں قائم ہوئیں جہاں سے بڑے بڑے اصحابِ فن پیدا ہوئے۔

---

[2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی جلد ۲ صفحہ ۹۳ -

---

[1] طاہر بن حسین کا باپ مصعب بن زریق تھا جو سلیمان بن کثیر خزاعی دعوت بنی عباس کا کاتب تھا۔ وکان بلیغاً فمن کلامہ حسین کا انتقال ہوا تو مامون جنازہ میں شریک ہوا تھا ۔ ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۳۰

دولتِ صفاریہ

یعقوب بن لیث صفاری ابتدا میں ایک مزدور تھا۔ پھر لٹیروں کی جماعت کا سردار بن گیا اور اپنے ساتھی درہم بن حسین کو رستہ بتا کر خود رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوا خراسان، کابل، بلخ، طبرستان کے علاقوں پر چھا گیا۔ محمد بن طاہر کو قید اور اس کے مدِ مقابل حسن بن زید علوی کو شکست دی۔ یہ عہد معتمد کا تھا۔ پھر یعقوب نے فارس پر قبضہ جمایا۔ خلیفہ نے یہ رنگ دیکھ کر فارس اور خراسان کی ولایت (گورنری) خوشی سے یعقوب کو دینا چاہی لیکن اس کو تو تاجِ خلافت کی دھن تھی۔ یہ کب مانتا تھا۔ پہلی لڑائی میں خلیفہ کے بھائی موفق نے کسی حیلہ سے یعقوب کو بھگایا اور جب دوبارہ یعقوب نے تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تو دردِ قولنج نے اُسے فرصت نہیں دی۔ یعقوب بڑا مستقل مزاج اور بہادر تھا۔ زندہ رہتا تو خلافت خطرے میں رہتی۔

خلیفہ معتمد کا ایلچی جب فارس اور خراسان کی ولایت کا پروانہ لے کر صُلح کا پیغام لایا تو اُس نے سامنے تلوار، نانِ خشک اور پیاز رکھ کر کہا کہ میں تلوار سے سلطنت لوں گا۔ خلیفہ کا مطیع ہونا مجھے منظور نہیں ہے اور تلوار نے میری مدد نہ کی تو سوکھی روٹی اور ایک پیاز کی گھٹی مجھے بہت ہے۔

یعقوب کے مرنے کے بعد اس کے بھائی عمر بن لیث نے خود خلیفہ کی خدمت میں اظہارِ اطاعت کا خط بھیجا۔ وہاں سے عراق، عجم، فارس اور خراسان کی حکومت اس کو عطا ہوئی۔ اس کے خاندان کے طاہر بن محمد، لیث بن علی، عمرو بن یعقوب، خلف ابن احمد یکے بعد دیگرے سیستان کے حاکم ہوئے۔ سامانیوں سے مقابلہ رہا۔ آخر یہ دونوں خاندان تباہ ہوئے۔ دولتِ صفاریہ اور سامانیہ کا ایک ساتھ خاتمہ ہوا[1]۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰ اور مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۵۴ و ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۱۹۔

دولتِ ہباریہ

قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی اسد میں ایک شخص ہبار بن اسود جو ۸ھ میں مسلمان ہُوا۔ اس کی اولاد میں منذر بن زبیر سندھ کے والی حکم بن رعونہ متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا اور اقامت پذیر ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز اس کا سبط تھا۔ عبدالعزیز کے بعد عبداللہ حاکم منصورہ بنا۔

یہ تخت نشینی کے بڑا لائق ثابت ہُوا۔ امن و امان کے قیام کے ساتھ بڑا رُعب قائم کیا۔ اس کا وزیر ریاح تھا۔ اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے۔ ایک کو قاضی مقرر کیا جو آلِ ابی شوارب کے خاندان سے تھا۔ پھر عبدالرحمٰن بن علی حاکم ہو گیا۔ ان پر اسماعیلیوں کا غلبہ ہو گیا۔

۴۰۱ھ میں محمود نے ملتان پر قبضہ کیا تو منصورہ پر اس کا تسلط ہو گیا اور ہباری خاندان ختم ہو گیا۔

لہ مروج الذہب صفحہ ۳۷۷۔

خلیفہ محمد بن جعفر الملقب بہ منتصر باللہ

نام ونسب محمد منتصر بن متوکل بن معتصم بن ہارون الرشید، والدہ کا نام حبشیہ تھا وامہ ام ولد بنقال جبشیہ[1]۔ منتصر ۲۲۲ھ میں پیدا ہوا۔

بیعت خلافت ۲۳۵ھ میں متوکل نے اس کے لئے ولی عہدی کا فرمان لکھا تھا متوکل کے قتل کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں اس کو ترکوں نے تخت خلافت پر بٹھایا۔ وصیف اور دوسرے ترکی امراء نے اس کے ہاتھ پر ۴ شوال ۲۴۷ء مطابق ۱۱ دسمبر ۸۶۱ھ میں بیعت کی[2]۔

دوسرے دن منتصر کے سوتیلے بھائیوں معتز اور ابراہیم مؤید نے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام عمائد سلطنت سے بیعت لی گئی۔

وقائع تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد منتصر نے جعفریہ کو جسے متوکل نے بے شمار دولت صرف کرکے بنوایا تھا کھدوا ڈالا۔ یہاں کی کل آبادی اپنی پرانی جگہ پر واپس کردی گئی۔

ابوالعمود شاربی کا خروج منتصر کو تخت نشین ہوئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یمن میں بوازیج اور موصل میں ابوالعمود شاربی نے بغاوت بپا کردی۔ قبیلہ ربیعہ اور کرد بھی اس بغاوت میں شریک ہوگئے۔ اس وجہ سے ابوالعمود طاقتور ہوگیا۔ منتصر نے سیما ترکی سردار کو اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس نے چند مقابلے کئے۔ آخرش ابوالعمود گرفتار ہوا اور منتصر کی

---

[1] یعقوبی جلد ۱ ص ۱۷۰ [2] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۰۶۔

خدمت میں بھیج دیا گیا۔ منتصر نے اطاعت کا عہد لے کر آزاد کر دیا۔[1]

فتوحات ۲۳۷ھ میں امیر عبداللہ بن عباس مجاہد اعظم عباس کے مرنے کے بعد امیر صقلیہ ہوا۔ اس نے جبل بن مالک ارمبنن اور مشارعہ متعدد قلعے فتح کئے۔ پانچ ماہ بعد ۲۴۸ھ میں عبداللہ کی جگہ خفاجہ بن سفیان امیر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے محمود کو سرقوسہ روانہ کیا۔ اس نے سرقوسہ کو تاخت کیا مگر قبضہ نہ کرسکا۔ لوٹ آیا۔[2]

وزارت منتصر نے عبیداللہ بن خاقان کو معزول کر کے احمد بن خصیب کو جو اس کا کاتب تھا وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

منصبِ قضاۃ جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کو منصبِ قضاۃ پر مقرر کیا۔[3]

اتراک کا اقتدار متوکل کے قتل کے بعد سے ترکی امراء اور فوج خود سر ہوگئی تھی۔ ان کی ہیبت سے خود خلیفہ لرزہ بر اندام تھا وصیف اور بغا نے اس سے کہا کہ اپنے دونوں بھائیوں کو ولی عہدی سے معزول کر دو۔ چنانچہ منتصر کے کہتے ہی موید نے فوراً منظور کر لیا۔ بعد کو معتز نے بھی دستبرداری لکھ دی ورنہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔

وزیر احمد بن خصیب ترکی جنرل امیر وصیف سے مخاصمت رکھتا تھا اس نے منتصر سے کہہ سن کر آمادہ کیا کہ وصیف دارالخلافہ سے علیحدہ رہے۔ چنانچہ منتصر نے وصیف سے ایک دن کہا ق... سرحد پر حملہ کرنا چاہتا ہے آپ جائیں یا میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوں۔ چنانچہ وصیف نے کہا نمکخوار جانے کو تیار ہے۔ وزیر خصیب نے جملہ سامان کا انتظام کر دیا۔ امیر وصیف سرحد روانہ ہوگیا۔[4]

۱؎ مروج الذہب جلد ۷ ص ۳۰۹ ۲؎ ابن اثیر جلد ۷ ص ۲۳
۳؎ تنبیہ و اشراف ص ۳۵۵ ۴؎ طبری جلد ۱۲ ص ۱۴۸۰ -

صفاتِ منتصر منتصر حلیم، عفیف، بامروت، اس کا حسنِ خلق بڑھا ہوا تھا۔ متوکل نے شیعوں پر جو قیود عائد کر دیئے تھے ان کو یک قلم اُٹھا دیا۔ تمام علویوں کے وظائف جاری کر دیئے اور اوقاف واگذاشت کر دیئے گئے۔ باغ فدک عطا کر دیا۔ کربلا کی زیارت کی اجازت دے دی[1]

علامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"منتصر نے رعیت میں عدل و انصاف پھیلایا اور لوگ باوجود اس کی ہیبت کے اس کی طرف مائل ہو گئے۔ کیونکہ وہ بہت سخی اور حلیم الطبع تھا۔[2]

منتصر رُعب دار تھا ہر وقت باخبر رہا کرتا تھا مگر نہایت ممسک واقع ہوا تھا مال و زر کی اتنی حفاظت کرتا تھا کہ لوگ اُسے بخیل اور کنجوس ہی کہا کرتے تھے[1]

حُلیہ قد میانہ، حسین چہرہ، گندمی رنگ، نہایت جسیم و لحیم اور بارعب و داب تھا۔

واقعۂ عبرت منتصر نے اپنے باپ کے خزانے سے کچھ فرش نکلوائے اور ان کو ایک مکان میں بھجوایا۔ ایک فرش کے وسط میں ایک دائرہ بنا ہُوا تھا اور اس میں ایک سوار کی تصویر جس کے سر پر تاج تھا بنی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں کناروں پر فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک فارسی خواں کو خلیفہ نے بلوایا۔ وہ پڑھ کر کچھ چُپ سا ہو گیا، منتصر نے پوچھا کیا لکھا ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے کچھ معنی میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر خلیفہ اصرار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر اُس نے کہا کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ "مَیں نے شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں جس نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ لیکن مجھے چھ ماہ سے زیادہ سلطنت

---

[1] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۵۸ [1] تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۴۴ و فوات الوفیات جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

[2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۸ -

کرنا نصیب نہ ہوا۔"

یہ سن کر منتصر کا رنگ فق ہو گیا اور اس فرش کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔[1]

باپ کے قتل کا غم منتصر ترکوں کا ہمنوا ہو کر باپ کو قتل کرا چکا مگر اس کو اس واقعہ کا غم بہت تھا۔ شب و روز باپ کے لئے رویا کرتا۔ اس غم میں چھ ماہ تک گھل گھل کر سوکھ گیا۔ ادھر باپ کے قاتلوں سے انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ ترک اس کے انداز کو سمجھ گئے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ ایک دن منتصر قصر میں بیٹھا ہوا تھا کہ بغا صغیر کو ترکوں کے غول میں آتے دیکھا۔ منتصر نے اسے دیکھ کر فضل بن مامون سے کہا اگر میں والد کے بدلہ میں ان کو قتل نہ کر دوں اور ان کی جماعت کو منتشر نہ کر دوں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ ترکوں کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ سب سردار اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔[2]

وفات منتصر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ امرائے ترک نے اس کے طبیب ابن طیفوز کو تیس ہزار اشرفی دے کر مسموم آلہ سے فصد دلوا دی جس کی سمیت کے اثر سے منتصر جانبر نہ ہو سکا۔[3]

سامرہ میں منتصر کا ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ کو انتقال ہوا۔ احمد بن محمد بن معتصم نے نماز جنازہ پڑھا کر یہیں دفن کر دیا۔[4] وفات کے وقت پچیس سال چھ ماہ کی عمر تھی۔ مدتِ خلافت چھ مہینے دو دن ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰ [2] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۳۰۱ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۶۵

[4] تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۳۸۔

خلیفہ مستعین باللہ ابو العباس احمد عباسی

نام ونسب ابو العباس احمد ملقب مستعین بن محمد بن معتصم بن ہارون الرشید اس کی والدہ کا نام مخارق صقلوی تھا۔

ولادت ۲۲۱ھ میں ہوئی۔

بیعتِ خلافت منتصر کے مرنے کے بعد موالی کا اجتماع ہوا۔ ان میں ممتاز ہستیاں بغا کبیر، بغا صغیر اور اتامش، ان تینوں نے اتراک مغاربہ اور اشروشینہ کے امراء سے حقِ انتخاب خلیفہ لے کر موسیٰ بن شاکر منجم کی رائے سے احمد بن محمد بن معتصم کو خلیفہ تجویز کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور لقب مستعین باللہ رکھا گیا۔ مستعین ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ کو تختِ خلافت پر رونق افروز ہوا۔ وزیر احمد بن حصیب برقرار رہا۔

علوئین زیدیہ جماعت میں سے یحییٰ بن عمر جو بغداد میں مقید تھے وہ آزاد ہو گئے اور انھوں نے اپنی جماعت کو فراہم کیا اور دعوائے خلافت کر بیٹھے۔ اور کوفہ کو بلا مزاحمت تصرف میں لائے۔ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے اُن کے مقابلہ کے لئے حسن بن ابراہیم بن مصعب کو فوج دے کر بھیجا۔ وہ کوفہ سے کچھ فاصلہ پر مقیم ہوا۔ زیدیہ نے یحییٰ کو مشورہ دیا کہ امیر حسن سے چل کر اس کے قیام پر نبٹ لیا جائے اور کوفہ سے اُسے بڑھنے ہی نہ دیا جائے۔

چنانچہ یحییٰ اصولِ جنگ سے ناواقف کوفہ سے نکل کر شاہی فوج پر حملہ کرنے کے لئے چلے۔ رات بھر چل کر ۱۳ رجب ۲۵۰ھ کی صبح کو امیر حسن کے

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۱۸۔

مقابل آئے۔ اس کی فوج تازہ دم اور زیدیہ درماندہ۔ پہلے ہی جھڑپ میں منہ کی کھا گئے۔ یحییٰ گھوڑے سے نیچے آرہے اور مقتول ہوئے۔ ان کا سر مبارک محمد بن عبداللہ امیر بغداد کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس نے سامرہ روانہ کیا وہاں باب عامہ پر لٹکایا گیا۔ محبانِ اہلِ بیت میں شورش پیدا ہوئی۔ اس وجہ سے بغداد واپس کیا گیا۔ وہاں لٹکایا تو وہاں بھی یہی صورت پیش آئی تو دفن کر دیا گیا مستعین کے زمانے میں علوئین کے ہوا خواہ بڑھ گئے تھے اور بنی عباس سے پہلا سا انس کم ہو رہا تھا [1]

طبرستان میں دولت علویہ حسن بن یزید علوی نے طبرستان کو زیرنگین کر لیا ۲۷ سال فرماں رواں رہا۔ ۲۸۷ھ میں حسن قتل ہوا اور حسن بن علی قائم مقام ہوا حسن نے حکومت قائم کی اور ۳۱۶ھ تک اس کے خاندان میں حکومت رہی۔

رومی سرحد ملک کی اندرونی حالت کمزور ہونے سے سرحد پر رومیوں نے فتنہ کھڑا کر رکھا تھا۔ وہاں عمر بن عبداللہ اقطع اور علی بن یحییٰ ارمنی دو امیر تھے جن کے تہور اور شجاعت کی دھاک رومیوں کے قلوب پر مستولی تھی۔ عمر نے ملطیہ پر چڑھائی کی۔ وہاں شہید ہو گئے۔ رومیوں نے میدان صاف دیکھ کر جزیرہ کے حدود تک قدم بڑھایا۔ علی بن یحییٰ مقابل آئے۔ مگر ان کے ساتھ قلیل جماعت تھی۔ آخر شش چار سو مسلمانوں کی ہمراہی میں جام شہادت نوش کیا۔

رومیوں نے اب خوف وخطرہ کے بغیر اسلامی علاقہ کو تاخت وتاراج شروع کر دیا۔ مستعین میں اب دم نہ رہا تھا کہ وہ کسی سردار سے کہتا کہ سرحدی فتنہ کا سدِ باب کرے۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ صہ ۲۱۶ ۔

نظمِ مملکت ملک کے انتظام میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو چکی تھی۔ ترک جاہل قوم تھی وہ ہر ملکی انتظام میں دخیل ہو کر اُسے بگاڑ رہے تھے وزارت پر بھی اُن کا تسلط تھا۔ ان کی مرضی کو انتخابِ وزیر میں زیادہ دخل تھا

وزراء احمد بن خصیب، اتامش، ابو صالح عبداللہ بن محمد بن یزداد، وزیر مامون محمد بن فضل جرجرائی، وزارت پر سرفراز کئے گئے۔

قضاۃ منصبِ قضاۃ پر حسن بن ابی الشوارب اموی کو ممتاز کیا۔[1]
احمد بن خصیب پہلے کاتب تھا۔ یہ کم سواد اور کوتاہ نظر اور نہایت تند مزاج، پہلے منتصر کا وزیر رہا پھر علیحدہ کر دیا گیا۔ مستعین نے وزارت پر ممتاز کیا۔ مگر ترکی امراء اس سے ناراض ہو گئے۔ ۲۴۸ھ میں اُس کو گرفتار کر کے جزیرہ اقریطش بھیج دیا اور اس کے لڑکے کا مال واسباب ضبطی میں لایا گیا۔[2]

وزیرِ اعظم اتامش ترکی امراء میں سے تھا جب یہ وزیرِ اعظم بنایا گیا اس کا کاتب "شجاع" تھا۔ مستعین کی والدہ مخارق جس کا کاتب سعید بن سلمہ نصرانی تھا اور شاہک خادم قصرِ خلافت کا داروغہ اور خزانچی یہ تینوں اتامش ترک سے ساز باز کر گئے جو رقم خزانہ میں آتی وہ حصہ رسد تقسیم ہو جاتی۔ کچھ رقم رہ جاتی وہ مستعین کے صاحبزادے عباس کے اتالیق دلیل بن یعقوب نصرانی کے قبضہ میں جاتی۔

وقائع ۲۴۸ھ میں طاہر بن عبداللہ بن طاہر والی خراسان فوت ہوا۔ وصیف اور بغا جو کسی زمانے میں سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر اتامش سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے ترکی امراء کو بھڑکا دیا۔
۱۲ ربیع الثانی ۲۴۹ھ میں انہوں نے اپنے ترکی سپاہیوں سے اتامش کو جو قصرِ خلافت میں پناہ گیر ہوا تھا، قتل کرا دیا۔

---

[1] تنبیہ داشراف صفحہ ۲۶۰ [2] یعقوبی جلد ۲ صہ ۲۱۸ [3] ایضاً

ابو صالح نے چاہا کہ محاصل کے حسابات منضبط کر کے سلطنت کے مالیہ کو درست کرے۔ بغا صغیر کو یہ انتظام پسند نہ آیا۔ وہ برہم ہو گیا۔ ابو صالح جان بچا کر شعبان ۲۴۹ھ میں بغداد چلا گیا۔ صرف تین ماہ فرائض وزارت انجام دیئے۔

محمد بن فضل، اس نے منصبِ وزارت پر مامور ہو کر بجائے وزیر کے کاتب کا عہدہ اپنے لئے رکھا اور ترکوں کی مرضی پر چلتا رہا۔

مستعین کی معزولی

اتامش وزیر کے قتل کے بعد باغر ترکی جس نے متوکل کو قتل کیا تھا۔ اس نے بغا کبیر اور وصیف کو دیکھا کہ وہ امورِ خلافت پر حاوی ہیں اور خود کو کچھ اختیار نہیں۔ اس نے ایک جماعت ترکوں کی لے کر مستعین اور بغا اور وصیف کو قتل کرنے کی تدبیر کی۔ اس سازش کی خبر مستعین کو لگ گئی۔ اس نے وصیف کو مطلع کیا۔ اُس نے باغر کو قتل کرا دیا۔ اس کے ساتھی جو تھے وہ خلیفہ اور وصیف کو باغی ہو گئے اور کچھ عرصہ سامرہ میں شورش بپا رہی۔ خلیفہ مستعین قتل کئے جانے کے ڈر سے بغا اور وصیف بغداد لے گئے۔ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر کے محل میں لے جا کر رکھا۔ خلیفہ کے جاتے ہی شورش پسندوں نے معتز کو قید خانہ سے نکال کر خلیفہ اور موید کو ولی عہد بنایا۔ مستعین سامرا کے امراء کو اور معتز بغداد کے امراء کو خطوط لکھ کر اپنی طرف مائل کرنے لگے۔

محمد بن عبداللہ نے بغداد کی فصیل پر فوجیں متعین کر دیں اور سامرا کے راستے روک دیئے تاکہ سامانِ رسد وہاں نہ پہنچ سکے۔ معتز نے سامرا میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بغداد کو تسخیر کرنے کے لئے اپنے بھائی ابو احمد بن متوکل اور ترکی امیر کلباتکین کی قیادت میں فوجیں روانہ کیں۔ بمقام عکبرا میں خیمہ زن ہو کر محرم ۲۵۱ھ میں بغدادی فوجوں پر حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے، صفر کو فصیل بغداد تک ہر دو سردار پہنچ گئے۔ وہاں سخت لڑائی ہوئی۔ محمد بن عبداللہ جان لڑا رہا تھا۔ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان وزیر متوکل نے امرائے فوج سے کہا کیوں

مستعین کے لئے جان دیتے ہو یہ منافق ہے۔ محمد بن عبداللہ نے کنارہ کشی اختیار کی۔ اہلِ بغداد بھی جماعت سے دست کش ہو گئے مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر خلافت سے دست بردار ہونے کو تیار ہو گیا۔

۱۰ ذی الحجہ ۲۵۱ھ میں محمد بن عبداللہ قاضیوں اور فقیہوں کو لے کر اس کے پاس گیا مستعین نے کہا میں محمد بن عبداللہ کو اپنا مجاز بناتا ہوں جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہے۔ محمد بن عبداللہ نے معتز کو مستعین کی جان بخشی کے لئے لکھا۔ اس نے منظور کر لیا۔ ۴ محرم کو معتز کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

مستعین نے ردار اور مہر خلافت حوالہ کر دی مستعین کو واسط روانہ کر دیا اور اس کے آرام و آرائش کا حکومت کی طرف سے انتظام کر دیا گیا[۱] احمد بن طولون اس کا نگران تھا۔ سیر و شکار کی اجازت تھی۔

قتل مستعین کچھ عرصہ بعد سرمن رائے کے ایک مقام قادسیہ میں وہ روز چہارشنبہ ۳ شوال ۲۵۲ھ کو حاجب سعید کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔

اس وقت اس کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ ۳ سال آٹھ مہینے اور اڑتالیس دن حکومت کی۔[۲]

حلیہ نہایت لحیم جسیم اور خوب صورت تھا۔ ڈاڑھی سیاہ تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ زبان میں لکنت تھی[۳]

اوصاف وہ نرم مزاج مگر لایعنی باتوں کی اتباع میں سخت مطلق العنان تھا۔ خوف سے اس کو جان کے لالے پڑے رہتے تھے اسی خوف اور بے اطمینانی کے باعث اپنے دار الحکومت اور مرکز عزت

---

[۱] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۳۲ [۲] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۵۹
[۳] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۹۔

سے اُس نے راہِ گریز اختیار کی اور امورِ سلطنت کے بار سے سبکدوش ہوگیا۔[1]

علامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"مستعین نہایت نیک اور فاضل ادیب اور فصیح و بلیغ شخص تھا[2] لیکن فہم وشعور اور عقل و دانش کے لحاظ سے وہ نہایت معمولی خلیفہ تھا"۔[3]

علمائے معاصر

عبد بن حمید ۔ ابوطاہر بن سرح ۔ حارث بن مسکین ۔ اعقری ۔ ابوحاتم سجستانی ۔ جاحظ

---

[1] تنبیہ واشراف صفحہ ۲۵۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۵ ۔

[3] الفخری صفحہ ۲۲ ۔

خلیفہ معتز ابو عبداللہ

نام و نسب ابو عبداللہ معتز باللہ بن متوکل کی پیدائش ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ اس کی ماں کا نام قبیحہ تھا جو ام ولد تھی [۱]

تعلیم و تربیت علی بن حرب سے علوم رسمیہ کی تحصیل کی [۲]

وزارت معتز نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلے وزارت کو سنبھالا۔ ابوالفضل جعفر بن محمود اسکافی کو ترکوں کے دباؤ سے وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ مگر یہ تھا علم و ادب سے نا آشنا، صرف زر پاشی سے امراء کو خوش رکھتا تھا۔ معتز کو یہ پسند نہ تھا۔ جن ترکی امراء کو فائدہ نہ پہنچا وہ ناراض ہو گئے۔ ابوالفضل کو علیحدہ ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن فرخانشاہ کو وزارت پر سرفراز کیا۔ مگر ترکوں کی کش مکش سے زیادہ عرصہ تک وزیر نہ رہ سکا اور علیحدہ کر دیا گیا۔ احمد بن اسرائیل جو علم و کتابت میں لائق و فائق تھا اور معتز کا قدیمی کارپرداز رہ چکا تھا عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا گیا۔

علوئین معتز کے زمانہ میں علی ہادی بن محمد جواد جو شیعوں کے دسویں امام ہیں سامرا میں انھوں نے وصال فرمایا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری امام ہوئے۔ امام کا علم و فضل میں بڑا پایہ تھا۔ آپ نے ایک تفسیر قرآن بھی لکھی [۳]

زیدنے طبرستان میں حکومت قائم کر لی تھی اور بغداد اور عراق کے شیعوں

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ صہ ۲۳ [۲] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۹ [۳] فہرست ابن ندیم۔

سے خط وکتابت کر رہے تھے وہ پکڑ لئے گئے۔ معتز نے ان لوگوں کو سامرا بلا کر زیر نگرانی رکھا۔ کوئی زجر و توبیخ نہیں کی۔

وصیف وبغا کی معزولی ترکی امراء کے مشورہ سے وصیف وبغا کو مستعین کی معاونت کے جرم میں معزول کر دیا۔ پھر سفارش پر بحال کر دیا اور جاگیریں جو ضبط کر لی گئی تھیں وہ واپس کر دی گئیں اور اپنے اپنے مناصب پر بحال کیا۔

نائب سلطنت جس سال معتز تخت نشین ہوئی اسی سال اشناس مر گیا۔ جس کو واثق نے نائب سلطنت بنایا تھا۔ اس نے پچاس ہزار دینار چھوڑے جو بحقِ حکومت ضبط کئے گئے اور علی بن محمد بن عبداللہ بن طاہر کو خلعتِ نیابتِ سلطنت عطا کیا اور اس کے دو تلواریں کمر میں باندھی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد اُس کو بھی معزول کیا اور اپنے بھائی ابو احمد کو نائب سلطنت بنایا اور اس کے سر پر چاندی کا تاج رکھا اور جواہرات کا طرہ لگایا اور دو تلواریں اس کے بھی باندھیں۔ پھر اس کو بھی معزول کر کے نقش شرابی کو نائب بنایا اور اس کو تاج شاہی پہنایا گیا۔ اُس نے ایک سال بعد بغاوت کی مگر قتل کر دیا گیا اور اس کا سر معتز کے پاس بھیج دیا گیا۔[1]

مغاربہ اور اتراک معتصم باللہ کے عہد سے مغاربہ کی ایک فوج باقی رہ گئی تھی۔ اس میں باہم چل گئی اور اُن کے سردار محمد بن عون کے یہاں چھپ گئے۔ ترکوں نے ان سرداروں میں سے محمد بن ارشد اور نصیر بن سعید کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور ابن عون کو خلیفہ کی سفارش سے جلاوطن کر دیا۔[2]

حالات مساور خارجی موصل کی گورنری پر عقبہ بن محمد خزاعی تھا اور پولیس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰۔ [2] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۳۸۔

افسر حسین بن بکیر تھا۔ مساور بن عبداللہ بن مساور بجلی خارجی بوارنج میں رہتا تھا۔ اس کے لڑکے حوثرہ کو حسین نے پکڑ لیا۔ اس نے باپ کو لکھا کہ افسر پولیس میرے ساتھ فعل بد کرتا ہے۔ مساور نے خوارج کو جمع کیا اور موصل پر حملہ بول دیا۔ عقبہ بن محمد والیٔ موصل سے زوردار مقابلہ رہا۔ ۲۵۲ھ میں ایوب بن عمر بن خطاب تغلبی گورنر موصل بنایا گیا۔ اس نے اپنے بیٹے حسن کو نائب کیا اور حمدون بن حرث محمد بن عبداللہ کو معہ فوج کے مساور کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مگر اس کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔

۲۵۵ھ میں عبداللہ بن سلیمان کو گورنر موصل کیا۔ اس کو بھی مساور نے شکست دے دی اور موصل پر قبضہ جمایا اور نمازِ جمعہ ادا کی۔ مگر ۲۵۶ھ میں اس کی جماعت میں سے عبید بن زہیر عمری نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ مگر کچھ بگاڑ نہ سکا۔ ۲۵۵ھ سے ۲۵۷ھ تک مساور نے عراق کے اکثر بلاد پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ بن بغا ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کے مقابل آیا۔ مگر بلا لڑے واپس آگیا۔[1]

اوصاف معتز عیش و نشاط میں ہر وقت ڈوبا رہتا تھا، خوبیاں کم برائیاں زیادہ تھیں۔ مگر فصیح، بلیغ اور زبان آور خطیب تھا۔ تدبیر و رائے میں نہایت بے بہرہ تھا۔ اس کی ماں قبیحہ اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے سلطنت کے معاملات انجام دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہر شخص کو امورِ مملکت میں تغلب و تصرف کا موقعہ ہاتھ آجاتا تھا اور معتز دیکھا کرتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کارہائے سلطنت میں لوگوں کی نظروں سے بالکل اُتر گیا۔ مگر خود مزاج میں امامت اور نفاست کی شان رکھتا تھا۔ معتز نے اپنی سواری کے ساز کو خالص طلائی کا بنوایا تھا۔[2]

---

[1] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۶۱ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴۹۔

حُلیہ رنگ گورا۔ چہرہ حسین، کالے بال، خوب صورت آنکھیں۔ وہ اتنا حسین تھا کہ اُس کے حسن وجمال کی نظیر تمام خلفاء میں نہیں ملتی۔

خلع خلافت معتز ترکوں کے مقابلہ میں بہت ضعیف تھا۔ ان لوگوں نے جمع ہو کر امیر المومنین سے کہا کہ ہمیں کچھ دلوا ئیے کہ ہم صالح بن وصیف کو ٹھکانے لگا دیں۔ کیونکہ صالح سے معتز خوف زدہ تھا۔ ترکوں کی مانگ کو اپنی ماں سے روپیہ لے کر پورا کرنا چاہتا تھا مگر ماں نے صاف انکار کر دیا۔ یہاں خزانہ شاہی خالی تھا۔ عسکری ترکوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جاتیں۔ اس لئے مجبوراً معتز نے مناسب سمجھا کہ خلع خلافت کر کے اپنی آبرو اور جان بچا لے جائے ترک بھی رضامند ہو گئے اور انھوں نے صالح بن وصیف اور محمد بن بغا ء علی الحسن بن مخلد ذکواں صالح، علی احمد بن اسرائیل کاتب وزیر کو ہمنوا بنا لیا۔ دارالخلافہ میں ہتھیار بند ترک گھس آئے اور معتز کو بلا بھیجا۔ معتز نے کہا میں نے دَوا پی ہے اور کمزور ہوں اس لئے باہر محل سے نہیں آسکتا اس پر ترک برافروختہ ہو گئے اور محل میں گُھس کر اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے ہُوئے باہر لے آئے۔ پھر زدوکوب کیا۔ گرمی کے دن تھے اُس کو دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ ذلیل کر کے کہا خلع کیوں نہیں کرتا؟ قاضی ابن ابوشوارب کو بُلا لائے اور اس سے خلع خلافت کرا لیا۔ پھر ترک بغداد سے سامرہ پہنچے۔ محمد بن واثق وہاں تھا معتز نے خلافت اس کے سپرد کر دی اور خود اس سے بیعت کر لی۔

آخری زمانہ معتز کا آخری زمانہ ترکوں کی وجہ سے بے حد کلفت سے گذر رہا تھا۔ اس کے جو قلمرو زیرنگیں تھے اس میں سے کٹ کر نئی حکومتیں بن گئی تھیں۔ ۲۵۴ھ میں طولونیہ ایک اور جدید حکومت کی بنا پڑی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وفات بیعت کے واقعہ کے پانچ روز بعد ترک معتز کو پکڑ کر حمام میں لے گئے یہاں غسل کرایا۔ اس کو پیاس لگی تو پانی نہ دیا اور وہاں

سے نکال کر اس کو برف کا پانی پلادیا جس کے پیتے ہی معتز کا دم نکل گیا۔ یہ واقعہ ۸ رشعبان ۲۵۵ھ کا ہے [1]

اس کی نماز جنازہ مہتدی نے پڑھائی اور اس کو دفن کر دیا گیا [2]

معتز کی ماں بیٹے کے مرنے کے بعد صالح بن وصیف سے ملی اور ایک کروڑ تیس لاکھ دینار اور ایک چادر جس میں بیش قیمت زمرد لگے ہوئے تھے نذر کئے۔ ابن وصیف نے کہا پچاس ہزار دینار کی بدولت اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ لہٰذا تم اب مکہ میں رہ کر عبادت کرو اور اس نے اس کو مکہ معظمہ بھیج دیا۔ وہاں وہ ۲۶۴ھ میں مر گئی [3]

ناکام حکمرانی معتز بغا کے خوف سے تمام عمر لرزہ بہ اندام رہا۔ اس کا زمانہ شورشوں اور انقلابات میں گزرا۔ اس کو انتظام سلطنت کا موقعہ نصیب نہ ہوا بلکہ عباسی حکومت کا ایک حصہ دولتِ صفاریہ کی شکل میں رونما ہوا۔ اس کے سوا طبرستان پر زیدیوں کا قبضہ و تصرف ہوا۔

عُلمائے عصر

سری سقطی۔ ہارون بن سعید الایلی۔ دارمی مصنف مسند۔ عقبلی، مصنف مسائل القبیہ [4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۹ و ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۶۸-۶۹ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰ [4] ایضاً۔

دولت علوئین اور دعوت آلِ محمد

حضرت امام حسینؓ کے بعد دعوتِ آلِ محمد کا سلسلہ بنو فاطمہ اور علویوں کی طرف سے شروع ہُوا جس میں حضرت زید، نفس ذکیہ وغیرہ مدعی خلافت ہُوئے۔ ان کی مساعی، جانبازی، جان نثاری کا بنو عباس نے اپنی حسنِ قابلیت اور حسنِ تدبیر سے پھل پایا۔ تمام ممالکِ اسلامیہ میں ان کا سکّہ چل گیا جیسا کہ اس سے پہلے بنو اُمیّہ کی حکومت کا چراغ جل رہا تھا۔ اس زمانہ میں بنو اُمیّہ کا بچہ بچہ اس جُرم میں کہ وہ خاندانِ خلافت کا آئندہ ایک ممبر ہوگا، قتل ہو رہا تھا۔ ہاشم بن عبدالملک کی اولاد سے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام اس عام خونریزی سے بہ کمال بے کسی و بے سروسامانی اپنی جان بچا کر بھاگا جس کی تفصیل ہماری تالیف "خلافتِ ہسپانیہ" میں ہے۔

غرض کہ عبدالرحمٰن دریا کو عبور کر کے اندلس (ہسپانیہ) پہنچا۔ حکمرانی کی بُو دماغ سے نہ گئی تھی۔ اندلس کو عبدالرحمٰن بن یوسف فہری کے قبضہ سے نکال کر خود حکمرانی کرنے لگا۔ ایک برس خلیفہ سفاح کا خطبہ اندلس کی مساجد میں پڑھا گیا۔ پھر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اُس دن سے اندلس کو دولتِ اسلامیہ سے جس کے مالک بنو عباس ہو گئے تھے علیحدہ ہو گئے۔ پھر عہدِ خلیفہ ہادی ۱۹۲ھ میں علی بن حسن کا واقعہ پیش آیا اور ان کے سرگروہ حسین بن علی بن حسن مثنیٰ معہ ایک گروہ کے جو اُن کے خاندان کے افراد تھے قتل کر ڈالے گئے۔

ازاں جملہ ادریس بن عبداللہ بن حسن مغرب اقصیٰ کی جانب چلے گئے اور بربریوں میں اس زمانے سے اپنی دعوتِ آلِ محمد کی آڑ لے کر حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس کا تفصیلی تذکرہ "خلافتِ ہسپانیہ" میں آچکا ہے۔ اس طرح سے مغرب کا علاقہ بھی بنو عباس کے دائرہ حکومت سے باہر ہو گیا اور وہاں ان کی ادریسیہ

حکومت مستقل قائم ہو گئی۔ بعد چندے جس وقت متوکل مارا گیا۔ اس وقت سے خلافت عباسیہ اور ضعیف ہو گئی اور ہر چہار طرف سے گورنران صوبجات اسلامیہ کی خودمختاری کی صدائیں آنے لگیں۔ حکمرانی کی مشین کے پرزے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور بجائے خود ایک مشین کے وہ قائم ہو گئے۔ بغداد میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ علویہ نے اس موقعہ سے اٹھا کر بلادِ اسلامیہ میں دعوتِ آل محمد کا نقارہ بجا دیا۔

چنانچہ المعتضد باللہ عباسی کے عہد میں ابو عبداللہ شیعی نے ۲۸۶ھ میں افریقہ پہنچ کر عبید اللہ المہدی بن محمد بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق کی خلافت کی دعوت دی اور ان لوگوں سے عبید اللہ المہدی کی خلافت کی بیعت لی اور افریقہ کو بنو اغلب کے قبضہ سے نکال کر اس پر اور مغرب اقصیٰ، مصر اور شام پر متصرف ہو گیا۔ پس ان کل صوبجات نے خلفاء بنو عباسیہ کے اقتدار سے نکل کر ایک جدید دولت کی صورت اختیار کر لی جو دو سو ستر برس تک قائم رہی۔[۱]

عہدِ مستعین میں علویہ سے حسن بن زید داعی نے ظہور طبرستان میں کیا۔ معتز کے عہد میں اسمٰعیل بن یوسف علوی نے مکہ میں خروج کیا اور حج کے موقعہ پر سولہ سو حاجیوں کو قتل کر ڈالا اور محمد بن جعفر کوفہ میں اٹھے۔ مزاحم بن خاقان نے ان پر قابو پا لیا۔[۲]

اطروش علوی ۳۰۱ھ میں بنو حسین سے اطروش نے دولت و حکومت کا پتھر رکھا۔ پھر بنو علی سے عمر داعی طالقان کی حکومت زمانہ مقتدر میں قائم ہوئی۔ یمن میں ۱۹۹ھ میں یحییٰ بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم طباطبا کا ظہور ہوا جنہوں نے دولتِ زیدیہ کا آغاز کیا اور دولت علویہ زیدیہ قائم کی۔ طباطبائی نے ۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔[۳]

---

[۱] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۲۰۴ [۲] طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۹۴

[۳] دائرہ معارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۱ ۔

(صیعدہ) صنعاء اور بلاد یمن پر متصرف ہو گئے۔ اطراف بحرین اور عمان میں قرط کا ظہور ہوا۔ یہ کوفہ سے ۲۷۹ھ عہد معتضد میں وارد بحرین ہوئے اور بصرہ اور کوفہ پر متصرف ہو گئے۔ پھر بحرین پر اکتفا کر کے حکومت قائم کر لی۔ بنو سامان ۲۶۰ھ میں ان کی دعوت دیتے رہے جن کی حکومت چوتھی صدی کے آخر تک قائم رہی۔ ان کے تفصیلی حالات اس تاریخ میں آگے تحریر ہیں۔

دولتِ زیدیہ

حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ اپنے زمانے کے اتقیائے وقت سے تھے "رے" میں قیام تھا۔ کلا اور سالوس کے رئیس محمد و جعفر پسران رستم نے حسن بن زید کو مدعو کیا اور ان سے بیعت کی اور سلیمان بن عبداللہ بن طاہران دنوں طبرستان کا عامل تھا۔ اس کے زیر اثر کلا د سالوس تھے۔ پسران رستم نے تمام کارندے سلیمان کے نکال باہر کئے اور کل صوبہ پر قبضہ جمایا۔
خلیفہ مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کو دیلم کے متصل حدود طبرستان میں کلا اور سالوس دو مقامات بصلہ مہم یحییٰ بن عمر جاگیر میں دیئے تھے۔ اس پر بھی حسن بن زید کا قبضہ ہو گیا۔ حسن کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے تو "امل" کی طرف رخ کیا۔
محمد بن ادس مقابلہ کے لئے آیا مگر ہزیمت کھا کر بھاگا۔ پھر شہر ساریہ مسکن سلیمان بن عبداللہ پر چڑھائی کی وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ پھر "رے" بھی قبضہ و تصرف میں آ گیا۔ مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر وصیف ترکی کو بھیجا کہ وہ ہمدان پہنچ کر اس سیلاب کو روکے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔
حسن بن زید نے ایک قطعہ دولتِ طاہریہ کا اور ایک قطعہ خلافتِ عباسیہ کا فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی جن میں دیلم اور طبرستان کے کوہستانی

سلسلے شامل تھے۔

	نام	
۱	حسن بن زید بانی حکومت	۲۵۰ھ تا ۲۷۰ھ
۲	محمد بن زید قائم بالحق	۲۷۹ھ
۳	کچھ عرصہ سامانی قابض رہے	
۴	حسن اطروش بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن امام زین العابدین۔	۳۰۴ھ
۵	حسن بن قاسم	۳۵۵ھ

ایک صدی تک یہ دولت زیدیہ رہی۔ بنی سامان نے محمد بن زید کو قتل کر کے ۲۲ سال قبضہ رکھا۔ حسن اطروش نے لڑ کر اپنا ملک واپس لے لیا۔ پھر ایک جنگ میں وہ شہید ہوئے تو حسن بن قاسم نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ مگر اولاد اطروش برسرپیکار رہے۔ آخر زیدیوں کے ہاتھ سے یہ حکومت ۳۵۵ھ میں نکل گئی[1]

دولتِ طولونیہ

مصر میں دولتِ طولونیہ کا قیام

خلیفہ معتز کے عہد میں ہی مصر میں دولتِ طولونیہ قائم ہوئی معتز نے

---

[1] ابن اثیر و مسعودی جلد ۷ ص ۳۰۳۔

بابکیال ترکی کو مصر کا گورنر کیا۔ اس نے احمد بن طولون[1] کو اپنا نائب بنا کر معہ فوج مصر بھیجا۔ احمد بن طولون رمضان ۲۵۴ھ میں مصر پہنچا۔ اس وقت یہاں سے

---

[1] احمد بن طولون کا باپ طولون ترکی غلام تھا اس کو ۲۰۰ھ میں بخارا کے عامل نوح بن اسد سامانی نے مامون کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیج دیا تھا[1]۔ ۲۲۰ھ میں سامرا میں ان کے یہاں احمد ۲۲۰ھ میں پیدا ہوا اور طولون ۲۴۰ھ میں فوت ہوا۔ احمد کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ علم حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ طرطوس کے محدثین سے سماعِ حدیث کیا۔ صلحاء و اخیار کی صحبت بہت مرغوب تھی۔ ابن خلکان کا بیان ہے۔

کان احمد عادلاً جواداً شجاعاً	"احمد میں عدل پروری، فیاضی، شجاعت
متواضعاً حسن السیرۃ صادق	بہادری حسن سیرت، فراست تمام اوصاف
الفراسۃ یباشر الامور بنفسہ	جمع تھے وہ جملہ فرائض بذاتِ خود انجام
ولعمر البلاد و یتفقد احوال	دیتا تھا۔ رعایا کے حالات معلوم کرتا
الرعایا و یحب اھل العلم وکانت	تھا۔ شہروں کو بساتا تھا اور اہلِ
لہ مائدۃ یحضرھا کل یوم الخاص	علم کو بہت دوست رکھتا تھا اس کا
والعام وکان لہ الف دینار فی	دسترخوان عام و خواص ہر شخص کے لئے
کل شھر للصدقہ۔	وسیع تھا۔ ایک ہزار دینار روزانہ
[2]	خیرات کرتا تھا"

بعد تحصیل علومِ دینی احمد سامرہ میں سرکاری عہدہ پر ممتاز ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے عباس وزیر عبید اللہ بن یحییٰ سے طرطوس کا تبادلہ کرا لیا۔ مستعین اس پر بہت مہربان تھا۔ جب مستعین قید کیا گیا یہ نگران بنا۔ معتز کی ماں قبیحہ نے اس کو انعام کا لالچ دے کر مستعین کو قتل کرانا چاہا۔ اس نے اپنی جگہ احمد بن محمد کو مقرر کر کے الگ ہو گیا[3]۔ معتمد کے عہد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۳۸۸ پر)

---

[1] وفعات الاعیان جلد اول صفحہ ۵۴ [2] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۵۵ [3] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

حاکم خراج ابن مدبر کا مصر میں سکہ جما ہوا تھا۔ ابن طولون نے اُن کا رنگ کچھ دنوں میں اکھاڑ پھینکا۔ خلیفہ مہتدی کے زمانے میں اسکندریہ کی حکومت بھی اس سے متعلق ہو گئی۔ اس سے اس کی قوت وعظمت وشکوہ میں اضافہ ہو گیا[1] اماجور سابق عامل مصر کی لڑکی اس کو منسوب تھی۔ مصر میں اس قدر شوکت حاصل کر لی کہ مساجد کے ممبر پر خلیفہ اور ماجور کے بعد احمد بن طولون کا نام خطبوں میں شامل کر لیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ ۳۸۷ سے آگے)

۲۵۸ھ میں مصر کا مستقل والی بن گیا۔ وہاں کے لوگ اس کے حسن انتظام اور پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے بہت خوش تھے۔

ابن طولون ۲۷۰ھ میں فوت ہوا۔[2]

اس کے خاندان میں ۲۹۲ھ تک حکومت رہی پانچ امیر ہوئے۔

۱۔ احمد بن طولون (۲۵۴-۲۷۰)
۲۔ خمارویہ بن احمد (۲۸۲ھ)
۳۔ جیش بن خمارویہ (۲۸۳ھ)
۴۔ ہارون بن خمارویہ (۲۹۲ھ)
۵۔ شیبان بن احمد بن طولون (۲۹۲ھ)

یہ حکمران تحت دولتِ عباسیہ تھے۔ احمد کی یادگار جامع طولونیہ ہے۔۔۔

[1] وفیات الاعیان جلد اول ص ۵۴

---

[2] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

خلیفہ مہتدی باللہ

نام ونسب المہتدی باللہ (خلیفۃ الصالح) محمد ابو محمد اسحاق بن مامون واثق بن معتصم بن ہارون الرشید، ایک ام ولد دردہ نامی کے بطن سے اپنے دادا کے خلافت کے زمانہ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوا۔ مگر یعقوبی لکھتا ہے۔ وامہ ام ولد یقال لھا قرب [1]

بیعتِ خلافت ۲۵۵ھ میں لوگوں نے اس سے بیعت کی۔ مگر بغداد میں جب پولیس افسر سلیمان بن عبد اللہ نے شاہی رکن امیرالدین احمد کو بیعت کے لئے بلایا۔ اہل بغداد بھڑک گئے۔ اتنے میں امیر باجوج تیس ہزار اشرفیاں لے کر گیا۔ مگر شورش کو بڑھتا دیکھ کر میدان آکر ٹھہرا اور روپیہ سامرے سے منگا کر بغدادیوں پر تقسیم کیا جب لوگوں نے بیعت کی۔

وقائع تختِ خلافت پر متمکن ہو کر سب سے پہلے اس نے لہو ولعب کے انسداد پر توجہ کی۔ گانے بجانے حرام کر دیئے اور عاملان سلطانی کو حکم بھیجا کوئی ظلم نہ کرنے پائے اور عدل وانصاف کو ہر عامل پیشِ نظر رکھے۔ حکومت کے جس قدر دفاتر تھے ان کو سختی سے جانچا کرتا اور اس کا انتظام معقول کیا خود اجلاس کیا کرتا اور منشیوں کو سامنے بٹھا کر حساب کتاب کراتا۔ جعفر بن محمود جو شیعی عقیدہ رکھتا تھا اس کو سرمن رائے سے بغداد بھیج دیا۔ اس کی حرکتوں سے سخت نفرت تھی [2] اس کی دین داری کا اثر عوام اور فوج پر بھی پڑا۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۵۱۔

وزارت خلیفہ مہتدی باللہ نے محمود بن جعفر اسکافی کو وزارت کے عہدہ پر ممتاز کیا۔ مگر وہ مرضیِ مبارک کے مواقف نہ تھا اس کو علیحدہ کر کے سلیمان بن وہب بن سعید کو سرفراز فرمایا۔

سلیمان کا خاندان امیر معاویہؓ کے زمانہ سے کتابت میں نامور چلا آتا تھا۔ سعید آل برمک کا کاتب خصوصی ایک زمانہ سے رہ چکا تھا۔ وہب جعفر بن یحییٰ اور ذوالریاستین کے یہاں کاتب رہا۔ سلیمان چودہ۱۴ سال کے سن میں ماموں کے دفتر میں ملازم ہوا تھا۔ اس کے بعد امیر ایتاخ ترک اور امیر شناس کا کاتب رہا۔ یہ شخص انشا پردازی اور ادب میں بے مثل اور علم و فضل میں یگانہ روزگار تھا۔

قاضی منصب قضاء پر حسن بن محمد ابی شوارب کو ممتاز کیا۔

حجابت صالح بن وصیف۔ موسیٰ بن بغاء، عبداللہ بن دکین عہدۂ حجابت پر مامور ہوئے [۱]

مگر خلافتِ عباسیہ کا نظام مملکت بہت بگڑ چکا تھا۔ مہتدی اپنی سعی میں ناکام رہا۔ کیونکہ ایوانِ حکومت میں خود غرض امراء کا مجمع تھا۔ انہیں ذاتی مفاد کے سوا حکومت کی فلاح و بہبود سے دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اُسے سلطنت اور جان دونوں خلافتِ عباسیہ کے بھینٹ دینی پڑی۔

فتنہ مساور خارجی معتز کے زمانہ میں مساور کا اقتدار بڑھ چکا تھا ۲۵۵ھ میں موصل پر حملہ آور ہو کر عبداللہ بن سلمان عامل موصل کو نکال کر خود قابض و متصرف ہو گیا پھر "حدیثہ" چلا گیا اس زمانہ میں اسکی جماعت کے ایک رکن عبیدہ سے مذہبی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ اُس نے اس کے مذہبی خیالات سے بُرا اثر لیا اور گمراہ سمجھ کر اس سے جدا ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کو لیکر مساور کے مقابل آیا۔ ادھر مساور نے عراق کی آمدنی دار الخلافہ جانے سے روک دی۔ حکومت نے موسیٰ بن بغا اور بابکیال کو اس کے استیصال کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس کے

---

[۱] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۳۔

مقابل نہ آئے اور ہمت ہار کر لوٹ گئے۔[1] ابھی یہ فتنہ ختم نہ ہوا تھا کہ ایک اور فتنہ صاحب الزنج اُٹھ کھڑا ہوا۔

فتنہ صاحب الزنج علی بن عبدالرحیم المعروف بہ صاحب الزنج قبیلہ عبد قیس[2] کا معمولی آدمی تھا۔ ابتداء میں منتصر کے درباریوں کی مصاحبت[3] کرتا تھا۔ دولت عباسیہ کی کمزوری دیکھ کر اُسے بھی قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے کو علوی رکن بتا کر بحرین جو شیعانِ علی کا مرکز تھا وہاں جا کر کہا کہ میرا نام علی بن محمد بن احمد بن عیسٰی بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب[4] ہے اور اس نے مظلوم حبشیوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ لاکھوں حبشی ان دنوں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا نہ کوئی سر دھرا تھا کہ اُن کو حکمران طبقہ سے آزاد کرائے۔ صاحب الزنج اُن کا قائد بنا اور اُن سے کہا کہ میں اُن کی آزادی کا ذمہ دار ہوں۔ اگر اُن کا کوئی آقا مزاحم ہوگا اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ اس نے اعلان کیا کہ ہر غلام حبشی اپنے آقا کو چھوڑ کر یہاں چلا آئے وہ آزاد ہے۔ چنانچہ اس تدبیر سے ہزارہا اس کے جھنڈے تلے حبشی آ گئے۔ اس مناسبت سے صاحب الزنج مشہور ہو گیا۔

ان حبشیوں کی جماعت سے عراق میں قیامت بپا ہو گئی۔ حبشیوں نے اپنے آقاؤں اور اُن کے عزیز و اقارب سے انتقام لیتے ہوئے مسلمانوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے پھر تو جا و بے جا مظالم توڑنے شروع کر دیئے جس سے دنیائے اسلام میں کھلبلی مچ گئی۔ بحرین، بصرہ، ایلہ اور کربلا میں صاحب الزنج نے آفت بپا کر دی۔

لطف یہ تھا کہ دعوت تو آلِ محمد کی تھی۔ مگر عقائد خارجیوں کے رکھتا تھا اور کبھی عباسیت کا مدعی بن جاتا۔[5]

حکومت کی جانب سے ابو ہلال ترکی چار ہزار کی جمعیت سے صاحب الزنج

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۶۷ [2] طبری [3] ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۴۶ [4] مسعودی جلد ۸ صفحہ ۳۱

کے مقابلہ پر نہر ریان پر آیا۔ مگر حبشیوں کی یلغار سے شکست کھا گیا۔ بعد اس کے ابوالمنصور ایک عظیم الشان لشکر لے کر زنگیوں (حبشیوں) کی گوشمالیوں کو چلا۔ اس لشکر میں متطوعہ (والنٹیر) اور بلالیہ اور سعدیہ کی فوجیں بھی شریک تھیں۔ صاحب الزنج سے مقابلہ کیا۔ مگر ناکامی کا منہ عسکر شاہی کو دیکھنا پڑا۔ صاحب الزنج کی اس کامیابی سے جرأت اور بڑھ گئی۔ پھر وہ بصرہ کی طرف خود بڑھا۔ جعلان ترکی اہل بصرہ کی کمک پر سامرہ سے آیا۔ اُس کو بھی غفلت میں زنگیوں نے لے ڈالا۔ پھر جماعت زنگی کامرانی حاصل کرتے ہوئے ایلہ پر حملہ آور ہوئے اور گورنر ابوالاحوص عبیداللہ بن حمید معہ گروہ کثیر کے مار ڈالا گیا۔ ایلہ میں آگ لگا دی۔ یہ شہر جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ پھر "اہواز" کو جا کر زنگیوں نے لُوٹا۔ مہتدی کے بعد معتمد نے سعید بن صالح حاجب کو زنگیوں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اس نے آتے ہی ان سیہ بخت زنگیوں کو سخت ہزیمت دے کر ہزارہا کاٹ ڈالے اور اُن کی قوت کو توڑ کے رکھ دیا۔ اوران کے پاس جو کچھ تھا وہ سب لُوٹ لیا۔[1]

موسیٰ بن بغا موسیٰ بن بغا "رے" سے "سر من رائے"، صالح بن وصیف کے قتل کے ارادے سے آیا تاکہ معتز کے خون کا بدلہ اُس سے لے۔ موسیٰ نے خلیفہ مہتدی سے باریابی کا اِذن مانگا۔ خلیفہ اس وقت دارالعدل میں بیٹھا ہُوا مقدمات فیصل کر رہا تھا اُس نے انکار کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے خودسرانہ اس پر نرغہ کیا اور اُس کو دارالعدل سے اٹھا کر ایک ٹٹو پر جبریہ سوار کرایا اور دارناجود میں لے جاکر وہاں تنہائی میں خلیفہ سے امیر موسیٰ نے کہا۔ اے امیرالمومنین! آپ صالح کی طرفداری نہ کریں۔ مہتدی نے یہ رنگ دیکھ کر حلف اٹھا لیا تو موسیٰ نے معذرت کی اور بیعت بھی کر لی۔ مگر پھر صالح کے پیچھے موسیٰ اور مہتدی میں ٹھن گئی۔ یہاں تک کہ موسیٰ سے خلع خلافت کی گفتگو ہونے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳، صفحہ ۲۷۳۔

لگی اور اس درجہ بات بڑھ گئی کہ مہتدی نے تلوار نکال لی اور کہا :-

"موسیٰ بن بغا مجھے تمہارا ارادہ معلوم ہو گیا ہے۔ مجھے تم مستعین اور معتز کی طرح نہ سمجھنا۔ واللہ میں اس وقت غضب ناک ہوں اور اپنی جان سے مایوس ہو کر وصیت کر چکا ہوں۔ تلوار کا قبضہ جب تک میرے ہاتھ میں ہے بہت سوں کی جان لے کر مروں گا۔ آخر دین اسلام اور حیا بھی کوئی چیز ہے۔ خلفاء کی دشمنی اور خدا کے خلاف جرأت کرنی سخت باعثِ وبال ہے اور مجھے صالح کا ہرگز علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے"

یہ سن کر موسیٰ اور اس کے ساتھی خاموشی سے دربار سے اٹھ گئے [1]۔

صالح کا قتل

صالح کی تلاشی میں موسیٰ نے اپنے آدمی لگا دیئے۔ دس ہزار دینار پتہ لگانے والوں کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ صالح ایک گوشہ مکان میں سو رہا تھا۔ غلاموں کی نظر پڑ گیا۔ انہوں نے موسیٰ کو مطلع کیا۔ اس کے آدمیوں نے جا کر صالح کو گرفتار کر لیا اور قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر شہر میں تشہیر کرایا۔ امراء کی خودسری کے اس واقعہ کا اثر مہتدی نے بہت کچھ لیا۔

موسیٰ "سن" کی طرف روانہ ہوا تو مہتدی نے اس کے ایک ترک ساتھی باکیال کو لکھا کہ امیر موسیٰ اور دوسرے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔ باکیال نے یہ خط بابِ خلافت کا آیا ہوا امیر موسیٰ کو دکھا دیا۔ وہ دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ پہلے باکیال کو دارالخلافہ بھیجا۔ پھر خود مہتدی کے قتل کا قصد کر کے وہیں سے لوٹا۔

وفات

موسیٰ نے آ کر مہتدی پر نرغہ بول دیا۔ اہلِ مغرب اور فرغانہ نے خلیفہ کی حمایت میں کسر نہ اٹھا رکھی اور خوب مقابلہ کیا۔ امراء کے ساتھیوں میں سے صرف ایک دن میں چار ہزار ترک قتل ہوئے۔ کئی روز لڑائی

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۲۔

کے بعد خلیفہ کی فوج نے شکست کھائی اور خلیفہ دادِ شجاعت دیتا ہُوا گرفتار ہُوا۔ دشمنوں نے اس کے خصیتین دبا کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ رجب ۲۵۶ھ کا تھا۔[1] مہتدی نے صرف گیارہ ماہ چند دن فرائض خلافت انجام دیئے۔[2]

زوالِ سلطنتِ عباسیہ مہتدی کے زمانے میں سلطنت کی خرابیاں اس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ان کی اصلاح مہتدی جیسے متقی اور سلیمان بن وہب وزیر فاضل سے نہیں ہو سکتی تھیں۔ ترک اپنی جہالت سے ایسی حرکتیں کر رہے تھے کہ وقارِ خلافت عوام کے قلوب سے اُٹھتا جا رہا تھا۔ عوام بھی ان کی سخت گیریاں جھیل جھیل کر بزدل بن گئے تھے۔ باشندگانِ بغداد جب مہتدی کو ترکوں نے نرغہ میں کر لیا تو اس کی حفاظتِ جان کے لئے مسجدوں میں دعائیں کر رہے تھے خود کسی قسم کی معاونت نہیں کر سکتے تھے۔[3]

مہتدی کے زمانے میں دولتِ عباسیہ کا اور ملک کا حصّہ بھی علیحدہ ہو گیا۔ دولتِ طولونیہ قائم ہوئی۔

صفاتِ مہتدی یعقوبی لکھتا ہے:-

"وظہرت من المہتدی سیرت حسنۃ و مذاہب محمودۃ وجلس للمظالم بنفسہ و ناشر الامور بجسمہ ووقع فی القصص بخطہ و ابطل الملاہی وقدم اہل العلم"[4]

مہتدی نہایت متقی تھا تہذیب و شائستگی، علم و فضل میں اور اعتدال و میانہ روی اور امانت داری و دینداری میں تمام مشہور خلفائے بنو عباس میں قریب قریب ویسا ہی تھا۔[5] احکامِ خدا کے اجراء میں سخت تھا۔ شجاع تھا مگر اس کو مددگار نہ ملا۔

خطیب بغدادی لکھتا ہے "خلیفہ ہونے کے وقت سے لے کر قتل ہونے تک روزہ رکھتا رہا۔ رکوع و سجود میں رات کا بڑا حصّہ گزارتا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۲ [2] ایضاً ص۲۵۱ [3] یعقوبی جلد ۲ ص۲۲۲ [4] تاریخ الخلفاء ص۲۵۱

زہد و ورع ہاشم بن قاسم کہتے ہیں کہ رمضان میں شام کے وقت مہتدی کے پاس میں بیٹھتا تھا۔ جب میں چلنے لگا تو مہتدی کہنے لگا۔ ہاشم بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ہم نے افطار کیا اور نماز پڑھی۔ مہتدی نے کھانا مانگا تو ایک بید کی ڈلیا میں کھانا آیا۔ اس میں پتلی پتلی روٹیاں تھیں اور ایک برتن میں تھوڑا سا نمک دوسرے میں سرکہ اور تیسرے میں زیتون کا تیل تھا۔ مجھ سے بھی کھانے کو کہا۔ میں نے کھانا شروع کیا اور دل میں سوچا۔ کھانا اور بھی آتا ہوگا۔ مہتدی نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ کیا تمہارا روزہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔ تھا! پھر پوچھا کہ کیا کل روزہ نہ رکھو گے؟ میں نے عرض کیا۔ رکھوں گا اور عرض کیا۔ امیرالمومنین! یہ تو ماہِ رمضان ہے۔ خلیفہ بولا۔ پھر تو اچھی طرح سے کھاؤ اور اُمید نہ رکھو کہ اور کھانا آئے گا۔ کیونکہ اس کے سوا اور میرے لئے کھانا نہیں ہے۔ یہ سُن کر مجھے سخت تعجب ہُوا اور میں نے تعجب سے پوچھا کہ امیرالمومنین یہ کیا معاملہ ہے؟ خدا نے آپ کو تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔

مہتدی نے کہا۔ بات یہ ہے کہ بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز سا شخص پیدا ہوا اور بنی ہاشم میں نہ ہو۔ اس لئے میں نے یہ طور اختیار کیا ہے[1]

لباس صوف مہتدی سادی وضع سے رہتا تھا۔ دربار میں لباسِ فاخرہ پہنتا۔ مگر مدتوں ایک جوڑا استعمال میں رہتا۔ ورنہ گھر میں صوف کا لباس پہنتا تھا چنانچہ نفطویہ کا بیان ہے۔

"مہتدی کے پاس ایک جامدانی تھی کہ جس میں ایک کُرتہ صوف کا اور ایک چوڑا کپڑا رہتا تھا۔ مہتدی اُس کو رات کو پہن کر نماز پڑھا کرتا تھا"۔[2]

بنی عباس کا ایوانِ عیش و عشرت بدل کر بوریائے فقر محلات میں بچھا دیا۔ اس کی سادہ زندگی زہد کا نمونہ تھی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۱ [2] ایضاً صہ ۲۵۲۔

عدل وانصاف

مہتدی کی سیرت میں سب سے نمایاں اس کا عدل وانصاف اور اوامر ونواہی کا قیام ہے۔ اس نے عدل کے لئے ایک خاص عمارت قبتہ المظالم کے نام سے بنوائی۔ جہاں روزانہ بیٹھ کر عوام وخواص کی دادرسی کیا کرتا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اس کے لڑکے پر دعویٰ کیا۔ مہتدی نے شہزادے کو عدالت میں طلب کیا اور مدعی کے پہلو میں کھڑا کر کے دعوے کی سماعت کی۔ شہزادے نے اقرار کر لیا۔ مہتدی نے اس وقت مدعی کا حق دلوا دیا۔

عبداللہ بن ابراہیم اسکافی نے تعریف کی۔ مہتدی بولا۔ میں اس آیت قرآن پر عامل ہوں۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ الخ اور بے اختیار رو پڑا۔[۲]

علامہ فخری کا بیان ہے کہ مہتدی نے اپنے تمام متعلقین کو ظلم وتعدی سے حکماً روک دیا تھا۔[۳]

علماء کی قدردانی

مہتدی کی علمی استعداد گو معمولی تھی۔ مگر شاہی علمی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ علومِ دینی کا اثر اسلاف سے پایا تھا۔ علماء اور اہلِ کمال کی توقیر ومنزلت بہت کرتا تھا۔ ایک علماء کی جماعت اس کے پاس رہتی۔ بڑے مرتبہ کے فقہاء اس کے دربار سے منسلک تھے۔ ان کی ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتا۔[۴]

اتباعِ سنت

اتباعِ سنت کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اپنے بزرگوں جنہوں نے عجمیوں کے مانند حکومت کی شان بنا رکھی تھی ان کے خلاف تھا۔ چنانچہ محلات جو گہوارۂ عشرت تھے اس کے لوازمات کو ختم کیا۔[۵] نقرئی وطلائی

---

[۱] تاریخ خطیب جلد ۳ صفحہ ۳۴۹ [۲] مروج الذہب جلد ۸ صد ۲۱ [۳] ایضاً
[۴] مسعودی جلد ۸ صد ۱۹ [۵] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۱۹۔

ظروف گھلوا دیئے اور اُس کے سکے ڈھلوائے گئے۔ ایوانِ عشرت کو بے حد سادہ صورت میں اُس نے بنا دیا۔ خلفائے عباسیہ نے مینڈھوں اور مُرغوں کو اپنی تفریح طبع کے لئے محل میں رکھ چھوڑا تھا اُن کو ذبح کرادیا۔ جانور خانہ جس میں درندے پلے ہوئے تھے مروا ڈالے۔ وہ فرش و فروش جن کا استعمال شرعاً ممنوع تھا اپنے محل سے ہٹوائے۔ باپ دادا نے دسترخوان کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ کا قرار دے رکھا تھا گھٹا کر سو درہم کر دیا۔ خود اس میں سے بہت قلیل خرچ اپنی ذات پر کرتا عموماً روزہ رکھا کرتا تھا۔

محبت اہلِ بیت حضرت علیؓ سے خصوصیت سے محبت رکھتا تھا۔ اُن کا ایک خطبہ محمد بن علی کعبی سے پوچھ کر قلمبند کیا اور روزانہ تنہا مکان میں رو رو کر اُس کو پڑھا کرتا[1]

حُلیہ قد میانہ، بدن حسین، پیشانی چوڑی، البتہ آنکھیں کنجی، پیٹ بڑا، داڑھی لانبی تھی۔ سر پہ بال کم تھے[2]

---

[1] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۲۹ [2] التنبیہ والاشراف ص ۲۶۵۔

خلیفہ معتمد علی اللہ

نام ولقب احمد بن جعفر متوکل نام تھا۔ کنیت ابوالعباس تھی۔ لقب معتمد علی اللہ تھا۔ ام ولد فتیان نامی خاتون کے بطن سے تھا[1]

تعلیم وتربیت شاہی خاندان میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس کے اوائل عمری میں دارالخلافہ علوم وفنون کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ معتمد پر بھی اثر پڑے بغیر نہ رہا۔

بیعتِ خلافت مہتدی کے عزل کے وقت معتمد "وسق" مقام میں قید تھا۔ ترکی امراء نے قید خانہ سے لاکر تختِ خلافت پر بٹھایا۔ اس وقت معتمد کی عمر پچیس سال کی تھی۔

۱۶ رجب ۲۵۶ھ کو موسیٰ بن بغا و دیگر اعیانِ سلطنت نے بیعت کی اور المعتمد علی اللہ لقب سے ملقب کیا۔

وزارت عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی وزراء پر نظر ڈالی۔ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو منصبِ وزارت تفویض کیا۔ پھر حسن بن مخلد بن جراح، سلیمان بن وہب، ابوالصقر اسماعیل بن بلبل، ابوبکر بن صالح بن شیرزاد، یکے بعد دیگرے وزارت پر وقتی ضرورت کے لحاظ سے سرفراز ہوتے رہے۔ آخر میں عبیداللہ بن سلیمان وزیر اعظم تھا۔

عاملِ مشرق معتمد نے اپنے بھائی موفق طلحہ کو مشرق کا عامل بنایا اور اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنا کر مصر و مغرب کا گورنر کیا اور اس کو

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ [2] التنبیہ والاشراف صت ۲۶۵۔

خلافتِ باپ نے مفوض الی اللہ سے خطاب فرمایا۔

قضاء

منصب قضاۃ پر حسن بن محمد بن ابی الشوارب برقرار رکھے گئے۔ آگے چل کر اُن کے بھائی علی بن محمد کو قضاۃ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔[1]

حجابت

اس منصب پر یاجوج ترکی۔ کیغلغ ترکی۔ حسن بن ترتنگ بخطامش۔ یکتمر فائز ہوتے رہے۔

طوائف الملوکی

معتمد نے عنانِ حکومت اُس وقت ہاتھ میں لی جبکہ قلمروِ دولتِ بنی عباس میں ہر جگہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ شورش اور ہنگامے آئے دن ہوتے رہتے۔ سجستان، کرمان، فارس پر دولتِ صفاریہ کا اقتدار تھا۔ خراسان سے بھی حکومت طاہریہ کا اقتدار، صفاریہ کے غلبہ سے کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ طبرستان اور جرجان وغیرہ پر دولتِ زیدیہ کا قبضہ تھا۔ ماوراء النہر پر ایک نئی حکومت سامانیہ کے نام سے قائم ہو رہی تھی۔ شمالی افریقیہ پر دولت اغالبیہ کا قبضہ و تصرف تھا۔ بصرہ اور ابلہ اور کور دجلہ وغیرہ پر صاحب الزنج چھایا ہُوا تھا۔

والیِ شام کی بغاوت

دولتِ عباسیہ کے قلمرو کے حصّہ ہوچکے تھے جو ملک باقی تھے اُن میں بھی آئے دن بغاوت ہوتی رہتی۔ شام میں عیسیٰ بن شیخ خلافتِ مآب کی طرف سے والی تھا۔ اس نے موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر شورش پر کمر باندھی۔ مہتدی کے وقت میں ابن شیخ نے کچھ ہاتھ پَیر نکالے تھے مگر یہ فتنہ بڑھنے نہ پایا۔ معتمد کے زمانے میں اپنی قوت کے بل بوتے پر سرکاری خراج بھیجنا بند کر دیا اور اس پر طرہ یہ کہ مصر سے جو خراج دارالخلافہ بھیجا گیا اس کو راہ میں روک لیا۔ معتمد تک عیسیٰ کی خودسری کی خبر پہنچی۔ اس نے دوربینی کو کام میں لاکر بجائے سرزنش کرنے کے ارمینیہ کے علاقہ

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۵۔

کی حکومت اس کو اور عطا کر دی ۔ یہ طریقۂ خلافتِ مآب کا بڑھتی ہوئی شورش اور بغاوت کے خاتمہ کے لئے بہترین ثابت ہوا ۔ عیسیٰ بن شیخ اس مراحم خسروانہ کو دیکھ کر خلیفہ سے عذر خواہ ہوا اور اطاعت کا حلف اٹھایا اور بیعت کر لی ۔ مگر کچھ عرصہ بعد پھر انحراف کیا ۔

معتمد نے دمشق کا والی امیر اماجور ترکی کو کیا ۔ عیسیٰ کو ناگوار گزرا ۔ اس نے اپنے لڑکے منصور کو اماجور سے مقابلہ کرنے کو بھیجا ۔ وہاں ایک پختہ کار ترک اور منصور نوعمر اور نوخیز کیا مقابلہ کرتا ۔ آخرش اس معرکہ کے نذر منصور چڑھا ۔ اس کے ساتھی تابِ مقابلہ نہ لا سکے اور یہ اماجور کے ہاتھ لگ گیا ۔ اس نے منصور کو قتل کرا دیا ۔ اس واقعہ سے عیسیٰ بن شیخ کے حوصلے پست ہو گئے اور اس قدر بیٹے کے مرنے سے دلگیر ہوا کہ اس نے شام کی ولایت چھوڑ دی اور ارمینہ کا رخ اختیار کیا [1]

شورش صاحب الزنج

صاحب الزنج کا اقتدار مہتدی کے زمانے سے معتمد کے عہد میں اور بڑھ گیا ۔ پھر تو وہ عراق کے بڑے حصہ پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا ۔ ۲۵۲ھ سے ۲۷۰ھ تک اس علاقہ کے مسلمانوں پر بلا روک ٹوک من مانے بڑے مظالم توڑے ۔ گو عباسی افواج نے مقابلے ہوئے مگر اس کو ہی ہر معرکہ میں کامیابی رہی ۔ آخرش خلافتِ مآب کی فوج کے ہاتھوں زنگیوں کا سرغنہ بہبود نامی مارا گیا جو اپنے کو رسول کہتا تھا [2]

صاحب الزنج کا دوسرا ساتھ مہلبی تھا ۔ اس نے محلہ مقبرۂ بنی یشکر میں ایک منبر تیار کر کے جمعہ کے دن صاحب الزنج کے نام کا خطبہ پڑھا شیخین پر رحمت اور دیگر پر تبرہ بھیجتا ۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اہلِ بصرہ کو تباہ و برباد کیا ۔ اس کے خوف سے صدہا بصری جنگلوں میں جا چھپے ۔ بصریوں کی جان و مال کے علاوہ

---

[1] ابی الفدا جلد ۲ صفحہ ۸۰ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۳ ۔

عزت و آبرو بھی اُن کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی۔ سادات کی خواتین کو لونڈی بنایا اور نیلام کیا۔ پندرہ سال تک مسلسل ایسے ظلم کیے۔ صرف مہلبی نے ۱۵ لاکھ مسلمان قتل کئے۔ موفق خود عسکر عباسیہ کی کمان لے کر میدان میں آگیا اور اپنے تہور و شجاعت سے زنگیوں کی ایسی خبر لی کہ ہزار ہا کھیت رہے۔ آخر کار ۲۷۰ھ میں صاحب الزنج کا خاتمہ کرکے خلق اللہ کو اس کے ظلم سے موفق نے نجات دلائی[1]

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے اور دوسرے ساتھیوں نے ایک کروڑ مسلمان تلوار کے گھاٹ اتارے[2] موفق (برادر معتمد) نے اس مہم کو سر کرکے بلادِ اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا اعلان کر دیا۔ چند دنوں تک امن و امان کرنے اور انتظام کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا۔ بصرہ، ابلہ کو ردجلہ کی حکومت محمد بن حماد کو عنایت کی اور اپنے بیٹے ابوالعباس کو جس نے زنگیوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دی تھی۔ بغداد روانہ کیا۔ چنانچہ ابوالعباس ۱۵ ر جمادی الثانی ۲۷۰ھ کو داخلِ بغداد ہُوا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشی منائی۔ سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔[3]

واقعاتِ احمد بن طولون

۲۶۲ھ میں موفق، ابن طولون کے خلاف ہوگیا۔ اور اس کو مصر سے معزول کر دینے کی دھمکی دی۔ اس پر ابن طولون، جو مصر میں صاحب اقتدار بن چکا تھا۔ اس نے نائب سلطنت کو سخت جواب دیا۔ موسیٰ بن بغا کی ماتحتی میں موفق نے لشکر بھیجا۔ رقہ میں پہنچ کر کمی رسد سے ابن بغا کو لوٹنا پڑا۔ مگر معتمد نے رنگ دیکھ کر بھائی موفق کی مرضی کے خلاف ابن طولون کو طرطوس کی ولایت کا فرمان لکھ بھیجا۔ کیونکہ وہاں آئے دن رومی حملے ہوتے رہتے تھے۔ ابن طولون نے خلافت مآب کے فرمان کے بموجب سرحد کے علاقہ میں جاکر سرحد کو بالکل محفوظ کر دیا۔ رومی ابن طولون کے نام

---

[1] طبری وابن اثیر و ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۸۶ تا ۳۶۰ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴

[3] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۳۶۰۔

سے خوف زدہ رہنے لگے۔ اب طولون کی توجہ ملحقہ ملکوں کی طرف منعطف ہوئی چنانچہ اس نے ۲۶۴ھ میں سارے ملک شام پر قبضہ کر لیا اور متصرف ہو گیا۔ اب طولونیہ دولت برقہ سے فرات تک وسیع ہو گئی۔ خلیفہ عباسی معتمد کے پاس صرف عراق کے جزیرہ کے صوبے رہ گئے جہاں شورشوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔

موفق صاحب الزنج کے فتنہ کے سدباب میں لگا ہوا تھا۔ ابن طولون نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی فوج کو بڑھایا اور سلطنت طولونیہ کو قوی کیا۔ اس کے سوا خلیفہ کو تحفے و تحائف کثرت سے روزانہ کئے اور خلیفہ سے استدعا کی کہ مصر آجائیے۔ معتمد، موفق کے اقتدار سے گھبرا چکا تھا۔ سامرا سے روانہ ہوا لیکن موفق کو بصرہ میں اس کی روانگی کا علم ہو گیا۔ اس نے ناقہ سوار کے ہاتھ حاکم موصل کو خط لکھا کہ خلیفہ کو سرحد سے باہر نہ جانے دے۔ چنانچہ اس نے معتمد کو سمجھا بجھا کر روک لیا اور سامرا کی طرف باحترام واکرام واپس کیا۔

موفق کو ابن طولون کی اس حرکت سے بے حد بیزاری پیدا ہو گئی اور اس نے معتمد سے اس پر لعنت بھیجنے کا حکم آئمہ مساجد کے نام لکھوایا۔

شورش سرحد اندرونی خلفشار کی وجہ سے سرحد پر شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ رومی مسلمانوں کے علاقہ میں لوٹ مار کرتے رہے۔ ۲۶۳ھ میں رومیوں نے قلعہ لولو پر جو اُن کے لئے سب سے بڑی حدبندی تھی اس پر قبضہ کیا اور اسلامی لشکر جو حفاظت سرحد پر تھا۔ اس پر آئے دن حملے کرتے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے ابن طولون کو اس طرف کا والی بنایا۔ چنانچہ طرسوس پر ابن طولون نے بقوت قبضہ کر کے رومیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو پسپا کر دیا بلکہ فوجیں تیار کر کے رومی ملکوں پر چڑھ دوڑا اور اکثر رومی شہروں کو تاخت و تاراج کر دیا جس سے ابن طولون کی ہیبت و جلالت شان رومیوں کے قلوب پر چھا گئی۔

۲۶۵ھ میں رومیوں نے اس علاقہ کو چھوڑ کر دیار ربیعہ کی سرحد پر غارت گری شروع کر دی اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ عبداللہ بن رشیدی

بھی گرفتار ہو گئے۔ مگر اس سلسلہ میں قیصر روم نے عبداللہ کو چھوڑ دیا اور چند مصاحف ابن طولون کے پاس ہدیہ میں بھیجے۔

واقعاتِ صقلیہ ۲۶۶ھ میں سسلی کے مسلمانوں اور رومیوں میں بحری معرکہ درپیش ہوا۔ اس میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ ناکامی کے ساتھ سسلی لوٹ گئے۔ پھر دیارِ ربیعہ پر رومیوں نے تاخت کی۔ ۲۷۰ھ میں رومی ایک لاکھ فوج کے ساتھ طرطوس پر حملہ آور ہوئے تو ابن طولون کے غلام مازیار نے ایسا مقابلہ کیا کہ ستر ہزار مارے گئے۔ رئیس البطارقہ مقتول ہوا اور بے شمار مالِ غنیمت عسکرِ اسلامی کے ہاتھ آیا۔

امیر صقلیہ جعفر بن محمد نے بحری و بری فوج سے سرقوسہ کو فتح کر لیا جس سے کچھ عرصہ کے لئے سرحدی بغاوت کے خطرہ کا سدِ باب ہو گیا۔ قسطنطنیہ سے جنگی بیڑہ آیا تو اس کو بھی شکست فاش دی[1]

احوالِ علوئین معتمد کے زمانہ میں اثنا عشریہ کے گیارہویں امام ابو محمد حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہو گئے۔ ان کی وفات پر شیعوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ امامت کا سلسلہ ان کی ذات پر منقطع ہو گیا۔ اب کوئی امام دنیا میں نہیں ہے۔ بعض کا کہنا یہ تھا کہ ان کے بھائی جعفر امامِ وقت ہیں لیکن زیادہ تر افراد ان کے بیٹے محمد عسکری کو امام تسلیم کرتے ہیں جو اپنی والدہ کے سامنے ایک سرداب سرمن رائے (تہ خانہ) میں داخل ہوئے اور باہر نہ نکلے یہی امام مہدی (امام منتظر اور امام قائم) کے نام سے مشہور ہیں۔

گو شیعوں میں امام جعفر صادق کے بعد سے ہی اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ عبداللہ، افطح، محمد، موسیٰ، اسمٰعیل وغیرہ بعض شیعوں نے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۳۴۳۔

عبداللہ اقطح کو امام کے منصب پر فائز کیا۔ کسی نے محمد کو امام قرار دیا۔ ایک جماعتِ شیعہ اسماعیل کی امامت کی قائل ہوئی جو آگے چل کر اسماعیلی کہلائے گئے۔ غرضیکہ امامت کا مسئلہ شیعوں میں متفق علیہ نہیں ہے۔

اسمٰعیلیہ اسماعیلیہ اور امامیہ مبداً تشیع میں باہم متفق اس صورت سے ہیں کہ دین میں رائے کو دخل نہیں بلکہ تحفظ شرع کے لئے ایک امام معصوم کا وجود ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام جعفر صادق تک چھ اماموں کی امامت پر شیعوں کی کل جماعتیں متفق ہیں۔ ان جماعتوں میں دو سر گروہ ہیں امامیہ و اسماعیلیہ، بقیہ ان کی شاخیں ہیں۔ گروہِ امامیہ نے موسیٰ کاظم سے سلسلہ حسن عسکری تک قائم کر رکھا ہے اور امام قائم کے منتظر ہیں اور اسمٰعیلیہ نے اسماعیل کی اولاد میں امامت مختص کر دی ہے۔

اسمٰعیلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کا ظہور کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی وہ مستور ہُوا کرتا ہے۔ لوگوں کو اس کے حال کی آگاہی نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ صورت پیش آئے تو اس کا کوئی نائب ظاہر ہو جو خلق اللہ پر حجت ہو اور دعوت و تبلیغ کے منصب پر قائم ہوئے گا۔ ان کے آثر پر "خلافتِ بنو فاطمہ" میں بحث کی جائے گی۔

باطنیہ باطنیہ، اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے جو معتمد کے عہد کے پیداوار ہے۔ امام حسن عسکری کے بعد اسمٰعیلی داعیوں نے اپنی تعلیمات کو جن کا زیادہ حصہ مخفی رکھا جاتا تھا۔ اس کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور نہایت صبر و استقلال اور نرمی سے اپنے خیالات کی خاص خاص لوگوں میں تبلیغ کرتے۔ اس وجہ سے اس جماعت کو باطنیہ کہنے لگے۔ زیادہ تر ان کے پھندے میں نومسلم مجوسی پھنسے۔ یہ لوگ ظاہرہ مسلمان تھے باطن میں اپنے قدیمی عقائد کے قائل تھے۔ مجوسیوں میں دیصانیہ اور مانیہ خیالات کے لوگ زیادہ تھے۔ باطنیہ جماعت میں ان لوگوں نے شامل ہو کر اپنے عقائد کی خوب خوب تبلیغ کی اور گمراہی کا دروازہ باطنیہ کے پردے میں اسلام میں کھول دیا۔ گو عہدِ خلافت اسلامیہ میں نومسلم مجوسیوں نے فتنے اُٹھائے تھے،

برامکہ، فضل وزراء ان کے دام میں پھنس گئے تھے۔ مگر ان زندیقیوں کو مہدی، ہادی نے کیفر کردار کو پہنچا دیا تھا جس کا تفصیلی حال پہلے آچکا ہے۔

باطنیہ میں سب سے بڑا شخص عبداللہ بن میمون بن قدح ویصانی تھا۔ اسلام لانے کے بعد داعیِ نبوت ہوا۔ پہلے عسکر مکرم میں مقیم ہوا وہاں سے نکالا گیا۔ پھر بصرہ میں بنی عقیل کے پاس رہا۔ اس کے بعد حمص (شام) چلا گیا۔ وہاں ایک موضع سلمیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا۔[1]

بعض مؤرخین دولت فاطمیہ کا بانی عبیداللہ مہدی کو میمون کی نسل سے بتاتے ہیں۔ مگر علامہ ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہیں۔

قرامطہ یہ جماعت بھی اسمٰعیلی شیعوں سے عہد معتمد میں نکلی۔ اُن کا مستقر عراق تھا۔ بے باک اور خونریز جماعت تھی۔ اسلام کو اس جماعت نے بہت نقصان پہنچایا۔

حمدانی قرمط نواحی خوزستان سے کوفے کے متصل قریہ نہرین میں آکر داعی امامت ہو کر قیام پذیر رہا۔ اس کے ظاہرہ زہد و عبادت کو دیکھ کر اہلِ قریہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اُس نے پچاس وقت کی نماز کی تلقین کی۔ جب کثرت سے لوگ آنے جانے لگے تو امام منتظر کی دعوت شروع کر دی۔ جب حمدانی قرمطی بیمار پڑا، کرمہتہ نامی نے اس کی تیمارداری کی۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو حمدان نے تیماردار کا نام اختیار کر لیا۔ پہلے یہ لوگ کرمہتہ پھر قرمط کہلانے لگے۔ سوادِ عرق کے کم عقل دہقانی کاشتکاری پیشہ رکھنے والے اس کے دام میں پھنس گئے۔ جب زیادہ رجوعات ہونے لگی تو قرمط نے ایک آسمانی کتاب کے اپنے اوپر نازل ہونے کا دعویٰ کیا۔

دعوتِ قرامطہ قرمطی کی یہ دعوت تھی کہ فرج بن عثمان قریہ نصرانیہ کا باشندہ داعی مسیح ہے، مسیح ہے، کلمہ ہے، مہدی ہے،

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۸۔

احمد بن محمد بن حنفیہ ہے۔ جبریلؑ ہے اور مسیح نے انسانی پیکر میں آکر اس سے کہا کہ تم داعی ہو، حجتہ ہو، ناقہ ہو، دابّہ ہو۔ یحییٰ بن زکریا ہو۔ روح القدس ہو۔"

قرامطہ کو چار رکعت نماز کی تعلیم دی۔ دو طلوع آفتاب سے قبل اور دو غروب آفتاب سے پہلے۔ انبیاء علیہ السلام کے ساتھ احمد بن محمد بن حنفیہ کی رسالت کی بھی شہادت تھی۔ نماز میں کلام اللہ کی آیات کے بجائے "استفتاح" اس کے گمان میں جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوا اس کی تلاوت کی جاتی۔ کعبتہ اللہ کی بجائے بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیا [1] جمعہ اور اتوار ہفتہ میں ہر دو دن رخصت کے رکھے مہرجان اور نوروز کے دن میں دو روزے مقرر کئے۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال قرار دیا۔ جنابت میں غسل کے بجائے وضو اور غیر محارب پر جزیہ مقرر کیا[1]۔ اس کے علاوہ ثنوی مذہب کی بہت سی باتیں قرامطہ نے اپنا لی تھیں۔ ان کا عقیدۂ باطنی یہ تھا کہ نور سے خیر کا ظہور ہوتا ہے اور ظلمت سے شر کا ظہور ہوتا ہے۔ یزدان اور اہرمن کی باطنی تعلیم تھی۔ اس کے عقائد میں ایرانی فلسفہ کی آمیزش تھی[2]

وقائع قرمطی سوادِ کوفہ، امیر ہیثم کا علاقہ تھا۔ اس کو قرمط کا حال معلوم ہوا اس نے اس کو پکڑ کر بند کر دیا۔ حمدانی قرمط نے موقعہ پا کر اس کی لونڈی سے گڑگڑا کر رحم کی درخواست کی۔ اس نے ہیثم کے تکیہ کے نیچے سے چھپا کر چابی نکال کر دروازہ قید خانہ کا کھول دیا۔ دوسرے دن شب میں ہیثم نے دروازہ کھلا پایا وہ فرار ہو گیا۔ صبح قید خانہ خالی تھا۔ عوام میں یہ شہرت اُڑ گئی کہ قرمط اپنی کرامت سے غائب ہو گیا۔ اس سے عوام اور گمراہ ہو گئے۔ ہیثم عراق سے شام پہنچا اور وہاں اپنے خیالات کی اشاعت کرنے لگا[3] ادھر

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ و ابوالفدا [2] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۶۹

[3] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۸۔

سوادِ کوفہ میں جو تخم بو یا گیا تھا خوب برگ و بار لایا۔

دولتِ سامانیہ معتمد کے عہد میں نصر بن احمد بن اسد سامانی اپنے والد احمد بن اسد کے بجائے فرغانہ کا حاکم مقرر ہوا۔ مامون نے ہی احمد کو عامل مقرر کیا تھا۔ نصر نے اپنے بھائی اسمٰعیل کو ۲۶۱ھ میں بخارا میں نائب بنا کر بھیجا۔ مگر دونوں بھائی حاسدوں کے پھندے میں پڑ کر باہمی لڑ پڑے ۲۷۵ھ میں اسمٰعیل نے نصر کو مقابلہ پر شکست دی اور نصر کو گرفتار کر لیا۔ مگر پھر ہر دو بھائی مل کر بیٹھے۔ نصر سمرقند بھیج دیا گیا۔ احمد بن اسد چار بھائی تھے۔ ماوراء النہر کے چار حصوں پر فرغانہ، شاس، اشروسنہ، ہرات پر نوح، احمد، یحیٰی، الیاس بن اسد عامل تھے۔ ان بھائیوں نے دیکھا کہ یعقوب صفاری نے ہرات سے لے کر فارس تک خودمختار حکومت قائم کر لی تو انہوں نے بھی باہمی مل کر ماوراء النہر میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی حکومت کا دائرہ فارس تک صفاری دولت کو ختم کر کے بڑھا لیا۔ ۲۶۱ھ میں یہ عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی اور ۳۸۹ھ میں خاقانی ترکوں اور آلِ سبکتگین کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ دولتِ سامانیہ کے مفصل حالات آگے آتے ہیں۔

غرضیکہ صفاری، سامانی دول کے قیام سے عملاً خلافتِ عباسیہ کا نفوذ اُٹھ گیا، صرف خطبوں میں خلیفہ کا نام رہ گیا۔

مغرب میں دولتِ طولونیہ کے قیام سے مصر اور شام، برقہ سے خلافتِ عباسیہ کا اثر جاتا رہا تھا۔ اب ماوراء النہر اور فارس سے بھی اقتدار اُٹھ گیا۔

ولی عہدی معتمد کے بعد موفق ولی عہد قرار دیا گیا تھا۔ مگر ۲۷۸ھ میں اس کا یکایک انتقال ہو گیا۔ اس لئے معتمد نے اپنے بیٹے مفوض اور موفق کے بیٹے ابوالعباس کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ لیکن ابوالعباس صاحبِ اثر اور شجاع تھا جن نے صاحب الزنج کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں کئے تھے اس نے اپنے آپ کو مفوض باللہ پر مقدم کر لیا۔

حالات موفق عباسی موفق صحیح معنی میں امورِ خلافت انجام دے رہا تھا اور اس

نے اقتدار دولت بنی عباس کو برقرار رکھنے میں اپنی جان کی بازی لگا دی صاحب الزنج کے فتنہ کو ختم کیا۔ مگر حکومت کے ارکان خود غرض اور ناکارہ تھے۔ اس کی تمام مساعی بے سُود رہیں۔

خلیفہ کی حالت معتمد نام کا خلیفہ رہ گیا تھا۔ اس کی زندگی لہو و لعب رقص و سرود میں گزرتی تھی۔ اگر معتمد نے اپنی رائے سے کوئی کام بھی کبھی کیا تو اس میں ذلت کا پہلو ضرور ہوتا تھا۔ ابن طولون کے جھانسہ میں آکر مصر جا رہے تھے۔ اگر چلے گئے ہوتے تو رہا سہا بھرم خلافتِ بنی عباس کا ختم ہو گیا ہوتا۔

خماروَیہ ۲۷۰ھ میں طولون مَرا تو اس کا بیٹا خمارویہ اس کی جگہ مصر میں تخت نشین ہوا۔ ابوالعباس اور خمارویہ میں سخت جنگ ہوئی خون کے دریا بہہ گئے۔ لیکن خمارویہ کو فتح ہوئی۔

دعوائے مہدیت اسی سال عبید اللہ مورثِ خلفائے مصر اور رافضیانِ یمن کے مقتدا نے دعوائے مہدیت کیا اور ۲۷۰ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ نے اس کا ساتھ دیا اور ملک مغرب میں اُن کے ساتھ گئے۔ یہیں سے مہدی کو عروج حاصل ہُوا۔

ابوالعباس کا اقتدار موفق کے مرنے کے بعد معتمد کی گلو خلاصی ہوئی تھی۔ مگر ابوالعباس جس کے ہاتھ میں فوج کی کمان تھی اس نے مثل موفق کے حکومت پر اپنے پنجے جما لئے۔ موفق بھائی کا خیال رکھتا تھا۔ اس نے اپنے چچا معتمد کو نظر انداز ہی کر دیا۔ معتمد نے ایک مجلس عام میں اپنے بیٹے کو ولی عہدی سے معزول کر کے ابوالعباس کو ولی عہد بنایا اور خود لوگوں سے اس کی بیعت لی اور اس کا لقب معتضد رکھا[1] اس کے بعد سے ابوالعباس نے اپنے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۲ -

چچا کی خبر گیری شروع کر دی اور احترام و اکرام سے پیش آیا کرتا۔

وفاتِ معتمد ایک دن محفلِ رقص و سرود تھی اس میں دورِ شراب چل رہا تھا معتمد نے زیادہ پی لی اور اس پر کھانا زیادہ کھالیا جس سے اس کو تخمہ ہو گیا۔ ۱۹ رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ ۸۹۲ء کو انتقال کر گیا۔ ۲۳ برس معتمد نے سلطنت کی۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اُن کو زہر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں گلا گھونٹ دیا گیا[1]

علمی ترقی معتمد کو کوئی علمی دلچسپی نہ تھی مگر اس کے عہد میں قلمرو بنی عباس میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء علمی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ البتہ ۲۷۹ھ میں اُس نے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی منجم یا افسانہ گو سرِ راہ نہ بیٹھے اور کتب فروشوں کو ہدایت کی کہ آئندہ سے فلسفہ اور مناظرہ کی کتابیں فروخت نہ ہوں[2]

نائب سلطنت موفق موفق معتمد کا بھائی تھا اُس کے ہاتھ میں خلافت حقیقی معنی میں تھی اور اُس نے عباسی حکومت کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا معتمد میں کوئی علمی حیثیت نہ تھی۔ البتہ موفق میں جملہ اوصافِ جہانبانی تھے رفضل و کمال، تدبیر و سیاست و اخلاق، عدل و انصاف میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھا۔ رعایا کی داد رسی کے لئے خود قضاۃ کے ساتھ بیٹھتا اور مقدمات کی سماعت کرتا اور منصفانہ فیصلہ دیتا تھا[3]

موفق شجاع و بہادر تھا خود فوجوں کی کمان کر کے میدان میں اُترتا صاحب الزنج کی قوت کو اس نے اور ابوالعباس نے ختم کیا۔ ترکوں کو اُس نے حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ بلکہ اس کے جبروت سے امراء ترک لرزہ براندام تھے اس کی وفات سے دولتِ عباسیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔

حالات وزراء عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان اصولِ سیاست سے واقف اور مالیات کا بڑا ماہر ۲۶۳ھ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۲ [2] ایضاً [3] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۷۔

حسن بن مخلد اپنے عہد کا بے نظیر انشاء پرداز ایک عرصہ تک موفق کا کاتب رہا پھر وزارت پر ممتاز ہُوا۔ تمام ضوابط ازبر تھے۔ دو مرتبہ وزیر ہوا۔ ایک دفعہ ۱۶ دن فرائض وزارت انجام دیئے۔ موسیٰ بن بغا کی درشتی سے بغداد چلا گیا تھا۔

سلیمان بن وہب عرصہ تک مہتدی کا وزیر رہا۔ پھر موفق کا میر منشی ہُوا۔ وزارت پر موفق نے سرفراز کیا۔ مگر ۲۶۴ھ میں معتمد اُس سے خفا ہوگیا۔ اس نے اس کے لڑکے وہب اور ابراہیم کے گھر لٹوا دیئے اور اس کو قید کر دیا اور بغداد سے پھر حسن بن مخلد کو وزارت پر بُلا لیا۔ پھر اس سے خفا ہو کر سلیمان کو بلایا۔ اُن پر بھی عتاب نازل ہُوا تو اُن سے نو لاکھ دینار وصول کئے اور نظر بند کر دیا۔ جہاں ۲۷۲ھ میں وہ انتقال کر گیا۔

معتمد کے عہد کے علماء امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ ربیع الجنبیری، ربیع المرادی، مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ زبیر بن بکار، ابوالفضل رباشی، محمد بن یحییٰ ذہلی، حجاج بن شاعر عجلی الحافظ، سوسی المقری، عمر بن شیبہ، زرعہ رازی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، داؤد الظاہری ابن وارۃ، بقی بن مخلد، ابن قتیبہ، ابوحاتم رازی وغیرہ[1]

محدثین و فقہاء احمد بن عمر بن عمر بن فہیر خصاف کنیت ابوبکر فقیہ اجل محدث زہد و ورع کی شہرت تھی۔ فقہ اپنے والد اور حسن بن زیاد سے پڑھی۔ حدیث ابوداؤد طیالسی سے سُنی۔ نعلین و موزہ دوزی کی کمائی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ حکومت کے دستِ نگر نہ تھے۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہُوا۔ تصانیف میں سے کتاب الخراج و کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط صغیر و کبیر، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات وغیرہ کثیر التعداد مشہور ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم البلخی محدث فقیہ، زاہد اولیاء کے کبار سے تھے۔ بادشاہی ترک کر کے کوچۂ فقر میں قدم رکھا۔ فضیل بن عیاض سے خرقہ ارادت پہنا۔ ۲۶۲ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء

محمد بن شجاع ثلجی فقہ میں حسن بن مالک کے شاگرد تھے اور حدیث میں یحییٰ بن آدم و
وکیع وغیرہ کے علم کے دریا تھے ۔ ۲۶۶ھ میں انتقال ہوا ۔ تصحیح الآثار ، نوادر کتاب المضاربہ ،
الرد علی المشبہ تصانیف یادگار سے ہیں ۔
نصیر بن یحییٰ بلخی تلمیذ سلیمان الجوزجانی ۲۶۷ھ میں فوت ہوئے ۔ محمد بن الیمان ماتریدی
سمرقندی ۲۶۸ھ میں فوت ہوئے ۔ معالم الدین یادگار سے ہے ۔
بکار بن قتیبہ قاضی مصر فقہ یحییٰ بن ہلال رازی و امام زفر سے اور حدیث ابوداؤد
الطیالسی سے سماعت کی ۔ ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے ۔ کتاب الشروط ، کتاب المحاضر والسجلات
کتاب الوثائق والعمود تصنیف سے ہے ۔
امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ بخاری الجعفی
ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی ۔ شیخ داخلی محدث بخارا کے پاس تحصیل علم کیا ۔ پھر مکہ معظمہ
طلب علم کے لئے گئے ، حج کیا ۔ اٹھارہ سال کی عمر سے تصنیف و تالیف شروع کی محدث
ابن راہویہ کے حلقہ میں بھی شریک ہوئے بعمر ۶۲ سال ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا
خرتنگ میں دفن ہوئے ۔ ۵ لاکھ حدیثیں یاد تھیں ۔ (مقدمہ فتح الباری)
امام حافظ مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ، شاگرد امام بخاری آپ کا مجموعہ حدیث
صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہے ۔ ولادت ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے ۔ امام احمد بن حنبل سے
علم حاصل کیا ۔ شافعی مذہب تھے ۔ ۵ لاکھ احادیث یاد تھیں ۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا ۔
امام ابوداؤد بن الاشعث الازدی السجستانی ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے ۔ امام احمد بن
حنبل سے علم حاصل کیا ۔ شافعی مذہب تھے ۔ ۵ لاکھ حدیث یاد تھیں ۔ ۲۷۵ھ میں انتقال ہوا ۔
امام ابو عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی ، ولادت ۲۰۹ھ میں
ہوئی ۔ امام بخاری و مسلم کے شاگرد تھے ۔ جامع ترمذی شمائل ترمذی یادگار سے
ہے ۔ ۲۷۹ھ میں انتقال ہوا ۔

ملوک سامانی

سنہ ۳۹۵ھ تا سنہ ھ مطابق سنہ ۸۷۴ء تا سنہ ۹۹۹ء

بہرام چوبی کی نسل سے اسد بن سامان ایک شخص تھا جس کو اعزاز کی وجہ سے مامون الرشید بہت محترم سمجھتا تھا۔

اس کے چار لڑکے تھے جنہوں نے دارالخلافت میں مامون کے وقت میں تربیت پائی اور پھر اُن کو ذمہ داریوں کے عہدے بھی دیئے گئے۔ ان کے نام نوح یحییٰ، الیاس اور احمد تھے۔ خراسانی نائب غسان بن ثابت نے احمد کو فرغانہ یحییٰ کو اشروسنہ اور شاس، الیاس کو ہراۃ اور نوح کو سمرقند کا حاکم بنایا۔ اُن کی اولاد تک عرصہ تک حکومت رہی۔ کبھی تو ملوک طاہرہ کی طرف سے ان کو حکومت ملتی تھی اور کبھی خلفائے بغداد کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بادشاہی لقب اس خاندان میں اسمٰعیل ابن احمد بن اسد سامانی کے وقت سے استعمال کیا گیا جو ایک خود مختار بادشاہ ماوراء النہر میں ہُوا۔ اور خلیفہ بغداد کی جو کچھ اس نے خدمت کی وہ جزاً بطور اطاعت اور جزاً بطور سلوک تھی۔

اسمٰعیل سامانی نے بہت بڑی فتح ترکستان میں حاصل کی۔ شاہِ ترکستان کو مع اس کی خاتون کے گرفتار کر کے سمرقند لایا اور پھر جیحون سے عبور کر کے عمرا بن لیث کو گرفتار کیا جس کا ذکر ملوک صفاریہ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔ ان دو فتوحات نے اسے مستقل بادشاہ بنا دیا۔ شروع شروع اس نے ماوراء النہر میں زور پکڑا اور سمرقند اُس کا پایۂ تخت ہُوا۔ عمر بن لیث کو اس نے قید کر کے بغداد بھیجا۔ وہاں سے اس کو سجستان، خراسان، مازندان، رے اور اصفہان کی حکومت عطا ہوئی۔ اس نے محمد بن زید علوی کو جس نے طبرستان میں خروج کیا تھا شکست دی۔ یہ بادشاہ بڑا

عادل اور نیک نام تھا۔ اسمٰعیل کے بعد آٹھ بادشاہ خاندانِ سامانی کے اور ہوئے جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے :۔

نمبر شمار	نام	سنہ جلوس	کیفیت
۱	احمد بنِ اسماعیل		خلیفہ بغداد نے اس کو عہد نامہ اور لوا بھیجا۔ اس کا پائیہ تخت بخارا تھا۔ یہ بہادر اور کج خلق تھا۔ ارکین دولت کے ایما سے یہ قتل کیا گیا۔ چھ سال تک یہ بادشاہ رہا۔
۲	ابوالحسن نصر بنِ احمد		نہایت خورد سالی میں یہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے خاندان والے اس سے منحرف رہے اور مغلوب ہوئے۔ ہوش سنبھالنے پر یہ بڑا نامور بادشاہ ہوا۔ ۳۳۱ھ میں ۲۸ سال حکومت کر کے ۳۸ سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔ اپنی کریم النفسی سے اس کا لقب امیر سعید ہوا۔
۳	نوح بنِ نصر بنِ احمد	۳۳۱ھ	اس کو سلاطین دیالمہ سے برابر مقابلہ رہا۔ اکثر یہ غالب رہا۔ ۳۴۳ھ میں مرا۔
۴	عبدالملک بن نوح	۳۴۳ھ	ملک رے اور خراسان کی بابت یہ بھی اپنے باپ کی طرح دیالمہ سے برابر لڑتا رہا۔ آخر میں کچھ مصالحت ہو گئی تھی اور اسی اثناء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر یہ ۳۵۰ھ میں مر گیا۔ لوگ اس کو موید اور موفق بھی کہتے تھے۔

نمبر شمار	نام	سنہ جلوس	کیفیت
۵	منصور ابن نوح بن نصر	۳۵۰ھ	اپنے بھائی عبدالملک کے مرنے پر خراسان اور ماوراءالنہر کا بادشاہ ہُوا۔ البتگین سپہ سالارِ خراسان اس کی تخت نشینی کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ اس کی تخت نشینی کی خبر سُن کر غزنی بھاگ آیا اور یہاں اسی کے غلام سبکتگین کی ذات سے سلطنت کی بنیاد پڑی۔ رکن الدولہ دیلمی پر یہ بادشاہ غالب آیا اور اس سے کچھ سالانہ خراج مقرر کرالیا۔ پندرہ سال حکومت کرکے ۳۶۵ھ میں یہ مرا۔ لوگ اس کو امیر موٹد اور امیر سدید بھی کہتے تھے۔
۶	نوح بن منصور بن نوح		البتگین کے غلام سلطان سبکتگین کا یہ ہمعصر تھا۔ اس کے وقت میں عضدالدولہ بن رکن الدولہ دیلمی تمام عراق پر قابض ہو گیا تھا اور شمس المعالی قابوس بن وشمگیر جرجان اور طبرستان پر قابض تھا۔ اس کے وقت میں بڑے بڑے معرکے ہُوئے اور بڑی بڑی لڑائیاں ہُوئیں۔ کئی مرتبہ تو یہ فخرالدولہ کی حمایت میں عضدالدولہ دیلمی سے لڑا۔ پھر بغراخان گورنر خراسان ابوعلی کی سازش سے ترکستان سے بخارا آیا اور ماوراءالنہر پر قابض ہو گیا۔ امیرِ نوح تابِ مقابلہ نہ لاکر مفرور ہو گیا۔ بوعلی خراسان کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ بغراخان بیمار ہو کر اپنے وطن واپس چلا اور راہ میں مر گیا۔ اس طرح نوح پھر ماوراءالنہر کا بادشاہ ہُوا۔ لیکن بوعلی اور فائق نے لڑائی کی دھمکی دی تو وہ گھبرایا۔ سبکتگین کا شمار اب تک سلاطین میں نہ تھا۔

نام	نام	سنہ جلوس	کیفیت
			سپہ سالاروں کی طرح ہندوستان میں کچھ اس نے غزوات کئے تھے جس سے اس کا نام روشن ہو چلا تھا۔ نوح نے اس سے مدد مانگی جسے اس نے فخر سمجھا اور فوج لے کر نوح کے پاس آموجود ہُوا۔ غرضیکہ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود نے بوعلی کو شکست دی جس کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدین اور محمود کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ پھر اس کے بعد کئی مرتبہ سبکتگین اور محمود نے نوح کی طرف سے لڑائیاں کیں۔ نوح کے گورنر اور ملازم اکثر نمک حرام تھے اسلئے اسکو بڑی بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ ۳۸۷ھ میں یہ اپنی موت سے مَرا۔
۷	منصور بن نوح بن منصور	۳۸۷ھ	درباریوں کا حال تو بگڑا ہی تھا۔ انھوں نے سیف الدولہ ایسے خیر خواہ دولت سے منصور کو لڑوانا چاہا لیکن محمود بچالے گیا۔ اس کے بعد خود اراکین نے منصور کی آنکھ میں سلائی پھیر کر تخت سے اُتار دیا اور اس کے بھائی عبدالملک کو تخت پر بٹھایا۔
۸	عبدالملک بن نوح		عبدالملک بن نوح کو بھی لوگوں نے محمود سے لڑوانا چاہا۔ محمود کب تک صبر کرتا یہ لڑ پڑا۔ عبدالملک بھاگ کر اپنے دارالسلطنت کی طرف گیا۔ وہاں ایلک خان کاشغر سے آکر قابض ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ عبدالملک گرفتار ہو گیا اور دولت سامانیہ کا خاتمہ ہُوا۔ منتصر بن نوح سامانی نے کچھ سر اٹھایا بلکہ ایلک خان سے خُوب خُوب لڑا لیکن آخر ہزیمت پائی اور ۳۹۵ھ میں آل سامان کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ حکمران بہادر تھے اور ملک گیری کا شوق رکھتے تھے[1]

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۵ و ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ تا ۲۹۰۔

علمی ترقی سامانی دور میں جہاں شجاعت اور بہادری کے جوہر نظر آتے ہیں وہاں تہذیب و تمدن میں ان کے عہد کو خوش گوار زمانہ کہا جا سکتا ہے اور سامانیوں کے دور میں علوم و فنون کی ترقی بھی قابلِ ذکر ہے۔ بادشاہانِ سامانیہ علم اور علماء کے قدر دان تھے۔ ابو صالح منصور بن اسحاق کے علمی مذاق کے اثر نے ابو زکریا رازی[1] فلسفی کو اس کا مدح خوان بنا دیا۔ اس نے اپنی ایک کتاب کا نام المنصوری اس کے نام پر معنون کی۔

بعد کو نوح ثانی (۹۷۶ء) نے نوعمر ابن سینا کو (جس کا باپ ایک اسمٰعیلی فرقہ کا آدمی تھا) اپنے دربار میں مدعو کیا اور وہ اس کے کتب خانے سے استفادہ حاصل کرتا رہا۔

سامانیوں کے دور میں جدید فارسی کا نشوونما ہوا۔ فردوسی (۹۳۴ء تا ۱۰۲۰ء) کی پیدائش اسی عہد میں ہوئی۔

بلعمی منصور اول کا (۹۶۱ء تا ۹۷۶ء) وزیر تھا۔ ابن حوقل جغرافیہ نویس نے اس کے زمانہ وزارت میں ملک کی اندرونی ترقیوں کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔ اسی عہد میں الطبری کی تاریخ کا فارسی زبان میں خلاصہ کیا گیا۔ ایلک خان نے ۹۹۹ء میں اس ترقی یافتہ حکومت کو پامال کر دیا۔

○

---

[1] ابو زکریا رازی۔ شیخ ابوبکر محمد بن زکریا رازی علم طب، منطق، علم ہندسہ، علم موسیقی کا ماہر تھا۔ بغداد کے بیت الشفاء میں رئیس الاطباء رہا۔ کتاب الجامع، کتاب الاعصاب وغیرہ کثیر التعداد تصانیف اس کی یادگار ہیں۔ ۳۲۰ھ میں فوت ہوا۔

خلیفہ المعتضد باللہ

نام ونسب ابوالعباس احمد بنِ ابواحمد موفق بنِ متوکل۔ اس کی والدہ ضرار نامی ام ولد تھی۔

بیعتِ خلافت ۱۹ر رجب ۲۷۹ھ میں اُس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہُوئی۔

وزارت عبیداللہ بنِ سلیمان بنِ وہب اس کا پہلا وزیر تھا۔ اس کے بعد قاسم بنِ عبیداللہ بنِ سلیمان مذکور منصبِ وزارت پر ممتاز ہُوا۔

حجابت منصبِ حجابت پر صالح الامین کا تقرر ہوا۔

قضاۃ منصبِ قضاۃ پر ابواسحاق بنِ اسماعیل بن حماد بن زید مالکی۔ پھر یوسف بنِ یعقوب اور ابوحازم عبدالحمید بنِ عبدالعزیز حنفی بصری مشرقی ممالک کے عہدۂ قضاۃ پر مامور ہوئے۔[1]

شحنۂ بغداد معتضد نے اپنے غلام بدر کو بغداد کی شحنگی عطا کی۔ اس وقت معتضد کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔

بنی عباس میں معتضد عقل ودانش تدبیر وسیاست اور جاہ وجلال میں ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ وہ کبھی ترکوں کا کھلونا نہیں بنا۔ بلکہ تمام سرکش امراء کو زیر رکھا اور مخالف قوتوں کو اُبھرنے نہ دیا۔ عباسی دولت جس حالت پر پہنچ گئی تھی اس کی ازسرِنو اصلاح کی اور تمام عمر ترقی میں کوشاں رہا۔

تخت پر بیٹھتے ہی امیر رافع بن ہرثمہ پر نظر رکھی کیونکہ یہ خود سر امیر تھا۔ رافع بن ہرثمہ کو محمد بن طاہر نے ۲۷۱ھ میں خراسان [illegible] اکر بھیجا۔ اس

---

[1] تنبیہ والاشراف مسعودی صفحہ ۲۶۶ -

نے شاہی علاقہ پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ معتضد نے اس کی معزولی کا حکم دیا اور عمر بن لیث صفاری کو جو عرصہ سے خراسان کی فکر میں تھا۔ خراسان کا عامل بنا دیا۔ رافع نے علویہ طبرستان سے ساز باز کر کے عمر کے مقابل ہوا۔ مگر محمد بن زید علوی والی طبرستان نے عمر بن لیث سے لگاؤ پیدا کر لیا اور وقت پر امداد دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معرکہ میں رافع کو شکست ہوئی نیشاپور چھوڑ کر "ابیورد" چلا گیا۔ مگر عمر بن لیث نے راستہ روک لیا تو وہ خوارزم بھاگا۔ شاہ خوارزم نے ابوسعید فرغانی کو استقبال کے لئے بھیجا اور رافع کو دھوکہ دے کر قتل کرا دیا اور سر عمر بن لیث کے پاس بھیج دیا[1]

خوارج کی شورش کا خاتمہ ہارون خارجی موصل کے نواح کے خوارج کا قائد بن گیا۔ حمدان بن حمدون عامل موصل نے ۲۸۱ھ میں ہارون سے موافقت کر لی۔ یہ خبر معتضد کے کانوں تک پہنچی تو اس نے موصل پہنچ کر بدوؤں کا قتل عام بول دیا۔ مگر حمدان قلعہ ماردین میں تھا بچ رہا۔ اس نے قلعہ کو منہدم کر دیا۔ حمدان وہاں سے بھی نکل بھاگا۔ مگر کہیں جان کی امان نہ تھی۔ خود معتضد کے حضور میں حاضر ہوا۔ ہارون نے جزیرہ کی طرف رُخ کیا۔ کثیر التعداد ساتھی ہو گئے۔ سرداران فوج اس کے مقابل ہوئے، شکست کھائی معتضد نے حسین بن حمدان کو اس مہم پر بھیجا اور حمدون کو قید سے آزاد کر دیا۔ حسین نے جا کر ہارون کو شکست دی اور گرفتار کر کے بغداد لایا جس کو ۲۸۳ھ میں سولی دیدی گئی[2] ہارون کے قتل کے بعد موصل میں کامل امن و سکون ہو گیا۔

احوالِ قرامطہ معتمد کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ قرمطی شام چلا گیا تھا مگر عراق، بحرین اور اس کے نواح میں اس کے ساتھیوں نے اس تحریک کو چلائے رکھا۔ کثرت سے لوگ قرمطی خیال کے ہو گئے۔ ۲۸۱ھ میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰۱   [2] ایضاً صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۷ -

ان میں سے یحییٰ بن مہدی نے "قطیف" میں دعویٰ کیا کہ وہ مہدی موعود کا داعی ہے جن کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے اور مہدی کی جانب سے ایک صداقت نامہ بھی پیش کیا۔ قطیف اور بحرین کے شیعانِ علی نے اس دعوت کو بطیب خاطر قبول کیا۔ ان میں سب سے اہم شخصیت ابوسعید جنابی کی تھی۔ بحرین سے کچھ روز کے لئے یحییٰ چلا گیا اور کچھ دن بعد لوٹ کر آیا۔ اس کے پاس مہدی کی طرف سے سب کے نام شکریہ کے خط تھے اور خمس دینے کا حکم تھا۔ شیعوں نے نامہ مہدی کو سر آنکھوں پر رکھا اور خمس کے پیش کرنے کی تعمیل کی۔

یحییٰ قبیلۂ قیس میں گیا اور اس کو بھی گمراہ کیا۔ بحرین کے والی کو اس کا علم ہوا۔ اس نے یحییٰ کو گرفتار کر لیا اور اس کو سخت سزا دی۔ ابوسعید جنابی بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا۔ یحییٰ جب چھوٹا تو اُس نے بنی کلاب، بنی عقیل اور قریش کے لوگوں کو خفیہ طور سے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اب اُن کی قوت اتنی بڑھ گئی۔ ۲۸۷ھ میں ہجر کے نواح میں قرامطہ لوٹ مار، ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ ابوسعید نے بصرہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ یہاں کا والی احمد الواثقی تھا۔ وہ ابوسعید کے ہمراہیوں کی قوت سے خوف زدہ ہو گیا اور معتضد کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے حکم دیا کہ بصرہ کے اردگرد شہر پناہ تعمیر کر دی جائے تاکہ قرامطہ حملہ نہ کر سکے۔ لیکن قرامطہ نے ہزار ہا ہمراہیوں کے ساتھ حملہ کیا اور بصرہ اور ہجر کے اطراف میں ظلم وستم روا رکھ کر اپنی دھاک بٹھا دی۔ مقابل میں عباس بن عمرو غنوی والی فارس معتضد کی طرف سے آیا۔ اس کو اُن کے مقابلہ پر شکست ہوئی۔ عباس کے سوا تمام عسکریوں کو جو گرفتار تھے ابوسعید نے آگ میں جلوا دیا۔ اس کے بعد عباس کو رہا کر دیا گیا کہ وہ جا کر معتضد سے سب حال کہے یہ ایلہ ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔ معتضد نے اس کی دلدہی کے لئے خلعت عطا کیا [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۲ -

قرامطہ نے نواح کوفہ کی طرف رُخ کیا اور وہاں شورش بپا کر دی۔ اس شورش کو دیکھ کر ایک طالبی غلام بدر مجاہدانہ ذوق وشوق سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُس نے مجاہدین کی جماعت کو لے کر قرامطہ پر یلغار بول دی۔ بہت سے رؤسا کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ معتضد نے علیحدہ فوجیں روانہ کیں جنہوں نے ان کو بے دریغ قتل کیا۔ ہزار ہا قرامطی مارے گئے۔ ایک داعی ذکرویہ بن مہرویہ نے طَے کے قبائل کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا۔ مگر وہ ہتھے نہ چڑھے۔ بنی قیس ان کے دام میں آگئے۔ اُن کو لے کر معتضد کے غلام شبل جو اُن کے مقابل آیا اس کو گرفتار کر کے قتل کرادیا اور راصافہ کی مسجد جلا ڈالی اور شام کی سرحد تک کی آبادیوں کو ویران کر دیا۔ طولونی عہدہ دار طغج بن غفت نے روکا لیکن ذکرویہ سے اس کو شکست کھانا پڑی[1]

سنہ ۲۸۹ھ میں شام اور کوفہ پر قرامطہ کا تسلط ہوگیا۔ مگر عامل کوفہ نے ان سے لڑ بھڑ کر اُن کے سردار ابوالفوارس کو گرفتار کر کے معتضد کے پاس بھیج دیا۔ معتضد نے اُس سے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے انبیاء کی رُوح تمہارے جسم میں داخل ہو کر تم کو عملِ خیر کی ہدایت کرتی ہے اور خطا اور غلطی سے روکتی ہے۔ اس نے کہا:-

"ہمارے جسموں میں اللہ تعالیٰ کی رُوح ہے یا ابلیس کی اس سے تم کو کیا غرض؟ تم وہ بات پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہے"

معتضد نے پوچھا۔ وہ کون سی بات ہے۔ وہ بولا کہ

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تمہارے باپ حضرت عباس موجود تھے مگر وہ نہ خلافت کے لئے نامزد کیے گئے اور نہ کسی نے بیعت اُن کے ہاتھ پر کی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت وہ زندہ تھے مگر خلافت حضرت عمرؓ کو ملی۔ اسکے بعد اصحاب شوریٰ میں آئی۔ پھر بھی تمام صحابہ نے

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۶۸ -

تمہارے جد امجد کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھا تو تم اپنے کو کیوں حق دار سمجھتے ہو"

معتضد نے ان باتوں سے خفا ہو کر اس کو قتل کرا دیا۔ رئیس قرامطہ ذکرویہ بن مہرویہ کا بیٹا ابو القاسم یحییٰ بنی کلیں اباحت کی تبلیغ کر رہا تھا اور اس نے اپنے امام کو امام جعفر کی اولاد بتایا اور کہا میرے تابع ایک لاکھ آدمی ہیں جو ہر وقت جان دینے کو تیار ہیں۔ غرضیکہ ۲۸۹ھ میں بنی کلب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس نے اپنے مریدوں کا نام فاطمین رکھا۔ غرضیکہ عراق، بحرین اور شام میں ان کی چیرہ دستیاں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔

اسی زمانہ میں فاطمی دعاۃ یمن اور افریقہ میں اسماعیلی امامت کی تبلیغ میں مشغول تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام اسلامی ممالک میں ایک ساتھ رایتِ امامت بلند کیا جائے تاکہ بنی عباس مقابلہ نہ کر سکیں [1]

عمرو بن لیث صفاری اور اسماعیل سامانی

ان کے حالات اپنے اپنے ملوکیت کے تحت مختصراً آ چکے ہیں۔ معتضد کے وقائع کے ساتھ جو تعلق ہے یہاں اس کا اظہار ہے۔ معتضد نے عمرو کو رافع ابنِ ہرثمہ کے سر پیش کرنے کے صلہ میں ماوراء النہر کے علاقہ اس کی خواہش پر دیا تو شکریہ میں چالیس لاکھ درہم، بیس گھوڑے معہ زین و سازِ طلا ۱۵۰ اونٹ ریشمی پارچہ جات کے معتضد کی خدمت میں بھیجے اور امیر محمد بشیر کو اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا ماوراء النہر پر اسمٰعیل قابض تھا آمد میں لبِ جیحوں پر مقابلہ ہوا۔ امیر محمد مارا گیا۔ اس کی فوج نیشاپور چلی گئی۔ عمرو خود اسمٰعیل سے مقابلہ کرنے آ گیا۔ بلخ میں مورچہ لگایا۔ اسمٰعیل نے اسے گھیر لیا۔ تاب مقابلہ نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی۔ مگر راہ میں گرفتار ہوا۔ اسمٰعیل نے معتضد کے پاس اس کو بغداد بھیج دیا۔ معتضد نے اُسے قید کر دیا اور اسمٰعیل کو اُس کے تمام

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۶۲ -

مقبوضات کا حاکم بنا کر خلعت سے نوازا۔[1]

عمرو کے گرفتار ہونے سے طبرستان کے علویوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ ان کی نگاہ عرصہ سے خراسان پر تھی۔ محمد بن زید علوی نے فوج کشی کر دی۔ اسماعیل نے کہلا بھیجا کہ میں نے تمہارے خاندان کا احترام کر کے جرجان چھوڑ رکھا تھا۔ اب تم خراسان کا قصد نہ کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اسمٰعیل نے محمد بن ہارون کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ باب جرجان پر نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ محمد بن زید زخمی ہوئے اور ان کا لڑکا زید گرفتار ہوا۔ محمد زخموں کے صدمے سے انتقال کر گئے۔ اسمٰعیل نے زید کی بڑی خدمت کی۔ احترام و عزت سے اپنے پاس رکھا۔

دولتِ صفاریہ اور زیدیہ دونوں اسماعیلِ سامانی کے زیر نگین آگئیں اور ماوراء النہر سے لے کر طبرستان تک سامانی حکومت کے ڈنکے بج گئے۔

طرطوس کے بحری بیڑے کی تباہی امیر محمد بن ابی اساج کو معتمد کے زمانہ میں عروج ہوا اور آذربائیجان کا حاکم مقرر ہوا۔ معتضد کے زمانہ میں خود سری کرنے لگا تو خلیفہ نے اس کو رام کرنے کے لئے آرمینیہ کی حکومت اور خلعت عطا کی۔ ابن ابی الساج نے اظہار شکر گزاری میں قیمتی ہدایا پیش کئے۔ مگر اس نے اپنے غلام وصیف کو آمادہ کیا کہ وہ سرحد کی ولایت کی درخواست اس کے حضور میں پیش کرے۔ اس سازش میں اہلِ طرطوس شامل تھے۔ وصیف نے ظاہرہ ابن الساج کا ساتھ چھوڑ کر ملطیہ چلا گیا۔ معتضد کو مخبروں سے تمام حالات معلوم ہو گئے۔ خود وصیف کی تادیب سے لے اٹھا۔ عین زربہ پر وصیف گھر گیا اور گرفتار ہو کر معتضد کے حضور پیش ہوا۔ فوج کو امان دی گئی۔ طرطوس کے امراء گرفتار کئے گئے اور یہاں کے بحری بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے جلا ڈالے گئے۔ اس فعل سے مسلمانوں کی بحری قوت رومیوں کے مقابلہ میں کمزور ہو گئی۔

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۲۵۔

خلیفہ معتضد اور طولونیہ مصر کے تعلقات

معتضد نے خمارویہ بن طولون پر بہت زیادہ مراحم خسروانہ روا رکھے۔

کیونکہ معتضد جب تخت نشین ہُوا تو خمارویہ نے بیس خچر سونے سے لدے ہوئے، دس خادم، دو صندوق زیورات، سترہ راس اسپ معہ طلائی ساز و سامان وغیرہ نذر میں خلافت پناہ کو پیش کئے تھے۔ معتضد نے اس کے صلہ میں مصر کی باقیماندہ رقم میں سے کُل دو لاکھ دینار لے کر تین لاکھ سالانہ پر فرات سے برقہ تک کی حکومت کا سی سالہ قبالۂ خمارویہ اور اس کے لڑکے کے نام لکھ دیا۔ ۲۸۱ھ میں بارہ پارچے کا خلعت مالائے مروارید عطا کی اور ۲۸۲ھ میں خمارویہ نے مزید تقرب کے لئے اپنی بیٹی قطرالندی کو علی بن معتضد کو بیاہنا چاہی لیکن معتضد نے خود اپنے ساتھ شادی منظور کی۔ چنانچہ بڑی شان وشوکت سے یہ تقریب انجام پائی۔ خمارویہ نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کے لئے سونے کا تخت تھا جس کے ستون مرصع اور جالی دار طلائی قبہ تھا جس کے ہر حلقہ میں ایک انمول موتی تھا۔ رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر ہر منزل پر اپنے محل کے مشابہ ایک قصر تعمیر کرا کے ساز و سامان سے آراستہ کیا۔ جہاں عروس روزانہ قیام کیا کرتی۔ عروس کی سواری کے ساتھ اس کا چچا شہاب بن احمد بن طولون تھا جو آغازِ محرم ۲۸۲ھ میں بڑی شان سے بغداد میں داخل ہوئی۔ یہاں بھی شاہانہ استقبال کیا گیا۔ بغداد کو مثل عروس کے سجایا گیا تھا[1]

خمارویہ مصر اور شام کا والی اور طرطوس کا قلعدار تھا۔ رومی اس کی جلالتِ شان اور رعب سے سرحد میں قدم رکھتے گھبراتے تھے۔ ۲۸۲ھ میں خمارویہ کو اس کے غلام نے قتل کر دیا۔ اس کا لڑکا تخت نشین ہُوا۔ لیکن چند ماہ بعد وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ اس کا بھائی ہارون تخت نشین ہوا۔ خلیفہ نے طرطوس اس کے قبضہ سے نکال کر دوسرے

---

[1] کتاب الولات کندی صفحہ ۲۴۰۔

والی کے سپرد کیا۔ پھر قنسرین اور عواصم بھی لے کر اس کی حکومت شام اور مصر تک محدود کردی اور چار لاکھ ۵۰ ہزار دینار سالانہ خراج اس کے ذمہ کیا۔

رومیوں سے جنگیں معتضد کی توجہ اندرونی اصلاح و تنظیم و شورشوں کے انسداد کی طرف زیادہ رہی ۲۸۰ھ میں موفق کے غلام راغب نے طرطوس سے بحری حملہ کیا اور تیس جہاز رومیوں کے گرفتار کر کے جلا دیئے اور تین ہزار رومی اس معرکے میں قتل ہوئے۔ اس واقعہ کے انتقام میں انہوں نے ۲۸۱ھ میں پھر طرطوس پر حملہ کیا۔ یہاں کا حاکم گرفتار ہو گیا ۲۸۸ھ میں حسن بن علی نے کئی رومی قلعے فتح کئے اور بہت سے رومی گرفتار کئے۔ اس کے انتقام میں رومیوں نے کیسوم پر بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے پندرہ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔[1]

ولی عہد اپنے لڑکے علی مکتفی کو معتضد نے ولی عہد قرار دیا تھا۔

وفات معتضد نے ۲۲ ربیع الثانی ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء کو بعمر ۴۷ سال وفات پائی۔ ۹ سال و ۹ ماہ تین دن فرائض خلافت انجام دیئے۔

اوصاف معتضد بڑے جاہ و جلال کا ممالک اسلامیہ کا شہنشاہ تھا۔ متاخرین خلفائے بنی عباس میں اس کو امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ اس تخت حکومت پر ایک عرصہ بعد بیٹھا تھا۔ تدبر و سیاست کے ساتھ محاسن اخلاق سے بھی آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس کا عہد عام فلاح و بہبود و امن و امان عدل و انصاف میں مشہور تھا۔ اس نے ہی خلافتِ عباسیہ کے بے روح جسم میں جان ڈال دی تھی۔ اس لئے اسے سفاح ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔[2]

علامہ مسعودی لکھتا ہے:-

وہ معتضد کے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی فتنہ و فساد میں سکون پیدا

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۵۴ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۷۶۔

ہو گیا۔ ملک کی حالت درست ہو گئی۔ لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور شورش و ہیجان میں سکون آگیا۔ مخالفین نے صلح کر لی وہ مظفر و منصور تھا تمام امورِ مملکت اس کے قابو میں آگئے۔ مشرقی و مغربی علاقے اس کے زیر فرمان ہو گئے۔" [1]

الفخری کا بیان ہے:-

"معتضد عاقل، فہیم، فاضل اور خصائلِ حمیدہ سے آراستہ تھا۔ اس کی تختِ نشینی کے وقت سلطنت ویران ہو رہی تھی۔ سرحدیں بیکار ہو چکی تھیں اس نے بڑی خوبی سے اس کی اصلاح کی۔ اس کے حسنِ انتظام سے اس کی سلطنت آباد ہو گئی۔ آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ سرحدیں مضبوط ہو گئیں۔ وہ سیاست میں نہایت مضبوط اور فتنہ پرستوں کے لئے نہایت سخت تھا۔ رعایا کے مال و متاع میں فوجوں کی دست درازی اور ایذا رسانی کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے ابن عم آلِ ابی طالب کا محسن تھا۔ اس کے زمانہ میں شورشیں اور بغاوتیں بھی ہوئیں۔ عمرو بن لیث الصفار نے بڑی عظمت و قوت حاصل کر لی تھی اور عجم کے بڑے حصہ پر چھا گیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا اگر میں چاہوں تو دریائے بلخ پر سونے کا پل بنا دوں۔ اس کا باورچی خانہ چھ سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ لیکن معتضد کے اقبال سے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید ہوا اور معتضد نے دولتِ عباسیہ کے منتشر شیرازہ کو پھر سے متحد کر دیا اور رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا اور مرتے وقت بڑی دولت خزانہ میں چھوڑ گیا۔" [2]

سیاست معتضد تدبیر و سیاست میں اپنے عہد کے حکمرانوں میں بہت فائق ت دولتِ عباسیہ سے کٹ کر دولتِ صفاریہ اور دولتِ سامانیہ بن

---

[1] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۱۱۳ [2] الفخری صفحہ ۲۳۱۔

مگر معتضد نے عمرو بن لیث صفاری اور اسمٰعیل سامانی کو اپنی حسنِ تدبیر سے بھڑا دیا۔ چنانچہ صفاری حکومت ختم ہو گئی ۔ سامانی حکومت اس قدر کمزور ہو گئی کہ کچھ عرصہ بعد اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ترک امراء جن کے ہاتھ میں خلافت کی باگ تھی اُن کی طاقت کو توڑ کر رکھ دیا۔ کسی ترک امیر کو مجال نہ تھی کہ معتضد کے مقابل آتا یا خود سری کرتا۔

انتظامِ مملکت تمام دفاتر سرکاری کی دیکھ بھال خود معتضد نے کی۔ پہلے خلفاء کے زمانے میں حکومت کی آمدنی بہت گھٹ گئی تھی۔ حتیٰ کہ تنخواہیں وقت پر نہ مل سکتی تھیں۔ معتضد نے اپنے حسنِ انتظام سے اس میں معقول اضافہ کیا اور اس کے زمانہ میں حکومت کا میزانیہ اتنا بہتر ہو گیا کہ حکومت کے مصارف کے بعد خزانہ میں بڑی رقم سالانہ بچ جایا کرتی تھی۔

یومیہ خرچ معتضد فضول خرچ نہ تھا مگر ضروری اخراجات میں کمی نہ کرتا تھا سات ہزار اشرفی روزانہ کا خرچ تھا۔ صابی کی کتاب الوزراء میں ان اخراجات کا گوشوارہ موجود ہے۔

تعمیرِ قصر معتضد نے دیوان مواریث کو ختم کیا اور حکم دیا کہ مورث کا جو ترکہ بچے وہ ذوی الارحام کو ملا کرے[1] ایک قصر اپنے لئے تعمیر کرایا۔ اس میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔

۲۸۱ھ میں معتضد نے مکہ شریف میں دار الندوہ گرا کر مسجد حرام کے پاس ایک مسجد بنا دی۔[2]

مشرکانہ رسوم کی بندش ۲۸۲ھ میں معتضد نے نوروز کے دن عید منانے، آگ جلانے اور آگ پر پانی چھڑکنے سے منع کیا کیونکہ یہ فعل مجوسیوں کا تھا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰ [2] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۱۱۶ ۔

مذہبیت معتضد میں جہاں اوصاف جہانبانی کے تھے وہاں وہ اپنے مذہب کا بڑا پابند تھا۔ فسق و فجور سے اس کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا تھا۔

قاضی اسمٰعیل کہتے ہیں کہ ایک روز میں معتضد کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے پیچھے کئی رومی مرد نہایت خوبصورت کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان کو دیکھ کر خاموش رہا۔ جب میں چلنے لگا تو مجھے معتضد نے کہا کہ آپ مجھ سے بدگمان نہ ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کبھی حرام پر اپنا ازار بند نہیں کھولا ہے[1]

اصلاح بغداد میں مختلف العقیدہ لوگ آباد تھے۔ عجمیوں اور یہودیوں کے یہاں کی خرافات اور رسوم مروج تھیں۔ منجم اور قصہ خوانی سرراہ بیٹھ کر گمراہی کا دروازہ کھولے ہوئے تھے۔ معتضد نے ان کو شوارع عام پر بیٹھنے کی ممانعت کردی ہے[2]

سب سے بڑی خرابی اس زمانہ میں فلسفہ یونانی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ کم علموں کے عقائد و خیالات بہت بگڑ گئے تھے تو کتب فروشوں کو فلسفہ کی کتابوں کی اشاعت ممنوع قرار دیدی تھی۔ مگر اہلِ علم کے لئے ان کا پڑھنا منع نہ تھا۔

وسعتِ سلطنت معتضد تخت پر بیٹھا تو اس سے اپنے پیشروؤں کے تغافل سے صفاریہ، سامانیہ، طولونیہ کی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ دولتِ عباسیہ صرف جزیرۃ العرب، بلاد جزیرۃ النہرین، عرب، عراق و عجم، آذربائیجان، ارمنیہ اور وہ اقالیم جو بحر جرجان اور بحر ہند کے کنارے ہیں۔ مگر طولونیوں کو اطاعت گزار کیا۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ صفاریہ کا خاتمہ ہوا اور سامانیہ کمزور ہو گئے۔ ان کے بہت سے علاقے قلمرو عباسیہ میں لوٹ آئے۔

زراعت کی ترقی چنانچہ معتضد کی توجہ زراعت کی طرف بہت تھی وہ ملک کو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دجلہ کی ایک نہر دجیل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۸ [2] ایضاً [3] تاریخ عرب موسیو سیدیو صـ ۲۰۲ ـ

تھی جس کا دہانہ مُدت ہائے دراز سے بند تھا۔ اس کے اطراف کی زمین پانی نہ ملنے سے بنجر ہو گئی تھی۔ معتضد نے اس نہر کو درست کرایا جس کے ذریعہ بڑا علاقہ سیراب ہونے لگا۔

ترقی تجارت معتضد نے تجار کو بہت کچھ مراعات دے رکھی تھیں۔ تجار کے قافلے دارالخلافہ سے جاتے۔ حکومت کی طرف سے ان کی حفاظت کا انتظام گزرگاہوں پر تھا۔ اس کے عہد میں ڈاک کا معقول انتظام تھا۔

علمی ترقی معتضد کا عہد انتظامِ ملک کے بعد علمی ترقی میں بھی پیش پیش ہے اس نے سامرا کے بجائے پھر بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ یہاں پہلے سے اہلِ علم جمع تھے دوبارہ دارالحکومت ہونے سے علمی چہل پہل میں اور اضافہ ہُوا۔ معتضد کو علم سے دلی لگاؤ تھا اور اُس نے اس کی ترقی کے لئے سعیِ بلیغ کی۔ پہلے پہل دارالعلوم قائم کیا۔

دارالعلوم یہ پہلا خلیفہ ہے جس کے دل میں جدید صورت میں دارالعلوم کا خیال آیا اور اس نے اس کا نقشِ اوّل قائم کیا۔

علاّمہ مقریزی کا بیان ہے:-

"جب خلیفہ معتضد باللہ نے بغداد میں شماسیہ کا محل بنوانا چاہا تو ضرورت سے زائد زمین لی۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ میں اس زمین میں مکانات، حجرے اور خاص کمرے بنواؤں گا ان میں مختلف صنعت اور علمی علوم کے ماہرین رہیں گے جن کی زندگی کی شاندار کفالت اسی ادارے سے کی جائے گی تاکہ جو شخص جس علم وفن کی تعلیم حاصل کرنا چاہے اس کے ماہرین سے استفادہ کرے[1]"

یہ مدرسہ ایسا تھا جہاں صنعتی اور علوم عقلیہ وعلمیہ کے اکتشافات کے لئے مشاہرہ پر اساتذۂ فن جمع کئے گئے تھے اور ہر فن کے لئے الگ الگ مکان تھے

---

[1] کتاب الخطط والآثار جلد ۲ صفحہ ۲۶۲۔

جن میں دارالاقامتہ اور کمرے کا انتظام تھا اور تحقیقِ علم اور کسی خاص فن سے شغف رکھنے والے طلباء کو یہاں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دَور کے رجحان کے مطابق اس درس گاہ میں صنائع اور عقلیات کا عنصر غالب تھا۔

معتضد کے عہد میں علمی چہل پہل بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی نظر آتی ہے۔ کیونکہ عربوں کا بڑا حصہ جو عجمیوں کے اقتدار کی بدولت کشور کشائی سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کی توجہ زیادہ تر علم وفن کی طرف ہوئی۔ چنانچہ اس فاتح قوم نے میدانِ علمی میں بھی اپنی فطری مستعدی اور غیر معمولی بیداری کا ثبوت دیا۔ علم کی سرپرستی دولتِ بنی عباس کا عام شیوہ رہا۔ لیکن عربوں کی ترقی کا مدار محض دولت پر نہ تھا بلکہ زیادہ تر ان پرستاران علم کی ذاتی جدوجہد پر تھا جو بجز فضل وکمال اور علم ودانش کے کسی دوسری چیز کے سامنے اپنی پشت خم کرنا علم وفضل کی توہین تصور کرتے تھے۔

اس بے نیازی اور استغناء کا نتیجہ تھا کہ حکومت ودولت کی گردن اکثر اُن کے دَر پہ جھکتی تھی اور یہ سب اس علمی روح کی بدولت تھا جس کی اشاعت مذہبی اشاعت میں مضمر تھی۔ چنانچہ محدثین کا طبقہ تھا جن میں سے اکثر کے حالات پہلے بیان کئے گئے ہیں۔ اُنہوں نے حکومت کا توسل عار سمجھا۔ بڑے سے بڑے جلیل القدر خلفائے بنی عباس نے ان کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ غرضیکہ معتضد کے عہد میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بہت بڑھ گیا تھا۔

فن بیطاری

معتضد کے عہد کے علماء کے علاوہ دوسرے صیغوں کے ملازم تک تصنیف کا شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کا داروغہ اصطبل یعقوب بن اخی حزام نے فن بیطاری پر الفروسیہ دستیات الخیل لکھی جو اپنی نوعیت کی لاجواب کتاب ہے۔

علوم عقلیہ

معتضد کو علوم عقلیہ میں دلچسپی صرف ہیئت سے تھی۔ اس کے عہد میں اسحاق بن حنین فلسی تھا جو علمِ نجوم کا بڑا ماہر تھا۔ معتضد نے تقویم کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور اس کو ٹھیک کرایا۔

ابو ریحان بیرونی لکھتا ہے :-

"معتضد کے عہد میں بہت تحقیق اور تدقیق سے یہ تقویم تیار ہوئی جو تقویم معتضدی کے نام سے مشہور ہے"۔ [1]

علماء کی قدردانی معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ صرف وزیر اعظم اور حکیم بن ثابت قرۃ ثابی کو بیٹھنے کی اجازت تھی [2] معتضد ثابت کی اس کے علم وفضل کے اعتبار سے بڑی قدر ومنزلت کرتا تھا۔ ایک دن باغ میں معتضد چہل قدمی کر رہا تھا، ثابت ہمراہ تھا معتضد ثابت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔ دفعتہً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈرا، معتضد نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں اس کو سوئے ادب سمجھتا ہوں کہ میرا ہاتھ اہلِ علم کے اُوپر ہو۔

حق گو علماء معتضد کے عہد میں علماء حق بات کہتے ہوئے باک نہیں کرتے تھے۔ ابوالحسن نوری دربار کی طرف سے گزرے۔ خدام کشتی میں نبیذ کے مٹکے لے کر جا رہے تھے۔ دریافت کیا کہ یہ کس کے ہیں؟ معلوم ہوا کہ معتضد نے منگوائے ہیں۔ آپ نے تمام مٹکے توڑ دیئے۔ جب معتضد نے سُنا کے پوچھا کہ تم کو محتسب کس نے مقرر کیا ہے؟ تو فوراً جواب دیا کہ جس نے تجھے خلیفہ مقرر کیا۔ معتضد نے سُنا اور سر جُھکا لیا [3] باوجود یہ کہ فقہائے عراق نے نبیذ کو حرام قرار نہیں دیا تھا۔

حکماء حکیم سنان بن ثابت بن قرہ حرانی سنان کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ نامور فلسفی اور طبیب اپنے باپ کی طرح فاضل طبیب تھا۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے اپنے دربار کا خاص طبیب بنایا تھا۔ رئیس الاطباء کہلاتا تھا۔ پھر قاہر باللہ کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کا طبیب خاص ہو گیا۔ اس کے فضل وکمال نے

---

[1] آثار باقیہ البیرونی [2] ابوالفرج صفحہ ۲۴۹ [3] افکارِ سیاست صفحہ ۵۳۲۔

قاہر کو گرویدہ کر لیا تھا۔ وہ ہر ملکی معاملہ میں سنان سے ہی مشورہ لیا کرتا۔ یہ پہلے صابئی مذہب کا پیرو تھا۔ مگر علمائے اسلام کی صحبت سے داخلِ اسلام ہو گیا۔ پھر قاہر سے کسی وجہ سے چلخ گئی۔ مخفی طور سے خراسان چلا گیا۔ مگر گہوارۂ علوم و فنون اور سرچشمۂ حکمت و معارف بغداد کی زندگی کی ہوک اُٹھتی تھی وہاں جی نہ لگا۔ بغداد چلا آیا۔ راضی باللہ نے اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد الحکم کے پاس رہا اور اس کے اخلاق کی اصلاح کی۔ اس نے "واسط" میں ایک مہمان خانہ بنوایا۔ الحکم اس کی عزت و تکریم بجد کرتا تھا۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔

سنان نے ۳۰۵ھ میں خلیفہ کو یہ مشورہ دیا کہ ایک ایسا بیمارستان بنایا جائے جو خلیفہ کے نام سے منسوب ہو۔ چنانچہ خلیفہ نے اس کے بنانے کا حکم دے دیا۔ یہ نہایت عظیم الشان ہسپتال باب الشام میں تیار ہوا۔ اس کا نام بیمارستان المعتضد رکھا گیا۔ خلیفہ جیب خاص سے دو سو اشرفیاں ماہانہ خرچ کے لئے دیا کرتا تھا۔ ۳۰۶ھ میں سنان نے بیمارستان سیدہ کا افتتاح کیا جو سوق یحیٰی میں تھا۔ خود سنان اس کا مہتمم بنا اور نامور اطباء کو اس میں مقرر کیا۔ اس کا خرچہ چھ سو اشرفی تھا۔ یوسف بن یحیٰی منجم کے ذمہ انتظام صرفہ کا تھا۔ امراء و وزراء اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وزیر علی بن علیسیٰ بن جراح سے کہہ کر سفری شفا خانے قائم کرائے۔

احمد بن الطیب سرخسی یعقوب کا شاگرد تھا۔ علوم فلسفہ کا ماہر تھا۔ منطق و موسیقی میں اس کی عظیم الشان تصانیف ہیں۔ ایک عرصہ تک خلیفہ معتضد کا مصاحب و ندیم رہا۔ ۲۶۸ھ میں قتل ہوا۔

(الفہرست صفحہ ۲۶۱، قفطی ۸، طبقات الاطباء ۱۲ ص ۳۰۹)

ابن فقیہ۔ ابوبکر احمد بن محمد الہدا معروف ابن فقیہ الہنو نے ۲۹۰ھ میں کتاب البلدان لکھی۔

النّیریزی فضل بن حاتم علم ہندسہ، ہیئت اور حرکات نجوم کے علمائے متقدمین میں سے تھا۔ شرح مجسطی شرح اقلیدس، زیج کبیر یادگار سے ہیں۔ قفطی صفحہ ۱۶۸

بیں اس کی تصانیف کا ذکر ہے۔ اس نے اپنی تصنیف کتاب احداث الجو خلیفہ معتقد کے لئے لکھی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے بعد فوت ہوا۔

(طبقات الامم صفحہ ۹۶)

محدثین وفقہاء

محمد بن سلمہ بلخی فقیہ کامل شداد بن حکیم وجوزجانی سے اور بغداد میں محمد شجاع بلخی سے فقہ پڑھی اور ان سے ابوبکر اسکاف نے حاصل کی۔ ۲۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

سلیمان بن شعیب از اصحاب امام محمد فقیہ، ان سے طحاوی نے روایت کی۔ ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی فقیہ، محدث، فقہ ابن سماعہ وبشیر بن الولید سے اور حدیث علی بن عاصم وشعیب بن سلیمان سے۔ ابن یونس نے تاریخ میں توثیق کی۔ ۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالحمید بن عبدالعزیز قاضی القضاۃ بغداد۔ فقیہ، ثقہ، متقی، ۲۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابوحنیفہ بن داؤد بن ونندا لاہوزی مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک کتاب علم نباتات پر لکھی جس سے ان کی بڑی شہرت ہے۔ ۲۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

خلیفہ مکتفی باللہ عباسی

نام و نسب ابو محمد کنیت علی بن احمد معتضد نام اور مکتفی باللہ لقب تھا۔ ۲۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ ماں اُمّ ولد تھی، جیجق لقب تھا۔ لوگ اس کو خاضع کہتے تھے۔

خلافت معتضد کی وفات ہوتے ہی اس کی بیعت لی گئی۔ جب وہ مسند آرائے حکومت ہُوا تو اس نے امورِ سلطنت کو مثل باپ کے بکھرا ہُوا پایا۔ وہ بکثرت ریشہ دوانیوں اور اطرافِ ملک کی ہنگامہ آرائیوں میں مُبتلا ہو گیا۔ مگر اس کے پاس مال و زر وافر تھا اور فوج بہت کافی تھی۔ اس لئے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ باپ کے نقشِ قدم پر چلا اور اسی کے روش پر گامزن ہُوا۔ اس کو نہ بہادر کہا جا سکتا تھا اور نہ بزدلی کا الزام اس پر رکھا جا سکتا تھا۔

وزارت وزارت کے عہدے پر قاسم بن عبید اللہ کو جس طرح معتضد کے زمانے میں تھا قائم رکھا۔ پھر عباس بن حسن کو وزارت دی۔ اس وقت اس کا باپ حسن بن ایوب بن سلیمان زندہ تھا۔

اس نے اپنی انگشتری میں اپنے باپ معتضد کی انگشتری کی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّهُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ" نقش کندہ کرایا۔

قضاۃ منصب قضاۃ پر یوسف بن یعقوب اور اس کے بیٹے محمد بن یوسف اور ابو حازم کو مقرر کیا۔ پھر آخر الذکر کی جگہ عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب اموی کو مامور کیا۔

حجابت حجابت کے عہدے پر خفیف سمرقندی اور اپنے مولیٰ سوسن کو رکھا۔

خروج قرامطہ

مکتفی کے عہد میں قابلِ ذکر اہم واقعات میں قرامطہ کی بغاوت ہے۔ قرمطی شام چلا گیا تھا اس نے اپنی ابوالقاسم کنیت بتائی۔ اور آلِ ابی طالب کی طرف اپنے تئیں منسوب کرتا تھا۔ حالانکہ قبائل بنو کلب میں کوئی شخص آلِ ابی طالب میں داخل نہیں ہیں۔ اس کے مختصر حالات معتضد کے عہد میں بیان کئے گئے ہیں تفصیلی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

قرمطی ۲۸۹ھ میں سماوہ کو اپنے تصرف میں لایا اور یہاں سے رقہ کی جانب جو بلادِ مصر میں داخل تھا بڑھا۔ سبک دیلمی سے جو اس علاقے کا عامل تھا اس کی مڈبھیڑ ہوئی اس نے دیلمی اور اس کی افواج کے پرخچے اڑاتے ہوئے نواح دمشق کا رُخ کیا۔ اس وقت ابن طولون کے خاندان میں مصر اور شام کی حکومت تھی اور ہارون بن خمارویہ ابن احمد بن طولون کی طرف سے طغج بن جف فرغانی دمشق حمص اور اردن کا حاکم تھا۔ اس نے وادی قیروان اور رفاعی کے مقامات میں جو دمشق کے ماتحت تھے، اختتام رجب ۲۸۹ھ میں قرمطی سے مقابلہ کیا۔ مگر اس نے طغج کو بھی شکست دی۔ اس کی جماعت کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا اور تین ماہ بیس روز تک دمشق کو محاصرہ میں رکھا۔ اس درمیان میں اکثر خون ریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں۔ مگر فتح وشکست کا نتیجہ کسی طرف ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس دوران میں لوگ دمشق کے اطراف وجوانب غوطہ اور دوسرے مقامات سے آ آ کر قرمطی جماعت میں شریک ہوتے رہے اور اس کے قوتِ بازو بن گئے تھے۔ مصری فوج نے بھی اس سے ساز باز کر لیا۔

جب طغج کی فوج مقابلے کے لئے حریف کے سامنے آئی تو کوکنا اور کوکبا کے مشہور مقامات میں جو دمشق سے ایک دن کے فاصلہ پر تھے۔ ماہ رجب سال رواں میں گھسان کی لڑائی ہوئی۔ قرمطی مارا گیا اور مصریوں کو بھی شکست ہوئی۔ جماعتِ قرامطہ نے قرمطی کے بھائی ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کر کے از سرِ نو دمشق کا محاصرہ کیا اور شب و روز اہل دمشق کے ساتھ سرگرم پیکار رہنے لگے۔

دمشق کے حاکم نے شہر کو قرامطہ کے حوالے کیا اور رعایا کو ان کے حال پر چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ قرمطی نے بھی اسی سال روز یکشنبہ ۱۲ رجب کو وہاں سے کوچ کیا۔ اور حمص پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے اپنی جمعیتوں کو شہر بعلبک کی طرف جو دمشق کے ماتحت تھا روانہ کیا۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ خبر سن کر مکتفی اپنی افواج کو لئے مدینۃ السلام سے نکلا اور ابو الاغر خنیفہ بن مبارک بن خنیفہ سلمی کو مقدمۃ الجیش بنا کر روانہ کیا۔ وہ یہاں سے چل کر شہر حلب کے سواد میں پہنچا۔ قرمطی نے ایک دستہ فوج کا اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ابو الاغر کی فوج قرمطی سے زیادہ تھی۔ یہ واقعہ ۲۰ رمضان المبارک سنہ رواں میں پیش آیا۔

جب جنگ چھڑی تو مکتفی کی افواج نے کشتوں کے پشتے لگائے اور بے شمار قرامطہ کو گرفتار کیا اور جو بچ رہے تھے اُن میں باہم پھوٹ پڑ چکی تھی۔ قرمطی نے اپنے رفقاء کو چھوڑ دیا اور روپوش ہو کر کوفہ کی راہ لی۔ واسیہ جو ولایات رحبہ اور سقبی العزلت کے ماتحت تھا اس کے والی نے قرمطی کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت قرمطی کے رفقاء میں صرف چار یا پانچ آدمی ساتھ رہ گئے تھے۔ وہ مکتفی کے پاس رقہ بھیجا گیا۔ اور روز دوشنبہ ۲۶ محرم سنہ رواں میں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

اسی سال روز دوشنبہ یکم ربیع الاول کو مکتفی لباس فاخرہ میں آراستہ ہو کر باجاہ و جلال قرمطی اور اس کے اسیر رفقاء کو ساتھ لئے ہوئے مدینۃ السلام بغداد میں داخل ہوا۔ کچھ روز کے بعد محمد بن سلیمان بھی بقیہ افواج اور قرامطہ لٹیروں کے ساتھ جو شام میں ایک ایک کر کے گرفتار کئے گئے تھے آ پہنچا۔

پرانی عید گاہ کے متصل اور مدینۃ السلام سے مشرقی جانب ایک پُرفضا، رتیلا اور ہموار میدان خاص کر تیار کیا گیا تھا۔ ۲۲ ربیع الاول سنہ جاری میں قرمطی اور اس کے ساتھیوں کے خون سے میدان لالہ زار بنایا گیا۔ قرامطہ نے عام خلقت کو

تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ اس لئے فتح وشادمانی کا یہ اہم واقعہ تھا۔ عام وخاص لوگوں۔ نے بے حد خوشیاں منائیں ۔

قرامطہ ثانی نے شام میں طولونی افواج کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اس وجہ سے محمد بن سلیمان کو مصر کی طرف بڑھنے اور فتح کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ روز پنج شنبہ یکم ربیع الاول ۲۹۲ھ میں وہاں پہنچ کر اس نے آل طولون کی رہی سہی قوتوں کو مٹا دیا اور اُن کے شیرازے کو منتشر کرکے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ آل طولون کی کل ۷۴ سال ۵ ماہ اور سات دن تک حکومت رہی ۔

۲۹۳ھ میں بنو کلب میں ایک اور قرمطی جس کی کنیت ابو غانم تھی شام کے نواح میں نمودار ہُوا۔ اس کے تحریک نے زور پکڑا اور روز بروز اس کے پیرو بڑھنے لگے اور اذرعات بصری حوران اور شینہ کے اطراف میں جو دمشق کے ماتحت علاقے تھے، پھیل گئے۔ یہ لوگ یہاں کے باشندوں کو لُوٹتے، خون ریزی اور قید کرتے ہُوئے طبریہ کی طرف جو بلاد اردن میں واقع تھا چلے گئے اور اس شہر میں بزور داخل ہوکر بکثرت افواج رعایا اور یہاں کے سردار جعفر بن ناخم کو تہ تیغ کر دیا۔

یہ سُن کر خلیفہ نے حسین بن ہمدان تغلبی کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ ایک مشہور مقام خندق پر جو دمشق کے ماتحت تھا اُس کا قرامطہ سے مقابلہ ہُوا۔ دونوں میں خوب معرکہ آرائیاں ہُوئیں ۔ ایک دوسرے پر فتح پانے کی کوششیں کرتے رہے ۔ آخر حُسین اپنے حریفوں پر غالب آیا اور اُن کو کھُلے میدان میں شکست دی ۔ یہ واقعہ اسی سال شعبان کا ہے جس کی طرف بنو کلب کے ایک شاعر نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

لولا الحسین یوم دردی خندق

دغیلہ درجلہ لم تشتف

نفس امیرا لمومنین المکتفی

"اگر خندق کے معرکہ میں سوار اور پیدل فوجوں کو لے کر حسین مقابلہ نہ کرتا تو

امیرالمومنین مکتفی کی روح کو تسکین نہ ہوتی"۔

یہ نظم طویل ہے کہنے والے نے اس واقعہ کے ہیرو معرکے کے تمام حالات اور شام میں قرامطہ کے کارناموں کو مفصل بیان کیا ہے۔

قرمطی ہزیمت اُٹھا کر ہیت چلا گیا اور وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے شہر میں آگ لگا دی۔ پھر وہاں سے ناحیتہ البحر کی طرف روانہ ہوا۔ مکتفی نے چند سپہ سالاروں کو اس کے تعاقب میں بھیجا جن میں محمد بن اسحاق بن کنداجلیق اور مونس خازن ملقب بہ مخل بھی تھے۔ شاہی افواج نے باغیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر بنو کلب میں تشویش پیدا ہوگئی اور اُن کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ آخر اُن میں ایک آدمی اُٹھا اور دھوکہ دے کر قرمطی کو جان سے مار ڈالا اور اسی رات کو نعش مٹی کے نیچے دبا کر سب کے سب غائب ہوگئے۔

بنو کلب کا ایک سردار جس کی کنیت ابو ذئب تھی قرمطی کے سر اور دونوں ہتھیلیوں کو کاٹ کر محمد بن اسحٰق بن کنداجلیق کے پاس لایا جس نے ابو ذئب کو ان تحائف کے ساتھ دربار شاہی میں بھیج دیا اور ۵ رشوال سنہ جاری میں دربارِ خلافت میں سر پیش ہوا۔

ذکرویہ بن مہرویہ کی بغاوت بنو کلب اور دوسرے قبائل میں ۲۹۳ھ کو شروع ہوئی تھی۔ ایک مشہور مقام صور عسکا کا یہ رہنے والا تھا جو قادسیہ سے براہ خشکی عرضاً چار میل کے فاصلہ میں واقع ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص جس قرمطی کا ہم نے اُوپر بیان کیا ہے اس کا باپ تھا اس کی تحریک شام میں ظاہر ہوئی تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مضافات کوفہ میں تحریک قرامطہ کا بانی اور عبدان کی بغاوت سے پہلے تھا۔

بہرحال وہ اس سال ۱۰ ر ذی الحجہ کو کوفہ میں آیا۔ اس وقت کوفہ میں اسحاق بن ابراہیم اور اسحٰق بن عمران حاکم تھے۔ رعایا اور شاہی ملازمین نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر اس نے انہیں شکست دے کر بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ اسحٰق بن عمران

نے دربارِ خلافت سے کمک مانگی۔ خلیفہ نے رایق معتضدی نیز بشر افشینی اور جنی صفوانی دو خادموں کی سرکردگی میں کوفہ فوج روانہ کی۔ صوار کے قریب پہنچ کر غنیم سے مقابلہ ہُوا، مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ دشمن نے فوج کے بڑے حصّے کو تباہ کر دیا۔ یہ واقعہ آخری ذی الحجہ میں رونما ہُوا۔

اس کے بعد قرمطی مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے قافلوں کی کمین گاہ میں جا بیٹھا۔ سب سے پہلے خراسانی قافلہ کو ورقصہ کی منزل پر جا گھیرا۔ یہ قافلہ بہت بڑا تھا۔ اس کو لُوٹ کر قافلہ کی دوسری منزل کی طرف بڑھا۔ اس کا نام عقبہ تھا اس نے یہاں شاہی قافلہ پر چھاپہ مارا۔ مبارک قمی اور ابو العشا لڑا۔ احمد بن نصر عقیلی قافلہ سالار تھے۔ آخر الذکر شامی سرحد کا حاکم تھا۔ قرمطی نے ان دونوں سردار، تمام امراء اور عوام کو قتل کر کے یہاں سے تیسرے شاہی قافلہ کی طرف جو ہبیر کے مشہور مقام طلیح میں پڑا ہوا تھا گیا اور اس کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ یہ علاقہ ریگستان میں ثعلبیہ اور شقوق کے درمیان واقع ہے۔ قافلہ میں نفیس موسوی احمد بن سیماء نیز امراء و سالار قافلہ اور ہر ملک اور ہر طبقے کے لوگ تھے۔ قافلہ کے پچاس ہزار سے زیادہ آدمیوں کو اُس نے قتل کیا اور اس سے پہلے دوسرے قافلوں میں جس قدر خونریزیاں کی تھیں ان کے مقتولین کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

یہ خبر سُن کر قادسیہ سے وصیف بن صوار تگین خزری اور قاسم بن سیما اس کی سرکوبی کے لئے بنی شیبان کی ٹڈی دَل فوج لے کر روانہ ہوئے۔ اس مہم میں امرا بھی شریک ہو گئے تھے۔ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ذوم ایک مشہور جگہ پر جہاں قافلے پانی لینے کے لئے ٹھہرا کرتے تھے۔ روز یکشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۲۹۴ھ میں طرفین کا مقابلہ ہُوا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ انجام کار کرویہ کی جماعت نے ہزیمت اٹھائی اور تمام باغی بزور گرفتار ہوئے۔ قرمطی بھی اسیر ہُوا۔ مگر اسے کئی زخم کاری لگے تھے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ دوسرے روز اس نے دم توڑ دیا۔ اس کی نعش اونٹ پہ باندھ کر مدینۃ السلام بھیج دی گئی اور تمام قیدی اور مقتولین کے سر بھی روز دوشنبہ

۹ ربیع الاوّل سنہ مذکور میں وہاں روانہ کئے گئے [1]
اس کے بعد عراق میں یہ تحریک کمزور ہوگئی۔ مگر جنابی بحرین میں موجود تھا وہ مکتفی کے عہد میں خاموش رہا۔

اسمٰعیل بن احمد سامانی ۲۹۵ھ میں اسمٰعیل فوت ہوا۔ اس کا جانشین احمد ہوا۔ مکتفی نے اس کے لئے سند ولایت بھیجی۔

دولتِ طولونیہ شیبان بن احمد بن طولون کے مرتے ہی دولت طولونیہ ختم ہو گئی۔ شام و مصر مکتفی کے قبضہ میں آ گئے۔

دولت اغالبہ افریقہ میں ابوعبداللہ حسن شیعی داعی فاطمین کا اقتدار بڑھ رہا تھا۔ اس نے اس دولت پر اپنا تسلط جمایا جس کی وجہ سے یہ دولت ختم ہوگئی۔ ابوعبداللہ حسن شیعی کے حالات جلد ہفتم میں تفصیل سے ہیں۔

رُوم مکتفی کے آغازِ عہد میں رومیوں سے تعلقات اچھے تھے اور دونوں طرف سے ہدیے اور تحفے آتے جاتے تھے۔ لیکن ۲۹۱ھ میں رومیوں نے پھر سرحد دولت بنی عباس کو لوٹا۔ اس وجہ سے عسکرِ اسلامی نے ان کا مقابلہ کیا جس میں پانچ ہزار رومی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا [2]
رُومیوں کے ہاتھوں جو مسلمان پکڑے گئے تھے۔ ان کا زرِ فدیہ اور تبادلہ سے تین ہزار مسلمان ۲۹۳ھ میں مکتفی نے آزاد کرائے۔

وفاتِ مکتفی روز یک شنبہ ۱۳ ذی قعدہ ۲۹۵ھ بغداد میں انتقال کیا۔ ۱/۲ ۳۱ سال کی عمر میں ۶ سال اور ۱۹ روز اس نے حکومت کی۔

حلیہ نحیف الجثہ، گندمی رنگ، چھوٹی آنکھیں، داڑھی اور سر کے بال دراز اور خوبصورت تھے۔ چہرہ حسین اور باندازِ مناسب تھا [3]

اوصاف مکتفی کی خوش خلقی مشہور تھی۔ عدل و انصاف میں کسی خلیفہ سے پیچھے

---

[1] التنبیہ والاشراف صہ ۲۲۸ [2] تاریخ الخلفاء صہ ۲۶۳ [3] التنبیہ والاشراف۔

نہ تھا۔ اس کے والد نے دوسروں کے مکانات بحق حکومت ضبط کر کے نعمت خانہ بنوائے تھے اُن کو گروا دیا اور وہ ثاء کو رقمیں دیں اور مساجد بنوا دیں اور قیمر میں جو مکانات آئے تھے اُن کے مالکوں کو وہ مکانات دیدیئے۔ اس عمل سے اہلِ بغداد مکتفی کے گرویدہ ہو گئے اور دُعائیں دیتے تھے۔ ابی دینا نے دو شعر لکھ کر مکتفی کو بھیجے۔ دس ہزار درہم صلہ میں عطا کئے۔

خشیتِ الٰہی مکتفی نے اپنی بیماری میں کہا کہ مجھے ان سات سو دیناروں کا بڑا خطرہ لگا ہُوا ہے جو اپنے خرچ میں لے آیا ہوں حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور مجھے اُن کی چنداں احتیاج بھی نہ تھی۔ اگر فردائے قیامت میں مجھ سے اُن کی پرسش ہوئی تو میرے ساتھ بُری گزرے گی۔ میں اپنی غلطی پر خدا سے مغفرت مانگتا ہوں [۲]

ہمعصر علماء عبداللہ بن احمد بن حنبل، ثعلب امام العربیہ، قنبل المقری، ابوعبداللہ بوشنجی فقیہ، بزار صاحب مسند، ابومسلم کجی، قاضی ابوحازم، صالح جزرہ، محمد بن نصر المروزی، ابوحسین نوری شیخ صوفیہ، ابوجعفر ترمذی شیخ شافعیہ عراق۔

فلسفی اسحاق بن حنین مشاہیر حکما میں سے تھا۔ خلیفہ مکتفی نے اس کو وزارت پر ممتاز کیا۔ اس کو نجوم میں کمال حاصل تھا۔ ایک دن مکتفی نے کہا۔ ایسا طالع اختیار کر کہ میرا بیٹا ولی عہد ہو۔ اس نے کہا علم کی رو سے ظاہر ہے کہ تیرا بھائی ولی عہد ہوگا۔ ۲۹۸ھ میں انتقال ہُوا۔

فقیہ محمد بن مقاتل رازی، اصحاب امام محمد میں سے تھے۔ فقیہ و محدث تھے۔ علی الرازی عالم، عارف، زاہد، تلمذ حسن بن زیاد سے تھے۔ کتاب الصلوٰۃ مشہور تصنیف ہے۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۲ [۲] ایضاً صہ ۲۶۳۔

خلیفہ مقتدر باللہ

نام ولقب ابوالفضل کنیت جعفر بن احمد معتضد نام اور مقتدر لقب تھا بعض کا خیال ہے کہ اصلی نام اسحاق ہے وہ متوکل کے ہم شکل تھا اس لئے اس کا نام بھی جعفر ہوگیا۔ اس کی ماں ام ولد تھی۔ روم کی باشندہ اور شغب نام تھا۔

خلافت سنہ ۲۸۲ھ میں پیدا ہوا تعلیم و تربیت شاہانہ طور وطریق سے ہوئی۔ روز یک شنبہ ۱۳ ذی القعدہ سنہ ۲۹۵ھ میں بیعت لی گئی۔

قضیہ ابوالفضل کی خلافت کو چار مہینے گزرے تھے کہ ارکانِ سلطنت اور سپہ سالاروں کی ایک جماعت نے جس میں حسین بن حمدان بن حمدون تغلبی وصیف بن صوار تگین، خزری، محمد بن داؤد بن جراح اور علی بن عیسٰی سردارانِ لشکر اور ممتاز اہلِ دفتر تھے۔ مقتدر کو معزول کرکے عبداللہ بن المعتز کی بیعت لی۔ اس سلسلہ میں حسین ابن حمدان، عباس بن حسن کے ہاتھ سے مارا گیا اور فاتک معتضدی بھی جو ابن حمدان کی مدد کو آیا تھا مقتول ہوا۔

ابن المعتز عام لوگ مقتدر کو معزول سمجھ کر ۱۵ ربیع الاوّل روز شنبہ سنہ ۲۹۶ھ کو ابن المعتز کی بیعت کرنے لگے۔ ایک رات دن اسی طرح حالت گزری۔ تاہم مقتدر دارالخلافہ سے نہ جدا کیا گیا اور نہ تختِ خلافت سے اُتارا گیا۔ چند خاص شاہی غلاموں نے ابن المعتز کی جماعت سے مقابلہ کیا اور لڑ کر انہیں اُلٹے پاؤں پراگندہ بھاگنے پر مجبور کیا۔ اس ہنگامہ میں بہت سے لوگ کام آئے۔ ابن المعتز گرفتار ہو کر قتل ہوا جس سے مقتدر کے لئے مطلع صاف ہوگیا۔

وزارت مقتدر نے عباس بن حسین کو جس طرح مکتفی کے عہد میں وزارت کے عہدہ پر تھا قائم رکھا۔ مگر جب عباس مارا گیا تو حسبِ ذیل لوگوں کی

طرف بہ ترتیبِ ذیل وزارت منتقل ہوئی۔
علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات[1]، محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان الملقب بہ

---

[1] علی بن محمد بن فرات کا خاندان علاقہ دجیل کا تھا۔ ذی علم اور عدل و انصاف کا خوگر تھا۔ برمکی کی طرح فیاض اور فاضل، تدبیرِ سیاست میں ممتاز، تین مرتبہ وزیر بنا۔ قرامطہ کی حمایت میں قتل ہوا [ع]

علی بن عیسیٰ ایمان دار، عدل و انصاف سے کام لیا کرتا۔ شراب فروشی اور شراب نوشی کے خلاف احکام جاری کئے۔ پانچ لاکھ دینار خراج ایک سال کا رعایا کو معاف کر دیا۔ سخی، فیاض، اہلِ علم کا قدردان، خود فاضل جلیل تھا۔
عباسی تاریخ میں اس سے زیادہ متقی اور دیندار وزیر نہ گزرا تھا۔ حافظ قرآن، حدیث میں بھی ورک، حساب کا ماہر، صدقات وخیرات میں ہزاروں روپے صرف کرتا تھا۔ اُس نے کارِ خیر کے لئے اوقاف کے دیوان البر کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا۔ رعایا کی دادرسی کے لئے روزانہ صبح سے عصر تک امورِ وزارت انجام دیتا۔
امورِ مملکت میں بڑا تجربہ کار تھا۔ انتظامی حیثیت سے اس کا دورِ وزارت کامیاب رہا۔ ۳۰۰ھ میں مقتدر نے معزول کر دیا۔ اس کے بعد حامد بن عباس وزیر ہوا وہ سنگدل اور نااہل تھا۔ اس کو ہٹا کر محمد بن عبداللہ کا دوبارہ تقرر ہوا۔ پھر یہ بھی معزول ہوا تو ابوالعباس احمد بن عبیداللہ بن احمد بن خصیب کا تقرر عمل میں آیا۔ ۳۱۴ھ میں یہ بھی نکالا گیا۔ ابن مسکویہ لکھتا ہے: یہ شرابی تھا۔ حکومت کا نظام بگڑ گیا۔ ابن خصیب کے بعد ابوعلی محمد بن علی مقلہ وزیر ہوا۔ اس کے حالات آگے آتے ہیں۔ ۳۱۸ھ میں معزول کر کے فارس جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابوالقاسم سلمان بن حسن بن مخلد وزیر بنا۔ مگر اس سے بھی وزارت نہ سنبھلی۔ عبیداللہ بن محمد کلوازی کو یہ منصب ملا۔ مگر یہ بھی مالیات کو سنبھال نہ سکا جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا۔ پھر حسین بن قاسم وزیر ہوا۔ اس کے بعد ابوالفضل جعفر بن فرات کو قلمدانِ وزارت سپرد ہوا۔ اس کے وقت میں مقتدر قتل ہوا۔

[ف] ابن اثیر جلد ۸ ص۴۹ [ع] تاریخ الخلفاء ص۲۶۷ ۔

دق صدرہ، علی بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح، علی بن محمد بن فرات (دوبارہ وزیر بنایا گیا۔) حامد بن عباس، علی بن محمد بن فرات (سہ بارہ وزیر بنایا گیا) عبداللہ بن محمد بن عبیداللہ خاقانی۔ عبداللہ کو وزارت اس وقت ملی تھی جب اس کا باپ محمد بن عبیداللہ زندہ تھا۔ مگر بیٹے کو عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے بارہ روز گزرے کہ باپ کا انتقال ہوا۔ اس کی وفات روز دوشنبہ وقت عصر ۲۲ ربیع الاوّل کو اور بقول بعض ۳۱۲ھ کے اوائل میں ہوئی۔ اس وقت تک عبداللہ آخری شخص تھا کہ باپ کی زندگی میں وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ احمد بن عبیداللہ خصیبی، علی بن عیسیٰ (دوبارہ وزیر بنایا گیا) ابوعلی بن محمد بن علی بن مقلہ، سلیمان بن حسن بن مخلد بن جراح (علی بن عیسیٰ کا ابن عم تھا) عبیداللہ بن محمد کلواذانی، حسین بن قاسم بن عبیداللہ بن سلیمان بن وہب، فضل بن جعفر بن موسیٰ بن فرات۔

مقتدر کی انگشتری میں المقتدر باللہ کندہ تھا۔

قضاۃ منصب قضاۃ پر جن لوگوں کا تقرر عمل میں آیا ان کے نام یہ ہیں:۔ محمد بن یوسف بن یعقوب۔ مشرقی سمت اور کرخ کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ترقی کر کے قضاء القضاۃ کا درجہ حاصل کیا۔ جب اُن کی وفات ہوئی اُن کے صاحبزادہ عمر بن محمد بن یوسف کو یہ عہدہ عطا کیا گیا اور تقرر بھی سمت شرقی اور کرخ کے لئے عمل میں آیا۔ مدینۃ المنصور اور ماتحت علاقہ جات کے لئے یہ لوگ بہ ترتیب ذیل مقرر کئے گئے۔

عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب ان کے صاحب زادہ محمد بن عبداللہ عمر بن حسن (اشنانی کے نام سے مشہور تھے) بعد کو ان کا عہدہ توڑ دیا گیا۔ حسن ابن عبداللہ بن ابی الشوارب، عمر بن محمد بن یوسف۔

حجابت حجابت کے عہدے پر بہ ترتیب سوسن مولی، نصر قشوری، یاقوت اور رائق کے دو بیٹے ابراہیم اور محمد مقرر کئے گئے۔

فتنۂ قرامطہ مسعودی کا بیان ہے اہم حوادث اور غیر معمولی واقعات جو مقتدر کے عہد (۳۱۲ھ) میں رونما ہوئے۔ اُن کی کوئی مثال پیشتر اسلام میں نہیں ملتی۔ ابو طاہر سلیمان بن حسن بہرام جنابی حاکم بحرین ۲۵ ربیع الاوّل ۳۱۱ھ کو چار سو سوار جن کی سواری میں چار سو گھوڑیاں تھیں اور پانچ سو آدمیوں کی پیدل پلٹن کے ساتھ احساء (بحرین میں واقع ہے) سے چھ راتوں میں بصرہ پہنچا اور شب کے وقت شہر میں گھس کر سبک مصلحی اور اس کے رفقاء اور رعایا میں جس کا اس سے سامنا ہوا قتل کرتا گیا۔ لوگ خوف سے بھاگ بھاگ کر ابلہ، مفتح، شطوط، انہار، جزائر اور دوسرے مقامات میں چلے گئے۔ شہر میں سترہ روز ٹھہر کر جو کچھ مال سمیٹ سکے اس کو لے کر اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

پھر حجاج کے قافلوں کو جو مکہ معظمہ سے واپس آ رہے تھے، ثعلبیہ کے قریب ہبیر کے نواح میں جا کر روکا۔ اس وقت یہ جماعت پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے قافلہ کے سردار خواص اور عوام کے خون سے زمین کو رنگین کر کے ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان بن حمدون امیر قافلہ، احمد بن محمد بن کشمرد نیز ممتاز حضرات اور ہر طبقہ کے بہت سے مرد اور عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ شمسیہ اور تمام مال و اسباب جس کا شمار و اندازہ کسی طرح نہیں کیا جا سکتا تھا لوٹ لیا۔ یہ واقعہ یکشنبہ ۱۹ محرم ۳۱۲ھ کا ہے۔

۳۱۲ھ میں ابو طاہر نے حجاج کے قافلوں کی جو حج کے لئے گھروں سے نکلے تھے ناکہ بندی کی۔ اس وقت بھی اس کی جماعت کی تعداد پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی۔ قافلہ کے بعض آدمیوں پر اس کا داؤ چل گیا۔ مگر باقی لوگ کوفہ اور مدینۃ السلام سے واپس چلے گئے۔ ابو طاہر نے بھی کوفہ کا رُخ کیا۔ اس کے مقابلے کے لئے دربارِ خلافت سے جعفر بن ورقاء شیبانی جنبی صفوانی خادم مولیٰ ابن صفوان عقیلی شامی سرحد اور انطاکیہ کا حاکم شمل خادم دلعنی طریف سبکری خادم اسحاق بن شیر و بن سبکری معہ فوج کے بھیجے گئے۔ مقابلہ پر اس نے لوگوں کو شکست

دے دی ۔ بے شمار آدمیوں کو قتل کیا اور جنی صفوانی کو لوگوں کے ساتھ گرفتار کر لیا۔

کوفہ سے مال و اسباب اور اپنے اہلِ خاندان کو لے کر احساء واپس چلا گیا اور کوفہ کو اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن یوسف المعروف بہ اخیضر صاحب یمامہ بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کے سپرد کر دیا گیا۔

ابوطاہر کے مقابلہ کے لئے ابوالقاسم یوسف بن ابی سباح اپنی افواج لے کر واسطہ سے روانہ ہوا۔ یہ آذر بائیجان آرمینیہ، اتران اور بیلقان وغیرہ ممالک کا حاکم تھا۔ بارگاہِ خلافت سے یہ واسطہ بھیجا گیا تھا تاکہ فوجی تیاریاں کر کے بحرین کی طرف فوج روانہ کرے۔ ابھی یہ واسطہ میں تیاریاں کر رہا تھا کہ دفعتہً کوفہ پر حاکمِ بحرین کی چڑھائی کی خبر ملی۔ وہ فی الفور اس کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا اور ابوطاہر آگے بڑھ کر ایک مقام پر جو خورنق کے نام سے مشہور تھا اُترا اور اس مقام پر اپنا قبضہ کیا۔ ابن ابی سباح بھی دوسرے روز ابوطاہر کے پاس ہی پاس ایک مقام پر آ اترا جو بین النہرین کے نام سے مشہور تھا اور قریہ حروراء کے متصل واقع تھا۔ اسی حروراء کی طرف خوارج کے فرقہ حروریہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ الغرض ابوطاہر اس قریہ اور کوفہ کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

۹ شوال روز شنبہ ۳۱۵ھ کو دو جماعتوں میں معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ ابن ابی سباح گرفتار ہو گیا۔ اس کی فوج کے پرخچے اُڑا دیئے گئے اور تیس ہزار سے زیادہ سوار اور پیدل آدمی کام آئے۔ اس کے علاوہ اس کی فوج کا معتدبہ حصہ راستے ہی سے جدا ہو گیا تھا اور ایک حصہ ابھی پیچھے باقی رہ گیا تھا۔ حاکمِ بحرین کے تقریباً دو ہزار آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر پیدل تھے۔

ابوطاہر کوفہ سے انبار آیا اور اس کو اپنے قبضہ تصرف میں لایا تھا۔ ساتھ کے کچھ لوگ دریائے فرات کو پھاند کر مشرقی سمت میں جا پہنچے اور انبار کے سپہ سالار اور اکابر لوگ مثلاً حارثی یرغوش، ابن ہلال، اور محمد بن یوسف تخزی کو قتل کر دیا۔

ابوطاہر نے دریائے فرات پر ایک پُل بنایا اور اپنی جمعیت نیز اہلِ خاندان کو یہیں چھوڑ کر خود سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ انبار سے گذرتا ہُوا شاہی دربار تک جانا چاہا اور زبارا تک جو ایک چھوٹی نہر سے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہ نہر عفر قوق مشہور پہاڑی سے ایک فرسخ کی بلندی پر ہے۔ مدینۃ السلام سے اس کی مسافت ایک دن سے بھی کم ہے۔

مونس خادم نصر حاجب المعروف کشوری اور ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان جو ابن ابی سباح کے مقابلے سے پہلے چھوٹ چکا تھا اور اس کے ساتھ کے قیدی بھی رہا ہو چکے تھے۔ دربارِ خلافت کا تمام شاہی لشکر اس نہر پر پڑا ہوا تھا۔ جب انہیں ابوطاہر کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی تو نہر کا پُل کاٹ دیا۔ یہ نہر دونوں فریقوں کے درمیان حدِ فاصل بن گئی۔ ابوطاہر کی پیدل فوج کے چھ آدمی پانی میں اُتر آئے تھے مگر ان پر دوسری سمت سے پتھروں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ چار و ناچار اس نے انبار واپس جانے کی ٹھہرائی۔

مونس نے اپنے غلام بلیق کو تقریباً تین ہزار اور بقول بعض سات ہزار فوج کے ساتھ قصر ابن ہبیرہ کے راستہ پر متعین کیا جو کوفہ جاتے ہُوئے راستہ میں ملتا ہے۔ یہ لوگ فرات کے جسر سورا کو عبور کر کے براہ راست روانہ ہُوئے اور راستہ کترا کے ابوطاہر کی جمعیت تک پہنچنے کی کوشش کی۔ بعض ممتاز آدمیوں نے پانی میں اُتر کر ابوطاہر کے بنائے ہُوئے پُل کو جلا ڈالا جس کے جل جانے سے وہ نہر کی مشرقی سمت میں رہ گیا اور اس کی جماعت نہر کی غربی جانب میں تھی۔ جب اُس نے بلیق کی آمد کی خبر سُنی تو ایک چھوٹی سی کشتی میں دریائے فرات کو طے کیا جس میں اس کے تین بھائی بھی تھے۔ بقیہ لوگ تیر کر دریائے فرات کے پار ہُوئے اور بھاگ کر اپنی جماعت میں جا ملے۔ ابوطاہر کے دو بھائی ابوالعباس فضل اور ابو یعقوب یوسف اپنی جماعت ہی میں تھے جب انہیں بلیق کے نزدیک آنے کی خبر ملی۔ اسی وقت انہوں نے ابن ابی سباح کو قتل کر دیا۔

بلیق آپہنچا اور اُن لوگوں سے سرگرم پیکار ہُوا مگر اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور خود اس کی جان بچ گئی۔ ابو طاہر تمام سامان اور اسباب لے کر شہر ہیت آیا اور اس کا محاصرہ کیا۔

اس نے انبار کی جانب ہیت سے کچھ فاصلہ پر مقام قم بلقہ میں تمام رفقاء کے کئی جتھے کر دیئے تھے۔ یہ سب کے سب مسافت طے کر کے یہاں آ کر اُس سے مل گئے۔ روز یکشنبہ ۸ ر ذی الحجہ سنہ مذکور میں ہیت کے لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ شام کو ہارون بن غریب الخال ابو العلاء سعید بن حمدان، یونس غلام اصمعی اور دوسرے اکابر بھی وہاں پہنچ گئے تھے جن کے آنے سے جنگ کے شعلے اور بھڑک اُٹھے۔ شہر پناہ کی دیواروں سے جنگ ہونے لگی۔ دفعتہً غنیم کے کئی قلعہ شکن آلات میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے وہ لشکر گاہ کو واپس گیا اور دوسرے روز دوشنبہ کی صبح کو وہ رحبہ مالک بن طوق کے ایک گوشہ کی طرف روانہ ہُوا۔ کُوچ سے پہلے علی الصباح اس کی لشکرگاہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ مگر وہ دراصل اسباب و سامان کو آگ کی نذر کر رہا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس بار برداری کے وسائل کی کمی تھی اور سامان اور کنبہ کے لوگ بہت تھے۔

جب وہ رحبہ پہنچا تو اس وقت یہاں کا حاکم ابو جعفر محمد بن عمرون تغلبی تھا۔ اس نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ یہ جگہ شام کی طرف ہے اور پھر قرقیسیا کو جو جزیرہ کی سمت میں واقع ہے فتح کیا۔ یہاں سے اس نے جماعت کی ٹولیاں بنا کر اطراف و اکناف میں روانہ کیں اور فوج کا ایک ایک دستہ حسین بن علی بن سنبر ثقفی اور معاذ اعرابی کلابی کی سرکردگی میں کفر توثا و اس العین اور نصیبین کی طرف روانہ کیا جس نے قبائل تغلب اور نمر کے بدوؤں اور شہریوں سے مقابلہ کیا۔

اس سے پہلے سلیمان جلی کو لشکر کی رسد کے لئے کفر توثا بھیجا تھا۔ یہ شخص اس جماعت میں نہایت متقشف اور اُن کے مذہب سے پورا واقف تھا۔ یہ ابو زکریا بحران کی جماعت میں شریک تھا مگر بعد کو ابو سعید جنابی اور اُس کی اولاد سے جا ملا۔

فوج کا ایک اور دستہ جس میں کم وبیش دو ہزار آدمی تھے رقہ بھیجا جو رحبہ سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دستہ بھی حسین بن علی بن سنبرہ اور معاذ کلابی کی سرکردگی میں روانہ ہُوا۔ روز یک شنبہ ۲۲ر جمادی الاول ۳۱۶ھ کو دونوں رقہ پہنچے۔ اس وقت یہاں کا امیر نجم غلام جنی صفوانی تھا۔ سہ شنبہ ۲۵ر جمادی الاولیٰ کو طرفین میں لڑائیاں ہوئیں۔ چہار شنبہ کو کچھ دن باقی تھا کہ اس کی فوج رحبہ سے واپس چلی گئی۔ جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے جس میں رقہ کے آدمی زیادہ تھے۔

یکم شعبان ۳۱۶ھ کو وہ رحبہ سے روانہ ہُوا اور براہ خشکی اور براہ دریائے فرات اُس نے مسافت طے کی۔ رحبہ میں تقریباً سات ماہ تک اُس نے اقامت کی۔ یہاں سے چل کر دوبارہ ہیت آیا اور راب کے اُس نے خشکی اور دریائی راستوں سے اس پر حملے کئے۔ طرفین میں زور شور کی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ جب اُس نے اس شہر پر پہلی بار حملہ کیا تھا تو اس کے پاس کشتیاں نہیں تھیں۔

الغرض وہ یہاں سے بھی روانہ ہُوا اور کوفہ اور قادسیہ کے نواح میں آیا یہاں رسد فراہم کر کے بصرہ کے بیرونی حصّوں کو طے کرتا ہوا بحرین واپس چلا گیا۔ ۳۱۷ھ میں چھ سو سوار اور نو سو پیدل فوج لے کر مکہ معظمہ کی طرف بڑھا اور ۷ر ذی الحجہ دوشنبہ کے دن یہاں پہنچا۔ یہاں کا حاکم محمد بن اسمٰعیل معروف بہ ابن مخلب تھا۔ عمائد شہر عوام، حجاج اور اُن کے باشندے اس کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ مگر جب نظیف غلام ابن حاج مقتول ہُوا تو اس کے لئے میدان خالی کر دیا گیا نظیف مکہ کے بااثر لوگوں میں تھا اور اس پر کافی اعتماد کیا جاتا تھا۔ لوگوں نے تلواریں لے کر خانہ کعبہ میں پناہ لی۔

جو لوگ اس گروہ کے ہاتھوں بلد الحرام اور تمام شہروں میں مارے گئے تھے اُن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ بہت سے لوگ وادیوں میں اور کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور کچھ جنگلوں میں پیاس اور سخت تکالیف اُٹھا کر ہلاک ہو گئے تھے جن کا کوئی شمار نہ ہو سکا۔

خانہ کعبہ کی بے حرمتی اُس نے بیت الحرام کے دروازے جن پر سونے کے پتر چڑھے ہُوئے تھے، توڑ ڈالے۔ خانہ کعبہ میں چاندی کی جتنی محرابیں، جتنے یمنی مُہرے، جتنے جھاڑ اور سونے چاندی کے جتنے منطقے اور تازیان تھے جن سے بیت الحرام ہر وقت آراستہ رہتا تھا ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کی جگہ اتنا گہرا کر دیا کہ تقریباً کہنی تک ہاتھ چلا جاتا تھا اور پھر کعبہ کا غلاف اُتارا اور ان تمام سامانوں کو پچاس اُونٹوں پہ بار کیا۔ اس دار و گیر اور قتلِ عام کے وقت جن لوگوں نے بیت الحرام میں پناہ لی تھی ان کی وجہ سے بعض چیزیں لُوٹ سے بچ گئیں۔ یہ واقعہ روز دوشنبہ ۱۳ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کا ہے اس کی فوج مکہ معظمہ میں آٹھ روز تک مقیم رہی۔ روزانہ صبح کو شہر میں داخل ہوتی تھی اور شام کو واپس باہر آتی تھی۔ بالآخر قتل و غارت کرتی ہوئی ہفتہ کے روز مکہ سے روانہ ہوئی۔ مگر راستہ میں قبیلہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضران سے مزاحم ہُوا۔ قبیلہ کے لوگ تنگنایوں، گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں پھیلے پڑے تھے۔ پتھروں اور خنجروں سے وہ حملہ آور ہوئے اور اُس کو آگے بڑھنے سے روک دیا یا فوج راستہ بھول گئی۔ تین دن تک پہاڑوں اور وادیوں میں بھٹکتی پھری۔ اس بادیہ نوردی میں بہت سے مرد و زن نے جو گرفتار تھے اس کی قید سے نجات پائی۔

اس وقت اس جماعت کے انواع و اقسام کے مال و اسباب سے تقریباً ایک لاکھ اُونٹ لدے ہوئے تھے۔ قبیلہ ہذیل نے بہت اسباب و سامان اور ہزاروں اُونٹ اس سے چھین لئے۔ غنیم نے ہذیل کے ایک سیاہ فام غلام کو جس کا نام زیاد تھا، امان دی تھی جس کی مکافات میں اس نے ان لوگوں کو راستہ بتایا تو وہ تنگنایوں سے نکل کر اپنے ملک واپس آ گئے[1] بقیہ قرامطہ کا حال راضی کے تذکرے میں ہے۔

---

[1] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۷۱ تا ۲۸۲۔

منصور حلاج مضافات ملک فارس میں شہر بیضاء کا باشندہ حسین بن منصور معروف بہ حلاج کے قتل کا واقعہ ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر بغداد آیا اور انا الحق کی آواز لگائی۔ اس کا قول تھا کہ انسان میں خدا حلول کر سکتا ہے۔ قرآن و حدیث سے جاہل تھا۔ حکومت نے اس کو گرفتار کر لیا اور قاضی ابو عمر و دیگر علماء نے اس کے زندقہ کی تائید کی۔ اور اس کے قتل کا حکم دیا۔ ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ کو اس کے سو کوڑے لگائے گئے۔ دونوں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ سر تن سے جدا کیا گیا اور لاش جلا دی گئی۔ یہ تمام واقعات پولیس کی جماعت کے روبرو قید خانہ کی فصیل پر انجام پائے (یہاں قید خانے کو عرف میں مزرف کہتے ہیں)۔

اس کی نسبت جو جو مذہبی باتیں ہر جگہ بیان کی جا رہی تھیں۔ اُن کی وجہ سے وہ نہایت خطرناک تھا۔ اس کے متبعین اور پیروؤں کی تعداد بہت تھی۔ حلاج تصوف اور الوہیت کی باتیں کرتا تھا۔ حلاج کے مسلک و مذہب کے متعلق جو روایتیں صحت کی حد تک پہنچی ہیں یا جو خود اس نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان باتوں کو مسعودی نے ارباب النحل اور رؤساء الملل کے تذکرے کے ذیل میں بیان کیا ہے[1]

شحنہ مقتدر نے بغداد کے شحنہ عمر دیہ کو نکال دیا جو ابن معتز کا حامی تھا۔ اس کی جگہ مونس خازن شحنہ مقرر ہوا۔

حامیانِ معتز کا قتل ابن معتز، امیر محمد بن داؤد، قاضی احمد بن یعقوب بدر العجمی امیر وصیف بن صوار تگین کاتب وغیرہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ بعضوں کو قتل کر دیا[2] حسین بن حمدان والیٔ موصل جس نے مقتدر کے خلاف ابن معتز کی حمایت کی تھی وہ بچ نکلا۔ اس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۱ [2] تجارب الامم ابن مسکویہ جلد ۱ صہ ۲ ۔

بھائی ابوالہیجا کو اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ہر دو میں جنگ ہوئی۔ آخر ش حسین ابن فرات کے ذریعہ خطا معاف کرا کر مقتدر کے حضور حاضر ہو گیا۔ مقتدر نے اس کی عزت افزائی کی اور قم، قاشان کا والی بنا دیا[1]

کچھ دن کے بعد ربیعہ کا علاقہ بھی اس کو دے دیا۔ ۳۰۳ھ تک ان مقامات کا حکمران رہا۔

وزیر علی بن عیسیٰ اور حسین بن حمدان میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا تو وزیر نے حسین کو حکم دیا کہ موصل کے علاقے عباسی عمال کے سپرد کر دے۔ اس نے انکار کیا۔ مقتدر نے فوجیں مونس کی سرکردگی میں بھیجیں۔ حسین اور ابوالہیجا گرفتار ہوئے۔ قید کئے گئے۔ ۳۰۵ھ میں ابوالہیجا آزاد ہوا اور حسین قتل کر دیا گیا[2]

وقائع ۳۰۵ھ شاہ روم کی طرف سے دو قاصد بغداد آئے اور یہ درخواست پیش کی کہ فریقین آپس میں صلح کر کے قیدیوں کو فدیہ پہ رہا کر دیں۔ مقتدر نے درخواست منظور کر لی اور اس کام کے انجام دینے کے لئے مونس کو بھیجا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔

دولت ادریسیہ و اغالبیہ دولت ادریسیہ و اغالبیہ کا خاتمہ عبیداللہ مہدی فاطمی کے ہاتھوں ہوا۔ فاطمی حکومت قائم ہوئی۔ اس کا مستقر شہر مہدیہ (متصل قیروان) تھا۔

بغاوت مرداویج دیلمی سردار مرداویج بن زیاد نے ۳۱۵ھ میں علم بغاوت بلند کیا۔ سب سے پہلے حاکم جرجان، اسفارین، شیرویہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کو قتل کر کے قزوین، رے، ہمدان، کنکو، قم، کاشان، اصفہان طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ایک سونے کا تخت بنایا گیا جس پر بیٹھ کر وہ دربار لیا کرتا تھا۔ مقتدر کو خبر لگی۔ اس نے فوج بھیجی وہ ناکام رہی مگر مرداویج نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۶۸۔

بطور حفظ ماتقدم مقتدر کو چیندلاکھ سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔ غرض کہ خراسان اور ماوراء النہر میں آل سامان کا کچھ یوں ہی سا اقتدار تھا۔ ان کے مقابل ایک جدید طاقت دیلمیوں کی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

آلِ حمدان موصل پر آل حمدان کا ایک عرصہ سے اقتدار بڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ تہور اور شجاع بھی تھے موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اُنھوں نے بھی اپنی حکومت کی بنا ڈالی۔

رُومی حملہ رومیوں نے بغداد کی کمزوری محسوس کر کے ۳۰۳ھ میں جزیرہ کے حدود پر حملہ کر دیا۔ فوج سرحد پر نہ تھی۔ قلعۂ منصورہ پر فاتحانہ آگئے اور صدہا مسلمان گرفتار کر کے لے گئے جن کو مقتدر نے چھڑایا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پھر ۳۱۴ھ میں قیصر روم نے ملیطہ پر حملہ کیا اور اس کو ویران کر ڈالا۔ وہاں کے بہت سے مسلمان قتل ہوئے۔ مقتدر کو اہلِ ملیطہ نے اطلاع دی۔ مگر ان کی فریاد نہیں سُنی گئی۔ مقتدر عیش وعشرت میں مُبتلا تھا۔ مجبور ہو کر ۳۱۵ھ میں خود طرطوس کے مسلمانوں نے رومی سرحد میں حملہ کر دیا۔ چار سو مسلمان گرفتار ہو گئے اور بہت سے شہید کر دیئے گئے۔ اس سال دمستق رومی نے ایک عظیم الشان فوج لے کر ارمینیہ کے سب سے بڑے شہر دبیل پر چڑھائی کی۔ اس کے ساتھ منجنیق وغیرہ قلعہ شکن آلات کے علاوہ آتش بازی کے بڑے بڑے برج تھے۔ مگر مسلمانوں نے ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور رومیوں پر غالب آکر دس ہزار رومیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس فتح سے سرحد کے رومیوں پر مسلمانوں کا رعب غالب ہو گیا۔

زیاری حکومت کا قیام مقتدر کا عہد دولت عباسیہ کے لئے پر آشوب تھا۔ ایک تو اُن کے مقابل آل ہاشم عبید اللہ فاطمی نے حکومت مغرب میں قائم کی۔ جرجان میں محمد زید علوی کے قتل کے بعد اس خاندان کے ایک رکن حسن بن علی الملقب بہ اطروش کو طبرستان پھر لینے کی

فکر ہوئی۔ اس وقت احمد بن اسماعیل سامانی کا قبضہ تھا۔ اطروش دیلم پہنچا۔ تیرہ سال اسلام کی اشاعت کی۔ ہزاروں دیلمی اُن کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ان کو ہمراہ لے کر محمد بن اسماعیل سے مقابلہ کرنا چاہا مگر دیلمی رضامند نہیں ہوئے۔ طبرستان پر عبداللہ بن محمد کا تقرر ہوا۔ اس کے مرنے پر محمد بن ابراہیم والی ہوا۔ یہ دیالمہ سے اُلجھ پڑا تو اطروش نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر ۳۰۱ھ میں طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم کو مار بھگایا۔ چار سال بعد کسی سامانی نے اس کو قتل کر دیا تو اُس کا داماد حسن بن قاسم المعروف بہ داعی جانشین ہوا۔ انہوں نے دیلمی افسروں کی مدد سے سامانی حکومت کے بہت سے علاقے قبضہ میں کر لئے۔ کچھ دن بعد اس کا دیلمی افسر اسفار بن شیرویہ سعید بن نصر سامانی سے مل گیا اور حسن مقابلہ میں کام آئے۔ اس کے مقبوضات پر اسفار قابض ہو گیا جس کے ایک افسر ہارون بن بہرام نے ابوجعفر بن حسن کو گدی نشین کر دیا لیکن اسفار نے ہر دو کو مروا ڈالا اور طبرستان سے نئی علوی حکومت ختم ہو گئی۔

اسفار نے سامانیہ کا خطبہ بند کر دیا۔ نصر بن احمد سامانی نے فوج کشی کر دی۔ اسفار گھبرا گیا اور صلح کر لی۔ مرداویج کے آدمیوں نے اسفار کو بھی قتل کر دیا۔ اس کا علاقہ مرداویج کے قبضہ میں آ گیا۔ اب اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اس نے چند دنوں میں ہمدان، دینور، قم، کاشان اور اصفہان پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ دولتِ عباسیہ نے آخرش دو لاکھ سالانہ پر مفتوحہ علاقے کا ٹھیکہ ۳۱۹ھ میں مرداویج کو دے دیا۔ اور اس کو والی بنا دیا۔ غرض کہ جرجان میں باقاعدہ زیاری حکومت قائم ہو گئی[1]

امیر الامراء مونس مونس مقتدر کا غلام تھا اس کو بڑھا کر امیر الامراء کر دیا۔ وہ تمام امورِ مملکت پر حاوی ہو گیا۔ اب مقتدر کی آنکھ کھلی

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۔

تو اُس کو نظروں سے گرانا چاہا۔ چنانچہ مونس نے امیر ابوالہیجا بن حمدان والی جبل اور دوسرے امراء کو گانٹھ لیا۔ ۳۱۷ھ میں مونس نے مقتدر کو لکھا :۔

"شاہی خدم وحشم اور حرم سلطانی کے بے جا مصارف، جاگیروں پر اُن کا قبضہ و تصرف اور امورِ سلطنت میں اُن کا مداخلت کرنا فوج میں برہمی کا سبب بن رہا ہے اُن کا مطالبہ ہے کہ آپ جاگیریں اُن کے قبضہ سے نکال لیں۔ خدم وحشم کو الگ کر دیں۔ ہارون بن غریب (جو مقتدر کا عزیز تھا مونس کو یہ خیال ہوا کہ میری جگہ امیر الامراء یہ بنایا جا رہا ہے) کو محل سے نکال دیا جائے "

مقتدر نے ہارون کو شام و جزیرہ کی سرحد کا حاکم کر دیا اور تمام مطالبات ماننے کو تیار ہو گیا مگر مخالفین کی تشفی نہ ہوئی۔ محرم ۳۱۷ھ میں مونس، نازوک، ابوالہیجا اور دوسرے امرائے مخالفت نے مقتدر کو مع اہل وعیال کے مونس کے محل میں قید کر دیا۔ اور اس کے سوتیلے بھائی محمد کو خلیفہ بنا کر قاہر باللہ کا لقب دیا اور قاضی ابوعمرو مالکی کے سامنے مقتدر سے باقاعدہ خلافت سے خلع کا حلف لیا۔

نازوک نے قصرِ خلافت کی شاہی فوج مصافیہ کو قصر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ بگڑ بیٹھی۔ قاہر سے حقِ بیعت اور ایک سال کی تنخواہ کا مطالبہ کیا اور گھیر لیا۔ اور نازوک اور ابوالہیجا کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف مونس کے محل میں سے مقتدر کو نکال لیا اور قصرِ خلافت میں لے آئے۔ قاہر سے مقتدر نے کوئی بازپرس نہ کی۔ اور اُس کی ماں کے پاس بند کر دیا۔

دوبارہ بیعتِ خلافت

مقتدر نے تجدید بیعت کا اعلان کیا۔ شاہی سامان بیچ کر فوج کو تنخواہ دی۔ امیر مونس بدستور اپنے عہدہ پر قائم رہا[1]۔ اس وقت تو مقتدر دوبارہ حکمران بنے مگر امیر مونس کی جاہ پسندی

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۶۳ تا ۶۵۔

اور دیگر امراء کی خود غرضی اور رشک و رقابت رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی۔ دو جماعتیں بن گئیں۔ امیر مونس اور عباسی وزیر سلیمان ایک جماعت کے سرغنہ تھے۔ صاحب دولت یاقوت اور محمد بن یاقوت شحنہ بغداد دوسری جماعت کے سرگروہ تھے۔ ۳۱۹ھ میں مقتدر نے احتساب کا محکمہ بھی محمد بن یاقوت کو دے دیا۔ مونس بگڑ بیٹھا۔ اس عہدہ پر قاضی یا عدول ہونا چاہیئے تھا۔ مقتدر نے یاقوت اور محمد کو کل عہدوں سے علیحدہ کیا۔ یاقوت کو کرمان و فارس اور محمد کو سجستان اور دوسرے لڑکے مظفر کو اصفہان کا والی بنا کر بھیج دیا۔ حاجب ابراہیم رائق اور اُس کے بھائی محمد کو شحنۂ بغداد مقرر کیا۔

مالی حالت حرم سلطانی کے اسراف بے جا اور مقتدر کے مصارف کثیر اور محاصل کی قلت نے حکومت کا مالی نظام بگاڑ دیا۔ خزانہ خالی تھا اور ۳۱۹ھ میں وزیر سلیمان بن وہب کو الگ کیا اور ابوالقاسم کلواذانی کا تقرر ہُوا۔ لیکن وہ بھی حکومت کا میزانیہ نہ سنبھال سکا۔ اس لئے حسین بن قاسم کو منصب وزارت تفویض ہُوا۔ مونس اور حسین میں اختلاف ہو گیا تو حسین نے اپنی عالی دماغی سے بغداد میں مونس کے خلاف فضا پیدا کر دی۔

مونس نے یہ رنگ دیکھا تو موصل چلا گیا۔ یہاں مال و اسباب اس کا ضبط ہُوا۔ حکومت کو تین لاکھ اشرفی ہاتھ لگی۔ شاہی خزانہ میں یہ دولت جمع ہو گئی۔ مقتدر نے حسین کو عماد الدولہ کا لقب دیا اور سکّوں پر اس کا نام نقش کرایا۔ حسین نے تمام امراء کو جو مونس کے ساتھ چلے گئے تھے بغداد بُلا بھیجا اور آل حمدان کو کہلا بھیجا کہ امیر مونس کی تیغ سے مُدارات کر دینا۔ چنانچہ تیس ہزار فوج سے امیر مونس کو روکنے آل حمدان آئے۔ اس نے آٹھ سو کی مختصر جماعت سے ان کو شکست فاش دی۔ اور موصل پر قبضہ کر لیا۔ امیر مونس بڑا فیاض اور محسن اور سیر چشم تھا۔ بغداد، مصر، شام سے لوگ اس کے پاس پہنچ گئے اور یہاں پھر فوج دانہ دانہ کو محتاج ہو گئی۔ وہ بھی موصل پہنچے۔ امیر مونس نے ان سب کو ہمراہ لے کر بغداد میں ۳۲۰ھ میں حملہ

بول دیا جس سے مقتدر کے حواس بجا تے رہے ۔

مقتدر کا قتل مقتدر نے ابوالعلا سعید بن حمدان اور صافی بصری کو مونس کے روکنے کے لئے سرمن رائے اور محمد بن یاقوت کو "معشوق" روانہ کیا۔ ابن یاقوت کی سپاہ چلتی بنی۔ محمد بن یاقوت نے مقتدر سے کہا۔ آپ خود مونس کے مقابل ہو جیئے وہ آپ کو دیکھ کر رام ہو جائے گا۔ آخر کار مقتدر فوج لے کر نکلا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۲۰ھ میں بُری طرح قتل ہوا۔ سر جدا کر کے لکڑی پر آویزاں کیا گیا۔ بدن پر سے کپڑے اُتار کر لاش عریاں چھوڑ دی گئی۔ ایک راہگیر نے گڑھا کھود کر مقتدر کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا۔

مونس خود راشدیہ میں مقیم تھا۔ سر مقتدر کا اس کے سامنے پیش ہوا اُس نے افسوس کیا قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال کی تھی مدتِ خلافت ۲۵ سال رہے ۔

حُلیہ مقتدر کا حلیہ یہ تھا۔
قد میانہ، ذرا جُھکا ہُوا، آنکھیں چھوٹی، گندم گوں رنگ، خوبصورت چہرہ، ڈاڑھی خوشنما اور سُرخی مائل ۔

تجمل و طمطراق مقتدر، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست سے عاری نہ تھا۔ لیکن عیش پرستی نے ناکارہ کر دیا تھا۔ ہر وقت عورتوں کی صحبت میں رہتا۔ ظاہری طمطراق اتنے بڑھا رکھے تھے کہ حکومت اُن کے اخراجات کی متحمل نہ ہو سکی۔ لونڈیوں اور محلاتِ شاہی پر بے دریغ روپیہ لٹاتا تھا۔ خزانہ کے قیمتی جواہرات ان میں تقسیم کر دیئے تھے ۔ ایک ایک دربار کی شان و شوکت میں لاکھوں روپیہ صرف کر دیا کرتا تھا ۔

مقتدر باللہ کا عہدِ حکومت باوجود اندرونی شورشوں اور بیرونی فتنوں کے شان و شکوہ اور عظمت و جلال کا تھا ۔

---

[1] تجارب الامم [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۳

۳۰۵ھ میں جب شہنشاہِ روم کا سفیر مصالحت اور قیدیوں کے باہمی تبادلے کی غرض سے بغداد آیا تو خلافت کے ہیبت و دبدبہ کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک نو تعمیر محل میں اس کا وسیع پیمانہ پر خیر مقدم کیا گیا۔ یہ محل دار الشجرہ نہایت بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا تھا۔ مجلس میں قرینہ سے دروازوں، دہلیزوں، صحنوں اور راستوں پر حاجب اور خادم مامور تھے اور دو رویہ قطاروں میں سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ اُن کا لباس نہایت موزوں اور وقت کے مناسب تھا۔ ان گھوڑوں پر زربفت اور دوسرے اعلیٰ قسم کی جھولیں پڑی تھیں[1]

علامہ سیوطی کا اس واقعہ کے متعلق یہ بیان ہے:-

"مقتدر نے بڑے وسیع پیمانے پر اس سفیر کے استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ باب شماسیہ سے دار الخلافت تک ایک لاکھ سات ہزار مسلح فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ فوج کے آگے سات ہزار خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ ان کے بعد سات سو حاجب کھڑے تھے۔ دار الخلافہ کی دیواروں پر اٹھائیس ہزار ریشمی پردے پڑے تھے اور بائیس ہزار دوسرے بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے پردے پڑے تھے[2] دربار کی آرائش کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بارہ ہزار فرش بچھائے گئے تھے"[3]

مقتدر باللہ دجلہ کے کنارے آبنوس کے تخت پر تاج پہنے جلوہ فرما تھا۔ بدن پر سفید ریشمی لباس تھا جس پر سونے کا کام بنا تھا۔ تخت پر منقش سنہرا فرش بچھا تھا جس کی جھالر میں تسبیح کے دانوں کے برابر نہایت بیش قیمت جواہرات لٹک رہے تھے۔ پانچ شہزادے تین دائیں جانب دو بائیں جانب

---

[1] تاریخ بغداد، خطیب بغدادی صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰
[3] فتوحات اسلامیہ۔

بیٹھے تھے۔ اس وقت قاصد اور ترجمان سامنے کھڑے ہوئے تھے (قاصد (سفیر) نے سجدہ کیا اور مونس خادم اور نصر قشوری کے واسطہ سے جو مقتدر کے ترجمان تھے گفتگو کی۔

دارالشجرہ محل دارالشجرہ میں سونے چاندی کا ایک درخت بنایا گیا تھا اس کا تنا اور شاخیں سونے، چاندی کی تھیں۔ پتیاں اور پھول پھل جواہرات کے۔ شاخوں کی بناوٹ اس طرح کی تھی کہ وہ ہوا سے اصلی شاخوں کی طرح جھومتی تھیں۔ ان پر سونے اور چاندی کے طیور بٹھائے گئے تھے۔ ان میں یہ صفت رکھی گئی تھی کہ جب ان کے جوف میں ہوا بھرتی تھی تو ان سے چہچہانے کی سی آواز نکلتی تھی اور سب کی بولیاں ایک دوسرے سے جدا تھیں[1]

اصراف بے جا مقتدر نے اپنے عیش و عشرت میں جو دولت لٹائی اور اصرافِ بے جا کیا اس کا تخمینہ سات کروڑ اشرفی تک کیا جاتا ہے[2]

ملکہ قہرمانہ ملکہ قہرمانہ ام موسیٰ مقتدر کی ماں محل میں بیٹھ کر خود حکمرانی کرتی تھی۔ وزراء دم نہ مار سکتے تھے۔ اُس نے مفید کام بھی کئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ مکرمہ کے غرباء کے لئے بڑا وقف کیا تھا۔ قاہر نے زبردستی اس پر قبضہ کر لیا۔ ملکہ نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک شفاخانہ بھی بنایا تھا[3]

مقتدر کا عہد مقتدر کا زمانہ ۲۵ سال کی طویل مدت کا ہے مگر حکومت میں شورشیں رہیں۔ انقلابات گذرے۔ دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا۔ تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

باغات مقتدر کو باغات اور میوے کے درخت لگانے سے بڑی دلچسپی

---

[1] فتوحاتِ اسلامیہ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۷۶ [3] ایضاً صفحہ ۷۸

[4] ضاجتہ الطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۶۱۱ -

تھی۔ چنانچہ اس نے ہندوستان سے ترنج منگایا اور عمان میں اس کے درخت لگائے گئے۔ پھر وہاں سے عراق اور شام میں لگائے گئے [۱]

رواداری

خلیفہ مقتدر میں جہاں مادہ عیش و عشرت تھا وہاں اس میں چند خوبیاں بھی تھیں اس کے مزاج میں رواداری کا مادہ بہت تھا۔ چنانچہ وہ اہلِ ذمّہ کی مخصوص اہلیتوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بعض خدمات کے لئے سرکاری ملازمتوں میں داخل کیا۔ بلکہ ۹۰۹ء میں مقتدر نے ایک فرمان جاری کیا جس میں یہودیوں اور عیسائیوں کو صرف دو قسم کے سرکاری عہدوں پر متعین کئے جانے کی اجازت دی گئی تھی یعنی طبیب اور جہبند۔ [۲]

امر المقتدر ان لا یستخدم احد الیہود والنصاریٰ الا فی الطب والجہبند۔

یہود نوازی

رسائل جاحظ میں ہے کہ :۔

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء) عراق میں یہودی زیادہ تر رنگ ریز، دباغ، حجام اور قصاب تھے۔ مگر مقتدر کے عہد میں یہودیوں کو سرکاری ملازمت ملنے لگی اور مالیات میں اُن سے کام لیا گیا۔ پھر تو ایک بغداد کا محلہ ساہوکاروں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کا نام درب العیون تھا [۳]

دیوان الجہبندا

مقتدر نے الجہبندا کا محکمہ نیا قائم کیا تھا۔ کیونکہ نظامِ مالیات میں کچھ وقتی چیزیں نئی بڑھیں۔ اس وقت تک مسلم حکومت میں درہم (معیار سیم) رائج تھا۔ اس کی جگہ دینار (معیار طلا نے لے لی) شرح مبادلہ میں ردوبدل ہونا ضروری تھا۔ یہ لازمی ہو گیا کہ خزانۂ عامرہ میں جو سکّے آئیں اُنہیں معیاری سکّہ میں تبدیل کیا جائے۔ اس کے لئے (صراف) جہبند مقرر کئے جاتے تھے

---

[۱] صناجۃ المطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۶۱۱ [۲] النجوم الزاہرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴

[۳] مسکویہ صفحہ ۲۴۷۔

محمد بن عبید اللہ بن یحییٰ خلیفہ مقتدر کا وزیر تھا۔ اس نے درباری ساہوکار (الجہبند) یوسف بن فنیاس اور ہارون بن عمران مقرر کئے تھے۔

رفاہِ عام مقتدر اسلامی نظریہ سے قابلِ پذیرائی نہ تھا۔ مگر اپنے معاصر شاہانِ عالم کے مقابلہ میں امتیازی درجہ رکھتا تھا جہاں وہ عیش وعشرت اور محلات کی رنگینیوں میں وقت گزارتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بعض کام قابلِ قدر کئے۔ بیمارستان کی طرف اس کی زیادہ توجہ تھی۔ اس کا وزیر علی بن عیسیٰ جس کو رفاہِ عام کے کاموں سے دلی لگاؤ تھا۔ اس کے ہاتھوں بہت سے کام کرادیئے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

شفاخانہ مقتدر نے بغداد میں عظیم الشان شفاخانہ بنوایا[1]۔ اور اس کا نگران سنان بن ثابت بن قرہ جو بڑا مشہور طبیب اور صابی تھا۔ علی کی وزارت میں وبائی مرض پھیلا تو اس نے متعدد فرمان اس بارے میں لکھے اور شفاخانوں کے متعلق نئے کارخانے قائم کئے۔

۳۱۹ھ میں ایک نیم حکیم نے ایک بیمار کا علاج غلط کیا اور وہ مرگیا۔ خلیفہ کو اطلاع ہوئی۔ اس نے حکم صادر کیا کہ کوئی شخص باقاعدہ جب تک امتحان نہ دے مطب اور علاج نہ کرنے پائے۔ سنان بن ثابت ممتحن مقرر ہوا اور ہزارہا طبیبوں نے امتحان دیئے۔ آٹھ سو ساٹھ آدمی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور ان کو سنان نے سند عطا کی۔

مقتدر کی ماں نے جو شفاخانہ بنایا تھا، سالانہ خرچ سات ہزار دینار تھا۔ یہ شفاخانہ دجلہ کے کنارے تھا۔ ۳۰۶ھ میں رسم افتتاح اس کی عمل میں آئی تھی۔ علی بن عیسیٰ وزیر نے اپنے صرفہ سے محلہ حربیہ میں ۳۰۲ھ میں شفاخانہ قائم کیا تھا۔ مشہور طبیب ابوسعید بن یعقوب اس کا نگران تھا۔ دوسرے وزیر

---

[1] طبقات الاطباء صفحہ ۲۲۱

ابن فرات نے محلہ درب الفضل میں ایک ہسپتال قائم کیا اور سنان کی نگرانی میں دیا۔[1]
امرائے عہد نے اس کے علاوہ شفاخانے عوام کے لئے قائم کئے تھے۔

سیاسی حالت مقتدر باللہ کے عہدِ خلافت میں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی فضاء اضطراب انگیز تھی۔ اس کے سب سے بڑی وجہ ترکوں کا حکومت کی مشینری پر غلبہ تھا۔ اس زمانہ میں فوج کے جنرلوں کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا تھا کہ خلیفہ کا تقرر اور عزل اُن کے اختیار میں تھا۔ اس وقت وزراء کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی۔ یہ سب خلیفہ کی صغیر سنی اور نا اہلی کا نتیجہ تھا۔ خلیفہ عیش وعشرت اور لطف اندوزیوں میں غرق تھا حکومت کے نظم ونسق میں حرم دخیل تھیں۔ اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ دولتِ عباسیہ پر پڑے بغیر نہ رہا۔

اشاعتِ اسلام مقتدر باللہ کے زمانہ میں اسلامی اخلاق اور معاشرت کا اثر دیگر اقوام پر بے حد پڑ رہا تھا جبر یہ نہیں بلکہ خود عوام تو کجا خواص بطیبِ خاطر اسلام کی آغوش میں آنا اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ چنانچہ بلغار کا بادشاہ ۳۱۰ھ کے بعد اسلام لایا اور یہ بادشاہ نہایت صاحبِ اقتدار تھا۔ وہ قسطنطنیہ، اٹلی، فرانس، اسپین پر اکثر حملے کیا کرتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس کے بیٹے نے حج کیا اور بغداد آیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے اس کو رایت و علم عطا کیا۔ مسعودی کے حوالہ سے صاحب تلفیق الاخبار لکھتا ہے۔

"بادشاہ کا نام الماس خان بن ملکی خان تھا۔ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے مقتدر باللہ کے دربار میں سفیر بھیجا اور غائبانہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی یہ بھی درخواست کی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لئے فقہاء اور علماء بھیجے جائیں ان کے ساتھ ریاضی دان بھی آئیں کہ ٹھیک ٹھیک سمت قبلہ بتائیں۔ مقتدر نے علماء وفضلاء کو اس خدمت پر مامور کیا جن میں

---

[1] طبقات الارض صفحہ ۲۲۲

سوسن راسبی اور بدر خرمی بھی تھے۔ احمد بن فضلان کو بھی اس سفارت کے لئے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ بلغار کے حالات اور سفر کے تمام واقعات کی رپورٹ لکھ کر لائیں۔ چنانچہ اس نے ایک مفصل رسالہ لکھا جس سے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اس سے مدد لی[1]

زوال سلطنت بچپن میں مقتدر کو حکومت ملی تھی۔ اس لئے نہایت سادہ لوح، عیش پسند اور ناآزمودہ کار تھا۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے :-

"مقتدر سلطنت کے حالات سے بے خبر رہتا تھا۔ امراء وزراء اور اہلِ دفتر امورِ سلطنت انجام دیتے تھے وہ کسی معاملہ میں گرہ کشائی نہیں کر سکتا تھا۔ تدبیر اور ریاست کے اوصاف سے بے بہرہ تھا عورتیں خدام اور دوسرے لوگ سلطنت کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ملک میں بدامنی پھیل گئی تھی، حکومت کے خزانوں میں جس قدر دولت اور ساز و سامان تھا سب صاف ہو گیا تھا جس کی وجہ سے خونریزیاں ہونے لگیں۔ حالات بالکل بگڑ گئے اور خلافت کے بہت سے رسوم مٹ گئے غرضیکہ سلطنت میں زوال کا آغاز ہو گیا۔"[2]

عہد مقتدر باللہ کے علماء مقتدر کو علم سے لگاؤ زیادہ نہ تھا۔ مگر اس کے عہد میں علم حدیث کی اور تفسیر کی ترقی بہت کچھ ہوئی۔ امام نسائی وغیرہ نے مسندیں تیار کیں۔ اس کے علاوہ رجال پر بھی کتابیں لکھی گئیں اور تاریخ پر بھی زیادہ توجہ ہوئی۔ چنانچہ ابو جعفر بن جریر اس کے عہد کا بڑا مورخ تھا۔ بغداد میں ۳۱۰ھ (۹۲۲ء) میں اس نے وفات پائی۔ اپنی تصنیف ۳۰۲ھ میں مرتب

---

[1] مقالات شبلی صفحہ ۱۳ جلد ۴ [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۱۔

کر کے عہد مقتدر باللہ میں ملک کے سامنے پیش کی جو قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

علی بن فضلان مقتدری دربار کا بڑا عالم تھا۔ اس کو ۳۰۹ھ میں مقتدر نے بلغاریہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا وہاں سے واپس آ کر ایک کتاب احوال الامم الشایہ لکھی اور مقتدر کو پیش کی۔ اس عہد میں ابو زید بلخی نے جغرافیہ میں خاص طور پر صور الاقالیم کتاب تصنیف کی۔

محمد بن ابو داؤد ظاہری، یوسف بن یعقوب القاضی، ابن شریح شیخ شافعیہ، جنید شیخ صوفیہ ابو العثمان زاہد جعفر القربانی، امام نسائی صاحب سنن، حسن بن ضعان، جبائی شیخ المعتزلہ، ابو یعلی الموصلی صاحب مسند، ابن سیف قاری مصر، ابوبکر رویانی صاحب مسند، زجاج نحوی، ابن خزیمہ، ابن زکریا طبیب، اخفش الصغیر نہال الجمال، ابوبکر بن داؤد سجستانی، ابن سراج نحوی، ابوعوانہ صاحب صحیح۔ ابو القاسم بغوی صاحب مسند، ابو عبید بن نحوی حرلویہ قدامہ کاتب[۱] سے علماء تھے جو علمی خدمت میں بلا معاونت حکومت لگے ہوئے تھے اور اس کے عہد میں فوت ہوئے[۱]

فقہاء محدث محمد بن سلام بلخی، ابو نصر معاصر ابو حفص کبیر ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن خزیمہ از مشائخ بلخ صاحب اختیارات فی المذاہب ۳۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

الحسن بن علی بن عبد الصمد بن یونس بن مہران، ابو سعید البصری معروف بالازمی بغداد جا کر حدیث کی سماعت صہیب و بحر بن الحکم وغیرہ سے کی۔ واسط میں ۳۰۳ھ میں انتقال کیا۔

فلسفی ابو عبداللہ محمد بن جابر البتانی اسلاف اس کے صابی تھے۔ مگر علماءِ کرام کی صحبت میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ سب سے بڑا سائنس دان تھا۔ اس نے ذاتی کاوش سے بعض مسائل ہیئت کی تحقیق کی بطلیموس

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۲ [۲] معجم البلدان جلد ا صفحہ ۲۱۶۔

کے مشاہدات کے ساتھ اپنے مشاہدات کا مقابلہ کیا تو اس کو آفتاب کے اوج کی حرکت کا پتہ چلا اور طریق شمس کے میل میں تبدیلی معلوم ہوئی۔ اس نے استقبال اعتدالین کی صحیح ترتیب دریافت کی اور علم المثلثات میں جیوب کا استعمال آغاز کیا۔ حرکاتِ ثوابت پر اسی کی کتاب کے لاطینی ترجمے کا مطالعہ کر کے مولیس نے چاند کی حرکت میں دہری تغییر محسوس کی ۲۸۸ھ میں پیدا ہوا اور ۹۱۸ء ۳۰۵ھ ، ۳۰۵ھ میں فوت ہوا۔

مفسرین

امام ابراہیم بن معقل حنفی تفسیر نسفی یادگار ہے ہے اور ۲۹۵ھ میں انتقال کیا۔

شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ بن یزداد قمی احکام قرآن تالیف سے ہے۔ ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ محمد بن یزید واسطی مؤلف اعجاز القرآن ۳۰۶ھ میں انتقال ہوا۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم نیشاپوری مؤلف تفسیر ابن المنذر ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ قاسم عبداللہ بن احمد حنفی معتزلی معروف کعبی ۳۱۹ھ میں انتقال ہوا۔ تفسیر کعبی یادگار ہے۔

عبداللہ بن معتز

نام ونسب نام عبداللہ اور ابوالعباس کنیت تھی مشہور خلیفہ معتز کا لڑکا ۔ ولادت ۲۴۶ھ میں ہوئی ۔

تعلیم وتربیت معتز نے عبداللہ کی تعلیم پر مبرد ادیب اور ثعلب نحوی کو مقرر کیا ۔ چنانچہ عبداللہ نے ان دونوں اُستادوں کے فیض سے بہت کچھ حاصل کیا ۔

ابن ندیم لکھتا ہے :-

"شعروادب میں وحید عصر تھا ۔ بدوی فصحاء اور علمائے نحو کے پاس جاکر اُن سے استفادہ کیا" [1]

ابن خلکان کا بیان ہے :-

کان ادیبا بلیغا شاعرا "وہ ادیب ، بلیغ اور فطری شاعر تھا" [2]

بیعتِ خلافت اور معزولی مکتفی کی نامزدگی کے مطابق ۲۹۵ھ میں اس کے چھوٹے بھائی مقتدر کی بیعت ہوئی ۔ یہ بہت کم سن تھا ۔ ارکانِ دولت نے اختلاف بھی کیا ۔ مگر وزیرِ دولت عباس بن حسن نے اپنی خودغرضی کی بناء پر اُن کے علی الرغم مقتدر کی بیعت کی رسم ادا کی گئی ۔ مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھی ۔ مقتدر کو معزول کرنا چاہا اور عبداللہ بن معتز سے اس منصب کے قبول کرنے کی درخواست کی ۔ اس نے کہا ۔ بغیر کسی فتنہ کے مجھے خلیفہ کرنا چاہیں تو میں مان لوں گا ۔ جب یقین دلایا گیا تو وہ راضی ہوگیا ۔ ۲۹۶ھ میں عبداللہ کی

---

[1] فہرست ابن ندیم صد ۱۶۸ [2] ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۶۸

بیعت ہو گئی۔ منتصف باللہ یا غالب باللہ لقب دیا گیا[1]

عبداللہ کی خلافت کو ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایسا واقعہ رونما ہو کہ لاچار تختِ خلافت سے دست بردار ہو کر روپوش ہونا پڑا۔ مقتدر کے آدمیوں نے ڈھونڈ کر قتل کر دیا۔

یہ واقعہ سنہ ۲۹۶ھ کا تھا۔

عبداللہ صاحبِ علم خطیب، شعر و ادب کا بڑا ستھرا مذاق رکھنے والا تھا۔ صاحب آغانی نے اس کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

"اس کے اشعار میں اگرچہ شاہانہ نزاکت اور رندانہ تغزل اور نئے شعراء کی لطافت موجود تھی۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود اس کے اشعار میں کثرت سے ایسے اوصاف بھی تھے جو اعلیٰ درجہ کے شعراء کا اسلوب ہے اور جس میں سابقین شعراء بھی پیچھے رہ گئے ہیں"۔[2]

ایک شعر نقل ہے

وجاءنی فی قمیص اللیل مستترا یستعجل الخطو من خوف ومن حذر

"وہ میرے پاس رات کے پیرہن میں چھپ کر آیا اور رقیبوں کے خوف سے قدم جلدی جلدی ڈال رہا تھا"۔

موسیقی عبداللہ کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی۔ اغانی میں ہے:-

"عبداللہ بن معتز فنِ موسیقی سے خوب واقف تھا اور راگوں کے حقائق اور علل کا بھی اُسے پورا علم تھا"۔[3]

علمِ بدیع عبداللہ علمِ بدیع کا موجد اور امام ہے۔ سب سے پہلے محاسنِ کلام کے مسائل کا استقصاء کر کے اس فن کو مدون اور مرتب کیا۔ اور نام بھی بدیع رکھا۔

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۵۸ [2] ایضاً [3] اغانی جلد ۹ صفحہ ۱۳۴۔

سید صدر الدین شیرازی اپنی کتاب انوار الربیع فی انواع البدیع میں لکھتے ہیں۔
"سب سے پہلے عبداللہ بن معتز نے اس فن کی ایجاد کی اور اس کا نام بدیع رکھا۔"

تصانیف عبداللہ کی گیارہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں :-
کتاب الزہر۔ کتاب البدیع۔ مکاتبات الاخوان بالشعر۔ کتاب الجوارح والصید۔ کتاب السرقات۔ کتاب اشعار الملوک۔ کتاب الادب۔ کتاب علی الاخبار۔ طبقات الشعراء، کتاب الجامع فی الغناء، کتاب ارجوزہ فی ذم الصبوح۔[1]

خلیفہ قاہر باللہ

نام ولقب ابو منصور محمد قاہر بن خلیفہ احمد معتضد بربریہ ام ولد قبول نامی کے بطن سے تھا۔ علمی استعداد معمولی تھی۔ مقتدر کی محلات کی رنگ رلیوں میں یہ بھی اوائل عمر سے مبتلا تھا۔

خلافت مقتدر کے قتل کے بعد مسئلہ خلافت پیش ہوا۔ امیر مونس کی رائے تھی۔ شہزادہ ابوالعباس بن مقتدر خلیفہ بنایا جائے مگر وہ کم سن تھا۔ اس لئے اسحاق نوبختی نے رائے دی کہ ہمیں ایسا شخص چاہیئے جو امور ملکی انجام دے سکے۔ مونس کی سمجھ میں آگیا۔ چنانچہ ۳۲۰ھ میں ابوالمنصور محمد بن معتضد کو قاہر باللہ کے لقب کے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا۔ ارکان سلطنت نے بیعت کی۔

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۶۸ و ابن خلکان جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۸۔

وزارت منصب وزارت پر ابن مقلہ سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد ابوجعفر محمد بن قاسم بن عبداللہ، ابوالعباس احمد بن عبیداللہ خصیبی یکے بعد دیگرے وزیر ہوئے۔ [1]

حجابت حاجب علی ابن بلیق بدر خرشی اور فارس بن زندان محمد بن یاقوت اور سلامہ موتمن بہ رضی سنجح یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔

قضاۃ قضاۃ پر عمر بن محمد بن یوسف بن یعقوب ممتاز ہُوا۔

سخت گیری قاہر سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد مقتدر کے ہم نشینوں کے ساتھ سخت گیری کا برتاؤ کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اُن کا مال و اسباب ضبطی میں لاکر فروخت کرا دیا اور مقتدر کی ماں جو مرض استسقاء میں مُبتلا تھی اور بیٹے کے رنج وغم میں زندگی کے دن گذار رہی تھی۔ اس کی سخت بے حُرمتی کی اور اس نے کارِ خیر میں جو وقف کئے تھے اُن کو منسوخ محکمۂ قضاۃ کے سامنے کیا۔ قاہر کے جو رفیق، مونس، بلیق علی بن بلیق، ابو علی بن مقلہ ہر ایک سے چشمک گئی۔ یہ تو قاہر کی فکر میں لگے اور یہ اُن کے قتل کے درپے ہُوا۔

ان واقعات سے مقتدر کا لڑکا عبدالواحد مدائن چلتا ہُوا اور عمال سوس اور اہواز کو اُن کی جگہ سے ہٹا کر خود یہاں کا خراج وصول کیا۔ امیر ہارون بن غریب نے تین لاکھ نذر کرکے قاہر سے میل کر لیا اور اس کو ماء الکوفہ، ماسبندان اور مہرجانقذف کا حاکم بنا دیا اور شہزادہ عبدالواحد کے مقابلہ کے لئے امیر بلیق بھیجا گیا تو وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا تو اس نے مونس کی معرفت خلیفہ سے قصور معاف کرا لیا۔ خلیفہ اس سے رضامند ہو گئے اور انہوں نے اس کی ضبط شدہ جائداد اور اس کی ماں کی دولت اُس کو واپس کر دی۔

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۲۔

خلیفہ اور امراء کی باہمی کش مکش امیر بن یعقوب میں اور ابن مقلہ میں پرانی مخالفت اور خصومت تھی۔ امیر یعقوب نے خلیفہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو ابن مقلہ اور امیر مونس اور امیر بلیق نے باہم متفق ہو کر یہ طے کر لیا کہ قاہر کو تختِ خلافت سے اُتار دیا جائے۔ خلیفہ کو ان کے مشورہ کی خبر لگ گئی تو اُس نے بلیق اور امیر علی اور مونس کو بلا کر اپنے غلاموں کے ہاتھوں ٹھکانے لگوا دیا۔ ابن مقلہ روپوش ہو گیا جس سے اس کی جان بچی اور وزارت کی جگہ خالی ہوئی تو ابو جعفر محمد بن قاسم کو وزیر بنایا اور امیر احمد بن مکتفی کو یہ امراء تختِ خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ اس کو گرفتار کر کے دیوار میں چنوا دیا۔ ابو اسحاق نوبختی جس نے قاہر کو تخت نشین کرا دیا تھا اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور قتل کرا دیا۔ اس کی ان حرکتوں سے اراکینِ سلطنت اور امرائے دولت میں اس کی طرف سے بے حد بے دلی پیدا ہو گئی۔ ابن مقلہ نے بحالتِ روپوشی فوج کے افسران سے جوڑ توڑ کر کے ساجیہ اور حجریہ فوج کو ملا لیا اور چہار شنبہ ۵ جمادی الاول ۳۲۲ھ میں دونوں فوجوں نے قصر کو گھیر لیا۔ قاہر مے نوشی میں مشغول تھا اسے فوج کی آمد کا علم ہوا تو وہ باہر نکل آیا۔ فوجیوں نے گھیر کر گرفتار کر لیا اور آنکھوں میں تیل کی سلائیاں پھیر دیں اور قید میں ڈال دیا۔

انتقال چھ سال زندہ رہ کر ۵۳ سال کی عمر میں ۳۳۸ھ میں قاہر انتقال کر گیا۔ صرف ایک سال سات ماہ حکمران رہا۔

وزیر ابن مقلہ ابو علی محمد بن علی بن مقلہ، یہ بڑا فاضل اور اپنے عہد کا بڑا باکمال خطاط تھا۔ اس کے زمانہ میں اس فن میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ اس نے خط کوفی میں ترمیم کر کے ایک نیا خط ایجاد کیا جس کو خطِ نسخ کہتے ہیں۔

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۳۔

ابن مقلہ کسی دفتر میں معمولی کلرک تھا۔ پھر ابن فرات کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ پہلے مقتدر اور پھر قاہر کا وزیر رہا۔ راضی کے زمانے میں اس کو بہت عروج حاصل ہوا۔

قاہر کا حلیہ رنگ گورا جس پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ قد میانہ، خوش اندام آنکھیں خوب صورت گھنی ڈاڑھی، زبان میں لکنت تھی [1]

اوصافِ قاہر قاہر بڑا بہادر اور دبدبہ و شکوہ کا خلیفہ تھا لیکن مزاج میں تلون تھا۔ مسعودی کا بیان ہے :۔

"قاہر کے تلون اور غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے اس کی سیرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جری، بہادر اور سخت گیر تھا۔ چند دنوں کے اندر اس نے مونس، بلیق اور علی جیسے عمائد سلطنت کا خاتمہ کرا دیا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گئی۔ اس کی سخت گیری نے خلفاء کے مقابلہ میں امراء کی گستاخانہ جسارت ختم کر دی۔ مگر چونکہ اس کے کسی کام میں ثبات و استقلال نہ تھا اور وہ لوگوں کو دھمکاتا رہتا تھا اس لئے انجام اچھا نہ ہوا۔" [2]

علامہ مسعودی کا بیان ہے :۔

"قاہر قتل وخوں ریزی میں جلد باز اور نہایت تند مزاج تھا۔ اس کے عہد میں آمدنی کم تھی تاہم مال اندوختہ کرنے میں حریص تھا۔ اسکی توجہ لوگوں کی تادیب و تربیت میں بہت کم صرف ہوتی تھی۔ معاملات کے انجام سے بے فکر اور نہایت متلون مزاج تھا مخبوط الحواس تھا۔ آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا مگر سوءِ تدبیر اور ناقص سیاست کے سبب عاجز رہتا تھا۔" [3]

---

[1] التنبیہ والاشراف صہ ۲۸۳ [2] مروج الذہب جلد ۶ صہ ۲۸۰ [3] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۳۔

چند اصلاحات قاہر نے چند روزہ سلطنت میں کچھ مذہبی اصلاحات بھی کیں۔ ناچنے والی عورتوں اور پیشہ وروں اور شراب نوشی کو قانوناً بند کر دیا تھا۔ گویوں اور ہیجڑوں کو خارج البلد کر دیا تھا۔ موسیقی اور لہو ولعب کے تمام لوازمات ضائع کرا دیئے۔ مغنیہ کنیزوں کو فروخت کر دیا مگر خود مے نوشی میں مدہوش رہتا تھا[1]

شبستانِ عیش ایک طرف تو اہلِ ملک کے لئے بندشیں تھیں دوسری طرف خود اپنے لئے شبستانِ عیش میں ساقی گری کے لئے قدو قامت کی حسین و جمیل لونڈیوں کا پرا کا پرا تھا جو زرق برق مردانہ لباسوں میں ملبوس رہتی تھیں[2]

باغ و محل قاہر کو باغات سے دل چسپی تھی اس نے ایک بڑا وسیع باغ لگوایا تھا اور اس میں ایک عالی شان محل تعمیر کرایا۔ باغ کی زینت اور محل کی آرائش کے لئے مختلف ملکوں سے درخت اور سامانِ آرائش منگوائے تھے[3] یہاں قاہر رنگ رلیاں منایا کرتا تھا۔

علماء قاہر کے عہد میں طحاوی شیخ الحنیفہ ابن درید، ابو ہاشم بن جبائی سے علمائے کرام نے انتقال کیا۔

سلاطین دیالمہ یا بویہ

سلاطین دیالمہ کو مؤرخ بہرام گور کی نسل سے بتاتے ہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ یہ لوگ یزدجرد بن شہریار آخر ملوک عجم کی نسل سے تھے دیالمہ جمع ہے دیلم کی۔ دیلم مقام کا نام ہے۔ اس کو جیلان بھی کہتے ہیں جس کا ستہ نشین ادبار تھا جو بحر

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۳۹۶ [2] مروج الذہب ص ۳۹۶ [3] تاریخ الخلفاء ص ۳۹۷۔

خزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع تھا۔ ایک زمانہ میں دیوان کا صوبہ بنا۔ پہلے یہاں بت پرست تھے۔ اطروش کی تبلیغ کی وجہ سے بلاد دیلم میں اسلام پھیلا۔ اطروش کے واقعات تحریر ہو چکے ہیں۔

ابو شجاع بویہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی تھا جس کے تین بیٹے علی، حسن، احمد تھے۔ بڑھتے بڑھتے شاہی درجہ تک پہنچے تھے اور خلفائے بغداد کی طرف سے عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معزالدولہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ فارس اور کرمان کی زبردست سلطنت اُن کے اور اُن کی نسل کے ہاتھ میں عرصہ تک رہی۔ خلفائے بغداد اُن کے عروج کے پہلے کچھ دنوں سے اتاکین ترک کے ہاتھ میں تھے۔ اب اُن سے نکل کر اُن کے ہاتھ میں آ گئے۔ یہ لوگ خلفائے عباسیہ کے احترام کرتے تھے لیکن محض مصلحتِ ملکی پر نظر ڈال کر خلفاء بھی ان کی مدد سے کسی طرح بے نیاز نہ تھے۔ خلیفہ مقتدر کے زمانہ (۳۲۰ھ) میں اس خاندان کی ابتدا ہوئی۔ محمود غزنوی کے عہد میں زوال شروع ہوا اور پھر سلجوقیوں کے عہد میں ابوالمنصور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان میں چھ بادشاہ ہوئے جن کی مختصر کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ورنہ بہت کچھ حالات خلفائے عباسیہ کے حالات میں درج کئے ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی مستقل پایۂ تخت نہ تھا۔ مختلف مقامات پر یہ لوگ رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں اس خاندان کے دو تین اشخاص کی جُدا جُدا خود مختار حکومتیں قائم رہیں۔

لیکن ایک مستقل سلسلہ انہی لوگوں کا ہے جو خلفائے بغداد پر حاوی تھے۔ اور دوسرے وہ سلاطین ہیں جو بغداد سے الگ اصفہان، کرمان اور فارس میں رہے۔ ان دونوں گروہ کا بیان یکجا کیا جاتا ہے۔ ناظرین پڑھتے وقت اس کا لحاظ رکھیں تاکہ غلط مبحث سے غلط فہمی نہ ہو۔

عماد الدولہ (۳۲۰ھ)	خلیفہ مقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دے کر اس نے چارہ صدی کی ابتداء میں فارس پر قبضہ کر لیا۔

اور اپنے بھائی رکن الدولہ کو بھیج کر عراق فتح کیا اور معز الدولہ کو کرمان بھیجا جو کرمان فتح کر کے بغداد پر بھی مستولی ہو گیا جیسا کہ تفصیلی ذکر آچکا ہے (تجارب الامم جلد ۶ صفحہ ۱۱۷)

رکن الدولہ ۳۱۶ھ متوفی ۳۶۵ھ۔ اس کی حکومت کا زمانہ بہت کم تھا۔ عماد الدولہ تو اس کے بیٹے عضد الدولہ کو اپنا ولی عہد کر گیا تھا لیکن معلوم نہیں کہ کیونکر یہ تخت نشین ہو گیا۔ ظاہر الڑکے نے باپ سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ مرتے دم اس نے کرمان، اہواز، فارس، عضد الدولہ کو دیا۔ ہمدان، رے اور طبرستان کی حکومت اس نے اپنے دوسرے بیٹے فخر الدولہ کو اور اصفہان کی حکومت اپنے تیسرے بیٹے موئد الدولہ کو دے کر ان دونوں کو تاکید کی کہ وہ عضد الدولہ کے مطیع رہیں۔ (ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۲۱)

معز الدولہ (۳۳۲ھ) معز الدولہ کو جب اس کے بھائی عماد الدولہ نے فتح کرمان کے لئے بھیجا تو اس نے کرمان فتح کیا۔ اس کے بعد بغداد کے حاکم سے اہواز چھین لیا۔ بغداد پر بھی تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد اس نے قبضہ کر لیا۔ خلیفہ کا امیر الامراء توزن جب تک زندہ رہا معز الدولہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے پر ابن شیرزاد اس کا قائم مقام تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ خلیفہ مکتفی کی مجلس میں آکر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے لئے معز الدولہ، رکن الدولہ، عماد الدولہ، کے خطاب حاصل کئے [1] (تجارب الامم جلد ۶ صفحہ ۸۵)

لیکن بیعت اور خطاب کی عجیب نوعیت تھی کہ بظاہر اس کی کچھ ضرورت

---

[1] پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے بنو ہاشم کو غیر قبیلہ میں خلافت کا جانا کسی قدر ناگوار ہوا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دونوں خلفاء حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حسن انتظام نے عام طور پر اس خیال کو کھو دیا۔ حضرت عثمانؓ کے وقت کے جھگڑوں نے مضمون کو پھر تازہ کر دیا لیکن نہ اس طور کہ یہ کوئی مذہبی رکن قرار پائے۔ امیر معاویہؓ کے ساتھی شیعانِ علیؓ کو اور شیعانِ علیؓ کے ساتھی امیر معاویہؓ کو اعلانیہ اور بالالتزام برا کہتے تھے۔ لیکن یہ ایک پولیٹکل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہ تھی۔ لیکن اس کے حاصل کرنے کو محمود ایسے سلطان نے بھی اپنا فخر سمجھا تو سلاطین دیالمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سے آگے) بحث تھی مذہبی بات نہ تھی۔ خلفائے عباسیہ نے شروع شروع بنو امیہ کی بہت کچھ توہین اور ان پر ظلم کئے لیکن محض پولٹیکل خیال سے علویوں سے ان کا برتاؤ اچھا بھی رہا جب جیب موقع ہوا دیسا کیا گیا۔ سُنیوں اور شیعوں کی جیسی تفریق اب ہے تین صدی تک نہ تھی۔ اس کی ابتدا خاندان دیالمہ سے پڑی۔ چنانچہ اخیر حکمران معزالدولہ نے تمام مساجد بغداد کے دروازوں پر حکم دیا کہ امیر معاویہ کے نام و دیگر صحابہ پر تبرا لکھا جائے۔ اس سے شہر میں بڑا شور و غل پیدا ہوا معزالدولہ سے خلیفہ دبتا تھا اور معزالدولہ کو اپنے فعل پر اصرار تھا۔ بہرحال وزیر محمد بن مہدی کی حکمت عملی سے سوائے امیر معاویہؓ کے اور سب عبارت نکال دی گئی۔ مجملاً لکھ دیا گیا کہ "معاویہ اور آلِ رسول پر ظلم کرنے والے قابلِ بیزاری ہیں"۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بادشاہوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ پولٹیکل مصلحت۔ بس عموماً یہی مذہب سلاطین ہے اس میں شک نہیں کہ آلِ رسول میں ایک توفیقِ رسول کا اثر نسلاً بعد نسلاً عرصہ تک قائم رہا۔ دوسرے اُن کا مظلوم رہنا اور سلطنت کے لہو و لعب سے دور رہنا اور بھی کام دے گیا۔ اپنے اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں اولاد علی کرم اللہ وجہہ نے بڑی وقعت پیدا کی۔ دینی امور میں بس یہی لوگ نمونہ رہ گئے۔ پیغمبرِ خدا کے بعد مسلمانوں میں جو وقعت حسنین کی تھی اس سے کہیں زیادہ وقعت عام مسلمانوں کی نظر میں اولادِ حسنین سے دو صدیوں کے بعد پیدا کی۔ چنانچہ بنو عباس پر تفوق حاصل کرنے کی یہ حکمت سوجھی کہ آلِ علی کا اپنے کا شیدا ظاہر کیا۔

کسی کی ذاتی عقیدت سے یہاں بحث کرنا مقصد نہیں ہے۔ محض اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلافت کے جھگڑے کو جزوِ ایمان قرار دینا اور اہلِ تشیع کے مذہب کو اہلِ سنت والجماعت سے الگ کر کے دکھانا، یعنی مذہبِ اسلام کو یوں دو مستقل حصوں میں تفریق کرنا اس بدعت کا بانی معزالدولہ ہوا اور اسی خیال کے مؤید اکثر سلاطین دیالمہ تھے ورنہ اس کے پہلے یہ باتیں مسائل جزیہ کی طرح مافی الذہن رہتی تھیں، اپنے مخالف خیال والے کو کوئی مذہبی طور پر جدا نہیں سمجھتا تھا۔ بعد دیالمہ کے فارس کے صفوی خاندان نے بھی اس جزوی مسئلہ کو خوب رونق دی اور رفتہ رفتہ سُنیوں اور شیعوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنا۔

بمقابلہ اس کے کس شمار میں تھے، بصرہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کا قیام بغداد میں بطور سپہ سالار خلیفہ کے تھا۔

عضد الدولہ بن رکن الدولہ ۳۲۵ھ، متوفی ۳۷۲ھ

یہ اپنے چچا کی جگہ فارس اور کرمان کا بادشاہ ہوا۔ اُس نے نجف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تربت بنا کر ایک عالی شان عمارت اس پر قائم کی اور اس کو زیارت گاہ قرار دیا۔ باوجودیکہ فرضی مزار ہے ورنہ حضرت علیؓ بقول ابن تیمیہ قصرِ امارت کوفہ میں دفن کئے گئے۔ اس نے جوڑ بند سے قیصرِ روم سے اپنے لئے ہدیہ اور تحفے منگوائے اور اس طرح اپنے کو عام نظروں میں معزز ثابت کیا۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ گزرا ہے۔ شہر بغداد کی اُس نے بہت کچھ قدر اور منزلت بڑھائی۔ بغداد اور مکہ میں راہ میں جتنے کنوئیں اور نہریں خراب ہو گئی تھیں سب کو اُس نے درست کرایا۔ مکہ مدینہ، نجف اور کربلا میں اس نے غرباء کے لئے روپے بھیجے اور شکستہ گرجاؤں اور خانقاہوں کی مرمت بھی کرائی۔ اس کا وزیر نصر بن ہارون نصرانی تھا۔ چونتیس برس تک اس نے سلطنت کی۔ یہ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے عہد میں بغداد کی حکومت ہارون الرشید کی حکومت کے برابر وسیع ہو گئی۔ اس نے خلیفہ الطائع کی لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دی تاکہ اس سے جو اولاد ہو وہ خلیفہ بن سکے۔ اس نے رفاہِ عامہ کے کام کئے۔ اس نے بغداد میں ایک لاکھ دینار کے وقف کے ساتھ بیمارستان العضدی تیار کرایا۔ عضد کا پایۂ تخت شیراز تھا۔ لیکن بغداد اور دوسرے شہروں پر بے حد روپیہ صَرف کیا۔

مؤید الدولہ بن رکن الدولہ ۳۷۲ھ

اپنے بھائی عضد الدولہ کے وقت میں یہ اصفہان کا حاکم تھا اور عضد الدولہ کا مطیع تھا۔ عضد الدولہ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ بھی مَر گیا۔ اس نے صرف اپنے بھائی فخر الدولہ سے جنگ کی تھی۔ اس لئے کہ وہ عضد الدولہ

سے سرتابی کر کے خراسان چلا گیا تھا اور وہاں سے سامانیوں کی مدد سے مؤید الدولہ کے مقابلہ کو آیا تھا جیسا کہ نوح بن سامانی کے حال میں لکھا گیا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ تو بہت پہلے سے شروع ہوا۔ لیکن بادشاہت ۳۷۲ھ میں ہوئی کہ یہی عضد الدولہ کی وفات کا زمانہ ہے۔

فخر الدولہ بن رکن الدولہ ۳۷۳ھ متوفی ۳۸۵ھ

دونوں بھائیوں کے مرنے پر امرائے دولت نے اس کو خراسان سے (جہاں یہ بھائیوں کے خوف سے جا چھپا تھا) بلا کر تخت پر بٹھایا۔ اس کے لئے صمصام الدولہ نے خلیفہ بغداد سے خلعت بھجوائی اور اسی طرح ایک مدت کے بعد ملک موروثی پر آسانی سے قابض ہو گیا۔ یہ ذی علم تھا۔ اس کے عہد میں علمی ترقی بہت ہوئی۔ اس کا وزیر ابن عبادہ تھا جو علم وفضل میں یگانہ روزگار۔ امیر بخارا نے درپردہ اپنی وزارت کے لئے طلب کیا۔ ابن عبادہ نے نہ آسکنے کے لئے دو عذر لکھے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ صرف میری کتابوں کے اٹھانے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وزیر ممدوح کے ہمراہ سفر میں صرف ادب کی کتابوں کے تیس اونٹ رہتے تھے [1]

صمصام الدولہ

علاء الدولہ کے مرنے پر صمصام الدولہ بغداد کا امیر الامراء بنا۔ اس کو اتار کر شرف الدولہ نے اپنے کو امیر الامراء بنایا اور چھ برس کے بعد اپنی موت مر گیا۔

بہاء الدولہ بن عضد الدولہ (۷۸ ۳۷۸ھ)

شرف الدولہ کے مرنے پر یہ امیر بغداد ہوا۔ ۴۰۳ھ میں یہ مرا اور اس کا تابوت مشہد امام علیہ السلام میں بھیجا گیا۔

(ذیل تجارب الامم صفحہ ۱۶۷)

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۷۶، ۲۳۴۔

مجد الدولہ بن فخر الدولہ (۳۸۷ھ)

فخر الدولہ کے بعد اس کا نابالغ بیٹا مجد الدولہ تخت پر بیٹھا۔ لیکن انتظامِ سلطنت اس کی (مجد الدولہ کی) والدہ کرتی تھی اور اپنی زندگی تک سلطنت دیلمی کی رونق اس نے قائم رکھی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کرنی چاہی تھی اُس نے کہلا بھیجا کہ بیوہ پر فتح یابی سے محمود کا کیا نام ہوگا اور کہیں شکست ہوئی تو ذلت بڑی ہوگی۔ محمود نے پھر اس کی زندگی میں ادھر توجہ نہ کی۔ لیکن اس کے مرتے ہی محمود نے اس پر چڑھائی کر کے اور مجد الدولہ کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا اور خلیفہ قادر باللہ کو لکھا کہ مجد الدولہ کا چلن شرع محمدی کے خلاف تھا اس لئے میں نے ایسا کیا۔

سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ (۴۰۳ھ)

اپنے باپ کے بعد یہ فارس اور بغداد میں حکمران ہُوا۔ اس کے ملک کو زیادہ تر محمود غزنوی نے کمزور کیا اور کچھ خانہ جنگیوں نے خراب کیا۔

شرف الدولہ بن بہاء الدولہ (۴۱۱ھ)

۴۱۱ھ میں شرف الدولہ کا نام بغداد کے خطبہ میں داخل ہُوا اور سلطان الدولہ کا نام متروک ہوا۔ شرف الدولہ علمی مذاق کا حکمران تھا۔ ابراہیم بن بلال اس کا ندیم تھا۔ (تجارب الامم جلد ۶ صفحہ ۱۰۱)

ابو کالیجار بن سلطان الدولہ

محمود کا اور بغداد پر ترکوں کے حملے دیالمہ کی باہم لڑائیاں۔ اس پر طرّہ یہ کہ تین بادشاہ کالیجار و جلال الدین و قوام الدولہ باہم جھگڑنے میں مصروف ہُوئے۔ ملک میں بدامنی تھی۔ سلطنت دیالمہ کے ضعف کے ساتھ خلافت کو بھی ضعف تھا۔ پہلے سلاطین دیالمہ سے ملک کو فوجی تقویت تھی اور خلفاء سے درباری عزت تھی۔ ترکوں نے پھر زور پکڑا اور بجائے ملوک غزنی کے سلجوقیوں کا زور شروع ہُوا جس کا اثر بغداد تک پہنچا۔

خسرو بن فیروز بن کالنجار اس بادشاہ کا لقب ملک رحیم تھا اس کے وقت میں دیالمہ نے چاہا کہ متفقہ طاقت سے وہ اپنے کو سنبھال لیں لیکن سنبھال نہ سکے۔ خلیفہ نے بھی ان کی عزت کم کر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ملک رحیم کے پہلے طغرل بیگ کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔

طغرل بیگ خلیفہ کی اجازت سے حج کو چلا۔ راہ میں وہ خلیفہ سے ملنے کو ٹھہرا۔ دیالمہ اپنی غلط فہمی سے طغرل بیگ کے ساتھی ترکوں سے لڑ پڑے اور مغلوب ہوئے۔ تمام شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ خسرو کو طغرل قید کر کے لے گیا۔ لیکن ابو منصور بن ابو کالنجار کو ایک موقع مل گیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فارس کا بادشاہ ہو گیا۔ اور پھر اپنے سپہ سالار فضل بن حسن کے ہاتھ سے جس کی نسل کو مورخ فضلویہ کہتے ہیں ۴۴۸ھ میں مارا گیا اور اس کے ساتھ دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ فضلویہ کو بھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک قادر سلجوقی نے بھگا کر اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا[1]

علمی ترقی خاندان دیالمہ علمی ذوق و شوق میں کسی دوسرے فرمانروا سے کم نہ تھا۔ عضد الدولہ کے وقت میں خزانہ دار فلسفی و مورخ ابو علی ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ تھا جس کی کتابیں تہذیب الاخلاق اور فوز الاصغر، تجارب الامم، علمی دنیا میں بلند پایہ سمجھی گئیں۔

عضد الدولہ کے نام علی الفارسی نے اپنی کتاب الایضاح معنون کی متنبی عرب کے مشہور شاعر اس کا مدح خواں تھا۔ اس کی تعریف میں اس کے معرکہ کے قصیدے لکھے ہیں۔ عضد نے پہلے پہل اپنے کو شہنشاہ کہلایا۔ عضد خلیفہ مامون کی تقلید کرتا تھا۔ علماء کو مالا مال کر دیا۔ شعراء کو بڑے بڑے انعام دیئے۔ مدرسہ بغداد بنایا۔

---

[1] کتاب التاج لابن ہلال و ناسخ التواریخ۔ آثار الباقیہ و ابن اثیر و ابن خلدون۔ تجارب الامم۔ ابن مسکویہ جلد ۶

[2] تاریخ عرب موسیو سیدیو صہ ۲۱۲ ۔

عضد کا بیٹا شرف الدولہ اپنے باپ کے قدم بقدم چل کر علمی کارناموں کو فروغ دیتا رہا۔ مدرسہ بغداد کو باپ سے زیادہ ترقی دی۔ ابن اعلم عبدالرحمٰن الصوفی الوفا فلکی اس کے ندیم تھے۔ اس نے بغداد میں ایک رصدگاہ قائم کی۔ اس کے لڑکے بہاء الدولہ نے خلیفہ الطائع کے عہد میں بغداد میں دس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم کیا۔ المقری نے اس کتب خانہ سے بہت استفادہ کر کے علمی دنیا میں شہرت پائی۔ انہیں بویہ سلاطین ہی کے زمانے میں اخوان الصفاء کی جماعت قائم ہوئی۔ جس نے علمی رسائل مرتب کر کے اور شہر مرجان میں عظیم الشان شفا خانہ بنوایا [1] ان کے کارناموں پر مستقل تاریخیں ہیں۔

علمائے دربار سلاطین دیالمہ

ابراہیم بن ہلال ابن ابراہیم بن زہرون الصابی کنیت ابواسحاق ہے۔ اس کی اصل حران کی ہے۔ ۱۵ رمضان ۳۱۳ھ میں پیدا ہوا اور بغداد میں علمائے عصر سے اکتساب علم کیا۔ علم ادب میں ماہر اور صناعت نظم و نثر میں بڑا بالغ نظر تھا۔ اس کے ساتھ علوم ریاضی میں دستگاہ کامل تھی۔ بالخصوص علم ہیئت و ہندسہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ شرف الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے بغداد میں زیر نگرانی یحییٰ بن رستم کو ہی رصد بنانی چاہی۔ اس زمانہ میں ابراہیم دربار شریف الدولہ میں پہنچے۔ بادشاہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ قدر و منزلت بھی بڑی ہوئی۔ رصد کے سلسلہ میں ان کا مشورہ لیا۔ مگر حاسدوں نے چین لینے نہ دیا۔ کچھ عرصہ قید میں رہے۔ ۱۲ شوال ۳۸۴ھ میں انتقال ہوا۔ کتاب "التاجی آل بویہ" یادگار سے ہے [2]

ابومحمود حامد بن الخضر الخجندی کبار فلکیین سے تھا۔ اس کا تعلق فخر الدولہ دیلمی کے دربار سے رہا۔ اس نے ایک آلہ رصد موسوم بہ سدس الفخری ایجاد کی۔ اس آلہ کی مدد سے آمیال و عروض البلاد کی ترصید کی جاتی تھی۔ ۳۸۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

---

[1] تاریخ عرب موسیو سیدیو صد ۲۱۲ [2] فلاسفہ اسلام از انتظام اللہ شہابی۔

ابوسہل ویجان بن رستم الکوہی، علمِ ہیئت کا ماہر، متبحر، شرف الدولہ کے دربار کا رکن تھا۔ اس نے ہی رصد گاہ قائم کی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ابوالحسن کوشیار ابن کنان الجیلی۔ اس نے ایک نہایت عمدہ رصد خانہ تیار کیا تھا۔ ۳۵۹ھ میں اُس نے کثیر فلکی مشاہدات کئے۔ اس کی ازیج الجامع والسامع مشہور ہے۔

ابوالقاسم محمد بن محمد النور جانی الصفاتی علمائے ہیئت میں مشہور شخص ہے۔ علم مثلث اور ہیئت میں مفید اضافے کئے۔ کتاب ما یحتج اللہ الکتاب والعمال من الحساب تصنیف سے ہے۔ ۳۸۳ھ میں انتقال ہُوا[1]

شریف بن الاعلم عبدالرحمٰن صوفی کا معاصر تھا۔ فن ہیئت میں اس کا جدول مشہور ہے۔ عضد الدولہ کو اس کی شاگردی پر فخر تھا۔ ۳۷۵ھ میں فوت ہُوا۔

ابوالحسین عبدالرحمٰن الصوفی الرازی اکابر ماہرین ہیئت کتاب الکواکب الثابتہ۔ مدخل فی الاحکام، رسالہ فی الاصطرلاب اس کی تصنیف میں سے ہیں۔ ۳۷۶ھ میں فوت ہُوا[2]

وزیر ابوالقاسم اسماعیل بن عباد فخر الدولہ کا وزیر سلطنت تھا بلحاظ علم وفضل یکتا تھا۔ سیاست، ملک داری میں اپنا آپ نظیر تھا۔ مختلف علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا تصنیف و تالیف میں بھی اس کو دستگاہ کامل تھی جو رسائل اس نے لکھے تھے وہ بہت مشہور اور مدوّن ہیں۔ اس کے کتب خانہ میں اسقدر کتابیں تھیں کہ کسی نے اس قدر جمع نہ کی ہوں گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا کتب خانہ چارسو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔ ابوالقاسم نے ۳۸۵ھ میں بمقام "رے" انتقال کیا[3]

---

[1] ابن اثیر (البیرونی) صفحہ ۱۰-۱۹ [2] ابن خلدون جلد سیزدہم صفحہ ۱۶۸

خلیفہ راضی باللہ

نام ونسب ابو العباس احمد مقتدر بن معتضد بن طلحہ بن متوکل ظلوم نامی رومی کنیز کے شکم سے ۲۹۷ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت مقتدر نے علمائے عصر سے تعلیم دلوائی۔ علامہ بغوی سے احمد نے حدیث کی سماعت کی۔ ادب اور شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:-

راضی عقیل، سخی، ادیب، شاعر، فصیح آدمی تھا۔ علماء کی خدمت کیا کرتا اور اچھے شعر کہتا۔[۲]

خلافت قاہر کی گرفتاری کے بعد احمد بن مقتدر اپنی ماں کے ساتھ مقید تھا۔ امرائے سلطنت نے اسے آزاد کر کے روز پنج شنبہ ۶ جمادی الاول ۳۲۲ھ میں اس سے بیعت لی۔ راضی باللہ کے لقب سے ملقب ہوا۔

حاجب محمد بن یاقوت رہا۔

وزارت راضی علمی ذوق کا فرد تھا۔ وزارت کے لئے ابن مقلہ پر نظر پڑی اس کو ہی منصب وزارت پر سرفراز کیا۔ عنانِ وزارت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے دشمنوں سے نیک سلوک سے پیش آیا۔ مگر امیر محمد بن یاقوت اس سے کھٹکتا ہی رہا۔

راضی کے آغاز عہد میں تمام امور وزیر بن مقلہ اور مذکور الذکر ابن یاقوت کے اختیار میں تھے۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹،۲۰۸ [۲] تبلیغیہ الاشراف صفحہ ۱۹۳۔

حنابلہ حنابلہ، امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہیں ۔ راضی کے عہد میں انہوں نے معاصی کا چاروں طرف چرچا دیکھا تو اصلاح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ افسروں اور عوام کے گھروں میں گھس کر تلاشیاں لیں۔ شراب کے قلابے توڑ دیئے۔ مغنیہ عورتوں کو سزائیں دیں ۔ مزامیر کو بے کار کر دیا مگر بے حد غلو کو کام میں لائے تو اُن کے متعلق مخالف علماء نے حلول و تشبیہ کی تہمت رکھ کر حکومت سے ان کو پٹوا دیا۔ اُس میں بہت سے ظلم و تشدد کا شکار ہوئے ۔

ابن مقلہ آگے چل کر ابن مقلہ معطل ہو کے رہ گیا تو خلیفہ سے لگائی بجھائی کر کے ابن یاقوت اور اس کے بھائی مظفر کو قید کرا دیا ۔ مگر مظفر نے ابن مقلہ سے عہد لے کر آزاد کر دیا۔ مگر اس نے فوج کو تنخواہ کے سلسلہ میں بھڑکا دیا۔ اس نے ابن مقلہ کو گھیر لیا اور معزول کر دیا ۔ علی بن عیسٰی سے وزارت کے لئے کہا اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی سفارش کی وہ وزیر ہو گا مگر ملک کی حالت بگڑ چکی تھی مستعفی ہو گیا۔ اس پر اُسے ستر ہزار وصول کئے اور عیسٰی سے ایک لاکھ کا جرمانہ وصول کیا منصب وزارت پر ابو جعفر کرخی سرفراز کیا گیا ۔

بغاوت ہارون بن غریب ہارون بن غریب مقتدر کا ماموں زاد بھائی تھا۔ وہ قاہر کے عہد میں دینور اور ماسبدان کا حاکم تھا ۔ اس نے بغداد آ کر حکومت میں دخیل ہونا چاہا۔ راضی نے اس کے ارادے سے مطلع ہو کر اُس کو روکا مگر وہ ضد کر گیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ راضی نے حاجب محمد بن یاقوت کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ ہارون نے اسے شکست دے دی ۔ گھوڑا حاجب کے پیچھے ڈال دیا۔ بدقسمتی سے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہ نیچے آ رہا۔ اس کے غلام یمن نے انعام کے لالچ سے اپنے آقا کا سر کاٹ لیا۔ اور حاجب کو نذر کیا [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صٖ ۹۱ ۔

عمادالدولہ کا اقتدار دولتِ عباسیہ زوال کے دَور میں گزر رہی تھی خودسر اور حوصلہ مند لوگ اپنی حکمرانی قائم کرتے جارہے تھے مگر یہ رسم البتہ باقی تھی کہ عباسی خلیفہ اُن کی حکومت کی تصدیق کردے۔ عمادالدولہ علی بن بویہ نے شیراز پر قبضہ کرنے کے بعد ابن مقلہ سے مقبوضہ علاقوں کی حکومت کی سند کی درخواست کی اور خلافتِ بغداد کی اطاعت کے اقرار کے ساتھ ایک رقم سالانہ پیش کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ابن مقلہ نے وقت کے تقاضا سے منظور کر لیا اور راضی باللہ کی جانب سے خلعت اور لوائے حکومت بھجوا دی۔ اس سے اس کی عظمت بڑھ گئی۔ اس کا حریف مرداویج تھا اس کو عمادالدولہ کا اعزاز ناگوار گزرا اُس نے فوج کشی کر دی۔ عمادالدولہ نے اس کی دلجوئی کے لئے اس کا نام خطبہ میں اور اُس کی اطاعت پر صُلح کر لی[1]

مگر مرداویج کچھ دن بعد اپنے ایک ترک کے ہاتھ سے قتل ہُوا تو اس کا بھائی وشمگیر اس کا جانشین ہُوا۔ عمادالدولہ کے لئے یہ موقعہ راس آیا۔ عراق اور خوزستان عباسی حکومت کا خالصہ تھا۔ اس پر امیر یاقوت، عمادالدولہ، مرداویج، بریدی ہر ایک کی نگاہ تھی۔ عمادالدولہ نے یاقوت پر حملہ کر کے مغلوب کر لیا اور ان علاقوں پر قبضہ جما یا۔ راضی نے یہ رنگ دیکھ کر فارس، عراق، خوزستان کے علاقہ پر بھی باقاعدہ عمادالدولہ کی سرداری منظور کر لی۔ عمادالدولہ نے شیراز کو مستقر بنایا[2]

واقعات ناصرالدولہ حمدانی راضی کی جانب سے امیر محمد حسن بن عبداللہ بن حمدان الملقب بہ ناصرالدولہ موصل ودیار ربیعہ کا والی تھا۔ اُس نے بھی اور امرائے سلطنت کی طرح ہاتھ پَیر نکالے۔ اس کے چچا ابوالعلا بن حمدان نے خلیفہ راضی سے خفیہ طور سے ناصر کے مقبوضات کا ٹھیکہ لے لیا اور جب یہ موصل پہنچا ناصر کو خبر لگ گئی۔ استقبال کے بہانے سے

---

[1] ابی الفدا جلد ۲ صفحہ ۸۲ [2] ایضاً۔

یہاں سے نکل گیا۔ ابو العلاء موصل پہنچا اُسے معلوم ہُوا کہ وہ میرے استقبال کے لئے دوسرے راستے سے گیا ہے۔ یہ اس کے مکان میں ٹھہرا۔ ناصر الدولہ نے واپس آکر اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ راضی کو یہ واقعہ گراں گزرا اُس نے ابن مقلہ کو ناصر الدولہ کی گوشمالی کے لئے موصل روانہ کیا۔ ناصر نے راہِ فرار اختیار کی۔ ابن مقلہ نے موصل میں کچھ عرصہ رہ کر وہاں کا انتظام درست کیا اور چلتے وقت علی بن طباب اور ماکرد دیلمی کو اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا اور بغداد لوٹ آیا۔ ناصر ابن مقلہ کے ہٹتے ہی موصل آپہنچا۔ ان دونوں عمالِ خلیفہ کو نکال باہر کیا اور موصل پر حکمرانی کرنے لگا اور راضی سے بھی عفو تقصیر کرا لیا۔

بنو فاطمی | عبید اللہ مہدی[1] نے مغرب میں حکومت قائم کر لی تھی۔ اس کے انتقال پر اس کا بیٹا ابو القاسم محمد الملقب بالقائم بامر اللہ بادشاہ ہُوا۔

---

[1] عبید اللہ مہدی کے متعلق علامہ سیوطی کی تحقیق یہ ہے کہ مہدی کا یہ دعوے کہ میں علوی ہوں بالکل لغو ہے۔ کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مہدی کا دادا مجوسی تھا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں۔

"عبید اللہ الملقب مہدی مجوسی مغرب میں پہنچا اور علوی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن علمائے نسب میں سے کسی نے اس کے دعویٰ کو نہیں مانا۔" دراصل وہ خبیث باطن تھا، شراب و زنا کو جائز کر دیا تھا۔ پچیس برس حکمرانی کی۔"[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸۔

مصر میں دولت اخشیدیہ کا آغاز

۳۲۲ھ میں راضی باللہ نے محمد بن طغج الاخشید کو مصر کا گورنر بنایا لیکن ابن طغج صرف گورنری پر قانع نہ ہُوا بلکہ اس نے مصر کو مستقل طور سے اپنے قبضہ میں لانا چاہا اور اپنی حکومت بنا لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ راضی میں طاقت نہ تھی لہذا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ بلکہ اپنی سعی سے مصر مع شام کے اپنے قبضہ و تصرف میں لے آیا۔ راضی نے مجبوری درجہ قطع تعلق کے بجائے اخشید کا لقب اس کو عطا فرمایا۔ اس طرح سے دولت اخشیدیہ کی بناء پڑی۔

امیر الامرائی وزیر ابوجعفر نے بیت المال کو دیکھا کہ خالی پڑا ہے۔ ادھر محمد بن رائق والی بصرہ اور ابو عبداللہ بریدی والی اہواز نے خراج روک دیئے اور ابن بویہ نے صوبہ فارس پر قبضہ کر لیا مطالبات کی کثرت اور بے مائیگی سے تنگ آکر ابوجعفر روپوش ہو گیا۔ اس کی جگہ پر ابو القاسم بن سلیمان کو بلایا گیا۔ لیکن وہ بھی نظامِ حکومت کو نہ سنبھال سکا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر ابن رائق سے خط و کتابت کی اور بغداد میں بُلا کر خلافت کے کل صوبوں کا دفتر خراج سپرد کر کے اس کا لقب امیر الامراء رکھا۔ دفتر وزارت توڑ دیا گیا۔ کل اختیارات ابن رائق کے ہاتھ میں آ گئے۔ سارا مالیہ ابن رائق کے قبضہ میں تھا جس طرح مرضی ہوتی وہ کام میں لاتا اور خلیفہ کو بقدر گزارہ کے رقم دے دیا کرتا۔ مگر خراج کی آمد بند تھی جو کچھ آتا

لہ اخشیدی آل طولون کے موالی میں تھا ۳۲۳ھ میں اپنی حکومت قائم کی جو ۳۵۸ھ تک رہی اس کی اولاد میں سے ابو القاسم انوجور بن اخشید، ابو الحسن علی بن اخشید، ابو المسک کافور مولیٰ اخشید، ابو الفوارس احمد بن علی بن اخشید کے بعد دیگر ملوک ہوئے (جلد ہفتم میں تفصیلی حالات درج ہیں) دائرۃ معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۰۳۔

تھا وہ انتظامِ سلطنت کے لئے ناکافی تھا۔ ابوالفتح جعفر بن فرات شام اور مصر کے خراج کا والی تھا۔ ابن رائق نے اس کو وزارت پر بُلا لیا۔ بغداد پر آیا تو اس پر خلیفہ کی نوازشات بہت تھیں مگر وہ برائے نام خلیفہ کا اور حقیقتاً وزیر ابن رائق کا تھا۔

خلافت اور سیاست میں فرق اس انقلاب نے خلافت کو سیاست سے جُدا کر دیا۔ عملی طور پر خلیفہ سیاست سے قطعی بے تعلق ہو گیا۔ امیر الامراء کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ حتیٰ کہ خطبہ میں بھی امیر الامراء خلیفہ کا شریک بن گیا۔ خلیفہ کی شان صرف دینی رہ گئی۔

واسط پر برید کا اقتدار واسط میں عبداللہ بریدی حکمرانی کر رہا تھا ابن رائق خلیفہ کو لے کر واسط روانہ ہوا۔ اُس نے وقت کے تقاضہ سے تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سالانہ تیس ہزار ماہوار کے حساب سے بارہ اقساط میں دینے کی استدعا کی۔ خلیفہ نے منظور کر کے بغداد کی مراجعت کی۔ مگر بریدی نے چند دینار بھی نہ بھیجے تو رائق نے اس کو وزارت کا لالچ دیا۔ اس نے احمد بن علی کوفی کو اپنی طرف سے بھیج دیا۔ ابن رائق نے خاسرہ ہاتھوں ہاتھ لیا اور بریدی کے بھائی ابو یوسف کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا تو بریدی نے مع فوج کے اس کو بصرہ پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اب اہواز سے بصرہ تک بریدیوں کی حکمرانی قائم ہو گئی تو انہوں نے خود سری اختیار کی۔ رائق نے بجکم دیلمی اور بدر خرشنی کو فوج کے ساتھ بریدیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ بجکم نے سوس پر قبضہ کیا۔ پھر تستر کی طرف متوجہ ہُوا۔ ابو عبداللہ بریدی مع اپنے بھائی کے ۳ لاکھ درہم اور ساز و سامان لے کر کشتی میں سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ راہ میں کشتی بادِ مخالف سے اُلٹ گئی۔ بمشکل ان دونوں بھائیوں کی جان بچی۔ یہ ابلہ اور وہاں سے بصرہ پہنچے۔

اعیانِ اہلِ بصرہ کو درمیان میں ڈال کر ابن رائق سے صلح کرنا چاہی مگر ابن رائق نے منظور نہ کی اور بصرہ پر بجکم نے حملہ کر دیا۔ بریدی نے اہلِ بصرہ کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ فوج رائق شکست کھا گئی۔ رائق خود فوج لے کر آیا اور بجکم کو

بھی جو اہواز پر قابض تھا بلایا۔ لیکن بُریدیوں سے ہزیمت اُٹھا کر واپس گیا۔ بریدی کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے عماد الدولہ بن بویہ (دیالمہ) کو عراق کی طمع دلا کر اپنا بنا لیا۔ اس نے بریدی کے جھانسے میں آکر اپنے بھائی معز الدولہ کے ہمراہ فوج بھیجی۔ اس نے آتے ہی اہواز پر حملہ کیا اور بجکم کو نکال باہر کیا۔ وہ واسط آ گیا۔ مگر بریدی کی چالاکی معز الدولہ پر کھل گئی تو وہ اس سے منحرف ہو گیا۔

بجکم نچلا نہ بیٹھا سوس اور جندیسا پور پر اُس نے قبضہ جمایا۔ اہواز پر بریدیوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ان کو شکست دے کر اہواز پر بھی قبضہ کیا۔ ابن رائق کی بغداد میں قوت ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھی اس سے کٹ گئے۔ بجکم نے بھی اس سے آنکھیں پھیر لیں اور واسط کا خراج بھیجنا بند کر دیا اور خفیہ طور سے ابن مقلہ کے ذریعے خلیفہ سے امیر الامرائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ خلیفہ نے منظور کر لیا۔ چنانچہ بجکم بخوشدلی مع فوج کے بغداد آیا۔ ابن رائق نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گیا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۳۲۶ھ میں بجکم بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے خوش دلی سے اسے امیر الامرائی کا منصب اس کو عطا کیا [1]

ابن رائق نے ایک سال دس ماہ امیر الامرائی کے منصب پر فائز رہنے کے بعد روپوشی اختیار کی۔ ۳۲۷ھ میں ناصر الدولہ بن حمدان نے موصل کا خراج روک دیا۔ بجکم خلیفہ کو ساتھ لے کر اس طرف گیا اور اُس کو مغلوب کر کے رقم وصول کر لی۔

ادھر رائق نے بغداد کو خالی پا کر بغداد کی ایک جماعت کو مطیع کر لیا۔ جب امیر بجکم اور راضی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے دفع شر کے لئے اس کو حرّان، رہا، قنسرین اور عواصم وغیرہ کی گورنری عطا کر دی وہ وہاں چلا گیا۔ راضی اور بجکم بغداد لوٹ آئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۲۔

شام پر رائق کا قبضہ

رائق نے گورنری ہاتھ میں لیتے ہی ۳۲۸ھ میں بدر نائب اخشید کو شکست دے کر شام پر قبضہ کیا اور آہستہ آہستہ عریش تک اپنا دائرۂ حکومت وسیع کر لیا۔ مگر اخشید نے چند دنوں میں یہ زرخیز علاقہ لڑ بھڑ کر واپس لے لیا اور شام پر حملہ آور ہوا۔ مگر ناکام رہ کر واپس چلا گیا۔ اس معرکہ میں اخشید کا بھائی مارا گیا۔ شام پر ابن رائق کا کامل تسلط ہو گیا۔

دولتِ عباسیہ کی تقسیم

ابن رائق امیرالامراء بنایا گیا تو اس وقت خلافتِ عباسیہ کے قبضہ میں صرف بغداد اور اس کے توابعات کے سوا کچھ نہ تھا۔[1] تمام صوبے دوسروں کے قبضہ میں تھے۔ بصرہ پر ابن رائق قابض تھا۔ خوزستان میں ابو علی محمد ابن الیاس کا اقتدار قائم تھا۔ رے اور اصفہان رکن الدولہ ابن بویہ اور دشمگیر بن زیار کے زیرِ نگین تھا۔ موصل، دیار بکر، مضر، ربیعہ پر بنو حمدانی حکمرانی کر رہے تھے۔ مصر اور کچھ علاقہ شام پر اخشید کی فرماں روائی تھی۔ خراسان و ماوراء النہر کی حکومت پر نصر سامانی براج رہا تھا۔ طبرستان و جرجان دیلمیوں کے زیرِ نگین تھے۔ بحرین و عمان پر ابو طاہر قرمطی حکمرانی کر رہا تھا۔ اندلس اور افریقہ کے علاقے پہلے ہی سے دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ بلکہ امیر عبدالرحمٰن شاہِ اندلس نے عباسی خلیفہ کا حشر دیکھ کر اپنا لقب امیرالمؤمنین ناصر لدین اللہ اختیار کر لیا تھا۔[2]

حوادثاتِ قرامطہ

قرمطی نے راضی باللہ کے عہد میں بھی فوج کے دو دستے کوفہ اور واسط کے نواح میں روانہ کئے۔ مگر نتیجہ خیز جنگ نہیں ہوئی۔ قرمطی ثانی اس کے بعد سے برابر احساء بلاد بحرین میں رہنے لگا۔ اور حکمرانی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ۳۳۲ھ روز دوشنبہ ۱۷ رمضان کو اس کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ اس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۹۔

کی پیدائش ۲۹۴ھ میں ہوئی اور جب اُس کا باپ ابوسعید جنابی ۳۰۱ھ میں مارا گیا ہے اس وقت قرمطی کی عمر ۶ سال کی تھی۔

باپ کے مرنے کے بعد اس کی فوج ۹ سال تک بے کار پڑی رہی۔ رمضان ۳۱۰ھ میں ابوطاہر نے اس کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ ۳۱۶ھ میں اُن کا کوفہ پر غلبہ بغلیہ کی وجہ سے ہوا۔

کوفی قرامطۂ بغلیہ کے حالات

قرامطہ بغلیہ کے سرداروں کے نام سعود بن حرث، عیسیٰ بن موسیٰ بن رغت، عبدان بن ربیت ملقب بہ قرمیط معروف بہ ابن ابی السعید ابن الاعمیٰ ابوذر جوہری تھے۔ قبائل بنو ذہل اور بنو رقاعہ کے عوام اسی جماعت کے پیرو ہو گئے تھے۔ سرداران بغلیہ نے اپنی قوت بڑھا کر جنیلا اور تل فخار کے نواح میں قبیلہ بنو ابن نفیس پر حملہ آور ہوئے اور اُن کو شکست دے کر اس کے تمام افراد کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ ہارون بن غریب الخال اور صافی غلام نصر قشوری کا اس جماعت سے مقابلہ ہوا اور اس جماعت کے کچھ لوگ مقتول ہوئے اور کچھ لوگ قید کئے گئے اور کچھ لوگ سلیمان بن حسن سے جب وہ ہیت سے بلد بحرین واپس جا رہا تھا مل گئے۔

اس جماعت کے لوگوں کو سلیمان کے لشکر میں آجمین کہتے تھے۔ کیونکہ ان میں اکثر لوگ آجام یعنی جنگلوں اور کوفہ کے علاقۂ طفوف میں رہا کرتے تھے۔

وقائع قرامطہ

غلام معروف بہ زکری جو بلاد اصفہان کے شاہانِ عجم کی اولاد سے تھا۔ وہ قرمطیوں کے دام میں آگیا۔ وہ ۳۱۶ھ میں قرامطی کے پاس آیا۔ ابوطاہر نے ۳۱۹ھ میں حکومت اُس کے حوالے کر دی۔ تمام قرامطہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔ اس نے عجیب وغریب مراسم اور طریقوں سے لوگوں کو پھانسنا شروع کر دیا۔ ابوطاہر کے بہنوئی ابوحفص ابن زرقان کو اس نے قتل کر دیا جو عقل وعلم وادب میں سب سے زیادہ لائق اور کامل تھا۔ پھر بنو سلیمان

اور سردارانِ لشکر کو قتل کیا جن کی تعداد سات سو تک بیان کی جاتی ہے۔ لشکر میں بُری عادتیں اور قبیح خصلتیں زکری کی وجہ سے پڑ گئیں جن کی مثال جب سے ابوسعید اور اس کی اولاد ان ممالک پر مسلط ہوئی اس قوم کے لشکر میں کبھی دیکھی اور نہ سُنی گئی تھیں۔ زکری کی حرکات سے اس کے متبع بھی بیزار ہو گئے اور انہوں نے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد ابوسعید حسن بن بہرام جنابی ان کا سرگروہ بن گیا۔ وہ بنومسمار سے آکر ملا۔ اُن کو ہمنوا بنا کر قطیف آیا۔ یہاں بنوکلاب کو ہم خیال بنا کہ ابوذکریا بحرانی بھی اُس کا ہم آہنگ ہو گیا۔ مگر ہر دو میں کچھ عرصہ بعد ٹھن گئی۔ ابوسعید نے زکریا کو مار ڈالا۔ پھر اُس نے بحرین وغیرہ پر قبضہ جمایا۔ قطیف میں علی بن مسمار رہتا تھا اس کو بھی تہ تیغ کیا اور پُورا قبضہ و تسلط قطیف پر ابوسعید نے کر لیا۔ اس کے علاوہ قرامطہ کا دوسرا شہر زررہ تھا جہاں خاندانِ حسن بن عوام آباد تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ زرد سے تھا۔

تیسرا شہر صفوان تھا یہاں بنوحفص آباد تھے۔ یہ خاندان عبدالقیس سے تعلق رکھتا تھا۔

چوتھا شہر طہران اور پانچواں احساء یہاں بنوسعد آباد تھے جن کا تعلق قبیلۂ تمیم سے تھا۔

چوتھا شہر طہران اور پانچواں احساء یہاں ہشیم ربعی آباد تھا۔ عریاں کا ذکر علی بن محمد نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ علی بن محمد اپنا انتساب ابوطالب کی طرف کرتا ہے۔ یہ زنج کا رہنے والا تھا۔ بصرہ میں اس کی تحریک کا آغاز ہُوا۔ وہاں جانے سے پہلے جب یہ بحرین کے تمیم کلاب نمیر اور دوسرے قبائل میں اپنی تحریک کی اشاعت کر رہا تھا تو عریاں نے قبائل عبدالقیس بنی عامر بن صعصعہ محارب بن خصفہ بن قلیس بن عیلان وغیرہم کے ساتھ پے در پے حملے کر کے بحرین اور اس کے نواح سے اس کو نکال دیا اور اس کے ساتھ بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

ل التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۶۔

ابوسعید کا قتل اس کی فتنہ انگیزی سے حکومت بہت پریشان ہو گئی تو اُس کی سرکوبی کے لئے بدر مجلبی بھیجا گیا۔ بدر کے ساتھ صقلبی تھے۔ ان میں سے دو شخص ابوسعید قرمطی کے خادم بن گئے۔ انھوں نے حمام میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کا دَورِ فتنہ، ۲۰ برس تک قطیف بحرین (ہجر کے فتح ہو جانے تک) رہا۔[1]

راضی کے عہد سے عباسی خلفاء کی بہت سی خصوصیات ختم ہو گئیں۔ دولت عباسیہ انتہائی انحطاط کی طرف جارہی تھی۔ شورشیں بڑھ رہی تھیں۔ امراء اپنے اقتدار کی خاطر باہمی دست بگریباں تھے۔

راضی کی وفات راضی مرض استسقاء میں مبتلا ہُوا۔ ربیع الاوّل ۳۲۹ھ میں انتقال کر گیا۔ عمر ۳۲ سال کی تھی اور مدّتِ خلافت چھ سال دس مہینے تھی۔

اوصاف راضی باللہ علمی اعتبار سے نہایت لائق و فائق تھا۔ تاریخ، ادب اور شاعری میں صاحبِ کمال تھا۔ اس کا دیوان بھی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ میں اس کی معلومات بڑی وسیع تھیں۔ علماء اور اہلِ کمال کا بہت قدردان تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے ارباب کمال جمع تھے۔ ہر ایک کو اپنی فیاضیوں سے نوازتا رہتا تھا۔[2]

راضی پست ہمت نہ تھا حتی المقدور اپنے اقتدار کو سنبھالے رکھا۔ اُس کے عہد کے اُمراء خود بھی صاحبِ جوہر اور تہور و شجاعت میں یگانہ تھے، مگر راضی کی حسنِ قابلیت تھی کہ بے دست و پا ہوتے ہوئے اُن کو مرہونِ منت بناتا رہا۔ مگر امراء اپنی خود غرضیوں میں مُبتلا تھے۔ ان کی شجاعت و مردانگی باہمی کشمکش میں صَرف ہو رہی تھی۔

راضی نے عباسی دَور کی پُرانی روایات اور خصوصیات کو ابتداء میں قائم رکھا

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۸۶ [2] مروج الذہب جلد ۸ صـ ۳۸۹

اس کا عہد اس بہار کا آخری منظر تھا۔ اس کے آخری عہد سے ہی بہار پر خزاں آگئی۔

فیاضی اور سیر چشمی میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھا۔ اس کے ندیم اور حاشیہ نشین اس کے انعام و اکرام سے مالا مال تھے[1]

خطبہ راضی جمعہ کی نماز خود پڑھاتا تھا اور خطبہ بلیغ پڑھتا تھا۔ ابوالحسن بن نزرقویہ کہتے ہیں کہ اسماعیل خطبی شب عید کو خلیفہ کے پاس گئے۔ راضی نے اُن سے پوچھا کہ کل میں عید کے نماز پڑھانے کے بعد کیا دُعا مانگوں؟ انھوں نے کہا کہ تم یہ آیت قرآن بطورِ دُعا پڑھنا۔

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ۔

ترجمہ: ۔ اے میرے پروردگار! توفیق دیدیجئے مجھے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں"

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

"راضی آخری خلیفہ تھا جس نے فوج کی تنخواہ کے قواعد بنائے"

راضی کے عہد کے علماء نفطویہ۔ ابن مجاہد مقری، ابن کاس حنفی، ابن ابو حاتم میرماں، ابن عبداللہ صاحب العقد، اصطخری شیخ الشافعیہ، ابن شنبوذ، ابوبکر انباری[2]

محدث و فقہاء مکحول نسفی تلمیذ ابی سلیمان فقیہ و محدث تھے، ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمد علامہ الطحاوی۔ فقیہ و محدث مشہور و معروف ہیں سمع حدیث

---

[1] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۳۸۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹۔

محمد بن سلامہ و یونس بن عبدالاعلیٰ و بحر بن نصر وغیرہ سے کی۔ اس سے روایت الطبرانی و ابوبکر المقری نے کی۔ آپ سے ابوبکر محمد بن منصور و اصفانی نے فقہ حاصل کی۔

معانی الآثار۔ مشکل الآثار۔ احکام القرآن۔ مختصر الطحاوی، شروح جامع کبیر و صغیر، کتاب الشروط۔ کتاب السجلات و الوصایا و الفرائض وغیرہ تصانیف و تالیف سے ہیں۔ وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی [۱]

محمد بن محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی مشائخ کرام سے تھے۔
تصحیح عقائد و رد اہل الاہواء والبدعۃ میں تصانیف کثیرہ ہیں ۳۳۳ھ میں وصال ہوا [۲]

فلسفی ابو بشر متی بن یونس منطق و فلسفہ کا عالم تھا۔ راضی باللہ کے عہد میں بغداد میں علوم فلسفہ کی اشاعت کی۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ۳۲۶ھ میں فوت ہوا [۳]

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹ [۲] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۵۵ [۳] طبقات الاطباء اصفحہ ۲۲۵، القفطی صفحہ ۲۱۲۔

خلیفہ متقی باللہ

نام ولقب ابواسحاق ابراہیم متقی باللہ بن مقتدر بن معتضد ام ولد مسماۃ خلوب یا زہرہ کے بطن سے تھا۔

خلافت راضی کی وفات کے بعد انتخابِ خلافت صرف امیر الامراء کے حکم کے انتظار میں چند دن معرضِ التوا میں رہا۔ جب واسط سے امیر بجکم کا منشی ابوعبداللہ کوفی یہ حکم لے کر آیا کہ اراکینِ سلطنت قاضی و فقہاء رؤسائے بغداد آل عباس۔ علوئین اور راضی کا وزیر سلیمان بن حسن وغیرہ جمع ہو کر خلیفہ منتخب کرلیں۔ چنانچہ انھوں نے جمع ہو کر ابواسحاق بن مقتدر کے ہاتھ پر ۳۲۹ھ میں بیعت کر لی[1] عمر اس وقت ۳۴ سال کی تھی۔ متقی باللہ کے لقب سے ملقب کئے گئے۔

تعلیم وتربیت شاہی خاندان میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اتقاء و زہد اسلاف سے ورثہ میں پایا تھا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

"بہت زیادہ روزے رکھنے والا اور عبادت کرنے والا تھا" [2]

بجکم کا قتل ۳۲۹ھ میں خوزستان میں ابوعبداللہ بریدی نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ بجکم نے اس کی سرکوبی کو فوج روانہ کی۔ بریدی مقابل آیا اور شکست کھا گیا۔ بجکم خوزستان روانہ ہوا۔ راہ میں دولت مند قافلہ پڑاؤ کئے تھا۔ نیت بگڑ گئی۔ اس پر ہاتھ صاف کیا۔ مگر ایک کردی بچے نے اچانک

---

[1] تاریخ الخلفاء صـ۲۰۹ [2] کتاب تجارب الامم جزو سادس صـ۲۔

بجکم کی کمر میں خنجر بھونک دیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ دو سال امیر الامرائی کی۔ تمام مال تقریباً ایک کروڑ دینار کا بحقِ حکومت ضبط ہوا۔

متقی نے عنانِ حکومت نئے سر سے اپنے ہاتھ میں لی۔ کیونکہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ برائے نام نظم و نسقِ سلطنت عبداللہ احمد بن علی کوفی کاتب بجکم کے ہاتھ میں تھا اور وہی سیاہ و سپید کے مالک بنے ہوئے تھے۔ مگر بجکم کے مرتے ہی اس کی کمان اُتر گئی۔ اس کی جگہ کو رنگین دیلمی امیر الامراء بنایا گیا۔ مگر امیر رائق کو اس کا عروج ناگوار ہوا۔ حملہ آور ہوا۔ یہ مقابل آیا اور شکست کھا کر روپوش ہو گیا۔ پھر ابن رائق امیر الامراء ہو گیا۔ بریدی نے بغداد پر لشکر کشی بجکم کے مرتے ہی کی تھی اور جبریہ متقی سے پانچ ہزار دینار بھی فوج کے لئے لئے تھے۔ مگر فوج کو ایک حبہ نہ دیا۔ اس پر فوج بگڑ گئی۔ جان بچا کر واسطہ چلا گیا۔

گنبد خضرا

۳۲۹ھ میں گنبد خضرا جو منصور نے بنایا تھا رعد و باراں کی زیادتی سے گر پڑا۔ یہ گنبد تاج بغداد سمجھا جاتا تھا۔ اَسّی گز اُونچا تھا اس کے نیچے ایک ایوان بیس گز مربع کا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک سوار کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جس طرف سے کوئی دشمن آنے والا ہوتا تھا اس طرف اس کا منہ پھر جایا کرتا تھا[2]

بریدی کا خروج

۳۳۰ھ میں ابوالحسین علی بن محمد بریدی نے بیشتر قوتوں کو یکجا کر کے بغداد پر حملہ کیا۔ خلیفہ اور رائق دونوں اس کے مقابل آئے مگر شکست اُٹھا کر موصل ہر دو چل دیئے۔ بریدی نے بغداد میں داخل ہو کر خوب لوٹ مچائی۔ پر رونق شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ خلیفہ تکریت پہنچا۔ اپنے بیٹے المنصور کو اور رائق کو استمداد کے لئے موصل بھیجا۔ وہاں سیف الدولہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان والی تھا۔ وہ تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ جب یہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۱

دونوں واپس ہوئے متقی کو قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد ابن حمدان کو خلیفہ نے ناصر الدولہ کا خطاب دیا اور اس کے بھائی کو منصب امیر الامراء پر فائز کیا اور سیف الدولہ کا خطاب دیا اور اس کو موصل کا تاج و تخت سپرد کیا۔ پھر ان کو بغداد لایا۔ بریدی کو خبر لگی وہ روپوش ہو گیا۔ اور واسط چلا گیا اور وہاں سے فوج لے کر بغداد پر پھر حملہ کرنے چلا۔ اہل بغداد میں سخت انتشار پیدا ہو گیا۔ معززین شہر بھاگنے لگے۔ خلیفہ متقی اور ناصر الدولہ ساتھ مقابلہ کے لئے نکلے اور سیف الدولہ نے بڑھ کر بریدی کو "مدبرین" پر آگھیرا اور اس قدر پٹائی کی کہ واسط لوٹ گیا۔ مگر سیف الدولہ نے وہاں بھی پہنچ کر خبر لی۔ آخر ش بصرہ جا کر دم لیا۔ سیف الدولہ کامرانی سے واپس آیا۔

رومی حملہ ۳۳۱ھ میں اہل روم نے ارزان پر ہر طرف سے حملے کئے اور باشندوں کو خاک و خون میں ملایا۔ وہاں کے گرجا میں ایک رومال تھا جس کی نسبت عیسائیوں کا گمان تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا روئے مبارک اس سے پونچھا تھا اور آپ کی شبیہ مبارک اس میں منقش ہو گئی تھی۔ عیسائیوں نے اس رومال کو منگوایا۔ مگر شرط یہ تھی کہ تمام قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ مسلمان قیدی آزاد کئے گئے اور رومال عیسائیوں کو دیدیا گیا۔

آذربائیجان پر روسی حملہ ۳۳۲ھ میں اس کے غارت گروں نے بحری راستہ سے اطراف آذربائیجان پر حملہ کر کے برذعہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر آذربائیجان نے ان کو مار پیٹ کر نکال باہر کیا۔

توزون کا اقتدار سیف الدولہ اور بریدی میں پھر چل گئی۔ بھائی کی معاونت کے لئے ناصر الدولہ ۱۳ ماہ امیر الامرائی کر کے موصل گیا۔ بغداد پر امیر توزون واسط سے آکودا[1] متقی نے باجبر و اکراہ اسکی آؤ بھگت

---

[1] کتاب تجارب الامم جز سادس ص۸۵۔

کی اور خلعت امیر الامرائی عطا کیا۔ توزن خفیف الحرکات تھا۔ متقی سے پیچ گئی۔ توزون نے ابوجعفر بن شیرزاد کو واسطے سے بغداد بلا بھیجا۔ اوس نے آ کر بغداد کو اپنے تحت و تصرف میں کر لیا۔

متقی نے یہ رنگ دیکھ کر موصل ابن حمدون کو لکھا۔ وہ کثیر لشکر سے بغداد پہنچا۔ ابوجعفر روپوش ہوا۔ متقی اپنے اہل و عیال کو لے کر تکریت تشریف لے گئے۔ ادھر ناصر الدولہ غزنیوں اور کردوں کو ایک عظیم لشکر لے کر توزون سے مقام مکبر پر قوت آزما ہوئے۔ ناصر الدولہ ابن حمدان کو منہ کی کھانا پڑی اور متقی کو تکریت سے لے کر موصل بھاگ گئے۔ امیر توزون نے پھر راہ میں اس کو آ گھیرا۔ خلیفہ اور ابن حمدان نے مقابلہ کیا۔ مگر پھر انہیں شکست ہو گئی۔

خلیفہ نے اب کوئی چارہ نہ دیکھا تو اخشید والیٔ مصر کو اپنی مدد کے لئے بلا بھیجا۔ اس حرکت سے ناصر الدولہ کو اُن سے عناد پیدا ہو گیا تو خلیفہ نے خفیہ طور پر توزون سے صلح کا نامہ و پیام جاری کر دیا۔ اُس نے مان لیا اور ۳۶ لاکھ درہم لے کر عہد و پیمان و حلف ہو گیا۔ ادھر اخشید خلیفہ کی مدد کے لئے آیا۔ رقہ میں ملاقات ہوئی۔ اخشید نے متقی سے عرض کیا۔

"امیر المومنین میں آپ کا غلام اور غلام کا بیٹا ہوں۔ ترکوں کی شرارت اور عذاب آپ کو معلوم ہو چکے۔ بہتر ہو آپ میرے ساتھ مصر چلے چلئے اور اس پر حکومت کیجئے اور امن سے بیٹھ جائیے۔"[1]

لیکن متقی کو بغداد پہنچنے کی پڑی ہوئی تھی۔ اخشید کبیدہ خاطر ہو کر مصر لوٹ آیا۔ ۴ محرم ۳۳۳ھ کو متقی رقہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ توزون اس کے استقبال کے لئے آیا۔ انبار اور نوہیت کے درمیان ملنا ہوا تو توزون نے بڑے احترام سے خلیفہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک خیمہ میں آتار دیا۔

---

[1] الفخری صفحہ ۲۵۹۔

متقی آرام و اطمینان سے ٹھہرا ہوا تھا کہ علی بن مفلح معہ ساتھیوں کے آیا اور متقی کی آنکھیں نکلوا لیں اور اس کو بغداد بھیج دیا۔ امیر توزون بھی بغداد پہنچا اور عبداللہ بن مکتفی کی مکتفی باللہ کے لقب سے بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۲۰ محرم ۳۳۳ھ کا ہے۔ پھر متقی کو جزیرہ میں قید کر دیا۔[1]

وفات

متقی نے بحالتِ قید ۳۵۷ھ میں بعمر ۶۰ سال وفات پائی۔ کل مدتِ خلافت چار سال ہے۔

اوصاف

متقی میں جہاں بانی کا کوئی وصف نہ تھا۔ اس کے دورِ خلافت میں جنگ و جدال اور فتنہ و فساد ہوتے رہے۔ غرضیکہ نظام حکومت درہم برہم ہو کر رہ گیا۔[2]

البتہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے متقی میں خوبیاں بہت تھیں خطیب کا بیان ہے کہ :۔

"وہ اپنے پیشرو خلفاء کے بہت سے افعال و اعمال سے محترز رہا۔ نبیذ کبھی نہیں پی[3]
ہر وقت قرآن شریف تلاوت کرتا رہتا اور کہا کرتا تھا کہ میرا اس سے بڑھ کر کوئی رفیق و ندیم نہیں ہے اور اپنی کنیزوں کو منہ نہیں لگایا"۔[4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱ و ابن اثیر جلد ۸ ص۱۳۶ [2] الفخری صفحہ ۲۵۶۔
[3] تاریخ خطیب جلد ۶ ص۵۲ [4] تاریخ الخلفاء ص۲۱۱ ۔

متقی کے عہد کے علماء وفقراء ابو یعقوب النہر جوری، خلیفہ جنید بغدادی قاضی ابو عبداللہ الحاملی، ابوبکر الفرغانی صوفی حافظ ابوالعباس بن عقدہ ابن ولاد النحوی [1] احمد بن عصمہ صفار البلخی، متوفی سنہ ۳۳۶ھ۔

محدث وفقہاء محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ المعروف بحاکم الشہید فقیہ، متبحر، حافظ الحدیث، ابو عبداللہ حاکم صاحب مستدرک، آپ سے تلمذ رکھتے تھے۔ کتاب منتقی وکافی ومختصر حاکم آپ سے معروف ہیں۔ سنہ ۳۳۴ھ میں انتقال کیا۔

احمد بن سہل ابو حامد سمرقندی، شاگرد محمد بن الفضل سمرقندی سنہ ۳۴۰ھ میں فوت ہوئے مختصر کرخی وشرح جامع صغیر وکبیر یادگار سے ہیں [2]

مفسر شیخ ابوبکر محمد بن عزیز السجستانی علوم قرآن میں متبحر کا درجہ تھا۔ "الفرید"، تفسیر القرآن لکھی۔ سنہ ۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱

[2] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری ص ۵۶

خلیفہ مستکفی باللہ

نام ولقب ابوالقاسم عبداللہ مستکفی بن مکتفی بن معتضد ام ولد موسومہ املح الناس کے بطن سے ۲۹۲ھ میں پیدا ہوا۔

خلافت بعد خلع خلافت متقی ۳۳۳ھ میں توزون نے ابوالقاسم عبداللہ کو مستکفی باللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنایا۔ عمر ۴۱ سال کی تھی[1]۔ اس مشورہ میں ایک عورت قہرمانہ شریک تھی۔ مستکفی نے اس کو اپنے خزانے کا سیکرٹری بنالیا اور اس کا نام علم رکھا۔

وزارت ابوالفرج محمد بن علی سامری کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔

امیر الامراء توزون ہی خود منصب امیر الامرائی پر برقرار رہا۔ اس کو خلیفہ نے خلعت اور تاج پہنایا۔

سیف الدولہ کا اقتدار ۳۳۳ھ میں سیف الدولہ نے اپنی حکمرانی کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے حلب پر حملہ کیا اور اس کو قبضہ میں لے آیا۔ اس کے بعد حمص پر بھی متصرف ہوگیا۔ ان دونوں ملکوں کے انتظام سے فراغت پاکر دمشق کا محاصرہ کیا لیکن اخشیدی والیٔ مصر نے اس سے قنسرین میں مقابلہ کیا۔ سیف الدولہ کو جزیرہ کا رُخ کرنا پڑا۔ اخشید کامیابی حاصل کر کے دمشق واپس آگیا۔

رومی اس اثناء میں رومیوں نے شورش مچائی اور اسلامی سرحد میں داخل ہو کر حلب تک پہنچ گئے۔ لیکن سیف الدولہ کی بہادر فوج نے رومیوں کو

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱۔

شکست فاش دی۔

ابوالحسن بریدی کا قتل عبداللہ بریدی کے انتقال ۳۳۳ھ کے بعد اس کا بھائی ابوالحسن جانشین ہوا تھا۔ فوج نے اس سے باغی ہو کر اس کے برادر زادہ ابوالقاسم کو اپنا امیر بنا لیا۔ ابوالحسن نے امیر قرامطہ سے مدد لے کر برسر اقتدار ہونا چاہا مگر ناکام رہا۔ بغداد آ کر توزون کو رقم دے کر بصرہ کی حکومت لینا چاہی۔ ابوالقاسم نے زیادہ رقم پیش کی، ابوالحسن ناکام ہوا۔ آخر ابن شیرزاد نے توزون سے کہہ کر ابوالحسن کو گرفتار کر لیا۔ قرامطہ سے تعلق رکھنے کی بنا پر قتل کیا گیا۔[1]

وفات امیر توزون دو سال چار ماہ انیس دن توزون امیر الامرائی کر کے ۳۳۴ھ میں فوت ہوا۔ اس کا رفیق کار زیرک بن شیرزاد مقام ہیت میں مقیم تھا۔ جب توزون کے مرنے کی خبر لگی وہ فوج لے کر بغداد پر چڑھ دوڑا۔ یہاں کی فوج نے اس کا خیر مقدم کیا اور متفقہ اس کو منصب امارت کے لئے پسند کیا۔ خلیفہ نے بمجبوری اس انتخاب کو قائم رکھا۔

معزالدولہ احمد بن بویہ معزالدولہ کی امیر الامراء بننے کی دیرینہ تمنا تھی۔ مگر امیر توزون کی شجاعانہ سرگرمی سے مقابل آتے ڈرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد فوج لے کر بغداد پر آدھمکا۔ مستکفی اور شیرزاد کو معلوم ہوا پہلے روپوش ہونا چاہا۔ خلیفہ مستکفی نے موقعہ کی نزاکت کا لحاظ کر کے معزالدولہ کا خیر مقدم کیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا اور دربار میں معزالدولہ کا لقب عطا کیا اور عہدہ امیر الامرائی پر تقرر فرمایا اور مزید دلجوئی کے لئے اس کے بھائی علی کو عمادالدولہ اور حسن کو رکن الدولہ کے خطابات سے سرفراز کیا۔[2]

۳۳۴ھ میں سکوں پر بھی ان کے نام کندہ کرائے۔ اس کے بعد بنی بویہ کا

---

[1] تجارب الامم جلد ۶ صفحہ ۷۹ [2] ایضاً صفحہ ۸۵۔

اقتدار بڑھتا گیا۔ اس نے کچھ عرصہ بعد نظامِ حکومت پر قبضہ جمایا۔ اب دولتِ عباسیہ گویا بنی بویہ کی گردشِ چشم وابرو کی محتاج بن گئی۔ کچھ دن بعد شیرزاد ظاہر ہوا۔ اُس کو معزالدولہ نے حاکم خراج کر دیا۔

خلیفہ کا وظیفہ

معزالدولہ نے مستکفی کے حقوق واختیارات سلب کرکے اس کے گزارے کے لئے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی۔ صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا یا بعض احکام وفرامین رسمًا اس کے نام سے جاری ہوتے تھے اور تختِ خلافت پر خلیفہ کے پہلو میں معزالدولہ بیٹھا کرتا تھا۔

سیاسی حالت

بنی بویہ شیعہ تھے ان کو بنی عباس سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور نہ اُن کے دلوں میں خلفاء کا احترام تھا۔ ترک مستبد تھے مگر خلفاء کا احترام کرتے تھے۔ دیالمہ کی تولیتِ خلافت سے خلفاء بنی عباس کا رہا سہا اقتدار ختم ہو گیا۔ خلیفہ کے ساتھ کوئی طاقت نہ تھی جس کے بھروسہ پر وہ اقتدار کو بحال کرتا۔ ترک دیالمہ سے گٹھ گئے تھے۔ مستکفی دن کاٹ رہا تھا۔ ایک سال چند ماہ خلافت کے منصب پر بیٹھے گزر رہے تھے۔

مستکفی کی معزولی

معزالدولہ کو یہ وہم سوار ہوا کہ مستکفی مجھ کو قتل کرا دے گا۔ اور قہرمانہ علم خلیفہ کی ہمراز ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے دو نقیبوں کو بھیج کر قہرمانہ کی زبان کٹوائی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور مستکفی کو تخت سے اُتار کر معزالدولہ کے دربار میں لے جا کر اُس کو معزولی کا حکم سُنایا[1] اور ۳۳۴ھ میں اس کو قید کر دیا اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں۔ بحالتِ قید مستکفی نے ۳۳۸ھ میں وفات[2] پائی۔ ۴۶ سال زندہ رہا۔ کل مدت خلافت ایک سال چار ماہ ہے[3]۔

علماء

قدامہ، اس کے اسلاف نصرانی تھے۔ مگر علمائے اسلام کی صحبت سے مشرف باسلام ہوا اور علوم وفنون میں بڑا درک حاصل کیا۔ ۹۲۸ء عہد مستکفی میں مالگذاری کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صـ ۱۶۴ [2] تاریخ الخلفاء صـ ۲۷۶ [3] ابن اثیر جلد ۸ صـ ۴۰۶۔

محاسب مقرر ہوا۔ اس نے کتاب الخراج لکھی جس میں خلافت بنی عباسیہ کے صوبجات کی تقسیم کی۔ سالانہ آمدنی اور نظام رسل و رسائل پر بحث کی ہے ۳۴۰ھ/۹۵۰ء میں فوت ہوا۔

ابوالوفا البوزجانی الحاسب خلیفہ مستکفی اور مطیع کے عہد کا ماہر ہیئت تھا۔ اس نے حجاج بن یوسف بن مطر (متوفی ۲۳۳ھ) جس نے اقلیدس اور مجسطی کا ترجمہ کیا تھا اُس میں کچھ نقائص تھے تو ابوالوفا نے اس کی تصحیح کی اور زیج الواضح اور کتاب الہندسہ تصنیف کی۔ اس کا بڑا کارنامہ مثلثات کی تحقیقات ہے۔ مماس، مماس التمام قاطع، قاطع التمام کو زیادہ رواج دیا اور اس کے لئے ضابطے دریافت کئے۔ ریاضی میں اس کا پایہ مسلم ہے ۳۲۸ھ/۹۴۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں عہد قادر میں انتقال ہوا۔

ابوبکر احمد بن محمد معروف جصاص رازی یگانۂ روزگار سے تھے۔ احکام القرآن آپ کی تالیف ہے۔ ۳۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ ابومحمد عبداللہ بن عطیہ وطن دمشق تھا۔ اُن کی تفسیر ابن عطیہ قدیم کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۸۳ھ میں انتقال کیا۔

علامہ خطابی علوم قرآن کا ماہر تھا۔ اس نے اعجاز القرآن معرکہ کی کتاب لکھی۔ ۳۸۸ھ میں فوت ہوا[1]۔

ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن عبداللہ الرمانی اخشیدی اور وتراق سے مشہور تھے لیکن زیادہ تر رمانی ہی کہے جاتے تھے۔ مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ بہت متکلم تھے۔ ۲۷۹ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۸۴ھ میں وفات پائی۔

---

[1] ابوداؤد کی مشہور شرح معالم السنن انہی کی تصنیف ہے۔

خلیفہ مطیع اللہ

نام ولقب ابوالقاسم فضل مطیع اللہ بن مقتدر بن معتضد باللہ عباسی ام ولد مشعلہ صقلبی کے بطن سے ۳۰۱ھ میں پیدا ہوا[1]

خلافت مستکفی کی معزولی کے بعد ۲۲ رجمادی الآخر ۳۳۴ھ میں ابوالقاسم فضل کو مطیع اللہ کا لقب دے کر نام نہاد تختِ خلافت پر بٹھایا[2] مستکفی نے بھی بجبر بیعت کی اور معزولی کا اقرار کیا۔ معزالدولہ کسی علوی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کے ندیم شیعوں نے مخالفت کی کہ بنی فاطمہ کو خلیفہ بنا کر خود اپنے اقتدار کا خاتمہ اپنے ہاتھوں کرنا ہے۔ یہ بنی عباس آپ کے قابو میں رہیں گے چاہے قتل کرو مگر بنو فاطمہ کو خلیفہ بنا کر عقیدت کے اعتبار سے اُن کا کچھ نہیں کر سکتے[2]

وفاتِ اخشید ۳۳۴ھ میں اخشید نے دمشق میں وفات پائی۔ اس کا چھوٹا بیٹا نوجور اس کی جگہ پر فائز ہوا۔ مگر صغر سنی کی وجہ سے تمام کاروبار کو حبشی غلام کافور نے سنبھال لیا۔ سیف الدولہ نے اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ مگر کافور نے قوتِ مردانگی سے سیف الدولہ سے دمشق کو واپس لے لیا۔

حجرِ اسود مطیع کی خلافت کو پانچ سال ہوئے تھے کہ ذوالحجہ ۳۳۹ھ میں قرامطہ نے حجر اسود واپس کر دیا جو بیت الحرام میں اپنی جگہ نصب کر دیا گیا[4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۷ [2] تجارب الامم جلد ۲ ص ۸۵ [3] ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۲۹
[4] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۹۱ ۔

خلیفہ کے اقتدار کا خاتمہ

خلافت عباسیہ اگرچہ معزالدولہ کے اقتدار سے پہلے اپنی ساکھ کھو چکی تھی۔ مگر معزالدولہ نے رہی سہی آبرو کا خاتمہ کر دیا۔ معزالدولہ غالی شیعہ تھا اور مجوسی النسل، اس نے خلیفہ کو اس قدر بیکار بنا دیا کہ خلیفہ کے پاس اس کے مال و اسباب کی نگرانی کے لئے ایک منشی کے سوا کوئی بھی خادم نہ رہا تھا۔ معزالدولہ نے عراق کے علاقے اپنی فوج کے امراء میں تقسیم کر دیئے۔ ان لوگوں نے مالیانہ کی وصولی کے سلسلہ میں بے حد ظلم کاشت کاروں پر توڑے کہ وہ گھر بار چھوڑ گئے۔ ادھر فوج میں عموماً دیالمہ تھے اُن سے اور ترکوں سے چل گئی اور لوٹ مار ہونے لگی۔ تجارتی قافلوں کا آنا جانا بند ہو گیا۔ بغداد میں غلہ تک اس قدر گراں ہو گیا کہ باشندے مردار خور ہو گئے۔

ترویج شیعیت

معزالدولہ نے اپنی شیعیت کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ عید غدیر منائی گئی۔ محرم میں عورتیں بالوں کو کھول کر نوحہ کرنے نکلتیں۔ اس سے بھی بڑھ کر تبرا بازی تھی[1] اس کی تفصیل دولتِ دیالمہ میں لکھی جا چکی ہے۔ غرضیکہ شیعہ سنیوں میں ٹھن گئی اور چاروں طرف سے معزالدولہ پر یورش ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مُلک میں سخت ابتری پھیل گئی۔

موصل کے رئیس ناصرالدولہ نے اس فتنہ کا خاتمہ کرنا چاہا اور مُلک کو معزالدولہ کے ظلم سے نکالنا چاہا۔ بریدی امیر بصرہ بحرین کا قرمطی جو معزالدولہ کا دشمن تھا اُس سے جا کر ہجر میں ملا۔ قرمطی امیر عمان کے ساتھ بصرہ پر حملہ آور ہُوئے۔ معزالدولہ سے سخت جنگ ہوئی۔ یہ آپس میں دست بہ گریبان تھے۔ واسط اور بصرہ کے درمیان مقام بطیحہ میں عمران بن شاہین حوصلہ مند امیر تھا اس نے موقعہ موافق جان کر خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ معزالدولہ کی فوجیں اس کے مقابل ہوئیں تو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ آخرش معزالدولہ ابن شاہین کے سامنے عاجز ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۹۔

ابن شاہین ابن شاہین نے ۳۲۹ھ میں اپنی حکومت قائم کی جو ۴۰۸ھ تک قائم رہی[1]

الغرض معزالدولہ کا سارا عہد بغداد میں ظلم وستم کا عہد تھا۔
۳۳۸ھ میں اس کا بھائی عمادالدولہ اصطخر میں مرگیا۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ اپنے بھتیجا فناخسرو پسر رکن الدولہ کو جانشین کر گیا جو فارس کا بادشاہ ہوا اور اس کا لقب عضدالدولہ تھا۔ معزالدولہ ۱۲ ربیع الاول ۳۵۶ھ میں مر گیا[2] اس کا بیٹا بختیار (عزالدولہ) جانشین ہوا۔ یہ شرابی، کبابی اور متعہ کے شوق میں دن رات لگا رہتا تھا۔ اس کے وزیر ابوالفضل عباس بن حسین اور محمد بن عباس تھے جو اس کے نازیبا طریقۂ عمل سے برگشتہ ہوگئے۔ اس سنہ میں ناصرالدولہ حمدانی والی موصل کو اس کی اولاد نے قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا ابوتغلب رئیس ہوا۔ بختیار نے ۱۲ لاکھ درہم سالانہ خراج اس پر لگا دیا۔

مصر میں فاطمی خلافت ۳۵۶ھ میں کافور نے انتقال کیا۔ چنانچہ معزالدین فاطمی تاک میں تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار جوہر صقلی کو فوج دے کر مصر بھیجا۔ اس نے ۳۶۱ھ میں فاطمی خلافت کا جھنڈا مصر پر لہرایا۔ تفصیلی حالات بنو فاطمہ کے جلد ہفتم میں تحریر ہوں گے۔
رکن الدولہ اور دشمگیر دست بہ گریبان ہوئے۔ آخر ش ۳۵۷ھ میں دشمگیر فوت ہوا تو اس کا بیٹا "بے ستون" تخت نشین ہوا۔ اس سے بھی رکن الدولہ جنگ کرتا رہا۔

---

[1] امرائے حکومت شاہین:۔ عمران بن شاہین (۳۶۹ھ) حسن بن عمران (۳۷۲ھ) ابوالفرج بن عمران (۳۷۳ھ) ابوالمعالی بن حسن (۳۷۳ھ) منظفر وزیر (۳۷۶ھ)۔ مہذب الدولہ ابوالحسن (۴۰۸ھ) ابن مہذب الدولہ (۴۰۸ھ) عبداللہ ابنی سنی (۴۰۸ھ)۔

[2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۹۴۔

رُومیوں کے حملے سرحد پر قیصرِ روم نے حملہ کر دیا۔ خلیفہ کو معطل بنا دیا گیا تھا۔ رومیوں کو جواب کون دیتا۔ معزالدولہ یا عزالدولہ کو عیش و عشرت اور ظلم و ستم سے اور ترویج سئیات سے فرصت کہاں تھی کہ اس طرف توجہ کرتے۔ سیف الدولہ حمدانی میں اسلامی جرأت تھی وہ رومیوں کے مقابل آیا۔ مگر ہر موقعہ پر رومی بڑھتے گئے اور ہزارہا مسلمان قتل ہُوئے۔ مسجدیں مسمار کی گئیں۔ ہزارہا بچے قید کر لئے گئے۔ سروج۔ میّا فارقین دیار ربیعہ تباہ کئے۔ پھر بحری راستہ سے طرطوس پر رومیوں نے حملہ کر کے آگ لگا دی۔ ۱۸ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ ۳۴۸ھ میں رہا کو لوٹ لیا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کر کے چلتے ہُوئے۔

۳۴۹ھ میں سیف الدولہ انتقام لینے کے لئے اُن کے مُلک میں بڑھتا چلا گیا۔ رومیوں نے پیچھے سے آ کر گھیر لیا۔ کل فوج اسلامی ہلاک ہوئی۔ صرف تین سو نفوس سیف الدولہ کے ساتھ بچ رہے۔

۳۵۰ھ میں انطاکیہ کے مطوّعین کی ایک جماعت روم کی طرف بڑھی۔ لیکن رومیوں نے اُن کو گھیر کر ایک حصّہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دوسرے حصّہ کو پکڑ کر لے گئے۔

دمستق کے مظالم ۳۵۱ھ میں دمستق (نیکوفورس) سپہ سالار قیصر ارمانوس عین زربہ کی طرف حملہ آور ہُوا۔ اس نے ۴۰ قلعہ فتح کر لئے۔ لاکھوں مسلمان بے خانماں ہو گئے۔ اس کے بعد وہ حلب کی طرف متوجّہ ہُوا۔ والی حلب سیف الدولہ مقابلہ پر آیا مگر اُس کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ سیف الدولہ کے اقرباء اس جنگ میں کام آئے۔ دمستق نے سیف الدولہ کا مال و متاع لوٹ لیا اور اس کے محل کو منہدم کرا دیا۔ دو روز شہر میں لُوٹ رہی۔ بقیہ مال کو نذرِ آتش کر دیا۔ اس کے علاوہ دمستق ظالم بارہ ہزار مسلمان بچوں کو پکڑ کر لے گیا۔ یہ سب مصائب مسلمانوں پر ہو رہے تھے۔ معزالدولہ، عزالدولہ کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ ۳۵۳ھ میں دمستق نے مصیصہ کا محاصرہ کیا۔ مسلمان

رضاکار سیف الدولہ کی کمان میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی مدد کے لئے پانچ ہزار خراسانی آ گئے مگر رومی چلتے بنے اور طرطوس کو جا لیا۔ تین ماہ محاصرہ کیا۔ اُن میں وباء پھیلی، ہزارہا رومی مر گئے۔ دمستق یہ رنگ دیکھ کر پیچھے بھاگا۔

قیصر نے ۳۵۴ھ میں مصیصہ کو فتح کر لیا۔ صدہا مسلمان تہ تیغ کر ڈالے گئے۔ د... [illegible] ...انوں کو قید کر کے لے گیا۔ پھر طرطوس کا گھیرا ڈال دیا۔ شہر کے لوگ امان کے طالب ہوئے۔ شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ حکم دیا جو شخص جس قدر مال اُٹھا سکے لے کر یہاں سے نکل جائے۔ چنانچہ ہزارہا مسلمان انطاکیہ چلے گئے۔ جامع مسجد کو منہدم کر دیا اور اس میں گھوڑے باندھے گئے اور مسلمانوں کو جبرًا عیسائی بنا لیا۔ مگر امراء سے حمیتِ اسلامی رخصت ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی مدد کرتے۔ صرف سیف الدولہ تھا جو رومیوں کے مقابل آ جمتا تھا۔

سیف الدولہ

اس زمانہ میں سیف الدولہؒ نے انتقال کیا۔ مسلمانوں کا رہا سہا سہارا سیف الدین کی موت سے جاتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد قیصر روم نے حلب پر قبضہ کر لیا۔

حملہ قیصر

۳۵ھ میں قیصر شام میں آیا۔ طرابلس کو جلا کر خاک کر دیا۔ قلعہ عرقہ کو تسخیر کیا۔ پھر حمص میں پہنچ کر آگ لگا دی اور جس قدر ساحلی آبادیاں تھیں اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان بچے پکڑے گیا۔ بوڑھے نکال دیئے گئے۔ جوان تہ تیغ کر دیئے گئے۔ ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ رومی نصرانیوں نے اس موقعہ پر اُٹھا نہ رکھا۔ ان دست درازیوں سے عالم اسلامی میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

امام ابو بکر محمد بن اسمٰعیل بن قفال مروزی شافعی سر بکف ۲۰ ہزار مجاہدین کو لے کر قیصر کے مقابلے کو نکلے۔ راستہ بلادِ جبل میں سے گزرتا تھا۔ رکن الدولہ شیعی دیلمی نے ازراہِ عداوت ان کو جبرًا روک دیا۔ قیصر کو پتہ لگا تو اُس نے ۳۵۹ھ میں انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ باشندوں کو قتل کیا۔ بیس ہزار لڑکے لڑکیوں کو اسیر کر لیا۔

اس کے بعد حلب کی طرف رومی آئے۔ سیف الدولہ کا غلام قرعویہ حاکم تھا۔ اسکے ساتھ ابوالمعالی شریف ابن سیف الدولہ جنگ میں مشغول تھا۔ وہ رومیوں کی یلغار سے بیابان کی طرف چلتا ہوا۔ قرعویہ نے کچھ رقم دے کر رومیوں سے صلح کرلی[1]

رومی کامیاب ہوکر رہا گئے، اس کو دوبارہ لوٹا۔ پھر جزیرہ میں نصیبین کی طرف آئے اور قتل وغارت کا بازار گرم کیا اور دیار بکر کو بھی لگے ہاتھوں تباہ کر ڈالا۔ یہاں کے باشندے بغداد میں فریاد لے کر پہنچے۔ مسجد جامع میں رومیوں کے مظالم بیان کئے۔ بختیار شکار کھیلنے گیا تھا۔ اعیانِ سلطنت شکار گاہ گئے۔ بختیار سے کہا سُنا اُس نے امداد کا وعدہ کیا۔ امیر سبکتگین حاجب کو بغداد بھیجا کہ جہاد کا اعلان کرے۔ ابوتغلب والی موصل کو تحریر کیا کہ تم رسد اور اسلحہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ اُس نے خوشدلی سے سامان فراہم کیا۔ شکار سے بختیار بغداد لوٹا۔ خلیفہ مطیع سے مالی مدد مانگی۔ اُس نے کہا۔

"جو شخص ممالک سے خراج وصول کرتا ہے اُس کے اوپر جنگ اور اس کے اخراجات کا بار ہے۔ میں انتظام نہیں کرسکتا"

بختیار نے خلیفہ کو دھمکایا۔ اس نے مجبوری درجہ حرم کے کپڑے زیورات یہاں تک کہ مکانات تک فروخت کر کے چار لاکھ درہم بختیار کو رومیوں سے مقابلہ کی تیاری کے لئے دیئے۔ مگر بختیار نے جنگ کا ارادہ ترک کر کے وہ رقم اپنی عیش وعشرت میں اُڑادی[2]

یہ تھی سلاطین دیالمہ کی اسلامی خدمت دارالخلافہ میں یہ واقعات پیش آئے۔ رومی قدم بڑھا رہے تھے۔ ۳۶۳ھ میں دمستق شہر آمد کی طرف متوجہ ہوا۔ ہبتہ اللہ بن ناصرالدولہ حمدانی اور اس کے بھائی ابوتغلب مسلمانوں کی پشت پناہی

---

[1] ابن خلدون جلد ۸ صـ ۱۱۴ [2] تجارب الامم جلد ۶ صـ ۳۰۱

کی خاطر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دُستق پر دو طرف سے آپڑے۔ رومیوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ہزاروں کا کھیت رہا۔ رومی پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ دُستق گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد سے رومی ٹھنڈے پڑ گئے [1]

قرامطہ ۳۵۷ھ میں قرامطی دمشق پر قابض ہوئے اور حج کے جانے کے لئے مصر، شام کے راستے روک دیئے۔ اُن کا ارادہ مصر پر قبضہ کرنے کا تھا لیکن بنو عبید (بنی فاطمہ) المغر پہلے پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے اور قاہرہ میں دارالامارہ بنا دیا گیا۔ بنو عباس کا نام مصر میں خطبوں میں سے نکال دیا گیا۔ ان شیعوں کی سلطنت اقلیم مغرب و مصر و عراق میں قائم ہو گئی [2]

بختیار اور خلیفہ ۳۶۲ھ میں بختیار اور خلیفہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ عوام میں بختیار سے نفرت تھی۔ کسی نے عزالدولہ بختیار کے غلام کو مار ڈالا۔ وزیر ابوالفضل شیرازی نے غلام کے بدلے شہر میں آگ لگوا دی مگر وہ خود بھی اس آگ میں جل مرا [3]

تقررِ قاضی ۳۶۳ھ میں مطیع نے ابوالحسن محمد بن ام شیبانی ہاشمی کو قاضی بنایا۔ وہ قضاۃ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ پھر اس پر رضامند ہوئے کہ وہ معاوضہ نہیں لیں گے کسی کی سفارش نہیں سنیں گے۔ البتہ عملہ قضاۃ کا صرفہ حکومت کے ذمہ ہے [4]

خلع خلافت ۳۶۳ھ میں مطیع پر فالج گرا اس کی زبان بند ہو گئی۔ عزالدولہ نے حاجب امیر سبکتگین کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آپ کو معزول سمجھ کر اپنے بیٹے عبدالکریم الطائع اللہ کو کاروبارِ سلطنت سونپ دے۔ چنانچہ مطیع نے ایسا ہی کیا اور بروز چہار شنبہ ۲۳ ذی قعدہ ۳۶۳ھ مطابق ۱۷ اگست

---

[1] ابن اثیر سے ملخص کیا ہے [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸ [3] ایضاً ص ۲۷۹

[4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۹۔

۹۷۴ء کو الطائع للہ خلیفہ ہوا۔ مطیع نے انیس سال اور دو ماہ خلافت کی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ :۔

"مطیع اور اس کا بیٹا بنی بویہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی رہے اور یہ حالتِ ضعف خلافت مقتفی للہ تک باقی رہی۔ گو اس نے حالتِ خلافت کو کچھ تھوڑا سا سنبھال لیا تھا"

علامہ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ :۔

"خلیفہ کے لئے اب صرف دعا اور مراسلت میں امیر المومنین کا لقب رہ گیا ہے اور وہ اپنی جان کی سلامتی پر خوش اور خلیفہ کے لقب پر قانع ہے"

سیاسی حالات مطیع کا عہد طویل تھا۔ مگر سیاسی انقلاب اور شورشیں ملک میں بپا رہیں۔ دیالمہ کا اقتدار بڑھا۔ دولتِ عباسیہ صرف نام کی رہ گئی۔ خلیفہ معز الدولہ کا دستِ نگر تھا۔ اس کو انتظامِ حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ عراق اور ایران میں امراء کی خانہ جنگیاں تھیں۔ سیاسی حالت کا تو یہ نقشہ تھا۔ معاشی کیفیت نہایت ابتر تھی۔ ہزارہا بھوک کا شکار ہو گئے۔ امن وامان مفقود تھا۔ بنی بویہ کے دور میں بغداد تباہی کی راہ لگ گیا۔ ایسا قحط پڑا کہ گلی، کوچے فاقہ زدوں کی لاشوں سے اٹ گئے۔ جائدادیں روٹیوں کے بدلہ میں بکیں۔ مگر بختیار عیش وعشرت کرتا رہا۔[1]

وفات مطیع اپنے بیٹے کو لے کر واسط چلا گیا اور محرم ۳۶۴ھ میں وہیں انتقال کر گیا۔[2]

فن جغرافیہ خلیفہ مطیع کے زمانہ میں فن جغرافیہ کی خاص ترقی ہوئی۔ باوجودیکہ ابن رستہ نے الاعلاق النفیسہ (۹۰۳ء) اور ابن الفقیہ الہمدانی نے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۶ [2] ایضاً ص ۲۸۰

کتاب البلدان لکھی۔ مگر ابن حوقل نے اُن سے زیادہ سیاحت کی۔ اسپین تک سفر کیا اور جغرافیہ کی قدیم کتابوں پر اور نقشوں پر نظر ثانی بھی کی۔ ایک مجموعہ یادگار چھوڑ گیا۔ ۹۴۳ء میں ابن حوقل فوت ہوا۔

علمی ترقی مطیع کے عہد میں دارالخلافہ شورش کا مرکز بنا رہا۔ البتہ دنیائے اسلام میں بڑے بڑے علماء اس کے عہد میں پیدا ہوئے اور انھوں نے علمی خدمات انجام دیں۔ اس کے عہد کے مشاہیر علماء یہ تھے:۔

خرقی شیخ الحنابلہ۔ ابوبکر شبلی صوفی۔ ابن القاضی۔ امام الشافعیہ۔ ابورجاء الاسوانی ابوبکر صولی۔ ہیثم بن کلیب الشاشی۔ ابوالطیب الصعلوکی۔ ابوجعفر النحاس النحوی، ابواسحاق المروزی امام شافعیہ۔ ابوالقاسم الزجاجی النحوی کرخی، شیخ الحنیفہ، دینوری صاحب المجالسۃ۔ ابوبکر الضبعی۔ قاضی ابوالقاسم۔ ابن الحداد صاحب الفروع۔ ابوعلی بن ابوہریرہ شافعیہ، ابوعمر زاہد ابن درستویہ، ابوعلی الطبری، فاکہی صاحب تاریخ مکہ، ابن حبان صاحب الصحیح، ابن شعبان امام مالکیہ، ابوعلی القالی، عبداللہ بن محمد بن یعقوب فقیہ متوفی ۳۴۰ھ، احمد بن محمد بن عبدالرحمان، ابوعمرو الطبری متوفی ۳۳۳ھ۔

مؤرخ ابوالحسن علی المسعودی، آخری عہد خلفائے بنی عباس کا مورخ ہے۔ مسعودی پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نویسی کے قدیم طریقہ سنہ واری اور واقعہ نگاری کو چھوڑ کر تنقیدی و سلسلہ واری طریقہ کو رواج دیا جس کے بعد عام مورخین نے اختیار کیا۔

المسعودی نے تیس جلدوں میں تاریخ لکھی جس کا خلاصہ مروج الذہب و معادن الجواہر ہے۔ دوسری تصنیف التنبیہ والاشراف ہے[1]

فقہاء و محدثین اسحاق بن محمد بن اسماعیل سمرقندی متوفی ۳۴۲ھ علی بن محمد

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۱۔

تنوخی، متوفی ۳۴۲ھ۔ احمد بن محمد بن حامد طواویسی فقیہ متوفی ۳۴۴ھ، ابراہیم بن الحسین ابواسحاق العزرمی، محدث وفقیہ متوفی ۳۴۲ھ۔

ابوالفرج علی بن حسین اصفہانی ادیب کامل تھا۔ بغداد میں قیام تھا۔ اس نے کتاب الاغانی عام ضرب المثلیں تاریخی فوائد کا مجموعہ مرتب کی۔ ایک سو نظموں پر مشتمل یہ تالیف ہے۔ یہ نظمیں ابراہیم موصلی، اسماعیل بن جامی، فلیح بن عورۃ نے خلیفہ ہارون الرشید کے لئے لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی نظمیں ہیں۔ ابوالفرج کا انتقال ۳۵۶ھ میں ہوا[1]۔

معلم ثانی معلم ثانی ابونصر بن طرخان بن اوزلیغ فارابی ماوراءالنہر میں پیدا ہوا۔ سیف الدولہ کے دربار کا رکن تھا۔ فارابی کے موسیقی کے کمالات شہرہ آفاق ہیں۔ سیف الدولہ کے سارے دربار کو اگر ایک راگ سے ہنسا دیتا تھا تو دوسرے راگ سے رلاتا تھا اور کبھی غنودگی میں لاکر عرصہ تک حالت خواب میں رکھتا تھا۔ رسالہ فصوص الحکم۔ رسالہ فی آراء اہل المدینۃ الفاضلہ اور السیاسۃ المدینۃ، آخرالذکر دو کتابوں میں فارابی افلاطون کی ری پبلک کے زیر اثر بہترین شہر کے نظم ونسق کو مذہبی حکومت کے تحت جسم انسانی کے مشابہ قائم کرنا چاہا ہے۔ اس فرضی شہر کا مقصود اولین شہریوں کی خوشحالی بتائی گئی ہے اور اقتدار اعلیٰ اخلاقی وذہنی حیثیت کا متصور ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ میں کثیر التعداد کتابوں کا مصنف ہے۔ ہم نے فلاسفۂ اسلام میں مفصل حالات لکھے ہیں۔ ۳۳۹ھ/۹۵۰ء بعمر اسی سال وفات پائی[2]۔

دولت حمدانیہ حمدانی خاندان ابتداً شمالی عراق میں حکمران رہا۔ ان کا دارالحکومت موصل تھا۔ ۹۲۹ء سے ۹۹۱ء تک حمدانی سلطنت رہی۔ یہ لوگ حمدان بن حمدون قبیلۂ تغلب کی اولاد سے تھے۔ خاندان کا بانی سیف الدولہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۷۹ اخبار الحکما قفطی ص ۱۸۲ [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۲۲۔

تھا (۹۴۴ء، ۹۶۷ء) جس نے اخشید کے نائب سے حلب اور حمص چھین لیا۔ سیف الدولہ کے بعد سعد الدولہ اور اس کے بعد سعید الدولہ حکمران ہوئے۔ سعید الدولہ رومیوں کے بائیس تئیس حملوں کو کامیابی کے ساتھ روکتا رہا۔ آخر بلینی فورس سے شکست کھا کر ۹۶۱ھ میں حلب کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد قبرص کلیشہ، انطاکیہ بھی بائزنیم کے ہاتھ آ گئے۔ انطاکیہ ۹۶۹ء سے ۱۰۸۴ء تک بائزنیم کے قبضہ میں رہا۔ بنو فاطمی عبیدی کی طرف سے بھی سعید الدولہ پر دباؤ پڑا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے ۱۰۰۳ء میں اُن کی اطاعت قبول کر لی۔ حمدانی بھی شیعہ مسلک رکھتے تھے۔

تذکرہ سیف الدولہ

سیف الدولہ ابی الحسن علی بن عبداللہ بن حمدانی جلیل القدر امراء سے تھا۔ پہلے موصل کا گورنر رہا پھر خود مختار ہو گیا۔ تمام عمر اس نے رومیوں سے جہاد کرنے میں گزاری جس کے حالات مطیع کے بیان میں درج کیے گئے ہیں۔ یہ تیغ و قلم ہر دو کا مالک تھا اور اس قدر علم دوست تھا کہ بقول امام ثعلبی کے اس کے دربار میں جس قدر شعراء اور اہلِ کمال جمع ہوئے، خلفائے عباسیہ کے سوا کبھی کسی کے دربار میں نہیں جمع ہوئے۔ ابوالعلا المعری (مـ ۱۰۵۷ء) حکیم ابونصر فارابی اس کے دربار کے رکن تھے۔ فارابی نے قانون (رحاجا) سیف الدولہ کو نذر کیا۔

سیف الدولہ کو فن ادب سے دلی لگاؤ تھا اُس نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں صرف فن ادب کی کتابیں جمع تھیں۔ چنانچہ فن ادب کا ذخیرہ جس قدر اس کتب خانہ میں مہیا ہوا اور کہیں نہیں ہوا۔

محمد بن ہاشم اور اس کا بھائی دونوں فنِ شاعری میں ممتاز تھے۔ اس کتب خانہ کے مہتمم اور افسر تھے[۱] حلب سیف الدولہ کا دارالحکومت تھا۔

ابوالطیب المتنبی عرب کا قادر الکلام شاعر سیف الدولہ کا ندیم تھا۔ اس نے

---

[۱] مقالاتِ شبلی جلد ۶ صفحہ ۱۶۲۔

اس کی مدح میں متعدد پر زور قصیدے نظم کئے ہیں جو نازک خیالی چستی بندش فصاحت و بلاغت اور محاسن کلام کے اعلیٰ نمونہ ہیں[1] اس کا معاصر ابو تمام حبیب بن اوس طائی دیوان حماسہ کا جامع تھا۔

ابو العلا المعری ۹۷۳ء میں پیدا ہوا شعرا کا فیلسوف اور فیلسوفوں کا شاعر تھا سیف الدولہ بڑی قدر کرتا تھا۔

المعری کی غذا اخوان الصفا اور ہندی خیالات کے زیر اثر صرف نباتات تھی۔ اللزومیات اولزوم مالا یلزم اور رسالہ الغفران اس کی تصانیف سے ہیں۔ آخر الذکر تصنیف کا جو قنوطیت پر مبنی ہے ڈانٹے کی کتاب دیوائین کومیڈی کی تالیف پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ۱۰۵۷ء میں انتقال ہوا۔

ابو طاہر محمد بن بقیۃ وزیر

ابو الطاہر محمد بن بقیۃ الملقب نصیر الدولہ عزالدولہ بختیار بن معزالدولہ دیلمہ نائب سلطنت خلیفہ مطیع للہ عباسی کا وزیر تھا۔

ابو الطاہر معزالدولہ کے مطبخ کا داروغہ تھا۔ بختیار کا منظور نظر ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے وزارت پر سرفراز ہوا۔ مگر اس کے جود و سخا و کرم و عطا سے تمام عیوب پر پردہ پڑ گیا۔ کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں میں تقسیم کئے۔

ابو اسحٰق کا بیان ہے کہ ایک شب کے جلسہ میں میں بھی موجود تھا۔ ابن بقیۃ نے دوسو دفعہ پوشاک بدلی۔ پہلی پوشاک بدل کر انعام میں دے دیتا۔ ایک منہ لگی مغنیہ نے کہا۔ حضور ان پوشاکوں میں شاید بھڑیں ہوں گی جو بدن پر کچھ لمحہ لباس رہنے نہیں پاتا۔ ابن بقیۃ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اس کی امارت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے یہاں کا صرف موم بتی کا خرچ دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

---

[1] تاریخ عرب موسیو صفحہ ۱۵۴۔

سخاوت میں بے عدیل تھا۔ مگر جنیل خور تھا۔ عزالدولہ کو عضدالدولہ سے بھڑا دیا۔ عزالدولہ بھائی سے شکست کھا گیا تو اُس کو ابن بقیہ سے نفرت ہو گئی اور اس نے اس کو گرفتار کر کے عضدالدولہ شاہ اہواز کے پاس بھیج دیا۔ وہ اس کی حرکتوں سے واقف تھے اُس نے اسے پہلے تمام شہر میں تشہیر کرایا اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈال کر کچلوا دیا اور پھر بیرون دروازہ شہر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ یہ واقعہ ۳۶۷ھ کا ہے۔ ابوالحسن محمد انباری اس کے دربار کا شاعر تھا۔ اس نے اپنے آقا کی لاش پھانسی پر لٹکی دیکھی مدح کے پیرایہ میں مرثیہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

علو فی الحیٰوۃ و فی الممات	لحق انت احدی المعجزات
کان الناس حولک حین قاموا	وفود نداک ایام الصلات
کانک قائم فیھم خطیبًا	وکلھم قیام للصلوٰۃ
لعظمک فی النفوس تبیت ترعی	بحفّاظ و حراس ثقات[1]

ترجمہ ۱؎:۔ زندگی میں بھی تو بلند تھا اور مرنے کے بعد بھی بلند رہا۔ حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک معجزہ ہے۔

۲؎ لوگ جو تیرے گرداگرد کھڑے ہیں ایسے معلوم دیتے ہیں کہ تجھ سے انعامات و عطیات لینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔

۳؎ تو درمیان میں استادہ ہے اور لوگ بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہیں۔

۴؎ چونکہ آپ کی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے آپ سو رہے ہیں اور معتبر چوکیدار اور دربان پہرہ دے رہے ہیں۔

۴

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۲۹۔

خلیفہ طائع للہ

نام و لقب ابو الفضل عبد الکریم طائع للہ[1] بن الفضل مطیع بن جعفر مقتدر باللہ اس کی پیدائش ۳۱۷ھ میں ہوئی۔ اس کی ماں کا نام "ہزار" تھا جو ام ولد تھی۔ خطیب کا بیان ہے:-

"امہ ام ولد اسمھا عتب"[2]

خلافت ۴۳ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا (۳۶۳ھ) میں اراکینِ سلطنت نے بیعت کی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر سبکتگین کو نیابت کا خلعت عطا فرمایا اور نصر الدولہ کا خطاب اور پرچم مرحمت کیا۔[3]

سبکتگین اور عز الدولہ سبکتگین کے اعزاز سے عز الدولہ بگڑ بیٹھا۔ سبکتگین کا عز الدولہ پر غلبہ تھا وہ مقابل تو نہ آیا مگر اس نے اپنے چچا زاد بھائی عضد الدولہ کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

بغداد پر حملہ عضد الدولہ ۳۶۳ھ میں بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اس اثنا میں سبکتگین نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ ترکوں نے امیر افتگین کو اس کا جانشین اور تاج و تخت کا وارث قرار دیا۔ امیر افتگین نے عضد الدولہ سے دو دو ہاتھ کئے۔ ہر دو طرف کے بہادروں نے اپنے اپنے جوہر مردانگی دکھائے۔ مگر افتگین کو خونریز جنگ کے بعد شکست اٹھانا پڑی۔ معہ اپنے ترکی فوج کے تکریت کی طرف ہٹ گیا۔ بغداد پر عز الدولہ قابض ہوا اور

---

[1] دائرہ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۲۔
[3] تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۷۹۔

اس نے عزالدولہ بختیار کو گرفتار کر لیا۔ بختیار کا لڑکا عضدالدولہ سے بگڑ بیٹھا۔ اس نے عمران بن شاہین کو ساتھ لے کر عضدالدولہ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور بغداد پر حملہ بول دیا۔ عضدالدولہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ اپنے مستقر چلا گیا۔ پھر سے بختیار منصب امارت پر قائم ہوا۔ مگر ابھی زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا ۳۶۷ھ میں عضدالدولہ کی فتح و نصرت کا بغداد میں دوبارہ ڈنکا بجا۔ خلیفہ نے عضدالدولہ کو نائب سلطنت بنایا۔ مگر اس نے طائع کا نام خطبوں سے نکلوا دیا۔ چند ماہ بغداد میں یہی رنگ رہا۔ اس کے عہد میں رقص کا چرچا بڑھ گیا۔ نماز تراویح بند کر دی گئی[1] عضدالدولہ کی ڈیوڑھی پر فجر، مغرب، عشاء کے وقت نوبت بجا کرتی[2] بختیار نے راہِ فرار بغداد سے اختیار کی۔ اس کا محبوب غلام عضدالدولہ نے پکڑ لیا۔ غلام کے لئے عزالدولہ بے چین رہتا تھا۔ دو کنیزیں ایک لاکھ میں خرید کر کے غلام کے بدلہ میں عزالدولہ کو دیں۔ جب غلام بختیار کے پاس پہنچا[3] بختیار ایک درجہ خبیث باطن تھا۔ عضدالدولہ اس سے بڑھا ہُوا نکلا۔ آخرش بختیار عضدالدولہ کے قبضہ میں آگیا۔ اُس نے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس کے بعد عضدالدولہ بنی حمدان کی سرکوبی کے لئے موصل پر حملہ آور ہُوا۔ ابو تغلب تاب مقابلہ نہ لا سکا اور شام چلتا ہُوا۔ وہیں وہ قتل ہو گیا۔ اس کے بیٹوں ابراہیم و حسین نے ۳۸۰ھ میں دادِ شجاعت دیکر موصل پھر واپس لے لیا۔

بغداد میں عضدالدولہ کا دَور دورہ تھا۔ خلیفہ نے اس کو سات خلعتیں عطا کیں جواہرات سے جڑا ہُوا تاج عضدالدولہ کو پہنایا۔ طوق و کنگن پہنائے اور ایک ہدایت نامہ اس کے حق میں خلیفہ نے لکھا۔ جب یہ رنگ عضدالدولہ نے دیکھا تو اب خلیفہ پر زور ڈالا کہ میرے لئے اسی طرح سے تفویض و قائم المقامی کی رسم ادا کی جائے جس طرح خود مختار گورنروں کے لئے خلفائے سابق کا دستور تھا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صہ ۲۸۳ [2] ابن اثیر جلد ۸ صہ ۲۱۲ [3] تاریخ الخلفاء صہ ۲۸۹ ۔

غرضیکہ اس نے خلافت کی روایات کے خلاف تفویض کی تحریر کو لوگوں کے سامنے سنانے کے لئے خلیفہ کو آمادہ کر لیا۔ ورنہ خلیفہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے خود مختار گورنروں کے لئے ایک تحریر لکھتا تھا اور بغیر دکھلائے ہوئے سر بمہر کر دیتا تھا اور اس سے کہتا تھا یہ تفویض ہے جو کچھ اس میں ہے اس پر تمہیں عمل کرنا ہوگا"۔ مگر عضد الدولہ نے جبریہ اس کے خلاف عمل کرایا۔

خلیفہ کی زبوں حالی

عضد الدولہ نے خلیفہ کو اس حیثیت کا بنا دیا تھا کہ جب کبھی عضد الدولہ سفر سے آتا تو استقبال کے لئے خلیفہ کا باہر آنا ضروری تھا۔ ظاہرہ طور پر عام مجالس میں عضد الدولہ خلیفہ سے نہایت عزت واحترام سے پیش آیا کرتا تھا۔[1] عضد الدولہ ۳۷۲ھ میں مر گیا۔ اس کا لڑکا صمصام الدولہ اس کا جانشین ہوا جس کو شمس الملت کا خطاب عطا کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد اس کے بھائی شرف الدولہ نے اس پر چڑھائی کر دی۔ اور اس کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا۔ خلیفہ نے شرف کو نائب سلطنت بنا لیا۔ شرف الدولہ ۳۷۹ھ میں فوت ہوا اس کا بھائی ابو نصر جانشین ہوا۔

دربارِ خلافت سے بہاء الدولہ اور ضیاء الملت خطاب عطا ہوئے اور اعیانِ حکومت کے سامنے سات خلعتیں مرحمت ہوئیں۔ سیاہ عمامہ، طوق وکنگن عنایت ہوئے۔ دربار میں حاجیوں کی تلوار کے سایہ میں خلیفہ کے حضور لایا گیا۔ بہاء الدولہ نے زمین بوسی کی اور کرسی پر بیٹھا اور تفویض کی تحریر خلیفہ سے پڑھوائی۔

بہاء الدولہ

بہاء الدولہ نے عنانِ حکومت بغداد ہاتھ میں لیتے ہی شرف الدولہ کے لڑکے ابو علی کو دھوکہ سے بلا کر قتل کرا دیا اور پھر صمصام الدولہ سے بھڑ پڑا۔ ۳۸۹ھ میں فارس کے میدان میں دو دو ہاتھ ہوئے مگر صلح پر فیصلہ ہوا۔ عراق وخورستان بہاء الدولہ کے قبضے میں رہے۔ فارس اور ارجان

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صہ ۲۷۔ [2] تاریخ الخلفاء صہ ۲۸۹۔

صمصام الدولہ کے قبضہ وتصرف میں آئے[1]

موصل کی حمدانی حکومت کا خاتمہ عضد الدولہ نے کر دیا تھا۔ مگر ناصر الدولہ حمدانی کے لڑکے ابو طاہر، ابراہیم، عبداللہ حسین شرف الدولہ کے پاس بغداد میں رہتے تھے تینوں بہاء الدولہ سے اجازت لے کر موصل گئے۔ اہل موصل اپنے آقا زادوں کے ہمنوا ہو گئے۔ خواشنا ذہ والیٔ موصل نے راہِ فرار اختیار کی اور بغداد پہنچا۔ یہ تینوں بھائی موصل پر پھر قابض ہو گئے۔ باذ کردی والیٔ دیار بکر نے موصل لینا چاہا۔ مگر وہ جنگ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس کے بھانجے ابو علی حسن بن مروان نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کیا۔ اس وقت سے دیار بکر میں مروانی حکومت قائم ہوئی۔

امرائے دولت مروانیہ ابو علی حسن بن مروان (۳۸۰ھ ۔ ۳۸۷ھ) ممہد الدولہ ابو منصر احمد بن مروان (۴۰۲ھ) نصر الدولہ ابو نصر احمد بن مروان (۴۵۳ھ) نظام الدولہ نصر بن احمد (۴۷۲ھ) منصور بن نصر (۴۸۹ھ) ابو علی کے بعد نصر الدولہ اس خاندان میں جلیل القدر حکمران تھا۔ علماء کا مربی و سرپرست، امام عبداللہ گازرونی اس کے دربارِ علمی کے رکنِ اعلیٰ تھے۔ یہ وہ ہستی تھے جنہوں نے دیار بکر کی پست قومیں تعلیم کی طرف رجوع کیں اور ان کی تمدنی حالت درست ہوئی ۴۸۹ھ میں یہ دولت بھی بنی بویہ کے ملک کے ساتھ سلاجقہ کے قبضہ میں چلی گئی۔

بغداد کی مرمت طائع کے عہد میں مسلسل خونریزیوں اور پیہم معرکہ آرائیوں نے بغداد کو ویران کر دیا تھا۔ بختیار کی نیابت میں اور خراب حالت ہو گئی تھی۔ عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں فصیل بغداد کی مرمت کرائی۔ مسجد اور بازاروں کو درست کرایا۔ طائع کے مشورے سے آئمہ، علماء، فقراء میں مال و زر تقسیم کیا۔ نہروں کو جاری کرایا۔

---

[1] دائرۃ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۔

شفاخانہ | ۳۷۱ھ میں شفاخانہ عضدی کھولا گیا۔

عضدالدولہ کی نظر خلافت پر | عضدالدولہ کا شوقِ سیادت اس رتبہ بلند ہونے کے بعد بھی تشنہ تھا اس کی تمنا یہ تھی کہ خلافت بھی اس کے خاندان میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے اپنی لڑکی کا طائع کے ساتھ صرف اُس امید پر عقد کر دیا کہ اگر اس سے کوئی بیٹا پیدا ہو گا تو وہ خلافت کا وارث ہو گا مگر یہ اُمید بر نہ آئی۔

ذکر آلِ حمدان | آلِ حمدان نے بانہ کے قتل کے بعد دیار بکر پر فوج کشی کی۔ ابوعلی نے گرفتار کر لیا۔ مگر والئ مصر کی سفارش سے ابوعبداللہ چھوٹے اور مصر چلے گئے۔ اس کو والئ مصر نے حاکم حلب بنا دیا۔

ابوطاہر نصیبین گیا تو وہاں کے والی محمد بن مسیب عقیلی نے اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور موصل پر حکمرانی کرنے لگا۔ پھر اس کی اولاد میں عقیلی حکومت ایک عرصہ تک رہی جس کا ذکر قادر کے حالات میں تحریر ہے۔

دولتِ غزنویہ

طائع کے عہد میں افغانستان کی غزنوی حکومت قائم ہوئی۔ یہ حکومت ماوراءالنہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی۔ یہاں کا فرمانروا امیر نوح بن منصور سامانی تھا۔ اس کی حکومت کی بنیاد کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک جدید حکومت شہاب الدین بغراخاں کی پیدا ہو گئی۔ وہ سامانیوں کے مقابل طاقت ور تھی۔

اِدھر سبکتگین کے اقبال کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیل گئی۔ اس حکومت کا بانی امیر سبکتگین ماوراءالنہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبہ دار امیر الپتگین کا غلام تھا، مگر تھا سامانیوں کی نسل سے، اس کے بزرگ ایک عرصہ تک حکمرانی کر چکے تھے۔ زمانہ کے ہاتھوں سبکتگین کو

غلامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

سبکتگین کو شجاعت اور دُور بینی ورثہ میں ملی تھی۔ اس کے بشرے سے آثار ترقی ظاہر ہوتے تھے۔ ترقی کرتے ہوئے فوج غزنی کا سپہ سالار ہو گیا۔ اِدھر ۳۸۳ھ میں بغرا خاں مذکور نے آل سامان کے نائب ابوالحسن سیمجور کو جو خراسان کا امیر تھا اس نے اپنے ساتھ ملا لیا اور بخارا پر حملہ کر دیا۔ نوح بن سامان مغلوب ہو کر آمد چلا گیا۔ بغرا خان حسنِ اتفاق سے بیمار ہو گیا تو نوح نے پھر اپنے گئے ملک پر قبضہ کر لیا۔ بغرا خاں اس مرض میں جاں بحق ہوا۔ اس کا بیٹا ایلک خاں اس کا جانشین ہُوا۔ اس نے ۳۸۸ھ میں امیر نوح کے مرنے کے بعد اپنے سپہ سالار فائق کو بخارے پر قبضہ کے لئے بھیجا۔

فائق نے بخارا فتح کر لیا۔ منصور بن نوح نے صلح کر لی کہ ملک ایلک خاں کا رہے اور حکومت فائق کی ہو۔ مگر فائق اور سامانی سپہ سالار بکتوزون نے باہمی میل کر کے منصور کو قتل کرا دیا اور اس کے بیٹے عبدالملک کو تخت نشین کیا۔

۳۸۹ھ میں خود ایلک خاں بخارا گیا۔ اس نے بکتوزون کو گرفتار کر لیا۔ عبدالملک بھاگ گیا مگر وہ گرفتار ہو کر اُلگند میں قید کر دیا گیا وہیں وہ مرا۔ اس کے بعد سے سامانی دولت کا چراغ گُل ہو گیا جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے سلوا مانی حکومت حلوان سے حدودِ چین تک تھی۔

امیر سبکتگین

آل سامان کی طرف سے غزنی میں اسحاق بن الپتگین امیر تھا۔ سبکتگین اس کا غلام تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے اسحاق کی فوج نے اسحاق کے مرنے کے بعد سبکتگین کو اپنا سردار بنا لیا۔ وہ ہر سپاہی سے برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ سبکتگین نے ہندوستان کی سرحد پر مختلف جنگیں کیں۔ راجہ جے پال سے مقابلہ رہا۔ اس کے تفصیلی حالات "تاریخ ملت" جلد نہم میں تحریر کئے جائیں گے۔

غرضیکہ ۳۸۴ھ میں خراسان میں فائق اور ابو علی سیمجور نے بغاوت کی۔

اس وقت امیر نوح سامانی نے سبکتگین کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے فخر الدولہ بنی بویہ اور امیر جرجان سے مدد مانگی۔ اس نے لشکر روانہ کیا۔ امیر سبکتگین نے نواحی جرأت پر ان سب کو شکست دی جس سے کچھ عرصہ کے لئے خراسان آل سامان کے پاس رہ گیا۔ امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدولہ کا خطاب دیا اور اس کے بیٹے محمود کو جس نے اس جنگ میں کارنامے نمایاں کئے تھے سیف الدولہ کا خطاب عطا کر کے خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے نیشاپور میں قیام کیا اور سبکتگین غزنی کی طرف واپس آ گیا۔

ابوعلی مجبور نے موقعہ پا کر پھر یورش کی۔ محمود تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ غزنی روانہ ہونے کو تھا سبکتگین نے خبر پا کر طوس کے متصل ابوعلی کو جا لیا اور اس کی مزاج پرسی ایسی کی کہ پھر سر اُٹھانے کی اس میں طاقت نہ رہی۔ ۳۸۷ھ میں امیر سبکتگین کا انتقال ہُوا۔ یہ نہایت عادل، دیندار، مجاہد پابندِ عہد تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا اسماعیل امیر ہوا۔ امیر محمود سے چھوٹا تھا۔ امیر محمود نے اس کو لکھا کہ امارت میرا حق ہے۔ تم اپنے درجہ پر رہو۔ مگر وہ راضی نہ ہُوا تو امیر محمود نے نیشاپور سے غزنی پر فوج کشی کر دی۔ اسماعیل گرفتار ہو گیا۔ محمود نے اس کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا۔ محمود نے سامانی سرداروں کو زیر کر کے مستقل سلطان بن گیا۔

عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا فرمایا اور ولایت کا خلعت بھیجا۔ اطراف ممالک کے بادشاہوں نے سلطان محمود کی قوت کو دیکھ کر دربار میں اطاعت نامے ارسال کئے۔ ہندوستان میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور بڑے حصہ پر قبضہ کیا۔ نیز رے اور جبال وغیرہ بھی اس کی حکومت میں آ گئے۔ جرجان اور طبرستان کے ملوک نے بھی اطاعت قبول کی۔ بقیہ حالات آگے آتے ہیں۔

دولت زیاریہ اس دولت کا حال پہلے کچھ آ چکا ہے۔ جرجان میں مرداویج بن زیار نے سلطنت قائم کی تھی۔

امرائے دولت زیاریہ

مرداویج بن زیار (۳۱۶-۳۲۳ھ) وشمگیر (۳۵۷ھ) ظہیر الدولہ بے ستون پسر وشمگیر (۳۶۶ھ) شمس المعالی قابوس پسر وشمگیر (۴۰۳ھ) شمس المعالی کے ہاتھ میں جرجان اور طبرستان کی آزاد حکومت تھی ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا۔ ۳۷۱ھ میں دیلمیوں نے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا شمس المعالی نے سامانیوں کے یہاں پناہ لی ۳۸۸ھ میں دوبارہ حکومت حاصل کی۔ ۴۰۳ھ میں بلوے میں قتل ہوا۔

شمس المعالی علم دوست حکمران تھا۔ شیخ الرئیس ابوعلی سینا اس کے دربار علمی میں اس وقت پہنچا جب وہ انتقال کر چکا تھا شمس المعالی نے البیرونی کو طلب کیا اور اپنے پاس ایک عرصہ تک رکھا[1] البیرونی کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ اس نے تجرید الشفاعات اور کتاب آثار الباقیہ لکھ کر شمس المعالی کی خدمت میں ۳۹۰ھ میں پیش کی۔

شمس المعالی کے قتل کے بعد فلک المعالی منوچہر پسر بے ستون تخت نشین ہوا۔ ۴۲۰ھ تک حکمران رہا۔ اس کے بعد ابوشروان بن قابوس ہوا۔ اس کے وارث شاہان غزنویہ ہوئے۔

طائع کی گرفتاری

بہاء الدولہ دیلمی حکمرانوں میں منحوس تھا۔ اس کے عہد میں خزانہ خالی تھا فوج کو تنخواہ وقت پر نہ ملتی تھی۔

چنانچہ ۳۸۱ھ میں فوج میں روپے کے لئے شورش پیدا ہوگئی۔ امیر ابوالحسن بن معلم فتنہ پرداز نے بہاء الدین سے کہا کہ طائع کے خزانہ میں کافی دولت ہے اگر طائع کو گرفتار کر لیا جائے تو اس کی دولت ہاتھ آجائے گی۔ بہاء الدولہ نے تجدید عہد کے بہانہ طائع سے باریابی کی اجازت چاہی اس نے دیدی۔

بہاء الدولہ چند دیلمیوں کو ساتھ لے کر پہنچا۔ پہلے زمین بوس ہوا اور کرسی پر بیٹھا۔ دیلمی بھی دست بوسی کے بہانے سے آگے بڑھے اور طائع کو تخت سے کھینچ کر ظالموں نے نیچے اُتار لیا اور گرفتار کر لیا۔ بہاء الدولہ نے محلات کا سامان

لوٹ لیا۔ طائع کو بہاء الدولہ کے محل میں لا کر خلافت سے معزول کر کے قاہر باللہ کے محل میں نظر بند کر دیا۔ مگر قاہر نے دورانِ نظر بندی میں طائع کی عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھا اور حتی الوسع آرام و آسائش کا پورا انتظام کیا۔

انتقال یہیں طائع کا شب عید الفطر ۳۹۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ رصافہ میں دفن ہوا[1]۔ اس کی مدتِ خلافت سترہ سال آٹھ مہینے اور عمر چونسٹھ سال تھی۔ نماز جنازہ قادر باللہ نے پڑھائی۔ شریف رضی نے مرثیہ اس کے لئے لکھا۔

اوصاف طائع شجاع تھا، خلیق و متواضع، حتی المقدور انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔ دماغی قوت اور اوصافِ جہانبانی سے محروم تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں عضد الدولہ کے اقتدار کو بڑھایا۔ مگر اس کے ساتھ قوی بڑا تھا۔ اس کی بہادری کا واقعہ الفخری میں یہ ہے :-

"اس کے قبرستان میں ایک پہاڑی مینڈھا مست ہو گیا۔ کوئی شخص اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ طائع خود اس کو قابو میں لانے کے لئے گیا۔ مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا۔ طائع نے بڑھ کر اس کے دونوں سینگ پکڑ لئے اور بڑھئی کو بلا کر آری سے سینگ کٹوا دیئے جب تک سینگ نہ کٹ گئے خود طائع پکڑے[2] رہا۔ طائع کی جسمانی طاقت بہت تھی مگر دماغی حالت کمزور تھی جس کا نتیجہ اس کی معزولی کی صورت میں رونما ہوا"[3]

خطبہ طائع کی کمزوری اور ضعف سلطنت کا نتیجہ تھا کہ حرمین میں خلفائے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۵ [2] تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۹ [3] الفخری صفحہ ۲۵۹۔

---

[1] آثار الباقیہ صفحہ ۶۸ ۔

عباسیہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ فاطمیہ مصر معز الدولہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔[1]
طائع کے وقت میں حسب ذیل علماء نے انتقال کیا:۔
"ابن السنی الحافظ۔ ابن عدی۔ قفال کبیر۔ حسن السرانی نحوی قاضی بغداد متوفی ۳۶۸ھ۔ ابوسہل الصعلوکی۔ احمد بن علی بن الحسین ابوبکر الرازی الحنفی محدث متوفی ۳۷۰ھ صاحب احکام القرآن۔ ابن خالویہ۔ ازہری امام اللغتہ۔ ابو ابراہیم فارابی صاحب دیوان الادب۔ رفاد شاعر، ابو زید المروزی الشافعی، دارکی۔ ابوبکر الابہری شیخ المالکیہ، نصر بن محمد بن احمد ابو اللیث السمرقندی محدث امام الحنفیہ۔ ابوعلی فارسی النحوی۔ ابن الحلاب المالکی[1]۔ علی بن الطحاوی محدث متوفی ۳۵۱ھ۔ احمد بن محمد نیشاپوری معروف بقاضی الحرمین متوفی ۳۵۱ھ ابن ابی یعقوب الندیم الوراق علماء اسلام سے تھا۔ فہرست العلوم مشہور و معروف اس کی تصنیف سے ہے۔ ۳۸۵ھ، ۹۹۵ھ میں یہ جلیل القدر عالم فوت ہوا۔
ابوبکر احمد بن محمد بن موسیٰ بن رجاء الارجنی فقیہ و محدث تھے۔ ۳۶۹ھ میں انتقال کیا۔[2]
ابی بکر محمد بن حسن معروف نقاش موصلی معتزلی شفاء الصدور کے مصنف ہیں۔ ۳۵۱ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۲ [2] معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۲۶۔

خلیفہ قادر باللہ

نام ولقب ابوالعباس احمد قادر باللہ بن اسحاق بن مقتدر باللہ۔ اس کی والدہ ومنہ نامی تھی۔ ۳۳۶ھ میں اس کے بطن سے پیدا ہوا[1]

تعلیم وتربیت شاہی گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے آباؤ اجداد سے ورثہ میں علم عطا ہوا تھا۔ وہ بڑا فقیہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کو تفقہ میں علامہ ابی بشر الہروی الشافعی پر ترجیح دی جاتی تھی[2]

خلافت طائع کی گرفتاری کے بعد ۳۸۱ھ میں باتفاق آرا قادر باللہ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر کے ہاتھ پر اراکینِ سلطنت نے بیعت کی۔

وقائع طائع کی زندگی میں قادر نے اس کو ایک مرتبہ خلافت سے معزول کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس وجہ سے طائع نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ بغداد سے بطیحہ میں مہذب الدولہ ابوالحسن کے پاس چلا گیا۔ اُس نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔ طائع کی معزولی کے بعد امرائے بغداد نے قادر کو خلافت کے لئے نامزد کیا۔

بہاء الدولہ نے اپنے خواص کو قادر کے لینے کے لئے بھیجا۔ مہذب الدولہ نے شاہانہ ساز وسامان کے ساتھ قادر کو بغداد روانہ کیا اور بہت بڑی رقم بھی ساتھ کردی۔ ۱۲ رمضان ۳۸۱ھ کو بغداد میں قادر رونق افروز ہوا۔ بہاء الدولہ اور تمام امرائے سلطنت استقبال کے لئے نکلے۔ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ دربار میں لائے اور اس وقت خلافت کی بیعت ہوئی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۶ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱

نائب سلطنت بہاء الدولہ بویہ نائب السلطنت بنے ہوئے تھے۔ نام کے لئے قادر خلیفہ تھے لیکن امورِ مملکت میں اُن کا کوئی دخل نہ تھا۔ مگر قادر ذی علم اور ذی لیاقت تھا۔ اُس نے علماء کو اپنے دربار میں جگہ دی اور رعایا کا خبر گیراں رہتا تھا۔ بہاء الدولہ سے کہہ سُن کر رعایا کی فلاح و بہبود کے کام کراتا۔ اس لئے رعایا میں بہت ہر دلعزیز ہوگیا۔ امراء اور حکام پر بھی اس کا اثر ہونے لگا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ قادر نے اپنے حُسنِ تدبیر و سیاست دانی سے خلافت میں ایک تازہ روح پھونک دی اور حکام و عُمال نے بھی اس کی اطاعت کی۔ آہستہ آہستہ بہاء الدولہ سے قادر اختیار لینے لگا۔

رُومیوں سے صُلح رومیوں نے آرمینیہ کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ بلادِ خلاط ملاذ کرد[1] دار جیش کا محاصرہ کر لیا۔ امیر ابوعلی حسن بن مروان نے جو بنو مروان میں حاکم تھا اُن سے پریشان کن حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے اُن سے دس سال کے لئے مصالحت کر لی۔

نئی حکومتوں کا قیام حکومت بنی عباس کی کمزوری سے آئے دن نئی نئی حکمرانیاں قائم ہو رہی تھیں۔ چنانچہ یمن کی دولت زیادیہ پر آل زیاد کے ایک حبشی غلام مؤید نجاح نے ۴۱۲ھ میں قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا[2]

---

[1] دیار بکر پر باذ کرد کا قبضہ تھا۔ اس کے بھانجہ ابوعلی حسن نے ۳۸۰ھ میں دولت مروانیہ قائم کی۔ ابوعلی نہایت فرزانہ مدبر برادر کریم الطبع تھا۔ سیف الدولہ کی بیٹی ست الناس اس کو منسوب تھی۔

[2] یہ دولت ۵۵۴ھ تک اس کی نسل میں رہی۔ امراء کے نام یہ ہیں:۔
مؤید نجاح (۴۱۲ھ - ۴۵۲ھ) سعید احول بن نجاح (۴۸۲ھ) جیاش بن نجاح ۴۹۸ھ فاتک بن جیاش (۵۰۳ھ) منصور بن فاتک (۵۱۷ھ)، ۵۵۴ھ میں یہ دولت ختم ہوگئی اور دولتِ مہدیہ کے قبضہ میں گئی۔

بنی حمدان موصل میں بنی حمدان حکمران تھے ان میں حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رہی تو اُن کے کھنڈروں پر دولتِ عقیلی[1] کی تعمیر ہوئی۔ یہ بنی بویہ کے ماتحت تھے۔

دولت مرواسیہ حلب کے علاقے پر خلفائے فاطمین کے پے در پے حملے ہوئے۔ آخر ش ان کا یہاں اقتدار ہوگیا۔ ان کا خطبہ بھی یہاں جاری ہوا۔ اس علاقہ کے امرائے عرب حسان امیر بنی طے صالح بن مرداش امیر بنی کلاب اور سنان بن علیان، شجاع اور بہادر اس کے ساتھ اسلامی درد اُن کے دل میں تھا۔ خلفائے بنی فاطمین کی غلط روش اور ان کی ترویجِ بدعات سے متاثر ہوکر اُن کے مقابل آگئے۔

فوج سے دو دو ہاتھ کئے۔ ان کو حلب بلکہ شام سے بھی بے دخل کردیا۔ حلب سے عانہ تک صالح نے قبضہ کیا۔ رملہ سے مصر کے حدود تک حسان کے تصرف میں آیا۔ دمشق پر سنان حکمران ہوا۔

۴۲۰ھ میں فاطمی خلیفہ الظاہر نے انوسکین بربری کے ہمراہ ایک فوج ان امراء سے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ صالح اس جنگ میں کام آیا۔ لیکن اس کے بیٹے

---

[1] دولتِ عقیلی۔ حسام الدولہ مقلد بن مسیب (۳۸۶ - ۳۹۱ھ) معتمد الدولہ قرواش بن مقلد (۴۴۲ھ)۔

[2] قرواش نے خلیفہ عباسی کا خطبہ ترک کرکے فاطمی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا۔ قادر نے قاضی ابوبکر باقلانی شیخ اشعریہ کو بہاء الدولہ کے پاس بھیجا۔ اس نے موصل پر فوج سرکوبی قرواش کے لئے روانہ کی۔ قرواش نے خوف کھا کر پھر عباسی خطبہ جاری کردیا۔

[3] زعم الدولہ ابوکامل برکت بن مقلد (۴۴۳ھ) علم الدولہ ابوالمعالی قرداش بن بدران بن مقلد (۴۵۳ھ) شرف الدولہ ابوالمکارم مسلم بن قرواش (۴۷۸ھ) ابراہیم بن قرواش (۴۸۶ھ) علی بن مسلم بن قرواش (۴۸۹ھ)۔

نصر نے مصریوں کی پوری طاقت کا مقابلہ کیا اور اُن کو مار بھگایا۔ پھر بلا شرکت غیرے نصر حلب[1] پر حکمرانی کرنے لگا۔ اس کی اولاد میں ۴۸۲ھ تک حکمرانی رہی۔

عراق کے حکمراں قادر کے عہد میں دیالمہ میں سے یہ چار تھے:۔

۱۔ بہاء الدولہ ابونصر بن عضد الدولہ۔ اس کی حکمرانی عراق، فارس، اہواز اور کرمان پر تھی۔ اس نے ۴۰۳ھ میں انتقال کیا۔

۲۔ سلطان الدولہ ابوشجاع بن بہاؤ الدین باپ کا جانشین ہوا۔

۳۔ شرف الدولہ ابوعلی بن بہاء الدولہ اس نے ۴۱۲ھ میں سلطان الدولہ سے سلطنت چھین لی اور اس نے فارس اور کرمان جاکر اپنی نئی حکومت قائم کی۔ ۴۱۶ھ میں شیراز میں مرا۔ اس کا بیٹا کا سنجار اس کا جانشین ہوا۔ شرف الدولہ نے ۴۱۶ھ میں انتقال کیا۔

۴۔ جلال الدولہ ابوطاہر بن بہا الدولہ اشرف الدولہ کے بعد خطبہ میں اس کا نام پڑھا گیا۔ یہ بصرہ میں مقیم تھا اس کو بُلایا گیا مگر وہ نہیں آیا تو اس کے نام کے بجائے ابوکالیجار والی فارس کا نام خطبہ میں لیا گیا۔ وہ اپنے چچا ابوالفوارس حکمران کرمان کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ اس وجہ سے بغداد آنے میں تعویق عمل میں آئی۔ یہاں بوجہ بادشاہ نہ ہونے کے ترکوں نے شورش برپا کردی امرائے بغداد نے جلال الدولہ کو لکھا۔ اس نے ۴۱۸ھ میں آکر حکومت کو سنبھالا۔

علوئین ۳۸۱ھ میں علوئین مکہ میں حکمرانی کی لہر اُٹھی۔ چنانچہ ابوالفتوح الحسن جعفر علوی نے اہلِ مکہ سے بیعت لی اور الراشد باللہ اپنا لقب رکھا۔ عبید بن

---

[1] امرائے حلب:۔ صالح بن مرداس (۴۱۴ - ۴۲۰ھ) شبل الدولہ ابوکامل نصر (۴۲۹ھ) معز الدولہ ابوعلوان ثمل بن صالح (۴۴۹ھ) ابو دوابہ عطیہ بن صالح (۴۵۴ھ) رشید الدولہ دوبارہ (۴۶۸ھ) جلال الدولہ نصر بن رشید الدولہ (۴۸۲ھ) ابوالفضل سابق بن رشید الدولہ (۴۸۲ھ) اس سے بنی عقیل نے حکومت چھین لی۔

مصر کا اقتدار مکہ سے اُٹھ گیا۔ خطبہ ابوالفتوح کا پڑھا جانے لگا۔ خلافت میں مقابلہ کا دم نہ تھا۔ مگر اقتدار حکمرانی الحسن سے سنبھال نہ سکا کنارہ کشی اختیار کی۔ پھر خطبہ عبیدین (فاطمین مصر) کا جاری ہو گیا[1]

کُتب خانہ کرخ میں ۳۸۲ھ میں وزیر ابونصر سابور اردشیر نے عظیم الشان کُتب خانہ کی عمارت تعمیر کی۔ اس کا نام دارالعلم رکھا۔ اس میں جملہ علوم و فنون کی کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا اور اس کے انتظام کے لئے علماء کی مجلس بنائی اور وقف کیا۔

قاضی القضاۃ ۳۹۴ھ میں بہاء الدولہ نے شریف ابواحمد الحسین بن موسیٰ الموسوی کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ مگر قادر باللہ نے منظور نہیں کیا[2]

۳۹۵ھ میں مصر کے خلیفہ حاکم نے بہت سے علماء کو قتل کرا دیا اور مساجد کے دروازوں پر تبرا لکھوایا اور یہ حکم دیا کہ جہاں میرا نام لیا جائے تعظیم کی جائے۔

۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعہ سُنی فساد ہو گیا۔ شیخ ابو حامد العزا ابنی قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ شیعہ یا حاکم یا منصور کے نعرے لگاتے تھے۔

القادر باللہ نے اس فتنہ کو بقوت ختم کیا۔ شیعہ کثیر التعداد قتل کئے گئے[3]

وفات ۴۲۲ھ میں قادر باللہ اکتالیس سال تین ماہ سلطنت کر کے شب دوشنبہ ۱۱ر ذی الحجہ ۴۲۲ھ کو جان بحق ہوا[4]

اوصاف قادر باللہ عقیل و دانا خلیفہ تھا۔ بقول علامہ ابن خلدون :-

"دیلم اور ترک کے دِلوں پر اس کے رُعب کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔"

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۰، [2] ایضاً صـ۲۸۵ [3] ایضاً صـ۲۸۵

[4] تاریخ الخلفاء صـ۲۸۶ [5] تاریخ ابن خلدون جلد سیزدہم صـ۲۰۰ -

علّامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"قادر صاحبِ دیانت و سیاست تھا۔ تہجد اُس نے کبھی قضا نہیں کی۔ خیرات بہت کرتا تھا۔ حسنِ طریقت میں یکتا تھا۔ ایک کتاب فضائل صحابہ اور تکفیر معتزلہ اور خلق قرآن پر لکھی۔ یہ کتاب جامع مسجد مہدی میں ہر جمعہ کے دن اصحاب حدیث کے حلقہ میں پڑھی جاتی"! [1]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں :-

"علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا۔ اس کی سعادت دین داری تہجد گزاری نیکیاں اور صدقات وخیرات کی کثرت اس قدر مشہور تھیں جس سے ہر شخص واقف تھا"۔

خطیب دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"قادر باللہ حکومت کی صلاحیت رکھتا تھا۔ حسنِ سیرت اور حسن اطوار میں ممتاز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مذہبی عقائد بھی نہایت اچھے تھے"۔ [2]

اخلاق ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع، کریم النفس تھا۔ بھلائی اور نیکیوں کو محبوب رکھتا تھا۔ نیکی کا حکم دیتا تھا اور بُرائی سے روکتا تھا۔ [3]

سخاوت سخاوت میں قادر بہت بڑھا ہُوا تھا حتیٰ کہ اپنے افطاری تک کے تین حصے کرتا۔ دو حصے جامع رصافہ اور بغداد کے مساکین کو بھیج دیتا تھا"۔ [4]

علمی ترقی قادر باللہ کے عہد میں علمی ترقی بے پایاں تھی۔ باوجودیکہ خلافت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۷ [2] خطیب جلد ۴ ص۳۸ [3] تاریخ بغداد جلد ۴ ص۳۸
[4] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۱۴۴۔

بنی عباس کا دائرہ محدود تھا۔ مگر جس قدر اس کے عہد کے امراء بھی علماء کی قدردانی کرتے۔ دولت سے نوازتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادر کے عہد میں کثرت سے قلمرد اسلامی میں علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ تاریخ الخلفاء سے ان کی فہرست صرف نقل کئے دیتے ہیں۔

ابواحمد عسکری الادیب، رمانی نحوی، ابوالحسن ماسرجلبی، شیخ الشافعیہ ابوعبداللہ المرزبانی، دارقطنی الحافظ، ابن شاہین، ابوبکر اودنی الشافعی یوسف ابن السیرافی، ابن رواق مصری، ابن ابی زید مالکی، ابوطالب مکی صاحب قوت القلوب، ابن بطتہ الحنبلی، ابن شمعون الواعظ خطابی، خاتمی اللغوی، اوفوی ابوبکر، زاہر السرخی شافعی، ابن غلبون المقری، معانی بن زکریا النہروی۔

تذکرۂ علماء قاضی ابوطاہر زید بن عبدالوہاب بن محمد الاردستانی الادیب شاعر نیشاپور میں آکر رہے۔ ذیقعدہ ۴۱۵ھ کو وفات ہوئی (معجم البلدان ج۱ ص۱۸۴)

قاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن خلیل الاسدا باذی فروع میں پابند مذہب شافعی تھے۔ اصول میں معتزلہ کے ہم خیال تھے۔ تصانیف کثیرہ یادگار سے ہیں۔ رے کے قاضی رہے۔ پھر بغداد آگئے۔ کچھ عرصہ بعد خراسان جا کر رہے۔ وہیں ۴۱۵ھ کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۱ ص۱۱۰)

دولتِ غزنویہ امیر سبکتگین سے ۳۶۶ھ میں غزنوی حکومت کی بنیاد پڑی۔ بڑی شخصیت اس خاندان[1] میں سلطان محمود کی تھی جو دنیائے

---

[1] امیر بکتگین۔ امیر اسمٰعیل۔ سلطان محمود، امیر محمد بن محمود، مسعود بن محمود، مودود بن مسعود، علی بن مسعود، عبدالرشید بن محمود، فرخزاد بن مسعود، ابراہیم بن مسعود، مسعود بن ابراہیم، ارسلان شاہ بن مسعود، بہرام شاہ بن مسعود شاہ، خسرو شاہ بن بہرام شاہ، ملک شاہ بن خسرو، ۵۸۲ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔

اسلام کا مجاہدِ اعظم تھا۔

سلطان محمود غزنوی سلطان نے سامانیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد اُن کے مقبوضات پر قبضہ کیا۔ ماوراءالنہر پر ایلک خاں کا قبضہ تھا۔ محمود سے صُلح ہو گئی۔ دریائے جیحوں دونوں کی سرحد قرار دیا یا ۳۹۶ھ میں محمود ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا۔ ماوراء النہر کے ترکمانوں نے حملہ کر کے نیشاپور اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ محمود خبر سُن کر ہند سے واپس آیا۔ ترکمانوں نے بچ کر نکلنا چاہا۔ حاکم غزنوی ارسلان حاذب نے ناکہ بندی کر کے تلوار کے گھاٹ سب کو اُتار دیا۔ بقیہ ایلک خاں کے پاس گئے وہ چالیس ہزار فوج سے محمود کے مقابل آیا اور شکست کھائی۔ پھر محمود نے غور کے علاقہ پر قبضہ کیا۔ ۴۰۳ھ میں گرجستان فتح کیا۔

۴۰۷ھ میں اہلِ خوارزم نے اپنے فرمانروا ابوالعباس مامون کو جو محمود کا حقیقی بہنوئی تھا قتل کر دیا۔ محمود انتقاماً خوارزم پر حملہ آور ہُوا۔ سپہ سالار الپتگین بخاری کو گرفتار کر لیا اور خوارزم پر قابض ہو کر اپنے حاجب التونتاش کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اس کے بعد "رے" پر قابض ہُوا۔ مجدالدولہ گرفتار ہُوا۔ دیلمی خاندان کی بے اندازہ دولت محمود کے ہاتھ لگی۔ قرب و جوار کے جس قدر حکمران تھے وہ یکے بعد دیگرے اس کے مطیع ہو گئے۔ یوسف قدر خاں فرمانروائے ختن جو ترکستان کے حکمرانوں میں سب سے بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ کاشغر سے محمود کو ملنے سمرقند آیا۔ ہر دو میں تعلقات دوستانہ قائم ہوئے۔

ہندوستان سلطان محمود نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کئے راجہ انند پال والی پنجاب اور قنوج، کالنجر۔ متھرا مالوہ، اجمیر، گوالیار، گجرات کی متحدہ افواج کو شکست دی۔

غرضیکہ پنجاب پر اپنے غلام ایاز کو حاکم بنایا۔ سندھ و نیشاپور سے لے کر پنجاب تک زیرِ نگیں کر لیا۔

علمی ترقی سلطان محمود جہانگیر وکشورکشا تھا۔ اس نے علم و تمدن کی بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ جامع کمالات فرمانروا تھا اس کے لئے مختلف علوم وفنون پر کتابیں لکھی گئیں۔ وہ علماء کا قدردان اور ان کا اعزاز واکرام مرعی رکھتا۔ وہ عدل پرور اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا[1]

محمود خود بڑا صاحبِ علم تھا۔ ممتاز فقیہ فصاحت و بلاغت میں یگانہ، فقہ، حدیث، خطبات میں اس کی تصانیف ہیں۔ کتاب التفرید کثرتِ مسائل میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔

اس کے دربار کے علماء میں البیرونی، ابوالحسن خمار، ابونصر سے لوگ تھے۔ محمود خود شاعر تھا۔ اس نے شاعری کا ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا۔ عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر شعبۂ شاعری کا افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء اس سے منسلک تھے ابوالقاسم، حسن بن احمد عنصری، ابوالحسن علی بن قلوع حرفی، حسن بن اسحاق فردوسی، ابونصر علی بن احمد رسدطوسی وغیرہ مشہور درباری شعراء تھے۔ حمداللہ مستوفی کا بیان ہے کہ محمود علماء اور شعراء کا قدردان تھا اُن پر چار لاکھ دینار سالانہ صرف کرتا تھا[2] علوم وفنون کے باب میں بڑا فیاض تھا اُس نے غزنی میں ایک عظیم الشان دارالعلوم بنایا اس کے متصل عجائب خانہ تھا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ یہ نامور مجاہد ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں بعمر ۶۴ سال فوت ہوا۔ مدتِ حکومت تیس سال ہے۔

○

---

[1] ابن اثیر جلد ۹ صہ ۲۴۹ [2] تاریخ گزیدہ جلد ا صہ ۳۹۵ ۔

خلیفہ قائم بامر اللہ

نام ولقب ابو جعفر عبداللہ بن قادر باللہ بدر الدجی کے بطن سے تھا جو ارمنی کنیز تھی[1] قائم کے متعلق ابن کثیر کا بیان ہے:-

"وہ خوب صورت، عابد، زاہد عالم، خدا پر بھروسہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا، صابر، ادیب، خوشخط، عادل احسان کرنے والا تھا"

خلافت قادر کی وصیت کے مطابق ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں اس کے ہاتھ پر اراکینِ سلطنت نے بیعت کی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی۔

وقائع نظامِ حکومت جلال الدولہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ غیر منتظم حکمران تھا۔ فوج کو تنخواہ نہ ملتی وہ اس سے باغی ہو گئی۔ بمشکل یہ فتنہ ختم ہوا۔ جلال الدولہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ عکبرا جا کر مقیم ہوا۔ فوجی ترکوں نے اس کے برادر زادہ صمصام الدولہ ابو کالیجار بن سلطان الدولہ کو بلا بھیجا وہ متوجہ نہ ہوا تو جلال الدولہ کو ترک افسران منا لائے مگر اس کا رعب و دبدبہ رخصت ہو چکا تھا۔

جلال الدولہ نے باوجود اپنی کمزوری کے ۴۳۲ھ میں خلافت مآب سے ملک الملوک کے خطاب کی خواہش کی۔ خلیفہ نے انکار کیا اور کہا اسلام میں اس قسم کا خطاب ممنوع ہے۔ مگر جلال الدولہ مصر ہوا۔ اس وجہ سے علمائے بغداد سے فتوے طلب کیا۔ قاضی ابو طیب طبری ابو عبداللہ صیرفی، ابوالقاسم کرخی وغیرہ نے سلطان جلال الدولہ کے دباؤ سے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ مجبوراً خلیفہ نے یہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۰۔

خطاب عطا کیا۔ لیکن قاضی القضاۃ ابوالحسن ماوردی نے جو جلال الدولہ کے ندیم تھے اور وہ اُن کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا اس فتوے کی مخالفت کی اور علماء سے بحث کی اور سلطانی دربار کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہے۔ ایک دن جلال الدولہ نے طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے تو وہ بولا۔ میرے دل میں آپ کی قدر پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ آپ حق گو عالم ہیں اور تمام اہلِ علم سے فائق ہیں اس لئے کمالِ علمی کے ساتھ تمہاری حق گوئی اور حق پرستی اور غیرت دینی کا نقش میرے قلب پر ثبت ہو گیا۔ انہوں نے الطافِ شاہانہ کا شکریہ ادا کیا۔

شہنشاہ جلال الدولہ

آخرش جلال الدولہ نے بغداد کی حکومت سنبھالی۔ شہنشاہ کا خطاب اپنے لئے مقرر کیا۔ مگر خلافت اور سلطنت پر ضعف طاری ہو چکا تھا۔ اد گرد کے اُمراء نے غارت گری شروع کر دی۔ جلال الدولہ سے انتظام سنبھل نہ سکا۔ ۴۳۵ھ میں انتقال کر گیا۔ دو سال گیارہ ماہ اُس نے انتظامِ سلطنت کیا۔ اس کے مرنے کے بعد ابو کالیجار بن سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ خلیفہ نے محی الدولہ خطاب دیا۔ اس سے بھی سلطنت کا انتظام سنبھل نہ سکا۔ اس زمانے میں ترکوں کی ایک جماعت نے دولتِ سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی۔ ان میں پہلا بادشاہ طغرل بک تھا۔

شاہ عبدالرحیم

۴۴۰ھ میں بہرام کرخی عامل کرمان نے بغاوت کر دی۔ اس کی سرکوبی کے لئے بو کالیجار نے لشکر کشی کی مگر اس اثنا میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا عبدالرحیم جانشین ہوا اور اس نے عراق، بصرہ اور خوزستان پر قبضہ جمایا۔

ارسلان بساسیری

بہاؤ الدولہ کا ایک مملوک تھا جس کا نام بساسیری تھا۔ اس نے اپنی لیاقت اور حسنِ تدبیر سے بڑی ترقی کی۔ یہاں تک

لہ ابن خلدون جلد سیزدہم۔

کہ امیر العسکر ہوگیا اور آخر میں انبار کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ فرق باطلہ سے تھا۔ خلیفہ کے خلاف سازشیں کیں۔

دیالمہ کا خاتمہ سلاجقہ کا عروج

طغرل بک نے ۴۴۲ھ میں اصفہان پر قبضہ کیا۔ پھر آذربائیجان فتح کیا۔

طغرل کی بغداد میں آمد ۴۴۷ھ میں بغداد خلیفہ کی طلبی پر آیا۔ پہلے اس نے عبدالرحیم دیلمی کو آکر قید کر لیا اور خود شہنشاہ بن بیٹھا۔ عبدالرحیم بحالتِ قید ۴۵۰ھ میں مر گیا۔ بغداد میں بنی بویہ نے ۱۱۳ سال کی فرمانروائی کی تفصیلات دولت دیالمہ میں تحریر ہیں۔ خلیفہ نے ۴۴۹ھ میں طغرل بک کے سر پر تاج رکھا اور عمامہ باندھا اور سات خلعت دیئے۔ ملک المشرق والمغرب خطاب دیا۔ طغرل بک نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔

حادثہ بساسیری بساسیری نے دعوت و تبلیغ بنو فاطمہ سے ایک کثیر جماعت ہمنوا بنالی۔ حتیٰ کہ طغرل کے بھائی ابراہیم حاکم جبیل وحمدان پر بھی اس کا اثر پڑا۔ طغرل کو خبر لگی وہ اس کی سرکوبی کو گیا۔ بساسیری کو بڑا موقعہ ہاتھ آیا۔ اس نے ۴۵۰ھ میں قائم کے نام کو خطبہ سے نکال کر بغداد کی تمام مساجد میں منتقر فاطمی کا خطبہ پڑھوایا اور اس کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ طغرل اپنے بھائی کی گوشمالی کر چکا تو بغداد پھر آیا۔ خلیفہ بساسیری کی حرکاتِ ناشائستہ سے قریش بن بدر اُن کے یہاں روپوش تھے۔ بساسیری طغرل کی فوج کے حملہ کی تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ آخرش اس معرکہ میں بساسیری قتل (۴۵۱ھ) ہوا۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

بغداد آتے ہوئے طغرل نے امام اہلِ سنت ابوبکر احمد بن محمد کو جو ابن فورک کے نام سے مشہور تھا۔ امیر قریش بن بدر اُن کے پاس بھیجا کہ خلافتِ مآب کو ہمراہ لے کر بغداد آئیں۔ چنانچہ ۴۵۲ھ میں سلطان طغرل اور خلیفہ دونوں بغداد

میں داخل ہوئے۔ طغرل نے بعزت واحترام تختِ خلافت پر متمکن کیا۔ خلیفہ مصلے پر ہی سونے لگا۔ دن بھر روزے سے رہتا۔ رات کو اکثر نمازیں پڑھا کرتا جس جس نے اس کو اذیت دی تھی اُن کو معاف کر دیا۔

۴۷۱ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود بن سلطان محمود بادشاہ غزنی اور سلطان جعفری بک بن سلجوق (طغربک) والی خراسان کی آپس میں جنگ ہوئی، فیصلہ صُلح پہ ہوا۔ اس کے بعد جعفر مر گیا۔

واقعات طغرل بک و الپ ارسلان ۴۵۵ھ میں طغرل بک رے سے تیسری بار بغداد آیا۔ بغداد پر ڈیڑھ لاکھ ٹیکس لگا کر جبل کی طرف چلا گیا لیکن منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پیشتر قافلہ عمر کا سفر ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ رمضان ۴۵۵ھ میں فوت ہُوا۔ اس کا وارث الپ ارسلان سلطان ہُوا۔ قائم نے خلعتِ سلطنت عطا کیا۔

سلطان الپ ارسلان نے نصاریٰ کے ملک فتح کئے۔ نظام الملک طوسی اس کا وزیر تھا۔ ۴۵۹ھ میں نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم کیا۔

۴۶۳ھ میں اہلِ روم اور مسلمانوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ الپ ارسلان اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے تھا۔ شاہ روم رومانوس گرفتار ہُوا۔ مگر بعد کو پچاس سال کی صلح پر رہا کر دیا گیا۔ ۴۶۵ھ میں الپ ارسلان قتل ہُوا۔ اس کا بیٹا ملک شاہ بلقب جلال الدولہ سلطان بنا۔ سلاجقہ کے تفصیلی حالات دولتِ سلاجقہ میں تحریر کئے ہیں۔

قائم کی وفات ۱۳ شعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے فصد کھلوائی۔ اس میں اس کا انتقال ہُوا۔ اس نے اپنے پوتے عبداللہ بن محمد کو ولی عہد و جانشین کیا۔ قائم باللہ نے ۴۵ سال خلافت کی [1]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۰۔

اوصاف قائم اوصافِ جہانبانی میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ اس نے باپ سے زیادہ خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی سعی کی۔ ابن طقطقی مورخ لکھتا ہے۔

"فاضل اور صالح خلیفہ تھا اس نے عباسی خلافت کے وقار و قوت میں اضافہ کیا۔ علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ ادب و خطاطی سے زیادہ دلچسپی تھی"[1]

قائم کے عہد کے علماء عبداللہ بن حسین ناصحی فقیہ ثقہ جید شاگرد قاضی ابوالہیثم اور بعہد سلطان محمد سبکتگیں قاضی بخارا رہے۔ ۴۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن جعفر بن محمد فقیہ محدث خطیب نے بیان کیا کہ میں نے کچھ علم ان سے سیکھا ہے۔ فقہ میں محمد بن جریر طبری کے مذہب پر تھے۔ ۴۲۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابوالقاسم عبداللہ بن حسین عکبری محدث نحوی ادیب، جن کی تصنیف اعراب القرآن ہے۔ ۴۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

یحیٰی بن علی بن عبداللہ بخاری زندویسی، فقیہ زاہد، شاگرد ابوحفص سقکروری و محمد بن ابراہیم عیدانی روضۃ العلماء آپ کی تصنیف ہے۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی ابوبکر جامع مسند الامام فقیہ و محدث قاری نے ابن الاثیر کی مختصر غریب الحدیث سے نقل کیا کہ پانچویں صدی کے اول میں جو لوگ مجددینِ امت میں شمار ہیں ان میں آپ بھی ہیں۔

حسین بن خضر بن محمد بن یوسف نسفی، کنیت ابوعلی، فقیہ، محدث ابوبکر بن الفضل سے فقہ حاصل کی۔ حدیث کی سماعت عبداللہ بن عبدالرحمٰن الزہری بغدادی

---

[1] الفخری صفحہ ۲۶۰۔

سے۔ آپ سے جم غفیر نے فقہ اور حدیث حاصل کی۔ شعبان ۴۲۴ھ کو انتقال ہوا۔

خلافت عباسیہ کی سیاسی حالت

سلاطین دیالمہ کے اقتدار کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کا نظم ونسق خلفاء کے ہاتھ میں نہ تھا۔ بلکہ وہ صرف مذہبی اجارہ دار بن کے رہ گئے تھے۔ صرف خطبہ میں اُن کا نام لیا جاتا اور سکہ اُن کے نام کا جاری رہتا۔ یا وہ امراء یا جدید فرماں رواؤں کو خطاب اور خلعت عطا کیا کرتے۔ آل بویہ ظاہرہ طور پر محفلوں اور اجتماعات میں خلیفہ کا ادب واحترام کرتے[1] ورنہ خلیفہ کی یہ قدر و منزلت رہ گئی تھی کہ وہ ان سلاطین کا استقبال کرتا۔ ان کے سفراء کی تعظیم کرتا[2]

غرض کہ اُن کے عہد میں عباسی خلیفہ کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی بلکہ اُن کی سیاسی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ مگر سلجوقی اقتدار سے قائم نے نئے سرے سے خلافت کے وقار کو قائم کرنے کی سعی کی۔

وزراء خلیفہ

فخر الدولہ بن جہیر خلیفہ کا وزیر اعظم تھا۔ ۴۶۰ھ میں خلافت مآب نے معزول کر دیا۔ اس کے بجائے ابو العلی وزیر ابو شجاع کو عہدۂ وزارت پر مامور کیا۔ مگر وہ جلد مر گیا۔ پھر فخر الدولہ کو دوبارہ قلمدان وزارت سپرد کیا۔

مکہ میں خطبہ

۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والیٔ مکہ نے خلیفہ قائم اور سلطان الپ ارسلان کے نام کا خطبہ حرم میں پڑھا۔ خلیفہ عبیدی مصری کا خطبہ موقوف ہوا۔ خلیفہ کے دربار میں شیخ ابو اسحاق شیرازی[3]، علامہ ابو نصر

---

[1] تاریخ الخلفاء صہ ۲۹۱ [2] ابن اثیر جلد ۸ صہ ۲۷۴

[3] شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی فیروز آبادی ملقب بہ جمال الدین علم زہد وورع وتقویٰ میں بڑھے ہوئے تھے، مہذب فی المذہب لمع وغیرہ تصانیف ہیں ۴۷۶ھ میں انتقال ہوا۔ (ابن خلکان جلد ۱ صہ ۹) ابو نصر عبد السلام بن محمد بن عبد الواحد معروف بہ ابن صباغ فقیہ کتاب شامل کے مصنف ۴۷۷ھ میں وفات پائی۔

شریک ہُوا کرتے۔

سلجوقی فرمانروا اور خلافت مآب آل بویہ سے بہتر طغرل سلجوقی نے خلافت مآب کی عظمت و بزرگی کا خیال کیا۔ ۴۴۹ھ میں طغرل بک موصل پر قبضہ کرنے اور دبیس بن فرید اور قریش بن بدران کی شورشوں کو دبا کر بغداد آیا تو خلیفہ قائم بامراللہ کے ساتھ جو طریقہ اختیار کیا وہ خلیفہ کے شایانِ شان تھا[1]

جب یہاں سے واپس جانے لگا تو بہت سے ہدایہ خلیفہ کی خدمت میں بھیجے تھے جس میں پچاس ہزار دینار، پچاس ہزار ترک غلام اور بہت سے گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ شامل تھے۔ خلافتِ مآب نے سلجوقیوں کی اس روش سے بہت اثر لیا اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر بحال کرنے میں قائم سرگرم سعی کرتا رہا۔

سلاطین سلاجقہ

بیغو شاہ ترکستان کے دربار میں ایک شخص سلجوق نامی تھا جو بیغو سے خفا ہو کر مسلمانوں کی سرحد دیار سمرقند میں چلا آیا تھا۔ نواحی جندر میں یہ آکر ٹھہرا۔ یہاں کے مسلمانوں کے اخلاق اور تمدن و معاشرت کے اثر نے اس کی طبیعت کو مجبور کیا حتیٰ کہ وہ اپنا مذہب آبائی چھوڑ کر خالی ماوراء النہر کے استمزاج سے مسلمان ہو گیا۔ جندر اس زمانے میں بیغو شاہِ ترکستان کا باجگذار تھا۔ ترک سالانہ خراج لینے آتے تو سلجوق مزاحم ہُوا۔ اُس نے کہا کفار مسلمانوں سے خراج لیں میں اُسے گوارا نہیں کر سکتا۔ جندر کے مسلمان سلجوق کی مدد سے غالب آئے اور یہی سلجوق کی شہرت کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد جب ابراہیم سامانی نے سلجوق کی مدد سے ایلک خاں پر

---

[1] ابن خلکان جلد ۳ صہ ۳۰۳ [2] ابن اثیر جلد ۹ صہ ۱۲۳۔

فتح پائی تو سلجوق کا نام اور بلند ہوا۔

سلجوق کا بیٹا میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا اور اس کے دو بیٹے طغرل بیگ اور جغر بیگ اپنے دادا سلجوق کے ظلِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ سلجوق کے دونوں بیٹے میکائیل اور داود اپنے باپ کے طرز پر تھے اور دونوں پوتے طغرل بیگ اور جغر بیگ تو بڑے ہی زبردست نکلے۔ سلجوقیوں سے حاکم ماوراء النہر علی تگین معروف ایلک خاں اور ترکستان کے سلاطین دبنے لگے۔ ایلک خاں نے تمام سلاطینِ گرد و نواح کو جمع کر کے سلجوقیوں کا استیلاء کرنا چاہا۔ اس پر جغر بیگ خراسان سے ہوتا ہوا آیا۔ ارمینیہ کی طرف نواح سلطنت روم میں عیسائیوں سے مذہبی جنگ کرنے چلا گیا۔ یہ زمانہ سلطان محمود سبکتگین کا تھا۔ سلجوقیوں کو والی طوس نے اپنے ملک سے گزرنے دیا۔ اس پر وہ سلطان محمود کے عتاب کا مستوجب ہوا۔

جغر بیگ نے وہاں کئی قلعے فتح کئے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر آیا۔ پھر یہ دونوں بھائی ایک جا ہو کر اپنی قوت متفقہ کا زور فتح میں لگانے لگے۔ خان کاشغر اور سلطان محمود نے باہم مل کر ایلک خان کو جب سمرقند سے بھگایا تھا۔ اس وقت سلجوقیوں کا زور گھٹ گیا تھا۔ لیکن محمود کے مرنے پر مسعود کے زمانے میں مرو اور ہرات پر جغر بیگ قابض ہو گیا اور خراسان میں بمقام نیشاپور طغرل بیگ نے اپنا تختِ حکومت رکھا۔ اس کے بعد مسعود نے چڑھائی کی اور دونوں بھائیوں نے مل کر مسعود کا سخت مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں اتنی خون ریزی ہوئی کہ ہزاروں برس سے نہیں ہوئی تھی۔ مسعود کو ہزیمت ہوئی اور سلجوقیوں کی سلطنت خراسان میں قائم ہوئی [1]

طغرل بیگ | خوارزم شاہ سے اس کے سپہ سالار نے سرتابی کی تھی اس لئے طغرل بیگ کو خوارزم شاہ کی مدد کے لئے خوارزم جانا پڑا

---

[1] ابن خلدون جلد نہم۔

اور وہاں سے منصور واپس آیا۔ پھر غزوہ روم کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے بھی کامیاب واپس آیا۔ اس زمانے میں طغرل بیگ دو مرتبہ بغداد گیا۔ ایک مرتبہ تو ملک رحیم دیلمی کا استیصال کیا۔ اور دوسری مرتبہ قائم باللہ خلیفہ بغداد کو بساسیری کے پنجہ سے چھڑایا پھر تخت پر بٹھایا اور مستنصر علوی کا نام خطبہ سے نکال کر پھر قائم باللہ کا نام خطبہ میں پڑھایا گیا۔ تیسری مرتبہ ۴۵۵ھ میں طغرل بیگ پھر بغداد گیا اور قائم باللہ کی لڑکی سے عقد کیا۔ لیکن زفاف کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طغرل بیگ نے دنیا سے رحلت کی اور چغر بیگ اس سے پہلے مر چکا تھا۔

چغر بیگ، طغرل بیگ یہ دونوں بادشاہ ساتھ حکمران تھے۔ باہم بہت رسم تھا ایک دل ہو کر سب کام کرتے تھے۔ صرف کہنے کو چغر بیگ کا آخر میں دارالحکومت مرو اور طغرل بیگ کا نیشاپور تھا۔ ورنہ مرتے دم تک ایک دل رہے۔[1]

الپ ارسلان بن چغر بیگ یہ بڑا نیک نام اور نیک نیت بادشاہ تھا۔ ڈاڑھی اس کی بہت بڑی تھی اور ٹوپی بہت اونچی رکھتا تھا۔ عبادان سے سواحل بحر تک اور جیحوں سے دجلہ تک اس کے قبضہ میں تھا۔ کئی سلاطین اس کے باجگزار تھے۔ خان ترکستان کی لڑکی سے اس نے اپنے بیٹے ملک شاہ کی شادی کی اور سلطان ابن مسعود کی لڑکی سے اپنے دوسرے بیٹے ارسلان شاہ کا بیاہ کیا۔

قیصر روم اس کے وقت میں قیصر روم نے تین لاکھ فوج لے کر اور بہت سے عیسائی سلاطین کو ساتھ لے کر بلادِ اسلام پر چڑھائی کی اور نیت یہ کی کہ بغداد کو ویران کر دے اور تمام مسجدیں کھدوا دے۔ الپ ارسلان نے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا۔ عیسائی پسپا ہوئے اور قیصر روم گرفتار ہوا۔ لیکن

---

[1] ابن خلدون جلد ۹۔

پھر قیصر کو رہائی دی گئی اور قیصر نے اپنی بیٹی الپ ارسلان کے بیٹے ارسلان شاہ کے عقد میں دی۔

ارسلان شاہ کے لئے خاقان چین کی دختر بھی لی گئی اور خاقان چین بھی مطیعان کے زمرہ میں داخل ہُوا۔ اس کے وقت میں نیشا پور رشکِ بغداد بن گیا۔ تمام سلاطین اس کے دربار میں آتے تھے اور آستانہ شاہی پر جبہ سائی کرتے تھے۔ موت اُس کی عجیب طور پر ہوئی۔ اتفاق سے قلعہ دار اسیر ہو کر آیا اور گفتگو میں مشتعل ہو کر اس کی طرف لپکا۔ لوگوں نے روکنا چاہا لیکن اس نے اپنی شان کے خلاف سمجھا کہ کوئی غیر اُسے بچائے اُس نے لوگوں کو باز رکھ کر خود کمان سیدھی کی۔ تیر خالی گیا اور قلعہ دار نے پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس بادشاہ کے دربار میں علماء بہت رہتے تھے۔ خود نظام الملک طوسی اس کا وزیر ایک زبردست عالم اور بڑا مدبّر شخص تھا۔ سلجوقین نے جو زور پکڑا اس میں شمشیر ترکی کے ساتھ حکمت نظام الملکی ایک قابلِ لحاظ شئے تھی۔

جلال الدین ملک شاہ بن الپ ارسلان

نظام الملک طوسی کی سعی سے جلال الدین تخت پر بیٹھا۔ نظام الملک اس کے باپ کے وقت سے وزیر تھا۔ اب تو بالکل ہی سیاہ سپید کا مالک ہو گیا۔ نظام الملک بڑا مشہور شخص ہُوا ہے۔ عباسیوں کے زمانہ میں برامکہ کا خاندان تھا۔ اسی طرح کچھ دنوں کے لئے سلجوقیوں کے وقت میں نظام الملک کا خاندان عروج پر تھا۔ بغداد اور بصرہ میں مدرسہ نظامیہ اسی کا بنوایا ہُوا ہے۔ اس کی یونیورسٹی کی کتابوں کا پڑھنا اس زمانہ تک طریقہ نظامیہ کا درس کہلاتا ہے۔ طوس مردم خیز جگہ ہے۔ یہاں نظام الملک غزالی، فردوسی تین بڑے مشہور شخص گزرے ہیں۔ کسی کا شعر ہے [۱]

ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ اُو طوسی بود
چوں نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

---

[۱] تاریخ اسلام صفحہ ۲۸۹۔

ملک شاہ کی گرفتاری یہ بادشاہ ایک مرتبہ شکار کو نکلا۔ راہ میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہُوا۔ حالتِ گرفتاری میں اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میری عزت نہ کرنا۔ ورنہ دشمن مجھے معزز سمجھ کر ذلیل کریں گے۔ یہاں نظام الملک نے مصالحت کا ڈھنگ ڈالا اور شرائط طے کرنے کو خود گیا۔ قیصر روم نے ان قیدیوں کا ذکر کیا تو نظام الملک نے بڑی بے پرواہی سے سنا۔ بلکہ ملک شاہ جب نظام الملک کے سامنے لایا گیا تو اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ نظام الملک لوٹا تو قیصر روم نے ملک شاہ کو مع اور قیدیوں کے اُس کے ساتھ کر دیا۔ کیونکہ مصالحت ہو جانے پر اسیرانِ سلطنت کی رہائی لازمی تھی۔ جب ملک شاہ رومیوں کی حدِ نظر سے باہر ہُوا تو نظام الملک نے بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دیا۔

قیصرِ روم کی گرفتاری اس کے بعد ملک شاہ نے رومیوں پر چڑھائی کی اور کسی حکمت سے قیصرِ روم گرفتار کر کے ملک شاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصرِ روم نے ملک شاہ سے کہا کہ اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ تاجر ہو تو بیچ ڈالو اور قصاب ہو تو ذبح کر ڈالو۔"

ملک شاہ نے نہایت عزت سے قیصرِ روم کو رخصت کیا اور کہا کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ میں تم پر ثابت کر دوں کہ میری سابق گرفتاری ایک امر اتفاقی تھی۔ میری قوم کسی طرح کمزور نہیں ہے۔ ملک شام بھی اس بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ شکار کا اس کو بہت شوق تھا۔ جب بادشاہ بغداد گیا تو خلیفہ مقتدی باللہ نے اس کی بڑی تواضع کی۔ اس نے خلیفہ کا ہاتھ چُومنا چاہا لیکن خلیفہ نے (غالباً براہ تواضع) گوارا نہ کیا) تب ملک شاہ نے بادشاہ کی انگھوٹھی لی اور اسی کے بوسہ پر اکتفا کیا۔ مقتدی نے اپنی بیٹی ملک شاہ کے عقد میں دی اور تمام بلادِ اسلام کی امارت ملک شاہ کے سپرد کی۔

جلال الدین خلیفہ ہی کا عطیہ خطاب ہے۔ آخر میں بادشاہ ناخوش ہو گیا تھا ناخوشی کے نتائج پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئے تھے کہ ایک فدائی نے نظام الملک

کو قتل کیا اور ملک شاہ نے بھی مہینہ کے اندر ہی اپنی موت سے وفات پائی۔

مدرسہ نظامیہ مدرسہ نظامیہ کے دو مدرس بڑے مشہور ہیں۔ امام ابواسحاق شیرازی اور امام غزالی۔ نظام الملک نے یہ چاہا کہ اپنے طرزِ زندگی پر علمائے وقت کی رائیں لکھوا کر اپنے ساتھ قبر میں بطور نیک نامی کے لیتا جائے۔ تمام علماء نے آنکھ بند کر کے نظام الملک کی خوبیوں کا قصیدہ نثر میں لکھ دیا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ نظام الملک طوسی ایسا ہی شخص تھا۔ نحول اور پھر شرع کی حدود کا لحاظ آسان امر نہیں ہوتا۔ لیکن جب ابواسحاق کی باری آئی تو انہوں نے لکھا۔

"خیر الظلمۃ حسن۔ کتبہ ابواسحاق"

یعنی ظالموں میں حسن اچھا ہے۔ راقم ابواسحاق۔

نظام الملک کا نام حسن تھا۔ نظام الملک یہ تحریر دیکھ کر بہت رویا اور بولا کہ ابواسحاق سے زیادہ کوئی دوسرا سچا نہیں ہے۔

برکیارق بن ملک شاہ (۴۸۶ھ) نظام الملک کے بیٹے موئد الملک و فخر الملک اس کے وزیر تھے۔ تیرہ برس سلطنت کر کے یہ مرا۔ اس کے وقت میں تخت اور حکومت کے لئے سلجوقیوں میں باہمی نزاع رہا۔ کچھ حالات مقتدی اور مستظہر باللہ کے تذکرہ میں درج ہیں۔

محمد بن ملک شاہ (۴۹۲ھ) تیرہ برس تک سلطنت کر کے یہ مرا۔

سلطان السلاطین سنجر بن ملک شاہ ۵۰۹ھ یہ بادشاہ بڑا نیک نام، خدا ترس اور بیدار مغز تھا۔ اس کے وقت میں بہت سی لڑائیاں اور بہت سے غزوات ہوئے۔ بہرام شاہ غزنی اس کا باجگذار ہوا۔ کورا خان ترکی کے مقابلہ میں سلطان سنجر مغلوب ہو گیا

تھا۔ اس سے ذرا زنگ پھیکا ہو چلا تھا۔ لیکن اس کے بعد بہرام غزنوی کو جب علاء الدین جہاں سوز غوری نے آ دبایا اور سلطان سنجر نے پہنچ کر علاء الدین کو گرفتار کر لیا۔ تب پھر اس کا طنطنہ کامرانی اصلی حالت پر آ گیا۔ نواحی بلخ میں ایک مرتبہ ترکمان غزنی کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور چار برس تک گرفتار رہا۔ پھر حکمتِ عملی سے نکل کر اپنے ملک میں آیا۔ یہ پہلے بھی آسکتا تھا لیکن معہ بیوی کے گرفتار تھا۔ بیوی کے ساتھ بھاگ نکلنا آسان نہ تھا اور بیوی کو چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ تھا۔ جب بی بی مری تو یہ کسی حکمت سے نکل بھاگا۔ اس اثنا میں غزوں نے تمام ملک ویران کر دیا تھا۔ اس کے وقت میں حاکم خوارزم نے بغاوت کر کے ایک جُدا سلطنت قائم کی۔ حکمران آگے چل کر خوارزم شاہیوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس بغاوت نے سلطان سنجر کو بہت زیادہ کمزور کر دیا تھا۔ ۵۵۲ھ میں سلطان سنجر نے ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

محمود خاں جواہر زادہ (۵۵۲ھ) بغرا خاں کی نسل میں تھا سلطان سنجر کے بعد ہی تخت نیشاپور پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کا دَور ہوا۔ محمود کو اندھا کر کے کچھ ملک خوارزم نے لے لیا اور کچھ غوریوں نے لے لیا۔ اس طرح سلجوقیوں کی سلطنت کا خراسان میں خاتمہ ہو گیا۔

اب کچھ سلجوقیوں کا حال لکھا جاتا ہے جو عراق اور عرب میں حکمراں تھے۔

محمد بن محمد بن ملک شاہ (۵۰۹ھ) اپنے باپ ملک شاہ کے مرنے پر یہ عراق پر حکمراں ہوا اور سلطان سنجر نے کچھ زیادہ اس کی فکر نہیں کی۔ مسترشد باللہ خلیفہ بغداد سے یہ رنجیدہ ہو گیا تھا۔ اور اس نے بغداد کا محاصرہ بھی کیا تھا لیکن پھر مصالحت ہو گئی۔

طغرل بن محمد بن ملک شاہ (۵۲۵ھ) بھائی کے مرنے پر سلطان سنجر کے اشارے سے یہ عراق کی ریاست پر قابض ہوا۔

مسعود بن سلطان ملک شاہ (۵۲۹ھ) اس کے وقت میں چند سلجوقیوں نے خلیفہ مسترشد کو ملک گیری کے لئے اُبھارا۔ مسعود سے لڑائی ہوئی۔ خلیفہ گرفتار ہُوا اور ایک فدائی نے اس کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد راشد اپنے باپ کے خون بہا کے لئے نکلا اور اصفہان تک پہنچتے پہنچتے مارا گیا۔ پھر مسترشد کے دوسرے بیٹے مقتفی باللہ کو مسعود نے تختِ خلافت پر بٹھایا۔

ملک شاہ بن محمود بن محمد بن سلطان ملک شاہ (۵۴۷ھ) تین مہینہ تک یہ بادشاہ رہا۔ اس کے مزاج میں عیاشی تھی۔ لوگوں نے اُسے قید کرکے اس کے بھائی محمد کو تخت پر بٹھایا۔

محمد بن محمود (۵۴۷ھ) سلیمان شاہ سے جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا برابر لڑتا رہا۔ آلِ سلجوق کے ضعف کا زمانہ تھا اس لئے خلفائے بغداد نے بھی کچھ قوت پکڑ لی تھی۔ سات برس تک سلطنت کرکے مرا۔

سلیمان بن ملک شاہ (۵۵۱ھ) ارسلان کے ساتھ اس کا نام بھی خطبہ میں داخل کیا گیا۔ آٹھ مہینہ تک اس کی سلطنت رہی۔

ارسلان بن طغرل (۵۵۵ھ) الموت کے فدائیوں سے یہ لڑتا رہا اور غالب رہا۔ اس کے وقت میں خوارزم شاہیوں کا دور شروع ہوا۔

طغرل بن ارسلان (۵۷۱ھ) خلیفہ مستضی باللہ کے وقت میں یہ تخت نشین ہُوا۔ رکن الدین قسیم امیر المومنین کا لقب تھا۔ اس کے وزیر قزل ارسلان نے اس سے سرتابی کی اور عرصہ تک لڑتا رہا۔ درمیان میں طغرل کے قید ہو جانے سے یہی بادشاہ بن گیا تھا۔ خلیفہ ناصر دین اللہ بھی طغرل سے خوش نہ تھا۔ تکش سلطان شاہِ خوارزم کے مقابلہ میں یہ مارا گیا اور اس کا سر بغداد گیا اور اس کے مرنے پر عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان سنجر کے ایک بھائی کی نسل میں سلطان[۱] شاہ، توران[۲] شاہ، ایران[۳] شاہ، ارسلان[۴] شاہ، محمد[۵] شاہ بن ارسلان شاہ، طغرل[۶] شاہ، ارسلان[۷] شاہ طغرل شاہ، بہرام[۸] شاہ، توران[۹] شاہ، محمد[۱۰] شاہ بن بہرام شاہ۔ یہ دس خود مختار بادشاہ کرمان میں یکے بعد دیگرے خوارزم شاہیوں کے عروج تک حکمران رہے اور ہمدان اُس کا پایۂ تخت تھا۔ اس کے بعد تمام سلجوقیوں کی طرح یہ لوگ بھی مٹ گئے۔

سلیمان بن قلتمش بن اسرائیل بن سلجوق کو الپ ارسلان نے روم کی طرف بھیجا تھا۔ اس کی نسل سے ایک جدا بادشاہت قائم ہوئی جس میں چودہ بادشاہ اس کے بعد تخت پر بیٹھے اور قونیہ یا قونیہ دارالحکومت قرار پایا۔ سلیمان[۱] بن قلتمش، داود[۲] بن سلیمان قلیج، ارسلان[۳] بن سلیمان، مسعود[۴] بن قلیج ارسلان قلیج، ارسلان[۵] بن مسعود، غیاث الدین[۶] کیخسرو بن قلیج ارسلان، رکن الدین سلیمان[۷] بن قلیج، ارسلان[۸] بن سلیمان، عزیز الدین[۹] کیکاؤس بن غیاث الدین، علاء[۱۰] الدین کیقباد بن غیاث الدین، غیاث[۱۱] الدین کیخسرو بن علاؤ الدین، رکن الدین سلیمان[۱۲] بن غیاث الدین کیخسرو، کیخسرو بن رکن الدین[۱۳] مسعود بن کیکاؤس، کیقباد[۱۴] بن فرامرز۔

اس خاندان کے بادشاہ رومیوں سے لڑتے رہے۔ خوارزم شاہیوں سے بھی لڑے۔ عراق کے سلجوقیوں سے بھی کبھی مقابل ہو گئے۔ لیکن برابر اپنی حالت پر قائم رہے۔ ساتویں صدی ہجری کے اخیر میں بر سیغ غرا خاں نے جس کے مطیع یہ سلطنت ہو گئی تھی، کسی قصور پر کیقباد کو تخت سے اُتار کر روم سے سلجوقیوں کا نام مٹا دیا۔[۱]

طغرل بک بانی خاندانِ سلجوقیہ

سلاطینِ سلجوقیہ میں طغرل کا حال بیان کر آئے ہیں۔ اس جگہ اس کی زندگی کے چند روشن پہلو پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] تاریخ اسلام صفحہ ۲۹۳ از علامہ ابوالفضل احسان اللہ عباسی۔

"سلطان طغرل اولوالعزم بادشاہ گزرا ہے[1]۔ وہ ہمیشہ افرادِ قوم کو عدل و تقویٰ، رفق و احسان کی تاکید کرتا تھا اور خود بھی ان اوصاف سے محلی تھا۔"

مذہب طغرل پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتا۔ ہفتہ میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقات و خیرات بکثرت کرتا۔ جگہ جگہ مسجد تعمیر کرائیں۔ وہ کہا کرتا تھا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں اور خدا کے لئے اس کے پہلو میں گھر نہ بنواؤں۔

طغرل نے قسطنطنیہ میں جو ہنوز یونانیوں کے قبضہ میں تھا نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمان کے لئے ملکۂ قسطنطنیہ سے حاصل کر لی اور جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم باللہ کا نام پڑھا گیا۔

طغرل شہزادی بغداد سے عقد کے لئے بغداد آیا تو نکاح کے بعد شہزادی کے حضور میں گیا۔ شہزادی سنہرے تخت پر جلوہ فرما تھی۔ طغرل بک نے پہلی ملاقات میں سامنے جا کر نہایت ادب سے شہزادی کو سلام کیا اور قیمتی تحفے پیش کئے۔ اس کے بعد مؤدبانہ سلام کر کے چلا آیا اور شہزادی کے مُنہ سے نقاب تک نہ اٹھائی۔ طغرل کو اس رشتہ سے فخر تھا۔ عقد کے چھ ماہ بعد ربیع الاول ۵۵ ھ میں بعمر ستر سال انتقال کر گیا[2]۔

طغرل بک نے ایک ایسے خاندان کی بنا ڈالی جو عظمت و ہیبت کے علاوہ علم دوست اور عمدہ اوصاف کے لئے آج تک چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔

طغرل بک کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ الپ ارسلان بن داؤد جو اس کا بھتیجا تھا اُس کو اپنا جانشین کیا۔ جیسا کہ اُوپر ہم ذکر کر چکے ہیں۔ الپ ارسلان کا خلف ارشد سلطان ملک شاہ تھا۔ اس کا ہی وزیر نظام الملک تھا۔ پورے حالات سلاطین سلجوقیہ میں لکھ چکے ہیں۔ یہی ملک شاہ تھا جس کے حکم سے رے نیشاپور میں ایک رصدگاہ بنائی گئی۔

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۱۴، ۲۱۴
[2] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۷۔

جس کا اہتمام عمر خیام (۱۰۳۸ - ۱۱۲۳ء) کے سپرد تھا۔ عمر خیام رباعیات کی وجہ سے مشہور ہے مگر نجوم و ہئیت کا بڑا ماہر تھا۔ تاریخ جلالی ملک شاہ کے نام سے مرتب کی۔ اس تاریخ میں یہ خوبی ہے کہ پانچ سال میں صرف ایک دن کی غلطی پیدا ہوتی ہے ایک ان کی کتاب جبر مقابلہ پر ہے اس میں ثنائی مساواتوں کا جبری و ترسیمی حل معہ ترتیب و تعلیل مساوات کعبی سمجھایا گیا ہے۔

سلجوقیوں کے عہد میں علمی ترقی کمال پر تھی۔ سلجوقی خاندانوں نے علماء کو بہت کچھ نوازا۔ جس کی تفصیل نظام الملک طوسی میں دیکھئے۔

ملک شاہ کی اولاد میں سے سلجوقی سلطان ابوالفتح ملک شاہ بن محمد تھا جس کے دربار میں ابوالروح محمد بن منصور بن عبد اللہ بن منظور الجرجانی الملقب بہ زرین دست نے نور العیون کتاب لکھ کر دربار میں ۴۸۰ھ میں پیش کی۔

نظام الملک طوسی

حسن ابن علی بن اسحاق بن عباس کنیت ابوعلی لقب نظام الملک قوام الدین تھا۔ بروز جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۴۰۸ھ کو نوقان ضلع طوس میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ معمولی زمیندار تھا۔ اس نے حدیث و فقہ کی تعلیم حسن ابن علی کو دلوائی۔ حسن بن صباح اور عمر خیام ہم سبق تھے۔ سن بلوغ کو نظام الملک پہنچا تو علی بن شاقون کے پاس جاکر نوکر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کرکے داؤد بن میکائیل سلجوقی کے پاس چلا گیا۔ داؤد کو جوہر قابلیت اس میں نظر آیا۔ اس نے نظام کو اپنے بیٹے الپ ارسلان کا اتالیق بنا دیا اور شہزادے کو ہدایت کی کہ نظام کو میرے برابر سمجھنا اور اس کے بلا مشورہ کے کوئی کام نہ کرنا۔ جب ارسلان نے سر پر تاج رکھا تو تدبیر مہام اور مہار انتظام کو نظام الملک کے ہاتھ میں دیدی۔ دس سالہ حکومت کے بعد الپ ارسلان مر گیا تو ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے ہاتھ میں حکومت میں سے صرف تخت تھا اور شکار کے لئے جنگل۔ باقی سیاہ و سپید کا مالک نظام الملک تھا۔ اس جاہ و جلال کے ساتھ نظام الملک نے اپنی عمر کے بیس سال پورے کئے۔ نظام الملک کی مجلس ہر وقت علمائے کبار اور

صوفیائے نامدار سے بھری رہتی تھی۔ ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین ابوالمعالی کی تعظیم و توقیر میں نہایت غلو رکھتا تھا۔

جامعہ نظامیہ نظامیہ یونیورسٹی کی ۴۵۷ھ میں بنیاد رکھی۔ عمارت کی تکمیل ۴۵۹ھ میں ہوئی۔ شیخ ابونصر صباغ صدر مدرس مقرر ہوئے پھر شیخ ابواسحاق شیرازی کو پرنسپل کیا۔

حدیث شریف کے درس میں طالب علمانہ طور سے حاضر ہوتا۔ گاہے خود بھی روایت کیا کرتا اور کہا کرتا میرا شمار رروایانِ حدیث میں تو ہوگا۔ تین کروڑ سالانہ کی جاگیر جامع نظامیہ کے لئے وقف کی۔

نظام الملک وزیر سلطنت اور عالم دین تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی مدارس اور سرائیں اور پل تعمیر کرائے۔ ۱۰ رمضان ۴۸۵ھ میں ایک باطنی نے قتل کر دیا۔ تاج الملک ابوالغنائم خسرو بھی اس سازش میں شریک تھا۔

ابوالہیجا مقاتل بن عطیہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا

کان الوزیر نظام الملک لؤلؤۃ ۔۔۔ یتیمۃ صاغہا الرحمٰن من شرف

عزت فلم تعرف الایام قیمتہا ۔۔۔ فردھا غیرۃ منہ الی الصدف

ترجمہ: "نظام الملک ایک نفیس موتی تھا جسے رحمان نے دریائے شرف سے نکالا تھا۔ اس نے دنیا کو اپنی آب و تاب دکھلائی مگر دنیا نے اس کی قدر و قیمت نہ پہچانی اس لئے غیرتِ الٰہیہ نے اس کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔"

نظام الملک کی علمی یادگار سیاست نامہ ہے جو اپنے موضوع پر ایک لاجواب تصنیف ہے [1]

---

[1] ابن خلکان ذکر نظام الملک طوسی

خلیفہ مقتدی بامر اللہ

نام ولقب مقتدی بامر اللہ بن ذخیرۃ الدین محمد بن قائم بامر اللہ اس کے والد محمد بن قائم اس کو حمل میں چھوڑ کر قائم کی حیات میں مر گئے تھے۔ اپنے باپ کے چھ ماہ بعد ارجوان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اپنے دادا کے مرنے کے بعد بعمر ۱۹ سال چھ ماہ تخت خلافت پر بیٹھے۔

خلافت وقت بیعت خلافت مؤیدالملک ابن نظام الملک وزیر فخر الدولہ بن جہیر، عمید الدولہ، شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابن الصباغ، نقیب النقباء طراد، نقیب الطاہر، معمر بن محمد اور قاضی القضاۃ ابو عبداللہ دامغانی وغیرہ علماء وارکانِ سلطنت نے ۴۶۷ھ میں بیعت کی۔[1]

ابن عمید الدولہ کو ملک شاہ سے بیعت لینے بھیجا۔ سعد الدولہ کو ملک شاہ نے شحنہ کر کے بغداد کو بھیجا۔ خلیفہ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی تمام لہو ولعب کے انسداد کا حکم دیا۔ خلافِ شرع جس قدر امور تھے ان کو سختی سے بند کیا۔ تھوڑے عرصہ میں نیکیاں اور حسنات ظاہر ہونے لگے۔

وزارت وزارت پر فخر الدولہ بن جہیر ممتاز تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے معطل کر دیا گیا۔ پھر اُس کو ہی قلمدانِ وزارت سپرد ہوئی۔ کچھ روز کے لئے ابو شجاع محمد بن حسن مخاطب ظہیر الدین وزارت پر سرفراز رہا۔

وقائع تاج الملک ملک شاہ کا بھائی مقتدی کا ہوا خواہ تھا۔ اس نے بھی دمشق کو تسخیر کر کے وہاں مقتدی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ملک شاہ سے

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۔

بھڑ پڑا۔ مگر صلح ہو گئی۔ خراسان، ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر چکا تھا چھوڑ گیا۔

۴۸۰ھ میں ملک شاہ نے اپنی لڑکی مقتدی کی کنیزی میں پیش کی۔ خلیفہ نے اپنے نکاح سے مشرف فرمایا۔[1]

خطاب امیر المومنین
۴۷۹ھ، یوسف بن تاشقین والیٔ سبتہ و مراکش جس کے حالات خلافت ہسپانیہ میں لکھے جا چکے ہیں یوسف نے مقتدی سے درخواست کی کہ جو شہر اُس کے قبضہ میں ہیں وہ اس کو دے کر سلطان کا لقب عطا کر دیا جائے۔ چنانچہ مقتدی نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اس کے پاس خلعت و علم بھیجا اور اس کو امیر المؤمنین کا عظیم ترین خطاب عطا کیا۔[2]

دار العلم
۴۸۳ھ میں بغداد میں مستوفی دولت تاج الملک نے ایک مدرسہ باب البرزہ کے پاس بنایا۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس ابو بکر شاشی تھے۔

کوائف صقلیہ
۴۸۴ھ میں فرنگیوں نے تمام جزیرہ صقلیہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ جزیرہ ۲۰۰ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ آخری بادشاہ صقلیہ کا عسیدی معزدلی تھا۔[3]

جامع مسجد
اس سال ملک شاہ بغداد آیا۔ ایک جامع مسجد بنوائی اور اس کے گرد مکانات امراء نے تعمیر کرائے۔ پھر ملک شاہ اصفہان چلا گیا۔ مگر ۴۸۵ھ میں بغداد پھر لوٹا اور خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ بغداد کو خالی کر دو۔ خلیفہ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ مگر ملک شاہ نے دس دن کی مہلت دی۔ خلیفہ نے روزے رکھنے شروع کئے اور افطار زمین پر بیٹھ کر کرتا تھا۔ نہایت عجز کے ساتھ ملک شاہ کے لئے دُعا مانگی۔ خدا نے قبول کی کہ ملک شاہ بیمار پڑ گیا اور بعمر ۳۸ سال ۴۸۵ھ میں مر گیا۔[3]

---

[1] دروس التاریخ علامہ محی الدین الخیاط مصری جزء ۴ صد ۱۳۴ [2] تاریخ الخلفاء صد ۲۲۵

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۶۔

ملک شاہ کے آثارِ خیر ملک شاہ کے زمانے میں اُس کے نام کا خطبہ حدودِ چین سے شام تک اور شمال سے یمن تک پڑھا جاتا تھا۔ سارے قلمرو میں عدل و انصاف کی وجہ سے امن و خوشحالی تھی نہریں نکالی گئیں۔ پل بنائے گئے۔ مساجد آباد کی گئیں۔ مدرسے تعمیر ہوئے۔ مکہ معظمہ کے راستے میں جابجا رباط اور لنگر خانہ قائم کئے۔ اس کی شوکت ہمسایہ سلطنتوں پر غالب تھی۔ ملک شاہ کے چار بیٹے تھے، محمود چھوٹا تھا۔ اس کی والدہ ترکان خاتون نے جس کی بیٹی مقتدی کو منسوب تھی۔ خلیفہ کے مشورہ سے محمود کو ولی عہد کر دیا۔ برکیارق کو نظام الملک ولی عہد کر گیا تھا۔ چنانچہ برکیارق نے محمود کو معزول کر دیا۔

قبضہ بغداد برکیارق ابن ملک شاہ نے ۴۸۶ھ میں بغداد پر قبضہ کیا اور خطبہ میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا اور رکن الدولہ لقب اختیار کیا۔

مقتدی کی وفات ۵ محرم ۴۸۷ھ میں مقتدی نے برکیارق کے نامۂ تخت نشینی پر دستخط کرنے کے بعد اچانک بعمر ۲۸ سال وفات پائی۔ کل مدتِ خلافت ۱۹ سال ہے۔ عمائدِ سلطنت نے اسی وقت مستظہر باللہ کی بیعت لی۔ اس سے فراغت پا کر تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

اوصاف مؤرخین کا بیان ہے کہ مقتدی جامع اوصاف فرمانروا تھا۔ مقتدی میں دین و سیاست دونوں جمع تھے۔ گو ملک شاہ خلافت پر حاوی ہو گیا تھا۔ مگر مقتدی نے خلافت کے وقار کو قائم رکھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"مقتدی قوی دل اور عالی ہمت خلیفہ تھا۔ اس کا عہد بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ خیر کی کثرت اور رزق میں کشادگی و وسعت تھی" [1]

معاصر علماء عبدالقادر جرجانی، ابوالولید الباجی شیخ ابواسحاق شیرازی، اعلم النحوی،

---

[1] ابن اثیر جلد ا صد ۶۹۔

ابن الصباغ صاحب الشامل، امام الحرمین والدامغانی حنفی. ابن فضال المحاشی۔ لہ

محدّث وفقہاء

محمد بن عبداللہ ناصحی عہد سلطان الپ ارسلان میں نیشاپور کے قاضی رہے۔ شیخ ابوالمعالی بن ابومحمد جوینی شافعی سے مناظرے ہوئے۔ ۴۸۴ھ میں خراسان میں انتقال کیا۔

علی بن الحسین بن علی نیشاپوری ابوالحسن مؤلف تفسیر نیشاپوری، فقیہ، مفسّر، شاگرد حسین بن علی حمیری نیشاپور میں زُہد اختیار کیا۔ سلاطین سے اعراض کرتے تھے۔ ایک روز ملک شاہ سلجوقی نے کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کیوں آنا ترک کر دیا۔ کہا اس لئے کہ تو عالموں کی زیارت سے بہتر بادشاہ ہو اور میں بادشاہوں کی زیارت سے بدتر عالم نہیں ہوں۔ ۴۸۲ھ میں انتقال کیا۔

عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری شمس الائمہ حلوائی۔ فقیہ، محدث، شاگرد شیخ ابوعلی نسفی۔ آپ کی تالیفات سے مبسوط و نوادر وغیرہ مشہور ہیں ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

عبدالواحد بن … لی بن برہان الدین عکبری، فقیہ نحوی متکلم لغوی، مورخ ادیب تھے۔ ابوالقاسم کنیت تھی۔ حنبلی سے حنفی ہوگئے۔ قدوری کے شاگرد ہیں۔ حدیث ابن بطہ سے سماعت کی۔ ۴۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

علی بن محمد بن حسین فخر الاسلام ابوالحسن البزدوی ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقیہ ماہر اصول و فروع مرجع انام مفتی حنفیہ تھے۔ تصانیف مفیدہ بہت یادگار ہیں جیسے اصول میں متن معتمد معروف باصول، فخر الاسلام بزدوی و سیع مبسوط گیارہ مجلدات میں تفسیر قرآن و شرح جامعین صغیر و کبیر ۴۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

احمد بن محمد بن صاعد بن محمد استوائی، شیخ الاسلام ابومنصور قاضی القضاۃ فقیہ و محدث شاگرد صاعد بن محمد و محدث ابوسعید صیرفی ۴۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

باطنیہ اور اُن کی حکمرانی

باطنیہ کا کچھ تذکرہ آچکا ہے کہ یہ اسماعیلی شیعی فرقہ ہے۔ امام جعفر صادق کے صاحب زادہ امام اسماعیل کی طرف منسوب ہے۔ امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں متفق ہیں۔ امام جعفر صادق کے امام اسماعیل اور امام موسیٰ کاظم دو صاحبزادے تھے۔ اسمٰعیل باپ کے جانشین تھے۔ مگر اُن کا انتقال امام جعفر کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ اثنا عشری کے نزدیک چونکہ امامت من جانب اللہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اس لئے اسماعیلی یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی امام کی نامزدگی کے بعد پھر اس کا اخراج نہیں ہوسکتا اس لئے وہ ان کو ہی امام مانتے ہیں۔ لیکن شیعوں کے نزدیک متوفی کو امام نہیں کہہ سکتے اور اپنے عقیدہ بداء کی وجہ سے امام جعفر صادق کے بعد امام موسیٰ کاظم کو مانتے ہیں۔

اسماعیلیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسماعیل نے وفات نہیں پائی بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ ان کے نزدیک آئمہ ظاہرین کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر اور مستور اور ان میں ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اسماعیل ساتویں امام ہیں۔ اس لئے اُن پر آئمہ ظاہر کا دور ختم ہوا۔ اُن کے لڑکے محمد سے آئمہ مستور کا دور شروع ہوا۔ گو یہ آئمہ مخفی رہتے ہیں۔ لیکن ان کے دعاۃ اعلانیہ اُن کی دعوت کرتے رہتے ہیں۔ عبیداللہ المہدی مغربی بانی دولت فاطمیہ سے پھر ائمہ ظاہر کا دور شروع کرتے ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اس لئے جماعت کو باطنی کہا گیا[1]

تحریک آل محمد اور اسمٰعیلی

تحریک آل محمد ہی نے حکومت بنو اُمیہ کا تختہ اُلٹا اور حکومت بنی عباس اسی دعوت کی بنا پر قائم ہوئی۔

---

[1] کتاب الملل والنحل شہرستانی جلد ۲ صـ۲۷ ۔

مگر بنی عباس نے اہلِ بیت کو نظر انداز کر دیا تو یہ لوگ بنی عباس کے خلاف ہو گئے اور اپنی خلافت کے لئے کوشاں رہے۔ اہلِ بیت میں سے اکثر کو قربان ہونا پڑا۔ مگر بعض حضرات کو مین افریقہ وغیرہ میں کامیابی ہوئی۔ مگر وہ حکمرانیاں دولت بنی عباس کے مقابلہ کی نہ تھیں۔ البتہ عبید اللہ فاطمی نے دولتِ بنی عباس کی کمزوری اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر مغرب میں اپنی عظیم الشان حکومت قائم کر لی۔

اب ان کی نگاہیں مشرق کی طرف اٹھنے لگیں تو انہوں نے اپنا پرانا طریقہ دعوت و تبلیغ کا پھر شروع کر دیا مگر اس میں کچھ اصول نئے اور نکالے اور اس تحریک کے داعی جو ملے وہ عموماً سفاک اور ظالم بھی تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس تحریک کا صدر دفتر مصر قرار دیا۔ وہاں باقاعدہ نظام تھا۔ مریدین کو یہاں خاص تعلیم دی جاتی جن میں امامت کی دعوت سب سے مقدم تھی اور ہدایت تھی کہ جن ملکوں میں داعی پہنچیں خفیہ تعلیم دیں۔ یہ لوگ فدائی کہلاتے تھے۔ ان کا سرغنہ داعی الدعاۃ تھا۔ اس کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

خلفائے فاطمینِ مصر کی نگاہیں خراسان اور ایران پر زیادہ تھیں۔ جو شیعیت کے گہوارہ تھے۔ مصر پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کے بعد اپنے دعاۃ انہی ممالک میں بھیجے۔ یہاں بنی بویہ کے عہد تک جا بجا صاحب برید و اخبار متعین تھے جو ہر قسم کی اطلاعیں دیا کرتے۔ اس پر طرہ یہ کہ گو بویہ شیعی عقیدہ رکھتے تھے مگر اہلِ بیت کے حامی نہ تھے۔ البتہ شیعیت میں غلو اس قدر رکھتے تھے کہ نجف اشرف تک ننگے سر پیر بنی بویہ حکمران زیارت کو پہنچتے۔ مگر اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے خلفائے فاطمی کو نظر انداز کر جاتے۔ بلکہ کوئی داعی ہتھے چڑھ جاتا تو اس کو سخت سزا دیتے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ باطنی تحریک، خراسان وغیرہ میں عہد بویہ تک دبی رہی۔ سلجوقی دور آیا۔

الپ ارسلان نے جاسوسی کا محکمہ توڑ دیا۔ نظام الملک نے اس سے کہا کہ اس صیغہ کا رہنا ضروری ہے مگر اس نے جواب دیا کہ ہر شہر میں ہمارے دشمن بھی ہیں اور دوست بھی۔ بہت ممکن ہے کہ ارباب غرض دوست کو دشمن یا دشمن کو دوست کی

شکل میں دکھلائیں۔ اس لئے میں اس بات کو جائز نہیں رکھتا"۔

چنانچہ سلجوقیوں کے عہد میں باطنیہ پھلے پھوٗلے اور اُن کی تبلیغ کا جال دُور دُور تک پھیل گیا۔

اوّلاً اُن کا ظہور ساوہ میں ہُوا جو رَے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے۔ وہاں کے شحنہ نے دو باطنیوں کو گرفتار کیا مگر لوگوں کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے ایک موذن کو اپنے مقصد کے لئے پھانسا۔ مگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو اس کو قتل کر دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو مشرق میں گروہِ باطنیہ کے ہاتھ سے ہُوا۔

حسن بن صباح

اصفہان اور نیشاپور کے وسط میں قصبہ قائن کا رئیس باطنیوں کے دام میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے ایک جماعت بنائی جو قافلوں کو لُوٹا کرتی۔ اُن کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اصفہان تک غارت گری کا دائرہ بڑھ گیا۔ پھر تو باغیوں نے ملک شاہ کے تعمیر کردہ قلعہ پر قبضہ جما لیا۔ اس جماعت کا داعیٔ اعظم احمد بن عبد الملک بن عطاش تھا۔ جماعت باطنیہ نے عطاش کے سر پر تاجِ شاہی رکھا اور اُس کے پاس چاروں طرف سے لُوٹ کا مال لا کر جمع کیا جاتا۔

حسن اتفاق سے ایک فاضل جلیل شخص حسن بن صباح جس کا وطن "رے" تھا جو امام موفق نیشاپوری کے حلقہ درس میں شریک ہو چکا تھا، نظام الملک اور حکیم عمر خیام کا ہم سبق بھی تھا۔ ہندسہ، حساب، نجوم وغیرہ علوم ریاضیہ کا بڑا ماہر فاطمی داعی احمد بن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس کے یہاں فاطمی دعاۃ کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ نظام الملک کے خسر ابو مسلم نے جو "رے" کے رئیس تھے اس کو نظر میں رکھا۔ وہ گرفتاری کے خوف سے بھاگ کر مصر پہنچا۔ خلیفہ مستنصر علوی نے اپنے گوں کا سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ پر اُس کو مامور کر دیا۔

حسن بن صباح مصر سے لَوٹ کر شام آیا۔ پھر جزیرہ دیار بکر، خراسان، کاشغر اور

ماوراء النہر کا دورہ کر کے اپنے خیالات ملحدانہ ان علاقوں میں پھیلائے اور "قزوین" کے قریب زیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ "الموت" اس کے مقصد کے لئے موزوں تھا۔ یہ ایک علوی کی ملکیت تھا۔ حسن بن صباح نے یہاں قیام کیا۔ اپنے ظاہری زہد و ورع سے چند دنوں میں اس نے نواح میں کافی اثر پیدا کر لیا۔ الموت کا علوی بھی ظاہری زہد سے متاثر ہوا۔ مگر کچھ دن بعد ابن صباح نے اُس کے ساتھ دغا کر کے الموت پر قبضہ جمایا اور علوی کو نکال باہر کیا۔[1]

قلعہ الموت قلعہ الموت پر قبضہ جمانے کے بعد حسن بن صباح کھل کر میدان میں آ گیا اور دلیرانہ قتل و غارت کرنے لگا۔ اس کے داعیوں کے ہاتھ سے صدہا اکابر علماء قتل ہوئے۔ اس کے داعی کسی کی جان لینا اور اپنی جان دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔

ملک شاہ کو باطنیوں کے حالات معلوم ہوئے۔ نظام الملک نے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیج کر افہام و تفہیم کے ذریعے اُسے روکنے کی سعی کی۔ لیکن وہ اپنے خودسری سے باز نہ آیا تو پھر الموت پر فوج کشی کر کے اس کا نہایت سخت محاصرہ کرایا۔ سلجوقی اقوام کا مقابلہ ابن صباح کے بس کی بات نہ تھی۔

جب اُس نے دیکھا کہ اُس کے لئے کوئی مفر نہیں ہے تو ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرا دیا۔ فوجیں مستقر خود لوٹ آئیں۔ ابن صباح کی جان اس طرح بچ گئی۔ باطنیوں کو اب زیادہ آزادی مل گئی۔ انہوں نے قہستان اور طبس وغیرہ پر بھی تسلط کیا اور ابہر کے متصل وسیم کوہ کے نامی اور محفوظ قلعہ کو قبضہ میں لا کر اپنا ماویٰ و ملجا بنایا۔ اردگرد جو قلعے تھے وہ بھی باطنیوں نے لے لئے۔

ان کی دست درازیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ سلطان برکیارق کے بہت سے امراء کو مار ڈالا۔ اس نے صدہا باطنیوں کو کیفر کردار تک پہنچایا مگر باطنیہ تحریک گھٹنے

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰۔

کے بجائے روز افزوں ترقی پر تھی۔ غرضیکہ باطنیوں کی دراز دستی سے خراسان میں اضطراب عظیم پیدا ہوگیا۔ اس وجہ سے ۴۹۴ھ میں سلطان سنجر کے سپہ سالار امیر برغش نے اُن پر حملہ کر دیا اور بہت سے ملحدوں کو قتل کر کے طبس کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو فتح کر کے باطنیوں کا استیصال نہیں کیا، مگر صلح کر کے لوٹ آیا۔

۵۰۰ھ میں سلطان محمد نے اصفہان کے قلعہ پر جہاں ابن عطاش رئیس رہتا تھا، محاصرہ کر لیا۔ آخر میں ابن عطاش گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ اس کی بیوی نے قلعہ سے گر کر جان دیدی۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان محمد نے قلعہ المموت پر لشکرکشی کی جہاں ابن صباح ۲۶ سال سے حکمران تھا اور قرب و جوار میں لوٹ مار اور غارت گری کر رہا تھا مگر راہ میں بیمار پڑ کر فوت ہوگیا۔ امیر شنگین شیر گیر والی سادہ نے بھی باطنیوں کی سرکوبی کی۔ آخر ش ظلم و جور کے بعد حسن بن صباح ۵۱۸ھ میں مر گیا۔ اس کا بیٹا کیا بزرگ تھا جو حسن بن صباح کا جانشین ہوا۔

اُمرائے حکومتِ باطنیہ

کیا بزرگ بن حسن (۵۱۸ھ) اپنے باپ کے مرنے پر تخت المموت پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں ریاست نے کچھ اور زور پکڑا مگر محمود سلجوقی کے وقت میں باطنی بہت مارے گئے۔ لیکن اس کی خودمختاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا۔

محمد ابن کیا عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی الراشد باللہ پر نگاہ رکھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد چار فدائیوں نے خلیفہ عباسی راشد باللہ کو راہ میں موقع پاکر قتل کیا۔ مگر اس واقعہ سے ریاست اسماعیلیہ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا لیکن عام طور پر المموت میں خوشی منائی گئی۔ محمد سلطان سنجر نے محمد ابن کیا کا عقیدہ دریافت کیا۔ غرض اس کی یہ تھی کہ بے دین ہو تو مجاہدینِ اسلام بھیجے جائیں لیکن محمد ابن کیا

نے جواب میں وہ باتیں لکھیں جس سے محمد سلطان سنجری بھی ساکت ہو رہا اور معلوم ہوا کہ صرف جزئیات میں اختلاف ہے رکن مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ محمد بن کیا ۲۵ برس تک حکمران رہا۔ اس کی ذات سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا۔

حسن بن محمد کیا اس کو لوگ علی بذکرہ السلام کہتے ہیں۔ اس کو علماء نے اسلام ملحد اور زندیق لکھتے ہیں۔ اس کے معتقدات اسلام کے خلاف تھے۔ یہ دہریہ مذہب رکھتا تھا اور بے تکلف لوگوں کو گمراہ کرتا کہ وہ مذہب کو کوئی چیز نہ سمجھیں۔

محمد بن حسن بن محمد بن کیا (۵۶۱ھ) الحاد میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھا تھا۔ امام فخر الدین رازی اس زمانہ میں تھے۔ آذربائیجان سے رے میں آکر درس جاری کیا۔ مذہبی درس میں وہ مثالاً نام اسماعیلیوں کا لیتے تھے اور حسن بن محمد اور محمد بن حسن کو بُرا بھلا کہتے تھے تاکہ لوگ ادھر مائل نہ ہوں۔ فدائیوں نے الموت سے پہنچ کر امام فخر الدین رازی کو بہت دق کیا جس سے وہ غیاث الدین بادشاہ کے پاس غور چلے گئے اور پھر وہاں سے سلطان خوارزم کے پاس خوارزم میں جاکر زندگی بسر کی۔

جلال الدین حسن بن محمد بن حسن باپ کے اعتقادات سے اس نے توبہ کی خبر تمام سلاطین مصر کے پاس بھیجی جس سے یہ جلال الدین حسن نو مسلم مشہور ہوا۔ مذہب اسلام کو اُس کے وقت میں رونق ہوئی۔ اس کی ماں ایک مرتبہ حج کو گئی تو اس کے ساتھ ایک سلطان بھی تھا۔ ناصر خلیفہ بغداد کے حکم سے سلطان محمد خوارزم شاہ کے رائت سے رائت جلال الدین آگے رکھا گیا۔ سلطان محمد کو جہاں اور رنج ناصر سے ہوا وہاں یہ بھی خیال تھا کہ خلیفہ نے جلال الدین سے مجھے کم سمجھا۔

علاء الدین محمد بن جلال الدین بن حسن نو برس کے سن میں یہ تخت پر بیٹھا۔ یہ جو کچھ اُلٹا سیدھا حکم

حکم دیتا تھا، لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اُس کو واجب التعمیل مانتے تھے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ اس کے وقت میں مذہب کھیل ہو گیا "ایلان ناصری" کا مصنف ناصرالدین اسی وقت میں تھا۔

رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین | ۶۵۳ھ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے اسے گرفتار کر کے ہزاروں اسماعیلیوں کو تہ تیغ کیا اور رکن الدین کو قتل کرا دیا اور پھر اس کے بعد بغداد کی طرف توجہ کی۔ خلفائے بغداد اور شاہان الموت کی بربادی کا ایک زمانہ ہے۔

خلیفہ مستظہر باللہ

نام ولقب مستظہر باللہ ابوالعباس احمد بن المقتدی باللہ ماہ شوال ۴۷۰ھ میں پیدا ہوا۔

خلافت بعمر ۱۶ سال ۴۸۷ھ میں تختِ خلافت پر رونق افروز ہوا۔ وزیر عمید الدولہ وغیرہ نے بیعت کی۔ لقب مستظہر باللہ قرار پایا۔ وزیر سلطان برکیارق کے پاس گیا۔ اس نے بطیبِ خاطر خلیفہ کی بیعت وزیر کے ہاتھ پر کی۔

مجلسِ عزا خلیفہ مقتدی کی موت کے تیسرے دن مجلسِ عزا منعقد ہوئی۔ سلطان برکیارق معہ اپنے وزیر عز الملک بن نظام الملک اور اس کے بھائی بہاء الملک کے مجلس میں حاضر ہوا اور باب مناصب سے طراد عباسی، معمر علوی اور علمائے کبار سے قاضی القضاۃ، ابوعبداللہ دامغانی، امام غزالی اور امام شاشی وغیرہم بھی ماتم پرسی کو آئے اور تعزیت کی اور خلیفہ مستظہر کی بیعت کی اور رخصت ہو گئے[1]۔

تاج الملک برکیارق تاج الملک، ملک شاہ کا بھائی تھا۔ توسیعِ مملکت کی ہوس میں ۴۸۷ھ میں فوج کشی کر دی۔

ہیت، موصل، دیار بکر، آذربائیجان کو زیرنگین کر لیا۔ برکیارق رکن الدولہ اس کے مقابل آیا۔ مگر ناکام اصفہان کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس کا بھائی محمود بن ملک شاہ حاکم تھا اس نے اس کو روکا اور پھر قتل کرنے کی نیت سے داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اتفاق قضا و قدر کہ برکیارق کے قتل ہونے سے پہلے موت نے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۶۔

خود سلطان محمود کا خاتمہ کر دیا اور اہلِ اصفہان نے متفقہ طور پر برکیارق کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تاج الملک تتش برکیارق سے نبٹنے کو اُٹھا "رے" کے میدان میں کارزار گرم ہوا۔ تتش اس معرکے میں کام آیا۔ برکیارق کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

وزارت وزیر عمید الدولہ کو خلیفہ مستظہر نے معزول کر کے سدید الملک ابو المعالی بن عبد الرزاق ملقب عضد الدین کو قلمدانِ وزارت سپرد فرمایا۔ مگر چند سال بعد ۴۹۶ھ میں وہ بھی معہ اہل و عیال کے گرفتار کیا گیا۔

وزیر موصوف کی گرفتاری کے بعد خلافتِ مآب نے امین الدولہ ابو سعد بن موصلا کو مجلسِ مشورہ کا ناظر مقرر کیا اور زعیم الرؤسا ابو القاسم بن جہیر کو حلہ سے طلب کیا۔ اربابِ دولت نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا۔ دربارِ خلافت سے خلعتِ وزارت مرحمت اور قوام الدولہ کا خطاب عنایت ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آن پر بھی نزلہ گرا۔ قاضی ابو الحسن دامغانی قائم مقامی کرتا رہا۔ بعدہ ابو المعالی بن محمد بن مطلب، ۵۰۱ھ میں عہدۂ وزارت پر ممتاز ہوا۔ ۵۰۲ھ میں سلطان محمد کے اشارہ سے تبھی معزول کیا گیا۔ مگر اس شرط سے بحال رہ سکتا ہے کہ :-

"آئندہ عدل و انصاف سے کام لے گا۔ رعایا کے ساتھ ظلم و جبر سے پیش نہ آئے گا اور ذمیوں میں سے کسی کو ذمہ داری کا عہدہ نہ دے گا"۔[1]

ابو المعالی نے جملہ شرائط منظور کر کے وزارت کا کام انجام دینا شروع کیا مگر نباہ نہ سکا تو اس کے بجائے ابو القاسم بن جہیر مقرر ہوا۔ وہ ۵۰۹ھ تک فرائضِ وزارت انجام دیتا رہا۔ پھر ربیع ابو منصور بن وزیر ابو الشجاع محمد بن حسین وزیر سلطان محمد کو قلمدانِ وزارت عطا کیا[2] چند دن بعد پھر برکیارق نے مؤید الملک بن نظام الملک کو وزارت پر سرفراز کیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صد ۶۷ [2] ایضاً صد ۶۸۔

زبیدہ خاتون برکیارق کی والدہ زبیدہ خاتون بڑی عقیل و دانا خاتون تھی۔ اُس نے امورِ سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا۔ فخر الملک بن نظام الملک نے تحفہ بھیج کر اپنا رسوخ پیدا کیا۔ اُس نے برکیارق کو موئد الملک کا مخالف بنا دیا۔ اس نے موئد کو قید کیا اور فخر الملک کو وزارت عطا کی۔ موئد الملک قیدِ زندان سے نکل کر محمد بن ملک شاہ والی اران کے پاس پہنچا۔ اس نے تعظیم و تکریم کی اور اپنا وزیر کر لیا۔ موئد نے برکیارق پر حملہ کرا دیا۔ ۴۹۱ھ سے ۴۹۶ھ تک باہمی جنگ ہوتی رہی۔ ملکی نظام کا شیرازہ بکھر گیا۔

رے، جبل، طبرستان، خوزستان، فارس، دیار بکر اور حرمین میں برکیارق کے نام کا خطبہ جاری تھا اور آذر بائیجان، اران، ارمینیہ اصفہان اور عراق میں سلطان محمد کا بطائع میں کہیں اس کا اور کہیں اس کا اور بصرہ میں دونوں کا۔ سنجر بن ملک شاہ نے مشرق میں حدود جرجان سے ماوراء النہر تک اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ یہ ابتری دیکھ کر ردمی ملک شام پھر بیت المقدس کے لئے حملے کرنے لگے۔ اس وجہ سے بعض امراء و علماء قاضی ابو المظفر جرجانی حنفی اور ابو الفرح احمد بن عبد الغفار ہمدانی نے برکیارق اور محمد میں صُلح کرا دی اور دونوں کے حدود قائم کر دیئے۔

وفات برکیارق برکیارق اس صُلح کے چند دن بعد ۴۹۸ھ میں مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ محمد نے اُس پر چڑھائی کر دی اور کامیاب ہو گیا۔[1]

حروبِ صلیبیہ خلیفہ مستظہر کے زمانے میں جنگ صلیبی کا آغاز ہوا۔ کیونکہ عباسی خلفاء جب سے داخلی مملکت کے جھگڑوں میں اُلجھ گئے، مہدی، ہارون، مامون جیسے جاہ و جلال والے خلفاء کا دور ختم ہو چکا تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۶۹

ان کے اخلاف کی کمزور قوت اور نا اہلی سے اب عباسیہ حکومت کی طاقت بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ چنانچہ رومی سلطنت نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ ۹۶۰ء سے ۹۶۳ھ کے درمیان نقفور اور جنا زمین کے حملے خصوصی طور سے اہم تھے جیسا کہ اوپر ذکر تفصیلی کر چکے ہیں۔ رومیوں کی سرحدات سے متصل اسلامی علاقوں پر خاندان بنی حمدان کا قبضہ تھا۔ پوری جدوجہد کے باوجود وہ رومی فوجوں کے دباؤ کی تاب نہ لا سکے۔ یہ فوجیں شام کے ساحلی علاقہ پر قبضہ کرتے ہوئے دریائے فرات کو عبور کرنے لگیں اور خود دارالخلافہ بغداد اُن کے حملوں کی زد میں آگیا۔

عباسی خلیفہ مطیع اللہ بہت گھبرایا۔ باوجودیکہ نائب سلطنت کے کہنے پر اپنے محل کے اسباب تک کو بیچ ڈالا۔ تاہم خلافت کی خوش قسمتی سے اس وقت رومی فوجیں پسپا ہوئیں مگر یہ سلسلہ مقابلہ کا ایک عرصہ تک رہا۔ سلجوقیوں نے اپنے دَور میں رومیوں کو بہت کچھ پامال کیا۔ ان کے علاقے چھین لئے۔ ان کی قوت سے آس پاس کی حکومتیں لرزہ براندام تھیں۔ ملک شاہ سلجوقی نے تمام سرحدی حکومتوں سے اپنے قوت کے بل پر من مانی شرطیں منوالیں۔ مشرقی رومن ایمپائر کا شہنشاہ کسیوس بھی ملک شاہ کے جلال و ہیبت سے کانپ رہا تھا۔

ملک شاہ کے مرتے ہی کسیوس نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور مسیحی دُنیا کے مشرقی و مغربی حصّے کی باہمی رقابت اور مخالفت کو یکسر بُھلا کر اپنے قاصد یورپ کے جنگجو اور جنگ آزما بہادروں سے درخواست کی کہ وہ میرا ساتھ دیکر سلطنت کے کھوئے ہوئے وقار اور وسعت کو دوبارہ لوٹا دیں۔

سب سے پہلے شہنشاہ کسیوس کی معاونت کے لئے "پطرس" راہب اٹھ کھڑا ہُوا۔ پطرس فرانس کے شہر ایمس کا رہنے والا تھا۔ جوانی میں اس نے فوجی نوکری کی۔ مگر بعد میں تارکِ دُنیا بن گیا اور راہب کا لقب پایا۔ اس نے بیت المقدس آکر زیارت کی تھی۔ بغداد بھی گیا تھا۔ کچھ حصّہ عالمِ اسلامی میں پھرا۔ یہاں سے یہ خیال لے کر گیا کہ خونِ حسین کے نام سے بنی فاطمہ برسرِ اقتدار ہو گئے تو اس نے

صلیب کو سامنے رکھا اور جس طرح بنی فاطمہ عیوب اور ظلم بنی اُمیہ و بنی عباس کے بیان کر کے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا رہے تھے اسی طرح اس نے جا کر یورپ میں ہنگامی دورہ کیا اور مسلمانوں کے مفروضہ مظالم بیان کئے اور صلیب کے زیر سایہ آنے کی دعوت دی۔ خلاصہ یہ کہ صلیبی جوش کی آندھی چلی اور بڑی بے ڈھب چلی۔

مشرقی رومی ایمپائر کے شہنشاہ کا ایک قاصد پاپائے روم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ فرینک، جرمن اور انگریز وغیرہ مغربی اقوام کو دعوت دے کر صلیب کی امداد پر آمادہ کرے اور ارضِ مقدس کو اس کے دشمنوں سے چھڑائے۔ پاپائے روم نے یہ درخواست منظور کی۔ تمام یورپ کو صلیب کے نام پر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ فتویٰ نائب مسیح بگولہ بن کر سارے مغربی نصرانیوں میں پھیل گیا۔

پھر تو ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کے عزیز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سارا یورپ تیار ہو گیا۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:-

پوپ اربن دوم نے ۴۸۸ھ، ۱۰۹۵ء میں فرانس کے شہر کلرموں میں عیسائی دُنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب ہو کے کہا "مسلمانوں کا ظلم بہت بڑھ گیا ہے ان پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اُٹھائے گا اور میری ساتھ نہیں چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے"[1]

پوپ کی تقریر نے حاضرین میں مجنونانہ حالت پیدا کر دی، چِلّا اُٹھے خدا کی مرضی یہی ہے اور سُرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے۔ مَردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک

---

[1] تاریخ یورپ اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۳۵۱۔

انبوہ کثیر پطرس راہب کی قیادت میں روانگی کے لئے تیار ہوگیا"۔[1]

فرانسیسی مؤرخ لیبان نے "تمدن عرب" میں ان مقدس صلیبوں کا یہ حال لکھا ہے :۔

"جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا۔ کاشت کار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے۔ خاندانوں کی وہ اولاد اصغر جو قانونِ وراثت کی رو سے محروم الارث تھی۔ امراء جنہیں آبادی جائداد کا حصہ کم ملا تھا اور جنہیں دولت کی خواہش تھی۔ راہب جو خانقاہی زندگیوں سختیوں سے عاجز آگئے تھے۔ غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی اس مقدس گروہ میں شریک تھے"[2]

اے۔ جے گرانٹ کے بیان سے اس مقدس صلیبی گروہ کے مذہبی و اخلاقی حالت کا یہ نقشہ نظر آتا ہے۔

"اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص و ہوا اور خود غرضی ظلم و ستم، انتقام و منافرت اور جنگ و خون ریزی کے عناصر شامل ہوگئے۔ انہیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت نہ تھی بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتار مصیبت ہوگئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشہ یہ تھا کہ اس بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرنے جا رہے تھے جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی تھی"۔[3]

غرض کہ صلیبی مجاہدین کا یہ انبوہ کثیر جس کی تعداد ۱۳ لاکھ تھی پطرس راہب اور

---

[1] تاریخ یورپ اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵ [2] تمدن عرب صفحہ ۲۹۵

[3] (تاریخ یورپ اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵ (اردو)۔

ایک مفلس سردار "گوتیر" کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ راہ میں آؤ بھگت خوب ہوئی۔ مگر بلغاریہ والوں نے ان سے روپیہ لے کر سودا دیا۔ مجاہدین بگڑ بیٹھے دیہات لوٹ لئے۔ عیسائی باشندے قتل کئے اور صدہا کو دریا میں پھینک دیا۔

پھر قسطنطنیہ پہنچے۔ قیصر الکزس نے ان کے مظالم سے تنگ آکر انہیں باسفورس پار ایشیائے کوچک روانہ کر دیا۔ پھر تو بلا امتیاز مسلمان و عیسائی سب کو جو راہ میں ملتا قتل کر دیتے۔ بچوں کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔ یہ وحشیانہ افعال روز افزوں ترقی پر تھے۔ امیر قلیج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اُس نے ان کی اس بربریت کا پورا انتقام لیا اور جانوروں کی طرح اُن کا قتل عام کیا اور قریب قریب پوری صلیبوں کی فوج برباد ہو گئی [1]

یہاں ان مجاہدین کو اپنے کرتوت کا یہ پھل ملا۔ ادھر یورپ کی حکومتوں نے فوجیں تیار کیں اور اپنے اعزہ و امراء کی قیادت میں اُن کو روانہ کیا، شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اوّل کے بھائی ہیگو آف دتبدڑ واسٹفن کی قیادت میں تھیں۔ جنوبی فرانس کی ایمنڈ کاؤنٹ ٹولوزلی نارمنوں کی شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی، رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی گاڈفری رئیس بولیون کی جنوبی اٹلی وسلی کی بوٹنڈ اور ٹنکر کی سرکردگی میں روانہ ہوئیں۔

ان کے علاوہ یورپ کے چھوٹے موٹے رئیس بھی شریک تھے۔ ان فوجیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ پہلے اس میں کچھ جھنجھ چلی، مگر پھر مصلحت کے تقاضے سے ۴۹۰ھ، ۱۰۹۷ء میں تمام افواج گاڈفرے کی سرکردگی میں آگئیں اور باسفورس کو عبور کر کے انہوں نے قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔ امیر قلیج ارسلان سلجوقی بڑی شجاعت سے مدافعت کرتا رہا۔ مگر آخر میں شکست کا منہ اُس کو دیکھنا پڑا [2]

قونیہ کے بعد صلیبی افواج شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کو گھیر لیا۔ یہاں

---

[1] تمدن عرب صد ۲۹۶ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ صد ۹

کے سلجوقی والی باغیان نے پوری مدافعت کی۔ مگر صلیبی ایک قلعہ دار سے سازباز کرکے شہر میں داخل ہوگئے اور پوری مسلمان آبادی کو انھوں نے تہ تیغ کر دیا۔ امیر قوام الدولہ کو بوغا والی موصل انطاکیہ مدد کے لئے آیا۔ مگر ناکام لوٹا۔ پھر یہ صلیبی مجاہد شمالی شام کی طرف بڑھے معرالنعمان کو فتح کیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل کئے۔ اسی قدر گرفتار کئے گئے۔ معرۃ النعمان کے بعد غرقہ کا محاصرہ کیا۔ امیر منقذ والی شیرز نے صلح کر لی۔ پھر صلیبی حمص پہنچے۔ یہاں کے حاکم جناح الدولہ نے بھی صلح کر کے مسلمانوں کی ان ظالموں سے جان بچائی۔ پھر اس جمِ غفیر کا رخ "عکا" کی طرف ہوا مگر وہاں سے منہ کی کھائی۔[1]

پھر بیت المقدس کا رُخ کیا۔ جنگِ صلیبی کا آغاز میں سلجوقی نگران تھے۔ انطاکیہ کے بعد فاطمیہ مصر قبضہ کر بیٹھے۔ صلیبیوں کے حملہ کے وقت ان ہی کا یہاں تسلط تھا۔

فتح بیتُ المقدس

رجب ۴۹۲ھ، ۱۰۹۹ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے سیلاب کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ بیالیس دن محاصرہ کے بعد شعبان ۴۹۲ھ میں صلیبیوں کا قبضہ بیت المقدس پر ہو گیا۔ کئی ہفتوں تک قتلِ عام رہا۔ صرف مسجدِ اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ مسجد کا تمام طلائی و نقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا۔ غرضیکہ بیت المقدس اسلام کے آغوش سے نکل کر صلیب کے دامن میں چلا گیا۔

بیت المقدس کے قبضہ کے بعد اس کے آس پاس کے تمام شہروں صور، عکہ رملہ اور یافہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گاڈفرے کے پاس تخت و تاج بیت المقدس کا پیش کیا۔ اُس نے قبول نہیں کیا۔ محافظ قبرِ مسیح کی حیثیت رکھی۔ انطاکیہ، یوہمنڈ کو ملا۔ رہا، بوڈوین کے حصہ میں آیا۔ طرابلس، شام ریمنڈ کو دیا گیا۔ اس طرح شام کے حصے ہو کر چار عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں۔ خلافتِ عباسیہ کی

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۹۸۔

کمزوری اور امرائے سلاجقہ کی باہمی آویزشوں، امرائے اسلام کی ذاتی غرضوں سے یہ روزِ بد مسلمانوں کو دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ ان درندوں نے تمام مسلم آبادی کو تہ تیغ اور مال و متاع اور کتب خانوں کو نذرِ آتش کیا۔ تھوڑے عرصہ میں اس وحشت اور سفاکی سے سارا شام ویران ہوگیا [1]

وقائع بغداد شام کے علاقے پر نصرانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سلطان محمد کو اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ وہ بغداد پر قبضہ وتصرف کرنا چاہتا تھا چنانچہ ۴۹۶ھ میں سلطان محمد نے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ ستمان طلبی (قطب الدولہ اسماعیل بن قوتی بن داؤد) جکرمش والیٔ موصل سیف الدولہ والیٔ حلہ اور اس کے لڑکے بدران ودبیس موکب سلطانی کے ساتھ تھے۔ ا

امیر ایاز جو برکیارق کی طرف سے اس کے بیٹے ملک شاہ ثانی کا دلی تھا وہ اور وزیر ابوالحسن سلطان محمد کی خدمت میں پیش ہوئے۔ مسجد میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان نے ملک شاہ کو گلے سے لگایا۔ پھر امیر ایاز نے سلطان کی دعوت کی۔ خلیفہ نے بھی نوازشات مبذول فرمائے۔ سلطان محمد نے عنانِ حکومت بغداد سنبھالی۔ عدل وانصاف سے کام لینے لگا۔ ٹیکس موقوف کئے گئے۔ لشکریوں کو جبر وتعدی سے روک دیا اور اُن کو بازاروں میں جانے کی ممانعت کردی [2]

مگر انتظام ملک کا نہ چل سکا اور شورش پھیل گئی۔ آخرش ۵۱۱ھ میں وہ انتقال کرگیا۔ ۱۲ سال سلطان محمود نے حکومت کی۔ خلیق اور شجاع تھا۔ جانشین اس کا بیٹا محمود ہوا۔

مستظہر کی وفات ۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں ۴۱ سال کی عمر میں مستظہر نے بھی انتقال کیا۔ مدتِ خلافت ۲۵ سال ہے۔ اس

---

[1] خطط الشام کرد علی جلد ۱ صـ۲۵۳ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صـ۱۵۱۔

کے عہد میں تین بادشاہوں تاج الملک تتش، سلطان برکیارق، سلطان محمد کے نام کے خطبے پڑھے گئے[1]

حادثات مستظہر کے عہد میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے۔ مشرق میں فرقہ باطنیہ نے بے حد ظلم ڈھائے۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور جنگ صلیبی کی وجہ سے ملک آتش جنگ بنا ہوا تھا۔

اوصاف ابن اثیر کا بیان ہے کہ:۔

"مستظہر نہایت ملائم طبیعت، کریم الاخلاق، نیک کاموں میں جلدی کرنے والا، خوش خط۔ انشاء پرداز تھا۔ فنون میں اپنا کوئی ہمسر نہ رکھتا تھا۔ علم وسیع رکھتا تھا۔ شجاع، سخی، علماء و صلحاء پر جان دینے والا۔ اس کا سارا عہد اہلِ بغداد کے لئے آرام و راحت کا زمانہ تھا"۔[2]

علمی ذوق علمی اعتبار سے مستظہر فاضل تھا۔ ادب و انشاء کا بلند مذاق رکھتا تھا۔ اس کی مختصر توقیعات اس کے ذوقِ ادب کا نمونہ ہیں۔

حسنِ انتظام اور رعایا کے سکون و راحت و فارغ البالی کے لحاظ سے بھی اس کا دَور ممتاز تھا۔ گو اس کے عہد میں امرائے سلجوقی باہمی برسرپیکار تھے۔ باطنی علیحدہ شورش پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ جنگ صلیبی کے بادل منڈلا رہے تھے مگر مستظہر کی حسنِ قابلیت سے بغداد محفوظ تھا۔

ہمعصر علماء محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی شمس الائمہ ابوبکر امام علامہ فقیہ ابن کمال سا سارومی۔ نے آپ کو طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔ آپ کو بادشاہِ وقت نے کلمۂ حق کہنے پر چاہ میں قید کر دیا۔ مگر آپ کے شاگرد کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر استفادہ حاصل کرتے تھے۔ اس قید کی حالت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۶ [2] دول الاسلام ذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۰ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۹۔

میں اپنے تلامذہ کو مبسوط اپنی زبانی شرح لکھوائی اور اسی زمانے کی کتاب "العبادات وشرح کتاب الاقرار ہے۔ مختصر الطحاوی بھی یادگار سے ہے۔ ۵۰۰ھ میں انتقال کیا۔

وزیر سدید الملک

سدید الملک ابوالمعالی بن عبدالرزاق ملقب بہ عزیز الدین علم وفضل میں یگانہ روزگار تھا۔ اس نے مقتدی کے عہد میں وزیر ابوالشجاع کی صحبت اٹھائی تھی۔ ابوالشجاع نہایت عادل اور منصف وزیر تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد عدالت کا اجلاس کرتا تھا اور منادی کرا دیتا تھا کہ جس کسی کو کوئی شکایت ہو وہ آکر پیش کرے۔[1]

حج کو گیا تو مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں مسجد نبوی کو جھاڑو دینا اور چراغ جلانا خاص طور سے انجام دیتا۔

سدید الملک بھی ابوالشجاع کے قدم بقدم اولاً چلا۔ آخر میں بہک گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مستظہر نے قید خانے بھیج دیا۔

---

[1] الفخری صفحہ ۲۶۵۔

خلیفہ مسترشد باللہ

نام ولقب

مسترشد باللہ ابوالمنصور الفضل مستظہر باللہ ربیع الاول ۴۸۵ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت

ابوالقاسم بن بیان اور عبدالوہاب بن ہبۃ اللہ السبتی سے حدیث سنی اور محمد بن عمر بن الملکی الاہوازی اس کے وزیر علی بن طراد اور اسماعیل بن طاہر الموصلی نے اس سے حدیث روایت کی۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ابن صلاح اور ابن سبکی نے اس کو طبقاتِ شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ ابوبکر شاشی نے ایک کتاب فقہ میں تصنیف کر کے اس کے نام سے مشہور کی اور عدۃ الدنیا والدین خطاب پایا[1]

نہایت خوشخط تھا اور تمام خلفائے بنی عباس پر اس فن میں سبقت لے گیا تھا۔ اکثر مشہور کاتبوں کو اصلاحیں دیا کرتا۔ جرأت، ہیبت و شجاعت اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں بڑھا ہوا تھا[2]

خلافت

مستظہر کی وفات کے بعد ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں مسترشد باللہ تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ تیس برس پیشتر اس کی ولی عہدی کا اعلان ہو چکا تھا۔ تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے پر اس کے بھائی ابوعبداللہ، محمد ابوطالب عباس اور اس کے اعمام پسران مقتدی نے بیعت کی۔ بعد ازاں فقہاء، قضاۃ، ارکینِ دولت اور امرائے سلطنت سے بیعت لی گئی۔ بیعت لینے پر قاضی ابوالحسن دامغانی مامور ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صد ۲۲۹ [2] ایضاً

وزارت قاضی ابوالحسن دامغانی کو ہی خلیفہ نے عہدۂ وزارت پر بحال رکھا۔ مگر کچھ دن بعد یہ معزول کئے گئے۔ سلطان محمود کے وزیر ابوشجاع محمد بن ربیب ابومنصور کو وزارت پر ممتاز کیا۔ یہ بھی ۵۱۶ھ میں معزول کئے گئے اور ان کے بجائے جلال الدین عمید الدولہ ابوعلی حسن بن علی بن صدقہ کو قلمدان وزارت مرحمت کیا[1] یہ وزیر ریاست کے نظم و نسق کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کو جلال الدین، سید الوزراء، صدر الشرق والغرب اور ظہیر امیر المومنین کے خطابات مسترشد نے دیئے تھے۔

وقائع مسترشد نے اپنے ہوش و گوش سے کام لے کر خلافت بنی عباس میں نئے سرے سے جان ڈالنے کی سعی کی۔ اس میں حکمرانی کا مادہ تھا۔ چنانچہ دبیس خلیفہ کے مقابل آیا۔ مگر اس کو بقوت شکست دی۔ سلطان محمد اور سنجر میں چل گئی تو خلیفہ نے اپنی قوت کو بڑھالیا اور مخالفین سے برسرپیکار ہوا۔ سلطان محمود سلجوقی کے شحنہ کو بغداد سے نکال دیا۔ اس نے محمود سے جا لگائی وہ بغداد آیا مگر اپنا پہلو کمزور دیکھا تو صلح کر لی۔ امرائے محمود نے محمود کو مشورہ دیا۔ بغداد کو آگ سے پھونک دیا جائے۔ اس نے کہا کہ یہ ایسا کام ہے کہ اگر سارے عالم کی سلطنت بھی مجھے ملے تو نہیں کروں گا۔

سلطان محمود بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے خلعت اور عربی گھوڑے اس کو عطا فرمائے۔ تقریباً دو ماہ وہ قیام پذیر رہا۔ ۴ ربیع الثانی ۵۲۱ھ کو اپنے مستقر چلا گیا۔

باطنیہ اصفہان میں ابن عطاش باطنی کی جماعت کو سلطان محمود نے فنا کر دیا۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ قلعہ الموت میں رہ گئے۔ پھر ۵۲۴ھ میں محمود نے ان کا استیصال بھی بہت کچھ کر دیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ کتاب ثانی صہ ۸۰ [2] الفخری صہ ۲۶۵

وفات سلطان محمود

اس کے بعد ۵۲۵ھ میں سلطان محمود نے وفات پائی۔

سلطان مسعود اور طغرل

سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے داؤد کا نام خطبہ میں لیا گیا۔ سلطان مسعود نے نے داؤد سے دو دو ہاتھ کئے۔ مگر داؤد کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سلطان سنجر والی رے نے مسعود کی گوشمالی کر دی اور مقام گنجہ میں اس کو مجبور کر دیا اور اس کے بھائی طغرل ثانی کو تخت نشین کیا۔

مسعود نے موقعہ پا کر ایک جماعت اپنی ہمنوا کی اور بغداد آیا۔ خلیفہ کو متفق کر کے ہمدان جا کر طغرل کو مغلوب کیا۔ اس کے بعد داؤد کے ساتھ اس کا نام خطبہ میں آنے لگا۔ بارگاہِ خلافت سے دونوں سلجوقی امراء کو خلعت نیابت سلطنت عطا ہوئے۔ چند روز بعد خلیفہ کی مسعود سے بگڑ گئی۔ وہ لڑائی کے لئے نکلا۔ خلیفہ اور اُس کے فوجوں میں خوب جدال و قتال ہُوا لیکن خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کی جس سے خلیفہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

خلیفہ کی نظر بندی

خلیفہ معہ خواص کے ہمدان کے قلعہ میں نظر بند کیا گیا۔ جب اہلِ بغداد کو خلیفہ کی گرفتاری کی خبر لگی تو لوگ بازاروں میں اپنے سروں پر خاک ڈالتے، شور کرتے ہوئے نکلے۔ عورتیں سر کے بال کھولے ہوئے خلیفہ کے لئے بین کر رہی تھیں۔ بغداد میں نماز و خطبہ بند رہا[1]

ابن جوزی کا بیان ہے کہ اس روز بغداد میں زلزلہ آیا اور کئی روز تک رہا۔

سلطان سنجر کو خبر لگی اس نے اپنے برادر زادہ ملک مسعود کو خط لکھا کہ تم خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین چوم کر معافی مانگو اور اپنے گناہ کا اظہار کرو۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے قہر الٰہی ہے اور مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے۔ جدو۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۹۔

میں نماز خطبہ بند ہے جس کا عذاب آنا یقینی ہے اس کی جلد تلافی کرو۔ خلیفہ کو بعزت بغداد پہنچاؤ جیسا کہ ہمارے آبا کی عادت تھی۔ اُن کا غاشیہ خود اُٹھا کر لاؤ۔

ملک مسعود نے سلطان سنجر کی حرف بہ حرف تعمیل کی۔ سلطان سنجر کی فوج آئی اس میں چند باطنی بھی تھے خلیفہ خیمہ میں رونق افروز تھے۔ باطنی موقعہ پا کر گھس گئے اور اُن کو معہ خواص کے شہید کر دیا۔ سلطان مسعود کو اس واقعہ کا بڑا صدمہ ہُوا مثل عزاداروں کے سوگ منایا۔ بغداد میں اس خبر نے حشر بپا کر دیا۔ لوگ سر و پا برہنہ کپڑے پھاڑتے گھروں سے نکل آئے۔ خلیفہ سے اہلِ بغداد کو دلی ہمدردی تھی۔ خلیفہ کی شجاعت و عدل وانصاف نے ہر شخص کو گرویدہ بنا رکھا تھا۔

واقعہ قتل مسترشد ۱۶ ر ذی قعدہ ۵۲۹ھ کو مسترشد کا قتل کا واقعہ ہُوا[۱] سترہ سال آٹھ ماہ فرائض خلافت انجام دیئے۔

اوصاف مسترشد عابد وزاہد صوف کے کپڑے پہنتا۔ اپنے مکان میں عبادت کے لئے ایک جگہ بنا رکھی تھی[۲]

وہ ایک عالی ہمت، بہادر، جری، صائب الرائے اور ہیبت وجبروت کا خلیفہ تھا۔ اُس نے خلافت کے پراگندہ نظام کو از سرِ منظم و مرتب کیا اور ارکانِ شریعت کو استوار کیا۔ یہ خلیفہ خود جنگوں میں شریک ہوتا تھا۔

نظمِ سلطنت مسترشد ملک اور رعایا کی حالت کے سدھارنے میں لگا رہتا تھا اور رعایا پر بے حد شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔ ظلم وجور کا انسداد کیا۔ ۵۱۳ھ میں اپنی خاص جاگیر کے علاقہ میں یک قلم ظلم وزیادتی موقوف کرا دی اور حکم جاری کیا کہ کسی کاشت کار و اجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی شے نہ لی جائے۔

اہلِ عرفہ پر بھاری بھاری ٹیکس لگے ہُوے تھے ان کو بند کیا۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۱ [۲] ایضاً ص ۳۰۲ [۳] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۰

بڑھیا قسم کے کارخانے تھے۔ اُن پر جو ٹیکس تھا اس کو سرے سے موقوف کر دیا۔ لڑائیوں میں بہ نفس نفیس نکلتا تھا۔

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے :۔

"مسترشد نے بنی عباس کے وقار و عظمت کو زندہ اور امورِ مملکت کو منظم کیا"[1]

مصرف اوقات اس کا زیادہ وقت عبادت اور تلاوتِ قرآن پاک میں گزرتا تھا۔ جس روز شہید ہُوا اُس دن بھی روزہ سے تھا اور تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھا[2]

شہر پناہ کی درستی اس کے آثار میں سے بغداد کی شہر پناہ کی نئے طور سے تعمیر ہے جو انقلاب و حوادث سے شکستہ حالت میں تھی۔ اہلِ شہر کی مالی معاونت سے درست کرائی۔ مگر پھر خود حکومت کی طرف سے سب کی رقم واپس کر دی۔

علمی ذوق مسترشد کے عہد میں اس کے علمی ذوق کا بغداد پر بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ وہ خود علماء کی جماعت میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ اس کے اردگرد اس عہد کے فضلاء و علماء رہتے تھے۔

ابن اثیر کا بیان ہے :۔

"وہ بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ خط اس کا بڑا پاکیزہ، فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان آور خطیب تھا۔ شعر و شاعری میں ستھرا مذاق رکھتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا"

کہتا ہے ؎

انا الاشقر المدعونی الملاحم ۔۔۔ ومن یملك الدنیا بغیر مزاحم

ستبلغ ارض الروم خیلی وینقضی ۔۔۔ باقصی بلاد الصین بیض صوارمی

---

[1] دول الاسلام جلد ۲ صفحہ ۵ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ -

ترجمہ :۔ "میں ایسا گھوڑا ہوں کہ جنگوں میں بلایا جاتا ہوں اور جو دنیا کو بغیر مزاحمت قبضہ میں لے آتا ہے۔ میرا لشکر بہت جلد ارضِ روم پر قابض ہو جائے گا۔ قریب ہے کہ میری تلوار کی چمک اہلِ چین دیکھیں۔"

قید کی حالت میں یہ اشعار ورد تھے۔

ولا عجبا للاسد ان ظفرت بھا   کلاب الاعادی من فصیح واعجم

فحربته وحشی سقت حمزۃ الردی   وموت علی من حسام ابن ملجم

ترجمہ :۔ "اگر شیر پر گویا گونگے کتے نے فتح پائی تو کچھ عجب نہیں ہے وحشی کے ہتھیار نے حمزہ کو شربت شہادت چکھایا اور ابن ملجم نے علی کو۔" [1]

ابو علی حسن بن علی سید الوزراء کو مسترشد باللہ نے ۵۱۳ھ میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر مامور کیا تھا اور بڑے بڑے خطاب دیئے۔ سلطان سلجوقی کے وزیر کو ابو علی کی غیر معمولی قابلیت نے اس کا حاسد بنا دیا تھا۔ اس نے خلیفہ کو بھڑکا کر اس کو معزول کرا دیا۔ کچھ عرصہ بعد مسترشد نے دوبارہ اُسے منصب پر مامور کیا اور خلعت سے نوازا اور ارکانِ دولت کو حکم تھا کہ جب وہ دیوان وزارت کو روانہ ہو تو احترام میں اُس کے آگے آگے چلیں۔ یہ پہلا وزیر اعظم تھا جسے یہ اعزاز بخشا گیا تھا۔ یہ اہلِ قلم ہی صرف نہ تھا صاحبِ سیف بھی تھا۔ شجاع تھا۔ اس کی شجاعت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ جب سلطان سنجر نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کے خلاف ہنگامہ بپا کرنے کا قصد کیا تھا تو ابو علی نے کہلا بھیجا تھا۔

"اگر تم نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت کی تو یاد رکھنا اپنی مملکت کے ایک ایک چپہ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اگر تم ایک فرسنگ بڑھو گے تو میں دو فرسنگ پیش قدمی کروں گا۔"

مسترشد کے دل میں ابو علی کی بڑی قدر تھی جب یہ بیمار پڑا تو خلیفہ خود عیادت کو گیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۱۔

سیاسی حالت

مسترشد باللہ نے مقتدی باللہ کی پالیسی، احیائے دولتِ عباسیہ کی نئے سرے سے اختیار کی۔ مسترشد شجاع اور بہادر تھا۔ وہ سلجوقی سلاطین کو نظر میں نہ لاتا تھا کھُل کر میدان میں اُترتا۔ اُس کی تمنا تھی کہ پھر یہ دولت عروج حاصل کرے۔ مگر وہ ارادہ میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ۵۲۰ھ میں مسترشد نے سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ پر چڑھائی کر دی اور اُس کو شکست دی۔ ممکن تھا کہ اس وقت وہ سلجوقیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا۔ لیکن محمود کو حاکمِ بصرہ زنگی کی کمک پہنچ گئی وہ سنبھل گیا۔ پھر اُس نے امرائے سلجوق کو آپس میں بھِڑا دیا۔ پھر زنگی کی بری طرح خبر لی اور موصل تک بھگا دیا۔ مسعود کے مقابلہ میں امیر سلجوق جو خلیفہ کا ہمرکاب تھا اُس کی دغابازی کی وجہ سے خلیفہ کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ مسترشد نے آخری دم تک خلافتِ عباسیہ کو باوقار اور پُرعظمت بنانے میں سعی کی۔ مگر قضا و قدر میں کس کو چارہ ہے کہ باطنیوں کے ہاتھ سے جان بحق تسلیم ہوا۔ دل کی تمنّا دل ہی میں لے گیا۔

علمائے عصر

محمد بن ہبۃ اللہ حلبی قاضی حلب فقیہ و زاہد تھے ۵۲۴ھ میں انتقال ہوا۔

ابراہیم بن اسماعیل بن احمد بن اسحاق بن شیث المعروف بزاہد صفار رکن الاسلام ابوالحق فقیہ و متورع۔ سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی نے شہر مرو میں آپ کو بسایا۔ کتاب تخلیص الزہد و کتاب السنہ و اعمامہ تصنیف ہے ۵۳۴ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالغافر فقیہ محدث اپنے عہد کے علمائے کبار سے تھے۔ مجمع الغرائب فی غریب الحدیث یادگار سے ہے۔ ۵۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

خلیفہ الراشد باللہ

پیدائش راشد باللہ ابوجعفر منصور بن مسترشد ۵۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ نے ذی قعدہ ۵۲۹ھ میں اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھا۔

وقائع خلافت مآب کے عہد کا واقعہ دبیس کا قتل ہے کیونکہ یہ امیر اس قسم کا واقع ہوا تھا جس نے خلفاء اور سلاطین سلاجقہ کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ گو سلطان مسعود سے اور دبیس سے صلح و آشتی تھی۔ مگر مسعود باطنی طریق پر اُس کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ موقع پاتے ہی دبیس کا کام تمام کرا دیا۔ صدقہ بن دبیس اپنے باپ کے انتقام کے لئے اُٹھا۔ مگر مسعود نے رام کر لیا۔

راشد اور سلطان مسعود سریر خلافت پر راشد کے متمکن ہونے کے بعد برتقش زکوئی سلطان مسعود کے پاس سے اس سے زرِ نقد کے وصول کرنے کو بغداد آیا جس کا اقرار اُس کے باپ خلیفہ مسترشد نے کیا تھا اور جس کی تعداد چار لاکھ تھی[1] خلیفہ راشد نے جواب دیا۔

"پدر بزرگوار ایک حبہ خزانہ میں نہیں چھوڑ گئے۔ جو کچھ مال و اسباب اور زرِ نقد تھا وہ اُن کے ہمراہ تھا وہ سب کا سب لُٹ گیا"۔

برتقش یہ سُن کے خاموش ہو رہا۔ لوگوں نے خلیفہ سے کہا۔ برتقش محل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ خلیفہ یہ سُن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فوجیں فراہم کر لیں شہر پناہ کی مرمت کی گئی۔ موقع موقع سے دھس اور دمدمے بندھوائے۔ برتقش نے رنگ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۳۔

دیکھ کر معہ اُمرائے بلخ محل سرائے خلافت کے لُوٹنے کو نکلا۔ عوام اور لشکرِ خلیفہ نے مقابلہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی آخر کار خلافت مآب کے لشکر نے پرتقش کی فوج کو میدانِ جنگ سے مار بھگایا۔ پرتقش نے ناکامی کے بعد خراسان کا راستہ لیا۔ امیر بک شحنہ بغداد بھی چلتا ہُوا۔ عوام اور لشکریوں نے سلطان کا مکان لُوٹ لیا[1]۔ ملک داؤد بن سلطان محمود معہ لشکرِ آذربائیجان سے ۵۳۰ھ میں آیا۔ محلسرائے سلطانی میں مقیم ہُوا۔ عماد الدین زنگی موصل سے پرتقش بازدار والی قزوین بنفس بکبیر والی اصفہان، صدقہ بن دبیس والی حلہ، ابن برسق اور احمد بیلی وغیرہم بھی حضوریٔ خلیفہ میں آپہنچے۔ ملک داؤد نے پرتقش بازدار کو بغداد کا شحنہ بنایا۔ خلیفہ راشد نے ناصح الدولہ ابوعبداللہ حسن بن جہیر اُستاد دار اور جمال الدین اقبال کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا[2]۔

وزارت وزیر السلطنت جلال الدین ابوالرضا ابن صدقہ کو زنگی کی سفارش سے خلافت مآب نے پھر عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔

قاضی القضاۃ قاضی القضاۃ زینبی بھی آگیا تھا۔ مگر زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ سلطان مسعود نے پہلے راشد کی خوشامد کی۔ پھر بغداد پر حملہ کے ارادے سے چل کھڑا ہُوا۔ جن امراء نے خلیفہ کا ساتھ دیا تھا وہ یہ رنگ دیکھ کر یکے بعد دیگرے کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ عماد الدین زنگی والی موصل بھی جو امراء میں خلیفہ کا سب سے بڑا معاون تھا وہ بھی بغداد سے نکلنے لگا۔ راشد نے یہ اُمراء کا رنگ دیکھا تو خود بھی عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلے گئے[3]۔

راشد کی معزولی سلطان مسعود کے لئے میدان بالکل صاف تھا۔ اُس نے بغداد میں داخل ہو کر تمام فقہاء و قضاۃ کو جمع کیا اور اُن کے سامنے راشد کا وہ دستخطی عہدنامہ پیش کیا جس میں لکھا تھا :-

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۳ [2] ایضاً ص ۱۲۴ [3] ایضاً ص ۱۲۵

"میں اگر فوج جمع کروں یا بغاوت کروں یا سلطان مسعود کے کسی ساتھی کے ساتھ مقابلہ کروں تو میں خود بخود معزول ہو جاؤں گا۔"

اس عہد نامہ کو پڑھنے کے بعد ابن الکرخی قاضی بلدہ نے تمام فقہاء و قضاۃ کی تائید سے اُس کی معزولی کا فتویٰ صادر کر دیا[1] اور گیارہ ماہ اٹھارہ دن کے بعد راشد کے عہدِ خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ موصل کے قاضی کمال الدین محمد بن شہزوری راشد کی خلافت کے سلسلہ سے بغداد آئے۔ مقتفی نے اُن کو گانٹھ لیا۔ اس نے بھی ابن الکرخی کی تائید کی۔[2]

راشد کا قتل

راشد کو اپنی علیحدگی خلافت کی خبر لگی تو وہ موصل سے ایک بڑی فوج کے ساتھ آذربائیجان کی طرف گیا۔ فوج کو بہت کچھ مال و دولت سے نوازا۔ وہ کٹ مرنے کو تیار ہو گئی اور آذربائیجان کے اطراف میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ پھر اُن کا رُخ ہمدان کی طرف ہوا۔ وہاں بھی یہی فساد مچایا۔ بہت سے باشندے قتل ہوئے اور سُولی پر چڑھائے گئے۔ علماء کی تذلیل فوجیوں نے کی۔ راشد نے اصفہان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں راشد بیمار پڑا۔ ۱۹ رمضان المبارک ۵۳۲ھ کو اس کے عجمی غلاموں نے آگھیرا اور چُھریوں سے چھید ڈالا۔ بغداد میں خبر پہنچی۔ صفِ ماتم بچھی۔[3] شہرستان میں اصفہان کے باہر دفن کیا گیا۔[4]

اوصاف

راشد فصیح، ادیب، شاعر، شجاع، عقیل، سخی، نیک سیرت عادل تھا۔ عماد کاتب کا بیان ہے کہ راشد حسن یوسفی اور سخا حاتمی رکھتا تھا۔[5]

سلطان عماد الدین

ملک شاہ سلجوقی کا غلام آق سنقر سپہ سالار نامور تھا وہ برکیاروق کے زمانے میں تتش ارسلان کے مقابل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۲ [2] مقدمہ الفخری [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۱

[4] ابن خلدون جلد ۹ صد ۱۳ [5] تاریخ الخلفاء صد ۲۳۱۔

حلب کے متصل مارا گیا۔ اس کے بیٹے عماد الدین[1] کو بزکیا روق نے مثل اولاد اپنے پاس رکھا اور شاہانہ طور سے تعلیم و تربیت اس کو دلوائی۔ عماد الدین اپنے باپ سے زیادہ نامور اور صاحبِ عزت ہوا۔ سلطان محمود نے ۵۲۱ھ میں اس کو موصل کی ولایت پر بھیجا۔ یہاں حکمرانی قائم کر کے حما کا قصد کیا اور حمص پر قبضہ کر لیا۔

---

[1] عماد الدین نے موصل میں ۵۲۱ھ میں حکومت قائم کی۔ اس کے بعد سیف الدین غازی بن عماد، پھر قطب الدین داؤد بن عماد الدین زنگی (۵۷۶ھ) سیف الدین غازی بن مودود (۵۸۹ھ) عز الدین مسعود بن مودود (۵۸۹ھ) نور الدین ارسلان شاہ بن مسعود (۶۱۶ھ) نصیر الدین بن محمود بن مسعود (۶۳۱ھ) بدر الدین لولو غلام (۶۵۷ھ) اسماعیل بن لولو (۶۶۰ھ) اس کے عہد میں تاتاری اس پر قابض ہوئے۔ حلب کے حکمران نور الدین محمود بن عماد (۵۴۱ھ) اسماعیل اس سے سلطان صلاح الدین نے حلب لے لیا۔

سنجار کے حکمران:۔ قطب الدین مودود کا بیٹا سیف الدین موصل کا حکمران تھا۔ اس کے بھائی عماد الدولہ بن قطب الدین مودود نے سنجار پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین ثانی (۶۱۶ھ) میں ہوا۔ پھر عماد الدین شہنشاہ (۶۱۶ھ) میں حکمران ہوا۔ اس کے بعد عمر (۶۱۷ھ) میں ہوا جس سے سلطان صلاح الدین نے حکومت لے لی۔

جزیرہ میں عزیز الدین کے بھائی سنجر (۵۷۶ھ) نے حکمرانی قائم کی معز الدین محمود بن سنجر شاہ (۶۴۸ھ) مسعود بن محمود (۶۴۸ھ) یہ حکومت بنی ایوبی ممالک میں منسلک ہو گئی۔

عماد الدین کے تین بیٹے تھے۔ نور الدین، سیف الدین، قطب الدین، عماد الدین، کے قتل کے وقت نور الدین محمود موجود نہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کی انگوٹھی لے لی اور حلب پر جا کر قابض ہو گیا۔ اس کے بھائی سیف الدین نے شہرزور پر پہلے ہی سے قبضہ کر لیا تھا۔ باپ کے بعد اس نے موصل پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا بھائی قطب الدین جانشین ہوا۔ نور الدین اور قطب الدین میں یہ طے ہو گیا کہ بلاد روم پر نور الدین کا اور جزیرہ پر قطب الدین کا اقتدار رہے۔

اس نے دمشق پر کئی بار فوج کشی کی مگر ناکامیاب رہا۔

۵۳۳ھ میں بعلبک پر قبضہ کیا۔ ۵۳۴ھ میں اس نے شہرزور کو فتح کیا جس کا حاکم قبجق بن الپ ارسلان تھا۔ ۵۴۰ھ میں اس نے قلعہ جعبر کا محاصرہ کیا جس کا حاکم علی بن مالک عقیلی تھا۔ اثنائِ محاصرہ ہی میں ممالیک کی ایک جماعت نے اس کو قتل کر دیا۔ ۶۰ سال کی عمر پائی[1]

عماد الدین نے ہی نجم الدین ایوب جس کا سلسلہ نسب رادوی کردوں سے ملتا ہے۔ بعلبک کا عامل مقرر کیا۔ نجم الدین کا بھائی شیرکوہ وزیر مصر تھا اور نجم الدین کا بیٹا سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ شیرکوہ کو نورالدین نے اپنی طرف سے حمص ورحبہ کا گورنر کیا تھا۔

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۰ و اعلام النبلا تاریخ حلب الشہباء از ہاشم طباخ حلبی ۱۲۰ صفحہ ۲۸۲۔

خلیفہ المقتفی لامر اللہ

پیدائش المقتفی لامر اللہ ابو عبداللہ محمد بن مستظہر باللہ ربیع الاول ۴۷۹ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت شاہی گھرانہ میں تعلیم پائی۔ دیگر علوم کی تحصیل کے بعد مقتفی نے ابوالبرکات ابن ابوالفرج بن سنی سے حدیث سنی تھی۔ اور کچھ ابوالقاسم بن بیان (استاد مسترشد) سے۔ اس سے ابومنصور الجوالیقی لغوی اور وزیر ابن ہبیرہ نے روایت کی۔

خلافت راشد کی معزولی کے بعد سلطان مسعود دربارِ خلافت میں حاضر ہوا وزیر السلطنت شرف الدین زینبی اور صاحب مخزن ابن عسقلان بھی آ گئے تو ابوعبداللہ محمد بن مستظہر باللہ کو محل سرائے شاہی سے طلب کر کے سریر خلافت پر متمکن کیا[۱] سلطان مسعود اور جدید خلیفہ نے مراسم اتحاد قائم رکھنے کی قسم کھائی۔ سلطان مسعود نے ہاتھ بڑھا کر بیعت کی۔ بعدازاں ارکین دولت، ارباب مناصب فقہاء اور قضاۃ نے بیعت کی۔ ۱۲ ذی الحجہ ۵۳۰ھ کا یہ واقعہ ہے المقتفی لامر اللہ کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

وزارت عہدۂ وزارت پر شرف الدین علی بن طراد زینبی کو ممتاز کیا۔[۲] اس کے بعد ابن ہبیرہ وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ سلجوقیوں کا زور توڑنے میں اس وزیر اعظم کا بڑا دخل تھا۔ اُس نے ہدایت کی تھی کہ مجھے صرف وزیر کہا جائے[۳] کیونکہ خدا نے حضرت ہارون کو وزیر کے لقب سے مخاطب

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۴ [۲] ایضاً صفحہ ۳۰۵ [۳] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۷ –

کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو وزیر کے خطاب سے یاد فرمایا تھا۔ لہٰذا اس لفظ سے مجھے یاد کیا جائے۔ بلند پایہ فاضل، زبردست سیاستدان تھا۔ اہلِ قلم اور شاعر تھا[1]

قاضی القضاۃ ابوالقاسم علی بن حسین کو موصل سے بلا کر قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

نائب سلطنت سلطان سنجر والی خراسان اور سلطان نورالدین والی شام ہر دو نائب سلطنت تھے۔

وقائع مقتفی عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عدل و انصاف سے کام لینے لگے اور تمام موانعات کو دور کر کے پورے طور پر بغداد پر قابض ہو گیا۔

سلطان مسعود نے یہ خبث باطنی کی کہ جملہ سامان محل سرائے خلافت سے مع گھوڑے وغیرہ قبضہ میں لے کر اپنے مستقر کو چلتا ہوا۔ مگر سلطان سنجر اور سلطان مسعود کے مابین جنگیں ہونے لگیں۔ اُن کے ساتھی اُمراء اُن سے کٹ گئے۔ حکومت سلجوقیہ نرغے میں پھنس گئی۔ خلیفہ نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اثر کو کام میں لایا۔ جس سے خلافت کی حرمت بڑھ گئی اور دولتِ عباسیہ نے پھر نئے طور سے اقتدار حاصل کیا۔

۵۴۱ھ میں سلطان مسعود بغداد آیا اور ایک دارالضرب بنائی۔ خلیفہ نے سکہ بنانے والے کو گرفتار کرا لیا۔ سلطان نے حاجب کو قید کر لیا۔ اس پر خلیفہ بگڑ گیا۔ مساجد تین دن تک بند رہیں۔ تمام رعایا سلطان سے بگڑ بیٹھی اس پر سلطان گھبرا گیا اور اُس نے حاجب کو رہا کیا۔

حملہ اہلِ فرنگ ۵۴۳ھ میں فرنگیوں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ نورالدین محمود زنگی والیٔ حلب نے اُن کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں

---

[1] الفخری صفحہ ۲۷۹

کی فتح ہوئی۔

وقائع ۵۴۴ھ میں والیٔ مصر الحافظ لدین اللہ مر گیا[1]۔ ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود مر گیا تو باتفاق لشکر ملک شاہ سلطان بنا۔ خاص بیگ نے اوس پر خروج کیا اور اُس کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بھائی محمد کو خوزستان سے بلا بھیجا اور سلطنت سپرد کر دی۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی سے خلافت مآب کو آزادی کا موقعہ ہاتھ لگا۔ چنانچہ اب خلیفہ مطلق العنان حکمران تھا۔

فتوحات مقتفی بہادر، عالی دماغ اور سیاستِ ملکی سے باخبر تھا۔ نواحِ بغداد میں کچھ افسروں نے سرکشی کی۔ خود خلیفہ لشکر لے کر اُن کی سرکوبی کو پہنچ گیا اور حلہ اور کوفہ کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور بعد کامیابی بغداد آیا۔ اُس دن بغداد میں بڑی خوشی منائی گئی۔

۵۴۸ھ میں سلطان سنجر غزو کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا اور اُس کو سائیس کے برابر تنخواہ ملا کرتی تھی۔

محاصرۂ تکریت ۵۴۹ھ میں ہی خلیفہ نے تکریت کے محاصرہ کے لئے پسر وزیر پرغون الدولہ اور ترشک کو مع لشکر کے بھیجا۔ یہ ناکام لوٹے تو ۵۴۹ھ میں خود خلیفہ تکریت پہنچا اور مسعود جلالی شحنہ نے ارسلان بن طغرل بن سلطان محمد کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کو فتح ہوئی۔

علاقہ مصر پر حملہ غرضیکہ مقتفی نے قرب وجوار کے تمام ممالک پر اپنا اقتدار تھوڑے سے عرصہ میں قائم کر لیا تو خلیفہ نے اپنی طرف سے نورالدین بن محمود بن زنگی کو حکم دیا کہ فوراً خلفائے فاطمی کے علاقہ شام ومصر پر جا کر قابض ہو جاؤ۔ نورالدین فرنگیوں سے برسرِ پیکار تھا۔ دمشق کے متصل علاقے فتح کر لئے تھے۔ مگر خلیفہ کے حکم پر وہ معہ فوج گراں کے علاقہ مصر پر پہنچا اور قبضہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۵۔

کیا۔ جس سے بارگاہِ خلافت سے اس کو خطاب ملک العادل عطا ہُوا۔ اس کے بعد سے دولتِ فاطمیہ کی حکومت محدود ہو کر رہ گئی۔ اس واقعہ سے مقتفی کی شوکت اور بھی بڑھ گئی۔ مخالف امراء خوف کھانے لگے [1]

صلیبیوں کا حملہ

صلیبیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ بیت المقدس لے چکے تھے۔ اب نگاہ دمشق پر تھی چنانچہ صلیبیوں نے حملہ کر دیا۔ وہاں کا والی فخر الدین آبق تھا [2] اس کی فوج اور اس کے ساتھ رضا کار جہاد کے ذوق و شوق میں شریک ہو کر نصرانیوں کے مدافعت میں مقابل آئے۔ اس اثنا میں آبق کی استدعا پر سیف الدین زنگی اور سلطان نورالدین زنگی فوجیں لئے ہوئے حمص پہنچے۔ فرنگی یہ رنگ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور محاصرہ اٹھا کر چلتے ہُوئے۔

سنہ ۵۴۹ھ میں سلطان نورالدین نے دمشق پر خود قبضہ کر لیا اور اپنے علاقے میں اس کو بھی شامل کر لیا۔

سلطان ملک شاہ ثانی و سلطان محمد

آل سلجوق میں سے سلطان مسعود کے بعد اُس کا بھائی محمد بن محمود تخت نشین ہُوا۔ اس نے خلیفہ پر فوج کشی کی اور جا کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ امراء نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اِدھر یہ خبر لگی ملک شاہ ایلدکز کی مدد سے ہمدان پر قابض ہو گیا۔ ناچار محاصرہ اُٹھا کر چلتا بنا۔ ملک شاہ اس کی آمد کی خبر سُن کر ہمدان سے نکل گیا۔ یہ اپنے مستقر اصفہان میں آیا۔ وہیں سنہ ۵۵۴ھ میں انتقال کر گیا [3]

سلطان محمد کی وفات کے بعد بعض امراء نے اس کے بیٹے سلیمان شاہ کو سلطنت کے لئے بلایا اور بعضوں نے ارسلان بن طغرل کو بڑے قضیوں کے بعد ایلدکز نے ارسلان کو جو اس کا ربیب تھا تخت نشین کیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۶ [2] مجیر الدین آبق بن محمود بن بوری بن طغتکین تابک والی دمشق

[3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۳۸۔

وفات مقتفی چالیس سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا تھا۔ ۲۴ سال دو ماہ لخلیفہ کے ساتھ فرائض خدمت انجام دے کر روز یک شنبہ ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں انتقال کیا۔

اوصاف ابن سمعانی کا بیان ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا۔ اس میں عقل و دانش، علم وفضل، تدبیر وسیاست تمام باتیں جمع تھیں۔

مقتفی زاہد متورع تھا۔ تختِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت وریاضت، تلاوتِ کلام پاک اور علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔[1] طبعاً بڑا نرم خو، حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا۔[2] اس کا دور عدل و انصاف اور نیکیوں سے سرسبز و شاداب تھا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:-

"مقتفی سرتاج الخلفاء، عالم، ادیب، شجاع، حلیم، خوش اخلاق، خلافت کی تمام قابلیتیں اس میں تھیں۔ ایماندار شخص تھا حتیٰ کہ اس کی نظیر ائمہ مجتہدین میں بھی کم ملتی ہے۔ اس کے عہدِ خلافت میں کوئی بات خلافِ دیانت وامانت ظاہر نہیں ہوئی۔"

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

"یہ نیک سیرت مشکور الدولت خلیفہ تھا۔ دیندار، عقیل، فاضل، صاحب الرائے والسیاست، اس نے معاملات امامت کو درست کیا اور رسومِ خلافت کو قائم کیا۔ بغداد اور عراق پر اس کا کامل تسلط تھا۔ احکام فرامین اپنے دستخط سے صادر کرتا تھا۔ ایک فوج مستقل مرتب کی۔ آخر دم تک اس کی فوجوں کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔"[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۹۶ [3] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳

سیاسی حالت

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا۔ اس میں تدبیر وسیاست، شجاعت شہامت، جرأت وحوصلہ مندی بہت تھی۔ اُس نے سلاجقہ کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر خلافت بغداد کو اُن کے اثر سے پاک وصاف کیا۔ اور سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس کے کسی حکم کو بغداد میں چلنے نہ دیتا تھا۔ بہ نفس نفیس مخالفین کی سرکوبی کے لئے تیار ہو جاتا اور اس کو مغلوب کر لیتا۔[1] اپنے کھوئے ہُوئے علاقے بقوت واپس لے لئے۔ عراق قبضہ میں آیا۔ خبر رسانی کا سلسلہ نئے سرے سے قائم کیا۔ بے دریغ روپیہ صرف کرتا۔ ملک کے ہر گوشہ سے منصور کی طرح اُس کے مخبر خبریں بھیجا کرتے۔[2]

مؤرخین نے خلیفہ مقتفی کے اتقاء، جرأت وعظمت اور خلافت کے احیاء کے لئے جو کچھ لکھا ہے الفخری میں اس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :-

مقتفی نہایت بلند پایہ خلیفہ تھا۔ اُس نے عباسیہ کے دورِ عروج کی تجدید میں سعی وعمل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ سلطان مسعود نے اُسے تختِ خلافت پر متمکن کرنے کے بعد خلافت کا تمام سیم وزر اور مال واسباب سمیٹنے اور عراق کے تمام نظم ونسق کے تمام اختیارات اپنے نائبین کے تصرف میں دینے کے بعد خلیفہ مقتفی کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ آپ اور آپ کے متعلقین کے مصارف کے لئے کتنی رقم درکار ہو گی تاکہ مَیں جاگیر مقرر کر دوں تو مقتفی نے جواب میں لکھا ۔

میرے اور میرے متعلقین کے روزانہ پینے کے لئے اَسّی خچر دجلہ سے پانی لاد کر لاتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصارف کے لئے کیا درکار ہوگا ؟

مسعود نے یہ جواب سُن کر کہا :-

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۴۹ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۹۶ ۔

"خدا خیر کرے بڑے بے ڈھب آدمی کا میں نے انتخاب کیا ہے"[1]

علمی ترقی مقتفی نے اپنے قلمرو میں دینی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ خود سخی، کریم، حدیث شریف کا عاشق اور خود اہل علم اور علماء کا قدردان تھا۔ اُس کے عہد میں بہت کچھ شورشیں اُٹھیں مگر دب گئیں۔ بغداد اُن کے عہد میں علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ بڑے بڑے اکابر علماء بغداد میں اپنی درس گاہیں قائم کئے ہوئے تھے۔ اس کے زمانہ میں ابن الابرش نحوی، یونس بن مغیث، جمال الاسلام بن سلم الشافعی ابوالقاسم الاصفہانی، صاحب الترغیب، ابن برجان مازری المالکی صاحب المعلم، اشاطی صاحب الانساب، جوالیقی امام حنفیہ ابن عطیہ صاحب تفسیر، ابوالسعادات بن شجری، امام ابوبکر بن عربی، ناصح الدین الارجانی شاعر، قاضی عیاض، حافظ ابوالولید بن الدباغ، ابوالاسعد ہبۃ الرحمان القشیری، ابن علام الفرس المقری، رفاء شاعر، قیسرانی شاعر، محمد بن یحیٰی شاگرد امام غزالی، ابوالفضل بن ناصر، ابوالکرم الشہروزی المقری، ابوداؤد شاعر[2] یہ عالم اسلامی کے مشہور علماء سے تھے۔

محدث حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانی فقیہ محدث شاگرد برہان الدین کبیر ۵۴۲ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن عثمان بن محمد علیاباد ہی سمرقندی لقب حسام الدین تھا۔ عالم فاضل شاگرد محمد محمود اشرد شتی واستاد شیخ عبدالرحیم بن عماد الدین صاحب فصول عمادیہ ہیں۔ آپ نے فتویٰ کامل اور تفسیر مطلع المعانی وغیرہ تصنیف کی ہیں۔

ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن معاویہ الازجاہی خطیب امام جامع ازجاہ کان فقیہا صالحا عفیفا مکثرا۔

حدیث اور فقہ مرو میں ابن الفتح الموفق بن عبدالکریم لہروی اور ابا الفرج عبدالرحمٰن بن احمد الرازی السرخسی سے حاصل کی ۵۴۳ھ میں وفات پائی[3]

---

[1] الفخری صہ ۲۷۲ [2] تاریخ الخلفاء صہ ۲۳۴ [3] معجم البلدان جلد ا صہ ۲۱۵

دولتِ ارتقیہ ملک شاہ کا غلام ارتق ترکمانی تھا۔ یہ تہور اور شجاعت میں نامور تھا۔ ترقی کرتے کرتے فوج کا سپہ سالار ہو گیا۔ اس کا لڑکا معین الدین سقمان شجاعت اور مردانگی میں اپنے باپ سے بھی فائق تھا اس نے سلطان برکیاروق کے عہد ۴۹۵ھ میں قلعہ کیفا پر ایک جماعت کو ہمراہ لیکر حملہ بول دیا۔ یہاں کا حاکم موسیٰ ترکمانی تھا، اُس نے جان توڑ کر مقابلہ کیا مگر سقمان کی قوت کے آگے اُسکی ایک نہ چلی، جان بچا کر بھاگا۔ سقمان نے قلعہ کیفا پر قبضہ کیا اور حکمرانی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد علاقہ اردین پر بھی ہاتھ صاف کیا جس سے اسکے حدودِ حکمرانی وسیع ہو گئے ۵۰۲ھ میں اس حکومت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک کا مرکز قلعہ کیفا تھا دوسرے کا ماردین، امرائے حصن کیفا، معین الدولہ سقمانی (۴۹۵ تا ۴۹۸) ابراہیم بن سقمان، رکن الدین داؤد بن سقمان، قمر الدین قرہ ارسلان بن داؤد نور الدین محمد بن ارسلان، قطب الدین سقمان بن محمد، ناصر الدین محمود بن محمد، رکن الدین مودود بن محمد، ۶۲۰ھ میں ایوبیوں نے اس سے حکومت چھین لی۔

ماردین کے امراء:۔ نجم الدین غازی بن ارتق (۵۰۲ھ) حسام الدین تیمور تاش بن غازی، نجم الدین ایبی بن تیمور تاش، قطب الدین غازی بن حسام الدین بولبق ارسلان غازی، ناصر الدین ارتق بن ارسلان غازی، نجم الدین غازی بن ارتق ارسلان قرہ ارسلان بن غازی، شمس الدین بن داؤد بن قرہ، نجم الدین بن قرہ، شمس الدین صالح بن نجم الدین غازی، منصور احمد بن صالح، صالح محمود بن احمد، مظفر داؤد بن صالح، طاہر مجد الدین عیسیٰ بن داؤد، صالح بن داؤد سے ۸۱۱ھ میں ان سے آلِ عثمان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اتابکیہ دمشق تنش الپ ارسلان سلجوقی کا غلام ظہیر الدین طغتگین تھا۔ شام کے قبضہ پر یہ شریکِ جنگ رہا اور بڑے کارہائے نمایاں دکھائے۔ اس پر سیف الاسلام کا خطاب تنش نے اس کو دیا اور اپنے بیٹے دقاق سلجوقی کا اتالیق مقرر کیا۔ دقاق باپ کا جانشین ہوا تو سیف الدین نے اُس کی بے حد خدمت کی۔ جب، وہ مرا تو اُس کے چھوٹے لڑکے کو تخت نشین کیا۔ مگر تنش کا بڑا لڑکا بکتاش مقابلہ کے لئے آیا اور اُس کے ساتھ اُس نے بیت المقدس کے

نصرانیوں سے مدد لی مگر ناکام واپس گیا۔ دقاق کے بعد طغتگین نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ سیف الاسلام (۵۲۲ھ) تاج الملوک سوری شمس الملوک اسمٰعیل، شہاب الدین محمود، جمال الدین، مجیرالدین ابق ۵۴۹ھ سے زنگیوں نے یہ حکمرانی چھین لی۔ صرف سیف الدولہ کے خاندان میں ۵۲ برس حکمرانی رہی۔

اتابکیہ اربل عمادالدین زنگی کے غلام زین الدین علی کوچک جو سپہ سالار تھا اُس نے سنجار، حران، قلعہ عفر حمیدیہ نیز قلعہ ہائے ہکاریہ، تکریت اور شہرزور وغیرہ سب اس کے قبضہ میں تھے مگر اس نے اپنے آقا کے بیٹے قطب الدین مودود کے سپرد کردیا۔ صرف اربل اپنے پاس رکھا۔

اس کے بعد زین العابدین ابوالمظفر جانشین ہوا۔ اس کا بڑا بھائی مجاہدالدین قائماز سیف الدین والئ موصل سے امداد کا طالب ہوا۔ اُس نے حران عطا کیا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس آیا۔ اس نے رہا جاگیر میں دیا اور اپنی بہن کی شادی اس سے کردی۔ صلیبی جنگوں میں سلطان کے ساتھ ۶۲۰ھ میں اربل میں وفات پائی۔

اتابکیہ آذربائیجان سلطان محمود سلجوقی کے وزیر اعظم کمال سمیدی کا ایک غلام ایلذکر نامی تھا جس کو سلطان مسعود نے ارمینیہ کا والی مقرر کیا تھا۔ اُس نے آذربائیجان پر قبضہ کیا اور پچاس ہزار فوج کا سردار بن کر بکران اور تفلیس تک قبضہ و تصرف کیا۔ ۵۳۱ھ سے ۶۲۲ھ تک اُس کے خاندان میں حکومت رہی۔

شمس الدین ایلذکر (۵۳۱ - ۵۶۱ھ) محمد پہلوان جہاں ابن شمس الدین (۵۸۱ھ) قزل ارسلان عثمان بن شمس الدین (۵۸۷ھ) ابوبکر بن محمد (۶۰۷ھ) مظفرالدین ازبک بن محمد (۶۲۲ھ)۔

آخر میں یہ دولت شاہان خوارزم کے مقبوضات میں شامل ہوگئی۔

اتابکیہ فارس سلغر مشہور سپہ سالار افواج سلاطین سلاجقہ کے پوتے سنقر نے یہ حکومت قائم کی ۵۴۳ھ سے ۶۸۶ھ تک اس خاندان میں حکومت رہی۔ تاتاریوں کے ہاتھ یہ حکومت ختم ہوئی۔ نو بادشاہ ہوئے جس میں مشہور زنگی بن سنقر، سعد بن زنگی، ابوبکر بن سعد جن کے عہد میں شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی تھے۔ محمد بن شاہ بن محمد۔ سلجوق شاہ بن سلغر۔ آخری بادشاہ ابیش بن سعد تھا۔

اتابکیہ لورستان: یہ (ہزار اسپہ) اتابکیہ فارس کی شاخ ہے۔ سنقر کے فوجی افسر ابوطاہر نے یہ حکومت قائم کی۔ یہ ۵۴۳ھ سے ۸۲۷ھ تک رہی۔ پہلا بادشاہ ابوطاہر بن محمد تھا۔ آخری بادشاہ غیاث الدین تھا۔

شاہان ارمن امیر سقمان قطبی نے جو قطب الدین اسمٰعیل سلجوقی کا غلام تھا۔ شہر خلاط میں حکمرانی قائم کی (۴۹۳ھ سے ۶۰۴ھ) تک امیر سقمان کی اولاد میں حکمرانی رہی۔ آخری حکمران عزالدین بلبان تھا۔ اس حکومت کے وارث سلاطین ایوبی ہوئے۔

دولتِ غوریہ ہرات اور غزنی کے درمیان کا علاقہ غوریہ کہلاتا ہے ۵۴۳ھ میں آل سام یہاں آئے۔ اُن کے سردار قطب الدین محمد بن حسین غوری نے اس علاقہ پر مالکانہ قبضہ کیا۔ قطب الدین نے اس طرف اپنا اقتدار جماکر بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم والیٔ غزنی سے رشتہ قائم کیا۔ مگر بہرام شاہ اس کی عظمت سے گھبرا گیا اور اس کو قتل کرا دیا۔

آل سام نے اُس کے بھائی سیف الدین کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور قصاص میں بہرام شاہ پر چڑھائی کر دی۔ تاب مقابلہ نہ لاکر بہرام ہندوستان چلتا ہوا۔ سیف الدین نے میدان خالی پاکر غزنی پر قبضہ و تصرف کیا۔ بہرام ہندوستان سے ایک لشکر کثیر کے ساتھ غزنی لوٹا اور سیف الدین کو معرکہ میں گرفتار کر کے سُولی دے دی اور پھر غزنی پر حکمرانی کرنے لگا۔

قبیلۂ غور نے علاء الدین حسین کو اپنا سردار بنایا اور اس کا لقب جہاں سوز رکھا۔

۵۵۰ھ میں اس نے غزنین پر چڑھائی کر دی اور بہرام شاہ کو بے دخل کر کے اپنے بھائی سیف الدین محمد کو غزنین کا والی مقرر کیا۔ علاء الدین کا ۵۵۶ھ میں انتقال ہوا تو اس کا بھائی غیاث الدین محمد بن بہاء الدین، سام بن حسن غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ غیاث الدین کا بھائی شہاب الدین غوری تھا۔ اس نے غزنین سے لے کر ہندوستان تک آلِ سبکتگین کے تمام مقبوضات پر تسلط کر لیا۔ شہاب الدین کے ہاتھوں ۲۱۴ سال کے بعد ۵۸۲ھ میں غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

شہاب الدین نے مہاراجہ پرتھی رائے کو شکست دے کر دہلی کو فتح کیا اور ۵۸۷ھ میں تخت پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے بعد اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا جانشین کر کے غور واپس ہوا۔ راہ میں انتقال کر گیا۔

قطب الدین ایبک کے خاندان میں دہلی کی سلطنت ۶۰۲ھ سے ۶۸۹ھ تک رہی شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود جلیل القدر شاہانِ دہلی تھے۔ معز الدین کیقباد پر اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

خلیفہ مستنجد باللہ

نام و نسب ابو المظفر مستنجد باللہ بن مقتفی طاؤس نامی ام ولد کے بطن سے ۵۱۰ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت شاہانہ طور طریق سے تعلیم و تربیت ہوئی۔ علمی فضیلت حاصل کی۔ ادب میں ید طولیٰ تھا۔ علم ہیئت سے دلی لگاؤ تھا۔

خلافت مقتفی لامر اللہ کی وفات کے دن ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ کو سریر آرائے خلافت ہوا۔

مستنجد نے بیعتِ خلافت لینے کے لئے دربارِ عام منعقد کیا اور اولاً خاندان کے ممبران نے بیعت کی سب سے پہلے اس کے چچا ابو طالب نے بیعت کی۔ بعد ازاں وزیر سلطنت عون الدین بن ہبیرہ اور قاضی القضاۃ نے بیعت کی۔ بعدہ ارکانِ دولت اور علماء بیعت کرنے کی غرض سے پیش کئے گئے۔ جامع مسجد میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

وزارت عون الدین ابن ہبیرہ کو بدستور عہدۂ وزارت پر سرفراز رکھا۔ گورنران صوبہ جات اپنے اپنے صوبہ پر بحال رکھے گئے۔

معافیٔ ٹیکس تخت نشینی کی خوشی میں ٹیکس اور محصول معاف کیا گیا۔ رئیس الرؤسا اور استاذ دار کو خلعتیں عنایت ہوئیں [1]

قاضی القضاۃ ابو الحسن علی بن احمد دامغانی قاضی القضاۃ کو معزول کر کے ابو جعفر عبداللہ ثقفی کو عہدۂ قضا پر مامور کیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۵۔

زمامِ حکومت علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"خلیفہ مستنجد خلفائے بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے جس نے استقلال اور استحکام کے ساتھ زمامِ حکومت اپنے قبضۂ اقتدار میں لی۔ شیرازۂ حکومت وخلافت ما بین موصل، واسط، بصرہ، حلوان میں منتشر ہوگیا تھا اور حکمرانی کے مشین کے پُرزے ڈھیلے ہو گئے تھے[1] ان پر اپنی حسنِ تدبیر سے غلبہ حاصل کیا اور آزادانہ خلافت کے فرائض انجام دینے لگا۔"

وقائع ۵۵۲ھ میں سلطان سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان نے ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ۵۵۶ھ میں ترکمانوں نے سر اُٹھایا۔ خلافت مآب نے امیر ترشک کو بلاد نجبت سے طلب کیا۔ اس نے عدم حاضری کی معافی چاہی۔ خلیفہ نے فوج بھیج کر اُس کا سر اُتروا لیا۔

۵۵۶ھ میں خلافت مآب نے قلعہ مالی کو سنقر ہمدانی کے مملوک کے قبضہ سے نکال لیا۔

عربوں کی سرکشی ۵۵۶ھ میں خفاجہ، حلہ، اور کوفہ میں عرب بغاوت کر بیٹھے۔ وزیر سلطنت نے خود جاکر ان کی سرکوبی کر دی۔ پھر انھوں نے معذرت نامہ لکھ کر دربارِ خلافت میں روانہ کیا۔ خلافت مآب نے منظور فرمایا۔ اور اُن کے قصور معاف کئے۔

بنی اسد ساکنان حلہ اکثر شورش کیا کرتے اور انھوں نے سلطان محمد کا ساتھ بھی دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے ۵۵۸ھ میں امیر یزداں بن قماج کو اُن کی جلاوطنی اور سرکوبی کے لئے بھیجا اُس نے جا کر اُن کو عراق سے مار کوٹ کر بھگا دیا اور حلہ اور کل بلاد اسد بن معروف کو دے دیئے گئے[2]

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً ص ۱۵۷

واسط میں بغاوت بصرہ امیر منکبرس کی جاگیر میں تھا جو خلیفہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ۵۵۹ھ میں وہ قتل ہوا کمشتبکین مامور کیا گیا۔ ابن سنکا برادر زادہ شملہ والیٔ خراسان نے بصرہ پر چڑھائی کی اور کامیاب ہو گیا۔ پھر اُس نے واسط کی طرف رخ کیا۔ مگر خطلوبرس سے مقابلہ ہوا اور خطلو گرفتار ہو گیا جو ۵۶۱ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے ابن سنکا کی ہمت پست ہو گئی، اپنے مستقر کو لوٹ گیا۔

۵۶۲ھ میں شملہ والیٔ خوزستان نے بقصد عراق کوچ کیا۔ سفر و قیام کرتا ہُوا قلعہ ماہکی تک پہنچا۔ خلافت مآب سے صوبہ جات اسلامیہ کی گورنری کی درخواست کی جو نامنظور کی گئی تو اپنے ملک لوٹ آیا[۱] خلیفہ کی ہیبت طاری تھی آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ کر سکا۔

وزارت پر نیا تقرر جمادی الاوّل ۵۶۰ھ میں ابن ہبیرہ نے انتقال کیا۔ اس کا نائب وزیر کام کرتا رہا۔ ۵۶۳ھ میں شرف الدین ابوجعفر احمد بن محمد سعید معروف بہ ابن بلدی ناظر واسط کو قلمدانِ وزارت سپرد فرمایا۔ اور حکم دیا کہ عضدالدین ابوالفرج بن دبیس رئیس الرؤسا امورِ سلطنت میں حد سے دخیل اور پیش پیش ہے۔ اُن کی اور اُن کے آوردوں کی دیکھ بھال رکھی جائے اور اگر اپنی حرکت سے باز نہ آوے تو کل اختیارات سلب کئے جائیں۔ وزیر نے حکم پر عمل کیا جس سے تمام عمال کے کان کھڑے ہو گئے۔ دیانت سے کام انجام دینے لگے، بدنظمی اور خود سری جاتی رہی۔

واقعات سلطان نورالدین سلطان نورالدین کو مقتفی کے زمانہ سے مصر لینے کی تمنا تھی۔ چنانچہ ۵۶۲ھ میں شاور[۲] وزیر عاضد

---

[۱] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۹۔
[۲] شاور وزیر عاضد معزول کر دیا گیا تھا۔ مصر سے نورالدین کے پاس آیا اور کہا پھر مجھ کو وزارت دلوا دو تو میں تیسرا حصہ مصر کا دینے کو تیار ہوں۔

کی استدعا پر امیر اسد الدین شیر کوہ کو دو ہزار سوار ہمراہ کر کے مصر کی طرف روانہ کیا۔ شیر کوہ جزیرہ میں اُترا۔ پھر مصر کا دو ماہ محاصرہ رکھا۔ والیٔ مصر بنو فاطمی نے فرنگیوں سے امداد طلب کی۔ وہ خود ہی مصر لینے کے درپے تھے۔ چنانچہ عاضد الدین اللہ کی معاونت کے لئے دمیاط سے فرنگی آئے۔ مگر امیر اسد الدین نے صعید کا رُخ کیا اور وہاں مصریوں سے مقابلہ کیا۔ دشمن پر فتح پائی۔ ہزاروں فرنگی مارے گئے۔ امیر اسد الدین نے صعید پر قبضہ کر کے اہلِ شہر کا خراج معاف کر دیا۔

فرنگیوں نے اسکندریہ کا قصد کیا۔ اس پر امیر اسد الدین کا برادر زادہ امیر صلاح الدین یوسف بن ایوب قابض ہو چکا تھا۔ فرنگیوں نے چار ماہ برابر اسکندریہ کو محصور رکھا۔ آخر امیر اسد الدین اس طرف بڑھا۔ فرنگیوں سے مقابلہ ہوا وہ شکست کھا کر راہِ فرار پر مجبور ہوئے۔ یہاں سے فراغت پا کر امیر اسد الدین شام لوٹ آیا۔ ۵۶۴ھ میں فرنگیوں نے ایک فوج گراں لے کر جس میں ہزارہا ممالک مغرب کے صلیبی جنگ جُو تھے۔ دیارِ مصر پر حملہ کیا اور رابلیس پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد قاہرہ کو محصور کر لیا۔

شاور وزیر مصر نے صلیبیوں کے خوف سے خود قسطاس میں آگ لگا دی اور مجبوری درجہ عاضد فاطمی نے سلطان نور الدین سے استدعا کی کہ وہ معاونت کرے۔ اسد الدین اپنی فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ فرنگیوں کو اس کی آمد کی خبر لگی تو بھاگ گئے۔ وزیر شاور نے جو وعدے اسد الدین سے کئے تھے اُس سے منحرف ہو گیا تو عاضد نے اُس کو قتل کرا دیا۔ عاضد لدین اللہ نے اسد الدین کو وزارت پر سرفراز کیا اور خلعت عطا کیا۔

اسد الدین شیر کوہ مرتے وقت ۵۶۵ھ تک وزیر مصر رہا۔ اس کے بعد عاضد لدین اللہ نے اس کے برادر زادہ صلاح الدین یوسف کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا اور ملک ناصر کا خطاب عطا کیا۔ صلاح الدین اس کے آخر وقت تک وزارت کے عہدے پر قائم رہا۔ صلاح الدین کے حسنِ اخلاق اور خوبیٔ انتظام نے مصریوں

کو بالکل گرویدہ بنالیا تھا[1]

وفاتِ مستنجد رئیس الرؤسا کا ہمنوا قطب الدین قائماز مظفری تھا۔ عضدالدین کو خلیفہ سے کچھ مخاصمت سی ہوگئی۔ اتفاقاً ۵۶۶ھ میں خلافتِ مآب بیمار پڑے۔ رفتہ رفتہ مرض میں اشتداد پیدا ہوا۔ عضدالدین اور قطب الدین خلافتِ مآب کی بیدار مغزی سے تنگ آگئے تھے۔ شاہی طبیب سے ساز باز کرلی۔ اُس نے ان لوگوں کی سازش سے خلافت مآب کی موت کی یہ تدبیر نکالی کہ خلافت مآب کو حمام میں داخل کر کے دروازہ بند کردیا۔ خلیفہ کا دم گھٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں جان بحق ہوگئے۔ یہ واقعہ ۹ ربیع الآخر ۵۶۶ھ کا ہے[2]۔

جس وقت خلیفہ کی موت کی ہولناک خبر مشہور ہوئی وزیر السلطنت امراء لشکر کل فوجیں مسلح کر کے محل سرائے خلافت کے دروازے پر جمع ہوگئیں۔ عضدالدین نے یہ رنگ دیکھ کر بلند آواز سے کہا امیر المؤمنین کو غش آگیا تھا اب افاقہ ہے اور خلیفہ کے بیٹے ابومحمد حسن کو بلا کر بیعتِ خلافت کرلی[3] مستنجد نے دس سال خلافت کی ۵۶ برس کی عمر پائی۔

اوصاف مستنجد، مقتفی سے بھی زیادہ عادل اور فیاض تھا اور مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے لئے نہایت سخت۔

ایک بار کسی باغی کو گرفتار کیا۔ ایک امیر نے اس کی سفارش کی اور دس درہم اس کی طرف سے بطور جرمانہ پیش کئے۔

مستنجد نے کہا۔

"میں تم کو دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی دوسرا مفسد پکڑ لاؤ تاکہ میں اُس کو قید کروں اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں"۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۴۳۵ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۵

[3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۱۔

ابن جوزی کا بیان ہے :-

"مستنجد رائے صائب رکھتا تھا۔ ذکا غالب اور فضیلت ماہرہ رکھتا تھا نظم بدیع اور نثر بلیغ لکھتا تھا۔ علم ہیئت میں دستگاہ کامل تھی۔ اسطرلاب کا استعمال بہت صحیح کرتا تھا۔" [1]

علمی ترقی مستنجد نے اکابر علماء کو اپنے دربار میں جگہ دی۔ نظام الملک کے مدرسہ کو ترقی دی۔ اس مدرسہ کے صدر المدرس حضرت عبدالقاہر سہروردی تھے۔ مستنجد نے دس سال حکمرانی کی۔ اس کے عہد میں اکابر صوفیہ کا بغداد میں قیام تھا۔ ان کے علمی فیض سے ان دنوں بغداد فضل و کمال کا مرکز بن گیا تھا۔ خانقاہیں تشنگانِ علم سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے زمانے میں اشاعتِ اسلام خوب ہوئی۔

ہمعصر علماء دیلمی صاحبِ مسند الفردوس۔ عمرانی صاحب البیان ابن بزری شافعی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ امام ابوسعید سمعانی۔ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی۔ ابوالحسن بن ہزیل المقری۔ [2] ان جلیل القدر علماء و صوفیاء نے مستنجد کے عہد میں وصال فرمایا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۳۴ [2] ایضاً

خلیفہ مستضی بامر اللہ

نام و لقب ابو محمد حسن بن مستنجد باللہ ازمن کنیز مسماۃ غضقہ کے بطن سے ۵۳۶ھ میں پیدا ہوا[1]

خلافت مستنجد کے انتقال کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ امیر عضد الدین و قطب الدین نے اپنی وزارت اور اپنے بیٹے کے لئے استاد دار اور قطب الدین کے لئے سپہ سالاری کا عہدہ طے کر کے ابو محمد حسن کو تختِ خلافت پر بٹھایا۔ المستضی بامر اللہ کے لقب سے ملقب کیا۔ بعد ازاں خاندانِ خلافت سے بیعتِ خاصہ لی گئی۔ اگلے دن دربارِ عام میں بیعت عامہ ہوئی۔

وزارت قلمدانِ وزارت عضد الدین کے سپرد ہوا۔ اس کا بیٹا کمال الدین اُستاد دار مقرر ہوا۔

امیر العسکر اور عساکرِ اسلامیہ کی سرداری قطب الدین قائماز کو دی گئی۔

وزیر خزانہ ابوبکر بن نصر بن عطار کو وزیر خزانہ مقرر کیا اور اُس کو خطاب ظہیر الدین عطا فرمایا۔[2]

عتاب شاہی وزیر سلطنت قدیم ابو جعفر جو خود سر تھا[3] اُس کو بلا کر قتل کرا دیا اور قاضی ابن مزاحم کو گرفتار کر کے جیل خانہ بھیج دیا۔ یہ بڑا ظالم، خود سر اور غاصب تھا۔ اس واقعہ سے تمام عمال کی آنکھیں کھل گئیں اور تمام عراق پر کامل سکون ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام قلمرو میں خوشحالی کے اثرات پھیلنے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۳۵ [2] ابن خلدون جلد ۹ صد ۱۲۳ [3] ایضاً صد ۲۶۱۔

لگے۔ باشندے امن وامان سے زندگی کے دن گزارنے لگے۔ اہلِ بغداد کو زمانہ دراز کے بعد امن وچین نصیب ہوا۔

ابن جوزی کا بیان ہے :-

"مستضئی نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی منادی کرادی کہ آج سے تمام ٹیکس معاف کئے گئے۔ پھر رد مظالم کی طرف توجہ کی اور ایسا عدل وکرم پھیلایا جس کی مثال کم ملتی ہے۔ ہاشمیوں اور علویوں کو دولت سے مالامال کر دیا۔ علمائے مدارس کو پیش قرار وظائف عطا کئے۔ سرائیں بنوائیں۔" ؎۱

سخاوت مستضئی کی طبیعت میں فطری طور سے سخاوت تھی۔ وہ ہمیشہ ہر شخص پر احسان کرتا۔ حتیٰ کہ اربابِ دولت وارا کینِ سلطنت کو بھی انعام عطا کئے۔ چنانچہ مخزن وزری کا بیان ہے کہ ایک ہزار تین سو قباء ابریشمی لوگوں کو عطا کیں۔

جب اُس کے نام کا خطبہ بغداد کے ممبروں پر پڑھا گیا تو حسبِ رسمِ قدیم دینار تصدق کئے گئے۔

قاضی روم بن عدیثی کو قاضی کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سترہ غلام قاضی صاحب کو عطا کئے کہ محکمۂ قضا تک آنے کے لئے جلو میں رہیں اور اردلی کا کام دیں۔

ابن جوزی نے لکھا ہے :-

"مستضئی نے یہ انتظام کیا تھا کہ وہ حجاب میں رہے۔ اس کے پاس سوائے خدم کے کوئی جا نہیں سکتا تھا جب کہیں تشریف لے جاتا تو خدم و حشم ساتھ ہوتا۔ لوگ اس کی زیارت کے مشتاق رہا کرتے۔

؎۱ تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۸۔

وقائعِ مصر مصر میں امیر صلاح الدین یوسف نے جامع مسجد مصر عباد و زہاد کے واسطے کھول دی۔ ورنہ عہد بنو فاطمی میں بند پڑی تھی۔ سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مستضئی بامر اللہ کے نام کا خطبہ مصر کی جامع مسجد میں پڑھوایا اور سلطان نورالدین کو اس کی اطلاع کی۔ سلطان نے شہاب الدین المنظفر بن العلامہ شرف الدین کو یہ خوشخبری لے کر خلیفہ کے پاس بھیجا اور عماد کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہنیت نامہ لکھو کہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں پڑھا جائے۔ کاتب کا بیان ہے کہ میں نے اس تہنیت نامہ کو اس طرح شروع کیا :-

"خدا واحد حق کے بلند کرنے والے اور باطل کو نابود کرنے والے کا احسان ہے . . . اور آگے بڑھ کر لکھا کہ ان شہروں میں کوئی منبر ایسا نہیں رہا جس پر مولانا امام مستضئی بامر اللہ امیر المؤمنین کا خطبہ نہ پڑھایا گیا ہو۔"

جب یہ تہنیت نامہ خلافت مآب کے حضور میں پیش کیا گیا تو خلیفہ معظم نے سلطان نورالدین کو خلعت و تشریفات، امیر صلاح الدین یوسف کو علم عباسیہ اور حکومت کا فرمان اور خطیبوں کو انعام اور عماد کاتب کو ایک سو دینار اور خلعت عطا فرمایا۔[1]

چراغاں بغداد میں اس خبر سے خوشی کی عام لہر دوڑ گئی۔ بازار سجائے گئے اور چراغاں کیا گیا۔[2]

سندِ حکومت نورالدین محمود نے دربارِ خلافت میں قاضی کمال الدین ابوالفضل محمد بن عبداللہ شہرزوری کو بھیجا اور خلیفہ سے یہ استدعا کی کہ مصر، شام، جزیرہ موصل جو اس کے قبضہ و تصرف میں تھے اور دیار بکر غلاط، بلادِ روم قلیج، ارسلان جو اس کے مطیع تھے اُن کی سند حکومت عطا ہو اور داب ہارون اور بلاد سوادِ عراق کو بطور جاگیر طلب کیا جیسا کہ اُس کے باپ کو شاہی عطیہ تھا۔ خلافت مآب نے سلطان نورالدین کے سفیر کو ہم کلامی سے عزت بخشی اور بطیبِ خاطر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۶ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۴، ۱۶۵۔

نورالدین کی درخواستیں منظوری سے شرف اندوز ہوئیں [۱]

دولت فاطمیہ کا خاتمہ اور دولتِ ایوبیہ کا ظہور

مستضئی کے عہد میں بڑا حادثہ دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہے۔ آخری فاطمی خلیفہ عاضد باللہ کے سارے نظم ونسق کی باگ امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ عاضد بالکل بے دست وپا ہوگیا تھا۔ اُس نے ۵۶۷ھ میں انتقال کیا۔ ۲۷۲ سال کی باعظمت سلطنت کا اس کے دم کے ساتھ خاتمہ ہوگیا اور دولتِ ایوبیہ کی بنا قائم ہُوئی۔ مصر کے جملہ انتظام کے بعد اس کو خدشہ یہ دامن گیر ہُوا کہ سلطان نورالدین مصر سے شاید مجھے ہٹا دے۔ چنانچہ یمن پر اس کی نگاہ گئی۔ اپنے بھائی توران شاہ کو فوج کے ساتھ حبش کی طرف روانہ کیا لیکن یہ سرزمین پسند نہ آئی۔ اس لئے یمن کی طرف رُخ کیا اور اس کو بقوت زیرنگین کر لیا۔ وہاں مادی اقتدار تو صلاح الدین کا قائم ہوگیا۔ لیکن مستضئی اور نورالدین کی حکمرانی کے اثرات غالب تھے۔

وقائع

۵۶۹ھ میں نورالدین محمود زنگی بعمر ۵ سال فوت ہُوا۔ اس کا بیٹا اسمٰعیل ملک الصالح گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہُوا۔ شام کے لوگوں نے اور صلاح الدین نے تخت نشینی کو قبول کیا۔ مگر سیف الدین زنگی نے بھائی کے مرنے کی خبر سُنی۔ نصیبین، خابور، حراں، رہا پر قبضہ کر لیا۔ ملک صالح معہ فوج کے حلب روانہ ہُوا کہ چچا کو آگے نہ بڑھنے دے۔ اسی اثناء میں صلاح الدین نے شام پر حملہ کر دیا اور اُس کو ۵۷۰ھ میں زیرنگین کر لیا۔ اس کے بعد حمص، حما، بعلبک کو فتح کیا اور حلب ملک صالح کو دے دیا۔

اوصاف

مستضئی نیک سیرت، عادل، حلیم اور سخی تھا۔ اس نے نوسال چھ ماہ فرائض خلافت انجام دیئے۔ اس میں کسی فرد کو شکایت کا موقعہ نہ دیا وہ صالح اور کامیاب خلیفہ تھا۔ وسط ایشیا سے لے کر مصر ومغرب تک میں اس کے

---

[۱] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵

نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ رعایا کا خیر خواہ تھا۔ اس کے عہد میں امیر و غریب سب خوش تھے۔ اس کے حسن سلوک سے اکثر بادشاہ مطیع ہو گئے [1]

مستضئ کی وفات مستضئ نے ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ھ کو نو سال چھ ماہ فرائض خلافت انجام دے کر وفات پائی۔

ہمعصر علماء ابن الخشاب نحوی۔ ملک النجات ابونزار الحسن بن صافی حافظ ابو العلا الہمدانی۔ ناصح الدین ابن الدیان نحوی۔ حافظ الکبیر ابو القاسم بن عساکر۔ حیص بیص شاعر۔ حافظ ابوبکر بن خیر [2]

محدثین و فقہاء عثمان بن علی بن محمد سکیندی بخاری۔ ابو عمرو فقیہ، محدث، عابد، زاہد، شاگرد امام ابوبکر۔ محمد بن ابی سہل سرخسی و اُستاد صاحب ہدایہ ۵۵۲ھ میں انتقال ہوا۔ محمد بن مسعود بن الحسین کاشانی، شیخ ابو الفتح فقیہ۔ شاگرد تھے۔ ایک عرصہ تک عہدۂ قضا پر ممتاز رہے۔ ۵۵۲ھ میں انتقال کیا۔

احمد بن علی بن عبدالعزیز بلخی صاحب شرح جامع صغیر ۵۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن یوسف حسینی ابو القاسم ناصر الدین سمرقندی، امام جلیل القدر مفسر محدث فقیہ، مؤلف کتاب نافع و خلاصۃ المفتی کے تھے۔ ۵۵۶ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن ابی بکر المعروف بہ امام زادہ جوغی مفتی بخارا شاگرد مجد الائمہ سرخکتی و شمس الائمہ بکر زنجری و رضی الدین نیشاپوری، تصوف میں مرید خواجہ یوسف ہمدانی کے تھے۔ شرعۃ الاسلام، اداب الصوفیہ یادگار ہے۔

محمد بن ابی القاسم خوارزمی ابن المشائخ بقالی فقیہ و محدث علامہ جاراللہ زمخشری کے شاگرد ۵۷۶ھ میں انتقال کیا۔

سلطان نورالدین زنگی مجاہد اعظم سلطان نورالدین زنگی صرف حلب کا حکمران تھا۔ لیکن جنگ صلیبی میں اس کی شہامت

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۶۳ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۱۔

اور شجاعت نے فرنگیوں کو مرعوب کر دیا تھا۔ آخر میں اس کی سلطنت اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ شام، مصر، یمن اور حرمین شریفین میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین کا آقا تھا۔ خلفائے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس سے بہتر کوئی حکمران مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ نورالدین بڑا عادل، عابد وزاہد اور متقی تھا۔ شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ وقیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"وہ زمرۂ سلاطین میں عدل و انصاف کے قیام، محرماتِ شرعیہ کے اجتناب اور اتباعِ سنت کا مجدد تھا"۔ سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً بند کر دی تھی۔ بہت سے مذہبی اور رفاہِ عام کے کام انجام دیئے۔ دمشق میں دارالحدیث قائم کیا۔ محدثین اور حدیث کے طلباء کے لئے بڑی جائداد وقف کی۔ موصل اور حماۃ میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔ مکاتب قائم کئے۔ شفاخانے بنوائے۔ وہ صاحب علم، متقی ومتورع تھا۔ اُس کا سارا وقت جہاد کی تیاری میں گزرتا۔ علماء وصوفیہ کی قدر ومنزلت کرتا۔ خراسان کے مشہور عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بلایا اور اُس کے ساتھ تعظیم وتوقیر سے پیش آیا"۔

سیاست ملکی میں بھی اُس کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس نے شوال ۵۶۹ھ میں انتقال کیا[1]

---

[1] دولتِ اتابکیہ صفحہ ۱۳۶۔

خلیفہ ناصرلدین اللہ

نام و لقب ابوالعباس احمد ناصر لدین اللہ بن مستعنی باللہ۔ اس کی ماں کا نام زمرد تھا[1]

تعلیم و تربیت علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ شاہانہ طور طریق سے تعلیم و تربیت ہوئی۔

خلافت ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۱۸۰ء کو سربرائے تخت خلافت ہوا۔ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔

وقائع ۵۷۶ھ میں سیف الدین فرمانروائے موصل فوت ہوا اُس کا برادر عم زاد عزالدین مسعود بن مودود زنگی جانشین ہوا۔

۵۷۷ھ میں ملک الصالح اسمٰعیل بن نورالدین زنگی فرماں روائے حلب ۱۹ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ عزالدین جانشین ہوا۔ اُس نے اپنے بھائی عمادالدین کو حلب کی حکمرانی دے دی۔

اسی سال یعنی ۵۷۸ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بلاد جزیرہ کو مفتوح کر کے موصل پر لشکر کشی کی۔ مگر کسی مصلحت سے سنجار جا کر اُس کو فتح کر لیا۔ ۵۷۹ھ میں حلب پہنچا۔ عمادالدین زنگی نے بغیر جنگ کے حلب سلطان صلاح الدین کے سپرد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین نے عمادالدین کو سنجار، نصیبین، خابور، رقہ، مسروج کے علاقہ کا حکمران بنا دیا۔ اس زمانہ میں شاہ ارمن فرمانروائے خلاط فوت ہوا۔ صلاح الدین میافارقین پہنچا۔ وہاں پتہ چلا کہ اُس کا غلام بکتر اس کے تخت و تاج کا مالک بن

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۱۔

بیٹھا ہے۔ اس نے صرف میافارقین پر قبضہ کر لیا۔

طغرل کی فتوحات ۵۸۳ھ سلطان طغرل بن ارسلان شاہ نے بہت سے ملک زیرنگیں کر لئے۔ قزل ارسلان ابن الذکر فرمانروائے آذربیجان ہمدان، اصفہان نے طغرل کی فتوحات کے سیلاب کو بڑھتے دیکھا۔ خلیفہ سے مدد چاہی یہاں سے لشکر گیا۔ طغرل سے معرکہ رہا۔ شاہی لشکر شکست کھا گیا۔

واقعات سلطان صلاح الدین عزیز الدین مسعود اور عماد الدین مل کر صلاح الدین کے خلاف ہو گئے بلکہ صلاح الدین کو زیر کرنے کے لئے عیسائیوں اور باطنیوں سے باضابطہ عہد نامہ کر لیا۔ باطنیوں سے یہ طے کیا کہ حلب میں اُن کا تبلیغی مرکز قائم کر دیا جائے گا۔ اس کی اطلاع صلاح الدین کو ہو گئی۔ مگر عماد الدین سے صلح ہو چکی تھی۔ اُس نے سکوت اختیار کیا۔

صلاح الدین مصر سے شام آیا۔ فرنگیوں نے روکا۔ یہ دوسری طرف سے نکل کر طبریہ و بیان وغیرہ فرنگی علاقہ پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک پہنچا اور فرنگیوں سے دو دو ہاتھ کر کے دمشق آ گیا۔ اس کے نائب عزالدین فرخ شاہ نے دیور یہ و شقیف کے فرنگی قلعے پر جو اسلامی سرحد پر واقع تھے صلاح الدین کے آنے سے پہلے فتح کر لئے تھے اور چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ دمشق سے صلاح الدین بیروت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ بحری و بری حملہ کیا۔ اس دوران میں خبر ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آرہا ہے۔ چنانچہ سلطان نے بیروت چھوڑ کر جہازوں کو آ لیا اور حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لئے[1]

اس کے بعد زنگی خاندان کی چھوٹی چھوٹی سرداریاں جو باہم لڑتی رہتیں یا دشمنوں سے سازباز کرتیں۔ پہلے اُن کے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ امیر مظفر الدین کو کبری والی حران، عزالدین مسعود سے مخالف تھا اُس نے سلطان کو دعوت دی چنانچہ

---

[1] کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۲۳۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۲۔

بیروت سے واپس ہو کر فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو اعلانِ عام دیا کہ جو اطاعت کرے گا اُس کا علاقہ اُس کے لئے ہے ورنہ بزورِ شمشیر قبضہ کیا جائے گا۔

سلطان کی قوت و سطوت کے آگے سب نے سر جھکا دیا۔ جس نے سرتابی کی بزورِ شمشیر مطیع کیا۔ اس طرح جزیرہ کا بڑا حصہ سلطان کا زیرنگیں ہو گیا۔ سنجار لیا جا چکا تھا۔ آمد پر بہاء الدین قابض تھا۔ سلطان نے حملہ بول دیا۔ ابن نیساں نے وزیر قاضی فاضل کے ذریعے چند شرائط پر شہر حوالے کر دیا۔ محرم ۵۷۹ھ میں سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں۔

سلطان نے محمد بن قراد کے لڑکے نور الدین کو آمد کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس زمانے میں حلب لیا جا چکا تھا۔ اب شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک اُس کے نام کا خُطبہ پڑھا جانے لگا۔[1]

اس کے بعد حارم عماد الدین سے لیا۔ حارم کے قبضہ کے بعد سلطان دمشق لوٹا۔ تمام ممالکِ محروسہ کی فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب افواج جمع ہو گئیں ۵۷۹ھ میں بیسان جو فرنگی علاقہ تھا اس طرف رُخ کیا۔ وہ ساز و سامان چھوڑ کر نکل بھاگے اور سلطان کا قبضہ بلامزاحمت بیسان پر ہو گیا۔ پھر جالوت میں جا کر منزل کی۔ فرنگیوں نے سلطان کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر الفوکہ میں ایک عظیم الشان فوج جمع کی۔ اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھے اسلحہ رکھنے والی پیدل فوج اور یورپ کے اُمراء زادے ہنری، لودین کا ڈیوک، یمنی کا رالف، اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے رئیس، بالڈون، علین کا بالیان، صیدا کا ریجی نالڈ جو مُسلمانوں کا دشمن تھا۔ قیساریہ کا والٹر، کورنتی جوسلن وغیرہ تھے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۸۳۔

سلطان عین جالوت سے الفوکہ پہنچا۔ دونوں میں خونریز معرکہ ہوا۔ فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت گئے۔ سلطان بھی اُن کے عقب میں پہنچا اور چاروں طرف سے گھیر کر خوب قتلِ عام کیا۔ فرنگی پٹ کر بھاگے اُن کا تعاقب کیا۔ کعز بلا، بلیسان اور زرعلین کو ویران کر ڈالا۔

اس مہم سے فراغت پا کر ۵۷۹ھ میں اسلام کے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقے کرک پر فوج کشی کی مگر ناکام دمشق لوٹا۔ وہاں جا کر مصر و شام و جزیرہ کی فوجیں جمع کر کے ۵۸۰ھ میں دوبارہ کرک پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ مگر فرنگیوں کی تازہ دم فوج آگئی سلطان کو ہٹنا پڑا۔ نابلس اور سبطینہ کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دمشق لوٹ گیا [1]

یروشلم کا فرمانروا امال رک مر گیا۔ اُس نے اپنے کمسن بھانجہ بالڈون کو جانشین کیا اور اُس کا نگران لوسگنان کے گائی اور طرابلس کے فرمانروا ریمنڈ کو مقرر کیا گیا۔ انہوں نے سلطان سے چار سال کے لئے صُلح کر لی۔ مگر اس زمانہ میں بطریق ہیریکلیوس مسیحی مجاہدوں کی بھرتی یورپ میں کر رہا تھا۔ اِدھر ریمنڈ اور گائی میں یروشلم پر حکمرانی کی وجہ سے چپقلش ٹھن گئی۔ ریمنڈ سلطان سے میل کر گیا۔ سلطان نے یروشلم کا اس کو حکمران بنانے کا وعدہ کر لیا۔ ریمنڈ کا اثر صلیبیوں پر بہت تھا۔ چنانچہ فرنگی بہت سے سلطان کی طرف ہو گئے [2]

موصل پر قبضہ سلطان نے موصل کی طرف توجہ کی معمولی جنگ کے بعد عزالدین سے صُلح ہو گئی اور سلطان کا اُس پر قبضہ ہو گیا۔ اب اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہو گئی۔

ریجی نالڈ نے بدعہدی کی۔ ایک مسلمان حجاج کا قافلہ اُس نے اپنے علاقے سے گزرتے ہوئے لوٹ لیا اور اہلِ قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ سلطان نے اس کو تنبیہ کی۔ اہلِ قافلہ سے ریجی نالڈ نے کہا:-

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۸ [2] ایضاً

"تم محمدؐ پر ایمان رکھتے ہو۔ اُس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمہیں چھڑائے"۔

ریجی نالڈ نے سلطان کی تنبیہ کی پرواہ نہیں کی۔ سلطان کو اُس کے کلمہ ناسزا کی بھی خبر ہوگئی۔ اُس نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا"۔

فرنگیوں سے فیصلہ کن جنگ

سلطان نے ممالکِ محروسہ میں جہاد کی عام منادی کرادی۔ تمام زیرِ اثر علما اور فرمانروا دمشق آگئے۔ ۵۸۳ھ میں سلطان دمشق سے فلسطین روانہ ہوا۔ سلطان نے الملک الفاضل کو راس الماء چھوڑا۔ خود کرک روانہ ہوگیا۔ ریجی نالڈ کو ہمت نہ پڑی کہ مقابلہ کرتا۔ سلطان نے کرک اور اشوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔

الملک الفاضل راس الماء سے عکہ کی طرف بڑھا۔ صفوریہ میں فرنگی پچاس ہزار جمع تھے جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے۔ گائی اور ریمنڈ ہر دو ملے اور صلیبیوں میں شریک ہوگئے۔

الملک الفاضل نے اسدوایہ اور استباریہ صلیبی مجاہدین کو صفوریہ کے قریب آلیا اور اُس کے ممتاز افسر قتل کیے اور صلیبیوں کو تہ تیغ کیا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو وہ کرک سے الفاضل سے آکر مل گیا۔ اب اسلامی فوجیں طبریہ کی طرف بڑھیں۔

۵۸۳ھ میں سلطان نے صفوریہ کا رُخ کیا اور فرنگیوں کے قریب طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اتاریں۔ مگر طبریہ سے کوئی مقابل نہ آیا۔ سلطان نے شہر پر قبضہ کیا۔ پھر نوبیا کے میدان میں صلیبیوں سے جنگ چھیڑ دی۔ ہزارہا نصرانی تہ تیغ ہوئے اُن کی قوت کمزور ہونے لگی۔ حطین کی آڑ لے کر بھاگنا چاہا مگر وہاں بھی شجاعانِ عرب نے آکر روک لیا۔

اُن کی مقدس صلیب جو حضرت مسیح کی سُولی کی بنی ہوئی تھی چھین لی۔ اب صلیبی پیچھے ہٹتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ آخر شکن ہتیار ڈال دیئے۔ فوجِ سلطانی نے بڑے بڑے امراء و حکمرانوں کو

کو گرفتار کر لیا۔[1]

اختتامِ جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ یروشلم کے بادشاہ گائی کو پہلو میں جگہ دی۔ باقی اُمراء اُن کے رُتبہ کے مطابق بٹھلائے گئے۔ پرنس ارناط بھی پیش ہُوا۔ سلطان نے اُس کا اپنے ہاتھ سے سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد ان قیدیوں کو ساتھ لے کر شہر حطین کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد طبریہ بھی قبضہ میں لیا۔ پھر عسکا پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے جامع مسجد جس کو صلیبیوں نے کنیسہ بنا لیا تھا ایک صدی بعد سلطان نے پھر اُس کو مسجد بنا کر جمعہ کی نماز پڑھی۔[2]

دوسری سمت سلطان کے بھائی ملک العادل نے مجدل یابا، ناصرہ، قیساریہ، حیفا، صفوریہ، شقیف، فولہ وغیرہ عکہ کے ملحقہ علاقے زیرنگین کر کے یافہ کی بندرگاہ فتح کر لی۔

سلطان نے اتنے میں صیدا لے لیا۔ اس کے بعد بیروت پر فوج کشی کر دی۔ اہلِ شہر نے مقابلہ میں نقصان اُٹھا کر سپرد کر دیا۔ اس کے بعد صور اور عسقلان بزورِ شمشیر سلطان نے لے لئے۔

بیت المقدس کی فتح

۵۸۳ھ میں عسقلان سے سلطان بیت المقدس روانہ ہُوا۔ سلطان کے عزم وجہاد کی خبر سُن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء کے المقدس کی فتح کی شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ سلطان نے صلیبیوں سے کہلا بھیجا کہ مَیں یہاں خونریزی نہیں چاہتا۔ اس کو میرے حوالہ کر دو اور معقول معاوضہ لے لو مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔ آخر سلطان کو بدرجہ مجبوری تلوار نکالنا پڑی۔ ایک ہفتہ خوب خوب ہر دو طرف سے تلواریں چلیں۔ آخر صلیبیوں نے فدیہ دے کر نکلنا چاہا۔ فدیہ دس دینار مرد، ۵ دینار عورت، ۲ دینار بچہ، دیا اور ۲ رجب ۵۸۳ھ بروز جمعہ صلیبیوں نے ہمت ہار کر بیت المقدس

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۱ [2] ایضاً ص ۲۰۳ [3] ایضاً ص ۲۰۷ جلد ۱۲

مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔[1]

صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت ستر ہزار مسلمان مسجد اقصیٰ میں شہید کئے تھے جس میں ہزارہا علماء و زہاد عبادت گذار رہتے تھے مگر مسلمانوں نے پُرامن طور پر عیسائیوں سے خالی کرایا۔ امیر مظفر الدین کوکری نے صدہا عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ پھر سلطان نے معافیٔ عام دی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان نے عیسائیوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں صور تک پہنچا دیا۔ ملک العادل نے ایک ہزار نصرانیوں کو بطور غلام لے کر اپنی طرف سے آزاد کر دیا۔ سلطان نے قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ جس کو عیسائیوں نے بت خانہ تصاویر کے ذریعہ بنا رکھا تھا اُس کو مٹایا اور درست کرا کر امام و قاری مقرر کئے۔ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی۔ نورالدین زنگی کا بنوایا ہوا ممبر حلب سے طلب کر کے مسجد اقصیٰ میں نصب کیا گیا۔

تطہیر بیت المقدس کے بعد سلطان نے مدرسہ رباطین تعمیر کئے۔ رقم فدیہ کی جو وصول ہوئی تھی وہ علماء اور مستحقین میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد صور پر فوج کشی کی مگر ناکامی ہوئی مگر حصن کوکب لے لیا۔ اس کے بعد سلطان ۵۸۴ھ میں دمشق چلا گیا۔ کچھ دن بعد انطرطوس لے لیا۔ پھر لاذقیہ پر قبضہ جمایا۔

غرضیکہ فلسطین کی نصرانی حکومت کا خاتمہ سلطان کے ہاتھوں ہُوا۔ اب شام میں صرف مسیحی حکومت انطاکیہ تھی ابو ہمنڈ نے سلطان سے صلح کر کے جان بچائی۔ یروشلم کے زوال سے یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔ شام کا اسقفِ اعظم ولیم صوری قسیسوں اور راہبوں کو لے کر روم آپہنچا۔ پاپائے روم نے مقدس جنگ کے لئے فتویٰ دے دیا۔

انگلستان میں کنٹربری کے بلڈون نے جنگِ صلیبی کا وعظ کہا۔ اُس کی کوششوں

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۷۔

سے فرانس، انگلستان کے بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہنری دوم بادشاہ انگلستان، فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس اور فریڈرک بار بروسہ بادشاہ جرمنی، ولیم بادشاہ صقلیہ اور یورپ کے نائٹس سب یکجا ہو کر صلیبیوں کو ساتھ لے کر فلسطین روانہ ہوئے۔ ہنری دوم مر گیا اس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا وہ اس جماعت کا ہیرو بن گیا۔ غرضیکہ رچرڈ اور فلپ عکہ پہنچے۔ سلطان بھی فوج لے کر پہنچا۔ خوب خوب مقابلہ ہوا۔ آخر میں عکہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا اور پھر صلح ہو گئی۔ عسقلان تباہ کر دیا گیا۔ رچرڈ وغیرہ سب اپنے ملک چلے گئے۔ سلطان کامرانی کے ساتھ بیت المقدس آیا۔ عیسائیوں کو زیارت کی اجازت مل گئی۔ امیر عزیز الدین حرویک کے سپرد بیت المقدس کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا۔

وفات سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر، شام، فلسطین، جزیرہ و موصل کو زیر نگین کرنے کے بعد ۵۷ سال کی عمر میں ۲۷ صفر ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔ صلیبی جنگوں میں اس نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ عالمگیر اقتدار کا مالک تھا۔ مگر ہمیشہ خلافت عباسیہ کے دامن سے وابستہ رہا اور بارگاہِ خلافت کے حلقۂ اطاعت سے کبھی الگ نہیں ہوا۔ سلطان صلاح الدین کے مفصل حالات "تاریخ ملت" کی جلد ہفتم میں ہم نے بیان کئے ہیں۔

وزرائے ناصر عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ظہیر الدین بن عطار کو جیل میں ڈال دیا۔ مجد الدین ابو الفضل بن صاحب وزیر استاد کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ مگر ناصر نے مجد الدین سے نظام حکومت ہاتھ میں لے کر کچھ عرصہ میں اُن کو معطل کر دیا تو خلیفہ نے ۵۸۳ھ میں اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور زمام حکومت ہاتھ میں لے لی۔

مجد الدین کے عہد میں خلافت مآب کی کچھ نہ چلتی تھی۔ علاوہ بریں اس کی ثروت اور مالداری اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ خلافت مآب کے خزانہ کی اس کے مقابلہ

یاں ذرا بھی وقعت نہ تھی۔ مجدالدین کے قتل کے بعد عبیداللہ بن یونس کنیت ابوالمظفر کو عہدۂ وزارت عطا ہوا اور لقب جلال الدین اُس کو دیا گیا۔ یہ وزیر صاحب جلال اور باعظمت تھا۔ اس کے دربار میں تمام اُمراء حتیٰ کہ قاضی القضات بھی دربار داری کرتے [1]

ممالک محروسہ اسلامیہ میں بیعت کے لئے قاصد روانہ کئے۔ صدرالدین شیخ الشیوخ کو بہلوان [2] والی ہمدان، اصفہان، رے کے پاس روانہ کیا۔ سب نے آخرش بیعت کی۔ بہلوان کے مرنے کے بعد اُس کا بھائی کزل ارسلان موسوم بہ عثمان حکمران ہوا۔ طغرل اس کی نگرانی سے نکل بھاگا اور اُمراء و ارا کین کو بُلا لیا اور عثمان پر حملہ آور ہوا۔ عثمان نے اپنا سفیر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ طغرل نے بھی چند شہر قبضہ میں کرکے سفیر خلافت مآب کی خدمت میں روانہ کیا اور دارالسلطنت کی تعمیر کی مرمت کی اجازت چاہی۔

اس سے پیشتر سلاطینِ سلجوقیہ کی حکومت کا سکّہ بغداد و عراق میں چل رہا تھا۔ مگر مقتفی نے اُس تعلق کو منقطع کر دیا تھا اس لئے دارالسلطنت بے مرمت ہو گیا تھا۔ مگر خلافت مآب نے کزل عثمان کے سفیر کی عزت و توقیر کی اور معاونت کا وعدہ کیا اور طغرل کے سفیر کو بلا جواب کے واپس کیا۔ ان سفراء کی واپسی کے بعد خلیفہ نے سلاطینِ سلجوقیہ کے دارالسلطنت کے انہدام کا حکم دے دیا جس پر نہایت

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۷۰۔

[2] محمد بہلوان ابن ایلدکز اتابک ۵۲۴ھ میں ایلدکز والی رے کو قتل کرکے خود حکمران بن گیا وہ ۵۶۸ھ میں ہمدان میں فوت ہوا۔ محمد بہلوان جانشین ہوا۔ اس کا بھائی سلطان ارسلان بن طغرل بدستور اس کی کفالت میں رہا۔ ۵۸۲ھ میں جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے طغرل کو اُس کا جانشین کیا۔ ۵۸۲ھ میں بہلوان نے وفات پائی۔ ہمدان، رے، اصفہان، آذربائیجان اور آرمینیہ وغیرہ اس کے زیرِ حکومت تھے اور طغرل مذکور نگرانی میں تھا۔

تیزی سے عملدر آمد کیا گیا۔ ماہ صفر ۵۸۴ھ میں دربارِ خلافت سے وزیر السلطنت جلال الدین ابو المظفر عبید اللہ بن یونس سرافسری ایک لشکرِ عظیم لے کر کزل کی کمک کو روانہ ہوا۔ ہمدان میں کزل کے اجتماع سے پیشتر طغرل سے مقابلہ ہوا۔ میدان طغرل کے ہاتھ رہا۔ لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ وزیر سلطنت گرفتار ہوا۔ اس کے بعد ہی کزل نے طغرل کو آلیا فتح اس کو نصیب ہوئی۔ کزل نے طغرل کو گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ کزل استحکام و استقلال کے ساتھ کل صوبہ جات پر حکمرانی کرنے لگا۔ اپنے نام کا منبروں پر خطبہ پڑھوایا۔ دروازہ پر پنج وقتہ نوبت بجوائی۔ ۵۸۵ھ میں طغرل اپنی خوابگاہ میں قتل کیا ہوا پایا گیا۔ اس کے بعد دولتِ سلجوقیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔[1]

نیا وزیر خلافت مآب نے وزیر کی گرفتاری پر مؤید الدین ابو عبداللہ محمد بن علی معروف بہ ابن قصاب کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا اور صوبہ جوزستان وغیرہ کی سندِ حکومت عطا کی۔ چنانچہ ۵۹۱ھ میں شملہ والی خوزستان مرا تو وزیر دار السلطنت جا پہنچا۔ تشتر پر قبضہ کر کے خوزستان بھی قبضہ میں لایا۔ ملوک بنی شملہ کو گرفتار کر کے بغداد روانہ کیا اور انتظاماً وزیر نے خوزستان کا حاکم طاش تکین کو کیا۔ یہاں سے وزیر سلطنت رے کی طرف بڑھا۔ پہلے ہمدان پر قابض ہوا۔ بعد اس کے خوارزم شاہ کی طرف توجہ کی۔ وہ مقابلہ سے جی چراتا رہا۔ یہ اس کے پیچھے رے تک پہنچے وہ جرجان چلا گیا۔ وزیر نے رے پر تسلط کیا۔

شعبان ۵۹۲ھ میں وزیر نے انتقال کیا۔ خوارزم شاہ نے ہمدان پر فوج کشی کر کے وزیر کی بے سری فوج کو شکست دے کر قبضہ کیا۔ پھر اصفہان کی طرف خوارزم شاہ متوجہ ہوا۔ وہاں کے امیر صدر الدین خجندی رئیس شافعیہ نے خلافت مآب کو لکھا ہم آپ کے زیرِ حمایت آنا چاہتے ہیں۔ خلافت پناہ نے سیف الدین طغرل جاگیردار

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۲۔

"بلا دبجت" کو اصفہان روانہ کیا۔ سیف الدین نے اصفہان پر قبضہ کیا اور خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ اس کے بعد زنجان اور قزدین بھی خلیفہ کے زیر نگین آ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت بنی عباس کے قوائے حکمرانی مضبوط ہو گئے اور حکومت وشوکت کو استحکام و استقلال ہوا۔[1]

رفاہِ عام

خلیفہ ناصر نے جن شہروں پر اپنا اقتدار قائم کیا وہاں جو عمال تھے اُن کو ہدایت عدل وانصاف کی کی۔ جگہ جگہ مدرسے کھولے گئے۔ شفاخانہ، مہمان سرائے، باغات لگوائے گئے۔ تجارت میں بڑی سہولت دے دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امن وامان قلمرو بنی عباس میں نظر آنے لگا۔

۶۰۲ھ میں طاشس تکین امیر خوزستان مرا۔ خلیفہ نے اُس کے داماد سنجر کو اس کا جانشین کر دیا۔ ۶۰۳ھ میں سنجر نے جبال ترکستان کا قصد کیا۔ یہ جبال عظیم الشان فارس، عمان، اصفہان اور خوزستان کے درمیان واقع ہیں۔ اس کا والی ابوطاہر تھا۔ اُس نے اپنے داماد قشتمر کو اپنا جانشین کر دیا تھا۔ ان دنوں قشتمر حکمرانی کر رہا تھا چنانچہ سنجر نے حملہ کیا اور ناکام لوٹا۔

وزیر کی معزولی

نصیر الدین ناصر مہدی علوی رے کا امیر تھا۔ وہ بغداد میں مقیم تھا۔ خلافت پناہ نے اس کو وزیر سلطنت کی نیابت عطا کی۔ بعد چندے اُس کو وزارت عطا کی اور اُس کے بیٹے کو وزیر خزانہ کیا۔

نصیر الدین نے عہدۂ وزارت پا کر بحکمت عملی کل ارکین دولت کو دبا لیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر خلیفہ نے اس کو معزول کر دیا اور خانہ نشین رہنے کا حکم دیا۔ اُس نے اس پر عمل کیا۔ فخر الدین ابوالبدر محمد بن احمد بن اسمینا واسطی بطور نائب وزیر وزارت کا کام انجام دینے لگا۔ اس زمانہ میں ابوفرس نصیر بن ناصر بن مکی مدائنی وزیر خزانہ نے بغداد میں انتقال کیا تو اُس کے بجائے ابوالفتوح مبارک بن عضد الدین

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۰۶۔

ابوالفرج بن رئیس الرؤسا ۶۰۰ھ میں متعین کیا گیا۔ لیکن خزانہ کا کام وہ سنبھال نہ سکا تو اُس کو معزول کر دیا۔ اس کے بجائے مکین الدین محمد بن محمد بن بدر القمر کاتب انشا نائب وزیر کو مقرر کیا اور اس کو موئد الدین کا لقب عطا کیا۔

سنجر سنجر خادم خلیفہ ناصر نے بغاوت کر دی تو موئد الدین سرکوبی کو خوزستان پہنچا اور اُس کو گرفتار کر کے بغداد لے آیا۔ خلافت مآب نے دوسرے خادم یاقوت کو خوزستان پر مامور کیا۔ پھر سنجر کو آزاد کر کے خلعت عطا کیا۔

ولیعہد کا انتقال خلیفہ ناصر نے اپنے چھوٹے لڑکے ابوالحسن علی کو ولی عہد کیا تھا۔ وہ ۶۱۲ھ میں انتقال کر گیا۔ دو لڑکے اُس نے چھوڑے۔ مؤید۔ موفق۔

ان دونوں کو ۶۱۳ھ میں سندِ امارت خوزستان کی عطا کی۔ مع لشکر کے خوزستان بھیجا۔ موئد الدین نائب وزیر اور عز الدین شرابی کو اتالیقی اور نگرانی کی غرض سے ساتھ کر دیا۔ ہر دو نے خوزستان جا کر حکمرانی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد نائب وزیر اور شرابی بغداد واپس آ گئے۔

خوارزم شاہ خوارزم شاہ کے تغلب سے پہلے اغلمش نے بزور تیغ و حکمت عملی بلادِ جبل پر قبضہ کر لیا تھا۔ خوارزم شاہ علاء الدین محمد بن تکش جانشینِ سلاطینِ سلجوقیہ کو جو صوبۂ خراسان و ماوراء النہر پر مستولی ہو رہا تھا۔ ان بلاد پر قبضہ کرنے کا شوق چرایا۔ لشکر آراستہ کر کے اِدھر اُس نے فوج کشی کر دی اُدھر اتابک سعد بن وکلاء والی فارس بلادِ جبل کے لئے بڑھا۔ پہلے اتابک نے اصفہان پر قبضہ جمایا۔ پھر "رے" کی طرف بڑھا۔ یہاں خوارزم شاہ کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی سخت خونریزی کے بعد اتابک کو ہزیمت ہوئی۔ خوارزم شاہ نے اُس کو گرفتار کر لیا اور آگے بڑھ کر قزوین، زنجان اور ابہر پر قابض ہوا۔ اہلِ ہمدان نے گردنِ اطاعت

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۸۲۔

جھکا دی۔ اس کے بعد اصفہان پر متصرف ہو گیا۔ قم اور قاشان بھی خوارزم شاہ نے لے لئے۔ والیٔ آذر بائیجان اور آرمینیہ نے بغیر تحریک کے اطاعت قبول کی۔ اب اُس کے حوصلے بڑھ گئے۔ دارالخلافت میں اپنے نام کا خطبہ پڑھے جانے کا نامہ و پیام خلیفہ سے کیا۔ مگر دربارِ خلافت نے اس کی تمروی دیکھ کر انکار کر دیا تو خوارزم شاہ نے طیش میں آکر دربارِ خلافت پر حملہ کرنا چاہا۔ امیر حلوان کو سندِ امارت عطا کر کے پندرہ ہزار سواروں کی جمعیت سے بغداد بڑھنے کا حکم دیا۔[1]

خلافت مآب کو خبر لگی تو خلیفہ نے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کو سفیر بنا کر بھیجا کہ خوارزم شاہ کو سمجھا دیں کہ غلط قدم نہ اُٹھاوے۔ شیخ الشیوخ خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ مگر اُس نے کہا: میں تو بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر چین لوں گا۔ آپ اس کو بددُعا دے کر چلے آئے۔ جو فوج اُس نے بغداد کے لئے روانہ کی۔ جب وہ راستہ میں ہمدان سے آگے پہنچی تھی کہ اس قدر برف باری ہوئی کہ ساری فوج ہلاک ہو گئی جو باقی رہی بنو برجیم ترک نے آلیا اور تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ خوارزم نے ۶۱۵ھ میں خراسان میں خلیفہ کے نام کا خطبہ ممنوع قرار دیدیا۔

تاتاریوں کا خروج

چینی تاتار کے ان بلند اور وسیع میدان میں جو منگولیا کہلاتی ہیں۔ بہت سی خانہ بدوش اقوام آباد تھیں۔ نہایت خونخوار سخت دل، جنگ جو یہ وہ لوگ تھے جن کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لئے قدیم چینیوں نے دیوار چین بنائی۔

زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ (یعنی قبائل کا سردار) لنجہ تھا اس کے دو بیٹے توام پیدا ہوئے۔ ایک کا نام مغول رکھا، دوسرے کا نام تاتار، اُن کی اولاد اُن کے ہی نام سے مشہور ہوئی۔ مغلوں میں ایل خان مشہور سردار تھا اور تاتاریوں میں مشہور

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۳۔

شخصیت سونج خاں کی تھی۔ ایل خان کی اولاد میں بہادر خاں تھا جس کا لڑکا چنگیز خاں تھا جس کی پیدائش ۵۴۹ھ میں ہوئی۔ چنگیز نے تمام مغلوں اور تاتاریوں کو متحد کر کے ارد گرد کے علاقے لے کر حکومت قائم کر لی اور بیس سال کے ترک تازہ میں بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا ۶۱۲ھ میں چنگیز نے اپنے ملک کے معزز مسلمانوں کا ایک وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا کہ دونوں ممالک میں تجارت کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ خوارزم شاہ نے منظور کر لیا۔

ایک عرصہ تک دونوں طرف کاروان تجارت آتے جاتے رہے۔ ۶۱۵ھ میں چار سو تاتاری تاجروں کا ایک قافلہ دریائے سیحوں کے ساحل پر مقام سردار یا میں اُترا۔ وہاں کے والی نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ چنگیز خاں کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں یہاں آئے ہیں۔ خوارزم شاہ نے حکم دیا کہ اُن کو قتل کر دو۔ والی نے اس حکم کی تعمیل کی۔ اور وہ کل سامانِ تجارت خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے سمرقند اور بخارا کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا [1]

چنگیز خاں کو خبر لگی اُس نے لکھا کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے لہٰذا تمام سامان واپس کر دیا جائے اور رغایر خاں والیٔ سروار یا کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اُس سے اس کا بدلہ لیں۔ مگر خوارزم شاہ نے اس سفیر کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر چنگیز خاں نے غضب ناک ہو کر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ خوارزم شاہ نے پہلے ہی حدودِ ترکستان پر حملہ کر دیا مگر ناکام رہ کر لوٹ آیا۔ راہ میں جس قدر شہر آباد تھے اُن کے باشندوں کو جلاوطنی کا حکم دے دیا جس سے وہ حصّہ ملک جو دنیا کی جنت نظار تھا، ویران ہو گیا۔

خوارزم شاہ کی یہ حرکت چنگیز کے لئے زیادہ سود مند ہوئی کہ وہ بخارا تک بغیر مزاحمت ۲۰ ہزار فوج کے ساتھ آ کُودا۔ اہلِ شہر نے علامہ بدرالدین قاضی شہر کو امان

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۰۔

طلب کرنے کے لئے چنگیز کے پاس بھیجا۔ اُس نے نامنظور کیا۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز بخارا میں داخل ہو گیا اور باشندوں کو نکل جانے کا حکم دیا جو بچ رہے قتل کئے گئے۔ کچھ غلام بنائے گئے۔ بخارا سا عظیم الشان شہر جلا دیا گیا جو صرف کھنڈر کی صورت میں رہ گیا[1]۔
چنگیز پھر سمرقند گیا اُس کا بھی یہی حال کیا۔ چنگیز نے ۲۰ ہزار فوج کو حکم دیا کہ خوارزم شاہ کو جہاں ہو پکڑ لایا جائے۔ یہ غزنیہ میں تھا وہاں سے نیشاپور گیا۔ تاتاری بلائے بے درماں کے مثل اُس کے مُلکوں کو غارت کرتے ہوئے چلے۔ اُس نے نیشاپور بھی چھوڑا۔
مگر اس حالت میں کہ دشمن عقب میں تھے۔ اس پر بھی خوارزم شاہ عیش و عشرت میں تھا۔ باوجودیکہ لاکھوں فوج اس کے پاس تھی ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا مگر تاتاریوں کی ہیبت اس کے قلب پر مستولی ہو چکی تھی جس نے اُس کو ڈرپوک بنا دیا تھا۔
بحرۂ طبرستان کے اندر اس کا ایک قلعہ تھا۔ بندرگاہ پر پہنچ کر جہاز میں سوار ہوا۔ جب روانہ ہو گیا اُس وقت تاتاری ساحل پر پہنچے اب مجبوراً اُس کا پیچھا چھوڑ کر تاتاری مازندران آئے اور "رے" کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پھر ہمدان کو لیا اور قزوین کو فتح کر کے چالیس ہزار باشندے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ وہاں سے تاتاری آذربائیجان کی طرف بڑھے۔ تبریز کا محاصرہ کیا۔ اس کا امیر ازبک بن بہلوان تھا جو ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا تھا۔ وہ مدافعت کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ وزراء نے تاتاریوں کو کچھ رقم دے کر صلح کر لی۔

خوارزم شاہ جزیرہ البسکون میں تھا۔ یہاں بھی تاتاری آگئے تو جزیرہ میں جانے کے چند روز بعد ۶۱۷ھ میں انتقال کر گیا۔ اس غربت میں کفن تک میسر نہ آیا[2]۔
خوارزم شاہ تاتاری سیلاب لانے کا سبب ہوا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ اُس نے چنگیز خاں کو خود مقابلہ کی دعوت دی اور سرحدِ تاتاری پر فوج کشی کی۔ ہر دو میں خونریز جنگ ہوئی یہ لوٹ آیا[3]۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۱ [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۲۹ [3] جہانکشا جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

علاء الدین محمد خوارزم کے چار بیٹے قطب الدین ازلاق۔ غیاث الدین تیر شاہ۔ رکن الدین غور شاہ اور جلال الدین منکبرتی تھے۔ علاء الدین نے ان چاروں میں ملک تقسیم کر دیا اور جلال الدینؒ کو ولی عہد کیا۔ چنانچہ علاء الدین کے بعد اُس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ مگر بھائیوں میں چل گئی۔ یہ خوارزم چھوڑ کر نساء چلا گیا۔ راہ میں تاتاریوں سے سامنا ہُوا مگر لڑ بھڑ کر غزنین نکل گیا۔ تاتاریوں کو جو خبر لگی وہ خوارزم کی طرف متوجہ ہوئے۔ قطب الدین ازلاق میں اُن کے مقابلہ کی تاب نہ تھی اس لئے وہ تاتاریوں کی آمد کی خبر سُن کر خوارزم سے نکل بھاگا۔ مگر راہ میں تاتاری مل گئے۔ انہوں نے اس بُزدل اور نامرد کو مع خدم و حشم کے گھیر لیا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ ان تاتاریوں کی کمان چغتائی اور اکتائی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ خوارزم پہنچے۔ خوارزم پر خمارتر کی حاکم تھا۔ چنانچہ اس سے مقابلہ ہوا تو ہمتِ مردانہ سے لڑتا رہا۔

جب تاتاری مجبور ہوئے تو فصیلِ شہر توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کو لوٹ لیا۔ اور ویران کر ڈالا۔ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا کھول دیا جس سے سارا شہر معہ آبادی کے تہ آب آ گیا [۱]

چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اس پر قبضہ کر کے باشندوں کو قتل کرا دیا۔ یہاں کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی پھر بلخ پہنچا۔ یہاں سے تولی خان کو خراسان بھیجا

۱؎ شاہانِ خوارزم کے اسلاف میں محمد بن انوشتکین تھا۔ امیر بلباک سلجوقی نے گرجستان سے نوشتکین کو خرید کیا تھا اور مثل اولاد کے اس کو تعلیم و تربیت دی۔ انوشتکین نے اپنے بیٹے کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ یہ خوارزم کا والی ہُوا۔ سلطان برکیاروق نے اس کو خوارزم شاہ کا لقب بخشا۔ اس نے اپنی لیاقت اور انصاف پسندی سے ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ سلطان سنجر نے بھی خوارزم کی حکومت پر اس کو بحال رکھا۔ وہیں ۵۲۱ھ میں فوت ہُوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اقسز مقرر ہُوا۔ یہ نہایت مدبر اور شجاع تھا۔ سلطان مسعود کی جگہ پر یہ خوارزم کا مختار حکمران ہو گیا۔ اس کے بعد ارسلان ہُوا۔

۲؎ ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۲۔

اور خود طالقان گیا۔ چنگیز خاں نے ترمذ اور بلخ کی طرح طالقان بامیاں کی آبادی کو بھی ختم کرا دیا۔ بامیاں کے بعد چنگیز جلال الدین کے مقابلہ کے لئے غزنین پہنچا۔ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے لئے دریائے سندھ پہنچا۔ چنگیز نے وہاں اُس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں اُلٹ دیں لیکن تاتاریوں نے تین طرف سے جلال الدین کو گھیر لیا۔ آخرش جلال الدین نے لڑتے لڑتے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور تیزی سے تیرتا ہُوا نکل گیا۔ اہل و عیال کو چنگیز نے گرفتار کر لیا اور اولاد ذکور کو قتل کر دیا۔

چنگیز نے غزنہ اور غور پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور لُوٹ مار کر کے ویران کر دیا۔ جلال الدین کے تعاقب میں چنگیز نے ہندوستان فوج بھیجی۔ اُس نے پنجاب تک پیچھا کیا لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا۔ تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہُوئے واپس گئے۔ تاتاری خراسان، فارس، آذربائیجان، ارمنستان، اران، کوج اور قفجان کے سارے علاقے زیر و زبر کر کے ہوئے روس کے علاقے تک پہنچ گئے اور تاتاری اس طرف متوجہ تھے۔ اب اقصائے چین سے عراق، بحر خضر اور حدودِ روس تک اور بحر شمالی سے سرحد کا عریض و طویل رقبہ چنگیز کے قبضہ میں تھا۔[1]

جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہو کر واپس آیا۔[2] عراق اور فارس غیاث الدین سے لے کر اتابک سعد کا علاقہ اُس کے حوالے کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کر کے عراق کی حکومت پر بحال رکھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر خوزستان (علاقہ خلافت مآب) پر فوج کشی کر دی۔ خلیفہ ناصر نے امیر قشتمر کو حکم دیا کہ اُس سے نبٹ لے۔ چنانچہ قشتمر نے

---

[1] چنگیز نے اپنے چار بیٹوں جوجی خاں، چغتائی، طولی خاں اور کدائی کو یہ تمام مقبوضہ علاقے تقسیم کر دیئے۔

[2] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۴۔

تستر کو بچایا۔ باقی خوزستان جلال الدین کے ہاتھوں پامال ہوا۔ اُس نے چنگیز سے بڑھ کر مسلمانوں پر ظلم توڑے[1]

پھر بغداد کی طرف جلال الدین نے رُخ کیا۔ مظفر الدین کو کبری والیٔ موصل کو ناصر نے مقابلہ کے لئے بھیجا وہ اس سے ساز باز کر گیا۔ جلال الدین نے آذر بائیجان لے کر تبریز پر قبضہ کیا۔ پھر گرجستان پر متصرف ہوا۔ پھر گنجہ پر بھی قبضہ جمایا۔ اس سے جلال الدین کی حکومت کا دائرہ وسیع ہو گیا۔

علاء الدین خوارزم شاہ

علاء الدین بن تکش بن ارسلان بن سلطان شاہ محمود بن ارسلان بن اتسز بن محمد بن انوشتکین علاء الدین باعظمت فرمانروا تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت کا دائرہ پھیلا ہوا تھا۔ سجستان، کرمان، طبرستان، جرجان، عراق، عجم خراسان اور فارس کے کچھ حصے اس کے زیر نگین تھا۔ خطا کے علاقے بھی تصرف میں تھے۔ علاء الدین، فاضل، فقیہ، مذہبی علوم کا ماہر، علم دوست اور علماء نواز تھا۔ اس کی ذات میں خوبیاں جمع تھیں۔ اکیس سال اس نے حکمرانی کی۔

اُس کے آستانے پر بڑے بڑے سلاطین و اُمراء جمع رہتے تھے[2] مگر خلافت بنی عباس کے ٹکر لینے کے ارادے نے اُس کی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ خلیفہ ناصر کی سیاسی چال نے چنگیز کے ہاتھوں اس کی حکومت کے ٹکڑے اُڑوا دیئے اور اُس کی بدولت لاکھوں مسلمان تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جو شہر صدہا برس میں علم و فن اور تہذیب و تمدن کے مرکز بنے تھے تباہ و برباد ہوئے۔

خلیفہ ناصر باللہ اور علاء الدین کی کش مکش کا نتیجہ ایک بڑے اسلامی علاقے کو بھگتنا پڑا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۳ [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۴۸۔

وفات ناصر لدین اللہ خلیفہ ناصر ۶۱۹ھ میں فالج میں مبتلا ہوا۔ نقل و حرکت جاتی رہی۔ ایک آنکھ بھی نہ رہی۔ آخر رمضان ۶۲۲ھ میں ۴۷ برس حکمرانی کرکے دُنیا سے رخصت ہوگیا۔

اوصاف علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ناصر ذی علم اور صاحب فنون مختلفہ تھا۔ متعدد فنون میں اُس کی تالیفات ہیں[1]

ذہبی کہتے ہیں کہ کسی عباسی خلیفہ نے الناصر لدین اللہ کے برابر خلافت نہیں کی۔ وہ ۴۷ سال خلیفہ رہا اور مدت العمر عزت وجلالت کی حالت میں رہا۔ تمام دشمنوں کو تباہ کیا۔ بادشاہوں سے اظہار اطاعت کرایا۔ کسی شخص کو اس سے سرکشی کی جرأت نہ ہوئی۔ اور جس نے کی، اُس کی سرکوبی کردی گئی۔ جس نے اس سے گستاخی کا ارادہ کیا، خدا نے اُسے تباہ کیا۔

عجیب اقبال مند شخص تھے اور اپنے دادا کی تمام خوبیاں اس میں جمع تھیں[2]

ابن طقطقی لکھتا ہے کہ:-

"وہ بڑا فاضل اور ممتاز خلیفہ تھا۔ جملہ اُمور میں بصیرت رکھتا تھا۔ سیاستدان باہیبت، جری، بہادر، تیز طبع، حاضر دماغ، ذہین طبع، فصیح و بلیغ کسی سے علم و فن میں کم نہ تھا۔"

نظام مملکت واثق باللہ کے بعد سے دولتِ بنی عباس کا نظام سلطنت بگڑنا شروع ہُوا۔ مگر ناصر کے دادا نے سنبھالا لیا اور ناصر نے اپنے قلمرو کا بے حد انتظام کیا۔

ذہبی کا بیان ہے:-

"مصالح ملک میں سخت اہتمام کرتا تھا۔ چھوٹے بڑے غرض تمام رعایا کا حال اس سے پوشیدہ نہ تھا راتوں کو گلیوں میں پاپیادہ گشت لگاتا تھا۔ اس سے رعایا اور عمال سب ڈرتے تھے۔"[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۳ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۳ [3] الفخری صـ ۲۸۶

محکمۂ مخبر و پرچہ نگار ناصر نے مخبر اور پرچہ نگار کا ایک محکمہ قائم کیا۔ ہر شہر میں اس محکمہ کی طرف سے مخبر و پرچہ نگار مقرر تھے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

"روزانہ تمام بادشاہوں کی خبریں اُس کو پہنچ جاتی تھیں۔ شاہ مازندران کا ایلچی بغداد آیا۔ اُس کا پرچہ نگار اُس کے شبینہ افعال و اعمال کا پرچہ ہر صبح خلیفہ کو پہنچا دیتا تھا۔ ایلچی کو پتہ لگ گیا۔ اُس نے یہ حالات دیکھ کر اپنے تمام کام نہایت احتیاط سے پوشیدہ طور پر کرنے شروع کئے۔ مگر جتنا کام وہ پوشیدہ کرتا تھا اتنا ہی الناصر اُس کے واقعات پیشی پر اظہار کر دیتا۔ ایک دن ایلچی نے ایک بیسوا چور دروازہ سے بلوائی۔ رات بھر وہ پاس رہی۔ صبح اُس کا پرچہ لگ گیا جو لحاف اوڑھے ہوئے تھے اُس پر ہاتھی کی تصویر بنی تھی۔ خلیفہ کی خدمت میں جب ایلچی حاضر ہُوا تو خلیفہ نے اُس سے رات کی کیفیت بیان کر دی۔ ایلچی گھبرا گیا اور اُس کو کامل یہ یقین ہو گیا کہ خلیفہ کو علم غیب حاصل ہے[1]

خوارزم شاہ کا ایلچی اپنے بادشاہ کا مخفی سربمہر خط لے کر آیا۔ ناصر الدین اللہ نے اُسے دیکھتے ہی کہہ دیا۔

"مجھے اس خط کا مضمون معلوم ہے تم واپس جاؤ اس کا جواب پہنچ جائے گا۔"[2]

سخاوت ایک شخص ہندوستان سے خلیفہ کے واسطے ایک طوطا لے کر چلا جو قل ھو اللہ احد پڑھتا تھا۔ راستہ میں ایک رات کو وہ مر گیا۔ اُس شخص کو بہت رنج ہُوا۔ اتنے میں اس کی قیام گاہ پر خلیفہ کا خادم آیا اور طوطا طلب کیا۔ وہ رو پڑا اور کہنے لگا وہ مر گیا۔ خادم نے کہا وہ مجھ کو دو اور اُس سے کہا

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۴ [2] ایضاً۔

کہ تجھ کو کتنے انعام کی توقع تھی۔ اُس نے کہا۔ پانچ سو دینار کی۔

خادم نے وہیں پانچ سو دینار کمر سے کھول کر اُس کو دیئے اور کہا جس روز تو ہندوستان سے چلا ہے۔ خلیفہ کو تیری آمد کی اطلاع ہوگئی تھی [1]

ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلتا تھا یعنی لیتا دیتا تو آسودہ حال کر دیتا تھا جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا۔ [2]

ہیبت و جلال الناصر ہیبت و جلال کا خلیفہ تھا۔ اراکینِ سلطنت اور عمالِ حکومت ناصر سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔ بغداد سے دُور ہند، مصریوں کے حکمران بھی ناصر سے خوف زدہ رہتے تھے۔

اعیانِ سلطنت ناصر کا ذکر خلوتوں میں بھی دھیمی آواز سے کرتے تھے۔

خُطبہ بنی عباس کے قلمرو کے علاوہ چین اور اسپین میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

خوش خلق، خوب صورت، فصیح اللسان، بلیغ البیان شخص تھا اس کے فرامین علم و ادب کے اچھے نمونے ہیں۔

ابن واصل کہتے ہیں :-

"ناصر نہایت شجاع، صاحبِ فکر اور عقل رسا تھا۔ پولٹیکل چالیں خوب چلتا"

ابن نجار کا بیان ہے :-

"ناصر کے پاس سلاطین آتے تھے اُس کی اطاعت قبول کرتے مخالف اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتے اور اُس کی تلوار نے تمام سرکشوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔ اس کا ملک اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ آخری خلفائے بنو عباس میں سے کسی کا نہ تھا" [3]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۱۳

درشتی مزاج وحرص دولت

ناصر میں خوبیاں زیادہ تھیں۔ مگر ایک درشت مزاجی اور حرص دولت نے اس کے اوصاف کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ حصولِ زر کے لئے اُس نے رعایا پر بعض اوقات بڑی زیادتی کی۔ نئے ٹیکس جاری کئے۔ مال وجائداد کے لئے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا۔ خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھادی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ناصر کے ظلم سے عراق ویران ہوگیا۔ مگر اور کسی تاریخ سے اُس کا ثبوت نہیں ملا۔

مگر ناصر کے واقعاتِ زندگی بتاتے ہیں کہ ٹیکس رعایا سے لیتا اور رفاہِ عام میں خرچ کرتا تھا۔ خود اپنی ذات پر صرف نہ کرتا۔ لہو ولعب میں مبتلا نہ تھا[1]

علمی ترقی

الناصر کے عہد میں بغداد علم وفضل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُس کے عہد میں بڑے بڑے ائمہ کبار علوم وفنون کے تھے۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، علامہ مرغینانی صاحب الہدایہ، قاضی خان صاحب الفتوٰی۔ ابوالفرج بن جوزی، عماد کاتب، امام فخرالدین رازی، نجم الدین کبریٰ، فخرالدین بن عساکر، ابوالقاسم البخاری العثمانی صاحب الجامع الکبیر جیسے علماء تھے۔ خود ناصر فاضل یگانہ تھا۔ الموفق عبداللطیف کا بیان ہے کہ وسط ایام خلافت میں ناصر کو تحصیل علم حدیث کا شوق ہوا۔ دور دور سے محدثین بلائے گئے۔ اُن سے حدیث پڑھی اور سُنی اور اجازت حاصل کی۔ پھر خود بہت سے بادشاہوں اور علماء کو اپنی طرف سے اجازت روایت حدیث دی۔ ایک کتاب میں ستر حدیثیں جمع کر کے حلب بھیج دیں۔

ذہبی نے ابن سکینہ، ابن الاحضر، ابن النجار، ابن دامغانی وغیرہ کو ان لوگوں میں تبلایا ہے جنہوں نے الناصر سے اجازت روایت حدیث حاصل کی ہے[2]

ناصر کے عہد میں مسلمان اقطاع عالم علمی چہل پہل میں لگے ہوئے تھے۔ نئی نئی گو حکمرانیاں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۳۱۴۔

بن گئی تھیں مگر حکمران خود علم سے دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سارٹان لکھتا ہے :-

"اس دور میں دنیا کے اہم کاروبار مسلمان ہی چاروں طرف انجام دیتے تھے سب سے بڑا فیلسوف الفارابی مسلمان تھا سب سے بڑا ریاضی دان ابو کامل شجاع بن اسلم اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھا سب سے بڑا جغرافیہ نویس اور عالم متبحر المسعودی مسلمان تھا۔ سب سے جید مورخ الطبری مسلمان تھا۔ یہ سچ ہے کہ سب سے بڑا فاضل طبیب اسحاق اسرائیلی مسلمان نہ تھا لیکن عربی بولنے والا اور حکمائے اسلام کا شاگرد ضرور تھا"

رفاہِ عام ناصر نے رعایا کے لئے فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے۔

ابن طقطقی کا بیان ہے :-

"اس کے کارِ خیر اور اوقات حدِ شمار سے باہر ہیں اس نے بکثرت مسجدیں، خانقاہیں اور مسافر خانہ بنوائے" [1]

علمائے عہدِ ناصر حافظ ابو طاہر سلفی۔ ابوالحسن بن القصار اللغوی، کمال الدین ابوالبرکات بن الانباری۔ شیخ احمد بن رفاعی زاہد، ابن بشکول یونس، وہبی، یونس شافعی، ابوبکر بن طاہر الاحدب النحوی، ابوالفضل درافعی، ابن ملکون نحوی، عبدالحق الیشلی صاحب الاحکام، ابو زید السہیلی صاحب الروض الانف، حافظ ابوموسیٰ المدینی، ابن بری اللغوی، حافظ ابوبکر الحازمی، شرف بن ابی عصرون، ابوالقاسم البخاری عثمانی صاحب جامع الکبیر، نجم الحیولی المشہور بالصلاح، ابوالقاسم بن خیرۃ الشاطبی صاحبِ العقیدہ، فخر الدین ابوشجاع، محمد بن علی بن شعیب بن الامام الفرضی (واضع جدول فرائض) عبدالرحیم بن حجون الزاہد، ابوالولید بن رشید صاحب العلوم الفلسفیہ جمال بن فضلان شافعی، قاضی صاحب

---

[1] الفخری صفحہ ۲۸۰۔

الانشاء والترسل، شہاب طوسی ابوالفرج بن الجوزی، عماد الکاتب، ابن عظیمۃ المقری، حافظ عبدالغنی المقدسی صاحب العمدہ، رکن الطاؤس صاحب الخلاف شمیمی العلی ابوذر الخشنی النحوی، امام فخر الدین رازی، ابوالسعادات ابن اثیر صاحب جامع الاصول ونہایت الغرب، عماد بن یوسف صاحب الشرح الوجیز، شرف صاحب التنبیہ، حافظ ابوالحسن بن المفضل، وجیہہ الامان النحوی، ابوالیمین الکندی النحوی، معین الحاجری صاحب کفایہ شافعی، ابوالبقا العبکری صاحب الاعراب، عبدالرحیم بن سمعانی، نجم الدین کبریٰ، موفق الدین قدامۃ الحنبلی، فخر الدین بن عساکر۔

فقہاء و محدثین

علی بن ابراہیم ناصر الدین ابو علی غزنوی، اصولی وفقیہ ومفسر مؤلف شارع مع شرح منابع ۵۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن محمد بن عمر ابوالنصر زاہد الدین عتابی بخاری عالم زاہد مؤلف بسیط شرح زیادات عتابی فتاویٰ عتابیہ ۵۸۶ھ میں انتقال ہوا۔

عماد الدین بن شمس الائمہ بکر زرنجری فقیہ ۵۸۴ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن محمد بن عمر ابوالنصر زاہد الدین عتابی علاء الدین شاگرد علاء الدین محمد سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہا، سلطان المبین فی اصول الدین۔ ۵۸۶ھ میں وفات ہوئی۔

احمد بن محمود بن ابوبکر صالونی فقیہ فاضل ہدایہ وکفایہ ومختصر ہدایہ تالیف کیں۔ شمس الائمہ کردی آپ کے شاگرد تھے۔ ۵۹۰ھ میں انتقال کیا۔

مطہر بن الحسین بن سعد قاضی القضاۃ جمال الدین یزدی کے خاندان سے تھے جامع صغیر زعفرانی کی شرح تہذیب نام لکھی اور مشکل الآثار طحاوی اور نوادر ابواللیث کو ملخص کیا۔ علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے تحت میں بارہ[12] مدارس تھے۔ ۵۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن عمر بن عبداللہ نیشاپوری شیخ ابوبکر رشید الدین امام فقیہ مؤلف فتاوےٰ رشید الدین ۵۹۷ھ میں انتقال ہوا۔

احمد بن محمد بن محمد خطیب خوارزم موفق الدین شاگرد نجم الدین نسفی و جار اللہ زمخشری ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔

علی بن احمد بن مکی حسام الدین رازی مؤلف شرح قدوری (خلاصۃ الدلائل و تنقیح المسائل ۵۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

محمود بن عبید اللہ بزدوی کتاب عون یادگار ہے ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

سعید بن سلمان کندی علمائے اعلام سے تھے۔ تالیف ارجوزۃ الحدیث مسمی شمس المعارف وأنس العارف ہے۔ ۶۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن احمد بن عمر بخاری ظہیر الدین شاگرد شیخ حسن بن علی ظہیر الدین مرغینانی فتاوی ظہیریہ یادگار سے ہے ۶۱۹ھ میں وفات پائی۔

بدیع بن منصور قرینی، مفسر، فقیہ شاگرد نجم الدین نجم الائمہ بخاری مؤلف مشیختہ الفقہاء ۶۲۰ھ میں انتقال ہوا۔ سیواس میں دفن ہوئے۔

علامہ عیسیٰ بن ملک عادل سیف الدین ابوبکر فنون فقہ اور حدیث بلاغت وغیرہ کے ماہر تھے۔ آٹھ برس مصر تک بادشاہ رہے ہے شاگرد جلال الدین محمود حصدی اپنے وقت میں علماء کے بڑے قدر دان بہت سی کتابیں جمع کیں۔

ان کے عہد میں لغت جامع کبیر، مجموعہ صحاح و جمہرہ ابن درید لکھی گئی۔ ترتیب مسند احمد بالبواب فقہ والسہم المصیب فی الرد علی الخطیب وغیرہ لکھی گئیں خود جامع کبیر امام محمد کی شرح ضخیم لکھی۔ علاوہ اس کے کتاب عروض یادگار سے ہے ۶۲۴ھ میں انتقال کیا۔

ابوالحسن علی بن اسعد بن رمضانی الاستانی المقری الخیاط حدیث کی سماعت ابی الفتح محمد بن عبدالباقی بن احمد بن احمد بن سلمان سے کی۔ ماہ ربیع الاول ۶۰۲ھ میں وفات پائی[1]

---

[1] معجم البلدان جلد ۱ صفحہ ۲۲۳۔

الحسن بن احمد الہمدانی یمن کا رہنے والا تھا۔ جغرافیہ سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔ اُس نے آثارِ قدیمہ کی بڑی تحقیق کی۔ الاکلیل اور صفت جزیرۃ العرب مشہور و معروف اس کی یادگار ہیں۔ حکومت نے اُن کو کسی وجہ سے قید کر دیا۔ چنانچہ صنعا کے محلس میں ۳۳۴ھ / ۹۴۵ء میں انتقال کیا۔

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی فخر الدین قاضی خان شاگرد، محمود بن عبد العزیز تالیفات میں فتاویٰ قاضی خان و شرح زیادات معروف ہیں۔ ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

یوسف بن حسین بن عبد اللہ بدر ابیعن شاگرد برہان بلخی دمشق میں ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

علی بن احمد بن مکی حسام الدین رازی مفتی مذہب حنفیہ مؤلف شرح قدوری ۹۸ھ میں انتقال ہوا[1]

مظفر بن یوسف الارموی ادیب زمانہ سے تھے۔ اس کا لڑکا یونس فاضل اور کاتب تھا جو ناصر کے دربار سے متعلق تھا[2]

[1] مقدمہ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری)

[2] معجم البلدان صفحہ ۲۰۳۔

خلیفہ ظاہر بامر اللہ

نام ولقب ابو نصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامر اللہ ۵۷۱ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت فاضل باپ کے خلف ارشد تھے۔ تعلیم وتربیت شاہانہ طور سے ہوئی۔ اپنے والد سے روایت حدیث کی اجازت پائی اور اُن سے ابوصالح بن نصر بن عبدالرحمن بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے روایت کی[1]

خلافت ناصر کی وفات کے بعد پہلی شوال ۶۲۲ھ کو ابونصر محمد تختِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ عمر اس وقت ۵۲ سال کی تھی۔ لوگوں نے کہا۔ آپ فتوحات کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا کھیت تو سُوکھ چکا ہے۔ بیکار طمع سے کیا فائدہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کی عمر میں برکت دے گا۔ جواب دیا کہ جس شخص نے شام کو دوکان کھولی وہ خاک کمائے گا۔[2]

عدل وانصاف ابن کثیر کا بیان ہے کہ الظاہر تختِ خلافت پر بیٹھے تو اتنا عدل واحسان کیا کہ پچھلے دو خلفاء نے بھی نہ کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ان جیسا کوئی خلیفہ نہیں ہُوا تو بالکل صحیح ہے۔ جتنے اموال واملاک اُن کے باپ دادا نے ضبط کئے تھے یا کام میں لائے تھے، مستحقین کو واپس کر دیئے۔ نئے ٹیکس تمام معاف کر دیئے اور حکم دیا کہ جو قدیم میں خراج تھا وہی قائم رہے۔ ایک دفتر کا افسر واسط سے آیا۔ اُس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۸ [2] ایضاً۔

پاس ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھے جو ظلم سے اُس نے پیدا کئے تھے۔ خلیفہ نے کہا۔ یہ تمام مال مستحقین کو واپس کر دو۔ جو لوگ قرضہ کی علت میں تھے اُن کو رہا کر دیا اور قاضی کو دس ہزار دینار بھیج دیئے کہ اُن کا قرضہ اُتار دیا جائے۔

سخاوت عید الاضحیٰ کے روز علماء و صلحاء کو ایک لاکھ دینار تقسیم کر دیئے۔ اس تمام روپے میں ایک حبہ ایسا نہ تھا کہ کسی سے زبردستی یا خلافِ رضامندی وصول کیا گیا ہو۔

سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ :-

"ایک روز الظاہر خزانہ کی طرف آ نکلے۔ اُن کے غلام نے کہا کہ یہ خزانہ آپ کے والد کے وقت کا ہے اور بھرپور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آخر میں کیا تدبیر کروں کہ یہ خزانہ پھر بھر جائے۔ مجھے تو اُس کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے خالی کرنا آتا ہے۔ جمع کرنا سوداگر کا کام ہے"[1]

وفات ظاہر نے نو مہینے فرائضِ خلافت انجام دے کر ۱۵ رجب ۶۲۳ھ کو وفات پائی[2]

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اس نے قبل وفات بخط خاص ایک فرمانِ وزیر کو لکھا تھا جو ارکینِ دولت کے روبرو پڑھا گیا۔

وزیر نے تمام ارکینِ سلطنت کو جمع کیا تو خلافت مآب کے قاصد نے کھڑے ہو کر کہا۔

"امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا جائے کہ دربارِ خلافت سے یہ فرمان آیا ہے یا یہ حکم صادر ہوا ہے بعد اس کے اس کا کوئی اثر کہیں محسوس نہ ہو بلکہ اس زبانی گپ شپ کو چھوڑ دو اور اُس پر عملدرآمد کرو۔"

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۵ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۹ -

قاصد اس قدر کہہ کے خاموش ہو گیا۔ فرمان کھولا گیا تو اس میں بعد بسم اللہ کے لکھا ہوا تھا :-

توقیع عام

آگاہ ہو جاؤ کہ ہماری یہ تاخیر مہمل اور بے کار نہیں ہے اور نہ ہماری یہ چشم پوشی غفلت پر مبنی ہے بلکہ ہم لوگوں کو جانچتے ہیں کہ تم لوگوں میں سے کوئی شخص اچھا کارگزار ہے۔ اس سے پیشتر ویرانی ملک، بربادی رعایا، تخریب شریعت کی کارروائیاں جو ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور نیز براہِ مکر و فریب جو جھوٹی باتوں کو سچائی کے لباس میں ظاہر کیا کرتے تھے اور بیخ کنی و ہلاکتِ رعایا کو حق رسی و دادرسی سے تعبیر کرتے تھے ہم نے ان سب تمہارے افعال ذمیمہ و حرکاتِ قبیحہ سے درگزر کیا۔ افسوس ہے کہ تم نے اس فرصت کے وقت کو مغتنمات سے شمار کر کے خوف ناک اور مہیب شیر کے پنجوں اور دانتوں کی طرح سے خلق اللہ کو چیر پھاڑ ڈالا تم لوگ ایک ہی بات کو بالفاظ مختلفہ کہا کرتے ہو۔ حالانکہ تم علم خلافت کے امین اور معتمد علیہ ہو۔ تم لوگ اپنی خواہشات کی طرف خلافتِ مآب کی رائے کو مائل کر لیتے ہو اور حق و باطل کو ملا جلا دیتے ہو۔ اس سے بہ مجبوری تمہاری رائے سے موافقت کی جاتی ہے۔ بظاہر مطیع اور فرمانبردار ہو لیکن حقیقت میں تم حد درجہ کے نافرمان اور متمرد ہو۔ صورۃً موافقت کا پیرایہ اختیار کرتے ہو اور حقیقتاً پورے پورے مخالف اور سرکش ہو۔

الحمد للہ کہ اب اللہ سبحانہٗ نے تمہارے خوف کو امن سے، محتاجی کو غنا سے اور باطل کو حق سے تبدیل کر دیا اور ایک ایسا فرمانبردار خلیفہ تم کو عنایت کیا ہے جو تمہارے عذرات کو قبول کرے گا اور اس شخص سے مواخذہ اور انتقام لے گا جو اپنی خطاؤں پر مصر ہو گا اور اپنی

حرکات نامعقول سے باز نہ آتا ہوگا۔

امیر المومنین تم کو عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں اُس کا یہی مقصد ہے کہ تم لوگ ہمیشہ عدل و انصاف سے رہو اور بے جا ظلم کار سوائی سے احتراز کرتے رہا کرو۔ امیر المومنین کو ظلم و ستم بے حد ناگوار اور ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اُس سے ناراض ہوتا ہے اور اس کی ناراضی سے امیر المومنین خائف و ترساں ہیں۔

اُمید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ تم لوگوں کو اپنی اطاعت کی ترغیب و توفیق دے گا۔

پس اگر تم نے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک میں اللہ تعالےٰ کے نائبوں اور امینوں کا ہے تو نورٌ علیٰ نور ورنہ یاد رکھو کہ ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے"۔ [1]

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۷۔

خلیفہ مستنصر باللہ

ابوجعفر منصور مستنصر باللہ بن ظاہر بامر اللہ ایک ترکیہ ام ولد کے بطن سے ۵۸۸ھ میں پیدا ہوا۔

خلافت مستنصر ۱۴ رجب ۶۲۳ھ/۱۲۲۶ء کو سریر آرائے تخت خلافت ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلا۔ رعایا میں عدل پھیلایا اور مقدمات میں انصاف کیا۔ اہلِ علم و دین کو اپنا مقرب بنایا۔ دین کو مضبوط کیا۔ متمردین کا قلع قمع کیا۔ سُنت کو رواج دیا۔ فتنوں کو مٹایا۔ لوگوں کو سُنت کی طرف مائل کیا اور جہاد میں تندہی کی۔ نصرتِ اسلام کے لئے لشکروں کو جمع کیا۔ سرحد کی حفاظت کی اور بہت قلعے فتح کئے۔[1] آگے جا کر نظام بگڑ گیا۔ کیونکہ خلافت سنبھل نہ سکی۔ اس کے سامنے امرائے دولتِ عباسیہ خودسری کرنے لگے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"اس نے بھی اپنے مرحوم باپ کا رویہ اختیار کیا مگر یہ کہ اس کے عہدِ خلافت میں شیرازۂ حکومت درہم برہم ہو گیا۔ خراج کم ہو گیا۔ صوبجات بٹ گئے۔ ان وجوہات سے لشکریوں کی تنخواہیں ادا نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ اُن کے وظائف دیئے جا سکے۔ مجبوراً لشکر کا حصۂ کثیر موقوف اور تخفیف کر دیا جس سے بے حد تغیرات وقوع میں آئے"۔[2]

تاتاری تغلب و استیلا بڑھتا آرہا تھا۔ انہوں نے بلادِ روم کو غیاث الدین کیخسرو آخری بادشاہ بنی قلیج ارسلان کے قبضہ سے نکال لیا اور اس کے بعد انہوں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۰ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۷۔

نے بلاد ارمینہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ غیاث الدین نے تاتاریوں سے امن طلب کی انہوں نے اپنی طرف سے بلادِ روم پر اس کو مقرر کیا۔[1]

خلیفہ مستنصر باللہ دارالخلافت بغداد میں انہی بلاد پر حکمرانی کر رہا تھا۔ جو گورنران صوبجات اور اطراف و جوانب کے والیان ملک کے دستبرد اور قبضہ و تصرف سے بچ رہے تھے۔ مگر زیادہ دن نہ گذرنے پائے کہ ان صوبوں پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے والیانِ ملک کو زیر کر کے ان کی دولتوں اور حکومتوں کا نام صفحۂ ہستی سے محو کر کے دارالخلافتِ بغداد کو تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔[2]

جلال الدین شاہ خوارزمی جلال الدین کا اقتدار عراق، فارس، گرجستان، آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قائم ہو گیا۔

اکتائی خان نے اُس کے انسداد کی طرف توجہ کی ۶۲۴ھ میں چنگیز خاں مر چکا تھا اس کے بیٹے اپنے علاقے کی توسیع میں لگ گئے۔ چنانچہ اکتائی نے امیر حرماغوں کو اسی ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔[3] جلال الدین خلاط تھا اُسے خبر لگی اُس نے خلافت مآب اور شام کے اُمراء کو مدد کے لئے لکھا مگر کسی نے معاونت نہ کی۔ تاتاری خلاط پہنچے۔ یہ آمد گیا۔ یہاں بھی فوج تاتاری آگئی۔ یہ کوہستانی علاقہ میں روپوش ہُوا۔ ایک کرد نے اس کا تلوار سے کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی خوارزمی حکومت ختم ہو گئی۔ تاتاری جلال الدین کے علاقہ پر قابض ہو گئے تو عباسی سرحد پر یورش کی مگر مستنصر کی فوجوں نے لپسا کر دیا۔[4]

علمی ذوق مستنصر خانوادہ بنی عباس کا چشم و چراغ تھا۔ اسلاف سے ورثہ میں علومِ دینی پائے تھے۔ خود عالم اور علماء کا قدردان تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۷ [2] ایضاً [3] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار (تاریخ وصاف) [4] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۵۳۶۔

مدرسہ مستنصر باللہ ابن واصل نے لکھا ہے کہ مستنصر نے دجلہ کے کنارے شرقیہ پر ایک مدرسہ بنایا کہ اس سے بہتر دنیا میں نہ ہوگا۔ اس میں چاروں مذہبوں کے واسطے چار مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ سے متعلق شفاخانہ اور فقراء کے لئے باورچی خانہ بنوایا اور اُن کے استعمال کے لئے مکان، چارپائی بستر، چراغ، تیل وغیرہ اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا۔ نیز حمام اور خدمت گار بھی اُن کے لئے مقرر تھے۔ ایسا مدرسہ دنیا میں نہ تھا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت کی تعمیر ۶۲۵ھ میں شروع ہو کر ۶۳۱ھ میں ختم ہوئی۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا جس میں ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر نہایت نفیس نایاب کتابیں آئیں اور کتب خانہ میں رکھی گئیں۔ دو سو اڑتالیس فقیہ طالب علم روزانہ کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔

مدرسہ میں چار مدرس حدیث، نحو، طب و فرائض کے علیحدہ علیحدہ تھے۔ ان کے کھانے پینے کا اہتمام بھی تھا۔ یہاں یتیموں کے لئے بھی انتظام تھا۔ مستنصر نے مالِ کثیر اس کے لئے وقف کیا تھا جس میں کثیر التعداد گاؤں تھے۔

مدرسہ کا بروز پنجشنبہ ماہ رجب ۶۳۱ھ میں افتتاح ہوا۔ عمائد ملک شریک تھے[1]۔ ۶۲۸ھ میں ملک اشرف نے دار الحدیث اشرفیہ قائم کیا جس کی تکمیل ۶۳۰ھ میں ہوئی۔

سکہ مستنصر نے سونے کے درہم مسکوک کرائے تاکہ سونے کے چھوٹے ٹکڑوں کا چلن موقوف کر دیا جائے۔

قضاۃ ۶۳۵ھ میں قاضی شمس الدین احمد الخونی قاضی دمشق کئے گئے۔ ۶۳۷ھ میں شیخ عز الدین بن عبدالسلام کو عہدۂ خطابت دمشق کا ملا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۱ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۲۔

آثارِ خیر | مستنصر نے مساجد، سرائیں، مدارس شفاخانہ کثرت سے اپنے قلمرو میں بنوائے [1]

وفات | مستنصر نے ۱۵ر جمادی الآخر بروز جمعۃ المبارک ۶۴۰ھ کو انتقال کیا۔

ہمعصر علماء | ابوالقاسم الرافعی جمال المصری، سکاکی صاحب المفتاح، حافظ ابوالحسن بن القطان یحییٰ بن معطی صاحب الفیہ، موفق عبداللطیف بغدادی، حافظ ابوبکر بن نقطہ، حافظ عزیز الدین علی بن اثیر صاحب التاریخ والانساب و اسد الغابہ سیف الامدی۔ ابن فضلان، عمر بن الفارض شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ابوعمرو حافظ زکی الدین برزانی، شمس الجوفی حافظ ابوعبداللہ دبیثی ابن عربی صاحب فصوص وغیرہ [2]

یاقوت حموی | یاقوت بن عبداللہ الحموی ۵۷۴ھ ۱۱۷۹ء میں پیدا ہوا۔ کم سنی میں اس کو حماء کے ایک تاجر نے خرید کر تعلیم و تربیت دلائی۔ بعد کو اپنا سفری منشی بنا کر آزاد کر دیا۔ یاقوت جا بجا پھر کر مخطوطات کی نقل کرتا اور اس کو فروخت کر کے ضروریات پوری کرتا۔ ۱۲۱۹ء میں تاتاری فوجوں نے خوارزم کو تاراج کیا تو یہ وہاں سے جان بچا کر بھاگا۔ ۱۲۲۴ء میں حلب آیا اور یہیں معجم البلدان لکھی۔ اس کی دوسری تصنیف معجم الادباء ہے۔ حلب میں ۱۲۲۹ء ۶۲۶ھ میں فوت ہوا۔

ایوبی خاندان

سلطان صلاح الدین کے بعد اس کے لڑکوں نے جہاں تھے وہیں حکومت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۲ [2] ایضاً۔

قائم کر لی۔ عزیز نے مصر میں افضل نے دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں۔ ۵۹۲ھ میں ملک العادل نے مصر و دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ۶۱۵ھ میں عادل فوت ہوا۔ تو اُس نے مصر پر اپنے لڑکے الملک الکامل کو حاکم کیا۔ دمشق، قدس طبریہ اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ کو دیا۔ خلاط و جزیرہ اشرف موسیٰ کو رہا، شہاب الدین غازی کو جوبر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔ معظم کے بعد اس کا لڑکا داؤد جانشین ہوا۔

مصر کے حاکم الملک کامل کے بعد عادل بن کامل ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی الملک صالح مصر کا حکمران بنا۔ ۶۴۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا توران الملقب بہ الملک المعظم ۶۴۸ھ میں قتل ہوا تو اُس کی ماں شجرۃ الدر حکمران رہی جس نے امیر معزالدین ایبک جاشنیگر ترکمانی سپہ سالار سے عقد کر لیا اور اس کو مصر کا حاکم بنا دیا۔ مگر بحری اُمراء موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر مصر کا تخت نشین کیا اور امیر معزالدین کارپرداز سلطنت رہا۔ شجرۃ الدر نے اس کو قتل کرا دیا۔ اس کا لڑکا نورالدین علی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سیف الدین قطر اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بندقداری تختِ مصر پر بیٹھا۔

دولت قرختائیہ

قرختائیوں کی قوم کرمان میں زور پکڑ گئی تھی۔ جلال الدین کے وقت میں براق صاحب امرائے دولت میں تھا۔ جلال الدین کی سلطنت زائل ہوئی تو اس نے کرمان میں ایک چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں مندرجہ ذیل سلاطین حکمران ہوئے:

"رکن الدین خواجہ حق ابن براق حاجب۔ قطب الدین محمد سلطان۔
عصمۃ الدین قتلق ترکان۔ جلال الدین سیورغتمش صعوت الدین بادشاہ

فاتون ۔سلطان مظفر الدین محمد شاہ ۔قطب الدین شاہ جہاں ۔عصمۃ الدین اور صفوۃ الدین ، یہ دو عورتیں تھیں ۔صفوۃ الدین بڑی حسینہ، شاعر اور عاقلہ تھی ۔اس کی ایک رباعی نقل کی جاتی ہے [1]

آن روز کہ ازل نشانش کردند   آسائش جاں بیدرانش کردند
دعوی لب نگار میکرد نبات   زاں روسیہ چوب ور دہانش کردند

جلال سیور غتمش نیکنام بادشاہ تھا ۔مظفر الدین کے وقت میں مولانا فخر الدین کو لوگوں نے قتل کیا۔ قطب الدین کے عہد سلاطین مغل کے کسی گورنر نے قطب الدین سے کرمان نکال لیا اور اس طرح قرختائیوں کا ۷۰۳ھ میں خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ملک السلام ناصر کو کرمان کی حکومت ملی اور کچھ روز تک مختلف حکام کی آمد و رفت سے کرمان خراب ہو کر امیر مبارز الدین محمد بن مظفر کو جو ماں کی طرف سے قرختائی تھا، حکومت کرمان کی ۷۴۱ھ میں ہاتھ آئی ۔

مبارز الدین محمد کے عہد میں شیخ ابو اسحاق اور شیخ شجاع دو بڑے شخص تھے مبارز الدین ان دونوں سے برابر لڑتا رہا ۔

مبارز الدین کی حکومت سندھ سے شام تک قائم ہو گئی تھی ۔یہ بڑا زبردست بادشاہ تھا۔ پھر اس کے بعد شیخ جلال الدین شاہ، شجاع کے لقب سے تخت پر بیٹھا ۔ اس کے بعد مجاہد بن زین العابدین، عماد الدین احمد، نصرت الدین یحییٰ، ایک ساتھ مختلف مقامات پر حکمران ہوئے اور اسی زمانہ میں تیمور کا عہد شروع ہوا ۔چنگیز خاں نے تو لوٹ مار کر اپنا راستہ لیا تھا لیکن تیمور کے بعد اسلامی سلطنت ایک نئے طور سے قائم ہوئی ۔

○

---

[1] تاریخ اسلام علامہ ابو الفضل عباسی صفحہ ۲۹۷ ۔

خلیفہ مستعصم باللہ

نام ونسب مستعصم باللہ ابو احمد عبداللہ بن المستنصر باللہ سنہ ۶۰۹ھ میں ہاجر کے بطن سے پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت ابن نجار، موید طوسی، ابو روح ہروی، النجم الباداری شرف الدیا معلی سے اجازت روایت حدیث حاصل کی[1]۔ علمی استعداد معقول تھی۔

خلافت امیر دیودار اور امیر شرابی اراکینِ سلطنت نے ابو احمد عبداللہ کو خلیفہ بنایا۔ باوجودیکہ اُس کا بھائی خفاجی عباسی قابلیت اور اہلیت بھی اس سے فائق تھا اور وہی زیادہ خلافت کا مستحق تھا۔ ان امراء نے اپنے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا۔

ابو احمد جمادا الثانی سنہ ۶۴۰ھ میں تخت نشینِ خلافت ہُوا اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا۔

اس کے زمانے میں تولی خاں کی سلطنت کو وسعت ہوتی جا رہی تھی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

خلیفہ نہایت مطمئن تھا اُسے تاتاریوں سے تشویش نہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ تاتاری بغداد پر حملہ نہ کریں گے۔ اس غفلت سے دُشمن نے فائدہ اٹھایا اور اُس کی قوت مجتمع ہوتی رہی جس نے مستقبل میں کوہ آتش فشاں بن کر بغداد کو لپیٹ میں لے لیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ذکر مستعصم باللہ۔

وزارت مؤید الدین محمد بن علقمی شیعی سرپرست ابی حدید معتزلی شارح نہج البلاغہ کو وزارت پر سرفراز کیا۔ بڑا عاقل اور فرزانہ لیکن اس کی طینت خراب تھی۔ بڑا بے فیض و ناقابلِ اعتبار تھا[1] تھوڑے ہی عرصہ میں مستعصم پر علقمی حاوی ہو گیا۔ جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا[2]

تاتاری حکمراں چنگیز کا دوسرا لڑکا تولی خاں جو سب بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ چنگیز کے بعد دو سال ۶۲۴ھ سے ۶۲۶ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اوکتا قان تین سال حکمران رہا۔ اس کا لڑکا کھوک خاں نابالغ تھا تو اس کی ماں ملکہ تورا کنیا خاتون چودہ سال ۶۲۹ھ سے ۶۴۳ھ تک تخت چنگیزی پر بیٹھی۔ اس کے بعد منگو خاں پسر تولی خاں نے تختِ حکومت سنبھالا۔ قوبلا خاں کو ملک ختا پر قبضہ کرنے کو بھیجا۔ ۶۵۵ھ میں منگو خان مر گیا تو سلطنت چنگیزی چند حصص میں بٹ گئی۔

۱۔ اریغ بوکا پسر تولی پسر چنگیز خاں نے دارالخلافہ قراقورم پر قبضہ کیا۔

۲۔ آلغو پسر بائیدا خاں پسر چغتا پسر چنگیز خاں نے ایما لیغ میں اپنی علیحدہ سلطنت قائم کی۔

۳۔ قوبلا خاں پسر تولی خاں پسر چنگیز نے بالیع (پیکن) کو دارالسلطنت قرار دے کر علیحدہ حکومت کرنی شروع کر دی۔

۴۔ قیدو پسر قاشی پسر اوکتا قان پسر چنگیز نے یاسائے چنگیزی کے مطابق خود کو جائز وارث خیال کر کے علیحدہ حکومت کرنے لگا۔ بخارا کو اس نے دارالسلطنت اپنا بنایا۔

۵۔ صائن خاں پسر توشی پسر چنگیز اس وقت روس، جرمنی، پولینڈ اور آسٹریا کی

---

[1] الفخری ص ۲۹۰ [2] ابوالفداء جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۔

فتح میں مشغول تھا۔ اس نے اس طرف اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کا دارالخلافہ مرقیق تھا۔

ہلاکو خان ہلاکو خان بن تولی خان بن چنگیز کا بھائی منگو خاں ۱۲۵۱ء میں تخت نشین ہوا جس کا ذکر مختصر آچکا ہے۔ اُس نے خاقان کا لقب اختیار کیا۔ جلوس کے چند سال بعد بعض بد نظمیوں کی بنا پر باطنیوں نے ایران میں بغاوت کر دی تھی۔ منگو خاں نے ایک لشکرِ جرار اپنے بھائی ہلاکو خان کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ ہلاکو خان نے سمرقند سے گزر کر دریائے اکیس کو عبور کیا اور براہ بلخ کوہستان پر حملہ کر دیا۔ باطنیوں کا حاکم رکن الدین گرشاہ ثانی ہلاکو کا مقابلہ نہ کر سکا اور اُس نے اطاعت قبول کر لی اور ہلاکو کے کہنے سے اپنے تمام کوہستانی علاقہ کے پچاس قلعے منہدم کرا دیئے جس سے حسن بن صباح کی یادگار حکومت ختم ہو گئی۔

یہاں جس قدر باطنی آباد تھے عورت و مرد سب کو ہلاکو نے تہ تیغ کر دیا۔ آخر میں رکن الدین کو بھی قتل کرا دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر خود منگو خاں کے مرنے کے بعد حکومت ہاتھ میں لی۔

مراغہ کو دارالخلافہ قرار دے کر ایران و عراق پر اقتدار قائم کیا۔ اس کا وزیر مشہور فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی ارکانِ سلطنت تھے جن میں سے علاء الدین اور شمس الدین محمد جوینی کو عراق، خراسان اور مازندران کا حاکم بنایا تھا۔

علقمی کی تمنا علقمی کو حکومت بنی فاطمہ مصر کے خاتمہ کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ دولتِ بنی عباس کو مٹا کر پھر کسی بنی فاطمہ کو برسر اقتدار لایا جائے۔ تاتاریوں سے خط و کتابت کی[1] چنانچہ وہ اپنے آقا مستعصم کو تباہی کی راہ پر لگا رہا تھا۔

---

[1] دول الاسلام جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔

شیعی سُنّی جھگڑا بغداد میں شیعہ اور سُنیوں میں باہمی فساد ہو گیا اور ابو بکر بن مستعصم نے مستعصم کے حکم پر شیعیوں کے محلہ کرخ کو تباہ و برباد کرا دیا علقمی کو اس واقعہ سے سخت غصہ آیا اور اُس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کو یہاں کا سب حال اور یہ لکھا کہ ہلاکو کو ہر صورت سے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرے اور خود نے بھی ہلاکو کو اپنے بھائی کی معرفت بغداد آنے کی دعوت دی [1]

مگر ہلاکو بغداد پر حملہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ خلیفہ ناصر کے زمانے میں جو اماغوں جس کو اوکتا قاآن نے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، دو مرتبہ فوج عباسیہ سے شکست کھا چکا تھا۔ مگر وزیر علقمی برابر ابن صلایا والی اربل کے ذریعے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لئے اُکساتا رہا۔ [2]

محقق طوسی نے یہ چال چلی کہ علم نجوم کا حوالہ دے کر ہلاکو خاں کو فتح بغداد کی بشارت دی۔ ہلاکوں خاں نے خلیفہ کو لکھا کہ دویدار کوچک سلیمان شاہ شرابی یا وزیر علقمی کو میرے پاس بھیج دو۔ لیکن ان کے بجائے خلیفہ نے محی الدین ابن الجوزی کو بھیج دیا۔ ہلاکو کو ناگوار گزرا۔

بغداد پر ہلاکو کا حملہ ہلاکو خاں نے ہمداں سے خلیفہ کو لکھ کر بھیجا کہ تم اپنے کو اور دار السلطنت کو مغلوں کے حوالے کر دو ورنہ طاقت سے کام لیا جائے گا۔ اس کے جواب میں شرف الدین بن عبداللہ کو قاصد کی حیثیت سے ہلاکو کے دربار میں خلیفہ نے بھیجا۔ جب اُن سے تبادلۂ خیالات کیا اور خلیفہ کا جواب سُنا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ دفع الوقتی کی چال ہے۔ چنانچہ اس نے تاتاری لشکر سوغو سنجاق اور باجو خان کی قیادت میں اربل کے راستہ سے بغداد روانہ کیا، بکریت پہنچا۔ جہاں دجلہ کی مغربی سرحد

---

[1] ابو الفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۵۳۷ ۔

عبور کر کے شہر انبار پر فرات کے مغربی جانب بڑھا اور فوج کے میسرہ نے باب کلواذی کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔

ہلاکو خاں ذوالحجہ ۶۵۵ھ کو خود روانہ ہوا اور آ کر اس فوج کی کمان ہاتھوں میں لے لی۔ باب کلواذی بغداد کا مشرقی پھاٹک تھا۔

ہلاکو تاتاریوں کے قلب لشکر کی کمان خود کر رہا تھا اس نے وسط محرم ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی مشرقی سمت اپنی فوجیں اُتار دیں۔ اُس وقت تاتاریوں کے لئے شیعوں کی ریشہ دوانیوں سے آسان صورت پیدا ہو گئی۔ کرخ اور محلہ حی الکاظمیہ جو شیعوں کے مرکز تھے وہ کھلم کھلا اس سے میل کر گئے تھے۔

ہلاکو کا تیس ہزار سواروں کا لشکر دجیل پہنچا۔ اس وقت خلیفہ کی فوج کا ایک ہراول دستہ مجاہدالدین ایبک دویدار کی قیادت میں نکلا جو قلیل تعداد میں تھا۔ ان دونوں کا بغداد کی مغربی جانب شہر سے قریب تصادم ہوا۔ خلیفہ کا لشکر غالب رہا اور ہلاکو کا لشکر سخت ہزیمت کھا گیا۔ کثرت سے اس کے سپاہی ہلاک اور اسیر ہوئے۔ اس وقت غنیم کے لئے وہ دو بارہ ایک مصیبت بنی تھی جسے اُس نے شب میں فتح کر لیا تھا۔ کیچڑ کی زیادتی نے بھاگنے والوں کے راستے مسدود کر دیئے۔ صرف وہی لوگ جانبر ہو سکے جنھوں نے اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا تھا۔ وہ لوگ بچ گئے جو خشکی کے راستہ شام کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے لیکن دویدار صحیح سالم اپنے دستہ کے ساتھ بغداد پہنچا۔

اس کے بعد باجو ایک عظیم الشان فوج لے کر مغربی جانب سے بغداد میں داخل ہوا اور چند روز تاج کے سامنے فروکش رہا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے حالات کا جائزہ لیا اور اپنے موافق فضا پیدا کی[1]

امیر فتح الدین، مجاہدالدین اور دویدار کوچک نے قلعہ بغداد کا انتظام کیا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۱۱۔

ہلاکو خان کا لشکر ۴ محرم ۶۵۶ھ میں سیلاب کی طرح بغداد کی مشرقی طرف یعقوبی درب سے اُمنڈ پڑا اور پورے شہر پر چھا گیا۔ اس وقت لوگ گھبرا کر چھتوں اور میناروں پر چڑھ گئے۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ سامانِ رسد بند کر دیا۔ مگر اندرونِ بغداد جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر کار مغلوں کی فوج نے اینٹوں کا پُشتہ بنا کر منجنیق کے ذریعے پتھر اور تیر پھینکنے لگے۔ جب حالت نازک ہونے لگی۔ مجاہدالدین، سدیدالدین وغیرہ چھوڑ کو چھوڑ کر ہلاکو خاں سے سانہ بانہ کر گئے اور اُس کو اطاعت کا پیغام بھیجا اور کہلا بھیجا کہ :-

"حضرت علی سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ تم اس شہر کے مالک ہو گے"

ابن عمران شیعی جو حاکم یعقوبیہ کا خادم تھا وہ ہلاکو خاں سے جا ملا اور اُس نے اُس کی فوج کے لئے رسد کا انتظام کیا[1]

ہلاکو خاں نے نکلہ اور علاء الدین عجمی کو بغداد میں بھیجا اور اہلِ حلہ کو پناہ دی[2]۔

ادھر علقمی نے ہلاکو خاں سے جان بخشی کرائی۔ خلیفہ گھِر چکا تھا اُس کے ساتھی دغا کر چکے تھے۔ صرف اس کے لئے ایک سہارا علقمی کا رہ گیا تھا۔ اُس نے موقعہ دیکھ کر خلیفہ سے کہا کہ مقابلہ کرنا تاتاریوں سے بے کار ہے آپ خود ہلاکو کے پاس میرے ساتھ چلیئے مال و جواہر اس کی نذر فرمائیے اور اس کی لڑکی سے اپنے شہزادہ ابوبکر کو بیاہ دیجئے۔

خلیفہ کا قتل

خلیفہ علقمی کے جھانسے میں آ گیا اُس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوبکر اور عبدالرحمٰن اور چند اراکینِ سلطنت کو لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے تمام زر و جواہر لے کر اپنی فوج میں تقسیم کر دیا اور امیر دواتی اور امیر قرابی، سلیمان شاہ و دیگر خلیفہ کے ساتھیوں کو فوراً قتل کرا دیا۔

لوگوں نے ہلاکو کو رائے دی کہ خلیفہ کے خون سے ہاتھ کو نہ رنگا جائے

---

[1] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ -

بلکہ نمدے میں لپیٹ کر اُس کی جان نکالی جائے [۱]

چنانچہ خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈے سے کُچلا کہ خلیفہ کا دم نکل گیا۔ [۲] پھر ہاتھی کے پَیر سے ٹھوکریں لگوائیں۔ اس کے بعد علقمی نے اس کی لاش کو پاؤں سے کچلا اور کہا :-

"میں اہلِ بیتِ رسالت کا بدلہ لے رہا ہوں [۳]"

غرضیکہ ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسّر نہ ہوا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔

پہلا شخص ہلاکو خان کی طرف سے فوج لے کر بغداد میں داخل ہوا۔ وہ علی بہادر تھا [۴]

تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دن تک قتلِ عام کرتے رہے عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا۔ لیکن ان مغلوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا [۵] آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد کو لوٹتے رہے۔

علامہ ابن خلدون کا بیان ہے :-

"صرف شاہی محلات سے اُنہوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا اُس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ عباسی کتب خانہ کی تمام کتابیں جو صدیوں کا سرمایہ تھیں دجلہ میں ڈبو دی گئیں۔ مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا"

لیبان فرانسیسی لکھتا ہے :-

"مغلوں نے ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء میں بغداد پر قبضہ کیا۔ شہر میں قتلِ عام ہوا اور مستعصم باللہ آخری خلیفہ عباسی، ہلاکو خاں بادشاہ مغل کے ہاتھ سے

---

[۱] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [۲] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ [۳] تاریخ ابن خلدون ج ۹ صفحہ ۱۸۹
[۴] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [۵] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۵۲۷۔

مارا گیا۔ ساری دولت لٹ گئی۔ کتابیں کچھ جلادی گئیں اور کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔

قطب الدین الحنفی لکھتا ہے :۔

ان شائقینِ علوم وفنون نے اس واقعہ سے پہلے اس قدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جس وقت مغلوں نے مدارس کی کتابوں کو دجلہ میں ڈال دیا تو اس سے ایک پل تیار ہوگیا جس پر سے سوار پیدل بخوبی گزر سکتے تھے اور دریا کا پانی بالکل سیاہ ہوگیا[1]

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں خلافت کا صدر مقام تھا، علم وفن کا مرکز، علماء اور فقہاء کا مرجع، دولت وثروت کا مخزن تھا وہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ بیس لاکھ کی آبادی میں سے صرف چار لاکھ بچ رہے جس میں زیادہ تعداد شیعہ کی تھی۔ سوا پانچ صدی کے بعد دولتِ بنی عباس کا خاتمہ مستعصم کی ذات پر ہوا۔ ۱۹ محرم ۶۵۶ھ کو باب کلواذی کی جانب برج عظمیٰ پر مغلوں کا پرچم لہرایا گیا۔

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائمہ کرنے پہ آمادہ کرنا چاہا مگر ہلاکو نے ٹھکرا دیا[2]

ابن علقمی کا حشر ابن عمران کو بغداد کا حاکم بنایا اور علقمی کو اس کا چپڑاسی کیا۔ اور علی بہادر کو شحنہ بغداد کیا۔ صفی الدین بن عبدالمومن شیعی نے بھنڈی اور گانا سنا کر ہلاکو کے ہاتھوں جان بچائی بلکہ انعام واکرام حاصل کئے۔ محقق طوسی کی فرمائش پر شیعوں کی جان بخشی ہوئی اور ان کے محلے لوٹ سے بچ رہے[1]

ہلاکو خان قصر مامونیہ میں جو مشرقی بغداد میں تھا خود ٹھہرا۔ تمام شاہی خاندان

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۱۷۵ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۸

کے افراد گرفتار کر لئے گئے اور سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر شہر میں آگ لگا دی گئی۔ اس آگ نے خلیفہ کی مسجد، امام موسیٰ کاظم کا مشہد، رصافہ کا شاہی قبرستان اور بڑی بڑی عمارتوں کو خاکستر کر دیا اور چند روز میں یہ بہشت الدنیٰ (بغداد) کھنڈرات نظر آنے لگا ؎

وکان ما کان مما لست اذکرہ
فظن خیرا ولا تسال عن الخبر[1]

ترجمہ:۔ اس دن جو کچھ ہوا میں اُس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ تم گمان اچھا ہی رکھو اور حالات کو نہ پوچھو۔"

دیگر بلاد کا حشر ہلاکو نے انتظام بغداد کے بعد محقق طوسی سے فرمان لکھوا کر مختلف ممالک میں بھیجے۔ ملک کامل ناظم حلب نے جس نے خلیفہ کی مدد کے لئے فوج بھیجی تھی مگر خلیفہ کی شکست کی خبر سن کر واپس ہو گئی تھی لڑائی کا سامان تیار کیا۔ ہلاکو نے ملک کامل کے مقابلہ کے لئے یشمت کو فوج دے کر بھیجا۔ ملک کامل گھبرا گیا اور خزانہ وغیرہ چھوڑ کر قلعہ انکلیک و یانیہ میں جا کر پناہ لی۔ یشمت حلب پہنچا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ یشمت شہر پر قابض ہو گیا۔ حلب کا بڑا خزانہ اُس کے ہاتھ آیا۔

دوسری طرف ہلاکو نے کیدلوقا کو فوج دے کر شام بھیجا۔ اہلِ شام خوفزدہ ہو گئے ملک ناصر الدین کی دمشق کی رائے سے کچھ اُمراء وادیٔ رمل چلے گئے۔ جب دمشق والوں نے مقابلہ کی تاب نہ پائی تو اطاعت قبول کی۔ کیدلوقا سات مہینے یہاں رہا۔ ناصر الدین نے قاہرہ کے حاکم ملک ظفر کو مدد کے لئے لکھا۔ ادھر علامہ تقی الدین حرانی نے تاتاریوں کے مظالم دیکھ کر مسلمان عوام میں وعظ کہہ کر جہاد کے لئے جذبہ پیدا کر دیا۔ حاکم قاہرہ نے فوج بھیجی۔ علامہ معہ مجاہدین کے فوج میں شامل تھے آکر فوج تاتاری سے

---

[1] الفخری صفحہ ۲۹۷۔

مقابل ہوئے اور کیدلوقا کو تلوار پر رکھ لیا۔ ہزارہا تاتاری کھیت رہے اور اس کو شکستِ فاش اٹھانا پڑی۔ ہلاکو دربند پر حملہ آور ہوا اور ہرکہ انمول کی فوج کو تہ تیغ کیا۔ پھر موصل، دیار بکر وغیرہ بھی فتح کر لئے۔ مراغہ جاکر اُس نے محقق طوسی سے ۶۵۷ھ میں شمالی رخ رصد تیار کرائی۔ اس کی تیاری کے لئے نجم الدین کاتب کو قزوین سے موید الدین عرضی کو، دمشق سے فخر الدین مراغی کو موصل سے اور فخر الدین اعلاطی کو تغلیس سے بلوایا۔ یہ رصدگاہ تعمیر ہوگئی تو ہلاکو نے سب کو انعامات عطا کئے۔ ۶۶۳ھ میں ہلاکو فوت ہوا بہت سی حسین لڑکیوں کے ساتھ دفن کیا گیا تاکہ اُس کی رُوح کو تسکین ہو[1]۔

ارکانِ سلطنت ہلاکو سوغونجاق نوئیں وزیر ہلاکو تاجُو کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہوا تھا۔ تاجُو امیر العسکر، قیغبتائی، تنفور، سلوک سفرائے ہلاکو خاں۔ کیدلوقا وزیر جنگ، علماء میں علاء الدین شمس الدین کرت نصیر الدین، طوسی اس کے مشیر کار تھے[2]۔

اوصاف مستعصم مستعصم میں بہت زیادہ اخلاقی خوبیاں تھیں مگر علقمی نے اُس کو عیش وعشرت پر لگا دیا تھا۔

مستعصم احسان فراموش نہ تھا۔ نیک سیرت، متدین، نرم خو، نیک طبیعت، گفتگو میں محتاط، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج انسان تھا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ فہم وفراست سے بڑی حد تک بے بہرہ، فوجی صلاحیتوں سے

---

[1] ہلاکو کے بارہ[12] لڑکے تھے۔ اباقاخان۔ یشمت۔ تبتش۔ منگوتمور۔ ینداد۔ اوجائے۔ تکشین۔ سلطان تکودار۔ جوشکب۔ قنغراتائی۔ سیوداد۔ جومغار۔

[2] نصیر الدین محمد بن الحسن طوسی فیلسوف ۵۹۷ھ میں پیدا ہوا۔ ہیئت وریاضی کا بڑا ماہر، تجرید، شرح مجسطی وغیرہ یادگار سے ہیں مرض عیلاس میں مبتلا ہو کر ۶۷۲ھ میں بغداد میں مرا (دائرہ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۹۔ ماخوذ از تجربۃ الامصار وتجزیۃ الاعصار۔

عاری، امورِ سلطنت سے بے خبر، لالچیوں کی اُمید گاہ اور بے رُعب و دبدبہ کا خلیفہ تھا اور معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت نغمہ و سرود اور مسخروں کی صحبت میں گزرتا تھا۔

علامہ طقطقی موید الدین بن علقمی کی بہت تعریف فرماتے ہیں کہ وہ خلیفہ کو فوجی استحکامات، بیدار مغزی اور احتیاط کا مشورہ دیتا تھا۔[1]

دوسری طرف بقول علامہ ابنِ خلدون شاہ اربل کی معرفت علقمی ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دیتا تھا۔[2]

علامہ طقطقی اُس کے اوصاف یہ لکھتے ہیں :۔

"مستعصم میں خوبیاں بہت تھیں۔ نیک فطرت، نرم خو، شیریں زبان، پاک باز و خوش خلق۔ مگر اوصافِ جہاں بانی سے کورا تھا۔ طبیعت کا کمزور، رائے کا کچا اور مملکت سے نابلد، رعب داب نہ تھا۔ اس کا مشغلہ ہنسی، مذاق اور تفریح تھا۔ اُس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے"۔[3]

شکار خلیفہ مستعصم باللہ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس نے وادیٔ دجلہ میں کئی میل لمبا احاطہ بنا رکھا تھا۔ لوگ حلقہ باندھ کر جانوروں کو اس حصار میں داخل کر دیتے۔ پھر خلیفہ اور اس کے رفقاء جہاں تک شکار کر سکتے تھے شکار کرتے اور بقیہ کو چھوڑ دیتے۔[4]

علامہ طقطقی لکھتے ہیں :۔

"مستعصم لہو و لعب اور رقص و سرود کا بڑا دلدادہ تھا۔ اُس نے بدر الدین لولو والی موصل کو آلاتِ سرود اور مطرب بھیجنے کے لئے لکھا اور ہلاکو خاں

---

[1] الفخری صفحہ ۲۶۴ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۸۰۸ [3] مقدمہ الفخری ص

[4] مقدمہ الفخری۔

نے اُس سے منجنیق اور دیگر آلات قلعہ شکن طلب کئے تو بدرالدین نے سر پیٹ لیا اور کہا رونے کا مقام ہے کہ ہمارے خلیفہ کو کن چیزوں کی ضرورت[1] ہے اور ہلاکو کیا طلب کر رہا ہے "۔

مستعصم کا واقعہ ایک شخص عبدالغنی خلیفہ مستضر کے زمانہ میں قلعہ کے پہرہ داروں میں تھا۔ جب خلیفہ نے اپنے بیٹے مستعصم کو خفا ہو کر اس قلعہ میں نظر بند کر دیا تو عبدالغنی نے شہزادے کی خلوص و گرمجوشی سے خدمت کی۔ جب مستعصم باپ کے بجائے خلیفہ ہُوا تو اُس نے عبدالغنی کو قلعہ کی پہرہ داری سے نکال کر اپنے پاس رکھا اور اُس کو کچھ عرصہ میں اپنا خاص الخاص ملازم قرار دیا۔

علمائے عہد مستعصم حافظ تقی الدین صریفینی، حافظ ابوالقاسم بن الطیلسان شمس الائمہ کردی حنفی، تقی الدین بن الصلاح، علم السخاوی، حافظ محب الدین بن النجار مؤرخ بغداد، منتخب الدین شارح المفصل، ابن القیس النحوی، ابوالحجاج الاقصری زاہد، ابوعلی الشلوبینی النحوی ابن بیطار صاحب المفردات، امام علامہ جمال الدین بن حاجب امام مالکیہ، ابوالحسن بن دباج نحوی، قفطی صاحب تاریخ النحاۃ، افضل الدین الخونجی صاحب المنطق، بہاد بن بنت الحمیری، جمال عمرون نحوی الرضی لصنعانی اللغوی، کمال عبدالواحد الزملکانی صاحب المعانی والبیان و اعجاز القرآن، شمس خسرو شاہی، مجد بن تیمیہ، یوسف سبط بن الجوزی صاحب مراۃ الزمان، ابن بالطیش شافعی، ابن ابوالفضل المرسی صاحب التفسیر، عبدالعظیم المنذری، شیخ ابوالحسن شاذلی، شعلتہ المقری فارسی شارح الشاطبیہ، سعدالدین بن الفری شاعر، صرصری شاعر، ابن الابار مؤرخ اسپین[3]

---

[1] الفخری صفحہ ۲۹۷   [2] مقدمہ الفخری   [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۳ -

محدثین و فقہاء

عبیداللہ بن ابراہیم جمال محبوبی شاگرد امام زادہ محمد ابن ابی بکر و شمس الائمہ عمر بن بکر زرنجری و قاضی خاں اور آپ کے تلامذہ پسر خود و الاتاج الشریعہ مؤلف وقاء و حافظ الدین کبیر بخاری وغیرہ سنہ ۶۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

محمد بن عبدالستار شمس الائمہ کردری شاگرد امام زادہ مؤلف شرعۃ الاسلام آپ نے امام غزالی کی کتاب منخول کی رد میں رسالہ لکھا۔ وجیز کردری آپ کی تالیف ہے۔

بکر ترکی ناصری نجم الدین فقیہ عارف سعید شاگرد عبدالرحمٰن بن شجاع مؤلف حاوی (فقہ) سنہ ۶۵۲ھ میں انتقال کیا۔

علی بن محمد نجم العلماء حمیدالدین العزیز، فقیہ معروف مستند شاگرد شمس الائمہ کردری و استاد حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی صاحب کنز الدقائق و مؤلف شرح جامع الکبیر و نافع وغیرہ۔

محمد بن سلیمان بن الحسن القدس معروف بن النقیب، فقیہ، زاہد عالم مفسر جامع فنون مختلفہ مؤلف تفسیر ضخیم۔ اس میں پچاس تفسیریں جمع ہیں اس کا نام تحریر و تحبیر باقوال ائمۃ التفسیر ہے۔ سنہ ۶۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی ابوالفضل مجدالدین شاگرد شیخ جمال الدین حصیری مؤلف مختار و شرح آں اختیار۔ سنہ ۶۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

خلفائے عباسیہ

۱۳۲ھ، ۷۵۰ء سے ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء

سفاح	۱۳۲ھ،	۷۵۰ء
منصور	۱۳۶ھ	۷۵۴ء
مہدی	۱۵۸ھ	۷۷۵ء
ہادی	۱۶۹ھ	۷۸۵ء
ہارون	۱۷۰ھ	۷۸۶ء
امین	۱۹۳ھ	۸۰۹ء
مامون	۱۹۸ھ	۸۱۳ء
معتصم	۲۱۸ھ	۸۳۳ء
واثق	۲۲۷ھ	۸۴۲ء
متوکل	۲۳۲ھ	۸۴۶ھ
مستنصر	۲۴۷ھ	۸۶۱ھ
مستعین	۲۴۸ھ	۸۶۲ھ
معتز	۲۵۲ھ	۸۶۶ء
مہتدی	۲۵۵ھ	۸۶۹ء
معتمد	۲۷۹ھ	۸۹۲ء
معتضد	۲۷۹ھ	۸۹۲ء
مکتفی	۲۸۹ھ	۹۰۲ء
مقتدر	۳۲۰ھ	۹۰۸ء
قاہر	۳۲۲ھ	۹۳۲ھ

راضی	۳۲۲ھ ۹۳۴ء	۳۲۹ھ
متقی	۳۲۹ھ ۹۴۰ء	۳۳۳ھ
مستکفی	۳۳۳ھ ۹۴۴ء	۳۳۴ھ
مطیع	۳۳۴ھ ۹۴۶ء	۳۶۳ھ
طائع	۳۶۳ھ ۹۷۴ء	۳۸۱ھ
قادر	۳۸۱ھ ۹۸۱ء	۴۲۲ھ
قائم	۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء	۴۶۷ھ
مقتدی	۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء	۴۸۷ھ
مستظہر	۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	۵۱۲ھ
مسترشد	۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء	۵۲۹ھ
راشد	۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	۵۳۰ھ
مقتفی	۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	۵۵۵ھ
مستنجد	۵۵۵ھ ۱۱۶۵ء	۵۶۶ھ
مستضئ	۵۶۶ھ ۱۱۷۰ء	۵۷۵ھ
ناصر	۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء	۶۲۲ھ
ظاہر	۶۲۲ھ ۱۲۵۰ء	۶۲۲ھ
مستنصر	۶۲۳ھ ۱۲۳۶ء	۶۴۰ھ
مستعصم	۶۴۰ھ ۱۲۴۳ء	۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء

شجرۂ خلفاء

حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ

امام علی

امام محمد — عبداللہ — موسیٰ — سلیمان

ابراہیم — سفاح (۱) — منصور (۲)

مہدی (۳)

ابراہیم — منصور — ہارون (۵) — ہادی (۴)

امین (۶) — مامون (۷) — معتصم (۸) — قاسم

محمد — واثق (۹) — متوکل (۱۰)

مستعین (۱۳) — مستنصر (۱۱) — معتز (۱۲) — معتمد (۱۵) — موفق (۱۴)

ابن المعتز — مفوض — مقتفد (۱۶)

مقتضد (۱۶)

مکتفی (۱۷) — مقتدر (۱۸) — قاہر (۱۹)

مستکفی (۲۲)

مطیع (۲۳) — متقی (۲۱) — راضی (۲۰)

طائع (۲۴)

قادر (۲۵) — قائم (۲۶) — مقتدی (۲۷)

مسترشد (۲۹)

راشد (۳۰)

مقتفی (۳۱)

مستنجد (۳۲)

ظاہر (۳۵) — ناصر (۳۴) — مستضئی (۳۳)

مستنصر (۳۶)

مستعصم (۳۷)

بغداد کا حشر

بغداد پر تاتاری سیلاب ۶۵۶ھ کے بعد مسلمانوں کا دارالسلطنت پھر نہ بن سکا۔ ایک عرصہ تک جلائرے خاندان کے سردار شیخ حسن بورزگ بغداد پر قابض ہو گیا۔ پچاس برس بعد ۱۳۹۳ء میں تیمور کا تسلط بغداد پر ہو گیا۔ جس وقت جانے لگا اپنی طرف سے گورنر مرزا ابوبکر کو کرتا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطان احمد جلائری پھر بغداد پر قابض ہو گیا۔ اس کی حکومت ۱۴۱۲ء تک رہی۔ پھر ترکمان شاہ سودا نے قبضہ کیا ۱۴۶۹ء تک اس کے خاندان حکمران رہے۔ ترکمان شاہ بیفنہ کے قبضہ میں آ گیا۔ ۱۵۰۸ء میں اسماعیل صفوی شاہِ ایران کی افواج بغداد میں داخل ہوئیں۔ ۱۵۳۴ء میں سلمان قانونی کے دورِ حکومت میں ایک ترکی جنرل نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عثمانیوں کی حکومت بغداد پر قائم ہو گئی۔ لیکن شاہ عباس کے زمانے میں ترکوں سے صفویوں نے پھر اُسے چھین لیا۔ یہ بکیر آغا انکشاری کی غداری کا نتیجہ تھا۔ ۱۶۳۸ء میں ترکوں نے ایرانیوں سے اُسے دوبارہ لے لیا[1]

سیاسی حالت ۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ ختم ہوئی۔ نظامِ خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب ہر طاقت ور حاکم خود مدعی خلافت تھا اس کو اب سندِ حکومت کی بھی ضرورت نہ تھی۔

فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رخ اور تونس کا حاکم ابوعبداللہ محمد حفصی نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابوعنان فارس مراکش کے خانوادہ مرینہ کے ایک فرد نے اپنے لئے خلیفہ امیرالمومنین اور امام کا لقب اختیار کیا۔ سلطان علاؤالدین خلجی اور اوزن حسن ترکمانی بھی خلافت

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۱۱۲۔

کے مدعی تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں دولت ازبک نے بانی محمد شیبانی اور مصر کے مملوک سلاطین قائتبائی اور قالفوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔
سقوط بغداد کے بعد عالم اسلامی میں ہر طاقت ور اور ہر فرماں روا خلافت کا مدعی تھا۔[1]

سلطنت ایران

حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے وقت میں یہ ملک مسلمانوں نے فتح کیا۔ اس کے بعد مدینہ، دمشق اور بغداد کے خلفاء اس پر حکمران رہے۔ خلافتِ بغداد کے ضعیف ہونے پر سلاطین صفاریہ، سامانیہ، دیالمہ، غزویہ، سلجوقیہ اور خوارزم شاہی اس پر حکمران ہوتے۔ اس کے بعد چنگیز کا زمانہ آیا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کی آٹھویں پشت میں ابوسعید کے زمانے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں جس کو مٹا کر امیر تیمور نے ایران کو ایک صوبہ قرار دیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان میں دسویں صدی ہجری کے آغاز تک ایران کی حکومت تھی۔ یہ سب حالات اوپر مفصل بیان ہو چکے ہیں۔
خاندانِ تیموری کا زور وسط ایشیا میں دسویں صدی ہجری کے شروع میں گھٹا۔ اس کے بعد کے حالات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک سید بزرگ شاہ صفی نے پیشوائے مذہب کی حیثیت سے ایران میں عروج پکڑا۔ تمام رعایا شاہ صفی کی معتقد تھی اس لئے شاہ صفی نے ایک رنگ حکومت کا پیدا کیا۔ پھر اس کی نسل میں شاہ اسمٰعیل بڑا زبردست بادشاہ ہوا اور دو صدی تک صفوی خاندان ایران پر قابض رہا۔
شیعوں، سنیوں کو بالکل الگ قائم کرنا، اسمٰعیل صفوی اور اس کے مابعد جانشینوں کی حکمتِ عملی تھی۔ شاہانِ صفوی نے بہت زیادہ کوشش اس امر میں کی کہ شیعوں کا گروہ سنیوں سے بالکل الگ ہو جائے۔ اپنی پالیسی میں سلاطین صفوی پورے طور

---

[1] النظم الاسلامیہ۔

پر کامیاب ہوئے اور ایران کی فوج اور ایران کی رعایا اس نئے جوش میں عرصہ تک کارنمایاں کرتی رہیں اور شاہی خاندان استقلال کے ساتھ حکمران رہا۔

اسمٰعیل ۹۰۸ھ۔ خاندان صفوی کا پہلا خود مختار بادشاہ ہے۔ سلطان ترکی سے اُس نے خوب لڑائی کی اور زبکون کو بھی اس نے زیر کیا۔

شاہ طہماسپ ابن اسمٰعیل: ۹۳۱ھ۔ ہمایوں بادشاہ ہند نے اسی سے مدد چاہی تھی۔ یہ بھی بڑا نامی بادشاہ ہوا ہے۔

شاہ اسمٰعیل ثانی بن طہماسپ: ۹۸۴ھ مدت سلطنت ۹ سال رہی۔

محمد خدابندہ بن طہماسپ: ۹۸۷ھ۔ یہ اپنے بھائی اسمٰعیل ثانی کے مرنے پر تخت پر بیٹھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد راہی ملکِ عدم ہُوا۔

حمزہ بن محمد خدابندہ: ۹۹۴ھ۔ اس نے برائے نام سلطنت کی۔

شاہ اسمٰعیل ثالث: ۹۹۴ھ۔ اس نے بھی برائے نام سلطنت کی۔

شاہ عباس: ۹۹۴ھ۔ اسمٰعیل اول اور شاہ طہماسپ کی طرح یہ بھی زبردست بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

شاہ صفی: ۹۹۴ھ۔ اس کے وقت میں خاندانِ صفوی نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔

شاہ عباس ثانی: ۱۰۵۰ھ۔ اسمٰعیل، طہماسپ، عباس اول کی طرح یہ بھی بڑا زبردست بادشاہ ہُوا ہے۔ غیر مذہب والوں سے لڑنے کی وجہ سے غازی اس کو لقب ملا۔

سلیمان ۱۰۷۷ھ
شاہ حسین ۱۱۰۶ھ
شاہ طہماسپ ۱۱۲۵ھ

} سلیمان تک خیریت تھی۔ اس کے بعد غلجیوں اور ابدالیوں نے اس خاندان کو کمزور کر دیا۔

خاندان صفوی کے انحطاط کے زمانہ میں ابدالیوں اور غلجیوں کو کچھ زور ہُوا۔ ابدالی اور درانی ایک ہی قوم ہے اور غور کے پہاڑوں پر اس کا ٹھکانہ تھا۔ لیکن اس وقت ہرات کے آس پاس آباد ہو گئے تھے۔

غلجیوں کی قوم اس زمانے میں قندھار کے گرد و نواح میں بستی تھی۔ غلجی اور ابدالی آپس میں بھی لڑتے تھے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے لئے غلجیوں اور ابدالیوں نے مل کر ایرانیوں کی سلطنت کو کمزور کر دیا اور پھر اس کے بعد غلجیوں نے جاکر ایران پر قبضہ کر لیا۔ غلجیوں کا سردار محمود قندھار سے روانہ ہو کر ایران میں داخل ہوا اور ۱۷۲۲ء کو تخت نشین ہوا۔ غلجیوں اور ایرانیوں کی جنگ کی ابتدا شاہ حسنین کے وقت میں ہوئی اور اس کے بیٹے شاہ طہماسپ ثانی نے محاصرے کی تکلیف سے گھبرا کر تاجِ شاہی محمود غلجی کے حوالے کر دیا۔

اپنے چچا محمود کے مرنے پر اشرف خاں تخت پر بیٹھا۔ سلطان ترکی نے سلطان روس سے مل کر اشرف خان کو دبانا چاہا۔ شمالی ملک کا روس خواہاں تھا اور مغربی حصہ کو سلطان ترکی دبانا چاہتا تھا۔ اشرف خاں نے لڑائیوں میں بڑی بہادری دکھائی۔ ان دونوں سلطنتوں نے اس کی سلطنت تسلیم کی۔ لیکن اشرف خاں اُن حصوں کو واپس نہ لے سکا جو دشمنوں کے قبضے میں آگئے تھے۔

مرزا طہماسپ جب تاج سلطنت محمود شاہ کے حوالہ کر کے علیحدہ ہوا کسی طرح نادر قلی درانی کے قبضہ میں آگیا اور نادر شاہ نے اپنے کو اس کا سپہ سالار بنا کر ملکی فتوحات شروع کر دی۔ نادر قلی پہلے قزاقوں کی طرح لوٹ مار کرتا تھا۔ اب طہماسپ کی سپہ سالاری نے اس کی حالت میں بہت کچھ تغیّر پیدا کر دیا۔ نادر شاہ کے عہد میں (۱۷۲۹ء) اشرف خاں قتل کیا گیا۔ جو ملک اشرف خاں کے عہدنامہ سے سلطنت ترکی میں داخل ہو گئے تھے اسے نادر شاہ نے بزورِ شمشیر لے لیا۔

نادر شاہ کا عروج

نادر شاہ نے طہماسپ شاہ شطرنج کو تخت سے اتار کر اس کے شیر خوار بچے کو تخت پر بٹھایا اور ۱۷۳۶ء میں تمام لوگوں کی صلاح سے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ نادر شاہ نے اپنا مذہب بدل ڈالا پہلے شیعہ تھا اب سُنی ہوا اور چاہا کہ خاندانِ صفویہ کی محبت لوگوں کے دل سے نکل جائے۔ اور اس کے وقت سے ایک نیا رنگ پیدا ہوا لیکن نتیجہ اچھا نہ ہوا۔ لوگ اس سے بددل ہونے لگے۔ فوج کے خوش کرنے

کے لئے اُس نے قندھار پر چڑھائی کی اور خلجیوں کو وہاں سے نکالا۔ پھر کابل غزنی ہوتے ہوئے ہندوستان پر اُس نے چڑھائی کی اور یہاں کی دولت سے اپنی فوج کو مالا مال کرانا چاہا۔ دلّی نادر شاہ کے وقت میں تباہ ہوئی۔ تیمور کے حملوں کی طرح اب بھی دلی میں قتلِ عام ہُوا۔ ہند سے واپس جاکر نادر شاہ نے اور بھی فتوحات کیں۔ ہند میں جو کچھ خونریزی نادر شاہ سے ہوئی زیادہ تر دلی والوں کا قصور تھا۔ لیکن اس کے بعد نادر شاہ میں سفاکی اور خونریزی کی عادت ہوگئی اور کچھ مالیخولیا کا دخل بھی اس میں شروع ہوا۔ ایرانیوں نے سنہ ۱۱۶۰ھ سنہ ۱۷۴۷ء میں اُسے قتل کیا۔

نادر شاہ کے بعد افغانستان میں احمد شاہ درانی (ابدالی) حکمران ہُوا اور ایران میں نادر شاہ کے مخالف اعلیٰ کا بھتیجا عادل شاہ تخت نشین ہُوا۔ عادل شاہ دو برس کے بعد مر گیا اور پھر پچاس برس کے اندر ہی اندر کوئی آٹھ بادشاہ ابراہیم، شاہ رخ مرزا، اسمٰعیل محمد کریم خاں، ذکی خاں، صادق خاں، جعفر خاں، لطف علی یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ان بادشاہوں میں کریم خاں زند نے ۳۰ برس تک سلطنت کی اور باقی نے برائے نام سلطنت کی۔

آغا شاہ قاچار نے سنہ ۱۲۱۲ھ میں کئی لڑائیاں فتح کر کے سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا۔ شاہ روس سے بھی اس نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا فتح علی قاچار تخت ایران پر بیٹھا اور شاہ روس سے برابر لڑتا رہا۔ سنہ ۱۸۵۰ء میں محمد شاہ قاچار تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ اور رعایا کا مذہب شیعہ تھا۔ افغانوں نے ان پر جہاد کی نیت سے حملہ کیا تھا۔ سنہ ۱۲۶۰ھ میں ترکی کے گورنر نجیب بادشاہ حاکم بغداد نے کربلا پر چڑھائی کی اور ۹ ہزار آدمیوں کو مذہبی تعصب سے ہلاک کیا۔ محمد شاہ قاچار یہ سُن کر غضب ناک ہُوا۔

سنہ ۱۲۶۴ھ میں سلطان محمد شاہ قاچار نے وفات پائی۔

تاریخ ایران ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ عہدِ بنی عباس میں ایران کے مسلم حکمرانوں کا جو ذکر گزر چکا ہے اس کا سلسلہ قائم رہے۔

خلافتِ عباسیہ پر ایک سیاسی و تاریخی نظر

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بنی امیہ اپنے جبروت اور سیاسی ڈپلومیسی سے خلفائے راشدین کے جانشین بن کر عظیم الشان حکومت کے بانی ہوئے اور خلفائے راشدین کی فتوحات پر اپنی دولت قائم کی۔ امیر معاویہ اُس کے موسس اوّل تھے۔

"یہ دولت بنی امیہ سنہ ۴۰ھ میں قائم ہوئی اور سنہ ۱۳۲ھ میں ختم ہوگئی۔ خلافت راشدہ جمہوری نظام پر قائم تھی مگر امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا نظام سیاسی ختم کر دیا جس کی بنیاد شوریٰ پر قائم تھی۔ اس کی جگہ انہوں نے موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ عظمیٰ حکومت کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ خلفاء خلافت راشدۂ عظمیٰ کی سی سادگی کی بجائے امیرانہ کروفر اختیار کر گئے۔ وہ حضراتِ قدسی جنہوں نے خلفائے راشدین کا عہد مبارک پایا تھا ان کو گراں خاطر ہوا مگر امیر معاویہؓ کی تدبیر سیاسی سے کچھ عرصہ کے لئے بے دلی کے ساتھ ساکت رہے لیکن یزید کی ولی عہدی پر اجلۂ قریش (ابن زبیرؓ وغیرہ) بگڑ بیٹھے مگر تلوار اُن کے سروں پر رکھ دی گئی۔ انہوں نے پھر بھی بیعت نہیں کی۔ لیکن جان کے خطرہ سے خاموش رہے[1] ان کے سکوت سے یزید کی کچھ نے بیعت کی اور اہل مدینہ یزید سے بیزار ہی رہے۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی سنہ ۶۰ھ میں یزید تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ سب سے پہلے اُس نے یہ کیا کہ امیر معاویہ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن

---

[1] طبری جلد ۷ صفحہ ۲۱۶۔

زبیرؓ، حضرت حسین بن علیؓ، عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ ان سے اپنی بیعت کے لئے مدینہ کہلا بھیجا تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباس نے باجبر و اکراہ بیعت کر لی۔ مگر امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر نے صاف طور سے بیعت سے انکار کر دیا اور مدینہ سے نکل آئے۔ اس اثناء میں امام حسینؓ کے پاس اہلِ کوفہ کے خط آئے جس میں انہیں عراق آنے کی دعوت دی گئی اور ان سے بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ آپ نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ باوجودیکہ عبداللہ بن عباس نے کوفہ جانے سے روکا اور یمن جانے کا مشورہ دیا مگر آپ کوفیوں کی طلبی پر تشریف لے گئے جہاں کربلا کا روح گداز واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ نے بنی اُمیہ کے خلاف بنی ہاشم میں سرگرمی عمل پیدا کر دی اور حصولِ خلافت کے لئے "دعوتِ آلِ محمد" کی بنیاد پڑی۔ اس دعوت کی بدولت تباہی اور بربادی کے ساتھ دولت بنی امیہ کا خاتمہ ہُوا۔ گو علوئین نے اس سلسلہ میں بڑی بڑی جان کی قربانیاں دیں۔ اس تحریک کو ہاتھ میں لے کر بنی عباس کامرانی کے درجہ کو پہنچے مگر جب انہوں نے علوئین کو نظر انداز کر دیا۔ انہوں نے اس دعوت کی بدولت قلمرو دولت بنی عباس سے علاقے لے کر دولت ادریسیہ۔ دولت زیدیہ دولت بنی فاطمہ کے نام سے حکمرانیاں قائم کر لیں۔ یہ بھی ایک سبب دولت بنی عباس کے زوال کا ہے۔

لُطف یہ ہے کہ اس دعوت کی آڑ لے کر خلافت بنی عباس قائم ہوئی اور اس دعوت کی مخالفت کر کے دولت بنی عباس نے زوال کی راہ اختیار کی۔ اس سے بڑھ کر دوسرا سبب زوال کا تاریخ یہ بتاتی ہے کہ بنی عباس نے عربوں کو نظر انداز کیا۔ عجمیوں اور ترکوں کو نوازا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عربوں کی عصبیت پائمال ہو کے رہ گئی اور وہی باتیں عربوں میں عود کر آئیں جن کو اسلام نے ختم کیا تھا۔ اسلام نے عرب کے متفرق اور متخاصم قبائل میں وحدت اور اخوت پیدا کر دی تھی جس کی بدولت تمام قبائل بھائی بھائی اور شیر و شکر ہو گئے تھے۔ ان کے پیش نظر

صرف ایک چیز تھی ۔ رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ الحق ۔ اس متحدہ عربی عصبیت اور قومیت سے خلفاءِ راشدین کے عہد میں اسلام کی شوکت وعظمت قائم ہوئی اور اسی کی بدولت شام، ایران، مصر وغیرہ زیرنگین اسلام آئے ۔ گو بنی اُمیہ میں سے آلِ مروان نے قبائلی عصبیت کو بھڑکا دیا ۔ مگر عربی عصبیت اس قدر کمزور نہیں پڑی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ دولتِ بنی امیہ میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا مگر قبائلی عصبیت کی آگ جو روشن کر چکے تھے اس کے شعلوں میں آپ جل اُٹھے ۔

داعیانِ دعوتِ آلِ محمد نے عربی عصبیت پر اعتماد نہیں کیا بلکہ انہوں نے قرابتِ رسول کا واسطہ دے کر عرب ہو یا عجم اس کو اپنایا اور ہمنوا بنایا اور جب عجمیوں اور عرب سے کام نکل گیا تو صاحب اقتدار عجمیوں سے عربوں کو کچلوا دیا ۔ گو انہوں نے ہاتھ پیر اپنے اقتدار کے لئے چلائے مگر حکومت کا باغی قرار دے کر ان کی طاقت کو اُبھرنے نہ دیا ۔ آخرش عربی عصبیت پائمال ہو کے رہ گئی ۔

خلافتِ عباسیہ

خلفائے بنی عباس اپنی شان وشکوہ اور عظمت ووقار اور شجاعت و سیاست دانی میں ایک امتیازی شان کے حامل نظر آتے ہیں ۔

”تہذیب وتمدن علوم وفنون کی ترقی وایجاد، مردہ علوم کے زندہ رکھنے میں خلفاء کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین اس عہدِ زرّیں کا ذکر کرتے ہوئے رطب اللسان ہیں ۔ عباسی خلافت کا پہلا خلیفہ سفاح اعظم تھا ۔“

ثعالبی نے لطائف المعارف میں لکھا ہے کہ :

”اگرچہ ابوالعباس السفاح بنی عباس کا پہلا خلیفہ تھا ۔ اس کا بھائی ابوجعفر المنصور اس خاندان کا حقیقی آغاز کرنے والا تھا ۔ المامون اس کے

وسطی دور کا قائد تھا۔ المعتضد ۸۹۲ء، ۹۰۲ء اس کو ختم کرنے والا تھا۔ اگرچہ یہ خاندان المستعصم پر جو ۳۷واں خلیفہ تھا ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ظلم و ستم سے ہمیشہ ہمیش کے لئے مٹ جاتا ہے۔"

لاریب دنیائے اسلام میں بنو عباس کی حکومت عربوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور اس خلافتِ شرقی کے عہد زریں کا جواب بنو امیہ اور بنو فاطمہ کے یہاں بھی نہ تھا بنی امیہ دمشق اور بنو فاطمہ مصر کے تزک و احتشام اس کے مقابلے میں گرد تھے۔ بنو امیہ کی فتوحات کی یاد المہدی کے عہد نے کچھ تازہ کر دی تھی جبکہ عرب فوجیں ۷۸۲ء میں قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ گئیں اور اس جنگ میں ہارون الرشید نے دادِ شجاعت دی اور اپنے خلافت کے عہد میں "روما" کے غرور کو نیچا دکھایا، نیسی فورس اول کو کامل شکست دی۔ علاوہ ہرقلہ اور الطواز پر قبضہ کر لینے کے ۸۰۶ء میں نہ صرف روما سے سابقہ مقررہ خراج وصول کیا۔ بلکہ نیسی فورس کی ذات پر محصول عائد کیا، غرضیکہ ہارون کے دورِ اقبال میں مطلع سیاست صاف تھا تو علم کی ترویج اور اشاعت کی طرف مبذول کی۔

دارالخلافہ بغداد کی شان و شوکت اس کی علمی وسعت، تجارت اور ترقی صنعت و حرفت کا الاغانی، عقد الفرید الفہرست کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے۔

بنی عباس کے سیاسی افکار

حقیقتاً دولت بنی عباس دعوتِ آل محمد کی وجہ سے قائم ہوئی۔ آل ہاشم میں بنی عباس سیاسی دماغ رکھتے تھے۔ ان کی حصولِ خلافت میں اس قدر قربانی نہیں ہے جس قدر علوئین کی ہے بلکہ علوئین نے جو حصول خلافت کے لئے میدان تیار کیا تھا۔ اس سے بنی عباس نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ علوئین میں سے ہی ایک بزرگ نے امام محمد بن علی عباسی کو اپنا جانشین کیا اور ان کی معاونت کے لئے اپنے انصار و معاونین

کو وصیت کر گئے ۔ چنانچہ ان حضرات نے اپنے امام کے حکم کی پوری پوری اطاعت کی۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام محمد کی اعلیٰ قابلیت اور سیاسی دور بینی نے دولت بنی عباس کے قیام کے لئے راہیں کھولیں ۔

دعوتِ بنی عباس

آل ہاشم میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بڑا سیاست دان اور قوموں کی نفسیات کا واقف کار تھا۔ اس بزرگوار نے حمیمہ سے بیٹھ کر حصولِ خلافت کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ کامیاب رہا۔ چنانچہ ابن قتیبہ لکھتا ہے :-

"محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے مبلغین کو اپنی دعوت کے لئے منتخب کیا تو اُن کے سامنے مختلف مقامات اور مختلف خصوصیات وضاحت سے بیان کیں ۔ انھوں نے اپنے سلسلۂ بیان میں کہا کہ کوفہ اور اُس کے مضافات میں شیعہ آباد ہیں ، بصرے میں عثمانؓ کی طبیعت کے لوگ ہیں جو جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ عبداللہ مقتول بنو۔ عبداللہ قاتل مت بنو۔ جزیرے کے لوگ یا تو خارجی ہیں یا بیوقوف بدُّو، یا ایسے مسلمان جن کے اخلاق عیسائیوں کے سے ہیں۔ اہلِ شام سوائے ابوسفیان کی اولاد اور بنی مروان کی اطاعت کے اور کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے پورے دشمن اور پورے جاہل ہیں ۔ مکے اور مدینہ والوں پر ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اثر ہے۔ لیکن خراسان کو نہ بھولنا۔ یہاں کے رہنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ان کی بہادری مشہور ہے۔ ان کے سینے پاک وصاف ہیں۔ ان کے دل برائیوں سے خالی ہیں۔ خواہشات فرقہ بندی اور مذہبیت نے انہیں تقسیم نہیں کیا ہے اور نہ ان میں فساد نے راہ پائی ہے۔ ان میں نہ تو عرب کی طرح نام ونمود کی خواہش ہے اور نہ

ان میں متبعین سادات کی طرح ایک دوسرے کی طرفداری کا جذبہ ہے
یا جیسا کہ قبیلوں میں باہم عہدو پیمان ہوتا ہے یا ہر قبیلے میں اپنے قبیلے
کی عصبیت ہوتی ہے۔ ان میں یہ بات بھی نہیں کہ ان پر برابر ظلم کیا جاتا
ہے اور انہیں ذلیل و خوار کیا جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی
کر رہ جاتے ہیں۔
وہ ایک ایسا لشکر ہیں جن کے بھاری بھرکم جسم ہیں، شاندار کندھے
اور شانے ہیں بڑے بڑے سر ہیں ڈاڑھیاں ہیں اور مونچھیں ہیں اونچی
آواز ہے شاندار زبان ہے جو ڈراؤنے منہ سے نکلتی ہے۔" [۱]

دعاۃ نے خراسان جا کر دولت بنی اُمیہ کے خلاف میدان تیار کیا۔ ابو مسلم
خراسانی کو امام محمد نے بھیجا جس نے تھوڑے عرصہ میں دور دور تک یہ تحریک پھیلا دی۔
امام محمد کے بعد ابراہیم امام ہوئے۔ انہوں نے ابو مسلم کو یہ خط لکھا :۔

"اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ خراسان میں کسی کو بھی جو عربی زبان بولتا ہو نہ
چھوڑو اور قتل کر دو تو ایسا ضرور کرو اور ہر عربی لڑکا جو قد میں پانچ
بالشت تک پہنچ گیا ہو اُسے قتل کر دو۔ مضر کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے
یہ ایسے دشمن ہیں کہ تمہارے گھر سے قریب ہیں ان کی ہری بھری کھیتی
تباہ کر دو، ان میں سے کوئی زندہ نہ چھوڑو [۲]۔ عربوں کا قتل عام ابو مسلم
کے ہاتھوں ہوا۔ ۶ لاکھ عرب قتل ہوئے [۳]۔

جن عرب دعاۃ نے ابو مسلم کا ساتھ دیا تھا تحطبہ الطائی سے حضرات کو اُس نے
قتل کرا دیا [۴]۔ منصور کی ہمدردیاں خراسانیوں کے ساتھ بہت تھیں۔ عجمی حکومت پر
چھا گئے۔ دولت بنی عباس کی شان و شوکت مثل ساسانی شہنشاہی کے مانند بن گئی۔

---

[۱] عیون الاخبار صفحہ ۲۰۴ [۲] شرح نہج البلاغۃ جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ [۳] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۷
[۴] طبری جلد ۹ صفحہ ۹۷۔

جاحظ نے اسی وجہ سے لکھا ہے :-

"عباسی حکومت عجمی خراسانی ہے اور اموی حکومت عربی بدوی" [1]

گو بنی عباس کی حکومت شاندار قائم ہو گئی مگر کمزور خلفاء کے عہد میں یہی خراسانی و عجمی وبال جان بن گئے ۔

خلافتِ عباسیہ کے امتیازاتِ خصوصی

بنی امیہ کا آفتاب حکومت ۱۳۲ھ میں زاب کے معرکہ میں غروب ہو گیا اور عباسی اقتدار کا آفتاب طلوع ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پانچ صدی تک نہایت شان و شکوہ سے دولتِ عباسیہ قائم رہی ۔

باوجودیکہ ان کے ہی زمانہ میں دولتِ بنی بویہ، سلاجقہ اور خوارزم شاہی زبردست سلطنتیں تھیں۔ لیکن ان کی نہ بنی عباس کی سی مملکت وسیع تھی اور نہ ان کی حکومت عام ہوئی [2]

دولتِ عباسیہ عظیم الشان حکومت تھی۔ اس کی عالمگیر حکومت کی سیاست کا امتزاج مذہب و ملوکیت دونوں سے تھا۔ نیک اور اچھے افراد اس کی اطاعت اس کی دین پرستی و مذہب نوازی کی وجہ سے کرتے تھے اور باقی لوگ اس کے ہیبت و جلال یا اپنے حرص و طمع کی وجہ سے اس کے سامنے سر جھکاتے تھے [3]

چند خلفاء خلافت بنی عباس میں ایسے عالی مرتبت تھے جن کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد بنی امیہ میں نہیں ملتی اور بنی فاطمی تو پیش ہی نہیں کر سکتے۔ ان کے عدل و انصاف زہد و ورع کا جواب نہیں۔ البتہ چند خلفاء ایسے تھے جن کی اخلاقی کمزوری سے امراء نے فائدہ اٹھایا اور ان کے ہاتھوں بازیچۂ اطفال بن گئے ۔

سفاح سے واثق تک تمام خلفاء اپنے کردار اور اولوالعزمانہ روش کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے۔ ان میں کچھ کمزوریاں ضرور تھیں مگر اسی کے ساتھ ان

---

[1] کتاب ابو زرا الجشا صہ ۱۳۸ [2] مقدمہ الفخری [3] الفخری صفحہ ۱۲۵ -

کے کارنامے بہت ہی روشن ہیں۔ البتہ منصور سے جو کوتاہی عربوں کے حق میں ہوئی یا ہارون نے ولی عہد مقرر کر کے حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا اس نے خاندانِ شاہی میں رقیبانہ کشمکش اور باہمی بغض و عداوت پیدا کر دی جس سے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور یہی دولتِ عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔

متوکل اپنے بیٹے کے ہاتھوں کام آئے جو امرائے ترک شریک سازش تھے ان کی بن آئی اور وہ اس قدر حاوی تھے کہ جس کو چاہتے خلیفہ کرتے۔ جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ غرضیکہ خلیفہ ترکوں کے ہاتھ میں کھلونہ تھے۔ زندگی موت اور خلافت ترکوں کے ہاتھ میں تھی انہوں نے معتز کو تڑپا تڑپا کر مارا[1] مہدی کو خلیفہ بنایا یہ پاکیزہ سیرت، زہد و تقویٰ اور عبادت گذاری کے لحاظ سے نہایت ممتاز خلیفہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز اموی سے اس کی سیرت بہت ملتی جلتی تھی۔ مگر جاہل ترکوں نے اس مقدس خلیفہ کو معطل کر دیا[2] اور آخر میں اسے ترکوں نے مار ڈالا[3] اس کے بعد معتمد خلیفہ ہوا اس کو اپنی دلچسپیوں سے فرصت[4] نہ تھی مگر اس کا بھائی موفق عباسی نائب سلطنت ہوا۔ اس نے حکومت کو سنبھالا۔ جب اس کا بیٹا ابوالعباس خلیفہ ہوا نہایت جاہ و جلال اور ہیبت و دبدبہ کا خلیفہ تھا۔ معتضد باللہ لقب تھا اس نے خلافت عباسیہ کے بے روح جسم میں جان ڈال دی۔ سفاح ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مکتفی نااہل ثابت ہوا۔ مقتدر کے زمانہ میں پھر فتنے اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک خادم سپہ سالار مونس نے ۳۱۷ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی۔ خلیفہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ آخر کار قاہر خلیفہ بنائے گئے مگر پھر دوبارہ مقتدر کو خلافت ملی۔

یہ ضرور ہے کہ اس کے عہد میں اندرونی شورشوں اور بیرونی فتنوں کے ہوتے ہوئے شان و شکوہ اور عظمت و جلال کا دور تھا۔ اس کے زمانہ میں شہنشاہِ روم کا سفیر مصالحت کی غرض سے بغداد آیا اور یہاں وہ نقشہ دیکھا جو شہنشاہِ روم کے

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۶۰ [2] الفخری صـ ۲۲۶ [3] تاریخ الخلفاء صـ ۲۲۳ [4] الفخری صـ ۲۲۶۔

یہاں خواب خیال تھا۔ مگر اس کی زندگی کا خاتمہ فوجیوں کے ہاتھوں ہوا۔ اس کے بعد قاہر خلیفہ ہوا۔ عنانِ خلافت سپہ سالار مونس اور وزیر اعظم ابن مقلہ کے ہاتھوں تھی۔ ان کے ہاتھوں خلیفہ اندھا کیا گیا۔ ایک دن جامع منصور میں قاہر نے صدقہ کا سوال کیا۔ ایک ہاشمی کو غیرت آئی۔ پانچ سو درہم دیئے اور سوال کرنے سے منع کیا۔[۱]

مستکفی کے بعد راضی تخت خلافت پر بیٹھا مگر اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ مرکز خلافت میں ترک جنرلوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا۔ دوسری طرف خود مختار حکمرانیاں خلافت کے لئے مستقل خطرہ تھیں۔ فارس میں علی بن بویہ کا اقتدار تھا۔ رے، اصفہان وبلاد الجبل پر اس کا بھائی حسن مستولی تھا۔ موصل دیار بکر، دیار ربیعہ بنو حمدان کے قبضہ میں تھا۔ مصر و شام میں اخشید کی آزاد حکمرانی تھی۔ خراسان میں سامانی خود مختار سلطنت قائم تھی۔[۲] اندلس میں عبدالرحمان ثالث خلیفہ تھا۔ اس سے بڑھ کر اس وقت عالم اسلامی میں تین خلافتیں تھیں۔ بغداد، اندلس، تیسری خلافت بلاد مغرب میں خلافت فاطمیہ کی تھی۔

راضی نے ایک عہدہ امیر الامراء کا نیا قائم کیا۔ بصرہ اور واسط کا گورنر ابن رائق کو مقرر کیا مگر نظم و نسق سلطنت سدھرنے کے بجائے اور بگڑ گیا۔ ابن رائق کی آمرانہ حیثیت تھی۔[۲] خلیفہ نے جس غرض کے لئے ابن رائق کو یہ منصب دیا تھا وہ تو پورا ہوا نہیں بلکہ خود عضو معطل ہو کے رہ گئے تو اس کے طاقت ور حریف کو کھڑا کر دیا۔ وہ دونوں آپس میں کٹ مرے مگر رائق پھر برسر اقتدار آیا اس نے خلیفہ سے انتقام لیا۔ متقی سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ابو عبداللہ بریدی والی اہواز کو امیر الامراء بننے کی تمنا ہوئی۔ وہ رائق سے بھڑا مگر ابن رائق کامیاب ہوا۔ پھر اس نے بجکم کے خلاف صف آرائی کی بجکم قتل ہوا۔ اور ابن رائق دوبارہ عہدہ پر متمکن ہوا اب بریدی دوبارہ حریف بن کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ ابن رائق اور خلیفہ ناصر الدولہ حمدانی

---

[۱] الفخری صفحہ ۲۴۹ [۲] تجارب الامم جلد ۱ صفحہ ۳۵۱

کے یہاں موصل میں پناہ گیر ہوئے۔ ناصر نے ابن رائق کو قتل کرا دیا۔ یہ غلام تھا جو آگے چل کر آقا بن گیا تھا۔ ناصر خلیفہ کو لے کر بغداد پہنچا اور بریدی کو نکال کر خود امیر الامراء بن گیا۔ مگر پولیس افسر توزون ترکی نے اس کو بے دخل کر دیا اور خود امیر الامرا بن بیٹھا مگر متقی کو توزون گراں خاطر تھا اس کے خلاف کچھ کرنا چاہا اُس نے خلیفہ کو حراست میں لے کر عبداللہ بن مکتفی کو خلیفہ کر دیا اور متقی کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی۔ مستکفی عبداللہ بن مکتفی سریر آرائے خلافت ہوا۔ گو مستکفی خلیفہ تھا مگر بالکل بے بس اور کچھ دن بعد توزون مر گیا تو ابو جعفر بن شیرزاد اس عہدے پر متمکن ہوا۔ وہ توزون سے بھی زیادہ آمر تھا۔ علی بن بویہ نے بریدی کی مدد ابن رائق کے مقابلہ میں کی تھی۔ اب شیرزاد پر احمد بن بویہ چڑھ دوڑا اور وہ روپوش ہو گیا۔ خلیفہ نے احمد کو امیر الامراء کر دیا۔ مطیع اور طائع کے زمانہ میں احمد معز الدولہ نے خلافت کے نظم و نسق پر پورا اقتدار جمایا۔ صرف پانچ ہزار درہم روزانہ خلیفہ کو ملتے۔ ابن بویہ نے خلیفہ کے ساتھ ناروا سلوک جائز رکھے۔[1]

عضد الدولہ دیلمی نے طائع کو اس قدر مجبور و لاچار کر دیا تھا کہ جب وہ سفر سے آتا خلیفہ استقبال کو نکلتے۔ جب ہر دو کے تعلقات بگڑ گئے تو دو ماہ تک طائع کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور خلیفہ کو مجبور کرا کہ اپنی ڈیوڑھی پر تین وقت نوبت بجنے کا حکم صادر کرایا مگر عام مجلسوں میں یا دربار میں عضد الدولہ نیازمندانہ حیثیت سے پیش آتا تھا۔[2] عضد کے مرنے پر اس کا بیٹا صمصام الدولہ جانشین ہوا۔ پھر شرف الدولہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے صمصام کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور وہ اندھا ہو گیا تو خلیفہ نے شرف الدولہ کو نوازا۔[3] اس کے مرنے پر ابو نصر جانشین ہوا۔ طائع نے سات خلعتیں مرحمت کیں۔ تلوار کے سایہ میں خلیفہ کے حضور میں لایا گیا۔ زمین بوس ہو کر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۳ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۱-۲۷۰

[4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۱ - ۲۷۰ -

کرسی پر بیٹھا۔ اُس نے ہی طائع کو معزول کیا اور قادر کو خلیفہ مقرر کیا۔ قادر حکومت کی صلاحیت رکھتا تھا تہجد گزار تھا خیرات و صدقات کا خوگر تھا حسنِ سیرت اور حسنِ اطوار میں ممتاز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذہبی عقائد نہایت اچھے تھے [1]

مگر ابو نصر بہاء الدولہ نے اپنا اقتدار بڑھا لیا۔ خلیفہ معطل سے تھے قادر کے بعد قائم خلیفہ ہوا مگر سیاسی حیثیت ان کی کچھ نہ تھی۔ وہ عالمِ اسلامی پر حکومت ضرور کرتے تھے مگر نظم و نسق میں کوئی دخل نہ تھا۔ بہاء الدولہ کا غلام ابو الحارث ارسلان بن عبداللہ ساکن بسا (فارس) جو بساسیری کے نام سے مشہور ہے۔ ۴۵۰ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی اور آلِ بویہ کا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ بساسیری نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور ظلم و ستم ایسے توڑے کہ تنگ آ کر خلیفہ نے طغرل بک سلجوقی سے امداد چاہی۔ اُس نے آکر بساسیری کو نکال باہر کیا اور آلِ بویہ کی سلطنت کا جنازہ بھی عراق میں دفن کر دیا۔

سلاجقہ کے دورِ اقتدار میں خلفاء کی بے چارگی آلِ بویہ کے دور سے کچھ کم نہ تھی۔ انہوں نے بھی خلفاء کی معیشت اور گزر اوقات کے لئے جاگیریں مقرر کر دی تھیں۔ حکومت کے نظم و نسق میں دخل نہ دے سکتے تھے۔ خطبہ میں نام ضرور پڑھا جاتا البتہ یہ اپنے اوقات محلات کی تعمیر اور مرمت میں صرف کرتے تھے [2] سلاجقہ تحفہ و ہدایا خلیفہ کی خدمت میں بہت بھیجتے تھے۔ اس کے علاوہ طغرل نے قائم کی لڑکی سے شادی کی۔ مقتدی نے اسپ ارسلان کی بیٹی سے مستظہر نے ملک شاہ کی بیٹی سے اور مقتفی نے سلطان محمود کی بہن سے شادی کی' اس قدر تعلقات قائم ہو گئے مگر ملک شاہ کے دل میں خلیفہ کا یہ احترام تھا کہ مقتدی کو دارالخلافہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور صرف دس دن کی مہلت دی۔ بنائے مخاصمت یہ تھی کہ خلیفہ کے دو لڑکے تھے،

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۴ صفحہ ۳۷ [2] بغدادی زبدۃ الفکر صفحہ ۱۹۴۔

مستظہر اور ابوالفضل جعفر ابن بنت ملک شاہ خلیفہ نے مستظہر کو ولی عہد کیا۔ ملک شاہ اپنے نواسے کو ولی عہد کرانا چاہتا تھا۔ اس پر ملک شاہ نے کہا کہ مستظہر کو ولی عہدی سے خارج کردو اور بغداد جعفر کو سونپ کر خود بصرے چلے جاؤ۔[1]
مقتدی نے اپنے عہد میں نئے سرے سے اقتدار قائم کرنے کی پہل کی۔ ولی عہدی کے مسئلہ میں ملک شاہ کے کہنے کو ٹھکرا دیا۔ مستظہر نے کچھ اور ہاتھ پیر نکالے۔ مسترشد کھل کے سلاجقہ کے سامنے آگیا۔

سیوطی کا بیان ہے :-

"وہ بلند ہمت نہایت بہادر، جری، مدبر اور بڑا باہیبت خلیفہ تھا۔ اس نے خلافت کے نظم و نسق کو درست کیا اور اس میں صحیح اور بہتر تنظیم و تربیت قائم کی۔ خلافت کے امتیازات کو زندہ کیا اور اس کی عظمت کو بڑھایا۔ ارکانِ شریعت کو مستحکم کیا۔ یہ خلیفہ بذاتِ خود جنگوں میں شریک ہوتا تھا"۔[2]

مسترشد نے سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی پر چڑھائی کردی اور اسے شکست دی۔ ممکن تھا کہ اس وقت وہ سلجوقیوں کا خاتمہ کردیتا۔ مگر حاکم بصرہ زنگی کی کمک آگئی جس سے وہ سنبھل گیا۔ سلطان محمود مرا تو خلیفہ نے سلجوقی امراء کو باہم لڑوا دیا کہ وہ دست و گریباں ہوگئے۔ ادھر زنگی کی خبر لی موصل تک اسے بھگا دیا۔ مسعود سے مقابلہ ہوا۔ ایک امیر سلجوقی نے خلیفہ سے دغا کی جس کی وجہ سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسیر ہوکر خیمہ میں محبوس ہوئے جہاں باطنی گروہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خلیفہ راشد نے بھی باپ کے قدم پر قدم رکھا۔ اس کے بعد مقتفی خلیفہ ہوا۔

ذہبی کا بیان ہے :-

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۶۔

"مقتفیٰ اعظم خلفاء میں سے تھا، شجاع و بردبار تھا۔ اس نے خلافت کے امتیازات کے اُبھرنے کی راہ کو ہموار کیا۔ وہ حکومت کا تمام نظم ونسق اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ایک سے زائد بار فوج کی کامیاب قیادت کر چکا تھا۔ مستعصم کے عہد کے بعد اب تک کوئی ایسا خلیفہ نہیں ہُوا تھا جو باوجود چشم پوشی نرم خوئی اور رحمت ورافت کے اس قدر صاحب جاہ و جلال طبیعت کا صاف اور شجاع ہو۔ یہ نہایت عابد زاہد اور پرہیز گار خلیفہ تھا۔ آخر دم تک اس کی فوجوں کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا"۔ [1]

علامہ طقطقی بھی یہی کہتا ہے کہ

"مقتفی نہایت بلند مرتبہ خلیفہ تھا۔ اس نے عباسیہ کے دورِ عروج کی تجدید میں سعی عمل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا"۔ [2]

مستنجد اور مستضئ خلیفہ ہُوئے۔

اس کے بعد ناصر خلیفہ ہُوا اُس نے خوارزم شاہ کو مُنہ نہ لگایا۔ اُس نے بغداد پر حملہ کرنا چاہا تو چنگیز خاں کو خفیہ خط لکھ کر اُس نے بھڑا دیا۔ ظاہر اور مستنصر کے عہد کا قابلِ ذکر تذکرہ نہیں ہے۔ مستعصم آخری خلیفہ ہے جو تاتاریوں کے ہاتھوں ختم ہُوا۔ اس پر آگے اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ یہ تھی پانچ سو سالہ مختصر تاریخ دولت بنی عباس کی۔

اب اس بحث پر آتے ہیں کہ عجمیوں اور ترکوں کو نوازنے نے خلفاء کی کیا حالت کر دی تھی؟ یہ تمام باتیں عربوں کو نظر انداز کرنے سے پیش آئیں کیونکہ دعوتِ بنی عباس کے آغاز سے ہی عرب پائمال کئے جا رہے تھے۔ بہت کچھ پہلے لکھ چکے ہیں اب کچھ باتیں تائید میں پیش کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۲   [2] الفخری صفحہ ۲۰۴   [3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۵۔

عربوں کی ریاست وقیادت کا خاتمہ

علامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"خلیفہ منصور پہلا شخص ہے جس نے موالی کو بہت سے کاموں پر مامور کیا اور انہیں عربوں پر ترجیح دی۔ بعد میں تو یہ چیز اتنی عام ہو گئی کہ عربوں کی ریاست اور قیادت ہی سرے سے فنا ہو گئی"۔ [1]

علامہ مسعودی منصور کے بارے میں لکھتا ہے :-

"وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے اپنے موالی اور غلاموں کو عامل بنایا اور بڑی بڑی مہمات ان کو تفویض کیں۔ اس چیز کو بعد کے خلفا نے جو اس کی اولاد تھے بطور آبائی سنت کے اختیار کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب تباہ ہو گئے ان کی شان و شوکت اور عزت و مرتبہ سب ختم ہو گیا [2] بادی النظر میں یہ کہا جائے گا کہ اشک شوئی اور عام مخالفت کی وجہ سے منصور عربوں کو سلسلہ سے لگا دیا کرتا تھا جس طرح مسلم بن قتیبہ الباہلی کو بصرہ کا والی بنایا مگر اس کے ساتھ ایک مولی کو بصرہ اور انبہ کے علاقے کی ولایت پر بھی مامور کیا"۔ [2]

طبری کا بیان ہے :-

"خلیفہ منصور کا ایک غلام گندمی رنگ کا تھا۔ اپنے کام میں خوب ماہر تھا اور اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ ایک دن خلیفہ منصور نے اس سے پوچھا تم کس نسل سے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ عربوں سے ہوں یمن میں قید کیا گیا۔ دشمنوں نے قید کر کے مجھے غلام بنا دیا پہلے آپ بھی امیر کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۰ [2] مسعودی جزء ۲ صفحہ ۱۰۴ [3] ... اخبار جزء ۱ صفحہ ۲۹۰ -

خاندان میں آیا اور وہاں سے آپ کی خدمت میں منصور نے کہا۔ اس میں تو شک نہیں کہ تم بہت اچھے غلام ہو لیکن میرے محل میں میری حرم کی خدمت کرنے کے لئے کوئی عربی داخل نہیں ہو سکتا اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ خدا تمہیں معاف کرے"۔

منصور کا ہی صرف یہ عمل نہ تھا منصور کے بعد کے خلفاء کا بھی یہی طریقہ رہا۔ مجبوری درجہ عربوں سے تعلق رکھتے تھے۔

زوال کا سبب اصلی

دوسرے اسباب کے علاوہ دولتِ بنی عباس کے زوال کا سبب عربوں کو نظرانداز کر دینا تھا۔ عرب عہدوں وغیرہ سے الگ ہو کر زاویہ خاموش میں چھپ گئے اس پر طرہ یہ اور تھا کہ منصور سے لے کر مامون تک تو عجمی سراہے جاتے تھے۔ معتصم نے جاہل ترکوں کو بھرنا شروع کر دیا۔ پھر تو ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آگئی۔ حتیٰ کہ خلفاء کے عزل و نصب کے ان کو حقوق تھے۔ جب بنی بویہ نے حکومتِ بغداد ہاتھ میں لی پھر تو اور بھی گئی گزری حالت ہو گئی حتیٰ کہ آخری خلفائے بنی عباس اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ ان کی حکومت صرف مملکتِ عراق پر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ قلعہ اربل جو قریب ہی تھا ان کی حکومت سے نکل گیا تھا۔ جب مستنصر کے زمانے میں والی اربل کا انتقال ہو گیا تو خلیفہ نے اسے فتح کرنے کا ارادہ کیا اور جب وہ بمشکل تمام فتح ہوا تو بغداد میں خوشیاں منائی گئیں۔ خلیفہ کے دروازہ پر نقارے بجے اور شہر آراستہ کیا گیا۔

یہ ضرور ہے کہ احترام خلفاء کا قائم تھا۔ علامہ طقطقی لکھتے ہیں :-

ملوک اطراف پر ان خلفاء کا دینی احترام و اقتدار آخر تک باقی رہا اور شام و مصر کے بادشاہ ہر سال ان کو بڑے بڑے تحفے بھیجتے اور ان سے

اپنی اپنی ولایتوں پر حکومت کرنے کی اجازت حاصل کرتے۔ خلفاء نے صرف خطبہ و سکہ پر اکتفا کر لیا تھا۔" [1]

خلفاءِ عباسیہ کا مذہبی اقتدار

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلفائے بنی عباس کا مذہبی اقتدار ہر زمانے میں قائم رہا۔ پہلے خلیفہ بنی عباس سفاح نے بیعت کے وقت خطبہ میں کہا تھا:-

"اب اللہ رسول اُن کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب و سنت کے مطابق برتاؤ کریں گے اور وہی طریقہ رکھیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔"

تاریخ گواہ ہے کہ کہاں تک خلفاء کا اس پر عمل ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں وہ کچھ امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ خیرات و مبرات میں شاہانِ عالم سے سبقت لے گئے تھے۔ شعائرِ دین کا احترام ملحوظ رکھتے۔ ان کے عہد میں اکثر ممالک میں اسلام پھیلا، تمدنی اور معاشرتی ترقی ہوئی۔ پست قومیں بلند درجہ پر پہنچیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اسلامی روح اُن میں وہ نہ تھی جس کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ جمہوریت کے بجائے اس میں استبداد تھا۔ استبداد کے جو لازمی نقائص ہیں اُن سے وہ بچ نہ سکے عجمیوں اور ترکوں کو بڑھا کر اُن کے ہاتھوں مثل کٹ پتلی کے بنے تاہم اُن کا مذہبی اقتدار اور حیثیت ہر زمانے میں قائم رہی۔

پروفیسر علی ابراہیم حسن ایم اے نے النظم اسلامیہ میں لکھا ہے:-

"یہ ذہنوں میں جاگزیں تھا کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاحِ عالم اور دنیا کے نظام کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس

---

[1] مقدمہ الفخری

نظامِ خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔ جب خلیفہ عباسی سے دُنیاوی اقتدار سلب ہو چکا تھا اور طاقت ور امراء ترک اور بنی بویہ وسلاجقہ نے جب جی چاہا معزول کر دیا اور جی میں آیا تو قتل کر دیا۔ اس وقت بھی یہ عالمگیر ذہنیت فنا نہیں ہوئی تھی اور خلیفہ کا مذہبی اقتدار اپنی جگہ پر تھا۔"

ایک زمانہ خلفاء پر وہ بھی گزرا تھا جب صدقات پر ان کی زندگی قائم تھی۔ اس وقت بھی ان کی مذہبی فرمانروائی پر کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سے حکمران اس زبوں حالی میں بھی اس کے اقتدار کے معترف اور اس سے تفویض (نیابت) کی التجا کرتے تھے کہ ان کے عقیدہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ تھا۔ ان امراء کی حکمتِ عملی اس تفویض سے یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی بزورِ شمشیر حکومت کو مذہبی حیثیت دے دیں۔ اسی پالیسی کے ماتحت سلطان محمود غزنوی نے خلیفہ مقتدی باللہ کی خلافت کے سامنے سر جھکایا تھا۔ اور یوسف بن تاشفین شاہ "مرابطین" نے اس کی خلافت کو تسلیم کیا تھا اور اس سے شرعی تفویض کی التجا کی تھی۔ خلیفہ مقتدی نے اسے "تفویض" عنایت کی اور اس کے اختیار کردہ لقب امیر المسلمین کو برقرار رکھا۔

غرضیکہ عباسی خلیفہ عالمگیر مذہبی احترام کا مرکز تھا۔ حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہوا۔ مگر اس جلیل القدر سلطان نے بھی عباسی خلیفہ مستضئ کے نام کا خطبہ مصر بلاد مغرب یمن اور سوریہ (شام) کے منبروں پر پڑھوایا۔ خلیفہ نے بطور اظہارِ خوشنودی اسے ان ممالک کی نیابت کا شرف بخشا تھا۔ خلیفہ مستنصر نے نور الدین عمر کو بلاد یمن کی نیابت عنایت کی۔ اس خلیفہ نے شمس الدین التمش کو ہندوستان کی نیابت اور سلطان کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ التمش نے بھی اپنی سلطنت میں سکہ خلیفہ کے نام سے جاری کیا تھا۔

اس بحث ونظر کے بعد عباسی خلفاء کے عالمگیر مذہبی اقتدار کا اندازہ

دشوار نہیں تھا[1]

خُطبہ وسِکّہ آخر میں خُطبہ وسکّہ ہی خلفاء کا طغرائے امتیاز رہ گئے تھے۔

خطاب والقاب خلفاء کے دربار سے القاب وخطابات حاصل کرنا شانِ ریاست کی تکمیل کے لئے بالعموم منصور ہوتا تھا۔ پھر تو دربارِ خلافت سے خطابات اس دریا دلی سے عطا ہوئے کہ دوست دشمن سب ہی خطاب یافتہ نظر آتے۔

علاّمہ البیرونی نے الاثار الباقیہ میں لکھا ہے:۔

"خطابات کی اتنی کثرت تھی کہ اس کی وجہ سے ان کی توقیر بالکل جاتی رہی تھی"[2]

علوئین اور بنی عباس

علوئین اور بنی عباس بنی ہاشم کے چشم وچراغ تھے۔ بنی امیہ نے جو کچھ علوئین پر ظلم توڑے اس کا انتقام بھی عباس نے دل کھول کر لیا۔ مگر بنی عباس نے بھی ان اپنے اہلِ خاندان سے جو سلوک روا رکھے دعوتِ آلِ محمدؐ میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علوئین نے اپنی جان فروشی سے ان کے مدمقابل دولتِ فاطمی قائم کی۔

علامہ طقطقی مقدمہ الفخری میں لکھتے ہیں:۔

"علویوں کے پے در پے خروج سے دولتِ عباسیہ کی چولیں ڈھیلی ہوگئی تھیں۔ یہاں تک حالت ہوچکی تھی کہ آخری خلفاء کے عہد میں رعایا اپنے گھروں میں امن امان کی نیند نہیں سوتی تھی۔ قزوین کا یہ حال تھا کہ جب رات آتی تو ملاحدہ (قرمطی واسمٰعیلی) کے خوف کے مارے لوگ اپنا اپنا اثاثہ اور متاع تہ خانہ زمین دوز میں چھپا دیتے تھے"[3]

---

[1] مُسلمانوں کا نظم مملکت مطبوعہ ندوۃ المصنفین صفحہ ۱۰۳ [2] الاثار الباقیہ صفحہ ۱۳۲ [3] مقدمہ الفخری۔

قرمطہ کے بعد باطنیہ اسمعیلہ نے جو کچھ مسلمانوں پر ظلم توڑے وہ بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ تاریخ میں تفصیلی حالات ہم لکھ آئے ہیں۔

خلفاء کا غلط اقدام

بنی عباس نے اپنی دولت کے تحفظ کے لئے عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں، ترکوں سے امداد لی۔ پھر بویہ اور سلاجقہ سے معاونت چاہی۔ خوارزمی مقابل آئے تو ان کے مقابلہ میں چنگیز کو دعوت دی[1] آخرش خلیفہ ناصر کے اس کارنامہ سے اس کے پوتے ہلاکو کے ہاتھوں ان کے پوتے مستعصم کا خاتمہ ہوا۔

اگر عرب پامال نہ کئے جاتے، علوئین نظر انداز نہ ہوتے تو سیلاب تاتار کو عرب ہی روک سکتے تھے۔

بغداد کی تباہی تاتاریوں اور مسلمان امراء کے ہاتھوں

حکومت بغداد کے ختم کرانے میں علقمی و خواجہ نصیر الدین طوسی کا ہاتھ تھا ہی مگر اور مسلمان امراء بھی شریک تھے۔

چنانچہ پروفیسر براؤن لٹریری ہسٹری آف پرشیا میں لکھتا ہے :-

"نومبر ۱۲۵۶ء، ۶۵۵ھ میں ہلاکو خان بغداد پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوا اس کے ہمراہ بہت سے مسلمان امراء بھی تھے۔ ابو سعد زنگی اتابک شیراز بدر الدین ٹوٹو اتابک موصل۔ عطا ملک جوینی مصنف تاریخ "گوہاں گوشا" مشہور فلسفی اور ماہر فلکیات نصیر الدین طوسی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔"[2]

غرضیکہ دولت عباسیہ کے خاتمہ کے ذمہ دار جس قدر خود خلفائے عباسیہ تھے اتنے ہی امرائے اسلام اور سب سے بڑھ کر شیعہ سنی قضیہ کی کارفرمائی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

---

[1] الآثار الباقیہ صفحہ ۲۳۲ [2] ابن خلدون کتاب ثانی جلد نہم صفحہ ۱۸۴۔

سقوط بغداد کے وقت اسلامی حکمرانیاں

اسپین سے سمٹ کر غرناطہ مرکز تھا۔ یوسف بن نصر خلیفہ تھا شمالی افریقہ میں عمر مرتضیٰ اپنی حکمرانی کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ الجزائر میں دولت زیانیہ کا دور دورہ تھا۔ تونس میں ابو عبداللہ محمد مستنصر باللہ آمر تھا۔ مراقش میں ابو یوسف یعقوب بن عبدالحق حکمران تھا۔ مصر میں نورالدین علی فرمانروا تھا۔

یمن میں مظفر بن یوسف برسر حکومت تھا۔

صنعاء میں متوکل شمس الدین احمد تھا۔

روم میں سلاجقہ میں سے رکن الدین قزل ارسلان چہارم کا عہد تھا۔ فارس میں ابوبکر بن سعد زنگی حکمران تھا۔ کرمان پر قتلغ خاتون حکومت کر رہی تھی۔ ہند میں نصیرالدین محمود شاہ دہلی تھا۔

دولت بنی عباس کے خاتمہ پر یہ حکمرانیاں موجود تھیں۔ ہر جگہ علم کے چرچے تھے۔ علماء کی چہل پہل تھی۔ یہ تھے عباسیوں کے عروج اور زوال کے اسباب۔ مگر باعتبار شہنشاہ کے کیسے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکماء نے جو بادشاہوں کے لئے رموز مملکت مقرر کئے ہیں۔ اگر ان کو سامنے رکھا جائے سوائے چند کے باقی خلفاء پورے اترتے ہیں۔ اس کے لئے الفخری کا مقدمہ دیکھنا کافی ہے[1]۔

سلطنتِ عباسیہ کا اقبال غروب ہوا مگر علم و حکمت کا مہر درخشاں طلوع ہوا۔ گو اس وقت حکومت مختلف ٹکڑوں میں تقسیم تھی مگر علمی ترقی کو فروغ تھا۔ پہلے بغداد مرکز تھا اس کے بعد علم و فن کے سرپرستی کے متعدد مرکز ہو گئے تھے۔

خلفائے عباسیہ کے عہد کی علمی ترقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درود مسعود کے کچھ عرصہ بعد ہی جزیرہ نمائے عرب

---

[1] مقدمہ الفخری از علامہ طقطقی متوفی سنہ ۷۰۳ھ۔

سے حق پرستی کا نور مشرق سے مغرب تک برق لامعہ کی طرح پھیلا اور حضورؐ کے وصال سے ایک سو برس تک کے اندر ہی اندر تہذیب وتمدن وعدل وانصاف کے ساتھ علم و ہُنر کی ترویج، اشاعت میں عرب ملل عالم سے گوئے سبقت لے گئے۔ خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ کے تقریباً صد سالہ دَور کے اختتام تک یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عرب چین سے لے کر بحر اٹلینٹک تک حکمران ہو گئے تھے حتیٰ کہ بحر و بر پر ان کا کوئی مدِمقابل نہ رہا۔ اگر عرب خانہ جنگی میں مُبتلا نہ ہوتے تو کیا عجب ربع مسکون پر ان کا ہی تسلط نظر آتا۔ بنی امیہ کے ابن عم بنی عباس نے عنان فرمانروائی ان سے بقوت حاصل کی۔ یہ دینی علم وفضل کا گھرانہ تھا۔ دنیائے علم وحکمت پر بھی انہوں نے فاتحانہ قبضہ جمایا۔

قاضی صاعد بن احمد اندلسی کا بیان ہے :-

> "صدر اسلام میں اہلِ عرب نے علوم وفنون کی طرف توجہ زیادہ نہیں کی ان کی دل چسپی کا مرکز ان کی زبان تھی یا احکام شریعت۔ ہاں طب وسیر اس سے مستثنیٰ تھے۔"

خلیفہ سفاح کے بعد منصور سریر آرائے خلافت ہوا اس نے بغداد کی بنا ڈالی اور دار الحکومت قرار دیا جو نصف صدی کے اندر عظیم الشان تہذیب وتمدن کا شہر بن گیا۔ اس کی شان وشکوہ وسعت تجارت اور ترقی صنعت وحرفت اور علم وفن کا مرقع دیکھنا ہے تو "الاغانی، عقد الفرید الفہرست[1]" کا مطالعہ کافی ہے۔

خلفائے بنی عباس میں بیشتر حضرات کشور کشائی اور جہاں بانی عدل وانصاف کے پیکرِ مجسم تھے اس کے ساتھ ہی وہ فضل وکمال کے بھی یگانہ روزگار تھے۔ ان کے

---

[1] الاغانی ابوالفرج علی بن الحسین القریشی الاصفہانی متوفی ۹۶۷ء، ۳۵۶ھ عقد الفرید ابن عبدربہ قرطبی متوفی ۹۳۰ء۔

الفہرست العلوم۔ ابن ابی یعقوب الندیم الوراق متوفی ۹۹۵ء۔

دربار میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے ساتھ قدیم یونانی، ایرانی، ہندی علوم و فنون کا جو ایک عرصہ سے مُردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے احیا ہوا۔ چنانچہ جملہ علوم و فنون عربی میں ترجمہ کے ذریعے منتقل کر لئے گئے۔ عرب دماغ نے اپنے تحقیق و کاوش سے ان کو ترقی کی راہ پر لگا کر زندۂ جاوید بنا یا۔ خلیفہ منصور خود دینی علوم کا فاضل جلیل تھا۔ اس کے عہد میں حدیث و فقہ کے تمام اجزاء یکجا کئے گئے۔ چنانچہ امام مالک سے منصور نے ہی مؤطا کی تالیف کرائی۔ اس زمانے میں اور بھی مجموعہ حدیث کے مرتب ہوئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی ترتیب و تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔ محمد ابن اسحاق نے مغازی کی طرف توجہ کی۔ شیخ التفسیر ابن جریج، شیخ الحدیث اوزاعی، حضرت سفیان ثوری، حماد بن سلمہ وغیرہ نے مختلف علوم و فنون میں بیش بہا اور نادر تصنیفات و تالیفات تیار کیں۔

ان کے علاوہ لغت، نحو، معانی بیان کے تمام ذخیرے جن کا دارومدار اب تک زیادہ تر روایت اور حافظہ پر تھا۔ کتابی صورت میں محفوظ ہونے لگا۔ منصور کی توجہ علوم حکمت کی طرف بھی ہوئی۔ اس نے روم سے کتابیں منگائیں[1]۔ پھر تو یونانی زبان سے سریانی (سامی) میں اور سریانی سے عربی میں قدیم یونانی علوم و حکمت کی کتابیں منتقل ہوئیں۔

ابتدائً یہ ترجمے کسی قدر ناقص ضرور تھے لیکن علم کے پیاسے عربوں نے ان ہی کو پڑھا اور سمجھا۔ حسنِ اتفاق سے ۱۵۷ھ میں ایک ہندی سیاح بغداد پہنچا۔ اس کے پاس ہیئت کے متعلق کتاب "سندھند" تھی، منصور کے نذر گزاری۔ منصور نے محمد بن ابراہیم بن حبیب فرازی سے اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ابن ابراہیم عربوں میں پہلا منجم اور محقق ہیئت تھا۔ اس کی تحقیقات پر موسیٰ خوارزمی نے اپنی شہرہ آفاق زیج تیار کی اور یونانی ہندی متون کو باہم دیگر منطبق کیا۔ فارسی ہیئت

---

[1] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۴۴۶۔

کی کتابوں کا عربی میں الفضل بن نوبخت متوفی ۸۱۵ء ۲۰۰ھ نے جو الرشید کا مہتمم کتب خانہ تھا ترجمہ کیا۔

مذکورالذکر ہندوستانی سیاح کے ساتھ ریاضی کی کتاب بھی تھی اس میں اعداد کی کتابت ہندی طریقہ پر سمجھائی گئی تھی۔ عربوں کا مروجہ طریقہ اگرچہ رومن طریقہ سے بہتر تھا لیکن صفر کی ایجاد سے محروم ہونے سے ہندی طریقہ کے برابر سود مند نہ تھا۔ عربوں نے اس کو اپنایا۔ پھر نویں صدی میں جب ہندو حساب دانوں نے اعشاریہ کا طریقہ رائج کیا تو عربوں نے اس کے فوائد کے مدنظر اس کو بھی اختیار کر لیا۔ ہندی فنون کے علاوہ بغداد میں ایرانی علوم سے بھی استفادہ کیا۔ وہ ادب اور فنون لطیفہ تک محدود تھے۔ حکیم بید پائے کا افسانہ کلیلہ و دمنہ کو ابن المقفع نے عربی جامہ پہنایا۔ اس کے علاوہ اس نے آئین نامہ۔ مزدک۔ التاج فی سیرت نوشیرواں الادب الکبیر ادب الصغیر فارسی کتب عربی میں زیادہ ترجمہ ہوئیں۔ البتہ یونانی ادب مثلاً تصانیف ہومر و سوفوکلیس وغیرہ کو عربوں نے زیادہ توجہ سے نہیں دیکھا۔

عربوں کو یونان کی حکمت، طب، ریاضیات اور ہیئت، منطق بہت زیادہ پسند آئی۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر حکمائے یونان کے ان مضامین کے شاہکار مع شرح و تلقیط کے عربی میں منتقل کر لئے گئے۔ ابو یحییٰ ابن البطریق نے جالینوس (۲۰۰ء) بقراط (۴۳۶ ق م) کی اکثر تصانیف بطلیموس کی المجسطی اور اقلیدس کے عناصر کا ترجمہ کیا۔ ایک دوسرے مترجم شامی عیسائی یوحنا ابن ماسویہ متوفی ۸۵۷ء ۲۴۳ھ بن بختیشوع کے شاگرد اور حنین بن اسحاق کے استاد نے چند طبی مخطوطات کو عربی کا جامہ پہنایا۔

موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے کہ منصور فخر عرب خلفاء کے زمرہ میں ہے۔ اس نے سب سے پہلے عربوں کو دماغی اور ذہنی مشاغل میں مشغول کیا۔[۱]

---

[۱] تاریخ عرب صفحہ ۲۶۶۔

"گو" عربوں میں اکتساب علوم اور علمی ترقیوں کا میلان طبعاً موجود تھا، علمی مشاغل ان کے مرغوب ترین شغل تھے۔ ان میں اس بات کی طبعی استعداد تھی"۔ [1]

منصور کے جانشین خلفاء بھی علوم و معارف کی سرپرستی اور سعی ترقی میں منصور ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور اپنے مفتوحہ ملکوں سے جلیل القدر علماء کو بلوا کر دربار میں رکھا۔ ان سے یونانی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کرائے۔ کتب خانے قائم کئے۔ درس گاہیں بنوائیں تعلیم کو عام کیا۔ شاہی مدارس میں اور نیز دیگر تعلیم گاہوں میں عام و خاص ہر طبقے اور درجے کے ادیبوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی اور ان مدارس میں ارسطو، بقراط، جالینوس و اسقوریدوس اقلیدس، ارشمیدس، بطلیموس اور اپولونیوس وغیرہ حکماء کی کتابیں برابر پڑھائی جاتی تھیں جن کے ساتھ ساتھ متن قرآن شریف اور اس کی تفسیر کا درس بھی دیا جاتا تھا۔

علماء و حکماء کی خاص خاص محفلیں اور مجالس مذاکرہ علمیہ قائم کیں۔ ان مجالس میں مشکل مسائل علمیہ پر غور اور بحث ہوا کرتی تھی۔

خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید نے چیدہ چیدہ نصرانی علماء کو اپنے درباروں میں بلایا۔ یہ علماء ممالک ایشیا میں جا بجا پھیلے پڑے تھے ان پر شاہانہ انعام و اکرام کا مینہ برسایا اور ان سے یونانی اور فارسی زبانوں کی کتابیں عربی اور سریانی زبانوں میں ترجمہ کرائیں۔ [2]

اور ان علماء میں مشاہیر یہ تھے :-

ماشاء اللہ فلکی جس نے اصطرلاب اور اس کے دائرہ نحاسیہ پر کتاب لکھی۔

احمد بن محمد نہاوندی فلکی۔ یہ بھی مشاہدات و رصد افلاک میں مثل ماشاء اللہ

---

[1] تاریخ عرب [2] تاریخ عرب صفحہ ۴۰۲۔

معروف رہا۔ عربوں میں یہ علوم فلکیہ کے سب سے بڑے ماہر اور قدیم عالم تھے۔

ہارون الرشید نے بطلیموس کی المجسطی کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی کی زیرِ نگرانی حجاج بن یوسف وغیرہ سے کرایا۔ ابن یوسف مطہر نے اقلیدس کا بھی ترجمہ کیا۔

اس زمانہ میں صالح بن بہلہ ہندی عراق آیا۔ اس کا معاصر شناق (چناک) جس کی کتاب سنسکرت کا منکہ ہندی نے فارسی میں ترجمہ کیا[1] پھر یحییٰ بن خالد کے حکم سے ابو حاتم بلخی نے عربی جامہ پہنایا۔

مذکور الذکر منکہ ہندی نے اسماء عقاقیر الہند، کتاب سیرو فی الطب کا ترجمہ کیا[2]

کلیلہ و دمنہ کے مترجم نے ارسطو کی بعض منطقی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا۔ ان کے معاصر فاضل مترجم یہ تھے :-

یوحنا بن اسویہ۔ سلام الابرش۔ سہل المطران۔ عہد ہارون میں عربوں کی دماغی، ذہنی ترقیات اور ان کے علوم و فنون کی مہارت کا جو درجہ تھا اس کے اظہار کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے علمی عروج و کمال کی شہادت میں وہ بجنے والی گھڑی پیش کردیں جو خلیفہ رشید نے شارلمین شاہ فرانس کو ہدیتہً ارسال کی تھی۔ یہ گھڑی نادرہ روزگار صنعت تھی اور پانی کے ذریعہ سے چلتی تھی۔[3]

"گھڑی کا موجد یونس کاتبی متوفی ۲۶۵ھ تھا۔ جب سریر آرائے خلافت مامون اعظم ہوا تو اس نے اپنے باپ اور دادا کے قائم کردہ علمی ادارہ کو بہت زیادہ ترقی دی۔ یہ بیت الحکمتہ مامون کے ہاتھوں کچھ سے کچھ ہوگیا۔ ہارون نے اور وزرائے برامکہ نے جس قدر بیت الحکمتہ میں علمی ذخیرہ جمع کیا تھا اس سے بھی اور زیادہ مامون نے اس کو وسعت[4]

---

[1] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۴۴۸ [2] الفہرست ابن ندیم [3] تاریخ عرب سیدیو صفحہ ۲۷۲

[4] علوم عرب جرجی زیدان جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۔

دی سہل بن ہارون اس کا مہتمم تھا۔"

موسیو سیدیو لکھتا ہے:-

وہ یہ خلیفہ آفتاب فضل تھا اور بے شمار بڑے بڑے باکمال علمائے نجوم و فلک کی طرح اس آفتاب علم کو اپنے حلقے میں لئے رہتے تھے۔ مامون نے قیصر روم سے دوستی اس بنا پر کی کہ علوم و معارف کا خزانہ اس سے حاصل کرے۔ مامون نے قسطنطنیہ اور اسکندریہ، انتہیر صقلیہ سے کتابیں علوم حکمت کی منگائیں اور ان کے تراجم پر بے شمار مال و زر خرچ کیا[1]

منصور سے ہارون تک کا پہلا دور تھا دوسرا دور علمی مامون سے واثق تک کا تھا۔ اس عہد کے مترجمین کی نمایاں شخصیتیں یہ تھیں:-

یوحنا ابن بطریق۔ حجاج بن مطر۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ عبدالمسیح بن ناعمہ۔ ناعمہ قمص۔ حنین بن اسحاق۔ اسحاق بن حنین۔ ثابت بن قرہ صابی۔ حبیش بن الحسن ابن البطریق۔ سلما۔

الحجاج بن مطر و ابن البطریق و سلما صاحب بیت الحکمۃ[2]

ثابت بن قرہ شیخ المترجمین تھا۔ حران کے صابیوں میں سے تھا جو زمانۂ قدیم سے ستارہ پرست چلے آرہے تھے اور ہیئت اور ریاضی کے بالطبع دلدادہ تھے ثابت اور اس کے ساتھیوں نے ارشمیدس متوفی ۲۱۲ قم اور ابولونیس پر کائی (۲۴۷ قم) کے ریاضی کے شاہکاروں کا ترجمہ کر ڈالا اور پہلے ترجموں کی تصحیح کی۔

حنین بن اسحاق جو غریب عبادی (نصطوری) عیسائی کا لڑکا تھا۔ بنو موسیٰ بن شاکر نے اپنے علمی ذوق سے دارالترجمہ قائم کر رکھا تھا۔ اس میں حنین معہ ساتھیوں کے ملازم ہو گیا تو ماہانہ ۵۰۰ دینار مشاہرہ پاتا تھا۔ ابن خلکان نے اس کی خوشحالی کا وفیات الاعیان میں ذکر کیا ہے۔ پھر حنین بیت الحکمۃ سے متعلق ہو گیا۔ ماموفی دربار شاہی

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۷۲ [2] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۷۴۴۔

سے کتاب کے برابر وزن کا سونا انعام میں اس کو ملا کرتا۔

بقراط، جالینوس اور ارسطو کی کتابیں اور کچھ افلاطون کی کتب کے ترجمے اس عہد میں ہوئے۔

کتب بقراط:۔ کتاب فصول (ترجمہ حنین) الکسر (حنین) تقدمۃ المعرفۃ (حنین وعیسیٰ بن یحییٰ) قاطیطون (حنین) الماء والھوا (حنین وحبیش) کتاب طبیعۃ الانسان (حنین وعیسیٰ) کتاب عہد بقراط (حبیش وعیسیٰ)

کتب جالینوس:۔ کتاب الفرق۔ النصاعہ النبض شفاء الامراض۔ المزاج الطبیعہ العلل والامراض۔ تصرف علل، الاعضاء الباطنہ، الحمایات، البحران (مترجم حنین) حبیش نے ۱۸ جالینوس کی کتب کا ترجمہ کیا۔ اصطفان نے ۵ کا اور حنین نے مذکورہ کتب کے علاوہ ۱۶ کتب کا اردو ترجمہ کیا۔ بقیہ کتب کا عیسیٰ ابن صلت، ثابت ابن البطریق نے ترجمہ کیا۔

کتب ارسطو:۔ قاطیفوریاس (حنین) کتاب العبارۃ سریانی میں حنین نے متی نے عربی کا جامہ پہنایا۔

البرہان (اسحاق نے سریانی میں متی نے عربی میں کیا۔ کتاب الجدل (یحییٰ) تحلیل القیاس (تیادورس)۔

کتاب المغالطات:۔ اوالحکمۃ الموہبۃ (ابن ناعمہ اور ابوشیر نے سریانی میں، عربی میں یحییٰ نے ترجمہ کیا۔

الخطابۃ۔ کتاب العشر۔ اسماع طبعی۔ اسماء والعالم۔ الکون والفساد الاثار العلویہ النفس۔ الحیوان الاخلاق المراۃ اثولوجیا (اسحاق ابراہیم۔ ابوروح۔ حنین۔ قسطا۔ ابن ناعمہ ابن بطریق حجاج بن مطر نے مل جل کر ترجمہ کیا۔

کتب افلاطون:۔ کتاب السیاسیہ (حنین) مناسبات (یحییٰ بن عدی النوامیس (حنین ویحییٰ) طیماوس (ابن بطریق) مکتوب افلاطون بنام افرطن وکتاب التوحید الحس واللذات (یحییٰ بن عدی) اصول ہندسہ (قسطا بن لوقا) ان کے علاوہ

دیگر فلاسفہ یونانی کی کتب عہد مامون میں کثرت سے ترجمہ ہوئیں [۱]

ان ترجموں نے عربوں کے عقل و دماغ پر اثر کیا۔ پھر عربی فصاحت و تمدن پر اپنے نقوش قائم کئے۔ ہارون، مامون نے علماء و اطباء و حکماء کی جیسی قدر و منزلت کی اس کی مثال کم تاریخ میں ملتی ہے۔ جبریل بن بخت یشوع ہارون و مامون کا درباری طبیب تھا۔ وزرائے برامکہ کا بھی معالج تھا۔ جب یہ مرا ہے بقول علامہ جلال الدین قفطی آٹھ لاکھ درہم اپنے پسماندوں کے لئے چھوڑے تھے [۲]

ہیئت مامون کے عہد میں یحیٰی بن ابی منصور نے ایک فلکی زائچہ مرتب کیا جس کی تیاری میں سند بن علی کی شرکت تھی اور سند بن علی نے ۲۱۸ھ و ۲۱۹ھ میں خالد بن عبدالملک مروزی کے ساتھ ہی کام کیا تھا۔ اس نے رصدین بھی تالیف کیں اور ان دونوں علماء نے علی بن عیسیٰ اور علی بن البحتری کو اپنے ساتھ لے کر فلکی مشاہدات کئے اور شہر رقہ اور شہر تدمر کے مابین خط نصف النہار کا قیاس و اندازہ کیا۔ احمد بن عبداللہ بن حبش نے تین زائچ کواکب کی حرکات کے بارے میں تالیف کئے اور مامونی عہد کے انہی عرب علماء فلک نے سورج گہن اور چاند گہن کے وقوع اور دمدار ستاروں کے طلوع و غروب وغیرہ کا حساب لگایا اور ان سیاہ دھبوں کو دریافت کیا جو قرص آفتاب میں ہیں۔ اعتدال ربیعی، اعتدال خریفی کو رصد کے ذریعے درست طور پر جانچا اور فلک البروج کے منطقہ کا میل اندازہ لگا کر دریافت کیا [۳]

مذکورہ بالا عرب علماء میں درجہ اجتہاد اور رتبۂ امامت محمد بن ابراہیم بن جبیب الغزاری کا تھا۔ صاحب کشف الظنون لکھتا ہے:۔

"واول من علمہ فی الاسلام ابراہیم بن جبیب الغزاری ومن الکتب المصنفہ

---

[۱] ماخوذ از کشف الظنون جلد ا صفحہ ۲۴۴، ۲۴۷ [۲] اخبار الحکماء قفطی ذکر بختیشو

[۳] تاریخ عرب موسیو صفحہ ۳۷۵ -

فیہ تحفۃ الناظر و بہجۃ الاذکار و ضیاء الغین [1]۔ "

احمد بن محمد نہاوندی نے شہر جندی سابور میں اجرام سماویہ کو رصد کیا اور ۸۰۲ء سے ۸۱۲ء میں کئی جدید زائچ تالیف کئے جن کا نام "المستمل" رکھا۔ یہ فلکی تحقیقات میں عہدِ ہارون سے لگا ہوا تھا۔ موسیٰ خوارزمی جس کا ذکر آچکا ہے اس کا ہی معاصر فیلسوف عرب کندی تھا جس نے مدارس اسکندریہ و رشینیہ کی کتابوں کی مدد سے حساب، ہندسہ، حکمت، نجوم، حوادث، جوتیہ اور طب وغیرہ علوم و فنون میں دو سو کتابیں ترجمہ و تصنیف و تالیف کیں۔ کندی کا شاگرد ابومعشر فلکی تھا جس کی زیچ ابومعشر مشہور ہے [2]۔

فلکیات میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد، احمد، حسن جو امرائے عہد سے تھے انہوں نے خود اس فن میں اپنی تمام مساعی صرف کر دیں اور عرب علماء کی زیچوں کو صحیح کیا اور اس کا تکملہ کیا۔ نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ فارسی سنہ شمس میں حرکت آفتاب کا صحیح اوسط دریافت کیا۔ شہر بغداد کے مشہور دروازہ طاق کے متصل دریائے دجلہ کے ایک پل پر جو رصد خانہ تھا اس رصد خانہ میں یہ برابر فلکی مشاہدات کرتے رہتے اور منطقۃ البروج کے وسط کا میل انہوں نے دریافت کیا اور اس کی حد بھی مقرر کر دی کہ یہ میل (جھکاؤ) اتنا ہوتا ہے۔ اسی طرح عروض قمر سے عرض اکبر کے حسابوں کا فرق بھی معلوم کر لیا۔ ان بھائیوں میں بڑا محمد تھا جس نے کواکب سیارہ کی تقویمیں تیار کیں۔ ثابت بن قرہ علم الفلک میں اس کا ہی شاگرد تھا۔ ۹۰۰ء ۲۸۸ھ میں فوت ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی ماہرینِ علم ہیئت تھے جنہوں نے علم الفلک میں گراں قدر سرمایہ چھوڑا۔

اس فن میں عربوں کی مہارتِ فن اور کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض فلکی علماء نے ایسے مکانات بنائے تھے جن میں آسمان تھا، آسمان پر تارے

---

[1] کشف الظنون جلد ۱ [2] تاریخ عرب صفحہ ۳۰۶ [3] المقری نفح الطیب جلد ۲ ص ۲۳۱۔

تھے۔ بادل تھے۔ بجلیاں تھیں، سب ہی کچھ تھا۔ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سچ مچ آسمان کے نیچے کھڑا ہے۔[1]

غرضیکہ عربوں نے علم ہئیت کو بھی دیگر فنون کی طرح کمال پر پہنچا دیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آفتاب زمین سے کتنا بلند ہے اس کا حساب بھی عربوں ہی کا کارنامہ ہے[2] آلات رصد میں اسطرلاب بھی عربوں کا ایجاد کردہ ہے۔ الفزاری کے متعلق ابن ندیم کا بیان ہے۔

"وہو اول من عمل فی الاسلام اسطرلابا وعمل مبطحاً ومسطحاً"[3]

ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی کی جتنی توصیف کی جائے وہ کم ہے جہاں اس نے الجبر مقابلہ ایجاد کیا ہئیت کا بھی بڑا ماہر تھا۔

وہو من اصحاب علوم الہیئۃ۔[4]

متوکل باللہ کے زمانہ میں ممتاز سربرآوردہ ہیئت دان ماوراء النہر کا ابوالعباس احمد الفرغانی تھا جس نے متوکل کے لئے فسطاط مصر میں ایک نیل پیما تیار کیا تھا۔ اس کی بے نظیر کتاب المدخل الی ہیئۃ الافلاک ہے۔

موجد آلات رصد مامون کے رصد خانہ کے بعد رصد خانہ بنو شاکر کا تھا بغداد میں ۸۵۰ء / ۲۳۶ھ۔ ۸۷۰ء / ۲۵۶ھ موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں نے اپنے مکان میں بنایا تھا۔ بغداد میں ہی نائب سلطنت سلطان شرف الدولہ بویہ نے ۹۸۲ء / ۳۷۲ھ میں اپنے قصر میں رصد گاہ قائم کی تھی۔ جہاں عبدالرحمٰن الصوفی، احمد الصاغانی اور ابوالوفا برسرعمل تھے۔ الصوفی کی کتاب الکواکب الثابتۃ المنصور اس کی یادگار ہے۔ اس زمانہ میں علی بن یونس متوفی ۱۰۰۹ء / ۳۹۹ھ اور دوسرا الغ بیگ سمرقندی ۱۴۹۳ء ایک دوسرے بویہ رکن الدولہ (۹۳۳ء / ۳۲۱ھ) کے دربار میں ابوجعفر الخازن الخراسانی نے

---

[1] المقری نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ [2] تاریخ فلک العربی صفحہ ۴۵ [3] الفہرست صفحہ ۳۸۱، صفحہ ۳۸۳
[4] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۳۷۹۔

میل طریق الشمس کی از سر نو تعین کی اور ارشمیدس کے ایک پرانے سوال کا بھی مساوات کے ذریعے حل شائع کیا۔

علامہ ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی (۹۷۳ء ۳۶۲ھ - ۱۰۴۸ء ۴۱۵ھ) کی عمر کا بڑا حصہ ہئیت ونجوم کے مطالعہ میں گزرا۔ اس کی کتاب القانون المسعودی فی الھیئۃ والنجوم اس وقت کی ہئیت کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ البیرونی حساب میں بھی اتنا ہی ماہر تھا۔ التفہیم لاوائل صناعۃ النجوم ہندسہ وہئیت میں اس کی ایک دوسری کتاب الاثار الباقیہ ہے۔ ایڈورڈ زاخاو پروفیسر جامعہ برلن نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے اور اس زمانہ کے عرب اور دیگر مسلمان محققین کے کارناموں کو پیش نظر رکھ کر لکھا ہے کہ "اگر چوتھی صدی ہجری میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو حامد غزالی کا مذہبی اور صوفیانہ رنگ مسلمانوں پر نہ چھا جاتا تو عرب قوم گلیلو۔ کیپلر اور نیوٹن جیسے بلند پایہ محقق پیدا کرنے والی قوم ہوتی۔"

سلجوق سلطان، جلال الدین ملک شاہ کی رصد گاہ واقع رے یا نیشاپور میں عمر بن ابراہیم الخیامی (۱۰۳۸ء، ۱۱۲۳ء) کے کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کی تاریخ الجلالی کی خوبیاں جس سے پانچ ہزار سال میں صرف ایک دن کی غلطی پیدا ہوتی ہے اور جبر و مقابلہ کی کتاب جس میں ثنائی مساواتوں کا جبری و ترسیمی حل مع ترتیب تحلیل مساوات بھی سمجھایا گیا ہے۔

تیسرا علمی دور المتوکل سے مستعصم تک کا ہے۔ آخری خلیفہ بنی عباس کو ہلاکو کے ہاتھوں پائمال کرانے والا محقق طوسی جس نے ۱۲۵۹ء ۶۵۷ھ میں مقام مراغہ اپنی زیر نگرانی بحکم ہلاکو رصد گاہ بنوائی۔ یہی "زیچ ایلخانی" کا مصنف ہے۔ اس نے اقلیدس کی تعریفات و اصول موضوعہ پر تنقید کی علم المثلثات، کتاب المتوسطات بین الھندسہ والھیئۃ نزہت الناظر التذکرہ فی علم الھیئہ اس کے علمی کارنامے ہیں اس کے شریک کار رصد خانہ

۱؎ کشف الظنون

میں علامہ قطب الدین شیرازی اور کمال الدین فارسی مؤلف تنقیح المناظر جس نے قوس قزح جو ہندی توجیہ کی ہے وہی ہے جو سولھویں صدی عیسوی سے ڈیکارٹس نے شائع کی [1]

ریاضی فن ریاضی پر عرب حکماء نے جو علمی نظریہ ہندسہ میں قائم کئے جس کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے جبر و مقابلہ کا موجد خوارزمی تھا اس کے بعد اس علم کا بڑا ماہر ابو کامل شجاع بن اسلم ہے جس کی مشہور کتاب الشامل ہے۔

"ابو کامل شجاع بن اسلم کتابہ الشامل وہو من احسن الکتب فیہ ومن احسن شروحہ شرح القرشی" [2]

فن ریاضی کے سلسلہ میں علم مثلث میں بھی عربوں نے بہت کچھ کام کیا۔ نسبت مثلثہ کے عداد میں عربوں ہی نے سب سے پہلے مماس (ٹنجینٹ) کو داخل کیا۔ تناسب جیوب کا قانون بھی عربوں ہی کے انکشاف کا نتیجہ ہے اور ان کے فخر کو یہ کافی ہے کہ کوئی مثلثات کے حل کا عام قاعدہ انہی نے بنایا۔ نظیر مماس اور قاطع اور اس کی نظیر ان چیزوں کے لئے جدولیں بھی سب سے پہلے عربوں نے تیار کیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ علم المثلثات میں عربوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ اس پر اضافہ ہو سکے"۔

کیمیا

فن کیمیا کے ایجاد کا سہرا شہزادہ خالد بن یزید اموی کے سر ہے۔ ہوس کے ذوق میں یہ کام اس نے شروع کیا مگر نئی راہیں سامنے آئیں جس سے جدید کیمیاوی اکتشافات ہوئے تو اس نے ایک معمل قائم کیا اور علماء کو بلوا کر کتب طب کے بھی ترجمہ کرائے۔

ابن ندیم کا بیان ہے :-

"خالد نے چند مصری علماء طلب کئے جنہوں نے دمشق میں رہ کر علمی کتابوں کے ترجمہ کئے۔ ان علماء میں ایک پادری مرنا یونس تھا جس نے خالد کو علم کیمیا

---

[1] قرون وسطیٰ میں عرب و عجم کے حکماء کی علمی تحقیقات ص۲۶ از علامہ محمد عبدالرحمن صدر حیدر آباد اکاڈمی۔

کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لئے نقل کیں "۔[1]

البیرونی خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم لکھتا ہے[2]۔

"خالد کے شاگرد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تھے جن کے فنِ کیمیا پر چند رسائل تھے۔ جابر بن حیان جو فنِ کیمیا کا امام کہا جاتا ہے وہ ان کا ہی شاگرد تھا۔ عہدِ بنی عباس میں جابر کے شاگردوں نے اس فن کو ترقی دی۔ یہی لوگ بنیادی اصول کے قائم کرنے والے تھے۔ ان عرب کیمیاگروں نے اپنے تجربی تحقیقات اور ان کے مختلف ذرائع مثلاً تحلیل، کشید قلما دکلنا د تبخیر تخلیص و ترسیب وغیرہ کی کامل توضیح کی اور متعدد نئے مرکبات خالص حالت میں تیار کئے اور اُن کے صحیح خواص بھی دریافت کئے ۔

معدنی تیزاب اور نباتاتی قلویات انہوں نے معلوم کئے۔ ان تمام پر وہ مجتہدانہ نظر رکھتے تھے اور ان عربوں نے بہت سے قدیم کیمیاوی نظریات کو باطل کر دیا تھا۔ بارود کو مرکب کی صورت میں دنیا کے سامنے عربوں نے پیش کیا۔ ابن اثیر کا قول ہے کہ عربوں نے بعض ایسی دوائیں ایجاد کی تھیں کہ اگر وہ لکڑی پر مل دی جائیں تو آگ ان پر اثر نہیں کرتی تھی ۔

مؤرخ موسیو سیدیو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

دواسازی | کیمیاوی طریقہ پر دواسازی کرنے والے دواخانے عرب ہی نے قائم کئے اور فنِ دواسازی جسے آجکل قواعد تحضیر الادویہ کے نام سے شہرت دی جاتی ہے یہ عرب کے کیمیاوی دواسازوں ہی کا متروکہ ہے "۔

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۱۶۸ [2] آثار الباقیہ صفحہ ۳۰۲ [3] الفہرست ابنِ ندیم

بہت سے نادر معدنی استکشافات عربوں کے ذریعے ظہور میں آئے۔ کیرتیک، ماء معشر اور ماء ملکی کی ترکیب اور پارہ نکال لینے اور ان کوہل کے جوہروں کا خمیر اٹھانے اور ایسی ہی دیگر کیمیاوی باتوں کا پتہ ابوموسیٰ جعفر کوفی کی تالیفات سے ملا جو آٹھویں صدی عیسوی میں مشہور عالم ہوا ہے۔ ابن وحشیہ کی بھی فن کیمیا پر تصنیف، کتاب الاصول الکبیر فی الصنعۃ مشہور ہے[1] عثمان بن سویدا بوحری الاخمیمی جس کی کتاب الکبریت الاحمر ہے[2]

معدنیات، حیوانیات و نباتیات

سے بھی عربوں کو لگاؤ تھا عطارد بن محمد الحاسب کی کتاب منافع الاحجار اس کے سوا شہاب الدین التفاشی کی ازہار الافکار فی جواہر ہے۔ اس میں ۲۴ قیمتی پتھروں کا محل وقوع جغرافی حالات صفائی تحقیقی وخیالی اثرات بیان کئے ہیں۔ بلینوس اور ارسطو کے نام نہاد رسالوں کے سوا صرف عرب مصنفین ہی کے حوالے درج ہیں۔ البیرونی کے بھی اس بحث پر ایک کتاب ہے۔ علم نباتات میں عربوں نے ایک استاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس علم میں ابوعثمان ابن بیطار اور رشید الدین ابن صدری غیر فانی شہرت کے مالک ہیں۔ رشید کے ساتھ مصور رہتا تھا جو جڑی بوٹیوں کی تصویر کھینچتا تھا[3] ماہرین علم نباتات میں ابن الصوری کا جواب نہیں ملتا۔[4]

طبعیات

عربوں نے اولاً طبعیات میں تجربہ اور مشاہدہ اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کے ثبوت کرنے کے بجائے باریک اور دقیق منطقی استدلال سے کام لیا غلطیاں

---

[1] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۵۰۴ [2] ایضاً

[3] ابن ابی اجیبہ طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۲۱۹

[4] عیون الانبا فی طبقات الاطبا جلد ۲ صد ۲۱۹ شیخ موافق الدین بن قاسم بن ابی اجیبہ متوفی ۶۵۲ھ۔

اس سے درست نہ ہو سکیں۔ اس واسطے ہیولیٰ اور جزء لا یتجزیٰ اور صورت نوعیہ و جسمیہ اور حر طبعی اور خلاء کی نازک بحثوں کو اور بھی دقیق کر دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر اربعہ کی ماہیئت کی تحقیق کرنے سے قاصر رہے۔ با ایں ہمہ انھوں نے اس علم میں بعض نہایت کار آمد چیزوں کی تحقیق کی ہے۔ جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوتِ جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ پھر تو عربوں نے حکمائے یونان کی تحقیقات نظر انداز کر کے حسب عادت اس میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ آلات بنائے جن کے ذریعہ ثقل نوعی تک کا حساب رکھتے۔ ایسے ایسے پیمانہ تیار کئے کہ ایک گرام ۴۰۰۰ حصے کم وزن کا فرق تک معلوم کر لیتے تھے۔ نظریہ جذب کے متعلق بھی ... کے بہت سے اقوال ملتے ہیں [1]

روشنی کے متعلق بھی ان کے مستقل نظریات ہیں کہ اس سے پہلے کسی کی رسائی ذہن وہاں تک نہ ہوتی تھی۔ اس کی بدولت دوربین کی ایجاد ہوئی [2]

امراض چشم اور اُن کی تشریح سے متعلق بھی عربوں کا بہت سا تحریری سرمایہ موجود ...

طیارہ کا اوّلین تصوّر

فضاء آسمانی میں پرواز کا خیال بھی سب سے پہلے عرب کا آیا سب سے پیشتر اس معاملہ کی طرف ... منتقل ہوا وہ عباس ابن فرناس تھا۔ نفح الطیب میں تحریر ہے کہ :

"عباس نے اپنے جسم کو فضا میں اڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے اپنے بدن پر پَر جڑے۔ پھر دو بازو تیار کئے جیسے چڑیوں کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے فضا میں کافی عرصہ تک پرواز کی۔ لیکن یہ پہلا تجربہ اس کے لئے ایک حد تک تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اُترتے وقت اس کے جسم کے پچھلے حصہ میں کچھ چوٹ آئی۔ اسے یہ نہیں خیال رہا کہ پرندہ اُترتے وقت اپنے پچھلے حصہ سے زیادہ مدد لیتا ہے۔ عباس نے یہ غلطی کی کہ دُم نہیں بنائی"۔ [3]

---

[1] بسائط علم الفلاصفحہ ۲۲ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا [3] تاریخ الفزیکس صفحہ ۲۳ [4] ایضاً

قانون قانون باجہ بھی عربوں کی ایجاد ہے اور زریاب بغدادی نے موسیقی میں وتر خاص ایجاد کیا۔ قانون کی ابتدائی شکل معلم الثانی ابونصر فارابی کی دی ہوئی ہے۔ فارابی نے دو لکڑیوں سے ایک باجہ ایجاد کیا تھا۔ ان لکڑی کی ترتیب میں جب ذرا سا تغیر کر دیا جاتا تھا تو مختلف قسم کے راگ نکلتے تھے۔ فارابی امیر سیف الدولہ حمدانی والئ موصل کے دربار سے متعلق تھا۔ حمدانی نے اس سے سوال کیا کہ تم کو گانے بجانے کا بھی شوق ہے۔ فارابی نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک خریطہ نکالا اُسے کھولا اور اس میں سے دو لکڑیاں نکالیں انہیں ایک خاص انداز میں ترتیب دیا اور بجانا شروع کیا۔ اہلِ محفل پر یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے۔ اس کے بعد لکڑیوں میں خفیف سا تغیر کر دیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ حضار مجلس پر غنودگی طاری ہوگئی اور سب سو گئے۔ فارابی نے لکڑیاں جیب میں رکھیں اور چلتا ہُوا۔ جب سیف الدولہ کو ہوش آیا تو معلم الثانی کو ڈھنڈوا کر بلایا اور انعام واکرام سے نوازا[1]

طب طب میں عہدِ بنی عباس میں بہت سی تصانیف ہوئیں۔ ہارون کے طبیب یحییٰ بن ماسویہ نے تیس کتب طب کی شرحیں لکھیں جنہیں نے مامون کے عہد میں بقراط جالینوس کی کتب کا ترجمہ کیا۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ محمد بن زکریا رازی علی بن عباس مشہور طبیب تھے۔ آخر الذکر نے دس جلدوں میں قواعد طب کے لکھے۔ ابن سینا مشہور و معروف ہے ابن سینا اور زکریا کی تالیفات کثیر التعداد ہیں سینا نے ۱۰۳۷ء میں وفات پائی۔[2]

علم جراحی ناصر باللہ کے زمانہ میں علم جراحی نے خاص ترقی کی۔ اس سے پہلے عہد معتصم میں یوحنا بن ماسویہ نے ۸۳۶ء / ۲۲۱ھ میں نوبیہ سے ایک بندر تحفہ میں آیا تھا۔ اس کی نعش پر عمل جراحی کر کے چند ابتدائی باتیں معلوم کیں۔ مگر ناصر کے عہد میں بغداد میں حکیم عبد اللطیف المصری نے بارہویں صدی میں اس علم کی طرف توجہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صد ۷۷ [2] تاریخ الطبا صد ۱۹۵ [3] تاریخ عرب میسو صد ۲۲۷

کی۔ حسنِ اتفاق کہ اس کو ایک جگہ انسانی ہڈیوں کا ایک بڑا انبار مل گیا۔ اُس نے ہر ہڈی کی تحقیق کی اور اُن کی ساخت ترتیب وغیرہ سے متعلق متعدد نئی معلومات فراہم کیں۔ وہی علم تشریح کے بنیادی اصول قرار پائے۔ اس نے مفصل ایک رسالہ اس فن پر لکھا۔

سب سے زیادہ علم جراحت سے متعلق انکشاف زکریا رازی نے کیا۔ عمل بالید، سرجری اور آلات وغیرہ کے استعمال میں ید طولیٰ تھا۔ ابوالقاسم بن عباس الزاہروی کو خاص امتیازی درجہ حاصل ہے۔[1]

جڑی بوٹی

جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش میں عربوں نے اپنی توجہ مبذول کی اور اس کو بھی کمال پر پہنچایا۔ غرضیکہ فنِ دوا سازی کے بانی ہونے کا فخر عربوں ہی کو حاصل ہے۔[2]

جغرافیہ

فنِ جغرافیہ میں بھی عربوں کو تقدم کا شرف حاصل ہے۔ یونانی وغیرہ کتابوں کے ترجمے کئے مگر وہ ناکافی تھے خود اس فن پر توجہ کی۔ اپنے مشاہدات و تجربات سے اس کو وسیع معلومات کیا۔ بطلیموس کی اغلاط کی تصحیح کی۔[3]

یعقوب کندی نے بلینیوس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد سے خود انہوں نے اپنی تحقیق سے کتابیں لکھنا شروع کیں۔ کیونکہ عرب حج بیت اللہ کے سوق سمت کعبہ کی صحیح تعین کی ضرورت اور سیر و سیاحت و تجارت کے شغلوں سے ان کی جغرافی معلومات بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ متعدد شہروں کے عرض بلد اور طول بلد انہوں نے دریافت کئے۔

ساتویں اور نویں صدی میں مسلمان تجار ایک طرف مشرق میں بری اور بحری راہوں سے چین پہنچے۔ دوسری طرف جنوب میں انجبار اور افریقہ کے بعید ترین سواحل کا پتہ چلایا۔ مغرب میں بحر ظلمات کے کناروں تک جا پہنچے اور شمال میں روس کے اندر تک

---

[1] آلات الطب والجراحت عند العرب صفحہ ۴ [2] تاریخ تمدن الاسلامی زیدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱

[3] تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱۔

سرایت کر گئے۔ سیراف کے سلمان التاجر نے مشرق بعید کی سیاحتوں کا حال ۸۵۱ء ۲۳۶ھ میں لکھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جس سے ہند کے ساحل کی نسبت عربوں کی معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ ابن واضح یعقوبی نے اپنی کتاب البلدان میں معمولی جغرافیہ معلومات کے ساتھ معاش معلومات کا اضافہ کیا۔ قدامہ جو عیسائی پیدا ہوا اور مشرف باسلام ہو کر بغداد میں ۹۲۸ء ۳۱۶ھ کے بعد مالگذاری کا محاسب تھا اور اپنی کتاب الخراج میں خلافت بنی عباس کے صوبجات کی تقسیم سالانہ آمدنی اور نظام رسل و رسائل پر بحث کی ہے اس نوع کی جغرافی کتابوں میں ابن رستا کی الاعلاق النفیسہ ۹۰۳ء ۲۹۰ھ اور ابن الفقیہ الہمدانی کی کتاب البلدان بھی قابلِ ذکر ہیں۔

الاصطغری ۹۵۰ء ۳۲۹ھ کی المسالک والممالک کے جغرافیہ میں مختلف ملکوں کے نقشے مختلف رنگوں میں دیئے گئے ہیں مسعودی کے بعد وہ دوسرا مصنف ہے جو سجستان کی ہوا چکیوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے کہنے پر ابن حوقل ۹۴۳ء ۳۴۲ھ نے جو اسپین تک سفر کیا تھا اس کی کتاب اور نقشوں کی نظر ثانی کی۔ المقدس کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم بڑی دلچسپ بیان کی جاتی ہے۔ اس دور کا یمن کا جغرافیہ دان اور آثار قدیمہ کا تذکرہ نویس الحسن بن احمد الہمدانی جو صنعا کے محبس میں ۹۴۷ء ۳۳۴ھ فوت ہوا اپنی تصنیفات الاکلیل اور صنعت جزیرۃ العرب کی وجہ سے قابلِ ذکر ہے۔ اس دور میں سیاح الارض المسعودی نے بھی نشوونما پائی جس کا ذکر مؤرخین میں آئے گا۔

بنی عباسیہ کی خلافت کے آخری زمانہ یاقوت بن عبداللہ الحموی ۱۱۷۹ء ۱۲۲۹ مطابق ۵۷۵ھ ۶۲۶ھ مشرقی مسلمانوں میں سب سے بڑا جغرافیہ نویس تھا۔ اس کی کتاب معجم البلدان حلب میں مکمل ہوئی۔

یہ انسائیکلو پیڈیا نہ صرف اس زمانے کی جغرافی معلومات کا معدن ہے بلکہ تاریخ اقوام و بنی نوع انسان اور حیوانیات و نباتات کی گراں قدر معلومات سے مملو ہے۔ یاقوت کی دوسری تصنیف معجم الادبا بھی اس پایہ کی کتاب ہے۔ ابو معشر بغدادی متوفی ۸۶۶ء ۲۷۲ھ کا ہیئتی جغرافیہ جس میں سمندروں کے مد و جزر کا تقریباً صحیح نظریہ

یعنی شمس و قمر کا سمندر کے پانی پر اثر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے [۱]

تاریخ عربی تاریخ کا سرچشمہ صرف عرب کے اشعار دوں کی ضرب المثلوں کے مجموعے اور آغانی ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں بے شمار مؤرخ بھی گزرے ہیں جنہوں نے مختصر و مفصل تاریخیں قابلیت کے ساتھ تالیف و تصنیف کی ہیں اور ان سے عربوں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ نے عرب مؤرخین کی ایک ہزار تین سو تاریخی تصانیف کا شمار کرایا ہے اور یحیٰی آفندی نے اپنی کتاب اُتاریخ میں لکھا ہے کہ عرب مؤرخین کی تصانیف تاریخیہ نہایت خوش ترتیب ہیں [۲]

تاریخ و سیر سے مسلمانوں کو دلی شغف تھا۔ دولتِ بنی امیہ کے عہد میں اس پر خاص توجہ ہوئی۔

محمد بن اسحاق (۱۴۹ھ / ۷۶۷ء) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبات لکھی جو ابن ہشام کی صورت میں (۲۰۹ھ / ۸۳۴ء میں) شہرت پذیر ہوئی۔ ابن قیرہ صابی نے ۱۹۰ھ میں تاریخ لکھی اور موسیٰ ابن عقبہ (۱۳۹ھ / ۷۵۸ء) الواقدی (۲۰۸ھ / ۸۲۳ء) کی کتاب المغازی۔ ابن سعد (۲۳۰ھ / ۸۴۵ء) کی طبقات عبدالحکم (۲۵۷ھ / ۸۷۰ء) کی فتوح مصر اخبار ہا احمد بن یحیٰی البلاذری (۲۵۷ھ / ۸۹۳ء) مصنف فتوح البلدان و انساب الاشراف ابی عمر بن محمد بن یوسف الکندی ۲۲۶ھ تاریخ قضاۃ مصر ابن قتیبہ (محمد بن مسلم الدینوری (۲۷۶ھ / ۸۸۹ء) کی کتاب المعارف احمد بن داود الدینوری (۲۸۲ھ / ۸۹۵ء) کے اخبار الطوال حمزہ الاصفہانی متوفی ۹۶۱ء اور ابن واضح الیعقوبی ابن مسکویہ صاحب تجارب الامم ابو جعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ / ۹۲۳ء کی اخبار الرسل والملوک۔ ابوالحسن عزالدین ابن الاثیر موصلی مصنف الکامل فی التاریخ ۱۲ جلد (۶۰۳ھ / ۱۲۳۴ء) ابوالبغداد (۱۳۳۱ء) البدایہ والنہایہ علامہ شمس الدین بن محمد بن احمد مصری الذہبی ۷۴۶ھ / ۱۳۴۸ء۔ مصنف دول الاسلام [۳]

---

[۱] قرون وسطیٰ میں عرب اور عجم کے حکماء کی تحقیقات صفحہ ۱۹ [۲] تاریخ عرب طیبوص ۴۵۳

[۳] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۲۲۶ -

الطبری نے اپنی معلومات فراہم کرانے کے لئے ایران، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا بقول یاقوت حموی الطبری نے ۴۰ سال تک روزانہ ۴۰ ورق لکھے۔ ابوالحسن علی المسعودی نے تاریخ نویسی کے قدیم طریقہ سنہ واری اور واقعہ نگاری کو چھوڑ کر تنقیدی و سلسلہ واری طریقہ کو رواج دیا۔ ابن خلدون نے بھی اس طریقہ کی تقلید کی ۹۵۶ء، ۳۵۰ھ مسعودی کی تیس جلدوں والی تصنیف کا ایک خلاصہ موسوم بہ مروج الذہب و معادن الجواہر جو تاریخی واقعات کو ۳۳۹ء، ۹۴۷ء ۳۳۵ھ تک پہنچاتا ہے۔

بنی عباسیہ کے آخری دور میں شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان (۱۲۸۲ء ۶۸۰ھ) شام کے صدر قاضی مصنف وفیات الاعیان و انباء انباء الزمان تھا۔ اس کتاب میں ۸۶۶ سربرآوردہ تاریخی مسلمانوں کے سوانح حیات نہایت صحت کے ساتھ لکھے ہیں۔

علامہ احمد نویری شافعی کی نہایت العرب فی فنون الادب ۱۰ جلدوں میں ہے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و ادب وغیرہ ذکر کیا جائے تو مضمون بہت بڑھ جائے گا بہتر اور جامع تفسیر اور حدیث کے مجموعہ عہد بنی عباس میں ہی مرتب ہوئے۔ ان کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے الفہرست ابن ندیم اور کشف الظنون کا مطالعہ ضروری ہے۔

> "علوم و فنون کی ترقی کا یہ مختصر تذکرہ عہد بنی عباس کا ہے جو اس جگہ پیش کیا گیا۔ اس نے ہی عربوں کے نظریات و خیالات کی ندرت کاریوں سے ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا تھا۔"

جب عرب عیش و عشرت کے میدان میں اُترے تو اس میں بھی وہ سب سے بازی لے گئے اور اُن کی بزم آرائیاں آج تک لوگوں کی زبانوں پر اور کتابوں کے اوراق پر محفوظ ہیں۔ انہوں نے جب شعر و شاعری کی طرف توجہ کی تو اس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ میدان میں کوئی حریف نہیں رہ گیا۔

فنونِ لطیفہ میں بھی ان کے کارنامے مشہور و معروف ہیں۔ جب انہوں نے تعمیر پر نظر عنایت کی تو ایسے قصور و محلات تیار کئے کہ دنیا میں جنت کا نمونہ قائم کر دیا۔ ان کی عمارتوں کی خوبی و خوشنمائی، سنگینی و استحکام اور تناسب و تناسق پر جب نظر پڑتی

ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بغداد و سامرہ بصرہ موصل رقہ سمرقند[1] کے محلات سے شعراء اور ادباء کے لئے اچھا خاصا میدان ہاتھ آگیا تھا۔ مختلف شعراء نے اپنے اشعار میں اور ادباء نے اپنی نثر میں ان عمارتوں کے کمالات اور خصوصیات حُسن و جمال تشریح و تعبیر اور اصلی تصویر کھینچنے میں اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا تھا۔

غرضیکہ ممالک اسلامیہ میں حضارت و تمدن کے جو نمونہ قائم کئے وہ ایسے ہیں کہ عصر حاضر کے بڑے بڑے علماء بھی ان کا اعتراف کرتے ہیں۔

خلفائے عباسیہ کی شان و شوکت

خلفائے عباسیہ کے پاس بے شمار دولت تھی لشکر و فوج ان کے یہاں ہمیشہ نہیں رہتے تھے۔ جس پر وہ روپیہ خرچ کرتے۔ اس سے وہ زیبائش و آرائش کی طرف متوجہ ہو گئے۔ زیب و زینت کی انھوں نے عجیب و غریب چیزیں پیدا کر دیں۔ لوگوں کو انعام و اکرام بے انتہا دیئے۔

منصور حج کو سریر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد گیا تو لاکھ روپیہ اہلِ مکہ و مدینہ میں تقسیم کیا۔ مہدی نے حج کے موقعہ پر ساٹھ لاکھ دینار خرچ کر ڈالے۔ سیدہ زبیدہ عباسی ہارون کی ملکہ نے مکے تک پانی لانے کے لئے نہر کھدوائی جس میں ۲۵ لاکھ سے زیادہ دینار صرف ہوئے۔ زبیدہ عموماً لباس دیبا کا پہنتی جس کے استر میں سمور یا قماش زربفت لگایا جاتا تھا۔ اس کے کفش پا میں قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے خلیفہ مامون نے ایک ہی دن میں چار لاکھ دینار خرچ کر دیئے۔ جب یونان کا سفیر آیا تو اپنی مجلس میں ایک درخت طلائی کھڑا کیا جس میں موتیوں کے پھل لگے ہوئے تھے۔ دو سو آدمیوں سے زیادہ کے لئے چٹھیاں لکھی تھیں جس کسی نے اس چٹھی کو پایا اسکی چٹھی کی تحریر کے مطابق قطعہ زمین اور اُس کی زراعت کے لئے غلام وغیرہ مایحتاج مل گئے۔

---

[1] تاریخ عرب علیو صفحہ ۱۹۲۔

کہتے ہیں کہ اُس کے قصر میں اڑتالیس ہزار بساط تھے جن میں ساڑھے بارہ ہزار زربفتی اور طلائی تھے۔ نیز اس قصر میں سات ہزار خواجہ سرا تھے جن میں سے تین ہزار زنگی تھے۔ سات سو چوکیدار سپاہی تھے جو قصر کے باہر قصر کی حراست کرتے تھے۔

خلیفہ معتصم نے بغداد کے قریب شہر سامرہ کو ایک اونچی زمین پر آباد کیا تھا اس کی آبادی میں بے انتہا روپیہ صرف کیا اور اس میں گھوڑوں وغیرہ کے لئے اصطبل بنائے تھے جن میں لوگ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ گھوڑے باندھے جا سکتے تھے۔

خلفائے عباسیہ کی تمامت وشوکت حاصل ہو گئی تو شارلیمن بادشاہ فرانس نے ہارون الرشید کو تحفہ وہدایہ بھیجے۔ خلیفہ نے بھی اس کے مقابلہ میں اقمشہ نفیسہ، عطر آگ نکالنے والی لکڑی ایک ہاتھی اور ایک عظیم الشان خیمہ بھیجا اور ایک آواز دینے والی گھڑی بھیجی جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔[1]

عہد بنی عباس میں برقی صنعت وحرفت وتجارت منصور سے لے کر متوکل تک مسلمانوں کی معاشرت انتہائے کمال پر پہنچ گئی تھی۔ یہ مسلمات سے ہے کہ راستوں میں پوری سہولتیں حاصل، تاجر محفوظ، بری وبحری بار برداری کا انتظام معقول لازمی طور پر تجارت میں ترقی ہونا چاہیئے۔ برکات خلافت نے رعایا ملک کو تحفہ امن وامان دیکر اپنی شان وشوکت کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا تھا۔ دارالخلفا بغداد اعلیٰ شہریت میں ڈھلا ہُوا تھا۔ بغداد سے شام ومصر موصل، فارس حدود کابل تک راستے محفوظ تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بغداد تجارت کا مرکز بن گیا جس سے دولت وتمول میں بے حد ترقی ہوئی۔ بغداد کے بعد بصرہ تجارتی منڈی تھا۔ کیونکہ بصرہ سے دجلہ کے راستے آمد تھی اور بصرہ سے دوسری جگہ مال بھی جاتا تھا۔ کھجوریں سفید کچی شکر فولاد روئی، شیشہ آلات، کپڑا وغیرہ دوسرے ممالک جاتے اور دوسرے ملکوں ہندوستان اور چین تک سے مسلمان تجار مال لاکر بغداد کے بازار میں فروخت کرتے۔ تجارتی گرم بازاری نے ملکی مصنوعات کی مانگ کو

---

[1] تاریخ عرب موسیو صد ۱۹۵۔

بڑھا دیا۔ جگہ جگہ صنعتی کارخانے کھل گئے اور تھوڑے عرصہ میں عربوں نے معمولی صنعتوں کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا اور بہت سی اشیاء ایجاد کیں۔ گو بعض صنعتیں عہد بنی امیہ میں ترقی کی راہ پر لگ گئی تھیں۔ مگر عہد بنی عباس میں ان کو کمال تک پہنچا دیا۔

صنعتِ پارچہ بافی کو سلمان بن عبدالملک کے زمانہ میں ترقی ہوئی۔ چنانچہ مسعودی نے لکھا ہے :-

"اور اس کے زمانہ میں یمن کوفہ، اسکندریہ میں رنگین اور عمدہ کپڑے بنے گئے اور لوگوں نے ان کپڑوں کے جُبّے، چادریں، پاجامے، عمامے اور ٹوپیاں پہنیں"۔ [۱]

پارچہ بافی چنانچہ عباسیوں کے زمانے میں پارچہ بافی کی صنعت عروج پر تھی۔ خلافت کے ہر بڑے صوبے میں کپڑا اتنا تیار ہوتا تھا کہ مقامی طور ضروریات پوری کر کے بڑی مقدار میں منڈیوں کو بھیجا جاتا تھا اور ہر صوبہ کا خاص کپڑا ہوتا تھا جس کو بڑی شہرت ہوتی تھی۔ جنوبی عرب کے چادریں بہت مشہور تھیں۔ یہی چادریں بعد کے زمانے میں رداء عدنی کہلانے لگیں۔ کیونکہ یہ عدن میں بنائی جاتی تھیں اور وہیں سے دساور کی جاتی [۲]

عراق، ایران، یزد ابرقوبیہ میں بھی کپڑے بُنے جاتے اور دساور ہوتے [۳]۔ ہرات کے بنے ہوئے کپڑوں کی بڑی شہرت تھی [۴] کوفہ اور اسکندریہ میں ریشمی کپڑے بنے جاتے [۵] شہر تینس میں بیش قیمت کپڑے وشی۔ کتان کا کپڑا، دیبقی زربفت اطلس مخمل۔ خراسانی وغیرہ تیار ہوتے تھے [۶] تینس اور دمیاط (مصر) میں باریک تن زیب تیار کی جاتی اور سفید کپڑے کا تھان جس پر زردوزی کا کام ہوتا تھا جس کی قیمت تین سو دینار تھی، مسندیں اور شوخ رنگ فرش بھی دمیاط میں تیار ہوتے [۷] مسند

---

[۱] مروج الذہب ص۶۱۱ [۲] ابن حمدون ص۵۶ [۳] ابن حوقل ص۲۱۴ [۴] کامل ص۶۵۶
[۵] مسعودی جلد۵ ص۳۰۰ [۶] مقریزی جلد۱ ص۱۷۱ [۷] معجم البلدان۔

کی بناوٹ میں زری کا تار استعمال ہوتا۔ خالص ریشم کا نہایت بیش قیمت کپڑا دیباج بھی تیار ہوتا۔ طالقان میں اُونی کپڑے تیار ہوتے۔ نمدا طالقان کا بہت مشہور تھا۔ اونی فرش قالین یہاں بنتے۔ یہاں کے بُنے ہوئے گرم کپڑوں کی بہت شہرت تھی جو جُبّوں میں استعمال ہوتے۔ ریشم اور کلابتوں تیار کرنے کی صنعت کو بڑا فروغ ہُوا۔ بغداد میں حکومت کی طرف سے ایک محکمہ صاحب الطراز قائم ہُوا جو پارچہ بافی کے کارخانوں کا نگران تھا شاہی لباس بھی وہیں تیار ہوتے۔

زیور زیور بنانے کی صنعت کو بھی بڑا فروغ تھا۔ سادہ کار اپنے کمالات زیوروں تک محدود نہ رکھتے تھے بلکہ بعض جانوروں کے مجسمہ بنا کر خلیفہ کے حضور پیش کئے جاتے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ :-

"مہرجان کے موقعہ پر ایک مرتبہ دربارِ خلافت کے ایک امیر کو سونے کا بنا ہُوا ہاتھی عطا کیا گیا تھا جس کی آنکھیں لعل کی تھیں[1]۔ فاطمی خلیفہ جو عہدِ بنی عباس میں مصر کے حکمراں عرصہ تک رہے۔ اُن کے خزانہ میں اس قسم کی صناعی کے نوادر بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مثلاً سونے کا ایک مور جس کی آنکھیں لعل یمنی کی تھیں مینا کاری شیشے (الزجاج المیتا) کے پر تھے اور اُن پر سونے کا ملمع کیا ہُوا تھا ایک مرغ تھا جس کی کلغی لعل مروارید اور دیگر جواہرات سے مرصع تھی ایک ہرن تھا جس کے پیٹ کو سفید رنگ دینے کے لئے موتیوں سے بنایا گیا تھا ان سے زیادہ قیمتی کھجور کا ایک درخت اور طلائی باغ تھا جو صناعی کے شاہکار سمجھے جاتے تھے۔ تمام باغ سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا اور جواہرات کی مینا کاری سے مرصع تھا[2]۔ مقریزی نے ایک سنگ یشب کی چنیر کا ذکر کیا ہے جو مایدہ کہلاتی تھی۔

---

[1] مقریزی جلد ا ورق ۸۰، ص ۳ [2] مقریزی جلد ۶ صفحہ ۴۱۶۔

خلیفہ ہارون الرشید کے نبیذ پینے کے جام "بادزہر" کے تھے۔ چھریوں اور چمچوں کے دستے یشب اور عقیق کے تھے۔ بلور صافی کے برتن پلچی آفتابے بھی بنائے جاتے تھے۔

خلیفہ کے آئینہ کا پورا دستہ زمرد کا تھا۔

ہاتھی دانت اور آبنوس کی شطرنج کے مہرے اور نرد سے کھیلنے والے کھیلوں کی نردیں اور بساط بہت بنتی تھیں۔

ذہب بشکک (جالی دار) کام بھی چاندی سے کیا جاتا تھا۔

ہتھیاروں، تلواروں، بھالوں، خودوں ڈھالوں وغیرہ پر سونے چاندی کا کام ہوتا تھا[1]۔ محلات شاہی و امراء کے دولت کدوں کی دیواروں کو مزین کرنے کے لئے مطلا و مذہب کرنے اور تصویریں بنانے کا رواج تھا اس سے اس صنعت نے بھی خوب ترقی پائی۔

مصوری گو عام رواج مصوری کا نہ تھا مگر اس فن میں بھی ترقی ہوئی۔ سامرہ میں جو محلات تھے اس کی دیواروں پر تصاویر بنائی گئی تھیں۔ مقریزی نے بصرہ میں تصویر کشی کے فن کا ذکر کیا ہے۔ مصوروں کا خاندان تھا جو بنو معلم کہلاتا تھا۔ اس عہد کے مشہور مصور قیصر اور ابن عزیز تھے۔ یہ دونوں وزیر بازوری کے زمانہ میں تھے[2]۔

مصوری کے ساتھ ساتھ فنِ سنگ سازی اور لکڑی پر میناکاری کو بھی فروغ ہوا۔ مطلا و مذہب عمارت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ قلمی کتابوں میں بھی نقش و نگار کے کمالات دکھائے جاتے تھے۔ مامون کے عہد میں اس فن کے بڑے بڑے صناع تھے۔

کاغذسازی گو عہد بنی امیہ میں کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہو گئے تھے مگر عہدِ بنی عباس میں اس کو بڑا فروغ ہوا۔ اس صنعت کا مرکز دریائے نیل کے ڈیلٹا اور علاقہ دمیاط کے چھوٹے ساحلی شہر تیراہ میں تھا۔ کیونکہ کاغذ کے لئے

---

[1] مقریزی جلد ا صـ ۱۴۲ [2] مقریزی جلد ۲ صـ ۳۱۸ [3] ھ

پپے پرس درخت کی ضرورت رہتی تھی وہ اس علاقہ میں بہت پیدا ہوتا تھا۔ پیپرس کو قافیر عرب کہتے تھے اس سے جو کاغذ بنتا اس کو قرطاس کہتے [1]

معتصم کے زمانے میں سامرا میں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ کاغذ اس قدر بازار میں رہتا تھا کہ مصنف کو فراہم کرنے کی دقت نہ تھی۔ عہدِ بنی عباس میں لاکھوں کتابیں تھیں۔ خلفائے بنی عباس کا کتب خانہ مشہور ہے۔ آمد میں صلاح الدین کو کتب خانہ ملا جس میں دس لاکھ کتابیں تھیں۔ بنی فاطمہ کے کتب خانہ میں دو اڑھائی لاکھ کتابیں تھیں اور اسپین کا کتب خانہ جدا تھا۔ غرضیکہ کاغذ سازی کی صنعت کو بہت ہی فروغ ہوا۔

تاریخ و تمدن کے نقطۂ نظر سے کاغذ کی صنعت اس کی تجارت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ لکھنے کے سامان کی ارزانی ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔

جلد سازی

صنعت جلد بندی کا فروغ عہدِ مامون ہے۔ ابتدا میں جلدیں بدنما بنتی تھیں۔ ان میں ایسا چمڑا لگایا جاتا تھا جو چونے سے کمایا جاتا مگر کوفہ میں کھجوروں سے دباغت کا نیا طریقہ ایجاد ہوا جس سے نرم اور اچھا چمڑا ملنے لگا [2] جلدیں تیار کرنے اور اُن کو مزین کرنے میں بڑی صنعت دکھائی جانے لگی اور اس فن کو بڑی سرعت سے ترقی ہوئی۔ قرآن مجید کی ایسی جلدیں بننے لگیں کہ وہ سنہرے نقش و نگار سے دیدہ زیب اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتی تھیں [3]

کتب فروش

عہد بنی عباس میں بڑے بڑے کتب فروش تھے جن کے یہاں بڑے بڑے خطاط کام کرتے تھے۔ یاقوت حموی جو معجم البلدان اور ارشاد الاریب کا مصنف ہے ایک کتب فروش کے یہاں کتابیں نقل کرنے پر مامور تھا۔ بغداد کے ایک کتب فروش کے یہاں تین سو رطل قلمی کتابیں بکری کے

---

[1] ابن بیطار صفحہ ۱۲۷ [2] الفہرست صفحہ ۲۱ [3] اصفہانی جلد ۲ صفحہ ۷۔

لئے تھیں۔ ابن ندیم نے اس کے متعلق لکھا ہے :-

"ابتدائے عہدِ اسلام کے بہت سے مشہور تاریخی اشخاص کی تحریریں اس کے پاس محفوظ تھیں۔" [1]

کتابت عہدِ بنی عباس میں کثرت سے کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ ان کی نقول کے لئے ہزارہا کاتب پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے خوشنویسی کو بڑا فروغ ہوا۔

مامون کے عہدِ خلافت میں جب علم و ادب کی کتابوں کی تالیف و تصنیف و تجارت کا زور ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ طرزِ تحریر کے خوش نما بنانے پر بھی توجہ ہوئی۔ مشہور عالم و مدبر وزیر ابن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ نے عربی رسم الخط کو مدور اور خوب صورت بنانے پر خاص توجہ کی۔ اس کے بعد ابن بواب متوفی ۴۲۳ھ مشہور خوش نویس تھا جس نے حرفوں کو مدور اور جبڑ نے کے عمل کو مکمل کر کے رسم الخط کی خوشنمائی کو کمال پر پہنچایا۔ مشہور خطاط یاقوت متوفی ۶۱۸ھ نے اور بھی اس میں کمال دکھایا۔ [2]

عطرسازی عربوں کی نفاستِ طبع نے عطرسازی کو ترقی دی۔ ایران کے علاقہ فارس اور خاص کر خورستان عطریات بنانے کے لئے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ مصر میں خوشبودار تیل ڈالنے کا کارخانہ ایران کے شہر گور میں تھا اور مصر سے بور میں بھی عمدہ خوشبودار تیل ڈالنے کا کارخانہ ایران کے شہر گور میں تھا۔ خوشبودار تیلوں اور عطروں کے بنانے کی صنعت بہت جلد ان تمام ملکوں میں جو خلافتِ بنی عباس کے محروسہ میں شامل تھے وہاں عام ہو گئی۔ [3]

زراعت و فلاحت بعض خلفائے بنی عباس کو زراعت سے دلچسپی تھی چنانچہ حکومت کی طرف سے زراعت پیشہ لوگوں کو بڑی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ دریائے فرات کے کنارے زرعی خطے کچھ عرصہ میں بن گئے

---

[1] الفہرست صفحہ ۱۰ [2] مسلمانوں کی صنعت و حرفت زراعت تجارت صہ ۸۴ [3] ابن حوقل صہ ۲۱۳

مصر سے چاول لاکر ان علاقوں میں بویا گیا۔ ماش یمن میں ہوتی تھی وہ دوسرے ملکوں میں بھی بوئی جانے لگی۔ گنے کی کاشت کو بھی ترقی ہوئی۔ قطن عموماً بابلونیہ میں زیادہ ہوتی تھی وہاں سے دوسری جگہ پہنچائی گئی۔ مختلف درختوں اور نباتات کی داشت و پرداخت اور انہیں دور دراز ملکوں میں عربوں نے رواج دیا۔

آب باشی عہدِ بنی عباس میں آب باشی کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ نہریں جگہ جگہ جاری کیں۔ بغداد کی نہر صراط میں ایک پن چکی تھی جو تیز چلتی تھی اسے رحا البطریق کہتے تھے [۱]

رنگ زعفران کو اہلِ عرب نے اپنے ممالک میں خود کاشت کی۔ حنا کا پودا عربوں کی کوشش سے دنیا میں پھیلا۔

شیشہ شیشہ بنانے کی صنعت کو عہدِ عباسیہ میں بڑا فروغ ہوا [۲] ملک شام کا شیشہ مشہور تھا۔ خاص بغداد میں بھی اس صنعت نے فروغ حاصل کیا [۳] صنعت شیشہ سازی کو جلد ہی فنِ لطیف کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بہت سا بیش قیمت سامانِ تعیش و تکلف شیشے سے بننے لگا۔ شیشہ پر مینا کاری کا رواج بھی ہو گیا۔ بغداد میں اس کے کارخانے تھے۔ مقریزی نے لکھا ہے :-

"فاطمینِ مصر کے خزانہ میں ایک بلوری جام تھا جو تین سو ساٹھ دینار کا فروخت ہوا تھا" [۴]

عراق میں سفید شیشہ کی قندیل بنتی تھی جو مساجد میں ٹانگی جاتیں۔ امرا بنی عباس کے یہاں شیشہ آلات کا رواج بہت بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ فاطمین مصر کے یہاں کے شیشہ کے برتن وغیرہ اٹھارہ ہزار میں فروخت کئے گئے۔

کانیں عہدِ بنی عباس میں لوہے وغیرہ کی کانیں بھی کھدوائیں۔ چنانچہ موسیو سیدیو لکھتا ہے :-

---

[۱] یعقوبی [۲] مسعودی جلد ۸ ص ۸ [۳] کامل ص ۶۹۲ [۴] مقریزی خطط جلد ۱ ص ۴۱۴۔

"خلفائے عباسیہ نے کانیں بھی نکلوائیں، خراسان میں لوہے کی کان تھی، کرمان میں سیسہ کی کان تھی"۔ انہوں نے قار اور نفط (مٹی کا تیل) نکلوایا۔ چینی کے برتنوں کی مٹی پیدا کی، طورس کا سنگِ مرمر، اندارانی نمک اور گندھک عربوں نے ہی برآمد کئے تھے"۔[1]

کارخانہ آہن لوہے کے بالعموم برتن بنانے کے کارخانے قائم ہوئے۔ فرغانہ اس کے لئے مشہور تھا۔ یہیں سے لوہے کی اشیاء بن کر بغداد آتیں اور بکتیں۔[2]

بحرین، عمان، یمن اور خاص کر عراق میں ہتھیار اور زرہیں تیار ہوتی تھیں۔ یمن کی سیف مشہور تھی۔ دمشق میں اس کے بڑے بڑے کارخانے تھے یہیں بنتی اور ایران میں برچھیوں کا کارخانہ تھا۔

مطلا و مذہب جوشن بنتے تھے۔ اس کے علاوہ فولاد سے بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے۔[3]

غرضیکہ عہدِ بنی عباس کے عربوں نے بالعموم دھاتوں کے کام میں اتنی ترقی کی تھی کہ اسے انتہائی کمال تک پہنچا دیا تھا۔

مسلمانوں کی صنعت و حرفت پہ ایک ضخیم جلد لکھی جا سکتی ہے۔ مگر اس جگہ صرف مختصراً عہدِ عباسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۹۲   [2] ابن حوقل صفحہ ۳۸۴ ۔
[3] مقریزی جلد ا صفحہ ۴۱۵ ۔

(۷)

تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ

جس میں فراعنہ، بطالسہ، دول اسلامیہ اغلبیہ، ادریسیہ طولونیہ، اخشیدیہ، دولتِ بنو فاطمہ، ایوبیہ، دولت ممالیک بحریہ، خلفاءِ عباسیہ مصر (ممالک چرکسیہ) کے تفصیلی حالات درج ہیں

نقشۂ مصر

بحر روم
بیت المقدس
فلسطین
بحیرہ
غزہ
العریش
وادی العریش
دمیاط
رشید
اسکندریہ
دمنہور
منصورہ
طنطا
زقازیق
بنہا
وادی النطرون
قاہرہ
جیزہ
سویس
جبل القطرانی
واسطہ
فیوم
برکہ قرون
دریائے نیل
بنی سویف
جزیرہ نمائے سینا
جبل التیہ
خلیج سویس
خلیج عقبہ
عقبہ
الطور
بحر احمر

نقشہ بلاد اسلامیہ

جزیرہ صقلیہ
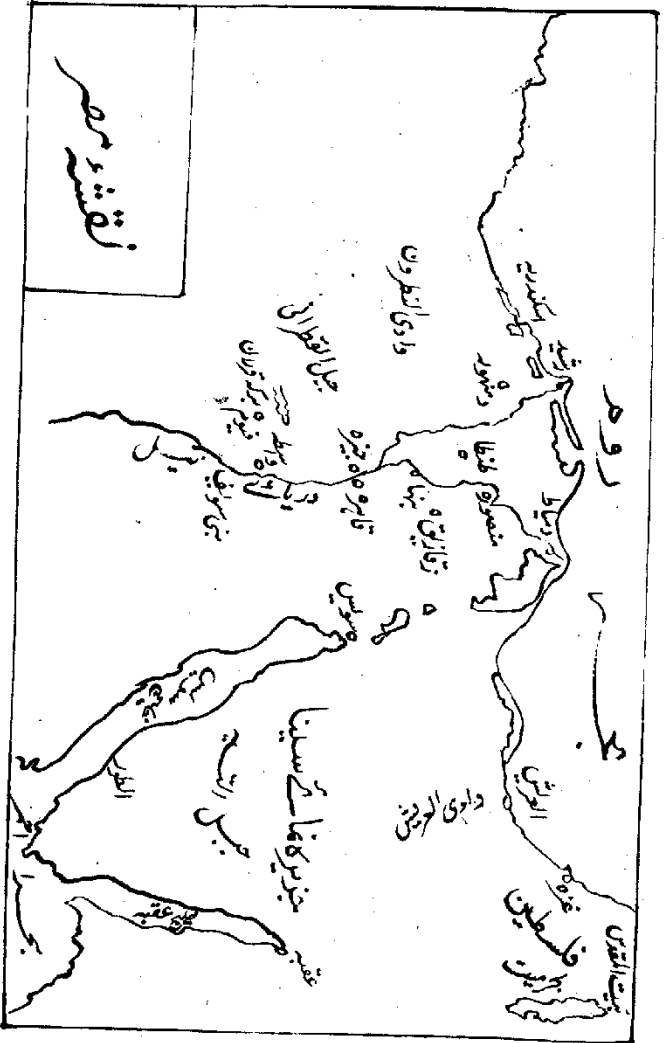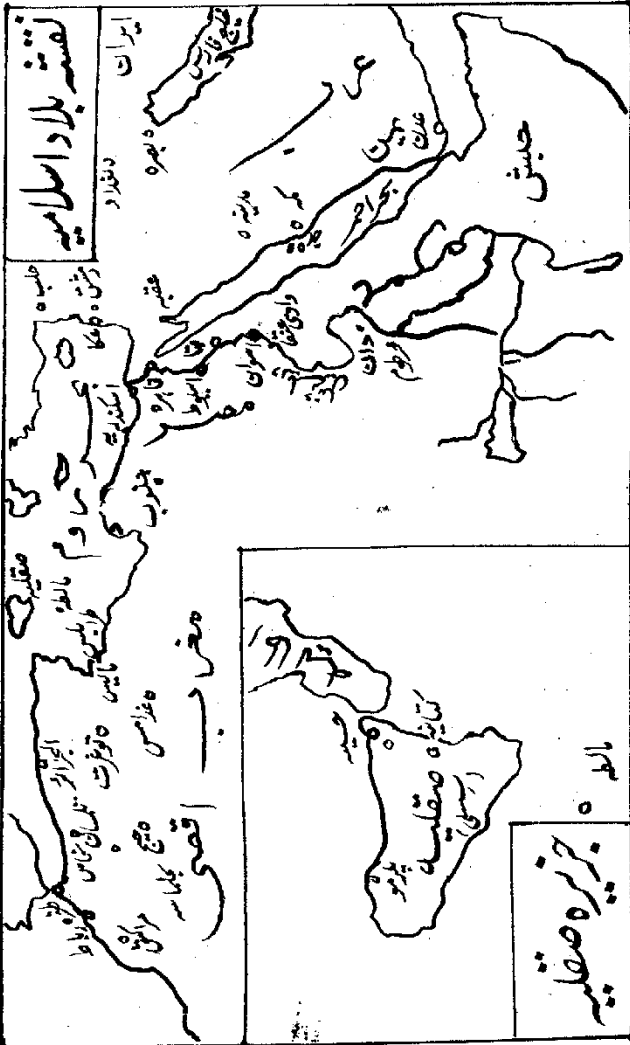
مصرِ قدیم

قدیم زمانہ میں تاریخی معلومات کا انحصار زبانی روایات اور لکھی ہوئی تحریروں پر تھا۔ آثارِ عتیقہ سے معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اثری تحقیق نے مصر کی قدامت کو دوسرے ممالک پہ فائق قرار دیا۔ کیونکہ سب سے پہلے شہنشاہی مصر ہی میں قائم ہوئی۔

اہلِ مصر علامہ ابن خلدون نے قدیم اہلِ مصر کو حام بن نوحؑ کے بیٹے مصرایم کی اولاد سے لکھا ہے۔ اثری محققین لکھتے ہیں کہ حجری عہد میں پہاڑوں کے باشندے نیچے آکر بسے۔

مصرایم کی اولاد شام سے جاکر وادیٔ نیل میں آباد ہوئی۔ ایک عرصہ بعد اُن کے پانچ طبقے ہو گئے۔ کاہن، جنگی جماعت، تاجر، کاشت کار اور گلہ بان کاہن دینی پیشوا تھے۔ ان کے حکم کو مثل معبود کے حکم کے سمجھا جاتا تھا۔ جنگی جماعت دشمنوں سے مقابلہ کے لئے، کاہنوں اور جنگی جماعت کے سوا دوسرا زمین کی ملکیت کا حق دار نہ تھا۔ تینوں طبقے تاجر وغیرہ یا ٹھیکہ یا کرایہ پر اُن سے زمین لیتے تھے۔

غرضیکہ باشندوں کا بڑا مشغلہ کھیتی باڑی تھا۔ پھر ان میں عرصہ دراز بعد چھوٹی چھوٹی سرداریاں بن گئیں تو آپس میں برسرِ پیکار ہوتے رہے۔ آخر میں دو بڑی سرداریاں بن گئیں۔ چھوٹی سرداریاں ان میں ختم ہو گئیں۔ ان کی تشکیل حکومت کی صورت میں تھی۔ بالائی مصر کا دارالحکومت تھبس اور حکومت کے نشان کا رنگ سفید تھا۔ دوسرا وسط مصر جس کا مستقر منفس اور اس کے نشان کا رنگ سرخ تھا۔ قدامت کے اعتبار سے تو بالائی مصر کا شہر تھبس پہلا شہر کہا جاتا ہے۔

مقامی حکمرانوں نے بڑے بڑے محل، مندر اونچے اونچے بُت اور وسیع تہ خانے

بنائے۔ مگر وسط مصر کے شہر منفس کو آگے چل کر مرکزیت کا موقع ملا تو وہ تھبس سے ترقی میں سبقت لے گیا۔ ۳۸۰۰ ق م یہ منفس[1] شہنشاہِ منیس کا دارالحکومت تھا جو مصر قدیم کا سب سے پہلا شہنشاہ کہلاتا ہے۔ اس نے مصریوں کے لئے آداب و رسوم مذہبی مرتب کئے۔ اکسٹھ سال تک حکومت کر کے ایک دریائی گھوڑے کے حملے سے ہلاک ہوا۔

وجۂ تسمیہ مصر | زبان قبطی میں مصر کو خم کہتے تھے۔ عبرانی میں مصریم کہا جاتا تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹوکرے میں بہتے ہوئے دریائے نیل سے نکالا تھا۔ اس جگہ کو مصریم کہتے تھے۔ آگے چل کر مصر کہا جانے لگا۔

ازمنہ قدیم میں ملک مصر کے مستقر تھیب، ممصف اور اسکندریہ تھے۔ بطالمہ یونانی الاصل تھے جو اسکندریہ کے بعد ملک کے والی ہوئے۔ انہوں نے اسکندریہ کو مستقر بنا لیا جو فتح اسلام تک راج دھانی بنا رہا۔

رقبہ | ملک مصر کا مجموعہ رقبہ تین لاکھ تراسی ہزار مربع میل ہے۔

حدود اربعہ | شمال میں بحر ابیض، مشرق میں بلاد شام و عرب اور بحر احمر جنوب میں بلاد نوبیہ، غرب میں طرابلس الغرب و صحراء۔

---

[1] شہر منفس کو نیل کے سیلابوں سے بچانے کے لئے اس زمانے میں ایک مضبوط بند باندھا گیا تھا وہ شہر تو بعد میں ۱۰۰۰ھ میں برباد ہو گیا اور اس کے ملبہ سے ہی شہر قاہرہ تعمیر ہوا۔ البتہ یہ بند تعمیر سے سات ہزار سال بعد اب تک موجود ہے۔

منفس فراعنہ مصر کا عظیم الشان شہر تھا جس کے ایک شرقی دروازے سے غربی دروازے تک پہنچنے میں کامل نصف دن صرف ہو جاتا تھا۔

یہاں ایک بارہ دری موسومہ قصر الابیض ایک سالم چٹان کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہاں بانی کا مجسمہ اکتیس فٹ اونچا ہے۔ اس شہر میں مقوقس والیٔ مصر بابلوں سے فرار ہو کر پناہ گزین ہوا تھا اور یہیں حضرت عمرو بن عاص سے صلح کی تھی۔ ۱۲

قدیم شاہانِ مصر

شاہ مینیس نے جس سلطنت کی بناڈالی اس پر تیس شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ جن کے بادشاہوں کی تعداد دوسو ستر ہوئی۔ ان کی حکومت ۵۲۵ ق م تک رجبکہ مصر کو ایرانیوں نے فتح کرلیا) رہی۔ البتہ درمیان میں غیر ملکیوں کے ایک خاندان نامی ہائیکسوس (شاہان بادیہ) نے دوسو سال تک مصر میں حکومت کی تھی جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ مگر انہوں نے بھی جو حکومت کی وہ مصریوں کے طریقے اور رسوم اختیار کرکے اور مصری شہنشاہ بن کر کی، نہ کہ اجنبی رہ کر۔

مگر باوجود اعلیٰ مرتبہ کے وسیع شاہی حکومت ہوجانے کے اس میں زمانۂ قدیم کی آبائی معاشرت کی خصوصیات قائم رہیں۔ یعنی یہ کہ خود مختار شہنشاہ کے فرائض میں یہ داخل رہا کہ وہ رعایا کی غذا کی، ان کے جان و مال کی حفاظت کا، ان میں انصاف قائم رکھنے اور مذہب کی حفاظت کرنے کا ذمہ دار ہے۔

حکومت کے کام

مصر میں بارش کا نام نہ تھا تاہم وہ دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب ملک تھا۔ یہ سب کچھ دریائے نیل[1] کے سیلابوں کی بدولت تھا۔ جو جون سے ستمبر تک آتے رہتے تھے۔ مگر ان سیلابوں میں بالعموم پانی دریا کے کناروں سے زیادہ باہر نہ نکلتا تھا اس لئے نہروں کے ذریعہ آب پاشی کی

---

[1] دریائے نیل ۳۴۷۰ میل لمبا ہے۔ ملک حبش کے قریب اس میں دو دریا گرتے ہیں۔ بحرالزراق اور بحرالغزال۔ اردگرد اس کے آبادی زراعت ہے۔ دریائے نیل نہ ہوتا تو مصر کی فرعونیت بھی نہ ہوتی۔

قریہ قلیوب کے آگے دریائے نیل کی دو شاخیں ہوگئی ہیں۔ اس قریہ کے آگے ایک عظیم الشان بند دریائے نیل کا ہر دو شاخوں پر باندھا ہے۔ اس وجہ سے یہاں زرخیزی بہت ہے۔ ۱۲ منہ

جاتی تھی۔ ان نہروں کی تیاری کا اور پانی کا انتظام بڑے پیمانہ پر حکومت کرتی تھی اور اس کی بدولت تمام ملک میں زراعت و فلاحت کی ترقی سے عام خوشحالی اور رونق تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھی نہروں کی تیاری میں علم مساحت و ہندسہ کی بنیاد پڑی۔

کاشت کاری کا انحصار چونکہ موسموں پر ہوتا ہے اس لئے چاند کے مہینوں کی جگہ مصر میں سورج کے مہینوں سے حساب لگایا جانے لگا۔ اس سے قبل گلہ بانی کے زمانہ میں چاند کے مہینوں کی جنتری کا رواج تھا۔ اس زمانے میں بادشاہوں کا محلات اور مندروں سے کہیں زیادہ اہرام بنوانے کا شوق تھا۔ یہ بادشاہوں کے مقبرے تھے جو ہزاروں سال سے آج تک بعینہٖ کھڑے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ زندہ انسان کے لئے محلات بنانے سے قبل انسان نے اپنے مرحوم اجداد کے لئے کیسا عظیم الشان شہر خموشاں آباد کیا تھا۔ یہ اہرام چاروں طرف سے مثلث نظر آتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کو دریائے نیل کے مثلث اس قدر محبوب تھے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیمتی یادگاریں بھی اسی صورت کی بنائی تھیں۔

ان[1] اہرام کی تعداد ۳۸ کے قریب ہے اور ان میں سب سے بڑا ہرم خیوپس کا ہے جو ۳۵۰۰ ق م میں چوتھے خاندان کا بادشاہ تھا۔ یہ ہرم ۴۸۰ فٹ اونچا ہے اور اس میں ستر ستر من وزن کے ۲۳ لاکھ پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ اگر اس ہرم کے ملبہ سے ایک دیوار چار فٹ اونچی اور ایک فٹ موٹی بنائے جائے تو اس کی لمبائی ۴ہ میل ہوگی۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس ہرم کے بنانے میں ایک لاکھ آدمی بیس سال تک لگائے گئے ہوں گے۔[2]

---

[1] اڑتیس اہرام میں سے جیزہ میں تین سر بفلک اہرام ہیں۔ بڑے کا نام ہرم خیفو۔ ہرم خیفرم اور ہرم منکو رہے۔ چھ چھوٹے اہرام ہیں۔

[2] مورخ ہیروڈوٹس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ان ہرم کے بنانے میں ایک لاکھ بیگاری عمال کی سخت گیری سے پابجولاں گرفتار ہوکر آتے تھے اور تین ماہ تک محض ایک عدد پیاز، ایک گاجر ایک لہسن روزانہ اُجرت کا پاتے تھے۔

غالباً اس وجہ سے کہ اس کام میں محنت زیادہ تھی اس کے مزدور ہر تین مہینے بعد سب کے سب بدل دیئے جاتے تھے۔ ہزاروں سال تک یہ کوہسار عمارتیں بالکل لایعنی سمجھی جاتی رہیں۔ مگر سائنس دانوں نے جب مختلف طریقوں سے ان کی جانچ کی تو معلوم ہوا کہ ان کا ایک ایک پتھر علم ریاضی کے حساب سے لگایا گیا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ زمین کے گول ہونے سے، اس کی جسامت سے اور اس امر سے کہ قطر کے دائرہ سے کیا نسبت ہے واقف تھے۔

سائنس کے بعض اصول جو سولہویں صدی میں جاکر دریافت ہوئے انہی اصولوں کے مطابق پانچ ہزار سال قبل یہ ہرم تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے سورج کا فاصلہ مختلف موسموں کی تبدیلیوں کی کیفیتیں اور دوسرے عملی حسابات معلوم ہوتے ہیں۔ تمام تعمیر سنگین ہے جس کے باعث اسے پتھر کی کرامات کہا جاتا ہے۔ نویں صدی عیسوی تک تو وہ پتھروں کا محض ایک انبار معلوم ہوتا تھا۔ اتفاق سے خلیفہ مامون عباسی کے زمانے میں ایک انجنیئر کو بڑی کوشش سے ایک کھڑکی مل گئی جس میں داخل ہونے پر پتہ چلا کہ اس کے اندر کے تنگ راستوں اور زمینوں سے گزر کر مختلف رقبوں کے کمرے بنے ہیں۔ ان میں سے ایک خندق جہنم کے نام سے ہے۔ دو وسیع کمرے بادشاہ اور ملکہ کے نام کے ہیں۔ اندر پتھر کا ایک خالی صندوق رکھا ہے۔ اس میں ۶۸ درجہ کی حرارت اور ۳۰ انچ ہوا کے دباؤ میں پورا ایک ٹن پانی آسکتا ہے۔

غرضیکہ وہاں جو کچھ بھی ہے وہ سب حسابات کی رُو سے بنا ہے جس سے ریاضی دان اپنی اپنی ذہانت کے مطابق عملی نتیجے نکال کر اس زمانہ کی معلومات پر حیرت کرتے ہیں۔ یہ تو سب سے بڑے اہرام کی کیفیت ہوئی۔ اس کے علاوہ جو اہرام ہیں ان میں اور نیز دیگر عمارات میں بادشاہوں، امراء اور عوام کے اجسام کی روغن شدہ ممیاں بکثرت رکھی ہیں جو ہزاروں سال سے اپنی اصلی حالت میں چلی آتی ہیں۔

مذہب تخلیق کائنات مصریوں کے عقیدہ کے مطابق دنیا کی ابتدا پانی سے ہوئی اُسی میں سے خشک زمین نکلی۔ اسی سے سورج

دیوتا نکلا۔ چنانچہ سورج دیوتا کا تورو ز دریائے نیل کے سیلاب سے پہلے دن منایا جاتا ہے۔ وہاں کے مندروں کے متصل تالاب اور بیچ میں ٹیلہ ہوتا تھا جو اس بات کی یادگار تھی کہ ابتداء میں پانی سے خشک زمین نکلی تھی۔ ہندوستان میں بھی تالاب کے وسط میں ٹیلہ پر کوئی مندر بنا ہوتا ہے تو وہ زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مصریوں کی روایات کے مطابق قدیم زمانہ میں ایک طوفان آیا تھا جس سے تمام خشک زمین ڈوب گئی تھی۔

مصری عقائد کی خصوصیات

مصریوں کا ابتدائی مذہب کثرت پرستی تھا اور ان کے عقائد کی چند خصوصیات تھیں جن میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اُن کے مقامی دیوتا بالعموم جانوروں کے اجسام میں رہتے تھے۔ مثلاً شہر منفس کے دیوتا، پتاہ یا فتاہ کی شکل بیل کی سی تھی۔ بعض دیوتا شکرہ اور بعض بھوتڑہ کی شکل میں تھے۔ بالعموم بڑے دیوتا اپنی بیوی اور بچہ کے ساتھ مل کر مانے جاتے تھے۔ مثلاً سب دیوتاؤں کا جدامجد تُم تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا شو اور ایک لڑکی ٹیفنٹ پیدا ہوئے۔ یہ تینوں مِل کر ایک سمجھے جاتے تھے۔ غالباً اسی سے تثلیث کے عقیدہ کی ابتدا ہوئی اور وہاں سے وہ بابل، فلسطین اور ایران سے گزرتا ہُوا ہندوستان اور چین تک پہنچا۔ سب سے زیادہ اس کی نشوونما فلسطین میں ہُوا۔ جہاں کہ مذہب عیسوی کے پیروؤں نے اس عام پسند عقیدۂ تثلیث کو اپنا کر اپنی تعداد خوب بڑھائی۔

موجودہ رسم و رواج کے اعتبار سے مصری عقائد میں ایک تکلیف دہ بات یہ تھی کہ دیوتا شو اور ٹیفنٹ جو حقیقی بھائی اور بہن تھے ان کا باہمی تعلق زن و شوہر کا سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ملنے سے ایک لڑکا جیب اور ایک لڑکی نٹ پیدا ہوئے اور پھر ان دونوں بھائی بہن کے میل سے مشہور دیوتا آسیرس پیدا ہُوا اور آسیرس کی بہن کے بطن سے جو اس کی بیوی بھی تھی آئی سین دیبی پیدا ہوئی۔ آسیرس مذکور مردوں کی دُنیا کا سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ مصریوں کے مندرجہ بالا عقیدہ کی وجہ سے بالخصوص شاہی

خاندان میں حقیقی بھائی بہن کی شادی نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھی جاتی تھی اور یہ رسم اس ملک میں عرصہ تک جاری رہی۔ بالآخر چھٹے خاندان سے وزیر اعظم شاہی خاندان سے باہر کا آدمی مقرر ہونے لگا اور اس کی لڑکی سے بادشاہ شادی کرتا تھا۔ تب سے خاندان سے باہر بھی شادی کرنے کا رواج ہوا۔

مصری عقائد کی دوسری خصوصیت تسلسل اور تجدید حیات تھی۔ یہ عقیدہ نہایت قدیم زمانوں سے ان میں چلا آتا تھا۔ پرانی قوموں نے مرے ہوئے انسان کی نسبت کبھی نہیں سمجھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مر گیا ہے اس لئے وہ لاش کے پاس کھانا رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی روح کھانا کھاتی ہے اور کھا کر وہ زندہ رہتی ہے۔ وہ ہر سال یا دوسرے مقررہ اوقات پر اپنے بزرگ یا بادشاہ کی لاش پر یا اس کی قبر پر ناچتے اور گاتے اور خوب کھانے کھلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے مُردہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ مصریوں میں اس پرانے عقیدے کی خوب جلا ہوئی۔ مصری اپنے مردہ بادشاہوں اور بزرگوں کی ممیاں بنا کر رکھتے تھے ان کی تجدید حیات کے لئے ان کے سامنے گاتے اور ناچتے تھے۔ ان کی تاج پوشی اور شادی کی رسوم ادا کرتے تھے۔ یہی قدیم زمانے کے عرس تھے۔

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ شہر منفس کا دیوتا پتاہ بیل کی صورت میں تھا اور وہ اپیس بھی کہلاتا تھا اور گائے کی دیبی ہے تھر کہلاتی تھی۔ اپیس دیوتا کی تجدید حیات کی سالانہ رسم بڑے اہتمام سے اس طرح ادا کی جاتی تھی کہ سالِ رواں کے دیوتا بیل یا بچار کو اس کی میعاد پوری ہونے پر قتل کر کے اس کی جگہ ایک نیا بیل پوجا کے لئے قائم کیا جاتا تھا اور مقتول بیل کا ہر سال ایک مقبرہ بنایا جاتا تھا۔ ان مقبروں کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار سال تک دیوتا اپیس کی اسی طرح پر تجدید حیات کی جاتی رہی۔ بوجہ اس کے کہ مصر کے لوگ گائے کا دودھ پینے میں اور بیل کو ہل چلانے کے کام میں لاتے تھے اس جانور کی نہایت قدر تھی۔ گائے کے دودھ سے چھوٹے بچوں کی پرورش ہوتی تھی اس لئے وہ گئو ماتا

کہلاتی تھی اور بیل جس کا نام پٹاہ تھا باپ سمجھا جاتا تھا۔ مصر کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ چاند کے اثر سے عورت کے پیٹ میں جان پڑتی ہے اور چونکہ بچہ گائے کے دودھ سے پرورش پاتا تھا اس لئے چاند کا تعلق گائے سے اس درجہ مانا گیا کہ گائے کی مورتی کے سینگوں کے درمیان چاند بنایا جاتا تھا۔

مصری عقائد کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوسری زندگی کی بڑی اہمیت تھی۔ اُس زندگی کے لئے ایک جداگانہ نظام مانا جاتا تھا جس کا چلانے والا دیوتا اسیرس تھا۔ اس کے ماتحت بے شمار دیوتا تھے اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ابتدائی انسان میں حیات بعد الممات (دوسری زندگی) کا عقیدہ مدتوں سے چلا آتا تھا۔ مگر مصریوں نے اسے پوری طرح متعین کر کے مادی شکل دے دی۔ اسی طرح زندگی کے لئے مردوں کے جسموں پر روغن کر کے انہیں ہزاروں برس تک درست حالت میں رہنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ ان کے رہنے کے لئے ایسے مکانات بنائے جاتے تھے جو زندگی میں رہنے کے مکانوں سے بہتر تھے۔ ان مکانات میں ان کی تصویریں بنائی جاتی تھیں جو اب ہزاروں سال سے قائم ہیں اور ان کے ساتھ ان کی آسائش اور آرائش اور کھانے پینے کا سامان رکھا جاتا تھا۔ ہر مردہ کے ساتھ کتاب الموتیٰ رکھی جاتی تھی جس میں دوسری زندگی کے حالات درج ہوتے تھے اور مُردہ کے لئے آسمان پر جانے کا مکمل نقشہ بنا ہوتا تھا تاکہ اسے اس سفر میں دقت نہ ہو۔ یہ سفر گائے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ گائے کی پرانی مورتیوں پر مُردہ انسان کی تصویر بنی ہے۔ اس کے پیچھے پرندہ کی شکل میں مردہ کی روح ہے اور دونوں گائے کی پیٹھ پر سوار چلے جا رہے ہیں۔

مصریوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کا دل ایک پَر سے تولا جاتا ہے۔ ان کے پرانے قبرستانوں میں ایک تصویر بنی ہوتی ہے جس میں دیوتا "طوطا" ایک بڑی ترازو میں انسان کا دل تول رہا ہے اور پاس ایک جانور رہا ہے جو گناہگار کو کھا جانے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ اس کا منہ مگرمچھ کا، دھڑ شیر کا اور

پچھلا حصہ قدیم زمانہ کے ہاتھی کا سا ہے۔ ایک تصویر میں بجتے ہوئے آدمی غلہ کاٹ رہے ہیں۔ اناج کے پودے بارہ بارہ فٹ لمبے بنے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں غلہ کی بڑی افراط ہے۔ دوسری تصویر میں کچھ آدمی ناؤ میں بیٹھے ہوئے دریا میں سیر کر رہے ہیں۔

مصری عقائد کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ جس نسبت سے کثیر التعداد چھوٹے سرداروں کے ختم ہونے پر قلیل التعداد بڑے سردار یا بادشاہ بنتے گئے اسی نسبت سے بیشمار دیوتاؤں کی جگہ چند طاقتور دیوتا قائم ہوتے گئے۔ مثلاً جب مصر میں صرف دو حکومتیں رہ گئیں تو بالائی مصر کی حکومت کے دارالحکومت طب کا دیوتا محمون یعنی سورج مقرر ہوا اور زیریں حکومت کے دارالحکومت منفس کا دیوتا پتاہ قرار پایا جو اُن کے عقیدہ کے مطابق ہوا اور پانی کو پیدا کرنے والا تھا۔

ان کے علاوہ طوط یعنی چاند قانون اور علم کا دیوتا تھا اور دوسرے دیوتاؤں کا کاتب ہونے اور مقدس کتابوں کا مصنف ہونے کی وجہ سے اس کا بڑا رتبہ تھا۔ اس زمانہ میں کاتبوں اور محرروں کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ ان لوگوں کا سرپرست طوط دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ قدیم تمدنوں میں لکھنے پڑھنے کے فن نے سب سے اوّل ترقی کی تھی۔ کاتبوں اور منشیوں کو امورِ سلطنت میں بہت دخل تھا۔ وہ لوگ درخت یا پیپروس کی چھال یا پتوں پر لکھتے تھے جو بیلن کی شکل میں لپیٹ کر رکھے جاتے تھے۔ اسی سے پیپر کا لفظ نکلا جو کاغذ کا ہم معنی ہے۔

آخرکار تمام مصر میں ایک فرعون کی حکومت قائم ہونے پر ملک کا ایک ہی بڑا دیوتا سورج قرار پایا جسے رع یا ھمون رع کہتے تھے۔ یہ اگرچہ شاہی دیوتا تھا مگر لوگوں کو اس بات کی ممانعت نہ تھی کہ وہ اپنے اپنے دیوتا کی پوجا کریں اور اس کی حمد و ثنا اور تعریف کریں۔ تعریف بالعموم ایسے الفاظ میں ہوتی تھی کہ اگر اس میں سے دیوتا کا نام نکال دیا جائے تو وہ بالکل خدائے واحد کے لئے معلوم ہوتی ہے۔ مصر کے اس قسم کے عقیدہ کو "ہینوتھیزم" یا ناقص توحید قرار دیا گیا ہے۔ دراصل

کامل توحید وہ ہے جس میں ایک معبود کے سوا دوسرے معبودوں کے وجود سے قطعی انکار کیا جائے۔ اور ناقص توحید وہ ہے جس میں صرف ایک معبود کی حمد یا پرستش مدنظر ہو اور دُوسرے دیوتاؤں کے وجود سے انکار نہ ہو۔

مصر کی توحید ثانی الذکر قسم کی تھی۔ تاہم آبائی معاشرت کے زمانہ کی کثرت پرستی اور بُت پرستی کے مقابلہ میں بہت ترقی یافتہ تھی اور بظاہر تمام ملک کا ایک بادشاہ ہو جانے کا نتیجہ تھی۔ مگر چودھویں صدی قبل مسیح میں شاہ عمون ہو تب چہارم نے اپنے دارالحکومت طب میں دیوتا آتون کا مندر بنا کر اس کی پرستش شروع کی اور "رع" کی پوجا سے جو اس شہر میں چلی آتی تھی منع کر دیا۔ اگرچہ عمون اور آتون دونوں کے معنی سورج کے تھے۔ مگر چونکہ آتون نام کا دیوتا ملک مصر سے باہر شہر متانی واقع عراق عرب سے لایا گیا تھا جو شاہ عمون ہو تب کی والدہ کا وطن تھا۔ اس لئے مصر والوں میں اس نئے دیوتا کا مندر قائم ہونے سے سخت ناراضی ہوئی اور بادشاہ اور رعایا میں سخت کشاکش ہوئی۔

بادشاہ کو اپنے عقیدے میں اس قدر غلو تھا کہ اُس نے بجز آتون کے سب دیوتاؤں کے مندر بند کرا دیئے۔ ان کی مورتی بنانے کی ممانعت کر دی تھی کہ آتون کی مورتی بھی نہیں بنائی جا سکتی تھی بلکہ محض سورج اور اس کی کرنیں بنائی جاتی تھیں۔ بادشاہ نے اپنا نام بجائے عمون ہو تب کے اخن آتون یا فخر آتون رکھ لیا تھا۔

بالآخر پروہتوں اور رعایا کی سخت مخالفت کی وجہ سے اسے شہر طب چھوڑ کر طل الامارہ میں منتقل ہونا پڑا۔ چونکہ شاہ اخن آتون یا اخناتون کو دیوتا آتون کی تنہا پرستش پر اصرار تھا اس لئے اس کی مناجاتوں میں توحید کامل کی جھلک پائی جاتی تھی جیسا کہ حسب ذیل مناجات سے جو دیوتا آتون رع کے لئے تھی معلوم ہوگا۔

"تجھ ہی نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ انسان تیری آنکھ سے اور دیوتا تیرے منہ سے نکلے ہیں۔ تجھ ہی نے مویشیوں کے لئے نباتات اور آدمیوں کے لئے پھلوں کے درخت پیدا کئے ہیں، تو ہی دریا میں مچھلیوں کو اور آسمانوں

ہیں پرندوں کو غذا پہنچاتا ہے۔ تو ہی انڈوں کے اندر جانوروں کو ہوا
پہنچاتا ہے اور کیڑوں کے بچوں کی پرورش کرتا ہے مکھیوں اور سپوؤں
کو زندگی عطا کرتا ہے۔"

ان کی بعض مناجاتوں کا مضمون بالکل زبور سے مشابہ ہے جو تین صدی بعد حضرت داؤد پر نازل ہوئی اس لئے اخن آتون کو بعض لوگ پیغمبر کہتے ہیں اور حضرت اخناتون مصری کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ آتون کو قربانیوں کے دھوئیں میں مت تلاش کرو۔ انہوں نے سحر اور افسوں سازی کو بند کر دیا جن کا مصر میں بڑا زور تھا۔ باوجود شاہ وقت ہونے کے حضرت اخناتوں مثل عوام الناس کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔ غرباء سے ملتے تھے اور ان میں توحید کی تبلیغ کرتے تھے۔ وہ جنگ سے نفور تھے اور اس قدر نرم دل تھے کہ انہوں نے سرکش شام پر چڑھائی کرنے کے مقابلہ میں اس کا اپنی حکومت سے نکل جانا گوارا کیا۔

مختصر یہ کہ مصر قدیم میں کثرت پرستی سے تثلیث کا عقیدہ ہوا۔ پھر دو حکومتوں کے زمانہ میں دو دیوتاؤں کی پرستش ہوئی جو بمنزلہ ثنویت کے تھی۔ اس کے بعد کل ملک میں ایک حکومت ہو جانے پر مینو تھزم یا توحید ناقص ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت اخناتونؑ کے عہد میں توحیدِ کامل کا عقیدہ سب عقیدوں پر غالب آگیا۔ آپؑ نے سترہؔ سال حکومت کرکے ۱۳۵۸ ق م میں صرف تیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کا جانشین آپ کا نواسہ ہوا۔ جس کا نام آپ نے اپنے معبود آتون کے نام پر توتنخ آتون رکھا تھا۔ مگر تخت نشین ہونے پر پجاریوں نے اس کا نام بدل کر توتنخ امین رکھ دیا۔

حضرت اخناتون کی ممی (مومیائی شدہ جسم) کو برباد اور مقبرہ کو مسمار کر دیا اور دین آتون کو ختم کر دیا۔ تب سے اہلِ مصر اپنے پرانے عقائد کی طرف واپس آگئے۔

اخلاقی حالت

اس سلسلہ میں مصریوں کی اخلاقی حالت کا کچھ مختصر حال لکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ مصر کی ملوکیت اور جاگیرداری کے زمانے میں عوام پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ مگر کتاب الموتیٰ کے اقتباسات سے جو مُردوں کے ساتھ قبر میں رکھی جاتی تھی مصریوں کے اعلیٰ اخلاقی محسوسات کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ حسبِ ذیل عبارت سے معلوم ہوگا۔

"مَیں نے اپنے خاندان والوں پر ظلم نہیں کیا۔ مَیں نے صداقت کی جگہ برائی نہیں کی۔ مَیں نے یہ کسی دن اصول قرار نہیں دیا کہ میرے لئے حد درجہ محنت کی جائے۔ مَیں نے اپنے نوکروں کے ساتھ خراب برتاؤ نہیں کیا۔ مَیں نے تکلیف نہیں دی۔ مَیں نے کسی شخص کو بھوکا نہیں رکھا۔ مَیں نے کسی شخص کو رُلایا نہیں۔ مَیں پاک ہوں۔ مَیں پاک ہوں۔ مَیں پاک ہوں"

اس زمانے کے گورنروں کی قبروں پر حسبِ ذیل مضمون کی عبارتیں لکھی ہیں۔

"وہ بھوکے کو روٹی دیتا تھا، پیاسے کو پانی پلاتا تھا اور ننگے کو کپڑا دیتا تھا"

یہ کتبے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مصریوں کا اخلاقی معیار کس قدر بلند تھا بے شک اس وقت ملوکیت کا دَور دورہ تھا مگر بادشاہ اور جاگیردار دونوں اپنے اپنے حدود میں اپنے کو عوام کی عافیت وصحت وخوشحالی اور فارغ البالی کے ذمہ دار سمجھتے تھے۔ عام تہذیب کی یہ کیفیت تھی کہ بچپن سے یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ:-

"اگر کوئی شخص جو تم سے عمر میں یا مرتبہ میں بڑا ہو اور وہ کھڑا ہُوا ہو تو اس کے سامنے بیٹھے مت رہو۔ تمہارے مکان میں جو آدمی آئے اس سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور اُسے کھانا کھلاؤ۔ اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ بُری طرح پیش نہ آؤ۔ اگر تم دولت مند یا بڑے آدمی ہو گئے ہو تو غریبوں کی طرف سے اپنا دل سخت نہ کرو۔ کیونکہ خدا کی نعمتوں کے تم امانت دار ہو مالک نہیں ہو۔ حرص سے بچو جو بھائی بھائی اور باپ

بیٹے کے دلوں میں نفاق ڈالتی ہے۔ کسی سے سختی سے بات کر کے اس کے دل میں خوف نہ پیدا کرو۔ عورتوں کے پیچھے مت پھرو۔ اجنبی عورت کے پاس مت پھٹکو۔ جس عورت کا شوہر دُور ہو گیا ہو اُس کے دام میں نہ پھنسو"۔

ماں کے تین سال دودھ پلانے اور اُس کے تمام احسانات کو گنا کر کہا ہے کہ جبکہ تم بیوی کے اور گھر کے مالک ہو گئے ہو تو ماں کو مت بھولو اور اُسے شکایت کا موقعہ نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ دیوتا اس کی شکایت سُن کر تم سے ناراض ہو جائیں۔

اگرچہ پرانے مصریوں کے نزدیک شراب اچھی چیز سمجھی جاتی تھی تاہم دیوتا کی طرف سے کہا گیا ہے کہ:-

"شراب کی دوکان کے قریب نہ جاؤ۔ اپنے لئے قبرستان میں ایک قبر بنی ہوئی رکھو۔ نیک آدمیوں کو بھی موت نہیں چھوڑتی۔ وہ تمہارے لئے اب بھی تیار کھڑی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کس طرح سے مرو گے۔ ان باتوں پر غور کر کے عمل کرو تو تمہیں خوشی حاصل ہو گی اور برائی تم سے دُور رہے گی"۔

مندرجہ بالا نصائح سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی سب سے پرانی شہنشاہیت میں اس وقت سے چار ہزار سال قبل لوگوں کی اخلاقی حالت کیسی تھی؟ [1]

اَدوارِ تاریخی

مصری تمدن کا آغاز ۵۰۰۴ ق م سے شروع ہوتا ہے [2]۔ مصری بادشاہوں کے پہلے دس خاندان شہر منفس میں ایک ہزار سال تک حکمران رہے۔ ۳۰۰۰ ق م میں شہر طب کو حکومت منتقل ہونے پر دوبارہ ترقی شروع ہوئی۔

۱؎ مصر قدیم کی پہلی شہنشاہی از مولانا طفیل احمد بی اے منگلوری صفحہ ۲۔۱۴۔

۲؎ دائرہ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۱۸۔

اس وقت تمام دُنیا میں تاریخی حکومتوں کی تعداد آٹھ تھی۔ ان میں سے تنہا مصری حکومت کا رقبہ ۴۵ فیصدی تھا۔ باقی ۵۵ فیصدی رقبہ سات حکومتوں کریٹ، ہیٹیا، بابل، ایران، ہند، ہنس اور چین میں تقسیم تھا۔ جس سے اس زمانے کی مصری حکومت کی وسعت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

سنہ ۴۴۰۰ ق م سے سنہ ۳۳۲ ق م عہد سکندر یونانی تک ۳۱ مختلف خاندان مصر پر فرماں روا رہے۔

پہلا[۱] خاندان سنہ ۴۴۰۰ سے سنہ ۴۱۳۳ تک رہا۔ پہلا بادشاہ مینس تھا اس کی قبر زمانۂ حال میں دریافت ہوئی ہے۔ دوسرا تتا جس نے منف میں شاہی قصر تعمیر کرایا۔ چوتھا ونفس اول جس نے کوکمہ ہرم تعمیر کرایا۔ ساتواں بادشاہ اس خاندان کا تمسوع تھا۔ آخر میں فواحش کی گرم بازاری اور فتنے برپا ہوئے۔ طینی حکومت جاتی رہی منفی دور دورا ہوا بصاد (بوثوس) اس کا پہلا حکمران تھا۔

دوسرا[۲] خاندان سنہ ۴۱۳۳ ق م سے سنہ ۳۹۰۰ تک بصاد، کاکاود، بنوترس وہنس استنس خائرس، نفرخرس، نفرکاسکر، خزرس حکمران ہوئے۔ کاکاوو (ذومر) کے عہد میں گاو پرستی ہوئی۔ بنوترس دیوتا اپنے کو سمجھتا تھا۔

تیسرا[۳] خاندان سنہ ۳۹۰۰ سے سنہ ۳۷۶۶ تک اساکا خاندان کا نامور بادشاہ ترسکم تھا اس نے سقارہ میں ایک ہرم تیار کرایا جو موجودہ اہرام میں سب سے پرانا ہے۔ اس کے عہد میں فن نقاشی اور جرالاثقال کو ترقی ہوئی [۱] تحروفس ماہرطب سنوخرس، نفرکارع، آخری اسنفرد تھا جس کے ہاتھ سے حکومت گئی۔ ابوالہول کا عظیم الشان بُت اس کے عہد کی یادگار ہے۔

---

[۱] خونویانی ہرم کی ایک اور عمارت موسوم بہ یخوت خوفو ہے جو خوفو کی خواب گاہ ہے۔ بیس سال میں ایک لاکھ مزدور کی شبانہ روز محنت شاقہ کے بعد دو لاکھ اشرفی کی لاگت پر چھبیس بگھہ اراضی کے رقبہ پر تئیس لاکھ سنگی اینٹوں سے بنی۔

چوتھا خاندان ۳۷۶۶ ق م سے ۳۵۶۶ ق م تک۔ پہلا بادشاہ اسنی فیرو تھا۔ ریگستان کے غارت گروں سے جنگ کی۔ جزیرہ نما سینا پر قبضہ کیا۔ اس کے جانشین خوفو[1] نے بمقام قسط ایک ہرم تیار کرایا۔ اس کے بعد ۳۶۶۶ ق م میں خافرا (خافرع) نے ایک بڑا ہرم بنوایا۔ اس کے وارث منکورا (من کا درع) نے دو اہرام بنوائے اور ان میں سے ایک میں خود مدفون ہوا۔ یہ عادل اور رعیّت پرور بادشاہ تھا۔ ایک ہرم جیزہ میں تعمیر کرایا تھا جو ۲۰۳ قدم بلند اور ۲۵۲ قدم عریض تھا بلکہ نیتوکرس نے جو خاندان ششم کی آخری فرمانروا تھی اس کی تکمیل کرائی۔ اسکاف اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ وہ ہندسہ اور آلات رصد کا شائق تھا۔ نو سال حکمراں رہا۔

پانچواں خاندان ۳۵۶۶ ق م سے ۳۳۳۳ ق م تک اس خاندان نے جزیرہ نما سینا کو زیر نگین رکھا اور متعدد اہرام تیار کرائے۔ اسکاف، سحور، ککا، نفروس، خبس کارع، رعنوسر، منکاحور، ددکارع، اناسی حکمراں رہے۔ علمی ترقی کے لئے یہ عہد مشہور ہے۔

چھٹا خاندان ۳۳۳۳ ق م سے ۳۰۰۰ ق م تک۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور بادشاہ (مریرع) پیپی[2] اوّل تھا۔ اس نے سقارہ میں اہرام بنوایا ملکہ منکارا نیتوکریس اس کی جانشین ہوئی۔ اتی، مریرع، مرترع اول، فیولیس، مرترع ثانی، شام تک اس کا اقتدار تھا جنگی کشتیاں تیار کی گئیں۔

مرترع ثانی اپنے امراء کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کی بہن نیتوکریس جو اس کی بیوی بھی تھی تخت نشین ہوئی۔ اس کے امراء کو مروا ڈالا اور خود بھی آگ میں جل کر مری۔

ساتواں۔ آٹھواں۔ نواں اور دسواں خاندان ۳۰۰۰ ق م سے ۲۰۰۰ ق م تک

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱، صفحہ ۱۹

[2] مریرع (پیپی اوّل) شام اور نوبیا کو محکوم کیا۔ پیپی ثانی (فیولیس) کے زمانہ میں فیروزہ، توتیا تانبے کی کانیں اور کوہ طور سے قیمتی پتھر لعل و زمرد نکالے گئے۔

چار خاندان حکمران رہے مگر ان کے حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

گیارہواں خاندان ۲۳۷۵ ق م سے ۲۲۶۶ ق م تک۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ باعظمت بادشاہ (منتوحتپ) منتھوٹیپ سوم تھا۔ اس نے ہرم بنوایا اور متعدد یادگاریں چھوڑیں۔ مدت تک اس کی پرستش ہوتی رہی مصر و عرب کے راستے درست کرائے۔ منزلیں بنوائیں۔

بارہواں خاندان ۲۲۶۶ ق م سے ۲۲۵۰ ق م تک اس عہد میں مصر نے تعمیرات اور علوم و فنون میں ترقی کی۔ قبروں پر تاریخی یادداشتیں کندہ کرائیں۔ اس خاندان کے نامور بادشاہ اُسرتیس (اسرس) سوم نے حبش فتح کیا۔ وادی حلفا میں قلعے بنوائے جو قمنہ و سمنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے جانشین اینم ہاٹ سوم نے ایک بھول بھلیاں محل بنوایا۔ اوسرس نے طلیبہ کا ہیکل تعمیر کرایا اور فیوم میں ایک تالاب کھدوایا جس کا نام مواس تھا۔

تیرھویں خاندان سے سترھویں خاندان تک۔ طیبی، سخاوی، دارسی (عمالقہ) صافی (عمالقہ) اس دور کی مدت بعض مورخ چار سو برس اور بعض ایک ہزار برس تک بتاتے ہیں لیکن بقول بستانی اس کا زمانہ ۲۲۵۰ ق م سے ۱۶۳۵ ق م تک ہے۔

عرب کے حدود سے ایک سامی قوم (مجموعہ قبائل عاد و ثمود و مفین) عمالقہ حثین[۱] نے شاہ اینم ہت بادشاہ مصر پر حملہ کیا اور مصر پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ شاشو یا یک شاش (شاہانِ بادیہ) کہلاتے تھے۔ پہلا بادشاہ سلاطیس تھا جس کا صدر مقام منفس تھا۔ پھر اس نے ادارس قلعہ بنایا۔ اس کے پاس دو لاکھ فوج تھی۔ اس کے بعد کے بادشاہ ابو صاس (ربانی اول) ابوقلیس یا ناآخری شاہ اسیس تھا۔

مصر زیریں کا سامی بادشاہ ابوملک (راقیون) تھا جس کے پاس ۲۲۰۰ ق م میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ آ گئے تھے اور آپ کے پرپوتے سالی بادشاہ ابابی اولؒ ریان بن

---

[۱] توریت مقدس

ولید (ارع کانن) کے عہد میں مصر آئے [1] اس کا وزیر قطفیر (دوفر ہدیتہ الشمس) جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا آگے چل کر حضرت یوسف ریان کے وزیر مال مقرر ہوئے۔

حضرت یعقوبؑ معہ ۹۳ نفوس کے کنعان سے مصر آئے، وادی غسان (مقام عین شمس) میں آباد ہوئے۔ عمالقہ کا دور ظالمانہ رہا، مصریوں نے قوت پیدا کر کے اپنا سردار تاعا کو بنایا اور وطنی حکومت قائم کر دی۔

اٹھارہواں ۱۸ خاندان ۱۶۳۵ء قم سے ۱۳۶۵ء قم تک۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ (امنوفس اول) تھیوٹی میس اول نے ایشیا پر حملہ کیا اور دریائے فرات تک فتوحات حاصل کر لیں۔ تھیوٹی میس سوم مشہور فاتح تھا۔ اس نے پندرہ بار شام پر حملہ کیا۔ احمس کے عہد میں عمالقہ بہت کمزور ہو گئے۔ امنوفس، تحوتمس اول، تحوتمس ثانی، ملکہ حتشپسو، تحوتمس ثالث امیوفس ثانی، تحوتمس رابع، امینوفس ثالث [2] امینوفس رابع دتوت عنخ آمن) حورمحب بادشاہ ہوئے۔

انیسواں ۱۹ خاندان ۱۳۶۵ء قم سے ۱۳۳۹ء قم تک۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ رامسیس اول تھا۔ تیسرا بادشاہ رامیس دوم ۱۳۴۰ء قم میں تخت نشین ہوا۔ یہی وہ فرعون تھا جس نے بنی اسرائیل پر مظالم کئے۔ چوتھا بادشاہ منفتاح اول (رٹپا) نام ۱۲۸۵ء قم میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس فرعون کے عہد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے گئے [3] اس کے بعد سٹی دوم ۱۲۱۵ء قم

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱، صفحہ ۲۴۔

[2] امیتوفس ثالث نے رود نیل کے بائیں جانب ایک بُت خانہ بنوایا تھا اس میں ایک بُت ایسے پتھر سے تراش کے بنایا گیا تھا جس کی طبعی خاصیت یہ تھی کہ شبنم کے بعد اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی تو اس میں سے آواز پیدا ہوتی تھی۔

[3] دائرۃ المعارف جلد ۱۷، ۱۸ صفحہ ۳۰۔ رعمسیس ثانی کو یونانی میزوسٹریس کہتے ہیں اس کا لقب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۴۳۷ پر)

میں تخت نشین ہُوا مگر حکومت پر زوال آگیا۔ اس کے بعد امن مس، منفتاح ثانی بادشاہ تھے۔ رعمسیس اول حورمحت کا سپہ سالار تھا۔ اس نے لیاقت سے حکومت پر قبضہ کیا اور برقہ فتح کیا۔

بیسواں خاندان (رعمسیسی) ۱۲۳۵ قم سے ۱۰۷۵ قم تک۔ اس خاندان کے دوسرے بادشاہ رامسیس سوم نے سلطنت کو دوبارہ مستحکم کیا اور بحری و بری فتوحات حاصل کیں۔ ایشیائے کوچک اور لیبیا قبضے میں کئے۔ آلو کی عظیم الشان سرائے اس کی تعمیر کردہ ہے جس کی دیواروں پر اس کی فتوحات کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ لقصر کی ہیکل کی مرمت کرائی۔ آخری بادشاہ رعمسیس سیزدہم کے عہد میں امون کے معبد کے کاہنوں کا سرغنہ حرحور قابض ہوگیا۔

اکیسواں[۲۱] خاندان (کہنہ) ۱۰۷۵ قم سے ۹۴۵ قم تک۔ پہلا بادشاہ حرحور تھا۔ اس کے بعد بینوزم بادشاہ ہُوا۔ منجینرع کے زمانہ میں سمندیس نے جدا حکمرانی قائم کی اس خاندان کے ایک بادشاہ پسپخانو دوم کی لڑکی سے حضرت سلیمان نے شادی کی تھی۔ غرضیکہ نمرود نے یہیں وفات پائی۔ عرابہ میں مدفون ہُوا۔ اس کے بیٹے نے شہر بسطہ میں سکونت اختیار کی اور ان سے بھی مصر میں بابل و اشور کی تہذیب آئی۔

بائیسواں خاندان (بسطی، نمرودی) ۹۵۰ قم سے ۷۴۵ قم تک۔ اس

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶ سے آگے) رعمسیس اکبر تھا۔ پرشکوہ بادشاہ تھا۔ مصری اسکی عظمت اس قدر کرتے تھے کہ معبود بنا رکھا تھا۔ شام، برقہ فتح کیا۔ کنعانیوں پر ایک لاکھ فوج سے حملہ کیا۔ بعد صلح ہوگئی۔ چاندی کے پتروں پر صلحنامہ لکھا گیا۔ لندن کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ ہیکل اور عبادت خانہ تعمیر کیا۔ پایۂ تخت ضان تھا۔ اسکی ممی لقصر سے نکلی ہے مصری عجائب خانہ میں موجود ہے۔ منفتاح اول نے باپ سے زیادہ خودسری دکھائی۔ اس کی اصلاح کے لئے حضرت موسیٰ سرگرم سعی ہُوئے۔ اس نے بنی اسرائیل (آل یعقوب) پر بڑے ظلم توڑے۔ یہ سمندر میں غرق ہوا۔ نعش ۱۹۰۴ء میں برآمد ہوئی۔ جیزہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ ۱۲

خاندان کے پہلے بادشاہ شیشنق اوّل نے حضرت سلیمانؑ کے وصال کے بعد کنعان پر حملہ کیا اور یروشلم پر عارضی فتح پائی ۔ خزانے وغیرہ لوٹ لئے اور مصر آکر کرنک کی ہیکل کی چار دیواری پر اپنی مورت بنوائی شیشنق رابع کے زمانے میں باستیس رئیس نے قبضہ کیا ۔

تئیسواں[۲۳] اور چوبیسواں[۲۴] خاندان (تانیسی) صادی ۸۵۰ ق م سے ۷۲۸ ق م تک۔ اس کی اولاد میں چار بادشاہ ہوئے آخری ذت تھا ۔ اسکی کمزوری سے فائدہ اٹھا کہ تفنخت بادشاہ ہوا ۔ یہ صاوی حکومت کا بانی تھا ۔

پچیسواں[۲۵] خاندان[۱] (رتیوبی) ۷۲۳ ق م سے ۶۵۵ ق م تک پہلا بادشاہ بسامتیک اوّل تھا اور اس خاندان کا نامور بادشاہ ترہاقا تھا جو ۶۹۰ ق م میں تخت نشین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۳۷ سے آگے) رامیسس دوم نے ہی تھیبز کو ایک صد پھاٹک کا شہر بنا کر مرکز عالم بنایا ۔ اس نے ہی اپنے قومی وملکی دیوتا آمون کے نام پر قرناق کا کوہ پیکر ہیکل تعمیر کرایا کیا اسی ہزار غلام اس پر نثار کر دیئے ۔ اس کا عظیم الشان ۲۵ فٹ کا مجسمہ قریہ مت راہنہ میں موجود ہے ۔

جزیرہ روضہ :- حضرت موسیٰ کو فرعون کی بیوی نے یہیں نیل کے کنارے پر ٹوکرے سے نکالا تھا ۔ ایک کھجور کا درخت اس جگہ آج بھی موجود ہے ۔ یہاں مقیاس النیل بھی ہے ۔

[۱] پچیسویں خاندان میں سباقون ، سبلیغون ، طہراق اور وامین ، نوات ، میامون بادشاہ تھے ۔ سباقون نے مصر پر قبضہ کرکے نہروں کے پل بنوائے ۔ ہیکلوں کی مرمت کرائی اور اشور پر فوج کشی کرنی چاہی ۔ فلسطین کے حکمران حانون اسرائیلی سردار ہوشعے اور یہوذا کے امیر حزقیا کو ملا لیا ۔ بادشاہ اشور سلامنصر کو اطلاع ہو گئی ۔ اس نے حانون کو قید کر دیا جس سے اشور کا حملہ رک گیا ۔ جب سرجون اشور کا بادشاہ ہوا تو سباقون نے حملہ کر دیا مگر شکست کھائی ۔ اہل مصر منحرف ہو گئے اور استیفنا تش کو تخت پر بٹھا لیا ۔ مگر سبلیغون نے اس سے مصر چھین لیا ۔ وامین آخری اس خاندان کا بادشاہ تھا جس کی بدانتظامی سے ملک والے پریشان تھے ۔ بسامیتک نے یونانی بحری غارت گروں کو ملا کر مصر پر قبضہ کیا اور شہر صاء کو دار الحکومت بنایا ۔ یہ صاوی خاندان کا بانی ہے ۔

ہُوا۔ اسی عہد میں سخاریب بادشاہ نینوا نے فلسطین پر حملہ کیا اور سخاریب کے جانشین نے مصر پر فوج کشی کی۔ بساماتیک اول نے یونانیوں کو آباد کیا اور تعلیم پھیلائی نیز مابعد سولن، فیثاغورس، افلاطون، ادوکس انہی مصری درس گاہوں سے نکلے۔ بساماتیک کے بعد نکاؤ، بساماتیک ثانی، ایریس، امازیس، آخری بساماتیک ثالث تھا۔

چھبیسواں[26] خاندان (صاوی) ۶۵۵ قم سے ۵۲۷ قم تک۔ پہلے بادشاہ شاماتک اول نے شام پر حملہ کیا۔ اس کے جانشین نیکو دوم نے دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان نہر بنوانے کی کوشش کی۔ شام پر حملہ کیا۔ بادشاہ اسرائیل کو میدان جنگ میں قتل کیا۔ دریائے فرات تک دھاوے کئے۔ قارقمیش کی مشہور لڑائی میں بخت نصر سے شکست پائی۔ اس خاندان کے پانچویں بادشاہ رہامیس دوم کے عہد میں بخت نصر کے وارثوں نے مصر پر حملہ کیا۔ سامنک سوم کے دارالسلطنت میں مصر کی خود مختاری ختم ہوئی اور یہ قدیم ایران کا ایک صوبہ ہو گیا[ا]۔

ستائیسواں[27] خاندان ۵۲۵ سے ۴۰۵ قم تک ایران کی ماتحتی۔

اٹھائیسواں[28] خاندان ۴۰۵ سے ۳۹۹ قم تک۔ ایک شہزادہ ایران سے باغی ہو کر مصر کا خود مختار بادشاہ بنا مگر چھ سال کے بعد مر گیا۔

انتیسواں[29] خاندان ۳۹۹ سے ۳۷۸ قم تک۔ ایران سے جنگ رہی۔

ا۔ بساماتیک سوم (سامنیک سوم) کے عہد میں ایرانی بادشاہ قمبیز نے مصر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ قمبیز کو ایرانی بہمن پسر اسفندیار کہتے ہیں جس نے ہفت اقلیم کو مسخر کیا تھا۔ مگر یہ رائے صحیح نہیں ہے قمبیز نے مصر کا انتظام بہترین کیا اور اس نے بقول مورخ مہود ہیرودوت تین مختلف اقوام سے ایک ساتھ جنگ کی۔ قرطاجنہ فتح کیا اور ہیکل مشتری منہدم کی[۲]۔ اس کے بعد قرب وجوار کے ملک قبضہ میں لایا۔ اس کے بعد دارا اوّل ہوا۔ اس کے بعد شاہ رش اول، ارتخشارشا اوّل، سیارش ثانی سوغدیانوس۔ آخر میں دارا ثانی۔ اس کے عہد میں سکندر مقدونی نے ایران فتح کیا۔

۲۔ دائرۃ المعارف جلد ۱۷، ۱۸ صفحہ ۴۰

تیسواں[۳۰] خاندان ۳۷۸ سنہ سے ۳۴۰ سنہ ق م تک۔ ایران سے بغاوت اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔

اکتیسواں[۳۱] خاندان ۳۴۰ سنہ سے ۳۳۲ سنہ ق م تک۔ سکندر[۱] نے مصر فتح کیا اور مصریوں کی بادشاہی ختم ہوئی۔ سکندر کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت جنرلوں میں تقسیم ہوئی۔ مصر ٹالمی (بطلیموس) کے قبضہ میں آیا اور تقریباً تین سو برس تک اس کے وارثوں کے قبضہ میں رہا۔ اس عہد کے بادشاہوں کی فہرست حسبِ ذیل ہے:-

بطلیموس (ٹالمی اول) لیگس	۳۲۳	ق م سے	۲۸۵	ق م	تک
فیلاڈلفوس (فلیڈلفس)	۲۸۵	〃 〃	۲۴۷	〃	〃
فرجیت اول (یرگیٹس)	۲۴۷	〃 〃	۲۲۲	〃	〃
فیلوباطورا (فلوپیٹر)	۲۲۲	〃 〃	۲۰۴	〃	〃
ابیفان (ایپی فینس)	۲۰۴	〃 〃	۱۸۱	〃	〃
فیلوماترا (فلومیٹر)	۱۸۱	〃 〃	۱۴۶	〃	〃
فرجیت ثانی (اگیٹس دوم)	۱۴۶	〃 〃	۱۱۷	〃	〃

سوٹر دوس سکندر اول (۱۰۷) سوٹر دوم۔ برنیس۔ سکندر دوم۔ اولٹیس۔ ٹالمی کلاں ٹالمی خورد۔ ملکہ کلوپیٹرا ۴۴ سے ۳۰ ق م تک۔

(نوٹ) بطلیموس نے اسکندریہ کو پایۂ تخت بنایا۔ پھر لوبیا اور مصری سرحد

---

[۱] سکندر مقدونیہ کے فرمانروا اقلیبس کا بیٹا تھا اور حکیم ارسطاطالیس کا شاگرد۔ تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے دروانیال سے اُتر کر اناطولیہ میں دریائے غرانیکوس پر مقابلہ ہوا سخت جنگ کے بعد ایرانی شکست کھا گئے۔ سکندر وہاں سے کامیابی کے بعد مصر آیا اور قبضہ کیا۔ اپنے ایک مہندس قراطیس سے ساحل بحر پر اپنے نام سے شہر تعمیر کرایا۔ اور مصر میں اقلیومیذس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ بطلیموس سکندر کی طرف سے بابل کا حاکم تھا۔ سکندر کے مرنے کے بعد مصر آگیا اور حکومت مصر قبضہ میں لی۔ ۱۲

کے متصل بلادِ عربیہ پر قبضہ کیا۔ اسکندریہ میں عظیم الشان منارۂ نور تعمیر کیا۔ ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ قائم کیا۔ یہ شہر علوم و معارف کا مرکز بن گیا جس کی تفصیل اسکندریہ کے بیان میں کی ہے۔ اس کا بیٹا بطلیموس ثانی نے توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی میں کرایا۔ اس کے عہد میں مانیتھو کاہن نے مصر کی تاریخ لکھی۔ آخری فرمانروا ملکہ قلوپطرہ تھی۔ اسے اس کے عہد بھائی بطلیموس (ٹالمی خورد) سے حکومت کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ شام گئی۔ جولیس قیصر نے اس کی مدد کی اس کے بھائی کو غرق نیل کرا دیا اور اس کو حکمران مصر کا کیا۔

قیصر نے ہی کتب خانہ اسکندریہ جلایا۔ پھر اس نے اپنے بھائی بطلیموس سیزدہم سے شادی کی مگر اس کو چھوڑ کر قیصر کے پاس چلی گئی۔ دو سال بعد وہاں سے آ کر زہر سے بطلیموس کا کام تمام کر کے قلوپطرہ خود حکمران بن گئی۔ ان دنوں دو رومی امیر انٹونیوس اور اکتافیوس، بروٹس سے برسرِ پیکار تھے۔ ملکہ نے بروٹس کی اپنے بحری بیڑے سے مدد کی۔ پھر انتونیوس سے شادی کر لی اور وہ مصر آ گیا۔ رومی مجلس نے واقعات سے اطلاع پا کر ۳۲ق م میں مصر پر زیرِ سرکردگی اوکتافیوس فوج بحری بھیجی تو ملکہ نے اوکتافیوس سے تعلقات قائم کرنے چاہے مگر وہ دام میں نہ پھنسا۔

اس نے اس کو موت کا فرمان سنا دیا۔ اس نے زہر پی کر جان دے دی۔

۳۰ ق م میں مصر میں یونانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد سے مصر سلطنت روم کے قبضہ میں آئی۔ رومی حکومت سنہ ۳۰ ق م سے سنہ ۶۴۰ء تک رہی۔ رومن فاتح اوکتافیوس جو قیصر اگسٹس کے لقب سے مشہور ہوا مصر پر قبضہ کرکے امورِ حکومت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ اس کے عہد سے مصر رومی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ دربار روما سے یہاں کے حسبِ ذیل والی مقرر ہوئے۔

فورنیلوس غالوس بطرینوس، اس نے اگسٹس کے حکم سے بلادِ عرب پر فوج کشی کی۔ قیصر اگسٹس کے عہدِ حکومت کے تیسویں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بطرینوس کے بعد طیباریوس ہوا جس کے نام سے شام میں شہر طیباریہ ہے۔ اس کے بعد قلیودیوس ہوا۔ اس کے عہد میں شمعون بہاس قید ہوئے۔ پھر قادرون حکمران ہوا۔ پولس اور پطرس داعیانِ مسیحیت کو قتل کرادیا۔ اس کے بعد طیطوس آیا جس نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور یہودیوں کو گرفتار کرکے فروخت کر دیا۔ اس کے بعد دومطیانوس تھا وہ بھی بڑا ظالم تھا اور یانوس حکمران ہوا۔ اس کے عہد میں حکیم بطلیموس تھا جس نے کتاب مجسطی لکھی۔ اس کے بعد قوموروس ہوا۔ اس کا معاصر جالینوس حکیم یونانی تھا۔ اس کے عہد میں نصرانیت پھیلی۔ قیطیانوس نے اپنے عہد میں مصری باشندوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد سے مسیحی دور مصر میں شروع ہوا۔

رومی عہد میں مصری ٹیکسوں میں دب گئے تھے۔ ان میں جہالت پھیل گئی تھی۔ قسطنطینِ اعظم نے سنہ ۳۱۳ء میں عیسویت اختیار کی تو اہلِ مصر کے دن پھر سے۔ سنہ ۳۷۸ء میں قیصر تھیودوسس تخت روما پر بیٹھا۔ اس نے فرمان جاری کیا کہ تمام سلطنت کے باشندے عیسائی بنائے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری بت پرستوں کے معبد ڈھا دیئے گئے اور ان پر بڑے بڑے مظالم کئے گئے۔ اسی زمانہ میں ہپاتیا زہرہ جبیں کو جو علوم وفنون کی ماہر تھی حضرت مریمؑ کے بت کے سامنے عیسائیوں نے لاٹھیوں سے مار ڈالا۔ اس کے بعد نصاریٰ میں تفرقہ پڑ گیا۔ یعقوبی اور ملکی فرقوں میں جھگڑا ہوا۔ آخرش رومی سلطنت سنہ ۳۹۵ء میں دو حصوں میں تقسیم ہو گئی[1] مغربی حصہ کا پایۂ تخت رومۃ الکبریٰ رہا

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷۔ ۱۸ صفحہ ۵۳۔

اور مشرق کا قسطنطنیہ قرار پایا۔ جس کے تحت شام کے ساتھ مصر آیا۔ ۶۲۰ء میں ہرقل، قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں ایرانیوں کا پھر اقتدار مصر پر ہو گیا۔ ۶۱۶ء میں خسرو دوم نے دمشق، یروشلم، مصر سب فتح کر لئے مگر تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہرقل نے اپنا ملک ۶۲۷ء میں ایرانیوں سے نینوا میں مقابلہ کر کے چھین لیا۔

اس شکست سے ایرانی شہنشاہیت ختم ہو گئی۔ ہرقل نے ایک قبطی نژاد رئیس مقوقس کو اپنے پاس رکھ کر تعلیم و تربیت دی اور مصر کا والی مقرر کیا۔ ۶۲۹ء میں نامۂ نبوی اسی عظیم القبط کے نام گیا۔ اسلام تو لایا نہیں مگر تحفے میں دُلدُل سواری کے لئے اور دو عورتیں قبطیہ تھیں۔ ان میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ ہیں جن کے بطن مبارک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔

مصریوں کی علمی ترقی

اہلِ مصر کو جہاں پہلی شہنشاہی قائم کرنے کا فخر حاصل ہے اسی طرح علوم و فنون کے ایجاد اور ترقی کا بھی ان کو افتخار حاصل ہے۔ مسٹر اولن اپنی تاریخ مصر میں لکھتا ہے :-

"مصر فنون اور آدابِ سلطنت کا ایک عمدہ مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یونان کے بڑے بڑے لوگ مثل ہومر، فیثا غورث، افلاطون اور وہاں کے اچھے اچھے مقنن مثل لائیکرگس، سولن جیسے حضرات نے بہ نظر تکمیل علوم مصر کا سفر اختیار کیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے متعلق کتاب مقدس میں ہے کہ وہ مصریوں کے ہر طرح کے کام میں نئی نئی ایجادیں کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایجاد کا مادہ تھا اور مفید کاموں کی طرف زیادہ توجہ کیا کرتے تھے۔ علمائے مصر جو کہ مرکزی کہلاتے تھے، مصر کو عجیب عجیب ایجادوں سے

معمور کر دیا تھا۔ ان کی سب سے بڑی سعی یہ تھی کہ طبیعت انسانی کی تکمیل جس سے آرام وخوشی حاصل ہو اس سے مصری محروم نہ رہیں۔"

علمِ ہیئت مصری سیاروں کی حرکات پر سب سے پہلے مطلع ہوئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے انھوں نے ہی علم ہندسہ ایجاد کیا۔ موجوداتِ عالم کے حالات اور خواص دریافت کرنے میں یہ لوگ بہت کوشش کرتے تھے۔

فنِ عمارت مصریوں نے فنِ عمارت اور رنگ آمیزی اور سنگ تراشی اور تمام متعلقہ فنون کو کمال پر پہنچایا تھا۔

حکمت وحکومت جن لوگوں نے قواعد حکمت وحکومت کو خوب سمجھا اُن میں سب سے اول مصری تھے۔

اس قوم نے یہ بات سب سے پہلے دریافت کی کہ فنون قواعد کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی مزے کے ساتھ کٹے اور رعیت آباد رہے جس کی مختصر تفصیل پہلے لکھ چکے ہیں۔

غرضیکہ علوم وفنون کی ایجادات میں مصریوں کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ تفصیلات مصر کی تاریخوں میں موجود ہیں۔

مِصر کی حالت

اسلام سے پہلے مصر میں یہودیوں اور بدعتی عیسائیوں کا غلبہ تھا۔ بجائے اس کے کہ ان سے مصری عقیدوں کی اصلاح ہوتی یہ خود گمراہی کی نذر ہو گئے اور مصریوں کی بت پرستی سے اُن کے قدم آگے ہی تھے۔ قدرت نے انتقاماً رومی ظالموں کو مسلّط کر دیا تھا۔ جن کے ظلم وجفا کی داستان سر ولیم میور کی زبانی پڑھیئے "عروج و زوال خلافت" میں لکھتا ہے:۔

"سنہ ۶۳۰ء میں ہرقل نے کیروس کو ملکی اور مذہبی حاکم کیا۔ اس نے اپنے

دس سالہ دورِ حکومت میں سخت جور وظلم کئے اور قبطیوں کو ترک عقیدہ یعقوبی پر مجبور کیا اور طرح طرح ان غریبوں پر ظلم کئے۔

اس سے بڑھ کر ظلم رومیوں کا یہ تھا کہ مصر میں آب پاشی سے سیراب و شاداب کھیتوں کی پیٹ بھرنے والی پیداوار صرف سلطنتِ روم کے بڑے بڑے شہروں کا پیٹ بھرنے کے کام آتی تھی۔

رومی جو مصر میں آباد تھے وہ خود دو ٹکڑوں میں تھے۔ ایک ازارقہ (کبود) اور اخاضرہ (سبز) کہلاتے تھے۔ جو خود آپس میں آئے دن لڑتے رہتے تھے۔ یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ ملک میں بغاوت کی آگ سلگتی رہی۔ چنانچہ قبطی مبغوض رومیوں سے نجات پانے کے منتظر ہر موقع کا خیر مقدم کرنے کو تیار تھے۔" [1]

غرضیکہ مصر کے یہودیوں اور بدعتی عیسائی فرقوں پر رومیوں کا جو ظلم وستم، جور وتشدد ہوتا تھا اس کی داستان شام کے رومی جبر وتعدی سے کہیں بڑھ کر ہولناک ودردناک ہے۔ اسی جور وجفا کا نتیجہ تھا کہ اہالی شام نے بہ جبر واکراہ اہل اسلام سے تعاون حاصل کیا۔ ایسے ہی مصر کے عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے غائبانہ ہمدرد تھے۔ علامہ بلاذری فرماتے ہیں:۔

"المقوقس نے جو ہرقل شہنشاہ روم کا گورنر اور اسکندریہ کا بطریق تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک جو بغرض دعوتِ اسلام اس کے نام آیا تو باحترام اس کو لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفے روانہ کئے۔"

خلیفۂ اوّل کے بعد خلیفۂ دوم سریر آرائے خلافت ہوئے تو عمرو بن عاص نے مصر کی طرف توجّہ کی۔

---

[1] عروج وزوال خلافت از سر ولیم میور مطبوعہ ایڈنبرگ ۱۹۱۵ء۔

مصر کی فتح

مصر بھی جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص شام کی فتوحات میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ مگر مصر کی فتح میں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ شام کی حفاظت کے لئے اس پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ مصر کے حالات سے وہ واقف بھی تھے۔ اس کی شادابی کا علم تھا۔ اس وجہ سے خلیفہ اعظم حضرت عمرؓ سے مصر کی طرف پیش قدمی کی اجازت چاہی۔ چنانچہ پس و پیش کے بعد اجازت مرحمت کی اور چار ہزار فوج دے کر انہیں مصر کی طرف روانہ کیا۔ پوری تفصیل فتح مصر کی تاریخ ملت کے دوسرے حصہ میں آ چکی ہے۔

غرضیکہ رومیوں سے مقابلہ عمروؓ بن عاص کا شہر "فرما" میں ہوا۔ ایک ماہ جنگ ہوتی رہی۔ آخر رومیوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمان آگے بڑھ کر کامرانی و کامیابی کے ساتھ مصر تک پہنچ گئے۔ المقوقس نے خبریں سن کر مقابلہ کی تیاری کر لی۔ جب مسلمان قریب آ گئے تو قلعہ میں جم کر بیٹھ گیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ جب زیادہ دن لگ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت مقدادؓ کو معہ دس ہزار فوج کے بھیجا۔ سات مہینے تک اسلامی فوجیں قلعہ کو گھیرے پڑی رہیں لیکن کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر ایک دن حضرت زبیرؓ زینہ لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور اندر اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اب کیا تھا مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ مقوقس مسلمانوں کے آگے جھک گیا اور طالب امان ہوا۔ عمرو بن عاص نے امان منظور کر لی۔

مقوقس نے عمروؓ بن عاص سے ان شرائط پر صلح کی کہ وہ (عمرو بن عاص) ان یونانیوں کو جو جانا چاہیں جانے سے نہ روکیں اور قبطیوں پر دو دینار فی کس سے

زیادہ ٹیکس نہ لگائیں۔ شہنشاہ روم ہرقل کو اس کی خبر ہوئی تو بہت جھلایا اور فوجیں روانہ کیں جنھوں نے اسکندریہ کے دروازے بند کر کے آمادگیٔ جنگ کا اعلان کر دیا۔ المقوقس حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں تین التجائیں لیکر حاضر ہوا ہوں :-

۱- یہ کہ ان یونانیوں سے انہی شرائط پر صلح نہ کریں جن پر مجھ سے کی گئی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے بے اعتباری کا اظہار کیا اور نقض کیا ہے۔

۲- یہ کہ قبطیوں کے ساتھ شرائط صلح نہ توڑیئے۔ کیونکہ نقض عہد ان کی جانب سے شروع نہیں ہوا۔

۳- یہ کہ جب میں مروں تو حکم دیجئے کہ اسکندریہ کے فلاں گرجے میں دفن کیا جاؤں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آخر الذکر میرے لئے سب سے سہل ہے۔[1]

حضرت عمرو بن عاص کے صاحب زادے صلح نامہ مقوقس کی دوسری شرط کا ذکر کر کے فرماتے ہیں :-

"لہٰذا میرے والد نے غریبوں کو مستثنیٰ کر کے ہر بالغ پر دو دینار جزیہ مقرر کیا"۔ علاوہ ازیں ان زمینداروں کو جن کے حقوق مالکانہ باقی رکھے گئے تھے ایک دینار اور تین اردب گیہوں فی جریب ادا کرنے پڑتے تھے۔[2]

قحط سالی کے زمانے میں یہ بھی قابل کمی و واگذاشت تھا۔ علامہ مقریزی فرماتے ہیں :-

وہ جبایت یعنی تحصیل لگان کا کام حضرت عمروؓ بن العاص نے قبطیوں ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور وہ ہر ضلع اور گاؤں کی شرح لگان وہاں کے بڑے

---

[1] بلاذری بیان فتح اسکندریہ [2] فتوح البلدان فتح مصر

بڑے زمینداروں، پدھانوں اور مکھیوں کے مشورہ سے مقرر کیا کرتے تھے
اوران زمینوں کو جو حماموں اور گرجاؤں کی پرداخت کے لئے وقف ہوتیں
لگان سے معاف رکھتے تھے "

حضرت عمرو بن العاص رضی نے تھوڑے عرصہ میں مصر کو گہوارۂ امن و امان بنا دیا تھا۔ اتفاقیہ عمرو بن عاص رضی کے صاحب زادے نے کسی قبطی کو مار دیا۔ اس واقعہ کو علامہ بلاذری رح نے لکھا ہے کہ وہ قبطی مدینہ پہنچا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے حضرت عمرو بن عاص رضی کے صاحب زادہ کے خلاف مار پیٹ کا استغاثہ پیش کیا۔ بارگاہِ خلافت سے مجرم اور مجرم کے باپ دونوں کے حاضر ہونے کا حکم صادر ہوا۔ حاضر ہونے پر مجرم کو تو مدعی کے ہاتھ سے زدوکوب کرائی گئی اور باپ کو یوں اعلانیہ سرزنش کی گئی :-

منذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرار۔ | "تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان کی ماؤں نے تو اُن کو آزاد جنا تھا"

حضرت عمرو بن عاص رضی نے مصر کا انتظام اسلامی عدل و انصاف کے اصول پر قائم کیا۔ ہر قسم کے ظلم و ستم جو حکمران طبقہ کے رعایا پر ہوتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔ رومیوں قبطیوں کو مثل غلام سمجھتے تھے۔ اُن کو اپنا بھائی سمجھا اور اُن کے آرام و آسائش کا پورا لحاظ رکھا۔ دینی امور میں وہ پورے آزاد تھے۔ جزیہ کے بعد جان و مال جائداد، اولاد، عزت و حرمت ہر چیز کی حفاظت کا ذمہ لیا اور ان کے پیشوا "بنیامین" کو جو تیرہ سال سے رومیوں کے ڈر سے مخفی تھا اس کو امان دے کر اسکندریہ کا بطریق کر دیا اور اس نے گرجا کے متعلق جو درخواست دی اُسے منظور کیا۔

نظم و نسق ملکی نظم و نسق کے لئے لائق افراد مقرر کئے۔ جگہ جگہ قضاۃ مقرر کئے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ خراج کی تحصیل خود قبطیوں کے سپرد کی، دفاتر

لے الخطط جزء اول صفحہ ۱۲۳۔

ان کی زبان میں قائم رہے۔

مصر میں یعقوبی، ملکی، یہودی، نصرانی، ستارہ پرست وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ یکساں سلوک تھا اور نہ ان سے ہمدردی اور شفقت اس طرح کی جو اُن کے خواب میں بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کی سادہ زندگی اور ان کے حسنِ اخلاق نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان مصریوں کو ایسا گرویدہ کرلیا کہ جوق در جوق برضا و رغبت داخلِ اسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ عربی اخلاق، لباس، زبان تک مصریوں نے اختیار کرلی۔ باہم جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھائی بھائی بن گئے۔ ان کو اس حکومت میں وہ آرام ملا جو رومیوں کے عہد میں خواب و خیال تھا۔ عروج و زوال خلافت میں سر ولیم میور سا متعصب انگریز لکھنے پر مجبور ہوا کہ :-

"مصر میں اس زمانہ میں بدوی قبیلے نہ تھے جو عربوں اور مسلم فاتحوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوں۔ مگر ان سے بھی کہیں بڑھ کر قبطی عناصر معروفِ کار تھے جنہوں نے تبادلۂ حکومت کو بادی النظر میں خوش آئند بنا دیا تھا۔" [۱]

لیبان لکھتا ہے :-

"مذہبی مناقشوں سے مجروح حکام کے مظالم اور مطالبوں سے تباہ مصر کو اپنے حکمرانوں سے ایک نفرتِ کلی ہوگئی تھی اور اس نے عربوں کو جنہوں نے اسے سلطنت مشرقی کے پنجے سے چھڑایا اپنا محسن اور نجات دینے والا سمجھا۔ حقیقت میں یہ تعریف عربوں پر بالکل صادق تھی۔" [۲]

فسطاط عمروؓ بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے شہر فسطاط کو آباد کیا۔ اور اپنا دارالامارۃ وہاں قائم کیا [۳] ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ اُس کی

---

[۱] عروج و زوال خلافت صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰ [۲] تمدن عرب

[۳] حضرت عمرو بن عاصؓ فتح بابلون کے بعد جب اسکندریہ پر فوج کشی کے لئے روانہ ہونے لگے اور ڈیرے خیمے اکھاڑے جانے لگے تو ایک خیمہ میں دیکھا گیا کہ کبوتر نے انڈے دیدیئے ہیں فراش

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

وسعت ۲، ۳ میل سے زائد تھی۔ بنی امیہ نے اور ترقی دی۔ عہدِ بنی عباس میں زوال آیا۔ خلفاء فاطمی کے عہد میں شاور نے شہر کو پھونک دیا۔

نہر امیر المومنین ایک نہر دریائے نیل سے ۲۱ھ میں نکال کر قلزم سے ملا دی۔ یہ نہر سیتی اول فرعون کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کو حضرت عمرو بن عاص نے صاف کرایا۔ فسطاط کے کنارے سے عین شمس اور وادی طمیلات ہو کر شہر قلزم ہو کے بحیرہ میں یہ نہر گری ہے۔ اسی میل اس کا طول ہے۔ چھ ماہ درست کرنے میں لگے [1]

اس نہر کے ذریعے ایک ہی سال میں ساٹھ ہزار اردب غلہ عرب بھیجا گیا۔ عمرو بن عاص نے سرزمینِ مصر کی کیفیت دربارِ خلافت کو لکھ کر بھیجی۔ جو آج تک علم و ادب میں مشہور ہے۔ یہ خط النجوم الزاہرہ فی اخبار المصر والقاہرہ میں ثبت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خط دیکھ کر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور کہا۔ ابن عاص نے تو گویا مصر کی زمین میری آنکھوں تلے رکھ دی۔

نامہ حضرت عمرو بن عاص مصر کی زمین سیر حاصل اور بار آور درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس کا طول ایک ماہ عرض دس روز کی مسافت ہے۔ اس کے وسط میں سے وہ دریا گزرتا ہے جس کی خرام سحری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴۹ سے آگے) نے عرض کیا۔ فاتح مصر نے فرمایا۔ خیمے کو رہنے دو، اسکندریہ کے بعد دیکھا جائے گا۔ جب اسکندریہ فتح کر کے لوٹے، فاروقِ اعظم کے حکم سے وہیں شہر آباد کیا اور مستقر بنایا اور جہاں خیمہ تھا وہاں مسجد بنی جو جامع عمر کہلائی۔

[1] پھر نہر کے بند ہونے کا یہ واقعہ عجیب و غریب تاریخوں میں ہے۔ ۱۴۵ھ میں نفس زکیہ نے دعوائے خلافت کیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے یہ نہر بند کرا دی تاکہ ملک فراعنہ سے ان کو کسی کی امداد نہ پہنچ سکے۔ اڑھائی سو برس بعد فاطمی خلیفہ حاکم بامر اللہ ادھر متوجہ ہوا اور شہر طوسوم تک کا حصہ صاف کرایا۔

فرخ فرجام اور روانی شام مبارک انجام ہے۔ اس کے فیضان میں مہر و ماہ کی طرح کبھی زیادتی ہو جاتی ہے اور کبھی کمی۔ جب وقت چڑھتا ہے اور اس کی موجیں سر اٹھاتی ہیں اس وقت تمام نہریں اور چشمے لبالب بھر جاتے ہیں اور باشندوں کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بجز کشتیوں کے گزرنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ پھر جب اس کا جوش پورا ہو جاتا ہے تو پلٹا کھاتا ہے اور تیزی کے ساتھ اتر کر اپنی حد پر آجاتا ہے۔ اس وقت کاشتکار اس کے ساحلوں کے فراز اور دامنوں کے نشیب میں نکل پڑتے ہیں، دانے بوتے ہیں اور خرمن کے آرزومند ہوتے ہیں۔

جب دانے جمے اور کھیتیاں اگیں اور نیچے زمین کی نمی اور اوپر بارش کی تری سے پرورش پا کر ان میں نشو و نما اور بالیدگی ہوئی تو ہرے ہرے کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور زمین کی دولت اس کے شکم سے اس کی پشت پر آجاتی ہے۔ امیرالمومنین! میں ایسی زمین کا کیا حال لکھوں جو ابھی گوہر سفید ہے ابھی عنبر سیاہ اور ابھی زمرد سبز، یہ قدرت الٰہی کے کرشمے ہیں جس نے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے اور باشندوں کی معیشت کے لئے اس کو ایسا بنا دیا ہے۔

یہاں کا خراج پیداوار سے قبل وصول نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ محاصل کا کم سے کم ایک ثلث یہاں کی نہروں اور پلوں کی تعمیر و ترمیم میں صرف کیا جائے کیونکہ اس سے آبادی بڑھے گی اور ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

بندوبست آراضی فراعنہ کے عہد میں مصر میں چہار سالہ بندوبست کا دستور تھا۔ تشخیص لگان کے لئے وہ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال لیتے تھے اور خراج نقد و جنس دونوں میں وصول کرتے تھے بلکہ ان محاصل کے علاوہ فوج کے اخراجات کے لئے کثیر تعداد میں غلہ بھی لیتے تھے۔ لیکن مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی زراعت کا مدار نیل کے فیضان پر ہے اور اس میں اکثر تفاوت رہتا ہے جس سے پیداوار میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے وہاں ہر سال آب نیل کی کمی زیادتی کے مطابق خراج کی تعیین قرین انصاف تھی۔ اسی

بناء پر انہوں نے خلیفہ سے استصواب کر کے ان کے حکم کے مطابق حلوان مقیاس نیل بنوایا جو ابھی تک باقی ہے۔ اسی پیمانہ سے پیداوار کا اندازہ پوچھ کر اسی سے لگان کا تخمینہ لیتے۔ اسی حساب سے ہر جگہ کی تحصیل ہوتی۔ جہاں جہاں کنیسے اور حمام ہوتے ان کے اخراجات نیز مسلمانوں کی ضیافت کے صرفے منہا کر دیئے جاتے۔ کاشتکار ان ہی کی شرح لگان کی مقدار سے پیشہ وروں سے بھی خراج لیا جاتا۔ رُومیوں کے عہد میں دوسرے محاصل جو رعایا سے وصول کئے جاتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہاجرہ کے قدیم رشتہ سے جو حضرت اسمٰعیل اور عدنانی عربوں کی ماں تھیں مصریوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیّت فرمائی تھی۔ اس وجہ سے بندوبست اراضی میں خصوصیت کے ساتھ نرمی برتی گئی اور شرح لگان کم سے کم رکھی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ فی جریب ایک دینار یا تین اردب غلّہ۔

مسلمانوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدید رشتہ کا بھی لحاظ رکھا اور قریہ حفن کو جو توابع الفنا میں ہے اور جہاں کی رہنے والی حضرت ماریہ قبطیہ سریّہ رسول تھیں خراج سے بری کر دیا۔ اس سالانہ بندوبست کی وجہ سے ہر سال کی وصولی کی

جامع عمرو: متعدد صحابہ و تابعین کے ہاتھوں بنیاد مسجد عمرو بن عاص کی رکھی گئی۔ تیس گز لمبی اور انیس گز چوڑی مسجد تھی۔ نہ محراب تھی نہ منارہ، معمولی چھت اور احاطہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ حتیٰ کہ ایک منبر فاتح مصر نے اپنے لئے رکھوایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس تہدید پہ نکال دیا کہ جب مصلی بیٹھے ہوتے ہیں تو تم کو بلند منبر پر کھڑے ہونے سے کیا فائدہ؟

یہ مسجد ۶۴۲ء میں تعمیر ہوئی۔ اس کی توسیع ۶۷۳ء میں مسلمہ والی مصر نے کرائی۔ دونوں طرف برج بنوائے۔ ۶۹۸ء میں عبدالعزیز ابن مروان نے تمام مسجد شہید کر کے از سرِ نو بنوائی۔ پھر امیر عبداللہ بن طاہر نے بہت وسعت دی۔ ۵۶۴ھ میں شاہ وزیر عاضد فاطمی نے فسطاط میں آگ لگوائی۔ مسجد کو بھی نقصان پہنچا۔ سلطان صلاح الدین نے اس مسجد کی مرمت کرا دی۔ اس مسجد کے ۲۳۰ ستون ہیں۔

کوئی رقم متعین نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ عدم پیداوار کی وجہ سے کبھی کبھی بہت سے پرگنوں اور دیہاتوں کا خراج معاف کر دینا پڑتا تھا۔ اس لئے رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی وصولی میں کمی ناگزیر تھی۔ چنانچہ سال اوّل میں تمام ملک مصر سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار وصول ہوئے۔ بحالیکہ سال ماسبق میں مقوقس نے دو کروڑ دینار وصول کئے تھے لیکن باوجود اس نرمی کے زمانہ مابعد میں کبھی اس قدر وصول نہیں ہوئے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سال عبداللہ بن سعد نے دو کروڑ دینار وصول کئے۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی تحصیل ۹۰ لاکھ سے زیادہ نہیں بڑھی۔ ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس تو چالیس بلکہ تیس لاکھ ہی وصول کرتے رہے۔ خلفاء بنی فاطمہ نے اپنے عہد میں شرح لگان بھی بہ نسبت سابق کے دگنی کر دی تھی۔ مگر پھر بھی ۴۳ لاکھ سے زائد نہ وصول کر سکے۔

عہدِ خلافت حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو افریقہ کا امیر حرب مقرر کیا۔ عمروؓ بن عاص بدستور والیٔ مصر رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے تبدیلی چاہی یہ رضامند نہ ہوئے اس بنا پر معزول کر دیئے گئے اور ابن سعد والیٔ مصر کر دیئے گئے۔ ابن سعد نے چالیس ہزار فوج لے کر شمالی افریقہ کے علاقہ کو فتح کرنا شروع کیا۔ تیونس، الجزائر، مراکش طنجہ فتح کر لئے۔

۳۱ھ میں اہلِ نوبیہ نے عہد شکنی کی۔ ان سے معرکہ رہا۔ ان کے سردار اقلیدروس نے زچ ہو کر صلح کر لی۔ ۳۳ھ میں ابن سعد قضیۂ حضرت عثمانؓ میں مدینہ گئے۔ عقبہ بن عامر کو جانشین کر گئے۔ پھر لوٹ کر آئے۔ مصریوں نے آنے نہ دیا۔ حضرت عثمانؓ کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رئیس انصار کے بیٹے قیس کو مصر کا والی مقرر کیا۔ پھر

ان کو معزول کر کے محمد بن ابوبکر صدیقؓ کو والئ مصر مقرر کیا۔ وہاں اختلاف شروع ہو گیا۔ ادھر امیر معاویہؓ برسر اقتدار ہو گئے۔ انہوں نے عمرو بنؓ عاص کو بھیجا۔ یہ مصر کی خاطر حضرت علیؓ کو کھو بیٹھے۔

مصر بارہ سال بعد ۳۸ھ میں آئے۔ انہوں نے محمد بن ابوبکرؓ کو مقابلہ پر شکست دی اور ان کو مروا ڈالا۔ ۳۸ھ سے ۴۳ھ تک حکمرانی کی اور فسطاط میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو والئ مصر کیا۔ کچھ مصالح کی بنا پر امیر معاویہؓ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو والئ مصر بنایا۔ ۴۴ھ میں وہ فوت ہوئے تو مسلم بن مخلد مقرر ہوئے۔ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ فوت ہوئے۔ یزید جانشین ہوا۔

۶۴ھ میں مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے عبدالرحمان بن عتبہؓ کو والی مقرر کیا۔ مروان بن الحکم کا دور آیا۔ اس نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو والئ مصر کیا۔ ۶۵ھ میں عبدالملکؒ بن مروان خلیفہ ہوا۔ عبدالعزیز نے مصر کا معقول انتظام کیا۔ بیس سال مصر کے والی رہے۔

والیانِ مصر دولتِ بنی امیہ

عبدالعزیز بن مروان متوفی ۸۶ھ۔ عہد مروان و عبدالملک بن مروان اموی۔

عبداللہ بن عبدالملک اموی (۸۶ھ) عہد عبدالملک و ولید

عبدالرحمٰن عمرؒ		〃 ولید
مرہ بن شریک	۹۰ھ	〃 〃
عبدالملک بن رفاعہ	۹۶ھ	〃 ولید و سلیمان بن عبدالملک
و اسامہ بن یزید (محصل خراج)		
ایوب بن شمر	۹۹ھ	〃 حضرت عمر بن عبدالعزیز۔
بشر بن صفوان	(۱۰۱ھ)	〃 یزید بن عبدالملک
حنظلہ بن صفوان	(۱۰۳ھ)	〃 〃 〃

محمد بن عبدالملک	(سنہ ۱۰۴ھ)	عہد	یزید بن عبدالملک
حر بن یوسف	(سنہ ۱۰۵ھ)	〃	ہشام
حفص بن ولید	(سنہ ۱۰۷ھ)	〃	〃
ولید بن رفاعہ	(سنہ ۱۱۷ھ)	〃	〃
عبدالرحمٰن بن خالد فہمی	(سنہ ۱۱۸ھ)	〃	〃
عیسیٰ بن عطاء	(سنہ ۱۲۵ھ)	〃	ولید بن یزید
عتاہیہ تجیبی	(سنہ ۱۲۷ھ)	〃	مروان الحمار
حوثرہ بن سہیل	،	〃	〃
مغیرہ بن عبداللہ	(سنہ ۱۳۱ھ)	〃	〃
عبدالملک بن موسیٰ		〃	〃

یہ آخری والی بنی امیہ کی طرف سے تھا۔

والیانِ مصر عہد دولتِ عباسیہ

خلیفہ سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی کو والیٔ مصر کیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے اپنی جگہ ابوعون بن عبدالملک بن یزید جرجانی کو مقرر کیا۔

منصور نے سات والی سنہ ۱۳۶ھ کے بعد سے سنہ ۱۴۴ھ تک مقرر کئے۔ پھر اس نے یزید بن حاتم مہلبی کو بھیجا۔ یہ آٹھ سال امیر رہا اور سنہ ۱۵۲ھ میں فوت ہوا۔ پھر والی غیر مستقل ہوتے رہے۔ سنہ ۱۵۸ھ میں مہدی خلیفہ ہُوا تو اس کے عہد میں یہی صورت رہی جس سے ملکی نظام درہم برہم ہو گیا تو سنہ ۱۹۲ھ میں ابوصالح یحییٰ بن داؤد والیٔ مصر ہُوا۔ اس نے انتظام درست کیا۔ مگر اس کو بھی معزول کر دیا تو سوادہ تمیمی کا تقرر ہُوا۔ پھر ابراہیم بن صالح بن علی امیر ہُوا۔ اس کے زمانے میں وحیہ بن مصعب اموی نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور سارے سواحلی علاقہ پر قابض ہو گیا تو صالح

کو معزول کر کے موسیٰ بن مصعب کو مقرر کیا۔ یہ وحیہ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا تو ۱۶۹ھ میں فضل بن صالح نے آکر وحیہ کو شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس بھیجا۔ ہادی خلیفہ ہوا فضل معزول کیا گیا۔ علی بن سلیمان کو امارت پر بھیجا۔ اس نے ملک کا انتظام کیا۔ پھر خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہارون الرشید کے عہد تک برقرار رہا۔ مگر اہلِ مصر نے اس کو مصر کا خلیفہ بنانا چاہا۔ ہارون کو خبر لگی اُس نے معزول کر دیا۔

۱۷۱ھ میں موسیٰ بن عیسیٰ علوی کو امارت کا فرمان دے کر بھیجا۔ پانچ سال بعد ہارون نے جعفر بن یحییٰ برمکی کو امارت مصر تفویض کی۔ جعفر نے اپنی طرف سے عمران بن مہران کو جو نہایت حقیر صورت تھا والیٔ مصر کیا۔ اس نے مصر کی حالت کو بہت درست کیا۔ اس کے بعد محمد بن زہیر پھر داؤد بن یزید۔

جب ان سے انتظام نہ چل سکا دوبارہ موسیٰ بن عیسیٰ کو بھیجا گیا مگر چند ماہ بعد ابراہیم بن صالح امیر کر دیا گیا۔ پھر ولایت عبداللہ بن مسیب کے سپرد کی گئی۔ اس نے محصول میں اس قدر اضافہ کیا کہ رعایا بگڑ بیٹھی تو خلیفہ نے ہر بن اعین کو فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ اُس نے یہ بغاوت فرو کی۔ ہارون کے آخری زمانے میں خصیب بن عبدالحمید امیر خراج تھا۔

امین اور مامون کے زمانہ میں سری بن الحکم تھا جس نے اہلِ مصر سے مامون کی بیعت لی۔ جب پر مامون نے اس کو ہی امارت پر قائم رکھا۔ ۲۰۵ھ میں سری نے فسطاط میں وفات پائی۔ اس کا لڑکا محمد خود والی بن بیٹھا۔ عبداللہ بن طاہر معہ فوج کے مصر آیا اور محمد کو شکست دی۔ ۲۱۳ھ میں مامون نے مصر و شام کی ولایت پر اپنے بھائی معتصم کو مقرر کیا۔ معتصم نے عمیر بن ولید کو اپنا نائب بنا کر مصر بھیج دیا۔ اہلِ حوف نے مقابلہ کیا اور وہ اس میں کام آیا۔ عیسیٰ جلودی مقرر ہوا وہ بھی شکست کھا گیا۔

معتصم خود چار ہزار ترکوں کی فوج لے کر آیا۔ اہلِ حوف کی سرکوبی کر دی اور

عیسیٰ بن منصور کو مقرر کیا۔ اس کے پاس ترکی فوج چھوڑ کر جس کا امیر افشین حیدر بن کاؤس تھا۔ خود شام کی طرف چلا گیا۔ مگر اہل حوف اس کے مقابل آئے ملک کا سارا انتظام ابتر ہو گیا۔ اس وجہ سے ۲۱۷ھ میں مامون رومیوں کی جنگ سے واپس ہوتے ہوئے خود مصر آیا۔ عیسیٰ بن منصور کو معزول کر کے کیدر صفدری کو معتصم کے نائب کی حیثیت سے والی مقرر کیا۔ مامون نے مقیاس روضہ کی مرمت کرائی اور ایک جامع کی تعمیر کرائی۔

والی	عہد خلیفہ
والی ابوجعفر اشناس	عہد خلیفہ معتصم
" علی بن یحییٰ ارمنی	" " واثق
" عیسیٰ بن منصور	" " "
" حاتم بن ہرثمہ	" " متوکل۔ اہلِ نوبیہ کی بغاوت فرو کی اور
" عنبہ ابن اسحاق	" دمیاط، فرما، تانیس کے قلعے تعمیر کئے۔
" یزید بن عبداللہ	" " منتصر اور مستعین
" مزاحم بن خاقان	" " معتز
" احمد بن مزاحم	" " "
" امیر بائکباک	" " مہتدی۔ اس نے احمد بن طولون کو امیر الجیش مقرر کیا اور احمد بن مدبر کو امیر خراج مقرر کر کے بھیجا۔

ملوک اغلبیہ

افریقہ کی شمالی ریاستوں میں بربری قوم رہتی تھی جو ابتدائے زمانۂ اسلام میں مسلمان ہو گئی۔ ان کی طبیعتوں میں آزادی تھی اور خود مختارانہ زندگی گزار رہے تھے۔ عہدِ عباسیہ میں ان کا تعلق خلفاء سے ہو گیا اور یہاں عرب آ کر آباد ہوئے تو ان

سے قرابتیں قائم ہو گئیں۔

عبدالرحمٰن بن حبیب نے عرب اور بربریوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اموی حکومت رخصت ہو رہی تھی اور بنی عباس کی حکمرانی کا آغاز تھا۔ ۷۵۳ء میں یہ لوگ بھی بنی عباس کے مطیع ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد خلیفہ منصور عباسی نے ۷۵۵ء میں عبدالرحمٰن سے بہت زیادہ محاصل طلب کئے تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور شہر قیروان کی مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

عبدالرحمٰن کے بھائی الیاس کو حکومت کی طمع دامن گیر ہوئی تو اس نے عرب اور بربریوں میں فساد پیدا کر دیا۔ سخت کشت و خون کے بعد آخر کار یہ جنگ عربوں کی فتح پر ۷۷۱ء میں ختم ہوئی۔

اس کے بعد اُن کے امیر اغلب نے کوشش کی اور تمام بربریوں کو منصور کی اطاعت و انقیاد کے لئے مجبور کیا۔ پھر مہدی اور ہارون الرشید کے زمانہ میں بربریوں نے بغاوت کی اور عباسی حکومت سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر ش ۸۰۰ء / ۱۸۴ھ میں رشید نے ابراہیم بن الاغلب کی ریاست ہائے مغربی میں حکومت مستقل طور پر مان لی۔

چنانچہ اغلبیہ خاندان ۸۰۰ء / ۱۸۴ھ سے ۹۱۱ء / ۲۹۶ھ تک وہاں کا خود مختار حاکم رہا۔ اس خاندان نے ازدواج و مناکحت کے ذریعہ سے عرب اور بربر دونوں کے خون کو باہم مخلوط و ممزوج کر دیا۔ اب ان کا اخلاق اور ان کا دین بھی متحد ہو گیا اور غیریت کی وجہ سے ان میں جو تباغض و تحاسد تھا وہ سب جاتا رہا۔

ابراہیم بن اغلب کے زیر حکومت وہ تمام ملک تھا جو سواحل بحر اوقیانوس سے لے کر حدود ریاست مصریہ غربیہ تک چلا گیا ہے اور اس وسیع مملکت کے خطبوں میں خلیفہ عباسی کے نام کے ساتھ اس کا بھی نام لیا جاتا تھا اور ان کا دارالخلافہ تونس تھا۔

امرائے حکومت اغلبیہ

ابراہیم بن اغلب	۱۸۴ - ۱۹۶ھ
ابو العباس بن ابراہیم	۱۹۶ - ۲۰۱ھ
زیادۃ اللہ بن ابراہیم	۲۰۱ - ۲۲۳ھ
ابوعقال اغلب بن ابراہیم	۲۲۳ - ۲۲۶ھ
ابو العباس محمد بن اغلب	۲۲۶ - ۲۴۲ھ
ابو ابراہیم احمد بن ابی العباس	۲۴۲ - ۲۴۹ھ
زیادۃ اللہ بن ابی ابراہیم احمد	۲۴۹ - ۲۵۰ھ
ابو المغرانیق بن ابراہیم احمد	۲۵۰ - ۲۶۱ھ
ابراہیم بن احمد بن ابو العباس	۲۶۱ - ۲۸۹
ابو العباس عبداللہ بن ابراہیم	۲۸۹ - ۲۹۰
ابوجعفر زیادۃ اللہ بن ابی العباس	۲۹۰ - ۲۹۶

بنی اغلب کے غزواتِ بحری

بنی اغلب سواحل بحر متوسط پر غزوات کرتے رہے۔ جنگی جہازوں پر فوجیں بھیجتے رہے جو مملکت اٹلی، اور فرانس اور نیز جزائر کارسیکا، سارڈینیا اور سسلی پر تاخت کرتی تھیں۔

حاکم سسلی کے افسر اوفیمیوس نے زیادۃ اللہ بن ابراہیم کے پاس جاکر معاونت چاہی کہ سسلی کو فتح کر لو۔ اس نے قاضی اسد بن فرات جو اسدیہ کا مؤلف ہے اور جو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر ممتاز تھا لشکر دے کر اوفیمیوس کی مدد کو بھیجا۔

قاضی اسد بن فرات جہازوں میں بندرگاہ سوس روانہ ہو کر ۸۲۷ء میں بندرگاہ مزارہ میں پہنچا اور حاکم سسلی سے مقابلہ ہوا۔ کچھ حصہ صقلیہ (سسلی) کا فتح کر لیا اور وہیں مقیم ہو گئے۔ پالرمہ، سراغوسہ اور قصریانی یہ فتح نہ کر سکے۔ قاضی ایک معرکہ میں زخمی ہوئے اور اسی میں انتقال ہو گیا تو امیر العسکر نے اپنے جہاز جلوا دیئے اور کہا یا تو سسلی کو فتح کر دیا سمندر میں ڈوب مرو۔ چنانچہ سب مسلمانوں نے قسم کھائی کہ اب سسلی کو جیتے جی بغیر لئے نہ چھوڑیں گے۔

حاکم سسلی کی طاقت زیادہ تھی۔ یہ لوگ بھی مقابلہ کرتے رہے۔ محمد بن الاغلب تین سو کشتیاں لے کر سسلی میں مدد کو آموجود ہوا۔ پھر تو مسلمانوں نے جرغبتی اور مزارہ فتح کر لئے۔ پھر ۸۳۱ء میں پالرمہ پر بھی قبضہ کیا۔ اہل سسلی کو یقین ہو گیا کہ یہ عرب تمام جزیرے فتح کر لیں گے۔ ان جزائر کی امداد کے لئے قسطنطنیہ کے یونانی امیر اطور نے فوج بھیجی۔ مگر عربوں نے ۸۳۶ء میں قصریانی کے قریب شکست دی۔ اس کے بعد پرنوتو، طارومینہ، قطانہ، سراقط ۸۷۸ء تک اغلبیوں نے لے لئے اور باشندوں سے وہ سلوک اور رواداری برتی کہ وہ اپنی نصرانیت کو خیر باد کہہ گئے۔

باوجودیکہ مسلمانوں کے قبضہ میں کنیسہ و دیر آگئے تھے عیسائیوں کو عبادت کی عام اجازت تھی البتہ وہ راہب جو نوں کی زندگی کو اپنی ہوس رانی کا شکار بنائے ہوئے تھے ان کو کنیسوں میں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ عیسائی مسلمانوں کی صحبت سے ان کے اخلاق و عادات کے گرویدہ ہو گئے اور خود جوق در جوق داخل اسلام ہو گئے۔

عربوں نے خراج اور دیگر محاصل کی تحصیل وصول کا عمدہ انتظام کیا اور اب سلاطین یونانی کے وزراء جو محاصل کہ اپنی ذات خاص کے لئے زیادہ لیا کرتے تھے ان کا بار بھی رعایا پر سے اٹھ گیا[1]

---

[1] تاریخ عرب موسیو سدیو صفحہ ۲۴۴۔

انتظامِ سلطنت

عربوں نے ان ملکوں کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک کا نام سراغوسی اور دوسرے کا نام پانرتبانی رکھا۔

مزارہ، نوتو، مونہ تین شہروں میں تین والی مقرر کئے۔ ہر والی کے ماتحت ایک ایک حاکم تھا۔ اس حاکم کے ماتحت اور سپہ سالار تھے جو ان ولایتوں کے اطراف کی نگرانی کا کام کرتے تھے۔ غرض عربوں نے ان ملکوں کی جو ترتیب دی اور ان کو تقسیم کیا وہ بہت ہی اچھی طرح کیا۔

فلاحت و زراعت، صنعت و حرفت کو بڑی ترقی دی۔ شام سے کپاس کے درخت لے گئے۔ طرابلس الغرب سے نیشکر لائے۔ وہاں دونوں کی کاشت کرا دی۔ دیدار اور پستہ کے درخت لگائے۔ چاندی، لوہے، تانبے، گندھک اور نمک کی کانیں نکالیں۔ انواع انواع کے سنگ رخام فرفری، صوان، لیشب کو عمارتوں میں استعمال کیا۔ چنانچہ پالرمہ میں عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا جس سے ان کے فن عمارت کی اعلیٰ واقفیت پائی جاتی ہے[۱]

غرضیکہ عربوں نے سسلی کے علاقہ کو اونچے درجہ پر پہنچا دیا اور علمی درس گاہیں قائم کیں۔

اغلبیوں نے جزیرہ سسلی کو لے کر جزائر پونز اور ایشیا کی طرف توجہ کی۔ سواحل اقلیم قلبرہ کو قبضہ میں کیا۔ یہاں کے لوگ عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ تمدنی اور معاشرتی حالت بہت خراب تھی۔ تھوڑے عرصہ میں ان کی حالت سُدھر گئی۔ زیادہ باشندے بخوشی دلی دائرۂ اسلام میں آ گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی دریائے تبر کے گرد و نواح کے

---

[۱] تاریخ عرب موسیو سدیو صفحہ ۲۴۴۔

لوگ خود دعوت دینے لگے۔ ۸۳۶ء میں شہر پالرمہ پر عرب اغالبہ قابض ہو گئے۔ اب ان کی توجہ اٹلی کی طرف تھی۔ یونانیوں سے اپولیاس اور امرائے لمبردنہ نے جو بلبوان کے مالک تھے جنگ کی تھی۔

موسیو سدیو کی روایت یہ ہے کہ" اس زمانے میں اٹلی میں بدنظمی اور اختلافِ باہمی کا زور تھا۔ اس وجہ سے عربوں نے ۸۴۲ء میں شہر ترنتہ پر جا کر قبضہ کر لیا اور بلبوان کے وچی کو غارت کیا اور ایک بڑے گرجے کو جس کا نام دیر کوہ قیفض تھا اور جہاں بہت کچھ مال و متاع تھا جا کر خراب کیا[1]

مگر عربی مؤرخین کہتے ہیں کہ مذکورالذکر گرجے کو مورچہ بنایا تھا جو زد میں آکر تباہ و برباد ہُوا۔

عرب یہاں سے فارغ ہو کر اسی طرح بادشاہ فرانس سے جو شارلمین کے بعد بادشاہ تھا اس سے دُو دُو ہاتھ کئے اور اس سے شہر مرندیس کو لے لیا۔ پھر ۸۳۹ء میں شہر پادی کے مالک ہو گئے۔ اب عربوں کی فتوحات بحر اڈریاٹک کی بندرگاہ تک پھیل گئیں تو اُن کا ارادہ یہ ہُوا کہ سواحل ڈلماسیا اور اٹلی کے سواحل مشرقی کو بھی اپنے قلمرو میں داخل کر کے باشندوں کے معیارِ زندگی کو اُونچا بنائیں۔ چنانچہ بلاد پیلو، نونلیسہ اور جزائر یونان پر بھی قابض ہونے کا ارادہ کر لیا۔ غائتہ اور املفی شہروں پر بھی حملہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سالرنہ اور نیپلس خطرے میں پڑ گئے۔ پہلے سے عربوں نے گاریلیا نوندی کے دہانہ پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ پھر اُنھوں نے چاہا کہ دریائے تبر کے ذریعہ سے سفر کریں اور ملک کے اندرونی حصّے میں داخل ہو جائیں۔

روم کا پوپ عربوں کی فاتحانہ سرگرمی سے گھبرا گیا اور اس نے شہر استیہ کے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی حفاظت کا پورا بندوبست کریں۔ مگر اغلبی عرب نواحی شہر روم

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۴۵۔

پر فاتحانہ قدم بڑھا رہے تھے۔ سینٹ پطرس اور سینٹ پولوس کے گرجوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ اس کی آڑ لے کر نصرانی عربوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مجبوری درجہ وہ کیا جو نہ کرنا تھا۔ مالِ غنیمت ہاتھ لگا جو غرباء پر تقسیم کر دیا گیا۔ ۸۴۶ء میں عرب بڑے غنائم کے ساتھ واپس ہوئے۔ پھر سویطا اور ریکیشیا کے مستحکم مقامات کو گرا کر آئندہ کے لئے راہیں فتح کرنے کی کھول دیں۔

۸۴۷ء میں عربوں کی تگ و تاز اٹلی کے صوبوں پر تھی۔ لوئی ثانی بادشاہ اٹلی عظیم الشان لشکر لے کر عربوں سے مقابل ہوا۔ ۸۶۸ء تک جنگ کا سلسلہ رہا۔ نواحی شہر لوسیرہ سے عرب ہٹ گئے۔ ۸۷۱ء میں مدینہ یادی بھی قبضہ سے نکال لیا۔ عرب صرف اٹلی کے ملک میں بجز شہر ترنتہ کے اور کوئی مقام نہ رکھ سکے۔ وجہ یہ ہوئی کہ خانہ جنگی اغلبیوں میں شروع ہو گئی۔ عربوں نے نیپلس، املفی اور سالرنہ کے لوگوں سے صلح کر لی اور ان کے ساتھ مراعات برتیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر روم کے کنیسہ کبری کی جانب متوجہ ہوئے۔ پوپ حنا مقابلہ پر ڈٹ نہ سکا دبتا چلا گیا حتیٰ کہ شہر رومہ اور ادینہ ان کے قدموں میں تھے مگر ان کی عظمت کا خیال کر کے عرب اپنے مراحم خسروانہ سے جزیہ پر صلح کر بیٹھے جس کی مقدار پچیس ہزار رطل[1] چاندی تھی۔

پوپ نے ۸۸۰ء میں بادشاہ فرانس و جرمنی کے پاس جا کر فریاد کی اور مدد مانگی مگر عربوں نے خود جزیہ کی شرط کے بعد اٹلی کے ملک پر تاخت و تاراج کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا[2]۔

موسیو سدیو کا بیان ہے:-

"اغلبیوں نے بحر متوسط کے کنارے جو اپنے مسکن اور اقامت گاہیں بنالی تھیں وہ بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ مقاصد حکمرانی و سیاست

---

[1] رطل آٹھ اوقیہ کا ہوتا ہے۔

کے لحاظ سے بھی مفید تھیں اور ضرورتِ تجارتی کے لئے بھی بہت نافع تھیں۔ کیونکہ ان قلعوں کے پاس تجارتی مکاتب ہوتے تھے۔ عرب اور لمبارڈ دونوں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ املفی کے باشندوں نے عربوں سے کچھ شرطیں ٹھہرالی تھیں جن کے بموجب انھوں نے شہر پالرمہ کے اطراف میں ایک جگہ اپنے استعمال کے لئے لے لی تھی۔"[1]

جزیرہ سسلی کے علاوہ عربوں نے جزیرہ مالٹا، غزو، کامنیوا اور پنٹلاریہ کو بھی لے لیا۔ پالرمہ کے بعد جزیرہ سارڈینا بھی اُن کے ہاتھ آگیا۔

مرکینیٹ بھی لے لیا۔ اس سے عربوں کے لئے کوہستان الپہ کو جانا آسان ہو گیا تھا۔ اس کے سوا جزائر کارسیکا اور بلیارہ بھی عربوں کے قبضہ میں آگئے تھے۔

جو فتوحات بحر متوسط پر اغلبیوں کو حاصل ہوئی تھیں وہ افریقہ اور ہسپانیہ کے عربوں کی فتوحات سے کہیں بڑھ کر تھیں۔[2]

اغلبی لوگ معاملہ کے اچھے تھے۔ مخلوق خدا سے بہ نرمی و رفق پیش آتے تھے۔ اس سے ان کی حکمرانی کا زمانہ بہت ہی اچھا رہا۔

۲۶۱ھ سے ۲۹۰ھ تک ابو اسحاق بادشاہ ہوا۔ اس نے ایسے ایسے ظلم و ستم کئے کہ لوگ اس خاندان سے برگشتہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر علویوں نے اپنے داعی بھیج کر وہاں کے لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ ابوالنصر زیادۃ اللہ اغلبی کے عہد میں عبیداللہ فاطمی نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۴۷ [2] ایضاً ص ۲۴۸

ترقی علوم و فنون اور صنعت و حرفت میں بنی اغلب کا حصّہ

اغلبیوں کے قبضہ میں جس قدر افریقہ وغیرہ کا ملک تھا وہاں اسلامی تہذیب و تمدن کو پھیلایا۔ چنانچہ موسیو سدیو کا بیان ہے :۔

"اغلبیوں نے اقالیم افریقیہ کو مہذب بنایا۔ جو اسلامی تمدن شام اور عراق میں جاری تھا وہی انہوں نے وہاں بھی جاری کیا۔ "قصر قدیم" اور "اصادہ" دو شہر نئے آباد کئے۔ وہ کبھی تونس کبھی قیروان اور کبھی طرابلس میں رہتے جس سے یہ سب شہر ایسی عمارتوں سے معمور ہو گئے جن میں حادہ قوسین بنائی جاتیں اور بڑے بڑے آراستہ و پیراستہ ستون قائم کئے جاتے تھے جو عمارات رومانی کے طرز پر ہوتے تھے۔ ایسی ندیوں پر جہاں بارش کی وجہ سے دفعتہً تیز رو سیلاب جاری ہو جاتے تھے، انہوں نے پل بنوائے۔

غرض ان لوگوں کے سبب سے تمام ملک میں تہذیب پھیلی۔ انہوں نے علوم و فنون، صنعت و حرفت اور تجارت و فلاحت کی ترقی میں بڑی کوشش کی۔ جگہ جگہ تجارت کی منڈیاں قائم کیں جس سے صحرائی قوموں اور سواحل کے باشندوں کے مابین آمد و رفت کی سہولتیں ہو گئیں۔ نئی نئی سڑکیں نکالیں، ان میں امن و امان کا بڑا بندوبست کیا۔ ڈاک کے راستوں اور مقاموں کی نگرانی شہروں کے عمائد اور اعیان کو سپرد کی نیز ان مقامات میں خاص نگران مقرر کئے۔ ان میں پیدل ہرکارے اور سوار قاصد ڈاک لے جایا کرتے تھے اور یہ ڈاک حدود مغرب کی ابتداء سے مملکت مصر کے حدود تک برابر آ جاتی تھی۔ علاوہ بریں اغلبیوں نے بڑی کشتیوں کا

بیڑہ بھی تیار کیا جس کے ذریعہ سے بحر متوسط پر حکومت کرتے تھے[1]"

فاتح صقلیہ قاضی اسد ابنِ فرات

قاضی ابوعبداللہ اسد بن فرات بن سنان کا وطن نیشاپور تھا۔ فرات حران (دیار بکر) آرہے تھے۔ ۱۴۲ھ میں اسد پیدا ہوئے۔ فرات کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ فرات افریقہ آگئے اور قیروان میں قیام کیا۔ یہاں سے تیونس چلے گئے۔ اسد نے تیونس میں دینی علوم کی تکمیل کی۔ ان دنوں تیونس میں علی بن زیاد کی مسندِ درس بچھی ہوئی تھی۔ یہ بھی درس میں شامل ہوئے۔ علم حدیث و فقہ کی تحصیل کی ۱۷۲ھ میں مدینہ آکر امام مالک کے درس میں شریک ہوئے۔ مؤطا سبقاً سبقاً پڑھی۔

پھر مدینہ سے عراق آئے۔ یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مجلسِ درس قائم تھی۔ امام ابویوسف و امام محمد بن حسن اور اسد بن عمرو کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہو کر وطن کے لئے رخصت ہو کر بغداد آئے۔ ولی عہد امین الرشید نے امام محمدؒ کی سفارش سے زادِ راہ عطا کیا۔ یہاں سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر میں عبداللہ بن وہب اشہب اور عبدالرحمٰن بن قاسم کی بساطِ علمی بچھی ہوئی تھی۔ یہ امام مالک کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے درس میں اسد شریک ہوئے مگر ان سے نبھی نہیں۔ یہیں مصر میں فقہ مالکی کی پہلی کتاب "الاسدیہ" کے نام سے مرتب کی۔

۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان آگئے۔ یہیں قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اعیان افریقہ سب آپ کا احترام کرتے تھے۔ ۲۱۲ھ میں

---

[1] تاریخ موسیو سدیو فرانسیسی صفحہ ۲۴۱۔

قاضی اسد کی رائے کے مطابق صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔[1] اغلبی فرماں روا زیادۃ اللہ نے قاضی صاحب کو امیر صقلیہ بنانا چاہا تو آپ نے کہا۔

"مجھے منصب قضاۃ سے علیحدہ کر کے امارت عسکر سپرد کی جاتی ہے"

زیادۃ اللہ نے کہا۔ آپ بحیثیت قاضی کے امیر بھی رہیں گے اور عہدۂ امارت فوج و منصب قضاء کی سند لکھ کر قاضی صاحب کے حوالے کی۔

آپ دس ہزار فوج کو لے کر سوسہ پہنچے اور سوسہ سے جہازوں پر سوار ہوئے اور صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بیڑا تقریباً سو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ یہ جنگی بیڑا ۸۲۷ء کو ساحلی شہر مازر پر لنگر انداز ہوا۔ لشکر مجاہدانہ سرگرمی سے اترا کہ اہلِ مازر گھبرا گئے اور شہر چھوڑ گئے۔ قاضی صاحب نے قبضہ کیا اور قلعہ پر پرچم اسلام لہرایا۔ ابوذر کنانی کو "مازر" کا حاکم مقرر کیا۔ ادھر بازنطی حکومت نے مرج پر ایک لاکھ فوج جمع کر لی تھی جس میں قسطنطنیہ وینس اور صقلیہ کے لوگ تھے۔

قاضی اسد کے پاس صرف دس ہزار مجاہد نفوس تھے۔ ان کو لے کر مرج پہنچے اور اسلامی لشکر کی صف بندی کی اور لوائے جنگ خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ سخت مقابلہ ہوا۔ قاضی صاحب نے بڑی داد شجاعت دی زخمی ہوئے مگر لوائے اسلام کو نہ چھوڑا۔ آخر شکس رومی فوج شکست کھا گئی۔ صقلیہ کا پہلا میدان قاضی صاحب کے ہاتھ رہا۔

شاہ دولت اغالبہ زیادہ اللہ نے قاضی صاحب کی فتح وظفر کا مژدہ خلیفہ وقت مامون الرشید کو بھیجا۔ مرج لینے کے بعد قاضی صاحب کیلہ کی جانب بڑھے وہ بھی بلا دقت قبضہ میں آگیا تو اور آگے بڑھ کر "کنسہ مسلقین" میں مقیم ہو گئے۔

قاضی صاحب کی شجاعانہ سرگرمی نے صقلیہ کے علاقہ میں ہیبت پیدا کر دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶۔

ادھر ہر جگہ کامرانی اور فتوحات قدموں تلے تھی۔ قاضی صاحب نے فوجوں کو اس قدر دولت سے مالامال کیا کہ اُن کے قدم آگے بڑھنے لگے۔ پھر قلعہ کراشا کوتا کا وہاں کے لوگوں کو خبر لگی وہ گھبرا گئے اور انہوں نے امان طلب کی۔ جزیہ پر فیصلہ ہوا۔ کرات کا سرقوسہ کا حفاظتی قلعہ تھا۔ چنانچہ لشکر اسلامی نے سرقوسہ کے قرب وجوار پر بھی قبضہ کیا اور قلعہ کا گھیرا ڈال دیا۔ محاصرہ میں قاضی اسد زخمی ہوئے اور ربیع الاول ۲۱۳ھ میں انتقال کیا اور فاتح صقلیہ اسی سرزمین میں تہ خاک ہُوا۔ ان کی قبر پر مسجد تعمیر کرادی گئی اور ایک یادگار قیروان میں مسجد کی صورت میں زیادۃ اللہ نے تعمیر کرادی۔ اس پر "اسد بن فرات" کندہ ہے۔[1]

مراکش میں حکومت مکناسیہ صافیہ

یہ حکومت مراکش میں ۳۱۱ھ سے ۳۶۳ھ تک ترپن سال قائم رہی۔ اس حکومت میں چار بادشاہ ہوئے۔

موسیٰ بن علی العافیہ مکناسی جس نے ۳۱۱ھ سے ۳۴۱ھ تک تیس سال حکمرانی کی۔

ابراہیم بن موسیٰ ۳۴۱ھ سے ۳۵۰ھ تک نوبرس حکمراں رہا۔

عبداللہ بن ابراہیم ۳۵۰ھ سے ۳۶۰ھ تک۔

محمد بن عبداللہ ۳۶۰ھ سے ۳۶۳ھ تک حکمران رہا۔

دولتِ طولونیہ

۲۵۷ھ سے ۲۹۲ھ تک

دولتِ طولونیہ کا بانی احمد بن طولون تھا۔ طولون ایک ترکی غلام تھا۔ ۲۰۰ھ میں بخارا کے عامل نوح بن اسد سامانی نے اسے مامون الرشید کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ طولون نے مامون کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مامون نے بھی مساواتِ اسلامی کا وہ نمونہ دکھایا کہ غلام کو امراء کے پہلو میں جگہ دی۔ طولون کے یہاں سامرا میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔ طولون نے اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانے پر کرائی۔ احمد بن طولون شاہی خاندان کے شہزادوں میں رہا۔ وہی خوبو اس میں پیدا ہو گئی۔ علم سے اس کو دلچسپی تھی۔ علم حدیث سے اس کو بڑا شغف تھا۔[1] طرطوس کے محدثین سے سماعِ حدیث کے لئے کئی مرتبہ وہاں کا سفر کیا۔ احمد فطرۃً صالح وسعید تھا۔ صلحاء واخیار کی صحبت نے اس میں فضل وکمال پیدا کر دیا۔ دربارِ خلافت میں اس کو رسوخ تھا۔[2]

عباسی وزیر عبید اللہ بن یحییٰ نے طرطوس کا عامل کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد بن طولون اپنی ماں سے ملنے سرمن راء آ رہا تھا۔ قافلہ میں ایک شاہی خادم مستعین باللہ بھی تھا۔ اس کے پاس خلیفہ کی چند فرمائشیں تھیں۔ راہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ کو لوٹا۔ احمد نے ان کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان سے مال چھین لیا اور خادم مستعین کو دے دیا۔ اس نے سامرا آکر تمام واقعہ خلیفہ کے گوش گزار کیا۔ خلیفہ

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱، ص ۱۰۴ [2] خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

نے احمد کو شرف باریابی بخشا۔ اب احمد پر مستعین کی نوازشات اور اکرام دن بدن بڑھنے لگیں مستعین کو معزول کر کے واسط روانہ کیا گیا۔ ابن طولون رفاقت میں تھا[1] کچھ عرصہ ابن طولون امیر باتلباک کی فوج میں بھی رہا۔ امیر مذکور ۲۵۴ھ میں بحکم معتز مصر کا والی مقرر ہوا تو اس نے ابن طولون کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا۔ فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ رمضان ۲۵۴ھ کو احمد بن طولون مصر میں داخل ہوا۔[2] اس وقت حاکم خراج ابن مدبر کا مصر میں اقتدار تھا۔ ابن طولون نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے اثرات قائم کر لئے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ احمد میں عدل، بدوی فیاضی، شجاعت و بہادری، حسن سیرت، فراست تمام اوصاف جمع تھے وہ اپنے فرائض کو خود تندہی سے انجام دیتا۔ رعایا کی خبر گیری اہلِ علم سے ہر معاملہ میں مشورہ کرتا اور اس کا دستر خوان عوام و خواص ہر شخص کے لئے وسیع تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار دینار یومیہ خیرات کرتا تھا[3]

اہل ملک اس کے گرویدہ ہو گئے۔ مہتدی تک اس کے اوصاف کی خبر پہنچی تو اس نے اسکندریہ کی حکومت بھی اس سے ہی متعلق کر دی۔

معتمد نے خراج کا شعبہ بھی احمد سے ہی منسلک کر دیا اور عیسٰی بن شیخ والئ شام کی بغاوت فرو ہونے کے بعد شام کی ولایت بھی اُس کے سپرد کر دی گئی۔ اس سے ابن طولون کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور اس کا آفتاب اقبال نصف النہار تک پہنچ گیا۔ ابن مدبر نے ابن طولون کے خلاف خفیہ سازش کی مگر ناکام رہا۔

ابن طولون کا عروج

ابن طولون نے اپنی حکومت کے ہر شعبہ کو سنبھالا اور اس کو بے حد ترقی دی۔ اس کے پاس کثرت سے

---

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ [2] تاریخ الیعقوبی تالیف ابن واضح ابناری جلد ا صفحہ ۲۲۵

[3] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۵۵ و اعلام النبلاء بتاریخ حلب جلد ا صفحہ ۲۱۸ ۔

غلام ہو گئے۔ آلات و اسلحہ کے ذخائر جمع کر لئے۔ سپاہ کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ دارالامارۃ کی وسعت ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئی۔

نیا شہر قطائع ابن طولون نے وقت کے تقاضے سے ایک خوب صورت شہر آباد کیا جس کا ایک سِرا فسطاط سے ملتا تھا۔ اس میں ہر قوم و مذہب کے لوگ آباد کئے۔ ہر طبقہ کے محلے الگ تھے۔ پیشہ وروں کے بازار جدا جدا شہر میں وسیع سڑکیں اور ستھری گلیاں، جا بجا خوب صورت مساجد اور حمام اور رفاہِ عام کے کام کئے۔

جامع مسجد بڑے شان و شوکت کی عظیم ترین جامع مسجد تعمیر کرائی۔ یہ جبلِ مقطم پر تنور فرعون کے قریب یشکر نامی ٹیکری پر بنی۔ مسجد کی تعمیر کے وقت یہاں خزانہ نکلا۔ دو سال کی کوشش میں ۲۶۳ھ میں یہ جامع تیار ہوئی۔ گو یہ مسجد نہایت سادہ وضع کی ہے۔ ایک مربع صحن اور اُس کے دونوں جانب دو دالان محرابوں پر، یہ محرابیں بالکل نوکدار ہیں اور ان کے نیچے کا حصہ زیادہ تر نعل کی صورت ہے۔ یہ محرابیں بعوض معمولی ستونوں پر قائم ہونے کے پایۂ ستونوں پر قائم ہیں جن کے چاروں کونوں پر ایک ایک ستون ہے۔ ان ستونوں کا اوپر والا حصہ شرقی وضع کا ہے۔ محرابوں کے اُوپر کی چھت مسجدِ عمر کی چھت کی طرح بنی ہوئی ہے۔ کوفی کتبے چھت کے نیچے ہیں۔ مسجد کی باہر کی دیوار کنگرہ دار ہے۔ آرائشیں اور نقش و نگار مسجد کا پچ ہے۔ اس کے میناروں میں سے اب ایک باقی ہے[1] صحنِ مسجد کے بیچ میں ایک خوبصورت فوارہ ہے۔

محل ابن طولون نے اپنے لئے شاندار محل تعمیر کرایا۔ وسعت اور خوب صورتی کے اعتبار سے اپنا جواب آپ تھا۔ شہر سے متعلق ایک نزہت گاہ تھی[2] ان تعمیری ترقیوں کے ساتھ اس نے حکومت کے ہر شعبہ کو ترقی دیکر

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۲۱۹ [2] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔

دولت طولونیہ کو اس عہد کی مہذب ترین حکومتوں کے پہلو بہ پہلو کر دیا۔

بیمارستان فسطاط میں ابن طولون نے بڑے پیمانہ پر بیمارستان قائم کیا۔ مصر کا یہ پہلا شفاخانہ تھا۔ بیمارستان سے متعلق اطباء کے مکانات تھے اور دو کانیں تعمیر کرائی تھیں تاکہ اُن کے کرایہ سے بیمارستان کا صرف چلتا رہے۔ بیمارستان سے متعلق نخاس کی ساری آمدنی کر دی اور اس کو وقف کر دیا۔ ابن طولون اطباء اور ان کے معالجات کو ملاحظہ کرنے خود آتا مریضوں کی عیادت کرتا۔

رفاہِ عام روضہ کا مقیاس خراب ہو گیا تھا دس ہزار دینار لگا کر اس کو اچھی طرح مضبوط کرا دیا۔

متعدد پُل بنوائے۔ اسکندریہ کی نہر صاف کرائی اور اس میں جا بجا حوض اور سقاوے بنوائے اور منارہ کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔

مدارس ابن طولون نے تعلیم پر خاص توجّہ کی۔ جگہ جگہ مکاتب و مدارس کھلوائے جہاں پسماندہ اقوام کو بھی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔

درسِ حدیث جامع مسجد میں علامہ محمد بن ربیع مقرر کئے گئے جنھوں نے درس حدیث کا آغاز کیا۔ ان کے درس میں خود ابن طولون اور اس کا بیٹا مثل طالب علم کے حاضر ہوتے تھے۔

فوجی نظام ابن طولون نے بے پناہ فوج سوڈانیوں اور رومیوں کی تیار کی۔ ان کے رہنے کے لئے مدینۃ القطائع آباد کیا۔

ابن طولون نے اپنے محل میں ایک ایسی جگہ بنوائی تھی جہاں سے وہ اپنی فوج کا مظاہرہ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ جب ابن طولون باب اوسط سے باہر نکلتا اور اس کی فوج دوسرے دونوں دروازوں سے نکلتی تو اس کے نظام اور ڈسپلن کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی [1]

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۲۳۹۔

بحری نظام احمد بن طولون نے جہاں فوج کا نظام درست کیا۔ اُس کے ساتھ نیل میں چلنے والے جہازوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس نے جنگی جہازوں کی صنعت کو زیادہ ترقی دی۔ جزیرۂ روضہ کے قریب چند کارخانے قائم کئے جو صناعۃ الجزیرہ کے نام سے معروف تھے۔ محمد بن طغج اخشید کے وقت تک باقی تھے۔[1]

ملکی اصلاحات احمد عزم وہمت اور پختہ کاری میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے آمدنی کی ایک بہت بڑی مقدار ملکی اصلاحات پر صرف کی۔ زراعت کی طرف توجہ کی، نہریں جاری کیں اور زراعت کی ترقی و اصلاح کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ اس نے صنعت وحرفت کا احیاء کیا۔ ان صنعتوں کا ثمرہ یہ نکلا کہ ریاست کی آمدنی ..... ۴۳ لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ ابن طولون کے زمانے میں غلہ بہت سستا ہو گیا۔ گیہوں اس کے دور میں فی دینار دس اردب تک فروخت ہوئے۔[2]

ابن طولون نے ہمہ گیر اصلاح وترقی سے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ اُسے خراج کی وصولی میں کبھی سختی کرنے کی نوبت نہ آئی۔

وزارت احمد بن طولون نے احمد بن محمد واسطی کو اپنا کاتب مقرر کیا اور حکومت کے نظم وضبط میں اس سے مشورہ لیا کرتا۔ یہ کاتب ایک وزیر اعظم کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔[3]

احمد بن محمد کاتب جب سامرا گیا تو جعفر بن عبدالغفار مصری کو کتابت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ ابن طولون کا ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور ایک فارن سیکرٹری تھا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۹۲ ۔ ۲۹۷ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۸

[3] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۶۸ ۔

موفق اور ابن طولون خلیفہ معتمد کے بھائی موفق جس نے حکومت بنی عباس کو سنبھال رکھا تھا۔ ابن طولون سے اس کی ناچاقی ہوگئی۔ موفق کو ابن طولون کا بڑھتا ہوا اقتدار ناپسند ہوا۔ موفق نے ابن طولون کو معزولی کی دھمکی دی۔ ابن طولون نے بھی جواب سخت دیا۔ اس نے موسے بن بقا کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ ابن طولون نے مقابلہ کی تیاری کر دی۔ ایک قلعہ بنانا شروع کیا جس میں وہ خود معہ ارکانِ سلطنت کے مثل مزدور کے کام کرتا۔ فوج ابن بقا مقام رقہ تک پہنچی تھی۔ کمی رسد کی وجہ سے رک گئی۔ دس ماہ اس کو ٹھہرنا پڑا۔ آخر شکستہ واپس بغداد ہوئی۔ یہ خبر مصر پہنچی، قلعہ کی تعمیر بند کر دی اور خدا کی جناب میں شکریہ ادا کیا کہ اس نے جنگ سے نجات دی اور غرباء میں صدقہ وخیرات تقسیم کی۔

ولایتِ شام شام کے ساحل پر رومی حملہ کرتے رہتے تھے۔ خلیفہ میں مدافعت کی قوت نہ تھی۔ اس نے ۲۶۳ھ میں ابن طولون کو طرطوس کی ولایت کا فرمان بھیجا اور رومیوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس نے جاکر سرحد کو مضبوط کیا اور سارے شام پر قبضہ کر لیا۔ اب اس کی سلطنت برقہ سے ساحل فرات تک پہنچ گئی اور خلیفہ معتمد کا دائرۂ حکومت صرف عراق، جزیرہ اور اہواز تک رہ گیا۔ موفق حبشیوں کی جنگ میں لگا ہوا تھا۔ ابن طولون نے اپنی قوت کو اور بڑھالیا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ کی خدمت میں بہت کچھ تحفے دے کر استدعا کی کہ آپ مصر تشریف لے آئیں۔ چنانچہ خلیفہ سامرا سے روانہ ہو کر پہلی منزل تک پہنچے تھے کہ موفق کو خبر لگ گئی۔ اس نے ارکینِ سلطنت کو بھیج کر خلافت مآب کو روک کر دارالخلافت واپس بلالیا۔ موفق کو ابن طولون کی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے خلیفہ سے ائمہ مساجد کے نام حکم بھجوایا کہ اس پر لعنت بھیجی جائے۔

ابن طولون شام کے انتظام کے لئے گیا ہوا تھا کہ اس کا بیٹا عباس خزانہ

سے بیس لاکھ دینار نکال کر باغی ہو گیا اور برقہ جا کر فوجیں جمع کرنے لگا[1]۔ اس کو سمجھایا گیا۔ جب وہ اپنی حرکت سے کنارہ کش نہ ہوا تو اس کی گوشمالی کے لئے فوج بھیج دی۔ عباس بھاگ کر افریقہ چلا گیا۔ وہاں عمال سے لڑائیاں کیں۔ آخر ہزیمتیں اٹھا کر برقہ آ گیا اور گرفتار ہو گیا۔ اب طولون نے سو کوڑے اس کے لگوائے اور قید کر دیا۔

قاضی بکار بن قتیبہ طولونیوں کے زمانے میں قاضی بکار کی شخصیت بہت ممتاز ہے۔ فقہ اسلامی میں غیر معمولی تبحر تھا۔ موفق اور ابن طولون میں رنجش بڑھی ہوئی تھی تو ابن طولون نے قاضی صاحب سے کہا کہ موفق پر لعنت کی جائے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ بار بار اصرار پر بھی وہ رضامند نہ ہوئے۔ ابن طولون سخت غضب ناک ہوا تو اس نے کہا کہ میں سالانہ ہزار دینار ہدیہ بھیجتا تھا وہ عطایا کہاں ہیں؟ قاضی صاحب نے سولہ تھیلیاں جوں کی توں مہر شدہ ابن طولون کے پاس بھیج دیں۔ ابن طولون نے رکھ لیں۔ قاضی بکار فیصلہ کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کیا کرتے تھے[2]

وفات ۲۰ ذیقعدہ شب یک شنبہ ۲۷۰ھ میں احمد ابن طولون نے انتقال کیا۔ قلعہ کے باب محاورت میں دفن کیا گیا۔[3]

ابو الجیش خمارویہ

خمارویہ باپ کی جگہ سریر آرائے حکومت ہوا۔ سب نے بیعت کی۔ مگر والئ دمشق نے انکار کیا۔ مصری فوجیں اس کے سر پر پہنچ گئیں۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا کر شیراز چلتا ہوا۔ سب سے پہلے خمارویہ نے اسکندریہ کے بطریق کو قید خانہ سے رہا کیا جس کو ابن طولون نے محبوس کر دیا تھا۔ مصری عیسائی خمارویہ سے بیحد خوش ہو گئے۔

---

[1] اعلام النبلاء و تاریخ حلب الشہبا جز اول صـ۲۱۲ [2] کتاب الولاۃ والقضاۃ صـ۵۱۴ [3] اعلام النبلاء تاریخ حلب الشہبا جز اول صـ۲۱۳ ۔

خلیفہ سے تعلقات معتضد جب سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے خمارویہ کو نوازنا شروع کیا۔ اس نے تحفہ میں بیس خچر اشرفیوں سے لدے ہوئے دس غلام دو صندوق زیور، سترہ راس اسپ معہ طلائی ساز، سینتیس شتر جن کی جھولیں زربفت کی تھیں۔ خلافت مآب کی سواری کے لئے پانچ خچر اور ایک زرافہ بھیج اس کے ساتھ سوار تھے جن کی قبائیں ریشمی اور کمریں مرصع بہ جواہر تھیں ارسالِ خدمت کیا اور مزید تقرب کے لئے اپنی بیٹی قطر الندیٰ کو معتضد کے حبالۂ عقد میں پیش کیا۔ یہ شادی ۲۸۲ھ میں ہوئی[1]

قطر الندیٰ کے جہیز میں اس قدر ساز و سامان دیا گیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کے بیٹھنے کے لئے طلائی تخت بنوایا جس کے چاروں گوشوں پر مرصع ستون تھے ان پر جالی دار طلائی قبہ تھا جس کے ہر ہر حلقہ میں بڑے بڑے موتی سونے کے تار میں لٹکے ہوئے تھے۔ جوڑوں کی قیمت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ہزار ازار بند تھے جن کا صرفہ بارہ ہزار دینار تھا۔[2]

معتضد نے اس کے صلہ میں مصر کے خراج کی باقی ماندہ رقم میں سے کل دو لاکھ دینار سالانہ کے حساب سے لے کر مزید تین لاکھ سالانہ پر فرات سے برقہ تک حکومت کا قبالہ لکھ دیا اور بارہ پارچے کا خلعت۔

قطر الندیٰ کی رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر ایک منزل پر اپنے محل کے مشابہ ایک ایک قصر تعمیر کرا کے سامان وغیرہ سے آراستہ کرا دیا تھا۔ عروس بغداد تک اپنے محلات میں قیام کرتی ہوئی آغاز محرم ۲۸۲ھ میں بڑے شان و شکوہ سے بغداد پہنچی۔ خلافت مآب نے بھی عروس کا شایانِ شان استقبال کیا۔

نظام حکومت خمارویہ نے باپ کے قدم بقدم حکومت کا انتظام کیا تھا۔ اس کے عمال اپنے فرائض باحسن خوبی انجام دے رہے تھے۔

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ و ۱۸ ص ۶۸ [2] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جلد ۱ ص ۳۲۷۔

باغات

خمارویہ کو عمارت کی تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ اس کے ساتھ نزہت گاہوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ سرکاری نزہت گاہ میں دُور دُور سے درخت منگوا کر لگوائے اور قسم قسم کے پھولدار درخت اور میوے کے درخت اس باغ میں نصب کرائے۔ پھولوں کی چمن بندی کرائی۔ طرح طرح کے خوشنما اور خوش رنگ پرند منگا کر اس باغ میں رکھے۔ اس نے ایسے کئی باغ اپنے قلمرو میں تیار کرائے۔

چڑیا خانہ

ایک بڑے احاطہ میں چڑیا خانہ (باغ حیوانات) بنوایا۔ جہاں جنگلی جانوروں کے رکھنے کا معقول انتظام تھا۔[1] شیر اور چیتے ایسے سدھائے گئے تھے کہ دربار میں اس کے ساتھ آ کر ادھر گرد کھلے بندوں بیٹھے رہتے اور باغ میں خمارویہ چہل قدمی کو جاتا تو پیچھے پیچھے ساتھ رہتے۔

قصر خمارویہ

خمارویہ نے اپنے لئے ایک محل خاص بنوایا تھا۔ محل کی دیواروں کو لاجورد محلول و طلا اور مختلف قسم کی چوبی تصویروں سے آراستہ کیا تھا اور اپنے استراحت کے لئے ایک حوض محل میں بنوایا تھا جس میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر ریشم کی ڈوریاں چاندی کے کڑوں میں بندھی ہوئی تھیں جن کے اوپر چرمی گدا ہوا سے بھر کر ڈال دیا گیا تھا۔ اس گدے پر خمارویہ آرام کیا کرتا تھا۔

خمارویہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی یہ انتظام کیا کہ احمد واسطی اور سعد الایسر کو فوجیں دے کر شام بھیج دیا۔ اس کو موفق عباسی کی طرف سے اندیشہ تھا۔ اس کے سوا ساحل کی حفاظت بھی منظور تھی۔ احمد واسطی نے موفق کو مطلع کیا کہ خمارویہ کی قوت کمزور ہے آپ شام پر قبضہ کر لیں۔[2]

اسحٰق بن کندہ جیق والی موصل و جزیرہ اور محمد بن دیوداد ابن ابی الساج معروف بالافشین کو شام کے لینے کی تمنا ہوئی۔ انہوں نے بھی موفق سے

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۷، صفحہ ۶۸ [2] کتاب الولاۃ کندی صہ ۲۳۶۔

معاونت چاہی۔ اس نے فوراً دونوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا اور خود مدد کے لئے پہنچا اور ان دونوں کے ساتھ ۲۷۲ھ میں رقہ آیا۔ قنسرین اور عواصم کے لوگوں نے بلا مزاحمت شہر اُن کے حوالے کر دیا۔ دمشق البتہ مقابل ہُوا۔ لیکن موفق نے اس کی مزاج پرسی کر دی اور شہر میں داخل ہو گیا۔

خمارویہ صفر ۲۷۱ھ میں مصر سے شام آیا۔ اردن فلسطین میں لب نہر ہر دو سے مقابلہ ہو گیا۔ خمارویہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور فسطاط لوٹ آیا۔ سعد الاسیر خمارویہ کی فوج لے کر میدان میں آ کُودا اور موفق کو شکست دے کر دمشق پر قبضہ کر لیا اور خمارویہ کا خطبہ پڑھا گیا۔[1]

۲۷۲ھ میں خمارویہ دورے پر شام آیا اور ایک جرم پر سعد الاسیر کو قتل کرا دیا اور دمشق میں داخل ہُوا۔ اسحٰق بن کنداجیق سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ آخر کار صلح ہو گئی۔ اس نے موفق سے بھی صلح کرا دی۔ موفق نے تیس سال کے لئے خمارویہ اور اس کے اولاد کے نام مصر و شام کی حکومت کا قبالہ لکھ دیا اور خمارویہ نے اس کے نام کا خطبہ اپنے یہاں جاری کر دیا۔[2]

وفات:۔ خمارویہ کو اس کے خدام نے سوتے میں ۲۸۳ھ میں قتل کر دیا۔[3]

جیش بن خمارویہ

خمارویہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابو العساکر جیش کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی۔ مگر اس کی کم سنی کی وجہ سے حاکمِ شام طغج بن جف نے بیعت نہیں کی۔ مصری افواج بھی طغج کے ساتھ ہو گئی اور اس نے محل پر چڑھائی کر کے لوٹ لیا اور شہر میں آگ لگا دی اور جیش کو قتل کر ڈالا۔[4]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۴
[2] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۱۶
[3] دائرۃ المعارف جلد ۱۰
[4] مقریزی

ہارون ابن خمارویہ

فوج نے ہارون بن خمارویہ کو بادشاہ بنا لیا مگر حکومت سنبھل نہ سکی۔ اسکی نااہلی سے صرف عباسی حکومت ہی سے تعلقات خراب نہیں ہوئے بلکہ اس کے امراء اور اعزاء بھی خلاف ہو رہے تھے۔ خلیفہ معتضد کو معلوم ہوا تو اس نے لشکرکشی کردی جب شہر امیدہ میں وارد ہوئے تو وہاں کے عامل محمد بن احمد نے اطاعت قبول کرلی۔ ہارون نے خلیفہ کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ میں فرمانبردار ہوں۔ اور ولایت طرطوس بطور نذر پیش ہے۔ معتضد نے قبول کیا مگر کچھ عرصہ بعد ہی خلافت مآب نے قنسرین اور عواصم پر بھی قبضہ کرلیا۔ اب اس کی ولایت شام اور مصر پر محدود ہو کر رہ گئی۔ مگر شرط یہ طے پائی کہ سالانہ چار لاکھ دینار خزانۂ خلافت میں داخل کیا کرے گا۔ امرائے دولت بدر الکمالی اور امیر فائق طولونی نے جو شام کے حاکم تھے ہارون سے بددل ہو کر عباسی امیر محمد بن سلمان کو مصر پر فوج کشی کی دعوت دی اور معاونت کے لئے تیار ہو گئے[1]

مکتفی باللہ ہارون سے خوش نہ تھا وہ آمادہ ہو گیا اور ۲۹۲ھ میں محمد بن سلمان نے بری اور امیر دمیانہ والئی سرحد نے بحری سمت سے مصر پر فوج کشی کردی اور طولونی امراء کو خلیفہ کی اطاعت کی دعوت دی۔ بدر الجمالی، امیر وصیف بن صوارتگین اور امیر صافی امرائے مصر ہارون سے علیحدہ ہو کر امیر محمد بن سلمان سے میل کر گئے۔ ہارون نے خلیفہ کی فوج کی آمد سن کر امیر وصیف قطر منیر اور خصیب بربری کو امیر دمیانہ کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ تیونس میں ہر دو افواج مقابل ہوئیں۔ قطر منیر اور خصیب کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور امیر دمیانہ کامرانی سے تیونس پر قابض ہو گیا۔ قطر منیر نے دمیاط جا کر پناہ لی کہ امیر دمیانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۸۔

سر پر پہنچا اور اس نے امرائے دمیاط کو اطاعت خلیفہ کی دعوت دی وہ انکاری ہوئے اس لئے امیر دمیانہ نے دمیاط پر حملہ کر دیا۔ قطر منیر اور خصیب کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ راہِ فرار اختیار کرنے کو تھے کہ گرفتار ہو گئے اور ان کا بحری بیڑہ امیر دمیانہ کے قبضہ میں آگیا۔

ہارون بن خمارویہ فسطاط میں رنگ رلیوں میں مست تھا۔ امیر دمیانہ کی پیہم کامیابیوں کو دیکھ کر فسطاط سے عباسیہ آیا۔ یہاں امراء اس کی حرکتوں سے بیزار ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو اُس کے چچا شیبان اور عدی کو جو عرصہ سے اس کے خلاف تھے موقعہ مل گیا۔ انہوں نے ایک دن جب ہارون شراب پی کر غافل تھا اس کو قتل کرا دیا۔

یہ واقعہ صفر ۲۹۲ھ کا ہے اور خود شیبان نے تاج و تخت سنبھالا۔ مگر جو امراء ہارون کے ساتھی تھے شیبان کی اس حرکت سے اس کے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ امیر طغج بن جف، امیر فائق اور بعض دوسرے ممتاز امیر محمد بن سلمان سے مل گئے۔ یہ ان کی ہمراہی میں فسطاط آیا۔ دوسری طرف سے امیر دمیانہ فسطاط کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ شیبان نے یہ رنگ دیکھ کر کہ کوئی امیر اس کا ساتھی نہیں ہے امیر محمد بن سلمان کی اطاعت قبول کر لی۔ آخر ۲۹۲ھ میں فسطاط دائرۂ حکومت بنی عباس میں آگیا اور یہاں مکتفی باللہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ محمد بن سلمان نے طولونی خاندان اور اس کے جملہ ارکان کو یہاں سے ہٹا دیا اور خود نیا انتظام کیا۔ غرضیکہ مصر و شام سے طولونی حکومت ختم ہو گئی۔[1]

امرائے مصر

مکتفی نے عیسیٰ نوشری کو امیر مصر مقرر کیا۔ مقتدر کے عہد میں امیر مصر ۳۰۵ھ میں تکین جزری رہا۔ اس کے بعد محمد بن تکین امیر ہوا۔ قاہر نے احمد بن کیغلغ کو امیر مصر و حلب مقرر کیا۔[2] راضی کے عہد میں محمد بن طغج امیر مصر مقرر کیا گیا۔

---

[1] ملخص کتاب الولاۃ کندی ۲۴۴ تا ۲۴۹ [2] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جزو اول صفحہ ۲۳۶۔

دولت اخشیدیہ[1]

ابوبکر محمد بن طغج ملوک فرغانہ سے تھا[2]۔ عہد معتصم باللہ میں ملوک فرغانہ کی نسل سے جف ترکی رئیس ترکستان خلیفہ کی طلبی سے سامرا آکر رہا۔ جف بہادر اور شجاع تھا۔ خلیفہ اس کا احترام و اکرام کرتا تھا[3]۔ ۲۴۱ھ میں اس کے یہاں طغج پیدا ہوا۔ ۲۴۷ھ میں جف بغداد میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد طغج معاش کی خاطر احمد بن طولون کے غلام لولو کے پاس جزیرہ چلا گیا۔ خمارویہ کی نظر طغج پر پڑی اور اس کے خاندانی اعزاز سے واقف ہوا تو اس کو اپنے حشم کا سرخیل کر دیا۔ پھر طبریہ کا امیر کر دیا۔ خمارویہ کے قتل کے بعد خلیفہ مکتفی باللہ نے طغج کو اپنے پاس بلا لیا اور خلعت و امارت عطا کر کے درباری امراء میں شامل کر لیا۔

عباس بن حسین وزارت پر متمکن تھا۔ طغج کے اعزاز و اکرام سے جل گیا اور اس نے موقعہ پاکر طغج اور اس کے بیٹے محمد کو قید کر دیا۔ امیر طغج کا انتقال قید خانہ میں ہوا۔ محمد بن طغج کو رہا کر دیا گیا۔ محمد نے اپنے بھائی عبید اللہ کی مدد سے ۲۹۶ھ میں عباس بن حسین کا کام تمام کرا دیا اور بغداد سے راہِ فرار اختیار کر کے بادیہ شام میں تکین خزری کے یہاں روپوش ہو گیا۔ تکین خزری کے ساتھ رہ کر اکثر معرکے سر کئے جس کی دور دور شہرت ہو گئی۔ ۳۰۶ھ میں قافلہ حجاج کو راہزنوں کے حملہ سے بچایا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کو محمد بن طغج کی بہادری اور کارگزاری کی خبر ہوئی۔ خوش ہو کر خلعت فاخرہ عطا کیا[4]۔

محمد بن طغج ۳۱۶ھ میں تکین خزری سے بگڑ کر رملہ پہنچا۔ خلیفہ مقتدر کو معلوم

---

[1] "اخشید" کے معنی فرغانی زبان میں شہنشاہ کے ہیں [2] دائرۃ المعارف جلد ۱ صد ۱۷
[3] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جلد ۱ صد ۲۲۹ [4] دائرۃ المعارف جلد ۱ صد ۸

ہوا تو ۳۱۸ھ میں رملہ کی امارت کا فرمان ابن طغج کے نام بھیج دیا۔ ۳۲۱ھ میں قاہر باللہ نے مصر کی ولایت سپرد کرنا چاہی مگر وہ نہ جا سکا۔ آخر کار ۳۲۳ھ میں خلافت مآب راضی باللہ نے فرمان بھیجا اور حکم دیا کہ مصر کی ولایت کو سنبھالو۔

ابن طغج وہاں پہنچا اور امارت پر قبضہ کیا۔ تھوڑے عرصہ میں مصر کی حالت کو ایسا سدھارا کہ تمام اہلِ مصر اس کے حسنِ انتظام سے خوش ہو گئے۔ تمام ارکانِ سلطنت نے ابن طغج کو سراہا۔ موقعہ پا کر اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ راضی نے بھی مجبوراً اس کے استقلال کو تسلیم کیا اور ۳۲۷ھ میں ابن طغج کو اخشید کا لقب عطا کیا۔ مگر ابن رائق کو دیارِ مصر، حران اور رہا کا والی مقرر کیا۔

مصر کے انتظام و انصرام کے بعد اخشید نے شام پر قبضہ کیا۔ صرف سرحدی مقامات براہِ راست عباسی حکومت کے قبضہ میں تھے۔

امیرالامراء محمد بن رائق نے خلافت مآب کی طرف سے ۳۲۸ھ میں شام پر فوج کشی کر دی۔ وہاں کے عامل بدر نے مقابلہ کیا مگر اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر حمص و دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن رائق مصر کی طرف بڑھا۔ العریش میں ابن طغج فوج لے کر مقابل ہوا مگر شکست کھا گیا۔ ابن رائق کی فوجیں لوٹ مار میں مشغول ہوئیں۔ ابن طغج کی فوجیں کمین گاہ سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ ابن رائق کو شکست ہو گئی۔ وہ دمشق واپس گیا۔ اخشید نے اپنے بھائی ابو نصر کو معہ فوج کے دمشق بھیجا وہاں ابو نصر مارا گیا۔ ابن رائق نے اس کی لاش اپنے لڑکے کے ہاتھ مصر بھیجی کہ یہ اتفاقیہ واقعہ ہوا ہے اور بدلہ میں میرا لڑکا حاضر ہے۔ اخشید پر رائق کی تحریر کا اثر ہوا اور مصالحت سے کام لیا اور طے ہوا کہ اخشید مصر سے رملہ تک قابض رہے اور دمشق سے دست بردار ہو جائے جس کا سالانہ ایک لاکھ چالیس ہزار دینار خراج وہ اخشید کے پاس پہنچاتا رہیگا۔ ہر دو فریق نے منظور کر لیا اور شام کا پورا علاقہ رائق کی حکومت میں چلا گیا۔

راضی کے بعد متقی سریر آرائے خلافت ہوئے انھوں نے بھی اخشید کی امارت

کو سابقہ قرارداد پر بحال رکھا۔ ناصر الدولہ حمدانی والیٔ موصل نے امیر الامرائی حاصل کرنے کے خیال سے ابن رائق کو قتل کر ڈالا۔ اخشید کے آگے سے کانٹا ہٹا۔ اُس نے فوجیں بھیج کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ناصر الدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے ۳۳۳ھ میں اخشید کے مقبوضہ حلب پر حملہ کر دیا۔ اخشید نے اپنے غلام کافور کے ساتھ فوج بھیجی مگر سیف الدولہ اس کو شکست دے کر حلب کے بعد حمص پر بھی قابض ہو گیا۔ اب سیف الدولہ کی نظریں دمشق پر پڑ رہی تھیں۔ قنسرین میں طرفین نے صف آرائی کی مگر دونوں مقابلہ میں برابر رہے۔ آخر کار باہمی مصالحت اس صورت سے ہوئی کہ دمشق اخشید کے پاس رہے۔ حمص اور حلب سیف الدولہ حمدانی کے علاقہ میں شامل رہے۔ اخشید نے مصر کا راستہ لیا اور حمدانی اپنے مستقر پر چلا گیا۔

فوج اخشید سپاہی منش تھا۔ اس نے چار لاکھ فوج مرتب کی تھی اور ہر سپاہی کا خود خیال رکھتا تھا۔ بہادر اور شجاع ہونے کے ساتھ ملائم طبیعت بہت تھا۔

وفاداری خلیفہ متقی کو امیر الامراء توروں نے پریشان کیا وہ بغداد سے رخصت ہو کر بنی حمدان کے یہاں مقیم ہو گئے مگر بنی حمدان نے بدسلوکی کی تو متقی نے توروں سے پھر تعلقات قائم کرنے کے لئے سعی کی۔ اس کے ساتھ ہی اخشید کو بھی لکھا۔ وہ فوراً خلیفہ کے حضور میں پہنچا اور اطاعت و خدمت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور بہت کچھ تحفے پیش کئے۔ اور کہا کہ مصر و شام میں رونق افروز ہو جئے مگر متقی رضا مند نہ ہوا۔ اور توروں کے بلاوے پر بغداد چلا گیا۔

اخشید نے کہا تھا کہ تورون اس کے ساتھ دغا سے پیش آئے گا وہی ہوا جس کی تفصیل ہم خلافتِ عباسیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وفات ۳۳۴ھ میں گیارہ سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد محمد بن طغج

نے دمشق میں وفات پائی۔ قدس شریف میں دفن کیا گیا [۱]

ابوالقاسم انوجور بن اخشید

اخشید کے انتقال کے بعد ۳۳۴ھ میں انوجور تخت نشین ہوا۔ انوجور کم سن تھا، نگران کافور مقرر ہوا۔ کافور نے زمام حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام مملکت شروع کر دیا۔ سیف الدولہ کو اخشید کے مرنے کی خبر لگی معہ فوج کے دمشق پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ کافور نے جو سُنا تو وہ ایک عظیم الشان لشکر جو اخشید کی تربیت پائے ہوئے تھا لیکر سیف الدولہ پر جا پڑا۔ سیف الدولہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ شکست کھا کر موصل چلتا ہُوا۔ کافور نے بدر اخشیدی کو دمشق کا حاکم مقرر کیا اور مصر لوٹ آیا۔

۳۴۰ھ میں شاہ نوبیا نے مصر پر چڑھائی کر دی۔ کافور نے ایسی شکست دی کہ اصوان پر جا کر دم لیا۔

انوجور نے ۸ ر ذیقعدہ ۳۴۹ھ میں انتقال کیا۔

علی بن اخشید

انوجور کے انتقال کے بعد علی بن اخشید جانشین ہوا۔

اس کے عہد میں مصر قحط میں مبتلا ہو گیا اور اندرونی جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ فوجی قوت ختم ہو گئی۔

چھ برس حکمرانی کر کے علی بن اخشید ۳۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صـ۸۱ و اعلام النبلاء جزء اوّل صفحہ ۲۵۱۔

کافور

اخشید نے ۳۱۲ھ میں ایک مصری رئیس سے کافور کو خریدا تھا۔ اخشید کے ساتھ اکثر معرکوں میں رہا اور اس نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے اہلِ مصر اور ارکانِ سلطنت نے علی بن اخشید کے بعد اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ اس نے انتظام سلطنت کو سنبھالا۔ اس کے علاوہ حجاز اور شام میں اس کے نام کا خطبوں میں ذکر آنے لگا۔ دو سال چار ماہ تک اس نے حکومت کی تھی کہ پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور اس نے ۱۰ جمادی الاوّل ۳۵۷ھ میں انتقال کیا۔

باوجود حبشی ہونے کے نہایت بارُعب تھا اور اہلِ علم کی توقیر و منزلت کرتا تھا۔ شاعر متنبیّ سیف الدولہ حمدانی کے یہاں سے کافور کے پاس آ گیا۔ اس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی جس پر متنبی نے اس کی شان میں بھی قصیدے کہے جس میں تعریف بھی ہے اور ہجو بھی۔

احمد بن علی اخشید

کافور کے بعد اخشید کا پوتا احمد امیر بنایا گیا۔ مگر اہلِ شام نے اس کی امارت تسلیم نہیں کی اور حسن اخشیدی کو امیرِ شام مان لیا۔ مگر اُس نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لی ہی تھی کہ قرامطہ نے شام پر حملہ کر دیا۔ حسن نے مقابلہ کیا مگر شکست اٹھانا پڑی۔ مصر آیا اور احمد سے حکومت مصر لینا چاہی۔ یہ رنگ دیکھ کر ارکانِ حکومت نے فاطمی خلیفہ معز الدین کو قبضۂ مصر کی دعوت دی۔ چنانچہ معز کی طرف سے جوہر صقلی نے ۳۵۸ھ میں بلا مقابلہ مصر پر قبضہ کیا۔ اس طرح دولتِ اخشیدیہ کا خاتمہ ہُوا۔

اخشیدیوں کا نظامِ مملکت

وزارت ابوالفضل بن جعفر فرات وزارت کے عہدہ پر اخشیدی حکومت میں سرفراز تھا۔ ابوالفضل لائق وزیر تھا[1]

خراج مصر کا خراج اخشید کے زمانے میں بتیس لاکھ دینار تھا اور کافور کے عہد میں تیس لاکھ ۲۷ ہزار دینار تھا[2]

فوجی نظام اخشیدیہ کے عہد میں مصر فوجی قوت اور مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اس وقت فوج کی تعداد چار لاکھ نفوس تھی جو ترکی اور رومی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس میں اخشید کی خاص یا ڈی گارڈ فوج شامل نہ تھی۔ اس فوج کے سپاہیوں کو تنخواہ باقاعدہ دی جاتی تھی[3]

ترقی زراعت کافور نے زراعت کی ترقی میں نہایت جد و جہد سے کام لیا جس کی وجہ سے مصر کے خراج کی آمدنی چالیس لاکھ دینار ہو گی۔ مگر قحط کے پڑنے سے آخر میں بہت کم ہو گئی کہ فوج کی تنخواہیں نہ دی جا سکیں۔

---

[1] مقریزی جلد ا صفحہ ۸۰ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۲۰ و ۳۰۶

[3] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۲۲۰، ص ۳۰۶۔

ادارسہ ملوک مغرب اقصیٰ

حکومت ادریسیہ کا بانی مبانی ادریس بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن حسن سبط ہے۔ عہد خلافت مہدی ۱۶۹ھ میں ادریس کے برادرزادہ حسین بن علی بن حسن مثلث نے دعوائے خلافت کیا اور مقام فخہ پر فوج مہدی سے معرکہ رہا جس میں حسین کام آئے۔ ادریس اور اس کے بھائی یحییٰ بھی معرکے میں شریک تھے۔ بعد ہزیمت یحییٰ دیلم چلے گئے وہاں سے خروج کیا۔ ادریس مصر تشریف لے گئے۔

محکمۂ ڈاک پر واضح معروف بہ مسکین صالح بن منصور کا خادم مامور تھا اُس نے ادریس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کو ملک مغرب روانہ کر دیا۔ ادریس کے ساتھ ان کا خادم راشد تھا۔ مغرب اقصٰے پہنچ کر ۱۷۲ھ میں مقام بولیہ میں جا کر اقامت اختیار کی۔ ان دنوں اسحاق بن محمد بن عبدالحمید امیر تھا اس نے ادریس کی عزت و توقیر بہت کی اور بربر کو ان کی خلافت و حکومت قائم کرنے کی ترغیب دی۔

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ زواغہ، لواتہ، سدراتہ، غیاسہ، نفزہ، مکناسہ، عمارہ اور مغرب کے تقریباً کل بربریوں نے مجتمع ہو کر ادریس کی خلافت و حکومت کی بیعت کی۔ اس نے خطبہ دیا جس میں بعد حمد باری و صلوٰۃ رسول اللہ یہ بیان کیا:۔

"اے لوگو! تم اپنی گردنیں اٹھا کے ہمارے سوا غیروں کو نہ دیکھو کیونکہ جو ہدایت اور راہِ راست کی اتباع ہمارے پاس پاؤ گے اس کو تم دوسروں کے پاس ہرگز نہ پاؤ گے"

ادریس میں حکمرانی کی صلاحیت تھی۔ بہت جلد حکومت کو استحکام و استقلال حاصل ہو گیا تو فوجیں آراستہ کرنی شروع کیں۔ جب کافی فوج جمع کر لی تو فوج کو لے کر مغرب کے ان بربریوں کی طرف بڑھا جو مذہبًا مجوس یہودی نصرانی تھے۔ یہ لوگ تامسنا، شالہ اور رمادلہ میں آباد تھے بزور تیغ مفتوح کیا۔ بہت سے بربری قندلاوہ، بہلدانہ، مدیونہ نے ادریس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۱۷۳ھ میں تلمسان کا رخ کیا۔ یہاں کا امیر محمد بن جرز ابن حزلان تھا اور وہ اطاعت گزاری کے ساتھ ادریس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانبرداری قبول کی۔ کل زنانہ کو امان دی اور تلمسان کی مسجد بنوائی اور منبر بنوانے کا حکم دیا اور اپنے نام کو منبر پر کندہ کرایا۔ علامہ ابن خلدون نے اس منبر کو دیکھا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کو ادریس کے عروج کی خبر لگی۔ اس نے مہدی کے غلام سلیمان بن جریر مشہور بہ شماخ کو متعین کیا کہ اس کو ٹھکانے لگا دے۔ چنانچہ وہ ادریس کے پاس آیا۔ مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ اتفاقًا ادریس کے دانتوں میں درد اٹھا۔ شماخ نے ایک منجن دیا جس کے ملتے ہی اس کا دم گھٹ گیا جان بحق تسلیم کر دی۔ ۱۷۵ھ میں مقام بولیلی میں دفن کیا گیا۔

ادریس کے مرنے کے بعد بربریوں نے مجتمع ہو کے اس کے بیٹے ادریس اصغر کی حکومت کی بنا ڈالی۔ یہ کم عمر تھا۔ آخر کار ۱۸۸ھ میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ کل بربریوں نے اس کی حکومت و امارت بطیبِ خاطر قبول کی۔ ادریس اصغر عالی دماغ تھا اس نے شاہی قوانین سیاست و تمدن کی غرض سے مرتب کئے اور رفتہ رفتہ کل بلادِ مغرب کو مفتوح کر لیا۔ قلمدانِ وزارت مصعب بن علیلی ازدی موسوم بہ بلجوم کے سپرد کیا۔

وزیر مصعب بہت دانا و بینا تھا اس نے وزارت سنبھال کر ایسا حسن تدبیر کیا کہ اکثر قبائل عرب و اندلس نے ادریس کے علم حکومت کی اطاعت

قبول کر لی اور پانچ سو سے زائد امراءِ عرب واندلس آ کے مجتمع ہو گئے۔ حکومت کی اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں۔ بولیلی مقام دارالسلطنت کے لئے چھوٹا تھا، فاس کو تجویز کیا۔ یہاں بنی بوغش اور بنی خسیر و زناغہ رہتے تھے۔ اس کے موضع سیبوہیہ میں مجوس کا آتش کدہ تھا۔ یہاں کے لوگ ادریس کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے تھے۔ ادریس اصغر نے اپنے کاتب ابوالحسن عبدالملک بن مالک خزاجی کو فاس بھیجا۔ پھر خود فاس آ گیا اور کزواده کی بنا ڈالی۔

۱۹۲ھ میں اندلس کی سرحد بندی کرائی۔ بعد اس کے ۱۹۳ھ میں قزوبین کی سرحدی دیواریں اور منارے بنوائے اور قزوبین ہی میں محلات کی تعمیر ہوئی۔ جب شہر آباد ہو گیا تو بولیلی سے دارالحکومت بدل کر یہاں آ گیا۔ جامع شرفاد کی تعمیر ہوئی۔ قزوبین کے حدود باب سلسلہ سے نہر جوزا و جرف تک تھے۔ یہاں شاہی تزک واحتشام کا بندوبست کیا۔

۱۹۷ھ میں بقصدِ جہاد ادریس حصامده کے لئے فوجیں لے کر چل کھڑا ہوا اور حصامدہ لے لیا۔ پھر تلمسان پر قبضہ کیا۔ تھموس الاقطی سے شلف تک خلافت عباسیہ کی حکومت منقطع ہو گئی۔ مگر ابراہیم بن اغلب نے ادریس کے امراء کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ چنانچہ بہلول بن عبدالواحد مظفری ادریس سے منحرف ہو گیا اور خلیفہ ہارون الرشید کے علم حکومت کے آگے گردنِ اطاعت جھکا دی۔ ادریس کو بربریوں کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا اس نے ابراہیم اغلب سے مصالحت کر لی جس سے پھر ادریس کا اثر مغرب اقصیٰ پر ہو گیا۔

ادریس اصغر نے ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو اپنی قلمرو کے حصے بانٹ دیئے۔ ۲۳۱ھ میں انتقال کر گیا اور اپنے بیٹے امیر محمد علی بن محمد کو اپنے سامنے حکومت سپرد کر گیا۔ اراکینِ دولت نے اس کی حکومت مان لی۔ اس نے کمال مستعدی سے کاروبارِ سلطنت کو انجام دیا۔ رعایا امن و چین سے رہنے لگی۔ اس نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا

بھائی یحییٰ جانشین ہُوا جس نے اپنی حکومت کو بہت وسیع کر لیا۔ فارس کی آبادی میں ترقی ہوئی۔ متعدد حمام اور منڈیاں کاروبارِ تجارت کے لئے بنائی گئیں۔ دُور دراز مُلک سے تجارت پیشہ اور ذی علم اصحاب فاس آ آ کے مجتمع ہوئے۔ ام بنین بنت محمد فہری نے سرحد قروین میں ۲۴۵ھ میں عظیم الشان مسجد تعمیر کی۔ جس کو احمد بن سعید بن ابوبکر سفیرنی نے ۳۴۵ھ میں اپنی خانقاہ بنالیا۔ جامع ادریس سے نماز جمعہ موقوف ہو کر اس جامع مسجد میں ہونے لگی۔ منصور بن ابی عامر نے اس کی تعمیر میں اور زیادتی کی۔ یحییٰ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا کرسئ امارت پر متمکن ہُوا۔ لیکن بدچلن تھا۔ امرائے دولت نے معزول کر دیا اور اس کے اعمام میں سے علی بن عمر (جس نے سب بھائیوں کے علاقے لے لئے تھے) کو بلا کر حکومت ادریسیہ سپرد کی۔ اس پر عبدالرزاق خارجی نے خروج کیا۔ علی اس سے شکست کھا کر ادوسیہ چلا گیا۔ علی بن عمر مذکور کا برادر زادہ یحییٰ بن ادریس بن عمر نے حکومت ادریسیہ پر بقوت قبضہ کر لیا۔ تمام صوبجات مغرب کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

یہ ملوک بنی ادریس کا ایک نامور حکمران تھا۔ باعتبار سیاست کے بھی کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی۔ فقیہ اور محدث تھا۔ ادریسیوں میں کوئی بادشاہ اس کی بادشاہی اور دولت کی برابری نہیں کر سکا۔

۳۰۵ھ میں حسن عبداللہ شیعی نے مکناسہ اور کتامہ کی فوجیں یحییٰ بن ادریس کے مقابلہ پر روانہ کیں۔ دونوں حریف کا کھلے میدان میں مقابلہ ہُوا۔ یحییٰ شکست کھا کر فاس لوٹ آیا۔ مصالحت کے نامہ و پیام شروع ہوئے۔ آخرالامر یہ طے پایا کہ یحییٰ کچھ زرِ نقد سالانہ بطور خراج ادا کیا کرے اور نیز حسن بن عبداللہ شیعی کی اطاعت قبول کرے۔ فریقین نے ان شرائط مصالحت کو منظور و قبول کیا۔ ادریسیہ آزاد حکومت ختم ہوئی۔ دولتِ عبیدین کے تابع ہو گئی [1]۔

---

[1] ابن خلدون جلد نہم صفحہ ۲۲۴۔ ۲۳۲۔

دعوتِ اسماعیلیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی شیعی ذہنیت پیدا ہوگئی۔ عبداللہ ابن سبا یہودی کی کارفرمائی کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ عہدِ عثمانی میں شیعی ذہنیت اوج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت ایک نظری عقیدہ کی تھی۔ اس نظریہ نے عملی شکل واقعہ کربلا کے بعد اختیار کی۔ اس الم انگیز سانحہ سے شیعوں کی سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ اور وہ اپنے نظریہ خلافت کو عملی شکل دینے میں منہمک ہوگئے۔ اس وقت اُن میں دو طبقے پیدا ہوگئے تھے۔ ایکؔ کیسانیہ جو محمد بن حنفیہ بن علی کی جانشینی کا حامی تھا۔

دوسؔرا امامیہ:۔ امامیہ کے اندر چند اور فرقے پیدا ہوگئے تھے ان میں دو فرقے امتیازی درجہ رکھتے تھے۔

ایک اثناء عشری جو حضرت حسینؓ کے بعد حضرت امام زین العابدین کی امامت کا قائل تھا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو سلسلہ بہ سلسلہ حضرت امام موسیٰ کاظم تک اس منصب کا مستحق سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰ کاظم کے بعد ان کا عقیدہ تھا کہ یہ مرتبہ ان کے بارھویں امام کو ملنا چاہیئے اور وہ ان کے امام منتظر محمد ہیں۔

دوسرا فرقہ امامیہ اسماعیلیہ کے نام سے موسوم تھا۔ یہ فرقہ امام جعفر صادق تک اثناء عشریہ کا ہم آہنگ تھا۔ امام موسیٰ کاظم کے بارے میں اسے اختلاف تھا۔ وہ امام جعفر کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کو امامت کا مستحق خیال کرتا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسل اس منصب کا حقدار سمجھتا اور محمد الحبیب کی ذات پر اس سلسلہ کو ختم کردیتا۔ فاطمی خلفاء اسی اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کو اسماعیلیہ بھی کہا جاتا ہے[1]۔

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۱۱۷۔

محمد الحبیب

محمد الحبیب بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن امام جعفر صادق، محمد الحبیب کے صاحبزادے عبداللہ مہدی تھے۔ اسماعیلی فرقہ کا نام آگے چل کر عبیدی کہلایا۔ اس فرقہ کے داعیوں نے یمن، حجاز، بحرین، خراسان اور عراق میں اپنے مؤیدین کثرت سے پیدا کر لئے۔ پھر مغرب کو اس تحریک کے لئے تاکا تو وہاں یہ دعوت محمد الحبیب کے ذریعہ پھیلی اور کامیاب ہوئی۔

محمد الحبیب کا قیام حمص کے ایک مقام سلمیہ میں تھا۔ وہیں ان کا ایک حلقہ تھا جہاں اس خیال کے لوگ جمع ہوا کرتے۔ اپنی امامت اور حکومت کے حاصل کرنے کے جوڑ توڑ لگاتے رہتے۔ ان کے زہد و عبادت کی دور دور تک شہرت پھیلا دی گئی تھی۔ جو لوگ شام کے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آتے وہ محمد الحبیب کی زیارت سے بھی مشرف ہوتے۔ محمد الحبیب نے اپنے داعی یمن اور مغرب میں بھیج رکھے تھے۔ ان میں ایک داعی رستم بن حسین بن حوشب تھا جو بڑا ہوشیار اور محبتِ اہلِ بیت میں سرشار تھا۔ اس نے اپنی سعی سے یمن میں یہ دعوت پھیلا دی اور یمنی شیعوں کے ذریعے یمن کے اکثر علاقوں پر قابض و متصرف ہو گئے۔

محمد الحبیب نے جب یمن داعی روانہ کئے تھے مغرب میں ابوسفیان اور حلوانی کو بربری قبیلہ میں بھیجا۔ یہ ہر دو داعی افریقہ پہنچ کر قبیلہ کتامہ میں ٹھہرے اور بہت تھوڑے عرصہ میں ان کو ہم خیال بنا لیا۔ بربری اجڈ قوم ان کے لاسہ پر لگ گئی۔ کچھ عرصہ بعد ہر دو کا انتقال ہو گیا تو اس کی خبر رستم بن حسین کو یمن میں لگی۔ اس نے ایک یمنی داعی (ابوعبداللہ حسن بن محمد المعروف بہ محتسب) کو مغرب کا داعی مقرر کیا۔ حج کے سلسلہ میں مغربی قبائل مکہ میں آیا کرتے تھے اس لئے ابوعبداللہ حسن افریقہ جانے سے پہلے مکہ آ گیا۔ مغربی حجاج کے قافلہ میں کتامہ کے

امراء بھی تھے ان سے مِلا جُلا اور اپنا ہمنوا بنا لیا۔ حج کے بعد کتامہ کے لوگ واپس وطن ہوئے حسن نے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ اس نے کہا مصر۔ چنانچہ قبیلہ کتامہ نے اس کو ہمراہ لے لیا حسن نے راستہ میں مغرب کے قبائل کے حالات سے پوری پوری واقفیت پیدا کر لی۔ ۲۸۰ھ میں ابو عبد اللہ حسن نے مغرب میں قدم رکھا۔ امراء کتامہ اس کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ حسن قبیلہ کتامہ کے ایک سردار کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے مسجد کی امامت اور اپنے لڑکے کی تعلیم اس کے سپرد کی۔ اس نے بڑی دلسوزی سے تعلیم دی۔

سردار نے اس کے صلہ میں چالیس دینار دینا چاہے اُس نے واپس کر دیئے۔ بلکہ خود اس نے اس سردار کے سامنے پانچ سو دینار کی تھیلی ڈال دی اور اس سردار سے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ سردار مذکور بھی فاطمی دعوت میں شامل ہو کر اس کا مبلغ بن گیا اور اس سردار کے ذریعہ بہت سے مغربی ہم خیال ہو گئے۔ اس زمانہ میں حسن بن ہارون حسن کو مل گیا۔ چنانچہ اس کو ہمراہ لے کر جبل الکیجان جا کر مقیم ہوا اور تاہروت کو اپنا مرکز بنایا۔

والئ مغرب ان دنوں ابراہیم بن احمد اغلبی تھا۔ اس کے علم میں حسن کے واقعات آئے۔ مگر اس کی نیکی اور ظاہرا عبادت گزاری دیکھ کر اس نے توجہ نہ کی مگر حسن کو دعوت فاطمی میں یہاں اس قدر کامیابی ہوئی کہ ایک بڑی جماعت کا پیشوا بن گیا۔

ابو عبد اللہ حسن نے لوگوں کو یہ تعلیم دینی شروع کی کہ میرے پاس امام زماں مہدی کے یہاں پر قیام کرنے کی نص موجود ہے اور عنقریب وہ بھی ہجرت کر کے اس مقام پر چلے آئیں گے اور ان کے انصار و معاون اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے ہوں گے اور وہ اس شہر کے رہنے والوں میں سے ہوں گے۔ جن کا نام کتمان سے مشتق ہو گا۔ تھوڑے دنوں میں اہلِ کتامہ کا ایک گروہ کثیر اس کے پاس مجتمع ہو گیا۔ بعض علماء بھی اس کے دامِ تزویر میں آ گئے۔ بعدہٗ امامت اہلِ بیت کے تذکرے اعلانیہ ہونے لگے۔ ایک دوسرے کو کھلم کھلا حمایت

آلِ محمد کی تلقین و ہدایت کرنے لگا۔ لوگ اس کو ابوعبداللہ حسن شیعی مشرقی کے نام سے موسوم کرتے تھے[1]

ابراہیم ثانی اغلبی کے آخر زمانہ میں اُس نے شہر میلہ پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے فتح بن یحییٰ اور ابراہیم بن موسیٰ کی ترغیب سے حسن کی سرکوبی کے لئے اپنے بیٹے ابوخوال کو بھیجا۔ اُس نے حسن اور اس کے ساتھیوں کو مار بھگایا اور میلہ اور تاروت کو نذرِ آتش کیا[2] حسن جبل الکیجان چلا گیا اور یہاں ایک بستی آباد کر کے اس کا نام دار الہجرت رکھا۔

اغلبی ۲۸۹ھ میں فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ جانشین ہوا۔ مگر اس کے لڑکے زیادۃ اللہ نے سازش کر کے اپنے باپ کو تلوار کے گھاٹ لگوا دیا اور خود جانشین ہو بیٹھا۔ یہ نااہل تھا اور دن رات لہو و لعب میں مُبتلا رہتا۔ یہ زمانہ ابوعبداللہ حسن کو دعوتِ فاطمی کے پھیلانے کے لئے سازگار ہُوا۔ چاروں طرف اپنے داعی پھیلا دیئے اور اپنے معتقدوں کو یہ سمجھایا کہ مہدی کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے[3]

عبیدُ اللہ مہدی

سلمیہ میں محمد الحبیب نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے عبید اللہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور یہ ارشاد کیا کہ :-

"تم ہی مہدی موعود ہو اور میرے بعد تم یہاں سے دور دراز ملک کی جانب ہجرت کرو گے اور بڑے بڑے مصائب کا تم کو سامنا کرنا پڑے گا"[4]

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۱ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۶۲ [4] ایضاً

چنانچہ بعد وفات محمد الحبیب کی یہ خبر مدعیانِ فاطمی نے یمن اور مغرب میں پھیلادی۔

ابو عبداللہ حسن نے ایک وفد عبیداللہ المہدی کے پاس سلمیہ بھیجا کہ ہم یہاں ہمہ تن آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔ شدہ شدہ یہ خبریں دارالخلافت پہنچیں۔ اس وقت سریر خلافت پر مکتفی باللہ جلوہ افروز تھا۔ عبیداللہ مہدی کی گرفتاری اور اُس کی بڑھتی ہوئی قوت کی روک تھام کا حکم صادر فرمایا۔ عبیداللہ یہ خبر پاکر ملکِ شام سے عراق کی طرف چلا گیا۔ پھر عراق سے مصر میں جا کر دم لیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا ابوالقاسم اور ایک نوعمر غلام تھا۔ مصر پہنچ کر عبیداللہ المہدی نے یمن کا قصد کیا۔ مگر یہ سُن کر کہ علی بن فضل نے بعد ابن حوشب کے اپنی کج ادائی سے اہل یمن کو برانگیختہ کر دیا ابوعبداللہ حسن شیعی کے پاس مغرب چلے جانے کا عازم ہُوا حسن کا بھائی ابوالعباس مہدی کے پاس آچکا تھا۔ اس کے ساتھ مغرب روانہ ہو گئے۔ عیسٰی نوشیری والی مصر کے نام بھی مکتفی باللہ کا فرمان پہنچ چکا تھا۔ وہ عبیداللہ کی تلاش میں تھا اس لئے واردِ مصر ہوتے ہی عبیداللہ گرفتار کر لئے گئے مگر نوشیری نے چھوڑ دیا۔ وہ تاجر کے بھیس میں چل دیئے۔ یہاں زیادۃ اللہ مغرب کے تمام حکام کے نام عبیداللہ المہدی کی گرفتاری کا حکم بھیج چکا تھا۔ عبیداللہ بچ گئے۔ ابوالعباس ان کا ساتھی پکڑا گیا۔ عبیداللہ نے سجلماسہ کے حاکم یسع کے ہاں پناہ لی۔ مگر زیادۃ اللہ کو خبر لگ گئی۔ اس نے یسع کو لکھا۔ اس نے عبیداللہ و ابوالقاسم کو مریم بنت مدرار کے یہاں قید کر دیا[1]

زیادۃ اللہ کو روز بروز فاطمی تحریک کے پھیلنے کی اطلاع مل رہی تھی۔ حسن غلبی فوج کو شکست دے کر بلزمہ، طبنہ، باغایہ، مرماجنہ، قسطیلیہ وغیرہ شمالی افریقہ کے بڑے حصہ کو قبضہ میں لاچکا تھا اور بربری قبیلے اس کے تابع ہو چکے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۶۲ و ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۴۷۔

تھے۔ سنہ ۲۹۶ھ میں اغلبیوں سے آخری معرکہ تھا۔ اس پر حسن کا قبضہ ہو گیا۔ صرف جامع مسجد میں تیس ہزار آدمی حسن کے ساتھیوں نے قتل کئے تھے۔ زیادۃ اللہ رقادہ میں تھا وہ گھبرا گیا اور مغرب سے مصر چلا گیا۔[1]

حسن کئی لاکھ فوج لے کر قیروان پہنچا۔ اہلِ شہر نے بڑا خیر مقدم کیا۔ اس نے سب کو امان دی اور قیروان پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد رقادہ لے لیا۔ زیادۃ اللہ کا کل سامان قبضہ میں کیا اور یہاں شیعی رسوم و شعار جاری کئے۔ فجر کی اذان میں "حیّ علیٰ خیر العمل" داخل کیا۔ درود میں پنجتن کے نام شامل کئے گئے۔ تراویح بند کر دی گئی اور شیعیت جبریہ پھیلائی گئی۔[2]

حسن کئی لاکھ فوج لے کر سجلماسہ پہنچا اور عبید اللہ اور ابوالقاسم کو چھڑا لیا۔ حسن نے پہلی بار ان باپ بیٹوں کو دیکھا تھا۔ حسن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ وہ انہیں جلوس کی شکل میں خیمہ تک لایا۔ عبید اللہ سواری پر تھے۔ شیعی عمائد پا پیادہ جلوس میں تھے۔ حسن بآوازِ بلند اعلان کرتا جاتا تھا کہ :-

"ہمارے آقا یہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کو حق اور غلبہ عطا فرمایا۔"[3]

خلافت عبید اللہ المہدی

عبید اللہ المہدی سجلماسہ سے ربیع الاول سنہ ۲۹۷ھ میں دو لاکھ فوج کے ساتھ رقادہ آئے۔ یہاں اُن کی عام بیعت ہوئی اور افریقہ کے تمام شہروں میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ عبید اللہ نے امیر المومنین مہدی

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۶۲ و ابن اثیر جلد ۸ صفحہ [illegible] [2] البیان المغرب صفحہ ۲۰۵ و ابن عذاری اردو حصہ ۲۰۳ تا ۲۲۲

[3] ابن خلدون جلد چہارم۔

لقب اختیار کیا۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مراکش سے ادریسی (جو اہل بیت سے تھے ان کی) حکومت کو ختم کیا۔ سادات کو قتل کیا۔ ۳۰۱ھ میں ابوالقاسم بن عبیداللہ نے برقہ، اسکندریہ اور فیوم پر قبضہ کیا۔ مگر مشہور امیر مونس نے ان کو مار بھگایا اور ہر دو جگہ سے بے دخل کر دیا۔ [1]

بانی دولتِ فاطمی حسن ابوعبداللہ شیعی کا انجام

حسن کی سعی کا نتیجہ تھا کہ افریقہ میں عبیداللہ مہدی کی حکومت قائم ہوئی۔ جب عبیداللہ کی حکمرانی کو ایک گونہ استقلال و استحکام حاصل ہو گیا اور اس کے رعب و داب کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ ابوعبداللہ شیعی اور اس کا بھائی ابوالعباس امورِ سلطنت و سیاست پر مستولی و متغلب تھے۔ کیونکہ انہی نے حکومت قائم کی تھی۔ ان کے تغلب کو مہدی چیرہ دستی سمجھنے لگا اور ان دونوں کو معزول کرنا چاہا۔ یہ امر ہر دو کو ناگوار گزرا اور دونوں بھائیوں نے چاہا کہ مہدی کو نکال باہر کریں۔ مہدی کو خبر لگ گئی اس نے ان سے چالاکی برتی۔ ظاہر ملائمت کا برتاؤ باطن میں اُن کے ختم کرنے کی تدبیر حسن ابوعبداللہ شیعی نے کتامہ کو مہدی کے خلاف اُبھار دیا اور اُن کو سمجھایا کہ۔

"یہ وہ امام معصوم نہیں ہے جس کی امارت و حکومت کی ہم نے تم کو دعوت دی تھی۔ ہم اس کے ظاہری برتاؤ سے دھوکہ کھا گئے۔ یہ بڑا طماع اور دنیادار ہے دیکھو تمہارا اس قدر مال و اسباب جس کو انجان میں ہم نے امام معصوم کے لئے تم سے لیا تھا اس نے دبا لیا۔" [2]

---

[1] ابن خلدون جلد نہم کتاب ثانی صـ۲۸۶ [2] ایضاً صـ۲۸۰

تم لوگ اگر مستعد ہو جاؤ تو ہم اس کو ابھی نکال باہر کرتے ہیں۔ اہلِ کتامہ اس کے ہاتھ میں کاٹھ کی پتلی تھے فوراً ابھر آگئے۔ چنانچہ اس نے انہی میں سے ایک شخص کو جو شیخ المشائخ کے لقب سے معروف تھا عبید اللہ المہدی کے پاس روانہ کیا۔ شیخ المشائخ نے مہدی کے پاس جاکر سوال کیا "چونکہ ہم لوگوں کو آپ کی بابت شک وشبہ پیدا ہو گیا ہے کہ آپ امام معصوم نہیں ہیں اس وجہ سے آپ ہم کو اپنی امامت کی کوئی نشانی دکھلائیے۔

عبید اللہ مہدی تاڑ گیا کہ یہ گل حسن کا کھلایا ہوا ہے۔ جواب کچھ نہ دیا۔ ایک غلام کو اشارہ کیا اُس نے شیخ المشائخ کو قتل کر دیا۔

اہلِ کتامہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کا شبہ قوی ہو گیا۔ سب کے سب مہدی کے قتل پر تُل گئے۔ اس کام میں ابو زاکی تمام بن مبارک وغیرہ سردارانِ قبائل کتامہ بھی شریک تھے۔ مہدی نے سردارانِ قبائل کو توڑ لیا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دے کر دوسری جگہ بھیج دیا۔ ابن مبارک کو طرابلس روانہ کیا اور اپنے عامل ماکنون کو لکھ بھیجا کہ جس وقت ابن مبارک پہنچے قتل کر دو۔ چنانچہ ماکنون نے ابن مبارک کا قصّہ تمام کیا۔

ابن المفریم بھی اس سازش میں شریک تھا وہ بھی قتل کیا گیا۔ ان تدبیروں پر بھی ان دونوں بھائیوں کا جوش فرو نہ ہوا۔ برابر اپنی کوشش کرتے رہے۔ تب مہدی نے عروبہ بن یوسف اور اس کے بھائی حباسہ کو خلوت میں بلا کر ابو عبداللہ شیعی اور اس کے بھائی کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ قصرِ امارت کے گوشہ میں جا چھپے۔ جس وقت ابو عبداللہ شیعی نکلا ہر دو نے نکل کر حملہ کیا۔

ابو عبداللہ بولا۔

"تم یہ فعل کس کے حکم سے کرتے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔

"جس کی اطاعت کا تم نے مجھ کو حکم دیا تھا اسی نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔"

ابوعبداللہ کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلنے پایا تھا کہ عروبہ اور حباسہ شیر کی طرح جھپٹے اور ابوعبداللہ کو معہ اس کے بھائی کے مار کر ڈھیر کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۵ رجمادی الثانی ۲۹۸ھ کا ہے[1]

ان دونوں کے مارے جانے کے بعد عام شورش پھیلی مگر مہدی نے بقوت اس کو دبا دیا اور ہزارہا شیعہ جو ہر دو بھائیوں کے ساتھی تھے تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے۔ مہدی کے لئے اب میدان صاف تھا اس نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کی ولی عہدی کا باضابطہ اعلان کیا اور برقہ اور اس کے تعلقات کی سندِ حکومت حباسہ بن یوسف کو مرحمت کی۔

اس کے بعد شیعانِ کتامہ نے ایک نوعمر لڑکے کو مہدی کا لقب دے کر اپنا امیر بنا لیا۔ عبیداللہ مہدی نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کو شیعانِ کتامہ کو ہوش میں لانے پر مامور کیا۔ شیعانِ کتامہ اور ابوالقاسم میں خونریز جنگ ہوئی۔ اہل کتامہ ہزیمت کھا گئے۔ نوعمر مہدی قتل کر دیا گیا۔ ابوالقاسم نے اس کے بعد اہلِ کتامہ کو بالکل پائمال کر دیا۔ سنہ ۳۰۰ھ میں اہلِ طرابلس حسن کے خون کا بدلہ لینے اٹھے ان کو بھی بزورِ تیغ زیر کیا اور تین لاکھ دینار سرخ تاوانِ جنگ وصول کیا۔

توسیع سلطنت

عبیداللہ مہدی کو مصر کے لینے کی تمنا تھی۔ خانہ جنگیوں کے خاتمہ کے بعد اس نے مصر اور مغرب کے ممالک کی طرف توجہ مبذول کی۔ ابوالقاسم نے فوجیں مرتب کیں اور جنگی کشتیوں کا بیڑا درست کیا۔ اپنے بزرگ باپ مہدی سے اجازت حاصل کر کے سنہ ۳۰۱ھ میں اسکندریہ اور مصر کی طرف بڑھا۔ دو سو کشتیوں کا بیڑا براہِ دریا روانہ کیا جس کا سردار حباسہ بن یوسف تھا۔ حباسہ نے برقہ، اسکندریہ اور فیوم پر کامیابی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ دارالخلافت بغداد میں اس کی خبر پہنچی، خلیفہ مقتدر باللہ نے امیر سبکتگین اور

---

[1] ابن خلدون جلد نہم صفحہ ۲۸۱ [2] ایضاً

مونس خادم کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا۔
آخر کار ان دونوں نے حباسہ کا مقابلہ کر کے اس کو نکال باہر کیا۔ ۳۰۲ھ میں حباسہ نے دوبارہ اسکندریہ پر فوج کشی کی۔ مگر مونس نے آکر پھر اس کی سرکوبی کر دی۔ آخرش حباسہ مغرب لوٹ آیا۔ مہدی نے جھوٹا سچا الزام لگا کر اس کو قتل کرا دیا۔ عروبہ کو بھائی کے مارے جانے سے جوشِ انتقام پیدا ہوا اس نے کتامہ اور بربریوں کو لے کر مہدی سے مقابلہ کرنا چاہا۔ مہدی نے اپنے خادم غالب کو اس طوفان کے فرو کرنے پر مامور کیا۔ غالب نے عروبہ کو شکست دی اور گروہِ کثیر قتل کر ڈالا۔[1]

صقلیہ عروبہ کے مارے جانے کے بعد صقلیہ میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ گورنر صقلیہ علی بن عمرو کو معزول کر کے ملک سے نکال دیا اور باغیوں نے ۳۰۴ھ میں احمد بن قہرب کو اپنا امیر منتخب کیا اور مہدی سے منحرف ہو کر مقتدر عباسی کی اطاعت کی۔ مہدی نے جنگی بیڑا بسرافسری حسن بن ابی خنزیر صقلیہ کی بغاوت فرو کرنے کو بھیجا۔ احمد بن قہرب کے بیڑے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ فتح یابی کا سہرا احمد بن قہرب کے سر رہا۔ حسن بن ابی خنزیر کو ہزیمت ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اہلِ صقلیہ نے مہدی کی طاقت سے خوف کھا کر احمد بن قہرب کو پابہ زنجیر مہدی کے پاس بھیج دیا۔ اس نے حسن کی قبر پر اس کو ذبح کرا دیا اور اپنی طرف سے صقلیہ کی سند امارت علی بن محمد بن ابی فراس کو عطا کی اور ایک فوج کتامہ کے ساتھ صقلیہ روانہ کی۔ مغرب کے علاقے فراتہ، مطاطہ، ہوارہ، بلاد اباضیہ، صفریہ اور اطرافِ دارالحکومت مغرب اوسط کو ابو القاسم نے ۳۱۵ھ تک فتح کر لئے۔

فاس موسیٰ بن ابی العافیہ والیٔ فاس و مغرب نے تعلقات حکومت شیعہ سے منحرف ہو کر دولتِ امویہ اندلس سے میل کر لیا۔ مہدی نے احمد بن بصلین مکناسی کو فوج لے کر اس کی سرکوبی کو بھیجا۔ دونوں میں گھمسان کی لڑائی

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۸۳۔

ہوئی ۔ آخر کار احمد نے موسیٰ کو بزور تیغ مجبور کر کے ملک مغرب سے نکال دیا۔ اور جی کھول کر قتلِ عام کیا اور فاس کو تاراج کر کے مہدی کے پاس واپس آیا[1]

مہدیہ | مہدی نے قیروان کے قریب ایک شہر آباد کیا اس کا نام مہدیہ رکھا۔ وہیں عبیداللہ نے مرکزِ حکومت قائم کیا۔

۳۰۷ھ میں ابوالقاسم کی ماتحتی میں مصر فتح کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ امیرِ مصر تکین نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ ابوالقاسم کو واپس ہونا پڑا۔

عبیداللہ نے پچیس سال حکومت کی۔ علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ علماء و فقہاء اسلام کو غارت کیا تاکہ خلقت کو اغواء کرنا آسان ہو جائے۔ دراصل طبیعت میں خبث تھا۔ مگر بہادر و شجاع تھا۔ البتہ اہلِ بیت کرام کی خوبیاں اس سے جاتی رہی تھیں۔ جس ابوعبداللہ حسن نے اس کو اس مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے ساتھ سلوک اچھا نہیں کیا۔[2]

وفات :۔ عبیداللہ نے ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم محمد قائم بامر اللہ

ابوالقاسم عبیداللہ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت مہدیہ پر بیٹھا۔ اس کی بڑی تمنا مصر کے لینے کی تھی۔ خلیفہ راضی باللہ نے محمد بن طغج کو والیٔ مصر بنا کر بھیجا اس نے وہاں جا کر احمد کیغلغ کو نکال دیا۔ وہ قائم بامر اللہ کے پاس پہنچا اور فتح مصر کے لئے آمادہ کیا۔ قائم نے ایک لشکر مصر روانہ کیا۔ ابن طغج نے مقابلہ کیا مگر اسکندریہ ہاتھ سے جاتا رہا۔

علامہ سیوطی قائم کو اعتقاداً زندیق بتاتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قائم نے

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۸۷ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ ۔ ۲۰۲ ۔

انبیاءؑ کو گالیاں دلوائیں۔ ہزاروں علماء کو قتل کرایا [1]

وفات قائم ۳۳۴ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا ولی عہد منصور باللہ اسمٰعیل تھا۔

ابویزید خارجی کا خروج ابویزید مخلد کیراد کا بیٹا تھا۔ وطن قسطیلیہ مضافات نوازر) تھا۔ مشغلہ اس کا تجارت تھا، سوڈان آیا جایا کرتا تھا، مذہبی تعلیم اوسط درجہ کی پائی۔ نکارہ یہ خوارج (صفریہ) سے میل جول تھا۔ خارجی عقیدہ اختیار کیا اور تاہرت چلا گیا اور وہاں معلمی اختیار کی۔ ابوعبداللہ شیعی اپنے مسلک شیعی کی اشاعت کر رہا تھا۔ ابویزید نے اس کے مقابلے میں اپنے خارجی عقیدے کی اشاعت کرنا چاہی۔ دونوں کی بنا تبرّہ پر تھی ایک صحابہ کو مورد طعن بناتا تھا دوسرا اہلِ بیت کو۔ بربری جاہل قوم ابوعبداللہ کے کہنے میں آگئی۔ ابویزید نے وعظ و پند شروع کیا۔ ۳۱۶ھ میں اعلانیہ منہیات شرعیہ کے روکنے اور لوگوں کی اصلاح پر کمر باندھ لی۔ رفتہ رفتہ اس کے مقلدوں کی جماعت بڑھ گئی تو مہدی کے خلاف اس نے علمِ بغاوت بلند کیا۔

اس کا یہ اعتقاد تھا کہ ان مذہب والوں کا مال اور خون مباح ہے۔ چنانچہ گدھے پر سوار ہو کر نکلا کرتا۔ شیخ المومنین کے لقب سے اپنے کو ملقب کیا۔ جس طرح عبیداللہ مہدی امیرالمؤمنین بن گئے۔ یہ شیخ المؤمنین ہو گئے۔

ابویزید نے خلیفہ اموی ناصر باللہ والی اندلس کی حکومت کی بنا ڈالی۔ بربریوں کے ایک گروہ نے اس کی اتباع کر لی۔ گورنر باغیہ نے اس سے دو دو ہاتھ کئے۔ اور منہ کی کھائی۔ ابویزید نے باغیہ پر قبضہ کر کے ۳۳۳ھ میں تبلسہ، مجانہ، اربس یہ سب علاقے اپنے تصرف میں کئے۔ اربس میں آگ لگا دی۔ جن لوگوں نے جامع مسجد میں پناہ لی وہاں بھی لشکریوں نے تیز تلواروں کے گھاٹ اتار دیا۔ یہاں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ و ۲۱۲۔

سے فارغ ہوکر "شیبہ" گیا اوراس کو فتح کر لیا۔ پھر باجہ کی طرف متوجہ ہوا اس کو بھی قبضہ میں لیا اور ایک شخص کو معہ فوج کے قیروان بھیجا۔ آخرکار خود بھی قیروان گیا اوراس کو بھی تاخت و تاراج کیا۔

پھر سوجہ گیا وہاں کی بستی کو تباہ و برباد کیا۔ باشندے مہدیہ آئے۔ یہاں سے کتامہ اور بربری فوج بھیجی گئی اس کو بھی شکست دی اور باب مہدیہ تک ابویزید آ گیا۔ اس کے پاس بربر، نفوسہ، زاب مغرب کے لوگ آ گئے۔ مگر کچھ دن بعد اس سے باغی ہو گئے۔ یہ ۳۳۴ھ میں قیروان لوٹ گیا۔ قائم بامراللہ نے فوج بھیجی۔ جس نے سوسہ میں مقیم ہو کر ابویزید سے مقابلہ کیا۔ یزید نے سوسہ کا سخت محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں قائم فوت ہو گیا۔ منصور تخت نشین ہوا۔ ابویزید کے بیٹے فضل نے سر اٹھایا۔ منصور نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

صقلیہ ۳۳۹ھ میں منصور نے خلیل بن اسحاق والیٔ صقلیہ کو معزول کر کے حسین بن علی بن ابوالحسن کلبیہ کو صوبہ صقلیہ کا گورنر کیا۔ چنانچہ ابن حسین کلبیہ نے استقلال کے ساتھ اپنی حکومت و سلطنت کی صقلیہ میں بنیاد ڈالی۔ [1]

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد نہم صفحہ ۳۰۱۔

ابوالغنائم حسن بن علی بن ابی الحسن کلبی

بانیٔ دولت کلبیہ صقلیہ

ابوالغنائم ایک معزز قبیلہ بنو کلب کا ممتاز رکن تھا۔ نہایت شجاع اور ذکی وفہیم تھا۔ ابو تریدکے معرکہ میں پیش پیش رہا جس کی وجہ سے منصور کا مقرب ہو گیا۔ صقلیہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کی جملہ شورشیں ختم کیں اور رعایا کے لئے اس نے بہتر سے بہتر کام کئے جس کی وجہ سے ہر دل عزیز ہو گیا۔ اس نے اٹلی کی طرف توجہ کی۔ مگر اتفاقیہ قیصر روم نے جنگی بیڑہ صقلیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ابوالغنائم نے مقابلہ کے لئے انتظام کیا اور منصور کو اطلاع دی۔

اس نے فرح صقلبی کی سرکردگی میں بحری فوج بھیج دی۔ مگر قیصر کا بیڑا راہ میں تھا۔ ابوالغنائم نے خود پہل کی، ریو پہنچا۔ یہاں اسلامی آبادی تھی اس کو فوجی مرکز بنا کر قلوریہ کے مختلف شہروں پر فوجیں روانہ کیں۔ خود عظیم الشان لشکر لے کر جراجہ پہنچا۔ یہ ریو سے شمال مشرق میں چونتیس میل پر تھا۔ ابوالغنائم حسن نے محاصرہ کر لیا۔ جراجہ والے گھبرا گئے۔ متعینہ رقم پر صلح کر لی۔ رومی لشکر نے سنا تو فرار ہو گیا۔ اس نے صوبہ قلوریہ کے مختلف شہروں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعہ قسانہ کے لوگوں سے معقول رقم پر صلح کر لی۔

منصور کا حکم پہنچا کہ قلوریہ پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ۳۴۰ھ میں حسن مسینا سے روانہ ہوا۔ جراجہ پر بزنطی لشکر پہنچ چکا تھا۔ حسن نے اس طرف رُخ کیا۔ وہاں عیسائی حکمران سروغوس کی معیت میں اور بزنطی لشکر بحری قائد ملجان کی سرکردگی میں موجود تھا۔ ہر دو مقابل ہوئے۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ عیسائی شکست کھا گئے۔

مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ پھر حسن نے ترملی اور ربطروقہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور امیر البحر بنرنطی کو گرفتار کیا جس کو سُولی دی گئی [۱]
حسن پھر جراجہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ۳۴۱ھ میں سخت محاصرہ کیا۔ شہنشاہ قسطنطین ہفتم یا فیروجنیٹس نے اصروبلس راہب کو نمائندہ بنا کر حسن کے پاس بھیجا جس نے مشرقی روم کے فرماں روا کی طرف سے ایک عارضی صلح کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی۔

حسن نے ریو میں مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد صقلیہ لوٹ گیا۔
منصور انتقال کر گیا۔ معدالمعز لدین اللہ تخت نشین ہوا تو ابوالغنائم اپنے بیٹے حسن کو جانشین کر کے افریقہ پہنچا اور المعز سے ۳۴۳ھ میں اپنے بیٹے احمد کے نام فرمان ولایت صقلیہ بھجوا دیا [۲] اور المعز کے پاس رہ کر بڑی فتوحات کیں۔ ۱۸ ذی قعد ۳۵۳ھ میں انتقال کر گیا۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۵۶

[۲] امرائے صقلیہ :-

(نوٹ) ابوالحسن احمد بن حسن کلبی ۳۴۳ھ/۹۵۴ء ، ۳۵۸ھ/۹۶۸ء -

یعیش غلام ابوالغنائم حسن کلبی ۳۵۸ - ۳۵۹

ابوالحسن احمد بن حسن کلبی (دوسری مرتبہ) ۳۵۹ - طرابلس الشام میں ۳۵۹ھ میں فوت ہوا۔

ابوالقاسم بن حسن کلبی ۳۶۰ - ۳۷۲

جابر بن ابوالقاسم کلبی ۳۷۲ - ۳۷۳

جعفر بن محمد کلبی ۳۷۳ - ۳۷۵ جابر بن ابوالقاسم کا چچا زاد بھائی -

عبداللہ بن محمد کلبی ۳۷۵ - ۳۷۹

ثقۃ الدولہ ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ کلبی ۳۷۹ - ۳۸۸

تاج الدولہ سیف الملۃ جعفر بن ثقۃ الدولہ کلبی ۳۸۸ - ۴۱۰

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابوطاہر اسمٰعیل بن ابی القاسم المنصور بنصر اللہ فاطمی

اسماعیل المنصور بتیس ۳۲ برس کی عمر میں تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اُس نے جس پُر آشوب زمانہ میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت دولتِ فاطمیہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس لئے سریر آرائے حکومت ہوتے وقت ابویزید خارجی سوسہ پر محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ منصور نے واقعات کی نزاکت دیکھ کر ابویزید خارجی کے مقابلہ کی تیاری کر دی۔ چنانچہ اس نے چند بیڑے جہازات کے مہدیہ سے سوسہ روانہ کئے جس پر سامانِ جنگ فوجیں اور غلہ بھرا ہُوا تھا۔ بیڑہ کا سردار رشیق کاتب اور یعقوب بن اسحاق تھا۔ اس بیڑہ کی روانگی کے بعد خود بھی تھوڑی سی فوج لے کر روانہ ہُوا مگر اراکینِ سلطنت نے مشورہ دیا کہ آپ مہدیہ میں رہیں تو مناسب ہے چنانچہ منصور مہدیہ لوٹ آیا۔

جنگی بیڑہ سوسہ کے ساحل پر لنگر انداز ہُوا اور فوجیں ابویزید کے مقابل آگئیں سخت معرکہ رہا۔ ابویزید کو کامل شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اُس نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کا لشکرگاہ لُوٹ لیا گیا اور جلا ڈالا گیا۔ ابویزید قیروان پہنچا۔ یہاں کے لوگوں نے اس کے گورنر کو مار کر نکال دیا۔ وہ آکر اس سے مل کر اپنی ناکامی پر روتے

(بقیہ حاشیہ صہ   سے آگے) تائید الدولہ احمد الکحل بن ثقۃ الدولہ یوسف ۴۱۰ - ۴۲۷

صمصام الدولہ حسین بن ثقۃ الدولہ یوسف ۴۲۷ - ۴۳۱ - دولت کلبیہ کا آخری امیر تھا۔

۳۳۶ھ سے ۴۳۱ھ تک کلبیہ امراء چھیانوے برس صقلیہ پر حکمران رہے اپنے دور فرمانروائی میں کلبیین نے صقلیہ کو تمدن کی جملہ نیرنگیوں سے آراستہ کیا۔

(ابن اثیر و ابوالفداء و ابن خلدون)

رہے۔ شوال ۳۳۴ھ میں ابویزید سبیبہ چلا گیا۔

منصور قیروان آیا اور اہلِ قیروان کو امان دی اور اپنے دامنِ عاطفت سے ان کے آنسو ٹپو پچھے۔ ابویزید کے اہل و عیال قیروان میں تھے۔ منصور نے اپنی بے نظیر فیاضی و مردانگی سے ان کی حفاظت و نگرانی کی اور ان کی گزران کے لئے وظائف مقرر کئے۔ پھر ابویزید مقابل آیا مگر ناکام رہا۔ اس نے اپنے بال بچوں کو منصور سے مانگا۔ منصور نے اس کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد پھر فوج لے کر آیا مگر شکست کھا گیا اور جبال کتامہ اور عجیبہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ منصور نے وہاں تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخرکار منصور نے قلعہ کو فتح کر لیا۔ ابویزید زخمی ہوا اور محرم ۳۳۶ھ میں انتقال کر گیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر منصور نے قیروان اور مہدیہ کی جانب مراجعت کی۔

مصر پر فوج کشی منصور نے بھی مصر کی تسخیر کی طرف توجہ کی۔ وجہ یہ تھی کہ مصر فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ سے نہایت اہم مقام تھا۔ مصر کے فرمانروا کا دائرۂ حکومت شام اور حجاز تک وسیع تھا اس لئے مصر پر تسلط قائم کرنے کا مفہوم شام و حجاز پر قبضہ تھا۔ چنانچہ منصور نے مصر کو فتح کرنے کے لئے فوجی مہم بھیجی مگر ناکامی ہوئی۔ منصور کا زمانہ زیادہ خوشگوار نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے باپ کے قدم بقدم چلا۔ البتہ بقول علامہ سیوطی اس کے زمانہ میں شراب و زنا کی ترویج زیادہ ہوئی [۱]

وفات آخرکار منصور ۳۴۱ھ میں فوت ہوا۔

۶

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۲۔

ابو تمیم معد معز لدین اللہ فاطمی

ابو تمیم معد معز لدین اللہ بن منصور باللہ اسمٰعیل ۱۱ رمضان ۳۱۹ھ کو مہدیہ میں پیدا ہوا اور منصور کے مرنے کے بعد مہدیہ میں تخت نشین ہوا[1] معز الدین اللہ اپنا لقب اختیار کیا۔ دائرۂ حکومت برقہ سے مراقش اور مالسطہ، سارڈینیا، صقلیہ، نیز اکثر جزائر بحر متوسطہ پر قبضہ ہو چکا تھا۔

فتوحات

معز نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی فتوحات کی طرف توجہ کی ۳۲۲ھ میں معز نے کوہ پر فوج کشی کی۔ اہلِ ہوادہ، بنو کملان زیر ہو گئے اور امان مانگی۔ معز نے درخواست منظور کی اور بعزت و احترام پیش آیا۔ اور انعامات سے نوازا۔ پھر معز قیروان آگیا اور اپنے خادم قیصر کو فوج کی سرداری دے کر باغایہ کی سندِ حکومت اس کو عطا کی۔ اس نے تمام بربریوں پر حملہ بول دیا۔ سب خوف کھا کر علمِ حکومت کے زیر سایہ آگئے۔ معز نے مال و دولت سے ان کی تالیفِ قلوب کی جاگیریں دیں۔ اس زمانہ میں محمد بن خزر والیٔ مقراوہ وفد لیکر آیا۔ معز نے اس کو محل سرائے میں ٹھہرایا۔ وہ ۳۴۲ھ میں یہیں فوت ہوا[2]

وقائع

۳۴۳ھ میں معز نے ہری بن مناد (امیر صنہاجہ) کو بلا بھیجا۔ تھوڑے دنوں بعد وہ آیا اس کو دولت سے مالا مال کیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

۳۴۴ھ میں حسین بن علی گورنر صقلیہ کو معز نے لکھا تم جنگی بیڑہ لے کر جاؤ اور ساحل مریہ بلاد اندلس پر حملہ کر دو۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور کامرانی کے ساتھ معہ مال و اسباب کے لُوٹا۔ اس کے جواب میں ناصر والیٔ اندلس نے جنگی جہازات

---

[1] تاریخ الکامل جلد ۸ صفحہ ۳۶۲ ۔ مطبوعہ مصر ۔

[2] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۳۰۲ ۔

کا بیڑا اپنے خادم غالب کی ماتحتی میں سواحل افریقہ کی جانب روانہ کیا۔ معز کی فوج نے اندلسی فوج کو خشکی پر اُترنے نہ دیا اور نہایت ناکامی کے ساتھ والیٔ اندلس کے بیڑے کو واپس کیا۔ مگر پھر ۳۲۲ھ میں جنرل غالب آیا اور اس نے نغزد کے دارالحکومت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا حتیٰ کہ سوسہ اور طبریہ بھی اندلسی فوج کے ہاتھوں تاخت و تاراج ہوئے۔ معز نے تازہ دم فوج بھیجی اور اندلسی افواج کا بڑھتا ہُوا قدم روک دیا اور وہ واپس چلی گئیں۔ ہر دو افواج مسلمان تھیں۔

تقرری عمّال

صوبہ ایفکان اور تاہرت کی گورنری پر یعلی بن محمد یفرنی کو مامور کیا۔ صوبہ اشیر کی حکومت پر زیری بن مناد صنہاجی، مسیلہ کے صوبہ پر جعفر بن علی اندلسی کو اور باغایہ کے صوبہ پر قیصر صقلی کو برقرار رکھا۔ فاس کی حکومت پر احمد بن بکر بن ابی سہل جذامی اور سجلماسہ کی گورنری پر محمد بن واسول مکناسی کو مقرر کیا۔

فاس کی فتح

فاس کی زمام حکومت احمد بن بکر ابی سہل جذامی کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ معز نے جوہر کو فتح کرنے بھیجا اس نے محاصرہ کر لیا۔ مگر کچھ سمجھ کر سجلماسہ لوٹ آیا اور ۳۴۸ھ میں بزور تیغ فاس کو فتح کر لیا۔ ہزارہا مسلمان جوہر کی تلوار کے گھاٹ اُترے اور احمد گرفتار ہُوا۔ عمال بنی امیہ نکال باہر کئے گئے۔ صوبہ تاہرات کو زیری بن مناد کے صوبے سے ملحق کر دیا۔ پھر مظفر و منصور جوہر قیروان آیا اور احمد بن بکر کو آہنی پنجرے میں قید کئے ہوئے منصورہ میں داخل ہُوا۔

۳۴۹ھ میں قیصر و مظفر کو جو معز کے منہ لگے تھے ان کو جوہر نے مروا ڈالا۔

کریٹ پر عیسائیوں کا حملہ

حکم بن ہشام والیٔ اندلس کی طرف سے کریٹ (اقریطش) میں ایک امیر رہتا تھا۔ یہاں عبداللہ بن طاہر کے ظلم کے شکار اسکندری مسلمان آباد ہو گئے تھے۔ ۳۵۰ھ میں عیسائیوں نے سات سو جنگی کشتیوں کا بیڑہ تیار کر کے چڑھائی کی اور

ہزار ہا مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ بے شمار مسلمان قید کر کے لے گئے۔[1]
معز کو خبر لگی لیکن اُس کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ اگر وہ چاہتا تو بحری فوج
بھیج کر مسلمانوں کو بچا سکتا تھا۔

معزیہ ۳۵۱ھ میں والی صقلیہ نے قلعہ طرمین قبضہ میں کیا اور اس کا نام معز لدین اللہ
کے نام پر "معزیہ" رکھا۔

والی صقلیہ احمد بن حسن بن علی بن حسن نے رمطہ پر چڑھائی کر دی۔ شاہِ قسطنطنیہ
نے والیٔ قلعہ رمطہ کی کمک کے لئے بحری بیڑہ بھیجا۔ والی صقلیہ نے معز کو لکھا اس نے
ایک عظیم الشان لشکر اپنے بیٹے حسن فاطمی کی افسری میں بھیجا جو والیٔ صقلیہ کے پاس
پہنچا۔ پھر تو اس عسکر اسلامی نے رومیوں کے لشکر کے مُنہ پھیر دیئے اور جی کھول
کر ان کی مزاج پرسی کی۔ حسن بن عمار امیر عسکر تھا۔ کامرانی کے ساتھ قلعہ پر قابض
ہو گیا۔ امیر احمد بن حسن نے خداداد کامیابی پر عساکر اسلامیہ کو بلادِ روم میں پھیلا
دیا جنھوں نے بلادِ روم کی پامالی اور غارت گری میں انتقاماً کوئی دقیقہ
فروگزاشت نہ کیا۔ آخر کار والیٔ روم نے جزیہ دینا منظور کیا اور ۳۵۶ھ میں
باہم مصالحت ہو گئی۔[2]

مصر کی فتح معز لدین اللہ نے ان فتوحات اور کامرانیوں کے بعد مصر کی طرف
توجہ کی۔ اس نے جوہر کو جو عبداللہ حسن شیعی کے ساتھ بھی رہ کر
فاس اور سجلماسہ وغیرہ فتوحات سے بڑی عظمت حاصل کر چکا تھا۔ خلعت شاہانہ
سے سرفراز کیا۔ ایک لاکھ سوار اور بے شمار مال و متاع اور سازوسامان دے کر
۳۵۳ھ میں مصر روانہ کیا۔ خود معز معہ شہزادوں اور امراء کے مشائعت کے لئے
فوج کے ہمراہ نکلا اور جوہر کو سواری پر سوار کرا کے رخصت کیا۔
مصر میں کافور کے بعد اخشید کا پوتا احمد امیر تھا جس کا سن صرف گیارہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ کتاب ثانی صفحہ ۲۰۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۶

سال کا تھا۔ شامیوں نے اس کو امیر نہیں مانا اور حسن اخشیدی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قرامطہ نے شام پر حملہ کیا اور حسن کو شکست دی۔ حسن مصر بھاگ آیا کہ احمد سے امارت چھین لے۔

ادھر اہلِ مصر قحط میں مبتلا تھے۔ چھ لاکھ آدمی مر چکے تھے، مقابلہ کی ان میں طاقت نہ تھی۔ انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ دولتِ فاطمیہ سے تعلق پیدا کیا جائے۔ ارکانِ سلطنت نے خلیفہ معز لدین اللہ کو قبضۂ مصر کی دعوت دی۔ چنانچہ ۳۵۸ھ میں جوہر صقلی مصر میں داخل ہوا[1] امراء، وزراء اور علماء و قضاۃ نے فسطاط کے دروازہ پر جوہر کا استقبال کیا۔ جمعہ کے دن اس نے جامع عمرو بن عاص میں فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا اور عباسی شعار کے بجائے فاطمی سفید شعار مقرر کئے اور اذان میں حی علیٰ خیر العمل پکارنے کا حکم دیا۔

قاہرہ ۳۵۹ھ میں جوہر نے بغداد کے نقشہ پر قاہرہ کی داغ بیل ڈالی[2] وسط میں خلیفہ کے لئے دو عظیم الشان محل تعمیر کرائے اور جامع الازہر کی بنیاد رکھی۔

جب مصر پر کامل تسلّط ہو گیا تو جعفر بن فلاح کتامی کو فوج دے کر شام کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں قبضہ کر کے سب سے فاطمیوں کی بیعت لی، جس نے انکار کیا اس کی توبیخ کی گئی۔

ان کارگزاریوں کے بعد جوہر نے معز کو مصر آنے کی دعوت دی۔ وہ ۵ صفر ۳۶۲ھ کو مہدیہ سے روانہ ہوا اور ۲۴ شعبان کو اسکندریہ میں داخل ہوا۔ جملہ عمائدینِ شہر نے پر تپاک خیر مقدم کیا۔ مجمع کے سامنے طویل تقریر کی:-

"ہم کو مصر کے قبضہ سے زیادتی مال یا توسیع ملک مقصود نہیں بلکہ اقامتِ حق اور جہاد فی سبیل اللہ مدِ نظر ہے۔"

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۸۴ [2] خطط مقریزی جلد ۱ صفحہ ۶۸

معز لدین اللہ اسکندریہ سے جیزہ آیا۔ یہاں پہلے سے جوہر صقلی معہ فوج کے موجود تھا اس نے سلامی دی۔ ۵۔ رمضان کو معز قاہرہ میں داخل ہوا اور قصرِ کبیر میں ایک عام جشن کیا۔ تمام عمائدِ شہر شریک ہوئے اور معز کو مبارک باد دی گئی۔ اس کے بعد سے قاہرہ ہی دارالحکومت قرار دیا گیا۔

قرامطہ کا حملہ ۳۶۳ھ میں قرامطہ نے حسن بن احمد کی قیادت میں مصر پر حملہ بول دیا۔ معز نے لکھا کہ تم ہماری ہی دعوت کو لے کر اٹھے۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو پورا کیا اور اہلِ بیت کو خلافت مل گئی تو بجائے حمایت کے مخالفت پر کیوں کمر باندھی ہے۔ مگر قرامطہ نے اس کو اہلبیت سے ہی نہ گردانا اور جنگ کے لئے آگے بڑھا۔ جس کا ارادہ یہ تھا کہ اس نئی حکومت کو ختم کر کے اپنی بادشاہی قائم کرے۔ معز قرامطہ کی طاقت اور قوت سے خوفزدہ ہوا۔ وزیروں سے مشورہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ حسّان بن جراح عربی رئیس شام جو قرامطہ کے ساتھ تھا اس کے ساتھ جمعیت بھی کافی تھی اس کو ایک لاکھ دینار دے کر توڑ لیا جائے۔ چنانچہ جب ہر دو افواج مقابل ہوئیں حسان نے وقت پر قرامطہ سے علیحدگی اختیار کر لی حسن کو شکستِ فاش ہوئی۔ ابو محمد ابراہیم نے تعاقب میں جا کر قرامطہ کا قتلِ عام کیا اور ڈیڑھ ہزار افراد گرفتار کر لایا جن کو معز کے آگے قتل کر دیا گیا۔

خلافتِ فاطمیہ کے قیام سے عباسی خلفاء کے لئے بے حد خلفشار تھا اور عوام کی توجہ اس طرف بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے علماء و اعیان و سادات سے ایک دستخطی محضر تیار کرایا کہ یہ لوگ فاطمی نہیں ہیں اور اس کی اس قدر شہرت کی گئی کہ معز قاہرہ میں داخل ہوا تو سرکردہ سادات عبداللہ بن طبا طبا نے معز سے اس کے نسب کی بابت سوال کیا۔ بولا کہ میں مجلسِ عام میں جواب دوں گا۔ جب مجلس منعقد ہوئی جملہ سادات و اشراف جمع ہوئے۔ اس وقت معز نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور اشرفیوں کے توڑے سب کے سامنے ڈال دیئے اور

کہا کہ لو یہ میرا حسب ہے۔ اہلِ مجلس نے متفقہ کہا کہ ہم آپ کے خادم ہیں۔

عبید اللہ مہدی کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ بعض مورخ ابن خلدون جیسے حضرات ان کو بنی فاطمہ کہتے ہیں[1] اور علامہ سیوطی جیسے لوگ ان کو مجوسی النسل قرار دیتے ہیں[2] واللہ اعلم بالصواب۔

دمشق پر قبضہ مصر کے بعد دمشق پر بھی دولت بنو فاطمہ کا قبضہ ہو گیا۔

وزارت ابوالفضل جعفر بن فرات وزارتِ عظمیٰ پر مامور تھا۔ یہ اخشیدیوں کے زمانے میں رہا۔ نہایت پکا سُنی مسلمان تھا۔ معزالدین نے اسے ہٹانا مصلحت کے خلاف سمجھا لیکن اندرونی طور سے اختیارات سلب کر رکھے تھے۔ آخر میں صرف نام کا وزیر رہ گیا تھا[3] ادھر جوہر صقلی نے اس کی کڑی نگرانی کی۔ یہ مستعفی ہو گیا۔

دیوان خراج معز نے یعقوب بن کلس کو دیوانِ خراج (احتساب) مقرر کیا۔ ساحلوں کا نظم و نسق، اوقاف، انتظام، میراث، سب یعقوب کے سپرد تھے۔ ابن کلس نے اپنا معتمد علیہ ابن فرات کو بنایا۔ خراج کے افسروں کا محاسبہ اس کے سپرد تھا[4]۔

افسر پولیس علوج بن حسن کو افسر پولیس کیا۔

عہدۂ کتابت معزالدین نے ۳۶۱ھ میں جوہر صقلی کو اپنا کاتب مقرر کیا۔ معز نے اس عہدہ کو وزارت کے ہم پایہ بنا دیا تھا۔ جوہر جہاں صاحبِ سیف تھا وہاں اہلِ قلم بھی تھا۔ بلند پایہ ادیب، اس کے علاوہ

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد نہم [2] تاریخ الخلفاء [3] مقریزی جلد ام و ابن خلکان ج ۱ ص ۱۹
[4] مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔

شجاع، بہادر اور سیرت کی پاکیزگی میں اس کی نظیر شیعوں میں ملنا دشوار تھی۔ اس کو صاحب الواسطہ سے بھی خطاب کیا جاتا تھا۔ مگر اس کو شیعیت میں غلو ضرور تھا جو جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔

صاحب قلم الدقیق | صاحب قلم الدقیق کا عہدہ ہم رتبہ فارن سیکرٹری کے تھا۔ ڈیڑھ سو دینار تنخواہ ہوتی تھی۔ عدالت عظمیٰ اور فوجداری کے معاملات اس کے سپرد تھے۔

صاحب قلم الجلیل | صاحب قلم الدقیق کے برابر رتبہ ہوتا اور محافظ کاغذات اور خلیفہ کے سامنے کاغذات کا پیش کرنا اس کے ذمہ ہوتا تھا۔

جوہر | جوہر صقلی معزالدین پر چھا گیا تھا اس نے تسخیر مصر کے بعد تھوڑے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سنیوں کے بجائے مغرب کے شیعوں کو مقرر کر دیا۔ اس کے سوا اس نے اپنی سیاست کو عمل میں لانے کے لئے سنی مذہب کے تمام آثار مٹا دیئے خواہ وہ مذہبی تھے یا ان کا تعلق تمدن و تہذیب سے تھا سنیوں کو وہ دشمنانِ اسلام خیال کرتا تھا۔[1]

جوہر بلاد مصر پر خلیفہ فاطمی کے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ معزالدین زیادہ عقیل اور دانا تھا جوہر کی کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ کیونکہ جوہر صقلی نے ہی حکومت فاطمی کو مضبوط بنایا۔

شیعہ مذہب کی اشاعت | جوہر کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شیعیت کی ترویج میں سعی بلیغ کی۔ کہیں لالچ دے کر شیعہ کیا کہیں جبر سے کام لیا۔

جوہر نے حکومت کے تمام عہدے داروں پر لازمی قرار دیا تھا کہ وہ مذہب

---

[1] جوہر صقلی علی ابراہیم حسن صفحہ ۲، (مسلمانوں کا نظم مملکت ص۲۰۷)

شیعہ کے احکام پر عملدر آمد کریں جو حکومت کا مذہب ہے۔ اس حکمتِ عملی سے مصر کے سُنی عہدہ داروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہوئی۔ وہ جبر و استبداد کے خطرہ یا اعلیٰ عہدوں کی امید میں شیعہ بن گئے۔ یہی حال یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کا تھا۔ [1]

نظامِ سلطنت

۳۶۳ھ میں حکومت کے نظم و نسق میں چند تبدیلیاں کیں۔ پولیس کا ایک اور محکمہ قاہرہ منتقل کر دیا گیا۔ پولیس کا افسرِ اعلیٰ جبیر کو مقرر کیا۔ قاہرہ میں عروہ بن ابراہیم اور شبل معرض مقرر کئے گئے۔

خطیب معز نے جامع عمرو بن عاص کی خطابت کا منصب بنی عبد السمیع سے لے کر جعفر بن حسن شیعی کو دیا۔ بنی عبد السمیع کا خاندان چونسٹھ سال سے اس خطابت پر مامور تھا۔ ۳۷۹ھ میں خلیفہ نے جامع الازہر کا خطیب اپنے بھائی کو مقرر کیا۔

مالیات افسر مالیات محمد بن حسین بن مہذب شیعی مقرر ہوا۔ اس دور میں شیعوں کے قبضہ میں تمام اہم محکمے تھے۔ ان میں محکمہ مال اور وزارت عدالت اور احتساب خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

فاطمیوں کے عہد میں متعدد دفاتر و دواوین تھے جو علیحدہ علیحدہ افسروں کے ماتحت تھے۔ یہ افسر بہت بڑے عہدے دار خیال کئے جاتے تھے ان میں قابلِ ذکر یہ تھے:۔

فوجی دفتر فوجی دفتر کا افسر، جس کے سامنے فوجیں اور گھوڑے وغیرہ پیش کئے جاتے تھے۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۲۰۹۔

دفتر فوجی لباس فوجوں کی وردیوں وغیرہ کا انتظام اس کا سپرد تھا افسر دیوانی، افسر اوقاف، افسر مشاہرہ، یہ محکمہ تنخواہوں کو تقسیم کرتا اور ملازموں کی تنخواہوں، کارگزاریوں کی سالانہ رپورٹ مرتب کرتا تھا۔ یہ رپورٹ خلیفہ کے سامنے پیش کی جاتی تھی[1]

پروفیسر علی ابراہیم حسن ایم اے "النظم الاسلامیہ" میں لکھتے ہیں :۔

"فاطمی عہد کے بڑے بڑے عہدہ داروں میں "صاحب الباب" (شاہی دربان) "حامل مظلۃ الخلیفۃ" (چھتری بردار) "صاحب رسالہ" خلیفہ کے خطوط وزیر اور دوسرے اعلیٰ عہدے داروں کو پہنچاتا تھا۔ "افسر مالیات" عہد حاضر کا وزیر مالیات اور "حامل دوات خلیفہ" تھے۔

مذہبی اعلیٰ عہدے داروں میں قابلِ ذکر یہ تھے :۔

قاضی القضاۃ اس کا فرض احکام شریعت کا تحفظ اور سکّہ کی نگرانی بھی تھا۔ پہلے سُنّی ابوطاہر محمد بن احمد تھا مگر اس کے ساتھ ابوسعید عبداللہ بن محمد بن ابی ثوبان شیعی کو مقرر کیا۔ بعد میں ابوسعید مستقل ہو گیا۔

قضاۃ کے حالات نعمان بن محمد بن منصور بن احمد بن جیون، زمانۂ حکومت معز لدین اللہ علوی میں قیروان کا قاضی تھا۔ جب معز مصر میں آیا تو نعمان بھی اس کے رکاب میں تھا۔ مصر میں پہنچ کر معز لدین اللہ نے نعمان کو عہدۂ قضا مرحمت کیا تا آنکہ اس نے اسی عہدہ پر وفات پائی۔ بجائے اس کے اس کا بیٹا علی مامور ہوا۔ ۳۷۴ھ میں یہ بھی مر گیا تو عزیز نے اس کے بھائی ابوعبداللہ محمد کو عہدۂ قضا پر مامور کیا۔ خلعت دیا اور اپنے ہاتھ سے اس

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۹۹ (مسلمانوں کا نظم مملکت صد ۲۰۹)

کی کمر میں تلوار حمائل کی۔

معز نے اس کے باپ سے اسی محمد کو مصر میں عہدۂ قضا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ۳۸۹ھ عہد خلافتِ حاکم میں اس نے بھی وفات پائی۔

یہ شخص بہت بڑا جلیل القدر، کثیر الاحسان اور عدالت و افتاء میں بیحد محتاط تھا۔ اس کا زمانۂ قضا خلائق کے لئے رحمتِ الٰہی کا ایک نمونہ تھا۔

داعی الدعاۃ | قاضی القضاۃ کے قریب ہم رتبہ ہوتا تھا۔ اس کا منصبی فرض مساجد و مدارس میں فاطمیوں کی دعوت و تبلیغ کرنا تھا۔

محتسب | محتسب کا فرض بازاروں کا نگرانی کرنا تھا۔ اس کے علاوہ قوانین بیع و شرا کی پابندی کرانا تھا۔ پیمانوں اور وزنوں کی جانچ کرنا بھی تھا۔ محتسب قرضوں کو وصول کرتا تھا اور قیام امن کے لئے مناسب تدابیر اور کارروائیاں عمل میں لاتا تھا۔ محتسب کا انتخاب عموماً ممتاز مسلمانوں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے کیا جاتا۔ اس کی تنخواہ تیس دینار ہوتی تھی۔ ۳۶۳ھ میں قاضی علی بن نعمان شیعی کو مقرر کیا۔

نائب صاحب الباب | سفراء کے استقبال اور اُن کے قیام و طعام کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔

قراء الحضرۃ | ایک جماعت قاریوں کی تھی جن کو حکومت سے تنخواہ ملتی تھی جن کا کام یہ تھا کہ وہ مجلس اور جلوس کے وقت خلیفہ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کریں۔

افسر خراج | علی بن یحییٰ اخشیدیوں کے عہد میں افسر خراج تھا۔ جوہر نے رجا بن صولاب کو مقرر کر دیا۔ پھر اس کی جگہ یعقوب بن کلس مقرر ہوا جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

خراج | جوہر صقلی نے پہلے سال ۳۰۴۰۰۰۰ دینار خراج ملک مصر سے وصول کیا۔

مزروعہ رقبۂ مصر معز الدین کے عہد میں مصر کا مزروعہ رقبہ ۲۸۵۷۱۴ فدان تھا۔

جدید انتظام ٹیکس معز کے زمانے میں یعقوب بن کلس نے ٹیکس کا جدید نظام مرتب کیا۔ ان دونوں نے پیداوار کی مختلف اقسام کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا۔ ترتیب کے وقت مختلف دوروں کے ٹیکس بھی ان کے پیش نظر تھے۔

حکومت نے اس خاکہ پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور پیداوار میں اس وجہ سے معتدبہ اضافہ ہو گیا[1]

افواج فاطمیہ حسن عبیداللہ شیعی نے عباسیوں کے مقابلہ میں فاطمی خلافت کی دعوت مغرب میں شروع کی۔ کتامہ صنہاجہ، ہوارہ قبائل نے ساتھ دیا اور ان کی جان بازی سے عبیداللہ مہدی خلیفہ بنے۔

۲۹۷ھ میں مہدی نے تمام امراء اور ارکینِ دولت انہی میں سے منتخب کئے۔ منصور اور معز کا بھی یہی رنگ رہا۔ بربریوں ہی کی بدولت جوہر صقلی نے مصر فتح کیا۔ اس نے پھر اس فوج کو نئے انداز سے آراستہ کیا۔

وفات معز معز نے ۱۲ ربیع الثانی یوم جمعہ ۳۶۵ھ ہجری میں انتقال کیا۔

القائد ابوالحسن جوہر صقلی

جوہر صارب صقلی کا غلام تھا۔ صارب بھی غلام تھا۔ صقلیہ اور اٹلی کے جہاد میں کارہائے نمایاں کئے۔ جوہر ساتھ رہا۔ اس کو عاقل اور فرزانہ سمجھ کر

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۹۹   [2] دائرۃ المعارف جلد ۱۱ صفحہ ۷۲۔

اپنے خادم بخیران کے سپرد کر دیا۔ اس نے خفیف کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے المنصور فاطمی کی خدمت میں پیش کیا۔

منصور نے اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ چنانچہ جوہر کچھ دنوں میں سربلندی حاصل کرنے لگا اور حکومت کے معاملات میں دخیل ہوتے ہوتے معز کے عہد میں عہدۂ کتابت پر فائز ہوا[1] اور وزیر جنگ ہو گیا۔ اس کے بہت کچھ کارنامے معز کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جوہر نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی۔

صقلیہ کے اسیر غلام کو اسلام کے طفیل یہ اعزاز نصیب ہوا۔ اس کے مرنے پر ابن عذاری اور ابن خلکان کے بقول اس کے عہد کا کوئی شاعر ایسا نہ تھا جس نے اس کا مرثیہ نہ کہا ہو اور اس کی خدمت کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اپنے وقت کا بڑا جنرل تھا۔ اس کا بڑا لڑکا حسن بن جوہر جو الحکم کے عہد میں قائد القواعد اور وزیر اعظم تھا۔ دوسرے لڑکے ابوعبداللہ حسین بن جوہر کو برقہ، طرابلس الغرب کی عنان حکومت عطا ہوئی۔

نمازِ جمعہ خلیفہ معزالدین نے یہ طور اختیار کیا تھا کہ جمعہ کو جاہ و جلال کے ساتھ جس میں شان و شکوہ نمایاں ہو نماز کو جاتا۔ خلیفہ کے پیشتر قاضی القضاۃ جامع مسجد میں داخل ہوتا اور منبر اور اس قبہ کو جس کے نیچے خلیفہ خطبہ دیتے وقت کھڑا ہوتا تھا بخورات کی خوشبوؤں سے معطر کرتا تھا۔ خلیفہ اس روز سفید ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا اور نہایت نفیس ریشمی صافہ باندھتا تھا۔ شاہی عصا ہاتھ میں ہوتا اور خاص محافظ پولیس افسروں اور ممتاز امراء کے جلو میں جامع مسجد روانہ ہوتا۔ پیچھے پیچھے عام لوگوں کا جم غفیر ساتھ ہوتا۔ شاہی جلوس کے سامنے جھانجھ اور نقارہ بجتا ہوتا اور رقت انگیز

---

[1] خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔

آوازہ میں کلام پاک کی تلاوت ہوتی رہتی۔ یہاں تک کہ وہ ایک خاص نشست گاہ تک پہنچ جاتا تھا جہاں امیر العسکر، حاجب اور شاہی پولیس کے افسر حفاظت کے لئے کھڑے رہتے۔

اذان کے بعد قاضی القضاۃ نکلتا اور بآواز بلند کہتا۔

السلام علی امیر المؤمنین الشریف القاضی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الصلوٰۃ یرحمک اللہ۔

یہ سُن کر خلیفہ اپنے خاص حجرہ سے برآمد ہوتا پیچھے پیچھے وزیر اعظم اور مسلح شاہی باڈی گارڈ ہوتا تھا۔ خلیفہ ممبر کے پاس اپنی خاص نشست گاہ تک اسی ہیئت میں پہنچتا اور منبر کے قریب بیٹھ جاتا۔ اس وقت مسلح شاہی باڈی گارڈ اس کے آس پاس منتشر ہوجاتا اور وزیر اعظم منبر کے پاس خلیفہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہوجاتا۔ جب خلیفہ اشارہ کرتا تو وہ اُس کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دینے کے بعد منبر کے سامنے دو پردے چھوڑ دیتا اور اس کی وجہ سے منبر کا قبہ ہودج کی شکل کا نظر آنے لگتا۔ اب خلیفہ خطبہ شروع کرتا اور وزیر اعظم کھڑا رہتا۔ خلیفہ خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم اور مسلمان فوجوں کی کامیابی کے لئے دعا مانگتا اور خطبہ کے آخر میں کہتا۔ اذکروا اللہ یذکرکم (خدا کو یاد کرو وہ تم کو یاد کرے گا)۔

خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم محراب کے پردوں کو چھوڑ دیتا اور وہ قاضی القضاۃ محراب کے دروازوں پر کھڑے ہوجاتے۔ کابینہ کے ممبر، ممتاز فوجی اور سویلین افسر بھی محراب کی حفاظت کے لئے آس پاس کھڑے ہوجاتے۔ خلیفہ نماز شروع کرتا تو وزیر اعظم قاضی القضاۃ اور مؤذن حسب ترتیب تکبیر کا فرض انجام دیتے۔ نماز کے خاتمہ کے بعد جب جامع مسجد کا مجمع کم ہوجاتا تو خلیفہ اس شان سے نکلتا کہ دائیں جانب وزیر اعظم ہوتا اور بائیں جانب قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ اور شاہی باڈی گارڈ ساتھ چلتا۔ اس ہیئت وجلال سے جامع مسجد سے محل پہنچتا[1]۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۲۱۔

وزیر اعظم یعقوب بن کلس

یعقوب بن کلس یہودی تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا اور وہیں نشوونما ہوئی۔ علمائے اسلام سے علم وفضل حاصل کیا۔ سِن رُشد میں شام چلا گیا۔ ۳۳۱ھ میں مصر آیا۔ اخشید کا زمانہ تھا کافور کا جب عہد آیا۔ اس سے پہلے سے مراسم تھے اس نے اپنے محل کی تعمیر کا نگران یعقوب کو کر دیا۔ مگر اس نے اپنے طریق کار سے کافور کو بہت زیادہ مہربان کر لیا اور اس کی عنایت اس پر زیادہ ہونے لگی تو اس نے اپنے دیوانِ خاص میں اس کا تقرر کر دیا اور اس پر اس قدر اعتماد ہو گیا کہ اس نے تمام محکمہ کے افسران کے نام حکم جاری کر دیا کہ خزانے سے ایک پیسہ بھی بغیر ابن کلس کے دستخط کے نہ نکالا جائے۔

ابن کلس پر کافور کی رواداری کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ اس نے اپنے قدیم مذہب سے بے زار ہو کر اسلام قبول کر لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ پھر تو اس کا یہ عالم ہوا کہ نمازِ جمعہ کی بڑی پابندی کرتا۔ کافور کی توجہ ابن کلس پر اور بڑھ گئی۔ اس کا معمول تھا کہ نماز و تلاوت میں زیادہ مصروف رہتا۔ ایک متبحر عالم قرآن کی تفسیر کا مطالعہ کرتا اور ایک قاری اس کا ہم جلیس تھا جس کے ساتھ پنج وقتہ نماز پڑھتا۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتا اور اس کے پاس سوتا تھا۔ کافور اپنی وفات تک (۳۵۶ھ) برابر اُسے عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا رہا۔ کافور کے مرنے کے بعد مصر میں جی نہ لگا۔ بلادِ مغرب چلا گیا خلیفہ معزالدین کی خدمت میں باریاب ہوا۔ معز نے بھی اس کی تواضع و مدارت بہت کی ۳۶۲ھ میں معز کے ساتھ مصر آ گیا۔

محرم ۳۶۳ھ میں معز نے اُسے اور علوج بن حسن کو جنگی اور مدنی معاملات کا انچارج مقرر کیا اور وہ ترقی کرتا ہوا وزارت پر سرفراز ہوا۔

ابن کلس کا معمول تھا کہ اپنے قصر میں ہر ہفتہ اور پنج شنبہ کے روز ایک بہت بڑی مجلس منعقد کرتا جس میں اس کی تالیفات سنائی جاتی تھیں۔ اس مجلس میں قضاۃ فقہاء، اساتذۂ قرائت وتجوید، محدثین، شعراء اور ممتاز ارکانِ دولت کا اجتماع ہوتا تھا[1]

اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں بہت سے کاتب قرآن کے نسخوں اور حدیث، فقہ، ادب اور دوسرے علوم وفنون کی کتابوں کی نقلیں کرنے پر مامور تھے۔

اپنے قصر میں ایک کشادہ مہمان خانہ بھی بنوایا جس میں حمام اور دوسری ضروریات کا انتظام تھا۔ ابن کلس نماز مغرب کے بعد ہر روز یہاں کرسئ عدالت پر جلوہ فرما ہوتا تھا اور شہریوں کی شکایات اور ضروریات کے بارے میں مناسب طور کارروائیاں کرتا تھا۔

ابن کلس کے محل میں محکمہ فوج، شعبۂ مالیات، دیوانی خراج اور ریکارڈ آفس اور دوسرے محکمے قائم تھے۔ ہر شعبہ میں اس صیغہ کے ماہر افراد کی ایک معقول تعداد کام کرتی تھی۔ علماء، شعراء ادباء فقہاء اور متکلمین اور ماہرینِ فن کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر تھیں۔ ارباب فن اس کے محل میں سکونِ قلب سے علمی کاموں میں لگے رہتے تھے۔

شفاخانہ رفاہِ عام کی غرض سے ایک شفا خانہ قائم کیا تھا جس میں صدہا حاذق اطباء ملازم تھے جو مریضوں کا مفت علاج کیا کرتے تھے۔

ابن کلس نے اپنے زمانہ میں فرائضِ وزارت ایسے حسن وخوبی سے ادا کئے اور سخاوت کے وہ مظاہر دکھلائے اور صلہ گستری سے علماء وشعراء کو نوازا کہ شعرائے

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صہ ۱۷۱۔

عہد کے قصائد شاندار لکھے جو اس دورِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

جامع ازہر جامع ازہر کو جوہر نے شیعہ تبلیغ واشاعت کا مرکز بنا رکھا تھا۔ مگر ابن کلس نے عزیز کو مشورہ دیا کہ جامع ازہر کو دعوتِ شیعہ کے مرکز کے بجائے ایک یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے جہاں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم دی جائے۔ خلیفہ نے اسے شرفِ قبولیت بخشا اور جامع ازہر کی وائس چانسلری کے فرائض ابن کلس کو تفویض کئے۔

یہ واقعہ ۳۷۸ھ کا ہے[1]

ابن کلس نے ۳۸۰ھ میں انتقال کیا۔ عزیز نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تجہیز و تکفین میں شریک ہوا۔ اس کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کیا اور اس کی مفوضہ خدمات کو یوں تقسیم کیا کہ عدالتی و انتظامی خدمت حسن بن عمار سردار کتامہ کے تفویض ہوئی اور مالیات کا صیغہ عیسیٰ بن نسطورس کو سپرد کیا گیا[2]

عزیز بدین اللہ

عزیز بدین اللہ ۱۴ محرم ۳۴۴ھ کو بمقام مہدیہ پیدا ہوا۔ ۳۶۵ھ میں بعمر اکیس[21] سال خلیفہ ہوا[3]۔ اس کا نام نزار بن معد ابو منصور تھا اور لقب عزیز بدین اللہ تھا۔

وزیر وزیر اس کا یعقوب بن کلس تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وزارت کا کام دو حصوں میں کر دیا اور امیر العسکر جوہر صقلی مقرر ہوا۔

عزیز کی طبیعت زیادہ تر عیش وعشرت کی طرف تھی۔ ویسے عادل اور خوبیوں کا خلیفہ تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد دہم صفحہ ۲ [2] ایضاً [3] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۲۶۷۔

عدالتی و مالی انتظام عدالتی و انتظامی خدمت حسن بن نسیماز سرداد کتامہ اور مالی خدمت علی بن نسطورس کو سپرد کی گئی۔

قضاۃ علی بن نعمان بن محمد قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔جب یہ ۳۷۴ھ میں مرا تو اس کے بھائی ابو عبداللہ محمد کو عہدۂ قضا پر مامور کیا اور اپنے ہاتھ سے عزیز نے اس کے گلے میں تلوار حمائل کی۔[1]

گورنر بلکین بن زہری کو گورنری افریقہ پر بحال و قائم رکھا اور اس کا نائب عبداللہ بن خلف کتامی کو جو طرابلس، سرت اور جزائر کا گورنر تھا، کیا۔

مکہ معظمہ پر یورش اہالی مکہ و مدینہ نے گذشتہ موسم حج میں معز کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔ مگر عزیز کی تخت نشینی پر عزیز کے نام کا خطبہ نہ پڑھا۔ اس بنا پر عزیز نے سرزمین حجاز پر فوج کشی کر دی۔ چنانچہ فاطمی لشکر نے مکہ و مدینہ پر پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ رسد و غلہ کی آمد بند ہو گئی۔ اہل حرمین نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کی۔ پھر مکہ معظمہ میں اس کا نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ان دنوں مکہ معظمہ کا عامل عیسیٰ بن جعفر تھا اور مدینہ منورہ پر طاہر بن مسلم عامل تھا۔[2]

افتکین کے کارنامے افتکین ایک بہادر ترک تھا۔ اس کو بھی یہ امنگ تھی کہ اپنے علاقہ کو وسعت دے اور بنو فاطمہ اور بنو عباس کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ اس نے فوجیں فراہم کر کے علم مخالفت بلند کر دیا اور اس نے ان بلاد پر یلغار کر دیا جو ساحل شام پر واقع تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے صیدا کا محاصرہ کیا۔

ابن الشیخ اور ظالم بن موہوب عقیلی مع سرداران مغاربہ اس وقت صیدا

---

[1] ابن خلدون جلد دہم کتاب ثانی صفحہ ۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۳۔

میں موجود تھے فوجیں مرتب کر کے افتگین سے مقابلہ کرنے کو نکل پڑے، بے حد سخت اور خونریز جنگ کا آغاز ہُوا۔ افتگین لڑتے لڑتے پیچھے ہٹا۔ مغربی فوجیں کامیابی اور کثرت کے جوش میں آگے بڑھتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ اپنے مورچہ سے بہت دور نکل آئیں۔ اس وقت افتگین اپنی فوج کو مجتمع کر کے مغربی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ پھر کیا تھا مغربی فوجیں گھونگٹ کھا گئیں۔ چار ہزار فوج کھیت رہی۔ اس سے افتگین کے حوصلے بڑھ گئے۔ عکّہ کا قصد کیا اور اس پر محاصرہ ڈال کے طبریہ کی جانب بڑھا۔ یہاں کے باشندوں کے ساتھ بھی وہی معاملات کئے جو اہلِ صیدا کے ساتھ کئے تھے۔

بعدہٗ دمشق کی طرف لَوٹ کھڑا ہُوا۔ عزیز نے اس کی بابت اپنے وزیر یعقوب بن کلس سے مشورہ کیا۔ یعقوب نے یہ رائے دی کہ اس کے مقابلہ پر جوہر کاتب بھیجا جائے۔ عزیز نے اس رائے کے مطابق فوجیں آراستہ کر کے جوہر کو افتگین کی روک تھام کرنے کو روانہ کیا۔

اس اثنا میں افتگین دمشق پہنچ گیا تھا اس کو اس کی خبر لگی تو اس نے اہلِ دمشق کو مجتمع کر کے کہا تم لوگ خوب جانتے ہو کہ مَیں نے تمہاری رضامندی سے تم پر حکومت کی اور تمہاری استدعا پر ایسے بڑے ذمہ داری کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اب چونکہ عزیز والئ مصر و افریقہ کا مقابلہ ہے مَیں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم لوگ کسی مصیبت میں مبتلا ہو۔ اس وجہ سے مَیں تم لوگوں سے علیٰحدہ ہُوا چاہتا ہوں۔ اہل دمشق یہ سن کر متحد الکلمہ ہو کر بولے۔

"ہم لوگ آپ سے جُدا نہ ہوں گے اور جان و مال کو آپ پر تصدق کر دیں گے"

افتگین نے اس عہد و اقرار پر ان لوگوں سے قسم لی اور جوہر کا مقابلہ کرنے پر تُل گیا۔ ماہ ذیقعدہ ۳۶۵ھ کو جوہر مع اپنی سپاہ کے دمشق پہنچ گیا اور نہایت حزم و احتیاط سے اس پر محاصرہ ڈال دیا۔ دو ماہ کامل محاصرہ کئے رہا۔ لڑائیاں

ہوتی رہیں۔ فریقین کے ہزارہا آدمی مارے گئے بالآخر افتگین نے طولِ محاصرہ سے گھبرا کر اعصم بادشاہ قرامطہ کو یہ واقعات لکھ بھیجے اور اس سے مدد طلب کی۔ چنانچہ بادشاہ قرامطہ اپنا لشکر مرتب کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ شام و عرب کا جمِ غفیر اس کے پاس آ آ کے جمع ہو گیا جس کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی۔ جوہر نے یہ خبر پا کر دمشق کا محاصرہ اُٹھا لیا اس خوف سے کہ مبادا دو دشمنوں کے درمیان نہ آ جاؤں چلتا پھرتا نظر آیا۔ مگر افتگین اور بادشاہ قرامطہ نے نہایت تیزی سے طیّ مسافت کر کے جوہر کو رملہ میں جا کر گھیر لیا اور اس کا پانی بند کر دیا۔[1]

جوہر رملہ چھوڑ کر عسقلان چلا گیا۔ افتگین اور بادشاہِ قرامطہ نے عسقلان پر بھی دھاوا بول دیا اور اس پر بھی محاصرہ ڈال دیا۔ رسد و غلہ کی آمد بند ہو گئی نہایت سختی سے بسر ہونے لگی۔ جوہر نے افتگین سے مصالحت اور سازش کی بابت خط و کتابت شروع کی اور بادشاہ قرامطہ اس کو اس سے روک رہا تھا۔ آخر کار جوہر نے ملاقات کرنے کی درخواست کی افتگین نے منظور کر لی۔ دونوں ایک مقام موعود پر ملے جوہر کہنے لگا۔ یہ قتل و خون ریزی تمہاری وجہ سے ہوئی ہے تم کو برابر مصالحت کا پیام دے رہا تھا۔"

افتگین نے جواب دیا۔ میں اس معاملہ میں معذور ہوں۔ یہ سارا ساختہ پرداختہ بادشاہ قرامطہ کا ہے۔ اسی قسم کی دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں یہ طے پایا کہ افتگین محاصرہ اٹھا لے اور جوہر اپنے آقائے نامدار عزیز سے اس حسنِ سلوک کا معاوضہ دلوائے۔ اس امر کے طے ہونے پر جوہر نے ایفاء

---

[1] شہر رملہ سے تین کوس کے فاصلہ پر طواسین ندی تھی اس سے شہر میں پانی جاتا تھا۔ افتگین اور بادشاہ قرامطہ نے اسی ندی پر اپنے مورچے قائم کئے تھے اور شہر میں پانی کا جانا بند کر دیا۔ (تاریخ کامل اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۶۱ مطبوعہ مصر)۔

عہد کی قسم کھائی۔

افتگین اپنے لشکر گاہ میں واپس آیا اور بادشاہ قرامطہ کو کل حالات بتائے۔ بادشاہ قرامطہ نے افتگین کو اس پر نصیحت وفضیحت کی۔ جوہر کی چالاکیاں ومکاریاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ محاصرہ اُٹھا لینے کے بعد جوہر اپنے آقائے نامدار عزیز کے پاس جائے گا اور اس تیاری سے ہم لوگوں پر حملہ کرے گا کہ جس کا جواب دینا ہمارے امکان سے باہر ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قول واقرار سے منحرف ہو جاؤ۔ افتگین نے بادشاہ قرامطہ کی اس نصیحت پر توجہ نہ کی اور جوہر کو معہ اس کے ہمراہیوں کے مصر جانے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ جوہر محاصرہ سے نجات پا کے مصر کی جانب روانہ ہُوا۔ عزیز کے دربار میں پہنچ کر کل واقعات عرض کئے اور سمجھا بجھا کر ان لوگوں پر فوج کشی کرنے کے لئے اُبھار دیا۔ عزیز نے جوہر کے کہنے کے مطابق فوجیں آراستہ کرکے چڑھائی کر دی۔ مقدمۃ الجیش پر جوہر تھا۔ افتگین اور بادشاہ قرامطہ یہ خبر پاکر رملہ چلے آئے تھے اور فراہمی لشکر کی فکریں کرنے لگے۔ اس عرصہ میں عزیز نے محرم ۳۶۷ھ میں رملہ پہنچ کر مورچے قائم کئے اور افتگین سے کہلا بھیجا کہ تم میری اطاعت قبول کر لو میں تم کو اپنے لشکر کا سردار مقرر کر دوں گا۔ جس ملک کو پسند کرو گے اس کی حکومت عطا کروں گا اور ان امور کے طے کرنے کے لئے مجھ سے آکر مل جاؤ۔

افتگین صفِ لشکر سے نکل کر پیادہ پا دونوں لشکروں کے درمیان میں آکر کھڑا ہُوا اور عزیز کے قاصد سے کہا تم جا کر امیر المؤمنین سے بہ ادب تمام میرا یہ پیام کہہ دو کہ اگر چند ساعت پیشتر یہ پیام مجھے مل جاتا تو اس کی تعمیل میں عذر نہ ہوتا مگر اب یہ ناممکن ہے''۔

قاصد افتگین سے رخصت ہو کر عزیز کے لشکر کی جانب روانہ ہُوا اور افتگین نے عزیز کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں عزیز کے میسرہ کو ہزیمت ہوئی

ایک گروہِ کثیر کام آیا۔عزیز نے اس امر کا احساس کر کے اپنے میمنہ کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی حملہ آور ہُوا ۔ افتگین اور شاہ قرامطہ کو ہزیمت ہوئی ۔مغربی فوجوں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں ۔منہزم گروہ کی بیس ہزار فوج کھیت رہی۔ کامیابی کے بعد عزیز اپنے خیمہ میں واپس آیا ۔ فتحمند گروہ نے جنگی قیدیوں کو پیش کرنا شروع کیا۔ جو شخص قیدی پیش کرتا تھا اس کو خلعت دی جاتی تھی ۔عزیز نے منادی کرادی کہ جو شخص افتگین کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دیئے جائیں گے۔ اتفاق سے مفرج بن دغفل طائی سے اور افتگین سے ملاقات ہوگئی ۔ افتگین نے پیاس کی شکایت کی۔مفرج نے اس کو پانی پلایا۔ اپنے جائے قیام میں ٹھہرا کے عزیز کے پاس گیا اور اس کو افتگین کا پتہ بتلا کے ایک لاکھ دینار وصول کر لئے ۔

پس جس وقت افتگین کو عزیز کے روبرو پیش کیا گیا۔ چونکہ عزیز کو اس کے مارے جانے کا یقین کامل ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے بے حد مسرت ہوئی اور کمال توقیر سے افتگین کے لئے خیمہ نصب کرایا۔ جو کچھ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا وہ سب کا سب واپس کرادیا اور معہ اس کے مراجعت کر کے مصر آیا۔ اپنے خاص مصاحب کا اعزاز عنایت کیا۔

بعد اس کے ایک شخص کو اعصم قرمطی بادشاہ قرامطہ کو بھی واپس لانے کی غرض سے مامور کیا۔ چنانچہ اس شخص نے اعصم قرمطی سے طبریہ میں جا کر ملاقات کی اور اس سے عزیز کے پاس مصر چلنے کو کہا۔ اعصم نے مصر جانے سے انکار کیا۔ اس شخص نے عزیز کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ عزیز نے بیس ہزار دینار اعصم کو بھیجے اور اسی قدر ہر سال دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اعصم اس پر بھی مصر نہ گیا اور اس وقت طبریہ سے احساء چلا گیا ۔

ان واقعات کے بعد افتگین کو وزیر یعقوب بن کلس نے اس وجہ سے کہ افتگین عزیز کی ناک کا بال ہو رہا تھا زہر دے دیا۔ عزیز کو اس کی خبر لگ گئی۔

گرفتار کرا کے چالیس روز تک قید میں رکھا اور پانچ لاکھ دینار جرمانہ لے کر رہا کر دیا اور بدستور عہدۂ وزارت پر مامور کیا۔

ماہ ذی قعدہ ۳۸۱ھ میں جوہر کاتب نے وفات پائی۔ بجائے اس کے اس کا بیٹا حسن مقرر کیا گیا۔ "قائد القواد" کا مبارک لقب مرحمت ہوا۔

افتگین نے اپنے زمانۂ حکومت میں قسام نامی ایک شخص کو دمشق میں اپنی نیابت پر مامور کیا تھا۔ افتگین کے دمشق چھوڑنے کے بعد اس کا رعب داب بڑھ گیا۔ کچھ لوگ اس کے مطیع و تابع ہو گئے۔ رفتہ رفتہ چند شہریوں پر قابض بھی ہو گیا اور جب افتگین اور قرامطہ کو ہزیمت ہوئی تو عزیز نے اپنے نامی سپہ سالار ابو محمود بن ابراہیم کو والئ دمشق مقرر کر کے دمشق روانہ کیا۔ اس وقت دمشق اور اس کے قرب و جوار کے شہروں پر قسام قابض و متصرف ہو رہا تھا۔ عزیز کے نام کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں ابو محمود کی کچھ پیش نہ گئی۔ قسام بدستور کرسئ حکومت پر متمکن رہا۔ اسی اثنا میں ابو تغلب بن حمدان والئ موصل عضد الدولہ سے شکست کھا کر دمشق کی طرف آیا۔ قسام نے اس کو داخل نہ ہونے دیا۔

اس کے باعث مابین ابو تغلب اور قسام ناچاقی پیدا ہو گئی اور نوبت جدال و قتال کی پہنچ گئی۔ بالآخر ابو تغلب طبریہ چلا گیا۔ اس کے بعد عزیز کا لشکر بسر کردگی سپہ سالار افضل دمشق آ پہنچا اور قسام پر دمشق میں محاصرہ ڈال دیا۔ مگر اتفاق کچھ ایسا پیش آیا کہ یہ لشکر بے نیل و مرام عزیز کے پاس چلا گیا۔ تب عزیز نے ۳۶۵ھ میں ایک دوسری فوج بہ سرکردگی سلیمان بن جعفر بن فلاح دمشق روانہ کی۔ سلیمان نے دمشق کے باہر پڑاؤ کیا۔ قسام نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا۔ انہوں نے لڑ کر سلیمان کو اس مقام سے جہاں کہ اس نے پڑاؤ کیا تھا ہٹا دیا۔

انہی دنوں مفرج بن جراح امیر بنی طے اور ملکی عرب سرزمین فلسطین میں مقیم تھے اس کی جماعت اور نیز شوکت و شان بڑھ گئی تھی۔ قرب و جوار کے

سرحدی شہروں کو قتل و غارت گری سے پامال کر رہے تھے۔ عزیز نے ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بہ افسری اپنے سپہ سالار بلتگین ترکی کے روانہ کیا۔ چنانچہ یہ لشکر کوچ و قیام کرتا ہُوا رملہ کی طرف روانہ ہُوا۔ قبیلۂ قیس کا ایک گروہِ کثیر اس کے لشکر میں آملا۔ بعدازاں مفرج بن جراح اور بلتگین سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ بلتگین نے چند دستہ فوج کو پہلے سے کمین گاہ میں بٹھا رکھا تھا۔ مفرج کو اسی وجہ سے ہزیمت ہوئی۔ یہ بھاگ کر انطاکیہ پہنچا۔

والیٔ انطاکیہ نے اس کو پناہ دے دی۔ اسی عرصہ میں بادشاہ روم نے قسطنطنیہ سے بلادشام کی جانب خروج کیا۔ مفرج کو اس سے خطرہ پیدا ہُوا۔ بکجور خادم سیف الدولہ والیٔ حمص کو اس واقعہ سے مطلع کر کے امداد طلب کی۔ بکجور نے مفرج کی استدعا منظور کی اور کما حقہٗ اس کی مدد کی۔ بعد اس کے بلتگین نے دمشق کی جانب رخ کیا اور قسام سے کہلا بھیجا کہ میں کسی اور غرض سے نہیں آیا محض اصلاح حال شہر کی وجہ سے آیا ہوا ہوں۔ قسام کے ساتھ قیس بن صمصام ہمشیرزادہ ابومحمود بھی دمشق ہی میں موجود تھا اور ابومحمود کی سندِ حکومت دمشق اسی کو مرحمت ہوئی تھی۔

غرض قسام شہرِ دمشق سے نکل کے بلتگین کے پاس آیا۔ بلتگین نے اس کو معہ اس کے ہمراہیوں کے شہر کے باہر قیام کرنے کو کہا۔ اس سے قسام کو خطرہ پیدا ہُوا۔ فوراً شہر کی جانب لوٹ کھڑا ہُوا اور لڑائی کی تیاری کر دی۔ خم ٹھونک ٹھونک کر دونوں حریف میدانِ جنگ میں آ گئے۔

اتفاق یہ کہ اس معرکہ میں قسام کے ہمراہیوں کو ہزیمت ہوئی۔ بلتگین نے اطرافِ شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ مکانات میں آگ لگا دی۔ اہلِ شہر نے گھبرا کر بلتگین سے امن کی درخواست کرنے کی رائے قائم کی اور اس غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ بلتگین نے ان کو حاضری کی اجازت دے دی۔ قسام کو اس واقعہ کی اطلاع

ہوئی۔ سنتے ہی بدحواس ہو گیا مگر چارہ کار کچھ نہ تھا۔ اہلِ شہر نے بلتگین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لئے، نیز قسام کے لئے امن حاصل کر لی۔ ہنگامہ کارزار فرو ہو گیا۔ خلاق اپنے اپنے مکانات میں آ کر آباد ہوئی۔ بلتگین نے اپنی جانب سے فطلیج نامی ایک امیر کو شہر کی حکومت پر مامور کیا۔ چنانچہ فطلیج محرم ۳۷۲ھ میں امارت کا جھنڈا لئے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے دوسرے دن قسام کسی خیال سے روپوش ہو گیا۔ بلتگین کے ہمراہیوں نے قسام اور اس کے مصاحبوں کے مکانات لوٹ لئے۔ قسام نے یہ خیال کر کے کہ اب جانبری دشوار ہے اپنے کو بلتگین کے دربار میں حاضر کر دیا اور معذرت کی۔ بلتگین نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ اور اس کو بعزت و احترام مصر روانہ کیا۔ عزیز نے اپنی بے نظیر فیاضی و رحمدلی سے اس کو بھی امن عنایت کی۔

بکجور جو کہ سیف الدولہ کا خادم اور اس کی جانب سے حمص کا گورنر تھا، ان دنوں جبکہ دمشق عزیز اور قسام کی فوجوں کا میدانِ کارزار بنا ہوا تھا حمص سے عزیز کے لشکر کو رسد و غلہ بھیج رہا تھا اور اپنی اس حسنِ خدمت کی اطلاع عزیز کو دیتا جاتا تھا۔ بعد ان واقعات کے ۳۷۳ھ میں ابوالمعالی اور بکجور میں چل گئی۔ بکجور نے عزیز سے اس کی شکایت کی۔ عزیز نے ابوالمعالی کی گوشمالی کی اور اس کو حکومتِ دمشق دینے کا وعدہ کیا۔ اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مغربیوں نے مصر میں وزیر سلطنت ابن کلس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے قتل پر تُل گئے۔

اس ہنگامہ کے فرو کرنے کی غرض سے عزیز کو دمشق سے بلتگین بلانے کی ضرورت پیش آئی۔

چنانچہ عزیز نے بلتگین کو دمشق سے طلب فرما لیا اور بجائے اُس کے بکجور کو دمشق کی زمامِ حکومت سپرد کی۔ ماہِ رجب ۳۷۳ھ میں بکجور علم حکومت لئے ہوئے دمشق میں داخل ہُوا۔ چونکہ اس کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ

ابن کلس وزیرالسلطنت عزیز کو منع کر رہا تھا کہ بکجور کو حکومت دمشق نہ دی جائے۔ اس عداوت وکینہ سے بکجور نے دمشق میں داخل ہوتے ہی ابن کلس کے آوردوں اور اس کے ہوا خواہوں کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد رعایائے دمشق کو بھی ایذائیں پہنچانے لگا۔

ابن کلس کو اس کی خبر لگ گئی۔ موقع پاکر عزیز نے اس کی شکایت کر دی کہ بکجور والیٔ دمشق بڑا استمرو سرکش ہو گیا ہے۔ ظلم وجفاکاری اس کا شیوہ ہو رہا ہے اگر معزول نہ کیا جائے گا تو صوبہ دمشق ویران ہو جائے گا۔

پس عزیز نے ۳۷۳ھ میں ایک لشکرِ عظیم بسرافسری تیتر خادم کو بکجور کے ہوش میں لانے کی غرض سے روانہ کیا اور نزال والیٔ طرابلس کو اس کی امداد کرنے کو لکھا۔ بکجور نے بھی اس واقعے سے مطلع ہو کر گردو نواح کے عرب کو مجتمع کر لیا اور آلاتِ حرب سے ان کو مسلح کر کے خم ٹھونک کر میدانِ جنگ میں آ گیا۔ مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر بکجور یہ خیال کر کے کہ مبادا نزال نہ آ جائے۔ اہل دمشق کے لئے امان حاصل کر کے رقہ چلا گیا اور اس پر مستولی ومتصرف ہو گیا۔ ادھر نیر نے بھی دمشق میں داخل ہو کر کامیابی کے ساتھ قبضہ حاصل کر لیا اور استقلال و استحکام سے حکمرانی کرنے لگا۔

اس واقعہ کے بعد بکجور نے دمشق سے رقہ میں پہنچ کر سعدالدولہ والیٔ حلب سے حمص کی حکومت کی درخواست کی۔ سعدالدولہ نے کسی مصلحت سے اس کو منظور نہ کیا۔ اس بنا پر بکجور نے عزیز سے سعدالدولہ پر فوج کشی کرنے کی اجازت طلب کی۔ عزیز نے بکجور کی درخواست منظور فرما کے فوجیں عنایت کیں اور نزال والیٔ طرابلس کو اس کی کمک اور امداد کرنے کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ بکجور نے فوجوں کو مرتب کر کے سعدالدولہ پر چڑھائی کر دی۔

سعدالدولہ نے بھی مدافعت ومقابلہ کی غرض سے فوجیں فراہم کر لیں اور حلب سے نکل کر میدانِ جنگ میں آ گیا۔ نزال نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی تھی کہ

جس طرح سے ممکن ہو جنگ کے وقت بکجور کو دغا دی جائے۔ اس کو اس امر پر عیسیٰ ابن نسطورس وزیر السلطنت نے ابھارا تھا جو بعد ابن کلس کے قلمدانِ وزارت کا مالک ہوا تھا۔ انہی دنوں عامل انطاکیہ نے بادشاہ روم سے امداد کی درخواست کی تھی اور ایک فوج کثیر التعداد اس کی کمک پر بھیج دی تھی۔

الغرض نزال نے اپنے منصوبہ کے مطابق ان عربوں سے جو بکجور کی رکاب میں تھے معرکۂ جنگ کے وقت بھاگ جانے کی بابت سازش کر لی اور ان سے اس معاملے انجام ہو جانے پر بڑے بڑے وعدے کئے۔

پس جس وقت دونوں فوجیں مقابل ہوئیں بکجور کو کسی ذریعہ سے اس سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ مرنے پر کمربستہ ہو کر سیف الدولہ پر حملہ آور ہوا اور لولوئے کبیر (سیف الدولہ کے خادم) کا ایک ہی وار سے کام تمام کر دیا۔ سیف الدولہ نے لولوئے کبیر کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھ کر بکجور پر حملہ کیا۔ بکجور شکست کھا کر بعض قبائلِ عرب میں جا چھپا اور دو، چار روز کے بعد اپنی حالت درست کر کے سیف الدولہ پر پھر حملہ آور ہوا۔ مگر پہلے ہی حملہ میں خود بکجور کے میدانِ جنگ سے پاؤں اکھڑ گئے اور اثناء دار و گیر میں مارا گیا۔ سعد الدولہ نے اس کے مال و اسباب کو ضبط کر کے رقہ کی جانب کوچ کیا اور اس پر قابض و متصرف ہو گیا۔

بکجور کے لڑکوں نے عزیز کو اپنے باپ کے مارے جانے کا واقعہ لکھ بھیجا اور سعد الدولہ سے سفارش کرنے کی بابت تحریک کی۔ چنانچہ عزیز نے سعد الدولہ کے پاس بکجور کے لڑکوں کی سفارش کا خط بذریعہ ایک قاصد کے روانہ کیا اور یہ بھی تحریر کیا کہ بکجور کے لڑکوں کو میرے پاس مصر بھیجو۔ بصورت اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کے دھمکی بھی دی۔

سعد الدولہ نے ایک بھی نہ سُنی۔ عزیز کی سفارت کو نہایت بری طور سے واپس کیا۔ عزیز نے طیش میں آ کر ایک جرار لشکر بسر افسری منجوتگین حلب کا محاصرہ کرنے کو روانہ کیا۔ منجوتگین نے حلب پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ ان دنوں حلب میں ابوالفضائل ابن

سعدالدولہ اور لولوئے صغیر خادم سیف الدولہ تھا۔ دونوں نے سیل بادشاہ روم کی خدمت میں بغرض استمداد سفارت بھیجی۔ اگرچہ اس وقت یہ جنگ بلغار میں مصروف تھا مگر پھر بھی ابوالفضائل کی سفارت پہنچنے پر والیٔ انطاکیہ کو حلب کے محصوروں کی امداد کرنے کو لکھ بھیجا۔

والیٔ انطاکیہ اس حکم کے مطابق پچاس ہزار فوج لے کر حلب کے بچانے کو روانہ ہوا۔ رفتہ رفتہ حصین عاصی پہنچا۔ منجوتگین کو اس کی خبر لگ گئی۔ حلب سے محاصرہ اٹھا کر کوچ کر دیا۔ اثناءِ راہ میں اس کی رومیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ منجوتگین نے ان کو شکست دے دی اور قتل و قید کرکے انطاکیہ کی طرف بڑھا۔ اطرافِ انطاکیہ میں ہنگامہ نمونہ قیامت برپا ہو گیا۔

اس زمانۂ غیر حاضری منجوتگین میں ابوالفضائل اطراف حلب میں بغرض فراہمی غلہ نکل کھڑا ہوا۔ جس سے بے حد گرانی پیدا ہو گئی۔ جس قدر فراہم کر سکا فراہم کر لیا باقی جو رہ گیا اس میں آگ لگا دی۔ پس جب منجوتگین حصار حلب کو پھر واپس آیا اور سر کرنے کی غرض سے فوجوں کو حلب کے اردگرد پھیلا دیا۔ لولوئے صغیر نے ابوالحسن مغربی کی خدمت میں پیام مصالحت بھیجا۔ شرائط صلح طے ہو جانے پر باہم صلح ہو گئی۔ منجوتگین نے دمشق کی جانب مراجعت کی۔ عزیز کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی سخت برہم ہوا۔ اس وقت منجوتگین کو محاصرہ حلب پر واپس جانے اور وزیر ابوالحسن مغربی کے معزول کرنے کو لکھ بھیجا اور براستہ دریا رسد غلہ بھی روانہ کیا۔

چنانچہ منجوتگین نے پھر حلب کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ حلب نے بادشاہ روم کے پاس استمداد اور استعانت کی غرض سے سفارت بھیجی اور اس کو اس سلوک کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ رومی بادشاہ نہایت عجلت سے فوجوں کو آراستہ کرکے حلب کی جانب روانہ ہوا۔ لولوئے صغیر نے اس خیال سے کہ مسلمانوں اور اسلام کو اس سے سخت صدمہ اور نقصان پہنچ جائے گا۔ منجوتگین کو بادشاہِ روم کے

آنے سے مطلع کر دیا۔

علاوہ بریں جاسوس نے بھی یہی خبر منجوتگین تک پہنچا دی۔ منجوتگین نے مصلحتاً محاصرہ اُٹھا لیا۔ متعدد بازار، محل سرائیں اور حمام اثناءِ محاصرہ میں ویران و برباد ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہِ روم حلب پہنچا۔ ابوالفضائل اور لولوئے صغیر ملنے کو آئے۔ دو، چار روز قیام کر کے ملک شام کی طرف کوچ کیا۔ حمص اور شیزر کو مفتوح کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ چالیس یوم تک طرابلس کا محاصرہ کئے رہا۔ مگر کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر اپنے ملک کو واپس گیا۔

ان واقعات کی خبر عزیز تک پہنچی۔ بے حد شاق گزرا۔ جہاد کا اعلان کر کے ۳۸۱ھ میں قاہرہ سے خروج کر دیا۔ استنے میں نیر نے دمشق میں عزیز کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ منجوتگین نے اس سے مطلع ہو کر اس ہنگامہ کے فرو کرنے کو دمشق کی جانب قدم بڑھایا۔[1]

عیسیٰ بن نسطورس اور یہودی منشا نے مسلمانوں سے عناد برتنا شروع کیا اور اپنی قوم کو سراہنے لگے۔ اس پر عزیز نے ان کو معزول کر دیا اور عیسیٰ سے تین لاکھ دینار وصول کئے۔

وفات ۳۸۱ھ میں عزیز نے جہاد کا اعلان کیا اور فوجیں آراستہ کر کے کوچ کیا۔ بلبیس پہنچا کہ وہیں بیمار پڑا اور ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ میں عزیز نے وفات پائی۔ ساڑھے گیارہ سال حکمرانی کی۔[2]

اوصاف کریم الطبع اور شجاع تھا۔ اس کی طبیعت داد و دہش کی طرف بہت تھی۔ علمی ذوق کا خلیفہ تھا۔ شعر و ادب سے دلچسپی رکھتا تھا۔ جامع ازہر میں جملہ علوم و فنون کی تقریباً دو لاکھ کتابیں جمع کیں۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

---

[1] ابن خلدون جلد دہم صفحہ ۲۰ [2] ایضاً۔

کُتب خانہ خلیفہ عزیز باللہ کے عہد میں شاہی کتب خانہ مصر میں قائم ہُوا۔ یہ کتب خانہ شاہی محل کا حصّہ تھا اور چالیس جداجدا کتب خانوں پر مشتمل تھا جن میں سے ایک کتب خانہ میں صرف علوم قدیمہ یعنی فلسفہ وغیرہ کی اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ بعض مؤرخوں نے دعویٰ کیا ہے کہ کل اسلامی دُنیا میں اس کے برابر کوئی کتب خانہ نہ تھا۔ ابن الطویر نے دو لاکھ اور ابن ابی طے نے چھ لاکھ ایک ہزار کتب بیان کی ہیں۔

ایک مرتبہ عزیز کے دربار میں کتاب العین کا ذکر آیا تو اُس کے حکم سے داروغہ کتب خانہ نے کتاب مذکور کے تیس نسخے نکال کر پیش کئے۔ جن میں سے ایک خود مصنف خلیل بن احمد بصری موجد نحو کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا۔ اسپین کے نامور کتب خانہ کا یہ کتب خانہ حریف اور مقابل تھا[1]

قاعۃ الذہب عزیز فاطمی کو تعمیرات سے خاصی دلچسپی تھی اور اس نے قاعۃ الذہب دیوان خانہ اس شان کا تعمیر کرایا جس کا جواب نہ تھا جو بہترین فرش وفروش، قیمتی پردوں اور ریشمی حاشیہ کے قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ ان پردوں اور قالینوں کے رنگ اور نقش ونگار ایک طرح کے تھے۔

قاعۃ الذہب کے وسط میں گدرے دار فرش پر خلیفہ کا تخت بچھا تھا جو پردوں سے مستور رہتا تھا۔

دربار شاہی دربار کے وقت جب خلیفہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو یہ پردے اٹھا دیئے جاتے تھے۔

شاہی عظمت وسطوت اس وقت قابلِ دید ہوتی تھی جب وہ معتمد وزیر ان دونوں ریشمی پردوں کو رئیس القصر کے اشارہ سے جو زمام القصر کے نام

---

[1] کتاب الخطط والآثار (مقالات شبلی ج ۶ صہ ۱۶۲)۔

سے مشہور تھا الٹ دیتے تھے اور خلیفہ کی شخصیت یک بیک نمودار ہو جاتی تھی اور اس کے ارد گرد قاریوں کے ایک جماعت کلام پاک کی ترتیل کے ساتھ بلند آواز سے تلاوت کرتی ہوتی تھی۔ تلاوت کے بعد حامل دوات آتا اور گدے دار فرش کے ایک کنارے دوات لا کر رکھ دیتا جو خاص اسی کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ جب سب درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے تو رئیس قصر افسر بیت المال حاجب اور معتمد امراء دروازوں کے پاس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جاتے۔ اس وقت ایک معتمد امیر مرتبہ کے لحاظ سے ایک ایک شخص کو خلیفہ کے سامنے باریابی کے لئے پیش کرتا۔

سب سے پہلے وزیر اعظم کی باری آتی وہ خلیفہ کی طرف بڑھتا، خلیفہ کو سلام کرتا اُس کے دست و پا کو چُومتا۔ پھر اپنی جگہ پر واپس آتا اور کھڑا ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد اسے ایک گاؤ تکیہ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا جاتا جو خلیفہ کے دائیں جانب ہوتا تھا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کی باری آتی اور وہ خلیفہ کے قریب جا کر اپنا دایاں ہاتھ اٹھاتا اور سلام کرتا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہتا۔

"السلام علیکم یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

جب وزیر اعظم محسوس کرتا کہ خلیفہ سے کسی امر میں مشورہ کرنا چاہیئے تو وہ اس سے قریب ہو جاتا اور تلوار پر سہارا لے کر نہایت ادب و توجہ سے گفتگو کرتا۔ خلیفہ کا دربار معمولاً تین گھنٹے تک جاری رہتا۔ اس میں مہمات حکومت پر بحث و مباحثہ ہوتا اور ان کے بارے میں خلیفہ کے احکام حاصل کئے جاتے اور وزیر اعظم ان لوگوں کے لئے عطائے خلعت و مناصب کی تجویز پیش کرتا جن کے نام زیر غور ہوتے۔ جب دربار ختم ہو جاتا تو حاضرین منتشر ہو جاتے۔

وزیر اعظم خلیفہ کے دست و پا کو دوبارہ بوسہ دینے کے بعد سب سے آخر میں دربار کو چھوڑتا اور تمام اراکینِ مجلس کے جلوس میں اپنے گھر کو لوٹ جاتا۔ اب

خلیفہ اپنے تخت سے نزول فرماتا اور ایوان سے روانہ ہو جاتا۔ اس روانگی کے بعد پردے چھوڑ دیئے جاتے اور دروازہ مقفل کر دیا جاتا [1]۔

حاکم بامراللہ

نام ولقب ابو علی منصور ابن عزیز لدین اللہ لقب حاکم بامراللہ تھا۔

پیدائش ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ ۳۸۶ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس وقت عمر گیارہ سال کی تھی۔ اس وجہ سے ارجون خادم مدبر دولت قرار پایا [2]۔

ارجون ارجون خادم اس کے عہد حکومت میں امور سلطنت کا کامل منصرم اور اس پر مستولی و متغلب ہو گیا۔ جیسا کہ اس کے باپ عزیز کے عہد حکومت میں تھا اور ابو محمد حسن بن عمار ہر کام میں ارجون کا ردیف و شریک تھا۔ ارجون محل سرائے شاہی میں حاکم کے ساتھ رہتا تھا۔ ابو محمد حسن امور سلطنت کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ کل انتظامی امور اور مالی صیغوں پر قبضہ کر لیا۔ "امین الدولہ" کے لقب سے اپنے کو ملقب کیا۔ کتامہ کی بن آئی۔ رعایا کے مال اور عزت کو اپنی خواہشات نفسانی کا شکار کرنے لگے۔

منجوتگین کو یہ امر اور ابو محمد کا ہر کام میں پیش پیش ہونا ناگوار گزرا۔ ارجون کو لکھ بھیجا کہ اگر تم میری موافقت کرو تو میں حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دوں۔ ارجون کا دل ابو محمد سے تو پک ہی گیا تھا منجوتگین سے سازش کر لی۔ چنانچہ منجوتگین نے خودسری کا اظہار کر کے ایک فوج دمشق سے مصر کو

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۲۲ [2] کامل ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۸۳ مطبوعہ لندن۔

روانہ کی جس کا سردار سلیمان بن جعفر بن فلاح تھا۔ ابو محمد کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی مصری لشکر کو اس طوفان کی روک تھام کرنے کو روانہ کیا۔ مقام عسقلان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک سخت و خونریز جنگ کے بعد منجوتگین کو ہزیمت ہوئی۔ دو ہزار آدمی اس کے کھیت رہے اور خود بھی اثناء دار و گیر میں گرفتار کر لیا گیا اور پابزنجیر مصر بھیج دیا گیا۔ ابو محمد نے مصلحتاً مشرقی فوجوں کو ملانے کی غرض سے منجوتگین کو رہا کر دیا اور اپنی طرف سے ملکِ شام پر ابو تمیم سلمان بن فلاح کتامی کو مامور کیا۔ اُس نے طبریہ میں پہنچ کر اپنے بھائی علی کو سندِ حکومت عطا کر کے دمشق بھیجا۔ اہلِ دمشق نے علی کی سرداری تسلیم نہ کی لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ ابو تمیم نے اہلِ دمشق کے پاس اپنی سفارت بھیجی اور ان کو سرکشی اور مخالفت کے عواقب امور سے ڈراتے ہوئے اپنے جاہ و جلال کی دھمکی بھی دی۔ اہلِ دمشق نے ڈر کر اطاعت قبول کر لی اور علی کی سرداری و حکومت تسلیم کر کے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔

علی نے شہر پناہ میں داخل ہوتے ہی دُند مچا دی۔ خونریزی و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ کئی کو قتل کیا۔ ابو تمیم کو اس کی خبر لگی۔ فوراً دمشق آ پہنچا اور اہلِ دمشق کو علی کے پنجۂ غضب سے نجات دے کر علی کو دمشق سے طرابلس کی حکومت پر تبدیل کر دیا اور طرابلس کے سابق حکمران جیش بن صمصامہ کو معزول کر دیا۔

جیش نے معزولی کے بعد مصر کا راستہ لیا۔ تھوڑے دنوں کے سفر کے بعد مصر میں داخل ہوا۔ ارجون کے پاس آمد و رفت شروع کی۔ جیش اور ارجون نے متفق ہو کر یہ رائے قائم کی کہ ابو محمد اور کل سردارانِ کتامہ کو جو اس کے مصاحب و مشیر ہیں جس طرح سے ممکن ہو مملکتِ مصر سے نکال دینا چاہیئے۔ اس سازش میں شکر خادم عضدالدولہ بھی شریک تھا۔ شکر عضدالدولہ کا خادم خاص تھا۔ بعد وفات عضدالدولہ وادبار شرف الدولہ برادر عضدالدولہ مصر چلا آیا اور عزیز کے دربار میں پہنچ کر ایک قسم کا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اسی تعلق

سے یہ ارجون اور جلیش کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

اتفاق سے ابو محمد کو اس سازش کی اطلاع ہوگئی۔ ادھر ارجون نے اس کے زیر کرنے کی تدبیر نکالی۔ الغرض مغربی و مشرقی فوجیں ہر دو کی گتھ گئیں۔ ابو محمد روپوش ہوگیا۔ ارجون حاکم کے پاس آگیا اور تمام واقعات گوش گزار کئے اور اس کو سریر خلافت پر جلوہ افروز کرکے اس کی خلافت اور حکومت کے دوبارہ بیعت لی۔

ارجون نے دمشق کے سپہ سالاروں کو خفیہ خط لکھا کہ ابو تمیم کو گرفتار کرلو۔ چنانچہ اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد ارجون نے ابو محمد کی تقصیر معاف کردی۔ ارجون نے خودسری پر کمر باندھ رکھی تھی۔ آخرکار حاکم نے ۳۸۹ھ میں اس کا کام تمام کرادیا۔[1]

وزارت حاکم کے ابتدائی دور میں عیسیٰ بن نسطورس وزارت پر سرفراز تھا پھر اس کو معزول کرکے حسین بن عمار کا تقرر عمل میں آیا۔ ایک عرصہ تک ارجون بھی وزیر رہا۔

قاضی القضاۃ عبداللہ حسین علی بن نعمان قاضی القضاۃ تھا۔ ۳۹۴ھ میں معزول کرکے حاکم نے قتل کرادیا اور لاش کو جلوا دیا۔

اس کے بعد سعید الفارقی مامور ہوا۔ ۴۰۵ھ میں اس کو بھی سزائے موت دی گئی باوجودیکہ خلیفہ حاکم کی نظروں میں اس کی بہت عزت تھی امورِ سلطنت میں اس کو دخلِ تمام تھا اور خلوت و جلوت میں خلیفہ کا ہمراز و مصاحب تھا۔ اس کے بعد احمد بن عبداللہ بن ابی العوام عہدۂ قضا سے سرفراز کیا گیا۔[2]

حاکم نے ارجون کے قتل کے بعد حکومت ہاتھ میں لی اور انتظامِ سلطنت میں لگ گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۶۸ [2] ایضاً جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۔

احکام ۳۹۱ھ میں حاکم نے حکم جاری کیا کہ دن کو کاروبار نہ کیا جائے۔ رات کو دکانیں کھلیں اور خود رات کو گھوما کرتا۔ شراب مطلقاً اٹھا دی۔ اس کے ظروف تڑوا دیئے۔ شہر کے تمام کتوں کو مروا ڈالا۔ کارآمد بیل اور گائے بجز قربانی کے ذبح کرنا ممنوع قرار دیا۔ امیر معاویہؓ اور متوکل جو پھل اور ترکاری پسند کرتے تھے ان کی خرید و فروخت ممنوع کر دی گئی۔ شہر میں گدھا آ نہیں سکتا تھا۔

عیسائیوں کا عروج و زوال حاکم نے عیسائیوں کو بہت عزت دی وہ سر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر ظلم کرنے لگے۔ حاکم کو اطلاع ہوئی۔ ان کے سردار قتل کرا دیئے۔ کنیسے تڑوا دیئے گئے۔ اور بیت المقدس کا کنیسہ قمامہ بھی منہدم کرا دیا۔ عیسائی یہاں کی خبریں شام و روم کے نصرانیوں کو دیا کرتے تھے اور انہوں نے مسجدیں منہدم کیں اس کا یہ انتقام تھا۔

تبرّا ۳۹۵ھ میں صحابہ کرام کے نام پر گالیاں لکھوا کر مساجد، مقابر اور شوارع عام پر لگوائیں۔ عام مخالفت کی وجہ سے دو برس کے بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

جدید شریعت حاکم مراقی واقع ہوا تھا۔ ضرار نامی نے ایک جدید شریعت نکالی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج کا بدل صرف یمن کے مقام طالب کی زیارت کافی تھی۔ ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ بھی نکاح ہو سکتا تھا۔ اس کا شاگرد حمزہ بن احمد اس کا نقیب تھا۔ حاکم بھی ضرار کا معاون ہو گیا اور غیب دانی کا دعوے کر بیٹھا۔ جبل مقطم پر روزانہ جا کر مناجات پڑھتا اور جس راستہ سے گزرتا حکم دیا کہ لوگ سجدہ میں جھک جائیں، خطبہ میں نام آئے تو ہر ایک نمازی سجدہ کرے۔ پھر خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اہل مصر نے مذاق اڑایا۔ شہر میں آگ لگوا دی اور رعایا میں بہت سے تہ تیغ کئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو مدینہ سے منگوا کر مصر میں دفن کرانا چاہتا تھا امیر ابوالفتوح مدینہ گیا۔ سخت آندھی آئی خوف زدہ ہو کر امیر مصر بھاگ آیا۔

ابوزکوۃ اس زمانہ میں خلفائے بنی امیہ اندلس میں سے ایک شہزادہ ابوزکوۃ آگیا۔ اُس نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس کے ساتھ بڑی جماعت ہوگئی۔ حاکم کی افواج سے خوب مقابلے کئے۔ آخر میں فضل بن صالح نے سخت خونریزی کے بعد اس کو گرفتار کر لیا۔ مصر لائے، سولی پر چڑھانے چلے۔ راہ میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

قتلِ حاکم حاکم نے اپنی بہن شہزادی ست الملوک پر اتہام تراشا۔ اس نے ابن دواس کے ذریعہ جبل مقطم پر حاکم کو مروا ڈالا اور جب دواس انعام لینے آیا تو اُس کو بھائی کے انتقام میں ذبح کرا دیا[1] اور حاکم کے بیٹے ابوالحسن علی کو تخت پر بٹھا کر خود نے زمام حکومت ہاتھ میں لے لی۔

علمی ترقی حاکم خبطی ہونے کے ساتھ علمی ذوق رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بغداد کے بیت الحکمۃ کے مقابلہ پر اپنے قصر کے متصل دار الحکمت کے نام سے ایک عمارت بنوائی جس میں ہر علم وفن کی کتابیں جمع تھیں اور یہ انتظام تھا۔ جو کسی کتاب کی نقل لینا چاہے اس کو نقل کے لئے جملہ سامان دار الحکمت سے ملتا تھا۔ رصدگاہ، انجمن، اخوان الصفا اس کی علمی سرپرستی کی شاہد ہیں۔

دار المناظرہ اہلِ علم کا مناظرہ یہاں ہوا کرتا تھا۔ حاکم خود بھی اس میں شریک ہوتا۔

تراویح کی بندش ایک مرتبہ تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مگر پھر خیال آیا تو ایک فرمان جاری کیا کہ تراویح پڑھی جا سکتی ہیں۔

افواج حاکم کے دربار میں سفرائے فرنگی باریاب ہوئے۔ ان کا استقبال ان کے شایان شان کیا گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۹۔

افواج عزیز کے زمانے سے فوج میں بربریوں کے علاوہ ترک بھی بھرتی کئے جانے لگے۔ حاکم کو بربریوں کے خلاف اُکسا دیا۔ اس نے ابن عمار اور بڑے بڑے بربری رئیسوں کو قتل کرا دیا جس سے بربری دب گئے اور ترک مسلّط ہو گئے جس کا نتیجہ آئندہ اچھا نہ نکلا۔

جامع حاکمی جامع کی بُنیاد عزیز نے ڈالی تھی مگر تکمیل حاکم کے زمانہ میں ہوئی۔ اس جامع میں ایک لاکھ روپیہ کی قیمتی جانماز اور معلّے تھے۔ بارہ سو بتیوں کا عظیم الشان جھاڑ مسجد میں لگوایا۔

اوصاف علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ "حاکم متلوّن طبع غیر مستقل مزاج آدمی تھا۔ اس کے واقعات عجیب وغریب ہیں۔[1]

ترویج شیعیت حاکم کا سب سے بڑا کارنامہ دعوتِ فاطمی کے دونوں پہلوؤں سیاسی ودینی کی تبلیغ واشاعت ہے۔ اس نے اپنی حکمتِ عملی اور جابرانہ قوانین کے ذریعے شیعیت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا اور رعایا کی بہت بڑی تعداد نے شیعہ مذہب قبول کر لیا۔ حاکم نے حکم دے رکھا تھا کہ ہفتہ میں دو بار شیعہ مجلس میں اہل مصر شریک ہوا کریں۔[2]

معاصر علماء ابو علی محمد بن حسن کا وطن بصرہ تھا۔ علمِ ریاضی وطِب کے ماہر تھے۔ حاکم بامر اللہ فاطمی نے مصر بلایا۔ دریائے نیل کی طغیانی کو مفید طریقہ سے استعمال کرنے کے لئے مقرر کیا۔ مگر یہ کام ان سے نہ چل سکا تو دربار سے علیحدہ ہو گئے اور خطاطی پر گزر اوقات کرنے لگے۔

شرح اصول اقلیدس، شرح مجسطی، الجامع فی اصول الحساب، المسائل العدیدہ بجہتہ جبر ومقابلہ، کتاب فی حساب المعاملات کتاب فی الآت الظل،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۳۵ مطبوعہ مصر [2] ...

مجموعہ مسائل ہندسیہ وعددیہ یادگار سے ہیں ۴۱۱ھ میں انتقال ہوا[1]

ابن رضوان ابو الحسن علی ابن رضوان ملک مصر کے جیزہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ فن طب حاصل کیا۔ حاکم بامراللہ کے افسر الاطباء تھے۔ شرح کتاب الفرق جالینوس، کتاب الصناعۃ، رسالہ فی علاج الجزام مقالہ فی الرد علی افرایئم وابن زرعہ فی الاختلاف الملل کتاب فی الرد علی الرازی فی العلم الالٰہی واثبات الرسل ۴۵۳ھ میں انتقال کیا۔

ابو الحسن علی بن الامام الحافظ ابن سعید بن یونس صاحب تاریخ مصر، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اعلیٰ درجہ کا منجم تھا اور رصد پر عبور کامل تھا، اس نے "زیچ حاکمی" بنائی ۳۷۷ھ میں فوت ہوا[2]

ظاہر لاعزاز دین اللہ

شہزادی ست الملوک نے امرائے سلطنت کو قسمیں چٹا کر ہمنوا بنا لیا اور اپنے برادر زادے ابو الحسن علی جس کی عمر سولہ سال کی تھی شاہی لباس پہنا کر دربار میں بھیجا اور تخت نشین کیا۔ اس کے بعد حاکم کے مرنے کی خبر عام مشتہر کی گئی۔ اس کے بعد بیعت عام ہوئی اور تمام صوبوں میں اطلاع بھیج دی گئی۔

وزارت ابو القاسم علی بن احمد جراجری کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

شہزادی ست الملوک شہزادی فاطمی خاندان میں بڑی عقیل اور دانا اور تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اس کے جوڑ توڑ سے امرائے سلطنت بھی اس کے مطیع و منقاد تھے۔ چار سال زمام حکومت ہاتھ میں رکھی اور بہترین انتظام مصر کیا۔[3]

---

[1] ابن ابی اصیبعہ واخبار الحکماء قفطی [2] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۲۳۲۔

[3] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۔

صاحب النظم الاسلام لکھتے ہیں :-

" چار برس تک حکومت کا نظم و نسق اس کی پھوپھی کی زیرِ ہدایت چلتا رہا جس نے ریاست کا نظم و نسق نہایت قابلیت سے چلایا۔ نظامِ حکومت میں نہایت اچھی اصلاحیں کیں۔ فوجوں پر مال و دولت بے دریغ صَرف کیا۔ اس نے اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت سے حکومت کے تمام شعبوں کی سطح بہت بلند کر دی تھی۔ اس بیدار مغز خاتون نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی " [1]

ظاہر نے پھوپھی کے مرتے ہی ہاتھ پیر نکالے۔ عیش و عشرت میں لگ گئے۔ ظاہر ضعیف الرائے تھا، امراء اس پر چھا گئے۔ اس نے خلوت نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ تمام انتظام وزراء اور عمال حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ مخصوص ارکانِ سلطنت اس کی حکومت میں باریاب ہو سکتے تھے۔ اس کی عدم توجہی سے عمال کا استبداد بڑھ گیا۔ مخلوق پر ہر قسم کے ظلم ہونے لگے جس سے ملک میں ابتری پھیل گئی۔

ظاہر ایسا مبارک قدم اس حکومت پر آیا کہ قحط اور وباء کا نزول ہوا۔ گرانیٔ غلہ اور قلاشی نے راہزنی عام کر دی جس سے رعایا کا بڑا حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ظاہر اصلاح پر متوجہ ہوا۔ اس نے زراعت کی ترقی کے لئے ۴۱۶ھ میں تمام ملک میں منشور شائع کیا کہ کوئی گائے اور بیل جو زراعت کے کام کے لائق ہوں وہ ذبح نہ کئے جائیں۔

حاکم نے عیسائیوں پر جو قیود لگائے تھے وہ اٹھا دیئے گئے اور منہدم کنیسوں کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ ظاہر انصاف دوست تھا۔ اس کی طبیعت میں جور و ظلم نہ تھا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۱۳۳ -

وقائع ظاہر کے عہد میں ملک شام میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ بنی کلاب سے صالح بن مرداس نے حلب پر قبضہ کر لیا۔ بنو جراح نے اس کے گرد و نواح کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر کو اس کی اطلاع ہوئی۔ فوجیں مرتب و آراستہ کر کے ۴۲۰ھ کو زریری والئ فلسطین کو شام کی جانب روانہ کیا۔ صالح بن مرداس سے اور اس سے مقابلہ ہوا۔ صلیح اور اس کا چھوٹا لڑکا مارا گیا۔

زریری نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور حلب کو بھی شبل الدولہ نصر بن صالح کے قبضہ سے نکال کر اس کو قتل کر ڈالا[1]

وفات ۱۵ر شعبان ۴۲۷ھ کو خلیفہ ظاہر نے وفات پائی۔ عمر ۳۲ سال کی تھی۔ دورِ خلافت سولہ سال رہا۔

مستنصر باللہ

نام ولقب ابو تمیم معد ابن ابوالحسن علی بن حاکم علوی لقب المستنصر باللہ تھا۔ اس کی والدہ حبشی کنیز تھی جس کو ظاہر نے ایک یہودی بردہ فروش سے خریدا تھا۔

خلافت ظاہر کے مرنے کے بعد مستنصر نے تختِ خلافت پر قدم رکھا۔ عمر اس وقت سات سال تھی۔ تمام اراکینِ سلطنت نے بیعت کی۔ لقب المستنصر باللہ اختیار کیا۔

وزارت ابوالقاسم بن احمد جرجرائی وزارت کے عہدہ پر بحال رہا۔

ابوسعید تستری مستنصر کی ماں نے اپنے یہودی آقا ابوسعید سہل بن ہارون تستری کو بلا کر مستشار دولت اور سیاہ و سفید

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۔

کا مالک بنا دیا۔

زریری کے کارنامے زریری کا نام انوشتگین تھا۔ حکومت دمشق اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے عادلانہ برتاؤ سے ملک میں امن وسکون تھا۔ مگر وزیر سلطنت ابوالقاسم کو اس بہادر سے کد تھی۔ اس نے اس کے خلاف اس کے فوجی افسروں کو بھڑکا دیا۔ اس نے یہ رنگ دیکھ کر دمشق کو خیرباد کہا۔ بعلبک گیا وہاں کے حاکم نے بھی بے رخی برتی۔ حماۃ پہنچا وہاں بھی سرد مہری دیکھی۔ یہ واقعہ ۴۳۳ھ کا ہے۔

آخر کار زریری والیٔ کفرطاب سے مدد لے کر حلب کو فتح کرنے جارہا تھا کہ راہ میں جان بحق تسلیم ہوا۔ زریری کے مرنے سے شام کے امن عامہ میں خلل واقع ہوا۔ ابوالقاسم نے دمشق پر حسین بن حمدان[1] کو مامور کیا تھا۔ اس نے بہت چاہا کہ امن قائم رہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ حسان بن مفرج طائی نے فلسطین کو دبا لیا۔ معزالدولہ بن صالح کلابی نے حلب پر قبضہ کر لیا۔

معز بن بادیس ۴۳۵ھ میں معز بن بادیس نے ملک افریقہ میں مستنصر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خلیفہ مستنصر علوی کا خطبہ وسکہ موقوف کر کے عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ خلیفہ مستنصر نے اس کو تہدید آمیز خط لکھے جس کا جواب معز نے ترکی بہ ترکی دیا۔

اس واقعہ کے بعد ابوالقاسم کو علیحدہ کر کے حسین بن علی تازدادی کو قلمدانِ وزارت عطا کیا۔ مگر اس کو "صلعیتہ" کہا کرتا۔ وہ خلیفہ سے بے زار ہو گیا اور اس نے اس علویہ حکومت کی بیخ کنی شروع کر دی اور معز بن بادیس سے سازباز کرنے لگا۔ قبائل زغبہ اور رباح بطون ہلال میں ایک عرصہ سے دشمنی چلی آرہی تھی ان میں مصالحت کرا کے ان کو افریقہ روانہ کیا۔ یہ گروہ عرب برقہ

---

[1] اعلام النبلاء بتاریخ الشہباء [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۔

کی سرزمین میں پہنچے۔ ملک سرسبز و شاداب تھا مگر ویران پڑا ہوا تھا۔ یہیں پر مقیم ہو گئے۔ معز کو خبر لگی اس نے غلاموں کی خریداری شروع کر دی اور بیس ہزار غلام خرید لئے۔

۴۴۲ھ میں بنو رغبہ نے طرابلس پر قبضہ کر لیا اور چاروں طرف عربوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ بمجبوری معز نے صنہاجہ اور سوڈان کے بیس ہزار جنگ آوروں کو لے کر عربوں سے مقابل ہوا مگر شکست کھا گیا اور قیروان آکر دم لیا۔[1]

۴۴۶ھ میں عربوں نے قیروان پر حملہ کیا۔ یونس بن یحییٰ سردار عرب نے شہر باجہ پر قبضہ کیا اور تمام علاقہ کو روند ڈالا۔ مہدیہ میں معز کا بیٹا تمیم حکمران تھا اس کے پاس چلا گیا۔

ملکۂ ظاہر کا اقتدار

باوجودیکہ ملکۂ ظاہر حبشی کنیز تھی مگر تھی بڑی عاقلہ اور دانا۔ اس نے حبشیوں کو بہت سر چڑھا رکھا تھا۔ کثرت سے حبشی غلام محلات میں رکھ چھوڑے تھے اور اس نے فوج میں کثرت سے حبشی بھرتی کئے۔ ملکہ امورات ملکی میں بڑی دخیل تھی۔ اس کی مرضی پر وزراء کی معزولی و تقرری تھی جس امیر سلطنت سے خفا ہوتی بیٹے سے کہہ کر مروا دیتی۔

وزراء

ابوالفتح فلاحی وزیر بنایا گیا۔ ملکہ کسی بات پر اس سے خفا ہو گئی اس کو معزول کر کے قتل کرا دیا۔ ابوالبرکات حسن بن محمد کو عہدۂ وزارت عطا ہوا۔ وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ پھر ابو محمد تازوری ہوا وہ مار ڈالا گیا۔ پھر ابو عبد حسین بن بابلی کو قلمدان وزارت تفویض ہوا۔[2]

حبشیوں اور ترکوں میں جنگ

دولت علویہ میں ترکوں کو بھی بڑے بڑے عہدے حاصل تھے۔ فوج میں کثرت سے ترک تھے۔ حبشی ملکہ ظاہر کی وجہ سے خود سر تھے۔ ترکوں کا بڑا سردار

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۹ مطبوعہ لندن [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۵۔

ناصرالدولہ بن حمدان تھا۔ ترکوں اور حبشیوں میں کسی بات پر چل گئی۔ ان کی جماعت پچاس ہزار کے قریب تھی۔ ترک چند ہزار تھے مگر ترکوں نے ان کو تلوار پہ رکھ لیا۔ ہزاروں حبشی کھیت رہے۔

اس معرکہ کے بعد ترکوں کے نظامِ حکومت میں گڑبڑ پیدا کرنے کا سبب یہ ہوا کہ شاہی لشکر اور ناصر میں چل گئی۔ ناصر کامیاب ہوا۔ ملکہ نے یہ رنگ دیکھکر پچاس ہزار دینار دے کر صُلح کر لی۔ مگر دھوکے سے ناصر کو ترکوں کے ہاتھوں مروا ڈالا۔ یہ واقعہ ۴۶۵ھ کا ہے[1]

بدر جمالی ترکوں اور حبشیوں کی چپقلش کو دیکھ کر خلیفہ نے بدر جمالی کو دمشق سے بلا لیا۔ یہ ایک فوج بحری ارمنوں کی بھرتی کر کے ساتھ لایا تھا۔ مصر میں جب داخل ہُوا تو بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ خلیفہ نے محل سرائے خلافت کے سوا کل شہروں کی حکومت عنایت کی۔ خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا اور جواہر کا گلوبند مرحمت فرمایا۔ السید الاجل امیر الجیوش کا خطاب دیا۔ قضاۃ المسلمین اور داعی دعاۃ المومنین کے عہدے تفویض کئے قلمدانِ وزارت عطا ہُوا۔ غرضیکہ عَلم اور قلم دونوں کا مالک بنایا۔

بدر نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہوئے سلطنت کا نظم و نسق شروع کیا۔ بنی عقیل صور پر قابض تھے۔ ابن عمار کا قبضہ طرابلس پر تھا۔ ابن معروف عسقلان پر حکمرانی کر رہے تھے اس نے ان سب کو نکال باہر کیا۔ دمیاط پر عرب مستولی تھے انکی سرکوبی کر کے ان کے لڑکوں کو غلام بنا لیا۔ پھر اہواز پر کنز الدولہ محمد قابض تھا اسکو قتل کرا دیا۔ غرضیکہ اندرونی اور بیرونی دولت علویہ کی حالت درست کی اور ایک متمدن باسیاست سلطنت کچھ عرصہ میں اپنی حسن لیاقت سے بنا دی تیس سال کا خراج معاف کر دیا جس سے دولتِ علویہ اس عروج و شائستگی پر ہو گئی جیسا کہ اس سے پیشتر تھی[2]

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۳۵۔

[2] تاریخ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۔ مطبوعہ لندن۔

شام پر سلاجقہ کا قبضہ

شام دولتِ علویہ کے قبضہ میں تھا۔ خراسان، عراقین بغداد پر طغرل بیگ سلجوقی کا اقتدار تھا۔ جب ملک شاہ کا زمانہ آیا اس کے افسر اتسز (افسفن) نے شام پر ۴۶۳ھ میں حملہ کر دیا۔ رملہ اور بیت المقدس بقوت لے لئے۔ پھر دمشق پر بڑھا، ناکام لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد دمشق پر خلافتِ عباسیہ کے نامور امیر قدس نے قبضہ کر لیا اور یہاں کے والی وزیر الدولہ کو قلعہ بانیاس میں نظر بند رکھا۔ خلافت عباسیہ کے نامور امیر قدس قلعہ پر اڑایا گیا۔ جامع مسجد میں خلیفہ مقتدی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

۴۶۹ھ میں اتسز نے مصر پر فوج کشی کی۔ بدر نے زبردست مقابلہ کیا۔ آخر کار شام لوٹ گیا۔ اہلِ دمشق کو نوازا اور اہلِ قدس قتل و غارت کی لپیٹ میں آ گئے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے ۴۷۰ھ میں اپنے بھائی تتش کو بلادِ شام کی زمام حکومت سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ اس نے حلب پر قبضہ کرنا چاہا۔ ادھر مصری فوجیں دمشق پہنچ کر اس کو گھیرے ہوئے تھیں۔ اتسز نے تتش سے معاونت چاہی اس نے دمشق کا رُخ کر دیا۔ مصری فوجوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ اتسز تتش کی خبر سن کر اُس کے پاس آیا اُس نے اس حرکت پر کہ مصری فوج موجود نہیں اس نے بلاوجہ حلب سے بلا لیا۔ غصہ میں آ کر تتش نے آتسز کو قتل کرا دیا[1] اور شہر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ پھر حلب تصرف میں لایا۔ اس طرح تمام شام پر قابض و متصرف ہو گیا۔

تتش تاج الدولہ نے دمشق میں قیام کیا۔ امیر الجیوش بدر جمالی نے فوج بھیجی مگر خائب و خاسر لوٹ آئی۔

۴۷۲ھ میں مصری فوج نے ملک شام پر پھر یلغار کی اور صور کو قاضی عبید الدولہ بن ابی عقیل کے قبضہ سے لے لیا۔ پھر صیدا اور جبیل کو فتح کر کے عمال اپنے مقرر کئے۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔

صقلیہ پر فرانسیسی قبضہ صقلیہ پر گورنر دولت علویہ کی طرف سے مقرر ہوا کرتے تھے۔ ۴۸۴ھ میں فرانس نے جزیرہ صقلیہ کو دولتِ فاطمیہ کے قبضہ سے نکال لیا [1]

والئ صور کی بغاوت منیر الدولہ جیوش کو بدر نے صور کی ولایت پر مامور کیا تھا لیکن اُس نے بغاوت کی۔ اس کی سرکوبی کے لئے بدر نے فوج روانہ کی وہ تابِ مقابلہ نہ لاسکا۔ راہِ فرار اختیار کی مگر راہ میں گرفتار ہوا۔ مصر لایا گیا، خلیفہ نے اُسے قتل کرا دیا۔ ۴۸۷ھ میں امیر الجیوش بدر جمالی نے انتقال کیا۔ اسی برس کی عمر پائی۔ اس کے دو خالہ زاد تھے امین الدولہ اور نصیر الدولہ۔ خلیفہ امین الدولہ کو وزیر بنانا چاہتا تھا۔ مگر نصیر الدولہ نے ہلڑ مچا دیا۔ آخر شش بدر کے لڑکے محمد ملک ابوالقاسم کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ اس نے بھی مثل اپنے باپ کے وزارت کے فرائض انجام دیئے۔ [2]

وفات خلیفہ مستنصر نے ۸ ذی الحجہ کو انتقال کیا اور ساٹھ برس تک حکمرانی کی۔

اوصاف یہ خلیفہ نیک تھا اور سیدھا۔ امراء کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب اٹھائے۔ مال لٹا۔ خزانہ ہاتھ سے جاتا رہا اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک فرش تھا جس پر سوتا تھا اور بیٹھتا تھا مگر ہوشمند تھا اس نے بدر جمالی کو بلا کر حکومت کی حالت درست کر لی۔

آثار خلیفہ مستنصر نے ۴۴۱ھ میں قاہرہ میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ جامع عمرو بن عاص کی مرمت کرائی اور اس میں جدید منبر اور منارے تعمیر کرائے۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۱۱ [2] ایضاً صفحہ ۴۲

خراج | بدر جمالی کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں خراج کی آمدنی تیس لاکھ اکسٹھ ہزار دینار تھی۔ مستنصر کے عہد میں مزروعہ رقبہ چھہتر ہزار پانچ سو پچیس (۷۶۵۲۵) فدان تھا۔

کاشت کاروں سے سلوک | فاطمیوں کے عہد میں مصر میں ۱۲۲۸ گاؤں اور ۳۲۸ قصبے اور شہر تھے۔ مستنصر نے کاشت کاروں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا اور ان کی فلاح و بہبود اور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

امیر الجیوش بدر جمالی | وزرائے اسلام میں بدر جمالی بھی اعلیٰ لیاقت کا حامل تھا۔ بدر ارمنی الاصل دولتِ علویہ کا ساختہ پرداختہ اور خلیفہ مستنصر کا خادم تھا۔ پہلے بدر والیٔ دمشق کا حاجب مقرر کیا گیا۔ بعد چندے دارالامارت کے سوا سارے شہر کی نظامت پر مامور ہوا۔ پھر جب والیٔ دمشق نے وفات پائی تو اُس نے زمامِ حکومت سنبھالی۔ ابن امیر والیٔ دمشق ہو کر آیا یہ مصر آ گیا۔ پھر عکہ کا والی مقرر ہوا۔ پھر مستنصر نے بلا کر وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز کیا۔ بدر حد درجہ کا کفایت شعار تھا۔ نہایت قابلیت سے حکومت کی۔ قابل حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے[1]

ماہ ربیع الاول ۴۸۷ھ میں فوت ہوا۔

مستعلی باللہ

نام و لقب | ابوالقاسم احمد بن مستنصر باللہ علوی۔ لقب مستعلی باللہ۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۔

خلافت مستنصر کے مرنے کے بعد اس کے تین لڑکے احمد، نزار اور ابوالقاسم تھے۔ مستنصر نے نزار کو ولی عہد بنایا مگر محمد ملک ابوالقاسم فضل بن بدر جمالی وزیر سلطنت اور نزار سے آن بن تھی۔ اس نے مستنصر کی بہن کو پٹی دی کہ آپ ابوالقاسم کی خلافت کی تحریک کیجئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ امورِ سلطنت ہمیشہ آپ کی رائے اور ذمہ داری سے انجام پذیر ہُوا کریں گے۔ مستنصر کی بہن نے اس بنا پر قاضی اور داعی کے روبرو ابوالقاسم کی ولی عہدی کا اظہار کر دیا اور قسم بھی کھائی۔ پس ارکینِ دولت نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر خلافت و امارت کی بیعت کر لی المستعلی باللہ کے لقب سے مخاطب کیا[1]۔

نزار کو یہ امر ناگوار گزرا۔ مصر سے اسکندریہ چلا گیا۔ نصیر الدولہ افتگین بدر جمالی کا غلام والی تھا۔ اس نے اس کو خلیفہ بنایا اور المصطفٰے لدین اللہ خطاب سے مخاطب کیا۔

نزار کے خلاف مصر سے فوج روانہ کی گئی۔ سرعسکر وزیر سلطنت تھا اور اسکندریہ کا سخت محاصرہ کیا۔ آخر کار شہر وزیر کے حوالے کر دیا گیا۔ نزار اور افتگین کو لے کر مصر آیا۔ نزار کو خلیفہ نے قیدِ حیات سے سبکدوش کر دیا۔

وزارت فضل بن بدر جمالی وزیر تھا۔ حکومتِ مصر اس کے ہاتھ میں تھی۔ مستعلی برائے نام خلیفہ تھا۔

مستعلی کے زمانہ میں جنگِ صلیبی کا آغاز ہُوا اور عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا۔ جنگِ صلیبی کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

محاربات صلیبیہ

سنہ ۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء میں صلیبی لڑائیوں کی ابتدا ہوئی۔ اس سال عیسائیوں کے

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۔

ٹھٹھ کے ٹھٹھ میدانِ جنگ میں پہنچے مگر کوئی مہم سر نہ کر سکے۔ اس کے ایک سال بعد ۱۰۹۷ء میں ان کی امداد کے لئے مزید عساکر یورپ کے چار بڑے نوابوں کی قیادت میں روانہ ہوئے۔ یہ چار نواب گاڈفری (امیر بولونیا) ریمان (نواب طولوس) بالڈوین (گاڈفری کا بھائی) اور ریونانڈ (رابرٹ گاڑمگارڈ کا بیٹا اور جنوبی اٹلی اور سسلی کا نارمن نواب) تھے) ان لوگوں کی امداد کے لئے دوسرے امراء اور شہسوار بھی موجود تھے۔

قسطنطنیہ پہنچنے پر پہلے تو شہنشاہ نے اُن سے یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ ان کا مقصد شہنشاہ کو مسلمانوں سے اُس کے علاقے واپس دلانا ہے اور اس کے بعد انہیں اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ عساکر دشوار گزار دروں کو عبور کرتے ہوئے ایشیا کے میدانوں میں پہنچے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان فوج کے بڑے بڑے امراء واپس ہو چکے تھے۔ فوجیوں کی بہت معمولی تعداد غیر منظم حالت میں باقی تھی۔ عیسائی سورماؤں نے ایک دم حملہ کیا اور فتح پر فتح حاصل کرتے ہوئے ملک شام تک پہنچے۔

ان معرکوں میں سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک کے مغرب میں دوریلیوم کے پاس کا تھا۔ جو علاقے اُنہوں نے مسلمانوں سے ہتھیائے تھے ان میں چار ریاستیں قائم کیں جن کے مراکز رُوہا، انطاکیہ، طرابلس اور بیت المقدس تھے۔ بیت المقدس کا حاکم گاڈفری اس نئی مملکت کا سلطان اعظم قرار پایا اور باقی تین اس کے ماتحت اور حلیف ٹھہرے۔ یورپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ اسلامی فتوحات کے ریلے کو دھکا لگا اور قسطنطنیہ کی فصیلوں سے یہ حملہ کافی دُور ہٹا دیا گیا اور دوبارہ اسلامی فوجیں اس فصیل پر دھاوا بولنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ساڑھے تین سو سال کے بعد کہیں جا کر ترکوں میں حوصلہ پیدا ہُوا اور وہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے رومی شہنشاہیت کے مشرقی مرکز پر اسلامی جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہُوئے۔

وفات مصر کا تاجدار خلیفہ مستعلی ابوالقاسم احمد بن مستنصر باللہ علوی نے ۱۵؍ صفر ۴۹۵ھ کو انتقال کیا۔ سات سال خلافت کی اس کا عہد شورشِ نصاریٰ کا رہا۔ اس کا بیٹا ابوعلی جس کی عمر ۵ سال تھی سریر خلافت پر متمکن کیا گیا۔[1]

افضل بن بدر جمالی وزیر

مستنصر کی وفات کے بعد افضل بن بدر جمالی سیاہ سفید کا مالک تھا۔ اس وقت اُس نے ولی عہد خلافت نزار کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اُس کے بھائی مستعلی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ اس کینہ کا عملی اظہار تھا جو نزار کی طرف سے اس کے دل میں مدت سے بیٹھا ہُوا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ افضل قصر مستنصر کے دروازہ کے اندر خچر پر سوار ہو کر داخل ہو گیا۔ نزار کو یہ جسارت ناگوار گزری اور اس نے نہایت حقارت سے اس سے کہا او ارمنی! نجس کہیں کے اتر آ۔

افضل اس وقت تو مصلحت وقت سے خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے دل میں کینہ بیٹھ گیا۔ مستنصر کی وفات کے بعد اُسے انتقام کا موقع ملا اور اس نے اسے معزول کر کے مستعلی کو خلافت کے لئے منتخب کر لیا۔ نزار نے جب دیکھا کہ خلافت اُس کے ہاتھوں سے جاتی رہی تو وہ اسکندریہ چلا گیا۔ وہاں کے گورنر نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور گورنر اور اہلِ اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مصطفےٰ لدین اللہ لقب پایا۔

افضل کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک زبردست فوج لے کر اسکندریہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۴۔

پر چڑھائی کردی۔ ابتداء میں افضل کو کامیابی نہیں ہوئی اور اُسے قاہرہ لوٹنا پڑا۔ یہاں مزید تیاریاں کی پھر دوبارہ نزار پر چڑھائی کردی۔ اس دفعہ نزار کو شکست ہوئی اور وہ امان کی درخواست کرنے پر مجبور ہوا۔ افضل نے نزار کو دو دیواروں کے درمیان زندہ چنوا دیا۔ یہ "امان" کی التجا کا جواب تھا۔

افضل علم دوست انسان تھا۔ مرنے کے بعد اُس نے ایک کتب خانہ چھوڑا جس میں مختلف علوم و فنون کی پانچ لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ یہ شعراء علماء اور اہلِ علم کا قدردان تھا اور دوسری بہت سی خوبیوں کا حامل تھا۔ اس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ ۵۰۱ھ، ۱۱۰۷ء میں صرفِ کثیر سے ایک شاندار محل تعمیر کرایا۔ اس کے لئے بیش قیمت فرنیچر اور سامانِ آرائش کے علاوہ نہایت اعلیٰ قسم کے آلات اور نادر اشیاء کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ اس سے اس کی خوش مذاقی اور فنی ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افضل نے حکومت کے دفاتر اپنے محل میں منتقل کرا لئے تھے۔ اس میں ہر شعبہ کے لئے ایک وسیع کمرہ تھا۔

یہاں ایک کمرہ مجلس عطا کے نام سے موسوم تھا جس میں افضل بذاتِ خود بیٹھتا تھا اور اپنے ہاتھ سے ہر مصیبت زدہ اور مفلس شخص کو ایک ایک دینار عطا کرتا تھا۔ مجلس عطا میں اس مقصد کے لئے آٹھ تھیلیاں روزانہ رکھی جاتی تھیں جس میں پینتیس ہزار دینار ہوتے تھے۔ دو تھیلیاں زنان خانہ میں رکھی رہتی تھیں۔ ایک میں دینار ہوتے تھے دوسری میں درہم۔ مقصد یہ تھا کہ کسی وقت عطاء سے ہاتھ خالی نہ رہے۔

اس وقت افضل کی حیثیت امیرانہ تھی۔ اس کے قبضہ میں خراج کا محکمہ تھا۔ اس کے قصر میں گورنمنٹ قائم تھی۔ تمام حکومت کا نظم و ضبط اسی کے زیرِ اقتدار تھا۔ مستعلی کی حیثیت اس کے سامنے ایک بے دست و پا انسان کی تھی۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق اثر نہ تھا۔ وزیرِ اعظم کی جنبشِ

لب سے حکومت کی مشینری حرکت کرتی تھی۔ خلیفہ آمر (۴۹۵ھ ، ۵۲۴ھ) کے عہد تک اسی شان وشوکت کے ساتھ وہ ڈکٹیٹر رہا۔ آمر کے عہد میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ یہ عید کی صبح کا واقعہ ہے۔ خلیفہ کے حکم سے اس کی دولت خزانۂ خلافت میں منتقل کر دی گئی۔ اس دولت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ منشیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دو ماہ کی مسلسل محنت کے بعد اس کا گوشوارہ مرتب کر سکی تھی۔[1]

الآمر باحکام اللہ

نام ولقب | ابو علی بن ابو القاسم مستعلی بن مستنصر باللہ علوی لقب الآمر باحکام اللہ تھا۔

خلافت | ۴۹۵ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔

حروب صلیبیہ | اس سال صلیبیوں نے عکہ پر قبضہ کیا۔ پھر طرابلس الشام لے لیا۔ اس کے بعد سلسلہ وار سال سال تک یکے بعد دیگرے شام اور فلسطین کے بلاد پر قبضہ کرتے رہے اور رہا اور انطاکیہ اور بیت المقدس تین مستقل ریاستیں قائم کر لیں۔ خلیفہ عباسی کی طرح خلفائے فاطمی بھی خاموش بیٹھے رہے اور مسلمانوں کا قتل ہوتا رہا۔

وقائع | ۵۱۱ھ میں شاہ بلڈوین قدس سے ایک جمعیت لے کر فتح مصر کے لئے نکلا اور "فرما" میں پہنچ کر وہاں کے رہنے والوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے مکانات لوٹ لئے۔ مسجدیں جلا دیں۔ آمر کو اپنے عشرت کدہ سے فرصت کہاں تھی جو اس طرف توجہ کرتا حسنِ اتفاق سے بلڈوین خود بیمار پڑ گیا جس سے اس کو اپنے مستقر کو لوٹنا پڑا راہ میں فوت ہو گیا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظام مملکت صفحہ ۱۷۴۔

قتل امیر الجیوش افضل بدر جمالی افضل وزرائے اسلام میں اعلیٰ مرتبت وزیر تھا۔ اس کے باپ نے علوی حکومت کو مضبوط کیا۔ افضل نے اس کی حالت درست کی۔ مگر آمر نے یہ انعام دیا کہ اس کو رمضان ۵۱۵ھ میں قتل کرا کر اس کا مال قبضہ میں کیا اور چالیس دن تک مال و متاع خچروں پر خلیفہ کے محل میں ڈھلتا رہا۔

افضل کے بعد ابن البطائحی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔

قتل آمر باطنیہ جن کو علوئین کا نقیب کہنا چاہیئے مستنصر نے ہی حسن بن صباح کو اپنا داعی مقرر کیا تھا جس کے حالات "تاریخ ملت" جلد ششم میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

غرضیکہ باطنیوں کا شام پر اقتدار تھا۔ بڑے بڑے قلعہ بنائے تھے انہی میں سے ایک باطنی نے ۲ ذیقعدہ ۵۲۴ھ کو اپنے امام آمر کو قتل کر دیا۔

اوصاف آمر عیاش اور بدطینت تھا۔ بھائی کو مروا ڈالا۔ افضل جس نے صلیبیوں سے مقابلہ کیا ورنہ مصر پر بھی وہ قابض ہو گئے ہوتے۔ خدام قصر کے کہنے سننے سے محسن کو قتل کرا دیا۔ اس میں حکمرانی کی لیاقت نہ تھی مہمات سلطنت سے بے خبر رہتا تھا۔

شعر گوئی آمر کی طبیعت موزوں تھی۔ اس جگہ اس کے نتیجۂ فکر کو پیش کرتے ہیں ؎

اصبحت لا ارجو ولا اختشی — الا الٰہی ولہ الفضل

جدی نبی و امامی ابی — ومذھبی التوحید والعدل[۱]

ترجمہ: "مجھ کو نہ کسی سے کوئی تمنا ہے اور نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں سوائے اپنے اللہ کے اور وہ فضل والا ہے میرا دادا نبی ہے اور میرا باپ امام ہے اور میرا مذہب توحید اور عدل ہے۔"

---

[۱] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۵۵ و ۵۶۔

حافظ لدین اللہ

نام ولقب میمون عبدالمجید بن امیر ابوالقاسم بن خلیفہ مستنصر باللہ، لقب حافظ لدین اللہ تھا۔

خلافت آمر کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی۔ اس کے چچا کے بیٹے میمون کو سریرِ خلافت پر متمکن کیا۔ اراکینِ سلطنت نے بیعت کر لی اور حافظ لدین اللہ خطاب دیا۔

وزارت مرحوم خلیفہ کی وصیت پر ہزبر الملوک کو قلمدانِ وزارت تفویض ہوا۔ سعید یانس جو افضل کے خدام سے تھا اس کو داروغہ محلسرائے خلافت بنایا۔

کوائف وزارت ہزبر الملوک کی وزارت پر رضوان بن ولخشی امیر العسکر افواجِ فاطمیہ بگڑ گیا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ابوعلی بن افضل قصر میں تھا وہ باہر آیا اس کو فوجیوں نے ہاتھوں ہاتھ لے کر وزارت پہ سرفراز کرنا چاہا۔ مجبوری درجہ میمون نے اس کو ہی عہدۂ وزارت عطا کیا۔ اور ہزبر کو معزول کر کے قتل کرا دیا۔

ابوعلی نے انتظامِ سلطنت سنبھالا۔ کچھ عرصہ میں خلیفہ کو معطل کر دیا۔ اس کے اختیارات چھین لئے۔ خزانہ اور ذخائر شاہی اپنے مکان پر اٹھا لایا۔ غالی شیعہ تھا۔ قائم منتظر (مہدی موعود) کی دعوت قائم کی۔ اسماعیل اور خلیفہ حافظ کے ناموں کو خط سے نکال دیا اور اس کا ارادہ تھا کہ حافظ کو قتل کرا دے۔ منبروں پر اپنی تعریف و توصیف کراتا۔ آخر کار خلیفہ کو معزول کر کے قید کر دیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۵۵، ۵۶ [2] ایضاً ص ۵۰

اس کے ہم مسلک حضرات اس سے بگڑ بیٹھے۔

ایک دن ابو علی چوگان کھیلنے گیا۔ کچھ فوجیوں نے گھیر کر قتل کر دیا اور امرائے لشکر حافظ کو قید سے نکال لائے اور اُس کے ہاتھ پر خلافت اور امارت کی بیعت کی۔ وزیر کا تمام سامان قصرِ خلافت میں اٹھوا لیا اور قلمدانِ وزارت ابوالفتح یانس حافظی کے سپرد ہُوا۔ مگر ۵۲۶ھ میں اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ پھر اپنے بیٹے سلمان کو وزیر سلطنت کیا۔ وہ مَر گیا تو دوسرے بیٹے حسن کو وزیر کیا۔ اس نے یہ گل کھلایا کہ باپ کو قید کر کے خود خلیفہ بننا چاہا۔ خلیفہ نے چالیس آدمی اُس کے قتل کرنے کو مقرر کئے مگر سب کام آگئے۔ آخر کار خلیفہ نے بہرام ارمنی کو رضامند کیا کہ فوج لے کر حسن کو گھیر کر مار لو۔ چنانچہ حسن گرفتار ہوا اور حافظ نے خود بیٹے کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۲۹ھ کا ہے۔

پھر بہرام کو وزیر بنا لیا۔ اس سے اور رضوان بن وَلَخشی سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بہرام نے رضوان کو صوبہ غربیہ کی سندِ حکومت دے کر قاہرہ سے ہٹانا چاہا۔ اس نے فوج جمع کر کے قاہرہ کو گھیر لیا۔ بہرام ارمنی قبرص بھاگ گیا۔ رضوان نے اپنے بھائی ابراہیم اوحد کے ذریعہ اس کو پکڑوا بلایا۔ خلیفہ نے نظربند کرا دیا وہ وہیں مَر گیا۔ رضوان نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں امورِ سلطنت پر غالب ہو گیا۔ ٹیکس معاف کر دیئے۔ خلیفہ کو اس کا انتظام پسند نہ آیا۔ داعی الدعاۃ سے اس کی معزولی کا مشورہ کیا۔ انہوں نے اختلاف کیا۔ مگر خلیفہ نے پچاس سوار مقرر کئے کہ رضوان کو قتل کر دیں۔

رضوان کو پتہ لگا تو وہ شام کی طرف چلتا ہُوا۔ اس کے ہمراہیوں میں شاور نامی آدمی تھا جو اس کا معتمد تھا۔ امیر بن مضیال اس کے سمجھانے کو گیا اور لے آیا۔ خلیفہ نے قید کر دیا۔ یہ قید سے فرار ہو کر جیزہ پہنچا۔ مغربیوں کی فوج لیکر قاہرہ لے آیا۔ جامع ابن طولون کے قریب شاہی لشکر سے معرکہ ہُوا۔ شاہی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ کامیابی کا جھنڈا لئے ہُوئے قاہرہ میں داخل ہُوا اور حافظ کو

کہلا بھیجا۔ بیس ہزار دینار لشکریوں کے لئے بھیجے اُس نے دو مرتبہ روانہ کئے۔ رضوان کو عہدہ پر بحال کیا۔ موقع پاکر حافظ نے اس کو قتل کرا دیا۔ پھر حافظ نے خود ہی اپنی دولت و سلطنت کے کاروبار کو سنبھال لیا اور اپنا ولی عہد ابو منصور اسمٰعیل کو کیا۔

اہل صقلیہ کا حملہ راجر ثانی فرمانروائے صقلیہ نے اڑھائی سو جنگی کشتیاں لے کر افریقہ پر حملہ کر دیا۔ پہلے برقہ پر فوجیں اُتار دیں۔ وہاں مُسلمان قتل کئے اور بچے عورتیں پکڑ لے گئے۔ پھر ۵۴۱ھ میں طرابلس الغرب پر قبضہ کیا۔ اس کے دو سال بعد مہدیہ لے لیا۔ اسکندریہ لینے بڑھا۔ اہل مصر خوفزدہ تھے۔ رومیوں نے سسلی پر حملہ کر دیا۔ راجر واپس لوٹ گیا۔

وفات ۵۴۴ھ میں بعمر اکیاسی سال حافظ لدین اللہ نے انتقال کیا اور ساٹھ سال کی عمر میں خلیفہ ہُوا تھا۔ بجز دستخط کرنے کے کوئی لیاقت اُس میں نہ تھی۔

اس کو عارضہ دردِ قولنج تھا۔ موسیٰ طبیب نے سات دھاتوں سے ایک طبل تیار کر ایا۔ اس پر سات سیاروں کے نقوش تھے جس وقت وہ طبل بجتا خلیفہ کی ریاح خارج ہوتی اور درد جاتا رہتا۔

ظافر بامر اللہ

نام ولقب ابو المنصور اسمٰعیل بن حافظ لدین اللہ ملقب ظافر بامر اللہ۔

خلافت ۵۴۴ھ میں سریر آرائے خلافتِ علویہ ہوا۔

وزارت خلیفہ نے مرتے وقت امیر بن مضیال کی وزارت کی وصیت کی تھی۔ پس خلیفہ ظافر نے چالیس روز ابن مضیال سے وزارت کا کام لیا۔ یہ وزیر سوڈان کا رسلطنت پر گیا۔ عادل بن ارسلان والیٔ اسکندریہ

عہدۂ وزارت کی غرض سے قاہرہ آیا اور قصرِ وزارت پر قبضہ کر لیا اور قلمدانِ وزارت کا مالک ہو گیا۔

عادل نے قلمدانِ وزارت ہاتھ میں لے کر عباس بن ابوالفتوح بن یحییٰ بن تمیم بن معز بن بادیس صنہاجی کو جو کہ اس کا ربیب تھا ایک لشکر کے ساتھ ابن مضیال کے استیصال کے لئے بھیجا۔ عباس نے بزور تیغ اس پر قابو حاصل کیا اور اُس کو مار ڈالا۔ ابوالفتوح کی بیوی نے شوہر کے مرنے پر عادل بن ارسلان سے نکاح کر لیا تھا۔ عباس نے اس کے پاس نشوونما پائی تھی۔

عادل نے رتبۂ وزارت حاصل کر کے امورِ سلطنت کی نگرانی کی جانب توجہ کی۔ خلافت مآب عضو معطل تھے ان کو عادل سے پرخاش پیدا ہو گئی۔ ایک مرتبہ اپنی لونڈیوں سے وزیر کو قتل کرانا چاہا مگر راز فاش ہو گیا اور وہ قتل کر دی گئیں۔

اسی زمانہ میں عسقلان پر صلیبیوں نے حملہ کر دیا۔ وزیر نے فوجیں روانہ کیں مگر عیسائی قابض ہو گئے۔ عوام نے وزیر کی غفلت پر محمول کیا۔

عباس بن ابوالفتوح کا ایک لڑکا نصیر نامی تھا۔ خلیفہ ظافر ایک علت میں مُبتلا تھے اُس کو محبت کی آنکھوں سے دیکھتے۔ اس کی شہرت عام ہو گئی۔ عادل نے اس کی دادی سے کہا۔ ظافر کو اگر نصیر ٹھکانے لگا دے تو یہ بدنامی ہٹ جائے گی۔ چنانچہ اُلٹا اثر پڑا۔ عباس نے خلیفہ ظافر سے عادل کے ارادے کو ظاہر کر دیا۔ عباس کا دوست موئدالدولہ اسامہ بن منقذ امیر شیرز بھی دربارِ خلافت میں موجود تھا۔ اس نے بھی عادل کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔

عباس کو عسقلان صلیبیوں سے جنگ کرنے عادل نے بھیجا۔ یہ بلبیس پہنچا۔ نصیر نے خلیفہ کی اجازت سے اپنی دادی کی خواب گاہ میں جا کر عادل کو ٹھکانے لگا دیا۔

عباس کو بلبیس خبر لگی لوٹ آیا اور خلیفہ ظافر کے قلمدانِ وزارت کا مالک بن گیا۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام کرنے لگا۔

نصیر اور ظافر کے تعلقات نے نصیر کو عوام کی نگاہوں میں حقیر کر دیا۔ وزیر سلطنت پر بھی حقارت کی نظریں پڑنے لگیں۔ اسامہ نے عباس سے کہا ظافر کا خاتمہ کر دو تو اس ننگ و عار سے تم کو نجات مل جائے۔

عباس نے بیٹے کو سمجھایا کہ تم کسی حیلہ سے بلا کر خلیفہ کا کام تمام کر دو۔ اس نے دعوت کے بہانہ سے خلیفہ کو اپنے مکان پر بلا کر معہ اُس کے ساتھیوں کے قتل کر کے زمین میں دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۴۹ھ میں گزرا[1]

اولادِ ظافر کا قتل

خلیفہ ظافر کے قتل کے دوسرے دن عباس قصرِ خلافت میں گیا۔ خدام سے پوچھا خلیفہ کہاں ہے؟ سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ ظافر کے لڑکے یوسف اور جبریل نے کہا کہ تمہارے لڑکے کے یہاں دعوت میں گئے تھے۔ اُس نے کہا تم بھی تحریکِ سازش ہو اور ان کو بھی قتل کرا دیا۔ اور ظافر کے بیٹے ابوالقاسم عیسیٰ کو محل سرائے خلافت سے کندھے پر لا کر سریر خلافت پر بٹھایا جس کی عمر اس وقت پانچ سال تھی۔ مال واسباب اور خزانہ قصرِ خلافت سے اپنے مکان پر اُٹھا لایا[2]

الفائز بنصر اللہ

نام ولقب

ابوالقاسم عیسیٰ بن ظافر لقب الفائز بنصر اللہ تھا۔

وزارت ابن زریک

بیگمات قصرِ خلافت نے عباس کے ظلم وجور کی اطلاع طلائع بن زریک کو لکھ بھیجی۔ وہ بہنسہ کا والی تھا۔ فوج لے کر قاہرہ آیا۔ عباس اور نصیر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابن زریک نے ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔ نیزوں پر ان بالوں کا گچھا تھا جو بیگمات

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۳، ۶۴ [2] ایضاً صفحہ ۶۵۔

نے اظہارِ ماتم کے لئے بھیجے تھے، ۵۴۹ھ میں قاہرہ میں جلوس کی صورت میں داخل ہوا۔ قصرِ عباس میں جاکر ظافر کی نعش کا پتہ لگایا اور نکال کر اس کے اجداد کے مقابر میں دفن کی۔ خلیفہ نے خوش ہو کر وزارت کا عہدہ سپرد کیا اور الملک الصالح خطاب مرحمت کیا۔

صالح شیعی بہت بڑا ادیب اور خوشنویس تھا۔ عہدۂ وزارت پر ممتاز ہو کر امورِ سلطنت کی طرف متوجہ ہوا۔ خراج کی فراہمی اور صوبجات کے گورنروں کی نگرانی کرنے لگا۔ قاہرہ میں مسجد صالح طاعیہ کے نام سے تعمیر کرائی [1]

عباس کا قتل

عباس اور نصیر مال وزر کے ساتھ قاہرہ سے شام روانہ ہوئے۔ راہ میں عیسائیوں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ عباس مارا گیا۔ نصیر گرفتار ہوا۔ اسامہ جان بچا کر شام چلا گیا۔ صالح نے عیسائیوں سے نصیر کو زرِ معاوضہ دے کر لے لیا۔ اور قاہرہ میں باب زویلہ پر اس کو صلیب دے دی اور عاشورہ کے دن اس کو جلا دیا۔

اس کے بعد تاج الملک قائماز اور ابن غالب کی خبر لی اور تمام امراء پر اپنی ہیبت کا سکہ بٹھا دیا۔ خلیفہ کی پھوپھی اس سے بگڑ بیٹھی۔ اس کو خبر لگی تو اس سیدانی کو قتل کرا دیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی [2]

لطف یہ ہے کہ ایک طرف یہ محبان اہلِ بیت کرام خلفائے فاطمیہ کو خلیفہ سمجھتے اور اپنا امام کہتے اور حسب ضرورت ہوتی قتل کرادیتے۔

فائز اپنی چھوٹی پھوپھی کی کفالت میں پرورش پانے لگا۔ رفتہ رفتہ سنِ شباب کو پہنچا اور امورِ سلطنت کے نیک اور بد کو سمجھنے لگا۔ امراء اور اراکینِ دولت کو علی قدر مراتب حکومتیں عطا کیں۔ اہلِ ادب کی ایک مجلس قائم کی جس کا کام

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۵ [2] ایضاً

محض داستان گوئی تھا۔ کبھی کبھی کچھ نظم بھی کر لیتا۔ شاور سعدی شعر گوئی کے لئے مقرر کیا گیا۔ ۵۵۵ھ میں فائز نے وفات پائی۔ چھ سال خلافت کی[1]

خلافتِ فاطمیہ کا زوال

مستنصر کے عہد میں وزراء کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ وزیر اعظم اپنے لئے ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کرنے لگا۔ وزیر کے انتخاب میں امرائے خلافت میں رسہ کشی ہوتی۔ خود ہی وزیر بن جاتے۔ خلیفہ کا انتخاب ان کی مرضی پر تھا۔ عموماً خلیفہ کم عمر بلکہ بچے مقرر کئے جاتے جب تک خلیفہ بدو شعور تک پہنچے اس وقت تک خود آمرانہ طور سے وزارت انجام دیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدید باہمی رقیبانہ کش مکش شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ اپنے حصولِ اقتدار کے لئے نصرانی حکمرانوں سے مدد لینے لگے یا کسی طاقت ور مسلمان حکمران سے جیسا کہ شاور نے نورالدین زنگی سے اپنی وزارت کے لئے مدد چاہی۔ غرضیکہ دولتِ علویہ کی بربادی میں وزراء کی کشمکش کا بہت بڑا دخل تھا۔

صلیبیوں کے مقابل دول اسلامیہ

اس زمانہ (گیارھویں صدی کے اواخر اور بارھویں صدی کی ابتداء) میں عالمِ اسلام کے تین بڑے حصے تھے اور ہر ایک کے کئی ٹکڑے اور ریاستوں پر مشتمل تھی۔ مغرب میں اندلس کی سلطنت تھی جہاں مرابطین کی جماعت نے افریقہ سے پہنچ کر اندلسی عیسائیوں کو شکست دی تھی اور اموی سلطنت سے کچھ ملتی جلتی شان و شوکت والی حکومت قائم کی تھی۔ مرابطین کے بعد موحدین

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۷۔

نے بھی افریقہ سے وہاں پہنچ کر بارہویں صدی کے آخر تک اسلامی سلطنت کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے سے بچا لیا تھا۔

موحدین پر اندلس کی اسلامی حکومت ختم ہوئی۔ مسلمان سارے اندلس سے بے دخل ہوئے صرف غرناطہ کی عملداری کا ایک چھوٹا سا خطہ باقی رہا جس کی قسمت میں اندلس کے آخری حسرتناک اور افسوسناک انجام کا تماشہ دیکھنا لکھا تھا۔

شمالی افریقہ میں مغرب کی طرف وہ خاندان حکمران تھا جس کی تاریخ مرابطین اور موحدین کے خاندانوں سے وابستہ ہے اور مشرق کی طرف فاطمیوں کی حکومت تھی جسے بارہویں صدی کے اواخر میں مجاہد اعظم صلاح الدین یوسف ابن ایوب نے ختم کر دیا اور فاطمیوں کی ساری قلمرو کو خلافت عباسیہ میں شامل کر دیا۔

مشرق میں خلافت عباسیہ کا وہ وسیع خطہ تھا جو سلجوقی حکمرانوں کے مخصوص طرزِ حکومت یا آپس کی نا اتفاقی کی بدولت متعدد ریاستوں میں بٹ گیا تھا۔ یہ سلجوقی حکمران کچھ تو ملک شاہ سلجوقی کی اپنی اولاد تھی اور کچھ اس کے اراکینِ سلطنت اور فوجی سپہ سالاروں کی اولاد، خلافت کا اقتدار حکمرانوں پر برائے نام تھا یعنی صرف سکہ اور خطبہ تک محدود تھا۔

عالمِ اسلام کے ان تینوں حصوں میں باہم کوئی مضبوط رابطہ موجود نہ تھا۔ ان دو یعنی خلافت عباسیہ اور خلافت فاطمیہ کے درمیان تو سخت مخالفت اور رقابت تھی۔ بنی عباس سنی تھے اور فاطمی شیعہ اور ان میں ہر ایک اپنی ذات کو اس بات کا مستحق سمجھتا تھا کہ عالمِ اسلام کے سب منبروں پر اُن کا خطبہ پڑھا جائے۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب گیارہویں صدی کے اخیر میں اسلام کو صلیبی محاربات سے دوچار ہونا پڑا تو اس وقت اس صدمہ کو برداشت کرنے اور دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے مسلمانوں کے پاس کوئی متحدہ طاقت موجود نہیں تھی۔ اسلامی سلطنت کو آپس کی رقابتوں سے فرصت ہی نہ ملتی تھی اور سب سے بڑی اسلامی سلطنت یعنی خلافت عباسیہ صحیح

معنوں میں سلطنت ہی نہ تھی بلکہ کئی مستقل ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور اُن میں باہمی تعلق برائے نام تھا۔

صلیبیوں کے حملہ کا مقابلہ براہِ راست سلطنتِ عباسیہ ہی کو کرنا تھا مگر یہ سلطنت اس حملہ کے زور کی تاب نہ لا سکی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ شکست کھاتے کھاتے ختم ہونے والی ہے۔ سلطنت کی ریاستوں کے حکمران آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ فاطمیوں کو ان کے ساتھ پہلے ہی سے عداوت تھی۔ رہے شمالی افریقہ اور اندلس کے حکمران تو اول تو وہ بہت دُور تھے اور ان کے اور عباسی سلطنت کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ مسدود تھا۔ دوسرے ان کو اپنے ہی دھندوں سے سر اٹھانے کی فرصت کہاں ملتی تھی۔ الغرض دولتِ عباسیہ کو کہیں سے بھی مدد ملنی دشوار بلکہ ناممکن ہو گئی تھی۔

مگر عباسیہ کی شکست سرسری تھی۔ صلیبیوں کے ریلے سے عالمِ اسلام کے ستون ہِل تو گئے مگر ٹوٹے نہیں تھے۔ اس مصیبت کے دَور میں بھی کوئی گھڑی ایسی نہیں آئی تھی کہ مسلمانوں کے عقیدے میں تزلزل آیا ہو اور آخری نصرت و فتح حاصل کرنے کی امید ٹوٹ گئی ہو۔

عامۃ المسلمین کا یہ پختہ یقین تھا کہ سمندر پار سے آنے والی موجوں کا یہ تھپیڑا وقتی ہے۔ آخر میں اُسے کمزور ہو کر اپنے اصل مقام کی طرف لوٹنا پڑے گا اور مسلمان اس امتحان سے کامیاب ہو کر نکلیں گے اور جب چند سالوں کے بعد صلیبی حملوں کی شدت میں جب ذرا کمی واقع ہو گئی اور قوم کو ذرا سنبھلنے کا موقعہ مل گیا تو مسلمان زعماء اور قائدین نے اپنے اس اعتقاد کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور جوابی حملے کرنے لگے۔ ان زعماء میں سب سے پہلا نمبر اتابک عماد الدین والی موصل کا تھا جس نے ۱۱۴۴ء سنہ ۵۳۹ھ میں عیسائیوں کو شکست دے کر ان کی ریاست رہا پر قبضہ کر لیا۔ بے شک یورپ نے رُہا کے سقوط پر جھنجھلا کر صلیب کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے لشکر آرائی کی۔ لیکن

اس دوسری لڑائی کے حالات پر غور کرنے والا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ اب یورپ والوں کے دِلوں میں مذہبی جوش کسی قدر سرد پڑ گیا تھا۔ لڑائی میں دو بڑے شہنشاہوں (مقدس رومی سلطنت کے تاجدار شہنشاہ کراڈ اور شاہ فرانس لوئی ہفتم) کی شرکت کرنے کے باوجود عیسائی لشکر رُہا (اوڈلیسہ) کو واپس لینے میں کامیاب نہ ہوا[1] اور اسلامی سلطنت نے اجنبیوں کے تسلّط سے اپنے علاقوں کو نکال لانے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھی۔

اس اثناء میں عمادالدین زنگی کا بیٹا نورالدین زنگی میدان میں آیا۔ اس مجاہد کبیر نے اپنی زندگی جہاد کے لئے وقف کر کے دُنیا کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرادی کہ مسلمان اپنی کامیابی کے متعلق خدا تعالےٰ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں[2]۔

عاضد لدین اللہ

نام و لقب | عبداللہ بن یوسف بن حافظ لدین اللہ، لقب عاضد لدین اللہ۔

خلافت | وزیر سلطنت صالح نے خورد سال شہزادہ عبداللہ کو عاضد کا لقب دیا اور اُسے خلیفہ بنایا اور مہمات سلطنت خود بلا شرکت غیرے انجام دینے لگا۔

وزارت | صالح نے خود وزارت اپنے قبضہ میں کی تھی۔ مزید اقتدار کے لئے اپنی بیٹی کو عاضد سے بیاہ دیا۔ رخصتی کے وقت بیش قیمت جہیز دیا۔ مگر وزیر نے استبداد شروع کر دیا۔ اس کی خودسری سے تمام امرائے

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۵۸ [2] صلاح الدین از محمد فرید ابو حدید صفحہ ۵۴ تا ۵۹۔

سلطنت اور ... خلافت نالاں تھے۔ عاضد کی پھوپھی نے اپنے غلاموں کے ہاتھوں اس کا کام تمام کرا دیا۔ یہ واقعہ ۵۵۶ھ کا ہے۔ مگر مرتے وقت اپنے بیٹے کے لئے وزارت کی ہدایت کر گیا[1] چنانچہ رزیک کو عہدۂ وزارت عطا کیا اور العادل خطاب دیا۔

وزارت مآب نے عاضد کی پھوپھی اور اس کے شریکِ مشورہ امیر ابن قوام الدولہ اور استاد عنبر ریفی کو سزائے موت دی اور حکومت وسلطنت کا نظم ونسق کرنے لگا۔

شاور والیٔ صعید جس کو صالح نے والی بنایا تھا اس کو معزول کرنا چاہا بلکہ امیر بن رقعہ کو اس کے بجائے والیٔ صعید مقرر کیا۔ شاور کو سخت ناگوار گزرا اور فوجیں مرتب کر کے قاہرہ کی طرف بڑھا۔ رزیک مع اسباب اور غلاموں کے نکل بھاگا۔ طفیحہ پہنچا۔ اتفاقیہ ابن نصیر بن ابوالفتوح مل گیا اس نے رزیک کو گرفتار کر کے شاور کے پاس حاضر کیا۔ شاور نے اس کو نظر بند کر دیا پھر اس کو قتل کرا دیا[2]

وزارت شاور اور ضرغام

۵۵۸ھ میں شاور مظفر ومنصور قاہرہ میں داخل ہوا۔ سعید السعداء کے مکان پر جا اُترا۔ اس کے ساتھ اس کے تینوں بیٹے علی، طے اور کامل بھی تھے۔ دارالوزارت پر شاور کے قابض ہو جانے کی وجہ سے خلیفہ عاضد نے قلمدانِ وزارت شاور کے حوالے کیا۔ چنانچہ وزارت مآب نے رزیک کے مال واسباب اور مکانات وخزانہ پر قبضہ کیا۔ بنظر تالیفِ قلوب وظیفہ خوارانِ دولتِ علویہ کے وظائف بڑھائے اور ارکینِ دولت کو انعامات اور صلے دیئے۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۸ [2] ایضاً صفحہ ۶۹۔

نو ماہ بھی وزارت کو ہاتھ میں لئے نہ گزرے تھے کہ صالح نے امراء کا ایک گروہ برقیہ کے نام سے بنایا تھا۔ اس کا سرگروہ ضرغام داروغہ محل سرائے خلافت تھا۔ اس نے خود وزارت پر آنا چاہا۔ اس نے اپنے گروہ سے شاور پر یلغار بول دی۔ شاور مصر سے نکل بھاگا۔ ضرغام دارالوزارت پر قابض ہو گیا اور امرائے مصر کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس میں ہی شاور کا بیٹا علی قتل ہوا۔ اس واقعہ سے دولتِ علویہ بہت کمزور ہو گئی [1]

شیرکوہ کی آمد مصر میں

شاور نے شام پہنچ کر الملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی کی شرف حضوری دمشق میں حاصل کی اور امداد کا خواستگار ہوا۔ اور شرط یہ کی کہ اگر وزارت پر بحال ہو گیا تو مصر کا تین چوتھائی حصہ دولتِ نوریہ کا مسلمہ مقبوضہ سے متعلق کر دے گا۔ نور الدین کے پاس خلیفہ عباسی کا حکم مصر پر حملہ کے آچکا تھا۔ اس موقعہ کو مناسب سمجھا۔ اپنے سپہ سالار فوج شیرکوہ کو جمادی الآخر ۵۵۹ھ میں معہ عظیم فوج کے شاور کی کمک پر مصر روانہ کیا اور خود سلطان نور الدین فوجیں آراستہ کر کے عیسائی ملک کی طرف بڑھا تاکہ عیسائی اس سے الجھ کر مصر کی جانب رخ نہ

---

[1] اسدالدین شیرکوہ کا باپ شادی بن مردان نسلاً کرد اور آذربائیجان کے علاقہ دوین کے عمائد میں تھا۔

شادی کا دوست مجاہد الدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے یہاں ملازم ہو گیا اور اپنی لیاقت سے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوا۔ جمال الدولہ لقب ہوا۔ اس نے اپنے دوست شادی کو بھی بلا لیا۔ سلطان مسعود نے جمال الدولہ کا بغداد کا سحنہ مقرر کیا۔ شادی بھی معہ اپنے خاندان کے ہمراہ تھا۔ اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد شادی فوت ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اسدالدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب، نجم الدین بڑا تھا۔ باپ کی جگہ تکریت کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کا لڑکا سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔ (ابن خلکان جلد اول صفحہ ۸۵)

کر سکیں۔ امیر اسد الدین شیرکوہ اور شاور قطع مسافت کر کے بلبیس پہنچے۔ ضرغام کے بھائی ناصر الدین ہمام اور فخر الدین ہمام مصری فوج لے کر مقابلہ پر آئے مگر شیرکوہ نے شجاعانہ سرگرمی سے ہر دو کو فاش شکست دی۔ مصری فوج کو پامال اور امرائے برقیہ کو تہ تیغ کرتا ہُوا شیرکوہ قاہرہ کی طرف بڑھا۔ ناصر اور فخر گرفتار کر لیے گئے تھے وہ ہمراہ تھے۔

شیرکوہ مظفر و منصور بعزت و جلال قاہرہ میں داخل ہُوا۔ ضرغام دارالوزارت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ پل پر قریب مشہد سیدہ نفیسہ شامی فوج نے گھیر کر مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ دونوں بھائی بھی تہ تیغ کر دیئے گئے اور ضرغامی فتنہ ختم ہو گیا۔ شاور بدستور سابق عہدۂ وزارت پر مامور کیا گیا۔ کچھ دن بعد سلطان نورالدین زنگی سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ٹال گیا۔ شیرکوہ کچھ مصالح کے پیشِ نظر شام لَوٹ گیا۔

شیرکوہ اور شاور شیرکوہ کو شاور کی یہ حرکت بے حد بارِ خاطر گزری ۵۶۲ھ میں نورالدین محمود سے مصر پر فوج کشی کی اجازت طلب کی۔ اس نے اجازت دے دی۔ چنانچہ شیرکوہ فوجیں مرتب و آراستہ کر کے مصر روانہ ہُوا۔ عیسائی ممالک سے گزرتا ہُوا اطفیح (بلادِ مصر) پہنچ کر ٹھہر گیا۔ دریائے نیل کے غربی ساحل کو عبور کر کے جیزہ میں قیام کیا۔ پچاس دن کے اندر بلاد وقت مصر کے غربی بلاد پر تصرف اور قبضہ حاصل کر لیا۔ شاور نے شام کے نصرانی حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ ان کی دیرینہ تمنا مصر کے لینے کی تھی وہ چل کھڑے ہُوئے اور مصر پہنچ گئے۔ شاور نصرانی فوج کو لے کر مقام صعیدہ پر مقابل آیا۔ شیرکوہ مصری اور عیسائیوں کی فوج سے گھبرایا مگر شرف الدین برغش کے کہنے سے ہمت مردانہ سے ہر دو فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ شیرکوہ کی فوج صرف دو ہزار تھی اور مصری و نصرانی فوج ہزار ہا تھی۔ ان کو بہادروں نے تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ ان ہر دو طاقتوں کو ہزیمت ہوئی شیرکوہ

کامیابی کے بعد اسکندریہ پہنچا۔ اہلِ شہر نے بطیب خاطر شہر حوالے کر دیا شیرکوہ اپنے بھائی نجم الدین ایوب کے بیٹے امیر صلاح الدین کو اسکندریہ کا حاکم مقرر کر کے صعیدہ لوٹا۔ مصری و عیسائیوں نے پھر نئے سرے سے فوجیں آراستہ کر کے اسکندریہ کو جالیا۔ امیر صلاح الدین محصور ہو گیا۔ شیرکوہ کو خبر لگ گئی وہ اسکندریہ پلٹا تو مصریوں نے اور عیسائیوں نے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ شیرکوہ نے اسکندریہ کو چند شرائط پہ اُن کے حوالے کر دیا اور تاوانِ جنگ لے کر دمشق کی جانب مراجعت کر دی۔ ماہ ذیقعدہ ۵۶۲ھ کو دمشق واپس آ گیا۔

عیسائیوں نے شیرکوہ کی واپسی کے بعد پھر مصریوں کے روبرو شرائط ذیل پہ معاملات طے کر لئے۔

۱۔ عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔

۲۔ ان کی طرف سے ایک سیاسی ناظم قاہرہ میں رہے گا۔

۳۔ شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا تاکہ نور الدین کا لشکر شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

۴۔ اس انتظام اور حسنِ کارگزاری کے معاوضہ میں ایک لاکھ دینار سالانہ حکومت مصر عیسائی بادشاہ کو ادا کرے۔

سٹینلے لین پول اپنی کتاب صلاح الدین میں لکھتا ہے :۔

"حاکم قیساریہ ہیو اور جوفری ٹمپلر شاہ املرک کی طرف سے اس شرائط نامہ کی تکمیل کے لئے سفیر مقرر ہوئے۔ وزیر شاور خود ان کو عاضد کے پاس شاہی محل میں لے گیا اور مشرقی رسوم و عادات اور شاہی محل میں داخلہ کے سارے قوانین تفصیل کے ساتھ ان سے ادا کرائے۔ دروازوں پر مضبوط حبشی دربان کھڑے تھے جو ننگی تلواروں سے سلامی دیتے تھے۔ دروازوں سے گزر کر وسیع صحن میں پہنچے جن کے ستون سنگِ مرمر کے تھے اور چھتیں زرنگار اور طرح طرح کے نقش و نگار

سے آراستہ تھیں۔ زمین پر بہترین ٹائل کا فرش تھا۔ کہیں کہیں سنگِ مرمر کے فوارے تھے جن کے ارد گرد مشرق کے مخصوص پرندوں کے جھنڈ تھے بہت سے موڑوں اور پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر وہ شاہی دیوان خاص تک پہنچے۔ حاشیہ نشین خادموں کی ایک کثیر تعداد زرنگار خلعتیں زیب تن کئے کھڑی تھی۔ ان کے پہنچنے پر انہوں نے بلند آواز سے اپنی حاضری کی اطلاع دی۔ اس کے بعد وزیر تلوار الگ کر کے آگے بڑھا اور تین دفعہ اس طرح زمین بوس ہوا گویا وہ سجدہ کر رہا ہے۔ اس کے بعد سونے اور موتیوں کے انبار سے بوجھل بڑے زرق برق والے پردے یک دم اٹھائے گئے۔ پیچھے سے خلیفہ کا جلوہ نظر آیا۔ خلیفہ وہ لباس اور سامان (حلے) زیب تن کئے ہوئے تھا جس کے سامنے بادشاہوں کے لباس خیرہ ہو رہے تھے۔

اس کے بعد وزیر (شاور) نے نہایت تواضع کے ساتھ دونوں سفیروں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور پست آواز میں ملک کو گھیرنے والے خطرات اور شاہ بیت المقدس کی دوستی کا حال سنایا۔

خلیفہ گندمی رنگ کا جوان تھا اور بچپن سے نکل کر جوانی کی طرف پہلا قدم رکھ چکا تھا۔ وزیر کے جواب میں اس نے کہا کہ میں اپنے عزیز دوست شاہ بیت المقدس کے ساتھ معاہدہ کو منظور کرتا ہوں۔ سفیروں نے یہ مطالبہ کیا کہ خلیفہ اپنے وعدے کی تصدیق کے لئے دلیل کے طور پر اپنا ہاتھ بڑھائے۔ اس خلافِ ادب مکالمہ پر درباریوں کو بھی غصہ آیا اور خلیفہ بھی پس و پیش کرنے لگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اس نے ہیو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہیو نے دیکھا کہ خلیفہ کے ہاتھ پر دستانہ ہے۔ عرض کی کہ قبلۂ عالم حق بات کی

تصدیق میں کوئی پردہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بادشاہوں کے دعدوں میں تو ہر ایک چیز کھلی اور برملا ہُوا کرتی ہے۔
خلیفہ نے ایک زہرخند کیا اور بادل نخواستہ دست نے نکال کر ہیو کی طرف ہاتھ بڑھایا اور قسم اٹھائی کہ اپنے وعدہ کو سچائی اور اخلاص کے ساتھ پورا کرے گا"۔[1]

یہ تھی دولتِ علویہ کی ذہنیت کہ عیسائیوں کا عمل دخل رہے مگر مُسلمان بادشاہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو۔

وقائع شیرکوہ عیسائیوں نے شاور اور عاضد کی حماقت اور غداری اسلام سے فائدہ اٹھا کر مصر پر کامل قبضہ کر لینے کے ڈول ڈالے۔ ادھر اہلِ مصر پر سختیاں شروع کر دیں اور جا و بیجا حکمرانی کرنے لگے۔ بلبیس پر قبضہ کر لیا۔ قاہرہ پر تسلط جمانا چاہا۔ اب شاور کی آنکھیں کھلیں اس نے عیسائیوں کے خوف سے مصر کو ویران کر دیا۔ شہر فسطاط میں آگ لگا دی۔ بازاروں کو اہلِ شہر نے لوٹ لیا۔ اس اثنا میں عیسائی افواج قبضہ کرنے کے قصد سے قاہرہ پر اُتر آئیں۔

خلیفہ عاضد نے مخصوص امراء کے مشورہ سے اور اپنا آگا پیچھا سوچ کر سلطان نورالدین کو ان واقعات کی اطلاع دی۔ شاور نے پھر عیسائیوں سے مصالحت کا نامہ و پیام شروع کر دیا۔ بالآخر دو لاکھ دینار نقد اور دس لاکھ اردب غلّہ پر معاملہ طے ہُوا مگر رقم کا فراہم ہونا مشکل تھا۔

شاور اور عیسائیوں میں سفارت کا کام جلیس بن عبدالقوی اور شیخ موفق کاتب سروی کر رہا تھا۔ خلیفہ عاضد اس مصالحت کا مخالف تھا۔ شاور نے قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی کو خلافت مآب کو سمجھانے اور صلح پر راضی کرنے کی

---

[1] صلاح الدین سٹینلے لین پول۔ [2] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳۔

غرض سے دربارِ خلافت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ عیسائیوں کو جزیہ و خراج دینا بہتر ہے اس سے کہ ترکوں کا تسلط اور دخل ان شہروں میں ہو[1]

خلیفہ عاضد نے کچھ جواب نہ دیا اور شاور فراہمی مال و زر میں لگا رہا۔

محمد فرید ابو حدید کتاب صلاح الدین میں لکھتے ہیں کہ شاور نے پانچ لاکھ اشرفیاں ان کو دے دیں۔ پانچ لاکھ کا اور انتظام کر رہا تھا اور عیسائی لشکر قاہرہ کے باہر رقم کا منتظر تھا[2]

خلیفہ عاضد کے قاصد کے پہنچنے پر نور الدین محمود نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور امیر اسد الدین شیرکوہ کو بہت سا مال و اسباب جنگ مرحمت کر کے مصر کی جانب خلیفہ عاضد کی استدعا پر روانہ کیا۔ اس مہم میں صلاح الدین برادر زادہ شیرکوہ کو بھی نور الدین نے ساتھ کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک جماعت امرائے نوریہ کی شیرکوہ کے ہمراہ مصر آئی۔ جس وقت عیسائیوں کو خبر لگی سر پر پیر رکھ کر قاہرہ کو چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف راہی ہوئے۔

ابن طویل مورخ دولت عبید میں لکھتا ہے :۔

"شیرکوہ نے قاہرہ میں عیسائیوں کے لشکر سے مقابلہ کر کے شکست دی اور اس کے کیمپ کو لوٹ لیا"

غرضیکہ جمادی الاول ۵۶۵ھ میں مظفر و منصور شیرکوہ قاہرہ میں داخل ہوا۔

خلیفہ عاضد کی خدمت میں باریاب ہوا۔ خلیفہ نے خلعت خوشنودی عطا کیا۔

قتلِ شاور

شاور بدستور اپنے عہدہ پر تھا۔ خلیفہ عاضد اس کی حرکتوں سے بیزار تھا، اس نے شیرکوہ کو شاور کے قتل کا اشارہ کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ

"شاور ہمارا خانہ زاد ہے اس کے باقی رکھنے میں نہ ما بدولت و

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۷، ۳ [2] ایضاً [3] ایضاً

اقبال کا فائدہ ہے اور نہ آپ کا ۔"[1]

ادھر شاور شیرکوہ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ شیرکوہ نے حسب الحکم خلیفہ عاضد غدارِ اسلام شاور کے قتل کرنے کو صلاح الدین اور عزیز الدین جردیک مقرر کئے۔ ایک روز شاور حسبِ دستور شیرکوہ سے ملنے آیا۔ شیرکوہ امام شافعیؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا ہُوا تھا۔ شاور بھی مقبرۂ امام کی طرف گیا۔ راہ میں صلاح الدین اور عزیز الدین جردیک سے ملاقات ہوگئی۔ ان دونوں نے غدار ملک و ملّت کا سر اُتار لیا اور خلیفہ عاضد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ عوام الناس اس سے بے حد ناخوش تھے۔ انہوں نے اس کے مکانات لُوٹ لئے۔ اس کے دونوں بیٹے کامل اور طے معہ دیگر اہلِ خاندان کے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیئے گئے۔[2]

وزارت پر سرفرازی

خلیفہ عاضد شیرکوہ سے بہت خوش تھا اور شاور کی تباہی اس کی دلی مسرت کا باعث تھی۔ چنانچہ شیرکوہ کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ المنصور امیر الجیوش کا خطاب مرحمت کیا۔[3]

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :۔

"شیرکوہ نے عہدۂ وزارت سے ممتاز ہوکر قصرِ وزارت میں اجلاس کیا۔ ملک کے نظم و نسق کی جانب توجّہ کی۔ دولت و حکومت علویہ پر متغلب و متصرف ہُوا۔ لشکریوں کو جاگیریں دیں۔ اپنے مصاحبوں اور امرائے لشکر کو حکومتیں عطا کیں۔"

شیرکوہ خلیفہ عاضد سے ملنے حاضر ہُوا۔ ایک روز جوہر استاد نے عاضد کی طرف سے شیرکوہ سے کہا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۲ ، [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۳ ،

[3] حسن المحاضرہ فی الاخبار مصر و القاہرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰ ۔

"مولانا امیر مومنین فرماتے ہیں کہ ہم کو یقین کامل ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے بتاید دشمنانِ خلافت ہماری مدد کا سہرا تمہارے سر پر باندھا ہے ہم کو امید ہے کہ تم ہمیشہ اپنی خیر خواہی کا دولتِ علویہ کو عمدہ ثبوت دیتے رہو گے"

شیر کوہ نے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا :-

"انشاء اللہ تعالیٰ جیسی توقع ہے اس سے زیادہ میں اپنے کو ثابت کرتا رہوں گا"

خلیفہ عاضد نے خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا اور جلیس بن عبدالقوی کے برابر بیٹھنے کی جگہ مقرر کی۔

جلیس بن عبدالقوی داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ بھی تھا، شیر کوہ نے اس کو اس کے عہدہ پر بحال و قائم رکھا [1]

شیر کوہ کی وفات

شیر کوہ دو مہینے وزارت پر سرفراز رہ کر راہیٔ ملک بقا ہوا۔ بوقت وصال اپنے مصاحبوں اور امرائے لشکر کو وصیت کر گیا کہ کسی وقت میں تم لوگ قاہرہ چھوڑنے کا قصد نہ کرنا۔

صلاح الدین کی وزارت

شیر کوہ کے مرتے ہی امراء نوریہ سے عین الدولہ یاروقی، قطب الدین نیال، سیف الدین مشطوب ہکاری اور شہاب الدین محمود حارمی ہر ایک متمنی وزارت ہُوا مگر عاضد نے اس خیال سے کہ صلاح الدین بوجہ کم سنی امور سلطنت کو بغیر مشورۂ اراکینِ دولت انجام نہیں دے سکے گا، صلاح الدین کی وزارت کی طرف مائل ہُوا۔ اکثر اراکینِ سلطنت نے عاضد کی تائید کی۔ بعض کی رائے یہ ہُوئی کہ ترکوں کا لشکر بلادِ شرقیہ کی طرف واپس کر دیا جائے اور ان پر قراقوس

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۰۔

کو حکومت دی جائے۔ مگر خلیفہ نے کثرت رائے پر صلاح الدین کو محل سرائے خلافت میں طلب کر کے قلمدانِ وزارت مرحمت کیا۔ امرائے نوریہ بگڑ بیٹھے مگر فقیہ عیسیٰ ہکاری نے تمام امراء کو صلاح الدین کا ہمنوا بنا دیا۔ البتہ عین الدولہ ترکِ رفاقت کر کے شام چلا گیا۔

نیابت سلطنت

صلاح الدین نے عنانِ وزارت ہاتھ میں لے کر نور الدین کو تمام واقعات کی اطلاع دیدی اور اس کے نائب کے بطور مصر میں متمکن رہا۔ نور الدین اس کو "امیر سپہ سالار جمیع امرائے نوریہ مقیم دیار مصر" خط میں تحریر کرنے پر اکتفا کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ صلاح الدین کل امورِ سلطنت کے سیاہ سفید کرنے کے اختیارات اپنے قبضہ اقتدار میں لیتا گیا اور خلیفہ عاضد کے قوائے حکمرانی کمزور و مضمحل ہوتے گئے۔

مصر کے دار المعونہ کو جو کوتوال مصر کے رہنے کا مکان اور نیز جیل تھا منہدم کرا دیا۔ شافعیہ کا مدرسہ تعمیر کرایا۔ اس طرح دار العزل کو بھی مسمار کرا کے مالکیہ کا مدرسہ بنوایا۔ شیعی قاضیوں کو معزول کر کے شافعی قضاۃ مقرر کئے اور اپنی طرف سے کل بلادِ مصر میں ایک ایک نائب مامور کیا۔

عیسائیوں کا محاصرۂ دمیاط

عیسائی شیر کوہ کے مقابلہ میں مصر سے جو بھاگے تو شام جا کر دم لیا اور بیت المقدس پر قبضہ رکھنے میں خطرہ نظر آنے لگا تو انہوں نے صقلیہ اور اندلس واقعات لکھ بھیجے اور ان سے امداد طلب کی۔ اس پر صلیبیوں کا ایک عظیم گروہ شام کی کمک پر آموجود ہوا۔ چنانچہ ۵۶۵ھ میں دمیاط کو گھیر لیا۔ دمیاط کا والی شمس الخواص منکورس تھا۔ اس نے صلاح الدین کو مطلع کیا۔ صلاح الدین نے بہاء الدین قراقوش کو معہ فوج کے اہلِ دمیاط کی مدد کو روانہ کیا اور سلطان نور الدین سے بھی امداد طلب کی۔ شیعوں اور سوڈانیوں کی وجہ سے مصر نہ چھوڑنے اور اس مہم پر نہ جانے کی معذرت لکھی۔ نور الدین نے بھی دمیاط فوجیں بھیجدیں

اور خود شام کے سواحل پر حملہ کر دیا۔ صلیبی پچاس یوم محاصرہ کر کے وطن کی حفاظت کے لئے محاصرہ چھوڑ کر چلتے بنے۔ لوٹ کر آئے تو اپنے شہر ویران اور خراب پائے۔

خلیفہ عاضد نے اس کامیابی پر صلاح الدین کی بے حد مدح و ثنا کی۔ اس کے بعد صلاح الدین نے اپنے باپ نجم الدین اور اپنے کل اصحاب اور احباب کو شام سے مصر بلا لیا۔ خلیفہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور خود ملنے آیا۔

امرائے دولت علویہ کی بغاوت

صلاح الدین کے قدم استقلال حکومت مصر پر امرائے علویہ اور ان کے ہوا خواہوں کو سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ عوہرش قاضی القضاۃ ابن کامل، امیر معروف عبدالصمد کاتب اور عمارہ یمنی زبیدی شاعر ان لوگوں نے خفیہ جلسہ کیا اور طے یہ کیا کہ مصر سے ترکوں کو نکال دیا جائے اور نصرانیوں سے امداد لی جائے۔ دو حاصل مصر کے مالیہ سے ان کا ایک حصہ مقرر کر دیا جائے۔ اس مشورہ میں سوڈانی غلام اور قصر خلافت کے خدام بھی شریک تھے۔

مؤتمن الخلافت خدام قصر کا سردار تھا اور عاضد کا پروردہ اور اس کی لڑکی کو خلیفہ عاضد نے شرف زوجیت بخشا تھا۔ چنانچہ مؤتمن الخلافت نے اپنے مکان میں عیسائی سفیر کو ایک مصنوعی خلیفہ عاضد سے ملایا[1]

عیسائی سفیر یہ خیال کر کے کہ خلیفہ نے میرے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہے خوشی خوشی اپنے مستقر کو روانہ ہوا۔

انکشاف سازش

نجم الدین بن مصیال جو شیعوں کا نامور سرگروہ تھا اس کی بہاء الدین قراقوش سے چشمک چل گئی تھی۔ امرائے علویہ یہ خیال کر کے کہ نجم الدین کو صلاح الدین سے ہمدردی نہ ہوگی۔ صلاح الدین نے اس کو اسکندریہ کی حکومت عطا کی تھی۔ اس وجہ سے وہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۶۔

اس کا خیر خواہ تھا۔ چنانچہ جمال الدین سے کہا گیا کہ تم کو وزارت دی جائے گی۔ عمارہ یمنی کاتب، فاضل بن کامل قاضی القضاۃ داعی الدعات موقوف کر دیا جائے گا۔ عبدالصمد خراج پر متعین ہو گا اور عوریش اس کی نگرانی کرتا رہے گا۔ نجم الدین نے یہ سُن کر مسرت ظاہر کی اور رائے سے موافقت کا اظہار کیا اور موقعہ پاکر صلاح الدین کو تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

صلاح الدین نے ان کو اور نیز عیسائیوں کے سفیر کو گرفتار کرا لیا اور تحقیقات کرائی معلوم ہوا عاضد نے محل سرائے سے قدم بھی باہر نہ نکالا بلکہ نجاح موتمن الدولہ نے بحلف کہا کہ یہ خبر غلط آپ تک پہنچائی گئی۔ عاضد سے صلاح الدین کا دل صاف ہو گیا[1] مگر صلاح الدین نے سب فتنہ پردازوں کو سُولی دے دی اور عبرت ناک سزائیں دیں۔ موتمن خلافت نے نصرانیوں کو جو خط لکھا تھا وہ پکڑا گیا۔ اس بنا پر وہ تہ تیغ کر دیا گیا اور قراقوش کو داروغہ محل سرائے کیا۔ اس پر سوڈانی بگڑ بیٹھے۔ ترکوں نے ان کی سرکوبی کر دی اس طرح امرائے علویہ کی قوت ختم ہو گئی۔

دولتِ علویہ کا خاتمہ

صلاح الدین کے لئے تحفّظ مصر کا مسئلہ صرف اس طرح طے ہو سکتا ہے کہ دولتِ علویہ جو دَم توڑ رہی تھی اور اس کے ہوا خواہ جو اسلام دشمنی میں نصرانیوں سے ساز باز کر رہے تھے اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ادھر سلطان نورالدین یہاں کے حالات سے مطلع ہو کر تحریک کر رہا تھا کہ مصر میں اُس کے اصلی وارث خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے مگر صلاح الدین بلطائف الحیل اس مسئلہ کو معرض التواء میں ڈال رہا تھا۔ اس زمانہ میں علمائے عجم کی طرف سے فقیہ جشانی بطور وفد صلاح الدین کی خدمت میں آیا ہوا تھا۔ یہ شخص الامیر العالم کے لقب سے مخاطب

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۷۔

کیا جاتا تھا۔ اس نے صلاح الدین سے کہا۔ میں نور الدین کے حکم کی تعمیل کرونگا۔
چنانچہ محرم ۵٦۷ھ کے پہلے جمعہ میں خطیب سے پیشتر ممبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستضی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور اس کے لئے دُعا کی۔ امرائے علویہ ختم ہو چکے تھے۔ اہلِ مصر نے بطیبِ خاطر خطبہ سُنا۔ اس کے بعد صلاح الدین نے خلیفہ عاضد کا خُطبہ حکماً بند کیا اور مصر و قاہرہ کے خطبوں میں خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ پڑھنے کا فرمان صادر کیا۔ چنانچہ کل خطیبوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

وفاتِ عاضد

اس واقعہ کی عاضد کو خبر نہیں کی گئی۔ عاضد مرض الموت میں مبتلا تھا۔ دسویں محرم ۵٦۷ھ کو انتقال کر گیا۔ صلاح الدین نے عزاداری کا دربار کیا اور قصرِ خلافت کے کل مال و اسباب کو بحقِ حکومت ضبطی میں لایا۔

خلفائے فاطمیہ کا مال و زر

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیادت و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا۔ ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرۂ روزگار عجائبات سے معمور تھے۔ یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز و سامان حد شمار سے باہر تھا، ان کے پاس ایسے بیش بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں جن کی مثال دُنیا میں ناپید تھی۔ سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی۔ سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی طرح چوڑا زمرد تھا۔ ایسے دُرِ یتیم تھے کہ دُنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا۔ ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔

لین پول کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور اُن کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے فاطمیوں کے قصرِ کبیر میں چار

ہزار کمرے اور ایک بڑا عالی شان ایوان طلا کار تھا جس میں سونے کی جالی کے پُشت پر سونے کا تخت بچھا ہُوا تھا جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا۔ خلیفہ کے اردگرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے۔ عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تو اسی جالی سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا۔ قصر زمردین جس میں سنگِ مرمر کے ستون تھے دیوانِ خاص کا کام دیتا تھا۔

قصر کے اندر جاہ وحشم کے جو سامان تھے ان کا ذکر مؤرخوں نے کم کیا ہے لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن اور جواہرات کا جو عجیب وغریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گزرا جس کا نام جبلِ تور تھا۔ اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا۔ اس یاقوت کا خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا۔ فاطمیین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی، مدتوں ضرب المثل رہی۔

ان ہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے۔ اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف نقشین اور میناکاری کی طلائی چیزیں، صندوق، صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچیکاری تھی، کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آبنوس، ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں درج ملتی ہیں۔ اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا، فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لعل جڑے تھے۔ سنگ سماق کی میزیں بے شمار برنجی ظروف جن پر سونے چاندی کا کام تھا۔ دیوار پوش بھاری زری کے ریشمی پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت جو صلاح الدین

کوملی اس میں ایک چیز بھی اُس نے اپنے پاس نہ رکھی۔ کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں۔ کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے۔ یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی فاضل کو نذر کر دیں باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جو سب کے نفع کے لئے تھا۔[1]

شوقِ جہاد ۵۶۷ھ میں فاطمی خلافت کو ختم کرنے کے بعد صلاح الدین کے دل میں فرنگیوں سے نبرد آزما ہونے کا خیال پیدا ہُوا۔ فلسطین کی طرف پیش قدمی کی اور قلعہ شوبک کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ کرک سے ایک دن کی مسافت پر تھا۔ نورالدین کو صلاح الدین کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو وہ بھی فوج لے کر اس کی مدد کے لئے روانہ ہُوا۔ قلعہ پر صلاح الدین کا قبضہ ہوا ہی چاہتا تھا کہ نورالدین کی آمد کی خبر لگ گئی۔ مصر لوٹ آیا اور عذر لنگ کہلا بھیجا۔ مگر نورالدین کھٹکا اور سرکش امیر کو مصر کی حکومت سے بے دخل کرنے کے خیال سے مصر پہنچنے کا ارادہ کیا۔ صلاح الدین کو خبر لگی اُس نے اپنے اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا۔ اس کے باپ نے کہا ہم نورالدین ہی کے امیر بنائے ہوئے ہیں لہٰذا تم سلطان سے کہلا بھیجو کہ :-

> "اگر اس غلام کی طرف سے کدورت ہے تو گوشمالی کے لئے قدم رنجہ فرمانے کی ضرورت نہیں۔ حضور ایک لوکہ بھیج کہ غلام کو گردن میں رسی ڈالے ہوئے اپنے دربار میں بلا سکتے ہیں۔"

امرائے نوریہ نے یہ روداد اپنے طور سے لکھ بھیجی۔ نورالدین خاموش ہو گیا اور یہ طے کیا کہ ۵۶۸ھ میں قلعہ کرک پر ملے جلے چڑھائی کریں۔ اگلا سال آیا، صلاح الدین نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ جب نورالدین کے آنے کی خبر لگی پھر

---

[1] تاریخ اسلام صفحہ ۲۶۶۔

مصر لوٹ آیا اور اظہارِ معذرت کے لئے نورالدین کے پاس اپنے دوست علیسٰی الھکاری کو بھیجا اور عذر یہ کیا کہ میں اپنے باپ کو مصر کا نائب الحکومت کر کے جہاد کے لئے نکلا تھا۔ اس وقت باپ کی بیماری کی خبر سُن کر اور یہ خیال کر کے کہ مصر کی مملکت کہیں نکل نہ جائے مصر لوٹ گیا اور تحفے اور ہدیئے بہت کچھ روانہ کئے۔ نورالدین کی تسلی تو کیا ہوئی مگر زبان بند ہو گئی [1]

سوڈان و یمن کی فتح

شوبک اور کرک کی مہم کے بعد صلاح الدین نے اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ کو سوڈان فتح کرنے کو بھیجا مگر یہ مہم ناکام رہی۔ پھر ۵۶۹ھ میں نورالدین کی اجازت سے یمن کو فتح کرنے کے لئے شمس الدولہ توران شاہ کو بھیجا جس نے جاتے ہی یمن فتح کر لیا اور مضبوط حکومت قائم کر لی جو ایوبی خاندان میں پچاس برس رہی اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر نورالدین نے لے لیا تو یہ پناہ گاہ کا کام دے گی [2]

دولتِ علویہ کا حشر

خلیفہ عاضد کے مرنے پر مصر میں خلافت عباسیہ کی حکومت کا پھریرہ کامیابی کی ہوا میں اڑنے لگا۔ اہلِ کتامہ کی قوت منتشر تھی۔ البتہ مصر میں کچھ ہواخواہانِ علویین نے داؤد بن عاضد کے ہاتھ پر خلافت و امارت کی بیعت کی مگر صلاح الدین نے سرغنوں کو پکڑ کر ٹھکانے لگوا دیا اور داؤد کو بلا کر تنبیہ کی اور اس کو ۵۶۹ھ میں قصرِ خلافت میں آنے سے منع کر دیا۔

داؤد کے بیٹے سلیمان نے صعید میں جا کر جہاں حبشی فوج کے لوگ مصر سے نکال کر آباد کر دیئے گئے تھے وہاں ادعائے حکومت کیا عمالِ حکومت نے گرفتار کر لیا۔ وہیں اپنی طبعی موت سے مر گیا۔ فارس کے اطراف میں محمد بن عبداللہ بن عاضد نے خلافت و امارت کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب مہدی رکھا مگر

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۱۱۴ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۵۔

کوئی مہدویت کے پھندے میں پھنسا نہیں اور اٹھتی کونپل تراش دی گئی۔ اس کے بعد عبیدئین میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ البتہ علویہ کے نقباء حسن بن صباح کے لوگ قلعہ الموت میں باقی رہ گئے تھے جن کو ہلاکو خان نے ۶۵۵ھ میں تہ تیغ کر دیا[1]

اب صلاح الدین نے مصر کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی اور عاضد کی زندگی میں امورِ سلطنت کا انتظام مکمل کر چکا تھا۔ باوجودیکہ صلاح الدین کٹر سُنی تھا اور عاضد کٹر شیعہ، مگر اس نے آخر تک کسی شکایت کا موقعہ نہ دیا اور عاضد اس سے خوش رہا اور مرتے دم تک اس کے ساتھ اخلاص اور قدردانی کا سلوک کرتا رہا۔ مرض الموت میں صلاح الدین کو بلایا مگر قصر کی سازش کے خیال سے ملاقات نہ کر سکا جس کا افسوس صلاح الدین کو رہا۔

اس جگہ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ایک طرف عاضد کو اپنی لیاقت کا گرویدہ کر لیا تو دوسری طرف اپنے آقا نورالدین کی مرضی کا تابع رہا۔ دونوں اس سے اپنی جگہ مطمئن رہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ مصر کا مستقل حکمران بن چکا تھا، مگر اپنے کو نورالدین کا نائب ہی تصور کرتا تھا۔

شامی امراء کی رقابت

مصر کے شامی امراء صلاح الدین کی نیک نیتی اور خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ مگر بعض امراء نورالدین کے پاس رہ کر اس کے خلاف زہر اُگلا کرتے تھے جس میں امیر عین الدولہ یاروقی تھا مگر نورالدین کو صلاح الدین پر پورا بھروسہ تھا۔

صلاح الدین نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی سے ایسا میدان تیار کیا تھا کہ اہلِ مصر اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اس لئے اس کی حکومت مصر میں قائم ہو گئی نام

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۸۱۔

کو وہ خلافتِ عباسیہ کے ماتحت تھا۔

خلافتِ فاطمیہ کا جائزہ خلافتِ فاطمیہ بھی دعوتِ آلِ محمد کی آڑ لے کر بنی مگر خلافتِ بنی عباس کی حریف بن کر عالم وجود میں آئی۔ اپنی شوکت و عظمت میں ایک امتیازی درجہ رکھتی تھی۔ اس کا دائرۂ عمل مغرب میں بحرِ اخضر، مشرق میں دریائے فرات، شمال میں ایشیائے کوچک اور جنوب میں بلاد نوبیہ تک وسیع تھا۔ دوسری طرف صقلیہ اور بلادِ حجاز اس کی قلمرو میں داخل تھے۔ یمن، موصل اور بلاد ماوراء النہر میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

قاہرہ بغداد کے بعد شان و شوکت کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا تھا فاطمی خلفاء نے وسیع سلطنت قائم کی۔ مصر ان کے زمانہ میں گہوارۂ تہذیب و تمدن اور علم و فن تھا۔ فاطمیوں کا کتب خانہ قرطبہ، بغداد وغیرہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا[1] دولت و ثروت میں آخری خلفاء بنی عباس سے بڑھے ہوئے تھے۔

سُلطان صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین بن نجم الدین ایوب تکریت میں ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ نجم الدین جب دمشق آیا تو صلاح الدین کی عمر سولہ سال کی تھی۔ تعلیم و تربیت امیرانہ طور طریق سے ہوئی۔ نورالدین زنگی کی توجہ صلاح الدین کی طرف زیادہ تھی۔ چنانچہ اس کا بڑا وقت نورالدین کی خدمت میں گزرتا تھا۔

نورالدین کی بہادری، شجاعت اور عبادت گزاری کا اثر صلاح الدین پر

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین جلد ۱ صفحہ ۱۰۰

پڑے بغیر نہ رہا۔ نورالدین کے فیضِ صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمال پیدا ہُوا جس نے آگے چل کر صلاح الدین اعظم بنا دیا۔[1]

نورالدین ۵۶۹ھ میں فوت ہُوا۔ اتابکی امراء نے اس کے گیارہ سالہ بچے اسمٰعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا اور شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم کارپرداز سلطنت قرار پایا۔ مگر اور امرائے نوریہ بگڑ بیٹھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اتابکیہ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

سیف الدین غازی والیٔ موصل جو نورالدین کا بھتیجا تھا اُس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین نے الملک الصالح کو لکھا کہ اس واقعہ کی خبر مجھ کو کیوں نہ دی۔ اس دوران میں امیر سعدالدین بن کفتگین الملک الصالح کو لے کر حلب گیا اور امیر الامراء شمس الدین ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امراء کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ابن مقدم دمشق میں رہ گیا تھا اس نے جوشِ انتقام میں سیف الدین کو دمشق کے حوالے کرنے کے لئے بلایا مگر وہ گیا نہیں۔ دمشق کے تمام امراء نے سعدالدین کے اقتدار اور استبداد کی وجہ سے صلاح الدین کو دمشق آنے کی دعوت دی۔ فتوحات کی غرض سے نہیں، مصالحت کی بنا پر صلاح الدین سات سو سواروں کا دستہ لے کر دمشق پہنچا۔ یہ رنگ دیکھ کر سیف الدین نے فرنگیوں سے میل کر لیا۔[2]

صلاح الدین کو دمشق میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس نے دمشق پر قابض ہو کر حمص و حماۃ کی طرف توجہ کی۔ ان کو بقوت لینا پڑا۔ پھر حلب روانہ ہُوا۔ مگر الملک الصالح نے اہلِ حلب کو درد انگیز فریاد سے متاثر کیا تھا وہ پوری قوت سے مقابل ہُوئے۔ ادھر صلیبیوں نے امرائے اتابکی کے اشارے سے حمص پر دھاوا بول دیا۔ صلاح الدین انہیں روکنے بڑھا وہ پیٹھ دکھا گئے۔ اس

---

[1] صلاح الدین لین پول صفحہ ۱۱۹ [2] ایضاً

کے بعد بعلبک پر قابض ہو گیا۔ صالح نے سیف الدین سے میل کر لیا سیف الدین خود مقابل تو نہ آیا مگر اپنے بھائی عزیز الدین مسعود کو بھیجا، اس کو شکست اٹھانا پڑی۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار اس شرط پر صلح ہو گئی کہ جس قدر حصہ ممالک شام کا صلاح الدین کے قبضہ میں ہے اس پر وہ متصرف رہے باقی اتابکی علاقہ کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

اس مصالحت سے صلاح الدین تابکی حکومت سے آزاد ہو گیا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔

پروانۂ حکومت مصر و شام خلیفہ مستکفی باللہ نے صلاح الدین کو خلعت عطا کیا اور پروانۂ حکومت مصر و شام مرحمت فرمایا۔ ۵۷۱ھ میں سیف الدین پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ صلاح الدین نے اس کو شکست دے کر بزاعہ، بیج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور ۵۷۲ھ میں حلب پر پھر فوج کشی کر دی۔ آخر کار صلح ہو گئی۔ سلطان نور الدین کی بچی کو صلاح الدین کے پاس بھیجا۔ اپنی آقا زادی کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آیا۔ تحائف دیئے اس نے قلعہ عزاز مانگا وہ بھی دے دیا۔

باطنیوں کا قاتلانہ حملہ عزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسمعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ قاتلانہ حملہ سلطان پر کیا۔ خدا نے چشم زخم نہ پہنچنے دیا۔ وہ قتل کر دیئے گئے۔

عسقلان پر قبضہ ۵۶۶ھ میں سلطان نے عسقلان پر حملہ کیا تھا۔ اموری فرمانروائے یروشلم مقابلہ پر آیا اور شکست پا گیا۔ پھر رملہ پر فرنگی جمع ہوئے بری اور بحری فوج سے اس کو بھی فتح کر لیا۔

حملہ اسکندریہ نور الدین کی وفات کی خبر سے نصرانیوں میں نئی امنگیں پیدا ہوئیں اور اس کے مفتوحہ ممالک پر دوبارہ قبضہ کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ شام اور صقلیہ سے ۲۸۲ جنگی جہازوں کا

بیڑہ اسکندریہ پہنچا۔ شہر سے باہر منجنیق اور دبابے نصب کئے۔ اسکندریہ کے محصور باشندوں نے کمال بہادری کے جوہر دکھائے۔ صلاح الدینؒ نے خبر لگتے ہی ایک لشکر بھیجا فرنگی منہ کی کھا کر چلتے ہوئے اُن کے بہت سے جہاز ڈوب گئے۔ غرضیکہ یہ حملہ ہر طرح سے ناکام رہا۔

ان تمام علاقوں سے قبضہ کے بعد شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تو فرنگیوں نے ۵۷۱ھ میں صُلح کر لی۔[1]

صلاح الدین مصر واپس گیا۔ دمشق پر اپنے بھائی توران شاہ کو حکمران کر گیا۔ فرنگی موقع پا کر دمشق پر حملہ آور ہوئے۔ توران شاہ کو شکست ہوئی اور امراء گرفتار ہو گئے۔ صلاح الدین مدد نہ بھیج سکا۔ مگر عسقلان پر حملہ کر دیا۔ دوسری سمت سے فوجیں آگئیں۔ اس کے برادر زادہ محمد اور فقیہ عیسیٰ نے مقابلہ کیا جس میں محمد شہید ہُوا اور عیسیٰ گرفتار ہو گئے۔ ساٹھ ہزار اشرفی دے کر صلاح الدین نے عیسیٰ کو چھڑایا۔

۵۷۶ھ میں سیف الدین والیٔ موصل مر گیا اور ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والیٔ حلب بھی فوت ہو گیا۔ سیف الدین عزیز الدین مسعود کو جانشین کر مرا تھا۔ صالح نے بھی اس کو ہی اپنا جانشین کیا۔ کچھ دن بعد عماد الدین والیٔ سنجار نے حلب کا تبادلہ کر لیا۔

ادھر عزیز الدین نے باطنیوں سے میل کر کے حلب میں ان کا تبلیغی مرکز بنانے کا وعدہ کر لیا اور ایک طرف صلاح الدین سے مقابلہ کے لئے ہر دو بھائیوں نے فرنگیوں سے بھی باضابطہ عہد نامہ کیا۔ مگر صلاح الدین نے جو معاہدہ کیا تھا اس سے ان حرکتوں پر بھی انحراف نہ کیا۔

مصر سے شام صلاح الدین روانہ ہُوا۔ فرنگیوں نے کرک پر مدد کا، مگر وہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴۔

دوسری سمت سے نکل گیا۔ طبریہ و بیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک بڑھتا چلا گیا اور فرنگیوں کو دمشق سے مار بھگایا۔ سلطان بیروت لینے کے ارادہ سے بڑھا معلوم ہوا کہ جنگی جہاز فرنگیوں کے سمندر میں منڈلا رہے ہیں۔ ان پر حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لئے[1]

بیروت سے امیر مظفر الدین کوکبری والی حران جو عزیز الدین مسعود کے خلاف ہو گیا تھا اس کے بلاد سے پر پہنچا اور جزیرہ کے بڑے حصے کو بقوت لے لیا۔ یہ صورت دیکھ کر عماد الدین نے اپنا علاقہ عزیز الدین کے سپرد کر دیا۔

سلطان نے ۵۷۸ھ میں موصل پر فوج کشی کی مگر ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد سنجار پر حملہ کر دیا اور عزیز الدین مسعود کے بھائی شریف الدین پر فتح پائی اور اپنے سالے سعد الدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا۔ اس کے بعد آمد لے لیا اور یہاں کا کتب خانہ عظیم الشان تھا۔ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ یہ سب سلطان نے قاضی فاضل کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد ہی حلب پر قبضہ کر لیا۔ شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی۔ دریائے دجلہ سے رود نیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک بڑے بڑے شہر سلطان کے زیر نگین تھے۔ مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

حروبِ صلیبیہ

سلطان نے حارم پر قبضہ کرنے کے بعد فرنگیوں سے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ۵۷۹ھ میں فوجیں جمع کر کے فرنگی علاقہ پر حملہ کر دیا۔ متواتر چودہ سال تک نصاریٰ سے جہاد کیا۔ شام کے تمام علاقے نصاریٰ سے بقوت لے لئے۔ بیت المقدس فتح کیا۔ اسلام کے دشمن ریجی نالڈ کو قتل کیا۔ دوسرے عیسائی حکمران

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱۔

گائی، بالڈون، بالیان، والڈ، کورنتی، جوسکن وغیرہ جو گرفتار تھے ان کی جان بخشی کی۔ اس معرکہ کے حالات "تاریخ ملت" کی جلد ششم میں بیان کئے جاچکے ہیں۔
اس زمانہ میں موصل پر حملہ کیا۔ عزیزالدین نے اطاعت قبول کر لی اور شہر زور اور دریائے زاب کے آس پاس کے علاقے قرایلی اور بنی قفچاق کے اضلاع سلطان کو دیدیئے اور اپنے ملک میں سلطان کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

لین پول نے لکھا ہے:-

"جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں جولائی ۱۱۸۷ء میں مطیق پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اُردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کر یافہ کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔"

رواداری صلیبیوں نے اپنی فتوحات کے موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کئے تھے۔ بیت المقدس جب نصرانیوں نے لیا ہے تو صرف مسجد صخرا میں ستر ہزار مسلمان قتل کئے تھے۔ مگر جب بیت المقدس کو صلاح الدینؒ نے فتح کیا تو عیسائیوں کو معمولی فدیہ لے کر بعزت و احترام نکلنے کا حکم دیا اور ان کے لئے زیارت کی عام اجازت مرحمت کی۔ غرضیکہ سلطان نے اپنی افواج کو آرام کرنے کے لئے اُن کے وطن واپس کر دیا۔ چند ماہ بیت المقدس میں قیام کیا۔ شہر پناہ کی مرمت کرائی، خندق کھدوائی، شفاخانہ تعمیر کرایا۔ انتظام شہر امیر عزیزالدین جردیک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق چلا گیا۔

سلطان کے اہل و عیال دمشق میں موجود تھے وہیں اس کے بھائی ملک عادل کرک سے آگئے تھے۔ سارا خاندان نہایت امن و آرام کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔
سلطان کو دمشق اس قدر پسند تھا کہ مصر جانے کا خیال بھی نہ کیا۔

وفات کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی جہاد کی مساعی میں اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ رمضان کے روزے قضا ہو گئے تھے ان کو پورا کرنے لگا جو مزاج کے موافق نہ پڑے۔ طبیب نے روکا کہ صحت کے لئے اس وقت ملتوی کر دیجئے۔ سلطان نے کہا معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کئے۔ جس سے صحت جواب دے گئی۔ وسط صفر ۵۸۹ھ میں حالت بگڑنے لگی مرض بڑھ گیا غشی طاری ہو گئی۔ شیخ ابوجعفر نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ ۲۷ تاریخ دوشنبہ کے دن فجر کے وقت مجاہد اعظم نے جان بحق تسلیم کی۔

اوصاف سلطان صلاح الدین جہاں مجاہد اعظم تھا اس کے ساتھ اسلامی سلطنت کا خود مختار بادشاہ ہوتے ہوئے امیر تو امیر غریب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا تھا۔ اگر کوئی خادم بیمار ہو جاتا تو خود عیادت کو جاتا۔ ایک خادم نے ایک تحریر پہ دستخط کرانے چاہے۔ سلطان نے کہا پھر کسی موقعہ پہ یہ کاغذ پیش کرنا۔ اس نے کہا ابھی کر دیجئے اور دوات سامنے اس طرف رکھی ہے۔ چنانچہ سلطان نے دور سے جھک کر دوات اٹھائی اور دستخط کئے۔

ایک مرتبہ ایک غلام نے دوسرے غلام کے جوتا مارا وہ سلطان کی طرف آیا۔ سلطان نے غلام کو پریشانی سے بچانے کے لئے اس طرف سے رخ پھیر لیا۔

مشہور ہے کہ جب عکہ پر فرنگیوں کا قبضہ ہونے کے بعد سلطان ساحل کے قلعے مسمار کرنے کے لئے گیا تو قلعہ گرانے والوں کے ساتھ مثل ایک پیادہ کے خود بھی مزدور کا سا کام کرتا تھا اور لکڑیاں کندھوں پر اٹھا کر لے چلتا۔

اسی طرح بیت المقدس کی قلعہ بندی کرتے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور سے خود پتھر لاد کر لاتا۔ فوج بھی اپنے سپہ سالار کی اعلیٰ مثال کی پیروی کرتی اور مزدوروں اور فوجیوں کی یہ جماعت مہینوں کا کام دنوں میں پورا کر لیتی۔[1]

---

[1] صلاح الدین محمد فرید ابو حدید صفحہ ۲۸۷۔

ایک معاملہ میں سلطان کو ایک فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت میں طلب کیا گیا۔ سلطان آیا اور معمولی طریقہ سے قاضی کی مجلسِ قضاء میں بیٹھ گیا۔ اگرچہ اس مقدمہ میں حق بجانب، وہی تھا۔

علمی ذوق صلاح الدین کو اصلاحی عالموں کی صف میں جگہ نہیں دی جاسکتی مگر اس کو علومِ دینی میں استعداد معقول تھی۔ علمِ حدیث کے متعلق اس کی واقفیت وسیع تھی۔ علمِ فقہ، علم ادب، عربوں کے انساب، ان کے واقعات اور ان کی لڑائیوں کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتا تھا۔ اسکی پڑھی ہُوئی کتابوں میں رازی کی تصانیف میں سے فقہ کی ایک کتاب شامل تھی۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد سے علمی استفادہ بہت کیا۔[1]

علمی مجلس صلاح الدین کی علمی مجالس میں بڑے بڑے اکابر علماء شریک ہُوا کرتے تھے اور اس کی تنقید و مکنہا ئے بحث و نظر سے اس کے فہم اور قابلیت کی داد دیتے۔

علمی مباحث کے ساتھ شغف رکھنے کے باوجود سلطان سیاست اور جہاد کا مردِ میدان تھا۔ اس لئے اس کی ذکاوت کا ظہور زیادہ تر امورِ سلطنت اور میدانِ جنگ میں ہُوا کرتا تھا۔[2]

نماز، روزہ کی پابندی صلاح الدین فرض نماز کو پابندی سے ادا کیا کرتا۔ اس کے علاوہ نوافل بھی کافی ادا کیا کرتا اور روزہ کا بڑا پابند تھا۔

سخاوت بنی فاطمہ خلفاء کا عظیم الشان خزانہ اس کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ سلطان نور الدین کے پاس بھیجا اور امراء میں تقسیم کیا اپنے لئے کچھ نہ رکھا جو روپیہ اس کے پاس آتا خیر کے کاموں میں صرف

---

[1] صلاح الدین محمد فرید ابو حدید ص۲۸۷ [2] ایضاً ص۲۹۱

کر دیا کرتا۔ اس کا کھلم کھلا ثبوت یہ ہے کہ وفات کے وقت اس کے خزانوں میں کل سینتالیس درہم (چاندی) کے تھے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ قاضی ابن شداد نے اپنے پاک کمائی کا پیسہ سلطان کی تجہیز و تکفین میں لگایا۔

مہمان نوازی بنی فاطمہ کا مہمان نوازی بہت تھی۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر ایک کی کھلے دل سے تواضع و مدارت کرتا تھا۔ صلح کے بعد برنس والئی انطاکیہ سلطان کا مہمان ہوا۔ سلطان اس کے خیمہ میں جا کر خود ملا۔ اس نے عمق کے علاقہ کو مانگا۔ باوجودیکہ ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا خوشی سے والئی انطاکیہ کو عطا کر دیا۔

ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی، سلطان کے پاس آیا، اس کی عزت و توقیر میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اسلام کے محاسن بیان کیئے۔

علماء و مشائخ کی بڑی تعظیم و توقیر کرتا۔ ان ذاتی محاسن و فضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی و تمدنی کام انجام دیئے۔

علمی ترقی صلاح کا دور علمی ترقی و ترویج میں خلفاء فاطمی سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ سلطان نے مصر، شام، فلسطین اور جزیرہ میں صدہا مدارس قائم کئے۔ بعض ایسے عظیم الشان دارالعلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام میں ان کی شہرت تھی۔

مصر میں مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ سیوفیہ، مدرسہ سرضیہ، مدرسہ محبیہ، مدرسہ عالیہ، مدرسہ فائزیہ، مدرسہ فاضلیہ، مدرسہ ارشیکیہ، مدرسہ معزیہ وغیرہ کثرت سے تھے۔ امرائے دولت نے اپنی طرف سے بھی مدارس قائم کئے۔ مقریزی اور علامہ سیوطی نے تفصیلی طور سے حالات لکھے ہیں۔ بڑے بڑے وقف ان مدرسوں کے متعلق تھے۔

علامہ ابن خلکان کا بیان ہے:-

" فاطمی خلفاء کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے اُن کے زمانہ

میں مصر کا ملک مدارس سے تقریباً خالی تھا۔ سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کئے"[1]

مکاتب | یتیموں اور غرباء کے بچوں کی قرآنی تعلیم کے لئے علیحدہ مکاتب تھے جن کے مصارف کا بار سلطان کے ذمہ تھا۔

وظائف | سلطان کی جانب سے علماء کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ تھی۔

خانقاہ | صوفیا اور مشائخ کے لئے خانقاہیں بنوائیں۔ قاہرہ کی خانقاہ کا منتظم شیخ الشیوخ کہلاتا تھا۔

شفاخانہ | قاہرہ میں سلطان نے جو شفاخانہ بنوایا تھا وہ عظیم الشان تھا۔

مسافر خانے | سلطان نے جگہ جگہ مسافر خانے بنوائے۔ اسکندریہ میں عظیم الشان سلطانی مسافر خانہ تھا۔

غرضیکہ سلطان نے امورِ خیر میں اس قدر اوقاف کئے کہ سلف میں اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

ہم یہ بحث علامہ ابن خلکان کے بیان پر ختم کرتے ہیں :-

"سلطان دین و دنیا دونوں میں سعید تھا۔ دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں اور کتنے بڑے بڑے وقف کئے"[2]

وقف حرمین | صلاح الدین کا وہ وقف جو آج تک قائم ہے وہ حرمین کا ہے۔ دولت علویہ مصر اپنے زمانے میں فی حاجی ساڑھے سات (۷½) اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ سلطان نے اس ٹیکس کو بند کیا۔

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۴۰۲ [2] ایضاً صـ ۴۰۳

امیر مکہ کے لئے جاگیر عطا کی اور خدامِ حرم کے وظائف مقرر کئے۔ اہلِ حرم کے لئے آٹھ ہزار اردب غلہ سالانہ مقرر کیا جو اب تک مصر سے جاتا ہے۔

نظمِ مملکت

وزارت سلطان صلاح الدین نے مشہور کاتب قاضی فاضل عبدالرحیم بیسیا کو منصب وزارتِ مصر پر فائز کیا۔ پھر اس کے بیٹے ہی وزارت کے عہدوں پر سرفراز ہوتے رہے۔

منظم فوج سلطان نے کرد کی ایک عظیم الشان فوج بنائی تھی۔ یہ فوج بھی دولتِ ایوبی کے لئے وجہ استحکام ثابت ہوئی۔ یہ فوج وہی ہے جس نے صلیبی جنگ جوؤں سے مقابلہ کر کے ان کی قوت کو پاش پاش کر دیا تھا۔

قلعہ جنگی سلطان صلاح الدین ایوبی نے جبل منتظم پر قلعہ جنگی تعمیر کیا تھا۔

بحری بیڑا جو کارخانے جہاز سازی کے بنی فاطمہ کے عہد کے تھے۔ سلطان نے ان کو قائم رکھا اور اُن کو ترقی دی۔ ۵۶۷ھ میں سلطان نے بحری بیڑے کی طرف انتہائی توجہ مرکوز کی تاکہ صلیبیوں کو ممالک اسلامیہ کے حدود پر یورش کرنے سے روک سکے۔ سلطان نے اس بیڑے کے نظم و نسق اور دوسری ضروریات کے لئے ایک مستقل دفتر قائم کیا تھا جسے دیوان اسطول کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس محکمہ کا افسر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا بھائی ملک عادل تھا۔

زراعت جہاں سلطان نے علمی ترقی کی طرف توجہ دی تھی ملک کی صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ دی۔ اس کے ساتھ ہی زراعت کا خاص لحاظ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بہت جلد سدھر گیا۔ کاروبار چلنے

لگے۔ نہروں کی صفائی کی گئی۔

خراج صلاح الدین کے زمانے میں دولت علویہ کے زمانہ سے زیادہ خراج وصول ہوا۔ ۲۹۰۰۳۵۰۶ دینار خراج کی مقدار تھی۔

قضاۃ قاضی القضاۃ صدر الدین عبدالملک بن داماس تھے۔ ۵۶۴ھ میں فقہ کی تعلیم کے دو مدرسے سلطان نے قائم کئے۔ ایک مدرسہ شافعی اور دوسرا مالکی تھا۔ قاضی القضاۃ کے مشورہ سے تمام شیعہ قاضی معزول کئے گئے اور ان کی جگہ سُنی قاضیوں کو دے دی گئی جو شافعی مذہب کے پیرو کار تھے[1]

معاصر علماء القاضی الفاضل ابو علی عبدالرحیم جو اپنی اصابت رائے، سیاستدانی فصاحت، بلاغت، ذکاوت اور ہیبت سے ممتاز خصائص میں مشہور نام ہے۔ سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا۔ ولادت ۵۲۹ھ میں بمقام عسقلان میں ہوئی اور وفات ۵۹۶ھ میں بمقام قاہرہ ہوئی۔

ابوالحسن احمد بن ابی الحسن الرشید اسوانی فضلائے عصر سے تھا۔ ہندسہ ومنطق علوم اوائل میں تبحر کا درجہ رکھتا تھا اسکندریہ کا عامل مقرر ہوا۔ محرم ۵۶۳ھ میں قتل ہوا[2]

بہاء الدین ۵۴۵ھ میں موصل میں پیدا ہوا۔ حدیث وفقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کا صدر مدرس ہو گیا۔ پھر شہر موصل میں قاضی کمال الدین محمد شہرزوری کے مدرسہ کا مدرس اعلیٰ ہو گیا۔ اس نے سلطان یوسف صلاح الدین ایوبی کی تاریخ تالیف کی اور اُسے خود سلطان کی نذر کیا۔ سلطان نے بطور صلہ وقدردانی کے اس کو لشکر کا قاضی مقرر کیا۔ پھر قاضی القضاۃ حلب مقرر ہوا۔ اس نے حلب میں دو عظیم الشان مدرسے بنوائے۔ ۱۳۳۱ھ میں منصب

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ [2] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۲۳۲۔

قضاء کو ترک کر کے خود درس و تدریس میں لگ گیا۔ ۱۲۳۵ھ میں فوت ہوا۔

ابن عساکر ابو القاسم علی بن حسن دمشق میں ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ علم تاریخ کے علاوہ فقہ و حدیث میں بھی آپ کامل تھے۔ دمشق کی تاریخ اسی جلدوں میں لکھی۔ ۵۷۱ھ میں انتقال کیا۔ سلطان صلاح الدین خود آپ کے جنازہ میں شریک تھا۔

ملک عثمان عماد الدین معروف بہ ملک عزیز ایوبی

سلطان صلاح الدین نے امرائے دولت کے مشورے سے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے ملک عزیز کو مصر کی ولایت عنایت کی اور دمشق دوسرے بیٹے نور الدین ملک افضل کو دیا اور تیسرے بیٹے غیاث الدین ابو الفتح غازی ملک ظاہر کو عراق، عجم کا خود مختار بادشاہ بنایا۔ بقیہ بیٹوں کو چھوٹے چھوٹے علاقہ کا امیر کر دیا۔

سلطان کے بعد ملک عزیز نے عنانِ حکومتِ مصر سنبھالی۔ باپ کے عہد میں جو انتظام تھا اس کو سنبھالے رکھا۔ عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ ۲۰ محرم ۵۹۵ھ میں فوت ہو گیا۔

ملک منصور ایوبی

منصور کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ امرائے سلطنت نے تختِ مصر پر بٹھایا۔ مگر ملک عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب کرک سے فوج لئے ہوئے آیا اور

دعویٰ یہ تھا کہ منصور میرا پوتا ہے اور خورد سال ہے۔ مصر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ۵۹۶ھ میں اس کو معزول کر کے خود تختِ مصر پر بیٹھا اور حکمرانی کرنے لگا۔

ملک عادل ایوبی

عادل نے دورِ صلاح الدین کی یاد تازہ کر دی۔ اُس نے مصر کی توسیع کے لئے افضل سے شام لے لیا اور حلب کو بھی مطیع کیا۔

صلیبیوں کا حملہ ۶۱۳ھ میں صلیبیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ شام کے اکثر شہر لیلئے حتیٰ کہ دمیاط پر قابض ہو گئے۔ ۶۱۵ھ میں مصر پر بڑھے۔ اس درمیان میں ملک عادل فوت ہو گیا۔

سلطان کاملؒ بن عادل

ملک کامل ابوالمعالی ناصرالدین محمد خلیل فرنگیوں سے مقابلہ پر دمیاط گیا ہُوا تھا وہیں تخت نشین ہُوا۔ اس نے ۹ر رجب ۶۱۵ھ میں دمیاط سے فرنگیوں کو نکالا۔ بعد فتح قاہرہ آیا اور جشنِ عام منایا گیا۔ ۶۳۵ھ میں دورانِ قیام دمشق ۲۳ر رجب کو جاں بحق تسلیم ہُوا۔[1]

سلطان سیف الدین ابوبکر عادل

کامل کا بیٹا سیف الدین ابوبکر عادل دو سال سے زیادہ حکمرانی نہ کر سکا۔

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۔

اس کا بھائی ملک صالح نجم الدین جزیرہ کا فرمانروا تھا اور امیر مونس شام کا، ہر دو نے امارت کا تہ دلہ کیا تھا۔ شام پر ملک صالح تھا اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ سیف الدین گرفتار ہوا۔

ذی الحجہ ۶۳۷ھ میں امرائے سلطنت نے بیعت کر لی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی امیر مونس کو جزیرہ سے معزول کر کے مصر طلب کر لیا اور وہ صلیبیوں سے جا ملا۔ والئ دمشق اسمٰعیل، امیر حمص ابراہیم اور حاکم کرک اس کے ساتھی ہو گئے۔ سب نے متفقہ طور سے لشکر کشی کی۔ لوئس نہم فرانسیسی بھی ان کا ہم نوا ہو گیا۔

۶۴۷ھ میں سب نے مل کر دمیاط لے لیا۔ ملک صالح بیمار تھا۔ چودہ ماہ مقابلہ کرتا رہا۔ ۱۴ شعبان ۶۴۷ھ کو انتقال کر گیا[1] اس کی اہلیہ ملکہ شجرۃ الدر نے موت کو مخفی رکھ کر اس کے بیٹے ملک معظم توران کو حصن کیفا سے بلا کر تخت نشین کیا۔

سلطان ملک معظم

سلطان توران شاہ ملک معظم عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر صلیبیوں اور غدار امرائے دولت کے مقابلہ میں فوج لے کر پہنچ گیا۔ صلیبی شکست کھا گئے۔ اس کے بعد جملہ امرائے سلطنت کو نکال باہر کیا۔ ان کی غداری دیکھ چکا تھا۔ حصن کیفا سے جو لوگ آئے تھے ان کو امیر مقرر کیا۔ اس وجہ سے ممالیک اس سے ناراض ہو گئے اور ۲۷ محرم ۶۴۸ھ کو اس کو قتل کر دیا۔ اس کی حکومت کُل چند ماہ رہی[2]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۴ [2] ابی الفدا جلد ۳ صفحہ ۱۸۱

ملکہ شجرۃ الدرّ

یہ بڑی عاقلہ خاتون تھی معظم کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس نے ممالیک کے سرغنہ عزیز الدین کو اپنا متفق کر لیا اور خود ۱۰ صفر ۶۴۸ھ کو تختِ سلطنت پر بیٹھ گئی اور عزیز الدین کو وزارت عطا کی۔ ملکہ شجرۃ الدر کے زمانہ میں فرانس کی پچاس ہزار فوج مقام منصورہ تک پہنچ گئی۔ یہ ملکہ فوج لے کر مقابل ہوئی اور اس کو شکست دی اور بادشاہ و ملکہ گرفتار ہو گئے تو ان ہر دو سے ۲۰ لاکھ زرِ تاوان کے معاوضہ میں جان بخشی کر کے فرانس واپس بھیج دیا۔

خلیفۂ بغداد مستعصم کی خدمت میں پروانۂ حکومت کی درخواست بھیجی گئی مگر عورت کی سلطنت کو خلیفہ نے جائز نہیں رکھا اس بنا پر تین ماہ بعد تختِ حکومت چھوڑنا پڑا۔ شام کے ایوبی امراء نے الناصر صلاح الدین یوسف والیٔ حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا قبضہ کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر عزیز الدین ایبک سے ملکۂ شجرۃ الدر نے عقد کر لیا اور اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئی۔ چنانچہ عزیز الدین تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد سے ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

شجرۃ الدر نے ہی محمل شریف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس میں خانہ کعبہ کے لئے غلاف مصر سے بھیجا جاتا جو آج تک بفضلہٖ قائم ہے۔ قاہرہ میں اس کے نام سے ایک مسجد بنی ہے۔

عزیز الدّین ایبک معز جاشنگیر

عزیز الدین ممالیک بحریہ سے تھا۔ اس کے اسلاف ممالک دشت قیچاق کے

رہنے والے تھے تاتاری سیلاب میں اس طرف کے علاقہ کے لوگ بھی بہہ گئے۔ قزوین اور کوہ قاف تک کے اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ گئے۔ جہاں گئے اُن کو پکڑ کر فروخت کر دیا۔ ملک صالح نجم الدین ایوبی نے بہت سوں کو خود خرید لیا۔ اور ان کو جزیرہ روضہ میں آباد کیا اور ان کو اپنے درباری امراء سے منسلک کر دیا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے محلّات اور قلعے تعمیر کئے۔ یہ جگہ وہ ہے جہاں نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں کے لوگ ممالیک بحری کہے جاتے تھے۔ یہ لوگ بڑے بہادر تھے اور ان کی قرابتیں مصر کے ان ترکی سلوک کے یہاں ہوتی رہتیں جو خلیفہ معتصم اور احمد بن طولون کے زمانہ میں مصر میں آباد تھے۔

معزالدین ایبک جمادی الاول ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوا اور لقب معز جاشنگیر رکھا۔ ہوشمند ترک تھا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر کا انتظام بہت اچھا کیا۔ فوج کو دولت سے مالا مال کر کے ان کو قابو میں رکھا۔ مگر کچھ بحری ممالیک میں کے امراء معزالدین کے حریف تھے۔ ان کو اس کا بادشاہ بننا ناگوار گزرا۔ انھوں نے موسیٰ بن یوسف ایوبی ملقب الملک الاشرف حاکمِ یمن کو لا کر تخت نشین کیا۔ معز کو نائب کیا۔ ۶۵۲ھ میں معز نے اس کو قید کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمران بن گیا۔

وقائع ناصرالدین یوسف ایوبی دمشق پر قابض ہو کر ملک معظم کے انتقام میں مصر پر لشکرکشی کرنا چاہی مگر صلیبیوں سے امداد چاہی اور عزیزالدین ایبک نے کچھ رقم دے کر فرنگیوں کو توڑ لیا۔ مگر ناصر نے بیس ہزار فوج مصر روانہ کی جس کو غزہ میں عزیزالدین کی فوج نے شکست دی۔ اس کے بعد خود ناصر ایک عظیم فوج لے کر مصر کو چلا۔ راہ میں عزیز اور اس کے سپہ سالار فارس الدین اقطائی نے دو دو ہاتھ کئے اور دمشق لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اس نے واپس ہوتے ہوئے عزیزالدین سے صلح کر لی اور باہم

یہ شرط قرار پائی کہ صلیبیوں کے مقابلہ پر ہر دو فریق شامل رہیں گے۔ جب عزیز کامیابی کے ساتھ قاہرہ آیا۔ اُس نے والئ موصل بدرالدین لؤلؤ سے تعلقات قائم کرنے کے لئے اس کی بیٹی سے اپنا پیغام بھیجا۔ ملکہ شجرۃ الدر کو علم ہو گیا اُس نے اپنی لونڈیوں کے ذریعے حمام میں اس کو قتل کرا دیا[1]

یہ واقعہ ۶۵۵ھ کا ہے۔ مگر عزیز کے غلام محلسرائے میں گھس گئے اور اُنہوں نے شجرۃ الدر کو قتل کر ڈالا اور اس کی نعش کو فصیل کے نیچے کی خندق میں پھینک دیا۔ پھر لونڈیوں کی خبر لی۔ چند خدا ترس مسلمان ملکہ کی نعش کو سمیٹ کر لے گئے اور اس کی تعمیر کردہ مسجد میں دفن کر دیا۔

اوصاف عزیز الدین شجاع اور بہادر نامور امیر تھا۔ خلیق متواضع مذہب کا بڑا پابند علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس نے شاطی نیل پر ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا اور بڑی جائداد اس کے لئے وقف کی۔ اس کا عہد امن و امان سے گذرا۔

ملک منصور نور الدین

عزیز الدین ایبک کا ایک لڑکا تھا جس کا نام نور الدین علی ایبک تھا۔ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ امرائے دولت نے باہمی مشورہ کے بعد نور الدین کو تخت نشین کیا اور لقب ملک منصور دیا اور اس کا اتالیق سیف الدین محمود قطوزی کو مقرر کیا۔

سیف الدین محمود قطوزی بن مودود، جلال الدین شاہ خوارزم کا بھانجہ تھا۔ تاتاریوں کے خوف سے خوارزم سے مصر چلا آیا۔ ذی لیاقت تھا اور شاہی

---

[1] ابو الفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۲۔

خاندان کے ایک رکن عزیز الدین نے اپنا معتمد بنا لیا۔ اس نے مصر کی سلطنت کو سنبھال لیا۔ ایک سال نہ گزرا تھا کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں نے بغداد کو تاراج کیا اور خلیفہ مستعصم کو ہاتھی کے پیر سے کچلوا دیا۔ عالم اسلامی میں اس کا بڑا اثر پڑا۔ اہلِ مصر بھی گھبرا گئے۔

قطوزی نے امرائے سلطنت اور علمائے عہد کو جمع کر کے تاتاری سیلاب کا ذکر کیا اور کہا شام تک ان کا غلبہ ہو چکا۔ بہت جلد مصر ان کی فوج کا آماجگاہ بن جائے گا۔ اس وقت مصر میں پختہ کار سلطان کی ضرورت ہے۔ سب نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا تم ہی اب زمام حکومت سنبھالو۔ چنانچہ منصور کو معزول کر کے ۴ ذی قعدہ ۶۵۷ھ میں قطوزی کو تخت نشین کیا اور ملک مظفر سیف الدین کہلایا۔

ملک مظفر سیف الدین خوارزمی

ملک مظفر نے فوجوں کی تنظیم شروع کی اور اُن کو مال و دولت سے بہت کچھ نوازا۔

ہلاکو خان نے دمشق اور سواحل شام فتح کر کے مصر کا ارادہ کیا اور ملک مظفر کو لکھا کہ ملک مصر کو بلا جنگ سپرد کر دو، ورنہ مصر کا بھی وہی حشر ہوگا جیسا کہ بغداد کا ہوا۔ مظفر کو کچھ ہراس ہوا مگر فوجی امراء جو صلیبیوں سے معرکہ جیت چکے تھے۔ وہ تاتاریوں سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ مظفر فوجِ گراں کے ساتھ قاہرہ سے نکل کھڑا ہوا۔ ہلاکو کا باپ مر گیا۔ یہ خبر سن کر وہ وطن لوٹ گیا اور اپنے نائب امیر کتبغا کو چھوڑ گیا۔ شوال ۶۵۸ھ میں عین جالوت پر فریقین میں معرکہ ہوا جس میں مصریوں نے بڑی دادِ شجاعت دی۔ تاتاری سخت ہزیمت کھا گئے۔ کتبغا مارا گیا۔ اس کا بیٹا قید ہوا۔ مصریوں کے ہاتھ

بے شمار ساز و سامان آیا۔ اور ہزاروں تاتاری تہ تیغ ہوئے۔

تاتاریوں پر یہ پہلی فتح تھی۔ مصریوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ مظفر نے بیبرس بندقدار کو تاتاریوں کے تعاقب میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم تاتاریوں کو شام کے علاقے سے نکال دو گے تو حکومتِ حلب تمہارے لئے ہے۔ اس بہادر ترک نے تاتاریوں کا اس قدر قتلِ عام کیا کہ شام چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان پر بندقدار کی دھاک بیٹھ گئی۔

مظفر و منصور بیبرس قاہرہ لوٹا مگر مظفر نے حلب والیٔ موصل کے بیٹے علاءُ الدین کو دے دیا۔ یہ امر بیبرس کو ناگوار گزرا۔ اُس نے امرائے مملوک سے مشورہ کیا۔ مملوکوں میں حکمرانی کے لائق افراد ہوتے ہوئے بلا وجہ خوارزمی کو حکومت دے رکھی ہے۔ لہٰذا اگر اس کو ٹھکانے نہ لگایا گیا تو یہ ممالیک کا اقتدار ختم کر دے گا۔ چنانچہ قاہرہ کے متصل موقعہ پا کر مظفر کو قیدِ ہستی سے آزاد کرا دیا۔ اس کے بعد جماعت امرائے مملوک قصرِ سلطانی میں داخل ہوئے۔ وہاں فارس الدین اقطائی جو منصور کا اتالیق اور ممالیک کا سرغنہ تھا موجود تھا۔ اس نے پوچھا کہ مظفر پر پہلا وار کس نے کیا تھا؟ بیبرس نے کہا، میں نے! اقطائی بولا کہ تم ہی تاج و تخت کے حقدار ہوئے اور اس کو فوراً تختِ مصر پر بٹھا دیا اور مسند نشینی کا اعلانِ عام کیا گیا۔

بیبرس اپنی امارت کے زمانہ میں اہلِ مصر کی خدمت کر چکا تھا عوام اس سے مانوس تھے سب نے بخوشی دلی اس کو اپنا امیر تسلیم کر لیا۔

سلطان الملک الظاہر رکن الدین بیبرس بندقدار الصالحی

رکن الدین کو علی ابن الورقہ نے منجملہ چھیہتر مملوک کے ملک شام میں بقیمت بلیس ہزار سرخ خریدا تھا۔ اصل نام محمود تھا۔ باپ کا نام شاہ حق حق والی خوارزم

خوارزم تھا جسے قسمت نے تختِ حکومت سے اتار کر پابہ زنجیر کرا دیا تھا۔

ابن الورقہ، محمود کو مصر نہیں لے گیا بلکہ ایک مسلمان مہاجن کو نذر کر دیا کہ جس کا وہ بہت مقروض تھا۔ اس مہاجن نے اس کو اپنے لڑکے کے کھلانے پر مامور کر دیا۔ ایک روز سیٹھانی نے ایک غلطی پر محمود کو مارتے مارتے اَلّو کر دیا۔ اتفاق سے سیٹھ کی ہمشیرہ فاطمہ خاتون ادھر ماں موجود تھی جسے کچھ رحم آ گیا۔ وہ بولی کہ بہن اس کو اتنا کیوں مارتی ہو؟ اگر اس سے کام نہیں ہوتا تو لاؤ مجھے دیدو۔ سیٹھانی نے کہا خوشی سے لے جاؤ۔ چنانچہ اس دن سے محمود فاطمہ کے یہاں چلا گیا۔ اتفاق سے فاطمہ کے ایک متوفی لڑکے بیبرس نامی سے اس کی شباہت ملتی تھی اس لئے اس کو بھی بیبرس کہہ کر پکارتی اور مثل اولاد کے رکھتی۔

فاطمہ کا بھائی نجم الدین نامی سلطان مصر کا وزیر اعظم تھا اپنی بہن سے ملنے دمشق آیا۔ بیبرس کو دیکھا، اس کے حالات سُنے اور بہن کی سفارش پر اس کو اپنے ساتھ مصر لیتا گیا۔ وہاں اُس نے ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ عہدوں پر سرفرازی پائی۔ جنگوں میں شریک ہُوا۔

شجاعت میں موسےٰ بن نصیر تھا، سخاوت میں جعفر، نظم ونسق میں منصور سے کم نہ تھا۔

نام ولقب محمود رکن الدین بیبرس بندقدار لقب ملک ظاہر تھا۔ یہ دنیائے اسلام میں دوسرا صلاح الدین ایوبی تھا۔ بڑا بہادر اور دین دار اور سیاست ملکی سے باخبر۔

جلوس ۱۷ ذیقعدہ ۶۵۸ھ کو تختِ سلطنت پر رونق افروز ہُوا۔

وزارت بہاء الدین کو عہدۂ وزارت تفویض کیا۔

حاکم خزانہ بیلی ملک کو حاکم خزانہ کیا۔
عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر ملک مظفر کے جتنے ساتھی تھے

ان کو ان کے مناصب پر بحال رکھا اور دل جوئی میں ان کی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ سب امرائے دولت اُس کے ہوا خواہ بن گئے۔

خلافتِ عباسیہ کا احیاء

سقوط بغداد کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا لڑکا ابوالقاسم احمد المقلب بہ مستنصر تاتاریوں کے قید سے نکل کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ ۶۵۹ھ میں مصر آیا۔ الملک الظاہر بیبرس کو خبر لگی وہ رجب ۶۵۹ھ کو ابوالقاسم کو بڑے تزک و احتشام سے قاہرہ میں لے کر آیا۔ سارے ارکانِ سلطنت و عمائد مصر، علماء و قضاۃ بلکہ یہود اور نصاریٰ تک انجیلیں لئے ہوئے جلوس کے ساتھ تھے[۱]۔

قلعۃ الجبل میں ابوالقاسم کو ٹھہرایا۔ دوسرے دن دربارِ خاص منعقد کیا۔ مصر کے قاضی القضاۃ تاج الدین نے ارکان و عمائد سلطنت کے روبرو ابوالقاسم کے نسب کے متعلق عربوں سے شہادت لی۔ جب تصدیق ہو گئی تو شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام، قاضی تاج الدین سلطان ظاہر بیبرس و دیگر ارکانِ سلطنت نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ مصر میں اُس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور اعلان عام احیاء خلافت کا کیا۔ ابوالقاسم کا لقب خلیفہ مستنصر قرار پایا۔

ملک الظاہر نے لاکھوں روپیہ کے صرف سے لوازم شاہی مہیا کئے۔ اور دربارِ عام کر کے عمائد سلطنت کے سامنے ملک الظاہر نے اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت، عمامہ اور طوق زریں پہنایا اور اپنی طرف سے مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار مجانہ بنا دیا[۲]۔

---

[۱] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۴۴ [۲] ایضاً صفحہ ۲۲ -

اس کے بعد ظاہر نے مختلف طبقوں سے خلیفہ کے لئے بیعت لی۔ یہ دربار جمعہ کے دن منعقد ہوا تھا۔ دربار کے خاتمہ پر خلیفہ پہلے جامع قلعہ میں آیا۔ وہاں اس سے خطبہ اور نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔

خلیفہ نے اس وقت ایک بلند پایہ فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں خلافت عباسیہ کے دوبارہ احیاء پر بیبرس کی بے حد مدح و ستائش کی۔

۴ر شعبان ۶۵۹ھ میں ایک دوسرا عظیم الشان دربار ملک الظاہر کو خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت عطا کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ دربار میں خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت کی سند پڑھ کر سنائی گئی۔ حمد و ثناء کے بعد ملک ظاہر کی خدمت کا اعتراف اور اس کے استحقاقِ خلافت اور صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا۔

آخر میں طرزِ حکومت و انصاف، رعایا کی فلاح و بہبود اور نظم و نسق کے بارے میں دوسری ہدایات درج تھیں۔

سر ولیم میور کا بیان ہے:۔

"خلیفہ نے سندِ نیابت پڑھنے کے بعد سلطان ظاہر بیبرس کو خلعت حکومت عطا فرمایا۔ یہ بنفشی رنگ کا ایک جبہ، ایک سیاہ عمامہ ایک سونے کا طوق اور ایک تلوار پر مشتمل تھا۔ بیبرس نے اس خلعت کو زیب تن کیا اور جلوس روانہ ہوا۔ راہ میں باب النصر سے قلعہ تک لمبے لمبے قالین بچھے ہوئے تھے۔ سلطان ظاہر جلوس کے آگے آگے تھا اس کے پیچھے خلیفہ تھا۔ خلیفہ کے پیچھے بہاء الدین بن ضیاء اپنے سر پہ سندِ حکومت لئے چل رہا تھا اور ان سب کے پیچھے عام مجمع تھا۔"[1]

الظاہر نے بطیب خاطر اس جدید خلیفہ کے حکم سے زمامِ حکومت اپنے قبضہ میں لی۔ حسبِ مراتب لوگوں کے وظائف مقرر کئے۔ خلیفہ کے لئے ارباب

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صد ۱۲۹۔

مناصب اتابک، استاد دار، شہر دار، حاجب اور کاتب متعین کئے۔ اس میں ایک کروڑ سرخ صرف کئے۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا۔ صالح بن لؤلؤ والی موصل تاتاریوں کے استیلا و تغلب سے مصر آ گیا۔ وہ بھی خلیفہ کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گیا اور ظاہر نے دس لاکھ روپیہ کے صرف سے فوج فراہم کی۔ دمشق تک تو ظاہر خلیفہ کے ساتھ گیا مگر کچھ سوچ کر قاہرہ لوٹ آیا۔

ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا اور موصل، سنجار اور جزیرہ کے فرمانرواؤں کی معاونت سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر کے بغداد کا رُخ کیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہو گیا۔ مصری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مستنصر لاپتہ ہو گیا[1]

خلیفہ مستنصر کی شہادت کے بعد ملک الظاہر کو عباسی خاندان کے کسی اور فرد کی تلاش ہوئی۔ رحبہ (شام) میں پتہ لگا۔

ابوالعباس احمد بن ابو علی حسن الملقب بہ حاکم بامر اللہ

ابوالعباس احمد بن حسن بن ابوبکر بن ابو علی بن حسن بن راشد عباسی کے ہاتھ پر ظاہر نے رحبہ جا کر ۶۶۱ھ میں خلافت کی بیعت کی اور الحکم بامر اللہ کا لقب دیا۔ خلیفہ نے اپنی طرف سے امور خاصہ اور عامہ کی سفید و سیاہ کرنے کا ظاہر کو اختیار عنایت کیا۔ منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور سکہ پر نام مسکوک کیا گیا[2]

---

[1] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۴۔

فتوحات ملک ظاہر نے مصر کے انتظام و انصرام کے بعد صلیبیوں کے مقابلہ کی تیاری کی سنہ ۶۶۲ھ سے ۶۶۴ھ تک شام کے علاقہ میں لڑ کر ایک ایک شہر اُن سے خالی کرا لیا۔ پھر ارمینیہ کو فتح کرتے ہوئے اناطولیہ تک پہنچ گیا۔ ہلاکو کے بیٹے ابیگا خاں سے مقابلہ کر کے اس کو شکست فاش دی۔ سنہ ۶۶۵ھ میں مصر آیا اور سنہ ۶۶۶ھ میں فلسطین کے صلیبیوں پر حملہ کیا۔ وہاں سے انطاکیہ سے آگے بڑھ کر مرقیہ تک فتح کر لیا۔ پھر بغداد آیا۔ سنہ ۶۷۰ھ میں باطنیوں کے قلعے جو ہلاکو سے بچ رہے تھے وہ فتح کر لئے اور سب باطنیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جس کے بعد یہ گروہ بالکل ختم ہو گیا۔

تاتاریوں سے مقابلہ تاتاریوں نے شام پر یورش کی۔ ظاہر نے امیر قلاؤن کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس نے ان کو مار بھگایا اور مصر لوٹا۔ ظاہر نے اس کی بیٹی سے اپنے لڑکے کی شادی کر دی۔

سنہ ۶۷۳ھ میں امیر آق سنقر کو نوبیا بھیجا اس نے جا کر فتح کر لیا۔ سنہ ۶۷۵ھ میں پھر تاتاریوں نے آباقا خان پسر ہلاکو خان کی سرکردگی میں عراق عجم پر چڑھائی کی۔ مجاہد کبیر ملک الظاہر بیبرس مقابلہ کے لئے پہنچا۔ ہر دو طرف سے ایک لاکھ آدمی کام آئے۔ معرکہ بیبرس نے جیتا اور تاتاری ہزیمت کھا کر فرار پر مجبور ہوئے۔ یہاں سے بعد فتح و فیروزی ملک الظاہر قیساریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ صلیبیوں کے قبضہ و تصرف میں تھا ان کو مغلوب کر کے شہر میں نہایت شان و شکوہ سے داخل ہوا۔ یہاں کے انتظام و انصرام سے فارغ ہو کر ملک الظاہر دمشق میں رونق افروز ہوا۔ ان جنگوں میں اس قدر تھک گیا تھا کہ علیل ہو گیا۔

وفات بیماری دن بدن بڑھتی رہی۔ آخر ش ۲۷ محرم سنہ ۶۷۶ھ کو ملک الظاہر نے وفات پائی۔ دمشق میں سپرد خاک ہوا۔

اوصاف دنیائے اسلام میں ملک الظاہر صلاح الدین ثانی تھا۔ شجاعت اور بہادری اور شوکت وسعت سلطنت ہر بات میں سلطان

صلاح الدین سے لگا رکھتا تھا۔ ہارون الرشید کی طرح بھیس بدل کر شہر میں رعایا کی خبر گیری کے لئے پھرتا۔ دفتری کام خود کرتا۔

فتوحات عکہ اور طرابلس الشام کے سوا تمام مقبوضات جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھے بقوت چھین لئے اور دوسری طرف تاتاریوں سے سلطانِ بغداد کا بدلہ اچھی طرح دل کھول کے لیا۔ ان سے بغداد چھینا۔ شام و مصر سے اُن کے رُخ کو پھیر دیا اور باطنیہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیئے گئے۔

مذہبیت اسلامی جذبہ رکھتا تھا۔ جہاد سے اُس کو عشق تھا۔ شرع شریف کا بڑا پابند، شعائر دینی کا احترام کرنے والا۔ اس نے تمام ناجائز محاصل موقوف کر دیئے۔ فواحش کا انسداد کیا۔ ۶۶۷ھ میں حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ خانہ کعبہ کو عرق گلاب سے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور دیبا کا غلاف چڑھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف پر محجر لگوایا۔ مسجدِ نبویؐ کی درستی کرائی۔

قضاۃ مصر میں چاروں مذاہبؒ کے قاضی مقرر کئے۔ قاضی تاج الدین شافعیؒ قاضی صدر الدین سلیمان حنفی، قاضی شرف الدین عمر مالکی اور قاضی شمس الدین محمد حنبلی۔ علماء کا بڑا قدردان تھا۔ علامہ عز الدین عبدالسلام کا بڑا احترام کرتا۔

حُلیہ کشیدہ قامت، خوش رو اور خوش وضع تھا۔ چہرہ سے جاہ و جلال ظاہر ہوتا تھا۔

ظاہر کے چند واقعاتِ زندگی ایک مرتبہ ملک شام میں بھیس بدل کر پہنچا۔ نان بائی کے یہاں کھانا کھایا۔ دام موجود نہ تھے انگوٹھی گروی رکھی۔ مصر پہنچ کر فرمان روائے شام کو خط لکھا جس نے انگوٹھی واگذاشت کرا کر واپس بھجوائی۔

ایک مرتبہ ایک نصرانی قلعہ کی جاسوسی مقصود ہوئی تو خود سفیر بن کر اندر

داخل ہوا اور چپہ چپہ کا پتہ لگا کر واپس آیا۔ بارہا ایسا ہوا کہ شام و بیت المقدس میں بلا اطلاع و خبر دفعتًا پہنچ گیا۔ لوگوں کو جب یہ خیال ہوتا کہ بیبرس قاہرہ میں محوِ خواب ہوگا تو یہ اس کے پیچھے سایہ کی طرح موجود پایا جاتا۔

الملک الظاہر حضرت سید احمد رفاعی کا مرید تھا۔ حضرت احمد مغرب اقصیٰ کے شہر فاس کے رہنے والے تھے۔ مکہ معظمہ گئے کلام مجید فقہ تفسیر حاصل کی۔ اس کے بعد نفس کشی اور ریاضت میں اس قدر شغف کیا کہ بات چیت بند کردی۔ مکّہ سے بغداد گئے غوثِ اعظمؓ کے مزار پر رہے۔ پھر آپ نے طنطہ آکر ریاضت شروع کی۔ دوپہر کے وقت سورج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتے تھے جس سے آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ آپ کے مرید اصحاب السطح کہلاتے تھے۔

نظمِ مملکت

نظامِ عدالت سلطان بیبرس نے دولتِ علویہ سے بڑھ کر عدالت کا انتظام کیا۔ سب سے پہلے بیبرس نے مرافعہ یا اپیل کے لئے عدالتِ عظمٰی قائم کی اور اس کے اختیارات خود اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ہفتہ، دو ہفتہ، پنج شنبہ کو اس کا اجلاس کرتا تھا۔ اس وقت اس کے پاس مذاہب اربعہ کے قاضی صاحب، دیوان انشاء اور مالیات اور محصول کے محکموں کے بڑے بڑے افسر موجود رہتے تھے [1]

نظامِ مالیات سلطان نے زراعت کی طرف خصوصیت سے توجّہ کی اور اس کی اصلاح و ترقی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

چنانچہ خراج کی آمدنی ۱۲,۰۰۰۰۰۰ تھی۔

نظامِ حکومت بیبرس نے حکومت کے نظم و نسق میں مقربین بارگاہِ امراء

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۰۸۔

سے امداد لی اور ان کا بڑے بڑے مناصب پر تقرر کیا۔

نائب سلطان بیبرس نے بھی نائب سلطنت کا عہدہ نائب سلطان کے نام سے قائم رکھا۔ اس لئے کہ وہ جب جہاد پر جاتا تو نائب، سلطان ملک کا انتظام کرتا۔ البتہ ایک وزیر جس کو وزیر الصحبۃ کہتے تھے وہ سلطان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ورنہ خاص طور سے یہ منصب اُڑا دیا تھا۔ اس کی ذمہ داری ناظر حکومت یا ناظر خاص کے سپرد تھی۔ بیبرس نے اپنے دربار میں بہت سے عہدہ داروں کا اضافہ کیا تھا۔ استاد دار، دوادار، امیر جاندار۔ پہلے کا کام سلطانی محلات کا انتظام۔ دوسرے کا فرض خطوط کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنا اور کاغذات پر دستخط کرانا۔ تیسرا سلطان کے دروازہ پر متعین رہتا جو ارکان دولت و امرائے سلطنت کا استقبال کراتا تھا۔[۱]

راس نوبۃ الامراء :۔ دولت کا افسر تھا۔

امیر مجلس :۔ سلطان کا محافظ

امیر السلاح :۔ اسلحہ جات کی فراہمی، میگزین اور سامانِ جنگ کا انتظام و نگرانی کرتا تھا۔

گورنران سلطان کی طرف سے مصر کے مختلف صوبوں پر گورنر مامور تھے ان کا منصبی فرض سلطانی احکام کا نفاذ اور خراج اور چونگی وصول کرنا تھا۔ اسکندریہ اس وقت نہایت اہم تجارتی بندرگاہ تھی مشرق کی تجارت کا محور اس وقت عیذاب کی سرحد تھی جو بحر احمر کی ایک مصری سرحد تھی۔ سمندر کے محاذ کا علاقہ چند صوبوں میں منقسم تھا۔ ان میں اہم صوبے بلبیس، منوف، قوص، اشمونین، بہنسا البحیرہ، محلۃ الکبریٰ، دمنھور، قلیوب، دمیاط تھے[۲]

صاحب عسس کوتوال۔ اس کے انتظام میں آگ بجھانے کا عملہ بھی تھا۔

---

[۱] الخطط جلد ۲ صـ ۲۲۲ [۲] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۲۱۱

نظامِ فوج سلطان بیبرس نے ایک عظیم الشان فوج آراستہ کی۔ کثرت سے مملوک خرید کئے اور ان کو حربی تعلیم دی اور ہر دستے کے لئے ایک فقیہ مقرر تھا جو قرآن، اصولِ قرآن، اسلام اور نوشت وخواند کی تعلیم دیتا تھا[1] بیبرس کی فوج شاہی مملوکوں اور "جنود حلقہ" پر مشتمل تھی۔ ان دونوں کا یونیفارم اور ان کا مرتبہ مختلف تھا۔ "جنود حلقہ" سے ہی شاہی تقرب حاصل تھا۔ امرائے دربائے انہی میں سے مقرر کئے جاتے۔

یونیفارم زرد کلاہ بغیر صافہ کے اور جسموں پر سفید بعلبکی سُوتی قبائیں جن کے جیب وگریباں تنگ ہوتے تھے۔

اسلحہ مملوک عام طور سے تلوار، نیزہ، تیر وکمان استعمال کرتے تھے منجنیق اور ہلکے ٹینک اور گوپھنیں بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

جاگیریں فوجیوں اور امراء کو جاگیر عطا کی جاتی جو میعادی ہوتی جو وفادار اور معتمد ہوتے ان کو جاگیر موروثی ملتی۔

منظم فوج بیبرس سب سے پہلا مسلمان تھا جس نے مملوکوں کی فوج کو منظم کیا۔ یہ آن کا ممتاز جنرل تھا اس نے منصورہ کی جنگ میں غیر معمولی بصیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

بحری نظام سلطان بیبرس نے بحری قوت کی طرف توجہ دی اور اسکندریہ[2] اور دمیاط کی سرحدوں پر جنگی جہاز بنانے کے لئے نئے کارخانے قائم کئے۔

سلطان نے جہازوں کا ایک بیڑا ۶۶۹ھ میں جزیرہ قبرص روانہ کیا تھا۔ یہ بیڑا چالیس جنگی ڈویژنوں پر مشتمل تھا۔ جزیرہ کے قریب تباہ ہوگیا تو ایسا ہی بیڑا دوسرا تیار کر لیا۔

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۴۴۔

ڈاک کا انتظام بیبرس کے عہد میں ڈاک کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر قائم تھا اس محکمہ کا مرکز قلعہ جبل تھا۔ ہفتہ میں دو مرتبہ مصر میں ڈاک آتی تھی۔ محکمہ ڈاک کا نگران دیوانِ انشاء کا افسر ہوتا تھا۔ نامہ بر کبوتروں کے ذریعے خطوط آتے جاتے تھے۔

کتابت بیبرس نے دیوان انشاء کا افسر فخر الدین بن لقمان کو کیا۔ یہ فنِ انشاء کا ماہر اور غیر معمولی معلومات کا حامل شخص تھا۔ یہ خارجی ممالک سے آئے ہوئے خطوط کو سلطان کے سامنے بحث و تبصرہ کے لئے پیش کرتا تھا اور سلطان کی طرف سے جوابات لکھتا تھا۔

ابن بیطار ابن بیطار ابو محمد ضیاء الدین عبداللہ بن احمد ملاقہ میں پیدا ہوئے۔ علماءِ عصر سے علوم و فنون حاصل کئے۔ علم نباتات سے دلی شغف تھا جس کی وجہ سے عشاب کے لقب سے مشہور تھے۔ نباتات کی تحقیقات کے سلسلہ میں مصر آئے۔ ملوک ایوبیہ میں سے ملک کامل محمد ابن ابی بکر کی حکومت تھی اُس نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی عزت سے اپنے پاس رکھا اور علمائے نباتات کا افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ اس زمانہ میں شام میں موفق الدین ابن ابی اصیبعہ بھی علمِ نباتات کے عالم تھے۔ انہوں نے ابن بیطار کی تحقیقاتوں کو حیرت اور تعجب کے ساتھ دیکھا۔ ملک کامل کے مرنے کے بعد اُن کے جانشین ملک صالح نجم الدین نے بھی قدر و منزلت کی۔

سنہ ۶۴۶ھ میں وفات پائی [2]

کتاب الابانتہ والاعلام بما فی المنہاج من الخلل والاوہام، المغنی فی الادویۃ المفردہ، کتاب الافعال الغریبہ والخواص العجیبہ، الجامع فی الادویۃ المفردہ۔ یہ کتاب ملک صالح کے نام پر لکھی گئی جو علم نباتات پر ہے۔

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ [2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ صفحہ ۲۲۳۔

سلطان ملک سعید برقہ خاں

ملک الظاہر کے بعد اُن کے بڑے صاحب زادے ناصر الدین برقہ خان سریر آرائے سلطنت و حکومت ہوئے۔ ملک سعید لقب دیا گیا۔ وزارت پر اپنے باپ کے غلام بلبائی کو مقرر کیا جس نے اپنی اعلیٰ قابلیت سے فرائضِ وزارت اس طرح انجام دیئے کہ اہلِ مصر اس کا گرویدہ ہو گئے۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی تو اس کے بجائے آق سنقر فاتح نوبیا کو وزارت تفویض کی۔ کچھ دن بعد آق سے چشمک ٹھن گئی تو اسکندریہ میں اُس کو مروا ڈالا۔ ارکینِ سلطنت اُس کے خلاف ہو گئے اور سازشیں شروع ہو گئیں۔

ملک سعید کو خبر لگی کہ شرف الدین سنجر امیر دمشق نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ فوجیں لے کر پہنچا وہاں کچھ اصلیت نہ تھی، سیاسی چال تھی۔ واپس مصر ہوا سب امراء نے گھیر لیا۔ خلیفہ حاکم بامر اللہ کے ارشاد پر جان بچی مگر معزول کر کے قلعہ میں قید کر دیا اور اس کے بھائی سلامش کو ملک عادل کے لقب سے سریر آرائے حکومت کیا۔

ملک عادل سلامش

سلامش کی عمر صرف سات سال کی تھی۔ امیر سیف الدین قلاوون اتالیق مقرر ہوا۔ یہ بہادر اور حکمرانی کے جوہر رکھتا تھا۔ اس نے چھ ماہ بعد سلامش کو تخت سے اُتار کر خود تختِ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ ارکینِ سلطنت نے مفاد دولت ممالیک بحریہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ خلیفہ حاکم بامر اللہ نے بھی سندِ حکومت عطا کی۔ خلیفہ ان دنوں نظر بند تھے۔ ملک الظاہر نے محرم ۶۶۳ھ میں اس کو ملکی

مصلحت پر قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا۔

ملک منصور قلاؤون

سیف الدین قلاؤون آق سنقر کا خرید کردہ غلام تھا۔ ۶۴۷ھ ملک صالح نے آزاد کر دیا کسی اچھے ترک خاندان سے تھا۔ طبیعت میں شرافت تھی۔ اپنی ذاتی سعی سے وہ شجاعانہ کارنامے کئے کہ عروج حاصل ہوتا رہا۔ تمام ارکانِ سلطنت کے دل میں اس کے لئے جگہ تھی۔ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے معاون امراء کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور اپنے کاتبِ خاص فخر الدین کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا۔

شمس الدین سنجر والیٔ دمشق نے مصر کے حالات دیکھ کر خود بھی خودمختاری حاصل کر لی اور اپنا لقب ملک عادل رکھا۔ شامی اس کے طرفدار تھے۔

ملک منصور نے یہ خبر سن کر امیر طرنطائی سپہ سالار افواجِ مصر کو ملک عادل کی سرکوبی کو بھیجا۔ بہ دقت عادل گرفتار ہوا۔ قاہرہ لاکر تاریک زندان میں قید کر دیا اور اس کی جگہ دمشق کی امارت حسام الدین لاچین کو دی گئی۔

تاتاریوں سے معرکۂ عظیم

کچھ دن گزرے تھے کہ ہلاکو کے دونوں بیٹے ایک اباخاقان اور منجو تیمور اسی ہزار سواروں کی فوج لے کر شام کی طرف بڑھے۔ ملک منصور نے اپنی تمام فوجوں کو یکجا کیا اور مصر سے روانہ ہو کر سیلابِ تاتار کو حمص پر روک دیا۔ مصری مسلمانوں نے تاتاریوں کے مقابلہ میں وہ دادِ شجاعت دی کہ تاتاریوں نے منہ کی کھائی۔ منجو تیمور تہ تیغ ہوا اباخاقان ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر ہمدان پہنچا۔ یہاں اس کا بھائی تیکوداراوغلان اپنے مذہب سے بیزار ہو چکا تھا اس نے زہر دے کر اس کو موت کی نیند سلا دیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور نام

احمد خاں رکھا۔ مصری فوجیں حمدان پہنچیں، ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور باہمی حمایت کا عہد نامہ کر لیا۔

تاتاریوں کا اسلام میں داخل ہونا تاتاری خونخوار ظلم وستم پیشہ جماعت تھی۔ مگر چنگیز کے زمانہ سے مسلمانوں کے میل جول سے ان میں سے اکثر مسلمان ہو کر مصر آ رہے۔ احمد خاں کے مسلمان ہونے سے کثرت سے تاتاری اسلام کی طرف جھک گئے۔ قوبیلائی قاآن کے پوتے انندہ سلطان جو خطا کا حاکم تھا علماء اسلام کے ہاتھ پر معہ ایک لاکھ فوج کے مسلمان ہو گیا۔ خاقانِ اعظم نے اس کو بلا کر بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اسلام پر قائم رہا۔ اس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور اس کے دربار میں جو علماء تھے ان کی صحبت اختیار کی۔ دن رات عبادت میں مصروف رہتا اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت کرتا۔ "خطا" کے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ملک منصور قلاؤن کو معلوم ہوا کہ طرابلس الشام کے صلیبیوں نے سرکشی اختیار کی ہے۔ چنانچہ وہ مصری فوج لے کر خود طرابلس پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ ایک سو پچاسی سال بعد یہ علاقہ نصرانیوں کے پنجہ سے آزاد ہوا۔ وہاں سے قاہرہ لوٹ کر آیا۔

۶ ذی قعدہ ۶۸۹ھ میں انتقال کیا۔

اوصاف منصور عاقل، شجاع اور کم سخن تھا۔ اس کے ساتھ داد و دہش بھی کرتا تھا۔ مصر میں اس کے حسنِ انتظام سے عام رعایا خوش و خرم تھی۔

یادگار جامع منصوری اور ایک عظیم الشان بیمارستان (ہسپتال) اس کی یادگار ہے۔

ملک اشرف خلیل

ملک منصور قلاؤدن نے اپنے بڑے بیٹے علی کو جو شاہانہ مزاج رکھتا تھا ولی عہد کیا تھا۔ مگر وہ ۶۸۷ھ میں فوت ہو گیا تو امرائے سلطنت نے منصور کے دوسرے بیٹے صلاح الدین اشرف کو تخت نشین کیا اور سند حکومت الحاکم بامر اللہ نے عطا کی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خلیفہ پر سے نظر بندی ہٹا دی۔ چنانچہ حاکم ۶۹۴ھ میں حج کرنے گئے۔

ملک صلاح الدین اشرف خلیل مثل باپ کے جہاد کا شوقین تھا۔ اُس نے فوج کو آراستہ کر کے ۶۹۰ھ میں عکہ پر حملہ بول دیا۔ عیسائی ہزیمت اٹھا کے بھاگ گئے۔ اب ارضِ مقدس بالکل پاک و صاف ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ۶۹۱ھ میں آرمینیہ کی طرف فوج کشی کی اور ارضِ روم کو فتح کر لیا اور کامیابی سے قاہرہ آیا۔

ملک اشرف کا قتل

اشرف خلیل نے چرکسی غلام بہت خریدے تھے اور اُن کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ممالیک بحریہ کے امراء کو یہ خیال دامن گیر ہُوا کہ چرکسی ہم پر نہ چھا جائیں۔ چنانچہ رئیس الممالیک بیدار، لاچین نائب شام، قراسنقر والیٔ حلب سیدنوں کے سردار بہادر نے متفقہ طور سے غلاموں کے ہاتھوں ۶۹۳ھ میں ملک اشرف خلیل کو قتل کرا کے بیدار کے سر پر تاج رکھا۔ لیکن چرکسی بگڑ بیٹھے۔ انہوں نے پہلے بیدار کا سر کاٹا اور پھر سازشیوں کے درپے ہوئے۔ لاچین روپوش ہو گیا۔ چرکسوں نے ملک اشرف خلیل کے دوسرے بھائی محمد کو تخت نشین کیا اور ملک ناصر لقب قرار پایا۔

⁂

سلطان ملک ناصر محمد بن قلاؤون

ملک ناصر کی عمر نو سال کی تھی۔ ملک منصور کے غلاموں میں سے زین الدین کتبغا نے نیابتاً سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ علم الدین سنقر کو عہدۂ وزارت عطا ہوا۔ مگر ہر دو میں کش مکش شروع ہو گئی۔ سنقر کو مروا دیا گیا۔ اب کتبغا کے لئے میدان صاف تھا۔ امرائے دولت میں سکت نہ تھی۔ اس نے ۹ محرم ۶۹۴ھ میں ناصر کو معزول کر کے قلعہ کرک میں نظر بند کر دیا اور خود تختِ حکومت پر بیٹھ گیا اور اپنا لقب ملک عادل رکھا۔ امیر حسام الدین لاچین جو مخفی تھا اس کو اپنا وزیر کیا اور خلیفہ حاکم کو پھر نظر بند کر دیا۔

۶۹۵ھ میں منجو تیمور کا داماد سردار طرغائی سلطان غازان کے خوف سے ایک جماعت تاتاریوں کی لے کر مصر آیا۔ ملک عادل نے ان کو حمایت میں لیا، سواحل پر رہنے کو جگہ دی۔ ان میں سے تین سو سردار چھانٹ کر اپنے پاس رکھے اور اکثروں کو عہدے عطا کئے۔ امرائے دولت کو یہ حرکت ناگوار گزری کیونکہ یہ لوگ اویراتیہ قبیلہ کے کفار تھے۔

کیتبغا سے تخت خالی کرا لیا گیا اور امیر لاچین کو ملک منصور کا خطاب دے کر تخت نشین کیا۔

سلطان لاچین

محرم ۶۹۶ھ میں لاچین کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی اور جس کی توثیق حاکم نے کی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر حاکم بامر اللہ کو نظر بندی سے آزاد کیا اور خلیفہ کا اعزاز و وقار دوبارہ قائم کیا اور وظیفہ بڑھایا۔ ۶۹۷ھ

میں حاکم نے ارادۂ حج کیا تو لاچین نے سات لاکھ درہم مصارف سفر کے لئے پیش کئے[1]

اس زمانے میں آرمینیہ میں شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ لاچین فوج لے کر گیا اور فتنہ کو ختم کر کے صوبہ کا انتظام کر کے قاہرہ لوٹا ۶۹۸ھ میں چرکسوں نے موقع پا کر لاچین کو قتل کر دیا اور اپنے آقا زادہ ملک ناصر کو کرک کے قلعہ سے لا کر تخت پر بٹھایا۔ اس کی عمر اب پندرہ سال تھی۔ ہوشمند تھا۔ عنانِ حکومت سنبھال کر انتظامِ ملک میں مشغول ہو گیا۔

۷۰۰ھ میں سلطان غازان محمود مغول نے فوجِ گراں کے ساتھ شام پر چڑھائی کر دی۔ ناصر خود مصر کی فوج کی کمان لے کر مقابلہ پر گیا اور اس کو سخت شکست دی۔ آرمینیہ میں اس واقعہ سے بغاوت پھوٹ نکلی۔ اس کے فرو کرنے کے لئے ایبک خازندار اور بدرالدین بکتاش کو فوجیں دے کر بھیجا۔ کبتغا کو حلب کا امیر کر دیا تھا۔ اس کو بھی حکم دیا۔ ان سب امراء نے آرمینیہ جا کر امن و امان قائم کیا۔

وفات خلیفہ

۷۰۱ھ میں خلیفہ حاکم بامر اللہ نے انتقال کیا اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے جوار میں دفن کئے گئے۔ ان کی مدتِ خلافت چالیس سال تھی[2] امیر المؤمنین کے اس لقب کے سوا اسے کوئی اختیار نہ تھا[3]

ابوالربیع سلمان بن حاکم الملقب بہ مستکفی باللہ اوّل

سلطان ناصر نے حاکم کے صاحبزادہ ابوالربیع سلمان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اعزاز و اکرام مرعی رکھے۔ قیام گاہ قصر کیش تھا۔ ناصر نے قلعہ سے منتقل کر دیا

---

[1] خطط مقریزی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۲ [3] ایضاً

اور تمام متعلقین کے وظائف بڑھائے۔ دونوں ساتھ کوئے چوگان کھیلتے۔ سیر وتفریح کے لئے ساتھ جاتے۔ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور سکہ مسکوک ہوا۔

جزیرۂ ارواد پر قبضہ

جزیرۂ ارواد میں فرنگیوں کی ایک جماعت رہا کرتی تھی جس کا پیشہ بحری غارت گری تھا۔ ناصر نے ۷۰۲ھ میں فوج بھیجی جس نے جا کر جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور ان کو نکال باہر کیا۔

وقائع

۷۰۴ھ میں سلطان مغرب ابو یعقوب یوسف نے سلطان ناصر سے تعلقات قائم کرنے کے لئے پانچ سو گھوڑے اور خنجر مع طلائی ساز اور بیش قیمت ہدایا بھیجے۔ اس کے بعد بادشاہ حبش نے تحفہ ارسال کر کے فوجی مدد چاہی۔ ناصر نے ایک فوج اس کی امداد کے لئے بھیج دی۔

اس کے باپ کے غلاموں جاشنگیر اور سالار نے استبداد شروع کر دیا۔ وہ حج کے بہانہ سے ۷۰۸ھ میں قلعہ کرک چلا گیا اور مہر حکومت اور سلطنت سے دست برداری لکھ بھیجی۔ ممالیک نے رکن الدین بیبرس جاشنگیر کو ملک مظفر کے لقب سے تخت نشین کیا۔ اس نے کرک کی امارت کا فرمان بھیج دیا۔ کچھ عرصہ بعد مظفر نے غلاموں اور سواری کے گھوڑوں اور رقم کا مطالبہ کیا۔ ناصر غلام لاغون کو حکمران کر کے شام چلا آیا۔ والئ شام امیر برلک جو ممالیک کا سرغنہ تھا اس سے اور مظفر سے ان بن تھی۔ اس نے ہاتھوں ہاتھ ناصر کو لیا اور ایک منتخب جماعت کو لے کر مصر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب غزہ پہنچا اکثر امرائے مصر نے آکر ناصر کی اطاعت کا اظہار کیا۔

مظفر کو خبر لگی مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے امان طلب کی۔ ناصر نے اس کو قید کیا اور ۷۰۹ھ میں پھر تخت پر رونق افروز ہوا اور انتظام سلطنت میں لگ گیا۔

ہندوستانی سفارت

سلطان محمد تغلق نے ہندوستان سے ناصر کے پاس سفارت بھیجی۔

نظمِ مملکت ناصر نے ناجائز محاصل موقوف کئے۔ دارالعدل قائم کیا۔ علامہ بدرالدین قاضی القضاۃ کے عہدہ پر بحال رہے۔ اس زمانہ میں خلیفہ کے مصاحبوں نے ناصر کے خلاف سازش کی تو اس نے خلیفہ کا نام خطبوں سے نکال دیا۔

آثار ناصر روشن دماغ فرمانروا تھا۔ رفاہِ عام کے کام بہت سے کئے۔ پل بنوائے، باغات لگوائے قصور یہ محلات تعمیر کرائے۔ اس نے ایک رصدگاہ قائم کی، وسیع ہسپتال بنوایا جس کے اخراجات کے لئے جاگیریں وقف کیں۔ شام اور مصر میں کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں۔ جامع ناصریہ قاہرہ میں اس کی یادگار ہے۔

علمی ذوق قاضی القضاۃ علامہ بدرالدین کے درسِ حدیث میں شریک ہوا کرتا تھا۔

خلیفہ کا انتقال خلیفہ مستکفی باللہ کو ناصر نے قوص بھیج دیا تھا اور وظیفہ کم کردیا تھا۔ وہیں ۷۴۰ھ میں انتقال ہوا۔[1]

مستکفی فاضل، خطاط، فیاض اور بہادر خلیفہ تھا۔ علماء و ادباب کمال کا قدردان ان کا دربار ان کا مرجع تھا۔[2]

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنایا تھا لیکن ناصر نے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس کے چچازاد بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا۔ مگر بعد کو پشیمان ہوا اور بیٹے کو وصیت کر مرا کہ احمد کو خلیفہ کیا جائے۔

شہزادہ ابوالفداء مؤرخ ناصر نے ہی شہزادہ کی اعانت کرکے حمص کا تاج و تخت دلوایا تھا۔

وفاتِ ناصر بتیس سال حکمرانی کرکے ۱۹ر ذی الحجہ ۷۴۱ھ میں وفات پائی۔

---

[1] خطط مقریزی جلد ۳ صہ ۳۹۳ [2] ایضاً صہ ۵۰۳ -

اوصاف ملک ناصر جلیل القدر فرماں روا تھا۔ خلیق، متواضع اور نیک صفات رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں امن و امان اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے سلطنت کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ اسی کے عہد میں ابن بطوطہ نے مصر کی صحرا نوردی کی۔

اولاد ناصر کے نو بیٹے تھے جس کو ولی عہد کیا تھا۔ وہ ۷۴۰ھ میں انتقال کر گیا۔ آٹھوں بیٹے یکے بعد دیگرے تخت مصر پر بیٹھے۔

منصور ابوبکر ناصر کے مرنے پر منصور سیف الدین ابوبکر تخت نشین ہوا۔ اس نے باپ کی وصیت کی بنا پر واثق کو معزول کر کے احمد کو حاکم بامر اللہ ثانی لقب دے کر خلیفہ بنایا[1]

ابو العباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامر اللہ ثانی

یہ خلیفہ سمجھ دار تھا۔ گوشۂ عافیت میں قناعت کی۔ اس کے زمانے میں سیف الدین ابوبکر کو چالیس دن بعد امرائے دولت ممالیک بحریہ نے معزول کر کے مقام قوص بھیج دیا۔ وہیں ۷۴۲ھ میں فوت ہوا۔ اس کی جگہ علاء الدین کو جک ملک اشرف کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کی عمر چھ سال کی تھی۔ پانچ ماہ بعد اس کو معزول کر کے شہاب الدین احمد جو کرک میں نظر بند تھا اس کو وہاں سے لا کر تخت نشین کیا۔ لقب ملک ناصر ثانی ہوا۔ ۱۲ محرم ۷۴۳ھ میں اس کو معزول کر کے بھیج دیا اور عماد الدین اسماعیل کو ملک صالح کے لقب سے تخت نشین کیا۔ اس نے تین سال حکومت کی۔ ۴ ربیع الثانی ۷۴۶ھ کو وفات پا گیا۔ زین الدین شعبان کا لقب ملک کامل سلطان ہوا۔ کچھ عرصہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۵۔

بعد زین الدین حاجی ملک ظفر تخت پر بیٹھا۔ ۷۴۸ھ میں قتل کر دیا گیا اور حسن الملقب بہ ناصر ثالث کو تخت نشین کیا۔ ۷۵۲ھ میں اس کو بھی اتار دیا۔ پھر صلاح الدین ملک صالح ثانی کو تخت نشین کیا اور تین سال بعد معزول کر دیا۔ حسن ملک ناصر ثالث دوبارہ لایا گیا۔ یہ چھ سال سات ماہ حکمرانی کر سکا۔ آخر میں اپنے مملوک بلبغا خاصکی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ صلاح الدین ملک صالح ثانی کے چند روزہ دورِ حکومت میں ابو العباس احمد نے ۷۵۳ھ میں انتقال کیا۔[1] اس خلیفہ نے عزت و وقار سے اپنا زمانہ گزارا۔

ابو بکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد باللہ اوّل

ابو العباس احمد نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ قضاۃ و عمائد سلطنت نے اس کے بھائی ابو بکر کو خلیفہ منتخب کیا۔[2] اس کے زمانہ میں ناصر حسن بن محمد، صالح صلاح الدین بن محمد، ناصر حسن بن محمد حکمران مصر کے رہے۔

معتضد کے زمانہ میں خلافت کا وقار بہت گھٹ گیا۔ وظائف کا مدار، زرگروں کے ٹیکس کی آمدنی پر تھا۔ پھر سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت دیدی گئی۔ اس سے ان کی عظمت جاتی رہی۔ ۷۶۳ھ میں خلیفہ نے انتقال کیا۔[3] یہ خلیفہ نیک، صالح اور علم دوست تھا۔

ابن فضل اللہ

ابن فضل اللہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محی الدین ادب و شعر میں اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار سے تھے۔ ۷۰۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملک ناصر کے میر منشی تھے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۰۴ [2] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۱۹۵ -
[3] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ -

فواضل السمر فی فضائل آل عمرؓ ۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار بیس جلدوں میں صبابۃ المشتاق یادگار سے ہیں ۷۴۹ھ میں انتقال کیا۔

ابوعبداللہ محمد بن معتضد الملقب بہ متوکل علی اللہ اوّل

خلیفہ معتضد باللہ کے بعد ابوعبداللہ محمد بن معتضد جانشین ہوا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مصر کی حکومت پر حسن ملک ناصر ثالث کا برادرزادہ محمد بن حاجی ملک منصور خامس تخت نشین کیا گیا۔ وسط شعبان ۷۶۴ھ میں ممالیک بحریہ نے اس کو تخت سے اتار دیا اور اس کے چچازاد بھائی شعبان بن حسن بن محمد بن قلاؤوں کو تخت نشین کیا اور اس کا ملک اشرف ثالث لقب ہوا۔ اس کے عہد میں فرنگیوں نے اسکندریہ کو لوٹ لیا۔

ملک اشرف ان کی سرکوبی کو گیا مگر وہ فرار ہو چکے تھے۔ یلبغا نائب سلطنت تھا اس کو ممالیک نے مار ڈالا۔ ملک اشرف نے ان کی سخت مرمت کی۔ بہت سے مارے گئے۔ کچھ دریا میں ڈوبے بقیہ شہر بدر کر دیئے گئے۔ ۷۷۶ھ میں ملک اشرف حج کے ارادے سے نکلا۔ ممالیک کا سرغنہ طشتمر دوادار نے گھیر لیا۔ یہ جان بچا کر قاہرہ آگیا۔ یہاں امراء نے اس کے بیٹے علی کو ملک منصور سادس کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا تھا۔ یہ قبہ نصر میں ٹھہرا۔ ممالیک وہاں پہنچ گئے اور ۱۰ ذی الحجہ ۷۷۸ھ کو اسے مار ڈالا۔ علی کا سن سات سال کا تھا۔ امیر لائق اتالیق مقرر ہوا۔ پھر اس کی جگہ امیر قرطائی آیا۔ آخر میں برقوق نائب ہوا۔

خلیفہ متوکل حوصلہ مند تھا اس نے ذاتی اثر و اقتدار سے خلافت کے

؎ حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۵ ۔

وقار کو زندہ کرنا چاہا۔ نائب حکومت خلاف ہو گیا اس نے ۷۷۹ھ میں ان کو معزول کر کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا مگر کسی نے منظور نہ کیا۔ تو پھر بحال کر دیئے گئے۔

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہو گیا۔ اس کے نائب حکومت ظاہر برقوق چرکسی نے منصور کے صغیر سن لڑکے ملک الصالح حاجی بن شعبان کو تخت نشین کیا۔ ڈیڑھ سال بعد ۱۹ رمضان ۷۸۴ھ کو تخت سے اتار کر خود حکمرانی کرنے لگا۔ مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی۔

سلطان ملک ظاہر برقوق

ملک برقوق کا باپ انس قبیلہ کر اکا تھا۔ اس کے اسلاف "غز" جو نواحی سیبیریا اور بحیرہ بیکال کی طرف واقع ہے وہاں کے رہنے والے تھے کہ جو چھٹی صدی میں غز کو چھوڑ کر بحر قزوین کے سواحل پر آ کر آباد ہو گئے۔ ان کی اولاد کو ممالیک بحریہ میں منصور اور اشرف نے بہت سوں کو خرید کر کے ان کی تربیت کی اور قلعوں کی حفاظت اور فوجی امارت وغیرہ میں لگا دیا۔ جسمانی اور دماغی حالت ان کی ممالیک بحریہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ جلد جلد ترقی کرتے ہوئے محل سلطانی کے امور پر چھا گئے۔ پھر آگے چل کر سیاست ملکی میں حصہ لینے لگے۔ چنانچہ ان میں سے برقوق کا باپ بھی تھا۔

انس کو سر کیشیا سے ایک تاجر قرم لے گیا وہاں عثمان نے اس کو خرید لیا۔ ۷۶۲ھ میں عثمان انس کو مصر لایا اور امیر یلبغا کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے اپنے غلاموں میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے برقوق کو اپنی صحبت میں رکھا اور اس کو علوم اسلامیہ کی تعلیم دلوائی اور امارت کا عہدہ دیا۔

جب یلبغا قتل ہوا ان دنوں برقوق اور امیر برکہ قید میں تھے وہاں

سے آزادی پا کر دونوں دمشق چلے گئے اور امیر نجق والئ دمشق نے ان کو فوج میں داخل کر لیا۔ اس نے وہاں بہادری کے جوہر دکھائے۔ ملک اشرف شعبان کے کانوں تک اس کی شجاعت کے کارنامے پہنچے۔ اس نے برقوق کو مصر بلا کر ایک ہزار سپاہ کا امیر بنا دیا۔

مصر کی حکومت امرائے ممالیک کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی اس کو بھی امنگ اٹھی کہ خود کیوں نہ مصر کا والی بنے۔ چنانچہ ملک منصور کے عہد میں اتابکی عہدہ پر سرفراز ہوا اور جب ملک صالح تخت نشین ہوا تو اپنی جماعت کی معاونت اور جوڑ توڑ سے سلطنت مصر پر غلبہ حاصل کر لیا۔ برقوق نے متوکل علی اللہ اول سے اپنی امارت کا فرمان لکھوایا۔ قضاۃ، علماء اور امراء سے بیعت لی اور ملک ظاہر لقب اپنے لئے منتخب کیا۔

برقوق عالی دماغ اور سیاستِ ملکی سے باخبر تھا اُس نے ملک کی انتظامی حالت کی طرف توجہ دی۔ ناجائز رسوم اور محاصل موقوف کئے اور رعایا کی اقتصادی اور اخلاقی حالت کی طرف توجہ کی۔

سازشیں

ممالیک بحریہ کو برقوق کا برسر اقتدار آنا ناگوار گزرا۔ اس نے خلیفہ متوکل کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ خلیفہ نے شام و مصر و عراق کے امراء کو خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت لی ہے اور عدل و انصاف کو پامال کیا ہے اسلئے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے۔ اور امراء کو آمادہ کیا کہ جس وقت برقوق چوگان کھیل رہا ہو قتل کر دیا جائے برقوق کے ہوا خواہوں نے خلیفہ کے ارادہ کی خبر کر دی اس نے قضاۃ کے سامنے تمام واقعات بیان کئے اور کہا ان کو معزول کر دیا جائے۔ قضاۃ نے انکار کر دیا تو برقوق نے خود ۷۸۵ھ میں معزول کر کے قید کر دیا۔[1]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۷۰

ابوحفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

برقوق نے متوکل کو قید کر کے عمر بن معتصم کو خلیفہ بنایا اور لقب واثق باللہ ہوا۔

تیمور کی یلغار برقوق کو خبر لگی۔ قرط ترکمانی مصری لشکر کے سردار نے بغاوت کر دی اور خلیفہ متوکل کا اس میں ہاتھ ہے۔ مگر برقوق نے بغاوت کو ختم کر دیا۔ اس سے فارغ ہوا تھا کہ خبر لگی کہ تیموری حملوں نے مشرقی ممالک میں ہیجان بپا کر دیا ہے اور وہ بڑھتا ہوا ۷۸۸ھ میں شام میں داخل ہو گیا۔ برقوق نے فوجیں جمع کر کے حدودِ شام میں روکا۔ وہاں سے لوٹا۔ واثق کا انتقال ۷۸۸ھ میں ہو گیا تو برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا۔ مگر امرائے دولت متوکل کی قید کے باعث سخت اضطراب میں تھے۔ ملک میں شورشیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ برقوق گھبرا گیا۔ ادھر ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب حکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

برقوق نے دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے یہ واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ تو ۷۹۱ھ میں خلیفہ کو قید سے نکال کر اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ منصب خلافت پر بٹھایا اور خلیفہ کی بڑی دلجوئی کی[1] مگر خلیفہ کا دل برقوق کی طرف سے صاف نہیں ہوا۔ امیر الامراء منطاش خلیفہ کے ساتھ ہو گیا اور دوسرے امراء بھی شریک ہو گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ برقوق قلعہ کرک بھیج دیا گیا اور حاجی بن شعبان ملک صالح دوبارہ تخت پر لایا گیا مگر اس سے انتظام حکومت نہ سنبھل سکا۔ معزول ہوا۔ ۱۴ صفر ۷۹۲ھ میں برقوق کو پھر تاج و تخت سپرد ہوا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے

---

[1] مقریزی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵۔

ہی ملک صالح اور اس کے ساتھیوں کو مروا ڈالا۔ قرا یوسف والئ فارس نے تبریز کو ۷۹۲ھ میں ملک برقوق کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کیا۔ برقوق نے اس کے لئے خلعت بھیجا اور فرمان لکھا کہ سلطنت مصر کی طرف سے تبریز اور تمام علاقہ کی امارت عطا کی جاتی ہے کہ جو تم فتح کر سکو۔

اس درمیان میں تیمور کی یلغار اس طرف ہو گئی۔ قرا یوسف معہ اپنے حلیف احمد بن اویس کے بھاگ کر قسطنطنیہ قیصر منویل کے پاس پہنچے اور پناہ چاہی۔ اس نے انکار کر دیا۔ وہ خود دولت عثمانیہ کے وجود سے لرزاں تھا۔ یہاں سے ناکام ہو کر دونوں مصر آئے۔ برقوق نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی مدارات کی۔

سلطان بایزید

۷۹۶ھ میں بایزید یلدرم نے مصر میں معاہدہ کے لئے سفیر بھیجا اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ خلیفہ عباسی اناطولیہ اور اس کے مفتوحہ علاقوں کی امارت کا فرمان اس کے نام لکھ دیں۔

برقوق نے سفیر کی قدر و منزلت کی اور عہد نامہ اپنی طرف سے اور خلیفہ متوکل علی اللہ کی طرف سے فرمانِ حکومت سفیر کو دے کر رخصت کیا۔ امیر تیمور کے قاصد بھی قرا یوسف کی حوالگی کے لئے آ گئے۔ برقوق نرمی سے پیش آیا۔ مگر قاصد سخت کلامی کرنے لگا۔ برقوق نے اس کو قتل کرا دیا۔ تیمور کو اطلاع ہوئی برافروختہ ہو گیا اور اس نے شام پر حملہ بول دیا اور حلب تک تاخت و تاراج کر ڈالا۔

برقوق مصری فوج کے آراستہ کرنے میں لگا ہوا تھا کہ ۱۵ شوال ۸۰۱ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بیٹے زین الدین فرج کو امرائے دولت نے تخت نشین کیا۔ ملک ناصر لقب ہوا۔

ملک ناصر زین الدین فرج

ملک ناصر کے حکمران ہوتے ہی اتابک ایطمش نے نہم فرسانی نائب دمشق بلیغا

والیٔ حلب سے مل کر بغاوت کر دی۔ ناصر نے فوج کشی کی۔ فلسطین میں ہر دو مقابل آئے۔ باغی ناکام ہو کے سزایاب ہوئے۔

تیمور اور بایزید تیمور اور بایزید میں ۸۰۴ھ میں عظیم الشان معرکہ ہوا۔ جس میں بایزید قید ہوا۔ یہاں سے فارغ ہو کر ۸۰۵ھ میں تیمور نے سلطان مصر ناصر کو تحفہ و تحائف بھیجے اور یہ حکم بھیجا کہ ہماری سلطنت تسلیم کر لو۔ ناصر نے اس کی سیادت قبول کر لی۔

وفات متوکل علی اللہ متوکل کی آخری زندگی عزت و وقار سے بسر ہوئی۔ عزت، جاہ و جلال و دولت ہر طرح خوش نصیب تھا۔ نقد دولت کے علاوہ کافی جاگیر بھی۔ ۸۰۸ھ میں انتقال کیا [۱]

ابو الفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

ابو الفضل عباس ۸۰۸ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ ملک الناصر سے خوش نہ تھا۔ ۸۱۵ھ میں دو شامی امراء شیخ محمودی اور امیر نوروز نے علم بغاوت بلند کیا۔ ناصر اُن کے مقابلے کے لئے شام گیا اور مستعین کو بھی شام لیتا گیا۔ لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ لے لیا اور مستعین باللہ کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا مگر وہ راضی نہ تھے۔ امراء کے اصرار پر رضامند ہو گئے۔ پہلے شام میں پھر مصر میں تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی اور اب وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کے سلطان بھی بن گئے۔ مصر آ کر شیخ محمودی نے خلیفہ سے کہا مجھ کو مصر کا سلطان بنا دیا جائے۔ وہ تیار نہ ہوئے۔ محمودی نے خلیفہ کے

---

[۱] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۶۰۔

ایک مکان میں نظر بند کر دیا اور قاضی جلال الدین بلقینی سے معزولی کا فتویٰ لیکر ۸۱۶ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا۔

ابو الفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

محمودی نے مستعین کے بھائی ابو الفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ ذہین و طباع ذی علم تھا۔

شیخ محمودی صاحب علم اور شرع کا پابند تھا۔ منصف مزاج اور منتظم تھا۔ اس کے عہد میں مصریوں نے آرام پایا۔ ۹ر محرم ۸۲۴ھ کو مر گیا۔ جامع موئد اور مدرسہ محمودی یادگار چھوڑے۔ محمودی علماء کا قدردان شیخ شمس بن مذیری محدث کے درس میں حاضر ہوتا اور ان کی مسند خود بچھاتا تھا۔ محمودی کے بعد اس کا شیر خوار بچہ احمد تخت نشین کیا گیا۔ سیف الدین تتر کو اتالیق کیا۔ اس نے شوال ۸۲۴ھ میں احمد کے سر سے تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا مگر راس نہ آیا۔ تین ماہ بعد گزر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد حکمران بنا۔ اس کا اتابک سیف الدین برس بائے تھا اس نے محمد سے حکومت چھین لی۔ اور ملک اشرف برس بائے کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ نہایت شجاع اور عاقل تھا۔ سترہ سال آٹھ ماہ حکومت کر کے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳ر ذی الحجہ ۸۴۱ھ میں فوت ہوا۔ ملک اشرف کا لڑکا ملک عزیز جمال الدین یوسف جانشین ہوا۔ اس کا نائب سیف الدین جقمق مقرر ہوا۔ اس نے یوسف کو نکال کر سلطنت پر خود قبضہ جمایا۔ ۱۹ر ربیع الاول ۸۴۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس نے اپنا لقب ملک ظاہر جقمق رکھا۔ متقی اور دیندار سلطان تھا۔

وفات معتضد ۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا ابو الربیع جانشین ہوا۔

ابوالربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ

مستعین بڑا عادل زاہد متقی خلیفہ تھا۔ رات دن عبادت میں مصروف رہتا۔ سلطان چقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ ذی الحجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا۔ سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا۔[1]

ابوالبقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامراللہ

سلطان نے ابوالربیع کے بھائی حمزہ کو جانشین کیا اور لقب قائم بامراللہ ہوا۔ چقمق اسی سال کا ہو چکا تھا وہ اپنے بیٹے فخر الدین عثمان کو تخت پر بٹھا کر ۸۵۷ھ میں مر گیا۔ درویش صفت تھا۔ مساجد اور عمارتیں بنوائیں۔

ملک منصور عثمان عثمان کو تخت نشین ہوئے چند یوم ہوئے تھے کہ قائم بامراللہ نے اس کے عزل کا فرمان شائع کیا۔ ممالیک نے ملک اشرف ابوالنصیر نیال کو تخت نشین کیا۔ خلیفہ قائم خود تخت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ باہمت و حوصلہ مند تھا۔ فوج ملک اشرف کے خلاف ہو گئی۔ قائم نے اس کا ساتھ دیا مگر فوج کو شکست ہوئی۔ اشرف قائم کے خلاف ہو گیا اور قائم پر برہمی ظاہر کی۔ خلیفہ نے غصہ سے کہا میں خود خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور تم کو بھی معزول کرتا ہوں۔

یہ مسئلہ قاضی علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے کہا خلیفہ خود

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۶۴۔

دستبردار ہو گئے۔ لہٰذا وہ خلیفہ نہ رہے۔ اشرف کو بعد میں معزول کیا۔ پھر ان کو حق معزولی کا نہ تھا اس لئے اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا۔ اس فیصلہ کے مطابق قائم ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیئے گئے جہاں انہوں نے ۸۸۳ھ میں وفات پائی اور ان کے بھائی یوسف کو خلیفہ بنایا۔

ابوالمحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

قائم بامراللہ کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی ابوالمحاسن یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

وفات اشرف

آٹھ سال سلطنت کر کے ۱۵ر جمادی الاول ۸۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا شہاب الدین تخت نشین ہوا۔ لقب ملک موئد احمد تھا۔ چار ماہ بعد معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک ناصر کا غلام ملک ظاہر خوش قدم تخت نشین ہوا۔ ۸۷۲ھ میں وہ فوت ہو گیا تو ملک ظاہر بلبائے سلطان ہوا۔ دو ماہ بعد اس کے ظلم سے امراء نے معزول کر دیا اور تمر بوغا کو تخت نشین کیا۔ اس سے انتظام حکومت نہ چل سکا۔ ملک اشرف قایت بائے سلطان بنایا گیا۔ یہ جقمق کا غلام تھا۔ اس نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا اور ترکوں سے مفتوحہ شہر اذنہ اور ترسوس فتح کر لئے۔ جس کو انہوں نے بہ قوت واپس لے لیا اور آلِ عثمان سے صلح کر لی۔ انتیس ۲۹ سال حکمرانی کی ۹۰۱ھ میں

۹۰۱ھ میں وفات پائی۔

وفات خلیفہ

مستنجد باللہ ثانی پچیس ۲۵ سال تک زندہ رہا اور ۸۸۴ھ میں انتقال کیا۔

عبدالعزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

مستنجد نے اپنے برادر زادہ عبدالعزیز بن یعقوب کو ولی عہد بنایا تھا۔ اس کے زمانے میں ملک الاشرف قایت بائی اور ناصر محمد بن قایت اور اشرف قانصوہ سلطان تھے۔ ملک ناصر محمد چھ ماہ بعد سنہ ۹۰۲ھ میں اتار دیا گیا اور ملک اشرف قانصوہ سلطان ہوا۔ مگر خود دستبردار ہو گیا تو ملک ناصر کو پھر تخت نشین کیا گیا مگر اس نے زندہ کنیز کی کھال کھینچ ڈالی۔ اس پر سنہ ۹۰۴ھ میں ذبح کر دیا گیا۔

خلیفہ متوکل پسندیدہ خصائل خوش اطوار اور عوام و خواص میں محبوب تھا۔ امام جلال الدین سیوطی اس کے زمانہ میں تھے انھوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اس کے لئے لکھی۔ سنہ ۹۰۳ھ میں وفات پائی[1]

یعقوب بن عبدالعزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

مستمسک باللہ کے زمانہ میں مصر کے پانچ سلاطین ہوئے۔ ناصر محمد جس کا ذکر آ چکا ہے۔ ظاہر قانصوہ اشرفی دوسری مرتبہ ملک اشرف جان بلادا۔ ملک العادل طومان بائی۔ ملک قانصوہ غوری۔

ملک ناصر کے قتل کے بعد ملک ظاہر قانصوہ اشرفی سلطان ہوا۔ ایک سال آٹھ ماہ بعد اتار دیا گیا۔ پھر ملک اشرف قانصوہ جان بلادا سنہ ۹۰۵ھ میں سلطان بنایا گیا۔ سات ماہ بعد معزول کر دیا گیا۔

پھر طومان مائے تخت نشین ہوا۔ سنہ ۹۰۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ملک

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۳۱۔

اشرف قانصوہ غوری کو سلطان بنایا۔ یہ منتظم حکمران تھا اور مصر میں امن و امان قائم ہو گیا۔

پرتگالیوں نے ہندوستان کے مقبوضات پر بحری قزاقی شروع کر دی تھی جس سے مصر اور ہند کی تجارت بند ہو گئی۔ ایک بیڑہ اُن کے استیصال کے لئے روانہ کیا وہ تباہ ہو گیا۔ ۹۱۸ھ میں سلطان سلیم اوّل آل عثمان کا بھائی کرکود جو تاج و تخت کے لئے برسرِ پیکار تھا ہزیمت کناں مصر آیا۔ غوری نے اس کی حمایت میں ایک بیڑہ کشتیوں کا قسطنطنیہ فتح کرنے بھیجا۔ سلطان نے شام پر لشکر کشی کر دی۔ مصریوں نے شاہِ ایران اسمٰعیل صفوی کے ساتھ ترکوں سے مقابلہ کیا۔ مگر ترک ور رہے اور ان دونوں کو شکست فاش ہوئی۔ غوری نے صُلح چاہی مگر سلطان نے ٹال دیا۔

وفات مستمسک | خلیفہ مستمسک نے ۹۲۰ھ میں انتقال کیا۔

محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ ثالث

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہُوا۔ اس کے زمانے میں سلطان سلیم نے حلب پر حملہ کیا۔ غوری معہ متوکل اور مذاہب اربعہ کے قضاۃ کو ساتھ لے کر گیا۔ مصری فوجیں مرج وابق پر معرکہ آرا ہُوئیں۔ غوری نے بہت کچھ بہادری دکھائی۔ ۲۵ رجب ۹۲۲ھ کو گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ سلطان سلیم نے حلب کے باہر اپنی فرودگاہ پر خلیفہ کا خیر مقدم کیا اور خلعت شاہانہ مرحمت فرمایا اور حلب میں رہنے کی اجازت دی۔ پھر سلیم دمشق گیا اور متوکل کو ہمراہ لیتا گیا۔

غوری شام جاتے وقت ملک اشرف طومان بائے ثانی اپنے برادر زادے کو مصر میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گیا تھا۔ غوری کے انتقال کی خبر سن کر اُس کے ہی ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ سلطان سلیم فوجیں لئے ہوئے کامرانی سے مصر آیا۔ طومان بائے مقابل آیا اور شکست کھا کر اسکندریہ جا رہا تھا کہ گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے دس دن پاس رکھا۔ ۱۹ ربیع الاول ۹۲۳ھ کو سُولی دے دی اس طرح دولت ممالیک چرکسیہ کا ایک سو اُنتالیس سال تک حکمرانی کر کے خاتمہ ہو گیا۔

محرم ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کیا۔ متوکل علی اللہ ثالث نے اس کے حق میں خلافت سے بھی دستبرداری دیدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات علَم، تلوار، ردائے مبارک اور حرمین شریفین کی کُنجیاں سلطان سلیم کے حوالے کر دیں[1]

اس تاریخ سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں منتقل ہو گئی۔ مصر سلطنتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ ہو گیا اور غوری کی فوج کا امیر مصر کا والی مقرر کر دیا۔ پھر سلطان نے متوکل کو قاہرہ آنے کی اجازت دے دی اور کچھ اختیارات بھی سونپ دیئے گئے۔ مگر خلیفہ نے بے اعتدالی کی۔ محل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں احمد پاشا گورنر (۱۵۲۳ء) مصر نے سلیمان کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور خود مختار حاکم بن گیا تھا۔ خلیفہ نے اس شورش کا خاتمہ کیا۔

قاہرہ میں آخری خلیفہ عباسی کا ۹۴۵ھ، ۱۵۳۴ء میں انتقال ہو گیا۔

---

[1] تاریخ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۶۔

شجرۂ انساب خلفائے عباسیہ مصر[1]

مستظہر باللہ

- ظاہر باللہ
  - (۱) احمد مستنصر باللہ ۶۵۹ھ
- مسترشد باللہ
  - احمد
    - علی
      - ابوبکر
        - (۲) احمد حاکم بامراللہ (۶۶۰ - ۷۰۱ھ)
          - (۳) مستکفی باللہ (۷۰۱ - ۷۴۰ھ)
          - (۴) حاکم بامراللہ
          - (۵) واثق باللہ
            - زکریا
          - (۶) ابوبکر معتضد باللہ
            - (۷) متوکل علی اللہ
              - (۸) مستعین باللہ
              - (۹) معتضد باللہ ثانی
              - (۱۰) مستکفی باللہ ثانی
              - (۱۱) قائم بامراللہ
              - (۱۲) مستنجد باللہ
              - (۱۳) متوکل علی اللہ ثانی
                - عبدالعزیز بن یعقوب بن متوکل علی اللہ
                  - (۱۴) مستمسک باللہ
                    - آخری خلیفہ مصر متوکل علی اللہ ثالث

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ -

خلافتِ عباسیہ مصر

خلیفہ مستعصم باللہ کے شہید ہونے کے بعد ملک ظاہر بیبرس جو مملوک سے تھا اُس نے دیکھا اہلِ مصر حکومت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُس نے استحکامِ حکومت کے لئے عباسیہ خاندان کے ایک فرد کو خلیفہ بنایا اور اس سے سندِ حکومت حاصل کی۔ جب یہ خلیفہ تاتاریوں کے مقابل پہنچ کر شہید ہو گئے۔ اس خاندان کے دوسرے فرد کو سریرِ خلافت سپرد کیا جن کی اولاد میں چودہ خلیفہ ہوئے۔ خلافتِ عباسیہ کے دورِ عروج میں مذہب اور سیاست جُدا جدا نہ تھے۔ خلیفہ مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا مظہر ہوتا تھا لیکن قاہرہ میں ان خلفاء کو حکومت میں کوئی دخل نہ تھا۔ ان کا وقت عبادت اور علماء کی صحبت میں گزرتا تھا یا جدید سلطان کی تاجپوشی کے موقع یا سرکاری مجالس میں ان کو بلایا جاتا اور سندِ فرمانروائی حاصل کی جاتی یا جنگ پر روانگی کے وقت فوجوں کو خیر و برکت اور فتح ونصرت کی دعائیں دیتے اور جنگ میں سلطان کے ساتھ محاذ پر بھی رہتے۔ یہ بے جان خلافت اڑھائی سو برس تک باقی رہی۔

خلفا کے ساتھ امرائے ممالیک کا سلوک کبھی اچھا کبھی بُرا رہا کبھی نظر بند کر دیئے گئے کبھی معزول کئے گئے۔ ناصر محمد قلاوؤن نے تو خلیفہ سے سند نیابت لینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ خلیفہ مستعین نے چند روزہ مصر کی حکومت بھی سنبھالی مگر آخر میں معزول ہو کر قلعہ جبل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اس پر بھی مذہبی اقتدار دنیائے اسلام میں قائم تھا کہ سلطان بایزید یلدرم نے متوکل علی اللہ سے سندِ حکومت حاصل کی۔

معتضد باللہ اوّل نے فیروز شاہ کی استدعا پر ۷۵۴ھ میں ہندوستان امارت کا فرمان بھیجا۔ آخری خلیفہ نے سلطان سلیم کو تبرکات خلافت سپرد کر کے سبکدوشی حاصل کی غرضیکہ سلاطین عثمانیہ خلافت کے اعزازہ کو روم لے گئے اور ایک زمانہ تک اپنے کو خادم الحرمین الشریفین قرار دیتے رہے۔ پھر اٹھارہویں صدی میں انہوں نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا جس کی بحث خلافتِ عثمانیہ میں تحریر ہو گی۔

خلافتِ فاطمیہ مصر

	۲۹۷ھ	۵۶۷ ہجری
	۹۰۹	۱۱۷۱ء
مہدی	سنہ ۲۹۷ھ	سنہ ۹۰۹ء
قائم	سنہ ۳۲۲ھ	سنہ ۹۳۴ء
منصور	سنہ ۳۳۴ھ	سنہ ۹۴۵ء
معز	سنہ ۳۴۱ھ	سنہ ۹۵۲ء
عزیز	سنہ ۳۶۵ھ	سنہ ۹۷۵ء
حاکم	سنہ ۳۸۶ھ	سنہ ۹۹۶ء
ظاہر	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۱۰۲۰ء
مستنصر	سنہ ۴۲۷ھ	سنہ ۱۰۳۵ء
مستعلی	سنہ ۴۸۷ھ	سنہ ۱۰۹۴ء
آمر	سنہ ۴۹۵ھ	سنہ ۱۱۰۱ء
حافظ	سنہ ۵۲۴ھ	سنہ ۱۱۳۰ء
ظافر	سنہ ۵۴۴ھ	سنہ ۱۱۴۹ء
فائز	سنہ ۵۴۹ھ	سنہ ۱۱۵۴ء
عاضد	سنہ ۵۵۵ھ	سنہ ۱۱۶۰ء
″	سنہ ۵۶۷ھ	سنہ ۱۱۷۱ء

حکومت مصر در عہدِ اسلام

خلافتِ راشدہ : ۲۱ھ تا ۳۸ھ

۵۔ عامل دورِ خلفائے راشدین میں ہوئے۔

خلافتِ بنی امیہ : ۳۸ھ تا ۱۳۲ھ

۲۹۔ عامل وقتاً فوقتاً ہوئے

خلافتِ بنی عباس : ۱۳۲ھ تا ۳۲۳ھ

۱۰۱۔ عامل ہوئے۔

خاندانِ طولون : ۲۵۲ھ تا ۲۵۴ھ

۵۔ امیر

دولتِ اخشیدیہ : ۳۲۳ھ تا ۳۵۷ھ

۵۔ امیر

خلافتِ فاطمی : ۳۵۸ھ تا ۵۶۷ھ

۱۱۔ خلفاء

خاندانِ ایوبی : ۵۶۷ھ تا ۶۴۸ھ

۸۔ سلطان

دولتِ ممالیک بحریہ : ۶۴۸ھ تا ۷۸۴ھ

۲۶۔ سلطان

دولتِ چرکسیہ : ۷۸۴ھ تا ۹۲۴ھ

۲۴۔ سلطان

خلافتِ عثمانیہ : ۹۲۳ھ تا ۱۱۸۷ھ

(دور ۲۹ خلفائے عثمانیہ) ۱۰۹ پاشا

نیم آزاد مصر : ۱۱۸۶ھ تا ۱۲۸۲ھ

محمد علی پاشا

ابراہیم پاشا

عباس پاشا

سعید پاشا

خدیوانِ مصر : ۱۲۸۲ھ تا ۱۳۳۲ھ

اسماعیل پاشا

توفیق پاشا

عباس حلمی پاشا

سلاطینِ مصر : ۱۳۳۲ھ

حسین

فواد [1]

فاروق اوّل

---

[1] سفرنامۂ مصر از میر و بیر قاضی ولی محمد صاحب صفحہ ۲۳۱ ۔

قاہرہ

قاہرہ دریائے نیل پر بجانب شرق چودہ میل مربع کے رقبہ میں جس کا طول وعرض علی الترتیب ۶ ،۴ میل سے زائد نہ ہوگا۔ دامن جبل مقطم میں آباد ہے۔

جس جگہ شہر قاہرہ اور اس کے مضافات آباد ہیں وہاں کسی زمانہ میں آٹھ شہر قائم تھے۔ عون۔ اُم دنین۔ بابلون۔ قصر الشمع۔ قسطاس۔ العسکر۔ القبطع اور قاہرہ۔

۳۵۸ھ میں جوہر صقلی نے فتح مصر کے بعد ۱۷ شعبان ۳۵۸ھ میں یوم سہ شنبہ تعمیر قسطاس سے ۳۲۰ سال بعد دولت علویین عبیدیین کے لئے جدید شہر منصورۃ المحصورہ کا سنگِ بنیاد ایک زائچِ صحرائی کی جنبش پا کے اشارہ پر رکھا۔ دار الامارہ، مدارس، شفاخانہ، جامع مسجد، دار القضاء وغیرہ کے سنگِ بنیاد ایک ہی وقت میں رکھے جانے کے ارادے سے بانس کی جھنڈیوں میں ڈوری باندھ کر گھنٹیاں آویزاں کردی تھیں کہ ساعت مسعود پر جب گھنٹیاں ہلائی جائیں تو ہر جگہ سنگِ بنیاد نصب کرنا شروع ہو گئے۔ جوہر انکار کرتا رہا۔ مگر تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔

معزلدین اللہ کی آمد آمد قریب تھی اس لئے عمارات جلد بن کر تیار ہوگئیں مگر جوہر ملول و اندوہ گین تھا بالآخر معز نے کہ جو علم الافلاک و نجوم میں ماہر تھا زائچہ دیکھ کر کہا کہ اس وقت آفتاب برج حمل میں تھا اور سلطان فلک مریخ تھا جو قاہر آسمان ہے لہٰذا اس شہر کے نام بجائے منصورہ کے قاہرہ رکھا جائے۔

عہد بنی فاطمہ میں قاہرہ تجارت، ثروت، علوم وفنون وتمدن، تہذیب و شائستگی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ دورِ حکومت ایوبی، ممالیک بحریہ وچرکسیہ میں دن بدن عروج ہوتا رہا۔ عہدِ خاندان خدیوی میں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا شہر ہے۔

یادگاریں

آثار قدیمہ اہرام[1] جیزہ ۔ ابوالہول[2] ۔ اہرام[3] سقارہ ۔

مساجد جامع ازہر، جامع سیدنا حسین، جامع سیدنا زینب، جامع ناصریہ جامع ابن طولون، جامع الحاکم، جامع سلطان حسن ۔

عون رومی عہد کا شہر ہے۔ بعد فتح اسلام یہ ویران ہو گیا ۔

اُمِ دُنین چھاؤنی تھی جس کو حضرت عمرو بن عاص نے فتح کیا۔ یہاں احمد بن طولون کے سپہ سالار ازبک نامی نے مسجد اور باغ تعمیر کرایا ۔

بابلون مقوقش عامل مصر کا قلعہ ہے جس کو قصر الشمع بھی کہتے ہیں کیخسرو نے جب مصر فتح کیا تو اس بابلون میں چھاؤنی بنائی ۔

قلعہ قصر الشمع ساحل نیل پر تعمیر ہوا ۔ قلعہ کے دروازہ میں ایک زنجیر معلق ہے اور چھت پر ایک کلیسہ ہے یہاں اور بھی گرجے ہیں ایک وہ ہے جہاں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے بیت لحم سے آکر اقامت اختیار کی تھی۔ ایک ہیکل یہود کی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے ۔

سنہ ۲۱ھ میں حضرت زبیرؓ بن عوام نے اس قلعہ کو فتح کیا ۔

العسکر خلافتِ عباسیہ میں فسطاط سے کسی قدر ہٹ کر دارالحکومت کے مکانات بنائے گئے اور اس کا نام العسکر رکھا گیا ۔

القطیع احمد بن طولون نے مصر میں خود مختاری کا اعلان کر کے العسکر سے ذرا ہٹ کر ایوانِ حکومت بنایا ۔ مساجد ابن طولون وسیدہ زینب قبۃ الھوا، قبۃ الجبل، دارالشفاء، میدان السلطان و محلات سے آراستہ کیا ۔

دورِ اخشید میں اس کے وزیر کافور نے اپنی جود و سخا سے حاتم کی داد و دہش محو کرادی جس کے مطبخ میں روزانہ یک صد راس بز، یک صد بچہ شتر دو سو پچاس بطخ پانچ سو مرغ، ایک ہزار کبوتر، پچاس قرابہ عرقیات صرف ہوتے تھے۔

مشکی بازار سلطان صلاح الدین کے عزیزِ خاص اعز الدین مشک نے تعمیر کرایا تھا۔

خان خلیل سلطان اشرف الخلیل نے خلفائے فاطمی کے قبرستان کو مسمار کر کے اپنے نام سے بازار تعمیر کرایا۔ اس بازار سے متصل سلطان نجم الدین شوہر ملکہ شجرۃ الدر کا مقبرہ ہے۔

سوق النحاسین اس بازار میں سلطان قلاؤون، سلطان برقوق اور سلطان الناصر کی مساجد ہیں۔

قناطرہ نہر القناطرہ ابن طولون نے بنائی تھی۔ جس وقت یہ نہر تیار ہوئی کسی نے ابن طولون سے یہ جڑدی کہ علامہ عبدالحکیم اس نہر کی برائی کرتے تھے۔ رات میں ابن طولون نہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، خیال آگیا علامہ کو بلایا۔ چاؤش سے پوچھا۔ کیوں طلب کیا گیا ہوں؟ اس نے کہا نہر کی تحقیر نہ کرنا۔ قاضی صاحب نفس معاملہ کو پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر میں ابن طولون کے پاس جب ہانپتے کانپتے پہنچے تو سلام علیک کے بعد ہی کہا کہ میں حضور کے حکم سے بھاگتا ہوا آیا ہوں اور بہت تھک گیا ہوں پہلے پانی پی لینے دیجئے۔ پھر کچھ حکم دیجئے گا۔

پھر خادم سے کہا کہ کٹورہ لا دو تا کہ میں خود پانی نکال کر پیوں۔ کٹورہ لیکر نہر سے پانی اپنے ہاتھ سے نکال کر پیا اور دعا دی کہ خدا اس کے بانی کار کو فردائے حشر آبِ کوثر سے سیراب کرے۔

اس کے بعد ابن طولون سے کہا۔ ارشاد ہو کیوں طلب کیا گیا؟ طولون نے کہا شب ماہ کی بہار دکھلانے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔

جامع سیدنا حسینؓ جامع ازہر کے قریب یہ مسجد ہے۔ یہاں امام حسینؓ کا فرق مبارک دفن ہے۔ پہلے دمشق اور عسقلان میں دفن رہا۔ وہاں سے ۵۴۸ھ میں خلفائے فاطمی مصر لائے اور مسجد میں دفن کیا۔

مسجد سلطان حسن سلطان صلاح الدین کے قلعہ کے قریب سلطان حسن کی تعمیر کردہ یہ مسجد تین سال میں تیار ہوئی۔ اس کی تعمیر میں دس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اس کے خوشنما منبر و محراب شاندار گنبد سبک سڈول منارہ اپنے آپ جواب ہیں۔ مسجد کا منارہ دو سو اسی فٹ بلند ہے۔

جامع سیدہ زینب حضرت امام عالی مقام کی بہن کا مزار مبارک اس مسجد میں ہے۔

جامع سیدہ نفیسہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی کا مزار مبارک ہے۔

جامع قلاؤون الملک منصور قلاؤون الفی کی یہ عظیم الشان مسجد اور شفاخانہ یادگار ہے وہیں اس کا مقبرہ ہے۔

جامع شیخون ملک مصر کے امیر کبیر سیف الدین شیخو الناصری کی تعمیر کردہ ہے۔

چاہ یوسف سلطان صلاح الدینؒ نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ ۲۹۰ فٹ عمیق باؤلی نما ہے۔

مقابر مملوک یہاں سلاطین ممالیک بحریہ کے اور جرکسیہ کے مزارات ہیں۔ مقبرہ قائت بہت شاندار عمارت ہے نقش و نگار اور صناعی کا نمونہ ہے۔ مقبرہ برقوق، مقبرہ برس بائے بھی یادگار عمارتیں ہیں۔

تہم الشقاقہ قدیم مصری سلاطین کا مقبرہ ہے۔ تہ خانے میں متعدد کوٹھڑیاں اور حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں تابوت اور لوح

مزار رکھے ہوئے ہیں۔

العمود ایک مصفا سنگین لاٹ ۸۸ فٹ طولانی پمپی کی یادگار میں قائم ہے۔

جامع وہیکل سواری سلیمان العمود کے قریب ہی ازمنہ قدیم میں ایک جامع تھی جہاں ہپاتیا نامی یہودی خاتون جس کے حسن وجمال، عفت وعصمت تبحر علمی کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیلا ہُوا تھا، فلسفہ ومنطق کی تعلیم دیتی تھی۔ ایک دن جب وہ اپنی سواری میں مدرسے آرہی تھی تو نصارائے مصر نے اس جرم میں کہ اشاعت فلسفہ وسائنس مفادِ علیسویت کے خلاف ہے اُس کو سواری سے گرا دیا اور برہنہ کر کے گھسیٹتے ہوئے گرجا گھر میں لے گئے جہاں حضرت تقدس مآب معصوم صفت پطر نامی اسقف اعظم نے حضرت علیسیٰ ومریم بتول کی تصویر کے سامنے ایک لٹھ سے اس کو ختم کر کے خطاب غازی وحامی دین مدوح القدس حاصل کیا۔ ان کے پیروؤں نے اس مردہ لاش سے کالا منہ کیا اور اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔[۱]

ابوصیر ابوصیر وہ جگہ ہے جہاں بنی امیّہ کا آخری فرمانروا مروان المعروف بہ الحمار قتل کیا گیا۔ جب اس کا سر قلم کر کے رات کو علیٰحدہ رکھا گیا تو ایک بلّی زبان نکال کر چیٹ کر گئی۔

بڑا شرف اس قصبہ کو حضرت شرف الدین ابوصیری کی ولادت سے ہے جن کا قصیدہ بردہ ہے۔

بلبیس ازقا زیق قصبہ کے قریب بلبیس ہے۔ حضرت عمرو بن عاص کے محاصرہ سے اس کو شہرت ہے۔

بہنسہ۔ بنہا۔ طنطہ ومنہور مصر کے مشہور قصبے ہیں۔

---

[۱] سفر نامۂ مصر صفحہ ۱۶۹۔

دمیاط یہ شہر جسے سلطان ملک الکامل نے نصرانی مظالم اور قتل و غارت سے گلوخلاصی دلائی تھی، ساحل نیل سے قاہرہ سے ۱۲۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

شہر کی فصیل عباسی خلیفہ المتوکل نے تعمیر کرائی تھی مگر جدید شہر سلطان بیبرس نے بسایا۔ یہ دہانہ نیل پر واقع ہے۔ جامع مسجد قابلِ دید ہے۔

منصورہ سلطان ملک الکامل نے نصاریٰ کو شکست دینے کے بعد فتوحاتِ اسلامی کی یادگار میں ۱۲۲۱ھ میں یہ شہر بسایا۔ یہیں لوئی نہم شاہ فرانس ملکہ شجرۃ الدر سے شکست کھا کر گرفتار ہوا تھا۔ شہر کے قریب ہی بحر منزلہ کی نہر موسومہ نہر بحر الصغیر جاری ہے۔

اسکندریہ

ساحل بحر روم کے ایک وسیع قطعۂ اراضی پر سکندر کے نام سے یہ شہر آباد ہے۔ یہیں سکندر کی قبر ہے۔ ایک زمانہ میں علمی مرکز تھا۔ عظیم الشان کتب خانہ جس میں دو لاکھ چرمی کتابیں تھیں حریت نواز مقنن عالم جولیس قیصر نے اس کتب خانہ کو جلوا دیا۔ پھر کتابیں جمع کی گئیں تو بطریق اعظم نے صلیب لے کر ان کو بھی خاک سیاہ کر دیا۔ مگر ایک نصرانی مؤرخ ابوالفرج نامی نے فتح مصر سے کامل چھ سو برس بعد اپنی ایک بے سر و پا غیر مربوط از سرتاپا غلط تاریخ میں آتش زدگی کتب خانہ اسکندریہ کا الزام بھی مسلمانوں کے سر لگایا۔

یہیں حضرت دانیال علیہ السلام کا مزار ہے۔ اقلیدس کی تعلیم گاہ بطالطہ کی منارۃ النور، قلیوپطرہ کا عمود، مساجد ذوالقرنین والرحمت، مسجد الف عمود (ہزار ستون کی مسجد) مسجد ابن طولون، مسجد موسیٰ، مسجد دانیال اور

کلیسائے سینٹ مارک ہیں۔

منارۃ النور یہ منارہ بطلیموس اول نے جو ایک رنڈی کے بطن اور فیلقوس کے نطفہ سے تھا، سکندر کی وفات پر حکومت مصر پر فائز ہونے کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ لیکن تکملہ بطلیموس ثانی کے وقت میں ہوا۔

بطلیموس ثانی نے ایک کتب خانہ سات لاکھ کتابوں کا بھی فراہم کیا تھا جو جولیس قیصر کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ اُس نے توریت کا ترجمہ علماء کی انجمن سے یونانی زبان میں کرایا تھا۔ اس نے اپنی سگی بہن سے عقد کیا تھا۔ اس کی پوتی ملکہ کلیوپطرہ ہے۔

یہ منارہ ۴۰۰ فٹ بلند تھا اور اڑھائی کروڑ روپیہ اس پر صرف ہوا تھا۔ اس منارہ سے جہازوں کی رہنمائی ہوتی تھی۔

ایک بُرج میں ایک بڑا چراغ روشن کیا جاتا تھا۔ کھڑکیوں میں آتشی شیشے نصب کئے تھے جن کی چمک سے کئی میل تک روشنی بغرض راہنمائی جہازات جا سکتی تھی۔ یہ منارہ بعہد ولید بن عبدالملک گر گیا۔

رحمتِ دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر
معروف و مستند کتاب کا اردو ترجمہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کامل)

ابنِ ہشام

جلد دوم

تالیف
محمد بن اسحاق بن یسار — ابو محمد عبد الملک بن ہشام
م ۱۵۱ھ — م ۲۱۳ھ

اردو ترجمہ
سید یسین علی حسنی نظامی دہلوی

تہذیب جدید
سعود اشرف عثمانی

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور ۲

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ

ہدایت کے چراغ

سیرتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

ابوالبشر سیّدنا آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و دعوت تک تمام انبیاءِ کرام کے حالات و سوانح۔ قدیم اقوام اور سابقہ اُمّتوں کا حقیقی تذکرہ۔ قرآن کریم میں بیان ہونے والے قصص اور واقعات۔ قرآن و حدیث کے اوراق سے سلیس زبان اور عام فہم اندازِ بیان میں۔

تألیف

مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب

استاذ حدیث و تفسیر، ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن

اِدارۂ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ○ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

القرآن الکریم

ترجمہ

یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلبا کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملّتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملّت

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی — جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی

جلدِ سوم

خلافتِ عثمانیہ
تاریخِ صقلیہ
سلاطینِ ہند: اوّل
سلاطینِ ہند: دوم

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ ملّت

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملّت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجّاد میرٹھیؒ ○ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلد سوم

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور

نام کتاب ——— تاریخ ملت (جلد سوم)
طباعت اوّل ——— مئی ۱۹۹۱ء
باہتمام ——— اشرف برادران سلّمہم الرحمٰن
ناشر ——— ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲
کتابت ——— مشتاق احمد جلالپوری
مطبع ———
قیمت

ملنے کے پتے
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲ فون ۶۳۲۵۳
دارالاشاعت اردو بازار۔ کراچی نمبر ۱
ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم۔ ڈاکخانہ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

فہرست مضامین

(جلد سوم)

www.KitaboSunnat.com

(۸)

خلافتِ عثمانیہ

خلافتِ عثمانیہ

جس میں ارطغرل مورثِ آلِ عثمان سے لے کر آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید خاں اور کمال اتاترک تک چونتیس سلاطین آلِ عثمان کے عہد سلطنت کے حالات اور تاریخ کے تمام ضروری گوشے جامع اور دلپذیر اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخِ اتراک

اتراک اغر قوم کا ایک گروہ تھا جو بحالت خانہ بدوشی مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتا رہتا تھا۔ یہ لوگ فطری طور سے قوی اور شجاع تھے۔ ان کی طبیعت میں خداداد تہور تھا۔ مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کی آبادیوں پر تگ و تاز کرتے رہتے۔ ان کی ہیبت دلوں پر مستولی تھی۔ جس علاقہ پر اُن کا گزر ہوتا آبادی خوف زدہ ہو کر گھر چھوڑ کر بھاگ جاتی۔ ۵۵۲ء میں ان خانہ بدوش ترکوں نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحرِ اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس سلطنت کے دو حصے تھے ایک شمالی ترکی حکومت اور دوسری مغربی ترکی حکومت کہی جاتی تھی۔ شمالی کا بانی "بومین"، تھا اور مغربی کا "اسقومی" پہلی صدی ہجری میں سلطنتِ چین نے اپنی اطاعت پر مجبور کیا مگر خود دار ترک کچھ عرصہ بعد آزاد ہو گئے۔

مغربی ترکوں میں ترگیش کا قبیلہ ممتاز تھا۔ اس کے سرداروں نے پہلی صدی ہجری میں خاقان کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ۱۲۱ھ میں نصر بن سیار امیر عرب نے ترگیش ترکوں کی سرداری کا بہ قوت خاتمہ کر دیا۔

تُرک اور عرب

اس زمانے سے پہلے سے ترکوں اور عربوں میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ عربوں کی شجاعانہ سرگرمی اور تہور نے اس بہادر قوم کو ان کی طرف مائل کر دیا تھا۔ قتیبہ بن مُسلم نے خلیفہ اموی ولید بن عبدالملک ۸۶ھ ، ۷۰۵ء کے عہد میں ترکی علاقہ پیقند، بخارا، سمرقند، خیوا، فرغانہ اور کاشغر وغیرہ فتح کر لئے تھے اور وہاں

اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ مگر ترک ان سے مانوس تو ہوئے لیکن آبائی مذہب پر قائم رہے۔ پھر عربوں کے اخلاق اور اُن کی صداقت اور خدا پرستی نے ترکوں کی طبیعت کو بُت پرستی سے بیزار کرنا شروع کر دیا۔

مسٹر آرنلڈ نے ان کی ترکِ بُت پرستی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ :-

"قتیبہ بن مُسلم نے بُت خانے تباہ کرا دیئے۔ ترکوں میں یہ خیال جاگزین تھا کہ جو بُتوں سے بے ادبی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا مگر قتیبہ نے بت خانوں میں آگ لگوا دی۔ مگر اس کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس واقعہ سے ترکوں پر اثر پڑا اور وہ بطیبِ خاطر اسلام میں داخل ہو گئے"۔ [1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے جہاں اُن کے عہد میں خلفائے راشدین کے زمانہ کی یاد تازہ ہوئی اسلام کی اشاعت بھی خوب ہوئی۔ خلیفہ نے ماوراء النہر کے ترک بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی جن میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ [2]

عبداللہ بن معمر الیشکری اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے جن کے وعظ و تلقین سے کثیر التعداد تُرک داخلِ اسلام ہو گئے۔

خلیفہ ہشام (۱۰۵ھ) کے زمانہ میں مبلغ اسلام ابو صیدا نے ماوراء النہر کے ترکوں میں اسلام پھیلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمرقند اور بخارا تک کے ترکوں نے بہت اثر لیا اور داخلِ اسلام ہو گئے۔ دولتِ بنی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد آلِ عباس تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ سفاح کے بعد منصور سریر آرائے خلافت ہوا۔ گو عرب اس کے ہاتھوں پائمال ہوئے۔ عجمیوں کو عروج ہوا تو ان کے اقتدار سے گھبرا کر اس کی نظر اتراک پر پڑی۔ چنانچہ منصور نے ترکوں

---

[1] دعوتِ اسلام صفحہ ۲۳۸ [2] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۲۔

کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں عربوں اور عجمیوں میں حریفانہ کشمکش شروع ہو گئی۔ امین اور مامون کی جنگ میں عرب اور عجمی کھل کے سامنے آئے۔ امین کی ماں عرب تھی اور آل عباس سے، اور مامون کی ماں عجمی تھی۔ چنانچہ عجمیوں نے جان کی بازی لگا کر عربوں کو زیر کر لیا۔ امین قتل ہوا مامون کامیاب۔ نتیجہ ظاہر ہے عرب ختم ہو گئے اور عجمی برسر اقتدار آئے۔

جب معتصم خلیفہ ہوا عجمیوں کی خودسری بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے سوا اس کی ماں ترکی خاتون تھی اس لئے طبعًا اس کا میلان ترکوں کی طرف تھا۔ چنانچہ معتصم نے ہزار ہا ترک غلام خرید کر انہیں اسلامی تعلیم اور فوجی تربیت دلائی تھوڑے عرصہ میں فوج میں ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔ یہ لوگ ماوراء النہر سے لائے جاتے تھے۔

خلیفہ معتصم عباسی حسنِ صورت، کمال شجاعت اور اسلام کا شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بے حد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت تک انہی کے سپرد کر دی۔ ترکوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ بڑے صوبوں کے گورنر مقرر کر دیا اور انعام و اکرام کی بارش ان پر کی جانے لگی۔ غرضیکہ ترکوں کی تعداد عسکرِ اسلامی میں ستّر ہزار کے قریب ہو گئی۔ ان کے لئے دجلہ کی مشرقی سمت ایک شہر سامرا تعمیر کیا اور اس کو ہی دار الخلافہ قرار دیا۔ واثق نے ترکوں کو حکومت کے نظم و نسق میں بھی دخیل کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد نتیجہ یہ ہوا کہ ترک حکومت پر بالکلیہ چھا گئے اور خلفاء کو بے دست و پا کر دیا۔ متوکل نے چاہا کہ ان کے اثرات گھٹائے مگر ترکوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آگے چل کر امرائے ترک کے اختیار میں خلفائے عباسیہ کا عزل و نصب اور حبس و قتل تھا۔

خلفاء میں اتنی طاقت باقی نہ رہی تھی کہ وہ ترکوں کے اقتدار کو گھٹاتے۔

چنانچہ جب احمد بن بویہ بغداد آیا تو خلیفۂ وقت مستکفی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

احمد کا سلسلۂ نسب بہرام بن یزدجرد تک پہنچتا ہے جو ملوک ساسان سے

تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ بلاد دیلم میں آباد تھے جہاں اطروش علوی نے اشاعتِ اسلام کی۔ ابو شجاع بویہ ماہی گیر تھا۔ اس کے لڑکے علی نے ترقی کرکے ۳۳۴ھ میں عراق پر حکمرانی شروع کی۔ یہ تین بھائی تھے۔ خلیفہ نے رکن الدولہ، عماد الدولہ معزالدولہ خطاب عطا کئے۔

معزالدولہ نے خلافت کے نظم ونسق پر پورا اقتدار جما لیا اور تھوڑے عرصے میں خلیفہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ پانچ ہزار درہم روزانہ خلیفہ کو گزارے کے لئے ملا کرتے تھے۔ ترکوں سے بڑھ کر ان آل بویہ نے خلفاء پر ظلم توڑے۔ ۳۲۰ھ سے ۴۱۶ھ تک ان کا اقتدار رہا۔ ان کی قوت کو توڑنے والا طغرل بیگ سلجوقی ترک تھا۔ طغرل نے آل بویہ کی سلطنت کا جنازہ نکال دیا اور وہاں حکومت سلجوقیہ کا سنگِ بنیاد رکھا اور ۴۴۷ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور تاتاریوں کی یورش ۶۵۶ھ تک وہ اور اُس کے جانشین وہاں کے سیاسی فرمانروا رہے۔

سلاجقہ کا عہد نہایت عروج واقبال کا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ بغداد پر اُن کے اقتدار سے خلافتِ عباسیہ صرف نام ہی کی باقی رہ گئی تھی۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سلجوقی ترک مسلمانوں کی قریبِ مرگ سلطنت میں از سر نو روح پھونکنے کے لئے بڑھے اور کامیاب ہوئے۔

سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، جزیرہ، شام اور ایشیائے کوچک سے گزرے۔ جس ملک نے مزاحمت کی اُسے تاخت وتاراج کر ڈالا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہُوا کہ اسلامی ایشیا، افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرۂ روم تک مثل عباسی خلیفہ کے پھر ایک بادشاہ کے قبضہ میں آگیا جو اجزائے سلطنت عباسیہ بکھر گئے تھے وہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہوگئے۔

غرضیکہ اس پُر شوکت وعظمت اسلامی سلطنت نے عیسائیوں کی بازنطانی سلطنت کی پیش قدمی کا قرار واقعی انسداد کیا۔ بلکہ عیسائی مجاہدین بیت المقدس کی ناکامیابیوں کے باعث بہ نسبت اور کسی اور سلطنت اسلامی کے زیادہ تر

یہی پُرجوش اتراک تھے۔ یہی وجوہات ہیں جس سے خاندانِ سلاجقہ کو تاریخ میں مہتمم بالشان رتبہ حاصل ہے۔

مصر کا طولونی خاندان بھی ترکی خاندان سے تھا۔ احمد بن طولون نے مصر و شام میں ۲۵۴ھ، ۲۶۸ھ میں آزاد سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سینتیس ۳۷ سال تک پُرعظمت طور سے اس خاندان نے حکمرانی کی۔ ان کے بعد اخشیدی اُن کے جانشین ہوئے۔[۱]

مصر کے سلاطین مملوک بحری اور چرکسیہ یہ سب ترک تھے۔ ۶۴۸ھ سے ۷۹۲ھ تک مصر پر مملوک خاندان حکمران رہے۔ برجی مملوک ۷۸۴ھ سے ۹۰۶ھ تک مصر کے فرمانروا تھے۔ ان سے حکومت آلِ عثمان نے لی۔[۲]

ترک نسل سے دانشمندیہ خاندان بھی تھا جبکہ سلجوق ایشیائے کوچک میں اپنی خدمات کو بڑھا رہے تھے۔ ایک اور ترکی سردار گمشتگین بن دانشمند کپاڈوشیہ کے مشہور شہروں سیواس، قیصاریہ اور ملیشیہ پر حکومت کا سکہ بٹھا رہا تھا۔ آخری مقام کے قریب اس نے فرانس کو ایسی شکست دی جو مدتوں تک نہ بھولی۔ ۴۹۰ھ سے ۵۶۰ھ تک یہ حکومت رہی۔ ابراہیم بن محمد ثانی آخری دانشمندیہ خاندان کا حکمران تھا۔ دیار بکر پہ ایک ترکی خاندان ایک عرصہ تک حکمران رہا۔ اس کا بانی ارتوک بن اکسا ترک تھا۔ جب سلجوقی سلطان دمشق توتش نے بیت المقدس فتح کیا تو ارتوک اس کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے لڑکے سلطان و الغازی جنہوں نے فلسطین کے شہزادگان روما کے خلاف لڑائیوں میں ناموری حاصل کی تھی ۴۹۵ھ سے ۵۱۲ھ تک سلمان اور الغازی

۱؎ خلافت عباسیہ جلد دوم از انتظام اللہ شہابی۔

۲؎ تاریخ ملت کی جلد ہفتم میں مفصل حالات خاندان طولون اور ممالیک بحری و چرکسی کے ہم لکھ چکے ہیں۔ انتظام اللہ شہابی۔

کی اولاد حکمران رہی۔ حلب پر بھی حکمران رہے۔ کیفہ بھی قبضہ میں رہا۔ تیمور گورگان کے تغلب واستیلاء پر یہ بھی اس کے مطیع ہو گئے۔

اتابیگان آذربائیجان، خاندان سلغر، شاہانِ خوارزم یہ سب ترکی نسل کے تھے۔ روم کی سلاجقہ سلطنت بتدریج دیسی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ خاندانِ قروسی نے میسیہ، سارو خان اور ایدین نے لیدیہ، من تشا نے قاریہ۔ تقا نے لیسیہ و بمفیلیہ، حمید نے لیسیدیہ واسوریہ، قرامان نے لیکا اونیہ، قرمیان نے فریجیہ، قزل احمدی نے پفلاگونیہ پر تصرف کر لیا۔ عثمانیہ خاندان فریجیہ اپکٹیس پر قابض تھا۔ ان تمام خاندانوں کو ترقی پذیر عثمانیہ حکمرانوں نے رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کر لیا۔

غرضیکہ ترک جہاں شجاع اور بہادر تھے ان میں عربوں کے بعد حکمرانی کا بھی مادہ تھا چنانچہ ترکوں میں سب سے عظیم المرتبت حکومت آل عثمان کی ہے۔

ارطغرل

مورث آلِ عثمان

ارطغرل کا خاندان اتراک اغز سے تھا۔ جس زمانے میں شاہانِ خوارزم پر چنگیز نے یلغار کی اور اس کی سلطنت پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ ترکی قبائل جنوب کی طرف بھاگے۔ بعض ایران و شام گئے جو آگے چل کر ترکمانی مشہور ہوئے۔ بعض مصر کے سلاطین مملوک اتراک سے معرکہ آرا ہوئے مگر شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں سلاجقہ سے آملے۔ انہی ترکی قبائل میں ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا۔ ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ سرگروہ قبیلہ تھا جو خراسان سے

شام آیا[1] اور فرات اترتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب گیا۔ قبیلہ کا بیشتر حصہ منتشر ہو گیا۔ جو لوگ رہ گئے ان کی سرداری ارطغرل نے اور اس کے بھائی دوندار نے کی۔ ہر دو بھائی اپنے قبیلے کو لے کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے اور سلطان علاؤالدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہوئے۔

یہاں سلجوقی علاقہ میں دو فوجیں برسرِ پیکار تھیں۔ ارطغرل نے کمزور جماعت کا اپنے قبیلے کے جوانمردوں کو لے کر ساتھ دیا۔ یہ پانچ سو تھے۔ یہ ترک اس بے جگری سے لڑے کہ طاقتور جماعت نے راہِ فرار اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ یہ تاتاری تھے جن کی حمایت کی گئی وہ علاء الدین کیقباد پسر ملک شاہ سلجوقی کی سپاہ ہے۔

علاء الدین نے اس کارنامہ کی وجہ سے ارطغرل پر شاہانہ توجہ مبذول کی اور قصبہ سکوداار اور طوما نج کا سرسبز اور زرخیز خطہ عطا کیا۔

یہ جگہ دریائے سکاریہ کے کنارے رومی سرحد کے متصل واقع تھی۔ اس کو قریجیہ اکیٹیٹس بھی کہتے تھے۔

خطاب

ارطغرل کو قطعۂ اراضی کے ساتھ "اوج بک" کا خطاب عطا کیا اور ان حدود کا سپہدار مقرر فرمایا۔

ارطغرل نے اپنے علاقہ کا انتظام ہاتھ میں لے کر ایک چھوٹی سی سرداری کی تشکیل کر لی۔ سرگرت قصبہ کو اپنے قیام کا مرکز بنایا۔ اس کے قریب ہی حدود بازنطائن کے ملتے تھے۔[2]

---

[1] نیو انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۵۳۸۔ از ایچ سی رونل۔ مطبوعہ لندن۔

[2] روئے زمین کے مسلمان سلاطین" مسٹر اسٹینلی لین پول۔ صفحہ ۱۳۴۔

علاء الدین[1] کیقباد کے زمانہ میں دولتِ سلجوقیہ اندرونی اختلال اور امراء کی بغاوتوں کی وجہ سے زوال کی راہ لگ چکی تھی۔ اگرچہ قونیہ میں ان کی کچھ شان و شکوہ قائم تھی۔ مگر دائرۂ حکومت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر ان میں اسلاف

---

[1] علاء الدین کیقباد کا مورث سلیمان اول بن قلمش (۴۷۰ھ) تھا۔ سلاطین سلاجقہ روم اس کی نسل سے تھے۔

فہرست سلاطین سلاجقہ روم

سلیمان اوّل بن قلمش	سنہ ۴۷۰ھ	ملک شاہ اول	سنہ ۵۰۰ھ
قزل ارسلان داؤد	سنہ ۴۸۵ھ	اعزالدین قزل ارسلان ثانی	سنہ ۵۵۱ھ
غیاث الدین کیخسرو	سنہ ۵۸۸ھ	غیاث الدین کیخسرو ثانی	سنہ ۶۳۴ھ
قزل ارسلان ثالث	سنہ ۶۰۰ھ	رکن الدین قزل ارسلان رابع	سنہ ۶۵۵ھ
(اس نے حکومت بیٹوں میں تقسیم کر دی)		غیاث الدین مسعود ثانی	سنہ ۶۹۲ھ
اعزالدین کیکاؤس اوّل	سنہ ۶۰۷ھ		
مسعود اوّل	سنہ ۵۱۰ھ	علاء الدین کیقباد اوّل	سنہ ۶۱۲ھ
قطب الدین ملک شاہ ثانی	سنہ ۵۸۴ھ	اعزالدین کیخسرو	سنہ ۶۴۳ھ
رکن الدین سلیمان ثانی	سنہ ۵۹۷ھ	غیاث الدین کیخسرو	سنہ ۶۶۶ھ
کیخسرو اوّل	سنہ ۶۰۱ھ	علاء الدین کیقباد ثانی	۶۹۷ تا ۷۰۰ھ

مفصل حالات سلاجقہ کے تاریخ ملت جلد ششم میں لکھ چکے ہیں۔

قلمش طغرل بک سلجوقی کے امراء سے تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے بغاوت کر کے خود مختاری حاصل کر لی۔ رے کے مقام پر سنہ ۴۵۶ھ میں ایک معرکہ میں کام آیا۔ اس کا بیٹا سلیمان ایشیائے کوچک میں چلا آیا اور سنہ ۴۷۴ھ میں نائیسا پر جو بازنطینی سلطنت کا مشہور شہر تھا، قابض ہو گیا اور اس کو بھی پایۂ تخت بنا لیا اور نئی سلطنت کی بنا ڈالی۔ سنہ ۴۷۷ھ میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی سی جانبازی، کشور کشائی کا شوق بھی نہ رہا تھا۔ جس قدر علاقہ قبضہ و تصرف میں تھا اس پر اکتفا کئے ہوئے تھے مگر حدودِ سلطنت کے قریب بازنطینی فرمانروا تھا دوسری طرف تاتاری۔ چنانچہ ان تاتاری گروہ نے پھر متحد بازنطینیوں کی فوج لے کر علاء الدین پر حملہ آور ہوئے تو ارطغرل نے بروصہ کے درمیان جاکر ان کو شکست دی۔ سلطان نے اس واقعہ کے صلہ میں انعام و اکرام سے نوازا اور ارطغرل کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ارطغرل کے علاقہ میں قراجہ حصار، بلے جک اینی وغیرہ قلعے تھے جہاں خودسر اُمرائے ترک تھے جن کو ارطغرل نے زیر کرنے کی کوشش کی اور کچھ پر کامیاب بھی ہوگیا۔ اس طرح سے اس کے مقبوضات کا دائرہ وسیع تر ہوگیا اور امرائے دولت میں اُس کا درجہ فائق نظر آنے لگا۔ آخر کار سلطان علاء الدین سلجوقی نے ارطغرل کو اپنا نائب قرار دیا۔ ہلال جو علاء الدین کے عَلَم کا نشان تھا اسی کو ارطغرل نے اختیار کیا۔

اوصاف ارطغرل جہاں بہادر تھا اسی کے ساتھ وہ رحم دل اور متواضع تھا۔ اُس نے دُور دُور سے جو اس کے قبیلے کے لوگ تھے،

(بقیہ حاشیہ ص سے آگے) انطاکیہ بھی فتح کر لیا مگر پہلی صلیبی جنگ میں نائیسا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا اور یہ حکومت صرف ایشیائے کوچک میں محدود ہو کر رہ گئی۔ ایک عرصہ بعد مسعود بن قزل ارسلان نے اس کی توسیع کی طرف توجہ کی اور قونیہ کو دارالحکومت بنایا اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے جانشین قزل ارسلان ثانی نے سلطنت میں اضافہ کیا اور دانشمندیوں کو مغلوب کر کے انہیں محکوم بنایا۔ کیخسرو اول نے انطاکیہ پھر لے لیا اور کیکاؤس نے سنوپ فتح کیا۔

علاء الدین کیقباد اول کا دورِ حکومت شاندار رہے۔ کیخسرو ثانی کے زمانہ میں تاتاری سیلاب سے رہا سہا اقتدار بھی بہہ گیا۔ ہلاکو نے اس کے دونوں بیٹوں عزالدین اور رکن الدین میں ملک تقسیم کر دیا۔ مگر تاتاریوں کے محکوم تھے۔

ان کو بلا کر اپنے علاقہ میں آباد کیا۔

وفات ارطغرل نوتے برس کی عمر پا کر ۶۸۷ھ، ۱۲۸۸ء میں فوت ہوا اور "سنوپ" میں دفن ہوا۔

امیر عثمان خان غازی

بانی دولتِ عثمانیہ

نام عثمان ابن ارطغرل ۶۵۶ھ میں سرگرت میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت امیر ارطغرل سلطان علاء الدین کیقباد[1] کی صحبت سے اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام کے آغوش میں معہ اپنے قبیلے کے آگیا تھا تو اُس نے عثمان کو اور اپنے دوسرے لڑکوں کو مثل اہلِ اسلام کے طریقہ پر تعلیم و تربیت دلوائی۔ عثمان خود شجاع اور بہادر تھا۔ اسلام کی تعلیم اور اسلامی فضا نے اس میں چار چاند لگا دیئے "اسکی شہر" کے قریب "ایتروفی دیہ" میں ایک خدا رسیدہ عالم ادہ بالی رہا کرتے تھے۔ ان کی صحبت میں عثمان رہا کرتا تھا۔ ایک عالم کی خدمت گزاری سے عثمان کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آخرش ان کی صاحبزادی کرمال خاتون اس کے حبالہ عقد میں آئی۔

وقائع ارطغرل کے بعد عثمان اپنے قبیلے کا سردار پایا اور اس نے کچھ عرصہ میں اپنے ہمنوا و ہم خیال دو ہزار ترک کر لئے۔

قراجہ حصار بازنطینی قلعہ دار دولتِ سلجوقیہ کے سرحدی علاقوں پر آئے دن

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ صفحہ ۶۴۲۔

حملہ کرتے رہتے تھے۔ سلطان قونیہ کے ایک نائب کی حیثیت سے عثمان ان سے مقابل ہوتا اور ان کو پسپا کرتا رہتا۔ قراجہ حصار کا معرکہ پیش آیا۔ عثمان نے اس قلعہ کو بڑی بہادری سے فتح کر لیا اور اس کے ارد گرد کی اراضی قبضہ میں لے آیا۔ سلطان قونیہ علاء الدین نے عثمان کو ہی بطور جاگیر یہ علاقہ بخش دیا اور "بک" کے خطاب سے سرفراز کر کے اُس نے اپنے سکّے جاری کرنے اور اپنا نام جمعہ کے خطبہ میں شامل کرنے کی اجازت بھی مرحمت کی۔ اس طرح "بک" لقب کے علاوہ امارت کے تمام امتیازات امیر عثمان خان کو حاصل ہو گئے۔ "قراجہ حصار" کا حکمران نکولس تھا۔ جو ۶۸۸ھ میں عثمان سے زیر ہوا۔ اس زمانے میں مال خاتون کے بطن سے اورخان پیدا ہوا۔

تکفور تکفور بیلہ چک کا حکمران تھا۔ عثمان سے گہری دوستی تھی اس نے ۶۹۸ھ میں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب میں عثمان کو دعوت دی۔ اس کا دوست یونانی رئیس کوسہ میخائیل تھا۔ اس نے تکفور کے ارادے سے مطلع کر دیا کہ اس بہانہ سے وہ تمہارے خاتمہ کے درپے ہے۔ چنانچہ امیر عثمان خان چالیس ترکوں کو جن کی قباؤں کے نیچے اسلحہ تھا ساتھ لے کر محفلِ شادی میں شریک ہوا۔ تکفور نے گرفتار کرنے کی تدبیر کی تھی کہ تلوار سونت کر سب ترک کھڑے ہو گئے اور اہلِ قلعہ کو تہ تیغ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور عروس نیلوفر کو قبضہ میں لائے۔ آگے جا کر نوابزادی نیلوفر اورخاں کی ملکہ بنی۔

بادشاہی ۶۷۸ھ میں جوجی بن چنگیز کے لڑکے باتو خان نے یورپ کا رُخ کیا۔ ماسکو، نووگورو اور ہنگری تک پہنچ کر لوٹا۔ اس میں آخری سلجوقی تاجدار علاء الدین ثانی پائمال ہو کے رہ گیا اور قونیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔

باتو خان کے واپس جانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی اور ہر حصہ کا امیر خود مختار بن کے بیٹھ گیا۔ چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر عثمان نے

بھی اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا[1] اور پایۂ تخت "اسکی شہر" کو بنایا اور اردگرد کی مستقل عمارتیں صارو خاں، قرالی وغیرہ بن گئی تھیں، ان سے دو دو ہاتھ کئے اور اکثر کو زیر کر لیا۔

آزاد حکمرانی عثمان خاں دولتِ سلجوقیہ کے خاتمہ کے بعد آزاد حکمران تھا۔ سلجوقی امراء میں عثمان کا سب سے بڑا حریف امیر کرمانیہ قطب الدین شاہ جہاں تھا[2]۔

بادشاہی عثمان نے جس حکومت کی تشکیل کی اس کے انتظام و استحکام میں سنہ ۶۹۰ھ سے سنہ ۶۹۷ھ تک لگا رہا۔ اس کے سامنے علاء الدین کی حکومت کا نظام تھا۔ اس طرح اس نے محکمے قائم کئے اور اس کے افسر ترک مقرر کئے۔ اس کے بعد اپنے قلمرو کی رعایا کی فلاح و بہبود کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں اپنی ریاست اعلیٰ درجہ پر پہنچادی جو دولتِ عثمانیہ کی اوّلین شکل تھی۔

فتوحات عثمان انتظامِ سلطنت میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ترک سرداروں نے بازنطینی قلعداروں سے ساز باز کر کے اس پر حملہ کر دیا اور

---

[1] تاریخ الدولة العلية العثمانية از محمد فرید بک مصری۔

[2] امرائے کرمانیہ براق حاجب قتلغ خاں کی اولاد سے تھے۔ براق قرلکھتے کا باشندہ تھا، جو علاء الدین خوارزم شاہ کا فوجی افسر ایک زمانہ تک رہا۔ جب چنگیز نے سلطنت خوارزم شاہ کا شیرازہ پراگندہ کر دیا تو سنہ ۶۱۹ھ میں براق نے کرمان میں طرح حکومت ڈالی۔

امرائے کرمان

براق سنہ ۶۱۹ھ	رکن الدین سنہ ۶۳۲ھ	قطب الدین سنہ ۶۵۰ھ
قتلغ خاتون سنہ ۶۶۵ھ	جلال الدین سیورغتمش سنہ ۶۸۱ھ	جلال الدین محمد شاہ سنہ ۶۹۴ھ
صفوة الدین بادشاہ خاتون سنہ ۶۹۳ھ	قطب الدین شاہ جہاں سنہ ۷۰۰ھ۔	

شکست کھا گئے اور اطاعت پر مجبور ہوئے۔ پھر تو بازنطینی قلعوں کے فتح کرنے کی طرف عثمان متوجہ ہوا۔ اور یکے بعد دیگرے فتح کر لئے۔ آخر شش ینی شہر پر قبضہ جمایا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

سن ۷۰۱ھ میں امیر عثمان خان نے نائکومیڈیا سے متصل فیون حصار کے مقام پر پہلی بار شہنشاہ قسطنطنیہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کیا۔ جس میں اُسے شاندار فتح حاصل ہوئی۔ غرضیکہ چھ سال کے اندر عثمان کی فتوحات کا دائرہ بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا۔ بازنطینی قلعے پے در پے مسخر ہوتے گئے اور بروصہ، نائسیا، اور نائکومیدیا کے گرد فوجی چوکیوں کا ایک مضبوط حصار قائم ہو گیا۔ بازنطینیوں نے تاتاریوں سے میل کرکے عثمان سے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گئے۔ پھر ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ رہی۔

فتح بروصہ سلطنت بازنطینی کا اہم شہر بروصہ تھا۔ امیر عثمان نے ۷۱۷ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ دس سال تک اہل بروصہ محصور رہے۔ آخر شش ۷۲۶ھ میں محصورین نے اورخان بن عثمان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو خالی کر دیا اور ترکی فوج اورخاں کی سرکردگی میں فاتحانہ طور سے بروصہ میں داخل ہوئی۔ امیر عثمان خاں سفوت (سرگرت) میں بستر مرگ پر تھا۔ اس کو بروصہ کی فتح کی خبر اورخاں نے پہنچائی۔ عثمان نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور ہمت و شجاعت کی داد دی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

وصیت اورخاں کو اپنے پاس بٹھا کر یہ وصیت کی کہ :-

"بیٹا اب میں موت کی آغوش میں جا رہا ہوں مجھ کو اب کسی بات کا غم نہیں ہے کیونکہ تم سا لائق بیٹا اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں جو میری قائم مقامی اس دولت کی مجھ سے بہتر کر سکے گا"

بیٹا یہ وصیت یاد رہے کہ :-

"ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف رکھنا اور عدل گستری کو اپنا شیوہ

بنانا کہ اسی سے سلطنت کی بنیاد مضبوط رہتی ہے، رعایا پر رحم کرنا کیونکہ ہمارے رب کی صفت رحم ہے حقوق کے معاملے میں قوی اور ضعیف کو یکساں سمجھنا۔ شریعتِ حقہ کو رائج کرنا اور کتاب وسنت کے مطابق عمل رکھنا۔ اگر میری اس وصیت پر عمل کروگے تو تم ان اولیاء میں سے ہو جاؤ گے جو رضائے الٰہی سے کامیاب ہوئے ہیں اور بیٹا آخری کہنا یہ ہے کہ بروسہ کو پایۂ تخت بنانا اور وہیں مجھ کو دفن کرنا۔" [1]

وفات امیر عثمان خاں نے ۲۱ر رمضان ۷۲۶ھ میں وفات پائی اور حسب وصیت بروصہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف عثمان میں وہ تمام اعلیٰ صفات تھے جو بانیانِ حکومت میں ہوا کرتے ہیں۔ شجاع تھا، عاقل، نرم خو۔ یہ ضرور ہے کہ دشمن کے لئے سخت تھا۔ رعایا کے لئے بہت مہربان و رحم دل اور اس میں قیادت کا ملکہ خاص تھا۔ طغرل کے ساتھ چار سو ترک جانباز تھے مگر اس کے برتاؤ اور لطف و کرم سے چار ہزار ترک اس کے جاں نثار تھے جس میں بہت کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ امیر عثمان خاں میں ہمت و شجاعت غیر معمولی تھی۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابل خود آتا جس سے ہر ساتھی میں دلیری کی روح پیدا ہو جاتی۔

اوہ بالی کے فیضِ صحبت سے عثمان میں صوفیانہ رنگ تھا۔ اس کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی، عثمان کا طریقہ جنگ وہی تھا جو قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کا تھا۔ پہلے امرائے روم کے پاس اعلان بھیج دیا کرتا کہ اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مدافعانہ جنگیں زیادہ لڑیں۔ مجبوری درجہ ان ظالم حکمرانوں سے دُو دُو ہاتھ

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیہ از علامہ حسین لبیب مصری۔

کئے جو اپنی رعایا پر جور و ظلم روا رکھتے یا مسلمانوں کو آئے دن ستاتے رہتے اور پریشان کرتے تھے۔

سادہ زندگی امیر عثمان خاں کو فتوحات میں بہت کچھ مال و زر ہاتھ لگا۔ اس نے غریبوں اور یتیموں کا حصہ نکال کر ترک سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس اس میں سے ایک حبہ نہ رکھا۔

ینی شہر میں اس کے رہنے کا ایک مکان معمولی درجہ کا تھا جس میں سونے چاندی و جواہرات کچھ نہ تھے۔ ایک کفتان، ایک سوتی عمامہ، لکڑی کا ایک چمچہ، ایک نمکدان، چند عربی گھوڑے، زراعت کے لئے چند جوڑے بیل اور بھیڑوں کے کچھ گلے، علم اور اسلحہ، مرنے کے بعد عثمان نے یہ اثاثہ چھوڑا تھا۔ یہ دولتِ عثمانیہ کا بانی مبانی تھا۔ فیاض اور مہمان نواز تھا۔ اس کی رحم دلی کی ترکوں میں بہت سی حکایتیں مشہور ہیں[1]

آثارِ خیر اس کے آثارِ خیر سے "اسکی شہر" میں ایک مسجد تعمیر ہے جس کو عثمان نے اپنے ابتدائی عہد میں بنوایا تھا۔

وسعتِ سلطنت ارطغرل نے مقبوضات میں سے سیفوت اسکی شہر اور چند مواضعات چھوڑے تھے جو اوسط درجے کے امیر کے ہونے چاہئیں۔ مگر عثمان نے اڑتالیس سال میں ایک بڑے علاقہ کی حکمرانی قائم کی۔ اس سلطنت کا دائرہ جنوب میں کوتاہیہ اور شمال میں بحیرہ مارمورا اور بحر اسود کے ساحلوں تک وسیع کر دیا۔ اس کے قلمرو کا طول ۱۲۰ میل اور عرض ۶۰ میل تھا جس میں ترک یونانی سلافی باشندے آباد تھے۔

اشاعتِ اسلام عثمان کے مبارک عہد میں سب سے بڑا کارنامہ اسلام کی اشاعت کا ہے۔ عثمان نے بازنطینی ایشیائی

---

[1] ناموس الاسلام (بزبان ترکی)۔

مقبوضات پر قبضہ کر کے وہاں کے نصرانی باشندوں کو اپنے اخلاق سے ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے اور ترکوں سے قرابتیں قائم کر کے ترک نہیں بلکہ عثمانی کہلانے لگے [1]

سلطان اورخان

نام و نسب اورخان بن امیر عثمان خاں بن ارطغرل ۶۸۴ھ میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی علاء الدین چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اورخاں اور علاء الدین کو علوم دینی کی تعلیم دلائی۔ مگر اورخاں کی طبیعت کا رجحان سپہ گری اور اسپ سواری کی طرف زیادہ تھا اور علاء الدین کی طبیعت علوم دینی کی تحصیل پر مائل تھی لور اس میں ہی اُس نے معقول استعداد بہم پہنچائی اور خان کم عمری میں فنونِ حرب سے واقف ہو گیا تھا۔ امیر عثمان کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہا اور تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں بروصہ فتح کیا۔ عثمان، اورخان کی بہادری اور تہور سے بے حد خوش ہوا۔

تخت عثمانیہ عثمان مرتے وقت اورخان کے لئے وصیت کر گیا تھا کہ اس کے بعد تخت نشین یہی کیا جائے۔ چنانچہ عثمان کی وفات پر اورخاں نے سلطنت کو باہم تقسیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر علاء الدین نے باپ کی وصیت اور اپنے علمی ذوق کی بنا پر اس کو منظور نہیں کیا اور بھائی کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اورخاں تخت نشین ہوا۔ عثمان کی تلوار اس کی کمر میں

---

[1] دعوتِ اسلام از مسٹر آرنلڈ۔

باندھی گئی۔ سلطان کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا۔[1]

صدارتِ عظمیٰ اورخاں نے صدارتِ عظمیٰ پر اپنے بھائی کو ممتاز کیا۔ بہ اصرار علاء الدین نے انتظامِ مملکت کی ذمہ داری قبول کی۔ علاء الدین عربی علوم کا ماہر تھا۔ اس نے دولتِ عثمانیہ کے پہلے وزیر کی حیثیت سے آئینِ ملک کی ترتیب وتنظیم شروع کر دی۔

مملکت کا انتظام صدرِ اعظم نے سب سے پہلے سکّہ، لباس اور فوج کی طرف توجہ مبذول کی۔ باوجودیکہ سلطان علاء الدین سلجوقی نے عثمان کو خطبہ کے علاوہ اپنے نام کا سکّہ جاری کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔ مگر ٹکسال کا انتظام نہ ہو سکا تھا۔ صدرِ اعظم نے اورخان کے نام کا طلائی ونقرئی سکّہ جاری کیا اور سلجوقی سکّے قلمروِ عثمانیہ میں رائج تھے وہ بند کئے گئے۔

لباس اب تک لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر ایک ایک سا لباس پہنتا تھا۔ علاء الدین نے رعایا کے مختلف طبقوں کے مختلف قسم کے لباس تجویز کر کے ان کے متعلق قوانین نافذ کئے۔ شہر اور دیہاتی مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کا لباس الگ الگ مقرر کیا۔[2]

انتظامِ سلطنت وہی قائم رکھا جو سلاطین سلاجقہ کا تھا۔ ویسے ہی دفاتر تھے اسی طرح کی عدالتِ عظمیٰ تھی۔ البتہ فوجی تنظیم کی طرف علاء الدین نے خاص توجہ کی۔

فوجی تنظیم علاء الدین کا عظیم الشان کارنامہ فوجی اصلاحات کا ہے۔ ارطغرل اور عثمان کے زمانہ میں باقاعدہ فوج نہ تھی، رضاکار تھے جو ضرورت کے وقت پیادہ وسوار جنگ میں شریک ہوتے۔ مالِ غنیمت لے کر اپنے ٹھکانوں پر چلے جاتے۔ علاء الدین نے تنخواہ دار فوج پیادہ اور سوار

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صد ۲۴۳ [2] گبن جلد ۳ صد ۳۸۱۔

دونوں قسم کے ملازم رکھے تاکہ بوقتِ جنگ تیار رہیں۔ دس دس، سو سو، ہزار ہزار سپاہیوں پر چھوٹے بڑے امراء مقرر کئے جو اُن کو باقاعدہ فن سپہ گری اور اصولِ جنگ کی مشق کرایا کرتے۔ یہ منظم فوج کچھ عرصہ بعد خود سری دکھلانے لگی۔ یہ ضرور ہے کہ سلطنت کی صحیح معنی میں یہی اصلی طاقت تھی۔ اورخان کو اس فوج سے خطرہ محسوس ہُوا کہ اگر کسی جماعت کی معاونت کے لئے یہ فوج اُٹھ کھڑی ہوئی تو کوئی طاقت ایسی نہ تھی جس سے ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔

انکشاریہ انکشاریہ (ینی چری) فوج کے قیام کے پیش آنے کی ضرورت یہ ہوئی کہ اورخاں نے علاء الدین اور شاہی خاندان کے رکن قراخلیل (خیر الدین پاشا) سے منظم فوج کی خود سری کے متعلق مشورہ کیا۔ قراخلیل نے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائی اسیرانِ جنگ میں سے جو نوجوان مسلمان ہو جائیں ان کا لشکر ترتیب دیا جائے۔ چونکہ سلطان کے سوا ان کا کوئی مربی نہ ہوگا اور نہ ان میں خاندانی عصبیت ہوگی۔ اورخان کو یہ تجویز پسند خاطر ہوئی اور اس نے انکشاری کے نفاذ کا حکم دیا۔ جب یہ فوج مرتب ہوگئی تو شیخ المشائخ حاجی بکطاش جو اپنے عہد کے ولیٔ کامل تھے، ان کی خدمت میں یہ پیش کی گئی۔ انہوں نے اس کے لئے دُعا کی اور اس کا نام ینی شاری رکھا جو عربی میں انکشاری ہے۔ شیخ الشیوخ کی تقلید میں ہی انکشاریہ نے اپنی ٹوپی اونچی اور سفید رکھی۔ اس فوج کی تربیت اور ترقی کا لحاظ سلطان کو بہت تھا۔ ان کو جاگیریں دیں اور خطابات و القاب عطا کئے۔ ایک زمانہ میں پانچ لاکھ کی تعداد ان انکشاریہ کی تھی۔

علاء الدین نے اس فوج کے علاوہ دوسری فوجوں کی نئے طور سے تنظیم شروع کی۔ تنخواہ کے بجائے پیادوں کو جاگیریں عطا کیں اور فوجی خدمت کے علاوہ جاگیروں سے متصل سڑکوں کی مرمت بھی ان کے فرائض میں داخل کر دی۔ اس فوج کے علاوہ ایک اور فوج بھی مرتب کی جس کا کام صرف یہ تھا کہ منظم فوج کے آگے

رہے اور دشمن سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرے۔ چنانچہ جب غنیم اُن سے مقابلہ کرتا اور بے ضابطہ فوج اُن کے مقابلہ میں گھونگٹ کھا جاتی۔ غنیم زعم باطل میں کامرانی سے آگے بڑھتا تو عثمانی انکشاری فوج ان کو گھیر کر نرغہ میں لے لیتی اور تیغ وسنان سے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیتیں۔ یہی فتح وکامرانی کا نقشہ تھا۔ علاء الدین کی فوجی اصلاحات سے ترکوں کی باضابطہ فوج تیار ہو گئی جس کی نظیر ایک صدی تک یورپ میں پیدا نہ ہو سکی۔

فنِ جنگ ترکوں کو فنِ جنگ میں جو مہارت تھی اس کی مثال معاصر اقوام میں کم ملتی ہے۔ ترک ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہتا۔ ترک چاؤش اور جاسوس صحیح رہنمائی کرتے۔ فوج تیز قدمی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حریف جو راستہ تین یوم میں طے کرتا عثمانی فوج ایک دن میں طے کرتی۔

ترک فوج رحم دل ہوتی ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو ان سے گزند نہ پہنچتا۔ البتہ دشمن کے نوجوان اور تن وتوش والے کو کسی حالت میں ترک نہ بخشتا۔ یہی وجہ تھی کہ نصرانی ترکوں کے نام سے گھبرا جاتے اور مقابل آتے ہوئے خوف زدہ ہوتے۔

پاشا علاء الدین کی کارگزاری سے خوش ہو کر اورخاں نے پاشا کا لقب عطا کیا۔ یہ پہلا عثمانی ترک تھا جسے پاشا کا خطاب ملا۔ اس کے بعد اورخاں کے بڑے لڑکے سلیمان کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

فتوحات اورخاں نے امیر عثمان خان کی وصیت کے مطابق بروصہ کو دار الخلافہ بنایا اور اپنی حکومت کے پہلے سال ۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء میں نکومیڈیا فتح کر لیا۔ اب صرف سلطنت بازنطینی کے ایشیائی مقبوضات میں بڑا شہر نائیسا رہ گیا تھا جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے قسطنطنیہ سے دوسرے درجہ پر تھا۔ ۷۳۰ھ میں اورخان نے بزورِ شمشیر نصرانیوں سے نائیسا کو بھی لے لیا۔ یہاں کے باشندوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنا مال واسباب لے کر کسی دوسری جگہ

چلے جائیں۔ مگر ساکنین نائیسا ترکوں کے اخلاق اور اسلامیت کے گرویدہ ہو کر نائیسا سے جانے کو تیار نہ تھے بلکہ وہ بازنطینیوں کے مظالم اور بربریت سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے کہ انہوں نے آبائی مذہب ترک کیا اور خوش دلی سے آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

مسجد و مدرسہ آورخان نے نائیسا میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اس کے متصل ایک مدرسہ قائم کیا جو دولت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا۔

لنگر خانہ غرباء کے لئے لنگر خانہ جاری کیا۔ خود آورخان لنگر خانہ میں بیٹھ کر غرباء کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔

قراسی نائیسا کے فتح کرنے کے بعد قراسی کے ترکی امیر نے ۷۳۴ھ میں انتقال کیا۔ اس کا بڑا لڑکا تخت نشین ہوا مگر عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرا دیا۔ آورخان چھوٹے لڑکے کا طرفدار تھا اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آورخاں قراسی پر حملہ آور ہوا۔ بڑا لڑکا تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور فراری پر مجبور ہوا۔ چنانچہ ۷۳۶ھ میں قراسی پر آورخاں نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اناطولیہ کے شمال و مغربی گوشہ کی چند ترکی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جہاں کی آبادی ترکوں پر مشتمل تھی، ان کو بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔

نظمِ مملکت آورخان ان مہمات سے فارغ ہو کر مملکت عثمانیہ کے انتظام میں لگ گیا، کیونکہ بیس سال میں حسنِ اتفاق سے کوئی جنگ پیش نہ آئی جس کی وجہ سے اندرونِ ملک کا انتظام بخوبی کیا جا سکا۔ دفاتر کا انتظام وہی تھا جو سلاطین سلاجقہ کے زمانہ کا تھا۔ البتہ فوج کی تنظیم میں جدت سے کام لیا گیا۔

رفاہِ عام آورخاں میں قدرتی اوصاف بادشاہی تھے۔ اس نے اپنے

قلمرو میں جگہ جگہ مساجد و سرائیں بنوائیں۔ حمام تعمیر کرائے جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔

علمی ترقی مدرسے قائم کئے جنگی شاندار عمارتیں بنوائیں۔ دارالحکومت بروصہ کی طرف خاص توجہ کی۔ ایک عالی شان مسجد بنوائی۔ ایک بڑا مدرسہ اور شاہی ہسپتال تعمیر کرایا۔ بڑے بڑے فضلاء و اہل کمال آکر جمع ہوئے۔ یہاں کی علمی شہرت سے ایرانی اور عربی طلباء علوم مشرقیہ تحصیل کرنے کے لئے آنے لگے[۱]

مُلّا داؤد قیصری اور علامہ تاج الدین کرد جو یکے بعد دیگرے نائسیا کے صدر مدرس رہے۔ آورخان ان کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے تھوڑے عرصہ میں علمی چہل پہل پیدا کر دی۔ صدہا طلباء ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

زبانِ ترکی آورخان کے زمانہ میں ترکوں کی بول چال ترکی ہی تھی کیونکہ ترکی زبان اپنے وطن ترکستان میں سرسبز نہیں ہوئی۔ جب ترکوں کا تسلط ایشیائے کوچک میں ہوا تو وہاں کے ایک حاکم امیر قرمان نے جو قونیہ کا حاکم تھا، اس کا باپ شیخ نورالدین صوفی تھا۔ اس نے اپنی زبان کی طرف توجہ کی۔ اس وقت سرکاری زبان فارسی تھی اور علمی و دینی زبان عربی تھی اور خان کے زمانے میں بھی ترکی زبان صرف بول چال تک محدود تھی۔ البتہ مدارس میں عربی اور فارسی پڑھائی جاتی تھی اور دفاتر میں فارسی کا ہی چلن تھا۔

یورپ کا داخلہ اندرونی انتظامات سے فارغ ہو کر آورخاں کی توجہ یورپ کی طرف مبذول ہوئی۔ بازنطینی سلطنت کے ایشیائی

---

[۱] گبن جلد ۴ صفحہ ۱۸۱ [۲] قاموس الاعلام جلد اوّل

علاقے عثمانیوں کے قبضہ میں آچکے تھے۔ یورپ کے علاقہ میں صرف تھریس، مقدونیہ کے ایک جز جس میں سالونیکا شامل تھا اور یونان میں موریا کے ایک بڑے حصہ تک محدود تھا۔ یہ کل کائنات سلطنت بازنطینی کی تھی۔ اس پر حکومت سرویا کی نگاہ تھی۔ اس کا با اقتدار فرماں روا اسٹیفن ڈوشن جزیرہ نمائے بلقان کے نصف سے زیادہ علاقوں پر تسلط قائم کر کے سالونیکا اور قسطنطنیہ پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔

۱۳۴۱ھ میں شہنشاہ اینڈرونیکس سوم کا انتقال ہوا۔ اس کا نابالغ لڑکا جان بلیولوگس تھا اور شہنشاہ کی ملکہ اینا نامی تھی۔ کنٹا کوزین والی بنا۔ مگر کچھ عرصہ بعد کنٹا کوزین نے (۱۳۴۳ء) نیکوٹیکا میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ملکہ اینا کو کنٹا کوزین کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ آخرش ہر دو میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے قریب میں طاقت ور سلطان اورخاں تھا۔ اس سے بھی ہر دو نے مدد مانگی۔ مگر کنٹا کوزین نے یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی دختر تھیوڈورا کو کنیزی میں پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ اورخاں نے چھ ہزار ترک مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔ کنٹا کوزین نے ترکوں کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال بعد قسطنطنیہ میں فاتحانہ کنٹا کوزین داخل ہو گیا۔ ملکہ نے مجبوراً صلح کر لی اور صلح اس طرح طے پائی کہ کنٹا کوزین اور اس کی ملکہ اور ملکہ اینا اور شہزادہ جان پلیوگس چاروں مشترکہ تخت نشین قرار پائیں۔ غرضیکہ اس طرح چاروں کی تاج پوشی ادا کی گئی۔

کنٹا کوزین نے اپنی ایک دختر اورخان کے حبالہ عقد میں دی۔ دوسری کی شادی جان پلیوگس سے کر دی۔

چند سال ہی گزرے تھے کہ ۱۳۵۰ھ میں اسٹیفن ڈوشن شاہ سرویا نے سالونیکا پر حملہ کر دیا اور اس کو گمان تھا کہ یہ فتح کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو لے لیگا۔ کنٹا کوزین نے اپنے داماد اورخان سے امداد کی درخواست کی اور

جان نے بھی اس نازک موقع پر معاونت کی خواہش کی۔ چنانچہ آور خان نے تیس ہزار ترکی سپاہی روانہ کئے ان کی مدد سے سالونیکا پر اسٹیفن کو شکست فاش ہوئی اور اس کی فتح قسطنطنیہ کی تمنا خاک میں مل گئی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد عثمانی سپاہی واپس بُلا لئے گئے۔

کنٹا کوزین کو مشترکہ حکومت بار خاطر تھی۔ آخر ش باہمی خانہ جنگی شروع ہوگئی جس سے ۵۷ء۷ھ میں کنٹا کوزین نے آور خان سے پھر مدد کی درخواست کی اور اس کے معاوضہ میں یورپین ساحل کا ایک قلعہ "زنپ" پیش کیا۔ آور خان نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ عثمان پاشا کی سرکردگی میں بیس ہزار ترک سپاہی روانہ کئے۔ جان پلیولوگس اور ملکۂ اینا کو مقابلہ پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کنٹا کوزین تُرکوں کی بدولت قسطنطنیہ کا تنہا فرمانروا ہو گیا۔

سلیمان پاشا نے حسبِ معاہدہ قلعہ زنپ پر قبضہ کر کے عثمانی فوج متعین کر دی۔ چند ہی دنوں بعد تھریس میں زلزلہ آیا۔ بہتیرے شہروں کی فصیلیں منہدم ہوگئیں تو سلیمان کی نگاہ گیلی پولی پر پڑی جو قلعہ زنپ سے قریب تھا۔ جنرل عشی بابا اور غازی فاضل بابا کی معاونت سے اس پر قبضہ جما یا اور فوج متعین کر دی۔ کنٹا کوزین نے دس ہزار دوکات کے عوض میں زنپ واپس لینا چاہا سلیمان نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تھریس کے چند اور مقامات لے لئے گئے۔

یورپ میں پہلا قدم

ان ہر دو قلعوں کے قبضہ میں آجانے سے یورپ کی سرحدی حدود میں ترکوں کا قدم جم گیا گیلی پولی دردانیال کے مغربی ساحل پر سب سے اہم قلعہ تھا اور یہیں سے ترکوں کی تاریخ کا ایک نیا دَور شروع ہُوا۔ اس کا اثر اہلِ قسطنطنیہ نے بھی لیا اور کنٹا کوزین کے خلاف ہو گئے اور ترکوں کو یورپ میں لانے کا ذمہ دار قرار دیا اور ہر شخص کنٹا کو غدارِ وطن کہتا تھا۔ آخرش رائے عامہ کے مقابلہ میں اس کو تخت و تاج چھوڑنا پڑا اور معہ اپنی ملکہ کے راہبانہ زندگی اختیار کر لی۔

تخت سے دستبرداری کے بعد قسطنطنیہ کا حکمران جان پلیو لوگس بنایا گیا جس نے پچاس برس حکومت کی۔ مگر سلطنت بازنطینی کی حالت کو نہ سنبھال سکا۔ آورخاں نے اس حکومت کے اضمحلال سے فائدہ اُٹھا کر قلعہ شورلو اور ڈیموٹیکا فتح کر لئے۔ جان نے صلح کر کے ڈیموٹیکا چھڑا لیا مگر جنوبی تھریس پر آورخاں کا قبضہ قائم رہا۔ اس کے بعد سلطنت بازنطینی آورخاں کے رحم وکرم پر ہو کے رہ گئی۔

سلیمان پاشا سلیمان پاشا جس نے گیلی پولی پر قبضہ کیا تھا علاء الدین کے بعد صدر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا اور اپنے چچا کے قدم پر قدم رکھ کر ملک کی خدمت انجام دی۔ یہ شہزادہ فنِ سپاہ گری وسپاہ سالاری میں ممتاز تھا۔ علمی استعداد بھی معقول تھی۔ رعایا میں اپنی کارگزاری سے تھوڑے عرصہ میں قبولیت حاصل کی تھی۔ آورخاں کا صحیح جانشین ہونے کو تھا کہ قضا وقدر کے ہاتھوں ۷۵۹ھ، ۱۳۵۸ء میں شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوا[1] اورخان کے لئے یہ اندوہناک واقعہ بے حد سخت تھا۔

وفات آورخان نے سلیمان پاشا کی جدائی کا اثر بہت لیا اور اس صدمہ میں دوسرے ہی سال بعمر بیاسی سال ۷۶۰ھ میں انتقال کر گیا۔ بروصہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف اورخاں میں فاتحانہ اوصاف بلیش از بیش تھے۔ مجاہدانہ سرگرمی کا حامل تھا۔ تینتیس ۳۳ سال کے دورِ حکومت میں عثمانی مقبوضات کے دائرہ کو وسیع کر لیا تھا۔ عثمان نے جس حکومت کی بنیاد قائم کی تھی اس کو بے حد مضبوط کر دیا اور سلطان کہے جانے کا مستحق ہو گیا۔ آورخاں میں کشور کشائی اور جہان بانی کے جملہ اوصاف تھے۔ اس کے ساتھ شریعت

---

[1] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ

اسلامیہ کا بڑا پابند اور گرویدہ تھا۔ شجاعت اور تہور کے ساتھ سخت گیر نہ تھا۔ حلیم اور بڑا سخی تھا۔ علماء کی قدردانی کرتا اور اپنی صحبت میں ان کو رکھتا اور اعزاز و اکرام ان کا بہت کرتا۔ اس بادشاہ میں درویشی کی بھی شان تھی مشہور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا۔

وسعتِ سلطنت اورخاں کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ ایشیائے کوچک کے شمال مغربی حصہ اور یورپ میں زنپ گیلی پول اور تھریس کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی۔ اس کا مجموعی رقبہ بیس ہزار مربع میل سے زیادہ نہ تھا اور آبادی ۱۰ لاکھ نفوس کی تھی [۱]

علمائے عصر ابن بطوطہ دنیا کا مشہور سیاح شہر طنجہ سے ۱۳۲۵ئہ میں شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا استنبول، خراسان، بخارا، قندھار، ہندوستان گیا۔ دہلی میں سلطان تغلق کے دربار میں قاضی القضاۃ کے منصب پر رہا۔ تغلق نے سفیر بنا کر اس کو چین بھیجا۔ غرضیکہ چوبیس سال تک سیاحت کی۔ پھر فاس واپس آیا یہیں اس کا انتقال ۱۳۷۷ء ۷۷۹ھ میں ہوا۔ تحفۃ النظار فی غرائب الامصار سیاحت نامہ یادگار ہے۔

علامہ زین الدین ابوحفص عمر ابن الوردی جو معرۃ النعمان شام میں ہوا حماۃ میں علم فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد میں حلب کے قاضی ابن نقیب کا منشی رہا۔ اس کی کتاب خریطۃ العجائب و فرید الغرائب مشہور ہے ۱۳۴۰ئہ تک بقید حیات تھا۔ اسکا معاصر مشہور مؤرخ ابوالفدا تھا۔ قاضی عضدالدین ایجی معقول و منقول اور اصول و فروع میں یکتائے روزگار تھا۔ اس کا اور علامہ ابہری کے عالمانہ مناظرے رہے ہے۔ سعدالدین تفتازانی اس کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ والی کرمان نے اس کو قلعہ میں قید کر دیا وہیں ۷۵۶ھ میں فوت ہوا۔

---

[۱] تاریخ ترکیہ

سلطان مراد اوّل

نام ونسب وپیدائش مراد اول[1] بن امیر آورخاں بن امیر عثمان خان غازی۔ ۷۳۰ھ میں پیدا ہُوا۔

تعلیم وتربیت اورخان نے مصاحب علماء کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ مگر رجحان طبیعت کا فنونِ حرب کی طرف تھا۔ اس کا بھائی سلیمان پاشا فنِ سپہ گری میں طاق تھا اس پر بھی اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ کم عمری سے اس میں مُلک گیری اور حکمرانی کے جوہر نظر آرہے تھے۔ قدرت نے اس کا ساتھ دیا کہ آورخان کا سچا جانشین بنا۔

وزارتِ عظمیٰ مراد کے عہد میں صدرِ اعظم کی جگہ پر قرہ خیل الملقب بہ خیرالدین پاشا ممتاز ہُوا۔ خیرالدین میں وہ جملہ اوصاف جو ایک لائق وزیر میں ہونے چاہئیں موجود تھے۔ ایک عرصہ تک فوجِ عثمانی میں قاضی کے عہدہ پر ممتاز رہ چکا تھا۔ علم وفضل کے ساتھ فنونِ حرب کا بڑا ماہر تھا۔ عادل اور منصف مزاج واقع ہوا تھا۔ ۷۸۹ھ میں فوت ہُوا۔

امیر العسکر مشہور سپہ سالار افواجِ عثمانیہ "لالہ شاہین" تھا۔ اس کے بعد تیمور طاش امیر العسکر بنایا گیا۔ ان ہر دو نے فوج میں حسبِ ضرورت اصلاحات کیں۔

جدید نظام کے ساتھ اُن کے مراتب میں اضافہ کیا اور پرچمِ عثمانی سُرخ رنگ کا مقرر کیا اور اس میں ہلال اور ستارہ کا نشان رکھا۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲، صفحہ ۳۴۴۔

امیر کرمانیہ کی بغاوت مراد نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تھی کہ امیر کرمانیہ نے مراد کے خلاف ایشیائے کوچک میں شورش کردی۔ مگر مراد نے موقع پر پہنچ کر بغاوت کا بہ قوت استیصال کر دیا۔ اس کے بعد با اطمینانِ خاطر یورپ کی طرف متوجہ ہُوا۔

فتوحات تھریس مراد سریرِ سلطنت پر آتے ہی یورپ کو اپنی فتوحات کی جولانگاہ بنانا چاہتا تھا مگر امیر کرمانیہ کی بغاوت سے کچھ عرصہ کے لئے اس ارادے کو ملتوی کرنا پڑا۔ جب یہ فتنہ فرو ہُوا تو مراد ایک زبردست ترکی فوج لے کر دردانیال کو عبور کر کے تھریس میں قدم رنجہ ہُوا۔ قلعہ شورلو فتح کر لیا۔ یہاں سے قسطنطنیہ صرف پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے بعد دُوسرا قلعہ "کرک کلیسے" کو قبضہ میں لایا۔ ۷۶۲ھ میں اُسکی بابا پر بازنطینیوں سے سخت معرکہ رہا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ غرضیکہ تھوڑے عرصہ میں تمام تھریس پر مُراد کا قبضہ ہو گیا۔

جنرل لالہ شاہین کے کارنامے مراد تھریس کے علاقہ کی تسخیر میں لگا ہُوا تھا۔ فوج عثمانیہ کے سپہ سالار لالہ شاہین نے بلغاریہ میں داخل ہو کر فلیو پولس مقام فتح کر لیا۔ شہنشاہِ قسطنطنیہ نے یہ رنگ دیکھ کر مراد سے صُلح کر لی کہ مراد کی ہر موقعہ پر فوجی معاونت کرتا رہے گا۔ اس کامرانی کے بعد مراد بروصہ واپس آ گیا۔

جنگ مارٹیزا مراد کی فاتحانہ سرگرمی سے دوسری مسیحی حکومتوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ کلیسائے روما کے زیرِ سایہ حکمرانیاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگیں۔ پوپ اربن پنجم نے ہنگری، سرویا، بوسنیا دلاچیا کے فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ وہ مشترکہ طاقت سے ترکوں کو یورپ سے نکال دیں۔ چنانچہ ۷۶۲ھ میں اتحادیوں کی بیس ہزار فوج تھریس روانہ ہوئی۔ مراد اناطولیہ میں تھا وہ یورپ روانہ ہُوا۔ مگر یہاں جنرل لالہ

شاہین نے مختصر فوج سے اتحادی افواج کو جو ادرنہ کے قریب دریائے مارٹیزا پر خیمہ زن تھی آلیا اور دفعتہً حملہ آور ہو کر تقریباً تمام فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ شاہ ہنگری بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہُوا کہ کوہ بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ مراد نے ڈیموٹیکا کو جو تھریس میں واقع ہے پایۂ تخت بنایا۔

دارالحکومت پھر تین سال بعد ادرنہ دارالسلطنت قرار دیا اور یہاں سے مراد نے دیگر بلقانی ریاستوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کا باجگذار ہونا جنگِ مارٹیزا کے بعد سلطان مراد اور شہنشاہ قسطنطنیہ کے درمیان معاہدہ ہُوا جس کی رُو سے شہنشاہ نے سلطان مراد کا باجگذار ہونا منظور کیا۔ اور آئندہ جنگوں میں عثمانی فوج کی حمایت میں اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

شاہزادۂ بایزید کی شادی امیر کرمیان اناطولیہ میں سربرآوردہ امیر تھا اور وہ دولتِ عثمانیہ سے آئے دن دُو دُو ہاتھ کرتا ہی رہتا تھا۔ مراد نے اس کے رام کرنے کے لئے امیر کرمیان کی لڑکی کی بایزید سے نسبت منظور کر لی۔ چنانچہ امیر نے عروس کو ریاست کرمیان کا بڑا حصّہ اور قلعہ کوہاتیہ جہیز میں دیا۔ شادی کی تقریب بروصہ میں دھوم دھام سے منائی گئی۔ اناطولیہ کے تمام امرائے ترک سلطان مصر کا سفیر اس تقریب میں شریک ہُوئے۔

یہ لوگ اپنے ساتھ عرب کے صبادفتار گھوڑے، حسین یونانی کنیزیں، اسکندریہ کے ریشمی پارچات، سونے چاندی کے ظروف، طشت جو جواہرات سے مزیّن تھے سلطان کے سامنے بطور تحفہ پیش کئے۔ اس نے یہ تمام اشیاء

اپنے مہمانوں میں تقسیم کر دیں۔ عروس نے کرمیان کے قلعوں کی کنجیاں نذر کیں تو مُراد نے انہیں اپنے ہی پاس رکھ لیا۔

شہر آق کی خرید ریاست حمید کے امیر سے ۷۷۹ھ میں بقیمت شہر آق خرید لیا جس کی وجہ سے سلطنتِ عثمانیہ کی سرحد ریاست کرمانیہ سے ملحق ہو گئی۔ مراد نے اپنی دُختر نفیسہ کا عقد علاء الدین امیر کرمانیہ سے کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ باہم کوئی جنگ نہ ہوئی مگر امیر کرمانیہ کو اناطولیہ کے ترکوں کی سرداری کا دعویٰ تھا۔ وہ پھر مراد سے قونیہ کے قریب آمادۂ پیکار ہو گیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور گرفتار ہو گیا۔ مُراد اگر چاہتا تو امیر کرمانیہ کو قتل کرا کر ریاست پر قبضہ کر لیتا۔ مگر نفیسہ خاتون کی خاطر اُس کے شوہر کا قصور معاف کیا اور ریاست بخش دی۔ اس پر علاء الدین نے مراد کی اطاعت قبول کر لی۔ لطف یہ ہے کہ علاء الدین مراد کا داماد تھا اور بایزید علاء الدین کا داماد، بایزید نے ہی اپنے خسر کو زیر کیا اور یلدرم کا لقب پایا۔

فتوحات ۷۸۲ھ میں شاہ سربیالازار اور بلغاریا نے پھر سر اُٹھایا خراج دینا بند کر دیا۔ تیمور طاش نے ان پر لشکر کشی کر کے مناستر اور استپ لے کر صُوفیہ کا محاصرہ کیا اور تین سال بعد اس کو تسخیر کر لیا تیمور طاش ادھر مجاہدانہ سرگرمی دکھا رہا تھا۔ صدر اعظم خیر الدین پاشا نے دوسری طرف سلانیک فتح کیا۔

اس زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ یوحنا پالیولاج باوجودیکہ اس کی متعدد لڑکیاں شاہی حرم میں تھیں۔ مگر اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے پاپائے روم کی دہلیز پر جبیں سائی کی مگر اس نے اس کو ٹھکرا دیا۔ مراد کو اس کی منافقت کی خبر لگی سخت ناراض ہُوا۔ شہنشاہ نے اپنے لڑکے تھیوڈر کو خدمت میں بھیج کر سلطان کو رام کیا۔ مراد ایشیائے کوچک گیا۔ اپنے بیٹے صاوجی کو قائم مقام بنا گیا۔ تھیوڈر نے صاوجی کو ترغیب دلائی کہ اپنے

استقلال کا اعلان کر دے۔

صادوجی جھانسہ میں آگیا۔ سلطان مراد کو خبر لگی۔ پلٹا اور دردانیال کو عبور کر کے شہنشاہ کو ساتھ لیا، ادرنہ پہنچا کہ فوجیں شاہزادہ صادوجی کو چھوڑ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ ہر دو نافرمان بیٹے گرفتار کر لئے گئے۔ نیل کی سلائیاں آنکھوں میں پھیر دی گئیں۔

شاہ سربیا کی خودسری ۷۸۸ھ میں شاہ سربیا اور سیسمین والی بلغاریہ نے مل کر حملہ کیا۔ جنرل علی پاشا نے بیس ہزار فوج سے مقابلہ کیا۔ ان کو پسپا کرتا ہوا قرطوہ اور شوملہ تک لے گیا اور یہاں سے بھی ان کو مار بھگایا اور ہر دو قلعوں پر قبضہ جما لیا۔ سیسمین نے بھاگ کر نیکوپلی میں پناہ لی۔ وہاں سے پھر لشکر جمع کر کے ترکوں کے مقابل ہوا مگر گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اس کی لجاجت سے متاثر ہو کر قصور معاف کیا اور اس کی نصف سلطنت بھی ازراہِ خسروانہ چھوڑ دی۔ سلسٹریہ کا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ لازار نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ فیصلہ کن معرکہ کا تہیہ کر کے ۱۵ جون ۷۹۱ھ، ۱۳۸۹ء کسودا کے میدان میں آجمع ہوا۔ مراد نے اُن کی سرکوبی کر دی۔ اتحادیوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ یکایک سروی میلوش کو بیلو ویچ نامی نے دھوکے سے مراد کو خنجر سے زخمی کر دیا۔ مراد نے ترکوں کو سخت حملے کا حکم دیا۔ لازار شاہِ سربیا گرفتار کر لیا گیا۔ مراد کے سامنے لایا گیا اس نے اسے قتل کرا دیا۔

وفات مراد کے زخم کاری لگا تھا جس سے جانبر ہونا محال تھا۔ چنانچہ پینسٹھ سال کی عمر میں ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ نعش بروصہ لاکر آبائی مقبرہ میں دفن کی گئی۔

وسعتِ سلطنت مراد نے جو علاقہ یورپ کا فتح کیا تھا وہ اپنے والد کے مقابلہ میں پانچ گُن زیادہ تھا۔ بلغاریہ، سرویہ، بوسنیا پر دولتِ عثمانیہ کا تسلط تھا۔ ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ شاہِ ہنگری

مقابل آیا تو شکست کھا گیا۔ غرضیکہ سلطنت عثمانیہ کا دائرۂ حکومت دریائے ڈینیوب تک پہنچ گیا تھا۔ تھریس، مقدونیہ، جنوبی بلغاریہ کی ریاستیں مکمل طور پر سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو چکی تھیں۔

کارنامے

مراد جلیل القدر سلاطین عثمانی سے تھا تیس سال حکمرانی کی جس میں سے چوبیس سال میدانِ جنگ میں صرف کئے اور ہر جنگ میں فاتح رہا۔ کہیں اس کو ناکامی دشمن کے مقابلہ میں نہ ہوئی۔

گبنس نے لکھا ہے :۔

"مراد خاندانِ عثمانی کا سب سے زیادہ ممتاز و کامیاب ماہر سیاست اور محارب تھا"

تیس سال تک مراد نے عثمانیوں کی سیادت ایسی سیاسی تدبّر کے ساتھ کی کہ اس عہد کا کوئی مدبّر اس پر فوقیت نہ حاصل کر سکا"[1]

اصلاحات

مراد نے حکومت میں وہ اصلاحیں کیں جس سے اس کا دورِ حکومت امن و امان کا تھا۔ ؁۷۶۰ھ سے ؁۷۸۳ھ تک وہ سلطنت کے انتظام و استحکام میں لگا رہا۔ فوجی نظام میں بھی اپنے پیش رو سلاطین سے زیادہ اصلاحیں کیں۔ جاگیرداری نظام کو مکمل کیا۔ جو علاقے فتح کئے گئے ان میں جاگیریں قائم کر کے سپاہیوں کو عطا کیں اور ان جاگیرداروں کو جنگ کے مواقع پر ایک یا ایک سے زیادہ مسلح سوار فراہم کرنے کا ذمّہ دار بنایا۔ یہ فوجی جاگیریں، تیمار اور زعامت چھوٹی اور بڑی دو قسموں کی تھیں۔

مراد نے شاہی اخراجات کے لئے زمینیں الگ قائم کیں۔ مساجد اور دوسرے مذہبی اداروں کے لئے علیحدہ زمینیں وقف کر دیں۔ ان کے انتظام کے لئے ایک محکمہ قائم کیا۔

---

[1] ہربرٹ گبنس صفحہ ۱۴۸

نصرانی غدّار عثمانی قلمرو میں جس قدر نصرانی آباد تھے ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ آلِ عثمان نے ہر موقعہ پر ملحوظ رکھا۔ ان کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ ان کے کلیسے محفوظ تھے۔ مگر یہ لوگ مغربی امراء سے ساز باز کرتے رہتے۔ مراد نے ان کی درستی مزاج کے لئے ان کے لئے بعض خدمات مخصوص کردی تھیں۔ اصطبل وغیرہ کی صفائی، خیموں کا نصب کرنا اور اکھاڑنا، سامان کی گاڑیوں کی دیکھ بھال اور اسی قسم کے دوسرے فوجی کام نصرانیوں کے سپرد کیے گئے۔

رایت احمر مراد نے عَلم عثمانی کے لئے سرخ رنگ تجویز کیا۔

اوصاف مراد تہور و شجاعت کا مجسم پیکر تھا۔ بہادری کے جس قدر اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب قدرت نے مراد میں رکھے تھے۔ خلیق اور متواضع بڑا تھا۔ رحم دل بھی تھا۔ دشمن زیر ہو جاتا تو اُس کا قصور معاف کر دیتا۔ سخی بھی بڑا تھا۔ بایزید کی شادی میں جس قدر تحفہ تحائف آئے وہ تقسیم کردیئے اپنے لئے نہیں رکھے۔ غرباء کی بڑی خبر گیری رکھتا تھا۔ مذہب کا پابند تھا۔ جہاد سے اس کو دلی رغبت تھی۔

عُلمائے عصر علاّمہ ابن خلدون ۷۳۲ھ میں پیدا ہُوا۔ ٹیونس وطن تھا۔ فلسفۂ تاریخ کا موجد، روشن خیال، متبحر عالم صائب الرائے۔ علم الکلام اور فلسفہ پر پوری نظر تھی۔

وفات ۸۰۸ھ میں فوت ہُوا۔

سلطان بایزید اوّل یلدرم

نام ونسب | بایزید بن مراد بن اورخاں عثمانی۔[1]

ولادت | بایزید ۷۶۱ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت | شاہانہ طور طریق سے بایزید کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ فطری رجحان فنونِ حرب کی طرف تھا۔ کم عمری میں وہ جنگی کارنامے انجام دیئے کہ یلدرم (صاعقہ) کے لقب سے ملقب تھا۔

تخت نشینی | مراد کی شہادت کے بعد شہزادہ بایزید جنگ کسودا کی کامیابی اور کامرانی سے اپنے لشکر میں واپس آیا۔ فوج کے تمام سرداروں نے اس کا خیر مقدم خوش دلی سے کیا اور تاج وتخت سپرد کیا۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چھوٹے بھائی یعقوب چلپی کو قتل کرا دیا۔ یہ بڑا شجاع اور ماہرِ جنگ تھا۔

امیر العسکر | تیمور طاش سالارِ عسکر اور ایشیائے کوچک میں بایزید کا نائب سلطنت بھی تھا۔ مراد کے زمانے میں تیمور نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ شجاعت اور تہور میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

وقائع | جنگِ کسودا میں سرویا کو بھی ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ مگر اس پر بھی وہ برسرِ پیکار تھا۔ آخرش اس نے بایزید سے ایسی صلح کی کہ اس

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۴۴ جلد ۲۔

کی خود مختاری قائم رہی مگر باجگذار رہا۔ شاہ سرویا لازارہ کا جانشین اسٹیفن ہوا۔ اس نے سالانہ خراج کے علاوہ پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ سلطان بایزید کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رکھنے کا معاہدہ کیا۔ اپنی بہن شہزادی ڈیسپنیا کو بایزید کے نکاح میں پیش کیا اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ سلطان جب کبھی کسی دولِ مغرب سے برسرِ جنگ ہوگا تو وہ خود بنفسِ نفیس مع فوج کے شریک ہوا کریگا۔

شہنشاہِ قسطنطنیہ سے جدید صلحنامہ

بایزید نے شہنشاہِ قسطنطنیہ جان پلیولوگس کو ایک جدید صلح نامہ کے لئے کہا۔ اگر وہ تیار نہیں ہے تو اینڈرونیکس کو تخت قسطنطنیہ پر بٹھائے گا اور صلح نامہ اس سے کرے گا۔ جان پلیولوگس اور اس کا لڑکا مینوئل جو تختِ سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا گھبرا کر معاہدہ کے لئے تیار ہوگئے اور تیس ہزار طلائی سکّے بطورِ خراج ہر سال دینے کا وعدہ کیا اور بارہ ہزار کا ایک فوجی دستہ بایزید کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہا کرے گا طے کیا اور ایشیائے کوچک میں قلعہ فلاڈلفیا جو بازنطینی سلطنت کا باقی رہ گیا تھا وہ بایزید کو نذر کیا۔

اناطولیہ کی بقیہ ریاستیں

ایشیائے کوچک میں چند ترکی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جو سلطنتِ عثمانیہ کے لئے ہر آن خطرہ کھڑا کر دیتی تھیں اور یورپ کی فتوحات میں بغاوت کر کے اکثر روڑے اٹکا دیا جاتا۔ بایزید نے پہلے ان کی طرف توجہ کی۔ پہلے اس نے ترکی ریاست ایدین کو فتح کیا۔ پھر امنتشار اور صاروخان پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے ترکی امراء امیر قسطمونی کے پاس پناہ گزین ہوئے۔

غرضیکہ ہر دو مذکورالذکر ریاستیں سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں جس سے اس کے حدود بحرِ ایجین کے ساحل تک پہنچ گئے۔ پھر ریاست تکہ کے بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کیا اور آگے بڑھ کر قسطمونی کے امیر سے بھڑ پڑا اور اُسے

شکست دیکر اس کی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ آخر میں کرمانیہ کا رخ کیا۔ اس کے امیر علاء الدین نے مقابلہ پر شکست کھائی اور خود بھی معہ اپنے دو بیٹوں محمد و علی کے گرفتار کر لیا گیا۔ آخر کار اُس نے شہر آق نذر کر کے صلح کر لی۔

محاصرۂ قسطنطنیہ اناطولیہ کی فتوحات کے بعد بایزید درہ دانیال کو عبور کر کے ادرنہ آیا۔ یہاں سے مینوئیل جان پلیولوگس کے مرنے پر قسطنطنیہ پہنچا اور تخت نشین ہو گیا۔ یہ فعل بایزید کو ناگوار ہُوا تو فوجیں لیکر قسطنطنیہ گیا اور محاصرہ کر لیا۔ سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ پھر چونکہ بایزید کو بلغاریہ میں سیجمنڈ شاہ ہنگری کے جارحانہ اقدام کو روکنے کے لئے فوجیں درکار تھیں۔ اس لئے مینوئیل سے دس سال کے لئے صلح کر کے محاصرہ اُٹھا لیا۔ سالانہ خراج کی رقم تیس ہزار طلائی کراون مقرر ہوئی۔ مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ میں ایک شرعی عدالت قائم کی گئی جہاں کا قاضی ترکی عالم مقرر ہُوا اور ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر ہوئی اور غلّہ کا نصف حصّہ سلطان کے قبضہ میں آیا یہاں چھ ہزار عثمانی فوج متعین کی گئی۔

ولاچیا بایزید نے ولاچیا پر حملہ بول دیا۔ آخر ش وہ باجگذار بن گیا۔ پھر بوسینیا اور ہنگری کی طرف رُخ کیا مگر حملہ میں ناکامی ہوئی۔ بایزید ہمت نہ ہارا۔ دوبارہ حملہ کر کے گیا ہُوا قلعہ نامکوپولس لے لیا سیجمنڈ کو بھاگنا پڑا۔

فتح بلغاریہ ۷۹۵ھ میں بایزید نے اپنے لڑکے سلیمان پاشا کو بلغاریہ کے فتح کے لئے بھیجا۔ جنوبی حصہ اس کا مراد کے عہد میں فتح ہو چکا تھا جو باقی تھا شہزادہ سلیمان نے اس پر حملہ کر دیا۔ شاہ سلیمان نے جم کر مقابلہ کیا۔ مگر سلیمان نے پایۂ تخت ترنوا کو ایک ہفتہ محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اب شمالی بلغاریہ بھی عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ "اسقف اعظم" جو بڑا فتنہ گر تھا وہ جلاوطن کر دیا گیا۔ بلغاریہ کے بہت سے نصرانی بہ طیب خاطر داخلِ اسلام ہو گئے۔ ان کی زمینیں بحال رہیں باقی سارا علاقہ فوجی جاگیروں کی شکل میں ترکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

صلیبی جنگ

بلغاریہ کے سلطنتِ عثمانیہ میں شمولیت سے شاہ ہنگری سجس موند کو اپنے ملک کے لئے خطرہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ اس کی سرحد ترکی علاقہ سے ملی ہوئی تھی اس نے نامہ و پیام سے یورپ کے بادشاہوں کو ہمنوا بنایا اور پوپ نے بھی اس کی درخواست پر صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔

سب سے پہلے کلیسا کی آواز پر ڈیوک برگنڈیا نے لبیک کہی اور اپنے بیٹے کاؤنٹ ڈی نیفر کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ جن میں امرائے فرانس اور شاہی خاندان کے اراکین شامل تھے، روانہ کیا۔ راہ بویریا اور آسٹریا کے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اس جماعت میں شامل ہوتے گئے۔

جرمنی سے فریڈرک کاؤنٹ ہوہنزلون اور اس کا لشکر، قدیس یوحنا اور جماعت شلیبی بھی ساتھ ہو گئی۔ ان صلیبی مجاہدوں کو گمان تھا کہ ترکوں کو شکست دے کر ارضِ مقدس پر قبضہ جمائیں گے۔ لطف یہ تھا کہ صلیبیوں کے ساتھ شراب کے قرابے اور نصرانی دوشیزائیں بھی تھیں جو شب کی رنگین صحبتوں کے کام میں لائی جاتیں۔ یہ گروہ بہ کروفر ہنگری پہنچا۔ شاہ ہنگری معہ اپنی سپاہ کے تیار بیٹھا تھا۔ وہ اس صلیبی جماعت میں شامل ہو کر دریائے ڈنیوب کو عبور کر کے نیکوپلی پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ شاہِ ہنگری کے ساتھ شاہ ولاچیا بھی شریک ہو گیا۔ نیکوپلی کے امیر اوغلان بک نے بڑی پامردی سے اس جمِ غفیر کا مقابلہ کیا۔ بایزید اس حملہ کی خبر پا کر دو لاکھ سپاہ کے ساتھ صلیبیوں پر مثل صاعقہ کے آگرا۔ والی سربیا اسٹیفن اپنے عہد پر قائم رہ کر معہ جرار لشکر کے ترکوں کے ساتھ آملا۔

۲۳ ذی قعدہ ۷۹۸ھ کو صلیبی فوجیں اسلامی فوج پر حملہ آور ہوئیں۔ ان کی کمان کاؤنٹ دی نیفر کے ہاتھ میں تھی۔ باوجودیکہ شاہِ ہنگری سجمنڈ نے

ان کو اس حملہ سے منع کیا تھا کہ جو فوج مقابل ہے وہ غیر مرتب ترکی دستہ ہے۔ اس کے عقب میں جو فوج ہے اس سے نبٹنے کی ضرورت ہے۔ مگر سجمنڈ کی رائے کے خلاف کاؤنٹ اپنی بہادری کے زعم میں ینی چری سے ہی دو دو ہاتھ کرتا ہُوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

ترکوں کا مقدمۃ الجیش شکست کھا گیا۔ کاؤنٹ کو اپنی فتح نظر آنے لگی اور اس قدر میدانِ جنگ میں آگے بڑھ گیا کہ ینی چری فوج اس کے پیچھے رہ گئی اور سامنے ترکوں کا منظم لشکرِ عظیم نظر آنے لگا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ واپس ہونا چاہا مگر راہ ینی چری فوج نے روک دی۔ آخرکار نہایت بے جگری سے ترکوں کے ساتھ لڑا۔ اس کے چھ ہزار ساتھی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ بایزید نے یہ رنگ دیکھ کر سجمنڈ کی طرف توجہ مبذول کی۔ صلیبیوں کے دونوں بازوؤں کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ قلب لشکر جو ہنگری، بویریا اور آسٹریا کے دستوں پر مشتمل تھا جس کی کمان خود سجمنڈ کے ہاتھ میں تھی جم کر مقابلہ پر رہا مگر چند گھنٹے سے زیادہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ آخرکار یہ صلیبی مجاہد بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزارہا قتل ہوئے۔ ترکوں نے بھگوڑوں کو گھیر کر گرفتار کر لیا جن کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔

کاؤنٹ نے مسلمان قیدی جو اس کے قبضہ میں آئے تھے قتل کرا دیئے۔ بایزید نے ان کے انتقام میں ان قیدیوں کو بھی تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ قیدیوں میں کونٹ ڈی نیورس بھی تھا۔ شاہِ ہنگری سجمنڈ سر پر پیر رکھ کر ایسا بھاگا کہ جو اس کی امداد کے لئے صلیبی بہادر آئے تھے ان کی خبر بھی نہ لی مگر کونٹ ڈی نیورس جب قتل کرنے کے لئے لایا گیا بایزید نے اس کو دیکھ کر اس کی جوانی پر ترس کھایا اور اس کی جان بخشی کی اور اس کی سفارش سے چوبیس ساتھی بھی بچا لئے گئے۔

ان سب کو سلطان بایزید نے نہایت احترام و عزت سے ایک سال

تک زیرِ حراست رکھا۔ فرانس سے زرِ فدیہ آگیا تو ان کو وطن جانے کی اجازت عطا کی اور چلتے وقت کونٹ ڈی نیورس سے کہا :-

"جان مجھ کو علم ہے کہ تو اپنے ملک کا سردار ہے۔ ممکن ہے تیرے ہم عصر تیری اس ناکامی پر تجھے قابلِ الزام سمجھیں مگر میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں اور اجازت ہے کہ پھر میدانِ جنگ میں آکر مجھ سے دو دو ہاتھ کرے۔ میں ہمیشہ تیار ملوں گا۔"

جان، بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنے ملک میں آیا مگر تمام عمر پھر کبھی سر نہ اُٹھایا۔

اس عظیم الشان فتح کی بشارت تمام عالمِ اسلامی میں بھیجی گئی۔ اس پر ہر جگہ بڑی خوشی منائی گئی۔

فرمان خلیفہ عباسی متوکل علی اللہ اوّل عباسی خلیفہ قاہرہ نے بھی بایزید کے اس کارنامے سے محظوظ ہو کر جملہ علاقہ جات مفتوحہ کا فرمان لانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور بہت سے تحفے تحائف خلیفہ کے حضور میں ارسال کئے۔

جنگ نائکوپولس کے بعد بایزید نے ولاچیا، آسٹریا اور ہنگری پر فوجیں بھیج دیں جنہوں نے پیٹر واڈین کے شہر پر قبضہ کیا۔ ایک ترکی دستہ نے سربیا پر یورش کی اور ساحل ڈینوب کے جو قلعے نصرانیوں نے لے لئے تھے وہ ان سے بزور حاصل کر لئے اور خود بایزید بنفسِ نفیس بوڈا پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا لیکن دفعتہً بیمار ہو گیا جس سے ہنگری کی یہ مہم معرضِ التوا میں رہی۔

فتح یونان تندرست ہونے کے بعد ادرنہ کو بایزید واپس ہُوا اور وہاں پہنچ کر مینوئل شاہِ قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ جان کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے۔ مگر مینوئیل نے بایزید کو نا ملائم جواب دیا۔ جس کی بنا پر ۸۰۰ھ میں بایزید یونان پر حملہ آور ہُوا اور بلا زحمت اُٹھائے تھسلی

فوسیس، ڈورسیس اور لوکرسیں پر قابض و متصرف ہو گیا۔

ادھر بایزید برسرِ پیکار تھا۔ دوسری طرف اس کے جنرل یعقوب اور افرینوس نے خاکناۓ کورنتھ کو طے کر کے جنوب کا رخ کیا اور تمام موریا کو فتح کر لیا۔

بایزید نے اپنے جنرلوں کو حکم دیا کہ موریا کے تیس ہزار یونانی باشندے ایشیائے کوچک میں منتقل کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ پر ترکوں کو آباد کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

موریا کا حکمران تھیوڈور پلیوگس شاہِ قسطنطنیہ کے نائب کی حیثیت سے تھا اس نے شکست کھا کر بایزید کی سیادت کو قبول کیا اور دولتِ عثمانیہ کا باجگذار بن گیا۔

یونان کی فتح کے بعد بایزید ادرنہ لوٹ آیا۔ یہاں معلوم ہوا شہنشاہِ قسطنطنیہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں دست اندازی کرتا ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور شہنشاہ کو کہلا بھیجا قسطنطنیہ کے معاوضہ میں دوسری حکومت پسند کر لے تاکہ وہ اُس کو عطا کر دی جائے مگر شہنشاہ نے جواب دیا :-

"ہم ضعیف و ناتواں ہیں ہم خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے نہیں ڈرتے وہی کمزور کی حفاظت کرتا ہے اور طاقت ور کا غرور توڑتا ہے۔ سلطان کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے"

اس جواب پر بایزید نے ادرنہ سے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ قریب تھا کہ فتح کر لے۔

مغلوں کی یلغار

سلطان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایشیائی مقبوضات پر مغلوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنگیز کا پوتا تیمور لنگ مثل چنگیز کے کشور کشائی کرتا ہوا بڑھ رہا ہے۔ بایزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اُٹھا لیا اور شہنشاہ سے عہد نامہ لکھوا لیا کہ وہ دس ہزار سکہ طلائی سالانہ جزیہ

میں دیا کرے گا اور جو مسلمان اس کے علاقہ میں رہتے ہیں اُن کے لئے ایک جداگانہ محکمہ شرعیہ قائم کرے گا اور نیز اُن کو ایک جامع مسجد بنانے کے لئے بھی حق دے گا۔

صاحبِ قِران امیر تیمور

تیمور کا مورثِ اعلیٰ قراچار نویان اور چنگیز ایک دادا کی اولاد سے تھے۔

قراچار و چنگیز ابن عم اند   بکشورکشائی قرین ہم اند

قراچار کا خلف الرشید ایجل خاں دانش و خداشناسی کے ساتھ مخصوص تھا۔ ہلاکو خان نے ایجل کو تبریز کا حاکم کیا۔ اس کا بیٹا ایلنگر خان تھا جو اسلام سے مشرف ہوا اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کا صاحب زادہ امیر برکل تھا جس کے لڑکے امیر طراغائی تھے[1] جو شیخ شمس الدین کلال کے مریدوں میں سے تھے۔ یہاں ۲۵ شعبان ۷۳۶ھ ۱۳۳۵ء کو نگینہ خاتون کے بطن سے شہر سبز (ماوراء النہر) میں تیمور پیدا ہوا۔ امیر طراغائی نے تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کیا۔ کم عمری میں اس کی لیاقت اور تہور و شجاعت کے گھر گھر چرچے ہونے لگے۔ تغا تیمور نے کش کی گورنری پر تیمور کو مامور کر دیا۔ بعدہٗ چغتایہ خاں سیورغاتمش کا وزیر ہو گیا جس کی حکومت اُس نے ۷۷۱ھ ۱۳۶۹ء میں غصب کر لی۔ گو تیمور نے اسے اور اس کے لڑکے محمود کو ۸۰۰ھ ، ۱۳۹۷ء تک برائے نام بادشاہ رہنے دیا[2]۔

۷۸۲ھ میں تیمور نے ایران پر چڑھائی کر دی۔ سات برس کے اندر خراسان، جرجان، مازندران، سجستان، آذربائیجان، کردستان فتح کر لئے۔ تیمور نے

---

[1] ظفر نامہ مولانا شرف الدین یزدی قلمی صہ ۹۶ و انساب الترک ابوالغازی خاں۔

[2] شجرات فرماں روایان اسلام از مسٹر اسٹینلی لین پول صفحہ ۱۹۲۔

جس ملک کا ارادہ کیا فتح کر کے چھوڑا۔

۷۸۹ھ میں اصفہان کے آدمیوں نے فتنہ و فساد برپا کیا تو تیمور نے سب کو تہ تیغ کرا دیا۔ پھر دارالملک فارس میں آیا۔ آل مظفر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دشت قبچاق کا فرمانروا اس کا تربیت یافتہ توقیمش خاں تھا۔ اس نے مخالفت کی اس کا سر کچل دیا۔ ۷۹۵ھ میں ایران میں دوبارہ جا کر شاہ منصور کو جو سرکش ہو گیا تھا، شیراز میں قتل کیا۔ آل مظفر کو پامال کیا۔ پھر جلائر سے بغداد بہ جبر لے لیا۔ کئی مرتبہ گرجستان میں آیا۔ ۸۰۱ھ میں دریائے سندھ میں پل بنا کر عبور کیا اور ہندوستان کو فتح کیا۔ پھر یہاں سے دمشق پر فوج کشی کی اور امرائے شام جو قید میں تھے اُن کو قتل کیا۔[1]

تیمور کی فتوحات کا دائرہ تھوڑے عرصہ میں حدود دولت عثمانیہ سے مل گیا تو بایزید نے جن علاقوں پر قبضہ کیا وہاں کے امراء بھاگ کر تیمور کے پاس پہنچے اور جن مقامات پر تیمور نے چڑھائی کی وہاں کے حکمران بایزید کے دامن میں پناہ گزین ہوئے۔ ہر دو ریاستوں کے فرمانروا تیمور اور بایزید کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارتے اور بھڑکاتے۔ ان ریاستوں کے سلسلہ میں ہر دو شاہوں کے درمیان نہایت تلخ نامہ و پیام ہُوئے۔ آخر ش نوبت جنگ کی آگئی اور دو عظیم الشان طاقتیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ فتوحات اسلامیہ کا بڑھتا ہُوا سیلاب رُک گیا۔

معرکہ تیمور و بایزید

۸۰۳ھ ۱۴۰۰ء میں دمشق کی فتح کے بعد تیمور نے ارمینیا کی طرف سے عثمانی سرحد میں داخل ہو کر سیواس جو عثمانی مقبوضہ تھا اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر

---

[1] روضۃ الصفاء۔

کی دیواریں مضبوط تھیں اور ترکی دستے نے سلطان بایزید کے سب سے بڑے لڑکے شہزادہ ارطغرل کی سرکردگی میں اس کی محافظت بھی بڑی جانبازی کے ساتھ کی تیمور کی سات آٹھ لاکھ تاتاری فوج شروع میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر تیمور نے آخر میں سرنگیں لگا کر شہر کی فصیل کو گرا دیا جس سے شہر پر تیموری فوج کا قبضہ ہو گیا۔ تیمور نے سیواس کے محافظ دستہ کو تہ تیغ کیا۔ ان میں چار ہزار آرمینی بھی تھے جن کو زندہ دفن کرا دیا گیا اور شہزادہ ارطغرل اس معرکہ میں کام آیا۔

بایزید اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس کو سیواس کے فتح ہونے کی خبر لگی اور اپنے لختِ جگر کے کام آنے کا علم ہوا اس کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ تیمور کے مقابلہ کے لئے ایشیائے کوچک پہنچا۔ لیکن تیمور اس درمیان میں شام اور مصر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دو سال بعد پھر میں وہ لوٹا اور سیواس پہنچنے کے بعد بایزید اور اس کے درمیان خط و کتابت دوبارہ ہوئی۔ بایزید کو اپنی فتوحات کا زعم تھا اور تیمور کی طاقت کا اندازہ وہ نہ رکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ہر دو مسلم شہنشاہ تیار ہو گئے۔

معرکۂ انگورہ بایزید ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ تیمور صاحبقران کے مقابلہ کے لئے سیواس کی طرف بڑھا۔ لیکن تیمور کی کثیر فوج (سات لاکھ کے لئے یہ میدان تنگ تھا اس لئے وہ بایزید کے پہنچنے سے پیشتر انگورہ کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر فوراً انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسے یقین کامل تھا کہ بایزید انگورہ کو بچانے آئے گا۔ چنانچہ بایزید اطلاع پا کر سیواس کے بجائے انگورہ پہنچا۔ اس نے دیکھا تیمور شہر کے شمال مغرب کی جانب جو فوجی نکتۂ نظر سے میدان کا بہترین حصہ ہے قبضہ کئے ہوئے ہے۔ مگر بایزید اپنی قوت کے گھمنڈ میں تیمور کی فوجی طاقت کا اندازہ

نہ کر سکا۔ ادھر تیمور نے اپنے تاتاری ایجنٹ بایزید کی فوج میں بھیج دیئے جنہوں نے عثمانی فوج میں تاتاریوں میں بایزید کے خلاف بغاوت پیدا کر کے ان میں قومی عصبیت برانگیختہ کر دی۔ چنانچہ تاتاری عین جنگ کی حالت میں کٹ کر تیمور کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر بایزید کی خست نے فوجیوں کو بددل بنا دیا تھا۔

عثمانی افسروں نے یہ رنگ دیکھ کر بایزید کو مشورہ دیا کہ تیمور سے صلح کر لے مگر اپنی قوت کے زور میں اُس نے مطلق توجہ نہ کی بلکہ اپنی شان دکھانے کے لئے انگورہ کے بعد ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا۔ راہ میں پانی کی کمی سے پانچ ہزار فوجی سپاہی پیاس کی شدت سے مر گئے۔ جو باقی رہے وہ بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف سے خستہ حال تھے۔

بایزید شکار سے لوٹا۔ دیکھا کہ اس کی لشکر گاہ پر تیمور کا قبضہ ہے اور جس چشمہ سے فوج پانی لے سکتی تھی اس کا رُخ بھی تیموری فوج نے پھیر دیا ہے۔ بایزید نے ان حالات کی نامساعدت سے گھبرا کر ۲ ذی الحجہ ۸۰۴ھ ۱۴۰۲ء کو فیصلہ کن معرکہ کا آغاز کر دیا۔ لڑائی طلوع فجر سے قبل شروع ہو گئی اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی۔ بایزید نے اپنی سپہ گری اور سپہ سالاری کے خوب خوب جوہر دکھائے مگر تیمور کی فوجی قابلیت اور اس پر طرہ یہ تھا کہ دُعا اور مناجات میں مشغولی اور سجدے میں سر رکھ کر رونا، اور گڑگڑانا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بایزید کو ناکامی نظر آنے لگی۔

ادھر اناطولیہ کی ترکی ریاستوں کے رئیس تیمور کے ساتھ تھے اور فوجیں بایزید کے ہمراہ۔ وہ اپنے آقاؤں کے جھنڈے کے نیچے پہنچ گئیں۔ تاتاری علیحدہ پہنچ گئے۔ پھر افسروں نے بایزید کو میدان چھوڑنے کی رائے دی مگر اپنی شجاعت اور کشوری کے زعم میں اس نے مشورہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ بایزید کے ساتھ اب صرف دس ہزار ینی چری رہ گئے تھے وہ سات آٹھ لاکھ

تاتاریوں کا کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ رنگ بایزید نے جو دیکھا تو بھاگنا چاہا۔ وقت گزر چکا تھا سردار محمود خاں چغتائی نے بایزید کو میدان سے ہٹتے ہوئے دیکھا اُس نے آگے بڑھ کر گرفتار کر لیا۔ بایزید کے پانچ لڑکوں میں سے جو شریکِ جنگ تھے اُن میں سے تین دشمن کی زد میں سے بچ کر نکل گئے۔ شہزادہ سلیمان نے یورپ کی راہ اختیار کی۔ شہزادہ محمد نے اماسیا پہنچ کر دم لیا اور شہزادہ عیسیٰ نے کرمانیہ کا رُخ کیا۔ شہزادہ موسیٰ گرفتار ہوا۔ شہزادہ مصطفےٰ اس وقت لاپتہ ہو گیا۔

بایزید کا انجام بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا۔ تیمور نے تخت سے اُتر کر بایزید کا استقبال کیا اور ہتھکڑی کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے پہلو میں تخت پر بٹھایا اور سلطان بایزید کے اس حال کو دیکھ کر آبدیدہ ہوا اور کہنے لگا :[1]

"اگرچہ احوال عالم تمام تر خداوند تعالےٰ عز اسمہٗ کے ارادہ و قدرت کے مطابق پیش آتے ہیں اور کسی دوسرے کو حقیقتہ الامر بیہ سے کوئی اختیار و اقتدار نہیں تاہم ظاہر سبب یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ انصاف و حق یہ ہے کہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔

تم نے بارہا اپنی حد سے باہر قدم رکھا اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی تم اس مغربی دیار میں نصرانی کفار سے جہاد کر رہے تھے۔ مَیں نے بہت کچھ تحمل سے کام لیا اور ان حالات میں جو فرض ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا اُسے بجا لایا۔ میری خواہش تھی کہ اگر تم فرماں برداری کی راہ اختیار کرو تو مال و لشکر کی جس

---

[1] ظفر نامہ

قدر ضرورت تمہیں ہو اس سے تمہاری مدد کروں تاکہ تم اطمینان و قوت کے ساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو اور دیار اسلام کے اطراف و اکناف سے بیدینوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو۔ مگر تم نے سرکشی اور عناد اختیار کیا حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک رونما ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی اور یہ قوت و غلبہ جو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو بخشا تم کو حاصل ہوتا تو اس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن اس فتح کے شکرانے میں جو خدا کے فضل و عنایت سے مجھے حاصل ہوئی ہے میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ نہ کروں گا۔ اپنے دل کو مطمئن رکھو"[1]

بایزید نے منفعل ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے اس اطاعت کا وعدہ کیا۔ تیمور نے خلعتِ شاہانہ پہنا کر مزید لطف و عنایت کی توقع دلائی اور اس کی خواہش پر شہزادہ موسیٰ بھی آزاد کیا گیا اور بایزید کے پاس پہنچا دیا گیا۔

تیمور صاحبقران نے اپنے شاہی خیمہ کے قریب ایک عالی شان خیمہ نصب کرایا اور بعض عالی مرتب امراء کو سلطان کی خدمت میں مامور کیا۔ بروصہ سے جب حرم سلطانی لائی گئیں تو تیمور نے شہزادی ڈیسپنیا اور اس کی لڑکی کو بھی بایزید کے پاس بھجوا دیا۔

بایزید کی موت

تیمور کے مراحم خسروانہ بایزید کے زخم دل کے لئے نمک پاشی کا کام دے رہے تھے اور اپنی سابق عظمت و سطوت کی یاد ایک لمحہ چین نہ لینے دیتی تھی۔ آخر ش راہ فرار اختیار کرنا چاہی۔ تیمور کو اطلاع ہو گئی نگرانی سختی سے کی جانے لگی[2] اور

---

[1] ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۳۸ [2] حبیب السیر

پالکی میں جس میں جالی لوہے کی تھی اس میں بایزید سفر کیا کرتا تھا اور تیمور کی فوج کے ساتھ یہ پالکی رہتی۔ بہرحال بایزید کے قلب و دماغ پر اپنی قید و رسوائی کا اس قدر جانکاہ اثر پڑا کہ صرف آٹھ مہینے بعد اس کا طائر روح قفسِ عنصری اور قفس فولادی دونوں سے بیک وقت پرواز کر گیا۔

یہ واقعہ ناہیہ میں ۸۰۵ھ میں ہوا۔

تیمور کو بایزید کے مرنے کی خبر لگی تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور شہزادہ موسیٰ کے ہمراہ بایزید کی نعش شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ روانہ کی۔ جہاں وہ دوسرے تاجدارانِ عثمانی کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔

ایشیائے کوچک کی تمام ریاستیں آزاد ہو گئیں اور سلطنت عثمانیہ محدود ہو کے رہ گئی۔ کیونکہ ایشیائے کوچک کا کوئی علاقہ دولتِ عثمانیہ کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ ایدین، منتشا، صاروخان، کرمیان اپنی ریاستوں پر فرمانروائی کرنے لگے۔

اوصاف بایزید

سلطان بایزید شجاع تھا۔ ایک بہادر میں جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب اس میں قدرت کی طرف سے ودیعت تھے۔ البتہ جوہر سخاوت سے معریٰ تھا۔ ہر سپاہی اُس کے ہیبت و جلال سے مرعوب رہتا تھا۔ مگر دلوں میں اس سے انس و محبت نہ تھی۔

عیش و عشرت

سلطان کے حرم میں جیسے شہزادی ڈیسپینا داخل ہوئی۔ ہمہ تن محل سرا عیش و نشاط کی محفل بن گیا۔ شہزادی کے ماں باپ نصرانی، شرابی کبابی اور لہو لعب میں زندگی گذارنے والے تھے۔ اس نے شوہر کو بھی شراب کے چسکے پر لگا لیا۔ عثمانی سلاطین میں یہ پہلا سلطان تھا جو جام و سبو کا متوالا بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ لوازم عیش اس کے اردگرد تھے۔ مگر اس ترک میں یہ خوبی تھی جب اُس نے سُنا کہ ممالکِ

اسلامیہ پر صلیبیوں کا جم غفیر تسلط کرنے آرہا ہے تمام عیش وعشرت کے سامان کو ٹھکرا کر مثل ایک مجاہد کے سربکف میدان میں نکل کھڑا ہوا۔

سلطنتِ عثمانیہ بایزید اور تیمور کی باہمی آویزش سے سلطنت عثمانیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا۔ ترکی امراء جن کو زیر کرنے میں آلِ عثمان نے بڑی قربانی دی تھی وہ آزاد ہو گئے۔ غرضیکہ ایشیائے کوچک کا علاقہ سلطنتِ عثمانیہ سے کٹ گیا اور محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ بایزید ممالکِ یورپ پر چھاتا جا رہا تھا۔ اس وقفہ سے وہ سیلاب فتوحات رُک کے رہ گیا۔

گیتی ستاں امیر تیمور دنیا کے ان چند اولوالعزم شہنشاہوں میں سے ہے جنہوں نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا اور فقط ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک حد تک اس کو کر کے دکھایا۔ اس کی سلطنت دیوارِ چین سے لے کر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحیرۂ ارل سے دریائے گنگ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ پینتیس۳۵ سال کی عمر میں اُس نے تاتاری امراء کو زیر کر کے سمرقند کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور فتوحات کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی وسعت کے سامنے سکندرِ اعظم، سیزر، چنگیز خاں، شارلمین اور نپولین کی سلطنتیں حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ چھتیس سال حکمرانی کی۔ ستائیس مملکتیں فتح کر لی تھیں۔ نو شاہی خاندان اس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔

اس کی یہ حیرت انگیز جہانگیری صرف ذاتی شجاعت اور اعلیٰ فوجی قابلیت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کے تدبر اور ملکۂ حکمرانی کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا۔ شجاعت دلاوری اس درجہ کمال پر کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک کسی ورطہ و مہلکہ میں دہشت و خوف اس کی خاطر میں نہیں آئے۔ اصابت رائے اس مرتبہ پر کہ مدت العمر میں جو تدبیر اس کے فکر و اندیشہ میں آئی وہ تقدیر کے موافق تھی۔ رقت قلب وہ کہ جس وقت پروردگار کا سپاس گزار ہوتو آنکھوں

سے آنسوؤں کا پانی رواں ہو۔ قہر و سیاست وہ کہ خدائے تعالےٰ کے اوصافِ جلالی کا آئینہ۔

غرضیکہ امیر تیمور ایک عجیب پیکر بشر مظہر قدرت آفریدگار و مصدر غرائب آثار و بدیع اطوار تھا۔ بعد فتح انگورہ آذر بائیجان آیا۔ ڈیڑھ سال رہ کر یہاں کا انتظام کیا۔ سلطان مصر نے روپے اشرفیوں پر امیر تیمور کے نام کا سکّہ لگا کر اس کے پاس بھیجا اور حرمین شریفین اور اماکن مقدسہ کے منابر پر اس کی فرماں روائی کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۸۰۶ھ میں فیروزہ کوہ میں تیمور آیا۔ یہاں کے فتح حاصل کرکے خراسان گیا۔ ۸۰۷ھ میں نیشاپور کی راہ سے ماوراء النہر پہنچا اور وطن مالوف میں امیرزادہ الغ بیگ، امیرزادہ ابراہیم سلطان، امیرزادہ انجل، عمر شیخ، امیرزادہ احمد، بائقرا کی شادیوں کا جشنِ عظیم کیا۔ اس سے فراغت پاکر چین اور خطا کی تسخیر کے لئے لواء عزم بلند کیا۔ دو لاکھ فوج لے کر بعمر ستر سال تین سو میل تک سفر کرکے انزار مقام پر قیام کیا۔ یہیں مرض الموت میں گرفتار ہوا اور ۱۷ شعبان ۸۰۷ھ میں انتقال کیا۔ پیر محمد جہانگیر کو ولی عہد مقرر کیا۔

تاریخ وفات

سلطان تیمور آنکہ چرخ را دل خون کرد — وز خون عدو روئے زمیں گلگوں کرد

در ہفتدہ شعبان سوئے علیین تاخت — فی الحال ز رضواں سر و پا بروں کرد

علمائے عصر علامہ محمود بن محمد چغمینی خوارزمی علوم فلسفہ کا ماہر تھا۔ علمائے اعلام میں شمار ہے۔ ۸۰۸ھ میں ملخص فی التیسر کے نام سے ایک متن لکھا جس میں اجسام کے اقسام اجرام علویہ اور بسائط سفلیہ پر بحث کی۔ قاضی زادہ اوفی نے ۸۱۳ھ میں اس کی شرح کی۔ جو شرح چغمینی کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ علی بن محمد المعروف بالسید الشریف جرجانی علوم عربیہ اور معقولات

کا کامل تھا۔ تحریر اس کی نہایت شستہ اور محققانہ ہے۔ مناظرات میں ید بیضا رکھتا تھا۔ علامہ تفتازانی جیسے متبحر سے بازی لے جاتا تھا۔ تیمور صاحبقران کے عہد یلغار پر ماوراء النہر چلا گیا۔ ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ پھر سمرقند آ گیا۔ کشاف مطول، شرح مطالع، شرح طوالع، شرح حکمت العین، شرح شمسیہ، فرائض سراجی وغیرہ پر مدقق حاشیہ لکھا۔

۸۱۶ھ میں انتقال کیا۔ [۱]

مولانا شرف الدین علی یزدی مؤرخین ہم عصر میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ تاریخ تیمور صاحبقران میں ظفرنامہ مشہور ہے۔

۸۵۸ھ میں انتقال کیا۔

سلطان محمد اوّل چلپی

نام ونسب وحالات محمد بن بایزید ۷۸۳ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے چھ بھائیوں میں شجاعت وتہور اور علمی لیاقت میں فائق تھا۔ تعلیم وتربیت ترکی سلاطین کی طرح اس کی بھی ہوئی۔ بایزید تیمور کے مقابل آیا تو چلپی پہلو بہ پہلو جنگ میں شریک رہا۔

نزاع تخت جنگ انگورہ میں بایزید کے چھیوں لڑکے شریک تھے۔ مصطفیٰ لاپتہ ہو گیا۔ موسیٰ بایزید کے ساتھ گرفتار ہوا۔ باقی تینوں شہزادے جان بچا کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سب

---

[۱] اخبار واصلین از مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب تصویر الشعراء۔

[۲] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲، صفحہ ۹۴۵

سے بڑا سلیمان تھا جو وزیر اعظم علی پاشا کو ساتھ لے کر ادرنہ پہنچا اور بایزید کی وفات کی خبر پاکر سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصّہ کا حکمراں بن گیا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ شہزادے عیسیٰ بن بایزید نے بروصہ پر قبضہ جمایا اور بایزید کی جانشینی کا مدعی ہُوا۔ محمد اول چلپی نے یہ رنگ دیکھ کر ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں اماسیہ کے چھوٹے سے علاقے پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔

بھائیوں کی باہمی آویزش

بادی النظر میں حکومتِ عثمانیہ کے حصّے بخرے ہو گئے۔ مگر بایزید کی ہر اولاد کی دلی اُمنگ یہ تھی کہ کل قلمروِ عثمانیہ کا سلطان بنے۔ چنانچہ پہل محمد چلپی اور عیسیٰ سے ہُوئی۔ محمد چلپی ایشیائی مقبوضات کو برابر تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عیسیٰ پوری سلطنت کا دعوے دار تھا۔

غرضیکہ ہر دو بھائیوں میں معرکہ کارزار گرم ہُوا۔ فوجِ عیسیٰ گھونگھٹ کھا گئی۔ عیسیٰ بھاگ کر سلیمان کے پاس مدد کے لئے پہنچا۔ سلیمان عیسیٰ کی حمایت میں فوج لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔ محمد چلپی کو مقابلہ میں سخت دشواری پیش آئی مگر اس نے موسیٰ کو آمادہ کر لیا کہ سلیمان کے مقبوضات یورپ پر اس موقعہ پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ موسیٰ نے حملہ کر دیا۔ سلیمان کو خبر لگی وہ اُلٹے قدم اپنے مقبوضات کی طرف روانہ ہُوا۔ یہاں محمد چلپی نے اپنے بھائی عیسیٰ کو گھیر لیا۔ اس کی فوج میدانِ جنگ میں کام آئی اور عیسیٰ لاپتہ ہو گیا۔ شہزادہ سلیمان اور شہزادہ موسیٰ میں دو دو ہاتھ ہُوئے۔ سلیمان سے اس کی سخت گیری اور نااہلیت کے سبب سے اس کے ساتھی بیزار تھے۔ چنانچہ ایک فوجی نے سلیمان کو قتل کر دیا اور اس کی تمام فوج موسیٰ کے پرچم کے نیچے آ جمع ہوئی۔ اب ادرنہ کے تخت کو موسیٰ نے سنبھالا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

موسیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ باپ نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا آغاز کیا تھا مگر تیمور کے حملہ سے بایزید نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کی تکمیل اب مجھے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فوج شاہی کی قیادت میں قسطنطنیہ پر موسیٰ حملہ آور ہوا۔ شہنشاہِ قسطنطنیہ نے بھائیوں کی ناچاقی سے فائدہ اُٹھا کر محمد چلپی سے میل کر لیا اور اُس کی امداد چاہی۔ محمد چلپی اپنی ترکی فوج اور سرویا کے دستہ کی خود کمان ہاتھ میں لے کر شہنشاہ کی مدد کے لئے قسطنطنیہ پہنچا۔ شہزادہ موسیٰ محاصرہ کئے ہُوئے تھا اس کو عقب سے جا کر گھیر لیا۔ آخر کار موسیٰ تاب مقابلہ کی نہ لا سکا اور پسپا ہُوا۔ محمد نے اس کا پیچھا سرویا کی حد تک کیا۔ ہر دو میں جنگ ہونے کو تھی۔ امرائے فوج موسیٰ سے خوش نہ تھے وہ وقت پر علیحدہ ہو کر اور پرچم محمد چلپی کے سایہ میں آ گئے۔ موسیٰ نے یہ رنگ دیکھ کر راہِ فرار اختیار کی۔ موسیٰ زخمی ہو چکا تھا۔ کچھ دن بعد اس کی نعش دلدل سے ملی۔

تخت نشینی محمد چلپی کا مدمقابل اب کوئی نہ رہا تھا۔ اس نے سنہ ۸۱۶ھ میں سلطان ہونے کا اعلان کیا اور تختِ سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ ایشیا اور یورپ کی تمام رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سلطان محمد کا غاشیہ اطاعت قبول کیا۔

امرائے اناطولیہ سے آویزش عنانِ سلطنت ہاتھ میں لے کر ایشیائے کوچک کی وہ ترکی ریاستیں جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئی تھیں ان کی تسخیر کے لئے آمادۂ پیکار ہُوا۔ محمد چلپی میں شجاعت کے ساتھ حلم بھی تھا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام ریاستوں کو زیر نگین کر لیا۔

قرہ مان (کرمیان) جب فتح کیا تو اس کے امیر سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر اطاعت کا حلف لینے کے بعد اس کو وہاں کا والی رہنے دیا۔ اس نے کچھ دن بعد عہد شکنی کی مگر اس کی خطا معاف کر دی۔ اسی طرح قرہ جنید جو بایزید کی طرف

سے ازمیر کا والی تھا لیکن استقلال کا دعوے دار ہو گیا تھا۔ جب گرفتار ہُوا تو اس کی خطاء سے بھی درگزر کیا اور اس کو نیکو پلی کا امیر مقرر کیا گیا۔ اس کے اس برتاؤ سے شورش پسند امراء بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

غرضیکہ کرمانیہ اور دوسری ترکی ریاستیں تاتاریوں کی حمایت سے الگ کر کے دولتِ عثمانیہ کی فرماں روائی قبول کرنے اور خراج ادا کرنے کے لئے مجبور کر لی گئیں۔

فتنہ پیر قلیچہ قاضی بدرالدین جو شہزادہ موسیٰ کے لشکر میں قاضی رہ چکا تھا اس نے ازنیک میں رہ کر ایک جدید مذہب نکالا۔ جس میں کل انسان خواہ وہ کسی مذہب و قوم سے ہوں بھائی بھائی تسلیم کئے گئے اور جملہ مال و متاع میں سب کا حصہ برابر رکھا گیا۔ بیشتر اصول اس مذہب کے مزدکی مذہب سے ماخوذ تھے۔

پیر قلیچہ مصطفیٰ اور ایک یہودی طورلاق کمال بدرالدین کے ہمنوا ہو کر اس مذہب کی اشاعت کرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ میں کثیر التعداد جُہال ان کے دامِ تزویر میں پھنس گئے۔ غرض اس کے پیروؤں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنتِ عثمانیہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے مرید پیر قلیچہ کو دادا سلطان کہتے تھے۔ سلطان محمد کو اس فتنہ کا علم ہُوا تو اس نے سیسمین والئ بلغاریہ جو بطیب خاطر مسلمان ہو چکا تھا اس کو پیر قلیچہ کی سرکوبی کو بھیجا۔ مگر وہ مقابلہ پر شکست یاب ہوا۔ اور اس معرکہ میں کام آیا۔ صدر اعظم بایزید پاشا کو مجبوری درجہ ترکی فوج لے کر جانا پڑا۔ پیر قلیچہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور گرفتار ہُوا اس کے ہزارہا متبعین تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

بدرالدین نے بھی مقدونیہ میں ترکی فوج سے دو دو ہاتھ کئے مگر گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا سعید کے فتویٰ کے مطابق جو علامہ تفتازانی کے شاگرد تھے ۸۲۰ھ میں دار پر چڑھا دیا گیا جس سے یہ فتنہ بالکلیہ ختم ہو گیا۔

دعویدارِ سلطنت مصطفےٰ نامی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں بایزید کا بیٹا ہوں اور محمد چلپی سے بڑا لہٰذا تختِ عثمانیہ کا صحیح حقدار میں ہوں۔ قرہ جنید والی نیکوپلی اور والی فلاخ ہر دو نے اس کی فوج سے مدد کی۔ سلطانی فوج نے گھیر لیا۔ تابِ مقاومت نہ لاکر سلانیک چلا گیا۔ یہاں رومیوں کا قبضہ ہو گیا تھا شہنشاہ نے مصطفےٰ کی حمایت کی اور سلطان کو لکھا کہ میں ضامن ہوں اس کی جانب سے آئندہ کوئی فتنہ نہ اُٹھے گا۔ سلطان نے اس کے گزارے کے لئے ایک لاکھ دوک سالانہ مقرر کئے اور قرۂ جنید کی بھی خطا معاف کر دی۔

دورِ سلطنت سلطان محمد چلپی نے صرف آٹھ سال حکومت کی لیکن اس مختصر مُدت میں غیر معمولی اہلیت کا ثبوت دیا۔ اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے انتشار کا خاتمہ کیا بلکہ اپنی خداداد فوجی اور آئینی قابلیت سے دولتِ عثمانیہ کو ویسا ہی طاقتور اور مستحکم بنا دیا جیسا کہ امیر تیمور کے حملے سے قبل وہ تھی۔

سلطنتِ عثمانیہ کے استحکام کے لئے محمد چلپی نے امن و صلح کو ضروری سمجھا اور اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر گرد و پیش کی تمام مملکتوں سے صلح کے معاہدے کئے۔ سلطان نے بازنطینی سلطنت کے چند مقبوضات شہنشاہ کو واپس کر دیئے اور اس سے آخر وقت تک تعلقات دوستانہ قائم رکھے۔

سلطان مدبر تھا نظم و نسق کی اہلیت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس کے ساتھ اعلیٰ فوجی قابلیت رکھتا تھا۔ بایزید کی صحبت نے اس کو فنونِ حرب میں یگانہ بنا دیا تھا۔ اکثر معرکوں میں باپ کے پہلو بہ پہلو دادِ شجاعت دی۔ دشمن کو بھی جس کا اعتراف تھا۔

اوصاف سلطان محمد چلپی بلندیٔ اخلاق میں اپنے معاصر سلاطین میں امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ وہ بے حد کشادہ دل اور منصف مزاج

اور جو وعدہ کرتا اس کو پورا کرتا۔ جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں بھی حلم سے کام لیتا۔ اس کی عدالت میں ہر ملت و مذہب اور ہر فرقے کے لوگ برابر تھے۔ اس کی رعایا خوشحال تھی۔ عیسائی جو اپنی کینہ وری اور بداخلاقی میں فائق تھے ان کے ساتھ بھی اس کا بہتر برتاؤ تھا اور ان پر مراحم خسروانہ کیا کرتا۔

مذہب کا بڑا پابند تھا۔ حرمین شریفین کے خدام کے لئے اس نے پہلے پہل سالانہ ایک کثیر رقم بھیجنے کا دستور مقرر کیا۔ یہ صرّۂ ہمایونی کہلاتا تھا۔

علمی ترقی سلطان محمد چلپی میں جہاں حکمرانی کے اعلیٰ اوصاف تھے وہاں علم سے بھی اُس کو دلی لگاؤ تھا۔ مسجد جامع بروصہ کے متصل ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کرائی۔ اس سے متصل غرباء کے لئے طعام خانہ بنوایا۔ اس نے ادب کی سرپرستی بڑی فیاضی سے کی جس سے ترکی زبان میں شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے۔

وفات سلطان چلپی نے بعمر اکتالیس سال ۸۲۴ھ، ۱۴۲۱ء میں وفات پائی [1] اور بروصہ میں مسجد خضریٰ سے متصل جسے اُس نے خود تعمیر کرایا تھا، دفن ہوا۔

آثارِ خیر

بروصہ میں ایک عظیم الشان مسجد مراد اول نے بنوانا شروع کی تھی۔ جس کی تکمیل سلطان محمد نے کی۔ یہ مسجد اسلامی طرزِ تعمیر اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے۔

عُلمائے عصر

مولانا سعید اکابر علماء سے تھے۔ علوم عقلیات و نقلیات کی

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۴۴۵۔

تحصیل علامہ تفتازانی[1] سے کی۔ بعد فراغت علمی دربار سلطان محمد چلپی سے متعلق ہو گئے اور عہدۂ افتاء پر فائز ہوئے۔ مولانا حق گو علماء سے تھے علماءِ معاصرین میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ سلطان مراد ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔

سُلطان مُرادِ ثانی

نام ونسب مرادِ ثانی ابن سلطان محمد چلپی بن سلطان بایزید یلدرم ۸۰۶ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت عثمانی شہزادوں کی طرح تعلیم و تربیت ہوئی مگر فنونِ حرب سے دلی تعلق تھا۔ کم عمری میں شجاعت و شہامت کے جوہر اکثر موقعوں پر دکھائے۔ چنانچہ سلطان محمد نے ایشیائے کوچک میں اپنا قائم مقام اس کو کر رکھا تھا جس نے اس علاقے میں حکمرانی بڑی لیاقت اور حسنِ انتظام سے کی۔ سب اولاد میں یہ بڑا تھا اس لئے

---

[1] علامہ سعدالدین تفتازانی علمائے زمانہ سے آپ کی مطول و مختصر متداول کتب علمیہ سے ہیں۔ مخبر الواصلین میں یہ قطعۂ تاریخ ہے ؎

قلزم علم وجودی تمکیں	فاضل بے نظیر سعدالدین
گلشن چار باغ تفتازاں	نور شمع وچراغ تفتازاں
مختصر نکتۂ زتصنیفش	ہم مطول خطی زتالیفش
سال ترحیل نقل سعدالدین	بے گماں از کمال صدق ویقیں
مظہر اصحاب بہشت بجواں	باتو نور بہشت والاداں
	۷۵۸ھ

یہی ولی عہد قرار پایا۔

تخت نشینی سلطان محمد کے انتقال کے بعد صدرِ اعظم نے اس کی موت کو مخفی رکھا۔ اکتالیس روز بعد جب ایشیائے کوچک سے آ گیا تو محمد چلپی کی وفات کا اعلان کیا گیا۔ مراد سریر آرائے تخت عثمانیہ ہوا مراسم تدفین محمد چلپی کے ادا کئے گئے۔ اس وقت مراد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

مراد اور مصطفےٰ محمد چلپی نے اپنے مختصر زمانۂ حکومت میں تیموری حملہ کے تمام اثرات ایک حد تک مٹا دیئے تھے اور سلطنتِ عثمانیہ کو گویا از سرِ نو قائم کر کے مستحکم کیا تھا۔ مراد کی نوعمری سے امرائے اناطولیہ اور شہنشاہِ قسطنطنیہ نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ شہنشاہ مذکور نے محمد چلپی کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر محسن کشی اور غداری کا مظاہرہ دکھانے کو تیار ہو کر مصطفےٰ کی سرکردگی میں فوجِ گراں مراد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ مراد ان دنوں ایشیائے کوچک میں تھا اُس نے صدرِ اعظم بایزید پاشا کی سرکردگی میں ترکی فوج مصطفےٰ کے مقابلہ کے لئے بھیجی مگر ترکی فوج مصطفےٰ سے عین میدانِ جنگ میں مل کر گئی جس سے صدرِ اعظم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ اس معرکہ میں اپنی جان کو حکومت پر قربان کر دیا۔

مصطفےٰ کی ہمت بڑھ گئی اس نے شہنشاہِ قسطنطنیہ کے بحری بیڑے کو لے کر ایشیائے کوچک دردانیال کو عبور کر کے پہنچا۔ مراد نے خود ترکی فوج کی کمان ہاتھ میں لے اور مراد سے دو دو ہاتھ کئے۔ نصرانی فوج کہاں ٹک سکتی تھی شکست کھا گئی۔ مصطفےٰ بھاگ کر گیلی پولی میں محصور ہو گیا۔ مراد نے گیلی پولی کو فتح کر کے مصطفےٰ کو گرفتار کر لیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ یہ غدارِ وطن کا انجام تھا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ سلطان مراد نے شہنشاہِ قسطنطنیہ کی غداری کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ بیس ہزار ترکی فوج لے کر

۸۲۵ھ میں قسطنطنیہ کو آ گھیرا۔ شہنشاہ نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ مگر مراد نے اپنی فوجی لیاقت کا ایسا ثبوت دیا کہ قسطنطنیہ فتح ہونے کے لئے قریب تھا کہ ایشیائے کوچک میں مراد کے بھائی مصطفیٰ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ورغلانے والوں میں شہنشاہ کے کارندے اور امرائے ترک ایشیائے کوچک میں تھے۔ سب میں پیش پیش محمد بک امیر قرہ مان (کرمانیہ) تھا۔ سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور غصہ کی حالت میں بھائی کی گوشمالی کے لئے روانہ ہو گیا۔ مصطفیٰ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ گھر چکا تھا۔ آخر کار مصطفیٰ گرفتار ہوا۔ فوجی افسروں نے بلا اجازت مراد کے اس کو سولی پر چڑھا دیا۔ مراد نے اس خانگی فتنہ کو ختم کرنے کے بعد امرائے اناطولیہ کی مزاج پرسی کی۔ پہلے معرکہ میں امیر کرمانیہ قتل ہوا۔ مراد نے بجائے کرمانیہ پر قبضہ کرنے کے اپنی فراخ دلی سے اس کے بیٹے ابراہیم کو حکومت عطا کی اور اس کو باجگذار بنایا۔ اس کے بعد کرمیان، قسطمونی، منتشا، صاروخان اور حمید کے امراء کی خبر لی۔ وہ تابِ مقابلہ نہ لا کر اس کے مطیع بن گئے اور سلطنتِ عثمانیہ کے باجگذار ہو گئے۔

اس واقعہ سے امرائے اناطولیہ جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئے تھے وہ سب زیرِ نگین سلطنتِ عثمانیہ آ گئے۔ آلِ عثمان کا وہی اقتدار پھر بحال ہو گیا جو جنگِ انگورہ سے پہلے تھا۔ امیر قسطمونی نے نصف ریاست بھی بطیب خاطر سلطان کے نذر کی اور اپنی دختر نیک اختر جبالۂ عقد میں پیش کی۔ امیر کرمیان ۸۳۱ھ میں فوت ہو گیا تو اس کی ریاست کا کوئی حقدار نہ تھا۔ اس بنا پر سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لی گئی۔

شہنشاہِ قسطنطنیہ شہنشاہِ قسطنطنیہ مینوئیل کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا جان پلیولوگس تخت نشین ہوا۔

مراد ایشیائے کوچک کے فتنے ختم کر چکا تھا۔ جان کے لئے یہ اندیشہ لاحق تھا

کہ مراد اب قسطنطنیہ کی طرف توجہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے صلح کی استدعا کی تیس ہزار دوکات سالانہ خراج دینے کا معاہدہ لکھا اور سیلمبریا اور درکوس کے سوا زیتون اور دوسرے یونانی شہر جو دریائے اسٹرانیا اور بحر احمر کے ساحلی علاقے تھے وہ سب سلطان کی نذر کئے۔

سالونیکا اور سرویہ

سلطان نے سالونیکا جہاں کا فرمانروا جان کا بھائی اینڈرونکس تھا وہ ۸۳۳ھ میں فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سرویا کی طرف توجہ منعطف کی۔ اسٹیفن لازادیویچ شاہ سرویا ۸۳۰ھ میں مر چکا تھا۔ اس کی جگہ جارج برنیکو ویچ تخت نشین ہوا۔ اس نے اسٹیفن کے طریقہ وعمل کے خلاف ترکوں کے اقتدار کی مخالفت شروع کر دی اور ہنگری سے معاہدہ کر لیا اور دریائے ڈینوب کے ساحل پر سمندریا میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا۔ جارج کے معاندانہ ارادوں سے واقف ہو کر مراد نے اس قلعہ کا مطالبہ کیا۔ اس نے ہنگری کی معاونت کے زعم میں قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔ مراد نے حملہ کیا اور سرویا کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ پورے ملک پر ترکی فوج قابض ہو گئی اور سرویا کے علاقے پر مراد کا تسلّط ہو گیا۔

واقعاتِ ہونیاڈ سفاک

جنگ انگورہ سے ہنگری کو بھی فائدہ پہنچا تھا اُس نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت بڑھالی مگر سرویا کی تسخیر کے بعد اس کا علاقہ خطرہ میں پڑ گیا۔ اہل بوسینیا، البانیہ، دلاچیا، مراد سے اُلجھے مگر جلد ہی صلح کر کے جان بچا گئے ۸۴۳ھ میں لازسلاس شاہ پولینڈ ہنگری کے تخت پر بیٹھا تو مذکور الذکر ریاستوں کے امراء متحد ہو کر مراد سے دُو دُو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گئے۔

اس اثنا میں یورپ سے سردار ہونیاڈ ہنگری آیا۔ یہ اپنی بہادری کا یورپ میں ڈنکا بجا چکا تھا۔ شاہ ہنگری نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے

ترکوں کے مقابلہ کے لئے بیڑہ اُٹھایا۔ چنانچہ ۸۴۶ھ میں بلغراد پر مراد نے حملہ کیا۔ ہونیاڈ سینہ سپر ہُوا۔ آخرش مُراد ناکام لوٹا۔

جنرل فرید پاشا اور ہونیاڈ

فرید پاشا نے ٹرانسلونیا میں نہرمان اسٹاٹ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہونیاڈ مراد سے نبٹ کر نہرمان اسٹاٹ پہنچا اور ترکوں کو شکست دی جس میں بیس ہزار ترک شہید ہوئے۔ ہونیاڈ نے فرید پاشا اور اس کے لڑکے کو جو گرفتار ہو گئے تھے اپنے سامنے تہ تیغ کرا دیا۔ اس فتح کے بعد ہونیاڈ نے جشن منایا اور ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تو اسی وقت ترک قیدیوں کو نہایت بے دردی سے اپنے سامنے قتل کرایا۔ کھانا کھاتا جاتا تھا اور ترکوں کو ذبح کراتا جاتا تھا۔ سلطان مراد کو فرید پاشا کی شکست کی خبر پہنچی تو اُس نے اسی ہزار ایک دوسری ترک فوج شہاب الدین پاشا کی سرکردگی میں روانہ کی مگر وازاگ پر ہونیاڈ کے مقابلہ میں شکست کھا گئی اور شہاب الدین گرفتار ہُوا۔

ہونیاڈ کی شاندار کامیابی اور ترکوں کی پسپائی اور ناکامی سے یورپ کی تمام حکومتوں میں ایک اُمید کی لہر دوڑ گئی۔ پوپ نے یہ رنگ دیکھ کر جنگ صلیبی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلانِ عام سے ہنگری، پروشیا، پولینڈ اور سربیا کے جنگجو لوگ جوق در جوق ہونیاڈ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس نے نیش پہنچ کر فوج سلطانی کو شکست فاش دی۔

ایشیائے کوچک میں امیر قرہ مان نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی اور بروصہ کا محاصرہ کر لیا۔ مراد نے خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے ہونیاڈ سے صلح کر لی جس میں فلاخ کی آزادی کو بحال کیا اور ترکوں نے اس پر سے اپنی سیادت اُٹھا لی۔ سربیا کے مفتوحہ مقامات واپس کئے اور ہنگری سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہدنامہ لکھا۔

شہزادہ علاء الدین کا انتقال مراد کا بڑا بیٹا علاء الدین تھا۔ یہ بڑا ہونہار تھا۔ سلطان بننے کے جملہ اوصاف سے متصف تھا۔ یکایک اس کا انتقال ہو گیا۔ مراد کو ولی عہد کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا۔

خلوت نشینی مُراد نے اس واقعہ کا اس قدر اثر لیا کہ اُس نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو جس کی عمر چودہ سال کی تھی خود اپنے سامنے تخت نشین کیا اور ولایت آیدین جا کر گوشہ نشین ہو گیا۔

شاہِ ہنگری شاہ ہنگری نے مُراد کے تخت سے ہٹ جانے سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ پوپ کا فرستادہ کارڈینال اس کے پاس آیا۔ اس نے اس سے کہا "اگر مسلمانوں سے بدعہدی کر لو تو کوئی گناہ نہیں" اور شاہِ ہنگری کے ایما پر فوجِ گراں لے کر بلا لحاظ پیمان کے بلغاریہ پر جو عثمانی سلطنت کے قبضہ میں تھا اس پر حملہ کر دیا۔ مراد کو خبر لگی۔ ادھر وزرائے عظام نے اصرار کیا ناچار مراد خلوت سے باہر آیا اور مثل شیر کے فوجِ عثمانی کی کمان لے کر بدعہدوں پر مقام دارنہ (بحر اسود کے کنارے) پر حملہ آور ہوا۔

صلیبی فوج تابِ مقابلہ نہ لا کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے شاہِ ہنگری ایک ترک کی تلوار کے گھاٹ اُترا۔ ادھر دوسرے ترکوں نے اس فتنہ کی جڑ کارڈینال کو بھی تہ تیغ کیا۔ ہونیاڈ جو یورپ کا بڑا شجاع و بہادر تھا اپنی جان بچا کر ایسا بھاگا کہ میدانِ جنگ کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ صلیبی فوج و شاہِ ہنگری نے اپنے بھگوڑے جنرل کا ساتھ دیا۔ ترکوں نے نصرانیوں سے پورا انتقام لے لیا۔

اس فتح کے بعد مُراد نے سلطان محمد کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔

بغاوت انکشاریہ چند ماہ سلطان محمد کو عنان حکومت ہاتھ میں لئے نہ گزرے تھے کہ فوج انکشاریہ نے بغاوت کردی۔ مراد پھر خلوت سے باہر آیا اور اس فتنہ کو دبا کر یونان میں مورہ کی طرف رخ کیا۔ قلعہ کورنتھ کو محاصرہ میں لے لیا اور توپ سے گولہ باری کی اور قبضہ کر لیا۔

البانیہ میں اسکندر بک نے سرکشی کر رکھی تھی اس کی گوشمالی کر دی اور اس کے دو شہر فتح کر لئے۔ ہونیاڈا ایک عظیم الشان صلیبیوں کا لشکر یورپ کے مختلف ملکوں سے لے کر ۸۵۲ھ میں قوصوہ کی طرف آیا۔ مراد نے پلٹ کر صلیبیوں پر بہت زبردست حملہ کیا۔ ہونیاڈ نے شکست کھائی اور ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان مراد نے البانیہ پر فوج کشی کی اور اسکندر بیہ بک کو محصور کر لیا۔ اس نے مجبور ہو کر سالانہ خراج دینا منظور کیا اور عہد نامہ اطاعت گزاری کا لکھ دیا۔ یہاں سے کامرانی کے بعد مراد ادرنہ کو لوٹا۔

وفات مراد ۵ محرم ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ئہ کو مراد نے ادرنہ میں وفات پائی[1] تجہیز و تکفین قدیم پایۂ تخت بروصہ میں ہوئی۔

اوصاف مراد کے عدل و انصاف کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ سلطان مراد نے اکیاون سال کی عمر پائی اور تیس سال چھ مہینے آٹھ روز حکومت کی۔ وہ ایک عادل اور شجاع فرماں روا تھا۔ نہایت کشادہ دل مستقل مزاج، عالم، رحم دل، پابند مذہب اور فیاض۔ وہ اہل علم اور ان تمام لوگوں سے جو کسی علم یا فن میں کمال رکھتے محبت کرتا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۷ صفحہ

اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ ایک نیک شہنشاہ اور ایک جلیل القدر سپہ سالار تھا۔[1]

مراد کے عہدِ حکومت میں سپاہی ہمیشہ فتح یاب تھا اور شہری خوش حال تھے جب وہ کسی ملک کو تسخیر کرتا تو سب سے پہلے وہاں مساجد، کاروان سرائے ہسپتال اور مدرسہ تعمیر کراتا۔ ہر سال ایک ہزار طلائی سکّے سادات کرام کی نذر کرتا اور اڑھائی ہزار مکّہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے عباد و زہاد کو بھیجتا تھا۔

معاصر علماء

باکوی عبدالرشید بن صالح بن نوری۔ یہ شہر باکو سے جو ساحل بحر خزر پر واقع ہے منسوب ہے۔ یہ علمائے عصر میں ممتاز تھا تلخیص الآثار و عجائب الملک القہار اس کی یادگار ہے۔ ۸۰۶ھ، ۱۴۰۳ء تک بقید حیات تھا۔

علامہ تفتازانی ملا سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی مشاہیر علماء سے تھے منطق میں تہذیب المنطق اس کی کتاب مشہور ہے۔ ۷۹۲ھ میں وفات پائی۔ (ان کا ذکر گذشتہ نوٹ میں بھی آچکا ہے)۔

علامہ صدرالدین شیرازی قوت ذکا اور تبحر علوم عقلیہ میں مشہور ہے۔ علمائے اعلام سے تھا اس نے شیراز میں اپنا مدرسہ قائم کیا جس میں خود ہی درس دیتا تھا۔ زائد اوقات میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتا۔

شرح تجرید، شرح مطالع، شرح شمسیہ پر حاشیہ لکھا۔ الحکمۃ المتعالیہ اس کی تصنیف معرکہ کی ہے۔ کتاب الاسفار الاربعہ فلسفہ کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ ۸۴۱ھ میں انتقال ہوا۔

٭

---

[1] گبن جلد ۲ صفحہ ۱۶۱۴۔

سلطان محمد ثانی

(فاتح قسطنطنیہ)

نام ونسب محمد ثانی[1] ابن سلطان مراد ثانی

ولادت ۲۶ر رجب ۸۳۱ھ میں اس کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت شاہانہ طور طریق سے محمد ثانی کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ باپ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ تخت نشین کیا۔ آدابِ حکمرانی باپ کے زیرِ سایہ سیکھے۔

تخت نشینی شہزادہ محمد ثانی ایدین میں مقیم تھا وہیں مراد کے انتقال کی خبر لگی۔ چنانچہ وہ دار الخلافہ آیا اور ۸۵۵ھ میں تیسری بار تختِ عثمانیہ پر بیٹھا۔ ہمسایہ سلطنتوں نے اپنے سفراء کے ذریعے مبارک باد کے پیغام بھیجے۔

معصوم بھائی کا قتل زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر اپنے شیر خوار بھائی کو جو سرویا کی شہزادی کے بطن سے تھا حوض میں غرق کرا دیا۔

ایشیائے کوچک میں طرابزون اور قرہ مان کی ریاست دونوں خلفشار کے موجب تھے۔ اس وجہ سے کرمانیہ (کرہ مان) کو سلطنت عثمانیہ

---

[1] انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۶۴۴۔

میں داخل کر لیا اور رئیس کی لڑکی کو حبالۂ عقد میں لے آیا اور طرابزوں پر سالانہ خراج لگایا گیا۔ ہونیاڈے سے تین سال کے لئے صلح کر لی اور ایک فوج موریا میں بھیج دی کہ قیصر کے بھائی کو گھیرے رکھے۔

قلعہ کی تعمیر آبنائے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر بایزید یلدرم نے قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اس کے مقابل قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔

قسطنطنیہ پر حملہ شہنشاہ قسطنطنیہ ان دنوں قسطنطین یازدہم تھا۔ یہ سلطنتِ بازنطینی کا آخری فرماں روا تھا۔ اس کا پیش رو مینوئل تھا جس نے مراد سے جھگڑا کیا تھا قسطنطین محمد ثانی سے بیٹھے بٹھائے خود چھیڑ کی۔ سلطان سے کہلا بھیجا کہ تمہارے خاندان کا شہزادہ آورخاں نبیرۂ سلیمان اعظم جو قسطنطنیہ میں نظربند تھا اور اس کے مصارف سلطان کی طرف سے ادا ہوتے تھے قسطنطین نے اس رقم کا معہ اضافہ کے مطالبہ کیا اور عدم منظوری کی صورت میں آورخان کو مقابل کھڑا کر دینے کی دھمکی دی۔

محمد ثانی شورشوں کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ سفیر کو نرمی سے ساتھ جواب دے کر ٹال دیا۔ لیکن وزیر اعظم خلیل پاشا نے کہلا بھیجا کہ قسطنطنیہ سے نکلنے کی تمنا ہے گھبراؤ نہیں اور جلد حکومت سے سبکدوش کئے دیتے ہیں۔

فتح قسطنطنیہ سلطان محمد ثانی نے باپ کی وصیت کے مطابق فتح قسطنطنیہ کے لئے تیاری کرنا شروع کر دی۔ اس نے حصار کی تعمیر کے بعد ہنگری کے صناع اربان سے بڑی توپیں ڈھلوائیں جن کے کھینچنے کے لئے ساٹھ ساٹھ جوڑ بیل لگتے تھے۔ جب انتظام مکمل کر لیا تو خود سلطان بہ نفسِ نفیس نوّے ہزار فوج ادرنہ سے لے کر چلا اور امیر بابلطاوغلی

کی قیادت میں جنگی کشتیاں روانہ کیں کہ سمندر کی طرف سے محاصرہ رکھے۔

اِدھر حملہ کی تیاری تھی اُدھر قسطنطین نے مغربی یورپ کے فرمانرواؤں سے مدد کی درخواست کی اور یورپ کی ہمدردی کے لئے کلیسائے روما کے مطالبات منظور کر لئے۔ اس فیصلہ نے یونانی پادریوں کو برافروختہ کر دیا۔ گرانڈ ڈیوک نوٹارس جو تمام افواجِ قسطنطنیہ کا سپہ سالار تھا وہ بھی قسطنطین سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔

مغربی یورپ نے قسطنطین کی فریاد کو قابلِ سماعت نہ سمجھا۔ البتہ پوپ نے آزمودہ کار سپاہیوں کو معہ رقوم کثیر کے کارڈینل اسیڈورس کے ساتھ روانہ کیا۔ اٹلی اور اسپین کے بعض شہروں سے فوجی دستے آئے۔ وینس نے بھی کچھ مدد کی۔ اہلِ جنیوا کی طرف سے مشہور جنیوی کمانڈر جان جسٹینانی دو جنگی جہازوں اور سات سو منتخب بہادروں کے ساتھ قسطنطنیہ آ گیا۔

غرضیکہ اپنی اور دوسروں کی فوج ملا کر قسطنطین کے پاس نوّے ہزار تھی۔ فرانس، جرمنی، ہنگری اور پولینڈ ترکوں سے پِٹ چکے تھے۔ ہمّت نہ تھی کہ اس آگ میں کُودتے۔

محاصرہ ۲۶ ربیع الاوّل ۸۵۷ھ کو سلطان نے قسطنطنیہ کا نوّے ہزار فوج سے محاصرہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی بحری جنگ آبنائے باسفورس میں پیش آئی۔ ۱۴۰ عثمانی جہاز تھے۔ قیصر کی امداد کے لئے جنیوا کے جنگی جہاز آ گئے اور دشمن کے رسد کے جہاز قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ غرضیکہ ترکی بیڑہ نقصان اٹھا گیا۔ سلطان محمد نے یہ رنگ دیکھ کر خشکی میں باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل میں پہاڑی زمین پر لکڑی کے تختوں کی سڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرا دیا اور ایک رات کے اندر اسّی کشتیاں بیلوں سے کھچوا کر بندرگاہ کے اس حصہ میں پہنچا دیں۔ قسطنطنیہ کا یہ حصّہ بھی حملہ کی زد میں آ گیا۔ بری فوج نے مناسب

فاصلہ پر توپیں نصب کیں۔ سلطان بحر و بر نے ۲۹ مئی ۱۴۹۳ء کی صبح کو عام حملہ کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس رات تمام معسکر میں چراغاں رہا اور ساری فوج دُعا اور عبادت میں مصروف رہی۔ صُبح ہوتے ہی فصیل کی طرف بڑھی۔ رومیوں نے نہایت ہمت اور پامردی سے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ قیصر قسطنطین اس جنگ میں مارا گیا۔ آغا حسن جو پہلے فصیل پر چڑھا تھا وہ شہید ہُوا اور سلطان محمد کے ہاتھوں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

غرضیکہ ناقابلِ تسخیر شہر کے فتح ہونے کا وقت آچکا تھا فصیل توپ کے گولوں سے ٹوٹی اور کشتیوں سے ترک نکل کر شہر کے اندر داخل ہوگئے۔ سلطان انکشاری فوج کے ساتھ تھا۔ جس وقت مشہور کنیسہ ایا صوفیہ کے دروازے پر پہنچا اس میں اذان دلوائی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس وجہ سے یہ کنیسہ جامع مسجد بنا دیا گیا۔

سلطان معظم نے رومیوں، یونانیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کی بلکہ ان کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ ایک بطریق مقرر کیا جو اُن کے معاملاتِ دینی طے کیا کرتا۔ بجز چند کنیسوں کے جو مسجد بنائے گئے تھے باقی تمام کنیسے اُن کو دیدیئے گئے۔ راہبوں اور بشپوں کو ہر قسم کی خدمات اور محصولات سے مستثنیٰ کر دیا۔ اس مراحم کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نصرانی قسطنطنیہ سے چلے گئے تھے وہ پھر لوٹ آئے اور اپنے مکانوں میں آباد ہوگئے۔ جن میں سے اکثر ترکوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر آغوشِ اسلام میں آگئے۔

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر تمام عالم اسلامی میں مشتہر ہوئی جشن منائے گئے اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین و علماء و شعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجی۔

سلطان نے فتح کے بعد سب سے پہلے قسطنطنیہ میں حضرت ایوب انصاری کے مزار پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور قسطنطنیہ کو دارالخلافہ قرار دیا۔ جامع

مسجد میں سلاطینِ عثمانیہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جانے لگی۔[1]

فتوحات سربیا کا بادشاہ فوت ہُوا تو سلطان نے اس کے علاقہ کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ پھر بلغراد کی طرف متوجہ ہوا۔
جنرل ہونیاڈ سے سخت مقابلہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں چوبیس ہزار تُرک شہید ہوئے اور سلطان بھی مجروح ہوا۔ آخرش سلطان بے نیل ومرام واپس آیا۔
ہونیاڈ بھی اس قدر زخمی ہُوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور بیس روز بعد کیفر کردار کو پہنچا۔
مگر سلطان نے اس ناکامی کی پرواہ نہ کی اور ۸۶۳ھ میں مورہ پر چڑھائی کردی۔ بعد کامیابی بوسینیا پہ یلغار کی اور فتح کر لیا۔ ایشیا میں طرابزون اور اسفندیار دونوں ریاستیں سلطنت میں ملالیں۔

بحری بیڑہ سلطان نے فتوحات سے فارغ ہو کر بیڑۂ بحری کے تیار کرنے کی طرف توجہ کی اور اس قدر قوی بیڑہ بنایا کہ اس زمانے کے تمام بیڑوں جنیوا اور وینس سے یہ فائق تر تھا۔

فتنہ حسن اوزون حسن اوزون نے ۸۸۱ھ میں فرات سے اموداریہ تک قابض ہو کر فتنہ بغاوت اُٹھا رکھا تھا۔ عثمانی سرحد خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ سلطان بہ نفسِ نفیس اس کی سرکوبی کے لئے آذربیجان کی طرف گیا۔ حسن اوزون مقابل آیا مگر شکست کھا گیا۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

وقائع ۸۸۳ھ میں البانیہ کے قلعہ جات کر دیا اور اشقودرہ کو سلطان نے لے لیا۔ پھر ہنگری کی طرف فوج بھیجی جس نے ٹرانسلوانیا کو فتح کر لیا۔ وہاں کاؤنٹ کینٹس نے پہنچ کر ترکوں کو شکست دی۔ ترک کثیر التعداد شہید ہُوئے اور صدہا گرفتار ہو گئے۔ خون خوار ہنگریوں نے اسیرں

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیین صفحہ ۱۷۵۔

کو قتل کیا اور اُن کی نعشوں پر فرش بچھا کر کھانے کھائے۔ پوپ نے کاؤنٹ کیٹس کو ہونیاڈ کی جگہ پر حامی دین کا خطاب عطا کیا۔ یہ تھی نصرانیوں کی بربریت پھر بھی وہ مہذب اور شائستہ کہلائے جاتے تھے۔

جزائر بحر روم ۸۸۴ھ میں صدر اعظم کدک احمد پاشا کو سلطان نے جزائر بحر روم کے فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ صدر اعظم روما پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر صرف اوترانت کو فتح کر کے آگے مصلحت سے نہ بڑھا۔

رودس جزیرہ روڈس میں جماعت قدس یوحنا اور شلمی کے راہبان جو اپنی بدکاری اور فتنہ گری کی بدولت ارضِ مقدس سے نکالے گئے تھے جمع ہو گئی تھی۔ یہ راہبان عیاش اور مہذب ڈاکو تھے۔ ہمیشہ اہلِ یورپ کو صلیبی جنگ کے لئے بھڑکاتے رہتے تھے۔ سلطان نے ان کی فتنہ پردازی کو ختم کرنے کے لئے ترکی بیڑے کو روڈس بھیجا جہاں تین مہینے تک اس نے محاصرہ کیا مگر ناکامی سے اس کو لوٹنا پڑا۔

وفات سلطان یکایک بیمار ہوا۔ دن بدن حالت بگڑتی گئی۔ آخر ش ۴ ربیع الاول ۸۸۶ھ کو فوت ہوا۔ قسطنطنیہ میں شاہی مقبرہ کے لئے جو زمین اس نے متعین کی تھی وہیں دفن کیا گیا۔

اوصاف سلطان محمد کے مکارم اخلاق اور شریفانہ اوصاف وہ تھے جو ایک مسلمان بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔ رحم دل تھا جس کا مظاہرہ قسطنطنیہ کی فتح میں نظر آتا ہے۔ ڈیوک نوٹاراس افواج قسطنطنیہ کا سپہ سالارِ اعظم گرفتار ہوا تو اس کی خطا بخشی کے ساتھ اس کے اہلِ خاندان کی مدد کی۔ نوٹاراس کی بیوی علیل تھی تو اس کو عیادت کو سلطان خود گیا [1]

---

[1] نوٹاراس نے سلطان کو اسکا بدلہ یہ دیا کہ اٹلی سے خفیہ خط و کتابت کی کہ موقع ہے سلطان پر یلغار کر دے۔ سلطان کو اسکا علم ہو گیا تو اس نے نوٹاراس کو معہ اسکے لڑکوں کے قتل کرا دیا۔

یہ ضرور ہے کہ سلطان کی طبیعت میں سختی و درشتی تھی مگر معاصر عیسائی حکمرانوں سے اگر مقابلہ کیا جائے تو اس کی سختی و سخت گیری بہت کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ ولاچیا کا حکمران ولاد جو سلطان کا ہم عصر تھا وہ اپنے دشمن کے جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا کرتا تھا۔ قیدیوں اور دوسرے مظلوموں کو قتل کراتا تو مرتے وقت کی اذیت اور تڑپ کو خوشدلی و دلچسپی سے دیکھتا اور لطف اندوز ہوتا۔ مگر سلطان جس کو مغربی مورخین ظالم قرار دیتے ہیں وہ بھی کوئی ایسا واقعہ سلطان کی زندگی میں پیش نہ کر سکے۔ یہ ضرور ہے کہ سلطان نے اپنے بھائی کو قتل کرایا یا جو ارکانِ سلطنت باغیانہ سرگرمی میں دیکھے گئے ان کو سزائے موت دی[1]

فنونِ جنگ سلطان کو اوائل عمری سے جنگی فنون سے دلی لگاؤ تھا۔ خداداد شجاعت اور مردانگی کے ساتھ اس میں فوجی قابلیت بدرجہ اتم تھی۔ اس کا عہدِ حکومت جنگوں میں گزرا۔ خود فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر ملکوں کو فتح کرنے نکلتا۔ سوائے معرکہ بلغراد میں ناکامی کا منہ اس کو دیکھنا پڑا ورنہ ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سے فاتح کے خطاب سے مشہور ہوا۔

اس کی فوجی لیاقت نے احمد کدک پاشا اور محمود پاشا سے مشہور جنرلوں کو اس کا گرویدہ کر رکھا تھا اور وہ اس کی جنگی قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔

رازداری سلطان محمد اپنے ارادوں کو بالکل راز میں رکھتا حتیٰ کہ اُس کے امیر العسکر کو بھی پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ سلطان کس سمت حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی مہم کے لئے فوجیں جمع ہونے لگیں۔ ایک سپہ سالار نے سلطان سے عرض کیا حضور کون سا ملک پیشِ نظر ہے؟ تو اس نے سختی سے جواب دیا:۔

---

[1] گبن جلد ۴ صفحہ ۵۰۱۔

"اگر میری داڑھی کے ایک بال کو بھی اس کی اطلاع ہو جائے تو میں اُسے توڑ کر آگ میں ڈال دوں"

علمی ترقی سلطان محمد کی عظمت فتوحاتِ مُلکی کے وسیع دائرہ تک محدود نہ تھی۔ سلطان جنگ جُو طبیعت ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔

"اس کی خداداد قابلیت کے جوہر رزم و بزم دونوں جگہ یکساں طور پر نمایاں تھے"

خود سلطان جملہ علوم و فنون کا ماہر تھا اپنے معاصر علماء سے علم کی تحصیل کی تھی۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی زبانوں پر بھی قدرت رکھتا تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے اس کو دلی لگاؤ تھا۔ یونانی سوانح نگار پلوٹارک کی تالیف تذکرۂ مشاہیر یونان و روما اس کے لئے ترکی میں ترجمہ کی گئی۔

سلطان بلند پایہ شاعر اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ اُس کے علمی دربار سے تیس عثمانی شعراء وظیفہ پاتے تھے۔ ہر سال گراں قدر تحائف خواجہ جہاں اور مولانا جامی کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ اس کا علمی دربار لگتا جس میں مُلک کے مشاہیر علماء و شعراء شریک ہوا کرتے۔

مدارس سلطان نے قسطنطنیہ اور اپنے قلمرو کے مرکزی شہروں میں کثرت سے مکاتب اور مدارس جاری کئے۔ اس کے شغف علمی کا ہی اثر تھا کہ محمود پاشا نے کئی مدرسے قائم کئے اور اس کے اخراجات کا خود کفیل تھا۔

سلطان نے ایک کالج مفتیوں اور قاضیوں کی منتہی تعلیم کے لئے قائم کیا اور اس کا ضابطہ خود تیار کیا۔

اس کے عہد کے قاضی و مفتی علم و فضل میں یکتائے روزگار ہوتے تھے

ان کے احترام کا خاص لحاظ رہتا۔ قاضی یا مُفتی صرف عہدوں کے پُر کرنے کے لئے تیار نہیں کئے جاتے تھے بلکہ یہ حضرات میدانِ جنگ میں ایک سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر سلطان کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوتے تھے۔

نظمِ مملکت جو نظامِ حکومت سلاطینِ سلاجقہ کا تھا وہی نظام آدرخان اور ان کے اخلاف نے کچھ ترمیم کے ساتھ قائم رکھا۔ مگر سلطان نے وقت کے تقاضے سے اس کی اصلاح کی اور خود آئینِ سلطنت مرتب کیا۔ اس آئین کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ایک واضع قانون کی حیثیت سے اپنے پیشروؤں سلاطینِ عثمانیہ سے ممتاز نظر آتا ہے۔

آئینِ سلطنت سلطان نے قانون نامہ جو سلطنتِ عثمانیہ کا بُنیادی دستور رہے خود مرتب کیا۔

قانون نامہ میں سلطنت کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے :-

(۱) وزرائے سلطنت

(۲) قضاۃِ عسکر

(۳) دفتر دار (خازن)

(۴) نشانجی (معتمدِ سلطنت)

اس شاہی خیمہ کا بلند دروازہ باب عالی کے نام سے موسوم کیا گیا جس سے مراد حکومتِ عثمانیہ تھی۔

صدرِ اعظم حکومتِ عثمانیہ کے سب سے بڑے عہدے دار چار وزیر ہوتے تھے۔ اس جماعت وزراء کا صدر وزیر اعظم سلطنت تھا جو تمام عہدے داروں کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ اس کے پاس حکومت کی مہر رہا کرتی تھی جو بلند ترین منصب کا نشان تھا۔ یہ بھی صدرِ اعظم کے لئے رعایت تھی

کہ حسبِ ضرورت مجلسِ وزراء کا اجلاس اپنے دولت کدہ پر منعقد کرے۔

قاضیِ عسکر اعلیٰ فضیلتِ دینی کے علماء اس عہدہ پر سرفراز کئے جاتے۔ ایک "قاضیِ عسکر"، ترکی علاقہ یورپ کی عدالتوں کا صدر ہوتا تین بڑے عہدیدار جماعتِ علماء سے منتخب کئے جاتے۔

خواجہ ترکی سلطنت میں سلطان اور شہزادہ کے اتالیق کو خواجہ کہتے تھے۔ یہ بھی ایک عہدہ تھا۔

مفتی ایک عہدہ مفتی کا تھا۔

نشانجی نشانجی (قاضی قسطنطنیہ) کے سپرد سرکاری دستاویزوں کے تیار کرنے اور ان پر سلطان کا طغرا ثبت کرنے کی خدمت سپرد تھی۔

رئیس آفندی چیف سیکرٹری کے جملہ فرائض رئیس آفندی کو ادا کرنے پڑتے تھے۔

دیوان حکومت کی مجلس حل وعقد کا نام دیوان تھا۔ دیوان کا صدر سلطان معظم ہوتا۔ اگر سلطان رونق افروز نہ ہوتا تو وزیر اعظم صدارت دیوان کی انجام دیتا۔ دیوان کے انعقاد کے وقت دوسرے وزراء اور قضاۃِ عسکر صدر کے داہنے بازو کی طرف بیٹھتے تھے۔ دفتردار اور نشانجی کی جگہیں صدر کے بائیں جانب تھیں۔

آغا خارجی آغا، داخلی آغا یہ عہدہ دار سلطنتِ عثمانیہ کے دست و بازو سمجھے جاتے تھے۔

داخلی آغا داخلی آغا درباری عہدوں پر مامور ہوتے۔

خارجی آغا خارجی آغا کی جماعت سے وہ فوجی حکام منتخب ہوتے تھے جن کے سپرد صوبوں کی حکومت ہوتی تھی۔ فوجی آغاؤں میں انکشاری (ینی چری) کے آغا اور سپاہی دوسرے سوار دستوں کے آغا

خاص طور پر ممتاز تھے۔

ینی چری کا آغا قسطنطنیہ کی پولیس کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔

قاپو آغا :- گورے خواجہ سراؤں کا افسر

قیزلر آغا :- حبشی خواجہ سراؤں کا افسر

بوستانجی باشی :- باغبانوں کا افسر

چاؤش باشی :- حکومت کے قاصدوں کا افسر

محکمہ دیوانی کے بہت سے عہدوں پر عموماً داخلی آغا مقرر کئے جاتے تھے۔

اور بھی عہدے تھے جن کا ذکر لاحاصل ہے۔

ہم عصر علماء

سلطان الوغ بیگ مرزا تیموری خاندان کا ایک مشہور عالم و فاضل بادشاہ تھا۔

بقول مؤلف کشف الظنون ۸۲۳ھ میں اُس نے اپنے دارالسلطنت سمرقند میں ایک مرصد کی تعمیر کی۔ غیاث الدین جمشید کے اہتمام سے تعمیر ہوئی۔ شریک کار علامہ قوشجی تھے۔

الوغ بیگ کی زیج مشہور و معروف ہے۔ ۸۵۳ھ میں اس نے انتقال کیا۔

مولانا نورالدین عبدالرحمان بن احمد الجامی ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ میں فوت ہوئے[1]

---

[1] پرشین لٹریچر صفحہ ۵۲۸۔

سُلطان بایزید ثانی

نام ونسب بایزید ثانی بن سلطان محمد ثانی بن مراد ثانی۔ ۸۶۶ھ میں بایزید پیدا ہوا۔

تخت سلطنت سلطان محمد کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے بایزید کو ۸۸۶ھ میں تختِ سلطنت پر بٹھایا اور یہی ولی عہد تھا۔

امیر جمم کی بغاوت مگر اس کے بھائی امیر جمم کو یہ تخت نشینی ناگوار گزری اُس نے بروصہ پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا۔ بایزید نے انکشاری فوج امیر جمم کے مقابلہ پر بھیجی معرکہ کارزار گرم ہوا۔ امیر جمم میدان چھوڑ گیا اور مصر پہنچا۔ پھر روڈس صلیبی جماعت کے پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے سلطان کو لکھا کہ امیر جمم کے اخراجات کے لئے ۴۵ ہزار دوک سالانہ مقرر کر دیئے جائیں ہم اس کو اپنی حفاظت میں رکھ لیں گے (سلطان نے ان کی استدعا کو منظور کیا۔

کچھ عرصہ بعد پوپ نوسان ہشتم نے امیر جمم کو اپنے پاس بُلا لیا اور سلطان کو لکھا کہ تین لاکھ دوک میری نذر کرو تو امیر جمم کو ٹھکانے لگا دوں۔ یہ تھا پوپ اعظم کا کیرکٹر۔

اس دوران میں شارل ہشتم شاہِ فرانس قسطنطنیہ کے لینے کے ارادے سے اُٹھا۔ پہلے اُس نے روما کا محاصرہ کیا اور امیر جمم کو لینا چاہا مگر پوپ نے اس کو زہر دے دیا اور اس کی لاش استانہ روانہ کر دی جو بروصہ میں دفن کی گئی۔

فتوحات سلطان محمد کے عہد میں ترکوں کا قبضہ پورے بلقان پر ہو چکا تھا۔ صرف بلغراد رہ گیا تھا جو ہنگری کے قبضہ میں تھا۔ بایزید نے بلغار لینا چاہا مگر ناکام رہا۔

مصر مصریوں نے سرحدی شہر ترسوس اور ادرنہ لے لئے۔ سلطان نے ۸۹۳ھ میں فوجیں جمع کر کے شاہ مصر سے دو، دو ہاتھ کرنا چاہے مگر پائے تولش نے باہمی صلح کرادی۔

ایران حسن اُوزون کے انتقال کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی نے ایران میں شیعی حکومت قائم کر لی۔ شاہ صفوی غالی شیعہ تھا اور جبریہ سنیوں کو اپنے مسلک پر لا رہا تھا۔ اس کے اعوان میں سے شاہ قول نامی نے اناطولیہ میں فتنہ رفض پھیلانا شروع کر دیا اور عوام کو بغاوت کے لئے بھڑکانے لگا۔ امیر اناطولیہ نے سرکوبی کر کے علاقہ سے نکلوا دیا۔
شاہ قول کوتاہیہ پہنچا۔ وہاں بھی شیعیت کا فتنہ کھڑا کیا۔ صدر اعظم علی پاشا مع فوج کے اس کی سرکوبی کو گیا۔ سخت مقابلہ ہوا جس میں صدر اعظم اور شاہ قول ہر دو کام آئے۔

ممالک یورپ سے تعلقات دول یورپ پر دولتِ عثمانیہ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ سلطان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۸۹۷ھ میں پہلا روسی سفیر ماسکو سے تحفے اور ہدیہ لے کر آیا اور مملکت عثمانیہ میں تجارتی امتیازات حاصل کئے۔ سلطنت پولونیا سے بھی اس سال بغدان (رومانیہ کا حصہ) کے متعلق عہد نامہ ہوا۔ اہلِ بغدان نے دولت عثمانیہ کی بخوشی دلی سیادت قبول کی۔ ہنگری کا قبضہ اُس پر سے جاتا رہا۔ ڈیوک میلانو، جمہوریہ فلارنسا نیز پوپ اسکندر سادس نے بھی دولتِ عثمانیہ سے تعلقات قائم کئے تاکہ سلطان کی بری و بحری قوتوں سے اپنے مخالفین کے لئے امداد حاصل کر سکے۔

یورپ میں فتوحات جمہوریہ وینس ترکوں کی مخالف تھی۔ اس وجہ سے بایزید نے اس پر فوج کشی کی۔ ترکی بیڑے کی مدد سے بعض یونانی جزائر جو وینس کے قبضہ و تصرف میں تھے سلطان نے فتح کر لئے اور اس فتح کے بعد بری افواج ترکیہ بوسنہ میں کامرانی کے ساتھ داخل ہوگئیں۔ اہلِ وینس نے شاہانِ یورپ کی اور پوپ اعظم کی معاونت سے جزیرہ مدللی کا محاصرہ کیا۔ لیکن ترکوں نے بہادری کا جوہر ایسا دکھایا کہ دشمن کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر وینس کی فوج نے منہ موڑا، ترکوں نے آگے بڑھ کر دڈسٹو کو فتح کر لیا۔ آخر ش وینس نے صلح کی استدعا کی اور باب عالی نے منظور کر لی۔

سلطان فتوحات میں منہمک تھا کہ سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کر دی جس کی وجہ سے اندرونی اضطراب پیدا ہو گیا۔ یہ بڑا سبب تھا کہ وینس کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔

وقائع ترک مغرب میں فاتحانہ سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اندلس کے مسلمان باہم دست بگریباں ہو کر عیسائیوں کے ہاتھوں پٹ رہے تھے۔ آخری دولتِ غرناطہ شاہ عبداللہ دشمنوں کے نرغہ میں تھا اس نے بایزید سے مدد مانگی مگر سلطان نے زیادہ توجہ نہ دی۔ صرف ایک معمولی بیڑہ کمال امیرالبحر کی قیادت میں بھیج دیا۔ مگر یہ بے سود ثابت ہوا۔ مفصل حالات ہم خلافتِ ہسپانیہ میں لکھ چکے ہیں۔

گوشہ نشینی سلطان کا ارادہ گوشہ نشینی کا تھا اور اپنے بیٹے شہزادہ احمد کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن انکشاریہ راضی نہ تھے۔ انھوں نے شہزادہ سلیم کو، جو جنگ جو، بہادر اور ہر دل عزیز تھا ۹۱۸ھ میں سلطان بنا دیا۔

بایزید نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سے دست برداری کر لی اور گوشہ نشینی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

وفات راستہ میں سلطان یکایک مرگ ناگہانی میں ۹۱۸ھ میں انتقال کر گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کو زہر دیا گیا۔

اوصاف سلطان نیک مزاج، بہادر، علم دوست اور صوفی منش تھا عوام اس کو ولی سمجھتے تھے۔ اس کا وزیر داؤد پاشا تھا۔ وہ بھی نیک دل اور علم سے ذوق رکھنے والا تھا۔

علمائے عصر قاضی میر حسین بن معین الدین المیبذی الحسنی کمال الدین لقب تھا۔ نویں صدی کا متبحر عالم تھا۔ معقولات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ طوالع شمسیہ اور دوسری کتب درسیہ پر حاشیہ لکھے۔ شاہ اسمٰعیل صفوی اس سے خفا ہو گیا اور اس کو ۹۰۶ھ میں قتل کرا دیا۔

علامہ محمد بن اسعد دوانی (نزد قصبہ گاذراں) شافعی المذہب تھے۔ حدیث، محدث شرف الدین عبدالحلیم بحرینی سے پڑھی اور شمس الدین محمد الجزری مصنف حصن حصین سے بھی تلمذ تھا۔ فقہ جمال الدین محمود بن ابی الفتح سے حاصل کی۔

عقلیات میں مفتی سید شریف جرجانی سے تلمذ تھا۔ شیخ آدم شہابی محدث گوپاموی کے معاصر تھے۔ شرح التجرید للقوشجی اور شرح مطالع کے حاشیے لکھے۔

صدر الدین شیرازی کی تحقیق پر تنقید کی۔ اور ۹۰۸ھ میں بعمر اسی سال انتقال کیا۔ شرح عقائد عضدیہ، شرح ہیاکل النور، شرح تہذیب فی المنطق یادگار ہیں۔

سلطان سلیم اوّل

نام و نسب سلطان سلیم ابن سلطان بایزید ثانی۔

تخت نشینی سلطان سلیم بایزید کے انتقال کے بعد ادرنہ پہنچ کر تخت نشین ہوا۔[۱] دول یورپ کے سفراء نے سلطنت کی مبارکباد دی۔

بھائیوں کی نزاع سلیم کے بھائی احمد اور کرکود ہمنوا جمعیتوں کو لے کر تخت عثمانیہ سلیم سے چھیننے چلے۔ مگر سلیم نے ہر دو کو بری طرح شکست دی اور گرفتار کرا کر تہ تیغ کرا دیا۔ اس طرح بھائیوں کا خرخشہ ختم ہوا۔

وقائع شاہ اسمٰعیل صفوی ایران کے حکمران خاندان کو تباہ کر کے اسمٰعیل نے اپنے لئے جگہ کی تھی۔ شروان فتح کر کے تبریز لیا اور اس کو اپنا مرکز بنایا۔ خراسان، دیار بکر، عراق عرب پر بھی بقوت قابض ہو گیا۔ اس کے ارادے یہ تھے کہ عثمانیوں کی طاقت توڑ کر اپنے حدود مملکت کو وسیع کر لے۔ پہلے شہزادۂ ترکی احمد کی فوجی مدد سلطان کے مقابلہ میں دی۔ پھر مصریوں کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے معاہدہ کیا اور خود نے اناطولیہ میں شیعیت کی ترویج کے لئے اپنے گماشتے بھیجے۔ چنانچہ اس کا نفوذ و اثر اپنی کارفرمائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں متعہ اور تبرّا بازی عام کر رکھی تھی۔

سلطان سلیم کو اسماعیل کی حرکات کا علم ہوا اور اس کو یہ خبر لگی کہ اناطولیہ میں جبریہ شیعہ بنائے گئے اور ان سے سرِ راہ تبرّا کرایا جاتا ہے تو وہ

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانائیکا جلد ۲۰ صفحہ ۲۲۴۔

آگ بگولہ ہوگیا اور اُس نے ترکی فوج بھیج کر چالیس ہزار کوٹھ کاٹنے لگوا دیا اور اسمٰعیل صفوی کی گوشمالی کے لئے ایران پر لشکر کشی کر دی۔ شاہ ایران نے مقابلہ کیا مگر مقام چالدران میں گھونگٹ کھا گیا۔ سن ۹۲۰ھ میں ترک تبریز میں داخل ہو گئے۔

سلطان سلیم نے تین ماہ تبریز میں قیام کیا اور اپنے دربار کے رکن اعظم مشہور عالم مُلّا ادریس کو دیارِ بکر کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ ادریس نے وہاں کے قبائل کو رام کر لیا اور وہ سلطان کے اطاعت گزار بن گئے۔

امیر ریاست ذوالقدریہ نے افواجِ ترکیہ کو پریشان کیا تھا اس کو مقابلہ پر شکست دی۔ امیر گرفتار ہُوا۔ اس کا سر کاٹ کر اس کے آقا سلطان مصر قانصوہ غوری کے پاس بھیج دیا اور پھر سلطان سلیم کے نام کا خطبہ ذوالقدریہ میں پڑھوایا۔

فتح مصر سلطان نے پوری قوت سے مصر پر چڑھائی کر دی۔ مرج وابق پر مصری مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہُوئے۔ سلطان غوری گھوڑے سے گر کر ہلاک ہُوا۔ سلطان سلیم شام اور فلسطین کو فتح کرتا ہُوا صحرا کی راہ سے مصر پہنچا۔ سلطان طومان بائے نے جو غوری کے بعد مصر کا فرماں روا بنا تھا مدافعت کے لئے آمادہ ہُوا مگر ناکام رہا۔ سلیم قاہرہ میں داخل ہُوا۔ سلطان طومان بائے گرفتار ہُوا اس کو دار پر چڑھا دیا۔[1]

مملکت مصر عثمانی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔ سلطان ایک ماہ قاہرہ میں رہا علماء امراء واعیانِ حکومت کو انعام و اکرام سے نوازا۔ غلاف خانۂ کعبہ کے محمل شریف کے جلوس میں پا پیادہ شریک ہُوا۔ اور خُدّامِ حرم کے لئے صرّۂ ہمایونی بھیجا۔ شریف مکہ ابوالبرکات نے فتح مصر کی تہنیت اور کلید خانۂ کعبہ بھیجی۔ اس

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۱ صفحہ ۲۲۰۔

وقت سے سلیم نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا۔ ملک مصر کا انتظام کر کے خیر بک کو جو غوری کے اعزاء سے تھا وہاں کا والی بنایا اور ۲۰ رجب ۹۲۳ھ کو مراجعت کی۔

یونس پاشا کا حشر صحرائے عریش میں سلیم پہنچا۔ صدر اعظم یونس پاشا جو حملہ مصر کا مخالف تھا اسے طلب کیا اور کہا۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے کیسی کامیابی عطا کی۔ اس نے پھر ایسی بات کہی جس پر سلیم ناخوش ہوا اور اُس نے یونس پاشا کو قتل کرا دیا اور پیر محمد پاشا کو جس نے مصر کی فتح کے لئے سلطان کو آمادہ کیا تھا صدر اعظم مقرر کیا۔ سلطان ایک ماہ تک دمشق میں رونق افروز رہا۔ شیخ ابن عربی کے مقبرے پر جامع مسجد تعمیر کرائی اور پہلی نماز جمعہ وہاں ادا کی۔

خلافت پر فائز ہونا ۲۴ رجب ۹۲۴ھ کو آستانہ پہنچا۔ متوکل علی اللہ ثالث آخری خلیفہ بنی عباس مصر کو سلطان قاہرہ سے ساتھ لیتا گیا تھا۔ خلیفہ نے جامع ایا صوفیہ میں علماء و امراء و عمائد ملک کے سامنے سیف، عثمانی علم اور ردائے نبوی سلطان سلیم کے سپرد کی اور منصب خلافت پر سلطان سلیم کو سرفراز کیا[1] اس طرح خلافت اسلامی آل عثمان کے ہاتھوں میں آگئی۔

نصرانیوں کو مراعات قدس شریف میں اسپین کے عیسائیوں کو حسب استدعا شاہ اسپین زیارت کی اجازت دی گئی۔

جمہوریہ وینس سے جزیرۂ قبرص کا جو دو سال کا خراج باقی تھا موصول ہوا۔

سلیم کا ارادہ روڈس کے اور ایران کے فتح کرنے کا تھا۔ بحری فوج کی تنظیم کر رہا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔

---

[1] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ صفحہ ۱۰۴۔

وفات ۸ شوال ۹۲۶ھ، ۱۵۱۲ء کو سلطان سلیم نے بعمر چوّن ۵۴ سال انتقال کیا۔

اوصاف سلطان سلیم بڑا مدبر اور شجاع و بہادر تھا۔ اس کی دلاوری ضرب المثل تھی۔ انصرام مہمات ملکی میں سلطان سلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

اس کے انتظام ملک اور رُعب کی وجہ سے کوئی بغاوت اس کے قلمرو میں رونما نہ ہوئی۔ سلطان سلیم کو ایرانی موٴرخین نے خون ریز و سفاک لکھا ہے مگر درست نہیں۔

علمی ترقی سلطان سلیم جہاں بہادری کی صفت رکھتا تھا وہاں وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔ اس کے زمانے میں علمی درسگاہیں بہت کافی تھیں جس سے اس کا دور ادبی و علمی حیثیت سے بھی نہایت ہی کامیاب تھا۔

سلطان سلیم کے عہد میں ترکی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے زمانے میں کمال پاشا زادہ نے ترکی میں یوسف زلیخا تحریر کی اور گلستان کے جواب میں نگارستان لکھی۔

اس کمال پاشا کا ہم عصر ایک شاعر تھا جس نے ترکی میں بہاریہ نظمیں لکھ کر ایرانی شاعری کا رنگ اور اس کا رنگین ماحول پیدا کیا۔ خود سلطان سلیم تمام ترکی سلاطین پر شعر و سخن میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اس کے اشعار بلند ترین درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۲۳۴۔

سُلطان سُلیمان اعظم قانونی

نام ونسب | سلیمان ابن سلطان سلیم عثمانی ۔

ولادت | ولادت سلیمان کی ۹۰۰ھ میں ہوئی ۔

تخت نشینی | سلیم کی وفات کے وقت سلیمان صاروخان میں مقیم تھا۔ ۱۷ شوال ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ پہنچا اور اپنے عمائدینِ سلطنت کی موجودگی میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔[۱]

شام میں بغاوت | امیر غزالی جو قانصوہ غوری کے امراء میں سے تھا جس کو سلطان سلیم نے شام کا والی مقرر کیا تھا اُس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور خیر بک والیٔ مصر کو لکھا کہ قسطنطنیہ دُور ہے تم بھی میرے شریک اور ہم خیال بن جاؤ۔ اس نے کہا حلب پر قبضہ کر لو تو تمہارے ساتھ ہوں۔ غزالی نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ سلیمان کو خبر پہنچی اُس نے یکم صفر ۹۲۷ھ میں فرہاد پاشا کو نظامی فوج کے ساتھ غزالی کی سرکوبی کو بھیجا۔ اس نے جاتے ہی اس سے دو دو ہاتھ کئے۔ غزالی گرفتار ہو کر آیا اور اس کا سر کاٹ کر ۷ صفر ۹۲۷ھ کو قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔

فتوحات | سلطان سلیمان نے شاہ ہنگری کے پاس جزیہ کے مطالبہ کے لئے اپنا سفیر بھیجا۔ اُس نے عثمانی سفیر کو قتل کرا ڈالا اس لئے

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ ص ۲۳۴ ۔

سلطان نے اس پر چڑھائی کر دی۔ ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ میں بلغراد پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ سارے بلقان میں یہی ایک ایسا قطعہ رہ گیا تھا جو عثمانیوں کے قبضہ و تصرف سے باہر تھا اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے نہایت وقیع۔ اس لئے اس کی فتح کی خوشخبری ملکوں ملکوں بھیجی گئی۔ شہنشاہ روس اور رئیس جمہوریہ وینس نے سلطان کی کامیابی پر تہنیت کے پیام بھیجے۔

جزیرہ روڈس یوحنا اور شلیمی کی فتنہ پرور جماعت جو ارضِ مقدس سے بزور نکالی گئی تھی۔ وہ روڈس میں آکر مقیم ہوئی اور ہمسایہ مسلمانوں کے خلاف آئے دن جنگ و غارت گری کرتی رہتی تھی۔ سلاطینِ عثمانیہ عرصہ سے خواہش رکھتے تھے کہ اس جزیرہ پر قبضہ کیا جائے تاکہ آئے دن کا ان کا خطرہ جاتا رہے اور غنیم کے جہازوں کو وہاں پناہ نہ مل سکے۔ فتح مصر کے بعد سے اس کی ضرورت مصر کے ساتھ بحری معاملات کی غرض سے اور بڑھ گئی تھی۔ سلیمان نے وہاں کے امراء کو لکھا کہ جزیرہ خالی کر کے چلے جاؤ۔ تمہارے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس لئے سلیمان خود عثمانی بیڑہ لے کر گیا۔ محاصرہ سے مجبور ہو کر انہوں نے نکلنا منظور کیا۔ سلیمان نے اپنی فوج وہاں سے ایک میل دور ہٹالی اور بارہ دن کی مہلت دے دی جس میں وہ اپنا مال و اسباب لئے ہوئے جزیرۂ مالٹہ چلے گئے۔

کریمیا کا الحاق ۹۲۹ھ میں محمد کرائی خاں والی کریمیا اپنے بیٹوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ جس سے وہاں فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطان نے کریمیا کو اپنی دولت میں شامل کر لیا جس سے تمام خرخشے ختم ہو گئے۔

ہنگری کے وقائع شاہ شارلکان دول یورپ میں سب سے بڑا تھا۔ اسپین، جرمنی، ہالینڈ اور جنوبی اطالیہ بھی زیرِ نگین تھا۔ جمہوریہ فلارنس اور جینوا اور جزائر منارکا اور سسلی بھی اس کے تابع تھے۔ فرانس

کا بادشاہ فرانسیس اول نے اطالیہ کے صوبہ میلان کے لئے شارلکان سے جنگ کی جس میں ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ مگر پوپ کی نگاہوں میں فرانسیس کی قدر زیادہ تھی۔ شارلکان سے اور بادشاہ فرانس سے چل گئی تو اُس نے ترکوں نے امداد چاہی۔ سلطان تیار ہو گیا۔ ایک لاکھ فوج اور تین سو توپیں لے کر سرکوبی کو چڑھ دوڑا اور شارلکان کو سخت شکست دے کر ہنگری پر قبضہ کر لیا اور سلطنتِ عثمانیہ میں یہ علاقہ شامل کر لیا گیا۔

ویانا پر حملہ شارلکان نے اپنے بھائی فرڈیننڈ کو آسٹریا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس نے ہنگری پر فوج کشی کر کے جابو لائے کو جو سلطان کی طرف سے وہاں کا والی تھا شکست دیدی اور وہاں کے پائے تخت بودین (بوڈاپسٹ) پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر چڑھائی کی۔ بودین کو واپس لے کر پھر جابو لائے کو وہاں کا والی بنا دیا اور آسٹریا میں بڑھ کر ویانا کا محاصرہ کیا۔ لیکن شدتِ سرما کی وجہ سے سلطان فتح نہ کر سکا اور اپنے دارالخلافہ واپس چلا آیا۔ یہی یورپ میں آخری نقطہ تھا جس پر ترک پہنچے۔ پھر رُخ نہ کر سکے۔

بغداد شاہ طہماسپ پسر اسمٰعیل صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگ میں مشغول پا کر عثمانی حدود میں دست درازی شروع کر دی اور تبریز پر بہ قوت قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ۹۴۰ھ میں لشکرکشی کی۔ وان اور ارعیش کے قلعے لیتا ہُوا تبریز میں سلطان بکر دفر آیا۔ پھر وہاں سے عراق عرب میں پہنچ کر بغداد کو فتح کیا اور شاہ طہماسپ کو سخت شکست دی۔ چند روز مقیم رہ کر سلطان کربلا گیا۔ پھر لوٹ کر مزارات ابوحنیفہؒ اور سید عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مرمت کرائی۔

الجزائر کامرانی کے بعد سلطان آستانہ آیا۔ باربروسہ خیرالدین پاشا جو جزائر کے ایک حصہ پر متصرف تھا، آستانہ حاضر ہُوا اور اپنے

مقبوضات کو سلطنتِ عثمانی میں شامل کر لینے کی درخواست کی سلیمان نے منظور کر لیا اور بار بروسہ کو قپودان دریا کے نام سے عثمانی بیڑہ کا امیر بنا دیا۔ اس اثناء میں شارلکان مشہور امیرالبحر آندرہ دوریا نے اپنے بیڑے کو لے کر تونس کو گھیر لیا اور تاخت تاراج کرنے لگا۔ مساجد و معابد بھی اس لپیٹ میں آ گئے۔ سلطان نے مطلع ہو کر بار بروسہ کی قیادت میں عثمانی اسطول روانہ کیا جس نے سواحل اطالیہ پر پہنچ کر آندرہ دوریا کے بیڑہ کو شکست دی اور اوترانت اور اس کے حوالی سے بے شمار مالِ غنیمت لے کر واپس آیا۔ بار بروسہ کی سلطان کی نگاہوں میں قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

دولت الموحدین کی طرف سے الجیریا میں خاندان زیانیہ کا جو نائب رہتا تھا اُس نے بھی اپنے ہمسایہ حفصہ کا طریقہ اختیار کیا کہ آقاؤں کو ضعیف دیکھ کر خود کو خود مختار اور ذی اقتدار سمجھ لیا۔ ان کا دارالسلطنت تلمسان تھا۔ ۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء میں مراکش کا مرینہ نے زیانیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

۱۵۱۹ء میں الجیریا اور طرابلس سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے اور پھر ۱۶۱۷ء میں الجزائر کے خود پرانے پیادہ سپاہی اپنے میں سے حاکم مقرر کرنے لگے جن کا لقب "دا" انہوں نے رکھا تھا جس سے پاشاؤں کی حکومت کو زوال آ گیا۔ پھر ۱۷۱۰ء میں "دا" دو عہدوں کا کام دینے لگا۔ ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے الجیریا پر قبضہ کر لیا۔[1]

ہندوستان ۹۴۲ھ میں دہلی کے بادشاہ نے مغلوں کے مقابلہ کے لئے سلطان سے اعانت چاہی۔ نیز بہادر شاہ گجراتی کی طرف سے سفیر پہنچے اور پرتگالیوں کے مقابلے میں جن کی غارت گری

---

[1] انسائیکلوپیڈیا ایڈی ص۲۵۔

سے سواحل ہند کے اسلامی علاقے ویران و تباہ ہو رہے تھے، فوجی امداد کے طالب ہوئے۔ سلطان کے حکم سے سلیمان پاشا والئ مصر ۷۵ جنگی کشتیاں جن میں بیس ہزار سپاہی اور بڑی بڑی توپیں تھیں لے کر روانہ ہوا۔ بحر احمر سے نکل کر پہلے اُس نے عدن پر قبضہ جمایا۔ پھر سواحل گجرات پر آ کر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کئے۔ آخر میں ان کے سب سے بڑے مرکز دیول کا پاشا نے محاصرہ کیا۔ لیکن اس کو فتح کئے بغیر اموالِ غنیمت لے کر عدن واپس چلا گیا اور عدن سے آگے بڑھ کر مملکتِ یمن کو فتح کر کے عثمانی ولایت بنا لیا۔

جزائر بحر روم فرانس اور دولتِ عثمانیہ میں فتح اطالیہ کے لئے باہم یہ معاہدہ ہوا کہ عثمانی بیڑہ نیپل، سسلی اور اسپین کی طرف سے حملہ آور ہوا اور فرانس شمالی سمت سے۔ اس کے مطابق سلطان سلیمان نے اپنے بیڑے کو روانہ کیا اور خود ایک لاکھ فوج لے کر البانیہ کی طرف بڑھا۔ لیکن چونکہ عام مسیحی رائے فرانسیس اول کے خلاف ہو گئی کہ اُس نے اپنے ہم مذہبوں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کو حلیف بنایا۔ اس وجہ سے وہ میدانِ جنگ میں نہیں آیا اور جو منصوبہ تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔ دوسری طرف امیر البحر بربروسہ نے جزیرۂ کارفو کا محاصرہ کیا۔ مگر سفیر فرانس نے جس کو سلطانی دربار میں بہت درخور حاصل تھا، بیچ میں پڑ کر اُن کی طرف سے ضمانت دلا دی اس لئے محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ واپسی میں بار بروسہ نے کریٹ وغیرہ اکثر جزائر فتح کر لئے۔ آندرہ دوریا۔ ۱۶۷ جہاز لے کر باربروسہ کے مقابلے میں آیا۔ مگر شکست کھا کر واپس گیا۔

سُلطانی بیڑا ان پے در پے فتوحات سے اسپینی بیڑے کا بالکل اقتدار جاتا رہا اور بحری سیادت یورپ میں ترکی بیڑے نے لے لی۔ جس کی شہرت اقطارِ عالم میں پھیل گئی۔ اس وقت اس بیڑے کا مدِ مقابل کوئی دوسرا بیڑا نہ تھا۔

تجارتی عہد نامہ ۹۴۲ھ میں فرانس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس میں بوجہ حلیف ہونے کے فرنچ تجار کے لئے قلمرو عثمانیہ میں خاص مراعات منظور کی گئیں۔

اسی زمانہ میں شاہِ ایران شارلکان کے ساتھ معاہدے کی کوششیں کر رہا تھا جو پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

فرانس اور شارلکان ۹۵۲ھ میں فرانسیس اول اور شارلکان میں پھر جنگ شروع ہوئی۔ اس وقت فرانس کی طرف سے موسیو بولان نامی سفیر آستانہ میں آکر سلطان سے امداد کا طالب ہوا۔ سلیمان نے امیر البحر باربروسہ کو ایک بیڑے کے ساتھ بھیج دیا جس نے پہنچ کر نیس کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ لیکن ترکی اور فرنچ افواج میں کچھ اختلاف ہو جانے کے باعث فتح کی تکمیل نہ ہو سکی۔ باربروسہ نے فرانس کی بندرگاہ طولون میں موسم سرما بسر کیا جس کا صرفہ آٹھ لاکھ ریال فرانسیسی حکومت نے ادا کیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ واپس چلا آیا۔ یہاں پہنچ کر ۹۵۳ھ میں باربروسہ نے انتقال کیا[1]۔ اس کی جگہ پر طورغود پاشا امیر البحر مقرر ہوا۔

شارلکان اسی سال شارلکان نے بھی تحفے اور ہدیئے بھیج کر دولتِ عثمانیہ سے مصالحت کی درخواست کی۔ سلطان نے منظور کر لی۔ پانچ سال تک جنگ نہ کرنے کا فریقین میں معاہدہ ہوا۔ بشرطیکہ تیس ہزار اشرفی خراج آسٹریا کی طرف سے سالانہ ادا ہوتا رہے۔

شاہ طہماسپ شاہِ ایران نے ۹۶۵ھ میں حدود عثمانی میں پیش قدمی شروع کی۔ سلیمان نے فوج لے جا کر قرہ باغ کے متصل

---

[1] امیر البحر باربروسہ جزیرۂ مدلی کا رہنے والا تھا، پیشہ بحری قزاقی تھا۔ اسپین کے مصیبت زدہ مسلمانوں کو الجزائر میں لاکر آباد کیا۔

طہماسپ کو شکست دی۔ آخر میں شاہ مذکور نے قلعہ قرص دولت عثمانیہ کے حوالے کر کے صلح کر لی۔

اس زمانے میں طورغود پاشا نے اسی اثناء میں جزیرہ مالطہ کا محاصرہ کیا اسی میں اُس نے شہادت پائی۔ اس واقعہ کے بعد عثمانی بیڑہ بے نیل و مرام مالطہ سے واپس آگیا۔

وفات — سنہ ۹۷۳ھ میں میکسیمین پسر فرڈینینڈ شاہ آسٹریا نے ہنگری کے مقام توکائے پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے باوجود درد نقرس کے فوج کشی کی اور آسٹریا کے قلعے سکتوار کا محاصرہ کیا۔ فتح سے چند روز پیشتر اس کا مرض بڑھ گیا اور ۲۰ صفر سنہ ۹۷۴ھ میں اُس نے وفات پائی۔ عمر ۷۴ سال تھی۔

اوصاف — سلیمان میں جہاں شجاعت و مردانگی کے جوہر تھے وہاں وہ خلیق اور متواضع، علم و ہنر کا قدر دان تھا۔ اپنے معاصر شہنشاہوں میں بعض خصوصیات کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتا تھا۔

شعراء و علمائے عصر — سید علی جلبی شاعر و ادیب تھا۔ سلیمان نے سنہ ۱۳۵۲ھ میں ایک جہاز پرتگال بھیجا تھا اس کا یہ کپتان تھا۔ ترکی زبان کا عالم تھا۔ اس نے مرآت الممالک اپنے سفر کے حالات میں لکھی۔ ایک کتاب اس کی المحیط کے نام سے ہے جو مشرقی سمندروں کی جہازرانی کے موضوع پر ہے۔

محمد بن سلیمان فضولی، بغداد میں ہی نشوونما پائی۔ وہیں علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ عربی، فارسی کا متبحر عالم تھا اس نے ترکی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ اس کا شمار ترکی شعراء کے طبقۂ اول میں ہے۔ سلطان سلیمان کا ہمعصر تھا۔ اس کے متعلق ترکوں کے مایۂ ناز ادیب اسمٰعیل حبیب نے اپنی کتاب ترکی ادبیات کی جدید تاریخ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "وہ جذبات رنج و غم کا بہترین مصور ہے"۔ محمد بن سلیمان کا انتقال سنہ ۹۳۶ھ / ۱۵۶۳ء میں ہوا۔

سلطان سلیم ثانی

نام ونسب سلیم ثانی ابن سلیمان بن سلطان سلیم اول ۔

ولادت سلیم ثانی ۲۴ رجب ۹۳۰ھ میں پیدا ہوا ۔

تعلیم وتربیت سلیم کو بھی سلیمان نے مثل سلاطین زادوں کے تعلیم دلوائی اور حکمرانی کے آداب سکھانے کے لئے کوتاہیہ کی ولایت پر مامور کیا ۔

خلافت سلیمان کی وفات کے پچاس روز کے بعد قسطنطنیہ میں سلیم آیا اور سریر آرائے خلافت ہوا ۔ اس وقت تک امرائے سلطنت نے سلیمان کے مرنے کو چھپائے رکھا ۔

صدرِ اعظم صدرِ اعظم کے عہدہ پر محمد پاشا عاقل سرفراز تھا ۔ یہ لائق وزراء میں شمار کیا جاتا ہے ۔

سلیم حکمرانی کا اہل نہ تھا اس کے تمام بھائی باپ کی مرضی سے قتل کیے جا چکے تھے ۔ سلیمان کے کوئی اور اولاد اس کے سوا نہ تھی اس لئے یہی تخت نشین کیا گیا ۔ مگر مزید فتوحات تو کیا خود مفتوحہ علاقوں کی حفاظت بھی نہ کر سکا ۔ صدر اعظم کی لیاقت اور تجربہ نے سلطنت کی عظمت قائم و برقرار رکھی ۔

معاہدات سب سے پہلے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ ہوا جس میں اس نے ٹرانسلوانیا اور رومانیہ پر باب عالی کی سیادت تسلیم کی ۔ آسٹریا کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ ہنگری میں اپنی املاک پر قابض رہے اور دولت علیہ کو حسب سابق سالانہ جزیہ دیا کرے ۔

فرانس کے ساتھ عہدِ سابق کی تجدید کی گئی اور اس کے سفیر کو حق دیا گیا کہ فرانسیسی قیدیوں کو جو ترکی کی غلامی میں ہو آزاد کرا سکتا ہے۔ نیز جملہ فرانسیسیوں سے جو عثمانی قلمرو میں بستے شخصی خراج اٹھا لیا گیا اور فرنچ کشتیاں محفوظ قرار دی گئیں جن کے نقصان کی تلافی دولت علیہ نے اپنے ذمہ لی۔

ان مراعات سے سواحل بحر روم پر فرانسیسی تجارت کو آزادی مل گئی جس کی وجہ سے ترکی مسیحی رعایا پر فرانسیسی سفیر نے اپنا اثر بڑھا لیا جو آگے چل کر دولتِ علیہ کے لئے مصائب کا ذریعہ بن گیا۔

یمن امام زیدیہ مطہر بن شرف الدین یحییٰ نے ۹۷۶ھ میں بغاوت کر دی۔ صدر اعظم نے عثمان پاشا کو یمن کی ولایت کا فرمان دے کر ایک فوجِ گراں کے ساتھ روانہ کیا۔ سنان پاشا والئ مصر نے بھی بحکم باب عالی عثمان پاشا کی مساعدت کی جس کے اثر سے امراءِ یمن نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکی فوجیں قلعوں کو فتح کرتی ہوئی صنعاء تک پہنچ گئیں۔ امامِ یمن نے مجبور ہو کر دولتِ عثمانیہ کی سیادت تسلیم کی اور معاہدہ لکھ دیا۔

قبرص جزیرۂ قبرص جو جمہوریہ وینس کے ماتحت تھا اس کی فتح کے لئے لالہ مصطفیٰ کی ماتحتی میں جس نے سلطان کے بھائی بایزید کو قتل کرایا تھا ایک لاکھ بحری فوج ۹۷۸ھ میں بھیجی گئی جس نے اس کو فتح کر لیا۔ اس وقت سے برابر دولتِ عثمانیہ کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۷ء میں اس کو انگریزوں نے بلطائف الحیل لے لیا۔

ترکی بیڑہ لالہ مصطفیٰ نے کریٹ اور سواحل بحر ایڈریاٹک پر حملے شروع کئے۔ جمہوریہ وینس نے اسپین اور پاپائے روم کے ساتھ مدافعت کے لئے معاہدہ کیا۔ ان سب کا بیڑا ایک ساتھ امیر دون جون کی قیادت میں جس نے اندلس کے علاقے سے مسلمانوں کو طرح طرح کی سختیوں اور ظلم و جور سے نکالا تھا، مقابلے کے لئے آیا۔ ۷۵ کشتیاں اسپین کی تھیں، ۱۰۵ وینس کی ۱۲ یورپ

کی اور ۹ مالٹہ کے راہبوں کی۔ تین گھنٹے کی لڑائی میں ۲۰۵۵۔ ترکی کشتیوں میں سے ۱۳۵ غرق ہو گئیں بقیہ گرفتار ہوئیں۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ترک شہید ہو گئے۔ اور تیس ہزار گرفتار ہوئے۔

ترکوں کی اس شکست پر تمام یورپ میں خوشی منائی گئی لیکن محمد پاشا صدر اعظم نے چھ مہینے کے اندر جس میں اہلِ یورپ اس کامیابی کے جشن میں مصروف تھے، نہایت کوشش اور ہمت کے ساتھ اڑھائی سو جدید جہاز تعمیر کرا لئے۔ چنانچہ جاڑا گزرنے کے بعد نو بہار کے موسم میں یورپ نے دیکھا کہ بحیرۂ روم میں ترکوں کا وہی اقتدار پھر قائم ہے جو فتح سے پہلے تھا۔ اس لئے جمہوریہ وینس کو مجبوراً ترکوں کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑا۔ مزید براں اُس نے تاوان بھی ادا کیا۔

ڈون جان نے اسپینی بیڑے سے جا کر تونس پر قبضہ کر لیا۔ مگر ترکی بیڑے نے قلیچ علی پاشا کی قیادت میں پہنچ کر اُس کو وہاں سے نکال دیا اور اُس کے ساتھیوں کی خوب پٹائی کی۔

انتقال آٹھ سال سلطنت کرنے کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۹۸۲ھ میں سلیم نے انتقال کیا۔

سلطان مُراد خان ثالث

نام ونسب مراد خان ثالث بن سلطان سلیم ثانی

ولادت ۹۵۳ھ میں مراد خاں کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت سلیم نے اپنے چھ شہزادوں مراد، محمد، سلیمان، مصطفیٰ، جہانگیر اور عبداللہ کو رسمی طور پر تعلیم دلوائی۔ مراد سب سے بڑا تھا اور اس نے اپنے دلی شوق سے ترکی، فارسی، اور عربی میں اعلےٰ استعداد پیدا کی۔

تخت نشینی سلیم کے مرنے کے بعد ۹۸۲ھ میں مراد سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس نے اوّلاً اپنے پانچوں بھائیوں کو تہ تیغ کیا۔

صدر اعظم صدارتِ عظمیٰ پر محمد پاشا ممتاز تھا۔

وقائع سلیم کے زمانے میں نصرانیوں کے تعلقات سے ترکوں میں شراب کثرت سے پھیل گئی تھی خاص کر انکشاریہ میں۔ مراد نے اس کی بابت امتناعی احکام جاری کئے۔ انکشاریہ نے شورش کی اور اس کو مجبور کر دیا کہ ان کے لئے اس مقدار میں جس سے نشہ نہ پیدا کر دے مباح کر دے۔

۹۸۳ھ میں شاہ بولونیا کے فرانس چلے جانے پر وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی سفیر متعینہ باب عالی کے مشورہ سے ٹرانسلوانیا کے فرماں روا کو جو دولتِ علیہ کا تابع تھا اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس طرح پر بولونیا خود بخود ترکی حمایت میں آ گیا۔

معاہدات محمد پاشا صدر اعظم نے جملہ معاہدات کی جو سلطنتوں کے ساتھ تھے تجدید کی۔ فرانس کے ساتھ تعلقات اچھے تھے اس کے سفیر کو دول یورپ کے جملہ سفراء پر باب عالی میں تفوق حاصل تھا اور بجز جمہوریہ وینس کے دیگر یورپین سلطنتوں کے تمام تجارتی جہاز ترکی سمندروں میں صرف فرانسیسی جھنڈا لگا کر داخل ہوسکتے تھے۔ انگلینڈ کی ملکہ ایلزبتھ نے اپنے تجارتی معاہدہ میں یہ حق خاص طور پر حاصل کیا کہ اس کے جہاز انگریزی علم کے ساتھ آسکیں گے۔

مراقش سنہ ۹۸۶ھ میں مراقش کا سلطان شریف عبداللہ فوت ہو گیا اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد مستنصر تخت پر بیٹھا۔ اس کی بدلیاقتی کو دیکھ کر اس کا چچا شریف عبدالملک سلطنت کا دعویٰ لے کر اٹھا اور حکومت عثمانیہ سے امداد طلب کی۔ مستنصر نے پرتگالیوں سے اعانت چاہی۔ چنانچہ وہ ایک زبردست بیڑہ تین سو توپوں کے ساتھ لے کر آ گئے۔ باب عالی نے رمضان پاشا والیٔ الجزائر کو مقابلہ کا حکم دیا۔ اس نے وادی سبیل میں پرتگالیوں کو شکست دی۔ جس میں شاہِ پرتگال اور مستنصر معہ بیس ہزار فوج کے مارے گئے۔ عبدالملک ثانی سیادتِ عثمانی میں تختِ سلطنت پر آ گیا۔

دیگر فتوحات ایرانیوں کی دراز دستی کی وجہ سے پھر ان کے ساتھ جنگ شروع ہوئی اور ترکی فوجوں نے تفلس اور شماخی فتح کرتے ہوئے قفقاز تک قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں ایران میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ شاہ طہماسپ کو زہر دیا گیا اور اس کی جگہ اسمٰعیل مرزا تخت پر آیا جس نے اپنے آٹھوں بھائیوں کو قتل کرا دیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد وہ بھی مر گیا۔

اس فرصت میں لالہ مصطفےٰ کی تحریک سے عثمان پاشا نے جا کر گرجستان کو فتح کر لیا اور فرہاد پاشا نے ایرانی فوجوں سے تبریز اور شروان خالی کرا لیا۔

یورپ سے جنگ انکشاریہ کا نظام اس قدر ہو گیا کہ انہوں نے تمرد اور سرکشی اختیار کر لی اور جا بجا قتل و غارت کرنے لگے۔ بعض بعض حکام اور عمال کو بھی مار ڈالا۔ صدر اعظم نے ہنگری کے ساتھ اعلان جنگ کر کے ان کو اس لڑائی میں لگا دیا لیکن وہاں وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ اسی اثناء میں رومانیہ اور ٹرانسلوانیا نے دولت شاہ اسٹریا اور قیصر جرمنی کی مدد سے اپنے استقلال کا دعویٰ کر دیا۔ صدر اعظم سنان پاشا خود مقابلے کے لئے گیا اور ان کو شکست دے کر خارسٹ پر قبضہ کر لیا لیکن انہوں نے پھر مجتمع ہو کر اس کو وہاں سے نکال دیا اور دریائے ڈینوب سے دھکیلتے ہوئے نیکو پولس تک آ گئے۔

وفات ۱۰۰۳ھ میں مراد نے وفات پائی۔

اوصاف سلطان شاعری میں مشہور تھا۔ ترکی، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ مگر نہایت عیاش جس کی وجہ سے اس کے عہد میں حرم سرا کی بیگمات امورِ حکومت میں دخل دینے لگی تھیں۔

اولاد ۱۵۲۔ اولاد میں سے مرتے وقت ستائیس بیٹیاں اور ۲۵ بیٹے چھوڑے۔

سُلطان مُحمد ثالث

نام و نسب محمد ثالث ابن سلطان مراد ابن سلطان سلیم ۔

تعلیم و تربیت محمد ثالث کی تعلیم بھی رسمی ہوئی مگر طبیعت میں اُس کے شجاعت تھی اور حکمرانی کے اوصاف بھی تھے ۔

تخت نشینی ۱۰۰۳ھ میں باپ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ حکومت کی باگ ہاتھ میں لے کر پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ۱۹ بھائیوں کو قتل کرا دیا اور ان سب کو باپ کے ساتھ ہی دفن کیا ۔ مراد کی فضول خرچیوں سے سلطنت پر قرضے کا بار بہت پڑ گیا تھا۔ محمد نے وہ سب قرضے ادا کئے ۔

مراد کے اسراف بے جا کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ سلطانی مطبخ کے لئے جو سبزی آتی تھی اس کی قیمت میں سے اسی ہزار اشرفیاں باقی تھیں ۔ اس پر اور دوسرے اخراجات کا اندازہ کیا جائے ۔

انتظام مملکت محمد ثالث نے دیکھا کہ وزراء عثمانیہ علاوہ مناصب وقف لوٹتے ہیں اور جا بجا بدانتظامی کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا ہو رہے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ ترکی فوج آزمودہ کار امراء کے نہ ہونے سے مسلسل شکستیں کھا رہی تھی اس لئے خود مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے میدانِ جنگ میں پہنچا جس سے فوج میں حمیت اور جرأت پیدا ہو گئی اور اس نے غنیم کا تختہ اُلٹ دیا۔ یہاں تک کہ قلعہ ارلو بھی فتح کر لیا جس کے لینے سے سلطان سلیمان بھی عاجز رہا تھا۔ دشمنوں کو مغلوب کرنے کے بعد ظفر مندی کے ساتھ آستانہ واپس آیا۔ پھر اناطولیہ میں

جو بغاوت پھیلی ہوئی تھی ایک عرصے کی جنگ و جدال کے بعد اس کو فرو کیا۔ اس داخلی شورش میں شاہ عباس نے موقع پاکر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کے مقابلہ کے لئے امیر طرابزون حسن پاشا متعین ہوا۔

وفات اسی حالت میں ۱۰۱۲ھ میں سلطان محمد اڑتیس ۳۸ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

سُلطان احمد اوّل

نام ونسب احمد اوّل ابن محمد ثالث ابن سلطان مراد خاں ثالث۔

ولادت ۹۹۸ھ میں سلطان احمد پیدا ہوا۔

تخت نشینی سلطان احمد کی استعداد علمی رسمی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۰۱۲ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

وقائع جب سلطان تخت نشین ہوا اس وقت ملک کی حالت بیحد سقیم تھی۔ کیونکہ حدودِ عجم پر شاہ عباس صفوی اپنی پوری قوت کے ساتھ بڑھتا چلا آرہا تھا اور تبریز کے بعد شماخی، شروان، آقچہ قلعہ اور قارس لے چکا تھا اور مغربی سرحد پر آسٹریا کی فوجیں مصروفِ پیکار تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولایات شرقی میں جا بجا بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں جن کے سرغنہ جان پولاد اور فخر الدین دروزی وغیرہ تھے۔

صدر اعظم خوش قسمتی سے اس وقت دولتِ علیہ کی صدارت پر

مراد شاہ آگیا تھا جو نہایت تجربہ کار امیر تھا جس کی عمر پچاسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے اندرونی بغاوت کی طرف توجہ کی اور اس کے ایک بڑے سرگروہ قلندر اوغلی کو اپنے ساتھ ملا کر انگورہ کا والی مقرر کر دیا۔ جس کی وجہ سے باغیوں کا جتھا ٹوٹ گیا۔ فخرالدین بھاگ کر بادیۂ شام میں پہنچ گیا اور جان پولاد نے آستانہ میں داخل ہو کر معافی مانگ لی۔ سلطان نے اس کی جان بخشی اور تمسوار کی ولایت عطا فرمائی۔

آخر میں یوسف پاشا نے جو اقلیم صاروخاں، منتشا اور آیدین میں علمِ بغاوت بلند کئے ہوئے تھا شکست کھائی اور مارا گیا جس سے امن و امان قائم ہو گیا۔

شاہ عباس صفوی سنان پاشا حدودِ عجم کی طرف بھیجا گیا۔ شاہ عباس نے مقابلے کی تاب نہ لا کر صلح کا پیغام بھیجا بشرطیکہ حدود وہی رکھے جائیں جو سلیمان اعظم کے زمانہ میں تھے۔ مراد پاشا نے منظور کیا۔ لیکن اسی درمیان میں وہ انتقال کر گیا اور نصوح پاشا صدارت پر آیا جس نے شاہ عباس کی شرطوں پر سنان پاشا کو مصالحت کی ہدایت کی اور یہ اضافہ کیا کہ دو صد خروار حریر ایران سالانہ بھیجا کرے۔

یہ پہلا معاہدہ تھا جس میں دولت علیہ نے خسارہ اٹھایا اور اُس کو اپنے بعض مفتوحہ قلعے اور علاقے چھوڑ دینے پڑے۔

ممالکِ مغرب آسٹریا کے مقابلے کے لئے یاور علی پاشا متعین ہوا تھا، وہ بلغراد پہنچ کر انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ لالہ محمد پاشا بھیجا گیا۔ متعدد معرکوں کے بعد آخر میں حکومت آسٹریا نے ہنگری سے دستبرداری لکھی اور کانیتا پر عثمانی قبضہ تسلیم کیا اور دولتِ علیہ نے تیس ہزار دوک سالانہ جزیے کی رقم جو آسٹریا سے اس کو وصول ہوتی تھی چھوڑ دی۔ ۱۰۱۵ھ میں ویانہ میں اس عہدنامہ کی تکمیل ہوئی۔ تاریخ میں یہ معاہدہ "ستوانوروک" کے

نام سے مشہور ہے۔

اب اگرچہ ہر طرف سے امن ہو گیا تھا لیکن مالٹہ، اسپین اور اطالیہ کی جنگی کشتیاں بحیرۂ روم میں دولت علیہ کی کشتیوں پر حملے کرتی رہتی تھیں، صدر اعظم نے جملہ ترکی کشتیوں کو بحیرۂ روم میں لا کر جمع کر دیا جس کی وجہ سے بحیرۂ اسود میں روسیوں نے غارت گری شروع کر دی۔ اس جُرم پر سلطان نے صدرِ اعظم کو سنہ ۱۰۲۱ھ میں قتل کرا دیا۔

سنہ ۱۰۱۹ھ میں ہالینڈ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہُوا اور جو مراعات فرنچ اور انگلش تجار کو دی گئی تھیں اس کے تاجروں کو بھی دی گئیں۔ نیز دیگر مغربی سلطنتوں کے ساتھ جو عہد نامے تھے ان کی تجدید ہوئی۔ فرانس کے حقوق میں کچھ اور بھی اضافہ کیا گیا۔

ولندیزی تاجروں کے ذریعے سے اسی زمانے میں ترکی میں تمباکو آیا اور اس کو لوگ استعمال کرنے لگے۔

مفتی اعظم نے اس کی حرمت کا فتویٰ شائع کیا لیکن بعد ازاں خود سلطانی لو رشد کے خدام کی مخالفت کی وجہ سے مباح کرنا پڑا۔

وفات

۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۰۲۶ھ مطابق ۲۲ نومبر سنہ ۱۶۱۷ء کو سلطان احمد نے وفات پائی۔

اس کا بیٹا عثمان اس وقت تیرہ سال کا تھا اس لئے وہ اپنے بھائی مصطفیٰ کے لئے سلطنت کی وصیت کر گیا۔

سلطان مصطفیٰ اوّل

نام ونسب مصطفےٰ اوّل ابن محمد ثالث ابن مراد خاں ثالث ۔

تخت نشینی مصطفیٰ کو سلطان احمد اپنا جانشین کر گیا تھا۔ کیونکہ اس کا بیٹا عثمان کم عمر تھا۔ مصطفیٰ کی عمر زیادہ تر حرم میں گزری تھی اس وجہ سے ضعیف العقل اور امورِ سلطنت سے بے خبر تھا۔ امراء نے یہ حال دیکھ کر تین ماہ بعد تخت سے اُتار کر عثمان خاں کو بٹھا دیا۔ انکشاریہ کی سعی کو اس واقعہ میں زیادہ دخل تھا۔

سلطان عُثمان خاں ثانی

نام ونسب عثمان خاں بن احمد اول ابن سلطان محمد ثالث ۔

ولادت عثمان خاں ۱۰۱۳ھ میں پیدا ہُوا۔

تخت نشینی سلطان عُثمان خاں صفر ۱۰۲۷ھ میں انکشاریہ اور امراء کے مشورہ سے تختِ سلطنت پر متمکن ہُوا۔

وقائع عثمان نے عنانِ حکومت کے ہاتھ میں لیتے ہی بولونیا (لستان) کے

امیر نے بغدان کے معاملہ میں دست اندازی شروع کی۔ عثمان نے لشکر کشی کی لیکن اس سے پہلے اپنے بھائی محمد کو قتل کرا دیا تاکہ تخت کی طرف سے اطمینان رہے۔ نیز مفتی کے بھی اختیارات محدود کر دیئے تاکہ وہ اس کی معزولی کا فتوےٰ نہ دے سکے۔

بولونیا کی فوج سے پہلا مقابلہ شوک زم میں ہُوا۔ عثمانیوں نے شکست کھائی اور تیس ہزار ترک شہید ہُوئے۔ انکشاریہ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے عثمان مجبوراً صلح کر کے چلا آیا اور دل میں یہ ٹھان لیا کہ انکشاری فوج کو توڑ کر رہے گا۔ چنانچہ ایشیائی ولایت میں جدید فوجیں بھرتی کرائیں اور جب وہ منظم ہوگئیں تو انکشاریہ کو نکالنا شروع کیا۔ انہوں نے بغاوت کر دی اور ۹ رجب ۱۰۳۱ھ میں سلطان مصطفےٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ اور عثمان کو پکڑ کر گھسیٹتے، گالیاں دیتے ہُوئے یدی قلعے کے سامنے جاکر قتل کر ڈالا۔ اب انکشاریہ کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ اور جس کو چاہتے منصب دیتے۔

داؤد پاشا صدر اعظم کو بھی جس نے بغاوت میں اُن کا ساتھ دیا تھا خفیف سی مخالفت پر قتل کر دیا۔ امراء ولایت نے یہ دیکھ کر جابجا اپنے استقلال کے اعلان کر دیئے۔ یوسف پاشا والیٔ طرابلس شام خود مختار ہو گیا اور اباظا پاشا والیٔ ارضِ روم بھی، بلکہ اس نے بڑھ کر سیواس اور انگورہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتنہ وفساد خود دارالخلافہ میں اٹھارہ مہینے تک فتنہ اور فساد کا بازار گرم رہا اور لُوٹ مار اور غارت گری جاری رہی۔ آخر میں کمانکش پاشا صدرِ اعظم ہُوا جس نے امن و امان قائم کیا اور مصطفےٰ کو تخت سے اُتار کر سلطان احمد کے تیسرے بیٹے مراد کو بٹھایا۔

سلطان مراد رابع

نام و نسب | مراد رابع ابن سلطان احمد

ولادت | مراد ۲۲ رجمادی الاوّل ۱۰۱۸ھ کو پیدا ہُوا۔

تخت نشینی | ۱۲ ذی قعدہ ۱۰۳۲ھ کو بعمر چودہ سال سریر آرائے خلافت ہوا۔

وقائع بغداد | بکیر آغا شحنۂ بغداد نے از راہ تمرد وہاں کے والی کو قتل کر کے اپنی حکومت قائم کرلی۔ حافظ پاشا اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ بکیر آغا نے شاہ عباس کو مدد کے لئے بلایا اور وعدہ کیا کہ مَیں شہر کو آپ کے حوالے کر دوں گا بشرطیکہ یہاں کا والی مجھ کو بنا دیں۔

شاہ موصوف فوج لے کر ایران سے روانہ ہُوا۔ ادھر حافظ پاشا کے پہنچنے پر اس کو بھی لکھا کہ اگر تم مجھ کو یہاں کا والی تسلیم کرو تو مَیں دروازہ کھول دوں۔ اس نے منظور کر لیا اور ترکی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ عباس نے پہنچ کر محاصرہ کیا۔ بکیر آغا نے ترکوں سے بے وفائی کر کے ایرانی لشکر کو اندر بلا لیا۔ جس کی وجہ سے عثمانی فوج شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی لیکن شاہ موصوف نے اس جاہل غدار کو اس کی خیانت کی وجہ سے مجمع عام میں قتل کرا دیا۔

۱۰۳۸ھ میں جب عباس نے وفات پائی اور اس کا نوعمر بیٹا شاہ مرزا تخت نشین ہُوا خسرو پاشا ترکی سپاہ دار نے فوج کشی کی اور ہمدان میں داخل ہو گیا۔ جا بجا ایرانی مقابلہ کے لئے آئے مگر ہزیمت اُٹھا کر بھاگے۔ خسرو پاشا نے موسم زمستان حلب میں گزار کر اوائل بہار میں بغداد کا محاصرہ کیا لیکن تھوڑے

ہی دنوں کے بعد انکشاریہ نے جنگ سے انکار کر دیا۔ اس لئے بلا فتح کئے واپس چلا گیا۔

انکشاریہ کا تمرد یہاں تک بڑھ گیا کہ اُنھوں نے سُلطان کے سامنے صدر اعظم کو قتل کر ڈالا۔ اس پر مراد کے دل میں ان کی طرف سے غیظ و غضب پیدا ہو گیا۔ اس نے مہماتِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے اور رفتہ رفتہ اُن کا زور توڑ کر اُن کو قابو میں لایا۔ ۱۰۴۵ھ میں ان کو خود لے جا کر اریوان اور تبریز کو فتح کیا اور دوسرے سال بغداد واپس لیا۔ ایرانیوں نے درخواست کی کہ اریوان ہم کو واپس دیدیا جائے۔ بغداد ہم دولت علیہ کے قبضہ میں چھوڑتے ہیں۔ سفراء کی آمد و رفت کے بعد اسی پر باہم مصالحت ہو گئی اور مدت ہائے دراز سے جو عداوت فریقین میں چلی آتی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بولونیا میں بھی بغاوت رونما ہوئی اس لئے اس طرف فوجیں لے کر گیا اور اس کو فرو کیا۔

۱۰۴۹ھ میں مراد نے وفات پائی۔ اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو تدبّر اور فتوحات میں یہ دوسرا سلیمان قانونی ہوتا۔ مگر صرف تیس سال کی عمر میں ہی انتقال کر گیا۔

علمائے عصر | سید محمد باقر بن شمس الدین محمد الحسینی الملقب بداماد شاہ عباس اوّل کا منظورِ نظر تھا۔ وطن استرآباد کچھ عرصہ اصفہان رہا۔ علومِ حکمت کا بڑا ماہر اس کے ساتھ بے بدل ادیب، طبعیات اور الٰہیات میں الافق المبین، الایماضات و التشریفات، الصراط المستقیم، قلبیات تصانیف سے ہیں۔ ۱۰۴۰ھ میں فوت ہُوا۔

سلطان ابراہیم خان

نام ونسب ابراہیم ابن سلطان احمد اوّل ابن سلطان محمد ثالث ۔

تخت نشینی اپنے بھائی مراد خاں کے انتقال کے بعد تخت نشین ہُوا۔ چونکہ کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہُوا تھا اس لئے رسم شمشیر بندی کی غرض سے ہوادار پر سوار ہوکر جامع ایوب کو گیا اور آیا۔

صدرِ اعظم ۱- قرہ مصطفیٰ جوایک نامی مدبر تھا ، صدر اعظم مقرر ہُوا۔ لیکن ۲- جنجی خوجہ کی دراندازیوں سے کچھ عرصہ بعد قتل کر دیا گیا۔

فتح کریٹ ۱۰۵۱ھ میں یوسف پاشا نے جزیرہ کریٹ کو فتح کیا۔ اسی زمانے میں بوسینیا میں سخت بغاوت ہوئی اور جمہوریہ وینس نے جزیرہ مدللی پر حملہ کیا۔ ابراہیم ایسا برہم ہُوا کہ اُس نے سفراء دول کو قید کر دیا اور حکم دیا کہ ممالک محروسہ میں جس قدر سفراء ہیں قتل کر دیئے جائیں مگر مفتی اسعدزادہ نے روکا اور کہا کہ یہ امر شرع مبین کے بالکل خلاف ہے ۔

ابراہیم دن رات بہیمی شہوات اور لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا۔ کبھی قسم قسم کے لباس تیار کرتا ، کبھی عنبر جمع کرتا اور کبھی مشعل لے کر سڑکوں پر غلاموں کے ساتھ دوڑتا ۔ انکشاریہ نے اس کے عہد میں پھر قوت پیدا کر لی تھی ۔ اس نے چاہا کہ ان کے رؤسا کو قتل کرا دے مگر انہوں نے علماء کو اپنے ساتھ ملا کر اُس کی معزولی کا فتویٰ لکھا لیا اور ۱۸ رجب ۱۰۵۲ھ میں اس کے بیٹے محمد کو جس کی عمر سات سال تھی تخت پر بٹھا دیا۔

لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ بچہ حکومت کے قابل نہیں ہے ابراہیم کو

واپس لانا چاہا۔ انکشاریہ نے اس خوف سے کہ وہ تخت پر آجائے گا تو ہم سے انتقام لے گا۔ کوشک میں جا کر اس کو قتل کر دیا۔

سلطان محمد رابع

نام و نسب محمد رابع ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد اوّل۔

تعلیم و تربیت محمد رابع کی تعلیم و تربیت سلاطین زادوں کی طرح کی جانے کو تھی کہ اس کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

وقائع محمد کی تخت نشینی کے بعد جنجی خوجہ کے اموال ضبط کر لئے گئے اور وہ قتل کر دیا گیا۔ سلطان کی کم سنی کی وجہ سے انکشاریہ کا تمرد بڑھ گیا۔ اُنھوں نے رعایا کو لوٹنا شروع کر دیا۔ ملک کی ابتری کی وجہ سے بری اور بحری فوجوں میں بدنظمی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے عثمانی بیڑے نے دشمنوں سے شکست کھائی۔ ادھر ایشیائے کوچک میں ایک رئیس قاطرچی اوغلی نے سرکشی اختیار کی اور وہاں کے ایک نامی سردار کورجی بینی کو اپنے ساتھ ملا کر احمد پاشا والئ اناطولیہ کو شکست دیدی۔

پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے۔ ان کی جمعیت اس قدر تھی کہ آستانہ پر اُن کا قبضہ ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا مگر ان دونوں میں آپس میں ناچاقی ہو گئی جس کی وجہ سے قاطرچی اوغلی نے کورجی بینی کا سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ سلطان نے اس کو قرہ مان کا والی مقرر کر دیا جس سے اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

کوپریلی جمہوریہ وینس کے جنگی جہاز دردانیال کے دہانہ پر آ گئے۔ انھوں نے جملہ تجارتی جہازوں کو اندر جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے آستانہ میں ہر چیز گراں ہوگئی اور لوٹ مار ہونے لگی۔ اس وقت محمد پاشا جو ترکی تاریخ میں کوپریلی کے لقب سے مشہور ہے صدارت پر بلایا گیا۔ ہر چند کہ اس کی عمر پچانوے سال کی ہو چکی تھی لیکن اس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ سب سے پہلے انکشاریہ کو جو فساد کا سرچشمہ تھے بہت سے سرغنوں کو قتل کر کے قابو میں کیا۔ پھر رومی بطریک کو جس کے اغواء سے وینس کا بیڑہ حملہ آور ہوا تھا پھانسی دی۔ اس کے بعد جنگی کشتیاں سازوسامان سے درست کر کے مقابلہ کے لئے بھیجیں جنھوں نے ایک سال کی کوشش کے بعد وینس کے جہازوں کو شکست دے کر بھگا دیا اور وہ جزائر اور مقامات واپس لے لئے جن پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

ٹرانسلوانیا اور رومانیہ میں بھی اضطرابات تھے۔ ان کو اطاعت کرنے پر مجبور کر کے عہد نامے لکھوائے اور اندرونِ ملک میں جو جو فتنے تھے سب فرو کئے۔ کوپریلی ۱۰۷۲ھ میں انتقال کر گیا۔ سلطان محمد نے اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد پاشا کوپریلی کو صدارت کا منصب عطا کیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح شجاع، صائب الرائے اور عالی ہمت تھا۔ اسی کے زمانے میں جنوبی روس کے باشندے قوازق دولتِ علیہ کی حمایت میں آئے۔ نیز بولونیا نے یوکرین پر حملہ کر دیا تھا وہاں کے والی نے سلطان سے مدد طلب کی۔

۱۰۸۲ھ میں احمد پاشا فوج لے کر گیا۔ سلطان بھی ساتھ تھا۔ بولونیا نے شکست کھائی اور یوکرین نے دولتِ علیہ کی سیادت قبول کی۔

یہ ہوشمند وزیر پندرہ سال دیانت کے ساتھ سلطنت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۰۸۷ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد کوپریلی کا داماد قرہ مصطفےٰ پاشا صدارت پر آیا۔ اس نے آسٹریا میں جا کر ویانا کا محاصرہ

گیا۔ قریب تھا کہ اس کو فتح کر لے کہ اہلِ بولونیا نے اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے شکست کھا گیا۔

مقدس عہد | ویانا پر ترکوں کی شکست سے یورپ بھر میں خوشی منائی گئی اور آسٹریا، بولونیا، جمہوریہ وینس، رہبان مالٹہ پاپائے روم اور سلطنت روس سب نے مل کر باہم "مقدس عہد" باندھا کہ عثمانیوں کو یورپ سے نکال دیں۔ متعدد مقامات پر انہوں نے فتوحات بھی حاصل کیں۔ آسٹریا نے ہنگری واپس لے لیا اور وینس نے جزیرہ نمائے مورہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے ابراہیم پاشا کو برطرف کر کے سلیمان پاشا کو صدارت پر بلایا۔ اس نے بوداپسٹ پر لشکرکشی کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے اس کی جگہ سیاوش پاشا مقرر ہوا مگر فوج اس سے خوش نہ تھی۔ چنانچہ مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر کے آستانہ کی طرف آئی۔

انکشاریہ نے اپنی دیگیں میدان میں لا کر ڈال دیں جو ان کی بغاوت کی علامت تھی۔ محمد اپنے تفریحی مشاغل اور شکار میں مصروف تھا۔ سلطنت کے معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا اس وجہ سے ارکانِ دولت نے مفتی سے اس کی معزولی کا فتویٰ لے کر تخت سے اتار دیا اور اس کے بھائی سلیمان کو سلطان بنا دیا۔

سلطان سلیمان ثانی

نام و نسب | سلیمان ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں۔

ولادت سلیمان کی ولادت ۱۰۵۲ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی اپنے بھائی محمد رابع کی معزولی کے بعد ۱۰۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔

وقائع انکشاریہ نے سیاوش پاشا کو قتل کر کے اس کا گھر لوٹ لیا اور بہت سے امیروں اور وزیروں کو مارا اور نکال دیا۔ نیز شہر کے تاجروں اور دولت مندوں کو لوٹنے لگے۔ ایک دوکاندار نے جھنڈا کھڑا کیا جس کے نیچے ہزاروں آدمی آکر جمع ہو گئے۔ ان سب لوگوں نے جاکر سلطان سے فوج کے مظالم پر فریاد کی۔ اس نے بڑی مشکلوں سے ان کی دست درازی کو روکا۔

آسٹریا دارالخلافہ کے اس خلفشار کی وجہ سے مخالفین کو موقع مل گیا چنانچہ آسٹریا کی فوجوں نے بلغراد فتح کر لیا اور بعیش تک آگئیں سلطان نے مشہور وزیر کوپریلی کے پوتے مصطفےٰ کو صدارت پر طلب کیا۔ اس نے سب سے پہلے فوج کو ہاتھ میں لیا اور اس کو لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ جابجا دشمن کو شکست دی۔ روم ایلی کے جو مقامات نکل گئے تھے واپس لے لئے اور مصطفیٰ کے ہاتھوں دولتِ عثمانیہ کا گیا ہوا وقار لوٹ آیا اور مملکت پر رعب وداب پھر قائم ہو گیا۔

وفات سلطان سلیمان ثانی نے ۱۱۰۲ھ میں مرضِ استسقاء میں وفات پائی۔

اوصاف سلیمان عابد وزاہد اور علم دوست تھا۔

سُلطان احمد ثانی

نام ونسب | احمد ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد۔

ولادت | احمد کی ولادت ۱۰۵۳ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سُلیمان کے مرنے پر ۱۱۰۲ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔ اس نے تمام مہماتِ ملکی کو وزیر کوپریلی کی رائے پر چھوڑ دیا مگر اس کی عمر نے دفا نہ کی۔ وہ ۱۱۰۳ھ میں فوت ہوگیا۔ اس کے بعد عربجی پاشا اس کی جگہ صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہوا۔

وقائع | جمہوریہ وینس نے جزیرۂ ساقز پر قبضہ کر لیا تھا اور روس بھی برسرِ پیکار تھا۔

وفات | ۲۱ر ذی قعدہ ۱۱۰۶ھ میں احمد کا بھی انتقال ہوگیا۔

سُلطان مصطفیٰ ثانی

نام ونسب | مصطفیٰ ثانی ابن سلطان محمد رابع

ولادت | ۸ر ذی قعدہ ۱۰۷۴ھ میں مصطفیٰ پیدا ہوا۔

محاربات | پیٹر اعظم زارِ روس نے ازاق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو فتح کر کے بحیرۂ اسود میں روسی بندرگاہ بنالے۔

سلطان مصطفیٰ نے پہنچ کر اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر ہنگری پر حملہ کیا اور قلعہ لپا فتح کرتے ہوئے مقام لوگوس میں جنرل فترافی ہنگری کے سپہ سالار کو سخت شکست دے کر مع چھ ہزار سپاہیوں کے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

۱۱۰۷ھ میں اولاش میں آسٹریا پر فتح حاصل کی جس کے بعد وہاں کا مشہور سپہ سالار اوجین دی سافوا مقابلہ کے لئے آیا۔ اُس نے ترکوں پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جبکہ وہ دریائے وینس کو عبور کر رہے تھے۔ نہایت ابتری پھیلی۔ بہت سے ترک مقتول اور بہت سے غرق ہو گئے۔ صدر اعظم الماس پاشا بھی مارا گیا اور اگر سلطان دریا کے اس پار نہ ہوتا تو وہ بھی نہ بچتا۔ اس کے بعد اوجین نے بوسینیا پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر پیٹر اعظم نے ازاق پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے سلطنتِ عثمانی دو طرف سے خطرہ میں پڑ گئی۔ اِدھر آسٹریا، اُدھر روس، لیکن حسین پاشا کوپریلی صدرِ اعظم نے آسٹریا کی پیش قدمی کو بقوت روک دیا۔ یہاں تک کہ بوسینیا بھی خالی کرا لیا۔ نیز امیر البحر ترکی نے جزیرۂ روڈس جمہوریہ وینس سے واپس لیا۔ آخر ۱۱۱۰ھ میں دولت علیہ کا روس، آسٹریا، وینس اور بولونیا کے ساتھ معاہدہ ہُوا جو عہد نامہ رونتش کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ترکوں، ہنگری اور ٹرانسلوانیا آسٹریا کے لئے، یوکرین بولونیا کے لئے، ازاق روس کے لئے اور جزیرہ نمائے مورہ اور اقلیم ڈلماسیا وینس کے لئے چھوڑنا پڑا۔ نیز یہ کہ آسٹریا آئندہ ترکی کو کوئی رقم بطور جزیہ کے نہیں دے گا۔

مسئلہ شرقیہ اس مسئلہ کا آغاز اگرچہ پہلے سے ہو چکا تھا لیکن اس معاہدے کے بعد دول یورپ کے مطامع ترکی املاک کی طرف بڑھ گئے اور دریانے وینس کی شکست کے بعد ترکی فوجوں کا اہلِ مغرب پر جو رُعب تھا وہ جاتا رہا۔ اس لئے کہ ان دولتوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ نہ صرف یہ ترکوں کو آگے بڑھنے سے روکیں بلکہ رفتہ رفتہ یورپ سے خارج کر دیں تاکہ اسلام

مسیحیت کا حریف نہ ہو سکے۔

یہی وہ مسئلہ ہے جو مسئلہ شرقیہ کے نام سے موسوم ہے اور جو حقیقتاً بالکل مذہبی ہے۔ مگر کمزور مسیحی اقوام کی حمایت کے نام سے اس پر سیاسی پردہ ڈالا گیا۔

صدر اعظم حسین پاشا نے ملک کو خطرات سے گھرا ہوا دیکھ کر نہایت ہمت اور فرزانگی سے داخلی اصلاح کی طرف توجہ دی تاکہ اقتصادی حالت کی درستی سے فوجی قوت میں اضافہ ہو۔ اس نے خصوصیت کے ساتھ مسیحی رعایا کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مراعات برتیں تاکہ دشمنانِ دولت کو اپنے وسائس سے اُن میں بغاوت پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔

حسین پاشا حسین پاشا نے ملک کی انتظامی حالت بہت کچھ ٹھیک کر لی تھی اور سب کو اُمیدیں ہو گئی تھیں کہ وہ دولتِ علیہ کی قوت اور شوکت کو پھر تازہ کر دے گا۔ لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کی در اندازیوں سے جو سلطان کا استاد تھا، حسین پاشا کو صدارت چھوڑنا پڑی۔ اس کی جگہ مصطفےٰ پاشا آیا جو چاہتا تھا کہ معاہدہ کارلوفتش کو توڑ کر آسٹریا پر فوج کشی کرے۔

شیخ الاسلام نے اس کو بھی برطرف کر دیا اور اپنے ایک خاص دوست رامی پاشا کو صدارت دلوائی جس نے شیخ الاسلام کے چاروں بیٹوں کو بڑے بڑے مناصب پر مقرر کر دیا۔ انکشاریہ اور دیگر امراء نے رامی پاشا کی مخالفت کی اور سلطان سے اس کی معزولی کے خواہاں ہوئے۔ اس نے شیخ الاسلام کے دباؤ سے انکار کر دیا جس پر انہوں نے ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں سلطان کو معزول کر کے اس کے بھائی احمد کو تخت پر بٹھا دیا۔

سُلطان احمد ثالث

نام ونسب | احمد ثالث بن سلطان رابع ثانی ۔

ولادت | ۳ر رمضان ۱۰۸۳ھ میں احمد پیدا ہوا ۔

تعلیم وتربیت | احمد ثالث کا طبعی رجحان عیش وعشرت کی طرف بچپن سے تھا۔ تحصیل علم میں کم توجہ رہی ۔

اس کے تخت پر بیٹھتے ہی انکشاریہ نے شیخ فیض اللہ کو قتل کر ڈالا ۔ سلطان نے اپنے داماد حسن پاشا کو صدرِ اعظم مقرر کیا۔ اس نے امن وامان قائم کیا ۔

علمی ترقی | حسن پاشا نے بہت سے مدرسے کھولے اور علماء کی سرپرستی کی اور ترسانہ یعنی کارخانہ جہاز سازی کو ترقی دی ۔

پیٹر اعظم | زار روس پیٹر اعظم نے اپنے ملک کے سامنے لائحہ عمل رکھا تھا ۔ اس میں یہ بھی تھا کہ جس قدر ممکن ہو ہم ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف قسطنطنیہ کے قریب تر ہوتے جائیں۔ کیونکہ ہندوستان کی دولت جس کے پاس ہو وہ تمام دُنیا سے بے نیاز ہے اور قسطنطنیہ پر جس کا قبضہ ہو وہ تمام عالم پر حکومت کرسکتا ہے ۔ چنانچہ اُس نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے سویڈن کے بادشاہ شارل دوازدہم کے ساتھ جنگ شروع کی تاکہ درمیانی سلطنتوں کو کمزور کر کے قسطنطنیہ کے لئے اپنا راستہ صاف کرے ۔ شارل نے ترکوں سے ہر چند اعانت طلب کی لیکن باب عالی نے کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ وہ اس قدر بہادر تھا کہ روسیوں نے متعدد شکستیں دی تھیں اور دولتِ علیہ نے اس کی مدد کی ہوتی تو غالباً ماسکو پر قابض ہو جاتا

آخریں بولٹا وا پر شکست کھا جانے کے بعد بامید امداد وہ عرصہ تک ترکی علاقہ میں پڑا رہا مگر جب کوئی صورت نہ دیکھی تو چلا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد جب بلطہ جی محمد پاشا صدارت پر آیا تو روس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ محمد پاشا نے دو لاکھ فوج کے ساتھ پیٹر اعظم اور اس کی ملکہ کیتھرائن کو دریائے پروت کے متصل ایک قلعہ میں محصور کر گیا۔ لیکن ملکہ مذکور نے اپنے زیورات اور جواہر اس کی خدمت میں بھیج دیئے۔ جس کی وجہ سے اس نے ۹ رجمادی الثانی ۱۱۲۳ھ کو پیٹر سے صرف یہ معاہدہ لکھوا کر کہ وہ قوزاق کے معاملات میں دخل نہ دے گا محاصرہ اٹھا لیا۔

سلطان نے اس خیانت پر اسے معزول کر دیا اور یوسف پاشا کو صدر بنایا جو صلح پسند تھا اس نے روس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ فریقین میں ۲۵ سال تک جنگ نہ ہوگی۔ مگر چند ہی مہینوں کے اندر بوجہ اس کے کہ پیٹر نے معاہدہ مذکور کی بعض شرطوں کو پورا نہ کیا جنگ چھڑ گئی۔ ہالینڈ اور انگلینڈ نے اپنے تجارتی خطرے کی وجہ سے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی اور معاہدہ ہوا جس میں روس کو بحیرۂ اسود پر کوئی بندرگاہ نہ دی گئی۔

بغاوت ۱۱۲۷ھ میں جمہوریہ وینس کی حمایت سے مانٹی نیگرو نے بغاوت کی۔ صدر اعظم علی پاشا نے فوجیں لے کر جزیرہ مورہ اور اس کے سارے عثمانی علاقے پر قبضہ کر لیا جو اس نے دبا رکھا تھا۔ وینس نے فرانس اور آسٹریا سے امداد چاہی۔ پرنس اوجین فوج لے کر آیا۔ علی پاشا مقابلہ میں مارا گیا اور ترک شکست کھا گئے۔

پرنس مذکور تمسوار اور بلغراد لیتا ہوا نیش تک آ گیا۔ اس وقت انگلینڈ اور فلمنگ نے مصالحت کرا دی جس میں بلغراد اور سرویا کے ایک بڑے حصے سے دولت علیہ کو دستبردار ہونا پڑا۔

علی پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا صدرِ اعظم ہوا جو سلطان کا رشتہ دار تھا۔

اُس نے باسفورس کے ساحل پر عالی شان محلات تعمیر کرائے اور ان میں باغات لگائے۔ روزانہ طرب ونشاط کی محفلیں کرتا تھا جس میں خود سلطان بھی شریک ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر ارکانِ سلطنت میں عیش پرستی کا مرض پھیل گیا تھا۔

وقائع ایران اس زمانے میں میر اشرف کے تغلب سے شاہ ایران طہماسپ خراسان کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ترکی فوجوں نے یورپ کے نقصان کی تلافی کے لئے آرمینیہ اور گرجستان پر قبضہ کر لیا۔

شاہ طہماسپ نادر خاں کو ساتھ لے کر اصفہان کی طرف آیا اور میر اشرف کو شکست دے کر اپنے آبائی تخت پر قابض ہو گیا۔ پھر باب عالی میں سفیر بھیجا کہ جو حصے ایران کے لے لئے گئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں۔

صدر اعظم اور سلطان دونوں اپنے عیش میں مصروف تھے کسی نے کوئی توجہ نہ کی، طہماسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ترکی فوجوں کو مار کر نکال دیا۔ اس وجہ سے امراء انکشاریہ نے صدر اعظم کو قتل کر کے اُس کے اموال لُوٹ لئے اور سلطان کو مخلوع کر کے اس کے بھتیجے محمود کو تخت نشین کر دیا۔

پہلا مطبع سُلطان احمد کے زمانے میں ترکی سلطنت میں پہلا مطبع قائم کیا گیا۔ اس کے کھولنے کی اجازت مفتی اعظم نے اُس وقت دی جب یہ شرط کر لی کہ اس میں قرآن شریف نہ چھپے کیونکہ موصوف کو تحریف کا خطرہ تھا۔

سُلطان محمود اوّل

نام ونسب محمود اوّل ابن سلطان مصطفیٰ ثانی۔

ولادت محمود کی ولادت ۳ محرم ۱۱۰۸ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت محمود اوّل نے شاہانہ طور وطریق سے تعلیم وتربیت پائی علمی استعداد معقول تھی۔ فنونِ حرب سے دلی لگاؤ تھا۔

تختِ سلطنت سلطان احمد کے مخلوع ہونے کے بعد محمود اوّل جو سلطان کا برادر زادہ تھا ۱۱۴۳ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔

سلطان احمد کو بطرونہ خلیل حجام نے مخلوع کرایا تھا وہی مہماتِ سلطنت پر قابض ہوگیا۔ محمود نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے بطرونہ خلیل کو قتل کرادیا۔

صدرِ اعظم سلطان محمود اول نے طوپال عثمان پاشا کو صدرِ اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

فتنہ نادر شاہ ایران میں نادر شاہ افشار حکمران تھا۔ اس نے ملک گیری کی ہوس میں بغداد پر چڑھائی کر دی۔ سلطان نے طوپال پاشا کو مقابلے پر بھیجا۔ مگر طوپال اس معرکہ میں کام آیا۔ نادر نے آگے بڑھ کر موصل پر ترکوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ترک گھونگھٹ کھا گئے۔ آخر ۱۸ رجمادی الاوّل ۱۱۴۹ھ میں تفلس کے مقام پر باہمی عہدِ مصالحت ہوگیا جس میں دو سلطنتوں کے حدود وہ رکھے گئے تھے جو مراد رابع کے زمانے میں ۱۰۳۹ھ کے معاہدے میں طے ہوئے تھے۔

روس و آسٹریا نادر شاہ اور محمود کی معرکہ آرائی سے فائدہ اُٹھا کر رُوس نے حدودِ عثمانیہ میں فوج کشی کی۔ سلطان نے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیج دیں۔ روس نے آسٹریا کو بھی شریک کر لیا تھا۔ لیکن علی پاشا والی بوسنیا اور کرپرلی پاشا نے نیش میں رُوسیوں کی ایسی پٹائی کی کہ میدان چھوڑ گئے۔ علی پاشا نے آگے بڑھ کر بلغراد پر قبضہ کیا۔ صدرِ اعظم یگین پاشا نے دوسری طرف سے رُوسیوں کو آ گھیرا۔ سمندرہ مقام پر ان کی تیغ و تفنگ سے خوب طرح مدارات کر دی۔ خان کریمیا اور سرعسکر عثمان پاشا نے بھی روسیوں کو قتل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

غرضیکہ روسی اور آسٹریا والے پٹ چکے تو فرانسیسی سفیر کے توسط سے سلطان سے صلح کی۔ ۱۴ر جمادی الثانی ۱۱۵۳ھ کو عہدِ مصالحت لکھا گیا جس میں اسٹریا نے بلغراد اور روس نے ازاق سے دست برداری لکھی۔ نیز یہ کہ روس کو بحیرۂ اسود میں کسی جنگی کشتی رکھنے کا حق نہ ہو گا۔

محاربات عجم نادر شاہ نے پھر دوبارہ ۱۱۵۶ھ میں بغداد پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ یگین پاشا اس کو شکست دے دیتا لیکن وہ یکایک تپِ محرقہ میں مبتلا ہُوا اور فوت ہو گیا جس کی وجہ سے نادر شاہ کے مقابلہ میں ترکی فوج نے ہزیمت اُٹھائی اور دولتِ علیہ نے مصالحت کر کے نادر کی یلغار سے ترکی علاقہ کو بچایا۔ نادر شاہ نے سلطان محمود کے پاس بوجہ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بار بار درخواست کی کہ مذہب جعفری پانچواں مذہب تسلیم کیا جائے اور خانہ کعبہ میں چار مصلّوں کے علاوہ پانچواں مصلیٰ جعفری بھی بڑھایا جائے۔ سلطان نے شیخ الاسلام سے مشورہ کیا۔ انھوں نے انکار کر دیا کہ یہ نادر نیا فتنہ خانہ کعبہ میں اُٹھانا چاہتا ہے۔

انتظامِ سلطنت سلطان محمود نے ان محاربات سے فراغت حاصل کر کے اپنی تمام توجہ ملک کے اندرونی انتظامات کی طرف

مبذول کی اور نو سال تک لگاتار علمی اور اقتصادی ترقی دینے میں مشغول رہا۔

قیامِ کتب خانہ سلطان علمی ذوق رکھتا تھا اس نے ایا صوفیہ اور جامع محمد فاتح میں عظیم الشان کتب خانے قائم کئے اور دور دور سے کتابیں منگوائیں۔ کتب خانہ کی طرف سلطان نے خاص توجہ کی تھی۔

جامع نورِ عثمانیہ مدارس و مکاتب سلطان نے اپنے قلمرو میں کثرت سے جاری کئے اور نورِ عثمانیہ نامی ایک جامع بھی تعمیر کرائی۔

وقائع فرانس ۱۱۵۴ھ میں اسٹریا کے بادشاہ کی وفات پر اس کی بیٹی تخت پر بیٹھی۔ شاہ فرانس نے اپنی پرانی عداوت کی بنا پر بعض دول مغرب کو ملا کر اسٹریا کے تقسیم کے ارادے سے اسٹریا پر فوج کشی کر دی اور سلطان محمود سے بھی استدعا کی کہ اس موقع پر اگر دولت علیہ بھی حملہ کر دے تو ہنگری اس کو مل جائے گا جس سے روسی پیش قدمی کا خرخشہ جاتا رہے گا۔ ورنہ روس سلطنت عثمانیہ کے لئے آگے چل کر خطرناک دشمن ثابت ہوگا۔ مگر سلطان نے کوئی توجہ نہ دی اور وہی ہوا جو شاہِ فرانس نے کہا تھا۔

وفات سلطان ۱۱۶۸ھ میں جمعہ کی نماز سے واپس آتے ہوئے راہ میں مرگِ ناگہانی کا شکار ہوا۔

اوصاف سلطان شجاع اور بہادر ہوتے ہوئے رحم دل بہت تھا۔ خلق اور سخاوت کی شہرت تھی۔

سلطان عثمان ثالث

نام ونسب | عثمان پسر سلطان مصطفےٰ ثانی

ولادت | عثمان کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت | معمولی درجہ تعلیم پائی اور اوائل عمر سے لہو ولعب میں مبتلا تھا۔ شطرنج سے دلی رغبت تھی۔

تخت سلطنت | ۱۱۶۸ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر رعایا کی فلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر دریافتِ حالات کے لئے نکلتا تھا۔ طبیعت میں تلون تھا۔ خفیف باتوں پر امراء سے بدگمان ہو جاتا تھا۔ اس کے عہد میں کوئی اہم بیرونی واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ آستانہ میں آتشزدگی کے واقعات کثرت سے رونما ہوئے جس سے سخت نقصان ہوا۔

سلطان کو گھوڑوں سے زیادہ دلچسپی تھی اس کا ایک گھوڑا مر گیا تو اس نے اسکدار میں نہایت مکلف اس کی قبر بنوائی۔ جانوروں سے اس کو بے حد دلچسپی تھی حتیٰ کہ ان کا عاشقِ زار تھا۔

صدرِ اعظم | اس عہد سہ سالہ میں سات وزیر لائے گئے۔ آخری محمد راغب پاشا تھا جو علم دوست اور مدبر تھا۔ اس نے اپنے زمانہ میں سلطنت کے انتظام کو سنبھالے رکھا۔

وفات | سلطان عثمان ثالث نے ۱۶ صفر ۱۱۷۱ھ کو وفات پائی۔

اوصاف | عثمان دنی الطبع، بدخلق اور وہمی تھا۔

سلطان مصطفیٰ ثالث

نام ونسب مصطفیٰ ثالث ابن سلطان احمد ثالث۔

ولادت مصطفیٰ کی ولادت ۱۱۲۸ھ میں ہوئی۔

تخت سلطنت صدر اعظم راغب پاشا نے مصطفیٰ کو ۱۱۷۱ھ میں عثمان ثالث کے مرنے کے بعد تخت نشین کیا۔

وقائع راغب پاشا راغب پاشا نے عثمان کے زمانے سے انتظام سلطنت ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ ملک کے اندرونی انتظامات بہت کچھ درست کر لئے تھے۔ مدرسے اور کتب خانے جگہ جگہ قائم کئے مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ ۱۱۷۶ھ میں انتقال کر گیا۔

وقائع روس روس نے اس زمانے میں اپنے ملک میں بڑی اصلاحات کیں۔ ہر شعبہ میں ترکی کی فوج کو جدید آلات حرب سے آراستہ کیا جس سے اس کی قوت دوگنی ہوگئی۔ اُس نے ۱۱۸۳ھ میں آسٹریا اور ریوشیا کو متحد کر کے دولت عثمانیہ کے قلمرو پر دھاوا بول دیا اور فتوحات حاصل کرتا ہُوا رومانیہ تک آگیا۔ دوسری طرف اس کے فرستادوں نے جزیرہ مورہ میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ روسی بیڑے نے بحیرہ بالٹک سے مغربی سواحل کو قطع کرتے ہُوئے یونان کی بندرگاہ کرادن پر پہنچ کر لنگر ڈالا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورہ کے لوگ باغی ہوگئے مگر عثمانی فوج نے بقوت بغاوت کو فرو کیا۔

ترکی بیڑے کی تباہی روسی بیڑے نے ترکی بیڑے کو آلیا مگر شکست کھا

گیا۔ مگراس کی دو تار پیڈو کشتیاں خلیج چشمہ میں پہنچ گئیں جنہوں نے ازمیر کے متصل عثمانی بیڑے کو ایک طرف سے غرق کر دیا۔

روسی امیرالبحر الفنسٹن نے ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرے۔ اس سے پہلے اس نے جزیرہ لمنوس پر قبضہ کیا اور اسے بحری مرکز بنایا۔

اس فرصت میں ہنگری کے ایک سپہ سالار بیرن دی توت نے جو دولت علیہ کی ملازمت میں تھا۔ درد انیال کے قلعوں کو مستحکم کر کے بھاری توپوں سے قلعوں کو آراستہ کر دیا اور متعدد تجارتی جہازوں کو توپوں سے مسلح کر کے جنگی بنا لیا۔ اس کے علاوہ اس نے فوراً ایک کارخانہ توپ سازی قائم کیا جہاں توپیں ڈھلنے لگیں اور جہاز سازی کا کارخانہ بھی قائم کر دیا۔ اس کے ساتھ توپ کے استعمال اور جدید بحری فنون حرب کے لئے ایک مدرسہ کھول دیا جس میں ترک جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

اس مدرسہ سے تھوڑے عرصہ میں امرائے ترک کثیر التعداد بحری جنگ کے واقف کار ہو کر نکلے۔ انہی میں سے قبودان حسن بک تھا جس نے دوسرے سال روسیوں کے امیرالبحر کو جزیرہ لمنوس سے نکال باہر کیا اور اس کو ایسی شکست دی کہ وہ اپنی امیرالبحری بھول گیا۔

امیر سلیم کرائی خاں کی غداری

روسیوں نے دیکھا کہ ترک پورے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو امیر سلیم جو دولت علیہ کا ماتحت تھا اُس کو گانٹھا اور وعدہ کیا کہ ہم تم کو مستقل امیر تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ وہ فریب میں آ گیا اور اس نے اپنے دونوں لڑکوں کو سینٹ پیٹرسبرگ میں ملکہ کیتھرائن کے پاس بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا۔ مگر روسیوں نے کریمیا میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور وعدہ پورا نہیں کیا۔ اب سلیم کرائی کی آنکھ کھلی اور اپنی غلطی پر نادم ہو کر دولتِ علیہ کے پاس پناہ گیر ہوا۔ یہ تھا نصرانیوں کا کیریکٹر۔

غرضیکہ روسی فوجیں بڑھتی ہوئی بلقان تک آگئیں۔ اُس وقت اُنہوں نے شرائط صلح پیش کیں۔ لیکن وہ نہایت سخت تھیں اس لئے قبول نہیں کی گئیں۔ آخرکش ترک جمع کر روس کے مقابل آئے۔

مصر میں بغاوت روسیوں نے علی بک والی مصر کو ورغلایا اور اس کو بھی آزادی کا سبز باغ دکھا کر دولت علیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اس نے شام کے شہر غزہ، نابلس، بیت المقدس یافا اور دمشق وغیرہ فتح کر لئے۔ چاہتا تھا کہ اناطولیہ پر حملہ آور ہو لیکن خود مصر میں ممالیک میں سے ایک امیر محمد بیگ ابوذہب نے مقابلہ کیا۔ روسی علی بک کے ساتھ تھے۔ ابوذہب نے شکست دی اور غدار علی بک کا سر اُتارا اور روسی افسروں کو گھیر کر گرفتار کیا اور اُن کے سر کاٹ کر علی بک کے سر کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ بھیج دیئے۔

وفات سلطان پر پیہم شکستوں اور بغاوتوں کے تردّدات کا بڑا اثر تھا ان ہی واقعات سے متاثر ہو کر ۹ رشوال ۱۱۸۷ھ میں انتقال کر گیا۔

اوصاف سلطان سخت حریص اور خسیس تھا۔ لیکن جنگِ روس میں اپنا سارا جمع کردہ سرمایہ صَرف کر دیا۔

یادگار ایک جامع اس کی یادگار ہے جو سلطان مصطفیٰ نے اپنی والدہ کی قبر پر بنوائی تھی اور جامع محمد فاتح کی مرمت کرائی۔

سُلطان عبد الحمید اوّل

نام ونسب عبدالحمید اوّل پسر سلطان احمد ثالث۔

ولادت عبدالحمید کی ولادت ۱۱۳۷ھ میں ہوئی۔

تخت سلطنت ۱۱۸۷ھ میں سلطان مصطفیٰ کے انتقال کر جانے پر عبدالحمید سریر آرائے سلطنت عثمانیہ ہُوا۔

سلطنت کی زبوں حالی عبدالحمید جب تخت نشین ہُوا تو ملک زوال کی طرف جا رہا تھا۔ اندرونی بغاوتیں رونما ہو رہی تھیں بیرونی جنگوں نے سلطنت کی حالت نہایت سقیم کر رکھی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ چنانچہ سلطان نے اپنے جلوس کے وقت فوج کو حسبِ دستور کوئی انعام نہیں دیا۔ روس پوری قوت سے جنگ میں مشغول تھا۔

صُلح صدرِ اعظم نے روسی فیلڈ مارشل رومانزووف سے مجبوراً بخارسٹ کی شرائط پر جن کو مصطفیٰ ثالث نے نامنظور کر دیا تھا صلح کر لی۔ ۱۴ر جولائی ۱۷۷۴ء میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی۔ اس کی رُو سے گرجستان وچرکس معہ قلعہ ازاق کے روس کو دیدیئے گئے اور کریمیا دولتِ عثمانیہ کی سیادت سے نکال کر ایک مستقل سلطنت بنا دیا گیا۔

وقائع ملک کی ابتری دیکھ کر صدرِ اعظم نے اس کے انتظام میں خاص توجہ کی۔ اس اثناء میں کریم خاں زند نے جو تختِ ایران پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر عراق پر حملہ کر بیٹھا اور بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان پاشا والیٔ بغداد نے ہمتِ مردانہ سے کام لے کر کریم خاں سے

دو، دو ہاتھ کئے۔ چند معرکوں کے بعد بصرہ سے اُن کو مار بھگایا۔

فتنۂ رُوس رُوس نے محاربہ عجم و ترکی سے فائدہ اُٹھا کر ۱۱۹۸ھ میں کریمیا میں کردوں سے بغاوت کرکے اپنی فوج بھیج دی اور کریمیا کو قبضہ میں لے آیا۔ اس کے بعد روس اور آسٹریا نے ترکی مملکت کو آپس میں تقسیم کر لینے کا منصوبہ باندھا تو انگلستان کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور وہ بھی تقسیم میں حصّہ دار بن گیا۔

صدرِ اعظم خلیل پاشا نے روس اور آسٹریا کی سازش سے مطلع ہو کر فرح علی پاشا کو قفقاز بھیجا۔ اُنھوں نے دانش مندی سے وہاں کے مسلمانوں کی تنظیم کر کے ایک عظیم الشان جمعیت تیار کر لی اور کریمیا کو فتح کرنا چاہا مگر خود غرض امراء نے حسد سے اُس کے خلاف سلطان کو بھڑکا دیا۔ چنانچہ سلطان نے منصب سے اس کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

رُوس اور آسٹریا ۱۲۰۱ھ میں روس نے پھر ترکوں سے جنگ شروع کر دی اس کی ہمنوائی میں آسٹریا بھی حملہ آور ہُوا۔ ترکوں کو دونوں سے ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ آسٹریا کے محاذ پر صدرِ اعظم خواجہ یوسف پاشا خود فوجِ گراں کے ساتھ گیا اور شکست پر شکست دے کر پچاس ہزار آسٹریوں کو گرفتار کر لیا اور مقتولوں کے ڈھیر میدانِ جنگ میں لگا دیئے۔

اس معرکہ میں ترکوں نے بڑی دادِ شجاعت دی مگر روس کے مقابل جو ترکی فوج تھی وہ ہزیمت اُٹھا گئی۔ اس درمیان میں سوید کے ساتھ روسیوں کی جنگ چھڑ گئی۔

وفات جنگ کا فیصلہ ابھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۲۰۳ھ میں عبدالحمید اول کا انتقال ہو گیا۔

اوصاف یہ سلطان نیک دل تھا اور خوش عقیدہ تھا مگر سیاست اور اصولِ حکومت سے بے خبر تھا۔

سیاسی حالت ترکوں کی سیاسی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لقمۂ تر سمجھ کر روس اور آسٹریا ترکی حکومت کے حصے بخرے کرنا چاہتے تھے۔ ادھر ترکوں میں پہلا سا مجاہدانہ جوش و خروش نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نصرانیوں سے ترکوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔ نصرانی لڑکیاں ترکوں کے حبالہ عقد میں کثرت سے آگئی تھیں جن سے ترکوں کی اخلاقی حالت پر بُرا اثر پڑا۔ اس سے بڑھ کر عیش و عشرت کے لئے رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ غرضیکہ ترک اپنے بلند درجہ سے گر گئے تھے۔

سُلطان سلیم ثالث

نام و نسب سلیم ثالث ابن مصطفیٰ ثالث۔

ولادت سلیم کی ولادت ۱۱۷۵ھ میں ہوئی۔

تختِ سلطنت سلطان سلیم ثالث اٹھائیس برس کی عمر میں ۱۲۰۳ھ میں سلیم تخت نشین ہوا۔

دولتِ عثمانیہ دولتِ عثمانیہ پر دول یورپ ہر طرف سے جنگ کی شورش بپا کئے ہوئے تھیں۔ ترکی لشکر مسلسل لڑائیوں سے تباہ حال اور خزانہ خالی تھا۔ [1]

رُوس اور آسٹریا افواجِ روس، فلاخ، بغدان کو فتح کرتی ہوئی بسربیا

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۴۵۳۔

تک پہنچ گئیں۔ دوسری جانب سے آسٹریا فوجی یلغار کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ صدر اعظم شریف حسین پاشا عقیل ودانا اور سیاستِ عالم سے باخبر تھا۔ وہ اپنے پیچھے آسٹریا کی فوج کو برکوئی تک لگالایا اور گھیر کر بُری طرح پیٹا۔ حسنِ اتفاق سے آسٹریا کا بادشاہ یوسف ثانی مَر گیا اور اُس کی جگہ لیوپولڈ دوم تخت نشین ہوا۔ چونکہ اس وقت لوئس شانزدہم شاہِ فرانس کے خلاف اُس کے ملک میں سخت بغاوت تھی اس وجہ سے لیوپولڈ نے کہ کہیں فرانس سے بغاوت کے شعلے آسٹریا کے علاقے کو بھی تباہ نہ کر دیں اس لئے دولتِ علیہ سے صلح کرنا چاہی۔ مقام رستو میں ۲۲ر ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو عہد نامہ مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا نے وہ سارا حصہ جو فتح کر لیا تھا معہ بلغراد اور سربیا کے ترکوں کو واپس کر دیا۔ اور سابقہ حدود برقرار رہے۔ اس کے بعد انگلستان اور پروشیا کے توسط سے روس کے ساتھ بھی صلح ہو گئی اور ۵ر جمادی الاول ۱۲۰۶ھ کو معاہدہ لکھا گیا جس میں ترکی سلطنت نے کریمیا، بسربیا، اور وہ سارا علاقہ جو دریائے بوح اور وینسٹر کے درمیان ہے روس کے لئے چھوڑ دیا۔

اصلاحات سلطان کو کچھ دن ہر دو دول سے مُہلت کے مل گئے تو اُس نے فوج کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور کوچک حسین کو ناظمِ افواج مقرر کیا۔ اس نے جدید اصول پر بارہ ہزار فوج تیار کر لی۔ توپ سازی اور جہاز سازی کے کارخانے بڑے پیمانے پر قائم کئے۔ فنِ حرب اور استحکاماتِ جنگی پر جو کتابیں فرنچ زبان میں ہیں ان کا ترجمہ کرایا اور حربیہ کالج کے نصاب میں ان کو داخل کیا۔

فوجی تنظیم بارہ ہزار ترکی فوج کی قیادت ایک نومسلم انگریز انکلینر مصطفیٰ نامی کے سپرد کی گئی۔

نپولین سے دُو دُو ہاتھ مصر پر ابراہیم بک اور مراد بک امرائے ممالیک دولتِ علیہ سے باغی ہو کر بااستقلال

قابض ہو گئے تھے۔ نپولین بونا پارٹ کو جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں چھتیس[36] ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر فتح کرنے بھیجا تاکہ ہندوستان کے ساتھ انگریزی تجارت کا سلسلہ روک دیا جائے۔ نپولین نے بلا اعلانِ جنگ پہلے مقام مالٹہ پر قبضہ کیا، پھر سکندریہ میں لاکر فوجیں اُتار دیں۔ یہاں ابراہیم بک اور مراد بک نے مقابلہ کیا مگر شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

آخرش نپولین قاہرہ پر قابض ہو گیا اور شہرت یہ دی کہ دولتِ علیہ کی معاونت کی غرض سے مصر پر قبضہ کیا ہے تاکہ باغیوں کی سرکوبی کردوں سلطان کو اطلاع ملی اس نے فوج نپولین سے لڑنے کے لئے تیار کرنا شروع کی۔ انگریز ترکوں کے ساتھ ہو گئے۔ روس نے بحر اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کی درخواست کی۔

باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں افواج ترک لا ڈالیں۔ بحری حملے کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرۂ روم میں آجمع ہوئے۔

نپولین ترکوں کے مقابلہ کے لئے تیرہ ہزار فوج فرانسیسی لے کر العریش سے شام کی طرف روانہ ہوا، غزہ، رملہ اور یافہ کو تسخیر کرتا ہوا عکا کا محاصرہ کر لیا مگر والیٔ عکا احمد پاشا جزار نے نپولین کے چھکے چھڑا دیئے۔ ترکوں کی بہادری کا لوہا مان گیا اور محاصرہ اُٹھا کر قاہرہ کی راہ لی۔ ترکی افواج جو دمشق میں مجتمع ہوئی تھیں وہ آگے بڑھیں اور ترکی جہازوں نے روڈس سے اٹھارہ ہزار فوجیں لاکر ابوقیر میں اُتار دیں۔

نپولین نے ترکوں کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر ان کو شکست دے دی۔ اور دھوکہ سے سپہ سالار مصطفےٰ پاشا مع فوجِ گراں کے گرفتار ہو گیا۔

ترک مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے کہ فرانس میں آسٹریا سے پَے در پَے شکست کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی۔ نپولین رات کو عفیہ اسکندریہ

سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج سے ترکوں نے دو دو ہاتھ کئے۔ آخر ش ۸ ۲ صفر ۱۲۱۶ھ کو فرانس نے مجبور ہو کر صلح کی اور ساز و سامان مصر میں چھوڑتے ہوئے فوج چلتی بنی۔

نپولین فرانس پہنچا اور رئیس جمہوریہ منتخب ہو گیا۔ اس نے دولتِ عثمانیہ کے سفیر اسعد آفندی کے توسط سے باب عالی کو لکھا کہ روس جزائر یونان پر قابض ہو چکا اور انگریز مصر میں قدم جما چکے۔ اگر فرانس سے پھر دوستانہ تعلقات استوار کر لئے جائیں تو ترکی سلطنت ان دونوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے بچ جائے گی۔ چنانچہ باب عالی اور فرانس میں جمادی الثانی ۱۲۱۶ھ میں جدید عہد نامہ لکھا گیا جس میں فرانس نے مصر سے جزائر یونان پر دولتِ عثمانیہ کے مکمل حقوق تسلیم کئے۔ اس پر باب عالی نے فرانس کے سابقہ امتیازات عطا کئے۔ چنانچہ انگریز مصر کو خالی کر گئے اور جزائر یونان کی ایک مستقل جمہوریت اس کے مشورہ سے دولت عثمانیہ کے تابع قائم ہوئی۔

نپولین سے اور سلطان سے تعلقات بہت بڑھ گئے۔ سفیر فرانس کے کہنے پر فلاخ اور بغدان کے امراء جو روس کے ہمنوا تھے وہ موقوف کئے گئے اس پر روس چراغ پا ہو گیا اور اس نے بلا اعلانِ جنگ ترکی علاقہ میں فوجیں بھیج دیں۔ انگریز بھی روس کے ساتھ مل گئے اور بیڑہ دردانیال کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ انگریزی سفیر ادتھناٹ نے باب عالی میں یہ مطالبات پیش کئے کہ انگلستان کے ساتھ حلیف ہونے کا عہد کیا جائے اور ترکی بیڑہ اور دردانیال کے قلعے اس کے حوالے کر دیئے جائیں اور فلاخ و بغدان روس کو دیا جائے ورنہ انگریزی بیڑہ آبنائے سے گزر کر آستانہ پر گولہ باری کرے گا۔ مگر فرانسیسی سفیر نے یہ مطالبات ترکوں سے نامنظور کرا دیئے۔ جس پر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر عثمانی جہازوں پر گولہ باری کی لیکن آگے قدم نہ بڑھے۔ ترکوں نے پوری سرکوبی کا انتظام کر لیا تھا جس

www.KitaboSunnat.com

بنا پر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر اسکندریہ کو محصور کیا۔ لیکن مصر کے والی محمد علی پاشا کی بیدار مغزی سے کچھ نہ کر سکا اور ذلت اُٹھا کر بیڑہ واپس ہوا۔

سلطان کی معزولی سلطان سلیم نے جو جدید فوج تیار کی تھی اس کی وجہ سے انکشاری اور غیر منتظم فوج کی وقعت گھٹ گئی اس لئے ان فوجیوں نے اصلاح کی مخالفت کی۔ علماء اور امراء کو فوجیوں نے ہمنوا بنا کر قباقچی مصطفےٰ کی سرکردگی میں سلطان کے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور پہلا مطالبہ وزراء کے قتل کا تھا۔ سلطان نے تسکینِ فتنہ کی خاطر مطالبہ منظور کیا لیکن قباقچی نے اس پر اکتفانہ کیا بلکہ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی سے سلطان کے خلع کا فتویٰ لے کر اُس کو تخت سے اُتار دیا اور اس کے بجائے مصطفیٰ رابع کو سلطان بنایا۔

اوصاف سلطان نیک دل اور بہادر اور علم دوست تھا مگر طبیعت کمزور پائی تھی۔

سُلطان مصطفیٰ رابع

نام ونسب مصطفیٰ رابع ابن سلطان عبدالحمید اول۔

ولادت ولادت مصطفیٰ کی سنہ ۱۱۹۳ھ میں ہوئی۔ [1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۵۵۴۔

تخت نشینی مصطفیٰ اُنتیس سال کی عمر میں ۱۲۲۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر وہ تمام اصلاحات جو سلطان سلیم کے وقت میں نافذ کی گئی تھیں یک قلم منسوخ کر دی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ ترکوں اور روسیوں میں دریائے طونہ کے کنارے جنگ چھڑی ہوئی تھی، وہاں جب خبر پہنچی انکشاریہ بہت خوش ہوئے مگر صدر اعظم حلمی ابراہیم پاشا کو رنج ہوا اور اس نے اس کا اظہار امرائے فوج کے سامنے کیا۔ انکشاریہ صدر اعظم سے بگڑ بیٹھے اور اس کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے فوج میں ابتری پھیل گئی۔ حسن اتفاق کہ اس وقت نپولین روس پر آ پڑا اور ہر دو جنگ میں مشغول ہو گئے جس سے فوجیں روس لوٹ گئیں اور ترکوں کی جان بچ گئی۔ ادھر روس نے نپولین سے شکست کھائی تو اس نے ترکوں سے صلح کر لی۔

زار اور نپولین کا معاہدہ ۷ رجون ۱۸۰۷ء میں ایک خفیہ معاہدہ زار روس اسکندر اوّل اور دولت عثمانیہ کے خیر خواہ نپولین[1] بونا پارٹ کے درمیان ہوا جس کی ایک دفعہ کی رُو سے فرانس کے توسط سے اگر روس کے مطالبات باب عالی نے منظور نہ کئے تو دونوں متحد ہو کر بجز آستانہ کے اور اس کے حوالی کے جملہ عثمانی مغربی مقبوضات آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ بوسینیا، البانیا، یونان اور مقدونیا فرانس لے گا

---

[1] نپولین بونا پارٹ:۔ فرانس کے نزدیک ایک جزیرہ کارسیکا ہے جو اٹلی اور فرانس کی سیاسی رقابت کا جولان گاہ بنا رہا۔ یہاں چارلس بونا پارٹ اپنی ملنساری اور فراخدلی و پیشہ وکالت کے ذریعے ہر دلعزیز تھے۔ ۱۷۶۹ء میں فرانس نے اس جزیرہ پر قبضہ کرنا چاہا۔ یہ عوام کو ساتھ لے کر اپنے وطن کے بچانے کے لئے مثل ایک بہادر سپاہی کے میدان جنگ میں تر آئے۔ مگر فرانس کی فوجی طاقت سے یہ مٹھی بھر اہلِ کارسیکا کیا بازی لے جاتے۔ آخر کار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ چارلس بونا پارٹ اور اس کی بیوی لٹشیا روپوش ہو گئے۔ ایک دن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۴۹ پر)

اور رومانیہ اور بلغاریہ روس، سربیا آسٹریا کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔

ان حالات سے ترکوں میں ایک اضطراب کی لہر پیدا کر دی تحسین آفندی بہیج آفندی، رامز آفندی، رفیق آفندی اور غالب آفندی نے یہ طے کیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸ سے آگے) لٹشیا گرجا گھر میں عبادت کر رہی تھی، طبیعت بے چین ہو گئی گھر آ کر لیٹ گئی کہ اس کے بطن سے نپولین ۱۵ اگست ۱۷۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اس کے اور بھی بھائی تھے مگر نپولین کی نگہداشت لٹیشیا نے کی۔ کیونکہ شوہر تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ لٹیشیا شہر کی سکونت ترک کر کے گاؤں میں آ ٹھہری۔ ان دنوں کارسیکا پر جو گورنر ہو کر آیا اس سے لٹیشیا ملی اور نپولین ساتھ تھا۔ وہ بچے اور اس کے خاندان سے واقف ہو کر مہربان ہو گیا اور گاہ بگاہ ان کی امداد کرتا۔

جب نپولین چھ برس کا ہوا تو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ چار سال وہاں تعلیم پائی، دس سال کا ہوا، گورنر اس کے بشرے سے سمجھتا تھا کہ یہ ہونہار ہے۔ اس نے اپنے خرچ سے ۱۷۷۹ء کو برائن کے ایک سکول میں داخل کرا دیا۔ یہ بڑا شرمیلا اور خلوت پسند تھا۔ پانچ سال یہاں تعلیم پائی۔ جب اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو فوجی مدرسہ میں داخل کیا گیا، وہاں ایک سال بعد امتحان ہوا، یہ پاس ہو گیا۔ ممتحن نے اس کے لئے لکھا:-

"یہ نوجوان اپنے اعلیٰ اور بلند اخلاق کی اور عمدہ اوصاف کی بدولت کارسیکا کا باشندہ ہونے کے باوجود بھی دنیا میں شہرت حاصل کرے گا۔"

۱۷۸۵ء میں گولہ انداز فوج کا سیکنڈ لیفٹیننٹ مقرر کر دیا گیا۔ اس کے کچھ دن بعد نپولین کو ویلنز میں بدامنی روکنے حکومت نے بھیجا۔ اس نے اپنی حسن تدبیر سے بلا خون خرابہ کے امن قائم کر دیا۔ یہیں اس کا ایک عورت سے تعلق ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ امن کے لئے جانا پڑا۔ یہ عورت اس سے چھوٹ گئی۔ اس کی تنخواہ کم تھی اپنی ماں کی خدمت نہ کر سکا اور اس کا خود حال خستہ تھا۔ جنیوا کی ایک امیر زادی نے اس کی مالی مدد کی۔ اس زمانہ میں شاہ پارٹی سے انقلابی پارٹی ری پبلکن پارٹی کا مقابلہ ہوا۔ نپولین انقلابی جماعت میں شریک ہو گیا۔ ۱۷۹۱ء میں چھٹی لیکر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۰ پر)

سلیم کو دوبارہ تخت پر لایا جائے اور پھر اصلاحات جاری کی جائیں۔ چنانچہ علمدار مصطفےٰ اعاقل باحمیت امیر تھا۔ اس نے مقام روسچق سے امراء کے نام آستانہ خط بھیج کر متحد کر لیا اور اپنی فوج کو لے کر آستانہ پر حملہ کر دیا۔ سلطانی کوشک کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹ سے آگے) اپنے گاؤں چلا گیا۔ یہاں لکھنے پڑھنے میں مشغول رہا اور اس کو بڑا بننے کا خیال پیدا ہوا۔ اس نے کارسیکا کے بہادر اور نامور لوگوں کے حالات میں ایک کتاب لکھی اور اپنے اہلِ وطن کو بتایا کہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

نپولین نے اپنی قوت تقریر کو بڑھانے کے لئے ایک انجمن بنائی۔ اس کے ممبر تقریریں کیا کرتے تھوڑے عرصہ میں اس کی تقریر ولولہ انگیز اور جوشیلے الفاظ پر مشتمل ہونے لگی۔ ایک دن فرانس کے خلاف اس نے تقریر کی اور اہلِ کارسیکا پر ظلم کرنے کا الزام لگایا۔ ایک شخص نے جو اس سے حسد کرتا تھا مخبری کر دی، نپولین پکڑا گیا۔ مقدمہ چلا مگر پورا ثبوت نہ مل سکا با عزت بری کر دیا گیا۔ رہا ہونے کے دو تین ہفتہ بعد نپولین پیرس میں رہا۔ اس جگہ فرانس کے بڑے لوگوں سے ملا اور اہلِ علم کی صحبت اٹھائی اور لائبریریوں میں وقت گزارا جس سے اس کی علمیت اور قابلیت میں اضافہ ہی ہوا۔ اس زمانہ (۲۰ جون ۱۷۹۲ء) میں فرانس میں گڑبڑ مچ گئی۔ عوام نے شاہی محل پر ہلہ بول دیا اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بری طرح بے عزت کر کے نکال دیا اور ان کے حمایتیوں کو قتل کر دیا۔ نپولین کو یہ طریقہ پسند نہ ہوا اس نے مخالفت کی مگر اس کا کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں نپولین کارسیکا چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد سارڈینیا جانا پڑا۔ اس وقت فرانس میں حکومت کے خلاف آگ زوروں پر تھی۔ بادشاہ اور ملکہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ پاؤلی جو کہ گورنر سارڈینیا کا تھا اس نے نپولین کو بلا بھیجا اور کہا اس موقعہ پر سارڈینیا انگریزوں کے حوالہ کر دیا جائے تم میری مدد کرو۔ نپولین نے صاف انکار کر دیا مگر گورنر کامیاب ہوا۔ انگریز قابض ہو گئے۔ مگر قبضہ زیادہ دن نہ رہ سکا۔ فرانسیسیوں نے مار بھگایا ابھی اس واقعہ کو کچھ دن گزرے تھے کہ پھر فرانس میں بغاوت ہو گئی۔ برطانیہ اور اسپین نے مل کر فرانس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا چاہا، بندرگاہ طولان لے لی۔ حکومت فرانس نے جنرل کارٹو کو بھیجا وہ نااہل نکلا۔ پھر ڈگامیر گیا۔ اس نے بھی منہ کی کھائی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۱ پر)

محاصرہ کر کے جب اندر داخل ہوئے، اہلِ قصر نے سلیم کو قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے مجبوری درجہ مصطفےٰ کو معزول کر کے اس کے بھائی محمود کو تخت پر بٹھایا۔

(بقیہ حاشیہ صنہ ۱۵۰ سے آگے) نپولین ٹوان کو فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۷۹۳ء کو اس نے ہلہ بول دیا۔ مقابلہ زبردست ہُوا۔ دشمنوں کے جہاز فرانسیسیوں نے ڈبو دیئے۔ انگریز بھاگ نکلے نپولین کامیاب رہا۔

۱۷۹۴ء میں نپولین بریگیڈیئر جنرل بنا دیا گیا۔ اس نے اٹلی آسٹریا اور سارڈینیا کی متفقہ فوج سے مقابلہ کیا اس میں بھی جیت اس کی رہی مگر حکومت نے انعام دینے کے بجائے جھوٹی شکایتوں پر اس کو جیل بھیج دیا۔

آخر کار وہ اپنے ایک دوست جیونی کی مدد سے رہا ہُوا۔ اس نے یہ رنگ دیکھ کر حکومت سے قطع تعلق رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ماں بیٹے بھوکے مرنے لگے۔ حکومت میں پھر گڑبڑ مچی۔ پھر نپولین بلائے گئے اور اعزاز بڑھا۔ پھر آسٹریا پر حملہ کرنے کے لئے اس کو کمانڈر مقرر کیا گیا۔ پھر حالت درست ہو گئے زندگی آرام سے گزرنے لگی۔ اس زمانے میں فرانس میں قحط پڑا، اس نے گھر گھر پھر کر چندہ کیا اور لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ سے بچایا۔

۱۷۹۶ء میں جوزیفائن سے نپولین کے تعلقات ہو گئے اور اس سے شادی کر لی۔ غرضیکہ اس نے اٹلی، آسٹریا، سارڈینیا پر دھاک بٹھا دی۔ انگریز بھی اس سے خوف کھانے لگے۔ نپولین کی مسلسل کامیابیوں اور فتوحات سے متاثر ہو کر عوام کی خواہش ہُوئی کہ نپولین کو شہنشاہِ فرانس بنایا جائے مگر اربابِ حکومت اس سے جلنے لگے اور اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اس کو مصر فتح کرنے بھیج دیا۔

۹ رمئی ۱۷۹۸ء کو مصر پہ اپنا بحری بیڑہ لے کر پہنچا۔ راہ میں مالٹا پر بھی قبضہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صنہ ۱۵۲ پر)

قبا قچی اور اُس کے ساتھیوں کو جنھوں نے بغاوت کی تھی، تہ تیغ کر دیا گیا۔ سلطان مصطفےٰ کا قتل آگے جا کر ہوا، جس کی تفصیلات

(بقیہ حاشیہ صد ۱۵۱ سے آگے) اس کے بعد اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر قاہرہ گیا۔ دہاں کی فوج تابِ مقابلہ نہ لا سکی، شہر فتح ہو گیا۔ مگر انگریز بیڑہ بھی وہاں پہنچا۔ امیرالبحر نلسن سے اور جنرل یرنیو سے دو دو ہاتھ ہوئے جس میں فرانس کو شکست ہوئی۔ میدان نلسن کے ہاتھ رہا۔ نپولین کو اس واقعہ سے بہت افسوس ہوا۔

۱۷۹۵ء میں سیریا کی فوجوں نے مصر کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ ان سے جا کر مقابلہ کیا وہ شکست کھا گئے۔ پھر قاہرہ لوٹ کر ۲۲ راگست ۱۷۹۹ء کو فرانس روانہ ہو گیا اور ۱۷ ار اکتوبر ۱۷۹۵ء کو پیرس پہنچ گیا۔ اہلِ فرانس نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ فرانس میں کچھ دن آرام کرنے کے بعد نپولین نے حکومت کے منتشر شیرازہ کو یک جا کیا اور انتظامات درست کرنے لگا۔ پھر یورپ کی دوسری سلطنتیں اس کے مقابلہ کے لئے آئیں مگر شکست کھا گئیں۔

آخرش حکومت فرانس نے ۱۸ رمئی ۱۸۰۲ء کو نپولین کو شہنشاہ بنانے کا فیصلہ کیا اور ۲ ردسمبر ۱۸۰۲ء کو پوپ نے اٹلی سے آکر نپولین کے سر پر شاہی تاج پہنایا۔ نپولین کی انتہائی کوشش رہی کہ یورپ میں جنگ نہ ہو صلح وامن رہے مگر مغربی دول باہم ٹکراتی رہیں۔

نپولین کو پے درپے فتوحات سے یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ہر ملک پر چڑھائی کر سکتا ہے۔ وہ ترکوں کے مقابلے میں روس سے ساز باز کر رہا تھا کہ باہم ترکی علاقہ تقسیم کر لیں مگر یہ نوبت نہ آئی اور روس سے خود بگڑ بیٹھا۔ روسی فوجیں اس کے آگے آگے بھاگتی چلی گئیں اور یہ اُن کے پیچھے فاتحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔ روسی جس شہر کو چھوڑتے آگ لگا دیتے، آخرش وہ اپنے خوب صورت شہر ماسکو کو بھی نذرِ آتش

(بقیہ حاشیہ اگلے صد ۱۵۳ پر)

محمود کے حال میں آتی ہے ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۲ سے آگے) کر چکے ۔ نپولین کی فوجیں بہت دُور نکل آئی تھیں ۔ ان کے پاس سامانِ رسد کی کمی ہونے لگی ۔ منزلوں کے طے کرنے سے تھکاوٹ اور خوراک کی کمی کی وجہ سے جی چھوڑ بیٹھی ۔ سردی کا موسم سر پر آگیا تو اُن کے حوصلے ٹوٹ گئے ۔ اکتوبر آیا تو نپولین نے فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا ۔

یہاں کے حالات سے فرانس میں اس کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی تھیں ۔ یہ رنگ دیکھ کر یورپ کے بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ نپولین کو تخت سے اتار کر جزیرۂ ایلبا میں نظر بند کر دیا جائے ۔ اور فرانس کے تخت پر ایک اور بادشاہ بٹھا دیا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ مگر دس مہینے نہیں گزرے تھے کہ نپولین تھوڑی سی فوج لے کر چپکے سے پھر فرانس آگیا ۔ پھر اہلِ فرانس نے اس کو بادشاہ بنالیا ۔ مگر انگریز اور جرمن نے اور بلجیم کی فوجوں نے مل کر واٹرلو کے میدان پر ۱۸۱۵ء میں نپولین کو شکست دی ۔ یہ لوٹا تو اسے جلاوطن کر کے سینٹ ہلینا کے جزیرے میں بھیج دیا گیا جہاں وہ بیمار ہوگیا اور آخر ۱۸۲۱ء میں انتقال کر گیا ۔ نعش فرانس میں لا کر دفن کی گئی ۔

نپولین عزم وارادے کا پکا اور بلند ہمت فاتح تھا ۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسان ہمت کرے تو دُنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ، "ناممکن کا لفظ احمقوں کی لغت میں پایا جاتا ہے ۔ بہادر مصیبتوں سے نہیں گھبراتے ۔"

سلطان محمود ثانی

نام ونسب محمود ثانی ابن سلطان عبدالحمید اوّل۔

ولادت محمود ثانی کی ولادت ۱۲۰۰ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی سلطان محمود ثانی ۱۲۲۳ھ میں سریر آرائے سلطنتِ عثمانیہ ہوا۔

صدرِ اعظم علمدار مصطفےٰ کو، سلطان محمود ثانی نے صدرِ اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

وقائع سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کرنا چاہا کہ سلطان سلیم کی فوجی اصلاحات کو دوبارہ جاری کرے۔ انکشاریہ نے بغاوت کر کے صدرِ اعظم کو قتل کر دیا اور چاہا کہ محمود کو معزول کر کے پھر مصطفےٰ کو تخت پر لایا جائے لیکن سلطان محمود نے مصطفےٰ کو قتل کرا دیا۔ جب انکشاریہ کو علم ہوا تو اس شرط پر محمود کو باقی رکھا کہ اصلاحات نافذ نہ کرے۔ ان واقعات سے فائدہ اُٹھا کر خرس روس نے عہد نامہ کی تجدید کرنی چاہی لیکن شرائط وہ تھیں جن کو بابِ عالی نے منظور نہیں کیا۔ اس بناء پر روس نے لشکرکشی کی اور اس کی فوجیں حدودِ عثمانیہ میں بلغاریہ تک آگئیں۔ ترکوں نے وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے قلعہائے بندر، کیلی، خوتین اور آق کرمان وغیرہ روس کو دے کر صلح کر لی اور دریائے پروت دونوں سلطنتوں کے درمیان حدِ فاضل قرار پائی۔

خانہ جنگی ترکوں سے نصرانی حکومتیں برسرِ پیکار تھیں کہ نجد سے ایک قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ترکوں نے عرب میں کوئی اصلاح کا کام نہیں کیا۔

نہ اُن کی تعلیم کا انتظام تھا اور نہ ان کی اقتصادی حالت درست کی۔ البتہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ایک معقول رقم بھیج دیا کرتے جو قبائل میں تقسیم ہو جایا کرتی۔ عرب میں سب سے بدتر حالت نجد کی تھی۔ یہاں تو دورِ جاہلیت پھر تازہ ہو گیا تھا اور وہاں کے رہنے والے بالعموم شرک و بدعت اور دین کے نام سے خرافات میں مُبتلا تھے۔ بارھویں صدی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے نجد میں دینی اصلاح کی کوشش کی اور باشندوں کو قرآن و سُنت کا تابع اور سلف صالح کا پیرو بنانا چاہا اور اُن میں علومِ دینیہ کی اشاعت کی۔ جس کی وجہ سے اہلِ نجد نے اپنی حالت درست کر کے ترقی شروع کی۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

۱۶۹۱ سنہ میں مقام آیہ قریب نجد ایک شخص محمد بن عبدالوہاب نامی پیدا ہوا۔ جس نے اوّل اپنے باپ سے علومِ عربیہ کی تحصیل کی۔ پھر مدینہ جا کر تحصیل علوم منقولات شیخ عبداللہ بن ابراہیم مدنی سے کی۔ دینی فضیلت حاصل کر کے مراجعت وطن کی اور عُیَینہ میں پہنچ کر سلسلہ درس و تدریس اور تبلیغ کا شروع کر دیا۔[1] گرد و نواح کے لوگ عقیدت مند ہو گئے۔ کچھ عرصہ میں ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا۔ اس شخص کی تعلیم توحید باری کی تھی۔ رفتہ رفتہ امیر محمد ابن مسعود رئیس درعیہ جو عرب قبائل کے سب سے بڑے امیر بھی تھے اس کے حلقۂ اثر میں آ گئے اور اس کے اس راسخ العقیدہ مرید نے ۱۷۶۰ء تک علاقہ ریاض کے گرد و نواح میں تمام عرب قبائل کو اپنا اور اپنے شیخ محمد بن عبدالوہاب کا مطیع و منقاد بنا لیا۔ تمام بادیہ نشینانِ نجد اس کی قوت و شوکت، اوصافِ حمیدہ اور حمیتِ اسلامی کا دم بھرنے لگے۔[2] چنانچہ شیخ کا اور سعود کا ۱۷۶۵ء میں انتقال ہُوا تو اس کا لڑکا عبدالعزیز جانشین ہوا۔ وہ بہادر تھا، اُس نے جب کثرت

---

[1] عنوان المجد فی تاریخ نجد صہ۱ [2] روضۃ الافکار صہ۲۲ -

سے عرب اُس کے ساتھ ہو گئے تو بلادِ عراق پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کا ولی عہد امیر مسعود تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ترکی حکومت کو فتح کر لے۔ چنانچہ امیر مسعود ایک زبردست لشکر تیس ہزار کا لے کر نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طرف ۱۲۱۶ھ میں بڑھا اور مقامی حکومت کی خفیف مزاحمت کو شکست دے کر عتباتِ عالیات کے خزانہ کو لوٹ لیا۔ ۱۸۰۳ء میں غازی عبدالعزیز کو ایک ایرانی نے قتل کر دیا۔

حملۂ مکّہ معظمہ

۱۸۰۴ء میں امیر مسعود نے مکّہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی اور مٹھی بھر ترکی فوج کو خطرے میں نہ لا کر مکّہ معظمہ پر حملہ کر دیا اور بزور شمشیر مکّہ میں داخل ہو گیا۔[1]

اس وقت شریف یہاں کا غالب پاشا تھا اُس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر یہ نجدی لشکر مدینہ پہنچا اور اس کو بھی فتح کر لیا اور تمام خزانہ لوٹا اور روضۂ مبارک پر جو طلائی پتر چڑھا تھا وہ بھی اُتروا لیا۔ یہ سب کام کتاب و سنت کے نام سے انجام دیئے گئے۔

غرضیکہ یہ امرائے نجد بجز حضرموت اور یمن کے، ایک قلیل عرصہ میں سارے عرب پر قابض ہو گئے۔ ان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر باب عالی کے حکم سے سلیمان پاشا والیٔ عراق نے ۱۲۱۳ھ میں لشکر کشی کی لیکن احساء سے پہلے ہی معرکہ میں اس کو واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد مسعود بن عبدالعزیز نے کربلا سے لے کر حلب تک زیرنگین کر لیا۔ پھر ۱۲۲۴ھ میں چھ ہزار فوج لے کر شام پر حملہ آور ہوا اور حوران وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا دمشق پہنچ گیا۔ وہاں کے والی یوسف پاشا گنج نے وعدہ کیا کہ اس کی خاندان کی عورت سے شادی کر لوں گا۔ اس لئے مسعود اس کو چھوڑ کر واپس ہو گیا۔

---

[1] حاضر العالم الاسلامی و ڈکشنری آف اسلام صـ ۶۶۰

سلطان محمود نے نجدیوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے علی پاشا والیٔ عراق، عبداللہ پاشا والیٔ شام اور شریف پاشا سپاہ دار جدّہ تینوں کو حکم دیا کہ عربوں اور کردوں کا لشکر ہمراہ لے کر نجد پر حملہ کر دیں۔ لیکن اس درمیان میں کردستان میں بغاوت ہوگئی جس کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا۔ ادھر سے ناکامیابی دیکھ کر باب عالی نے محمد علی پاشا والیٔ مصر کو حرمین شریفین کی ولایت کا فرمان دے کر نجدیوں کے استیصال کے لئے مامور کیا۔

مصری و نجدی آویزش

۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے پہلے اپنے بیٹے طوسون پاشا کو نجد کی مہم پر بھیجا[۱] پھر خود بھی فوجیں لے کر آیا مگر جب تک امیر سعود بن عبدالعزیز زندہ رہا اُس وقت تک کوئی کامیابی نہ ہوسکی۔ ۱۲۲۹ھ میں جب سعود[۲] مر گیا اور اس کا بیٹا عبداللہ اس کی جگہ امیر نجد ہوا اس وقت بعض امرائے قبائل محمد علی پاشا کی زر پاشی سے امیر نجد سے کٹ گئے اور مصریوں سے میل کر لیا۔ محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو پوری قوت کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔

مقام ماویہ میں نجدیوں نے مصری توپوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور عبداللہ بن سعود اپنے مرکز درعیہ میں آکر قلعہ گیر ہوگیا۔ ابراہیم پاشا نے محاصرہ کیا۔ سخت مقابلوں کے بعد آخرکار نجدیوں کو شہر کا دروازہ کھولنا پڑا۔ ابراہیم پاشا نے عبداللہ اور اس کے کاتب و خزینہ دار کو مصر بھیج دیا جہاں سے وہ قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے۔ سلطان محمود نے ان کو ایا صوفیہ کے میدان میں ۱۲۳۴ھ میں قتل کرا دیا۔ اس سال ابراہیم پاشا نے محمد علی پاشا کے حکم سے شہر درعیہ کو ۱۲۳۳ھ میں تباہ و برباد کر دیا۔ ہزارہا مسلمان وہاں

---

[۱] خلاصۃ الکلام ص ۲۹۶ [۲] البدر الطالع ۱ : ۲۲۳ و عنوان المجد ص ۱۲۶

کے خانہ ویران ہو گئے[1]

یُونان یونان کا والی علی پاشا پُرسطوت اور با اثر حاکم تھا جس سے سارا یونان لرزتا تھا۔ یونانی استقلال کے متمنی تھے۔ مگر اس کے جبروت سے آواز بلند نہ کر سکتے تھے۔ روس جو یونان کا پشت پناہ تھا، وہ علی پاشا کا مخالف تھا اس نے بہکا کر سلطان کو اس سے بدظن کر دیا۔ اس نے اس کو معزول کرنا چاہا، علی پاشا نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے خورشید پاشا کو مع فوج کے بھیجا۔ دو سال مقابلہ رہا جس میں علی پاشا کام آیا۔ یونانی اپنے استقلال کا دعوےٰ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چند قلعوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ باب عالی نے ابراہیم پاشا مصری کو فوج دے کر بھیجا اُس نے جا کر یونانیوں کی اچھی طرح گوشمالی کر دی۔

انکشاریہ کا خاتمہ نجد و یونان کی مہمات سے فارغ ہو کر سلطان محمود نے جدید اصلاحات کرنا چاہیں۔ انکشاریہ خود سر تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ باب عالی اور وزرا کے دولت کدوں کو گھیر لیا۔ محمود نے مجبور ہو کر لوائے نبوی خزانۂ شاہی سے نکالا۔ مسلمان جوق در جوق اس کے سایہ میں آ کر جمع ہوئے اور انکشاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ محمد پاشا اور آغا حسین انکشاریہ کی قیادت کر رہے تھے اور جوائی کے میدان میں انکشاریہ کو جمع کئے ہوئے تھے۔ سب گھِر کر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس کے بعد جملہ صوبہ جات عثمانی میں ان کے الغاء کے احکام بھیج دیئے گئے۔ تین سو برس بعد انکشاریہ اپنے کرتوتوں سے تباہی کی راہ لگے۔

یُونان کی آزادی فرانس کے انقلاب کے اثر سے یورپ کے ہر حصّہ میں آزادی کے خیالات پیدا ہوئے۔ یونانیوں نے

---

[1] عنوان المجد ۱ : ۲۱۳ -

بھی جو دولتِ عثمانیہ کے تابع تھے، اپنی آزادی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ترکی حکام کے ڈر سے روس اور آسٹریا میں اس کے مرکز قائم کئے گئے اور وہاں سے یونان میں آزادی کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے۔ ہر یونانی آزادی کے لئے بے تاب ہو گیا۔ سلطان محمود نے ملک میں اصلاحات شروع کیں۔
اس وقت یونانیوں نے انگلستان، فرانس اور روس کی امداد سے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا۔ باب عالی نے منظور نہ کیا جس پر یونانی سربکف میدانِ عمل میں آ گئے اور انہوں نے جزیرہ "ساقز" کے متصل سارے ترکی جہاز جو لنگر انداز تھے غرق کر دیئے جن میں تین ہزار ترک تھے وہ سب شہید ہوئے۔ پھر روس نے یونان کے استقلال کی معاونت کے لئے حدودِ عثمانی میں لشکر کشی کر دی۔ دوسری طرف سے فرانس کی فوجیں مورہ میں آ کر قلعوں میں داخل ہو گئیں۔ اب ترکی حکومت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یونان کے استقلال کو قبول کر لے۔ مگر شرط یہ تھی کہ یونان پانچ لاکھ قرش سالانہ خراج دولتِ عثمانیہ کو ادا کرتا رہے گا۔ یونانیوں نے اسے منظور کر لیا۔ اس طرح روس کی دست اندازی سے ترکوں نے مجبوری درجہ یونان کو آزاد کیا۔

الجزائر پر فرانس کا قبضہ فرانس کی نگاہ عرصہ سے ترکی مقبوضہ الجزائر پر تھی۔ اس وقت ترک بہت کمزور ہو چکے تھے۔ دول یورپ سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ سنہ ۱۲۴۶ھ میں الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ دولتِ عثمانیہ کچھ نہ کر سکی۔ البتہ حزبِ وطنی کے قائد سید عبدالقادر کی قیادت میں جزائری سترہ سال تک فرانس سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر مجبور ہو گئے اور غلامی کا حلقہ آویزۂ گوش لیا۔

سربیا سنہ ۱۸۲۸ھ میں روس نے سربیا کی حمایت میں ترکوں سے پھر جنگ چھیڑ دی اور اس کی افواج بخارسٹ سے گزرتی ہوئی ادرنہ تک پہنچ گئیں۔ جس کے بعد قسطنطنیہ خطرہ میں تھا۔ روس کے بڑھتے ہوئے

اقتدار کو دیکھ کر دول یورپ نے ہر دو میں صلح کرا دی۔ سربیا کی حکومت کے لئے بارہ مندوبین کی ایک جماعت منتخب کر دی گئی اور بلاد چرکس معہ اس پار کے قلعوں کے روس کو مل گئے۔

مصر کی آزادی محمد علی پاشا مصر کا مستقل حکمران بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جدید طریقہ سے نظامی افواج مرتب کیں اور بحری قوت بھی بڑھالی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فتح شام کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ہر جگہ ترکی افواج کو شکست دی اور عکا تک پہنچ گیا۔ اس کو بھی فتح کر لیا۔ سلطان محمود نے آغا حسین کی قیادت میں تیس ہزار فوج بھیجی۔ ابراہیم پاشا نے آغا کو مقابلہ پر شکست فاش دی اور ابراہیم بڑھتا ہوا کوتاہیہ تک پہنچ گیا وہاں رشید پاشا نے آگے بڑھ کر کوتاہیہ پر قبضہ جمایا۔ دولت علیہ نے اپنے دشمن روس سے امداد طلب کی اور اس کے عوض میں بروقت ضرورت اس کے جہازوں کو دردانیال سے گزرنے کا حق دیا۔ چنانچہ روسی افواج ترکوں کے دوش بدوش ابراہیم پاشا سے معرکہ آرا ہوئیں جس میں ابراہیم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر میں اس بات پر صلح ہوئی کہ مصر، صیدا، شام اور حلب پر محمد علی پاشا والی رہے اور جزیرۂ کریٹ کی ولایت ابراہیم پاشا کو عطا کی گئی۔

وفات ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے آستانہ میں وفات پائی۔

کارگزاری سلطان محمود اپنے پیش روؤں سے زیادہ ترقی کا دلدادہ تھا۔ نیک کردار اور ہمدردی طبیعت میں بہت تھی اور اس میں بڑی مردانگی تھی مگر وزراء اس کی مرضی کے موافق نہ تھے مگر حتی الوسع اس نے سلطنت کو بچانے کی انتھک سعی کی۔

عدل وانصاف کی وجہ سے اس کا لقب عدلی تھا۔ مغربی لباس اور طربوش کا رواج بھی سلطان نے جاری کیا۔ ہر قوم وملت کے لوگ ایک سا

لباس پہننے لگے۔کوئی امتیاز نہ تھا، مسجد اور گرجے میں داخلہ کے وقت پتہ چلتا تھا۔ اور بڑا فتنہ انکشادیہ کا تھا، ان کا خاتمہ کرکے سلاطین کے وقار کو بچا لیا۔ سلاطینِ عثمانیہ میں وقت کے تقاضے سے اُس نے یورپین لباس جاری کیا اور ترکوں کے اخلاقِ معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصباتِ مذہبی کو اس نے ختم کیا۔ مختلف مذاہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے، اپنی اپنی رسوماتِ مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اس کے ملک میں تھے مرمت کرادی۔

رفاہِ عام سلطان نے رفاہِ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیاسٹر بانٹے۔ تو یونان اور ارمنی چرچوں کو بھی برابر کا حصہ دیا۔

تعلیم کی ترقی قلمروِ عثمانیہ میں مدارس کھولے اور کل مذہب کے لوگوں، یہودی، عیسائی، مسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی۔ اس شہنشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا جو ۵ رنومبر ۱۸۳۹ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام "تقویم وقائع" رکھا گیا۔ شفاخانہ قائم کیا جہاں ٹیکے کا رواج جاری کیا۔ میڈیکل کالج قائم کیا جہاں سرجری کی تعلیم پر زیادہ توجہ تھی۔

غلامی کے رواج کا انسداد ۱۸۳۰ء میں سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلافِ شرع جاری تھا موقوف کیا اور حکماً بردہ فروشی ممنوع قرار دی۔

سُلطان عبد المجید اوّل

نام و نسب | عبد المجید ابن سلطان محمود ثانی۔

تخت سلطنت | سلطان کے انتقال کے بعد عبد المجید ۱۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

وقائع | سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر کے معاملات کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ محمد علی پاشا مستقل مصر کا حکمران ہونے کے بعد بھی برابر اپنی فوجی قوت بڑھا رہا تھا۔ سلطان نے حافظ پاشا کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی کہ اس کی جنگی تیاریوں کو روکے۔ مگر ابراہیم پاشا نے مقابلہ پر آکر اس کو شکست دے دی۔

سُلطان نے یہ رنگ دیکھ کر اپنے سفیر رشید پاشا کے ذریعے انگلستان، پروشیا اور روس کو ملا لیا جس سے ترکی قوت بڑھ گئی اور محمد علی پاشا کی ولایت مصر پر محدود کر دی گئی۔ مگر یہ فرمان جاری کیا کہ محمد علی پاشا خدیو کے لقب سے ملقب کئے جائیں اور یہ خطاب نسلاً بعد نسلاً رہے گا۔

اصلاحات | سلطان نے قلمروِ عثمانی میں اعلان کیا کہ جملہ رعایا خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت اور کسی قوم کی ہو، ہر قسم کے قانونی حقوق اس کے محفوظ ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس کی تنفیذ کی اور زبردستوں اور جابروں کے ظلم و تعدی کو کمزوروں پر روک دیا۔ اس کے ساتھ بری اور بحری فوجوں کی تنظیم شروع کی۔ سلطان نے عدالتوں کے لئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظامِ سلطنت قائم کیا۔

غرض روس جس کا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ دولت علیہ کو اصلاح کی مہلت نہ لینے دے۔ چنانچہ اس دشمنِ اسلام نے بلا اعلانِ جنگ اپنی فوجیں رومانیہ بھیج دیں اور سینوپ میں عثمانی جہازوں کو غرق کر دیا۔ دولتِ علیہ نے فرانس اور اطالیہ کو شریک کر کے روس سے دو دو ہاتھ کئے اور روس کے جنگی جہازوں کو جلا دیا اور پھر سباسٹوپول میں روس کو شکستِ فاش دی جس کے بعد پیرس میں مجلسِ معاہدہ منعقد ہوئی اور دول یورپ نے سباسٹوپول روس کو اور اناطولیہ میں قلعہ قرص روس سے لے کر دولتِ عثمانیہ کو دیا گیا اور باتفاق دول اربعہ درِ دانیال جملہ اقوام کے جنگی جہازوں کے لئے بند کر دیا گیا۔ حسنِ اتفاق سے اس معاہدہ میں دولتِ عثمانیہ ایک متمدن مغربی سلطنت تسلیم کی گئی۔

دروز جبلِ لبنان میں دروزیوں اور عیسائیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ یورپ حمایت نصاریٰ میں آکُود ے۔ فرانس کی فوجیں حدودِ عثمانیہ میں آگئیں۔ مگر فواد پاشا کو بھیج کر اس فتنہ کو فرو کیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ ایک دروزی اور ایک مارونی اپنی اپنی جماعتوں کی نمائندگی کے لئے نامزد کئے جائیں۔

وفات سلطان عبدالمجید نے بعمر چالیس سال ۱۲۷۷ھ میں قضا کی۔ دین دار اور باحمیت سلطان تھا۔

آثار مدینہ منورہ میں سلطان کی اکثر یادگاریں ہیں۔

صدرِ اعظم سلطان عبدالمجید کو خوش قسمتی سے رشید پاشا نہایت لائق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا۔ اُس نے سلطان کے حسبِ منشاء ترکوں کے تمام لغو اور بیہودہ تعصّبات کو جن کو اُنھوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا ان کی تردید کی اور اہلِ یورپ سے جو اچھی باتیں تھیں وہ اخذ کیں اور ان کو مروج کیا۔ اس نے "ہیئت شریف" کے نام سے قوم کے لئے دستور العمل بنایا اور اس کو تمام قلمروِ عثمانیہ میں شائع کیا۔ ۳۰ نومبر ۱۸۴۱ء کو سلطان کے دربار میں جس میں علما و عمائد ملک شریک تھے ہیئت شریف پڑھا گیا اور اہلِ دربار سے منظور کرایا۔

سُلطان عبدالعزیز

نام ونسب | عبدالعزیز ابن سلطان محمود ثانی۔

ولادت | سلطان کی ولادت ۱۲۴۵ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سلطان عبدالمجید کے انتقال پر عبدالعزیز جس کی عمر بتیس سال کی تھی تخت نشین ہوا۔

نظمِ مملکت | سلطان نے عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر سب سے پہلے داخلی اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ملک کو جدید صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک مجلسِ شوریٰ قائم کی۔ فوج کی تنظیم کی اور اس کو باقاعدہ بنایا اور بحری بیڑہ کو اس قدر ترقی دی کہ وہ دُنیا میں دوسرے درجہ کی بحری طاقت سمجھا جانے لگا۔ دول یورپ کی نگاہیں بھی اس کی طرف اُٹھنے لگیں۔

صدرِ اعظم | عالی پاشا عالی دماغ اور بڑا سیاست دان تھا۔ کریٹ اور قرع طاغ میں اجانب کی بغاوتیں رونما ہوئیں مگر صدر اعظم کی حسنِ تدبیر سے آگے نہ بڑھیں بہت دب گئیں۔ صدرِ اعظم نے انگریزی تعلیم انگلستان میں پائی تھی۔ دول یورپ سے سلطان کے تعلقات اس نے قائم کرائے۔

سفرِ یورپ | سلطان روشن خیال تھا۔ اپنے ملک کو یورپین ممالک کی مانند بنانا چاہتا تھا۔ اس نے خود یورپ کی سیر کا ارادہ کیا۔ پہلے مصر تشریف لے گیا وہاں خدیو نے سلطان کے شایان شان استقبال کیا۔ پھر فرانس ۱۸۶۷ھ میں سلطان تشریف لے گئے۔ پیرس میں امپرز نپولین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہے وہاں سے لندن گئے۔ ملکۂ

وکٹوریہ سے ملاقات ہوئی۔ ملکہ نے سلطان کی بے حد مدارات کی۔ دورانِ قیام لندن میں سلطان بیوہ لارڈ پالمرسٹن کے گھر تشریف لے گئے۔ لارڈ موصوف نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کی حمایت کی تھی اور انگلستان سے فوجی امداد پہنچائی تھی۔ چنانچہ لارڈ مر چکے تھے اس لئے سلطان اس کے شوہر کا شکریہ ادا کرنے اس سے گئے تھے یہ تھا سلطان کا اخلاق۔

وزیر ہندوستان مسٹر اسٹافورڈ نارتھ کوٹ نے انڈیا آفس میں سلطان کی دعوت کی۔ وہاں بھی تشریف لے گئے اور انڈیا آفس کو عزت بخشی۔ یہاں سے رخصت ہو کر ویانا گئے۔ پھر آستانہ لوٹ آئے۔ امرائے سلطنت اور شہزادے بھی ہم سفر تھے۔

۱۸۶۸ء میں پرنس آف ویلز ولی عہد ملکۂ وکٹوریہ معہ اپنی بیگم کے قسطنطنیہ آئے سلطان کے مہمان ہوئے۔ اس کے بعد امپرس آف فرانس سلطان کے یہاں آئیں۔ پھر امپرر جوزف شہنشاہ آسٹریا سلطان کے مہمان ہوئے۔ سلطان نے اپنے خاص محل میں شہنشاہ کو ٹھہرایا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا، مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا۔ اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا۔

دولِ یورپ کے تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان زیادہ اسراف بے جا کرنے لگا۔ اس کی اس فضول خرچی کا اثر ملک کے خزانے پر پڑا۔ ادھر سلطان نے دول سے قرضہ لے لیا۔ یہ حکومت پر بڑا بار تھا۔ اس کے سوا مغربی تمدن کی ہوا لگی تو بجائے ملک کی طرف توجہ کرنے کے عیش و عشرت کی طرف راغب ہو گئے۔ صدر اعظم کی یکایک وفات نے اور محمود ندیم پاشا کے صدرِ اعظم ہونے سے بدنظمی ممالک میں دوبالا ہو گئی۔

پھر کیا تھی رشوت اور غبن کی گرم بازاری شروع ہو گئی عہدے اور مناصب قیمتاً فروخت ہونے لگے۔ اس سے بڑھ کر جا بجا فتنے اور ہنگامے برپا ہو گئے۔

چنانچہ بوسینیا اور ہرزی گونیا میں نصرانیوں نے ہزار ہا مسلمان شہید کر دیئے۔ مگر سلطان سے کچھ بنائے نہیں بنتی تھی۔

سلطان اس درمیان میں روسی سفیر اگناتیف کے ساتھ ایک معاہدہ کی فکر میں تھا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ روس کا اتحاد بہ نسبت دیگر دول یورپ کے دولت علیہ کے لئے زیادہ مفید ہے۔ اس لئے سفیر مذکور کی باتوں میں آکر سلطان نے بغاوت کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ جبل استودسربیا اور بلغاریہ تک بغاوت کی آگ پھیل گئی اور لاکھوں مسلمان سلطان کی غفلت سے شہید کر دیئے گئے۔ سلانیک میں ایک بلغاری لڑکی مسلمان ہو گئی جس کو جرمن سفیر نے بہکا دیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے سفیر مذکور کو قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ پر جرمنی اور اس کے حمایتی فرانس نے اپنے جنگی جہاز حدود سلطنتِ عثمانیہ میں بھیج دیئے اور سلطان سے قاتلوں اور ذمہ دار حکام کی معزولی کے طالب ہوئے۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر اُن کے مطالبات پُورے کر دیئے۔

معزولیِ سلطان

آستانہ میں اس خبر سے ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء و طلباء نے میدانِ فاتح میں مجتمع ہو کر اجنبی حکومتوں کی مداخلت کے خلاف آواز بلند کی اور محمود ندیم پاشا کی برطرفی کے طالب ہُوئے۔ سلطان نے منظور کر لیا۔ مگر اس سے بھی عوام کے جوشس ٹھنڈے نہ ہُوئے تو صدرِ اعظم رشدی پاشا، سرعسکر حسین عوفی پاشا اور شیخ الاسلام حسن خیر اللہ آفندی نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ اب مُلک میں امن جب ہی ہو سکتا ہے کہ سلطان عبد العزیز کو معزول کیا جائے اور مراد خامس کو سلطان بنایا جائے۔ چنانچہ سلیمان پاشا ناظرِ مکتب حربی نے اپنے طلباء کو لے جا کر قصر کا احاطہ کر لیا اسکے بعد جلوس کی توپیں سر کرنی شروع کیں سلطان متفکر ہُوا اور اس نے تختِ سلطنت سے علیحدگی منظور کی اور قصرِ چراغاں چلے گئے۔

وفات

سلطان کو اس واقعہ کا صدمہ بہت ہُوا۔ اس نے محل کی لونڈی سے قینچی منگا کر اپنی رگِ اکحل کاٹ لی۔ خون اس قدر بہا کہ مر گیا۔

سُلطان مُراد خامس

نام ونسب | مراد پسر سلطان عبدالمجید ابن سلطان محمود عثمانی۔

ولادت | مراد ۲۵ رجب ۱۲۵۶ھ میں پیدا ہُوا۔

تختِ خلافت | ۷ رجمادی الاوّل ۱۲۹۳ھ کو مُراد سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد سریر آرائے تختِ خلافت ہُوا۔

وقائع | سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر بلقان میں نصرانیوں نے جو فتنے برپا کر رکھے تھے اُن کے استیصال کے لئے ایک فوج بسرکردگی امیر العسکر بھیجی جس نے پہنچ کر سرکشوں کی گوشمالی کی اور سربیا کے حکمران پرنس میلان کو میدانِ جنگ میں شکست دے کر اس کے سب سے محفوظ مقام کسناخ کو لے لیا۔ جب ترکوں کی فاتحانہ روش کو پرنس میلان نے دیکھا اس کو اپنی موت دکھائی دینے لگی تو اس نے دول یورپ کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کی۔ مراد جس روز تخت نشین ہُوا، اس کے دوسرے دن سلطان عبدالعزیز کے حاجب حسن بک چرکس نے اپنے آقا کے انتقام کے لئے مجلسِ وکلاء میں آکر تپنچہ سے سرعسکر حسین پاشا اور صدرِ اعظم رشدی پاشا کو گولی کا نشانہ بنایا۔ احمد پاشا وزیر بھی لپیٹ میں تھا مگر اس کی جان تو بچ گئی لیکن زخمی ہو گیا۔

سلطان مراد کو مالیخولیا کا عارضہ تھا، وزراء نے تین ماہ تک علاج کرایا مگر حالت نہ سدھری شیخ الاسلام کی منظوری سے اس کو تخت سے اُتار کر عبدالحمید کو بٹھایا۔

وفات | معزولی کے بعد مراد قصرِ چراغاں میں مقیم رہا۔ وہیں ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی [1]

سُلطان عبدالحمید ثانی

نام ونسب | عبدالحمید ابن سلطان عبدالمجید۔

تخت سلطنت | عبدالحمید اپنے بھائی سلطان مراد کے خلع کے بعد ۱۲۹۳ھ میں سریر آرائے سلطنت ہُوا۔

ملک کی حالت | قلمروئے عثمانیہ، دول یورپ کی دسیسہ کاریوں کا آماجگاہ بنا ہُوا تھا جس سے ملک کی حالت نہایت مضطرب تھی۔ کیونکہ دول یورپ نصاریٰ کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کر رہی تھیں۔ انگلستان اور روس بلقان کی ریاستوں کے بعض معاملات کو سُلجھانے کے لئے اپنے سفراء کے ذریعے آستانہ میں مؤتمر منعقد کئے ہُوئے تھے۔

دستور کا اعلان | مدحت پاشا اپنے زمانہ میں اعلیٰ سیاسی دماغ رکھتا تھا۔ اس نے وقت کے تقاضے سے حکومت کے لئے دستور بنایا اور سلطان عبدالحمید کو اس کے اعلان کے لئے رضامند کر لیا۔ چنانچہ سلطان نے دربارِ عام کر کے دستوری حکومت کا اعلان کیا تاکہ مساوات اور حریت عام عطا کرنے سے اجنبی مداخلتوں سے نجات مل سکے۔ اس اعلان سے سلطنتِ ترکیہ

---

[1] تاریخ الاتراک العثمانیین از حسین بعیب مصری ص ۱۰۵۔

میں جوش و مسرت کی لہر دوڑ گئی مگر اس کا اثر مؤتمر مذکور پر بُرا پڑا۔

جنگِ پلونا

دول یورپ جو مداخلت کر رہی تھیں بلقانی ریاستوں کی آڑ لے کر اُس نے اپنے اغراض پورے کرنا چاہے۔ چنانچہ مؤتمر منعقدہ آستانہ نے ایسی سخت شرطیں پیش کیں جن کا قبول کرنا دولت علیہ کے لئے ممکن نہ تھا۔ اگر منظور کرتے ہیں تباہ ہو جاتے ہیں اس لئے باب عالی نے انکار کر دیا۔ روس نے جل کر لشکر کشی کی اور فوجیں اس کی دریائے طونہ سے گزر کر پلونا تک آ گئیں اور غازی عثمان پاشا کو چاروں طرف سے محصور کر لیا۔ جب سامانِ رسد نہ پہنچ سکا اس وقت بجائے ہتھیار ڈال دینے کے غازی موصوف اپنی ترکی فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے اور اس بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے چلے کہ قریب تھا کہ روسی فوجوں کو چیرتے ہوئے باہر آ جائیں۔ لیکن اسی حالت میں بولونیا کی ایک لاکھ تازہ دم فوجیں آ گئیں اور غازی موصوف کے پاؤں میں گولی لگی۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر گیا جس کی وجہ سے غازی موصوف گرفتار ہو گئے۔

غرضیکہ روسی فوجیں سین اسٹی فانو تک جو آستانہ کے متصل ایک مقام ہے، آ گئیں۔ اس وقت دول یورپ کو خطرہ لاحق ہوا اُس نے روس کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور وہاں ایک معاہدہ فریقین میں لکھوا دیا جو معاہدہ سینٹ اسٹیفانو کے نام سے مشہور ہے۔

اس عہد نامہ میں دریائے طونہ سے لے کر بحیرۂ مرمرہ تک کا علاقہ بلغاریہ کو دیا گیا تھا جس پر انگلستان اور آسٹریا بگڑ بیٹھے۔ اس وجہ سے برلن میں پرنس بسمارک کی صدارت میں پھر سفراء دول کی ایک مؤتمر منعقد ہوئی جس میں یہ طے پایا۔ اردہان باطوم اور قلعہ قارص روس کے حوالے کئے گئے۔ بلغاریہ ایک جداگانہ ریاست بنا کر باب عالی کے تابع کر دی گئی۔ رومانیا، سربیا اور قراطاغ مستقل ریاستیں قرار دی گئیں اور تسالیا یونان کو دیا گیا۔

یہ تھی معاہدۂ برلن کی حقیقت، سلطان عبد الحمید نے اس معاہدہ کے بعد

دستوری حکومت توڑ دی اور اصلاح پسندوں کو جو دستوری حکومت کے حامی تھے، ملک بدر ہونے کا حکم دے دیا۔

انگلستان کے مدبرین نے دیکھا کہ ترکی کے علاقہ سے کچھ اپنے لئے بھی تو ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ترکوں کو روس کا ہوا دکھا کر کہ وہ روز بروز ایک طرف آستانہ سے، دوسری طرف دریائے دجلہ و فرات کے منبعوں پر قبضہ کر کے بغداد اور بصرہ سے قریب ہوتا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے لئے خطرۂ عظیم ہے۔ چنانچہ باب عالی میں انگلستان نے اپنے سفیر مسٹر لیرڈ کے توسط سے ایک دفاعی معاہدہ کی خواہش ظاہر کی تاکہ روس کے مشرقی مطامع کو کسی عنوان روک دیا جائے۔ اور اس کے عوض میں جزیرہ قبرص کی درخواست کی تاکہ وہاں انگریزی فوجیں رہیں جو بوقتِ ضرورت روس کی پیش قدمی روکنے کے لئے محاذ پر پہنچ سکیں۔

یہ سلسلۂ گفتگو جاری تھا کہ اس درمیان میں صفوت پاشا صدارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا۔ وہ انگلستان سے مل گیا اور اس نے ۴ رجون ۱۸۷۸ء میں اس معاہدہ کی سلطان سے تکمیل کرا دی۔ انگریز نے اس چال سے بلا لڑے بھڑے قبرص ہتھیا لیا۔

انگلستان کے اس کارنامہ سے آگے رہنے کے لئے فرانس نے ٹونس پر قبضہ کرنا چاہا اور بہانہ یہ کیا کہ الجزائر کے قریب کے کسی قبیلے نے حدود فرانس میں دست درازی کی۔ لہٰذا یہ بڑا جرم تھا اس لئے ضروری ہوا کہ تونس پر الجزائر کے بعد قبضہ کر کے ہر دو خطہ شامل کر لئے جائیں۔ چنانچہ تونس اس طرح ترکوں کے قبضہ سے نکال لیا گیا اور اہلِ تونس فرانس کے غلامی میں آ گئے۔

کوائفِ مصر انگریز کی نگاہیں مصر پر عرصۂ دراز سے لگی ہوئی تھیں صرف موقع کی تلاش تھی۔ محمد علی پاشا خدیو مصر کے جانشینوں نے مصر میں دول اجنبیہ سے قرض لے کر نہر سویز کھدوائی اور اپنے ملک میں بہت سی اصلاحات بھی کیں جس کی وجہ سے ملک ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ مگر

قرضہ ادا نہ ہوسکا اور نہ اس کی ادائیگی کی سبیل کی گئی۔ آخرش مغربی دول نے صیغہ مال پر اپنی نگرانی جبریہ شروع کردی۔ اس واقعہ سے نوجوانانِ مصر میں بیداری کے لہر پیدا ہوگئی اور انہوں نے ایک وطنی جماعت کی تشکیل کرلی۔ جس کی قیادت زعیمِ ملت اعرابی پاشا نے کی۔ اس جماعت نے دول یورپ کے خلاف مظاہرے شروع کردیئے۔ فرانس اور انگلستان نے اس وطنی تحریک کو کچلنے اور دبانے کے لئے اپنے جنگی بیڑے مصر بھیج دیئے۔ اس سے وطنی جماعت میں شورش اور بڑھ گئی۔ انہوں نے مصر میں جو مغربی اقوام رہتی تھیں ان کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کیونکہ انہی لوگوں نے ان ہر دو دول سے سازش کر رکھی تھی۔

غرضیکہ انگریز نے اسکندریہ پر جہاز کی توپوں کے سایہ میں قبضہ کرلیا اور ایک فوجِ گراں نہر سویز کے متصل اتاری جو تل کبیر کے نیچے اعرابی پاشا کی جماعت سے دو دو ہاتھ کرتی ہوئی قاہرہ میں کامرانی سے داخل ہوئی۔ غرضیکہ مصر انگریزوں کے قبضہ و تصرف میں ہوگیا اور بری طرح انتقاماً مصریوں کو ذبح کیا گیا۔ بچے بوڑھے، عورت، مرد سب تہ تیغ کئے گئے۔

اس واقعہ نے سوڈانیوں میں اضطراب کی لہر پیدا کردی۔ وہ بھی انگریزوں کے ظلم وستم سے واقف ہوکر اُن کے خون کے پیاسے ہوگئے اور سوڈانیوں میں بھی ایک محبانِ وطن کی جماعت تیار ہوگئی اور اس کی قیادت ایک عظیم المرتبت شخصیت احمد نامی نے کی۔ عبادت گزاری سے وہ مہدی سوڈانی مشہور تھا۔ جوق درجوق انگریز سے جہاد کے لئے اس کے جھنڈے تلے آجمع ہوئے۔ انگریز نے مصر پر اکتفا نہ کیا بلکہ سوڈان پر بھی قبضہ کرنا چاہا اور آگے بڑھے۔ مہدی کی جماعت نے بری طرح انگریزی فوج کی پٹائی کی اور خرطوم میں پہنچ کر گارڈن پاشا اور اس کے سارے لشکر کو قتل کر ڈالا۔

انگریزوں نے دوسری فوج لارڈ کچنر کی سرکردگی میں بھیجی اُس نے سوڈانیوں میں روپیہ پیسہ کی بارش کرکے بہت سے اُمرائے سوڈان کو پھانسنے میں لالیا۔ تین

سال تک وطنی جماعت نے جنگ کی، مگر غداروں کی بدولت مہدی سوڈانی کی جماعت کو شکست ہوئی اور کچنر نے خرطوم پر قبضہ کیا۔ مہدی کا وصال ہو چکا تھا۔ اس کی لاش قبر سے نکال کر پائمال کی گئی اور اس کی ہڈی بطورِ نشانی لارڈ نے اپنی گھڑی میں آویزاں کی۔ یہ ایک مہذب ملک کے لارڈ کا کارنامہ ہے۔ سوڈان کے بعد فشودہ انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔

شرقی روم ایلی کی بغاوت

برلن کانفرنس میں دول مغرب نے یہ طے کیا تھا کہ شرقی روم ایلی کا والی عیسائی ہوا کرے۔ ۱۸۸۵ء میں اہل شرقی روم ایلی نے دول یورپ کے بھڑکانے سے یہ آواز اٹھائی کہ ہمارا علاقہ بلغاریہ سے ملحق کر دیا جائے اور بغاوت کر دی۔ غاوریل پاشا والی کو گرفتار کر لیا اور آستانہ بھیج دیا اور پرنس باٹمبرگ کو اپنا حکمران بنا کر بلغاریہ سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ ترکوں میں کچھ جان نہ تھی، دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

اب اہلِ مغرب کی نگاہ آرمینیہ پر اٹھی۔ کیونکہ نام نہاد برلن کانفرنس میں ایک شرط آرمینیہ کی اصلاحات کے متعلق بھی تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید نے وعدہ ایفا نہ کیا۔ ارمنیوں نے ظلم وستم کی داستانیں گڑھ کر دول یورپ کو بھیجیں اور پھر ملک میں بغاوت کر دی۔ اس میں سخت خونریزی ہوئی اور ۱۸۹۵ء میں خود آستانہ میں ان آرمینیوں نے شورش کھڑی کر دی جس میں صدہا قتل ہوئے۔ اہل یورپ کو موقع ہاتھ لگا۔ ان کی حمایت کے لئے آواز اٹھائی لیکن سلطان نے کوئی توجہ نہ کی، صبر کر کے رہ گئے اور موقعہ کے منتظر رہے۔

کریٹ

۱۳۱۳ھ میں کریٹ والوں کی طلب پر دول یورپ نے اپنے جنگی جہاز اس جزیرہ پر بھیج دیئے اور باب عالی سے مطالبہ کیا کہ اس کا والی مقرر کیا جائے۔ اس زمانے میں یانیہ پر یونان کے ولی عہد قسطنطین نے لشکرکشی کی۔ ادھم پاشا نے اس پر نمایاں فتح حاصل کی۔ مگر دول یورپ نے ترکوں کو اس کے ثمرہ سے متمتع نہ ہونے دیا، بلکہ کریٹ

سے بھی عثمانی فوجوں کو نکال دیا اور روس اور انگلستان، فرانس اور اطالیہ نے اپنی حمایت میں لے لیا۔

ترکوں میں سیاسی بیداری

سلطان سیاست میں کامل تھا مگر اس میں استبداد بہت تھا اور وہ بعض اوقات دول یورپ کے دباؤ میں آجاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اُس کے عہد میں حکومت کی ساری قوت خود اس کی ذات میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ باب عالی بے دست و پا ہو گیا تھا اس وجہ سے ملک میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ سلطان نے جاسوسی کا نظام پھیلا رکھا تھا۔ ان کی جھوٹی سچی رپورٹوں نے سلطنت کا سارا انتظام مختل کر دیا تھا۔

دول یورپ جن کی طاقتیں عظیم الشان تھیں وہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے میں دن رات لگی ہوئی تھیں اور وزراءِ سلطنت عثمانیہ کو انہوں نے دولت کی چاٹ لگا کر گانٹھ رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حامیانِ اصلاح اور بہی خواہانِ ملک نے ایک مخفی انجمن "جوان ترک" کے نام سے قائم کی یہ مخفی اس لئے اس کو رکھا کہ مدحت پاشا کے ساتھیوں کو سلطان نے ملک بدر کر دیا تھا۔ نوجوان ترکوں میں نیازی بک اور انور بک اور کمال پاشا پیش پیش تھے۔ شاہِ انگلستان ایڈورڈ ہفتم اور زار روس نے مل کر دولتِ عثمانیہ کی تقسیم کی تجویز پختہ کر لی۔ اس وقت نیازی بک اور انور بک نے جو سُنا تو ترکی افواج کو ملا کر دستور کے مطالبہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید نے اس بغاوت کے انجام کے خطرے سے جو اس کی ذات کے خلاف تھی۔ ۱۳۲۴ھ میں پھر دستور کا اعلان کر دیا۔ آگے اس کی تفصیل کمال پاشا کے بیان میں آتی ہے۔

سلطان کی مساعی یہ رہیں کہ اپنے اقتدار کی خاطر عالمِ اسلامی سے تعلق قائم کیا اور خلافت کی آڑ لے کر مسلمانانِ عالم کو اپنا ہوا خواہ بنا لیا۔ علامہ سید جمال الدین افغانی

کی خدمات حاصل کیں۔ انہوں نے عبدالحمید کے اقتدار کے لئے پان اسلام ازم کا شغلہ چھوڑا۔ علامہ نیک نیت رکھتا تھا۔ وہ خلافت مآب کے پردہ میں عالمِ اسلامی کو ایک مرکز سے منسلک کرنا چاہتا تھا۔ مگر سلطان نے دیکھا کہ علامہ اس کے لئے زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے تو ان کو نظر انداز کر دیا۔

سلطان کا کارنامہ حجاز ریلوے اور علمی ترقی ہے۔ اس نے مغربی علوم و فنون سے بڑی دلچسپی لی۔ اس کے عہد میں صدہا کتابیں ترکی زبان میں منتقل ہوئیں۔

بطلِ حُرّیت مدحت پاشا

مدحت پاشا ابن حاجی علی آفندی ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ صدارتِ عظمیٰ کے محکمہ کے سیکرٹری رہے۔ پھر سامی بکر پاشا نے اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں سے وزیر اعظم رشید پاشا کی طلبی پر گئے۔ اس نے مجلسِ عالی کے سیکرٹری کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ عالی پاشا جب صدرِ اعظم ہوئے، مدحت پاشا کو یورپ بھیجا اور جب مسئلہ بلقان چھڑا تو ان سے مشورہ لیا گیا۔ بغداد میں اصلاحات کیں۔ بغداد و کاظمیہ کے درمیان ٹرموے جاری کرائی۔

کپڑا بُننے کے کارخانے کھولے، قصبات میں مدارس، شفاخانے اور بنک کھولے۔ ایک مطبع کھولا جس میں اخبار الزوراء چھپتا تھا۔ اس زمانے میں پٹرول کی کانیں دریافت ہوئیں۔ سلطان عبدالعزیز کے عہد میں وزارت کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ عبدالحمید خاں کے زمانے میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ثمرہ یہ دیا گیا کہ مئی ۱۸۸۳ء کو گلا گھونٹ دیا گیا۔ مدحت پاشا کے فرزند رشید علی حیدر نے سوانح عمری لکھی ہے۔

علّامہ جمال الدین افغانی

علامہ سید جمال الدین افغانی اسعد آباد میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ

کے والد سید صفدر نبیرۂ سید علی ترمذی محدث متوفی ۳۷۹ھ تھے۔

اٹھارہ برس کی عمر میں علومِ عربیہ کی تحصیل سے فراغت پائی۔ اس کے بعد ہندوستان آئے۔ ڈیڑھ سال یہاں رہے ۱۲۵۳ھ میں مکہ معظمہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد افغانستان گئے امیر دوست محمد خاں کے مصاحب ہو گئے۔ ۱۸۶۴ء میں دوست محمد کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکوں محمد اعظم اور شیر علی میں جنگ چھڑ گئی۔ محمد اعظم کے ساتھ آپ ہو گئے۔ کامیابی پر اُس نے ان کو معتمد علیہ وزیر بنا دیا۔ انگریزوں نے شیر علی کی مدد کی، محمد اعظم مقابلہ پر شکست کھا گیا۔

علامہ نے یہ رنگ دیکھ کر حج کا ارادہ کیا۔ ۱۸۶۹ء میں ہندوستان آئے۔ یہاں سے مصر گئے۔ قاہرہ میں قیام کیا، پھر آستانہ روانہ ہو گئے۔ سلطان عبدالحمید نے آپ کا شاندار خیر مقدم کیا۔ شیخ الاسلام آپ کا مخالف ہو گیا۔ ۱۸۷۰ء کے آخر میں مدیر جامعہ ترکیہ نے آپ کو دعوت دی کہ طلباء کو ترغیب دینے کے لئے صناعات پر تقریر کریں۔ علامہ نے نہایت احتیاط سے تقریر کی۔ مگر شیخ الاسلام نے تقریر کے بعض جملوں کو گرفت کر لیا۔ الزام دھرنا شروع کیا۔ ملک میں اس سے اضطراب پیدا ہو گیا۔ حکومت نے ملک چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا تو ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو قاہرہ آ گئے۔ یہاں وزیر اعظم ریاض پاشا نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر طلباء میں علمی لیاقت کے ساتھ سیاسی بیداری کی روح پیدا ہونے لگی۔ انگریز کھٹک گیا۔[1]

ادھر اہل ملک نے خدیو اسمٰعیل کو معزول کرنے پر مجبور کیا[2] اس کے بعد توفیق پاشاہ ۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو تختِ مصر پر رونق افروز ہوا۔ پہلے وہ علامہ کا معتقد تھا پھر وہ آپ سے برگشتہ ہو گیا۔ اس نے ستمبر ۱۸۷۹ء کو حکم صادر کیا کہ علامہ

---

[1] انقلاب ایران صفحہ ۸ از براؤن۔

[2] مصر کی پراسرار تاریخ۔ از مسٹر بلنٹ صفحہ ۱۰۱۔

مصر سے نکل جائیں [1]

اس کے بعد پھر ہندوستان آئے۔ حیدرآباد مقیم ہوئے۔ مگر مصری نوجوانوں میں انقلابی تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر مصر پر انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا اس نے حیدرآباد سے علامہ کو بلا کر کلکتہ میں نظر بند کر دیا۔ آپ نے اجازت لے کر لندن کا سفر اختیار کیا۔ چند دن رہ کر پیرس گئے۔ یہاں تین سال رہے۔ ان کے شاگرد محمد عبدہ مصری بھی پہنچ گئے۔ "العروۃ الوثقیٰ" رسالہ یہاں سے جاری کیا جس میں انگریزوں کے استبداد پر مضمون ہوتے تھے۔ پہلا نمبر ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا۔ اٹھارہ نمبر نکلے۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۸۸۳ء میں آخری پرچہ نکلا۔ برطانیہ نے ہندوستان اور مصر میں ممنوع قرار دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی میں وطنیت اور اتحاد کی روح اس رسالہ سے پیدا ہو گئی [2]

یہاں سے روس گئے چار سال رہے۔ پھر ایران گئے۔ شاہ نصیر الدین نے یورپ میں دوران سیاحت میں دعوت دی تھی۔ جب ایران پہنچے، شاہ نے وزیر جنگ مقرر کر دیا۔ مگر عوام کی رجوعات سے گھبرا کر شاہ نے نظریں پھیر لیں تو اس سے اجازت لے کر روس چلے گئے۔ پھر ۱۸۸۹ء میں ایران آئے اور شاہ عبدالعظیم میں مقیم ہوئے۔ بادشاہ سے اور آپ سے تعلقات بہت بگڑ چکے تھے۔ آپ نے مجتہدین ایران کو نامہ و پیام سے اپنا لیا اور علانیہ بادشاہ کو معزول کرنے کی دعوت دینی شروع کر دی۔ آپ کا نفوذ و اثر تمام جماعتوں میں ترقی پا گیا۔ اندرونی انقلاب میں جو بعد میں ایران میں برپا ہوا، علامہ کے بارہ شاگردوں کا کافی حصہ تھا۔ ایک شخص مرزا رضا کرمانی نے آپ کے مخالف بادشاہ کا ۱۸۹۶ء میں کام تمام کر دیا۔ [3]

حکومت نے آپ کو سلطنت عثمانیہ کے حدود سے نکال دیا۔ اب بصرہ

---

[1] المنار جلد ۸ صـ ۴۰۲ [2] ایضاً صـ ۴۰۵ [3] انقلاب ایران صـ ۶۷۔

یں رہے، پھر لندن گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۳ء میں آستانہ پہنچ گئے۔ یہاں سلطان عبدالحمید کی زیرِ حمایت تکریم و تعظیم کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر سلطان بھی ان سے کھٹکتا ہی رہا۔ وہیں مہلک مرض سرطان میں مبتلا ہوئے اور ۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

عبدالقادر الجزائری

بحیرۂ روم کے جنوبی ساحل ممالک البحریہ میں شہر معسکرہ میں ۱۸۰۸ء میں عبدالقادر پیدا ہوا جو مرابطین کی نسل سے تھا۔ جید عالم تھا۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ عبدالقادر نے ۱۸۳۲ء میں آوازِ مخالفت اٹھائی۔ دس ہزار مجاہد جمع ہوئے۔ آخرش ۱۸۳۴ء میں معاہدہ ہو گیا۔ پہلے مفتی تھا پھر حکمران بن گیا، معسکر اور اوران کا۔ پھر ۱۸۴۷ء میں فرانس نے حملہ کر دیا۔ جس میں گرفتار ہو گیا اور جلا وطن کر کے طولون کے قلعہ میں قید کر دیا۔ چار سال قید رہا۔ پھر شاہِ فرانس لوئی نپولین نے آزاد کر دیا اور وہاں سے بروسہ، پھر قسطنطنیہ چلا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں حج کیا۔ ۱۸۶۲ء میں فرانس گیا۔ پھر آخر عمر میں مکہ جا کر ۱۸۷۳ء میں فوت ہو گیا۔

بطلِ حریت مصطفیٰ کمال پاشا

مصطفیٰ کمال کے والد کا نام علی رضا تھا جو ایک عرصہ تک سالونیکا میں چنگی کے محرر رہے۔ پھر لکڑی کی تجارت کرنے لگے۔ اس کی بیوی زبیدہ ترک خاتون تھی جس کے بطن سے ۱۵ مارچ ۱۸۸۱ء میں مصطفیٰ کمال پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت مصطفیٰ کو تعلیم دینی حاصل کرنے کے لئے مسجد کے مکتب میں بٹھایا۔ ایک سال میں مصطفیٰ سے ہونہار بچے نے اچھی خاصی دینی تعلیم پائی۔ پھر مدرسہ شمس آفندی میں داخل کر دیا۔ اسی زمانے

میں علی رضا کا انتقال ہو گیا تو زبیدہ کے بھائی نے اپنی بہن اور مصطفیٰ کی کفالت کا ذمہ لے لیا اور سالونیکا کے بڑے مدرسہ میں بٹھا دیا۔ مگر مصطفےٰ کا جی نہ لگا۔ طبیعت میں سپاہی بننے کا ولولہ تھا۔ اپنے والد کے ملنے والے کے ذریعہ فوجی مدرسہ کا امتحان پاس کر کے وہاں داخل ہو گیا۔ یہاں مصطفیٰ کی توجہ کا خاص مرکز علم حساب تھا۔ حساب میں وہ اتنا طاق ہو گیا کہ اُستاد کی عدم موجودگی میں اپنی جماعت کے طلباء کو حساب سکھایا کرتا۔ ایک دن مصطفیٰ نے ایک ادق سوال حل کیا۔ اُستاد اس کی ذہانت پر بے حد خوش ہُوا اور کمال محبت سے کہا کہ مصطفیٰ اس علم میں کمال حاصل کرے گا۔ اس دن سے وہ مصطفےٰ کمال کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہاں سے حربی کالج میں داخل ہو کر مصطفےٰ مناستر چلا گیا۔

سالونیکا کے قیام میں ترک نوجوان فتحی بے سے تعلقات ہو گئے وہ وطن پرست تھا جس کی صحبت سے مصطفےٰ پر بھی وطنیت کا رنگ چڑھنے لگا۔

مناستر میں ریاضی اور فرانسیسی زبان پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی حساب دانی یہاں بہت کام آئی، وہ طلباء پر فائق رہا۔ فرانسیسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل کر لیا۔ جب چھٹیوں میں وطن سالونیکا آیا تو اس نے فرانسیسی ادب کے مطالعہ کے خیال سے مشہور انقلابی والٹیر، روسو، جان جیک اور وکٹر ہیگو کی جذبات انگیز کتابیں منتخب کیں اور ایام رخصت میں دیکھ ڈالیں جس کا اثر یہ ہُوا کہ وہ خود انقلابی مصنف بننے کا ارادہ کرنے لگا۔

تعطیلات گزرنے کے بعد جب وہ مناستر واپس آیا تو اس کی ملاقات ترکی کے ایک مشہور شاعر عمر آفندی ناجی سے ہوئی جس کی وجہ سے وہ ترکی ادبیات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ترکی کے شاعرِ انقلاب نامق کمال کی نظموں کا مطالعہ کیا جس نے اتاترک میں انقلابی رنگ بہت زیادہ پیدا کر دیا اور وہ خود انقلابی شعر گو ہو گیا۔ اس نے سلطان عبدالحمید کے استبداد اور مظالم کے خلاف ایک نظم لکھی جس نے

بڑی قبولیت حاصل کی ۔

شعر گوئی کی وجہ سے اس کو جلسوں میں بلایا جانے لگا جہاں وہ نظمیں پڑھتا اور تقریریں کرتا جس سے حضار مجلس اس سے مانوس ہونے لگے اور اس کے جذبۂ حریت کی قدر کرنے لگے۔ پھر تو ہر بڑے اجتماع میں اس کی پرسش ہونے لگی ۔

اتاترک مغربی دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو چکا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ غیر ملکی طاقتیں کس طرح ترکی کی اندرونی سیاست پر حاوی ہو کر اسے کچل دینا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں خارجی طاقتوں کے خلاف زبردست نعرہ لگایا کہ :۔

"ترکی ترکوں کے لئے ہے"

عامۃ الناس نے اس جوان العمر طالب علم کی اس جذبۂ حریت خود اختیاری کو سراہا اور اس کو اپنانا چاہا۔ یہی وہ وقت تھا کہ سلطان عبدالحمید کی خود سرانہ پالیسی کی وجہ سے دول یورپ فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ اُن کی شہ پر یونانی ترکوں کو کمزور و نحیف سمجھ کر جزیرہ کریٹ کے الحاق کا مطالبہ کر بیٹھے اور اس پر غاصبانہ قبضہ جمانے کے لئے اپنی عسکری قوت کو کریٹ کی طرف دھکیل دیا۔ کمال پاشا ان دنوں مناستر کے فوجی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ نام نہاد ترکی حکومت دول یورپ کے متعلق اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ یہ متمدن ممالک یونان کے اس وحشیانہ اقدام کی مذمت کریں گے ۔ مگر اہل یورپ کے ضمیر میں رواداری کا عنصر یکسر مفقود ہے ۔ یہ شریف صورت حکمراں قطاع الطریق سے بھی بڑھ کر تھے۔ چنانچہ اس حکمران جرگہ (دول یورپ) نے یونان کے اس انسانیت سوز فعل کی مذمت کرنے کی بجائے اس کی تائید و حمایت کی ۔ دول مغرب خود اس بہانہ سے ترکی کے حصے بخرے کرنے پر تیار تھے اور ترکی کے خرمن نظم کو تباہ کرنے کے لئے انہیں ایک چنگاری اس موقعہ پر ہاتھ لگی تھی ۔

یونان اپنی پوری قوت سے ترکی علاقہ میں آکودا اور کشت وخون کے دریا بہانے لگا۔ بوڑھے، بچے عورتیں تہ تیغ کرتے ہوئے قلمرو عثمانیہ میں یونان بڑھ رہا تھا۔ سلطان عبدالحمید بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اور اُس نے ایک مسلح فوج یونانی سپاہ کے مقابلہ پر روانہ کی۔ مناستر کے فوجی کالج کے طلباء محاذِ جنگ پر خود جانے کو آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ یہ طلباء بھی بھیج دیئے گئے۔ ان میں سب کا سرگروہ مصطفےٰ کمال تھا۔ یہ جماعت کریٹ پہنچی۔ کمال نے میدانِ حرب کا نقشہ دیکھا اور یونانی سپاہ پر ترکی فوج کو لے کر آپڑا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے کمال مناستر لوٹ آیا۔ حربی کالج کے ذمہ دار ارکان نے مصطفےٰ کی سفارش کی اور اس کو قسطنطنیہ کے جامعہ حربیہ میں داخل کرادیا گیا۔

کمال کی شہرت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ سلطان نے بھی اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ مگر کمال اپنے انقلابی خیال میں محو تھا۔ اتفاقیہ اس زمانہ میں ترکی کے آتش قلم مصنف نامق کمال کی کتاب "وطن" مصطفےٰ کمال کو مل گئی۔ یہ کتاب حریت و آزادی کے موضوع پر دل سوز ڈرامہ تھا۔ نامق "وطن" کی وجہ سے موردِ قہر سلطانی ہوا اور جان بچا کر لندن چلتا ہوا۔ "وطن" ضبط کر لی گئی اور جس شخص پر اس کے مطالعہ کا شبہ ہوتا وہ قتل کیا جاتا یا غرق بحر باسفورس کردیا جاتا۔

کمال نے "وطن" کا غائر مطالعہ کیا جس سے سلطانی حکومت کے خلاف شدید جذبۂ تنفر پیدا ہوگیا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے جامعہ حربیہ کو خیرباد کہا اور فوجی افسروں کے کالج میں داخل ہوگیا۔ یہاں کمال لفٹنٹ کے عہدہ پر فائز ہوا۔ مگر جہاں فنونِ حرب سے واقف ہورہا تھا اپنے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ طلباء خلیفہ کی مطلق العنانی اور شاہانہ اختیارات پر باہمی کڑی نکتہ چینی کیا کرتے۔ بابِ عالی کو خبر لگی جس پر کمال اور ان کے ساتھی سپاہی شکنجہ میں کس دیئے گئے۔ جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا

کمال نے اپنا مقدمہ خود لڑا اور جو بحث کی اور دورانِ تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا، جج اور جیوری نے بے حد اثر لیا اور اُن کو چھوڑنا پڑا۔

مصطفےٰ نے انقلابی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ہم خیال صدہا بن گئے۔

انجمن وطن مصطفےٰ کے ہم جماعت فوجی افسر تھے اور ان پر انقلابی رنگ چڑھ چکا تھا۔ باہمی مشورہ سے انجمنِ وطن کی تشکیل بروئے عمل آئی۔ اس انجمن کا قائد خود مصطفےٰ کمال تھا۔

انجمن وطن کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ سلطان عبدالحمید کے وسیع اختیارات محدود کر کے پارلیمنٹ قائم کی جائے جو ملک کا نظم ونسق چلائے۔

انجمن کے زیرِاہتمام جلسے کئے جانے لگے اور انجمن کی کارگذاری کی اشاعت کے لئے "حریت" نامی اخبار نکالا گیا جس کا چیف ایڈیٹر کمال پاشا تھا۔ یہ اخبار ہاتھ سے لکھا جاتا اور بارسوخ حضرات کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔

حریت کے مقالات نے ایک زبردست تحریک انقلاب ترکی میں پیدا کر دی۔ اور بے شمار ترک خفیہ خفیہ ہی انجمن وطن کے ممبر بن گئے۔

سلطان کے جاسوسوں نے خلیفہ عبدالحمید کے پاس حریت کی کارگزاری مفصل رپورٹ کی صورت سے پیش کی۔ سلطان گھبرا گئے۔ فوجی کالج کے افسرِ اعلیٰ پرنسپل رضا پاشا تھے اور ڈائرکٹر اسمٰعیل حقی پاشا ان کو باغیانہ خیالات کا پتہ لگ چکا تھا۔ سلطان کی طلبی پر ہر دو حاضر ہوئے۔ اسمٰعیل پاشا نے رضا پاشا سے کہا کہ سلطان معظم نے پرنسپل حربیہ کالج کو اس لئے طلب کیا ہے کہ افسرانِ فوج میں سلطان کے خلاف بغاوت پھیلائی جارہی ہے۔

رضا پاشا نے اسمٰعیل حقی کو مُنہ توڑ جواب دیا کہ وہ خاموش ہو گیا۔ سلطان بھی مطمئن ہو گیا مگر حقی پاشا خود کالج میں گیا اور حریت کے ایڈیٹر کی تلاش میں لگا رہا مگر پتہ نہ لگ سکا۔ کچھ عرصہ بعد رضا پاشا ایسے وقت پہنچا کہ کمال اور

اس کے ساتھی حریت کے لکھنے میں مشغول تھے مگر رضا نے کچھ نہ کہا۔ البتہ کمال اور اس کے ساتھیوں پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ فوجی سرحد سے باہر نہ جائیں۔ مگر کچھ دن بعد یہ پابندی ان سے اُٹھا لی گئی۔

مصطفےٰ کمال کی فوجی کالج کی تعلیم ختم ہوئی اور ان کو "یوز باشی" کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اب اس کی رہائش قسطنطنیہ کے ایک محلہ اسلام بول میں تھی۔

جمعیت حُریت انجمن وطن کا نام جمعیت حریت رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں کمال کی فتحی بے سے ملاقات ہوئی جو پرانا رفیق تھا۔ انور بے اور روسی سفیر کو وجاف کی لڑکی سے ملنا ہوا۔ تبادلۂ خیال ہوا۔ باب عالی نے مصطفےٰ کمال کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ جمعیت وطن کے دیگر ارکان بھی معہ کمال کے گرفتار کر لئے گئے۔

انجمن وطن ایک طرف سیاسی سرگرمی کا مرکز بنی ہوئی تھی، دوسری طرف نوجوان ترک نے ایک انجمن کی تشکیل کی جس کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا۔ اس کے رکن انور بے جمال پاشا، طلعت بے نیازی بے تھا، اس کا مرکز سالونیکا تھا۔[1] انور بے اس جماعت کا قائد تھا۔ کمال نے بھی اس سے تعلق پیدا کر لیا۔ کیونکہ یہ جماعت بھی وہی کام انجام دینا چاہتی تھی جس میں کمال سرگرم سعی تھا۔ مگر کمال نے جو اپنی ہمنوا جماعت میں انقلابی روح پھونک دی تھی کمال کی گرفتاری سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اُس کی شاخیں تمام مملکت میں قائم ہو گئیں۔

انجمن اتحاد ترقی کے لوگ اب تک گرفتاری سے بچے ہوئے تھے انھوں نے اپنے دائرے کو بھی وسیع کرنا شروع کر دیا۔

سلطان نے انجمن وطن کو خلافِ قانون قرار دے کر بے شمار فوجی افسروں کو بلا مقدمہ چلائے جیلوں میں قید کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور سے سلطان

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ صفحہ ۴۶۲۔

کے خلاف منچلے نوجوان میدانِ سیاست میں نکل کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید باجبروت بادشاہ تھا۔ رجعت پسندوں کی قوت کے زور پر عوام کے جذبات کو ٹھکرا دیتا تھا۔ باوجودیکہ حکومت کے شیرازہ نظم ونسق میں پراگندگی بڑھ رہی تھی اور عمّالِ حکومت ظلم وجور عوام پر کر رہے تھے۔ مگر بابِ عالی کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ وہ اپنی استبدادی طاقت سے انقلابیوں کے کچلنے میں منہمک تھا۔ ان واقعات نے انجمن اتحاد وترقی کی سرگرمی کو دوبالا کر دیا۔ اس جگہ ہم مختصر تاریخ انجمن کی بیان کئے دیتے ہیں۔

عثمانیہ انجمن اتحاد ترقی

سلطان عبدالحمید نے مدحت پاشا کو قتل کرا کر اپنے زعمِ باطل میں دستوری حکومت کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا تھا۔ ادھر محبِ وطن ترک مدحت پاشا کے ہمنوا یورپین ممالک میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں سلطان نے دستورِ اساسی کو معطل کیا۔ بارہ[۱۲] برس بعد ۱۸۹۱ء میں جینوا میں نوجوان ترک جو یہاں جلاوطن ہوئے پڑے تھے حکومتِ ترکیہ کے استبداد سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جو آگے چل کر عثمانی انجمن اتحاد وترقی کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔

اس انجمن کا اس وقت یہ مقصد تھا کہ ترکی حکومت اور سلطان پر دباؤ ڈال کر ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ جب اس انجمن کے ممبران کی تعداد بڑھ گئی اور جلاوطن ترک دُور دراز سے آ کر شامل ہونے لگے تو اس کا دفتر پیرس منتقل کر دیا گیا اور اس کی شاخیں لندن اور دوسرے یورپین دارالحکومتوں میں قائم کر دی گئیں۔

سلطان نے نوجوان ترکوں کی سیاسی سرگرمی سے مطلع ہو کر عثمانی سفیر مقیم پیرس کو ہدایت کی کہ وہ انجمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھے۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ سے جاسوس روانہ کئے گئے اور مقامی نوجوانوں پر کڑی نگرانی جو ہوئی تو وہ ترکِ وطن کر کے پیرس پہنچ گئے۔

انجمن نے اخبار "مشورت" جاری کیا اور متعدد رسائل پیرس سے شائع کئے۔ ان میں دورِ حمیدی کے مظالم بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے اور سلطان کے معزول کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ اخبار و رسائل خفیہ طور سے دارالخلافہ پہنچتے اور تقسیم ہوتے۔ باغیانہ پوسٹر قصر یلدیز پر لگائے جاتے۔

غیر اسلامی انجمنوں سے تعاون نوجوان ترکوں نے ارمنی، بلغاری اور دوسرے غیر مسلم انقلابی انجمنوں سے جو پیرس میں تھیں اتحادِ عمل کیا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کو بھی ہمنوا بنا لیا۔ دسمبر ۱۹۰۷ء میں سلطنتِ عثمانیہ کے انقلابیوں کی ایک کانگرس احمد رضا بے کی زیرِ صدارت پیرس میں منعقد ہوئی جس میں عثمانی انجمن اتحاد و ترقی ارمنی، بلغاری، یہودی عرب، البانی اور دوسری کمیٹیاں شریک ہوئیں۔ تمام مندوبین نے ذیل کے امور کو باتفاق رائے قبول کیا۔

۱۔ سلطان کو معزول کیا جائے۔

۲۔ سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کا تحفظ کیا جائے۔

۳۔ قانون کی نگاہ میں تمام نسلوں اور مذہبوں کو کامل مساوات حاصل ہو۔

۴۔ مدحت پاشا مرحوم کے دستورِ اساسی کی بنیاد پر دستوری حکومت قائم کی جائے۔

یہ شخصی حکومت کے خلاف انقلابی تحریک تھی۔ حقیقتاً نوجوان ترکوں کا یہ بڑا کارنامہ تھا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ غرضیکہ اس تحریک میں بڑے بڑے فوجی افسر شریک ہو گئے۔ یہ انجمن کچھ عرصہ تک مصر میں بھی رہی تھی۔ پھر ۱۹۰۴ء میں مقدونیہ کے مرکزی مقام سالونیکا میں اس کا دفتر منتقل کر دیا گیا تھا۔ ابتدائی دور میں اس کے ممبر ہوٹلوں، قہوہ خانوں میں بیٹھ کر اپنے خیالات کی اشاعت کیا کرتے۔ جو شخص شریک ہوتا اس کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر رات کی تاریکی میں ایسی جگہ لے جاتے جہاں چند نقاب پوش تلوار اور پستول سے مسلح ہوتے۔

وہاں پر اس ممبر سے قرآن مجید ہاتھ میں دے کر مندرجہ ذیل حلف لیا جاتا :۔

"میں آج سے خداوند کریم کی عبودیت، اس کے عدل، رحم اور قوانین اخوت و مساوات کے احترام و تقلید میں بنی نوع انسان کے حقوق آزادی کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آج سے میری جان، مال اور زندگی کی مختار انجمن اتحاد و ترقی ہے۔ انجمن مذکور ملک کو ظلم و استبداد سے نجات دلانے کے لئے جو تحریک چلائے گی میں اس میں بصدقِ دل شریک ہوں گا اور ہر قسم کی قربانی کروں گا۔

اگر میں اس جماعت کے پروگرام سے انحراف کروں تو مجھ پر قدرت کی بھیانک لعنتیں وارد ہوں۔ نیز اس صورت میں انجمن کو میرے قتل کا اختیار ہوگا۔"[1]

نئے ممبر سے کہہ دیا جاتا کہ انکشافِ راز پر اس کی جان خطرہ میں ہے اور اگر وہ سلطان کے پہلو میں بھی ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی ممبر عہد کے خلاف کرتا تو اس کو ممبر کرنے والا گولی سے ہلاک کر دیتا۔

انجمن وطن کے ارکان نے اس انجمن کے کاموں کو بھی سراہا اور ہر قسم کی امداد دینی شروع کر دی۔

انجمن کے ارکان میں حسبِ ذیل حضرات نمایاں نظر آتے ہیں :۔

نیازی بے۔ نورالدین پاشا۔ غازی محمود شوکت پاشا۔ انور بے۔ طلعت بے۔ حقی بے۔ دید بے۔ عزیز بے۔ فتحی بے۔ حاجی عادل بے جمال۔ سعید بک۔ رؤف بے۔

دستور اِن تربیت نوازوں نے مدحت پاشا کے دستور کو پھر سلطان سے منوانا چاہا۔ مگر سلطان اپنے جبروت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مدحت پاشا

---

[1] تاریخ انقلاب ترکی ص ۱۷۔

نے جیل میں ایک وصیت نامہ قوم کے نام لکھا تھا وہ سعید بک اڑا لایا اور انجمن کے جلسہ میں وہ پڑھا گیا جس نے نوجوان ترکوں میں خونخواری پیدا کر دی۔ سلطان کیخلاف ہر ایک کے دل میں جذبات موجزن ہونے لگے۔

صدر مجلس چاہتا تھا کہ بغیر خون خرابے کے دستوری حکومت قائم ہو اور خلیفہ کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ جدید اصلاحات نافذ کرے مگر انور بے نے مجلس کو مخاطب کر کے کہا:۔

"دستور صلح صفائی سے کبھی نہیں مل سکتا اور نہ ہم کو سلطان عبدالحمید پر اعتبار رہے۔ ہمارا مطالبہ اب تلوار کی طاقت کا کھیل دیکھ کر رہے گا۔ کیونکہ زمانہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ بغیر قتل و خون کے آج تک کسی حکومت میں بھی انقلاب رونما نہیں ہو سکا۔ اس لئے ہمیں سلطانی ظالمانہ حکومت کے خلاف اپنی ہر طاقت کو میدان جنگ میں دھکیل دینا چاہیئے اور آج سے انجمن کے قوانین میں اس قانون کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ جو شخص خواہ کتنا ہی بڑا سرکاری افسر ہو کر جمن کے خلاف اظہار رائے کرے اس کو فوراً تہ تیغ کر دیا جائے۔"

دستور کی طلبی آخر کار بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ تین سال بعد موسم بہار میں دستور طلب کیا جائے اور اگر سلطان بخوشی رضامند نہ ہو تو طاقت کے زور سے سلطان کو معزول کر دیا جائے۔ اس جلسہ کے بعد سے اس کی ممبران سرگرمی سے دستور جاری کرانے کے لئے اشتہارات اور تقریروں کے ذریعے فکر جمہور کو بیدار کرنے لگے۔ خلیفہ کو جاسوسوں کے ذریعے انجمن کی سرگرمی کا علم ہوا اس نے ناظم پاشا سپہ سالار سالونیکا کو حکم بھیجا کہ ممبران انجمن کو گرفتار کر کے سخت سزا دو۔ یہ خبر انجمن کے ارکان کو ملی۔ انور بے کے ایماء پر ایک شخص ناظم پاشا کے قتل پر مقرر کر دیا گیا۔ مصطفےٰ کمال بھی گرفتاری سے آزاد ہو کر انجمن کے کاموں میں عملی حصہ لینے لگا مگر خفیہ طور سے، کیونکہ وہ پھر حکومت کا فوجی عہدیدار بنا دیا گیا تھا

قیامِ حکومت دستوریہ ۱۹۰۷ء کے اخیر میں مرکزی حکومت کے انتشار اور ملک کی باغیانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر سرحد کے بلغاری اور البانی قبائل نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لئے میجر نیازی بے کو مقرر کیا۔ نیازی بے نے اپنی حکمتِ عملی سے شورش کو دبا دیا۔ اسی دوران میں دول یورپ نے مقدونیہ کو حکومتِ ترکی سے علیحدہ کرنے کی سازش کی تو نیازی بے نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور مصطفیٰ کمال اور انور بے کو کہلا بھیجا کہ اس وقت انجمن دستور کا مطالبہ فوراً کرایا جائے۔ کامیابی یقینی ہے اگر سلطان نے قیامِ دستور میں حیل حجت کی تو سرحدی قبائل کو دوبارہ بغاوت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

یہی رائے مناستر کی مرکزی کمیٹی کو بھیج دی گئی۔ ۲۸ر جون ۱۹۰۸ء کو جمال پاشا کے ایماء پر انجمن کا خفیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں نیازی بے کے مشورہ کے مطابق انجمن نے فیصلہ کیا کہ ۱۹۱۰ء کے بجائے ابھی حصولِ دستور کے لئے اعلانِ بغاوت کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ سالونیکا کے صدر دفتر بھیج دیا گیا۔

انور بے اور سالونیکا کی مرکزی انجمن نے عام بغاوت کا فیصلہ کر دیا۔ نیازی بے اور مصطفیٰ کمال کو مطلع کر دیا گیا۔ آخرش نیازی بے نے علَمِ بغاوت بلند کر دیا اور مختلف زبانوں میں یہ اشتہار شائع کیا اور سلطان اور کمانڈر انچیف، جنرل انسپکٹر اور میجر فوج کو بھی باضابطہ اطلاع بھیج دی گئی۔

اشتہار

"انجمن اتحاد و ترقی کے فیصلہ کے مطابق ہم خلیفۃ المسلمین سے دستوری نظامِ حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر آئینی حکومت قائم ہو گئی تو بیشمار شکایات کے باوجود سلطان المعظم کی ذات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا جائے گا ورنہ قوم اپنے حقوق کی خاطر اپنی ہر قوت سے کام لے گی۔"

ادھر نیازی بے نے قبائل کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور جب بے شمار لوگ اس باغیانہ جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو حکومت کو خبر لگی۔ اُس نے اُن کے مقابلہ پر فوج ترکی روانہ کی۔ خلیفہ کی فوج جب نیازی بے سے معرکہ آرا ہوئی تو بے شمار سپاہی ہلاک ہوئے اور سلطانی عسکر کے بے شمار فوجی نیازی بے کے ساتھ شامل ہو گئے جو بھاگے انہوں نے سلطان عبدالحمید کو بتایا کہ باغی کسی معمولی طاقت سے مغلوب نہیں ہو سکتے وہ بے حد طاقتور ہیں۔

ادھر کامرانی کے بعد نیازی بے نے سرحدی قبائل میں دورہ کیا۔ رستہ کے تمام علاقہ کو ہمنوا بنا لیا اور اپنا سلسلہ خبر رسانی قائم کر لیا۔

انور بے نے اپنے حلقۂ اثر میں سلطانی حکومت کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا۔ مصطفےٰ کمال گو سرکاری آدمی اس وقت تھا مگر وہ ایک طرف سلطان کو سمجھاتا کہ دستوری حکومت کے مطالبہ کو مان لے۔ دوسری طرف انجمن کو مشورہ دیتا رہتا کہ اب سلطان کمزور پڑتا جا رہا ہے، سرگرمی کو اور تیز کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ روپیہ، سامان حرب، رضا کار خفیہ انجمن کو بھیج رہا تھا۔

سلطان نے سپہ سالار شمسی پاشا کو مناستر بھیجا کہ وہ حکومت کے باغیوں کو ٹھکانے لگا دے۔ شمسی پاشا نے مناستر میں آکر ۷ رجولائی ۱۹۰۸ء کو انور بے کو بُلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے بتا دیا کہ تم کیونکہ حکومت کی پشت گیری کر رہے ہو اس لئے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو لو۔ اور انور بے یہ کہہ کر چلا آیا اور ایک شخص شمسی پاشا کے قتل پر مقرر کر دیا گیا۔

چنانچہ شمسی پاشا مناستر کے تار گھر سے لوٹ رہا تھا کہ ایک گولی کے نشانہ سے ختم ہو گیا۔ خلیفہ کو خبر ہو گئی وفادار حکومت ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اس نے عثمان پاشا کو مناستر بھیجا۔ نیازی بے کو انجمن کا حکم پہنچا کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا خیمہ میں پڑے سو رہے تھے، نیازی بے نے خیمہ میں آکر تلوار کی نوک سے اسے جگایا اور مناستر کمیٹی کا خط اس کے ہاتھ میں دے دیا

جس میں درج تھا :-

"آپ کا کام آپ کے پاکیزہ خیالات کے برعکس ہے۔ اگر آپ اس کو پائیہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوجائیں تو ملک کے مفاد کو عظیم نقصان ہوگا۔ عنقریب ملک میں جمہوری حکومت قائم ہونے والی ہے جس کے نظم ونسق کے لئے آپ کے مفید مشوروں کی ضرورت ہے۔ اس لئے انجمن آپ کو حکومت سے علیحدہ کر کے چند روز کے لئے بطور مہمان اپنے پاس رکھے گی "

سلطان کو ان دو حادثوں نے بوکھلا دیا تو انور بے کو مشورہ کے لئے بلوایا۔ مگر وہ اس چال کو سمجھ گیا اور مناستر کے پہاڑی علاقے میں جا کر تحریک بغاوت میں لگ گیا۔

غرضیکہ سالونیکا، ایڈریانوپل، بخترس، مناستر، رسنہ، سرحدی مقامات بغاوت کی لپیٹ میں تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ سکنڈ آرمی کو رداور سمرنا کی افواج نے انور بے اور دیگر ارکانِ انجمن کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر قصر یلدیز میں وزراء اور اعیانِ سلطنت کی مجلسِ مشاورت منعقد کی۔ مصطفےٰ کمال بھی فوجی عہدیدار کی حیثیت سے شاملِ مجلس تھے۔

مصطفےٰ نے علانیہ مجلس میں کہا کہ موجودہ بغاوت فرو کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صرف "اعلانِ جمہوریت کر دیا جائے"۔ لیکن وزراء اور اعیانِ سلطنت اعلانِ دستور سے ہچکچا رہے تھے۔

مصطفےٰ کمال نے یہاں کا رنگ دیکھ کر انجمن کو اطلاع کر دی کہ "تم فوراً جمہوریت کا اعلان کر دو "۔

قیامِ جمہوریت انجمن کے تمام سرکردہ افراد سالونیکا میں جمع ہوئے اور پارلیمان کے قیام کے لئے سلطان کو مراسلہ روانہ کیا۔

اس کے بعد مصطفےٰ کمال کے ایماء پر مناستر کی انجمن نے نیازی بے کی قیادت

میں اعلانِ جمہوریت کر دیا۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۰۸ء کو جدید نظام حکومت پر عمل شروع ہو گیا۔ حلمی پاشا کو جو حکومت کی طرف سے مناستر کا حاکم تھا، مناستر کا گورنر مقرر کیا گیا مگر وہ تیار نہ ہوا تو اس کو موت کا پیغام دیا گیا کہ گورنر بنے یا موت قبول کرے۔ حلمی پاشا نے قسطنطنیہ تار بھیجا۔ چنانچہ سلطان نے ۲۴ر جولائی کو بعد مجبوری جمہوریت کے نفاذ کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ابھی نئے نظام کی رسمِ حلف باقی تھی۔

سالونیکا جمہوریت کا صدر مقام تھا۔ تمام انقلابی ملک کے گوشہ گوشہ سے نکل کر مقدونیہ میں جمع ہو گئے اور سلطان کے ہمنوا گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے۔ سلطان اس پر بھی وقت گزاری کر رہا تھا۔ باغیوں کی سپاہ نے قصر یلدیز کا محاصرہ کر لیا اور ارکینِ انجمن نے شیخ الاسلام کے ہمراہ فرمانِ شاہی پر سلطان کے دستخط کرائے اور ملک میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہو گئی۔ سعد پاشا نے جدید وزارت مرتب کی۔

اس انقلابِ حکومت کے ساتھ انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔ نیازی بے مستعفی ہو گیا۔ انور بے فوجی سفیر کی حیثیت سے برلن چلا گیا۔ حقی بے وائنا میں اقامت پذیر ہوا۔ اب صرف کمال رہ گیا تھا۔

دولِ مغرب کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا منظور تھا۔ چنانچہ آسٹریا اور ہنگری نے بوسینا اور ہرزیگونیا اور مانٹی نیگرو نے سربیا کے الحاق کا مطالبہ کر دیا۔ یونان جزیرہ کریٹ پر ظلم وجور کے ساتھ قبضہ کر بیٹھا۔ شہزادہ فرڈی نینڈ نے بلغاریہ میں بغاوت کر دی۔ سرویہ خودمختاری کا دعویٰ کرنے لگا۔ غرضیکہ ترکی حکومت کے خلاف ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ ادھر اربابِ جمہوریت اور سلطان ایک دوسرے کو زیر کرنے کے دَر پے تھے۔

آخرش سلطان نے رجعت پسند عنصر سے ساز باز کر کے پارلیمان کو اپاہج کر دیا اور تمام شورشوں کا ذمہ دار انجمن اتحاد وترقی کو ٹھہرایا۔ پھر تو شاہ پسند جمہوریت کو کچل دینے پر پوری طرح تیار ہو گئے اور مذہب کی آڑ لے کر نوجوان

ترکوں کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔

ابھی بلقانی جھگڑا طے نہ ہوا تھا مغربی شاطر نے اٹلی کا سیاسی مُہرا آگے بڑھا دیا۔ اُس نے طرابلس پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی۔ دولتِ عثمانیہ نے بلقانی ریاستوں سے نذرِ نقد لے کر ان کے دعوے تسلیم کر لئے۔

معزولی سلطان

سلطان مجلس مبعوثان قائم کرنے کے بعد پھر ملک میں شورش بپا کرا کر اس کو توڑنے کی مخفی تدبیریں کرنے لگا۔ چنانچہ اس کے اشارے سے فوج کے بعض حصے ۱۳۲۸ھ میں شریعت کے نام سے دستور کی مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور آستانہ میں انجمن اتحاد و ترقی کے چند ارکان کو قتل کر ڈالا۔

مصطفےٰ کمال نے طرابلس کا رُخ کیا۔ کیونکہ یہ حکومتِ ترکیہ کے زیرِ فرمان تھا۔ اطالوی سیاست داں نے عربوں اور ترکوں کے درمیان منافرت پھیلانے کے لئے روپیہ اور پروپیگنڈہ سے کام لیا۔ مصطفےٰ نے طرابلس میں پہنچ کر عربوں کے رہنما شیخ احمد بن سید محمد شریف سنوسی الخطابی سے ملاقات کی۔ بدوی عربوں کی فوجی تنظیم کے لئے کالج کھولے اور اطالوی پراپیگنڈے کو ہوا میں اُڑا دیا۔

ادھر سلطان اوچھے ہتھیار سے کام لینے لگا۔ انجمن کے ارکان میدان سے ہٹ گئے تھے۔

شخصیت و جمہوریت کی کشمکش

لیبر یونین اور جمعیت محمدیہ کے نام بدل کر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئے۔ جمعیت محمدیہ نے مذہب کی آڑ میں انجمن اتحاد و ترقی کے افراد پر منافرت کا فتویٰ صادر کرا دیا۔

۱۳/ اپریل ۱۹۰۹ء کو بیس ہزار شاہ پسندوں نے انجمن کے خلاف مظاہرہ کیا کہ دستوری حکومت توڑ دی جائے۔ مختار پاشا نے اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی۔ مگر وہ سلطانی سازشوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ آخرش جمہوریت کے بجائے

پھر شخصی حکومت قائم ہو گئی۔ ناظم پاشا وزیر حرب نے قسطنطنیہ میں کرفیو آرڈر جاری کر دیا۔ انجمن کے ارکان اس واقعہ سے چلتے بنے۔

سعد پاشا کی جگہ یہودی النسل کامل پاشا وزارتِ عظمیٰ پر سرفراز کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کو طرابلس میں جمہوریت کے خاتمہ کی خبر لگی۔ وہ قسطنطنیہ خفیہ طور سے آیا۔ یہاں نظام بگڑا ہوا تھا۔ انجمن کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مگر مصطفیٰ کمال ہاری ہوئی بازی کو پھر جیتنا چاہتا تھا۔ چنانچہ تقریروں سے نوجوانوں میں انقلابی اُمنگ پھر پیدا کر دی۔ تھوڑے عرصہ میں یہ جماعت عوام کے توجہات کا مرکز بن گئی۔ یہ ینگ ٹرکش پارٹی کے نام سے پکاری جانے لگی۔ اس کا قائد خود مصطفیٰ کمال تھا۔

اس پارٹی نے ناظم پاشا وزیر جنگ کی برطرفی کا مطالبہ کیا لیکن وزارتِ عظمیٰ خاموش رہی۔ اس رنگ کو دیکھ کر ایک فوجی دستہ ایوانِ وزارت کے سامنے نمودار ہوا۔ "کامل پاشا مردہ باد" اور "وزیر اعظم کو برطرف کرو" کے نعرے لگانے لگا۔ یہ کامل پاشا برطانیہ کا ہوا خواہ تھا۔ آخرش اس کو وزارت سے ہٹنا پڑا۔ اس کی جگہ مصطفیٰ کمال کا دوست حسین حلمی پاشا[1] وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

سلطان کو خیال گزرا شہزادہ یوسف عزالدین کو انقلابی جماعت سلطان بنانا چاہتی ہے۔ اس کو محل میں مروا ڈالا اور فوج کو بلا کر اس کا جلوس نکلوایا۔ جس نے حلمی پاشا کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگا دیئے۔ آخرش حلمی پاشا نے وزارت چھوڑ دی۔ مشہور شاہ پرست ادہم پاشا وزیر مقرر ہوا۔ ینگ ٹرکش پارٹی کو شکست ہوئی۔ بے شمار ترک گرفتار ہوئے۔ حکومت پر تنقید کرنا ایک سیاسی جرم قرار پایا۔ اور مشہور انقلابی ایڈیٹر "دطنین" کو برسرِ عام تختہ دار پر لٹکا دیا۔ کیونکہ اس نے دستور کی حمایت میں مضامین لکھے تھے۔

ان واقعات سے مصطفیٰ کمال نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا اور سالونیکا پہنچا۔

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۳۶۴۔

وہاں نیازی بے بھی آگئے اور منتشر افرادِ انجمن یہاں مجتمع ہوئے اور قسطنطنیہ کے حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ سلطان کو یہاں کے حالات کا علم ہوا تو خوف زدہ ہو گیا اور سالونیکا برقیہ بھیجا کہ حکومت دستوری نظام پسند کرتی ہے اور اس کے قوانین کی پابندی کی جائے گی مگر ارکانِ انجمن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ :-

"شاہ پرستوں کو پہلے ختم کیا جائے گا پھر سلطان سے دو دو ہاتھ ہونگے۔"

غرضیکہ سلطان پر حملہ کا پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔ تھرڈ آرمی کور محمود شوکت پاشا کے زیر کمان دی گئی جس کا قائد عسکر خود مصطفےٰ کمال تھا۔ غازی طلعت پاشا اور عزیز بے محمود شوکت کے ماتحت تھے۔ نیازی بے مناستر کی افواج کا سپہ سالار بنایا گیا۔ انور بے نیازی کے ہمدوش تھے۔

۱۲؍اپریل ۱۹۰۹ء کو سامان حرب و رسد کے ساتھ مصطفےٰ کمال سالونیکا کی فوج کولے کر دارالخلافت کی طرف روانہ ہوا۔ نیازی بے بھی مناستر سے روانہ ہو گئے۔

مصطفےٰ کمال اور محمود شوکت نے ایک دن میں اسّی میل مسافت طے کی۔ شتلجہ کے مقام پر سلطانی سپاہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ مگر گھونگھٹ کھا گئی۔ مصطفےٰ شتلجہ پر متصرف ہو گیا۔ غرضیکہ اب قسطنطنیہ چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ ۲۴؍اپریل ۱۹۰۹ء کو مقدونیہ کی فوج شہر میں داخل ہوئی۔ شاخ نذریں کے قریب سلطانی فوج سے جھڑپ ہو گئی۔

آخر شِ طاش، قشلا بت تک پہنچ گئے تو بقیہ سلطانی فوج نے گولے برسانے شروع کئے۔ انور بے نے بھی حکم دے دیا کہ انقلابی فوج گولے کا جواب گولے سے دے۔ چنانچہ سلطانی فوج نے نقصان اٹھا کر صلح کا جھنڈا لہرا دیا۔ پھر بابِ عالی تک پہنچ کر قصر یلدیز کا محاصرہ کر لیا۔

مصطفےٰ کمال نے شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کیا کہ

"ظالم سلطان جو بے گناہ رعایا کا قاتل ہو اور انہیں جلاوطنی، غرقابی،

اور قید کی سخت سزائیں دے۔ ملک کو تباہی کے غار کی طرف دھکیلے
شریعت کی رُو سے اس کے لئے کیا حکم ہے ؟"

شیخ الاسلام نے حکم دیا کہ :-

"شریعت کی رُو سے ایسے سلطان کو معزول کر دینا چاہیئے"

۲۷ راپریل کو سعید حلیم پاشا کی صدارت میں تمام انقلابی جمع ہوئے اور ۲۸ راپریل کو نصف شب کے قریب اسد پاشا، عارف پاشا، اہرن آفندی، کراسو آفندی اور چند خواجہ سراؤں اور فوجی افسروں کی معیت میں انقلابی محل میں گئے۔ سلطان کے فرزند عبدالرحیم نے آنے والوں کا خیر مقدم کیا۔ سلطان شب خوابی کے لباس میں ظاہر ہُوا۔ دبے لہجہ میں بولا "امید ہے آپ سب بخیریت ہوں گے"

اسد پاشا نے کہا۔ خدا کا فضل شاملِ حال ہے۔ سلطان بولا۔ قوم نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟ مَیں نے تو جمہوریت کی پابندی کے لئے یقین دلایا تھا۔ اُسے کیوں منظور نہیں کیا گیا۔ کیا اب کوئی اور نظام پسند آگیا ہے۔ بہرحال مَیں اس کے لئے بھی تیار ہوں"

قائد حریت بولا۔ ہم قوم کا فیصلہ اور شیخ الاسلام کا فتویٰ لے کر آئے ہیں۔ سلطان نے کہا کیا فیصلہ ہے ؟ اسد پاشا نے کاغذ سلطان کے ہاتھ میں دیدیا۔ سلطان نے اس کو پڑھا، متحیر رہ گیا۔ بولا۔ میری زندگی۔ جواب ملا محفوظ ہے۔ سلطان نے کہا میری خواہش ہے کہ مع ملکہ کے قصر چراغاں میں مقیم رہوں۔ مگر ممبرانِ انجمن نے حکم نافذ کر دیا کہ عبدالحمید سالونیکا میں جلاوطن کر دیا جائے۔ چنانچہ وہیں قصر الجیش میں نو برس تک زندہ رہ کر ۱۱ر فروری ۱۹۱۸ء میں فوت ہُوا۔

سلطان محمد خامس

نام ونسب | محمد رشاد بن عبدالمجید۔

سلطان عبدالحمید کے معزول کیئے جانے کے بعد اُن کے بھائی محمد رشاد کو سلطان محمد خامس کے لقب سے ۳۰ر اپریل ۱۹۰۹ء، مطابق ۱۳۲۸ھ میں تخت پر بٹھلایا۔

خزانہ خالی، ملکی نظام ابتر، فوج بے سروسامان، گویا پارلیمان قائم ہوگئی۔ اور دستور کا اعلان کردیا گیا۔ انجمن اتحاد وترقی برسر اقتدار آگئی۔ مگر اس میں ہنوز اتنی قوت نہ تھی کہ خارجی طاقتوں کا مقابلہ کرسکتی۔ صوبائی نظام پراگندہ تھا اور اس پر دول یورپ کی ناپاک سازشیں جو ترکی کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

کوائف طرابلس | ترکوں کی زبوں حالی دیکھ کر دول یورپ کی شہ پر اطالیہ نے ۱۳۲۹ھ میں بلاکسی وجہ کے طرابلس غرب پر حملہ کر دیا۔ ۲۳ ہزار اطالوی فوج بحیرۂ روم کے جنوبی ساحل پر لنگر انداز ہوئی۔ اس وقت طرابلس میں نشاط بک ترکی گورنر تھا اور اس کے پاس صرف دس ہزار ترک تھے۔ اِدھر برطانیہ اور فرانس نے غیر جانبداری کا اعلان کر کے مصر اور افریقہ کے راستے ترکی امداد کے لئے مسدود کر دیئے۔

انور بے نے انجمن کے تمام ارکان کو جمع کیا اور یہ طے پایا کہ کسی نہ کسی صورت سے سپہ سالار اور ماہر حرب طرابلس پہنچ جائیں۔ چنانچہ انور بے وغیرہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد مصطفےٰ کمال بھی طرابلس آ گئے۔ عربوں کو ساتھ

لے کر اطالیہ کی اچھی طرح مرمت کر دی [1] مصطفےٰ کمال چاہتا تھا کہ جنگ کو طول دے کر اطالیہ کو مزہ چکھایا جائے۔

آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ بلقان میں ۷ راکتوبر ۱۹۱۲ء میں جنگ شروع ہو گئی۔ انور بے وغیرہ کو طرابلس چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا پڑا۔ عرب بے یار و مددگار رہ گئے اپنی بساط بھر اطالیوں سے لڑتے رہے اور آخر میں طرابلس اطالیہ کے قبضہ میں آگیا۔

مجاہد طرابلس امیر علی پاشا

امیر عبد القادر الجزائری کے خلف امیر علی پاشا تھے۔ اٹلی کے اعلانِ جنگ پر امیر موصوف شام میں مقیم تھے۔ انہوں نے سلطان المعظم سے طرابلس جانے کی اجازت چاہی اور درخواست میں لکھا:۔

"میرے والد مرحوم امیر عبد القادر نے فرانس کا تیس سال تک مقابلہ کیا تھا۔ یقین فرمائیے کہ کم از کم پندرہ سال تک تو میں طرابلس کی خاک کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا"

غرضیکہ سلطان نے استدعا قبول کی۔ یہ طرابلس پہنچے۔ مجاہدین میں ہمت و شجاعت کی حیات تازہ ہو گئی اور مجاہدین کے ساتھ معرکہ بن غازی میں شجاعت

---

[1] تفصیل یہ ہے کہ مصطفےٰ کمال نے ۳۰ راپریل ۱۹۱۲ء کو بنغازی جہاں اطالوی قابض تھے حملہ کر دیا۔ شیخ سنوسی کا فرزند اپنی عربی فوج لئے ہوئے کمال کے ساتھ تھا۔ سب سے قبل قلعہ "ٹ مہ" پر آتشباری کی اور جواب میں اطالیہ نے کوہ پیکر جہازوں سے گولہ باری کی۔ آخرش دشمن کو شکست ہوئی۔ پھر طبروق کو واپس لیا۔ واحۃ کفرہ، بیومار، قادر، واحۃ، طرابلس ہر جگہ اطالیوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ آخری جنگ کمال کرنا چاہتا تھا کہ انور بے نے روک دیا۔ ورنہ اطالوی کامیاب رہے۔ (انقلاب ترکی ص ۱۳۱)

وتہور کا ثبوت پیش کیا، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ امیر علی کے ساتھ اس معرکہ میں صرف تین سو مجاہدین تھے اور اٹلی کے سپاہی تین ہزار، جو تمام جدید آلاتِ حرب سے مسلح تھے۔

امیر علی اپنی مختصر سی طرابلسی جماعت سے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے اس کے تین حصے کر دیئے اور ان کو موقعہ پر لگا دیا۔ ابھی دشمن دور تھا اور آرہا تھا کہ یکایک نماز کا وقت آگیا تو پچاس مجاہدین کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، پچاس نگران رہے۔ اٹیلین سپاہ آگئی اس نے جو دیکھا کہ پچاس نہتے نماز میں مشغول ہیں، وہ خوش ہو کر آگے بڑھے۔ فوراً پچاس مسلح مجاہد پہلے ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں خشوع وخضوع سے نماز پڑھی گئی۔ بعد کو یہ بھی جا پڑے ان کی آوازوں سے دو سو کمین گاہوں سے نکل کر دشمنوں پر آپڑے۔ پھر اور بھی مجاہد شامل ہو گئے۔ یہ بارہ سو تھے اور وہ تین ہزار، ان کے نصف سے زیادہ کاٹ دیئے۔ آخر یہ متمنی شہادت اس معرکہ میں شہید ہو گیا۔

پندرہ سالہ مجاہد طرابلس

علی نظمی بے مکتب حربیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ یکایک حکومتِ اطالیہ نے ترکی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ عمر پندرہ سال کی تھی، اس خبر سے بے چین ہو گئے۔ انجمن ہلال احمر کے دفتر میں پہنچے اور کہا کہ مجھے میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دینے کا موقع دیا جائے۔ عثمانی کیمپ کے افسر نے پوچھا، تو بتایا کہ والدین فوت ہو چکے ہیں، صرف ایک چچا باقی ہے اور آٹھ پونڈ کی رقم دو جوڑے کپڑے مہیا کر لئے ہیں۔

جب طرابلس جانے کا مقصد پوچھا گیا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ دفاعِ وطن اور خدمتِ ملت پیشِ نظر ہے۔ ان کے چچا اور سب نے ان کی کم عمری کا خیال کر کے روکا۔ مگر یہ مکتب حربیہ سے پُراسرار طریقہ پر غائب

ہو گئے اور کئی ماہ جہاد طرابلس میں شریک رہ کر شہید ہو گئے۔ عارف پاشا نے ان الفاظ کو نشر کیا :۔

"پندرہ برس کے نظمی کو اگر ہلالِ احمر کا دفتر کا بھولا ہو تو براہِ عنایت اس کے چچا کو یہ خبر دے دیجئے کہ وہ اپنے ماں باپ اور خدا کے پاس پہنچ گیا جن کے لئے وہ بہت بیقرار تھا۔"

فاطمہ بنت عبداللہ طرابلسی

فاطمہ کا باپ شیخ عبداللہ قبیلہ ابراعصہ کا سردار تھا۔ اس نے غزوہ طرابلس میں بڑے کام کئے۔ کمال پاشا اور انور بے نے اہلِ طرابلس میں ظالم اطالیوں کے مقابلہ کے لئے مجاہدانہ روح عمل پیدا کی۔ شیخ عبداللہ نے اپنے وطن کے بچاؤ کے لئے اپنے قبیلے اور تمام افرادِ خاندان کو اطالوی افواج کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔ اس فدائے اسلام نے اپنے قبیلہ کو ابھارا اور اطراف و نواح کے دوسرے قبائل کو آمادۂ جہاد کیا۔ اپنا تمام مال و متاع ترک افسر اسماعیل شباتی بک کو دے دیا۔ حکومتِ ترکیہ کی طرف سے تمام عربوں کو بطور نفقۂ جنگ کے روزینہ دیا جاتا تھا، اس کے لینے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ غرضیکہ میدانِ جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اور ۱۹۱۲ء میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے تمام خاندان کے لوگ اٹلی کی فوج کے ہاتھوں کام آئے۔

ایک لڑکی فاطمہ نامی بچی تھی جس کی عمر گیارہ سال کی تھی مگر وہ مجاہدانہ سرگرمی میں باپ سے سبقت لے گئی۔ زوارہ مقام پر مجاہدین کی جماعت اٹلی کی فوج سے مقابلہ کر رہی تھی، یہ بچی پیش پیش تھی، مشک کاندھے پر رکھے میدانِ جنگ میں گولے برس رہے ہیں مگر وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہے اور بندوق ہاتھ میں رہتی، موقعہ ملتا دشمن کو ٹھکانے لگا دیتی۔ تمام عربوں اور ترکوں میں نمایاں نظر آتی تھی۔ اسمٰعیل شباتی بک نے ایک دن اس بچی کو گولوں کی بارش

میں جانے سے روکا۔ فاطمہ نے کہا۔

"چھوڑ دو کیا تم بھول گئے کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند یہاں پیاسے دَم توڑ رہے ہیں"

یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

۱۲ رجب ۱۳۳۱ھ کو زوارہ میں اطالیوں نے زبردست حملہ کیا۔ عربوں اور ترکوں کی متحدہ فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔ مگر ان کو شکست ہوئی۔ بارہ سو لاشیں چھوڑ کر ساحل کی طرف پسپا ہو گئے مگر عرب اور ترک بڑھے اور اُن کو جا لیا اور مقابلہ میں اچھی طرح مزاج پُرسی کر دی۔ فاطمہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ ایک اطالوی نے زخمی ترک کو پانی پلاتے دیکھا اس کو پکڑ لیا اس نے ترک کی تلوار لے کر اس کا کام تمام کیا۔ چار اطالویوں نے گھیر لیا اور گولی کا نشانہ اس معصومہ کو بنا لیا۔ احمد نوری بک نے اس کی لاش ڈھونڈی اور سپردِ خاک کی۔

بلقانی شورش تمام بلقانی ریاستوں نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ بلغاریہ نے ایڈریانوپل کو گھیرا۔ یونانی مقدونیہ کے بیشتر حصہ پر قابض ہو گئے۔ سروی البانیہ کو فتح کرتے ہوئے مناستر کے فوجی اڈے میں داخل ہو گئے۔ یونانی سالونیکا میں بڑھتے ہوئے در آئے۔ غرضیکہ اس طرح مغربی دول نے ترکی مقبوضات پر بلقانی بھیڑیئے چھوڑ دیئے کہ یہ اس کی تکا بوٹی کر دیں تاکہ ترکی خرخشہ یورپ سے جاتا رہے۔

طرابلس کے بارے میں غیر ملکی حکومتوں نے ترکوں پر یہ زور دینا شروع کیا کہ اطالیہ سے صُلح کی جائے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ترکی اور اطالیہ کے مابین صلحنامہ تیار ہُوا جس میں ترکی نے طرابلس کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا تو اطالیہ اپنی فوج جزیرہ رودس سے واپس بُلا لے گا۔ اس پر دستخط ہو گئے۔ ترک افسر واپس بلا لئے گئے۔ مگر اطالوی فوجیں اہم مورچوں پر ڈٹی رہیں اور عربوں سے

برسرپرخاش رہیں۔

انور بے طرابلس کے محاذ سے واپس آئے۔ انجمن اتحاد و ترقی اور سلطانی حکومت نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سلطان کی بھتیجی ان سے منسوب ہوئی۔

انور بے نے دیکھا کہ شکری پاشا ایڈریانوپل کے محاذ میں گھر گیا ہے اور یہ خطرہ سامنے ہے کہ دشمن دارالسلطنت پر ہر وقت حملہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ شتلجہ میں فوجیں اور سامانِ حرب فراہم کیا جانے لگا۔

ہنگامی طور پر فوج کی قیادت محمود شوکت پاشا کے سپرد کی گئی۔ مصطفےٰ کمال اس کے ماتحت رکھے گئے۔ کمال نے یہ رنگ دیکھ کر محاذِ جنگ اور فوج کو ہاتھ میں لیا اور ایڈریانوپل کے قرب و جوار میں مصطفےٰ کمال نے اپنی فوج کو اس طرح سے پسپا کرا دیا کہ دشمن نے اس کو شکست پر محمول کیا۔ آخر ایک مقام پر ترک ڈٹ گئے اور حریف کو مُنہ کی کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ گیلی پولی کے محاذ پر اناطولیہ سے ترکوں کو مزید مدد پہنچ گئی۔

بلقانی باہم لڑ پڑے

اس دوران میں سرویا، بلغاریہ، یونان اور مانٹی نیگرو میں باہمی آویزش شروع ہو گئی۔ اور نصرانی، نصرانی کا خون بہانے لگا۔ ادھر ترکوں نے ان کو شکست دی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یونان اور سرویا کی فوجیں مالِ غنیمت کو سمیٹتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنے مرکزی مورچوں کی طرف پسپا ہونے لگیں۔ صرف بلغاروی میدان میں لڑتے رہے۔

کامل پاشا نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر انجمن کے ارکان پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

یورپی ممالک جو دراصل بلقان میں شورش کا سبب تھے خیال یہ تھا کہ بلقانی ترکوں کے حصے بخرے کر لیں گے۔ مگر وہ خود آپس میں مثل کتوں کے لڑ بیٹھے۔ بہ پانسہ دزدان مغرب کا اُلٹ پڑا۔ چنانچہ ترکی کی طرف صُلح کا ہاتھ بڑھایا۔ برطانیہ

نے داماد فرید پاشا کے ذریعے ترکی حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ کامل پاشا اور ناظم پاشا کو یہ غلط فہمی برطانیہ کی طرف سے تھی کہ یہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھے گا۔

غرضیکہ لندن میں عہد نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے ترکی کو یورپ کے سارے علاقے سے بے دخل قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اہم فوجی اڈے ایڈریانوپل کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ املاک بلقانیہ خود مختارانہ تسلیم کی گئیں۔ لیکن ابھی اس صلح نامہ پر حکومتِ ترکیہ کے دستخط ہونا باقی تھے۔ صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے ۲۲ر جنوری ۱۹۱۳ء کی تاریخ مقرر تھی۔ کامل پاشا کی دلی خواہش تھی کہ صلح نامہ پر دستخط ہو جائیں۔

مصطفیٰ کمال کو یہ حال معلوم ہُوا تو وہ قسطنطنیہ پہنچا اور کامل پاشا کو آگاہ کر دیا کہ صلح نامہ پر دستخط نہ کئے جائیں۔ مگر کامل پاشا نے ۲۲ر جنوری کو قصر دولمہ باغچہ میں وزراء کی مجلس منعقد کی جس میں دول یورپ کی قصیدہ خوانی کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ دُہرایا گیا۔

انور بے گیلی پولی سے انجمن اتحاد و ترقی کے تار پر ۲۳ر جنوری کو صبح سات بجے قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ غازی محمود شوکت کو وزارت کے لئے آمادہ کر لیا۔ کامل پاشا کو بے دخل کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے۔ گیارہ بجے طلعت پاشا وزیر اعظم سے ملا اور اُس سے کہا کہ وزارت اپنا فیصلہ بدل دے یا مستعفی ہو جائے۔ کامل پاشا نے انکار کر دیا۔ طلعت نے کہا، تو پھر خون ریزی اور انقلاب کا تماشا دیکھنا۔ یہ کہہ کر طلعت واپس آگیا۔

سہ پہر کے وقت اتنی ارکانِ حکومت قصرِ وزارت میں صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے اکٹھے ہُوئے۔ انور بے اپنے انصار عمر فوزی، مصطفیٰ، نجیب خلیل بے جمال بے، طلعت بے، نیازی بے وغیرہ کے ہمراہ قصرِ وزارت میں داخل ہُوا۔ لطیف بے نے انور بے کا راستہ دفترِ وزارت کا روک لیا۔ لیکن ایک ہی گولی سے ٹھنڈا ہو گیا۔ توفیق بے آگے بڑھا مگر پستولوں کی نالیوں کو دیکھ

کر پیچھے ہٹ گیا۔ ناظم پاشا چیخا یہ کیا گستاخی ہے؟ نکل جاؤ۔ مصطفےٰ نجیب نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلائیں اور ناظم پاشا اوندھے منہ آ رہا۔ توفیق پھر انور پر پستول لے کر جھپٹا کہ نجیب درمیان میں آ کر قربان ہو گیا اور اپنی گولی سے توفیق کا بھی کام تمام کرتا گیا۔

انور بے نے پستول تھام کر گرج کر مجلس کو مخاطب کیا۔ خبردار اب کوئی گولی چلانے کی ہمت نہ کرے اور میں قوم کا نمائندہ ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ جنگ جاری رکھنے کا حلف اٹھاؤ یا وزارت کی کرسی خالی کر دو۔ کامل نے فوراً استعفیٰ پیش کر دیا اور اس کے ساتھی بھی مستعفی ہو گئے۔ انور بے نے دوسرا حکم دیا، تم سب نظر بند ہو۔

پھر محمود پاشا کو وزارت سپرد کر کے انور، سلطان محمد خامس کے پاس گیا اور نئی وزارت کی یہ تشکیل کی:۔

محمود شوکت پاشا وزیر اعظم، طلعت پاشا وزیر خارجہ، عزت پاشا وزیر جنگ، انور پاشا حاکم قسطنطنیہ۔

دول یورپ کے مسودۂ صلح کو پرزے پرزے کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور اعلان کر دیا کہ جنگ جاری رہے گی اور ایڈریانوپل بلقانیوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

یہ رنگ دیکھ کر اتحادی خاموش ہو گئے۔

جنگ عمومی | ۱۹۱۴ء / ۱۳۳۲ھ میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہو گئی جس میں ایک طرف اتحادی (انگلستان، فرانس اور اٹلی وغیرہ) اور دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا تھا۔ انگلستان نے اپنی ہمنوا دول کو آمادہ کر لیا تھا کہ روس کو قسطنطنیہ اور درِ دانیال دیا جائے گا۔ اس بناء پر وہ اتحادیوں کا ہمنوا بن گیا۔

باوجودیکہ دولت عثمانیہ اتحادیوں سے تعلقات رکھنا چاہتی تھی مگر ترکوں

کی کمزوری اور بے سروسامانی کا حال دیکھ کر اس کے حصے کرنے کے درپے تھے۔ بلکہ انگلستان نے یہ بے ایمانی کی کہ اس کے یہاں کے کارخانے میں دو جہاز بننے گئے تھے ان کو ضبط کر لیا اور ان کی قیمت کی واپسی کے بھی منکر ہو گئے۔ آخر ش پرنس سعید حلیم صدر اعظم نے ۲ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنی کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کر کے جنگ میں شرکت اختیار کر لی۔

انگریز اپنی طاقت کے بھروسہ پر جنگی جہاز لے کر درد انیال پر حملہ آور ہوئے مگر ترک بہادروں نے ساحلی قلعوں پر سے ایسی بے مثال گولہ باری کی کہ انگریزی جہاز سخت نقصان اٹھا کر واپس چلے گئے۔ ادھر بصرہ میں انگریزوں نے فوجیں اتار کر عراق عرب میں پیش قدمی کی۔ ترکی فوج نے یہاں پر بھی خوب دل کھول کر پٹائی کی۔

آخر کار ذلت وخواری سے انگریزی سورما ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور جنرل ٹاؤنشینڈ اور بقیہ فوج قط العمارہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ ترکوں نے انگریزوں کے جو حمایتی غلام ہند کے گئے تھے ان کی سرکوبی بھی ایسی کر دی کہ نمک خواری ناک کے راستے سے نکل گئی۔

شریف مکہ کی بغاوت عربوں میں کچھ عرصہ سے یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ہم کو ترکوں نے اپنا دست نگر بنا رکھا ہے مگر کوئی موقعہ انہیں نہیں مل رہا تھا کہ وہ ہاتھ پیر نکالتے حسن اتفاق سے ۱۹۱۶ء میں انور پاشا کی رائے سے جو اس وقت وزیر جنگ تھے، جمال پاشا کی قیادت میں ترکی فوج نے نہر سویز پر حملے شروع کر دیئے۔ مکہ کے شریف حسین نے جمال پاشا سے لاکھوں روپیہ اور اسلحہ اس غرض سے منگوائے کہ پندرہ ہزار عربوں کا لشکر تیار کر کے مصر کی مہم کے لئے دے گا۔ مگر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر در پردہ اس نے انگریزوں سے بھی سازباز کیا، وہ اس امر کے منتظر تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے پوری مدد دی۔ پھر تو شریف نے کھل کر

ترکوں کی مخالفت کی اور ترکی سپاہ کو جو حجاز میں تھی مقابلہ کر کے نکال دیا اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۶ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اس زمانے میں روسی محاذ پر ترکوں نے ہزیمت اُٹھائی جس کے باعث عراق عرب سے فوجیں وہاں بھیجنی پڑیں۔ انگریزوں نے شریف حسین کی کمزوری کو پیشِ نظر رکھ کر سیاسی دسیسہ کاری سے ایک طرف بغداد اور دوسری طرف شام ولبنان اور فلسطین سے موصل تک سارا علاقہ ترکوں سے چھین لیا جس کے بعد اگست ۱۹۱۷ء میں اتحادی نمائندوں نے پیرس میں باہم یہ سمجھوتہ کیا کہ آرمینیہ شرقی اناطولیہ، آستانہ اور دردانیال روس کو دیا جائے۔ حیفہ اور بغداد انگلستان کو، اسکندرونہ اور موصل فرانس کو، مغربی اناطولیہ، اطالیہ کو اور فلسطین، حلیفوں کی مشترکہ حمایت میں رہے۔

شریف حسین تمام عرب کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر پہلو میں اس کے اسلام دشمنی سے فرنگیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا بلکہ اس کی حکمرانی انگلستان کے رحم وکرم پر باقی تھی۔

وفات

اسی زمانے میں یعنی ۱۳۳۶ھ میں سلطان محمد خامس نے وفات پائی۔

سُلطان عبدالوحید خان

تخت نشینی سلطان محمد خامس کے بعد ۱۳۳۶ھ میں عبدالوحید کی تخت نشینی عمل میں آئی جبکہ اتحادی خبث باطنی سے ترکی سلطنت کو نقشے میں باہم تقسیم کر چکے تھے لیکن اسی دوران میں روس، جس کو ترکی کا بڑا حصہ خاص کر اس کا مرکز قسطنطنیہ ملنے والا تھا اندرونی انقلابی بغاوت کی وجہ سے جنگ سے الگ اور اتحادیوں سے خارج ہو گیا۔ اتحادیوں نے کوشش کر کے ولسن صدر امریکہ کو اپنے ساتھ ملا لیا جس کی شرکتِ جنگ کی وجہ سے اتحادی فتحیاب ہو گئے اور ۱۵ر اگست ۱۹۱۸ء کو لڑائی ختم ہو گئی۔

اس وقت زعماء جمعیۃ اتحاد و ترقی طلعت پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا، جن کی متفقہ رائے سے دولتِ ترکیہ نے اس جنگ میں شرکت کی تھی روپوش ہو کر برلن چلے گئے۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو عزت پاشا صدرِ اعظم نے جدید وزارت مرتب کر کے اپنی افتتاحی تقریر میں سیاسی مجرموں کو معافی دی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم امریکہ کے پریذیڈنٹ ولسن کی چودہ شرائط کے مطابق اتحادیوں کے ساتھ مصالحت کے لئے تیار ہیں لیکن اتحادیوں نے معاہدۂ سیورے میں جو اسی مہینے میں ہُوا ترکی کی مجوزہ تقسیم ہی کو بحال رکھا۔

روس کے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ اور آبنائے کا مسئلہ حل طلب ہو گیا تھا جس کی نسبت غالب خیال یہ تھا کہ دول فاتح کی مشترکہ ملکیت قرار دیا جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء میں اتحادی فوجیں قسطنطنیہ میں آ گئیں اور انہوں نے رفتہ رفتہ حکومت کے انتظامی صیغے اپنے ہاتھ میں لینے شروع کئے۔

ترکوں نے جنرل ٹاؤنشینڈ کے توسط سے جو اُن کے یہاں گرفتار تھا، انگریزوں

کے ساتھ صُلح کی سلسلہ جنبانی کی اور پیرس کانفرنس جو جون ۱۹۱۹ئہ میں ہوئی، اپنا ایک وفد بھیجا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اس کانفرنس نے بھی جس میں دس سلطنتوں کے نمائندے شریک تھے ترکی سلطنت کے لئے موت ہی کا فتویٰ صادر کر دیا۔

مارچ ۱۹۲۰ئہ میں قسطنطنیہ کے جملہ شعبہ ہائے حکومت اتحادیوں نے بظلم وتشدد اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ترکی مجلس مبعوثین کا خاتمہ ہوگیا۔ انگریزوں نے چھیاسٹھ زعمائے احرار کو مالٹہ میں لے جاکر نظر بند کیا اور اپنے آوردہ داماد فرید پاشا کی صدارت میں ایک نام نہاد ترکی وزارت مرتب کرادی جو اتحادی نمائندوں کے ہاتھ میں مثل کٹھ پتلی کے تھی۔

یونانی

یونانیوں سے انگریز نے ساز باز کیا اور وہاں کے وزیر مسٹر وینیزیلوس کے دعوٰی کے مطابق جنوبی البانیا، تھریس، قسطنطنیہ اور مغربی اناطولیہ پر یونان کے حقوقِ ملکیت تسلیم کر لئے۔ ۱۵ر جون ۱۹۱۸ئہ کو انگریزوں کی پوری معاونت (اسلحہ حتیٰ کہ فوج تک) سے یونانی فوجوں نے بندرگاہ سمرنا پہنچ کر قبضہ کر لیا اور اندرونِ ملک میں بڑھنا شروع کیا اور جس قدر بھی ظلم یونانی کر سکتے تھے اُنھوں نے ترکوں پر روا رکھے۔

ترکوں نے دیکھا کہ اتحادی اُن کو فنا کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں اور ردِ دل یورپ یونانی مظالم کو ٹھنڈے دل سے دیکھ رہے ہیں اور اتحادیوں کا منشاء ظاہر ہے کہ وہ ترکوں کو ان اقوام کا محکوم بنادیں جو صدیوں تک اُن کے زیرِ حکومت رہی ہیں۔

مُصطفٰے کمال کا کارنامہ

مصطفٰے کمال سا غیور ترک اتحادیوں کا یہ رنگ دیکھ کر جوش میں آگیا اور اس نے ترکوں میں قومی حمیت بیدار کر دی۔ قوم کے بکھرے ہُوئے شیرازے کو ایک نظام میں لاکر ملک کو دشمنوں سے بچانے کی سعی کی۔

حزب وطنی مصطفےٰ کمال اپنے پرانے رفیقوں کو ساتھ لے کر اناطولیہ پہنچا اور جون ۱۹۱۹ء میں ایک مؤتمر ملی منعقد کی جس میں ارضِ روم اور اناطولیہ کے اسی نمائندے شریک ہوئے۔ اس کا نام حزب وطنی رکھا گیا اور تمام علاقہ میں کمال نے ہنگامی دورہ کیا اور ترکوں کی رگوں میں قومی حمیت کا جوش تازہ کر دیا۔

صدارت ۲۹ر اپریل ۱۹۲۰ء کو ارضِ روم اور سیواس میں جمعیۃ وطنی نے مصطفےٰ کمال کو اپنا صدر منتخب کیا۔ ادھر قسطنطنیہ میں جس قدر احرار گرفتاری سے اتحادیوں کے ہاتھوں بچ رہے تھے وہ بھاگ کر اناطولیہ آگئے اور جمعیۃ وطنی میں شامل ہو گئے۔

ترکوں کی زبوں حالی ترک متواتر گیارہ سال سے جنگ میں اُلجھ کر خستہ حال ہو گئے تھے۔ ان کے پاس اسلحہ و ذخائر جنگی کی بہت کمی تھی جو باقی بچے تھے وہ ظالم اتحادیوں نے قسطنطنیہ کے قبضہ کے وقت ترکوں سے لے لئے تھے اور ان کو بے دست و پا بنا دیا تھا۔ مگر ترک دُنیا کی وہ ممتاز قوم ہے جو کہ بغیر ہتھیار کے ہی اپنی شجاعت و بہادری کے بھروسہ پر ظالم یونانیوں سے دو، دو ہاتھ کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ چنانچہ ترکوں نے ٹوٹے پھوٹے اسلحہ سنبھال لئے اور یونانیوں کا مقابلہ شروع کیا جو باشندوں کو قتل کرتے، بچوں کو ذبح کرتے، عورتوں کی تذلیل کرتے ہوئے بڑھتے چلے آتے تھے۔

اُدھر دوسری طرف فرانسیسیوں کو جو اناطولیہ کے جنوب مشرق اور شام کے شمال میں سلیشیا پر قابض ہو گئے تھے۔ ان ترکوں نے کمال کی امداد ملتے ہی فرانسیسیوں پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست فاش دی جس سے اُس نے صلح کر کے سلیشیا خالی کر دیا اور جان بچا لے گیا۔

خلافتِ مآب خلیفہ عبدالوحید اور اس کا وزیر داماد فرید پاشا انگریزوں

کے دام میں پھنس چکا تھا اور اُس نے ترکی سلطنت پر انگریزوں کا انتداب قبول کر لینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

انگریزوں نے حزب وطنی کی سرگرمیٔ عمل دیکھ کر صدرِ اعظم کو آمادہ کیا کہ وہ سرگروہِ احرار کے خلاف قدم اُٹھائے۔ چنانچہ خلیفہ اور فرید پاشا نے ۱۱ر جون سنہ ۱۹۲۰ء کو شیخ الاسلام دری زادہ آفندی سے فتویٰ لے کر حامیانِ وطن و ملت کو باغی قرار دیا اور انگریزوں سے قرضہ لے کر مصطفیٰ پاشا کرد کی ماتحتی میں ان کے استیصال کے لئے ایک فوج بھیجی۔ اس پر بس نہیں کیا بلکہ مصطفیٰ کمال پاشا، فواد پاشا، ڈاکٹر عدنان بک اور رؤف پاشا وغیرہ جو وطنی تحریک کے علمبردار تھے غائبانہ موت کا حکم صادر کیا اور ان کے اموال، ہر قسم کے فوجی امتیازات اور شہری حقوق ضبط کر لئے۔ اس مضحکہ خیز عمل سے ملک میں خلیفہ اور صدرِ اعظم کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔

مصطفیٰ کمال کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ:-

"میں آستانہ کی ترکی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وہ اجنبی دول کے زیرِ اثر ہے۔"

بالشویکوں سے معاہدہ روس میں انقلاب کے بعد بالشویک حکومت قائم ہو گئی تھی جو مشرق میں انگریزوں کے خلاف اپنا نفوذ بڑھانا اور انگریزوں کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بکر سامی کو حزب وطنی نے ماسکو بھیجا۔ جمال پاشا بھی برلن سے وہاں آ گئے۔ ان ہر دو نے ترکوں اور بالشویک حکومت میں ۲۱ر مارچ سنہ ۱۹۲۱ء معاہدہ اتحاد لکھوایا۔

مصطفیٰ کمال کا بڑا کارنامہ مصطفیٰ کمال نے دو لاکھ فوج مرتب کر کے انگریز کے پٹھو یونانیوں پر جو ملک کے بڑے

لہ تاریخ دولت العلیۃ العثمانیہ العلامہ محمد فرید بک مصری۔

حصے پر ظلم و جور کے ساتھ قبضہ کئے بیٹھے تھے۔ ۲۹ راگست ۱۹۲۱ء کو حملہ کر دیا۔ اس کی شہر بروصہ اور ازمیر سے ان کی پٹائی کر کے نکال باہر کیا۔

پھر سمرنا پر یونانیوں کی ایسی سرکوبی کی کہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ باوجودیکہ یونانی فوجیں تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھیں۔ بیشتر حصہ فنا کے گھاٹ اترا۔ بہت سے گرفتار ہوئے۔ بہت تھوڑے ترکوں کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ سکے۔ اگلا پچھلا انتقام بہادروں نے ظالم یونانیوں سے لے لیا۔ مال غنیمت ترکوں کے ہاتھ خوب لگا۔ انگریز اور اُن کے ہمنوا دیکھتے رہ گئے۔ تمام یورپ ترکوں کی بہادری سے دنگ ہو کر رہ گیا۔ اور مجبوری درجہ اتحادیوں نے جو قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے تھے۔ اس زبردست قوت کو دیکھ کر امرائے فوج کے ساتھ مدانیہ میں گفتگو کی اور قسطنطنیہ کو خالی کر دینے کا وعدہ کیا۔ سمجھتے تھے کہ اگر یہ ترک قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے تو اتحادی فوج جو وہاں مقیم ہے وہ بچ نہ سکے گی اور اگر ہم مقابل آئے تو روس ضرور اُن کا معاون ہو گا۔

لوزان کانفرنس

ترکوں کی شجاعانہ سرگرمی دیکھ کر اتحادی جھکے اور وطنی جماعت کے ساتھ مساویانہ مصالحت کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ چنانچہ سوئٹزرلینڈ کے مقام لوزان میں ۲۰ رنومبر ۱۹۲۲ء کو کانفرنس شروع ہوئی۔ ترکی نمائندہ عصمت پاشا تھے۔ عصمت نے اتحادی نمائندوں کی وہ خبر لی کہ لارڈ کرزن جو انگلستان کا نمائندہ تھا مُنہ کی کھا کے رہ گیا۔

آخرش اتحادی مجبور ہو گئے اور عصمت پاشا کے مطالبے منظور کئے اور ۴ رجون ۱۹۲۳ء کو کانفرنس ختم ہوئی۔ قسطنطنیہ، تھریس، اناطولیہ اور ایشیائے کوچک کا کل علاقہ ترکوں کا تسلیم کر لیا گیا اور وہ جملہ مراعات جو دول یورپ کو ترکی میں حاصل تھیں وہ یک قلم منسوخ کی گئیں۔ یہ کارنامہ عصمت پاشا کے تدبر کا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے ترک ایسے آزاد ہو گئے جیسے اپنے عروج کے زمانہ میں تھے۔

انخلائے قسطنطنیہ ۲؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو خالی کر دیا۔ سلطان عبدالوحید خاں بھی انگریزی جہاز پر سوار ہو کر مالٹہ چلتے ہوئے۔

قیامِ جمہوریت ترکیہ مصطفیٰ کمال اس عظیم الشان کارنامہ کا ہیرو ہے۔ کیونکہ ترکوں کا گیا ہوا ملک اور مٹا ہوا وقار پھر واپس مل گیا۔ چنانچہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمعیت وطنی نے ترکی سلطنت کو جو دستوری تھی، جمہوری کر کے مصطفیٰ کمال پاشا کو صدر منتخب کیا اور اتاترک کے خطاب سے نوازا۔

پایۂ تخت قسطنطنیہ سے دارالسلطنت ہٹا کر انگورہ کو مستقر حکومت قرار دیا۔

سلطان عبدالمجید خان

آخری خلیفہ سلطان عبدالمجید ثانی کو عبدالوحید کے فرار ہونے کے بعد جو ولی عہد بھی تھا ترکوں نے خلیفہ بنا لیا۔ مگر اصولاً دو متصادم اختیارات ایک ملک میں نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسرے سال سلطان کو معزول کر دیا۔ یہ آخری خلیفہ بنی عثمان فرانس کے شہر مینس میں قیام پذیر ہوئے۔ نظام حیدر آباد میر عثمان علی خاں نے گراں قدر رقم سالانہ مقرر کر دی اور مولانا شوکت علی مرحوم کے ذریعے سلطان کی دو شہزادیاں نظام کے دو بیٹوں سے منسوب کرا دیں۔

خاتمہ خلافت ترکی جمہوریہ نے خلیفہ کے ساتھ خلافت کا منصب بھی ختم کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

عہدِ اتاترک

کمال اتاترک ۱۹۲۳ء میں برسر اقتدار ہوئے تو اُن کی توجہ زیادہ تر مغربی معاشرت و تمدن کے اختیار کرنے اور پھیلانے کی طرف تھی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو ٹھکانے لگا کر آمریت کی شان پیدا کر لی۔ جمہوریت برائے نام رہ گئی۔ مذہب پسِ پُشت پڑ گیا۔ پندرہ برس تک صدر جمہوریہ ترکیہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انگورہ کو مغربی رنگ میں رنگ دیا۔ مگر شہروں سے متصل جو دیہات تھے اُن کی وہی پسماندہ حالت رہی اور وہ پرانی ڈگر سے نہیں ہٹے۔ یہ درست ہے کہ ترکیہ کا کسان مشرق کے دوسرے ممالک کے کسان کی طرح جاگیرداروں کا غلام نہیں۔ کیونکہ کمال اتاترک نے کسانوں کی دو تہائی آبادی کو زمین عطا کی مگر پھر بھی کمالی اصلاحات سے کسانوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

صنعت و حرفت اتاترک نے صنعتوں کے قیام کی اپنے عہد میں زبردست کوشش کی صنعتی ادارے قائم کئے مگر یہ سعی سطحی ہے بمثل یورپی ممالک کے ترکی علاقہ نہ بن سکا۔

تعلیمی ترقی کمال اتاترک نے ترکوں کو رومن حروف کو تہجی بنانے اور مغربی وضع قطع اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اسکول کالج کثرت سے کھولے۔ اس لاطینی رسمِ خط میں کثرت سے کتابیں نقل کی گئیں۔ مگر ابھی ترکی زبان مغربی و مشرقی جملہ علوم و فنون سے مالا مال نہ ہو سکی مگر جو کچھ تعلیمی ترقی ہوئی وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

جمہوریہ ترکیہ پر نظر اتاترک کے ساتھیوں کے ہاتھ میں سارا

نظم ونسق تھا۔ یہ پیپلز پارٹی کہلاتی تھی۔ شروع چند سال تک تو اس جماعت نے بہتر کام کیا۔ آخر میں اس پارٹی نے بہت سخت گیری اختیار کر لی۔ عوام میں اگلی سی محبت ان سے نہ رہی۔ چنانچہ عمالِ حکومت کے جبر وظلم کا ایک واقعہ اخبار میں شائع ہُوا تھا کہ ایک شخص کی لاش باسفورس سے نکالی گئی جسے بڑی تکلیف دے کر مارا گیا تھا تو استنبول کے ایک راہ گیر نے طنزاً لاش سے مخاطب ہو کر کہا :۔

"بے چارہ شدید بازپرس کی بھینٹ چڑھ گیا"

مصطفےٰ کمال کا انتقال

۱۹۳۸ء میں مصطفےٰ کمال کا انتقال ہو گیا۔

عصمت پاشا

اتاترک کے بعد پیپلز پارٹی نے عصمت پاشا کو صدر جمہوریہ ترکیہ منتخب کیا اور انونو خطاب دیا۔ اولاً ان کا عہد اسی طرز پر تھا جیسا کہ کمال اتاترک کے زمانے میں تھا مگر ان کو قدرے مذہب سے لگاؤ ضرور تھا۔ سب سے بڑا کارنامہ اُن کا یہ ہے کہ دولِ مغرب کے بموقعہ جنگ عظیم جھانسے میں نہیں آئے۔ قوم کو اس جنگ سے الگ تھلگ رکھا۔

مگر ترکوں میں پھر ایک لہر اُٹھی۔ وہ مذہب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور وہ موجودہ طرزِ زندگی سے گھبرا سے گئے ہیں۔ گو عصمت انونو کے دورِ حکومت میں پرانی روایات کا چرچا ہونے لگا تھا، مساجد تعمیر ہوئیں، مذہبی لٹریچر پر سے پابندی اُٹھالی گئی مگر ملک کچھ اور بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جلال بائر جو ایک عرصہ تک وزیر رہ چکے تھے، انہوں نے ڈیموکریٹک پارٹی سے تعلق پیدا کر لیا۔ عوام اس جماعت کی طرف جُھکنے لگے اور عصمت انونو کی جماعت سے منحرف ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں انتخاب صدر

کے موقعہ پر پیپلز پارٹی کا ایک قافلہ ساحلی گاؤں "تشوجو" میں رکا۔ وہاں کے باشندوں سے پانی مانگا لیکن انھوں نے بڑی بے رخی سے جواب دیا جاؤ اور اپنے لئے سمندر سے پانی بھرو۔ عوام پیپلز پارٹی سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے۔

جلال بائر صدر جمہوریہ

جلال بائر ایک مرتبہ پیپلز پارٹی کی حکومت میں وزیر اعظم بھی رہ چکے تھے اور یہ مارشل فوزی چقماق نیشن پارٹی (حزب مخالف) کے قائد بھی رہ چکے ہیں۔

۱۹۵۰ء کے انتخاب صدر جمہوریہ میں ڈیموکریٹک پارٹی نے عصمت انونو کو بالکلی نظر انداز کر دیا اور جلال بایار کو بہت زیادہ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب بنایا۔

اس پارٹی نے وعدہ کیا کہ حکومتِ ترکیہ کو اب سے بہت زیادہ ترقی کی راہ پر لگایا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اس جماعت کا یہ دعوے ہے کہ انفرادی سرمایہ اور قومی ملکیت کے بہتر عناصر کو یکجا کر دیا جائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ اس جماعت کے بیشتر رہنما تاجر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ ضرور انفرادی سرمایہ اور انفرادی مساعی کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

ادھر جلال بائر نے عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور مذہب سے دلی لگاؤ بھی ہے۔ امید ہے کہ پرانی خرابیوں کی اصلاح موجود صدر کے ہاتھوں ہو سکے گی۔ اس جگہ ہم دست بدعا ہیں کہ جمہوریہ ترکیہ کا مستقبل روشن و تابناک ہو اور ان میں اسلامی روح جاگزیں ہو۔

دولتِ عثمانیہ کا پس منظر

خلفائے عباسیہ کے شروع عہد سے ہی ترکوں کے اکثر قبائل دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر جوہر بہادری دکھاتے ہوئے ترقی کے میدان میں گامزن ہوئے۔ عثمانی ترکوں کا اقبال چمکا تو خلافت بنی عباس ادبار کی گھٹاؤں میں گھر چکی تھی۔ عظیم الشان سلطنت جو ایک خلیفہ کے تابع تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف خاندانوں میں بٹی جو آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ مگر اللہ تعالے نے ان ترکوں کے ہاتھوں سے شیرازۂ سلطنت اسلامیہ کو پھر یکجا کرا دیا اور اس میں نئے سر سے ایسی جان پڑ گئی کہ روشن ماضی کی یاد تازہ ہو گئی۔

گو یہ لوگ خانہ بدوش صحرا نورد تھے مگر بہادر اور مہذب تھے۔ اسلام نے ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا کر دی جس نے اسلامی حکومت کو حیاتِ تازہ بخشی اور مسلمانوں کا عزم جو مُردہ ہو چلا تھا اس کو ایسا زندہ کیا کہ ان کی فتوحات کا دائرہ ممالک ایشیا سے یورپ کے حدود کے اندر دُور تک وسیع ہو گیا تھا۔ غرضیکہ تاریخ سلطنت اسلامیہ کے تاج کا ایک گوہرِ بے بہا یہ عثمانی ترک کہے جا سکتے ہیں۔

ترکی قبائل میں سے اغر یا یوغور قبیلہ تھا جس کا چشم و چراغ امیر عثمان خان تھا جس نے دولتِ عثمانیہ کی تاسیس کی اور اس کی اولاد میں ۱۹۲۴ء تک سینتیس ۳۷ سلطان ہوئے اور اس کے اخلاف سے تین ترکی جمہوریہ کے صدر ہوئے۔

امیر عثمان خاں نے حکومت بازنطائن کے علاقے لے لئے۔ سلطان اورخاں نے بروصہ اور نکائیہ کا الحاق کیا۔ ہمسایہ ریاست قراسی بھی زیرِ نگین آ گئی۔ اور ینگ چری (انکشاریہ) فوج قائم کی جو صدیوں تک عثمانیہ فتوحات کے سر کا سہرا ثابت ہوئی۔ ۷۵۹ھ میں ہلسپانڈ عبور کر کے قلعہ گیلی پولی کو مرکز بنا کر

سلطنت بازنطائن کے یورپین مقبوضات کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ چند سال کے بعد ایڈریانوپل اور فلپو پولس مسخر ہوئے، مرتزہ کسارو بھی لے لئے۔ ان مہمات سے قسطنطنیہ کے نواحی ضلعے کے سوا تمام جزیرہ نمائے بلقان پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر تیمور کی آویزش سے قسطنطنیہ ترکوں سے کچھ عرصہ کے لئے بچا رہا۔ بایزید اور تیمور باہم برسرپیکار ہوئے۔ بایزید ناکام رہ کر اسیر ہو کر عدم کو روانہ ہوا مگر محمد اول کی بیدار مغزانہ پالیسی سے اس سلطنت کا پھر اپنے سابقہ دم خم پر عود کر آنا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔

مراد ثانی نے ہونی ایڈی (ولاچی کے سفید نائٹ) کے حملوں کو پامردی سے روکا اور صلیبی مجاہدوں کی گوشمالی کی، جس سے شمال سے پھر کسی دشمن کو مقبوضات ترکی پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور آئندہ دو صدیوں کی تاریخ میں ترکی کی فتوحات کی طول طویل فہرست کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ۱۴۵۳ء، ۸۵۵ھ میں سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت بازنطائن کا چراغ گل ہو گیا۔

۸۸۰ھ، ۱۴۷۵ء میں کریمیا کا الحاق ہوا۔ جزائر ایجین عثمانیہ قلمرو میں داخل ہوئے۔ حتیٰ کہ اٹلی میں ترکی جھنڈا قلعہ اٹرنٹو پر لہرانے لگا۔ سلطان سلیم اوّل نے اپنے آٹھ سالہ قلیل دورِ حکومت میں ایران کو شکست دے کر خراسان و دیار بکر کو ترکی قلمرو میں ملا لیا۔ ۱۵۱۷ء میں شام، مصر اور عرب کے صوبجات مملوکوں سے چھینے گئے اور دائرہ حکومت قلمرو عثمانیہ کا بڑھ گیا۔ سلیمان اعظم نے اپنی مہتم بالشان فتوحات سے سلیم کے کارناموں کو بھی دلوں سے بھلا دیا۔ ۱۵۲۲ء میں سلطان نے رہوڈس کے نائٹوں کو ان کے مضبوط مورچوں سے نکال دیا۔ شمال میں بلگراڈ (بلغریڈ) مسخر ہوا۔ ۱۵۲۶ء میں سلیمان اعظم نے میدان مہاکس میں فی الواقعہ ہنگرین سپاہ کو کچل ڈالا۔

اس جنگ میں بیس ہزار عیسائی تلوار کے گھاٹ اُترے اور شاہِ ہنگری

لوئیس ثانی بھی مقتول ہوا۔ ڈیڑھ صدی تک ہنگری ٹرکی کا ایک صوبہ رہا سلطان سلیمان نے ۱۵۲۹ء میں وائنا کا محاصرہ کر لیا۔ گو اسے فتح نہ کر سکا تاہم اس نے ارچ ڈیوک فرڈیننڈ کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تاریخ "شجرات فرمانروایان اسلام" میں لکھتا ہے :۔

"سلیمان اعظم کہلانے کا دعویٰ صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ وہ بڑا لائق و قابل اور روشن خیال حکمران تھا یا اُسے عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ اُسے اس لحاظ سے اعظم کہنا بجا ہے کہ اُس نے چارلس اول، فرانسس اوّل، الزبتھ اور لیوڈ ہم جیسے جلیل القدر بادشاہوں اور کلمبس کورٹس اور ایلیہ جیسے نامور مدبرین کے زمانہ میں اپنی بزرگی کو قائم و برقرار رکھا۔ چارلس اعظم کی آنکھوں کے سامنے اس نے ہنگری کا الحاق کر لیا اور وائنا کو جا گھیرا اور بحری طاقت کے عروج کے زمانہ میں جبکہ ڈوریا اور ڈریک جیسے یورپ کے امیر البحر موجود تھے، سلیمان کے جنگی جہازوں نے ہسپانیہ تک بحری راستہ کو خس و خاشاک سے پاک وصاف کر دیا اور سلطان کے امیر البحر باربروسہ، پیال اور ڈراگ کے نام سے بحر روم کے کنارے کی سلطنتیں کانپتی تھیں انھوں نے اہل ہسپانیہ کو بربری ریاستوں سے نکال دیا تھا۔ ۱۵۳۸ء میں بحری لڑائی میں پوپ روما اور شہنشاہ کو شکست فاش دی۔ سلیمان کی سلطنت بوڈاپسٹ (واقع ڈنیوب) سے اسوان (واقع آبشار نیل) اور فرات سے آبنائے جبرالٹر تک پھیل گئی تھی۔ ترکی کی تاریخ میں سلیمان اعظم کا عہد گویا اس کی منتہائے ترقی کا زمانہ تھا۔"

دورِ تنزل سلطان سلیمان کے بعد سے گو کچھ فتوحات ہوئیں مگر اس کے ساتھ ناکامیاں زیادہ تھیں ۱۵۷۱ء میں لیپانٹو میں منہزم ہوتے

ہی ٹرکی کے بحری عروج کا تنزل شروع ہو گیا۔ باوجودیکہ بڑی جنگوں میں ترکوں نے متعدد فتوحات حاصل کیں ۱۵۷۱ء میں قبرص کا الحاق کر لیا۔ ۱۵۹۶ء میں افواج آسٹریا کو بمقام کیرزیز شکست دی مگر ترک بحری طاقت کے لحاظ سے یورپ کے خوف و خطر کا موجب نہ رہے اور ان کی عظمت و شوکت و سطوت اہلِ یورپ کے دلوں میں پہلے بیٹھی ہوئی تھی وہ باقی نہ رہی۔ سلطان مراد چہارم نے ۱۶۳۸ء میں بغداد لیا اور ۱۶۷۵ء میں اہل وی نیشیا سے کینڈیا اور جزیرے لے لئے۔ مگر یورپ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

۱۶۶۴ء میں سینٹ گوتھرڈ میں ۱۶۷۴ء میں چوک زم میں ۱۶۷۵ء میں لیمبرگ میں جان سوبیکی کے مقابلہ پر ترک گھونگھٹ کھا گئے اور تابِ مقابلہ نہ لا سکے۔ اور بوسینیا، یونان پر اہلِ آسٹریا اور اہلِ وی نیشا نے کئی حملے کئے ۱۶۶۷ء میں زنتا کی لڑائی میں شہزادہ یوجین نے صدمۂ عظیم ترکوں کو پہنچایا اور ۱۶۹۹ء میں صلحنامہ کارلووٹز اور ۱۷۱۸ء کے پاس سرو ڈز کے عہد نامہ نے ہنگری، پوڈولیا، ٹرینسلوینیا میں ترکوں کا تسلط کچھ باقی نہ رہا۔

۱۷۳۶ء میں روس نے اوک زے کوو اور ازدو کو ترکوں سے لے لیا۔ ۱۷۸۳ء میں کریمیا کو قبضہ میں لایا اور دریائے ڈنیوب کی مملکتوں پر کئی حملے کئے افریقہ میں مصر کو محمد علی نے ترکی سلطنت سے عملاً آزاد کر لیا۔ الجیریا ۱۶۵۶ء ٹیونس ۱۷۰۵ء میں آزاد ہوئے تھے۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجیریا پر قبضہ کیا اور ٹیونس پر ۱۸۸۱ء میں متصرف ہو گیا۔ سلطان مراد چہارم نے اپنے مقبوضہ بغداد کو ایران سے واپس لیا۔

۱۸۷۸ء میں برلن کے عہد نامہ کے موافق باطوم روس کے ہاتھ لگا اور برطانیہ نے جزیرۂ قبرص ہتھیا لیا۔ روس کے دباؤ سے رومینیا، سرویا میں سلطنتیں قائم ہوئیں اور مونٹی نیگرو آزاد ہوا۔ یونان کو تھسلی ملا۔ بوسینیا، ہرزی گونیا، آسٹریا کے سپرد ہوئے۔ ۱۸۸۵ء میں ایک نئی باجگذار ریاست مشرقی رومیلیا قائم

ہوئی۔ جس کے سبب سے کوہ بالکین کے شمال میں ترکی سلطنت باقی نہ رہی۔ عبدالحمید کے عہد میں ترکی کا رہا سہا بھرم جاتا رہا۔ طرابلس اٹلی نے لے لیا۔ تمام بلقان میں آتشِ بغاوت روشن ہوئی۔ اتحادیوں کی ریشہ دوانیوں سے ترکی کے حصے بخرے کر دیئے۔

محمد خامس کے زمانے میں عرب بھی نکل گیا۔ وہ وقت آگیا کہ یونانیوں نے تھریس پر قبضہ جمایا۔ قسطنطنیہ پر اتحادی قابض ہوئے۔ مگر نوجوان ترکوں نے یونان کو پیٹا۔ اتحادی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطنت عثمانیہ کی کشتی ڈوبتے دیکھ کر کمال پاشا نے انگورہ میں جمہوریہ ترکیہ کی تشکیل کی اور خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ ترکی جمہوریہ تنزل کے بعد پہلا زینہ ترقی کا ہے۔ تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

سیاسی بیداری

ترکوں میں بجز ذاتِ شاہانی کے کوئی ادارہ سیاسی نہ تھا حتیٰ کہ انقلابِ فرانس سے عثمانی عیسائی رعایا اثر پذیر ہو کر آزادی کی جدوجہد میں لگ کر کامیاب ہوئے۔ مگر ترکی طبائع پر اس انقلاب کا بہت کم اثر پڑا۔ سب سے پہلے جس شخص نے ترکوں میں حریت کا احساس پیدا کیا وہ مدحت پاشا تھا جس نے سلطان عبدالحمید کے شروع عہد میں دستوری حکومت کا اعلان کرایا۔ مگر سلطان کے استبداد کی بدولت دستور نہ چلا اور مدحت پاشا طائف میں نظر بند ہُوا۔ اور اُس کے ہمنوا شہر بدر کیے گئے۔ مگر اس واقعہ نے نوجوانوں میں حریت کا جذبہ پیدا کر دیا۔

ادھر سید جمال الدین افغانی نے عبدالحمید کو اتحادِ ملت کی طرف متوجہ کیا۔ اور حجاز ریلوے کو اُمت کی مشترکہ ملکیت قرار دے کر عالمِ اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ اس کے بعد ہی سلطان نے سید صاحب کو ٹھکانے لگوا دیا۔ انہی دنوں شیخ عبدالرحمٰن الکواکبی نے ترکوں میں اصلاحِ دینی

کی تحریک پیش کی۔ دو کتابیں طبائع الاستبداد اور جمعیۃ ام القریٰ لکھ کر شائع کیں۔ ترکوں میں ان کی مقبولیت بہت ہوئی۔ سلطان واشرار یلدز نے استبداد سیاسی سے الکواکبی کو دینی اصلاح سے روک دیا۔ بلکہ دونوں مذکورہ کتابوں کو مملکت عثمانیہ میں ممنوع الاشاعت قرار دے دیا۔

ملک میں اس کا اثر پڑا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی وطنی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی نیازی بک، انور بک، محمود شوکت پاشا وغیرہ نے انجمن اتحاد ترقی کی تشکیل کی اور کارہائے نمایاں کئے۔ سلطان کو معزول کر دیا۔ کمال پاشا نے آگے چل کر خلافت ہی کا الغاء کر دیا اور اس کے بجائے جمہوریہ ترکیہ قائم ہو گئی۔ پہلے صدر جمہوریہ کمال پاشا رہے۔ پھر عصمت انونو اور ۱۹۵۰ء میں جلال بائر صدر جمہوریہ ترکیہ ہیں۔

اس جمہوریہ کے تحت میں صرف ایشیائے کوچک اور یورپ میں تھوڑا سا علاقہ ہے۔ آبادی زیادہ تر مسلمان ہیں۔ پہلے سرکاری مذہب اسلام تھا۔ لیکن ۱۹۲۸ء میں سرکاری مذہب کی حیثیت اڑا دی گئی اور ترکی کو صحیح معنی میں ایک جمہوریہ قرار دیا گیا۔ ترکی کا رقبہ اب ۷۶۱، ۳۰۸ مربع کلو میٹر ہے جس میں زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے۔ دریاؤں کی وادیاں اور ساحلی علاقے زرخیز ہیں۔ انقرہ، ازمیر، استنبول بڑے شہر ہیں۔

نظامِ مملکت

سلاطینِ عثمانیہ میں سے پہلے جو سلاطین تھے ان کے یہاں نظم مملکت سلجوقی فرماں رواؤں کے طرز پر تھا۔ آگے چل کر اضافہ کر لیا۔ سلجوقیوں کی طرح مہمات سلطنت میں سلطان فرمانروائے مطلق تھا جس کی اطاعت لازمی تھی اور بشرط رعایت نصوص قرآن مجید سلطان رعایا کے جان و مال اور ملک و فوج وغیرہ پر سیاہ و سفید کا کلی اختیار رکھتا تھا۔ دولت عثمانیہ کے

سب سے بڑے دو عہدہ دار تھے۔ ایک صدرِ اعظم جو امورِ ملکی و فوجی کا کفیل ہوتا تھا۔ دوسرا شیخ الاسلام جو شرع شریف کا حامل ہوتا تھا۔ صدر اعظم کے ماتحت جملہ وزراء اور ملکی دفاتر تھے اور شیخ الاسلام کی نگرانی میں محکمہ جات شرع و قضاۃ۔ شیخ الاسلام علاوہ مذہبی امور کے مہماتِ سلطنت میں اعلانِ جنگ معاہدۂ صلح عزل و نصب سلطان وغیرہ میں دخیل تھا۔

شیخ الاسلام کے بعد قاضی عسکر روم ایلی اور قاضی عسکر اناطولیہ کا درجہ تھا ان میں سے ہی شیخ الاسلام بنایا جاتا۔ سلطان شیخ الاسلام کے علیحدہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ مگر حرمتِ شرع کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا تھا اور نہ سلطان ان کے فتوٰی کی مخالفت کا اختیار رکھتا تھا بلکہ شیخ الاسلام کی عظمت اور بزرگی ملحوظ رکھنی پڑتی تھی۔ چنانچہ سلاطینِ عثمانیہ میں سلطان سلیم خاں بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہُوا ہے۔ ایک موقع پر اُس کو ملازمینِ خزانہ پر غصہ آگیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ مولانا علاء الدین جمالی ان دنوں قسطنطنیہ میں مفتی تھے، اُنھوں نے جو یہ سخت حکم سُنا تو ان بیکس ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کو سمجھانے کے لئے باب عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صدر بدوں کسی حادثۂ عظیم کے باب عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزراء میں داخل ہوئے تو سارے اہلِ دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے مفتی صاحب کیسے تشریف لائے۔ حضور سلطانی میں ان کی اطلاع ہوئی اور یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد سلسلۂ تقریر یوں شروع کیا:۔

"جو علماء منصب فتوٰی رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ سلطانِ وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں۔ میں نے سُنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے۔ لہٰذا میں عفوِ سلطانی کی استدعا کرتا ہوں"

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہر آلود ہو کر کہا کہ تم کو اپنے حدِ اختیار سے بڑھنا اور امورِ سلطنت میں دخل دینا نہیں چاہیئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں معاملات سلطنت میں دخل نہیں دیتا بلکہ عاقبت سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا فرض ہے۔

ان عفوت فلك النجاة وان فلك عقابٌ عظيمٌ۔

سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں۔

جب مفتی ممدوح نے اُٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرضِ منصبی ادا کر چکا، اب ایک بات شانِ سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے پُوچھا وہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں؟ کیا یہ مناسب ہو گا کہ غلام شاہی ہو کر در بدر مانگتے پھریں؟

سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا، تو ان کی جگہ پھر انہی کو عطا فرمائی جائے۔ سلطان نے ازراہ مراحم خسروانہ اس کو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائے گی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ تعزیری سزا رائے سلطانی پر منحصر ہے۔ اتنا کہہ کر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے [1]

ایک دن سلیم نے اُن سے پوچھا کہ دُنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ جمالی نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے۔

سلطان نے صدرِ اعظم کو حکم بھیجا کہ ہر گوشہ میں اعلان کر دیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا۔"

---

[1] علمائے سلف از نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی صدر یار جنگ بہادر ص ۱۱۳۔

شیخ کو خبر لگی تو بطریق کو لے کر سلطان سلیم کے پاس پہنچے اور وہ عہد نامے دکھائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاریٰ کے ساتھ کئے تھے۔ پھر قرآن مجید کا حکم سنایا کہ اہلِ کتاب سے جزیہ لے کر مذہب میں آزاد چھوڑ دینا چاہیئے سلیم کو شیخ کے ارشاد پر پابند ہونا پڑا اور حکم واپس لے لیا۔

داخلی نظم ونسق کے دفتر کو دیوانِ دولت سے خطاب کرتے تھے۔

وزراء

تین وزراء مقرر کئے جاتے تھے۔ سلطان احمد ثالث نے آٹھ کی تعداد وزراء کی مقرر کی اور ان کا رئیس صدر اعظم کو بنایا۔ انہی کی مشاورت سے امورِ سلطنت طے پاتے اور ماتحت دفاتر نیز سلطنت کے صوبوں اور ریاستوں کے حکام وعمال کے بھی وزراء نگراں تھے۔

قپودان دریا کا وہ عہدہ تھا جس کے تحت میں بحری افواج تھیں اور بری فوج صدر اعظم کے تحت میں تھے۔

رعایا کے ساتھ سلوک

سلاطینِ عثمانیہ جہاں شجاعت میں سب سے نمایاں وصف رکھتے تھے اس کے ساتھ ہی رواداری میں بھی اقوام عالم میں بے نظیر تھے۔

ترکوں نے ہمیشہ رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا۔ عیسائی اور یہودی سب ہی خوش اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یورپ میں یہودیوں پر بڑے ظلم روا رکھے جاتے مگر ترک اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے مگر اس پر بھی وہ فتنہ اُٹھاتے۔ نصرانیوں سے میل کر لیتے پھر بھی ان پر ظلم نہ کیا جاتا بلکہ تادیب ضرور کر دی جاتی۔ غیر مسلموں کو مذہبی آزادی تھی قسطنطنیہ میں بطریق کے عہدہ کو قائم رکھا اور اس کے حقوق محفوظ کر دیئے۔

مذہب

ترک اسلام میں داخل ہونے کے بعد سے اسلام کے سچے فدائی ہو گئے اور شعائر اسلام کا ہمیشہ احترام رکھا۔ یہ اُن کے بے ریا اور مخلصانہ اسلام کا ہی اثر تھا کہ ایک طرف اپنی آبائی شجاعت کے جوہر دکھاتے، دوسری طرف اپنے اخلاق اور بلند سیرت اور رواداری سے اپنی زیر اثر قوموں کو گرویدہ کر لیتے۔ چنانچہ سربیا، بلغاریہ، رومانیہ اور یونان، البانیہ کے بے شمار افراد بلا جبر و اکراہ عیسائیت کی خرافات سے بیزار ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

انکشاریہ فوج میں وہ نصرانی نوجوان لئے جاتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ ان نوجوانوں کی اسلامی طور طریق سے تعلیم و تربیت کی جاتی کہ ان کے اخلاق اعلیٰ ہوتے اور ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا ہو جاتی۔

نماز روزے کے بڑے پابند اوراد و وظائف کے عادی، قرآن مجید بڑے خوش الحانی سے پڑھتے۔ نیک چلن ایسے ہو جاتے کہ پاکیزگی ان کے چہروں سے عیاں ہوتی۔ ان کی اعلیٰ سیرت کے چرچے دُور دُور تک تھے۔ بلقان کے عیسائی رؤسا اپنے بیٹوں کو خوشی سے لا کر خود انکشاریہ فوج میں بھرتی کراتے تھے۔

ترک بالعموم مجاہد اور سرفروش ہونے کے ساتھ دینی عقائد کے پکے، عبادت کے پابند اور خانگی زندگی، روزمرہ کے معاملات اور اخلاق میں خالص مسلمان اور باہمی اخوت رکھنے والے غیر متعصب، نیک اوصاف سے متصف۔ ان خوبیوں کی وجہ سے ان کی سیرت بلند تھی۔ سلاطینِ عثمانیہ اور رعایا حنفی مذہب کے پابند اس وجہ سے اختلافی جھگڑے بہت کم پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام کی پوری اطاعت کرتے۔ جو وہ حکم دیتا اس کو دل سے مانتے۔

ترکوں کو تصوف سے بھی دلی لگاؤ تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رائج تھا۔ خانقاہیں، تکیے اُن کے مرکز تھے۔ البتہ نام نہاد صوفیوں کی وجہ سے فتنوں کا ظہور ہوتا رہتا جس کا اثر ترکوں کی باہمی اخوت اور اُن کی سیاست ملکی پر پڑتا تھا۔ جمہوریہ ترکیہ نے تمام زوایا اور تکیے بند کرا دیئے۔ علماءِ سو بھی اپنے وقار کی خاطر بعض ایسی حرکتیں کرنے لگے تھے جس کا اثر نقصان رساں تھا۔ یہ حکومت کے آلہ کار بن کر حریت نواز قوم کو غلط راستہ پر لگانا چاہتے تھے، اس کے علاوہ ان علماء میں قدامت پسندی زیادہ تھی وسعتِ نظر کم۔ اس وجہ سے ہی مذہب کے نام سے مفید دنیاوی علوم وفنون کے پڑھنے سے روکتے۔ ملک کی فلاح کے لئے جدید اصلاحات پیش کی جاتیں تو اُن کی مخالفت کرتے۔

نوجوان ترکوں نے ان کے اقتدار پر ایسی سیاسی کاری ضرب لگائی کہ یہ حضرات لاچار ہو کر رہ گئے۔ پھر ان کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ البتہ علمائے حق کی ہر زمانہ میں توقیر و منزلت رہی۔ تمام سلاطین عثمانیہ ان کے سامنے جھکتے رہے اور ان کی قدر و منزلت شایانِ شان کرتے رہے۔ ان علماء احناف کا ہی اثر تھا کہ سلطان سلیم اول مذہب حنفی کا سب سے بڑا علمبردار تھا جس کی یہ خواہش تھی کہ اس کے قلمرو میں بجز حنفیت کے کوئی دوسرا مذہب نہ رہنے پائے اور اس کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابی بھی ہوئی اور اس کے اخلاف بھی سرگرم سعی رہے۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں اسلام سے ہی اگلا سا شغف نہ رہا تو حنفیت کی پُرسش کیا ہوتی۔ مگر ترک حنفی ہی کہلاتے ہیں۔

عُثمانی ترکوں کا عہد

ترک ہمیشہ علم کے شیدائی اور دوسرے علمی اقوام کے ہونہار شاگرد رہے ہیں۔ ترکی علماء عجمی عربی تمدن پر گہری نظر رکھتے تھے اور چونکہ ازمنہ وسطیٰ میں علم کا مطلب ہی علمِ دین تھا اس لئے اسلامی دینیات کے مطالعہ کا شوق بہت جلد ترکوں میں پیدا ہو گیا۔

شروع عہد میں ترکی علماء میں مشہور شخصیت شیخ اودے بلی کی تھی جس کی دامادی کا فخر عثمان خاں کو تھا۔ ان کے ہم عصر علماء میں درسوں فاقی، چندرالی، قراغلیلی یگانۂ روزگار تھے۔

سلطان آورخاں نے مدرسہ ازنک قائم کیا جہاں سے علوم عربیہ کے بڑے بڑے صاحب فضل وکمال نکلے۔ سلطان سلیم نے ادرنہ میں عظیم الشان درسگاہ قائم کی اور قسطنطنیہ کا دارالعلوم سلیمانی خاص شہرت رکھتے ہیں، جہاں دور دور سے طلباء نے آکر علم کی تحصیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں عسکر بے لی جمال الدین اور علامہ سعدالدین تفتازانی کی خاص شہرت ہے۔

شیخ بدرالدین نے تصوف کے متعلق قابلِ قدر کتابیں لکھیں سلطان محمد فاتح کے عہد میں ملاخسرو نے کتب فقہ کے مصنف کی حیثیت سے خاص نام پایا اور ان کی کتاب "غرر" اور اس کی شرح "درر" بہت شہرت پذیر ہیں۔ زمبلی، علی جمالی اور مفتی اعظم کمال پاشا زادہ نے سلطان سلیم اوّل کے عہد میں اپنے فضل وکمال کے ڈنکے بجوا دیئے۔ ان کے تبحر علمی کی تمام عالم اسلامی میں شہرت تھی۔

تفسیر سلطان سلیمان کے زمانہ میں مفسر قرآن علامہ ابوسعود آفندی نامور عالم تھے۔ ابن کمال نے تفسیر اور کمالیات میں بڑی شہرت پائی۔ انھوں نے تاریخ پر بھی قلم اٹھایا۔ شاعر بھی تھے۔ غرضیکہ جامع العلوم اپنے زمانے کے تھے۔

طب ترکی علماء نے طب یونانی کو نوازا اور اپنی زبان میں اس کی کتب کو منتقل کر لیا۔ مشاہیر اطباء میں حکیم اسحاق اور حاجی پاشا تھے۔ یہ بایزید کے معاصر تھے۔ التجی زادہ، خاوبچی زادہ محمد فاتح کے ہمعصر تھے۔ علی احمد چلپی وسیم عباس کی بھی بڑی شہرت ہے۔ فنِ جراحی میں خصوصًا کمال کی حیثیت سے ان کی شہرت وسطی یورپ تک پہنچی ہوئی تھی۔

شفاخانہ سلطان بایزید نے ۱۴۰۱ء میں بروصہ میں شفاخانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے ساتھ مطب بھی حاذق اطباء کا تھا۔ مدرسہ سلیمانی اور مدرسہ محمد فاتح میں درسیات کے ساتھ طب یونانی کا بھی درس لازمی تھا۔

تاریخ عاشق پاشا زادہ سب سے پہلا ترکی مؤرخ تھا۔ وہ بایزید ثانی کے عہد میں گزرا ہے اور اپنے ہمعصر نشری کی جہاں نما کی طرح اس کی تصنیف میں ترکوں کی لڑائیوں کا حال نہایت سلیس اور صاف زبان میں ہے۔

سعدالدین مراد ثانی متوفی ۱۵۹۹ء نے عثمانی خاندان کی ایک مفصل تاریخ ترکی نثر میں تحریر کی جس میں ابتدا سے لے کر سلیم اول تک کے تاریخی حالات مندرج تھے۔ اس کا نام "تاج التواریخ" تھا۔ اس تاریخی تصنیف سے ترکی ادب میں عمدہ سوانح نگاری کا آغاز مواحبس کی بڑی حد تک کمی تھی۔ نعیمات نے تاریخ عثمانی کے نام سے ایک تاریخی کتاب لکھی۔ اس کا زمانہ ۱۵۹۲ء تا ۱۲۵۹ء تھا۔ محمد رابع کے زمانے میں ایک مشہور ترکی سیاح اولیا نے اپنی سیر و سیاحت کا حال ایک سفرنامہ میں تحریر کیا ہے۔

طاشکبری زادہ بھی ترکی زبان کا مشہور عالم و فاضل تھا۔ اس نے فقہاء و مشائخ کی سوانح حیات تحریر کیں۔ ایک دوسرے عالم عطاء اللہ نے بھی اس قسم کی کتاب لکھی۔

ترکی قوم میں حاجی خلیفہ نامور شخصیت ہے جو عربی، فارسی، ترکی کا زبردست عالم تھا۔ اس نے کشف الظنون کے نام سے عربی، ترکی، فارسی کے مصنفین اور ان کی تصنیفات پر مبسوط کتاب لکھی جو محققین کے لئے شمع راہ ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے۔ اس کا ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۵ء میں انتقال ہوا۔

ترکی تاریخوں میں نائمہ کی کتاب سب سے زیادہ مستند ہے۔ دوسرے مؤرخین راشد محمد، اسمٰعیل عاصم، عزی سلیمان، واصف احمد یحییٰ، سلانیک لی مصطفےٰ علی آفندی، ان سب نے تاریخ ترکی کے انقلاب آفریں واقعات پر نظر ڈالی

ہے مصطفیٰ پاشا کی نتائج الوقوعات اور عطابیے کی اندرونی تاریخی، علی آفندی کی مناقب ہنروراں، نتائج الوقوعات میں صرف واقعہ نگاری پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ سلطنت کے نظم ونسق کی تصویریں کھینچی گئی ہیں۔

جغرافیہ سپاہ زادہ محمد کا جغرافیہ مشہور ہے اور امیر محمد ابن حسن نے سولھویں صدی میں امریکہ کے حالات پہلی مرتبہ ترکی زبان میں لکھے۔ حاجی خلیفہ نے بھی جہاں نما تصنیف کی۔ اطلاس خورد کا ترکی ترجمہ بھی اسی نے کیا۔ نیز بحری جنگ پر کئی تالیفوں کا سہرا بھی اس کے ہی سر ہے۔ رئیف احمد نے عہد سلیم میں جغرافیہ پر انگریزی میں مقالہ لکھا اور ایک اطلس مرتب کی سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں مغربی علوم کے تراجم کثرت سے ہوئے اور اس عہد میں ترقی کے بڑے بڑے مصنف ومؤلف تھے۔ بلیشتر کے حالات ترکی زبان کی قاموس الاعلام" میں تحریر ہیں۔

ترکی نظم ونثر

ترکی زبان اپنے وطن سے دور جاکر غیر ملکوں میں بار آور ہوئی۔ ترکوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی تو وہاں کے ایک حاکم امیر قراماں نے جو قونیہ کا حاکم اور شیخ نورالدین صوفی کا خلف ارشد تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں ترکی زبان کو پہلی پہل سرکاری زبان بنایا اور عربی علمی ودینی زبان تھی۔ سرکاری زبان بنتے ہی اس علاقہ میں جسے آج کل مملکت ترکیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے ترکی زبان پھیلنی شروع ہوئی۔ اس کے بعد خاندانِ عثمانیہ کے زیر سایہ ترکی زبان نے علمی وادبی زبان بننے کا [illegible] اختیار کرنا شروع کیا۔ ورنہ اپنے وطن ترکستان میں بول چال سے زیادہ حیثیت اس کی نہ تھی۔

ادب قدیم قدیم ترکی ادب میں کچھ نظمیں ہیں جو چند بزرگوں نے تصوّف اور اخلاق پر تحریر کی تھیں۔ یہ پہلے مجموعے ترکی زبان کے ہیں۔

احمد یسوئی جو یسوئی طریقے کے بانی تھے انہوں نے لہجہ خاقانیہ میں اپنی نظمیں ترکی زبان میں لکھی تھیں۔ ان کے بعد سلطان ولد بہاؤالدین کی نظمیں ہیں جو لہجہ اغوزیہ میں ہیں۔ یہ بزرگ مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے تھے۔

غرضیکہ ترکی شاعری کی بنیاد ایسے بزرگ ہاتھوں سے تصوف پر قائم ہوئی۔ اس کے بعد شعراء نے یہی رنگ اختیار کیا اور فارسی عربی کے وسیع سرمایہ سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے ترکی زبان میں سلاست و روانی، پاکیزگی اور بلند خیالی پیدا کی۔ قدیم یونس شاعر نے عوام کی بول چال میں چند نظمیں اس ذہنیت کے مطابق لکھیں جو ترکی ادب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔

قدیم شعراء میں عاشق پاشا مشہور شاعر تھا۔ ایک اور شاعر غازی فاضل نے سلیمان بن اورخاں کے معرکہ گیلی پولی اور دیگر کارناموں پر رزمیہ نظمیں لکھ کر ترکی زبان میں رزمیہ شاعری کی بنیاد ڈالی۔ شیخ کرمیان نے فارسی کی عاشقانہ مثنویوں کی طرز پر محمد اوّل اور مراد کے زمانے میں مثنوی شیریں خسرو لکھی۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد یحیٰی اوغلو نے محمدیہ کے عنوان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور تاریخی حالات پر ایک تاریخی مثنوی لکھی۔ اس طرح مختلف مثنویوں کے ذریعے ترکی شاعری کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ لیکن غزل گوئی معراج کمال تک نہ پہنچی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایک تاتاری شیر نوائی شہزادہ علی نے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ نہایت عمدہ غزل گو شاعر تھا مگر جس شخص نے ترکی غزل گوئی کا بہترین طریقہ نکالا وہ محمد ثانی کا وزیر احمد پاشا تھا۔ وزیر کی وجہ سے ترکی شاعری سلطانی دربار تک پہنچ گئی اور امراء و سلاطین کی تفریح طبع کا ذریعہ بن گئی۔ چنانچہ تمام خلفائے عثمانیہ شعر و ادب کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور عام طور پر سلاطین خود بھی شعر کہتے تھے اور شعراء کی قدردانی کرتے تھے۔

سلیمان اعظم کے زمانہ میں محمد بن سلیمان فضولی مشہور شاعر تھا۔ اس کے بعد باقی کیفی نابی، شیخ غالب مولوی، نیفی، ندیم، یہ سب قدیم دور کے شعراء تھے۔

کیفی ارضِ روم کا باشندہ تھا۔ قصیدہ گوئی میں اُس نے نمایاں شہرت حاصل کی۔ یہ سلطان احمد اول کے عہد میں تھا۔ اپنی قدرت زبان و بیان کا ثبوت اُس نے اپنے کلام میں دیا ہے۔ اہلِ ذوق شعرائے کرام میں اُسے دوسرے درجے کا شاعر مانتے ہیں۔

ناؔبی ترکی زبان کا مشہور غزل گو شاعر تھا جس نے فارسی شاعر صائب کے تمثیلی رنگ میں غزل گوئی اختیار کی۔ اسی وجہ سے اُس کے کلام میں صائب کا رنگ صاف نمایاں ہے۔ اس نے سلطان ابراہیم اور سلطان محمد رابع دونوں کا زمانہ دیکھا تھا۔

ندیمؔ احمد اول کے زمانہ سے احمد ثالث کے زمانہ تک تھا۔ یہ مقبول عام شاعر تھا۔ ترکی شاعری میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اسمٰعیل حبیب اس کے متعلق لکھتا ہے:۔

"اس کی شاعری میں نشاط و طرب کی روح حالتِ وجد تک پہنچ گئی تھی"

شیخ غالبؔ مولوی سلطان سلیم ثالث کے عہد کا شاعر تھا۔ ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ حسن و عشق اس کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ترکی نقادوں نے اُسے قدیم شعراء میں چوتھے درجہ کا قرار دیا ہے۔ اس کے اشعار میں رنگا رنگ خیالات و جذبات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

قدیم شعراء میں ایک شاعرہ نیفیؔ بھی بلند درجہ رکھتی تھی۔ سلطان مراد رابع کی مصاحبہ تھی اور قدیم شاعرات میں وہی ایسی خاتون ہے جس نے ترکی ادب میں لافانی شہرت حاصل کی۔ نقاد مذکور اس کے متعلق لکھتا ہے:۔

"وہ ایسی آبشار تھی جس میں شان و شوکت اور عظمت کی لہریں متلاطم رہتی تھیں"

مذکورہ بالا ممتاز شعراء میں رومیؔ، لامعیؔ، یحییٰ بیگؔ، نوائیؔ، نفعیؔ، ابوسعودؔ، باقیؔ، نورسؔ، حشمتؔ، حنبلی زادہ، وہبیؔ، پرتوؔ اور نصیحتؔ کے نام بھی قدیم شعراء میں نظر آتے ہیں لیکن ان کا ترکی ادبیات میں کوئی مستقل مقام نہیں ہے۔

ان ترکی شعراء کی یہ شاعری نہ صرف وزن و بحر بلکہ معنی و روح کے لحاظ سے بھی قدیم فارسی شاعری کے مشابہ تھی جس کے تمام رشتے حیات اور عمل سے منقطع ہو چکے تھے۔ آن دور میں جب مغربی خیالات کے اثر سے ترکی میں نئی ذہنیت پیدا ہوئی تو اُن کی شاعری نے بھی نیا رنگ بدلا جس کے علمبردار نامق، کمال، حامد، توفیق بک اور محمد عاکف وغیرہ ہیں۔ ان شعراء نے حُسن و عشق اور ہجر و وصل کے افسانے چھوڑ کر اثباتِ زندگی اور ذوقِ عمل کے نغمے گائے اور عقل و تدبیر کی تحقیر اور توکل و تقدیر کی غلط تعبیر جو گوشہ گیر اور زاویہ نشین متصوفین کے اثر سے دلوں میں جاگزین ہو گئی تھی دُور کر کے ارتقائے فکر اور سعی پیہم کے جذبات اُبھارے۔ ترکی کے انقلاب میں بھی ان شعراء کی سعی مشکور رہی ہے۔

ترکی نثر ترکی نثر کا آغاز نظم کے عرصہ بعد ہوا۔ پہلے قصّے کہانی لکھے گئے۔ شیخ زادہ اور سنان پاشا کی تصانیف اسی پر بنتی ہیں۔ شیخ زادہ نے ترکی میں "چالیس وزیروں کی کہانی" تحریر کی اور اس کتاب کو مراد ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ سنان پاشا جو محمد فاتح کا وزیر تھا، نثر میں ایک کتاب لکھی جو نثر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۴۳۱ء میں ہوا۔

علی چلپی نے انوار سہیلی کا ترجمہ کر کے ہمایوں کے نام سے سلیمان اوّل کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ترکی ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد سے بہت سی کتابیں ترکی زبان میں لکھی گئیں اور بڑے بڑے مصنف پیدا ہوئے۔ دینیات، تاریخ اور ادب میں زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ دیگر علوم و فنون میں خلفائے عثمانیہ کے عہد میں کم لکھی گئیں۔ کمال پاشا کے عہد میں اس کی بڑی تلافی ہوئی مگر وہ سب ذخیرہ لاطینی رسم الخط میں ہے۔ کمال پاشا نے تعلیم عام کر دی۔ ۱۹۳۱ء میں یہ قانون منظور ہوا جو تعلیم یافتہ نہیں ہے وہ شہری حق نہیں رکھتا جس سے جہالت ختم ہو گئی۔

صنعت و حرفت ترکوں نے اپنے عہدِ ترقی میں صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ کی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ یورپین ممالک کی مانند

نہ ترقی دے سکے۔ بعض صنعتوں کو ضرور فروغ دیا۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں کارخانے بڑے پیمانے پر قائم ہوئے جس سے اقتصادی حالت سدھر گئی اور زراعت کو بھی شہروں میں جدید طریقے پر ترقی دی۔ مگر زیادہ کامیابی دیہات میں ابھی نہیں ہوئی۔ مگر افلاس وغربت بمشکل ہی کہیں نظر آتی ہے۔

تجارت خاندانِ عثمانی کے زمانے میں ترکیہ کی تجارت زیادہ تر یونانیوں اور دوسری اقلیتوں کے ہاتھ میں تھی۔ ترک تجارت کے لئے موزوں نہ تھے وہ تجارت کو اپنے لئے ناموزوں خیال کرتے تھے۔ وہ دشمن سے لڑنا اور حکومت کے امور میں شرکت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ مگر جمہوریہ ترکیہ نے ان ترکوں میں بھی تجارت سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اور اب وہ تجارت پر متوجہ ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اب ترک تاجر کا دفتر نہایت قرینہ سے سجایا ہوا ملتا ہے۔

انقرہ اور استنبول میں ترکوں کی زندگی کے آثار بھیر آتے ہیں۔ ہزاروں مرد و عورت ٹراموں، بسوں، ریلوں میں علی الصبح کام کاج کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ گاڑیاں ان سے کھچا کھچ بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے رنگ، لباس اور اداب سے یہ اندازہ لگانا محال ہے کہ وہ مغربی یورپ کے باشندوں سے مختلف ہیں۔

استنبول جہاں آٹھ لاکھ کی آبادی ہے۔ یہاں کثرت سے باغات ہیں۔ باغوں میں جو بچے کھیلتے نظر آتے ہیں۔ ان میں اور انگریز امریکن بچوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔

ترک مغربی معاشرت اختیار کر چکے ہیں۔ مرد اور عورت لباس کے متعلق سخت محتاط ہیں۔ ان کی ہر بات سے سلیقہ اور قرینہ ہے۔ ترک خواتین فیشن میں اپنی فرانسیسی بہنوں کی تقلید کرتی ہیں۔ مگر چال چلن میں دور کا واسطہ نہیں رکھتیں نیکی اور پاکبازی ان کا قومی شعار ہے۔

ترک خواتین

ترکی خواتین کا ہر زمانہ میں یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ عفت وعصمت مآب مثل عرب خواتین کے رہی ہیں۔ عام طلاق وخلع نے کسی غلط راستہ پر انہیں نہیں لگنے دیا۔ ان میں بھی اپنے مردوں کی طرح بہادری کے جذبات ہیں۔ انگورہ میں پہلی کانفرنس کمال پاشا نے منعقد کی تھی اس میں خواتین بھی شریک ہوئی تھیں۔ کمال پاشا نے ان کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اب سوال گھر میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ مردوں کے پہلو بہ پہلو خلوتوں سے نکل کر دشمن سے ملک ووطن کو آزاد کرانا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہر جنگ میں ترک عورتوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ توپیں گھسیٹ کر لاتیں۔ دشمن پر مردوں کے ساتھ حملہ آور ہوتیں۔ نرسنگ کا کام انجام دیتیں۔ ترکوں کی کامیابی میں عورتوں کا بھی برابر کا ہاتھ ہے۔ خالدہ ادیب خانم کی زندگی شاہد ہے۔

قیامِ جمہوریت کے بعد بھی کمال پاشا کی توجہ عورتوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بہت زیادہ رہی۔ چنانچہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ترک عورتیں ترقی کے میدان میں گامزن ہیں۔ ترکیہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے ایک رسالہ کادین دایو" عورتیں اور خانہ داری کے نام سے نکلتا ہے جس میں عورتوں کو لباس اور قومی شعار اپنانے کی ترغیب دی جاتی ہے عصمت انونو نے صنعت کے زنانے ادارے کثرت سے کھولے جہاں ہزاروں ترک لڑکیاں لباس بنانے، لباس مرمت کرنے، کپڑے دھونے اور نئے فیشن کے مطابق قطع وبرید کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ کھانا پکانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ترکوں کا نظریۂ خلافت

خلافتِ راشدہ کے عہد میں مذہب اور سیاست جدا جدا نہ تھے۔ خلیفہ مذہبی

اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا مظہر ہوتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے اربعہ نے حدودِ شرع میں رہ کر حکومت کے فرائض بھی بہترین طور سے انجام دیئے۔ ان کی فرمانروائی کی بنیاد شرعی دستورِ حکومت کے مطابق تھی اور وہ اس سے سرِمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحیح خلافت جو تمام شروط اور قدیم روایاتِ عرب کی حامل تھی وہ مجموعی حیثیت سے صرف خلفائے اربعہ کی خلافت حقہ تھی۔ امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظام سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس جگہ ان بزرگوار نے موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشین عالم اسلامی پر اس حکمتِ عملی کے زیرِ اثر حکومت کرتے رہے۔

امیر معاویہؓ کی وجہ سے خلافت موروثی و خاندانی بن کے رہ گئی اور یہی طریقہ بنی عباس کے یہاں رہا۔ البتہ خلفائے راشدین کی طرح بیعت اور امامت کا سلسلہ ضرور قائم رکھا گیا۔ گو خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تھی۔ مگر یہ سب بادشاہ یا شہنشاہ کے بجائے خلیفہ ہی کہلائے گئے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے تھے کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی پھر جبر و استبداد کی حکومت ہو جائے گی، حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت حسنؓ تک تیس سال پورے ہوتے ہیں، اس کے بعد جبر و استبداد کی ملوکیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزین تھا کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاح عالم اور دنیا کے نظام کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس نظامِ خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔

اسی بنا پر بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی سمجھا جاتا تھا اور عوام تو عوام، بڑے سے بڑے بادشاہ سلطان محمود

جیسے اپنے معاصر خلیفہ مقتدی باللہ عباسی سے سندِ حکومت وخطاب حاصل کرتے اور اپنے خطاب کو طرۂ امتیاز سمجھتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے :-

"یوسف بن تاشفین نے سبتہ و مراکش کے حاکم کو مقتدی کی خدمت میں بھیجا تاکہ جن ممالک پر اُس نے قبضہ کیا ہے ان پر حکومت کرنے کی اجازت اس کے لئے خلیفہ سے حاصل کرے اور اس کے سلطان ہونے کا اعلان کرائے۔ خلیفہ نے اس کی اس فرمائش پر شرفِ قبول بخشا اور اس کے پاس خلعت، نشان اور فرمان بھیجا اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے انتہائی خوشی ہوئی اور فقہاء مغرب بھی بے حد مسرور ہوئے"[1]

سلطان صلاح الدین ایوبی، شمس الدین التمش یہ سب خلفائے عباسیہ کی سند نیابت پائے ہوئے تھے۔ چوتھی صدی میں آخری خلفائے عباسیہ کا اقتدار بالکل کم ہوگیا اور مرکزِ خلافت میں ترک جنرلوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا اور خود مختار مملکتیں بن گئیں۔ فارس میں علی بن بویہ، بنو حمدان موصل میں، مصر و شام میں محمد بن طفج اخشید کی آزاد مملکت، خراسان میں نصر بن احمد سامانی کی خود مختار سلطنت قائم تھی[2] اس کے ساتھ ہی عالمِ اسلامی میں تین خلافتیں قائم ہوگئیں۔ اندلس میں اموی خلافت، بغداد میں خلافتِ عباسیہ، بلادِ مغرب میں خلافت فاطمیہ، ۵۵۵ھ میں خلافت فاطمیہ ختم ہوئی اور ۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ کا لاشہ تڑپ کر سرد ہوگیا اور اس کے ساتھ خلافت کے قدیم نظام کا خاتمہ ہوگیا۔

اب ہر طاقتور حاکم خود خلیفہ بن بیٹھا تھا اور اپنی حکومت کے شرعی جواز کے لئے خلفاء سے فرمان یا سندِ حکومت حاصل کرنا ضروری نہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں نے مسلمان ہونے کے بعد قاہرہ میں خلفائے عباسیہ کی کوئی پرواہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۱ [2] الفخری صفحہ ۲۴۹

نہ کی۔ فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رُخ اور تونس کا حاکم ابوعبداللہ محمد حفصی نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابوعنان فارس مراکش کے خانوادۂ مرینہ کے ایک فرد اور سلطان علاؤالدین خلجی اور اوزن حسن کرکمانی بھی خلافت کے مدعی تھی[1]

بلاد ماوراء النہر میں محمد شیبانی اور مصر کے بعض مملوک سلاطین قاتیبائی اور قانصوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

سقوط بغداد کے بعد خلیفہ کے مفہوم کا دائرہ عالم اسلامی کے روحانی اور مذہبی فرمانروا تک محدود نہ رہا تھا بلکہ اب اس کا اطلاق ہر طاقتور فرمانروا پر کیا جانے لگا تھا۔ مگر مملوک فرمانروا مصر ببرس نے اپنے اقتدار کے لئے پھر خلافت بنی عباس کے ڈھانچہ میں زندگی پیدا کرنا چاہی۔ کیونکہ اہل مصر مملوکوں کے استحقاقِ حکومت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس نے استحکامِ حکومت کے لئے یہ حکمتِ عملی اختیار کی کہ عباسیہ خاندان کے ایک رکن کو خلیفہ بنایا اور ان کا نام خطبہ میں اپنے نام سے پہلے پڑھوایا۔ اور دربارِ عام کر کے خلافتِ مآب سے شرعی نیابت کی سند لی[2] اور وہ چاہتا تھا کہ بغداد میں پھر نئے سرے سے خلافت کی بنیاد کو مستحکم کرے۔

خلیفہ کو لے کر روانہ ہوا مگر یہ دمشق سے لوٹ آیا۔ خلیفہ پر تاتاری ٹوٹ پڑے اور وہ شہید ہو گئے، تو عباسی خاندان کے دوسرے فرد ابوالعباس احمد جو تاتاریوں کے ہاتھ سے بچ رہا تھا اس کو خلیفہ بنایا اور بیعت معہ ارکانِ سلطنت کے کر لی۔ حاکم بامر اللہ لقب دیا گیا۔ مگر عباسی خلیفہ کا دائرۂ عمل مذہبی اجارہ داری تک محدود رکھا گیا۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق دخل نہ تھا۔ بقول مقریزی خلیفہ کی حیثیت صرف ایک نظر بند کی تھی جو عزلت نشینی کی زندگی گزارے۔

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص ۱۱۵ [2] النجوم الزہری جلد ۱ ص ۱۸۰

بیبرس کو اپنی اس سیاسی چال سے بڑا فائدہ پہنچا۔ ملک کو وسعت ہوئی اور اس کا دائرۂ اقتدار حامی دین کے پردے میں بہت وسیع ہو گیا۔ مصر میں خلافت کا یہ نظام سلطان سلیم اول کی تسخیر تک قائم رہا۔ سلطان سلیم مصر پر تسلط قائم کرنے کے بعد خلیفہ عباس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سلطان مملوکوں کے ملک پر جس میں حرمین شریفین بھی داخل تھے اس کے قبضہ میں آئے اور خلیفہ نے تبرکات خلافت بھی سلطان کو تفویض کئے[1] مگر اس کی نگاہ میں خلیفہ کی کوئی قیمت نہ تھی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا اضافہ کرتا بلکہ اس نے بہت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے لئے خادم الحرمین کا لقب استعمال کیا اور ہمیشہ اپنے لئے باعث صد عزت خیال کرتا رہا۔ گو فتح مصر سے قبل وہ خود دوسرے سلاطینِ اسلام کی طرح خلیفہ کے لقب سے انتساب رکھتا تھا اور اس کے آباؤ اجداد ڈیڑھ سو برس سے اس لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر فتح مصر کے بعد یہ لقب اس کے نام کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ البتہ الخاقان الاعظم، ملک ملوک العرب والعجم اس کے القاب تھے۔ ہاں وابستگانِ دولتِ عثمانیہ قصائد وغیرہ میں خلیفہ کے لقب سے سلطان کو یاد کرتے مگر سرکاری طور سے تاریخ خاموش ہے۔

سلطان سلیم کے جانشینوں میں بھی کسی سلطان نے خلیفہ، امام یا امیر المؤمنین کا لقب اختیار نہیں کیا۔

سلاطینِ عثمانیہ نے اٹھارہویں صدی میں سب سے پہلے خلیفہ کا لقب سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا اور تبرکاتِ خلافت کے استعمال کا سلطان محمود کو ۱۲۴۱ھ میں انکشاریہ کی بغاوت پر موقع پیش آیا۔ سلطان نے علمِ نبوی کو نکالا اور اس کی روحانی قوت سے انکشاریہ کے خاتمہ میں کام لیا۔[3]

---

[1] تاریخ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۶ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۴۲

[3] تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ۔

ورنہ سلیم اوّل کے بعد جملہ سلاطین عثمانیہ آخر تک بجز حرمین شریفین کے خادم اور جزیرۂ عرب کے محافظ ہونے کے جو اُن کی سلطنت کا ایک جزو تھا، فرائض خلافت کا خیال نہ رکھتے تھے اور نہ ان سلاطین نے عالم اسلامی کی کوئی دینی یا دماغی راہبری کی، نہ اُن کی وحدت کا کوئی ذریعہ پیدا کیا۔ حتیٰ کہ خلفائے بنی عباس حج کو جاتے تھے مگر کوئی عثمانی سلطان حج سے شرف اندوز نہ ہوا۔ البتہ سیّد جمال الدین افغانی نے سلطان عبدالحمید کو اتحادِ ملّت کے لئے آمادہ کیا اور حجاز ریلوے کی تعمیر سے عالم اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ ہندوستان کے علماء و سیاسی رہنماؤں نے ترکوں کی خلافت کی اہمیت ظاہر کی اور اس کے ذریعے دولِ یورپ کو مرعوب کرنا چاہا اور دُولِ یورپ بھی ترکی خلافت کو خطرہ سمجھتے تھے اور اس کے خاتمہ کے درپے تھے۔ مگر کمال پاشا نے ۱۳۴۲ھ میں جمہوریہ ترکیہ قائم کر کے خلافت کا الغا کر دیا اور شخصی خلفاء کو اُٹھا کر قوم کے ہر فرد کو انتخاب کے ذریعہ صدر جمہوریہ بننے کا موقع دیا۔

مگر یہ جمہوریہ دول مغرب کے طرز پر قائم کی گئی ہے۔ کمال پاشا کے بعد صدر عصمت انونو منتخب ہُوئے۔ جدید انتخاب کے موقع پر جلال بائر کو صدارت کا عہدہ کثرت رائے سے انونو کے مقابلے پر ملا ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ موجودہ صدر خلفائے راشدین کے طریقہ پر فرائض صدارت جمہوریہ ترکیہ انجام دیں۔ آمین

خدیو

سلیمان سلیم اوّل کے فتح مصر ۹۲۲ھ، ۱۵۱۷ء جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، تین صدیوں تک مصر ترکی سلطنت کا صوبہ رہا۔ یہاں گورنر مقرر ہوتے رہے مگر مملوکوں کی کونسل کے سامنے جس میں بے شمار لوگ شامل تھے ان گورنروں کا اقتدار برائے نام تھا۔ ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر میں وارد ہو کر اس

دوعملی کو موقوف کیا۔

نپولین جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں نپولین بونا پارٹ کو چھتیس ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر کے فتح کے لئے بھیجا تاکہ انگریز جو تجارتی تعلقات ہندوستان سے رکھ رہے تھے وہ منقطع ہو جائے۔ نپولین نے بلا اعلانِ جنگ کئے ہوئے پہلے مالٹا پر قبضہ کیا۔ پھر اسکندریہ میں فوجیں لاکر اُتار دیں۔

ابراہیم بک اور مراد بک امراء ممالیک جو دولتِ عثمانیہ سے باغی ہو کر مصر پر بالاستقلال قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ نپولین کے مقابلہ میں شکست کھا گئے۔ نپولین فاتحانہ طور سے قاہرہ میں داخل ہُوا اور مصر پر تسلط حاصل کر لیا۔ دولتِ عثمانیہ کو اطلاع پہنچی، اس نے نپولین سے لڑنے کی تیاری کر دی۔ انگریز بھی مصر سے نپولین کو نکالنے میں ترکوں کے معاون بننے کو تیار ہو گئے اور روس نے بھی بحیرۂ اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے درخواست کی۔

باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں فوجیں جمع کیں۔ بحری حملہ کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرۂ روم میں آجمع ہوئے۔

نپولین ترکوں کے مقابلے کے لئے تیرہ ہزار فوج لے کر عریش سے شام کی طرف بڑھا۔ غزہ، رملہ، یافا فتح کرتا ہُوا عکا کا محاصرہ کیا۔

والیٔ عکا احمد پاشا جزار نے مدافعت کا معقول انتظام کر رکھا تھا۔ نپولین بمجبوری محاصرہ اُٹھا کر قاہرہ لوٹ آیا۔ ترکی فوجیں دمشق سے بڑھیں اور ادھر ترکی جہازوں سے روڈس سے اٹھارہ ہزار فوجیں اُتریں۔ نپولین فوج لیکر مقابل ہُوا۔ ترکی فوج گھونگھٹ کھا گئی۔ سپہ سالار فوج مصطفےٰ پاشا معہ بہت سی فوج کے گرفتار ہو گئے۔ مگر نپولین کو خبر لگی کہ فرانس میں اسٹریا سے شکستیں کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی ہے، اس لئے انگریزی جہازوں کے خوف

سے نپولین خفیہ طور سے اسکندریہ سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج بھی چلتی بنی۔ اسکندریہ کا والی ان دنوں محمد علی پاشا تھا۔ مگر انگریزی اقتدار مصر پر ہو گیا اور باب عالی کے دباؤ سے دوسرے سال انگریز بھی مصر سے چلتے بنے۔ میدان خالی پا کر محمد علی پاشا نے ۱۸۰۵ء میں مصر پر اپنا اقتدار جمایا۔ اس نے مملوکی افسروں کو تہ تیغ کیا اور خود مصر کا حکمران بن گیا۔

محمد علی پاشا

محمد علی مقام قوالہ کا رہنے والا تھا ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا۔ نپولین کے احتلال مصر پر جو فوج ترکی نپولین کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس میں یہ بھی شریک تھا۔ خسرو پاشا نے جو مصر کا والی مقرر ہوا تھا اس نے چار ہزار فوج کا امیر محمد علی کو کر دیا۔ رفتہ رفتہ مصر کی ولایت کو قبضہ میں لایا۔ ۱۸۱۱ء میں بقیہ مملوکی افسر بھی ختم کر دیئے گئے اور پورے طور سے مصر کا حکمران بن گیا اور برائے نام دولت عثمانیہ سے تعلق رکھا۔

محمد علی کے بعد عباس اوّل (۱۸۴۸ء) حکمران ہوا۔ اس کے بعد اسمٰعیل (۱۸۶۳ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا خطاب خدیو اختیار کیا۔ اس نے سوڈان کو مسخر کر لیا۔ مگر ۱۸۸۵ء میں جنرل گارڈن کے مارے جانے پر یہ ملک چھوڑ دیا گیا۔ لارڈ کچنر نے دوبارہ سوڈان فتح کر کے جنرل گارڈن کا انتقام لے لیا۔

۱۸۸۲ء سے انگریزوں نے اعرابی پاشا کی فوجی بغاوت فرو کر کے مصر پر اپنا اقتدار جما لیا جس کے کچھ اثرات تاحال موجود ہیں۔

اسماعیل کے بعد ابراہیم (۱۸۴۸ء) سعید (۱۸۵۴ء) توفیق (۱۸۸۲ء) عباس (۱۸۹۲ء) یکے بعد دیگرے مصر کے حکمران ہوئے۔ آج کل خدیو فاروق پاشا ہیں۔

شاہانِ ایران

۹۰۷ھ، ۱۵۰۲ء سے ۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۱ء تک صفوی، افغان، افشار، زند قاچار مختلف خاندان حکمران رہے۔

سلاطین صفویہ :۔ اسمٰعیل صفوی (۹۰۷) طہماسپ (۹۳۰) اسمٰعیل ثانی (۹۸۴) محمد خدابندہ (۹۸۵) عباس اول (۹۸۵) صفی اول (۱۰۳۸) عباس ثانی (۱۰۵۰) سلمان اول (۱۰۷۷) حسین اول (۱۱۰۵) طہماسپ ثانی (۱۱۳۵) عباس ثالث (۱۱۴۴ - ۱۱۴۸)۔

افغان :۔ محمود (۱۱۳۵) اشرف (۱۱۳۷ - ۱۱۴۲)

افشاریہ :۔ نادر (۱۱۴۸) عادل (۱۱۶۰) شاہ رخ (۱۱۶۱ - ۱۲۱۰)

زندیہ :۔ کریم خاں (۱۱۶۳) ابوالفتح (۱۱۹۳) علی مراد (۱۱۹۲) محمد علی (۱۱۹۳) صادق (۱۱۹۳) علی مراد مکرر (۱۱۹۶) جعفر (۱۱۹۹) لطف علی (۱۲۰۳ - ۱۲۰۹)۔

قاچاریہ :۔ آقا محمد خاں بن محمد حسین قاچاریہ (۱۱۹۳) فتح علی (۱۲۱۱) محمد شاہ (۱۲۵۰) ناصر الدین (۱۲۶۴) مظفر الدین (۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۱ء)۔

مختصراً تاریخ ایران کی جلد ششم "تاریخ ملت" میں لکھ آئے ہیں۔ اس جگہ دولت عثمانیہ کی معاصر ہونے کی وجہ سے قاچاریوں کے ضروری حالات اور لکھے دیتے ہیں۔

لطف علی زندیہ سے آقا محمد خاں قاچار نے حکومت ایران بقوت حاصل کی۔ فتح علی اس کا برادر زادہ تھا اس کے پوتے ناصر الدین کے زمانے میں حکومتِ ایران دورِ استبداد سے گزر رہی تھی۔ ناصر کو علم اور ترقی سے بیر تھا۔ نااہل اس کے مشیر تھے۔ یورپ کی سیاحت سے شاہ سبق لیتا مگر غیر ملکیوں

سے قرضہ لے کر حکومت پر اس کا بار ڈالا اور تجارتی مراعات سے اہلِ یورپ کے لئے ایران میں فتنہ وفساد کا دروازہ کھولا۔ تجار مغرب نے جا و بیجا طریقے لوٹ کھسوٹ کے ایران میں جاری کردیئے جس سے عوام میں بے چینی رونمائی ہوئی۔ اسی زمانے میں علامہ سید جمال الدین افغانی ایران وارد ہوئے۔ ایرانیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بڑا اثر لیا۔ مجتہدین کرام سے مشورہ کیے۔ بادشاہ کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوئے، دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔ اسی زمانہ میں بابیت اور بہائیت کا مذہبی فتنہ پھل پھول رہا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں تحریک مشروطہ کے رکن نے ناصر الدین کو قتل کردیا۔

اس کے بعد مظفر الدین شاہ تخت نشین ہوا مگر جو خرابیاں ناصر کے عہد میں پیدا ہو چکی تھیں کمی ہونے کے بجائے ان میں اور اضافہ ہوا۔ آخر عوام میں صبر کا کوئی یارا نہ رہا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء میں طہران میں طلبہ اور تجار نے مظاہرہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ کو عوام کے مطالبات ماننے پڑے۔ مگر شاہ نے بعد میں وعدہ خلافی کی جس پر ہنگامہ ہوا اور شاہ نے وطن پرستوں پر گولیاں چلوائیں مگر یہ وطنی سب مظالم بہ خندہ پیشانی جھیل گئے۔ آخر شاہ کو مجبور ہو کر جھکنا پڑا اور ایران میں دستور کا نفاذ کیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد شاہ نے محب وطن لوگوں کو کچلنے کی کوشش کی اور ایران کے دشمن روس سے فوجی مدد لی۔ ۱۹۰۸ء میں طہران پر قبضہ کیا۔ ایرانی پارلیمنٹ پر گولے برسائے اور مشاہیر کو پھانسی دی مگر وطن پرست کل ایران پر چھائے ہوئے تھے۔ قوم ان کی ہمنوا تھی، شاہ کے خلاف جہاد بول رکھا تھا۔ آخر شاہ کو تخت چھوڑنا ہی پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں عالمگیر جنگ کا آغاز ہوا۔ روس اور برطانیہ کے وطن پرستوں پر دباؤ ڈال کر بڑھتی ہوئی تحریک کو خاموش کرادیا۔ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب آیا جس سے روسی فوجیں ایران سے چلتی ہوئیں۔ انگریز اس موقعہ سے فائدہ اٹھا گیا۔ مگر ایرانیوں نے ہر جگہ ان کی مدارات اچھی طرح کی۔ اس وقت ایران کے نجات دہندہ رضا شاہ پہلوی کا

ظہور ہوا۔ شاہ نے فوج کی مدد سے طہران پر قبضہ کیا اور سید ضیاء الدین کو وزیر اعظم بنا کر خود وزیر جنگ بن کر نئی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ زمانہ ۱۹۲۱ء کا تھا۔ کچھ عرصہ بعد سید ضیاء الدین ایران سے بھاگ گیا تو رضا خاں نے وزارت کو سنبھالا۔ اہلِ ایران کے اصرار پر رضا شاہ لقب سے تخت و تاراج منظور کیا۔

رضا شاہ پہلوی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایران کو ظالم انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا اور ایران کو ایک منظم حکومت آشنا کیا۔ طوائف الملوکی کو ختم کیا اور سب علاقوں کو مرکز کے ماتحت رکھا۔ رضا شاہ نے ایران کو سیاسی وحدت بخشی۔ جدید اصلاحات نافذ کر کے اسے متمدن ملک بنانے کی سعی کی اور بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔

تھوڑے عرصہ میں ایران کچھ سے کچھ ہو گیا کہ دوسری جنگ جرمنی و روس چھڑ گئی۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے جس کی وجہ سے رضا شاہ تخت ایران سے ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو اپنے خلف الرشد اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہوئے۔ شہنشاہِ ایران محمد رضا شاہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ملک کی حالت کچھ سے کچھ کر دی۔ ایران ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے اسلاف کے وقار اور عظمت کو قائم کئے ہوئے ہے۔

ایران کا رقبہ چھ لاکھ اٹھائیس ہزار مربع میل ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔ مغربی تہذیب کا زیادہ چلن ہے۔ جاگیرداری نظام کے باعث عوام کا بڑا طبقہ محکوم ہے۔ تعلیم کم ہے اور شہنشاہ خاص طور پر اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔

(۹)

تاریخِ صقلیہ

جغرافیۂ صقلیہ

بحیرۂ روم میں بہت سے جزائر واقع ہیں، جیسے کورسکا، سارڈینیا، سسلی، (صقلیہ) وغیرہ۔ جزیرۂ صقلیہ ایک مثلث کی شکل میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور ان تمام جزیروں میں جو آج کل اٹلی کے ماتحت ہیں، سب سے بڑا اور بالکل اسی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

محققین علم الارض کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں وہ خشکی کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ متواتر زلزلوں سے سسلی کی سرزمین سر سے پا تک ہل گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی سطح زمین سے جدا ہوگئی اور اس کی شکل جزیرہ کی سی بن گئی۔

تقسیم ملکی اور رقبہ سطح وطول وعرض

اس جزیرہ کی مساحت تقریباً دس ہزار میل مربع ہوگی۔ آج کل اس جزیرہ کی تقسیم اقضیہ و نواحی میں کی گئی ہے۔

صوبہ صقلیہ

اسماء قسمت	مساحت	اقضیہ (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
کلتانیسا	۱۲۵۵	۳	۲۸
قطانیہ (کاتانیا)	۱۹۷۰	۴	۶۴
گرجلنتی (جرجنتی)	۱۴۹۱	۳	۴۱
مستینا	۱۲۶۸	۴	۹۹

اسماء قسمت	مساحت	اقفنیہ (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
پلرمو (بلرم)	۱۹۶۴	۴	۷۶
سرقوسا (سیراکیوسا)	۱۴۲۹	۳	۳۲
ترابانی	۱۲۱۴	۳	۲۰ [۱]
	۱۱۲۹۱		

صقلیہ کی آب و ہوا پاکیزہ ہے۔ زمین کی زرخیزی میں مثل اٹلی کے ہے متواتر زلزلوں سے کچھ حالت میں فرق آگیا ہے مگر بہت کچھ زرخیزی اب بھی پائی جاتی ہے۔

صقلیہ کی وجہ تسمیہ

سسلی کے قدیم باشندے جنہوں نے اس کو آباد کیا وہ سیکان اور سیکل قومیں تھیں جو یونانی تلفظ میں سیکانی اور سیکلی کہی جاتی تھیں۔ امتدادِ زمانہ سے زبان کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ان کے رہنے کی جگہ کو سیکیلیہ پھر سسلا اور سسلی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عربوں کے زیرِ علم آکر سسلی صقلی کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ غرضیکہ سکیلیہ کا معرّب صَقَلِیّہ ہے۔ مسلم جغرافیہ نویس اصطخری، بلاذری کی تصانیف میں ص کے بجائے س سے سَقَلیہ مذکور ہے [۲] مگر یاقوت حموی صَقلیہ ہی لکھتا ہے مگر ص کو کسرہ یعنی زیر کے ساتھ تحریر کرتا ہے یعنی صِقِلیّہ۔ [۳]

صقلیہ کی قدیم تاریخ

صقلیہ کی قدیم تاریخ پر جو کچھ اب تک تحقیق ہوا ہے اس کا خلاصہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے:۔

---

[۱] دائرۃ المعارف ص ـــــ [۲] فتوح البلدان صفحہ ۲۳۵

[۳] معجم البلدان۔ جلد ۵ صفحہ ۳۷۳۔

مسٹر بوّر نے جو زمانہ قریب کا ایک مشہور جرمن مؤرخ ہے اٹلی کی قدیم تاریخ کی نسبت بہت کچھ تحقیقات کی اور بڑی دقتوں کے بعد کچھ کچھ پتہ لگایا ہے۔ اس تمام تحقیق کا نتیجہ جو ہمارے سامنے ہے صرف اسی قدر ہے کہ دوسرے ممالک کی طرح سرزمین اٹلی میں بھی قدیم زمانے میں مختلف قومیں آباد تھیں جو ایک دوسرے سے مغائر تھیں اور ان کے باہم اغراض بھی اس قدر مختلف و متبائن تھیں کہ ان میں بہت کم صلح قائم رہ سکتی تھی۔

سیکل یعنی سیکائی قوم

سسلی (صقلیہ) میں سیکائی نام کی ایک قوم رہا کرتی تھی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اسپینی الاصل تھے۔ اس زمانے کے واقعات نامعلوم ہیں اور ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ اُس زمانے کے باشندگانِ ہند کی۔

محققینِ سرگزشت انسانی نے اس بات کو بڑے شد و مد کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ وہ تمام قوی سے قوی تمدن جو اَب تک دُنیا میں پیدا ہُوئے ہیں اور وہ عظیم الشان ترقی جو انسان نے زمانۂ حجریہ سے لے کر حال کے زمانۂ ایجاد و اختراع تک کی ہے۔ وہ سب ضرورت کی بناء پر متفرع ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ کے وقت اس اصول کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایک قوم میں سے چند روز کے بعد چند اشخاص کا ہجرت کر جانا اور اپنے لئے نئی جگہ بود و باش کی غرض سے تلاش کرنا اور ان موانع کو دُور کرنا جو اس کے راستے میں حائل ہوں، پھر رفتہ رفتہ ایک تمدن قائم کرنا ان سب باتوں کی وجہ سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

اس مقام پر ہم کو اس اصول پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں ہے اور ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ اس ضرورت کے قاعدہ نے ۱۳۹۳ء قبل مسیح میں ایک قوم جو تاریخ میں ایتروسکیون کے نام سے مشہور ہے سسلی میں آنے کے لئے مجبور کیا۔

ایتروسکی قوم

اس نئی قوم کے بارے میں بھی جو اب سسلی میں آئی تھی بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے اور جس طرح موسیو لیبان نے قدیم زمانے کے عربوں کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ یمن میں اس قسم کے آباد و آراستہ شہر موجود تھے جیسے مصر قدیم میں تھے اور ان کا تمدن اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ان کی عمارات دیرینہ گرد روزگار کے نیچے دبی ہوئی پڑی ہیں اور جس طرح کہ بابل و نینوا کے ویرانوں نے برسوں انتظار کیا۔ یہ بھی آثارِ قدیمہ کے کسی محقق کا انتظار کر رہی ہیں۔"

اسی طرح سے تاریخِ قدیم کا مصنف ان اتیروسکیوں کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے کہ وہ محققین جنہوں نے دنیا کے قدیم سے قدیم لغات کے بارے میں نقاب ہٹا دیا (چنانچہ مصری ہیرگریفی اور اشوریوں کا خط پیکانی جس کے جاننے والے بھی اسی طرح مٹی کا ڈھیر ہو چکے تھے جس طرح وہ اقوام۔ ان علماء کی کوششوں کی بدولت پڑھ لیا جانے لگا) ابھی تک ان بے شمار آثارِ قدیمہ سے جو اتیروسکیوں نے چھوڑے ہیں اور ان کی زبان سے جو اٹلی کی کسی اور قوم کی زبان سے مطلق مشابہت نہیں رکھتی بالکل بے خبر ہیں۔"

غرض کہ کہا جا سکتا ہے کہ اتیروسکیوں کی زبان میں ایک عظیم الشان بھید ہے جو اسی وقت ظاہر ہو گا جبکہ کوئی میسر آثارِ قدیمہ ان کے اصلی گزرے ہوئے واقعات کو کھنڈروں کی زبانِ حال سے سن کر ہمارے سامنے پیش کرے گا۔ جو کچھ ہم کو اب تک صحیح طور پر معلوم ہوا ہے اور جو مؤرخین نے تسلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس قوم کی اصل غالباً کوہ الپس میں دریائے راین کے منبع کے قریب شمالی جانب تھی اس کا پہلا نام راس یا راسینی قوم بھی تھا کسی ضرورت سے راسینی قوم اپنا اصلی وطن چھوٹنے پر مجبور ہوئی اور اس نے الپس کے کنارے کنارے چلتے ہوئے نہر "پو" کی وادی کے قریب اپنے ڈیرے ڈالے اور ایک زمانہ تک یہیں مقیم رہی۔ چند روز

کے بعد ایک اور قوم یعنی گال والوں نے ان پر حملہ کیا۔ "لاسینی" مجبور ہوئے کہ یہاں سے بھی اپنا ڈیرہ اُٹھالیں۔ اب وہ جنوب کی طرف بڑھے اور چلتے چلتے اس مقام پر پہنچے جو انہی کی یادگار میں آج تک جغرافیہ میں ایتر دریا کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس قوم کو جو پہلے یہاں بستی تھی اور تربنین کے نام سے مشہور ہے مغلوب کر کے دیا اور خود ان کی جگہ لی۔ سرزمین ایتر دریا جو جزیرہ نمائے اٹلی کا شمال مغربی حصّہ ہے اور کوہ اوپینین اور سمندر کے کنارے کنارے جنوب میں نہر ٹائبر تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ اب اپنے نئے فاتحوں کے زیرِ قدم ان تمام بزرگیوں کا سرچشمہ بن گئی جن کی ایک ایسی نئی مہاجر قوم سے امید کی جا سکتی ہے جس نے ابھی ابھی فتح مندی حاصل کی ہو اور ان کا جوش ابھی سرد نہ ہُوا ہو۔ چند ہی دنوں میں ایتر دریا میں بجائے لاسینی خانہ بدوش قوم کے ایک ایسی قوم نظر آنے لگی جس نے ایک حد تک تمدّن کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس قوم نے بہت سے شہر بسائے تھے، جن میں سے بارہ شہر بہت ہی مشہور تھے۔ ان کے مٹے مٹائے آثارِ قدیمہ اب تک دنیا کو اپنے بانیوں کی یاد دلا رہے ہیں [1]

قدرت نے بہت جلد اتیروسکیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اور آگے اپنا قدم بڑھائیں اور اپنی نئی نسل جس کے لئے "ایتر دریا" کی سرزمین اب تنگ ہونے لگی تھی اور کوئی جگہ ڈھونڈ نکالیں۔ چنانچہ وہ سسلی میں جو اُن کے ملک کے قریب تھا پہنچ گئے اور چونکہ سسلی کی وسیع زرخیز زمین میں ابھی تک انسان کا وہ خلفشار پیدا نہ ہُوا تھا جو جنگ وجدال کا باعث ہُوا کرتا ہے۔ لہٰذا بہت جلد یہاں ان کے قدم جم گئے۔ اس زمانہ میں سسلی کی حالت وہی سادہ حالت تھی جو تمام گذشتہ قدیم فرقوں کی ہُوا کی ہے اور جس کی وجہ سے انسان کی زندگی میں ان تکلفات کی ضرورت نہیں پڑتی جو تمدّن کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔

---

[1] سسلی کے حالات معارف ۱۹۹اکٹر صہ ۲۵۲ -

فنیقین

چند روز کے بعد سسلی میں ایک نئی قوم آباد ہوئی جو ان قوموں سے جو اب تک سسلی میں تھیں بالکل جُدا اور سسلی سے بہت دُور ملک شام کے رہنے والی تھی۔ یہ قوم جس کو فنیقین کے نام سے پکارا جاتا ہے، ان مختلف قبائل میں سے جو ملک شام میں بستے تھے، کنعانیوں کی قوم اور بنی کوش میں سے تھی۔ اس قوم کا اصلی وطن خلیج عجم کے کناروں پر تھا جہاں پر بنی کوش نے سکونت اختیار کی تھی اور غالباً بحرین ان کا مستقر تھا۔ سمندر کے کنارے رہتے ہوئے جہاز رانی ان کی طبیعت کا جزو ہو کر رہ گئی تھی اور اسی سے آئندہ چل کر سارے عالم میں ان کی دھاک بندھ گئی تھی۔

غالباً ۲۳۰۰ء قبل مسیح میں جبکہ ایک اور قبیلہ نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا یہ لوگ اپنے اصلی وطن سے سوریہ میں آئے اور اس بحر پسندی کی وجہ سے جو اُن کے سرشت میں داخل ہو گئی تھی۔ یہاں کے سواحل کی سکونت اختیار کی۔ وہ رقبہ جو اُن کے قبضہ میں تھا اس کی مقدار بہت ہی کم تھی اور وہ صرف یافہ سے لاذقیہ تک ہی محدود تھا۔ بجز ان سواحل کے جو پہاڑوں اور سمندر کے مابین واقع ہے اور کوئی سرزمین نہ تھی۔ اس رقبہ کے کم ہونے کی وجہ سے وہ انتظامی امور میں مشہور نہ ہوئے۔ ہر شہر کی حکومت جدا جدا تھی جن میں سے مشہور صور، صیدا بیروت وغیرہ ہیں، ان کی جو کچھ شہرت ہے وہ اُن کے بحری سفروں اور بحری تجارت کی وجہ سے ہے جس کے ذریعہ تمام دنیا میں ان کا ڈنکا بج گیا اور ساری دنیا کی تجارت ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ گو وہ اب ان اقوام کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں جن کو موت کے زبردست ہاتھ نے دنیا سے فنا کر دیا ہے مگر اُن کی بحری طاقت، ان کی مشہور تجارت اور ان کی تمدن کی ترقی اب بھی تاریخ کے صفحات پہ آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہے۔ چونکہ ان کی تجارت سارے عالم میں پھیلی ہوئی تھی لہٰذا ان کا اثر بھی بہت جلد دوسری اقوام میں پھیل

گیا اور بہت جلد ان کی نوآبادیاں بھی قائم ہوگئیں جس کی ضرورت کو ملک کے رقبہ کے کم ہونے نے اور زیادہ کر دیا تھا۔ ان نوآبادیوں میں سے قرطاجنہ (کالہ تھیج) کے سوا سب میں زیادہ مشہور ہے اور جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ قرس فنیقیا وغیرہ بھی مشہور ہیں۔

سسلی میں بھی انہوں نے چند شہر بسائے جیسا کہ ایترو سکیوں کو اس نے بہت خوشی سے اپنی سرزمین میں آنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح فنیقین سے بھی اس نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ اس متمدن قوم کے زیر سایہ سسلی نے بھی بہت جلد ترقی شروع کی۔ قدیم سادہ حالتیں ضرورتوں سے مبدل ہوگئیں اور مختلف اقوام مل ملا کر ایک قوم بن گئیں اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سسلی نے اب دوسرا جنم لیا اور وہ بھی اس رفتارِ ترقی میں شامل ہوگئی جس پر تمام دُنیا کے اقوام و ممالک کاربند ہوتے چلے آئے ہیں۔

یُونانی

قدرت کے مضبوط قاعدوں کے مطابق جب فنیقیہ کا زوال شروع ہوگیا تو اس کی جگہ دوسری اقوام نے لے لی جن میں سے یونانی زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے بحری طاقت میں فنیقین کا مقابلہ کرنا شروع کیا اور بہت جلد عظیم الشان ترقی کر لی۔ ایسی صورت میں ممکن نہ تھا کہ وہ تمام ضرورتیں جو اقوام دنیا کو پیش آتی رہتی ہیں یونانیوں کو پیش نہ آتیں۔ چنانچہ یونانی بھی مجبور ہوگئے کہ اپنی نوآبادیاں بسائیں۔ سسلی کی شہرت اس وقت میں اسقدر ہوچکی تھی کہ ممکن نہ تھا کہ یونانی میصروں کی آنکھ اس پر نہ پڑے۔ چنانچہ ۷۳۶ قبل مسیح میں باشندگانِ نکسوس اور خلحنس نے سسلی کے مشرقی کناروں اور کوہ اٹنا کے قریب جو اب تک ہر نووارد کا خوشی سے خیر مقدم کیا کرتے تھے اپنے جہاز اتارے اور اسی مقام پر ایک شہر بسایا جو یونانیوں کا سسلی میں سب سے پہلا شہر تھا۔ اس شہر کا

نام انہوں نے اپنے اصلی وطن کی یادگار میں نکوس رکھا۔ اب یونانیوں کا رستہ کھل گیا۔ دوسرے سال اور نئے لوگ آئے جنہوں نے سرقوسا (سرقوسہ) بسایا۔ اس شہر نے آئندہ چل کر سسلی کی تاریخ میں بہت شہرت حاصل کی۔

چالیس سال کے بعد ایک نئی یونانی قوم آئی جس نے جنوب مغربی حصے میں اپنے قدم جمائے اور شہر جیلا بسایا۔ غرضیکہ یونانی مہاجرین کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی اور اُن کے بسائے ہوئے شہر بھی سسلی میں بڑھنے لگے۔ ان سب شہروں میں سب سے بڑا شہر قوسا تھا۔ اس کو یونانیانِ سسلی کا صدر مقام کہنا بجا ہے۔

سرقوسا کی ریاست

سرقوسا والوں نے بہت کچھ ترقیاں کیں اور جیسا کہ قاعدہ ہے بہت جلد انہوں نے یونان کا جُوا اپنے کاندھے پر سے اُتار دیا۔ ۵۲۳؁ قبل مسیح میں وہاں خود مختار حکومت بن گئی۔ سسلی کی سرزمین میں یہ خود مختار ریاست تھی جو قائم ہوئی۔ گویا تمدن کے پہلے زینہ پر اس نے قدم رکھا۔ اس حکومت نے بہت جلد ان تمام یونانیوں کے شہروں پر جو سسلی میں بسائے گئے تھے، قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ۴۸۶؁ قبل مسیح تمام مخالف شہروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگر کسی نے ذرا بھی مخالفت کی تو اُس کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔ یہ گویا سسلی کی پاک وصاف زمین میں پہلی خون ریزی تھی۔ انسانی ضرورتوں کی بدولت یہ ملک گیری کے خیال سے عمل میں آئی اور بت پرستوں کے خیال کے مطابق انسانوں کی بھینٹ دے کر سسلی کی زمین کو آئندہ کے قابل بنایا گیا۔ اس زمانے میں سسلی روزافزوں ترقی پر تھی۔ زمین کی زرخیزی کی انتہا نہ تھی۔ چونکہ ابھی ابھی زراعت شروع کی گئی تھی لہٰذا بغیر کسی سخت محنت کے جت آسانی کے ساتھ زمین کی پیداوار ہو جایا کرتی تھی[1]

---

[1] تاریخ سسلی صفحہ ۱۴۔

سرقوسہ کی بندرگاہ تجارت کے لحاظ سے یورپ کی منڈی تھی۔ ممالکِ مشرقیہ سے جو اس زمانے میں تمدن کے مرکز تھے، یہاں ہر قسم کا سامان آیا کرتا تھا اور یہیں سے بلادِ مغرب میں اس کی فروخت ہُوا کرتی تھی۔ ملک کا انتظام اُنہی جمہوری اصول پر تھا جن پر یونانی عمل کرتے تھے۔ ملک کے مختلف فرقے بنائے گئے تھے۔ ایک فرقہ خاص بھی تھا جو بہ منزلہ امراء کے تھا، ان کے علاوہ صنّاع، تجّار اور مزارعین کے طبقے تھے۔ باعتبار آمدنی کے الگ طبقے تھے جن میں سے فوج کے لئے لوگ منتخب کئے جاتے تھے۔ مگر ملک کا انتظام درحقیقت خاص لوگوں کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا اور بڑے بڑے عہدوں پر وہی مامور ہوتے تھے۔

جس وقت یونان میں امراء اور عوام کے درمیان فسادات ہوئے ہیں اس کے چند روز بعد ۴۹۵ ق م میں سسلی میں بھی یہی فسادات ان دونوں فرقوں میں رونما ہوئے۔ عوام نے ایکا کر کے امراء کو شکست دیدی اور ان لوگوں نے بھاگ کر جیلو کے پاس پناہ لی جو شہر جیلا کا حاکم تھا۔ جیلو جو ایسے موقعے کو تاک ہی رہا تھا بہت خوشی سے ان کی درخواست منظور کی۔ سرقوسہ پر حملہ کیا گیا اور امراء پھر ملک میں آ گئے۔ مگر جیلو نے خود مختار ریاست قائم کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ملک میں اس تغیر سے جو آب ہُوا تھا اور ترقی بڑھ گئی۔ سرقوسا تمام یونانی شہروں کا پھر صدر مقام بن گیا اور جن شہروں نے بغاوت کی تھی وہ از سرِ نو مطیع کر لئے گئے اور سرقوسا کی عظمت و شوکت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

جیلو جو اب فرماں روائے سرقوسا بن گیا تھا ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم و مدبر شخص تھا اس کی بیدار مغزی کی شہرت اب یونان میں بھی پہنچنے لگی اور اس کی شہرت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت ۴۸۰ ق م میں ایرانیوں نے یونان پر حملہ کرنا چاہا تو یونانیوں نے جیلو سے مدد مانگی۔ جیلو نے اس درخواست کے جواب میں یہ لکھا:

"اگر مجھے یونانی فوج یا یونانی بیڑہ جہازات پر کمانڈر بنایا جائے تو

میں تمہاری درخواست قبول کر سکتا ہوں۔"

چنانچہ یونانیوں نے اس کو کمانڈر بنانے سے انکار کیا۔ لہٰذا جیلو نے بھی یونانیوں کو کوئی مدد نہ دی۔ مگر چند روز کے بعد اس کو ایک اور زبردست غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ غنیم قرطاجنی تھا۔

قرطاجنہ

کارتھیج یا قرطاجنہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے فنیقیں ہی کی نوآبادی تھی جس کو انہوں نے سنہ ۸۶۰ ق م میں موجودہ ٹیونس کے قرب وجوار میں بسایا تھا۔ قانونِ قدرت کے مطابق بہت جلد وہ فنیقیہ والوں سے جُدا ہو گیا اور جُداگانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تاریخِ عالم میں ایک ممتاز رتبہ رکھتی ہے۔ کارتھیج والوں نے نہ صرف سواحلِ افریقہ پر قبضہ کر لیا بلکہ بحیرۂ روم کے جزیروں پر بھی وہ اپنا دستِ طمع بڑھانے لگے۔ چنانچہ بہت سے مقامات اُن کے قبضہ میں آ گئے۔ اسپین اور کورسیکا اُن کی تجارتی منڈیاں تھیں جن کے ذریعہ سے یورپ کی تجارت اُن کے قبضہ میں تھی۔

یونانیوں اور قرطاجنوں کے محاربات

چھٹی صدی قبل مسیح میں قرطاجنوں کی طاقت کمال کو پہنچ گئی تھی اور بحیرۂ روم کے بہت سے جزیروں پر قبضہ کرتے ہوئے وہ اب سسلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت سسلی کی حالت کیسی عمدہ تھی، اس کا عمدہ موقع پر ہونا، اس کی زرخیزی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے قرطاجنوں کو بھی اس میں اپنے قدم جمانے کے لئے آمادہ کیا۔ مگر اب وہ سسلی نہ رہی تھی جو ہر نووارد کو خوشی کے ساتھ اپنے آغوشِ عاطفت میں لے لیا کرتی تھی۔ اس میں تمدن قائم ہو گیا تھا اور ایک مستقل حکومت قائم تھی جس پر ایک زبردست شخص بیدار مغز حکمران تھا۔ اس لئے قرطاجنی آسانی سے اس میں قدم نہ جما سکے۔

بلکہ ان کو بزورِ شمشیر اس میں داخل ہونے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ ۴۸۰ق م قرطاجنی سپہ سالار ہملکار تین لاکھ فوج کے ساتھ ہیوریمس میں آپڑا جو جزیرہ کے شمالی جانب واقع تھا۔ ہیوریمس میں اپنا قبضہ جمانے کے بعد وہ آگے بڑھا اور ہمرا کا محاصرہ کر لیا جو یونانیوں کے ماتحت تھا۔ فرمانروائے سرقوسا جیلو بھی ہمرا کو بچانے کے لئے اپنی پچاس ہزار فوج لے کر قرطاجنوں کے سامنے آپڑا۔ اس وقت کارتھج والوں کی فوج شمار میں تین لاکھ تھی۔ جیلو کی شہرت میں یکایک عظیم الشان اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اس زبردست فوج کو شکستِ فاش دے دی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کارتھج والوں کو اپنے بے شمار مقتولین جن میں ان کا کمانڈر ہملکار بھی شامل تھا، ہمرا کے میدان میں چھوڑ کر سسلی خالی کر دینی پڑی۔ پھر ایک مدت تک ان کا حوصلہ نہ ہوا کہ سسلی کا رُخ کریں۔ بلکہ وہ اپنے افریقہ کے مہمات میں مصروف ہو گئے جہاں یونانیوں کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہوتی رہی۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد جیلو نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی۔ اس کی ملک گیری کے ارادے جو اس زمانے میں انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا بلند رتبہ خیال کئے جاتے تھے اب بہت کچھ بہار دکھاتے اور وہ بھی ان مشہور فاتحوں میں سے ہو جاتا جن کی شہرت صفحاتِ تاریخ پر آج تک نظر آرہی ہے مگر افسوس ہے کہ موت نے اس کو مہلت نہ دی اور اس فتح کے تین سال بعد موت کے زبردست ہاتھوں نے اس پر اپنا قبضہ کر لیا جس کے پنجہ سے رہائی پانا بڑے سے بڑے بہادر کے لئے بھی محال و ناممکن ہے۔

جیلو کے جانشین

۴۷۷ق م میں جیلو کے مرنے کے بعد اس کا بھائی ہیرو اس کا جانشین ہوا۔ اور دس سال تک ریاست کی۔ جیلو کے بعد ایسے جانشین کی ضرورت تھی جو اس کی قائم کی ہوئی ریاست پر بزور قبضہ رکھ سکے اور ان مختلف اجزاء کو بکھرنے

نہ دے جنہیں جیلو نے مدتوں کے بعد ایک شیرازہ میں جمع کر دیا تھا۔ ہیرو ایسا ہی شخص تھا اور اسی لئے اس کے مرتے دم تک کوئی فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوا۔ ملک میں ترقی کی رفتار اسی طور سے جاری رہی جیسی کہ اس با امن زمانہ میں اُمید کی جا سکتی ہے۔ مگر ۴۶۷ھ ق م میں ہیرو کے مر جانے پر ایک ایسا شخص جانشین ہُوا جو مطلق صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس لئے باہمی فتنہ و فساد کی بنیاد پڑ گئی اور چونکہ اس وقت تک سسلی تمدّن کے ان مدارج تک نہ پہنچا تھا جن میں شاہی عظمت و شوکت حد سے بڑھ جاتی ہے اس لئے یہ ہیرو کا جانشین جو تراسیوس نام سے مشہور ہے بہت جلد بغیر زیادہ وقت کے ملک سے خارج کر دیا گیا۔ وہ باہمی فتنہ و فساد جو پیدا ہو گیا تھا ۴۶۱ھ ق م میں مختلف شہروں کے نامور و پختہ کار شخصوں نے ایک مجلس منعقد کی اور قوانین و نظام آئندہ کے لئے مرتب کیا۔ اس کے اجراء کا نتیجہ یہ ہُوا کہ خانہ جنگی ختم ہو گئی اور ملک ترقی کی راہ پر لگ گیا اور مثل سرقوسہ کے جزیرہ کے جنوبی ساحل پر شہر اغرجنتم نے بڑی ترقی کی۔

اہلِ سرقوسہ کو اس کا عروج بُرا لگا اور ۴۴۶ھ ق م میں اغرجنتم، نکسوس کتنا، لیونیتنی شہروں کو بزور اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مگر یہاں کے باشندوں نے اہل یونان سے مدد چاہی۔ ایتھنس والوں نے ۴۲۷ھ میں بقوت سرقوسا کو مغلوب کر لیا۔ اب بظاہر صقلیہ اہل ایتھس کی حکومت میں داخل ہو گیا۔ مگر سرقوسہ والوں نے بغاوت کر دی۔ غرضیکہ ۴۱۳ھ ق میں یونانیوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور اہل سرقوسہ سے مقابلہ نہ کر سکے اور اپنی فوجوں کو سسلی سے ہٹا لے گئے۔

قرطاجنہ موقعہ کے منتظر تھے۔ ۴۰۹ھ ق م دوبارہ صقلیہ پر حملہ آور ہوئے اور اپنی پچھلی شکست کا ستّر برس بعد بدلہ لے لیا اور کامیابی حاصل کی۔ بعض مقامات پر قابض و متصرف ہو گئے۔ اب گویا صقلیہ میں دو حکومتیں تھیں، ایک سرقوسہ کی ریاست، دوسری قرطاجنہ کے زیر حکم علاقہ جات۔ ان دونوں میں ہمیشہ خانہ جنگی برپا رہتی جو ۲۶۷ھ ق م تک قائم رہی۔

صقلیہ کی حالت رُومیوں کے زمانہ میں

جبکہ صقلیہ کی سرزمین ان دو مختلف قوموں (قرطاجنی، یونانی) میں منقسم تھی جو باری باری سے اپنا ڈنکا بجاتی رہتی تھیں تو اُس وقت تماشا گاہ عالم کے پردوں کے اندر ہی اندر کچھ اور سامان ہو رہا تھا۔ ایک نئی زبردست طاقت جو اب تک بالکل ضعیف خیال کی جاتی تھی، دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوئی جس نے بہت جلد اُن تمام اقوام کو جو اس وقت دُنیا میں اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہی تھیں، اسٹیج پر سے ہٹا دیا اور تاریخِ عالم میں ایک ایسی عظیم الشان یادگار قائم کی جس سے تاریخ نے ایک نیا جنم لیا اور اب بجائے قرونِ قدیمہ کے تاریخ قرونِ متوسطہ میں آ گئی۔ یہ نئی قوم جو اب پیدا ہوئی رومن قوم تھی۔

رومن قوم کی ابتدائی حالت

رومن قوم کے قدیم حالات کے بارے میں وہی بے ہودہ اور دور از کار روایتیں بیان کی گئی ہیں جو قریب قریب ہر قوم کی ابتدائی حالت کی نسبت لکھی گئی ہیں اور جن کو زمانۂ حال کی تحقیق نے بالکل لغو قرار دیدیا ہے۔

غرضیکہ جو کچھ اب تک ثابت ہوا ہے اس کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس موقع پر جہاں اب روما آباد ہے۔ پہلے مختلف قبائل بستے تھے، جنہوں نے رفتہ رفتہ امتدادِ زمانہ کے باعث آخر ایک قوم کی صورت اختیار کر لی اور جیسا کہ قدیم اقوام میں دیکھا گیا ہے۔ اُن میں بھی چند ایسے عالی دماغ اور مدبر حاکم روما کے نام سے مشہور ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد روما کی سلطنت نے ۵۰۰ قبل مسیح میں جمہوری صورت اختیار کر لی اور اس نے ان تمام مختلف قبائل

کو جو جزیرہ نمائے اٹلی میں بستے تھے، ایک ایک کر کے زیر کرنا شروع کر دیا اور آخر بہت نزاعوں اور خون ریزیوں کے ۲۶۵ سنہ قبل مسیح میں سارے ملک اٹلی پر رومیوں کی جمہوری سلطنت کا پھریرا اڑنے لگا اور گمنامی کے پردہ سے نکل کر اس کا شمار بھی دنیا کی مشہور طاقتوں میں ہونے لگا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بطلیموس فلاڈلفیوس فرمانروائے مصر نے جو اس وقت دنیا کے مشہور حکمرانوں میں سے تھا، اپنے سفیر رومن قوم کے پاس بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ رومن قوم اس سے دوستانہ تعلقات رکھے [1]

جبکہ کل جزیرہ نمائے اٹلی پر رومن قوم کا قبضہ ہو گیا اور اب جزیرہ نما میں کوئی ایسی قوم باقی نہ رہی جس سے لڑ کر رومن فاتح قوم جس کے دل میں تخیلات و جذبات کا دریا پورے جوش کے ساتھ موجزن تھا۔ اپنے دل کے حوصلے پورے کرے تو زبردست قانونِ قدرت کے اصول کے بموجب بہت ہی ضروری ہو گیا کہ وہ اٹلی سے اپنا قدم باہر نکالے اور ان اقوام سے اس کی مڈھ بھیڑ ہو جو دنیا میں اپنا ڈنکا بجا رہی تھی۔ اور چونکہ سسلی بالکل اٹلی ہی کے قریب تھا اور اٹلی کی ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے اب اس پر قبضہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ لہٰذا بہت جلد رومن قوم کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی اور اس نے سسلی کا رخ کر دیا۔

۲۶۵ سنہ قبل مسیح میں یونانی اور قرطاجنی مختلف مقامات پر اپنی اپنی حکومت کر رہے تھے اور ان میں وہ باہمی نزاعات اور خانہ جنگیاں آئے دن برپا رہتی تھیں جو ہمیشہ غیر قوم کے ملک میں داخل ہونے کا بہت بڑا سبب ہوا کی ہیں۔

ان باہمی نزاعوں اور خانہ جنگیوں سے رومن قوم کو اس بات کا پورا موقع مل گیا کہ وہ اپنی خواہشوں کو ہمدردی کے پیرایہ میں ظاہر کرے۔ چنانچہ جس

---

[1] تاریخ مصر

وقت مسّانا والوں نے سرقوسا والوں اور قرطاجینیوں کے متواتر حملوں سے تنگ آکر جن میں سے ہر ایک اس پر اپنے دندانِ آز تیز کئے ہوئے تھا رومن قوم سے مدد کی درخواست کی تو اُس نے فوراً ایک قوی اور مستعد فوج بظاہر (مسینہ) مسّانا والوں کی تائید اور اصل میں سسلی پر قبضہ جمانے کے لئے بھیج دی۔ سرقوسا والے اور قرطاجینی دونوں اب خوابِ غفلت سے چونکے اور اپنے اس نئے زبردست دشمن کے دفعیہ کے لئے اپنی باہمی خانہ جنگیاں چند روز کے لئے ختم کر دیں۔

سرقوسا والوں نے قرطاجینیوں سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ممالک مقبوضہ پر حملہ نہ کریں گے اور قرطاجینیوں نے اس کے معاوضہ میں رومیوں سے مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا۔ رومیوں نے قرطاجینیوں کو اطلاع آخر بھیجی کہ بہتر ہے تم مسّانا کو چھوڑ دو اور اس طرح ہم چلے جائیں گے۔ قرطاجینیوں نے انکار کیا اور اب ان دونوں دنیا کی مشہور طاقتوں میں مڈبھیڑ ہونی شروع ہو گئی۔

رومیوں اور قرطاجینیوں کے محاربات

رومن قوم نے دشمن کی جمعیت توڑ دینے اور اس میں نفاق پھیلانے کے ضروری قاعدے پر عمل کیا جس سے عموماً فاتحین کی فتح ہوا کی ہے۔ چنانچہ اس نے حکمران سرقوسا ہیرو ثانی سے جو ایک دور اندیش اور بیدار مغز حاکم تھا معاہدہ کر لیا جس کے عمدہ نتائج آئندہ چل کر ظاہر ہوئے اور یہ بات چاہی کہ وہ قرطاجینیوں اور رومیوں کے باہمی مقابلہ میں بالکل الگ تھلگ رہے اور اس کے معاوضہ میں رومن قوم اس کے حقوق کو برقرار رکھے گی۔ مگر اس سے قرطاجینیوں پر جو اس وقت میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت شمار کی جاتی تھی اور اس لحاظ سے سمندر کی مالک بھی کوئی اثر نہ ہوا۔

رومن قوم کو قرطاجینیوں پر فتح پانے کے لئے پہلے بحری طاقت پیدا کرنی ضروری تھی اور جس کے بغیر ان کا مقابلہ ہو ہی نہیں

سکتا تھا۔[1]

امیر البحر دوبلیوس کی عجیب اور اَن تھک کوششوں کی بدولت یہ مشکل بھی رفع ہوگئی اور ۲۶۲ء قبل مسیح میں رومیوں نے قرطاجینیوں کو اس بحری طاقت میں جس پر اُنہیں ناز تھا فاش شکست دی۔ اب قرطاجینیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی تیزی اور مستعدی کے ساتھ رومیوں کا حملہ روکنے کے لئے مستعد ہوگئے۔ یہ زمانہ جبکہ یہ دونوں دُنیا کی مشہور قوتیں بڑے زور شور سے ٹکرا رہی تھیں ایک مدت تک رہا اور اس مدت میں بڑے بڑے معرکے اور جانبازیاں جنہیں انسانی شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کہا جاسکتا ہے، واقع ہوئیں۔ قرطاجینیوں کے اقبال کا دَور ختم ہوچکا تھا اور ان میں وہ برائیاں جو ایک زبردست طاقت کی جڑ کو کھوکھلی کردیا کرتی ہیں پیدا ہوچکی تھیں۔ چنانچہ خود ان کی فوج میں جو اُجرت پر نوکر رکھی جاتی تھی سخت جھگڑا برپا ہوگیا۔

ان سب باتوں نے رومن قوم کے لئے راستہ صاف کردیا اور اس نے جزیرۂ سارڈینیا پر جو صقلیہ سے قریب ہی واقع ہے فتح حاصل کرلی۔ یہ پہلا جزیرہ تھا جس پر رومن قوم نے فتح پائی۔ قرطاجینی، رومیوں کی اس فتح پر بہت ہی بگڑے مگر مجبور تھے اور دانت پیس کر رہ گئے۔ رومیوں نے بڑھ کر جزیرۂ کورسیکا پر بھی قبضہ کرلیا اور اب صقلیہ کی باری آئی۔

قرطاجینیوں نے یقین کرلیا کہ اب رومیوں سے مقابلہ بے سُود ہے اور موجودہ حالت میں مقابلہ سے بجز نقصان کے اور کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہوں نے صُلح کے لئے درخواست کی اور شرائط ذیل پر ۲۴۱ء قبل مسیح میں صلح منعقد ہوگئی۔

---

[1] رومن قوم کے بیان میں ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام پہلے بیان کردیئے ہیں زبدۃ الصحائف فی سیاحۃ المعارف (مؤلفہ نوفل آفندی طرابلسی) سے بھی مدد لی گئی ہے۔

۱۔ قرطاجینی صقلیہ اور اُن تمام چھوٹے جزیروں کو جو صقلیہ سے قریب واقع ہیں اور جن پر اب تک انہی کا قبضہ تھا خالی کر دیں گے۔

۲۔ قرطاجینی رومن قوم کو ایک بیش قرار تاوانِ جنگ دیں گے۔

۳۔ قرطاجینی اعتراف کرتے ہیں کہ ہیرو حاکم سرقوسا ہے اور اس سے اور اُس کے جانشینوں سے آئندہ قرطاجینیوں کو لڑائی کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

۴۔ اس کے معاوضہ میں رومن قوم قرطاجینیوں پر حملہ نہ کرے گی اور اس کو قرطاجینیوں کے دوسرے مقبوضات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

صقلیہ پر رومن قوم کا قبضہ

اس صُلح سے چند روز کے لئے رومیوں اور قرطاجینیوں کے محاربات ختم گئے اور صقلیہ باستثنائے ریاست سرقوسا، سارڈینیا اور کارسیکا رومن قوم کے قبضہ میں آئے جس کا انتظام کرنا اب ان کو ضروری تھا۔ رومیوں نے سارڈینیا اور کارسیکا کو ایک صوبہ اور صقلیہ کو ایک صوبہ قرار دیا۔ (یہ رومیوں کے سب سے پہلے صوبے تھے) ہر ایک صوبے کا ایک والی ہوا کرتا تھا جس کو پرتیوریا پروقنصل کا لقب دیا جاتا تھا۔ پرتیوریا پروقنصل کو باستثنائے ان رومن نژادوں کے جو ان صوبوں میں مقیم ہو جائیں، باقی تمام باتوں میں پورا اختیار حاصل تھا اور اس کو اپنے احکام کے نافذ کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

سرقوسا کا خاتمہ اور کل صقلیہ پر رُومیوں کا تصرّف

۲۱۵ سنہ قبل مسیح میں ہیرو ثانی حاکم سرقوسا مر گیا جس نے آخری وقت میں اپنی بیدار مغزی اور دور اندیشی سے سرقوسا کی حفاظت کی تھی جیسا کہ چراغ گل ہونے کے وقت ایک غیر معمولی روشنی میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہی غیر معمولی روشنی اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اب اس کا خاتمہ کا وقت قریب ہے۔ اسی طرح ہیرو ثانی

کا زمانہ بھی اس بات کی خبر دے رہا تھا کہ اب اس کے نزع کا وقت قریب آپہنچا۔ چنانچہ اس کے مر جانے کے بعد کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو اس کی جانشینی کے لئے صلاحیت رکھتا ہو اور ملک کی روزافزوں بدنظمی اور تباہی کا انسداد کر سکے۔ بدنظمی بڑھتی گئی اور قرطاجینیوں نے بھی خلاف معاہدہ سرقوسا کے معاملات میں دست اندازی شروع کی۔

اب کوئی وجہ نہ تھی کہ رومی سلطنت بھی اس میں مداخلت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے قنصل مرسلوس کو بھیجا تاکہ وہ سرقوسا کی ریاست پر رومی سلطنت کی طرف سے قبضہ کر لے۔ اب سرقوسا کے خاتمہ کا وقت آپہنچا اور باشندگانِ سرقوسا نے بھی جب تک دم میں دم رہا اپنی آزادی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ تمام کوششیں بے کار گئیں اور آخر کار انہیں اپنی آزادی جس کے بچانے کے لئے انہوں نے یونان اور قرطاجنہ سے مقابلہ کیا تھا اور انہیں سخت شکستیں دی تھیں، رومن قوم کے سپرد کر دینی پڑی اور اس طرح پر سسلی کی خودمختاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور سارے جزیرہ پر ۲۱۲ قبل مسیح میں بلاشرکت غیرے رومی سلطنت جمہوری ہی کا قبضہ نظر آنے لگا۔

رُومیوں کا اقوامِ مفتوحہ سے سلوک

وہ عظیم الشان ترقی جس کی بدولت رومیوں نے اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ان کا کارتھیج (قرطاجنہ) مقدونیہ، یونان، فرانس و نیز دیگر اس زمانہ کی قوی سے قوی طاقتوں کو مغلوب کرنا اپنی خاص نوآبادیوں بسانا اور وہاں جا کر بسنے والوں کو خاص خاص حقوق کا عطا کرنا جس کے مفید نتائج کو یورپ آج تک تسلیم کرتا بلکہ اس پر مضبوطی سے عمل کرتا رہا ہے۔ ان بے نظیر قوانین اور نظامات کا مرتب کرنا جو اپنے بنانے والوں کی عالی دماغی کے شاہد ہیں اور جن پر آج سارے یورپ کے انتظامات و قوانین کی بنیاد رکھی گئی

ہے۔" یہ سب باتیں گو فی الواقع نہایت ہی دلکش ہیں مگر رومیوں میں بھی غریبی اور امیری کا مسئلہ تھا، مساوات نہ تھی۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ ان کے ساتھ بے انصافی کی جاتی اور ان پر ظلم توڑے جاتے۔ رومن قوم کا سلوک اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ مختلف قسم کا رہا ہے اور جو سلوک ایک قوم کے ساتھ کیا گیا ہے اس کو دوسری قوم کے سلوک سے ساتھ ذرا بھی مناسبت نہیں۔ کہیں اس نے مفتوح قوم کا بالکل قلع قمع اور دنیا سے نابود کر دیا۔ جیسے کارتھج والوں کے ساتھ کیا گیا اور کہیں انہیں غلام بنا لیا گیا۔ بعض کو ایک حد تک آزادی دی گئی اور شاذ و نادر کسی قوم کو خود رومن قوم کے حقوق دے دیئے گئے۔

غرضیکہ اس نے بالکل مختلف طریقے برتے جس کی نسبت ایک مؤرخ (مصنف تاریخ قدیم) یہ لکھتا ہے:-

"مفتوحہ قوموں کے ساتھ رومیوں کے اس مختلف طور کے طرزِ عمل کی نسبت پورے پورے وجوہات اب تک درست طور پر معلوم نہیں ہوئے ہیں۔ ظنی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن قوموں نے اُس سے سخت مقابلہ کیا تھا اور اطاعت قبول کر لینے کے بعد پھر بغاوت کی تھی اور اس کے مخالفین سے سازباز کر لی تھی، اُن سے اُس نے سخت برتاؤ کیا اور اُن کے لئے سخت قوانین مقرر کئے۔"

گو یہ رائے ایک حد تک بہت ہی درست ہے مگر اصل یہ ہے کہ رومن قوم کے مدبر اس امر کو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ رومن سلطنت کا قیام اُسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ اقوامِ مفتوحہ اُبھرنے نہ پائیں۔ مگر ساتھ ہی رومن قوم سے راضی بھی رہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اس نے مقتضائے وقت اور قومِ مفتوح کے مناسب عمل کیا۔ قرطاجنی چونکہ روم کے سخت دشمن تھے اور اس کے زندہ باقی رہنے سے ہر وقت کا خطرہ لگا رہتا تھا اس لئے وہ بالکل تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یونانیوں سے چونکہ اس بات کی تسلی تھی کہ اُن کی باہمی رقابتیں

انہیں اس قدر ابھرنے ہی نہیں دیں گی کہ وہ رومن قوم کے سامنے آئیں۔ لہٰذا اُنہیں آزادی دے دی گئی جس سے خود رومیوں کا ذاتی نفع تھا۔ فرانس کی قومیں چونکہ بالکل وحشیانہ حالت میں تھیں، لہٰذا وہ غلام بنالی گئیں۔ غرضیکہ اُس نے انہی اصولوں کو مدنظر رکھ کر جن پر ان کی سلطنت کی زندگی منحصر تھی قوم مفتوح کے ساتھ سلوک کیا اور یہی وجہ رومیوں کی دیرینہ کامیابی کی بھی ہوئی۔

صقلیہ کی حالت رومن قوم کے زمانے میں

اب ہم کو صقلیہ کی حالت پر غور کرنا ہے۔ جب معاہدہ کے مطابق قرطاجینیوں نے صقلیہ کو خالی کر دیا اور اس کا انتظام اس طرح پر کر دیا گیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے تو اس میں بہت سے رومن نژاد باشندے آکر مقیم ہو گئے جنہیں اپنے پہلے حقوق و امتیازات حاصل رہتے تھے۔ اُن لوگوں کی یہاں زمینداریاں قائم ہو گئیں اور اس طرح پر بہت جلد صقلیہ میں ہر طرف رومی ہی رومی نظر آنے لگے۔

رومن قوم کے غلام اور ان کی حالت

ان رومیوں نے اپنی ماتحت زراعت وغیرہ کے کام ان قابلِ رحم اور مظلوم انسانوں سے لئے جو رومن قوم کے طفیل سے ذلیل طور پر غلام بنا لئے گئے تھے۔ رومن قوم نے اس نفرت انگیز غلامی کے اصول کو پہلی پہل دنیا میں رائج کیا۔ یہی غلامی کا مسئلہ ہے جس پر مسلمانوں کی نسبت یورپ نے بہت کچھ واویلا مچایا ہے اور بڑے بڑے الزام لگائے ہیں۔ مسلمانوں کی غلامی جس پر غلامی کا اطلاق کیا جاتا ہے ایسی نہیں تھی۔ کیونکہ جس عمدہ حالت میں مسلمانوں کے غلام رہتے تھے اور جس طرح پر وہ بہت جلد غلامی کی قید سے آزاد ہو جاتے اور ان کا وہی رتبہ ہو جاتا تھا جو اُن کے مالکوں کا تھا اس کا اعتراف خود یورپ کے محققین بھی کرنے لگے ہیں اور اس کا ثبوت اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ

میں غلامی کی وجہ سے کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ غلامی کی جو خراب تصویر یورپ نے اپنے ذہن میں کھینچ لی ہے (کہ غلام وہ ہیں جو زنجیروں میں جکڑے ہوں۔ غذا کی جگہ چابک کھا رہے ہوں۔ مکان کے عوض تہہ خانوں میں محبوس ہوں۔ اتنی بھی ان کی وقعت نہ کی جاتی ہو جو ایک بلی اور کتے کی، کی جاتی ہے اور اسی طرح کے وہ سارے تصورات جو نہایت ہی رنگ آمیزیوں، حددرجہ کے مشرقی مبالغوں کے ساتھ یورپ کے خیال میں متمکن ہیں۔ یہ تصویر مسلمانوں کی غلامی کی نہیں بلکہ وہ بغیر کسی مبالغہ کے رومن قوم کی غلامی پر صادق آتی ہے جو خود یورپ کے رہنے والے ہیں اور جن کے قوانین کا ہر وقت راگ گایا جاتا ہے اور اُن کے بعد ہر ترقی کرنے والی قوم کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر اُنہی کا مقلد اور ان ہی کے خیالات سے مستفید بتایا جاتا ہے۔ بلاشبہ وہ سارے الزامات جو غلامی کی نسبت ہو سکتے ہیں رومن قوم کی غلامی پر کئے جا سکتے ہیں۔ یہ غریب بالکل حیوانات کی طرح رکھے جاتے تھے اور ان کو کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نفرت انگیز و ذلت بار غلامی سے نکلنے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا نہیں گیا تھا۔

ساڈینیا اور کورسیکا کی بغاوت فرو کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں سے جس قسم کا برتاؤ کیا گیا ایک وحشی سے وحشی قوم بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ کا عیسائی مصنف اس کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

> ”جزیرے لوٹ لئے گئے، جس قدر مال تھا وہ سب چھین لیا گیا، تمام باشندے غلام بنا کر بیچ دیئے گئے، جس کی وجہ سے روما میں غلاموں کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ وہ ساری چیزوں سے حقیر ترین چیز خیال کئے جاتے تھے۔“

چنانچہ یہ مقولہ ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ”سارڈینی سے زیادہ حقیر“ یہی غلامی کا طریقہ تھا جس کی بدولت رومی سلطنت کو آئندہ چل کر بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مسلمانوں کی تاریخ کے برخلاف رومیوں کی تاریخ میں جو ہر وقت اور

ہر مقام پر غلاموں کی شورش و بغاوت کی بیسیوں نظیریں ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رومیوں کا طرزِ عمل غلاموں کے ساتھ نہایت بُرا اور نفرت انگیز تھا۔ چنانچہ صقلیہ میں بھی یہی حالت نظر آئے گی۔

غلاموں کی صقلیہ میں پہلی بغاوت

جب رومی صقلیہ میں غلاموں سے نفرت انگیز کام نفرت انگیز طریقہ سے لینے لگے اور وہ ہولناک مظالم اُن پر توڑے گئے جن سے تہذیب شرماتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ ایک آتش فشاں مادہ کی صورت میں نمودار ہو۔ چنانچہ ۱۳۴ء قبل مسیح میں جبکہ جزیرہ میں غلاموں کی تعداد حد سے بڑھ گئی تو اب اس مادہ کے مشتعل ہونے کا وقت آگیا اور یونس نامی ایک غلام نے جو سوریا (شام) سے گرفتار ہو کر آیا تھا، اس آتش فشاں مادہ کو چھیڑ دیا اور رومی سلطنت کے برخلاف بغاوت شروع ہو گئی۔

یونس کے اُٹھ کھڑے ہونے کی دیر تھی کہ ہزاروں غلام جو مرنے مارنے پر مستعد تھے اور صرف سہارا ڈھونڈھ رہے تھے، یونس کے جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو گئے۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ان غلاموں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی جو بلاشبہ درست ہو گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یونس نے اپنی کامیابی کی غرض سے نبوّت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ جو کچھ ہو یہ خوفناک بغاوت کچھ اس زور سے مشتعل ہوئی کہ رومی سلطنت کو بھی بہت کچھ اپنی طاقت اس کے فرو کرنے میں صرف کرنی پڑی۔ سب سے پہلے ایک رومی قواعد دان فوج بھیجی گئی۔ مگر ان غلاموں نے جو زندگی سے بیزار تھے کچھ ایسی بہادری دکھائی کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور رومن سلطنت کو اور بہت سی فوج بھیجنی پڑی۔ جب غلاموں نے اس نئی مدد کو آئی ہوئی فوج کو بھی مشکل میں ڈال دیا تو پھر تیسری دفعہ بہت ہی جرّار فوج روما سے روانہ ہوئی۔ اس دفعہ کسی قدر رومیوں نے کامیابی حاصل کی اور دس ہزار کے قریب غلام

رومیوں کی تہذیب و تمدن پر قربان ہو گئے۔ مگر غلاموں کی پُرجوش طاقتیں ابھی سرد نہیں ہوئی تھیں۔ اب چوتھی دفعہ رومی سلطنت کا مشہور جنرل روپلیوس بھیجا گیا جس نے حد درجہ کی خونریزی کے بعد فتح حاصل کی۔ غلاموں کی ثابت قدمی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب تک دو لاکھ غلاموں کی جماعت میں سے پورے ایک لاکھ نوے ہزار کی قربانی نہ ہو چکی۔ اس وقت تک مقابلہ سے مُنہ نہ موڑا اور آخر کار جب رومیوں کی جابر فوج کے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے تو مجبور ہو کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ یہ بچے ہوئے ایک ہزار غلام بھی آخر اس دنیا سے جس میں اب اُن کے لئے کوئی آسائش باقی نہ رہی تھی رخصت کر دیئے گئے اور اس طرح سخت سے سخت خونریزیوں کے بعد جس میں دو لاکھ غلام رومیوں کی تیغِ ستم سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ غلاموں کی طرف سے یہ جائز بغاوت فرو ہو سکی اور اس طرح سے رومی سلطنت کو پہلی پہل مضبوط اور سچے قانونِ قدرت کے توڑنے کا ثمرہ دیکھنا پڑا۔ مگر کیا اسی قدر سزا اس کو بھگتنی پڑی ؟ نہیں بلکہ بہت ہی جلد اس کو اس سے بھی زیادہ سخت آفت میں مبتلا ہونا تھا۔

غلاموں کی دوسری بغاوت صقلیہ میں

گذشتہ بغاوت فرو کرنے کے وقت ان چند رومیوں کو بھی جنہوں نے غلاموں کی تائید کی تھی تعزیرًا غلام بنا لیا گیا تھا اور جب سنٹ (رومیوں کی پارلیمنٹ) نے ان کا مرافعہ نامنظور کر دیا تو اس کا نتیجہ یہی ہُوا جو ہونا چاہیئے تھا کہ انہوں نے بغاوت کر دی اور اس طرح اٹلی سے بہت جلد صقلیہ میں یہ بغاوت پھیل گئی۔ اس دفعہ ان کے سپہ سالار دو شخص تھے۔ ایک تو اشینیوں تھا جس نے یونس کی طرح عام لوگوں پر لوگوں کو اپنا معتقد بنانے اور کامیابی حاصل کرنے کے لیئے وحی آنے کا دعویٰ کیا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ مجھے الہام ہو چکا ہے جس سے ضرور مجھے سلطنت مل کر رہے گی۔ دوسرا سپہ سالار تریفون تھا جو شام کا رہنے والا تھا۔

اب کی دفعہ ان کی بغاوت پہلی بغاوت سے زیادہ سخت تھی اور جزیرہ کے ایک بڑے حصہ پر اُن کا قبضہ بھی ہو گیا اور انہوں نے غلہ اور میوہ جات کو جس کی پیداوار کے لئے صقلیہ اُس زمانے میں بہت ہی مشہور تھا باہر لیجانا موقوف کر دیا۔ رومی سلطنت کے لئے یہ بہت ہی نازک وقت تھا خود رومیوں میں خاصہ اور عامہ کے دو فرقے ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے روما میں فقیروں کی بغاوت ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وحشی قوموں سے سخت مقابلہ اس کو درپیش تھا۔ بااین ہمہ اُس نے بغاوت فرو کرنے کے لئے سنہ ۱۰۴ قبل مسیح میں چودہ ہزار فوج بھیجی۔ اس فوج کو بھی وہی پہلی بغاوت کی سی حالت پیش آئی اور بالآخر سنہ ۹۹ قبل مسیح میں متعدد فوجوں کے ناکام رہنے اور پانچ سال کی متواتر خونریزیوں سے بعد جب ماریوس رومیوں کا مشہور جنرل جس نے وحشی اقوام کو شکست دی تھی اور رومیوں کی حالت کو سنبھال لیا تھا اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا تو اس بغاوت کا خاتمہ ہُوا۔

اس بغاوت کے بعد پھر کوئی بغاوت صقلیہ میں نہیں ہوئی اور اس طرح صقلیہ اب بغیر کسی خرخشہ کے ایک رومن کالونی (نوآبادی) تھی جس کو زراعت کے لحاظ سے ایک عمدہ رتبہ حاصل تھا اور یہی حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ رومن قوم کا ستارہ غروب نہ ہو گیا۔ وہ تمام واقعات جو رومن سلطنت پر گزرے یعنی جمہوری سلطنت کا شہنشاہی ہو جانا، اس کا دارالسلطنت روما سے قسطنطنیہ کو بدل جانا، عیسوی مذہب قبول کرنا۔ یہ سب تفصیلات ہمارے مضمون سے خارج ہیں مگر سلسلۂ بیان کے لحاظ سے ایک اجمالی خاکہ کھینچ دینا ضروری ہے۔

رومن سلطنت کی بربادی

سنہ ۱۰۰ قبل مسیح میں وہ مشہور شخص سیزر پیدا ہوا جس نے آخر کار رومن جمہوری

سلطنت کے عوض رومن شہنشاہی کی بنیاد ڈالی اور اس کے مار ڈالے جانے کے بعد جو کچھ کسر اس میں باقی رہ گئی تھی اس کو اغسطس نے پورا کر دیا اور اس طرح رومن شہنشاہی قائم ہو گئی۔ مگر بہت جلد اس میں زوال آنا شروع ہو گیا تھا جس کی اصلاح قسطنطین نے ۳۳۰ء میں کی۔ اس شہنشاہ نے عیسوی مذہب قبول کیا اور اس طرح ایک عظیم الشان تغیر رومیوں کی حالت میں پیدا ہو گیا۔ اُسی نے روما کے عوض قسطنطنیہ کو جو اُسی کا بسایا ہُوا تھا بلحاظ موقع کے عمدہ ہونے کے دار السلطنت بنایا۔

قاعدے کے مطابق اب پھر زوال آنا شروع ہو گیا تھا مگر تھیوڈوشیس کی سرگرمی و مستعدی سے جو ۳۷۹ء میں تخت نشین ہُوا، چند روز کے لئے پھر حالت سنبھل گئی۔ تھیوڈوشیس کے اس خیال سے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت کے لئے ایک شہنشاہ کافی نہیں ہو سکتا اور ایک شخص واحد سے پوری نگرانی نہیں ہو سکتی۔ رومن سلطنت کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک مملکتِ شرقیہ جس کا مستقر قسطنطنیہ تھا اس پر اس نے اپنے لڑکے ارکادیوس کو والی بنایا اور دوسری مملکت غربیہ جس کا دار السلطنت روم قرار دیا گیا اور اس کی عنانِ حکومت اپنے دوسرے لڑکے ہنوریس کو دی۔ مگر اس تقسیم سے اس عظیم الشان انحطاط کا جواب دن بدن ہو رہا تھا کچھ بھی انسداد نہ ہُوا بلکہ اس سے اور بھی جلد جلد تنزل ہونے لگا۔ اقوامِ وحشیہ کو جو اپنے متواتر حملوں سے رومن سلطنت کی ہڈی پسلی توڑ رہے تھے اپنے مقاصد میں اور زیادہ کامیابی ہو گئی۔

شرقی مملکت تو خیر جوں توں سنبھلی رہی مگر غربی سلطنت کا بہت ہی جلد یعنی تھیوڈوشیس کے مرنے کے اکیاسی سال بعد اس سبب سے کہ وحشی اقوام کے پے در پے حملوں کے باعث سلطنت دن بدن ضعیف ہو رہی تھی خاتمہ ہو گیا اور وحشی اقوام نے ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ تاتاری سیلاب نے بغداد کی اسلامی خلافت کو دُنیا سے ناپید کر دیا، ۴۷۶ء میں اس رومن سلطنت کو بھی جس نے

نہایت حیرت انگیز اور عظیم الشان ترقی کی تھی۔ اُسی فناء کے تاریک غار میں دھکیل دیا جس میں اس نے اپنے عروج اور اقبال کے دَور میں بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں غارت کی تھیں [۱]

اہلِ صقلیہ پر رومیوں کے زوال کا یہ اثر پڑا کہ وہ بھی مضمحل ہو گئے اور اُن پر گاتھک قوم نے حملہ کیا مگر حملہ آور مغربی گال کا فرمانروا ایلیدک ۴۱۰ھ میں مر گیا تو ٹیوٹانکس کے قبضہ میں آ گیا۔ غرضیکہ صقلیہ گاتھک حکومت کا ایک جزو بن گیا۔ پھر رومیوں نے ۵۳۵ھ میں صقلیہ پر حملہ کیا اور ۵۵۱ھ میں گاتھک اقتدار صقلیہ سے اُٹھ گیا اور اُن کے زمانے میں عرب و روم کی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ اسی سلسلہ میں ۶۶۵ھ میں شہنشاہ قسطنطین دوم صقلیہ آیا اور ۶۶۸ھ میں غسل خانہ میں قتل کر دیا گیا۔

اس کی وفات پر اس کا بیٹا مرٹیس صقلیہ کا بادشاہ بنا۔ مگر اس کے بھائی قسطنطین چہارم نے حکومت چھین لی اور صقلیہ کا بادشاہ بن گیا۔ اسی زمانہ میں عرب حملہ آور ہوئے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

○

---

[۱] تاریخ سسلی صفحہ ۶۱۔

عربوں کی یلغار صقلیہ پر

افریقہ کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تو افریقہ کے بقیہ حصہ اور اردگرد کے جزائر پر مسلمانوں نے توجہ کی۔ جزیرۂ صقلیہ کی ان دنوں بڑی اہمیت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے عموماً افریقہ کے مقبوضات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے اس جزیرے کو اپنی جنگی چھاؤنی بنا لیا تھا۔ حکومت بیزنطینی کا صقلیہ پر کامل اقتدار تھا۔ شام اور مصر زیرِ نگین اسلام ہوئے تو مفرور عیسائی صقلیہ میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ۱۹ھ میں قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تو یہاں کا رومی گورنر بھاگ کر صقلیہ میں پناہ گیر ہوا۔

۲۲ھ-۸ ۶۴۳ء میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے جواب میں قیصر روم قسطنطین دوم عظیم الشان بیڑا لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ سے ہزیمت کھا کر قسطنطنیہ واپس جاتے ہوئے صقلیہ پہنچا اور یہاں قیام کر کے شام، مصر اور افریقہ کے اسلامی مقبوضات میں بغاوت کرانے اور ان علاقوں پر حملہ کرنے کے لئے اہلِ صقلیہ پر آمادہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ یہی بیزنطینی مقبوضہ اسلامی ملکوں سے بہت نزدیک تھا یہیں سے خفیہ ریشہ دوانیوں کی جایا کرتی تھیں [۱]

امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ ان کو پہلے پہل یہ خیال آیا کہ اس جزیرہ کو زیرِ اسلام لانے کے بعد سے رومیوں کی آئے دن کی یلغار اور ظالمانہ ڈاکہ زنی سے مقبوضاتِ اسلامی کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل کر کے امیر معاویہؓ نے ۳۳ھ میں ایک جنگی بیڑا جس میں تین سو

---

[۱] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۹۲، ۹۳ مطبوعہ مصر۔

جہاز تھے، صقلیہ بھیجا۔ گورنر صقلیہ نے والی قیساریہ سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے عربوں کی شجاعت اور مردانگی سے اس کو آگاہ کیا اور کہا کہ ان عربوں کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دو تو جان بچ جائے گی۔ مگر گورنر کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اتمامِ حجت کے لئے اسلامی نمائندہ اولاً گورنر نے جو سفیر اسلامی امیر البحر کے پاس بھیجا تھا، اس کے ساتھ روانہ کیا اس نے اپنے عمومی مطالبہ کو پیش کیا :

"تم لوگ دین اسلام قبول کرو اور ہماری ذمہ داری میں آ جاؤ اور اس کے معاوضہ میں جزیہ دیا کرو جیسا کہ ذمی ممالک میں لیا جاتا ہے، ورنہ پھر آخری فیصلہ تلوار سے ہو گا۔"

گورنر صقلیہ نے جواباً کہا کہ صقلیہ روم کے شہر نہیں جو آسانی سے تمہارے قبضہ میں آ گئے۔ صقلیہ ایک محفوظ اور مامون قلعہ ہے اور ہمارے پاس بڑی تربیت یافتہ فوج ہے، اس کو اگر دیکھو گے تو پشیمان ہو کر چلے جاؤ گے اور بحیرہ روم کے عبور کی زحمت کا افسوس کرو گے اور تبدیلِ مذہب کے متعلق کیا خام خیالی ہے اور جزیہ تم کو خود ادا کرنا ہے کہ ہم تم پر حملہ نہ کریں۔

اتنے میں ایک بطریق ننگی تلوار لے کر اسلامی فوج کے سامنے نکلا اور دعوتِ مبازرت دی۔ ایک نومسلم مقابلہ کے لئے نکلا اور چشم زدن میں بطریق کے سر کو لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ گورنر نے یہ رنگ دیکھا تو پوچھا کیا یہ جوان عرب ہے؟ جواب ملا نہیں یہ افریقہ کا ایک معمولی باشندہ ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے اور اس کی مردانگی قبولِ اسلام کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ گورنر ہیبت زدہ ہو گیا اور محل کو لوٹ گیا۔

مگر مسلمانوں نے عام حملہ کا انتظام کیا۔ مقابل رومی فوج صف آراء ہو گئی۔ طبلِ جنگ بجتے ہی جنگی مقابلہ شروع ہو گیا۔ ہر دو طرف سے دادِ شجاعت کے جوہر دکھائے گئے۔ ایک عرصہ تک معرکہ آرائی رہی۔ گورنر نے قسطنطنیہ سے امداد طلب

کی۔ وہاں سے چھ سو جنگی جہازوں کا بیڑا اہلِ صقلیہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوا۔ اسلامی فوج نے مالِ غنیمت کافی جمع کر لیا تھا۔ ادھر افریقیہ، مصر و شام سے کسی امداد کی فوری توقع نہ تھی، انہوں نے راتوں رات ساحلِ صقلیہ کو خیر باد کہا۔ امیر لشکر معہ قیدیوں اور مالِ غنیمت کے خیریت سے دمشق پہنچ گیا اور امیر معاویہؓ سے مفصل حالات بیان کئے۔ انہوں نے تمام تفصیلی حالات حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تحریر کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے امیر لشکر کے اس طرزِ عمل کو پسند فرمایا[1]

اس واقعہ کے بعد مدینہ میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ امیرِ شام خلیفۂ وقت حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور رومیوں سے صلح کر لی۔ مگر رومیوں نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر صقلیہ کو مضبوط کر لیا اور اس کو مستقل فوجی چھاؤنی بنا لیا۔

حضرت علیؓ ایک خارجی کے ہاتھوں زخمی ہو کر واصل بحق ہوئے اور حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ مگر انہوں نے امیر معاویہ کے حق میں خلعِ خلافت فرمایا اور امیر امیر معاویہؓ کل ممالک اسلامی کے بادشاہ بن گئے تو اُن کے والئ افریقہ نے پھر صقلیہ کی تسخیر کی طرف توجہ کی۔ والی افریقہ امیر معاویہؓ کی طرف سے معاویہ بن خدیج الکندی تھے۔ انہوں نے ۴۶ھ میں عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں دو سو جنگی جہاز کا بیڑا صقلیہ روانہ کیا۔

عبداللہ مذکور کو بحرِ روم کی جنگوں کا کافی تجربہ تھا۔ چنانچہ صقلیہ پر حملہ کیا اور باوجودیکہ قسطنطین بذاتِ خود صقلیہ میں تھا۔ مگر ابن قیس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ افریقہ لوٹ آئے اور غنیمت کا پانچواں حصّہ حکومت کے بیت المال کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ زر و جواہر کافی تھے، مرصع سونے چاندی کے مجسمے بھی تھے۔ امیر نے ان کو فروخت کرنے کے لئے

---

[1] فتوح الشام و مصر از واقدی۔

ہندوستان بھیج دیا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے اختلاف کیا۔ مگر انہوں نے کوئی شنوائی نہیں کی [1]

امیر معاویہؓ کے بعد یزید اُن کا جانشین ہوا جس کے ظلم وستم کی تصویر کربلا کے واقعات میں پوری طرح نظر آتی ہے۔ اس کے بعد واقعہ حرّہ میں کئی سو صحابہ کا قتل آخرش موت کے شکنجہ نے اس کے ظلم وعدوان کا خاتمہ کیا۔ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ وہ چالیس یوم بادشاہ رہ کر واصل بحق ہوا تو مروان بن حکم جو حضرت عثمانؓ کا چچا زاد بھائی اور ان کا امیر منشی تھا جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے شہید کیا۔ اس نے شام پہنچ کر اپنی بیعت لی اور سریر آرائے حکومتِ اسلامیہ ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں افریقہ میں باغیوں کے ہاتھ سے عقبہ بن نافع شہید ہوئے تو اُن کی سرکوبی کے لئے زہیر بن قیس بلوی کو ۶۲ھ میں افریقہ کی ولایت پر بھیجا۔ برقہ میں قیام کیا، پھر قیروان معہ لشکر روانہ ہوا اور کامیابی حاصل کی۔ ۶۹ھ میں مصر لوٹے۔ شاہ قسطنطنیہ کا رومی لشکر صقلیہ سے برقہ آیا اور اُس کو تاراج کر ڈالا۔ زہیر بھی رومیوں میں گھر گئے اور معہ ساتھیوں کے شہید ہوئے [2]
عبدالملک کو معلوم ہوا تو اُس نے حسان بن نعمان کو والی مقرر کیا اور چالیس ہزار سپاہی اور مصر کی کنجی اس کے ہاتھ میں دے دی اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا۔

حسان نے افریقہ آکر یہاں کے حالات کا جائزہ لیا، حکومتِ قرطاجنہ کا وجود اسلامی مملکت کے لئے سخت خطرہ تھا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں سب سے بڑی طاقت یہی تھی، حکومت بیزنطینی، قسطنطنیہ کی طرف سے قرطاجنہ پر گورنر رہا کرتا تھا۔ چنانچہ حسان نے اس حکومت کا ایک معرکہ میں خاتمہ کر دیا۔ یہاں کے لوگ حسان سے اجازت لے کر صقلیہ اور اندلس چلے گئے۔ اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربری بزیرِ علم اسلامی

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۳۵ [2] ابن اثیر جلد ۴ صد ۹۲۔

آگئے اور ان کو عربوں کے مساوی حقوق عطا ہوئے۔ قرطاجنہ کی جنگ میں صقلیہ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب ضرورت اشد تھی کہ ان کی معقول گوشمالی کی جائے۔ چنانچہ ٹیونس میں دارالصناعہ قائم کیا گیا جہاں جہاز تیار ہونے اور آلاتِ حرب بننے لگے۔ قرطاجنہ کے زوال کے بعد افریقہ کی اسلامی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اب حسان کا دورِ ولایت ختم ہو گیا اور وہ دمشق چلا گیا۔

فاتح یورپ موسیٰ بن نصیر لخمی والیٔ افریقہ مقرر ہوا۔ موسیٰ نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی کارخانہ جہاز سازی کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ۸۴ھ میں کثیر التعداد جنگی جہاز تیار ہو گئے تو موسیٰ نے ۸۵ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا جو ساحلی شہر کو تاراج کر کے واپس آگیا۔ چند ماہ بعد ۸۶ھ میں عیاش بن اخیل نے صقلیہ پر حملہ کیا۔ سرقوسہ پر معرکہ آرائی ہوئی۔ بعد کامیابی مالِ غنیمت لے کر ابن اخیل واپس چلا آیا۔ موسیٰ معزول کئے گئے۔

یزید بن ابی مسلم کاتب حجاج ثقفی والی مقرر ہوا۔ اس نے ۱۰۲ھ میں محمد بن اوس انصاری کی قیادت میں جنگی بیڑا روانہ کیا۔ اہلِ صقلیہ سے معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں والی قتل کر دیا گیا اس لئے محمد بن اوس واپس آگیا اور زمام حکومت کو سنبھالا۔ کچھ عرصہ میں بشیر بن صفوان کلبی والی ہو کر آیا۔ اُس نے ۱۰۳ھ میں صقلیہ کی مہم خود ہاتھ میں لی۔ ۱۰۹ھ میں بذاتِ خود صقلیہ پر حملہ آور ہوا اور کثیر مالِ غنیمت لے کر قیروان واپس آگیا[1]۔

غرضیکہ جو والی افریقہ کا مقرر ہوتا تھا اس کی طرف سے حملہ ہوتا۔ آخرش ہشام بن عبدالملک کا زمانہ آیا۔ اُس نے بحرِ روم کی طرف توجہ کی اور یہاں کے جزائر پر حملہ آوری کے لئے ایک تجربہ کار قائد عبدالملک بن قطن کو مامور کیا وہ افریقہ آیا اور ۱۱۴ھ میں صقلیہ روانہ ہوا مگر ساحلی مقامات کو تاراج کر کے

---

[1] البیان المغرب اردو ص ۵۶۔

لوٹ آیا۔ ۱۱۵ھ میں بکر بن سوید بیڑہ لے کر صقلیہ گیا اور ناکام واپس لوٹا۔ ۱۱۶ھ میں عبیدہ بن عبدالرحمٰن کے بجائے عبیداللہ بن الحجاب عہدۂ ولایت پر سرفراز ہوا۔ اس نے دارالصناعہ ٹیونس پر توجہ کی۔ کثیر التعداد جنگی جہازوں کا بیڑہ تیار کر کے اسی سنہ میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ لشکر راہ میں تھا کہ رومی بیڑے سے مقابلہ پڑ گیا۔ رومیوں کو منہ کی کھانی پڑی[1]۔

عبیداللہ نے مشہور قائد حبیب بن ابی عبیدہ جو عقبہ بن نافع فہری کے خاندان کا تھا، اس کی سرکردگی میں لشکرِ جرار صقلیہ روانہ کیا۔ حبیب کا لڑکا عبدالرحمٰن بحری فوج کے ساتھ ۱۲۲ھ میں صقلیہ کے دارالحکومت سرقوسہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کو فتح کر لیا۔ اہلِ صقلیہ نے صلح کر لی اور جزیہ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حبیب نے آگے بڑھنا چاہا۔ مگر افریقہ میں بغاوت رونما ہوئی تو ابن الحجاب نے حبیب کو بلا لیا۔ پھر بھی بغاوت فرو نہ ہوئی تو ۱۲۴ھ میں حنظلہ بن صفوان الکلبی ولایت افریقہ پر مامور ہوا۔ ادھر اموی حکمرانی آخری دور سے گزر رہی تھی۔ ابومسلم خراسانی نے بنی عباس کی حکومت کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں فاتح سرقوسہ عبدالرحمٰن بن حبیب بن ابی عبیدہ نے افریقہ پر چڑھائی کر دی۔ اور ابن صفوان کو معزول کر کے خود مختار حکمران بن گیا۔

سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اُس نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سفاح کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی تمام افریقہ پر غلبہ حاصل کر کے توجہ صقلیہ کی طرف منعطف کی۔ جزیہ ایک عرصہ سے وصول نہیں ہوا تھا اس لئے اُس نے حملہ کر دیا۔ اور مالِ غنیمت وافر لے کر واپس آیا اور ادائے جزیہ کے لئے نیا معاہدہ کر آیا۔ پھر ۱۳۵ھ میں عبدالرحمٰن نے سروانیہ پر حملہ کیا اور جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت ہو گئی[2]۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۳۷

منصور عباسی سفاح کے بعد سریر آرائے خلافت ہُوا۔ اس نے عبدالرحمٰن کو بدستور ولایتِ افریقیہ پر قائم رکھا۔ مگر کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ عبدالرحمٰن نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ سنہ ۱۴۳ھ تک اس کے خاندان میں حکمرانی رہی۔ سنہ ۱۴۳ھ میں محمد بن اشعث خزاعی افریقیہ آیا۔ اس نے افریقیہ کی ولایت اپنے قبضہ میں کی۔ مگر سنہ ۱۴۷ھ میں دمشق واپس ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن موسیٰ الخراسانی نے ولایت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے بعد ربیع الاوّل سنہ ۱۴۸ھ میں اغلب التمیمی ولایت افریقیہ پر منجانب خلیفہ والی مقرر ہُوا۔ مگر بغاوت کو فرو کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اغلب کے خاندان نے یہیں اقامت اختیار کی۔ شاہ دمشق اموی کی طرف سے آلِ مہلب کو یہاں کی حکومت سپرد ہوئی۔

سنہ ۱۵۱ھ سے سنہ ۱۸۳ھ تک اس خاندان سے سات وُلاۃ مقرر ہوئے۔ آخر والی محمد بن مقاتل العکی تھا۔ اس کے ایک باغی سردار تمام بن تمیم التمیمی نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ ابن مقاتل نے اس کی امارت قبول کر لی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ پورے افریقیہ میں ابتری پھیل گئی۔ اس زمانہ میں اغلب کا بڑا لڑکا ابراہیم جو زاب کا حاکم تھا وہ فوج لے کر قیروان پر حملہ آور ہُوا اور قبضہ کر لیا اور پھر پورے صوبہ کو زیرِ نگین کیا اور محمد بن مقاتل کو زمامِ حکومت سپرد کی۔ اس کی دانائی اور فرزانگی سے تمام افریقیہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد ولایت ابن مقاتل سے سنبھل نہ سکی تو بارگاہِ خلافت نے اس کو طلب کر لیا۔ اس وقت سریر آرائے خلافت خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے سنہ ۱۸۴ھ میں ابراہیم بن اغلب کے حسن خدمات کے صلہ میں افریقیہ کی زمامِ حکومت اس کو عطا کی۔ ابراہیم نے ملکی نظم ونسق سنبھالا اور کچھ عرصہ میں افریقیہ کے کل اسلامی علاقہ کی حالت بہترین ہو گئی اور اس نے سالانہ چالیس ہزار دینار خلیفہ کی خدمت میں بھیجنے شروع کر دیئے۔

ابراہیم کی دانائی اور خوش تدبیری نے مستقل اور خودمختار حکمران کی صورت

اختیار کی۔ ۱۹۶ھ میں اس نے وفات پائی اور اس کا جانشین ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم ہوا۔ خلافتِ عباسیہ نے ابراہیم کی خدماتِ جلیلہ کے صلہ میں افریقہ کی حکمرانی اس کے خاندان میں موروثی قرار دے دی۔

عبداللہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر حکومت کے نظم ونسق میں لگ گیا۔ اہلِ صقلیہ نے دس برس کے لئے صلح کا معاہدہ اس سے کیا۔ مگر ابوالعباس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ ۲۰۱ھ میں راہیِ ملک بقا ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم سربر آرائے حکومتِ افریقہ ہوا۔ یہ نہایت بیدار مغز فرمانروا تھا۔ اس نے تمام اندرونی بغاوتوں کا استیصال کر کے بحری طاقت بڑھانے کی طرف توجہ کی۔ کچھ عرصہ میں عظیم الشان بیڑا تیار ہو گیا۔

صقلیہ کے عیسائیوں نے معاہدہ شکنی پر کمر باندھی اور ۲۱۱ھ میں میکائیل دوم شہنشاہِ قسطنطنیہ نے ان کی معاونت کے لئے ایک شریر النفس بطریق کو گورنر بنا کر صقلیہ بھیجا۔ اس نے آتے ہی جنگی بیڑا مرتب کیا اور صقلیہ کے ایک تجربہ کار فیمی نامی کی سرکردگی میں افریقہ کے ساحلی مقامات کو غارت کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے ایک مدت تک ڈاکہ زنی اختیار کی اور اسلامی جہازوں پر چھاپے مارنے لگا۔ مسافروں کو قتل کر دیتا یا اُن کو صقلیہ لے کر فروخت کر دیتا۔ اس زمانے میں یزید بن محمد الجمحی جو افریقہ کے جیّد عالم اور محدّث تھے۔ ۲۱۲ھ میں افریقہ سے شہر مصیصہ کی طرف ایک لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ صقلیہ کے رومی بیڑے نکل پڑے اور ان جہازوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسافر فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ان میں یزید بن محمد بھی تھے۔ ان کا خونِ ناحق رنگ لائے بغیر نہ رہا۔

امیر البحر فیمی جو سواحل پر تاخت تاراج کر رہا تھا وہ ایک نوجوان نن کو اُڑا لایا تھا۔ میکائیل نے حکم دیدیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ فیمی کو خبر لگی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر صقلیہ پر حملہ آور ہو کر اس پر متصرف ہو گیا اور شاہِ صقلیہ لقب

اختیار کیا۔ میکائل کے اشارہ سے گورنر بلاط نامی نے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فیمی پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے اس کے چچا زاد بھائی نے جو بلرم کا گورنر تھا آ گھیرا۔ سرقوسہ پر خونریز جنگ ہوئی۔ فیمی شکست کھا گیا اور راہِ فرار اختیار کی اور افریقہ چلا آیا اور قیروان پہنچ کر زیادۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پچھلی پیش قدمی کی معافی چاہی اور پھر صقلیہ کے تمام حالات گوش گزار کئے اور اسلامی فوج کشی کی خواہش ظاہر کی۔

زیادۃ اللہ نے فرمایا اکابر و اعیانِ سلطنت کے مشورہ کے بعد جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے اربابِ حل وعقد سے گفتگو کی اور خود اس کے سامنے اہلِ صقلیہ کی خودسری کے واقعات تھے اور معاہدہ کے خلاف عمل تھا۔ آخرش یہ طے ہوا کہ قاضی القضاۃ اسد بن فرات کی جو رائے ہو وہ فائق ہے۔ ایک گروہ فقہاء معاہدہ کا مؤید تھا۔ اسد بن فرات کی دلیل یہ تھی کہ میعاد ختم ہو گئی ہے اور اہلِ صقلیہ نے تمام شرائطِ صلح کو نظرانداز کیا لہٰذا ان پر حملہ کرنا چاہیئے۔ قیروان کے اعیان و امراء اور اکثر فقہاء نے قاضی اسد کی تائید کی۔ اس کے بعد سے زیادۃ اللہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور فیمی کو کہلا بھیجا کہ سوسہ میں اسلامی بیڑے کا انتظار کرے۔

صقلیہ سے جو سفیر آئے تھے ان کو صاف جواب دے دیا گیا۔ جب بحری لشکر کا انتظام ہو چکا اور مجاہدین سرفروشی کے لئے جوق درجوق فوج میں شریک ہونے لگے تو سپہ سالاری کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا۔ زیادۃ اللہ کی نظرِ انتخاب قاضی القضاۃ ابوعبداللہ اسد بن فرات بن سنان پر پڑی۔ عمائدینِ سلطنت نے بھی زیادۃ اللہ کی رائے کی تائید کی۔ جب قاضی اسد کو اپنے عہدۂ امارت (امیر البحر) کی خبر لگی تو انہوں نے یہ عہدہ ناپسند کیا اور منصب قضاء کو چھوڑنا نہیں چاہا اور زیادۃ اللہ سے مل کر فرمایا کہ دینی منصب سے مجھ کو جدا کر کے فوج کی قیادت دی جاتی ہے۔ اس پر زیادۃ اللہ نے کہا، قاضی صاحب آپ کو

قاضی کے عہدہ پر قائم و برقرار رکھ کر لشکر کی امارت سپرد کرتا ہوں جو قضاء سے زیادہ اُونچا ہے۔ آئندہ سے آپ قاضی امیر کے نام سے مخاطب کئے جائیں گے۔

اس کے بعد زیادۃ اللہ نے عہدۂ امارتِ فوج و منصب قضاء کی سند لکھ کر قاضی اسد کے حوالہ کی۔ قاضی صاحب سند لے کر مکان واپس آئے اور صقلیہ کی روانگی کا انتظام کرنے لگے۔ علمائے قیروان بھی قاضی صاحب کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لئے فوج میں شریک ہو گئے۔

زیادۃ اللہ نے افریقہ کے ساحلی شہر سوسہ کی طرف لشکر کشی کی۔ روانگی کا حکم دیا اور اعلان کرا دیا گیا کہ تمام ارکانِ سلطنت اور عمائد شہر اور ارباب علم و فضل بلکہ قیروان کا ہر شخص امیر فوج قاضی اسد کی مشایعت کے لئے لشکرِ اسلامی کے ہمراہ سوسہ تک پہنچے۔ غرضیکہ یہ عظیم الشان لشکر بڑے ساز و سامان سے قیروان سے سوسہ روانہ ہُوا۔ اہلِ علم کی ایک بڑی جماعت فوج کے ساتھ تھی۔ اہل قیروان بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ اس موقعہ پر کر رہے تھے۔

غرضیکہ یہ لشکری جلوس سوسہ پہنچا۔ جہاز تیار تھے۔ مجاہدین اس میں سوار ہوئے اور پھر یرے کھول دیئے گئے۔ دس ہزار سر بکف جانباز مجاہدین عرشۂ جہاز پر کھڑے اپنی آبدار تلواروں کو جوشِ شجاعت میں بار بار جنبش دیتے تھے۔

قاضی اسد بن فرات، فاتح صقلیہ

قاضی صاحب نے عرشۂ جہاز پر رونق افروز ہو کر الوداعی تقریر کی جو ایسی پُر اثر تھی کہ ہر شخص آبدیدہ ہو گیا اور فتح صقلیہ کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس عالم میں جہازوں نے لنگر اٹھا دیئے، زیادۃ اللہ اس کامرانی پر مسرور تھا۔ یہ بیڑہ سو جنگی جہازوں کا تھا، اسمیں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ اس بیڑے کے پیچھے قیمی اپنے جہاز لئے ہوئے صقلیہ روانہ ہُوا[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷ (بخلاصہ)

چنانچہ یہ بیڑا تین دن سفر طے کرنے کے بعد یوم سہ شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۲۱۲ھ کو صقلیہ کے شہر مازر میں لنگر انداز ہو گیا۔ لشکرِ اسلام جہازوں سے اُترا اور بغیر کسی سعی کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قاضی اسد نے مازر میں اپنی مورچہ بندی کی۔ تین یوم رومیوں کی فوج کا انتظار مجاہدین جوش وخروش سے کرتے رہے۔ آخرش قاضی اسد نے شہر کے قلعہ پر اسلامی پرچم بلند کر دیا اور ابوذر کنانی کو مازر کا حاکم مقرر کیا۔ پہلی اسلامی حکومتِ صقلیہ کی داغ بیل تھی۔ اسلامی لشکر کو لے کر قاضی اسد مقام مرج پہنچے۔ یہاں پہلے سے رومی فوج مقابلہ کے لئے تیار تھی۔ مجاہدینِ کرام نے بھی وہیں خیمے نصب کرا دیئے۔ بلاط گورنر صقلیہ نے قاضی اسد کے حالات حملہ کے حکومت بیزنطینی کو مطلع کیا۔

شہنشاہ مائیکل نے صقلیہ کی طرف فوری توجہ کی اور ایک رومی بیڑا قسطنطنیہ سے صقلیہ روانہ کیا اور حکومت وینس سے بھی امداد چاہی۔ اس نے بھی جہاز معہ لشکر کے بھیج دیئے۔ چنانچہ یہ مشترک بیڑا ۲۱۳ھ میں صقلیہ پہنچا۔ غرضیکہ تین طاقتیں اسلامی لشکر سے مقابلہ کے لئے مرج پر آ جمع ہوئیں۔ ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار زیر کمان بلاطہ تھی۔ قاضی اسد کے پاس صرف دس ہزار نفوس تھے۔ البتہ کچھ فوج فیمی کی اسلامی لشکر کے ہمرکاب تھی، مگر قاضی اسد نے اس سے کہہ دیا کہ ہمیں تمہاری معاونت کی ضرورت نہیں، تم ہم سے جدا رہ سکتے ہو۔

میدانِ جنگ

قاضی اسد رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لے کر صف بندی کی۔ ایک جماعت علماء کی ساتھ تھی وہ بھی سپاہیوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے تھے۔ قاضی اسد نے لوائے جنگ خود اپنے دستِ مبارک میں لیا اور آگے بڑھے اور مجاہدانہ جوش وخروش کے ساتھ بلند آواز سے سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمائی۔ پھر سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ایسی پُرزور تقریر کی کہ ہر مجاہد سرفروشی کے لئے تیار ہو گیا اور

خود اسد رجز خوانی کرتے ہوئے رومی فوج پر تیغ بکف ٹوٹ پڑے۔ پرے کے پرے کاٹ کر رکھ دیئے۔ فوج قاضی اسد پر زیادہ متوجہ تھی۔ مگر اس مجاہدِ اعظم اور آیات اللہ کے مقابلہ سے عاجز تھی۔ مجاہدین نے اپنے امیر اور امام کا یہ رنگِ شجاعت اور بہادری کا دیکھا تو انھوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور دادِ شجاعت دی۔ آخر بزدل نصرانیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور ڈیڑھ لاکھ فوج دس ہزار کے مقابلے پر درہم برہم ہونے لگی اور فوجیوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ ہزار ہا رومی قتل ہوئے مالِ غنیمت بہت سا قاضی اسد کے ہاتھ لگا۔

اس پہلی معرکہ آرائی کی اطلاع زیادۃ اللہ کو روانہ کی گئی۔ اس نے قاضی اسد کی کارگزاری کا مژدہ خلیفہ مامون الرشید کو بھیجا۔ اس جنگ میں بلوطہ گورنر صقلیہ نے شکست کھائی اور سرزمینِ صقلیہ چھوڑ کر قلوریہ جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ سرقوسہ کی زمام حکمرانی یہاں کے پیشوا بطارقہ کے ہاتھ میں آ گئی اور اہلِ صقلیہ بے یار و مددگار رہ گئے۔ قاضی اسد مرج کا انتظام کر کے لیکہ فیمی پہنچے۔ مگر کوئی جماعت مقابلہ کے لئے نہیں نکلی تو آگے بڑھ کر کنیسہ مسلقین میں آ کر لشکرِ اسلامیہ خیمہ زن ہوا۔ قاضی اسد کے فاتحانہ اقدام کا قرب وجوار پر بڑا اثر پڑا۔ قلعہ کراث کے لوگ اپنے بطارقہ کو لے کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان طلب کی اور برضاء و رغبت جزیہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ قاضی صاحب نے ان کو مطمئن کر دیا جس کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔

فیمی نے قاضی اسد کی کامرانی دیکھی تو خفیہ طور سے اہلِ صقلیہ کو ورغلایا اور قلعہ کراث کے لوگ بھی اس کے دامِ تزویر میں آ گئے، قلعہ کو مستحکم کیا اور قرب وجوار کے گرجوں کا زر و جواہر سمیٹ کر اس قلعہ میں جمع کر کے قلعہ بندی کر لی۔

قاضی اسد اہلِ جزیرہ کی عہد شکنی اور جنگی تیاریوں سے باخبر تھے۔ فیمی کو نظر انداز کر کے فوج کو اطراف وجوانب میں پھیلا دیا اور سرقوسہ کو گھیر لیا۔ اہلِ جزیرہ قلعہ بند ہو چکے تھے۔ شہر پناہ کے نیچے لشکر نے پڑاؤ کیا۔ سرقوسہ کے تین طرف سمندر

تھا، ایک طرف خشکی، اسد نے جہاز متعین کر دیئے۔ اتنے میں افریقہ سے اسلامی فوج آگئی۔ ادھر بلرم سے رومی لشکر آگیا جس نے اسد کی فوج کو گھیر لیا۔ اسد نے اپنے اردگرد خندق کھدوادی اور رومیوں کے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ محاصرہ کی سختی سے آب و دانہ محصورین کا بند ہو گیا تو گھبرا کر طالبِ امان ہوئے۔ مگر قاضی صاحب کو ان کی پہلی غداری کا تجربہ ہو چکا تھا آخر کار زیادہ عرصہ گزرنے سے دونوں طرف مصیبت کا سامنا تھا۔ محصورین فاقوں مرنے لگے۔

ادھر اسلامی لشکر کو بھی رومی لشکر کی وجہ سے رسد پہنچنے میں دقت ہونے لگی۔ کچھ لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ افریقہ جانا چاہتے تھے۔ ابن قادم اس جماعت کا سرگروہ تھا۔ قاضی صاحب نے ہمتِ مردانہ سے کام لیا۔ ابن قادم جو بہت بڑھ گیا تھا اس کے دُرّے لگوا دیئے۔ اس طرح تمام فوج پر قاضی کی ہیبت چھا گئی۔ مگر معمولی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، اس میں امیر لشکر بھی زخمی ہو گئے تھے۔ چنانچہ زخم آگے چل کر مرض الموت میں تبدیل ہو گئے۔

ربیع الآخر ۲۱۳ھ میں فاتح صقلیہ واصل بحق ہو گیا اور اسی سرزمین میں سپرد خاک ہوا۔ جس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ قاضی اسد افریقہ میں ہردلعزیز تھے۔ گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ خود زیادۃ اللہ کو بے حد صدمہ ہوا اور قیروان میں بھی ان کے نام کی مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔

قاضی اسد کے انتقال کے بعد لشکریوں نے امیر محمد بن ابی الجواری کو جو اسلامی لشکر کا امیر تھا اپنا امیر منتخب کر لیا جس نے حکومت مفتوحہ علاقہ کی اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

محمد بن ابی الجواری

قاضی اسد کے بعد امیر منتخب ہوا۔ اس نے بھی سرقوسہ کا محاصرہ قائم رکھا۔ مگر بیزنطینی امداد کا ایک آجانے سے ہمت ہار گیا۔ ادھر اسلامی لشکر میں وباء

پھیل گئی تھی۔ آخر کار سرقوسہ کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور جہازوں پر بیٹھ کر معہ بقیہ لشکر کے افریقہ روانہ ہوا۔ مگر بیزنطینی جہازی کا ایک نمودار ہو گئے اور انہوں نے راستہ روک لیا۔ مسلمانوں میں ایک دم شجاعت عود کر آئی اور وہ ساحل کی طرف لوٹے اور جہازوں سے اتر کر اپنے تمام جہاز جلا دیئے اور دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس واقعہ کے اثر رومیوں پر زبردست پڑا۔ مجاہدین نے جوش و خروش سے شہر میناؤ پر حملہ کر دیا۔ تین دن بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر جرجنت فتح کر لیا۔ ان دونوں کو مسلمانوں سے آباد کیا۔

اب تین شہر صقلیہ کے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اس کے بعد قصر یانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں فیمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ قسطنطنیہ سے میکائل ثانی نے بطریق تھیوڈوٹس کی سرکردگی میں ایک فوج قصر یانہ بھیجی۔ مجاہدوں نے اس کو شکست دیدی۔ بقیہ لشکر قصر یانہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مجاہدین نے قصر یانہ کی پہاڑی کے دامن میں پختہ مکان بنائے اور اردگرد کے علاقہ پر فوج کے دستے بھیج دیئے۔ اس دوران میں ۲۱۳ھ کو ابن الجواری نے وفات پائی۔ ان کا جانشین مجاہدین کا ایک رکن زہیر بن غوث منتخب کیا گیا۔ یہ آزمودہ افسر تھا اور عنان امارت سنبھال کر قصر یانہ کی فتح کی تدبیر میں لگ گیا۔ مگر رومیوں نے پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر ش قصر یانہ سے ہٹ کر میناؤ پہنچے۔ رومی یہاں بھی پہنچ گئے۔ رسد کا سلسلہ بند ہو گیا مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور خدا سے لو لگائے بیٹھے رہے۔ یکایک اندلس سے ۲۱۴ھ میں اسلامی بیڑا بحرہ روم کا چکر لگاتا ہوا صقلیہ کے ساحل پر ٹھہرا۔ ابن عذاری کہتا ہے کہ تین سو جہاز تھے اور یہ بیڑا عبدالرحمن ثانی اموی کا تھا۔

امیر زیادۃ اللہ اندرونی بغاوتوں میں ایسا الجھا تھا کہ وہ مجاہدین صقلیہ کو اس زمانے میں کوئی مدد نہ دے سکا۔ جب افریقہ کے علاقہ میں امن و امان قائم کر

چکا تو اس نے ایک کمک سلیمان بن طرطوسی کی سرکردگی میں صقلیہ بھیجی۔ یہ تین سو جہاز تھے جس میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ یہ بیڑا صقلیہ پہنچا۔ اندلس کا بیڑا موجود تھا سپہ سالار اندلس نے اس بیڑے کی فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور میناؤ کے مجاہدین کی معاونت کے لئے روانہ ہو گئے۔

رومیوں نے مقابلہ کیا مگر ان کو سخت شکست ہوئی۔ رومی بہت کام آئے اس کے بعد بلرم پر حملہ کر دیا۔ یہ صقلیہ کا مشرقی دارالحکومت تھا۔ گورنر بلرم نے مقابلہ کیا مگر اس کو محصور ہونا پڑا۔ فرغوش سپہ سالار اندلس نے ایسا گھیرا کہ رسد اہلِ قلعہ کی بند ہو گئی۔ صدہا آدمی یومیہ بھوک کے مرنے لگے۔ مجبور ہو کر گورنر نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور فرغوش سے آکر ملا اور امان کا طالب ہوا۔ فرغوش نے اس کو امان دی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ آبادی کا بڑا حصہ بھوکوں مر چکا تھا ستر ہزار میں سے صرف تین ہزار باقی رہ گئے تھے۔ گورنر بلرم قسطنطنیہ چلتا بنا۔ مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ کر کے پہلے شہر کا انتظام کیا۔ کاروبار تجارت نئے سرے سے شروع ہوا۔ غرضیکہ مسلمانوں کی روزافزوں ترقی ہونے لگی۔ اندلسی اور افریقی مجاہدین میں مسلمان گورنر کے انتخاب میں جھگڑا شروع گیا۔ اسی اثنا میں زیادۃ اللہ نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن عبداللہ بن الاغلب کو صقلیہ کے لئے نائب السلطان مقرر کیا جس نے صقلیہ جا کر زمامِ ولایت اپنے ہاتھ میں لے لی[1]۔ جس سے اندلسی اور افریقی مجاہدین کی باہمی بدمزگی رفع ہو گئی۔

محمد بن عبداللہ بن الاغلب

محمد بن عبداللہ، ابراہیم بانی دولتِ اغلبیہ کا پوتا تھا اور زیادۃ اللہ کا بھتیجا تھا۔ اُس نے صحیح معنی میں حکمرانی کرنا شروع کی۔ اسلامی حکومت کا نظم ونسق

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳، ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

جاری کیا۔ سول اور فوجی نظام کے دو صیغے قائم کئے۔ سول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور فوج کا ایک امیر مقرر کیا جس کو اپنے تحت میں رکھا۔ بلرم کو پایۂ تخت قرار دیا۔ مضافات کو قائدین فوج کو عطا کیا جو زمیندار اس علاقہ کے بن گئے۔ اس کے علاوہ اس پہلے والی نے تمدنی ترقی کی طرف توجہ کی۔

رومی معاشرت بے ڈھنگی تھی، ان کے اخلاق خراب تھے۔ عیسویت نے اپنے طریقۂ عمل سے بت پرستی کو مات کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی سادہ زندگی اور ان کی عبادت گذاری و پاک بازی کا اہلِ بلرم پر بڑا اثر پڑا اور وہ بھی مسلمانوں کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ والی کو تعلیم سے دلچسپی تھی۔ اس کے سوا جو علماء قاضی اسد کے ساتھ آئے تھے ان کی خبر گیری کرنے لگا۔

جب حکومت کا معقول انتظام کر چکا تو ۲۱۹ھ میں لشکر تیار کر کے قصریانہ روانہ کیا۔ مگر رومی مقابلہ کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ فوج بلرم لوٹ آئی اور دوسرے سال عظیم الشان لشکر قصریانہ روانہ ہوا۔ کمان خود والی محمد بن عبداللہ نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اہلِ قصریانہ نے زبردست مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ والی مالِ غنیمت لے کر بلرام لوٹ آیا اور اس نے فوجی دستے قصریانہ کے ارد گرد علاقوں پر روانہ کئے جنھوں نے جزیہ پر فیصلہ کیا اور باشندوں کو امان دی۔ محمد بن عبداللہ اغلبی نے ۲۲۰ھ میں شہر طبریہ پر حملہ کے لئے محمد بن سالم کو بھیجا۔ اس نے بلرم سے لے کر طبرا (صقلیہ کے مشرقی ساحل پر تھا) تک کے زرخیز علاقہ کی تاخت کی اور کامیابی حاصل کر کے مالِ غنیمت کا وافر حصہ لشکر میں جمع کر لیا۔ ایک جماعت محمد بن سالم سے بگڑ گئی اور اس کو قتل کر دیا۔

زیادۃ اللہ کو خبر ہوئی۔ اس نے فضل بن یعقوب کو اس عہدہ پر سرفراز کر کے ایک لشکر کے ساتھ صقلیہ روانہ کیا۔ اس کے بلرم آتے ہی والی نے نواحی سرقوسہ کی مہم سپرد کر دی۔ اس نے تمام علاقہ کو تاراج کر ڈالا اور کثیر مالِ غنیمت لے کر بلرم لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد خود والی لشکر کو لے کر گیا اور کامیابی تو ہوئی نہیں لیکن رومیوں

کا مالِ غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جن لوگوں نے سپہ سالار کو قتل کیا تھا وہ والی سے بھی بگڑ گئے تھے۔ زیادۃ اللہ نے محمد کو معزول کر کے اس کے بڑے بھائی ابوالاغلب جو کہ تجربہ کار شہزادہ تھا اس کو بلرم کے انتظام حکومت کے لئے بھیج دیا[1]

ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ

رمضان سنہ ۲۲۲ھ کو افریقیہ سے ابوالاغلب روانہ ہوا اور صقلیہ پہنچا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ یہ نہایت ہوشمند تھا۔ اس کو خود مختار بنا کر زیادۃ اللہ نے یہاں بھیجا تھا۔ راستہ میں رومی قزاقوں نے اس کو پریشان کیا تھا۔ اس نے پہلے ان کی بحری طاقت کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے عظیم الشان بیڑہ تیار کیا اور ڈاکوؤں کے بیڑے کو جالیا اور ایسی آتش باری کی کہ رومی بیڑہ تابِ مقاومت نہ لا سکا اور ڈاکو مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اسلامی بیڑہ مظفر و فتحیاب بلرم لوٹا۔ ابوالاغلب نے اسیر قزاقوں کو قتل کرا دیا۔

افریقیہ اور صقلیہ کے درمیان میں جو جزائر تھے ابوالاغلب نے ان کی تسخیر کی طرف توجہ کی اور خود جنگی بیڑا لے جا کر قرب و جوار صقلیہ کے جزائر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی کوہ آتش فشاں اٹنا کے نواح میں ایک فوج بھیجی جس نے متعدد قلعے فتح کئے اور علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا اور ایک لشکر قسطلیانیہ زیر سرکردگی عبدالسلام بن عبدالوہاب روانہ کیا جہاں ان کو کامیابی ہوئی۔ رومی بہت سے کام آئے۔ مگر دھوکہ سے یہ امیرِ لشکر گرفتار ہو گئے تھے، فدیہ دے کر رہا ہوئے۔

سنہ ۲۲۲ھ میں اسلامی لشکر بلرم سے قصریانہ گیا۔ رومیوں سے مقابلہ ہوا مگر رومی قلعہ بند ہو گئے۔ رات میں بعض شہر پر مسلمان قابض ہو گئے۔ رومی فوج شہر میں محصور تھی۔ آخرش اہلِ شہر نے امان طلب کی۔ امیر لشکر نے امان دی اور معاوضہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۹۔

لے کر اسلامی لشکر بلرم چلا آیا۔ مہم قصریانہ کے بعد ساحلی شہر جفلوذی پر مسلمانوں نے
حملہ بول دیا۔ مگر کشت وخون سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اسی زمانہ میں ۱۴ رجب ۲۲۳ھ کو
افریقہ اور صقلیہ کا بیدار مغز فرمانروا زیادۃ اللہ قیروان میں فوت ہو گیا اور اس کا
جانشین ابو عقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب ہوا۔ جو کچھ عرصہ افریقہ کے انتظام
میں لگا رہا۔ پھر اس نے صقلیہ کی طرف توجہ کی اور کمک صقلیہ روانہ کی۔

ابو الاغلب نے جنوبی اٹلی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے تعلقات قائم کرنا چاہے۔
نیپلس نے صلح کر لی اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد واعانت کا
معاہدہ طے پا گیا۔ جس کے بعد ہی مسلمانوں نے اٹلی کے مشرقی ساحل کے مشہور
شہر برنڈزی پر بحری حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور پھر بندرگاہ باری پر متصرف ہو گئے۔
اب مسلمان اٹلی کے علاقہ میں فاتحانہ داخل ہو گئے اور اٹلی کی ریاستوں پر اسلامی
طاقت کا سکہ جم گیا۔ ابو الاغلب کے عہد میں جزیرہ کے تہائی حصہ پر عرب
قابض ہو گئے۔ [1]

ابو عقال اغلب ۲۳ ربیع الآخر ۲۲۶ھ کو فوت ہو گیا تو ابو الاغلب کا
چچازاد بھائی ابو العباس محمد بن اغلب جانشین ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لیکر
اُس نے ایک لشکر فضل بن جعفر ہمدانی کی سرکردگی میں مسینا فتح کرنے کے لئے
بھیجا جس نے مقابلہ کی فوج کو قلعہ بندی پر مجبور کر دیا۔ یہ بھی محاصرہ کر بیٹھے۔
کبھی کبھی ہر دو میں جنگی مقابلہ ہو جایا کرتا۔ فضل نے آخرش مسینا کو فتح کر لیا۔
اب صقلیہ میں دو حکومتیں بن گئیں۔ مسینا کا والی فضل بنا دیا گیا۔ ابو الاغلب
اور فضل نے جو قلعے فتح کرنے ضروری تھے وہ تسخیر کر لئے۔ غرضیکہ فتح مسینا کے
بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ کی۔

غرضیکہ فضل نے مسینا کے نظم ونسق کے بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۔ تاریخ عرب موسیو سیدیو اردو صفحہ ۲۴۴۔

توجہ کی۔ سنہ ۲۳۰ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اٹلی روانہ ہوا اور طارنت پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کر لیا اور اسلامی آبادی قائم کر دی گئی [۱]

اٹلی میں خلفون اور مفرج کی سرگرمیاں

ایک جنگجو بہادر خلفون بربری جو قبیلہ ربیعہ کے موالی میں سے تھا، ملک گیری کے خیال سے افریقہ سے ایک جماعت کو لے کر نکلا اور شہر باری پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی مفرج بن سالم اپنے ساتھیوں کو لے کر اٹلی پہنچا اور چوبیس قلعے فتح کر لیئے۔ ہر دو جماعتیں مل گئیں اور مفرج سردار مان لیا گیا جس نے باری کو صدر مقام بنا کر ایک مختصر سی اسلامی اسٹیٹ قائم کر لی اور والی مصر کے ذریعہ بارگاہِ خلافت سے سندِ حکومت حاصل کر لی اور سب سے پہلے اٹلی میں جامع مسجد اسی نے تعمیر کرائی۔

اٹلی کی اس اسلامی حکومت نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنا شروع کیا۔ اٹلی کے شہروں، قصبوں پر تاختیں شروع کر دیں۔ ان کی فاتحانہ سرگرمی نے صقلیہ اور افریقہ کے لوگوں کو معاونت پر آمادہ کر دیا۔ اسلامی بیڑا مدد دیتا رہا غیطہ، ملفی بھی اس حکومت کے قبضہ میں آ گئے اور دریائے جارلیون پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے دریائے ٹائبر کے ذریعہ اندرون ملک میں داخل ہونا چاہا لیکن اہلِ اٹلی کی طرف سے سخت مزاحمت ہوئی۔ پوپ کے حکم سے شہر استیہ کے حصار زیادہ اُونچے کر دیئے گئے مگر مجاہدینِ اسلام شہر روما پر حملہ آور ہوئے، سینٹ پیٹرا اور سینٹ پال کے مشہور گرجوں کو لُوٹ لیا اور اسی طرح چند اور بھی شہر برباد کر دیئے گئے۔ فاتح اٹلی فضل بن جعفر نے سنہ ۲۳۲ھ میں میسنا کے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۷، صہ؟ ۔

مضافات میں پیش قدمی کی لنتینی شہر پر حملہ کیا، یہ سرقوسہ سے پچیس میل تھا۔ بالآخر فضل نے بزور شمشیر لنتینی کو فتح کر لیا۔

بلرم سے ایک اسلامی لشکر رغوس (سمندر سے سات میل) پہنچا ۲۳۴ھ میں اس کا محاصرہ کیا۔ اہل رغوس تاب مقاومت نہ لا سکے اور شہر کو خود تباہ کر دیا اور خالی کر گئے۔ غرضیکہ ۲۳۴ھ تک صقلیہ کے مرکزی شہر مسلمانوں کے اقتدار میں آ گئے۔ جس سے ایک طرف پورا جنوبی علاقہ اب اسلام کے زیر نگین تھا۔

گورنر صقلیہ جو بیزنطینی حکومت کی طرف سے تھا اس نے سرقوسہ سے قصریانہ دارالحکومت منتقل کر دیا جس سے بلرم اور قصریانہ قریب قریب ہو گئے۔ ابوالاغلب نے ۲۳۵ھ میں قصریانہ کو لینا چاہا مگر ناکام لوٹا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد ۲ رجب کو مجاہد اعظم ابوالاغلب ابراہیم عبداللہ نے وفات پائی۔ سولہ[16] سال حکمرانی کی۔ اس کا عہد بہترین تھا کیونکہ اقتصادی حیثیت سے نمایاں ترقیاں ہوئیں۔ اس نے خودمختارانہ حکمرانی کی۔ اس کے عہد کی خصوصیت اسلامی علوم کی ترقی تھی۔ قاضی اسد کے عہد سے یہاں علمی مشاغل شروع ہو گئے تھے۔ مسجدیں دینی علوم کی درس گاہیں تھیں۔

عباس بن فضل

ابوالاغلب کی وفات کے بعد مسلمانان صقلیہ نے امیر لشکر عباس بن فضل کو اپنا والی منتخب کر لیا اور ابوالعباس اغلبی سے سند ولایت کی خواہش کی۔ ادھر عباس نے زمام حکومت سنبھالی ۲۳۷ھ میں ابوالعباس نے سند ولایت لکھ کر بھیج دی۔ اس فرمان کے بعد عباس نے فوج کی تنظیم کی طرف توجہ مبذول کی۔ بری و بحری حصوں میں تقسیم کیا۔ بری فوج اپنے چچا رباح بن یعقوب کی سپہ سالاری میں دی اور بحری فوج کا افسر اعلیٰ اپنے بھائی علی بن فضل کو مقرر کیا جنھوں نے رومی علاقہ کو اپنے حملوں سے پامال کر دیا۔ قلعہ ابی ثور قبضہ میں آ گیا۔ والئ افریقہ

ابوالعباس محمد بن اغلب نے ۱۰ محرم ۲۴۲ھ کو وفات پائی اور ابو ابراہیم احمد بن محمد والی مقرر ہوا جس نے عباس کو ولایت صقلیہ پر برقرار رکھا۔ عباس نے بقیہ حصہ صقلیہ پر متواتر حملے کئے۔ آخر کار ۲۴۴ھ میں قصریانہ کو اپنے حسن تدبیر سے فتح کر لیا۔ امرائے بزنطینی اس معرکہ میں کام آئے۔ مسلمانوں کو بڑی دولت ہاتھ لگی۔ فتح قصریانہ کے بعد عباس نے یہاں جامع مسجد تعمیر کرائی [1] عیسائی مورخ کہتے ہیں گرجے کو مسجد بنایا۔ مگر ان کی یہ روایت کذب پر مبنی ہے۔ یہاں جس قدر مالِ غنیمت ملا پانچواں حصہ حکومتِ اغلبیہ کے نذر کیا اور تحائف بطور نذرِ عقیدت خلیفہ عباسی المتوکل باللہ کے حضور میں بغداد ارسال کئے گئے۔ ان تحائف میں نوجوان شہزادیاں بھی تھیں۔

قسطنطنیہ سے بحری بیڑا انتقام میں آیا شکست کھا کر لوٹ گیا۔ عباس نے قصریانہ کو مستحکم کر کے رومیوں کے مقابلہ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ جب لشکرِ اسلامی منظم ہو گیا تو ۲۴۶ھ میں رومی قلعوں پر حملہ کر دیا۔ شطرابلا، ابلاطنو، بلّوط قلعہ عبدالمومن فتح ہو گئے۔ اس کے بعد رومی بیڑا پھر مقابلہ کے لئے آیا اور وہ بھی جفلوذی میں شکست کھا گیا اور سرقوسہ میں رومی پناہ گزین ہو گئے۔

عباس بعد کامرانی قصریانہ واپس آ گیا اور قصریانہ کی از سرِ نو تعمیر کی۔ خاص خاص مقامات کی قلعہ بندی کی۔ ۲۴۷ھ میں عباس نے پھر سرقوسہ پر حملے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی نواحِ سرقوسہ غیران قرقنہ کو تاخت و تاراج کیا ہی تھا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تین یوم بیمار رہ کر ۲ جمادی الآخر ۲۴۷ھ میں یوم جمعہ کو جنت الفردوس سدھارا۔ مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر وہیں سپردِ خاک کیا اور اسلامی لشکر بلرم واپس لوٹ آیا۔ رومی عباس کے نام سے تھراتے تھے، زندگی میں کچھ نہ بگاڑ سکے، بعد کو قبر سے لاش نکال کر آگ میں جلا ڈالی [2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۴۲ [2] ایضاً

احمد بن یعقوب والی صقلیہ

عباس کے بعد ابو ابراہیم احمد بن محمد بن اغلب نے مسلمانوں کی منشاء پر احمد بن یعقوب کو والی مقرر کر دیا۔ یہ عباس کا چچا تھا اور عباس کا لڑکا عبداللہ، وہ متمنی ولایت کا تھا۔ اس سے اور ان سے باہمی رنجش ہو گئی۔ آخر ش ابن یعقوب نے ابن عباس کو ولایت صقلیہ سپرد کر دی اور واقعہ کی اطلاع ابو ابراہیم اغلبی کو افریقہ بھیج دی۔ عبداللہ بن عباس پانچ ماہ والی رہا۔ قلعہ انمنین اور قلعہ مشارعہ اس نے فتح کئے کہ اغلبیہ خاندان کا ممتاز رکن خفاجہ بن سفیان کو والیٔ افریقہ نے عبداللہ بن عباس کے بجائے والی صقلیہ کر دیا۔

خفاجہ بن سفیان

خفاجہ ابن سفیان بن سوادہ بن سفیان برادر اغلب بن سالم نے جمادی الاولی ۲۴۸ھ میں افریقہ سے صقلیہ آکر عنانِ حکومت سنبھال لی۔ اپنے بیٹے محمود کو سپہ سالار کیا اور اس کی کمان میں لشکر دے کر سرقوسہ بھیجا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مالِ غنیمت لے کر محمود بلرم چلا آیا۔ ابھی ایک سال خفاجہ کو حکمرانی کرتے گزرا تھا کہ والی افریقہ ابو ابراہیم احمد بن محمد بن اغلب اٹھائیس سال کی عمر میں بماہ ذیقعدہ ۲۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کا جانشین ابو محمد زیادۃ اللہ ثانی بن محمد بن اغلب ہوا۔ اس کی طرف سے بھی خفاجہ ہی والی رہا۔[1]

خفاجہ نے محرم ۲۵۰ھ میں شہر نوطس کو جو سرقوسہ سے ایک مرحلہ پر واقع تھا بلا خون بہائے فتح کر لیا۔ شہر پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ مالِ غنیمت بہت ہاتھ آیا۔[2] پھر خفاجہ نے لشکر شکلہ کی طرف روانہ کیا۔ اس نے اس پر بھی قبضہ کیا۔ ادھر یہ واقعات گزر

---

[1] البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۵۳ [2] ابن اثیر جلد ۷ ص ۶۹۔

رہے تھے کہ ابو محمد زیادۃ اللہ نے ایک سال چھ دن حکمرانی کر کے ۹ ذیقعدہ ۲۵۰ھ کو انتقال کیا۔ اس کا جانشین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب ہُوا۔ اس والی نے بھی خفاجہ کو صقلیہ کی ولایت پر برقرار رکھا۔ خفاجہ نے سرقوسہ کی طرف اپنے لڑکے محمود کو معہ لشکرِ اسلام کے بھیجا، رومی مقابل آئے۔ ایک ہزار لشکری ان کے کام آئے۔ یہ واقعہ ۲۵۲ھ کا ہے۔

اس کے دوسرے سال طبرین کی طرف اسلامی لشکر روانہ ہُوا۔ مگر اہلِ شہر نے خفاجہ سے امان طلب کی اور خود شہر سپرد کر دیا۔ یہاں کے انتظام کے بعد خفاجہ دوسری طرف متوجہ ہُوا۔ بیزنطینی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہونے کے اسباب پیدا ہو چکے تھے۔ قیصرِ روم باسل کو اس خطرے نے چونکا دیا اور اس نے خفیہ ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال مقبوضاتِ اسلامی میں پھیلا دیا۔ یہاں کے عیسائی باشندے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ شہر طبرین میں بغاوت رونما ہوئی۔ خفاجہ نے محمود کو بھیج کر غداری اور بدعہدی کا مزہ عمائد شہر کو چکھا دیا۔ ۲۵۳ھ میں بغاوت کا استیصال ہو گیا اسی طرح رغوس نے بھی سر اٹھایا۔ خفاجہ نے اس کی بھی گوشمالی کر دی۔ ایک شخص کو جلاوطن کر دیا اور تمام شہر پر کامل تصرف ہو گیا۔

دوسرے مقامات پر بھی باسل کے اُٹھائے ہُوئے فتنے تھے وہ سب ملیامیٹ کر دیئے گئے۔ مگر باسل مقدونی نے ایک جنگی بیڑا صقلیہ بھیجا، خفاجہ کو اطلاع ملی تو اس نے بھی ایک بیڑے کا محمد کو امیر البحر مقرر کر کے دشمن کے بیڑے کی نگرانی سپرد کی اور خود خفاجہ بلرم سے ۲۵۴ھ میں روانہ ہو کر ایک جگہ مقیم ہُوا اور ایک دستہ فوج سرقوسہ روانہ کی۔ بیزنطینی بیڑہ بطریق کی سرکردگی میں صقلیہ پہنچا۔ جہاز سے فوج ساحل پر اُتری۔ خفاجہ موقعہ پر معہ لشکر کے پہنچا۔ رومیوں سے سخت مقابلہ ہُوا۔ مجاہدین نے ہزارہا عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ رومی شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کو مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ فتحیابی کے بعد خفاجہ سرقوسہ گیا مگر ناکام بلرم لوٹ آیا اور ماہ رجب ۲۵۴ھ میں ایک عظیم الشان بیڑا محمد کی سرکردگی میں اٹلی روانہ کیا

جو شہر غیطہ پہنچا اور محاصرہ کر لیا مگر ناکام رہا۔ مضافات سے مالِ غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جہاز بھر کے محمد، بلرم واپس آ گیا۔

اٹلی میں اسلامی مقبوضات مفرج بن سالم کی نگرانی میں تھے۔ مگر مسلمانوں کی باہمی مخالفت میں کشت و خون کی نوبت پہنچی۔ مفرج اس کی نذر ہو گیا تو یہ تمام مقبوضات صقلیہ کی اسلامی حکومت کی نگرانی میں آ گئے [1]

خفاجہ نے سرقوسہ پر ربیع الاوّل ۲۵۵ھ میں چڑھائی کی۔ رومی مقابلہ پر آئے ہمت و مردانگی کے وہ جوہر دکھائے کہ اسلامی لشکر کو بلرم واپس آنا پڑا۔ خفاجہ کا یہ سفر سفرِ آخرت تھا۔ چنانچہ خفاجہ کو یکم رجب ۲۵۵ھ کو وادیٔ بطن میں خلفون بن ابن زیاد نے قتل کر دیا، لاش بلرم لائی گئی اور دفن کی گئی [2] اس کا جانشین مسلمانانِ صقلیہ نے اس کے لڑکے محمد کو کر دیا۔

محمد بن خفاجہ والیٔ صقلیہ

والیٔ افریقہ نے اس انتخاب کو بہ نظرِ استحسان دیکھا اور فرمانِ ولایت اور خلعت محمد کے نام بھیجا۔ محمد نے اپنے چچا عبداللہ بن سفیان کو امیرِ لشکر کیا جس نے نواح سرقوسہ پر فوج کشی کی مگر ناکام لوٹا۔

حکومت بیزنطینی نے مالٹا جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا حملہ کر دیا۔ محمد بن خفاجہ نے یہ خبر سنتے ہی اسلامی لشکر بھیج دیا جس نے رومیوں کو مار بھگایا اور مالٹا میں اسلامی حکومت برقرار رہی [3]

محمد بن خفاجہ کو انتظامِ حکومت سنبھالے دو برس ہوئے تھے کہ اس کے خواجہ سرا نے ۳ رجب ۲۵۷ھ کو اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانانِ صقلیہ نے محمد بن ابی الحسین کو عارضی اپنا والی مقرر کر لیا۔ مگر والی افریقہ نے ابن ابی الحسین کے بجائے رباح بن

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳۷۰ [2] ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱ [3] ایضاً۔

یعقوب کو ولایتِ صقلیہ پر مقرر کیا۔

رباح بن یعقوب

رباح کے بھائی عبداللہ بن یعقوب کو مقبوضاتِ ایطالیہ کا والی بنا کر اٹلی روانہ کیا تاکہ اسلامی مقبوضات حکومتِ صقلیہ سے الگ ایک جدید حکومت کے ماتحت رہے۔ مگر ہر دو بھائی کچھ روز بھی حکمرانی نہ کر سکے۔ محرم ۲۵۸ھ کو رباح فوت ہوا اور صفر میں عبداللہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رباح کا جانشین حسین بن رباح ہوا اور ابوالعباس بن یعقوب بن عبداللہ نے جنوبی اٹلی کی حکومت ہاتھ میں لی مگر اس کی عمر نے بھی وفا نہ کی۔ ربیع الاول ۲۵۸ھ میں وہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی تخت نشین ہوا مگر حکومت سنبھال نہ سکا۔

لیو ثانی شاہ اٹلی کی فوج تین سال سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آخر شہر باری مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد شہر سلرنو بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ مرکزی شہر مسلمانوں کے لئے شہر طارنت قرار پایا۔[1]

حسین بن رباح

حسین کی ولایت کی تصدیق والی افریقہ نے بھیج دی۔ اس نے بھی سرقوسہ پر حملہ کیا۔ رومیوں نے صلح کر کے مسلمان قیدی رہا کر دیئے۔ یکایک والی افریقہ نے حسین کو معزول کر کے عبداللہ بن محمد کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

عبداللہ بن محمد

عبداللہ سابق والی صقلیہ محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب کا فرزند تھا۔ کچھ

---

[1] تاریخ عرب موسیو سیدیو۔

عرصہ صقلیہ میں رہا۔ پھر والی افریقیہ نے طرابلس الغرب کا والی کر دیا اور اس کے بجائے ابو ملک احمد بن عمر بن عبداللہ بن ابراہیم المعروف بہ حبشی والی صقلیہ مقرر ہُوا۔ اس نے زمامِ حکمرانی ہاتھ میں لی۔ اس اثناء میں ابو عبداللہ محمد بن احمد والی افریقیہ نے دس سال پانچ ماہ ولایت افریقیہ پر سرفراز رہ کر ۶ رجمادی الاولیٰ ۲۶۱ھ کو وفات پائی۔ وفات سے چند دن پیشتر اپنے نابالغ لڑکے ابو عقال کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر اس کے بھائی نے اس کی زندگی میں ابو عقال کی تصدیق کر دی تھی۔ بعد کو ابو عقال کو رد کر کے خود تختِ حکومت پر بیٹھ گیا۔ یہ بیدار مغز فرمانروا ثابت ہُوا۔ خود صاحبِ علم وفضل تھا۔ نظامِ حکومت کو قابلیت سے چلایا۔ اس نے صقلیہ پر ابو ملک احمد حبشی مذکور والی صقلیہ کو برقرار رکھا۔ مگر حبشی کی فوج کشیاں ناکام رہیں۔ ابراہیم نے اس کو معزول کیا اور امیر جعفر بن محمد کو والئ صقلیہ کر دیا [1]

جعفر بن محمد والئ صقلیہ

جعفر ابراہیم والیِ افریقیہ کا مصاحب تھا۔ ایک لشکر کے ساتھ ۲۶۴ھ میں صقلیہ پہنچا۔ لشکر میں زیادہ تر موالی اغالبہ تھے۔ یہ موالی بڑے شورہ پشت اور حکومت کے سیاسی مجرم بھی رہ چکے تھے۔

ابراہیم نے ہم خاندان افراد کو جو مخالف تھے ان کو بھی صقلیہ بھیج دیا۔ جس میں اغلب بن محمد، اغلب بن احمد، ابو عقال بن احمد، یہ شہزادے محل میں نظر بند رکھے گئے۔

زمامِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر جعفر نے سرقوسہ کی فتح کی طرف توجہ کی۔ عظیم الشان لشکر مرتب کیا جو ہر قسم کے آلاتِ جنگ منجنیق وغیرہ سے مسلح تھا۔ یہ لشکر بلرم روانہ ہُوا۔ رومی مقبوضات کے اہم شہروں قطانیہ، طبرمین اور رمطہ کے گرد گشت لگایا۔ ہر جگہ سے سامانِ رسد فراہم کیا اور سرقوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ بحری لشکر بھی بلرم

---

[1] صقلیہ جلد ا صفحہ ۲۳۳۔

سے پہنچ گیا۔ اہلِ سرقوسہ نے بھی مقابلہ کی تیاری کر لی تھی۔ پہلے بعض ہرقوسہ پر اسلامی لشکر نے قبضہ کیا۔ سربفلک محل، خوشنما مکانات، مقدس عبادت گاہیں مل گئیں۔ یہیں مقیم ہو کر محاصرہ کی بہ اطمینان کارروائیاں کی جانے لگیں۔

قسطنطنیہ سے سرقوسہ کی مدد کے لئے بحری بیڑا آیا مگر جعفر کے بیڑے نے مقابلہ کر کے رومیوں کو تہ تیغ کیا اور کل جہازوں پر قبضہ کر لیا۔[1]

جعفر سرقوسہ کے محاصرہ کا مکمل انتظام کر کے بلرم آیا۔ اغلبی شہزادوں نے اس کے غلاموں کو مال وزر کی طمع دے کر تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ جعفر نماز کے لئے محل سے نکلا ہی تھا کہ غلام ٹوٹ پڑے اور ایک ہی حملہ میں قتل کر ڈالا اور ابراہیم کا چچا اغلب بن محمد جو نظر بند تھا اُس نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اغلب بن محمد متغلب صقلیہ

اغلب نے اپنے ہواخواہوں کو جمع کیا اور ایک لشکر مرتب کر کے اپنے لڑکے احمد کی سرکردگی میں سرقوسہ روانہ کیا۔ احمد نے پہنچ کر محاصرہ کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔ ۱۴ رمضان ۲۶۴ھ کو سرقوسہ فتح ہو گیا۔ رومیوں نے بھی دادِ شجاعت دی مگر مجاہدین کی جانبازی کے سامنے انہیں اسلحہ ڈالنے پڑے۔ دولتمند شہر تھا، مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ دس لاکھ بیزنطینی سکہ کی مالیت تھی۔

فتح کے بعد لشکر دو مہینے مقیم رہا۔ شہر کے قدیم باشندے جنگ سے پہلے بہت کچھ ترکِ وطن کر گئے تھے، جو جنگ میں شریک تھے وہ تیغِ اجل کا شکار ہوئے۔ یہاں بجز مسلمان فاتحوں کے شہر میں کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اغلب نے بلرم سے احمد فاتح سرقوسہ کو لکھ بھیجا کہ سرقوسہ کو منہدم کرا دیا جائے۔ چنانچہ اس

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۲۲۲ [2] اعمال الاعلام

پُرعظمت تاریخی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

حکومت بیزنطینی قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ سرقوسہ کی بازیافت کے لئے آیا۔ اسلامی بیڑا تیار کھڑا تھا اُس نے مقابلہ کیا۔ رومی ہزارہا کھیت رہے۔ چار جہاز مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، عیسائی بھگوڑے راہِ فرار اختیار کر گئے سلسلۂ محاربات کی یہ آخری کڑی تھی [1]

اسلامی لشکر بعد کامرانی ذیقعدہ ۲۶۴ھ میں بلرم واپس آیا۔ کچھ زمانہ بعد سرقوسہ پھر مسلمانوں نے آباد کرنا شروع کیا۔ دیگر اقوام کے لوگ بھی آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اچھے خاصے شہر کی حیثیت اختیار کر لی۔

فتح سرقوسہ کو دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ باشندگانِ صقلیہ نے ماہ محرم ۲۶۵ھ میں غالب بن محمد، ابوعقال کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیا جہاں جعفر کے قتل کے سلسلہ میں ان کو سزائے موت دیدی گئی [2]

ابراہیم اغلبی نے اپنے بیٹے ابوالاغلب کو ۲۶۵ھ میں صقلیہ کا والی بنا کر بھیجا۔ مگر اہلِ صقلیہ نے اس کے خلاف شورش پھیلادی۔ مجبوراً ابوالاغلب افریقہ واپس گیا اور حسین بن رباح صقلیہ کا والی مقرر ہوا۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کا بیڑا ایک سو چالیس جہازوں کا حملہ آور ہوا۔ خونریز جنگ کے بعد مسلمانوں کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا اور اسلامی بیڑے کے جہاز بھی گرفتار کر کے قسطنطنیہ لے جائے گئے۔

والی افریقہ نے اس کو ولایت سے معزول کر کے حسن بن عباس کو والی مقرر کیا، مگر اس کے عہد میں بھی مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں ناکام رہے۔ ا

آخرش ابوالحسین محمد بن فضل کو صقلیہ کا والی مقرر کیا اور حسن کو معزول کر دیا۔ ابوالحسین ۲۶۸ھ میں صقلیہ پہنچا۔ اس نے طبرمین پر حملہ کیا اور قطانیہ کو تاخت و

---

[1] ابن اثیر جلد ۷، صفحہ ۲۲۲ [2] البیان المغرب ترجمہ اردو صفحہ ۱۵۹۔

تاراج کر ڈالا۔ اس اثناء میں قسطنطنیہ سے بیڑا آیا اس سے معرکہ ہُوا۔ رومی شکست یاب ہوئے۔ بیزنطینی ایک نیا دارالحکومت صقلیہ میں بنا رہے تھے اس کو بھی محمد بن فضل نے فتح کر لیا۔ مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ محمد بن فضل دوسری مہم کا آغاز نہ کرنے پایا تھا کہ ربیع الاوّل ۲۷۰ھ میں محمد بن فضل معزول کر دیا گیا اور قیروان سے علی بن محمد بن ابی الفوارس صقلیہ کا والی مقرر ہو کر آیا۔ مگر چند روزہ اس کی حکومت کا دور رہا۔ یہ بھی دربارِ قیروان سے معزول کر دیا گیا۔ اس کی بجائے حسین بن احمد مقرر ہُوا جس نے رمطہ پر فوج کشی کی۔ لیکن یکایک بیمار ہو گیا اور ماہ شعبان ۲۷۱ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

اس کے بعد سوادہ بن محمد ولایت صقلیہ پر بھیجا گیا۔ اس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر طبرمین پر حملہ کیا۔ حاکم طبرمین نے صلح چند ماہ کے لئے کر لی۔ میعاد گزرنے پر فوج کشی کی۔ مال اور قیدی لے کر بلرم لوٹ آیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جنوبی اٹلی کے دو اسلامی شہر بیزنطینی حکومت کے قبضہ میں چلے گئے۔ یہ امیرالبحر نجفور کی کارگزاری تھی۔ شہر سیرینہ اور شہر منیتہ پر بیزنطینی عَلم لہرانے لگے۔ مسلمان شہروں سے نکل کر صقلیہ آ گئے۔ یہاں شورش پسندوں نے والی کے خلاف بغاوت کر دی۔ امرائے صقلیہ میں سے یعقوب بن بکر اور والی کو گرفتار کر کے افریقیہ روانہ کر دیا۔

ابوالعباس بن علی نے نظم و نسق عارضی طور سے سنبھالا۔ ابومالک احمد بن عمر المعروف بہ حبشی ۲۷۲ھ میں والی مقرر ہُوا۔ جس نے طبرمین، قطانیہ اور رمطہ پر فوج کشی کی مگر ناکامیاب رہا۔ جنوبی اٹلی پر توجہ کی یہاں بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہُوا۔ اس اثناء میں ابراہیم فرمانروائے افریقیہ نے نصر بن صمصامہ حاجب کو معہ اہلِ خاندان کے قتل کر دیا اور اس کے بجائے حسن بن نافذ حاجب مقرر ہُوا۔ اس نے ابوملک کو معزول کر کے ابوالحسن احمد بن فضل کو دوبارہ والی صقلیہ مقرر کیا۔ اس نے بھی رومی علاقہ کو تاراج کیا۔

۲۷۹ھ سے ۲۸۲ھ تک یہ والی رہا۔ احمد بن نافذ نے اس کو معزول کر کے

اپنے لڑکے حسن کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ ایک سال بعد ابراہیم نے اس کو معزول کر کے ابو ملک کو مقرر کر دیا۔ مگر صقلیہ میں باغی زور پکڑ چکے تھے۔ اُنھوں نے بلرم پر قبضہ کیا۔ ابو ملک فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ آخرش ابراہیم نے اپنے شہزادہ ابوالعباس کو افریقہ سے صقلیہ بھیجا[1]

ابوالعباس بن ابراہیم اغلبی

ابوالعباس ۲۸۷ھ میں صقلیہ آیا اور آتے ہی ولایت کو سنبھالا۔ اپنے ساتھ کافی لشکر بری و بحری افریقہ سے لایا تھا۔ پہلے طرابنش پر قبضہ کیا۔ بلرم کے عمائد و اکابر قاضی صقلیہ کی سرکردگی میں ابوالعباس کی خدمت میں حاضر ہو کر کامل اطاعت و انقیاد اور وفاداری کا یقین دلایا مگر ابوالعباس نے وفد سے کہا "چند روز بعد جواب دوں گا۔"

جرجنت کا وفد آیا جو حکومت کا موافق تھا اور باغیوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے ساکنانِ بلرم کے مکر و کید سے آگاہ کر دیا۔ ابوالعباس نے جو سرغنہ تھا ان کو گرفتار کر لیا اور قاضی کو بھیجا کہ دوسرے لوگوں کو اطاعت پر آمادہ کرے۔ مگر شورش پسند بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ابوالعباس نے افریقی لشکر سے باغیوں کی سرکوبی کرا دی۔ ممتاز افراد مع اہل و عیال کے بلرم چھوڑ گئے۔ رکمونیہ جو سرگروہ تھا وہ بھی اسی جماعت کے ساتھ قسطنطنیہ چلا گیا۔ شہر بلرم میں امن و امان ہو گیا تو ابوالعباس رمضان ۲۸۷ھ کو بلرم میں داخل ہوا۔ غرضیکہ ابوالعباس نے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے بعد ملک کا نظم و نسق سنبھالا[2]

اس کے بعد جنوبی اٹلی کے وہ مقبوضات جو زیرِ نگین اسلام تھے وہ رومیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ ان کے واپس لینے کی طرف متوجہ ہوا۔ ربیع الآخر ۲۸۸ھ میں

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۴۹ [2] ایضاً

ایک عظیم الشان بیڑا بندرگاہ بلرم سے روانہ کیا۔ صقلیہ کے ایک رومی شہر دیمونی پہنچا۔ کہ ابوالعباس خود آموجود ہُوا۔ وہ بیڑے کو لے کر مسینا آیا اور یہاں سے ریو جاکر اس کا محاصرہ کر لیا۔ خونریز جنگ کے بعد فاتحانہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں مالِ غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ پھر نیپلس، املقی، سالرنو کی طرف توجہ کی۔ رومیوں نے صلح کر لی۔ غرضیکہ پاپائے روما کے حدودِ حکومت میں مسلمان پہنچ گئے۔ ابوالعباس نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا۔ شہر روما کی شہر پناہ کا دروازہ سامنے تھا کہ پوپ کی استدعا کو قبول کیا۔ پوپ یوحنا نے جزیہ دینے کی شرط کو خوشی سے منظور کیا کہ پچیس ہزار رطل چاندی سالانہ والی صقلیہ کی خدمت میں بھیجا کرے گا۔ اس طرح ابوالعباس فاتح سلطنت کلیسا یورپ کو باجگزار بنا کر مسینا لوٹ گیا۔ یہاں رومی بیڑا منڈلا رہا تھا اس سے بھی مقابلہ کیا اور شکست دے کر بلرم پہنچا کہ سنہ ۲۸۹ھ میں ابراہیم کا فرمان پہنچا کہ افریقہ واپس چلا آئے۔

چنانچہ شہزادہ ابوالعباس صقلیہ کی حکومت اپنے دونوں لڑکوں ابومضر اور ابومعد کے سپرد کر کے افریقہ روانہ ہو گیا۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۲۸۹ھ میں ٹیونس پہنچا اور ابراہیم اغلبی اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا۔

ابراہیم نے اپنے ابتدائی عہد میں اپنی مملکت کا بہترین انتظام کیا تھا مگر پھر اس میں مراقی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ذرا سے قصور پر ذمہ دار ارکان حکومت کا قتل کرانا شروع کر دیا۔ تمام ملک میں اس کے ظلم سے بدامنی شروع ہو گئی۔ صوبہ دار اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کے طریق کار سے تعلقات منقطع کرنے شروع کر دیئے۔ اس زمانہ میں بربریوں میں تحریکِ اسمٰعیلی شروع ہو گئی۔ ابوعبداللہ یمنی نے شیعیت کی اشاعت کی اور عوام کو دولتِ اغالبہ سے بھڑکا دیا۔

المعتضد باللہ عباسی خلیفہ کو اس تحریک کا علم ہُوا تو اُس نے ابراہیم کو حکومت سے دستبردار ہونے کا حکم بھیجا۔ یہ علیحدہ ہو کر حج کے ارادہ سے قیروان

سے رخصت ہوا اور سوسہ میں صوفیہ لباس میں آیا وہاں سے صقلیہ چلا آیا۔ ابراہیم نے اپنے ذاتی خزانہ کو ساتھ لے لیا تھا۔ پہلے طرابنیش میں قیام کیا۔ یہاں مختصر سی فوج تیار کی جو آلاتِ حرب سے آراستہ تھی۔ ۲۸ رجب ۲۸۹ھ کو بلرم میں شان وشوکت سے داخل ہوا۔ شاہی انعام واکرام سے عمّالِ حکومت کو مالا مال کر دیا۔ تمام باشندگانِ صقلیہ کے قلوب تھوڑے ہی دنوں میں مسخر کر لئے۔ داد ودہش سے ہر کس و ناکس ابراہیم کے اشاروں پر چلنے لگا۔

صقلیہ کی اسلامی فوج ابومضر کی قیادت میں پہلے سے تیار تھی۔ چنانچہ صقلیہ کے رومی مقبوضات کے چپّہ چپّہ کو زیرنگین کرنے کے لئے اسلامی لشکر کو اپنی سرکردگی میں لیا اور رجب ۲۸۹ھ میں بلرم سے روانہ ہوگیا۔ شہر برطنیق کا محاصرہ کرلیا اور بزورِ شمشیر شہر میں داخل ہوا۔ اور اہلِ شہر کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا۔ یہاں کا انتظام کرکے طبرمین کی سمت بڑھا۔ اس کو سرقوسہ کے بھگوڑے رومیوں نے جمع ہوکر اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ لشکر صف در صف مورچہ جمائے مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ملا۔ ابراہیم نے فوراً اسلامی لشکر کو حملہ کا حکم دیا۔ مجاہدین نے اپنی سرفروشی کا وہ مظاہرہ کیا کہ رومی کھیرے ککڑی کی طرح کٹنے لگے۔

آخرش رومی شہر کی طرف پسپا ہوکر بھاگے۔ ابراہیم بھی تعاقب کرتا ہوا پھاٹک تک پہنچ گیا اور پھر تمام مجاہدین طبرمین میں داخل ہوگئے۔ باشندوں نے پہلے سے راہِ فرار اختیار کرلی تھی۔ ساحل پر کشتیاں کھڑی تھیں، موقع پاتے ہی اس میں سوار ہوکر جزیرہ کو خیرباد کہہ گئے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہوکر مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ معمولی مقابلہ کے بعد قلعہ فتح ہوگیا۔ ان میں سے بہت سے تہ تیغ کر دیئے گئے اور جو بچ رہے ان کی بار بار کی شورہ پشتی پر طوق غلامی ان کی گردنوں میں ڈال دیا۔ شہر اور قلعہ کی دولت وثروت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ طبرمین سرزمینِ صقلیہ میں حکومت بیزنطینی قسطنطنیہ کا سب سے آخری یا حکمراں شہر تھا۔ اسکے سقوط کے ساتھ ہی صقلیہ سے حکومت بیزنطینی کا جنازہ نکل گیا۔

قسطنطنیہ میں سقوطِ طبرمین کی خبر سے صفِ ماتم بچھ گئی۔ قیصر سوم نے سر سے تاج اُتار کر پھینک دیا اور مسلمانانِ صقلیہ سے انتقام لینے کے لئے فوج کی تیاری شروع کر دی۔ ابراہیم کو خبر لگی اُس نے خبر اڑا دی کہ اسلامی لشکر قسطنطنیہ پر حملہ کرتے آ رہا ہے۔ قیصر نے اپنے مورچوں کی حفاظت پر فوج کو مامور کر دیا اور شب و روز عربوں کے بیڑے کا انتظار کرنے لگا۔

ابراہیم نے چھوٹے چھوٹے قلعوں کی تسخیر کے لئے اپنے پوتے ابومضر زیادۃ اللہ کو بھیجا شہر میقش پر بلا مزاحمت کے ابومضر نے قبضہ کیا اور اپنے دوسرے لڑکے ابوالاغلب کو ونیش بھیجا۔ اُس نے بھی بلا دقت کے شہر پر قبضہ جمایا۔ اسی طرح رمطہ، لیاج پر ابومحجر سعدون الجلوی کو بھیجا۔ اہلِ شہر نے جزیہ کی شرط پر صلح کرنا چاہی مگر ابراہیم نے قبول نہ کی اور ان کو قلعوں سے باہر نکال دیا اور قلعے مسمار کرا دیئے گئے۔ لیاج رومیوں کا آخری مامن تھا۔ اب حکومت بیزنطینی کا نام و نشان نہ رہا۔ صقلیہ کے چپّہ چپّہ پر اسلامی رائت لہرانے لگا۔ قاضی اسد بن فرات کے ہاتھوں سے فتح صقلیہ کی اصل مہم شروع ہوئی اور ابراہیم بن احمد اغلبی والی افریقہ کے ہاتھوں پورے اٹھتر برس میں اتمام کو پہنچی۔

اب ابراہیم نے جنوبی اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ منعطف کی۔ طبرمین سے مسینا پہنچا اور صوبہ قلوریہ (کلیبریہ) روانہ ہُوا۔ یہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کے دستے جا بجا پھیلا دیئے۔ جہاں جہاں نصرانی فوجیں مقابلہ میں آئیں پسپا ہوئیں۔ کسنتہ پر معرکۂ کارزار گرم ہُوا کہ ابراہیم مرض اسہال میں مُبتلا ہو گیا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور زندگی سے مایوس ہو گیا تو ابومضر زیادۃ اللہ کو فوج کی قیادت سپرد کی اور والی صقلیہ مقرر کیا۔ شب شنبہ ۱۹ ذی قعدہ ۲۸۹ھ کو ابراہیم کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

ابومضر نے کسنتہ کے محاصرہ کو یکسو کرنا چاہا۔ محصورین نے دوبارہ صلح کا پیغام دیا۔ جزیہ کی شرط پر درخواست منظور کر لی گئی اور محاصرہ اُٹھا لیا گیا اور اسلامی لشکر کو اطراف و جوانب سے جمع کر کے جدِ امجد کی لاش کو لے کر ابومضر بلرم چلا آیا اور ابراہیم کی

تجہیز وتکفین کے مراسم ادا کئے اور عالی شان مقبرہ اس کی قبر پر تعمیر کرا دیا۔[۱]

ابومضر نے قصرِ حکومت میں رنگ رلیاں منانا شروع کر دیں۔ شب و روز شراب میں دُھت رہتا۔ اس کے عیش و عشرت کی خبر ابو العباس فرمانروائے افریقہ کو پہنچی۔ اس نے ابومضر کو افریقہ بُلا کر قید خانہ میں ڈال دیا اور اس کے بجائے محمد بن سرقوسی کو صقلیہ کی ولایت سپرد کی۔

محمد بن سرقوسی

محمد بن سرقوسی نے ۲۹۰ھ میں صقلیہ کی حکومت سنبھالی۔ چند ماہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ابومضر نے قید خانہ میں اپنے باپ ابو العباس کے خلاف سازش کر کے تین صقلبی غلاموں کے ذریعے شب چہار شنبہ شعبان ۲۹۰ھ میں قتل کرا ڈالا اور خود تختِ حکومت پر قابض ہو گیا اور سب سے پہلے ابن سرقوسی کو معزول کیا اور اس کے بجائے علی بن محمد بن ابی الفوارس کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ چند روز یہ والی رہا۔ ابومضر نے احمد بن ابی الحسین بن رباح کو ولایتِ صقلیہ سپرد کی[۲] لیکن احمد آخری اغلبی والی ثابت ہُوا۔

احمد بن ابی الحسین بن رباح

ابومضر نے برسرِ حکومت آتے ہی افریقہ میں کشت وخون کا بازار گرم کر دیا۔ ملک اس کے خلاف ہو گیا۔ اس نے اپنے خیر خواہ اقارب تک کو قتل کر دیا۔ نظم و نسق بگڑنے لگا۔ یہ لہو ولعب میں مُبتلا تھا۔ ارکانِ حکومت اس سے بیزار تھے۔ ادھر دعوتِ اسماعیلی شباب پر پہنچ چکی تھی۔ اغالبہ کا دستِ راست احول جو اس تحریک کو دبائے ہوئے تھا، اس کو بھی مروا چکا تھا۔ اب اس سیلاب کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اس زمانہ میں داعیِ دعاۃ ابوعبداللہ یمنی نے فرقہ اسماعیلی شیعی کے

---

[۱] البیان المغرب صد ۱۸۱ [۲] نہایت الارب صد ۴۲۳۔

امام ابوعبیداللہ المہدی کو افریقہ بلا لیا اور اس کو بادشاہ بنا کر بربریوں کا لشکر لے کر دولتِ اغلبیہ کے ملک فتح کر لئے۔ ابو مضر میں مقابلہ کی طاقت ہوتے ہوئے وہ بزدلی دکھا گیا اور تاج و تخت چھوڑ کر ۲۶ جمادی الآخر ۲۹۶ھ کو اغالبہ کا یہ آخری تاجدار قصرِ شاہی سے جس قدر دولت و ثروت کا انبار ساتھ لے جا سکتا تھا اُونٹوں پر لاد کر اہل و عیال کو چھوڑ کر رقادہ سے فرار ہُوا۔

ابو مضر کے جانے کے بعد ابراہیم بن ابی اغلب نے باشندگانِ قیروان سے حلفِ اطاعت لیا اور اسمٰعیلی فوج کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ مگر وہ لوگ جلد منحرف ہو گئے۔ ابراہیم نے بھی قیروان سے ترکِ وطن کیا اور ابو مضر سے جا ملا۔

آخری اغلبی تاجدار کا انجام

ابو مضر طرابلس ہوتا ہُوا مصر پہنچا۔ یہاں بھی چین نہ ملا، رملہ گیا۔ یہاں ۲۹۷ھ میں آغوشِ لحد میں جا کر سو رہا۔ دولتِ اغالبہ کا آفتابِ کامل جو ایک سو گیارہ سال اور چند مہینے تک سرزمینِ افریقہ کو اپنی تابانی و درخشانی سے منور کرتا رہا۔ جمادی الاخریٰ ۲۹۶ھ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا[1]

صقلیہ پر بھی ان حادثات اور انقلاب کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ والی صقلیہ احمد بن ابی الحسین بن رباح نے بہت کچھ حالت صقلیہ کی سنبھالنا چاہی مگر ابی الفوارس جو اس سے پہلے والی تھا اس نے عبیداللہ مہدی سے سازباز کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر والی کے گھر کو گھیر لیا اور دھوکے سے گرفتار کر لیا اور اس کا مال و متاع سب لوٹ لیا۔

یہ واقعہ ۱۱ رجب ۲۹۶ھ کا ہے۔ احمد بن ابی الحسین کو پابہ زنجیر افریقہ بھیج دیا۔

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ا صفحہ ۲۸۲۔

علی بن محمد بن ابی الفوارس

علی بن محمد نے اہلِ صقلیہ سے اپنی ولایت کے لئے محضر تیار کرا کر عبید اللہ مہدی کے پاس بھجوا دیا۔ عبید اللہ نے درخواست منظور کر لی اور دولتِ فاطمی افریقہ کا صقلیہ میں سب سے پہلا والی علی بن محمد مقرر ہوا اور سندِ ولایت کے ساتھ بری و بحری حملہ جاری کرنے کا حکم دے دیا[1] مگر کچھ عرصہ بعد ہی علی اپنی استدعا پر افریقہ پہنچا تو قید کر لیا گیا[2] اور عبید اللہ مہدی نے اپنے خاص معتمد حسن بن احمد بن ابی الخنزیر کو صقلیہ کی ولایت پر روانہ کیا۔

دولتِ اغالبہ

خلفائے بنو عباس نے اپنی سیاسی توجہ صرف مشرق ہی کی طرف رکھی جہاں اُن کی فتوحات کافی ہوئیں اور مغرب، اندلس، صقلیہ وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ بلکہ شمالی افریقہ کی حد تک سیادت پر اکتفا کیا جس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اندلس میں ہشام بن عبد الملک اموی دسویں خلیفۂ دمشق کے پوتے عبد الرحمٰن الداخل نے اپنی عظیم حکومت قائم کر کے دمشقی بنی اُمیہ کی تلافی ہی نہیں بلکہ وقار اور عظمت میں اضافہ کیا اور ان کی یاد تازہ کرا دی۔ اس لئے بنو عباس نے معمولی ناکام کوشش کے بعد ہسپانیہ کی سیادت سے ہاتھ اُٹھا لیا اور افریقہ کو حسبِ حال اپنے ماتحت صوبہ رکھا لیکن فی الحقیقت بنی عباس کی حکومت کا دائرہ شرقاً غرباً اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اس کی سنبھال بہت دشوار تھی۔ پھر بھی جتنے عرصہ تک اس وسیع حکومت کو ایک نظام کے تحت پُر امن رکھا گیا وہ کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے۔ درحالیکہ آمد و رفت اور معلومات اطلاعات کے ذرائع میں جو دشواریاں تھیں وہ محتاجِ

---

[1] نہایت الارب صفحہ ۲۳۴ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۸۔

بیان نہیں ہیں۔

چونکہ بنو عباس نے مشرق میں مزید فتوحات کی تھیں اس لئے وسیع حکومت وسیع تر ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ صوبوں کے حکمرانوں نے خود مختاری کا طریقہ اختیار کرنا شروع کیا۔ البتہ سکہ و خطبہ خلیفہ کے نام کا ہوتا تھا۔ یعنی سیادت تسلیم کرتے ہوئے اندرونی طور پر سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

یہی صورت افریقہ کے صوبہ کی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھی اس لئے خلیفہ ہارون الرشید نے بہترین سیاست سے کام لے کر افریقہ کے صوبہ کو ۱۸۴ھ مطابق ۸۰۰ء میں حکومت خود اختیاری دے کر ابراہیم بن اغلب کو اس کی امارت سپرد کر دی جس کی تفصیل خلافت بنی عباس اور تاریخ مصر میں لکھی جا چکی ہے۔

چنانچہ اغلبی گھرانے کے کل گیارہ امیر اس پر حکمران ہوئے جنہوں نے پورے ایک سو بارہ سال حکمرانی کی۔ یہی وہ حکومت تھی جس نے اسلامی بحری سیادت کو خاص طور پر بحیرۂ روم میں عروج پر پہنچایا اور جس نے جزائر سرڈانیہ، صقلیہ (سسلی) اور مالٹا پر قبضہ کر لیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے بحری قوت کے اعتبار سے کسی زمانے میں وہ شہرت نہیں حاصل کی جو اُن کو اغلبیوں کے زمانے میں ہوئی۔ اس عہد میں غلام زرافہ نے جس کو مغربی مؤرخین لیون طرابلسی لکھتے ہیں مشرقی بحیرۂ روم اور بحر الجزائر میں شجاعانہ اور مدبرانہ حملہ کر کے حقیقی امیر البحری کا لقب حاصل کیا۔ اسی عہد میں ابو حفص عمر اندلسی بلوطی نے مغربی بحیرۂ روم کو اپنے قبضہ میں کر کے بحری جنگ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

افریقہ میں بنو اغلب کی خود مختار یا آزاد حکومت ایک سو بارہ سال سے زائد نہ رہی۔ اس کے بعد ۲۹۶ھ مطابق ۹۰۸ء میں بنو اغلب کے آخری حکمران ابو النصر زیادۃ اللہ کی شراب خوری اور زیادتیوں نے اغلبیوں کے عہد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ ابو الفداء نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ ابو النصر عیاشی کے

ساتھ ظلم و زیادتیاں بھی کر رہا تھا۔

ابو عبداللہ یمنی مغرب میں بنو فاطمہ کی طرف سے نہ صرف لوگوں کو دعوتِ شیعیت دے رہا تھا بلکہ ان کو حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار بھی کر رہا تھا۔ ابوالنصر کی مخمور آنکھیں اس وقت کھلیں جب ابو عبداللہ داعی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تمام ملک اس کے لہو و لعب اور زیادتیوں سے عاجز، دوسری طرف بنو فاطمہ کا داعی مقابلہ کے لئے تیار۔ ابوالنصر کی فوجی کارروائی مضر ثابت ہوئی اور اس کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ در بدر مارا مارا پھرا مقتدر عباسی سے مدد مانگی جو ملی، لیکن وائے بر شراب و عیاشی جس نے غربت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ لہٰذا وہ مدد بھی مفید نہ ہوئی اور اس کو مجبوراً ہمیشہ کے لئے نہ صرف اپنے ملک کو خیر باد کہنا پڑا بلکہ فلسطین کے قصبہ رملہ میں پہنچ کر دنیا بھی چھوڑنی پڑی۔ اس وقت سے افریقیہ یا طیونس کی حکومت بنو فاطمہ کی طرف منتقل ہوئی۔

اغلبی خاندان جب تک صقلیہ پر صاحبِ اقتدار رہا مسلمانوں میں جہاد کا شوق رہا اور جو شہزادے یہاں والی ہو کر آتے اُن میں ہر ایک فتوحات کا شائق ہوتا اور اسلام پھیلانے کی کوشش کرتا۔ صقلیہ میں حنفیت اور مالکی مذہب کو فروغ تھا، جس کی ترویج فاتح صقلیہ قاضی اسد بن فرات کے ذریعے زیادہ ہوئی۔ قاضی اور اُن کے متبعین کلام و عقائد میں سلف صالحین کے پیرو تھے[۱]

دولتِ اغالبۂ افریقیہ

۱۔ ابراہیم بن اغلب ۱۸۴ تا ۲۹۶ھ

۲۔ عبداللہ بن ابراہیم

---

[۱] معالم الایمان جلد ۲ صـ ۱۲۔

۳ ۔ زیادۃ اللہ بن ابراہیم	۲۰۱	تا	۲۲۳ھ
۴ ۔ ابوعقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب	۲۲۳	تا	۲۲۶
۵ ۔ ابوالعباس محمد بن اغلب	۲۲۶	تا	۲۴۲
۶ ۔ ابوابراہیم احمد بن محمد	۲۴۲	تا	۲۴۹
۷ ۔ ابومحمد زیادۃ اللہ ثانی بن محمد بن اغلب	۲۴۹	تا	۲۵۰
۸ ۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب	۲۵۰	تا	۲۶۱
۹ ۔ ابراہیم ثانی بن احمد بن محمد بن اغلب	۲۶۱	تا	۲۸۹
۱۰ ۔ ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم بن احمد ثانی	۲۸۹		
۱۱ ۔ ابومضر زیادۃ اللہ بن ابی العباس	۲۹۰	تا	۲۹۶

ولاۃ صقلیہ

قاضی اسد بن فرات	۲۱۲ تا ۲۱۳	بانی حکومت صقلیہ
محمد بن ابی الجواری	۲۱۳ تا ۲۱۴	جانشین
زہیر بن غوث	۲۱۴ تا ۲۱۷	//
محمد بن عبداللہ بن اغلب	۲۱۷ تا ۲۲۱	والی اوّل
ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ بن الاغلب	۲۲۱ تا ۲۳۶	والی
عباس بن فضل	۲۳۷ تا ۲۴۷	//
احمد بن یعقوب	۲۴۷	//
خفاجہ بن سفیان	۲۴۸ تا ۲۵۵	//
محمد بن خفاجہ	۲۵۵ تا ۲۵۷	//
رباح بن یعقوب		//
حسین بن رباح		//

۱۲۔ عبداللہ بن محمد

۱۳۔ جعفر بن محمد

۱۴۔ اغلب بن محمد

۱۵۔ ابوالعباس بن ابراہیم

۱۶۔ محمد بن سرقوسی

۱۷۔ احمد بن ابی الحسین بن رباح

حسن بن احمد بن ابی الخنزیر

حسن بن احمد بنو فاطمہ کے محسن قبیلہ کتامہ کا رکنِ رکین تھا، افریقہ سے روانہ ہو کر ۱۰ ذی الحجہ ۲۹۷ھ کو مازر پہنچا، پھر بلرم آیا۔ یہ پہلا شیعی والی تھا۔ اس نے حکومتِ صقلیہ کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا۔ بلرم، جرجنت، قصریانہ اور مسینا وغیرہ صوبے قرار پائے۔ جس سے وحدتِ قومی وملکی کا خاتمہ ہو گیا۔ جرجنت کا عامل ابی الخنزیر کا بھائی تھا۔ ہر صوبہ کا جدا جدا والی مقرر کیا اور سرکاری مذہب شیعی قرار دیا۔ سابق قاضی صقلیہ کو معزول کر کے ایک شخص اسحٰق بن منہال کے محکمۂ قضاۃ سپرد کیا[1] ابی الخنزیر کے اس انداز کی حکمرانی سے عوام میں اس والی سے نفرت کی لہر دوڑ گئی بلکہ ۲۹۸ھ میں مشرقی صقلیہ میں اہل ونش نے بغاوت کر دی۔

ابن ابی الخنزیر نے فوجی طاقت سے بغاوت فرو کی اور بہت سے حق پرست باشندوں کو قید کر لایا جس سے نتیجہ یہ ہُوا کہ مسلمانانِ صقلیہ اس کو بُری نگاہ سے دیکھنے لگے بلکہ ایک مرتبہ عوام غلط فہمی سے اس پر حملہ آور ہوئے۔ یہ محل سے کودا جس سے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور گرفتار ہو گیا۔ یہ تمام حالات مہدی کو بھیج دیئے گئے۔ اس نے اس کو معزول کر دیا۔ علی بن عمر بن البلوی کو والی مقرر کیا۔ یہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صہ ۳۸۔

۲۷ ذی الحجہ ۲۹۹ھ کو صقلیہ پہنچا۔ مگر سنی شیعہ کا جھگڑا ابن ابی الخنزیر یہاں اٹھا چکا تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ دولتِ فاطمی کے خلاف علانیہ علمِ بغاوت بلند ہو گیا اور ابن عمر البلوی روپوش ہو کر جان بچا لے گیا۔ مسلمانانِ صقلیہ نے فاطمی علم کو سرنگوں کر کے صقلیہ سے اپنے زعم میں دولتِ فاطمی کا خاتمہ کر دیا اور اپنا والی صقلیہ کے ایک رئیس احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب کو مقرر کر لیا۔ یہ خاندانِ اغالبہ سے تھا۔

احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب

احمد نے ایک آزاد و خودمختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت ہاتھ میں لی۔ صقلیہ کا چپہ چپہ اس کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ خلیفۂ وقت المقتدر باللہ عباسی سے ولایتِ صقلیہ کی اجازت منگا لی اور مساجد میں خلیفہ کا خطبہ میں نام لیا جانے لگا۔ ابن قرہب نے اپنے بیٹے محمد کو بحری بیڑا دے کر افریقہ روانہ کیا۔ محمد ابن قرہب نے صقلیہ کے بیڑے سے (ساحل لمطہ پر پہلے سے عبیداللہ مہدی کا بیڑا موجود تھا) اس پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی۔ فاطمی بیڑا تباہ ہو گیا۔ ابن ابی الخنزیر قتل ہوا۔ پھر طرابلس الغرب کی جانب امیر البحر محمد بن احمد زیادۃ اللہ گیا۔ وہاں القائم مورچہ جمائے موجود تھا۔ اس لئے محمد جہاز لے کر صقلیہ واپس چلا آیا۔ ابن قرہب نے جنوبی اٹلی پر تاخت کی۔ قلوریہ پر کامیابی ہوئی اور مال غنیمت لے کر لوٹا۔

ان فتوحات سے ابن قرہب کی ہمت بڑھ گئی اور وہ افریقہ کی فتح کے خواب دیکھنے لگا۔ ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے افریقہ روانہ ہوا۔ افریقہ میں اغالبہ کا بیڑا جو دنیا میں عظیم الشان تھا مہدی کے قبضہ میں تھا۔ اس سے صقلیہ کا بیڑا کیا مقابلہ کرتا، گرفتار ہو گیا۔

ادھر صقلیہ میں ابن قرہب سے عوام باغی ہو گئے۔ ابو الغفار کو امیر بنا لیا۔ پھر ہر دو میں جنگ ہوئی۔ آخرش ابن قرہب کو گرفتار کر کے مہدی کے پاس

بھیج دیا۔ قاضی ابن حامی ساتھ تھا۔ عبیداللہ مہدی نے ابن ابی الخنزیر کی قبر باب سلم پر لے جاکر ہاتھ پیر کاٹ کر مصلوب کرا دیا۔ ابن قرہب صقلیہ پر تین برس گیارہ ماہ حکمران رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ نے ابن قرہب کے استیصال کے بعد ابوالغفار کی اطاعت قبول کی اور اس کے تقرر کی درخواست افریقہ بھیجی۔ عبیداللہ مہدی نے درخواست مسترد کر دی اور ابوسعید موسیٰ بن احمد کو مع زبردست لشکر کے ولایتِ صقلیہ پر مامور کیا۔

ابوسعید موسیٰ بن احمد

ابوسعید قبیلۂ کتامہ کے جرار سپاہیوں کا لشکر لے کر طرابنش پہنچا۔ مگر باشندگانِ صقلیہ نے خیر مقدم نہیں کیا۔ البتہ جرجنت سے ایک وفد آیا اس کو خلعت و انعام و اکرام سے نوازا۔ اہلِ صقلیہ اپنی حرکت پر نادم ہوئے۔ ایک دن ابوالغفار گرفتار کر لیا گیا۔ اس واقعہ سے سارے جزیرہ میں آگ سی لگ گئی۔ اس کا بھائی احمد جرجنت پہنچا اور فوج کی کمان لے کر والیِ صقلیہ سے معرکہ آرا ہوا خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ اہل بلرم نے بھی بغاوت کر دی۔

جنگ کا سلسلہ طول پکڑتا گیا۔ ابوسعید نے قبیلہ کتامہ کے وحشی جاہل درندوں کو طرابنش کے مضافات میں بھیج دیا اور صقلیہ کی شریف آبادیوں میں سے عورتوں اور بچوں کو پکڑ بلوایا۔ عورتوں کی عصمت دری کرائی [1] اس سے اور منافرت بڑھ گئی۔ مگر باغیوں کی قوت کمزور ہوتی گئی، مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ احمد اور ابن علی داد السفار جو سرغنہ تھے گرفتار کرا دیئے گئے۔ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ طرابنش کی آبادی کو تہ تیغ کرا کر گرفتار باغیوں کو جہاز میں سوار

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ا صفحہ ۳۱۶۔

کرا کرا افریقہ روانہ کیا جو راہ میں ڈبو دیا گیا۔

قیامِ امن و امان کے بعد ابو سعید قیروان چلا گیا اور اپنی جگہ سالم بن ابی راشد کو والی مقرر کر گیا[۱]۔ اس نے کامل آٹھ سال امن و امان کے ساتھ حکمرانی کی۔ پھر جنوبی اٹلی کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ افریقہ سے ایک بیڑا قائد قوارب کی سرکردگی میں آیا اور اس نے ریو میں اسلامی اقتدار قائم کیا۔ اس کے بعد ۳۱۰ھ میں فوجی بیڑا امیر العسکر مسعود کی سرکردگی میں آیا اس میں بیس جہاز تھے۔ اٹلی کے شہر اغاثی پر حملہ آور ہوا اور کامیاب ہوا۔ فتح مندی کے بعد مہدیہ چلا گیا۔

عبید اللہ مہدی نے اپنے حاجب ابو احمد جعفر بن عبید کی سرکردگی میں زبردست بیڑا روانہ کیا۔ سالم والی صقلیہ بھی اس کا شریک ہو گیا۔

ہر دو نے بریصانہ اور شہر واری فتح کر لئے۔ دس ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ بے حد و حساب دولت جعفر کے ہاتھ آئی جو عبید اللہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔

۳۱۵ھ میں نوجوان صقلبی صارب چوالیس جہازوں کا بیڑا لے کر صقلیہ پہنچا۔ یہاں سے اٹلی گیا۔ صوبہ انکبردو کے ایک شہر ترنتیو پر لنگر انداز ہوا۔ متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں، مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مہدیہ چلا گیا۔ دو بار اصارب ۳۱۶ھ میں طارنت کا محاصرہ کیا اور دوبارہ فتح کر لیا۔ قلعہ غیران اور حسب مفتوح کر لئے۔ قلعہ کی املاک پر قبضہ کیا۔ پھر اورنت کا محاصرہ کیا، ناکام لوٹنا پڑا۔ پھر حکومت قلوریہ سے ایک سال کے لئے معاہدہ کر لیا۔

تیسری مرتبہ رومی افسر سرغوس سے مقابلہ ہوا اور اس پر فتح پائی۔ اس کے بعد ترمولہ کو تسخیر کیا۔ غرضیکہ ۳۱۰ھ سے ۳۱۶ھ کی ان مسلسل پیش قدمیوں سے اٹلی میں تہلکہ مچ گیا۔ بالآخر حکومت قلوریہ نے سپر ڈال دی اور جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہو گئی۔ ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ کو عبید اللہ مہدی انتقال کر گیا۔ ابو القاسم

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۵۔

القائم بامر اللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں یعقوب بن اسحٰق کی سرکردگی میں بحری مہم جنوا کے قصد سے روانہ ہوئی۔ سردانیہ کو فتح کیا اور پھر کورسیکا پہنچے یہاں رومی جہاز لنگر انداز تھے ان کو نذر آتش کیا اور جنوا پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ آخر شہر یہ بھی اسلامی اقتدار میں آگیا۔ ایک ہزار حسین لونڈیاں اور دولت کا انبار جہازوں میں بار کر کے یعقوب مہدیہ چلا آیا۔ صقلیہ میں سالم نے جبر و تشدد کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اس کے خلاف ملک میں عام بغاوت پھیل گئی۔ جرجنت کے گورنر ابی احمد کو باغیوں نے نکال دیا۔ قلعہ بلوط کا حاکم ابن عمران بھی بے دخل کر دیا گیا۔

سالم فوج لے کر گیا مگر باغیوں سے شکست کھائی۔ پھر خود فوج مرتب کر کے پہنچا۔ اہلِ جرجنت جنگ میں پسپا ہو گئے یہاں کا انتظام مکمل ہونے بھی نہ پایا تھا کہ بلرم میں اسحاق بستانی اور محمد بن حمودو نے سالم کے خلاف بغاوت پھیلا دی۔ سالم کو خبر لگی وہ اس طرف آیا مگر سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے تمام حالات کی اطلاع افریقہ روانہ کی۔

قائم نے خلیل بن اسحاق کی سرکردگی میں اہلِ صقلیہ کی گوشمالی کے لئے لشکر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ادھر اسحاق بستانی نے ایک وفد مع عرضداشت کے قائم کے پاس بھیجا جس میں سالم کی شکایات اور قائم کی اطاعت کا ذکر تھا۔ چنانچہ قائم نے خلیل کو سالم کی معزولی کا پروانہ دیا اور خلیل ہی کو ولایتِ صقلیہ سپرد کی۔

ابو العباس خلیل بن اسحاق طرابلسی

ابو العباس افریقہ کے ذی اثر ممتاز علماء میں تھا۔ علم ادب اور تصوف کا بڑا ماہر تھا۔ القائم کے ساتھ مصر کے حملہ میں شریک رہا محکمہ خراج کا افسر ہو گیا۔ پھر افریقہ اور مصر کی بحری فوج کا افسر اعلیٰ ہو گیا۔ عبید اللہ مہدی کا مقرب بن گیا۔ اس کی شان میں قصائد بھی لکھے۔ پھر مہدی اس کا دشمن ہو گیا۔ قائم کی وجہ سے جان بچی کہ خود قائم حکمراں ہو گیا تو اس نے صقلیہ کا اس کو والی مقرر کر دیا۔ یہ افریقہ سے

۳۲۵ھ میں روانہ ہوا اور ایک ماہ بعد ساحلِ بلرم پر جہاز سے اُترا۔ اہلِ بلرم نے خیر مقدم کیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ دکھایا۔ پھر جرجنت سے بھی وفد آیا اور خلیل کے مطیع و منقاد رہنے کے حلف اُٹھائے[1]

خلیل نے تمام عمال سالم کو معزول کیا اور نئے عامل مشورہ سے مقرر کئے۔ سالم نے یہ رنگ دیکھ کر خلیل کے خلاف افواہیں پھیلانی شروع کیں۔ لوگ خلیل کے مخالف ہو گئے۔ خلیل نے بجائے باغیوں کو سرزنش کرنے کے بلرم کے قریب ایک نیا شہر تعمیر کرانے لگا۔ اپنا محل اور اُمراء کے مکانات، ایوانِ حکومت، قید خانہ اور سرکاری دفاتر، دارالصناعہ یہاں تعمیر کئے اور فصیل بلرم کو منہدم کرا کے اس کے ملبہ سے اس شہر کے ارد گرد مضبوط دیوار بنوا دی۔ داخلہ کے چار پھاٹک چاروں طرف لگائے گئے۔ چند ماہ میں یہ سلسلہ تعمیر اختتام کو پہنچ گیا۔ یہ جدید شہر ساحل سمندر پر واقع تھا۔[2] یہ خالصہ کہلاتا تھا۔ اہلِ جرجنت نے بغاوت کر دی۔ سرغنہ سالم تھا۔ خلیل فوج لے کر گیا مگر ناکام لوٹا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صقلیہ کے اکثر ممتاز شہر اور قلعے مازر، ابلاطنو، بلوط اور قلعہ ابی ثورہ وغیرہ باغی ہو گئے۔ ان مقامات سے حکومت کے تمام عمال اور فوج باہر نکال دی گئی۔ خلیل نے ہر ایک مقام پر فوج روانہ کی مگر ہر جگہ ناکام رہی! ادھر ملک میں قحط پڑ گیا۔ صقلیہ کے مسلمانوں نے اسلامی حکومت کے خلاف حکومت بیز نطینی قسطنطنیہ سے امداد طلب کی۔ باوجودیکہ اب کلی بیز نطینی حکومت کا تعلق صقلیہ سے باقی نہ تھا۔ یہ جو کچھ ہوا وہ سالم شیعی کی قوم و ملک فروشی تھی۔ غرضیکہ قسطنطنیہ سے رومی بیڑا کثیر فوج اور غلہ کے ساتھ آیا۔

خلیل نے قائم کو یہاں کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس نے عظیم الشان لشکر صقلیہ بھیجا۔ یہاں سالم لقمۂ اجل ہوا۔ خلیل کو اپنے ہم مسلک کے مرنے سے مسرت

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صـ ۲۰۹ [2] ابن اثیر جلد ۸ صـ ۵۳

ہوئی۔ ادھر افریقہ سے لشکر آ گیا تو خلیل نے منظم طریقے سے باغی شہروں اور قلعوں پر تاخت شروع کی۔ یہ فوج کشی کامیاب رہی۔ بیزنطینی لشکر بھی پٹ پٹا کر چلتا بنا۔ یکے بعد دیگرے تمام باغی شہر اور قلعے خلیل نے سر کر لئے۔

آخر میں جرجنت کی طرف توجہ کی، سخت محاصرہ کیا اور کمان فوج کی ابو خلف بن ہارون کو دے کر خود بلرم چلا آیا۔ جب جرجنت کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو امراء و معززین نے خفیہ راستوں سے نکل کر عیسائی ملکوں کی راہ لی اور وہاں جا کر عیسائیت قبول کر لی۔ یہ لوگ پہلے شیعہ ہوئے پھر عیسائی ہوئے۔ جو غرباء بچ رہے انھوں نے فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابو خلف نے جنگجو عنصر کو گرفتار کر کے خالصہ روانہ کر دیا۔ جرجنت کی اطاعت کے بعد پھر صقلیہ کے دوسرے شہروں میں حکومت کا اقتدار خود بخود قائم ہو گیا۔ یہ بغاوت چار برس رہی، ہزاروں آدمی طرفین سے کام آئے۔

افریقہ میں بھی قبیلۂ زناتہ نے بغاوت کر دی۔ ابو یزید خارجی سرگروہ تھا۔ قائم نے خلیل کو افریقہ طلب کر لیا۔ زمام حکومت ابو عطاف محمد بن اشعث کے سپرد کر دی۔ خلیل کا عہد کا بھی ظالمانہ رہا۔ جب افریقہ جانے لگا مسلمان قیدیوں کو ساتھ لیتا گیا۔ جس جہاز میں وہ سوار تھے راہ میں ان کو تہِ آب کرا دیا۔[1]

ابو عطاف محمد بن اشعث الازدی

ابو عطاف نے عنان حکومت ۳۲۹ھ میں سنبھالی۔ القائم بامر اللہ نے خلیل کی نامزدگی کو برقرار رکھا۔ گو پیشرو والی نے یہاں کا سیاسی مطلع ظلم و عدوان سے صاف کر دیا تھا۔ مگر چوری، ڈاکہ، رہزنی کا بازار گرم ہو گیا جس سے ملک میں ہر طرف ہراس طاری ہو گیا۔ ابو عطاف نے حسنِ تدبیر سے ان حالات پر قابو

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۵۳

حاصل کر لیا۔ جب اس طرف سے سکون ملا ملک کا نظم ونسق درست کیا جس سے ملک میں امن وامان قائم ہو گیا۔

اس اثناء میں ۱۳ شوال ۳۳۴ھ کو قائم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کا جانشین اسماعیل ہوا جو المنصور من اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر صقلیہ میں عیسائی رعایا نے سالانہ خراج دینا بند کر دیا جس کا اثر خزانہ پر پڑا۔ ابو عطاف سے اور قبیلۂ طبری کے چند معززین سے اَن بن ہو گئی تو تمام قبیلہ نے عید الفطر کے دن ابو عطاف پر حملہ کر دیا۔ اس کے ارد گرد جو محافظ دستہ تھا اس کو تہ تیغ کر ڈالا۔ یہ جان بچا کر قلعہ بند ہو گیا اہلِ بلرم بھی باغیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ ابو عطاف نے المنصور کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ اس نے ایک آزمودہ کار قائد حسن بن علی کلبی کو صقلیہ کا والی مقرر کر کے روانہ کیا۔[۱]

ابوالغنائم حسن بن علی بن ابی الحسن کلبی

حسن بن علی افریقہ کے معزز قبیلہ بنو کلب کا ممتاز رکن تھا اور نہایت شجاع اور ذی فہم، اس نے ابو یزید خارجی کے قصہ کو ختم کیا تھا۔ المنصور اس کی بڑی قدر کرنے لگا تھا۔ حسن افریقہ سے روانہ ہو کر ۳۳۶ھ میں صقلیہ پہنچا۔ پہلا قیام بندرگاہ مازر پر تھا۔ کوئی شخص پیشوائی کو نہ آیا۔ شب میں حکومت کے چند وفادار پوشیدہ حسن کے پاس آئے اور قبیلۂ طبری کے فتنہ سے آگاہ کیا اور مقامی سیاسیات کے راز ہائے سربستہ اس کے سامنے کھول دیے۔ ان کے جانے کے بعد سرکش قبیلہ کے چند لوگ مع سرخیل جماعت اسمٰعیل بن طبری حسن سے آکر ملے۔ یہ ان سے بڑی خندہ پیشانی سے ملا۔ اسماعیل نے علی بن طبری اور محمد بن عبدون کو افریقہ بھیجا تھا کہ منصور حسن کو واپس بلا لے۔ چنانچہ یہ خبر بھی حسن کو مل چکی تھی۔ پھر بھی وہ مدارات سے پیش

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۳۱۔

آیا اور اُن کو رخصت کر کے بلرم پہنچا۔ ان سب نے خیر مقدم کیا۔ اسمٰعیل نے یہ حالت دیکھی تو پیش پیش ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسمٰعیل نے ایک فتنہ اور کھڑا کیا۔ حسن کے غلام کو متہم کر کے شہرت دی۔ فریادی حسن کے پاس پہنچے۔ حسن کو غلام کی نیک چلنی کا علم تھا پر اس کو قتل کرا دیا۔ اس کے عدل و انصاف کی شہرت تمام صقلیہ میں پھیل گئی۔ ادھر منصور نے حسن کو اطلاع دی کہ صقلیہ سے جو وفد آیا ہے اس کو قید میں ڈال دیا گیا وہاں اُن کے ساتھیوں کا جلد خاتمہ کر دو۔ چنانچہ فتنہ پردازوں نے روابط بڑھا کر ایک دن سب کو بُلا کر جیل میں ٹھونس دیا اور ان کا مال و اسباب بحقِ حکومت ضبط کر لیا گیا۔ تمام اہلِ صقلیان کے استیصال پر اطاعت گزار ہو گئے۔

بیزنطینی بحری بیڑہ حملہ آور ہوا حسن نے اپنے بحری بیڑے سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور بعض مقامات اٹلی کے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ ان میں ریو کے علاقہ کے جنوب صورت شہر جراجہ بھی تھا۔ اہلِ جراجہ نے جزیہ پر اطاعت قبول کر لی۔

دوبارہ قلوریہ پر ۳۴۰ھ میں منصور کے حکم سے حملہ کیا۔ شہنشاہ قسطنطین ہفتم پارفیروجنٹس نے منصور سے عارضی صلح کر لی جس کی وجہ سے حسن رک گیا۔ البتہ ریو میں مسجد تعمیر کی گئی جو مسلمانانِ صقلیہ کی فتوحات کی ایک شاندار یادگار اٹلی میں قائم ہو گئی۔

۳۴۱ھ میں المنصور بھی انتقال کر گیا۔ اس کا لڑکا معد المعز لدین اللہ کے لقب سے تختِ حکومت پر بیٹھا۔ حسن اپنے لڑکے ابوالحسن احمد کو اپنا قائم مقام والی صقلیہ کر کے اٹلی کی فتوحات کا مالِ غنیمت اور امدادی فوج کے سپہ سالار فرج صقلبی کو لے کر ۳۴۲ھ میں افریقہ پہنچا۔ المعز نے حسن کی بڑی قدر دانی کی اور ابوالحسن احمد کو والی صقلیہ مقرر کر کے فرمانِ ولایت لکھ کر بھیج دیا[1] حسن کو افریقہ میں حکومت

---

[1] ابوالفدا جلد ۲ ص ۹۶۔

کی خدمات سپرد کر دی گئیں۔ اسی زمانے میں خلافتِ ہسپانیہ سے اور المعز سے چھڑ گئی، ہسپانیہ کا بیڑا آیا۔ حسن کی سرکردگی میں المعز کا بیڑا برسرِ پیکار ہوا۔ ہر دو میں خونریز جنگ ہوئی۔ اس کی تفصیل تاریخ مصر میں بیان ہو چکی ہے۔

حسن نے افریقہ سے اٹلی پر پھر تاخت کی۔ دوسرا بیڑا افریقہ سے گیا۔ حسن کا بھائی عمارہ امیر البحر تھا۔ راہ میں طوفان آیا، بیڑہ تباہ ہو گیا۔

حسن کا ارادہ یہ تھا کہ صقلیہ کی حکومت موروثی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے احمد کو بلایا۔ صقلیہ کے تیس عمائد بھی اس کے ساتھ تھے۔ احمد مع جماعت کے حسن کے توسل سے المعز کی خدمت میں باریاب ہوا اور خلافتِ فاطمی کی بیعت کی۔

اس کے بعد احمد لوٹ آیا۔ حالات امن وسکون سے گزر رہے تھے۔ اوتھو اعظم نے صقلیہ کے بعض قلعوں کو لینا چاہا مگر مقابلہ میں اس کو ناکامی ہوئی۔ طبرمین میں سے عیسائی خارج کر دیئے گئے اور وہاں اسلامی آبادی قائم کر دی گئی۔ حکومت بیزنطینی نے عظیم الشان بیڑا بھیجا۔ حسن اور ابن عمارہ اپنے بیڑے کو لے کر مقابل ہوئے۔ رومیوں کی پوری قوت اس معرکہ میں ٹوٹ گئی اور اس طرح صقلیہ کا کل علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد حسن کلبی کا انتقال ہو گیا۔

ایک سو اڑتیس سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد جو ۲۱۲ھ سے شروع ہو کر ۳۵۴ھ پر ختم ہوئی اور صقلیہ کی تسخیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:-

"اب پورا جزیرہ ایک عربی جزیرہ تھا جس نے ایک خالص اسلامی حیثیت اختیار کر لی۔"[1]

حکومت بیزنطینی میں مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی تو قیصر روم نقفور (فوکس) نے المعز سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی استدعا کی۔ المعز نے فراخ دلی سے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۳۲ ۔

پائیدار صلح نامہ کر لیا۔ باہم تحائف کے تبادلے ہوتے تھے۔ طبرمین اور رمطہ جہاں سے عیسائی نکال دیئے گئے تھے۔ المعز نے ان شہروں کو عیسائیوں کے سپرد کرنا چاہا اور احمد کو حکم دیا۔ اس نے دونوں شہروں کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا، ناگوار گزرا اور اُس نے اپنے بھائی ابوالقاسم کو بھیج کر شہر مسلمانوں سے خالی کرائے اور مسمار کرا کر آگ لگوادی۔ المعز نے احمد کو معزول کر کے افریقیہ بلا کر دوسرے اعلیٰ عہدے پر سرفراز کیا اور کلبی خاندان کے مولیٰ یعیش کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ یعیش حسن کا غلام تھا مگر صاحبِ اقتدار۔ لیکن اہلِ صقلیہ نے اس کی مخالفت کرنی شروع کر دی۔ امن و امان خطرہ میں پڑ گیا۔ المعز کو خبر ہوئی، یعیش کو معزول کر کے احمد کو اس کی جگہ پر فائز کیا مگر احمد مصر کی فتح پر لگا ہُوا تھا۔ اس کے بجائے اس کے بھائی ابوالقاسم کو صقلیہ بھیج دینا چاہا۔ احمد مصر سے لوٹا، طرابلس الشام کے ساحل پر ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ المعز نے ابوالقاسم کو فرمانِ تقرر بھیج دیا اور وہ ۳۶۰ھ میں صقلیہ پہنچا۔

المعز کے قائد جوہر صقلی نے مصر کو فتح کرنے کے بعد قاہرہ کو تعمیر کیا اور المعز کو وہیں بُلا لیا تو المعز نے افریقیہ کی ولایت سے صقلیہ اور طرابلس الغرب وغیرہ کو الگ کر دیا اور ایک مساوی درجہ حکومت تسلیم کر کے اس کو مستقل طور پر آلِ حسن یعنی کلبین کے سپرد کر دیا اور اپنی نگرانی میں صقلیہ کا ایک خود مختار فرمانروا تسلیم کیا۔[1] المعز نے ۱۱ ربیع الآخر ۳۶۵ھ میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حسن کلبی فرمانروائے صقلیہ

ابوالقاسم نے مستقل فرمانروائی کا آغاز کیا۔ خلافتِ مصر سے صرف اس قدر تعلق تھا جیسا اغالبہ کا خلفائے بنوعباس سے۔ ابوالقاسم کا عہد المعز کے زمانے میں سکون و اطمینان سے گزرا۔ معز کا جانشین نزار العزیز باللہ ہُوا۔ ادھر دوم

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صہ ۳۷۶۔

یننے پھر حماقتیں کرنا شروع کر دیں اور لشکر صقلیہ بھیجا۔ اہلِ مسینا کے عیسائی اس کے دام میں پھنسے اور لشکر کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ مگر ابوالقاسم نے یہ رنگ دیکھ کر جہاد کا اعلان کیا۔ مسلمان جوق درجوق جہاد کی شرکت کے لئے فوج میں داخل ہو گئے۔

جب یہ مجاہدین کا مقدس لشکر رمضان میں مسینا پہنچا، سورما رومی اور فتنہ جو عیسائی مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر آبنائے مسینا عبور کر کے اٹلی چلتے ہوئے۔ مگر ابوالقاسم نے مسینا پہنچ کر عنانِ توجہ اٹلی کی طرف کی اور کسنتہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ کسنتہ نے زرِ نقد ادا کر کے صلح کر لی۔ ابوالقاسم نے دوسرے قلعہ جلوا کو بھی اسی طرح زیرِ نگیں کیا۔ برلولہ اور قلوریہ میں دستے بھیجے جنہوں نے کافی مالِ غنیمت حاصل کیا اور عیسائیوں کو پکڑ لائے۔

غرضیکہ کامیابی کے بعد ابوالقاسم بلرم واپس آگیا اور رمطہ کو ۳۱۶ھ میں نئے سرے سے تعمیر کیا اور ایک فوج یہاں متعین کی۔ پھر ابوالقاسم جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ شنت اغاثہ کا قلعہ ہاتھ لگا۔ اس کے بعد ٹارنٹو کو قبضہ میں لایا اور شہر کو برباد کر اکر عیسائیوں کے فوجی گڑھ کا خاتمہ کر دیا۔ پھر شہر اورنت اور شہر غرنیلہ کو تاراج کر ڈالا اور باشندے اطاعت گذار بن گئے۔ پھر بلرم لوٹ آیا۔

اوتھو دوم نے عظیم الشان لشکر لے کر ملیطو پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ مسلمان مقابلہ نہ کر سکے۔ ادھر ابوالقاسم کے سر پر قضا منڈلا رہی تھی۔ وہ ایک موقعہ پر رومی فوج کے ہاتھوں گھر کر شہید ہو گیا۔ مگر اس کے ساتھی مسلمانوں نے رومیوں سے انتقام لے لیا۔ اور اس قدر عیسائی تہ تیغ کئے کہ یہ رنگ دیکھ کر اوتھو دوم نے راہِ فرار اختیار کی اور اس صدمہ میں ۹۸۳ھ میں مر گیا۔

ابوالقاسم نے بارہ سال پانچ ماہ شاندار حکمرانی کی۔ وہ نیک سیرت، حلیم و بردبار، عادل، منصف مزاج، امن پسند فرمانروا تھا۔ ذاتی فضائل میں یگانہ تھا۔ علماء اور اہلِ علم کا قدر دان۔ وفات کے بعد درہم و دینار پسماندوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا اور نہ کوئی ذاتی ملکیت تھی، جو تھی وہ زندگی میں غرباء و

مساکین کے لئے وقف کر دی۔ اس کے انتقال کا اہلِ صقلیہ کو بڑا صدمہ پہنچا۔

جابر بن ابوالقاسم کلبی

جابر اپنے باپ کا جانشین اٹلی ہی میں ہو گیا تھا مگر تدبر و دور اندیشی اس میں نہ تھی، ملک کو نہ سنبھال سکا۔ فوج میں بغاوت اس کے خلاف پھیل گئی۔ دربارِ مصر کو شکایات پہنچیں۔ العزیز نے اس کو معزول کر دیا۔ ۳۶۲ھ سے ۳۷۳ھ تک صقلیہ کی حکمرانی کی۔ اس کے بجائے اس کا چچا زاد بھائی جعفر بن محمد کلبی مقرر ہوا ہوا۔ جعفر مصر میں شعبۂ وزارت کے کسی عہدہ پر فائز تھا، صقلیہ پہنچ کر جابر سے حکومت کا جائزہ لے لیا۔

جعفر بن محمد کلبی

جعفر ہوشمند مدبر تھا حکومت کی تمام بد انتظامیوں کی اصلاح کی۔ انتظام مملکت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے زمانہ میں صقلیہ میں امن و امان رہا۔ خود یہ اہلِ علم میں سے تھا، علماء و فضلاء کا قدردان تھا۔ اہلِ علم و شعراء سے اس کا دربار بھرا رہتا تھا۔ انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کرتا۔ اس کے عہد میں علمی فضاء پیدا ہو گئی[۱] ۳۷۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بھائی عبداللہ بن محمد کلبی تختِ حکومت پر بیٹھا۔ گو حسنِ تدبیر اور مآل اندیشی میں یگانہ تھا، لیکن چار برس حکمرانی کر کے ۳۷۹ھ میں فوت ہو گیا۔ مگر اس نے اپنے حینِ حیات میں اپنے لڑکے ابوالفتوح کو اپنا جانشین بنایا۔[۲]

۹۴

---

[۱] ابوالفدا ج ۲ ص ۹۷ [۲] ابن خلدون ج ۳ ص ۲۱۰

ثقۃ الدولہ ابو الفتوح یوسف بن عبداللہ کلبی

العزیز باللہ نے تخت نشینی کی توثیق کردی اور ثقۃ الدولہ لقب عطا کیا۔ حکومت کے نظم ونسق کو درست کر کے اٹلی کے مقبوضات پر متوجہ ہُوا۔ ایک ایک ریاست سے نبرد آزما ہو کر سب کو زیر کر لیا۔ اٹلی کی تمام عیسائی حکومتیں اس کے سامنے سرِ نیاز جھکانے لگیں جس سے مسلمان ایطالیہ میں امن وامان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ ہونے لگا۔ ابو الفتوح اربابِ علم وفضل کا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں علم وفن اور شعروادب کا مرکز صقلیہ بن گیا تھا۔ العزیز نے ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔

العزیز کے جانشین الحاکم فاطمی نے ثقۃ الدولہ کی ولایت کی تصدیق کا فرمان بھیج دیا۔ یکایک اس پر فالج کا حملہ ہُوا۔ اُس نے اپنے بیٹے جعفر کو حکومتِ صقلیہ پر سرفراز کیا اور خود گوشہ گیر ہو گیا۔

تاج الدولہ سیف الملۃ جعفر بن ابو الفتوح کلبی

الحاکم عبیدی نے تاج الدولہ جعفر کی ولایت کی تصدیق کے ساتھ لوائے فاطمی اور تاج الدولہ سیف الملۃ کے لقب سے مفتخر کیا۔ ۳۸۸ھ میں عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر کروفر وشان وشوکت کے ساتھ ولایتِ صقلیہ کے فرائض ادا کرنے لگا۔ ابو الفتح تمام صقلیہ میں امن وامان کی بنیادیں قائم کر گیا تھا۔ اس کے عہد میں مرفہ الحالی کا دَور تھا۔ ۳۹۵ھ کو افریقہ میں شدید قحط پڑ گیا جس کا اثر یہ پڑا کہ ہزارہا مسلمان لقمۂ اجل ہو گئے۔ دیہات ویران ہو گئے۔ مساجد سنسان ہو گئیں اور کثرت سے علماء وصالحین نے اس دارِ فانی سے رحلت کی۔ باشندوں نے گھبرا کر صقلیہ کی طرف رخ کیا۔ یہاں تاج الدولہ نے ان کی پذیرائی کی۔

کلبیوں کا عہد صقلیہ کے لئے زرّیں عہد تھا۔ یہاں زراعت اور صنعت

کو مسلمانوں نے معراجِ کمال تک پہنچا دیا تھا جس سے دولت و ثروت کی بہتات ہو گئی۔ گھر گھر علمی چرچے ہونے لگے۔ علم و ادب کی روز افزوں ترقی تھی۔ اس کے سوا حکمران طبقہ کے جود و کرم اور داد و دہش نے علماء و فضلاء کو کھینچ بلایا تھا۔

تاج الدولہ کی تخت نشینی کے سولہ سال بعد ۴۰۵ھ میں اس کے بھائی علی نے بربریوں اور موالیوں کو ہمنوا بنا کر صقلیہ کے تاج و تخت کا دعویٰ کیا اور میدانِ جنگ میں اُتر آیا۔ تاج الدولہ نے بھی فوج بھیج دی۔ بلرم کے قریب معرکہ کارزار گرم ہُوا۔ علی گرفتار کر لیا گیا اور تاج الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے فوراً اس کو قتل کرا دیا۔ ثقۃ الدولہ بیٹے کا قتل دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بربریوں اور موالی جو فوج میں تھے اُن کی طرف متوجہ ہُوا۔ بربریوں کو معہ اہل و عیال کے جلاوطن کر دیا اور موالیوں کو چُن چُن کر قتل کرا دیا۔ بربری افریقہ چلے گئے۔ فوج میں وطنی داخل کر لئے گئے۔ اس کا اثر ملک پر بڑا پڑا۔ فتوحات کا دارومدار بربریوں اور موالیوں پر تھا ان کی ہیبت تمام عیسائیوں پر تھی۔

اس کے علاوہ عہدے دار افریقی رہے جس سے اس میں کشمکش شروع ہو گئی۔ وزارتِ عظمیٰ پر حسن بن محمد باغائی تھا۔ یہ بددماغ اور مغرور انسان تھا۔ تمام لوگ اس کے سلوک سے بددل ہو گئے۔ اس پر اس سے یہ غلطی ہوئی کہ رواجی قانونِ محاصل میں ترمیم کر دی۔ حکومت سے عوام پہلے سے بیزار تھے۔ اس سے ان میں باغیانہ لہر دوڑ گئی اور مجتمع ہو کر قصرِ حکومت کو گھیر لیا۔ فوج پہلے سے بے قابو تھی اور مشتعل مجمع کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

ثقۃ الدولہ یوسف جو صاحبِ فراش تھا، وہ فینس میں سوار ہو کر بلوائیوں کے سامنے آیا۔ اس سے ہر ایک کو محبت اور عقیدت تھی۔ چنانچہ سب نے اس کو گھیر لیا اور شفقت و محبت سے بلوائیوں کو خطاب کر کے مطالبات دریافت کئے۔ انھوں نے متفقہ جعفر کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ یوسف نے منظور کر لیا۔ ان لوگوں نے باغائی کو طلب کیا۔ اس کو بھی بلا کر پیش کر دیا۔ وہ جوشِ انتقام میں اس پر ٹوٹ پڑے

اور قتل کر کے لاش جلا ڈالی۔

ان لوگوں نے ثقۃ الدولہ کے لڑکے احمد معروف بہ اکحل کو اپنا امیر نامزد کر لیا۔ ثقۃ الدولہ نے اہلِ صقلیہ کی حالت دیکھ کر تاج الدولہ کو پوشیدہ طور سے افریقہ روانہ کر دیا اور خود بھی مصر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

تائید الدولہ احمد الاکحل کلبی

۴۱۰ھ میں سریر آرائے تختِ امارت صقلیہ ہوا۔ عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی اصلاح و درستی میں مصروف ہو گیا۔ الحاکم کی طرف سے ضابطہ کا فرمانِ ولایت معہ القاب کے عطا ہوا۔ ثقۃ الدولہ مع دولت و ثروت جس میں چھ لاکھ ستر ہزار دینار نقد تھے لے کر مصر روانہ ہو گیا۔ احمد نے عوام کی توجہ لگانے کو اٹلی کے مقبوضات کی فتح کے لئے فوج کو روانہ کیا جس نے کامیاب فتوحات حاصل کیں اور مالِ غنیمت لے کر لوٹی۔

تائید الدولہ مہموں پر گیا تو انصرامِ حکومت اپنے لڑکے جعفر کے سپرد کر گیا مگر اس کی نوعمری اور ناتجربہ کاری نے ملک کی حالت دگرگوں کر دی۔ جب آخری مرتبہ اکحل اٹلی سے واپس آیا تو دیکھا کہ یہاں کا تمام بنا بنایا کھیل بگڑ چکا تھا۔ ابھی اکحل یہاں کی سیاسی گتھیاں سلجھا رہا تھا کہ ایک نئی وحشی قوم نارمن نے صوبہ قلوریہ کی اسلامی آبادی کو تباہ و برباد کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا تائید الدولہ ان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

نارمن قوم کا وطن نارمنڈی تھا۔ یہ پیشۂ قزاقی کرتے تھے۔ یہ اٹلی کی عیسائی حکومتوں کی فوج میں ملازم ہوئے اور جب ان کی جماعت کافی ہو گئی تو انہوں نے اسلامی آبادی کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور ان کو بہت سا مال ہاتھ لگا۔ پھر تو انہوں نے چند اہم مقامات لے کر ایک کو مرکز قرار دیا اور نارمن حکومت کی تشکیل کر لی۔ ان نارمنوں کے ظلم و جور اور قلوریہ کے نکل جانے کا اثر مسلمانانِ

افریقہ پر پڑا حکومتِ صقلیہ سے تو بن نہ پڑا۔ مغرب کی اسلامی حکومتوں میں سے حکومت صنہاجیہ کے بیدار مغز اور غیور فرمانروا المعز نے چار سو جہازوں کا ایک بیڑا نارمنوں کے استیصال اور قلوریہ میں اسلامی اقتدار کو پھر دوبارہ قائم کرنے کے لئے بھیجا مگر جزیرۂ قوصرہ کے قریب سمندر میں سخت طوفان آیا اور بیڑا غرقاب ہو گیا۔ صرف گنتی کے لوگ جان بچا کر افریقہ واپس آسکے۔ چنانچہ اُسی وقت سے قلوریہ کے حرمان نصیب مسلمانوں کا آفتابِ اقبال ۴۱۶ھ میں غروب ہو گیا۔

صوبہ انکیردہ کی منظم اسلامی حکومت کا خاتمہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔

غرضیکہ قلوریہ جہاں مسلمانوں کا تجارتی کاروبار ترقی پذیر حالت میں تھا اور اُن کا شمار صنعت وحرفت میں ترقی یافتہ قوموں میں ہوتا تھا۔ نارمنوں کے وحشیانہ سلوک نے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جس میں علماء اور صالحین اور اہلِ علم بھی تھے قلوریہ سے ہجرت کرکے صقلیہ چلے آئے اور صوبہ انکیردہ کی بعض اسلامی آبادیوں میں چلے گئے۔ جو ستم زدہ رہ گئے کچھ عرصہ بعد ان کی نسلیں اسلام سے بیگانہ ہو گئیں۔ تائیدالدولہ نے اپنی حکمرانی کو قائم رکھنے کے لئے وطنی اور غیر وطنی کا سوال اُٹھا کر افریقہ کے مسلمانوں کو ہمنوا کر کے تمام عہدے اُن میں تقسیم کر دیئے۔

وطنیوں کو یہ طریقۂ عمل ناگوار گزرا اور تائیدالدولہ کلبی کی حکومت سے گلوخلاصی کرنے کے لئے اہلِ صقلیہ کا ایک وفد المعز والئ صنہاجیہ جو شیعیت سے تائب ہو گیا تھا اور عبیدیین کے مکروخداع سے بیزار تھا، پہنچا اور المعز کو صقلیہ کی صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور تہدید آمیز درخواست کی کہ یا تو حکومتِ افریقہ جزیرہ صقلیہ کو کلبیوں سے آزاد کرا کر اپنے ممالک محروسہ میں داخل کر لے، ورنہ ہم عیسائیوں کو بلا کر اس جزیرہ کو ان کے سپرد کر دیں گے[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۰۔

المعزنے وفد کی درخواست پر اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں چھ سونفوس کا ایک دستہ افریقہ سے صقلیہ بھیج دیا۔ اہلِ صقلیہ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ بلرم کے قریب خالصہ پر تائید الدولہ سے مقابلہ ہُوا۔ تائید الدولہ کو شکست ہوئی، قلعہ بند ہو گیا۔ مگر پھر بھی جان نہ بچا سکا اور افریقی مسلمانوں کے ہاتھ سے ۴۲۷ھ میں قتل کر دیا گیا۔ مگر اس واقعہ سے اہلِ صقلیہ بھی بگڑ بیٹھے اور عبداللہ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ رنگ دیکھ کر بقیہ تین سو اپنے ساتھیوں کو لے کر عبداللہ افریقہ واپس چلا گیا[1] اس زمانہ میں الظاہر لاعزاز دین اللہ فاطمی نے شعبان ۴۲۷ھ میں وفات پائی۔ اس کا لڑکا ابو تمیم معد دولتِ عبیدیہ کا فرمانروا بنا۔

تائید الدولہ کے قتل سے دولتِ کلبیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ ملک میں عام بدامنی شروع ہو گئی۔ حکومت کا رُعب وادب جاتا رہا اور شورہ پشت عنصر نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کر کے تائید الدولہ کے چھوٹے بھائی حسین کو صمصام الدولہ کا لقب دیکر رسمی طور پر برائے نام حکومت اس کے سپرد کر دی۔

صمصام الدولہ حسین بن ثقۃ الدولہ کلبی

صمصام الدولہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر انتظامِ ملک کی طرف متوجہ ہونا چاہا مگر شورش پسند عنصر اپنی جماعت کو برسر اقتدار کر کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے اور سابقہ عمال کو معزول کر دیا۔ اس سے ہنگامہ دار و گیر بپا ہو گیا۔ مرکز کی زبوں حالی دیکھ کر ہر صوبہ کا حاکم خود مختار بن گیا۔ صقلیہ کے اضطراب انگیز حالات نے قیصرِ روم میکائیل چہارم (۵۲۹ھ) کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے پیشرو بیزنطینی فرمانروا باسل دوم کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کرے۔ چنانچہ مذہب کے نام پر عیسائی عوام کو اُبھار کر ایک فوج جمع کر لی اور ایک بیڑا تیار کر کے اپنے سب سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۰۔

بڑے جنرل کپتان جارج بینکس کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ بیڑا ۴۲۹ھ میں مسینا پہنچا اور معمولی مزاحمت کے بعد مسینا پر قبضہ کر لیا۔[1]

اس واقعہ کا اثر دولتِ کلبیہ پر بُرا پڑا اور ۴۳۱ھ میں یہ آخری کلبی تاجدار بھی تختِ حکومت سے معزول کر دیا گیا اور اس پر دولتِ کلبیہ کا صقلیہ سے خاتمہ ہو گیا۔ مگر شورش پسندوں نے صمصام الدولہ کی بھی جان لے لی اور اس کو قتل کر ڈالا جس کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خانوادۂ کلبیہ کا چراغ گل ہو گیا۔ حسن بن علی دولتِ کلبیہ کا بانی ہُوا اور صمصام الدولہ نے تختِ حکومت چھوڑا حسن کی اولاد میں سے چھیانوے برس تک صقلیہ کے فرمانروا رہے۔ ان کا عہد صقلیہ میں عہدِ زریں تھا۔ اس عہد کی تہذیب و تمدن و علمی ترقی کا اثر یورپ کے بڑے حصہ پر پڑا۔ اسپین کے بعد یہاں کے علمی ذخائر سے اہلِ یورپ نے استفادہ حاصل کیا۔ اس حقیقت سے انکار سفاہت ہے۔

صقلیہ میں طوائف الملوکی

دولتِ کلبیہ کے خاتمہ کے بعد ہر صوبہ کا حاکم کھل کر میدان میں آ گیا۔ ادھر بیزنطینی جنرل منکس کے حملے شمالی صقلیہ میں جاری تھے۔ صرف مضافات سرقوسہ اس کے تصرف میں آ گئے۔ لُطف یہ ہے کہ صوبے کے حاکموں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی اور اُنھوں نے بھی بیزنطینی جنرل کی معاونت کی۔

بلرم میں صمصام الدولہ کے قتل کے بعد شہریوں نے ایک مجلسِ شوریٰ حکومت کی قائم کی۔ مگر صوبہ داروں نے ان کی اطاعت نہیں کی۔

صُوبوں کے حکمران

حکمران	دائرۂ حکومت
قائد عبداللہ بن منکوت	مازر، طرابنس، شاقہ، مرسی علی

علی بن نعمۃ (یا ابن حواس)	قصریانہ۔ جرجنت۔ قصرنوبو
محمد بن ابراہیم بن ثمنہ	سرقوسہ
ابن کلابی	قطانیہ
مجلسِ شوریٰ بلرم	بلرم اور اُس کے مضافات

ان پانچوں خود مختار دول میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ حاکمِ سرقوسہ ابن ثمنہ نے بلرم کی طرف پیش قدمی کی۔ فتنہ پرداز جماعت نے اس کا خیر مقدم کیا اور سب اہلِ بلرم نے اس کو جائز فرمانروا مان لیا۔ ابن ثمنہ نے بلرم کی حکومت ہاتھ میں لے کر قطانیہ کے حاکم ابن کلابی سے دو دو ہاتھ کئے۔ وہ جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے کام آیا اور صوبۂ قطانیہ کا الحاق بھی مرکزی حکومت سے ہوگیا۔ ابن حواس اور ابن منکوت کمزور نہ تھے تو اُن سے مساویانہ تعلقات قائم کر لئے۔ ابن الکلابی کی بیوہ ابن حواس کی بہن تھی جس کا نام میمونہ تھا، زمانۂ عدت ختم ہوتے ہی اس سے نکاح کر لیا[1]

ابن ثمنہ اور ابن حواس کے اس رشتہ سے ابن ثمنہ کا وقار بڑھ گیا۔ بلرم کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور پھر سے امن وامان کی لہر صقلیہ میں دوڑ گئی۔ یہ صوبہ دار شیعہ تھے۔ انہوں نے خلافتِ فاطمی سے بھی انتساب قائم کر لیا۔ مگر ۴۴۴ھ میں میمونہ اور ابن ثمنہ میں کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی اور یہاں تک بڑھی کہ ابن ثمنہ شراب کے نشہ میں میمونہ کو بہت بُرا کہنے لگا جس کا جواب اس نے بھی ویسا ہی دیا۔ اس نے طیش میں آکر اس کے دونوں ہاتھ کی فصد کھلوا دی۔ خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ابن ثمنہ کے لڑکے کو خبر لگی اس نے اطباء کو بلا کر علاج کرایا اور وہ تندرست ہوگئی۔ دوسرے دن میمونہ سے معذرت خواہ ہوا مگر اس کا دل صاف نہیں ہوا۔ موقعہ پاکر

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ ص ۲۱۰۔

اپنے بھائی کے پاس چلی گئی اور اس سے تمام حالات کہے۔ وہ سنتے ہی آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے میمونہ کو بلایا۔ ابن حواس نے جانے نہ دیا۔ ابن ثمنہ جوش غضب میں اپنی فوجیں لے کر قصریانہ پہنچا، ابن حواس مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابن ثمنہ کو شکست ہوئی وہ قطانیہ کی طرف فرار ہوا۔ قصریانی لشکر تعاقب کرتا رہا۔ ابن ثمنہ کی فوج بہت کام آئی۔ آخرش ابن ثمنہ جان بچا کر مسینا میں داخل ہو گیا۔ یہاں عیسائی حکومت تھی۔ اس کی پناہ لی۔

صقلیہ سے اسلامی حکومت کا خاتمہ

مسینا کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو دیکھ کر نارمنوں کو دعوت دی۔ اس کے بعد ہی ابن ثمنہ مسینا سے کلبریہ (علاقہ اٹلی) روانہ ہوا اور ملیطو پہنچ کر حاکم کلبریہ رابرٹ گوسکارڈ کو صقلیہ پر حملہ کی استدعا پیش کی۔ اس نے راجر کو صقلیہ کے معاملات سپرد کر دیئے۔

تاریخ نارمن

نارمن جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے قزاق پیشہ لوگ تھے، ناروے کے رہنے والے تھے۔ شارلمین کے عہد میں فرانس پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ پیرس کو نرغہ میں لے لیا تو برگنڈی ان کو دے دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد ان کا سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا۔ ایک باجگذار ریاست نارمن یا نارمنڈی قائم ہو گئی۔

رئیس نارمن رالف قدیم بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گیا اور شاہی خاندان کی لڑکی اس کے عقد میں آگئی۔

غرضیکہ ان نارمنوں نے اٹلی کا رخ کیا اور اسلامی علاقہ کو تاراج کر کے اپنی ریاست قائم کر لی۔ ان میں رابرٹ گوسکارڈ اولوالعزم شخص تھا اس کا بھائی راجر تھا جس سے اور ابن ثمنہ سے صقلیہ پر حملہ کرنے کے معاملات

ملے ہوئے اور رجب ۴۴۴ھ میں دشمن ملک وملت ابن ثمنہ کی رہبری میں راجر کلبریہ سے فوج لے کر صقلیہ روانہ ہوا[1] اور مسینا پہنچا۔ عیسائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور مسینا راجر کے قبضہ میں آگیا اور ابن ثمنہ غدار کے ذریعہ قطانیہ بلا مزاحمت کے راجر کے ہاتھ آگیا۔ پھر قصریانہ کی طرف رخ کیا اور رشاٹک تک پہنچ گیا۔ غرضیکہ ایک بڑا حصہ صقلیہ کے شمالی علاقہ کا اس کے زیر اقتدار آگیا۔ ابن حواس نے قصریانہ پر نارمنوں سے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا، قلعہ بند ہوگیا۔ راجر نے محاصرہ میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اکثر قلعے اور شہر جو نگہبانوں سے خالی تھے ان پر قبضہ کرکے صلیبی عَلَم لہرادیئے۔

صلحاء وعلماء نے مدافعت کی صورت نہیں دیکھی تو وہ اسلامی ملکوں کو ہجرت کر گئے۔ اہلِ صقلیہ نے پھر المعز سے امداد چاہی۔ اُس نے پھر بحری بیڑا بھیجا مگر قوصرہ کے قریب وہ بھی غرقاب ہوگیا۔ ابن اثیر اور نویری اس بیڑے کی بربادی کا ذکر حسبِ ذیل کرتے ہیں :۔

"اس بیڑے کی بربادی سے المعز بہت کمزور ہوگیا اور عرب جو عبیدیین کے فرستادہ تھے صنہاجہ کے شہروں پر قابض ہونے لگے اور اسی کے بعد اس وقت فرنگی صقلیہ کے اکثر شہروں پر بغیر کسی روک ٹوک کے قابض ہونے لگے جن کو روکنے والا کوئی موجود نہ تھا کیونکہ فرمانروائے افریقہ عربوں سے برسرپیکار ہوگیا اور پھر وہ ۴۵۳ھ میں وفات پاگیا۔"

نارمن شہر پر شہر فتح کرتے ہوئے صقلیہ میں آگے بڑھ رہے تھے۔ نیز عجلت کار کے لئے اٹلی سے مزید کمک طلب کی اور رابرٹ خود اپنی قیادت میں فوج لے کر ۴۵۳ھ میں صقلیہ پہنچا اور چھوٹے بڑے قلعوں پر قابض ہوگیا۔ اب مسلمانوں کے

---

[1] ابن خلدون جلد ۴ صد ۲۱۱۔

قبضہ میں جرجنت، قصریانہ، بلرم، سرقوسہ، مازر، طرانبش، ارغوس، نوطس وغیرہ باقی رہ گئے تھے اور بلرم میں نام نہاد مرکزی حکومت قائم تھی۔ اٹلی میں شہر اطرانہ میں مسلم ریاست تھی وہ بھی اس سنہ میں نارمنوں کے قبضہ میں آگئی اور یہاں سے دولتِ اسلامی کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا۔ مسلمان ہجرت کر کے صقلیہ کے شہروں میں آگئے جو رہ گئے وہ اسلام کے دائرہ سے نکل گئے۔

تمیم بن المعز بادشاہ صنہاجہ نے مسلمانانِ صقلیہ کی مدد کے لئے اپنے لڑکوں ایوب اور علی کو مع فوج اسلامی کے بھیجا۔ ایوب بلرم ٹھہرا۔ علی نارمنوں کا راستہ روکنے کے لئے جرجنت چلا گیا۔ ابن حواس نے محل میں ٹھہرایا اور بڑی خاطر کی۔ ایوب بھی یہیں آ گیا۔ دونوں بھائیوں کی آمد سے اہلِ صقلیہ ان کے گرویدہ ہو گئے انہوں نے ملک کی شیرازہ بندی کرنی شروع کی اور نارمنوں سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگے کہ ابن حواس نے وطن اور ملک سے غداری کی۔ مہمانوں سے مڈبھیڑ کر بیٹھا۔ ہر دو طرف کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں جس میں ابن حواس کام آیا۔

اب افریقی اور صقلوی مسلمانوں میں چل گئی۔ ہر دو شہزادے افریقہ جاتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ گئے۔ اعیان و امرائے وقت نے یہ رنگ دیکھ ہجرت پر کمر باندھی۔ انبوہِ کثیر صقلیہ کو چھوڑ کر افریقہ آ گیا۔[۱]

ابن البعباع آخری تاجدارِ صقلیہ

مسلمانانِ صقلیہ نے اپنا امیر ابن البعباع کو بنا لیا۔ اُس نے نارمنوں سے خوب خوب مقابلے کئے۔ دولتِ فاطمیہ مصر نے ۴۶۳ھ میں ایک قاصد ابن البعباع سے خراج کی رقم طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ صقلیہ بطور ایک ماتحت صوبہ کے حکومتِ مصر کو خراج ادا کرتا تھا۔ ابن البعباع نے قاصد سے معذرت چاہی۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱۰۔ صہ ۱۳۳۔

قاصد نے دربارِ مصر کو پیغام پہنچا دیا۔ فاطمی خلیفہ نے ابن البعاع کے خلاف نارمنوں کو لکھ بھیجا کہ صقلیہ کا کل علاقہ تم کو دیا جاتا ہے۔ تم ہمارے باغی کو نکال باہر کرو۔ یہ تھا عبیدین کا کارنامہ۔

غرضیکہ فاطمی خلیفہ کے حکم پر غیر مسلم نارمن جنگی بیڑا لے کر ابن البعاع کو نکالنے بلرم کے ساحل پر پہنچ گئے۔ بلرم کے محاصرہ کی خبر تمام یورپ میں پھیل گئی۔ چنانچہ بقول مسٹر اسکاٹ یورپ کے ہر ملک سے جوق در جوق عیسائی سمندر اور خشکی کی طرف سے بلرم پہنچے اور مسلمانوں کے اس دارالسلطنت کو گھیر لیا۔

ادھر بلرم کے عیسائی نمک حرامی پر آمادہ ہو گئے اور تمام پرانے احسانات کو بھلا کر نارمنوں کے معاون بن گئے۔ اس کے علاوہ فرقہ وارانہ عقائد کو اس موقعہ پہ ہوا دی جا رہی تھی۔ مگر ایک جماعت پرستارانِ توحید کی ایسی تھی جو اسلام کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے سر بکف تیار تھی۔ چنانچہ ان مسلمانوں نے نارمنوں کا جان توڑ کر مقابلہ کیا جس کی وجہ سے بلرم کے محاصرہ کو پانچ ماہ گزر گئے۔ نارمنوں کی ہمت پست ہونے لگی اور محاصرہ سے دست بردار ہونے کو تھے کہ غدار عیسائیوں نے نارمنوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ فلاں فصیل کا رخ کمزور ہے۔ چنانچہ پوری قوت سے نارمن اس طرف جھک پڑے۔ مسلمانوں کے لئے بچاؤ کا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انہوں نے بہ مجبوری صلح کی درخواست شرائطِ ذیل کے ساتھ نارمنوں کو پیش کر دی۔ تاریخ صقلیہ سے شرائط نقل ہیں :-

۱۔ عیسائی حکومت مسلمانوں کو کامل مذہبی آزادی دے گی۔

۲۔ بلرم کی تمام مسجدیں اپنی جگہ برقرار رکھی جائیں گی۔

۳۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی قانون نافذ رہے گا۔

۴۔ مسلمانوں کے مقدمات مسلمان قاضی فیصل کرے گا۔[1]

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۴

نارمنوں نے شرائط منظور کئے مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ دے دیا۔ عیسائیوں نے بُرجوں، فصیل اور پھاٹکوں پر پرچم اسلامی کے بجائے صلیبی جھنڈے نصب کر دیا۔[1] بلرم کی تسخیر کے بعد نارمنوں نے طرابنش کا رُخ کیا۔ عبداللہ بن منکوت نے اہل بلرم کی طرح نارمنوں سے معاملہ کیا اور خود بادیدۂ نم معہ اہل وعیال کے افریقہ صنہاجی فرمانروا کے پاس چلا گیا جہاں فوجی عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ یہ واقعہ ۴۶۴ھ کا ہے۔

غرضیکہ صقلیہ سے اسلامی حکمرانی کا خاتمہ اس طرح ہوا۔ ابن ثمنہ کا خاتمہ ابن حواس نے کیا تھا اور ابن حواس جرجنت میں تیر کا نشانہ بنا۔ ابن البعباع نے بلرم کو نارمنوں کے سپرد کیا۔ اب ابن منکوت نے حکومت سے دستبرداری دے دی۔ نارمنوں کی باہمی تقسیم کی رو سے صقلیہ راجر ظالم کے قبضہ میں گیا اور رابرٹ بلرم اور مسینا میں نصف حصہ کا شریک رہا۔

راجر نے خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کا نظم ونسق درست کیا اور چار برس بعد شمالی صقلیہ کے اہم شہر طربنن، سرقوسہ پر متصرف ہو گیا۔[2] اس کے بعد جرجنت (۴۸۱ھ) اور قصریانہ (۴۸۶ھ) سے لے لئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے خوب خوب مقابلہ کیا۔ مگر قسمت سے لاچار رہے۔ راجر نے رغوس اور نوطس پر پوری قوت سے حملہ کر کے فتح کر لئے مگر یہ فتح شرائط کی صورت میں تھی جیسی بلرم میں کی گئی۔ بحر روم کے وسیع ترین جزیرۂ صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری فرمانروائی کا ۴۸۴ھ میں خاتمہ ہو گیا اور صقلیہ کے مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا قرار پائے۔[3]

صقلیہ وجزائر سے مسلمانوں کا اخراج

راجر اول نے پورے صقلیہ پر قبضہ کر لیا اور وہ تنہا فرمانروائے صقلیہ

---

[1] ابن الاثیر، جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳ [2] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۵۹۔

[3] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳۔

تسلیم کر لیا گیا تو مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے جنوبی اٹلی و نارو ے سے رومیوں اور عیسائیوں کو صقلیہ لا کر مسلمانوں کے پہلو میں آباد کیا۔ اس کے ساتھ ہی مذہب اسلام کی اشاعت قانوناً ممنوع کر دی اور تمام صنعت و حرفت و تجارت اور معاش کے عام شعبوں سے مسلمانوں کو علیحدہ کر کے عیسائیوں کو سپرد کر دیئے[1]۔ اور زمینداریاں جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں، راجر ظالم نے اُن سے چھین کر نو آباد عیسائیوں کو سپرد کر دیں۔ مسلمان مزدور پیشہ کاشت کار کی حیثیت سے رہ گئے۔ ذی اثر و معزز مسلمانوں نے جزیرہ صقلیہ کو خیر باد کہا اور افریقہ، مصر اندلس میں جا کر اقامت پذیر ہو گئے۔ بہت سے کمزور مسلمان آغوشِ عیسویت میں جا کر بظاہر مصائب سے بچ گئے اور عقبیٰ کو برباد کر لیا۔

بلرم، نوطس، جرجنت میں مسلمانوں کو کچھ آزادی تھی اور وہ ارکانِ مذہب ادا کر سکتے تھے اور مقدمات بھی اسلامی قانون کی رو سے طے ہوتے تھے۔ قصریانہ سرقوسہ، مسینا، وغیرہ میں مسلمان بدتر حالت سے زندگی گزار رہے تھے۔ بلکہ مسینا معزز مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ صرف قلیوں کی حیثیت سے رہ گئے تھے۔ یہ راجر اوّل نے معاہدہ کا پھل مسلمانوں کو دیا تھا۔ آخر شش وہ ۲۲ رجون ۱۱۰۱ء، ۴۹۴ھ کو مر گیا اور اس کا بڑا لڑکا سائمن جانشین ہوا جو دو برس سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ اس کے بھائی راجر دوم نے تخت سنبھالا۔ یہ ۴۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر زمامِ حکومت ۵۰۶ھ میں ہاتھ میں لی۔ اس کی توجہ جنوبی اٹلی کی فتوحات کی طرف زیادہ تھی۔ فرانس اور انگلستان سے معرکہ آرا رہا جس کی وجہ سے بالآخر اُس نے سلطنت کلیسا سے اپنی حکمرانی تسلیم کرائی جس کے بعد سے یہ نارمن فرمانروائے صقلیہ شاہ کے لقب سے متصف ہوا اور یورپ کے ممتاز بادشاہوں میں شمار کیا گیا۔

---

[1] ابو الفداء

راجر نے راجراول کے ظالمانہ طریقہ کو روا نہ رکھا بلکہ ملک کی حالت کا جائزہ لیا تو اُس نے اندازہ کر لیا کہ اہلِ صقلیہ یا رومی ملک کو خوشحال رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو لوگ نئے لا کر بسائے گئے تھے وہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی سے معرّا تھے۔ اس نے مسلمانوں کو نوازا اور نظام حکومت میں شریک کیا۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں پھر مسلمان در آئے۔ اب مسلمان معزز شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ راجر نے وہی سب مراسم و لوازم بادشاہی اختیار کئے جو سابق مسلمان فرمانروائے صقلیہ کے یہاں جاری تھا۔

مسلمانوں نے حکومت سے کامل اشتراکِ عمل کیا۔ غرضیکہ مسلمانانِ صقلیہ نے ملکی نظم و نسق میں برابر کا حصّہ لیا بلکہ فوج میں معزز عہدے قبول کر کے نارمن قوت کو دوبالا کر دیا۔ ان دنوں نارمنوں کا بیڑا بحر روم کے تمام بیڑوں میں مضبوط بیڑا بن گیا اور اٹلی کے صوبوں پر تاخت شروع کر دی۔ دوسری طرف بحر روم کے اسلامی مقبوضات کو مسلمانوں سے چھین چھین کر نارمنوں کے زیرِ علم لانے لگے۔ غرضیکہ اسلامی جزائر اور شمالی افریقہ کے زرخیز علاقے نارمنوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں کے اشتراکِ عمل سے راجر دوم نے ۱۱۳۰ء، ۵۲۴ھ میں شاہ صقلیہ و ایطالیہ کا لقب حاصل کر لیا اور سلطنتِ کلیسا کی جانب سے اس کی تاجپوشی ہوئی اور راجر دوم کی حکومت نے یورپ کی ممتاز ترین اور مستحکم ترین حکمرانوں پر تفوق حاصل کر لیا۔[1]

راجر دوم ۱۱۵۱ء میں اپنے لڑکے ولیم کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا اور تین برس بعد ۱۱۵۴ء میں فوت ہو گیا۔

ولیم اوّل کچھ عرصہ باپ کے قدم بقدم چلا۔ مسلمانوں سے حسنِ سلوک روا رکھا مگر پوپ ایڈرین چہارم کو ولیم کی یہ زندگی پسند نہ تھی، اس نے بغاوت کرا دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰، صہ ۱۳۳۔

ولیم نے واقعات کو سمجھ کر پوپ سے صلح کر لی اور مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آخرش اس نے ۱۱۶۶ء؁ میں وفات پائی اور اس کا لڑکا ولیم دوم بر سرِ حکومت آیا۔ اس کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں سے مانوس تھا اس نے اپنی حکمرانی میں مسلمانوں کو بہت بڑھایا چڑھایا۔ اس کی زندگی ایک مسلم فرمانروا کے مشابہ تھی۔

ابن جُبَیر اسی کے عہد ۱۱۸۳ء؁، ۵۸۰ھ؁ میں صقلیہ آیا اور چار ماہ مقیم رہا۔ اس جگہ ہم ابن جُبَیر کے سفرنامہ سے اس وقت کے حالات نقل کرتے ہیں:۔

"صقلیہ کا فرمانروا علیام (ولیم) ہے جو مسلمانوں کو نوکر رکھتا ہے اور خواجہ سراؤں کو اپنی خدمت میں رکھنا پسند کرتا ہے۔ یہاں کے تمام مسلمان خوف سے اپنے عقیدہ کو چھپاتے ہیں۔ ولیم کو مسلمانوں پر بہت اعتماد ہے وہ اُن سے تمام ضروری کاموں میں مدد لیتا ہے، یہاں تک کہ اس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی مسلمان ہے۔ بہت سے حبشی مسلمان غلام اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ان پر انہی میں سے ایک افسر ہے۔ خواجہ سرا ہی اس کے صاحب اور وزیر ہیں اور وہی اس کے درباری اور ارکانِ دولت ہیں۔ اس کی سلطنت کا جاہ و جلال اور زیب و زینت اُنہی سے ہے۔ وہ نہایت فاخرہ لباس پہنتے اور اصیل گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ عیسائی فرمانرواؤں میں حکومت اور جاہ و ثروت کے لحاظ سے ولیم کا کوئی ہمسر نہیں ہے"۔

مگر مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت نہیں کر سکتے اور یہ سب عیش و عشرت ان کے لئے مصیبت ہے مسلمان خواجہ سرا عبدالمسیح سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ تم کھلم کھلا مسلمان ہو اور جو کام کرنا چاہو آزادی سے کر سکتے ہو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدہ کو چھپاتے اور اپنی جان کا خوف کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے فرائض چُھپ کر

بجالاتے ہیں۔ غلامی کا طوق ہماری گردن میں ہے۔ جزیرہ صقلیہ کے مسلمانوں کا یہ حال سن کر ہم پر رقت طاری ہوئی "

مسلمانوں کے قدیم تمدن کا اثر یہاں تک صقلیہ کے عیسائیوں پر تھا کہ عیسائی عورتیں مسلمان عورتوں کا لباس اور زیور پہنتی تھیں۔

ایک افسوس ناک حال یہ بھی ہے کہ جو ابن جُبَیر نے لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمان اب عیسائی ہونے کو مسلمان رہنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

ولیم ثانی کے مرنے کے بعد ٹانکرڈ صقلیہ کا حکمران بنا۔ ۱۱۹۰ء، ۵۸۶ھ میں تاجپوشی ہوئی۔ شہنشاہ ہنری ششم سے اس کی جنگ چھڑ گئی، فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ۱۱۹۴ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا ولیم ثالث جانشین ہوا تو اس کو بھی ہنری ششم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ہنری راجر اول کا داماد تھا۔ چنانچہ وہ اٹلی میں داخل ہوا۔ نارمنوں کے مقبوضاتِ ایطالیہ و صقلیہ کا بآسانی مالک بن بیٹھا۔ ولیم ثالث نے اپنا تاج اس کے سپرد کر دیا مگر پھر بھی ہنری نے اس کو اندھا کر دیا۔ اس پر صقلیہ سے نارمن حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہنری ششم شہنشاہِ جرمنی فریڈرک اول کا لڑکا تھا۔ اس نے صقلیہ کی عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی حالت کو سدھار دیا۔ کچھ عرصہ رہ کر جرمنی چلا گیا اور اپنی بیوی کو انتظامِ ملک سپرد کر گیا۔ مگر پاپائے اعظم اور مقدس راہبوں نے صقلیہ کے نصرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ ہر دو میں جنگ چھڑ گئی۔ کئی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ حکومت نے عیسائیوں کی معاونت کی۔ مسلمان یہ رنگ دیکھ کر بلرم وغیرہ سے نکل کر جنگلوں میں جا بسے اور اپنی منتشر قوت کو یکجا کیا اور پہاڑوں پر قلعہ بنائے اور شہر کے نصرانیوں اور حکومت کی فوجوں پر موقع پا کر جارحانہ حملے کرتے رہے۔ بیس سال تک یہ عمل رہا۔

اس اثناء میں ہنری ۱۱۹۷ء میں مر گیا۔ اس کا لڑکا فریڈرک جانشین ہوا۔ اس

نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی اور ان کو بلرم اور سیرا میں آباد کیا۔

ادھر دولتِ حفصیہ افریقہ کے حکمران سلطان ابو زکریا یحییٰ کے فریڈرک دوم سے دوستانہ مراسم ہو گئے جس کی وجہ سے مسلمانانِ صقلیہ کے ساتھ حکومت کا سلوک پہلے سے کچھ غنیمت رہا۔ سلطان ۶۴۷ھ میں راہی ملک بقا ہوا تو نصرانیوں نے بلرم کے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا تو مسلمان جان بچا کر پھر جنگلوں میں چلے گئے۔ مگر فریڈرک کی فوج نے گھیرا ڈال کر اُن کی راہیں مسدود کر دیں۔ آخرش انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فریڈرک نے تمام بقیہ صقلوی مسلمانوں کو سرزمینِ صقلیہ سے جلا وطن کر دیا۔ یہ لوگ (بوجارہ) نوسیرا جا کر آباد ہو گئے۔ [1]

فریڈرک ظالم نے صقلیہ سے مسلمانوں کو نکال کر مالٹا کے مسلمانوں کو بھی جلا وطن کر دیا۔ وہ بھی نوسیرا آ گئے۔

"ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ" میں ہے:۔

"فریڈرک دوم کی پالیسی سے ساٹھ ہزار عرب پولیا کے شہر نوسیرا میں منتقل کر دیئے گئے"۔ [2]

نوسیرا اٹلی کا علاقہ تھا اور یہ مسلمانانِ صقلیہ کا سب سے آخری خواب گاہ رہا۔

غرضیکہ چارلس دوم نے سابقہ حکومت سے بڑھ کر ظلم مسلمانوں پر توڑے۔ نوسیرا کے مسلمان جبریہ عیسائی بنائے گئے۔ ۷۰۰ھ، ۱۳۰۰ء میں اس علاقہ سے بھی اسلام رخصت ہو گیا۔

بہرحال مسلمانانِ صقلیہ کا حسرت ناک انجام یہ ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے اسلاف نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی اشاعت کی۔ ان کے جہل کو دُور کیا۔ مگر اس احسان کا بدلہ ان کے اخلاف سے ننگِ انسانیت

---

[1] ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۸۰ [2] تاریخ صقلیہ جلد ۱ صہ ۸۰۔

علمبرداران انسانیت نے یہ لیا کہ اہلِ صقلیہ پر طرح طرح کے ظلم توڑے اور ان کو گھر سے بے گھر کیا۔ ان کے علمی آثار مٹائے، حتیٰ کہ قبریں تک کھدوا دیں تاکہ نام و نشان بھی ارضِ صقلیہ پر مسلمانوں کا نہ رہے۔

نوٹ :۔ چارلس دوم شاہ فرانس لوئی نہم کا بھائی تھا۔ پوپ اربن چہارم نے ۱۲۶۱ء میں صقلیہ کا تاج و تخت مینفرڈ جرمنی سے چھین کر چارلس کو عطا کیا۔

فریڈرک نے کانرڈ چہارم کے لئے وصیت نامہ لکھ دیا تھا کہ جرمنی اور صقلیہ کا بادشاہ میرے بعد ہو۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ حکمرانی کر کے وہ ۱۲۵۴ء میں مر گیا۔ اس کا جانشین دو سالہ بچہ کانرڈین ہوا۔

مگر اس کے سوتیلے چچا مینفرڈ نے حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی، جس نے مسلمانوں کی معاونت سے پوپ اربن کو شکست دی۔ یہی وجہ تھی کہ پوپ نے چارلس پر عنایت مبذول کی۔

دولتِ فاطمیہ پر ایک نظر

دولتِ فاطمی کا سب سے پہلا حکمران ابو محمد عبید اللہ مہدی بن محمد ہُوا۔ اس حکومت کے قیام میں صرف ابو عبد اللہ یمنی اور ابو العباس شیعی کی جان توڑ مساعی کو زیادہ دخل ہے۔ ورنہ محمد عبید اللہ مہدی اور اس کے بیٹوں کی زندگی کا خاتمہ سجلماسہ (افریقہ) کے قید خانہ میں ہو چکا تھا۔ جہاں امیر سجلماسہ لیسوع نامی نے ابو نصر زیادۃ اللہ اغلبی کے اشارہ سے بحکم خلیفہ عباسی ان کو قید کر دیا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی کہئے یا دنیائے سیاست کا ظالمانہ اور تباہ کن اصول کہ اس مہدی نے اپنے ان دونوں محسنوں کو اقتدار ملنے کے بعد بقول ابن اثیر و ابن خلکان اس شبہ میں کہ وہ مہدی کے خلاف پراپیگنڈا کر رہے تھے ۲۹۸ھ مطابق ۹۱۰ء میں قتل کر دیا۔ غرضیکہ مہدی نے ابتداءً اپنا پائے تخت "رقادہ" قرار دیا۔

عبید اللہ مہدی نے اپنی حکمرانی کے سات سال بعد بقول ابو الفدا ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ء میں اپنے پائے تخت کو ساحل کے متصل ایک چھوٹے سے جزیرہ میں منتقل کر کے اس کا نام "مہدیہ" رکھا اور اس کو ہر طرح سے مکمل اور مستحکم کیا۔ اسی عرصہ میں مہدی نے ۳۰۲ھ مطابق ۹۱۴ء میں اسکندریہ پر اپنے لشکر سے حملہ کیا لیکن مقتدر باللہ کی فوجوں نے جو اُس کے مشہور خادم مونس کے زیرِ قیادت تھیں، شدید نقصان سے اس کو پسپا کیا۔ اس حملہ کے چار سال بعد ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۸ء میں مہدی نے پھر مصر پر حملہ کیا اور اپنے بیٹے قائم کی قیادت میں ایک زبردست فوج سمندر کے راستے سے روانہ کی۔ جس نے ابتداءً اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں مقتدر باللہ کی کمک پہنچنے کے بعد مونس خادم نے قائم کو شکستِ فاش دی۔ اس شکست کے بعد پھر مہدی نے مصر پر حملہ

کی جرأت نہ کی اور مہدیہ میں رہ کر بحیرۂ روم کے جزائر صقلیہ وغیرہ پر حکمرانی کرتا رہا۔ چوبیس سال حکمرانی کے بعد ۳۲۲ھ میں بعمر تریسٹھ سال بعہدِ راضی باللہ عباسی اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد الملقب بہ قائم بامر اللہ اس کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔

قائم نے تخت نشینی کے ایک سال بعد بحری راستہ سے اٹلی کے مشہور ساحل جنیوا پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیا۔ اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد مراکو کے قبیلہ "زناتہ" کے ایک شخص ابویزید خارجی نے قیروان میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ جملہ مسلمان کا فرادر ان کا مال اور خون حلال۔ مرکزیت کے فساد ہوجانے کی وجہ سے چونکہ افریقیہ اس وقت ایک حد تک طوائف الملوکی کے دور سے گزر رہا تھا اس لئے ابویزید خارجی کو اپنے مسلک میں کامیابی ہوئی۔ اور اس نے ایک بڑی جماعت منظم کرکے قائم پر حملہ کردیا اور ٹیونس، قیروان اور رقادہ پر قبضہ کرلیا اور قائم "مہدیہ" میں محصور ہوگیا۔ اسی زمانہ جنگ وجدال اور حصار میں قائم کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا اسماعیل منصور باللہ ۳۳۴ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے ابویزید کا پیچھا کرکے آخرکار ۳۳۶ھ میں اس کا خاتمہ کیا اور ملک کو اس کی لعنت سے بچایا۔

منصور باللہ کا بعمر انتالیس سال ۳۴۱ھ میں سات سال حکمرانی کے بعد انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا بعمر چوبیس سال ابوتمیم محمد الملقب بہ معزالدین باللہ تخت نشین ہوا۔ بنو فاطمہ کا یہ پہلا حکمران تھا جس نے خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔ بنو عباس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاکر معزالدین نے اپنے صقلی غلام جوہر کی قیادت میں لشکر اور بیڑا تیار کرکے اپنے پردادا کی ڈالی ہوئی داغ بیل کی تکمیل کی اور ۳۵۸ھ و ۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء میں نہ صرف پورے مصر پر قبضہ کیا بلکہ شام بھی فتح کرلیا۔ اور جس طرح قاہرہ کی مسجد جامع ابن طولون میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔ اسی طرح جامع مسجد دمشق میں بھی کیا۔ اب ان دونوں صوبوں سے بنو عباس کا گویا نام بھی گیا۔

علویہ حکومت میں گویا یہ پہلا شخص تھا جس نے توسیعِ حکومت کے بعد ہی نہ صرف خلیفہ کا لقب اختیار کیا بلکہ مہدیہ کو چھوڑ کر مصر چلا آیا اور قاہرہ کو پایۂ تخت قرار دیا جہاں بقول ابوالفداء بتاریخ ۵ رمضان ۳۶۵ھ مطابق ۹۷۵ء داخل ہوا اور افریقہ (ٹیونس) طرابلس الغرب اور صقلیہ کو صوبجات قرار دے کر ان پر علی الترتیب بربری قبیلہ صنہاجہ کے مشہور اشخاص بلکین بن زبیری، عبداللہ بن نجلف کتامی اور ابوالقاسم بن الحسن کو صوبہ دار مقرر کر دیا۔

اس کے بعد سے یکے بعد دیگرے دس خلیفہ عزیزؔ، حاکمؔ، ظاہرؔ، مستنصرؔ، مستعلیؔ، عامرؔ، حافظؔ، ظافرؔ، فائزؔ، عاضدؔ تختِ خلافت مصر پر بیٹھے۔

اس طرح بنو فاطمہ کے چودہ حکمران ہوئے جنھوں نے ۲۹۶ھ تا ۵۶۷ھ تک دو سو بہتر سال حکمرانی کی۔ ابتدائی محض امیر کہلائے۔ البتہ چوتھے حکمران معزالدین باللہ سے خلافت کا سلسلہ چلا جو ۵۶۷ھ میں عاضدالدین باللہ کے خاتمہ سے چند روز پہلے ہی سے ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ بقول ابوالفداء صلاح الدینؒ نے مصر کی وزارت کے بعد سلطان نورالدین والیِ دمشق کے حکم سے محرم ۵۶۷ھ سے پہلے جمعہ کو تمام ہی مساجدِ مصر میں خلیفہ مستضی باللہ عباسی کے نام کا پڑھوایا پڑھوایا اور عبیدیہ یا بنو فاطمہ کا خطبہ مسدود کیا۔ بنو فاطمہ کے آخری خلیفہ عاضدالدین باللہ کے حالاتِ زندگی کا مختصراً ذکر کرتے ہوئے ابن خلکان راوی ہے:۔

"بنو فاطمہ کے ابتدائی حکمران نے علمائے وقت سے درخواست کی کہ وہ خلفائے بنو فاطمہ کے لئے چند موزوں القاب لکھ دیں، تاکہ ہر خلیفہ ان القاب میں سے کسی ایک لقب کو اختیار کرتا رہے۔ چنانچہ انہوں نے چند القاب لکھ دیئے۔ انہی میں عاضد بھی تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ لقب آخری خلیفہ نے اختیار کیا۔ لغت میں اس کے معنی توڑنے والے کے ہیں۔ گویا حکومت کو توڑنے والا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حکومت پاش پاش ہو گئی۔"

خلفائے فاطمیہ

۲۹۷ - ۵۶۷ھ

عبیداللہ مہدی	۲۹۷ھ	مستنصر	۴۲۷ھ
قائم	۳۲۲ھ	مستعلی	۴۸۷ھ
منصور	۳۳۴ھ	آمر	۴۹۵ھ
معز باللہ	۳۴۱ھ	حافظ	۵۲۴ھ
عزیز	۳۶۵ھ	ظافر	۵۴۴ھ
حاکم	۳۸۶ھ	فائز	۵۴۹ھ
ظاہر	۴۱۱ھ	عاضدالدین باللہ	۵۵۵-۵۶۷ھ

بقول ابن خلکان عاضدالدین باللہ کا دوشنبہ ۱۱ محرم ۵۶۷ھ کو انقطاعِ خطبہ کے تیسرے روز انتقال ہو گیا اور صلاح الدین، سلطان نورالدین والئ دمشق کی طرف سے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ اس کے دو سال بعد ۵۶۹ھ میں جب سلطان نورالدین کا انتقال ہو گیا تو صلاح الدین دمشق وغیرہ کا بھی حکمران ہو گیا اور اس طرح سلطان صلاح الدین کے لقب سے ملقب ہُوا۔

بقول ابن خلکان سلطان صلاح الدین کے جنگی کارناموں کے ساتھ ساتھ علمی کارنامے بھی بے شمار ہیں۔ علاوہ ان مدارس اور اوقاف کے جو سلطان نورالدین نے دمشق وغیرہ میں جاری کئے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے مصر کو جامع العلوم بنا دیا تھا۔ بنو فاطمہ کے حکمرانوں نے جتنی زیادہ اس طرف سے غفلت برتی تھی اسی قدر اس نے اس طرف توجہ کی اور بہت سے مدارس اور اوقاف اور شفاخانہ جات مختلف ناموں سے مصر و نیز بیت المقدس میں قائم کئے۔ لیکن کسی کو اپنے نام سے منسوب نہیں کیا۔ فی الحقیقت خفیہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنی ذاتی شہرت کا خیال مطلقاً نہیں تھا۔ بلکہ خدمتِ اسلام وانسان اس کا مسلک تھا۔

اپنے عروج اور اپنی خود مختاری کے بعد وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن بقول ابن خلکان :۔

"مرنے کے بعد اس سلطان کے ذاتی خزانے میں سوائے سینتالیس درہم کے نہ سونا تھا نہ چاندی تھی۔ بوقتِ موت اپنے وارثوں کے لئے نہ کوئی مکان چھوڑا، نہ باغ، نہ زمین، نہ جاگیر"

مفصل حالات "تاریخ ملت" حصہ دوم (تاریخ مصر) میں لکھے جا چکے ہیں۔

عہدِ کلبیہ

اغالبہ کے زوال کے بعد فاطمیوں کا دور صقلیہ پر آیا جس میں اشاعتِ اسلام اور فتوحات کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا۔ افریقیہ میں فاطمیوں نے جو ظلم و جور دوسرے فرقِ اسلامیہ پر روا رکھے تھے انہی کا اعادہ صقلیہ میں بھی روا رکھا۔ شیعیت کو بہت کچھ پھیلانا چاہا مگر عوام میں مقبولیت نہیں ہوئی۔ البتہ قاضی، مفتی معزول کر دیئے گئے۔ مذہبی تشدد خوفناک طریقہ پر تھا۔ افریقیہ میں خلفائے بنی فاطمہ کے ولاۃِ صقلیہ نے علماء و اصحابِ فضل ابو القاسم طرزی، قاضی صقلیہ اور ابو العباس بن بطریقہ کو کوڑے لگوائے۔ ابن ہذیل اور ابراہیم بن بردوم کو تہ تیغ کیا گیا۔ قلعوں اور مسجدوں میں جو بانیوں کے نام کندہ تھے ان کو مٹا کر خلفائے فاطمی کے نام لکھے گئے۔ مگر شیعیت صرف حکام اور ولاۃ تک محدود تھی۔ عوام سب حنفی و مالکی مذہب کے ماننے والے تھے۔ البتہ یہ ہوا کہ اسلامی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور پہلا سا شغف باقی نہ رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ

صقلیہ میں اہلِ عرب اور بربر قوم کا ورود ۲۱۲ھ سے شروع ہوا۔ جب صقلیہ کا علاقہ زیرِ نگین آتا گیا قبائل عرب، قریش، بنو کندہ، بنو فہر، بنو حنظلہ، اوس و خزرج اور افریقیہ کے بربر آ کر مقیم ہوتے رہے۔ بنو تمیم، بنو کلب فرمانروا

خاندان کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ انہی میں اکابر علماء بھی تھے۔ عرب کے دیگر قبائل ربیعی بکری، وددانی، سہمی، معافری، کنانی، لخمی، قیسی یہاں آکر آباد ہوتے گئے۔ بربر میں بنو کتامہ، بنو طرزی۔ ان کے علاوہ موالی اور نو مسلم صقلین تھے۔

عربوں کی تہذیب و تمدن کا اثر نو مسلم صقلین پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ بھی اسلامی خوبیوں سے متصف ہو گئے۔ اسلامی آبادی زیادہ تر بلرم دارالحکومت میں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بلرم صقلیہ میں مثل قرطبہ و غرناطہ کے تھا۔ کثرت سے مساجد، حمام، مدارس، محلات یہاں مسلمانوں نے تعمیر کئے تھے۔ یہ پُر رونق شہر بن گیا تھا۔

دارالحکومت

بلرم صقلیہ کا شیراز تھا۔ شہر کی محلہ وار تقسیم تھی۔ سرکاری عمارتیں، جداگانہ دفاتر امراء کے عالی شان محل، مکانوں کے ارد گرد چمن بندیاں، نزہت بخش فوارے، مرمریں و سنگِ رخام کی سڑکیں، پُر رونق بازار، کثرت سے نہریں تھیں جو بڑی عمارت کے خانہ باغ میں سے گزرتی تھیں۔ ہوٹل، حمام جا بجا، کثرت سے مساجد جن میں سے تین سو مشہور تھیں۔ جامع مسجد بڑی شاندار تھی۔ قصر سعد، قصر جعفر خوبصورتی کے اعتبار سے لاجواب محلات تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے امراء کے اور وُلاۃ کے محلات تھے۔

بلادِ صقلیہ

بلرم:۔ یہ دارالحکومت تھا اور مثل قرطبہ کے تھا۔

شہرطہ:۔ بلرم سے ۲۵ میل جانب جنوب تھا، زرعی و تجارتی حیثیت تھی۔

شغادی:۔ شرمہ سے ۲۵ میل پر آباد تھا اور گرد پہاڑ سے محیط ہے۔

مسینا:۔ بلرم کے بعد دوسرا مرکزی شہر تھا۔ یہ بڑی بندرگاہ تھی۔

طبرمین:۔ کوہِ آتش فشاں کے دامن میں تھا، یہاں سونے کی کان تھی۔

قطانیہ :- یہ تجارت کی بڑی منڈی تھی -

لیاج :- کوہِ آتش فشاں کے مشرق میں تھا -

لینتنی :- سمندر سے چھ میل تھا -

سرقوسہ :- جنگی قلعہ تھا یہ علماء کی بستی تھی -

شکلہ :- ساحلِ سمندر سے تین میل تھا - تجارتی جگہ تھی -

المومن :- شکلہ سے ۱۲ میل پر واقع تھا -

باثیرہ :-

لنباذہ :-

شاقہ :- جرجنت سے ۲۵ میل ساحل پر آباد تھا -

مازرہ :- صقلیہ کا سب سے پہلا اسلامی شہر ہے - یہ تجارتی حیثیت سے افریقہ اور صقلیہ کا نقطۂ اتصال تھا -

طرابنس :

قلعہ اوبی :- ساحل کا اوسط درجہ کا شہر تھا -

جرجنت :- ساحل سے تین میل پر یہ شہر تھا - جو آباد اور پُر رونق تھا -

نوطس :- سمندر سے آٹھ میل پر آباد تھا، یہاں زراعت اور صنعت و حرفت ترقی پر تھی -

قصریانہ :- یہ رومیوں کی یادگار سے ہے -

علقمہ :- بلرم اور طرابنس کے راستہ پر تھا -

علمائے صقلیہ

صقلیہ کا علمی دور

صقلیہ یونان اور رومیوں کے عہد میں بھی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے مگر مسلمانوں کے ورودِ مسعود سے پہلے ہی تمام آثارِ علمیہ مٹ چکے تھے۔ جہالت کا عمل دخل تھا عیسائی علماء اور اساقفہ اپنے اقتدار کی خاطر عوام کو جاہل بنائے رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے قدم پہنچتے ہی علم کی روشنی پھیلنے لگی۔ بڑے بڑے علماء عالمِ اسلامی سے یہاں آ گئے۔ انہوں نے علومِ قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، کلام مناظرہ، مغازی، تاریخ و رجال، صرف و نحو، ادب و لغت اور طب کی عام اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ صقلیہ میں اصحابِ فضل و کمال کثرت سے پیدا ہوئے۔ اس جگہ انہی اساطینِ علم کے حالات مختصراً تحریر کئے جاتے ہیں۔

تذکرۂ اربابِ فضل و کمال

ابن الحکار شیخ ابو حفص بن عبد النور المعروف با بن الحکار: اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ قاضی عیاض کو ان کے علم و فضل کا اعتراف ہے اور ابنِ قطان نے ایک قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے۔ شرح المدونہ، انتقاد علی التونسی فی الف مسئلہ، مختصر کتاب التمامات آپ کی یادگار سے ہیں۔

ابن صاحب الخمس ابو محمد: مختلف علوم میں دستگاہ تھی۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد معافری جو قاضی عیاض کے اُستاذ تھے ان سے تلمذ رکھتے تھے۔ علمِ حدیث کی اشاعت آپ سے صقلیہ میں خوب ہوئی۔

اس کے علاوہ اصولِ فقہ و فرائض میں ملکۂ خاص تھا، امام سمجھے جاتے تھے مگر فتویٰ دینے میں محتاط تھے۔

ابن ابی الفرج ذکی مازری :- پورا نام شیخ ابو عبداللہ محمد بن ابی الفرج ذکی تھا۔ فقہ علماءِ مازر سے حاصل کی۔ قیروان جاکر قلعہ بنی حماد میں قیام کیا۔ ابوالقاسم سیوری اور علامہ عرقی سے بقیہ علوم کی تحصیل کی۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ابوالفضل ابن لغوی قاضی ابو عبداللہ بن داؤد تلامذہ میں سے تھے۔ علومِ ادب و کلام میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ کتاب تعلیق و رسالہ اعتراضات بر فتاوی سیوری یادگار سے ہیں۔

ابن حجر :- ابوزید عبدالرحمٰن بن علی بن محمد قرشی معروف با بن حجر، ساتویں صدی کے فقہائے صقلیہ سے تھے۔ قیام بجایہ میں تھا۔ ابتدائی علوم تحصیل کر کے افریقہ گئے۔ ابوزید عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل بن حداد تونسی سے علم فقہ حاصل کیا۔ نحو و لغت میں بڑے ماہر مشہور تھے۔ بجایہ میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طبعی عمر پاکر وصال ہوا۔

ابن حیون شکلی :- ان کا پورا نام الحاج الخطیب ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد بن حسن بن حیون شکلی، فنِ فقہ کی تحصیل کے بعد مراکش گئے۔ شیخ الاسلام کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ صقلیہ میں آپ کی ذات سے علومِ اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ فقہ کو بڑا فروغ ہوا۔ سنہ ۹۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

ابن المودب عبداللہ بن ابراہیم بن مثنیٰ طوسی :- اصل وطن قیروان تھا۔ علم ادب حاصل کر کے والیِ صقلیہ ثقۃ الدولہ کی علماء پروری سن کر وطن سے صقلیہ آیا اور ثقۃ الدولہ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ مگر اس کی قدردانی کچھ نہ ہوئی جس پر اس نے اس کی ہجو لکھ ڈالی۔ آخر خارج البلد کر دیا گیا۔

ابن کلاعی ابوالعباس احمد بن کلاعی :- فقیہ، علم و ادب کا متبحر عالم تھا۔ اور اس کے ساتھ ذوقِ شاعری رکھتا تھا۔ بقیہ احوال میسّر نہ آسکے۔

ابن فہام مقری :- علمِ نحو کا بڑا ماہر تھا۔ ابن ناشاد نحوی سے تلمذ اختیار کیا تھا، اس کی تالیفات نحو میں تھیں۔ علمائے نحو میں خاص شہرت تھی۔

ابن رشیق ابوعلی حسن بن رشیق :- وطن اصلی قیروان تھا مگر تمام عمر صقلیہ

میں گزار دی۔ کتاب العمدہ آپ کی بہترین یادگار ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الشذوذ فی اللغۃ، میزان العمل، الروضۃ الموشیتہ، کتاب المساوی، مختصر الموطا، الموذج اللغۃ، تاریخ قیروان، دیوان ابن رشیق۔ یہ کتابیں اس کی تالیفات سے ہیں۔ ابن رشیق نے مازر میں ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔

ابن القطاع :۔ ابوالقاسم محمد بن علی معروف بابن القطاع۔ یہ زیادۃ اللہ بن محمد الاغلب والی افریقہ کی اولاد سے تھا۔ جب اس کے اسلاف سے حکمرانی گئی تو ابن القطاع کے جد افریقہ سے اسپین چلے گئے۔ پھر یہ خاندان صقلیہ منتقل ہو گیا۔ اغلبی خاندان فرمانروائی کے ساتھ علم و فضل سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔

ابن القطاع ۱۰ صفر ۴۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ صقلیہ میں علم و ادب کا چرچا تھا۔ ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر لغوی سے تمام اصناف ادب کی تحصیل کی اور خود ذاتی مطالعہ سے لغت و نحو میں صاحب کمال ہوئے۔ جوہری کی مشہور کتاب صحاح اپنے استاذ سے پڑھی تھی اور اس کی ترویج میں سرگرم سعی کی۔

ابن خلکان کہتا ہے :۔

> "وہ مشہور علماء میں سے تھا، ادب میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ائمہ ادب خصوصاً اہل لغت میں سے ایک تھا اور علم نحو میں غایت درجہ بلند رتبہ رکھتا تھا۔"

نارمنی غلبہ سے وطن سے نکل کر مصر گیا۔ الآمر باحکام اللہ فاطمی (۴۹۵ - ۵۲۴) کا زمانہ تھا۔ اس کے وزیر افضل بن امیر الجیوش بدر الجمالی نے اپنے لڑکے کی اتالیقی پر مامور کیا۔ حواشی صحاح جوہری، کتاب الافعال، کتاب الاسماء، کتاب الابنیہ، کتاب السیف، کتاب القصاد و اسمائہم و صفاتہم، کتاب العروض۔ یہ کتب اس کی یادگار سے ہیں، ماہ صفر ۵۱۵ھ میں انتقال کیا۔[۲]

---

[۱] طبقات الشعراء [۲] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۰۵۔

ابن السوسی :۔ اصل نام عثمان بن عبدالرحمٰن تھا۔ عبدالرحمٰن مالٹا میں قیام پذیر تھے ۔ وہیں ابن السوسی پیدا ہوئے۔ وہیں علوم کی تحصیل کی، ادب اپنے والد سے حاصل کیا۔ پھر بلرم آگئے اور ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ شعر و ادب شاعری میں معقول درک تھا۔

ابن حمدیس سرقوسی :۔ نام ابو محمد عبدالجبار بن ابوبکر بن حمدیس ازدی تھا۔ ۴۴۷ھ میں پیدا ہوا۔ تعلیم و تربیت صقلیہ میں پائی۔ بچپن سے شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس کے کلام کی شہرت صقلیہ سے نکل کر مصر اور اندلس تک پہنچی۔ یہاں نارمنوں کا اقتدار تھا۔ اپنے باپ کو صقلیہ میں چھوڑ کر ۴۷۱ھ میں افریقہ چلا گیا۔ یہاں عربی علم ادب میں کامل مہارت پیدا کی اور اندلس چلا گیا اور المعتمد شاہ اشبیلیہ کے دربار سے منسلک ہو گیا اور اس کی شان میں مدحیہ قصائد وائیہ، ذائیہ، لامیہ مشہور ہیں۔ پھر ۴۸۳ھ میں افریقہ چلا آیا۔ پھر مورقہ میں قیام کیا۔ یہیں ۵۲۷ھ میں انتقال کیا۔

ابن بشرون صقلی :۔ علم ادب و انشاء میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ یہ نارمنوں کے زمانہ میں دیوان الرسائل والانشاء کا افسر اعلیٰ تھا۔ راجر دوم کی شان میں مدحیہ شعر کہے۔ راجر اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ یہیں وفات پائی۔

ابن قلاقس :۔ نام ابوالفتوح نصر اللہ بن عبداللہ بن مخلوف۔ اصل رہنے والا مصر کا تھا۔ ابن قلاقس عربی علم ادب کا بڑا ماہر اور شعر و سخن میں نامور تھا۔ ۵۶۲ھ میں صقلیہ آیا۔ قائد ابوالقاسم بن الحجر کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا یہیں عمر گزار دی۔

ابن البحری :۔ قریہ بجایہ میں قیام تھا۔ فقہائے صقلیہ میں شمار ہے۔ علم نحو و لغت کے ماہر، حکومت کی طرف سے بجایہ میں عہدے دار تھے۔ یہیں وصال ہوا۔

ابن الکوفی :۔ نام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن الجبار تھا۔ علمائے عصر سے اکتساب علم کیا۔ فقیہ تھے، ان کا ذکر قاضی عیاض نے کیا ہے۔ صاحب فتویٰ تھے اور حال معلوم نہ ہو سکا۔

ابن القابلہ :۔ صقلیہ کے متقدمین فقہاء سے تھے۔ دیگر حالاتِ زندگی پر پردہ پڑا ہے۔

ابن المعلم :۔ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن علی۔ علم نحو و لغت کا عالم تھا۔ تعبیرِ رؤیا میں اس کی شہرت تھی ۵۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

ابن یونس :۔ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن یونس تمیمی علمِ فرائض کے امام مشہور ہیں۔ ان کے اساتذہ میں قاضی ابوالحسن الحصائری، عتیق بن الفرضی، ابن ابی العباس ہیں۔ فقہائے صقلیہ میں ممتاز گنے جاتے تھے۔ ابن فرحون کا بیان ہے۔
"فقیہ امام اور علمِ فرائض کے ماہر تھے"

علمی خدمت کے سوا فوجی خدمات میں بھی پیش پیش تھے۔ علمِ فقہ میں کتاب شرح مدونہ پر مفید اضافہ کیا ہے۔ دوسری کتاب فرائض میں تھی۔ ۲۰ ربیع الاول ۴۵۱ھ میں وفات پائی۔

ابن ظفر :۔ علم ادب و نحو و لغت میں ماہر کامل، شعر و سخن میں صاحب کمال تھے۔ ان کی متعدد کتب سلوان المطاع فی عدوان الطباع، ملح اللغۃ، کتاب السفریہ، کتاب التنقیب، کتاب اوہام الغواص فی اتہام الخواص، کتاب الاشتراک اللغوی والاستنباط المعنوی، کتاب الاشارہ الی علم العبارہ، کتاب القواعد والبیان، کتاب نصائح الذکریٰ، کتاب ریاض الذکریٰ، کتاب الخوذ الواقیہ والقوذ الراقیہ، کتاب الجود والعواقب، کتاب سالک الادکار فی مسالک الافکار وغیرہ یادگار سے ہیں۔ ۵۶۵ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر بن عقال صقلی محدث :۔ اساتذۂ حدیث میں شیخ ابوبکر محمد النعالی متوفی ۳۸۰ھ، شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد (۳۹۲ھ) تھے۔ ابوبکر صقلی ابوالقاسم کے معاصر تھے۔ ابوعبداللہ محمد بن عباس انصاری نے ان سے علمِ حدیث بھی حاصل کیا۔

ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر تمیمی لغوی :۔ علم حدیث کے لئے مصر وغیرہ

کا سفر کیا۔ ابوذر عبد بن احمد ہروی صالح بن رشدین مصری وغیرہ سے علمِ حدیث کی تحصیل کی۔ وطن لوٹ کر درس جاری کیا۔ ابن القطاع کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ ۵۰۰ھ تک بقیدِ حیات تھے[1]

ابوبکر عتیق بن علی بن داؤد سمنطاری :۔ عالمِ اسلامی کی سیاحت کی۔ علمِ حدیث سے شغف تھا۔ علماء اور صوفیاء کی صحبتیں اُٹھائیں۔ واپسی پر تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ فقہ و حدیث میں عمدہ تالیفات کیں۔ ۲۲ ربیع الآخر ۴۶۴ھ میں وصال ہُوا۔

ابوبکر بن محمد سابق :۔ مکہ گئے، ایک محدثہ کریمہ بنت احمد مروزی سے بھی حدیث کی تحصیل کی۔ پھر اندلس گئے، غرناطہ میں اقامت اختیار کر کے وہاں درس جاری کیا۔ ابوبکر بن عطیہ اور ابوالحسن علی بن احمد مقری وغیرہ نے ان سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ ۴۹۳ھ میں مصر میں انتقال کیا۔ امام مالکؒ کی مؤطا کی شرح المسالک کے نام سے اُن کی یادگار ہے۔

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن موسیٰ تمیمی :۔ حدیث کی تحصیل کے لئے عراق کا سفر کیا۔ عبداللہ بن محمد مبارکی اور حفص بن عمر سے تلمذ اختیار کیا۔ تلامذہ ابوعلی حسین اور ابوالحسن القتی اور تصوف شیخ الطائفہ جنید بغدادی اور شیخ ابوالحسن نوری سے حاصل کیا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

ابوبکر صقلی فرضی :۔ مالکی شیخ الحدیث تھے۔ قابسی ان کے شیخ الحدیث ہیں۔ سمنطاری اور ابن یونس متوفی ۴۵۱ھ تلامذہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ علمِ فرائض میں بڑا درک رکھتے تھے۔

ابوبکر ابن العباس :۔ علوم کی تحصیل ابومحمد بن ابی زید سے کی۔ صقلیہ کے فقیہ اعظم تھے۔ ان کے شاگرد فقہ میں ابوبکر بن یونس متوفی ۴۵۱ھ تھے۔

---

[1] اخبار الحکماء قفطی [2] ریاض النفوس ص ۱۸۸۔

ابو بکر بن محمد بن حسن بن علی ربعی فقہائے قریہ جرجنت سے تھے۔ فن فقہ علمائے عصر سے تحصیل کر کے افریقیہ گئے۔ اسکندریہ میں قیام کیا۔ وہیں ۵۲۷ھ میں انتقال کیا۔

ابو بکر محمد بن احمد بن ابراہیم المعلم صوفی شیخ ابو یونس نصیر المتعبد (۴۰۳ھ) کے حلقے کے تھے۔ تمام عمر عبادت اور مجاہدہ میں گزار دی۔

ابو بکر احمد بن محمد بن ابی یحییٰ قرشی المتعبد کے لقب سے ملقب تھے۔ شیخ ابو ہارون اندلسی سے فیوض حاصل کئے۔ زیادہ حال ان کا نہ میسر آیا۔

ابوالحسن علی بن مفرج بن عبدالرحمٰن:۔ وطن سے حجاز گئے مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہوئے حکومت نے عہدۂ قضاء پر ممتاز کیا۔ اس کے ساتھ درس و تدریس تھا۔ محمد بن ابی سعید اسفرائنی اور حافظ ابوذر عبد بن احمد مالکی، ان کے شیوخ خدمت اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبدالوارث شیرازی وغیرہ تلامذہ سے تھے۔ ان کی وفات ۴۷۲ھ میں ہوئی۔

ابوالحسن احمد بن عبدالرحمٰن ابن الحصائری۔ کبار فقہاء میں شمار تھا اور حدیث میں بھی درک تھا۔ ابو محمد بن ابی زید و ابوالحسن بن بکرون سے تلمذ تھے۔ اصحاب درس سے تھے ۴۵۱ھ تک زندہ رہے۔

ابوالحسن علی شیخ بن حمزہ صقلی:۔ شیخ ابو طاہر محمد بن علی بن محمد شافعی بغدادی سے تلمذ تھا تصوف سے لگاؤ تھا۔ ۴۹۴ھ میں اندلس گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن علی معروف بابن الخیاط ربعی: ممتاز شعراء میں سے تھا دولت کلبیہ کا درباری شاعر تھا۔ اکثر والیان صقلیہ کی شان میں قصیدے لکھے۔ تاج الدولہ اس کا بڑا قدردان تھا۔ تائید الدولہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا اس کا یہ شعر نمونہ کے طور سے پیش ہے۔

لا تفرحن ولا تحزن لنائبۃ　　علیک بالخیر او بالشر لم یدم

۱؎ تاریخ صقلیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۸۔

ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن ابن ابی البشار بلنوتوی (بلنوبہ) علم نحو و عروض کا عالم تھا۔ اصنافِ ادب پر کامل عبور تھا۔ صقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ جہاں امامِ نحو مشہور ہُوا۔ شاعری میں بھی اس کی شہرت تھی۔ عمر بن یعیش اس کا شاگرد تھا۔ ۵۱۳ھ تک زندہ تھا۔ خزرجی نے اس کا مجموعۂ اشعار مرتب کیا۔

ابوالحسن علی بن حسن بن حبیب لغوی:۔ علمائے لغت و ادب سے تھا۔ یاقوت نے معجم الادباء میں اشعار نقل کئے ہیں۔

ابوالحسین بن جبان مہدوی:۔ یہ نارمنوں کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

متطلع لذوی السریٰ من کاسہ　　　بنجو یکون الی الصباح دلیلا

(ترجمہ) اس کے جام سے رات کے مسافر کے لئے ایسا ستارہ طلوع ہُوا جو صبح کی دلیل تھا)

ابوحفص صقلی:۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لوانی معروف بہ حزقی شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ آپ کے ذریعہ صقلیہ میں حدیث کی اشاعت ہوئی۔[1]

ابوحفص عمر بن خلف بن مکّی شیخ الحدیث تھے۔ فن لغت میں تبحر کا درجہ رکھتے تھے۔ ۴۶۲ھ میں ٹیونس چلے گئے اور محکمہ قضا اُن کی سپردگی میں ہُوا اور امامِ جمعہ بھی تھے، وہیں آپ کا وصال ہُوا۔

ابوالعباس قلوری محمد بن عمرو بن عباس اکابر محدثین میں شمار کئے گئے یہ تحصیل علم کے لئے بصرہ آئے۔ امام حدیث علی بن مدائنی کے جوار میں اقامت اختیار کی۔ یعقوب بن اسحاق خوفی سعید بن عاجز ضبعی محدثین سے حدیث حاصل کی۔ ان کے تلامذہ میں امام ابوداؤد، مورخ محمد بن جریر طبری، ابوبکر بزار، ابوبکر بن صدقہ، سعید بن عبداللہ مہرانی، محمد بن سلیمان باغندی محمد بن عباس، ابن احزم، ابوعرویہ ابن صاعد سے جلیل القدر محدثین تھے۔

---

[1] ترتیب المدارک جلد ا صفحہ ۳۸۰۔

ابولیث صقلی مہندسین میں صاحبِ کمال تھے۔ وطن سے اندلس چلا گیا۔ اشبیلیہ پہنچا۔ یہاں کی جامع اس کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی۔ اس عمارت کی تعریف اسکاٹ بھی کرتا ہے[1]

ابوالقاسم عتیق محمد بن حکیم تمیمی محدثین میں شمار ہوتا، تصوف میں غلو رکھتے تھے۔ کتاب الانساب سمعانی میں ان کا ذکر ہے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد بکر، علمائے عصر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے علمِ حدیث و فقہ میں درک حاصل تھا۔ قیروان کا سفر کیا۔ ابوالحسن علی بن محمد بن مسرور دباغ، حبیب بن نصر جزری وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی، پھر مصر گئے، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابراہیم بلخی، ابن زکریا رازی ہاشمی سے احادیث کی سماعت کی۔ ۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ ۳۶۸ھ سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

ابوالقاسم صقلی علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی، قیروان جاکر درسِ حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ ابوعبداللہ محمد بن عباس انصاری متوفی ۴۲۰ھ اور ابواصبغ بن موسیٰ ان کے ارشدِ تلامذہ سے تھے۔

ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ زجزفی ابن ابی الفرج مدلجی قاسم سرقوسی اور ابوالحفص صقلی جیسے اکابر حدیث سے حدیث کی تحصیل کی۔ درس و تدریس شغل قرار دیا۔ عمر طبعی پاکر انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حداد:۔ ابن الحکار کے معاصر تھے۔ فقہائے صقلیہ میں شمار تھا۔ اپنے معاصرین میں توقیر و منزلت سے دیکھے جاتے۔ صاحبِ فتویٰ تھے۔ ان کی فقہی تالیف کا پتہ نہ چلا اور تاریخِ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

اسمٰعیل بن خلف صقلی کا نام ابوطاہر اسمٰعیل بن خلف بن سعید بن عمران ہے، تذکرہ نویس ابن خلکان ان کے متعلق لکھتا ہے: "کان اماماً فی علوم الادب و

---

[1] اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۲۰۳۔

متقنا لفن القرأت "

دینی علوم کی تحصیل کے لئے مصر گئے۔ مفسر قرآن علی بن ابراہیم الحوفی سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر وطن لوٹ کر درس و تدریس میں لگ گئے مگر آخر میں اندلس گئے پھر مصر گئے اور وہیں ۴۵۵ھ میں انتقال کیا۔ کتاب العنوان فی القرأت، کتاب الاکتفاء فی القرأۃ، کتاب اعراب القرآن وغیرہ۔ یہ کتابیں یادگار سے ہیں ۔

ابو الفتح زیان صقلیہ کا رہنے والا تھا۔ علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ ۴۴۵ھ میں والی طرابلس کے پاس چلا گیا جہاں طرابلس الغرب کی فصیل اس کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی ۔

ابو عبداللہ محمد بن عیسٰی الصقلی الفقیہ کے متعلق قفطی متوفی ۶۴۶ھ لکھتا ہے:

"صقلیہ کے اربابِ علم میں تھے۔ علومِ ہندسہ و نجوم میں ماہر تھے "[۵]

ابو الفضل بن احمد وابق علمِ ہندسہ کا ماہر تھا۔ اپنے فضل و کمال سے عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا۔

قاضی اسد بن فرات شہید :۔ قاضی اسد کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ والد کا نام فرات تھا۔ دادا سنان کے نام سے مخاطب تھے۔ ان کا خاندان بنو سلم بن قیس کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ آبائی وطن نیشاپور تھا۔ فرات ترکِ وطن کر کے حران آئے۔ یہیں قاضی اسد ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ فرات ۱۴۴ھ میں محمد بن اشعث کی فوج کے ساتھ افریقہ آئے۔ قیروان میں اقامت اختیار کی۔ پھر یہ گھرانا ٹیونس چلا گیا۔ وہاں اسد نے علومِ عربیہ کی تحصیل شروع کی۔ علی ابن زیاد سے علمِ حدیث و فنِ فقہ حاصل کیا اور مؤطا امام مالک ان ہی سے پڑھی ۔

۱۷۲ھ میں مدینہ پہنچ کر امام مالک کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور مؤطا پڑھ کر عراق گئے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی اور اسد بن عمرو کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ امام محمد اُن کے ساتھ خصوصیت برتتے تھے۔ ان کی سفارش سے

---

[۵] اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۱۸۹ ۔

ولی عہد امین الرشید تک رسائی ہوئی اور اُس نے اسد کو زادِ راہ قیروان کے سفر کرنے کے لئے عطا فرمایا۔ مصر روانہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن قاسم کی فیوض سے مستفید ہوئے اور اسدیہ کی تدوین شروع کر دی۔ ابن قاسم سے روزانہ مسائل فقہ کے سوالات کرتے۔ وہ جو جوابات دیتے اسد سوال وجواب دونوں کو بہ ترتیب لکھ لیتے۔ ابن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے اُن پر احادیث سے استدلال لاتے، قیاس و رائے سے جوابات کی صحت کے ثبوت فراہم کرتے۔ غرضیکہ ساٹھ جزوں میں سوال و جواب مدون ہو گئے۔ یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے پہلی ہے۔ اسد ۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان واپس آئے اور درس و تدریس کا آغاز کیا۔ موطا اور اپنی تالیف اسدیہ کا درس دیتے۔ صدہا علماء فیض یاب ہوئے۔ امام سعفون اور اسد میں چشمک علمی تھی۔ انھوں نے ترکیب سے اس کی نقل حاصل کی اور ابن قاسم سے مل کر کچھ مسائل میں صحت کرالی اور اس کو المدونۃ الکبریٰ کے نام سے شہرت دی۔

ایک زمانہ تک اسد قیران کے عہدۂ قضاء پر ممتاز رہے۔ پھر صقلیہ فتح کرنے تشریف لے گئے۔ تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے ۲۱۲ھ میں قاضی اسد نے صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا اور صقلیہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی ۲۱۳ھ میں ایک معرکہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا [1]

امام مازری:۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن عمر تیمی معروف بہ امام مازری، صقلیہ کے شہر مازر میں ان کا خاندان تھا۔ یہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی علوم کی تکمیل کے لئے مہدیہ (افریقہ) گئے۔ ابومحمد بن عبدالحمید سوسی اور علامہ لخمی سے علوم کی تحصیل کی۔ ابن خلکان لکھتا ہے "یہ اُن اکابرین میں ہیں جن کی طرف حدیث کے حافظہ اور علم کلام میں ماہر ہونے کی وجہ سے انگلیاں اٹھائی جاتی تھیں [2] وہ ارباب فضل میں سے تھے۔

---

[1] معالم الایمان جلد ۲ صہ ۲ تا صہ ۱۳ و دیباج المذہب صہ ۹۸۔ احسن التقاسیم مقدسی صہ ۲۳۷۔

[2] ابن خلکان جلد ۲ صہ ۲۱۶۔

مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ امام کی بہ کثرت بلند پایہ کتابیں مختلف علوم میں ہیں۔ مسلم کی شرح کتاب المعلم ان کی مشہور ہے۔ دوسری تعلیقات بر روایت جوزقی ہے۔ المعلم کے شائع ہوتے ہی قاضی عیاض صاحب شفا متوفی ۵۴۴ھ نے امام سے اس کی روایت بالاجازہ کی سند منگائی۔ ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی شرح لکھی ہیں۔ ان کا مفصل حال تاریخ صقلیہ جلد دوم میں ہے۔ محمد بن تومرت مہدی آپ سے شرف تلمذ رکھتا تھا۔ ۳ ربیع الاول ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔

ابو محمد عبدالکریم صقلی :۔ علم ہندسہ کا بڑا ماہر تھا۔ مصر پہنچا، مصر کے وزیر المامون متوفی ۵۱۹ھ قاہرہ میں رصدگاہ تعمیر کر رہا تھا۔ دیگر مہندسین کے ساتھ یہ بھی شریک کیا گیا۔ مگر الآمر باحکام اللہ فاطمی نے یہ سلسلہ مامون کے مرنے کے بعد ختم کرا دیا[1]

ابو محمد صاحب الخمیس :۔ ان کا شمار محدثین میں ہے۔ اصولِ فقہ و فرائض کے بڑے ماہر تھے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے:

"یہ فقیہ، متکلم، اصولی، فاضل اور اپنے وطن میں شہرت رکھتے تھے"۔

بقیہ زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

ابو محمد عبدالجلیل بن مخلوف :۔ محدثین صقلیہ سے تھے۔ ان کے شیخ حدیث عبدالملک بن حسن صقلی اور شاگردوں میں شیخ ابو محمد عبدالقادر قروی مشہور ہیں۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ۵۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابو محمد بن محمد صقلی :۔ کنیت ابوبکر تھی۔ پورا نام محمد بن محمد بن ابی الفضل مغیث بن عبدالرحمٰن بن مجاہد تھا۔ علمِ حدیث اور فقہ کے بڑے عالم تھے۔ برع فی الفقہ کہے جاتے تھے۔ صقلیہ میں آپ کے ذریعہ حدیث و فقہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تاریخ وفات کا پتہ نہ چلا۔

ابو محمد بن صمنہ :۔ صقلیہ کے مشہور شاعر تھے اور فقہ میں ید طولیٰ تھا۔ ہمعصر

---

[1] خطط مصر مقریزی جلد ا صفحہ ۲۰۶۔

شعراء سے چشمک رہتی تھی۔ فقیہ عیسیٰ بن عبدالمنعم سے شاعرانہ نوک جھونک رہتی۔ ابن صمنہ نظم کا جواب نظم میں دیتے۔ آپ کے علم وفضل کے علماء معاصرین معترف تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

ابو محمد عبداللہ بن مبارک:۔ شیوخ وقت سے تھے۔ علم وفضل کے ساتھ تصوف سے دلی لگاؤ تھا۔ عابد وزاہد، قائم اللیل وصائم النہار مشہور تھے۔ رشد وہدایت آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ کی صحبت میں اصحابِ حال وقال شریک ہوا کرتے۔

ابو محمد عمار بن منصور کلبی:۔ صقلیہ کے وُلاۃِ کلبیہ کے خاندان سے امیر کبیر تھے۔ مختلف علوم کے ماہر، شعر گوئی میں صاحبِ کمال تھے۔

تقول لقد رأیت رجال نجد وما ابصرت مثلك من یمان

ابو محمد عبدالمعطی بن محمد:۔ وطن سرقوسہ تھا۔ علمائے عصر سے اکتسابِ علم کیا۔ علوم معقول بالخصوص منطق میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فنِ منطق میں ان کے کثیر التعداد شاگرد تھے۔ صقلیہ میں معقولات کی ترویج آپ کی ذات سے ہوئی۔

ابو محمد عبداللہ بن محمد تنوخی معروف بابن قاضی میلہ:۔ باکمال شاعر تھے۔ ثقۃ الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ ابن خلکان نے ثقۃ الدولہ کی شان میں جو قصیدہ اُن کا اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، فصیح وبلیغ کلام ہے۔

ابو محمد عبدالسلام بن ابراہیم:۔ اصلی وطن صقلیہ تھا۔ ان کے بزرگ مراکش میں مقیم ہوگئے۔ والی ابوالفارس عبدالعزیز بن ابوالحسن کے دربار سے یہ منسلک تھے۔ دیگر علوم کے ساتھ فنِ طب میں بڑی شہرت تھی۔ فنِ جراحت میں ان کا ایک رسالہ ہے۔ ۵ رجمادی الاولی ۷۲۲ھ میں وفات پائی۔

ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ بن عبدالمنعم مہندس:۔ شعر وشاعری سے ذوق رکھتا تھا۔ انشاء پردازی کی شہرت تھی۔ امرائے صقلیہ کی عمارات کی تعمیر میں آپ کی کارفرمائی کو دخل ہے۔

حجۃ الدین ابن ظفر:۔ ابو عبداللہ محمد بن ابی محمد بن ظفر صقلی، علومِ قرآن وادب

میں امتیاز رکھتے تھے۔ حجۃ الدین لقب تھا۔ اسلاف مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ ۵۶۵ھ میں حماۃ میں وفات پائی۔ التفسیر الکبیر، کتاب ینبوع الحیات فی تفسیر الذکر الحکیم وغیرہ کثیر التعداد کتب یادگار سے ہیں۔

خلف بن عبداللہ صقلوی: چھٹی صدی کے علماء میں سے ہیں۔ درس تدریس شغل تھا۔ شمالی افریقہ میں مزار ہے۔ سال وفات ۵۲۲ھ ہے۔ علم نحو میں انکی شہرت ہے۔

دعامہ بن محمد: علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ امام سحنون کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ افریقہ کے فقہاء میں شمار تھا۔ اغالبہ کے دور حکومت میں صقلیہ کے عہدہ قضاء پر سرفراز ہوئے۔ داد و انصاف کی شہرت تھی۔ عبادت گذار تھے۔ ۲۹۷ھ میں وطن میں واصل بحق ہوئے۔[1]

قاضی رشید بن احمد قاسم: وطن اصلی صقلیہ تھا۔ علمائے عصر سے علوم کا اکتساب کیا۔ افضل کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ انہیں شعر و سخن سے دلی لگاؤ تھا۔ فی البدیہہ کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ افضل کے دربار سے تعلق تھا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی۔

سعد بن فتحون بن مکرم: قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ منصور عامری کے عتاب میں آگیا۔ کچھ عرصہ قید میں رہ کر صقلیہ چلا آیا۔ علوم لسانیہ میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ علم عروض میں مختصر و مطول کتابیں تصنیف سے ہیں۔ صقلیہ ہی میں انتقال کیا۔

شرف الدین صقلی: ابوعبداللہ کنیت، محمد بن ابی بکر عبدالرزاق شرف الدین نام تھا۔ ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم قرآن کی تحصیل الکمال ابوالحسن علی بن شجاع العباسی، المعین ابوالعباس احمد بن ابی الفضائل جعفر بن محمد بن عبدالحق المالکی سے مصر میں کی۔ بیشتر وقت درس و تدریس میں گزرا۔ نورالدین علی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ فن قرأت کے ماہر تھے۔ تمام عمر زہد و تقویٰ میں گزاری۔ مستجاب الدعوات تھے۔ آخر عمر میں قاہرہ چلے گئے تھے وہیں وصال ہوا۔

---

[1] تاریخ مغرب ابن عذاری صفحہ ۲۲۲۔

شریف ادریسی:۔ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبداللہ معروف بہ شریف، افریقہ کے سادات کے شاہی خاندانِ ادریسی سے تعلق تھا۔ ۴۹۳ھ میں سبتہ میں پیدا ہوئے۔ قرطبہ جاکر علوم کی تحصیل کی۔ ادب اور علومِ عقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ پھر سیاحت پر کمر باندھی۔ ان کی علمی شہرت دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ راجر دوم نے صقلیہ مدعو کیا۔ یہ وہاں پہنچے۔ راجر نے بڑی تعظیم و توقیر کی اور ان سے فرمائش کی کہ ایک کرۂ ایسا تیار کردیں کہ زمین کی ہئیت وصورت کا صحیح اندازہ ہوسکے اور چار لاکھ درہم وزن کی ایک نقرئی اینٹ ان کے حوالے کی۔

ادریسی نے قدیم اصول ہیئت کے مطابق آسمان کی شکل کے چند دائرے چاندی کے بنائے اور انہیں طبق درطبق پیوست کرکے کرہ کی شکل میں تیار کرایا جو مختلف طبق افلاک کے مثل تھے۔ پھر زمین کے لئے ایک دوسرا مدور کرہ تیار کیا۔ اس کے بعد آسمان کے دوائر میں مختلف افلاک ستارے اور سیارے دکھائے گئے اور زمین کے عظیم الشان سانچہ پر دنیا کے تمام شہروں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں وادیوں اور ان کے نشیب و فرازکی تصویریں اتاری گئیں۔ اس کا قطر تقریباً چھ فٹ اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ من تھا۔[1]

راجر نے ادریسی کو بہت کچھ انعام واکرام سے نوازا۔ اس کے بعد مستقل طور سے ادریسی صقلیہ میں رہنے لگے۔ پھر راجر کے کہنے سے ایک صاحبِ علم جغرافیہ دانوں اور مصوروں کی جماعت لے کر سیاحت کے لئے روانہ ہوئے۔ مشرق ومغرب، شمال وجنوب کی سیر کی، مقامات کی تفصیل لکھی۔ اہم عمارات وغیرہ کی تصاویر بنوائیں۔

پندرہ برس میں یہ علمی سفر طے کرکے صقلیہ لوٹے۔ انہی جغرافی معلومات سے "نزہۃ المشتاق فی افتراق الآفاق"، کتاب لکھ کر راجر دوم کے نام معنون کی۔[2]

---

[1] تاریخ صقلیہ جلد ۲ صد ۳۹۴ [2] اخبار الاندلس جلد ۲ صد، وغیرہ۔

اس کتاب کے بعد روض الانس و نزہتہ النفس یا کتاب الممالک والمسالک لکھی[1]۔
صقلیہ میں ۵۶۰ھ میں ادریسی نے وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

شہاب الدین بن عبد الحق:۔ معاصر علماء سے اکتساب علم کیا۔ بالخصوص علم نحو میں مشہور تھے[2] شغل درس و تدریس تھا۔

طاہر بن محمد بن رقبانی:۔ اسلامی عہد میں ان کے ادب کی شہرت تھی علم لغت کے ماہر تھے۔ ان کی شعروشاعری کی عام شہرت تھی۔ اہل علم دور و نزدیک سے آکر استفادۂ علمی کیا کرتے تھے قفطی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن محمد بلیشری:۔ صقلیہ کے شہر بلیشر کے رہنے والے تھے علوم قرآن میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ علمائے معاصرین میں قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ کچھ عرصہ درس تفسیر بھی دیا۔ ان کی وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

عبداللہ بن حمدون کلبی:۔ صقلیہ کے قدیم اہل علم سے تھے۔ امام سحنون کے شاگرد تھے۔ انہی سے حدیثیں روایت کیں۔ ان کا مذہب مالکی تھا۔ ۳۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

عبدالرحمٰن بن رمضان:۔ صقلیہ کے قاضیوں کے خاندان سے تھے۔ ذی علم شعراء میں شمار تھا۔ راجر دوم کے دربار سے تعلق تھا۔ قصیدہ گوئی ان کا مشغلہ تھا۔ آخرش صقلیہ کی خاک کے سپرد ہوئے۔

عثمان بن علی بن عمر خزرجی انصاری السرقوسی:۔ ابن فحام اور ابن بلیمہ سے قرآن مجید پڑھا۔ پھر مصر گئے مسجد جامع عمرو بن العاصؓ میں وسیع حلقۂ درس قائم کیا۔ اس کے ساتھ علماءِ مصر سے استفادۂ علمی کیا۔ حافظ سلفی ہمعصر تھے۔ ابو محمد بن بر النحوی اور ابو البقی صالح بن عادی العذری الانماطی تلامذہ سے تھے۔ کتاب مخارج الحروف یادگار سے ہے۔ تاریخِ وفات کا پتہ نہ لگا۔

عمر بن خلف بن مکی:۔ ابو حفص کنیت تھی، فقہائے صقلیہ سے تھے۔ فن

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ترجمہ ادریسی [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ا۔صفحہ ۱۸۹۔

انشا و خطابت میں ملکہ تھا۔ ٹیونس کے عہدۂ قضاۃ پر فائز رہے۔ شاعری سے بھی ذوق تھا۔ فنِ لغت میں ان کی کتاب تثقیف اللسان ہے[۱]

عمر بن علی بن عمر سرقوسی کو علم نحو و لغت میں بڑی مہارت تھی۔ صاحب تالیفات ہیں۔

عمر بن صقلی:۔ قیروان میں عمر گزاری۔ علم ادب کا ماہر تھا۔ ابوالفضل یوسف معروف بابن نحوی کا ہمعصر تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

علی بن عبدالرحمٰن کو علم نحو و عروض میں کمال حاصل تھا۔ اصنافِ ادب و شعر و شاعری سے بھی مناسبت رکھتا تھا۔ آخر عمر میں صقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ وہیں پیوند خاک ہوا۔

فخر الدین محمد بن محمد کنیت شیخ ابو عبداللہ تھی۔ شافعی مذہب رکھتے تھے۔ علم فقہ کی تحصیل شیخ قطب الدین سنباطی سے کی۔ زہد و ورع اور صلاح و تقوے میں شہرت رکھتے تھے۔ دمیاط (مصر) کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ کچھ عرصہ مصر کے قائم مقام والی رہے۔ التنجیر فی تصحیح التفجیر آپ کی یادگار ہے۔ ۱۷ ذیقعدہ ۷۲۷ھ کو مصر میں وفات پائی[۲]

قاسم سرقوسی:۔ قدیم محدثین میں شمار ہے۔ ان کے تلامذہ میں ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن محمد لواتی معروف بہ جرقی کا نام تذکروں میں آتا ہے۔ مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔

قاضی ابو عمرو میمون کا نام صقلیہ کے محدثین میں آتا ہے۔ ابو مصعب زہری اور امام سحنون کی روایات ان کے واسطہ سے صقلیہ پہنچیں۔ ابوالعرب ان کے تلامذہ سے تھے۔

قرشی صقلی:۔ ابوالعرب مصعب بن محمد بن ابوالفرات قرشی صقلیہ کا نامور صاحبِ دیوان شاعر تھا۔ ۴۲۳ھ میں بلرم میں پیدا ہوا۔ علمائے عصر کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس میں کمال حاصل کیا۔ صقلیہ سے باہر اندلس تک اس کے شعر و سخن کی شہرت تھی۔ امیر المعتمد فرماں روائے اشبیلیہ نے

---

[۱] کشف الظنون جلد ۲ صد ۲۸ [۲] طبقات الشافعیہ سبکی جلد ۶ صد ۳۱۔

تا دِ راہ بھیج کر مدعو کیا مگر وطن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب نارمن ظالموں کا تغلب و استیلاء ہُوا تو گھر بار چھوڑ کر اشبیلیہ پہنچا اور امیر المعتمد کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو گیا۔ ۵۰۸ھ تک زندہ رہا۔ دیوانِ مصعب کے نام سے اس کے کلام کا مجموعہ ہے[1]

محمد بن عبدون سوسی :۔ مغرب کے نامور شعراء میں سے تھا۔ ثقۃ الدولہ کے عہد میں صقلیہ آیا اور ایک مدحیہ قصیدہ اس کی شان میں پیش کیا۔ اس نے قدردانی کی اور اپنے لڑکے تاج الدولہ کے مصاحبین میں داخل کیا۔ ابن عبدون ادبِ مجلسی سے واقف تھا۔ تاج الدولہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ جب وہ صاحبِ اقتدار ہُوا تو اس کا بھی اعزاز بڑھا۔ صقلیہ میں ہی انتقال ہُوا۔

محمد بن خراسان :۔ ابو عبداللہ محمد بن خراسان مقری کے لقب سے ملقب تھے۔ نشوونما صقلیہ میں ہوئی۔ علم کی تحصیل کی خاطر مصر گئے۔ وہاں امام المقرئین ابوجعفر النحاس متوفی ۳۳۸ھ اور ابن منظفر بن احمد بن حنبل بن ہمدان سے علومِ قرآن اور حدیث کا درس لیا اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں لگ گئے۔ چھہتر سال کی عمر میں ۳۸۶ھ میں فوت ہُوئے۔[2]

محمد بن علی ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر محدّث :۔ علم نحو و لغت میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن القطاع ان کا شاگرد تھا۔ باقی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

نصرون بن حسین خزری :۔ تلمذ ابن القطاع سے تھا۔ علمِ لغت کے ماہر تھے۔ زیادہ حال ان کا میسّر نہ آیا۔

---

[1] تاریخ صقلیہ حصہ دوم [2] احسن التقادیم مقدسی صفحہ ۲۳۸۔

(۱۰)

سلاطینِ ہند

(جلد اوّل)

جس میں سندھ کی پہلی مہم، سلاطینِ لنگا اور سلطان محمود غزنوی کے عہد سے لے کر سلطان سکندر لودھی کے زمانے تک کے حالات و واقعات جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخ ہندو

شط العرب کی وادی سے ہی بابل ونینوا متعلق تھے۔ یہیں اوّل تہذیب و تمدن کے آئین مرتب ہوئے اور پہلی شہنشاہی قائم ہوئی۔ اس کے بعد مصر و ہند کی تہذیب و تمدن کی تہذیب پڑی۔ تاریخی حیثیت سے نمایاں حقیقت ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ رہی ہے جو اپنی تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے ایک درجہ اُمم قدیمہ میں رہتی ہوگی۔ چنانچہ حالات کا بڑا حصہ پردۂ خفا میں رہا ہے۔ مسلمانوں نے گو اپنے دور میں بہت کچھ قدیم حالات جمع کر دیئے۔ مگر یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ مغرب جسے عہدِ حاضر میں اپنی ترقی علم و حکمت پر ناز ہے اور جو اپنی تحقیق و تنقید کے زعم باطل پر ہر غیر معلوم شئے کو احاطۂ علم میں لے آنے کا مدعی ہے۔ اس وقت تک ہندوستان کو اس سے زیادہ نہ سمجھ سکا کہ وہ ایک غیر شائستہ آبادی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام مشرق جہل و تاریکی کا گہوارہ ہے۔

اہلِ مغرب کو یہاں سوائے عجوبہ پرستی کے کچھ نظر نہ آیا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ لکھی بھی تو اپنے ملک کے ناول نویس اور افسانہ نگاروں اور بے تکے سفرناموں کی وساطت سے لکھی۔ یہاں کی تاریخوں سے جو کچھ اخذ کیا وہ مصائب تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ پر جو نظر ڈالی وہ صحت سے دور اور مسلمانوں کے عہد کو پیش کیا تو بھیانک صورت میں۔

یہاں کی ہند و مسلم تہذیب پر تمسخر کیا گیا۔ یہاں کے حکمران طبقہ کو خونخوار ثابت کیا کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے جذبات سفاکی و بے رحمی سے بریز تھے۔ ان کے چاروں طرف تملق و خوشامد کرنے والے درباری تھے۔ رعایا کو تباہ کرتے خزانہ بھرتے تھے۔ لہو و لعب، سیر و تفریح یا حرم کی اندرونی زندگی پر بے دریغ

دولت صرف کرتے تھے۔ درباریوں سے اپنی زمین بوسی اور جبہ سائی کراتے تھے۔ وہ اگر شراب کے نشہ سے چونک پڑتے تھے تو سوائے جور و ظلم کے ان کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ نہ ان کے پاس دماغ تھا نہ دل، نہ وہ سوچ سکتے تھے۔ اس کے سوا روحانیت سے انہیں سروکار ہی نہ تھا۔ غرضیکہ سلاطین ارتقائے ذہنی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھتے تھے کہ علوم و فنون کی طرف توجہ دیتے۔ نہ ان کو ملک کی فلاح و بہبود کا خیال تھا۔ الغرض وہ جہل و غرور، بے دردی و بے رحمی کے زبردست مجسمہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن کیا وہ شخص جس نے صحیح معنی میں ہندوستان کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے اس خاکہ میں کسی جگہ اصلی خط و خال کی جھلک پا سکتا ہے اور کیا یورپ کا عدم علم یا اس کا تعصب ایک حقیقت اور صداقت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ صداقت شعاری کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں کے سلاطین اگرچہ اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ نہ تھے۔ نہ ان کی خلفائے راشدین کی سی زندگی تھی اور ان میں بعض جفا پیشہ بھی تھے۔ تاہم وہ مجموعی طور پر اصولِ معدلت پر کاربند ضرور تھے اور کلیتہً مطلق العنان نہ تھے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ

"حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی"

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت، جوتش مشہور ہیں۔ رشی منی اپنی راہبانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو ان سے کچھ باتیں حاصل کیں۔ مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصور، دختر کشی، ستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم اور اخلاقی قدریں، عام تعلیم، مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے رہنے سہنے، کھانے پینے، لباس، تواضع و مدارات اور تہذیب کے دوسرے پہلوؤں میں تکلف و تجمل اور آسائش کی نئی نئی ایجادوں کی بدولت یہاں کے تمدن کی سادہ تصویر میں نہایت دلکش اور دیرپا

رنگ بھرے۔ سیاح ابن حقل اور شاہ بربر کی تحریرات سامنے ہیں۔

سلاطینِ ہند کی تاریخ کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ انھوں نے ہند پر قبضہ کیا۔ فتوحات کے دور میں یہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچی۔ مگر اس کی تلافی ان میں زہ کم بس کہ بہت کچھ کی۔ مقامی حکمرانوں میں انتشار تھا جس کو اپنے زیر نگین لا کر ملکی وحدت قائم کی۔ تہذیبی معیار بلند کیا اس بداہت سے انکار سفاہت ہے۔

ہمارا موضوع اس جگہ صرف سلاطینِ ہند کے تاریخی واقعات پیش کرنا ہیں۔ اور سلاطین کی سیرت اور اُن کی ملکی خدمات اور رواداری تہذیبی و علمی ترقی میں ان کے مساعی کیا تھے وہ دکھانا ہیں۔ فتوحات کے ساتھ مفتوحہ قوم اور رعایا سے کیسا ان کا سلوک رہا اور ان کو کس ادنیٰ درجہ کا پایا تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ ہندوستان میں تعلیم صرف برہمن طبقہ کے لئے محدود تھی۔ مگر سلاطین نے ہی عوام میں چاہے چھتری ہو یا راج پوت یا شودر ہر ایک کے لئے تعلیم پانے کی راہیں کھول دیں جس کی نظیر پاکستوں کا وجود ہے۔ جنھوں نے فارس میں وہ قابلیت کے جوہر دکھلائے جس کی مثال کم ملے گی۔ جو ہند کے باشندے فاتحین کے ہاتھ لگے وہ اسلامی ممالک میں پہنچے۔ اُن کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی کہ وہ علومِ دینی کے امام کہلائے۔ آگے یہ تمام تفصیلات ملاحظہ سے گزریں گی۔

انتظام اللہ شہابی
اکبر آبادی

عربوں کی آمد کی برکات

اسلام کے دورِ اوّل میں عہدِ حضرت عمرؓ میں ایک مہم آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد عرب تاجروں کے قافلے اور مبلغ ہندوستان آئے۔ مالابار اور کالی کٹ، سراندیپ وغیرہ کی سرزمین نے خیر مقدم کیا، یہاں بس گئے۔ ان کی سادگی، خلوص اور بلند اخلاقی نے ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ دیانت اور عمل و کردار کی عمدگی کا شہرہ ہندو راجاؤں تک پہنچا۔ ایک راجہ نے بھی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کرا کر سنا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان علاقوں میں اسلامی خیالات اور تہذیب و دیانت کی بنا پڑی۔ اس سے بڑھ کر یہاں کی اقوام میں فہم و ادراک کی وسعت اور علوم و فنون سے لگاؤ پیدا ہونے لگا۔

مسلمانوں سے پہلے علم کی ٹھیکیدار برہمن تھے۔ عربوں نے بلا امتیاز ذات پات تحصیلِ علم اور ترقی فنون کا ذوق پیدا کر دیا۔ جو لوگ یہاں کے مسلمان ہوئے وہ علم کے ایسے متوالے ہوئے کہ وطن کو چھوڑ کر علمی مرکزوں میں پہنچے۔ بہت سے وہ تھے جو عرب وطن جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تعلیم و تربیت مثل اولاد کے کی۔ مؤرخین کوتاہ بین ان کو غلام قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ عربوں نے نئی پود کو لے جا کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہاں بے نام و نشان رہتے تھے مگر آج وہ تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ رجال کے کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں۔

ابو معشر نجیح السندھی گو سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ عربوں کے ساتھ سندھ سے عرب گئے اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ فن مغازی و سیر میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الفن کہلائے۔ صدہا شاگرد بنا ڈالے۔ ۱۷۰ھ میں وفات پائی تو خلیفہ ہارون الرشید

نے اس نومسلم سندھی کی نمازِ جنازہ پڑھی [۱]

ان کے صاحبزادے ابو عبدالملک محمد تھے۔ ممتاز اہلِ علم میں شمار تھا۔ خلیفہ مہدی نے مدینہ سے بغداد بلا لیا ۱۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

امام اوزاعی جو ائمہ اسلام سے ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-

"ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا۔ ۱۵۶ھ میں وفات پائی"

ابو محمد خلف بن سالم سندھی متوفی ۲۳۱ھ ابو العباس فضل بن سکین بن سمت سندھی، ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی، ابو العطا سندھی ادیب، ایسے کثیر التعداد سندھی تھے جو عربوں میں رہ کر ممتاز علماء میں شمار کئے گئے۔ ایسے ہی یہاں کے لوگ فنِ ادب میں بھی صاحبِ کمال تھے۔ شاعری میں بھی اپنے اُستادوں کے ہم پایہ بن گئے۔

چنانچہ ابو تمام نے ابو عطا کے حماسہ میں عربی اشعار نقل کئے ہیں۔ سندھی بن شاہک بغداد پہنچے اور وہاں رہ پڑے۔ ان کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا جو عربی کا مشہور شاعر تھا۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ السندھی، ایک سندھی غلام تھے۔ تعلیم پاکر "الفصیۃ المتکلم" مشہور ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملکی مذہب ترک کر کے آغوشِ اسلام میں آکر صاحبِ فضل و کمال بن گئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عربوں کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر بھی بڑا اثر پڑا کہ دیکھا دیکھی علم سے ذوق رکھنے لگے اور سندھ سے بغداد گئے اور خلفاء بنی عباس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جو علمی سرمایہ لے کر گئے تھے اس کی قدردانی کی۔ فہرست ابن ندیم میں ہند کی ان علمی یادگاروں کا ذکر محفوظ ہے۔

غرضیکہ عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی روایات کو برقرار رکھا۔ اب ہم عربوں کی مہموں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] تذکرہ الحفاظ جلد ا صفحہ ۱۷۱ [۲] کتاب الانساب سمعانی ص ۳۱۴۔

عہدِ فاروقی میں سندھ پر پہلی مہم

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ۱۵ھ میں خلیفہ راشد عمرؓ بن الخطاب نے عثمان بن ابو العاصی ثقفی کو بحرین و عمان کا والی بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا۔ عمان پہنچ کر ایک لشکر تانہ کی جانب بھیجا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لکھا۔

"اے ثقیف کے ناتجربکار نوجوان تو نے کیڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا۔ بیشک میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔"

اور عثمان نے حکم کو بروص کی جانب بھی روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن العاصی کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا۔ دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی اور اس نے فتح حاصل کی اور کامرانی سے واپس آیا[1]

عہدِ عثمانی میں سندھ پر مہم

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا اور اس کے پاس یہ حکم لکھا کہ وہ سرحدِ ہند کی جانب کسی ایسے شخص کو بھیجے جو وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور واپس آکر خلیفہ کو خبر دے تو عبداللہ نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا۔ جب حکیم ہند سے واپس گیا تو اسے حضرت عثمانؓ کے پاس عبداللہ نے بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے ہندوستان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو حکیم نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! میں نے وہاں کے حالات سے بہت اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہے اور خوب تحقیقات کی اور وہاں کے لوگوں

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۴۴۔

کو آزمایا ہے۔ آپ نے فرمایا تفصیلی حالات بیان کرو۔ حکیم نے کہا۔ ہندوستان میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں ردّی ہیں اور وہاں کے لٹیرے دلیر ہیں۔ اگر لشکر کم ہو تو تباہ ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے فرمایا تو حالات بیان کرتا ہے یا تک بندی کرتا ہے۔ کہا نہیں حضور صحیح حالات بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہاں کسی کو لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا۔

عہدِ علی مرتضیٰؓ میں سندھ پر مہم

جب ۳۸ھ کا آخر اور ۳۹ھ کا آغاز ہُوا تو حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں حارث بن مرہ عبدی بہ نیت ثواب رضا کارانہ طور پر حضرت علیؓ کی اجازت سے سرحد کی جانب سے روانہ ہوا۔ چنانچہ اس نے فتح و ظفر حاصل کی اور بہت کچھ مالِ غنیمت اور قیدی اُس کے ہاتھ لگے۔ چنانچہ اُس نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے۔ پھر علاقہ قیقان (قلات) کی طرف بڑھا۔ وہاں مقابلہ سخت رہا۔ اس میں حارث اور اس کے تمام ساتھی بجز چند آدمیوں کے قتل ہو گئے۔ ۴۲ھ میں یہ واقعہ ہُوا۔ قیقان خراسان کے متصل سندھ کے مشہور شہروں میں سے ہے اب پاکستان میں ہے۔

عہدِ امیر معاویہؓ میں سندھ پر مہم

حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۴۴ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ نے حملہ کیا اور بنہ اور الاہوار تک آیا۔ یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں دشمن اس کے مقابل ہُوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی مگر وہ ناکام رہے۔ بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دُم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انہوں نے مہلب سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے ؎

(ترجمہ) کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں ازدیوں پر شبخون

مارا گیا وہ مہلب کے لشکر کے بہترین سپاہی تھے۔"

عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا اور کہا جاتا ہے کہ خود امیر معاویہؓ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔ پھر عبداللہ امیر معاویہؓ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے اور کچھ عرصہ اُن کے پاس قیام کیا۔ پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے ؎

"ابن سوار بہرحال مہمانی کی آگ کو روشن کرنے والا اور بھوک پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔"

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا۔ اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مطبخ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتا اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی۔ ایک رات اُس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

زیاد ابن ابی سفیان نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی۔ یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدانِ جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی پر طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور مکران کو بزورِ شمشیر فتح کیا اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنا دیا اور وہیں قیام اختیار کیا اور تمام بلادِ سندھ کا نظم و نسق قائم کیا۔ اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔ ؎

"میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی ہے جن کو وہ مہر بھی نہیں پہنچاتے یقیناً آسان ہوگئی مجھ پر ابن مجبق کی قسم جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے سنہری زیورات کو بلند کیا، نمایاں کیا۔"

یعنی ان عورتوں کی حسین گردنوں اور زیورات کو دیکھ کر آخر دم تک لڑنا اور قسم کو پورا کرنا ہمارے لئے آسان ہوگیا کہ اگر ہم بھاگ گئے تو یہ دشمن کے ہاتھ پڑیں گی۔ عرب عورتوں کو میدانِ جنگ میں ہمراہ رکھتے تھے جس کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس شخص نے مکران فتح کیا وہ حکیم ابن جبلہ عبدی تھا۔ پھر زیاد نے سرحد سندھ پر قبیلہ ازدمن سے راشد بن عمر کو گورنر بنایا۔ چنانچہ راشد مکران آیا۔ پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح پائی۔ پھر قوم مید سندھ کے بحری قزاقوں پہ حملہ کیا۔ اسی حملہ میں قتل ہوگیا اور سنان بن سلمہ نے فوج کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر زیاد نے اس کو سرحد ہند کا گورنر بنا دیا۔ دو سال تک یہاں قیام کیا۔ اعشی ہمدان نے مکران کے بارے میں کہا ہے تو مکران جاتا ہے بے شک وہاں جانا اور آنا بہت بعید یعنی دشوار ہے۔ مکران میرا مقصد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی لڑائی ہے اور نہ تجارت، مجھ سے وہاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں مگر میں وہاں گیا نہیں۔ تاہم اس کے ذکر سے خوف زدہ رہتا ہوں۔ حالات یہ ہیں کہ زیادہ آدمی وہاں بھوکے مر جائیں اور تھوڑے آدمی وہاں مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔

عباد بن زیاد نے سرحد سندھ پر سجستان کی جانب سے حملہ کیا۔ چنانچہ سناروز آیا پھر وہاں سے عوی کھر پر روز بار تک اور علاقہ سیستان میں ہند مند تک قبضہ کرلیا۔ پھر کش میں اترا اور وہاں سے ریگستان کو طے کرکے قندھار آیا۔ اہلِ قندھار سے لڑا اور ان کو شکست دی اور میدانِ جنگ سے بھگا دیا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد قندھار فتح کرلیا۔ عباد نے اہلِ قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اس نے اسی جیسی ٹوپیاں پہنیں۔ اس وجہ سے ان کا نام

عبادیہ رکھا گیا۔ ابن مضرغ نے کہا ؎

"گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے پیروں کے نشان ہیں اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں پڑی ہیں۔ کاش کہ وہ دفن کئے جاتے، قندھار میں' اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہو گی اس کی خبریں اٹکل سے بیان کی جائیں گی۔ یعنی اتنی دور جا کر زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا بہت دشوار ہے۔"

پھر زیاد نے منذر بن جارود عبدی کو جس کی کنیت ابو الاشعث تھی سرحد ہند کا گورنر بنایا۔ اس نے بوقان اور رقیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، مالِ غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے ان کے شہروں میں پھیلا دیئے اور قصدار کو فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا تھا مگر اہلِ قصدار نے عہد شکنی کی تھی اس لئے دوبارہ فتح کیا۔ قصدار ہی میں منذر نے وفات پائی۔ ایرس شاعر کہتا ہے ؎

"منذر قصدار میں اترا اور وہیں قبر میں رہ گیا۔ واپس جانے والوں کے ساتھ واپس نہیں گیا۔ قصدار اور اس کے انگوروں کے باغ بھی کس قدر خوش نصیب ہیں۔ دین و دنیا کے کیسے اچھے نوجوانوں کو انھوں نے اپنے آغوش میں چھپا لیا۔"

پھر عبید اللہ بن زیاد نے ابن قری باہلی کو والی بنایا اور سرحد ہند پر روانہ کیا۔ اللہ پاک نے بلادِ سندھ اس کے ہاتھ پر فتح کئے اور اس نے وہاں بہت سخت لڑائیاں لڑیں اور فتح وظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالا مال ہوا۔ مؤرخین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ عبد اللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حری اس کے فوجی دستوں پر سردار تھا۔ ابن حری کے بارے میں شاعر کہتا ہے ؎

"اگر بوقان میں میری نیزہ بازی نہ ہوتی تو ابن حری کی فوجیں لوٹ کا مال لے کر واپس نہ آتیں۔"

عہدِ عبدالملک

جب حجاج بن الحکم ابن ابی عقیل ثقفی عبدالملک کی جانب سے عراق کا والی ہُوا تو اُس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس کی سرحد ہند کا گورنر بنایا جب سعید مکران پہنچا تو معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہو گئے۔ علاف کا نام ربان بن حلوان بن عاف بن قضاعہ ہے۔ قضاعہ قبیلۂ جرم کا جدِّ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سعر تیمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے یہاں آکر جنگ کی اور مالِ غنیمت حاصل کیا اور قندابیل کے بہت سے گروہوں، حصّوں کو بھی فتح کیا۔ پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی۔ مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پا گیا۔ شاعر کہتا ہے

"جس کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہُوا اسی کا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہے
کیونکہ تُو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔

پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہارون نمری کو مکران پر حاکم بنایا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرہ یاقوت سرندیپ کے بادشاہ نے حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بطور تحفہ بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئی تھیں اور ان کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا تھا اور اس نے اُن کے ذریعہ حجاج سے تقرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب کشتی میں یہ عورتیں سفر کر رہی تھیں اس کو دیبل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا اور کشتی کو معہ سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا۔ ان میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا حجاج کہہ کر آواز دی۔ حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو اُس نے بے ساختہ کہا یا لبیک! ہاں میں آیا۔ اور فوراً سندھ کے راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو تو دریائی ڈاکوؤں نے پکڑا ہے

جن پر میرا قابو نہیں، آپ ہی ان کی خبر لیں۔ حجاج یہ سُن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے عبیداللہ بن نبہان کو معہ مختصر سپاہ کے دیبل پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ عبیداللہ اس مہم میں قتل ہو گیا۔ پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو جو حاکم عمان تھا حکم لکھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے۔ لیکن جب وہ جزیرۂ یاقوت[1] پہنچا اور دشمن سے مقابلہ ہُوا تو اس کا گھوڑا بدکا اور اس کو گرا دیا۔ دشمن نے اس کو گھیر لیا اور مار ڈالا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا۔ ادھر عبدالملک ۸۶ھ میں فوت ہُوا اور ولید بیٹھا۔

عہدِ ولید بن عبدالملک

حجاج نے ولید بن عبدالملک سے اجازت لے کر اپنے چچازاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت شیراز میں تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ رَے چلا جائے اور فوج لے کر سندھ پر حملہ آور ہو۔ محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابوالاسود جہم بن زحر ثقفی کو سردار کیا۔ چھ ہزار سپاہی شام کے لشکر سے اور ان کے علاوہ بہت سے کار آزمودہ لوگ اس کے لشکر کے ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کہ سُتلی اور سُوئی بھی اس کے لئے مہیا کی گئی اور دھنی ہوئی روئی لی اور پُرانے انگوری سرکہ میں اسے ڈبو دیا اور پھر سایہ میں خشک کیا اور محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے تو اس رُوئی کو پانی میں بھگو لینا۔ پھر اس سے روٹی لگا کر کھانا سرکہ کا کام دے گا۔ عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے۔

محمد بن قاسم شیراز سے چل کر مکران پہنچا۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر فنزپور آیا اس کو فتح کیا۔ پھر ارمائیل پہنچا اسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہارون بن ذراع محمد بن قاسم

---

[1] جزیرہ یاقوت اس لئے کہتے ہیں کہ سعان کی عورتیں خوبصورت ہوتی تھیں (فتوح البلدان)

سے آملا اور لشکر میں شامل ہو گیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوا۔ مگر ارمائیل کے قریب ہی اس کا انتقال ہو گیا اور قنبل میں دفن کر دیا گیا۔ پھر محمد بن قاسم ارمائیل سے روانہ ہوا۔ جہم بن زحر جعفی اس کے ہمراہ تھا۔ جمعہ کے روز دیبل پہنچے اور وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر براہ سمندر فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیبل پر اترتے ہی لشکر گاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی۔ خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیئے اور ان پر پھریرے اڑا دیئے اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا۔ عروس (عروسک) نامی منجنیق نصب کی گئی۔ اس منجنیق میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔

دیبل میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس بدھ کے مندر کے برج پر ایک لمبی بلی لگی ہوئی تھی۔ اس بلی پر ایک سرخ جھنڈا تھا۔ یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تو تمام شہر کو گھیر لیتا اور گھومنے لگتا۔

انتظام برید تیسرے روز حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے[1] اور محمد بن قاسم کے خطوط اس جانب کے حالات اور طریق کار کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ :-

"جہاں اترو وہاں گرد خندق کھود لیا کرو اور اکثر شب بیدار رہو۔ ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعا کرو اور ذکرِ حق کرتے رہو۔ عروس نامی منجنیق کو مندر کی سیدھ میں نصب کرو اور اس کا ایک پایہ جو مشرقی جانب ہے چھوٹا کرو تاکہ دوسری جانب بڑا ہو جائے اور پتھر بہت اونچا پھینکا جا سکے اور عروس کے چلانے والے کو بلاؤ اور حکم دو کہ اس بلی کو تاک کر نشانہ لگائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔"

---

[1] تاریخ ہندوستان پہلی جلد صفحہ ۸۹۔

چنانچہ منجنیق کے چلانے والے نے ٹلی پر نشانہ مارا اور اس کو توڑ دیا۔ کفار اس سے بھڑک اُٹھے۔ پھر محمد بن قاسم نے ان پر چڑھائی کر دی۔ وہ بھی جوش میں آکر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مقابلہ ہُوا محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ میدان سے بھگا دیا اور انہوں نے قلعہ میں جا کر دم لیا۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیوں کے لگا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگا دی گئیں اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ سب سے پہلے چڑھنے والا اہلِ کوفہ میں سے قبیلہ مراد کا ایک شخص تھا۔

سنہ ۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزور شمشیر فتح ہو گیا۔ تین روز تک برابر محمد بن قاسم مسلح اور جنگجو اہلِ قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے بھاگ گیا۔

محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم کیں۔ ایک مسجد تعمیر کی۔ چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور دیبل کو عساکر اسلامیہ کے لئے ایک فوجی مرکز بنا دیا اور اس کے بعد ہارون ابن ابو خالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ قتل کر دیا گیا۔

مورخین نے بیان کیا کہ محمد بن قاسم دیبل سے نیرون آیا۔ اہلِ نیرون نے اس سے قبل اپنے دو سادھو حجاج کے پاس بھیجے تھے اور صلح کر لی تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم کے لئے رسد مہیا کی اور اس کو شہر میں لے گئے۔ سالانہ زرِ صلح بھی ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس شہر سے گزرتا تھا اسی کو فتح کر لیتا تھا حتیٰ کہ دریائے سندھ کے ورے جو نہر تھی اسے عبور کیا۔ یہاں پہنچ کر سربیدس کے سادھو آئے اور باشندگانِ سربیدس کی جانب سے صلح کر لی اور ان پر خراج مقرر کیا اور وہاں سے سہبان کی جانب روانہ ہُوا اور اس کو فتح کیا۔ پھر دریائے سندھ کی جانب رُخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اُترا۔ داہر کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کیں۔

محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب ثقفی کو سوار فوجی دستوں کے ساتھ سدوسان

(سیوستان) بھیجا۔ اہلِ سدوسان نے امن اور صلح طلب کی۔ سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کی خدمت انجام دی۔ چنانچہ محمد بن مصعب نے ان کو امن و امان دی اور ان پر خراج مقرر کیا اور بغرضِ اطمینان ان سے کچھ معزز آدمی بطور ضمانت طلب کئے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے ساتھ فوج میں شامل ہو گئے اور سدوستان پر ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیر کی۔ کیونکہ داہر نے سارے پُل اُٹھا لئے تھے۔ چنانچہ راسل کے علاقہ کے پاس خود پُل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ راسل ہندوستان کے علاقہ قصہ کچھ کا بادشاہ تھا۔

داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل بے پرواہ تھا۔ آخرکار محمد بن قاسم اور عساکرِ اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا۔ داہر ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ اس کے چاروں طرف تھا۔ ٹھاکر راجپوت بھی بہت بڑی تعداد میں اس کے ہمراہ تھے۔ دونوں فریق ایسی سخت لڑائی لڑے کہ اس سے پہلے ایسی لڑائی کبھی نہیں سنی گئی تھی۔ یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہو گیا اور خوب جان توڑ کر لڑا۔ لڑتے لڑتے شام کے وقت ۱۰ رمضان المبارک ۹۳ھ کو قتل ہو گیا۔ مدائنی کی روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک شخص تھا۔ اس نے اس موقع پر یہ شعر کہے:

"فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں کہ بے شک میں نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں دشمنوں کی صفوں کے پرے کے پرے توڑ دیئے حتیٰ کہ تلوار لے کر خاص ان کے بادشاہ کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ بغیر تکیے کے رخساروں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیا۔"

داہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروص بھڑوج میں بنا ہوا تھا اور بدیل بن طہفہ کا مجسمہ قندبیل میں ہے اور اس کی قبر دیبل میں ہے۔ علی بن محمد مدائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالفرج نے بیان کیا کہ جب داہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام

تمام بلاد سندھ پر غالب آگیا۔ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حصن طائی ہے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے راور کو بزور شمشیر فتح کیا۔ قلعہ راور میں داہر کی بیوی پناہ گزین تھی اس کو خوف ہوا کہ وہ پکڑا نہ جائے لہٰذا اُس نے خود کو مع اپنی لونڈیوں اور تمام مال و متاع کے جلا کر ستی ہو گئی[1] پھر محمد بن قاسم پرانے برہمن آباد آیا۔ یہ منصورہ سے دو فرسخ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی جگہ جھاڑیاں تھیں۔ داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمن آباد میں تھی۔ لہٰذا انہوں نے محمد بن قاسم سے سخت جنگ کی۔ بالآخر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کو بزور شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار فوجی سپاہیوں کو قتل کیا اور کہا جاتا ہے کہ چھبیس ہزار۔ پھر اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا۔ محمد بن قاسم برہمن آباد سے راور اور بغرور کے قصد سے روانہ ہوا۔ راستہ میں اہلِ ساوندری آکر ملے۔ انہوں نے امان کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے ان کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور رہبری کی ان سے شرط کی یعنی جس وقت عساکر اسلامیہ اس طرف سے گزریں تو ان کی رسد کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی رہبری کرنا ان کے ذمہ ہے۔

اہلِ ساوندری آج کل مسلمان ہیں۔ پھر بسمد کی طرف بڑھا۔ اہل بسمد نے بھی اہل ساوندری کی طرح ان ہی شرائط پر صلح کی۔ محمد بن قاسم بڑھتے بڑھتے راور تک پہنچ گیا۔ یہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے اور ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ چند ماہ تک اہل راور کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار اس شرط پر بطور صلح فتح کیا کہ محمد بن قاسم نہ تو ان کو قتل کرے گا اور نہ ان کے مندر سے تعرض کرے گا۔

مصنف کہتا ہے کہ یہ بدھ مذہب کا عبادت خانہ ہے بالکل اسی طرح جیسے عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے کنیسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے۔ اہلِ راور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴۔

خراج مقرر کیا اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکہ سکھر کی جانب روانہ ہُوا۔ یہ دریائے بیاس کے ورے ایک شہر ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ اہلِ ملتان نے اس سے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ مشرکین کو میدانِ جنگ میں شکست ہوئی تو بھاگ کر شہر میں گھس گئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔

محمد بن قاسم نے اہلِ ملتان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ مسلمانوں کے توشے سامانِ خورد و نوش ختم ہو گئے۔ جب کچھ نہ رہا تو گدھے ذبح کر کے کھا گئے۔ آخر کار ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہلِ ملتان جو پانی پیتے تھے اس کے داخل ہونے کی جگہ راستہ سے آگاہ کیا۔ یہ نہر نہر بسمد سے آتا ہے اور شہر کے اندر بڑے حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کو تلاح تلاؤ کہتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستے کو پاٹ کر بند کر دیا۔ جب وہ پیاسے مرنے لگے تو اُنھوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا اور بدھ مندر کے پجاری جو چھ ہزار تھے گرفتار کر لئے اور بہت سے سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہ تمام اموالِ غنیمت ایک کوٹھڑی میں جمع کئے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی۔ اس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہُوا تھا۔ تمام اموال جو اس میں امانت رکھے جاتے سب اسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے۔ اسی لئے ملتان کا نام فرج بیت الذہب سونے کی کوٹھڑی کی سرحد پڑ گیا۔ فرج بمعنی سرحد۔ ملتان کا بدھ مندر اتنا بڑا مندر تھا کہ اس کے لئے اموال کے تحفے لائے جاتے تھے۔ منتیں مانی جاتی تھیں۔ اہلِ سندھ اس کے حج کے لئے آتے تھے طواف کرتے تھے۔ سر اور ڈاڑھیاں اس کے پاس منڈاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بُت اس کے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مؤرخین نے کہا ہے کہ حجاج نے اس جنگ کے آمد و خرچ کا حساب لگایا تو

معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ ہزار چھ کروڑ درہم محمد بن قاسم پہ خرچ کئے اور بیس اور سو ہزار دو ہزار بارہ کروڑ اس کو وصول ہوئے، تو اس نے کہا ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا۔ یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا اور ساٹھ ہزار چھ کروڑ اور دا ہر کا سر نفع میں رہا۔

۹۵ھ میں حجاج کا انتقال ہو گیا تو محمد بن قاسم کے پاس اس کی وفات کی خبر آئی۔ لہٰذا ملتان ہی سے رادر اور بغرور کی جانب واپس چلا۔ ان دونوں مقاموں کو پہلے فتح کر لیا تھا۔ یہاں آکر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا۔ انہوں نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی۔ یہ سرست آج کل بصرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے۔ یہاں کے باشندے میدا بحری قزاق ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا تو دوہر پسر داہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی اور دوہر بھاگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا۔ اہلِ شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ محمد بن قاسم نے حسبِ دستور مقاتلین کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے ؎

> "ہم نے داہر اور دوہر دونوں کو قتل کر ڈالا۔ درانحالیکہ سواروں کے گروہ کے گروہ ہلاک ہو رہے تھے"

۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور سلیمان بن عبدالملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبدالرحمٰن کو عراق کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید ابن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ پر تو یزید نے محمد بن قاسم کو معاویہ بن مہلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا[1] تو اس وقت محمد بن قاسم نے یہ شعر اپنے حسبِ حال پڑھا ؎

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۶۶۔

"دو لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا، مگر افسوس انہوں نے لڑائی کے دن اور سرحد کے استحکام کے لئے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو ضائع کیا"

اہلِ ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت روئے اور کیرج میں اس کا مجسمہ بنایا۔

صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت محمد نے یہ شعر پڑھے ؎

"اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل دست بزنجیر طوق در گلو ہوں تو اس پر افسوس نہیں کیونکہ میں نے بہت سے نوجوان سواروں کو اپنی ہیبت سے خوف زدہ کر دیا ہے اور کتنے ہی اپنے ہمسروں کو میدانِ جنگ میں مقتول چھوڑ دیا ہے"

اور یہ اشعار پڑھے ؎

"اگر میں مقابلہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتا تو بہت سی عورتیں اور مرد جو لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے تھے وہ پامال کر دیئے جاتے اور نہ سکسکی گھوڑے ہمارے علاقے میں داخل ہوتے اور نہ کوئی عکی مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں مزونی غلام کا تابع ہوتا اے شرفاء کو تباہ کرنے والے زمانہ تیرا بُرا ہو"

صالح بن عبدالرحمٰن نے خاندانِ ابوعقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا۔ اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا[۱] آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا۔ خارجی المذہب تھا۔[۲] حمزہ بن بیض حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات

---

[۱] محمد بن قاسم کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کے بجائے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو جانشین کرنا چاہا۔ قتیبہ بن مسلم اور حجاج نے ولید کی رائے کی تائید کی۔ اس سلسلہ میں حجاج نے قاسم کو خط لکھا۔ یہ تجویز پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج مر گیا اس کے سات ماہ بعد ولید فوت ہوا سلیمان نے جو ولید کے ہمنوا تھے ان کو قتل کرا دیا، اس لپیٹ میں قاسم بھی آیا طبری جلد ۸ صفحہ ۱۲۷ میں تفصیل ہے۔

[۲] الکامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۵۹ و تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۱۳۸۔

پھر یہ شعر پڑھا ہے ؎

"بے شک مروت، رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے لئے مخصوص تھیں سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی تعجب ہے یہ سرداری پیدائش سے کسقدر قریب ہے"۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

"سترہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی جبکہ اس کے ہم سن اس سرداری سے غافل کھیل کود میں مصروف تھے"[1]

فاتح سندھ کی رواداری

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فاتحانہ سرگرمی اور مجاہدانہ کارنامے تفصیلی بیان کئے جا چکے۔ اس جگہ اس کے کردار اور اس کی رواداری کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ بج رائے حاکم سیوستان پر ابن قاسم حملہ کرنے بڑھا۔ بج رائے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ اہل شہر نے کہا:۔

"مسلمانوں کا مقابلہ مناسب نہیں، صلح و آشتی سے کام لیجئے۔ مسلمان صلح کی درخواست کو رد نہیں کریں گے اور وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ لہٰذا کشت و خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے"۔

چنانچہ راجہ داہر کے برادر زادہ بج رائے نے اپنا خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ اس وقت مسلمان باجماعت نماز میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر جاسوس واپس آیا اور راجہ سے کہا یہ لوگ اس قدر متحد اور متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ بج رائے مرعوب ہو کر رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔

جس روز راجہ داہر مارا گیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام کئے گئے مگر دوسرے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری صہ ۴۴۴ -

ی روز فاتح سندھ نے اعلان کرایا :۔

"جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہو گا۔"

برہمن آباد جب فتح ہوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے لگے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کرا دیا اور اس کا یہ سلوک رہا کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگانِ شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر، دوکاندار اور اہلِ حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے ان کو رہا کر دیا اور کہہ دیا کہ جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، نہ جان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے بت خانے نودھار میں بُت کے آگے سجدہ میں پڑے ہیں۔ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مندر ہے۔ اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہ بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد اعلانِ عام کر دیا :۔

"اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں۔"

ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا۔ مؤرخ کا بیان ہے :۔

مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہلِ شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے روکا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بنا کر حجاج بن یوسف

نے بھیجا تھا۔ تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم وجور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلے میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتح دیبل کی خوشخبری سُن کر حجاج نے لکھا تھا۔

جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال وخزائن کو بہبودِ رعایا اور رفاہِ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشت کاروں، کاریگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوشحالی وفارغ البالی سے ملک آباد وسرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں، کہیں یہ لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے؟ ملک اور رعایا کے ساتھ رفق وملاطفت کی کیسی دل نشین تاکید ہے۔"

محمد بن قاسم جب نیروں میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

"اہلِ نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ کس مقام کے اکابر تمہاری ملاقات کو آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام واکرام سے سرفراز کرو۔ عقل وقول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہو۔"

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں جو ایک ذمہ دار کا فریضہ ہوتا ہے۔ ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک وقوم کی فلاح وبہبودی سے متعلق ہیں یا ان میں ملک اور قوم کا جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے۔ اخلاق واعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم وجور اور بربریت کی طرف۔ سیوستان کی فتح کی خوشخبری معلوم کرکے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے یہ ہدایت پہنچی کہ:-

"جو کوئی تم سے جاگیر وریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو

قبول کرو۔ امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں اول مدارو درگذر اور محبت، دوم سخاوت و انعام، سوم دشمنوں کی مزاج شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شجاعت‘ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو۔“

محمد بن قاسم دریا پار ہو کر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہوا تو حجاج بن یوسف کا ہدایت نامہ ملا :۔

”پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہو گے۔ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ، گورنر جنرل اور وزیر اعظم تمہارا انتظام و اہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو۔ جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں ان کو ضرور امان دو۔ لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو۔“

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

”برہمن آباد کی فتح کے بعد پجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شکوہ پیش کیا کہ مسلمان سپاہیوں کے خوف سے ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں۔ ہماری آمدنی کم پڑ گئی ہے۔ ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہنچا ہے اس کی مرمت اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ لہٰذا آپ ان مندروں کی اپنے

اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ بے خوف وخطر مندروں میں آکر پوجا کریں۔"

محمد بن قاسم نے جواب دیا :۔

"تمہارے مندر کا تعلق شہر الور سے ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں ہے میں کیسے دخل دوں ؟"

پجاریوں نے کہا۔

"اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔"

محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی ۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کرلی ہے۔ لہٰذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزادی حاصل ہے ۔

غرضیکہ یہ تھی محمد بن قاسم کی رواداری کی مختصر داستان۔ اب محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کے حالات بیان کئے جاتے ہیں ۔

یزید بن ابی کبشہ سکسکی والی سندھ کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے امن وامان کو نقصان پہنچا ۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں ابن مہلب کو معزول کرکے عمرو بن مسلم باہلی کو امارت سندھ پر بھیجا اور یہاں کے اصلی باشندوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے بھیجے جس سے سمجھدار لوگ بے حد متاثر ہوکر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا ۔

اس کے بعد آل مہلب نے خلافت سے بغاوت کی ۔ اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھاکر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ وداغ ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا مگر ہلال بن احوذ تمیمی کی سرکردگی میں خلیفہ کا لشکر آیا جس نے آل مہلب سے مقابلہ

کر کے اُن کا خاتمہ کیا۔

سنہ ھ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بجائے جنید بن عبدالرحمٰن المری کو یہاں کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے امان طلب کر کے اور اجازتِ حکمرانی لے کر برہمن آباد کو اپنا پائیہ تخت بنا کر حکومت کرتا رہا۔ جنید سے اس کے تعلقات بگڑ گئے جس کی وجہ سے دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ مارواڑ گجرات گیا۔ پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا۔

سنہ ۱۱۱ھ میں باب خلافت کی طرف سے جنید صوبہ خراسان کا والی بنا دیا گیا اور سندھ کی حکومت تمیم بن زید علتی کے ہاتھ میں آئی مشہور شاعر فرزدق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔

تمیم کامیاب حکمران ثابت نہ ہو سکا۔ جلد فوت ہو گیا جس سے ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی تو سندھ کی عنانِ حکومت عارضی طور پر دوبارہ جنید کے سپرد کر دی گئی۔ وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر انتظامی حالت سندھ کی روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ آخرش والیٔ عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلبی امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر محفوظہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کو سندھ میں اسلامی حکومت کا پائیہ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا۔ امن و امان قائم کرنے کے لئے مہمیں بھیجیں جس سے ملک میں نئے سرے سے امن و امان قائم ہو گیا۔ فتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے شہر منصورہ کی بنا ڈالی جو آخر میں اسلامی حکومت کا پائیہ تخت بنا۔

سنہ ۱۲۱ھ، سنہ ۷۳۸ء یا سنہ ۱۲۲ھ، سنہ ۷۳۹ء میں حکم ایک لڑائی میں کام آیا۔ عراق کی حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ سندھ کی حکومت محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس کے دَور میں بغاوتوں کو فروغ حاصل ہوا مگر وہ اپنی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ باغیوں کو شکست دی۔ اسی اثناء میں آل مہلب نے مروان بن یزید بن مہلب کی سرکردگی میں پھر سر اُٹھایا۔

مروان قتل کیا گیا۔ جس کے بعد یہ فتنہ بھی رفع ہُوا۔ اس اثناء میں خلافتِ دمشق پر ہشام کی جگہ ولید آیا۔ اس نے ہشام کے والیوں کو معزول کیا اور ۱۲۵ھ، ۷۴۲ء میں عمرو بن ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ ڈور یزید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس دَور میں دار الخلافت انقلابات کی آماجگاہ رہا۔ یہاں تک کہ اموی خلافت کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دُور دُور کے صوبوں میں پہنچ چکے تھے، چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گُل ہُوا۔

منصور بن جمہور کلبی جو دارالخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہُوا سندھ تک آپہنچا تھا، ۱۳۰ھ میں ابن عرار کے مقابلہ کر کے اس کو قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت سندھ میں قائم کرلی۔

عہدِ بنی عباس

منصور بن جمہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے۔ منصور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابیل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں معروف ہو گیا۔ اس زمانہ میں خلافتِ عباسیہ کی طرف سے ابومسلم خراسانی مشرقی ممالک کا نگران تھا۔ اس نے سندھ کی ولایت کے لئے ابومسلم عبدالرحمٰن بن مسلم مفلس عبدی کو مامور کیا۔ وہ فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منصور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ یہ سُن کر منصور خود آگے بڑھا۔ منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہُوا۔ مغلس عبدی کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر ۱۳۳ھ میں قتل کیا گیا۔ ابومسلم خراسانی نے یہ رُوداد سُن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے منصور کو شکست دی۔ وہ فرار ہوا اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دے دی۔ اسطرح ۱۳۴ھ میں سندھ کی حکومت خلافتِ عباسیہ کے زیرِاقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیرِ سندھ تھا۔ کچھ دنوں یہاں مقیم رہا۔ فاتحانہ سرگرمی دکھائی اور اپنے بیٹے عینیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عینیہ کامیاب حکمران ثابت نہیں

ہُوا۔ ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہوگئی۔ قحطانی و نزاری قبیلے اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اُس نے سب کو قتل کرا دیا۔ پھر اُس کے خلاف بعض سازشیں بھی ہوئیں۔ بالآخر خلیفہ منصور عباسی نے ۱۴۳ھ میں عمر بن عتکی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عینیہ بغاوت پر آمادہ ہُوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیشقدمی کی اور امان دے کر منصورہ پر قبضہ کیا اور عینیہ کو گرفتار کر کے دارالخلافہ بھیج دیا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دورِ حکومت کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اسی کے عہدِ حکومت میں شیعی اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ ۷۵۹ء میں خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہُوا۔ مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا، خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہوسکی اس لئے یہ مبلغین موصل واپس چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر ابن النفس الذاکیہ مدعی خلافت سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی۔ اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون بنا۔ حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذاکیہ کی عقیدت سے پذیرائی کی اور رازداری کے ساتھ ان کو راجہ کے حدودِ حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے طریقہ کی تبلیغ میں مصروف رہے اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ میں خلیفہ المنصور عباسی کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہوگئے اس نے ان کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں سے دارالخلافت بھیجا گیا جو وہاں قتل کر دیا گیا۔

المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہوگئی مگر صورتِ حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جُرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس کے تدبر و

دانائی کا قائل تھا اس لیئے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا اور سندھ کی ولایت کا پروانہ ہشام بن عمرو ثعلبی کو دیا جس نے ۱۵۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

منصور عباسی نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر در پردہ یہ بھی سادات کا ہمنوا تھا۔ اس نے ان کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ مگر اس کے بھائی سفیح بن عمرو ثعلبی نے اچانک اُن کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام نے ان کے اہل و عیال اور محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الاشتر کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہشام ثعلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور بہروچ، ملتان اور گندھار کو قبضہ میں لایا۔ پھر وہ ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر وطن گیا اور وہیں فوت ہوا۔ سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا۔ اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رہی۔ چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحل گجرات سے آکر ٹکرائے۔ خلیفہ مہدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی نزاع کے سبب سے آیا تھا۔ اس بیڑے میں حضرت مولانا ابوحفص ربیع بن صبیح سعدی محدث بھی تھے جو سندھ آئے اور امامت پر مامور ہوئے جو ہند کی سرزمین میں آسودہ بخواب ہیں۔

"از تبع تابعین و کملائے محدثین است از حسن بصری و عطار روایت می کند عابد و مجاہد بود ۱۶۰ھ ملک سندھ رحلت فرمود۔" [۱]

سندھ کی ولایت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ چنانچہ ۱۵۹ھ میں روح بن

---

[۱] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳۔

حاتم جو والی مقرر ہو کر آیا اسی سال واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ بسطام بن عمر کو دی گئی مگر ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی ظاہر ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی والیٔ سندھ ہو کر آیا مگر وہ بھی اسی سال واپس بُلا لیا گیا اور سندھ کی زمامِ سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دی گئی جس نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا جو اس سے پہلے بھی بحری حملہ میں آچکا تھا مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا۔

پھر زہیر بن عباس اس عہدہ پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد مصبح بن عمر ثعلبی کے ہاتھوں میں سندھ کی ولایت سپرد کی گئی۔ اس دَور میں یہاں تمیمی و حجازی نزاع شباب پر پہنچ گیا تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں والی ہو کر آیا اور ۱۶۱ھ سے ۱۶۴ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے فوت ہُوا۔

خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی بدامنی کا دَور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی۔ خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی۔ ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کی خلافت کا دَور آیا۔ اس نے ۱۷۰ھ میں سالم یونسی کو والی بنا کر بھیجا۔ اس نے چار سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد ۱۷۴ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی آیا۔ وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحاق اس کا قائم مقام بنا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے طیفور بن عبداللہ بن منصور کو والی بنا کر بھیج دیا اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر بن اشعث طائی آیا۔ اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تو مزید بدامنی پیدا ہوئی۔ اس لئے عیسیٰ بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی مہم سپرد ہوئی۔ اس نے محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا

قائم مقام بنایا۔ اس نے سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رُخ کیا۔ وہاں بھی ناکام رہا تو عبدالرحمٰن یہاں کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ پھر ایوب بن جعفر بن سلیمان آیا۔ ان پے در پے ناکامیوں کے بعد ہارون الرشید کی نگاہِ انتخاب آل مہلب پر اُٹھی اور اس نے ۱۸۴ھ، ۸۰۰ء میں داؤد بن یزید بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی عنانِ حکومت دی۔

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی سخت گیریوں سے سندھ سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا۔ وہ تقریباً بیس سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا۔

۲۰۵ھ، ۸۲۰ء میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشیر کو یہاں کی سندِ ولایت بھیجی اور دس لاکھ درہم واڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا، مگر پھر خراج کا بھیجنا بند کر دیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ، ۸۲۶ء میں حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۳ھ، ۸۲۷ء میں عنان بن عباد صلیبی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر ۲۱۳ھ، ۸۲۷ء میں سندھ کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ یہاں کے معاملات کو یکسو کر کے وہ بشیر کو ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمک کو والی بنا کر بھیجا جو ۲۱۸ھ تک رہا۔ اس کے بعد عمران بن موسیٰ معتصم کے عہد میں آیا۔ واثق باللہ نے ۲۲۷ھ میں ایتاخ ترکی کو والی مقرر کیا۔ متوکل کے عہد میں ہارون بن ابی خالد مروزی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا مگر حجازیوں کے سرگروہ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر اقتدار حاصل کر لیا[۱] اور

---

[۱] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶ و عہدِ اسلامی کا ہندوستان صفحہ ۱۷۔

خالد کو قتل کرا دیا اور متوکل کو درخواست اپنی ولایت کے لئے دی۔ خلیفہ نے منظور کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ مگر حالات بگڑتے گئے۔ جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہمی دست و گریبان ہو گئے، حکومت کمزور ہو گئی۔ ہندو راجاؤں نے بہت سے علاقہ پر قبضہ جما یا۔ اب صرف دو حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ایک کا دارالسلطنت منصورہ تھا دوسری کا ملتان۔

حکومت ہباریہ اس حکومت کے حالات بیان کرنے سے پہلے عربی قبائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب خاندان سندھ میں آباد ہو گئے۔ جیسے بنو بنہ (ملتان میں) ہباری قریشی منصورہ میں بنو ثقیف (بھکرالور میں) ان کے علاوہ بنی تمیم آل مغیرہ۔ عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، اشعری، بنو اسد، بنو عتبہ سادات وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ صدیوں سندھ میں رہنے سہنے، شادی بیاہ کرنے سے ان کی اصل عربی معاشرت میں فرق آگیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہو گئے اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہو گئی۔ مثلاً مغیرہ مہے موریہ۔

ابتدائے عہد میں ولاۃ سندھ کی طرف سے زمین کے بڑے بڑے قطعات مثلاً صوبہ، تحصیل وغیرہ ان خاندانوں کو ٹیکس وصول کرنے اور انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے سپرد کئے گئے جس پر وہ نسلاً بعد نسل بطور وراثت قابض رہے۔ سندھ کی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے قریش کے ایک خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز ہباری مذکور الذکر ہوا جو ۲۴۰ھ میں سندھ کا خود مختار حاکم بنا اور تیس برس حکومت کر کے وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ تخت نشین ہوا۔

۲۷۹ھ میں ایک عام بلوہ ہوا جس میں صمہ جو بنو کندہ کا غلام تھا سندھ پر قابض ہو گیا۔ گو منصورہ پر عبداللہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس کے اقتدار سے باہر رہا۔ کیونکہ بنو سامہ کا خاندان جو عمان میں آباد تھا اس

کی ایک شاخ بنو بنہ ملتان میں بس گئی تھی۔ اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور ۲۹۰ھ میں بلا شرکت غیرے وہ ایک بڑی طاقت در اور وسیع سلطنت ہو گئی۔ غرض سندھ کے دونوں حصّوں پر دو قبیلے عرصہ دراز تک حکمران رہے۔

۲۷۰ھ میں جب فاطمی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو عبداللہ المہدی کی طرف سے داعی ابوالقاسم بن فرخ کا بھائی ہیثم نامی سندھ میں ان کا پہلا داعی بن کر آیا اور فاطمی حکومت کی دعوت میں مصروف ہو گیا[1]۔

عزیز باللہ خلیفہ (متوفی ۳۸۶ھ) کے عہد میں حلیم بن شعبان یا سیبان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے اچانک ۳۶۳ھ کے بعد ملتان پر قبضہ کر لیا[2]۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سندھ بلوچستان کے علاقے چونکہ بحرین وعمان اور یمن کے سواحل سے آمد ورفت اور تجارت کے ذریعے پیوستہ تھے۔ اس لئے عربی سواحل کے مذہبی وسیاسی اثرات سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں پر لازماً پڑتے رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سندھ کے سومرہ نام قبیلہ نے جس کی اصلیت پر پردہ پڑا ہوا ہے غالباً ۴۰۰ھ میں اسماعیلی دعوت قبول کر لی۔ ۴۰۱ھ میں محمود غزنوی نے جب ملتان کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو گمانِ غالب یہ ہے کہ یہ لوگ ملتان سے بھاگ کر منصورہ چلے آئے اور اچانک منصورہ کو ہباری خاندان سے چھین کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

۴۱۹ھ میں محمود غزنوی نے یہاں سے بھی ان کو بیدخل کر دیا۔ اب ملک میں کوئی مرکزی حکومت نہ رہی۔ لیکن چھوٹے بڑے زمیندار جن کو ہندوستانی عام طور پر رائے اور راجہ کہتے ہیں متعدد تھے، جن میں سومرہ کا خاندان سب سے زیادہ طاقت ور

---

[1] نزہتہ الافکار قلمی وموسم بہار جلد سوم صفحہ ۴۴، ۷۷، بمبئی۔

[2] موسم بہار جلد سوم کتاب الہند بیرونی۔

تھا۔ اس سبب سے مصر کے فاطمی امام نے اس کو سندھ کی مذہبی سرداری عطا کی اور شیخ کا خطاب عنایت کیا۔ یہ خاندان سندھ میں تقریباً دو سو برس سے باجگزار کی حیثیت سے ملک کے ایک حصے پر قابض تھا[1] جن میں سے اُن کے نامور اشخاص بھونرو، ہودل، بیلا ہیں سومرہ اوّل سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ہم عصر ہے اور چونکہ اُس نے سلطان سے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی اس لئے اپنی جگہ پر خاموش رہا۔

اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے پال بن سومرہ کو جو سلطان محمود غزنوی ۴۲۱ھ و ۴۲۳ھ) کا ہم عصر تھا دروزیوں (شام میں اسماعیلیوں کا ایک فرقہ) کے امام نے خط لکھ کر اُبھارا۔ غالباً اُسی وقت سے ملک کے تمام اسماعیلی خاندان سامرہ (سومرہ) کی معیت میں انقلاب کی کوشش میں لگ گئے اور دس برس کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی ۴۴۳ھ، ۴۴۱ھ کے عہد میں مرکزی سلطنت کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سومرہ دوم نے بمقام تھری ریگستان علاقے میں ۴۴۵ھ میں مطابق ۱۰۵۳ء ایک سلطنت قائم کی اور سندھ کے ایک زمیندار سعد نامی کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے اس کا ولی عہد پیدا ہوا۔

۱۔ یہ خاندان روز بروز ترقی کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام سندھ اور ملتان پر قابض ہو گیا۔ ۵۷۱ھ میں سلطان محمد غوری نے اسماعیلیوں سے ملتان لے لیا۔ تب اچھ میں انہوں نے سلطنت جمائی۔ ۵۷۶ھ میں اس نے اچھ بھی چھین لیا اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنایا۔ اس وقت محمد تغلق کے عہد تک سندھ اور ملتان دونوں دہلی کے ماتحت رہے اور ایک حاکم (صوبہ دار) ہمیشہ وہاں حکومت کرتا رہا۔ لیکن سومرہ (اسمٰعیلی) ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگے رہتے اور جب کبھی اس کا موقع ملتا آزاد ہو جاتے اور مجبور کئے جانے پر پھر ماتحت ہو جاتے جیسا کہ علاء الدین خلجی، ملک تغلق،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۷، ۲ بمبئی۔

سلطان محمد تغلق کے ابتدائی اور آخری عہد میں ہوتا رہا۔

۲۔ ۷۵۲ھ کے بعد اور ۷۶۲ھ کے درمیان سمہ قوم نے سومریوں سے سلطنت چھین لی۔

سومرہ قوم کی اصلیت

سومرہ قوم کے متعلق جس نے پانچویں صدی ہجری کے اواسط سے آٹھویں صدی کے اواسط تک سندھ پر حکومت کی۔ اتنا تو یقینی طور سے ثابت ہے کہ یہ مذہباً مسلمان اور مسلکاً اسمٰعیلی تھے لیکن ان کی قومیت پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ جو کسی طرح نہیں اٹھتا۔

ان کے نام بیشتر ہندوانہ ہیں اور بعض مؤرخین کی تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہندو تھے۔ یورپ کے مؤرخوں نے تو اعلانیہ لکھا ہے کہ یہ نومسلم راجپوت تھے۔ مگر قیاس کے سوا انھوں نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے چیز اسماعیلی دروزی امام کا ایک خط ہے جس میں ۴۳۲ھ میں شیخ ابن سومر راجہ بل کو سندھ اور ملتان میں دوبارہ اسماعیلی حکومت کے قیام کے لئے غیرت دلائی گئی ہے۔ شیخ ابن سومر راجہ بل کے نام سے اس کا نومسلم ہندو ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ معصومی میں جو ۱۰۱۱ھ کی تصنیف ہے یہ لکھا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سومرہ (حرم سومرہ) نے سومرہ نام ایک شخص کو اپنا افسر بنا کر حکومت قائم کر لی اور صاد (سعد) نامی ایک زمیندار کی لڑکی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھونگر رکھا گیا اور وہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کی نسل کے چند اور بادشاہ ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے[1] کہ نومسلم سومری راجہ نے کسی قدیم عرب مسلمان خاندان میں شادی کی اور اس سے نسل چلی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ہندی عربی مخلوط نسل کا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے نام معصومی کی کتاب میں حسب ذیل ملتے ہیں:۔

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات۔

۱- سومرہ ۲- بھونگر ۳- دودا ۴- تاری (شہزادی کا نام)
۵- سنگھار ۶- ہمون (سنگھار کی بیوہ) ۷- پٹھو (شاید کہ پھٹو ہو)
۸- خیرا ۹- ارمیل

تاریخ طاہری میں جو ۱۰۳۰ھ کی تصنیف ہے سومرہ قوم کی اصلیت کے متعلق یہ مذکور ہے کہ سندھ میں دلورائے ایک راجہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا۔ چھوٹا امرانی فریاد لے کر خلیفۂ بغداد کی خدمت میں گیا۔ خلیفہ نے سامرا (عراق کے شہر کا نام) کے سو عربوں اور سادات کو اس کے ساتھ کر دیا۔ سیدالسادات نے سندھ آ کر سکونت اختیار کر لی اور دلورائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ تاریخ طاہری نے دلورائے اور اس کے بھائی کے اختلاف کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بھائی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا اور قرآن پڑھتا تھا اور دل میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کو چلا۔ راستے میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ "سومرہ" قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔

غرض سومرہ کی وجہ تسمیہ کو مصنف نے عراق کے "سامرا" سے نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ شہر سامرا جن کی عربی اصل سومن رائے (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) یہ شہر معتصم عباسی نے ۲۲۱ھ میں بسایا تھا۔ دوسری صدی میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر عباسی دور میں قبیلہ تمیم کا جو گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی کے نام سے آیا تھا وہ سفاح کے زمانہ میں (۱۳۲ھ، ۱۳۶ھ) یہاں آیا تھا جبکہ سامرہ کا وجود بھی نہ تھا۔ اس لئے سومرہ قوم کے نام کا جوڑ شہر سامرا سے پیدا کرنے کی کوشش لفظی صفت گری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تحفۃ الکرام نے سومرہ بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں:-

۱- سومرہ ۲- بھنگر بن سومرہ ۳- دودا ابن بھونگر ۴- سنگھر

۵۔ حفیف (یا خفیف) ۶۔ عمر (یا انر) ۷۔ دودا دوم ۸۔ بھٹو ۹۔ گھزا اول ۱۰۔ محمد نور ۱۱۔ گھزا دوم ۱۲۔ دودا سوم ۱۳۔ نائی ۱۴۔ چنیر ۱۵۔ بھونگر دوم ۱۶۔ حفیف (یا خفیف دوم) ۱۷۔ دودا چہارم ۱۸۔ عمر سومرا ۱۹۔ بھونگر ۲۰۔ ہمبر (یا امیر)

ظاہر ہے کہ ان ناموں کی ساخت تمام تر عربی ہے۔ عمر نام حقیقت میں انر یا اونار ہے۔ چنانچہ یہی نام ابن بطوطہ اور سراج عفیف میں ہے۔ حفیف اس سومرہ سردار بادشاہ کا نام ہے جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ چنانچہ سلطان کے درباری شاعر فرخی نے سومنات کی فتح پر جو قصیدہ دربار میں پیش کیا تھا اس میں اس کا نام موجود ہے۔

سنہ ۶۲۰ھ میں ایک دو سال پہلے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ چنگیزی مغلوں سے بھاگ کر سندھ میں بمقام ٹھٹھہ آیا تو اس وقت کے سومری بادشاہ کا نام فرشتہ میں جنیر لکھا ہے جو اصل میں چنیر ہے۔ طبقات ناصری " ملک سنان الدین چنیر والی دیول وسندھ "، کے لقب و نام سے اس کا ذکر آیا ہے جس نے سنہ ۶۲۵ھ میں بادشاہ دہلی کی اطاعت قبول کی تھی۔ چنیر کی اصل " چند الیشور " بتاتے ہیں۔ چندر چاند اور الیشور خدا نام کی یہ اصل ہندو نسل کا پتہ دیتی ہے اور ملک سنان الدین کا لقب اس کے اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔

ان سومری بادشاہوں کے نام معتبر معاصر حوالوں سے ثابت ہیں۔ بعض ناموں کی تصحیح قیاساً بھی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً سومرہ نام کی اصل سوم رائے معلوم ہوتی ہے۔ سوم کے معنی ہندی میں چاند کے ہیں وہ اصل میں رائے ہے جیسے بلہرا جو گجراتی راجاؤں کا عربی تلفظ کا نام ہے اصل میں ولبھ رائے ہے۔ اسی طرح سنگھر کو سنگھ رائے اور بھونگر کو بھونگ رائے گھزا کو گھن رائے، بٹھو کو بھٹو سمجھا جائے۔

فرخی نے والی منصورہ خفیف کی شکست اور فرار کی جو کیفیت اپنے قصیدے میں لکھی ہے اس موقع کے یہ چند شعر قابل ذکر ہیں :-

وزاں حصارِ منصورہ روئے کرد و براند	برآں ستارہ کجا راند حیدر از خیبر
خفیف چوں خبرِ خسرو جہاں بشنید	دواں گذشتہ و بجوئے اندر اوفتاد بہ بحر
خفیف را سپہ و پیل و مال چنداں بود	کہ بیش ازاں نبود در ہوا ہبا از ذر

ان شعروں میں گو خفیف کو سومری نہیں کہا گیا ہے مگر مؤرخین نے خفیف کو سومرہ سلاطین ہی کی فہرست میں درج کیا ہے۔

ان شعروں میں اس بادشاہ کی فوج ہاتھی اور مال ومنال کا یہ حال لکھا ہے کہ وہ شمار میں غبار ذرہ سے بھی زیادہ تھا۔ اس کو کسی قدر زیادہ مبالغہ سمجھا جائے۔ پھر بھی وہ اہمیت رکھتا ہے۔

پایۂ تخت اس کا پتہ واضح طور سے نہیں چلتا کہ سومرہ قوم کا اصل وطن سندھ کے کس حصہ میں تھا۔ تاریخ کی چھان بین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بڑی آبادی سندھ کے مشرقی جانب کے زیریں حصہ میں ضلع پارکر اور تھرپارکر میں تھی اور اسی سلئے ان کا پہلا سیاسی مرکز تھری محمد نور مقام میں تبدیل ہو گیا اور وہ ان کا عرصۂ دراز تک پایۂ تخت رہا۔ عمرکوٹ یا امرکوٹ (اترکوٹ) بھی عرصہ تک اُن کا پایۂ تخت رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں اُن کا پایۂ تخت منصورہ تھا جس کا دوسرا نام بقول ابوالفضل بھکر ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں تھری اُن کا پایۂ تخت تھا اور آخر زمانہ میں (سندھ ۷۵۲ھ) ان کا مرکزی مقام ٹھٹھہ نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی سلطنت کی وسعت ملتانی سرحد سے لے کر زیریں سندھ کے نصرپور بلکہ کچھ (گج) تک تھی جس میں مختلف نقد جن کے بعد وہ اپنا پایۂ تخت بدلتے رہے۔

اس قوم کے افراد کی تعداد کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہو سکا لیکن محمود بیگڑہ گجرات کے عہد نویں صدی میں سندھ کی جو فوج اس کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار تھی اس سے اُن کی آبادی کا ایک خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے سندھ پر تین سو برس سے زیادہ حکومت کی جس میں اس قوم کی

مختلف شاخوں نے حصہ لیا۔ ان کے بعض حکمران چالیس برس تک برسر حکومت رہے۔ انہوں نے جس قدر گاؤں، مشہور قصبے آباد کئے ان کی صحیح فہرست ہم تک نہیں پہنچی لیکن تین بڑے شہروں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ امرکوٹ (عمرکوٹ) ٹھری اور ٹھٹھہ سے ان شہروں میں انہوں نے متعدد قلعے بھی تیار کئے جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے۔ لیکن چونکہ محمد تغلق کے عہد تک مغلوں کی یورش بکثرت سندھ پر ہوئی۔ اس سبب سے ان کی اکثر عمارتیں ویران ہوگئیں اور بہت کم آثار باقی رہے۔

سمہ سندھ کی دوسری نومسلم قوم سمہ ہے جس نے سومریوں کے بعد ملک میں طاقت حاصل کی۔ طبقات بہادر شاہی میں ہے:

"سمہ قوم ان لوگوں میں سے ہے جو تمیم انصاری کے خاندان کے ہیں۔"

لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سندھ میں ان کا وجود عربوں کے سندھ فتح کرنے سے قبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ چچ نامہ میں جو سندھ کی سب سے قدیم تاریخ ہے مذکور ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس سمہ قوم کے کچھ لوگ آئے اور اطاعت کے صلہ میں انعام حاصل کیا [1]

اس کے علاوہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی ان کا خاندان تھا اور آج بھی موجود ہے جو ہندو مذہب رکھتا ہے۔ کچھ اور جام نگر کے ہندو جام سمہ خاندان سے ہیں۔ جوناگڑھ میں سمہ خاندان نے ۸۷۵ء سے ۱۴۷۲ء یعنی چھ سو برس حکومت کی [2]

ان کا مذہب بھی ہندو تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سمہ قوم سندھ میں اسلام سے قبل موجود تھی۔ مذہب ہندو تھا۔ اس قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر اسلام کی صحیح تاریخ نہیں معلوم۔ لس بیلہ کے مسلمان والی آج بھی جام کہلاتے ہیں۔ جام کے لفظ سے بعض لفظ پرستوں نے جام جمشید سے ان کا رشتہ جوڑا ہے جو سراسر وہم ہے۔

---

[1] چچ نامہ قلمی دارالمصنفین اعظم گڑھ

[2] تاریخ مصطفیٰ آباد (جوناگڑھ) حصہ اول صفحہ ۴۴۔ بمبئی

تاریخ طاہری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی کے فیض کے اثر سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ کیونکہ اس قوم کے امراء سے ان کے تعلقات وابستہ تھے۔ اس کے بعد ان کے خلیفہ جلال الدین بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بخاری کے ذریعہ اس قوم میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ قوم آخر تک حضرت مخدوم کی اولاد کے ساتھ عقیدت کا نذرانہ پیش کرتی رہی۔ چنانچہ احمد آباد (گجرات) میں بھی قطب عالم اور شاہ عالمؒ کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے رہے اور اسی سبب سے جام نے اپنی لڑکی شاہ عالم صاحب سے منسوب کر دی تھی جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر زندہ نہ رہا۔ ان کے نام بھی نو مسلم ترکوں کی طرح کہیں خالص سندھی اور کہیں اسلامی مخلوط ملتے ہیں۔ یہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان اہل سنت والجماعت سے تھے اور اسی لئے سندھ کے جاموں کی شادیاں گجراتی سلاطین کے ساتھ ہوتی رہیں۔

تاریخ طاہری میں مرقوم ہے کہ سمہ قوم کی آبادی سمندر کے کنارے تھی۔ جو لوگ جزیرہ نمائے کچھ سے نکل کر کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی ساحل پر جنہوں نے قبضہ کیا وہاں جام نگر بسا کر پایۂ تخت بنایا اور وہ ریاست بھی آج تک موجود ہے۔

تیسرے گروہ نے کاٹھیاواڑ میں جوناگڑھ کو آباد کیا جس کی حکومت گجراتی سلاطین نے ختم کر دی اور یہ سب ہندو تھے۔ لیکن دریائے سندھ سے لے کر کچھ مکران تک کی آبادی نو مسلم سمہ کی تھی۔ رائے کچھ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ جب طاقتور ہو گئے تو کچھ پر قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ بالائے سندھ آبادی بڑھاتے گئے۔ سومرہ قوم کے آخری زمانہ میں یہ خاصے طاقتور ہو گئے تھے اور آخری سومرہ بادشاہ جس کا پایۂ تخت ٹھٹھہ تھا، محمد تغلق سے جنگ لڑتے لڑتے بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سمہ قوم کا سردار انار نامی نے اس سے فائدہ اٹھا کر انقلاب سلطنت کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوا۔ (۷۵۲ھ، ۷۶۶ھ) پہلے اُن کا پایۂ تخت ساموئی تھا۔ اور سومریوں پر فتح پانے کے بعد ٹھٹھہ ہو گیا۔

کاشت کاری اور باغبانی

یگانۂ روزگار فاضلوں نے سندھ میں عمریں گزاریں۔ عمدۃ الملک دریا خاں اور سارنگ خاں جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور تھے۔ کاشتکاری اور باغبانی پر بھی انہوں نے کافی توجہ کی۔ ارغون کے آنے سے قبل سندھ میں بکثرت باغات تھے۔ ان کے لئے بڑے بڑے کنوئیں بنوائے گئے جن کو اونٹ کھینچتے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا۔ ملتان کشمیر خراسان اور گجرات وغیرہ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جام نظام الدین کے حالات میں معصومی نے لکھا ہے کہ :-

"جام نظام الدین در اوائل حال طالب علم می بود۔ و در خوانق و مدارس مگذرانیدہ و بغایت متواضع و خلیق بود۔ و بصفات پسندیدہ واخلاق حمیدہ متصف۔ و زہد و عبادت بدرجہ کمال داشتہ۔ وفضیلت و حالت او زیادہ از آں بود کہ شمۂ ازاں تحریر تواں نمود۔ (ص ۲)"

اس کی صلح پسندی کی یہ تصویر ملاحظہ ہو۔

"جام نظام ہر ہفتہ باصطبل خود می رسید و دست بہ پیشانئے اسپاں می کشیدہ و می گفتہ کہ اے دولت مندان غیر غزا نمی خواہم کہ سواری بہ شما واقع شود چراکہ در حدودِ اربعہ حکام اسلامند دعا کنید کہ بے سبب شرعی بجائے نروم و کسے نیز ایں جا نیاید مبادا خون مسلمانانِ بے گناہ ریختہ شود و عند اللہ سبحانہ شرمسار شوم"

اس کے زمانہ میں سندھ میں احکامِ شریعت کی ترویج کا حال یہ تھا کہ :

"در زمانِ دولت او احیائے سنن بنوعے شیوع یافتہ بود کہ مافوق آں تصور نتواں کرد کہ در مساجد اقامت جماعت بہ نہجے می بود کہ خرد و کبیر محلہ در مسجد حاضر آمدہ مگذاردن نماز تنہا راضی نبودند۔ اگر وقتے از یکے جماعت فوت شدے بغایت نادم گردیدہ و در دو سہ روز باستغفار مشغول می بود۔" (صفحہ ۷۵)

سلاطین لنگا ملتان میں

نویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان پایۂ تخت دہلی کے ماتحت ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدوں کے آخری بادشاہ علاء الدین کے عہد میں کابل، غزنہ اور قندھار پر مغلوں کا قبضہ ہوجانے کی وجہ سے وہ ملتان پر جو قندھار کے بالمقابل واقع ہے آئے دن یلغار کرکے لوٹ مار کرتے تھے۔ ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں ایسی حالت ہوگئی کہ وہاں کوئی حاکم نہ رہا۔ اس لئے اہلِ شہر نے مل کر شیخ بہاء الدین کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو حاکم بنایا۔ ملتان اچھ اور اردگرد کے مقامات میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا۔ ملتانیوں کی خوش قسمتی سے شیخ میں حکومت کی اعلیٰ لیاقت موجود تھی۔ ان کے حسنِ انتظام سے تمام مخلوق خوش ہوئی۔

ملتان کے اطراف میں ایک نومسلم قوم لنگاہ رہتی تھی جو نسلاً راجپوت تھی۔ اس قوم کا سردار رائے سہرا نام قصبۂ سوئی میں زمیندار تھا۔ اس کے آبا و اجداد حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور ان کے خلفاء کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ اس نے شیخ یوسف کو پیغام دیا کہ سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی کی طرف سے ہمیشہ خطرہ لگا رہے گا۔ اس لئے فوری امداد کے لئے میری قوم لنگاہ کا دل ہاتھ میں لیجئے تاکہ وہ وقت پر کام آئے۔

شیخ نے اس کی درخواست منظور کی اور اس کی استدعا پر اس کی لڑکی سے شادی بھی کرلی۔ وہ لڑکی کے بہانے کبھی کبھی آیا بھی کرتا۔ ایک دفعہ وہ اپنی پوری قوم کو ساتھ لایا اور شیخ سے عرض کیا کہ میری قوم کا معائنہ کرکے میرے لائق کوئی خدمت عنایت کریں۔ شیخ نے قبول کرلیا۔ رائے عشاء کے وقت لڑکی سے ملنے کے بہانے قلعہ میں داخل ہوا اور پھر فریب سے لنگاہ قوم کو اندر لاکر قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شیخ یوسف کو نکال دیا۔ شیخ دہلی پہنچے اور بہلول لودھی سے مدد کے طالب ہوئے۔

شیخ نے کل گیارہ برس حکومت کی۔ رائے سہرہ نے ملتان پر قبضہ کرکے ۸۵۸ھ مطابق ۱۴۵۴ء میں تختِ سلطنت پہ قدم رکھا اور اپنا لقب قطب الدین لنگاہ مقرر کیا۔

ان کے حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :-

۱۔ جام انار ۲۔ جام جونا ۳۔ جام تماجی ۴۔ جام خیرالدین ۵۔ جام ہنیہ
۶۔ جام تماجی دوم ۷۔ جام صلاح الدین ۸۔ جام نظام الدین ۹۔ جام علی شیر
۱۰۔ جام دن ۱۱۔ قینخ عمان ۱۲۔ جام تغلق ۱۳۔ جام مبارک ۱۴۔ جام سکندر
۱۵۔ جام رائے دون ۱۶۔ جام سنجر ۱۷۔ جام نند نظام الدین ۱۸۔ جام فیروز ۔

جام فیروز سے شاہ بیگ ارغوانی والی قندھار نے ۹۲۷ھ میں سندھ کا ملک چھین لیا۔ اس خاندان نے ۱۹۲ برس حکومت کی۔ سمہ ابتداء میں سومریوں سے جنگ کرنے میں مصروف رہے اور جب استقلال کے ساتھ تمام حکومت ہاتھ میں آگئی اور امن و امان قائم ہوگیا تو ملک کو فروغ دینے میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ جام سنجر نے سب سے پہلے عدالت کی طرف توجہ کی اور وہ تمام خرابیاں جو عدالت قاضی شاہد اور اس محکمہ کے عمال میں ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی۔ قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ کردیں تاکہ رشوت کا سدباب ہو۔

خیرالدین کے عہد میں قافلوں اور کاروانوں کے راستوں کی حفاظت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا گیا۔ سمہ قوم سیدوں کی بڑی عزت کرتی تھی۔ انہوں نے بہت مدرسے اور خانقاہیں بنائیں۔ بڑی بڑی مسجدوں کی بنیادیں رکھیں۔ ہمسایہ سلطنتوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے۔ چنانچہ ملتان اور گجرات کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ گجراتی بادشاہوں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوگئے تھے جس کے باعث بعض اوقات سیاسی فائدہ بھی اٹھا لیتے۔ علماء کے بڑے قدردان تھے۔ محمد بن معد جلال الدین دوانی کو سندھ میں آنے کی انہوں نے دعوت دی تھی۔ لیکن موت نے علامہ موصوف کی آمد کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ مولانا میر معین الدین سید ابوالغیث، مولانا محمد اثیرالدین بھری (منطقی) مخدوم عبدالعزیز بھری محدث جیسے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور رہے۔

یہ شخص بڑا مدبر تھا۔ اس انقلاب کے باوجود اُس نے کسی قسم کی بدامنی نہیں ہونے دی۔ یہ بڑا محنتی آدمی تھا۔ اہلِ کمال کا بے حد قدر دان تھا۔ بادشاہ کا سارا وقت ان کل پُرزوں کے درست کرنے میں صرف ہوتا جو بادشاہ گری سے بگڑ گئے تھے اور مغلوں کی لُوٹ مار سے جو ویرانی چھا گئی تھی اس کو دُور کرنے پر توجہ مبذول کرتا رہا۔ سولہ سال سلطنت کر کے ۸۷۴ھ مطابق ۱۴۶۹ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا حسین لنگاہ تخت نشین ہوا۔ حسین، جفاکش، صاحبِ علم اور اہلِ ہنر کا قدر دان تھا۔ اس نے ابتداء ہی میں قلعہ شور، پھر چنیوٹ پر قبضہ کر لیا۔ شیخ یوسف نے بہلول لودھی کو توجہ دلائی کہ حسین لنگاہ دھن کوٹ (سرحد پنجاب) تک آگیا ہے۔ چنانچہ لودھی نے اپنے لڑکے باربک شاہ کو فوج لے کر ملتان بھیجا جس کو حسین شاہ نے بآسانی شکست دے دی اور کوٹ کرور کے حاکم کی بغاوت کو جو خود اس کا بھائی تھا فرو کر کے انتظامِ سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ روہیلہ قوم کا سردار ملک سہراب ملتان آیا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ بادشاہ کی عنایت دیکھ کر قوم بلوچ ملتان آ دھمکی اور شاہی وفاداری کا یقین دلا کر جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے حسین شاہ کے پاس ایک اچھی بہادر قوم کی فوج تیار ہو گئی۔

سمہ قوم کے دو سردار بایزید اور ابراہیم بھی سندھ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بایزید کو شور کوٹ اور ابراہیم کو آچھ عنایت ہوا۔ دہلی میں بہلول کے بعد سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو تعزیت کے لئے سفیر بھیجے اور اس طرح صلح کی بنیاد رکھ کر تحفوں کا تبادلہ کیا۔ سلطان محمود گجراتی سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے اور سفیر آیا جایا کرتے تھے۔

لنگاہ بادشاہوں کے کارنامے ملتان کی یہ نو مسلم خود مختار ریاست تقریباً ۸۵ برس قائم رہی۔ اس کی فوجی وعسکری قوت کے ثبوت کے لئے حسبِ ذیل اقتباس کافی ہے جو معصومی کی تاریخ سے ہے :-

وازاں جانب رائے زادہا لنگاہ و بلوچاں و سائر سپاہ روبرو آمدہ (۱۵۲)

چوں غلبہ مرزا شاہ حسین بگوش سلطان محمود لنگاہ حاکم ملتان رسید۔ مردم باطراف و سرحدہا فرستاد۔ تا لشکر بلوچ و جٹ و سائر سپاہ را جمع سازند۔ و درعرض یک ماہ ہشتاد ہزار سوار و پیادہ در ملتان جمع آمدہ جمعیتے عظیم بہم رسید۔ (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نو مسلم سلطان کے پرچم کے نیچے کتنی قومیں جمع تھیں۔ ملتان چونکہ اس زمانہ میں ایران و خراسان و افغانستان سے آنے والی قوموں کا رہگزر تھا اس لئے نئے نئے حملوں کا ہمیشہ نشانہ رہا۔ اسی وجہ سے یہاں کے بادشاہوں کو اصلاحی کاموں کے بجائے فوجی استحکام کے وقت دولت اور دماغ کو زیادہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود ان بادشاہوں کو موقع ملا تو اصلاحی و تعمیری کاموں کی طرف سے بھی فراخ دلی سے متوجہ ہوئے۔

چنانچہ شیخ یوسف کے عہد میں زمینداروں کی حالت سدھارنے میں کافی کوشش کی گئی۔ شاہ حسین کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ پنجاب کی سرحد دھن کوٹ سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے حدود وسیع ہو گئے۔ اس کا فوجی نظام بھی قابلِ تعریف تھا۔ اس نے اپنی فوج میں لنگاہ، سندھی، مکرانی، بلوچی زیادہ بھرتی کئے جس سے اُن کی طاقت بڑی زبردست ہو گئی۔ نقد تنخواہ کی بجائے افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور عام سپاہیوں کو یہ جاگیردار ہی تنخواہیں دیتے تھے۔

یہ بادشاہ علم کا بھی قدر دان تھا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء حاضر رہتے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا۔ اسی کا اثر تھا کہ وزراء اور امراء بھی علم کے بڑے قدر دان تھے۔ چنانچہ وزیر بایزید خاص طور پر قدردانی میں شہرۂ آفاق تھا۔ خراسان اور ہندوستان کے بہت سے عالم وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔ شیخ جلال الدین قریشی اسی دربار سے فیض یاب تھے۔ مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیز اللہ اسی عہد کے باکمال لوگ ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان میں معقولات کو رواج ہوا

میر عماد گردیزی مرزا شہید انہی دنوں ملتان آکر مقیم ہوئے۔ شیخ بہاء الدین قریشی اس عہد کے صوفیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا بہلول قوت گویائی اور شیریں زبانی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ قاضی محمد بھی اس عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔

مدرسے بھی ہر جگہ جاری تھے۔ جن میں سے قاضی جامعی کا مدرسہ زیادہ مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا ابراہیم جامعی تھے جو ساٹھ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سعید الدین لاہوری بھی اسی مدرسہ کے معلم تھے جو آخر میں صدر ہو گئے۔

اس عہد میں علم فقہ کا بڑا زور تھا۔ یہاں تک کہ دربار میں بھی شرح وقایہ اور ہدایہ ہی کا چرچہ رہتا تھا۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی سلاطین ملتان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ چنانچہ دہلی، کشمیر، گجرات، سندھ اور خراسان سے سفیروں کی ہمیشہ آمدورفت رہتی۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب خراسان سے زیادہ گھوڑوں کی تجارت ہوتی۔

سلاطین کو باغ لگانے کا بھی بے حد شوق تھا۔ سلاطینِ ملتان کی یادگار میں آج بھی لنگاہ خاں کا باغ موجود ہے جو بلدیہ کے زیرِ انتظام ہے[1] اور سنا ہے کہ لنگاہ قبیلہ کے مسلمان خاندان آج بھی موجود ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں[2]

---

[1] ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۴۲، حیدر آباد۔

[2] ہندی الاصل اور ہندوی النسل سلاطین از علامہ سید سلیمان ندوی۔

سُلطان محمُود غزنوی

سلطان محمود ابن سبکتگین نوشیرواں عادل کی اولاد سے تھا۔ مصنف طبقاتِ ناصری لکھتا ہے :-

"امام ابوالفضل بیہقی می آرد کہ نصر حاجی مرد بازرگان بود در عہدِ امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخرید بہ بخارا برد چو آثار کیاست و جلادت بر ناصیۂ او ظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب بخرید و در خدمت الپتگین بہ طخارستان رفت و وقتیکہ ایالت طخارستان حوالہ او شد"

امام محمد علی ابوالقاسم عمادی در تاریخ مجدول چنین آوردہ کہ امیر سبکتگین از فرزندان یزدجرد شہریار بود و دراں وقت کہ یزدجرد دربلا دمرد در آسیاں کشتہ شد در عہدِ خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ و اتباع یزدجرد بہ ترکستان افتادند و ایشاں قرابتی کردند وچوں دو سہ بطن بگذشت ترک شدند و قصر ہائے ایشاں دراں دیار منوز بر حالیست۔ امیر سبکتگین (بن جوق) قراالحکم بن قرار ارسلان بن قراملت بن قرالیقمان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارس (ملک العجم)[1]

خاندانی حالات محمود کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین، امیر الپتگین کے داماد تھے۔ الپتگین امرائے دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۲۶۷ ۔

شجرۂ خاندانِ غزنویہ

(۱) الپتگین

بلکاتگین

(۲) اسحاق

(۵) سبکتگین

اسماعیل (۶)

(۷) سلطان محمود

(۱۳) عبدالرشید

(۸) محمد

مسعود اوّل

(۱۵) ابراہیم

علی

مودود

فرخ زاد

(۱۶) مسعود ثالث

مسعود طفل

(۱۹) بہرام شاہ

(۱۸) ارسلان

(۱۷) شیرزاد

(۲۰) خسرو شاہ

خسرو ملک (۲۱)
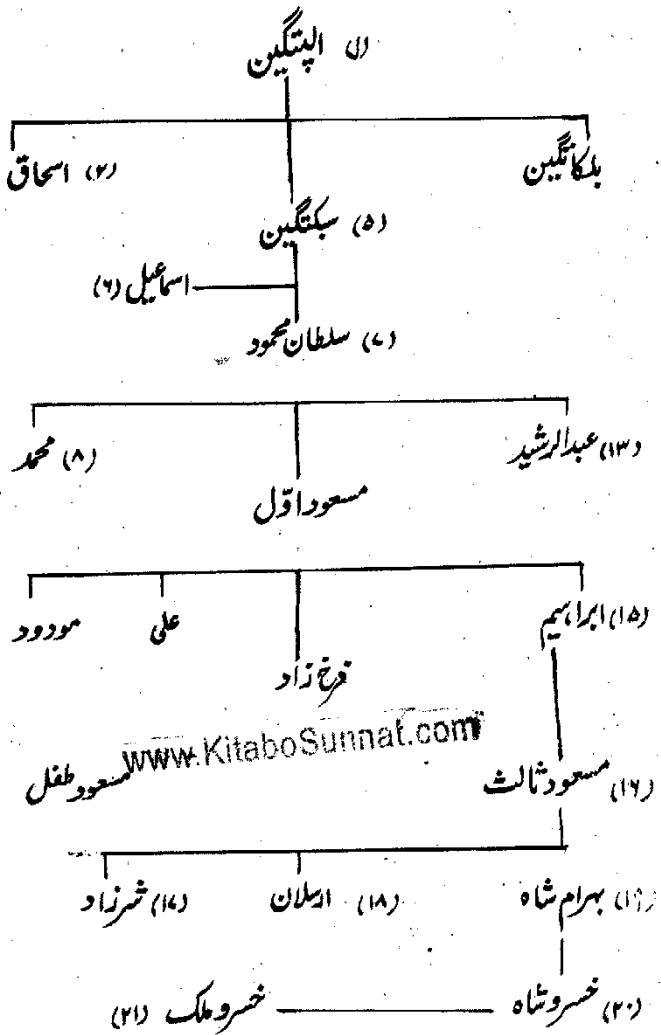
صفاریہ خود مختار ہوئے۔ ان ہر دو کی حکمرانیاں ماوراء النہر کے علاقہ پر تھی۔ دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل وقندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر الپتگین مذکور جو امیر ابو الیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی[1] یہ شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ گل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین سبکتگین (۳۶۶ھ ۹۷۶ء - ۳۸۷ھ ۹۹۷ء) الپتگین کی وفات کے بعد نئی سلطنت کا امیر بنا۔ پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں وہی پرانے سرحدی تنازعے تازہ ہو گئے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہا جاتا ہے۔ پنجاب و غزنی کی حکومتوں سے کس حکومت کے زیر اثر رہے۔ آخر پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطنتِ غزنی کا قصہ پاک کرنے کے لئے ایک طوفانی لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی ملغان میں اتر گیا۔ اِدھر سبکتگین اور اس کا نوعمر لڑکا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ اچانک برق و باراں کا طوفان امنڈ آیا اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ آخر کار صلح ہو گئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ تھی وہ پہلی جنگ جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

راجہ جے پال کی وعدہ خلافی اور سبکتگین کا حملہ ہندوستان پر

اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آکر رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم لینے آئے تھے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ سبکتگین یہ سنتے ہی بجلی کی مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوا۔ ادھر راجہ جے پال نے دہلی، قنوج اور کالنجر کی فوجی مدد لی اور مقابلہ کے لئے

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۱۴۴۔

نکل پڑا۔ درۂ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی۔ ہندی فوجوں نے شکست کھائی۔ اور پشاور تک اٹک پار کے ملک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اب غزنی کے ترکوں کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا تھا اور دہلی، کانجر اور قنوج پر انہیں اپنی ترکتازیوں کا حق تھا کیونکہ یہ ممالک دشمن کے ہمنوا تھے۔

سلطان محمود محمود اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا جس کا منشاء اپنی سلطنت غزنی کو وسعت و استحکام دینا تھا۔ وہ اپنی ۳۲ سال کی حکمرانی میں کامیاب ہوا۔

محمود کی ترکتازیاں اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان کی ہوں یا نامسلم کی ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھاتا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف، کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا سامانیوں کی سلطنت، تیسری طرف دیلمیوں اور طبرستان کی حکومت آلِ زیاد کو مشرقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھر لاہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔

یہ تھیں اس بدنام "بت شکن" کی ترکتازیاں جس نے ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنتوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ غزنی کے سلاطین کی یہ لڑائیاں ہندوستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں یا محض جغرافی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تغیر کے زیرِ اثر پیش آئیں۔

سلطان محمود کے حملے ہندوستان پر محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا۔ وہ اپنے دور میں سب سے پہلے ۳۹۰ھ، ۱۰۰۰ء میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔

دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ زور کا رن پڑا۔ راجہ جے پال نے شکست کھائی اور گرفتار کر لیا گیا۔ محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر بھیند پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت انند پال کے سپرد کر کے چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔

۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی کی۔ اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی اور بھیرہ اور اس کے مضافات سلطنتِ غزنی میں ملائے گئے۔ پھر ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی۔ ۳۹۶ھ / ۱۰۰۵ء میں محمود اس کو سزا دینے آیا۔ رائے انند پال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا۔ ابوالفتوح نے محمود کی اطاعت قبول کی[1] محمود نے انند پال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا۔ محمود ۳۹۸ھ / ۱۰۰۷ء میں اس کی گوشمالی کے لئے آیا اور حبس دوام کی سزا دی۔

پھر ۳۹۹ھ / ۱۰۰۸ء میں معرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ انند پال کی مدد پر اجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا عام جذبہ پیدا ہوا۔ اور عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں مدد دینے کے لئے روپیہ بھیجا مگر ہندوستانی راجاؤں کی پچھلی خانہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجوں کو نہ دے سکے۔ محمود نے راجپوتوں کی اس ٹڈی دَل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد رایانِ ہند یکے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جواہرات فاتح کے ہاتھ آتے

---

[1] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد اول صفحہ ۲۶۸۔

گئے۔ اس حملہ میں محمود نے نگرکوٹ (کانگڑہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ۴۰۱ھ ۱۰۱۰ء میں ابوالفتوح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اُس نے ۴۰۴ھ ۱۰۱۳ء میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندونا لیا۔ ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۰۶ھ ۱۰۱۵ء میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی اس کے بعد ۴۰۹ھ ۱۰۱۷ء میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر ۴۱۲ھ ۱۰۲۰ء میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ ۴۱۳ھ ۱۰۲۱ء میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کر لیا۔ انندپال کے لڑکے ترلوکن پال کا انتقال ہو چکا تھا۔ راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا جہاں ۱۰۲۶ء میں اس نے وفات پائی۔

محمود نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد ۴۱۴ھ ۱۰۲۲ء میں گوالیار اور کالنجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء میں سومنات کا مشہور واقعہ پیش آیا اور اس مہم گجرات کی فتح کی تکمیل ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں کی۔ پھر اسی سال ۴۱۷ھ ۱۰۲۶ء میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی اور ۴۱۹ھ ۱۰۲۷ء میں جاٹوں کی چھیڑ چھاڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح محمود کے براہِ راست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آ گئے۔[1] اور کشمیر، قنوج، کالنجر، گوالیار اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا سبب یہ بھی تھا کہ مندر دولت کا خزانہ تھے۔ زر و جواہر کا انبار تھا۔ محمود نے ہندوستان کے ان حملوں میں بے شمار مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر لٹکتی تھی جس میں گھنٹیاں آویزاں تھیں۔ جس حجرے میں بُت تھا اس کی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ روشنی کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے جن کی جگمگاہٹ

---

[1] تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد دوم صـ ۲۹۲۔

سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔

نظم صوبہ پنجاب محمود نے پنجاب کو سلطنتِ غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور دراز ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظامات اختیار علیحٰدہ علیحٰدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابو الحسن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارک کو مامور کیا۔ لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا۔ یہ دونوں براہ راست غزنی کے ماتحت تھے اور پرچہ نویسی پر ابوالحکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا اس کو غزنی پیارا تھا اور اسی کو اس نے آباد کیا۔ تاہم ہندوستان سے اس کو ایک رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفۂ بغداد کو بھی اعتماد پر دھمکی دینے سے باز نہ آیا اور الفیل ما الفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنوایا اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکّہ ہندی زبان میں جاری کیا اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندو راؤ اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تولک بھی رکن سلطنت تھا۔

محمود کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت سے فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود

عالم، شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوسی سے شاعر، البیرونی سے حکیم اور اس کے عہد کے علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرمانروا تھا۔ فارسی اُس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے :-

وکان مولعا بعلم الحدیث وھو یسمع ویستفسر الاحادیث [۱]	علم حدیث کا بڑا دلدادہ تھا اس کا سماع کرتا تھا اور اس کے متعلق علماء سے سوالات کیا کرتا۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"وہ علماء اور اصحابِ کمال کا قدردان تھا۔ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا تھا۔ دور دور سے علماء آکر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔" [۲]

شیخ محی الدین عبدالقادر جواہر مغلیہ میں لکھتے ہیں :-

"محمود ممتاز فضلاء میں تھا۔ فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا۔" [۳]

ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے :-

"محمود بڑا ذی دورس اور صائب الرائے تھا۔ اس کی مجلس علماء و فضلاء کا مرجع تھی۔" [۴]

شیخ محی الدین عبدالقادر نے امام مسعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے :-

ولہ التصانیف فی الفقہ والحدیث والخطب والرسائل ولہ شعر جید۔	فقہ، حدیث، خطبات اور رسائل میں محمود کی تصانیف ہیں اور اس کے اشعار بھی اچھے ہوتے ہیں۔"

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ صد ۸۹ [۲] ابن اثیر جلد ۹ صد ۲۶۱ [۳] جواہر مغلیہ جلد ۲ صد ۱۵۷

[۴] شذرات الذہب جلد ۳ صد ۲۲۰۔

اس کی مشہور تصنیف التفرید ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

تاریخ الفسٹن میں ہے :-

"محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اُس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جا سکا۔ باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اُس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سا روپیہ مقرر کیا۔ اور طلبا اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دار السلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔"[1]

کتب خانہ محمود نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے :-

"در جوار آں مسجد مدرسہ بنا نہاد و بنفائس کتب و غرائب نسخ موسح گردانید دہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود"[2]

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی مجلس و مباحثے علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث و کلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔

---

[1] تاریخ الفسٹن ترجمہ اردو ص ۵۵ [2] فرشتہ ص ۳۳ مطبوعہ نولکشور

چنانچہ استوا علی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہیثم اور محدث وفقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کرایا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا اسے قبول کیا۔ [1]

فکر سخن محمود خود بلند مرتبہ کا شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس کا عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء دامن دولت سے وابستہ تھی۔ ابوالحسن علی بن قلوغ فرخی، حسن بن اسحاق فردوسی، منوچہر کی وامقالی وغیرہ۔

حمداللہ متوفی کا بیان ہے :-

"محمود علماء وشعراء کا قدر دان تھا۔ چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف کیا کرتا تھا"۔ [2]

ایک نووارد شاعر کو تین ہزار موتی محمود نے عطا کئے۔ عنصری نے اس واقعہ کو لکھا ہے

بیک عطا کہ ہزاراں گہر بشاعر داد　　　　کز آں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

سلطان محمد سلطان محمد (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء) محمود کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس کے بھائی مسعود نے جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سوبند رائے کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا مگر وہ اس جنگ میں کام آیا۔ تاہم معلوم ہوا کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج وتخت کا فیصلہ کر سکتے تھے سوبند رائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا اور میدانِ جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود سلطان مسعود (۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء، ۴۳۲ھ / ۱۰۴۱ء) کو ہندوستان کے نظم حکومت میں محمود کے قائم کئے ہوئے دو عملی نظام سے سابقہ پڑا۔ یہ دو عملی نظام پنجاب میں نہ چل سکا۔ قاضی شیرازی اور علی اری یارک میں

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۰　[2] تاریخ گزیدہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۵۔

اختلاف پیدا ہوا۔ وزیر غزنی نے یارک کو شیریں گفتاری سے پایۂ تخت بلوایا اور ۴۲۳ھ، ۱۰۳۱ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا۔ پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیالتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۴ھ ۱۰۳۲ء میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

سلطان مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام کی جنگ پھر شروع ہو گئی۔ مگر وزیر اعظم غزنی نے اس مرتبہ نیالتگین کی حمایت کی۔ اس نے قاضی شیرازی سے بے پرواہ ہو کر ہندوستان پر فوجی حملہ کر دیا اور سرعت سے بڑھتا ہوا بنارس تک پہنچ گیا اور اس شہر کو لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنی اطلاع دی کہ نیالتگین نے بے شمار دولت حاصل کی ہے۔ خود مختاری کی طرف مائل ہے، اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہے۔

سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ ۱۰۳۴ء میں احمد نیالتگین کی سرکوبی کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی سرکوبی کے لئے ایک دوسری فوج بھیجنی چاہی۔ مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھ کر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخرکار ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا۔ اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھا لیا۔

تاریخ بیہقی میں ہے کہ سالار تلک سوبند رائے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم خیمہ اور چتر عطا ہوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیالتگین فرار ہو چکا تھا۔ اس نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ درہم مقرر کی۔ پھر چن چن کر اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انھوں نے نیالتگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کر لیا۔

پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہوئے نیالتگین کو بھی پکڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے رضاکارانہ حصہ لیا۔

اس کے بعد سلطان مسعود نے ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء میں ہندوستان کا رخ کیا: در قلعہ

بانسی اور سونی پت پر قبضہ کیا اور اپنے لڑکے مجدود کو پنجاب کا گورنر بنا کر غزنی واپس گیا اور ایاز کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی زمانے میں دوسری طرف سلجوقیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنی تک آ رہا تھا مسعود نے اس اُبھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا اور ۴۳۲ھ ۱۰۴۰ء میں مرو کے میدان میں اس کو شکست فاش ہوئی۔ مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا اور اُس نے غزنی اپنے پایۂ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا۔ تین سو اُونٹوں پر زر و جواہر اور مال و دولت کا انبار لاد کر چلا۔

ہندوستان کی دولت ہندوستان کو آ رہی تھی کہ اثنائے راہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ خزانہ لُوٹ لیا۔ سلطان کو حراست میں لے لیا اور اس کے نابینا بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کے قتل کے بعد اس کے بیٹے مودود نے غزنی میں تخت نشینی اختیار کی اور ۴۳۴ھ ۱۰۴۱ء میں حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کر دیا۔ ہندوستان کے امراء مودود اور محمد کی کشمکش میں محمد کے طرف دار تھے۔ اس طرح پایۂ تخت غزنی اور ہندوستان کے امرائے غزنی کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود

سلطان مودود (۴۳۲ھ ۱۰۴۱ء، ۴۴۱ھ ۱۰۴۹ء) اس کے باوجود ہندوستان کے امرائے غزنی سے مرعوب نہیں ہوا۔ اس نے ابونصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم مقرر کیا اور خود ملتان سے لاہور آیا اور ہانسی اور تھانیسر تک کا دَورہ کر کے واپس آیا۔ اس اثناء میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کے بھائی مجدود نے مودود سے ناراض ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

مودود نے ۴۳۵ھ ۱۰۴۲ء میں پنجاب پر فوج کشی کی۔ مگر مجدود نے لاہور کو بچا لیا۔ لیکن اسی اثناء میں مجدود اپنے خیمہ میں مُردہ پایا گیا۔ اس کا دستِ راست

ایاز بھی مر گیا اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آگیا۔

ہندوستان میں جذبۂ وطنیت غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگلوں میں پناہ گزین تھے خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے۔ تقدیر نے یاوری کی اور راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۴۳۵ھ، ۱۰۴۲ء میں ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا اُن میں سے صرف نگر کوٹ پر اپنا قبضہ رکھا۔ انھوں نے اس کو بھی واگذار کر لیا جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاتری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آنے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ دہلی اور مضافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کر کے اُٹھے۔ راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے ۴۴۰ھ، ۱۰۴۸ء میں اپنے لڑکے ابو القاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں لیکن ہانسی، تھانیسر اور نگر کوٹ کے قلعے قبضے میں نہ آسکے۔

سلطان عبدالرشید مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بچے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھا دیا۔ مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقہ کو قبضہ میں لے لیا۔ اس اثناء میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید ۴۴۳ھ، ۱۰۵۱ء ۴۴۴ھ، ۱۰۵۲ء نے غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلا لیا اور اس کی

جگہ نوشتگین کرخی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگین حاکم پنجاب غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگین گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔ اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگرکوٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

سلطان فرخ زاد اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود (۴۴۴ھ ۱۰۵۲ء، ۴۵۰ھ ۱۰۵۹ء) تخت نشین ہوا۔ اُس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگین کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا۔

سلطان ابراہیم اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود (۴۵۰ھ ۱۰۵۹ء، ۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس تک حکمرانی کی لیکن اپنے پورے دورِ حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی۔ آخری مرتبہ ۴۷۳ھ ۱۰۷۹ء میں آیا اور اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ روپر پر دھاوا کیا۔ اسی طرح روپال اور نیتی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم سلطان مسعود بن ابراہیم (۴۹۲ھ ۱۰۹۸ء۔ ۵۰۸ھ ۱۱۱۴ء) اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طغاتگین بنایا گیا۔

طغاتگین حاکم پنجاب گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان (۵۰۸ھ ۱۱۱۴ء ۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء) کا دور آیا۔ اس زمانے میں غور و خوارزم نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانہ میں سنجر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان

چلا آیا اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پایہ تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجر نے واپس آکر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا جہاں سے پکڑ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا۔

محمد باہیم والی پنجاب اس زمانہ میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رہا۔ اور پایۂ تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۵۱۱ھ ۱۱۱۷ء، ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء) سلطان سنجر کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا، غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ محمد باہیم نے غالباً ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے ۵۱۴ھ ۱۱۲۰ء میں ہندوستان آیا۔ محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا اور عظیم الشان لشکر فراہم کر لیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آرا ہوا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال اس اثناء میں اس کو اپنی طاقت پر پھر اعتماد ہو گیا اور غزنی کی کمزور سلطنت کے ماتحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی، پسند نہیں کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا۔ ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آیا۔

پھر موقع پا کر واپس گیا اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی لیکن پھر ۵۴۶ھ ۱۱۵۱ء میں علاء الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے "جہاں سوز" کا لقب پایا۔ سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا صدمہ برداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آکر ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء میں اس دنیا سے چل بسا۔

خسرو شاہ اس کے لڑکے خسرو شاہ (۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء، ۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء) نے غزنی ہی میں اپنا تخت بچھانا چاہا مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

غزنوی سلاطین کا مامن ہندوستان اب غزنویوں کا مامن یہی ہندوستان تھا اور ان کا پایۂ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو خسرو شاہ نے ۵۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ ملک خسرو (۵۵۵ھ ۱۱۶۰ء، ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء) میں اس کا جانشین ہوا اور اس نے ۲۰ برس امن و امان سے اپنے مقبوضاتِ ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جموں کی دعوت شہاب الدین غوری کو اس اثناء میں سلطان شہاب الدین غوری کا آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد مشرق میں سیالکوٹ تک تھی اور یہی راجہ جموں کی سرحد اس سے ملتی تھی۔ یہاں کے راجہ چکر دیوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی، شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں لاہور پر فوج کشی کی۔ خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا۔ اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا۔ ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو مستحکم کیا۔

آل سبکتگین کا زوال

اس کے بعد ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں وہ پھر لاہور آیا اور خسرو ملک اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی لے گیا۔ وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں اس نے ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں وفات پائی۔

غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں ہندو و مسلم حکمرانوں کا اشتراک

اس طرح ہندو و مسلم دونوں حکمرانوں کی باہمی صلاح واشتراکِ عمل سے ہندوستان میں آل سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

غزنوی سلاطین کے دور میں ہندوستان میں علوم وفنون کی ترقی

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرتِ عام رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی وعربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں بیشتر خود صاحبِ علم وفضل تھے۔ سلطان محمود کی فتح مندیوں اور کشور کشائیوں کے ساتھ اس کے علم وفضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی۔ ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوانِ کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔ فردوسی، اسدی طوسی، عجدی، غضاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و اسفانی وغیرہ میں سے ہر ایک اقلیم سخن کا تاجدار تھا۔

دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شاعر اس کے دامنِ فیض سے وابستہ تھے مگر ان کے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آسکا۔ بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے ان کے نام ونشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے۔ مگر عرب تذکرہ نگاروں نے یتیمۃ الیتیمۃ وتلیبہ القصر اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر محمود، صاحبِ تاج وتخت نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہلِ علم میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الغلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود اعبداﷲ

فقہاء میں سے تھا اور فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا۔ علم فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں بھی ممالکِ غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علماء سے معمور تھی وہ علمِ حدیث کا شائق تھا۔ علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا اور اس طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلکان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

سلطان مسعود بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لئے تصنیف کی گئیں۔ فنونِ ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد ناصی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں۔ شعراء کا بھی قدر دان تھا اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم و فن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔ بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدر دان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی گئی ہیں۔ نظامی گنجوی نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لئے لکھی۔ کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے اور ابو المجید مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں اُن کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ سال کی حکمرانی کے دور میں

یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عوفی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابوالفرج بن مسعود متوفی ۴۸۲ھ رونی اور مسعود بن سلیمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ رونی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عوفی کے بقول انوری جیسا قصیدہ گو شاعر اس کا متبع تھا۔ رونی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ رون کی طرف تھا۔ سعد بن سلمان کو سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر مامور کیا اور وہ یہاں کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشو و نما پائی۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں امتیاز حاصل کیا۔ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا اور شعراء کی قدر دانی کرتا رہا۔

۴۷۵ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد جب معافی ملی تو ہندوستان میں آ کر خانہ نشین ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایونی کے زمانے تک موجود تھا۔ ابو العلاء عطاء بن یعقوب متوفی ۴۹۱ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحبِ دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تصوف کا بھی ذوق تھا۔ کشف المحجوب میں ذکر آیا ہے۔

علماء و محدثین قضاۃ اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جاری ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہلِ علم میں سے

تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا۔ لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ، ہئیت، نجوم اور فلسفہ ہنود میں استادِ فن مانا گیا۔ اسی عہد میں گزرا ہے۔ بیرون سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بو علی سینا کے معاصرین میں سے تھا اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے۔ وہ سالہا سال ہندوستان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیفات کتاب الهند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ شہرتِ عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابوجعفر عمر بن اسحٰق واشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ عوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔

شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۸۱ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابوموسیٰ مدینی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمظفر سمعانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ حموی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے۔ ۵۵۰ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی ابونصر ہبیتہ اللہ فارسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ

اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخرالدین حسین زنجانی لاہوری کا اسم گرامی سرِ فہرست آسکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علومِ دین اور راہ سلوک میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لاکر لاہور میں اقامت گزین ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے اسی شب

میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شانِ امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے راہِ سلوک طے کی۔ پھر مختلف ممالک اسلامی کی سیاحت کی اور متعدد اکابر عصر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و صالحین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو مستقر بنایا۔ گنج بخش و داتا بخش کے لقب سے مشہور ہیں ۴۶۵ھ میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت داتا گنج بخش صاحبِ تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علومِ تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فنِ تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سامنے رکھا اور آج قدر و منزلت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین، کتاب الفنا والبقا، اسرار الخلق والمونات، کتاب البیان لاہل ایمان بحر القلوب اور الرعایہ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیاء میں سے تھے۔ سرزمینِ ہند میں پیدا ہوئے۔ بغداد تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہنچایا۔ ۵۰۰ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السنہ لقۃ الدین یوسف بن محمد درنبوی افاضل روزگار میں سے تھے۔ خسرو ملک کے زمانہ میں درجۂ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے۔ اور لاہور میں اصلاحِ خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جوانی میں شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہِ خلائق

ہے اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہاء میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مرجع خلائق بنے۔ ۵۳۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن نیالتگین متوفی ۴۲۵ھ تھا جس کا ذکر اوپر تفصیل سے گزر چکا۔ اسی طرح ارباق الحاجب بھی محمود کا غلام تھا۔ اس کے زمانے میں لاہور کا والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول ۴۴۲ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ محمود کا مشہور غلام ابوالنجم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ایاز و محمود کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجدود کے ساتھ ۴۲۶ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجدود کا اتالیق تھا۔ امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

نوشتگین حاجب اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید نے ہندوستان میں مامور کیا تھا۔ طغاتگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ اسی طرح محمد باہیم حاجب متوفی ۵۱۱ھ کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ حضرت سالار مسعود غازی المقتول ۴۲۴ھ اس عہد کے ممتاز اعیان و سالار افواج میں سے تھے [1]

---

[1] لباب الالباب جلد ۲ صہ ۲۵۱، التواریخ بدایونی، عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی صہ ۱۰۱۔

سلطان معز الدین محمد بن شام غوری

غوری سلطنت کا بانی عز الدین حسین عربی وایرانی مخلوط نسل کے قبیلہ سے تھا جو آل شسنب کہے جاتے تھے۔ ۴۹۳ھ/۱۰۹۹ء میں خود مختار حکومت کی بنا عز الدین نے ڈالی۔ اس کا پوتا معز الدین محمد بن شام مشہور شہاب الدین تھا جس نے غزنی کو فتح کیا جس کی وجہ سے صوبہ دار بنا۔ پھر اپنے برادر سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا۔ تھوڑے عرصہ میں اس نے خود اور اپنے گورنروں کے ذریعہ پشاور سے بنگال تک علاقہ زیر نگیں کر لیا۔ دوسری طرف ملتان وسندھ میں اپنا اقتدار بٹھایا۔

سلطان معز الدین ۵۳۲ھ میں غور میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی حکمران غور کا تھا۔ اس نے بدو شعور کے بعد سے ہی اپنی حرب دانی کی وجہ سے سپہ سالار کے عہدے تک پہنچ گیا۔

معز الدین نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے مثل فتوحات کا داعی ہوا۔ غزنوی حکومت کا دائرہ جہاں تک تھا اس حصہ کو پہلے قبضہ میں لانا چاہا۔ چنانچہ پنجاب پر پہلے اس کی توجہ تھی۔ اس کے علاوہ قرامطہ جنہوں نے الحاد پھیلا رکھا تھا ان کے وجود سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

قرامطہ کا استیصال

چنانچہ سب سے پہلے سلطان ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء میں ملتان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا۔ رانی کی لڑکی سے شادی کی۔ ملاحدہ گجرات کے نگھیلے راجہ بھیم دیو کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ سلطان نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ ملاحدہ روپوش ہو گئے اور اُن کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

غزنوی سلطنت کو مٹانا

اس کے بعد اُس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت کے نشان کو مٹانے کے لئے پے در پے حملے کئے۔

اس غرض سے اُس نے جموں کے راجہ چکر دیو سے دوستی کرلی تھی اور اسی کی دعوت پر آکر غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا، چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر پناہ پر دستک دی اور ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد اُس نے لاہور پر چڑھائی کی۔

پھر ۵۸۱ھ (۱۱۸۵ء) میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور اس کے دوسرے سال جیسا کہ اُوپر گزرا۔ بالآخر ۵۸۲ھ میں اُس نے لاہور فتح کرکے غزنوی شہزادہ خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندوستان سے غزنوی سلطنت کا نشان مٹ گیا۔

ہندوستان میں مستحکم سلطنت کی بناء تاسیس تیسرے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے سب سے پہلے ۵۷۴ھ (۱۱۷۸ء) میں گجرات پر چڑھائی کی اور اس کے صدر مقام نہلواڑہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ مول راج اور اس کے چچا راجہ بھیم بگھیلا نے اس کو شکست دی۔ دوسرا حملہ اس نے ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں بھٹنڈا پر کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ یہ مقام دلی کے راجہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کی واپسی میں پرتھوی راج نے اس کا تعاقب کیا۔ تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہُوا۔ پرتھوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجمیر کی سلطنتیں اس کے قبضہ میں آگئیں اور مشہور قلعے سرستی، ہانسی، ہمانہ اور سکرام وغیرہ اس سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے پرتھوی راج کے قدیم خاندانی اعزاز کو برقرار رکھا اور اُس کے لڑکے کو اجمیر کے تخت پر بٹھادیا اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت بنا کر غور واپس چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے پہلے سکرام پھر دلی کو اپنا پائیہ تخت بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر فتوحات میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں میرٹھ فتح ہُوا۔ اور ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں علی گڑھ قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان آیا اور اٹاوہ کے قریب چنداور میں قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی اور وہ لڑائی میں

مارا گیا اور قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کی حدود میں داخل ہو گیا۔
پھر قطب الدین ایبک نے ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں گجرات کے پایۂ تخت پٹن کو فتح کیا اور ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں اس نے انہلواڑہ لوٹا اور راجہ بھیم نے شکست کھائی۔
پھر تیسرے سال ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے لئے نائب حکومت مقرر کر کے چلا آیا۔ مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا۔ دوسری طرف ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء میں چندراوتی آبو اور نگور کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر ایبک نے سب کو شکست دے دی۔ اسی طرح ۵۹۳ھ/۱۱۹۶ء میں اس نے بیانہ کو فتح کیا اور گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔
پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۵۹۶ھ/۱۱۹۹ء میں بہار کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایۂ تخت ندیا پر قبضہ کیا اور دوسری طرف کالنجر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا۔ اس نے اطاعت قبول کی۔ پھر مہوبہ کالپی اور بدایوں اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء میں سلطان شہاب الدین غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات

سلطان ہو لکر قوم کے فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان آیا تھا انہیں مطیع کیا [1] ۲۵ فروری ۱۲۰۶ء کو لاہور میں داخل ہوا۔
۳ر شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۲۰۶ء کو جب سلطان لاہور سے میک (دھمک ضلع جہلم) میں پہنچا تو بقایا عمر وہیں گزاری۔ ملاحدہ نے جو لشکر میں خدمتِ دربانی پر مامور تھے موقعہ پا کر انتقاماً سوتے میں شہید کر ڈالا [2]۔ لاش غزنی لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔

طبقاتِ ناصری میں سنہ وفات یہ ہے :-

---

[1] ہندی قرونِ وسطیٰ جلد دوم صفحہ ۲۰۰ [2] گزیدہ مستوفی۔ مبارک شاہی۔ جہاں کشائے جوینی

شہادت ملک بحر و بر معز الدین ... کز ابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرہ شعبان بسال شش صد و دو ... فتاد در رہ غزنیں بمنزل دمیک[1]

جانشین سلطان کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنر منصب کے فرائض اس کی زندگی میں انجام دیتے تھے اور وہی اس کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دعوے دار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین یلدز، سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے۔ ان میں سے اول الذکر یلدز نے غور میں اس کی جانشینی کی اور پشاور کے اس پار کا علاقہ اس کے زیرِ تصرف رہا۔ قطب الدین ایبک دلی کی سلطنت پہ بیٹھا اور ناصر الدین قباچہ کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا۔ اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ ابتداءً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی۔ ۶۰۵ھ ۱۲۰۹ء میں ایبک چڑھائی کرتا ہُوا غزنی تک قابض ہو گیا۔ مگر پھر ناکام واپس ہو کر اپنی سلطنت پر قناعت کرنی پڑی۔ سات سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رُخ کیا مگر قطب الدین کے زور آور پنجوں کی گرفت میں آ گیا اور بدایوں میں قید کر دیا گیا۔

پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور دلی کو پایۂ تخت بنائے رکھا۔ دوسری طرف ناصر الدین قباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں۔ اس سے بھی اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر قباچہ پیش نہ پا سکا۔ بالآخر سندھ کی سلطنت بھی اس نے کھوئی۔ ۶۲۴ھ ۱۱۲۶ء میں یہ صوبہ دلی کے ماتحت آ گیا اور قباچہ نے دریا میں ڈوب کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

سیرت و کردار سلطان شہاب الدین متقی، دیندار، شجاع اور عدل پرور تھا۔ رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا اور اُن کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا۔ غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں چار دن اُس

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۲۴

کی موجودگی میں امیر حاجب و امیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحبِ معاملہ براہِ راست توجہ سلطانی کو منعطف کرانا چاہتا تو اس کی سماعت خود کرتا تھا اور قوانین احکامِ شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے۔ وہ خود صاحبِ علم تھا۔ فقہاء و علماء اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے۔ اور فقہ و دیگر علومِ دین کے مسائل زیرِ بحث رہتے تھے۔ وہ مذہبًا شافعی تھا صاحبِ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا۔ ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلسِ وعظ منعقد ہوتی۔ امام رازیؒ کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

علماء و مشائخ غزنی کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلاء بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض اہلِ علم شہاب الدین غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے کیتھل میں اقامت اختیار کر کے علم کی خدمت میں معروف رہے ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

اس دور کے دوسرے اہلِ علم شیخ سراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں۔ وہ فقہ، اصول اور علومِ دینیہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور اساتذۂ عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ سلطان شہاب الدین نے ۵۸۳ھ میں لاہور کی قضات عسکر پر مامور کیا۔ منہاج سراج صاحبِ طبقات ناصری ان ہی کے صاحبزادے تھے۔ طبقاتِ ناصری اور لباب الالباب میں ذکر آیا ہے۔ وہ خلیفہ ناصر دین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے سفیر بھی

بنا کر بھیجے گئے۔

واپسی میں ۵۹۰ھ کے بعد مکران میں وفات پائی۔

اسی طرح شیخ خطیر الدین محمد بن عبدالملک جرجانی اس عہد کے ممتاز اہلِ علم و اربابِ صلاح میں سے تھے۔ عوفی کا بیان ہے کہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ عوفی نے کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔

یوں تو اس دور میں جب ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جاری تھے حضرت خواجہ اجمیری و دیگر ممتاز مشائخ کرام یہاں تشریف لائے۔ مگر ان بزرگانِ دین کے فیوض و برکات کا سلسلہ سلاطینِ دہلی کے دور تک جاری رہا۔ اس لئے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہوگا۔[۱]

سُلطان قطب الدین ایبک المعزی

سُلطان قطب الدین تاتاری تھا۔ کم عمری میں بردہ فروش کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ ترکستان سے لے آیا۔

تاریخ مبارک شاہی میں ہے:۔

"در شہر نیشاپور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز کوفی کہ از اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ بود خرید در مرافقت فرزندان او کلام اللہ خواند و تیر اندازی آموخت۔ چنانچہ در اندک مدت کامل حال گشت چوں بزرگ شد تجار بحضرت غزنین بر دست سلطان معز الدین محمد سام فروختند بہمہ باب اوصاف حمیدہ و آثار گزیدہ داشت فاما

---

[۱] عہدِ اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی۔

چنداں جمال نداشت و انگشت خنصرش شکستہ بود و در شجاعت و سخاوت نظیر خود نداشت [1]

معز الدین کی عنایات روز بروز اس پر مبذول ہونے لگیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک مجلسِ عیش و طرب میں اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اس نے اس وقت اس عطیہ کو سب فراشوں، ملازموں اور اپنے ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس ایک پیسہ نہ رکھا۔ بادشاہ یہ بات سُن کر بہت خوش ہوا اور حضوری کا حکم دیا۔ پھر میر آخوری کا عہدہ عنایت کیا۔ غور، غزنی اور بامیان کے سلاطین جب سلطان شہاب الدین سے خراسان کی طرف لڑنے لگے تو وہاں اس نے بہت کارہائے نمایاں کئے اور اس کی شجاعت کی ایک دُھوم مچ گئی۔

ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دفعتہً سلطان شاہ کے آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑے سپاہی تھے مگر پھر بھی اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور قید ہو گیا۔ جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین کے سامنے اونٹ پر بٹھا کر اسی صورت سے نکال کر لائے جس صورت سے وہ قید خانہ کے پنجرے کے اندر رہتا تھا۔ اس نمک حلالی پر اس کا اور اعتبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو وہی ہندوستان میں سلطان کا نائب اور قائد سپہ سالار مقرر ہُوا۔

اوصاف سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی الاصل ہونے کی وجہ سے شجاعت اور جوانمردی ماں کے پیٹ سے لایا تھا۔ سخاوت اور فراخ دستی اس کی عادت تھی۔ لاکھوں روپے فیاضی سے دوستوں کو دیتا تھا۔ اسی سبب سے لک بخش اس کا لقب تھا۔ شجاعت نے دُشمنوں کو زیر کر رکھا تھا اور سخاوت نے دوستوں کو محکوم بنا رکھا تھا۔ وہ ایسا ہر دلعزیز اور مقرر تھا کہ کوئی شخص اس پر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لئے اُس نے

---

[1] تاریخ مبارک شاہی صفحہ ۳۵

بہت سے ناطے رشتے کئے۔ اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصر الدین قباچہ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مر گئی تو دوسری بیٹی سے نکاح کر دیا۔ شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا اس سے بھی اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔

ناصر الدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ سے بزرگ جانتا تھا اور اسی کی طرف سے سندھ پر حاکم مقرر تھا۔ مگر تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا اور اب تک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھ کر لاہور پر چڑھ گیا اور اس پر قبضہ جما لیا۔ مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ ۶۰۳ھ ۱۲۰۵ء میں قطب الدین نے اس کو غزنی سے باہر نکال دیا اور چالیس روز تک غزنی میں اپنا ڈنکا بجایا اور تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے پھر قطب الدین سے غزنی لے لیا اور قطب الدین وہاں سے لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔

عدالت، انصاف، خوش خوئی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ بڑا مشہور تھا اس کی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہے۔ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر ہندوستان میں اس کا انتظام اور بندوبست بہت زور سے تھا اور اس کے بعد بیس برس تک قائم رہا۔

صاحب تاج المآثر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایبک ایسا عادل بادشاہ تھا کہ اس کے عہد میں گرگ و گوسفند ایک ہی جگہ پانی پیتے تھے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔ بے جا تعصب بالکل نہ تھا اس کی فیاضی سے ہندو مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ اس نے دہلی میں خوب صورت جامع مسجد تیار کرانا شروع کی جس کی یادگار قطب مینار باقی ہے۔

قطب الدین ایبک عدیم المثال فاتح، یکتائے روزگار منتظم اور

ہر دل عزیز عادل[1] اور علم و ادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش رو پر سبقت لے گیا تھا۔ مقربین سلطان شہاب الدین نے ایک دن شہاب الدین سے عرض کیا :-

"قطب الدین ایبک اس شہر کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور کھلی بغاوت اختیار کرنے والا ہے"

قطب الدین کو اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ بہت جلد خفیہ طور پر غزنی میں رات کو پہنچا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے رقیبوں کو اس کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے اپنے تخت کے نیچے چھپا کر بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایبک کے دشمنوں اور حاسدوں کو طلب کیا۔ ان کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھا کر ایبک کے بارے میں ان سے سوالات شروع کئے سب نے بالاتفاق کہا۔ ایبک باغی ہے اور سلطنت پر قابض ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے تخت کے پائے کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ندا دی۔ ایبک نے جواب دیا "لبیک" یعنی حاضر ہوں۔ وہ اپنے الزام لگانے والوں کے روبرو آیا۔ وہ اس کو دیکھ کر متحیر ہو گئے اور زمین پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے فرمایا :-

"اس دفعہ میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ مگر آئندہ ایبک کی عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو"

آرام شاہ قطب الدین کے واقعۂ ناگزیر کے بعد امرائے سلطنت نے اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے، آرام شاہ پسر قطب الدین کو تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ مگر اس میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ ایک سال سلطنت پر نہ گزرنے پایا تھا کہ حکومت کے ٹکڑے اڑ گئے۔

---

[1] طبقات ناصری جلد ا صـــ ۲۹۸۔

ناصر الدین قباچہ مملکتِ سندھ پر متصرف ہُوا۔ مملکت بنگال میں خلجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر ہندو راجاؤں نے دنگہ فساد پھیلایا۔ امیر علی اسمٰعیل دیلمی اور دوسرے امراء کو جنہوں نے متفق الرائے ہو کر آرام شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ اپنی رائے سے ندامت اور پریشانی ہوئی۔ انہوں نے ملک شمس الدین التمش، جو قطب الدین کا غلام داماد متبنٰی اور بدایوں کا حاکم تھا۔ آدمی بھیج کر اس سے سلطنت کی استدعا کی۔ وہ اپنی جمعیت لے کر دہلی آیا۔ شہر پر متصرف ہُوا۔ آرام شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے لڑائی میں اس کو شکست دی۔ پھر آرام شاہ مر گیا۔ اُس نے ایک سال بھی سلطنت نہ کی اور آپس میں ممالک ہندوستان کے چار حصے ہو گئے۔ مملکت سندھ پر ناصر الدین قباچہ متسلط ہوا۔ ممالک بنگال میں ملوک خلجی متصرف ہُوئے۔ صوبہ دہلی پر سلطان التمش قابض ہُوا۔ حکومت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں رہتی۔ کبھی ناصر الدین قباچہ متصرف ہوتا اور کبھی شمس الدین التمش کی حکومت قائم ہوتی۔

مقبرہ سلطان سلطان التمش نے سلطان کا مقبرہ لاہور میں تعمیر کرایا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تغلق نے درستی کرائی۔ ۱۷۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے گروا دیا۔ اب ایک چبوترہ پر مزار ہے[۱]

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جود وسخا میں مشہور تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی اور داد دہش کے واقعات ضرب المثل ہو گئے۔ وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپے تقسیم کرتا تھا جس سے لک بخش مشہور ہُوا۔

امام ملک الکلام بہاد الدین اوش مدح میں لکھتے ہیں ؎

---

[۱] اب حکومت پاکستان نے ایک خوب صورت مقبرہ تعمیر کرا دیا ہے۔

ے اے بخشش تو لک بجہان آوردہ کانزا کف تو کار بجان آوردہ
زر رشک کف تو خون گرفتہ دل کان پس لعل بہانہ درمیان آوردہ

بڑے بڑے شعراء اور علماء قطب الدین کے دربار سے منسلک تھے۔ ملک الکلام بہاء الدین اوش ایبک کے دامن دولت سے وابستہ تھا اور اس کی مدح میں قصیدہ پیش کر کے داد لیتا تھا۔

ے اے قطب آسماں کہ رسہم و زباس تو
در روز رزم رستم خونخوار بشکند

قطب الدین کے ایک دوسرے شاعر نے جس کا نام عوفی تھا لب اللباب وغیرہ جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے۔ اس نے بھی قصیدہ لکھا ہے ے

خداوند اشہے گیتی ستانے کہ شاہان جمانش بندگانند

قاضی امام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر المحمودی، یہ بھی دربار سے منسلک تھا۔

سید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی عوفی لکھتا ہے :-

"مدتہا دیوان انشاء سلطان شہید مدار او بود"

ایبک علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس کی فرمائش سے صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے تاریخ تاج المآثر لکھی [1]

شرف الملک ایبکی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔

قطب الدین علم پروری اور معارف نوازی میں مشہور تھا۔

✽

---

[1] نیشاپوری نے ۶۰۲ھ میں کتاب لکھنا شروع کی جو ۵۸۷ھ سے ۶۱۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ کشف الظنون جلد ۱ صـ ۲۱۱ ۔

سلطان شمس الدین التمش شہنشاہِ ہند

خاندانی حالات

سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراختائی سے تھے۔ اس کا باپ قبیلہ اکبری سے تھا۔ اس کا نام ایلم خاں تھا جو اپنے قبیلے میں نامور اور بہادر شجاع شخص تھا۔ خیل وحشم کے ساتھ اس کے جرگہ میں بڑے بڑے بہادر ترک شامل تھے [1] التمش کے چند بھائی تھے مگر خوبی سلیقہ مندی اور حسنِ صورت کی وجہ سے التمش باپ کا نورِ نظر سب سے زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام بھائی اس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کانٹے کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ التمش کے بڑے بھائیوں نے ایک دن باپ سے شکار کی اجازت لی اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے گئے اور وہاں جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ التمش کو فروخت کر دیا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا۔ صدر جہاں بخاری کے عزیز نے سوداگر سے خرید لیا۔ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر جمال الدین چست قبا کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

التمش کا واقعۂ زندگی

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاد تھے، یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں اور بہت سے مشائخ صوفیاء قاضی بغداد کے یہاں مہمان تھے۔ پہلے قاضی نے تمام حضرات کی اکل وشرب سے

---

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۰۴۔

تواضع کی۔ اس کے بعد محفلِ سماع منعقد کی گئی۔ رات بھر قوالی ہوتی رہی۔ قاضی کے غلاموں میں سے ایک نہایت خوب صورت ترک بچہ تھا جو ساری رات کمر باندھے محفل میں کھڑا رہا۔ کبھی شمع کا گل کترتا تھا کبھی مہمانوں کی خبر گیری کرتا۔ کبھی اپنے آقا کی آواز پر دوڑا ہوا جاتا اور حکم کی تعمیل کر کے ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا اور کبھی آنکھیں بند کر کے قوالی کے اشعار پر جھومتا۔

مشائخ جس قدر شریکِ محفل تھے سب التمش کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ رہے تھے۔ جب قوالی ختم ہو چکی تو قاضی صاحب نے اپنے معزز مہمانوں سے کہا کہ اس غلام پر توجہ ڈالئے اور دعا فرمایئے تاکہ اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی فلاح سے اس کو نوازے۔ یہ سُن کر تمام اولیاء اللہ نے التمش کو بلا کر دعائے خیر کی۔

کچھ عرصہ بعد قاضی کو ضرورت پیش آئی۔ اس نے التمش کو پھر حاجی جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حاجی صاحب اسے غزنی لے گئے۔ ان دنوں کوئی ترک بچہ اس سے زیادہ حسین اور عقیل غزنی میں نہ پہنچا تھا۔ اس کا تذکرہ سلطان معزالدین محمد سام سے کیا گیا۔ جمال الدین کے پاس ایک غلام اور تھا جس کا نام ایبک تھا۔ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار دینار تجویز ہوئی۔ سلطان ہر دو کو صرف ایک ہزار دینار دے کر خریدنا چاہتا تھا۔ حاجی رضامند نہ ہوا۔ سلطان بگڑ بیٹھا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں کوئی شخص ان غلاموں کو خرید نہ کرنے پائے۔ ورنہ میری مرضی کے خلاف اس کا یہ عمل ہوگا۔ ایک سال اس واقعہ کو ہو گیا۔ سلطان قطب الدین ایبک راجہ ہنروالہ کی شکست کے بعد ملک نصیر الدین جرنیل کے ہمراہ غزنی میں آیا۔ التمش کی خبر اس کے گوش زد ہوئی اس نے سلطان سے خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے کہا غزنی میں تو یہ فروخت نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں سے دہلی لے جا کر سودا گر بیچ سکتا ہے۔

قطب الدین غزنی سے دہلی لوٹ گیا اور اپنے وزیر نظام الدین سے کہتا گیا کہ حاجی جمال الدین چست قبا ہمراہ معہ غلاموں کے دہلی آوے۔ چنانچہ

یہ لوگ دہلی پہنچے۔ قطب الدین نے ہر دو ترک بچوں کو ایک لاکھ جیتل میں خرید لیا۔ ایک کا نام "طمغاخ" رکھا اور بھٹنڈا کا امیر مقرر کیا اور التمش کو اپنی فرزندی میں لے کر میر شکار کیا۔ اس اثناء میں گوالیار فتح ہُوا تو التمش کو وہاں کی حکومت دی گئی۔ اس کے بعد برنی اور بدایوں کی حکومت پر فائز کیا گیا۔

فتنہ کھکران کے دفعیہ کے لئے سلطان معزالدین محمد سام وارد ہند ہُوا۔ التمش بدایوں سے فوج لے کر پہنچا۔ ان کھکروں نے دریائے جہلم پر زبردست مورچہ بنایا تھا۔ قطب الدین ایبک نہیں پہنچا۔

یہاں التمش نے کھکروں کے مقابل وہ دادِ شجاعت دی کہ کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیش بندی نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور پایاب موقعہ پر کھڑا ہو کر اس قدر کھوکروں پر تیر کی بارانی کی کہ دشمن کے ہوش بھلا دیئے۔ آخر ش میدان جیت لیا۔ اس کی مردانگی اور دلاوری سے محمد سام خوش ہُوا۔ سلطان قطب الدین سے سفارش کی اور خطِ آزادی اُس کے لئے لکھوایا اور سلطان سے تاکید کی کہ التمش کی تربیت میں کوتاہی نہ ہو۔ یہ آگے چل کر بہت ہی مفید ثابت ہو گا۔

اس کے بعد سے التمش نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں کئے اور اپنے قوتِ بازو سے مرتبہ امیرالامرائی پر پہنچا۔

شادی سلطان قطب الدین ایبک کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دُختر کو التمش کے عقد نکاح میں دے دیا۔ اس خاتون بزرگ سے رضیہ سلطانہ پیدا ہُوئی اور چند صاحبزادے ہُوئے۔

تخت جلوس سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی موت سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا۔ مگر اس کی ایک سالہ حکومت میں علاقہ دہلی کے اجزاء بکھرنے لگے تو امیر علی اسمٰعیل سپہ سالار اور امیر داد دیلمی و دیگر اعیانِ سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے

التمش سے استدعا کی کہ دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالے۔

چنانچہ التمش معہ لشکر کے بدایوں سے دہلی آیا اور تخت پر ۶۰۷ھ میں جلوس کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین التمش رکھا۔ وزیر نظام الملک کو قرار دیا۔

بیعت

ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"لوگوں سے بیعت لینی شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی وجیہ الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اُس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے فرش کا کونہ اُٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہُوا کہ قطب الدینؒ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ قاضی اور فقہاء نے اس کو پڑھا اور سب نے بیعت کر لی"۔ [۱]

بادشاہت حاصل کرنے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہُوا۔ دربار میں اہلِ علم کو جگہ دی گئی۔ خود بادشاہ فقراء کا گرویدہ تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے حسن عقیدت رکھتا تھا۔

علماء کے زیر اثر شریعت کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ شرع کے خلاف امور بند کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے۔ لیکن جب سماع سُننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا۔ جس مکان میں محفل سماع ہو گی اس مکان کا مالک جوابدہ ہو گا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ

---

[۱] للعجائب الاسفار ابن بطوطہ جلد دوم۔

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری دہلی آئے۔ ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ اگر چند دن نہ سنتے تو کبیدگی طبیعت میں رہتی۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔

" قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سُننے عرصہ ہو گیا تھا اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک مکاندار سے معاملہ کیا کہ وہ مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے۔ مکاندار راضی ہو گیا اور میں نے اس مکان میں محفلِ سماع شروع کرائی۔ قوالی کی آواز پر محتسب آگیا۔ اور اس نے تمام اہلِ مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہٰذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محتسب نے جواب دیا۔ جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے۔ برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلیئے۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ بجائے محتسب سے اُلجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیئے۔ چنانچہ محتسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہنچا۔ وہ دربار میں بہ شان و شوکت بیٹھا ہُوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھارہی تھی۔ سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے دوسری طرف علماء و مشائخ بیٹھے ہُوئے تھے۔ میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہ پایا اور یاد آگیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لئے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔

سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا۔ سلطان نے کہا " کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلسِ سماع میں نے اپنے پایۂ تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے؟"

میں نے کہا " مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے اہل مجلس یا صاحبِ مجلس ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں "

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس نے کہا تم میرے سامنے حیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دوسروں کے مقابلہ میں سخت سزا دینی چاہیئے۔

یہ بادشاہ کا بیان سن کر میں نے کہا اور سلطان بھی میری سزا میں جو میرے لئے تجویز ہے، برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم ہے جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان بھی ساری رات قوالی سنا کیا اور اس پر وجد بھی طاری ہوا تھا۔

سلطان یہ سن کر طیش میں آ گیا اور کہا "تم جھوٹ بولتے ہو، میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی"۔

میں نے کہا "سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سنئے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور چشم دید اور گوش شنید گواہی دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سنتے اور جھومتے ہوئے دیکھا۔ میری اس بے باکانہ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا۔ قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"قاضی! یہ ذکر کب کا ہے؟"

میں نے کہا "سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چاروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں اور جب عالم غیب کے دربار میں ان اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لئے تیار کرایا گیا تھا، اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ محفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔

سلطان التمش نے قاضی صاحب کے سامنے نظر جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ

کر کہا "تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا"
میں نے کہا " اے سلطان! یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے میں بغداد کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا۔ مگر اے سلطان اس رات بھی آپ غلام نہ تھے اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر ہیں جو مایوس غلاموں کو آزاد کرتا رہتا تھا اس رات بھی آپ کی صورت وسیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے"
سلطان آبدیدہ ہوگیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے نزدیک آکر بیٹھے اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا اور کہنے لگا۔
"مجھ کو ایک ایک کر کے سب باتیں اس رات کی یاد آگئیں اور مجھے یہ بھی یاد آگیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر واجابت نے مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا"
اس کے بعد حکم دیا کہ" ہم نے اپنے پہلے دونوں احکام منسوخ کئے۔ آئندہ محفلِ سماع کی روک ٹوک نہیں ہے" تمام اہلِ مجلس رہا کئے گئے۔
قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا" حضور کا قیام کہاں ہے؟"
قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین اوشی کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔ سلطان سُن کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں اُن کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد ہیں تو میرے بھی اُستاد ہیں۔ آپ کو بعزت واحترام رخصت کیا۔ جب کبھی قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے تعظیم وتوقیر سے پیش آیا کرتا۔

واقعۂ سخاوت

جواہر فریدی سے نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی سخاوت کا شہرہ دور دور تک پھیلا تو ناصری شاعر ایک قصیدہ سلطان کی شان میں لکھ کر لایا۔

یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی کرامت وفضل وکمال کا شہرہ سنا۔ ایک قصیدہ حضرت کی شان میں بھی لکھا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قصیدہ پڑھ کر دعا چاہی کہ بادشاہ کی سرکار سے مجھ کو مال خطیر ملے۔ حضرت نے دعا کی اور فرمایا کہ تجھ کو بہت کچھ ملے گا۔

جب دربار میں ناصری پہنچا۔ قصیدہ پڑھا، سلطان اس کو سنتے سنتے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ناصری نے یہ دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین کی طرف توجہ کی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجہ ہوا۔ قصیدہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ۵۶ ہزار روپیہ اُس کو عطا کیا[1]

ابتدائی زندگی کا واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بازار بھیجا۔ میں بچہ تھا نقدی کہیں گر گئی۔ مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا۔ ایک درویش آپہنچا، سبب گریہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا اور درویشوں کو بھول نہ جانا۔ ان کی عزت اور تعظیم کرنا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ وعنایت سے ملی ہے[2]

حملۂ ملحدین

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام

---

[1] سوانح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ [2] ہندوستان کی اسلامی تاریخ ص ۲۴۰۔

مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحدین نے تلوار کھینچ کر جبکہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے، جامع مسجد میں گھس آنے کی کوشش کی۔ کئی ایک بے گناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچا لیا اور تمام مسلمانوں نے ملحدوں کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۷ھ سے لے کر ۶۲۴ھ تک التمش امرائے ترک مغربیہ وقطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کر سکا۔ چنگیز خاں جس نے خوارزمی، غور، ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر وہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔

اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست دے کر بدایوں میں قید کر دیا اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔

چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہو سکا تمام خدشات سے مطمئن ہو کر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کر دی۔ غیاث الدین عوض خلجی خود مختار سلطان تھا۔ وہ التمش سے مرعوب ہو گیا اور اطاعت کی۔ تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد پیش کیا اور خطبہ وسکہ التمش کا جاری کیا گیا۔

جنگیں

سلطان التمش سے سردارانِ ترک فرخ شاہ وغیرہ نبرد آزما ہوئے مگر اس کا چراغ دولت نور تائید الٰہی سے روشنی قبول کئے ہوئے تھا۔ نامی سردار ترک

سامنے آئے اور ہار گئے۔

سلطان تاج الدین یلدوز نے جو غزنی کا بادشاہ تھا شاہی مراتب معہ چھتر التمش کے پاس بھیجے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس کے بعد سے جہاں فوج کشی کی کامیاب ہوا۔ ۶۲۴ھ میں قلعہ مندو پر لشکر کش ہوا۔

"جملہ سوالک" اپنے قبضہ و دخل میں لایا۔ امیر روحانی جو اس عہد کا فاضل تھا چنگیز خاں کے مظالم سے تنگ آکر بخارا سے دہلی آگیا تھا۔ ان فتوحات پر تہنیت کے اشعار کہے۔ ان میں سے یہ ابیات ہیں۔ ؎

خبر باہل سما برد جبریل امین | ز فتحنامۂ سلطان عہد شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا را | بدیں بشارت بندید کلۂ آئین
کہ از بلاد سوالک شہنشہ اسلام | کشاد بار دگر قلعۂ سپہر آئین
شہ مجاہد و غازی کہ دست و تیغش را | روانِ حیدر کرار میکند تحسین[1]

خلعت عباسیہ

۶۲۶ھ میں عرب کے ایلچی خلافت کا لباس سلطان کے لئے لائے۔ شرط اطاعت و آداب بجالایا اور خلفائے عباسیہ کا لباس زیب جسم کیا اور خوشی میں شہر کی آئین بندی کی۔ امراء کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ گوالیار مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ چنانچہ خود گوالیار کی طرف عزیمت کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیوبل جو قلعہ کا والی تھا بادشاہ کی یلغار دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ قلعہ سلطان کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ملک تاج الدین جو منشی مملکت تھا اس نے قلعہ کی فتح پر رباعی کہی ؎

ہر قلعہ کہ سلطانِ سلاطین بگرفت | از طوق خداوند نصرت دیں بگرفت
آں قلعۂ گوالیار و آں حصن حصین | در شمائتہ سہ ثلاثین بگرفت

---

[1] فرشتہ

۶۳۱ھ میں مالوہ کی طرف یورش کی اور قلعہ بھلہ کو مسخر کرکے شہر اجین کو زیر نگین لایا اور بت خانہ مہاکال جو مثل صنم کدہ سومنات جو تین سو برس میں تعمیر ہوا تھا اور قلعہ کی طرح مستحکم تھا اس کو مسمار کیا۔ بکرماجیت کی مورت اور مہاکال کی مورتیں برنجی پر جو کانٹے سے ڈھلی ہوئی تھیں، اٹھا کر دہلی لے آیا اور جامع مسجد کی سیڑھیوں میں گاڑ دیں۔ پھر ملتان کی طرف فوج کشی کی۔ یہ سفر نامبارک ہوا۔ مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ اعیان سلطنت عماری میں بٹھا کر دہلی لائے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو عالم عقبیٰ کو راہی ہوا اور حوض شمسی میں دفن ہوا۔

علمی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ، علمی و روحانی مدارس نے اس کے عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ آج ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب واردِ ہند ہوا تو مرج کے کالج کا پرنسپل ہوا۔ اور بعد میں التمش کے ساتھ دلی آیا۔ لاہور، پنڈا، بدایوں اودھ، لکھنوتی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور ذاتی مدارس کھلے تھے، خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا۔ معلمین کو تنخواہ اور متعلمین کو اخراجاتِ تعلیم دیئے جاتے تھے اور مفت تعلیم ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازتِ تعلیم تھی۔ گو ہندوؤں نے اس عہد میں توجہ نہیں کی۔ آگے چل کر واقف ہوئے اور انہوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

روحانی مدارس و اشاعتِ اسلام

روحانی مدارس اس وقت خانقاہیں تھیں جن میں علمی تعلیم دی جاتی تھی۔ بڑی خانقاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی۔ زہد و ورع، تقویٰ و طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی۔ یہاں کے طلبا کو فقر و فاقہ، تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت ڈلوائی جاتی۔ یہ لوگ پہاڑوں، جنگلوں، دشت و بیابان میں ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گزارا کر سکتے اور اسلامی مشنری کا

کام دیتے تھے۔

التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض وجواد مہمان نواز، غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امراء، فضلاء، علماء، سلاطین، تاتار خوارزمی وغور خراسان وایران بغداد وعراق سے جان بچا کر دہلی آئے۔ سب کی غور وپرداخت حسب مدارج کی گئی اور ان کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ ملازمت، جاگیر ومعافی، تنخواہ ووظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی گئی اور غریب الوطن شرفاء کی معاونت میں چنگیز خاں جیسے جابر وقاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اپنی ذات اور فوج سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خاندانی شہزادوں اور امراء کا اس قدر جھمگٹا ہوا کہ دہلی میں اُن کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے۔ فضلاء وعلماء ومشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی۔ صناع واہلِ حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت وحرفت میں بڑی ترقی ہوئی۔

بخارا، غزنی، خوارزم کے قدردان سلاطین نے جن کاریگروں نے اقطار عالم سے چُن چُن کر اپنی سلطنت کی دولت وعظمت کو بڑھایا تھا وہ سب اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہنچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدّن ومعاشرت، صنعت وحرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

آدابُ الحرب والشجاعۃ

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں فنونِ حرب کے مسائل ومباحث پر ایک کتاب "آداب الحرب والشجاعۃ" تصنیف ہوئی۔ اس کا مصنف فخر الدین محمد بن مبارک شاہ المعروف بفخر مدبر سلطان معز الدین محمد بن سام۔ اس مصنف کا سلسلہ

نسب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کی ماں امیر بلکا تگین کی اولاد سے تھی جو امیر الپتگین کا حاجب کبیر اور اس کے فرزند ابو اسحٰق کا جانشین ہوا۔

اس مصنف سے اس کتاب سے پہلے کتاب شجرۃ الانساب لکھی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب وعجم اور خلفاء وسلاطینِ اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں۔ اور مقدمہ میں سلاطینِ غوریہ کے بعض واقعات ۵۸۶ھ تا ۶۰۲ھ تک کے اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔

اس مقدمہ کو سرڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن میں چھپوایا ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ہے۔ اس کی فہرست میں اس کا نام آداب الملوک وکفایۃ الملوک ہے۔

پروفیسر محمد شفیع ایم اے پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور نے آداب الحرب کے دو اقتباس نومبر ۳۷ء اورنٹیل کالج میگزین میں ۶۵ھ سے ۸۲ھ تک شائع کئے ہیں۔

فتوحات

التمش کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ بدایوں۔ نہٹور۔ حصار لکھنوتی۔ بہار۔ ملتان۔ اچھہ۔ دربھنگہ۔ اجین۔ جاجنگر۔ لاہور۔ کہرام۔ بھیلسہ۔ بنارس۔ سلوستان۔ دیول۔ قنوج۔ گوالیار۔ سیالکوٹ۔ جھمر اور مالوہ۔ اتنے ممالک ہند کے سلطان شمس الدین التمش نے اپنے عہدِ حکومت میں فتح کئے۔

پہلا دربار

فتوحات کے بعد شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء، علماء ودیگر مستحقین کو انعام واکرام سے مالا مال کیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار تھا۔

نامور فضلاء و علماء

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہلِ کمال موجود تھے۔ منجملہ ان کے نورالدین محمد عوفی تھا جس نے اس کے عہد میں جامع الحکایات لکھی۔ وہ رضیہ کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کا وزیر نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا یہ وزیر خلیفۂ بغداد کے دربار میں عہدۂ وزارت پر ممتاز رہ چکا تھا۔ وہ کمالاتِ صوری و معنوی میں مشہور ہوا۔ قاضی سعدالدین کردی، قاضی نصیرالدین، قاضی جلال الدین قاضی کبیرالدین وغیرہ اپنے وقت کے امام الائمہ تھے۔

التمش کے اوصافِ حمیدہ و عدل و انصاف

التمش کے متعلق مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے :۔

"وہ عادل، فاضل اور صالح تھا۔ ظلموں کے دُور کرنے میں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا :

جتنے مظلوم ہوں سب رنگین کپڑے پہنیں۔

اس وقت ہندوستان میں سب باشندے سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اس کے قضیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرتا۔ فقط اس نے اپنی اس تدبیر پر اکتفا نہیں کر رکھی تھی بلکہ اس نے فرمایا :

"بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہے ان کے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں"۔

اس واسطے اس نے اپنے دروازے پر سنگِ مرمر کے دو شیر [illegible]

بیں لکھوا دیئے۔ ان کے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی اوران میں گھنٹی لٹکا دی مظلوم رات کو آتے اوران گھنٹیوں کو زنجیر سے ہلاتے۔ بادشاہ ان کی آواز سُن کر خود باہر آتا اور مظلوم کی داد رسی کرتا۔ عدل وانصاف کے واقعات تاریخ میں بہت کچھ تحریر ہیں۔

غرباء پروری، مہمان نوازی، اسلامی خدمات التمش کی بہت بڑھی ہوئی ہیں گو وہ ظاہر ہیں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا۔ مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔ کوئی بداخلاقی بدوصفی اس سے منسوب نہیں کی گئی اس کو پابندیٔ احکام نے نمونۂ اسلاف بنادیا تھا۔"

اولاد

سلطان کی اولاد بہت زیادہ تھی۔ سلطان ناصرالدین، سلطان رضی الدین، سلطان معزالدین بہرام شاہ، سلطان قطب الدین محمد، سلطان ملک جمال الدین مسعود، ملک شہاب الدین محمد، سلطان علاء الدین مسعود شاہ، سلطان ناصرالدین محمود، سلطان غیاث الدین محمد شاہ، سلطان رکن الدین فیروز شاہ، سلطان ناصرالدین محمود شاہ، رضیہ سلطانہ۔

التمش کے پیرومُرشد

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابن سید کمال الدین موسیٰ اوشی ۵۶۱ھ میں اوش میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے مولانا ابوحفص کے سپرد کئے گئے۔ کم عمری میں علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بغداد جاکر ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری کے مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحدالدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمود اصفہانی سے فیوضات باطنی کا استفادہ کیا۔ خواجہ غریب نواز سلطانِ ہند نے ہندوستان کا

رُخ کیا۔ یہ بھی وطن چھوڑ کر ہند پہنچے۔ ملتان میں شیخ ضیاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں چندروز قیام کرکے دہلی آئے۔ موضع کیلوکھڑی میں سکونت اختیار کی۔ التمش آپ کا مرید ہُوا۔ ناگور سے قاضی حمید الدین آئے اور حسب الحکم حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین کی تعلیم پر تقرر ہُوا۔ بقیہ علوم کی تکمیل کرائی۔

التمش نے چاہا شہر میں قدم رنجہ فرمائیں آپ نے منظور نہیں کیا۔ شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی نے خواجہ کو دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی شکار ہو کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ صبر و قناعت کا صحیح نمونہ تھے۔ شانِ بے نیازی ملاحظہ ہو۔ گھر میں فقر و فاقہ سے رہتے۔ امراء نذرانہ لاتے ٹھکرا دیتے۔ التمش تک خبر پہنچی۔ اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لئے بھیجیں کہ حضور انہیں قبول فرمالیں۔ لیکن قطب الہند کی خدمت میں جب یہ نذر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس زر کو واپس لے جاؤ اور سلطان سے کہو میں تمہیں اپنا دوست جانتا تھا۔ اب معلوم ہُوا تم میرے دشمن ہو۔ جس چیز کو خدا نے دشمن فرمایا ہے وہ تم دوستوں کو دیتے ہو۔

حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبۂ خواب سے کسی قدر آرام کرلیا کرتے تھے مگر آخر عمر میں دن رات بیدار رہتے اور چوبیس گھنٹے یادِ خدا میں بسر کرتے۔ ایک روز شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں محفلِ سماع تھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ قوال نے حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس میں بروز دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو وصال ہُوا۔

آثارِ التمش

سلطان قطب الدین ایبک نے رائے پتھورا کے مندر کو مسجد کی صورت میں

کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ بعد اس کے التمش نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اس مسجد کے دونوں طرف جنوباً اور شمالاً تین تین در اور بنائے اور رائے پتھوار کے بت خانے کے باہر کے دالان تک مسجد بڑھادی۔ اس در میں بھی سنگ سرخ کے بہت تختے بنے ہوئے ہیں اور ان پر نسخ اور کوفی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں اور بہت عمدہ بیل بوٹے پھول پتی بنت کاری کے بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروں کے بیچ کے در کے بائیں بازو پر تاریخ تعمیر کی کندہ ہے۔ ان دروں کی اکثر محرابیں ٹوٹ گئی ہیں۔ بلکہ شمالی دروں میں کا ایک در سارے کا سارا سڑک میں آگیا ہے۔ جبکہ ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۳۳ء میں سلطان نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا۔

اس وقت بت خانہ مہا کال کو توڑ کر وہاں کی مورتین راج بکرماجیت کی تصویر سمیت دلی میں لاکر اس مسجد کے دروازے کے سامنے ڈال دی تھیں۔ یہ تین تین در ضلع غربی کے جانب، شمال رو، دو جنوب کو جو شمس الدین التمش نے بنائے تھے سینتلیس سینتیس گز اور ایک ایک فٹ لمبے ہیں اور بیچ کا در آٹھ گز چوڑا ہے اور جنوبی ضلع اس کا بت خانے کے قدیم دالان ہیں۔ جو برسی کے لئے بنائے تھے۔ ان کا طول ایک سو تینتیس گز سہ فٹی گز سے ہے[1]

قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ماذنہ

اس عمارت کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوشنمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت میں یہ عمارت ایسی ہے کہ روئے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کر دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے

---

[1] آثار الصنادید از سر سید احمد خاں

کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی اور ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے سے عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح نیچے والوں کو اُوپر کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتے آسمان سے اُترے ہیں۔ غرض کہ یہ لاٹ عجائب روزگار سے ہے۔

باوجود اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہُوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ کے نیچے کے درجے کی ایک کھنڈ مدوّر اور ایک کمرکی ہیں۔ اور اوپر کے دونوں درجے گول ہیں اور تمام سنگ سرخ لگا ہُوا ہے۔ مگر چوتھے درجے میں سنگِ مرمر بھی ہے اور ہر جگہ منبت کاری اور گلکاری ایسی خوب صورتی سے کی ہے کہ اس کی ہر ایک بیل مسلسل پر ہزاروں معشوقوں کی زلف دوتاں قربان ہے اور اس کے ادنےٰ سے ادنےٰ پھول پنکھڑی پر سینکڑوں گل رخوں کے لب جاں بخش نثار ہیں۔ مگر اس لاٹ کی بناء پر مؤرخین نے گفتگو کی ہے۔

مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لاٹ سلطان شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی ہے اور اکثر تاریخ کی کتابوں میں اور کتبۂ عہد سکندر بہلول میں اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش کی لاٹ لکھا ہے اور بعض تاریخوں میں اس لاٹ کو مسجد کا ماذنہ لکھا ہے۔ اور بعض کتابوں میں اس لاٹ کو سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہے۔

مگر اس سبب سے کہ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے۔ برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاؤ الدین نے جو لاٹ بنانی شروع کی اس کا شرق رویہ دروازہ رکھا اور نیز اس سبب سے کہ اکثر مسلمانوں کی عادت ہے کہ ایسی عمارت کو کرسی دے کر بناتے ہیں۔ جیسا کہ سلطان علاء الدین نے اپنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا،

برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدوں کرسی بناتے ہیں جیسے کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے۔
اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے پتھر کتبوں کے مقام سے ایسے
معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے پیچھے کو لگائے ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ جس طرح اصل
بُت خانے میں زنجیروں میں گھنٹے لٹکتے ہُوئے کھدے ہوتے ہیں اور نیز اس دلیل
سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامے کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین
کے نام کا اصل بت خانے پر ہے۔ اسی طرح اس لاٹ پر ہے۔

غالب ہے کہ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا ہندوؤں کے وقت کا ہے۔ کچھ عجب نہیں
کہ اس پہلے کھنڈ میں جہاں جہاں کُتبہ کھدا ہُوا ہے وہاں بُتوں کی مورتیں ہوں۔
اس سبب سے وہ پتھر نکال کر یہ کتبہ جن میں بادشاہوں کے نام اور قرآن مجید کی
آیتیں ہیں لگائے ہوں جن میں بادشاہ کی تعریف ہے۔

جو بات کہ مدت سے مشہور چلی آتی ہے کہ یہ لاٹ رائے پتھورا نے اپنے قلعہ
اور بت خانہ کے ساتھ یعنی سمت ۱۲ بکرماجیت مطابق ۱۱۴۳ء موافق ۵۳۸ھ
کے بنائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹی سورج مکھی مذہب تھی اور ہندو
جمنا کو سورج کی تیزی کا استاد لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مذہب والے جمنا کا
درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں۔ اس سبب سے جمنا کے درشن کو
لاٹ کا پہلا کھنڈ بنا۔

۵۸۷ھ مطابق ۱۱۹۱ء میں جب یہ بُت خانہ مسلمانوں نے فتح کیا تو اس
پر اپنے نام کے کتبے لگائے اور فضل ابن ابوالمعالی کو متولی کیا اور اس کا نام پتھر
پر کھدوا کر دروازے کے پاس لگا دیا۔ جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش نے
اس مسجد کے اِدھر اُدھر تین تین در بڑھائے۔ یعنی ۶۲۷ھ مطابق ۱۱۲۹ء کے
اسی زمانے میں اس لاٹ کو بھی بڑھایا اور دوسرے کھنڈ کے دروازے پر اس
کا حال کھدوایا اور جب سے اس کا نام ماذنہ رکھا اور ہر درجہ پر اسی نام کا کتبہ
اور جمعہ کی نماز کی آیت کو کھودا اور معمار کا نام لکھا۔

اگرچہ اب اس لاٹ کے پانچ کھنڈ ہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جس طرح مشہور ہے پہلے اس لاٹ کے سات کھنڈ تھے اور منارۂ ہفت منظری کے نام سے بھی یہ لاٹ مشہور ہے اور جہاں اب کٹہرا لگا ہوا ہے وہاں ایسے کنگورے بنے ہوئے تھے جیسے فصیلوں کے ہوتے ہیں اور پانچویں درجے پر ایک درجہ تھا اس کے چاروں طرف دروازے تھے اور اس کے اوپر بطور ملبی برجی کے مثل راس مخروط لداؤ تھا کہ ساتواں درجہ شمار میں آتا تھا۔ یہ ساتواں درجہ ۷۷۰ھ مطابق ۱۳۶۸ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ مرمت کے وقت میں نے اس لاٹ کو جتنی پہلے تھی اس سے اونچا کر دیا۔

اس لاٹ کی مرمت کا حال پانچویں کھنڈ کے دروازے پر کھدوا دیا۔ اس کے بعد پھر لاٹ مرمت طلب ہو گئی تھی۔ ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں مرمت کی اور اس کا حال کھدوا کر پہلے دروازے کی پیشانی پر کھدوا دیا۔ مشہور ہے کہ تخمیناً ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں کالی آندھی کے بعد بھونچال کے صدمے سے اوپر کے کھنڈ گر پڑے تھے۔ اور اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئے تھے۔ ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ھ کے سرکار دولتمدار انگریزی کے حکم سے مسٹر سمتھ صاحب گڑھ کپتان نے اس لاٹ کی اول سے آخر تک مرمت کی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگیں کٹہرا بہت مستحکم لگا دیا اور پانچویں درجہ پر برنجی کٹہرا بہت خوب صورت بنا دیا اور چھٹے کھنڈ کی جگہ کاٹ کر برجی لگائی تھی اور اس پر پھر یرا کھڑا کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دونوں برجیاں قائم نہ رہ سکیں۔ اس سبب سے سنگین برجی کو لاٹ پر سے اتار کر نیچے کھڑا کر دیا ہے اور کاٹ کی برجی ضائع ہو گئی۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں۔ اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنا دی ہے جب غور سے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں

اور چند جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کندہ کر دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی۔ آج تک اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے گئے تھے۔ ہم نے (سرسید نے) سارے کتبے دوربین کی استعانت سے پڑھے ہیں۔ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا بتیس گز کئی انچ اور دوسرا کھنڈ سترہ گز کئی انچ اور تیسرا کھنڈ تیرہ گز اور چوتھا کھنڈ سوا آٹھ گز اور پانچواں کھنڈ آٹھ گز اونچا ہے۔

اس حساب سے کل اونچائی اس لاٹ کے پانچوں کھنڈوں کی جو اب موجود ہیں قریب اسی گز کے ہوتی ہے اور سنگین برجی کی اونچائی جو سرکار انگریزی نے چڑھائی تھی اور اب اتار کر نیچے رکھ دی ہے چھ گز ہے اور چوبی برجی اور پھریرے کی اونچائی مل کر یہ لاٹ سو گز اونچی ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ جب اس لاٹ کی جڑ کا پچاس گز کا محیط ہے اور سر کا دس گز کا ہے۔ یہ لاٹ اندر سے بالکل خالی ہے اور اس میں چکر دار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پہلے درجے میں ایک سو چھپن اور دوسرے درجے میں اٹھہتر اور تیسرے درجہ میں باسٹھ اور چوتھے میں اکتالیس اور پانچویں میں بھی اکتالیس ہیں۔ اس طرح کل سیڑھیاں اس لاٹ کی تین سو اٹھہتر ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی قدر سیڑھیاں ہوں گی۔ کیونکہ اوپر کے دونوں درجوں میں چڑھنے کا راستہ نہ تھا۔

التمش کی عبادت گذاری

ابوظفر شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین کی خاص نظر تھی۔ کنارہ حوض شمسی پر اکثر خواجہ مشغول عبادت رہا کرتے۔ وہیں التمش بھی جب خواجہ کے پاس حاضر ہوتے نماز پڑھتے اور عبادت کیا کرتے۔ یہ نمازنہ کا بڑا پابند تھا۔

۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو خواجہ کی رحلت ہوئی۔ مشائخ، امراء اور خود سلطان التمش موجود تھا۔ خواجہ ابوسعید نے بلند آواز سے کہا۔ حضرت خواجہ کی وصیت ہے کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر حرام نہ کیا ہو اور نہ سنت ہائے نماز عصر قضا کی ہوں اور کہا کہ اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن

خواجہ کو یہی منظور ہے، ان کے حکم میں کچھ چارہ نہیں۔ آخر سلطان امام بنے اور اولیاء اللہ و دوسرے لوگ مقتدی ہوئے۔ بعد نماز جنازہ خواجہ صاحب دفن کئے گئے[1]

خلافت التمش کو خواجہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب کے چار محبوب خلفاء تھے۔

حوض شمسی حوض شمسی کو سلطان التمش نے بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگِ سُرخ سے بنا ہُوا تھا۔ اب دیواریں اور پتھر بالکل اُکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک جُھرنا بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب یہ تالاب دو سو چھہتر بیگھہ پختہ میں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحاتِ فیروزی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے پانی کے راستے کھلوائے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے۔ اس حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق دہلوی کا مزار ہے۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ حوض اتنا بڑا تھا کہ اہلِ شہر اس کا پانی پیتے تھے اور شہر کی عیدگاہ بھی اس کے قریب تھی۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل تھا۔ غربی طرف عیدگاہ مذکور اور پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان چبوتروں سے پانی تک سیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہُوا تھا جس پر تماشائی بیٹھ کر عہدِ بطوطہ میں سیر کرتے تھے اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہُوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے۔

❖

---

[1] سیر الاولیاء

رضیہ سُلطانہ

پیدائش سُلطان قطب الدین ایبک کی دُختر نیک اختر کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحب زادوں کے بعد ہوئی تھی اس لئے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ پانچ سال کی تھی تو اآتو بجی کے سپرد کی گئی۔ چھٹے سال میں لگی تو بسم اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی۔ قاضی شمس الدین سے علومِ رسمیہ کی تعلیم پائی۔ تھوڑے عرصہ میں خدا داد ذہانت سے خوش استعداد ہوگئی۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ قرآن شریف کے پڑھنے کے جتنے آداب ہیں وہ ان سب کو ادا کرتی اور علم سے اس کو بہرۂ وافر تھا صاحبِ نظر عورت ہونے کے سوا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

تیرہ برس کی عمر کو پہنچی تو التمش نے شہ سواری میں طاق کرادیا اور فنونِ حرب میں ایسی مہارت کرادی تھی کہ مَردوں کے پہلو بہ پہلو شہسواری کے فن میں یگانۂ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محظوظ ہُوا کرتا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہرِ شجاعت دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا۔

گوالیار مسخر کرنے التمش گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام کرتا گیا۔ اس کے پیچھے چند روزہ انتظام عمدگی سے انجام دیا۔ فتح سے واپس آکر خود دیکھا نہال ہوگیا۔

التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی۔ یہ باپ کی بیحد اطاعت گزار تھی۔ باپ جس خیمے میں سوتا وہاں سوتی۔ باپ عبادتِ شب میں لگتا خود بھی شریک ہوتی۔ باپ کو خود وضو کراتی۔ بادشاہ دن بدن اپنی دُختر کا

گرویدہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر کار اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنا ولی عہد رضیہ کو ہی بناؤں گا۔ چنانچہ طبقاتِ ناصری میں ہے :۔

"چوں سلطان در ناصیۂ او آثارِ دولت و شہامت می داد اگرچہ دختر بود و مستورہ بعد آنکہ از فتح گوالیار مراجعت فرمود تاج الملک محمود دبیر را کہ مشرف مملکت بود فرمان داد با او را ولایت عہد بنوشت و ولی عہد سلطنت کرد۔"

تمام امرائے سلطنت نے کہا۔ حضرت صاحبزادگان کے سلامت ہوتے ہوئے صاحبزادی کو ولی عہد کرتے ہیں ؟

التمش نے جواب دیا :۔

"پسرانِ من بہ عشرت جوانی مشغول باشد و ہیچکدام تیمار مملکت ندارند و از ایشان ضبط ایں ممالک ہا بر شما را بعد از فوت من معلوم گردد کہ ولایت عہد را ہیچ یک از و لایق تر نباشد۔"

تخت نشینی التمش کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے رکن الدین کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد نازیبا حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی معز الدین کو مروا ڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو بُرا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصرِ قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نمازِ جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اس نے ایک پُر اثر تقریر اُوپر سے کی اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے برافروختہ ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ادھر امرا کی آنکھیں بھی کھُل گئیں اور التمش کا ارشاد سامنے آیا۔ انھوں نے کہا ناصر الدین کم عمر ہے۔ رضیہ ہی تخت نشین ہو۔ چنانچہ دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پردے

سے برآمد ہو کر مَردوں کا لباس زیبِ جسم کئے ہُوئے تھی۔ تخت پر رونق افروز ہُوئی اور تاج شاہی زیب سر کیا۔ تمام امراء نے نذریں پیش کیں۔ تمام معاملاتِ ملکی کو ہاتھ میں لیا۔

نظام الملک محمد جنیدی جو وزیرِ سلطنت تھا اور ملک علاؤالدین شیر خانی، ملک سیف الدین کوچی، ملک اعزازالدین کبیر خانی نے خفیہ رضیہ کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر وہ بے پرواہی سے انتظامِ سلطنت میں لگ گئی۔ جو برائیاں اس کے بھائی کے وقت میں پیدا ہوئی تھیں بطورِ معقول اس کی اصلاح کی اور قوانینِ سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا۔ بڑے بڑے مقدمے پیش ہوئے۔ ان کا فیصلہ کیا اور قضیہ ختم کیا۔ غرضیکہ شاہانِ عادل اور قابل کے اوصاف اس سے ظاہر ہوتے تھے۔

طبقاتِ ناصری میں ہے :۔

”سلطانہ رضیہ طاب مرقدہا بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل وکریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکرکش بود ہمہ اوصاف کرندہ کہ بادشاہ را باید داشت۔“

سیاست مخالف امراء نے چاروں طرف نامہ و پیام جاری کئے اور مخالفت کی ترغیب دی۔ ملک نصیر جاگیردار رضیہ سلطانہ کی موافقت میں دہلی کی طرف روانہ ہُوا۔ جب گنگا کو عبور کر لیا تو دشمنوں نے اس کو گھیر لیا اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جہاں وہ جاں بحق ہو گیا۔ یہ رنگ رضیہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر نظامِ ملکی چلا رہی تھی۔ خاندان میں بھی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ وقارِ سلطنت امراء کے دل سے جاتا رہا اور اس امر کے درپے ہُوئے کہ جدید انقلاب کیا جائے اور رضیہ کو حکومت سے بے دخل کیا جائے۔ مگر رضیہ نے بعض امراء کو ترقی مناصب دی اور اکثر کو ادنیٰ عہدہ سے اُونچے درجے پر پہنچایا۔ یہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے اور مخالفین کو خفیہ طور پر زِک پر زِک

دینے لگے۔ان کی جتنی تدبیریں تھیں وہ ناکام رہیں۔

غرضیکہ رضیہ سلطانہ نے اپنے حسن تدبیر سے امرائے مخالف کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔مگر سلطانی فوج نے تعاقب کیا اور ملک سیف الدین کوچی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

تمام مخالف امراء یکے بعد دیگرے تباہ و برباد ہو گئے۔خواجہ مہدی غزنوی جو نظام الملک جنیدی کا نائب تھا۔اس کو سلطانہ نے منصبِ وزارت عطا کیا اور نظام الملک کے لقب سے ملقب فرمایا۔

نیابت لشکر ملک سیف الدین ایبک کو تفویض کیا اور "قتلغ خاں" خطاب دیا۔ اور ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے جو اطاعت اس کی کی تھی اُسے لاہور کا حاکم کیا۔ ممالک لکھنوتی اور دیول اور سندھ، غرضیکہ تمامی بلاد اور علاقہ جات پر اپنے مرضی کے امراء مقرر کئے۔اس عرصہ میں سیف الدین ایبک نے وفات پائی۔اس کی جگہ قطب الدین حسن کو مقرر کیا اور اس کو معہ افواجِ کثیر قلعہ رن تھنبور پر بھیجا۔ سلطان التمش کے بعد یہاں کے راجہ نے مسلمانوں کو قلعہ بند کر دیا تھا اور ان پر مظالم برپا کر رہے تھے اور سخت محاصرہ کیا تھا قطب الدین حسن سے بڑا معرکہ رہا۔ ہندو راجہ نے راہِ فرار اختیار کی۔مسلمانوں کی گلو خلاصی ہوئی۔

جمال الدین یاقوت حبشی امیر آخور تھا۔اس نے رضیہ سلطانہ کی جان کی حفاظت کی جس سے بڑا تقرب حاصل کیا۔مثل اپنی دختر کے سلطانہ کو سمجھتا تھا۔خود تلوار لیکر رات بھر رضیہ کا پہرہ دیتا اور سلطانہ آرام سے سوتی۔ورنہ بارہا دشمنوں نے چاہا سوتے میں سلطانہ کا کام تمام کر دیا جائے۔یاقوت کی خدماتِ شائستہ سے سلطانہ بڑا بھروسہ کرنے لگی اور نظرِ عنایت مبذول رکھتی۔حتیٰ کہ یاقوت گھوڑے پر کمر میں ہاتھ دے کر خود سوار کرتا۔دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر پابندِ شریعت خاتون پر حرف گیری کی۔

ادھر یاقوت امراء میں امیر الامراء کر دیئے گئے۔ملک اعزاز الدین حاکم لاہور

نے سر اطاعت سے انحراف کیا۔ سلطانہ سپہ آراستہ خود سرکوبی کو دوڑ پڑی۔ ملک اعزاز الدین موقعہ کی نزاکت دیکھ کر اخلاص سے پیش آیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطانہ نے ولایت ملتان جو ملک قراقش کے سپرد تھی اسے بھی اس کو تفویض کیا۔ وہاں سے مراجعت کر کے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ جو ترکمان چہلگانی سے تھا۔ اس نے یاقوت کی وجہ سے بغاوت کا نشان بلند کیا۔ سلطانہ رضیہ بے شمار فوج لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہوگئی۔ اثناء راہ میں امرائے ترک بگڑ بیٹھے اور رضیہ تاب مقابلہ نہ لاسکی۔ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ رضیہ کا منہ لگا غلام جمال الدین یاقوت حبشی گرفتار ہوگیا اور قتل کر دیا گیا۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے :-

جمال الدین یاقوت حبشی را بشند ؎

عنا یافت دولت ز پیرامنش چو داغ سیاہ دید بردامنش

اور سلطانہ بھی قید کر دی اور قلعہ بھٹنڈا میں رکھی گئی۔ دہلی پہنچ کر معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔

عقد رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈا سے عقد کر لیا۔ ہر دو نے کچھ عرصہ بعد فوج جمع کر کے دہلی کی طرف مراجعت کی۔ معز الدین بہرام شاہ نے اپنے بہنوئی ملک اعز الدین بلبن کو رضیہ کے مقابل بھیجا۔ یہ کچھ ایسی پژمردہ ہوچکی تھی۔ ہر دو لشکر مقابل ہوئے۔ ابھی دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ التونیہ کے لوگوں نے دغا کی۔ سلطانہ کو اس موقعہ پر بھی شکست فاش اٹھانا پڑی۔ آخرش جان بچا کر بھٹنڈا پر اس نے تازہ دم فوج لے کر بھائی پر حملہ کیا۔ بہنوئی آڑے آیا۔ ۲۴ ربیع الاول ۶۳۷ھ میں کیتھل کے میدان میں رضیہ کی فوج نے منہ کی کھائی۔ میاں بیوی فوج سے جدا ہوگئے اور روپوشی اختیار کی۔

ابن بطوطہ کا بیان

واقعۂ شہادت ابن بطوطہ رضیہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے :-

"جب رضیہ بیگم شکست کھا کر بھاگی تو بھوک کے مارے نہایت خستہ حال تھی۔ اس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اُس سے کھانے کو مانگا۔ اس نے اُسے روٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو رہی۔ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ جب کسان نے اسے سوتے ہوئے دیکھا اور اس کے کپڑوں کے نیچے ایک قبا مرصع نظر آئی تو اس کو معلوم ہُوا کہ یہ عورت ہے، اس کو قتل کیا۔ اس کا لباس اُتارا، گھوڑا لے لیا اور کھیت میں اُس کو دبا دیا۔ اس کے بعض کپڑے لے کر بازار بیچنے لے گیا۔ اہلِ بازار اس لباس کو اس کی شان کے خلاف دیکھ کر خریدنے سے انکار کرنے لگے اور کوتوال کو خبر کر دی۔ اس نے اس کو مارا پیٹا تو اُس نے رضیہ کے قتل کا اقرار کر لیا اور اس کے مدفن پر لے گیا۔ انھوں نے لاش نکال کر غسل دیا۔ کفن پہنایا اور دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا۔ لوگ آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اُس کو متبرک جانتے ہیں۔ وہ جمنا کے کنارے پر شہر سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے:-

"سلطانہ رضیہ التونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند ہر دو شہید کنند۔
شہادت سلطانہ رضیہ روز سہ شنبہ بست پنجم ماہ ربیع الآخر
ثمان وثلاثین وثلثمائتہ بود۔"

رضیہ کا چین بعض مؤرخین نے اراکینِ سلطنت کی بغاوت کی بنا حبشی غلام کو قرار دیا ہے۔ وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کراتا تھا۔ یہی امر تھا جس نے اراکین کو مجبور کیا کہ وہ رضیہ سلطانہ کو تختِ سلطنت سے علیحدہ کر دیں۔

مؤرخین نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا۔ گول مول لکھ گئے۔ الفنسٹن بھی یہی رائے رکھتا ہے۔ لیکن رضیہ سلطانہ جیسی مدبر و شجاع محض وہم و گمان سے بدنام ہو کر معزول نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کہاں ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آ کر

اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہ کرتی، اس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اسے امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی اور کسی نے خروج وعزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اس کی خلافِ شرع بے پردگی نے امراء کو نفرت دلائی تو یاقوت کا واقعہ ابتدائی نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ عوام کے بھڑکانے کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا گیا ہو۔ گھوڑے پر سوار کرانے سے بدگمانی حماقت پر دال ہے۔

کوئی شہادت اس عہد کی تاریخ میں اس کے چال چلن کے متعلق نہیں نظر آتی۔ مؤرخین نے صراحتاً نہ سہی کنایتہً بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ اُس کے بھائیوں کی بد چلنی شراب خوری کا تذکرہ فصاحت سے کر گئے ہیں۔ اگر رضیہ بیگم بد چلن ہوتی تو مورخ کبھی اس کو نظر انداز نہ کرتے۔ کھلے الفاظ میں لکھ جاتے۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ رضیہ سلطانہ پاک دامن خاتون تھی اور قابلِ احترام تھی۔

رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب

رضیہ نسل کے اعتبار سے ترک تھی۔ اس کے باپ کے زبردست اور طاقتور ارکین بھی ترک تھے۔ جس میں چہل گامی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کرانے والے بھی یہی تھے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ ان ہی لوگوں کی حمایت سے ہُوا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین اور اس کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ موروثی سلطنت کا سکہ ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا۔ ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ وجلال کے خیال سے عورت کی محکومی پسند نہ تھی۔ کسی مرد کو اس کی جگہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ واقعات ایسے ہوئے کہ باغی ناکامیاب رہے۔ رضیہ نے اپنی عقلمندی سے جس نے سر اُٹھایا اس کا سر نیچا کر دیا۔ ملک اعز الدین کبیر خانی کو لاہور تک دبدیا۔ ملتان کا علاقہ بھی دیا گیا۔ مگر لڑکوں کو خوش رکھنا رضیہ کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ملاعصامی (عہد ملک) فتوح السلاطین محمود غزنوی سے محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ منظوم تاریخ ہے۔ مگر بعض جگہ تحقیقات میں کوتاہی کر جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے حالات میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ رضیہ سلطانہ کے ذکر میں نازیبا باتیں لکھیں جن کا منہاج سراج کی تاریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں ذکر تک نہیں۔ یاقوت حبشی کا افسانہ اس طرح لکھتا ہے :-

شنیدم غلامے ز جنس حبش — بدے در سواری بہر مرکبش
گرفتے بیک دست بازوئے او — برادے سوارش بے گفت گو
بداں مرد شاہ جہان را غلام — شمش کردہ بودہ است یاقوت نام
امیر آخرش شاہ و شہزادہ بود — بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

بعد کے مؤرخین نے بلا تحقیق کے اس خرافات میں رنگ آمیزی کی ہے۔

مزار رضیہ سلطانہ سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا۔ رجی بجی کی قبر درحقیقت رضیہ سلطانہ کی ہے۔ یہ قطب مینار سے گیارہ میل دور جگہ پر ہے۔ بلبلی خانہ ترکمان دروازہ خواتین کا مصنف لکھتا ہے:

"نئی دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں منشی شبیر علی خاں اور جناب مولوی رشید الدین خاں کے مکانات کے سنگین احاطہ میں یہ مزار ہے۔ اس احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری سجیلہ بیگم کی۔ عوام الناس اس کو رجی بجی کی درگاہ بھی لکھتے ہیں۔ مکان بالکل ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویذ بھی دستبرد زمانہ سے ثابت نہیں۔ ضرورت ہے کہ نئے کتبے لگ جائیں اور ان کی حفاظت کا انتظام ہو جائے۔"

خُلق رضیہ سلطانہ بڑی خلیق اور متواضع خاتون تھی۔ جہاں ایک طرف بہادر اور شجاع تھی وہاں دوسری طرف غرباء کی دستگیری، ستم رسیدہ لوگوں

کی دادرسی کرتی - ہر ایک کے ساتھ خلق سے پیش آتی - تمام خاندانوں کی بیبیوں کو تلقین کرتی کہ آپس میں اخلاق اور تواضع سے رہیں - عموماً عورتوں میں کم بیٹھتی۔ علماء کی صحبت زیادہ پسند کرتی -

علمی مناظرہ سلطانہ کو علمی مناظرہ سے بڑا شوق تھا - امورِ مملکت سے فارغ ہو کر درباری علماء کو جمع کرتی - ان کی علمی بحثیں سنتی۔
اس زمانے میں علاقہ ملتان میں قرمطہ کا بڑا زور تھا - ان کا ایک عالم اس کے دربار میں آیا - آتے ہی آگ بگولہ ہو کر علانیہ الحاد پر تقریر کرنے اور علمائے احناف پر سب وشتم کرنے لگا - مجبور ہو کر اس کو قتل کرانا پڑا -

مذہب رضیہ سلطانہ حنفی مذہب رکھتی تھی - علمائے احناف اس کے دربار کے رکن تھے - بڑی پابند صوم وصلوٰۃ تھی - صوفیاء کی آغوش میں نشوونما ہوئی تھی اور اوراد و وظائف میں غلو رکھتی تھی -

ملحد قرامطہ کا استیصال طبقاتِ ناصری میں ہے -
" سلطنتِ رضیہ کے اوائل میں یہ حادثۂ عظیم رونما ہوا - ترکوں کے اغوا سے قرامطہ کا ایک گروہ اطرافِ ہند گجرات، سندھ اور دوآبہ گنگا وجمنا وغیرہ سے آکر دہلی میں جمع ہو گیا - انہوں نے ترکوں کے اغوا سے اہلِ اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا - اس کے سردار نے علماء اہل سنت کو ناجبسی اور خارجی کہنا شروع کیا اور عوام الناس کو علماء احناف اور رضیہ سلطانہ پر برانگیختہ کرتا -

آخر قرمطی ماہ رجب ۶۳۴ھ بروز جمعہ ایک ہزار آدمی شمشیر وخنجر وتیر لیکر جامع مسجد دہلی پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا - سلطانہ کے مبارز نصیر الدین اور ناصر ہتھیار لگائے جوشن پہن کر خود سر پر رکھ کر نیزہ وسپر ہاتھ میں لے کر معہ سواروں کے آئے اور ملاحدہ وقرامطہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک قرامطی کو زندہ نہ رکھا - گو ملحدین کے ہاتھوں چند ہزار مسلمان بیگناہ شہید

ہوئے مگر اس ظالم گروہ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

احوالِ قرامطہ ۲۷۰ھ میں عہدِ خلیفہ معتمد میں سواد کوفہ میں ایک خورستانی داخل ہوا۔ زاہد اور مرتاض صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔ اس کے لوگ مرید ہو گئے۔ روز بروز تعداد بڑھتی گئی۔ سادات کی مسلسل سعی نے جو شروع زمانہ خلافت سے کسی نہ کسی رنگ میں چلی آتی تھی۔ بنو فاطمہ کی خلافت کے حامی بکثرت پیدا کر دیئے تھے۔ کثرتِ فتن اور مظالم سے مسلمانوں نے مہدی کے ظہور کو اپنی مخلصی کا امید گاہ بنا رکھا تھا۔ جو شخص ان خیالات کی حمایت میں اُٹھتا لوگ خواہ مخواہ اس کی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہی تسخیر مسلمین کا عمل ابن زاہد نے جو قرامطہ کے نام سے مشہور ہوا اختیار کیا۔ شیعوں نے اس کی حمایت کی۔ لاکھوں مرید ہو گئے۔ عراق، شام میں کثرت سے فدائی ہو گئے۔ اپنی وفات پر اس نے سجادہ میں ابوالقاسم یحییٰ کو جانشین مقرر کیا۔ اس نے اعلان کیا مہدی کا ظہور قریب ہے۔ ابوسعید جبائی بھی اس کا ہم خیال ہو گیا۔

ان لوگوں نے علماء سنن کو قتل کرنا شروع کیا۔ خلیفہ معتضد عباسی نے انہیں بہت کچھ کچلا۔ مگر دن بدن یہ فرقہ ترقی کرتا رہا۔ جب بنی عباس نے زیادہ ان کی مدارات کی۔ اکثر ہندوستان چلے آئے اور دہریت اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ائمہ میں حلول کرتا رہتا ہے۔ مرتد اور کافر کے درجے پر یہ لوگ تھے۔ حسن بن صباح ان کا بڑا شیخ تھا۔ ہلاکو خاں نے پائمال کیا اور ان کا پھر خاتمہ ہی ہو گیا۔

علماء کی منزلت علماء و فضلاء اور ذی علم بزرگانِ دین کی مسلمان بادشاہوں کے دربار میں جو قدر و منزلت ہوتی تھی وہ دوسری قوموں کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دن کسی ضرورت سے رضیہ سلطانہ نے مولانا نورالدین محمد عوفی کو طلب کیا۔ یہ اپنے زمانے کے علامہ دہر تھے۔ جب خواجہ سرا مولانا کے پاس پیغام لے کر پہنچا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے

درسِ حدیث و تفسیر دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ سلطانہ سے کہہ دو میں اللہ کے گھر میں طلباء کو علوم دینی کا درس دے رہا ہوں۔ یہ مجلس اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ کیا اس کو چھوڑ کر دربارِ رضیہ میں حاضری دینی ضروری ہے؟ خواجہ سرا نے آکر یہی کہا۔ رضیہ سُنتی رہی اور خواجہ سرا سے کہا جب مولانا درس سے فارغ ہوں اس وقت ان کو تکلیف دینا۔

چنانچہ دو گھنٹے بعد مولانا درس ختم کر چکے تو خواجہ سرا کے ساتھ آ گئے۔ رضیہ اسی طرح منتظر بیٹھی ہوئی تھی جس وقت مولانا سامنے آئے تو وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے بمشکل آئے تھے۔ رضیہ آپ کو دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور مولانا کو صدر میں بٹھایا اور بڑی لجاجت سے کہا مجھ کو شرعی امور میں مشورہ کرنا تھا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی اور کہا حضور! قرامطہ نے بہت زور اُٹھا رکھا ہے۔ ان کے استیصال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مولانا نے فرمایا۔ سلطانہ! یہ لوگ مرتد ہیں اس بناء پر واجب القتل ہیں۔

چنانچہ تحقیق مسئلہ کے بعد بعزت و احترام تمام مولانا کو رخصت کیا اور خود دور تک پہنچانے آئی۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضری

التمش کے ساتھ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں رضیہ حاضر ہوئی۔ حضرت خواجہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دی اور فرمایا۔ یہ دختر مردوں پر بھاری ہے۔ چنانچہ رضیہ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ کو سلام کرنے عموماً جایا کرتی اور اولیاء کی خدمت کرتی رہتی۔

مجلسِ قضاۃ

قاضی سعید الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس۔ قاضی جلال الدین، قاضی کبیر الدین لشکر اس کے دربار کے قضاۃ تھے۔

سلطانہ رضیہ نے قضاۃ کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے۔ پھر حکم عام دیتی تھی۔ یہ چاروں قاضی باپ کے زمانے

سے چلے آرہے تھے۔

علمی ترقی سلطانہ نے تمام قلمرو میں تعلیم پھیلانے کے لئے مدرسے جاری کئے۔ مدرسہ ناصریہ کو ترقی دی۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین، قاضی جلال الدین کاشانی شیخ محمد ساوجی، مولانا نورالدین محمد عوفی صاحبِ کتاب جامع الحکایات اس کی مجلسِ علمی کے رکن تھے۔

اس کے عہد کے صوفیاء التمش کے زمانے میں صوفیاء کی گرم بازاری تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی" کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اقطاع ہند میں اشاعتِ اسلام کر رہے تھے۔ رضیہ سلطانہ نے تخت نشین ہوتے ہی سرکاری خزانہ سے خلفائے خواجہ کو مالی امداد دی۔ وہ جگہ جگہ تبلیغی خانقاہیں قائم کرتے اور صبح و شام لنگر جاری رہتا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ لنگر سے فائدہ اٹھاتے۔ یہی چیز غیر مسلموں کو مائل کرنے کا سبب ہوئی۔ ادنیٰ اعلیٰ سب ایک جگہ کھانا کھاتے۔ مساوات کا پورا مظاہرہ یہاں ہوتا تھا۔ غریب سے غریب کو عزت سے بٹھایا جاتا۔ رضیہ سلطانہ کی طرف سے تبلیغِ اسلام کے لئے ان خلفاء کی خاموش طریق پر امداد ہوتی۔

محکمۂ احتساب رضیہ کے عہد میں محکمۂ احتساب کا بڑا زور تھا۔ کوئی مسلمان بے نمازی نہیں رہ سکتا تھا۔ ورنہ دُرّے سے خبر لی جاتی۔ تمام مساجد آباد تھیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ تُجّار سے وصول کیا جاتا اور خزانہ شاہی میں جمع ہوتا اور شرعی طریق پر اس کا مصرف کیا جاتا۔ رضیہ کے ارد گرد ترکنوں اور قلماقنیوں کے سوا ہندوستانی عورتیں بھی رہتیں۔ رضیہ کے حسن اخلاق سے ایسی گرویدہ ہو جاتیں کہ وہ رضیہ کا دم بھرتیں اور اپنے قدیم مذہب کو بھی خیرباد کہہ دیتیں۔

رضیہ سلطانہ کے تھوڑے سے ہی عہد حکومت میں بقول بختیار خان عالمگیری اسلام کو بڑا فروغ ہوا۔

عدل و انصاف التمش کی گھنٹی کا ذکر تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ رضیہ سلطانہ کے دربار میں مظلوموں اور دادرسی چاہنے والوں کی فریاد سننے کا سلسلہ جاری تھا۔ بالخصوص مظلوم عورتوں کی دادرسی کا شعبہ ایک خاتون کے سپرد تھا۔

ابوالبقا سہارنپوری شنگرف نامہ میں لکھتا ہے :۔

" قرہ خانم رضیہ سلطانہ کی مصاحبِ خاص تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ غریب عورتوں کی فریادیں ضبطِ تحریر میں لاتی تھی اور شب کو رضیہ کی خدمت میں درخواستیں پیش ہوتیں۔ وہ فرصت کے پہلے وقت میں درخواستیں پڑھ کر احکام صادر کرتی۔ رضیہ عدل وانصاف میں باپ سے سبقت لے گئی تھی "

رواداری جمنا پر ہندوانی تہواروں پر اشنان ہوتے رہتے تھے اور کنارے پر جو مندر تھے ان میں ناقوس اور گھنٹے بڑے زور شور سے تہوار والے دن بجائے جاتے۔ لوگوں نے رضیہ سلطانہ سے شکایت کی اور کہا حضور کے والد نے مہاکال کا مندر منہدم کرا دیا۔ آپ بھی جمنا کنارے کے شوالے مسمار کرا دیجئے اور ثواب کمائیے۔

رضیہ سنتی رہی اور اس نے ارادہ کیا کہ ایسا ہی کیا جائے۔ قاضی سعدالدین کردی کو علم ہوا۔ اس نے سلطانہ سے کہا۔ آپ یہ کیا کرتی ہیں؟ آپ کے والد نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں نہ تھا جو مشورہ دیتا۔ سلطانہ! شاکیوں سے معلوم کرو یہ سلسلہ اشنان کب سے ہے؟ چنانچہ وہ لوگ بلائے گئے۔ پوچھا گیا۔ تو اُنھوں نے کہا۔ یہاں رضیہ کے پہلے بھی اسلامی حکومت تھی۔ پہلے بادشاہ کیوں مزاحم نہ ہوئے؟ انھوں نے اس رسم کو کیوں نہ بند کیا؟ رضیہ بولی ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ قاضی کردی نے کہا۔

"

قدیم الایام سے جو رسوم قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ التمش نے مہاکال کا مندر ڈہایا۔ وہ مندر زناکاری کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ اس کے پجاری نوجوان عورتوں کو جو پوجا کرنے آتیں ان کے ساتھ افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے۔ وہاں کے براہم نے بادشاہ سے کہہ کر مندر کو مسمار کرایا۔ اے رضیہ سلطان صحابہ کرام نے ایران فتح کیا وہاں مذہب زرتشتی تھا جگہ جگہ آتش کدے روشن تھے۔ انھوں نے باوجود صاحب اقتدار ہونے کے آتشکدوں کو نہیں ڈھایا اور نہ زرتشتیوں کو ان کے حق سے محروم کیا جو اُن کو اپنے ملک میں حاصل تھے۔ حتیٰ کہ ان کو یہ کہہ کر اہلِ کتاب کے مساوی سمجھا گیا کہ وہ شبیہ اہلِ کتاب ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے ساتھ ہیں۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کر کے ان باشندگان کے ساتھ کیا جو تمام تر ہندو تھے۔ ان کے مندر باقی رہے۔ ان کے رسم و رواج جاری رہے۔ تم کیا ان سے بڑھ کر ہو جو نیا قدم اٹھا رہی ہو"

رضیہ سلطانہ نے قاضی کردی کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اپنے احکامات واپس لئے اشنان اور پوجا پاٹ میں حکم دیا کوئی مزاحم نہ ہو۔

عِلمی ترقی التمش کے عہد میں عجمی حضرات اہلِ علم آ گئے تھے۔ بادشاہ کی قدر دانی سے تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ التمش کے عہد میں "آداب الحرب والشجاعہ" لکھی گئی جو اس عہد کے حربی معاملات کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے۔ محمد عوفی نے التمش کے دربار کے لئے اپنی کتاب جامع الحکایات ولوامع الروایات لکھی۔ بادشاہ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ یہ لوگ رضیہ کے عہد میں اپنے انہی مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں علمی کاموں کی تکمیل کرنے کا موقعہ رضیہ کے عہد میں نصیب ہوا۔

مجلسِ علماء ہر جمعہ کو علماء کی مجلس منعقد ہوا کرتی۔ باری باری سے علماء و قضاۃ کو میر محفل کہا جاتا۔ خود ایک طرف مؤدب ہو کر

بیٹھتی۔ اس کی مجلس میں عموماً دینی مسائل پر گفتگو رہتی۔

ایک دن مولانا شمس الدین نے صوفیاء کے احوال اور سماع پر کلام کیا۔ یہ بھی سنتی رہی۔ قاضی نصیر الدین کا سالیس صحبت یافتہ قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ قاضی نصیر الدین نے قصیدہ بردہ خوش الحانی سے پڑھا۔ تمام مجلس بے حال ہوگئی۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں اور قاضی شمس الدین تو مجلس میں لوٹنے لگے۔ جب سکون ہوا تو قاضی نصیر الدین نے کہا۔ سماع پر جو آپ لوگ معترض ہوتے ہو، صرف ظاہرا باتوں پر رائے قائم کرتے ہو۔ مولانا شمس الدین نے کہا۔ قاضی آپ خود ایسے اسلامی عہدے پر ممتاز ہو جہاں شریعت کے صحیح حامل ہوتے ہوئے اس کے ساتھ آج معلوم ہوا آپ طریقت کے بھی پیشوا ہیں۔ آخرش سلطانہ کی طرف سے بعد تواضع فواکہات مجلس برخاست ہوئی۔

مقبرہ التمش مزار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی کہنہ مہرولی میں ہے۔ یہیں التمش کا مقبرہ ہے۔ رضیہ سلطانہ نے بنوایا ہے۔

اس مقبرہ کی تمام عمارت اندر اور باہر سے سنگ خارا کی ہے اور اندر کہیں کہیں سنگ سرخ اور سنگِ مرمر بھی لگا ہے۔ تمام دیواروں پر آیات قرآن کندہ ہیں اور بہت اچھی منبت کاری کی ہوئی ہے۔ مقبرہ میں ستون دار گنبد تھے۔ مگر عرصہ ہوا کہ گر پڑے ہیں صرف چہار دیواری باقی ہے۔ فیروز شاہ نے اس مقبرے کی مرمت کرائی تھی۔ اور صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا تھا۔ مگر اب یہ آثار باقی نہیں رہے۔

سلطان معز الدین بہرام شاہ بن التمش

۲۱ اکتوبر ۱۲۴۰ء تا ۱۰ مئی ۱۲۴۲ء

سلطان بہرام شاہ کے ۲۷ رمضان ۶۳۸ھ ۱۲۴۱ء کو مراسم تخت نشینی ادا ہوئے۔ مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سنقار نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ سلطان کو علم ہوگیا وہ سزا دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سنقار کو بدایوں کا گورنر کردیا گیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین فقیہ کو قتل کرادیا۔ ان وجوہ سے امراء چہلگان شمسی اس سے بیزار ہوگئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہوگیا۔ اور سرداران فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کرادیا۔ بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقات ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضاۃ تھے باغیوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کرا دیا گیا۔

علاء الدین مسعود شاہ

۶۳۹ - ۶۴۴ھ، ۱۲۴۱ - ۱۲۴۶ء

بہرام شاہ کے قتل کے بعد ہی جماعت امراء میں سے ایک نے عز الدین بلبن کو جو التمش کا داماد تھا بادشاہ مقرر کیا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت نے جس پر بعد کو اکثر کا اتفاق ہوگیا تھا، علاء الدین مسعود (رکن الدین فیروز کے بیٹے) کو ۸ ذیقعدہ ۶۳۹ھ

میں تخت نشین کیا۔ وزیر مہذب الدین نے امرائے ترک کے ہاتھوں سے تمام کام نکال لئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے عہدۂ قضاۃ سے استعفیٰ دیا اور ۹ ر رجب کو طوفان خاں والی بنگال کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہُوا۔ لکھنوتی میں یہ دو سال تک رہا۔ انہی دو سال کے عرصے میں مسعود شاہ نے توسیع سلطنت کی طرف توجہ کی اور اپنے دونوں چچا جلال الدین اور ناصر الدین کو قید سے آزاد کر کے قنوج و بہرائچ میں ان کی جاگیر مقرر کی گئی۔

شوال ۶۴۲ھ / ۱۲۴۵ء میں راجہ جاج نگر نے لکھنوتی پر حملہ کیا[1] اور غرۂ ذیقعدہ میں تمر خاں قیران سلطان علاء الدین کے حکم سے فوج لے کر لکھنوتی پہنچا [illegible] لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا گیا۔ اسی سال غیاث الدین بلبن امیر حاجب مقرر کیا گیا (اس وقت یہ الغ خاں کے نام سے مشہور تھا۔

۱۴ صفر ۶۴۲ھ / ۱۲۴۵ء میں منہاج سراج دہلی واپس آیا اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہوا۔

رجب ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء میں مغلوں نے منگوخاں کی سرکردگی میں اوچھ پر حملہ کیا۔ مسعود شاہ خود مقابلہ کے لئے روانہ ہُوا لیکن مغل اس کے پہنچنے سے قبل واپس چلے گئے۔

۶۴۴ھ مسعود شاہ کی صحبت میں چند نااہل لوگوں کو درخور حاصل ہو گیا اور اس نے جور و ظلم، عیش و عشرت، لہو و لعب میں اپنے اوقات صرف کرنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ملک میں بدامنی کے آثار نظر آنے لگے تو امراء نے مجبور ہو کر اس کے چچا ناصر الدین کو بلایا اور بتاریخ ۲۳ محرم اُسے قید کر کے ناصر الدین کو تخت نشین کر دیا۔

۹

---

[1] اس واقعہ کے متعلق مؤرخین نے سخت غلطی کی ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد ملا عبد القادر اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ ۶۴۲ھ میں مغلوں نے لکھنوتی پر حملہ کیا۔ طبقات اکبری میں ہے کہ وہ تبت کی راہ لکھنوتی پہنچے۔ الفنسٹن نے بھی یہی غلطی کی مسٹر اڈورڈ طامس نے یہ غلطی نہیں کی۔ جاجنگر طبقات ناصری میں چنگیز خاں بن گیا۔

ناصر الدین محمود شاہ

۶۴۴ - ۶۶۴ھ تا ۱۲۴۶ - ۱۲۶۵ء

مسعود شاہ کے بعد ناصر الدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو ترکی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں بہرائچ کا والی تھا۔ اس کے واقعاتِ عدل و رعیت پروری تمام ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال پر تمام امراء و اعیان نے قصر سفید میں تخت شاہی پر اس کو متمکن کیا اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کر کے بیش بہا انعامات حاصل کیا۔ منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ کو اس بادشاہ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام طبقاتِ ناصری رکھا[1] اور اس کے حالاتِ حکومت پندرہ سال یعنی ۶۵۸ھ تک نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے۔

ناصر الدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد و مرتاض تھا اور خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلام مجید لکھ کر اپنا نفقہ حاصل کرتا تھا۔[2]

ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصر الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :

"قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دکھایا، نہایت خوش خط تھا۔"

---

[1] فرشتہ صفحہ ۰۰۰ ۔ [2] ایضاً ۔

فرشتہ لکھتا ہے:۔

"وہ ہر سال دو مصحف کی کتابت کرتا۔ ایک بار اس کا قلمی مصحف کسی امیر نے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا۔ سلطان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اسے ناگوار ہُوا اور آئندہ کے لئے حُکم دیا کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہُوا کلام مجید خفیہ طور سے بازار کی معمولی قیمت پر فروخت کیا جائے۔"

سلطان ناصر الدین صرف ایک "منکوحہ" بی بی رکھتا تھا اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی۔ ایک دن بی بی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کنیز لے لی جائے تو کیا حرج ہے۔ سلطان نے جواب دیا:۔

"بیت المال بندگانِ خدا کا حق ہے۔ مَیں اس میں سے کچھ صرف نہیں کر سکتا۔ ورنہ کوئی کنیز مہیا کر دیتا۔" [۱]

ناصر الدین دوسرے کے جذبات کا بہت لحاظ کرتا تھا اور کبھی کسی کو تکلیف پہنچانا یا مایوس کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک بار وہ کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک شخص اجنبی آگیا اور بولا کہ لفظ فِیْہِ مکرّر لکھا ہُوا ہے۔ سلطان نے فوراً اس لفظ کے گرد قلم سے حلقہ کھینچ دیا اور اس شخص کا حال پُوچھ کر رفع حاجت کر دی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا۔ ایک غلام نے دریافت کیا کہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو محو کر دینے کا کیا سبب تھا؟

بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ شخص اپنی حاجت لے کر آیا تھا۔ اگر مَیں اس سے کہہ دیتا کہ لفظ فِیْہِ غلط تحریر نہیں ہُوا تو وہ نادم ہو جاتا۔ اس لئے مَیں نے حلقہ کھینچ دیا کہ اس کا محو کر دینا بہ نسبت غبار ملال رفع کرنے کے زیادہ آسان ہے [۲]

مذہبیت مذہب کا وہ حد درجہ احترام کرتا تھا اور عظمتِ نبوی کے خیال سے ہر وقت کانپتا رہتا تھا۔ اس کا ایک ندیم تھا جس کا نام محمد تھا،

---

[۱] طبقاتِ اکبری ص ۳ [۲] فرشتہ ص ۷۴

سلطان ناصر الدین جب اس کو بلاتا تو ہمیشہ نام لے کر پکارتا اور جو کام ہوتا کہہ دیتا۔ ایک دن تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ ندیم آیا اور کام کر کے چلا گیا۔ جب تین دن تک حاضر نہ ہوا تو سلطان نے اس کو طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا "سلطان ہمیشہ میرا نام لے کر پکارا کرتا تھا۔ اس دن خلافِ معمول تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ میں سمجھ کہ سلطان کچھ برہم ہے۔ بیقرار و مضطرب ہو کر گھر چلا گیا۔"

سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ "میں تم سے مطلق رنجیدہ نہیں ہوں، اس دن تمہارا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا اور بغیر طہارت کامل کے لفظ محمد میں اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا۔" [1]

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ شغف رکھتا تھا اس لئے تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے اور حقیقت یہی ہے کہ ناصر الدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست، شجاعت و پامردی اور نظم و نسق سے سلطان ایبک اور سلطان التمش کے عہد کو بھلا دیا۔ عہد ناصر الدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں :-

۶۴۴ھ / ۱۲۴۷ء میں ناصر الدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جودی کے رانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔

۶۴۵ھ / ۱۲۴۸ء میں ناصر الدین نے مملکتِ قنوج میں قلعہ نندنا (تلسندا، تلندا) کو فتح کیا۔ اور بلبن نے رانا ملکی کو مغلوب کیا اور پھر دونوں فوجیں کٹرہ کی طرف بڑھیں۔

۶۴۶ھ / ۱۲۴۹ء میں بلبن نے رانائے رنتھنبور کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاء الدین ایبک اس جنگ میں شہید ہوا۔

۶۴۷ھ / ۱۲۴۹ء میں ناصر الدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الغ خاں اعظم کا خطاب عنایت کیا۔

---

[1] فرشتہ صفحہ ۴۷۔

سنہ ۶۴۸ھ ۱۲۵۰ء میں عزالدین نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوچھ واپس آیا۔

سنہ ۶۴۹ھ ۱۲۵۱ء میں عزالدین نے ناگور میں بغاوت کی۔ لیکن ناصر الدین کے پہنچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی۔ بادشاہ مالوہ کی طرف گیا۔ راجہ ناہر دیو کو شکست ہوئی اور نرد فتح ہوا۔

سنہ ۶۵۰ھ ۱۲۵۲ء میں الغ خاں نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ منہاج سراج کو عہدۂ قضا تفویض ہوا۔ سلطان نے اوچھ اور ملتان کے راستہ سے لاہور اور غزنی کی طرف سفر اختیار کیا اور عماد الدین ریحان نے بادشاہ کو بلبن کی طرف سے کشیدہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے بلبن کو اپنی جاگیر اقطاع، ہانسی و کوہستان سوالک کی طرف روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد افواجِ شاہی اس کے خلاف روانہ کی گئیں اور ہانسی شہزادہ رکن الدین کو دیا گیا۔

سنہ ۶۵۱ھ ۱۲۵۳ء میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز قرار دیا اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی۔ شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔

سنہ ۶۵۲ھ ۱۲۵۴ء حدود پنجور (بجنور) میں بادشاہ کو بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بدایوں ہوتا ہوا دہلی واپس آیا۔

امراء نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویّہ کی مخالفت کی۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہنچا تو امرائے مذکور کھرام اور کیتھل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر کار باہم صلح ہوگئی اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہوگیا اور ریحان جو باعثِ فساد تھا دربار سے علیحدہ کر کے بدایوں بھیج دیا گیا۔

سنہ ۶۵۳ھ ۱۲۵۵ء میں بادشاہ اپنی ماں ملکہ جہاں سے (جو حبالہ قتلغ خاں میں تھی) ناخوش ہوگیا اور دونوں کو اقطاع اودھ دیکر رخصت کر دیا۔ قتلغ خاں نے

بغاوت کی۔ لیکن الغ خاں بلبن نے اس کو پسپا کر کے کالنجر تک ہٹا دیا۔

سنہ ۶۵۴ھ / ۱۲۵۲ء میں قتلغ خان کے خلاف فوجی کارروائی جاری رہی۔

سنہ ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلغ خاں بھی اس کا شریک ہو گیا۔ اس کے بعد یہ دونوں دہلی کی طرف بڑھے لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔

سنہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جو ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔

سنہ ۶۵۷ھ / ۱۲۵۹ء میں خاص عساکر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کئے گئے۔ دارالحکومت میں امن وسکون رہا اور حاکم لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔

سنہ ۶۵۸ھ / ۱۲۶۰ء میں الغ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا اور ہلاکو خاں (مغل) کی طرف سے ایک سفارت دہلی آگئی۔

سنہ ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء میں ۱۱ رجمادی الاول کو بادشاہ نے انتقال کیا۔[1]

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ تا ۱۲۶۵ء - ۱۲۸۷ء

بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا۔ اور "طائفۃ البری" اس کے قبیلہ کا نام تھا۔ اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار تھا۔ جب مغلوں نے اس حصۂ ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آگیا۔ ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین بصری

---

[1] اسلامی نگار نمبر [2] فرشتہ صفحہ ۸۷۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے مثلِ اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی اخلاق سے متصف کیا۔ پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا[1]۔

ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے روبرو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بدصورت تھا۔ بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ "جہاں پناہ اور غلام کس کے لئے خرید کئے گئے ہیں۔ التمش نے ہنس کر جواب دیا" اپنے لئے"۔ بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لئے مول لے لیجئے۔ یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو مول لے کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی۔

بلبن کی ترقی چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات وخصائل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی۔ اس وجہ سے اس کا تقرب بڑھتا گیا۔ رضیہ کے عہد میں میر شکار ہو گیا اور سلطان بہرام شاہ نے اس کو میر آخور بنا دیا۔ سلطان علاؤ الدین مسعود کے زمانے میں "امیر حاجب" ہو گیا اور سلطان ناصر الدین نے تو تمام امورِ سلطنت ہی اس کے سپرد کر دیئے۔ یہاں تک کہ ناصر الدین کے بعد بالاتفاق سب امراء نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا"۔

بلبن کی فرض شناسی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں یہ صرف ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا اس وقت وہ عیش و تفریح کی طرف مائل تھا۔ بذلہ سنج، ندیم اور خوش گلو مغنی اس کی محفل میں رہتے تھے اور وہ بھی بادہ خواری، قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کا ورق ہی الٹ دیا۔ نہ کہیں محفلِ عیش وطرب تھی نہ بادہ خواری۔ وہ حد درجہ متین وسنجیدہ ہو گیا۔

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۷۔

شراب خوری کو نہ خود ترک کیا بلکہ عام طور سے اس کے استعمال کی سخت ممانعت کر دی۔ نماز، روزہ کا سختی سے پابند ہو گیا۔ یہاں تک کہ اشراق و تہجد کی نماز بھی وہ ترک نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتا۔ بغیر علماء و صلحاء کی صحبت کے کھانا نہ کھاتا۔ ہمیشہ ان سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا رہتا اور مشائخ کے مکانوں پر خود حاضری دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا۔ اکابر کے جنازوں میں حاضر رہتا اور اگر راستہ میں مجلس وعظ برپا دیکھتا تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر سنتا۔ یہ تھا اس کے زہد و ورع کا عالم۔"

انتظامِ سلطنت

انتظام سلطنت کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ جب تک وہ پوری طرح کسی شخص کی شرافت نفس اور اہلیت کو معلوم نہ کر لیتا۔ اس وقت تک اس کو کوئی عہدہ نہ دیتا اور اگر کوئی ملازم یا حاکم صلاح و تقویٰ، دیانت و امانت سے منحرف ہو جاتا تو فوراً معزول کر دیتا۔ کبھی رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا۔ کسی ہزل گو یا مسخرہ کو دربار میں آنے نہ دیتا اور ہمیشہ نہایت سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا۔ وہ قہقہہ سے کبھی نہ ہنستا تھا اور نہ کسی اور کو جرأت ہوتی تھی کہ وہ اس کے سامنے ہنسے۔

فیاضی و دریا دلی

ملحقات طبقات ناصری مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ فتنۂ چنگیز خانی سے بھاگ کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان و عراق، فارس اور روم و شام وغیرہ کے پندرہ شہزادوں نے بلبن کی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ بلبن نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک محلہ الگ کر دیا تھا اور سب کے شاہانہ وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں وسط ایشیا اور اس کے جوار کے تمام صاحبان کمال تاتاری فتنہ سے پریشان تھے اس لئے ان کے لئے سوائے سلطنت دہلی کے اور کوئی مامن نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ :۔

"زبدۂ و نخبۂ و خلاصہ عالم از اصحاب سیف و قلم و سازندہ و خوانندہ و ارباب مہتر کہ در ربع مسکون عدیل و نظیر نہ داشتند در درگاہِ بلبن جمع شدہ بودند و درگاہِ محمودی و سنجری ترجیح می دادند"[1]

عدل پروری بلبن کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم ظاہر ہوگا تو میں بغیر سزا دیئے ہوئے نہ چھوڑوں گا۔ جو نصیحتیں وہ اپنی اولاد کو سناتا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس اصول پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بار اپنے بیٹوں سے کہا کہ "دیکھو ایک بادشاہ کی نجات چار باتوں پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ وہ خدا سے ڈر کر رعایا کے آرام و سکون کا انتظام کرے۔ دوسرے یہ کہ فسق و فجور کا ملک سے استیصال کلی کر دے۔ تیسری یہ کہ خدماتِ حکومت ہمیشہ خدا ترس، امین اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے۔ چوتھی بات یہ کہ ظلم و ستم نہ ہونے دے اور انصاف کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرے۔

ایک بار ملک نعیق پسر جامدار نے جو امراء کبار میں سے تھا اور ولایت بدایوں اس کی جاگیر میں تھی، حالتِ مستی میں ایک فراش کو اس قدر دُرّے مارے کہ وہ مر گیا۔ جب سلطان بلبن بدایوں پہنچا تو فراش کی بیوی دربارِ عام میں حاضر ہوئی۔ سلطان بلبن نے اسی وقت سب کے سامنے ملک نعیق کو طلب کیا اور اس قدر دُرّے لگوائے کہ وہ بھی مر گیا اور بدایوں کے بریدوں (پرچہ نگاروں) کو جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع اسے نہیں دی تھی، انہیں شہر کے پھاٹک پر سُولی دے دی۔

اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبن کے نہایت معتبر غلاموں

---

[1] فرشتہ صفحہ ۷۰۔

میں سے تھا اور اقطاع اودھ جاگیر میں رکھتا تھا، ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا۔ اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی۔ سلطان نے ہیبت خاں کو طلب کرکے پانچ سو دُرّے لگوائے اور عورت سے کہا:

"ہیبت خان آج تک میرا غلام تھا۔ لیکن آج سے تُو اس کی مالک ہے تجھے اختیار ہے چاہے مار ڈال چاہے معاف کر دے"

بہ مشکل تمام ہیبت خاں نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی۔[1]

محکمہ جاسوسی سلطان بلبن نے سلطنت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے جاسوس یا برید مقرر کر دیئے۔ وہ نہایت سختی سے احتساب کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جاسوس کوئی غلط خبر اس تک پہنچا سکتا تھا اور نہ حکام کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے کا یارا تھا۔

فوج کی تہذیب و ترتیب بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی تمام فوج کا جائزہ لیا اور کمان ایسے ہاتھوں میں دی جن کی وفاداری مسلّم تھی۔ بلبن اپنی سلطنت میں دورہ بھی کثرت سے کیا کرتا تھا۔ اور خود انتظامی حالات کو دیکھ کر ان میں اصلاحیں کیا کرتا تھا۔ ہر چند وہ نظم و نسق کے باب میں بہت سخت تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بہت رحم و کرم کرتا اور ضعفاء کا بہت خیال رکھتا تھا۔

رحم و کرم ایک بار بلبن کو معلوم ہوا کہ عہد شمسی (شمس الدین التمش) کے بہت سے سپاہی ضعیف ہو کر بے کار ہو گئے ہیں۔ بلبن نے حکم دیا کہ جو مواضعات ان کے پاس ہیں خالصہ میں لے لئے جائیں اور ہر ایک کے لئے تین تنکہ بطور مدد معاش کے مقرر کر دیا جائے۔ اس سے ان لوگوں میں سخت اضطراب

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد سوم صفحہ ۱۰۱۔

پیدا ہوگیا اور سب کے سب ملک فخرالدین کوتوال کے پاس روتے ہوئے آئے۔ کوتوال ملول و مضمحل سلطان کی خدمت میں گیا اور دریافت کرنے پر عرض کی کہ "جہاں پناہ آپ نے ضعفاء کو اپنے رحم و کرم سے محروم کر دیا ہے۔ اگر خدا نے قیامت کے دن بھی اسی طرح ہم ضعیفوں کو مردود کر دیا تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟"

یہ سن کر سلطان بلبن بہت رویا اور فرمایا کہ نہج سابق پر سب کی معاش بحال رکھی جائے اور آئندہ کوئی تعرض نہ کیا جائے [1]

باغیوں کی سرکوبی سفر کے دوران میں اگر کسی پل، گھاٹ یا گزرگاہ عام پر پہنچ جاتا تو اپنے سرداروں کو مقرر کرتا کہ سب سے پہلے عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور کمزور جانوروں کے گزر جانے کا انتظام کریں اور پھر دوسرے لوگ عبور کریں۔

سلطان بلبن کبھی اس کو گوارا نہ کرتا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بغاوت یا نقضِ امن کا مجرم ہو وہ مفسدوں اور باغیوں کو سخت سزائیں دیتا اور خود فوج لے جا کر سرکوبی کرتا۔ طغرل کی بغاوت، میواتیوں کی شورش، اس کے عہد کے خاص واقعات ہیں۔ پھر بلبن نے جس طرح ان فتنوں کو فرو کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں بھی خاص ملکہ رکھتا تھا۔

شکار کا شوق بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس تک کا جنگل شکار کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزاروں سواروں کی جمعیت لیکر نکل جاتا۔ اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سیاہ پیادہ فوج کی بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اس قدر شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صد ۱۰۸۔

ہے۔ وہ بظاہر شکار کو جاتا ہے لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں اور خطرہ وضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں۔[1]

سطوت وجبروت سلطان غیاث الدین بلبن اپنے تمام صفات رحم وکرم بذل ونوال کے ساتھ سطوت وجبروت بھی بدرجۂ اتم قائم رکھتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اس نے اپنی ہیبت وعظمت بہت قائم کر رکھی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال جب اس نے جلوس نکالا تو سینکڑوں کوس سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے اور اس قدر تزک و احتشام کی نمائش کی گئی کہ دنیا متحیر تھی۔

خودداری بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے اس شان و شوکت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی خادم گستاخ نہ ہوجائے اور اس لئے وہ کبھی کسی سے بے تکلف ہوکر نہ ملتا تھا۔ اس کے بعض ایسے خادم جو ہر وقت خلوت میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کو خلوت کے نصف لباس میں نہیں دیکھا وہ ہمیشہ اپنے پورے لباس میں ملبوس نظر آتا تھا۔[2]

بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل بلبن کے بڑے بیٹے کا نام محمد سلطان تھا جو بعد کو خان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعلیم وتربیت کے انتظام میں بلبن نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ فضیلت دانش وہنر میں بھی وہ بے مثل شخص تھا۔ اور اس کا دربار علماء وفضلاء کا مرکز تھا۔ صاحبان فضل وکمال اور شعراء عصر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتے اور وہ اپنی شاہانہ بخشش سے سب کو مالا مال

---

[1] تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صد ۱۰۳ [2] ایضاً صد ۱۰۰

کر دیتا۔ امیر خسرو جن کی ذات پر ہندوستان کو فخر حاصل ہے اور خواجہ حسن جو بہترین شاعر تھے اس کے علمی دربار کے رکن تھے۔

محمد سلطان کی تہذیب محمد بڑا مہذب و شائستہ تھا کہ علماء کی مجالس میں ایک پہلو سے اس کی رات بسر ہو جاتی وہ قسم نہ کھاتا اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تو صرف "حقا" کہہ دیتا۔ عمر بھر اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہیں نکلا۔ اس کی مجالس میں زیادہ تر شاہنامہ دیوان خاقانی و انوری خمسہ نظامی اور اشعار امیر خسرو پڑھے جاتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :۔

"بہ جدت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متاخرین ہمچو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام"۔

محمد سلطان کی بیاض محمد سلطان کے پاس ایک بیاض تھی جس میں اس نے بیس ہزار اشعار قدماء کے انتخاب کئے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن کا بیان ہے کہ "اس سے بہتر انتخاب کوئی دوسرا کرہی نہ سکتا تھا۔ جب محمد سلطان شہید ہوا تو اس بیاض کو سلطان بلبن نے امیر علی جامدار کے سپرد کیا اور پھر یہاں سے حضرت امیر خسرو کے پاس پہنچی اور اس سے بہت سے صاحبانِ ذوق نے اشعار کا انتخاب کیا۔

بزرگوں کا احترام ملتان کے قیام کے زمانہ میں شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے درویش تھے تشریف لائے۔ محمد سلطان نے تحائف پیش کر کے ملتان کے قیام کی درخواست کی اور خانقاہ تعمیر کرا کے دیہات وقف کر دینے کا وعدہ کیا لیکن شیخ نے قبول نہ کیا۔

ایک بار صحبت سماع سلطان محمد کے یہاں تھی۔ شیخ عثمان اور شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤالدین زکریا بھی موجود تھے۔ کسی شعر پر ان لوگوں کو رقت طاری ہوئی تو سلطان محمد فرط تاثر سے بے تاب ہو گیا اور ان حضرات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر زار زار رونے لگا۔ سلطان محمد نے دو بار اپنا خاص

آدمی اور قیمتی تحائف شیخ سعدی شیرازی کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی۔ لیکن شیخ نے اپنی ضعیفی کا ذکر کر کے معذرت چاہی اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو وہاں موجود ہیں ان کی قدردانی فرمائی جائے۔

شہادت مغلوں کے مقابلہ میں محمد کو شہادت نصیب ہوئی۔

علماء و مشائخ بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے، مثلاً شیخ فریدالدین مسعود شکر گنج، شیخ الشیوخ بہاءالدین زکریا، شیخ صدرالدین بن شیخ بہاءالدین، شیخ بدرالدین غزنوی، خلیفہ قطب الدین بختیار کاکی اور سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔

علاوہ مشائخ و علماء کے اور لوگ بھی خاص خاص صفات کے موجود تھے۔ مثلاً ایک کشلی خاں جو تیر اندازی، نیزہ بازی، اور دیگر فنونِ حرب میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح بلبن کا برادر زادہ علاءالدین محمد بن اعزالدین جو مجلس آرائی اور بخشش و کرم میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔

مصر و شام و روم و بغداد، عراق و خراسان وغیرہ سے شعراء اور اکابر علماء آتے تھے اور اس کے بذل و نوال سے بہرہ مند ہو کر نہایت مطمئن و مسرور واپس جاتے تھے۔ ایک بار خواجہ شمس الدین اور خواجہ معین الدین، قطب الدین حسن غوری کے ندیم خاص نے چند اشعار علاءالدین کی مدح میں کہہ کر مغنیوں کو یاد کرا دیئے اور تاکید کر دی کہ تقریب نوروز (جشن بلبن) میں ان کو گا کر سنائیں۔ جب جشن منعقد ہوا تو مطربوں نے وہی اشعار مدح سنائے۔ علاؤالدین بھی موجود تھا، یہ سن کر مجلس سے اٹھ گیا اور گھر پہنچ کر دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین کو طلب کر کے مجلس نوروز کا تمام سامان و اسباب جو اس نے اپنے لئے ترتیب دیا تھا اٹھا کر خواجہ شمس الدین کو دے دیا اور دس ہزار تنکہ مطربوں کو بلا کر دیا۔

لہ اسلامی ہندنگار ۲ہ تاریخ فیروز شاہی جلد سوم صد ۱۱۰ ۳ہ فرشتہ صد ۸۳۔

اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں اس کے پاس سوائے اس کپڑے کے جو اس کے جسم پر تھا کچھ باقی نہ تھا۔[1]

حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ بلبن ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے وزیر پھر بادشاہ بنا اور چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ انتظامِ سلطنت عدل و انصاف، بیدار مغزی، دور اندیشی، رحم و کرم، علم پروری، ہنر شناسی الغرض ہر اعتبار سے سلطان بلبن اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا مسرور و مطمئن تھی عمال امین و متدین تھے۔ علماء، فضلاء، شعراء و مشائخ کا ہجوم تھا۔ علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے اُبلتا ہوا نظر آتا تھا۔ ملک میں ہر جگہ امن و سکون کی حکومت تھی۔ تمام ایشیا کے بڑے بڑے شہزادے، امراء اور شعراء دربار کی رونق بڑھا رہے تھے اور حضرت امیر خسرو کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ:-

"اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیا کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا، دہلی پر رشک کر رہا تھا۔"

فراست و دانائی غیاث الدین بلبن کی تمام سیاسی زندگی ایک مرقع ہے۔ اس جرأت و بسالت و فراست و دانائی کا جو تمام مسلم فرمانروایانِ ہند میں بہت کم نظر آتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا راز بلبن نے بیس سال تک ناصر الدین محمود شاہ کی جس محنت و صداقت سے خدمت انجام دی اس کی اہمیت، اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ زمانہ کس سازش و بغاوت کا تھا اور مغلوں نے حکومت ہند کے قیام کو کس قدر دشوار بنا دیا تھا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۸۔

ناصر الدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ قرآن مجید لکھ کر اپنی معاش بہم پہنچاتا تھا اور اس کی اکیلی بیوی بغیر اس کے کہ کوئی خادمہ اس کی مدد کرے کھانا پکایا کرتی تھی۔ وہ ایک فیاض طبیعت فاضل شخص تھا اور ہمیشہ علماء و حکماء کی صحبت پسند کرتا تھا لیکن ساتویں صدی کے پُر آشوب عہد کے لئے وہ یقیناً کسی طرح موزوں نہ تھا جبکہ ہندوستان کو ایک نہایت ہی سخت گیر جنگ جُو اور سیاست دان بادشاہ کی ضرورت تھی۔ پھر باوجود ان صفات کے فقدان کے جو کامیابی ناصرالدین کو حاصل ہوئی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ بلبن اس کا دست راست تھا اور اس نے ساری سلطنت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔"

مغلوں کے حملہ کا دفاع

اس وقت ہندوستان کی اندرونی حالت بھی ہندوؤں کی بغاوت سے خطرناک تھی اور مغلوں کے حملوں نے اور زیادہ اسے ہولناک بنا دیا تھا۔ لیکن یہ بلبن ہی کا دماغ تھا جس نے بیک وقت ان دونوں کا انسداد کر دیا۔

باغیوں کی سرکوبی

اُدھر پنجاب کی طرف شیر خاں اپنے برادر عم زاد کو متعین کر کے مغلوں کی پیش قدمی روک دی اور ادھر اندرونِ ملک میں باغیوں کی ایسی سخت سرکوبی کی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ علاوہ اس کے اور ایک مصیبت ترک امراء کی بھی تھی۔ جن کی سازشوں اور بغاوتوں نے سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا۔ مگر بلبن ان کا بھی حریف غالب ثابت ہُوا اور کامل بیس سال تک اس نے ناصرالدین کی سلطنت کو اس قدر حسن انتظام کے ساتھ چلایا کہ تاریخ مشکل سے ایسی دوسری نظیر پیش کر سکتی ہے۔

جب ناصرالدین کے بعد خود اس کا عہد سلطنت شروع ہُوا تو حالات بدستور تھے۔ ترک خوانین اب بھی موقع کے منتظر تھے۔ ہندو بغاوتیں کرنے کے لئے صرف ذرا سا بہانہ چاہتے تھے۔ قرب و جوار کے لٹیرے دہلی کے دروازے تک آ کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ مغلوں کی جماعتیں سرحد پر منڈلا

رہی تھیں اس لئے اگر اس نے سختی سے کام لیا تو وہ معذور تھا اور اس کو بحیثیت ایک دانشمند فرمانروا کے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔

اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے قرب وجوار کی لوٹ مار کا سدباب کیا اور دہلی کے نواح میں جس قدر گاؤں آباد تھے ان میں عسکر سلطان نے گھس گھس کر قزاقوں کو گرفتار کیا۔ جنگلوں کو صاف کیا اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی قربانی کر کے ان غارتگروں کی کمین گاہوں کو پُرامن قابل زراعت ضلع میں تبدیل کر دیا۔

قلعوں اور سڑکوں کی تعمیر اس نے تمام ایسے مقامات میں جہاں فتنہ پردازوں کو فساد پیدا کرنے کا موقع ملتا تھا، قلعے تعمیر کرائے۔ چوکیاں قائم کیں اور اس طرح تمام ان راستوں کو صاف اور پُرامن بنا دیا جو بقول ضیاء برنی :۔

"وہ ساٹھ سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے اور لوگوں کی آمد و رفت وہاں مسدود تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام نرمی و آسانی سے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب بلبن کو کسی ایسے گروہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً شیر کی طرح وہاں پہنچ گیا اور شیر ہی کی طرح دشمنوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس غرض سے اس نے بہت سے جنگل کٹوا کر سڑکیں بنوا دیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تدبیر اس کی بہت کارگر ہوئی۔"

ترک جاگیرداروں کا انتظام دوسرا مرحلہ ترک جاگیرداروں کا تھا جو جاگیروں پر اپنا موروثی حق قائم کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ یہ سب بلبن ہی کی قوم و قبیلہ کے تھے اور انہیں "چہلگانی" امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کا ایک فرد خود بلبن بھی تھا۔ لیکن بلبن نے مطلقاً ان کی رعایت نہیں کی اور بڑی حد تک ترک امراء کے خودسرانہ اقتدار کو گھٹا دیا حتیٰ کہ شیر خاں کو بھی جو خود اسی کا بنایا ہوا تھا اس نے فنا کر دینے میں کوئی تامل نہیں کیا۔

تیسری خلش مغلوں کے حملہ کی تھی۔ چنانچہ بلبن نے اس غرض سے ایک بڑی

زبردست اور مہذب فوج مرتب کی اور اکثر و بیشتر دارالحکومت میں اپنا وقت صرف کیا تاکہ وہ پوری طرح اپنی مرکزی قوت سے مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اگر وہ کبھی اس طرف کا رُخ کریں۔ یہی سبب تھا کہ اپنی ساری حکومت میں اس نے دور دراز مقام کی طرف ایک مہم (بنگال) اختیار کی، جہاں عرصہ سے لوگ آمادۂ بغاوت تھے اور حاکموں کا اقتدار قریب قریب اُٹھ چکا تھا۔

بختیار خلجی کے بعد سے پندرہ گورنر وہاں حکمران رہ چکے تھے لیکن چونکہ دہلی سے بنگال بہت دور واقع تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت کا اثر وہاں بہت کمزور تھا۔

بنگال کی مہم

جس وقت غیاث الدین بلبن تخت نشین ہُوا تو طغرل (بلبن کا محبوب ترین غلام) بنگال کا گورنر تھا، اس کو اڑیسہ کی طرف بہت کامیابی ہوئی اس لئے کچھ تو وہاں کی دولت سے بدمست ہو کر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ بلبن مغلوں کے خلاف اپنی تدبیروں میں مصروف ہے۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بلبن نے ایک فوج اُس طرف روانہ کی لیکن طغرل نے تلوار اور دولت دونوں کی قوت سے کام لے کر کامیابی حاصل کی اور افواج دہلی کے اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔

بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی

بلبن جوانِ مناظر سے آشنا نہ تھا، یہ خبریں سُن کر سخت برافروختہ ہُوا اور اُس نے فوج کے جنرل اتبگین کو اودھ میں سُولی دے کر اپنا غصّہ فرو کیا۔ اس کے بعد اُس نے دوبارہ فوج روانہ کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اب بلبن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ خود وہاں جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ محمد کو تو مغلوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا اور خود اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں کو ساتھ لے کر باوجود اس کے کہ بارش سخت تھی لکھنوتی کا عزم کر دیا۔ کہیں اس نے دریاؤں کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کیا۔ کہیں کیچڑ پانی میں یونہی گھوڑا ڈال کر وادیوں کو طے کیا۔ الغرض عجیب و غریب سکندرانہ عزم کے ساتھ

اس نے کوچ کیا۔ حتیٰ کہ لکھنوتی پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ طغرل مع اپنی فوج اور ذخائر کے جاجنگر بھاگ گیا ہے۔

بلبن اس سے اور زیادہ برہم ہوا اور عہد کیا کہ "میں دہلی کا اس وقت تک نام بھی نہ لوں گا جب تک کہ باغیوں کا اچھی طرح خون نہ بہالوں۔" چنانچہ طغرل بیگ کا تعاقب کیا گیا اور کچھ عرصہ تک مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ چند دن بعد اتفاق سے بلبن کے ایک دستہ فوج کو بنجاروں کا ایک قافلہ ملا جو طغرل کے لشکر سے واپس آرہا تھا اس سے سارا پتہ معلوم ہوا اور چالیس سپاہیوں کے "مقدمتہ الجیش" نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دشمن کے سپاہی اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی گا بجارہا ہے، کوئی کپڑے دھو رہا ہے۔ ہاتھی گھوڑے اِدھر اُدھر چر رہے ہیں۔

اس دستہ نے خیال کیا کہ اگر اصل فوج کو خبر کی گئی تو اس وقت تک طغرل یہاں سے کوچ کر جائے گا اس لئے انہوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور سیدھے طغرل کے خیمہ میں حملہ کر دیا۔ طغرل یہ ہنگامہ سُن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور بھاگا۔ لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے گرفتار ہُوا اور قتل کر دیا گیا۔ بعد کو اس کے ساتھی بازار لکھنوتی میں تہ تیغ کر دیئے گئے۔

بلبن جب اس سے فارغ ہُوا تو اس نے اپنے بیٹے بغرا خاں کو بلا کر، یہاں کا گورنر مقرر کیا اور حلف لیا کہ وہ تمام بنگال کو اپنے قبضہ میں لا کر ہمیشہ اطاعت کرتا رہے گا۔ اس کے بعد اس نے شہزادے سے پوچھا "کیا تم نے دیکھا؟" وہ اس سوال کا مطلب نہ سمجھا۔ دوبارہ پھر یہی پوچھا تو وہ اس مرتبہ بھی خاموش و متحیر رہا۔ تیسری بار پھر بلبن نے یہی سوال کیا اور اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی بیان کی کہ

"تم نے دیکھا جو سزائیں میں نے باغیوں کو دی ہیں اگر کبھی تم نے حکومتِ دہلی سے انحراف کیا تو یاد رکھو کہ تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو تم نے ابھی

بازار لکھنوتی میں دیکھا ۔"

اس تنبیہ کے بعد بلبن تو دہلی واپس چلا آیا اور تقریباً نصف صدی تک بغرا خان اور اس کی اولاد نے بنگال میں حکومت کی۔

انتقال بلبن کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہو گئی تھی اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہار تاثر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخر کار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیرباد کہہ گیا۔

بلبن نے بہ حیثیت شاہ و وزیر، چالیس سال تک حکومت کی۔ یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت ہی عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

.....

معز الدین کیقباد

بلبن نے اپنی اولاد میں جانشین نہ چھوڑا تھا۔ اس کا منشا محمد کو ولیعہد بنانا تھا۔ جب وہ شہید ہو گیا تو اس نے بغرا خاں کو طلب کیا لیکن اس نے بنگال کی پُرتعیش زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے بلبن نے برہم ہو کر محمد کے بیٹے کیخسرو کو نامزد کر دیا۔

جب بلبن کا انتقال ہُوا تو امراء نے کیخسرو کو نظرانداز کر دیا اور بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو تخت نشین کر دیا۔ یہ ایک اچھے اخلاق کا شہزادہ تھا۔ لیکن اس کی پرورش اس قدر خلوت میں ہوئی تھی کہ وہ سوائے لطف و تفریح کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہ تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اُس نے

عیش و عشرت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا اور سارا انتظام سلطنت اپنے نائب نظام الدین کے سپرد کر دیا۔

نائب السلطنت کے نظام نظام الدین بے انتہا ہوشیار شخص تھا اس لئے اُس نے کیقباد کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر خود بادشاہ بن جانے کی تدابیر شروع کیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کیخسرو پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے بعد نومسلم مغلوں کا قتل عام کرایا جو دہلی میں آباد تھے۔ اس نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی کشیدگی پیدا کرا دی۔ لیکن بعد کو جب اودھ میں دریائے سرجو پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو معاملہ صاف ہو گیا اور برہمی دُور ہو گئی [1]

وزیر نظام الدین کا قتل جب دہلی واپس آیا تو وزیر نظام الدین کو زہر دے کر مروا ڈالا اور اس کے بجائے جلال الدین خلجی گورنر سامانہ وزیر مقرر ہُوا۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں لکھا ہے کہ جب سلطان کیقباد ۶۸۲ھ میں تخت نشین ہُوا تو پانچ ہزار امراء اس کے دربار میں تھے اور ایک لاکھ فوج اس کی حضوری میں رہتی تھی اور اس کی سلطنت بنگال سے دریائے سندھ تک وسیع تھی۔

اس کو علم و ادب کا فطری ذوق تھا۔ لیکن لہو و لعب کی مشغولیت سے وہ سب محو ہو گیا اور اس کا زمانہ بہ اعتبار ترقی علم و ہنر اور حسنِ انتظام کے بہت ناکامیاب ثابت ہُوا۔ سلطان کیقباد غلام خاندان کا آخری فرمانروا تھا۔"

---

[1] حضرت امیر خسرو نے قران السعدین میں اس کشیدگی و ملاقات کا حال تفصیل سے درج کیا ہے۔

خاندانِ خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ھ تا ۱۲۹۰-۱۲۹۵ء

سلطان کیقباد کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی۔ اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے۔ اوّلین فرمانروا جلال الدین تھا اور آخری ناصر الدین خسرو شاہ۔ جلال الدین فیروز شاہ کی تاریخ اورنگ نشینی امیر خسرو نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ تحریر کی ہے اور یہی تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ بادشاہ ہوتے ہی چھتر شاہی کا رنگ سرخ تھا اس کے بجائے سفید کیا گیا۔ اور بلبنی خاندان کے ساتھ مسلوک ہوا بلکہ بلبن کے برادر زادہ ملک چھجو کو کڑہ کی ولایت سپرد کی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام و خواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے اور قصر کیلو کھڑہ میں جا کر اس کی معیت کی۔

غرضیکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو ناتمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کے اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا۔ مسجد و بازار کی طرح ڈالی۔ اُمراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی بگڑ کر نئی دہلی قائم ہو گئی اور بادشاہ نے اپنی سکونت مستقلاً یہیں اختیار کر لی۔

سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحمدل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں درگزر کر دیں۔

جلال الدین کی سلامت طبع | جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قصر کے پاس اترا تو اس نے نمازِ شکرانہ ادا کی اور باواز بلند کہا میں کیونکر خدا کا شکر ادا کر سکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں نے برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں اس کے بعد وہ کوشک محل میں جو غیاث الدین بلبن کا محل خاص تھا گیا اور وہاں پہنچتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ ملک احمد حبیب نے عرض کیا کہ :-

"سواری سے اترنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ قصر بھی بادشاہ کی ملکیت ہے"

جلال نے کہا کہ "یہ میرے آقائے ولی نعمت کا قصر ہے اور مجھ پر اس کی تعظیم فرض ہے"

پھر ملک حبیب احمد نے کہا کہ "بادشاہ کو یہیں سکونت اختیار کرنی چاہیئے"

جلال الدین نے جواب دیا کہ "اس عمارت کو شاہِ بلبن نے اپنی سرداری کے عہد میں تعمیر کرایا تھا اس لئے یہ اس کے ورثاء کی ملکیت ہے میں صرف عارضی مصلحت کی وجہ سے قواعدِ اسلام کو ترک نہیں کر سکتا"

جب کوشک محل کے اندر جلال الدین پہنچا تو وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جہاں شاہ بلبن بیٹھا کرتا تھا بلکہ امراء کی نشست میں جلوس فرما کر حاضرین سے کہا کہ اتیمر کچھن اور اتیمر سرقہ کا گھر تباہ ہوا کہ انہوں نے میرے مار ڈالنے کا قصد کیا اور میں اپنی جان کے اندیشہ سے اس گناہ کا مرتکب ہوا وہاں کہاں بادشاہی اور کہاں میں؟ دیکھئے مآل کار کیا ہوتا ہے اور میری اولاد پر کیا گزرتی ہے"

حلم و کرم | جلال الدین بے انتہا حلیم و کریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دیتا تو کبھی اس میں تغیر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو بھی انہیں ذلیل نہ کرتا۔

وہ امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان سے ملتا۔

علم پروری وہ علم دوست بھی اسی درجہ کا تھا۔ حضرت امیر خسرو، تاج الدین عراقی، خواجہ حسن، موید جاجرمی، مویو دیوانہ، امیر ارسلان کلامی وغیرہ جو اپنے عہد کے بڑے فاضل و کامل لوگ تھے، جلال الدین کے ندیم تھے۔ امیر خاصہ، حمید راجہ غزل خوانانِ دربار میں سے تھے اور محمد شاہ چنگی، فتو خاں، نصیر خاں اور بھرور جو موسیقی کے بے بدل ماہر تھے اس کے مطرب تھے۔ امیر خسرو روز اس کی مجلس میں کوئی نہ کوئی نئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی۔ جب جلال الدین عہدۂ میر جامداری سے ترقی پاکر عارض ممالک کے درجے پر پہنچا تو اسی وقت امیر خسرو کو اپنے پاس بُلا لیا اور سفید جامہ و کمر بند عنایت کرکے جو امراء کبار کے لئے مخصوص تھا، ان کو مصحف داری کی خدمت سپرد کر دی اور بہت بڑا منصب مقرر کر دیا۔ جب بادشاہ ہوا تو یہ التفات اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور دہلی کے شاہی کتب خانہ کا اہتمام امیر خسرو کے سپرد کر دیا۔[1]

جلال الدین کی شاعری جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا۔ چنانچہ بدایونی نے اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں :۔

آں زلفِ پریشانت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیرہنت خواہم یک شب بہ کنارائی
ہاں بانگ بلنداست ایں پوشیدہ نمی خواہم

اسی طرح جب وہ محاصرۂ گوالیار میں مصروف تھا تو وہاں اس نے ایک عمارتِ مقبرہ تیار کرائی اور یہ رباعی تصنیف کی تاکہ بطور کتبہ کے وہاں درج کی جائے :۔

ما را کہ قدم بر سر گردوں ساید
از تودۂ سنگ و گل چہ قدر افزاید
ایں سنگ شکستہ زاں نہادیم درست
باشد کہ دل شکستۂ اساید

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۰ و طبقات اکبری صفحہ ۶۱۔

باغیوں کے ساتھ سلوک غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجو نے ولایت کڑہ میں سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کر دیا اور ایک عظیم لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب یہ خبر شاہ جلال الدین خلجی کو پہنچی تو اُس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ہراول بنا کر آگے روانہ کیا اور خود بارہ کوس کے فاصلہ سے عقب میں روانہ ہوا۔ ارکلی خاں اور چھجو کا مقابلہ ہوا جس میں چھجو کو شکست ہوئی۔ ارکلی خاں نے امیر علی میر جامدار اور دوسرے باغی امراء کو قید کر کے ان کی گردن میں دوشاخہ ڈال کر اونٹوں پر سوار کر دیا اور اپنے باپ کے پاس اسی حال میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر رومال ڈال لیا۔ اور بے اختیار ہو کر چیخ پڑا کہ "یہ کیا ہے ؟" فوراً ان لوگوں کو اتارو اور حمام میں لے جاؤ۔"

جب یہ لوگ نہا چکے تو خاص خلعتیں عطا ہوئیں اور دربار میں بلا کر حد درجہ نرمی و محبت سے اُن کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے اس طرزِ عمل سے یہ لوگ سخت منفعل ہوئے۔ لیکن بادشاہ اس کو بھی گوارا نہ کر سکا اور کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بغاوت کر کے کوئی نمک حرامی نہیں کی۔ کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہ تھا کہ مجھ سے مخالفت نمک حرامی ہوتی بلکہ تم نے اپنے ولی نعمت کی طرفداری کی اور یہ تمہارا فرض تھا۔"

خوں ریزی سے احتراز اتفاق سے چند دن بعد چھجو کو بھی کسی زمیندار نے گرفتار کر کے پیش کر دیا۔ بادشاہ نے اس کی بڑی عزت کی اور ملتان بھیج کر وہاں کے حاکم کو لکھا کہ "شاہ بلبن کے برادر زادہ کو نہایت دلجوئی سے رکھا جائے اور اس کے لئے تمام سامانِ عیش و تفریح کا مہیا کیا جائے گا۔"

لوگوں نے کہا بھی کہ دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں ہے ان کو

قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن سلطان جلال الدین نے کہا کہ "میں ضعیف ہو گیا ہوں اور اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اب وقتِ آخر ہیں مجھے اس پر مجبور نہ کرو"۔

اس واقعہ کو ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں نہایت تفصیل کیساتھ درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ "خود حضرت امیر خسرو نے اس واقعہ کی روایت اس[1] سے کی تھی"۔

نرمی و آشتی پسندی

سلطان جلال الدین کی نرمی و آشتی پسندی سے بعض مفسد مزاج خلجی برہم تھے اور نشۂ شراب کے وقت بسا اوقات کہہ گزرتے تھے کہ "ایسے بادشاہ کو قتل کر ڈالنا چاہیئے"۔ سلطان جلال الدین کو یہ خبریں ملتی تھیں تو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ "شراب کے نشہ میں انسان ایسی ہی فضول باتیں بک دیا کرتا ہے ان پر اعتناء نہ کرنا چاہیئے"۔

جب سلطان کا رحم و کرم اس حد تک بڑھ گیا تو ایک دن ملک تاج الدین کوچی کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوئے اور نشہ کی حالت میں یہ فیصلہ کیا کہ ملک تاج الدین بادشاہ ہونے کے قابل ہے"۔ ایک نے کہا کہ "میں اس نیم شکاری (چاقو) سے جلال الدین کا فیصلہ کیئے دیتا ہوں"۔

دوسرے نے کہا کہ "ابھی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا"۔ بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو طلب کیا اور برہم ہو کر ایک تلوار ان لوگوں کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ "اگر تم میں کوئی مرد ہے تو اسی وقت نکل آئے اور مجھ سے مردانہ فیصلہ کر لے۔ ورنہ یوں فضول مزخرفات بکنے سے کیا فائدہ ہے"؟

سب لوگ نادم و منفعل کھڑے تھے اور بادشاہ کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر ملک ناصر "دوات مار" نے جو بادشاہ کا ندیم تھا اور خود بھی اس سازش کرنے والی جماعت میں شریک تھا۔ عرض کیا کہ "جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ نشہ کی حالت

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۱ طبقاتِ اکبری صفحہ ۵۸

ناموزوں نہ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے"

چنانچہ ملکۂ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے"

سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ "میں نے ملکۂ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کر سکتا ۔

امن پسندی جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائیں اور مالوہ فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرا دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا ۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں مؤرخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلطنت پر کوئی الزام اس سے عائد ہوتا ہے ۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ۔

ناموزوں نہ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-

"جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی تحریک کرے"

چنانچہ ملکۂ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ "آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے"

سلطان جلال الدین یہ سُن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ "میں نے ملکۂ جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو اختیار نہیں کرسکتا ۔

امن پسندی

جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھائیں اور مالوہ فتح کر کے قلعۂ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ نصب کرادیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا ۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس میں مؤرخین اسے قابلِ الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال کرتے ہیں۔ لیکن اگر منصفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل نامناسب فعل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلطنت پر کوئی الزام اس سے عائد ہوتا ہے ۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں ۔

سیّد مولا کا قتل

سیدی مولا ایک درویش تھا جو "ولایت ملک بالا" سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ ملحقات شیخ عین الدین بیجاپوری میں لکھا ہے کہ "یہ جرجان سے حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر کی زیارت کو ہندوستان آیا تھا اور حضرت شکر گنج کی اجازت سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ یہ ایک بزرگ صورت صوفی منش تھے۔ بہت جلد اُن کی شہرت عام ہوگئی اور تمام امراء خوانین و ملوک اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا لیکن اس کے مصارف شاہانہ تھے اور اسی وجہ سے لوگ زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اس نے زرِ کثیر صرف کر کے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور نہایت فراخدلی کے ساتھ لنگر جاری کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار من میدہ، دو سو من قند دو سو من شکر، پانچ سو من گوشت اور اسی قدر گھی کا صرف تھا۔ علاوہ اس کے وہ نہایت دریا دلی سے ایک ایک شخص کو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتا تھا۔ الغرض اس کی زندگی ایک معمّہ تھی اور مخلوق نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا تھا۔ جب سلطان جلال الدین کا زمانہ آیا تو بھی اس کی یہی حالت تھی اور تمام امراء وغیرہ وہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں میں ایک شخص قاضی جلال الدین کاشانی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر کے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کر دی اور اب خانقاہ سلطان جلال الدین کے خلاف سازش کا مرکز ہوگئی۔ چند دن بعد سازش مکمل ہوگئی اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو جب بادشاہ نماز کے لئے باہر نکلے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور سیدی مولا کے دس ہزار مرید جمع ہو کر اپنے پیر کو تخت پر بٹھا دیں۔

اتفاق سے ایک شخص اس سازش میں ایسا بھی تھا جو سلطان جلال الدین کا بہی خواہ تھا۔ اس لئے وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور تمام حالات مفصل عرض

کر دیئے ۔ بادشاہ نے ان سب کو طلب کر کے دریافت کیا کہ سب نے انکار کر دیا۔ اور تحقیقات سے بھی کوئی شہادت ایسی فراہم نہ ہو سکی جو مجرم کو ثابت کر دیتی لیکن چونکہ دیگر ذرائع سے اس سازش کا پایا جانا یقینی طور سے ثابت ہو چکا تھا اس لئے قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں عہدۂ قضاۃ پر بھیج دیا گیا اور دیگر امراء کو جو سازش میں شریک تھے خارج البلد کرا دیا۔

بعدہٗ سیدی مولا دست بستہ قصر کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ اس وقت کوٹھے پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے مولا سے گفتگو کی ۔ اس وقت شیخ ابوبکر بھی جو جلال الدین کا بے انتہا ممنون تھا، اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ " دیکھو سیدی مولا نے مجھ پر کیسا ظلم کیا ہے۔ کچھ تم ہی انصاف کرو "۔

یہ سنتے ہی طوسی کے ایک مرید نے سیدی مولا پر حملہ کیا اور استرہ سے اس کو کئی جگہ زخمی کیا۔ قبل اس کے کہ سلطان کوئی آخری فیصلہ کرتا شہزادہ ارکلی خاں نے وہیں بالا خانہ سے ایک فیل بان کو اشارہ کیا اور اس نے دفعتہً اپنے ہاتھی سے سیدی مولا کو کچل دیا۔[1]

جلال الدین کو سازش کا حال برمحل نہ معلوم ہو جاتا تو نتیجہ یہی ہوتا کہ جلال الدین قتل کر دیا جاتا اور سلطنت اگر سیدی مولا کو نہ ملتی تو بھی ملک میں نقض امن اور فساد تو ضرور ہی ہو جاتا ۔

حسن اتفاق کہ اس دن آندھی آئی اور اس سال قحط پڑا۔ عوام یہ سمجھے کہ سید مولا کے قتل کی وجہ سے یہ صورتیں پیش آئیں مگر یہ باتیں غیر وقیع ہیں ۔

صفات سلطان جلال الدین اپنی صفات کے لحاظ سے عجیب وغریب بادشاہ تھا اور اس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو اس کے فطری

---

[1] فرشتہ صفحہ ۹۳ - تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۱۶ - ۱۷

رحم ورافت کے منافی ہو۔

علاؤالدین کی سرکشی | ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء میں جب چھجو نے بغاوت کی حکومت کڑہ علاؤالدین کے سپرد کی گئی جو جلال الدین کا بھتیجا تھا اور داماد بھی۔ یہ بڑے عزم کا شخص تھا اور چاہتا تھا کہ مقبوضات کو بہت زیادہ وسیع کرلے۔ چنانچہ اس نے چند دن بعد بھلسہ پر لشکر کشی کی اجازت بادشاہ سے طلب کی اور وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل کرکے دہلی آیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اقطاع کڑہ کے ساتھ اقطاع اودھ کا اضافہ بھی اس کی حکومت میں کردیا۔ علاؤالدین نے بادشاہ سے چندیری پر تاخت کی اجازت طلب کی اور وہ بھی اس کو دی گئی۔ چنانچہ یہ کڑہ واپس آیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ چندیری کا صرف ایک بہانہ تھا۔ مقصود اس کا دکن کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہاں اپنی حکومت مستقلاً قائم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ساس ملکہ جہاں آراء اور اپنی بی بی سے آزردہ تھا اس لئے کہیں دور جگہ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کا حوصلہ موجود خدمات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند تھا اور وہ جلال الدین شاہ کی محبت وکمزوری سے فائدہ اٹھاکر ایک خودمختارانہ فرماں روا کی حیثیت پیدا کرنے کا آرزومند تھا۔

کڑہ میں اس نے کسی سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور سیدھا ایلچ پور پہنچا اور ۶۹۳ھ / ۱۲۹۴ء میں یہاں سے چل کر دیوگیر فتح کیا اور بہت سے مالِ غنیمت لے کر خاندیس ہوتا ہوا مالوہ کا رُخ کیا اور یہاں سے کڑہ پہنچا۔

سلطان جلال الدین اس وقت گوالیار کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اسے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ علاؤالدین کی طرف سے مشتبہ ہوگیا تھا۔ اس لئے امراء سے رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعض نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کو چندیری پہنچ کر ڈیرے ڈال دینا چاہیئے تاکہ جب علاؤالدین اس طرف سے گزرے تو مجبوراً اسے حاضر ہوکر سارا مالِ غنیمت پیش کردینا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کثرتِ دولت سے اس کا

دماغ منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کر لے۔ بادشاہ کو یہ رائے پسند نہ آئی اور دہلی واپس آگیا۔

چند دن بعد علاؤالدین کی عرضداشت کڑہ سے پہنچی کہ میں تمام مالِ غنیمت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں لیکن اس خیال سے کہ میں ایک سال سے حاضر نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ میرے دشمنوں نے بادشاہ کو بدظن کر دیا ہو۔ اس لئے آتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر عفوو تقصیر کا فرمان خطِ مبارک سے لکھ کر بھیج دیا جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ علاؤالدین نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ اگر بادشاہ مع لشکر کے آئے گا تو وہ لکھنوتی پہنچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کرے گا۔

جب علاؤالدین نے بادشاہ کو یہ عرضداشت روانہ کی تو ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس بھی روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بادشاہ میری جان کا مالک ہے اور رنجش نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ اگر واقعی وہ میرے خون کا پیاسا ہی ہے تو مجھے مطلع کرو تاکہ میں زہر کھا کر مر جاؤں یا کسی طرف نکل جاؤں۔ لیکن یہ خط صرف بادشاہ کے دکھلانے کا تھا خفیہ طور سے اس نے اپنے بھائی کو لکھ بھیجا تھا کہ اس خط کو دکھا کر بادشاہ کو اس بات کو آمادہ کرے کہ وہ بغیر لشکر کے کڑہ چلا آئے۔ چنانچہ الماس بیگ نے ایسے رنگ میں اس کا معاملہ پیش کیا کہ جلال الدین تنہا کڑہ جانے پر راضی ہو گیا اور الماس بیگ کو پہلے روانہ کر دیا اور ایک ہزار سوار لے کر کیلوگڑھی سے روانہ ہوا جب ڈبائی پہنچا تو خشکی کا سفر چھوڑ کر دریا کا سفر اختیار کیا اور ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء کو کڑہ پہنچا۔

جلال الدین کا قتل

علاؤالدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ تنہا بادشاہ کو کشتی میں بٹھا کر لے آئے اور فوج ہمراہ نہ آسکے۔ چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین وقت پر جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر اتر کر علاؤالدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی[1]۔

⁂

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی۔

سلطان علاؤالدین خلجی[1]

۶۹۵ ، ۷۱۶ھ تا ۱۲۹۵ء - ۱۳۱۶ء

علاؤالدین اپنے چچا جلال الدین خلجی[2] کے عہد میں اس کی طرف سے کٹرہ مانک پور کا حاکم تھا۔ ۶۹۴ھ ۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہونے کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بندیلکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان وندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا اور ... نفوس کو لے کر دیوگڑھ پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر دکن کی طرف بڑھ کر ایلچ پور پر قبضہ کیا۔

ان فتوحات سے علاؤالدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ علاؤالدین نے اپنے چچا اور خسر سلطان جلال الدین کو قتل کرا کے سلطنت دہلی حاصل کی جو تاریخ اسلام کا بدترین داغ کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ فعل اسلام کے خلاف تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی شخص جس نے اپنی سلطنت کی ابتداء سفاکی سے کی ہو، باعتبار نظم ونسق، بہ لحاظ فتوحات، بہ حیثیت دولت واقبال ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ تاریخ میں جس کی نمایاں حیثیت ہے۔

علاؤالدین کی بیدار مغزی

یہ صحیح ہے کہ علاؤالدین ظالم وسفاک تھا، جاہل وناشائستہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تسلیم

---

[1] جلال الدین کے قتل کی خبر اس کی بیوی ملکہ جہاں کو ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خاں ابراہیم کو رکن الدین کا خطاب دیکر تخت نشین کیا۔ بڑے بیٹے ارکلی خاں کا انتظار نہیں کیا وہ ملتان میں تھا اور برہم ہو گیا۔ رکن الدین علاؤالدین کی آمد تک دلی کا حکمران رہا۔

[2] تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶ تا ۵۰۔

کرنا پڑے گا کہ وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا شخص تھا۔

سلطنت کی رونق علاؤ الدین نے بیس سال تک حکومت کی اور اس زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے۔ بڑے بڑے راجاؤں نے سرِ اطاعت خم کر دیا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلاء سرزمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہو گئیں مساجد کی رونق بڑھ گئی۔ مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبانِ دل اصفیاء و ارباب ذوق مشائخ رونما ہو گئے۔ دربار اساتذۂ فن کا مرکز بن گیا۔ ارزانی حیرت انگیز تک بڑھ گئی اور سلطنت ایسی نظر آنے لگی کہ اس سے پہلے جس کی نظیر نہ تھی۔ یہ تھا نظامِ حکومت اس مسلمان بادشاہ کے عہد کا جس کا شمار حد درجہ کے ظالم لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

داد و دہش جب علاؤ الدین کڑہ سے دہلی کی طرف تخت نشین ہونے کے لئے چلا تو اس نے حکم دیا کہ آزادی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دہلی پہنچتے پہنچتے ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ چونکہ جلال الدین کے قتل سے لوگوں میں برہمی پیدا ہو گئی تھی اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید دہلی میں جنگ کرنی پڑ جائے۔ اس لئے اس نے اس ذریعہ سے لوگوں کو مالوف کرنا چاہا اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ کر لی۔

ضیاء برنی لکھتا ہے کہ :۔

"ہر منزل پر پانچ من وزن ستارے (اخترِ زر) ایک سبک سی منجنیق میں رکھ کر اڑائے جاتے تھے اور ہزاروں آدمی اُن کے لوٹنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔"

تخت نشینی اسی طرح جب بعض امراء و خوانین دہلی سے علاؤ الدین کے روکنے کے لئے روانہ کئے گئے تو علاؤ الدین نے ان سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ دولت کے زور سے اُن کا مقابلہ کیا اور اس طرح سلطان جلال الدین (مرحوم)

کی تمام فوج کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ حسبِ روایت تاریخ علائی[1] ۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ کو اور حسب روایت بیان تاریخ وصاف ذی قعدہ ۶۹۵ھ میں علاؤالدین دہلی پہنچا جہاں وہ دوبارہ (صحیح معنوں میں) تخت نشین ہوا۔

علاؤالدین نے عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر خاندانِ و امرائے جلالی میں سے ان لوگوں کو جن کی طرف سے ادعائے حکومت و تحریک بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا تہ تیغ کرا دیا۔ دوسری طرف دولت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طرف سے برہمی ختم ہو گئی۔ لوگ رام ہو گئے اور اس کے طرف دار بن گئے جس میں ضیاء برنی کے چچا اور باپ بھی تھے۔ برنی کے چچا ملک علاء الملک کو ولایت کڑہ سپرد کیا گیا۔ اس کے باپ مؤید الملک کو قصبہ برن کی نیابت و خوجگی مرحمت کی[2]

عزم و ثبات

سلطان علاؤالدین بے انتہا سخت اور ظالم ہونے کی حد تک سخت گیر تھا۔ لیکن وہ ایک بے مثل سپاہی اور بڑے زبردست عزم کا بادشاہ تھا۔ جس وقت علاؤالدین کو معلوم ہوا کہ قتلغ خواجہ پسر دوا خاں (ماوراء النہر کا بادشاہ) دو لاکھ مغلوں کی جمعیتہ سے دریائے سندھ کو عبور کر چکا ہے اور اب تسخیر دہلی کے لئے چلا آ رہا ہے اور اس فتنہ مغل سے خائف ہو کر ہزاروں آدمی قرب و جوار سے بھاگ بھاگ کر روزانہ دہلی میں پہنچ رہے تھے۔ گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور محلات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان پناہ گزینوں سے نہ بھر گئی ہو۔ غلہ اور تمام اشیاء سخت گراں ہو گئی تھیں۔ چنانچہ علاؤالدین نے امراء کو جمع کر کے سب کی رائے طلب کی۔ چونکہ دہلی کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ مغلوں کی مدافعت آسانی سے ہو سکتی۔ اس لئے اکثر امراء نے یہی رائے دی کہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام لے کر اس فتنہ کو دفع کر دینا چاہیئے۔ علاؤالدین نے یہ سن کر کہا کہ:۔

---

[1] تاریخ علائی کا نام خزائن الفتوح ہے جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

[2] طبقات اکبری صفحہ ۶۸

"جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بتائیے کہ میں دُنیا کو اپنی صُورت کیونکر دکھا سکوں گا۔ کیا مُنہ لے کر گھر میں جاؤں گا اور میں کیا سلطنت کروں گا۔ نتیجہ جو کچھ ہو میں ان مغلوں سے جنگ کروں گا۔"

چنانچہ اس نے الغ خاں اور ظفر خاں کو سپاہ بیکراں کے ساتھ روانہ کیا اور شہر کا مناسب انتظام کیا۔

مغلوں کی شکست

علائی فوج نے لاہور کے حدود میدان کیلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤالدین تاجِ فتمندی سر پر رکھے ہوئے دلی واپس آیا اور اپنے نام کے خطبہ میں اور سکوں میں سکندر ثانی کے لقب کا اضافہ کیا۔[1]

مشاورت فی الامر

سلطان علاؤالدین خود سر بادشاہ ہوتے ہوئے ہمیشہ تمام امور ملکی سے اپنے امراء سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ایک صائب رائے کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو ترک کر دیتا تھا۔

نئے مسلک کے اجزاء اور فتح عالم کا خیال

سلطان علاؤالدین نے دو سال کے اندر تمام خطرات کو دفع کر دیا اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کے حدود سلطنت کو بہت زیادہ وسیع کر دیا اور گجرات وغیرہ پر قابض ہو کر تمام امورِ سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت و جبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن سوچا کہ جس طرح نبی آخر الزمان نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو رواج دیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یار (الماس بیگ الغ خاں، ملک ہزبرالدین ظفر خاں، ملک نصرت خاں، سنجر الپ خاں) کی مدد سے کوئی شریعت قائم کروں

---

[1] بدایونی ج۱ فرشتہ ۱۰۳، ۱۰۴۔ طبقات اکبری ص۔

تو میرا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اس نے یہ قائم کیا کہ جس طرح سکندر رومی نے کشور کشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی۔ اسی طرح میں بھی خراساں و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان حبش وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔

جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا اور اس کے امراء و ندیم خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ ایک دن علاء الملک کوتوال کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا۔ اس نے جرأت سے کام لے کر علاؤالدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور چونکہ اب سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ خیال قائم کرنا سخت نادانی اور خلافِ انصاف ہے۔ رہا سکندر کی طرح عزم جہاں کشائی کرنا، سو اس کے لئے دیکھ لیجئے کہ آپ کے پاس کوئی وزیر ارسطاطالیس کی طرح ہے جو آپ کی غیبت میں انتظام سلطنت کو درہم برہم نہ ہونے دے؟"

یہ سُن کر علاؤالدین نے کہا کہ پھر اب میں کیا کروں؟ یہ تمام خزائن و دفائن کس کام میں لائے جائیں؟ علاؤالملک نے کہا کہ ابھی تو ہندوستان کا سارا جنوبی حصہ تسخیر کے لئے پڑا ہوا ہے۔ از تنبھور، چندیری، چتوڑ، مالوہ، دھار، اجین فتح کیجئے۔ علاوہ اس کے حدود کابل کا مستحکم کرنا ضروری ہے تاکہ مغلوں کی طرف سے اطمینان کلی حاصل ہو جائے"

علاؤالدین کی حق پسندی

سلطان علاؤالدین نے یہ سُن کر اپنے خیال سے توبہ کی اور اسی وقت علاء الملک کو دس ہزار تنکہ، دو آراستہ گھوڑے نہایت قیمتی زریں خلعت، طلائی کمر بند جو وزن میں نصف من تھا اور دو گاؤں انعام میں دیئے[1]

---

[1] فیروز شاہی صفحہ ۱۷۰-۱۷۱۔

سلطان علاؤالدین راست پسندی کے ساتھ اصولِ سیاست سے بھی کما حقہٗ واقف تھا اور نظم ونسق قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے تمام ذرائع صَرف کر دیا کرتا تھا۔ جب وہ قلعہ رنتھبور کی تسخیر کے لئے آمادہ ہُوا اور وہاں توقع سے زیادہ اس کو دیر لگی تو دہلی میں مسلسل تین چار سازشیں اس کے خلاف ہُوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان شاہ اکت خاں (برادر زادہ علاؤالدین) نے سازش کی اور اپنے نزدیک سلطان علاؤالدین کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن کامیاب نہیں ہُوا۔ اس کے بعد عمر خاں اور منگو خاں (علاؤالدین کے ہمشیرزادگان) نے سلطان کی غیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر علمِ بغاوت بلند کیا۔ لیکن یہ بھی گرفتار ہو کر اپنی سزا کو پہنچے۔ پھر آخر میں حاجی نامی ایک شخص نے زیادہ سنگین بغاوت کی۔ یہ امیر الامراء فخرالدین کوتوال سابق کا غلام تھا، اس نے دہلی کو خالی پا کر ہنگامہ مچا دیا، جو مشکل سے فرو ہو سکا۔ گجرات کے نومسلموں کی بغاوت اس قبل ظاہر ہو چکی تھی۔

الغرض سلطان علاؤالدین متردد ہُوا اور بغاوتوں کے اس سلسلہ کو ختم کر دینے کے لئے اس نے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعض نے کہا کہ بدامنی کے چار اسباب ہُوا کرتے ہیں:۔

۱۔ خلق کے نیک وبد سے بادشاہ کا لاعلم رہنا۔

۲۔ شراب کا اعلانیہ استعمال، کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ مافی الضمیر کو آزادی کے ساتھ ظاہر کر دیتے ہیں اور اس طرح باہم دگر فتنہ وفساد پر لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

۳۔ امراء واعیان کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص ومحبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آجاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

۴۔ زر ومال کی کثرت کہ جب بداصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

محکمۂ جاسوسی کا قیام

علاؤالدین یہ سن کر متنبہ ہوا اور سب سے پہلے اس نے اپنی بے خبری دور کرنے کے لئے تمام ملک میں جاسوس مقرر کئے اور خبر رسانی کا ایک ایسا مکمل انتظام کیا کہ امراء وغیرہ جو باتیں رات کو اپنے گھر کے اندر کرتے تھے۔ وہ صبح کے وقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی تھیں اور جب امیر آتا تو بادشاہ ایک پرچہ پر لکھ کر اس کو دکھا دیتا کہ رات کو تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ خلوت و جلوت میں گفتگو کرنا دشوار ہو گیا اور سازش و سرگوشی کا بالکل سدباب ہو گیا۔

سڑکوں کی حفاظت

اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ سفر کرتے تھے اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب وجوار میں نہ تھا بلکہ کابل و کشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ و گجرات سے لے کر تلنگانہ و معبر تک ہر جگہ راستوں کے پرامن ہونے کی یہی کیفیت تھی اور راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی۔ اگر کوئی سیاح یا مسافر گاؤں میں پہنچتا تو مقدم اور اس کے گاؤں کے لوگ اس کو عزت کے ساتھ ٹھہراتے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتے۔

میخواری کا سدِّباب

دوسرا انتظام شراب خواری کا تھا۔ ہر چند یہ ذرا مشکل کام تھا کیونکہ علاؤالدین خود اس کا عادی تھا۔ لیکن اس نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سب سے پہلے اپنے آبدار خانہ کو درہم برہم کیا جس قدر چینی کے برتن تھے ان کو تڑوا دیا اور طلائی و نقرئی ظروف کو گلوا کر دارالضرب میں بھیج دیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے اس لئے اب اگر کوئی شراب بنائے گا یا پئے گا تو قتل کر دیا جائیگا۔

تعلقات ازدواج کی ممانعت

مورخین کا بیان ہے کہ اس فرمان کے بعد اس قدر شراب کے قرابے لوگوں نے

اپنے گھروں سے نکال نکال کر لنڈھاتے کہ تمام راستوں میں کیچڑ ہو گئی۔

الغرض جب وہ اس انتظام سے بھی فارغ ہوا تو امراء و اعیان کے لئے ایک فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے بلا حکم سلطانی آپس میں نہ کوئی رشتہ قائم کریں، نہ ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ اس سے تمام امراء کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور آپس میں تعلقات رشتہ داری پیدا کرنا مسدود ہو گیا۔

مالگذاری کے اصول اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیہات کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت تک انتظام کی صورت یہ تھی کہ مقدم اور چودھری سے وصولی مالگذاری کا معاملہ ہوا کرتا تھا اور یہ لوگ رعایا کو سخت تباہ کر رہے تھے۔ چنانچہ سلطان نے پیمائش زمین کے مطابق مالگذاری فی بسوہ مقرر کی اور حکم دیا کہ نصف پیداوار بلا کسی استثناء و کمی کے سب سے وصول کر لی جائے۔

علاوہ اس کے مقدموں سے جو وصول ہو وہ خزانہ میں داخل کیا جائے۔

اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص خواہ مقدم ہو یا معمولی کاشت کار، چار بیل دو بھینسیں، دو گائیں اور بارہ بکریوں یا بھیڑوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ پھر چرائی بھی مقرر کی اور آباد گھروں کا کرایہ بھی معین کیا۔ اگر کوئی محرر یا عامل بد دیانتی کرتا یا ان احکام کی پوری پابندی نہ کرتا تو اس کو سخت سزا دیجاتی۔ اور اگر سوائے چارہ کے وہ کوئی اور چیز گاؤں سے حاصل کرتا تو پٹواری کے کاغذات سے دیکھ کر اس کی قیمت وصول کر لی جاتی۔

اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خائن عمال و محرر ملازمت سے بیزار ہو کر نوکریاں ترک کرنے لگے اور تمام مقدم و چودھری جو معزز و امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بالکل محتاج ہو گئے اور ان کی عورتیں محنت و مزدوری کرنے لگیں۔

مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر یہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ علاؤ الدین ایک بار میدان کیلی میں

مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔ لیکن وہ ان کے فتنہ کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھا۔ اور نہ مغل اپنے حوصلوں کو ترک کر چکے تھے۔ جب انہیں موقع ملتا ہندوستان کی طرف بڑھتے اور دہلی کو فتح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے۔ چنانچہ جب علاؤ الدین ۷۰۲ھ میں قلعہ چتوڑ کے محاصرہ میں مصروف تھا تو ماوراء النہر میں یہ خبر پہنچی کہ میدان خالی ہے اور مغل فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔

علاؤ الدین قلعہ چتوڑ فتح کرنے کے بعد مجبوراً پھر دہلی واپس آیا۔ لیکن چونکہ شاہی افواج کا ایک بڑا حصہ ورنگل کی طرف فتوحات میں مصروف تھا اس لئے یہ بہت متردد ہوا کہ کیا کرے تاہم اس نے خار بندی اور خندقوں سے دہلی کو محفوظ کیا اور اپنی افواج منتشر کو فراہم کرنا چاہا۔ اتفاق سے دو محاصرہ کرنے کے بعد مغلوں میں از خود خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے مستقلاً ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہے جن سے آئندہ کے لئے بھی مغلوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے اس کے لئے اس نے حصار دہلی کو از سر نو تعمیر کرایا۔ قصر ہزار خاتون اور دوسری عمارات تعمیر کیں لیکن صرف حصار و عمارات بیکار تھیں۔ اس لئے اس نے یہ بھی چاہا کہ عساکر سلطانی کی مقدار و تعداد زیادہ کر دی جائے اور یہ اس وقت ممکن تھا جب تنخواہیں کم کر دی جائیں ورنہ یوں تو موجودہ خزانہ صرف ۶ سال کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

امرا سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لشکریوں کی تنخواہ اس وقت کم ہو سکتی ہے جب تمام اشیاء ارزاں ہو جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے علاؤ الدین نے چند قواعد مقرر کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ کپڑا وغیرہ بہت ارزاں ہو گیا اور باوجود اس کے کہ پھر قحط بھی رونما ہوا لیکن ارزانی بدستور باقی رہی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قواعد سلطان علاؤ الدین کی خصوصیاتِ حکومت میں داخل ہیں جس کی طرف اس سے قبل کسی کو توجہ نہیں ہوئی اور نہ اس قدر ارزانی اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی۔ پھر لطف یہ کہ ارزانی عارضی نہ تھی۔ بلکہ علاؤ الدین کے

بقیہ ایام حکمرانی تک بدستور باقی رہی اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ضوابط و قواعد مجملاً یہاں بیان کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ اہلِ بازار کو نرخ مقرر کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے بلکہ صرف بادشاہ نرخ مقرر کرے گا۔ چنانچہ تمام مملکت میں حسب تفصیل ذیل نرخ مقرر کیا گیا ۔

ایک من گیہوں	۷ ½ جیتل	ایک سیر شکر تری	۱ ½ جیتل[۱]
" " جَو	۴ "	" شکر سرخ (گڑ)	½ "
" " چاول	۵ "	۲ ½ سیر گھی، مکھن	۱ "
" " ماش	۵ "	۳ سیر روغن کنجد	۱ "
" " چنا	۵ "	۲ ½ من نمک	۵ "
" " موٹھ	۳ "		

۲۔ ملک قبول الغ خاں (جو انتظامی معاملات میں نہایت فراست رکھتا تھا) منڈی کا داروغہ یا شحنہ مقرر کیا گیا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ مقررہ نرخ میں کوئی تفاوت نہ ہونے دے۔

۳۔ دوآب کے تمام خالصہ دیہات کی مال گزاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے اور سلطنت کی طرف سے غلہ کے انبار محفوظ رہیں۔ اگر بازار کا غلہ کم ہو جائے تو شاہی غلہ کو بازار کے نرخ سے فروخت کریں۔

[۱] عہد علائی کا من موجودہ وزن کے لحاظ سے ۱۲ ½ سیر کا تھا۔ ایک سیر موجودہ چھ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پیسہ یا ایک دمڑی کی قیمت کا۔ اسلئے اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ ارزانی اور سکوں کے لحاظ سے عہد علائی میں ایک من (یعنی موجودہ ۴۰ سیر) گیہوں کی قیمت ۱۲/ (۳/۴ روپیہ سکہ انگریزی) تھی۔

۴ - سلطنت کے تمام سفری غلہ فروشوں (بنجاروں) کو طلب کرکے ساحل جمن پر آباد کیا جائے اور اُن سے معاہدہ لیا جائے کہ باہر سے غلہ منگا کر شہر میں مقررہ نرخ سے فروخت کریں گے۔

۵ - غلہ جمع کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ اگر کوئی شخص غلہ جمع کرتا تو بحق سلطنت قرق کر لیا جاتا اور سخت تنبیہ کی جاتی۔ ولایت دوآبہ کے افسرانِ مال سے اقرار نامہ لیا گیا کہ کوئی شخص ان کے علاقہ میں غلہ جمع نہ کرے۔

۶ - افسرانِ مال (ریونیو) سے اقرار نامہ لیا گیا کہ وہ کھیتوں ہی پر بنجاروں سے قیمت دلا کر غلہ دے دیں اور سوائے اپنے ضروری خرچ کے غلہ کا ایک دانہ بھی کوئی کاشت کار گھر نہ لے جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہُوا کہ بنجاروں کو غلہ آسانی سے ملنے لگا اور بازار میں افراط ہو گئی۔

۷ - منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے تین عہدے دار مقرر کئے۔ ایک شحنۂ منڈی، دوسرے برید منڈی، تیسرے جاسوس منڈی۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بازار کے حال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو اطلاع دیتا اور اگر ان اطلاعوں میں ذرا بھی تفاوت ہوتا تو شحنہ سے سخت باز پرس کی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص مقررہ قواعد سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور تمام بازار کا بازار ایک مشین کی طرح چل رہا تھا اور حیرت یہ ہے کہ امساک باراں کے زمانہ میں کبھی غلہ کے نرخ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قحط کے زمانہ میں شحنہ نے صرف جیتل (ایک پیسہ) فی من نرخ بڑھا دینے کی درخواست کی تو سلطان نے اکیس چوب اس کے مادیں۔

۸ - کوئی شخص ایک وقت میں روزانہ خرچ کے علاوہ نصف من سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ اگر قحط کی وجہ سے مساکین کا ہجوم زیادہ ہو جاتا اور ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتا تو شحنہ کو سخت سزا دی جاتی۔ شہر کا ہر محلہ ایک بنجارے کے سپرد تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ اس محلہ کے لوگوں کو روزانہ غلہ مہیا کرے۔

۹۔ اسی طرح کپڑے کا نرخ مقرر کیا گیا۔ اعلیٰ درجہ کا سوتی کپڑا ۲۰ گز فی تنکہ (نقرہ)[ل] اوسط درجہ کا سوتی کپڑا تیس گز فی تنکہ (نقرہ) فروخت کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی مناسبت سے اور تمام قسم کے کپڑوں کی قیمت متعین کی گئی۔ اس کے لئے اس نے ایک مکان سرائے عدل کے نام سے تعمیر کرایا اور حکم دیا کہ یہاں صبح سے لے کر نماز پیشین تک دوکانیں کھلی رہیں۔

۱۰۔ سوداگرانِ شہر و اطراف کے نام دفتر میں درج کئے گئے اور ان سے اقرار نامہ لیا گیا کہ اس قدر کپڑا اور اس قسم کا ہر سال لا کر سرائے عدل میں مقررہ نرخ پر فروخت کیا کریں گے۔

۱۱۔ ملتانیوں (ملتان) کے رہنے والے سوداگروں کو بیس لاکھ تنکہ (انقرہ) خزانہ شاہی سے دیا گیا کہ اطرافِ ممالک سے کپڑا خرید کر کے لائیں اور نرخ مقررہ سے بازار میں فروخت کریں۔

۱۱۔ امراء وغیرہ میں سے جس نفیس اور قیمتی کپڑے کی ضرورت ہو پہلے رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرے۔ یہ قید اس لئے لگائی گئی تھی کہ سوداگر یہاں سے نرخِ سلطانی پر ارزاں کپڑا خرید کر کے باہر گراں قیمت پر فروخت نہ کر سکیں۔

۱۲۔ گھوڑوں کی قیمت ۱۲۰ تنکہ (نقرہ) سے بارہ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ صرف بازار ہی میں نرخ مقررہ کے مطابق گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو۔

۱۳۔ لونڈی، غلاموں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے پانچ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی۔

الغرض اس نے گائے، بھینس، بکری اور بازار کی تمام چیزوں یعنی ٹوپی سے موزہ

[ل] فرشتہ نے لکھا ہے کہ تنکہ نقرئی ہو یا طلائی ایک تولہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا۔ ہر نقرئی تنکہ کی قیمتِ تبادلہ پچاس جیتل (تانبہ کا پیسہ) ہوتی تھی۔ جیتل کا وزن البتہ مشتبہ ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک تولہ تانبہ کا ہوتا تھا۔ بعض پوتے دو تولہ بتاتے ہیں۔

نمک، شانہ سے سوزن تک، نیشکر سے سبزی تک، ہریسہ سے شوربہ تک، حلوائے صابونی سے ریوڑی تک، بریانی سے روٹی تک، پان پھول سے ساگ پات تک، الغرض تمام ضروری اشیاء حتیٰ کہ ایک ندیم خاص کے کہنے پر شاہدان بازاری تک کا نرخ مقرر کر دیا۔ چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے :۔

"عہد علائی میں مصری بحساب فی سیر[1] دو جیتل، شکر تری فی سیر ایک جیتل شکر سرخ فی سیر نصف جیتل، نمک ۵ سیر فی جیتل فروخت ہوتا تھا "

۱۴۔ بادشاہ صرف شحنہ وغیرہ کی اطلاع پر کفایت نہ کرتا بلکہ کمسن لڑکوں کو جنہیں کوئی وقوف نہ ہوتا دام دے کر بازار بھیجتا اور پھر ان چیزوں کو وزن کراتا۔ اگر وزن یا قیمت میں خلافِ قاعدہ کوئی فرق ہوتا تو سخت سزا دی جاتی اور کمترین سزا یہ تھی کہ ناک کان کاٹ لئے جاتے یا جس قدر کم اُس نے دیا ہے اُتنا ہی گوشت اُس کی ران یا کولہے سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

تحقیق حالات کی کیفیت

الغرض علاؤالدین نے مستحکم اور عجیب و غریب انتظام بازار کا کیا کہ اس کی حالت میں پھر کوئی تغیر نہیں ہوا اور کبھی کسی نے قانونِ مقررہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فوج کی تنخواہ

(۱۵) جب علاؤالدین بازار کا سارا انتظام کر چکا اُس نے سپاہیوں کی تنخواہیں حسب ذیل مقرر کیں :۔

سپاہی درجہ اوّل : دو سو چونتیس تنکہ (تقریباً ۲۴ پونڈ طلائی موجودہ انگریزی سکہ کے مطابق) ماہوار۔

سپاہی درجہ دوم : ۱۵۶ تنکہ ماہوار۔

سپاہی درجہ سوم : ۷۸ تنکہ ماہوار۔

جس کے پاس دو گھوڑے ہوتے اس کو ۷۸ تنکہ اور زیادہ ملتا۔

---

[1] حسب بیان فرشتہ اس وقت سیر وزن میں ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

عارضِ ممالک کی خدمات (۱۶) عارضِ ممالک (جسے موجودہ اصطلاح انگریزی میں MASTER کہہ سکتے ہیں) تمام سپاہ کا معائنہ کرتا اور جو فنِ تیر اندازی و شمشیر زنی وغیرہ کا ماہر ثابت ہوتا اُسے گھوڑے کی قیمت دیدی جاتی اور گھوڑا داغ دیا جاتا۔

جب علاؤالدین ان تمام انتظامات سے فارغ ہوگیا اور اس نے فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ صرف سواروں کی تعداد چار لاکھ بہتر ہزار تھی۔

اسی عسکری انتظام کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد جب مُغلوں نے عہدِ علائی میں ہندوستان کا قصد کیا تو ہمیشہ ان کو شکست ہُوئی اور نہایت کثیر تعداد میں مقتول و مقید ہُوئے۔

عُلماء کی قدر دانی علاؤالدین پہلے بالکل ناخواندہ محض تھا اور بعد کو اُس نے صرف معمولی نوشت وخواند سیکھ لی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہرانِ فن، بزرگانِ دین، علماء کرام، شعراءِ عظام اس کے زمانے میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علاؤالدین صابر، قطب الاولیاء شیخ رکن الدین بن صدرالدین عارف ملتانی اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔

علاوہ ان حضرات کے شیخ صدرالدین جو بے مثل فیاض تھے، تاج الدین ولد صدرالدین جو اپنی جود وسخاوت، علم وحلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے۔ سید مغیث الدین وسید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدرالدین، مولانا ضیاء الدین بیانوی اور حمیدالدین ملتانی جو اپنے کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس وتدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے۔ فنِ قرأت کے جاننے والوں میں مولانا نشاطی، مولانا علاؤالدین، خواجہ زکی خواہر زادہ شیخ حسن خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اہلِ وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین خلیل

مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے ۔

طبقۂ شعراء میں صدرالدین عالی، فخرالدین، حمیدالدین، مولانا عارف، عبدالحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسرو جو جامع کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں فرد تسلیم کیے جاتے ہیں اسی دربار کے زلہ ربا تھے ۔

اطباء میں صدرالدین، جو لینی طبیب، علیم الدین اور مولانا بدرالدین دمشقی خاص لوگ تھے ۔ مولانا بدرالدین کی مسیحائی و حذاقت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت و فراست کا پیدا نہیں ہو سکا ۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ اگر چند جانوروں کا قارورہ ایک جگہ ملا دیا جاتا تو یہ بتا دیتے کہ فلاں فلاں جانوروں کا بول اس میں شامل ہے ۔

علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل تھے کثرت سے پائے جاتے تھے اور ان کا شمار مشکل تھا ۔

علاؤالدین کے عہد میں اس قدر مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار اور حصار تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے ۔

فرشتہ لکھتا ہے :-

> ”علاؤالدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ستر ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و گلکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کر دیتے تھے ۔ تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں ۔“

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ (علاؤالدین کے بیٹے اور جانشین) نے دہلی سے دولت آباد تک کا سفر کیا ہے تو اس وقت کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد تک چالیس دن کا سفر تھا اور ان دونوں شہروں کے درمیان جو سڑک تھی اس کے دونوں جانب بید وغیرہ کے درخت لگے ہوئے

تھے۔ ایک مسافر ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ کسی باغ کی روش پر چل رہا ہے۔ ہر میل پر ڈاک کی چوکی تھی اور راستہ میں ہر جگہ اس کو تمام ضرورت کی چیزیں اس قدر فراوانی سے دستیاب ہوتی تھیں گویا بازار لگا ہوا ہے۔

یہاں سے اور سڑکیں ۶ مہینہ کی راہ کی معبر اور تلنگانہ تک بنی ہوئی تھیں۔ ہر منزل پر بادشاہ اور دیگر مسافروں کے قیام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے مفلس مسافروں کو زادِ راہ کی مطلق فکر نہیں ہوتی تھی اور ان کو تمام چیزیں مفت ملتی تھیں۔

سب سے پہلے جو شخص ہاتھی پر عماری رکھ کر سوار ہوا، علاؤ الدین خلجی تھا۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں :-

کسے در شاہی و انگہ سواری جز او ننہاد بر فیلاں عماری

عہد علائی کی خصوصیات

سلطان علاؤ الدین اپنے عزم و جبروت اپنی سطوت و سیاست کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد کی چند خصوصیات کو ضیاء برنی نے ایک جگہ حسب ذیل جمع کیا ہے :-

۱۔ غلہ، کپڑا اور دیگر اشیاء کی ارزانی۔

۲۔ مسلسل فتوحات اور دولت کا بے شمار انبار۔

۳۔ بڑی فوج کا قیام قلیل خرچ سے۔

۴۔ باغیوں کی سرکوبی اور تمام راجاؤں اور ماتحت فرماں رواؤں کا اطاعت شعار رہنا۔

۵۔ مغلوں کی تباہی۔

۶۔ ملک کے تمام راستوں کی حفاظت۔

۷۔ بازاری لوگوں کا ایماندار ہو جانا۔

۸۔ مسجدوں، میناروں، قلعوں اور تالابوں وغیرہ کا کثرت سے تعمیر کیا جانا۔

۹۔ آخری دس سال کے اندر مسلمانوں کا عام طور سے دیانت و امانت، عدل و انصاف پسندی

کی طرف مائل ہو جانا۔ یہ ہیں اس کے عہد کے برکات۔

افسانوں کی حقیقت عہدِ علائی کے خاص واقعات میں خضر خاں (اس کے بیٹے) اور دیول رانی (راجہ رائے کرن کی بیٹی) کا واقعۂ عشق و محبت ہے۔ لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح خود علاؤالدین کا راجہ چتوڑ گڑھ کی رانی پدمنی کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر اس پر عاشق ہونا اور پدمنی کا آگ میں جل کر جان دینا بھی کہیں ضیاء برنی نے تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک متعصب مزاج مؤرخ تھا اور اس نے تمام وہ باتیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درج کی ہیں جن سے علاؤالدین پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ واقعہ درج نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

رہا خضر خاں اور دیول دیوی کا افسانۂ عشق سو اس کو امیر خسرو نے ضرور ایک مثنوی کی صورت میں درج کیا ہے لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ خضر خاں نے امیر صاحب کو طلب کیا اور چند مسودات دے کر کہا کہ ان میں میرے اور دیول دیوی کے واقعات عشق و محبت درج ہیں ان کو نظم کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کر دی۔

جب علاؤالدین اصلاحات سے فارغ ہوا تو اس نے توسیع سلطنت کی طرف پھر توجہ کی۔ چونکہ رنتھنبور اور چتوڑ کو وہ اس سے قبل فتح کر چکا تھا اس لئے پھر اس نے دکن کو اپنی تاخت کا جولانگاہ بنانا پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ملک کافور ہزار دیناری کو (جو ایک خوب صورت خواجہ سرا اور بادشاہ کا محبوب غلام تھا) ۱۳۰۶ء / ۷۰۶ھ میں دیوگڑھ کی جانب روانہ کیا جہاں کے راجہ نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اس مہم میں ملک کافور کامیاب ہوا اور علاوہ بہت سے مال غنیمت کے وہاں کے راجہ رام دیو کو معہ اس کے بیٹوں کے دہلی لے آیا۔ بادشاہ نے راجہ کی بہت عزت کی اور ایک لاکھ تنکہ دے کر پھر حکومت دیوگیر اس کے سپرد کر دی۔

دوسرے سال ملک کافور تلنگانہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس سے قبل ۷۰۳ھ

میں بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکامیاب رہا تھا) اس جنگ میں ورنگل مفتوح ہُوا اور راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ اس مہم میں ایک سو ہاتھی سات گھوڑے اور بہت سے جواہرات ہاتھ آئے۔

۷۰۹ھ/۱۳۱۰ء میں ملک کافور ساحل مالابار گیا اور وہاں کے قدیم دارالحکومت، دوارسمندر کو فتح کر کے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا۔ اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۴۰۰ ۲۹ ٹن کے برابر ہُوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصرِ سیری میں بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو اُس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا۔

ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصّہ کو سلطنت دہلی کا باجگذار بنا دیا اور یہ زمانہ علاؤالدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیئے البتہ آخر وقت میں ملک کافور کے اقتدار کی وجہ سے امراء میں برہمی پھیل گئی تھی۔ اور نظام حکومت میں تزلزل واقع ہو گیا تھا۔ علاؤالدین اس کو محسوس کرتا تھا لیکن قویٰ مضمحل ہو جانے کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو رہا تھا۔ حسبِ روایت فرشتہ، سلطان علاؤالدین نے ۶ شوال ۷۱۶ھ (جنوری ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء) بعارضۂ استسقاء انتقال کیا۔ بدایونی امیر خسرو، برنی نے سنہ وفات ۷۱۵ھ تحریر کیا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بیس سال اور چند ماہ تک سلطنت کی۔[1]

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد ۲ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔

سلطان شہاب الدین بن علاؤالدین خلجی

جنوری ۷۱۶ھ سنہ ۱۳۱۵ء تا ۷۱۶ھ سنہ ۱۳۱۶ء

سلطان قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤالدین خلجی

۷۱۶ھ سنہ ۱۳۱۶ء تا ۷۲۰ھ سنہ ۱۳۲۰ء

ناصر الدین خسرو شاہ

۷۲۰ھ سنہ ۱۳۲۰ء

سلطان علاؤالدین نے وقتِ آخر میں خضر خاں اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا جو قلعہ گوالیار میں قید تھا اسے طلب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ملک کافور کے مصالح کا اقتضاء یہ نہ تھا کہ خضر خاں تخت نشین ہو اس لئے وہ ٹالتا رہا۔ حتیٰ کہ علاؤالدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے دوسرے دن ایک نوشتہ سلطانی اس مضمون کا پیش کر کے کہ خضر خاں کی ولی عہدی بادشاہ نے منسوخ کر دی تھی۔

اولاد ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علاؤالدین کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خاں[۱]، شادی خاں[۲]، ابوبکر خاں[۳]، مبارک خاں[۴]، شہاب الدین[۵]۔

سلطان علاؤالدین مبارک خاں کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھا۔ اپنے دوسرے بیٹوں

کو اس نے طبل وعلم دے کر شاہانہ اعزاز سے سرفراز کر رکھا تھا لیکن اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ ایک دن علاؤالدین نے اس کو بُلا کر کہا کہ میں تمہیں بھی وہی عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارے اور بھائیوں کو حاصل ہے۔

اس نے جواب دیا کہ صرف خدا عزت دینے والا ہے۔ اس جواب سے سلطان علاؤالدین بہت برہم ہوگیا۔ خضر خاں سب سے بڑا بیٹا تھا اور بادشاہ اس سے خوش بھی تھا۔ لیکن اس کے ماموں سنجر نے علاؤالدین کی حیات ہی میں خضر خان کو تخت نشین کرنے کی سازش کی جس کا پتہ ملک کافور کو لگ گیا اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے سنجر کو قتل اور خضر خاں کو قلعہ گوالیار میں قید کرا دیا۔

سلطان علاؤالدین کے مرتے ہی ملک کافور نے ابوبکر خاں اور شادی کو اندھا کرا کے گوالیار بھیج دیا اور خضر خاں کی آنکھیں نکلوالیں اور شہاب الدین کو جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی تخت نشین کرکے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خاندان علاؤالدین کے تمام افراد کو تباہ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ اب صرف ایک مبارک خاں رہ گیا تھا تو اس کو بھی قید کرلیا اور چند سپاہی مبارک خاں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے۔ لیکن جب یہ سپاہی مبارک خاں کے پاس پہنچے تو اُس نے مالائے مروارید ان کے سامنے ڈال دیا اور اپنے باپ کے حقوق یاد دلائے۔ اس سے یہ لوگ متاثر ہوکر واپس آگئے اور اپنے افسران مبشر وبشیر سے سارا حال بیان کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس رات ملک کافور کو قتل کر دیا اور اس طرح ۸ محرم ۷۱۷ھ[1] کو مبارک شاہ سلطان قطب الدین لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا۔

عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر اس نے حد درجہ خوش خلقی کا ثبوت پیش کیا اور

---

[1] صاحب طبقات اکبری۔ فرشتہ اور اختیار برنی نے ۷۱۶ھ تحریر کیا ہے لیکن امیر خسرو مثنوی نہ سپہر میں ۷۱۶ھ لکھتے ہیں۔

سترہ ہزار قیدی رہا کئے۔ جلاوطنوں کو وطن واپس آنے کی اجازت دی اور فوج کو چھ ماہ کی تنخواہ یک مشت دی گئی۔

امراء و ملوک کی جاگیریں اور منصب بڑھائے گئے۔ تمام سخت محصول منسوخ کر دیئے۔ بازار کے جو انتظامات علاؤالدین نے قائم کئے تھے یک قلم موقوف ہو گئے۔ البتہ علماء و صلحاء کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ انعام و اکرام کی چاروں طرف سے بارش ہونے لگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن اصولوں پر علاؤالدین نے سلطنت قائم کی تھی ان کا دفعۃً اٹھا دینا سلطنت کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رعایا کا طبقہ تباہ ہونے لگا۔ امراء وغیرہ کا اقتدار بڑھ گیا اور رفتہ رفتہ جو نقائص دولت کے بیجا استعمال سے رونما ہونے لگے تھے وہ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ جس طرح علاؤالدین نے ملک کافور کو ادنیٰ درجہ سے وزارت کے عہدہ تک پہنچا دیا۔ قطب الدین مبارک شاہ ناصرالدین خسرو خاں ایک نومسلم سے مالوف ہو گیا تھا۔ اس کا نام حسن تھا اور پہلوانانِ گجرات سے تھا۔ مبارک شاہ نے اس کو خسرو کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا مختار بنا دیا۔

"ناصرالدین خسرو خاں از بندگان علائی بود در عہدِ طفولیت خسرو خاں و برادر او از نہب مالوہ بر دست لشکر اسلام اسیر شدہ" (مبارک شاہی ص۸۶)

"خسرو خاں در میان مسلمانان ظلم و تعدی کردن گرفتند و عورات از درون حرم می بردند و خزائن و دفائن کہ از سلطان علاؤالدین ماندہ بود بتمام پریشان و تلف می کردند"

(تاریخ مبارک شاہی یحییٰ بن احمد بن عبداللہ سرہندی ۸۳۸ھ نصف ص۸۷ نمودہ)

چونکہ حسن پہلے ہندو تھا جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے علانیہ ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آخر کار خسرو خاں نے سنہ ۷۲۰ھ میں مبارک شاہ اپنے محسن کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس وقت تمام مسلمان امراء و ملوک سخت پریشان تھے۔ خسرو خاں علاؤالدین کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے خاتونانِ حرم کی ہر ممکن توہین

کر رہا تھا (یہاں تک کہ اُس نے مرحوم بادشاہ کی ملکہ سے بجبر شادی بھی کرلی) علانیہ مذہب اسلام کی توہین شروع کر دی تھی۔ قرآن مجید کی توہین کی مسجدیں منہدم کر دیں اور تمام بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کو دیئے جا رہے تھے اور جو چند مسلمان عامل و صوبہ دار رہ گئے تھے ان کو بھی خسرو خاں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اس وقت غازی ملک دیپال پور کا حاکم ان حالات کو سُن کر مضطرب و فکر مند ہو رہا تھا۔ بارہا اس نے ارادہ کیا کہ خسرو خاں کا مقابلہ کرے۔ لیکن اس کا بیٹا ملک فخر الدین جونا خاں خسرو خاں کے قبضہ میں تھا اس لئے خاموش رہ جاتا تھا۔ آخرکار جب جونا خاں خفیہ طور سے اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا اور اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا تو غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف فوج کشی کی اور ~~۷۲۰ھ~~[1] ۱۳۲۰ء میں خسرو خاں قتل کیا گیا۔

جب غازی ملک اس جنگ سے فارغ ہُوا اور خسرو خاں قتل ہُوا تو اس نے تمام امراء کو بُلا کر کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے مَیں نے اپنے ولی نعمت کا انتقام لے لیا۔ اب تم لوگ جس کو مناسب سمجھو تخت نشین کر دو۔"

چونکہ خاندان خلجی میں اب کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لئے سب نے بالاتفاق غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور غیاث الدین تغلق کا خطاب دیا۔[2] سلطان قطب الدین نے بارہ سال اور چار ماہ تک حکومت کی اور خسرو خاں کچھ دن کم تک پانچ ماہ تک حکمران رہا۔[3]

---

[1] فرشتہ نے ۷۲۱ھ تحریر کیا ہے۔ بدایونی صاحب طبقات اور ضیاء برنی نے ۷۲۰ھ درج کیا ہے۔

[2] فرشتہ ۱۳۰-۱۲۳ تاریخ فیروز شاہی ۲۱۱-۲۲۹ بدایونی ۵۳-۵۷ برنی (البیٹ ۲) طبقات اکبری ۸۶-۹۵ [3] نگار ہندوستان نمبر۔

تغلقیہ خاندان

غیاث الدین تغلق

۷۲۰ھ تا ۷۲۵ھ
۱۳۲۰ء ۱۳۲۵ء

تغلق ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ رہیلہ کے مرادف ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ غیاث الدین کا باپ ملک تغلق تھا۔ غیاث الدین ہی ملک غازی کہلاتا تھا۔ اس کی ماں جاٹ کی لڑکی تھی۔ خراسان سے سندھ آیا۔ کسی سوداگر کا ملازم ہوا۔ پھر الغ خاں خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ جب کچھ وسعت ہوئی اور گھوڑا بہم پہنچ گیا تو سواروں میں داخل ہوا اور اپنی بہادری سے سب کے دل پر سکہ جمالیا اور اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے میر اخور (داروغہ اصطبل) ہوگیا جو اس عہد میں بہت بڑا عہدہ تھا اور صرف وفادار امیروں کو اس پر ممتاز کیا جاتا تھا اور اس زمانہ میں چونکہ مغلوں کا بڑا زور تھا اس لئے سرحدی علاقے مخصوص وفادار امیروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ملک غازی کو بھی دیپال پور کا علاقہ سپرد ہوا۔ جو آج بھی مونٹ گمری (پنجاب) کے ضلع میں بیاس ندی کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے ۲۸ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ وہ عرصہ تک اسی جگہ رہا اور اس کا بڑا لڑکا محمد جونا جس کے نام پر شہر جونپور یو۔ پی میں

بسایا گیا ہے۔ پائیہ تخت دہلی میں رہتا تھا۔

قطب الدین کے بعد نومسلم امیر خسرو خاں گجراتی اپنے آقا کو دھوکہ سے قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تو جیسا اُوپر گزرا ملک غازی تغلق نے لڑ کر اس سے سلطنت چھین لی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے یکم شعبان ۷۲۰ھ کو تخت پر بیٹھا۔ سلطان غیاث الدین خاندانِ تغلق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے تدبّر اور اعلیٰ قابلیت و دانشمندی سے حسن انتظام و تلافی مافات میں کوئی دقیقہ کوشش کا اُٹھا نہیں رکھا۔ بہ حیثیت ایک آزمودہ کار افسر ہونے کے جو شہرت صوبہ پنجاب (دیپال پور) میں حاصل کی تھی اور اپنی پامردی سے وہ تاتاری فتنہ کو ہندوستان سے دُور کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔[1]

عنانِ سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اُس نے اپنی دیانت و امانت، محنت و جفاکشی، حزم و احتیاط عقل و فراست سے کام لے کر اُن تمام خرابیوں کو جو سلاطین خلجی اور خسرو خاں کے عہدِ حکومت میں پیدا ہو گئی تھی دور کر کے اسلامی مملکت ہند کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا جو ملک اور رعایا کے لئے حد درجہ باعثِ سکون و فلاح ثابت ہُوا۔ اس نے عہد علائی کے تمام معزول و تباہ شدہ امراء کو طلب کر کے ان کے مواجب و انعامات بحال کئے۔

"بقیہ احوال عیال و نسل سلطان علاؤ الدین و سلطان قطب الدین ہر کس ہر جا بود تفقد احوال نمودہ بوظیفہ داد را زخوشدل ساختہ[2]"

خاندان علائی کے بقیۃ السیف افراد کی حد درجہ عزت کی اور خواتین خلجیہ کا

---

[1] ابن بطوطہ سے شیخ امام رکن الدین ملتانی نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خود اس مسجد کو دیکھا تھا جو غازی ملک (غیاث الدین) نے ملتان میں تیار کرائی تھی۔ اس کے ایک کتبہ میں درج تھا کہ "میں نے ۲۹ بار تاتاریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ اسی بناء پر مجھے ملک غازی کہا جاتا ہے۔" ابن بطوطہ (الیٹ) ۳-۶۰۶۔ [2] طبقات اکبری صد ۹۵۔

احترام کرنے میں اس نے اپنی ساری کوشش صرف کردی۔ الغرض ملک کا نظامِ حکومت جو بہت ابتر ہو گیا تھا اس کو ایک ہفتہ کے اندر اصل حالت پر لے آیا۔ مستحقین کے حقوق ادا کئے اور ظالموں کی داروگیر شروع کی۔

وہ حد درجہ معتدل مزاج تھا۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک مناسب رائے تمام امور میں قائم کیا کرتا تھا۔ کام کرنے والے لوگوں کی اس نے قدر کی اور ناکارہ لوگوں کو اپنے دیار سے خارج کر دیا۔

اس نے خراج کے اصول از سرِ نو منضبط کئے اور پیداوار کے دسویں یا گیارہویں حصہ سے زیادہ محصول لینے کی سخت ممانعت کردی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ہر سال رقبۂ زراعت بڑھتا جائے اور مقدم و چودھری کاشت کاران پر جبر نہ کرسکیں۔ جن امراء و ملوک کے پاس جاگیریں تھیں ان کی انتظامی حالت کی بھی نگرانی کرتا اور جبر و تعدی پر سخت بازپرس کرتا۔ خسرو خاں نے جن لوگوں کو خزانۂ شاہی سے بیجا انعامات دیئے تھے وہ سب وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔

جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر اس کو ملتی، بیٹا پیدا ہوتا، یا شہزادوں کی شادی ہوتی تو تمام اکابر و علماء کو طلب کرتا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرتا۔ جو مشائخ و صوفیہ خلوت نشین ہوتے ان کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ چاہتا تھا کہ جو مسرت مجھے حاصل ہو اس میں ساری رعایا شریک ہو۔ چنانچہ وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا رہتا۔ اس کا مقصودِ سلطنت یہ تھا کہ سارا ملک فراغت و اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ رعایا خوشحال ہو جائے۔ لوگ گدائی چھوڑ دیں اور حلال کی کمائی حاصل کریں۔ اسی خیال کے زیرِ اثر اس نے مزدوری و اُجرت میں ۲۵ فی صدی اضافہ کر دیا۔ کاشت کاروں اور ہندوؤں کی حالت میں جو تمدنی انحطاط عارضی اسباب کی وجہ سے ہو گیا تھا دُور ہو گیا اور پھر وہ آزادی کے ساتھ اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جس سپاہ کو خسرو خاں نے مواجب سے زیادہ روپیہ تقسیم کر دیا تھا وہ آہستہ

آہستہ اس نے وصول کیا اور فوج کے باب میں جو قواعد علاؤالدین خلجی نے مقرر کئے تھے (حلیہ و امتحان و داغ اور تعین قیمت وغیرہ) وہ سب بدستور جاری رکھی۔ البتہ اس کی احتیاط ضرور کی کہ کوئی افسر یا امیر سپاہیوں کو ذلیل نہ سمجھے اور ان کو کوڑے نہ مارے۔ مطالبات کے وصول کرنے میں بھی وہ بہت نرمی سے کام لیتا۔ لاکھوں کے مطالبہ میں اگر ہزاروں بھی وصول ہو جاتے تو غنیمت سمجھتا اور بہ حد درجہ نرمی و آشتی سے کام لے کر معاملات کو طے کرتا وہ نہ معمولی باتوں پر کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی عمل میں لاتا۔ میانہ روی اس کی خصوصیت تھی اور عدل و انصاف اس کی حکومت کا نصب العین تھا۔

انہی باتوں کے ساتھ اس نے مغلوں کی طرف سے بھی ہندوستان کو مطمئن کر دیا اور ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ اس کے عہد میں ان کو حدودِ ہند کی طرف آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

اس نے نہریں کثرت سے کھدوائیں۔ باغات تعمیر کرائے۔ ویرانوں کو آباد کیا۔ بنجر زمین کو تردد سے قابلِ کاشت کیا اور متعدد عمارات قائم کرا دیں۔ حصارِ تغلق آباد اس بادشاہ کی یادگار ہے۔

"نیکذات پسندیدہ اعتقاد بود با وامر و نواہی تقید تمام داشت بیشتر اوقات او صرف عبادت سری و بقیام شب و مواظبت نفل اشتغال نمودے گرد مسکرات نگشتی و در منع شراب مبالغہ نمودی"[1]

غیاث الدین صوم و صلوٰۃ کا بھی پابند تھا۔ وہ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتا تھا اور تراویح کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ وہ اکثر باوضو رہتا اور شراب نہ خود پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا۔ کبر و غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ مکر و فریب سے وہ بالکل ناآشنا تھا اور سادگی اس کی فطری خصوصیت تھی۔

---

[1] طبقات اکبری صد ۹۷۔

فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد کامیاب ثابت ہُوا اور بنگال و دکن کی طرف عساکرِ سلطانی نے کافی کامیابیاں حاصل کیں ۔

۷۲۰ھ میں جب تلنگانہ اور ورنگل کے راجہ نے خراج دینے میں تامل کیا تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے جُونا خاں کو (جسے اب الغ خاں کا خطاب عطا ہو گیا تھا) اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ہر چند ایک بار بعض مفسدین کے اغواء سے لشکر میں برہمی پیدا ہو گئی لیکن دوسری بار کامیابی حاصل ہوئی ۔ ورنگل فتح ہُوا اور اس کا نام سلطان محمد رکھا گیا ۔

اسی طرح جب ۷۲۴ھ میں لکھنوتی (بنگال) اور سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی طرف سے جبر و ظلم کی شکایت موصول ہوئی تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے کو ورنگل سے طلب کر کے دار السلطنت کا انتظام سپرد کیا اور خود لشکرِ عظیم لے کر لکھنوتی کی طرف کوچ کیا ۔ غیاث الدین کی سطوت و جبروت سے اس وقت سارا ہندوستان آگاہ تھا اس لئے ناصر الدین فرمانروائے لکھنوتی تحائف وغیرہ لے کر خود حاضر ہُوا اور بہادر شاہ کو جو سنار گاؤں کا فرمانروا تھا اور بہت متکبر و مغرور ہو گیا تھا ۔ گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا ۔ سلطان غیاث الدین نے از راہِ لطف و عنایت ناصر الدین کو "چتر و دور باش" عنایت کر کے نہ صرف لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا بلکہ سنار گاؤں کو بھی اُس کے سپرد کر دیا اور قلعۂ ترہت فتح کرتا ہُوا دار الحکومت کی طرف واپس آیا اور ایک اتفاقی حادثہ سے مر گیا ۔

جونا خاں نے تین دن میں ایک قصر تعمیر کرایا اس میں بادشاہ نے قیام کیا ۔ بجلی کی کڑک سے وہ گر گیا ۔ اس پر جھوٹے قصے مشہور ہوئے وہ قابلِ قبول نہیں ۔

اس میں کلام نہیں کہ وہ بہترین فرمانروا تھا اور اگر وہ چند دن اور حکومت کرتا تو جو اسلوبِ حکمرانی اس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ مستحکم ہو جاتا ۔

یہ صحیح ہے کہ اس کے جانشین محمد تغلق کو ابتداء میں کثرت سے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور سلطنت بہت زیادہ وسیع ہو گئی ۔ لیکن چونکہ اس کے عہد

میں بغاوتیں شروع ہو کر طوائف الملوکی کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی اس لئے سلاطینِ دہلی میں یہ امتیاز صرف غیاث الدین ہی کو حاصل ہے کہ بحیثیت فرمانروائے ہندوستان ہونے کے سب سے زیادہ وسیع مملکت اس کی زیرنگیں تھی اور آخر وقت تک وہ اس پر قابض بھی رہا۔

غیاث الدین کا زمانہ حکومت صرف چار سال اور چند ماہ رہا۔ ۷۲۵ھ میں اس نے انتقال کیا اور الغ خاں کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

سُلطان مُحمد بن تغلق شاہ

۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ
۱۳۲۵-۲۴ء ۱۳۵۱ء

غیاث الدین تغلق کی وفات پر شاہزادہ جونا جسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "سلطان المجاہد محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کر کے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

"سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بادشاہ کریم و عادل بود و در طبیعت او ہمہ فراہمی و عمارت و ابادانی و دانایگی و ہشیاری و عصمت و پاکی و پاکیزگی مجہول و مذکور بود دائماً خمس اوقات فرائض بجماعت گزاردی"۔

(مبارک شاہی صد ۹۲)

علمی شغف محمد تغلق شیریں بیان اور فصیح مقرر تھا۔ عربی و فارسی میں فی البدیہ ایسے مراسلات تحریر کر دیتا کہ بڑے بڑے ماہرینِ فن متحیر ہو جاتے تھے۔ اس کی ذہانت و فراست کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی اس کے تمام محاسن و معائب سے اس طرح آگاہ ہو جاتا جیسے کہ برسوں کے تجربہ کا

نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت تھی کہ مشکل سے اس کے سامنے مورخ تک کو گفتگو کی جرأت ہوتی۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ جو ایک بار دیکھ یا سُن لیتا پھر وہ نقش کالحجر ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ بات کی بات میں حل کر دیتا۔

"بعلوم حکمت و معقولات رغبت نبودی و سعد منطقی و عبید ساغر مولانا علم الدین کہ از علمائے فلسفہ بودند در صحبت اُو بودند"[۱]

بدر چاچ ضیاء برنی مولانا ناصر الدین ملک قاضی فقہ رکن عالم نصیرالدین چراغ دہلوی دربار کے روشن ستارے تھے۔ فنِ شاعری میں بھی اس کی جامعیت مشہور ہے۔ اسے نہ صرف قدماء کے کلام پر عبور حاصل تھا بلکہ خود بھی نہایت پاکیزہ شعر کہتا۔ فنِ طب کا ایسا مجتہدانہ ذوق رکھتا تھا کہ خود مریضوں کا علاج کرتا۔ فنِ کتابت میں بھی اُسے ملکہ حاصل تھا۔

اسلام سے دلی لگاؤ اپنے مذہب کا حد درجہ احترام کرتا۔ فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات بھی کبھی اس سے ترک نہ ہوتے تھے۔ شراب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ دیگر مشاغل لہو و لعب جو امراء و سلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں کبھی اختیار نہیں کیئے۔ بخشش و کرم کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی درویش کو خزانہ بھی اٹھا کر دے دیتا تو یہی سمجھتا کہ مَیں نے کچھ نہیں دیا۔ ممکن نہیں تھا کہ کسی بیوہ یا غریب و ضعیف کی فریاد اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے مالا مال نہ کر دے۔ عراق و خراسان، ماوراء النہر و ترکستان، روم و عربستان کے علماء فضلا ماہرینِ فنون اس کے دربار میں کھنچے ہوئے چلے آ رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے زر و جواہر کی بارش ان پر کر رہا تھا۔

داد و دہش تاتار خاں والئ سنار گاؤں کو جب اُس نے بہرام خاں کا خطاب

---

[۱] طبقات اکبری ص ۹۹ ایضاً ص ۱۰۰ و فرشتہ جلد اول حالات محمد تغلق

دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سونا تھی، ہزار گھوڑے اور ایک کروڑ تنکہ سُرخ (اشرفی) بھی مرحمت فرمائے۔

ملک سنجر بدخشانی کو اسّی لاکھ تنکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ تنکہ ایک دن میں اٹھا کر دیدیئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں مرحمت کیئے۔

جرأت و تدبّر جرأت و بہادری، علوئے حوصلہ، پختگیٔ عزم، رسوخ تدابیر کی صفات کا بادشاہ تھا۔ یہی وجہ کامیابی کی تھی۔

صاحب مسالک الابصار نے سراج الدین ابو الفتح عمر (جو اودھ کا رہنے والا اور محمد تغلق کے دربار سے عرصہ تک متعلق رہا تھا) اور شیخ مبارک کے بیان سے اس عہد کے مفصل حالات لکھے ہیں کہ محمد تغلق کس شوکت و جبروت کا بادشاہ تھا۔ اس کے دربار کا کیا آئین تھا اور اس کے زمانے میں دہلی اور دیوگر (دولت آباد) کی رونق کا کیا عالم تھا؟ دولت آباد کا نام اس نے قبتہ الاسلام رکھا تھا اور کثرت سے عمارتیں بنوا کر مخصوص جماعتوں کے قیام کے لئے شہر کو وقف کر دیا تھا۔ علماء، فقراء، مشائخ، امراء، ملوک، خوانین، فوج، وزراء، تجار، پیشہ ور لوگ، رنگریز اور حداد وغیرہ کے لئے الگ الگ محلے مقرر کئے اور وہاں ان کے لئے مسجدیں، بازار، حمام، بھٹیاں اور ضرورت کی تمام عمارتیں قائم کرا دیں۔ ہر محلہ گویا ایک مستقل قصبہ تھا۔

دہلی کا یہ حال تھا کہ یہاں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے اور ستر دار الشفاء تھے جن میں غرباء کا علاج ہوتا تھا، ۲۰۰۰ مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے [۱]

---

[۱] صبح الاعشیٰ۔

افسرانِ حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار اور جنرل کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نو لاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے۔ ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سو سواروں کے دستہ کا افسر تھا اور سپہ سالار اس سے کم درجہ کا۔ سپہ سالار بادشاہ کی حضوری میں نہیں جا سکتا تھا۔ ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی۔ ہر خان کو دو لاکھ تنکہ (ہر تنکہ آٹھ درہم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار تنکہ کے درمیان، ہر امیر کو تیس اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں اور مملوکوں کی تنخواہ علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانۂ شاہی سے نقد ملتی تھی۔

غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور چار جوڑے کپڑے ہر سال مرحمت ہوتے۔ اس کے علاوہ ماہوار دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت معہ ضروری سامان گھی اور مسالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔

کارخانہ جات سلطان کا ایک ذاتی کارخانہ کپڑا بننے کا تھا جس میں چار سو آدمی ہر قسم کا ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے۔ اس کارخانہ میں جو کپڑے تیار ہوتے ان سے خلعت وغیرہ بھی تیار کئے جاتے۔ سلطان ہر سال موسم بہار میں ایک لاکھ اور موسم خزاں میں ایک لاکھ خلعت تقسیم کرتا۔ موسم بہار کی خلعتیں اسکندریہ کے ریشمی کپڑوں کی ہوتیں اور موسم خزاں کے خلعت دہلی یا چین و عراق کے کپڑے کی تیار کی جاتیں۔ خلعتیں، خانقاہوں میں مشائخ و علماء وغیرہ کو بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔

صرف سلطان کے ذاتی کارخانے زردوزی اور کارچوب کے ۵۰۰ تھے جن میں خواتین حرم و دیگر معزز خواتین کے لئے ہر وقت کام ہوتا رہتا تھا۔

سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ ساز و براق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

نائب وارکانِ سلطنت

سلطان کا ایک نائب تھا جو خوانین سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کی جاگیر کا رقبہ صوبہ عراق سے کم نہ تھا۔ اسی طرح ایک وزیر بھی تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں چار اس کے سکرٹری ہوتے تھے جن کی جاگیر بیس ہزار اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان ہوتی تھی۔ علاوہ ان کے چار دبیر (میر منشی) بھی ہوتے تھے۔ ہر دبیر کے ماتحت ۳۰۰ محرر۔ بعض محرروں کی جاگیر بھی تھی اور نقد تنخواہ بھی۔

ارکان عدالتِ عالیہ

قاضی القضاۃ کا بھی عہدہ ہوتا تھا جسے صدر جہاں اور اسلام بھی کہتے تھے۔ اس کی جاگیر میں دس قصبات ہوتے تھے جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی تھا اور اس کی جاگیر بھی اسی قدر ہوتی تھی۔ صدر جہاں کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سزا وغیرہ دینا تھا اور شیخ الاسلام صرف قاضی تھا جو شرع کے مطابق مسائل عامہ طے کیا کرتا تھا۔ ایک عہدہ محتسب (کوتوال) کا بھی تھا اس کی تنخواہ ۸۰۰ تنکہ تھی۔

سلطان کے دربار میں ۱۲۰۰ طبیب تھے اور دس ہزار شکاری جو گھوڑوں پر سوار ہو کر ہاتھوں پر باز اور شاہین بٹھلائے ہوئے نکلتے تھے۔ ۳۰۰ ہانکہ کرنے والے (سواق) بھی تھے اور علاوہ ان کے تین ہزار ایسے لوگ بھی تھے جو اس شکار کی تمام اور ضروریات کو مہیا کرتے تھے[1]

دربار سے متعلق ندیم و مصاحب مغنی و مغنیات ۱۲۰۰، ان میں ایک ہزار غلام فنِ موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔ سلطان کے دسترخوان پر ۵۰۰ امراء کھانے میں شریک

---

[1] نگار تاریخ ہند نمبر از علامہ نیاز فتح پوری و معارف نمبر جلد ۔

ہوتے۔ ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے جن میں سے بعض عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شاعری کرتے۔ ان مغنیوں اور شعراء میں بعض کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض نقد تنخواہیں بیس ہزار سے چالیس ہزار تنکہ تک پاتے تھے۔ انعام واکرام اس کے علاوہ تھا۔

معمولات سلطان روزانہ صبح وشام دربار کرتا تھا اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں بیس ہزار خوانین وملوک امراء و اراکین شامل ہوتے تھے۔ خاص بادشاہ کے دسترخوان پر بڑے بڑے علماء (جن کی تعداد ۲۰۰ تھی) بیٹھتے تھے اور بادشاہ کھانے کے دوران میں ان سے علمی مباحث پر گفتگو کیا کرتا تھا۔

شیخ ابوبکر بن خلال کا بیان ہے کہ شاہی مطبخ کے لئے روزانہ ۲۵۰۰ بیل یا گائے اور ۲۰۰ بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ چڑیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

فوج اور رعایا کا انتظام نائب السلطان کے سپرد تھا۔ علماء وفقہاء ہندی ہو یا اجنبی سب کا تعلق صدر جہاں سے تھا۔ اسی طرح مشائخ وفقراء کا معاملہ شیخ الاسلام کی وساطت سے طے ہوتا تھا۔ سیاحین وسفراء، شعراء و دیگر اہل کمال دبیروں (سکرٹریوں) سے متعلق تھے۔

جب بادشاہ شکار کو جاتا تو ایک لاکھ سوار اور ۲۰۰ ہاتھی اس کے جلو میں ہوتے۔ لکڑی کے سفری مکان دو دو منزل کے ساتھ ہوتے جنہیں دو سو اونٹ کھینچتے۔ خیمے اور قناتیں وغیرہ بھی کثرت سے ساتھ ہوتیں۔

جب بادشاہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام پر کسی غرض سے سفر کرتا تو تیس ہزار سوار ۲۰۰ ہاتھی اور ایک ہزار کوتل گھوڑے جواہر کار ساز و براق سے آراستہ ہمراہ ہوتے۔

اخلاقی زندگی سلطان بہت منکسر مزاج تھا۔ ابوالصفاء عمرو بن اسحاق کا بیان ہے کہ خود اس نے بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے دیکھا تھا وہ کلام مجید کا حافظ تھا اور شرع حنفی کی تمام کتابوں پر اس کو پورا عبور تھا۔ وہ علماء کبار سے برابر مسائل علمیہ میں مباحثہ

کرتا۔ شعر و شاعری میں حد درجہ پاکیزہ مذاق رکھتا اور فن کتابت کا زبردست ماہر تھا۔[1]

شراب کا رواج کہیں نہ تھا۔ بادشاہ کو اس سے سخت نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے۔ پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔

بریلہ خبر رسانی کا انتظام بھی نہایت مکمل تھا۔ علاوہ جاسوسوں کے ڈاک کی آمد و روانگی کے لئے ہرکارے بھی مقرر تھے۔ ہر محکمہ میں شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے اور خبریں اپنے افسران کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچاتے تھے دور دراز مقامات کے حالات ڈاک کے ذریعہ سے پہنچتے تھے۔

ابن بطوطہ نے برید کا طریقہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ڈاک کے انتظامی حالات بیان کئے ہیں۔ وہ سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"اس وقت ڈاک دو قسم کی تھی ایک بریدالخیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری بریدالرجال (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہرکارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہنچتی ہے وہ فوراً اپنی کمر کستا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگرو دار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا رہتا ہے۔ دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ آگے لے جاتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ سے خراسان کے میوے، طباقوں کے اندر سر بمہر روزانہ بادشاہ کے پاس پہنچتے تھے اور گنگا کا پانی بھی چالیس دن کے راستہ سے شاہی استعمال کے لئے اسی ذریعہ سے روزانہ پہنچتا تھا۔[2]

---

[1] صبح الاعشیٰ جلد ۵ ص ۶۹ از قلقشندی فرشتہ جلد ۱ حالات محمد تغلق [2] عجائب الاسفار۔

جب کوئی اجنبی ہندوستان آتا تو انہی ہرکاروں کے ذریعہ سے بادشاہ کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص اس شکل و حلیہ، اس صورت و لباس کا فلاں مقام پر آیا ہے اور اس کے متعلق مناسب احکام صادر کئے جاتے۔ خاص خاص قیدی بھی ڈاک ہی کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچائے جاتے تھے۔

سکہ اور اوزان ایک درہم ہشت کانی، چار درہم سلطانی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ جنہیں دو کانی بھی کہتے تھے۔ ایک سکہ نصف درہم سلطانی کا بھی تھا جس کو یکانی کہتے تھے اور اس کی قیمت ایک جیتل تھی۔ ایک درہم کا نام دوازدہ کانی بھی تھا جو ڈیڑھ ہشت کانی کے برابر تھا۔ ایک سکہ شانزدہ کانی بھی تھا جس کی قیمت دو درہم کے برابر تھی۔ کل چھ نقرئی سکے اس وقت رائج تھے۔ شانزدہ کانی، دوازدہ کانی، ہشتکانی، شش کانی، سلطانی اور یکانی درہم، سلطانی ۸ فلوس (پیسوں) کے برابر تھا اور جیتل چار فلوس کے برابر۔ درہم ہشتکانی کے ۳۲ فلوس ملتے تھے۔ سیر ستر مثقال کا تھا اور ایک من ۴۰ سیر کا ہوتا تھا۔

غلہ ایک من گیہوں ڈیڑھ ہشتکانی میں ملتا تھا۔ ایک من جَو ایک درہم میں، چاول ایک درہم میں، ۱½ من مٹر اور چنا ایک درہم ہشتکانی میں دو من ملتا تھا۔ گوشت بکری کا ایک درہم سلطانی میں ۶ سیر ملتا تھا۔ بڑی بط دو درہم ہشتکانی میں ملتی تھی اور ایک ہشتکانی کی چار مرغیاں فروخت ہوتی تھیں۔ شکر ایک ایک ہشتکانی میں ۵ سیر ملتی تھی اور نہایت نفیس اور فربہ بھیڑ ایک تنکہ میں۔ اسی طرح ایک عمدہ بیل دو تنکہ میں فروخت ہوتا تھا۔

ابن بطوطہ نے جو حالات دربار وغیرہ کے لکھے ہیں وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ اس لئے مختصر الفاظ میں ان کا اظہار یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے:۔

”سلطان نے جو قصر دہلی میں تعمیر کرایا ہے اس کا نام دارالسریٰ ہے اور اس میں متعدد دروازے ہیں۔ پہلے دروازہ پر محافظ فوج کا ایک دستہ ہر وقت متعین رہتا ہے اور نقارے، نفیریاں اور قرنا وغیرہ

بھی موجود رہتے ہیں جو امراءِ کبار کی آمد پر بجائے جاتے ہیں۔ یہی حال دوسرے اور تیسرے دروازے کا ہے۔ آخری دروازہ کے بعد قصر ہزار ستون[1] ملتا ہے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ نقیبوں کے سر پر زریں دستار، کمر میں پٹکا، ہاتھ میں طلائی یا نقرئی دستہ کا کوڑا رکھنا ضروری ہے۔ نقیبِ اعظم کے ہاتھ میں سونے کی جریب ہوتی ہے اور سر پر زریں کلاہ جس میں جواہر جگمگاتے رہتے ہیں۔

دربار دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک چبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ جب بادشاہ برآمد ہو کر اپنی نشست پر جا تا ہے تو تمام نقیب اور حاجب بآواز بلند بسم اللہ کہتے ہیں اور ملک کبیر چنور لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلطان کے دائیں جانب اور بائیں جانب سو سو مسلح سپاہی کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور شانوں پر کمانیں ہوتی ہیں۔ تمام امراء درجہ بدرجہ بٹھلائے جاتے ہیں۔ یہاں ساٹھ گھوڑے کوتل بھی جواہر کار ساز و براق کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھوڑوں کے بعد پچاس ہاتھی کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی جھولیں حریر کی ہوتی ہیں جن پر زردوزی کا کام ہوتا ہے اور ان کے دانتوں پر لوہے کا غول چڑھا رہتا ہے۔ ان ہاتھیوں پر ہودہ ہوتا اور ہر ہودہ پر چار علم بھی ہوتے ہیں۔

جلوسِ عید عید کی صبح کو ہاتھی آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان پر جواہر کار زردوزی کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سولہ ہاتھی بادشاہ کی سواری کے لئے مخصوص ہیں جن پر مرصع چھتر ہوتے ہیں۔ چھتر کی ڈنڈی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ بادشاہ جس ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اس کی مستک پر ایک روشن ستارہ جواہرات کا لگا دیا جاتا ہے۔ اس ہاتھی کے آگے غلاموں

---

[1] قصر ہزار ستون کا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے اس قصر کی چھت بھی لکڑی کی تھی۔

کی قطار ہوتی ہے جن کے سروں پر سونے کی کلغیاں ہوتی ہیں اور کمریں جواہر کار پٹکے۔ ان کے آگے ۳۰۰ نقیب ہوتے ہیں جو سر سے پاؤں تک زر و جواہر سے لدے رہتے ہیں۔ ان کے آگے امراء ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور پھر فوج اور ماہی مراتب عیدگاہ کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے اور جب تمام علماء و امراء اندر چلے جاتے ہیں تو پھر خود ہاتھی سے اُتر کر اندر جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر اُونٹ کی قربانی کرتا ہے۔

عید کے دربار میں حد درجہ تزک و احتشام سے کام لیا جاتا ہے جس کا بیان ابن بطوطہ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن ہم اس کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔ بیان ماسبق سے اس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب بادشاہ کسی سفر سے واپس آتا تو ہاتھی آراستہ کئے جاتے اور سولہ[16] ہاتھیوں پر جواہر کار ہودے رکھے جاتے۔ ہر ایک کی مستک پر ایک ستارہ لگایا جاتا جس میں موتی و الماس ٹنکے ہوتے۔ علاوہ ان کے کئی کئی منزل کے چوبی قبے بنائے جاتے اور ان پر ریشمی کپڑا لپیٹ کر دیا جاتا۔ ان قبوں کی ہر منزل میں خوب صورت کنیزیں پر تکلف لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے نغمہ و رقص میں مصروف نظر آتیں۔ راستہ میں تمام ریشمی فرش ہوتا اور اس پر سے سلطان کی سواری گزرتی۔ شہر کے دروازہ سے لے کر قصر کے دروازے تک راستے آراستہ کئے جاتے اور ان پر بھی ریشمی فرش کیا جاتا۔ بادشاہ کے آگے ہزار غلام ہوتے اور پیچھے فوج کے دستے۔ بادشاہ جس وقت شہر کے اندر داخل ہوتا تو دینار و درم کی بارش ہونے لگتی تھی۔ غرباء انہیں لوٹتے تھے اور سلطان اس حال میں قصر کے اندر داخل ہو جاتا۔

طعام | طریق طعام یہ تھا کہ جب مطبخ سے کھانا چلتا تو نقیب بآوازِ بلند بسم اللہ کہتے ہوئے آگے ہوتے۔ جب کھانا بادشاہ کے قریب پہنچ جاتا تو سوائے بادشاہ کے سب کھڑے ہو جاتے اور کھانا فرش پر چنا جاتا۔

اس کے بعد نقیب اعظم بادشاہ کی مدح و تعریف کرنا اور تمام نقیب بادشاہ کو مجرا کر کے ہٹ جاتے۔ پھر بادشاہ کے سامنے تمام حاضرین کی فہرست پڑھی جاتی اور اس کے بعد کھانا کھایا جاتا۔ صدر دستر خوان پر فقہاء و علماء یا قضاۃ و مشائخ ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ کے اقارب و امراء کبار اور پھر تمام آدمی اپنی اپنی معین جگہ پر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد شراب دار سونے چاندی کے برتن لئے ہوئے آتے جن میں مصری کا شربت ہوتا۔ پہلے یہ پی لیا جاتا اس کے بعد کھانا شروع کیا جاتا۔ فراغت طعام کے بعد جو اور مویز کا افشردہ پلینے کو دیا جاتا اور پھر ریشمی تاگہ سے بندھی ہوئی پان کی گلوریاں تقسیم ہوتیں۔"

عدل سلطان عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا حتیٰ کہ وہ اپنے وجود کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا۔ چنانچہ یہ گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا[1]

محمد تغلق اپنی صفات کے لحاظ سے ایک بے مثل حکمران تھا۔ عزم و استقلال سطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و اتقاء، شجاعت و بسالت، اس میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ وہ خود تمام امور کا انتظام کرتا، قوانین نافذ کرتا، اور خود اپنے کو بھی اس سے مستثنےٰ نہ سمجھتا۔ خود میدان میں فوج کے ساتھ جاتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا۔

فتوحات تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور دراز علاقوں پر چھا گیا اور سلسلۂ فتوحات شروع ہوا تو گجرات،

---

[1] ابن بطوطہ (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ) ۱۴۷ - ۱۵۶۔

مالوہ، تلنگانہ، جھجر اور سمندر، لکھنوتی، (بنگال) سٹ گاؤں (چٹگام) کرناٹک، ورنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آ گئے۔

بغاوت اس کی وہی رعایا جس پر وہ اپنی دولت بے دریغ صرف کیا کرتا تھا۔ اس سے متنفر ہو گئی۔ تمام دور دراز کے صوبے گجرات کے خودمختار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب ۲۶ سال کے بعد وہ ساحلِ سندھ پر دم توڑ رہا تھا تو اس کی ساری سلطنت میں شورش برپا تھی اور ہنگامہ و بغاوت سے سارا انتظامِ حکومت متزلزل ہو رہا تھا۔

اسبابِ ناکامی جس وقت غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوا تو خزانۂ شاہی معمور تھا اور سلطنت کی حالت نہایت اچھی تھی۔

لیکن اس میں کلام نہیں کہ محمد تغلق کے عزائم اور جذبات بذل وسخا کو دیکھتے ہوئے خزانہ اور حکومت کی تمام موجودات بہت کم تھیں۔ محمد تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی جو نصب العین مقرر کیا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا اس کے قبضہ میں چلی آئے اور لوگوں کو اتنی دولت تقسیم کر دے کہ کوئی شخص محتاج وغریب نہ رہے۔

چنانچہ اُس نے بے دریغ دولت لٹانی شروع کر دی اور تسخیر ایران وچین کے لئے کثیر افواج فراہم کر کے اور بھی خزانہ کو خالی کر دیا۔ چونکہ روپیہ برابر صرف ہو رہا تھا اور آمدنی کم تھی اس لئے محمد تغلق نے اس کے لئے دو تدبیریں اختیار کیں۔ ایک یہ کہ دوآبہ کے خراج میں ۴، ۵ فیصدی اور اضافہ کر دیا۔ خراج سے رعایا سخت بددل ہو گئی اور کاشتکاروں نے کاشت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے نہایت سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم دیا۔ عمال نے تشدد سے کام لے کر خراج وصول کرنا شروع کر دیا اور رعایا بھاگ نکلی۔ گاؤں ویران ہو گئے۔ زراعت بالکل مسدود ہو گئی، سارا ملک تباہ ہو گیا۔ اسی وقت نہایت سخت قحط پڑ گیا جس نے ان تباہیوں میں اور اضافہ کر دیا۔

ہر چند محمد تغلق نے انسدادِ گرانی کے لئے پوری کوشش کی اور شاہی ذخیرہ

سے لوگوں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ ان تدابیر سے مصیبت دُور نہیں ہو سکی۔ چنانچہ خراج کی تدبیر سخت ناکام ثابت ہوئی۔

پھر سلطان نے اس امر کی کوشش کی کہ ویران گاؤں آباد ہو جائیں۔ کاشت کی حالت بہتر ہو جائے اور اس کے لئے اس نے خزانۂ شاہی سے ستر لاکھ تنکہ بطور تقاوی کے رعایا کو تقسیم کیا۔ لیکن کارکنوں نے بہت کچھ اس میں سے غصب کر لیا۔ تھوڑا بہت جو رعایا کو ملا بھی اس میں سے ہزاروں حصّہ بھی خزانہ میں نہ آسکا۔ اب چونکہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور روپیہ کی ضرورت شدید تھی اس لئے سلطان نے خیال کیا کہ سکّہ کی قیمت بڑھا دینی چاہیئے اور اسی خیال کو پیشِ نظر رکھ کر اُس نے تانبا کا سکہ بجائے طلائی سکہ کے جاری کیا۔ لیکن اس تدبیر نے اور زیادہ نقصان پہنچایا۔ چونکہ دارالضرب میں سکّہ ڈھالنے کا کوئی ایسا مخصوص طریقہ نہ تھا کہ عام طور سے لوگ اس کی نقل کر سکیں۔ اس لئے تمام ملک میں گھر گھر خفیہ ٹکسالیں قائم ہو گئیں اور لوگوں نے کروڑوں سکّے تانبہ کے بنا کر بازار میں سونے چاندی کے ہم وزن سکوں سے بدلنا شروع کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام تاجر، زمیندار، گاؤں کے مکھیا اور ہندو راجے دولت مند ہو گئے اور خزانۂ شاہی خالی ہونے لگا۔ آخر کار سلطان نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مجبوراً اس سکہ کے رواج کو بھی مسدود کرنا پڑا۔ اس سے انکار نہیں کہ سلطان خود رائے تھا اور طبیعت میں سختی تھی۔ بلا مشورہ کے جو کام کئے اس کا ہی یہ نتیجہ تھا جو رونما ہُوا۔

جب سلطان کو اپنی ان تدابیر میں ناکامیابی ہوئی تو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح وہ سخت غضب ناک ہو گیا اور بات بات میں قتل کرا دینا اس کے دربار کا معمولی منظر ہو گیا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے اس کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شاہی قصر کے کسی دروازہ پر بارش انعام ہوتی ہوگی تو دوسرے دروازہ پر تم کسی لاش کو بھی ضرور پھڑکتے ہوئے دیکھو گے۔

پھر چونکہ محمد تغلق کی یہ برہمی، ہر ناکامی کے ساتھ روزانہ بڑھتی جا رہی تھی

اور تمام رعایا اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف سے بد دلی عام ہو گئی اور اس کے تمام امراء و اراکین میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیا دارالحکومت دہلی سے پایۂ تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا بجائے خود ایک عمدہ تجویز تھی۔ کیونکہ دیوگیر درمیان میں واقع تھا اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا۔ لیکن اس کا یہ حکم دینا کہ تین دن کے اندر دہلی کی تمام آبادی معہ اپنے اسباب کے دیوگیر منتقل ہو جائے اور ایک متنفس بھی یہاں باقی نہ رہے۔ یہ جابرانہ حکم تھا اور اس میں شک نہیں کہ جہاں اور اسباب امراء و اراکین کی بد دلی کے تھے انہی میں سے یہ بھی ایک قوی سبب تھا۔

یہاں ایک امر اور قابل غور ہے کہ جن صوبوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ان میں سے اکثر وہی تھے جو اس کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ پھر جو انہوں نے بغاوت کر کے خود سری اختیار کی تو اس کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ غلام خاندان کے زمانہ میں صوبہ کے گورنر جاگیردار ہوتے تھے اور چونکہ وہ خود بھی اپنے بادشاہوں کی طرح ترک نژاد تھے۔ اس لئے سلطنت کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جب ان ترک فرمانرواؤں کے بعد خلجیوں کا دور شروع ہوا تو ان سے نظام میں کچھ تغیر پیدا ہوا۔ لیکن نہ اس قدر، کیونکہ خلجی سلطنت کے زمانہ میں صوبوں کے گورنر پھر بھی مرکزی حکومت سے قریب کا تعلق رکھتے تھے لیکن جب عہد تغلق شروع ہوا تو یہ تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اور صوبوں کی حکومت اجنبی سرداروں (ایرانیوں، خراسانیوں، تغلقوں، افغانوں) کے سپرد کی گئی جو بادشاہ سے نہ خون کا تعلق رکھتے تھے نہ قومیت کا۔ بادشاہ جس قدر ان پر انعامات کی بارش کرتا جاتا تھا ان کی طمع بڑھتی جاتی تھی اور یہ خود اپنی خود مختار سلطنتیں قائم کر لینی چاہتے تھے۔

چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کی وسیع سلطنت (ایسی وسیع کہ پھر دو صدی بعد تک ایسی وسعت حاصل نہ ہو سکی) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی۔ ہر چند ان بغاوتوں کے

فرو کرنے میں بادشاہ نے پوری کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہر جگہ نہ پہنچ سکتا تھا اور وہاں حالت یہ تھی کہ آج ملتان باغی ہوا تو کل بنگال کل لاہور میں فتنہ اُٹھا تو پرسوں ورنگل میں۔ اس وقت اودھ کی بغاوت کی خبر ملی تو دوسرے وقت گجرات کی۔ بادشاہ کہاں کہاں پہنچ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صوبے جن میں بنگال اور دکن بھی شامل تھے بالکل خود مختار ہو گئے اور پھر کبھی تغلق سلطنت میں شامل نہ ہو سکے۔[1]

سلطان محمد تغلق نے ۲۶ سال تک حکومت کی اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ باعتبار وضع قوانین نظم سلطنت، کثرت فتوحات، ایک یادگار زمانہ تاریخ ہند کا شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اسباب کی وجہ سے جن کا اجمالی بیان ہم نے کیا ہے اس کا درمیانی اور آخری عہد حد درجہ اضطراب واضطرار میں بسر ہوا۔ جس سال وہ مرنے والا تھا اسی سال سندھ میں بغاوت رونما ہوئی۔ محرم کا مہینہ تھا کہ اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بے شمار افواج لئے ہوئے ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔

وفات محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۰ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ صرف تیس کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد اس نے مچھلی کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں کیا اور تیسرے دن ٹھٹھہ سے صرف چودہ کوس کا فصل رہ گیا تھا کہ بادشاہ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ ایک ہفتہ تک سلطان اسی حالت میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ ۲۱ محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندانِ تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہدِ حکومت ختم ہو گیا جس کا مثل تاریخ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی۔[2]

---

[1] ملخص اسلامی ہند۔ [2] طبقات اکبری ۹۵ - ۱۱۳

سلطان فیروز شاہ

۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ
۱۳۵۱ء ۱۳۸۸ء

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت میں وہ "فیروز شاہ" کی تخت نشینی کے لئے وصیت کر گیا تھا۔ اس لئے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو وہیں وادی سندھ کے اندر تمام امراء کے انتخاب واعراد سے تخت نشین ہوا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد "دہلی" کی طرف روانہ ہوا۔ ہر چند اس تخت نشینی پر "تغلق شاہ" کی لڑکی "خداوندزادہ" (داور الملک کی ماں) کی طرف سے اعتراض ہوا کہ بھانجے کے ہوتے ہوئے برادر عم زاد کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امراء نے خداوندزادہ کو سمجھایا کہ داور الملک حکومت کا اہل نہیں ہے اور اس وقت جب کہ ہم لوگ دہلی سے بہت بعید فاصلہ پر ہیں اور مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ کسی ہوشیار اور قابلِ دماغ کی ضرورت ہے۔ اس لئے فیروز شاہ کا تخت نشین ہونا ہر طرح مناسب ہے۔ رہا داور الملک تو اس کو نائب بادبک بنا دیا جائے گا۔ یہ سن کر "خداوندزادہ" خاموش ہو گئی۔ اور پھر "فیروز شاہ" کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ "خواجہ جہاں" نے دہلی میں "محمد تغلق شاہ" کا حال معلوم کر کے اس کا ایک فرضی بیٹا قرار دے کر تخت نشین کر دیا تھا (سو اس کے متعلق بھی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مفصل حالات لکھ کر ثابت کیا کہ اس طرز عمل میں خواجہ جہاں کی کوئی بدنیتی شامل نہ تھی) لیکن فیروز شاہ بغیر کسی مقابلہ کے دہلی میں داخل ہوا اور محل میں جا کر خداوندزادہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے فیروز کے سر پر تاج رکھا اور اس کے بعد اکیس دن

تک جشن شاہانہ منایا گیا۔

اخلاقی زندگی سلطان فیروز حد درجہ رحیم المزاج نیک نفس، پابند مذہب بادشاہ تھا اور وہ خون ریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود فتوحات "فیروز شاہی" میں جا بجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جور و ظلم سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین یہی بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن وسکون نظر آئے تو نزیزی مفقود ہو جائے۔ رعایا خوشحال رہے اور اس کی طرف سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

جب فیروز شاہ جشن سے فارغ ہوا تو "خواجہ فخر شادی" نے جو سلطنت کا محاسب اعظم تھا۔ ایک فہرست پیش کی کہ خواجہ جہاں نے فلاں فلاں لوگوں کو اس قدر زر و جواہر تقسیم کیا تھا اور محمد شاہ تغلق نے جو دو کروڑ تنکہ تقاوی تقسیم کرنے کی غرض سے دیا تھا اس میں سے فلاں فلاں کو اتنا ملا ہے۔ فیروز شاہ نے قوام الملک خاں جہاں سے رائے طلب کی۔ اس نے کہا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو وہ گذشتہ تقصیریں لوگوں کی معاف کر دیتا ہے۔ اگر "محمد شاہ تغلق" کی تقسیم کردہ تقاوی اور "خواجہ جہاں" کے لٹائے ہوئے زر و جواہر کا مطالبہ کیا جائے گا تو لوگ بددل ہو جائیں گے اور وصول کچھ نہ ہو گا۔ فیروز شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی وقت تمام کاغذات جن میں حساب درج تھا مجمع عام میں جلا کر نیست و نابود کر دیئے اور ہر شخص اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے:-

۱۔ مجھ سے قبل بہت سے ناجائز اور نامشروع ٹیکس قائم تھے۔ میں نے ان کو یک قلم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ صرف شرع کے مطابق خراج وصول کیا جائے۔ یعنی زمین مزروعہ کی پیداوار کا دسواں حصہ، معدنی پیداوار کا ایک خمس اور مسلمانوں کی صدقہ و زکوٰۃ کی رقم خزانہ میں داخل ہونی چاہیئے۔

۲۔ میرے عہد سے پہلے مال غنیمت کا پانچواں حصہ سپاہیوں کو دیا جاتا تھا باقی خزانہ میں

داخل ہوتا تھا۔ مَیں نے اس کو بھی موقوف کیا۔ کیونکہ حکم شرعی اس کے بالکل خلاف تھا۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ خزانہ میں مالِ غنیمت کا ایک خُمس داخل کیا اور باقی سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

۳۔ شرع کے خلاف مسلمانوں میں عام طور سے یہ رواج ہو گیا تھا کہ ان کی عورتیں شہر کے باہر مزاروں پر جاتی تھیں۔ چونکہ اوباشوں کو بدمعاشی کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے مَیں نے حکم دیا کہ آئندہ جو عورت مزاروں پر جائے گی اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ یہ دستور بالکل موقوف ہو گیا۔

۴۔ مُجھ سے قبل یہ دستور تھا کہ شاہی دسترخوان پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا تھا اور تلواروں کے قبضے وغیرہ زر و جواہر سے مرصع ہوتے تھے۔ مَیں نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ ہتھیاروں میں صرف ہڈیوں کے دستے لگائے جائیں اور ظروف نقرئی و طلائی کا استعمال یک قلم موقوف کر دیا جائے۔

۵۔ امراء زریں لباس پہنا کرتے تھے اور زریں لگام، گلوبند، صراحی، خیمے، پردے، کُرسیاں اور تمام چیزیں تصویروں سے آراستہ کی جاتی تھیں۔ مَیں نے ان ناجائز نقش و نگار کو محو کرا کے آئندہ کے لئے ممانعت کر دی۔

۶۔ ریشمین و زربفت کے لباس کا بھی امراء میں عام رواج تھا۔ مَیں نے اس کی بھی ممانعت کی اور شریعت کے مطابق ایک اُنگل سے زیادہ عریض ریشمی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

۷۔ میرے آقا سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کے وارثوں کو اور جو مفلوج الاعضاء تھے خود اُنہیں بلا کر اتنی بخشش کی کہ اُنہوں نے رضامندی کا اظہار کر کے اقرار نامے لکھ دیئے کہ ہم کو اب سلطان محمد تغلق پر کوئی دعوےٰ نہیں ہے۔ مَیں نے یہ سارے اقرار نامے ایک

صندوق میں بند کرا کے محمد تغلق کی قبر کے سرہانے رکھ دیئے۔ (۳) اُمید کے ساتھ کہ خدا میرے آقا کے ساتھ مہربانی فرمائے گا۔

۸ ۔ مجھ سے قبل جو وظائف اور دیہات معافی وغیرہ کے ضبط ہو گئے تھے ان کے متعلق میں نے عام حکم دے دیا کہ :۔

"ازروئے سند جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں تمام وظائف وغیرہ بحال کر دیئے جائیں ۔"

سراج عفیف نے فیروز شاہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً فیروز شاہ نہایت اچھے صفات کا بادشاہ تھا اور محمد تغلق کے بعد ہندوستان کو ایسا فرمانروا ارل جانا ایک ایسا مرہم تھا جس نے تمام جراحتوں کو مندمل کر دیا۔ فیروز شاہی عہد میں جو انتظامات ہوئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ :۔

۱ ۔ بازار نفیس اور عمدہ اسبابِ تجارت سے معمور ہو گئے۔

۲ ۔ مزدوروں کو پوری اُجرت ملنے لگی اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو گئی۔

۳ ۔ پیشہ ور لوگ نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل میں معروف ہو گئے اور شہر کی رونق بڑھنے لگی۔

۴ ۔ ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے۔

۵ ۔ رعایا کے پاس غلہ اور تمام ضروری سامان زندگی مہیا ہو گیا اور تمام سلطنت میں امن وسکون اور مسرت وخوشحالی نظر آنے لگی۔ ہر چند ان ٹیکسوں کے موقوف کر دینے سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی۔ لیکن اس کے عوض میں مخلوقِ خدا کو جو راحت و آسانی حاصل ہوئی وہ کافی سے زیادہ معاوضہ اس کی کمی کا تھا جس پر فیروز شاہ قانع تھا۔"

سلطنت کے امراء وارکین افسران ومعززین علاؤالدین خلجی سے پہلے جاگیریں رکھتے تھے اور وہی ان کی خدمات کا معاوضہ سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن علاؤالدین خلجی نے اس دستور کو مٹا کر نقد تنخواہیں کر دی تھیں اور تمام جاگیریں وغیرہ خالصہ میں شامل کر لی تھیں۔ لیکن جب فیروز شاہ نے عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اپنی فطرتی فیاضی اور نرمی سے مجبور ہو کر جاگیریں پھر بحال کر دیں اور کامل چالیس سال تک اس کے عہدِ سلطنت میں اس قاعدہ کی پابندی کی گئی اور کسی جاگیردار یا معافی دار کی طرف سے اظہار سرکشی وبغاوت نہیں ہوا۔

فوجی ملازمین کے لئے اس نے ایک قانون اور بنایا وہ یہ تھا کہ کوئی فوجی افسر مر جائے یا ضعیف ہو جائے تو اس کے بیٹے کو جگہ دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو داماد کو اگر یہ بھی نہ ہو تو غلام کو اور اس کے بعد اور کسی قریبی رشتہ دار کو جب تک فیروز شاہ زندہ رہا اس قانون پر عمل کیا اور اس طرح فوجی خدمات کی طرف لوگوں کو بہت زیادہ توجہ ہو گئی۔

فیروز شاہ کو چونکہ غلاموں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے تھوڑے دنوں میں تحائف اور نذرانوں کی صورت سے اس قدر کثیر تعداد میں غلام جمع ہو گئے کہ سلطان کو مستقلاً ان کا انتظام کرنا پڑا۔ بہت سے غلام تو اس نے مختلف اقطاع ملک میں بھیج دیئے اور وہاں اُن کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ جو غلام شہر میں رہ گئے اُن کا مشاہرہ ۱۰۰ تنکہ سے دس تنکہ تک حسبِ حیثیت مقرر کیا۔ علاوہ اس کے ہر غلام کو اس کی میلانِ طبیعت کے موافق تعلیم بھی دلائی۔ کسی کو حافظ بنایا اور کسی کو فقیہ، کسی کو حدیث کا درس دلایا اور کسی کو علمِ کلام کا کسی کو خوشنویسی کی تعلیم دلائی اور کسی کو سپاہ گری کی۔ اسی طرح دوسرے پیشوں اور حرفوں کی طرف ان کو راغب کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ اسّی ہزار غلاموں میں بارہ ہزار غلام صرف وہ تھے جو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے غلاموں کا محکمہ ہی جُدا کر دیا تھا اور اس محکمہ کے دیوان خزانچی، محاسب وزیر الگ

کر دیئے تھے۔ جن امراء کو غلام دیئے جاتے تھے ان کو سخت تاکید کی جاتی تھی کہ اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کریں اور تعلیم و تربیت کی خاص نگرانی رکھیں۔

ترقیٔ زراعت زراعت و آبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲ پرگنے تھے اور تمام پرگنوں میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ تھا اور ایک چپہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی۔ صوبہ سامانہ میں بھی ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے تھے اور تمام رعایا خوشحال نظر آتی تھی۔

ارزانی کی یہ کیفیت تھی کہ خاص دہلی میں ایک من گیہوں ۸ جیتل میں ایک من جوار اور جو ۴ جیتل میں عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر دلا ہوا غلہ جیسے سراج عفیف نے دلیدہ یعنی "دلیہ" سے تعبیر کیا ہے ایک جیتل میں خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جیتل کا ایک سیر اور شکر ۳ یا ½۳ جیتل کی ایک سیر ملتی تھی۔ اگر کبھی امساکِ باراں ہوتا تو ایک تنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ چالیس سال تک فیروز شاہ نے حکومت کی اور اس زمانہ میں قحط عام یا گرانی کی شکایت کسی کو نہیں ہوئی۔ کپڑے کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔

آمدنی اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۸۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی ۶ کروڑ ۸۵ لاکھ تنکہ تھی۔ لیکن یہ سب خزانۂ شاہی میں نہ آتی تھی بلکہ مختلف امراء و اراکین، ملوک و وزراء، ملازمینِ مال، فوج پر جاگیروں کی صورت میں منقسم تھی۔ خان جہاں وزیر کی ذاتِ خاص کا تیرہ لاکھ تنکہ مقرر تھا۔ اسی طرح کسی کی جاگیر آٹھ لاکھ کی تھی، کسی کی چھ لاکھ کی، کسی کی ۴ لاکھ تنکہ کی۔ چنانچہ امراء کی دولت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب ملک شاہین شنجہ (جو مجلس خاص کا نائب امیر بھی تھا) مرا ہے تو علاوہ قیمتی گھوڑوں اور جواہرات کے پچاس لاکھ تنکہ نقد اس کے گھر سے نکلا تھا۔ اس طرح عماد الملک کی دولت کا کوئی اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔

مشہور ہے کہ اس نے روپیہ رکھنے کے لئے جو تھیلیاں سلوائی تھیں ان میں ہی اڑھائی ہزار تنکہ صرف ہو گیا تھا (حالانکہ اس وقت ایک ٹاٹ کا تھیلہ چار جیتل

میں آتا تھا) کہا جاتا ہے کہ سترہ کروڑ تنکہ نقد اس کے پاس موجود تھا۔ پھر یہ دولت و خوشحالی مخصوص افراد کا حصہ نہ تھی بلکہ تمام امراء و اراکین، ملازمین و متوسلین یہاں تک کہ کاشت کار اور مزدور بھی ایک دوسرے سے مستغنی نظر آتے تھے اور حد درجہ راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ علماء و مشائخ کے لئے ۳۶ لاکھ تنکہ اور سائلین و فقراء کے لئے ایک لاکھ تنکہ بطور وظائف کے تقسیم کیا جاتا تھا۔

بے روزگاری کا انسداد فیروز شاہ کے لئے یہ امر بارِ خاطر تھا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بیکار رہے اور کلفت سے زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا تھا کہ جب کوئی شخص بیکار نظر آئے تو کوتوال اہلِ محلہ سے اس کے حالات تحقیق کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرے۔ پھر بادشاہ ہر بیکار کو اس کی حسب حیثیت مشاغل بتا دیتا۔ کسی کو کارخانہ میں بھیج دیتا، کسی کو وزیر کے پاس بھیج دیتا۔ اگر کوئی کسی جاگیردار کے پاس رہنا چاہتا تو وہاں بھیج دیا جاتا۔ ان لوگوں کے رہنے کے لئے مکان ملتے اور ان کی معاش کا پورا انتظام کیا جاتا۔

کارخانہ جات بادشاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے۔ ان کی دو قسمیں تھیں، معمولی اور غیر معمولی۔ معمولی قسم میں فیل خانہ یا پائے گاہ (اصطبل) مطبخ، شتر خانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے۔ ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا اور اس قدر صرف ملازمین وغیرہ کے مشاہرہ کا تھا۔

غیر معمولی قسم میں جامدار خانہ، علم خانہ، فراش خانہ، رکاب خانہ وغیرہ داخل تھے۔ ان کارخانوں کے لئے ہر سال نیا سامان خریدا جاتا۔ جامدار خانہ کے لئے موسم سرما میں (بہار و گرمی کی خریداری علیحدہ تھی) ۶ لاکھ تنکہ کا، علم خانہ کے لئے ہر سال ۸۰ ہزار تنکہ کا اور فراش خانہ کے لئے ہر سال دو لاکھ تنکہ کا اسباب خریدا جاتا تھا ہر کارخانہ ایک امیر کے سپرد تھا اور سب کا حساب جداگانہ مرتب کیا جاتا اور تمام

کارخانوں کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کے ذمہ تھی۔

سکہ سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکوں کی طرف بہت توجہ تھی۔ اس نے بڑی احتیاط کی کہ سکے عمدہ اور خالص تیار ہوں۔ اس کے عہد کے خاص سکے علاوہ طلائی اور نقرئی تنکہ کے جو پہلے سے رائج تھے۔ چہل وہشت گانی، بست و پنج گانی (یہ سکہ خاص فیروز شاہ کی اختراع تھا) بست وچہار گانی، دوازدہ گانی، دہ گانی، ہشت گانی، شش گانی تھے۔ ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لے کر ۶ جیتل تک تھیں۔

ایک بار بادشاہ کو خیال آیا کہ خرید و فروخت کے وقت ایک جیتل سے کم کا حساب ہوتا ہو گا تو بیچنے والا کیونکہ فاضل رقم واپس کرتا ہو گا جبکہ جیتل سے کم سکہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دو سکے اور رائج کئے۔ ایک نصف جیتل کا جسے آدھ کہتے تھے اور دوسرا پاؤ جیتل کا جس کا نام بیکھ رکھا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ شش گانی سکہ میں کچھ خفیف سی کھوٹ ہے اور بازار میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے وزراء کو حکم دیا کہ اس کی کامل تحقیقات کی جائے۔ یہ واقعہ ۷۷۲ھ ۱۳۷۰ء کا ہے۔ خان جہاں زندہ تھا جب اس کو بھی خبر ہوئی تو بادشاہ سے عرض کیا کہ سکہ کی حالت ناکتخدا لڑکی کی سی ہے کہ اگر اس کی عصمت پر جھوٹا الزام بھی لگ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اس لئے اگر اعلانیہ تحقیقات کی گئی اور کھوٹ ثابت ہو گیا تو شاہی سکہ کا اعتبار اٹھ جائے گا اس لئے پہلے خفیہ جانچ مناسب ہے۔

اس وقت کجر شاہ ٹکسال کا مہتمم تھا اس سے خان جہاں نے دونوں مخبروں کو حراست میں لے کر کہا کہ کیا تم اپنی طور پر تحقیق کر کے مجھے اطلاع دو گے؟

چنانچہ اس نے تفتیش کی اور خان جہاں سے کہا کہ واقعی ٹکسال کے بعض شریر آدمیوں نے سکہ میں کچھ کھوٹ ملا دی ہے۔ خان جہاں یہ سن کر خاموش ہو گیا اور پھر کچھ سوچ کر حکم دیا کہ سناروں کو بلا کر بادشاہ کے سامنے اس طور سے جانچ

کرائی جائے کہ وہ سکّہ کے کھرے ہونے کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔

کجر شاہ نے سناروں سے حالات بیان کئے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سامان کے برہنہ طلب کئے جائیں لیکن تھوڑی سی چاندی کسی کوئلہ کے اندر رکھ کر شگاف یا سوراخ کو موم سے بند کر دیا جائے۔ جب ہم سکہ گلائیں گے تو اس کوئلہ کو بھی اس میں ڈال دیں گے اور اس کی چاندی سکہ کی چاندی سے مل کر وزن کو پورا کر دے گی۔

چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور مجمع عام میں بادشاہ کے سامنے سکّہ کی جانچ کی گئی۔ چونکہ اس ترکیب سے کسی کو کھوٹ کا پتہ نہ چلا اور سکّہ کا وزن صحیح نکلا۔ اس لئے بازاروں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جانچ سے سکہ ششگانی بالکل کھرا معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ کجر شاہ کو خلعت دیا گیا اور مخبروں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد خان جہان نے کسی اور بہانے سے کجر شاہ کو علیحدہ کر دیا۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں کس قابلیت کا وزیر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں فیروز شاہ کیسا امین اور متدین تھا۔

جب بادشاہ نے بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شہر حصار فیروزہ کی بنیاد ڈالی (جس کا حال آگے آتا ہے) تو اس نے اس نواح کی زمین کو (جس میں فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں داخل تھے) کی پیداوار کو بہت بڑھایا۔

انتظامِ آب پاشی بادشاہ کو آبادی املاک کا اس قدر خیال تھا کہ بارش کے زمانے میں وہ خاص خاص سرداروں کو متعین کرتا کہ وہ نہروں کے کنارے پھر کر دیکھیں کہ سیلاب کہاں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتا جب اسے معلوم ہوتا کہ کاشتکار نہروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

فیروز شاہ کے یہی انتظامات تھے جنھوں نے نہ صرف اس کی جاگیر بلکہ سارے ملک کو آباد و خوشحال بنا دیا تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی تعمیرات ہیں، جنہوں نے ایک طرف ملک کو پُر رونق بنانے میں مدد دی تو دوسری طرف رفاہِ عام میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

اس کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا اور آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اوّلیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل ہوا۔

نئے شہروں کی بنا علاوہ فتح آباد و فیروزہ حصار کے اس نے حسب تفصیل ذیل اور نئے شہر تعمیر کئے :۔

"فیروز آباد، فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کا سنہ، تغلق پور ملوک مکوت اور جونپور۔ اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک، نزول کوشک، مہندواری، کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد، کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں اور جو دِلّی سے نظام الدین جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے) کوشک بند فتح خاں، کوشک سامورہ خاص شہرت رکھتے تھے۔"

اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے۔ ان میں "بند فتح خاں" بند مالجا، بند مہیا لپور، بند شکر خاں، بند سالورہ اور بند وزیر آباد بہت مشہور ہیں اور چھوٹے چھوٹے بندوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔

خانقاہیں و سرائیں دہلی اور فیروز آباد میں اس نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے مسافروں اور فقراء سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ تمام مصارف خزانۂ شاہی سے نقد دیئے جاتے تھے اور ایک امیر ان کا متولی تھا۔

محلّات فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کئے تھے۔ ایک کا نام "محل صحن گلی" اس کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام "محل چھجہ چوبیں" تھا اور تیسرے کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ صحن میانگی اس کا دوسرا

نام تھا) پہلے محل میں صرف خوانین، ملوک، امراء اور خاص خاص اہلِ قلم سے ملاقات ہوتی تھی۔ دوسرا محل گویا خلوت کدہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی تھی۔ تیسرا محل عام دربار کے لئے تھا۔

باغات فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤالدین کے زمانہ کے تیس باغات کو بھی از سرِ نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ اسی طرح سلورہ کے قریب اس نے اسّی باغ تیار کرائے اور چتور میں چوالیس تمام باغوں میں علاوہ اور میوؤں اور پھلوں کی آمدنی تھی۔ جب حصار فیروزہ میں نہر کا پانی آنے لگا تو یہاں بھی کثرت سے باغات نصب کرائے۔

نہریں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رفاہِ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجراء تھا۔ حصار فیروزہ جس جگہ بنایا گیا تھا وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی، اس لئے اس نے یہ مصیبت دور کرنے کے لئے اور نیز مزارعین کو فائدہ پہنچانے کے لئے دو نہریں بنوائیں۔ ایک نہر اس نے دریائے جمن سے نکالی جس کا نام اس نے رجیراہ (رجیواہ) رکھا اور دوسری نہر دریائے ستلج سے جس کا نام الغ خانی تھا۔ یہ دونوں نہریں کرنال کے قریب ہو کر گزرتی تھیں اور اسّی کوس کے بعد دونوں مل کر شہر فیروزہ حصار میں پہنچتی تھیں۔ یہ دونہریں آج بھی موجود ہیں۔

اس نہر کا ثبوت عہدِ اکبری کی ایک سند ۹۷۰ھ سے بھی ملتا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے کہ دریائے چٹانگ سے ۲۱۰ سال ہوئے سلطان فیروز شاہ نے نہر نکالی تھی۔ نالوں وغیرہ کا پانی بہتا ہوا سادورہ کے قریب ہانسی، حصار کے پہاڑی کے دامن میں پہنچتا ہے۔

علاوہ ان نہروں کے فیروز شاہ نے اور بھی متعدد نہریں جاری کی تھیں جن میں سے ایک کا ذکر تیمور نے اپنے ملفوظات میں قلعۂ لونی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ :-

"قلعۂ لونی دریائے جمنا اور ہنڈون کے درمیان واقع ہے۔ ہنڈون حقیقتاً ایک بڑی نہر ہے جسے فیروز شاہ نے دریائے کالی ندی سے نکال کر فیروز آباد کے محاذ میں جمنا سے ملا دیا تھا"

رفاہِ عام فیروز شاہ کو عمارات اور رفاہِ عام کے کاموں کی طرف بہت توجہ تھی اور اس نے کثرت سے اس قسم کی عمارتیں بنوائیں جس سے رعایا کو فائدہ پہنچے۔

آثارِ قدیمہ کا تحفظ آثارِ قدیمہ کو محفوظ رکھنے کا خیال سب سے پہلے ہند و پاک میں فیروز شاہ کو پیدا ہوا اور اس خیال کے ماتحت جن جن عمارتوں کی اس نے مرمت کرائی ان کا ذکر خود اس نے اپنی فتوحات میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرانی عمارتیں جو خراب و ویران ہو گئی تھیں میں نے اُن کی مرمت کرائی اور اُن کی آبادی کو میں نے اپنے محلات میں تعمیر پر مقدم جانا۔ چنانچہ :-

۱۔ دہلی کی جامع مسجد جو سلطان معز الدین سام نے تعمیر کرائی تھی اور کہنگی کے سبب سے خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو بالکل نیا کرا دیا۔

۲۔ سلطان معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار بوسیدہ ہو گئی تھی۔ میں نے از سرِ نو تعمیر کرایا اور منقش محرابیں صندل کی لگوا دیں۔ سلطان معز الدین کا مینار بھی بجلی سے گر پڑا تھا۔ میں نے اس کو پہلے سے بھی زیادہ بلند بنوا دیا۔

۳۔ حوض شمسی (سلطان التمش کے حوض) میں بعض شریر آدمیوں نے پانی آنے کی راہیں بند کر دی تھیں۔ میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور پانی کے منبع پھر جاری کر دیئے۔ اسی طرح حوض علائی (سلطان علاؤ الدین کا حوض) مٹی سے بھر گیا تھا اور وہاں کھیتی ہونے لگی تھی میں نے اس کو بھی صاف کرا دیا۔

۴۔ سلطان التمش کا مدرسہ (جو التمش کے مقبرہ سے ملحق تھا) بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اسے بھی از سرِ نو بنایا اور صندل کے دروازے اس میں لگوا دیئے۔

جو ستون گر گئے تھے اُن کو پہلے سے زیادہ اچھا بنوا دیا۔ مقبرہ کا صحن مدور نہ تھا میں نے اُسے مدور کرا دیا۔ چاروں برجوں کا پشتہ گر گیا تھا وہ بھی میں نے وسیع کرا دیا۔

۵۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے معزالدین سام کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا بالکل کھنڈر ہو گیا تھا اور قبر کا کہیں نشان نہ تھا۔ میں نے از سرِ نو برج کی تعمیر کرائی اور احاطہ کی دیوار کھنچوا کر قبر کا چبوترہ بنوا دیا۔

۶۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے سلطان رکن الدین کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا، بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اس کی دیوار احاطہ کھنچوائی اور نیا گنبد بنوا کر ایک خانقاہ بھی وہیں تعمیر کرا دی۔

۷۔ سلطان علاؤالدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوا دیئے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کے اندر جو مسجد تھی اس کی مغربی دیوار بنائی اور رجوپیر کا فرش تیار کروایا۔

۸۔ سلطان قطب الدین کا مقبرہ اور سلطان علاؤالدین کے بیٹوں، خضر خاں شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں، عثمان اور اس کے پوتوں اور پرپوتوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور از سرِ نو تعمیر کرایا۔

۹۔ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیا) کے مقبرہ کے دروازے اور قبر کی صندلی جالیاں خراب ہو گئی تھیں ان کی مرمت کرائی اور چاروں محرابوں میں سونے کے جھاڑ طلائی زنجیروں سے آویزاں کرا دیئے۔ ایک مجلس خانہ بھی بنوا دیا جو اس سے قبل نہیں تھا۔

۱۰۔ سلطان علاؤالدین کے وزیرِ اعظم تاج الملک کافوری کی قبر ہموار ہو گئی تھی اور گنبد گر پڑا تھا۔ میں نے اس کی بھی از سرِ نو تعمیر کرائی۔

۱۱۔ دارالامان (یہ بڑے بڑے آدمیوں کے دفن ہونے کی جگہ تھی) میں نے دروازے صندل کے لگوائے اور مشہور آدمیوں کی قبروں کے غلاف اور پردے بنوائے۔

۱۲۔ سلطان محمد تغلق نے "جہاں پناہ" کی بنیاد ڈالی تھی میں نے اُسے مکمل کرایا۔

کیونکہ سلطان محمد تغلق میرا مربی اور استاد تھا ۔

۱۳۔ دہلی میں اگلے بادشاہوں نے جتنے قلعے اور حصار بنوائے تھے ان سب کی میں نے مرمت کرائی ۔

۱۴۔ ان مدرسوں و مقبروں کی تعمیر کا خرچ ان کی قدیم املاک اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا ۔ بعض عمارتیں ایسی بھی تھیں جن کے فرش، روشنی اور مسافرین و زائرین کی مہمان نوازی کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی ۔ میں نے ان کے لئے دیہات وقف کئے تاکہ ان کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے رہیں ۔

۱۵۔ نامور سلاطین اور اولیاء کے مقابر کے لئے دیہات وقف تھے، میں نے ان کو بدستور قائم رکھا ۔

دارالشفاء

(۱۶) میں نے دارالشفاء بھی تعمیر کرایا ۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ تمام طبقوں کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے ۔ اطباءِ حاذق تشخیص امراض و معالجہ کے لئے مقرر ہیں اور غذا، دوا وغیرہ سب جائدادِ موقوفہ کی آمدنی سے مہیا کی جاتی ہے ۔

مدارس

فیروز شاہ نے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں سے ایک فتح خاں کے مقبرہ کے پاس تھا جسے "قدم شریف" کہتے ہیں ۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی اور ایک حوض بھی ۔ فتح خاں، فیروز شاہ کا بہت محبوب فرزند تھا اور یہ مدرسہ مع مسجد کے اسی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا ۔

دوسرا مشہور مدرسہ فیروز آباد میں تھا جو "فیروز شاہی مدرسہ" کے نام سے مشہور تھا ۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ :-

"یہ مدرسہ بہ لحاظ عمارت و تعلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ۔"

اس مدرسہ کی عمارت بہت وسیع تھی اور اس کے گنبد بڑے شاندار تھے ۔ یہ مدرسہ ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع تھا ۔ ہر وقت سینکڑوں طلباء اور کثیر علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے تھے اور ارباب

ان کے لئے وقف تھا۔ یہاں ان کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس، عبادت و تفریح کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ تالاب کے کنارے باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے صیقل کئے ہوئے فرش پر اپنے مشاغل علمیہ میں منہمک نظر آتے تھے۔

اس مدرسہ سے متعلق ایک مہمان خانہ بھی تھا جہاں سیاح آکر قیام کرتے تھے اور مسجد مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ یا خیرات خانہ بھی تھا جس سے تمام غرباء اور مساکین کو امداد ملتی تھی۔

لاٹیں فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطۂ نظر سے بے انتہا قابل قدر کام یہ ہے کہ اس نے قدیم عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر کوشک شکار میں نصب کرائے۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں۔ جن پر پالی حروف میں اسوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلّغ) کے احکامات مذہبی منقوش ہیں۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہنچے تو فیروز شاہ نے تمام پنڈتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا۔

ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش و سعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنے دار الحکومت میں منتقل کرایا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا فطری ذوق رکھتا تھا اور اس مسئلہ میں بھی وہ مذہبی تعصب سے کام نہ لیتا تھا۔ اس سے ان مذہبوں کے آثار باقی رہ گئے۔

فرشتہ نے اور صاحب طبقات اکبری نے حسب ذیل فہرست عمارات کی مرتب کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے:۔

۵۰ بند، جن سے آبپاشی ہوتی تھی۔ ۴۰ مسجدیں۔ ۳۰ مدارس۔ جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں۔ ۲۰ خانقاہیں۔ ۱۰۰ محل۔ ۵ شفاخانے

۱۰۰ مقبرے - ۱۰ حمام - ۵۰ اکنوئیں - ۱۰۰ پل - ۲۰۰ رباط - ۳۰ شہر - ۴۰ حوض ۱۰ مینارے - باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے - ان میں سے ہر عمارت کے لئے اس نے جائیداد وقف کی تاکہ وہ خراب نہ ہونے پائے اور اس کے مصارف پورے ہوتے رہیں -

مدارس کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے - مآثر رحیمی میں پچاس مدرسے درج ہیں - فقیر محمد لکھتے ہیں کہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں تیس کی تعداد درج ہے - اگر ان میں سے کوئی تعداد صحیح نہ ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس نے متعدد مدرسے قائم کئے -

ان شفاخانوں کا جو انتظام تھا اس کا حال خود فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھ دیا ہے اور جیسے ہم درج کر چکے ہیں -

دیوانِ خیرات غرباء کے فائدہ وسہولت کے لئے اُس نے دیوان خیرات بھی قائم کیا تھا - اس سے مقصود یہ تھا کہ جن غرباء و مساکین کی لڑکیاں جوان ہو گئی ہوں اور بوجہ افلاس ان کی شادی نہ ہو سکتی ہو انہیں مدد دی جائے - پچاس سے بیس تنکہ تک ہر شخص کی مدد کی جاتی تھی -

سراج عفیف لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزاروں آدمیوں کی اعانت کی گئی اور خدا جانے کتنی تاکتخدا لڑکیوں کی شادی ہو گئی -

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علماء و مشائخ کے لئے اس نے ۳۶ لاکھ تنکہ کے وظائف مقرر کئے (مقابر کے لئے ایک لاکھ تنکہ اس کے علاوہ تھی) لیکن اس نے خدمتِ علم صرف اسی حد تک نہیں کی بلکہ تصانیف کی طرف بھی خاص توجہ کی -

جب سلطان نے نگرکوٹ فتح کرنے کے بعد وہاں کے راجہ کو بدستور حکمران قائم رکھا تو اُس نے چند دن وہاں قیام بھی کیا - اس دوران میں اس سے لوگوں نے کہا کہ جب سکندر یہاں آیا تھا تو برہمنوں نے نوشابہ (سکندر کی بی بی) کا بُت تیار کر کے اس کی پرستش شروع کر دی تھی، چنانچہ اب بھی یہاں کے لوگ اسی مجسّمہ کو پُوجتے ہیں -

دارالترجمہ و کتب خانہ فیروز شاہ سے برہمنوں نے یہ کہا کہ مندر میں ۱۳۰۰ کتب قدیم زمانہ کی رکھی ہوئی ہیں، چنانچہ فیروز شاہ اس بُت خانہ میں جس کو "جوالا مکھی" کہتے تھے گیا اور تمام علماء کو وہاں طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ ان ہی کتابوں میں سے ایک کتاب حکمت نظری و عملی کی تھی جس کو اعزالدین خالدنی نے (جو اس وقت کے مشہور شعراء میں سے تھا) نظم کر کے دلائل فیروز شاہی نام رکھا۔ ایک کتاب عروض علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں حاکم و محکوم کے درمیان ایسے تعلق پیدا ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی زبان کو سیکھتا تھا اور تعصب بڑی حد تک مٹ چکا تھا۔ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی (جس میں عہد فیروز شاہی کے ابتدائی دس سال کے حالات بھی درج ہیں) اس کے عہد میں ختم ہوئی۔ تفسیر تاتارخانی، فتاوائے تاتارخاں (جو فنِ تفسیر و فن فقہ کی بے مثل کتابیں ہیں) اور عین الملک اس عہد کی مشہور تصانیف ہیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

علماء و فضلاء فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے جو مدرسہ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے۔ دوسرے مولانا عالم آندپتی جن کی نسبت مولانا عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانی کی ترتیب میں ان ہی کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد) مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبدالمقتدر (جو علاوہ فاضل ہونے کے بے مثل شاعر بھی عربی، فارسی کے تھے اور جنہوں نے لامعۃ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کر لی ہے) ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر کڑوی اور قاضی عابد بھی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبانِ کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فنون کی ترویج فیروز شاہ کو تمام فنون کے ساتھ دلچسپی تھی۔ چنانچہ استاد

کے ماتحت اُس نے اپنے غلاموں کی بڑی تعداد کو مختلف پیشوں اور حرفوں کی تعلیم دلائی اور لوگوں میں مختلف نئی نئی چیزیں بنانے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ اس عہد کے ایک مشہور ایجاد طاس گھڑیال ہے جس سے نمازوں کے اوقات، روزہ کھولنے کا وقت، سایہ کا حال، شب و روز کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ فیروز آباد میں جہاں یہ گھڑیال لگا تھا وہاں اُس کے دیکھنے کے لئے ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس ایجاد کو خود فیروز شاہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہر جشن کے موقعہ پر جو سال میں چار بار (عیدین، نوروز اور شب برات) ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد داستان گو، گویّے، ماہرینِ رقص، پہلوان اور کرتب دکھانے والے جمع ہو کر اپنا کمال و تماشا دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ سب کو انعام دے کر رخصت کرتا تھا۔

فیروز شاہ کو قدیم اور نادر چیزیں جمع کرنا کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اشوکا کے سنگین ستونوں کا فیروز آباد میں نصب کرنا بھی اسی ذوق کی بنا پر تھا۔ اس نے ایک خاص مکان اس لئے تعمیر کرایا تا کہ وہاں ایسی عجیب و غریب چیزیں رکھی جائیں۔

سراج عفیف نے لکھا ہے کہ اس عجائب خانہ میں ایک پستہ قد شخص ایسا تھا جو صرف ایک گز لمبا تھا۔ لیکن اس کا سر تین آدمیوں کے برابر تھا۔ دو آدمی دراز قامت تھے۔ یہ اتنے لمبے تھے کہ اس وقت کا طویل سے طویل قد رکھنے والا آدمی ان کی کمر تک پہنچتا تھا۔ دو عورتیں ایسی تھیں جن کی داڑھی بالکل مردوں کی طرح تھی۔ ایک بکری تین پاؤں کی تھی جو خوب دوڑتی تھی۔ ایک سیاہ کوا سرخ چونچ کا۔ ایک سپید طوطی سیاہ منقار کی۔ ایک گائے جس کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔

علاوہ ان کے اور بہت سی چیزیں اس عجائب خانہ میں تھیں۔ آدمیوں اور ہاتھیوں کی وہ ہڈیاں بھی اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی تھیں جو سرستی اور ستلج کے درمیان سے پشتۂ زمین کھودنے سے برآمد ہوتی تھیں۔ بعض ہڈیاں ایسی تھیں جو نصف پتھر ہو گئی تھیں۔

شکار فیروز شاہ کو کمنی ہی سے شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ تغلق اسے منع بھی کرتا رہتا، لیکن یہ باز نہ آتا۔ جب عنانِ حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس شوق نے اور زیادہ ترقی کر لی۔

یہ نہ صرف چیتوں اور سیاہ گوش کے ذریعہ سے شکار کھیلتا تھا بلکہ شیر بھی اس غرض سے اس نے پال رکھے تھے۔ شاہین، باز، جرہ، بحری وغیرہ کے ذریعہ سے بھی شکار کھیلتا تھا۔

موسم گرما میں دیپال پور اور سرستی کا درمیانی حصہ گورخر کے شکار کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح موسم سرما میں بدایوں اور آنولہ کے جنگلوں میں نیل گائے کا شکار کیا کرتا تھا۔ اگر کسی جنگل میں شیر آجاتا تو کوئی اس کا شکار نہ کرتا بلکہ بادشاہ کو اس کی خبر دی جاتی اور یہ فوراً وہاں پہنچ کر اس کا شکار کرتا۔

امن وسکون چونکہ فیروز شاہ فطرتاً رحیم المزاج تھا اس لئے فتوحات کے لحاظ سے اس نے کوئی ترقی نہیں کی۔ تاہم اس کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں جو طوائف الملوکی اور بدامنی پھیل گئی تھی وہ اس کے عہد میں مفقود ہو گئی اور سلطنت میں ہر طرف امن و سکون نظر آنے لگا۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا اس میں جنگی قابلیت تھی۔ لیکن وہ کشت وخون سے گھبراتا تھا۔

رکن جہاں حسن گنگو نے اپنی خود مختاری حکومت بہمنی سلطنت کے نام سے کوہ وندھیاچل کے جنوب تک قائم کر لی تھی اور جو ۱۸۰ تک قائم ہوئی مدستور مطلق العنان رہا۔ بنگال کی طرف ہر چند فیروز شاہ دو مرتبہ گیا۔ لیکن کشت وخون کے خیال سے لوٹ آیا۔

پہلی دفعہ جب ۷۵۴ھ ۱۳۵۳ء میں وہ بنگال کی طرف گیا تو گیارہ مہینے تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی افواج قتل کی گئی۔ لیکن جب فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ اس قدر جانیں ضائع گئی ہیں تو

اس نے یک ڈلہ کے قلعہ کا محاصرہ (جہاں شاہ بنگال بھاگ کر پناہ گزین ہو گیا تھا) چھوڑ دیا اور دہلی واپس آیا۔

فتوحات اس کے بعد ۱۳۶۰ء ، ۶۵-۱۳۵۹ء میں وہ بنگال گیا۔ اس وقت ستر ہزار سوار اور بے شمار پیدل فوج ساتھ تھی (۴۷۰ ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ لیکن اس مہم کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ صلح ہو گئی۔ واپسی میں بادشاہ ہاتھیوں کا شکار کرنے پد ماوی (چھوٹا ناگپور) کے جنگل میں پہنچ گیا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر دہلی واپس آسکا۔ اس دفعہ وہ اڑھائی سال کے بعد دہلی آیا اور آخر ۶ ماہ میں تو کوئی خبر ہی بادشاہ کی دہلی تک نہ پہنچ سکی۔

اس کے بعد اس نے ٹھٹھہ فتح کرنے کا عزم کیا اور نوّے ہزار سوار ۴۸۰ ہاتھی لے کر بھکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوج ۵۰۰۰ کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پہنچی اور کچھ ساحل گئیں۔ اتفاق سے اس زمانہ میں قحط پڑ گیا اور سماوجام (فرمانروائے سندھ) کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ واپسی میں فیروز شاہ نے گجرات کا قصد کیا لیکن راستہ بتانے والوں نے دھوکہ دے کر کچھ کی دلدلوں میں پھنسا دیا۔ پھر چھ ماہ تک بادشاہ کی کوئی خبر دہلی نہیں پہنچ سکی۔ اس مصیبت سے نجات پانے پر بادشاہ نے پھر گجرات میں فوج مرتب کی اور دہلی سے کمک طلب کر کے سندھ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بادشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں کے فرمانروا کو معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد نگر کوٹ پر حملہ کیا اور وہاں اسے فتح ہوئی۔

جب فیروز شاہ دہلی آکر انتظام سلطنت میں مصروف ہوا تو خداوند زادہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) معہ اپنے شوہر کے دہیں ایک محل میں رہتی تھی۔ فیروز شاہ ہر جمعہ اس محل میں جاتا۔ ملک خسرو آگے کھڑا رہتا اور ملک داور (خداوند زادہ کا بیٹا) ماں کے پیچھے بیٹھتا۔ جب بادشاہ رخصت ہونے لگتا تو خداوند زادہ پان دیتی۔

واقعہ ہر چند خداوند زادہ فیروز شاہ کی تخت نشینی پر راضی ہو گئی تھی،

لیکن حقیقتاً وہ اس سے خوش نہ تھی۔ ایک بار اُس نے فیروز شاہ کو قتل کر دینے کی سازش کی اور محل کے اندر حجروں میں زرہ پوش سپاہیوں کو چھپا کر تاکید کر دی کہ "جب میں اپنے سر پر دوپٹے کو درست کرنے لگوں تو فیروز شاہ کا کام تمام کر دیں۔"

رحم دلی

جب فیروز شاہ حسبِ معمول آیا تو دارو ملک نے جو اس سازش میں شریک نہ تھا بادشاہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ کچھ سمجھ کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ خداوند زادہ روکتی رہی مگر یہ کوئی عذر کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد جب خداوند زادہ کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو زرہ پوش سپاہی گرفتار ہوئے اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا۔ بادشاہ نے خداوند زادہ کو صرف یہ سزا دی کہ وہ گوشہ نشین ہو جائے اور اپنا وظیفہ لیتی رہے اور اس کے شوہر خسرو ملک کو جلاوطن کر دیا۔

جب بادشاہ اوّل مرتبہ بنگال کی مہم پر گیا تو تاتار خاں بھی ساتھ تھا۔ بادشاہ کبھی کبھی شراب کا شغل کیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کو اتفاق سے تاتار خاں اس کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ فیروز اس وقت اسی شغل میں معروف تھا۔ فوراً شراب کا سامان پلنگ کے نیچے چُھپا دیا۔ لیکن تاتار خاں نے دیکھ لیا اور بادشاہ کو نہایت سختی سے زجر و توبیخ کی۔ بادشاہ بہت نادم ہُوا اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ مَیں تمہاری موجودگی میں کبھی شراب نہ پیئوں گا۔

وقائع

تاتار خاں صرف ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن یہ فیروز شاہ کی حد درجہ انصاف پسندی اور سلامت طبع تھی کہ اس نے اپنے ایک معمولی امیر کی جھڑکی سُن لی اور جواب میں سوائے انفعال و ندامت کے اظہار کے اور کچھ نہ کہا۔

جب بادشاہ ضعیف ہو گیا تو اس کو ایک سخت صدمہ تو اپنے وزیر خان جہان کی وفات کا پہنچا اور دوسرا صدمہ بڑے بیٹے فتح خاں (ولی عہد) کا جس کی وفات وزیر کے تین سال بعد وقوع میں آئی۔ فتح خاں نہایت ہوشیار و قابل لڑکا تھا۔ اس لئے اس کی موت نے بادشاہ کی کمر توڑ دی۔

فیروز شاہ نے خان جہاں کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو وزیر کر دیا۔ لیکن

فیروز کے دوسرے بیٹے محمد کی سازش سے وزیر کو معزول ہو کر جان کے خوف سے بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے ناصر الدین کا خطاب دے کر تمام انتظامات سلطنت محمد کے سپرد کر دیا۔ چونکہ محمد سخت نالائق تھا اس لئے غلاموں میں اس کے طرزِ عمل سے سخت ہنگامہ بپا ہو گیا۔ فیروز شاہ کو مجبوراً اپنی خلوت سے نکلنا پڑا۔ اور بمشکل اس شورش کو رفع کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔

وفات چند دن بعد ۱۸ رمضان ۷۹۰ھ کو انتقال کر گیا۔ اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ اس نے قریب چالیس سال کے حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسنِ انتظام کے چھوڑ گیا۔ فیروز شاہ حوض خاص (شمسی) کے پاس مدفون ہوا۔ اس کا مقبرہ اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے [۱]

علمی دربار فیروز شاہ تغلق سلطان محمد بن تغلق کی طرح صاحبِ علم و تصنیف تھا۔ فتوحاتِ فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے کا بڑا قدردان تھا۔ اس کا دربار علماء و فضلاء، شعراء اور دوسرے اصحابِ کمال کا مرجع تھا۔ ضیاء برنی اور عفیف جیسے مورخ اور ادیب مظہر ہندی جیسے شاعر تاتار خاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے اس کا دربار آراستہ رہتا تھا۔ اس نے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے بڑی بڑی مساجد، مدارس بنوائے۔ ان کے مصارف کے لئے ہزاروں روپیہ کے اوقاف مقرر کئے۔ اس نے محکمہ تراجم بھی قائم کیا فرشتہ لکھتا ہے:

> "بادشاہ علمائے آں طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمودہ ازاں جملہ اعزالدین خالد خانی کہ شعراء آں کتابے در حکمت طبعی و شگون و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ و اطلق آں کتابست متضمن اقسام حکمت عملی و علمی" [۲]

---

[۱] ملخص از طبقات اکبری صفحہ ۱۱۲ - ۱۲۱ و تاریخ ہند ذکاء اللہ و اسلامی ہند از علامہ نیاز فتح پوری۔ [۲] فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۴۳ و طبقات اکبری صفحہ ۲۴۳۔

فیروز شاہ کے علمی ذوق کا ہی اثر تھا کہ امرائے سلطنت بھی علم سے شغف رکھتے تھے۔ امراء میں سے امیر تاتار خاں تھا جس نے تفسیر کلام پاک کی لکھی جو تفسیر تاتار خانی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح اس نے درمختار اور شامی کے مثل ایک فتاویٰ کی کتاب ترتیب دی جو تین جلدوں میں ہے۔ دہلی کے تمام فتوؤں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اس کتاب میں درج کیا اور اختلاف والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا۔ اس کا نام فتاویٰ تاتار خانی رکھا[1]

فیروز شاہ کے عہد میں طِب کو فروغ

سراج عفیف لکھتا ہے:۔

"چوں سلطان فیروز شاہ بچندیں قید مئو کلاں آستانہ شفاخانہ وصحت خانہ برائے عامہ مریضان بنا فرمودہ واطبائے حاذق وحکمائے صادق وقدمائے مصدق وجراحان وکحالاں دراں مقام تعین گردانیدہ وادویہ وطعمہ واشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر بردہ باب کرم عام بہ شفقت تمام بر خلائق خاص وعام کشادہ"

[1] تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ صد ۳۹۲ ۔

تغلق شاہ ثانی

امراء نے تغلق شاہ ثانی، فتح خاں کے بیٹے (اور فیروز شاہ کے پوتے) کو بادشاہ (۷۹۰ھ میں) بنا دیا۔[1]

چونکہ یہ ایک بے وقوف نوجوان تھا اور سوائے لہو و لعب کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا اس لئے امراء اور محل کے غلاموں نے جبکہ اس کی حکومت کو صرف چھ ماہ اور کچھ دن کا زمانہ گزرا تھا ۷۹۱ھ میں قتل کر دیا۔

ظفر خاں اس کے بعد ظفر خاں کے بیٹے[2] ابوبکر کو امراء نے تخت نشین کیا۔ رکن الدین چندہ منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔ مگر چونکہ اس کا چچا ناصر الدین محمد جسے فیروز شاہ کے عہد میں غلاموں نے نکال دیا تھا پنجاب میں سامانہ سے نگر کوٹ تک اپنا کافی اقتدار پیدا کر چکا تھا اس لئے وہ دہلی کی طرف بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد ۷۹۲ھ ۱۳۹۰ء میں تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند یہ چار سال تک حکمران رہا لیکن اس کے زمانۂ حکومت میں ہر جگہ ہندوؤں نے بغاوت شروع کر دی اور کچھ اقتدار سلطنت دہلی کا باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔

سلطان محمد کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں (سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے ۷۹۵ھ میں) تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ہمایوں کا بھائی محمود اٹھارہ سال تک حکمران رہا۔ لیکن اس شان سے کہ تخت سلطنت کبھی قنوج میں تھا کبھی دہلی میں۔

---

[1] منتخب التواریخ ص ۶۸ [2] ایضاً

ادھر دہلی کا بھی یہ حال تھا کہ ادھر محمود اپنے کو بادشاہ کہتا تھا اُدھر فیروز آباد میں نصرت شاہ، فتح خاں کا بیٹا حکمرانی کر رہا تھا۔ اس طرح گویا دہلی کے تخت پر دو بادشاہ قابض تھے اور ملک میں حد درجہ بدامنی پھیل رہی تھی۔ الغرض یہ تھا ہندوستان کی سلطنت کا حال جب امیر تیمور صاحبقراں نے ۹۲ ہزار سواروں کی جمعیتہ سے دہلی پر حملہ کیا۔ تیمور کے حملے کا مفصل حال ظفر نامہ، ملفوظات تیموری اور مطلع السعدین میں درج ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس کا ایک خاکہ پیش کرینگے۔ کیونکہ تیمور کا شمار ہندوستان کے بادشاہوں میں نہیں ہے اور اس لئے اس کے حالات سے جداگانہ بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تیمور ہندوستان آنے سے قبل تمام عراق و فارس، افغانستان و ایشیائے کوچک کو زیر نگین کر چکا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت اس طرف بھی متوجہ ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے فوجی مشیروں کے سامنے ہندوستان کے مسئلہ کو بھی پیش کیا۔ ان سب میں سے بعض نے کہا کہ پانچ دریاؤں کا عبور کرنا، گھنے جنگلوں سے گزرنا۔ بڑے بڑے راجاؤں کی خونخوار افواج (جو جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح چھپی ہوئی ہے) سے عہدہ برآ ہونا، آہن پوش ہاتھیوں کو شکست دینا ایسا آسان کام نہیں ہے۔

بعض نے محمود غزنوی کی مثال پیش کی کہ اُس نے صرف تیس ہزار سواروں کی مدد سے ہندوستان کو فتح کر لیا تھا اور ہمارے پاس تو ایک لاکھ جرار فوج موجود ہے۔ اس کے ساتھ شہزادہ شاہ رخ (تیمور کے بیٹے) نے بھی ہندوستان کی دولت اور یہاں کے کفر و بُت پرستی کا ذکر کر کے جہاد پر آمادہ کیا۔ مخالفین نے پھر ایک دلیل پیش کی کہ اگر وہاں کامیابی ہو بھی گئی ہو تو ہماری نسل کے لوگ جو وہاں حکمران ہوں گے ان میں بعد کو یقیناً انحطاط پیدا ہو جائے گا اور وہاں کی آب و ہوا ان کو آرام طلب، عیش پسند اور غیر جنگجو بنا دے گی۔ اس پر تیمور نے کہا کہ میرا مقصد قیام کرنا نہیں ہے۔

اس سے قبل پیر محمد جہانگیر (تیمور کا پوتا جو کابل کا گورنر تھا) تمام حدودِ افغانستان کو زیر کر کے ہندوستان کے اندر پہنچ چکا تھا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

اتفاق سے اس وقت جبکہ تیمور حملۂ ہندوستان کی تیاریاں کر رہا تھا پیر محمد کی تحریر پہنچی جس میں سلطنت دہلی کی بدنظمی اور طوائف الملوکی وغیرہ کا مفصل حال درج تھا۔

اس تحریر کو دیکھتے ہی تیمور نے رجب ۸۰۰ھ مارچ ۱۳۹۸ء میں اپنے دارالسلطنت سمرقند سے ہندوستان کی طرف کوچ کر دیا اور ۸ محرم کو سرحد کی سنگلاخ زمینوں، کوہستانوں کی چوٹیوں اور وادیوں کو طے کرتا ہُوا اس دریائے سندھ پر پہنچ گیا جسے جلال الدین خوارزم نے چنگیز خان تیمور کے مورث اعلیٰ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر عبور کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے کشتیوں کا ایک پُل دو دن کے اندر تیار کرایا اور ۱۲ محرم کو دریا عبور کر کے اپنے پوتے پیر محمد سے مل گیا جس نے اب ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔

پنجاب کی حالت اس وقت یہ تھی کہ تیموری حملہ کی داستانیں عام ہو گئی تھیں اور دیپال پور کے لوگ بھاگ بھاگ کر بھٹنیر کے قلعہ میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور بھٹنیر پہنچا اور وہاں قتلِ عام کر کے آگے بڑھا۔ اب فتح آباد بھی ویران تھا۔ سرستی کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے اور تیمور جس طرف سے گزرتا تھا نصرت و کامیابی اس کے ساتھ دے رہی تھی۔ آخر کار ۲۴ ربیع الاول کو پانی پت کے مشہور میدان میں پہنچ گیا۔ یہاں کوئی اس کا مقابل نہ تھا اس لئے وہ آگے بڑھا اور ۷ ربیع الثانی کو دہلی پہنچ گیا جہاں محمود شاہ کی فوج اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھی۔

امیر تیمور نے اپنی فوج اس طرح مرتب کی کہ پیر محمد اور امیر یادگار وغیرہ کو میمنہ سپرد کیا۔ سلطان حسین اور خلیل سلطان وغیرہ کو میسرہ میں رکھا اور

خود قلب میں رہا۔

محمود شاہ کی فوج میں بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ علاوہ اس کے ایک سو بیس ہاتھی بھی تھے۔ یہ بالکل آہن پوش تھے اور ان کے دانتوں میں زہریلی کٹاریں لگی ہوئی تھیں اور ان کے اوپر ہودوں میں تیر انداز اور آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور جب فوج کی ترتیب سے فارغ ہو گیا تو اس نے ایک بلندی پر چڑھ کر فوج کے مواقع دیکھ کر اپنی فتح کے لئے دعا مانگی اور پھر حملہ کا حکم دیا۔ تیمور کی میمنہ نے ہندی فوج کی میسرہ پر تیروں کی بارش شروع کی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی طرح ترکیوں کے میسرہ نے دہلی فوج کے میمنہ کو پسپا کر دیا۔ قلب میں چونکہ اقبال خاں اور خود محمود شاہ موجود تھے۔ اسی لئے اس حصہ نے تھوڑی دیر تک سخت مقابلہ کیا مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہاں سے بھی رات کو چھپ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

۸ ربیع الثانی کو فتح کے بعد تیمور نے حوض خاص پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ تمام امراء و اراکین حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور علماء و فضلاء بھی آئے جن کی خواہش کے مطابق اس نے قتل عام کا حکم نہیں دیا اور زرفدیہ لے کر سب کو امان دینے کا وعدہ کر لیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جشن فتح مندی شروع ہو گیا۔

ایک ہفتہ بعد ۱۶ ربیع الثانی کو زرِ فدیہ کی وصولی میں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کچھ سختی ہوئی تو اس پر لوگوں میں کچھ ہنگامہ ہوا حتیٰ کہ تیموری فوج جو پہلے ہی سے غارت گری کے لئے کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی برہم ہو کر لوٹ مار پر آمادہ ہو گئی۔

تیمور نے بہت کوشش کی کہ خونریزی نہ ہو لیکن وہ اپنی فوج کے بڑھے

ہوئے جوش کو نہ روک سکا اور پھر مسلسل ۱۹ ربیع الثانی تک سوائے ان مقامات کے جہاں علماء وفقہاء وغیرہ رہتے تھے سری جہاں پناہ اور دہلی کہنہ خون ریزی اور غارت گری کا نہایت ہولناک منظر بنے رہے۔

اس لوٹ میں اس قدر زر وجواہر نقرئی وطلائی برتن، زیورات اور قیمتی کپڑے ہاتھ آئے کہ شاید اس سے قبل کبھی تیموری فوج کو نصیب نہ ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر شخص کو بیس سے لیکر ایک سو غلام تقسیم ہوئے۔ تیمور نے دہلی کے بہت سے پیشہ ور دست کار اور حرفہ جاننے والے لوگوں کو سمرقند روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان فنون کی تعلیم دی جائے۔

تیمور کو پندرہ دن دہلی میں قیام کئے ہوئے ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ یہاں ٹھہرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا مقصود تو صرف جہاد تھا اس لئے وہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو دہلی سے روانہ ہوا اور قلعہ فیروز آباد میں نماز پڑھ کر میرٹھ گیا۔ اس کو تباہ وبرباد کر کے ہردوار پہنچا اور یہاں بھی اسے فتح حاصل ہوئی۔

اس کے بعد دریائے گنگ کو عبور کر کے مسوری کے نیچے کوہ سوالک میں نشاناتِ فتح چھوڑتا ہوا اس نے نگر کوٹ اور جموں کو فتح کیا اور ۱۹ جمادی کو افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا۔[1]

خدا کا قہر ختم ہو چکا تھا اور اب لوگوں کو اپنی پوشیدہ جگہوں سے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اب تک وہی تھی اور ہر جگہ قحط وتباہی رونما تھی۔ جب تیمور نے اس کو چھوڑ دیا تو اقبال خاں نے نصرت شاہ کو الگ کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ واسلامی ہند۔

اور اٹاوہ و گوالیار وغیرہ کے ہندو راجاؤں کو جو خود مختار ہو گئے تھے، زیر کرنے کی سخت کوشش کی۔

محمود شاہ نے قنوج میں اپنی حکومت قائم کی اور ۸۰۸ھ میں اقبال خاں خضر خاں گورنر ملتان کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اس کے بعد چھ، سات سال تک پھر وہی طوائف الملوکی، گورنروں کی باہم خونریزی قائم رہی۔ یہاں تک کہ جب محمود شاہ نے ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء میں انتقال کیا تو تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے کوئی نام کا بھی فرمانروا موجود نہ تھا۔

آخر کار لوگوں نے مجبوراً امیر دولت خاں لودی کو فرماں روا بنا دیا لیکن اس نے کبھی اپنے کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ چند ماہ بعد خضر خاں (گورنر دیبل پور) نے دہلی کا محاصرہ کیا اور ۸ ربیع الاول ۸۱۷ھ (۲۳ مئی ۱۴۱۴ء) کے دن دولت خاں نے قلعہ سیری اس کے سپرد کر دیا۔ جس سے حکومتِ ہندوستان سید خاندان میں منتقل ہو گئی [1]۔

محمود شاہ کے عہد کا مشہور شاعر قاضی ظہیر دہلوی تھا جو صاحب دیوان ہے۔ اس نے محمود شاہ کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔

ملائے بدایونی کا بیان ہے کہ "قاضی ظہیر کے بعد کوئی شاعر اس پائے کا نہیں گزرا"۔

---

[1] تاریخ مبارک شاہی۔

سیّد خاندان

۸۱۷ھ تا ۸۵۵ھ
۱۴۱۴ء ۱۴۵۱ء

خضر خاں، ملک الشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ناصر الملک مردان دولہ (گورنر ملتان) کا متبنیٰ فرزند تھا۔ اس کے مرنے پر ملک شیخ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ لیکن قضا نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا۔ اس لئے فیروز شاہ ملک سلیمان کو اقطاع ملتان کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ بھی چند روز زندہ رہا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا خضر خاں یہاں کا فرمانروا مقرر کیا گیا[1] چونکہ ملک سلیمان سید تھا اور خضر خاں اس کا بیٹا تھا اس لئے جو عہدِ حکومت خضر خاں سے شروع ہوتا ہے اسے سید خاندان کی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خضر خاں کو کسی مؤرخ نے سلطان کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو "بندہ رایت عالی" اور تخت نشینی سے پہلے "مسند عالی" لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں رایت عالی درج ہے اور ملائے بدایون نے مسند عالی تحریر کیا ہے۔

فرشتہ نے صرف "سید خضر خاں" کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خضر خاں نے باوجود تخت نشین ہو جانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تصنیف میں صرف اس بیان پر کفایت کی ہے کہ:-

"اسم بادشاہی برخود تجویز نہ کرد و رایات اعلیٰ خطاب یافت"[2]

---

[1] منتخب التواریخ ص۲۰۸ مطبوعہ نولکشور [2] ایضاً

سکہ خضر خاں نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کرایا چونکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جانے کی آرزو نہ رکھتا تھا اس لئے اس کو پرواہ نہ ہو سکتی تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے ؟ البتہ وہ سنہ ضرور درج کرتا تھا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں شخص کے عہدِ حکومت میں یہ سکہ مضروب ہوا۔

خضر خاں سب سے پہلے تاریخ ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہوا۔[1] جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے بعد حکومت میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خاں ملا اقبال خاں کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کر کے اس کو قید کر لیا (۷۹۸ھ) اس کے بعد خضر خاں کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں دولت خاں لودھی کو زیر کر کے دہلی پر قبضہ حاصل کیا۔

اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار پھر قائم ہو جائے۔ لیکن وہ اس میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا کہ قرب وجوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہو گئے لیکن بغاوت وشورش بدستور باقی رہی اور جو اجزاء سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہو سکے۔

۸۱۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بداؤں اور کیٹھر کی طرف روانہ کیا۔ یہاں کا راجہ ہر سنگھ کوہستان آنولہ میں بھاگ گیا اور پھر مطیع ہو گیا۔ اسی طرح حیات خاں امیر بداؤنی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کر کے شمس آباد اور کمپل (کملا) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا۔ لیکن چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی اس لئے پھر شورش وانحراف کی شکایت رہی اور ۸۱۹ھ ۱۴۱۶ء میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۵۔

گوالیار جانا پڑا۔ خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا۔ کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیار گیا قلعہ تو فتح نہ ہوا۔ لیکن وہاں کے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کیا۔

۸۲۰ھ ۱۴۱۷ء میں ملک طغائی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں حاکم سمانہ کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغائی نے اطاعت قبول کی اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا۔

۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء میں راجہ کٹیھر نے بغاوت کی۔ تاج الملک نے اسے زیر کیا اور اٹاوہ کو تاخت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۸۲۲ھ میں خود خضر خاں کو کٹیھر کی طرف جانا پڑا۔ اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بداویں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہابت خاں حاکم بداویں قلعہ بند ہو گیا۔ خضر خاں نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا۔ قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کو سارنگ خاں کہتا ہے خروج کر کے اقطاع جالندھر میں شورش برپا کر رکھی ہے۔ بمشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرو ہوا۔

۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء میں خضر خاں نے میوات کو زیر کیا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے خراج لے کر اٹاوہ پہنچا اور یہیں بیمار پڑ گیا۔[1] چنانچہ اسی حال میں دہلی واپس آیا اور ۱۷ جمادی الاول ۸۲۴ھ مئی ۱۴۲۱ء کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے قبل چار ماہ محرم میں ہو چکا تھا۔

آثار الصنادید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۸۲۱ھ ۱۴۱۸ء میں دریا کے کنارے ایک شہر بھی آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ و محلات تعمیر کرائے تھے لیکن اب اس قلعہ کا پتہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اب جس موضع کا نام خضرآباد ہے وہی جگہ خضر خاں کا آباد کیا ہوا شہر ہو۔

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۷۶۔

خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۹ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو (یعنی وفات خضر خاں کے تین دن بعد) تخت نشین ہوا۔

اسی سال شیخا کھوکھر کے بھائی جسرت اور طغانائیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ لاہور بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس لئے چند دن قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۸۲۶ھ / ۱۴۲۳ء میں کیٹھرہ (روہیلکھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اسی سال بیانہ میں بدامنی پھیلی اور مبارک شاہ نے اُسے فرو کیا۔

۸۲۹ھ / ۱۴۲۵ء میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور مبارک شاہ سے برہان آباد ضلع اٹاوہ کے میدان میں جنگ ہوئی لیکن ابراہیم شاہ شرقی جونپور خائف ہو کر چلا گیا اور ۸۳۱ھ / ۱۴۲۸ء میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۸۳۳ھ / ۲۹-۱۴۳۰ء میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اُٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار رجب ۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا فولاد غلام مارا گیا اور بمشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔

مبارک شاہ اپنے خصائل کے لحاظ سے نیک طینت اور کریم النفس شخص تھا۔ وہ اکثر و بیشتر خود اپنی فوج کے ساتھ جا کر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا۔ جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آ رہی تھی وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی۔ جونپور اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت قائم ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچائی جس قدر اقطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خاں سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خاں لودھی کے خلاف روانہ ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پایۂ تخت پہلے ہی ہندوستان میں

اپنا اقتدار کھو چکا تھا اور تیمور کے حملہ نے تو ایسی کاری ضرب لگائی کہ بچی کھچی بادشاہوں کی جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں مرتسم تھی وہ دفعتہً زائل ہوگئی۔

کیٹھر کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی۔ دہلی کے جنوب میں جو ایک حصہ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیرداروں، راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا اس نے سر اٹھایا۔ مبارک شاہ نے ان کو دبایا خراج وصول کیا عارضی طور سے وہ مطیع ہوگئے اور پھر سرکشی اختیار کی۔

الغرض یہی مدوجزر قائم رہا۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے کھکروں یا کھوکھروں سے پہنچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور ان تاتاری حملوں سے جو شاہ رخ کے گورنر کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

مبارک شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سرور الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا۔ تاریخ وفات مصنف مبارک شاہی نے ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ر جنوری ۱۴۳۴ء) تحریر کی ہے۔

مبارک شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مکار وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو خضر خاں کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مبارک شاہ کا متبنیٰ فرزند تھا۔ تخت نشین کر دیا اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے خزانہ و جیل خانہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیوں کو (جن میں سدپال اور سدھارن کھتری قاتل مبارک شاہ بھی شامل تھے) تقسیم کیں اور امراء مبارک شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا۔

چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا) کی دغابازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہوگیا تھا اس لئے ان امراء نے جو خضر خاں کے ممنون تھے (مثلاً الہ داد، کالا لودی، امیر سنبھل، اہلا میاں، حاکم بدایوں، امیر علی گجراتی، امیر کمبل ترک بچہ) سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امراء

کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ انہی میں ایک کمال الملک بھی تھا جو درپردہ سرور الملک کا سخت دشمن تھا اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہنچے تو کمال الملک کے ساتھی امراء کو معلوم ہوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انھوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع کی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور اسی اثناء میں کمال الملک نے ملک الہ داد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رخ کیا اور قلعۂ سری کو محصور کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قائم رہا۔

بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے اس لئے اس نے سرور الملک کو جبکہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرت ناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تئیں خود مختار بادشاہ سمجھا۔ اس کے بعد ۸۴۴ھ میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گھکروں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی لیکن پھر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر وہی بدامنی شروع ہو گئی اور قرب و جوار کے خود مختار فرماں رواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرقی (جونپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرماں روا محمود خلجی کی جرأت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا۔ ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (لیکن حقیقتاً وہاں کا حکمران) تھا اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دُور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودھی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب دیا۔ ہر چند اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

محمد شاہ بن فرید خاں ۸۴۷ھ میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد

تمام امراء نے سوائے بہلول لودھی کے علاؤالدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے دہلی کا حکمران تسلیم کیا۔ لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت و اطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے۔ اس وقت سلطنت دہلی کی تفریق و انتشار کی یہ حالت تھی کہ :۔

۱۔ دکن، گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ انہوں نے جاری کر رکھا تھا۔

۲۔ پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیبل پور اور سرہند تک بہلول لودھی کی حکومت تھی۔

۳۔ مہرولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خاں میواتی قابض تھا۔

۴۔ سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودھی کی فرمانروائی تھی۔

۵۔ کمپلا اور پٹیالی میں پرتاپ سنگھ کی حکومت تھی۔

۶۔ بیانہ میں داؤد خاں لودھی کا تصرف تھا۔

۷۔ گوالیار و دھولپور بھدورا میں جدا جدا راجہ فرمانروا تھے۔

۸۔ لاپری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمران تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودھی میں لکھا ہے کہ اس وقت علاؤالدین کی سلطنت کے متعلق عام طور سے یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ "بادشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم" الغرض سلطنت دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔

پھر اس کے ساتھ طرہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو بدایوں کی آب و ہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی اور دارالحکومت اس کو بنانا چاہا۔ ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دو، بار بہلول لودھی حملہ کر چکا تھا (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاؤالدین کی تھی۔ دوسری حماقت

یہ ہوئی کہ اُس نے اپنے وزیر حمید خاں کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدایوں سے بھاگ کر دہلی آگیا۔ اس نے علاؤالدین سے انتقام لینے کے لئے بہلول لودھی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی۔ یہ پہلے ہی سے تیار تھا فوراً دہلی آ گیا اور قبضہ کر لیا۔

لیکن علاؤالدین کا نام خطبہ اور سکّہ میں بدستور جاری رکھا۔ بعد کو جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خاں کو قید کر کے علاؤالدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت مَیں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں۔

اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خُطبہ سے علاؤالدین کا نام خارج کرا دیا اور چتر شاہی سر پر رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔

علاؤالدین بدایوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا۔ اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدایوں ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سید خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بہلول لودھی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آنے لگا جسے خاندانِ لودھی کہتے ہیں[1]

---

[1] یہ بیان فرشتہ کا ہے، بدایونی اور طبقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(اسلامی ہند)

لودھی خاندان

۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ
۱۴۵۱ء ۱۵۲۶ء

فرشتہ نے بہلول کے خاندانی حالات کی صراحت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ لودھی، افغانوں کی ایک جماعت تھی جو ہندوستان میں بہ سلسلۂ تجارت آمدرفت رکھتی تھی۔ بہلول کا دادا ملک بہرام، فیروز شاہ کے عہد میں ملتان آیا۔ اور یہاں کے حاکم مردان دولت کا ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے ملک سلطان شہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جب ملتان کا حاکم خضر خاں ہوا تو ملک شہ اس کا ملازم ہو گیا۔ اس نے خضر خاں کی طرف سے ملو اقبال سے جنگ کی اور اس کو قتل کر دیا۔ اس صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دے کر سرہند کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

ملک شہ کا بڑا بھائی ملک کالا جو دورالہ کا حاکم تھا ایک جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی۔ وضع کے دن قریب تھے کہ اتفاق سے ایک مکان کی چھت گر پڑی۔ وہ تو مر گئی لیکن جنین زندہ رہا جو اس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی تھا وہ یتیم فرزند (ملو) جس کی قسمت میں آئندہ بہلول لودھی ہونا لکھا تھا۔

اس بچہ کی تربیت اس کے چچا اسلام خاں نے کی۔ جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں اس کی خدمات سے اس قدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی اس سے منسوب کر دی اور اپنے بعد اس کو جانشین کر گیا۔ اسلام خاں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بارہ ہزار افغانی سپاہیوں کو وہ اپنے پاس سے تنخواہ دیتا

تھا۔ ہر چند اسلام خاں کے بعد اس کے بھائی (ملک فیروز) اور بیٹے (قطب خاں) نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور بہلول کا اقتدار بڑھتا گیا۔ [1]

یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بہلول لودھی سلطنتِ دہلی حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے بے تاب تھا اور متواتر حملے بھی اس نے کئے تھے۔ چنانچہ جب حمید خاں وزیر نے اس کو بلایا تو وہ فوراً چلا گیا اور وہاں حمید خاں کو قید کر کے ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

بہلول لودھی کو سلطنت دہلی جس حال میں ملی تھی اس کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح تمام صوبے خود مختار ہو گئے تھے اور حکومت دہلی گویا صرف شہر دہلی سے تعبیر کی جاتی تھی۔ لیکن باوجود اس بدامنی و انتشار کے بہلول لودھی نے جس قابلیت اور عزم و ثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا۔ وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودھی نے ۳۸ سال تک حکومت کی اور اس طویل زمانہ میں ایک بار بھی اس نے کسی ایسے طرزِ عمل کو پیش نہیں کیا جو شاہانہ عزائم وملوکانہ خصائل کے منافی ہوتا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ کی اور دہلی کا انتظام اپنے بیٹے بایزید اور دیگر امراء کے سپرد کر کے دیبل پور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود شاہ فرماں روائے جونپور نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی بیوی کے اصرار سے (جو علاؤالدین، سید خاندان کے آخری حکمران کی بیٹی تھی) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول یہ خبر سن کر پنجاب سے دہلی آیا اور افغانوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ اطرافِ پنجاب سے فراہم کر لایا۔ ہر چند اس مقابلہ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور وہ جونپور چلا گیا۔ لیکن بعد کو مسلسل ۲۶ سال تک بہلول لودھی اور فرمانروایانِ جونپور کے درمیان آتشِ جنگ مشتعل رہی اور آخر کار بہلول لودھی نے

---

[1] فرشتہ صفحہ ۱۷۳

۸۹۳ھ ۱۴۸۸ء[1] میں سلطنت جونپور کی جداگانہ ہستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور حسین شاہ شرقی کو (جو سلطنت جونپور کا آخری فرمانروا تھا) ایسی سخت شکست دی کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکا۔

ہر چند جونپور کے لئے اسے بہت کوشش کرنی پڑی اور تمام وقت اسی میں صرف ہو گیا۔ لیکن وہ سلطنت کے دیگر اقطاع سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس نے تمام ملک کا دورہ کیا اور اپنے حسن تدبیر سے سلطنت دہلی میں پھر وسعت پیدا کر دی۔

میوات جا کر اس نے احمد خاں حاکم میوات کو اطاعت پر مجبور کیا اور سات پرگنے اس سے نکال کر دہلی میں شامل کر لئے۔ اسی طرح بلند شہر میں جا کر دریا خاں لودھی حاکم سنبھل سے سات پرگنے لے لئے۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان کول میں آیا اور عیسٰے خاں سابق حاکم کو اپنی جگہ بحال کر کے برہان آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ پھر راجہ پرتاپ سنگھ کو زیر کر کے صرف بھوگاؤں اس کی جاگیر میں رکھا اور باقی سب مقامات سلطنت دہلی میں شامل کر لئے۔ یہاں سے چل کر قلعہ رابری اور چندوارہ کو فتح کیا اور اٹاوہ کے حاکم کو بھی مطیع بنا لیا۔

علاوہ اس کے حسب روایت تاریخ سلاطین افاغنہ اس نے رانا اودے پور کو بھی شکست دے کر تمام اقطاع اجمیر پر قبضہ کر لیا اور سندھ میں احمد خاں کو شکست دے کر حدود سلطنت کو وہاں تک وسیع کر لیا۔

الغرض ۳۸ سال کے اندر اندر بہلول لودھی نے کڑہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی بدایوں، دوآبہ کا تمام حصہ، اٹاوہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات کول (علی گڑھ) برہان آباد کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور پنجاب میں بھی وہی اقتدار قائم کر دیا جو اس سے قبل کسی وقت پایا جاتا تھا۔

---

[1] بدایونی ۸۸۴ھ تحریر کرتا ہے۔

یقیناً یہ امر حیرت ناک معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مُردہ سلطنت میں کیونکر بہلول لودھی پھر نئی روح پھونک سکا۔ لیکن اس کا جواب صرف اس کے خصائل کے بیان سے دیا جا سکتا ہے۔ جنہیں صاحبِ تاریخ داؤدی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

"بہلول لودھی مذہب کا سخت پابند اور بے انتہا سخی و شجاع بادشاہ تھا۔ رحم و رافت اس کی فطرت تھی اور احکام شرع کی پابندی اس کا تنہا نصب العین۔ وہ اکثر علماء و مشائخ کو اپنی صحبت میں رکھتا اور غرباء و مساکین کے حالات ہمیشہ تحقیق کرتا رہتا۔ اس نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔

وہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا اور لوگوں کی شکایتیں خود سُن کر فیصلہ کیا کرتا تھا۔ وہ بے انتہا دانشمند تھا اور حد درجہ غور و تامل لطف و مہربانی سے کام لے کر انصاف کرتا تھا (جو کچھ اسباب وغیرہ) اُسے ملتا وہ سب فوج کو تقسیم کر دیتا تھا اور خود صرف خشک روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستانہ صحبتوں میں وہ کبھی تخت پر نہ بیٹھتا اور نہ رؤسا کو اپنے سامنے کھڑا رہنے دیتا۔ وہ سب کو اپنے برابر جگہ دیتا اور اگر کوئی امیر ناراض ہو جاتا تو اس کے خوش کرنے کے لئے بعض اوقات یہاں تک ایثار سے کام لیتا کہ اس کے قدموں پر پگڑی تک ڈال دیتا۔"

اس کی تخت نشینی سے پہلے دہلی کے پٹھانوں میں یہ رسم تھی کہ مُردہ کے سویم میں مٹھائی، شربت اور پان وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اس رسم کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ اس رسم میں فضول مصارف ہوتے تھے۔

اس کے ضبط کی عجیب و غریب شان وہ تھی کہ جب ایک دن جامع مسجد کے اندر ایک مُلّا نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو صاف طور

پھر ذرباتِ شیطان سے تعبیر کیا اور اس نے ہنس کر صرف یہ کہا۔

"ملا صاحب! ہم سب بندگانِ خدا ہیں"۔

تعمیرات کا بھی اُسے شوق تھا لیکن اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔ تاہم اگر یہ جدید تحقیق صحیح ہے کہ آگرہ کی بنیاد اُس نے رکھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس لحاظ سے بھی اس نے اپنے کو غیر فانی بنا دیا۔ لیکن تمام مؤرخین آگرہ کی بنیاد کو سکندر لودھی سے منسوب کرتے ہیں۔

مآثرِ رحیمی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے متعدد مدارس بھی قائم کئے۔ بہلولی سکّہ جو پیسہ کے قائم مقام رائج ہُوا اسی کی یادگار ہے۔

اٹاوہ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی آرہا تھا کہ راستہ میں بیمار ہوا۔ اور بھداولی (ضلع سیکت) میں پہنچ کر ۸۹۴ھ میں مر گیا[1] اس نے آٹھ سال آٹھ ماہ آٹھ روز حکومت کی۔

بہلول لودھی نے اپنی وفات سے پہلے ہی نظام خاں کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا اس لئے وہ تھوڑی سی مخالفت کے بعد سلطان سکندر کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہو گیا۔

○

---

[1] منتخب التواریخ صفحہ ۸۳۔

سلطان سکندر بن سلطان سکندر

۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ

جب سلطان بہلول نے ۸۸۳ھ (۱۴۷۸ء) میں ملک کے مختلف صوبوں پر گورنروں کا تقرر کیا تو اسی سلسلہ میں جونپور کی حکومت اپنے بیٹے باربک کو سپرد کردی تھی۔

جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی (باربک) سے کہا کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے لیکن باربک نے انکار کیا۔ مجبوراً سکندر کو اس کے خلاف فوج بھیجنی پڑی اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد پھر بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔

سکندر کا سارا عہدِ حکومت باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی میں صرف ہوگیا۔ ان میں بیانہ، جونپور اور اودھ کی مہمیں خاص طور سے اہمیت رکھتی ہیں جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا اور جونپور و اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح فرو کردی گئیں۔

۸۹۷ھ (۱۴۹۱ء) میں سکندر نے سلطان حسین کو (جو جونپور کی سلطنت کا آخری فرماں روا اور زیرِ حمایت علاؤالدین شاہِ بنگال تھا اس پناہ گزین تھا) مفتوح و معزول کرکے بہار تک اپنی سلطنت وسیع کر لی اور سلطان علاؤالدین فرماں روائے بنگال سے حدودِ سلطنت و حقوقِ حکمرانی کے متعلق باہمی مفاہمت ہوگئی۔

علاوہ اس کے دھول پور، چندیری اور گوالیار کے راجپوتوں نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی اور تمام پنجاب، دوآبہ، جونپور، اودھ، بہار، ترہت اور ملک مابین ستلج و بندیلکھنڈ اس کے قبضہ میں آگیا۔

محمد تغلق اور فیروز شاہ کے بعد جو تفریق سلطنتِ دہلی کے تمام اجزاء میں

پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا حال آپ کو علاؤالدین بن محمد شاہ سید خاندان کے آخری فرمانروا کے ذکر کے سلسلہ میں معلوم ہو گیا ہو گا۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ پھر یہ تمام اجزا ریکجا ہو جائیں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان بہلول لودھی نے اپنے عزم وثبات و دیگر ملوکانہ خصائل سے دہلی کی مُردہ سلطنت میں از سرِ نو جان ڈالنی شروع کی اور سکندر کے عہد میں قریب قریب وہی اقتدار پھر قائم ہو گیا جو اس سے قبل کسی وقت عہدِ تغلق میں پایا جاتا تھا۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ بہلول لودھی کے تمام خصائل مع شئے زائدٍ اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ اور اس نے اپنی محنت وجانفشانی، انصاف اور بیدار مغزی، اخلاق وعادات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا تمام ماحول متاثر ہو گیا اور اس کے علوی صفات کے سامنے تمام قوتیں جو سلطنت سے منحرف ہو گئی تھیں جھک گئیں۔

سلطان سکندر کے تمام فتوحات نہایت شرح وبسط کے ساتھ تمام کتبِ تاریخ میں درج کئے گئے ہیں لیکن ہم ان کی تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہوئے صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے سکندر کے خصائل وعادات آئین عدل وحکمرانی، تہذیب وشائستگی، علم پروری وہنر شناسی کو واضح طور پر دکھانا چاہتے ہیں جو حقیقی اسباب تھے اس کے کامیابی کے۔

سلطان سکندر اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے جس قدر حسین وجمیل تھا[۱]۔ اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی فطرت نہایت سلیم اور اس کی طبیعت رافت وعطوفت کی طرف از بس مائل تھی۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اور بندگانِ خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

---

[۱] مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے کہ اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا متحیر رہ جاتا۔

جیسا وہ شجاع تھا ویسا ہی عادل بھی تھا۔ انتظامِ سلطنت، تصفیہ معاملات میں وہ ہندو مسلمان، قوی وضعیف کو برابر سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ سرِ مو انصاف سے احتراز نہ ہو۔

بادشاہ ضبط اوقات کا بے انتہا پابند تھا اور جو معمول اُس نے اپنے یا کسی اور کے لئے مقرر کر دیا اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ ظہر ادا کر کے مجلسِ علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرم سرا میں جاتا اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں لوگوں کے استغاثے سُنتا امورِ سلطنت کی اصلاح کرتا۔ فرامین تحریر کرتا اور سلاطینِ ہم عصر کے نام خطوط لکھتا۔ رات کو بہت کم سوتا۔ بڑے جید اور زبردست سترہ عالم خلوتِ خاص میں اس کے پاس رہتے اور نصف شب تک مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا۔ اس کے بعد کھانا چنا جاتا۔ اس کی ساری عمر گزر گئی لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہُوا۔

اس کی وضع داری اور پختگی انتظام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک بار گرمی کے موسم میں شیخ عبدالغنی جونپوری بادشاہ سے ملنے آئے۔ ان کے لئے جو کھانا آیا اس میں موسمِ گرما کی وجہ سے شربت کے چھ شیشے بھی موجود تھے۔ اس کے بعد اتفاق سے شیخ صاحب جاڑوں میں آئے۔ لیکن شربت کے قرابے اب بھی پیش کئے گئے۔ ایک بار وہ جس طرح ایک آدمی سے ملتا پھر عمر گزر جاتی اسی طرح پیش آتا اور اس میں سرِ مو تفاوت نہ ہوتا۔

اس کی عدالت و بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ متدین شخص سلطنت کا اپنی جگہ پر مطمئن اور ہر خائن شخص ہر وقت لرزاں رہتا تھا۔ اس طرح اس کی دیانت وسیر چشمی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دنیا کی ساری دولت اس کے سامنے رکھ دی جاتی تو وہ خلافِ احکامِ مذہب اس پر نگاہ نہ کرتا۔

جب لشکر کو وہ کسی جنگ پر روانہ کرتا تو روزانہ دو فرمان لشکر کے نام

پہنچتے۔ ایک نمازِ صبح کے وقت جس میں اور ہدایتیں درج ہوتیں سرایوں میں گھوڑوں کی ڈاک ہر وقت تیار رہتی۔ اگر لشکر ۵۰۰ کوس پر بھی ہوتا تو بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔

روز اس کے سامنے کل اشیاء کا نرخ نامہ اور سلطنت کے تمام حالات وواقعات کی رپورٹ پیش ہوتی اور وہ فوراً تحقیقات کا حکم دیتا۔ اگر کوئی نامناسب بات اُسے نظر آتی۔ یہی انتظام تھا کہ اس کے عہد میں غلہ اور تمام زندگی کی ضروری چیزیں بہت ارزاں تھیں اور قلیل آمدنی رکھنے والا بھی فراغت سے زندگی بسر کرتا تھا۔

اس نے ایک قاضی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے تھے اور جاسوس متعین تھے جو عدالت کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ دریا خاں وکیل کو حکم دیا تھا کہ عدالت کے اندر پہر رات گئے تک بیٹھا رہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس وقت کوئی مستغیث آجائے۔ علاوہ اس کے وہ بعض اہم مقدمات کی خود تحقیقات کرتا اور سلطنت کے انتظام پر آپ توجہ کر کے آئین مقرر کرتا۔

اس غرض کے لئے اس نے کثرت سے مخبر و جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رعایا و حکام کے تمام حالات اس تک پہنچاتے تھے اور یہ انتظام اس قدر مکمل تھا کہ بسا اوقات لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کے قابو میں کوئی جن ہے جو اسے تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے [۱]

وہ انصاف کرنے میں حد درجہ کاوش کرتا اور خاص فراست و دانائی سے کام لے کر حقیقت تک پہنچتا۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری نے ایک دفعہ بیان کیا ہے :۔

"گوالیار کے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے مفلسی سے تنگ آکر فوج میں شامل ہو گئے۔ ایک لڑائی میں اُنھیں غارت کے سلسلہ میں دو لعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا اور دوسرا

---

[۱] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۱۔

اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا۔ جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دے دینا۔ جب یہ گوالیار واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دے دیں لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے استفسار کیا۔ اس نے انکار کیا۔ الغرض یہ معاملہ میاں بھوڑا[1] تک پہنچا جو دربار سکندر لودھی کے امراء کبار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے۔ انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور میاں بھوڑا نے ان گواہوں پر اعتماد کر کے فیصلہ کر دیا کہ "لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہیئے۔"

یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچی۔ بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا۔ یہاں بھی وہی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اس نے سوچ کر گواہوں سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا ہے تو تم نے اسے ضرور دیکھا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے دیکھا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا اور کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعہ سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بنایا ہوا نمونہ دوسرے کے نمونہ سے بالکل مختلف تھا اور لعل کی ہئیت وصورت سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی بادشاہ نے گواہوں کو دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔"

---

[1] اس نام میں اختلاف ہے بعض مؤرخین نے بھوہ اور بعض نے بھوڑا لکھا ہے [2] طبقات اکبری صفحہ ۱۷۲ فرشتہ صفحہ ۱۸۹

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت نہ کرتا۔ ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیردار نے اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسے نزاعات پیش آئے کہ دو ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو بلا کر کہا کہ کیوں اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا؟ آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے جب تک یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے تک بیٹھے رہے اور اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا۔

بادشاہ نے میاں ملک جاگیردار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم نے میرے خلاف حکم ظلم کیا اور وظائف و املاک کی زمین تم نے کیوں چھینی۔ میاں ملک نے منفعل ہو کر اعترافِ جرم کیا۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعترافِ جرم کرا کے نادم کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا۔ ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۵۰۰ اشرفیوں کا دفینہ مل گیا۔ لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دفینہ پانے والے کو واپس دیا جائے۔

حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ شخص مستحق نہیں ہے۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ "اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دفینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے"۔

اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت

بڑا دفینہ برآمد ہوا۔ اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی۔ علی خاں حاکم لاہور و دیبل پور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفینہ میرے حدودِ حکومت کے اندر سے برآمد ہوا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو"۔ شیخ نے انکار کیا۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ :-

"جودھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے"۔

بادشاہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دیا کہ :-

"تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو"۔

اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کر دیئے اور کہا کہ :-

"تمہی رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے"۔

یہ واقعہ تاریخ سلاطینِ افاغنہ اور واقعات مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کر دیتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔ ایک بار اس نے ملک بدرالدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کر کے ایک پرگنہ تفویض کر دیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہو گئی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ "زائد دو لاکھ کی بابت کیا حکم ہوتا ہے"۔

بادشاہ نے کہا کہ "تم رکھ لو" دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہو گئی۔ اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا "جاگیر تمہاری ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہو سکتی ہے مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو؟" [1]

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیردار بھی ایسے

---

[1] تاریخ داؤدی (ایسٹ) ۴۔ ۴۳۷۔

ہی دیانت دار و امین تھے۔

جاگیر مقرر کرنے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیردار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا۔ لیکن اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

وہ حرص و طمع کے جذبات سے بالکل ناواقف تھا اور ہمیشہ جرموں میں جن کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے ہوتا بہت نرمی سے کام لیتا۔ جشنِ عید اور ۱۲ ربیع الاول[1] کو قیدیوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی جاتی اور بقایائے مالگذاری کے سبب سے جتنے لوگ قید ہوتے سب کو رہا کر دیتا۔

مذہب کی طرف بہت غلو تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی کام خلافِ شریعت اس کی سلطنت میں نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس نے اسی سلسلہ میں حکم نافذ کر دیا کہ مزاروں پر عورتوں کا جانا اور سالانہ سالار مسعود کی چھڑیاں نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ مولانا مشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیہ داری اور سیتلا کی پوجا کو بھی اُس نے روک دیا تھا۔

اس نے کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ، ایک قاری اور ایک جاروب کش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسم سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقررہ رقم غرباء کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر ششماہی پر سلطنت کے تمام غرباء و مساکین کی فہرست پیش کی جائے۔ جب یہ فہرست پیش ہوتی تو وہ ان کو اس قدر روپیہ دیتا کہ ۶ ماہ کے لئے کافی ہو جاتا۔ علاوہ اس کے مختلف شہروں میں مدِ خیرات کے متعلق بہت سے مہتمم مقرر تھے جو غریبوں اور محتاجوں کا حال معلوم کر کے بادشاہ تک خبر پہنچاتے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ رحلت۔

اور خزانۂ شاہی سے روپیہ لے کر انہیں تقسیم کرتے۔[1]

چونکہ بادشاہ کو اس طرف بہت توجہ تھی اس لئے تمام امراء وارکین خوانین وملوک نے بھی غرباء ومساکین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ واقعات مشتاقی میں لکھا ہے کہ اس داد ودہش کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی فقیر مر جاتا تو اس کے پاس سے کافی دولت نکلتی جو اس کے اعزہ کو دی جاتی اور اگر کوئی عزیز نہ ہوتا تو پھر فقراء کو تقسیم کر دی جاتی۔

اس کے عہد میں زراعت کثرت سے ہوتی تھی۔ چیزیں بہت ارزاں تھی۔ تاجر بہت خوش حال تھے اور تمام اہلِ پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ مصروف نظر آتے تھے، سلطنت میں کہیں چوروں اور راہزنوں کا پتہ نہ تھا اور قافلے نہایت امن وسکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کو مغربی مؤرخین نے عام طور سے حد درجہ متعصب ظاہر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مذہب اسلام کا پابند تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ہندوؤں کی رواداری نہیں کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جو عند اللہ حق ہے وہی کیا جائے۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ اپنے بھائی باربک شاہ سے لڑ رہا تھا، ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا "فتح تیری ہے"۔

بادشاہ نے جھنجلا کر ہاتھ الگ کر لیا اور جواب دیا کہ "دعا یہ کرنی چاہیئے کہ اللہ اس کو فتح دے جو حق پر ہے اور وہی ظہور میں آئے جو بہتر ومناسب ہو"۔

قبل تخت نشینی کے ایک بار سکندر کو معلوم ہوا کہ تھانیسر میں ایک گاؤں ہے وہاں کے ایک تالاب میں ہندو جمع ہو کر اشنان کرتے ہیں۔ اس نے علماء سے استفسار کیا۔ میاں عبداللہ اجودھنی نے جو بڑے جید عالم تھے کہا:۔

"ہندوؤں کے کسی قدیم معبد کو غارت کرنا یا ان کی کسی مذہبی رسم سے تعرض کرنا مناسب نہیں"۔

سکندر نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا اور اپنے خیال سے باز آ گیا۔[2] وہ ان تمام صفات کے

---

[1] تاریخ داؤدی ایلیٹ ۴-۴۴۶ [2] تاریخ فرشتہ، ۱۸۰، تاریخ داؤدی (ایلیٹ) ۴-۴۳۹۔

ساتھ علم دوست بھی اس درجہ کا تھا کہ اس کے عہد میں آگرہ (جو اس کا دارالحکومت تھا) علماء و فضلاء، مشائخ و صوفیاء، شعراء و ادباء کا مرکز ہو گیا تھا۔

فارس و عرب، ہند و بخارا کے تمام صاحبانِ کمال کھنچ کھنچ کر آگرہ چلے آرہے تھے اور بادشاہ کی فیاضیوں سے مالامال نظر آتے تھے۔

مذہبی مباحث کا اُسے بہت شوق تھا اور اکثر علماء کو جمع کر کے وہ ان کی گفتگو سنا کرتا تھا۔ ایک بار جب بودھن نامی ایک برہمن نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں تو سکندر شاہ نے بہت سے مقتدر علماء[1] کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔

شعر و سخن کا بھی اسے ذوق تھا۔ گل رخ اُس کا تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر کہتا تھا[2]۔ اور شیخ جمال کنبوہ[3] سے جو بڑے پایہ کا شاعر تھا اصلاح لیا کرتا تھا۔

اس کی صحبت میں علماء کے ساتھ شعراء بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈونگر برہمن بھی تھا جو عربی و فارسی کا عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھا تھا۔ ملائے بدایونی عہدِ سکندری کے بعض مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

"شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ جب ملتان تباہ ہُوا تو دہلی کی طرف آئے اور چالیس علماء (مثلاً جمال خاں دہلوی، شیخ لودھی سید جلال الدین بدایونی وغیرہ) شیخ عبداللہ کی درسگاہ سے نکل کر اشاعت علوم کا باعث ہوئے۔ ہندوستان میں علوم معقولی کا رواج شیخ عبداللہ کے وقت سے ہُوا ورنہ اس سے قبل علم منطق و کلام میں صرف شرح شمسیہ اور شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں"۔

---

[1] ان علماء کی فہرست حسب روایت فرشتہ

[2] ملائے بدایونی نے یہ غزل اس کی منتخب التواریخ میں درج کی ہے۔

[3] عہدِ سکندر شاہ میں شیخ جمال بڑا مشہور شاعر تھا اور بادشاہ اس سے بہت مانوس تھا۔ اور مشورہ بھی لیا کرتا تھا۔ شیخ جمال کا یہ ایک شعر فرشتہ اور ملائے بدایونی نے نقل کیا ہے۔

سکندر شاہ مولانا شیخ عبداللہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ جب کبھی درس کے وقت پہنچتا تو پوشیدہ طور سے کسی کونہ میں جاکر بیٹھ جاتا تاکہ درس و تدریس میں ہرج واقع نہ ہو، جب وہ فارغ ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا۔

شیخ عزیز اللہ کے استحضار علوم کا یہ حال تھا کہ مشکل سے مشکل کتاب زبانی پڑھاتے تھے۔ انہی کے شاگردوں میں میاں قاسم سنبھلی تھے۔

اسی عصر کے ایک اور زبردست عالم الہ دیا بھی تھے جنہوں نے ہدایہ کی شرح کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر مدارک پر اُن کا حواشی اور شرح کافیہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی یہ کتابیں کتابیں درسیات میں داخل تھیں۔

ایک بار سلطان سکندر نے تمام علماء کو جمع کر کے ایک جانب شیخ عبداللہ[1] اور شیخ عزیز کو، دوسری جانب شیخ الہ دیا اور اُن کے بیٹے بھکاری کو کر کے مباحثہ سنا اور آخر کار یہ فیصلہ ہُوا کہ وہ دونوں تقریر میں اور یہ دونوں تحریر میں اپنا جواب نہیں رکھتے[2]۔

الغرض سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہُوا کرتا تھا اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کافی تعلقات قائم ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان کو نہایت شوق سے حاصل کرتے تھے۔ مسٹر بلاک مین کلکتہ ریویو میں ظاہر کرتے ہیں کہ :-

"ہندوؤں نے سولھویں صدی عیسوی سے فارسی کی طرف ایسی توجہ کی کہ ایک صدی گزرنے سے قبل وہ اس زبان میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے"

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں زیادہ اتحاد

---

[1] شیخ عبداللہ کا انتقال سنہ ۹۲۲ھ میں ہُوا ہے [2] منتخب التواریخ، ۸۶۔

پیدا ہو گیا تھا اور دوسرے یہ کہ سکندر لودھی نے قصداً ہندوؤں میں یہ مذاق پیدا کیا تاکہ انہیں سلطنت میں انتظامی عہدے دیئے جائیں۔

چنانچہ جب فارسی خواں ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اس نے پہلے برہمنوں سے درخواست کی کہ فارسی سیکھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو چھتریوں سے کہا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اہل سیف، اہل قلم بننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد ویش طبقہ کو توجہ دلائی گئی لیکن اس نے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ آخر کار کائستھوں نے اسے قبول کیا اور قلیل زمانے میں ایسی دستگاہ حاصل کر لی۔ وہ مسلمانوں کے علوم کا درس دینے لگے اور سلطنت میں بڑے بڑے عہدے ان کو ملے۔

سلطان سکندر کے عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت کچھ شامل تھا۔

تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ ارکر مہاویدک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندری کے نام سے ترجمہ کی گئی۔ اور بعد کو اطباءِ ہند نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

بادشاہ کو دیگر فنون و صناعات کے علاوہ جن کے کارخانہ کثرت سے قائم تھے موسیقی کا بھی بہت ذوق تھا۔ وہ دربارِ عام میں تو کبھی گانا سننا پسند نہ کرتا تھا لیکن تنہائی میں اہلِ موسیقی کو اپنا کمال ظاہر کرنے کی اجازت دیتا۔ اس وقت صرف سید روح اللہ اور سید ابن رسول جو مقربان خصوصی میں سے تھے اس کے خیمہ کے قریب ہوتے۔

اسے سُرنا اور شہنائی کا بھی شوق تھا جو دربار میں ۹ بجے شب تک بجائی جاتی تھی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ صرف چار راگنیاں مالی گوڑ (غالباً مالکوس)، کلیان، کانڑا اور حسینی بجائی جائیں۔

عمارات کی طرف بھی اسے خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مہم بلکھات سے

کامیاب واپس آیا تو اُس نے حکم دیا کہ دارالحکومت آگرہ سے لے کر دھولپور تک جابجا باغات اور مکانات تعمیر کرائے جائیں تاکہ شکار سے واپس آنے کے بعد یہاں توقف کیا جائے[1]

پھر علاوہ اس کے خود آگرہ کی رونق و ترقی جس کو اس نے ایک معمولی گاؤں سے بڑے شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے ذوقِ تعمیر آرائشِ شہر و امور رفاہ عام کا کافی ثبوت ہے۔

یہ خصوصیت بھی اسی بادشاہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے عہد میں ایسے ایسے امراء گزرے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائل و عادات اپنے اخلاق و شائستگی، اپنے علم پرستی و ہنر پروری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ داؤدی اور واقعات مشتاقی میں بعض امراء کے مفصل حالات درج ہیں۔

ان میں سے خاص امراء یہ تھے :۔

۱۔ اسد خاں ابن مبارک خاں۔

۲۔ یوسف خلیل

۳۔ خان جہان لودھی، جسے مسند علی حسین خاں کہتے تھے۔

۴۔ میاں زین الدین۔

۵۔ خواص خاں اور

۶۔ میاں معروف فرلی۔

ان کے حالات دیکھنے سے (جو مختصراً ہم نے فٹ نوٹ میں درج کر دیئے ہیں) ایک شخص اچھی طرح معلوم کر سکتا ہے کہ سکندر لودھی کا عہد کیسا عجیب و غریب عہد تھا اور امراء و ارکینِ سلطنت پر خود اس کی سیرت کا کیسا

---

[1] منتخب التواریخ ص۳۰۵۔

زبردست اثر پڑا تھا۔

عہدِ سلطان سکندر کے خاص واقعات میں زلزلۂ آگرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ سنہ ۹۱۱ھ ۳ ماہ صفر کو تمام ہندوستان میں آیا تھا۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ قیامت آگئی ہے۔ اس میں جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ تمام مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

جب بادشاہ بیمار ہوا اور اس نے خیال کیا کہ شاید وہ زندہ نہ رہے گا تو اس نے اپنے مشیرِ مذہبی شیخ لاون دانشمند سے پوچھا کہ قضائے نماز، ترکِ صیام اور شراب خوری وغیرہ کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے؟

شیخ نے تفصیل لکھ کر بھیج دی۔ سلطان نے وقائع نگار سے دریافت کیا کہ اس قسم کے گناہ مجھ سے کتنی مرتبہ سرزد ہوئے ہیں۔ جب اس نے بھی تفصیل لکھ دی تو بادشاہ نے حساب لگا کر حکم دیا کہ اس قدر سونا غرباء کو دیا جائے۔ لیکن خزانۂ شاہی سے ایک پیسہ نہ لیا جائے۔ علماء کو اس پر حیرت ہوئی۔ بادشاہ کے پاس سلاطین و امراء کی طرف سے جو تحائف آتے تھے وہ علیحدہ رکھے جاتے تھے اور ان کا سالانہ حساب تیار ہوتا تھا۔

بادشاہ کا مرض بڑھتا جاتا تھا۔ لیکن وہ امورِ سلطنت سے غافل نہ تھا۔ اور برابر اپنے فرائض انجام دیتا جاتا تھا۔ آخر کار ۷، ذی قعدہ سنہ ۹۲۳ھ (نومبر سنہ ۱۵۱۷ء) کو اس نے انتقال کیا۔

تاریخ خان جہاں لودھی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد لو اس کا جنازہ دہلی گیا اور وہاں ایک باغ میں مدفون ہوا۔

سلطان ابراہیم

۹۲۳ھ تا ۹۳۲ھ
۱۵۱۷ء — ۱۵۲۶ء

سلطان سکندر لودھی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے۔ بڑے کا نام ابراہیم تھا اور چھوٹے کا نام جلال خاں تھا۔ چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امراء کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا اس لئے دہلی کا فرماں روا بنا کے ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء میں ہندوستان کی سلطنت چغتائیہ تیموریہ خاندان میں منتقل کردی۔

سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک سلطنت کی رجس کو فرشتہ نے خدا جانے کس حساب سے بتیس سال تحریر کیا ہے) اور اس کے دورانِ حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ارزانی ہے۔

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ سلطان بہرام کے عہد میں غلہ کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ارزاں تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہ آئیں۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو ارزانی تھی وہ جبر و سختی سے پیدا ہوئی تھی لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ارزاں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

سکندر لودھی کے وقت میں بھی ارزانی بہت تھی لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بہلولی سکہ[1] کا دس من غلہ آتا تھا۔ پانچ سیر گھی اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بہلولی تھی۔

علاوہ ان کے اور تمام اشیاء کی ارزانی کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کا سبب

---

[1] تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر۔

یہ تھا کہ بارش کی موزونی سے دہ چند غلّہ پیدا ہونے لگا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجائے روپیہ کے غلّہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اقطاع کا غلّہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔

ایک معزز آدمی معہ اپنے خاندان کے پانچ تنکہ ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا اور اگر کوئی سوار[۱] دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بہلولی سکّہ اُس کے، اُس کے گھوڑے اور سائیس کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا[۲]

عہدِ سکندر لودھی کا دورِ علمی

فیروز شاہ تغلق کے بعد تیموری یلغار نے اسلامی حکمرانی کی جو حالت کر دی تھی وہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی علمی اداروں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ مگر سیّدوں کے دَور میں کچھ سازگار حالات رونما ہوئے۔ سیاسی حالات نے بھی تبدیلی اختیار کی۔ نئے سرے سے عدل و انصاف کا دَور شروع ہُوا۔ رعایا فارغ البال نظر آنے لگی۔ سکندر نے جو تیموری تہذیب طوفان سے نقصان ملک کو پہنچا تھا اس کی تلافی کی طرف توجّہ کی۔

اس کی علمی سرپرستی اور شاہانہ فیاضی سے علم و ادب کے مُردہ قالب میں از سرِ نو روح پھونک کر اس وقت کے محو شدہ علوم و فنون کو اس قدر فروغ دیا کہ علم و ادب کا جابجا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی اسلامی

---

[۱] اس زمانہ میں سوار کی تنخواہ بیس سے تیس تنکہ تک تھی اور اس سے اس عہد کی خوش حالی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

[۲] تاریخ داؤدی (الیسٹ) اسلامی ہند، ۴ - ۴۷۵، ۴۷۶ -

لسانیات وادبیات میں دلچسپی لینے لگا۔

طبقات اکبری میں ہے :۔

"در عہد فرخندہ او علم رواج یافت و امرا زادگان دولت وسپاہیان بکسب فضل اشتغال نمودند وہندوان بخواندن ونوشتن خط فارسی کہ تاآں زمان درمیان ایشان معمولی نبود پرداختند"۔

(طبقات اکبر شاہی صفحہ ۱۷۱)

حتیٰ کہ ہندوؤں میں فارسی زبان سے اتنا لگاؤ ہو گیا کہ فارسی میں شعر کہنے لگے۔ چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے کہ ایک برہمن جس کا نام ڈونگر مل تھا، نے کہا ہے کہ ؎

دل خوں نشدے چشم تو خنجر نشدے گر

رہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گر

سکندر طبعاً شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کرتا تھا۔ منتخب میں ہے کہ :۔

"خود ہم صاحب طبع بود وگاہ گاہے نظمے بہ تخلص گلرخ زبان روش قدیم ہندوستانیانہ می گفت وصحبت اُو بشیخ جمال الدین رہگذر خوش برآمدہ بود"[1]

سرو یکہ سخن پیرہن وگل بدنستش

روحیست مجسم کہ وراں پیرہنستش

گلرخ چہ کند جوہر دندان ترا وصف

ہم چو در سیراب سخن در دہنستش[2]

سکندر علماء وفضلاء کی حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرتا تھا۔ مصنف تاریخ داؤدی لکھتا ہے :۔

---

[1] منتخب ص۸۶ مطبوعہ نول کشور [2] منتخب التواریخ ص۸۶

"درزمان سلطنت او اکابر ومشائخ وعلماء از ولایت عرب وعجم و از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او بدہلی وآگرہ آمدہ توطن مے کردند"[1]

اخبار الاخیار میں ہے :۔

"زمان دولت سکندر زمان صلاح وتقویٰ دیانت وامانت وحلم ووقار داد اُو را با علماء وصلحاء واکابر واشراف میلے عظم شد ولہذا از اکناف عالم از عرب وعجم بعضے بسابقہ استدعاو طلب وبعضے بے آن درعہد دولت او تشریف آوردہ وتوطن ایں دیار اختیار کردند بالحقیقت محامد زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حد تقریر وتحریر خارج است"

عُلمائے عصر

شیخ جمالی حامد بن فضل اللہ خاں اصلی نام جلال خاں کنبو شیخ سماء الدین کے مرید تھے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین، مثنوی مہرو ماہ، دیوان ، یادگار سے ہیں۔

شیخ اللہ دیا جونپوری، ان کے فرزند شیخ بھکاری، شیخ عبداللہ طلبنی اور عزیزاللہ یہ دربار سکندر سے تعلق رکھتے سب تھے۔ باہمی سکندر ان سے علمی مناظرہ کراتا تھا۔

شیخ عبداللہ طلبنی بن شیخ اللہ داد عثمانی معقول شخص تھا[2] طلبنہ (ملتان) میں اصحابِ درس تھا۔ اس نے دِلّی آکر علم معقول کو فروغ دیا۔ میاں لادن ، جمال خان میاں شیخ میراں، سید جلال الدین بدایونی ارشد تلامذہ سے تھے[3] ۹۲۲ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] تاریخ داؤدی صفحہ ۳۸ ۔

[2] تذکرہ علمائے ہند۔ بدیع المزان شرح میزان منطق تصنیف سے ہیں۔

شاہ جلال شیرازی مصنف گلشن راز، شیخ رزق اللہ دہلوی، شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا فاضل خدا شناس بزرگ تھے۔ ہندی میں راجن ۹۰۸ھ میں وصال ہوا۔ ہندی میں دو رسالہ پیم آہن اور جوت نرنجن مشہور ہیں۔

شیخ عبدالوہاب بن سید احمد بخاری سید جلال بخاری کی اولاد میں سے تھے۔ ملتان سے حجاز حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ واپس دہلی ہوئے۔ سکندر ان کا معتقد ہو گیا۔ ۹۳۲ھ میں وفات پائی۔ ایک تفسیر "دقائق عشق" یادگار سے ہے۔

شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ ملتان سے بہار ان کے والد چلے گئے۔ وہاں یہ پیدا ہوئے۔ پھر جونپور گئے۔ علوم حاصل کئے۔ پھر سکندر کی استدعا پر آگرہ آ گئے ۹۰۹ھ میں انتقال کیا۔ مفتاح الفیض تصنیف ہے۔

میاں بھوخواص خاں کے فرزند امراء سکندری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ میر عدل، صحاب خاص بھی رہے۔ سکندر ان کو بہت چاہتا تھا۔ فاضل عامل تھے معدن الشفاء (طب سکندری) تصنیف کی۔ ابراہیم نے مروا ڈالا۔

محمد بن شیخ ضیاء، تحفۃ السعادت یا فرہنگ سکندری تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۹۱۶ھ میں مکمل ہوئی۔

---

[1] منتخب التواریخ ص ۸۶۔

(١١)

سلاطینِ ہند

(جلد دوم)

جس میں سلاطینِ کشمیر، شاہانِ گجرات، سلاطینِ بہمنیہ، عماد شاہی سلاطینِ قطب شاہی، عادل شاہی وغیرہ کے حالات کے ساتھ شاہانِ مغلیہ، ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے دور تک کے واقعات اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

سلاطینِ کشمیر، گجرات و دکن

بابر اعظم کی آمد پر کشمیر، گجرات اور دکن میں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم تھیں جن کا حال اس جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ مغلیہ حکمرانوں کی اُن سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ آخرش وہ زیر نگیں ہو گئیں۔

عہدِ تغلق میں انتشارِ حکومت

محمد بن تغلق کی سلطنت میں نہ صرف سارا ہندوستان بلکہ تلنگانہ اور دکن کے اضلاع بھی شامل تھے۔ لیکن اُس کی موت سے قبل ہی دُور دراز کے صوبے خود مختار ہونے لگے اور دسویں صدی ہجری شروع ہونے سے قبل اس کے ملک کا بہت بڑا حصہ متعدد خود مختار خاندانوں کی حکومت میں منتقل ہو گیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ گورنران و شاہان بنگال سنہ ۵۹۹ھ تا سنہ ۹۸۴ھ
۲۔ مشرقی شاہان جونپور سنہ ۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء - سنہ ۹۰۵ھ / ۱۵۰۰ء
۳۔ شاہان مالوہ سنہ ۸۰۴ھ / ۱۴۰۰ء - سنہ ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء
۴۔ شاہان گجرات سنہ ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء - سنہ ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء
۵۔ شاہان کشمیر سنہ ۷۳۵ھ / ۱۳۳۴ء - سنہ ۹۹۹ھ / ۱۵۸۷ء
۶۔ فاروقی شاہان خاندیس سنہ ۸۰۱ھ / ۱۳۹۹ء سنہ ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء
۷۔ بہمنی شاہان گلبرکہ سنہ ۷۴۸ھ / ۱۳۴۷ء سنہ ۹۳۳ھ / ۱۵۲۶ء

جب بہمنی خاندان کو زوال ہوا تو حسبِ ذیل پانچ خاندانوں میں حکومت تقسیم ہو گئی۔

۱۔ عماد شاہی (برار) ۸۹۰ھ / ۱۴۸۴ء - ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء

۲۔ نظام شاہی (احمد نگر) ۸۹۶ھ / ۱۴۹۰ء - ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء

۳۔ برید شاہی (بدر) ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء - ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۹ء

۴۔ عادل شاہی (بیجاپور) ۸۹۵ھ / ۱۴۸۹ء - ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۶ء

۵۔ قطب شاہی (گولکنڈہ) ۹۱۸ھ / ۱۵۱۲ء - ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۷ء

بعد کو جب مغلوں کا عہد شروع ہوا تو ہندوستان کی حکومتیں عہدِ اکبر میں اور دکن کی ریاستیں عہدِ اورنگ زیب میں سلطنتِ مغلیہ کا جزو بن گئیں۔

بنگالہ ہندوستان کے مشرقی گوشہ میں بنگالہ ہے۔ بنگال کو بختیار خلجی نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں داخل کیا اور مدت تک وہ دلی کے اسلامی مرکز سے وابستہ رہا لیکن ۷۴۰ھ میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بنگالہ کا مشہور حکمران حاجی الیاس شمس الدین بھنگرہ کا خاندان عرصہ تک وہاں حکمران رہا۔ ۸۱۵ھ میں بادشاہ کے وفات پا جانے پر اس کا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا لیکن کنس نے اس قدر اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ تمام لوگ اس سے دبنے لگے تھے۔ اس سے اُس نے یہ فائدہ اُٹھایا کہ سلطان شمس الدین کے خلاف بغاوت کر کے ۸۱۷ھ میں وہ خود تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں اُس نے مسلمانوں کے ساتھ بڑے مظالم کئے لیکن حضرت نور قطب عالم کے اشارہ سے جب جونپور کا بادشاہ ابراہیم شرقی بنگال کی سرحد پر نمودار ہوا تو راجہ کنس کی آنکھیں کھلیں اور اپنے بیٹے کو حضرت نور قطب عالم کے قدموں میں ڈال کر معافی چاہی۔

راجہ سات سال کے بعد چل بسا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا جیت مل جو شیخ نور کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا ۸۲۳ھ میں جلال الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ لوگ اس کو نوشیرواں ثانی کہنے لگے۔ اس کے عہد میں لوگ

لوگ بڑے فارغ البال رہے۔ شہر پنڈوا آبادی کی کثرت سے اتنا بڑا ہو گیا کہ اُس کے اطراف میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ گوڑ میں بکثرت حوض تالاب، سرائے، مسجدیں، تیار کرائیں اور دوبارہ گوڑ کو بڑے پیمانہ پر آباد کیا۔ علماء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا اُنہیں دُور دور سے بُلا کر آباد کیا۔ تبلیغ الاسلام میں بھی اُس نے بڑی کوشش کی۔ سترہ سال حکومت کر کے ۸۱۲ھ میں وفات پا گیا۔ اُس کا لڑکا احمد شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روش پر چل کر ملک کو خوشحال بنانے میں کافی حصہ لیا۔ اُس نے سولہ برس حکومت کی۔ ۸۳۰ھ میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد پھر حکومت حاجی الیاس کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اس نو مسلم خاندان نے ۴۴ برس حکومت کی۔ اس قلیل مدت میں اُس نے بنگالہ کو آباد کرنے اور ملک میں تمدن کو ترقی دینے میں بہت کوشش کی۔[1]

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ بھی ہے کہ راجہ کے مسلمان ہو جانے سے رعایا پر بھی اثر پڑا اور کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔

بنگال کا دارالحکومت

۱۳۵۰ھ تک فیروز آباد (پانڈو) اس صوبہ کا دارالحکومت رہا۔ اس کے بعد پھر لکھنوتی دارالخلافہ ہو گیا۔ جسے اس سے قبل گور کہتے تھے۔ اس کے بعد یہ فخر ٹانڈہ کو حاصل ہوا۔ بعض گورنران بنگال نے بہار، چٹگام اور اڑیسہ پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

گورنران بنگال کی خود مختاری

جب شاہانِ دہلی کمزور ہو گئے تو گورنرانِ بنگال خود مختار ہو گئے اور کئی خاندان ایسے ہوئے جنہوں نے شاہانہ اختیارات حاصل کر لئے جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

گورنرانِ بنگال

۱۔ محمد بختیار خاں خلجی

---

[1] ریاض السلاطین کلکتہ ص ۱۱۲ و تاریخ فرشتہ جلد چہارم حیدر آباد۔

۲۔ عزیز الدین محمد شیر خاں　　　۳۔ علاء الدین مردان

۴۔ غیاث الدین غوث　　　۵۔ ناصر الدین محمود ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ء

علاء الدین جانی ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء　　　۷۔ سیف الدین ایبک ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء

۸۔ عز الدین طغرل طوغاں خاں ۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء　　　۹۔ قمر الدین تمر خاں قیراں ۶۴۲ھ / ۱۲۴۴ء

۱۰۔ اختیار الدین (مغیث الدین) یوزبک ۶۴۳ھ / ۱۲۴۶ء

۱۱۔ جلال الدین مسعود ملک جانی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء

۱۲۔ عز الدین بلبن ۶۵۷ھ / ۱۲۵۸ء　　　۱۳۔ محمد ارسلان تاتار خاں ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء

۱۴۔ شیر خاں　　　۱۵۔ امین خاں

۱۶۔ مغیث الدین طغرل ۶۷۷ھ / ۱۲۷۸ء

۱۷۔ ناصر الدین بغرا خاں ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء

۱۸۔ رکن الدین کیکاؤس ۶۹۱ھ / ۱۲۹۱ء

۱۹۔ شمس الدین فیروز خاں ۷۰۲ھ / ۱۳۰۲ء

۲۰۔ شہاب الدین بغرا خاں ۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ء (مغربی بنگال)

۲۱۔ غیاث الدین بہادر شاہ ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء (مشرقی بنگال)

۲۲۔ ایضاً ۷۱۹ھ / ۱۳۱۹ء (تمام بنگال)

۲۳۔ ناصر الدین ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء (لکھنوتی)

۲۴۔ بہادر شاہ و بہرام ۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء ۔ ۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء (مشرقی بنگال)

۲۵۔ بہرام شاہ ۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء ۔ ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء

۲۶۔ قدر خاں ۷۲۶ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۴۰ھ / ۱۳۳۹ء (لکھنوتی)

۲۷۔ عز الدین اعظم الملک ۷۲۴ھ / ۱۳۲۳ء ۔ ۷۴۰ھ / ۱۳۹۰ء (ساتا گاؤں)

شاہانِ بنگال

فخرالدین مبارک شاہ ٧٣٩ھ / ١٣٣٨ء (مشرقی بنگال)

اختیارالدین غازی خان ٧٥٠ھ / ١٣٤٩ء - ٧٥٣ھ / ١٣٥٢ء (مشرقی بنگال)

علاءالدین شاہ ٧٤٠ھ / ١٣٣٩ء - ٧٤٦ھ / ١٣٤٥ء (مغربی بنگال)

خاندانِ الیاس

شمس الدین الیاس شاہ ٧٤٠ھ / ١٣٣٩ء - ٧٤٦ھ / ١٣٤٥ء (مغربی بنگال)

میں مصروفِ پیکار رہا۔

مغلوں کا اثر بنگال میں ہمایوں، بنگال پر ٩٤٤ھ سے ٩٤٦ھ تک قابض رہا، لیکن جب ٩٤٦ھ میں شیر شاہ نے مغلوں کو شکست دی تو پھر یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور یہ حالت اُس وقت تک قائم رہی جب تک ٩٨٢ھ میں بہار کو اکبر نے فتح نہیں کر لیا اور ٩٨٤ھ / ١٥٧٦ء میں مغلوں کا اثر بنگال میں عام نہیں ہو گیا۔

شمس الدین الیاس شاہ ٧٤٦ھ / ١٣٤٥ء (مغربی بنگال)

ایضاً ٧٥٣ھ / ١٣٥٢ء - ٧٥٩ھ / ١٣٥٨ء (تمام بنگال)

سکندر شاہ بن الیاس ٧٥٩ھ / ١٣٥٨ء - ٧٩٢ھ / ١٣٨٩ء

غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ ٧٩٢ھ / ١٣٨٩ء ١٣٧٠ء میں بغاوت کی اور ١٣٨٩ء میں حکومت پر قابض ہو گیا۔

سیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم شاہ ٧٩٩ھ / ١٣٩٦ء

شمس الدین حمزہ ٨٠٩ھ / ١٤٠٦ء

خاندانِ راجہ کنس

شہاب الدین بایزید شاہ (بمعیت راجہ کنس) ٨١٢ھ / ١٤٠٩ء

جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کنس ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء
شمس الدین احمد شاہ بن محمد ۸۲۵ھ ۱۴۲۱ء
سیف الدین فیروز شاہ اول ۸۹۲ھ ۱۴۸۶ء
ناصر الدین محمود شاہ ثانی بن فتح شاہ (خاندان الیاس) ۸۹۵ھ ۱۴۸۹ء
شمس الدین ابو النصر مظفر شاہ ۸۹۶ھ ۱۴۹۰ء

خاندانِ حسین شاہ

علاء الدین حسین ۸۹۹ھ ۱۴۹۳ء

کشمیر ۷۰۵ھ میں کشمیر کا راجہ سینہ دیو تھا جو پشت در پشت کشمیر پر حکومت کرتا آتا تھا۔ اس کے عہد میں ایک شخص شاہ میر نامی فقیر وں کے لباس میں وارد کشمیر ہوا جس کا باپ طاہر نو مسلم تھا۔ وہ اپنا حسب نامہ ارجن تک ملاتا تھا جو مہابھارت کا مشہور ہیرو ہے۔ شاہ میر نے راجہ کی ملازمت کر لی۔ راجہ کے مرنے پر اُس کا لڑکا "رنجن" راجہ ہوا۔ اس نے شاہ میر کو وزیر بنا لیا۔ پھر رنجن کے مرنے پر راجہ اودن جو اُس کا رشتہ دار تھا قندھار سے آکر کشمیر پر قابض ہو گیا۔ ۷۲۲ھ میں وہ بھی چل بسا۔

اس عرصہ میں وزیر اور اُس کا خاندان طاقت ور ہو گیا تھا۔ رانی نے چاہا کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔ اس لئے وزیر سے اختیارات واپس لینے کے لئے اس کو جنگ کرنی پڑی۔ لیکن وہ شکست کھا کر قید ہو گئی اور اس نو مسلم وزیر نے اُس سے شادی کر لی اور وہ شمس الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔ محمد اعظم نے واقعاتِ کشمیر میں جو ۱۱۴۸ھ میں لکھی گئی ہے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ کشمیر کا ہندو راجہ "رنجو" دینِ حق کا جویا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ ایک مسلمان بزرگ ملیل شاہ کو دست بدعا اور سر بسجود دیکھا اور اُن کا عقیدت مند ہو کر مع اہل و عیال اور امراء و وزراء کے مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ میں پیش آیا۔ اُس نے

مسلمان ہوکر اپنا لقب صدرالدین اختیار کیا۔ اس کے خاندان میں کئی بادشاہ وارث تخت ہوئے ۔ ۸۲۶ھ میں علی کے انتقال کرنے پر شاہی خان نے سلطان زین العابدین کے نام سے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا۔ یہ کشمیر کا سب سے ہردلعزیز بادشاہ ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے نومسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آسکتا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر نئے دین پر قائم رہے۔ اس کے قوانین، اس کا تدبر، اس کی سیاست اس عہد کے لئے ایک نمونہ تھی۔ علم وفن اور صنعت وحرفت کو اس نے بڑی ترقی دی۔ بہت سے نئے گاؤں اور شہر آباد کئے۔ بہت سی نئی عمارتیں بنائیں۔ اس کے انصاف کے سبب رعایا امن سے سوتی تھی۔

کشمیر پر ان نومسلم خودمختار بادشاہوں نے دو سو برس سے زیادہ حکومت کی۔ اس عرصہ میں انہوں نے ملک کو ترقی دینے میں جو کوشش کی تاریخ زبان حال سے اس کو آج تک دہرا رہی ہے۔ انہوں نے زراعت کے لئے زمینداروں کے ساتھ جو رعایت کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چپہ بھر بھی زمین خالی نہ رہی اور کاشتکار خوشحال ہوگئے۔ باغوں پر بھی انہوں نے کافی توجہ دی اور بکثرت باغ لگائے۔ عمارتیں کافی تیار کرائیں۔ ڈل پر جو عمارت تیار کی گئی وہ عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ قوانین بھی اچھے اچھے جاری کئے۔ دوسرے ملکوں کے سفیر بھی آتے رہتے تھے۔ مثلاً سمرقند، خراسان، مکہ معظمہ، مصر اور گیلان کے علاوہ ہندوستان کے بادشاہوں سے بھی مراسم دوستانہ تھے۔[1]

سلاطینِ کشمیر

شمس الدین | شاہ حسین

[1] تاریخ فرشتہ وطبقات اسلامیہ جلد سوم۔

شاہ جمشید	محمد شاہ
علاء الدین	فتح شاہ
شہاب الدین	ابراہیم شاہ
قطب الدین	نازک شاہ
سکندر	شمس الدین محمد شاہ
علی شاہ	اسمٰعیل شاہ
سلطان زین العابدین	حبیب شاہ
شاہ حیدر حاجی خاں	حسین شاہ
یوسف شاہ	علی شاہ
غازی شاہ	حکومت مغلیہ سنہ ۹۹۰ھ تا سنہ ۹۸۰ھ

گجرات

نومسلم سلاطین کے سب سے نامور خاندان نے گجرات پر حکمرانی کی ہے ان کا نام آل مظفر تھا۔ اُن کی تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۷۷۶ھ میں فیروز شاہ تغلق گجرات میں شکار کھیل رہا تھا کہ اچانک اپنے لشکر سے جُدا ہو کر رات کے وقت تھنیر ضلع تھانسرہ پہنچا۔ وہاں کے پٹیل سہارن نامی نے شب باشی کا انتظام کیا۔ بادشاہ صبح کو حسن خدمت کے عوض میں سہارن اور اس کے بھائی سادھو دونوں کو ساتھ لے کر جب دہلی پہنچا تو سہارن کو آبداری کے عہدہ پر ممتاز کیا۔

فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ نے سنہ ۷۹۳ھ میں سہارن کے لڑکے ظفر خاں کو گجرات کا ناظم بنا کر بھیجا۔ اُس نے بدامنی کو دور کر کے چند سال میں اپنی حکومت مضبوط کر لی۔ سنہ ۸۰۶ھ میں اس کے لڑکے محمد شاہ تاتار خاں نے دہلی فتح کرنا چاہا لیکن راستہ ہی میں مر گیا۔ سنہ ۸۱۰ھ میں ظفر خاں نے مظفر شاہ لقب سے گجرات کا خود مختار بادشاہ بن کر دہلی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ سنہ ۸۱۳ھ میں اُس کے مرنے پر

احمد شاہ اس کا پوتا بادشاہ ہُوا۔ اس نے پٹن کو چھوڑ کر احمد آباد کی بنیاد رکھی اور اسی کو پایۂ تخت بنایا۔ قلعہ اور محلات کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد تیار کی جو آج تک موجود ہے۔ ۸۴۶ھ میں اس کا لڑکا محمد شاہ ثانی تخت نشین ہُوا۔ یہ بڑا فیاض تھا اسی لئے اس کو "زر بخش" کہتے تھے۔ اسی نے احمد شاہ اور شیخ احمد کھٹو کے مقبرے تیار کرائے۔ گجرات میں ایک ہی خاندان کی حکومت پونے دو برس رہی۔ اس عرصہ میں گجرات نے ہر صورت سے ترقی کی۔ اُن کا پایۂ تخت احمد آباد اور چاپانیر رہا۔ ان بادشاہوں نے بہت سے گاؤں اور شہر بسائے۔ سلطان پور، احمد نگر، محمود آباد، مظفر آباد (کیتانیہ) دولت آباد (بڑودہ) اس زمانہ میں آباد ہوئے۔ احمد آباد میں پتھر کی عمارتیں بکثرت بنائی گئیں۔ خاص کر بعض مسجدیں اس کاریگری سے تیار ہوئیں کہ اُس کے ایک مینار کو ہلانے سے دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا ہے۔ میں نے اس مینار کو خود دیکھا ہے۔ اسی طرح کھجوریا مسجد بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ مقبرے، مدرسے، حمام اور سرائیں کثرت سے بنیں جن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

سلاطینِ گجرات عالموں اور صوفیوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے ملکوں سے بڑے محدثین اور فقہاء، مشائخ اور علماء باکمال گجرات میں آکر آباد ہو گئے اور تمام عمر توسیع علوم وفنون میں رہ کر اسی جگہ پیوندِ خاک ہوئے۔ محمود اول کے زمانے میں قاضی اور محتسب برملا بادشاہ کو ٹوکتے اور اُن کا احتساب کرتے۔ مظفر حلیم مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا ہوتا۔

مولانا رکن الدین شکر گنج، شیخ کھٹو، قطب عالم شاہ عالم ماہ عالم، شمع بُرہانی جیسے مشائخ کبار اسی زمانہ میں تھے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی، شاہ وجیہ الدین گجراتی، عماد الدین طارمی اس زمانہ کے بہترین علماء میں سے تھے۔

اس عہد میں بے شمار کتابیں ہر علم وفن کی تصنیف اور ترجمہ کی گئیں۔ زراعت کے لئے بڑی تعداد میں تالاب کھدوائے گئے جن میں سے اکثر اب بھی موجود ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مظفر شاہ ثانی کے عہد میں کوئی جگہ خالی پڑی نہیں ملتی تھی۔ آم

اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لگائے۔ درختوں کی کثرت سے احمد آباد کا شہر باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ احمد آباد کے پاس جو کئی میل کا باغ لگایا تھا اُس کا نام "باغ فردوس" رکھا۔ ایرانی طرز کی چمن بندی گجرات میں بہت عام ہوگئی تھی۔ عام طور پر بادشاہ سخی ہوتے تھے۔ اُن کی سخاوت سے خاص کر قحط کے زمانہ میں بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اکثر سلاطین گجرات کو عدل وانصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ضرورت کے وقت بادشاہ خود بھی تحقیقات کرتا۔ غیر ممالک سے اُن کے تعلقات خوشگوار رہے۔ جونپور، دہلی، بنگالہ، کشمیر، ایران، روم، مصر اور یورپ کے سفیر تحفے لے کر اُن کے دربار میں حاضر ہوتے۔

مصر میں جب تک عباسی خلافت قائم رہی سفیر کئی بار آئے اور گئے۔ آصف خاں، افضل خاں، عماد الملک، ملک شعبان، خداوند خاں جیسے لائق وزیر اسی زمانہ میں تھے۔ فوجی قابلیت یہاں کی خاص قوموں میں فطری تھی۔ اسی سبب سے یہاں کی فوجی طاقت ہمسایہ سلطنتوں سے زیادہ رہی۔ ہندوؤں کو فوجی اور ملکی عہدے ملتے تھے۔ احمد شاہ اوّل کے دور میں نائب وزیر محمد شاہ ثانی کے عہد میں وزیر مال محمود اوّل کے زمانے میں رائے رایان امیر، بہادر شاہ کی فوج میں سپہ سالار اور قلعہ دار ہندو تھے۔ دکن کے بعد توپ کا استعمال بھی سب سے پہلے گجرات ہی میں ہوا۔ فوجی بھرتی کا قاعدہ موروثی تھا۔ ابتداء میں تنخواہ نقد ملتی تھی لیکن احمد شاہ نے نصف نقد اور نصف جاگیر (زمین) مقرر کی۔

مظفر دوم کے عہد میں زراعت کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ جانوروں کا چرنا بھی مشکل ہوگیا۔ ناچار گاؤں میں چرائی کے لئے چراگاہیں الگ بنانی پڑیں۔ بحری تجارت کو اس قدر ترقی ہوگئی تھی کہ ۸۴ بندرگاہیں گجرات کے ماتحت تھیں۔ یہاں ہر موسم میں ملکی اور غیر ملکی جہاز کھڑے رہتے تھے۔ ایران، عراق، یمن، حبش، عرب اور مصر کے تاجر موجود تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں گجرات کا بحری بیڑہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس وقت ہندوستان میں کسی کے پاس نہ تھا۔

---

[1] (مرآۃ سکندری بمبئی۔ تاریخ فرشتہ جلد چہارم۔ حیدرآباد و طبقات اکبری سوم کلکتہ)

شاہانِ گجرات

ظفرخاں مظفرشاہ اول	۷۹۹ھ	ناصر خاں محمود دوم	۹۳۲ھ
احمد شاہ اول	۸۱۴ھ	بہادر شاہ	۹۳۲ھ
محمد شاہ	۸۴۶ھ	میراں محمد شاہ فاروقی	۹۴۳ھ
قطب الدین	۸۵۵ھ	محمود شاہ سوم	۹۴۴ھ
داؤد شاہ	۸۶۳ھ	احمد شاہ دوم	۹۶۱ھ
محمد شاہ اوّل بیکرہ	۸۶۳ھ	جبیب مظفر شاہ سوم	۹۶۹ھ
مظفر شاہ دوم	۹۱۷ھ	سلاطینِ مغلیہ	۹۸۰ھ
سکندر شاہ	۹۳۲ھ		

دکن کے بہمنی دکن کی سب سے بڑی اور پہلی سلطنت کا نام بہمنیہ ہے۔ بہمنیہ کیوں کہلاتے ہیں؟ مؤرخوں نے اس کی کوئی معقول توجیہ اب تک پیش نہیں کی۔ بہمنی سلاطین کے درباری مؤرخوں نے اس باب میں اس خصوصیت کا اظہار کیا ہے جو عجمی مؤرخوں کا خاصہ ہے۔ یعنی اپنے ممدوحوں کو اعلیٰ نسب اور پُرانے ایرانی سلاطین کی نسل ظاہر کر کے اُن کے لئے سلطنت کا پیدائشی حق ثابت کرنا۔ انھوں نے لفظ بہمن کے شاعرانہ ضلع جگت اور مناسبات کی بناء پر ان کو بہمن بن اسفندیار کی نسل بتلا کر کلاہ کیانی اُن کے سروں پر رکھا اور کبھی جام جم سے اُن کی محفلوں کو سجایا ہے۔ یہ اس قسم کی لفظی غلطی ہے جیسے سندھ اور کچھ کے جام لقب کے راجاؤں کو جمشید ایران سے نسبت دینے کی کی گئی ہے۔ علامہ سید سلمان ندوی ؒ نے جو تحقیق کی ہے اور سلاطینِ بہمنیہ کی اصلیت کی تلاش کی کوشش کی اس کا خلاصہ پیش ہے۔

" سلطنت بہمنیہ کے بانی کا نام قبل از سلطنت اُس کے ہم عصر دہلوی مؤرخین سراج عفیف اور ضیاء برنی نے ہر جگہ حسن گانگو لکھا ہے (ملاحظہ ہو فیروز شاہی

سراج عفیف مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۲۴۲، ۲۶۱، ۲۶۲ ضیاء برنی مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۵۱۵ و ۵۲۰)

عصامی نے فتوح السلاطین میں حسن کا نام بہمن بتلایا ہے۔ کہتا ہے :۔

بہ سیرت فریدوں و بہمن بنام شدہ کینتش بوالمظفر مدام

میری تحقیق میں حسن کا دوسرا نام بہمن کبھی نہ تھا بلکہ وہ یہ لقب ہے جس کو سلطنت کے بعد اُس نے اختیار کیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کے فارسی ناموں کا رواج اس زمانہ میں بھی تھا جیسا کہ خود حسن کے داماد کا نام بہرام خاں تھا مگر صحیح یہی ہے کہ یہ لقب اُس نے سلطنت کے بعد اختیار کیا ہے اور اس کی صحیح صورت وہی ہے جو اُس کے کتبوں اور سکوں پر ہے۔ اُس کے سکوں اور کتبوں پر یہ خطابات کندہ ملے ہیں جیسا کہ باغ عامہ حیدر آباد دکن کے عجائب خانہ میں ایک پتھر بھی نظر آتا ہے :۔

"سکندر ثانی بہمن الخلافت ناصر امیر المومنین السلطان الاعظم علاء الدنیا والدین ابوالمظفر بہمن شاہ السلطان حسن"

اس کا اصلی نام ہونا یقینی ہے جس کی نسبت سے گلبرگہ کا حسن آباد نام رکھا گیا ہے کانگو یا گانگو اس کے نام کا دوسرا جزو بھی اس کے ہم عصر مؤرخین کے بیان سے ثابت ہے اور بہمن نہیں بلکہ بہمن شاہ کی صورت میں اس کا یہ لقب سکوں اور کتبوں میں موجود ہے اس لئے اس کا پورا لقب "حسن گانگو بہمن شاہ" تھا جیسا کہ فرشتہ نے تینوں کو یکجا کر کے لکھا ہے۔ ان میں سے گانگو اسلامی نام نہیں۔ پھر حسن کے ساتھ گانگو کا جوڑ کیا ہے؟ فرشتہ کا بیان ہے کہ گانگو پنڈت اصل میں ایک دکھنی برہمن کا نام تھا۔ یہ پہلا برہمن ہے جس نے کسی مسلمان کی نوکری اختیار کی۔ یہ علمِ نجوم اور جوتش میں ماہر تھا۔ اس نے دکن سے دلی آکر شہزادہ محمد تغلق کی نوکری اختیار کی اور جاہ و منصب پیدا کیا اُسی زمانہ میں حسن نام ایک غریب و بدحال شخص دلی آکر گنگو برہمن کے پاس پہنچا۔ برہمن نے اُسے ہل بیل دے کر دلی کے پاس کسی کھیت کے جوتنے پر نوکر رکھ لیا۔ حسن نے کھیت میں ہل چلایا تو ہل کسی بھاری چیز سے ٹکرایا۔ اُس نے اس کو نکالا تو ایک بڑا خزانہ پایا۔ حسن نے یہ پورا خزانہ جوں کا توں گنگو برہمن کے سامنے لاکر

پیش کر دیا۔ برہمن کو اس کی دیانت داری اور ایمان داری پر بہت تعجب ہُوا اور اس کا ذکر اس نے شہزادہ محمد تغلق سے کیا۔ شہزادہ نے اس کی تعریف بادشاہ وقت غیاث الدین تغلق سے کی۔ غیاث نے خوش ہو کر اس کو اپنے امیران صدہ میں شامل کر لیا۔ گانگو برہمن کو حسن کے زائچہ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایک دن بادشاہ ہو گا۔ چنانچہ اُس نے حسن سے یہ شرط منظور کرائی کہ جب اللہ تم کو سلطنت دے تو میرا نام اپنے نام کا جزو بنانا اور سرکاری دفاتر کا سارا اہتمام مجھ کو اور میری اولاد کو نسلاً بعد نسل سپرد کرنا۔ حسن نے دونوں شرطیں قبول کیں۔ چنانچہ اسی وقت سے اُس نے اپنا نام حسن گنگو بہمنی قرار دیا اور سلطنت کے بعد اپنے تمام سرکاری دفاتر کا کام گنگو برہمن کے سپرد کر دیا۔

اب اس کے بہمن نام کی توجیہ سُنئے۔ اس کے مداح مؤرخوں نے اس بہمن کو بہمن بن اسفندیار سے ملایا ہے۔ جیسا کہ تحفتہ السلاطین یا فتوح السلاطین، سراج التواریخ اور بہمن نامہ میں مذکور ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مجھے خود بھی بہمن سلاطین کے حسب و نسب کی بڑی تلاش تھی۔ اتفاقاً احمد نگر کے کتب خانہ میں ایک قلمی رسالہ اس بحث پر ملا۔ جس میں بہمن سلاطین کا پُورا نسب نامہ درج تھا جو حسبِ ذیل ہے :-

> حسن بن کیکاؤس بن محمد بن علی بن حسن بن سیام بن سیمون بن سلام بن ابراہیم بن شپلور بن فرخ بن شہریار بن عاد بن سیبد بن مملک داؤد بن ہوشنگ بن نیک کردار بن فیروز بخت بن نوح بن صانع اور صانع چند واسطوں سے بہرام گور کی اولاد تھا اور بہرام گور ساسان کی نسل سے تھا اور ساسان بہمن بن اسفندیار کی نسل سے تھا۔

یہ نسب جیسا کہ اس کی ترتیب سے ظاہر ہے سراسر جعلی ہے۔ یہ نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی ہے بلکہ بے جوڑ ناموں کا انمیل سلسلہ ہے۔ خود فرشتہ بھی اس کی صحت کا قائل نہیں اور اس نے اپنے اسی نظریہ کو جو گنگو برہمن کی حکایت پر مبنی ہے ترجیح دی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حسن کی قومیت اور قبیلہ کے باب میں تمام مؤرخین خاموش ہیں لیکن فرشتہ کے قلم سے ایک جگہ ایک فقرہ نکل گیا ہے جو یہ ہے :-

"علی شاہ خواہر زادہ منظفر خاں علائے کہ از امیران صدہ بود و از دولت آباد جہت تحصیل مال سلطانی بگلبرگہ رفتہ بود چوں آں حدود از عمال خالی دید برادران خود را کہ یکے از آنہا حسن گانگوی بود یکجا جمع کردہ"۔
(صفحہ ۱۲۸/ ا نولکشور)

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر خاں جو سلطان علاءالدین خلجی کا مشہور سپہ سالار تھا اس کا بھانجا علی شاہ تھا اور اُس کے بھائیوں میں سے حسن گانگو تھا۔

۱۔ لیکن اس فقرہ میں کسی غلطی کا واقع ہونا مجھے نظر آتا ہے۔ اگر فرشتہ کو واقعۃً اس کے اس خاندان کا علم تھا تو اُس کے نسب کی تحقیق کے موقع پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

۲۔ اس کے نہ ماننے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے بعد ہی یہ ہے کہ علی شاہ مع برادران قید ہو کر سزائے قتل کو پہنچے۔

اب اگر حسن اُس کے بھائیوں میں سے ہوتا تو وہ بھی قتل ہو چکا ہوتا۔ فرشتہ کا یہ بیان اس وقت اور بھی مشتبہ ہو جاتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے اس بیان کا ماخذ برنی کی فیروز شاہی ہے۔ لیکن اس واقعہ کے ذکر میں یہ فقرہ کہ حسن گانگو علی شاہ کا بھائی تھا اس میں مطلقاً موجود نہیں۔ عبارت یہ ہے :۔

"فتنہ علی شاہ کہ خواہر زادۂ ظفر خاں علائی کہ امیر صدہ قتلغ خاں بود ظاہر شد۔ علی شاہ مذکور از دیو گیر بہ تحصیل گلبرگہ رفتہ بود۔ آں طرف را از سوارہ و پیادہ و مقطعان و والیان خالی دید۔ برادران خود را با خود یار کردہ ..... سلطان علی شاہ باغی غدار را با برادر آں دست راست دادہ از حصار فرود آوردہ ..... سلطان محمد علی شر برادران او را در غزنین فرستاد و ایشاں از آنجا باز آمدند و ہر دو برادر را در پیش و اخول سیاست نمودہ"۔ (ص ۴۸۹)

مجھے خیال ہُوا فرشتہ کی عبارت میں کچھ کتابت کی غلطی ہے "برادران خود را" کی جگہ

سرداران خود را ہو گا۔ اس غرض کے لئے میں نے فرشتہ مطبوعہ بمبئی کا قدیم نسخہ اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ایک قلمی نسخہ دیکھا سب میں برادران ہی لکھا پایا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گا کہ حسن کے ساتھ گانگو نام اور بہمن شاہ لقب کی کوئی صحیح (توضیح) توجیہہ تک اب تک میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

بہمن شاہ لقب اور دکھن کے برہمنوں کے ساتھ اتحاد سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس نے نسبی طور سے نہیں تو سیاسی طور سے دکھنی برہمنوں کو ضرور اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا اور اسی کی علامت کے طور پر اُن کے خوش کرنے کے لئے اس نے اپنا خطاب بہمن شاہ یعنی برہمنوں کا بادشاہ مقرر کیا تھا جیسا کہ اس کے کتبوں اور سکوں میں کندہ ملتا ہے۔

لفظ بہمن وہی مشہور لفظ برہمن ہے، شمالی ہند میں اس کا تلفظ بھمہ بن برہمن ہے اور اس کی جمع براہمہ اور دکن میں اس کا عام لفظ بہمن ہے اور اس کی جمع بھامنہ بولی جاتی ہے۔ چنانچہ فرشتہ میں لفظ کی یہ دونوں شکلیں ایک ساتھ ملتی ہیں۔

"اول کسے کہ از فرقہ براہمہ در دور اسلام نوکری قبول کرد۔ گانگو پنڈت بود تاحال کہ ۱۰۱۶ھ است بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایاتِ ایشاں بہ بھامنہ مرجوع است۔"

(صفحہ ۲۷۸ نولکشور)

اس عبارت میں شمالی ہند کے تعلق سے براہمہ کہا گیا ہے اور جنوبی ہند کے تعلق سے بھامنہ۔ بہمن شاہ یعنی بر برہمن شاہ ویسی ہی ترکیب ہے جیسے کابل شاہ ہندو شاہ، شیروان شاہ، خوارزم شاہ جو مشہور بادشاہوں کے خاندانی نام ہیں۔ یہ تو بہمن شاہ کی ایک لگی ہوئی توجیہہ ہے مگر گانگو نام کی توجیہہ کا جو شروع ہی میں اس کے نام کا جز ہے جیسا کہ سراج عفیف اور ضیاء برنی کے حوالوں سے ثابت ہے ابھی تک حل نہ نکل سکا۔

بہرحال بہمن شاہیہ اگر نسل سے ہندو نہ ہوں تاہم انھوں نے وجے نگر کے ہندو لدجاؤں کی بیٹیوں کو قبول کیا تھا مگر اُن سے نسل کا چلنا ثابت نہیں ہوتا۔ بہمنیہ سلطنت

کے ختم ہونے پر اُس کی خاک سے پانچ چھوٹی بڑی سلطنتیں پیدا ہوئیں جن میں تین نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی ہیں۔

سلاطینِ بہمنیہ

حسن گانگو علاء الدین ظفر خاں	۷۴۸	علاء الدین احمد شاہ دوم	۸۳۸
محمد شاہ اوّل	۷۵۹	عبدالدین ہمایوں شاہ	۸۶۲
مجاہد شاہ	۷۷۶	نظام شاہ	۸۶۵
داؤد شاہ	۷۸۰	محمد شاہ دوم	۸۸۷
محمود شاہ اول	۷۸۰	احمد شاہ سوم	۹۲۴
غیاث الدین	۷۹۹	علاء الدین شاہ	۹۲۷
شمس الدین	۷۹۹	ولی اللہ شاہ	۹۲۹
تاج الدین فیروز شاہ	۸۰۰	حکم اللہ شاہ	۹۳۲
احمد شاہ اول	۸۲۵	خاندانِ دکن	۹۳۳

نظام شاہی نظام شاہی سلطنت کا بانی نظام الملک بحری تھا۔ یہ خالص دکھنی ہندو نسل سے تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کا ہندو نام تیما بھٹ اور باپ کا نام بھرلو تھا۔ اس کا اسلامی نام حسن رکھا گیا اور بعد کو بھرلو بحری بنایا گیا اور حسن بحری کے نام سے مشہور ہوا۔ (فرشتہ ۲ صفحہ ۱۸۰ وطبقات اکبری ۳ صفحہ ۶۷) فرشتہ کا بیان ہے :۔

"از بہامنہ معتبر دولت خانہ نظام شاہیہ شنیدم کہ پیش از سلطنت نظام شاہ بحری بہ چندیں سال اجداد نظام شاہیہ از براہمیہ پرگنہ پاتری در قدیم الایام تعلق آبا و اجداد داشتہ بودند بہ تقریب تغیر مکان کردہ بولایت بیجانگر رفتہ بودند دراں حدود بسر می بردند"

اسی تعلق کی بناء پر برُہان نظام شاہ نے اس پرگنہ پر قبضہ کر کے اپنے خاص گاؤں

کو اپنے ہندو برہمن عزیزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ فرشتہ کی شہادت ہے :-

"برہان نظام شاہ آں پرگنہ را بقبض خویش در آوردہ موضع موروث بہ برہمنہ خویش و قرابت خود کہ زملیں کفرہ بودند بطریق انعام عنایت فرمودہ"

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل وطن موضع پاتری تھا جہاں اس کا خاندان آباد تھا۔

یہ بیجانگر کے ایک برہمن کا لڑکا تھا۔ سلطان احمد شاہ بہمن نے اس کو ذہین دانشمند اور حساب کتاب میں ماہر پایا اس لئے اس کو بھی شہزادوں کے ساتھ مکتب میں بٹھا دیا اور فارسی کی تعلیم دلوائی پہلے وہ شمشیر شکار کے عہدہ پر فائز ہوا۔ پھر نائب وزیر بنایا گیا۔ سلطان محمود بہمنی کے عہد میں خواجہ جہان محمود گاوان کے مرنے کے بعد وزیر کل ہوا۔ اس کا لڑکا احمد باپ کی جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔ نظام الملک کے مرنے پر اس نے سلطنت کو اس خوبی سے چلایا کہ اس کی کوئی کل ڈھیلی نہ رہنے دی۔

محمود بہمنی کے وزیر کو شکست دے کر سنہ ۸۹۵ھ میں ایک باغ اس فتح کی یادگار میں لگایا اور اپنا نام نظام شاہ رکھا۔ سنہ ۹۰۰ھ میں دولت آباد کے مقابل ایک نیا شہر احمد نگر کے نام سے بسا کر اس کو بنایا۔ اس سے قبل جنیر اُن کی راجدھانی تھی۔ چند ہی سال میں یہ شہر بڑا آباد اور بارونق بن گیا۔ باغ نظام کو قلعہ نما تیار کرایا اور مختلف محلوں کو رنگین کانچ کے ذریعے دلکش تصویروں سے آراستہ کرایا۔ دولت آباد فتح کر کے کالنہ اور ریکلانہ کو مطیع کیا۔ سنہ ۹۱۴ھ میں اس نے وفات پائی۔

اس کا لڑکا برہان نظام شاہ کم سن تھا اس لئے سارے اختیارات پر اس کے وزیر کمل خاں کا قبضہ ہو گیا۔ سنہ ۹۲۴ھ میں اس نے پاتری کو جو اس کے باپ دادوں کا اصلی وطن تھا فتح کر لیا۔ سنہ ۹۲۸ھ میں ایک شیعہ بزرگ شاہ طاہر کے اثر سے اُس نے شیعی مذہب اختیار کیا اور اسی کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ سنہ ۹۳۵ھ میں

بہادر شاہ گجراتی سے جنگ میں شکست کھا کر خراج دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر اُس کے وزیر کنور سین نے مرہٹوں سے لڑ کر ۳۲ قلعے چھین لئے۔ ۹۶۱ھ میں سلطان دنیا سے کوچ کر گیا۔

حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر پہلے تو خانہ جنگی کا خاتمہ کیا۔ پھر پرتگیزوں کو اپنا مطیع بنایا۔ ۹۷۲ھ میں نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی سے عادل شاہ (بیجاپور) کا نکاح ہوا۔ ۹۷۲ھ میں دکنی فوجوں کے ساتھ تالی کوٹ کی جنگ میں شریک ہوا اور وجیا نگر کا راجہ "رام راج" کا خاتمہ کر کے جب واپس آیا تو خود بھی دُنیا سے کوچ کر گیا۔ نظام شاہی سلطنت کی عمر صرف ڈیڑھ سو برس رہی۔ اُن کا پایۂ تخت احمد نگر تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے محل بنائے۔ ان میں شیش محل خاص شہرت رکھتا تھا۔ باغ بکثرت لگائے۔ باغوں کی کثرت کے باعث ملک بہشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ صلابت خاں اور خواجہ جہان دکنی جیسے وزیر اسی زمانہ میں تھے اُن کا علمی دربار بھی بڑا بارونق تھا۔ ملا پیر محمد طاہر شاہ، ملا ظہوری، ملک قمی جیسے اہلِ علم اور شاعر اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ رعایا کا مذہب سُنی مہدوی تھا اور حکمران شیعہ تھے۔ غیر ملکیوں سے بھی اُن کے تعلقات اچھے تھے اور ایک دوسرے کے سفیر اچھے تحفوں کے ساتھ آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ ایران سے اسی عہد میں واپس آیا اور ملکی و غیر ملکی جھگڑے البتہ اکثر ہوتے جس نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔ عورتیں بھی سیاست میں حصہ لیتی تھیں۔ دکن کی مشہور ملکہ چاند بی بی سلطانہ اسی خاندان سے تھی۔ اس کی فوجی طاقت بھی کسی سے کم نہ تھی۔ یہ سلاطین بڑے جنگجو تھے۔ عادل شاہی اور برار کے ساتھ ہمیشہ جنگ کرتے رہتے۔

احمد شاہ نظام کو کشتی کا بڑا شوق تھا۔ یہی مذاق رعایا کا ہو گیا تھا اسی لئے یہاں بک بکی (ڈوئل) کا بڑا رواج تھا۔ علماء تک اس سے محفوظ نہ تھے۔ آخر زمانہ میں ملک عنبر حبشی نے جنگ کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کو جنگ کریزبا (قزاقانہ جنگ) کہتے ہیں یعنی گوریلا وار۔ اُس فوج میں مرہٹے زیادہ تھے۔ اسی سبب سے

مرہٹوں کو اس لڑائی کی بڑی مہارت ہو گئی۔ سیواجی کو تو یہ طریقہ اس قدر پسند آیا کہ عمر بھر اسی طریقہ پر لڑتا رہا۔ صلابت خاں کے وقت میں تجارت کو بھی اچھی ترقی ہوئی۔ مگر جنگ اور خانہ جنگی کے سبب زراعت وصنعت پر کافی توجہ نہ ہو سکی [۱]

عماد شاہی

دکن کی دوسری سلطنت جو بہمنیہ کے ایک گوشہ میں قائم ہوئی تھی عماد شاہی ہے۔ عماد شاہی سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے۔ یہ بیجانگر کے ہندو کا لڑکا تھا۔ بچپن میں گرفتار ہو کر سپہ سالار خان جہان کے غلاموں میں داخل ہوا۔ اُس کی وفات پر سلاطین بہمن شاہی کے غلاموں میں داخل کر لیا گیا۔ محمود بہمن شاہ کے عہد میں خواجہ محمود گاواں وزیر مملکت کی عنایت سے اس کو عماد الملک کا خطاب ملا اور برار کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ ۸۹۰ھ میں وہ خود مختار ہو گیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا علاء الدین عماد شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے اسماعیل عادل شاہ کی لڑکی سے شادی کر کے اپنی قوت کو ترقی دی۔

بُرہان نظام شاہ نے اُس کے دو قلعے دبا لئے تھے اُس کے لئے بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ شکست پا جانے پر خاندیس کے حاکم کے ذریعہ مدد کے لئے سُلطان بہادر گجراتی کو بُلایا جس نے برار اور نظام شاہ دونوں کو اپنا باجگزار بنا لیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا دریا عماد الملک حاکم ہوا۔ اُس نے اپنی لڑکی کی شادی حسین نظام شاہ سے کر دی۔ عرصہ تک حکومت کر کے دنیائے فانی کو خیرباد کہا اور اب اس کا چھوٹا کم عمر لڑکا برہان عماد شاہ مالکِ تخت ہوا لیکن تفاول خاں دکنی نے برار پر قبضہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور خود تفاول خاں کو مرتضیٰ شاہ نے شکست دے کر قتل کر دیا برار کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس سلطنت کا پایۂ تخت کاویل تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور ہمیشہ لڑنے بھڑنے کے سبب اس کو اس کا موقع نہیں ملا کہ امن وامان قائم کر کے ملک کو ترقی

---

[۱] مآثر نظام شاہی مطبوعہ دہلی، فرشتہ جلد چہارم حیدر آباد

دے۔ اس کی فوجی طاقت بھی معمولی تھی [1]

سلاطینِ عماد شاہیہ

فتح اللہ عماد الملک ـــــــــ ۸۷۶

دریا عماد شاہ ـــــــــ ۹۳۷

تفاول خاں ـــــــــ ۹۶۹

علاء الدین ـــــــــ ۹۱۶

برہان عماد شاہ ـــــــــ ۹۶۹

برید شاہی بہمنیہ کی تباہی کے بعد برید شاہی خاندان دکن کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی جس کا پایۂ تخت بیدر رہتا۔ اس کا بانی قاسم برید المتوفی ۹۱۰ھ کو ترک تھا۔ مگر اس نے اپنے لڑکے کی شادی جس کا نام امیر علی برید تھا، ساباجی ایک مرہٹہ سردار کی لڑکی سے کرادی تھی اور اسی تعلق سے چار سو مرہٹہ بہادروں نے اس کی نوکری کی اور سب رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے اور ان ہی کی فوجی طاقت سے اس سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے اس کا حال نہیں لکھا۔ فرشتہ نے ان کے سات بادشاہوں میں سے صرف تین کا حال لکھا ہے اور معذرت کی ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوئے اور جو لکھا ہے وہ بھی بزرگوں کی زبانی سن کر [2]

سلاطینِ برید شاہیہ

برید الممالک قاسم برید ـــــــــ ۸۹۵

---

[1] فرشتہ جلد چہارم، حیدر آباد۔

[2] تاریخ وسیاست مضمون علامہ سید سلیمان ندوی۔

علی برید	۹۴۹
قاسم برید دوم	۹۹۴
امیر برید دوم	۱۰۱۰
امیر برید اول	۹۱۰
امیر برید	۹۸۷
علی برید دوم	۹۸۸

قطب شاہیہ

سلطنت قطب شاہی کا بانی قطب الملک سلطان قلی ترکوں کی قوم لہاریوں سے تھا اس کا باپ اویس قلی آذربائیجان کا حاکم تھا۔ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن میں آیا۔ محمود شاہ کے زمانے میں گول کنڈہ کی نظامت پر مامور ہوا۔ انیس سال تک مطیع رہ کر ۹۱۰ھ میں خود سری اختیار کی اور قطب شاہ لقب مقرر کر کے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اس کے خاندان میں آٹھ فرمانروا ہوئے جو بڑے مرتبہ اور اہلِ علم کے قدردان تھے۔

سلاطینِ قطب شاہیہ

۱۔ سلطان قلی قطب الملک	۹۲۲
۲۔ جمشید قلی	۹۵۰
۳۔ سبحان قلی	۹۵۷
۴۔ ابراہیم قطب شاہ	۹۵۷
۵۔ محمد قلی قطب شاہ	۹۸۸
۶۔ محمد قطب شاہ	۱۰۲۰
۷۔ عبداللہ قطب شاہ	۱۰۳۵
۸۔ ابوالحسن تاناشاہ	۱۰۸۳

عادل شاہیہ عادل شاہی کا مورث اعلیٰ یوسف عادل شاہ سلطان دوم محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کا بھائی تھا۔ جب سلطان محمد نے اُس کے قتل کی فکر کی تو دشمن کی شمشیر سے محفوظ رہنے کے لئے دکن چلا آیا اور یہاں محمد شاہی بہمنی کے ملازموں میں داخل ہُوا۔ تھوڑے عرصہ میں بیجاپور کا ناظم مقرر ہو گیا۔

عرصہ تک مطیع رہا اور ۸۹۵ھ میں عماد الملک کی تحریک سے اپنی مستقل حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کے حکمران عالمی دل چسپی رکھتے تھے۔ آثار الکرام میں مفصّل حال دیکھئے۔

سلاطینِ عادل شاہیہ

۱۔ یوسف عادل شاہ ———— ۸۹۵
۲۔ ملو عادل شاہ ———— ۹۴۱
۳۔ علی عادل شاہ ———— ۹۶۵
۴۔ محمد عادل شاہ ———— ۱۰۳۷
۵۔ سکندر عادل شاہ ———— ۱۰۷۰
۶۔ اسماعیل عادل شاہ ———— ۹۱۶
۷۔ ابراہیم عادل شاہ ———— ۹۴۱
۸۔ ابراہیم عادل شاہ دوم ———— ۹۸۸
۹۔ علی عادل شاہ سوم ———— ۱۰۶۷

بابر اعظم

شجرہ خاندانِ مُغلیہ

بابر (۱)
ہمایوں (۲)
محمد حاکم گورنر بنگال
اکبر (۳)
جہانگیر (۴)
شہریار — جہانداد — شاہجہاں (۵) — پرویز — خسرو
مراد بخش — اورنگ زیب (۶) — شجاع — دارا
کام بخش — اکبر — شاہ عالم بہادر شاہ (۷) — اعظم — محمد
محی السنۃ — نیکوسیر
شاہ جہاں ثالث
جحۃ اختر — جہاں دار (۸) — رفیع الشان — عظیم الشان
عالمگیر ثانی (۱۴) — فرخ سیر (۹)
محمد (۱۲) — شاہ عالم (۱۵)
احمد (۱۳) — محمد اکبر ثانی (۱۶)
بیدار بخت — بہادر شاہ ثانی (۱۷)
ابراہیم — رفیع الدرجات (۱۰) — رفیع الدولہ (۱۱)

شاہانِ مغلیہ

ظہیر الدین بابر	سنہ ۹۳۲ھ ،	سنہ ۱۵۲۶ء	
نصیر الدین ہمایوں	سنہ ۹۳۷ھ ،	سنہ ۱۵۳۰ء	
جلال الدین اکبر	سنہ ۹۶۳ھ ،	سنہ ۱۵۵۶ء	
نور الدین جہانگیر	سنہ ۱۰۱۴ھ ،	سنہ ۱۶۰۵ء	
داور بخش	سنہ ۱۰۳۷ھ ،	سنہ ۱۶۲۷-۲۸ء	(غاصب و باغی)
شہاب الدین شاہجہاں	سنہ ۱۰۳۷ھ ،	سنہ ۱۶۲۸ء	
مراد بخش (گجرات)	سنہ ۱۰۶۸ھ ،	سنہ ۱۶۵۸ء	(غاصب و باغی)
شجاع (بنگال)	سنہ ۱۰۶۸ھ ۱۶۶۰ء ،	سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۵۸ء	(غاصب و باغی)
اورنگ زیب محی الدین عالمگیر	سنہ ۱۰۶۹ھ ،	سنہ ۱۶۵۹ء	
محمد ناصر الدین	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
احمد	سنہ ۱۱۶۱ھ ،	سنہ ۱۷۴۹ء	
عزیز الدین عالمگیر ثانی	سنہ ۱۱۶۷ھ ،	سنہ ۱۷۵۴ء	
شاہ جہاں ثالث	سنہ ۱۱۷۳ ۱۷۶۰ ،	سنہ ۱۱۷۴ھ ۱۷۵۹ء	
اعظم شاہ	سنہ ۱۱۱۸ھ ،	سنہ ۱۷۰۷ء	
کام بخش	سنہ ۱۱۱۹-۲۰ھ	سنہ ۱۷۰۸ء	
قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول		سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء	
معز الدین جہاندار	سنہ ۱۱۲۴ھ ،	سنہ ۱۷۱۲ء	
فرخ سیر	سنہ ۱۱۲۴ھ ،	سنہ ۱۷۱۲ء	
شمس الدین رفیع الدرجات	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
نیکو سیر	سنہ ۱۱۳۱ھ ،	سنہ ۱۷۱۹ء	
ابراہیم	سنہ ۱۱۳۲ھ ،	سنہ ۱۷۲۰ء	(غاصب)

جلال الدین شاہ عالم	۱۱۷۲ھ ،	۱۷۵۹ء
بیدار بخت	۱۲۰۲-۳ھ ،	۱۷۸۸-۸۹ء (غاصب)
محمد اکبر ثانی	۱۲۲۱ھ ،	۱۸۰۶ء
بہادر شاہ ثانی	۱۲۵۳ھ ،	۱۸۳۷ء

مغلیہ خاندان مغلوں کی تاریخ عملاً چنگیز خاں کے عہد سے شروع ہے۔ اسی نسل سے تیمور لنگ تھا۔ تیمور ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ تغلق تیمور کی جانب سے کش کی گورنری پر مامور ہوا۔ بعدہٗ چغتائیہ خاں سیور غاتمش کا وزیر ہو گیا اور اس کی حکومت پر ۱۳۶۹ء میں قابض ہوا۔ برائے نام اس کے لڑکے محمود کو بادشاہ رہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں مصروف پیکار رہا۔ سات سال میں خراسان، جرجان، ماژندران، سجستان، افغانستان، فارس، آذربائی جان، اور کردستان فتح کئے۔ پھر ۱۳۹۳ء میں خاندان جلائرز سے بغداد لیا۔ اس کے بعد الجزائر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۳۹۷ء میں شمالی ہند میں داخل ہوا اور دوسرے سال کشمیر و دہلی پر یورش کی۔ ۱۴۰۱ء میں ترکوں سے مقابلہ کیا۔ سلطان بایزید گرفتار ہوا۔ ممالک عثمانیہ زیر و زبر ہوئے۔ مصر، حلب، دمشق قلمروئے تیموری میں داخل ہو گئے۔ تسخیر چین کے لئے جا رہا تھا کہ راہ میں بمقام انزار ۱۴۰۵ء مطابق ۸۰۷ھ میں قضا کی اور سمرقند میں دفن ہوا۔

ابو المکارم جلال الدین محمد میراں شاہ بادشاہ باپ کا جانشین ہوا۔ صرف دو برس سلطنت کر کے ۴ ذیقعدہ ۸۰۸ھ میں بعمر ۴۰ سال انتقال کیا۔ ان کے بعد ابو المظفر سلطان محمد مرزا باپ کے بجائے تخت نشین ہوئے۔ ۳۵ برس سلطنت کی۔ ۸۵۵ھ میں انتقال کیا۔ ترمذ میں دفن ہوئے۔ سلطان ابو سعید مرزا ذی الحجہ ۸۲۰ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد غزنی میں تخت نشین ہو کر اٹھارہ برس حکومت کی۔ سمرقند میں انتقال کیا۔

ان کا جانشین سلطان ابو النصر عمر شیخ مرزا بہادر ہوا۔ ۱۶ برس حکمرانی کی۔ ۴ رمضان ۸۹۱ھ میں انتقال کیا۔

پیدائش بابر بابر ۱۴ر فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ بابر کا اصلی نام ظہیرالدین تھا۔ لیکن مغل اس کے نام کا تلفظ ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے اس کو بابر یعنی شیر کہتے تھے۔

تعلیم و تربیت وہ ابھی گیارہ برس کا تھا کہ اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ ڈھلواں چٹان کے اُوپر ایک مکان میں کبوتروں کو چگانے گیا کہ یکایک اس کا پَیر پھسلا اور مَر گیا۔ بابر اس کا جانشین ہُوا۔

بابر کو برسوں کی خاندانی تمنا پوری کرنے کی توقع ہوئی۔ اُس نے سمرقند فتح کر لیا جو اُس کے خاندان کا دارالسلطنت رہ چُکا تھا۔ مگر وہ اس پر تھوڑے عرصہ تک قابض رہا۔ وہ بیمار ہو گیا اور شہر سے جلد نکال دیا گیا۔ اس سے ابتر حالت یہ پیش آئی کہ جب وہ سمرقند سے غیر حاضر تھا اس کی سلطنت اس سے چھین لی گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ بے خانماں اور جلا وطن رہا لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں سے امداد لینے کی تجویز کی اور ایک چھوٹی سی فوج جمع کی۔ اس فوج کی مدد سے اُس نے اپنی سلطنت کا ایک حصّہ بحال کر لیا۔ سمرقند دوبارہ فتح کرنے کا اُسے موقع مل گیا۔ اس شہر کے فتح کرنے کی آرزو بابر کو بہت تھی۔ کیونکہ وہ محلات اور باغات کا عالیشان شہر تھا۔ علاوہ بریں وہ بابر کے خاندان کے قدیم وطن تھا۔

اس طرح سے جب بابر کو چند باشندوں نے مدعو کیا جو اپنے زمانہ کے فرمانرواؤں سے ناراض تھے۔ بابر نے اُن کی دعوت منظور کرنے میں سرعت سے کام لیا۔ اس کو ناکامی ہوئی لیکن کسی طرح وہ نا اُمید نہ ہُوا۔ اس نے دوسری مرتبہ کوشش کی۔ اس مرتبہ یکبارگی کوشش کی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ سمرقند ایک سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دارالخلافہ رہا تھا۔ ایک اجنبی قزاق خدا جانے کہاں سے آگیا اور اُس نے ہمارے شاہی عصا پر دست تصرف کر لیا جو ہمارے ہاتھوں سے چُھوٹ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اب بحال کر دیا اور مجھے لٹا ہوا شہر واپس دلا دیا۔[1]

---

[1] تزکِ بابری ص

سمر قند میں بابر کو بہت عرصہ تک چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اُس کے بڑے دشمن ازبک تھے جو ایک طاقت ور مغل قوم تھی۔ انہوں نے ایک جرار فوج جمع کی۔ بابر کو جنگ میں شکست دی اور اُسے سمرقند میں قید کر دیا۔ سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار شہر میں خوراک ختم ہو گئی۔ بابر کو متابعت کرنی پڑی اور چند ہمراہیوں کے ساتھ سمرقند چھوڑنا پڑا۔ لیکن اُس نے جلد ہمت باندھلی۔ بہت سے فاقوں کے بعد وہ ایک جگہ آیا جہاں کثرت سے خوراک تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں ہمیں اچھے آٹے کی خوب پکی روٹیاں ملیں، شیریں خربوزے ملے اور بڑی کثرت سے اعلیٰ درجہ کے انگور ملے۔ تمام زندگی میں مجھے ایسا لُطف نہیں آیا اور مجھے فارغ البالی اور صلح کی خوشی اس قدر ہوئی تھی۔ تکلیف کے بعد لُطف، افلاس کے بعد افراط نہایت خوشی کا باعث تھا۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ بابر کا دل مضبوط تھا جو شکست کے زمانہ میں حوصلہ نہ چھوڑتا تھا اور زندگی کی نیک چیزوں کی قدر کر سکتا تھا۔ نہ اُس کی سلطنت رہی اور نہ اُس کے ہمراہی رہے۔ وہ کچھ عرصے تک غریب گاؤں میں رہتا رہا۔ خود بھی ایسا غریب تھا جیسا کہ وہ تھے۔ پھر کچھ عرصہ اپنے چچاؤں کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اُنہوں نے اس پر مہربانی کی لیکن اس کا کچھ بھلا نہ کیا سوائے اس بات کے کہ وہ اسے اپنی جنگ میں مصروف رکھتے تھے۔ اس کی زندگی کے اگلے چند سال سرگذشتوں سے بھرپور ہیں۔ بار بار اُسے ایسی دقت پیش آئی کہ وہ قید ہو گیا ہوتا۔ ایک مرتبہ اس کے دشمن اس کے ایسے نزدیک تھے کہ اسے یقین ہو گیا کہ سب کچھ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ موت کے لئے تیار ہو گیا۔ عین وقت پر اُس کے وفادار ہمراہیوں نے اس کو بچا لیا۔

آخر کار اُس نے اپنی سلطنت کی بحالی کی تمام امیدیں ترک کر دیں اور کابل میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے ارادہ کر لیا۔ کابل کی سلطنت اس کے خاندان کی تھی۔ اس نے اپنی ولایت سے پیٹھ موڑی اور کابل میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس میں اُسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ کیونکہ کابل نے اس کی چھوٹی سی فوج کے سامنے جلد ہتھیار

ڈال دیئے۔ بابر اپنے نئے گھر میں مقیم ہوا اور وہ اس کا بہت شائق تھے۔ اُس کی ولایت کی طرح وہاں پھل بکثرت تھے۔ اُس نے باغات لگائے۔ لیکن ان مقبوضات پر آرام سے نہ بیٹھ سکا۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور اُسے اُن کے مقابلہ پر فوراً معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اپنی کتاب میں اُس کا قدرے حال لکھتا ہے۔

اس مہم سے لوٹ کر بابر نے ہرات کی طرف دور دراز کا سفر کیا۔ ہرات عظیم الشان اور دولت مند شہر تھا جس کے باشندے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہرات کے حاکم بابر کے خاندان کے تھے اور وہ اُن کے ساتھ رفاقت رکھنا چاہتا تھا۔ اور اُن کی مدد بھی چاہتا تھا اگر اس پر دشمن حملہ کرے۔ چنانچہ وہ کچھ عرصے شہر میں مقیم رہا۔ اُس کے دل پر شہر کے سامانِ عشرت کا بڑا اثر ہوا جو اُس کی سیدھی سادی زندگی کے مقابلہ میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ ہرات کی سیر کے زمانہ میں اولاً بابر شراب کے عیب کا شکار ہوا جیسا کہ وہ خود بالکل آزادانہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس عیب کا عرصۂ دراز تک شکار رہا۔ خوش نصیبی سے وہ بعد ازاں اس عیب کو چھوڑنے کی قوت رکھتا تھا۔ کابل کی واپسی میں اُسے سخت ایام دیکھنے پڑے۔ وہ اور اُس کی فوج برف میں تباہ ہو گئی اور ایک موقع پر ایک غار کے ملنے سے بچے جس میں رات کو انہوں نے پناہ لی۔ کابل پہنچ کر اُس نے جلد معلوم کیا کہ اس کے دشمن ازبک حملہ کرنے والے ہیں۔ خوف و ہراس اس قدر طاری ہوا کہ بابر نے نتیجہ نکال لیا کہ کابل پر تصرف کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے ہند کو فوج سمیت روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اُسے معلوم ہوا کہ ازبک لوٹ گئے ہیں وہ پھر کابل لوٹ گیا۔ یہاں اُس نے چچازاد بھائی کی سرکشی رفع کی اور اپنے بھائی کو معاف کر دیا۔ اگرچہ بابر کابل میں حکومت کرتا تھا لیکن وہ سمرقند کا فرماں روا ہونے کی قدیم آرزو نہ بھولا۔ جونہی اُسے اپنی آرزو کے پورا کرنے کا موقعہ ملا وہ موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ اُس کے قدیم دشمن ازبک کو شکست ہوئی اور پسپا کئے گئے۔ بابر نے اُن کے خلاف ایک فوج کے ساتھ معرکہ آرائی کی جن کو اُس نے چھوڑا تھا اور اُن پر ایک کامل فتح حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سمرقند میں بڑے جلوس سے

داخل ہوا۔ یہ شہر اُس نے تین مرتبہ لیا لیکن اس کی حکومت دیر تک نہ رہی۔ دشمنوں کا اتفاق اس قدر بڑھا کہ وہ اُن پر فتح حاصل نہ کر سکا۔ صرف آٹھ مہینہ تک سمرقند میں رہ کر اُسے شہر ترک کرنا پڑا۔ اپنے آبائی دارالخلافہ پر حکومت کا خواب جاتا رہا۔ بہت سی سرگذشتوں کے بعد وہ کابل پہنچا۔ اس وقت سے اُس نے اپنی سلطنت کے حاصل کرنے کا خواب ترک کر دیا اور وہ ہند کی طرف نظر ڈالنے لگا لیکن پانچ سال تک وہ ہند کی فتوحات شروع نہ کر سکا۔ ان پانچ سال تک وہ کابل کی سلطنت کے انتظام اور اپنی فوج کی تیاری میں مصروف رہا۔ بابر کے الفاظ میں ہند کا مختصر حال تزک سے بیان کرتے ہیں :۔

"ہندوستان نہایت خوبصورت مشہور معروف ملک ہے۔ ہمارے ملکوں سے مقابلہ کریں تو بالکل نرالی دُنیا ہے۔ اس کی پہاڑی اور دریا، اس کے جنگل اور بیابان، اس کے جانور اور نباتات، اس کے باشندے اور اُن کی زبان، اس کی ہوا اور بارش، مختلف خاصیت کی ہیں۔ اگرچہ کابل کے قلمرو میں گرم اضلاع ہندوستان سے بہت مشابہت رکھتے ہیں لیکن دیگر حالات میں وہ مختلف ہیں۔ تاہم اب جب دریائے سندھ عبور کریں تو ملک، درخت، پتھر، خانہ بدوش قومیں لوگوں کے اطوار زندگی ہندوستان کے بالکل مشابہ ہیں۔ ہند کے دیہات اور قصبے بہت غلیظ ہیں۔ سارے شہروں کی ایک صورت ہے۔ یہاں کے باغات کی فصیلیں نہیں ہوتی۔ سارا ملک ہموار سطح رکھتا ہے۔ دریاؤں اور ندیوں کے کنارے سیلاب کی سخت روانی کی وجہ سے جو کہ بارش کے موسم میں اُترتے ہیں گہرے غار بن جاتے ہیں جن کا عبور کرنا دشوار گزار اور تکلیف دہ ہے۔ بہت سی جگہوں میں میدان اس قدر کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوتا ہے کہ لوگ جو ان ہی پر منحصر ہیں ان میں پناہ لیتے اور اُن کے ناقابل پہنچ مقامات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اکثر سرکشی کرتے رہتے ہیں اور ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہند میں سوائے دریاؤں کے کسی جگہ بہتا پانی نہ ملے گا۔ کبھی کبھی کھڑا پانی ملتا ہے۔ تمام شہر اور دیہات کنوئیں یا تالابوں سے پانی لیتے ہیں جس میں بارش کے دنوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ ہند میں گاؤں کی آبادی، زوال، کامل تباہی بلکہ شہروں کی بھی

یکدم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہر جو سالہا سال میں آباد ہوئے اگر باشندے خوف کھائیں تو بھاگ جاتے ہیں۔ ایک دن یا ڈیڑھ دن میں ایسے ترک کر دیئے جاتے ہیں کہ آپ آبادی کا نام و نشان تک مشکل سے پا سکیں گے۔

ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں سامانِ تفریح کوئی نہیں۔ لوگ خوب صورت نہیں وہ دوستانہ مجلس کی تفریح کا خیال نہیں رکھتے۔ یا ہم آزادانہ نہیں ملتے یا باہمی ارتباط نہیں رکھتے۔ وہ صنعت کی تجویز اور ساخت ایجاد و اختراع ذہنی فطرۃً نہیں رکھتے۔ وہ فنِ تعمیر اور علمِ ایجاد میں علم و ہنر نہیں رکھتے۔ ان کے گھر خوب صورت نہیں ہوتے۔ نہ گوشت اچھا ہوتا ہے نہ انگور نہ تربوز نہ عمدہ میوے۔ نہ برف نہ سرد پانی نہ خوراک نہ روٹی نہ حمام، نہ دارالعلوم نہ بتی نہ مشعل نہ موم بتی ہوتی ہے "

اس طولانی اور کماحقہ نفرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر نے ہند میں کوئی خوبی نہ دیکھی۔ لیکن وہ تصویر کا دوسرا پہلو دیکھتا ہے اور وہ آگے کہتا ہے کہ :-

"ہندوستان کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ بڑا وسیع ملک ہے۔ سونا اور چاندی بکثرت رکھتا ہے۔ موسم برسات میں آب و ہوا بہت اچھی ہوتی ہے کسی دن دس پندرہ یا بیس دفعہ بھی برستا ہے۔ برسات میں ایک دم سیلاب آجاتے ہیں۔ دریا بناتے ہیں۔ ان جگہوں میں بھی جہاں اور وقت پانی نہیں ہوتا، جب بارش ہوتی ہے ہوا نہایت خوشگوار ہوتی ہے کہ اُس کے نرم اور خوشگوار موسم سے کوئی سبقت نہیں لے جاتا۔ اس کا نقص یہ ہے کہ ہوا تر اور سیلی ہوتی ہے۔ موسم برسات میں شکار نہیں کر سکتے اور ہمارے ملک کی کمان سے شکار نہیں کر سکتے اور وہ بالکل ناکارہ ہو جاتی ہے صرف کمان ہی ناکارہ نہیں ہو جاتی زرہ بکتر، کتابیں، پارچہ، اسباب سب تری کے بُرے اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ گھر بھی بہت نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ پختہ نہیں بنے ہوتے۔ موسم گرما اور سرما میں بلکہ برسات میں بھی کافی خوشگوار ہوتا ہے۔ جب شمالی ہوا چلتی ہے تو نہایت گرد اور غبار اُٹھتا ہے۔ جب

برسات نزدیک ہو یا جب بارش ہونے والی ہوتی ہے تو ہوا نہایت زور شور سے پانچ مرتبہ چلتی ہے اور اس قدر گرد اڑتی ہے کہ آپ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کو وہ آندھی کہتے ہیں مئی اور جون میں گرمی ہو جاتی ہے لیکن موسم اس قدر گرم نہیں ہوتا ہے کہ برداشت نہ ہو سکے۔ ہند کی گرمی کی طرح قندھار میں ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ایک اور آرام ہے کہ ہر ایک پیشہ اور تجارت کے آدمی بیشمار ہیں اور لاتعداد ہیں کسی کام یا ضرورت کے لئے فرقہ کا فرقہ تیار ہے جو وہی پیشہ مدت مدید سے نسلاً بعد نسل کرتے آرہے ہیں۔ اکیلے آگرہ میں ۶۸۰ سنگ تراش اپنے محلات میں لگاتا تھا اور دوسری جگہوں میں ۱۴۹۱ سنگتراش میری عمارتوں میں لگے ہوتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر ایک تجارت اور کام کے کاریگر لاتعداد ہیں"۔

اس نے پانچ مرتبہ ہند پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں وہ اٹک کے راستہ پنجاب میں حملہ آور ہوا۔ یہ فروری ۱۵۱۹ء میں ہوا۔ فوج کی تعداد کو دیکھ کر اس کے آدمی ہراساں تھے۔ میرے بہت سے وفادار دوستوں نے مجھے صلاح دی کہ اگر ہم ہندوستان جائیں گے تو ہمیں کمال مضبوطی اور کافی فوج کے ساتھ حملہ کرنا چاہیئے۔ گو مشورہ نہایت موزوں تھا مگر باوجود ان اعتراضات کے ہم نے حملہ کیا۔ بابر کو راستہ میں شکار کرنے کا بہت موقعہ ملا۔ دریا کی طرف فوج کو روانہ کر کے میں خود گینڈے کے شکار کے لئے روانہ ہوا۔ ہم نے بہت سے گینڈے روانہ کئے لیکن ملک میں جھاڑیوں کی وجہ سے ہم ان تک نہ پہنچ سکے۔ شمالی پنجاب میں اس کے کوچ میں کوئی مقابلہ نہ آیا۔ لوگ بالعموم چپ چاپ مطیع ہو گئے اور بابر نے جس قدر خراج طلب کیا، ادا کر دیا۔

بابر نے خیال کیا کہ پنجاب میرا ذاتی ملک ہے۔ کیونکہ اس کے بزرگ اعلیٰ تیمور نے فتح کیا تھا۔ چونکہ ہند کے فتح کرنے کی ہمیشہ تمنا رہتی تھی اور وہ قلمرو جہاں اب میں تھا ترک کے قبضہ میں مدت مدید سے تھا۔ میں نے ان کو اپنے ہی مقبوضات سمجھا اور

صلح اور جنگ سے اُن پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس وجہ سے واجب اور لازم تھا کہ رعیت سے نیک سلوک کرتا۔ اس لئے میں نے احکام جاری کر دیئے کہ کوئی رعیت سے سُوئی اور دھاگے تک لینے یا اُن کے مویشیوں کے گلے یا غول چھیننے کا روادار نہ ہو۔ بابر چاہتا تھا کہ اُس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ آئندہ کہتا ہے :-

"جب مجھے معلوم ہُوا کہ فوجیوں نے باشندوں کے ساتھ سختیاں اور ظلم کئے ہیں۔ مَیں نے ایک رجمنٹ روانہ کی اور جب اُنھوں نے چند سپاہیوں کو پکڑ لیا جو زیادتیوں کے مرتکب تھے تو مَیں نے بعضوں کو موت کی سزا دی۔ کیونکہ میں ترکوں کے مقبوضات کو اپنے مقبوضات سمجھتا تھا اس لئے میں نے لوٹ کھسوٹ کی اجازت نہ دی۔"

ان مقبوضات پر دعویٰ قائم کرنے کے لئے بابر نے دہلی کے سلطان کے پاس سفیر روانہ کیا اور خود نتیجہ تحریر کرتا ہے :-

"لوگ ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر سفیروں کو دوستانہ اور امن کے طریقہ سے اُن ملکوں میں جن کو ترکوں نے دستِ تصرّف میں کر رکھا ہے، بھیجا جائے تو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ اس لئے مَیں نے جلد ملا مرشد کو سلطان ابراہیم کے پاس بھیجا جس کا باپ سلطان سکندر پانچ چھ ماہ پیشتر انتقال کر گیا تھا اور سلطنت ہند پر اپنے باپ کی جگہ جانشین ہُوا تھا اور اس کو سفیر کا نام و خطاب دے کر اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ وہ ممالک جو قدیم سے ترکوں کی ملکیت ہیں مجھے دیدیئے جائیں۔ سلطان ابراہیم کے مراسلات کے علاوہ میں نے ملا مرشد کے ساتھ دولت خاں حاکم لاہور کو بھی مراسلات دیکر اور اُس کو زبانی ہدایات دے کر اس رسالت پر روانہ کیا۔ ہندوستان کے لوگ بالخصوص افغان عجب احمق اور ناسمجھ ہیں اور ذرا بھی دور اندیشی اور سمجھ نہیں رکھتے۔ نہ تو مستقل رہتے ہیں اور نہ جنگ کو نبھا سکتے ہیں۔ نہ وہ دوستی اور رفاقت میں برقرار رہ سکتے ہیں۔ دولت خاں نے اس میرے فرستادہ کو لاہور میں کچھ عرصہ تک مقیم رکھا۔ نہ

خود ملاقات کی نہ اُسے سلطان ابراہیم کے طرف جانے دیا۔ چنانچہ پانچ ماہ کے بعد وہ کابل بغیر جواب لئے آیا۔"

اس عرصہ میں بابر نے شمالی پنجاب کے بہت سے حصہ میں اپنی فتوحات بڑھالیں اور ان نئے مقبوضات پر گورنر مقرر کئے لیکن اُن کی حکومت بہت دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ جونہی بابر نے ملک چھوڑا اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ کابل کی واپسی میں اُسے نمک کی پہاڑیوں کے گکھڑوں کی سرکوبی کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ بابر سے رپورٹ کی گئی کہ گکھڑوں کا سردار بہت سے ظلم وستم کا گناہگار ہے اور باشندوں پر نہایت جبر کرتا ہے اس لئے اس کی بیخ کنی لازمی ہو گئی یا اس کو تمثیلی سزا دینی واجب ہو گئی۔ اس لئے بابر نے گکھڑوں کے دارالخلافہ کی طرف کوچ کیا۔ جس کو پرغلہ نامی قلعہ کہتے تھے۔ اس پر حملہ دشوار امر تھا۔ کیونکہ وہاں صرف دو تنگ راستوں کے ذریعہ جا سکتے تھے۔ وہاں داخل ہونے سے پیشتر بابر کو سخت جنگ کرنی پڑی۔ تب گکھڑوں کے سردار نے متابعت کی اور آئندہ نیک چلنی کا اقرار کیا۔ بابر پھر کابل چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مہم کوئی چھ ہفتہ رہی۔ اس حملہ کا کوئی دیرپا اثر نہ ہُوا۔ بابر کو بڑا فائدہ اوپر کا ہُوا جو اس نے لوگوں سے بطور خراج لیا تھا۔ اگلے کئی سال تک بابر اپنے ملک میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ ہند کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنی حالت مضبوط کرتا رہا اور پختہ کر کے جب اُس نے ہند پر حملہ کیا تو اُسے اپنی غیر حاضری کے ایام میں تکلیف کا کوئی دغدغہ نہ رہا۔ تاہم ہند میں اس زمانہ میں بڑی ابتری تھی۔ لودھی خاندان دہلی میں حکمران تھا، باہمی خانہ جنگی میں مصروف تھا۔ دولت خاں گورنر پنجاب سرکش ہو گیا تھا۔ جنوب کی طرف جنگجو راجپوت دہلی کے سلطان سے خود مختار ہو گئے تھے۔ جس ملک میں اس طرح پھوٹ ہو وہ اغلباً ضرور حملے کا شکار ہو جاتا ہے ایسا ہی ثابت ہُوا۔

بابر کے حملے کا اصلی باعث ایک لودھی شہزادہ کی جانب سے امداد کے لئے اپیل تھا۔ یہ شہزادہ علاءالدین ابراہیم کا چچا سلطان ابراہیم تھا جو کابل آیا اور بابر سے تخت دہلی کے حاصل کرنے میں امداد کا خواہاں ہُوا۔ ساتھ ہی دولت خاں نے بابر کو پنجاب

میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ بابر نے فوراً دعوت منظور کر لی اور فوج جرار کے ساتھ جس سے زیادہ پہلے کسی حملہ میں نہ تھی۔ پنجاب کو روانہ ہوا اُس نے جلدی لاہور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دولت خاں کی بداخلاقی کی وجہ سے جس نے بابر سے اب اعتمادی تعلق قطع کر لیا تھا۔ بابر کی تجاویز کو درہم برہم کر دیا اور وہ بابر سے بالکل کنارہ کش ہو گیا اور اس کے خلاف فوج جمع کرنا شروع کر دی۔ اس لئے بابر کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ زیادہ فوج بھرتی کرے۔ اس لئے لودھی مددگار کو پنجاب میں حاکم بنا کر کابل کو لوٹ گیا۔ اب بابر نے آخری حملے کے لئے اپنی فوج جمع کی۔ یہ بارہ ہزار جوان تھے جو ہند جیسے عظیم الشان ملک کے فتح کرنے کی غرض سے بڑی فوج نہ تھی۔ درحقیقت بابر کے بعض سپاہی کامیابی کے موقعہ کی بابت بہت سخت غلط بیانی کرتے تھے۔ لیکن اس کی ہنرمندی اور شجاعت نے تمام مشکلات پر غلبہ کر لیا۔ ۱۷ نومبر ۱۵۲۵ء بروز جمعہ ہند کی طرف روانہ ہوا۔ اولاً بابر کو دولت خاں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنی پڑی۔ عام خبر یہ تھی کہ اُس نے تیس یا چالیس ہزار فوج جمع کر لی ہے۔ وہ ضعیف العمر تھا اس لئے جونہی بابر دریائے راوی پر پہنچا دولت خاں اور اس کی فوج پریشان دل ہو کر بھاگ گئی۔ بابر نے اور کچھ آدمی دولت خاں کے تعاقب میں روانہ کی۔ تب وہ مطیع ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے ایک قدیم افسر کو اپنے حضور میں لانے کے لئے اس ضعیف العمر کے پاس بھیجا۔

بابر کہتا ہے کہ پیر فرتوت کی حماقت اور گستاخی ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے اس کو ہدایت کی کہ وہ اس امر کی احتیاط کرے کہ دولت خاں وہی دونوں تلواریں اپنی گردن میں ڈال کر حاضرِ خدمت ہو جو اُس نے میرے ساتھ مقابلہ کے لئے اپنی کمر میں باندھی تھیں۔ جب معاملہ نے اس حد تک طول کھینچا تو اُس نے پھر دیر کرنے کے لئے بیہودہ عذرات بنائے۔ لیکن وہ آخرکار میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے دونوں تلواروں کو اُتار دیں اور میں نے اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے حکم دیا۔ بابر نے پھر اُس کی دھوکہ بازی پر سخت لعنت ملامت کی۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا گناہ کیا تھا کہ تم میرے سامنے اس طرز سے پیش ہوئے ہو۔ آخرکار بابر نے

اس کو جانے کی اجازت دے دی اور یہ فیصلہ ہُوا کہ وہ اور اُس کا خاندان قوموں پر کل اختیار رکھیں اور ان کے دیہات کے مقبوضات بلکہ باقی کل اثاثہ بھی ضبط کر لیا جائے۔ بابر کی فیاضی کی یہ ایک اور مثال ہے جو اُس نے اپنے مفتوحہ دشمن پر ظاہر کی۔ بابر اب دہلی کی طرف بڑھا۔ چونکہ اس کی فوج سلطان ابراہیم کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اُس نے اپنی چھوٹی فوج سے پورا فائدہ اٹھانے کا کمال انتظام کیا۔

بابر کہتا ہے میں نے ہدایت کی کہ توپوں کی گاڑیاں بیلوں کی مروڑ دار کھالوں کے ساتھ زنجیر کی طرح جوڑی جائیں۔ ہر ایک دو توپ گاڑیوں کے درمیان چھ یا سات لوہے کے توڑے تھے۔ گولہ انداز ان توپ گاڑیوں یا لوہے کے توڑے کے عقب میں کھڑے تھے اور گولہ اندازی کرتے تھے۔ میں پانچ چھ روز تک ان تیاریوں کو مکمل کرنے کی غرض سے قیام پذیر رہا۔ تب اپنے فوجی افسروں کی اصلاح کے بعد وہ پانی پت کی طرف بڑھا جو دہلی سے چند میل ہے۔ یہ ضلع ہند کی تاریخ میں کئی مشہور جنگوں کا منظر رہا ہے۔ کیونکہ یہ قدرتی جگہ ہے جہاں سے شمالی حملے کا بہترین مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہفتہ کے التواء کے بعد ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء میں جنگ ہوئی۔ بابر کے مقابلہ میں سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج سے زیادہ رکھتا تھا۔ گویا دس گنی۔

بابر کہتا ہے کہ میری بہت سی فوج خوف و ہراس میں تھی۔ اگرچہ میں ان کو بہت الزام نہیں دے سکتا۔ اس کی کچھ وجہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے ملک سے دو تین مہینے کے سفر کر کے آئے تھے اور ہمیں ایک عجیب قوم کے ساتھ جنگ کرنی پڑ گئی جن کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو ہماری زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ بابر نے اپنے مخالفین کی طرف بہت دھیان نہ دیا۔ وہ ناتجربہ کار جوان آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام حرکات میں غفلت کی۔ وہ بغیر انتظام کئے روانہ ہو گیا۔ ٹھہرنے اور روانگی کے انتظام اور دور اندیشی کئے بغیر جنگ چھیڑ لی۔ دہلی کی فوج صبح کو جنگ آمادہ ہوئی اور دوپہر سے پیشتر بیکس بھگوڑوں کی طرح تتر بتر ہو گئی۔

اپنی فوج کا پورے طور سے انتظام کر کے بابر نے چاروں طرف سے اپنے

دشمن کو گھیر لیا۔ جمع ہو کر ان کی کثیر فوج فائدے کی نسبت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ بابر کے سخت جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ میں وہ بھیڑیوں کے گروہ کے سامنے بھیڑوں کی طرح پریشان ہو گئے۔

بابر کہتا ہے۔ جب جنگ کا آغاز ہوا سورج صرف ایک نیزہ ہی بلند ہوا تھا۔ لڑائی دوپہر تک رہی لیکن دشمن بالکل ہار گیا اور بھاگ گیا۔ میرے دوست فتح مند ہوئے اور خوشی کے مارے اپنے بدن میں نہ سمائے۔ خداوند عالم کے رحم وفضل سے یہ سخت مہم میرے لئے آسان ہو گئی اور عظیم الشان فوج آدھے دن کے عرصہ میں زیر ہو گئی۔ ہم نے شمار کیا کہ مقتولین کی تعداد میدانِ جنگ کے مختلف حصوں میں پندرہ سولہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دشمن کے فرار ہونے کے بعد ہم نے تعاقب جاری رکھا، قتل کیا اور قید کیا۔ سلطان ابراہیم میدانِ جنگ میں مارا گیا اور اس کا سر بابر کے روبرو لایا گیا۔ اس طرح پانی پت کی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

بابر پانی پت کی فتوحات کے بعد دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے افسروں میں سے ایک کو شہر کا چارج دے کر آگے بڑھا۔ تب اُس نے بہت سی دلچسپ عمارتوں اور یادگاروں کی سیر کی جو دہلی کے گردونواح میں ملتی ہیں۔ وہ آگرہ گیا اور سلطان ابراہیم کے محل میں قیام کیا۔ اب بابر کی فوج ہند کی گرمی سے جس کی وہ عادی نہ تھی بہت تنگ آ گئی۔ بہت سے سرسام سے مر گئے۔ اس وجہ سے بہت سے سرداروں اور امرائنے جی چھوڑ دیا اور ہند میں رہنے سے معترض ہوئے اور اپنے لوٹنے کی تیاری کی۔ بابر کہتا ہے :-

"جب میں نے فوج میں یہ شکایت سُنی تو اپنے سرداروں کی کونسل کی۔ میں نے اُن سے کہا کہ خدا کے فضل سے میں نے اپنے عظیم الشان دشمن کو پسپا کیا اور بہت سے صوبوں اور سلطنتوں کو فتح کیا جو اب ہمارے دست تصرف میں ہیں اور اب ہم کو کونسا امر مجبور کرتا ہے اور کون سی سختی جھیلنی پڑی ہے کہ بغیر کسی سبب کے ہم اپنی فتوحات کو چھوڑ دیں اور کابل کی طرف

بلا اُمید کے نشانوں کے چلے جائیں۔ اس لئے جو شخص میری دوستی کا دم بھرتا ہے ایسی تجویز کو ترک کر دے۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو نہیں ٹھہر سکتا اور واپسی کے ارادہ کو ترک نہیں کر سکتا وہ چلا جائے۔"

ان الفاظ کا حسب منشاء اثر ہوا اور بابر کے آدمیوں نے ہند میں ٹھہرنے کے لئے اقرار کیا۔ لیکن اس کی حالت نہایت دشوار تھی اس نے در اصل دہلی کی سلطنت فتح کی تھی لیکن ابھی ہند میں اور بھی طاقت ور حکمران تھے اور اب وہ بابر کے خلاف معرکہ آرائی کرنے لگے۔ منجملہ اُن کے نہایت طاقت ور اودے پور کا مشہور راجہ سنگرام سنگھ تھا اور وہ سلطان ابراہیم کی طرح کوئی ناتجربہ کار اور کم فہم نہ تھا وہ پیرانہ سال جنگجو تھا جس نے بہت سی جنگیں کی تھیں اور جو اپنے بدن پر سخت جنگوں کے نشانات رکھتا تھا۔ دلاور راجپوت اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ بابر نے اپنے دشمن کے مقابلہ کے لئے نہایت غور سے تیاری کی۔ اس موقعہ پر اس نے عہد کیا کہ میں شراب خوری کی بری عادت کو ترک کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہوں جس میں وہ چند سال سے مستغرق تھا۔ اُس نے سونے اور چاندی کے پیالوں کو بمعہ دیگر ظروف کے جن کو شراب کی انجمن میں استعمال کرتا تھا توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور شراب کا استعمال ترک کر دیا۔ جوں جوں ایام جنگ نزدیک آنے لگے بابر کے لوگ خوف دہراس کی علامت ظاہر کرنے لگے۔ وہ چند ہی آدمی تھے جو اپنے ملک سے دُور تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ راجپوتوں کی جرار فوج کے سامنے فتحمند ہونا ناممکن ہے۔ بابر نے ان سے حوصلہ افزائی کے الفاظ کہنے شروع کئے۔ وہ کہتا ہے :-

"میں نے کل افسروں کی اور عمائد کی کونسل بلائی اور اُن سے مخاطب ہوا شرفاء اور سپاہی ہر ایک آدمی جو اس دُنیا میں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے۔ بدنامی کی زندگی سے رہنے کی نسبت ناموری موت بہتر ہے اس لئے ہم ایک رائے ہو کر خدا کی قسم کھائیں کہ ہم میں سے کوئی اس جنگ سے منہ موڑنے کا خیال نہ کریگا اور نہ میدان جنگ سے پلیٹھ دکھائے گا جب تک اُس کے بدن میں رُوح ہے"

ان الفاظ نے فوج میں حوصلہ پیدا کر دیا۔ سب نے قرآن کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بادشاہ کا ساتھ اخیر دم تک دیں گے۔ ۱۶ر مارچ ۵۲۷ء کو دونوں فوجوں میں کنواکے مقام پر جو آگرہ سے دُور نہیں تھا مقابلہ ہُوا۔ ایک دفعہ اور بابر کی جنگی ہنرمندی اور اُس کے آدمیوں کی شجاعت نے فتح کا دن دیکھا۔ اُس نے بڑی فتح پائی اور راجپوت فوج تباہ ہو گئی۔ رانا سنگرام سنگھ جان لے کر بھاگا۔ لیکن وہ بابر کا پھر مقابلہ نہ کر سکا۔ جنگ میں راجپوتوں کو شکست دے کر بابر نے راجپوتانہ میں بڑھنے اور اُن کو مزید سزا دینے کا ارادہ کیا اس لئے وہ ملک میں بڑھا اور چندیری کے مضبوط قلعہ پر حملہ آور ہُوا اور فوراً قلعہ کے ایک حصّہ پر قابض ہو گیا۔ تب راجپوتوں نے اُس پر جان توڑ حملہ کیا۔ بابر کہتا ہے:۔

"تھوڑے عرصہ میں راجپوت ہم پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے اور میرے بے شمار آدمیوں کو بھگا دیا اور فصیل سے کُود پڑے۔ ہماری بعض فوجوں پر سختی سے حملہ ہُوا اور تہ تیغ کیا۔ اُن کے جان توڑ حملہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ میدان میں ہارنے کی اُمید کر کے انہوں نے اپنے بیوی اور بچّوں کو قتل کر دیا اور خود تباہ ہونے کا خیال کر کے جنگ کے لئے نکل آئے تھے۔ دو سو تین سو آدمی اپنے افسر کے مکان میں داخل ہو گئے جہاں بیشمار آدمیوں کو مفصلۂ ذیل طریق سے قتل کیا۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی اور پھر ایک ایک کر کے جمع ہُوئے اور اپنی گردن قتل کی خواہش میں دراز کر دی۔"

اس فتح کے بعد بابر بہار کی طرف بڑھا جہاں کچھ افغان افسر سرکش ہو گئے۔ دشمن تک پہنچنے کے لئے دریائے گنگا پر پُل باندھنا ضروری تھا۔ چند کشتیوں کو جوڑ کر پُل باندھا گیا۔ فوج کا ایک حصّہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے پُل پر سے بھیج دیا۔ جنگ عصر کی نماز تک خوب ہوتی رہی۔ تب بابر نے کسی عجیب وجہ پر اپنی فوج کو واپس ہٹا لیا۔

بابر کہتا ہے۔ اگر اسی سنیچر کی شام کو میں باقیماندہ فوج دوسری پار لے جاتا۔ اغلب تھا کہ بہت سے دشمن میرے آدمیوں کے ہاتھ آجاتے۔ لیکن میرے دماغ میں یہ آیا کہ اگلے سال میں نئے سال کے دن رانا سنگرام سنگھ کو اگر ہم اتوار کے روز شکست دیں

تو نہایت مشہور واقعہ ہوگا۔ اس واسطے میں نے اپنی فوج کا کوچ نہ کیا۔ جب اس نے کوچ کیا تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ دشمن بہت جنگ کر چکا تھا اور سب معدوم ہو گئے۔ بابر آگرے کو واپس آنے کے لئے آزاد ہو گیا اور اس قدر سخت مصائب اور کوچ کے بعد اُسے آرام کا قدرے موقعہ دستیاب ہُوا۔

تمام جنگوں کے بعد اب بابر کو ذرا فرصت ملی اور یہ اُس کے لئے بہتر ہُوا۔ اس کی صحت ہند کی آب و ہوا کی وجہ سے متاثر ہونا شروع ہو گئی تھی اور بخاروں کے حملوں سے اُس نے بہت تکلیف اٹھائی لیکن اس میں اب بھی بہت طاقت تھی۔ دریائے گنگا میں لمبی تیرائی اور دور دراز کی سواری جو معمولی آدمی کو تھکا مارتیں اسکی روزانہ زندگی کے کام تھے۔

قیامِ آگرہ اب وہ آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہُوا جہاں اُس نے بڑی شان سے دربار کیا تھا۔ ہندوستان کے فرمانروا کو بہت سے اصحاب آداب بجالانے کے لئے آتے تھے۔ اُن کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جاتا اور خلعت عطا ہوتے۔ بابر نے اپنے قدیم سپاہیوں کو فراموش نہ کیا۔ اُس کے وفادار ہمراہی جو اُس کے وطن سے ساتھ آئے تھے اور جن کی امداد سے اُسے تخت نصیب ہُوا تھا اُن کو بڑے بڑے تحائف اور جاگیریں عطا ہُوئیں۔

مغل شہنشاہوں کی طرح بابر کو عمارتوں اور باغات بنانے کا شوق تھا۔ نئی عمارتوں اور باغات سے آگرہ کو خوب صورت بنانے میں ہمہ تن مصروف ہُوا۔ باغوں کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی اور فوارے افراط سے مہیا تھے۔ ٹھنڈے پانی اور خوبصورت پھولوں میں شہنشاہ اور اُس کے درباری بیٹھ کر ہند کی گرمی کو بھول جاتے۔ یہ صُلح و امن کا زمانہ دیگر جنگ و جدل سے جلد مخل ہو گیا۔ بہار کے افغانوں نے سرکشی اختیار کی اور بابر کو اُن کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اُس نے اُن کو شکست دی لیکن ازاں بعد بنگال کی سلطنت کے ساتھ جنگ میں پھنس گیا۔ آج تک بابر اور بنگال کی سلطنت کے درمیان دوستی تھی۔ لیکن اب مؤخر الذکر نے دریائے گنگا تک اپنی فوجوں کو متحرک کیا اور عین بابر کی راہ میں حائل ہو گئی اور غالباً وہ بہار کے سرکشوں کی معاونت کرتی معلوم ہوتی تھی۔ بابر کے

ساتھ بنگال کا سفیر تھا اور شہنشاہ معاملات کا فیصلہ صلح سے کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے سفیر سے کہا اگر اس کا آقا دراصل صلح اور دوستی کا منشاء رکھتا ہے تو اُسے اُس کے ظاہر کر دینے میں کوئی دقت نہیں اور وہ فی الفور کر دے گا۔

جواب باصواب نہ مل کر بابر نے اُسے بنگال واپس کر دیا۔ ساتھ ہی اُس کو یہ بھی مطلع کر دیا کہ میں اپنی مرضی کا پابند ہوں خواہ آگے جاؤں خواہ واپس آؤں۔ سرکشوں کو دبانے کی غرض سے جو نہایت مناسب ہو گا کروں گا خواہ وہ کسی جگہ ہوں لیکن اُس کے آقا کی سلطنت خشکی یا تری سے کسی جگہ نقصان پذیر نہ ہو گی لیکن بابر نے بنگال کی فوجوں کو اس کے راہ سے ہٹنے اور سرکنے کے لئے اصرار کیا اور سفیر کو اپنے مالک کو ذیل کا پیغام دینے کے لئے ہدایت فرمائی۔ اگر وہ راستہ کو کھلا چھوڑنے سے انکار کرے گا اور اُس کی فہمائش کے سننے سے غفلت کرے گا جو کہ اُس نے کی ہیں تو جو کچھ عذاب اُس کے سر پر پڑے گا اُسے اپنے افعال کا نتیجہ سمجھنا چاہئیے اور جو کچھ ناگوار واقعات پیش آئیں اُن کے لئے خود کو ہی الزام دینا ہو گا۔ چونکہ بنگال کی فوجیں راہ میں حائل رہیں۔ بابر نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے اپنی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جنہوں نے دریائے گنگا عبور کیا اور بنگالیوں کو شکست فاش دی۔ اور صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ بعدازاں بابر آگرے کو فتح کے نشان اُڑاتا ہوا لوٹا اور باقی ماندہ ایام میں اُس کے دشمنوں نے اُس کو تکلیف نہ دی۔

بابر کی زندگی کی کہانی بنگال کی فوج پر فتوحات کے حالات سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے باقی ماندہ سالوں کی چند پریشان باتیں ہیں اور بس۔ باقی باتیں اس کے خاندان کے متعلق ہیں جن کا اب تک بہت کم ذکر کیا ہے۔ بابر کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں، کامران، ہندال اور عسکری۔ اُن میں سے ہمایوں سب سے بڑا اُس کا عزیز بیٹا تھا۔ اس کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ دشمنوں سے آزاد منش اور عفو کن ہونے کے علاوہ بابر اپنے خاندان کے ساتھ بھی رفاقت رکھتا تھا۔ اس کے بہت سے رشتہ دار تھے اور بابر ان میں سے بہت سے رشتہ داروں کو ہند میں اپنے ہمراہ لایا جہاں اُن کے ساتھ

فیاضی کا سلوک کیا اور اُن کو محلات اور خزانہ عطا کیا۔ اس کی عزیز بیوی جس کو وہ (چاند بی بی) کہتا تھا۔ بڑی پیاری اور اور اُس کے ساتھ اُلفت سے پیش آتا تھا۔

القصہ بابر نہایت نیک باپ اور وفادار خاوند تھا۔ اگرچہ شہنشاہ ہند میں مقیم ہو گیا تھا مگر وہ اپنے وطن اور کابل کی اپنی پرانی سلطنت کو نہ بھولا جس کو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو حکمرانی کے لئے دی تھی۔ بابر اپنے قدیم مقبوضات کی خبریں سننے کے لئے ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور درحقیقت اُن کو جاننے کے آرزو رکھتا تھا۔ اگر اُس کو زندگی موقع دیتی تو ہندوستان کے حالات کسی قدر زیر اہتمام ہو چکے ہوتے۔

وہ کہتا ہے :۔ "اور مجھے خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وقت نزدیک ہے جب اُس کے فضل سے ہر ایک معاملہ بالکل درست ہو جائے گا۔ جونہی یہ ہو جائے گا وہ ان ممالک کی خوشیوں کو کس طرح دل سے بھلا دیتا۔ کس طرح میرے جیسا شخص جس نے پرہیز گاری اور نیک زندگی کی قسم کھائی وہ اس خوش علاقے کے لذیذ انگوروں اور دوسروں کو بھول سکتا ہے۔ ایک دن کوئی شخص اُس کے پاس سردوں کا تحفہ لایا۔ جب میں نے اُس کو تراشا میرے دل میں وطن کی تمنا بڑے زور سے اٹھی اور وطن سے جلاوطنی کا احساس موجزن ہوا اور میں زار زار رونے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ بابر نے اس طرح اپنے قدیم دوست کو لکھا اور صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ وہ ہند کے بڑے حصہ کا شہنشاہ تھا مگر ابھی تک وہ خود کو جلاوطن سمجھتا تھا۔ دراصل ہند کے بڑے نقطۂ نگاہ سے بابر، اس کا بیٹا اور جانشین ہمایوں غیر ملک کے فرمانروا سمجھنے چاہئیں۔

ہمایوں بابر کا سب سے بڑا بیٹا شمال میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ بابر کی زندگی کے اخیر سالوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنی سلطنت شمال میں اور وسیع کرے اور شہر سمرقند کو پھر دست تصرف میں لے آئے بابر کو اس بات کا بڑا شوق تھا لیکن تجویز ناکارہ ہوئی۔ بعد ازاں ہمایوں ہند کو اپنے باپ سے ملنے کی خاطر لوٹا۔ اس کے لوٹنے سے تھوڑے ہی دنوں بعد اُسے بخار چڑھ آیا اور ایسا نازک حال ہو گیا کہ حکیموں کو اُمیدِ زیست نہ رہی جوان شہزادہ کی جان بخشی بڑی قربانی پر منحصر

تھی۔ بابر کو اپنا بیٹا بڑا پیارا تھا اور جب اُس سے یہ بات کہی گئی تو اُس نے سب سے بڑی قربانی کا ارادہ کر لیا۔ یعنی اپنی جان کا تصدق کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بیٹے کے پلنگ کے گرد گیا اُس کے چاروں طرف تین مرتبہ طواف کیا اور کمال سنجیدگی سے دُعا مانگی کہ بیماری بیٹے کے بجائے اس کو لگ جائے۔ باپ کی دُعا قبول ہوئی اور ہمایوں ٹھیک ہو گیا۔ لیکن بابر نے اپنی جان بیٹے کی صحت یابی کی قیمت میں ادا کی۔ وہ کچھ عرصہ سے اچھا نہ رہتا تھا۔ ہند کی آب و ہوا ظاہراً اس کے موافق نہ آئی کیونکہ اس کی یادیں اکثر وہ بخار کی شکایت کرتا رہا۔ اب اس کی صحت جاتی رہی۔

ہمایوں کی جانشینی بڑے بڑے آدمیوں کو بُلا کر قریب المرگ شہنشاہ نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا اور ان کو اس کے ساتھ وفاداری کے لئے عہد کرنے پر مجبور کیا۔

وفات ۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۹۴۳ھ کو بابر اڑتالیس برس کی عمر میں آگرہ میں جاں بحق ہو گیا۔ ہمایوں گیارہ برس کی عمر میں باپ کے تخت پر متمکن ہوا اور اُسے ایک لحظے کی فرصت نہ ملی۔ بہت تھوڑے آدمیوں کو اتنی خورد سالی میں اس قدر مصائب کا زمانہ جھیلنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کابل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اسے بہت انس تھا۔

سیرت بابر تمام مغل بادشاہوں میں نہایت نمایاں شخصیت رکھتا ہے۔ زیادہ تر اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس کے صاف صاف حالات اس کی اپنی کتاب سے ملتے ہیں۔ دوسرے مغل بادشاہوں کے عہدِ حکومت کے واقعات موجود ہیں لیکن ان میں قدرتاً ذاتی خیالات کی کمی ہے۔ بابر ہر ایک معاملہ میں اپنے لفظوں کی بابت بھی نہایت آزاد ہے اگر وہ بہت شراب پیتا ہے تو اس کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر اُسے کوئی نیا پھول یا عجیب جانور مل جاتا ہے تو وہ اُس کا بیان توجہ سے لکھتا ہے اُس کی جنگی زندگی کو مدِنظر رکھیں۔ وحشیانہ زندگی گزارنے کے خیال سے اس کی عملی قابلیت

بہت بڑھی ہوئی تھی اور وہ صرف نثر کا مصنف نہ تھا۔ اُس نے نظم بھی لکھنے کی کوشش کی اور بہت سے نفیس شعر تصنیف کئے ہیں۔ بااخلاق اور رحمدل تھا اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیتا تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا اور اپنے خاندان کے لوگوں پر مہربان تھا۔ خاص کر عورتوں پر جن کے ساتھ وہ ہمیشہ عزت کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ وفادار شوہر اور محبت کرنے والا باپ تھا۔ ہمایوں کے بچانے میں اس کی ذاتی قربانی کا ثبوت ہے۔ مسٹر ایس پول لکھتا ہے :-

"وہ خوش نصیب سپاہی تھا اور نہ کہ سلطنت کا بانی۔ تاہم اُس نے اس شاندار محل کی بنیاد ڈالی تھی جس کو اُس کے پوتے اکبر نے پہلے پہل پورا کیا۔ تواریخ میں اس کی جگہ اس کی ہندوستانی فتوحات پر قائم ہے جس نے ایک شاہی قطار کے لئے راستہ کھول دیا۔ لیکن اس کی تواریخی اور علمی قابلیت زیادہ تر اُس کے شروع زمانہ کی دلیرانہ مہمات اور ثابت قدمی کی کوششوں اور خوش طبع یادداشت سے سمجھ میں آتی ہے جن میں اُن کو اُس نے بیان کیا ہے۔"

حلیہ بابر قوی الجثہ اور اوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کی شکل خوش وضع تھی اور عموماً وہ حلیم و بامروت تھا۔ وہ نہایت جسمانی قوت اور برداشت رکھتا تھا۔ وہ مورچوں پر دو آدمیوں کو ایک ایک بغل میں مار کر لے جاتا تھا۔ وہ دلیر شہسوار اور عمدہ پیراک تھا۔ وہ اکثر اپنی تزک میں موخرالذکر ورزش کے اشتیاق کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بابوں میں درج ہو چکا ہے۔ وہ شراب نوشی کا عادی تھا اس کو نہیں چھپاتا اور اپنے دوستوں کی مجلس میں شراب نوشی کے دور کا اکثر ذکر کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں بدعادات کو چھوڑنے کی بھی قوت ارادی تھی۔ بہرصورت وہ اچھی صحت رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کا آخری حصہ تھا کہ ہند کی آب وہوا اور نہایت سخت محنت نے اس کی صحت کو کمزور کر دیا اور بخار کے حملوں کا سزاوار کر دیا۔ اسکی وجہ سے اُس نے افیون شروع کر دی۔

مذہب مذہبی خیالات کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے اگرچہ وہ پکا حنفی تھا لیکن وہ معقول پرستش کو فراموش نہ کرتا تھا صوم وصلوٰۃ کا

پابند تھا جو کہ اللہ اکبر کہنے والے کو واجب ہے۔ نہ ان قوانین اور رسومات سے متنفر تھا جو کہ کمال حکمتِ عملی پر مبنی ہیں جو کہ بیرونی محققین کے مفاد کے لئے ہیں۔ اس کی علمی قابلیت بڑی تھی۔ تزک بابری خود اس امر کی شاہد ہے۔ ترکی زبان میں نہایت فصیح کلام اس کا ہے۔ مؤلف تاریخ رشیدی کہتا ہے۔ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد بابر کے مرتبہ کا کوئی ترکی شاعر نہ تھا۔ لیکن بابر فارسی کا عالم بھی تھا۔

"در علمِ موسیقی و انشاء و املا نظیر نہ داشت"۔ [1]

بابر کم لیاقت کا مصنف نہ تھا۔ ہر دو نظم میں اس کی تحریر درجہ کمال تک پہنچ گئی۔ اکبر نامہ میں ہے :-

"آں حضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود۔ خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی آں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شد و مضامین تازہ دراں مندرج است"۔ [2]

مسٹر لین پول فرماتے ہیں چونکہ وہ صاحب نصیب سپاہی تھا لیکن اس کا علمی مذاق اور نکتہ خیالی کم درجہ کی نہ تھی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسے علمی مذاق کے شخص کو دوسرے مصنفوں کی مجلس پسند ہو۔ اس کا دربار عالموں سے بھرا ہوتا تھا جو کہ تمام حصص سے آئے تھے۔ درحقیقت وہ مجلس جس کے ساتھ بابر گھرا رہتا تھا بہت سی صورت میں اس کے پوتے اکبر کی مجلس کے مشابہ تھی۔ علمی مذاق کے علاوہ بابر کو علمِ موسیقی سے بھی بڑا شوق تھا۔ اُس کے مذاق کے لئے اُس کے خاندان کا کوئی شخص بعد ازاں معروف نہ ہُوا۔ بابر اپنے ہمعصروں میں انصاف کے لئے نہایت معروف تھا۔ چونکہ پاسِ عزت رکھتا تھا، اس کا وعدہ خلافی سے زیادہ کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی تھی۔ وہ قصور معاف کر دیتا تھا۔ جو کچھ ملتا وہ کشادہ دلی سے خیرات کر دیتا۔ ہمیں دہلی کے خزانہ کی تقسیم کا حال یاد ہے اور ان بے شمار تحائف کا حال معلوم

---

[1] فرشتہ جلد ا صفحہ ۲۱۱ [2] اکبر نامہ جلد ا صفحہ ۱۱۸

ہے جو اُس نے کابل اور دیگر مقامات پر اپنے قدیم دوستوں کو بھیجے تاکہ اُن کو اس امر کا یقین ہو جائے۔ اس کی فیاضی اور فراخدلی مغلوب دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک میں بھی ظاہر ہے۔ بار بار اس کے زمانہ کے درجہ کے خلاف وہ اپنے مغلوب دشمنوں کے ساتھ نہایت رحمدلی سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاندان کے ساتھ اس کی اُلفت اور بیگمات کے ساتھ لحاظ داری کا ذکر ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔

مغل فرمانرواؤں میں بابر کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اگرچہ سب سے اعلیٰ ترین نہیں۔ وہ سرکردہ تھا جس کی محنت کا پھل اوروں نے کھایا۔ اس کے مختصر عہدِ حکومت میں بطور شہنشاہ کے اُسے اپنی نئی سلطنت کا انتظام کرنے اور فروغ دینے کا موقعہ ملا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو وہ انتظامِ سلطنت کی قابلیت ضرور ظاہر کرتا جو اکبر سے کسی طور بھی کمتر نہ ہوتی۔

تصانیف | بابر کی تصنیف تزک بابری جس سے اُس کے حالات ہم نے اخذ کئے ہیں ایک دیوان ترکی جو شاہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے ایک مثنوی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں، اس کا نام فقہ بابری بھی ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی کتاب والدیہ جس کا ترکی منظوم ترجمہ بابر نے ۹۳۵ھ میں کیا۔ بابر نے رسائل عروض کے نام سے ترکی شاعری عروض پر ۹۳۵ھ میں ایک کتاب لکھی۔ فارسی میں بھی گاہے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھتا ہے:۔

ہم چنیں بزبان فارسی   اشعار دلپذیر دارند

شدہ جمع وبود جمع پریشاں
گرفتار توے وقوے عجائب [۱]

تذکرہ مرآۃ الجبال میں بابر کی غزل منقول ہے۔

---

[۱] اکبر نامہ جلد ا صفحہ ۱۱۱   ۲ھ ۱

بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا تھا اور اس خط میں کلام پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا۔

منتخب التواریخ میں ہے :۔

"و از جملہ غرائب و اختراعات آں شاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بداں خط نوشتہ و مکہ معظمہ فرستادہ" [۱]

بابر کے عہد کے علماء شیخ الاسلام سیف الدین احمد نبیرہ، ملا سعد الدین تفتازانی، شیخ حسن متکلم میر جمال الدین محدث، عطاء اللہ مشہدی، شیخ زین الدین جو صدر کے عہدہ پر فائز تھے، واقعاتِ بابری کا فارسی ترجمہ اُن کا مشہور ہے۔ اکبر آباد میں ۹۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ مولانا شہاب الدین معمائی متوفی ۹۴۲ھ۔

شعراء میں شیخ ابوالواجد فارغی، سلطان محمد کوسہ سرخ وداعی، شیخ جمالی کہنہ مشق تھے۔

اطباء میں میر ابوالبقا، مولا یوسفی، خواجہ نظام الدین علی خلفہ اپنے علم کے لئے مشہور تھے۔

یہ تمام اربابِ کمال بابر کی علم نوازی کی بدولت خراسان اور ہرات سے آگرہ آ گئے۔

کُتب خانہ بابر سفر و حضر دونوں میں اپنا کُتب خانہ ساتھ رکھتا تھا۔ [۲]

---

[۱] منتخب جلد ا صفحہ ۳۴۳ ایضاً صفحہ ۴۷۱ [۲] صبح گلشن صفحہ ۵۹۶

[۳] تزک بابری اردو صفحہ ۳۳۶۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ

بابر کے بڑے بیٹے ہمایوں کی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی کہ باپ کے بجائے ۹ رجمادی الاول ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بابر کے زمانہ میں اکثر جنگوں میں شریک ہوا تھا۔ انتظام سلطنت سے واقف تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا مگر اس کو ناکامی کا منہ اکثر دیکھنا پڑا۔ بابر نے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اُس نے بھائیوں کو بڑی جاگیریں اور عہدے دیئے۔ مرزا کامران کو کابل اور قندھار عطا کئے۔ عسکری کے حصہ میں سنبھل آیا اور الور مرزا ہندال کو دیا گیا۔

افغانوں کی طاقت پورے طور سے ختم نہیں ہوئی تھی۔ مغلوں سے حکومت واپس لینے کے متمنی تھے۔ ہمایوں کا مخالف گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ تھا۔ اُس نے سلطنت بہت بڑھائی تھی اور راجپوتانہ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ ادھر ہمایوں کا خزانہ خالی تھا اور فوج بھی کم تھی۔ ہمایوں کو جونپور کے قریب چند افغان سرداروں کی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ پھر کالنجر فتح کرکے بہار کی طرف گیا۔ شیر خاں نے اطاعت قبول کرلی۔ پھر گجرات کا بادشاہ جو طاقتور تھا۔ اس کے پاس ہمایوں کے درباری امراء چلے گئے تھے اور مشورہ ہو رہا تھا کہ مغلوں سے حکومت لے لی جائے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا اور مندسور آیا۔ ہمایوں شیر خاں سے صلح کرکے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔

بہادر شاہ سے مقابلہ ہوا۔ بہادر شاہ شکست کھا کر مانڈو پہنچا۔ ہمایوں نے پیچھا کیا۔ پرتگیزیوں کے پاس ڈیو چلا گیا اور ۱۵۳۷ء میں سمندر میں گر کر مر گیا۔ مغل گجرات پر قابض ہو گئے۔ مرزا عسکری وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ ہمایوں نے چمپانیر کا قلعہ فتح کرنا چاہا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ مگر گجرات میں بغاوت ہوگئی۔ مرزا عسکری احمد آباد چھوڑ کر آگرہ چلا آیا۔ یہی زمانہ تھا کہ فرید خاں شیر شاہ بن چکا تھا۔

شیر شاہ سُوری

شیر خاں کا اصلی نام فرید تھا۔ میاں حسن جاگیر دار سہسرام کا بڑا لڑکا تھا۔ ۹۲۴ھ میں جونپور گیا۔ عربی، فارسی، تاریخ و فقہ میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ سے اس کو دلچسپی تھی۔ بہادری اور فاتحانہ سرگرمیوں کو گرہ میں باندھتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں جب حسن خاں جونپور آیا اور شیر خاں کو گھر واپس لے گیا اور جاگیر کا انتظام سپرد کیا۔ اُس نے بہترین حالت اس چھوٹی سی جاگیر کی کر دی۔ مگر اس کی سوتیلی ماں نے وہ صورت پیدا کر دی کہ شیر خاں گھر سے نکل گیا۔ پہلے سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں پہنچا۔ ابراہیم اور بابر میں پانی پت کے میدان میں مقابلہ ہُوا۔ ابراہیم لودھی کا خاتمہ ہُوا۔ بابر دہلی کے تخت کا مالک بن گیا۔

شیر خاں بابری دربار تک پہنچا۔ ایک سال رہا۔ بابر کے دسترخوان پر شریک تھا۔ وہ بار بار شیر خاں کو دیکھتا۔ کھانا کھا کر شیر خاں چلتا ہُوا۔ بابر نے مہتمم سے کہا شیر خاں کو بلاؤ۔ اس نے تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ لگا۔ بابر نے کہا افسوس! خطرناک شخص دام سے نکل گیا۔ یہاں سے شیر خاں بہار پہنچا اور بہار خاں الملخاطب سلطان محمد کے پاس پہنچا اور چند روز میں مقربِ بارگاہ ہو گیا۔ شیر کے مارنے پر شیر خاں کا خطاب پایا اور اُس کے نابالغ لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہُوا۔

سلطان محمد کے مرنے کے بعد جلال خاں تختِ حکومت پر بیٹھا اور سلطان محمد کی حرم دودو نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ شیر خاں نائب بنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملکہ دودو انتقال کر گئی تو شیر خاں اکیلا مختار کل ملکِ بہار ہو گیا۔ مگر سردارانِ لوحانی نے جلال خاں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ شیر خاں وطن چلے آئے۔ لوحانی، جلال خاں کو شاہِ بنگال کے پاس بہکا کر لے گئے[1] شیر خاں نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ ادھر شاہِ

---

[1] تاریخِ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۲۷۔

بنگال سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کرنے کے لئے ابراہیم پسر قطب شاہ کو لشکر دیکر بھیجا۔ شیر خاں فوج لے کر مقابل ہُوا۔ آخرش ابراہیم کام آیا لوحانی بہت سے کھیت رہے۔ جلال خاں بھی ابراہیم کے ساتھ تھا وہ بنگالہ چلتا ہُوا۔ خزانہ و ہاتھی سب شیر خان کے ہاتھ لگے۔ ملک بہار کا شیر خاں مالک ہُوا۔ اُس نے تھوڑے دنوں میں اپنے علاقہ کی حالت سدھار لی اور رعایا امن و امان سے رہنے لگی۔

ہمایوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن شیر خاں نے صُلح کر لی۔ ہمایوں گجرات گیا۔ شیر خاں نے بہار کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنگال کے کچھ حصّہ پر بھی عمل دخل کیا۔ ہمایوں گجرات سے لَوٹا۔ پوری فوج ساتھ تھی۔ چنار پر حملہ کر کے قلعہ کو مسخر کیا۔ چنار کا قلعہ نکل جانے کی خبر سُن کر شیر خاں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اتھاس کے قلعہ میں بھیج دیا اور خود وہاں سے چل دیا۔ ہمایوں چنار سے روانہ ہو کر غور پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ اس عرصہ میں شیر خاں نے موقعہ پا کر چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا اور جب ہمایوں واپس ہُوا گنگا کے قریب اُس کو پٹھانوں نے روکا۔ چونسہ کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں مغلوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں جان بچا کر بھاگا۔ جب وہ گنگا عبور کر رہا تھا نظام سقہ نے مدد کی تو ہمایوں ڈوبنے سے بچا۔ اس کے صلے میں چند گھنٹوں کی بادشاہت اُسے ملی۔

چونسہ کی لڑائی کے بعد شیر خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔ ہمایوں دوبارہ فوج ٹھیک کر کے افغانوں کے مقابلہ کے لئے آیا۔ قنوج کے میدان میں دونوں فریق بڑی بہادری سے لڑے لیکن پھر مغلوں کو شکست ہوئی وہ بھاگ نکلے اور ہمایوں کو سلطنت چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر شاہ نے پنجاب تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور کھوکھروں کو شکست دے کر شمالی پنجاب اور سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے مالوہ، سندھ اور رائے سین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ پھر راجہ جودھپور سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور راجپوتانہ کے اکثر حصّے سوری سلطنت میں شامل کر لئے۔ پھر شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا۔ بارود میں آگ لگ جانے سے شیر شاہ

زخمی ہوا۔ قلعہ تو فتح ہوا لیکن ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو یہ لائق فائق بادشاہ پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد مر گیا۔ اس وقت اس کی حکومت تمام شمالی برصغیر میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن شیر شاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کا وہ نظامِ حکومت تھا جس کی بنیادوں پر مغلوں نے اپنی مضبوط اور پائدار سلطنت قائم کی۔

شیر شاہ کا نظامِ حکومت اور اصلاحات

شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو ۴۷ حصوں میں تقسیم کیا تھا جو سرکار کہلاتے تھے۔ ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے اور ہر پرگنہ میں ایک شقدار۔ ایک امین، ایک منصف۔ ایک خزانہ دار اور چھوٹے سرکاری افسر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ پٹواری، مقدم اور چودھری بھی ہوتے تھے جو مالگذاری جمع کرتے تھے۔ شیر شاہ نے زمین کی پیمائش کرائی۔ اس کے بعد پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ حکومت وصول کر لیتی تھی۔ سرکاری مالگذاری نقد بھی دی جا سکتی تھی اور جنس کی شکل میں بھی۔ کسان اس طرح سے خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ خشک سالی کے موقعہ پر ان کی مدد ہوتی۔ اسی طرح فوجی انتظام میں اصلاحیں کیں۔ اُس نے علاء الدین خلجی کے فوجی انتظام کو نہیں اپنایا۔ یعنی گھوڑوں پر داغ لگانا۔ شیر شاہ کی فوج میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیادے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا۔ رعایا پر ظلم نہیں کرتا تھا جو فوجی رعایا پر تشدد کرتا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔

شیر شاہ نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کئے۔ ایک سڑک بنگال سے پنجاب تک آگرہ سے راجپوتانہ دوسری برہان پور جاتی ہوئی لاہور سے ملتان تک نکالی۔ ہر منزل پر سرائیں، مسجد، کنواں تعمیر کرایا۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ ہندو مسلمانوں کے لئے سراں میں کھانے رہنے کا انتظام رہتا۔

پانچ سال کے اندر اُس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا کہ پیش رو نہ کر سکے۔ سلطنت کے ہر معاملہ کو خود دیکھتا اور اُس کا انتظام کرتا۔

معمولات و وظائف صبح کو بہت سویرے اُٹھتا۔ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ وظائف سے فارغ ہو کر سلطنت کے کام میں لگ جاتا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر کچھ آرام کرتا۔ پھر انتظام سلطنت میں مشغول ہو جاتا۔ نماز کا بڑا پابند تھا۔ اسلام کا متوالا تھا احکام اسلامی کا سختی سے متبع تھا۔ رعایا کو بھی پابند بنانا چاہتا تھا علماءُ صوفیاء کا احترام کرتا تھا مختصر یہ کہ شیر شاہ کی ہستی تاریخ میں مایۂ ناز ہستی ہے۔

ہمایوں کی دوسری تخت نشینی

ہمایوں قنوج کی لڑائی کے بعد پنجاب، سندھ اور راجپوتانہ کے ریگستان میں مارا مارا پھرا۔ اس زمانہ میں امرکوٹ کے قلعہ میں ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں نے قندھار کا رُخ کیا۔ اس کا بھائی عسکری حکمراں تھا۔ اُس نے ہمایوں کی مدد بھی کی۔ آخر کار ایران چلا گیا۔ یہاں شاہ طہماسپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور رجب ۱۵۴۷ء میں قندھار پر ہمایوں نے حملہ کیا تو شاہ نے مدد کی۔ ہمایوں کامیاب ہوا مگر پھر بھائی کو ہی دے دیا۔ پھر کابل پر یلغار کی اور قبضہ کر لیا۔ پھر اپنی سلطنت افغانوں سے واپس لے لی۔ شیر شاہ کے جانشین کمزور تھے۔ پنجاب پر سکندر لودھی کا قبضہ تھا۔ ہمایوں نومبر ۱۵۵۴ء میں پندرہ ہزار سوار لے کر کابل سے روانہ ہوا اور لاہور پر قبضہ کر لیا اور سرہند کے نزدیک ماچیواڑے میں سکندر لودھی کو شکست دی اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ اُس نے شہنشاہ اکبر اور بیرم خاں کو سکندر کا پیچھا کرنے کے لئے پنجاب ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ ہمایوں کی بدقسمتی سامنے آئی۔ اس کامیابی کے چھ مہینے بعد ہی وہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا۔ تین دن تک بیہوش رہ کر ۱۵۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تاریخ ؎

ہمایوں بادشاہ از بام اُفتاد ۹۶۳

اُس کی موت کی خبر فوراً بیرم خاں کو بھیجی گئی۔ بیرم خاں سمجھدار آدمی تھا اُس نے بہت جلد انتظام کر کے اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور کلانور ضلع گورداسپور میں

رسم تاجپوشی ادا کی۔

ہمایوں بہادر اور اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا۔ پھر وہ عملی اقدام اُٹھانے میں دیر کر دیتا تھا جس کی وجہ سے نقصان اُٹھانا پڑا۔ اہلِ علم کا قدردان تھا، اسطرلاب ہمایوں اس کی علمی یادگار ہے۔ شاعر بھی تھا وہ احسان فراموش نہ تھا۔ ہمایوں کی یہ قابلیت کبھی نظرانداز نہیں کی جا سکتی۔ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر قائم کی اور دوبارہ مغلیہ حکومت کی بنیادیں استوار کر گیا۔

ہمایوں کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

مغل سلاطین صاحب علم وفضل تھے اور اُن کے درباروں سے علماء وابستہ رہے اور وہ ملک میں علم وتعلیم کا فیض پہنچاتے تھے۔ مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے اور پچھلے فرماں رواؤں کے طرز پر اُن کے مصارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ نیز ملک میں جابجا علماء کے وجود سے مدرسے جاری تھے۔ ہمایوں کو علم ہئیت وہندسہ کا شوق تھا۔ اس عہد کے باکمال ہئیت دان مولانا نورالدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ کبھی خود اُن سے درس لیتا اور کبھی اُن کی فنی مشکلات حل کرتا[1] ہمایوں کے عہد میں دو نئے اہم مدرسے لائقِ ذکر ہیں۔ ایک زین الدین خوافی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے[2] اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس تھے[3]

---

[1] مآثر الامراء جلد ا صفحہ ۶۴۹ [2] منتخب التواریخ جلد ا صفحہ ۴۷۱ [3] آئین اکبری۔

اکبر اعظم

اکبر کا نام ولقب ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر۔

پیدائش امرکوٹ میں ۵ رجب سنہ ۹۴۹ھ میں ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت ابتدائی دو سال اپنے چچا مرزا عسکری کے آغوش میں کاٹے۔ پھر باپ کے سائے میں نشوونما پائی۔ سوا چار برس کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔ ملا عصام الدین کو اخوندی کا اعزاز ملا۔ ملا بایزید، ملا عبدالقادر اخوند، ملا پیر محمد، میر عبداللطیف قزوینی سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھا۔ شیخ مبارک کی شاگردی بھی کی۔ مگر سلاطین زادے تھے، شکار میں جی لگتا تھا اس طرف سے طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔

ابتدائی سوانحات سکندر کے مقابلے کے لئے سنہ ۹۶۱ھ میں ہمایوں نے بیرم خاں کے ساتھ اکبر کو جن کی عمر بارہ سال تھی بھیجا۔ سرہند پر اکبر نے ایسی دادِ شجاعت دی کہ یہ معرکہ اس کے نام فتح ہوا۔ ہمایوں نے ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا۔ بیرم خاں کو اس کا اتالیق کر کے ادھر روانہ ہوا۔ سکندر قلعہ بند تھا۔ برسات کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو گئی۔ ہوشیارپور کے میدان میں شکار ہونے لگے۔ ادھر ہمایوں بھی کتب خانہ کی چھت سے نیچے آرہے۔ اس کے سات روز بعد ہمایوں عالم قدس سدھار گئے۔

تخت نشینی سنہ ۹۶۳ھ میں ہمایوں کے انتقال کی خبر پاکر بیرم خاں نے مقام کلانور ضلع گورداسپور کی عید گاہ میں تمام امراء کو جمع کر کے باضابطہ تاج پہنا کر ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اکبر نے بعد تخت نشینی بیرم خاں کو جو کہ خانخاناں کے لقب سے مشہور تھا، خان بابا کا خطاب عطا کیا اور دہلی مراجعت کی۔

راہ میں خبر ملی کہ ہیموں بقال وزیر محمد شاہ عدل محمد خاں سوار کو قتل کر کے آگرہ دہلی پر متصرف ہو گیا اور تیس ہزار کی جمعیت سے لاہور کی جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ اکبر نے پانی پت کے میدان میں نبرد آزمائی کی۔ ہیموں زخمی ہوا۔ اکبر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا اور بیرم خاں کے ہاتھ سے دار کو پہنچا۔ اس فتح سے دہلی و آگرہ پھر خاندانِ مغلیہ کے زیر نگین ہو گیا۔ اکبر نے دار الخلافت میں آکر اپنی تخت نشینی کا دوبارہ جشن کیا۔ اس کے بعد خبر ملی کہ سکندر پہاڑوں سے نکل کر پنجاب میں غدر برپا کر رہا ہے۔ اکبر نے اس پر فوج کشی کی۔ سکندر نے اطاعت قبول کر لی۔ پٹنہ کی مہم پر فوج بھیجی جا رہی تھی اس کا سردار مقرر ہوا جہاں سکندر نے دو سال بعد انتقال کیا۔

خود مختاری بیرم خاں خانخاناں خان بابا ہمایوں کا ممتاز درباری تھا۔ اکبر بھی نہایت ادب کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امورِ سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس کی خود رائی اور بے اعتدالی سے اکبر پریشان ہو گیا۔ امراء کے مشورہ سے ۹۶۹؁ھ میں شکار کے بہانے دہلی گیا۔ وہاں سے بیرم خاں کے نام فرمان بھیجا کہ تمام انتظامِ سلطنت آج سے ما بدولت بلا شرکت غیرے انجام دیں گے۔

بیرم خاں کی آنکھیں کھل گئیں اور حج کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راہ میں خیال گزرا کہ ہند میں تیموری سلطنت کا قیام میری ذات سے ہے۔ کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ آور ہوا۔ شاہی فوج سے شکست کھائی۔ اکبر نے سابقہ رفاقت کا خیال کر کے معاف کر دیا اور کہا کہ چاہو تو اوّل درجہ کی درباری سردار یا بڑے صوبہ کا جاگیردار کر دوں یا پنشن لیکر حج کو چلے جاؤ۔ بیرم خاں نے شرمندگی سے تیسری شرط منظور کر لی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ گجرات پہنچا ہی تھا کہ پٹھانوں نے اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

اکبر مستقل خود مختار ہونے کے بعد سے صوبوں کا بندوبست اور رعایا کی خوشحالی کا انتظام کرنے لگا۔ رعایا میں اخلاقی برتاؤ نے گھر کر لیا۔ راجہ، رانا، سردار اور ٹھاکروں کو حسب مراتب حاضر دربار ہونے کی اجازت بخشی۔ ملک کے صاحب کمال علماء، فضلاء قدردانی سے کھنچ کر چلے آئے۔ بلا خیال قوم و ملت اپنا مصاحب بنایا۔ انہی میں سے وزراء کی کونسل

قائم کی۔ نورتن نام رکھا۔ تمام ملکی جنگی انتظام اُس کے تحت کر دیئے۔

اکبری نورتن

خان اعظم عزیز مرزا کوکلتاش ہفت ہزاری و مرزا عبدالرحیم خانخاناں خلف بیرم خاں خان خاناں سنہ ۹۶۴ھ لاہور میں پیدا ہوا سایۂ اکبری میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مہارت تمام رکھتا تھا۔ احمد آباد میں مظفر کے مقابلے میں دس ہزار فوج سے چالیس ہزار پر فتح پائی۔ پنج ہزاری منصب خانخاناں عطا ہوا۔ سنہ ۹۹۸ھ میں ٹوڈر مل کے بعد وکیل مطلق کا منصب عنایت ہوا اور احمد آباد کے عوض جونپور جاگیر میں ملا۔

سنہ ۹۹۹ھ میں ملتان اور بھکر جاگیر میں ملے۔ سنہ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ مسیح الدین حکیم میر ابوالفتح گیلانی سنہ ۹۹۷ھ میں وفات ہوئی۔

ابوالفیض فیض فیاضی

سنہ ۹۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ باپ کے سائے میں علم و فضل کی تکمیل کی شعر و شاعری میں کمال حاصل کیا۔ سنہ ۹۹۶ھ میں دربارِ اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ شہزادگان کے اتالیق تھے۔ ۱۰ صفر سنہ ۱۰۰۴ھ میں بعارضہ ضیق النفس انتقال کیا۔ روضہ لاڈلی بیگم میں دفن ہوئے۔

علامی ابوالفضل

اسلام شاہ کے عہد میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ ملا مبارک سے علوم عقلیات و نقلیات میں تحصیل ۱۵ برس کی عمر میں کی۔ دربارِ اکبری میں اوّلاً دارالانشا کی خدمت میں فائز ہوتے۔ بعد ازاں مشیر کار میر منشی مصاحب خاص و وقائع نگار و واضع قوانین سنہ ۱۰۱۰ھ میں پنجہزاری منصب عطا ہوا۔ شہزادے سلیم کی سازش سے یکم ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ قصبہ آنتری میں قتل کر دیئے گئے۔ لاش وہیں دفن ہوئی۔ آئین اکبری، اکبر نامہ، مکاتیب علامی یادگار چھوڑے۔

حکیم ہمام

حکیم ابوالفتح گیلانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہستی تھے۔ دربارِ اکبری سے منصب ششصدی تھا۔ دسترخوان خاصہ کا اہتمام ان ہی کے سپرد تھا۔ لاہور میں سنہ ۱۰۰۳ھ میں انتقال کیا۔

راجہ بیربل

سنہ ۹۵۱ھ میں موضع ہجران میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کالی داس کا

سایہ اُس کے سر سے بچپن ہی میں اُٹھ گیا تھا۔ کنبے کے ٹکڑوں پر گزر ہوئی۔ حاضر جواب اور ظریف تھا۔ ہندی شعراء میں دربار اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا اور مصاحب اکبری میں داخل ہُوا۔ راجہ کا بھی خطاب ملا۔

راجہ ٹوڈر مل یہ وہی راجہ ٹوڈر مل ہے کہ جس کے نام سے مالی قوانین اکبری کی شہرت ہے جو ایک تاریخی غلطی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ٹوڈر مل لاہرپور کے بے حیثیت کم سواد نوکری پیشہ سوریہ کی ادنیٰ درجہ کا متصدی تھا۔ بعد کو اعتبار خاں خواجہ سرا اور مظفر خاں اکبری کے پاس کام کیا۔ پھر شاہی متصدیوں میں داخل ہو گیا۔ خواجہ منصور سے کاروان و محاسب کی ترقی منصب میں سنگِ راہ دیکھ کر اُس کے قتل کی سازش میں شریک ہُوا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اکبر کی ہندو پروری اور ہندو نوازی کے طفیل وزارتِ مالیہ پر سرفرازی نصیب ہُوئی، با اختیار خود کام کے لائق نہ تھا اس لئے باوجود دیوانِ مال ہونے کے ارکانِ اکبری امین الملک علّامہ فتح اللہ شیرازی کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

"حکم شد کہ راجہ ٹوڈر مل مہمات ملکی و مالی بصواب دید امیر مد و برو کند و کہن معاملہا کہ از زبان مظفر خاں تشخیص نیافتہ با نجام رساند امیر نصیحے چند کہ متضمن کفایت سرکار و رفاہ رعایا بود سر گزار و پزیرفتہ شد۔"

جب معمولی خدماتِ منصبی کا یہ حال تھا کہ بغیر نگرانی بجا نہ لا سکتا تھا تو مالی قوانین جو ٹوڈر مل کے نام سے مشہور ہیں بھلا کیا خاک اختراع کرتا وہ حقیقتاً آئین شیر شاہی کا صدقہ اور مظفر خاں و خواجہ منصور و میر فتح اللہ وغیرہ کی ترمیم و تصرف کا نتیجہ تھے۔ جن کا سہرا تاریخی سامحت سے ٹوڈر مل کے سر ہو گیا۔ تغیر و تناسخ کے بعد اسلامی قوانین آئینِ اکبری کے بدن میں ظہور میں آئے جس کے انتساب سے اکبر، اکبر اعظم ہُوا۔ جب اکبر قوانین کا مخترع اور موجد نہ تھا تو بے چارے ٹوڈر مل کی کیا حقیقت تھی کہ وہ بجائے خود آئین کو منضبط کرتے۔ ٹوڈر مل کے نام سے جو قوانین منسوب تھے اُن کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مالیات کا کام عموماً مسلمانوں

کے سپرد تھا۔ اس محکمہ میں پہلی بار غیر مسلم کا دخل ایک انوکھی بات تھی۔ اکبر کی خانماں سوز پالیسی نے مسلمانوں کو دبایا اور دوسروں کو بڑھایا اس لئے ٹوڈرمل کا نام اچھل گیا جس کا وہ کسی طرح مستحق نہ تھا۔

فتوحاتِ اکبری اکبر کی عادت تھی کہ جس سردار کو باغی دیکھتا خود بغاوت فرو کرنے جاتا۔ باغی رہا تو سزا پائی معافی چاہی تو عفو تقصیر کیا۔

ادہم خاں اور عبداللہ خاں اور آصف خاں یہ اکبر کے امراء میں سے تھے۔ ایک وقت میں سب نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ ۹۷۴ھ، ۱۵۶۷ء میں اکبر نے سب کو مطیع کر لیا جس نے خودسری کی جان سے مارا گیا جس نے عفو چاہی خطا معاف ہوئی۔

راجگان جے پور جودھپور اور چتوڑ پانچ سال تک اکبر سے لڑتے رہے۔ آخر کار اُن پر ۹۸۰ھ میں کامل فتح حاصل کی۔ عزیز مرزا اکبر کا کوکہ جس کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا گجرات کا صوبہ دار تھا۔ ۹۸۱ھ میں یہ خبر ملی کہ دکن کے باغیوں نے حسین مرزا اور اختیار الملک دکن کو اپنی جمعیت میں شریک کر لیا ہے اور گجرات پر قبضہ کر کے عزیز مرزا کو قلعہ بند کر دیا ہے۔ اکبر نے صرف تین سو جانثار منصب داروں کو ہمراہ لے کر ستائیس منزلیں ۹ روز میں طے کر کے دشمنوں کے جاسوسوں سے پہلے احمد آباد و گجرات میں جا گھسا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حسین مرزا گرفتار ہوا اور اختیار الملک بھاگتا ہوا قتل ہوا۔ عزیز مرزا کو قلعہ سے نکال کر اکبر نے پھر وہیں کا حاکم کر دیا۔ اور خود واپس آیا اس میں صرف چالیس روز لگے۔ اس طرح اکبر نے ۹۸۳ھ میں بنگال، بہار، اڑیسہ کو جہاں تک پٹھانوں کا قبضہ تھا فتح کیا۔ ۹۹۴ھ میں خطۂ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق کر لیا۔ ۱۰۰۰ھ میں سندھ پر فتح پائی اور ۱۰۰۲ھ میں قندھار اپنے تصرف میں لایا۔

تسخیرِ دکن اکبر کے عہد میں دکن کی سلطنت تین حصوں میں منقسم تھی۔ احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور کی بادشاہت جدا جدا حکمرانوں کے قبضہ میں تھی۔ احمد نگر میں اتفاق سے نااتفاقی پیدا ہوئی اور سلطنت کے چار دعوے دار پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اکبر سے مدد چاہی۔ یہ منتظر تھے ہی، اپنے منجھلے بیٹے مراد کو مرزا عبدالرحیم خانخاناں

کے ساتھ فوج لے کر دکن جانے کا حکم دے دیا۔ شاہی فوج پہنچی بھی نہ تھی کہ شیر خوار دعویدار بہادر نظام شاہ کے نام احمد نگر فتح ہو چکا تھا۔ بسبب خوردسالی سلطنت کا انتظام اس کی پھوپھی چاند بی بی کرتی تھی۔ جس وقت اکبر کی فوج قلعہ پر حملہ آور ہوئی، چاند بی بی خود مُنہ پر نقاب ڈال کر تلوار ہاتھ میں لے کر فوج کو کمان کرتی ہوئی مقابلہ میں آئی۔ زنانہ جرأت نے مَردوں میں بہادری پیدا کر دی۔ مغلوں کا پہلا حملہ بیکار گیا۔ شاہی فوج کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہُوا۔ برابر کا علاقہ لیکر واپس دارالخلافہ لَوٹ پڑے۔ دوسری مرتبہ اکبر نے اپنے چھوٹے بھائی دانیال کو خانخانان کے ساتھ فوج دے کر بھیجا اور بُرہان پور تک خود آیا۔ اس مرتبہ یہ نمک حرام وزیر کے نوکروں کے ہاتھوں قتل ہو چکی تھی۔ اکبری فوج نے بلا وقت قلعہ میں گھس کر تمام فوج کو قتل کیا اور بہادر نظام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار کو روانہ ہوا اور اکبر نے ۱۰۰۹ھ میں خاندیس کو احمد نگر سے ملا کر اُس پر اپنے وزیر ابوالفضل کو صوبیدار مقرر کیا۔

وسعتِ سلطنت اکبر نے ہمایوں سے وراثت میں مختصر سی سلطنت پائی تھی جس میں پنجاب اور آگرہ دہلی کے اردگرد کے اضلاع داخل تھے لیکن اکبر نے اس کو وہ ترقی دی کہ شمال کی جانب کابل، کشمیر، قندھار، سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک اور مشرق میں اڑیسہ تک پھیل گئی۔

صُوبہ و نظامِ سلطنت اکبر نے کل قلمرو کو اٹھارہ صوبوں پر تقسیم کیا اور ہر صُوبہ پر ایک نائب السلطنت مقرر کیا اور اس کے تین صیغوں کے پورے اختیار دیدیئے۔ ایک صیغۂ نظامت قائم کیا جس میں سررشتہ پولیس بھی شامل تھا۔ صیغہ مذکور کے متعلق عدالتیں دیوانی و فوجداری کے داد خواہوں کی دادرسی کے واسطے مقرر تھیں۔ جس کا اعلیٰ افسر میر عدل ہوتا تھا اور اس کے ماتحت قاضی ہر بڑی جگہ متعین ہوتے تھے۔

صیغۂ مال صیغۂ مال میں اکبر نے زمین کی پیمائش کرائی اور ہر بیگھہ کی پیداوار کا زرِ نقد مطالبۂ سرکاری قرار دیا اور ہر سال کی جمع بندی کے قرضے دُور

کرنے کے لئے دس برسی کا میعادی بندوبست کیا۔ عہدِ اکبر میں خزانہ میں بیالیس کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اکبر نے رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی کے وہ آئین وقوانین ایجاد کئے جو اُس سے پہلی دُنیا کیلئے نصب العین اور پچھلی دُنیا کے لئے دستور العمل قرار پائے ایک قوانینِ عمدہ جاری کئے تھے جن کا نام "آئین اکبری" ہے۔

اصلاحاتِ مُلکی اکبر نے ہندوؤں کو کمسنی میں شادی کرنے، بیوہ کو زبردستی بٹھائے رکھنے، بیوی کو خاوند کے ساتھ ستی ہونے پر مجبور کئے جانے، قسم کھاتے وقت گرم گولہ اُٹھانے اور جلتے تیل میں ہاتھ ڈالنے وغیرہ کی ممانعت کی۔ جزیہ ملتوی کیا۔ جاتریوں پر جو محصول تھا وہ معاف کیا۔

امورِ سلطنت امور سلطنت کو چار حصّوں میں تقسیم کیا۔

(۱) سرکار آتش کے ماتحت، توپ خانہ، تربیت، اسلحہ و آلات حرب وغیرہ۔

(۲) سرکار ہوائی کے تحت میں باورچی خانہ، اصطبل، فیلخانہ، شیر خانہ وغیرہ تھے۔

(۳) سرکار آبی کے تحت میں شربت خانہ، نہروں کا انتظام تھا۔

(۴) سرکار خاکی کے تحت زراعت کا انتظام و عمارت وقواعد خالصہ وغیرہ تھے۔ ہر ایک افسر کی وردی رنگ کے اعتبار سے تھی۔

سیرت اکبر رحمدل، نیک مزاج اور دیندار تھا۔ فقراء کی خدمت کرتا۔ لاکھوں روپیہ درگاہوں پر چڑھاتا۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتا۔ ہر سال حج کے لئے قافلے روانہ کرتا۔ کبھی خود بھی دو چادروں کا لباس پہن کر ننگے سر ننگے پیر لبیک کہتا ہُوا دُور تک قافلے کے ساتھ جاتا۔ فقیہہ، محدث، علماء کا بہت ادب کرتا اور ہر امر میں اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتا۔ مگر علماء کی باہمی خانہ جنگی سے اکبر میں بدخیالی پیدا ہو گئی۔ دین طلبی کے بجائے دُنیا طلبی اُس کا شیوہ ہُوا۔ قیامِ حکومت کے لئے باپ دادا کا رنگ دیکھ اور سُن چکا تھا کہ اپنوں کے ہاتھ تمام عمر پریشان رہے۔ پست قوم کی دستگیری کی۔ ہم قوم کو گرایا دوسروں کو اُبھارا۔ یہ ترکیب اُسے راس آئی عرصہ تک دولتِ دُنیا نے اخلاق کے پیر تھامے رکھے۔

سیاسی تدبیر اکبر نے حاکم و محکوم میں اتحاد کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ عقلمند سے عقلمند دام میں پھنسنے لگے۔ اپنا طرزِ زندگی وہ اختیار کیا کہ جس قوم اور مذہب کا آدمی اس سے ملے تو اُس کو فوراً یقین آجائے کہ بادشاہ ہمارے مذہب کا متوالا اور شیدا ہے۔ چنانچہ نوساری گجرات کے آتش پرست شاہ اکبر تک پہنچے تو حکم ہوا کہ پارسیوں کے عقیدے کے مطابق آتشکدہ بنایا جائے اور نہایت احتیاط رہے کہ اُس کی آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے۔ رُوم کا پوپ اکبر کے پاس آیا اور بائبل کے مضامین اور مطالب سُنائے۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تصویر پیش کی اکبر دوزانو کھڑا ہو گیا اور اس قدر ظاہری شوق دکھایا کہ ابوالفضل توراۃ اور انجیل کے ترجمے پر مقرر ہوئے۔ چنانچہ ابوالفضل نے یہ مصرعہ کہا ؎

اے نامے تو زرکہ کرستو

دوسرا مصرعہ سوچ رہا تھا کہ ملک الشعراء فیضی برابر سے بولے :

سبحانک لاشریک یا ہو

ہندوؤں سے تعلقات و صحبت بہ نسبت پارسیوں اور نصاریٰ کے بدرجہا زیادہ تھی اس لئے اُن کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ سب سے بالا تھا۔ ظاہری وضع بالکل ہنود کی سی تھی۔ بعض رسوم بھی اختیار کیں۔ پنڈتوں نے اکبر کی نظرِ التفات جو اُن کی طرف دیکھی تو ایسے پسیجے کہ ایک مسلمان کو اپنے یہاں کا پدرمشیراوتار قرار دے دیتا اور مثل دیوتاؤں کے اُن کے بھی ہزاروں سہسر قائم کر دیئے اور خاطراً وید مقدس میں مذہب اسلام کی تصدیق کے اشلوک دکھانے لگے۔

دینِ الٰہی اکبر نے رعایا کو مطیع کرنے کے لئے ایک اور ترکیب نکالی اور علماء سے فتویٰ لیا " اولی الامر منکم "، کے موافق بادشاہ صاحبِ اجتہاد بن گئے۔ اس اجتہاد کا نام " دینِ الٰہی " رکھا۔ بندگی، مجرکا، تسلیمات کے عوض ایک شخص اللہ اکبر کہتا اور دوسرا جواب میں جل جلالہٗ کہتا اور دینِ الٰہی میں ہر مذہب کے لوگ داخل

ہو کر بادشاہ کے مریدوں میں داخل ہونے لگے۔ چیلوں کو شجرے کے عوض اپنی تصویر عطا ہوتی اور ہمیشہ اللہ اکبر کا وظیفہ رٹنے کی ہدایت کی گئی۔ امیر مسلمانوں کا شامل ہونا مخول تھا مگر ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس پھندے میں پھنسنے لگے اور جو بیگانگی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں میں تھی وہ اس ترکیب سے جاتی رہی۔ اب ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو عزیز و اقارب کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ اکبر اعظم ہندوستان کے مختلف المذہب لوگوں کا نہ صرف حکمراں بلکہ پیر بنا ہوا تھا۔ دین الٰہی اکبر شاہی مذہب وہ نہ تھا جس کو مؤرخین یورپ نے آفتاب پرستی کا مرادف قرار دیا ہے مصلحت ملکی سے اکبر نے یہ دین قائم کیا تھا۔ دین الٰہی حقیقتاً سیاسی اور اخلاقی کھیل تھا۔ اس کا حال خود جہانگیر نے "تزک" میں یوں تحریر کیا ہے :-

"در وقتِ ارادت آوردن مریداں چند کلمہ بطریق نصیحت مذکور می گردد بایدکہ در وقت خود را بدشمنی ملتے از ملتہا تیرہ مکدر نسازندو با جمیع ارباب عمل طریق صلح کل مدعی وارند ہیچ جانداری را بدست خود نہ کشتند و سلاخ طبیعت نہ باشند مگر در جنگہا و شکارہا۔

مباش در پئے بیجانِ نمودن جاندار | مگر بعرصے پیکار یا بوقت شکار

تعظیم بذات را کہ بظاہر نور الٰہی اند بقدر درجات ہر ایک باید نمود و مؤثر، موجد حقیقی در جمیع ادوار را اطوار خدائے تعالیٰ را باید دانست بلکہ فکر باید کرد تا در خلوت و کثرت خاطر لمحہ از فکر و اندیشہ او خالی نہ باشد۔

لنگ و پوچ خفتہ شکل و بے ادب | سوئی او می غنج و داری طلب

والد بزرگوارم ملکہ ایں معنی مہم رسانیدہ۔ در کم وقتے ازیں اوقات

ازیں فکر خالی بودند | یہ ہے دین الٰہی اکبر شاہی

شاہزادہ سلیم کی بغاوت اکبر جس زمانے میں برہان پور گیا تھا وہاں اُسے اپنے بڑے بیٹے سلیم کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ سلیم کا سن ۳۰ سال کا تھا۔ عقیل و دانا ہونے کے ساتھ شراب اور افیون کے استعمال سے

دماغی قوت صحیح نہیں رہی تھی۔ سلیم نے الہ آباد لے کر صوبہ اودھ اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ زمانہ ساز اکبر نے بجائے کسی سختی کے نہایت نرمی سے ایک فہمائش تحریر کی اور آپ آگرہ میں جا داخل ہوا۔ سلیم نے باپ کو عاجزانہ جواب لکھا اور قدم بوسی حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ جب اٹاوے تک پہنچا تو اکبر کو خبر ملی کہ سلیم کے ساتھ فوج کثیر ہے۔ فوراً حکم دیا کہ اگر تم صفائی قلب رکھتے ہو تو آؤ ورنہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ چنانچہ سلیم الہ آباد کو لوٹ گیا۔ اکبر نے مصلحتِ وقت کی بناء پر تھوڑے دنوں کے بعد صوبہ بنگال اور اڑیسہ اُس کے حوالے کر دیئے۔

اکبر کی شادی بیاہ

اکبر کے اخلاق نے راجگانِ ہند کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ انہوں نے اپنی بیٹیاں نذر میں دے دیں۔ دخترِ راجہ بہارا مل کھوا بردائی، جے پور، دخترِ کلیان مل والئی بیکانیر، دخترِ راجہ ڈونگرپور ہندو رانیاں اکبر کے عقد میں آئیں۔ تارا بھائی اور من بھاؤتی رانی اور تھیں۔ راجہ بہارا مل کی لڑکی سے جہانگیر پیدا ہوئے۔ اس خاتون کو اکبر نے مریم زمانی کا خطاب دیا۔

اولاد

جہانگیر ۲۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ میں پیدا ہوا۔ شہزادہ مراد ۱۰ محرم ۹۷۸ھ میں فتحپور میں پیدا ہوا۔ ۳۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۸ھ میں جوانمرگ دنیا سے گیا۔ شہزادہ دانیال تیسرا لڑکا تھا۔ اس کا بھی ۳۳ برس کی عمر میں ۱۰۱۳ھ میں انتقال ہوا۔

اکبر کی آخری زندگی

اکبر کی ابتدائی اور وسطی زندگی جس خوبی اور عمدگی سے بسر ہوئی آخری حصہ کو وہ میسّر نہ ہوئی۔ اس کے نورتن کے ارکان کا بچھڑنا، حکیم ابوالفتح گیلانی راجہ ٹوڈرمل کا مرنا، بیربل کا یوسف زئیوں کی جنگ میں مارا جانا۔ ابوالفضل کا دغا سے بہ اشارۂ سلیم قتل ہونا، شہزادہ دانیال و مراد کی موت کا رنج، دوسری طرف شہزادہ سلیم کی باغیانہ زندگی کا قلق ان سب واقعات نے اکبر کو گھلا دیا۔ انتظام سلطنت اور تکلفاتِ شاہی سے جی اُچاٹ ہونے لگا۔ سلیم کی سوتیلی ماں سلطانہ بیگم نے باپ بیٹے کے درمیان صُلح کرا دی۔ مگر اکبر کی روز بروز حالت خراب ہونے لگی۔ بیماری آ گئی۔ جسم نحیف ہونے لگا۔ غذا چھوٹ گئی اور

بجز پلنگ پر پڑے رہنے کی اور کسی کام کی طاقت نہ رہی۔ لیکن اپنے سب امراء کو طلب کیا۔ بہت کچھ نصیحت کی اور سب سے اپنی خطا معاف کرائی اور اپنے سامنے شہزادے سلیم کو بلا کر کمر سے تلوار بندھوا کر وصیّت کی کہ خاندانِ شاہی کی عورتوں کی خبر گیری کرنا اور میرے دوستوں کو فراموش نہ کرنا۔ اس کے بعد توبہ کی۔

وفات ۱۳ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کو ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر نے اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی راہ لی۔ باغ سکندری میں دفن ہوئے۔

عہدِ اکبری میں علمی ترقی

بابر و ہمایوں کے زمانہ میں جو طریقہ تعلیم تھا اکبر کے ابتدائی عہد میں قائم رہا۔ حکومت کی طرف سے کم مگر ذاتی طور سے درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا۔ شاہ رفیع الدین انجوی کا مدرسہ مخدوم نظام الدین بندگی امیٹھوی کی درس گاہ شیخ آدم گوپالوی کا مدرسہ، ملا مبارک ناگپوری کا درس و تدریس اپنی جگہ اپنی اپنی جامعات (یونیورسٹیاں) تھیں۔ اکبر کے ذہنی انقلاب نے قدیم تعلیم کے خلاف ایک نئی صورت اختیار کی۔ ۹۹۵ھ میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کے روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم، حساب، طب، فلسفہ مدرسوں میں رائج کئے[1]

نصابِ تعلیم کی اس تبدیلی کو ابوالفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے جیسے ہم آگے دکھائیں گے۔ لیکن یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس شاہی فرمان کی رو سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہو گئے لیکن عربی و اسلامی علوم خارج نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی جابجا اسلامی مدرسے قائم رہے جس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ قلیج خاں کے متعلق جو دربار اکبری کے امراء میں سے تھا۔ مآثر الامراء میں ہے :-

---

[1] منتخب التواریخ جلد ۲ صـ ۲۶۳ (عہد اسلامی کا ہندوستان صـ ۲۶۹)

"قلیج خاں صلاح وتقویٰ بسیار داشت و در تسنن متعصب بود ۔ ہمیشہ بدرس علوم و افادہ طلاب استعمال نمود گویند در صوبہ داری لاہوری کمپاس ؟ بدرس فقہ و تفسیر و حدیث در مدرسہ قیام می درزید و با قصی غایت در ترویج علوم شرعیہ می کوشید۔"[1]

عہدِ اکبری کا ایک مشہور مدرسہ مدرسہ ماہم بیگم تھا۔ جس کی عمارت خیر المنازل کے نام سے مشہور تھی۔[2] بدایونی نے اس مدرسہ کو مدرسہ بیگم کے نام سے یاد کیا ہے، نیز آگرہ و فتح پور سیکری میں خود اس نے متعدد عربی مدرسے قائم کئے۔ اکبری دور میں کشمیر و بیجاپور میں غیر معمولی تعلیمی انقلاب ہوا۔ اس وقت تک یہاں علوم متعارفہ کا در فارسی رسم الخط کا رواج ہوا۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے:-

"اگرچہ دراں چندے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گو نید بودند آیا علوم متداولہ شیوع تمام نداشت خط نستعلیق نیکو می نوشتند و بندے زبان شعراء داشتند بعد ازاں کہ در عہد و دولت حضرت آشیانی نشاکش با کتب اکثر ساکنان شہر اکتساب مراسم اہلیت و لوازم آدمیت نمودہ شائستگی جوہر بکار ساختند و فارسی گفتن و خط خوش نوشتن و نغمہ فارسی سرائیدن رواج تمام یافت۔"

اسی طرح بیجاپور میں عادل شاہ نے چند خاص تعلیمی انقلاب بھی برپا کئے تھے۔ دارالاقامہ کے لڑکوں اور استادوں کے لئے نفیس غذائیں اور لڑکوں کے سالانہ امتحان کے لئے انعامات دیئے جانے کے قواعد مقرر کئے تھے۔[3]

مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہدِ اکبری میں تعلیم کا چلن عام تھا۔ سرکاری مدرسے عام ممالک محروسہ میں جاری تھے۔ آگرہ میں عالی شان مدرسہ تھا۔ فتح پور سیکری میں مدرسہ ابوالفضل جس کی عمارت موجود ہے۔ مولانا علاء الدین لاری کا مدرسہ، مدرسہ حسن تھا۔ مفتی

---

[1] مآثر الامراء جلد ۳ صفحہ ۱۰ [2] ہندوستان کی اسلامی درس گاہیں۔
[3] بادشاہ نامہ حصہ دوم صہ ۵۵ ۔

ابوالفتح تھانیسری معقول ومنقول کا درس شاہ رفیع الدین کے مدرسے میں دیتے تھے۔ اجمیر میں مدرسہ خواجہ معین کے نام سے تھا جس کے مدرس اعلیٰ میرزادہ مفلس سمرقندی تھے۔ ملا الہ داد، منکر جانی مدرس مکان حاتم سنبھلی دار کلاں آگرہ، امام الدین لاہوری، ملا عثمان، ملا قاسم قندھاری، ملا جمال ملتان۔ ان سب بزرگوں کی درس گاہیں تھیں، جہاں صدہا طالبانِ علم کا جمگھٹا رہتا تھا۔[۱]

کُتب خانہ اکبر کا سرکاری کتب خانہ عظیم الشان تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں کا حال ملا عبدالباقی نے مآثر رحیمی میں لکھا ہے فیضی کے کتب خانہ میں چار ہزار صد سو کتابیں تھیں۔ ایسے ہی امراء کے کتب خانہ قلمرو حکومتِ مغلیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

مکتب خانہ اکبر نے دارالترجمہ قائم کیا جہاں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اس کے ناظم میر جمال الدین حسین الخوجوی چار ہزار ماہانہ کے جاگیردار تھے۔ اُس نے فارسی لغت مرتب کی۔ مہیش، مہانند، ملا نفری، ابوالفضل ملا عبدالقادر، شیخ سلطان تھانیسری، محمد خاں گجراتی جیسے حضرات اس دارالترجمہ سے منسلک تھے۔

تاریخ جدید	مرزا الغ بیگ	مہم میر فتح اللہ شیرازی
سنگھاسن بیتی	سنسکرت	ملا عبدالقادر بدایونی
کتاب الاحادیث		"
تاریخ الفی		"
رمائن		"
جامع رشیدی	تاریخ	"
بحر الاسماء		"
حیوٰۃ الحیوان	عربی	ملا مبارک ناگپوری
اتھربن بید	سنسکرت	فیضی شیخ بھاون حاجی ابراہیم
تزک بابری	ترکی	عبدالرحیم خانخاناں

[۱] کبیر اعظم صد۳۱

تاریخ کشمیر	سنسکرت	ملا شاہ محمد شاہ آبادی
معجم البلاد	عربی	حکیم ہمام
نجات الرشید		نظام الدین بخشی
طبقات اکبر شاہی		"
سواطع الالہام		علامہ فیضی
موردالکلم		"
لیلاوتی	سنسکرت	" "
مرکز ادوار		"
اکبرنامہ و آئین اکبری		علامہ ابوالفضل
عیار دانش		"
کشاول		"
تاجک	نجوم	محمد خاں گجراتی
ہری بنس		ملا شیری
جوتش		خانخاناں
ثمرۃ الفلاسفہ		عبدالستار ابن قاسم
رزم نامہ	ترجمہ مہابھارت	نقیب خاں وغیرہ

ہندی کی ترقی اکبر نے ہندوستانی تہذیب و تمدن و معاشرت اور ادب و انشاء کی توسیع و ترقی میں جس ہمدردی کا ثبوت دیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اکبر کو ہندی سے ایسا تعلق تھا کہ خود اکبر رائے اپنا تخلص رکھا اور ہندی میں موزوں کر لیا کرتا تھا۔ فارسی شعراء اور ہندی شعراء کو یکساں نوازتے تھے بلکہ صلہ گستری اور انعام واکرام سے بھی مالا مال کر دیا کرتا تھا۔

ابوالمظفر نورالدین جہانگیر

ولادت اکبر کو فرزند سعادت پیوند کی ضرورت تھی۔ بیویاں اگرچہ حاملہ ہوتی تھیں لیکن اسقاط ہو جاتا تھا اور اگر پیدا بھی ہوتا تو چند ہی روز میں مر جاتا تھا اس لئے وہ شیخ سلیم چشتی کی خدمت میں جو اس زمانہ میں مشہور بزرگ تھے، حاضر ہو کر دُعا کا طالب ہُوا۔ شیخ فتح پور سیکری میں مقیم تھے، وہاں اُن کے فرمانے سے شاہانہ عمارتیں بنوائیں اور اُن کا نام فتح پور رکھ کر دارالسلطنت قرار دیا۔ اُن کی دُعا سے ۹۷۷ھ میں راجا بھارا مل کچھواہہ کی دُختر کے بطن سے لڑکا پیدا ہُوا جس کا نام سلطان سلیم رکھا۔

تعلیم و تربیت فیضی مولانا میر کلاں ہروی سلیم کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ قطب الدین اتکہ اور خانخاناں اتالیق مقرر ہوئے۔ مولانا علی احمد سے بھی پڑھا۔ چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی جس کا نتیجہ تھا کہ وہ مطلع علم کا مہتاب تھا۔ جہانگیر ۹۸۵ھ میں منصب دہ ہزاری ذات سوار پر ممتاز ہُوئے اور اجمیر کے صوبہ دار کر دیئے گئے۔

شہزادہ سلیم کی بغاوت جس زمانہ میں اکبر دکن کی تسخیر میں لگا ہُوا تھا کنور مان ولد راجہ مان سنگھ نے امرائے بنگال کی شورش کی خبر پا کر شہزادہ سے جو اس وقت اجمیر میں رانا کی سرکوبی کی خدمت میں سپہ سالاری پر مامور تھا التماس کیا کہ اگر شہزادہ بجائے اجمیر کے الہ آباد میں آجائے تو شورش بنگال دب جائے گی۔ شہزادہ نے یہ بات مان لی اور الہ آباد آ گیا۔ اپنے ملازموں کی جاگیریں جو آگرہ کے نواح میں تھیں چھوڑ کر الہ آباد آ گیا اور صوبہ الہ آباد کی محال کو جو آصف خاں جعفر کی جاگیر سے تعلق رکھتا تھا اپنی جاگیر میں شامل کر لیا اور ۳۰ لاکھ روپیہ صوبہ بہار کا جو کنور داس نے فراہم کیا تھا سرکاری فوج بھیج کر طلب کر لیا۔ اس قسم کی حرکتوں سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ بادشاہ نے نصائح محمد شریف ولد عبدالصمد کے ہمراہ صادر کئے۔

مگر بے سُود۔ اکبر جب اکبر آباد آیا تو شہزادہ تیس ہزار سوار لے کر الہ آباد سے پدر بزرگوار سے ملنے آیا۔ لہٰذا شہزادے کو فرمان صادر کیا کہ اس شان و شوکت کے ساتھ آنا ہماری مرضی کے خلاف ہے اور اکیلے حاضر ہو اور اگر تم کو شک و شبہ ہے تو فوراً الہ آباد واپس ہو جاؤ۔ شہزادہ نے ایک عرضی بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور الہ آباد روانہ ہو گیا۔ شہزادہ کو صوبہ بنگال اور اڑیسہ جاگیر میں دیا اور فوراً وہاں چلے جانے کی ہدایت کی۔ شہزادہ نے وہاں جانا منظور نہیں کیا اس وجہ سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہُوا اور سلیمہ سلطان بیگم کو شہزادہ کے دلجوئی کے لئے بھیجا۔ بیگم نے الہ آباد پہنچ کر شہزادے کی دلجمعی کی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ مگر جب اکبر آباد ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ کی درخواست پر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی خود جا کر شہزادہ کو اپنے محل میں لائی اور مریم مکانی کے حکم سے اکبر بادشاہ بھی اُس مکان میں گیا۔ شہزادہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اپنا سر باپ کے قدموں پر رکھدیا اور ایک ہزار اشرفیاں اور ۷۷۰ ہاتھی بطور نذر پیش کئے۔ بادشاہ نے شہزادے کو گلے لگایا اور بہت زیادہ خوش ہُوا اور اپنے سر سے پگڑی اُتار کر شہزادے کے سر پر رکھ دی۔ یہ واقعہ اکبری جلوس کے ۴۸ ویں سال میں پیش آیا۔ چند روز کے بعد شہزادہ کو رانا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ پھر سرکشی کر کے الہ آباد چلا گیا۔ اس سے اکبر کو بہت صدمہ ہُوا۔ جب اکبر بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کا انتقال ہُوا تو شہزادہ سلیم الہ آباد سے باپ کی خدمت میں آیا اور باپ کی قدم بوسی کی۔

تخت نشینی اکبر کا انتقال ۶۵ سال کی عمر میں ہُوا اور اُس نے ۵۱ سال دو مہینے اور نو دن حکومت کی اور اُس کا لڑکا شہزادہ سلیم ۳۶ سال کی عمر میں جمعرات کے دن ۱۲ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ میں تخت نشین ہُوا۔ اس موقعہ پر محمد شریف ولد عبدالصمد شیریں قلم کو امیرالامراء کا خطاب عطا کیا اور مدارالمہام کے بلند رتبہ پر سرفراز کیا اور شاہی مہر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں پہنائی۔ اعتمادالدولہ کا خطاب مرزا غیاث بیگ کو اور وزیرالملک کا خطاب مرزا جان بیگ کو جو شہزادگی کے زمانہ میں دیوان تھا، عطا کیا اور ان دونوں کو دیوانی کے کام پر مشترکہ طور پر مامور کیا۔ زمانہ بیگ کو مہابت خاں کا خطاب اور پیر خاں لودھی کو صلابت خاں کا

خطاب عطا کیا۔ شیخ فرید بخاری کو پنج ہزاری ذات کے منصب اور میر بخشی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالے کی صوبہ داری پر مقرر کیا۔ اپنے دودھ شریک بھائی خان اعظم مرزا اور آصف خاں جعفر کو شاہی نوازشات سے سرفراز فرمایا۔ (سیر المتاخرین)

کابل کی سیر دوسرے سال کے شروع میں جہانگیر کابل سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ شہر آرا کے متصل جو بابر بادشاہ کا بنایا ہوا تھا ایک دلکشا باغ "باغ جہاں آرا" بنایا اور ایک نہر اس کی کیاری میں سے جاری کی۔

نور جہاں نور جہاں غیاث بیگ مخاطب بہ اعتماد الدولہ کی بیٹی تھی اور وہ خواجہ محمد شریف طہرانی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں محمد لنکو حاکم ہرات کا دیوان تھا۔ جس نے شیر شاہ سے شکست کھا کر ہمایوں کے عراق جانے کے وقت شاہ طہماسپ کے حکم کے بموجب خدمات کی تھیں۔ محمد خاں کی وفات کے بعد خواجہ محمد شریف شاہ طہماسپ کے پاس پہنچ کر وزارت سے سرفراز ہوا۔ جب فوت ہو گیا تو اس کے دونوں بیٹے غیاث بیگ اور محمد طاہر بیگ ہندوستان آگئے۔ غیاث بیگ کے ساتھ دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی قندھار میں پہنچنے کے بعد دوسری لڑکی یعنی نور جہاں پیدا ہوئی اور وہاں سے روانہ ہو کر فتح پور سیکری میں اکبر بادشاہ کی ملازمت کر لی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں دیوان بیوتات ہو گیا۔

اسی زمانہ میں نور جہاں کی شادی شیر افگن خاں سے کر دی۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھتے ہی قطب الدین کوکلتاش کو جو شیخ سلیم چشتی کا پوتا تھا بنگالہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ قطب الدین بنگالہ پہنچ کر کچھ عرصہ بعد بردوان روانہ ہوا اور شیر افگن سے مطلب کہا۔ شیر افگن ظلم و جور رعایا پر کر رہا تھا۔ قطب الدین سے آ کر ملا اور دھوکے سے قطب الدین خاں کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ قطب الدین خاں کے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے چند آدمیوں کو زخمی کر دیا اور خود زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور گھر کا راستہ لیا۔ یہاں تک کہ قطب الدین کے آدمیوں نے پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ الغرض اس عملہ نے جو بنگال میں تھا نور جہاں کو دار السلطنت روانہ کر دیا اور وہ جلوس کے چھٹے سال حرم میں داخل ہو گئی۔" (تکملہ تزک جہانگیری از محمد ہادی)

پہلے نور محل اور بعد ازاں نور جہاں کا خطاب پایا۔ نور جہاں بیگم عورتوں میں ممتاز اور اکثر صفات میں بے نظیر اور بے مثل تھی۔ اس کی طبیعت موزوں تھی اور اسکے اشعار زبان زد ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہی حکومت کرتی تھی۔ بادشاہ برائے نام تھا۔

کانگڑہ کی فتح

تخت نشینی کے تیرھویں سال کی ابتداء میں شیخ فرید مرتضیٰ خاں میر بخشی کو بہت بھاری فوج کی سرکردگی میں کانگڑہ کے قلعہ کو فتح کرنے پر مقرر کیا اور راجہ سورج کو بھی جو دو ہزاری منصب پر سرفراز تھا اس کے ہمراہ اس مہم پر مامور کیا۔ راجہ سورج شیخ مذکور کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اس سے لڑ پڑا۔ شیخ نے اس کی شکایت بادشاہ سے کی اور راجہ نے شہزادہ خرم سے اس کی شکایت کی۔ اسی دوران شیخ مرتضیٰ کا انتقال ہو گیا۔ راجہ سورج مل کو دربار میں بلا کر شہزادہ کی زیر سرکردگی دکن کی مہم پر مقرر کر دیا اور کانگڑہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج مل نے شہزادہ سے کہا کہ قلعہ کانگڑہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج سے اجازت لے کر ایک بڑی فوج اس کام کیلئے مقرر کر دی اور اپنے بخشی مرزا محمد تقی کو بھی اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ پہاڑوں میں پہنچنے پر اس کا مرزا محمد تقی سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ شہزادہ نے محمد تقی کو بلا لیا اور اس کی جگہ بکرماجیت کو روانہ کیا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر راجہ سورج مل نے بغاوت کر دی اور شہزادہ کی فوج سے لڑ کر سید تقی بارہ کو جو معتمدین میں سے تھا معہ اس کے بھائیوں کے قتل کر دیا۔ اور پٹیالہ اور کلانور کے پرگنوں کو لوٹ لیا۔ اتنے میں جب بکرماجیت اس کے قریب پہنچا تو سورج مل بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ شہزادہ نے بکرماجیت کی تجویز سے راجہ سورج مل کے چھوٹے بھائی جگت سنگھ کو جو بنگال پر چار صدی منصب پر تعینات تھا بلا لیا۔ آنے پر اس کو ہزاری خلعت اور پانچسو سواروں کا منصب اور راجہ کا خطاب عطا کیا اور اس کے موروثی ملک کی طرف روانہ کیا۔ بعد ازاں اس کو راجہ بکرماجیت کے ہمراہ کانگڑہ کی مہم پر روانہ کیا۔ یہ بہت پرانا قلعہ ہے اور لاہور کے شمال کی جانب پہاڑوں کے درمیان واقع ہے اس میں ۲۳ برج اور ۶ دروازے ہیں۔ اس کا اندرونی حصہ ایک کوس اور ۱۵ جریب

ہے۔ بلندی دو کوس دو جریب ہے اور چوڑائی ایک سو چار گز ہے۔ اس کے اندر دو حوض تالاب ہیں۔ اکبر بادشاہ کے وقت تک کوئی بادشاہ اس کو فتح نہ کر سکا۔ الغرض راجہ بکرماجیت نے اس کا محاصرہ کر لیا اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ چار ماہ کے بعد بہت زیادہ تنگی ہوئی تو راجہ تلوک چند نے پناہ مانگی اور قلعہ کی کنجیاں حوالے کر دیں۔ شاہی جلوس کے پندرہویں سال مطابق یکم محرم ۱۰۳۱ھ سنیچر کے دن قلعہ فتح ہو گیا۔

شاہجہاں کی بغاوت

شہزادہ خرم ملقب بہ شاہجہاں ۲ھ جلوس جہانگیر بادشاہ میں منصب ہشت ہزاری ذات اور چار ہزار سوار پر سرفراز ہوا۔ اس کے بعد جب ۶ھ جلوس میں شہزادہ کا عقد مرزا ابوالحسن مخاطب بہ آصف خاں پسر اعتماد الدولہ کی بیٹی سے ہوا اور ممتاز محل کا لقب ہوا تو منصب دہ ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد منصب پانزدہ ہزار ذات اور آٹھ ہزار سوار عطا ہوا اور جب مہم ولایت کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو حضور میں لایا۔ منصب بست ہزاری ذات اور دس ہزار سوار اور خرم شاہ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر جب مہم دکن پر متعین ہوا تو شاہ جہان خطاب اور منصب سی ہزاری اور بیس ہزار سوار پا کر ہمیشہ مورد عنایت پدر رہا۔ نور جہاں بیگم بادشاہ کی خاطر سے اور اپنے بھائی آصف خاں کی دلجوئی کے لئے جس کا داماد شاہجہاں تھا مدارج کی زیادتی میں کوشش کرتی رہی۔ اس کے بعد نور جہاں کی لڑکی کی جو شیر افگن کے نطفہ سے تھی جہانگیر بادشاہ کے بھتیجے اور شہزادہ دانیال کے بیٹے سلطان شہریار کے ساتھ شادی ہو گئی اور نور جہاں اُس کی طرفداری کرنے لگی۔ دکن کی مہم کو سر کرنے کے بعد جب شہزادہ شاہجہاں واپس ہوا اور ماندو ن پہنچا تو اُس نے دھولپور کو اپنی جاگیر میں لینے کی خواہش ظاہر کی اور وہاں پر اپنا کارکن تعینات کر دیا۔ اتفاق سے شاہجہان کی درخواست پہنچنے سے قبل نور جہاں نے اس پرگنے کو سلطان شہریار کی تنخواہ میں جاگیر کے طور پر عنایت کر کے سلطان شہریار کے کارکن شریف الملک نامی کو اس پرگنہ پر مقرر کر دیا۔ دونوں کے کارکن وہاں پہنچے اور لڑ پڑے۔ شریف الملک تیر لگنے کی وجہ سے کانا ہو گیا۔ اس واقعہ سے محل میں ہنگامہ

برپا ہوگا اور بڑے فساد کی صورت اختیار کر لی۔ شہزادہ نے ایک عرضی جس میں بہت زیادہ انکساری اور عاجزی کا اظہار کیا تھا۔ اپنے دیوان افضل خاں کے ہاتھ روانہ کی تاکہ یہ فتنہ اور فساد ختم ہو جائے۔ بدخواہوں نے نور جہاں بیگم کو طرح طرح کی باتیں کر کے آصف خاں سے رنجیدہ کر دیا اور اس پر یہ تہمت لگائی کہ شاہجہاں کی حمایت کرتا ہے اور اس پر آمادہ کیا کہ مہابت خاں کو جو آصف خاں کا دشمن ہے اور شاہجہاں سے بھی خوش نہیں ہے کابل سے بلا کر ان دونوں کو ذلیل کرایا جائے۔ مہابت خاں کو شاہی فرمان جاری ہوئے اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیا۔ آخر میں اُس نے صاف لکھ دیا کہ میرا حاضر خدمت ہونا ناممکن ہے۔ اگر درحقیقت شاہجہان کو ذلیل ہی کرانا منظور ہے تو آصف خاں کو صوبہ بنگال پر تعینات کر دیا جائے تاکہ حضور میں پہنچ کر شاہی حکم کی تعمیل کروں۔ بادشاہ نے آصف خاں کے لڑکے امان اللہ کو تین ہزاری ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر سرفراز کر کے مہابت کو حکم دیا کہ اس کو کابل میں چھوڑ کر حاضر ہو۔ مہابت خاں حاضر ہو گیا اور شہزادہ شاہجہاں کی جاگیر کے دوآبے وغیرہ کے اضلاع نکال کر سلطان شہریار کی تنخواہ میں بطور جاگیر کے مقرر کر دیئے۔ شاہجہاں اس خبر کے ملتے ہی ماندون سے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہُوا۔

بادشاہ کو جب معلوم ہُوا تو وہ لاہور سے اکبر آباد چل دیا اور ناعاقبت لوگوں کی فتنہ پردازی اور نور جہاں کے ورغلانے سے اپنے اطاعت شعار اور فرماں بردار لڑکے سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا۔ اس عرصہ میں وہ امراء جو شاہجہاں سے خط و کتابت کرتے تھے گرفتار کر لئے گئے اور اُن کے منصب اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ اس مہم کا بندوبست مہابت کے ہاتھ میں تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد فوجیں شاہجہاں کے مقابلے کے لئے مقرر ہوئیں۔ شاہجہاں اکبر آباد پہنچ کر بادشاہ کے بہت جلد پہنچنے کی خبر پا کر کوٹہ میوات روانہ ہو گیا اور وہاں سے خانخاناں کے لڑکے اور راجہ بکرماجیت اور اُن کے علاوہ اپنے دوسرے اُمراء کو شاہی فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ کر کے خود بھی مقابلہ کے تیار ہو گیا۔ دونوں فوجوں کی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شہزادہ کی فوج کو ناکامی ہُوئی اور

بکرماجیت اس میں کام آیا۔ شاہجہان مجبورًا واپس ہُوا اور ماندون کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ اس فتح کی خبر سُن کر اجمیر چلدیا اور سلطان پرویز مہابت خاں راجہ نرسنگھ دیو بوندیلہ راجہ گنج سنگھ راٹھور، راجہ جے سنگھ اور دوسرے امراء کو جو چار ہزار سوار اور فوج پر مشتمل تھے۔ شاہجہاں کے مقابلہ پر روانہ کیا اور اس مہم کا بندوبست مہابت خاں کے ہاتھ میں تھا۔ جب شاہی فوج ماندون پہنچی تو شاہجہان نے رستم خاں کو اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ میں روانہ کیا مگر رستم خاں مہابت خاں سے مل گیا۔ انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اور شہزادہ دریائے نربدا کو عبور کر کے آسیر پہنچا۔ اس وقت معلوم ہُوا کہ خانخاناں مہابت خاں سے خط وکتابت رکھتا ہے اور بھاگنا چاہتا ہے۔ چنانچہ شہزادہ نے اس کو مع اس کے لڑکے داراب خاں کے قید کر دیا اور سامان وغیرہ چھوڑ کر خود برہان پور روانہ ہُوا۔ شاہجہاں مجبورًا برہانپور سے روانہ ہو کر گولکنڈہ اور بندرگاہ مچھلی پٹن کے راستہ سے اڈیسہ اور بنگال کی طرف چلدیا۔ جب بادشاہ کو شہزادہ کے بنگال جانے کا حال معلوم ہُوا تو اُس نے سلطان پرویز اور مہابت خاں کو پٹنہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ خود خانخاناں کو اکبر آباد میں مقرر کر کے کشمیر روانہ ہُوا۔ شاہجہاں نے اڈیسہ اور اُن اطراف میں پہنچنے کے بعد معمولی سی جنگ میں بردوان کا قلعہ فتح کر لیا اور اس کے بعد اکبر نگر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اچھی طرح لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابراہیم خاں صوبہ دار اور دیوان حامد اور دیگر امراء مارے گئے۔ شاہجہاں اس قلعہ کو بھی فتح کر کے ڈھاکہ چلا گیا۔ یہاں پر بہت سا سامان اور نقد ۴۰ لاکھ روپیہ اُس کے ہاتھ لگا۔

ابراہیم خاں کا بھتیجا احمد بیگ جو ڈھاکہ میں تھا مجبور ہو کر شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ خانخاناں کا لڑکا داراب خاں ابھی مقید تھا۔ شاہجہان نے اس سے قسم کھلوائی اور قید سے آزاد کر کے اس کو بنگال کا صوبہ دار کر دیا اور خود پٹنہ پہنچا۔ وہاں سے عبداللہ خاں اور دریا خاں کو الہ آباد روانہ کیا۔ عبداللہ خاں وہاں پر قابض ہو گیا۔ بنگال کے زمیندار شاہجہاں کو ایک کشتی میں لائے تھے مگر پٹنہ پہنچ کر غائب ہو گئے۔ اس واسطے شاہجہان نے ایک مٹی کا قلعہ جنگل میں بنایا۔ شہزادہ پرویز اور مہابت خاں لشکر کے ساتھ پہنچ گئے اور

کئی دفعہ جنگ ہوئی۔ راجہ بھیم سنگھ جو شاہجہاں کی فوج کا سردار تھا کام آگیا شہزادے کی فوج پسپا ہوگئی۔ اسلحہ خانہ کے داروغہ اور عبداللہ کے علاوہ کوئی شخص شہزادہ کے ساتھ نہ رہا۔ شہزادہ نے مرنے پر کمر باندھ کر گھوڑا اُٹھایا۔ جب یہ زخمی ہوا تو عبداللہ خاں شہزادے کو گھوڑے کی باگ پکڑ کر نکال لیا اور پٹنہ کی طرف لے گیا۔ جب شاہی فوج پٹنہ کے قریب پہنچی، شاہجہاں اکبرآباد آگیا۔ جب سنہ ۱۹ جلوس بادشاہ تھا تو مرادبخش پیدا ہوا۔ یہ اس کو اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ کر بنارس روانہ ہوا۔ داراب خاں کے لڑکے کو قتل کر دیا اور بنگالہ سے دکن چلا گیا۔ بادشاہ نے شہزادہ پرویز اور داراب خاں کو دکن بھیجا۔

داراب خاں جو بادشاہی لشکر سے مل گیا تھا اُس نے اس کو قتل کر دیا اور خانخاناں مقید ہوگیا۔ شاہجہاں اجمیر چلا گیا اور وہاں توقف کر کے ٹھٹھہ کی طرف آکر ایران کا ارادہ کیا چونکہ ٹھٹھہ میں شریف الملک کا نا شہزادہ شہریار کا نوکر مقیم تھا۔ وہ اس کی خبر سُن کر قلعہ میں بند ہوگیا۔ شہزادہ نے قلعہ گھیر کر چند روز لڑائی لڑی۔ اسی اثناء میں شہزادہ پرویز مر گیا۔ مہابت خاں حضور میں چلا گیا۔ فقط خانجہاں لودھی دکن میں قیام رکھتا تھا۔ پھر دکن گیا، مگر راستہ میں ناسک ترنبک میں قیام کیا اور خان جہاں لودھی کے دکن سے خارج کرنے کا ارادہ کیا۔

مہابت خاں کی گستاخی اور آصف خاں کا قید ہونے کا ذکر

مہابت خاں جو نورجہاں اور آصف خاں کے التماس کے بموجب موردِ عتاب ہوگیا اور فدائی خاں حضور سے مامور ہوا کہ مہابت خاں کو شاہ پرویز سے جُدا کر کے بنگالہ کی طرف روانہ کر دے۔ مہابت خاں اگر راضی نہ ہو تو تنہا حضور میں حاضر ہو اور گجرات سے واپس آکر شہزادہ پرویز کی اتالیقی کے فرائض انجام دے۔ اور جو کچھ روپیہ اور سامان اُس کے ذمہ سے اس کا مطالبہ کرے۔ مہابت خاں رخصت ہو کر بادشاہ کے حضور میں روانہ ہوا۔ ادھر خان جہاں لودھی گجرات سے شہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دریائے سندھ کے کنارے کابل کے سیر و شکار میں مشغول تھا۔ مہابت خاں وہاں پہنچا اور شاہی فوج کے قریب قیام کیا۔ بادشاہ نے عمر نقشبندی کو جو مہابت خاں کا داماد تھا۔ کوڑے لگوائے اور ننگے سر ہاتھ باندھ کر ذلیل کروایا

اور سب کچھ چھین لیا۔ مہابت خاں کے سالے محمد محسن کو گرفتار کر لیا اور اس سے بھی کافی رقم وصول کی۔ مہابت خاں یہ خبریں سن کر اپنی عزت بچانے کی غرض سے پانچ ہزار سوار جمع کر کے آیا۔ بادشاہ نے اس کو معتوب کر کے پیغام بھیجا کہ جب تک شاہی مطالبات نہ پورے کرے تو سلام کی اجازت نہ ملے گی اور آصف خاں بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر دریا کے اُس پار خود اہل وعیال اور فوج وغیرہ لے کر کشتیوں کے پُل سے گذر گیا۔ وہاں خیمہ وغیرہ گاڑے۔ بادشاہ کے خیمہ کے گرد سوائے نوکروں کے کوئی نہیں تھا۔ مہابت خاں چار ہزار سوار لے کر وہاں پہنچا اور پُل کو آگ لگا دی تاکہ لوگ آ جا نہ سکیں اور خود دولت خانہ کے دروازہ پر پہنچ کر گھوڑے سے پیادہ پا ہو گیا اور غسل خانہ میں مع سواروں کے پہنچ گیا اور تختہ کو توڑ کر اندر چلا گیا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو پالکی میں بیٹھا۔ مہابت خاں نے پالکی گھیر لی۔ بادشاہ نے دو مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لگایا مگر حاضرین نے عرض کیا کہ یہ حوصلہ آزمائی کا وقت نہیں ہے۔ مہابت خاں نے عرض کیا کہ خود بدولت گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور غلام رکاب والا میں رہے۔ جب سلطان تھوڑے فاصلہ پر نکل گیا تو مہابت خاں نے عرض کیا کہ ایسی شورش پر ہاتھی پر سوار ہونا صلاح دولت ہے مجبوراً ہاتھی پر سوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ خیمہ میں داخل ہوا۔ نور جہاں بیگم دریا کے اُس پار چلی گئی تھی اور لڑائی کی تیاری کر رہی تھی۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جنگ کرنا مصلحت نہیں ہے۔ مگر دوسرے روز آصف خاں اور ابوالحسن نے فوجیں آراستہ کیں اور جنگ کا ارادہ کیا۔ پل کو مہابت خاں نے جلوا دیا تھا۔ آصف خاں کا بیٹا چند لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر گیا۔ آصف خاں دریا کے درمیان میں پہنچا تھا کہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ آصف خاں بھی دریا کے بیچ سے بھاگ آیا۔ بیگم دریا سے پار ہو کر خیمہ میں اُتری۔ آصف خاں معہ اپنے بیٹے اور دو سو آدمیوں کے قلعہ اٹک بنارس میں پہنچا اور قلعہ بند ہو گیا۔ تین دن بعد نور جہاں بیگم بادشاہ کے حضور میں پہنچی۔ بادشاہ مہابت خاں کے ساتھ کابل چلا گیا۔

مہابت خاں جوں ہی اٹک بنارس پہنچا قلعہ کے اندر جا کر آصف خاں وغیرہ کو قید کر دیا۔ راجپوت باغی ہو گئے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کو حکم بھیجا کہ شاہجہاں جو ٹھٹھہ کی

طرف چلا گیا ہے اس کا تعاقب کرے۔ اس اثناء میں شاہجہان ٹھٹھہ سے کوچ کر کے دکن کی طرف لوٹ گیا۔ مہابت خاں بغیر حکم شاہی کے ہندوستان کو چلا۔ اس سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے تو بادشاہ نے عبدالرحیم خانخاناں کو اس پر مقرر کیا۔ خانخاناں اجمیر پہنچا اور مہابت خاں جو اجمیر پہنچا تھا جنگ کی تاب نہ لا سکا اور ملک رانا کے پہاڑوں میں جا چھپا۔

خانخاناں ۲۱ جلوس شاہی کو فوت ہو گیا۔ مہابت خاں شاہجہاں سے ملا اور جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی خانجہاں لودھی کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا جہاں شاہجہاں سے ایک مدت تک لڑائی رہی۔

بیگمات شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوانداس کی لڑکی سے ہوئی۔ شاہ بیگم خطاب تھا۔ راجہ ادرے سنگھ کی بیٹی جودہ بائی عرف جگت گوسائیں اور بنت خواجہ حسن (صاحب جمال) سے شادی ہوئی۔ راجہ کیشوداس راہور، راجہ رائے سنگھ راول بھیم والی جیسلمیر کی صاحبزادیاں جہانگیر سے منسلک ہوئیں۔ آخر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا نورجہاں حرم میں داخل ہوئی۔

اولاد بادشاہ بیگم سے خسرو اور سلطان النساء، اور صاحب جمال سے پرویز کو بھی بیگم سے بہار بیگم اور سلطان نثار بیگم ہوئیں۔ جودہ بائی سے شہزادہ خرم تولد ہوئے۔ دو خواصوں سے جہاندار شاہ اور شہریار تھے۔

وفات جمعہ ۱۰۳۶ھ بعارضہ دمہ جہانگیر نے وفات پائی اور لاہور میں دریائے راوی کے کنارے دفن ہوئے۔

نظام سلطنت تختِ حکمرانی پر بیٹھ کر پہلا حکم جو صادر کیا وہ زنجیر عدالت کا آویزاں کرنا تھا جو کہ عدلِ جہانگیری مشہور ہے۔ باپ کے عہد کا جو نظام حکمرانی تھا اس کو برقرار رکھا۔ دینِ الٰہی کی خرافات ختم کی گئیں۔

جہانگیر کے دور میں تعلیمی ترقیاں

جہانگیر نے عربی مدرسوں پر نئے سرے سے توجہ کی۔ اس کے عہدِ حکومت میں

بہت سے ویران مدرسے آباد ہو گئے۔ اُس نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ قانون نافذ کیا کہ جو تاجر کسی غیر دیار میں فوت ہو جائے اور اُس کے وارثوں کا پتہ نہ چل سکے یا شہر ہی کا کوئی ایسا دولت مند وفات پائے جس کے ورثاء موجود نہ ہوں تو اُس کے مال و متاع کو شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے بجائے اُن سے مدرسے اور دوسری مفید عمارتیں تعمیر کر دی جائیں۔ خوافی خاں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے :۔

"حکم شد کہ ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود و وارث او حاضر نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند در صورت مفقود الاثر بودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر و احداث مساجد و پل۔ مدرسہ و سرائے نمایند۔"

ہندوستان میں اس فرمان سے بہ کثرت مدارس قائم ہوئے۔ چنانچہ مصنف تاریخ جام جہاں کا بیان ہے کہ جہانگیر نے پُرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے مان بن گئے تھے نئے سرے سے آباد کئے اور اکبر آباد، آگرہ کو اکبر کے زمانہ سے جو تعلیمی اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ اس دور میں باقی رہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالب علمی کا زمانہ جہانگیر کے دورِ حکومت میں گزرا ہے۔ اُنھوں نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں اپنے تحصیلِ علم کی مفصل حالت بیان کی ہے۔ ان کی تحریر سے اس عہد میں دہلی کے ایک اور مدرسے کا پتہ چلتا ہے جس میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے داخل ہوئے تھے۔ اس مدرسہ کو انھوں نے "مدرسہ دہلی" کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان صاحبقران ثانی

ولادت شاہزادہ خرم (شاہجہان) ۳۰ ربیع الاول ۱۰۰۰ھ بروز جمعہ بمقام لاہور پیدا ہوا۔ اکبر نے خوشیاں منائیں۔ پوتے کو محل سرا میں خدیجۃ الزمانی رقیہ بیگم کی سپردگی میں دیا۔

شاہزادہ عالی نژاد بلند اقبال محمد خرم کلاں بود نظر بر عنایات و توجہات جد بزرگوار و پدر نامدار کہ نسبت بخسرو در حق آں ثمرہ جاہ وجلال زیادہ بعد دل می برو (منتخب اللباب جلد ۱ ص ۲۲۲)

تعلیم و تربیت اکبر نے اپنی نگرانی میں تعلیم کا انتظام کیا۔ جب چار برس چار مہینے اور چار روز کا ہوا تو پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ قاسم بیگ تبریزی، حکیم ودائی گیلانی شیخ ابوالخیر (سردار ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ ان باکمال اُستادوں کی زیر نگرانی خرم نے علوم وفنون کی تکمیل کی۔ خطاطی میں بھی مہارت تامہ تھی۔

در جمیع فنون و فضائل و دقائق نکتہ فہمی را باعلیٰ درجات کمال رسانیدہ۔[1]

جہانگیر کے مرنے کے بعد آصف خاں نے بنارسی داس کو شاہجہان کے پاس بھیجا اور باپ کے مرنے سے آگاہ کر دیا اور نور جہاں کو نظر بند کر کے نگرانی کی کہ اُس کے پاس کوئی شخص آمد و رفت نہ رکھنے پائے۔

شہریار کی نافرمانی نور جہاں اپنے داماد شہریار کو بادشاہ بنوانا چاہتی تھی۔ ادھر شہریار نے اپنی بیوی کے کہنے پر شاہی خزانوں پر

---

[1] عمل صالح جلد ۱ صفحہ ۳۱۔

دست اندازی کر کے تمام کارخانوں پر قبضہ کر لیا (خزانہ ہاتھی خانہ اسلحہ خانہ وغیرہ جولاہور میں تھے) شہریار نے بایسنغر پسر سلطان دانیال کو سردار بنا کر لشکر کو دریائے راوی کے پار اُتار دیا۔ طرفین میں مقابلہ ہُوا اور پہلے ہی حملہ میں ہار گیا۔ شہریار اپنے دو ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے پلٹ کر قلعہ میں آیا۔ رات کے وقت ارادت خاں نے قلعہ میں پہنچ کر اس کو اپنے قابو میں کر لیا۔ صبح ہوتے ہی بڑے بڑے امراء نے داور بخش کو بناوٹی طور پر تخت پر بٹھا دیا اور شہریار کی مشکیں کس کر خدمت میں حاضر کیا جس کو دو روز بعد اندھا کر دیا۔ کچھ دن بعد شہزادہ دانیال کے بیٹے طہمورث اور ہوشنگ بھی گرفتار کر لئے گئے۔

ادھر شاہجہاں جو نظام الملک (دکن) کے سرحدی مقام جنیر میں تھا۔ بنارسی کی زبانی خبر سُنتے ہی گجرات کے راستہ دارالخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہُوا اور جاں نثار خاں کو فرمان کے جواب میں واپس کر دیا۔ احمد آباد پہنچ کر شاہجہاں نے ماہر خاں کو گجرات کی صوبیداری عنایت کی اور مرزا یحییٰ خاں کو ٹھٹھہ کی گورنری عطا کی۔

شہریار اور دیگر باغیوں کے متعلق فرمان | خدمت پرست خاں کو آصف خاں کے پاس لاہور بھیجا اور فرمان بھیجا کہ اگر خسرو کے بیٹے داور بخش اور اُس کے بھائی شہریار اور دانیال کو ہلاک کر دیں تو یہ امر ملک کی اصلاح کے لئے بہتر ہو گا۔ اس حکم کے بعد شاہجہاں کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ داور بخش کو قید کر دیا اور بدھ کی شب ۱۰۳۷ھ میں داور بخش اور اُس کے بھائی گرشاسپ شہریار اور طہمورث و ہوشنگ پسران دانیال کو ہلاک کر دیا۔

تخت نشینی | اس وقت شاہجہاں کے سوار ملک رانا کی حدود میں تھے۔ اُس نے سپہ سالار مہابت خاں کی معیت میں اجمیر کے راستے ہو کر اکبر آباد کے باہر باغ نور میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلے روز ہاتھی پر سوار ہو کر اس حویلی میں پہنچا جہاں شہزادگی کے زمانے میں رہتا تھا۔ ۸ رجمادی الثانی ۱۰۳۷ھ پیر کے روز ۳۷ سال دو ماہ کی عمر میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ رسم قلعہ میں ادا ہوئی، اور نور جہاں بیگم کے بھائی آصف خاں

کے نام فرمان جاری کیا کہ فوراً مع شہزادوں کے لاہور سے حاضر ہو۔

فرمانبرداروں پر عنایات آصف خاں کو منصب ہشت ہزاری ذات اور دو دو تین تین گھوڑے والے سوار عنایت فرمائے اور بندرگاہ لابری کو عنایت فرمایا۔ مہابت خاں کو خانخاناں سپہ سالار کا خطاب عطا کیا۔ ہفت ہزاری منصب ملا اور سات ہزار سوار دیئے گئے۔ اجمیر کا صوبیدار بنایا۔ خانجہاں نوری کو باوجود سرکشی کے ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبہ داری پر بحال رکھا۔

پہلا حکم رسم سجدۂ تعظیمی کی ممانعت کی۔ مہابت خاں طرفی کی عرض پر سجدے کی بجائے زمین بوسی کی رسم قرار پائی۔ ملاقات کے وقت سلام کرتے اور چلتے وقت فاتحہ اور دعا کا حکم دیا۔ سلام یعنی ہئیت رکوع اس کی جگہ قرار پایا۔

مشاغل ذاتی صبح صادق سے ایک گھنٹہ پیشتر ضروریات سے فارغ ہوتا اور وضو کر کے نفل اور فرض ادا کرتا۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی۔ ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔

مشاغل ملکی امام قلی خاں نے پہلے ہی سال کابل پر لشکر کشی کر دی۔ مقابلہ میں مہابت خاں کو مامور کیا۔ ۱۰۳۸ھ میں نذر محمد خاں نے قلعہ کابل کا دو تین ماہ تک محاصرہ کئے رکھا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ مہابت خاں یہ خبر سن کر سرہند میں رک گیا۔

آصف خاں آصف خاں کو مختلف خلعتیں دے کر وکیل السلطنت کا عہدہ سپرد کیا۔ اُس کے بڑے بیٹے شائستہ خاں کو بھی خلعت وغیرہ عنایت کئے۔

۱۰۳۷ھ میں دریا خاں کو معافی دی گئی۔ مرزا رستم صفوی کو بیس ہزار روپیہ پنشن سالانہ عطا کی۔ مہابت خاں کو دکن اور خاندیش کا صوبیدار مقرر کیا۔ اُس کے بیٹے خان زمان کو دکن کے انتظام پر مقرر کیا اور خان جہان لودھی کو مالوہ کی صوبیداری عطا کی۔

قاتل ابوالفضل کا حال اسی سال جھجا سنگھ پسر نرسنگھ دیو بندیلہ شیخ ابوالفضل کا قاتل (انتقام کے خطرہ کے) وہم میں پڑ کر بھاگ گیا۔ مہابت خاں کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ جھجا سنگھ جو لڑنے کی طاقت نہ رکھتا

تھا، مہابت خاں کے ذریعہ اپنی خطا کی معافی کا خواستگار ہُوا جو منظور کی گئی۔ اُس نے ایک ہزار اشرفی پندرہ لاکھ روپیہ مع چالیس ہاتھیوں کے بطور جرمانہ ادا کئے۔ نظام الملک نے بالاکوٹ کے علاقے ممالکِ محروسہ میں شامل کر دیئے۔

سال دوم مطابق ۱۰۳۸ھ

- بادشاہ کو ایک بار سونے چاندی میں اور چھ بار اجناس غلّہ سے تولا گیا اور فقراء کو تقسیم کیا گیا۔
- جھجا سنگھ نے دوبارہ شرف آداب بجا آوری حاصل کیا۔
- مہابت خاں دہلی کا صوبیدار ہُوا۔
- عید نوروز پر ممتاز محل کا سالانہ دس لاکھ روپیہ مقرر ہُوا۔
- امادت خاں کو دکن کی طرف داری عطا ہوئی۔
- افضل خاں شیرازی کو وزارت سونپ دی گئی۔

خانجہاں کی پھر بغاوت

خانجہاں لودھی جو اپنی ناشائستہ سابقہ حرکت کی بناء پر خائف رہتا تھا اور خدمت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ بادشاہ نے اسلام خاں کو اُس کے پاس بھیجا اور حالات دریافت کئے۔ اُس نے امان کا پروانہ بادشاہ کے قلم کا لکھا ہُوا مانگا تاکہ خوف و ہراس دُور ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ دیدیا۔ مگر پھر بھی وہ بدگمان رہا۔ ایک رات بغیر اطلاع اکبرآباد سے نکل بھاگا۔ خواجہ ابوالحسن خان زمان اور دوسرے امراء کو اس کا تعاقب کرنے پر مامور کیا۔ اُن میں سے چند نے بڑی عجلت سے اُس کا پیچھا کیا اور دھولپور کے آس پاس اس کو گھیر لیا اور جنگ ہُوئی۔ خدمت پرست خان مارا گیا اور دوسری جانب حسین و عظمت پسران خانجہاں اس کا داماد اور اُس کے کافی بھروسے کے آدمی مارے گئے۔ خان جہاں اپنے بچے کھچے چند ساتھی اور دو بیٹوں کے ساتھ گھنے جنگل میں گھس گیا۔ وہاں سے برار ہوتا ہُوا نظام الملک کی ولایت میں چلا گیا جو اس کے ساتھ رواداری برت رہا تھا۔ بہلول اور سکندر افغان بھاگ کر خانجہاں سے آملے۔ بادشاہ نے نظام الملک کے خلاف لشکر روانہ کیا۔

تیسرے سال کے حالات مطابق ۱۰۳۹ھ

شعبان ۱۰۳۹ھ جو جشن نوروز کا دن تھا نواب ممتاز محل کا جیب خرچ بارہ[۱۲] لاکھ مقرر ہوا۔

نظام الملک و خانجہان کی سرکوبی کے لئے روانگی

بادشاہ نے خان جہان لودھی اور نظام الملک کی گوشمالی کے لئے کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کر فوج کے تین[۳] حصے کر دیئے۔ اوّل ارادت خاں صوبہ دکن دوم راجہ گنج سنگھ، سوم، آصف خاں شائستہ خاں کا بڑا بیٹا ارادت خاں کو اعظم ثانی کا خطاب عطا کیا اور سب کو حکم دیا کہ ارادت خاں کی رائے کے خلاف نہ کریں۔ ۲۶ رجب کو شہر برہان پور میں سب جمع ہوئے اور دربار روہیلہ بھاگ کر خانجہاں لودھی سے جا ملا۔ شائستہ خاں کی جگہ عبداللہ خاں بہادر کو روانہ کیا۔ اسی دوران میں اعظم خاں کی خانجہاں سے جھڑپ ہوگئی۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کی تلاش میں اعظم خاں کا بیٹا ملتفت خاں دو کوس کے فاصلہ پر رہ گیا۔ خانجہاں بہلول اور مقرب خاں نے اس کو آن لیا اور لڑائی ہوئی جس میں کافی مغل اور راجپوت کام آئے۔ اس دوران یادو رائے معہ اپنے خاندان کے نظام الملک کے پاس چلا گیا۔ نظام الملک نے اس کو قید کرنا چاہا مگر اس نے بچنے کی کوشش کی اور دو بیٹوں اور ایک پوتے کے ساتھ مارا گیا۔ باقی رشتہ داروں نے درگاہ شاہجہان میں پناہ لی اور اعظم خاں کی سفارش پر منصب حاصل کئے اور ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ مدد معاش کے طور پر ان کو عنایت ہوا۔

کمال الدین روہیلہ کی بغاوت

کمال الدین خانجہاں کے لکھنے پر پشاور میں آمادۂ بغاوت ہوا۔ اور سعید خاں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جشن وزن قمری منایا گیا۔

اعظم خاں کی کامیاب جنگ

جب مقرب خاں اور بہلول نے جلنا پور سے پاتھری کی طرف رخ کیا تو اعظم خاں نے ان کے

بھاگنے کی اطلاع پاکر اُن کا تعاقب کیا۔ خانجہاں مہا گاؤں میں اُن کا منتظر تھا کہ یکایک بادشاہی لشکر آن پہنچا۔ خانجہاں لڑا۔ بہادر خاں زخمی ہُوا۔ ہردا س جھالا مارا گیا۔ اس وقت اعظم خان آپہنچا۔ خانجہاں بھاگا۔ اس کا بھتیجا گولی سے مارا گیا۔ راجہ پہاڑ سنگھ مارا گیا۔ خانجہاں پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ شاہی امراء اس کو ڈھونڈھ کر واپس آ گئے۔ خان اعظم نے پہلے دولت آباد کا رُخ کیا مگر بوجہ قحط کے دہارو کی طرف گیا تاکہ بہلول اور مقرب خاں کی جڑیں اکھاڑے۔ اسی دوران میں ساہوجی بھوسلہ جو نظام الملک کی ہندو فوج کا سالار تھا شاہی لشکر سے آملا اور سید مظفر اور میر جملہ کو بھی منصبوں پر فائز کیا۔ قلعہ منصور گڑھ باقر خاں صوبیدار اڑیسہ کی کوشش سے فتح ہو گیا۔

چوتھے سال کی حالات مطابق ۱۰۳۰ھ

خانجہاں کا انجام

خانجہاں کو نظام الملک کی دوستی پر اعتماد نہ رہا۔ اس لئے مالوہ کا رُخ کیا اور عبداللہ خان بہادر نے جو بھالا گھاٹ میں تھا اُس کا پیچھا کیا۔ ادھر شاہی فوج سید مظفر خاں بارھہ عبداللہ خاں سے آملی۔ سرونج پہنچ کر پتہ چلا کہ عین شہر سے پچاس ہاتھی سرکاری آدمی چھین کر لے گئے ہیں اور خواجہ عبدالباری پسر صفدر خاں شہر کی حفاظت کر رہا ہے۔ غرض خانجہاں بوندیلوں کے ملک میں گھُس گیا اور کابھی سے سر اٹھایا۔

بکرماجیت پسر چھجا سنگھ اُن کے تعاقب میں نکلا اور دریا دھیلہ کے پاس جو خانجہاں کے پچھلے دستہ پر تھا جا پہنچا۔ لڑائی ہوئی اور دریا کا کام تمام ہوا اور خانجہاں بھاگ نکلا۔ اس صلہ میں بکرماجیت کو جگراج کا خطاب ملا۔ اس سال میں اعظم خاں کی کوشش سے قلعہ دھارو فتح ہُوا اور نظام الملک کی نانی ملک بدن کے چچا ستمن اور سلادا کنبہ چھاؤنی اور قلعہ قبضہ میں آیا جس کا نام فتح آباد رکھا۔ خان جہاں دریا کے مارے جانے پر فرار ہو رہا تھا تو شاہی فوج نے اس کا پیچھا کیا۔ ادھر سے سید مظفر بارھہ خانجہاں لودھی کے پاس جا پہنچا اور مقابلہ کیا۔ بہت سے آدمی مرے۔ بادشاہی فوج کی جانب سے عالم خاں کے داماد اور رائسیال کے پوتے درگا نے جان دی اور صفدر خاں،

روہیلہ خانجہاں کے دونوں بیٹوں سمیت مع رفیقوں کے مارا گیا۔ خانجہاں پھر بھاگ گیا۔ اس کا گزر کالنجر کی طرف ہُوا۔ وہاں کے حاکم نیاز خاں نے اس کا مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا حسن خاں گرفتار ہو گیا۔ یہاں سے بھی خانجہاں بھاگ نکلا اور ایک تالاب پر پڑاؤ کیا۔ جب سید مظفر آپہنچا اور اپنے بیٹے عزیز خاں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا اور رائے مل ہلاک ہو گیا۔ اتنے میں عبداللہ خاں فیروز جنگ بھی آپہنچا اور ان تینوں کے سر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔

دکن میں قحط

اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے دکن گجرات وغیرہ میں قحط پڑ گیا۔ بادشاہ نے ستر لاکھ روپیہ بانٹا اور جاگیرات کا محصول اَسّی ۸۰ کروڑ معاف کر دیا۔

سفیر ایران کی آمد

۱۷ شعبان کو محمد علی بیگ سفیر ایران بُرہان پور میں شرفِ حضور سے مشرف ہُوا اور تین لاکھ کے تحفے پیش کئے اور اپنی طرف سے ۵۰ ہزار کے تحفے پیش کئے۔ بادشاہ نے سفیر کو ۳ لاکھ ۱۶ ہزار نقد اور ایک لاکھ روپیہ کی فیس ادا کی۔

نظام الملک کا انجام

اعظم خاں نے نظام الملکی اور عادل خانی فوجوں کا پیچھا کرنے اور قلعہ سرہند کی فتح کے لئے بہت کوششیں کیں۔ اور اسی کی درخواست پر نظام الملک کے ترک غلام مقرب خاں کو جو اس کے لشکر کا کمانڈر تھا اور نامناسب سلوک سے برگشتہ تھا شاہجہاں کی اطاعت کا ارادہ کیا اور وہاں پہنچ کر الطاف شاہی کا مستحق ہُوا۔ اس سال ملک عنبر کا بیٹا فتح خاں سپہ سالار نظام الملک رہا۔ اس نے نظام الملک کو قید کیا اور درگاہ شاہی میں اطلاع دی۔ شاہجہاں کو یہ بات ناگوار گزری اور حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دے۔

فتح خاں نے اس حکم کا پتہ چلا کر نظام الملک کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور مشہور کر دیا کہ اپنی موت مر گیا ہے اور اس کی جگہ اس کے دس سال کے لڑکے حسین نامی کو تخت پر بٹھایا۔

دیگر فتح نصیر خاں کی سعی سے قلعہ قندھار جو تلنگانہ کے مشہور قلعوں میں سے ہے فتح ہو گیا۔

ممتاز محل کی وفات اسی سال نواب ممتاز محل کا انتقال ہو گیا اور باغ زین آباد (برہان پور میں) بطور امانت دفن کر دیا۔ کچھ دن بعد اس کی لاش آگرہ میں لائی گئی اور دریائے جمنا کے کنارے سپرد خاک کر دیا اور اس پر بہت بلند مقبرہ تاج محل تعمیر کرایا۔ اس صدمہ میں بادشاہ نے دو سال تک تمام لذتوں خصوصاً ساز نغمہ سننے اور بیش قیمت لباس پہننے سے پرہیز رکھا۔ اس سے چودہ بچے پیدا ہوئے۔ آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں۔

پانچویں سال کے حالات مطابق ۱۰۴۱ھ

اسی سال جشن وزن شمسی بھی ترتیب دیا گیا۔

قلعہ بیجاپور پر حملہ اسی سال عین الدولہ آصف خاں محمد عادل شاہ والی بیجاپور کو راہِ راست پر لانے کے لئے آصف خاں کی ہمراہی میں فوج عظیم بھیجی۔ آصف خاں نے پہلے قلعہ پالکی کا محاصرہ کیا۔ سید خانجہاں کمند کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا اور ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ اس کے نیچے بارود وغیرہ تھی جس میں آگ لگ گئی اور تخت اوپر اڑا اور ایک کھلیان پر آگرا۔ سید مذکور اگرچہ زخمی ہوا مگر بچ گیا۔
اس کے بعد جب قلعہ بیجاپور میں پہنچا تو عادل شاہیوں نے قلعہ میں پناہ لی اور بوجہ کمی غلہ وغیرہ صلح کی درخواست کی۔ مصطفےٰ خاں آصف خاں کے پاس آیا اور یہ طے ہوا کہ عادل شاہ ۴۰ لاکھ روپیہ جواہرات مرصع آلات بھیج کر اطاعت قبول کرلے۔ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جس پر عادل شاہ کی مہر لگوانے کے لئے شاہی سپاہیوں میں سے ایک کے ہمراہ قلعہ کے اندر گئے تو اہل قلعہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آصف خاں نے محاصرہ ترک کر دیا۔ بیجاپور شہر اور قصبات کو لٹوا دیا۔ عین الدولہ بہت ساز و سامان لوٹ کر خاندیس واپس چلا گیا۔ بادشاہ برہان پور سے آگرہ لوٹ آیا۔ ملتفت خاں کو برہان پور کا صوبیدار بنا دیا۔ مہابت خاں دکن میں مقرر ہوا اور آصف خاں کو موجب حکم دربار میں حاضر ہونا پڑا اور اس نے شرف حضوری حاصل کیا۔

متفرق احوال سالِ رواں نذر محمد خاں والیٔ بلخ کا ایلچی حاجی وقاص دربار میں پہنچا اور گھوڑے اونٹ اور بلخ کا دوسرا سامان نذر کیا۔ ممتاز محل کی وفات کے ایک سال بعد سالانہ عرس منعقد کیا اور بہت خیرات کی۔ بندرگاہ ہگلی پرتگیزیوں سے قاسم خاں صوبیدار نے لڑائی کے بعد واپس لی اور اس قوم کے چار ہزار مرد و عورت اسیر ہوئے۔

چھٹے سال کے حالات مطابق ۱۰۴۲ھ

- قلعہ گھاٹا کھیری صوبہ مالوہ کے مضافات میں فتح ہوا۔
- شہزادہ دارا شکوہ کی شادی نادرہ بانو بیگم سے ہوئی۔ یہ جہاں آرا بیگم کی بیٹی سلطان مراد کی لڑکی اور سلطان پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ۲۲ روز بعد شہزادہ شجاع کی شادی مرزا رستم صفوی کی لڑکی سے ہوئی۔
- اسی سال میں ۷۶ بُت خانے بنارس میں منہدم ہوئے۔
- تربیت خاں کو ہندوستان کے تحفے لے کر بلخ کی سفارت پر بھیجا۔
- فتح خاں پسر ملک عنبر حبشی سپہ سالار دکن طالبِ امان ہوا۔
- نظام الملک قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔
- فتح خاں کو دو لاکھ روپیہ سالانہ اور خلعت سے سرفراز فرمایا۔
- شہزادہ اورنگ زیب نے مست ہاتھی کے ساتھ جنگ کی۔
- شہزادہ شجاع کو معہ لشکر کے دکن روانہ کیا۔
- یمین الدولہ آصف خاں کے بہنوئی صادق خاں نے دنیا سے کوچ کیا۔

ساتواں سال کے حالات مطابق ۱۰۴۳ھ

- ۳ رشعبان ۱۰۴۳ھ کو دار السلطنت آگرہ سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور ۶ رشوال کو لاہور کے دولت خانہ شاہی میں قیام ہوا۔
- ۷ رشوال کو میاں میرؒ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ تسبیح اور سفید عمامہ نذر کیا۔
- ۱۴ رشوال کو لاہور سے کشمیر روانہ ہوئے۔

- ۸ ربیع الثانی کو کشمیر سے لاہور واپس ہوئے۔

آٹھویں سال کے حالات ۱۰۴۴ھ

- ۵ رجادی الثانیہ ۱۰۴۴ھ کو دارالسلطنت لاہور میں پہنچے۔
- بالا گھاٹ کی صوبیداری خان زماں پسر خانخاناں کے سپرد ہوئی جس کے علاقے یہ ہیں: دولت آباد، احمد نگر، پٹن، مر، جالنا پور، چنیر، سنگمیر اور فتح آباد مع مضافات اور متصل علاقوں کے۔ کچھ حصہ برار کا اور پورا تلنگانہ۔
- پایان گھاٹ کی صوبیداری خان دوراں کے سپرد کی۔
- اللہ وردی خاں قراول بیگی صوبہ مالوہ کا صوبیدار ہوا۔
- ۷ رجادی الثانی کو شاہ شجاع نے دکن سے آکر باپ کی قدمبوسی کا شرف پایا اور نسخہ قرآن قلمی ملک شاہ خانم کا لکھا ہوا پیش کیا۔
- ۷ شعبان کو آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔
- ۲۶ رماہ رمضان کو دارا شکوہ کے گھر فرزند پیدا ہوا اور سلیمان شکوہ نام رکھا۔
- ۲ شوال کو آگرہ میں نزول اجلال فرمایا۔ جشنِ نوروز میں تخت طاؤس پر تشریف فرما ہوئے۔
- نجابت خاں نے ولایت سری نگر کشمیر کے سرحدی قلعہ شیر گڑھ کو فتح کیا۔ نیز قلعہ کالپی اور ساتور پر قبضہ کیا اور جب سر دوار سے گزر رہا تھا تو سُنا کہ ایک گروہ نے اس ملک میں داخلہ کا راستہ روک دیا ہے فوراً اُس پر حملہ کر دیا اور اُن میں سے بہت سوں کو قید کر لیا۔ سرگروہ نے اپنا نمائندہ بھیجا اور دس لاکھ روپیہ نذرانہ شاہی اور ایک لاکھ نجابت کے لئے دینا منظور کیا۔ مگر اس شرط پر کہ رقم کے حصول تک وہاں ہی قیام رکھا جائے۔ اس میں یہ چال تھی کہ قیام کی مدت طویل ہو جانے سے لشکر کا رسد گھٹ جائے گا اور برسات ہونے سے حمل ونقل میں دقت پیدا ہو جائے گی اور شاہی لشکر ٹھہر نہ سکے گا۔ ایسا ہی ہوا اور بہت فوج کٹی اور کچھ بھوکے مرے۔ جب یہ واقعہ بادشاہ نے سُنا تو نجابت خاں کو تنزل کر دیا۔

عبدالرحیم خانخاناں کے پوتے مرزا خاں کو اُس کی جگہ سپہ سالار کر دیا۔

- اس سال جھجار سنگھ بندیلہ اور اس کے بیٹے بکر ماجیت نے دوبارہ بغاوت کر دی۔ شہزادہ اورنگ زیب کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔
- ۷ ربیع الاوّل کو بادشاہ دولت آباد روانہ ہوا اور ۵ جمادی الاولیٰ کو بادشاہ موضع باڑی سے دکن کی طرف روانہ ہوا۔

نویں سال کے حالات ۱۰۴۵ھ

- ۲۵ جمادی الاولیٰ شاہی لشکر نے جھجار سنگھ قاتل شیخ ابوالفضل کے باپ بکرماجیت کے دادا نرسنگھ دیو کے بُت خانے منہدم کر دیئے۔
- قلعہ جنیر سنگمیر ناشک اور ترمک فتح ہوئے۔ ملک گولکنڈہ میں خطبہ و سکّہ بادشاہ شاہجہاں کے نام کا جاری ہُوا۔
- دکن کی حکومت شہزادہ اورنگ زیب کے سپرد کی گئی۔
- قلعہ اوسہ اور اودے گڑھ فتح ہُوئے۔

دسواں سال کے حالات ۱۰۴۶ھ

- بادشاہ اجمیر گیا اور تالاب اناساگر کے کنارے محل شاہی میں قیام فرمایا۔
- رسوم زیارت ادا کیں۔
- مسجد روضہ کے پیچھے تعمیر کرائی
- اس کے بعد آگرہ واپس آیا
- حسینی ایران کی سفارت پر روانہ ہُوا۔
- شہزادہ اورنگ زیب کی شادی شاہنواز کی لڑکی سے ہوئی۔
- قلعہ بھوجپور اس سال میں فتح ہوا اور تبت کے قلعہ بھی فتح ہُوئے۔

گیارھویں سال کے حالات ۱۰۴۷ھ

- ولایتِ قندھار کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔
- ۱۷ ربیع الثانی کو اکبر آباد (آگرہ) سے دارالحکومت لاہور کی طرف کوچ ہُوا۔

بارھویں سال کے حالات ۱۰۴۸ھ

- علی مردان کو صوبہ کشمیر کی صوبیداری عنایت ہوئی۔
- شائستہ خاں کو پٹنہ کا صوبیدار مقرر کیا۔
- افضل خاں کا ۱۲ رمضان المبارک کو انتقال ہوگیا۔

شہزادہ شجاع کی شادی اعظم خاں کی لڑکی سے ہوئی۔

- کابل کی طرف کوچ فرمایا۔ ۲۵ ربیع الثانی کو کابل سے لاہور واپس ہُوا۔

تیرھویں سال کے حالات ۱۰۴۹ھ

- علی مردان خاں کشمیر اور لاہور کا صوبیدار ہوگیا۔
- ممتاز محل (زوجہ شاہجہاں) نے انہی دنوں پردہ کیا۔
- اسلام خاں عہدۂ وزارت پر فائز ہُوا۔
- یکم شعبان کو شاہ شجاع کے ہاں اکبر نگر (بنگال) میں لڑکا پیدا ہُوا۔ نام سُلطان زین الدین رکھا گیا۔

چودھویں سال کے حالات ۱۰۵۰ھ

- بادشاہ نے سیر کے لئے کشمیر کی طرف اور وہاں سے لاہور کی طرف رُخ کیا۔
- ممتاز محل کی بیٹی بانو بیگم نے انتقال کیا۔
- قلعہ تاراگڑھ فتح ہُوا۔
- علی مردان خاں کو کابل کی صوبیداری پر مقرر کیا۔
- کشمیر کا صوبہ شاہ قلی خاں کے سپرد ہُوا۔

پندرھویں سال کے سوانح مطابق ۱۰۵۱ھ

- عین الدولہ آصف خاں خانخاناں سپہ سالار اعظم نے استسقا کی بیماری میں سفر آخرت اختیار کیا۔ مقبرہ دریائے راوی کے کنارے شہر لاہور کے بالکل سامنے واقع ہے۔
- کشمیر میں قحط پڑ گیا۔
- شہزادہ مراد بخش کی شادی شاہنواز صفدی کی نیک بخت لڑکی سے ہوئی۔

سولھویں سال کے واقعات ۱۰۵۲ھ

- ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو روپوؤں میں تلوایا۔
- شالامار باغ اور نہر اس سال تکمیل کو پہنچی۔
- اسی سال ممتاز محل کا مقبرہ تاج محل پایۂ تکمیل کو پہنچا جو تقریباً بارہ سال سے مکرمت خاں اور میر عبدالکریم کے زیر اہتمام تعمیر ہو رہا تھا۔ اس پر ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور پرگنہ حویلی اکبر آباد اور نگر چند کے مضافات میں سے ۳۰ گاؤں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ تھی مقبرہ کے لئے وقف کر دیئے۔

سترھویں سال کے احوال ۱۰۵۳ھ

- شہزادہ اورنگ زیب کا لڑکا جس کا نام معظم خاں رکھا گیا پیدا ہوا۔ انہی دنوں شہزادہ مراد بخش کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینت النساء بیگم رکھا۔
- آگرہ میں وباء پھیلی ہوئی تھی اس لئے بادشاہ نے فتح پور سیکری کے محل میں قیام کیا۔
- شہزادہ دارا شکوہ بیمار ہو گیا اور اس کو صحت ہوئی۔
- شیخ عبدالصمد سفیر شریف مکہ معظمہ کو طلائی پاندان، عطردان پیالہ اور طلائی سرپوش مع چار ہزار روپیہ نقد عنایت کیا۔
- بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ حکیم داؤد جو ایران سے آیا تھا اس کو حکیم مسیح الزمان کے ساتھ شریک کر کے علاج کے لئے مقرر کیا اور بہت خیرات وغیرہ کی۔
- اورنگ زیب نے گوشہ نشینی اختیار کی اور خان دوراں بہادر نصرت جنگ کو مالوہ سے دکن بھیجا۔
- راجہ گنج سنگھ راٹھور کا بیٹا امر سنگھ بارگاہ میں حاضر ہوا اور شام کو جبکہ صلابت خاں نوکران شاہی میں سے کسی سے بات کر رہا تھا تو اچانک امر سنگھ نے کٹار اس کے سینہ میں ماری جس سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ خلیل اللہ خاں اور ارجن ولد راجہ بٹھل

داس گورو اور سید سالار بادھو غیرہ دوڑے اور اس کو مار ڈالا۔

اٹھارھویں سال کے حالات ۱۰۵۴ھ

- اسی سال شاہی علم آگرہ سے لاہور اور وہاں سے کشمیر کی طرف بلند ہوئے۔
- دارا شکوہ کے محل میں سلطان پرویز کی لڑکی کے شکم سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سپہر شکوہ رکھا گیا۔
راجہ جے سنگھ دکن کی حفاظت پر مامور ہوا۔
- بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور اسی کی درخواست پر بادشاہ نے اورنگ زیب کو منا کر گوشہ نشینی سے نکالا۔

اُنیسویں سال کے حالات ۱۰۵۵ھ

- اس سال قلعہ گھمرو فتح ہوا۔
- جاں نثار خاں پسر زبردست خاں کو شاہ صفی کی تعزیت اور شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی کی مبارک باد کے لئے ایران بھیجا۔
- دو ماہ بعد کشمیر سے لاہور واپس ہوا۔
- ۲۹ رمضان کو نور جہاں بیگم کا انتقال ہو گیا۔ لاہور میں اپنے بھائی آصف خاں کی قبر کے پاس دفن ہوئی۔
- شہزادہ شجاع کے یہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام زین العابدین تجویز ہوا۔
- چونکہ بادشاہ کو قندھار اور سمرقند کے فتح کرنے کی بہت آرزو تھی اس لئے کابل کی طرف کوچ کیا۔

بیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۶ھ

- اس سال بادشاہ لاہور واپس آیا۔
- شہزادہ مراد بخش کی خطائیں معاف فرما کر سابق منصب عطا کئے۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو بدخشاں اور بلخ کی فتح پر مامور کیا۔
- سعید خاں کو شہزادہ اورنگ زیب کی جگہ گجرات میں تعینات کیا۔

- ستی خانم نے انتقال کیا۔ یہ طالب آملی کی بہن تھی۔ یہ تقرب اور دیرینہ خدمت گاری کے اصول خوب جانتی تھی اور علم قرأت سے بھی واقف تھی بلکہ جہاں بیگم نے اُس سے پڑھا تھا۔
- اورنگ زیب یکم جمادی الاولیٰ کو بلخ پہنچا اور وہاں پر اُس کو لڑنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی۔

اکیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۷ھ

- مراد بخش صوبہ کشمیر کے انتظام کے لئے روانہ ہوا۔
- اسلام خاں ناظم چار صوبہ دکن نے ۱۴ شوال ۱۰۵۷ھ کو انتقال کیا اور اورنگ آباد میں مدفون ہوا۔
- اورنگ زیب ہندوستان واپس آیا اور بلخ نذر محمد خاں کے پوتے قاسم ولد خسرو کے سپرد کیا۔
- بادشاہ کابل سے لاہور آگئے اور اُس کے بعد آگرہ واپس ہوئے۔
- شہزادہ شجاع کابل سے آگرہ آیا اور صوبہ بنگال کی جاگیر اس کو عطا ہوئی۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو ملتان جانے کا حکم دیا۔
- قلعہ شاہ جہان آباد مکمل ہوا اس لئے بادشاہ دہلی کی طرف روانہ ہوا اور ۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۸ھ کو بادشاہ دریائے جمنا کے کنارے والے دروازے سے جو شاہ نشین محل کی طرف جاتا ہے داخل ہوا۔
- ایک قندیل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر سید احمد سعید کے ہمراہ بھیجا اور مالِ تجارت گجرات سے بھی بھیجا جو شریف مکہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مستحقین میں تقسیم کیا گیا۔

بائیسویں سال کے واقعات مطابق ۱۰۵۶ھ

- صوبہ گجرات شہزادہ دارا شکوہ کو مرحمت ہوا۔
- باقی بیگ گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔

- اڑیسہ کا صوبہ جان بیگ بردی کو دے دیا گیا۔
- شیخ ابوالفضل کے شاگرد شیخ عبدالمجید لاہوری نے دس سال کے تاریخی واقعات مدون کئے۔
- اس سال بادشاہ لاہور گئے۔
- سرگروہ اعیانِ سلطنت اعظم خاں نے ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائی۔
- شاہ عباس ثانی حاکم ایران نے قلعہ قندھار کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے کابل کا رُخ کیا۔ جو ایرانیوں نے فتح کر لیا۔

تئیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۵۹ھ

- شہزادہ اورنگ زیب نے سید اللہ خاں وزیر کے ہمراہ قندھار پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کیا اور لڑائیاں ہونے کے بعد شہزادہ اورنگ زیب واپس ہو جاتا ہے۔

چوبیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۰ھ

- اس سال بیگم اکبر آبادی محل کی بنوائی ہوئی مسجد کی تکمیل ہوئی۔
- رمضان کے روزے افطار کئے (رکھے) اور ساٹھ ہزار روپیہ فدیہ دیا۔
- عبدالرحمٰن جو ولایت غور کا حکمران تھا سُبحان قلی خاں (سردار قلمان) نے اس کو قید کر دیا اور بارگاہِ شاہجہانی میں پہنچایا۔ یہاں اُس نے ملازمت اختیار کر لی۔

پچیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۱ھ

- سلطان روم کا سفیر محی الدین جو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھا آیا۔
- سعید خاں بہادر شاہی خانہ زاد غلام کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ لہراسپ کو مقرر کیا اور کابل کی صوبے داری پر سرفراز کیا۔
- لاہور سے کابل کی طرف قندھار واپس لینے کے خیال سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب کو حکم ملا کہ ملتان سے قندھار روانہ ہو۔

چھبیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۲ھ

- شہزادہ اورنگ زیب نے قندھار پہنچ کر آٹھ دن تک قلعہ فتح کرنے کے

لئے اپنی امکانی کوشش کی۔

- شاہ عباس نے بھی لشکر جمع کیا اور کوچ کیا۔ شہزادہ اورنگ زیب نے یہ خبر پاکر واپسی کا نقارہ بجا دیا۔

ستائیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۳ھ

- راج سنگھ ولد رانا جگت سنگھ شہزادہ داراشکوہ سے وعدہ کے مطابق بہت سی فوج لے کر قندھار پہنچا اور قلعہ کے فتح کرنے میں بہت کوشش کی۔ دولت خاں افغان ہندوستانی فوج سے مل گیا۔ شاہ ایران نے بھی اپنی فوجیں بھیجیں مگر ہندوستانی فوج کو کامیابی نہیں ہوئی۔
- شہزادہ اورنگ زیب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام محمد اعظم رکھا۔
- اس سال ایک مسجد سنگِ مرمر کی مکمل ہوئی۔
- سلطان روم کا سفیر دربار میں آیا۔

اٹھائیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۴ھ

- اس سال فیض آباد اور اجمیر کی طرف بادشاہ گیا۔
- شہزادہ داراشکوہ کو خاص خلعت بخشا۔

انتیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۵ھ

- سیّد محمد سعید اردستانی جس کا خطاب میر جملہ تھا اور عبداللہ شاہ قطب والیٔ گولکنڈہ (دکن) کا مدار المہام تھا۔ چغل خوروں نے قطب شاہ مذکور کا دل اس کی طرف سے منحرف کرا دیا۔ مجبور ہو کر شہزادہ اورنگ زیب کے وسیلہ سے آستانہ شاہجہاں کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ اُس نے ایک حکمنامہ قاضی عارف کشمیری کے ہمراہ صادر کیا کہ میر جملہ کو آنے سے نہ روکے۔

تیسویں سال کے حالات مطابق سنہ ۱۰۶۶ھ

- ۱۲ جمادی الثانی کو سیّد اللہ خاں وزیر درد قولنج کی بیماری میں بعمر ۴۰ سال قضا کر گیا۔ اس کے بیٹے لطف اللہ خاں کو سات سو ذات ایک سو سوار کا منصب عطا فرمایا۔

قاضی عارف کے پہنچنے سے پہلے قطب شاہ میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو قید کر چکا تھا اور اس کا مال واسباب ضبط کر لیا تھا۔ اس لئے دوسرا فرمان محمد امین کی رہائی کے لئے جاری کیا اور اورنگ زیب کو حکم دیا کہ اگر قطب شاہ اطاعت قبول نہ کرے تو اُس کو سزا دینے کے لئے خود جائے اور شائستہ خاں صوبیدار مالوہ اور دوسرے دکن پر تعینات امیروں کو لکھا کہ سب شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اورنگ زیب نے اپنے بڑے لڑکے سلطان محمد کو اس جانب روانہ کیا اور خود بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہُوا۔ قطب شاہ محمد امین اور لواحقین کو سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ اس کا مال واپس نہیں کیا تھا اس لئے سلطان محمد نے حیدر آباد کا رُخ کیا۔ قطب شاہ خوف سے قلعہ میں بند ہو گیا اور محمد ناصر کو جواہرات کا صندوقچہ دے کر بھیج دیا۔ اُس نے کچھ گستاخی سلطان محمد کے حق میں کی۔ جس کی بناء پر اس کو قید کر لیا اور حیدر آباد میں داخل ہو گئے۔ بہت سا سامان لُوٹ کر جمع کیا۔

ادھر سے شہزادہ اورنگ زیب قلعہ گولکنڈہ کی طرف روانہ ہُوا اور قلعہ سے ایک میل فاصلہ پر پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج بھی آپہنچی اور لڑائی ہوئی جس میں بہت سے دکنی مارے گئے۔ قطب شاہ نے گذشتہ سالوں اور سال رواں کی رقوم نذرانہ ادا کیں اور سلطان محمد سے اپنی بیٹی کے رشتہ کی بات چیت شروع کی اور اسی سال عقد نکاح ہو گیا۔

- اسی سال جامع مسجد دہلی جس کی بنیاد ۱۰۶۰ھ میں رکھی گئی تھی پایۂ تکمیل کو پہنچی اس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہُوا۔
- معظم خاں کا بیٹا میر محمد امین جو بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے برہانپور میں رُکا ہُوا تھا، آستانہ سلطنت پہنچا اور خلعت اور خان کے خطاب سے سرفراز ہُوا۔
- عادل شاہ والیٔ بیجاپور کا ۲۶ محرم کو انتقال ہو گیا اور غلام نے اپنے متبنّیٰ کو گدی پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب اور دیگر امراء کو حکم ہُوا کہ ان مقامات

پر قبضہ کر لیں۔

- دہلی میں طاعون پھیلنے کی وجہ سے بادشاہ نے ۴ ربیع الاوّل کو گنگا کے کنارہ پر گڑھ مکتیشر میں سیر و شکار کھیلنے کی طرف توجہ فرمائی اور ۲ ماہ مذکور کو دہلی واپس آیا۔
- رستم خاں بہادر جنگ کو صوبہ کابل کے انتظامات پر لگایا۔

اکتیسویں سال کے حالات مطابق ۱۰۶۷ھ

- اس سال بادشاہی لشکر شہر فیض آباد (کشمیر) کی طرف روانہ ہوا اور اس کے بسانے اور تعمیر کا کام حسن بیگ خاں کے اہتمام سے پانچ لاکھ روپیہ سے انجام پایا۔ اور سید مظفر بارھہ اس کی نگرانی کے لئے مقرر ہوا جو پہلے سری نگر کے زمیندار کے متعلق تھا اور کچھ عرصہ سے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا تھا۔ زمیندار نے ڈر کر نذرانہ ادا کر کے اپنی عزت بچائی۔ جموں کا راجہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ ایک مہینہ وہاں رہ کر دہلی واپس ۳ رجب کو آئے۔
- علی مردان خاں معتمد سلطنت کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے بڑے بیٹے ابراہیم خاں، اس کے بھائیوں اور رفیقوں کو درجہ کے موافق منصب عطا کیا۔
- اس زمانے میں قلعہ بیدر کی فتح، حبشیوں کی تنبیہ اور قلعہ کلیان کی تسخیر عمل میں آئی۔
- ولایات بیدر مع اس کے مضافاتی علاقوں کے اور قلعہ رام گڑھ اورنگ زیب کو بطور انعام مرحمت فرمایا اور تنخواہ سالانہ تین کروڑ روپیہ ہو گئی۔
- بیدر کا نام مظفر آباد رکھا۔ جب عادل شاہ اور دوسرے سرکشوں کو یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کچھ چارہ نہیں تو یہ طے کیا کہ قلعہ پرینده مع تمام متعلقات اور ملک دکن کے قلعے اور دیگر متعلقہ مقامات قبضہ میں دیدیں۔
- اس سال بادشاہ کو پیشاب رُک جانے کی بیماری لاحق ہوئی۔
- تمام ممالک محروسہ میں اس سال زکوٰۃ معاف کر دی۔

- شہزادہ دارا شکوہ کا منصب زیادہ ہُوا اور تنخواہ میں بھی اضافہ ہُوا۔
- ۱۲ ذی الحجہ کے اورنگ زیب کے یہاں شہزادہ محمد اکبر پیدا ہُوا۔
- معظم خاں کو شہزادہ اورنگ زیب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے وزارت سے معزول کیا۔
- رائے رایان کو امورِ وزارت پر مامور کر دیا۔
- شہزادہ دارا شکوہ نے بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے کاروبارِ سلطنت کیا اور آگرہ تشریف لے جانے کی بادشاہ کو تحریک کی۔
- ۸ محرم ۱۰۶۷ھ بذریعہ کشتی (براہ جمنا) آگرہ روانہ ہُوا۔ ۸ صفر کو گھاٹ سامی کی عمارت میں پہنچ کر نو روز تک یہاں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر بیماری میں تخفیف ہو گئی۔ دو مہینے نو دن میں بغیر دوا کے کھل کر پیشاب آنے لگا۔
- ۹ ربیع الاوّل کو شہزادہ دارا شکوہ کے مکان میں تشریف لائے۔
- دل رس بانو بیگم جو شہزادہ اورنگ زیب کے نکاح میں تھی انتقال کر گئی۔
- دارا شکوہ کو صوبہ بہار مرحمت ہُوا اور منصب اور روپیہ کے انعام مرحمت ہوئے۔
- جعفر خاں وزارت عظمیٰ کی خدمت سے سرفراز ہُوا۔
- ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔
- شہزادہ شجاع بنگال سے ایک بھاری لشکر کے ساتھ اکبر آباد پر چڑھائی کے ارادہ سے روانہ ہُوا اس لئے سلیمان شکوہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کے ساتھ لشکر روانہ کیا تاکہ اُس کو سزا دی جائے۔
- مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کو منصب بڑھا کر اور انعام وغیرہ دے کر مالوہ کی صوبیداری پر لگایا اور شہزادہ اورنگ زیب کی مخالفت سے روک دیا۔
- یکم ربیع الثانی کو بادشاہ قلعہ آگرہ میں اپنے محل میں تشریف لے آئے۔
- گجرات میں شہزادہ مراد بخش نے بادشاہ کی بیماری کا حال سُن کر سکّہ اور خُطبہ اپنے نام کا جاری کر دیا اور شاہی دیوان سید علی نقی کو قتل کر دیا۔

- شجاع کے بجائے قاسم خاں کو احمد آباد کا گورنر بنا کر روانہ کیا ۔

شاہجہان (ممتاز محل کے بطن سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں)

- دارا شکوہ — پیدائش ۱۰۲۴ھ
  - سلیمان شکوہ
  - سپہر شکوہ
  - جانی بیگم
  - نامعلوم
- شجاع — پیدائش ۱۰۲۵ھ
  - زین الدین
  - بلند اختر
  - زین العابدین
  - دلپسند بانو
  - گلرخ بانو
  - خردمند بانو
  - خیر النساء
- اورنگ زیب — پیدائش ۱۵ ذیقعدہ اتوار ۱۰۲۷ھ
- مراد بخش — ۱۰۳۳ھ
  - ایزد بخش ۔ دولت داد بانو
  - آسائش بانو
  - ہمراز بانو
- جہاں آرا بیگم — ۱۰۲۲ھ
- روشن آرا بیگم — ۱۰۲۶ھ
- گوہر آرا بیگم — ۱۰۴۰ھ
- پرہیز بانو بیگم — ۱۰۲۰ھ
  - یہ مرزا مظفر حسن صفوی کی بیٹی قندھاری محل کے شکم سے تھی ۔
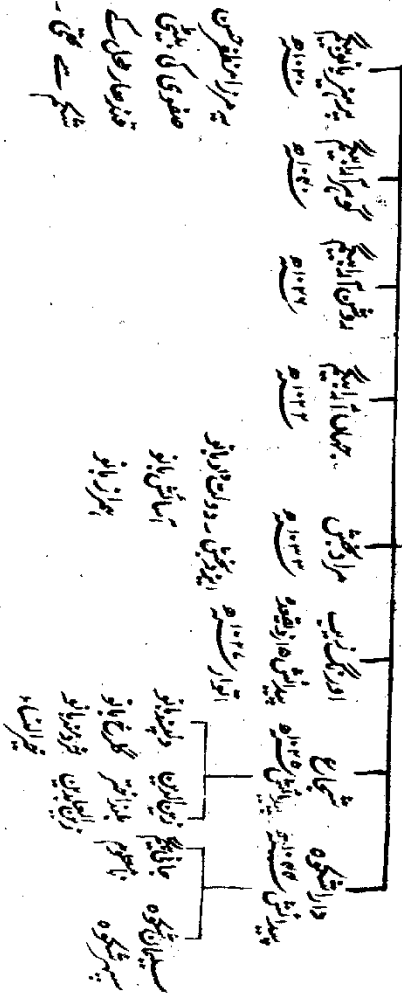
شاہجہاں کے دور کی تعلیمی ترقیاں

شاہجہاں کے عہد میں لاہور، احمد آباد، دہلی اور جون پور علم و تعلیم کے ایسے مرکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات اور بدخشاں سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لئے ہندوستان آتے تھے اس عہد میں باکمالوں کی مسند درس کو شہرتِ عام حاصل تھی۔ ان کے مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایشیا میں مشہور تھے۔ لاہور میں مُلّا محمد یوسف اور مُلّا جمال لاہوری کو شہرت حاصل تھی۔ مُلّا محمد فاضل بدخشانی نوعمری میں تحصیلِ علم کے لئے کابل آئے اور مُلّا صادق حلوائی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے توران پہنچے اور مُلّا مرزا جان شیرازی کے درس میں شریک ہُوئے۔ اس کے بعد علم کی مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور یہاں عقلی علوم کی تحصیل مُلّا محمد یوسف سے کی جنہیں عبدالحمید مصنف بادشاہ نامہ نے "سرآمدہ اساتذہ زماں" کے لقب سے یاد کیا ہے اور نقلی و شرعی علوم و تفسیر و اصول کی تعلیم مُلّا جمال لاہوری سے جنہیں عربیت میں "یگانہ روزگار" کہا گیا ہے، حاصل کی۔ اسی طرح مُلّا عبداللطیف سلطانپوری مُلّا جمال لاہوری کے شاگرد تھے اور عقلی و نقلی دونوں علوم میں دستگاہ رکھتے تھے اور خصوصاً پڑھانے کا طرز نہایت پسندیدہ اور دلنشین تھا۔

اس زمانہ میں لاہور کے ایک دُوسرے مشہور استاد مُلّا عبدالسلام دیوی تھے انہیں معقول و منقول و ادب سب میں دسترس حاصل تھی۔ تقریباً ساٹھ سال درس و تدریس کی خدمت میں مصروف رہے۔ شاہجہاں نے اُن کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ملا میرک عنفوانِ شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور مُلّا عبدالسلام کے شاگردوں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ ملا خواجہ بہاری بھی عنفوانِ شباب میں اپنے والد ملا سعد ٹھٹوی سے علوم کی تحصیل کرنے کے بعد مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر دربارِ سلطانی سے وابستہ ہُوئے۔

سیالکوٹ میں مُلّا کمال کشمیری کی مسندِ درس قائم تھی معقولات کے مشہور فاضل مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی انہی کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ تھے۔ شاہجہاں نے ان کی مدد معاش

کا معقول انتظام کیا اور انہوں نے اپنی مشہور تصانیف اُس کے نام سے معنون کیں۔

مُلا عبدالحکیم کے بعد اُن کے صاحبزادے اپنے والد کی مسندِ درس پر بیٹھے۔ مُلا محمد فاضل جن کا تذکرہ اُوپر گذر چکا ہے لاہور سے عقلی و نقلی علوم کی تحصیل کے بعد دار السلطنت دِلی پہنچے۔ ابتداءً عہدۂ قضا پر مامور رہے۔ پھر دلّی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، شاہجہانی دربار سے اُن کا بھی معقول وظیفہ جاری تھا۔

تھانیسر (پنجاب) میں ایک مدرسہ شیخ چلی کے نام سے مشہور تھا۔ اُسے دارا شکوہ نے ۱۰۶۵ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ سِکھوں کے زمانہ میں اس عمارت میں گرنتھ رکھا گیا اور اُس کے قریب جو شیخ چلی کی درسگاہ تھی اُسے گردوارہ بنا دیا گیا۔

مُلا عبداللہ کی مسندِ درس اسی زمانہ میں شہر بہار میں بچھی ہوئی تھی۔ اُن کے صاحبزادے مُلا محی الدین معروف بہ مُلا موہن بہاری نے اس مدرسہ میں ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی اور اسی مدرسہ میں درس و تدریس کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر شاہجہان کی ملازمت کر لی۔ شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ پھر وطن میں قیام اختیار کیا اور ۸۴ سال کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مسندِ درس شاہ جہاں کے ہی عہد میں قائم ہوئی۔ احمد آباد گجرات میں میر محمد ہاشم درس و تدریس میں مشغول تھے۔ خصوصاً علم طب میں شہرت حاصل کی۔ شاہجہاں نے ان کا وظیفہ جاری کیا۔ پھر شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کے لئے دلّی بلائے گئے۔

شاہجہاں نے "مسجد اکبر آبادی" کے نام سے ایک مسجد ۱۰۶۰ھ میں تعمیر کرائی اور اُس سے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں طالب علموں کے وظیفے بھی مقرر کئے گئے۔ سرسیّد مرحوم نے اس شکستہ حال مسجد کا کتبہ نقل کیا ہے جس میں یہ عبارت بھی ہے:-

"اگر بہ مرمت ایں امکنہ احتیاج افتد آنچہ از حاصل ایں موقوف بعد الترمیم باقیماند بہ خدمت مسجد و حمام طالب علم رساند والا تمام را طاعہ سطور بہ دہند۔" [1]

[1] عہدِ اسلامی کا ہندوستان۔

شاہجہانی عہد میں مُلّا عبدالوہاب بن بُرہان الدین نبیرہ خواجہ یعقوب چرخی جو بڑے صاحبِ فضل و کمال تھے۔ زبدۃ الفقہا جن کی تصنیف ہے انہوں نے قلعہ دلاور مضافات ملتان میں مدرسہ قائم کیا اور خود درس دیتے تھے[1]

نومسلموں کی تعلیم کا انتظام

اکبری دَور میں ہندو مسلموں کی باہمی شادی کا زیادہ رواج ہو گیا تھا۔ مُسلمان لڑکیاں ہندوؤں کے عقد میں چلی گئی تھیں۔ اسلامی شریعت کی رُو سے ایسے نکاح صحیح نہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے شاہجہاں نے اُن کے شوہروں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں یا تبدیل مذہب کر لیں۔ ایسے بہت سے شوہروں نے تبدیل مذہب کو ترجیح دی۔ اس طرح نومسلموں کی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی۔ اس تحریک کا بانی جوکھو نام کا ایک زمیندار تھا۔ وہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ شاہجہاں نے ایسے نومسلموں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا اور اُن کے لئے معلم مقرر کر دیئے تھے[2]

نیز فوج میں مختلف ملکوں کے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے۔ ان سے ملک کے گوشہ گوشہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیلی۔[3]

---

[1] خزینۃ العلماء قلمی صفحہ ۱۲ [2] عہدِ اسلامی کا ہندوستان۔

[3] عہدِ اسلامی کا ہندوستان۔

شہنشاہ ابوالمظفر محی الدین

محمد اورنگ زیب عالمگیر

حضرت اورنگ زیب صاحبقران اعظم شہاب الدین شاہجہاں کے تیسرے لڑکے تھے جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ دوھد (مالوہ) میں ممتاز محل دختر آصف جاہ مشہور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی کے بطن سے تولد ہوئے۔

جہانگیر نے شاہجہان کی بے عنوانی پر بطور یرغمال داراشکوہ اور اس کے چار برس کے بچے کو اپنے پاس رکھا۔ زیر نگرانی نور جہاں ان دونوں کی تربیت ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ میں جہانگیر خلد بریں کو سدھارے۔ شاہجہاں تختِ سلطنت پر بیٹھے۔ یہ دونوں پانچ سال بعد اپنے ماموں آصف جاہ کے ہمراہ لاہور سے آگرہ باپ کے پاس آ گئے۔

تعلیم بقول مولانا فضل امام خیرآبادی ملا ابوالواعظ ہرگامی سے ابتدائی تعلیم کے منازل طے کئے[1] علم وادب مولوی سید محمد قنوجی سے حاصل کیا[2]۔ مولانا عبداللطیف سلطان پوری، ملا محی الدین بہاری۔ ملاجیون[3] شیخ عبدالقوی۔ دانشمند[4] خاں اور علامہ سعداللہ خاں کی شاگردی کی۔ بعد تحصیلِ علم ہر قسم کے عیش وآرام کو ترک کر کے کتب خانہ میں وقت صرف ہوتا تھا۔ کتب بینی سے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل ہوگئی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے :-

در قبلہ عالم کے کمالات کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علوم دینیہ یعنی فقہ وتفسیر وحدیث کی تحصیل ہے۔ جہاں پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات شیخ شرف الدین منیری کے منظومات اور شیخ شمس الدین وقطب الدین محی الدین

---

[1] آمد نامہ میگزین ہوسٹار یکل سوسائٹی [2] مآثر عالمگیری صفحہ ۱۴۵

[3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۴۵ [4] مآثر الامراء جلد ۲ صفحہ ۳۲ -

شیرازی کے رسائل سے خاص شوق تھا اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں'' [1]

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھے۔ ۴۵ سال کی عمر میں کلام پاک ایک سال میں حفظ کر لیا۔ فن خطاطی سید علی خان حسینی جواہر رقم اور عبدالباقی حداد سے سیکھا۔

مراۃ العالم میں ہے:۔

''در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ''

عہدِ شہزادگی عہدِ شہزادگی میں یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ایک کام کی خود نگرانی رکھتے تھے۔ شہر کی خبروں سے باخبر۔ باہر کے آنے جانے والوں پر جاسوس لگائے رہتے تھے۔ بازار کی ہر جنس کا نرخنامہ روزانہ اپنے پاس منگواتے۔ مختلف اوضاع کے لوگوں کے مذاق دریافت کرتے افسران فوج کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے عادات و اطوار اور نیز قیافہ ظاہری کے باعث خواہ مخواہ ایک بڑے اونچے درجے کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ عقیل، دور اندیش، جری، مستقل مزاج اور سب سے زیادہ یہ کہ بڑے محنتی اور بیحد جفاکش تھے۔

بہادری چودہ سال کی عمر تھی۔ شاہجہاں قلعہ آگرہ کے جھروکے سے مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ شہزادے گھوڑوں پر معروفِ نظارہ تھے۔ اورنگ زیب محویت کے عالم میں ہاتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ اُن پر ایک ہاتھی حملہ آور ہوا۔ شہزادے نے پیچھے ہٹنے کی بجائے نیزے سے ہاتھی کی پیشانی کو زخمی کیا۔ بادشاہ معہ تماشائیوں کے بے قرار ہو گئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی مگر وہ ہٹنے کی بجائے اور خشمناک ہو کر شہزادے پر گرا۔ وہ گھوڑے سے نیچے آ رہے۔ مگر مردانہ وار اُٹھ کر تلوار سے مقابلہ کیا۔ شہزادہ شجاع بھائی کے بچانے کے لئے بڑھا مگر اس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ بھی نیچے آ رہا۔ اس اثناء میں ہاتھی اپنے مدِمقابل کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرح اُن کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرطِ محبت سے سینے سے لپٹا لیا۔ اُن دونوں کو اشرفیوں سے تولا اور غرباء میں تقسیم کی گئیں۔

---

[1] مآثر عالمگیری صفحہ ۳۸۸۔

قدردانی علماء عالمگیر علماء و فضلاء کے قدردان تھے۔ مُلّا عبداللہ سیالکوٹی کے علم و عقل کا شہرہ سُن کر بادشاہ نے اُن کو دورانِ اقامت اجمیر خود خط لکھ کر خدمتِ صدارت تفویض کرنے کے لئے بُلایا۔ اُنھوں نے لکھا اب فراق کا وقت ہے نہ کہ تحصیلِ شہرت کا۔ بہرحال حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اجمیر پہنچے۔ بادشاہ چند روز اُن کے ساتھ صحبت گزیں رہے۔ حضرت خواجہ کی زیارت سے مستفیض ہو چکنے کے بعد وطن جانے کی رخصت حاصل کی اور راہ میں اصلی وطن رخصت ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن کے چاروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔

ایک دفعہ عالمگیر میاں عبداللطیف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سو مواضع آپ کی خانقاہ کے مصارف کے لئے مقرر کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا سے

شاہ ما رادہ و لا منت نہد　　　رازق ما رزق بے منت دہد

عالمگیر نے عرض کیا آپ کا فرمانا بجا ہے مگر اہل اللہ کی خدمت خیر و برکت کے اندیاد کے لئے کی جاتی ہے۔ میاں صاحب نے کہا نیت بخیر ہے تو جو کچھ رعایا سے غلہ لیتے ہو اُس سے نصف کم لو۔ محنت کش مزدوروں سے اس سے بھی کم وصول کرو اور متوکل لوگوں کو وظیفے دو۔ مظلوموں کی دادرسی کرو کسی کا حق تلف نہ ہونے دو۔ پھر دیکھو کہ دولت اور نعمت میں کیسی ترقی ہوتی ہے۔

بزرگانِ دین سے عقیدت عالمگیر علماء اور صوفیاء سے بڑی حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳ محرم ۱۰۸۰ھ کو ایک پہر رات گزرے باغِ حیات بخش کی راہ میں جہاں شیخ سیف الدین سرہندی کا مسکن تھا۔ ان کے مکان پر اورنگ زیب پہنچے اور ایک گھڑی اُن سے سلوک و معرفت کی باتیں کیں اور شیخ کے اقرباء کی معاونت کی اور اُن کو دربار سے منسلک کیا اور مکان لوٹ آئے۔

مزارات پر حاضری ہمایوں اور شیخ نظام الدین اولیاء و خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزارات پر حاضری دی۔ ہر سہ مقامات کے خدام کو انعام و اکرام سے نوازا۔ دلّی سے آگرہ ۱۷ رجب ۱۰۸۱ھ کو گئے۔ تاج محل میں

حاضر ہو کر ماں باپ کے مزارات کی زیارت کی اور ۵ ہزار روپیہ خادموں کو عطا کیا۔ آگرہ سے دلی رخصت ہوئے۔ شکار کھیلتے ہوئے یکم شعبان ۱۰۸۲ھ کو خضر آباد پہنچے اور ۴ مارچ کو خواجہ بختیار کاکی اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ طواف کر کے خدام کو ڈیڑھ ہزار روپیہ انعام دیا۔ پھر دولت سرا میں داخل ہوئے۔

جنگ میں شرکت اس کے بعد بندیلیوں کی جنگ میں شرکت کر کے خوب دادِ شجاعت لی۔ پھر پنجاب میں صوبیدار بنا۔ قندھار اور بدخشاں میں جوہر مردانگی دکھائے۔

اورنگ زیب بدخشاں میں ازبکوں سے لڑ رہے تھے۔ پتھروں کی بارش ہو رہی تھی، تلواریں چمک رہی تھیں۔ عین اُس کشت وخون میں نماز کا وقت آ گیا۔ میدانِ جنگ میں نیت باندھ کر خدا کی عبادت میں لگ گئے۔ ازبکوں کے سردار عبدالعزیز خاں نے پچیس ۲۵ چھبیس ۲۶ سال کے جوان کی یہ شانِ اسلامیت دیکھی تو وہ مبہوت ہو گیا۔ اُسی وقت اپنے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیا اور کہا کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ اس کے بعد سیاسی جنگ کچھ دن کے لئے ترک کر دی تھی، بعد میں دکن کے صوبہ دار بن گئے۔

سوانحات ۱۰۶۷ھ میں شاہجہان بعمر ۶۷ سال سخت علیل ہوا۔ لوگوں کو زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس وقت بسبب ولیعہدی کے داراشکوہ اس کے پاس تھا اور شجاع بنگالہ کا، داور بخش گجرات کا اور اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار تھا۔ باوجودیکہ داراشکوہ نے خبر علالتِ بادشاہ کو چھپانا چاہا مگر سب کے پاس پہنچ گئی۔ شجاع بنگالہ سے چل پڑا۔ مگر بنارس کے پاس داراشکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ سے شکست کھا کر واپس گیا۔ اورنگ زیب نے نقل وحرکت شروع کی۔ داور بخش کو بھی ساتھ لیا۔ ادھر سے داراشکوہ کے لشکر نے اُجین میں جاکر روکا۔ مگر سردار فوج راجہ جسونت سنگھ کے شکست کھانے سے شہزادوں کا لشکر آگے بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ آگرہ ایک منزل کے تفاوت سے رہ گیا۔ اسی جگہ داراشکوہ ایک لاکھ سوار جرار اپنے ساتھ لے کر خود میدان جنگ میں

آیا اور مقابلہ کیا۔

ادھر راجپوت جانیں توڑ کر لڑ رہے تھے اور اِدھر اورنگ زیب اپنے سپاہیوں کی جُرأت کو "اللہ معکم" کے نعرے مار مار کر بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے راجہ جسونت سنگھ نے مراد پر حملہ کیا۔ مراد نے اُس کا بھالا تلوار پر روک کر ایک ہی تبر سے مار ڈالا۔ راجہ روپ سنگھ اورنگ زیب کے ہاتھی کا ہودج کا رستہ کاٹنے میں قتل ہُوا۔

ہاتھی کے زخمی ہونے کے باعث داراشکوہ کو نیچے اُترنا پڑا۔ راجپوت ایک جانب کھیت ہو رہے تھے۔ داراشکوہ کی نظر سے غائب ہوتے ہی سب کے قدم اُکھڑ گئے اور لڑائی کا نتیجہ برعکس نکلا۔ یہ رنگ دیکھ کر داراشکوہ فرار ہو گیا اور شرم سے باپ کے سامنے نہ گیا۔ بیگم اور لڑکوں کو لے کر سیدھا لاہور روانہ ہو گیا اور پھرتا پھرا۔ اورنگ زیب نے آگرہ پر تسلط کیا۔ باپ معزول ہو کر نظر بند ہُوئے۔ خود ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب تخت نشین ہُوا۔ ۱۰۶۹ھ میں رسمِ تخت نشینی ادا کی۔ خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا۔ جشن نوروزی ماہ رمضان میں مقرر کیا اور "جشن نشاط افروز" نام رکھا۔ محصول راہداری اور تمام اجناس کا ہمیشہ کے لئے معاف کیا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ خیرات کے لئے، ۶ لاکھ ۳۰ ہزار کے تحفے مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ ارسال کئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار کی لاگت سے قلعہ میں سنگِ مرمر کی مسجد تعمیر کرائی۔ قلمرو میں غرباء کے لئے لنگر خانے کھلوائے گئے۔

ادھر داراشکوہ شکست خوردہ اپنے خادم اجودھن کے حاکم ملک جیون خاں کے پاس پہنچا۔ اس نمک حرام نے دھوکے سے گرفتار کیا اور دہلی لایا گیا۔ مجرم قرار دے کر قتل کیا گیا اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ گرفتار کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد مراد بخش بھی تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد آٹھ سال نظر بند رہ کر ۱۶۶۷ء میں شاہجہاں نے دُنیا کو خیرباد کہا۔ ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۱ھ سے دکن کی طول وطویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہُوا۔ جس سے عالمگیر کو بقیۂ عمر کے چھبیس سالوں میں مطلق فرصت نہ ملی۔ بیجاپور کو ۱۶۸۶ء میں گولکنڈہ کو ۱۶۸۷ء میں فتح کر کے عادل و قطب شاہیہ سلطنتوں

کو زیر نگین لے آئے لیکن مرہٹہ طاقت زیرِ سرکردگی سیلواجی جس کا پیشہ رہزنی تھا۔ ابوالحسن تاناشاہ کی اعانت سے روز بروز برسرِ عروج ہونے لگی۔

عالمگیر کا اکبر سے زیادہ تمام ہندوستان پر کامل تسلط ہو گیا۔ سلطنت نہایت عروج پر تھی۔ مشرق میں تمام بنگال مع گرد و نواح کے داخل عملداری تھا اور مغرب میں پنجاب اور افغانستان کے علاوہ کشمیر کے اس پار چھوٹا تبت تک شامل ہند تھا۔

اصلاحاتِ ملکی محکمہ احتساب بسرکردگی ملا عیوض وجیہ اور شنجا میاں گوپالوی محتسب اُجین وغیرہ قائم کیا گیا۔ مسکرات کا استعمال موقوف ہُوا۔ اور اُس کی آمدنی ناجائز قرار دی گئی۔ شرعی وکیل ممالک محروسہ میں شامل کئے گئے۔ پرچہ نویسی کا باضابطہ اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ رقص و سرود خلافِ شرع رسوم وغیرہ قطعاً بند کر دی گئیں۔ راستہ و سڑکیں محفوظ کی گئیں کہ رہزن مسافروں کو پریشان نہ کرسکیں۔ ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ محتاجوں کو مقرر کیا گیا۔ ہیجڑا بنانے کی رسم حکماً بند کر دی گئی۔ شیو ناتھ کے مندر کاشی میں جو براہمن کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ منہدم کئے گئے۔ اس کے بعد عالمگیر نے اپنے میر منشی رائے چندر بھان کی سفارش سے بعد حکم دینے انہدام مندر بنارس کے یہ فرمان جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے ہیں کہ آئندہ کے لئے ممانعت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر بجائے اس کے مسجد تعمیر نہ ہو۔

بنارس کے مندر کے پجاریوں کے متعلق فرمان اورنگ زیب :-

فرمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

منشور لامع النور اورنگ زیب شاہ بہادر غازی محمد اورنگ زیب شاہ بہادر غازی ابن صاحبقراں ثانی لائق العنایۃ والرحمۃ ابوالحسن بالتفات شاہانہ امیدوار بودہ بداند کہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جبلی ہمت والانہمت وتمامی ست حق طوبت مابر رفاہیت جمہور انام وانتظام احوال طبقات خواص وعوام معروفیت و از روئے شرع شریف وملت

منیف مقررہ چنیں است کہ دیدہا و برہمن برانداخت نشود و بتکدہ ہا تازہ بنا نیابد و دریں ایام معدلت انتظام بعرض اشرف اقدس ارفع اعلیٰ رسید کہ بعض مردم از راہ عنف و تعدی بہ ہنود سکنہ قصبہ بنارس و برخے امکنہ دیگر کہ نواحی آں واقعیت و جماعۃ برہمناں سدنہ آں محال کہ سدانت بت خانہ ہائے قدیم کہ آنجا بانہا تعلق دارد مزاحم و متعرض می شوند و می خواہند کہ ایناں را از سدانت آں کہ از مدتِ مدید بایشاں متعلق است باز دارند و ایں معنی باعث پریشانی و تفرقۂ حال ایں گروہ می گیرد و لہٰذا حکم والا صادر شود کہ بعد از ورود ایں منشور لامع النور مقرر کنند کہ من بعد احدے بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمناں و دیگر ہنود متوطنہ آں محال نہ رسانند تا آنہا بدستور ایام پیش بجا و مقام خود بودہ بہ جمعیت خاطر بدعاء بقائے دولت خدا داد ابد مدت ازل بنیاد قیام نمایند۔ دریں باب تاریخ دارند۔

بتاریخ ۱۵ شہر جمادی الثانیہ ۱۰۶۹ھ۔

مفاد منشور

ابوالحسن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ التفات کے امیدوار کو جاننا چاہیئے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکارم جبلی کے اقتضا سے مابدولت و اقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت یہی ہے کہ خلق آسودہ رہے اور رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست رہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ شریعت غرا کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے بتکدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن جو پرانے مندر ہیں وہ ڈھائے بھی نہیں جا سکتے۔ ان ایام عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے گوش زد ہوتی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور اُس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقہ

کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بُت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مُبتلا ہو جائیں۔ لہٰذا انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور لامع النور کے پہنچتے ہی ایسا انتظام کرو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور اُن کی تشویش کا باعث نہ ہو تاکہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد ابد مدت وازل بُنیاد کے حق میں مشغول دُعا رہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

معافی | تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا زائد محصول سائر معاف کیا گیا۔

وسعت سلطنت | کراچی بندر سے لے کر آسام کی مشرقی حدود، کوہ ہمالیہ سے لے کر بحر ہند کی سطح تک سلطنت کی وسعت پہنچ گئی تھی۔

عالمگیر کے عہد میں صوبجات ہند کا رقبہ برطانیہ کے رقبہ کے مساوی تھا۔

محاصل | ۱۶۹۵ء میں کل مالگذاری اسّی کروڑ روپیہ تھی۔

صنعت وحرفت | صنعت وحرفت وتجارت کو بھی فروغ تھا۔ صرف ایک پارچہ بافی کو اس قدر ترقی تھی، کہ تمام ہندوستان کے لئے کافی ہونے کے بعد ممالک غیر کو بھی جاتا تھا۔

ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر سکتے تھے اسی تجارت ومال کی درآمد وبرآمد کا یہ نتیجہ تھا کہ صرف ایک شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کی آمدنی تھی۔ سورت کے ایک تاجر عبد الغفور نامی جس کا سرمایۂ تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔

معافی محصول عالمگیر نے محصول راہداری کا تمام غلّوں سے ما حصل کل اجناس کا افادہ عام کے واسطے دوامی معاف کر دیا تھا۔

پیمائش اکبر کے عہد میں جو اراضیات پیمائش ہونے سے بچ رہی تھیں اُس کی پیمائش کرائی۔ خلافی خاں لکھتا ہے کہ ۱۰۶۶ھ سے بیس برس کے زمانے میں ممالک دکن کی پیمائش ختم ہوئی اور اُس کی جمع بندی اکبری اصولوں پر مقرر کی گئی۔

ٹیکس خانہ جنگیوں سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ محاصل برباد ہو گئے تھے۔ سلطنت کے کاروبار چلانے کے لئے دقت تھی۔ اورنگ زیب نے جہاں تک ہو سکا کوشش کی۔ مگر آخر مجبور ہو کر ہندو مسلمان دونوں پر ٹیکس جاری کر کے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا۔ یہ عام ٹیکس جو آجکل کے ٹیکسوں کے مقابلہ میں آٹا میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے صرف مالی مشکلات میں پھنس کر بادشاہ نے عائد کئے تھے۔

مذہبی رواداری عہد عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان ہملٹن اپنے سفر نامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے:-

"ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بُت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت بھی ہندوؤں کی تھی وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن اُن کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ ستی ہوں۔"

بے تعصّبی ہندو اور عیسائی ہندوستان میں امن و آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حتیٰ کہ شراب خواری وغیرہ صرف مسلمانوں کے لئے ممنوع تھی اوروں کے لئے منع نہ تھی۔ عیسائیوں کے معبد دارالخلافہ میں تھے اور بے روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے

تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں جاہے جو کریں کوئی پُرسش نہ کی جاتی تھی اُن کے توہمات اور وساوس میں مطلق دخل اندازی نہ کی جاتی تھی۔ برنیئر فرانسیسی سیاح اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :-

"اورنگ زیب خاندانِ تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ تھا بڑا معاملہ فہم اور تدبّر ملکی میں نہایت ہوشیار تھا دلجوئی میں اُس نے کسی طرح کوتاہی نہ کی اور نہ اکبر جیسی قابلِ اعتراض دلجوئی"

صرف اوقات عالمگیر اعظم اپنی حکومت کی مصروفیتوں میں اپنے باپ دادا سے سبقت لے گیا تھا۔ ڈاکٹر جیلی کراری عالمگیر کے پیرانہ سالی عہد کا ذکر لکھتا ہے :-

"وہ صاف سفید ململ کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اُس کی پگڑی میں زمرد کا ایک بڑا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا تھا اور اُنہیں بلاعینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اُس کے ہشاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیتوں سے نہایت شاداں وفرحاں ہے"

صُبح عالمگیر صبح صادق سے پہلے بیدار ہوتے۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو غسل کر کے نوافل ادا کرتے۔ دیوان خاص کی مسجد میں حاضر ہو کر قبلہ رو بیٹھ کر منتظر صلوٰۃِ فجر رہتے۔ مؤذن کی اذان پر سُنّتِ موکدہ ادا کرتے۔ محلات کے خواجہ سرا مسجد میں جمع ہو جاتے اور سب مل کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خلوت گاہ اس کے بعد تلاوت قرآن مجید بعد ازاں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ بعد نمازِ چاشت مسجد سے خلوت گاہ میں آتے۔

"تا چاشت گاہ بایں دور مشغول می باشند و بعد از فراغ قرین بخت وسعادت وکامیاب فیض عبادت ازاں معبد ہمایوں برآمدہ بخلوت گاہ عز وجاہ کہ نشین خاص آں حذیو آگاہ است شرف قدوم می بخشند"

طریقت سے لگاؤ عالمگیر نے سلوک و طریقت کی بھی تعلیم پائی ۔ حضرت محمد معصوم کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوتے تھے [1]

مآثر عالمگیری میں ہے :-

"حضرت خلد مکان ہمیشہ باوضو رہتے تھے اور کلمہ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے۔ ایام بیض کے روزوں کے بعد پابند تھے اور ہفتہ میں دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے"

زکوٰۃ کے ادا کرنے میں خاص اہتمام فرماتے ۔ ماہ صیام میں دو پہر رات گزرنے پر بیدار اور علماء و اولیاء کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ عشرۂ آخر میں معتکف رہتے۔ خانہ کعبہ ہر سال رقم وافر ارسال فرماتے"

عدل امراء خاص و مقربانِ معتبر حاضر حضور معلیٰ ہو کر مجرا بجالاتے ہیں - بادشاہ عدل پرور جلوہ گستر ہوتا۔ عدالت کے داروغے مظلوموں اور دادخواہوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتے۔ مقدمات کا انفصال بروئے شریعت امیر و غریب، آقا و غلام سب کے لئے مساوی تھا۔ ڈاکٹر لین پول اپنی تصنیف اورنگ زیب میں لکھتا ہے:-

"مغل اعظم اورنگ زیب اعظم ہے۔ بجے تلے انصاف سے عموماً فیصلے تجویز کرتا ہے اُس کے حضور میں سفارش اور امارت کی کوئی پیش نہیں جاتی اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اسی مستعدی سے سُنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیروں کی ۔

ارباب تظلم و استغاثہ کہ جمیع دلائل مسکنت و اضطرار و شمائل احتیاج و افتخار از جبیرہ احوال بیان نمودار باشد از خزانہ احسان بیکراں دامن و اُمید بہ نقد مقصود آزمودہ فیض اندر و فضل و مکرمت می گردند"

دربارِ عالمگیری میں روک ٹوک نہ تھی ہر کوئی اپنا حال بادشاہ کے حضور میں عرض کر

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۶۴۰ -

سکتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سُنتا تھا۔ صدہا افسانے عدلِ عالمگیری کے مشہور ہیں۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرزا کام بخش کے کوکہ پر قتل کا الزام عائد ہُوا۔ عالمگیر نے حکم دیا
کہ عدالت میں اس کی تحقیق کی جائے اور دورانِ تفتیش میں اُسے حراست میں رکھا جائے۔
مرزا کام بخش جو عالمگیر کا چہیتا بیٹا تھا، کو پتہ چلا تو اُس کی حمایت میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔
عالمگیر کو بھی اس کا علم ہُوا اُس نے مرزا کام بخش کو دربار میں طلب کیا۔ کام بخش اپنے کوکے کو
بھی ساتھ لایا اور اُس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کو ایک منٹ کے لئے بھی جُدا
نہیں کر سکتا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔
ڈاکٹر لین پول لکھتا ہے :-

"اس کی پنجاہ سالہ حکومت کے طول وطویل عرصے میں اس سے ایک بھی
ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہُوا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے خلاف انصاف رو
پذیر نہ ہُوا۔"

جھروکہ درشن درشن ایک دیرینہ رسم تھی۔ عالمگیر نے ۱۰۸۰ھ تک اُس پر عمل
کیا۔ اس کے بعد حکماً بند کر دیا کہ عوام ہندو خوش اعتقادی کے جوش
میں درشن کو مثل پوجا سمجھنے لگے تھے۔

"در زمان بادشاہان سلف بعنایت آں سال جھروکہ درشن مقرر بود کہ بادشاہ
باوجود عارضہ بدنی برائے جمنائے اکبرآباد شاہجہاں آباد ساختہ بودند سر
از جھروکہ بدمی آوردند سوائے امرائے مجرائی آں وقت چندے یک آدم از
زن ومردے ہمہ قوم پائے جھروکہ فراہم آمدہ و عادتاً بجامی آوردند و
بسیارے از قوم ہنود بودند۔ بدرشن مشہور یعنی تا صورت بادشاہ مادر پائے
جھروکہ درشن نمی دیدند۔ بہ ہیچ چیز از ماکولات در دہن نمی انداختند۔ خبرو
دین پرور آں را نیز از جملہ ممنوعات و مانع شرع دانستہ در پائے جھروکہ
نشستن وغوغا نمودہ حکم منع فراہم آمدن آں انبوہ ہام فرمودند۔"

معائنہ فوج بادشاہ فوج کا معائنہ کرتا اور جماعت کی بھی دیکھ بھال کرتا جو نمانہ

جمعہ کے جلوس میں اُس کے ہمرکاب ہوتی تھی۔ عالمگیر کے لشکر میں دس لاکھ فوج رہتی تھی۔

جنگ پیلاں داروغہ فیل خانہ نوگرفتار ہاتھی حضوری میں معائنہ کے لئے لاتا۔ اور ہاتھیوں کی قواعد دکھلاتا اور بعض اوقات بادشاہ کے اشارے پر ہاتھیوں کی کُشتی کرائی جاتی۔

"وبعضے اوقات بہ اشارہ معلیٰ فیلان کوہ تمثال فلک شکوہ سیاہ مستے بارادہ جنگجوئی دعربدہ خولی الجثہ باشند۔ از یک زنجیر تا پنج زنجیر بقدر خواہش طبع اقدس دراں میدان وسیع جنگ اندازند"

دیوان عام معائنہ فوج وغیرہ کے بعد بادشاہ دیوانِ عام میں آتا اور تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ امراء اور وزراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے۔ موکب شاہی اردگرد اور علم بردار بائیں جانب ایستادہ ہوتے۔ بخشی بادشاہ کے حضور میں افسران فوج اور دیگر عہدہ داران لشکر کو درجہ بدرجہ پیش کرتا۔ سلطنت کے بڑے منصب داروں کی تقریب بھی بخشی کے ذریعہ ہوتی۔ اس کے بعد درخواستیں پیش ہوتیں خود معاملے کی تفتیش کر کے حکم نافذ کرتا۔ میر آتش توپ خانہ متعلقہ امورات فوج وزیر اعظم کے ذریعہ حضوری میں پیش کرتا۔ اُس کے بعد صدر کل ممالک محروسہ ایک مکمل اور مجمل رپورٹ دربار شاہی میں پڑھتا۔ رعایا کی بہبودی کا لحاظ زیادہ رکھا جاتا۔ جاگیریں عطا ہوتیں۔ علماء اور فضلاء کے حقوق کی پاسداری کی جاتی۔ تمام امور عامہ اور ترقی تنزل کے جملہ مراتب طے ہوتے۔ دو گھنٹے کے اندر اندر یہ کام اختتام پذیر ہوتے۔

دیوانِ خاص بادشاہ گیارہ بجے کے قریب دیوانِ خاص میں تشریف لاتا۔ یہاں سلطنت کے خاص امور دینی و دنیاوی سرانجام پاتے۔ امراء، وزراء خدام وحشم ایک ایک کر کے باریابی کا شرف حاصل کرتے۔ وزیر اعظم صوبوں کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا۔ عالمگیر ان سب پر احکام جاری کرتا بعض معاملات میں وزراء کو ہدایت دیتا اور وہ اس کے بموجب فرمان تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے

وہ پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد انہیں صاف کراتا اور پھر اپنے ہاتھ سے مہر ثبت کرتا۔ اکثر فرامین خود لکھتا "فیاض القوانین" میں بیشتر فرمان خود عالمگیر کے لکھے ہوئے ہیں۔

مراحم خسروانہ عموماً بادشاہ دربار خاص میں امراء جو عتاب شاہی میں مبتلا ہوکر آتے۔ ان پر نوازشات کرتا۔ سیواجی بادشاہی گوشمالی سے مجبور ہوکر بذریعہ راجہ جے سنگھ اپنی سفارش لے کر حاضر ہوا اور تمام پچھلی خطائیں معاف کرانی چاہیں اور اپنے بیٹے سنبھاجی کو بھی قدم بوسی کے لئے لایا۔ بادشاہ نے حسب قرینہ اس پر مراحم کئے۔ مگر وہ اپنے زعم باطل میں اپنے کو کچھ چیز سمجھتا تھا۔ حیلے سے چلتا بنا۔ راجہ پیڈ نایک راجہ شوراپور نے اپنے قصور کی معافی چاہی حسب فرمان ذیل عفو تقصیرات کیا۔

فرمان

رد اورنگ زیب بادشاہ غازی۔ بنام پیڈ نایک راجہ شوراپور۔ زبدۃ الاماثل والاقران لائق العنایت والاحسان پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بودند بداند کہ دریں والا از پیش گاہ خلافت و جہانبانی از راہ فضل و کرم تقصیرات من زبدۃ الاماثل والاقران عفو شدہ ۔ نصرت آباد

بدستور شہر فرمان حضرت بان زبدہ الاقران بحال حکم شود کہ امیدوار عنایت بادشاہانہ بودہ ام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر بر کاب ظفر انتساب بہ فرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ وعطائے منصب سربلندی یابد۔ چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت"

حرم سرا دوپہر کے وقت حرم سرا میں داخل ہوتا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد طعام تناول کرتا۔ پھر ایک گھنٹے کے لئے استراحت گزیں ہوتا۔

نماز ظہر بیدار ہوکر غسل کرتا۔ پھر وضو کرکے مسجد میں نماز کے انتظار میں جا بیٹھتا۔ عین وقت پر علماء، فضلاء، صلحاء، فقراء، امراء کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا۔

کسبِ معاش بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی سے ایک حبہ نہ لیتا۔ نماز کے بعد ٹوپیاں سیا کرتے اور کلام اللہ لکھا کرتے۔ اُن کی فروخت اور ہدیہ سے جو رقم آتی تھی نجی اخراجات میں وہی صرف ہوتی تھی۔ مآثرِ عالمگیری میں ہے۔ دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے۔

غسل خانہ اپنے ذاتی کام سے فارغ ہو کر غسل خانہ میں جلوہ افروز ہوتا۔ یہ مقام حرم سرا اور دیوانِ خاص کے درمیان واقع تھا۔ یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پُر پیچ معاملات طے ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو چکنے کے بعد مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفصال فوج کا بندوبست اور مہمات کے نقشے بھی اُسی وقت تیار ہوتے تھے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹہ پیشتر وہ دیوانِ خاص میں جا کر تختِ شاہی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے دخل و خرچ پر بحث و مباحثہ ہوتا۔ اسی وقت باہر سے آئے ہوئے صوبہ دار اور عمال بھی پیش ہوتے۔

نمازِ مغرب اذان پر معہ تمام خدام و حشم کے مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خواب گاہ عشاء کی نماز کے بعد عالمگیر خواب گاہ میں آتے اور کتب سیر و تاریخ، حدیث و فقہ کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد کھانا کھاتے اور عبادت و نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ جب آدھی رات گزر جاتی تو استراحت پذیر ہوتے۔

"در شبان روزے آسائش خواب آں بادشاہ مالک اقاب زیادہ از یک پاس شب نیست"

بدھ کا روز فقط دربارِ عدل کے لئے وقف تھا۔ اس دن مفتی اور فضلاء نہایت شان و شوکت سے حاضرِ دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ خود مقدمات سنتا اور اپنے قلم سے اُن کے فیصلے لکھتا تھا۔ جمعرات کو نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ جمعہ کو دن بھر عام تعطیل

رہتی تھی۔ اس دن دن بھر عبادت کرتے۔

تالیف فتاویٰ عالمگیری | عالمگیر کو علوم شرعیہ سے خاص لگاوٹ تھی اور یہ ضرورت محسوس کر کے کہ اہل اسلام مستند مسائل حنفیہ پر عمل پیرا ہوں۔ نیز شرعی مقدمات میں بھی مفتی بہ مسائل پر فیصلہ کیا جائے مگر اختلافات قضات و مفتیان بادذات کی وجہ سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جو تمامی مسائل پر حاوی ہو اور اس کے مطالعہ سے ہر شخص بلا وسعت نظر و استحضاء کافی و دستگاہ وافی استنباط مسائل کر سکے۔ اپنے متوسلین دربار کے علماء فضلاء کے اجتماع سے ایک مستقل محکمہ تالیف فتاویٰ بسرکردگی ملا نظام قائم کیا گیا اور شاہی کتب خانہ جس میں بیشمار کتابیں تھیں اسی ضرورت کے لئے وقف کر دیا اور تقریباً دو لاکھ روپیہ نقد صرف کر کے کتاب تیار ہوئی جو "فتاویٰ عالمگیر شاہی" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی باوقار جماعت علماء میں ملا وجیہ الدین سہروردی چشتی گوپاموی بھی تھے۔

"در ترتیب تالیف فتاویٰ ربع از فتاویٰ عالمگیر شاہی معمور شدہ دہ کس دیگر از فضلاء بمدد و اشاعت او مقرر شدند و او در آں کار مساعی جمیلہ بکار بردہ"

ان دس علماء میں ملا شیخ احمد بن عبدالمنصور خطیب فاروقی گوپاموی بھی تھے۔

منشور عالمگیری | کہ بتاریخ روز دوشنبہ یازدہم شہر ذیقعدہ ۱۱ جلوس میمنت مانوس مطابق ۱۰۷۸ھ ادوی ماہ الٰہی بر سالہ سیادت و نقابت پناہ شرافت دستگاہ سزاوار عنایت شاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خاں و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ محمد رفیع قلمی می گردد کہ حکم جہاں مطاع صادر شد کہ یک روپیہ و سہ پاؤ پلاؤ و قصور ہر دو جنس معاف یومیہ از خزانہ رکاب سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بمعاونت مشیخت و فضائل پناہ ملا شیخ وجیہ الدین گوپاموی در وجہ مدد معاش شیخ احمد ولد شیخ عبدالمنصور خطیب مرحمت فرمودیم و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشد آں را اعتبار نہ گیرند واقع ۱۱ جلوس بمنصب پروانگی بمہر

فضیلت و معانی مرتبت شیخ نظام تصدیق قلمی شد مطابق تصدیق یادداشت مرقوم گشت "

مسودہ فتاویٰ پر بادشاہ خود بھی نظر ثانی و تصحیح کرتا تھا اور حسب ضرورت علماء سے مباحث کرکے تشفی بخش مسئلہ اندراج فتاویٰ کراتا تھا۔

مؤلفین فتاویٰ ملا محمد جمیل جونپوری، قاضی محمد حسین جونپوری، ملا حامد جونپوری، اُن کے معاون شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے۔ شیخ رضی الدین بھاگل پوری سید علی اکبر سید اللہ خاں، جلال الدین محمد، سید نظام الدین ٹھٹھوی، محمد شفیع، ملا وجیہہ الرب محمد فائق، محمد اکرم، محمد غوث، سید معدن، غلام محمد، عنایت اللہ۔ یہ تمام حضرات فضلائے عصر سے تھے۔

عالمگیر نے مولانا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

موزوں طبع عالمگیر کو ہر قسم کے لہو و لعب سے یہاں تک کہ شعر و سخن سے بھی بالکل رغبت نہ تھی۔ چنانچہ دیوان حافظ کا درس مکتبوں سے موقوف کرا دیا تھا۔ مگر دیوان حافظ اور گلستان اپنے سرہانے رکھتے تھے۔ بعض مصاحبوں نے اس کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ لوگوں کی طبیعتیں خام ہیں۔ حافظ کے اصل معنی پر خیال نہیں کرتے۔ ناحق شراب گلنار اور معشوق گل رخسار کے نام سُن کر مست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ شعراء کا بازار سرد تھا مگر دربار میں اکثر امیر موزوں طبع تھے۔ بعض مرتبہ قصیدے پیش کرتے، سُن لیتے۔ داد حسب موقع دیتے۔ مگر فرمائش یہ ہوتی کہ آئندہ بے فائدہ وقت ضائع نہ کرو۔ بایں ہمہ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے ؎

غم عالم فرد نیست و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را

سلطنت مغلیہ کا قدیم سے دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو سب شعرائے پایۂ تخت اس کا سکہ کہہ کر لاتے جس کا پسند ہوتا اسے ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا۔ عالمگیر کے لئے بھی سکہ کہہ کر لائے۔ عالمگیر نے فرمایا ہم نے بھی سکہ کہا ہے تم سب دیکھو اور اپنی رائے ظاہر کرو۔

۵ سکہ زد در جہاں چو بدر منیر شاہ اورنگ زیب عالمگیر
سب کو متفق الالفاظ اقرار کرنا پڑا کہ حقیقت میں اس سے بہتر دوسرا کوئی سکہ نہیں ہو سکتا۔

سیرت عالمگیر کی ابتدائی زندگی سے ہی طبیعت میں پارسائی اور اتقا تھا۔ خوفِ خدا رکھتے تھے۔ اولاد اور افسرانِ ملک کو خوفِ الٰہی سے ڈراتے رہتے تھے اور ہر قسم کے لہو و لعب سے قدرتی تنفر تھا۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے جس کامیابی کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخِ ہند میں بے نظیر ہے۔ شہسواری، تیر اندازی، نیزہ بازی نشانہ بازی اور شکار وغیرہ۔ غرضیکہ تمام فنون حرب میں غایت درجہ کے چست و چالاک اور ہوشیار تھے۔ فقیروں کا دوست، ریاکاروں کا دشمن، علماء کا قدردان، غرباء و مساکین کے لئے برسرِ عدالت نقدی اپنے پاس رکھتے اور دیتے تھے۔ نرمی اور عفو کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر اُن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اُن کو معاف کر دیا اور روزینہ مقرر کیا۔

سزائے موت کا شاذ ہی حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رعایا اور ملک کا محافظ اور سلطنت کا امین سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر طبر نیر اپنے سفرنامہ میں عالمگیر کی مستعدی اور بیدار مغزی کا واقعہ لکھتا ہے۔

ایک امیر نے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر مصروف رہتے ہیں اس سے اندیشہ ہے مبادا صحت جسمانی بلکہ قوائے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ بادشاہ نے ناصح کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور دوسرے امراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے مجھے بادشاہت اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے دی ہے کہ میں رعایا کی آرام و آسائش کا کافی لحاظ رکھوں اپنی راحت سے زیادہ ان کی راحت کا خیال کروں نہ کہ فضول صلاح کاروں کی رائے پر کاربند ہوں عوام کیساتھ منصفانہ برتاؤ تھا۔ مگر ملکی مخالفوں کے حق میں بہت ہی سخت تھا۔

دارالخلافہ دارالخلافت دہلی بقول ڈاکٹر ہنٹر اپنی عظمت و شان میں روئے زمین کے دارالخلافتوں سے عہد عالمگیر میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ

اُس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہو گئی تھی۔

وفات عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار ہوا۔ بعمر ۹۱ سال ۱۳ دن بروز جمعہ ۲۸ ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری زر بخش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ستائیس روز سلطنت کی۔

تاریخ وفات "دخل الجنۃ" ہے۔

علماء و شعراء عہدِ عالمگیری

مفسرین شیخ غلام نقشبندی لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ ملا شیخ احمد جیون امیٹھوی متوفی ۱۱۳۸ھ مولانا نورالدین متوفی ۱۱۵۵ھ، اصغر قنوجی متوفی ۱۱۴۰ھ۔

محدثین شیخ نورالحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۷۳ھ۔ حاجی صبغت اللہ نبیرہ شیخ اللہ دیا الرمنوی خیر آبادی متوفی ۱۰۵۰ھ۔

فقہاء افضل المعال ملا وجیہ الدین مفتی شیخ عیسیٰ محدث شہابی گوپاموی اتالیق شہزادہ دارا شکوہ وصدر صوبہ اودھ والہ آباد و منصب دار سہ ہزاری و مؤلف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیر شاہی ۵ رجمادی الثانی ۱۰۸۳ھ کو وفات پائی۔ ملا شیخ نظام برہانپوری ملا لطیف سلطانپوری۔ ملا عبدالغفور برہان پوری۔

قاضی قاضی عبدالوہاب متوفی ۱۰۸۷ھ قاضی شیخ الاسلام قاضی صدرالدین ہرگامی۔ قاضی محمد حسین جونپوری۔ قاضی شہاب الدین گوپاموی متوفی ۱۱۳۰ھ۔

مفتی قاضی احمد بہاری مفتی عسکر شاہی، مفتی عبداللہ شہابی گوپاموی متوفی ۱۰۷۵ھ۔ مفتی علم اللہ گوپاموی متوفی ۱۱۰۳ھ

حکماء قاضی محب اللہ بہاری، ملا محمود فاروقی جونپوری متوفی ۱۰۶۲ھ۔

علماء ملا عبدالرشید، ملا زاہد کابلی، محمد اسلم ہروی، شیخ عبدالعزیز اکبرآبادی، ملا عبداللہ رومی مترجم فتاویٰ عالمگیری، ملا عبداللہ سیالکوٹی، شیخ عبدالباقی

جونپوری، شیخ قطب برہانپوری اتالیق شہزادہ محمد اعظم، محمد اکرم لاہوری اتالیق شہزادہ محمد کام بخش قادری حافظ ابراہیم۔

مؤرخین عبدالحمید۔ عاقل خاں رازی۔ محمد ساقی مستعد خاں۔ مرزا محمد کاظم متوفی ۱۱۰۰ھ نعمت خاں عالی متوفی ۱۱۲۱ھ بختاور خاں متوفی ۱۰۹۵ھ۔

شعراء آشنا، ناظم ہروی، بیدل۔ ماہر اکبرآبادی، افسری، اعجاز اکبرآبادی، سعید مفتی ابوسعید گوپاموی متوفی ۱۰۷۴ھ ضمیر۔ طاہر۔ خالص۔ ملا شفیعا یزدی، اشرف مازندرانی رازی خوفی، ملا طغرائے مشہدی پنڈت چندر بھان، برہمن اکبرآبادی متوفی ۱۱۳۰ھ مرزا محمد رفیع قزونی۔

عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر ہند و پاکستان میں یہاں کے شاہانِ سلف سے بڑھ کر تھیں۔ مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفاء کی بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لئے منجانب حکومت اور امراء مدرسے قائم کئے گئے۔ یہ مدارس علماء کے مدرسوں کے علاوہ تھے۔ طالب علموں کے لئے وظیفے جاری کئے اور ذاتی مدرسے جن علماء کے تھے اُن کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا۔ جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ مفتی عبیداللہ گوپاموی جو شیخ علی محدث کے مدرسہ کے صدر مدرس اور ملا وجیہہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری کے بھائی تھے۔ فرمانِ ذیل کے ذریعہ زمین دادی عطا کی۔ غرضیکہ ہر صوبہ اور شہر و قصبہ میں علم و تعلیم کی اشاعت عام ہوگئی۔ عالمگیر نامہ میں ہے:۔

"واناں جا توجہ خاطر دانش مآثر بہ ترویج مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجہ قصویٰ دارد دور بلیغ بلاد و قصبات ایں کشور وسیع و فضلاء مدرساں را بہ وظائف لائقہ از روزیانہ و املاک وقف ساختہ بہ شغل تدریس و تعلیم محصلان علوم گماشتہ اند و برائے طلباء علم در ہر معمولی و ناصیہ وجوہ معیشت درخور رتبہ د

حالت واستعداد مقرر داشته و ہر سال بدیں وجہ نیز از خزائن احسان بادشاہانہ مبلغہا معتد بہ صرف می شود از فیض و مکرمت و افضال شہنشاہ ابر کیف دریا نوال طالبان علم و کمال بہمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال ومرفہ الحال بکسب وتحصیل علوم اشتغال می ورزند۔"

عالمگیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے مصارف حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت کے متعلق تھا۔ دوسرے وہ مدرسے جو ارباب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے۔ عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لئے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کئے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سیاہہ حاصل کر کے خزانہ میں داخل کر لیا کرے اور غیر سرکاری مدرسوں کو وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا۔ چنانچہ مرأت احمدی میں شاہی مدرسوں کے متعلق ہے:۔

"چوں حکم مقدس اعلیٰ در جمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نماید و طلب علم از میزان کشاف خواں باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بمہر مدرساں وجہ علوفہ از تحویل خزانچی خزانہ آں صوبہ می دادہ باشند دریں ولایت سہ نفر مدرس در احمد آباد و پٹن و سورت و چہل و پنج نفر طلبا علم اضافہ در صوبہ احمد آباد مقرر شد۔"

اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو۔ جو بادشاہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا۔ ایک موقع پر مدرسہ سیف خاں کو ۵۰۰ روپے بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح مدرسہ ہدایت بخش و مسجد تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیری تجدید و اصلاح کے لئے اُس نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے منظور کئے۔ اسی طرح موضع سوندرہ پرگنہ سانولی اور موضع سلیمہ پرگنہ کڑا کے مدرسوں کے لئے یومیہ مقرر کیا تھا۔

عالمگیر کے دورِ حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلباء یک جا تعلیم

حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر اعلیٰ مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ہندو طلباء اپنے مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے۔ جہاں شاستر کے علاوہ طب اور نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے اور اُن کا اہم مرکز بنارس تھا۔ خاقانی خاں لکھتا ہے :-

"در ایامی کہ محرر سوانح در بندر سورت بود با نہانام زنار دار طبیب پیشہ نقل می نمود کہ چوں در قوم ما ضابطہ است کہ برائے تحصیل علم نجوم و طبابت و شاستر برہمناں آنجا را اُستاد خود قرار می دہند و نزد او درس می خوانند و صبح و شام از طرف اُستاد خود کنار آب گنگ رفتہ موافق دابے کہ مقرر است مردمی را کہ برائے غسل می آیند دستور و آئین مقرری خدمت می نمایند و ہر چہ ازاں بہم رسد بلا تصرف و ضیافت نزد استاد خود می برند و خرچ خوراکی و پوشاک شاگرداں بر ذمہ استاد است کہ بقدر کفالت ضروری چیزے گیرند۔"

دلی کا سرچشمہ علم و عرفان جس کے فیوض و برکات سے سارے ہندوستان کی علمی تشنہ کامی دُور ہوئی۔ وہ عالمگیر ہی کے عہد میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ دہلوی ابن شیخ وجیہہ الدین شہید نے جو ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اپنے بھائی شیخ ابوالرضا اور علامہ میر زاہد ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شریک رہے۔ عہدِ اورنگ زیب میں مدرسہ رحیمیہ قائم کیا۔ خود درس دیتے تھے ۱۱۳۱ھ[1]

میر محمد زاہد ابن اسلم ہروی جنہوں نے مرزا فاضل سے تلمذ کیا۔ مرزا فاضل نے مُلا یوسف سے اور اُنھوں نے مرزا شیخ جان البخرہ سے۔ انھوں نے اپنے والد اسعد سے جو علامہ تفتازانی اور علامہ ملا شریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

حدیث حاجی محمد افضل سے جو اس سلسلہ میں شیخ عبدالاحد کے تلامذہ سے تھے اُنھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے جن کو اپنے دادا شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے تلمذ تھا۔

ملا زاہد ابن اسلم ہروی کا درس آگرہ میں | ملا زاہد علم از پدر بزرگوار و دیگر علماء روزگار

---

[1] انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ۔

اخذ کردا مابہ قوت ادراک خداداد قدم از استادان پیش گزاشت درایت فوقیت در مستعدان زمان برافراشت"۔ [1]

درس شاہ غلام نقشبند لکھنوی | میر محمد شفیع و شیخ پیر محمد لکھنوی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی سلسلہ اکثر فضلائے عصر بہ آنجناب منتہی می شود [2] شاہ عالم بہادر شاہ ایشاں را مکلف ملاقات کرد۔ ۱۱۲۶ھ وفات

شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی | و فاتحہ فراغ از ملا لطف اللہ کوروی گرفت آخر کشش طالع اورا بہ خلد مکان رسانید و سلطان بہ خدمت او تلمذ کرد۔ و ایام زندگانی بہ شغل درس و تحریر تصانیف صرف ساخت۔ وفات ۱۱۳۰ھ۔

سید قطب الدین | در عین شباب تجرید و عدم تاہل امادہ بعلوم نقلی و عقلی شناسا د بافادت طلبہ توجہ فرما باکثرے ملاقات رضیہ آراستہ لبسیما تواضع و حسن خلق بیش از بیش پیوستہ۔ در عہد خلد مکان بدیوانی برہان پور سرفراز یافتہ۔ (مآثر الامراء جزاول ص۶۲)

حبیب کٹو کشمیری شاگرد ملا ابو الفتح کلو | و تمام عمر در تدریس گزرانید۔ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص۳۰) ۱۱۰۵ھ

سید مبارک بلگرامی | شاگرد شیخ نور الحق فرزند و تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبد الحق دہلوی بود۔ عمر عزیزش در افادہ علوم دینی خاصۃ فن حدیث و درس طلبہ صرف نمود [3] وفات ۱۱۱۵ھ

شیخ محمد افضل الہ آبادی | در اوائل حال بجیپور آمدہ از ملا نور الدین تحصیل علوم متعارفہ را بانجام رسانید تا شش ماہ بدرس و تدریس علوم اشتغال داشت۔ [4] وفات ۱۱۲۴ھ

---

[1] مآثر الکرام صفحہ ۲۰۹ [2] ایضاً ص۲۱۴ [3] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۸۱

[4] تذکرہ علماء ہند ص۱۸۱۔

شاہ عالم بہادر شاہ

شہزادہ معظم بہادر شاہ بطن ممتاز محل سے تھے۔

تعلیم و تربیت اورنگ زیب نے اپنی اولاد کو تعلیم اپنی نگرانی میں دلوائی۔ بہادر شاہ نے ایام طفلی میں کلام اللہ حفظ کیا[1]۔ عربی کی تعلیم معقول حاصل کی۔ حدیث اور فقہ میں استعداد بہم پہنچائی۔ حدیث سے خاص دلچسپی تھی اور فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے تھے[2]۔

غرضیکہ عربی زبان میں عرب عربا اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان کے ہم پلہ تھے۔ فن خوش نویسی میں یکتائے زمانہ تھے۔ مختلف خطوط میں کمال حاصل تھا۔ مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ خلاصۃ التواریخ میں ہے۔

"راتوں کو اکثر نوافل درود و وظائف، تلاوتِ قرآن اور حدیث و تفسیر فقہ اور سلوک کی کتابیں مطالعہ کیا کرتے تھے"[3]

شعر و شاعری سے بھی شوق تھا۔

وقائع اورنگ زیب نے اپنے لڑکوں کو خود آدابِ حکمرانی سکھائے۔ جنگوں پر بھیجا اور آخر عمر میں بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ رقعاتِ عالمگیری گواہ ہے۔ عالمگیر نے اپنے بیٹوں کو ملک کے صوبے دیدیئے تھے۔ محمد اعظم شاہ مالوہ کی صوبہ داری پر مقرر کئے گئے۔ یہ بادشاہ سے رخصت لے کر بیس کوس پہنچے تھے کہ اورنگ زیب کے وصال کی خبر لگی۔ وہ راتوں رات لشکر میں آئے۔ امراء نے مراسم تہنیت و تعزیت ادا کئے۔ کفن دفن سے فراغت حاصل کی۔ دہم ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ کو جلوس کی تاریخ مقرر کی۔ شہزادہ بیدار بخت جو احمد آباد میں

---

[1] مآثر عالمگیری [2] بزم تیموریہ ص ۲۹۵ [3] خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے مرتبہ مولوی ظفر حسن مراد آبادی۔

تھا اس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ادھر کام بخش باپ سے رخصت ہو کر قلعہ پرینده که چالیس پچاس کوس کی مسافت پر تھا، پہنچا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے قلعہ بیجاپور پر تصرف کیا۔ احسن خاں کی کار گزاری کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ کام بخش نے ان کو پنجہزاری کا منصب عطا کیا۔ حکیم محمد محسن کو قلمدانِ وزارت عطا کیا اور تقرب خاں کا خطاب دیا اور جشن جلوس کیا۔ خطبہ میں اپنا لقب دین پناہ پڑھوایا۔ پھر آٹھ ہزار کی فوج لے کر قلعہ واکنکھرہ کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ گلبرگہ پر قبضہ کر کے واکنکھرہ کو تسخیر کر لیا اور آگے بڑھنے کی تدبیر کر رہا تھا۔ باقی حال کام بخش کا اپنے محل پر بیان ہو گا۔ اعظم شاہ نے تخت پر جلوس کیا اور سکہ کو اس شعر سے رونق دی۔

سکہ زد در جہاں بدولت و جاہ　　بادشاہ ممالک اعظم شاہ

وسط ذی الحجہ میں اسد خاں و ذوالفقار کو اعظم شاہ ہمراہ لے کر شاہ عالم کے مقابلہ کے قصد سے چلا۔ محمد امین خاں اور چنیں قلیچ خاں مخاطب بہ خان دوراں خاں نے اعظم شاہ سے ترک رفاقت کی اور اورنگ آباد آکر اکثر پرگنات پر قابض و متصرف ہوئے۔

اورنگ زیب نے شاہ عالم کے پاس منعم خاں کو بھیجا۔ اس نے لاہور میں اپنی جاگیرات کی دیوانی اس کو دی۔ جب عالمگیر کی علالت کی خبر ہوئی منعم خاں نے اسباب جنگ خفیہ طور سے فراہم کر لیا۔ پشاور میں، ۲۰ ذی الحجہ کے بادشاہ کے مرنے کی خبر شاہ عالم کو معلوم ہوئی اس نے روانگی کا ارادہ کیا۔ لاہور پہنچا تو منعم خاں چالیس ہزار لاکھ روپیہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ بادشاہ نے وزارت کی مبارک باد دی۔ سلخ محرم یا غرہ صفر کو نواح لاہور میں مقام کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ کا حکم دیا۔ امراء نے نذریں گذاریں۔ اس کا بیٹا محمد معز الدین جلو دار ملتان آگیا اور اس کو بست و پنجہزار سوار کا منصب عنایت ہوا۔ اور محمد اعظم کو ہیجدہ ہزاری پانزدہ سوار کا منصب عطا کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اکبر آباد میں بنگالہ سے آئے۔ وہ اسی روز روانہ ہو کر سرہند پہنچا۔

وزیر خاں صاحب مدار نے ۲۸ لاکھ روپیہ نذر کیا۔ اواخر صفر میں حوالی شاہجہان آباد میں قیام پذیر ہوا۔ شہزادہ محمد عظیم الشان بیس ہزار سوار لے کر محمد بیدار بخت سے پہلے

اکبرآباد آگیا اور اکبرآباد پر قبضہ کیا۔ بہادر شاہ آگرہ کی طرف متوجہ ہُوا۔ آگرہ پہنچا تو قلعدار باقی خاں نے قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے نذر کیں۔ نو کروڑ روپیہ ہاتھ لگا۔ چار کروڑ امراء و اعیانِ دولت کو عطا کئے اور فوج بندی کا انتظام شروع کر دیا۔

محمد اعظم شاہ ۸۰ ہزار سوار ہمراہ لے کر بھائی سے دو دو ہاتھ کرنے روانہ کیا۔ گوالیار پہنچ کر اس کو اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد اعظم بڑے لشکر کے ساتھ اکبرآباد میں موجود ہیں۔ اپنی سگی بہن زیب النساء بیگم اور فاضل سامان کو قلعہ گوالیار میں چھوڑا۔ بیدار بخت کو فوج کا ہراول کیا۔ پچیس ہزار سوار لے کر اکبرآباد کا رُخ کیا۔ شاہ عالم نے بھائی کو مصالحت کا خط لکھا۔ مگر محمد اعظم نے استدعا کو ٹھکرا دیا۔ جب چنبل کے قریب پہنچا بہادر شاہ کو خبر لگی، اُس نے خانہ زاد خاں وصف شکن خاں داروغہ توپ خانہ اور براغر خاں قراول کو بھیجا کہ دشمن کی فوج دریا سے نہ اُتر سکے۔

محمد اعظم شاہ نے سموگڈھ کا رُخ کیا۔ شاہ عالم نے سرائے جاجو کے نزدیک پیش خیمہ کھڑا کرایا اور خود شکار کو چل دیا۔ عظیم الشان مقدمۃ الجیش شاہ عالم کی فوج کا تھا۔ بیدار بخت نے سبقت کر کے پیش خانہ بہادر شاہی پر حملہ کیا اور آگ لگا دی۔ آخر معرکہ کارزار گرم ہُوا کہ آندھی آئی جو محمد اعظم شاہ کی فوج کے سامنے تھی۔ آخرش بیدار بخت مارا گیا اور والاجاہ بھی کام آیا۔ اعظم شاہ نے بڑی دادِ شجاعت دی لیکن قسمت میں ہار تھی۔ اعظم شاہ کا سر رستم علی خاں بہادر شاہ کے پاس لایا گیا اور شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں تلے ڈال دیا[1]۔ بیٹوں اور امراء نے مبارکباد دی۔ شاہ عالم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

آصف الدولہ، اسد خاں اور ذوالفقار خاں امرائے اعظم شاہی ہاتھ باندھ کر حاضر ہوئے خود بہادر شاہ اور شہزادہ معز الدین نے کھولے۔ پدر اور پسر کی تسلی کی منصب نہ ہزاری ہفت ہزار سوار عطا کیا۔ منعم خاں جلالت الملک وزیر اعظم بنائے گئے۔ شہزادہ عالی تبار ابن محمد اعظم شاہ کو بیٹا بنایا۔ خیمہ استادہ کرا کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ تمام بھائی اور برادرزادوں کی لاشوں کو غسل وکفن کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون کیا۔ دوسرے روز خانخاناں کی عیادت کو شاہ عالم گیا۔ ظفر جنگ خطاب دیا اور ایک کروڑ روپیہ انعام دیا۔ معز الدین کو

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۲۲۔

جہاندار شاہ اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان اور خجستہ اختر کو جہان شاہ خطاب عطا کیے۔

قافی خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ سکہ میں شاہ عالم بادشاہ اور نام بلدہ لکھا جائے اور خطبہ میں شاہ عالم کے ساتھ لفظ سید کا اضافہ کیا جائے۔ کیونکہ اُن کی ماں سیدانی تھی۔

سنہ ۱۱۱۹ھ میں راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے اودے پور اور جودھ پور گیا۔ وہ پائمال ہوکر حاضرِ حضوری ہوئے۔ اجیت سنگھ و درگاداس کے قصور معاف ہوئے اور خلعت سے نوازے گئے۔ جلوس کے سال دوم میں محمد کام بخش کو نامۂ محبت لکھا۔ وہ سوداوی مزاج تھا۔ حیدرآباد میں اس سے اس کے ساتھی بیزار تھے۔ ایلچی کو قید کیا۔ اس کے ساتھیوں کو قتل کرایا۔ جواب میں کلمات خصومت لکھے۔ اس پر شاہ عالم حیدرآباد مع لشکر کے پہنچا۔ محمد کام بخش معمولی فوج لے کر مقابل ہوا۔ معرکۂ جنگ میں زخمی ہوا۔ بھائی مزاج پرسی کرنے گیا۔ آپے سے باہر ہوگیا۔ اس میں ہی جاں بحق ہوا۔ کام بخش عالم اور خوش تحریر منشی تھا۔ ظاہری کمالات اعلیٰ درجہ کے رکھتا تھا۔ مزاج میں وہم و وسوسہ تھا۔ شاہ عالم نے اپنے قلمرو کا انتظام کرنا شروع کیا۔

ارادت خاں لکھتا ہے شاہ عالم سخی، رحم دل، عالی دماغ، خوش اخلاق اور جوہر شناس تھا۔ خود بہادر تھا۔ بہادر دشمن کی قدر کرتا تھا۔ اس کا دربار شاہجہاں کے دربار سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ سترہ شہزادے جن میں بیٹے پوتے برادر زادے اُس کے تخت کے اردگرد بیٹھے تھے۔ چاندی کے کٹھرہ میں ہفت ہزاری سے سہ ہزاری تک امراء کھڑے رہتے تھے۔ عیدین اور جشنوں میں بادشاہ امراء کو خود عطر و پان دیتا تھا۔

سیرت عالم تو تھا ہی دربار میں شاہانہ انداز رکھتا۔ گھر میں سادہ لباس پہنتا۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا۔ قضا نہ کرتا۔ سفر کے اندر اکثر تعطیلوں اور جمعوں میں وہ خود نماز دربار کے خیمہ میں پڑھاتا اور قرآن کی سورتیں ایسی خوش الحانی سے

پڑھتا کہ اہلِ عرب اس پر فریفتہ ہو جاتے اور آخر شب کی عبادت کو کبھی ترک نہ کرتا بعض دفعہ ساری رات نمازیں پڑھتا اور دُعائیں مانگتا۔ اول شب میں اُس کے پاس فضلاء و علماء جمع ہوتے خود حدیثیں بیان کرتا۔ فقہ سے خوب واقفیت تھی۔ فرق اسلامیہ کے عقائد سے آگاہ تھا مگر متعصب دینداروں نے اس کو بدعقیدہ قرار دے رکھا تھا۔[1] شیعہ مؤرخین اس کو شیعہ لکھتے ہیں۔

اس کے عہد میں سکھوں کا زور بندھا۔ اُن کے ظلم و ستم لوٹ مار ہندو مسلمانوں پر برابر تھے۔ آخرش شاہی لشکر نے مقابلہ کر کے اُن کو اُن کے اصلی علاقہ میں پہنچا دیا۔ راجپوتوں نے سر اُٹھایا۔ نقصان اُٹھا کر بادشاہ کے قدموں پر آگرے۔ قصور معاف ہوئے۔ انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ آخر عمر میں خفیف الحرکات ہو گئے تھے۔ ۵ سال دو ماہ حکومت کر کے بعمر ۷۰ سال ۱۹ محرم ۱۱۲۴ھ کو اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ نعش شاہجہان آباد لا کر قطب صاحب میں دفن کی گئی۔

بہادر شاہ

بہادر شاہ اوّل کے عہد ۱۱۱۸ھ۔۱۱۲۴ھ میں دار السلطنت دلی میں ایک نیا مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے جو سلطنت آصفیہ کے بانی آصف جاہ اول کے والد بزرگوار تھے۔ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا۔ اس مدرسہ کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی۔ امیر موصوف اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

اس مدرسہ میں صدر مدرس شیخ جلو تھے جن کے پاس ملا نور محمد مباردی درس حاصل کرنے آئے۔ قطبیہ تک پڑھا کر رخصت ہو گئے۔ جب ملا فخر الدین دکن سے ۱۱۶۰ھ میں اس مدرسہ سے منسلک ہو گئے تو علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے۔ ۱۲۰۰ھ میں مدفون ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے پھر مولانا نور محمد نے درس کی تکمیل کی۔ ملا سید احمد میر بدیع الدین شاہ عبد الرحمٰن لولی ارشد تلامذہ سے تھے۔ شاہ صاحب کے بعد مولانا سید احمد صدر مدرس اس مدرسہ

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۴۰۔

کے ہوئے ۔ غرضیکہ یہ مدرسہ مدتوں تک جاری رہا ۔

دلی پر انگریزی عملداری ہو جانے کے بعد انگریزوں نے بھی اس کو تعلیم گاہ کے طور پر استعمال کیا ۔ پھر نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں وزیر اودھ نے جو یہاں کے تعلیم یافتہ تھے اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی گراں قدر رقم انگریزی کمپنی کے حوالے کی ۔ چنانچہ کمپنی کی طرف سے غازی الدین خاں کے مقبرہ پر حسب ذیل عبارت کندہ کی گئی ۔

کتبہ مقبرہ غازی الدین خاں

زہر لوح نقشے بہ ماند ولیک
جزائے عمل ماند و نیک نام

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل خاں بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم و مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولود وطن خویش بہ صاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۵ء ۔ [1]

مُلا نظام الدین سہالوی

اُستاد جہاں و تحریر زمان بود و ہم در لکنو رحل اقامت افگند و تمام عمر بہ تدریس و تصنیف اشتغال ورزید و اعتبار و اشتہار عظیم یافت امروز علماء اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشہ تفاخر می شکنید و کسے کہ سلسلہ تلمذ باو می رساند بین الفضلا علم امتیازی افرازد ۔ ۱۱۲۱ھ

---

[1] ہندوستان کی قدیم درس گاہیں صنہ ۲۲ ۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں عربی کی تعلیم سے فارغ ہوگئے۔ تلمذ باپ سے تھا۔ علوم معقول شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں باپ کے سامنے درس دینے لگے۔ ۱۱۴۳ھ میں حج کو گئے۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنی شیخ وفد اللہ مکی شیخ تاج الدین ملصی مکی سے سند حدیث حاصل کی اور وطن لوٹے اور سلسلۂ درس شروع کر دیا۔

تفسیر و حدیث پر زیادہ توجہ تھی۔ تصانیف کا سلسلہ جاری تھا۔ علوم دینیہ میں امام اور مجتہد مطلق تھے۔

۱۱۷۶ھ میں دار آخرت کا سفر اختیار کیا۔

تلامذہ

شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالغنی۔ شاہ عبدالقادر۔ شاہ عبدالعزیز۔ شیخ محمد عاشق دہلوی شیخ محمد امین کشمیری۔ سید مرتضیٰ بلگرامی۔ شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری۔ شیخ محمد ابوسعید بریلوی۔ شیخ رفیع الدین مرادآبادی۔ شیخ محمد بن ابوالفتح بلگرامی، شیخ محمد معین سندھی قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے تفسیر، حدیث، فقہ عقائد صرف و نحو علم کلام اصول معقول کا اکتساب کیا۔ ابتدائی طب بھائی سے پڑھی۔ بڑی کتب میر زاہد سے تحصیل کیں۔

جہاندار شاہ بن بہادر شاہ

شاہ عالم کی وفات کے ایک ہفتہ کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ملک و مال کے باب میں پیغام چلنے لگے۔ ذوالفقار خاں جہاندار شاہ کا خیر خواہ تھا۔ اول یہ قرار پایا کہ دکن جہاں شاہ کو اور رفیع الشان کو ملتان ٹھٹھہ و کشمیر دیا جائے اور باقی صوبے عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان تقسیم ہوں۔ مگر ملک و خزانہ کی تقسیم نہ ہو سکی اور آپس میں بھائیوں میں نزاع شروع ہو گئی۔ پہلے عظیم الشان سے تینوں بھائی نبرد آزما ہوئے وہ تاب مقابلہ نہ لا کر دریا میں کود پڑا۔ تینوں بھائی نقارہ بجاتے ہوئے لوٹے۔ ایک سو دس ارب خزانہ کے ہاتھ لگے [1] جو مال ہاتھ لگا تینوں میں اس کی تقسیم پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ معزالدین اور جہاں شاہ میں بات کی بات میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ رفیع الشان تماشہ دیکھ رہا تھا جہاں شاہ کام آیا تو رفیع الشان سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ معزالدین اس کو ٹھکانہ لگا کر جہاں دار شاہ کے لقب سے ہندوستان کا تاجدار بنا۔

جہاں دار شاہ

۱۷۱۲ء سے ۱۷۱۳ء تک اس کی حکمرانی رہی۔ لال کنور کے عاشق زار تھے۔ ذوالفقار خاں حکومت چلاتا رہا اور ان کو عیش کی راہ پر لگاتے ہوئے تھا کہ فرخ سیر اٹھ کھڑا ہوا۔

⁂

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم ص۵۸۔

فرخ سیر

نام ونسب وخاندانی حالات اورنگ زیب کے صاحبزادے محمد معظم کے فرزند محمد عظیم الشان جو ۲۸ جمادی الاول ۱۰۷۴ھ کو جیہ راجہ روپ سنگھ راٹھور کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ھ میں جیہ راجہ کیسر سنگھ کے ساتھ نکاح ہُوا۔ اورنگ زیب نے صوبہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کا صوبہ دار کر دیا تھا۔ عظیم آباد اُس کے نام پر قائم کیا گیا۔ معظم شاہ کی وفات کے وقت موجود تھا۔ جہاندار شاہ کے مقابلہ میں محرم ۱۱۲۳ھ کو میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اس کی فرخ سیر یادگار سے تھا۔

تعلیم وتربیت عظیم الشان نے فرخ سیر کو کلام مجید حفظ کرایا۔ اُس نے علوم رسمیہ فضلائے عصر سے حاصل کئے۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ مرآت آفتاب نما میں اُس کے اشعار درج ہیں۔

سوانحات بہادر شاہ کے انتقال کے بعد شہزادہ فرخ سیر بنگالہ میں تھا اُس نے یہ خبر پاتے ہی اپنے والد عظیم الشان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اُن کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور خطبے میں نام پڑھنے کا حکم دیا مگر جب عظیم الشان کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں اپنا نام پڑھے جانے کا حکم دیا۔

فرخ سیر معزالدین جہاندار شاہ کی عیش پرستی اور ذوالفقار خاں کے طریقہ کار سے آگاہ تھا کہ اس نے لال کنور اور معزالدین کے معاشقہ کو شہ دے رکھی ہے۔

اس وقت فرخ سیر بنگالہ میں اکبر آباد معروف بہ راج محل میں مقیم تھا کہ جہاندار شاہ کی جانب سے صوبیدار جعفر خاں کو فرخ سیر کی گرفتاری کے احکام پہنچے مگر جعفر نے حقوق عظیم الشان کا پاس رکھتے ہوئے فرخ سیر سے کہا کہ کہیں بھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار

ہو جاؤ گے "

چنانچہ فرخ سیر معہ اہل و عیال عظیم آباد پہنچا اور سید حسین علی خاں صوبہ دار سے امداد چاہی۔ اُس نے کہا:-

"حکم بادشاہ تمہارے متعلق تو کچھ اور ہی ہے لیکن تمہارے والد کے احسانات کے باعث نہیں چاہتا کہ تم کو میرے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچے، مناسب یہ ہے کہ کسی طرف چلے جاؤ تاکہ کوئی عذر کر کے غیض و غضب سلطانی سے بچ جاؤں "[1]

مگر فرخ سیر نے حسن علی کو راضی کر لیا۔ اُس کی ماں نے بھی حسن علی کو معاونت کا پیغام بھیجا۔ فرخ سیر کی صغیر السن لڑکی ملکہ زمانی باہر آئی اور اُس نے بھی اپنے باپ کی مدد کے لئے کہا۔

" اگر دست گیری پدر من نمودہ انچہ شایان سیادت و شجاعت بعمل آید "

حسن علی معاونت کے لئے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی عبداللہ خاں کو آلہ آباد لکھ دیا کہ ہم دونوں کو پوری پوری مدد فرخ سیر کو دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہ فرخ سیر کو لے کر مع لشکر کے آگرہ روانہ ہوئے۔

جہاندار شاہ کو فرخ سیر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء کو شاہجہاں آباد سے ذوالفقار خاں کو کلتاش خاں، جانی خاں اور محمد امین خاں (نظام الملک کا برادر عم زاد) سردار ایرانی و تورانی کو ہمراہ لے کر تقریباً ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ جانب آگرہ روانہ ہوا۔ اس سے قبل جہاندار شاہ نے اپنے لڑکے شہزادہ اعز الدین کو احسن خاں کے ساتھ پچاس ہزار سپاہ دے کر روانہ کیا۔ ذوالفقار خاں نے نظام الملک کو آگرہ بھیجا تاکہ اُس کا تحفظ کیا جائے۔ شہزادہ اعز الدین کھجوا میں پہنچا۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں اورنگ زیب کو شجاع کے خلاف کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اعز الدین

---

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۸۷۔

کو شکست نصیب ہوئی اور آگرہ واپس آگیا۔ جہاندار سے اور فرخ سیر سے مقابلہ ہوا گھمسان کی جنگ ہوئی۔ حسن علی اور عبداللہ نے جان کی بازی لگادی بلکہ حسن علی زخمی ہو گیا اور میدانِ جنگ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ مگر فرخ سیر کی فوج نے شاہی فوج کے منہ پھیر دیئے۔ جہاں دار شاہ نے راہِ فرار اختیار کی اور ذوالفقار خاں بھی میدان چھوڑ گئے۔ سیر المتاخرین میں جہان دار کی شکست کے اسباب یہ لکھے ہیں :۔

"اگرچہ نسبت باقتدار معز الدین را اُمید فتح وظفر فرخ سیر نبود لیکن عمدہ ارکانِ دولت معز الدین کہ عبارت از کوکلتاش خاں و ذوالفقار خاں باشد باہم نہایت منافق ومعاند بودند وبسبب نفاق اینہا۔ کارہائے بادشاہی بسیار ضائع وتدبیرات ہمہ درہمی وبرہمی داشت از یں جہت نقش ہیچ بہ درست نمی نشست"[1]

فرخ سیر نے جشن منایا۔ سید عبداللہ کو قطب الملک کا خطاب دیا اور وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سید حسن علی خاں کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا اور بخشی اول کی خدمت پر رکھے گئے۔ قاضی عبداللہ کو میر جملہ کا خطاب دیا گیا۔ نظام الملک کو دکن کی صوبیداری عنایت کی۔ ذوالفقار خاں قتل کیا گیا۔ اسد خاں قید کئے گئے۔

بغاوت راجہ اجیت سنگھ نے بغاوت پر کمر باندھی۔ مساجد کی بے حرمتی کی۔ اس پر حسن علی اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے۔ چنانچہ راجہ کو مقابلہ پر شکست اٹھانا پڑی۔ حسن علی کے کہنے پر اپنی دختر کو فرخ سیر کے حبالہ عقد میں دیا۔ یہ شادی بڑے تزک واحتشام سے انجام پذیر ہوئی۔ حسن علی کا انتظام تھا۔ اس تقریب کی روداد علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے مثنوی طغریٰ کے نام سے لکھی۔ عبداللہ خاں وزارت کو سنبھالتے ہی عیش وعشرت میں مبتلا ہو گئے۔ طباطبائی لکھتا ہے :۔

"قطب الملک ہم بنا بر میل بسیار بہ نسواں وشوق وعیش وطرب آرام

[1] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۹۱۔

طلب گشتہ زمام اختیار خود را جہ رتن چند کہ دیوان او و بقال وطنش بود سپردہ
و مطلق العنانش کردہ بود و او طاقت تمشیت مہام وزارت نداشت روز بروز
عداوت ہا افزودہ ہم سلطنت خاندان چار صد سالہ تموریہ برباد رفت و ہم
بدنامی عظیم عائد روزگار سادات بارہہ گردید عالمے ازیں نفاق وشقاق مستاصل
و نظام مملکت ہندوستان مختل گردید۔" [1]

فرخ سیر کا قتل فرخ سیر نے سات سال حکمرانی کی حسن علی اور عبداللہ سے ٹھن گئی۔ ایک کا ایک دشمن تھا۔ فرخ سیر ان دونوں کو مروا ڈالنا چاہتا تھا۔ مگر ان دونوں کا ہاتھ اُس پر پڑا۔ فرخ سیر کو گرفتار کر لیا اور اندرون قلعہ ترمولیہ کے بالائی حصہ میں قیدی بنا کر رکھا اور پھر قتل کر دیا۔

"کنیزانِ حبشیہ و ترکیہ گرجیہ را کہ بر سر دروازہ بمدافعہ استادہ بودند و در نمودہ
بعد جستجو و تفحص از زیہنا کہ بہ زجر و توبیخ بسیار نشان دادند۔ فرخ سیر را بہ
بیحرمتی تمام برآوردند۔ والدہ و زوجہ و صبیہ او و دیگر بیگمات اطراف او را گرفتہ
منت والحاح می نمود۔ درمیان انبوہ زنان بہ نہایت مذلت و خواری کشاں
کشاں آوردہ بالائے ترپولیہ اندرون قلعہ کو جائے بس تنگ و تاریک
بود محصور گردید۔"

فرخ سیر کے قتل سے تمام شہر میں کہرام مچا حتی کہ فقراء سیدوں کے ہاتھ سے بھیک تک لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ شہر کے لوگ فرخ سیر کے جنازے کے ساتھ ہو گئے۔ تمام شہران ہر دو ظالم بھائیوں کا دشمن بن گیا۔ سادات نے شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کو ورربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کو تخت نشین کیا۔ سیر المتاخرین ص۴۱۸

اعتماد الدولہ محمد امین خان کو بخشی سوم اور نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری دی گئی۔ اور مراد آباد کی فوجداری سیف الدین علی خاں (برادر حسین علی) کے نام کی گئی۔ راجہ اجیت سنگھ

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۳۹۶

کے نام صوبہ داری احمد آباد بحال کی گئی۔ رفیع الدرجات جلوس سے تیسرے مہینے انتقال کر گیا۔ پھر شنبہ ۱۲ رجب ۱۱۳۱ھ کو اس کے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اتفاق سے شہزادہ نیکو سیر ولد اصغر محمد اکبر خلف اورنگ زیب قلعہ اورنگ آباد میں نظر بند تھا۔ اُس نے آزادی حاصل کر کے تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ سادات رفیع الدولہ کو ساتھ لیکر اکبر آباد روانہ ہوئے۔ راہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سادات نے شہزادہ روشن اختر (محمد شاہ بادشاہ) کو تخت نشین کیا اور آگرے گئے۔ نیکو سیر کی گرفتاری کے بعد قلعہ و محل سے چند بیش بہا چیزیں حاصل لیں اور قدیم زمانہ کی اشرفیاں بھی ملیں۔ تقسیم دولت پر دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہو گیا تو رتن چند نے مصالحت کرائی۔ عبداللہ کو تقریباً ۲۸ لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ اس ذخیرہ میں نورجہاں کی شال ہیروں کی ٹکی ہوئی ملی جہانگیر کی مرصع تلوار ممتاز محل کے مزار کی موتیوں کی چادر بھی اس کے ہاتھ لگی۔ یہ دونوں بھائیوں کا کردار تھا۔ خانی خاں (ص ۸۲۱) خوشحال چند لکھتا ہے :-

"عبداللہ خاں نے رفیع الدرجات کی بیگم عنایت بانو کو پیغام محبت بھیجا اور گھونگھریالے بالوں کی تعریف کی۔ بانو نے اپنے بال تراش کر صدر النساء منتظم حرم کے ذریعے بھجوا دیئے۔ ص ۵۱۱"

مولوی غلام فرید لاہوری از عظماء و فضلائے لاہور جامع کمالات عالم و عامل پرہیزگار بود تمام عمر خویش در درس طلبائے علم گزرانید۔ [۱]

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری

"فاضل کبیر ہزار ہا کس از وجود و بے خود وے فوائد علمی حاصل کردند بمراتب فضیلت رسیدند علمائے وقت و فضلائے عہد بحلقہ غلامی و شاگردی وے آمدند۔"

درس کلیم اللہ | حضرت کلیم اللہ جہان آبادی اول در دہلی بہ تحصیل علوم ظاہری پرداخت و دستارِ فضیلت بست بعدازاں بحرین شریف بردہ در مدینہ مرید شیخ یحییٰ مدنی گردید و باز بہ شاہجہان آباد آمد و فیما بین قلعہ جامع مسجد او ساخت و در تدریس و تلقین

[۱] خزینۃ الاصفیاء جلد ۲ صفحہ ۳۸۵۔

خلق معروف گشت۔

ایک مکان تھا جس کا کرایہ دو روپیہ ماہوار تھا اس میں خود رہتے تھے اور طلباء کو علومِ عربیہ کا درس دیتے بقیہ وقت میں کتابوں کی تصنیف کرتے۔

وکتاب در علوم حقائق و معارف تصنیف کرد۔ سنہ ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء وفات یافت۔[1]

شجرہ انوار میں ہے:۔

بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت مے نمودند و سبق کتب می خواندند و نان پارچہ نیز از سرکار می یافتند۔[2]

مدرسہ قدیمہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی

حاجی صفت اللہ محدث، پورب میں حدیث شریف کی اشاعت آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

"از مشائخ کبار بود فنون درسی در خدمت علماء عصر خود تحصیل کردہ برائے اداء فریضہ حج بہ بیت اللہ رفت و علم حدیث را از شیخ ابراہیم کردی کہ سرگروہ اہل زمان خود در حدیث بود و در سائر علوم مہارت داشت از راہ خشکی بہند مراجعت کردہ در بلاد پورب یعنی مشرق علم حدیث را رواج داد"

آپ نے سنہ ۱۱۲۸ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا۔ عمارت کی تعمیر کی۔ خود درس دیتے تھے۔ سالہا بہ تدریس آراست۔ فضلائے کثیر از گوشۂ دامن او برخاستند"[3]

سنہ ۱۱۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ اُن کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے درس سنبھالا۔

در علم ظاہری و باطنی تلمذ پدر بزرگوار خویش دو لوں کمال الدین سہامی است۔

حسین بخش، نبی بخش مدرس رہے۔ یہاں سے قاضی مبارک گوپاموی وغیرہ حضرات نے فراغت حاصل کی۔[4]

* * *

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صـ۴۹۵   [2] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۳۸۶

[3] الشفا الکتاب   [4] آزر نامہ قلمی

ناصرالدین محمد شاہ

مرزا روشن اختر ابوالفتح ناصرالدین محمد شاہ ابن خجستہ اختر جہاں شاہ نبیرہ بہادر شاہ۔ قدسیہ بیگم کے بطن سے ۱۵ رذی قعدہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوا۔ ۱۸ برس کی عمر تک سلیم گڑھ کے قلعہ میں محبوس رہا۔ ماں زنداں میں ساتھ رہی۔ عبداللہ خاں نے غلام علی خاں کو بھیج کر قلعہ سلیم گڑھ سے اُن کو بُلایا۔

تخت نشینی ۱۵ رذی قعدہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء کو روشن اختر فتح پور میں تخت نشین ہوا۔ ابوالفتح ناصرالدین محمد شاہ اپنا لقب رکھا۔

روشن اختر بود اکنوں ماہ شد
یوسف از زنداں برآمد شاہ شد

شاہ کی شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ قدسیہ بیگم امور ملکی کے دقائق اور معاملات کے غوامض میں رائے صائب اور فہم رسا رکھتی تھی۔ وہ حسب صلاح وقت سررشتہ حزم و احتیاط کو ہاتھ سے نہیں دیتی تھی۔ سیدوں کے خلاف کوئی کام نہ ہونے دیتی۔ پندرہ ہزار روپیہ ماہوار اس بیگم کو ملتا تھا۔

میر جملہ صدارت کل کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ رتن چند کل امور ملکی و مالی کا نگران کیا گیا۔ سادات بارہ کے اعزا بڑے عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شاہ نے بنت فرخ سیر سے عقد کیا۔ جشن منایا گیا۔

سیدوں کے اقتدار سے دوسرے امراء ان سے عداوت رکھنے لگے اور یہ بھی خفیف الحرکت تھے۔ فرخ سیر کے طرفدار چھبیلا رام ناگر نے ۱۷۷۹ء میں صوبہ الہ آباد میں بغاوت کر دی۔ اس کا بھتیجا گرو ہر بہادر بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں حکومت کے مخالف ہو گئے۔ چھبیلا رام نے یکایک نومبر ۱۷۱۹ء بعارضہ فالج انتقال کیا۔ گرو ہر سے صلح کرنا چاہی لیکن

وہ راضی نہ ہوا تو سیدوں نے اودھ کی صوبہ داری اور عطا کی۔ نظام الملک کی طلبی ہوئی۔ وہ سیدوں کی وجہ سے ادھر نہیں آیا بلکہ اُن سے اسیر گڑھ کا قلعہ فتح کر لیا۔ حسین علی عاجز بادشاہ کو ہمراہ لے کر نظام سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا۔

محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں عرصہ سے سید برادران کی قوت کو توڑنا چاہتے تھے۔ میر حیدر علی کو حسن علی کے پیچھے لگا دیا۔ اُس نے راہ میں پالکی میں درخواست حسین علی کو دی وہ پڑھنے میں مشغول ہوا۔ میر صاحب نے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ سید عبداللہ دِلّی میں تھے وہ فوج لے کر بادشاہ کے مقابل آئے۔ شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ قید میں قیدِ ہستی سے آزاد ہوئے۔ اول الذکر ۱۷۲۰ء میں فرخ سیر کے انتقام میں اپنے کئے کو پہنچے۔ دوسرے بھائی ۱۷۲۲ء میں بھائی کے پہلو میں اجمیر میں جا سوئے۔ اہلِ علم کے قدردان سخی مشہور تھے۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی اُن کے بڑے مداح تھے۔ اُن کے بعد نظام الملک دکن سے آگیا اور وزارت پر سرفراز ہوا۔ یہ عقیل اور دانا شخص تھا اُس نے مملکت کا انتظام کرنا چاہا۔ مگر دیگر امراء آڑے آتے رہے۔ راجہ جے سنگھ نے جزیہ بند کرا دیا۔ آخرش دربار کی بدتر حالت ہو گئی اور شہر میں بدامنی پھیلنے لگی تو نظام الملک دکن لوٹ گیا اور خود مختار حکمران بن گیا۔

قوم مرہٹہ سیواجی نے اپنی قوم کو قابلِ توجہ بنایا۔ عالمگیر نے اپنے زمانہ میں اس طاقت کو اُبھرنے نہ دیا۔ سیواجی ۱۶۸۰ء میں فوت ہوا۔ شاہانہ حملوں کی صدمات سے یہ قوم ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن چکی تھی۔ پھر بہادر شاہ کی کوتاہ نظری اور غفلت شعاری نے سرے سے اُن میں زندگی کے آثار پیدا کر دیئے۔ دوبارہ قوت عود کر آئی۔ سکھ جو درویشوں کے جرگہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہ بھی طاقت ور ہو کر شاہی سرداروں سے ٹکریں سنبھالنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ فرخ سیر اور عہد محمد شاہ میں سکھ اور مرہٹے پوری قوت کے حامل تھے۔ حسن علی اور نظام الملک نے اُن کی پشت پناہی کی۔ اپنے اقتدار کے لئے ان کو مغلیہ سلطنت سے بھڑنے کی شہ دی بلکہ حسن علی نے محمد شاہ سے اُن کو فرمان صوبہ داری بھی عطا کرایا

مگر اُن کی سرشت بے وفا تھی۔ موقعہ پا کر مرہٹوں نے دلی پر حملہ کر دیا۔ مگر اہلِ دلی نے مقابلہ کر کے عزت سے پسپا کر دیا۔ اس زمانہ میں نادر نے ہندوستان پر حملہ کی ٹھانی۔

نادر شاہ

نادر شاہ نے اشرف شاہ کے عہد میں عروج پایا کہ پہلے خراسان سے ابدالیوں کو نکال دیا۔ اشرف ۱۷۲۹ء میں کرمان اور قندہار کے درمیان مارا گیا۔ ترکوں نے ایرانیوں کی حدود پر قبضہ کر لیا۔ یہ اُن سے لڑنے چلا تھا کہ خراسان میں کچھ شورش ہو گئی۔ واپس آ کر خراسان فتح کیا۔ پھر ہرات لیا۔ یہاں سے شاہ طہماسپ کو معزول کر کے اُس کے نابالغ لڑکے کو برائے نام تخت پر بٹھایا۔ پھر قندہار کو فتح کر لیا۔ تب اُس کی نظریں ہندوستان پر اُٹھنے لگیں۔ نادر شاہ نے ایک قاصد محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ یہاں مے نوشی سے فرصت کہاں تھی کہ قاصد باریاب دربار کیا جاتا۔ الغرض نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ انڈس عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔

لاہور پہنچتے ہی گورنر صوبہ سے مقابلہ ہوا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ نادر شاہ دہلی سے سو میل قریب پہنچ گیا۔ سامنے محمد شاہی فوج بھی آ جمی۔ خان دوراں خاں کمانڈر انچیف سخت مقابلہ کے بعد زخمی ہو گیا۔ جانبری کی اُمید نہ رہی۔ میدان سے پڑاؤ پر لایا گیا۔ آصف جاہ عیادت کو پہنچے۔ تھوڑی دیر میں خان دوراں نے آنکھ کھولی اور آہستہ سے اتنا کہا کہ خیر ہم تو اپنا کام کر چکے اب تم لوگ جانو اور تمہارا کام۔ مگر اتنا کہے دیتے ہیں کہ بادشاہ کو نادر کے پاس اور نادر کو شہر میں نہ لے جانا۔ جس طرح ہو سکے اس بلا کو یہیں سے ٹال دینا۔ محمد امین خاں برہان الملک اودھ سے آ گئے تھے اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے رہے تھے۔ ہاتھی پر بیٹھ کر قزلباشوں کی فوج پر تیر برسا رہے تھے کہ قزلباش چاروں طرف سے گھر آئے۔ ایک جوان نیشاپوری اُن کا ہمنوا اور یار تھا۔ گھوڑا اُڑا کر اُن کے پاس پہنچا اور آواز دی کہ :-

محمد امین دیوانہ شدہ کہ جنگ می کنی و بچہ اعتماد جنگ می کنی۔

برہان الملک نے بادشاہ کی نمک خواری کا بھی خیال نہ کیا۔ قزلباشوں کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ نادر شاہ نے جرم بخشی کر کے عنایت فرمائی۔ برہان الملک کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا۔ چنانچہ اُس نے مصلحت آمیز باتیں کر کے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیں اور یہیں سے وطن واپس تشریف لے جائیں۔ نادر شاہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ برہان الملک نے ایک عریضہ میں یہ سب حال بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ محمد شاہ نے آصف جاہ بہادر کو روانہ کیا۔ اُس نے برہان الملک کے ذریعہ شاہ نادر سے ملاقات کی۔ بعد گفتگو کے پھر آیا کہ دو کروڑ روپیہ لعل بے بہا لیجئے اور یہاں سے اپنے وطن بخیر وخوبی مراجعت کر جائیے۔

شاہ نادر نے آصف جاہ اور برہان الملک کی بات منظور کر لی۔ آصف جاہ عہد و پیمان کر کے وہاں سے رخصت ہو کر محمد شاہ کے حضور آیا۔ اس کارگذاری کو اس عنوان سے بیان کیا کہ محمد شاہ آصف جاہ کی دولت خواہی سمجھے۔ برہان الملک کی حسنِ خدمت کا کوئی ذکر ہی درمیان میں نہ آیا۔ محمد شاہ نے خان دوراں اور امیر الامرائی کا خطاب اور خلعت بے بہا آصف جاہ کو عنایت کیا۔

برہان الملک وہاں امیر الامرائی کے منصب کو اپنا حق سمجھے بیٹھا تھا۔ اُس نے جب آصف جاہ کے خطاب وخلعت کا حال سُنا تو بہت بگڑا اور پیچ وتاب کھایا اور نادر شاہ سے کہا کہ حضور نے کیا غضب کیا جو ہندوستانی کے قارونی خزانہ کو چھوڑ کر دو کروڑ روپیہ پر رضامند ہو گئے۔ یہ رقم تو فقط غلام ادا کر سکتا ہے۔ بادشاہی خزانے اور امراء و مہاجنوں کے گھرانوں کے کیا ٹھکانے ہیں؟ شہر یہاں سے صرف چالیس کوس ہے۔ حضور وہاں تکلیف فرمائیں۔ نادر شاہ نے اپنے ارادے کو بدل دیا اور دلی چل کھڑا ہوا۔ آخر کار ہر دو بادشاہ نے ملاقات کی۔ مارچ ۱۷۳۹ء کو دونوں بادشاہ لال قلعہ کی طرف بڑھے۔

میل ملاپ کی باتیں ہو رہی تھیں دہلویوں اور مغلوں سے چل گئی۔ نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیا۔ کوئی تیس ہزار مقتول کہتا ہے کوئی چالیس ہزار۔ آصف جاہ کے عرض

معروض پر نادر نے تلوار میان میں کی۔ تخت طاؤس لیا۔ بقول مسٹر اسکاٹ نوّے لاکھ پونڈ کی لاگت کا تخت طاؤس تھا۔ مگر چہل نصائح شاہجہانی نے سات کروڑ قیمت تخت کی لکھی ہے اور نادر جو جواہر شاہجہانی خزانہ سے لے گیا وہ بیس پچیس کروڑ سے کم نہ تھے۔ غرضیکہ نادر شاہ صدہا ہاتھی اور شاہی سواری کے گھوڑے بیسیوں ہر قسم کے کاریگر اور علوی خاں طبیب کو لے کر اپنے ملک واپس پھرا۔ حکومتِ مغلیہ کی اس واقعہ سے رہی سہی آبرو جاتی رہی۔ لشکر تباہ ہُوا۔ خزانہ خالی ہو گیا۔ نادر شاہ کا آنا اور مغلیہ سلطنت کا ڈھانچے کو توڑ مروڑ کر چلے جانا سردار باجے راؤ کے حق میں مفید ثابت ہُوا۔ اور اس کو اپنی حوصلہ آزمائی کا پورا موقع ہاتھ لگا۔

غرضیکہ نادر شاہ نے محمد شاہ کو تاج و تخت بخش دیا۔ اب سلطنت کا خزانہ خالی ہو گیا اور دریائے سندھ کے مغربی صوبے بھی ایرانیوں کو دیدینے پڑے۔

مرکز کے کمزور ہونے سے سکھوں اور راجاؤں نے مل کر سرہند پر حملہ کیا اور اپنا ایک سردار مقرر کیا۔ مرہٹوں نے دکنی اور مغربی صوبوں میں اپنی حکومت قائم کر لی اور بہار، بنگال اور اڑیسہ پر دھاوے کرنے لگے۔

گنگا کے دوآب میں علی محمد خاں روہیلہ نے ملک کو کماؤں کی پہاڑی تک اپنے قبضہ میں کر لیا۔ سعادت علی خاں اودھ میں، علی وردی خاں بنگال میں، آصف جاہ نظام الملک دکن میں خود مختار ہو گئے۔ غرضیکہ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ فوت ہُوا۔

محمد شاہ کا علمی دور

محمد شاہ (۱۱۳۱ھ۔ ۱۱۶۱ھ) کے زمانہ میں نواب شرف الدولہ ارادت خاں نے دلی کے بازار دریبہ میں سرراہ ایک مدرسہ ۱۱۳۵ھ میں تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ سے ملحق ایک مسجد بھی ہے۔ اُس کی پیشانی پر یہ ایک منظوم کتبہ کندہ ہے جس کے آخری شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔

سال تاریخ بنا گفت خرد
قبلۂ حج ارادت کیشاں

اسی طرح احمد آباد گجرات میں اسی زمانہ میں مولانا نور الدین احمد آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ

نے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا اور اس میں ان کی مسند درس بچھی ہوئی تھی اور درس و تدریس کا فیض جاری تھا۔

بہادر شاہ اوّل کے زمانے میں ایک مدرسہ فرخ آباد میں فخر المرابع کے نام سے قائم تھا۔ اس کے بانی ایک صاحبِ علم مولوی ولی اللہ نامی تھے۔ مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح اس دَور کے چند دیگر مدارس کے تذکرے ملتے ہیں جن کے نام گنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن اسلامی سلطنت کے دورِ اضمحلال میں ہونے کی وجہ سے ان مدرسوں کا کوئی تعلق حکومت سے نہیں تھا۔ کیونکہ جاہ پسند امراء مختلف صوبوں کی ولایتوں اور بڑے عہدوں پر قابض تھے۔ اُن کے پیشِ نظر سب سے زیادہ ان کی ذاتی سیاسی مصلحتیں تھیں۔ ان مدارس کا سارا بار دیندار ارباب ثروت اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی ابتری کا اثر ملک کے تعلیمی نظام پر بھی طاری ہُوا۔

چنانچہ سلطنت کے دورِ زوال کے شروع ہونے کے کچھ دنوں بعد عمومی طور سے ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں میں اختلال پیدا ہُوا اور اس دَور میں اگر کسی فرمانروا کے زمانہ میں کہیں کوئی مدرسہ تعمیر پایا یا تعلیمی وظیفے جاری ہوئے تو عمال سلطنت نے بڑے بڑے تعلیمی اوقاف بھی ضبط کر لئے۔ چنانچہ مولانا غلام علی آزاد نے اس دَور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ مؤثر انداز میں کھینچا ہے اور اسی سے سارے ہندوستان کے تعلیمی حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”تا آں کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغازِ جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شہر و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد نیز مثل دار الطینور جون پور۔ بنارس۔ غازی پور۔ کنٹرہ ۔ مانک پور۔ کوڑہ جہان آباد وغیرہا ضمیمہ حکومت گردید وظائف وسیور غالات خاں دادہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ وکار شرفاء بر پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آں جارا از کسب علم باز داشتہ در پیشہ سپہ گری انداخت و رواج تدریس

وتحصیل برآں درجہ نہ ماند مدارسے کہ از عہدِ قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب اُفتاد وانجمن ارباب کمال بیشتر برہم خورد "

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بعد ارتحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ او ابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید و وظائف واقطاعات بہ دستور زیر ضبط ماند و در اواخر محمد شاہ ۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدر جنگ مقرر شد۔ ونتیجۂ وظائف آں صوبہ کہ تا حال از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بہ ضبط درآمد و در عہد احمد شاہ صفدر جنگ بہ پایۂ وزارت اعلیٰ صعود نمود نائب صوبہ اکابر ارباب وظائف تنگ تر گرفت و تا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است " [1]

بایں ہمہ ہندوستان کے دیندار علماء اپنے دینی اخلاص، اصلاح وتقوے اور ایثار سے ہندوستان کے قدیم اسلامی نظام کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالے رہے۔ مدرسوں کی بوسیدہ عمارتوں میں قال اللہ و قال الرسولؐ کا درس جاری رکھا۔ پھر اس دور سے اس زمانہ تک ایسے ارباب خیر بھی رہے جو مدرسوں کو چلاتے نئی عمارتیں بنواتے اور طلباء کے لئے مصارف کا بار اُٹھاتے رہے۔ جزاہم اللہ

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس وتدریس

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے علوم کی تحصیل کی اور پھر اپنے والد کے مدرسہ کی مسند درس پر بیٹھے۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ محمد اسحاق، حضرت عبدالقادر اعلی اللہ مقامہم باری باری جلوہ افروز ہوئے اور اس سرچشمۂ فیض سے خاص طور پر علم حدیث ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

---

[1] مآثر الکرام

فرنگی محل

ہندوستان کے مشہور دارالعلوم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ کی ابتداء بھی عالمگیر ہی کے عہد میں ہوئی ہے۔ قصبہ (سہالی (اودھ) کے مشہور صاحبِ درس مُلا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیر نے اُن کے صاحبزادوں کو لکھنؤ کے فرنگی محل میں ایک قطعہ مکان معہ متعلقہ عمارتوں کے ۱۱۰۵ھ میں عنایت کیا۔[1]

ملا قطب الدین سہالوی کے چھوٹے صاحبزادے ملا نظام الدین نے جو ان دنوں ۱۵ سال کے تھے اسی عمارت میں مسندِ درس قائم کی جسے مدرسہ نظامیہ کا مشہور لقب حاصل ہوا اور اس کا مرتب کیا ہوا نصابِ تعلیم دو صدیوں تک بلا اختلاف ہندوستان میں رائج رہا اور آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدرسے نصابِ تعلیم میں بہت کچھ تبدیلیاں قبول کر لینے کے باوجود اسی نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ آج فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ پر تقریباً اڈھائی سو برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں سینکڑوں علماء اور فضلاء اس خاندان میں پیدا ہوئے اور اس مدرسہ کی مسندِ تعلیم کو مسلسل قائم کئے رہے اور ان کے دامنِ تعلیم و تربیت سے ہزاروں علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے چپہ چپہ کو علم و تعلیم کی روشنی سے منور کیا۔

فرنگی محل کے ان اکابر علماء میں جو درس و تدریس میں اپنے وقتوں میں فن کے امام اور مسلم اُستاد تھے۔ مُلا نظام الدین، مولانا بحرالعلوم عبدالعلی، مولانا عبدالوالی، مولانا عبدالحکیم، ملا حسن، ملا حسین اور مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی وغیرہ ہیں۔

مغلوں کے دورِ حکومت کے آغاز سے عالمگیر کے زمانہ تک میں تعلیم کی اشاعت پر سلاطین امراء اور ہر عہد کے علماء و فضلاء کی جو توجہ رہی اس کا اثر یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبے گجرات، پنجاب، دہلی، آگرہ، سندھ، دکن، بنگال، بہار، جونپور،

---

[1] مقالاتِ شبلی۔

اودھ اور الہ آباد مختلف ادوار میں تعلیم کے مرکز رہے اور اُن کی تعلیمی خدمات عالمگیر کے عہد تک خصوصیت کے ساتھ جاری رہیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں مشرقی ہندوستان کی عمومی اور اودھ الہ آباد کی خاص طور پر تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں :-

"سرزمین پورب از قدیم الایام علم و علماء است۔ اگرچہ جمیع صوبجات ہندیہ وجود حاملان علوم تفاخر دارند سیما امصار ہائے تخت خلافت کہ بہ واسطہ مرجعیت صاحب کمالان ہر قسم دراں جا فراہم می آیند و از تراکم افکار و اجتماع عقول اہل ہر عصر کمالات نفس ناطقہ را چہ علم عقلی و نقلی و چہ غیر آں با پایۂ بالا بالا تر می رسانند اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتواں یافت چہ تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کروہ نہایت دہ کروہ تخمیناً آدمی شرفاء و بیش بہا است کہ از سلاطین و حکام وظائف و زمین مدد معاش داشتہ اند، مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر ہر جا ابواب علم بر روئے دانش پژدہاں کشادہ و صدائے اطلبوا العلم در دادہ و طلبہ علم خیل خیل از شہرے بہ شہرے می روند و ہر جا موافقت دست بہم داد و بہ تحصیل مشغول می شوند و صاحب توفیقاں ہر معمورہ طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت ایں جماعہ را سعادت عظمیٰ می دانند صاحبقراں ثانی شاہجہاں انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ما است و تا حدود ۱۲۰۰ھ ہنگامہ علم و علما دریں گل زمیں گرم می داشت"۔[۱]

مدرسہ شہابیہ

قاضی شہاب الدین بن محمد حسن ادہمی نے اپنی نشست گاہ کو مدرسہ کی تشکیل دی۔

"از علمائے وقت بود کسب کمال از خدمت مولوی عبدالرحیم مراد آبادی تلمیذ مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نمودہ و در جمیع علوم سمائیہ و ہندسہ عدیم المثل بود"۔[۲]

---

[۱] عہد اسلامی کا ہندوستان [۲] مآثر الکرام۔

حکیم عبدالحکیم نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں :۔

" وقرأ العلم علی شیخ قطب الدین بن عبدالحکیم الانصاری السہالوی وقرأ علیہ ولد القاضی قطب الدین گوپاموی ومولانا محمد صالح بنگالی ومولانا محمد اشرف شارح سلّم وقاضی مبارک کمافی رسالۃ القطبیہ وفاتش در عشرہ ثالث بعد مائۃ الف واقع شد سنہ ۱۱۳۰ھ۔

آپ کے انتقال کے بعد ملا قطب الدین گوپاموی نے اس مدرسہ کی مسند تدریس سنبھالی۔
علامہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں۔

" ملا قطب الدین عالم متبحر ومشتہر مدرس بودند او شاگرد پدر بزرگوار در ہمہ علوم معقول ومنقول سرآمد روزگار بود بحکم ارث در فنون ریاضی رایت مہارت باسمان می افراخت واہلۂ مستفیداں را بہ اشعۂ کمال لبریز می ساخت "

مولوی مصطفےٰ علی خاں تذکرہ انساب میں آپ کے متعلق رقمطراز ہیں :۔

در خدمت ایشاں زیادہ از چار صد کس فارغ التحصیل شدند واز بنگالہ تا پنجاب شاگردان ایشاں در می گویند[۱] بست وپنجم رمضان ۱۱۶۰ھ در آغوش بہشت آرمید[۲]

مولوی محمد سعید جعفری القادری[۳] بدایونی، قاضی محمد عظیم بن شیخ کفایت اللہ گوپاموی شارح سلم العلوم بہاری[۴] ملا صاحب کی مسند درس پر ملا واجد الدین سرفراز ہوئے۔ صاحب ذہن رسا تھے۔ منطق میں ید طولیٰ تھا۔ مولانا فضل امام خیرآبادی آمدنامہ میں لکھتے ہیں :۔

صاحب ذہن ثاقب صائب وطور دقیق بودند طبع دقائق علمی خوب می رسد در علوم اصول نظیر خود داشتہ در ہدایہ دانی مشہور بود خلق کثیر در حلقۂ درس او حاضر شدہ استفادۂ علوم می کردند۔[۵]

مولانا عبدالماجد کرمانی خیرآبادی مولوی دیدار علی جائسی مجتہدی لکھنوی ارشد تلامذہ سے تھے۔ ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا۔

---

[۱] تذکرہ انساب للمولوی مصطفیٰ علی خاں گوپاموی [۲] مآثر الکرام [۳] تذکرۃ الواصلین صفحہ ۲۲
[۴] ارمغان یادر صفحہ [۵] آمد نامہ قلمی ملک انتظام اللہ شہابی کراچی۔

وہاج الدین بحق فرمود[1]

اس کے بعد ملا قطب ثانی نے درس سنبھالا۔ پھر صاحب درس عماد الدین ہوئے۔ ان کے بھائی فرید الدین چکلہ دار تھے۔ اُن کے وقتوں میں مدرسہ کی عمارت گرگئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

حمداللہ سندیلوی کا مدرسہ

حمداللہ شاگرد ملا نظام الدین کے تھے۔

"در قصبہ سندیلہ من مضافات لکھنؤ مدرسہ کلاں بنا نہاد۔ بجہت مصارف مدرسہ چند دیہہ از پیشگاہ بادشاہ وقت (محمد شاہ) دہلی مخاطب بہ فضل اللہ خاں بود نواب ابوالمنصور صوبہ دار اودھ بوئے دستار بدل برادرانہ داشت بسیارے علماء و فضلائے نامدار از سایۂ دامن تربیتش سر برآوردہ اند دہلی ۱۱۶۰ھ"[2]

تلامذہ قاضی احمد علی سندیلوی، ملا باب اللہ جونپوری۔ محمد اعظم، مولوی عبداللہ تصنیفات میں شرح تصدیقات سلم العلوم معروف بحمد اللہ، حاشیہ شمس بازغہ و حاشیہ صدرا و شرح زبدۃ الاصول عاملی معروف و مشہور ہیں ۔ مدرسہ شیخ حامد قاری لاہور میں انہی کی خانقاہ میں تھا جہاں شیخ حامد خود درس دیتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۶ھ میں ہوا[3]

عالم باعمل فقیر کامل شیخ متدرس تھے۔ اس مدرسہ کے لئے محمد شاہ نے پچاس بیگھ زمین مزروعہ واسطے مصارف عطا کی تھی۔ اس کا فرمان مصنف تحقیقات چشتی کے گھرانہ میں موجود ہے[4] حامد قاری کے بعد مولوی خان محمد مدرس رہے مسجد کی امامت بھی کرتے تھے۔ پھر حافظ رحمت اللہ قائم مقام ہوئے۔ ان کے شاگرد حافظ دائم تھے[5]

درس میاں وڈا (حافظ محمد اسماعیل) بادشاہ نے دیہہ چاہان مزروعہ گرد نواح خانقاہ معافی عطا کی۔ اسمٰعیل کے بعد محمد صالح ان کے بعد حافظ محمود درس دیتے تھے ۔ مدرسہ میاں تیمور اس کے شاگرد خان محمد جو علم فقہ اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے[6]

---

[1] مواقیت الفواتح از قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر گوپاموی قلمی (ملک کتب خانہ باوریہ گوپاموں) [2] اولیائے ہند ج ۳ ص ۱۶۲

[3] تحقیقات چشتی صفحہ ۳۰۹، ۳۲۰ [4] ایضاً ص ۳۹۷، ۳۹۸ [5] ایضاً ص ۴۰۰ ـ

مدرسہ قاضی مبارک دہلی

قاضی مبارک بن دائم ادہمی ذہن رسا وطبیعت عالی داشت[۱] و فضائل وکمالات بسیاری داشتہ۔ چنانچہ مردمان شاہ جہان آباد ایشاں را امام اعظم ثانی می گفتند[۲]

قاضی شاگرد ملا قطب الدین گوپاموی است و بعضے کتب از شاہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی اخذ کردہ[۳]

مولوی عبدالحئی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں ۔

"وتلقی العلم فی عصرہ عن القاضی شہاب الدین گوپاموی ۔

قاضی نے آگرہ جاکر سید زاہد بن اسلم ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی ، وہاں سے دہلی آکر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کے مدرسہ سے مولوی محمد علی بدایونی ، حکیم سید امام الدین رہتکی ، مولوی محمد میرانی کشمیری ملا نور محمد کشمیری قاضی محمد امیر جیسے حضرات فارغ التحصیل ہو کر رخصت ہوئے ۔

سنہ ۱۱۶۲ھ میں بعہد احمد شاہ وفات پائی حُسن خاتمہ مادّہ تاریخ ہے ۔

شیخ غلام مصطفٰے مراد آبادی :-

"انسان کامل بود در احاطہ علوم عقلی ونقلی ممتاز اماثل تحصیل معقولات بلیشتر از ملا قطب الدین شہید سہالوی نمود و بندے در حدیث شیخ غلام نقشبند لکھنوی تلمذ کرد[۳]"

لاہرپور میں مولانا شاہ محمد رکن الدین قلندر نے درس گاہ قائم کی ۔ خود درس دیتے تھے ۔ اُن کے بعد صاحبزادے شاہ محمد اسمٰعیل نے اس مدرسہ کو ترقی دی اور خود جملہ مصارف برداشت کرتے تھے[۴]

---

[۱] آمدنامہ قلمی [۲] تذکرۃ الانساب للمولوی مصطفٰے علی خاں گوپاموی قلمی [۳] سرو آزاد صـ ۲۶

[۴] سیر العلماء صـ ۷ ۔

احمد شاہ بادشاہ

غرہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا عمر بیس سال کی تھی۔ اُس کے دربار میں لائق اہل کار جمع ہو گئے۔ آصف جاہ نظام دکن کو وزارت کے لئے طلب کیا مگر سال جلوس ہی میں وہ فوت ہو گیا تو ابو المنصور خاں کو وزارت دی۔ عمدۃ الملک مدار المہام کو برہان الملک کا خطاب عنایت ہوا۔ آصف جاہ کے چھ بیٹے تھے میر محمد شاہ ملقب غازی الدین خاں فیروز جنگ۔ دوسرے میر احمد ملقب ناصر جنگ جو باپ کی جگہ قائم مقام تھے۔ تیسرے پسر محمد ملقب صلابت جنگ۔ چوتھا میر محمد شریف خطاب برہان الملک تھا۔ پانچواں نظام علی خاں، چھٹا میر مغل، اس کا لقب ناصر الملک تھا۔ بادشاہ نے فیروز جنگ کو مشرف دیوان خاص اور بخشی گیری رسالہ عطا کی۔ ناصر جنگ کو احمد شاہ درانی کی آمد کے خوف سے طلب کیا تھا۔ درانی اپنی شمالی مہمات میں مصروف تھا۔ ناصر جنگ کو برہان پور سے واپس جانے کا حکم بھیج دیا۔ غرضیکہ سلطنت کا انتظام کر کے عیش و عشرت میں لگ گیا۔

وزیر الملک صفدر جنگ کی بن آئی۔ اُنہوں نے اپنے ہمسایہ روہیلوں کو پائمال کرنے کی ٹھانی۔

نواب علی محمد خاں مرے تو صفدر جنگ قائم خاں پسر محمد خاں بنگش کو آمادہ کیا کہ یہ موقعہ ہے سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ سے ملک چھین لے۔ وہ طمع میں آ کر چڑھ دوڑا اور بدایوں کے قلعہ میں اسے گھیر لیا۔ سعد اللہ خاں نے نکل کر مقابلہ کیا۔ قائم خاں مارے گئے۔ صفدر جنگ بادشاہ احمد شاہ کو لے کر کوئل آیا اور خود فرخ آباد پہنچا اور بیوہ قائم خاں سے ملک چھین کر قبضہ میں کیا۔ چند مواضعات اولاد کو بخشے۔ بادشاہ سنہ ۱۱۶۳ھ کو دلی چلا آیا۔ نول رائے کو صفدر جنگ نے اس علاقہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔

فرخ آباد گیا۔ اس زمانہ میں چکلہ مراد آباد میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے ایک فتح حاصل کی تھی۔ احمد خاں نے روہیلوں کو ساتھ لے کر ۱۱۶۳ھ میں نول رائے پر حملہ کیا۔ اور جان سے مار ڈالا۔

صفدر جنگ کو اس کا علم ہوا تو راجہ سورج مل جاٹ کو لے کر پٹھانوں سے نبٹنے آیا۔ مادہرہ پر مقابلہ ہوا۔ صفدر جنگ زخمی ہوا اور شکست کھا کر دلی آیا اور وزارت جاتی ہوئی رشوت سے سنبھالی۔ احمد خاں نے اودھ اور الہ آباد لینا چاہا۔ الہ آباد پر حملہ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ مگر صفدر جنگ نے مرہٹوں سے مدد چاہی۔ ملہار راؤ ہلکر اور جی اپا سندھیا سے جن کو بالاجی نے ابھی مالوے بھیجا تھا اعانت کی درخواست کی اور سورج مل کو ہمراہ لے کر اول جمادی الثانی ۱۱۶۴ھ کو کوچ کیا۔ جالیسر اور سعد آباد میں احمد خاں کی طرف سے شادل خاں حاکم تھا اُس کے مقابل آکر شکست دی۔ احمد خاں الہ آباد کا محاصرہ چھوڑ کر فرخ آباد آیا۔ سعد اللہ خاں روہیلہ بھی مدد کو آ گیا۔ ۱۱۶۴ھ میں حسین پور میں لڑائی ہوئی۔ دس ہزار افغان مارے گئے۔ احمد خاں اور سعد اللہ خاں زندہ نکل گئے اور کوہ کمایوں میں جا کر پناہ لی۔ صفدر جنگ کی عنایت سے سرحد کوئل اور جالیسر سے لے کر کوہ ہمالیہ تک مرہٹوں کا تصرف تھا اور اُن کو اجازت تھی کہ چوتھائی وصول کریں۔ افغان بھی مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ تھے اُن کے توسط سے صفدر جنگ سے صلح کر لی۔

یکایک خبر آئی کہ احمد شاہ درانی لاہور کے قریب آ پہنچا ہے۔ معین الملک ناظم صوبہ نے چار ماہ تک مقابلہ کر لیا پھر میل کر لیا۔ بادشاہ کے خطوط صفدر جنگ کی طلبی کے گئے اُس نے دُرانی کے خوف سے ملہار راؤ کو معاونت کے لئے زرِ خطیر کے وعدہ پر بلایا اور دلی کی طرف روانہ ہوا اور اُس سے طے ہوا کہ شاہ دُرانی کو شکست دے کر لاہور اور ملتان کا خود انتظام کرے۔ ابھی یہ دلی تک نہ پہنچے تھے کہ وہاں جاوید خواجہ جو بادشاہ کا منہ چڑھا ہوا تھا اور نواب بہادر اس کا خطاب تھا۔ اُس نے شاہ درانی کو صلح کا پیغام دیا اور لاہور اور ملتان دونوں صوبے دے کر صلح کر لی۔ احمد شاہ دُرانی ہر دو صوبے معین الملک کو دے کر چلا گیا۔ صفدر جنگ دلی آیا اور بادشاہ سے کہا ملہار راؤ کو کیا منہ دکھاؤں؟ اور زرِ خطیر

کہاں سے لاؤں ؟

اس پر امیر الامرا فیروز جنگ خلف آصف الدولہ جو ناصر جنگ کے مرنے کے بعد دکن کے چھ صوبوں کے لئے بادشاہ سے درخواست کرتا تھا اور بادشاہ اُن سے بھاری نذرانے مانگتا تھا۔ اُس نے کہا کہ اگر یہ صُوبے مجھے عنایت ہوں تو مَیں ملہار راؤ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں اور جو روپیہ ٹھہرا ہے وہ دلا دیتا ہوں۔ یہ درخواست منظور ہو گئی۔ ملہار راؤ دکن فیروز جنگ کے ساتھ رخصت ہُوا۔ وزیر الملک نے خواجہ سرا کو اپنے مکان بلا کر مروا ڈالا۔ جس پر بادشاہ صفدر جنگ سے بیزار ہو گیا۔ فیروز جنگ اپنے بیٹے شہاب الدین محمد خاں کو نیابت میں بخشی گیری پر چھوڑ گیا۔ فیروز جنگ اورنگ آباد پہنچا تو بھائی اُس سے لڑنے کے لئے آیا۔ مگر جنگ سے پہلے اجل کا حکمنامہ آ پہنچا۔

شہاب الدین کو باپ کا مال ہاتھ لگا۔ اگرچہ سولہ برس کا تھا۔ مگر آفت روزگار تھا۔ صفدر جنگ کی خوشامد میں لگا۔ اُس نے بادشاہ سے غازی الدین خاں عماد الملک کا خطاب اس کو دلا دیا۔ اور بظاہر بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اور اس فراق میں تھا کہ انتظام الدولہ خان خاناں کو جو قمر الدین خاں وزیر کا داماد تھا اور غازی الدین خاں اس کا بھانجا تھا ٹھکانے لگائے۔ مگر صفدر جنگ سے بادشاہ کو دلی نفرت ہو گئی تھی۔ اُس نے صوبہ اودھ جانے کی اجازت لی منظور ہو گئی۔ اہلِ شہر اس کا چلا جانا اچھا سمجھتے تھے مگر ہر روز شہر کے اردگرد چکر لگاتا رہا کہ بادشاہ بُلا لے۔ سارے شہر پر انتظام الدولہ اور غازی الدین خاں کا انتظام تھا اور شہر کے بُرجوں پر مورچے لگ گئے۔ فوج جمع ہونے لگی۔

صفدر جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر سورج مل جاٹ اور اندر گسائیں فوجدار یا دلی محال سہارن پور کو بلایا۔ اب طرفین سے مورچے قائم ہو گئے۔ روہیلہ سرداران کو صفدر جنگ نے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ بادشاہ کا شقہ بھیجا گیا۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دوندے خاں بیہوش ہوئے۔ رسالدار نجیب خاں داماد دوندے خاں میر مناقب شاہی سے ملے اور وعدہ کیا کہ بادشاہ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ اور کئی ہزار نفوس بسولی سے لے کر نجیب خاں دلی روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے بیس ہزار کا مجمع ساتھ تھا شعبان ۱۱۶۶ھ

کو دربار شاہی میں اطلاع ہوئی۔ بسولی کا رسالدار جانسپاری کو حاضر ہے۔ غازی الدین خاں اکبر ملے اور شجاعانہ تیور دیکھ کر خوش ہوئے۔ نجیب خاں نے دہلی کی شہر پناہ کے نیچے خیمے لگا دیئے۔

صفدر جنگ اپنے ولی نعمت کے مقابل دلی سے دو میل کے فاصلہ پر مورچے جمائے پڑے تھے۔ نجیب خاں نے مقابلہ کیا۔ کشائیں مارا گیا۔ پھر مقابلہ پر سورج مل اور صفدر جنگ میدان سے پسپا ہوئے۔ بادشاہ اس کارگزاری پر بہت خوش ہوئے اور شرف باریابی بخشا اور نوبت معہ خلعت اور نوابی کا علم عطا ہوا۔ چھ ماہ یہ جنگ رہی۔ مہاراجہ مادھو سنگھ کچھواہہ نے درمیان میں پڑ کر بادشاہ سے صلح کرا دی۔ صفدر جنگ مغلوب ہو گیا تھا۔ اودھ اور الہ آباد کی صوبہ داری پر قناعت پذیر ہو گیا اور دِلی سے چلتا ہوا۔

خان خاناں وزیر اور غازی الدین خاں امیر الامراء مدار المہام سلطنت ٹھہرے۔ مگر اقتدار کی کمی بیشی سے باہمی نفاق پیدا ہوا۔ اعتماد الملک سورج مل سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خان خاناں پچاس لاکھ پر سودا کر رہا تھا۔ عماد الملک نے مرہٹوں کی امداد پر بھروسہ کر کے سورج مل پر حملہ کر دیا۔ وہ قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کئی ماہ گزر گئے۔ عاقبت محمود خاں کو دِلی توپ خانہ لینے بھیجا خان خاناں نے روک لیا۔

انہی ایام میں عماد الملک نے نجیب خاں کو باون محال سہارنپور پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اُس نے قبضہ کر لیا۔ عماد الملک محاصرہ کئے پڑا ہوا تھا۔ اُس نے ملہار راؤ کو دلی بھیجا۔ اُس نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ قلعہ میں محصور ہو گئے۔ خان خاناں وزارت سے معزول کر دیئے گئے۔ عاقبت محمود وزیر مقرر ہوئے جس نے علماء کے مشورہ سے احمد شاہ کو تخت سے اُتار دیا۔ ۱۱۶۷ھ کو قید خانہ میں بھیج دیا اور سلطان عز الدین بن معز الدین جہاندار شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ لقب عالمگیر ثانی رکھا گیا۔ احمد شاہ نے چھ سال دس مہینے سلطنت کی۔

عالمگیر ثانی

عالمگیر ثانی کی حدودِ مملکت میں دو آبہ کے چند ضلعے اور جنوب میں ستلج کے کئی ایک ضلعے رہ گئے تھے۔ گجرات مرہٹوں کی پائمالی میں تھا۔ بنگال بہار اور اڑیسہ میں علی وردی خاں کے جانشین متصرف تھے۔ اودھ میں صفدر جنگ کا دور دورہ تھا۔ وسط دوآب میں بنگش حکمران تھے۔ روہیل کھنڈ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں، نواب دوندے خاں نواب نجیب الدولہ، نواب محمد علی خاں کی جاگیریں تھیں۔ پنجاب احمد شاہ دُرّانی کے حوالہ تھا۔ دکن میں نظام کی اولاد دست بگریباں تھی۔ انگریزی سوداگر بھی موقعہ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت کا حال یہ تھا جو تحریر کیا گیا۔

کوائف سلطنت غازی الدین وزیر عالمگیر ثانی کے مقرر ہوئے۔ عاقبت محمود خاں نے احمد شاہ کو اندھا کیا۔ خاں خاناں کو ٹھکانہ لگایا۔ سنہ ۱۱۶۵ھ میں صفدر جنگ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ جانشین ہوا۔ شاہ ابدالی کا ملتان و لاہور پر قبضہ تھا اُس نے معین الملک پسر قمر الدین خاں کو صوبہ دار کر دیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سے گر کر مر گیا تو میر مومن خاں صوبہ دار ہوا۔ اس کی ماں مغلانی بیگم نگرانی پر مقرر ہوئی۔ مومن خاں کا بھی انتقال ہُوا۔ پھر خواجہ موسیٰ داماد معین الملک صوبہ دار مقرر ہُوا۔

بھکاری خاں رستم جنگ کو مدار المہام مقرر کیا مگر مغلانی بیگم نے اس کو مروا ڈالا۔

آدینہ بیگ نے ابدالی سے نائب صوبہ داری حاصل کر لی۔ عماد الملک لاہور روانہ ہُوا۔ اپنی ممانی کو خط لکھا کہ اپنی لڑکی کو جس کی نسبت اُس کے ساتھ ٹھہری تھی بھیج دیجئے۔ اُس نے معہ جہیز کے بھیج دیا۔ ادینہ بیگ سے میل کر کے ممانی کو گرفتار کرا کر لدھیانہ بلایا اور عذر و معذرت کر لی۔ لاہور اور ملتان کی صوبہ داری تیس لاکھ روپیہ پیش کش لیکر مرزا ادینہ بیگ کو دیدی اور دلی آ گیا۔ اس کی خبر شاہ ابدالی کو لگی وہ قندھار سے ہو کر

لاہور پہنچا۔ عماد الملک نجیب خاں کو لے کر مقابلہ کو چلا۔ مگر ولی داد خاں نے وزیر ابدالی سے مل کر شاہ سے قصور معاف کرا لیا۔

۱۱۷۰ھ میں ابدالی دلّی میں آیا۔ بادشاہ سے ملاقات کی اور شاہانہ اختیارات ہاتھ میں لے لئے [۱] وزیر کو بھی روپیہ وصول کر کے لائے۔ یہ دلّی سے چلتا بنا اور فرخ آباد گیا۔ احمد خاں بنگش سے نذرانہ لیا۔ پھر شجاع الدولہ نے پانچ لاکھ روپے وصول کئے اور فرخ آباد لوٹ کر شاہ ابدالی کی حرکت کا منتظر رہا۔ شاہ ابدالی نے خانجہاں کو مع فوج کے جاٹوں سے نذرانہ وصول کرنے بھیجا۔ انھوں نے مقابلہ کیا تو آگرہ کا رخ کیا۔ قلعہ دار سیف اللہ نے بھی دو دو ہاتھ کئے اور کئی لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر بلا کو ٹالا۔ یہ درانی شہر متھرا پر جا گرے وہاں میلہ تھا اس کو لوٹا اور شہر کو ۱۱۷۰ھ میں برباد کیا۔ اس کے بعد دلی کی کٹائی خوب دل کھول کر احمد شاہ نے کرائی۔ دو ماہ تک دِلّی لٹی۔ نادر گردی کو لوگ بھول گئے۔ پھر انوپ شہر گیا اور ملک کو تقسیم کر کے ۱۱۷۱ھ کو اپنے ملک چلا گیا۔ نجیب خاں کو بادشاہ کا امیر الامراء مقرر کیا گیا۔

جانے سے پہلے احمد شاہ نے محمد شاہ کی بیٹی سے شادی کی اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی بھتیجی سے کی۔ تیمور کو لاہور، ملتان، ٹھٹھہ کا ناظم مقرر کیا اور خان جہاں کو اُس کا سپہ سالار مقرر کیا۔

غازی الدین خاں عماد الملک فرخ آباد میں بیٹھا ہوا یہ سب حالات دیکھ رہا تھا۔ ابدالی کے جانے کے بعد عماد الملک نے احمد خاں بنگش کو امیر الامراء مقرر کیا اور دلی چلا اور رگھناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہلکر کو دکن سے بلایا اور دلی کا محاصرہ کیا۔ عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ محصور ہو گئے۔ ۲۷ روز جنگ رہی۔ ہلکر کو بادشاہ نے رشوت دی۔ جب محاصرہ سے نجات ملی نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر چلتے ہوئے عالمگیر ثانی نے ولی عہد عالی گہر کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ جو نجیب الدولہ کے پاس چلا گیا۔

---

[۱] تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۲۹۶۔

تیمور شاہ سے آدینہ بیگ کی چھڑ گئی۔ ادینہ بیگ نے سکھوں کے جرگہ کو ہمنوا کر کے دوآبہ بھیج دیا۔ اُنہوں نے خوب لُوٹا۔ اس کے بعد اُس نے رگھناتھ راؤ اور شمشیر بہادر کو دکن سے بُلایا۔ وہ شعبان ۱۱۷۱ھ میں پنجاب روانہ ہو گئے اور سرہند آ کر عبد الصمد خاں جو درانیوں کا نمائندہ تھا اُس کو لڑ کر مارا۔ لاہور اور پنجاب پر مرہٹے قابض ہو گئے دُرانی بھاگ گئے اور اٹک پار ہو گئے۔ مرہٹوں نے ادینہ بیگ سے پچھتر لاکھ روپیہ لیکر صوبیداری دی اور دکن چلتے ہوئے اور جنکوجی کو راجپوتوں سے لڑنے کے لئے دہلی چھوڑ گئے۔

۱۱۷۲ھ میں دیتاجی سندھیا نے غازی الدین کے کہنے سے ہندوستان کو فتح کرنے کی ٹھانی۔ پنجاب قبضہ میں تھا۔ روہیل کھنڈ اور اودھ صرف لینا تھا۔ نجیب الدولہ پر حملہ بول دیا وہ سکرتال میں مقیم ہُوا۔ نواب سعد اللہ خاں، نواب رحمت خاں حافظ الملک، نواب دوندے خاں نجیب الدولہ کی معاونت کے لئے آ گئے۔ شجاع الدولہ بھی لکھنؤ سے چلدیا۔ دیتاجی سندھیا نے گوبند رام بندیلہ کو بیس ہزار کا لشکر دے کر روہیل کھنڈ تاراج کرنے بھیج دیا۔ نجیب الدولہ گھر گئے۔ شجاع الدولہ کو وقت پر بلاوا پہنچا اور گوبند رام کی پٹائی اچھی طرح پٹھانوں نے کر دی تو ۱۱۷۳ھ میں شجاع الدولہ سے مرہٹوں نے صلح کر کے جان بچائی۔

رگھناتھ راؤ دکن لوٹے۔ سداشیو راؤ نے احمد نگر پر قبضہ کیا تو اس کو غرور ہو گیا۔ اُس نے اُن سے کہا تم دکن سنبھالو میں ہندوستان پر قبضہ کرنے جاتا ہوں۔ ادھر دیتاجی سندھیا مارا گیا اور ہلکر کی فوج تباہ ہوئی۔ اس خبر نے اُس کے ارادہ کو پختہ کر دیا۔ سداشیو راؤ عرف بھاؤ اور بالاجی راؤ پسر بسواس راؤ کو لے کر بڑے لاؤ لشکر سے دِلّی روانہ ہُوا۔ ابراہیم گاردی افسر توپ خانہ تھا۔ جب یہ عظیم الشان لشکر آگرہ پہنچا تو وہ سورج مل جاٹ ہلکر کی وساطت سے بیس ہزار فوج کے ساتھ اس لشکر میں آ ملا۔

ادھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو صورت حال لکھی اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھے کہ ابدالی کو بُلا کر مرہٹوں کی گوشمالی ایسی کرا دو کہ یہ خدشہ ہی

جاتا رہے فتح مسلمانوں کی ہے یہ بشارت دی۔ ادھر خطوط احمد شاہ کو پہنچے اور تیمور کی بے دخلی کا علم ہُوا تو وہ دس ہزار فوج لے کر روانہ ہُوا اور جلد گنگا جمنا کے دوآبہ میں آ گیا۔ یہاں سعد اللہ خاں نجیب الدولہ احمد خاں بنگش حافظ رحمت خاں دوندے خاں، سرداران روہیلہ سب حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت مرہٹوں کا لشکر بیس ہزار کے قریب اس ملک میں پھیلا ہُوا تھا۔ دیتا سندھیا اور ہلکر سرگروہ تھے۔ احمد شاہ نے شاہجہان آباد کے قریب باؤلی پر دتیاجی سندھیا کے گروہ پر حملہ کر دیا جس میں سندھیا مارا گیا۔ جنکو بقیہ فوج کو لے کر دکن چلتا ہُوا۔

ہلکر کے لشکر پر شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں کو حملہ کرنے کے لئے شاہ درانی نے بھیجا۔ اُس کی ایسی پٹائی ہوئی کہ تین سو سوار لے کر بھاگ گیا۔ باقی لشکر مارا گیا یا قید ہُوا پھر موسم برسات کا آ گیا۔ شاہجہان آباد پر احمد شاہ تھوڑے درانی چھوڑ کر انوپ شہر چلا گیا اور شجاع الدولہ کو بُلانے نجیب الدولہ کو بھیجا۔ یہ ان کو سمجھا کر لے آئے۔ دس ہزار فوج کے ساتھ ابدالی کے جھنڈے کے نیچے یہ بھی جمع ہو گئے مگر اُن کی خط و کتابت بھاؤ سے قائم تھی۔ بھاؤ مع مرہٹہ فوج کے اکبر آباد سے دلی روانہ ہُوا۔ عماد الملک متھرا میں اُن سے ملا۔ ہلکر بھی تیس ہزار سوار لے کر بھاؤ کے ساتھ ہو گیا۔ ۹ ر ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ کو دلی میں بھاؤ داخل ہُوا۔ سعد اللہ خاں کی حویلی میں اُترا۔ قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یعقوب علی خاں بہمن زئی نے احمد شاہ کو مطلع کیا۔ کہلا بھیجا کہ دلی چھوڑ کر کھاؤ۔ بھاؤ نے دلی پر تصرف کیا۔ اُس نے جواہرات پر قبضہ کیا اور شہر کو لوٹا مسجدیں گرا دیں۔ اس کے ساتھ بشواس راؤ، بلونت سنگھ، شمشیر بہادر، سورج مل، غازی الدین، راجہ گائیلواڑ، ہلکر، مہاجی سندھیا، ابراہیم خاں گاردی، فتح خاں گاردی جبکوجی اور دوسرے سرداران راجپوتانہ تھے۔ باہمی مشورہ ہُوا کہ پیشوا کے بیٹے بشواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھایا جائے اور وزیر اعظم شجاع الدولہ کو کیا جائے مگر چند روز کے لئے رسمِ تاجپوشی ملتوی ہوئی۔ بھاؤ ساتھیوں کو لیکر مع لشکر جو بقول کاشی راؤ پانچ لاکھ تھے۔ درانی فوج ۴۰ ہزار تھی[۱]، ۷ ر جمادی الاول ۱۱۷۳ھ

---

[۱] تاریخ احمد صـ ۱۲۔

کو کنج پورہ پہنچا۔ عبدالصمد خاں محمد زئی اور میاں قطب شاہ سرداران شاہ درانی فراہمی رسد کے لئے مقیم تھے۔ اُن پر حملہ کیا وہ شہید ہو گئے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر پانی پت کے میدان میں فوج آ جمی اور مقابلہ پر شاہ درانی معہ ہمراہیوں کے آ گئے۔ پہلے چھیڑ چھاڑ رہی پھر ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ اشرف الوزراء کی فوج بہت کام آئی اور نجیب الدولہ بھی دادِ شجاعت دے رہا تھا مگر غلبہ مرہٹوں کا تھا۔

شاہ دُرانی سُرخ خیمہ سے نکل کر ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہُوا۔ میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ شجاع الدولہ کی فوج سرد مہری دکھا رہی تھی۔ بھاؤ اور بسواس راؤ اپنی فوج کو خوب لڑا رہے ہیں اور اُن کا ہاتھی اکثر شجاع کی فوج میں آ جاتا ہے۔ اپنی فوج کی طرف نظر ڈالی۔ شاہ ولی خاں جو قلب لشکر کا محافظ تھا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر مرہٹوں سے نبٹ رہا ہے۔ مگر نازک وقت آ چکا ہے۔ شاہ نے اپنے محافظ دستے طلب کئے اور اُن کو حکم دیا کہ توپ لے کر شجاع الدولہ کی فوج میں سے گزر کر بسواس راؤ کے ہاتھی کو توپ کے گولوں پر رکھ لو اور سردارانِ مرہٹہ رگھناتھ راؤ شمشیر بہادر جنکوجی جو بھاؤ کے اردگرد ہیں اُن پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔

غلاموں کے دستے رخصت کئے اور خود مصلّٰی بچھا کر خدا سے گڑ گڑا کر دعائے فتح و نصرت مانگنے لگا۔ یکایک توپ کی آواز آئی۔ سجدے سے سر اٹھا کر میدانِ کارزار پر نظر ڈالی۔ نقشۂ جنگ بگڑ چکا تھا۔ توپ کا گولہ پشت سے ہاتھی پر لگا۔ بسواس اور خود زخمی ہوئے۔ بھاؤ کی آنکھوں میں جہان تاریک ہو گیا۔ وہ اس کو اولاد سے زیادہ چاہتا تھا۔ بسواس کی جان پر زد پڑنے سے بھاؤ کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوسرے ہاتھی کے ہودے میں لٹانے کا حکم دیا۔ لٹاتے ہی وہ مر گیا۔ بھاؤ خود ایک عربی گھوڑے پر سوار ہُوا اور لڑائی کے بھنور میں آ کودا۔

شاہ ابدالی کی اس حربی ترکیب سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ بھاؤ دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ روہیلہ سردار نواب عنایت خاں خلف حافظ الملک تیغ زنی کرتے ہوئے بھاؤ کی طرف آ نکلے۔ ہر دو میں نیزہ بازی ہوئی۔ عنایت خاں ایک مرد شجاع اور بہادر شخص

تھا اس کا وار نہ جھیل سکا۔ گھوڑے سے نیزہ کے ساتھ نیچے آ رہا۔ عنایت خاں نے گھوڑے سے کود کر تلوار سے بھاؤ کا سر اُتار لیا۔ ؎

زشمشیر عنایت خاں درآں جنگ اجل گفتا سر بھاؤ ترا شد[1]

سرداران مرہٹہ نے بھاؤ کا گھوارہ نہ دیکھا۔ اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔ ادھر پٹھانوں اور روہیلوں نے جوش و خروش سے مرہٹوں پر تیغ زنی شروع کر دی اور تمام سمتوں سے اُن کو گیرتے ہُوئے چلے۔ حتیٰ کہ شام کے چار بجے سارا میدان مرہٹہ جنگ جوؤں سے خالی ہو گیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ گرانٹ ڈف کے بقول دو لاکھ مرہٹے اور دکنی میدان پانی پت میں قتل و ہلاک ہُوئے۔

جو مرہٹے میدانِ جنگ سے بھاگے افغانیوں نے دس بارہ کوس تک ان کو تہ تیغ کیا جو جان بچا لے گئے وہ پانی پت پہنچے۔ دِقت سے خندق کو طے کر کے دمدمہ پر چڑھ کر حصار کے اندر داخل ہو گئے۔ مگر خندق میں گر کر بہت سے کام آئے۔ افغانوں نے شب ہی میں قصبہ کے ارد گرد پہرے لگا دیئے اور علی الصبح قصبہ میں داخل ہو کر جس قدر مرد، عورت بچے حصار میں ملے سب کو گرفتار کر لیا۔ عورتیں اور بچے اپنے ملک میں لے جانے کے لئے علیحدہ کر لئے اور بقیہ مَردوں کو ذلّت و مصیبت اور فاقہ زدگی سے بچانے کے لئے قیدِ ہستی سے انہیں چھڑا کر ہمدردانہ سلوک کیا اُن کے پچھلے مظالم کا یہ بدلہ لیا۔ اب افغانی بپھر چکا تھا۔ اِن سے ان کے سروں کے کلہ منار ہٹلئے جس سے جوشِ غضب کچھ سرد پڑا۔

کاشی رائے لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد تمام بڑے بڑے سرداروں نے شاہ ابدالی کو تہنیت فتح کی نذریں پیش کیں اور شاہ نے میدانِ جنگ کا سرسری معائنہ کر کے جس میں کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگے ہُوئے تھے اپنے خیمہ کو واپس ہو گیا اور تمام افسران بھی اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے۔[2] عام سپاہی لوٹ میں لگا ہُوا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں

---

[1] نقش سلیمانی [2] پانی پت کا خونی میدان مصنفہ ۸۴ ۔

غلہ نہ تھا۔ روپیہ بھی توڑا تھا۔ عورتوں کے زیورات گلوا کر روپیہ و اشرفیاں بنوائی تھیں۔ کاشی راج لکھتا ہے :-

"ایک افغانی سوار آٹھ آٹھ دس دس اونٹ قیمتی سامان سے لدے ہوئے لاتا دیکھا جاتا تھا۔ گھوڑے بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکے جا رہے تھے اور ہاتھیوں کی بھی بڑی تعداد پکڑی گئی تھی"

مالِ غنیمت علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے کہ پانسو ہاتھی، پانچہزار گھوڑے دو لاکھ بیل (مویشی) بہت سا جواہر و زر نقد اور بے شمار اسلحہ و ظروف کثیر المقدار اسباب اور ہزار ہا خیمے معہ سامانِ آرائش وغیرہ لشکر ابدالی کے ہاتھ آئے[1]

تعداد افواج بھاؤ فارسی تاریخوں میں بھاؤ کے لشکر کے آدمیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے دس لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ اسی بنا پر مقتولین کا شمار بھی تین سے آٹھ تک لگایا گیا ہے[2]۔ لیکن گرانٹ ڈف کے نزدیک تین لاکھ نفوس بمقام پانی پت لشکر بھاؤ میں موجود تھے۔ منجملہ ان کے جنگجوؤں میں سے ۱/۴ حصہ اپنی جان سلامت لے جا سکا اور افغانی مقتول بیس ہزار سے کم نہ تھے۔

مولوی سید مدد علی تپش اکبر آبادی نے جنگ پانی پت میں بھاؤ کے لشکر کی تعداد چار لاکھ لکھی ہے۔ اڑھائی لاکھ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ پچاس ہزار دکن تک پہنچتے پہنچتے اہلِ دیہات نے قتل کر دیئے کہ ان مرہٹوں نے اُن کے دیہات لوٹے اور جلائے اور دیہاتیوں کو مارا پیٹا تھا۔ گوجروں نے پورا پورا اُن سے بدلہ لیا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اپنے دیہات میں اُن کی مدد کی اور دکن کے سفر کے لئے خرچ دیا[3]۔ سورج مل نے مرہٹوں کا ساتھ دیا اور دس لاکھ روپیہ سے مدد دی اور ایک لاکھ مرہٹے بحالت تباہ پٹے پٹائے وطن مالوف لوٹے۔

مرہٹہ سردار جو بچ رہے ملہار راؤ ہلکر، وٹھل شیدیو اور دتاجی گائیکواڑ، معرکہ پانی پت سے بچ نکلے۔ امنا منکیسر میدان سے بھاگ نکلا۔

---

[1]، [2] پانی پت کا خونی میدان از سید جالب دہلوی مصنف اپریل ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۸

[3] جنگ پانی پت از مولوی سید مدد علی تپش اکبر آبادی معلم العلمہ ۱۸۵۷ء۔

فرخ نگر کے جاٹوں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باجی راؤ پیشوا کا لڑکا شمشیر بہادر زخمی تھا وہ سورج مل جاٹ کے قلعہ ڈیگ میں پناہ گیر ہوا۔ دھنی پاربتی بائی زوجہ بھاؤ بھی معہ اپنے چند مجروحوں کے ابراہیم گاردی کے ساتھی مسلمان سپاہیوں کی معاونت سے ڈیگ پہنچ گئی۔ دھنی نے تین روز ٹھہر کر اپنے خاوند کی مراسم تعزیت ادا کیں۔ بعد ازاں سورج مل نے معقول بدرقہ و محافظین کے ساتھ اس کو دکن کی طرف رخصت کیا شمشیر ڈیگ ہی میں مر گیا۔ مادھو سندھیا کو بھی ایک مسلمان عورت نے اپنے یہاں جگہ دی۔ اس کے بیٹوں نے زخموں کا علاج کرایا۔ جب کچھ آرام ہوا تو گوالیار پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد اکبر ماں بیٹوں کو لے گیا اور عزت سے اپنے پاس رکھا۔ آج تک وہ خاندان موجود ہے۔

ابراہیم گاردی گرفتار ہوا اور زخموں کی تکلیف سے چند روز بعد مر گیا۔ شمشیر بہادر بھاگتا ہوا مارا گیا۔ جنکوجی سندھیا بھی قتل کیا گیا۔ ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا۔ اپاجی سندھیا لنگڑاتا ہوا دکن پہنچا۔ مرہٹوں کو سخت شکست ہوئی۔ اس صدمہ سے بالاجی تھوڑے دن بعد مر گیا۔ تمام مہاراشٹر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

فتح کے بعد احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز قیام کر کے بادشاہ ولی عالی گہر کو مقرر کیا اور شجاع کو وزیر اور نجیب الدولہ کو امیر الامراء جواں بخت کو بادشاہ کا نائب مقرر کیا۔

شہزادہ جواں بخت را ولی عہد شاہ عالم نمودہ شہر را باختیار نجیب الدولہ گذاشتہ۔[1]

سرداران روہیلہ کو رخصت کیا۔ شجاع کو اودھ و الہ آباد روانہ کیا۔ نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم کر کے خود قندھار چلا گیا۔[2]

---

[1] سیر المتاخرین ص۳۰۲ [2] تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص۳۰۹۔

ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

نام مرزا عبداللہ نام تھا۔ ارباب خاندان عالی گوہر سے خطاب کرتے تھے۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے خلف اور معز الدین جہاندار شاہ کے پوتے تھے۔ ماں کا نام لال کنور تھا۔ بادشاہ ہو کر ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا[1] والدہ کا سایہ بہت کم عمری میں سر سے اُٹھ گیا تو سوتیلی والدہ نواب زینت محل نے سگی ماں سے بڑھ کر پرورش کی[2]۔ ۱۷ ذیقعدہ سنہ ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت علم سے طبعی لگاؤ تھا۔ عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت[3]، ہندی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ خطاطی میں بھی درک تھا۔ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ سید محمد درویش کے مرید ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ تھوڑا بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

ولی عہدی عالی گوہر کو عالمگیر ثانی نے ولی عہد قرار دے لیا تھا۔ عماد الملک غازی الدین کے فتنہ سے ولی عہد کو بچانے کے لئے جھجر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی[4]۔

عالی گوہر نے تال کٹورے پہنچ کر سلطنت کو وزیر عماد الملک کے دست تغلّم سے نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور اُس نے زبردستی سے بادشاہ سے شقے بھجوائے۔ عالی گوہر باپ کے بلانے پر دہلی گئے مگر جمنا کے کنارے علی مردان خاں کی حویلی میں قیام کیا۔ عماد الملک نے بدعہدی کی اور ولی عہد کے مسکن کو محاصرہ میں لے لیا۔ یہ بدقت جمنا پار ہو کر ہانسی حصار پہنچے۔ وہاں سے نواب نجیب الدولہ

---

[1] واقعات عالم شاہی [2] شاہ عالم نامہ ص ۱۵ [3] مجموعہ نغز [4] نادرات شاہی ص ۲۰۔

کی دعوت پر کنج پورے کے راستے میران پور پہنچے۔ نواب نے ولی عہد بہادر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پچاس ہزار روپے ماہوار اخراجات کے لئے نذر کرنا شروع کئے۔ نجیب الدولہ نے بہت ہاتھ پیر مارے۔ روہیلوں کو تیار کیا۔ جاٹوں سے مدد لینا چاہی کہ ولی عہد کو سامنے رکھ کر عماد الملک سے انتقام لے۔ ایک سال تک عالی گوہر اُن کے پاس مقیم رہے۔ آخر ش یہاں کوئی صورت بنتے ہوئے نہ دیکھی لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ ۹ رجمادی الاول ۱۱۷۳ھ کو شجاع الدولہ نے شایان شان استقبال کیا اور ہاتھی گھوڑے خیمے ڈیرے سارا سامانِ امارت مہیا کر کے پچاس ہزار روپیہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قضیہ

بنگال میں نواب سراج الدولہ کی جگہ انگریزوں نے میر جعفر کو ناظم بنا دیا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گزرے تھے کہ سارا ملک اُس کے ہاتھوں تنگ آگیا۔ محمد قلی خاں الہ آباد کے صوبہ دار نے اس موقعہ سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ بنگال پر خود قبضہ کرے۔ چنانچہ ولی عہد کی تاک میں تھا۔ نجیب الدولہ کے قیام کے دوران میں خطوط لکھے تھے کہ آپ الہ آباد آجائیے۔ چنانچہ عالی گوہر اور شجاع الدولہ میں مشورے ہوئے اور الہ آباد پہنچے۔ یہاں محمد قلی خاں نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ ۷ رجب ۱۱۷۳ھ کو ولی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہو گئے۔ "کرم ناسا" ندی کو پار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں اُن کا پلّہ بھاری رہا۔ لیکن انگریزوں کی فوج کی آمد کی خبر نے محمد قلی خاں کو دل برداشتہ کر دیا۔

عالی گوہر اس سے بے خبر تھا کہ میرا لڑنا در حقیقت اب جعفر سے نہیں ہے بلکہ ایک نئی اور بالکل اجنبی قوم سے ہے جس کی قوت عقلی اور حکمت فوجی کا کبھی اندازہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس غلط فہمی کے باعث جب شاہی لشکر اور جعفر کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو موقعہ کی نزاکت دیکھ کر عالی گوہر نے محاصرہ اٹھا لیا اور ۲۵ ذیقعدہ ۱۱۷۳ھ کو دیوان مکند پور میں فروکش ہو گئے۔[1]

---

[1] شاہ عالم نامہ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

انگریزی اقتدار فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگالہ میں اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی مل چکی تھی اور کلکتہ کے پریذیڈنٹ کی دستخط سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سے ارباب کمپنی نے مال منگوانا اور بلا محصول روانہ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اُس کے سازشی طور پر غیروں کا مال بھی اپنی دستخط سے بھیجنے لگے۔ اس حرکت سے ناظم بنگالہ کی آمدنی میں نقصان کثیر واقع ہوا۔ اُس نے ناراض ہو کر زمینداروں کو اشارہ کیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمینداری فروخت نہ کرے۔ اس وجہ سے ایک عرصہ تک انگریزوں کو اپنی ذہنی مطلب برآری میں ناکامی رہی۔ جبکہ نواب الہ وردی خاں ناظم بنگالہ نے قضا کی اور بسبب نہ ہونے اولاد ذکور کے اُس کے بھتیجے کا بیٹا نواب سراج الدولہ اٹھارہ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اُس کی انگریزوں سے اس بنا پر بگھڑی کہ اُس کے چچا کا دیوان اُس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جا ملا اور جب سراج الدولہ نے مانگا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے۔ مدارس میں بھی انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ وہاں سے کمک آئی مگر انگریزی فوج کے ساتھ نواب کرناٹک کی فوج بھی تھی۔ پھر بھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی۔ مگر سراج الدولہ کے فوج کے آدمی اس قدر مارے گئے کہ فتح کی خوشی میسر نہ آئی۔ بعد اس کے ان شرائط پر صلح ہوئی کہ موافق عہد نامہ شاہی کے انگریز اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدیں اور مال بھی اپنی دستخط سے روانہ کریں۔ مگر وہ مال صرف اپنا ہی مال ہو۔

چند روز گزرے تھے کہ اور سازش شروع ہوئی۔ الہ وردی خاں کا داماد میر جعفر خاں معہ دیوان رائے دلبھ رائے اور جگت سیٹھ مہتاب رائے کے انگریزوں سے مل گیا۔ انگریزوں نے اس کو ناظم بنگالہ بنا دینے کے وعدہ پر اُس سے ایک خفیہ عہد نامہ

کرالیا جس میں سراج الدولہ کے عہد نامہ پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ :-

"کلکتہ سے دکن چلپی تک کمپنی کی زمینداری سمجھی جائے۔ فرانسیسی بنگال سے نکال دیئے جائیں اور دو کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ بطور نقصان کے کمپنی کو دیا جائے"[1]

اس عہد نامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ جعفر سے دل میں صاف رہا۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی۔ مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بے وفائی کھلی تو سراج الدولہ کے ہوش جاتے رہے اور ساتھ ہی اس کے پیر اکھڑ گئے۔ اس لڑائی میں سراج الدولہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے انگریزوں کے قدم بالکل جم گئے اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔

میر جعفر کے ایک بیٹا تھا جو اسی زمانہ میں بجلی گرنے سے مر گیا۔ اب جعفر کے داماد قاسم علی خاں نے وہ کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اس کے خسر میر جعفر نے کی تھی۔ انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پرانا طریقہ کام میں لایا گیا کہ عہد نامہ سابق پر ۲۵ لاکھ روپیہ نقد اور بردوان، میدنی پور اور چٹ گاؤں کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریز جعفر کو چھوڑ کر قاسم کے معاون و مددگار بن گئے۔ اس میں لارڈ کلائیو کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ جعفر کو اصل حال سے خبر نہ تھی۔ قاسم کی نظر پھری دیکھ کر انگریزوں کے پاس مشورہ لینے گیا۔ وہاں جعفر تو قید کر لیا گیا اور قاسم علی خاں ناظم بنگالہ مشتہر کر دیا گیا۔ میر قاسم نے اپنے عہدِ حکومت میں عہد نامہ کی تمام دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضرورتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

عالی گوہر کی تخت نشینی

عالی گوہر نے ۲ محرم ۱۱۷۳ھ کو دوبارہ بہار کی طرف رخ کیا۔ سون دریا کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا۔ چار ماہ بعد دہلی سے خبر ملی کہ عماد الملک نے ۸ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ کو عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا[2]۔ دولت خواہوں

---

[1] شاہ عالم نامہ [2] انوار الدین نامہ [3] شاہ عالم نامہ صد ۹۰

کے مشورہ سے ۴ر جمادی الاول کو عالی گوہر نے کھتولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

تاریخ جلوس

زہے شاہ عالی گہر عدل گستر   باو تاج و تخت و نگیں شد مسلم
بروں آں سال جلوس ہمایوں   ز سلطان ہندوستان شاہ عالم[1]

(اولاد علی ذکاء)

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو خیر خواہی کے صلے میں پہلے کو امیر الامرائی اور دوسرے کو وزارت کا خلعت ارسال کیا اور منیر الدولہ احمد شاہ ابدالی کے دربار میں سفیر کر کے بھیجا۔ رسومات جشن جلوس سے فراغت پاکر لشکر نے حرکت کی۔ رام نرائن نے آگے بڑھ کر روکا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی اور زخمی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہی فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے اپنی فوج راجہ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سال بھر تک جھڑپیں رہیں۔ آخر میں کامیابی انگریزوں کو ہوئی۔ جمادی الآخر ۱۱۷۴ھ میں بادشاہ نے موسیو لا فرانسیسی کی معاونت سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد اپنے کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز سردار انہیں لے کر پٹنے چلے آئے اور قلعہ میں ٹھہرایا۔

بادشاہ پچھلی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۱۷۴ھ کو میر جعفر کا داماد میر قاسم جو بنگال کا ناظم مقرر ہو چکا تھا وہ بادشاہ کے پاس پٹنہ آیا اور ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی شرط حاصل کر لی مگر انگریزوں نے اپنی دستخط سے اپنا اور گماشتوں اور دیگر قوم کے تاجروں کا مال روانہ کرنا شروع کر دیا جس سے قاسم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ برباد ہونے لگا۔ پہلے تو اس نے انگریزوں سے شکایت کی۔ مگر جب کسی نے نہ سنی تو اس نے سرے سے اس محصول ہی

---

[1] مفتاح التواریخ صفحہ ۴۴۳ ؎ شاہ عالم نامہ

کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ جب تمام اقوام کے بتجارہ کو محصول کی معافی ہو گئی تو انگریزوں کی دوسروں سے اندرونی طور پر وصول کرنے والی دستبرد جاتی رہی میر قاسم کو بے رُخی سے دیکھا اور دھمکایا کہ بجز ہماری قوم کے دوسری قوموں پر محصول معاف نہ ہونے پائے۔

الٰہ آباد کا قیام منیر الدولہ احمد شاہ دُرانی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی بحالی کا مژدہ سُنایا۔ شجاع الدولہ اور نجیب الدولہ نے استدعا کی کہ الہ آباد آکر مقیم ہوں۔ بادشاہ خود انگریزوں کی نگرانی سے بچنا چاہتے تھے۔ آخر شوال ۱۱۷۵ھ کو پٹنے سے روانہ ہو گئے۔ ۱۶ر ذی قعدہ کو شجاع الدولہ استقبال کے لئے حاضر ہوتے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا اور ۵ر ذی الحجہ کو الہ آباد لے آئے اور یہاں شجاع الدولہ اُن پر مسلّط ہو گیا۔

دو اڑھائی سال شجاع الدولہ شاہ عالم کو لئے پھرا۔ مرہٹوں سے بندیل کھنڈ میں مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ ۱۱۷۵ھ میں شکست پا گئے۔ بادشاہ وزیر کی ترقی کی بہاریں دیکھ رہے تھے[1] خلعتِ وزارت شجاع الدولہ کو مرحمت کیا۔ جھانسی کا قلعہ فتح کر کے الہ آباد آ گئے۔

بکسر کی جنگ میر قاسم کی انگریزوں سے چل گئی تھی۔ ہر دو میں آخر ش مقابلہ ہوا۔ شکست پا کر شجاع الدولہ کے پاس الہ آباد آیا۔ وزیر بظاہر استعانت اور بباطن بنگال پر اپنا قبضہ جمانا چاہتا تھا۔ بادشاہ کے پرچم کے نیچے عظیم الشان لشکر اکٹھا کیا اور بنارس کی طرف انگریزوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔

۲۶ر ربیع الثانی ۱۱۷۸ھ کو بکسر میں قاسم اور شجاع الدولہ کی فوج نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی جس میں کثرت سے انگریز کام آئے۔ یہ کمک جو اودھ سے آئی تھی اس میں بسبب اُس کے کہ بنارس ماتحت اودھ تھا مہاراجہ بنارس بھی شریک تھا۔ جب موقع جنگ میں انگریزوں کی حالت ابتر ہونے لگی تو انہوں نے مہاراجہ بنارس کو توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنے آقا کی فوج میں بے لڑے انگریزوں کو گھس آنے

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۷۰۔

دیا اور یہی جنگ بکسر کی جنگ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔

شجاع الدولہ جان بچا کر نوابان روہیل کھنڈ کی خدمت میں آ گیا۔ یہاں اُن کی بڑی خاطر و مدارت ہوئی۔ اب بادشاہ بے یار و مددگار تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی حفاظت میں دیدیا اور الہ آباد واپس چلے آئے۔

بکسر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر گئی۔ اب تک انگریز ہندوستان میں تجارت کرتے تھے۔ اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

شجاع الدولہ اور انگریز

شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ اور ۴۰ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے دو صوبے الہ آباد اور کوڑہ شاہجہان آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دیئے جانے پر صلح کر لی۔ بادشاہ کا قیام الہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔ اس عرصہ میں میر قاسم کے بجائے میر جعفر دُنیا سے چل بسا۔ انگریزوں نے اُس کے بیٹے نجم الدولہ کو مسند نشین کیا۔

اب گذشتہ عہد ناموں پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ نائب صوبہ انگریز کے مشورہ سے مقرر ہُوا کرے گا اور بلا اجازت اُن کے موقوف نہ ہو سکے گا۔

غرضیکہ چند روز تک انگریزوں نے اپنا آوردہ نائب صوبہ بنا کر اس جھگڑے کو بھی الگ کیا۔ صرف نجم الدولہ برائے نام ناظم رہے۔ ۲۶ لاکھ سالانہ میر جعفر کی طرف سے شاہ دہلی کو جاتا تھا خود برابر اور بدستور وعدہ پر بہانۂ اُٹھ لیبہ، بنگال کی دیوانی کا فرمان ۲۴ صفر ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء کو حاصل کر کے نظامت کا جھگڑا بھی ختم کر دیا۔

شاہ عالم الہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے۔ نگران انگریز تھے۔[۱] اور اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کھانے کے شجاع الدولہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

سات برس بادشاہ الہ آباد میں رونق افروز رہے۔ امراء نے رنگ رلیوں میں لگا کر جی بہلانے کا سامان مہیا کر دیا۔

---

[۱] سیر المتاخرین صـ۔

بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری

عیش وعشرت کی بانسری الہ آباد میں بج رہی تھی۔ کچھ دن بعد دل گھبرا گیا۔ دلی جانا چاہتے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے دوآبے کے کچھ اضلاع دے کر صلح کر لی تھی۔ کیونکہ مادھوراؤ پیشوا ۸۰ ہزار فوج سے جاٹوں پر آگرا۔ جواہر سنگھ راجہ بھرت پور مر چکا تھا کچھ دن ہوئے تھے نول سنگھ گدی نشین ہوا تھا اس کو شکست دیتا ہوا ۱۱۸۳ھ میں دہلی آیا ادھر سکھ دوآبے میں لوٹ مچا رہے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے صلح کر لی وہ فرخ آباد چلتے بنے۔ تھوڑا عرصہ نہ گذرا تھا۔ رجب ۱۱۸۴ھ کو نجیب الدولہ انتقال کر گئے۔ مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ باندھا۔ تجویز یہ تھی کہ فی الحال شاہ عالم کو ہاتھ میں لیا جائے اور درخواستیں آنے لگیں کہ آپ اپنی موروثی راجدھانی کو چھوڑتے ہوئے کیوں الہ آباد پڑے ہیں۔ ضابطہ خاں خلف نجیب الدولہ مرہٹوں کے ساتھ فرخ آباد جاتے ہوئے اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ بادشاہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی کے خلاف دلی روانہ ہو گئے۔ فرخ آباد آکر مقیم ہوئے۔ یہاں مرہٹہ سردار آکر قدم بوس ہوئے۔ نواب فرخ آباد نے نذرانہ پیش کیا۔ وہ منظور کرتے ہوتے ہوتے ۲۹ رمضان ۱۱۸۵ھ ۵ مئی ۱۷۳۹ء کو دہلی میں تشریف لائے [1]

نواب ضابطہ خاں مرہٹوں کی راہ میں ضابطہ خاں ایک زبردست کانٹا تھا۔ سمجھتے تھے کہ یہ روہیلوں کا بڑا سردار بھی ہے لہٰذا انہوں نے شاہ عالم کو ابھارا کہ ضابطہ خاں پر حملہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ بادشاہ ان کے ہاتھ میں کھیل رہا تھا نہ تو اس کو اس کی پرواہ تھی کہ یہ جماعت حکومت مغلیہ کی درپے ہے اور اس سے زیادہ نجیب الدولہ کے جو احسانات تھے وہ سب بالائے طاق رکھ کر شوال ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۲ء میں روہیلوں کے تباہ کر دینے کے ارادے سے اپنی فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ اس

---

[1] وقائع عالم شاہی و ایسٹ انڈیا کمپنی کا ریکارڈ۔

فوج کشی کا ضابطہ خاں مقابلہ نہ کرسکا۔ سکھر تال میں قلعہ بند ہوا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کی پناہ میں گیا۔ مرہٹوں نے خاندانِ نجیب الدولہ کی جملہ افراد بچوں، عورتوں تک کو پکڑ کر قید کیا۔ مال اسباب لوٹا۔ شاہ عالم اپنے سامنے مخدرات روہیلہ کو ذلیل و خوار ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔[1]

غوث گڑھ کے علاوہ پورا سہارنپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا۔ بادشاہ ماہ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ میں فتح و کامرانی کا پرچم اڑاتے ہوئے شہر میں رونق افروز ہوئے۔[2]

مرہٹہ کامیاب ہوئے مگر انھوں نے مال میں سے بادشاہ کو کچھ حصہ نہ دیا۔ آخرکار بادشاہ نے کچھ سوچ کر نول سنگھ جاٹ کی سرکوبی کے لئے ان مرہٹوں کو روانہ کیا اور مرزا نجف خاں ایرانی جو اپنے بھائی روہیلوں کو تباہ کرنے میں مرہٹوں سے زیادہ بازی لے گیا تھا اس کو بخشی فوج مقرر کیا۔ مرہٹوں سے نجات کی صورت بادشاہ نے یہ نکالی تھی مرزا نجف خاں نے مغل فوج کی بھرتی شروع کی۔ مرہٹے تاڑ گئے۔ انھوں نے فوراً ہی ضابطہ خاں سے سازباز کرکے معقول تاوان کے بدلے میں امیر الامرائی دلانے کا وعدہ کرلیا۔ ٹکوجی جاٹوں کو نظرانداز کرکے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ ضابطہ خاں کو امیر الامراء بنایا جائے۔ بادشاہ ٹال مٹول کرنے لگے۔ بزورِ شمشیر مرہٹوں نے ضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کرایا

---

[1] نجیب التواریخ قلمی (ملک بیت المصنفت علی گڑھ) [2] جام جہاں نما صفحہ ۷۹ جلد ۲

[3] ضابطہ خاں بڑا بہادر شخص تھا مگر بادشاہ کی تلون مزاجی اور امرائے سلطنت کے سازباز سے وہ حکومت مغلیہ کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اپنے والد کے ہم خیال ہوتے ہوئے اس نے چاہا پھر مرہٹہ اقتدار نہ بڑھے مگر اس کی تدابیر بروئے کار نہ آئیں۔ ذی علم اور اہل اللہ کا گرویدہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحب زادگان کی خدمت ہر طرح سے کرتا رہتا تھا اور حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کا معتقد ہی نہیں بلکہ مریدِ خاص تھا۔ مناقب فخریہ میں ہے:۔

"اُو در حسن اعتقاد مردے بود بے نظیر در سعادت ازلی یکتائے روزگار بود"۔[4]

[4] مناقب فخریہ صفحہ ۳۸۔

اور جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی۔ بادشاہ لاچار تھے اور اُن کے اشارے پر چل رہے تھے۔ سنہ ۱۱۸۶ھ میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیرداری بھی اپنے حق میں لکھوالی۔ اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ روہیل کھنڈ پر اُن کا نزلہ ڈھلا۔ لُوٹ مار، غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ یکایک نارائن راؤ پیشوا کے مرنے کی خبر نے مرہٹوں کو فکرمند کر دیا۔ وہ روہیلوں سے صلح کر کے دکن جانے کو ہوئے۔ بادشاہ سے من مانی شرائط منوا کر دکن گئے۔

ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی

مرزا نجف خاں کے دن پھرے۔ یہ ایران سے آ کر محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد کا ملازم رہا۔ اس کے بعد میر قاسم کا متوسل بنا۔ منیر الدولہ کے توسط سے الہ آباد میں شاہی ملازمت اختیار کر کے دہلی چلا آیا۔ اُس نے اپنی بہادری اور تدبر سے ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب حاصل کیا۔[1]

پہلے جاٹوں کا زور توڑا پھر بادشاہ کی شہ پر ضابطہ خاں کے مقابلہ کو آیا۔ سکھوں اور روہیلوں کے متحدہ لشکر سے خونریز جنگ کر کے ۹ رمضان سنہ ۱۱۹۰ھ کو نواب ضابطہ خاں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو روہیلوں کی مذکورہ لڑائی تباہی و بربادی کے صلہ میں امیر الامراء اور نائب وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اب نجف خاں نے ہاتھ پیر نکالے۔ ایران سے لوگوں کی آمد شروع ہونے لگی۔ دلی میں چند دنوں کے عرصہ میں ایرانی، ایرانی نظر آنے لگے۔ اپنے مسلک کی ترویج عام کر دی۔ رہے سہے اسلامی شعائر مٹنے لگے۔ نئے نئے مشغلے شروع ہو گئے۔ بے غیرتی بڑھی ہوئی تھی۔

---

[1] مرزا نجف خاں شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا اُس نے اپنا نائب وزیر مقرر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے بھی اسکی سفارش کی کیونکہ وہ انگریزوں کا ہمنوا، مرہٹوں اور روہیلوں کا دشمن تھا۔[2] ادھر اسکو جاٹوں کی خودسری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

[2] تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص ۳۲۴ ۔

قوم کی حمیت وغیرت نے دوسری کمزور اقوام کو اُبھرنے کا موقعہ دیا۔ سکھوں نے پھر زور باندھا اور دوآبے سے لے کر لاہور تک قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ شاہ عالم نے مجدالدولہ کو اُن کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ شکست کھا کر دلی بھاگ آیا۔ مرزا نجف خاں آگرہ تھا بادشاہ نے اُسے دلی بُلایا د ۱۱۹۳ھ کو مجدالدولہ گرفتار ہُوا اور اُس کی خدمات مرزا نجف خاں کے سپرد ہُوئیں۔

مرزا نجف خاں جہاں اپنوں کے لئے متعصب تھا وہاں شجاع اور بہادر بھی تھا۔ اُس نے سکھوں کی تنبیہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ ۱۱۹۵ھ میرٹھ میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا۔ شاہی لشکر جیت گیا۔ سکھوں کا سردار پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کھیت رہا۔ پھر سے لاہور تک کا علاقہ مغل حکومت کا مطیع ہُوا اور پھر نئے سرے سے سکہ بیٹھ گیا۔

چنانچہ مرزا ۱۷۷۴ء میں روہیل کھنڈ کی مہمات میں مصروف رہا۔ اُس نے اکبرآباد کا قلعہ جاٹوں سے لے کر محمد بیگ ہمدانی کے سپرد کیا۔ جاٹوں کے راجہ رنجیت سنگھ کو اس کا بڑا داغ تھا اُس نے دس ہزار فوج جمع کی اور سکندر آباد پہنچا۔ دلی میں اُس وقت صرف پانچ ہزار سوار اور دو پلٹنیں سپاہیوں کی تھیں جن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی، شکست کھا کر واپس گیا۔ پھر چین نہ پڑا تو شمرو فرانسیسی کو ساتھ لے کر آیا۔ مرزا روہیل کھنڈ سے آگیا تھا۔ وہ ۱۷۷۴ء میں سرکوبی کو روانہ ہو گیا۔ کھر بانہ سے سردار نجف قلی خاں دس ہزار سپاہ کے ساتھ آگیا۔ یہاں دلی میں مجدالدولہ عبدالاحد خاں فتنہ اٹھا رہا تھا کہ آصف الدولہ نواب وزیر کا وکیل لطافت خاں پانچ ہزار سپاہ سے پہنچ گیا۔ اُس نے مجدالدولہ کی تدبیریں چلنے نہ دیں۔ مرزا نجف خاں ہوڈل میں پہنچا۔ وہاں سے جاٹوں کو رگیدتا ہُوا ڈیگ تک گیا۔ شمرو نے بھی زور لگایا مگر مرزا کی شجاعت سے مُنہ کی کھانی پڑی۔

قلعہ ڈیگ ۱۷۷۶ء میں مرزا کے ہاتھ آیا۔ چند لاکھ روپیہ نقد اور بہت کچھ آگرہ کی لُوٹ کا مال ملا۔ جاٹ بے سروپا بھاگے۔ کمھیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ اب جاٹوں کے پاس صرف تین قلعے رہ گئے تھے۔ بھرت پور کی راج گدی نجف خاں نے (کیونکہ رانی نے اس کو بھائی کہا تھا) اس بنا پر اُس کے لڑکے کو عطا کی اور تمام جاٹوں کی بستیوں میں دادودہش سے اسلام پھیلایا۔ لطف یہ ہے

کہ وہ بیشتر سادات کے زمرہ میں شمار کئے جانے لگے۔ وہاں سے لوٹ کر دلی آیا[1]

مرزا نجف خاں کی موت اس بہادر نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد سے حکومت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔ امراء میں پھوٹ پڑ گئی۔ مرزا کے متوسلین میں سے محمد شفیع خاں اور افراسیاب خاں میں امیر الامرائی کی رسہ کشی ہونے لگی۔ یکے بعد دیگرے امیر الامراء ہوئے۔ اس اثناء میں مرزا جواں بخت ولی عہد نے جو رنگ امراء کی چپقلش کا دیکھا تو اس نے چند امراء کو موافق کر کے بادشاہ کو ان کے پھندے سے نکالنا چاہا اور امیر الامراء بن کر انتظام سلطنت کرنے لگا۔ بادشاہ سلامت شکرانے کی نماز دوگانہ ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ خیرات و مبرات بہت کی گئی مگر محمد شفیع اور افراسیاب خاں دونوں میل کر گئے۔ بادشاہ پھر ان کے قبضہ میں آ کر شاہ شطرنج بن گیا۔ ولی عہد کو جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو طوفانی شب میں دہلی سے راہ فرار اختیار کی۔ رام پور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے[2]

مادھوجی سندھیا مادھوجی سندھیا اور مرزا شفیع خاں امیر الامراء میں خفیہ معاہدے ہو چکے تھے کہ وہ دلی پر اقتدار قائم کرے اور امیر الامراء نے پورے طور پر مدد دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ سندھیا ایک بڑی فوج لے کر چمبل کے شمال ہی میں پہنچا تھا کہ اس نے شفیع کی موت کی خبر سنی۔ سندھیا نے دہلی دربار میں خطوط بھیجے۔ جس میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ شاہی خاندان کی شان و شوکت از سر نو قائم کرنا چاہتا ہے جو ایک چال پر مبنی تھی اور یہ صورت اپنی ریاست سے قریب میں رکھنے کی پیش کی کہ شاہ عالم معہ اپنے دربار کے چلے آئیں جہاں وہ سلطنت کے کاروبار کو مختلف جماعتوں کے اطمینان کے مطابق طے کر سکیں اور اس نے امیر الامراء افراسیاب خاں کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا۔ افراسیاب نے بلا سوچے سمجھے سندھیا کا آلہ کار بن کر بادشاہ کے سامنے یہ صورت پیش کی اور اس کی موافقت میں بادشاہ کی رائے کو مائل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

---

[1] تاریخ بھرت پور از مولوی رحیم بخش جے پوری قلمی [2] وقائع عالم شاہی

شاہ عالم آگرہ جانے پر راضی ہو گئے اور روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر مادھو سندھیا بڑھتا ہوا دلی تک آگیا اور افراسیاب کو مشورہ کے لئے بلایا اور خیمہ میں دھوکے سے قتل کرا دیا۔

مادھو سندھیا کا اقتدار بادشاہ نے پیشوا کو وکیل مطلق کیا اور مادھو گوالیری کو نائب کا منصب مرحمت کیا۔ مادھو جی نے بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امراء کی باہمی شکر رنجیوں سے فائدہ اٹھا کر آگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کیا اور بادشاہ کی ۶۵ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امراء کی جاگیریں ضبطی میں لائی گئیں۔ یہ دن تھا جس دن مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہوا۔ بادشاہ مرہٹہ ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے برلج رہے تھے اور مادھو کے مناقب فرما رہے تھے ؎

ملک و مال سب کھوئے کر پڑے تمہارے بس
مادھو ایسی کیجیو آوے تم کو جس

مسلمانوں میں حکومت کے اس ناگوار واقعہ نے غم و غصہ کی ایک لہر پیدا کی۔ اتفاقیہ راجہ پرتاپ سنگھ والئے جے نگر برسر پرخاش ہوا اُس سے لڑنے مادھو سندھیا گیا۔ عین موقعہ جنگ میں اُس کے سرداروں نے سندھیا کو دھوکہ دیا اور اُس کو شکست اٹھانا پڑی اور گوالیار کا راستہ لیا[1]

روہیلوں میں بے چینی بادشاہ کے مذکورالذکر واقعات نے روہیلوں میں عام بے چینی پیدا کر دی اور مشورے ہونے لگے کہ کس طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو چھڑایا جایا اور رہی سہی جو حکومت ہے وہ بچا لی جائے۔ نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے سازباز کیا تھی کہ شہرت یہ اُڑی کہ وہ سکھ ہو گیا۔ آخر ش نجف خاں کے ہاتھ سے اُس کی تدبیریں خاک میں ملیں۔ اس کا بیٹا غلام قادر تھا۔ یہ مرہٹوں کے ساتھ غوث گڑھ کی تباہی کے بعد سے تھا

---

[1] تاریخ ہندوستان ۹، ۳۳۱، ۳۳۴۔

مرہٹے ضابطہ خاں کے بیوی بچے پکڑ لائے تھے۔ بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کرا دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی۔ عمر اس وقت ۹، ۱۰ سال کی تھی۔ یہ بہت خوب صورت اور حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے منظورِ نظر بنا کر خصی کرا دیا اور قدسیہ باغ میں رکھا گیا۔ بادشاہ بھی اب رنگ رلیوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دن رات ناچ گانا ہوتا۔ چنانچہ غلام قادر کو زنانے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جاتا۔ جب تک نادان رہا سب بادشاہ کے ظلم سہے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملا[1]

واقعات نواب غلام قادر

ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر جاگیر پر قابض ہوا۔ اس کو بادشاہ سے ایک گونہ دشمنی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے تھی جس نے غوث گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ چنانچہ منظور علی خاں ناظر قلعہ معلیٰ تے جو مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آچکا تھا۔ غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دہلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم کیا جائے۔

مادھو سندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقعہ پا کر کچھ جاں نثار روہیلوں کو ہمراہ لیکر غلام قادر دلی پر چڑھ دوڑا۔ منظور علی خاں ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کرا دیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر الامرائی حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ ہو گئے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڑھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد اسمٰعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۲ رجب ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۷ء کو زبردست جنگ ہوئی۔ اس میں مسلمانوں نے دادِ شجاعت دی۔ اسی اثنا میں سہارنپور سے اطلاع آئی۔ یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے چیرہ دستی شروع کر دی۔ اس خبر پر غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ میں واپس جانا پڑا۔

---

[1] واقعات مظفری و نجیب التواریخ صفحہ ۱۵ قلمی۔

امراء کی کشیدگی آغاز ۱۲۰۲ھ میں غلام قادر خاں دلی آیا۔ شاہ عالم نے پھر سندھیا کو کمک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا۔ اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امراء بگڑ بیٹھے اور غلام قادر کے شریک اور ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اُس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور پھر امیرالامراء اس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو خزانہ شاہی ہے اس میں سے اس قدر روپیہ مرحمت فرمائیے تاکہ نئے سرے سے فوج بھرتی کی جائے اور اتنی طاقت آپ کی ہو جائے کہ آپ کا وہ ملک جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں مرہٹوں کو دیا ہے واپس لے کر حکومتِ مغلیہ کی آبرو بچالی جائے۔ تمام اہل کار غلام قادر کی رائے کے مؤید تھے۔ مگر ستیل داس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کیا[1]

شاہ عالم کے اعمال کا ثمرہ غلام قادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے، یہ نہیں چاہتا کہ مسلمان اُمرا کو وقار حاصل ہو اور اُس نے وہ خط نکال کر بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ جو بادشاہ نے مادھو سندھیا کو غلام قادر کے مقابلہ میں مدد کے لئے لکھا تھا۔[2] اس نے شاہ عالم سے کہا کہ اگر اس وقت ان حرکتوں سے درگزر دوں اور فوج کا انتظام کر لوں تو مرہٹہ قوت کو توڑ کر رکھ دونگا۔ میرے دادا نے آپ سے کیسی رفاقت کی اور حکومت مغلیہ کے بچاؤ میں اپنا خون پسینہ ایک کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں اس حکومت کو مرہٹوں کے سپرد کر رہے ہیں۔ مگر بادشاہ نے اس کی التجا کی کوئی شنوائی نہ کی۔ آخر ش اپنی جان اور حکومت مغلیہ کو بچانے کے لئے یہ کیا کہ پہلے شاہ عالم کو معزول کیا اور ۲۲ شوال ۱۲۰۲ھ کو احمد شاہ کے بیٹے بیدار بخت کو تخت پر بٹھایا۔ چونکہ اس کو شاہ عالم کی مرہٹہ پرستی اور اُن کے لکھنے پر روہیلوں سے لڑنے اور اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالنے کا بہت ملال تھا۔ بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پا کر

---

[1] نادرات شاہی صـ ۲۸ [2] تاریخ ہندوستان مذکورہ ۳۳

قلعہ معلیٰ کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ غوث گڑھ کی لوٹ کے وقت اس کے خاندان پر جو کچھ گزری تھی کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گزر گئی [1] غلام قادر کا جوشِ انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔

بادشاہ شاہ عالم کا نابینا ہونا

۷، ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ کو شاہ عالم کو دیوانِ عام میں بلا کر اس سے روپیہ طلب کیا۔ انکار کرنے پر انہیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں۔ غلام قادر کی اس حرکت قبیح پر تمام امراء اور ارکانِ سلطنت اس سے بگڑ بیٹھے اور تمام ہمدردیاں اس سے جو تھیں وہ جاتی رہیں۔ یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میرٹھ چلتا ہوا۔ سندھیا نے رانا خاں کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور اس کو پھر موقع مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے۔ مرہٹہ فوج نے غلام قادر کو گھیر لیا اور ربیع الاوّل ۱۲۰۳ھ میں گرفتار کر کے بادشاہ کے انتقام میں تکا بوٹی کر ڈالی۔ مرہٹوں کی اس کارفرمائی سے شہادت کا درجہ تو اُسے مل ہی گیا۔

سندھیا نے مصلحت سے دوبارہ بادشاہ کو تخت پر بٹھایا مگر کل اختیارات چھین لئے اور اخراجات کے لئے ۹ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دیئے۔

اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے کوئی روہیلہ سردار باقی نہ بچا تھا کہ اُن کی معاونت کرتا اور مرہٹوں کے لئے خوف کا سبب ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم

کچھ عرصہ کے بعد سے ہی مرہٹوں نے وحشیانہ طور سے شاہ دہلی اور دلی والوں کو ستانا شروع کیا۔ مغل بچوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے جو چاہتے کرتے اور جو کچھ اُن کا جی چاہتا قلعہ معلیٰ میں دست اندازی کر کے شاہ کا دل دکھاتے۔ شاہ عالم کی پانچویں بیوی زبدۃ النساء بیگم عاقلہ عورت تھی اُس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ وہ مقررہ رقم کے دینے میں اُلجھن پیدا کرتے ہیں۔ محل کے اخراجات کو سخت تنگی سے پورا کیا جاتا ہے۔ شاہ عالم سے کہا لارڈ ولزلی کے نام

---

[1] نادرات شاہی صفحہ ۲۹۔

خط روانہ کرو اور اب انگریزوں کے ذریعے ان مرہٹوں کے پنجہ سے رہائی پاؤ۔ چنانچہ بادشاہ نے لارڈ ولزلی کو اپنی مصیبت کی داستان لکھی کہ "میری مرہٹوں کی قید میں اور بھی حالت بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن اُلٹی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ مابدولت کی دلی خواہش ہے کہ میں اپنا دستور تمہیں بناؤں یا اُس شخص کو جسے تم پسند کرو۔ میری آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مجھے مرہٹوں کی قید سے رہائی دلاؤ"[1]

لارڈ ولزلی جوں ہی لارڈ ولزلی نے یہ شقہ سلطانی دیکھا بہت خوش ہوا۔ اس کے جواب میں لارڈ موصوف نے بادشاہ کا اطمینان خاطر کر دیا کہ:۔

"آپ گھبرائیں نہیں عنقریب مرہٹوں کی قید سے آپ کو ہم لوگ رہائی دیتے ہیں"[2]

مگر ڈاکٹر جتندر کمار مجمدار ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ دیباچہ "راجہ رام موہن رائے" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مرہٹوں کے ہمنوا فرانسیسی تھے اور وہ سندھیا کے پردے میں روزبروز اقتدار قائم کر رہے تھے۔ پیرن کا توپ خانہ اور فوج اور فرانسیسی مقبوضات جو شمالی مغربی ہندوستان میں تھے۔ سندھیا کی حمایت میں مغلیہ حکومت کے کھنڈرات پر قائم تھے۔ اس بڑھتی ہوئی حالت سے انگریز خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹوں کی آڑ لے کر فرانسیسی بادشاہ کو اپنا آلۂ کار بنا لیں گے۔ گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف کو اختیارات دیدیئے کہ وہ شاہ عالم سے معاہدہ کرے کہ اگر بادشاہ سلامت حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں تو شرائط کے تحت آسکتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کو گورنر جنرل کے نیک ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے مارکیوز آف ویلزلی نے اس مضمون کا خط ۲۳ جولائی ۱۸۰۳ء کو بادشاہ کو لکھا کہ اگر کسی وقت حالات نازک ہو جائیں تو آپ فوراً ہماری حفاظت میں آسکتے ہیں۔ اور اس امر کا بھی یقین دلایا کہ اگر آپ ہماری پناہ میں آجائیں تو ہر اعتبار سے برطانوی

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ از مولوی رحیم بخش دہلوی [2] ایضاً صفحہ ۲۵۶۔

حکومت آپ کا اعزاز قائم رکھے گی اور ایک معقول وظیفہ آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے دے گی۔ اعلیٰ حضرت اس کو خوشی سے منظور کرلیں گے۔" [۱]

کمانڈر انچیف کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ یہ پیغام رازداری کے ساتھ خفیہ طور سے بادشاہ کو پہنچایا جائے تاکہ فرانسیسی افسر کو جو دولت راؤ سندھیا کی طرف سے بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یہ موقع نہ ملے کہ وہ انگریزوں کو بادشاہ سے نہ ملنے دے اور اس طریقے سے ان کی تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے۔ سعید رضا خاں جو دہلی میں دولت راؤ سندھیا کے ریذیڈنٹ کا ایجنٹ تھا اس کام کے کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا۔ مذکورہ خط کے متعلق بادشاہ کا جواب جو سعید خاں کی معرفت بھیجا گیا بہت امید افزا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے بصد شوق اس کا بھی اظہار کیا کہ وہ برطانوی حفاظت میں آنے کے لئے تیار ہیں [۲]

دہلی پر انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انہیں شکست دی۔ دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے لارڈ لیک کو اس جنگ کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل پیوکین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انہوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں دیا صرف جنرل پیوکین صف آرا تھا۔ جب خونریزی کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔ زبدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بضد رہے۔ آخر ش زبدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدانِ جنگ

---

[۱] مقدمہ "راجہ رام موہن رائے" مترجم مولوی سراج الحق بی اے علیگ رسالہ معنف طریح ۱۹۴۲ء
[۲] رسالہ معنف علی گڑھ مارچ ۱۹۴۳ء ص ۹۰۔

کی طرف چلا۔ شاہ کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی۔ وہ بحالت عدم بینائی کیا تیر چلاتے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا۔ چنانچہ زبدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی تیر ہاتھ بلند کر کے مارتے جائیے۔ اسی اثناء میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک شقہ بھجوا دیا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار تھا۔ آخر کش مرہٹہ لارڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوئے۔

۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی۔ لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آ کر عرض کیا۔ حضور آپ مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے۔ زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فرزند دلبند کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارکباد دیتے ہیں۔ لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اُتار کر سلام کیا۔ شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی پلٹنوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ کی سلامی اُتاری اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے[1]

انگریزی قبضہ ۱۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جمنا عبور کر کے دار السلطنت پر قبضہ کر لیا۔

۱۶ ستمبر کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے۔ دہلی کے سارے باشندے جو مرہٹوں کے مظالم کا شکار رہے تھے دولت اُن کی لُٹی تھی۔ عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے۔ ادھر جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی کے باشندے اور بالخصوص" مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا بیان احاطۂ تحریر سے باہر ہے[2] جنرل کو سلطنت کا دوسرے نمبر کا خطاب ملا تھا کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا۔ اب شمالی مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دوآبہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

بادشاہ کی سخاوت باوجودیکہ بادشاہ کی حالت بہت زبوں تھی جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے ہیں شکستہ حالی میں گرفتار، ضعیفی، غربت،

---

[1] تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ [2] مقدمہ راجہ رام موہن رائے صفحہ ۸۹ [3] ایضاً

عدم بصارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی گذشتہ عظمت پر آنسو بہا رہے تھے۔ معلوم ہُوا دولت راؤ سندھیا کا چھ لاکھ روپیہ فرانسیسی کمانڈر دہلی کے پاس تھا جو اُس کے خزانچی شاہ نواز خاں کے پاس موجود ہے۔ کمانڈر انچیف کو بھی اس کی اطلاع ملی انہوں نے ایک مؤدبانہ درخواست بادشاہ کے حضور میں گزاری کہ یہ رقم ہم کو عطا ہو۔ بادشاہ نے اپنی فراخدلی سے بنظرِ عنایت وہ رقم کمانڈر انچیف کے خیمہ میں بھیج دی اور اس کو پیغام بھیجا کہ یہ رقم بطور شاہانہ عطیہ قبول فرمائی جائے۔[1]

ریزیڈنٹ کا تقرر شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے۔ لفٹنٹ کرنل اکٹرلونی جو ڈپٹی جوئینٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربارِ مغلیہ میں ریذیڈنٹ بنائے گئے۔

دو سال جوں توں کر کے گذرے اس اثنا میں ریواڑی پر برطانیہ کی فتح ہوئی تھی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسّرت اور جانبداری کا اظہار کیا۔

افسرانِ برطانیہ میں مشورہ ہُوا کہ شاہ دہلی مدت ہوئی اپنا شاہی وقار کھو چکے ہیں اور اس کو از سرِ نو زندہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر شاہی رتبہ اور وظیفہ کے متعلق اختلاف رونما ہُوا۔[2]

۲۳ رمئی ۱۸۰۵ء کو ریزیڈنٹ متعینہ دہلی کی معرفت بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ ہمارے اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر ہوں گے اور اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی مختصر شرائط یہ ہیں :-

۱ ۔ "وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنا کے داہنی طرف واقع ہے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے بموجب شرائط اقرار نامہ دیدیا جائے اور یہ علاقہ دہلی ریذیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور انصاف کا قائم کرنا مطابق قوانین گورنمنٹ برطانیہ شاہ عالم کے نام سے موسوم ہو گا۔"

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے صہ ۹۱ [2] ایضاً صہ ۹۳ (مصنّف)

۲۔ بادشاہ کو اختیار ہے کہ ایک دیوانی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسر کلکٹر کے دفتر میں رکھیں جن کا کام یہ ہوگا کہ جانچ پڑتال کریں اور بذریعہ رپورٹ بادشاہ کو اس امر کا اطمینان دلاتے رہیں کہ وصول شدہ رقوم مالیات اور وصول مالگذاری میں جو خرچہ ہو رہا ہے اس کا کوئی حصہ خورد و برد نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ عدالتیں دیوانی اور فوجداری کی اسلامی قانون کے مطابق دہلی شہر اور اس آراضی کے باشندوں کے لئے جو بادشاہ کے نام منتقل کردی گئی تھی قائم ہونی چاہئیں اور فوجداری عدالتوں کے سزائے موت کے حکم کی تعمیل اُس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک کہ بادشاہ سے منظوری نہ لے لی جائے اور اس کے سامنے اس قسم کے مقدمات کی روئیداد بھی پیش کی جائے گی کسی عضو کے کاٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔" [1]

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ اور اُن کے خاندان کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے نوّے ہزار روپیہ کا مشاہرہ منظور کیا گیا۔ اگر منتقلہ اراضی کی آمدنی اجازت دے تو یہ رقم ایک لاکھ تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ مذکورہ بالا رقم کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ ہندو مسلمانوں کے خاص تہواروں کے موقعہ پر قدیم رواج کے مطابق دیئے جائیں گے۔

مُغلیہ حکومت کا آخری دَور

سرجے ڈبلو کہتا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت مُغلیہ کی تجویز لارڈ ولزلی جارج بارلو اور مسٹر رچرڈ جانسٹن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے:۔

ڈاکٹر مجمدار لکھتے ہیں :۔

---

[1] مقدمہ راجہ رام موہن رائے مصنف صد ۹۲۔

"یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک پنشن خوار کٹھ پتلی سے گو کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اُس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی، سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا" [1]

غرضیکہ شاہ عالم مدبرانِ برطانیہ کے ایک معززآلہ کار بنے ہُوئے تھے۔ اب یہ قید ایسی نہ تھی کہ اس سے جیتے جی چھوٹنا نصیب ہوتا۔

وفات چنانچہ نومبر ۱۸۰۶ء، رمضان ۱۲۲۱ھ کو اس بادشاہ نے حکومتِ مغلیہ کا بیڑہ غرق کر کے دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کُوچ کیا۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ اوّل کی قبر کے برابر دفن کئے گئے۔

اُن کی حکومت کی کل مدت ۴۸ سال ہے جس میں سے بارہ برس بہادر الہ آباد اور ۱۷ برس بینائی کے ساتھ اور ۱۹ برس آنکھیں کھو کر دِلّی میں گزارے۔ [2]

ولی عہد اوّل

جہاندار شاہ، شاہ عالم کے بڑے صاحبزادہ اصلی نام مرزا جواں بخت تھا۔ ۱۱۶۲ھ میں نواب تاج محل کے بطن سے پیدا ہُوئے جو مکرم الدولہ سید علی اکبر خاں بہادر مستقیم جنگ کی حقیقی بہن تھی [3]

مولوی نظام الدین دہلوی سے تعلیم پائی۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو فارسی دونوں سے کہتے اور جہاندار شاہ تخلص کرتے تھے۔ جہاندار شاہ سخی، خلیق، بامروت، شوخ طبع اور رنگین مزاج تھے۔ جرأت اور ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا چاہا سونڈ سے پکڑ کر وار کرے انہوں نے اتنی مہلت نہ دی اور تلوار کے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

---

[1] مقدمہ راجہ راجہ رام موہن رائے مصنف صفحہ ۹۳

[2] مقدمات نادرات شاہی از مولانا امتیاز علی خاں عرشی ص ۳۲ [3] وقائع عالم شاہی۔

۱۱۷۴ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے پیچھے انہیں نائب السلطنت بنا کر نجیب الدولہ کی سرپرستی میں دیدیا تھا۔ دس بارہ برس تک نہایت حسن وخوبی سے کاروبارِ سلطنت انجام دیتے رہے۔ ۱۱۸۵ھ میں شاہ عالم دلّی واپس آئے تو یہ ولیعہد سلطنت کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ مرہٹوں کے پنجے سے باپ کو چھڑانا چاہا مگر افراسیاب خاں امیرالامراء کے ڈر سے ۲۳ رجمادی الاولی ۱۱۹۸ھ کو رات کو محل سے نکل کر رام پور گئے۔ پھر لکھنؤ آصف الدولہ کے پاس آگئے۔ اس نے آداب اور خدمتگذاری میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آخر میں دلوں میں کدورت پیدا ہوئی۔ جہاندار شاہ بنارس چلے گئے۔ وارن ہسٹنگز نے آصف الدولہ سے ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار نذرانہ مقرر کرا دیا تھا۔ اسی میں گزر بسر کرتے تھے[1] مرزا محمد علاؤ الدین بہادر معروف مرزا بابا کی صاحبزادی جینا بیگم سے عقد کیا۔ ۲۵ رشعبان ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہُوا۔ مرزا بابا شاہ عالم کے چچازاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی تھے۔ جینا بیگم کے بطن سے مرزا مظفر بخت تھے جو بنارس ہی رہے۔ شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادہ اکبر شاہ ثانی اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

شاعری اور شاہ عالم

شاہ عالم کو گو تمام عمر مصائب کا سامنا رہا مگر طبعی رجحان شعر و شاعری کی طرف تھا۔ فارسی اُردو میں شعر کہتے تھے۔ آفتاب تخلص تھا۔ بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے۔ فارسی کلام کی اصلاح مرزا محمد فاخر مکین سے لی۔ اردو میں مشورہ مولوی نور احمد ممتاز سے لیا۔

شاہ عالم کے عہد میں شاعری کی ترقی

گو سلطنت مغلیہ مٹ رہی تھی لیکن اردو زبان سنورتی جاتی تھی۔ اُردو کے جتنے بڑے استاد ہیں وہ اسی زمانہ میں پھلے پھُولے۔

کلیم، میر، سودا، مصحفی گو جب شاہ عالم دلّی آئے یہ لوگ جا چکے تھے حکیم ثناء اللہ خاں فراق شاگرد میر درد، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، شاہ ہدایت، میاں شکیبا، مرزا

[1] واقعات اظفری (دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۵۳)

عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا، میر قمر الدین منت، شیخ ولی اللہ محب جیسے حضرات کا دور دورہ تھا جو رفعت شاعری کے علاوہ شاہی دربار میں خاندانی اعزاز بھی رکھتے تھے۔

یہی زمانہ تھا کہ سید انشاء اللہ خاں دلی آئے۔ دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا۔ جس کے سجادہ نشین شاہ عالم خود تھے۔ حضرت نے شاعرانہ قدردانی کے لحاظ سے اس نوجوان پر خلعت و عزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا اور سید انشاء اللہ اہلِ دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطائف وظرائف سے ایک چمن زعفران تھا۔ گل افشانی کر کے محفل کو لوٹ دیتے تھے۔[1] کچھ عرصہ بعد یہ دلی سے چلتے ہوئے۔ آزاد دہلوی نے لکھا ہے کہ شاہ عالم بڑے مشاق شاعر تھے۔[2] مولانا عرشی رام پوری لکھتے ہیں:-

"ان کے شعروں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں پیچ دار خیالات، مشکل فقرے یا لفظ اور دور از کار تشبیہیں نہیں ملتیں۔ ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے۔ جو کچھ دل پہ گزرتی ہے خوشی ہو یا رنج آرام ہو یا تکلیف اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں شان و شکوہ کم مگر اثر زیادہ ہے۔[3] طرز ادا کی سادگی اُردو، فارسی، ہندی تینوں زبانوں کے اشعار میں یکساں پائی جاتی ہے اور یہی حال اُن کے خیالات کی صفائی کا ہے۔ رہ گئی زبان تو وہ قلعہ معلی کے ممتاز رکن تھے اُن سے زیادہ نتھری اور پاک صاف اردو کون لکھ سکتا تھا جو سند کا درجہ رکھتی ہے"۔

تصانیف

مغل بادشاہوں اور شہزادوں کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا۔ بابر اعظم مرزا کامران جہانگیر، دارا شکوہ، عالمگیر ثانی جن کی دو کتابیں مجموعہ روزگار، منتخب عزیزی یادگار سے ہیں۔ شاہ عالم کی تصانیف دیوان فارسی

---

[1] دیباچہ نادرات شاہی صفحہ ۳۹، ۱۴ [2] آب حیات صفحہ ۲۶۳ [3] دیباچہ نادرات شاہی۔

دیوان اردو، منظوم اقدس (مثنوی) قصہ شاہ شجاع الشمس، قاسم نے لکھا ہے کہ یہ نثر ریختہ میں تھا۔ مولوی ذکاء اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی عبارت چار درویش جیسی نہیں ہے۔
نادرات شاہی، اردو، فارسی، ہندی، پنجابی شعروں کا مجموعہ ہے۔ مولانا امتیاز علیخاں عرشی رام پوری نے مع دیباچہ کے اس کتاب کو مرتب کر کے شائع کرادیا ہے۔

علمائے عہد اور شاہ عالم | شاہ عالم کے زمانہ میں علماء اور مشائخ مسلمانوں کی زبوں حالی کی اصلاح میں لگے ہوئے تھے۔ شاہ فخر الدین بادشاہ کو اس کی اصلاح کے لئے ارشاد کرتے ہیں۔ چنانچہ مناقب فخریہ میں ہے :۔

"سلطان عصر (شاہ عالم) تا بذاتِ خود بہ امورِ ملک ستانی و ملک داری متوجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نہ کند بندوبست بہ ہیچ وجہ صورت نمیگیرد۔"

حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے شاہ صاحب ان کو آگاہ فرماتے ہیں :۔

"اگر مامور و مختار و نائب سلطنت نماید امرائے دیگر ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نہند و بے خبر پے بردگی با سلطان می گردد و رعب سلطان ہر کہ و مہ نمی ماند و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آں امیر شد او را می شناسد و سررشتہ تعلق شان از سلطان منقطع می گردد و در دماغ امیر ہوائے انا ولا غیری می پیچد و گاہ باشد کہ بر سر می آرد در سلف اکثر ہمچنیں شدہ است۔" [1]

آگے فرماتے ہیں :۔

"پس اول مقدم ایں ست کہ آں صاحب بذاتِ خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔"

آپ کے سامنے فتنے اٹھ رہے تھے۔ سکھوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی اور بادشاہ کا

---

[1] مناقب فخریہ صفحہ ۳۵، ۳۶۔

تغافل بڑھا ہوا تھا۔ ایک دن خود دربار میں تشریف لے گئے اور فرمایا :۔

"بہ تنبیہ آنہا (فتنۂ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در ضمن آں است"۔

سکھوں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ گئی تھیں۔ دہلی کے علماء کے خاندان ہراساں و پریشان تھے۔ بڑے خاندانوں کو عزت و ناموس کا خطرہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھا :

ایام برد اتت فالقلب منجزع　　من قوم سکھ وان الخوف معقول

ترجمہ "سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے"۔

تذکرہ شاہ ولی اللہ میں مولوی رحیم بخش دہلوی نے پورا خط نقل کیا ہے۔ اس عہد کے علماء کی بے عزتی مرزا نجف خاں کے ہاتھوں ہوئی۔

شعراء کا جھمگٹا

دہلی میں ان دنوں اردو شاعری شباب پر تھی، آئے دن مشاعرے ہوتے تھے۔ میر تقی میر کے یہاں مشاعرہ ہوتا۔ اس کے بعد میر ممنون نے اپنے یہاں شعر و شاعری کی محفل جمائی مگر مرہٹہ گردی نے صحبتوں کا لطف اٹھا دیا تھا۔

دلی کی شعر و شاعری کی سبھا کا اجاڑ

دلی میں جاٹ گردی نے امراء تو امراء ارباب فضل و کمال کو بھی چین نہ لینے دیا۔ کوئی مرشد آباد و عظیم آباد گیا کوئی دکن پہنچا جن میں دوری کی سکت نہ تھی وہ فرخ آباد اور فیض آباد سدھارے۔

نواب شجاع الدولہ کو محمد خاں خاں شوستری کی بیٹی امۃ الزہرا بیگم جو محمد شاہ بادشاہ کی منہ بولی بیٹی تھیں بیاہی تھیں اُن کی سیر چشمی سے آدھی دلی ادھر کھنچ گئی۔ مرزا جواں بخت جو لکھنؤ گئے کچھ شعرا ان کے پاس پہنچے۔ مرزا سلیمان شکوہ کا لکھنؤ میں دوسرا دربار تھا۔ دلی سے جو جاتا اُن کے خوانِ کرم کا مہمان رہتا۔

علامہ سراج الدین خاں علی خاں آرزو دلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ نواب سالار جنگ کے

ہاں دن گزارے۔ میر غلام حسین ضاحک نے فیض آباد جا بسایا۔ میر سوز اور مرزا رفیع سودا دِلی کا بگڑا رنگ دیکھ کر فرخ آباد گئے۔ وہاں نواب مہربان خاں رند نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جب وہاں کا کھیل بگڑا تو فیض آباد، پھر لکھنؤ آ گئے۔"

میر محمد تقی میر نے جاٹ گردی سے گھبرا کر اپنا وطن اکبر آباد چھوڑا۔ کچھ عرصہ دِلی میں خوش وقتی سے زندگی بسر کی۔ بقول صاحبِ گل رعنا وضعداری نے مدتوں ان کو دلی سے نکلنے نہ دیا۔ آخر کب تک؟ وہ گھبرا کر لکھنؤ چلے گئے۔ پھر شیخ غلام ہمدانی مصحفی میر اللہ محب، میر غلام حسین برشتہ، میر انشاء اللہ خاں انشاء اور جرات بھی لکھنؤ پہنچ گئے۔ مرزا قتیل جو ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ساتھ مثل سایہ کے تھے اُن کے مرنے پر دِلی سے منہ موڑ گئے۔ غرضیکہ دلی کی شعر و شاعری کی سبھا اُجڑ گئی۔

علمی دَور شاہ عالم کا ابتدائی زمانہ دلی سے باہر گزرا۔ عالمگیر ثانی کا عہد تھا۔ گو طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ امن چین کہاں مگر علمی ترقی بالخصوص دینیات کی وسعت پذیری تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان علمی بساط بچھائے ہُوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں رونق پر تھیں۔ اقطاعِ ہند سے طالبانِ علم و حدیث و قرآن آ کر فیض یاب ہو رہے تھے۔ قال اللہ و قال الرسول کی گرم بازاری تھی۔ یہی زمانہ تھا کہ حضرت شاہ فخر الدین دکن سے دِلی آئے اور اجمیری دروازہ کے باہر امیر غازی فیروز جنگ کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ علومِ معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہائے۔

"سینہ ہائے کنوزِ حقائق و دلہائے معاون معارف گشت خفتگان بیدار و بیہوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں با اثر گردیدند۔"[۱]

آپ کے شاگرد مولانا سید احمد بھی درس دیتے تھے۔ میر بدیع الدین حضرت شاہ عبدالرحمٰن

---

[۱] مناقب فخریہ صد۔

ملکوہی آپ کے شاگردوں میں نامور تھے۔

غرضیکہ ملکی بدامنی اور اخلاقی پستی کے زمانہ میں بھی علماء درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مخالف ہوا تیز و تند لیکن یہ لوگ اپنا چراغ جلا رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد کے علمی چرچوں کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

بِهَا مَدَارِسُ لَوطَافَ الْبَصِيرُ بِهَا لَمْ تَفْتَحِ عَيْنُهُ إِلَّا عَلَى الصُّحُفِ

ترجمہ۔ جس طرف نکل جائے ایسے مدارس نظر آئیں گے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری ہوگا۔"

حضرت شاہ فخرالدین اور حضرت شاہ مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ علم طریقت کی بساطیں بچھائے ہوئے تھے۔

ان درسگاہوں نے کثرت سے علماء پیدا کر دیئے اور وہ یہاں سے کامیاب ہو کر جہاں گئے وہاں علم کی ترویج کی۔ شاہ عالم کے عہد میں اُردو میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین حکیم شریف خاں کی سعی کے مشکور ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ نے ڈھائی پارے کی تفسیر فارسی میں لکھی۔

فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کلیم دہلوی نے کیا۔[1] الٰہی بخش اکبر آبادی نے ایک کتاب اُردو میں لکھ کر بادشاہ کی نذر کی۔ اس عہد میں اُردو میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

علمائے کرام

حضرت شاہ فخرالدین ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نبیرۂ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی والدہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد گیسو دراز کی پوتی تھیں۔ ۱۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد میاں، محمد جان، مولوی عبدالحکیم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ بیعت اپنے والد سے فرمائی وہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے۔ ۱۱۶۰ھ میں دلی آئے اور مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں درس و تدریس میں لگ گئے۔ اس کے علاوہ رشد و ہدایت کی محفل الگ جمنے لگی۔ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ ۲۷ جمادی الثانی کو وصال ہُوا۔ تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹

[1] تذکرہ شعرا میر حسن [2] تذکرہ ہمیشہ بہار نصر اللہ قمر۔

حضرت منظہر جان جاناں ابن مرزا جان دہلوی نے، شیخ محمد فضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی۔ تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا شعر و شاعری میں صاحب کمال تھے۔ فارسی میں بیس ہزار اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا دیوان ہے جو خریطہ جواہر سے کم نہیں۔ اردو میں غزلیں اور اشعار کافی ہیں۔ ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک ایرانی نے مرزا نجف خاں کے اشارہ سے اُن کے قرابین ماری، دسویں کو وصال ہُوا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ عمری دہلوی نے باپ سے جملہ علوم حاصل کئے۔ سن پیدائش ۱۱۵۹ھ ہے اور وفات کا ۱۲۳۹ھ۔ تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثنا عشریہ، بستان المحدثین یادگار سے ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ العمری قدس سرہٗ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور چند تصانیف یادگار سے ہیں۔ ۱۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ نے تمام عمر اکبر آبادی مسجد میں گزار دی۔ موضح القرآن ۱۲۰۵ھ میں لکھی۔ تینوں بھائی درس و تدریس میں لگے رہے۔ بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۰ھ میں وصال ہُوا۔ مہندیوں میں دفن ہُوا۔

حافظ فخر الدین محدث نبیرۂ شاہ عبدالحق محدث دہلوی محمد شاہی عہد کے بزرگ تھے۔ عمر کا بقیہ حصہ شاہ عالم کے عہد میں گزرا۔ بڑے فاضل اور عالم اجل تھے۔ صحیح مسلم کی شرح فارسی میں لکھی۔ عین العلم اور حصن حصین کی شرحیں یادگار ہیں۔

مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام ابن حافظ فخر الدین دہلوی فقیہ فاضل محدث کامل مفسر متبحر علامہ عصر تھے۔ علوم اپنے والد شارح صحیح بخاری فارسی سے تحصیل کئے۔ مسند افاضت پر متمکن ہو کر مثل اپنے اجداد کے نشر علوم میں لگ گئے۔ تصانیف میں کمالین حاشیہ تفسیر جلالین۔ محلی شرح مؤطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری، ترجمہ فارسی شمائل ترمذی مشہور ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

---

[1] مناقب فخریہ و گل رعنا وغیرہ۔

مفتی محمد ولی بن مفتی محمد امان بن ابو سعید صاحب بحر الحقائق بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ اور ملا وجیہ الدین گو پاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری۔ ملا معز الدین داماد ملا محمد صالح ہرگامی (جد مولانا فضل امام خیر آبادی کے نواسے تھے تذکرہ علمائے اودھ میں ہے :۔

"او بہ وفور علم و دانش در اطراف و اکناف عالم بغایت مشہور اند و مہارتش در علم فقہ و حدیث ضرب المثل، جمہور علماء نزدیک و دور در مدرسہ پدر بزرگوار خویش پیوستہ باقادہ قیام می نماید و بر عہدۂ افتاء بعد وفات پدر ممتاز شد۔"

فتاوے یادگار سے ہے۔

یورپ میں آپ کے اجداد اور محب اللہ بہاری اور غلام یحییٰ بہاری سے علم پھیلا۔ بنگال اور مدراس میں قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شارح مسلم و دیگر علماء گوپاموی قاضی مجتبیٰ علی خاں بہادر، افضل العلماء قاضی ارتضیٰ خاں بہادر، علامہ عبد العلی بحر العلوم جیسے حضرات سے علم پھیلا اور خوب پھیلا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کی اولاد کے ذریعہ تمام ہندوستان میں علوم کی اشاعت ہوئی۔ مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ خاندان اور شاہ محمد افضل محب اللہ ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، بلگرام میں عبد الجلیل اور غلام علی آزاد، یہ سب خاندان دو تین پشت سے آگے نہ چلے۔ یعنی وہ علمی حیثیت برقرار نہ رہی۔ لیکن بحر العلوم کا خاندان اور مفتیانِ گوپامو دو سو برس تک ایک حیثیت پر قائم رہا اور سینکڑوں علماء و فضلاء پیدا ہوئے۔ مفتی محمد ولی کے صاحبزادے قاضی محمد اسمٰعیل مدراس میں قاضی القضات "نکات تفسیر فارسی" کے مؤلف تھے۔ مفتی محمد ولی کا انتقال ۹ شوال ۱۲۱۰ھ کو ہوا [1]

قاضی احمد علی سندیلوی ابن سید فتح محمد شاگرد و داماد مولانا احمد اللہ سندیلوی"

دانشمند متبحر کثیر الدرس والتصانیف ذکی و ذہین بود از پیشگاہ سلاطین دہلی بعہدۂ قضائے قصبہ سندیلہ عز امتیاز داشت۔" [2]

---

[1] آثار علماء [2] تذکرہ علمائے ہند۔

اُن کی تصنیفات میں حاشیہ میر زاہد رسالہ و حاشیہ میر زاہد ملا جلال، میر زاہد شرح مواقف و شرح سلم العلوم مشہور و معروف ہیں۔ ۱۲۳۰ ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ مولوی حیدر علی سندیلوی، مولانا احمد اللہ کے خلف رشید اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں والد خود اور قاضی احمد علی کے شاگرد تھے۔ عمر کا بڑا حصہ باپ کے ساتھ دہلی میں گزرا۔ آخری عمر میں وطن چلے گئے۔ درس و تدریس جاری کیا۔ مشاہیر علماء افضل العلماء قاضی ارتضا علی خاں گوپاموی، دلدار علی مجتہد لکھنوی، مولوی نور اللہ فرنگی محلی و قاضی جلال الدین آسیونی جیسے شاگرد تھے۔ حاشیہ میر زاہد رسالہ و تعلیقات میر زاہد ملا جلال علمی یادگار چھوڑیں۔ ۶ رجب ۱۲۲۵ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی عبدالحئی دہلوی شاگرد و داماد مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی۔

"در فقہ حنفی دستگاہے کامل داشت"

رسالہ نکاح ایامی و فتاوی متفرق تالیف سے ہیں۔ ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ کو وفات پائی۔ حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی بنیرہ شیخ جلال الدین کبیر پانی پتی سات سال کی عمر میں قرآن مجید اور سولہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ فقہ اور اصول میں مجتہدانہ درجہ حاصل تھا۔ تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ کتب حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ تفسیر مظہری جس کو اپنے پیر طریقت مرزا مظہر شہید کے نام سے لکھی۔

۱۲۲۵ھ میں وصال ہوا۔

ملا عبدالعلی بحر العلوم ابن ملا نظام الدین سہالوی نے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم ۶ بیہ سے فراغت پائی۔ لکھنؤ سے شاہجہانپور گئے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے با اعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا۔ یہاں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کی شہادت کے بعد نواب فیض اللہ خاں نے رام پور بلا لیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہے، دہلی آئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں گئے۔ آپ نے ہی بحر العلوم کا خطاب دیا۔ نواب والا جاہ محمد علی فاروقی گوپاموی رئیس کرناٹک نے خرچ بھیج کر مدراس بلوا لیا۔ جب آپ

مدراس پہنچے تو تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ خود والی جاہ نے پالکی کو کندھا دیا اور دربار میں اپنی نشست پر جگہ دی۔

عالی شان مدرسہ بنوا کر آپ کے سپرد کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا۔ کثیر المقدار کتب ارکان اربعہ در اصول فقہ حاشیہ بر میر زاہد رسالہ حاشیہ بر حاشیہ زاہدیہ بر شرح تہذیب جلالیہ۔ حواشی ثلاثیہ بر حاشیہ زاہدیہ امور عامہ جدیدہ و قدیمہ۔ شرح مسلم مع حاشیہ منہیہ۔ عجالہ نافعہ۔ فواتح الرحموت، شرح مسلم الثبوت۔ تکملہ بر شرح ملا نظام الدین بر تحریر ابن ہمام۔ تنویر الابصار شرح فارسی منار حاشیہ بر شرح صدر شیرازی شرح مثنوی مولانا روم۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ۔

محمد علی والا جاہ امورِ ملکی میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ۸۳ برس کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۲۵ھ کو وفات ہوئی۔

حکماء

علامہ حکیم شریف خاں دہلوی شاہ عالم کے سرکاری طبیب تھے۔ شفاء الملک کا خطاب تھا۔ عجالہ نافعہ، تالیف شریفی، علاج الامراض حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب، ترجمہ فارسی مشکوٰۃ المصابیح، ترجمہ اردو کلام مجید یادگار سے ہیں۔

۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

شاہِ دلّی

محمد اکبر شاہ، شاہ عالم کے بیٹے مبارک محل کے بطن سے بدھ کے دن، ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ میں مکن پور زاہدان میں پیدا ہوئے۔ مبارک محل خاندانِ سادات سے تھیں۔ ذوالحجہ ۱۱۷۱ھ میں شاہ عالم نواب نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے۔ وہیں حبالۂ عقد میں آئیں[1]

اکبر شاہ علومِ رسمی سے واقف تھے۔ اپنے بھائیوں مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ کی طرح ان کو بھی شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ شعاع تخلص تھا مگر زیادہ تعلق صوفیاء کرام سے تھا[2]

شاہ عالم جہاندار شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس فوت ہو گئے۔ جہاندار شاہ انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ اگر زندہ رہ جاتے تو ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اکبر شاہ ثانی کو مرہٹے چاہتے تھے اور اُن سے بہت مانوس تھے۔ اُن کو ولی عہد بھی بنا دیا تھا۔ غلام قادر شہید دِلی سے میرٹھ گیا تو اُن کو ساتھ لیتا گیا۔ جب وہ شہید ہوا تو ان کی جان بچی اور یہ دلی آئے۔ جہاندار کے بعد ہی ولی عہد قرار دیئے گئے۔ انگریزوں نے بھی منظور کر لیا۔[3]

شادی ۱۱۹۵ھ میں شاہ عالم نے اُن کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ امیر الامراء ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی نے دولہا دلہن کو لاکھوں روپے

---

[1] شاہ عالم نامہ صفحہ ۶۳ [2] گلستان سخن مرزا قادر بخش گورکانی۔
[3] تذکرہ عالم مطبوعہ بلاقی داس دہلی (تذکرہ اکبر شاہ ثانی)

کے تحفے نذر کئے۔

ان کی اولاد میں بڑے بیٹے ابوظفر بہادر شاہ تھے جو راجپوت خاتون کے بطن سے تھے۔ دوسرے مرزا جہانگیر تھے جو ممتاز محل کے بطن سے تھے۔

جلوس شاہ عالم ۱۹ر نومبر ۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ میں انتقال کر گئے۔ محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر اس وقت ۴۶ سال کی تھی۔ زیب افروز تخت سلطنت ہوئے تو ریزیڈنٹ و دیگر حکام کمپنی نے مراسم دربار ادا کئے۔ لال پردہ سے باہر روبروئے تخت تین جگہ مجرا کیا۔ عملہ و حبشی و چوبدار اور عصابرداران نے یہ الفاظ "نگاہ روبرو مہابلی بادشاہ" یا "حضرت جہاں پناہ سلامت" مجرا کرایا۔

پہلی عید آئی بادشاہ فیل پر سوار ہو کر عازم عید گاہ ہوئے۔ لالہ موہن لال ملک الشعراء متخلص بہ منعم نے صفت فیلان شاہی میں ایک مثنوی لکھی تھی ؎

فیل مستش چو قلعہ الوند   زدہ پہلو بہ آسمان بلند

جس امیر کے دروازہ سے سواری گزرتی وہ نذر پیش کرتا۔ سر چارلس مٹکاف مخاطب بہ منتظم الدولہ مختار الملک سواری کے ساتھ تھے۔ یہ کمپنی بہادر اور شاہ دہلی کے باہمی تعلقات کی خوشگواری کا ثبوت تھا۔ اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اس میں بادشاہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ آپ کی خدمت اقتدار اور امن و اطمینان کی ضامن ہے۔ بادشاہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش کی کہ شاہ عالم اور لارڈ ولزلی سے جو عہد و پیمان ہوئے تھے اس کی رو سے شاہی وظیفہ میں اضافہ کیا جائے۔ اس لئے کہ سلطنت کے اخراجات بڑھ گئے ہیں[1]۔ وظیفہ کی یہ درخواست درخور اعتنا سمجھی گئی۔

اکبر شاہ کے براہِ راست اور متواتر خطوط پر گورنمنٹ کو یہ حکم دینا پڑا کہ بادشاہ کے خطوط ریزیڈنٹ کی معرفت آیا کریں اور ریزیڈنٹ جن خطوط کو مناسب سمجھے آگے

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے از ڈاکٹر مجمدار (ترجمہ ڈاکٹر سراج الحق مصنف)

بڑھائے ورنہ خطوط کے فائل میں رکھے رہیں۔

پالیسی کی تبدیلی

سر چارلس مٹکاف نائب ریذیڈنٹ تھا۔ اُس کو یہ پسند نہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے بلکہ وہ بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے درپے تھا اور چاہتا تھا کہ مغلیہ خاندان کو لقب شاہی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اکبر شاہ نے ایک وفد جو شیر لعل اور شاہ جی پر مشتمل تھا کلکتہ بھیجا۔ گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے وفد کو ناکامیاب بنا دیا۔ جو تحفے تحائف وفد کے ساتھ گئے تھے وہ گورنر جنرل کے پاس ایرانی سفیر کے ذریعے طلب کئے گئے۔ اس طرح شاہ دہلی کے ادعائے شہنشاہیت کو روک دیا گیا۔ وظیفہ شاہی کے ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دینے کا مطالبہ، ولی عہد کا انتخاب، ضبط شدہ اراضی کی واگذاری اور انتظامی شرائط کی پابندی وغیرہ میں سے اکثر مطالبات کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا۔ مگر بادشاہ نے سلسلہ جنبانی جاری رکھی۔ آخر لارڈ منٹو نے بادشاہ پر رحم کھایا اور بارہ لاکھ سالانہ کی سفارش کی۔ مگر ریذیڈنٹ ریشہ دوانیاں کر رہا تھا۔

دس سال بعد لارڈ ہسٹنگز نے سخت روش اختیار کی اور آدابِ شاہی اور رسوم دربار ختم کر دیئے۔ بادشاہ جو چاہتا تھا وہ نہیں ملا۔ بلکہ مخصوص جشن کے موقعہ پر انگریز حکام نذر پیش کرتے تھے وہ سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے کمپنی کے محروسہ علاقوں پر تاجِ شاہی کا تفوق نمایاں ہوتا تھا۔

القاب و آداب بھی مراسلوں میں ختم کر دیئے۔ سر جے اے کول بروک دلی میں ریذیڈنٹ ہو کر آئے۔ یہ ایک شریف انگریز تھا اس نے اپنے محکمہ کا سر رشتہ دار مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کو کیا[1] بادشاہ نے مفتی صاحب کو خانی کا خطاب دیا۔ کول بروک بادشاہ کا ہمدرد تھا۔ مگر زیادہ عرصے اس کو رہنے نہیں دیا گیا۔

---

[1] تاریخ مفتیان گوپامو مصنفہ مفتی محمد حسن صنہ ۲

۱۸۱۹ء تک گورنر جنرل ایک بڑی مہر جس پر لقب "وفادار اکبر شاہ، یا حلقہ بگوش اکبر شاہ" کندہ تھا۔ استعمال کرتا تھا اور خط جو بادشاہ کو لکھا جاتا تھا وہ عرضداشت یا درخواست کی شکل میں ہوتا تھا۔ اب یہ عبارت متروک قرار دی گئی۔

۱۸۲۰ء میں شاہ انگلستان کا انتقال ہُوا تو بادشاہ نے گورنر جنرل کی معرفت متوفی شاہ انگلستان کی تعزیت اور نئے شاہ کی تہنیت کا پیغام بھیجنا چاہا۔ مگر یہ درخواست نامنظور کی گئی۔

ان واقعات نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ ایک وفد انگلستان روانہ کریں۔ چنانچہ راجہ رام موہن رائے کو مقرر کیا کہ وہ انگلستان جا کر کورٹ میں عرضداشت پیش کریں۔ دربارِ شاہی سے اُن کو راجہ کا خطاب دیا گیا اور گورنر جنرل سے منظوری چاہی گئی جس نے یہ درخواست مسترد کر دی اور اُن کے تقرر کو بھی جائز قرار نہیں دیا گیا۔ مگر راجہ رام موہن رائے ۱۵؍ جنوری ۱۸۳۰ء کو روانہ ہو گئے اور ۸؍ اپریل ۱۸۳۱ء کو انگلستان کے ساحل پر اُترے۔ پہلے تو راجہ کے خلاف اخبارات میں حکام برطانیہ نے بہت زہر اُگلا اور گورنر نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ کیا موہن رائے آپ کا سفیر ہے؟ انہوں نے کہا میرا وکیل اور سفیر ہے۔ وہ جو کچھ وہاں درخواست پیش کرے گا وہ میرے ہی مطالبات کی درخواست ہو گی۔

غرضیکہ وزرائے سلطنت برطانیہ نے شہنشاہ کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عدالت ڈائرکٹران کے ارکان نے رام موہن رائے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور راجہ نے پُرانے مطالبات کی درخواست پیش کی [1] اس کی تفصیل دیباچہ رام موہن رائے میں تحریر ہے۔ غرضیکہ ایک عرصہ تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہُوا۔

پھر ڈائرکٹران نے فیصلہ کیا اور ۱۳؍ فروری ۱۸۳۳ء کو گورنر باجلاس کونسل کو بھیجدیا گیا۔ انہوں نے سب مطالبات کو نظر انداز کرتے ہُوئے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے اضافہ کو

---

[1] تاریخ ملت جلد دہم ص ۔

اس شرط پر منظور کیا کہ اس کے بعد شہنشاہِ دہلی کے ہر قسم کے دعوی ختم ہو جائیں گے۔ اس اضافہ کی تقسیم کا طریقہ گورنر جنرل با جلاس کونسل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر شاہ کو اطلاع دی گئی، اُنھوں نے اظہارِ خیال سے انکار کر دیا۔ جس پر یہ اطلاع کورٹ کو بھیج دی گئی۔ ادھر راجہ سعی بہیم میں لگا ہُوا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا جس سے تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔

اُدھر قرض خواہوں کا تقاضا ہونے لگا۔ بادشاہ نے بے دلی سے رقم مذکور کے لینے کی منظوری دے دی۔ مگر ارباب کمپنی نے اس میں بھی رخنے ڈالے۔ آخر بادشاہ نے نام نہاد اضافہ لینے سے انکار کر دیا اور راضی نامہ کی واپسی چاہی [1]

وفات

بادشاہ کو اربابِ حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اثر لے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا اور جمعہ ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو بعمر ۸۲ سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔ [2]

اُن کے باپ کی طرح اُن کی وفات پر بھی تینوں پریسیڈنسیوں سے ان کے اعزاز میں ۸۲ ضرب توپیں سر کی گئیں۔

اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار

اکبر شاہ ثانی کے عہد کے حسب ذیل انگریز عہدیدار قابلِ ذکر ہیں:۔

ناظم الدولہ سٹین صاحب بہادر ہر سال امرائے دہلی کی دعوت بڑے پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد محفلِ رقص سرود بپا ہوتی کسی نے اُن کے وصف میں کہا ہے:۔

ناظم الدولہ در لباسِ سیاہ — نظرے کن دریں چہ بادیکیست
بہر خلق است او چو آبحیات — آب حیواں درونِ تاریکیست

جنرل آکٹرلونی کا بڑا ادور دورہ تھا۔ پالکی پر نکلتے تھے۔ آگے آگے نقیب الفاظ" دولت

---

[1] دیباچہ راجہ رام موہن رائے۔ مترجمہ ڈاکٹر سراج الحق ایم اے (مصنف)

[2] تاریخ خاندانِ مغلیہ (مطبوعہ مکتبہ نیا کتاب گھر دہلی صہ ۳۰۱)۔

زیادہ نواب نامدار سلامت" بلند آواز کے ساتھ ادا کرتا جاتا. جس جگہ اترتے تھے، "دولت شاد دشمن پائمال" کی صدا ہوتی تھی۔

مرشد اکبر شاہ ثانی

بیعت اکبر شاہ ثانی مولانا فخر الدینؒ سے بیعت تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے:۔ "حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ ثانی با عتقاد تمام مریداں فرزند رشید حضرت فخر صاحب گشتند و بعضے فرزندان و متعلقانِ خود را نیز مرید کنانیدند"

سخاوت اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت نوازی تھی وہاں بیحد سخاوت اور غربا پروری بھی تھی۔ بڑھاپے میں لیتے دیتے زیادہ تھے۔ ایک دن حضرت سلطان جی کے فاتحہ خوانی کو گئے۔ تختِ رواں پر سوار درگاہ میں پہنچے۔ ایک درویش صورت شخص نظر پڑا۔ اُس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ بادشاہ نے بکشادہ پیشانی سلام کا جواب دیا۔ اُس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انھوں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں تخت رواں جنتی کوچہ میں داخل ہُوا۔ ہمراہی آگے پیچھے ہو گئے۔ درویش نما شخص ہاتھ میں ہاتھ لئے چلتا رہا اور ہیرے کی انگشتری اُتارنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ مگر چھنگلی میں سے انگشتری اُتری نہیں۔ چھنگلی میں درد ہونے لگا۔ ہاتھ کھینچ لیا۔ مزار پر حاضری دے کر فاتحہ خوانی کے بعد قلعہ لوٹ آئے۔ ناظر کو حکم دیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر فوراً حضرت سلطان جی میں جاؤ۔ اس شکل وصورت کا درویش ملے گا اس کو میری جانب سے نظر کرنا۔ ناظم حسب الحکم گیا مگر وہ شخص رخصت ہو چکا تھا۔ واپس آکر بادشاہ سلامت سے عرض کیا۔ درویش کا پتہ نہ لگا۔ بادشاہ نے کہا۔ افسوس اس کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتری تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ۔ چھنگلی میں ورم آگیا۔ تین چار روز اُس کی تکلیف اُٹھائی [1]

مذہبی حالت اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں اکثر شعائرِ اسلامی کامل طور سے ختم ہو گئے تھے۔ مشرکانہ رسوم و بدعات ساری جاری تھیں۔

---

[1] نتائج المعانی ص ۲۵۔

نکاح کا طریقہ شرعی ختم ہو چکا تھا۔ شاہ عالم کے عہد سے جتنے نکاح ہوتے تھے نہ ان میں قاضی کی ضرورت تھی اور نہ نکاح خواں کی نہ کسی وکیل اور ایجاب وقبول کی۔ محل میں ڈال لینے کا نام ہی نکاح تھا۔[۱]

ختنے کی اسلامی سنت کو یک قلم اُٹھا دیا گیا تھا تاکہ غیر جنسیت کا خیال تک نہ آنے پائے۔

راج کماریاں تیموری قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کی پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ ٹھاکرجی کو جل پھول چڑھاتی تھیں۔ تلک لگاتی تھیں۔ پھر پرارتھنا کرتی تھیں۔[۲] سینلا کی پوجا کا رواج انہی راجپوتوں کی وجہ سے آیا۔ اکبر شاہ ثانی کی بیوی لال بائی جن کے بطن سے ابوظفر تھے ان کی کارفرمائیاں کچھ کم نہ تھیں۔

قلعہ میں قرآن شریف کے بجائے دیوان حافظ کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ اُس کے اشعار پر حال آتا تھا۔ قلعہ میں سورہ یٰسین کا نام ننانویں سورہ رکھا گیا تھا۔[۳]

ہر بیگم کا کمرہ طبلہ، سارنگی اور بنت عنب کا گہوارہ تھا۔ لطف یہ ہے کہ جو قلعہ میں گیا شہزادیوں اور شہزادے کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ مامائیں، اصیلیں یہاں تک کہ کسبیاں بھی چند روز کے بعد شہزادیاں بن جایا کرتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر یہ لطیفہ تھا کہ شہزادے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جمع ہوتے اور رنگ برنگ کے ڈنڈے آپس میں لڑایا کرتے تھے۔

شاہ عالم کے عہد سے تعزیوں کا زور تھا۔ مرہٹوں کے تغلب و استیلا کے بعد مشرکانہ رسوم بہت رائج تھیں۔

بادشاہ اور اُن کے اہلِ خاندان میں مذہب سے اتنا لگاؤ رہ گیا تھا کہ ہر سال جامع مسجد کے تبرکات، اکبر شاہ ثانی کے لئے قلعہ میں لے جاتے تھے۔ انہیں آنکھوں کو لگایا جاتا اور خدام کو انعام واکرام مل جاتا۔

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ شاہ عبدالغنیؒ کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے اپنے

---

[۱] تذکرہ عالم ص ۲۵۳ [۲] امرائے ہنود ص ۵ از مولوی سعید احمد مارہروی [۳] دہلی ص ۹۰

باپ اور چچا سے کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا درخشندہ آفتاب و مہتاب تھا۔ قوم کی حالت بگڑی ہوئی دیکھی۔ اصلاحِ احوال کا ارادہ کیا۔ پہلی مہم بدعات و محدثات کے خلاف تھی۔ آپ نے تحقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا اور مسلمانوں کی خلافِ اسلام طرزِ معاشرت کی دھجیاں اڑائیں اور ارباب دہلی کے بادشاہانہ طریقوں کو آشکارا کیا۔ اس پر عوام تو عوام علماء بگڑ بیٹھے۔ مگر شاہ صاحب کی عملی زندگی نے اُن کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیا۔

سکھوں کی چیرہ دستیاں بڑھی ہوئی تھیں اور اُن کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ اکبر شاہ ثانی میں سکت نہ تھی جو اس سیلاب کو روکتے۔

شاہ صاحب نے اپنے چچا سے مظالم کی داستانیں سُنی تھیں۔ اس زمانہ میں مولانا سید احمد بریلوی دہلی آ گئے۔ شاہ صاحب اُٹھے، بیعت کی اور علماء کے مشورہ سے مجاہدین کے لشکر کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۸۲۶ء میں جہاد کے لئے روانگی عمل میں آئی۔ تھانیسر ملیر کوٹلہ، ممدوٹ، بہاول پور، حیدر آباد سندھ اور خان گڑھ ہوتے ہوئے قندھار گئے۔ پھر کابل آئے۔ درہ خیبر سے پنجاب آئے۔ راستے میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی نے بیعت کی۔ اکوڑہ پر سردار بدھ سنگھ دس ہزار فوج لئے کھڑا تھا۔ آپ نے اعلان نامہ دربار لاہور کے نام بھیجا۔ بعد ازاں جنگ ہوئی سو سکھ مارے گئے۔ مجاہدین شہید ہوئے۔ غرضیکہ بہت سی جنگیں سکھوں سے متواتر ہوئیں۔

مولانا عبدالحیٔ نے ۱۲۲۶ھ میں بمقام فہر انتقال کیا۔ سکھوں سے مقابلہ تھا ہی لیکن افغان غزنی اور دُرانی آڑے آئے۔ جنگ معیار میں سرحدیوں کو شکست دینے کے بعد مردان پر قبضہ کر لیا۔ یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے معافی مانگ لی۔ آپ نے اس کو پشاور عطا کیا۔ مگر سلطان نے بے وفائی کی اور آپ معہ مجاہدین کے بالاکوٹ آ گئے۔

سردار شیر سنگھ نے کثیر لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس میں شاہ اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی شہید ہوئے۔ سردار شیر سنگھ نے ان شہداء کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ اس واقعہ

کے بعد صرف آٹھ سو غازی باقی تھے۔ شیخ ولی محمد بقیہ گروہ کے سردار مقرر ہوئے۔ اور سرحد میں رہ گئے [۱]

علمی دور دورہ اکبر شاہ کا زمانہ علمی اعتبار سے بہت اچھا تو نہ تھا مگر غنیمت تھا۔ یہ ضرور ہے کہ اکبر شاہ کی طرف سے کوئی درسگاہ قائم نہ تھی۔ نہ علماء کو بخشش قرار و ظائف دیئے جاتے تھے۔ یہ بڑا شرمناک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں دس روپیہ ماہوار نذرانہ پیش ہوا۔ اور اپنی چہیتی کسبی "شکرلب" کو تین سو روپیہ ماہوار دیئے جائیں۔ مگر دلی اس عہد میں خاندان شاہ ولی اللہ کی وجہ سے مرجع اہلِ علم بنا ہوا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے درس جاری تھے۔ دور دور سے طلباء علمی استفادہ کرنے آتے۔ ان کی عمریں اختتام پر پہنچ گئی تھیں۔

اس عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر مولانا فضل امام خیر آبادی ممتاز تھے۔ اپنے فرائضِ ملازمت کی ادائیگی کے بعد منتہی طلباء کو معقولات کا درس دیتے تھے۔ ایک طرف علومِ نقلیہ اور دوسری طرف علومِ عقلیہ کی اشاعت عام تھی۔ یہ ضرور ہے کہ بادشاہ کی ناقدری سے اہلِ علم دلی چھوڑ چھوڑ کر لکھنؤ، رامپور چلے گئے۔ مگر پھر بھی تھوڑے بہت علمی چرچے باقی تھے۔ مولانا فضل امام نے دلی میں "مرقات" لکھی۔ "افق المبین" پر حاشیہ چڑھایا۔

اس کے علاوہ ان دنوں اردو شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے۔ بادشاہ سلامت کو بھی اس سے دلچسپی تھی خود بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ شعاع تخلص تھا۔

دلی اس زمانہ میں آج کی ایسی دلی نہ تھی۔ گو اجڑ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال مرہٹہ گردی سے عاجز آکر دلی چھوڑ گئے تھے۔ اس پر میر، سودا و درد کے تلامذہ نے دلی کی آبرو بڑھائے رکھی۔ سید محمد میر اثر، حکیم قدرت اللہ قاسم، حضرت نصیر الدین نصیر، میر نظام الدین ممنون جیسے دلی شہر میں تھے انکی شاعری کا سکہ رائج تھا۔ اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعراء کا خطاب عطا کیا [۲]

---

[۱] حیات طیبات از مرزا حیرت۔ تفصیل کے لئے سیرت سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر دیکھو۔
[۲] گل رعنا صفحہ ۲۷۲۔

ایسے ایسے ارباب کمال کا یہاں جھمگٹا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔

یہ ضرور ہے کہ لکھنؤ کی گنگا جمنی نہریں یہاں کے شعراء کو لبھا کر وہاں ہاتھ دھونے پہنچا دیتی تھیں۔ مگر وضعدار لوگ دلی سے جانا عار سمجھتے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی اکبر شاہ کے دربار میں قصیدہ لے کر پہنچے۔ ولی عہد ابو ظفر کے شاعری میں نگراں بنے اور قصیدہ کے صلہ میں خاقانی ہند کا خطاب عنایت ہُوا۔

اکبر شاہ ثانی کا آخری وقت تھا اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولانا فضل حق، مرزا غالب، حکیم مومن خاں مومن جیسے حضرات کی جوانی تھی۔ ان حضرات کے کارنامے عہدِ ابو ظفر سے وابستہ ہیں۔

علمائے عہد مولانا فضل امام فاروقی ابن قاضی ارشد بندہ قاضی صدر الدین ہرگامی، مولوی سید عبد الواحد خیر آبادی تلمیذ رشید ملا وہاج الدین گوپاموی سے اخذِ علوم عقلیہ ونقلیہ کیا۔

"بمنصب صدر الصدوری شاہجہان آباد از سرکار انگریزی امتیاز داشت"۔

میر زاہد رسالہ، میر زاہد مُلا جلال پر حاشیے لکھے۔

"در علومِ عقلیہ سبقت ربودہ" پنجم ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ کو انتقال ہُوا۔[1]

مولوی کرم اللہ دہلوی۔ آپ اہلِ ہنود سے تھے۔ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی کے دستِ حق پرست پر داخلِ اسلام ہوئے اور علومِ اسلامیہ کی تکمیل کی۔ شاہ غلام علی دہلوی سے خرقۂ خلافت پایا۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال ہُوا۔[2]

مولانا رشید الدین خاں دہلوی، ارشد تلامذہ مولوی رفیع الدین دہلوی سے تھے۔ ابجد العلوم میں نواب صدیق خاں لکھتے ہیں[3]:-

کان فاضلا جامعا بین کثیر من العلوم الدرسیة[4]

---

[1] سیر العلماء از حکیم بہاؤ الدین گوپاموی [2] ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گوپاموی
[3] ابجد العلوم ص۹۱۷ [4] تذکرہ علماء ہند ص۶۳۔

مولوی رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند میں تحریر کرتے ہیں :-

"ذہنِ وقاد وطبع نقاد در علم کمال کمالے وافر داشت"۔

شوکت عمر یہ یادگار ہے۔ ۱۲۶۹ھ میں انتقال کیا۔

مشائخ | حضرت مولانا ابو سعید متوفی ۱۲۵۰ھ مولانا شاہ احمد سعید، مولانا شاہ عبد الغنی شاہ آفاق متوفی ۱۲۵۲ھ۔ حاجی علاء الدین احمد ہمدانی، مولانا قطب الدین متوفی ۱۲۰۰ھ، حضرت شاہ غیاث الدین متوفی ۱۲۴۲ھ۔ سید شاہ صابر بخش چشتی ابن شاہ غلام شاداں چشتی، بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۰ھ میں انتقال کیا۔

میراں شاہ ناتواں نبیرۂ شیخ جلال الدین تھانیسری حریم مسجد فتحپوری میں عمر گذاری ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ جلال آپ کے سجادہ نشین تھے۔

مولانا محمد حیات پنجابی، سید شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں درس و تدریس کا شغل رکھا۔ ۱۲۶۶ھ میں انتقال ہوا۔ شاہ فدا حسین نبیرۂ خواجہ یوسف ہمدانی متوفی ۱۲۵۹ھ۔ شاہ توکل حسین متوفی ۱۲۶۲ھ۔ سید عسکری مجذوب۔ شاہ عبد النبی مجذوب۔

حکماء | حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خاں سر آمدہ حکمائے روزگار سے تھے۔ اکثر اطبائے نامی ان سے نسبتِ شاگردی سے سرمایۂ اعتبار رکھتے تھے۔

حکیم امام الدین خاں، حکیم غلام حیدر خاں، حکیم نصر اللہ خاں، حکیم فتح اللہ خاں، حکیم میر بخش خاں فاروقی، محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے حکیم دوراں خاں کے خطاب سے مشرف تھے۔ حضرت حکیم صہبائی کے بھائی تھے۔

حکیم غلام حیدر خاں شاگرد حکیم شریف خاں ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

یہ ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کی پوری تصویر۔

ـہ یوپی میں اردو از انتظام اللہ شہابی (کنول آگرہ)۔

ابوظفر بہادر شاہ

خاندانِ تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ دیکھنا روزِ اوّل سے تحریر ہو چکا تھا۔

پیدائش ۲۸ر شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ئہ بروز سہ شنبہ پیدا ہُوا اور اس کا تاریخی نام "ابوظفر" رکھا گیا۔ اُس کے والد مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے دوسرے شہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔

مفصّل حالات "ابوظفر" جب سنِ شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے اور مشہور قاری حافظ محمد جمیل نے قرآن کی تعلیم دی۔ مشہور خوشنویس سیّد جلال الدین حیدر مرصع رقم کے والد میر ابراہیم علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ تیر اندازی شہسواری تیغ زنی نشانہ بازی اور فنِ بنوٹ میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کے مقابل میں ہر ایک کا وار بیک وقت روکتے تھے اور سب پر اپنی چھوٹ چھوڑتے جاتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ، ایک ان کے بھائی جہانگیر اور آدھا کوئی اور۔ جس کی تفصیل یہ ہے :-

فنِ تیر اندازی فنِ تیر اندازی میں بادشاہ آیا سنگھ سکھ کے شاگرد تھے۔ بادشاہ کی کثرتِ تیر اندازی کا حال ظہیر دہلوی نے اپنے والد کی زبانی سنا تھا۔ کہ بادشاہ نے زمانہ ولی عہدی میں تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو قلعہ کے دیوان خاص میں ایک جر ثقیل لگا رکھی تھی۔ تین من چنوں کی پوٹ نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ جر ثقیل کے ذریعہ سے اُسے چٹکی سے کھینچا کرتے تھے۔ تیس ٹانک کمان کھینچنے پر بادشاہ قادر تھے۔ اچھی کمان کو کبادہ پھینک دیتے تھے۔ ایک سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں

مرزا فتح الملک بہادر ولیعہد ثانی کا باغ تھا۔ وہاں سے کچھ شور وغل کی آواز آئی۔ فرمایا غل کیسا ہے؟ اطلاع ہوئی مرشد زادے مسابقت تیر لگانے میں کر رہے ہیں۔ حکم ہوا۔ ہماری سواری ادھر لے چلو۔ غرضیکہ وہاں پہنچے۔ شہزادے آداب بجالائے۔ فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگا رہے تھے۔ فرمایا کمان ادھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی۔ اُن میں سے ایک کمان اُٹھالی اور تین تیر کھینچ لئے اور آستاد پر کھڑے ہو کر ایک تیر لگایا۔ تیر تودہ میں پیوست ہوا۔ ایک بالشت باہر رہا۔ سب نے تحسین آفرین کی۔ دوسرا تیر لگایا۔ وہ اس سے زیادہ تودے میں داخل ہوا۔ تیسرا دہ بالکل مغرق تھا۔ فقط لبِ سوفاری باہر رہے ہے اور تمام تیر غرق تودا تھا۔ تحسین و آفرین کی صدا بلند ہوئی [1]

سپہر شمشیر پھینکنی کے فن میں بادشاہ میر حامد صاحب کے شاگرد تھے۔ میر حامد علی و میر اشرف علی دونوں بھائی اُستاد کامل تھے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے رئیس اُن کے شاگرد تھے۔ علی مد کی کثرت جو حضرت علی شیر خدا کی ایجاد ہے۔ وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔ میں نے اپنے والد کی زبانی یہ سُنا ہے کہ بادشاہ تن تنہا آٹھ آدمیوں کے مقابل یکدم کثرت کرتے تھے اور آٹھ آدمی برابر اُن پر چوٹ آتے تھے اور بادشاہ سب کے وار رد کرتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر مشق بہم پہنچائی۔

فن شہسواری مشہور روزگار تھے کہ ہندوستان میں اڑھائی سوار تھے۔ ایک بہادر شاہ، دوسرے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنہوں نے انگریزوں سے شرط بد کر الہ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سوار کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب سن مبارک اسّی سے تجاوز کر گیا تھا۔ لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اپنی شہسواری دکھلاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے۔ ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء کو سواری جاتی تھی تسبیح خانہ میں جب برآمد ہوئے ہوادار میں تو سوار نہ ہوئے سامنے خاصوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ آگے چابک سوار

---

[1] داستانِ غدر ص

کھڑے ہوئے تھے۔ محبوب بیگ کی طرف نگاہِ التفات ہوئی۔ رہ آگے حاضر ہوئے اُن سے دریافت فرمایا کہ وہ داماں گھوڑا تو قابل سواری ہے۔ محبوب بیگ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حضور کے اقبال سے تیار ہے۔ فی الفور گھوڑے آ گئے اباحضور سوار ہوئے سب ملازم رکابِ سعادت میں ہمراہ ہوئے۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقارخانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر توپو بیانئے پتھری پر پہنچے۔ گھوڑا گردن جھکائے دہانے سے کھیلتا ہوا اپنے کو بناتا ہوا جھومتا چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے چوکا دیا اور گھوڑا ذرا اور چمکا۔ چونکہ یہ شکار بند پکڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ چپٹے چلے آ رہے تھے۔ بادشاہ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا کہ کیا کرتا ہے؟ میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں۔ گھوڑے کی چالاکی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ لے دیکھ تو بس ذرا رانوں میں مسکا ہے کہ گھوڑے نے چھکے بھرنے شروع کر دیئے۔ ایک پلہ بھر اسی طرح اڑتا ہوا گیا ہے۔ جیسے کوئی پرندہ اڑتا ہے یا کوئی ہرن چوکڑیاں بھرتا ہے اور تھپکی ہاتھ کی دے کر گھوڑے کو چمکا دیا۔

پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دوگامی قدم پر لگا دیا اور گھوڑوں نے جھوم جھوم کر اور کلائیاں بھر بھر کر چلنا شروع کیا۔ شہر سے تین کوس درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروازے پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ واپسی میں مولا بخش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے۔

مبصری حضور انور شہ سوار تھے اسی درجہ مبصر بھی تھے۔ گھوڑے کے عیب صواب اور قوم دور سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ شہر میں جو سوداگر بیش قیمت گھوڑا لے کر آتا تھا۔ اول حضور کو ملاحظہ فرمایا جاتا تھا۔ اُس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے۔ جو گھوڑا اچھی قوم کا آتا تھا وہ حضور لے دیتے تھے۔

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تسلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ کا وزیر۔ شناخت یہ ہے جس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک وہ شریر نہیں ہوتا

بلکہ وفادار ہوتا ہے اور اُس کی پیدائش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ کہ اُس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بطور شاذ وہ شریر بھی ہوتا ہے اور اس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ کے قدرے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ بورنے کی سلطنت ہے اور سبزے کی وزارت۔ بعد میں سبزے کی سلطنت ہو گی اور بورنے کی وزارت۔ گھوڑے کی اقوام سے ایک قوم ہے پیریا۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پنج شنبہ کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر نجس اور غلیظ آدمی کو مثل خاکروب وغیرہ نہیں آنے دیتا اور اگر آجاتا ہے تو فوراً چوٹ کر دیتا ہے۔

ایک بار میں موجود تھا ولایتی سوداگر گھوڑے لے کر آئے۔ دس بارہ گھوڑے تھے۔ لال پردوں کے آگے گھوڑوں کی صف استادہ تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ کے در میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے فاصلے سے دیکھ کر فرمایا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا اچھا ہے بشرطیکہ شریر نہ ہو۔ غرضیکہ موہے کو آگے طلب کیا گیا۔ واقعی گھوڑا شکل وصورت و نسبت کا روان اچھا تھا۔ حکم ہوا سواری دیکھی جائے۔ فوراً چابک سوار کو سوار کر دیا گیا۔ جیسے ہی سوار نے جا ہاگون کو پھیر کر دکھلائے۔ گھوڑے نے باگ پر لے کر شرارت شروع کی۔ کھڑے ہو کر تالی بجائی۔ دوسرا سوار چڑھایا اور اُس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا اُڑ کر فراش خانے کے دالان میں جا پڑا۔ اکثر سامان کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار کر نکالا۔ وہاں سے پلٹ کر چڑیا خانے میں جا پڑا۔ تقریباً کچھ دیر گھوڑے اور سوار کی لڑائی رہی۔

اب گھوڑے کا یہ حال کہ پسینے میں شرابور اور تمام رانوں کے ٹکڑے ہو گئے۔ جا بجا سے خون کی فصدیں کھل گئیں۔ خون بہہ گیا اور گھوڑا انڈھال ہو گیا۔ اب سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے۔ کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے ناکہ پھیر کر دکھلا دیا اور سلام کر کے اُتر پڑا۔ اُسی وقت شالی رومال بادشاہ نے چابک سوار کو عطا کیا۔

فیل سواری خاص مولا بخش نامی ایک معمر ہاتھی تھا۔ کئی بادشاہوں کو سواری دے چکا تھا۔ اس ہاتھی کی عادتیں انسانوں جیسی تھیں۔ قد و قامت میں ایسا بلند ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور داب سے یہ ہاتھی

بیٹھا ہُوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں جواب نہیں رکھتا تھا اور روزانہ ماہ مست رہتا تھا۔ کسی ایک آدمی کو سوائے خدمتی کے نہ آنے دیتا تھا جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اُس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوبدار حکم سُنا دیتا تھا کہ میاں مولا بخش کل تمہاری نوکری ہے ہشیار ہو جاؤ۔ نہا دھو کر تیار رہو اُسی وقت سے ہشیار ہیں۔ فیلبان تھان سے کھول کر جمنا میں لے گئے اور لے جا کر جھانوے سے مَیل چھڑانا شروع کیا۔ پھر دوسری کروٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لائے۔ نقاش نے تنک پر نقش و نگار کھینچ دیئے۔ وقتِ سواری گدیلا کس کر کارخانے میں لے گئے۔ گہنا پہنایا جھولی ڈالی۔ عماری کی نقار خانے کی ڈیوڑھی پر لا کر استادہ کیا۔ برابر اور ہاتھیوں کی قطار کھڑی تھی۔ جس وقت ہَوادار سواری پر بادشاہ نقار خانے کے دروازہ سے برآمد ہُوا چیخ مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا۔

جس وقت تک بادشاہ اور دوسرے سوار سوار نہ ہولیں کیا مجال کہ جنبش کھا جائے۔ جس وقت بادشاہ سوار ہُوئے فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استادہ ہو گیا۔ ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دو کھانیں اُس کے کانوں میں پہنائی جاتیں۔ دو ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے اُوپر کئے جاتے اور بڑی سپر فولادی مستک پر نصب کی جاتی اور بہت بڑا حقہ چاندی کا مع چلم و چنبر نقرہ اُس کے سر پر رکھا جاتا اور پیچوان کی سٹک فوجدار خاص اپنے کندھے پر رکھتے۔ بادشاہ ٹھنڈا حقہ پیتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی۔ کیا مقدور کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گر پڑے۔ ایسا سبک رفتار تھا۔ بڑی نخوولی جھول تھی۔

قصہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی پھر ویسا ہی مست ہے جیسا کہ تھا۔ یہ حال اس ہاتھی کا تھا۔ اس کے علاوہ ایک صفت اور تھی کہ تمام دن خورد سال بچے بارہ سال اُس کے گرد بیٹھے رہتے تھے اُن سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے پتلے گنے کی پوریاں صاف کر کے انہیں دیتا تھا۔ دن بھر بچے اُسے گھیرے رہتے تھے۔ بچے اُسے کہتے تھے مولا بخش نکی اوٹھے تو وہ اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اُٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا اور جب بچے کہتے ٹیک دو، ہاتھ ٹیک دیتا۔ پھر آپ نوں کرتا تو بچے ایک پاؤں سے کھڑے ہو جاتے۔

اگر وہ گھڑی بھر سے پیشتر کہتے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہلا دیتا ابھی نہیں ہوئی۔ جس دن بچے نہ آتے تو چیخیں مار کر بلاتا تھا اور گنتے دیتا ہے[1]

شاہجہاں اور اورنگ زیب کا ساعہد تو دلی کا نہ تھا مگر علم و فضل کے اعتبار سے بہت اونچی تھی۔ کوئی مشرقی شہر اس سے لگا نہیں کھا سکتا تھا۔ درس گاہوں کی گرم بازاری تھی۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں شباب پر تھیں۔ حضرت اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، مولانا فضل حق، مفتی صدر الدین خاں آزردہ سے اصحاب فضل و کمال ان درس گاہوں سے پیدا ہوئے۔ مولوی مخصوص اللہ، مولوی عبدالخالق، مولانا رشید الدین خاں، مولوی کریم اللہ، نواب قطب الدین خاں، مولوی مملوک علی، مولوی نصیر الدین، سراج العلماء مولوی مفتی سید رحمت علی، خان بہادر مولوی کرامت علی[2] سے حضرات فضلائے وقت سے تھے۔ مولوی حکیم عبدالحئی نے گل رعنا میں عہد ابوظفر کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

دلی اس وقت کی ایسی دلی نہ تھی بڑے بڑے کہنہ مشق شاعر مولانا امام بخش صہبائی علامہ عبداللہ خاں علوی آزردہ مرزا اسداللہ خاں غالب، نواب ضیاء الدین خاں نیر، شاہ نصیر الدین نصیر، حضرت ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمٰن خاں احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے کتنے سخنورانِ باکمال کا جمگھٹا تھا۔ جب یہ لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا"۔[3]

ابوظفر نے انہیں باکمالوں کی صحبت اٹھائی تھی۔ یہی حضرات ولی عہدی میں دوست تھے۔ جب یہ تاج دار ہوئے تو یہی درباری کہلائے گئے۔ ان کی شاعری بھی شعر و سخن کے دور میں پروان چڑھی۔

شاعری کا ذوق شاعری کی طرف ایامِ طفلی ہی سے میلانِ خاطر تھا۔ اس فن میں پہلے شاہ نصیر سے اور پھر ان کے شاگرد میر کاظم حسین بیقرار سے اصلاح لیتے رہے ۱۸۳۸ء میں جب بیقرار میر منشی ہو کر کلکتہ چلے گئے تو شیخ ابراہیم ذوق

---

[1] داستانِ غدر صفحہ ۲۶ [2] آثار الصنادید از سرسید احمد خاں صفحہ ۲۲۵ [3] گل رعنا

"استادشہ" کے منصب پر فائز ہوئے اور رجب ۱۸۵۴ء میں ذوق کا انتقال ہو گیا تو یہ خدمت غالب کے سپرد ہوئی۔ ہمیں اس وقت صرف ظفر کی شاعری کا جائزہ لینا ہے اور اُن کی شاعری پر نقد و تبصرہ کرنا ہے۔ مگر ہمیں اس ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہے جس میں ظفر نے آنکھیں کھولیں اور جس میں اُنھوں نے آخری سانس لیا کیونکہ شاعر کے کلام پر اس کا ماحول کا بہت گہرا اثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

ظفر نے اس وقت آنکھ کھولی جب اردو شاعری منازلِ ارتقا کو تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھی اور اُس کا آفتاب پوری بلندی پر تھا۔ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی حکومت پر متمکن تھے۔ یہ خود اچھے شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اس وقت خواجہ میر درد، مظہر جانجاناں، میر تقی، سودا، مصحفی، انشاء، جرأت وغیرہ جیسے مایۂ ناز شعراء ہو چلے گئے تھے اور دہلی میں شاہ نصیر، احسان، ممنون، قاسم وغیرہ جیسے رطب اللسان ماہرین فن موجود تھے۔ ایسے ماحول میں آنکھیں کھول کر ظفر کا میلان طبع اردو شاعری کی طرف نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گرد و پیش کے ماحول کا اثر نہ لینا بھی ممکن نہ تھا۔ سلطنت مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی مدھم ہوتی جاتی ہے اور یہ مردِ عاقل و دانا اور بینا اس کا بچشم غور مطالعہ کر رہا تھا۔ آخر وہ کہاں تک اس کا اثر قبول نہ کرتا۔ چنانچہ ظفر ایک باکمال شاعر ہے اور اس کی شاعری اُس کے ماحول کے عین مطابق ہے اور اس کا ہر شعر اس کے ذہنی اور قلبی تاثرات کی ایک سچی تصویر ہے۔

سیاسی حالات جہانگیر اور عالمگیر کے تخت پر شاہ عالم ثانی جلوہ گر ضرور تھا جو آفتاب تخلص کرتا تھا۔ لیکن آفتاب سلطنت مغلیہ زوال میں تھا دہلی میں مرہٹوں اور جاٹوں کی یورش ہوئی۔ شاہ عالم ثانی دلی سے بھاگ گئے الہ آباد رہے۔ احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ، احمد خاں بنگش، عنایت خاں سردار ان روہیلہ نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دلی فتح کی اور شاہ عالم ثانی کو بادشاہ تسلیم کیا۔ سات سال کے بعد شاہ دہلی واپس آیا اور مادھوجی سندھیا کے ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے

برائے نام بادشاہ کہلاتا رہا۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے پُرانے انتقام میں کہ شاہ نے اُس کو اختہ کرا دیا۔ اُس کے وفادار خاندان کو شجاع الدولہ کے کہنے سے تباہ کیا۔ عورتوں کی بے عزتی کی۔ دِلّی پر چڑھائی کرائی۔ ضعیف العمر بادشاہ قید ہُوا۔ شاہی بیگمات کی زدوکوب کی گئی اور شہزادوں کو سخت ایذائیں پہنچائی گئیں اور بادشاہ کی ایک آنکھ غلام قادر نے چھاتی پر چڑھ کر اپنے خنجر سے نکال لی۔ اور دوسری آنکھ اُس کے اشاروں پر اُس کے ایک ساتھی نے نکال کر بادشاہ کے لئے دُنیا اندھیر کر دی اور اسی حالت میں بے بس بادشاہ کو سلیم گڑھ لے گئے۔

سندھیا کے فوجی افسر رانا خاں نے مقابلہ پر غلام قادر کو شکست دی اور قتل کر ڈالا اور بادشاہ کو اُس کے پنجہ سے نجات ملی اور وہ دہلی آیا۔ سندھیا مدار المہام بنا۔ اُس نے بادشاہ کے اختیارات سلب کر لئے تاہم مراتبِ شاہی کی توقیر برقرار رکھی۔ مرہٹے کرتے وہی تھے جو چاہتے تھے۔ لیکن احکام سب بادشاہ ہی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ سکّہ بادشاہ ہی کا رائج تھا اور شاہی رُعب وداب قائم تھا۔ شاہ عالم کی خواہش پر ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے جنرل لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دی اور شاہ عالم مرہٹوں سے نکل کر انگریزوں کی حفاظت میں آئے۔ عمالِ شاہی برطرف ہوئے اور نیا دَور شروع ہُوا۔

بادشاہ کی گزر بسر کے لئے ساٹھ ہزار ماہوار مقرر ہُوا۔ اس کے علاوہ جملہ اخراجات وظائف کے لئے ۲۸۵۰۰ کی رقم ماہانہ قلعہ معلّیٰ میں پہنچ جاتی تھی جس میں ظفر کے والد اکبر شاہ ولی عہد کا وظیفہ دس ہزار روپیہ ماہوار شامل تھا۔ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تہواروں کے لئے دس ہزار روپیہ ہر تہوار کی سالانہ رقم معیّن تھی۔ ایک دیوان اور چند اہلکار مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ کو تفویض ہُوا۔ دہلی اور اس کے نواح میں شرعِ محمدیؐ کا نفاذ ہُوا اور اتنی رعایت اور ملحوظ ہوئی کہ بغیر بادشاہ سلامت کے استمزاج کے سزائے موت یا سزائے قید طویل عمل میں نہ آئے گی۔ بالآخر ۷ار رمضان المبارک ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۸۰۶ء کو مظلوم اور نابینا نام نہاد بادشاہ شاہ عالم ثانی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اُس

جہانِ پُر آشوب سے رخصت ہُوا۔ اور ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مسند نشین اورنگ وظیفہ خواری ہوئے۔

یہ سارے انقلابات نوجوان شہزادہ ابوظفر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک حساس طبیعت رکھتا تھا اور ہر واقعہ اُس پر اپنا گہرا اثر ڈالتا تھا۔ تاہم اب تک شہزادوں کی زندگی گونہ بے فکری کی زندگی تھی۔ خارجی ماحول کا پورا پورا اثر قبول کرتے رہنے کے باوجود ہنوز بذاتِ خاص افکار و حوادث کا شکار نہ ہُوا تھا۔ لیکن کوٹ قاسم کی جاگیر جو مرہٹوں نے ولی عہد کی جاگیر قرار دی تھی اور جس پر اکبر شاہ اپنے زمانہ ولیعہدی میں برابر قابض و متصرف رہے۔ اب شاہی املاک میں شامل ہو گئی اور اکبر شاہ ثانی نے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ظفر پر ترجیح دی اور اپنا ولی عہد بنانا چاہا۔ انگریزوں نے اس بے انصافی سے باز رکھنا چاہا تو باپ نے بلا تکلف فرما دیا کہ ابوظفر میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس کسمپرسی کے عالم میں ظفر نے ایک مخمس لکھی تھی جس کا مطلع ہے ؎

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں ہم پر
دل اسکے ہاتھ سے پُر درد ہے اور چشم ہے پُر نم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہونگے لاکھ غم پر غم
کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جبتک ہے دم میں دم

خدا دارم چہ غم دارم
خدا دارم چہ غم دارم

اس خمسہ کا پانچواں مصرعہ ہر بند میں ایک ہی ہے کئی سال کی آزمائش میں جب یہ ثابت قدم رہا تو خدا کو بھی رحم آیا اور اس کی قناعت اور تسلیم و رضا کا صلہ یوں ملا کہ ۱۸۲۱ء میں جہانگیر مرزا انگریزوں کی قید میں بمقام الہ آباد انتقال کر گئے اور سرکار کمپنی نے اعلان کر دیا کہ وہ سوائے مرزا ابوظفر کے کسی کو وارثِ تاج و تخت تسلیم نہ کرے گی۔ اس وقت ظفر کے مغموم دل سے بے اختیار یہ شعر نکلا ہوگا ؎

کیسی تدبیر ظفرؔ جب وہ کرے اپنا کام
کام بگڑے ہوئے بنجائیں یونہی آپ سے آپ

خیر یہ تو ہُوا لیکن جس تخت و تاج کا یہ وارث ہُوا اس کی حالت روز بد سے بدتر ہوتی

جاتی تھی۔ ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی دشمال میں شامل کر دیا گیا اور رہا سہا اشتباہ بھی باقی نہ رہا کہ بادشاہ سلامت کی ملکیت خود دہلی پر بھی برقرار نہیں ہے۔ گویا اب پورے طور پر بادشاہ کی معزولی کا اعلان ہو گیا اور ۱۸۳۵ء میں سکہ بھی دلی اور نواح دلی میں سرکار کمپنی بہادر کا رائج ہو گیا۔ ۱۸۳۷ء میں اکبر شاہ ثانی نے بھی جنت کی راہ لی، اور بہادر شاہ بادشاہ ظفر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر باسٹھ سال کی تھی اور اُن کی قسمت میں اس انقلاب عظیم کا تتمہ دیکھنا لکھا تھا جو ایک عرصہ سے رونما ہوا تھا، رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔ ۱۸۵۲ء میں دلی کے ہندو مسلمانوں میں گاؤ کشی کے مسئلہ پر جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرانا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی شمالی کو لکھ بھیجی تو اُس نے جواب دیا کہ مقامی عہدیداران جو قیام امن کے ذمہ دار ہیں۔ اُن سے رجوع کیا جائے۔ القاب و آداب میں بھی فرق آ گیا ہے۔ پہلے خطوط لفٹنٹ گورنر بہادر کی جانب سے بادشاہ کے پاس جاتے تھے۔

MAY IT PLEASE BE NOTED YOUR MAJESTY

سے شروع ہوتے تھے اور

YOUR MAJESTYS FAITHFULL SERVANT

پر ختم ہوتے تھے۔ لیکن ۲۲ راگست ۱۸۵۴ء کو مسٹر کالون (calvin) نے جو آگرہ کے لفٹنٹ گورنر تھے وہ القاب تحریر کیا جو ایک برابر کا دوست دوسرے دوست کو لکھتا ہے۔ یعنی مائی ڈیئر ظفر سے خط کا آغاز کیا اور (SINCERELY) پر اُس کی تان توڑی۔ ظفر جیسی حساس اور موقع شناس کے لئے یہ بھی ایک کاری ضرب تھی۔ چنانچہ اپنے ملال کا ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں ؎

اب جو لکھتا ہے وہ کاہے کو یہ لکھتا تھا کبھی
دیکھو اس بت بے پیر کا اگلا کاغذ

۱۸۵۶ء میں مرزا فخرو جو ولی عہد تھا اُن کا انتقال ہوگیا۔ ولی عہد کا قصہ پھر اُٹھا۔ بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطلع کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر اُن کے آٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں لیکن دوسرے ہی دن سرکار کمپنی بہادر نے مرزا قویش سے جو بہادر شاہ کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کا لقب شاہی موقوف کیا جائے گا صرف خطاب شہزادہ باقی رہ جائے گا اور زر پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سوا لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائے گا۔ اور مرزا قویش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب یہ خبر بوڑھے شاہ کو ملی تو اُس کے رنج وغم کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک نہایت دردناک نظم اس موقع پر اُن کے دلی تاثرات کی ترجمانی کرتی ہے جس کا مطلع ہے ؎

اے ظفر اب ہے تجھی تک انتظامِ سلطنت
بعد تیرے نے ولیعہدی نہ نامِ سلطنت [1]

عالمِ شہزادگی ابوظفر آدابِ شاہی سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی صحبت اٹھائی تھی۔ اوائل عمری سے رکھ رکھاؤ تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور اُن سے حُسنِ عقیدت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب انگریزوں کے مظالم اور اُن کے جور و تشدد اور مداخلت فی الدین گوارا نہ کر سکے۔ اُنہوں نے اس ملک کو دارالحرب قرار دیا۔ کیونکہ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے محکمہ شریعت اڑا دیا جس محکمہ کے مفتی خان بہادر مفتی انعام اللہ گوپاموی تھے [2] اس کے بجائے الہ آباد میں صدر نظامت قائم کیا اور اس کا وکیل سرکار مفتی صاحب کو مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ علماء کے لئے سخت روحانی صدمہ کا تھا۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق نے اور اُن کے بھائی نے دلی میں رہنا مناسب

---

[1] ابوظفر بہادر شاہ حسن عبداللہ (مصنف علی گڑھ) [2] تاریخ مفتیاں گوپامو از مفتی محمد حسن گوپاموی ص۱۱۔

نہ سمجھا۔[1] ہجرت کا ارادہ کرلیا اور حجاز کے لئے مہرولی روانہ ہوئے۔ عمائدین شہر اور ابوظفر بھی آپ کے ساتھ ساتھ گئے۔[2] رخصت کرتے وقت بہت رنجیدہ ہوئے۔

ابوظفر میں دوست نوازی بہت تھی۔ اُن کے مخصوص احباب میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خاں آزردہ، حکیم مومن خاں، مولانا امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی، مولوی رشید الدین سے حضرات تھے۔ مولانا فضل حق ابوظفر کے بچپن کے دوست تھے۔ جب ریذیڈنٹ دہلی کے محکمہ کی سررشتہ داری چھوڑ کر نواب عبدالرحمٰن خاں والیٔ جھجر کی دعوت پر جانے لگے۔ نواب نے پانچ صد روپیہ مشاہرہ پر آپ کو بلایا۔ ابوظفر سے رخصت ہونے کے لئے قلعہ معلی گئے۔ ابوظفر نے اپنا ملبوس دوشالہ اوڑھایا اور رخصت کرتے وقت فرمایا۔ جی نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں کہ جائیے مگر مجبوری ہے اور آبدیدہ ہو کر رخصت کیا۔[3]

شریعت کی پابندی

ابوظفر علماء، صلحاء کی صحبت کی وجہ سے شریعت حقہ کے بڑے پابند تھے۔ حتی الامکان منہیات سے پرہیز کرتے تھے۔ نوافل اوراد و وظائف کی پابندی تھی۔ اوائل عمری سے صوفیائے کرام سے حسنِ عقیدت تھی۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی صاحب سے بیعت تھے۔ آپ کی پاکبازی اور خداپرستی کی عام شہرت تھی۔[4] رند کہتے ہیں ؎

ناغہ ہو جائے ذکر کیا ہے ۔۔۔ قرآن ابوظفر بہادر

غالب نے دیباچہ مہر نیمروز میں اظہارِ عقیدت کیا ہے ؎

شبلی از منبر و ہدا و از عشق	شاہ ما بر تخت گوید راز عشق
شاہ ما دارد بہم در رہروی	خرقۂ پیری و تاج قیصری
شاہی و درویشی اینجا باہم است	بادشاہِ عہدِ قطبِ عالم است[5]

---

[1] حیات بعد المات از مولانا نذیر حسین محدث دہلوی [2] پنج آہنگ از مرزا غالب

[3] اولیائے ہند از صاحب عالم محمد اختر گورگانی ذکر ابوظفر بہادر شاہ [4] مہر نیمروز از مرزا غالب ص

پیری مریدی اپنے پیر کے شیفتہ تھے۔ کہتے ہیں ؎

مرید قطب دیں ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمتریں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اسے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

خود بھی مرید کیا کرتے اور پانچ روپیہ ماہوار مریدوں کا مقرر تھا۔ کمپنی نے یہ رنگ دیکھ کر اہل کار سرکار کو منع کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کے مُرید نہ ہوں۔ ریذیڈنٹ نے اعلانِ عام کر دیا کہ کوئی فوجی افسر شاہ کا مُرید نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی زندگی بہادر شاہ جملہ مکارمِ اخلاق سے متصف تھے۔ عجز و انکسار، عفو و حلم تراحم اور حسنِ خلق کے زیوروں سے آراستہ تھے۔ بوئے نخوت و رعونت پاس ہو کر نہیں گزری۔ زہد و طہارت اور تقویٰ کی جانب مائل تھے۔ آغازِ بلوغ سے پرہیزگاری اور فیاضی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے اور شہرت تھی۔ اپنے خادموں کو بلا کھائے خود طعام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے [1]

رعیت پروری کا یہ عالم تھا کہ گھوسیوں کو ایجنٹ دہلی نے شہر سے نکالنے کا حکم دیا کہ یہ اپنے جانور لے کر شہر سے باہر آباد ہوں۔ بادشاہ کو خبر لگی۔ ایجنٹ کو کہلا بھیجا کہ رعایا کو تکلیف نہ دو۔ وہ آمادہ نہ ہُوا تو حکم دیا کہ ہمارا خیمہ جہاں گھوسی آباد کئے ہیں۔ وہیں لگا دو ہم بھی ان میں رہیں گے۔ حکم کی دیر تھی خیمے جانے لگے۔ ایجنٹ کو خبر لگی بھاگا ہُوا آیا اور معذرت کی اور گھوسی اپنی جگھوں پر مقیم رہے۔ بادشاہ کے متوسلین جو تھے خود اُن کا بڑا خیال رکھتے۔ احسان دہلوی بادشاہ کے منہ لگے شاعر تھے۔ بادشاہ اُن کا خیال بھی بہت کرتے۔ ان دنوں بادشاہ کو مچھلی کے شکار کی دھت تھی۔ روزانہ

---

[1] داستانِ غدر از ظہیر دہلوی صـ۔

جمنا کے کنارے رونق افروز ہو کر شکار میں مشغول رہتے۔ احسان کے وظیفہ میں دیر ہو گئی۔ وہ شکار میں جا پہنچے۔ مجرا عرض کیا۔ پوچھا کیسے آئے ہو؟ عرض کیا ایک قطعہ سنانے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا۔ سناؤ ؎

صید ماہی و صید دل شاہا خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا یعنی ڈوبے کا ہے نکلنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بادشاہ مسکرائے اور احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ آج وظیفہ احسان کے یہاں پہنچ جائے۔

لطیفہ نواب زینت محل بادشاہ سے کھنچنے لگی۔ بادشاہ مخاطب ہوتے، اناکانی دے جاتیں۔ بادشاہ کو یہ بے رخی کہاں گوارا تھی۔ صبح کے اوراد سے فارغ ہو کر چہل قدمی کے لئے اُٹھنے کو تھے۔ زینت محل رُخ بدلے ہوئے گزریں۔ بہادر شاہ بولے۔ زینت ایک شعر تو سنتی جاؤ خوب ہے۔ وہ ٹھہر گئیں ؎

کیا کان بھر دیئے ہیں خدا جانے غیر نے
غصہ میں جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

بیگم مسکرا دیں۔ پھر ہر دو مل بیٹھے اور حیات باغ میں چہل قدمی کو بادشاہ کے ساتھ گئیں۔

ایک دن بادشاہ کی سواری ملکہ باغ گئی وہ اُجڑ رہا تھا۔ ریذیڈنٹ کو حکم اُس کی درستی کے لئے بھیجا۔ اُس نے انجنیئر کو بھیج کر روشیں وغیرہ درست کرا دیں اور کیاریاں آراستہ ہو گئیں اور حضور شاہ کو مطلع کیا کہ ملاحظہ کر لیں۔ بہادر شاہ معہ تمام شہزادوں کے وہاں پہنچے مگر ریذیڈنٹ وہاں نہیں حاضر ہوا اس کا ملال دل پر گزرا ؎

دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مری توقیر آدھی رہ گئی

معمولات | بہادر شاہ صبح بعد ادائے فرائض مذہبی طبیب کو نبض دکھاتے۔ پھر دربارِ خاص میں رونق افروز ہوتے۔ جنگ آزادی کے زمانہ میں عمائدِ شہر اور باہر سے آئے ہوئے لوگ دربار کی شرکت کرتے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، بہادر جنگ رئیس دادری، نواب حسن علی خاں، نواب احمد علی خاں والی فرخ نگر، منیرالدین خاں جو پولیس افسر تھے۔ مولانا عبدالقادر دہلوی، شیو سنگھ والی سمفوٹ، حکیم عبدالحق، مولوی احمد علی سفیر راجہ نہر سنگھ والی بلب گڑھ، قاضی فیض اللہ چیف پولیس افسر سعادت خاں رئیس جہانگیر آباد گوری شنکر، شہزادہ محمد عظیم، کپتان ناظر حسن مرزا دلدار علی خاں، مرزا ضیاء الدین، سالک رام خزانچی، ہمت علی خاں، نواب فیض محمد خاں محمد علی خاں فرزند سالار جنگ، خواجہ سرا محبوب علی خاں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ خالق داد بقولی، مغل خاں، دین محمد جنہوں نے فریزر کو گولی سے گرا کر قتل کیا۔ قدرت اللہ خاں رسالدار، نواب محبوب علی خاں، ناظر حسن، مرزا امیر الدین، حسن علی شاہ، نظام الدین پیرزادہ، نواب محمد جان وغیرہ[1]

دربار برخاست کر کے محل سرا میں داخل ہوئے۔ دوپہر کا خاصہ تناول فرمایا۔ پھر آرام گاہ میں تشریف لے جا کر قیلولہ کیا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔ عصر کی نماز پڑھی۔ شاہی طبیب نے دواء المسک پیش کی۔ اس کے بعد مشورہ کی انجمن منعقد ہوئی۔ محبوب علی، وزیر اعظم حسن عسکری شاہ، نواب زینت محل، بہادر شاہ کی صاحبزادی مانی بیگم، دوسری دختر آغا بیگم، بہادر شاہ کی بیگم نواب شرف النساء شریک ہوئیں اور ضروری مشورے ہوئے[2]

مغرب کا وقت آیا نماز ادا کی۔ پھر طعام نوش فرمایا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر خواب گاہ میں تشریف لے گئے۔ پھر تہجد کے لئے اٹھے اور نوافل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہو کر صبح کاذب پر کچھ آرام کیا۔ یہ تھے روزانہ کے معمولات۔

---

[1] روزنامچہ جیون لال و معین الدین خاں (غدر کی صبح و شام ص ۲۵ تا ص ۱۰۱) [2] مقدمہ بہادر شاہ ص ۱۲۲۔

انگریزی اقتدار

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ روز بروز مکر و فریب سے ریاستوں کو باہمی لڑوا کر کمزور ملک اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جماتا چلا جا رہا تھا جب پورا اقتدار اقطاع ہند پر ہو گیا تو یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھانسنے کی سعی کی، چنانچہ اُس وقت کی کیفیت کا نقشہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے رسالہ غدریہ (الثورۃ الهندیہ) میں اس طرح کھینچا ہے۔

ہندو مسلم لشکریوں کو اُن کے رسوم و اصول سے ہٹانے اور مذہب و عقائد سے گمراہ کرنے کے درپے ہوئے۔ گمان یہ تھا کہ لشکری قابو میں آجائیں گے تو دوسرے باشندے سزا و عقاب کے ڈر سے خود ہی رام ہو جائیں گے۔ چنانچہ گائے کی چربی اور سور کی چربی چکھانے پر زور ڈالا اور یہ کارتوس پر ملی گئی۔ دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ منحرف ہو گئے اور نصاریٰ کا قتل اور ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ بہت سے لشکر شہر مشہور بلد معمور مسکن آل تیمور دار السلطنت دہلی جا پہنچے اور امیر و حاکم (سراج الدین بہادر شاہ ظفر) تھا جس کے پاس ارکانِ دولت اور وزیر بھی تھے' اپنا سردار و پیشوا بنا لیا۔ وہ خود ضعیف غمزدہ عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سچ پوچھئے وہ اپنی شریک حیات (زینت محل) اور وزیر (احسن اللہ خاں) کا مامور و محکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر حقیقت میں نصاریٰ کا کارپرداز اور اُن کی محبت میں غالی تھا۔

یہ تو سب کچھ تھی کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علماء، زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جہاد و قتال کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔[۱] ۱۸۵۷ء سے چند سال پہلے سے انقلاب کی تحریک چل رہی تھی کیونکہ پادری فندر نے ولایت سے آکر بزرگان مذاہب کو دشنام طرازی کا محل بنا دیا تھا۔ پادری ڈاکٹر وزیر خاں

---

[۱] الثورۃ الهندیہ صفحہ ۲۷ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

اکبرآبادی اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں جلسہ عام میں مناظرہ کر کے بھگا دیا۔
اس سے کچھ پہلے مولوی احمد اللہ شاہ جو نواب چنیاپٹن کے صاحبزادے تھے۔ محراب شاہ قلندر گوالیاری کے مرید ہوئے۔ بیعتِ جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے نکالنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے [۱] دلی گئے پھر آگرہ آئے۔

مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے یہاں مقیم ہو کر مجلس علماء بنائی اور مریدی کا دائرہ وسیع کیا اور اپنے مریدوں کو قصبات و دیہات میں بھیجنا شروع کیا اور خود بھی پالکی میں سوار ہو کر مرید ہمراہ لے کر ڈنکا بجتا ہوتا دورہ فرماتے۔ آپ کے وعظ میں دس دس ہزار ہندو مسلمان شریک ہوتے [۲]

آپ اپنے مریدین کو فنونِ حرب سے بھی آگاہ کرتے۔ یہی زمانہ تھا کہ لارڈ ہسٹنگز نے ریاستیں ضبط کرنا شروع کر دیں۔ نانا راؤ پیشوا کی پنشن بھی ضبطی میں آئی اس نے اپنے کامدار مولوی عظیم اللہ جو انگریزی کے بڑے عالم تھے ان کو اور اپنے بھائی کو انگلستان مرافعہ کے لئے بھیجا اور ڈائرکٹران نے توجہ نہ کی۔ ہسٹنگز کا فیصلہ بحال رکھا عظیم اللہ ناکام لوٹے۔ فرانس کے ہوٹل میں روس کے انقلابی ملے۔ انہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی اسکیم بتائی۔

جب عظیم اللہ ۱۸۵۴ء میں ہندوستان واپس آئے۔ نانا راؤ کو آگاہ کیا [۳]۔ ہر دو نے مرہٹہ سردار تانتیا ٹوپی کو شریک تحریک کیا۔ رجواڑوں اور نوابوں کو خط لکھے اور خود بھی ملے۔ کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ تانتیا ٹوپے نے جوگیوں کا بھیس بدل کر فوجوں میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑکا دی۔ ان کے سوا شاہ فیض اللہ بھی فوجوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔
مسز ہورٹسٹ لکھتی ہے:۔

"بعض ہندوستانی درویش برہمنوں کے لباس میں آبادیوں میں چکر لگاتے

---

[۱] تواریخ احمدی تائب لکھنوی [۲] مسلمانوں کا روشن مستقبل از مولوی طفیل احمد منگلوری۔
[۳] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے مالیسن جلد اول صفحہ ۲۵ [۴] غدر کے چند علماء

تھے اور خاص کیک (روٹی) جو نیلوفر کے پھول سے مطابقت رکھتا تھا باشندوں میں تقسیم کرتے تھے[1] جس کو یہ ملتا انگریز کو مارنے مرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا"

مولوی احمد اللہ شاہ بھی روٹیاں اور نیلوفر کے پھول لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔

۲ر فروری کو اُنیسویں رجمنٹ جو چھاؤنی برہم پور علاقہ مرشد آباد میں مقیم تھی اچانک کارتوس کے کاٹنے پر جھگڑا کرنے لگی[2] اور پیش پیش منگل پانڈے تھا۔ رجمنٹ توڑ دی گئی اور ۸ر اپریل ۱۸۵۷ء کو منگل پانڈے کو پھانسی دے دی گئی۔ رجمنٹ کے سپاہیوں نے فوجوں میں گشت کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد افسرانِ فوج نے میرٹھ میں چربی کے کارتوس دانتوں سے کٹوانا چاہے جنہوں نے انکار کیا گرفتار کر لیا اور کورٹ مارشل اُن کا کرنا چاہا۔ اس واقعہ نے فوجیوں میں انگریز سے نفرت پیدا کر دی۔ مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔

۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ کے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر اپنے افسروں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ عوام بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ سویلین کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی۔ جم غفیر حریت نوازوں کا دلی روانہ ہو گیا۔ ادھر کلکٹر میرٹھ نے کمشنر دہلی سیمن کو خط لکھا۔ آدھی رات کو خط پہنچا وہ جیب میں رکھ کر سو گیا[3] گیارہ کی صبح کو دلی میں داخل ہوا۔ بادشاہ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ اشارے سے غل و شور کے متعلق پوچھا یہ کیا ہے؟ خدام نے کہا سرکاری فوج اپنے افسروں سے باغی ہو کر انگریزوں کو قتل کر کے یہاں آئی ہے۔ بادشاہ نے وظیفہ ختم کیا[4] غلام عباس کو نکلسن فریزر اور کپتان ڈگلس کے قلعہ میں بلانے کو بھیجا۔ ہر دو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ طفل تسلی دے کر قلعہ کے نیچے جو فوج موجود تھی اس کو سمجھایا مگر وہ ہر انگریز سے بیزار ہو چکی تھی۔ فریزر یہ رنگ

---

[1] غدر کے مناظر از مسز ہورٹسٹ ترجمہ ظفر تاباں مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۳۵ء صفحہ ۱۲۰ [2] حالاتِ غدر نواب غلام حسین خاں فارس صفحہ
[3] عروجِ انگلشیہ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی [4] داستان

دیکھ کر لوٹے اور دربار کو لوٹ کر جا رہے تھے۔ مرزا مغل بیگ نے گولی مار دی۔ وہ گر پڑا۔ پھر ڈگلس پر پل پڑے اس کا کام تمام کیا[1]۔ بادشاہ کو خبر لگی وہ بُرا بھلا کہتے رہے۔

مرزا مغل، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ فوجیوں سے میل کر گئے۔ فوجیوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنالیا۔ دُوسرے شہزادے بھی فوجی عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شہر میں مار دھاڑ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ دُکانیں لُٹنے لگیں۔ ۱۲ مئی کو بادشاہ نے جو اردگرد کے حالات سے واقف تھا انگریز کے ظلم وستم مجبوری سے سہہ رہا تھا وہ انتقام لینا چاہتا تھا، فوجیں چلی آ رہی تھیں دل بڑھ رہا تھا۔ دو دن کا رنگ دیکھ کر فوجی سرداروں اور شہر کے عمائدین کو مدعو کیا۔

دربار

۱۴ رکو شاہی دربار منعقد ہوا خود بادشاہ تخت طاؤس پر رونق افروز ہوئے۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولانا امام بخش صہبائی، نواب ولی داد خاں رئیس مالاگڑھ نواب علی محمد خاں، نواب علی قلی خاں، شمشیرالدولہ بہادر، حکیم عبدالحق، حکیم احسن اللہ خاں تمام شہزادے شریک دربار تھے۔ مرزا غالب نہ آسکے۔ شعر کہہ کر بھیجا[2]

بزرزد سکۂ کشورستانی ۔۔۔ سراج الدین بہادر شاہ ثانی[3]

ایک کونسل امورات جنگ کے لئے منتخب ہوئی۔ وزیر حرب مرزا جواں بخت بنائے گئے[4]۔ ایک فوج کی کمان نواب زینت محل کے سپرد ہوئی[5]۔ مرزا مغل کمانڈر افواج (سرسالاری) کے مقرر کئے گئے اور خضر سلطان کو پایٹ کی کرنیلی ملی۔ محمد بخت اور شاہ الیگزینڈر پلٹن کے کرنیل مرزا عبداللہ، مرزا قویش کرنیل مقرر ہوئے۔ مرزا مینڈھو پلٹن کین کے افسر ہوئے۔ نواب محمد حسن خاں مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے۔ میر نواب نائب قوش

---

[1] حالات غدر از نواب حسین خاں [2] ذکر مرزا غالب از مالک رام ایم اے [3] روزنامچہ نواب معین الدین خاں بہادر صفحہ ۱۰ [4] [5] ایضاً

میر فتح علی وزیر صحرائی مقرر ہوئے۔ شہزادہ محمد عظیم بن شہزادہ میاں اختر ضلع سرسہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ مفتی صاحب خاموش تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں برابر بیٹھے ہوئے لوگوں کو انگریزوں سے خوف زدہ کر رہے تھے۔ مگر شہزادے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ دربار برخاست ہوا اور ذیل کا اعلان بادشاہ کی طرف سے شائع ہوا۔

شاہی اعلان

"جہاں پناہ ظالم انگریزوں کو دفع کرنے کے بعد تختِ طاؤس پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ منصفانہ قانون صادر کیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے قتل و غارت کو موقوف کیا جائے۔ تمام معاملات اس کے بعد عدالتِ عالیہ کے سپرد کئے جائیں گے جہاں بجز عدل و انصاف کے کسی پر ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔" [1]

مگر شہر میں اس کا کچھ اثر نہ پڑا۔ فوجیوں کے ساتھ غیر ذمہ دار لوگ شریک ہو کر جوہریوں اور امراء کے مکان لوٹنے لگے۔ ان کی سرپرستی عیاش شہزادہ کر رہے تھے [2]

وفود مجاہدین کی آمد حضرت سید احمد بریلویؒ کے مریدین میں سے رئیس المجاہدین مولوی سید سرفراز علی گورکھپور کے اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک عرصہ سے خفیہ طور سے بیعتِ جہاد لے رہے تھے [3] اور وہ دورہ بھی خود کرتے اور اپنے خلفاء کو بھی دیہاتوں میں بھیجتے۔ چنانچہ جب سلطان پور پہنچے ایک صوبہ دار بخت خاں جو نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے تھا جس کے والد نے نواب شجاع الدولہ کے گھرانے میں شادی کر لی تھی۔ وہ مولوی سید سرفراز علی کا مرید ہوا اور اس نے بیعتِ جہاد کی۔ یہ صوبہ دار انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مسٹر سیل کے تحت جنگِ افغانستان میں جلال آباد میں بہادرانہ کارنامے ایسے دکھلائے کہ توپ خانہ باتمری کا سب سے بڑا افسر

---

[1] غدر کے مناظر مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۳۵ء صہ ۵۹ [2] ۔۔

کر دیا گیا۔ بخت خاں کے ماتحت تمام ہندوستانی توپچی تھے۔ نا تری بڑی مشہور تھی۔ اعزاز کے طور پر توپوں پر پھولوں کا محراب نما تاج بھی رکھا گیا[1]

بخت خاں افغانستان سے واپس آکر نیمچ کی چھاؤنی میں متعین کئے گئے۔

مرہٹہ کے واقعہ کی اطلاع آناً فاناً دور دور پھیل گئی۔ بخت خاں نے سنا تو وہ نیمچ کی چھاؤنی سے توپ خانہ اور تین رجمنٹ لے کر روہیلوں کے مرکز بریلی پہنچا۔ یہاں نواب حافظ الملک رحمت خاں کے پوتے نواب بہادر خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے۔ انھوں نے اپنی نوابی کا اعلان کر دیا۔ بخت خاں نے اُن کی معاونت کی اور اُن کی حکمرانی کو مضبوط کر کے توپ خانہ معہ باتری کے اور چار لاکھ روپیہ ساتھ لیا۔ نانا راؤ کا بھائی بالا راؤ آیا ہوا تھا[2] اس کو بھی ہمراہ لیکر دلی چل کھڑا ہوا۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ کو اطلاع دی[3]۔ بادشاہ نے اپنے خسر نواب شمشیر الدولہ احمد علی خاں، حکیم احسن اللہ خاں، احمد یار خاں، ابراہیم خاں اور غلام علی خاں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ صوبہ دار کے ساتھ ایک صدر علماء بھی تھے۔ بخت خاں اپنی پوربی سادی وضع میں بادشاہ کے حضور میں بار یاب ہوا۔ ظہیر دہلوی لکھتا ہے :۔

"جنرل بخت خاں ۱۴ ہزار کا کمپو چند توپ اور تین رجمنٹیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ لے کر ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں داخل ہوا۔ سر پر انگوچھا لپٹا ہوا چال کرچ گلے میں پڑی ہوئی پیچھے حال کھلا کہ بریلی والا جرنیل وہی تھا۔ بظاہر تو اس کا لباس گھس کھدروں کا سا تھا میں تو سمجھا جیسے پوربی سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہوگا۔"[4]

بادشاہ سلامت کی طرف سے بڑے پیمانہ پر اُن کی پوری فوج کو دعوت دی گئی اور چار ہزار روپیہ جیب خاص سے مرحمت کئے گئے۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

---

[1] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶   [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۰۲

[3] داستان غدر۔

"سپاہ میں سب سے زیادہ بہتر حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی اپنے سپاہیوں کو دے دی تھی اور اُس کے سالار کے پاس چار لاکھ روپیہ تھا" [1]

بادشاہ کو بخت خاں کے انتظامِ شہر اور خوش سلیقگی اور فوج کی تنظیم کا پتہ چلا تو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور فرزند کا خطاب عطا کیا۔ ایک بیش قیمت ڈھال اور تلوار بھی عنایت کی، جنرل کمانڈر فوج بنایا اور شہر میں منادی کرادی گئی کہ جملہ پلٹنیں جو دہلی میں جمع ہیں وہ جنرل صاحب سے ہدایاتِ جنگی حاصل کریں۔ جنرل صاحب نے فوجی دفتر قائم کیا۔ میر منشی خیرات علی مقرر کئے گئے۔

پہلی جنگ

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

"۲۹ جولائی کے دربار میں جنرل بخت خاں بادشاہ کا قائم مقام ہو کر آیا۔ بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر نیم بادشاہ بنا دیا۔ جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اُتاری۔ آج میگزین دیکھتا ہے اس میں بالترتیب سامان رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں فوج کی پریڈلی نمک اور شکر پر جو محصول تھا وہ معاف کر دیا تاکہ غرباء کو تکلیف نہ ہو۔ نیز یہ بھی کہا کہ جو شہزادہ شہر کی دوکانوں کو لوٹے گا میں اس کی ناک کٹوا دوں گا۔"

آگے چل کر مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :۔

"جب تک بخت خاں دلی نہیں آیا تھا جہاد کے فتویٰ کا چرچا بہت کم تھا مگر جب بخت خاں دلی آیا تو اُس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گئی تو وہ اُن کی بیوی بچوں کو قتل کر دیں گے

---

[1] عروج عہدِ انگلشیہ [2] ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی کے اور مالیسن جلد ۲ صفحہ ۴۲۶۔

جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے اُن کے دستخط کرائے۔ اس فتویٰ جہاد کے علاوہ ایک حلف نامہ بھی تقسیم کرایا اور اس پر ہر سپاہی سے جن کی تعداد ستر اسّی ہزار کے لگ بھگ تھی عہد لیا۔ مرزا مغل نے یہ حلف نامہ فوجوں کو پڑھ کر سُنایا جس پر انھوں نے اقرار کیا کہ ہم آخری دم تک لڑیں گے"۔ [1]

فتویٰ جہاد مولانا فضل حق الور سے دہلی آ گئے تھے۔ بادشاہ کے مشوروں میں شریک ہوتے تھے [2] جنرل بخت خاں کو آپ کی جلالتِ شان کا علم ہوا وہ حاضرِ خدمت ہوا، چنانچہ آپ نے جہاد کا فتویٰ لکھا۔ مفتی صدرالدین خاں نے دستخط کئے۔ مولوی عبدالخالق، مولوی سرفراز علی، مولوی ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی کثیر التعداد علماء نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کا اثر اچھا ہُوا۔ ٹونک، جے پور، آگرہ وغیرہ سے بغرضِ جہاد لوگ آنے لگے۔

جنرل بخت خاں کی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑی قدر بڑھ گئی۔ مولوی ذکاءاللہ لکھتے ہیں:۔

"جنرل بخت خاں خلوت و جلوت میں جب چاہتے بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوتے۔ کوئی پابندی نہ تھی۔ بادشاہ نے عید کے موقع پر حسبِ ذیل شعر لکھ کر بھیجا ؎

لشکرِ اعدا الٰہی آج سارا قتل ہو
گورکھا گوجر سے لے کر تا نصاریٰ قتل ہو

مورچہ بندی جنرل بخت خاں نے شہر کا بالکل انتظام کر کے فوج کی تنظیم کی اور جگہ جگہ مورچے بنانے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی فوجیں جہاں تھیں اُن کے مقابلے پر دستے روانہ کئے۔

---

[1] عروجِ عہدِ انگلشیہ [2] رسالہ بغاوت ہند ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء

پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور پانچ سو رسالہ کے سپاہی چھ توپوں اور سامانِ اسلحہ کے ساتھ بخت خاں کے حکم سے باغپت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پل تعمیر کرنے سے روکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامانِ حرب کے علی پور روانہ ہوئی۔ سہ پہر کو یہ افواہ اُڑی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح ہوئی۔ اس کی وجہ سے عوام میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ دہلی سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت سے بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ جو شخص میدانِ جنگ میں کارہائے نمایاں کرے گا اُسے پانچ بیگھ زمین دی جائے گی اور اعزازی عہدہ بھی دیا جائے گا۔

بہادر شاہ نے عام راجاؤں اور نوابوں کو شرکت کے فرمان جاری کئے۔ معمولی رئیس جانسپاری کو تیار ہوئے۔ بڑے راجوں اور نوابوں نے جواب تک نہ دیئے بلکہ وہ انگریزوں کی پشت گری کر رہے تھے۔

غرضیکہ انگریزوں سے جنرل صاحب کا جہاں جہاں مقابلہ ہوا انگریز شکست کھا گئے۔ انگریزوں نے یہ رنگ دیکھے تو حکیم احسن اللہ خاں سے منشی رجب علی کے ذریعہ زینت محل اور مرزا مغل پر زور ڈلوانا شروع کیا۔ میگزین میں آگ لگوائی اور بارود کے کارخانہ میں باجرہ رنگا جانے لگا۔ ادھر مرزا الٰہی بخش شاہ عالم کے پوتے ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ روزانہ کے حالات قلعہ کا چمن لال اور بالمکند انگریزوں کو بھیج رہا تھا۔ جنرل صاحب کونسل کے سامنے اسکیم پیش کرتے انگریز کو اس کا علم ہو جاتا۔

مرزا مغل نے جنرل بخت خاں کی عام مقبولیت اور کامیابی دیکھ کر جنرل کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ دوسرے شہزادے بھی مرزا مغل کے ہمنوا ہو گئے۔ مرزا الٰہی بخش نے یہ خبر شہزادوں میں اُڑا دی کہ بخت خاں غلام قادر روہیلہ کے خاندان کا ہے اور وہ ہم لوگوں کی آڑ لے کر انگریزوں کو مُلک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ جب تک جنرل دلی میں آیا تھا حریت نواز فوج مرزا مغل کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتی تھی اب وہ مرزا کو منہ تک نہ لگاتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جنگی بساط میں رخنے پڑ گئے اور ہر بادشاہ روزانہ

دربار کرتے۔ مفتی صدر الدین خاں کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا۔ قاضی فیض اللہ کو عہدہ دیا گیا۔ وہ مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے۔

تیس ہزار لمبی میدان سے انگریزوں کو نکالنے میں جنرل بخت خاں کے ساتھ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا فتح الملک بہادر کے صاحبزادہ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ اور مرزا مینڈھو دوش بدوش دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ اب جس مورچہ پر جنرل صاحب شہزادوں کو لگاتے وہیں سے شکست کھا کر آتے یا بلا مقابلہ کے کمر کھول دیتے۔ بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں یہ واقعات پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے شہزادوں کو تنبیہ بھی کی مگر اُن پر الٰہی بخش کا جادو کارگر ہو چکا تھا۔ جنرل صاحب نے ۳۳ حملے انگریزوں پر کئے جس کی انگریزوں نے بھی تصدیق کی۔

چنانچہ مسٹر ولیم فورس لکھتا ہے:۔

"محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ باغیوں کی لیاقت کا اچھا ثبوت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی معمولی دشمن سے مقابلہ نہ کر رہے تھے۔ ان حملوں کی تعداد ۲۶ تھی ان میں سے ہر ایک نہایت ہی منظم اور باقاعدہ اقدام اور حملہ تھا۔ ان کے علاوہ بے شمار حملے دُور افتادہ چوکیوں اور ہراول پر ہوئے۔ یہ ہمارے آدمیوں کے بہت کم قریب آتے تھے اور یہ بھی اُس وقت جب اُن پر اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا مگر روزانہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ ان کی اس مستقل جرأت و بہادری سے کوئی چیز بازی نہیں لے جا سکتی تھی۔" [1]

چارلس بال لکھتا ہے:۔

"دشمن نے ہر سڑک پر ایک ایک فٹ زمین کے لئے لڑائی لڑی تھی اور بڑے استقلال کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر مقام پر قبضہ کیا تھا۔"

---

[1] غدرِ عظیم کا تذکرہ از ولیم فورس۔

ناکامیابی مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کا نتیجہ تھا کہ حریت نوازوں کی قربانیاں رائیگاں گئیں اور فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی۔

ظہیر دہلوی لکھتا ہے :-

"اس زمانہ میں یہ ستم ہوا کہ شمرو بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا اور جس میں سات سو من بارود تھا وہ اڑا دیا گیا۔ بارود کی عدم فراہمی کی وجہ سے تمام آلاتِ حرب بیکار تھے۔ دشمن دروازہ پر کھڑا تھا۔ باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی۔ بادشاہ پہلے ہی سے سوختہ جگر اور سوختہ سامان ہو رہے تھے۔ مرزا الٰہی بخش نے کچھ ایسا افسوں کیا کہ قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں گوشہ گیر ہونے میں عافیت سمجھی" [۱]

منشی رجب علی میر منشی ہڈسن کا خط حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لایا کہ بادشاہ کو رام کر لو۔ اس کو اور اس کے لواحقین کو گزند نہ پہنچے گا۔ باغیوں سے بادشاہ کو بچا لو۔[۲] وہ خط زینت محل کو دکھایا گیا اس نے بادشاہ کو آمادہ کر لیا۔ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آ گئے۔ میلسن لکھتا ہے :-

"باغی فوج کے سپہ سالار بخت خاں نے اس شب شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی لے گیا جن پر اس کو اعتماد تھا۔ بخت خاں نے ممکن الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ملک کے دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور یہ کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اس کے نام پر جنگ کو جاری رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں"

پچاس ہزار روہیلہ روہیل کھنڈ میں موجود تھا جو جاں سپاری کو تیار تھا۔ چنانچہ

---

[۱] داستان غدر [۲] تذکرہ عالم از رحیم بخش دہلوی مطبوعہ بلاقی داس ذکر بہادر شاہ
[۳] تاریخ غدر عظیم از میلسن۔

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :-

"بریلی میں ہر طرف کے مفرورین کا اجتماع ہے اور سب سردار مثل نانا راؤ پیشوا فیروز شاہ وغیرہ جمع ہیں - رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دوپٹہ کا سر سے بندھا ہُوا ہے اور اس پر گوٹہ لگا ہُوا ہے - آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکا ہُوا ہے اور چار چار طمنچے کمر میں لگے ہُوئے ہیں - دوہری تلواروں میں ڈاب رکھی ہوئی ہیں - گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کوداتے پھرتے ہیں - پچاس ہزار کا اجتماع بریلی میں موجود ہے" [1]

جنرل صاحب سیدھے لکھنؤ گئے - نواب بہو بیگم کے محل میں مقیم ہوئے - وہ اُن کی عزیزہ تھی [2] - پھر مولوی احمد اللہ شاہ کے شریکِ مہم جنگ آزادی رہے - شاہ صاحب کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے -

بہادر شاہ کی قید

بہادر شاہ مقبرہ ہمایوں میں تھے - پچاس گورے لے کر ہڈسن پہنچا - باہر کھڑا رہا - مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو باہر لائے - پہلے انہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں اُس نے سوار کر دیا - مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بَیل گاڑی میں سوار ہُوئے - بَیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے پہلے ہڈسن نے ہتھیار لئے اور ہر دو کو گولی مار دی اور شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا - لال کنواں پر بادشاہ زینت محل کی محل سرا میں ٹھہرائے گئے - نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے - ہڈسن نے ایک خوان میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے - سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے - ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اُس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا -

---

[1] داستانِ غدر [2] قیصر التواریخ

مقدمہ بغاوت خدا کی شان ہے دادا سے انگریز حقوقِ دیوانی لے اور اُس کے پوتے پر جو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ برسرِ اقتدار لا رہا تھا۔ اس پر بغاوت کا الزام عائد کیا جائے۔ ظالم انگریزوں نے یہ الزام مظلوم بادشاہ پر لگائے۔ ۴۹ انگریز قتل کرائے۔ وظیفہ خوار ہو کر حکومت سے بغاوت کی۔ فوجیوں کو ورغلایا۔ اس مقدمہ کے لئے لال قلعہ میں ایک پنچ مقرر کی۔ اس فوجی کمیشن کے صدر لفٹننٹ کرنل داس تھے۔ میجر پامر، ریڈ منڈر، میجر سائرس، کپتان راتھن، کپتان سلہ بیدل مترجم مسٹر جیمس، وکیل سرکار میجر الیٹ جے ہیرٹ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل تھے دیوان خاص میں مظلوم بادشاہ کو مثل قیدی کے لایا جاتا۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکند لال پیشکار بہادر شاہ چینی لال روزنامچہ نویس، حکیم احسن اللہ خاں اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے ہر ایک نے اپنی کرنی میں کسر نہیں رکھی۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس پیروکار مقدمہ تھے۔ بہادر شاہ نے اپنا بیان تحریری دیا۔ تمام الزام بخت خاں اور مرزا مغل کے سر تھوپا۔ خود انقلابی تحریک سے اپنے دامن کو بچا لے گئے۔

آخر ش عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ انگریز بادشاہ نے قتل کرائے اور ملک میں بغاوت پھیلائی۔ غرضیکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں۔ ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو رنگون جلانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا [۱]

بہادر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم، نواب زینت محل، اور جواں بخت اُن کے سالے ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے [۲] اُن پر بھی مقدمہ تھا اور بری ہوئے اور واپس آ گئے۔ زینت محل، جواں بخت وہیں رہے۔ چھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا جسے بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال

---

[۱] دہلی کی جانکنی صفحہ ۹۵ [۲] غالب کا روزنامچہ صفحہ ۳۸۔

نہایت عسرت سے بسر کئے۔

۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو عالمِ غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی۔ رنگون کی سرزمین میں پیوندِ خاک ہوئے۔

یہ تھی بہادر شاہ کی زندگی اور اُن کی سیاسی حالت، اب اُن کی شاعری کے متعلق چند کلمات سُن لیجئے۔

زندگی میں جو ظلم اس غریب بادشاہ پر ہُوئے سطورِ بالا سے ظاہر ہے ستم ظریفی یہ دیکھئے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اہلِ قلم کے لطف و کرم کا شکار رہا۔ مولانا آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے :-

"بادشاہ کے چار دیوان ہیں پہلی کچھ غزلیں نصیر کی اصلاحی ہیں اور کچھ کاظم حسین بیقرار کی، غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم ذوق کے ہیں"

ظفر کے کلام کو ذوق کا کلام بتانا ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مرزا غالب کے سوانح نگار نے رہی سہی متاع مرزا غالب کے حوالے کر دی۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ اس کے متعلق اپنی تالیف "ابوظفر بہادر شاہ" میں کافی بحث کی ہے۔ اس تاریخ میں گنجائش نہیں۔

تمت بالخیر
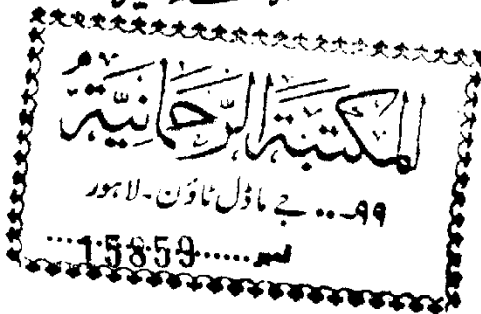
مسلمانوں کا عروج و زوال

تاریخ اسلام کی مستند کتابوں کا جامع خلاصہ جس میں خلافت راشدہ کے دور سے لے کر اب تک مشہور مسلمان حکومتوں، ان کی سیاسی حکمت عملیوں اور چودہ سو سال میں مسلمانوں کے عام اجتماعی، معاشرتی اور تمدنی احوال و واقعات پر گہرے مطالعہ کے بعد بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا ہے،

تالیف

مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ایم اے فاضل دیوبند
سابق پروفیسر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، ایڈیٹر ماہنامہ "برہان" دہلی

ادارہ اسلامیات لاہور
۱۹۰- انارکلی

اعجازِ عیسوی جدید

تألیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ

تحریفِ بائبل اور اس میں موجود تضادات پر نامور محقق کی نادر علمی تحریر
اردو کے نئے پیرہن میں ___ تردید عیسائیت پر حوالہ کی مشہور کتاب

تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
جناب مولانا حسین احمد نجیب

ادارہ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ○ لاہور ۲

اضافہ شدہ ایڈیشن

القاموس الجدید

عربی۔اردو لغت

پینتالیس ۴۵ ہزار سے زائد قدیم وجدید عربی الفاظ اور اُن کے مترادفات ومعانی، مروّجہ تعبیرات، محاورات، ضرب الامثال اور جدید علمی، اَدبی، فنّی اصطلاحات پر مشتمل مشہور ومعروف لغت۔

تألیف

مولانا وحید الزّماں قاسمی کیرانوی

استاذِ ادبِ عربی، دارالعلوم دیوبند

ناشر

اِدارۂ اسلامیات

۱۹۰-انارکلی لاہور ۲

اضافہ شدہ ایڈیشن

القاموس الجدید

اُردو۔ عربی لغت

تقریباً ساٹھ ہزار اُردو الفاظ اور اُن کے ہم معنی عربی الفاظ، محاورات وضرب الامثال، دفتری، اَدبی، فنی اور علمی اصطلاحات پر مشتمل مشہور ومعروف لُغت

تألیف
مولانا وحیدُ الزّماں قاسمی کیرانوی
استاذِ ادبِ عربی، دار العلوم دیوبند

ناشر
اِدارۂ اسلامیّات
۱۹۰-انارکلی
لاهور ۲

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہایت مفصل و مبسوط تذکرہ
حالات و سوانح، دینی و سیاسی خدمات، کارناموں اور اخلاق و کمالات پر جامع و تحقیقی کتاب

مرتبہ

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند
پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ نماز

ازقلم: مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

تاریخ اسلام کی داستان مؤرخ اسلام علامہ واقدی کی زبانی

فتوح الشام (اردو)

عربی کی مشہور تاریخی کتاب کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ،
جس میں شام و بیت المقدس کی فتوحات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
اور تابعین رحمہم اللہ کے ایمان افروز عظیم کارناموں کی پوری تفصیل
بیان کی گئی ہے۔ مترجم
جناب مولانا حکیم شبیر احمد انصاری

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی ○ لاہور ۲

بڑا سائز ۲۰×۳۰/۸ عمدہ کاغذ و طباعت
مجلد ڈائی دار

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

یعنی

مسائل تصوف قرآن کی روشنی میں

تحریر دلپذیر
جامع شریعت و طریقت
حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ

عنوانات: جناب محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

★

ناشر
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القرآن الکریم

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب

ترجمہ

یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملّت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

ادارہ اسلامیات

لاہور ــــ کراچی